Saber Multani's

Principles & Practice of Medicine (SimpleOrganoPathy)

ارسطوء زماں، ابنِ سیناء وقت محقق و مُجدّد طِبّ، حُجة الحق،
اُستاذ الحکماء و اطبّاء، ابو الشفاء، حکیمِ انقلاب المعالج

حضرت دوست محمد صابر ملتانیؒ
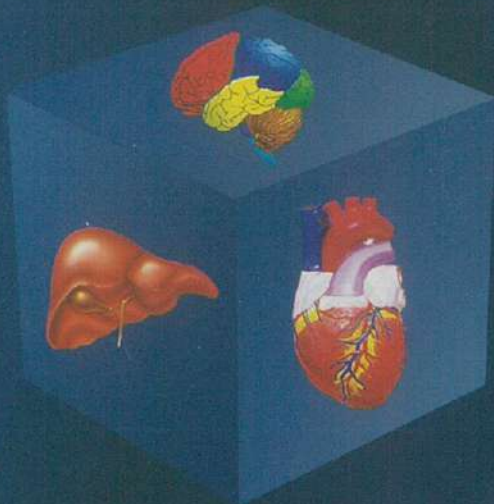
ختم نبوت ﷺ زندہ باد　　　　　　　　　　عظمت صحابہ زندہ باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈ من "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

- گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈ من کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی وغیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔
- گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریموو کر دیا جائے گا۔
- کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسیج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریموو کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔
- ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔
- اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈ من سے رابطہ کیجئے۔
- سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی و ذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

- تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔
- عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔
- **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**
- اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈ من سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسیج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریموو کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز
0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313

پاکستان زندہ باد　　　　　　　　　　پاکستان پائندہ باد

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو

Saber Multani's
Principles & Practice of Medicine (SimpleOrganoPathy)
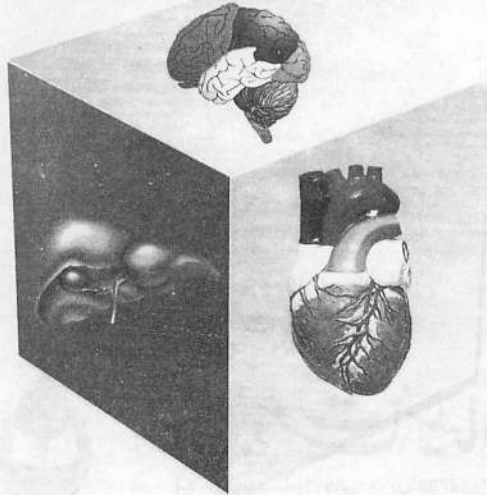
رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور • فون: 042-37232788
042-37361408 E-mail: sulemani@gmail.com
www.sulemani.com.pk, facebook.com/sulemani5

کتاب کا نام	کلیات تحقیقات صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ (جلد اول)
مصنف ومؤلف	حکیم دوست محمد صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ
ناشر	حکیم عروہ وحید سلیمانی
مطبع	آر۔آر۔ پرنٹرز
طبع اول	مارچ ۲۰۱۲ء
طبع دوم	اکتوبر ۲۰۱۵ء
تعداد	۱۰۰۰
قیمت	۱۲۵۰/- روپے

دست یابی

ترتیب کتب صابر ملتانیؒ

جلد اوّل

جلد دوم

حکیم انقلاب دوست محمد صابر ملتانی
کی تمام کتب الگ الگ بھی دستیاب ہیں۔
حکیم محمد یٰسین دنیا پوری اور نظریہ مفرد
اعضاء پر دیگر کتب کے علاوہ ہمہ قسم طبی،
ہومیو و ایلو پیتھی کتب کے لیے رابطہ کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

حکیم انقلاب دوست محمد صابر ملتانی کی شخصیت کسی تعریف وتعارف کی محتاج نہیں۔ آج سے تقریباً نصف صدی پیشتر آپ نے جو بیج ''طب مفرد اعضا'' کی شکل میں بویا تھا وہ اب ایک تن آور درخت کی شکل میں ہمارے سامنے کھڑا ہے۔ اس کے ثمرات صرف ہمارے خطے تک ہی نہیں بلکہ اس ربع مسکون کے کونے کونے تک پہنچے ہیں اور پہنچ رہے ہیں۔ تاہم نہایت افسوس سے کہنا پڑے گا کہ اس سے پیشتر جہاں سے بھی صابر ملتانیؒ کی کتب شائع ہوتی رہیں وہ معیار، خوبصورتی، کتابت کی اغلاط کے لحاظ سے نہایت ناقص تھیں۔ اور طب مفرد اعضا کے قارئین کو ہمیشہ دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن میں شکر گزار ہوں جناب حکیم معظم فرید صاحب کا جنہوں نے بالآخر اس کمی کو محسوس کیا اور حکیم انقلاب صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تحقیقات کو طبع کرنے کے حقوق ادارہ مطبوعات سلیمانی کو دے دیئے تاکہ ان کتب کو دیدہ زیب جلد، خوش نما کاغذ اور عمدہ طباعت کے ساتھ شائع کر کے قارئین کی اس تشنگی کو دور کیا جائے جو وہ آج تک محسوس کرتے آ رہے تھے۔

طب مفرد اعضا کے تحت پریکٹس کرنے والے حکماء میں سے چند ایک ہی ایسے ہوں گے جن کے پاس ہر وقت صابر صاحب کی تمام کتب موجود ہوں، کبھی کوئی مانگ کر لے گیا، کبھی کہیں گم گئی، کبھی کوئی وجہ، کبھی کوئی وجہ۔ سو ادارہ مطبوعات سلیمانی نے صابر صاحب کی تمام تالیفات کو ''کلیاتِ تحقیقاتِ صابر ملتانیؒ'' کے نام سے ایک مجموعے کی شکل دے دی ہے تاکہ یہ مجموعہ طب مفرد اعضا کے ہر حکیم کے پاس ہر وقت موجود رہے، اور انہیں مختلف کتابوں کو سنبھالنے کے جھنجھٹ میں نہ پڑنا پڑے۔ انشاء اللہ جلد ہی تمام کتب کو الگ الگ بھی اسی اعلیٰ معیار اور خوبصورتی کو برقرار رکھتے ہوئے شائع کیا جائے گا۔

اس مجموعہ کی تیاری میں عرصہ 2 سال سے زائد کا عرصہ لگ گیا۔ جو کہ ایک طویل اور صبر آزما مرحلہ تھا۔ لیکن اس مرحلہ میں میں خاص طور پر حکیم محمد ثناء اللہ حلاج، ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی اور کمپوزر جاوید اقبال صاحب کا خاص طور پر شکر گزار ہوں جن کے بھرپور تعاون کی بدولت آج یہ مجموعہ آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

حتی المقدور کوشش کی گئی ہے کہ کتاب کو اغلاط سے پاک رکھا جائے اور دیگر نقائص بھی دور کر دیئے جائیں۔ تاہم اگر پھر بھی کچھ اغلاط باقی رہ گئی ہوں تو آپ کی اطلاع ان اغلاط کو دور کرنے میں ہماری مددگار ہوگی۔ دیگر مفید مشوروں سے بھی مطلع فرمایئے گا۔ آپ کے اس تعاون کے لیے ادارہ آپ کا ممنون ہوگا۔

حکیم عروہ وحید سلیمانی

حرفِ تشکر

میں اپنے رب کا کروڑ ہا بار شکر گزار ہوں جس کے خاص فضل و کرم سے دوست محمد صابر ملتانیؒ کا مشن روز بروز پھل پھول رہا ہے، پاکستان کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے ممالک میں اس کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ لاکھوں لوگ اس طب مفرد اعضاء سے مستفید ہو رہے ہیں۔ میں شکر گزار ہوں ادارہ مطبوعات سلیمانی لاہور کا اور جناب حکیم عروہ وحید سلیمانی صاحب کا جنہوں نے میرے والد جناب دوست محمد صابر ملتانیؒ کے مشن میں ایک نئی روح پھونک دی ہے جن کے تعاون سے بہترین معیاری کتاب مارکیٹ میں آئی ہے۔ (اللہ تعالیٰ) ہم سب کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف بخشے۔ آمین!

آپ کی دُعاؤں کا طلبگار
حکیم مسلم ناصر صاحبزادہ حکیم دوست محمد صابر ملتانیؒ

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حکیم انقلاب جناب دوست محمد صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقی تخلیقات نئے دیدہ زیب ڈیزائن سے زیور طبع ہو کر آپ کی نظروں کی زینت بن رہی ہے۔ جناب حکیم انقلاب دوست محمد صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقی تخلیقات ادارہ مطبوعاتِ سلیمانی لاہور کے تعاون سے آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ ان تمام کتب کو جدید طریقۂ کتابت سے کمپیوٹرائزڈ کر کے عمدہ سفید کاغذ پر طبع کر دیا گیا ہے۔ میں ان تمام حاملین طب و حکمت اور اہل قلم حضرات کو ہدیہ تحسین پیش کرتا ہوں جو شب و روز اپنے استاد مجدد طب حکیم انقلاب دوست محمد صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے مشن کی تکمیل میں مصروف عمل ہیں۔ اور ان کے پیش کردہ نظریہ مفرد اعضا کی ترویج و ترقی کے لیے کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی اور زیادہ توفیق دے۔ آمین!

میں حکیم عروہ وحید سلیمانی صاحب کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں جن کے تعاون سے نہایت خوبصورت، اغلاط سے پاک **کلیاتِ تحقیقات صابر ملتانیؒ** آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہیں۔

حکیم معظم فرید صاحبزادہ حکیم مسلم ناصر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے جہاں اکبر واصغر (Microcosm/Macrocosm) کو قوانین فطرت وقدرت (Divine Laws) کے ایسے لازوال وتسخیری جملہ پہلو کے بے شمار انداز اور لاتعداد انواع واقسام کو "کن فیکون" کی بے مثل ضرب سے تخلیق کیا ہے، جس کی اساس اور علامتی اکائی (Fundamental Unit) انسانی جوہر (Essence) کی شناخت اور ترغیب کے اعمال وافعال ظاہریہ وباطنیہ پر ہے۔ یہی اساس ذرہ کو کائنات سے ہم آہنگ کرتا ہوا علوم مخفیہ واسراریہ کو منکشف کرتا ہے۔ اگر اسی ذرہ کو کائنات اور کائنات کو ذرہ کہا جائے تو بھی اساس میں فرق نہیں آئے گا کیونکہ انسانی جوہر میں اللہ تعالیٰ نے وہ تمام کمالات اور علوم وفنون وحکمت معجزانہ قوانین کی خاص ترتیب وترکیب کے ساتھ تخلیق کیے۔ اس کی حقیقت کو جب اسی جوہری اساس کی بصیرت وحکمت سے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو ذرہ سے کائنات تک ایک خاص نظام اور نظم ونسق وضبط کے ساتھ جاری و ساری نظر آتا ہے۔ اور جب تحقیق وتدقیق کی جاتی ہے تو عقل ماورائے حیرانگی اور قلب افہام وتفہیم کی اسراریت سے مدہوش ومخمور اور مسرور رہوتا ہے۔

اس کائنات کا خالق و مالک وہی شعور کل (The Total Consciousness) ہے جو اپنے اظہار کے لیے تخلیق کرتا ہے۔ اور یہ تخلیق ایک خاص ترتیب مرحلہ وار وتسلسل نظام کے تحت ہے۔ سب سے پہلے توانائی (Cosmic Energy) کو پیدا کیا جو کہ اصل میں روح کل (Cosmic/ Universal Soul) ہے۔ جس سے نورانی کرنوں (Photonic Cosmic Rays) کو کائنات کی فضاؤں میں بکھیر کر لاتعداد اور لامحدود قوتیں اور حرارت کا ایک جہاں آباد کردیا۔

دورِ حاضر کی جدید ترین تحقیقات سے پتا چلتا ہے کہ یہ جہان مختلف اجرامِ فلکی (Clestial Objects)، برقی مقناطیسی شعاعیں (Electromegnetic Radiation)، مقناطیسی میدان (Magnetic Fields) اور مختلف عناصر، پلازما (Plasma)، سیاہ مادہ (Dark Matter) وسیاہ توانائی (Dark Energy) پر مشتمل ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسانی میں وہ تمام اسرار مخفیہ وظاہریہ جو ہمیں کائنات کی وسیع ترین وسعتوں میں نظر آتے ہیں وہ انسان کے جوہر میں بشمول تمام قوتوں اور آفاقی حقائق سے مزین کی ہیں۔ اس لیے جہان اصغر (Microcosm) کا تعلق جہان اکبر (Macrocosm) سے اس قدر گہرا اور عین مطابق ہے کہ دورِ حاضر کی تحقیقات انسانی جسم کی ساخت کو کائنات کی حقیقتوں کی نقل کہتی ہے۔ اور یہ کہنا بجا ہوگا کہ انسان کو صحیح سمجھنے سے کائنات کا ادراک ہوسکتا ہے۔ جس کے لیے بے شمار علوم انسانیہ تاریخ کی گوناگوں حالات وواقعات سے پیدا ہو کر انسان کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک بیان کررہی ہیں۔ اور یہ علوم قیامت تک مسلسل انسان کی تخلیق کے حقائق کائنات کی وسعتوں میں تلاش کرتے رہیں گے۔

انہی علوم انسانیہ میں اہم ترین اور بنیادی علم "علم حکمت" ہے، جو تخلیق انسان کے آغاز سے تاریخ کے نشیب وفراز کا حصہ رہا ہے۔ جسکی چکاچوند دریافتوں سے انسان مسلسل حیرانگی کے سحر میں مدہوش رہا ہے۔ یہ دریافتیں آغاز میں فلسفیانہ مفروضوں (Philosophical Hypothesis) سے ہوتے ہوئے آج جدید سائنس (Modern Science) کے آلات کا منطقی حصہ ہیں جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی لازوال تخلیق بتاتے ہوئے اس کی وحدانیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ جیسے DNA کی دریافت، کوانٹم جمپ (Quantum Jump) اور انفجار کا مبری (Comburian Explosion) جیسے نظریات (Theories) سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ مخلوق ارتقاء یافتہ نہیں ہے۔

مطالعۂ تاریخ انسان سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ "علم حکمت" ایک انتہائی وسیع علم ہے جو کم وبیش تمام علوم کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے

جیسا کہ انسان اپنے اندر کائنات کو۔

ان علوم میں علم طب، علم حکمت کا خاص اور اہم ترین جملہ پہلو ہے جو انسانی جسم کی ساخت و ترتیب اور اس کی صحت و مرض کی حالت کو بیان کرتی ہے۔ علم طب کی تاریخ میں ہم حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک اس علم طب کے جملہ قوانین کو ایک بکھرے انداز میں پاتے ہیں جن کی حقیقتوں کو اکٹھا کرنے کے لیے مصری، بابلی، رومی اور یونانی حکماء، فلاسفر اور علماء نے مختلف نظریات دیئے جو زمان و مکان کی رفتار میں کہیں مجسم شکل میں آج بھی موجود ہیں اور کہیں ایک بازگشت کی طرح فضائے بسیط کا حصہ بن کر رہ گئے ہیں۔

دراصل جو حقائق انسان تخلیق انسان اور اس کے جوہر کی ساخت و ترتیب اور اس کی تشکیل و تکمیل کے جتنے قریب تھے وہ اتنے ہی مستقل اور مستقیم رہے۔ اور بقیہ نامعلوم گمشدہ راہوں کا حصہ بن گئے۔ آغاز طب اور اس کے موجد کے تعین کے بارے میں آئے دِن نت نئے نظریات جنم لیتے رہتے ہیں اور پرانی کتابیں قصہ پارینہ بن جاتی ہیں۔ لیکن اب تک کی تحقیقات جو خشتی تختیوں سے ماخذ ہیں ان کے مطابق علاقہ مابین النہرین (دجلہ اور فرات کی درمیانی پٹی) کو طب کا اوّلین مرکز قرار دیا گیا ہے۔

1952ء میں کریمر اور مارٹن لیوی (Karemer and Martin Lewis) نے سب سے پرانی خشتی تختی کو اوّلین طبی دستاویز قرار دیتے ہوئے یہ جائزہ پیش کیا تھا کہ علم طب کی ابتداء تین ہزار (۳۰۰۰) سال قبل مسیح سمیری سلطنت کی ایک قوم کے دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ میں آباد کرنے سے ہوئی۔ اور بعد از تقریباً ۲ ہزار جب سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو کر شمال اور جنوب میں بٹ جاتی ہے تو شمالی حصہ آشودیوں کے قبضہ میں آتا ہے۔ اسی لیے اس تحقیق سے اسقلی بیوس جو کہ حضرت ادریس علیہ السلام کا شاگرد تھا، پہلے طبیب کی صورت میں آتا ہے۔ اس کے بعد جالینوس کے دور تک اطباء کا تذکرہ ملتا ہے، جو علم طب کی بنیادی عمارت کو قائم کرتا ہوا ابوالطب بقراط کے عہد نامہ (HIPPOCRATIC OATH) تک علم طب کے بے شمار مباحث کو تشکیل دیتا ہے۔ جس میں نظریہ اخلاط (Humaral Theory) وارکان کو دلائل و ثبوت کے ساتھ پیش کیا (اور خصوصی طور پر WHO نے اس نظریہ پر خصوصی مقالہ جات اور تحقیقات ضبطِ تحریر کرائی ہیں)۔

جالینوس نے طب کو سائنس کا نام دیا۔ منافع الاعضاء (Physiology) میں سب سے پہلے جسم کے 6500 وظائف بیان کرنا، قویٰ کی فعلیاتی تشریح کرنا، امراض کا خوابوں سے تعلق بیان کرنا اور یہ بتانا کہ گردے پیشاب پیدا کرتے ہیں ایک غیر معمولی کام ہے۔ اسی طرح 500 عضلات کی تشریح کی اور معدے کی ساخت اور افعال کی مفصل تشریح کی۔

ارسطو نے اعصاب (Nerves) کی جو تحقیق کی وہ قابل قدر ہے اور قلب کو عروق دمویہ کا مرکز کہنا یقیناً غیر معمولی بصیرت کا ثبوت ہے۔ نیز ہضم معدی میں غذا کے چبانے کے عمل کی وضاحت ارسطو کی شخصیت کو اور مسلّم کرتی ہے۔

جارج سارٹن (George Sarton) لکھتا ہے کہ جالینوس سے ارسطو تک کی تحقیقات میں منافع الاعضاء (Physiology)، علم جنین (Embsyology) کے میدان میں تحقیقات نے علم طب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ حتیٰ کہ 622ء سے اسلامی عہد کے تابناک دور کا آغاز ہوا اور طب یونانی کی قسمت کا ستارہ چمکا۔ جب ان تحقیقات کی کرنیں عالم عرب کے ریگستانوں میں بسی بستیوں پر پڑتی ہیں تو عالم اسلام کی چکا چوند کرنیں علوم فنون و حکمت کے عرب اطباء و حکماء کو للکار للکار کر عالم قدرت کے رازوں سے پردہ اٹھاتی نظر آتی ہیں۔ جن کا مرکز آپ ﷺ کی ذات اقدس ہے جو کائنات کے ذرّہ ذرّہ کی حقیقت کو کلام الٰہی سے قریہ قریہ، لحہ لحہ، علوم و فنون و حکمت کو نیابت کمال معجزانہ انداز سے عالم نور سے بکھیر کر روشن کر دیتی ہے۔ اسی دور کی اساسی تحقیقات اور اضافات کی وجہ سے طب یونانی دراصل طب عربی اور طب اسلامی بن گئی۔ تحقیق کی اس روایت (جو مسلمانوں کی میراث ہے نے) فن طب کو مصر، بابل، اسکندریہ، یونان، روم، ہند، ایران، چین اور جاپان جیسے ذخیرہ نظریاتِ طب کو پس پشت ڈال کر اس طب کو بامِ عروج تک پہنچایا۔ اس میں حکماء حارث بن کلدہ اور الحکم دمشقی کی خدمات فن طب میں سنگ میل ہیں۔ عرب حکماء و اطباء کی

سب سے خوبصورت اور اہم ترین خدمات جو ہیں ان میں تمام گزشتہ طب کے نظریات کو منظم کرنا، مختلف نکات کا دریافت کرنا، اصطلاحات کا وضع کرنا اور پھر ان پر تحقیقات ثبت کر کے اصول وقوانین کو وضع کرنا ایسا کارنامہ ہے جو نہ پہلے دور میں ملتا ہے اور نہ بعد میں نظر آتا ہے، ہاں بعد میں اس کی باقیات سے استفادہ کی صورتیں نظر آتی ہیں۔

عہد نبوی ﷺ میں طب نبوی ﷺ جس کے دو اہم مآخذ قرآن اور احادیث شریفہ ہیں ان میں ایسے حقائق ہیں جو اسرارِ خفیہ اور ظاہریہ اور قوانین قدرت اور فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اور ہر دور میں اس کے اسرار و رموز دریافت ہوتے رہیں گے۔

حضرت دوست محمد صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جو علم اور سائنس قرآن اور احادیثِ شریفہ سے باہر ہے نہ وہ علم ہے نہ سائنس''۔

عہد نبوی کے بعد عہد خلافت راشدہ میں بھی طب نبوی ﷺ کے اثرات زیادہ نظر آتے ہیں۔ اور (612-661) اس عہد کے بعد عبدالمالک بن مروان (646-715ء) کے دور میں کئی ممتاز طبیب ماسرجویہ، تیاذوق اور ماہرین کیمیا خالد بن یزید (704ء) اور جابر بن حیان (776ء) کی گراں قدر خدمات نے نامیاتی اور غیر نامیاتی کیمیا (Organic & Inorganic Chemistry) میں بے شمار دریافتیں آج کی اطلاقی کیمیائی تعاملات (Applied Chemistry) کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

اس دور میں اور اس کے بعد تراجم بہت ہوئے جس سے اس کی ترویج وترقی میں اضافہ ہوا جس سے یہ حجاز مقدس، شام، مراکش اور الجزائر سے پھیلتا ہوا یہ کاروانِ علم وحکمت جبل الطارق، قرطبہ اور سسلی کے راستہ اٹلی تک کے علاقوں کو فیضاب کرتا گیا۔

ابن ماسویہ نے سب سے پہلے انسانوں سے مشابہت رکھنے والے جانور بندروں کا (DISSECSION) کیا اور تشریح (Anatomy) اور منافع الاعضاء میں گرانقدر اضافہ کیا۔ اسی کا مشہور شاگرد حنین بن اسحاق ہے جو عالم عرب کا سب سے بڑا مترجم ہے، اس نے خصوصی طور پر ہڈی کے گودے (Bone Marrow) کے بارے میں بتایا اور یرقان کے ضمن میں لکھا کہ مرارہ (Gall Bladder) سے نالی نکلتی ہے اس کا مند بند یا تنگ (Portal Hypertension) ہونے سے صفراء خون میں شامل ہو کر سارے بدن میں پہنچ جاتا ہے اسی طرح ورم الکبد (Heapatitis) صلابت الکبد (Cirrhosis) اور یرقانِ سدّی (Obstructive Jaundice) کے اسباب لکھے۔ اسی طرح جب ثابت بن قرہ نے جالینوس کے بے شمار رسائل کے تراجم کیے جس کی بنا پر بہت سے نظریات کی نہ صرف تصدیق ہوئی بلکہ اس سے نئی اصطلاحات میں بھی توضیع ہوئی۔

دسویں صدی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ طب اسلامی کی عظیم شخصیت ابوبکر محمد ابن زکریا رازی کی ہے، اس نے سب سے پہلے عصب راجع (Vagus Nerve) کی حنجری شاخ (Recurrent Laryngeal Nerves) کو معلوم کیا، آنکھ کے عضلہ ہدبیہ کے افعال پر روشنی ڈالی اور تاریکی اور روشنی میں اس کے سکڑنے اور پھیلنے کے عمل کی وضاحت کی۔ Small Pox اور Measls کے درمیان فرق بتایا اور امراض اطفال (Peadiatric) پر سیر حاصل بحث کی۔ اسی صدی میں علی بن عباس مجوسی نے ''کامل الصناعہ'' جیسی شاہکار کتاب لکھی جس میں عروق شعریہ (Cappellerries) کے نظام کو پہلی مرتبہ پیش کیا گیا۔ اس کے علاوہ کہ بچہ خود بطن مادر سے باہر نہیں آتا بلکہ یہ رحم کے عضلات کی انقباض (Utrine Contraction) حرکت کی وجہ سے اخراج کا باعث ہوتا ہے۔

ابوسہل مسیحی نے بھی اسی دور میں قلب کی کواڑیوں (Cardiac Valves) کی ساخت اور افعال کے متعلق اہم تحقیقات پیش کیں۔ پھر یہ پہلا طبیب ہے جس نے غذائی نالی (Easophagus) کے مختلف مراحل پر غذا کے انجذاب واستحالہ (Digestive Matabolism) کی تشریح فرق کے ساتھ بیان کی اور اس دور کی مایہ ناز اور ممتاز شخصیت ابن زہراوی جس نے آج کی جدید سرجری (Modern Surgery) کی بنیاد ڈالی اور بجا طور پر وہ علم الجراحت (Surgery) کا بانی تھا اور اس میں استعمال ہونے والے آلاتِ جراحیہ کو بھی سب سے پہلے علم الطب میں متعارف کرایا۔

گیارھویں صدی کے نامور محقق اور (Opthalmologist) ابن الہیثم نے کتاب ''المناظر'' لکھ کر آنکھ کی تحقیق میں ایسی دقیق باتیں

پیش کیں جن کی طرف قدماء کی نظر نہیں تھی اور آج تحقیقات نے گو کہ Lazer Technology کی مدد سے آنکھوں کے امراض کے حوالے سے نئے دور کو کھولا ہے لیکن اس کی بنیاد ابن الہیثم ہی نے جس نے Visual Perception کو جیسے بیان کیا آج تک اس میں ایک بھی لفظ کا اضافہ نظر نہیں آتا۔ عدسہ (Lens) کی اصطلاح کا وضع کرنا، اور شکبیہ کے عمل کی وضاحت اور (Coratoplasty) کی بنیاد کا سہرہ ابن الہیثم کے سر ہے۔

اسی صدی میں عالم طب کی سب سے ممتاز شخصیت شیخ الرئیس بوعلی ابن سینا کی ہے، جس کی شہرہ آفاق تصنیف ''القانون فی الطب'' (Cannon of Medicine) نے کئی سو سالوں تک یورپ اور دنیائے عالم طب میں راج کیا۔ [1] اور یہ پہلا محقق ہے جس نے یونانی حکماء کے خلاف یہ بتایا کہ سخت نسیج (Tough Tissue) مثلاً مثلاً ہڈی میں بھی سوجن اور ورم قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور یہ ورم اور سلعۃ (Tumour) کی پیدائش کا مقام بن سکتی ہے اور انیسویں صدی میں ماہیت الامراض (Pathology) کی جدید ترین تحقیقات آج اس بات کو نہ صرف تسلیم کرتی ہے بلکہ بہت سارے نکات اب بھی جدید ماہیت الامراض میں امراض خبیثہ (Oncology) میں ابہام کی طرح ہیں جو ابن سینا کی تحقیقات سے حضرت دوست محمد صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے تشریح کر کے ان کے جواب وضع کئے ہیں۔

ابن سینا کی تحقیقات میں اعصاب، عضلات، وریدوں اور شریانوں نیز ہڈیوں سے متعلق، امراض و علامات کے متعلق، ادویات عامہ و خاصہ اور ادویات قلبیہ کے حوالے سے اپنی نادر تحقیقات پیش کی ہیں کہ یوں لگتا ہے جیسے وہ ان کی تشریح بصیرت اور یقین کے ساتھ کرتا ہے جیسے جسم اس کے سامنے بالکل عیاں ہے۔ ہڈیوں کی ساخت اور ان کے رخ و اتصال باہمی، امراض تنفس (Respiratory Disorder) میں تنفس کی کیفیت و کمیت اور اس سے متعلق تغیریات کی تشریح جس انداز سے کی آج بھی ان کی اہمیت مسلّم ہے۔ اعصاب کی دو اقسام اعصاب شرکیہ، اعصاب خفیہ کی تشریح و وظائف لکھے۔

گیارھویں اور بارھویں صدی میں اور بھی کئی اطباء اور حکماء ہیں جن کی خدمات کا اعتراف ساری دنیا کرتی ہے اور انہوں نے طب کی ترویج و ترقی کے لیے جس جاں فشانی سے کام کیا قابل تحسین اور ناقابل فراموش ہے۔ ان میں جبرئیل بن عبداللہ، ابن ابی صادق، علی بن عیسیٰ، عبداللہ بن جبرئیل، اسمٰعیل جرجانی، ابوالبرکات بغدادی، ابن زہر، ابن رشد، ابن میمون، نجیب الدین سمرقندی، ابن سہل، عبداللطیف بغدادی اور ابن بیطار وغیرہ شامل ہیں۔

اسی طرح تیرھویں صدی میں شرف الدین، ابن القف (العمدہ فی الجراحت)، ابن نفیس (موجد نظریہ دوران خون) کے نام اس بات کا ثبوت ہیں کہ فن طب میں جس تحقیقی بصیرت پر ان اطباء و حکماء نے اپنی نایاب تحقیقات پیش کیں جو آج بھی فن طب کا نہ صرف حصہ ہیں بلکہ جدید طبی دنیا میں انقلاب کا باعث بھی ہیں۔

چودھویں صدی میں کمال الدین فارسی، منصور بن محمد اور ابن خاتمہ کی تحقیقات اسباب امراض کے حوالے سے نئی جراثیمی تھیوری کے نہ صرف اوّلین اسباق ہیں بلکہ مکمل طور پر علمی جامع مرقع ہیں۔ جن میں طاعون کی وضاحت کرتے ہوئے جراثیم کی مختلف اقسام کا جسم انسانی سے تعلق

---

[1] سر ولیم اوسلر (1848-1919ء) ابن سینا کی عظمت کو ان الفاظ سے خراج تحسین پیش کرتا ہے: (The most famous book ever written.)

اس کے علاوہ Singer, Charles, Ashowrth Underwood جیسے محقق کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ: (A short history of medicine.)

William Harvey اپنے مورث John Obery کو خط میں لکھتا ہے کہ

For knowledge go to the yountain head and read anstatle, cicero and aricenna.

ڈاکٹر مظہر حسین شاہ (مترجم ''القانون'') لکھتے ہیں:

Modern medicine is a continuation of aricenna's system of medicine alongwith its individuality and identity.

کو ثابت کرتی ہے۔

مجموعی طور پر اگر اس علمی و تحقیقی دور کی طرف نظر دوڑائیں تو ان حکماء و اطباء نے جو کارنامے سرانجام دیے ہیں، جو انسانی جسم میں کائنات کی حقیقتوں کو دریافت کرنے میں سنگ میل کا کام کرتی ہیں۔ عالم عرب کی یہ کوشش صرف ''علم طب و حکمت'' کے حوالے سے مخصوص نہیں ہے بلکہ کائناتی امور کی بیشتر حقیقتیں جو علم فلکیات (Astronomy)، علم طبعیات (Physics)، ریاضیات (Mathamatics & Geometry)، لسانیات (Linguistics)، علم الہندسیہ (Engineering)، علم کیمیا (Chemisty)، نباتیات (Botony)، علم جغرافیہ (Geography) اور علم فلسفہ و منطق (Philosophy & Logic)، مابعد الطبعیات (Meataphysics) وغیرہ میں دورِ حاضر کی جدید تحقیقات ان علوم کی کہن بنیادیں ہیں۔ کہیں ویسے ہی اصول و قوانین پر ہیں اور کہیں ابھی تک مشق جاری و ساری ہے۔ ہر دور کی تحقیقات و نظریات کے بدلتے نتائج ضروری نہیں حتمی ہوں اور قانونی شکل میں علمی و عملی ہوں۔ بعض اوقات ان کی تردید و اصلاح اور تجدید فن و احیاء کی ضرورت ہوتی ہے جس سے پرانے نظریات ایک سیڑھی کی طرح ہوتے ہیں جو نئے نظریات کے لیے راستے ہموار کرتے ہیں۔ اگر غور کریں تو انسان کی یہ تمام کاوشیں اسی ''حضرت انسان'' کو سمجھنے کے لیے خواہ وہ تحقیق کائناتی ہو یا مادہ کی پیدائش کی اوّلین صورت ہو یہ اسی انسان کو دریافت کرنے کے مختلف ذرائع ہیں۔

اسی طرح یہ علم طب جب عالم عرب سے یورپ، امریکہ اور روس تک جاتا ہے تو کئی سو سالوں تک ان حکماء و اطباء کے تحقیقی اور علمی مصادر میں مبتلائے جاں نظر آتا ہے۔ اور بعض یورپی اطباء حضرات کو صرف حکماء و اطباء عرب کی کتب کے تراجم کر کے سرخرو رہے۔ اور پھر اسی کے نام بعض جگہ پر ان کی تحقیقات وابستہ رہی، جیسے Culpepper جو کہ Western Houstic Herbalist ہے، نے ''القانون'' کا ترجمہ کر کے نام اپنا لگا کر Western Automatic Medicine کی بنیاد ڈالی۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس نے چینی طب (Chinese Medicine) میں Herbal Astrology کا اضافہ کر کے اپنی کتاب کو منفرد کر دیا اور مشہور و معروف رہا۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہ کہیں ابن سینا کا حوالہ دیتا ہی نظر نہیں آتا۔ اسی طرح William Harvey کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ یہ نظریہ دورانِ خون کا بانی ہے۔ حالانکہ W. Harvey سے 300 سال پہلے نظریہ دورانِ خون کا بانی علامہ علاؤالدین ابن نفیس ہے۔ 1242ء میں جو کئی صفحات میں وسیع انداز سے اس کی نہ صرف تشریح کرتا نظر آتا ہے بلکہ اس کے منافع اور افعال بھی پیش کرتا ہے (شیخ ڈاکٹر ابراہیم (نیویارک یونیورسٹی) نے اس حوالے سے ایک کیس تیار کیا تھا جو امریکہ کی یونیورسٹی میں 2004 پیش کیا کہ اصل نظریہ دورانِ خون کا بانی ابن نفیس ہے۔ اور اس کا فیصلہ بھی ابن نفیس کے حق میں رہا)۔

اسی طرح مغرب کی تنگ نظری اور کھوکھلی معاشرت اور کردار نے تحقیق کی روایت کو عالم عرب سے لیا اور اس پر اپنی اجارہ داری کرنے کی کوشش کی اور جاری بھی ہے۔

چودھویں صدی تک عالم عرب نے دنیائے عالم کو ورطۂ حیرت میں ڈالے رکھا اور اپنی تحقیقات سے ساری دنیا کو فیض یاب کرتے رہے، اور اس کے بعد والے حکماء و اطباء نے تقلید داریاہ کی اور انہی تحقیقات پر علمی و عملی اشکال پیدا کرتے رہے۔ اور کچھ یہی حال ہمیں یورپ و روس میں بھی ملتا ہے لیکن فرق صرف زاویہ اور نظریات کا ہے کہ حکماء و اطباء عرب قوانین فطرت و قدرت سے کائناتی اصول و قوانین کو وضع کرتے ہیں۔ جز سے کل اور کل سے جز کے اصول کو منطقی اثباتیت میں ڈھالتے ملتے ہیں لیکن اس کے برعکس یورپ و روس میں یہ شکل مختلف ہے۔ وہ جز سے جز کی طرف ہیں جس میں کل کی حیثیت کم ہے اس لیے ان کے نظریات میں تغیر زیادہ، وسعت کم، مشقت زیادہ، نتائج کم اور نت نئی چیزیں زیادہ اور ان کا ستعمال محدود ہے۔

اس لیے آج تک کی جدید ترین تحقیقات ممکن ہے کل تک قدیم ترین بن جائیں اور فرسودہ اور بے کار ہو جائیں اور ناقابل عمل ہوں یہ ظریات کی جنگ زندگی کے ہر شعبہ میں اور دنیا کے ہر حصہ میں نظر آتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ محقق انسانیت کے لیے اور اپنی استعداد کو نوانے کے لیے اپنی جان تک تحقیقات کی نظر کر دیتا ہے۔ لیکن جب نظریات کا رُخ غلط ہو تو وہ خدمات تو رہتی ہیں لیکن انسانیت کو نفع کم پہنچتا ہے۔

یہ طرۂ امتیاز حکماء واطباءِ عرب اور یونان کے حق میں جاتا ہے کہ ان کے نظریات آج بھی زندہ ہیں اور ان کی عملی صورت کسی نہ کسی شکل میں موجود رہتی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

ان ساری مباحث کی وجہ دراصل اکیسویں صدی کی اس عظیم شخصیت کے علمی وتحقیقی جستجو اور انتھک محنت اور کمال عرج وجدان والقاء کو خراج تحسین پیش کرنا ہے کہ جن کی کاوش اور دن رات کی مسلسل محنت نے اس نطۂ عالم عرب اور یونان کے نظریات کو ایک مرقع جان بخشی۔ عالم عرب اور یونان کے نظریات چیدہ چیدہ ضرور ایک طبیب سے دوسرے طبیب کی طرف تعلق کو وابستہ کرتے ہیں لیکن ایسا تاریخ میں کہیں نہیں دیکھا گیا کہ علم طب وحکمت کو ایک ایسی لازوال جامع اور ناقابل تسخیر شکل میں ایک ایسے نظام کے تحت بیان کیا ہو جو فطرت اور قدرت کے اٹل اور ناقابل تغیر قوانین کو وضع کرتا ہو، جو آفاق وکائنات کو تطبیق انسانی سے مزین کرتا ہو، جو پہلی مرتبہ حواس خمسہ باطنیہ کی عملی تشریح کرتا ہو، جو علم طب کے لاکھوں صفحات پر پھیلے علم کو انتہائی آسان اور عام فہم انداز میں بیان کر کے باقاعدہ منتظم کرتا ہو۔

چودھویں صدری کے بعد علمی وتحقیقی جمود کو توڑنے والی عظیم شخصیت حضرت دوست محمد صابر ملتانیؒ کی ہے جنہوں نے نہ صرف تجدید فن طب میں ایک نیا نظام ایجاد کیا بلکہ انسان سے متعلقہ اور وابستہ تمام امور جو نظام کائنات سے ذرہ زمان تک اور ذرہ مکان سے نظام آفاق تک کے حقائق کو انتہائی آسان انداز میں دریافت کرتے ہیں۔ علم حکمت وفنِ طب صدیوں سے اپنی تجدید وارتقاء اور کمال کے لیئے کسی مسیحا وقت کا شدت سے منتظر تھا۔ یورپ اور روس میں طب قدیم پر مظالم علمی وعملی طور جابجا تھے جس کی وجہ سے طب قدیم اپنی بربادی اور تباہی پر نوحہ کناں تھی۔ چودھویں صدی کے بعد عالم عرب سے لے کر برصغیر تک اور یورپ سے روس اور برطانوی راج تک جو علمی تحقیقات ہمیں ملتی ہیں ان میں یہ واضع ہے کہ ان ضمیر فروش تاجروں اور تنگ نظر سائنسدانوں نے علم طب کے مبادیات اور قوانین وکلیات کو اپنے حرص وہوس کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ حکماء واطباء اسلاف کی صدیوں کی محنت شاقہ سے کی جانے والی تحقیقات اور فطری مسلمہ حقائق کو مٹی میں رولا جارہا تھا۔ جب اطباء وحکماء فرنگی طب سے مرعوب ہوتے جارہے تھے اور فن طب کے نظریات اور تحقیقات کی فرنگی طب کے مطابق کرنے کے درپے تھے اور ایسا کرنے کو وہ فرنگی حصار میں بندھے حکماء واطباء تجدید طب واحیائے فن کا نام دے رہے تھے اور ان کی یہ خودغرضی فن طب کو انتہائی نقصان پہنچا رہی تھی یوں کہیے کہ جب فن طب کا بس جنازہ اٹھنے والا تھا تو ان حالات میں فن طب میں تجدید واحیائے فن وقت کی اہم ضرورت بن چکی تھی۔ اس وقت اللہ نے حضرت دوست محمد صابر ملتانیؒ جیسے مردِ جلیل کو فن طب اور احیائے علم کا مسیحا بنا کر پیدا کیا۔ جو حکیم انقلابؒ کے لقب سے مشہور ومعروف تھے۔ قادر مطلب نے فن طب پر تجدید اور اس کے احیائے کے لیے حکیم انقلابؒ کو کمال وعروج فن عطا کیا۔ جس پر حکیم انقلابؒ نے علوم وفنون وحکمت کی تجدید اور احیاء کی بنیاد قوانین فطرت کے عین مطابق رکھی اور حکیم انقلابؒ نے اس اصول کو ایک قانون کی صورت میں طبی دنیا میں پیش کیا۔

یہ نظریہ قانون فطرت کا ایک ایسا اصول ہے جو مادہ (Matter) اور جوہر (Essence) سے اخذ کیا گیا ہے۔ یعنی مادہ دراصل جوہر سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس طرح جوہر اور مادہ اپنے افعال واثرات کی حیثیت میں ایک ہی خواص وفوائد رکھتے ہیں۔ جیسے جوہر سے مادہ اور پھر مادہ کی مختلف صورتیں وکیفیات اور ان صورتوں وکیفیات سے ارکان کا وجود پھر ارکان سے اخلاط، پھر اخلاط سے اجسام کثیفہ ولطیفہ کی ترتیب اور پھر مفرو اعضاء کا بننا بنیادی حقیقت ہے۔ یعنی جب جوہر کوئی جسم اختیار کر لیتا ہے تو مادہ بن جاتا ہے اور جب مادہ کی تخصیص ہوتی ہے تو وہ ارکان بن جاتا ہے۔ جب ارکان محلول ہوتے ہیں تو اخلاط پیدا ہوتے ہیں اور جب اخلاط مجسم ہوتے ہیں تو مفرو اعضاء بن جاتے ہیں۔ انہی مفرو اعضاء پر حکیم انقلابؒ نے علم وفن طب کی بنیاد رکھی۔ ان میں خاص ترتیب، توازن، فعل وانفعال اور منظم ہم آہنگی اعتدال کی صورت ہو تو حالات جسم صحت کی حالت میں اور درست کام کرتے ہیں اور جب اعتدال نہ رہے تو مرض کی پیدائش ہوتی ہے۔ یہی قانون مفرد اعضاء (Simple Organopathy) تجدید طب واحیائے فن کا روح رواں ہے اور جدید طبی دنیا کے لئے ایک چیلنج بھی ہے۔

انسانی شعور کی وسعت کا اندازہ انسان کے انفرادی واجتماعی نظریات و کردار سے لگایا جاسکتا ہے۔ دنیائے عالم میں جتنے مفکرین، فلاسفر، حکماء واطباء آئے سب کی انفرادی شعوری ارتقاء نے انسان کے وجدان اور گمان کی قوتوں کو اجاگر کیا۔ اور یہی شعور اور تحقیقی اذھان اسلوب زندگی کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ ایجادات اور دریافتیں دراصل انسانی جوہر سے مادہ کے تعلق اور حقائق کو واضح کرتی ہیں۔ انسان ہی کے اسرار ورموز کو آشکار کرتی ہیں، کیونکہ تخلیق ایک ایسی قوت کا نام ہے جو کہ وجدانی وسائل کے ہاتھوں تشکیل پاتی ہے۔ یہی وہ مقامات واسباب ہیں جو کہ انسان کو نت نئے تجربات اور نظریات کے پیش کرنے پر اکساتی ہیں۔ یہ لازوال قوت اس شعبہ ہائے زندگی کے ساتھ جذبہ کی سچائی لے کر بالیقین ہو کر اس کو مقام فکر تک لے جاتی ہے۔ اور غور کریں تو اس قوت کا دریافت ہونا بھی تخلیق ہے۔ اور یہی تخلیق دنیائے عالم میں مفکرین، فلاسفر اور حکماء واطباء کی پہچان بن جاتی ہے۔ اور اس قوت کی وجہ سے حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک کے انسان کو اللہ تعالیٰ شعور کل (The Total Conscience) سے مسلسل فیض یاب کر رہے ہیں۔ یہ قوت ہی انسان کو شناخت اور انفرادی مقام عطاء کرتی ہے۔

یہ قوت کبھی افلاطون (Plato) کے ***"Idea"*** سپائی نوز (Baracnde Spinoza) کے ***"Substence"***، کانٹ (Immanuel Kant) کے ***"Ding an Sich"*** ہیگل (G.W.F. Hegel) کے ***"Welt-Geist"***، مارکس (Karl Marx) کے ***"K Lasse Kamp"***، شوپنہار (A.Schopenhauer) کی ***"Will to Live"*** نیطشے (Friedrich Nictzsche) کے ***"Will to power"*** اور ***"Superman"*** فرائڈ (Sigmund Freud) کے ***"Libido"*** ژونگ (C.G.Jung) کی ***"Psychic Energy"*** میں تو کبھی برگساں (Henri Bergson) کی ***"Elan Vtal"***، کارلائل (Thomas Carlyle) کے ***"Hero"*** علامہ محمد اقبالؒ (Allama M.Iqbal) کے ''مرد مومنؒ'' کو ظاہر کرتی ہے۔

یہی قوت انسان کو جب شعور وفکر عطا کرتی ہے تو انسان سے عظیم کارنامے صادر ہوتے ہیں جو کائنات وآفاق کے اسرار ورموز کو دریافت کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ حکیم انقلابؒ حضرت دوست محمد صابر ملتانیؒ نے بھی اپنی شعوری فرابست اور قوت مردمومن کی ترقی یافتہ غور وفکر سے طبی دنیا کا عظیم وشاہکار ''نظریہ مفرد اعضاء'' (Simple Organ Theory) دریافت کیا۔

قانون مفرد اعضاء (Simple Organo Pathy) نفس وآفاق کی وسعتوں میں جاری وساری وہ قانون ہے جو انسان کے نہ صرف فعلیاتی (Physiological)، کیمیائی (Biochenical)، نامیاتی وغیر نامیاتی (Organic & Morganic)، ماورائی (Paranormal)، ظاہری وباطنی (Visible & Invisible)، نفسیاتی وجدانی (Psychological & Inluitive) اور جنییاتی (Genetical) و ایٹمی/سالماتی (Molecular / Atomic) افعال کی تشریح کرتا ہے بلکہ انسان پر اثر انداز ہونے والے معاشرتی (Social)، معاشی (Economic)، طبقاتی، روحانی (Spiritual) تہذیبی (Civilized)، ثقافتی (Cultural)، سیاسی (Political) اور کائناتی (Universal) حالات کی عکاسی بھی کرتا ہے۔

قانون مفرد اعضاء (Simple Organo Pathy) صرف قدیم اور دور حاضر کی تحقیق نہیں ہے بلکہ یہ ہر دور کی تحقیق ہے جو صدیوں بعد اللہ تعالیٰ اپنے نظام قدرت سے قوانین فطرت کے ذریعے آشکار کرتے ہیں، حکیم انقلابؒ ایک مدبر فلسفی کی طرح کائناتی حسن کی مخفی سچائی کو فطرت کے ازلی وابدی قانون کے ساتھ نظریہ مفرد اعضاء کا تصور پیش کرتے ہوئے ایک محقق طبی سائنسدان کی نظر سے جوہر (Essence) سے مادہ (Matter) اور پھر مادہ کی مختلف صورتوں کو انتہائی عمیق پختگی کے ساتھ تخلیق کائنات وانسان کو فضاء میں بکھرے رنگوں کو نظام حیات سے تطبیق دے کر کرتے ہیں۔

یقین جانیے آج کی ترقی یافتہ سائنس ابھی بھی ایسے بہت سے فلکیاتی (Astronomical)، طبعیاتی ومابعد الطبعیاتی (Physical &

(Mataphysical) اور روحانی (Spiritual) وجسمانی وحیاتیاتی (Biological) سوالات کے سامنے خاموش کھڑی نظر آتی ہے۔ کیونکہ آج کی سائنس کا مرکز مادی جسم کے افعال واثرات اور اس کے جزوی وکلی خدوخال ہیں۔ اور سائنسدان برسوں سے مادی جسم پر تحقیق کر کے مادی جسم کے راز افشاں کرتے رہے ہیں، جس کے نتیجے میں آج مادی جسم کا کافی سائنسی علم رکھتے ہیں۔ جبکہ انسان کے باطنی علم کو نہیں جانتے جیسے جوہر سے کیفیات کا تعلق/ واحد انرجی (Whole Energy) سے ارکان کا تعلق/ ارکان کی بنیادی خصوصیات سے اخلاط کا تعلق/ اخلاط سے ارواح وقویٰ کا تعلق/ کیفیات اور اخلاط سے کیمیائی تعاملات وارتقاونشوونما کا تعلق وغیرہ یہ ایسے عنوان ہیں جس کا جواب سائنس آج تک نہیں دے سکی لیکن طب مفرد اعضاء اس کا نہ صرف جواب دیتا ہے بلکہ اسکی ماہیت، ساخت، افعال واثرات اور تخلیقی اسباب پر سیر حاصل بحث بھی کرتا ہے۔ یہ نظریہ اس سے پہلے تاریخ میں کہیں نہیں ملتا۔ اور جب تک سائنس ان چیدہ سوالات کا جواب قانون مفرد اعضاء کی حکمت وبصیرت کی روشنی میں نہیں دیتی ناممکن ہے کہ جدید دور کے امراض خبیثہ سے جنگ میں ہم کامیاب ہوسکیں۔

عالمی ادارہ صحت (WHO) کی مسلسل تحقیقات وتجربات اور نتائج کے باوجود ابھی تک کئی ایسے امراض ہیں جن کی تشریح بھی ممکن نہیں ہوسکی علاج تو دور کی بات ہے ایک اندازے کے مطابق پوری دنیا میں امریکہ سمیت ہر 58 سیکنڈ کے بعد ایک شخص کینسر (Carcinoma) سے مرتا ہے۔ کروڑوں کی تعداد میں لوگ HVC اور ایڈز (AIDS) جیسے امراض میں مبتلا ہیں اور ان امراض کے پیدائش اور اسباب کے حوالے سے میڈیکل سائنس ابھی تک خاموش کھڑی ہیں۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کے پیچھے کئی قومی، سیاسی، معاشرتی، عالمی ومعاشی مفروضات اور ذاتی مفاد واقدار جیسے اسباب ہوتے ہیں جن کو عوام الناس کے سامنے لانے سے گریز کیا جاتا ہے۔

طب مفرد اعضاء ایک فطری سائنس ہے جو جدید میڈیکل سائنس سے کئی سو سال آگے ہے اور اس کے جوازات اور دلائل بھی دیتی ہے۔ حضرت دوست محمد صابر ملتانیؒ نے جو تحقیقات چالیس سال کی عرق ریزی سے کی اور انتہائی ایمانداری سے عوام الناس کے سامنے پیش کیں اسکی مثال ہمیں اپنے خطے میں کم ہی ملتی ہے۔ یہ کلیات تحقیقات صابر ملتانیؒ ان دن رات کی انتھک محنت اور خون جگر سے لکھے گئے نظریات وتحقیقات کا ذخیرہ ہے جس کی وجہ سے آج کی جدید میڈیکل سائنس کی بنیادیں تہہ وبالا ہوگئیں ہیں کیونکہ قانون مفرد اعضاء کی بے شمار خصوصیات وصفات ہمیں جدید میڈیکل سائنس کی کھوکھلی تحقیقات کا بانڈہ پھوڑتی ہیں۔ سائنس کے پاس حقیقت کو واضح کرنے کا کوئی باقاعدہ نظریہ یا اصول نہیں ہے کیونکہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس کے جدا جدا اجزاء کے الگ الگ تصورات ونظریات ہیں جن کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں بنتا۔ اس طرح سائنس کا موضوع احساس وادراک (Preception / Sensation) کے تینوں بنیادی مراتب مادہ (Matter) حیات (Life) اور نفس (Aura/Soul) ہیں لیکن یہ سوال کہ ان کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ مادی جسم اور غیر مادی جسم اور نفس وروح کا رشتہ کیا ہے؟ تو یہ حقیقت ظاہر ہے ان موضوعات پر بحث تو کی جاتی رہی ہے لیکن ان کے اصول مرتب نہیں کیئے جاتے رہے۔

دراصل سائنس حقیقت نفس الامری کا من حیث الکل مطالعہ کرنے کی بجائے اس کی جزئیات میں کھو جاتی ہے اور تا ایں دم ان متخرجہ نتائج وحقائق میں باہم تطابق وتوافق پیدا کرنے سے قاصر اور ہر نابغہ اپنے ماحول کے تحت حقائق کو جانچنے پرکھنے کے لیے جداگانہ طریق کا حامل ہے اور اس طرح ماحول سے معتقدات راسخ ہوجاتے ہیں۔ تو اب قدیم وجدید افکار کی روشنی میں یہ حقائق واضح ہیں کہ قدیم انسان کی تحقیقات کل سے جزئیات عاملہ وکاملہ کو ادوار منطق وفلسفہ سے استخراج کر کے مفروضوں کو نظریات اور پھر اصول وقانون کی شکل میں پیش کرتی رہیں ہیں۔

آیئے حکیم انقلاب کی تحقیقات سے استفادہ حاصل کرتے ہوئے طب مفرد اعضاء کی روشنی میں جدید سائنس کی تحقیقات کو ملاحظہ کریں۔

① علم وفن طب میں زندگی وکائنات، نفس وآفاق کو من حیث المجموع دیکھا جاتا ہے۔ اس کی عمدہ مثال امور طبعیہ ہیں۔ جو ارکان

(Fundamental Elements)، مزاج (Essential Temperament)، اخلاط (Essential Tissue Fluid /Humourus)، اعضاء (Organs)، ارواح (Soul)، قویٰ (Forces) اور افعال (Function) پر مشتمل ہوتے ہیں اور طبّی فلسفہ کے مطابق ارکان دراصل نفس و آفاق، زندگی و کائنات اور موالید ثلاثہ کے ابتدائی جواہر (Primary Essence) سائنس اور سائنسی علوم پر مبنی برحقیقت علوم ہیں جو حواس ظاہری سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا نتیجہ یکساں ماحول و حالات میں ہمیشہ دو اور دو چار ہی ہوا کرتا ہے ان سے انکار حقائق سے فرار ہونا ہے۔

اب کی جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں مادہ کا ارتقاء دراصل جوہر کی وہ لہریں ہیں جو بے مایہ نفس و آفاق میں پھیلی ہوئی ہیں یہ لہریں انرجی (Energy) کہلاتی ہیں۔ ولیم جیمز (William James) (1992) کے مطابق تمام مادی کائنات صرف لہروں پر مشتمل ہے یہ لہریں دو قسم کی ہیں۔ 1۔ محصور (bottled) جس کو **مادہ** کہتے ہیں۔ 2۔ آزاد (Unbottled) جنہیں **روشنی** کہا جاتا ہے۔ یہ لہریں کئی اقسام میں اور کئی رنگوں میں پائی جاتی ہیں کیونکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انرجی مختلف حالتوں میں تبدیل ہوتی رہتی ہے جسکی وجہ سے یہ کبھی مشینی (Mechanical) کیمیائی (Chemical)، برقی (Electrical)، تھرمل (Thermal)، سولر (Solar)، کشش ثقل (Gravity)، برقناطیسی (Electro Megnitic)، کائناتی (Cosmic) سے تخلیق ہو کر توانائی کی مختلف انواع میں تبدیل ہوتی ہے لیکن ان لہروں پر مشتمل توانائی کا اصل وہ واحد توانائی (The Total energy) ہے جو قدرت اپنی شعور کل (The Total Consciousness) سے پیدائش کرتا ہے۔ یہی لہریں جب باہم ہوتی ہے یا اکٹھی ہوتی ہیں تو مادہ کی صورت میں آتی ہیں۔ توانائی کی ہر قسم میں ورنگ میں فرق ہے۔ جو کیفیات سے علیحدہ ہوتی ہیں جدید سائنس دراصل مادے سے جوہر کی طرف جاتی ہیں۔ جیسے مادہ کا تجزیہ کریں تو وہ سالمات (Molecules) میں منقسم ہو کر ایٹم (Atoms) مل کر الیکٹران، پروٹون وغیرہ کے بعد برقیات (Electrone) کی مثبت اور منفی قوتوں میں تقسیم ہو جاتی ہیں جو کہ مادے کی جوہر کی طرف ایک انتہائی شکل ہے۔ درحقیقت یہی کیفیات ہیں (Primary Conditions of Elements) جو مادی وغیرہ مادی اجسام کا آغاز ہیں۔ اور یہ کیفیات ظاہری حالت میں حرارت، رطوبت، یبوست اور برودت ہیں۔ جن کی بنیادی صفات کی وجہ سے مادہ کا ارتقاء ہوا اور آغاز سے شکل و شناخت کی صفات سے نوازا گیا۔ الیکٹران کی حرکات اور اس کے مرکز سے نکلنے والی لہریں ہی لطیف حالتوں میں کائنات و آفاق کا حصہ ہیں زمان و مکاں بھی اسی میں داخل ہے۔ طب مفرد اعضاء (Simple Organo Pathy) جوہر اور مادہ میں کوئی فرق نہیں رکھتا بلکہ صفاتی و قدرتی طور ہیت بدل جاتی ہے کیونکہ جواہر اجسام لطیفہ ہیں اور مادہ ان کی صورت کثیفہ۔ تو یہ ثابت ہوا کہ جوہر اولی وہ واحد توانائی ہے جو حکم الٰہی سے ''کن فیکون'' کی آواز سے پیدا ہوتی ہوئی کیفیات اولی کا حصہ بن کر مادہ کی اشکال کو وضع کرتی ہے۔ تخلیق کائنات سے لے کر تخلیق انسان تک یہ واحد توانائی سے کیفیات اور پھر مادہ کی مختلف صورتیں نفس و آفاق سے تعلق قائم رکھے ہوئے ہیں۔ حکیم انقلابؒ نے اس کی وضاحت قرآن اور حدیث کی روشنی میں تفصیل سے بیان کی ہے۔

(۲) کیفیات سے ارکان یعنی آگ، ہوا، مٹی، پانی وجود میں آئے ہیں جن سے ہر نفس و کائنات کی تمام اشیاء وجود میں آئی ہیں اور ہر شے میں ارکان کی صفاتی / ذاتی خصوصیات دیکھی جاسکتی ہیں۔ جدید سائنس کہتی ہے کہ ارکان ذریعہ مفرد نہیں بلکہ مرکب حالت میں پائے جاتے ہیں۔ جو مختلف انواع و اقسام کے عناصر پر مشتمل ہوتے ہیں لیکن ان کی صفاتی حقیقت سے انکار نہیں کرتی ہے اور ان کے تغیرات مادہ کی مختلف حالتوں و اشکال کو جنم دیتے ہیں۔ حکیم انقلابؒ نے پہلی مرتبہ کیفیات و ارکان کو عالم الاشیاء و اجسام ظاہریہ سے تطبیق دی اور اس کے ماخذ و ماحصل اور اطلاقی افعال و اثرات مرتب کیے جو جدید سائنس کے بس کی بات نہیں ہے طب مفرد اعضاء (Simple Organo Pathy) کی شکل میں کلیاتی طور پر تطبیق دے کر جزیاتی تشریح کی ہے جبکہ جدید سائنس ابھی تک جزیاتی فعلیات کے مشاہدہ میں ہے۔

(۳) کیفیات و ارکان انسان جسم کا جوہر ہیں جو کہ ان چاروں کیفیات کے ملاپ سے ہوا تو ان کے عمل ور عمل، فعل و انفعال اور اثر و متاثر سے ارکان اربعہ کی ابتدائی ترتیب بنی اور پھر یہی ترتیب و ترکیب نے جسم انسانی کے ظاہری جوہر (VisibleEssence) اخلاط (Essential Tissue Fluid) کی

بنیاد رکھی۔ جس سے انسانی جسم کی بنیادی اکائی توانائی کی طرف سے ایٹمی صفت (Atomic Property) اور ساختی طور پر خلیہ (Basic Cell) کی شکل میں تشکیل ہوتی ہے۔ پھر طب مفرد اعضاء (Simple Organo Pathy) اس کو خلیات سے نسیج (Tissue) اور پھر اعضاء تک لے کر ایک نظام مرتب کرتا ہے۔

یہ نظام چار قسم کے خلیات عصبی (Nervous) عضلاتی (Muscular) قشری (Epithilial) اور الحاقی (Connective) پر مشتمل ہے جس کا اصل ارتقاء انسان کی تخلیق اور پیدائش میں مضمر ہے۔ حکیم انقلابؒ نے انسانی جسم کے آغاز کو بہت واضح کیا ہے کہ بطن مادر میں استقراء کے بعد مختلف حالتوں میں تبدیل ہو کر سولھویں دن (Embryo) تین قسم کے پردوں میں تقسیم ہوتا ہے جن کو Germ Layer کہتے ہیں۔ جسم کے تمام خلیات ونسیجات اور اعضاء ان تین تہوں سے بنتے ہیں اور یہی **"خلق فی ظلمت ثلث"** کی جدید ترین تشریح ہے۔ قانون مفرد اعضاء (Simple Organo Pathy) کے مطابق ہمارے جسم کا مکمل نظام اس Germ Layer سے تشکیل وتکمیل پاتا ہے۔

(i) **ECTODERM LAYER**: اس سے زیادہ تر دماغ، (Brain) حرام مغز (Spinal Cord) اعصابی جھلی (Nervous Membrane) حواس خمسہ (Sensory Nerves) اور (Motor Nerves) اور تمام جسم کے اعصاب (Nerves) بنتے ہیں جو کہ سارے جسم کی جلد میں پھیلے ہوتے ہیں۔

(ii) **ENDODERM LAYER**: اس سے گردے (Kidneys) جگر (Liver) لبلبہ و غدد ناقلہ وغدد جاذبہ (Exocrine/Endocrine Gland) ہر اور تمام غشائے مخاطی (Mucous Membrane) اور اندرونی طرف جلد کا حصہ ہیں۔ اس میں تمام Endocrinology اور اس سے متعلقہ غدد وغیرہ شامل ہے اور (Urinary & Gastro-Intestinal System) وغیرہ بھی شامل ہیں۔

(iii) **MESODERM LAYER**: اس سے جسم کے عضلات و دل (Heart & Muscles)، عروق اوردہ (Artries & Viens)، نظام دمویہ (Circulatory System) وغیرہ بنتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ الحاقی مادہ (Connective Tissue) اور اس سے ہڈیاں (Bone) غضروف (Cartileges) بال وناخن (Nail/Hair) اور طحال (Spleen) بنتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ جنین (Embryo) نو ماہ کے مختلف مراحل اور اشکال میں سے گزر کر پیٹ سے جنم لیتا ہے۔ جدید سائنس اس سے انکار نہیں کر سکتی کہ صرف یہ تین نظام ہی اصل نظام جسم انسانی ہیں جو طب مفرد اعضاء کی سچائی کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور جدید سائنس کی روشنی میں تمام جسم کی ساخت وفعل (Anatomy/Physiology) کو بیان کیا جاسکتا ہے۔

④ جسم کے اعضاء دراصل مفرد اعضاء یعنی خلیات (Cells) سے بنتے ہیں جو کہ اخلاط کی مجسم صورت ہیں اور ان میں جو اُس قوت (Force)، حرارت (Heat) ور توانائی (Energy) پائی جاتی ہیں جن سے ان کی ذاتی و انفرادی پیدائش اور نشوونما کی طاقت کے ساتھ استحالہ (Metabolism) حس (Irritibilty)، افزائش نسل (Reproduction) عمل تنفس و اخراج (Excretory System) اور تسنیم (Oxygen) وتغذیہ (Nutrition) اور تصفیہ (Purification) کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ چار اقسام کے خلیات بھی چار اقسام کے نسیج بناتے ہیں۔ جو ایک دوسرے سے نہ صرف مختلف ہے بلکہ اُنکی شکل اور ساخت اور انکی اغذیہ بھی مختلف ہوتی ہیں اور ان کا باہمی تعلق انسانی جسم کو مکمل کرتا ہے یعنی اعصابی ٹشو (Nervous Tissue) عضلاتی ٹشو (Musculer Tissue) غدی ٹشو (Epithilial Tissue) اور الحاقی (Connective Tissue) ہے۔ قانون مفرد اعضاء میں انہی نسیجات کو مفرد اعضاء قرار دیا ہے اور انہی کی مرکب صورت سے اعضاء بنتے ہیں۔

جدید میڈیکل سائنس کی ماڈرن فزیالوجی (Modern Physiology) کی تحقیقات سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ حکیم انقلابؒ نے جس

ترتیب وترکیب سے جسم انسانی کی ساخت وفعل کی تشریح کی ہے وہ اتنی جامع اور مفصل ہے کہ اس سے پہلے تخلیق و پیدائش انسان کے حوالے سے اس طرح تحقیق نہیں کی گئی اور نہ زندگی وکائنات کو اس نظریہ سے فطرت کے لازوال قانون کے تحت کبھی پہلے سوچا گیا ہے۔

⑤ تشریح البدن (Anatomy) وعلم الانسجہ (Histology) میں خلیات کا دل ودماغ اور جگر چیر کران کی انتہائی عمیقانہ وماہرانہ نظر سے ان کی ساختوں کا مطالعہ کر کے ایسے ایسے رموز کو منکشف کیا ہے کہ اس سے پہلے جدید میڈیکل سائنس ایسی تحقیق کو نہیں جانتی اور اگر قانون مفرد اعضاء کے تحت ان نظاموں کو بڑھایا جائے تو نہ صرف انسانی جسم کو سمجھنے میں آسان فہم طریقہ آجاتا ہے بلکہ بے شمار اصطلاحوں اور مشکل ترین ناموں سے بچ جاتا ہے مثلاً جدید میڈیکل سائنس نے انسانی جسم کے کم وبیش 220 مختلف اقسام کے خلیات کو دریافت کیا ہے اور ان خلیات کے نام اور مختلف ترین انواع جو شاخ درشاخ چلتی ہوئی مزید دشوار ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے طلباء واطباء کیلئے مشکلات پیش آتی ہیں حکیم انقلابؒ نے قانون مفرد اعضاء کی شکل میں ایسا نظریہ دیا کہ ان تمام خلیات کو یعنی 220 (مختلف اقسام کے خلیات) میں تقسیم کر دیا اور اس ترتیب وتشکیل سے جدید میڈیکل انکار نہیں کر سکتی۔ ماڈرن فزیالوجی کے مطابق یہ تمام خلیات دراصل Endoderm, Ectoderm اور Mesoderm سے تشکیل پاتے ہیں اور جسم انسانی کی مادی صورت میں بنیادی حیثیت کی حامل ہیں قانون مفرد اعضاء نے انکی مفرد اعضاء کے ساتھ تطبیق دی اور باقاعدہ نظام کے ساتھ بیان کیا اور ساتھ اسکے آپس میں فعل وانفعال واثر ومتاثر کو تفصیل سے بیان کیا۔

⑥ طب مفرد اعضاء نے کیمیائی ودموی تغیرات (Heamato-Chemical Veriables) کو مفرد اعضاء سے تطبیق دے کر مختلف امراض کے اسباب اور علاج معالجہ کی نئی طرح ڈالی۔

⑦ قوت مدافعت (Immunity) کا تعلق اعضاء کے ساتھ اور خون کا تعلق قوت مدبّرہ بدن (Vital Force) کے ساتھ دریافت کر کے ان دونوں قوتوں کا آپس میں معاونت، موازنت اور مماثلت کے لیے "**وزنوا بالقاسطاس المستقیم**" کا میزان قائم کر کے ثبوت کیا۔

⑧ قوت مدبّرہ عالم (The Universal Force) اور قوت مدبّرہ بدن کا آپس میں تعلق بتا کر قوت مدبّرہ عالم اور قوت مدتبرہ بدن کے زیر تحت نظامات قدرت میں فطرت کی قانون سازی اور جلوہ نمائی دکھا کر "**فطرت الله التی فطرالناس علیها**" کا سیدھا راستہ اور آسان وسادہ طریقہ بتایا۔

⑨ نفسیاتی اثرات مسرت وخوشی اور غم وفکر کا تعلق قلب وعضلات سے لذت وسرور اور خوف ومایوسی کا تعلق دماغ واعصاب سے ہے اور ندامت وشرمندگی اور غصہ وطیش کا تعلق جگر وغدد سے پیش کیا اور پھر ان کو دوران خون سے مربوط کرنا قانون مفرد اعضاء کا طرۂ امتیاز ہے۔

امریکی سائیکاٹرک ایسوسی ایشن (***American Phychaitric Association***) نے انسانی کردار ونفسیات کے حوالے سے شخصی، حیاتیاتی، جذباتی، معاشرتی اور وقوفی امراض وعلامات کیلئے ایک "**Catalogue**" تیار کیا ہے جس میں ہر نئے دن کے آغاز سے اضافہ بھی ہوتا جاتا ہے جس کا نام **DSM** یعنی ***Diagnostic and Statistical of Mental Disorders*** ہے اور ہر چند سال کے بعد اس کا "**Version**" تبدیل ہوتا ہے آجکل **DSM-V** مارکیٹ میں ہے لیکن اس میں کہیں بھی جذبات انسانی کو اعضاء سے تطبیق نہیں بتائی گئی اسی طرح عالمی ادارہ صحت نے جسمانی، ذہنی امراض کی تشخیص وعلاج کیلئے ایک معیاری ومقداری " **Qualitative & Quantitative Manual**" تیار کیا ہے جس کا نام **ICD** (***International Satistical Classification of Disease and Related (Health) Problem***) ہے اس میں بھی مفرد اعضاء سے نہ تعلق کو بتایا گیا ہے اور نہ جذبات کی حقیقت کو آج تک سمجھا جا سکا ہے۔ نفسیاتی عوارضات کے اسباب کو سب سے پہلے ایک اصولی وقانونی شکل میں قانون مفرد اعضاء میں نہ صرف بیان کیا گیا بلکہ اسکی تشخیص وتجویز کیلئے ایک مضبوط ومربوط نظام وضع کیا گیا ہے۔ اسی لیے قانون مفرد اعضاء میں جسم اور اعضاء کی باقاعدہ تقسیم (Systematic Classification) ہوئی

جس کی وجہ سے فطری اور منظم تشخیص وعلاج کو سمجھنے کے بعد علم طب ظنی نہیں رہتا بلکہ یقینی طریقہ علاج بن جاتا ہے۔

قانون مفرد اعضاء میں جسم کی درجہ بندی جو امراض وعلامات کے حوالے سے کی گئی ہے اس سے لاکھوں اقسام کی مختلف امراض وعلامات کی چھ منظم تحریکات میں تقسیم کر کے تاریخ طب وفن میں انقلاب پیدا کر دیا ہے جس سے مقابلے میں (DSM-V) اور ICD Manual کی حیثیت ماند پڑ جاتی ہے اور دوسری کئی امراض کا علاج اب تک ناممکن ہے اور تیسری اس میں امراض کے اسباب اور وجوہات کا ابھی تک کوئی پتا نہیں لیکن قانون مفرد اعضاء کی درجہ بندی سے یہ تمام سوال اب سوال نہیں رہے بلکہ ان کے جوابات ایک ذخیرہ علم میں انقلابی اضافہ بھی ہے اور علم وفن طب میں تجدید واصلاح بھی ہے۔

⑩ قانون مفرد اعضاء ان تمام اقسام کے علاج و معالجہ کے نظام سے ممتاز ہے کہ اس میں وٹامنی امراض و غذائی امراض (**Avitaminosis & Nutrition Disorders**) کو مفرد اعضاء سے تطبیق دے کر علاج ومعالجہ کو انتہائی آسان کر دیا ہے دیگر تمام اقسام کی اغذیہ کو ایک منظم ومربوط شکل میں پیش کر کے یہ بتایا ہے کہ اول قسم کا کامیاب علاج صرف غذائی نظام کے ردوبدل سے ہی ممکن ہے اس نظام سے دور حاضر کے جدید غذائی نظام کی بے شمار خامیاں بھی سامنے آ گئی ہیں قانون مفرد اعضاء میں غذاء بھی ارتقاء جسم اور اعمال وافعال کی وجہ سے ہے اس میں رطوبت غریزی (Vital Humour) اور حرارت غریزی (Vital Heat or Colidam Innatum) کی تشکیل وتکمیل ہوتی ہے اور غذا بھی اجسام میں نشوونما کا سبب ہے۔ (**Atkins Nutritional Approach**) بھی قانون مفرد اعضاء کی صداقت کا منہ بولتا ہے گو کہ وہ غذاء نظام میں مفرد اعضاء سے تطبیق اور متعلقہ اصلاح واستحالہ کو واضح نہیں کر سکا لیکن جسم انسانی میں غذائی نظام میں چربی (Fats) کی اہمیت اور لحمیات (Protiens) کی افادیت کو حرارت غریزی کے حوالے سے بیان کرنا، قانون مفرد کی سچائی کا ثبوت ہے **Atkins Diet Revolution** کے مطابق جسم انسانی میں چربی انسانی مشین کے خام پٹرول اور ایندھن کا کام انجام دیتی ہے اور یہی جمع شدہ چربی اس کی غذائیت اور خون بن کر جسم واعضاء اور خلیات کی پرورش وغذا اور نشوونما وارتقاء میں صرف ہوتی ہیں اس لیے Robert Atkins نے جسم کے اندر کیمیاوی تغیرات خصوصی طور پر موٹاپا (Obesity) کے حوالے سے Low-Carbohydrate Diet کو ترجیح دیتا ہے گو اس حوالے سے American Medical Association نے اس کو Cardio Vascular Disease کیلئے خطرہ بھی قرار دیا ہے لیکن قانون مفرد اعضاء تو اس حوالے سے اس کی تصدیق کرتا ہے کہ لحمیات سے پیدا شدہ بنیادی توانائی (Essential Protien) نہ صرف جسم کی ضروریات کو پورا کرتی ہیں بلکہ امراض قلب میں خصوصی اہمیت کی حامل ہے اور Essatial Protien وہ ہم لحمیاتی غذاء سے ہی لے سکتے ہیں اس سے Vegeterain Theory کی غلطیاں بھی سامنے آتی ہیں کہ صرف سبزیوں سے (کاربوہائیڈریٹس) سے ہم جسم کی بنیادی توانائی حاصل نہیں کر سکتے۔ گویا غذا کی بنیاد اور اصل چربی (Fats) اور کاربوہائیڈریٹس ہیں جو بطور غذا استعمال کیے جاتے ہیں جو جسم کو حرارت وآکسیجن کی صورت میں زندگی بخشتے اور اعمال وافعال کا ذریعہ بنتے ہیں۔

قانون مفرد اعضاء (Simple Organo Pathy) غذاء کو بھی جسم کے مزاج کے مطابق تقسیم کرتا ھے۔ اور امراض میں اسی اخلاط و مزاج کے حوالے سے تشکیل دیتا ھے۔

⑪ حکیم انقلابؒ کا اپنی تحقیقات میں یہ ثابت کرنا کہ ایک عضو (Organ) کے بیمار ہونے سے دوسرے اعضاء کی حالت کی وضاحت اور اس سے پیدا شدہ تغیرات جسم کا معلوم ہونا علم طب وفن میں انقلابی کمال ہے۔ جسم میں پیدا ہونے والے مسلسل عوامل تحریک (Stimulation) تسکین (Relaxation) تحلیل (Resolution) کو سمجھنے کے بعد ہم آسانی سے ایک عضو کی حالت یا تغیر سے دوسرے اعضاء بلکہ پورے جسم کی حالت اور مزاج کو نہ صرف صحیح سمجھ سکتے ہیں بلکہ اس مسلسل عمل کو کائناتی وآفاقی طرز حیات کا بنیادی سبب بھی قانونی شکل میں پاتے ہیں اس فکر سے

عالم اصغر (انسان) کا رشتہ عالم اکبر (کائنات و آفاق) سے نہ صرف منظم و مربوط ہوتا ہے جس میں کسر و انکسار و عمل و ردِّ عمل اور اثر و متاثر بھی پایا جاتا ہے۔

⑫　جدید میڈیکل سائنس نے علم و فن میں اتنے شعبہ جات (Discipline) بنا دیئے ہیں کہ طب و فن کا نظام انتہائی پیچیدہ ہو گیا ہے۔ اور اس ضمن میں جو امراض قلب کا **متخصص** (Specialist) ہے وہ امراض جگر و معدہ (Gastro-Hepatologist) کو سمجھنے سے قاصر ہے اور جو امراض دماغ و اعصاب (Neurologist) ہے وہ امراض عظام (Orthopedic) کو نہیں جانتا۔ اور ایک مریض کی علامات اگر اختلاف میں ہیں (حالانکہ ایسا نہیں ہوتا) یعنی جگر، قلب اور عظام کی تو وہ تین ڈاکٹرز کے پاس اپنی دواؤں کو تجویز کرائے گا اسی لیئے جسم ایک ہے۔ اس کے اعمال میں تحریک، تسکین اور تحلیل ایک مسلسل عوامل ہیں جن کے رازوں سے قانون مفرد اعضاء یوں پردہ اٹھاتا ہے کہ جیسے وہ اپنے سامنے ہوتا دیکھتا ہے۔ وہ جسم انسانی کے تمام شعبہ جات کو ایک منظم شکل میں اصولی و کلی طور پر بیان کرتا ہے جو آج تک کسی اور سائنس نے ابھی تک بیان نہیں کیا۔ اس لیئے جدید میڈیکل سائنس جن کو امراض کہتی ہے وہ قانون مفرد اعضاء میں علامات ہیں۔ باوجود اتنی تحقیقات کے جدید میڈیکل سائنس ابھی تک انسانی جسم کو نہیں سمجھ سکی اور یہ بے شمار غلطیاں (Errors) امراض تو پیدا کر رہے ہیں لیکن علاج کی سہولیات سے دور ہیں جدید میڈیکل سائنس کے چند Errors مندرجہ ذیل ہیں:

(i)　انسانی جسم صرف مادہ کی ترقی یافتہ شکل ہے اور اسکے تغیرات اس کے ذاتی مادہ کے حوالے سے منسلک ہیں۔

(ii)　انسانی جسم الوجود ایٹم اور مالیکیول سے بنا ہوا ہے اور اس کے افعال دراصل ***Physico-chemical*** کی مزید تشریح ہیں جو باقاعدہ فزکس اور کیمسٹری کے اصول پر قائم ہیں۔

(iii)　جذباتی حالات (Psychological Patterns of Emotions) دراصل جسم الوجود میں صرف کیمیاوی تغیرات (Chemical Change) کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

(iv)　مرض اور زندگی کا رشتہ پرانا اور وراثتی ہے۔

(v)　مرض کو جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(vi)　علامات کا علاج بھی اصل میں مرض کا علاج ہے۔ اسی لیئے علامت بھی مرض ہے۔

(vii)　مریض بتلائے مرض کا ذمہ دار نہیں ہوتا ہے۔

(viii)　جراثیم (Germs) ہی تمام سوزش و امراض کی بنیادی وجہ ہیں اور طفیلیات (Parasitic Organisms) ہی اصل میں تمام متعدی و سوزشی امراض کی وجہ ہیں وغیرہ۔

اسی طرح کے کئی نظریات ہیں جو بے بنیاد ہیں اور محدود ہیں جس پر جدید میڈیکل کی کھوکھلی بنیادیں قائم ہیں لیکن طب مفرد اعضاء ان تمام کے رموز و اسرار کو قانونی و اصولی طور پر بیان کرتا ہے اور ان غلطیوں کی وضاحت اور تدارک انتہائی منظم انداز میں کرتا ہے۔ جب جدید سائنس تحریک، تحلیل و تسکین کے اصل فلسفہ سے روشناس ہو گی تب یقیناً نہ صرف جسمانی امراض و تغیرات کا حل کھلے گا بلکہ کائناتی و آفاقی امور کو سمجھنے میں بھی مدد ملے گی جس سے ایک نئی دریافتوں کا سلسلہ چل نکلے گا۔ کیونکہ طب مفرد اعضاء ایک کائناتی و آفاقی سچائی ہے اور قانون فطرت قدرت کا اچھوتا قانون ہے۔

⑬　جب جسم انسانی کو ایک منظم اور مربوط نظام میں سمجھا جائے تو ایک طبیب صرف طبیب نہیں رہتا بلکہ اصل کشاف بدن بن جاتا ہے۔ اسی لیئے طب مفرد اعضاء میں یقینی تشخص (Ultimate Diagnosis) اور بے خطاء علاج (Systemetic Cure) ہی اس کو دوسرے تمام نظام

ہائے طب وصحت سے ممتاز کرتا ہے۔

یہ حقیقت اب سب پر آشکار ہو چکی ہے کہ علم التشخیص میں نبض شناسی (Pulse Reading) اور قارورہ شناسی (Urinalysis) کو بنیادی مقام حاصل ہے۔ طب یونانی (Greek Medicine) اور چینی طب (Traditional Chinese Medicine) کے علاوہ اور کسی طب میں نبض وقارورہ شناسی کی وضاحت نہیں ملتی۔ طب یونان میں نبض کی اتنی اقسام ہیں کہ نہ ان کو یاد کیا جاسکتا ہے اور نہ انکی عملی تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے۔ اور چینی طب میں نبض کی فلاسفی Yin, Yan اور Qi قوتوں کے گرداگرد گھومتی ہے جس سے حالات بدن تو سمجھ میں آتے ہیں لیکن تطبیق اعضاء، کیمیاوی و مشینی تعاملات، اخلاط ومزاج اور قویٰ باطنیہ وظاہریہ کی مناسب تشریح نہیں ملتی۔

حکیم انقلابؒ نے نبض شناسی اور قارورہ شناسی کو اس قدر آسان فہم اور منطقی ویقینی انداز میں پیش کیا کہ آج تک کوئی طب اس انداز سے پیش نہیں کرسکی۔

جدید میڈیکل سائنس نے جسم انسانی کی ترتیب اور اس سے پیدا شدہ تغیرات کی تشخیص کیلئے اب تک کم وبیش 7 کروڑ ٹیسٹ دریافت کر چکی ہے جس کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ لیکن ان بے شمار ٹیسٹوں کے باوجود یقینی تشخیص کا حصول مشکل ترین مرحلہ رہا ہے جو کہ ابھی بھی پیچیدہ ہے ان تمام ٹیسٹوں میں Laboratory Test، Rediological Test، Medical Imaging اور Nuclear Test وغیرہ ایسے مراحل ہیں جن میں بعض میں مریض کو انتہائی مشکل اور پیچیدہ مرحلہ سے گزرنا پڑتا ہے۔ مثلاً MRI اور Biopsy وغیرہ اور بعض میں مریض کا اتنا خون لے لیا جاتا ہے کہ خون کی کمی ہو کر مزید کمزوری پیدا ہو کر تشخیص سے پہلے ہی مریض راہی عدم ہو جاتا ہے۔ اب تک کی جدید Biotechnology اور Nano Technology کی مدد سے گو کہ بہت سے جدید انکشافات ہوئے ہیں لیکن کیا ان انکشافات کا فائدہ مستقل رہا؟ کیا حتمی تشخیص ممکن ہوسکی؟ یقیناً اس کا جواب ہاں یا نہیں کے درمیان میں کہیں ہے۔

لیکن قانون مفرد اعضاء میں نبض شناسی اور قارورہ شناسی سے تشخیص یقینی بن جاتی ہے اور خصوصی طور پر جب آپ کسی عضو رئیس میں پہنچ جاتے ہیں تو جسم کی ساری کیفیت اور حالت آپ کے سامنے دوں بدوں ہوتی ہے۔ یہ قانون مفرد اعضاء کا طرۂ امتیاز ہے کہ طب یونانی میں نبض کی اب تک 10 لاکھ اقسام دریافت ہو چکی ہیں اور نبض کی حالت اور انداز میں اختلاف پایا جاتا ہے جس سے بدن انسانی کے حالات، نباض کی انگلیوں سے ہوتے ہوئے ادراک واحساسات اور وجدان والقاء سے علم طب وفن کی زبان بن جاتی ہیں۔ لیکن اتنی اقسام کی نبض کو یاد رکھنا اور اس کا فہم وتجربہ حاصل کرنے کیلئے کئی عمریں چاہیں۔ لیکن قانون مفرد اعضاء نے مفرد سے مرکب نبض کو چھ مختلف نبضوں میں تقسیم کر کے سمندر کو کوزہ میں بند کیا ہے جسکی مثال تاریخ طب وفن میں نہیں ملتی۔

جدید میڈیکل سائنس نبض شناسی میں رفتار اور قرع میں کمی وبیشی کو بخار یا چند امراض قلب مثلاً Ischeamia / Arrythmias Atrial وغیرہ پر بنیاد بناتی ہے لیکن نبض شناس سے جسم کے حالات کو جاننا اور تمام امراض کی پوری سمجھ حاصل کرنا قانون مفرد اعضاء کو دوسری نظام ہائے طب سے ممتاز کرتا ہے۔ مشاہدات اور علامات پر نبض کو فوقیت حاصل رہی ہے کیونکہ ماہر فن نباض کیلئے نبض مریض کی اندرونی وبیرونی کیفیات اخلاط اور افعال الاعضاء کی افراط وتفریط اور اعتدال کے اسرار ورموز افشاں کر دیتی ہے اور اس طرح ماہر فن وطب جسم کے قلب سے ہوتا ہوا ہر خلیہ کے قلب تک رسائی حاصل کر لیتا ہے جس سے مفرد اعضاء کی تحریک، تسکین اور تحلیل کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

⑭ قانون مفرد اعضاء نے اخلاط کی کمی وبیشی کی پہچان اور اس وجہ سے پیدا ہونے والے تمام امراض کی تشخیص کو یقینی صورت دی ہے، جس کی وجہ سے نبض شناسی اور قارورہ شناسی کی افادیت واہمیت از سر نو زندہ ہو گئی ہے اور ایک طرف تشخیص میں آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں دوسری طرف تجویز وعلاج انتہائی آسان اور بے خطا بن جاتا ہے۔

⑮ حکیم انقلابؒ نے ماہیت امراض (Pathology) کے حوالے سے جو باریکیاں اور نکات بیان کیے آج سے پہلے ان کے حقائق سے

کوئی پردہ نہ اٹھا سکا۔ پچھلی دوصدیوں کی تحقیقات نے ماہیت الامراض کے حوالے سے جو معلومات اور تدقیقی تحقیقات پیش کی ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ قابل ستائش اور تعریف ہیں لیکن باوجود اتنی جدید ٹیکنالوجی اور آلات و وسائل کے وہ اس میں مہارت نہیں حاصل کر پائے اور بے شمار انتہائی باریک نکات تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔

قانون مفرد اعضاء وہ پہلی تحقیق ہے جو ان وسائل اور ٹیکنالوجی کے باوجود اصول و قانون پر ایسے شاہکار نکات اور عمدہ سمت بتاتی ہے کہ جدید سائنس ابھی ان تحقیقات سے بہت پیچھے ہے۔ مثلاً سوزش و اورام میں کیمیائی تغیرات (Chemical Pattern of Physiological Changes) جو مقام ماؤف (Infected Area) پر رونما ہو رہی ہوتی ہیں وہ عضوی و مشینی تحریکات (Organic & Mechenical Pattern of Stimulations) کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ جس کی دلیل اس مقام ماؤف پر کیمیائی تغیرات کی نقل و حرکت جس میں "Exaltation" سے "Exudation" اور پھر "Emigration" سے مختلف عوامل کا عمل تحلیل (Resolution) کر کے سوزش اور اورام کو ختم کر دیتا ہے۔ یعنی "Veso-constrition" سے "Veso-dilation" تک اور پھر "Replacement of Injured Cells" سے انفعال طبعیہ و کیمیاویہ (Physical & Chemical Actions) تک کا سفر عضوی تحریک کا محتاج ہے جو کیمیائی تعاملات میں تغیرات کا باعث بنتی ہیں اور یہ عضوی تحریک دراصل کسی ایک مفرد عضو (Simple Organ) میں تحریک کی وجہ سے رونما ہوتی ہے یعنی صرف عضلاتی تحریک (Vescular Stimulation) میں یہ عمل نہیں ہوتا بلکہ دوسرے احشاء و نسیجات کے مفرد اعضاء میں بھی مختلف انداز اور فعل سے واقع ہوتا ہے۔

اسی لیے سوزش کو سب سے پہلے قانون مفرد اعضاء نے زحمت کی بجائے رحمت سے منسوب کیا اور مدافعتی ردعمل کی صفت ضامن قرار دیا۔

اس کے علاوہ سوزش (Irritation) اور ورم (Inflamation) میں واقع فرق کا بیان کرنا اور دلائل سے ثابت کرنا، بخار (Fever) کی حقیقت کا بیان کرنا، درد کی مختلف صورتوں (Physical & Chemical Conditions of Pains) کو پہلی مرتبہ واضح کرنا، سائل دموی (Plasma) اور رطوبت مائیت دم (Lymph) اور سیرم (Serum) کا امتیازی فرق بیان کرنا، رطوبت طلیہ و دمویہ کی حقیقت بیان کرنا، ورم رخو (Oedema) کی حقیقت اور پیپ (Puss) کی افادیت کا بیان کرنا وغیرہ، غرض ایسے بے شمار حقائق ہیں جو ماہیت الامراض میں نئی جہات اور دریافتیں ہیں جو طبی سائنسی انقلاب پیدا کرتی ہیں۔

حکیم انقلابؒ اس صدی کی ایسی ممتاز ہستی ہیں جنہوں نے قدیم علوم و فنونِ حکمت کو نئی زندگی عطا کی۔ اس کے لازوال اصول و قوانین کو ایک ہنر مند اور صحت مند فطری حیثیت بخشی۔

آپؒ اکثر کہا کرتے تھے کہ ''میں طب قدیم کا نمائندہ ہوں اور میرا تعلق کسی جدید طب یا کسی نئے طریق علاج سے نہیں ہے اور طب قدیم جن بنیادوں پر قائم ہے وہ اصولی قدریں ہیں اور نہ صرف سائنسی قدروں کے مطابق ہیں بلکہ فطرت کے عین مطابق ہیں۔ جب تک کوئی قوانین فطرت کو غلط قرار نہ دے دے وہ طب قدیم کو غلط ثابت نہیں کر سکتا، اور فرنگی طب یا ماڈرن میڈیکل سائنس غیر علمی اور غلط ہے۔ یاد رکھیں کہ سائنس اور شے ہے اور ماڈرن میڈیکل سائنس اور شے ہے''۔

ہم نے آغاز سے انجام تک، تاریخ سے جدت تک چند مسائل اور ان کی حقیقت بیان کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ قانون مفرد اعضاء کو تاریخ کے صفحات سے لے کر مستقبل کے جدید امراض اور ان کے علاج تک اگر لکھا جائے تو کئی انسائیکلوپیڈیا بن جائیں گے لیکن پھر بھی کمی رہے گی۔ اور اس قانون سے طب قدیم کی خوشبو قوانین فطرت کا منہ بولتا ثبوت ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم انسان اور اس کی تحقیقات و معلومات آج کی جدید سائنسی اسرار و رموز سے کہیں زیادہ قوی اور پر مغز ہیں۔

حکیم انقلابؒ جس قدیم انسان کے اور اس کی تحقیقات علوم و فنون و حکمت کے داعی تھے وہ انسان روحانی، جسمانی، ذہنی، معاشرتی اور

وقوفی طور پر آج کے انسان سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ کیونکہ وہ اپنے باطن کے تشخص سے زیادہ واقف اور اپنی سوچ وفکر کا واضح علمبردار تھا۔ جس کی تصدیق آج کی جدید سائنس بھی کرنے پر مجبور ہے۔ مثلاً آج کے سائنسدانوں نے 1930ء میں AURA کی تصویر کشی (Kirlian Photography) کی اہلیت حاصل کی۔ Raymond Moody نے اپنی کتاب (1975) Life After Life کا موازنہ ایک کتاب Tibeten Book of Dead سے کر کے یہ ثابت کیا کہ موجودہ دور کی جدید طبیعات کا بھر پور مقابلہ کرتی ہے۔ کیونکہ قدیم انسان اپنے اسلوب، فکر، تہذیب وتمدن اور علوم وفنون حکمت میں ایک انفرادی حیثیت رکھتا تھا۔ جیسا کہ ہم نے تاریخ طب کے ادوار اور اس کے عروج باکمال کو یونان، روم اور دنیائے عرب سے لے کر آج تک کی جدید طبی تحقیقات کو قانون مفرد اعضاء کی انفرادی واجتماعی تشخص میں بیان کیا۔ اب تھوڑا سا تبصرہ حکیم انقلابؒ کے انقلابی ذہن کی طب قدیم کے انسان کی طرف رحجان اور اس کی جدت پر کرتے ہیں، جس سے نہ صرف یہ پتا چلے گا کہ قدیم انسان اپنے علوم وفنون وحکمت میں آج کی جدید سائنس سے انتہائی ترقی یافتہ تھا۔

انبیاء علیہم السلام کے معجزات جو کہ آج کی سائنس اپنے مشاہدات سے ثابت کرتی ہے مثلاً حضرت محمد ﷺ کا چاند کو انگلی کے اشارے سے دو لخت کر دینا اور معراج کا سفر کرنا وغیرہ، چاند کا ظاہری وتحلیلی جائزہ لینے کے بعد یہ معجزہ 240 کلومیٹر طویل اور 8 کلومیٹر چوڑی بالکل سیدھی دراڑ ایک حقیقت بن کر نظر آتا ہے، اور اسی طرح صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی کرامات کا تسلسل بھی تاریخ سے ملتا ہے، جو کہ عام حالات میں ناممکن ہیں، جس سے اس قدیم انسان کی قدوقامت، مدبّرانہ پہلو اور سائنسی روحانیت کی برتری سامنے آتی ہے۔

اہرامِ مصر (Paramids) کی عمارتیں، زیر سمندر ہزاروں برس پہلے کے شہرت کی دریافتیں اور Fagium کے مقام پر ایسی Paintings کا ملنا جن کے رنگ ہزاروں برس گزرنے کے باوجود آج بھی ہلکے نہیں پڑے اور جدید سائنس نہ Asphalt سے بنی ہوئی طویل سڑکیں بنا پائی اور نہ ایسے رنگ دریافت کر پائی اور نہ ابھی تک اہرام مصر کی عمارتوں کا سراغ لگا پائی ہے۔

ولیم کونگ نے ایک نظریہ پیش کیا تھا کہ 2500 قبل مسیح میں عراق میں طلائی الیکٹروپلیٹنگ کے ثبوت ملے ہیں۔ کیلی فورنیا میں COSO کے پہاڑی سلسلے کے قریب ہزاروں سال پرانا اسپارک پلگ (Spark Plug) کا ملنا، ڈاکٹر کولن فنک کے مطابق 4300 برس قبل مسیح مصر کے لوگوں کا بجلی استعمال کرنا، بغداد میں 2500 سال پرانی الیکٹرک بیٹری کا ملنا، 1800 قبل مسیح میں لکھی گئی کتاب Agasta Samhita میں الیکٹرک بیٹری کی تیاری کی تفصیلات کا موجود ہونا اور حضرت نوح علیہ السلام کا کشتی میں مہر (Tsohar) بنانا جس کا مطلب ایسی روشنی جو کہ سورج کی طرح ہو اور اسی طرح یہودیوں کی مقدس کتاب (Kebra Nagast) میں بھی الیکٹرک بلب کا ذکر ملتا ہے۔

مصری اور چینی تہذیب میں لاشوں کو محفوظ کرنا جو کہ آج تک محفوظ ہیں، لیکن جدید سائنس آج تک ایسا مسالہ تیار نہیں کر پائی کہ جسم کو محفوظ کیا جا سکے۔

Col. P.H. Fast کے مطابق امریکن مائن انجینئرز Seodel Pasco کے قریب ایک قدیم سیل پیک بوتل ملی ہے جو کہ حادثاتی طور پر ٹوٹ گئی اس میں موجود لیکوئیڈ کے چند قطرے ایک پتھر پر گرے اور وہ پتھر لحہ بھر میں مٹی میں تبدیل ہو گیا اور کچھ دیر بعد وہ دوبارہ اصلی شکل میں آ گیا، اور آج کی سائنس ابھی تک نہیں سمجھ پائی اور نہ ایسا کیمیکل ایجاد کر پائی۔

صرائے گوبی سے 1950ء میں 20 ہزار سالہ پرانے پتھر کا ملنا جس پہ کسی جوتے کے فٹ پرنٹ ہیں، ہزاروں برس پہلے اس قدیم انسان کے پاس کونسے ایسے فارمولے تھے جس سے وہ پتھر کو موم کر لیتے تھے۔

Nayan تہذیب سے دریافت ہونے والی 2500 برس قبل کی قدیم تختیوں میں ایسی تصویریں ملتی ہیں جیسے کوئی راکٹ/ جہاز اڑ رہا ہو، اور مصر میں عبیدوس کے مقام پر SETI-1 کا 5 ہزار سال پرانا قدیم معبد موجود ہے، جسے نومبر 1988ء میں دریافت کیا گیا۔ اس میں دیواروں اور

فہرست عنوانات

مختصر سوانح عمری حکیم انقلاب

آپ کا اسم گرامی دوست محمد، ادبی نام صابر اور والد گرامی کا نام حکیم نور حسین تھا۔ دُنیا طب آپ کو صابر ملتانی کے نام سے جانتی ہے۔ آپ کے مؤیدین نے آپ کو حکیم انقلاب اور مجدد طب وغیرہ کے القابات سے نوازا۔

ولادت و جائے پیدائش

آپ کی پیدائش 9 جولائی 1906ء کو مدینۃ الاولیاء یعنی ملتان چھاؤنی کے علاقہ میں ہوئی۔

تعلیم وابتدائی حالات

مڈل تک تعلیم کنٹونمنٹ سکول ملتان میں حاصل کی، مابعد انٹر کا امتحان بھی امتیازی نمبروں سے پاس کیا، اُردو فاضل، منشی فاضل اور عربی فاضل کے امتحانات لاہور (پنجاب یونیورسٹی) سے پاس کئے۔ آپ کا تعلق ایک علمی طبی گھرانے سے تھا۔ صابر ملتانی نے ابتدائی تعلیم اپنے ماموں سے حاصل کی۔ اس کے بعد حکیم حاذق زبدۃ الحکماء اور ممتاز الاطباء کے امتحانات انجمن حمایت الاسلام کے طبیہ کالج لاہور سے اعزاز وامتیاز کے ساتھ پاس کئے۔

طبیہ کالج میں فرنگی طب بھی جلوہ گر تھی۔ لہٰذا فارغ التحصیل حضرات اسی مخمصہ میں مبتلا رہتے تھے کہ ''جراثیمی نظریہ'' یا کیفیات و مزاج بالخاصہ کے مطابق علاج کریں۔

ایسی ہی صورت جناب صابر ملتانی کے ساتھ پیش آئی اور وہ عبدالحکیم تحصیل خانیوال میں قریباً ساڑھے سات سال تک ایلوپیتھی طریق علاج کے مطابق پریکٹس کرتے رہے۔ وہاں کے بڑے بڑے رؤسا بھی آپ سے بطور معالج مستفید ہوئے۔ مگر متجسسانہ ومحققانہ طبع اس غیر حقیقی وخلاف فطرت طریق علاج سے مطمئن نہ تھی کیونکہ اس کی بنیاد غیر علمی اور اپنے ہی اُصولوں کی نفی کرتی ہے۔ آخر کار آپ 1929ء کے لگ بھگ اپنے ماموں حکیم امجد حسن کے مطب پر آ گئے اور وہاں پر تبصرۃ الاطباء قسم کے رسائل پڑھنے شروع کر دیے جو کہ حکیم احمد دین شاہدروی کے طبی نظریات کی ترجمانی کرتے تھے۔ ان رسائل کے پڑھنے سے فرنگی طب کی بہت سی خامیاں سامنے آ گئیں اور آپ فرنگی طریق علاج کو خیر باد کہنے پر مجبور ہو گئے۔

ورود لاہور اور تحقیقاتی کام

لاہور سے قریب راوی کے شمالی کنارے شاہدرہ کی بستی میں موجد طب حکیم احمد دین شاہدروی نے طبیہ کالج قائم کر رکھا تھا اور اس نے نظریہ طب جدید پیش کر کے اطباء کو اس کے حسن وقبح کے معلوم کرنے کے لئے متجسس کر دیا۔ صابر ملتانی خوب سے خوب تر کی تلاش اور تحقیق حقیقت کے لئے 1930ء میں حکیم احمد دین شاہدروی کے ساتھ منسلک ہو گئے اور ایلوپیتھی، طب یونانی، آیورویدک اور ہومیوپیتھی

طریقہ ہائے علاج کا مطالعہ کرتے رہے اور ساتھ ساتھ تحقیقی کام بھی اپنی بساط کے مطابق جاری رکھا۔ آپ کے اس جذبہ اور ذہانت کو دیکھتے ہوئے حکیم احمد دین نے نا صرف آپ کو اپنے تحقیقاتی کاموں کا صدر بلکہ کالج کا پروفیسر مقرر کر دیا۔

بطور ایڈیٹر طبی خدمات

جناب حکیم دوست محمد صابر ملتانی ماہنامہ ''تبصرۃ الاطباء'' جو کہ حکیم احمد دین شاہدروی شائع کرتے تھے میں بطور ایڈیٹر کام کرتے رہے۔ اس دوران طبی تحقیقات کے سلسلہ میں ہندوستان کے جید اطباء سے ملاقاتیں کرتے رہے اور انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی سعی کرتے رہے۔ آپ کی انتھک کاوشوں سے نظریہ افعال الاعضاء نے بہت ترقی کی۔ ''تبصرۃ الاطباء'' کے علاوہ آپ حکیم احمد دین کا مجلّہ ''خادم الحکمت'' بھی چلاتے رہے۔ ان رسائل کے ذریعہ آپ نے اس نظریہ کو خاص و عام تک پہنچا دیا۔ جناب صابر کی ذہانت و محققانہ طبع آپ کو ہر آن جستجوئے خوباں میں رکھتی تھی۔ آپ کے سوالات علمی کے جوابات سے حکیم احمد دین بھی اکثر قاصر رہ جاتے اور آپ کی تشنگی مزید بڑھ جاتی۔ آپ ان جوابات کے حصول کے لئے دیگر نامور حکماء سے بھی رجوع کرتے مگر ان کی کما حقہ تشفی نہ ہوتی، ان حالات سے دِل برداشتہ ہوکر آپ نے دیگر طریقہ ہائے علاج کی طرف بھی رجوع کیا۔ مثلاً ہائیڈروپیتھی، الیکٹروپیتھی، کروموپیتھی، بایوکیمک اور ہومیوپیتھی کے علاوہ دیگر طریقہ ہائے علاج کی طرف رجوع کر کے ان کو اپنے مخصوص زاویہ نگاہ سے پرکھا۔ مگر کسی بھی طرح تسکین خاطر نہ ہوئی۔

طبی مصائب

جناب حکیم دوست محمد صابر ملتانی نے طب جدید کے نظریہ افعال الاعضاء کو بغور پرکھا مگر آپ اس نظریہ سے متفق نہ ہوئے، کیونکہ اس طریق علاج میں انسانی ڈھانچہ اور اس کی ساخت کی کوئی تشریح نہ تھی۔ نیز صرف خون کو تمام اعضائے جسمانی کی غذا تسلیم کیا گیا تھا اور جناب صابر کی طبع بلند کسی بے بنیاد نظریہ کو قبول کرنے سے اباحت کرتی تھی۔ لہٰذا آپ نے نئے سرے سے اس طریق علاج کو پرکھا اور حکیم احمد دین کی تحقیقات پر اعتراضات کئے جس کی وجہ سے حکیم احمد کے مؤیدین آپ سے سوءظن رکھنے لگے اور ممبران خادم الحکمت نے بھی اس کو ناپسند کیا۔ چونکہ اکیس سالہ تحقیقاتی کام کے بعد بھی آپ مطمئن نہ ہو سکے۔ لہٰذا آپ نے فن طب کو خیر باد کہنے کا ارادہ کر دیا۔ مگر بقول شاعر

چنداں کہ دست و پا زدم آشفتہ تر شدم
ساکن شدم میانہ دریا کنارہ شد

کی عملی تصور سامنے آ گئی۔

ایجاد وظہور نظریہ مفرد اعضاء

آپ ایک ہیضہ کے مریض کا علاج کر رہے تھے، طب جدید کے اصول کے مطابق معدہ و امعاء کی دوا نے مرض میں شدت پیدا کر دی تو آپ نے طب قدیم کے اصولوں کے مطابق علاج کیا اور مریض فوری شفایاب ہو گیا۔ لہٰذا آپ نے دوبارہ طب قدیم کا بنظر غائر معائنہ کیا۔ تحقیقات کے دوران آپ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ اخلاط اور مفرد اعضاء درحقیقت ایک ہی چیز کے دو مختلف نام ہیں، یعنی مفرد اعضاء درحقیقت مجسم اخلاط ہیں۔ لہٰذا آپ نے ان اخلاط محلولہ کو اخلاط جسم سے مطابقت دے کر پرکھا تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ کسی خلط کی پیدائش کے لئے کوئی غذا یا دوا استعمال کی جائے تو اس مفرد عضو میں تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً بلغم سے اعصاب و

دماغ، صفراء سے جگر و غدد و غشائے مخاطیہ میں اور سودا سے قلب و عضلات و متعلقہ اعضاء میں تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ اس اصول کو بنیاد بنا کر آپ نے نظریہ مفرد اعضاء کو اہل علم حضرات کے سامنے پیش کر دیا اور دیگر تمام طریقہ ہائے علاج کے حاملین و عاملین کو کھلے انعامی و مباحثاتی چیلنج دیئے مگر جواب بصورت سکوت موصول ہوا۔

تشریح نظریہ مفرد اعضاء

مروجہ عام طریقہ ہائے علاج مثلاً علاج بالضد (ایلو پیتھی)، علاج بالمثل (ہومیو پیتھی)، علاج بالخاصہ (طب یونانی و اسلامی) کو اگر دیکھیں تو ایلو پیتھک معالجین اخلاط اربعہ کو نہیں مانتے مگر چہار ٹشوز (انسجہ) کو ضرور تسلیم کرتے ہیں اور ان ٹشوز کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا بھی مانتے ہیں۔ مثلاً نروز ٹشوز (اعصابی انسجہ) اپی تھیلیل ٹشوز (غدی انسجہ) ہر خلیہ ایک زندہ حیوانی ذرہ ہے جس میں تصفیہ، تغذیہ اور تمیہ کی صفات پائی جاتی ہیں۔ طب یونانی و اسلامی بھی ان کو مفرد اعضاء تسلیم کرتی ہے اور بلحاظ تعداد بھی چار ہی تسلیم کرتی ہے۔ جن کی عملی طور پر دو صورتیں ہیں۔ ایک متحرک یعنی حیاتی اعضاء جن سے زندگی کو بقاء حاصل ہے، مثلاً دل، دماغ اور جگر جن کو ہم اعضائے رئیسہ بھی کہتے ہیں۔ دوم جامد، ساکن و غیر متحرک اعضائے جسمانی جن سے ڈھانچہ بنتا ہے۔ مثلاً کری، ہڈی، رباط وتر وغیرہ گویا جب اخلاط مجسم ہیئت اختیار کرتے ہیں تو یہی مفرد اعضاء بنتے ہیں۔ اخلاط دراصل ایک رقیق و سیال مادہ ہے جو غذا کھانے کے بعد اپنی صورت نوعیہ کے تبدل سے کبد انسانی میں پیدا ہوتی ہے اور یہی اخلاط جب اپنی ساخت میں کثیف و غلیظ ہوتی ہیں تو ٹھوس شکل میں مجسم ہو جاتی ہیں اور یہی اخلاط مجسم اعضاء کہلاتے ہیں۔ یعنی بالفاظ دیگر مجسم اخلاط ہی منفرد اعضاء ہیں اور چونکہ اخلاط اربعہ متغائر ہیں اس لئے بعد از تجسم و مشاکلت ان کا مزاج اور حقیقت بھی اپنی اصل کی مانند یعنی اخلاط کی طرح ہوتی ہے اسی طرح موجد نظریہ مفرد اعضاء نے ہومیو پیتھی کے ذریعہ بھی اپنے نظریہ کی توثیق کی ہے۔

ہومیو پیتھی کے موجد سیموئیل ہانمن نے روح انسانی کے متاثر ہونے کو بیماری کا نام دیا ہے، گویا ان کے نزدیک بیمار صرف روح ہوتی ہے۔ نیز اس نے میازم کی تین اقسام تحقیق کیں اور ان کی علامات پر روشنی ڈالی مثلاً سورا، سائیکوسس اور سفلس۔ لہٰذا علاج بھی ان ہی علامات کے تحت ادویہ کے استعمال سے بتلایا۔ گویا اس طرح ہانمن نے بھی ارواح ثلاثہ کا ثبوت فراہم کیا۔ مگر ہزار ہا علامات میں الجھ جانے کی وجہ سے ہومیو پیتھک طریق علاج بھی غیر منضبط اور پیچیدہ ہو گیا۔ نیز ان زہروں کے معدن اور جائے پیدائش پر بھی کوئی روشنی ان کے لٹریچر میں نہیں ملتی۔ جناب حکیم انقلاب نے جسم انسانی میں ان زہروں کی پیدائش کے مقامات کا تعین کیا اور بتلایا کہ ان تینوں زہروں کا تعلق اعضائے رئیسہ کے ساتھ ہے۔ مثلاً سفلس اعصاب میں جن کا مرکز دماغ ہے اور اس کی روح نفسانی ہے۔ سائیکوسس عضلات میں جن کا مرکز دِل ہے اور روح حیوانی ہے۔ سورا غدد و غشائے مخاطیہ میں جن کا مرکز جگر ہے اور روح طبعی ہے۔ گویا ان اعضائے رئیسہ کے درست کام سے یہ ارواح میں افراط و تفریط سے یہ زہر پیدا ہوتے ہیں اور ہر دو موافق و مخالف ثمرات اپنی اصلیت کے مطابق پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً سفلس کی علامات میں زکام، قے، دست، اخراج رطوبات و بلغم اور ہیضہ وغیرہ ہیں تو نظریہ مفرد اعضاء بھی ان کو اعصاب و دماغ سے متعلق مانتا ہے۔

سورا کی علامات، سوزش صدر، سوزش قارورہ، سوزاک عسر الطمث ہیں اور نظریہ مفرد اعضاء بھی ان کو جگر اور اس کے متعلقہ سے مانتا ہے۔ اسی طرح سائیکوسس میں ریاح، بے خوابی، قبض، بواسیر، خشکی کی زیادتی وغیرہ نظریہ مفرد اعضاء بھی ان کو قلب و عضلات اور اس کے متعلقہ حصص کے امراض و علامات میں شمار کرتا ہے، گویا بلغمی مواد کے تعفن سے آتشک، صفراوی مادہ کے تعفن سے سوزاک اور سوداوی مادہ کے تعفن سے بواسیری زہر پیدا ہوتا ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء کی خصوصیات محامد و انفرادیت

بلحاظ افعال الاعضاء، نظریہ مفرد اعضاء کے تحت جسم انسانی کو چھ حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔

۱ **اعصابی عضلاتی:** اس تحریک کا مقام نصف دائیں سر سے شانہ تک ہے۔ اس مقام پر زیادہ اثر بلغمی امراض یعنی سردی تری کا ہوتا ہے۔

۲ **عضلاتی اعصابی:** اس تحریک کا مقام دائیں شانہ سے جگر تک ہے مگر جگر اس میں شامل نہیں ہے۔ اس مقام پر سوداوی یعنی سرد خشک امراض کا اثر ہوتا ہے۔

۳ **عضلاتی غدی:** اس کا مقام جگر سے لے کر دائیں پاؤں کی انگلیوں تک ہے۔ یہاں ریاحی اور خشک گرم امراض کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔

۴ **غدی عضلاتی:** اس کا مقام نصف بائیں سر سے شانہ تک ہے۔ اس کا مزاج گرم خشک اور یہاں صفراوی امراض پیدا ہوتے ہیں۔

۵ **غدی اعصابی:** اس کا مقام شانہ سے لے کر طحال تک ہے مگر طحال اس میں شامل نہیں ہے یہاں زیادہ تر دموی اور گرم مزاج کا اثر ہوتا ہے۔

۶ **اعصابی غدی:** اس کا مقام طحال سے بائیں پاؤں کی انگلیوں تک ہے۔ یہاں پر بلغمی اور تر گرم امراض کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء کی مزید خوبیاں

① نظریہ مفرد اعضاء نے جس میں حصص کا تعلق کسی نہ کسی عضو رئیس کے تحت بیان کیا ہے، مریض کی جائے مرض بتلانے پر حکیم فوری مرض کا مقام اور وجہ سمجھ لیتا ہے۔ نیز مریض نبض و قارورہ دیکھ کر دیگر علامات بھی بتلا سکتا ہے۔

② نبض اور قارورہ کی تشخیص، جسمانی رنگت و ساخت وغیرہ کے بغور مطالعہ سے مرض کا صحیح مرکز متعین ہو جاتا ہے کیونکہ مرض کا تعلق کسی مفرد عضو سے جڑ جاتا ہے۔

③ دوائی علاج کے ساتھ غذائی معالجہ و پرہیز بھی سونے پر سہاگہ ثابت ہوتا ہے اور یہ نظریہ مفرد اعضاء کی معالجاتی روح ہے۔

④ صفراء کو بلغم اور بلغم کو سوداء اور سوداء کو صفراء کے ذریعے علاج کر کے اعتدال قائم کیا جاتا ہے جو عین فطرت کے اصولوں اور قوانین کے مطابق ہے۔

⑤ مرض کی تشخیص ہوتے ہی علاج فوری تجویز ہو جاتا ہے۔

⑥ علاج صرف مرض کا کیا جاتا ہے۔ جس کے رفع ہوتے ہی علامات از خود رفع ہو جاتی ہیں اور فرنگیوں کے متبعین کی طرح آئے دن بیماریاں دریافت نہیں ہوتیں کیونکہ نظریہ مفرد اعضاء نے مختلف بیماریاں اور ان کی وجوہ متعین کر دی ہیں۔

⑦ نظریہ مفرد اعضاء نے علاج میں تشخیص و معالجاتی سہولت پیدا کر دی ہے اور لا تعداد علامات کو محدود کر کے اصل مرض اور علامات میں فرق واضح کر دیا ہے۔ یہ خوبی کسی دوسرے طریق علاج میں مفقود ہے۔

⑧ دوشوں، اخلاط اور جراثیم تھیوری کا فرق ان کے محامد اور مفاسد قوی دلائل کے ساتھ پیش کئے ہیں۔

⑨ پہلے تمام امراض کو اعصابی کہا جاتا تھا اور دیگر بیماریاں لاعلاج متصور تھیں، نظریہ کے تحت قلب و کبد یعنی عضلات و غدد کے امراض

اوران کے علاج کا پتہ چلا۔

⑩ امراض کی تقسیم واحدیت سے بسط یعنی خلیہ مفردہ سے متعلقہ اعضاء تک کی ہے۔یعنی بیماریاں دراصل خلیہ کا متاثر ہونا ہے۔خلیہ سے نسیج یعنی (ٹشوز اور پھر یہ ٹشوز انسجہ) صورت اعضاء سے مجسم ہوتے ہیں۔

⑪ نظریہ مفرد اعضاء کے تحت حیوانی ذرّہ میں موجود تمام قویٰ پاور، انرجی، فورس، قلب وجگر و دماغ اوراس کی کیفیت کا پتہ چل جاتا ہے کہ کس کس مقام پر کیا کیا کیفیت ہے اور کیا کیا عوامل کارفرما ہیں۔

مخالفین سے نبرد آزمائی اور نظریہ کی ترقی

انسان کی روز اوّل سے فطری جبلت ہے کہ وہ متجسسانہ طبع رکھتا ہے اور تاوقتیکہ کوئی چیز اس پر روز روشن کی طرح واضح نہ ہو جائے وہ کسی نئی چیز کو قبول کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے اوراس کی طبیعت کسی نئی چیز کو تسلیم کرنے سے محترز رہتی ہے۔کیونکہ عرصہ ہائے دراز سے وہ جن طریقوں کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے وہ اس کے نزدیک بمنزلہ محکمات ہوتے ہیں۔اسی وجہ سے ہر عظیم نظریہ یا ایجاد پر ہر دور میں مخالفین نے طوفان برپا کیا حالانکہ وہی ایجادات مستقبل میں بہت ہی مفید ثابت ہوئیں۔مثلاً ٹیلی فون، ٹیلی ویژن، تسخیر قمر وزھرہ وغیرہ وغیرہ، مگر محققین کے لئے یہی مخالفت باعث اشداد مزید قوت ایجاد بنتی ہے۔بقول اقبال ؎

تندیِ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

جناب مجدد طب صابر ملتانی کے سامنے ابوحسین بوعلی سینا، امام رازی، بقراط، جالینوس، ابن جلیل اور ابن بیطار کی مشکلات، مساعی اور کارہائے نمایاں تھے۔

''القانون'' مدت تک ایلوپیتھک حضرات کی کتب نصابیہ میں شامل رہی اور یونانی معالجین تو آج بھی اس کے استفادہ کے مقر اور افادیت کے قائل ہیں۔ان امثلہ کو مدنظر رکھتے ہوئے جناب صابر اپنے مخالفین کو نہایت حوصلہ کے ساتھ مثبت جوابات دیتے رہے اور اپنے طریقہ علاج کا سائنٹفک ہونا ثابت کرتے رہے۔اس طرح جن لوگوں نے آپ کے نظریہ سے اتفاق کیا وہ آپ کے موئید ہو گئے اور بعض حضرات مخصوص وجوہ کی بنا پر مخالفت پر کمر بستہ رہے۔جناب صابر نے احباب کے اصرار پر اخبارات ورسائل وجرائد کے ذریعہ اپنے نظریہ مفرد اعضاء کو اہل فن کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیا، نیز حکیم غلام نبی ایم-اے کے رسالہ ''خزینہ حکمت'' میں بھی مضامین دینے شروع کر دیئے، جب یہ ذرائع ناکافی معلوم ہوئے تو اپنا ذاتی جریدہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔اس مقصد کے لئے مختار کوثری کے توسط سے حکیم غلام حیدر سہیل ساکن منڈی ہیرا سنگھ کا ماہوار جریدہ ''مداوا'' لے کر نظریہ مفرد اعضاء کا پرچار شروع کر دیا۔

ماہنامہ ''رجسٹرین فرنٹ'' کا اجراء

طبیبوں کی رجسٹریشن کے سلسلہ میں تحریک شروع تھی۔حکومت کی طرف سے طب یونانی کی رجسٹریشن کا وعدہ تھا بلکہ مختصر بورڈ بھی تشکیل دیا گیا تھا۔جب آپ نے محسوس کیا کہ حکومت اطباء کو بدون مراعات ہی رجسٹرڈ کرنے کی خواہاں ہے اور چند مفاد پرست خود غرض اور ناعاقبت اندیش اطباء بھی اس بے معنی رجسٹریشن پر تلے ہوئے ہیں تو آپ نے اس رجسٹریشن کو روکنے کے لئے ایک ماہنامہ ''رجسٹریشن فرنٹ'' کا اجراء کیا جو اپنے مقاصد کے حصول میں بہت کامیاب رہا اور غلط ولا یعنی طبی بورڈ توڑ دیا گیا اور اطباء کرام اس بے مقصد رجسٹریشن سے وقتی طور پر محفوظ ہوگئے۔نتیجتاً تمام ملک میں بذریعہ ''رجسٹریشن فرنٹ'' نظریہ مفرد اعضاء کی اشاعت شروع ہوگئی اور جگہ جگہ طبی حلقے اور ذیلی مراکز کا قیام عمل میں آ گیا۔مثلاً دنیاپور، ملتان، وہاڑی، خانیوال، میلسی، میاں چنوں، منڈی بہاؤالدین، سرگودھا، فیصل آباد، مظفر گڑھ، لاڑکانہ، راولپنڈی، وغیرہ وغیرہ۔

• نیز آپ نے مختلف مقامات پر بذریعہ سیمینار و خطابات نظریہ مفرد اعضاء پر بسیط روشنی ڈالی 3 ستمبر 1967ء کو دُنیاپور میں حکیم محمد شریف صاحب کی مساعی سے طبی کیمپ اور جلسہ کا اہتمام کیا گیا جو حد درجہ کامیاب رہا اور علاقے کے عوام وخواص اس طریقہ علاج سے مستفید اور روشناس ہوکر اس معجزانہ طریق علاج کے قائل ہوگئے۔

سرگودھا اور منڈی بہاؤالدین میں بھی جلسہ ہائے طبی بے حد کامیاب رہے۔

ماہنامہ ''رجسٹریشن'' فرنٹ کے ذریعہ آپ نے حکماء کو ان کے صحیح مقام سے روشناس کرایا اور صحیح طبی روح ان کے سامنے پیش کر کے اہل فرنگ سے مرعوب حکما کی سطحی سوچ ان پر واضح کی اور فرنگی حکما کی بیخ کنی کے لئے اس ماہنامہ کو بطریق احسن استعمال کیا۔مثلاً طبی فارما کوپیا مؤلف حکیم محمد حسن قرشی پر تنقید کرتے ہوئے صابر رقمطراز ہیں'' فارما کوپیا انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی عام طور پر قرابا دین یا مجربات و مرکبات برائے دستور العلاج کئے جاتے ہیں۔لیکن اس کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ مجربات و مرکبات کا ایسا دستور العمل جو حکومت وقت یا مسلمہ طبی جماعت کی طرف سے برائے عمومی علاج معالجہ شائع کیا جائے۔اس میں اس امر کا افہام و تفہیم لازمی ہوتا ہے کہ اس دور کے بہترین اور ہر طرح قابل اعتماد مجربات و مرکبات تسلیم کئے گئے ہوں اور ہر معالج ان کو بے خطر اور بے یقینی فائدہ کے زیر اثر استعمال کر سکتے ہیں۔لیکن فارما کوپیا کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ جو شخص بھی چاہے اپنی رائے کے مطابق جس قسم کے نسخے اسے پسند ہوں یا میسر آئیں ان کو اکٹھا کر کے شائع کر دے اور اس کا نام فارما کوپیا رکھ دے اس قسم کا فعل فن، قوم اور ملک کے ساتھ ایک خطرناک مذاق ہے۔کسی ملک میں بھی ایسا مذاق نہیں کھیلا جاسکتا۔کیونکہ اس میں دوسرے کی زندگی سے کھیلنے کے ساتھ ساتھ انسانی کریکٹر کی ذمہ داری کا سوال پیدا ہو جاتا ہے۔لیکن ہمارے ملک میں جہاں طبی شعور تقریباً مردہ ہو چکا ہے وہاں ایسے انسانیت سوز ڈرامے کھیلے جاتے ہیں اور غیر ذمہ دارانہ حرکات عمل میں آتی ہیں، صرف لالچ زر اور طمع دولت کی خاطر بلکہ دوسروں کو بے وقوف سمجھ کر لوٹنے کے لئے ایسے کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ایسے غلط قسم کے کھیل کھیلنے والوں میں ایک جناب حکیم محمد حسن قرشی بھی ہیں، جو ماشاء اللہ شفاء الملک کے خطاب یافتہ بھی ہیں افسوس انہوں نے فن و قوم اور ملک کو ایکسپلائٹ (EXPLOIT) کیا ہے۔دھوکے دے کر اور بے وقوف بنا کر فائدہ اٹھانے کی کوشش کی

ہے، وہ اس کتاب کا نام کچھ اور رکھ سکتے تھے۔ مجربات کا نام رکھ کر فروخت کر سکتے تھے۔ لیکن فارماکوپیا کے نام اور اس کے اہل فن پر اثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے خاص طور پر یہ ظاہر کر کے کہ وہ یورپی دستور العمل کے مطابق طبی فارماکوپیا پیش کر رہے ہیں، فن اور اہل فن پر کس قدر ظلم ہے یہ صرف دُنیاوی لالچ کے تحت کیا گیا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر اچھے برے طبیب نے لالچ زر کی خاطر فارماکوپیا شائع کر دیا، اور ملک میں بے شمار بے معنی فارماکوپیا مرتب ہو کر سامنے آ گئے۔

جناب حکیم قرشی نے اگر طبی فارماکوپیا (اگرچہ ادبی حیثیت سے یہ نام غلط ہے کیونکہ فارماکوپیا میں خود طبی تصور شریک ہے، اس کا صحیح نام یونانی فارماکوپیا یا اس سے ملتا جلتا ہونا چاہئے تھا) شائع کیا، دوسروں نے ان کی نقل میں دیگر ناموں سے فارماکوپیا شائع کرنے شروع کر دیئے۔ مثلاً ایک ان کے ہی ادارہ کے ایڈیٹر نے بال فارماکوپیا شائع کر دیا، اس طرح پاکٹ فارماکوپیا وغیرہ بے شمار ناموں سے فارماکوپیا نکل آئے جن سب کی ذمہ داری صرف جناب حکیم قرشی کے سر ہے۔ جاننا چاہئے کہ فارماکوپیا شائع کرنے میں چند قوانین، اصول اور ذمہ داریاں مدنظر ہوتی ہیں مگر جناب قرشی صاحب نے ان میں سے کسی کو بھی سامنے رکھنے کی کوشش نہیں کی، یا ہم یہ سمجھ لیں کہ وہ فارماکوپیا کی اہمیت سے قطعاً واقف نہیں ہیں، حقیقت بھی ایسی ہی نظر آتی ہے۔ کیونکہ جب وہ فارماکوپیا اور قرابادین میں فرق نہیں کر سکے تو لازماً تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ فارماکوپیا کی اہمیت سے واقف نہیں ہیں جیسے وہ اسی کتاب کے مقدمہ میں ص 12 پر تحریر فرماتے ہیں کہ اس مقصد کے لئے سب سے پہلے میں نے قرابادین کے شعبہ کا انتخاب کیا ہے۔ کیونکہ اس کی تجدید کی اطباء کرام عام طور پر ضرورت محسوس کر رہے ہیں اور حقیقت بھی یہ ہے کہ قرابادین سے غفلت کی وجہ سے ہمارا مطب کسمپرسی کے عالم میں ہیں۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قرابادین میں تجدید کرنا چاہتے ہیں (مگر فن تجدید سے بے خبر اور خالی الذہن ہیں)۔ البتہ کتاب کا نام طبی فارماکوپیا رکھ رہے ہیں۔

اس کتاب میں ایک دوسری عبارت میں صاف صاف واضح کرتے ہی کہ وہ فارماکوپیا اور قرابادین کو ایک ہی شئے سمجھتے ہیں۔ لکھتے ہیں آج طب جدید (یورپی طب) کے حامل ایک مستند قرابادین رکھتے ہیں (ذرا مستند قابل غور ہے) اور مرض کی تشخیص کرنے کے بعد وہ بلاغور و فکر (بلاغور و فکر بھی قابل غور ہے) قرابادین کا نسخہ لکھ دیتے ہیں مگر ایک طبیعت کو سینکڑوں نسخوں میں سے کوئی نسخہ لکھنا پڑتا ہے۔ (گویا فن طب صرف نقل نویسی ہے اس میں تدبیر و دلائل اور درس سے کام بالکل نہیں لیا جاتا) وہ جب قرابادین دیکھتا ہے تو اس میں ایک ہی مرض کے سینکڑوں نسخے لکھے ہوتے ہیں جن میں سے ہر ایک نسخہ کے ساتھ مجرب المجرب وغیرہ الفاظ ہوتے ہیں، اس حالت میں کسی ایک کا انتخاب بہت پریشان کن اور اضطراب انگیز ہوتا ہے۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حکیم قرشی یورپی طب کی نقل میں فارماکوپیا لکھنا چاہتے ہیں مگر اس کی اہمیت سے بالکل واقف نہیں ہیں اس کو قرابادین کا مترادف تصور کرتے ہیں، فارماکوپیا اس لئے نام رکھ رہے ہیں کہ اس کی اہمیت کو فارماکوپیا کے مساوی رکھنا چاہئے تاکہ مارکیٹ میں خوب بکے اور ان کی چاندی بن سکے۔ اس کا نام تجدید فن رکھ لیں یا تجدید کے نام پر دھوکہ سے دولت اکٹھی کرنا اور فن کی تخریب کرنا ہے۔

جاننا چاہئے کہ فارماکوپیا، قرابادین سے بالکل جدا قسم کی چیز ہے، قرابادین مرکبات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں مختلف اعضاء کے تحت ان ادویات کے استعمال کی صورت بیان کی جاتی ہے مثلاً اطریفلات دماغ کے لئے، سرمے آنکھ کے لئے، قطور کان کے لئے، سنون دانتوں کے لئے، پھیپھڑوں کے لئے لعوق اور خمیرہ جات دل کے لئے، جوارش اور سفوف معدہ کے لئے، حبوب امعاء کے لئے، عرق گردوں کے لئے، انوش دارو جگر کے لئے اور معجون اعصاب کے لئے، وغیرہ وغیرہ۔ گویا قرابادین کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ ترتیب مجربات کن طریقوں پر کرنی چاہئے اور ادویات کن اُصولوں پر باہم ملانا چاہئے، مگر حکیم قرشی نے اپنی طبی فارماکوپیا میں ان اصولوں کا کہیں

ذکر تک نہیں کیا۔ ان کا تجارتی مقصد صرف یہ تھا کہ نسخے اکٹھے کر کے مارکیٹ میں فروخت کرنے کے لئے جانے چاہئیں۔

جناب حکیم قرشی صاحب کی مجربات فروشی پر یہ کوئی پہلی کتاب نہیں مرتب کی گئی بلکہ اس سے قبل بھی مجربات فروشی پر کئی کتب فروخت کر چکے ہیں۔ بلکہ حکیم اجمل خان جیسے شہرت یافتہ شخص کا نام بھی بیچ چکے ہیں۔ وہی خون منہ کو لگا ہوا تھا کہ فارماکوپیا مرتب کیا گیا اور اس کے بعد بھی یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ اس کا دوسرا حصہ بھی مرتب و شائع کیا۔ مجربات فروشی پر بہت سی کتب مرتب کر کے یا کرا کے کیونکہ اکثر کتب انہوں نے پیسے دے کر دوسروں سے مرتب کرائی ہیں۔ بازار میں لائے اور یہاں تک دولت کمائی ہے کہ وہ کرایہ کے مکان سے اُٹھ کر کوٹھی نشین ہو گئے ہیں اور اسی دولت کے زور پر بڑے حکیم شفاء الملک اور رجسٹریشن بورڈ کے صدر بن گئے تھے۔ لیکن قدرت نے ان کی اُمیدوں کو خاک میں ملا دیا، بد سے بدنام برا۔

یہاں پر ایک حقیقت کا ظاہر کرنا نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ بد سے بدنام برا۔ جناب حکیم قرشی نے جب مجربات فروشی شروع کی اور انہوں نے دیکھا کہ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے اطباء نے بھی یہ سلسلہ شروع کر دیا ہے ''ہیں تو بڑے کائیاں'' تو فوراً دوسرے اطباء کو بدنام کرنا شروع کر دیا اور ان کے خلاف ایسا خاموش پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ فلاں فلاں اطباء مجربات فروشی کرتے ہیں مم کہ جن میں حکیم عبداللہ روڑی والے، حکیم عیسیٰ اور حکیم عبدالرحیم جمیل شامل اور قابل ذکر ہیں۔ بے شک یہ درست ہے کہ ان لوگوں نے مجربات فروشی کی ہے، مگر آپ نے کیا کمی رکھی اور ان لوگوں نے بھی یہ سبق آپ جیسے مجربات فروش سے سیکھا ہے، اگر یہ برے ہیں تو آپ کب اچھے رہ سکتے ہیں، گویا فن کی تباہی و تجارت آپ کے گھر سے شروع ہوئی ہے اور آج تک جاری ہے۔

جاننا چاہئے کہ فارماکوپیا ایسے مجربات کا دستور العمل ہے جو حکومت اپنی ریاست کے لئے ماہرین فن کی کونسل سے مرتب کراتی ہے تاکہ وہی دستور عمل تمام ریاست میں جاری رہے اور اس کے تحت ملک کے تمام معالج علاج کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، جیسے برٹش فارماکوپیا مرتب ہے جو ان کی حکومت کی زیرِ نگرانی ان کے ماہرین فن نے مرتب کیا ہے اور کسی ملک کے کسی فرد واحد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ فارماکوپیا کے نام پر کوئی مجموعہ مجربات یا مرکبات مرتب کر کے شائع کرے۔ یہ بدعت ہمارے ملک میں جناب قرشی نے شروع کی ہے۔ طبی فارماکوپیا کے مرتب کرنے سے متعلق جناب حکیم قرشی اپنا مقصد بیان فرماتے ہیں۔ کتب کے صفحہ 11 کے مقدمہ کی ابتداء میں لکھتے ہیں، ''اب عام طور پر اس امر کا احساس کیا جا رہا ہے کہ طب قدیم کے گزشتہ صد سال پر محیط عہد جمود و غفلت کی حرکت سے مبدل کر دیا جائے اور ہم ایک مرتبہ پھر اپنے اسلاف کی طرف سرگرم عمل ہوں''۔ سبحان اللہ کتنا بڑا دعویٰ ہے۔ گویا ریسرچ اور تحقیقات کرنے میں سند یافتہ ہیں اور ایسا ظاہر کر رہے ہیں کہ گویا ایک مدت تک وہ فن طب پر ریسرچ و تدقیق کرتے رہے ہیں۔ کیا عربی و فارسی کی چار کتب پڑھ لینے سے اور قانون منشی کا امتحان پاس کر لینے سے کوئی ریسرچ سکالر (RESEARCH SCHOLAR) بن جاتا ہے؟ جب حکیم قرشی صاحب دہلی میں طبی تعلیم پاتے تھے وہاں طبی کالج قائم نہیں ہوا تھا بلکہ معمولی ایک طبی درسگاہ تھی۔ وہاں سے آنے کے بعد آپ نے رسالہ الحکیم میں ملازمت اختیار کی، پھر طبیہ کالج لاہور سے زبدۃ الحکماء کا امتحان پاس کیا۔ فرمائیے آپ نے کہاں تحقیق و ریسرچ کا کام کیا؟ اور کس استاد کی راہنمائی میں یہ کٹھن منزلیں طے کیں یا صرف دولت کے زعم میں ہمہ دانی کا دعویٰ شروع کر دیا۔ آگے چل کر گزشتہ صد سالہ جمود و غفلت کو حرکت میں تبدیل کرنے کا طریق تحریر فرماتے ہیں اسی صفحہ 11 پر لکھتے ہیں: ''اس حرکت کے متعلق عمومی رائے یہ ہے کہ طب جدید کی اعانت سے طب قدیم میں اصلاح و اضافہ کیا جائے اور طب جدید و قدیم کی آمیزش سے ایک ایسی معجون مرکب تیار کی جائے جس کے اجزائے ترکیبی میں مشرق و مغرب دونوں کے عناصر پائے جائیں۔ اگرچہ ''خذ ما صفا ودع ما کدر'' اچھی شئی لے لو اور بری چھوڑ دو کا

معروف مقولہ ہمارے بزرگوں کا طریق عمل رہا ہے اور مسلمانوں نے طب یونانی میں عربی، ایرانی اور ھندی طب کی آمیزش سے پاک نہیں کیا تاہم ہمارے اطباء کا ایک گروہ ابھی تک اس قسم کی تجدید کے لئے آمادہ نہیں ہے''۔

''ایک بام دو ہوا'' قرشی صاحب دوغلی بات کہنے میں اپنے اندر ایک خاص کمال رکھتے ہیں۔ ایک بات کہتے ہیں پھر اس کے برعکس ایک اور بات الفاظ بدل کر کہہ دیتے ہیں، مجلسی زندگی میں ان کی اسی عادت نے نہ صرف مجھے دکھ دیا ہے بلکہ اچھے اچھے دوستوں کو ان سے نفرت ہوگئی ہے۔ اگر میری بات پر یقین نہ ہو یا مبالغہ سے کام لیتا ہوں تو جناب حکیم محمد افضل صاحب بی اے مرحوم (جو جناب قرشی کی جماعت کے ہمیشہ جنرل سیکرٹری رہے ہیں اور ساری زندگی قرشی صاحب اور فن طب کی خدمات انجام دی ہیں اور درحقیقت جناب قرشی کی شہرت وکامیابی اور حکام تک تعلقات پیدا کرنے میں ان کو بڑا دخل رہا ہے کہ صاحبزادے یا ان کے کسی رشتہ دار یا دوست سے دریافت کر لیں کہ کسی صاحب نے ان کے مرض کے دوران تنگی کے وقت کیا سلوک کیا تھا۔ مرحوم رو رو کر اکثر دوستوں کے سامنے حکیم قرشی صاحب کے ظالمانہ سلوک کا ذکر کرتے تھے۔ اگرچہ اس وقت بھی میں ان کی جماعت کا مخالف تھا، انہوں نے یہ سب کچھ مجھے رو رو کر سنایا اور اسی عادت کا نتیجہ ہے کہ ابھی ایک دوست کی باتیں کر رہے ہیں اور جب وہ چلا جاتا ہے تو پھر بڑے منتقمانہ انداز میں سر اور گردن کو کئی چکر دیں گے اور پھر دانت بھینچ بھینچ کر دبی زبان میں اس دوست کی برائیاں شروع کر دیں گے اور سب سے آخر میں یہ کہہ دیں گے کہ یہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں اور اصل حقیقت سے بہت دور ہیں، خداوند کریم ان پر رحم کرے۔ خیر مقصد یہ ہے کہ دوغلی بات کہنے میں اور دوسروں کی دبی زبان میں برائی کرنے میں ملکہ رکھتے ہیں۔

مندرجہ بالا باتیں ان کے ذاتی کریکٹر کی ہیں۔ میں ان کا ذکر نہ کرتا مگر مجبوراً کرنا پڑا کہ اس کا تعلق فن سے ہے اور تقریباً ان کی ہر کتاب میں ان کی اس عادت کے تحت متضاد باتیں پائی جاتی ہیں۔ انشاء اللہ ہم ایک ایک کو تفصیل سے بیان کریں گے۔ آپ اکثر لوگوں کو کہا کرتے ہیں کہ ہم جواب نہیں دیا کرتے۔ مگر خود اپنے چیلوں چانٹوں کی خوشامدیں کرتے پھرتے ہیں کہ بھائی اس سے ہماری جان چھڑاؤ۔ اس سلسلہ میں اپنے مخالفوں کے پاس بھی جا کر رونے میں فرق نہیں کرتے۔ ان کو اگر یاد نہ ہو تو یاد کرا دوں مثلاً جب جناب حکیم محمد شریف سے جھگڑا تھا تو شاہدرہ حکیم احمد دین کے پاس مدد کے لئے بھاگے تھے، انہوں نے مدد کی۔ آپ دوست کش تو ہوئے ان کے خلاف بھی غلط پروپیگنڈا کیا تو میں نے ان کی حقیقت واضح کی تو حکیم شہزادہ غلام محمد مرحوم اور حکیم نورالٰہی مرحوم کو صلح کے لئے بھیجا۔ آخر میرے دوست حکیم بشیر کے مکان پر صلح کی گئی لیکن جو شرائط وہاں طے پائیں یعنی ہماری جماعت کی رائے کے بغیر فن میں کوئی اصلاحی قدم نہیں اٹھایا جائے گا، لیکن گھر جا کر سب وعدہ وعید بھول گئے۔ پھر وہی بے ایمانی اور دھوکہ بازیاں جاری رکھیں۔

جناب حکیم محمد شریف صاحب کے خاندان کے کسی شخص سے حقیقت حال دریافت کر لی جائے، جناب حکیم بشیر احمد زندہ ہیں۔ وہ اگرچہ ان کے شاگرد ہیں لیکن اس امر کی ضرور تائید کریں گے کہ ان کے گھر صلح ہوئی تھی یا نہیں؟ اس کے علاوہ جناب حکیم نیر واسطی صاحب اور حکیم شمس الحق (ان دونوں حضرات کا ہماری جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے)۔ دریافت کیا جا سکتا ہے کہ ہر کام کرنے والے کے خدمت کار اور قابل شخص کے خلاف انہوں نے کیسے کیسے گندے حربے استعمال کئے۔ تاکہ ان کی شہرت اور آمدنی میں کوئی فرق نہ آئے اور جن لوگوں نے خوشامد کی بس وہی لوگ ان کی جماعت کے ممبر ہیں اور وہ اس سے اس لئے خوش ہیں کہ وہ اپنے آپ کو ان سے کم سمجھتا ہے۔ یہ تلخ حقائق مجبوراً لکھنے پڑے ہیں۔ کیونکہ ان کی گندی اور خراب عادتوں نے ایک طرف فن کو تباہ کیا ہے تو دوسری طرف اہل فن کو خدمت فن سے دور کر دیا ہے۔ دوسری صلح فرنگی حکیم علی احمد نیر واسطی کی دھوکہ بازی سے ان کے گھر کم از کم پندرہ مشہور اطباء کے سامنے اتحاد الاطباء کے نام

سے کرائی گئی۔ مگر پھر صدارت کے شوق میں یہ بدعہدی کر دی کہ اندھی سیاست کی طرف بہہ گئے۔ اب اس کا نتیجہ ان کے سامنے ہے۔ فرماتے ہیں کہ ''ایک گروہ طب یونانی کی اصلاح واضافہ یورپی طب سے چاہتا ہے'' گویا خود اس گروہ سے باہر ہیں۔ پھر دلیل فرماتے ہیں کہ ''طب یونانی میں عربی، ایرانی اور ہندی طب کی آمیزش ہے''۔ حیرت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جناب حکیم قرشی صاحب جو کچھ لکھتے ہیں کیا ان کو اس کا کچھ شعور بھی ہوتا ہے۔ جو رطب و یابس ذہن میں آیا لکھ دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ فن طب کی اصلیت سے آگاہ نہیں ہیں اس لئے بلاغور وفکر لکھتے چلے جاتے ہیں۔

یہی دو مقام ہیں جہاں پتہ چلتا ہے کہ علم وفن سے کوئی کس قدر آگاہ ہے اور کس قدر اس شخص سے علم وفن کو نفع یا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ جب جناب حکیم قرشی کو اس کا شعور نہیں ہے کہ کسی علم وفن میں اصلاح واضافہ وآمیزش سے کیا مراد ہے؟ اور ان میں باہم کیا فرق ہے؟ پھر بھلا ان سے فن طب کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ جاننا چاہئے کہ کسی علم وفن میں اصلاح کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب اس کے بنیادی اصول یا قوانین میں اغلاط ہوں۔ اگر جناب قرشی صاحب کے ذہن میں طب یونانی کے متعلق ایسا تصور ہے کہ قابل اصلاح ہے اور ہمیشہ اس میں اصلاح ہوتی رہی ہے تو پھر ایسی غلط قسم کی طب کا مردہ اٹھائے پھرنے کا کیا مقصد ہے؟ کیوں نہ قدیم وغلط علم وفن کو چھوڑ کر ہر زمانے میں جدید وصحیح علم وفن حاصل کر لیا جائے۔ لیکن جناب قرشی سخت غلطی پر ہیں۔ فن طب قابل اصلاح نہیں ہے۔ اس کے قوانین و اصول اپنی جگہ مضبوطی سے قائم ہیں، البتہ ان قوانین واصولوں میں وسعت وترقی ہوتی رہتی ہے۔ ان کا سمجھ لینا علم وفن کے لئے بے حد مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ اگر ان کا مقصد طب میں فروع وجزئیات کی اصلاح ہے تو یہاں پر بھی وہ لغزش کھا گئے ہیں۔ کیونکہ ہر علم وفن میں فروغ و جزئیات کی اصلاح اس علم وفن کے قوانین اور اصولوں کے تحت ہوتی ہے۔ غیر علم وفن اور قوانین واصولوں کے تحت نہیں ہوسکتی اور جو عربی، ایرانی اور ہندی طب کی آمیزش کا ذکر ہے اس کا محل یہاں پر بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اوّل تو یہ آمیزش نہیں، یہاں بھی اس لفظ کا غلط استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ چل کر تحریر کریں گے۔ البتہ اس کو اضافہ کہہ سکتے ہیں۔ مگر اصلاح قطعاً نہیں کہا جا سکتا، اس حقیقت کو کبھی بھی نظر انداز نہ کریں کہ کسی طب نے طب یونانی کے قوانین اور اصولوں میں نہ اصلاح کی ہے اور نہ اپنے قوانین واصولوں کی آمیزش کی ہے۔ طب یونانی کے قوانین اور اصول اپنی جگہ ایسے محکم اور مضبوط ہیں کہ ان کو کوئی طب نہیں ہلا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ وامریکہ کے سائنس دانوں اور خاص طور پر حکومت برطانیہ نے اپنے ہندوستانی دور حکومت میں اس کو ایک مکمل ضابطہ علاج مانتے ہوئے اس کو ملک کے لئے ایک مفید طریق علاج تسلیم کیا تھا اس لئے حکومت پاکستان اور حکومت ہندوستان نے اس کو ملک میں رواج دینے کے لئے اس کے حاملین فن کی رجسٹریشن شروع کی ہے۔ جناب حکیم قرشی کے خیال کے مطابق اگر یہ فن طب قابل اصلاح ہوتا تو پھر اس کی افادیت اور مکمل ضابطہ علاج کو کون تسلیم کرتا اور کبھی جناب حکیم قرشی غلط بخشی کی بدولت بورڈ کے صدر منتخب نہ ہوتے اور نہ ہی شفاء الملک کا خطاب (اگرچہ حکیم شہزادہ غلام کی کوشش سے حاصل ہوا) نہ نصیب ہوتا۔

خیر! عربی اور ایرانی طبوں کے قوانین اور اصول ان کے باقاعدہ نظام کا علم وفن کی دُنیا میں کہیں پتہ نہیں تاکہ ہم ان کا طب یونانی سے توازن نہ کر سکے۔ البتہ ہندی طب آج بھی زندہ ہے اور اس کے بنیادی اصول وقوانین بھی بہت حد تک اپنی اصل حالت پر قائم ہیں۔ ہر صاحب علم وفن اندازہ لگا سکتا ہے کہ ان کا کون سا قانون اور اصول طب یونانی میں پایا جاتا ہے۔ کوئی بھی ایک قانون یا اصول ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ طب یونانی چار اخلاط چار ارکان اور چار مزاج تسلیم کرتی ہے۔ مگر آیورویدک (ہندی طب) پانچ تت تین دوش مانتی ہے اور مزاج کے وہ قائل نہیں ہیں۔ ان کے مزاج دوش کے تحت آجاتے ہیں، وغیرہ وغیرہ، باقی قوانین اور اصولوں میں اس قسم کے اختلاف چلے

آتے ہیں۔

تحقیقات فارما کوپیا طبع شدہ نوری کتب خانہ بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور جناب قرشی صاحب کے تعاقب میں مزید لکھتے ہیں:
طبی فارما کوپیا کی تیاری کے لئے یہ دوسری ضرورت ہے جو فرنگی شفاء الملک کے خیال کے مطابق بالعموم محسوس کی جارہی ہے کہ خیساندہ اور جوشاندہ گھوٹنے اور چھاننے کا طویل عمل باقی نہ رہے۔" اگر ان کو یہ بھی احساس ہے اس میں شک نہیں کہ یہ اعمال مخصوص فوائد کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور بھی یقین ہے کہ" ان کے مطلوبہ مفادات ہیں۔ پھر جناب کو بے چینی کیوں پیدا ہوگئی ہے کہ ان اعمال کو ختم کر دیا جائے۔ صرف اس لئے کہ موجودہ دور میں جب ڈاکٹروں کے ہاں سے بنی بنائی دوائیں مل جاتی ہیں۔

"کیا تجارتی ذہن پایا ہے؟" فن تباہ ہو جائے مگر تجارتی ذہن اور منافع خوری کی طبیعت اور ڈاکٹری کی تقلید ختم نہ ہونے پائے۔ اگر طبائع راحت پسند اور ہر شخص کو معیشت میں مصروف ہی سمجھ لیا جائے تو اس کے یہ معنی تو نہیں کہ فن کے" یہ اعمال مخصوص فوائد کے لئے وضع کئے گئے ہیں"۔ ختم کر دیئے جائیں اور ان اعمال کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگالیں کہ خیساندہ اور جوشاندہ گھوٹنے اور چھاننے کے بعد ادویات میں جو تازگی، ذائقہ اور حیاتین پائی جاتی ہیں۔ وہ چند گھنٹوں کے بعد قائم نہیں رہتیں۔ اس میں دونوں کا ذکر ہی بے سود ہے۔ اگر مراد ان کا ست نکالنا، جوہر اڑانا، رب بنانا، تیل نکالنا، عرق تیار کرنا اور شربت بنانا، سفوف اور حبوب تیار کر لینا ہیں تو جاننا چاہئے یہ صورتیں اپنی جگہ مفید ہیں۔ لیکن جن ادویہ اور اشیاء کو خیساندہ، جوشاندہ اور گھوٹنے کے بعد فوری استعمال کرنا ضروری ہے وہ تمام ادویہ ان کے بدل میں نہیں دی جا سکتیں اور اگر دی بھی گئیں تو مفید نہ ہوں گی۔ مثلاً معالجین کی ایک مفید صورت ہمارے سامنے ہے، جس میں دودھ پھاڑ کر فوراً استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اس کی کیا صورت کی جائے؟ اسی طرح ہماری زندگی کی روزانہ غذاؤں پر غور کریں کیا ان کی لطافت جن میں دودھ، مکھن، انڈے، گوشت، مچھلی، چاول اور روٹی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہمیں اس امر کی اجازت دیتی ہیں کہ ہم ان کو دونوں کے بعد کھا جائیں۔ اسی طرح چائے کو لیجئے کہ ہماری زندگی کا ایک اہم جزو بن چکی ہے کیا کوئی نفاست پسند دو تین گھنٹے پہلے کی جوشائی چائے پی لے گا؟ یہ بھی تو ایک قسم کا جوشاندہ ہے۔ کیا چائے کو کسی اور طریقہ پر استعمال کیا جا سکتا ہے؟ تا کہ بار بار جوشاندہ نہ بنانا پڑے؟ نہیں! ہرگز نہیں۔ چائے پینے والے کو چائے کا تازہ جوشاندہ ہی چاہئے۔ کیونکہ اس کی لطافت اسی طرح نکل سکتی ہے کہ ست کی دراصل دوا میں کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ مثلاً مکھن دودھ کا ست ہے۔ لیکن جہاں پر دودھ کی ضرورت ہے وہاں پر مکھن مفید نہیں ہو سکتا اور اسی طرح نہ پنیر وہ کام دے سکتا ہے اور نہ خشک کئے ہوئے دودھ میں تازہ دودھ کی خوبیاں اور اثرات باقی رہتے ہیں اور یہی صورت کھوئے کی ہے۔ فرنگی شفاء الملک کو چاہئے کہ فن کو فن کی حیثیت کے ساتھ اس کو مدنظر رکھیں، جناب نے فن کو اس قدر تباہ کر دیا ہے کہ پتہ نہیں کہ اس کو پھر سے زندہ کرنے اور درست کرنے میں کس قدر وقت صرف ہوگا۔ جاننا چاہئے کہ کسی دوا کا ست، جوہر، عرق، شربت، جوشاندہ، خیساندہ، تیل، دودھ اور سفوف اپنے اندر ایک ہی قسم کے افعال و اثرات نہیں رکھتے۔ ان سب میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ اس لئے خواص الاشیاء میں ان تمام صورتوں کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ یہ صورت قطعاً غلط ہے کہ جوشاندہ اور گھوٹے کی جگہ اس دوا کا ست یا جوہر استعمال کر دیا جائے اور وہ اس طرح مفید ثابت ہو۔ ہرگز نہیں یہ بات صرف فرنگی شفاء الملک لکھ سکتے ہیں جو خواص الاشیاء سے واقف نہ ہوں اور اپنا مقصد مجربات فروشی بنایا ہو۔ اگر کوئی صاحب ہماری باتوں کو مبالغہ خیال کرتے ہوں تو ہم چیلنج کرتے ہیں کہ فرنگی شفاء الملک ایک دوا کی مختلف صورتوں کے فرق لکھ دیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ اس علم سے خالی ہیں۔" یہ واقعی طب قدیم کی خوبی اور اعجاز فرمائی ہے" کہ آپ جیسے فرنگی شفاء الملک جن کی قابلیت مجربات فروشی سے آگے نہیں ہے کئی زحمتوں کے باوجود مریض اس کے دامن کو نہیں چھوڑتے اور ابھی تک قبول کئے جا رہے ہیں۔ (تحقیقات فارما کوپیا طبع شدہ نوری کتب خانہ بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور)

برتتے ہیں کہ اس مرض کی صحیح قسم تلاش کرتے ہیں۔ جیسے بخاروں میں ملیریا (تپ صفراوی) انفلوئنزا (حمٰی نزلی) ٹی بی (تپ دق) وغیرہ۔ اسی طرح دردوں، ورموں کی بھی تخصیص کر لیتے ہیں لیکن علاج کی اس صورت کا نام بھی باقاعدہ اور سسٹے میٹک علاج نہیں ہے۔ اس قسم کے علاج کو آپ خاص قسم کا اصولی علاج تو کہہ سکتے ہیں، مگر باقاعدہ مشینی علاج کا نام نہیں دے سکتے۔ کیونکہ مشین کی خرابی اور بگاڑ کا پتہ چلائے بغیر اس کی ایک علامت کو رفع کرنے یا حالت کو بدلنے کی کوشش کی گئی ہے جیسے کسی مشین پر جو چلتے چلتے گرم ہوگئی ہو ٹھنڈا پانی پھینک دیا جائے۔ حالانکہ اس کے گرم ہونے کا سبب ممکن ہے لبری کیٹنگ تیل کی کمی ہو۔ شاید پٹرول ضرورت سے زیادہ جل رہا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا وہ آلہ ہی خراب ہوگیا ہو جو حرارت کی زیادتی کو اعتدال پر رکھتا ہے۔ بہر حال مشین کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اس کے پرزوں اور اس کے نظام کو دیکھنا ضروری ہے تاکہ حقیقت تک پہنچا جا سکے اور اس پر صرف ٹھنڈا پانی ڈال دینا ہر صورت میں غلط ہوگا۔ اسی طرح اگر مشین میں کسی مقام پر تیل ٹپک رہا ہو تو صرف باہر ہی سے کوئی لیپ کر دینا یا ٹانکا لگا دینا یا اگر کہیں سے غیر معمولی آواز آ رہی ہو تو اس کو دبانے کی کوشش کرنا حقیقت میں مشین کو درست کرنا نہیں ہے بلکہ اس کو مزید خراب اور برباد کرنا ہے۔

خاص طور پر فرنگی طب (ایلوپیتھی) میں اس غلط صورت کو اپنایا جا رہا ہے کہ مریض آ کر بخار کی شکایت کرتا ہے تو اس کو بخار کم کرنے کی دوا دے دی جاتی ہے یعنی اس پر ٹھنڈا پانی ڈال دیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ وقتی طور پر یہ عمل اس کے لئے مفید بھی ہوسکتا ہے۔ مگر آئندہ اس کے لئے سخت نقصان رساں ثابت ہوگا۔ اس طرح درد میں مسکنات اور ورم میں محذرات کو بے تکلف برتا جا رہا ہے۔

گویا نہ مریض کا علاج کیا جاتا ہے اور نہ ہی مرض رفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے بلکہ مریض کی ایک علامت کو دبا دینے کو علاج قرار دے دیا جاتا ہے۔ پھر ماشاء اللہ آج کل مجرباتی علاج اور پیٹنٹ ادویہ کا ایسا سلسلہ چل نکلا ہے جس سے ہر شخص ان قدیم مجرباتی اور مغربی پیٹنٹ ادویہ کا نہ صرف شکار بنا ہوا ہے بلکہ مداح ہونے کے ساتھ ساتھ روز بروز اپنی صحت کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔ جب ان ادویات کے مسلسل استعمال سے اپنے جسم کو ناکارہ کر لیتا ہے تو پھر ڈاکٹروں اور ان کے ہر قسم کے طریق علاج کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔

صحیح علاج

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کبھی مرض کا علاج نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ مریض کا علاج ہوتا ہے جس کے لئے لازمی ہے کہ مریض کے جسم (مشینری) کے ہر عضو (پرزے) کا بغور معائنہ اور مطالعہ کیا جائے۔ ان کے افعال کی کمی بیشی اور عضو کی خرابی کے ساتھ ساتھ غذائی (تیل) باقاعدگی کو خاص طور پر جانچا جائے اور پھر اس کا اس طرح سے علاج کیا جائے کہ جسم کے جن اعضاء کے افعال میں کمی بیشی ہو ان کو اعتدال پر لایا جائے اور جو عضو بذاتِ خود کمزور یا زخمی ہوگیا ہو اس کو درست کیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں خون کا دور چل رہا ہے (غذائی صورت میں) اس کو درست کیا جائے جس کے لئے خون کے کیمیاوی اجزاء کو پورا کرنا ضروری ہوگا اس طرح ایک مریض کا یقینی علاج ہوسکتا ہے اور یہ باقاعدہ کہلانے کا مستحق بھی ہے۔

فرنگی طب میں امراض

فرنگی طب (ایلوپیتھی) میں جو امراض کے نام رکھے ہوئے ہیں وہ صرف علامات ہیں کوئی خاص مرض نہیں کہلا سکتے کیونکہ ایک ایک علامت کے پیدا ہونے کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ مثلاً بخار سردی سے بھی ہوتا ہے اور گرمی سے بھی ہوتا ہے، بخار درد سے بھی ہوتا ہے اور ورم سے بھی ہوتا ہے، بخار میں کبھی قبض اور کبھی اسہال ہوتے ہیں۔ اسی طرح کبھی بخار میں شدید پیاس ہوتی ہے اور کبھی پیاس کا نام تک

آتے ہیں۔

تحقیقات فارما کوپیا طبع شدہ نوری کتب خانہ بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور جناب قرشی صاحب کے تعاقب میں مزید لکھتے ہیں:
طبی فارما کوپیا کی تیاری کے لئے یہ دوسری ضرورت ہے جو فرنگی شفاء الملک کے خیال کے مطابق بالعموم محسوس کی جارہی ہے کہ خیساندہ اور جوشاندہ گھوٹنے اور چھاننے کا طویل عمل باقی نہ رہے۔'' اگر ان کو یہ بھی احساس ہے اس میں شک نہیں کہ یہ اعمال مخصوص فوائد کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور بھی یقین ہے کہ'' ان کے مطلوبہ مفادات ہیں۔ پھر جناب کو بے چینی کیوں پیدا ہوگئی ہے کہ ان اعمال کو ختم کر دیا جائے۔ صرف اس لئے کہ موجودہ دور میں جب ڈاکٹروں کے ہاں سے بنی بنائی دوائیں مل جاتی ہیں۔

''کیا تجارتی ذہن پایا ہے؟'' فن تباہ ہو جائے مگر تجارتی ذہن اور منافع خوری کی طبیعت اور ڈاکٹری کی تقلید ختم نہ ہونے پائے۔ اگر طبائع راحت پسند اور ہر شخص کو معیشت میں مصروف ہی سمجھ لیا جائے تو اس کے یہ معنی تو نہیں کہ فن کے'' یہ اعمال مخصوص فوائد کے لئے وضع کئے گئے ہیں'' ختم کر دیئے جائیں اور ان اعمال کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگالیں کہ خیساندہ اور جوشاندہ گھوٹنے اور چھاننے کے بعد ادویات میں جو تازگی، ذائقہ اور حیاتین پائی جاتی ہیں۔ وہ چند گھنٹوں کے بعد قائم نہیں رہتیں۔ اس میں دونوں کا ذکر ہی بے سود ہے۔ اگر مراد ان کا ست نکالنا، جوہر اڑانا، رب بنانا، تیل نکالنا، عرق تیار کرنا اور شربت بنانا، سفوف اور حبوب تیار کر لینا ہیں تو جاننا چاہئے یہ صورتیں اپنی جگہ مفید ہیں۔ لیکن جن ادویہ اور اشیاء کو خیساندہ، جوشاندہ اور گھوٹنے کے بعد فوری استعمال کرنا ضروری ہے وہ تمام ادویہ ان کے بدل میں نہیں دی جا سکتیں اور اگر دی بھی گئیں تو مفید نہ ہوں گی۔ مثلاً معالجین کی ایک مفید صورت ہمارے سامنے ہے، جس میں دودھ پھاڑ کر فوراً استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اس کی کیا صورت کی جائے؟ اسی طرح ہماری زندگی کی روزانہ غذاؤں پر غور کریں کیا ان کی لطافت جن میں دودھ، مکھن، انڈے، گوشت، مچھلی، چاول اور روٹی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہمیں اس امر کی اجازت دیتی ہیں کہ ہم ان کو دونوں کے بعد کھا جائیں۔ اسی طرح چائے کو لیجئے کہ ہماری زندگی کا ایک اہم جزو بن چکی ہے کیا کوئی نفاست پسند دو تین گھنٹے پہلے کی جوشائی چائے پی لے گا؟ یہ بھی تو ایک قسم کا جوشاندہ ہے۔ کیا چائے کو کسی اور طریقہ پر استعمال کیا جا سکتا ہے؟ تاکہ بار بار جوشاندہ نہ بنانا پڑے؟ نہیں! ہرگز نہیں۔ چائے پینے والے کو چائے کا تازہ جوشاندہ ہی چاہئے۔ کیونکہ اس کی لطافت اسی طرح نکل سکتی ہے کہ ست کی دراصل دوا میں کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ مثلاً مکھن دودھ کا ست ہے۔ لیکن جہاں پر دودھ کی ضرورت ہے وہاں پر مکھن مفید نہیں ہو سکتا اور اسی طرح نہ پنیر وہ کام دے سکتا ہے اور نہ خشک کئے ہوئے دودھ میں تازہ دودھ کی خوبیاں اور اثرات باقی رہتے ہیں اور یہی صورت کھوئے کی ہے۔ فرنگی شفاء الملک کو چاہئے کہ فن کو فن کی حیثیت کے ساتھ اس کو مدنظر رکھیں، جناب نے فن کو اس قدر تباہ کر دیا ہے کہ پتہ نہیں کہ اس کو پھر سے زندہ کرنے اور درست کرنے میں کس قدر وقت صرف ہوگا۔ جاننا چاہئے کہ کسی دوا کا ست، جوہر، عرق، شربت، جوشاندہ، خیساندہ، تیل، دودھ اور سفوف اپنے اندر ایک ہی قسم کے افعال و اثرات نہیں رکھتے۔ ان سب میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ اس لئے خواص الاشیاء میں ان تمام صورتوں کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ یہ صورت قطعاً غلط ہے کہ جوشاندہ اور گھوٹے کی جگہ اس دوا کا ست یا جوہر استعمال کر دیا جائے اور وہ اس طرح مفید ثابت ہو۔ ہرگز نہیں یہ بات صرف فرنگی شفاء الملک لکھ سکتے ہیں جو خواص الاشیاء سے واقف نہ ہوں اور اپنا مقصد مجربات فروشی بنایا ہو۔ اگر کوئی صاحب ہماری باتوں کو مبالغہ خیال کرتے ہوں تو ہم چیلنج کرتے ہیں کہ فرنگی شفاء الملک ایک دوا کی مختلف صورتوں کے فرق لکھ دیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ اس علم سے خالی ہیں۔'' یہ واقعی طب قدیم کی خوبی اور اعجاز فرمائی ہے'' کہ آپ جیسے فرنگی شفاء الملک جن کی قابلیت مجربات فروشی سے آگے نہیں ہے کئی زحمتوں کے باوجود مریض اس کے دامن کو نہیں چھوڑتے اور ابھی تک قبول کئے جارہے ہیں۔ (تحقیقات فارما کوپیا طبع شدہ نوری کتب خانہ بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور)

نظریہ مفرد اعضاء کا پس منظر

دُنیا کو ایک با قاعدہ (Systematic) علاج کی ضرورت ہے

صابر ملتانی مرحوم کے اپنے قلم سے

دُنیا میں اس وقت جس قدر طریق علاج (System Of Medicine) رائج ہیں۔ ان میں بڑے بڑے صرف چار ہیں۔ باقی سب ان کی شاخیں ہیں یا ان کے کسی ایک حصہ کو ترتیب (Develope) کر لیا گیا ہے۔ بڑے طریق علاج میں دو عدد قدیم ہیں۔ جن میں سے ایک طب یونانی اور دوسرا آیورویدک کے نام سے مشہور ہے اور دو عدد جدید طریق علاج میں سے ایک کو ایلوپیتھی (مغربی طب) اور دوسرے کو ہومیوپیتھی (علاج بالمثل) کہتے ہیں۔ جہاں تک ان کے با قاعدہ ہونے کا سوال ہے تو ان کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ہومیوپیتھی، آیورویدک اور ایلوپیتھی (مغربی طب) تینوں با قاعدہ (سسٹے میٹک) طریق علاج نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ تینوں با قاعدہ علاج میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ تینوں علمی (Scientific) طریق علاج ہیں۔ مگر با قاعدہ (Systematic) نہیں ہیں۔ جہاں تک ہومیوپیتھی (علاج بالمثل) کا تعلق ہے وہ مکمل طریق علاج میں داخل نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں سرے سے حفظان صحت، ماہیت امراض، اسباب، غذا، تدبیر اور جراحی کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ اس میں ادویات اور علامات کو با قاعدہ کہا گیا ہے۔ اگرچہ اس میں عمل اور ردعمل (Action and Reaction) کو ایسا خلط ملط کر دیا گیا ہے کہ ان سے پوری طرح مستفید ہونا مشکل ہے۔

یہاں پر علمی اور با قاعدہ علاج کا فرق سمجھنا نہایت اہم ہے۔ علمی طریق علاج اس کو کہا جاتا ہے کہ جس میں مختلف علمی و تجرباتی اور مشاہداتی معلومات کو ترتیب دے کر ایک فن کی صورت دے دی جائے۔ اس صورت کو اس طرح سمجھیں کہ بعض فاضل لوگوں نے علم الامراض کی تشخیص کی ہے اور بعض اہل فن نے ادویات میں تحقیقات کی ہیں اور بعض اہل علم نے تشریح الابدان اور منافع الاعضاء میں تدقیق پر اپنی کوششیں صرف کی ہیں۔ ان سب کو جوڑ کر فن علاج کی تدوین کی گئی ہے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ جن شعبوں میں جدید تحقیقات اور تدقیقات ظہور میں آتی رہتی ہیں۔ ان کو فن علاج قبول کرتا رہتا ہے اور ان کی جگہ پرانی معلومات کو (اگرچہ وہ بھی کسی زمانہ میں آج کی طرح علمی تجرباتی اور مشاہداتی تھیں) نکال باہر کرتا رہتا ہے۔ اس وقت تک ہر مرض میں سینکڑوں بار نہیں ہزاروں بار تحقیق اور تشخیص کی گئی ہے اور ہر دوا پر اس سے بھی زائد بار تدقیقات و تفتیشات کی گئی ہیں۔ اس طرح ازالہ مرض کے لئے بارہا نئے نظریات کا انکشاف کیا گیا ہے اور یہ سب کچھ علم (Science) کی روشنی میں ہوا ہے۔ لیکن جہاں تک بیماریوں کو دور کرنے کا تعلق ہے اس میں آج تک پوری طرح ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ ہم طب یونانی اور آیورویدک کا ذکر نہیں کرتے کیونکہ ان کو قدیم اور ہزاروں سال کے پرانے قسم کے علاج خیال کیا جاتا ہے۔ ہم صرف طب مغربی کو پیش کرتے ہیں۔ جس کی خدمت علمی تحقیقات (Science) کم از کم گزشتہ تین صدیوں سے کر رہی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج تک کسی ایک مرض کا یقینی علاج جو سو فیصدی صحیح اور قابل اعتماد ہو پیدا نہیں کر سکی۔ باقی تمام مشکل، کہنہ اور

عسرالعلاج امراض جیسے دق وسل، سرطان، ناسور، فالج اور لقوہ وغیرہ ہیں کہ نظر انداز بھی کر دیا جائے تاہم آج تک صرف نزلہ زکام، کھانسی، بخار، قبض اور دردسر کا یقینی اور حتمی علاج اس کے پاس نہیں ہے۔ وقتی طور پر اگر منشیات، مخدرات اور مسکنات سے ان امراض کو دبا دینا یا مسہلات و مدرات اور معرقات اور محرکات سے ازالہ مرض کر دینے کو اصول اور با قاعدہ (Systematic) علاج نہیں کہتے ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسے طریق علاج کو علمی (Scientific) بھی نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ ان سب کا نام عطایانہ طریق علاج ہے۔ اگر عطائیانہ کی اصطلاح کو جہلا کے معنی میں بھی لیا جائے تو ویسے بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ فن علاج کو جو اصول اور قوانین اس وقت میسر آئے ہیں وہ سب کے سب سائنس کی مختلف شاخوں سے عطا ہوئے ہیں۔ اس لئے یہ فن علاج عطائیانہ ہی ہوا زیادہ سے زیادہ علمی کہہ لیں مگر با قاعدہ نہیں ہے۔ با قاعدہ (Systematic) علاج کو سمجھنے کے لئے بہترین مثال کسی مشین کی دی جا سکتی ہے۔ یہ مشین کپڑے سینے والی یا بائی سائیکل کی طرح ہاتھ پاؤں سے چلتی ہو یا گھڑی اور کھلونے کی طرح اس میں چابی بھری جاتی ہو یا موٹر اور ریلوے انجن کی طرح تیل، پٹرول، بھاپ اور بجلی سے چلنے والی مشین ہو۔ جب بھی ان کے کسی ایک پرزہ کو حرکت دی جاتی ہے، باقی تمام پرزے حرکت میں آ جاتے ہیں اور مشین چل پڑتی ہے اور اگر اس کا کوئی پرزہ بگڑ جاتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے تو مشین رُک جاتی ہے۔ جب اس کے کسی پرزہ کو تیز کریں تو مشین تیز ہو جاتی ہے اور سست کریں تو سست ہو جاتی ہے۔ ہر مشین میں بگاڑ تین طریق سے عمل میں آتا ہے۔

① اس کے پرزے کی رفتار میں سستی یا تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔
② پرزہ گھس جاتا ہے یا اپنے مقام سے ہٹ جاتا ہے۔ یعنی اس کی فٹنگ خراب ہو جاتی ہے یا ٹوٹ جاتا ہے۔
③ اس کے علاوہ ایک نظام تیل کا بھی ہوتا ہے جو ایک طرف سے اس میں ایندھن کا کام کرتا ہے اور گھسنے سے بچانے کے لئے تر رکھتا ہے۔ اس سلسلہ کو ہم اس کا کیمیاوی نظام کہتے ہیں۔ جب کوئی مشین خراب ہو جاتی ہے تو اس کا ماہر مکینک یا انجینئر اس کی دو کلوں جائزہ لیتا ہے: (۱) مشینی حالت کا بگاڑ (۲) تیل کی رفتار۔

پس جہاں کہیں بھی نقص ہوتا ہے دور کرتا ہے اور پھر ساری مشین با قاعدگی کے ساتھ اسی طرح اس کے کسی ایک پرزے کو چلانے کے ساتھ چل پڑتی ہے۔ اس طریق کا نام با قاعدہ (Working Systemtic) ہوتا ہے۔ ہر انجینئر اور ماہر فن اپنی مشین کے ہر پرزے کی شکل وصورت، محل وقوع، دیگر پرزوں سے تعلق اور ان کے افعال اور اعمال سے خوب واقف ہوتا ہے اور ضرورت کے مطابق اپنی معلومات سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ انسانی جسم بھی ایک قسم کی مشین ہے اس میں بھی تمام پرزے مشین کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی خرابی سے ایک دوسرے پر اثر پڑتا ہے اور ان میں با قاعدہ کیمیاوی طور پر خون اور دیگر رطوبات کا لبری کیشن ہوتا ہے۔ جس سے ایک طرف جسم کو غذائی صورت میں تیل ملتا ہے اور طاقت قائم رہتی ہے اور دوسری طرف سے جسم کے کل پرزے تر رہتے ہیں اور ان کو رگڑ اور گرمی سے بچائے رکھتے ہیں۔

عطائیانہ علاج

اصولی علاج بھی اسی صورت کا نام ہو سکتا ہے کہ انسانی مشین کے ہر پرزے (عضو) کے افعال اس کی خرابی اور اس کے اندر غذائی انرجی کی صورتوں کا با قاعدہ علم ہو۔ لیکن جب جسم انسان میں کوئی مرض نمودار ہو جیسے بخار، درد اور ورم وغیرہ ان امراض کے علاج میں عام طور پر بغیر کسی تخصیص کے ان کے دفعیہ کے لئے دوائیں استعمال کرا دی جاتی ہیں یا بعض سمجھدار معالج ان امراض میں اتنی خصوصیت

برتتے ہیں کہ اس مرض کی صحیح قسم تلاش کرتے ہیں۔ جیسے بخاروں میں ملیریا (تپ صفراوی) انفلوئنزا (حمصی نزلی) ٹی بی (تپ دق) وغیرہ۔ اسی طرح دردوں، ورموں کی بھی تخصیص کر لیتے ہیں لیکن علاج کی اس صورت کا نام بھی باقاعدہ اور سسٹیمیٹک علاج نہیں ہے۔ اس قسم کے علاج کو آپ خاص قسم کا اصولی علاج تو کہہ سکتے ہیں، مگر باقاعدہ مشینی علاج کا نام نہیں دے سکتے۔ کیونکہ مشین کی خرابی اور بگاڑ کا پتہ چلائے بغیر اس کی ایک علامت کو رفع کرنے یا حالت کو بدلنے کی کوشش کی گئی ہے جیسے کسی مشین پر جو چلتے چلتے گرم ہوگئی ہو ٹھنڈا پانی پھینک دیا جائے۔ حالانکہ اس کے گرم ہونے کا سبب ممکن ہے لبری کیٹنگ تیل کی کمی ہو۔ شاید پٹرول ضرورت سے زیادہ جل رہا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا وہ آلہ ہی خراب ہوگیا ہو جو حرارت کی زیادتی کو اعتدال پر رکھتا ہے۔ بہرحال مشین کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اس کے پرزوں اور اس کے نظام کو دیکھنا ضروری ہے تاکہ حقیقت تک پہنچا جاسکے اور اس پر صرف ٹھنڈا پانی ڈال دینا ہر صورت میں غلط ہوگا۔ اسی طرح اگر مشین میں کسی مقام پر تیل ٹپک رہا ہو تو صرف باہر ہی سے کوئی لیپ کر دینا یا ٹانکا لگا دینا یا اگر کہیں سے غیر معمولی آواز آرہی ہو تو اس کو دبانے کی کوشش کرنا حقیقت میں مشین کو درست کرنا نہیں ہے بلکہ اس کو مزید خراب اور برباد کرنا ہے۔

خاص طور پر فرنگی طب (ایلوپیتھی) میں اس غلط صورت کو اپنایا جا رہا ہے کہ مریض آکر بخار کی شکایت کرتا ہے تو اس کو بخار کم کرنے کی دوا دے دی جاتی ہے یعنی اس پر ٹھنڈا پانی ڈال دیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ وقتی طور پر یہ عمل اس کے لئے مفید بھی ہوسکتا ہے۔ مگر آئندہ اس کے لئے سخت نقصان رساں ثابت ہوگا۔ اسی طرح درد میں مسکنات اور ورم میں مخدرات کو بے تکلف برتا جا رہا ہے۔

گویا نہ مریض کا علاج کیا جاتا ہے اور نہ ہی مرض رفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے بلکہ مریض کی ایک علامت کو دبا دینے کو علاج قرار دے دیا جاتا ہے۔ پھر ماشاء اللہ اللہ آج کل مجرباتی علاج اور پیٹنٹ ادویہ کا ایسا سلسلہ چل نکلا ہے جس سے ہر شخص ان قدیم مجرباتی اور مغربی پیٹنٹ ادویہ کا نہ صرف شکار بنا ہوا ہے بلکہ مداح ہونے کے ساتھ ساتھ روز بروز اپنی صحت کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔ جب ان ادویات کے مسلسل استعمال سے اپنے جسم کو ناکارہ کر لیتا ہے تو پھر ڈاکٹروں اور ان کے ہر قسم کے طریق علاج کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔

صحیح علاج

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کبھی مرض کا علاج نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ مریض کا علاج ہوتا ہے جس کے لئے لازمی ہے کہ مریض کے جسم (مشینری) کے ہر عضو (پرزے) کا بغور معائنہ اور مطالعہ کیا جائے۔ ان کے افعال کی کمی بیشی اور عضو کی خرابی کے ساتھ ساتھ غذائی (تیل) باقاعدگی کو خاص طور پر جانچا جائے اور پھر اس کا اس طرح سے علاج کیا جائے کہ جسم کے جن اعضاء کے افعال میں کمی بیشی ہو ان کو اعتدال پر لایا جائے اور جو عضو بذاتِ خود کمزور یا زخمی ہوگیا ہو اس کو درست کیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں خون کا دور چل رہا ہے (غذائی صورت میں) اس کو درست کیا جائے جس کے لئے خون کے کیمیاوی اجزاء کو پورا کرنا ضروری ہوگا اس طرح ایک مریض کا یقینی علاج ہوسکتا ہے اور یہ باقاعدہ کہلانے کا مستحق بھی ہے۔

فرنگی طب میں امراض

فرنگی طب (ایلوپیتھی) میں جو امراض کے نام رکھے ہوئے ہیں وہ صرف علامات ہیں کوئی خاص مرض نہیں کہلا سکتے کیونکہ ایک ایک علامت کے پیدا ہونے کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ مثلاً بخار سردی سے بھی ہوتا ہے اور گرمی سے بھی ہوتا ہے، بخار درد سے بھی ہوتا ہے اور ورم سے بھی ہوتا ہے، بخار میں کبھی قبض اور کبھی اسہال ہوتے ہیں۔ اسی طرح کبھی بخار میں شدید پیاس ہوتی ہے اور کبھی پیاس کا نام تک

نہیں ہوتا۔ بعض صورتوں میں بخار کی شدت ہوتی ہے اور دیگر علامات برائے نام ہوتی ہیں اور بعض وقت بخار کی نسبت دیگر کوئی علامت شدید تکلیف دے رہی ہوتی ہے جیسے درد یا گھبراہٹ وغیرہ کا ہونا۔ اس لئے ہم کسی ایک بھی علامت کو یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ فلاں مرض ہے اور باقی علامات ہیں۔ عام طور پر جس علامت میں شدت ہوتی ہے اس کو مرض اور باقی ضعیف تکالیف کو علامت کہہ دیا جاتا ہے۔

لیکن حقیقت میں مرض تو صرف کسی عضو کی خرابی اور بگاڑ کا نام ہے جب کسی عضو کے افعال میں کمی بیشی یا اس کی ساخت میں خرابی واقع ہوتی ہے تو اس صورت میں وہ معینہ اعمال انجام نہیں دے سکتا یعنی اپنے فرائض تغذیہ و تصفیہ اور تنقیہ کو صحیح طور پر انجام نہیں دے سکتا۔ دوسرے الفاظ میں وہ عضو اپنی خرابی کی وجہ سے نہ غذا کو خون میں پورے اور صحیح طور پر تبدیل کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے حصہ کے خون کو صاف کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے اندر کے فضلات کو خارج کر سکتا ہے۔ اس صورت میں جہاں کہیں اس کے فعل کی کمی سے مواد رک جاتے ہیں یا فعل کی زیادتی سے مواد کا اخراج بڑھ جاتا ہے تو اس کی ساخت کی خرابی سے خود اس میں کسی مواد کی رکاوٹ سے فساد یا خمیر پیدا ہو کر ظاہری صورت اختیار کر لیتا ہے جس کے نتیجہ کے طور پر جسم میں مواد پیدا ہو جاتا ہے یا خمیر اور تعفن کی صورت میں جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں۔

پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر بے چینی، درد، سوزش، ورم اور بخار کی صورت واقع ہو جاتی ہے۔ ہر علامت میں یہی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ اب ہر صاحب علم اور عقلمند شخص خود اندازہ لگا سکتا ہے کہ اصلی مرض اعضاء کی خرابی ہے یا کوئی علامت وغیرہ۔ پھر اگر اس مخصوص عضو کی درستی کے بجائے صرف بخار، درد اور سوزش و ورم وغیرہ علامات کا علاج شروع کر دے تو مریض کو کہاں تک شفا ہوگی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیورویدک کے زمانے سے لے کر مغربی طب اور موجودہ سائنسی دور تک علاج معالجہ کے متعلق تکنیکی تصور کیوں پیدا نہیں ہوا اور آج تک صرف کیمیاوی صورت پر علاج معالجہ کا طریق جاری رکھا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر علم و فن کو اپنی ترقی اور کمال حاصل کرنے کے لئے بہت سے فطری تقاضے بھی پورے کرنے پڑتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے اس کو ابتدائی نشو و ارتقاء اور تکمیل کے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ہر علم و فن کی تاریخ اس امر پر مکمل شہادت پیش کر سکتی ہے اسی طرح تاریخ علم العلاج کے ہر دور کی شاہد ہے۔

اگر آیورویدک کے زمانے سے لے کر آج تک کی تاریخ کا بغور مطالعہ کریں تو ہمیں علم و فن طب کے نہ صرف تمام دور نظر آتے ہیں بلکہ ان کے باہمی تعلق کا بھی علم ہوتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ علم العلاج کے ہر دور میں رفتہ رفتہ نشو و ارتقاء کی منزلیں طے کی ہیں۔

یہ اصول فطرت ہے کہ کسی علم و فن کی نشو و ارتقاء اور ترقی کے لئے ایک بنیاد چاہئے اور اس طرح ہر اصلاح و تحقیق اور تجدید کے لئے بھی ایک بنیاد چاہئے پھر رفتہ رفتہ اس پر ایک عظیم منزل تعمیر ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن اس مسلمہ حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بنیادی تصورات یا حقائق ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ انسان کی کوئی نہ کوئی جبلی ضرورت ہوتی ہے اس سے باہر چھلانگ لگانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اگر چھلانگ لگائی جائے تو وہ بغاوت ہوگی۔ کیونکہ انسان کی ایک فطری ضرورت اور جبلت کو پامال کر دیا گیا ہے جیسے مافوق الانسان کا تصور انسان کا ایک جبلی تصور ہے جو کسی قیمت پر بھی خارج از ذہن نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اگر اس جبلی تصور کو بہتر رنگ میں پیش کر دیا جائے تو اس امر کو انقلاب کہا جائے گا جیسے مافوق الانسان کے تصور میں بھوت پریت، دیوی دیوتا اور بتوں اور کائنات کی اشیاء کا تصور نکال کر صرف ایک خدائے لاشریک کا تصور پیدا کر دیا جائے تو اس طرح انسان کی جبلت اور اس کے فطری تقاضوں کو ایک قسم کی تسکین سی ہو جاتی ہے۔

یہ صورت ہر نشو و ارتقاء اور اصلاح و تجدید میں قائم رہتی ہے، یعنی انقلاب پھولتے پھلتے رہے ہیں اور بغاوتیں تباہ و برباد ہوتی رہتی ہیں۔

علم طب کے چند دور

مندرجہ بالا تمام صورتوں کو سمجھنے کے لئے ہم علم طب کے چند دور پیش کرتے ہیں جس سے تمام ارتقائی اور فطری ترقی کا نقشہ سامنے آجائے گا۔

آیورویدک دور

آیورویدک کے دور سے بھی قبل کی تاریخ بلکہ ہر دور اور ہر زمانہ میں جہاں جہاں بھی لاعلمی اور وحشت کی صورتیں قائم رہیں اور اب تک بھی قائم ہیں امراض کو ہمیشہ بھوت پریت کا اکثر اور دیوی دیوتاؤں کی ناراضگی خیال کیا جاتا ہے۔مگر جب رفتہ رفتہ بعض امراض کی علامات مخصوص ہوتی گئیں تو ان کا نام امراض رکھا جانے لگا۔مثلاً جب کسی مرض میں پیلے رنگ کی زیادتی دیکھی تو اس کا نام تپ روگ رکھ دیا گیا اور جب ریشہ میں رطوبت کی زیادتی اور رنگت میں سفیدی دیکھی تو اس علامت کا نام کف روگ رکھ دیا۔جس کسی کے جسم میں جوش، درد اور بے چینی دیکھی تو اس علامت کا نام وات روگ رکھ دیا۔پھر رفتہ رفتہ وات، پت اور کف کے ماتحت مختلف علامات دیکھنے کا اتفاق ہوا تو ان میں سے ہر ایک کے کئی کئی امراض ترتیب دیئے گئے۔پھر جب فن میں مزید ترقی ہوئی تو ان میں سے ہر ایک کے کئی کئی امراض ترتیب دیئے گئے۔پھر جب فن مزید ترقی ہوئی تو وات، پت اور کف کو امراض کے لئے سبب فاعلہ بنا دیا گیا۔گویا تسلیم کر لیا گیا کہ جب تک جسم میں زیادتی یا کمی وبیشی کے اسباب و کیفیات موسم اور ماحول ومشروبات کو خیال کیا گیا۔لیکن بعد میں جب انسان میں بھی ان کی پیدائش اور رہائش کے مقام مقرر کئے گئے جس کے لئے پیدائش مرض میں جہاں پر یہ تسلیم کیا گیا کہ پیدائش امراض دونوں کی کمی وبیشی اور ان کے اندر خرابی سے واقع ہوتی ہے۔وہاں یہ بھی مان لیا گیا دوش جب اپنا مقام بدل لیں تو مرض پیدا ہو جاتا ہے۔

بہر حال مرض تک پہنچنے کے لئے اچھے اصول ہیں۔جن کے ذریعے بہت حد تک کامیابی کے ساتھ علاج ہو سکتا ہے۔لیکن آیورویدک میں یہ تمام اصول صرف کیمیاوی طریق پر قائم کئے گئے ہیں۔ان میں عضوی (مکینکی) افعال کو کوئی دخل نہیں دیا گیا۔یہی صورت ادویات کے خواص میں بھی قائم رکھی گئی، یعنی ان میں بھی دوشوں (وات، پت، کف) کے اثرات تلاش کئے جائیں کہ کون سی ادویات ان دوشوں میں کمی وبیشی یا خرابی یا ان کے مقام میں تبدیلی پیدا کر دیتی ہیں۔ایسا کرنا بھی چاہئے تھا کیونکہ جب امراض یا علامات کے سبب فاعلہ دوش قرار دیئے گئے تو یہ لازمی امر تھا کہ امراض کے دفعیہ کے لئے جسم انسان میں دوشوں کی کمی بیشی اور ان کے مقام کی تبدیلی کے لئے جو ادویات استعمال کی جائیں ان میں دوشوں کی اصلاح اور ان کو اعتدال پر رکھنے کی خوبیاں ہونا چاہئیں۔

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ گزشتہ نصف صدی میں آیورویدک پر جو کتب لکھی گئی ہیں چاہے وہ ماہیت امراض کے متعلق ہوں یا خواص الادویہ کے متعلق ان سب میں بہت حد تک دوشوں کے نظریہ کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ماہیت امراض کے بیان کرنے میں صرف تعریف مرض اور خواص الادویہ بیان کرنے میں صرف اتنا کافی سمجھا گیا کہ فلاں فلاں مرض اور علامت کو رفع کرتی ہیں اور جہاں تک دوشوں کے مقام بدلنے کا تعلق تھا وہ نہ ماہیت امراض میں نظر آتا ہے اور نہ ہی خواص الادویہ میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔گویا اصل نظریہ چھوڑ کر صرف مغربی طب کے طریق کی پیروی کی گئی ہے کہ فلاں فلاں دوائیں فلاں فلاں امراض میں مفید اور موثر ہیں، تحقیق کے دوران میں مجھے

کئی نامور وید صاحبان اور پروفیسر صاحبان کی خدمت میں حاضر ہونا پڑا اور آیورویدک کے پیدائش مرض پر معلومات حاصل کرنی چاہیں۔ لیکن ان لوگوں کو ان باتوں سے بالکل ناآشنا پایا۔

جب میں نے تفصیل سے آیورویدک کے مسئلہ پیدائش مرض کو ان کے ذہن نشین کرایا تو فرمانے لگے کہ اب تو کوئی نیا چرک یا ششرک ہی آکر ان باتوں کو بیان کرسکتا ہے۔ لیکن جب میں نے ان کو کہا کہ آپ مجھ سے جس مرض کی ماہیت یا دوا کے خاص دوش کے متعلق پوچھیے میں بتانے کو تیار ہوں تو حیران ہوکر خاموش ہو گئے بعض نے سوال کیا کہ آپ سنسکرت زبان جانتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ پوچھ کر دیکھ لیں۔ انہوں نے چند سوالات پوچھے میں نے ان کی تسلی کرا دی تو وہ حیران ہو گئے۔ میں نے ان کی حیرت کو دور کرتے ہوئے بتایا کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ہمارا نظریہ مرض جس کا نام نظریہ افعال الاعضاء ہے اس کو جاننے کے بعد آپ لوگ بھی آسانی سے بیان کرسکتے ہیں۔

خیر اس سے ثابت ہوا کہ آیورویدک کے نظریات جہاں صحیح ہیں وہاں ان میں بعض کمزوریاں بھی ہیں اور باوجود ان کمزوریوں کے صحیح آیورویدک کو جاننے والے ہندوستان تو کیا دُنیا بھر میں کوئی نظر نہیں آتا۔ اگر کوئی ہے تو ہم اس سے بات کرنے کو تیار ہیں۔ ان شاء اللہ طب جدید کے اصولوں سے اس کو تسلی کرا دیں گے۔

طب یونانی کا دور

آیورویدک کے بعد طب یونانی کا دور آیا۔ اگرچہ اس درمیانی زمانہ میں چینی تہذیب، بابلی تہذیب اور مصری تہذیب کے دور گزرے ہیں۔ مگر فن علاج میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہ ہوا۔ البتہ یونانی دور میں جس کی ابتداء تاریخی طور پر حکیم بقراط کے زمانے سے ہوتی ہے اور تاریخی طور پر وہی پہلا شخص خیال کیا جاتا ہے جس نے اس فن کو باقاعدہ طور پر علمی حیثیت سے ترتیب دیا۔ اس کے بعد جالینوس اور دیگر یونانی حکما نے اس میں بہت سی خوبیاں اور نکھار پیدا کر دیئے۔ یونانی تہذیب کے بعد ایرانی تہذیب میں بھی یونانی فلسفہ وحکمت اور طب کا اثر قائم رہا لیکن اس میں کوئی ترقی اور اضافہ کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ البتہ اسلامی تہذیب کے زمانے میں اس فن سے علاج میں زبردست تحقیق اور اصلاح کر کے اس کی نوک پلک درست کی گئی اور وہ صحیح معنوں میں ایک علمی فن بن گیا۔ اسلامی تہذیب کے زمانہ ترقی میں سینکڑوں نہیں ہزاروں قابل ترین اطباء اور اجل ماہرین فن پیدا ہوئے۔ مگر ان میں جو شہرت اور ناموری حکیم رازی ابن ارشد اور سہل مسیحی اور شیخ الرئیس بوعلی سینا کو حاصل ہوئی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ خاص طور پر شیخ الرئیس کی علمیت اور کمال فن کی شہرت نہ صرف اس کے اپنے زمانے میں رہی بلکہ اس کی وفات کے بعد چھ سو سال تک یورپ کے ممالک میں اس کی کتب درس گاہوں میں پڑھائی جاتی رہیں اور اس کی ''کتاب القانون'' تقریباً دُنیا کی تمام زبانوں میں ترجمہ ہوئی اور تین صدیوں تک پڑھائی جاتی رہی اور اب بھی طب یونانی کو سمجھنے کے لئے اس کا مطالعہ نہایت اہم اور ضروری ہے۔

طب یونانی نے آیورویدک کے مقابلے میں اکثر اہم تبدیلیاں پیدا کر دیں۔ مثلاً پانچ تتوں کے مقابلے میں چار ارکان اور تین دوشوں کے مقابلے میں چار اخلاط اور پھر ارکان اور اخلاط کے مزاج قائم کئے۔ ان کے ساتھ ہی ساتھ مرض اور دوا کے مزاج قائم کر دیئے۔ ماہیت امراض اور خواص الادویہ کے بیان میں عقلی ونقلی طور پر فلسفیانہ اور منطقیانہ انداز میں وہ کچھ بیان کیا کہ ان کی فن علاج میں غیر معمولی دلچسپی اور گہرا تعلق دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تہذیب کے زمانہ میں اس فن کو بھی معراج کمال تک پہنچا دیا تھا۔

نہ صرف یہ کہ اصل یونانی کتب منگوا کر ان کے ترجمے کیے گئے اور ان پر تحقیقات کی گئیں بلکہ ہندوستان سے وید صاحبان کو بلوایا گیا اور ویدک کی مستند کتب منگوائی گئیں تاکہ فن علاج کے اسرار و رموز سے آگاہی حاصل ہو۔ اس اسلامی تہذیب کے دورِ کمال میں فن طب میں اس قدر ترقی، اصلاح اور تجدید ہوئی کہ اگر اب طب یونانی کو طب اسلامی کہا جائے تو جائز ہے۔ اگرچہ حقیقی طور پر یہ طب اسلامی نہیں ہے۔ کیونکہ طب اسلامی صرف اسی کو کہا جا سکتا ہے جس کے اصول اور قواعد و قوانین قرآن حکیم اور سنت سے اخذ کیے جائیں جس طرف آج تک توجہ نہیں دی گئی چونکہ یہ بحث بہت طویل ہے اس لئے اس کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس امر کا ذکر صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ آئندہ زمانے میں اس انداز پر بہت اہم کام ہو سکتا ہے۔

طب یونانی یا طب اسلامی کے دور میں اگرچہ بے حد ترقی اصلاح اور تجدید ہوئی، مگر امراض کی پیدائش، علاج اور خواص الادویہ کی بنیاد آیورویدک کی طرح جسم کے کیمیاوی تغیرات پر رہی۔ یعنی مرض کی پیدائش کے لئے سبب واصلہ دوشوں کی بجائے واقع ہوتا ہے تو کوئی مرض ظہور میں آتا ہے۔ آیوروید تین دوشوں (وات، پت، کف) مانتے تھے۔ طب قدیم نے چار اخلاط (خون، بلغم، صفرا، سودا) کو تسلیم کر لیا۔ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ شیخ الرئیس نے قانون میں پیدائش مرض کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے اس امر کی طرف اشارہ ضرور کیا ہے کہ ''مرض اس حالت کا نام ہے جب اعضائے جسم اپنے افعال صحیح صورت میں انجام نہ دیں''۔

مگر مرض کی پیدائش کا سبب واصلہ اخلاط ہی کو قرار دیا ہے۔ گویا پیدائش مرض کی صورت کیمیاوی ہی رہی ہے۔ جس سے اعضاء کے افعال سامنے نہ آئے بلکہ صدیوں تک افعال الاعضاء کی طرف طب قدیم میں توجہ نہیں دی گئی یہی وجہ ہے کہ قدیم طریق علاج میں افعال الاعضاء پر کتب نہیں لکھی گئیں۔ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ طب قدیم میں اعضائے انسانی کے افعال کا کچھ نہ کچھ ذکر پایا جاتا ہے لیکن یہ صرف تشریح الابدان کے تحت بعض ضروری اور بنیادی باتیں پائی جاتی ہیں۔

جہاں تک اعضاء کے افعال کی حقیقت اور اہمیت کا تعلق ہے ان کو چھوا تک بھی نہیں گیا۔ مثلاً مختلف اعضاء کے افعال کس طرح انجام پاتے ہیں۔ ان کا دیگر اعضاء کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ وہ اپنے اندر کون کون سے کیمیاوی مواد تیار کرتے ہیں۔ وہ کس طرح تیار ہوتے ہیں، وہ کس طرح مواد حاصل کرتے ہیں، ان کا کس طرح اخراج عمل میں آتا ہے، ان کے اعمال سے خون پر کیا اثرات ظاہر ہوتے ہیں اور سب سے بڑھ کر دورانِ خون کیا شے ہے۔ اس کا دورہ کس طرح مکمل ہوتا ہے۔ جسم کو غذا کیسے ملتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کا جاننا فن علاج کے لئے نہایت اہم ہے۔

اسلامی دور میں افعال الاعضاء کی تحقیقات پر زیادہ کام صرف اس وجہ سے نہیں ہوا کہ اہل فن مرض کا سبب واصلہ اخلاط کو ہی تسلیم کرتے تھے۔ اگر وہ اعضاء کو مرض کا سبب واصلہ قرار دیتے جیسا کہ شیخ الرئیس نے مرض کی تعریف بیان کی ہے تو یہ یقینی امر تھا کہ علم طب اور فن علاج آج انتہائی بلندی پر ہوتا، جسم انسان کی وہ موشگافیاں ہوتیں کہ دُنیا دنگ رہ جاتی۔ چونکہ مرض کا سبب واصلہ اخلاط کو قرار دیا گیا جو جسم کے ایک کیمیاوی پہلو کا نتیجہ تھا۔ بس اخلاط کی بحث و تحمیص تک رہ گیا۔ اس سے بدن میں ایسی خرابیاں پیدا ہوئیں جن کا مداوا نہ ہو سکا۔ بعض امراض جن کو اخلاط کے ماتحت متعین کیا گیا تھا، علاج ان کے مطابق پیدا نہ ہو سکا۔

مثال کے طور پر یرقان کو گرم خشک یعنی صفراوی مرض قرار دیا گیا لیکن اس کا علاج مزاج کے خلاف سرد تر ادویہ سے نہ ہو سکا۔ اس طرح گرم بخاروں، گرم اورام اور گرمی کے اوجاع کا جب بھی علاج کیا گیا تو اپنے اصول کے خلاف بجائے سرد ادویات کے گرم ادویات سے کیا گیا۔ اس طرح خواص الادویہ میں مزاج مقرر کرنے میں بہت حد تک آپس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کوئی ماہر فن کسی دوا کو گرم قرار

دیتا ہے، دوسرا اس کو سرد کہتا ہے۔ اسی طرح خشک وتر میں غیر معمولی اختلاف پایا جاتا ہے۔ پھر مزاج کے درجات میں تو اس قدر اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ شائد ہی کوئی دوا اس سے بچ سکتی ہو اور علاج میں سب سے بڑی مصیبت یہ رہی ہے کہ علاج اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا، جب تک مریض کا مزاج معہ درجات مرض کا مزاج موسم کا مزاج وغیرہ پوری طرح معلوم نہ کر لیا جائے تا کہ اس کو بدلنے کے لئے اس کے مطابق دوا تجویز کی جائے۔ اس پر بس نہیں کہ تجویز دوا میں مزاج کو بھی مدنظر رکھنا ہے اور ان سے بڑھ کر ایک صورت بالخاصہ کی بھی ہے جہاں پر تدابیر اصول اور مزاج وکیفیات بالکل نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں۔

جہاں تک طب قدیم کے اصولی علاج کا تعلق ہے، ہم بغیر کسی جھجک اور ایچ پیچ کے کہتے ہیں کہ طب قدیم اصولی (سائنٹفک) طرق علاج ہے۔ لیکن اس کے کیمیاوی ہونے میں اس قدر طوالت ہے کہ اس پر ہر ذہن کی دسترس بے حد مشکل ہے۔ اس کے علاوہ دُنیا میں بے انداز علمی اور فنی ترقیاں ہو چکی ہیں۔ انسانی اعضاء کے نہ صرف افعال الاعضاء کی باریکیوں کا علم ہو چکا ہے بلکہ ان کی تصاویر بھی ہر وقت لی جا سکتی ہیں۔ اس لئے صرف دوش واخلاط اور کیمیاوی اسباب واصلہ علم الامراض میں کسی طرح کافی نہیں ہو سکتے۔

یورپی طب (ایلوپیتھی)

یورپی معالجین (ڈاکٹروں) نے اگرچہ فن علاج کی تعلیم اسلامی درس گاہوں سے حاصل کی اور مسلمان استادوں کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا تاہم انہوں نے اپنے عروج کے زمانے میں ان اسلامی علوم وفنون میں تحقیقات اور تدقیقات کر کے بحرنا پیدا کنار کی صورت پیدا کر دی۔ اوّل تو وہ لوگ صدیوں تک ان اسلامی علوم وفنون پر پوری طرح دسترس بھی حاصل نہ کر سکے۔ یہی اسلامی کتب ان کے مدارس اور یونیورسٹیوں کی زینت رہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ انہوں نے طب اسلامی میں کبھی بھی کمال پیدا نہ کیا بلکہ اپنی مختلف تحقیقات اور ریسرچ سے وہ ایک دوسرے میدان میں نکل گئے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ آج بھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے ایک بھی ڈاکٹر، بوعلی سینا، رازی اور ابن ارشد جیسا پیدا کیا ہو۔ خیر طب اسلامی کی تباہی کی ابتدا اسپین میں ہوئی اور اس کا سب سے بڑا سبب وہاں پر اسلامی حکومت کی بربادی تھی۔ قومی نفرت کے سبب مسلمانوں سے نفرت کے ساتھ ساتھ ان کے علوم وفنون سے بھی نفرت برتی گئی اور اس سلسلے میں اسلامی مذہب، ادبیات، اخلاقیات سے علم طب اور دیگر علوم وفنون کی کتب کو سربازار جلا دیا گیا کبھی وہ وقت تھا کہ ایک ڈاکٹر اپنی تعلیم ختم کرنے کے بعد اسلامی جبہ ودستار پہننے پر فخر کرتا تھا، پھر ایک وہ وقت آیا کہ اسلام کے ہر نشان سے نفرت ہو گئی۔

خیر حکومتوں کے نشیب وفراز میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ لیکن سب سے بڑا نقصان اس وقت ہوا جب یورپی تہذیب وتمدن کے سیلاب نے مشرق وسطیٰ خصوصاً بغداد میں قدم رکھا جس کے نتیجہ میں مصر سے لے کر ایران تک تمام اسلامی علوم وفنون رفتہ رفتہ ختم ہو گئے اور آج یہ حال ہے کہ طب اسلامی کا نام تک نہیں ہے۔ جب قدیم علوم وفنون نہ رہے تو ان پر مزید تحقیق اور تجدید اصلاح کس طرح قائم رہ سکتی تھی۔

دوسرا سبب جس نے اسلامی علوم وفنون اور علم طب کو تباہ کیا وہ یورپ کی تجارتی ذہنیت تھی جس سے وہ اپنے ملک کی ہر اچھی اور بری شے کو دوسرے ممالک میں پھیلانے اور ان کے مقابلے میں دیگر ممالک کی تجارت کو تباہ وبرباد کرنا اپنی قومی ترقی اور فوقیت کا جزو لاینفک قرار دے دیا گیا۔ یہ ذہنیت بڑھتے بڑھتے اس مقام تک پہنچ گئی کہ تہذیب وتمدن انہوں نے اپنا پیدائشی حق سمجھ لیا اور دیگر تمام ممالک اور اقوام کو غیر مہذب اور غیر متمدن قرار دے دیا۔ پھر دیگر ممالک کی دولت لوٹنے کے لئے دیگر ممالک کو مہذب ومتمدن بنانے کا سامراجی ڈھونگ کھڑا کر لیا جس کے اثرات اب تک مشرق وسطیٰ، بغداد اور افریقہ وہند میں پائے جاتے ہیں۔

تیسرا اور آخری سب سے بڑا سبب طب اسلامی کی تباہی کا یورپی تحقیقات اور ریسرچ کا ایک جدید اور مختلف دور کا شور ہوتا ہے۔ اگرچہ یورپ کی تحقیقات اپنی جگہ قیمتی اور قابل قدر ہیں لیکن اس امر کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ سب کچھ اسلامی علوم وفنون سے ہٹ کر کیا گیا ہے۔

یورپی تحقیقات کی ابتدا عناصر (Element) سے ہوئی۔ یعنی انہوں نے تحقیقات سے اس امر کی تصدیق کر دی کہ عناصر چار نہیں ہیں بلکہ ایک سو کے قریب ہیں اور اس طرح بعض اشیاء جن میں سونا، چاندی، تانبا، لوہا، گندھک اور سنکھیا وغیرہ آگ، ہوا، پانی اور مٹی سے مرکب نہیں ہیں۔ بلکہ یہ اور اسی طرح کے دیگر تمام عناصر مفرد ہیں۔

جب یورپی طب نے عناصر کا قدیم تصور چھوڑ دیا تو اس کے ساتھ مزاج اخلاط اور ارواح کے نظریات بھی چھوڑنے پڑے۔ چونکہ طب قدیم میں امزجہ اور اخلاط کے نظریات پیدائش الامراض اور علاج الامراض میں بنیادی درجہ رکھتے ہیں اور یہ نظریات اپنی جگہ صحیح بھی ہیں۔ لامحالہ ان کے چھوڑ دینے کے بعد یورپی طب کے لئے ضروری تھا کہ پیدائش الامراض اور علاج الامراض کے لئے اس کی جگہ کوئی نظریہ قائم کرتی۔ سو اس کی جگہ فسادی مادے (Forcing Matters) قوت مضاد (Immunity) اور ضعف (Unability) کو اسباب واصلہ قرار دیا گیا۔

جب فسادی مادے پر تحقیقات کی گئیں تو نظریہ جراثیم (Germs Theory) سامنے آ گیا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ گزشتہ صدی تمام کی تمام تحقیق جراثیم (Germs Research) کے کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ اکثر امراض کے جراثیم معلوم کئے گئے۔ بلکہ قوت مضاد کی کمزوری اور ضعف کے اسباب بھی جراثیم کے اثرات قرار دیئے گئے۔ گویا یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ ہر مرض جو پیدا ہوتا ہے اس کا سبب واصلہ کوئی نہ کوئی جراثیم ضرور ہے چاہے اس کا علم تا حال سائنس دانوں کو ہوا ہے یا نہیں ہوا ہے۔ اور جن امراض کے جراثیم تا حال تحقیق نہیں ہوئے ہیں ان امراض کا علاج ایمونٹی اور Unability کے تحت کیا جاتا ہے۔ ایک طرف نظریہ اخلاط چھوڑنے اور دوسری طرف تشریح الابدان اور منافع الاعضاء میں انتہائی تحقیق وتدقیق کرنے کے بعد امید تھی کہ ماہرین یورپی طب جسم انسانی کا تکنیکی طریق پر بھی مطالعہ کریں گے۔ اعضاء کے تغیرات کے ساتھ تطبیق دیں گے یا اعضاء کے تغیر کو مرض کا سبب واصلہ قرار دیں گے۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ دراصل نظریہ جراثیم نے ان کو ایک ایسے چکر میں ڈال دیا ہے جس سے وہ بڑھتے ہی چلے گئے اور جراثیم کے علاوہ کسی اور نظریہ کی طرف پھر کر بھی نہیں دیکھا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یورپی ماہرین طب نے مرض کی حالت میں مختلف اعضاء کے تغیرات اور مختلف علامات کو ابتداء سے انتہاء تک پیتھالوجی میں بیان کیا ہے مگر اس میں مرض اور عضو میں تطبیق نہیں دی گئی۔ جس کے نتیجہ میں سبب پیدائش مرض صرف کیمیاوی بن کر رہ گیا ہے۔

جہاں تک پیدائش امراض میں نظریہ جراثیم کا تعلق ہے کوئی شک نہیں ہے کہ وہ اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے۔ اس ذریعہ سے ایک خاص طریق اور صورت میں امراض کی تحقیقات اور ان کا علاج ہو سکتا ہے اور بہت حد تک مختلف نہیں ہے۔ ان کا اصول ایک ہی ہے۔ وہ دونوں بھی پیدائش امراض کو کیمیاوی تسلیم کرتے ہیں یعنی دوشوں اور اخلاط کی خرابی ہی پیدائش امراض کا سبب ہے۔ ان کے برعکس یورپی طب جراثیم کی پیدائش امراض کے لئے سبب واصلہ خیال کرتے ہیں تینوں طریق علاج کیمیاوی ہیں۔

ان میں امراض کو رفع کرنے کے لئے انسان اس امر پر مجبور ہے کہ یا تو جسم انسان میں دوشوں اور اخلاط کی حالت سدھارے یا جراثیم کو ختم کرے اور ساتھ ہی جسم میں ایمونٹی اور ان ایبلٹی کو پورا کرے تب جا کر مرض ختم ہوگا۔ تینوں طریق علاج میں انسان کو آسانی

سے یقین پیدا نہیں ہوسکتا کہ وہ جسم انسانی کی کیمیاوی صورت کو حسب منشا طریق پر درست کر سکتے ہیں یا نہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ تیز سے تیز تر اور زیادہ مؤثر ادویات کا استعمال جاری رہتا ہے جو بعض صورتوں میں ضرر رساں بھی ثابت ہوتی ہیں علاج تعین نہیں کیا جا سکتا، بلکہ ہمیشہ ظنی صورت قائم رہتی ہے، کبھی ایک خاص فائدہ کے لئے ایک قسم کی دوا دی جاتی ہے اور جب فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو دوسری قسم کی دوا دے دی جاتی ہے۔ عام طور پر نتیجہ تسلی بخش نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ آیورویدک، طب قدیم نے ہر مرض کے لئے ہزاروں نہیں لاکھوں مرکبات اور مجربات ترتیب دیئے ہیں لیکن کسی مرض کا آج تک معین نسخہ پیش نہیں کر سکتی۔ یہی حال طب یورپی کا ہے۔ گزشتہ پانچ صدیوں میں وہ ہر مرض کے لئے بے شمار نسخے اور ادویات پیش کر چکی ہے اور روز بروز نئی تحقیقات اور جدید ایجادات کے ساتھ ساتھ اکسیر اور یقینی علاج یورپ اور امریکہ سے یہاں پہنچ رہے ہیں۔ مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات، نئی تحقیق شدہ ادویات اور پیٹنٹ ادویات کا جس گرم جوشی سے خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ جب ان سے حسب خواہ فوائد حاصل نہیں ہوتے تو اسے بھی زیادہ سرد مہری سے اپنے افسوس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ سب کچھ اشتہارات کی سحر آفرینی ہو یا پراپیگنڈے کی جادوگری جب کسی کمپنی کو کمانا منظور ہوتا ہے تو وہ ایک فارمولہ ترتیب دے کر حکومت کو یقینی دلا دیتی ہے کہ یہ جدید تحقیق ہے۔ پھر اس کا اعلان ہو جاتا ہے کہ فلاں مرض کے لئے ایک نئی دوا ایجاد ہوئی ہے اور پھر وہ دوا دھڑا دھڑ بازار میں آ جاتی ہے۔ ساتھ ہی اس کے نمونے اور ترکیب استعمال کے اشہارات ڈاکٹروں کو روانہ کر دیئے جاتے ہیں۔ جب اشتہارات ڈاکٹروں کے پاس جاتے ہیں تو ڈاکٹر صاحبان بغیر سوچے سمجھے مریضوں کو لکھ کر دینا شروع کر دیتے ہیں۔ دوا دھڑا دھڑ بکنا شروع ہو جاتی ہے، جب اس سے خاطر خواہ فوائد حاصل نہیں ہوتے تو کہا جاتا ہے کہ پچاس فیصد مفید ہے۔ جب اصل دوا کے خلاف نفرت پیدا ہونے لگتی ہے۔ لیکن کمپنی والے بیوقوف نہیں ہیں وہ اس ردّعمل کو خوب سمجھتے ہیں، انہوں نے اپنے بزنس کے لئے پروپیگنڈا کے ماہرین ملازم رکھے ہوئے ہیں اس لئے جب وہ دوا کے خلاف نفرت اور ردّعمل دیکھتے ہیں تو فوراً اوپر تلے اس قسم کے اعلان جاری کر دیتے ہیں۔

① دوا میں جو مؤثر جوہر تھا وہ خاص دستیاب نہیں ہوتا تھا۔ اب وہ دستیاب ہونا شروع ہو گیا ہے۔ اس لئے دوا بہتر طریقہ پر تیار کر لی گئی ہے، اب بے حد مفید ہو گئی ہے اس کا نمبر 695 مقرر کیا گیا ہے۔

② دوا میں ایک خاص قسم کی کمی تھی وہ پوری کر دی گئی ہے۔ اب دوا بے حد مفید ہو گئی ہے۔ پہلے دوا کا نام اگر 693 تھا تو اب 694 کر دیا گیا ہے۔

③ فلاں دوا میں چند نقائص تھے وہ سائنس دانوں کی کوشش سے رفع کر دیئے گئے ہیں۔ اب واقعی اکسیر کے مقام تک پہنچ گئی ہے۔ اس دوا کے نام کے ساتھ لفظ نیو (Neo) کا اضافہ ہو جاتا ہے یا اس کا کوئی اور نمبر مقرر کر دیا جاتا ہے۔

جب یہ نیو بھی فیل ہو جاتی تو میو (Mye) بن جاتی ہے اور یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ کمپنیاں بھی اپنی تجوریاں بھرتی رہتی ہیں اور ڈاکٹر صاحبان اپنی روٹی کماتے رہتے ہیں اور اب ان میں وید اور حکیم لوگ بھی شریک ہو گئے ہیں۔

اگرچہ ڈاکٹروں نے کوشش کر کے یہ قانون بھی پاس کرا دیا ہے کہ وید اور حکیم لوگ ڈاکٹری دوائیں نہ برتیں تاہم وہ برتتے ہیں اور روپیہ کماتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان ادویات کی اصلیت سے جس طرح وید اور حکیم لوگ ناواقف ہیں بالکل اسی طرح ڈاکٹر لوگ بھی نابلد ہیں۔ ان ادویات کے استعمال کرنے والے معالج صرف دوا کے اثرات سے واقف ہیں ان کی ترتیب اور خواص کا شاید ہی کسی کو پورا علم ہو پھر جب کوئی نئی دوا آتی ہے تو وہ ہر مرض میں استعمال کرا دی جاتی ہے۔

گویا ہزاروں سال میں آیورویدک طریق علاج سے لے کر آج تک جب کہ سائنس کو اپنی انتہائی ترقی کا دعویٰ ہے، علاج الامراض میں یقینی صورت پیدا نہیں ہوئی بلکہ ظنی سلسلہ چلا جارہا ہے۔ ان طریق کو ہم غیر سائنسی تو نہیں کہہ سکتے، البتہ غیر ترتیبی (Unsystematic) ضرور کہہ سکتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں سائنسی اصول کے پردے میں ایک غیر سائنسی ظنی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا اصول سائنس ہے لیکن جب اس کو برتا (اپلائی) جاتا ہے تو بجائے یقینی (Surity) کے ظنی (Guess) سے کام لیا جاتا ہے۔ یعنی جب کوئی مریض آتا ہے تو ہر وید، ہر طبیب اور ہر ڈاکٹر جب صحیح طور پر کسی دوش یا خلط اور جرم کی خرابی معلوم کر لینے کے بعد جب دوا تجویز کرتا ہے تو ہر وید کی دوا دوسرے وید سے، ہر طبیب کی دوا دوسرے طبیب سے اور ہر ڈاکٹر کی دوا دوسرے سے مختلف ہوگی۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے ہر دوش ہر خلط اور ہر جرم کی خرابی کو دور کرنے کے لئے متعدد دوائیں تجویز و تحقیق کر رکھی ہیں۔ ادویات کی تحقیق تو سائنس ہے مگر ان کا استعمال یقینی نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہزاروں سال گزر جانے کے بعد آج تک کسی ایک علامت کی یقینی دوا تیار نہیں کی جا سکی۔ روزمرہ کے امراض نزلہ، زکام، کھانسی، بخار اور قبض و اسہال ہی کو سامنے رکھ کر دیکھیں کہ کیا ان علامات کو رفع کرنے کے لئے کسی وید طبیب اور ڈاکٹر کے پاس یقینی دوا ہے۔ جب ان روزمرہ کے امراض اور علامات کا یہ حال ہے تو مزمن اور پیچیدہ امراض اور علامات میں غیر یقینی صورت خود بخود ظاہر ہے بلکہ اکثر یہی روزمرہ کے امراض اور علامات بگڑ کر مزمن اور پیچیدہ امراض میں تبدیل ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ماہرین نے قبض کو ام الامراض اور نزلہ کو ابوالامراض کہا ہے۔

ہر صاحب عقل خود اندازہ لگا سکتا ہے کہ آج تک جن طریق علاج کو سائنٹیفک (علمی) کہا جاتا ہے وہ کہاں تک علمی ہیں اور کہاں تک ظنی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی وید یا طبیب اور ڈاکٹر اپنے طریق علاج (systematic) اور علمی (Scientific) ثابت کرتا ہے تو میں ان کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ ایک بھرے اجتماع میں آ کر اپنے حقائق کا ثبوت پیش کریں، میرا دعویٰ ہے کہ وہ کبھی بھی ثابت نہیں کر سکیں گے۔

جیسا کہ اوپر کی مثالیں پیش کی گئی ہیں کہ جس طرح یونانی طریق علاج کی ترقی کے زمانہ میں ویدک علاج بہت حد تک ختم ہو گیا یا عوام نے یونانی طریق علاج کی بڑھتی ہوئی شہرت اور ترقی سے مرعوب ہو کر اس کو اپنانا شروع کر دیا، اسی طرح جب طب یورپی کے عروج اور بلندی کا زمانہ آیا تو طب یونانی ختم ہونا شروع ہو گئی اور طب مغرب کے شیشہ و آلات سے مرعوب ہو کر عوام نے بھی طب یونانی سے بے رُخی اختیار کر لی۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آیورویدک اور طب یونانی کے نظریات علمی نہیں ہیں یا وہ اب بے اصولے اور غیر مہذب ہو گئے ہیں نہیں! ''ہرگز نہیں''۔ ان کی صداقت اور علمی صورت اپنی جگہ قائم ہے، ان میں یکساں ضرور ہیں، ان میں مزید ترقی کی جا سکتی ہے۔ لیکن ان کو غیر علمی (ان سائنٹیفک) اور وحشی طریق علاج نہیں کہا جا سکتا۔

جب کسی علم و فن میں مزید ترقی ہوتی ہے تو اس کے علمی اور فنی قوانین و قاعدے غیر علمی نہیں بن جاتے بلکہ ان سب کو ترقی اور بلندی کے وسیلے کہا جاتا ہے۔ جب کسی علم (Science) یا فن (Art) میں جدید اصول تحقیق ہوتے ہیں اور ان پر عمل دخل شروع ہوتا ہے تو ان جدید اصولوں کے حامل لوگوں میں تمام فاضل نہیں ہوتے۔ اکثر عوام قسم کے لوگ بھی ہوتے ہیں اور ایسے لوگ عام طور پر جذباتی ہوتے ہیں۔ وہ علم و فن کی نشو و ارتقاء کی تاریخ اور ادوار ترقی سے واقف نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ اپنے زمانے سے قبل کے ہر دور اور علمی و فنی تحقیق کو قدامت اور وحشت کا درجہ دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک صرف اپنے زمانے کے علوم و فنون علمی اور اصولی ہیں اور باقی تمام کو غیر علمی اور غیر اصولی کہہ دیا جاتا ہے۔

ہومیوپیتھی

جس طرح طب یورپی کے بعض عاملین نے جذبات میں ابھر کر آیورویدک اور طب یونانی کو غیر علمی اور غیر اصولی بلکہ غیر مہذب اور وحشی طریق علاج کہہ دیا ہے، اسی طرح جب یورپ میں ہومیوپیتھی نے جنم لیا اور اس کی قلیل اور شیریں ادویات نے لوگوں پر کامیاب اور معجزہ نما اثر کیا تو اس کے عاملین میں غیر فاضل لوگوں نے جذبات میں آ کر یورپی طب کو قاتل، تلخ اور زہریلی ادویات کی حامل جسم میں بجائے شفا کے امراض پیدا کرنے والی، غیر علمیہ اور غیر اصولی طریق علاج کے نام دھرے۔ طب یورپی کے خلاف اس قدر شدید پروپیگنڈا کیا گیا اور اب تک کیا جا رہا ہے کہ اکثر لوگوں کو طب یورپی کے قریب جانے سے ڈر لگتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہومیوپیتھی کے موجد ڈاکٹر ہانمن نے سنکونا کے تجربہ سے ثابت کیا کہ ایلوپیتھی طریق علاج جسم انسان میں بڑی بڑی مقدار میں ادویات پہنچا کر شفا کی بجائے زہر پیدا کرتی ہیں اور نئے امراض کو عدم سے وجود میں لاتے ہیں۔ اس نے اپنے تجربات اور مشاہدات سے عوام پر ثابت کر دیا کہ مرض کا علاج بڑی بڑی خوراکوں کے استعمال میں نہیں ہے بلکہ قلیل سے قلیل مقدار میں دوا کھا کر صحت حاصل کی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ معالج ادویات کے صحیح اثرات سے واقف ہوں۔ ادویات کے صحیح خواص جاننے کا طریق اس نے یہ وضع کیا کہ جب ادویات کو زیادہ سے زیادہ کھلایا جائے یہاں تک کہ موت واقع ہو جائے اس دوران میں تمام علامات کو نوٹ کر لیا جائے۔ بس پھر جس انسان میں کسی دوا کی علامات پائی جائیں وہی دوا قلیل مقدار میں دے دی جائے۔ دوا اصولی ہوگی اور مریض کے لئے اکسیر اور تریاق ثابت ہوگی۔ تجربہ اور مشاہدہ میں بھی یہ اصول اور قاعدے تقریباً صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ موجد فن کا تقلیل دوا سے مقصد یہ تھا کہ دوا کے جسم کو فنا کر دیا جائے اور اس کی روح قائم کر دی جائے اس سے اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ انسان کے جسم میں روح بیمار ہو جاتی ہے اور پھر جسم خود بیمار ہوتا ہے اس لئے علاج میں اوّل روح کو تندرست کیا جائے تو جسم خود بخود درست ہو جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر ہانمن خود ایک مستند ڈاکٹر تھا خود کئی سال تک ایلوپیتھی طریق سے علاج کرتا رہا۔ مگر جب اس کو اس طریق علاج میں یقینی و تسلی بخش کامیابی نہ ہوئی تو وہ اس طریق علاج سے دِل شکستہ ہو گیا۔ پھر اس نے از سرنو کتاب علم الادویہ (Matria Medica) کا مطالعہ اور ادویات پر تجربے کرنا شروع کر دیئے، جب اس نے مریضوں کو مسلسل سنکونا کھلایا تو اس کو حیرت ہوئی کہ مریضوں میں ملیریا بخار پیدا ہو گیا۔ پھر جب اس نے سنکونا کی قلیل مقدار ملیریا کے مریضوں کو دی تو بخار رفع ہو گیا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ ایلوپیتھی کا طریق علاج صحیح نہیں ہے، بلکہ اس طریق پر مریضوں کو زہر دیا جاتا ہے اور نئے امراض اور علامات پیدا کی جاتی ہیں۔ جن سے مریضوں کی قوت مدبرہ بدن کمزور ہو جاتی اور آخر وہ مر جاتا ہے۔

ڈاکٹر ہانمن نے اس امر پر زور دیا کہ انسان کی اس روحانی قوت کی نگرانی کی جائے جو جسم انسان میں ہر قسم کے خطرات کی حفاظت کرتی ہے جس کو وائٹل فورس (قوت مدبرہ بدن) کہتے ہیں۔ اس نے یہ امر ثابت کیا کہ جو جراثیم کش ادویات امراض کے دفعیہ کے لئے استعمال کی جاتی ہیں وہ جسم انسان کی حیوانی بافتوں (ٹشوز) کے حیوانی ذرّات (سیلز) کو بھی تباہ کر دیتی ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جس طرح جرثومہ بغیر خوردبین کے نظر نہیں آتا، اسی طرح حیوانی ذرّہ بھی بغیر خوردبین کے نظر نہیں آتا۔ یعنی نزاکت میں جراثیم سے زیادہ طاقتور نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض اوقات جراثیم سے کمزور ہوتا ہے۔ اس لئے جراثیم اس پر اپنا اثر ڈال لیتے ہیں۔ جو ادویات جراثیم کو فنا کر دیتی ہیں وہ ان حیوانی ذرّات کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیتی ہیں۔ نتیجہ کے طور پر قوت دافع مرض (Imunity) اور قوت مدبرہ بدن کمزور ہو جاتی ہے۔ نتیجہ کے طور پر مرض غالب آ جاتا ہے اور مریض آخر کار ختم ہو جاتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جب ایلوپیتھی کی ادویات استعمال کی جاتی ہیں تو اس امر کو بالکل مدنظر نہیں رکھا جاتا کہ ادویات مرض کو دفع کرنے کے ساتھ ساتھ جسم کے لئے کس حد تک نقصان دہ ثابت ہوں گی۔ آج بھی زہریلی ادویات کی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیں، اس میں زہریلی ادویات کے استعمال کے نقصانات تفصیلاً نمایاں نظر آئیں گے۔ جس میں آرسینک، مرکری، کچلہ، مارفیا وغیرہ نمایاں نظر آتے ہیں اور پیٹنٹ ادویات میں ہر سال ان کا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ سالورسان، ایم بی 963 - سلفا گروپ اور خاص طور پر وہ تمام پیٹنٹ ادویات جو ٹی بی (T.B.) سل ودق کے لئے تیار کی گئی ہیں۔

ہومیوپیتھی میں جہاں دوش اور اخلاط کا تصور چھوڑ دیا گیا ہے وہاں پر جراثیم کا خیال بھی ترک کر دیا گیا ہے اور ثابت کر دیا گیا ہے کہ ہر جراثیمی مرض کا علاج بغیر جراثیم کش ادویات کے کیا جاسکتا ہے۔ ہومیوپیتھی میں کامیابی کا راز ادویات کی علامات کا گہرا مطالعہ ہے۔ ان علامات میں کیمیاوی اور مکینکی دونوں قسم کی علامات پائی جاتی ہیں۔ جہاں تک مرض کے گرمی سردی، تری وخشکی کے اثرات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، غرض ہومیوپیتھی کی کامیابی نے ترقی کی منزلیں طے کیں اور یہ طریق علاج یورپ اور امریکہ میں خوب پھیلا۔

ہومیوپیتھی کی کامیابی کو دیکھ کر ڈاکٹر سشلر نے بائیوکیمک طریق علاج رائج کیا جس نے ہومیوپیتھی کی ہزاروں ادویات کا دھونا دھویا اور اپنے طریق علاج میں صرف بارہ چودہ ادویات شامل کیں اور دعویٰ کیا کہ انسان کے جسم کی بناوٹ صرف بارہ چودہ نمکیات سے ہے اور ان میں سے جو نمک بھی کم یا خراب ہوجاتا ہے مرض کا باعث ہوتا ہے۔ بس اس کمی کو پورا کر دیا جائے تو مرض کا علاج ہوجائے گا۔

ایلوپیتھی کے بالمقابل ہومیوپیتھی اور بائیوکیمک کو دیکھ کر کئی قسم کے طریق علاج دُنیا میں رائج ہوگئے۔ جس میں ہائیڈروپیتھی (علاج بالماء) کروموپیتھی (علاج باللون) سائیکوپیتھی (نفسیاتی علاج) وغیرہ شامل ہیں۔ جن کی فہرست طویل ہے جن میں سے چند ایک تو قائم رہ گئے ہیں اور باقی ختم ہوگئے ہیں، ہومیوپیتھی کے باقی جتنے طریق علاج بھی دُنیا میں رائج ہوئے ان کو اگر کوئی اہمیت نہ بھی دی جائے تاہم یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ نظریہ جراثیم کی اہمیت علاج میں ختم ہوگئی ہے۔ ہومیوپیتھی اور دیگر طریق علاج نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جرم کش ادویات کے بغیر بھی جراثیمی امراض کا علاج کیا جاسکتا ہے۔

جرم کش ادویات سے امراض کا علاج کرنا بھی درست ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بغیر جرم کش ادویات کے امراض کا دفعیہ ہوسکتا ہے۔ اس حقیقت نے اس امر کو روشن کر دیا ہے کہ علاج میں جو مختلف طریق کامیابی حاصل کر لیتے ہیں، اس کی تہہ میں کوئی راز بھی ہے۔ ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک مرض کا علاج مختلف طریق پر کامیابی کے ساتھ کیا جاسکے۔

عجیب بات یہ ہے کہ ان مختلف طریق علاج کے حامیوں نے اس حقیقت کی تلاش کے بجائے اپنی اپنی جگہ محاذ جنگ قائم کر دیئے ہیں جس میں انہوں نے اپنے اپنے طریق علاج کی تعریفیں اور خوبیاں بیان کرنا شروع کر دیں اور دوسری طرف دیگر طریقہ کی برائیاں اور خرابیوں کا ذکر کرنا شروع کر دیا اور دعوے کئے گئے کہ دُنیا میں انہی کا طریق علاج صحیح ہے۔

پاکستان بننے سے قبل ہندوستان میں فنی جنگ کے اکھاڑے بہت شدومد کے ساتھ قائم ہوئے۔ کیونکہ ہندوستان میں پہلے ہی وہ طریق علاج آیورویدک اور طب یونانی رائج تھے۔ انگریزی حکومت کے ساتھ ہی یورپی علاج وارد ہوا۔ انگریز کی سامراجیت نے ملکی علاج کو علمی اور صحیح جانتے ہوئے بھی ان کو ختم کرنے کی کوشش کی اور ان کا نام دقیانوس اور غیر مہذب طریق علاج رکھا گیا۔ جب ہومیوپیتھی اور دیگر طریق علاج یورپ سے ہندوستان میں آگئے تو پھر بے شمار طریق علاج کے ادارے قائم ہوگئے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی ڈفلی بجانا شروع کر دی۔ اکثر جلسوں میں مباحثے اور مناظرے ہوئے، مختلف طبی اور ڈاکٹری رسائل میں بلکہ اخباروں میں بھی یہ بحث وتمحیث جاری رہتی اور

کوئی فیصلہ نہ ہوتا، لیکن یہ اکثر دیکھا گیا کہ اس فنی جنگ میں طب یونانی اور آیورویدک کا پلہ بھاری رہتا۔

اس بحث اور جنگ کا سب سے بڑا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر طریق علاج کے ماہر نے دیگر طریق علاج کا مطالعہ کرنا ضروری سمجھ لیا۔ اس مطالعہ سے ایک طرف وہ اپنے مدمقابل کو جواب دیتے اور دوسری طرف اس طریق علاج کی خوبیوں سے مستفید ہونا شروع ہو گئے۔ آج کل تو شاید ایسے معالج کم ہوں لیکن آج سے بیس تیس سال قبل بے شمار ایسے معالج ہوتے تھے جو بیک وقت آیورویدک، یونانی، ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی سے اچھی طرح واقف تھے۔ وہ ویداور ڈاکٹر اور اسی طرح حکیم اور ڈاکٹر کہلاتے تھے۔

پنجاب میں بڑے بڑے فاضل لوگ بھی گزرے ہیں جن میں شمس الاطباء حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی، کرنل ڈاکٹر بھولا ناتھ، ڈاکٹر رحیم بخش، حکیم ڈاکٹر فیروز الدین ایڈیٹر رسالہ ''الحکیم'' اور ڈاکٹر سلطان احمد وغیرہ شامل ہیں۔ انہوں نے بحث ومباحثہ میں حصے لئے، علمی کتابیں اور مضامین شائع کئے اور ہر کتاب اور مضمون میں قدیم اور جدید نظریات اور علاج تحریر کئے، اس زمانے کے معالج اکثر مرکب علاج کرتے تھے۔ ان کی کتب اور مباحثوں میں آج بھی ہر مرض کے تحت مختلف طریق علاج کے نسخے درج ہیں۔ ان میں حکیم نور دین بھیروی اور شفاء الملک بھٹی بھی قابل ذکر ہیں۔ صورت حال یہاں تک پہنچی کہ اس کو اچھا معالج ہی نہ سمجھا جاتا جو دو تین طریق علاج سے واقف نہ ہوتا۔ غرض یہ کہ وہ ایک اچھا طبی اور علمی دور تھا۔

ایک طرف تو مناظرے مباحثے اور طبی وعلمی مقابلے جاری تھے تو دوسری طرف چند ہستیاں ایسی تھیں جو فن علاج میں تجدید و اصلاح کے متعلق غور وفکر کر رہی تھیں، ان میں حاذق الہند مسیح الملک حکیم اجمل خاں اور استاد الاطباء حکیم احمد دین موجد طب جدید خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اوّل الذکر کے پاس دولت شہرت اور ذاتی اثر تھا۔ انہوں نے ان چیزوں کی مدد سے ہندوستان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک آیورویدک اور یونانی طب کی حمایت میں آواز اٹھائی اور تمام ویدوں اور اطباء کو ایک پلیٹ فارم پر کامیابی کے ساتھ اکٹھا کیا اور آیورویدک اینڈ طبی کانفرس کی بنیاد رکھی۔ اس زمانے کے راجوں مہاراجوں اور امراء تک کو دعوتیں دیں۔ ساتھ ہی آیورویدک اور طب یونانی کو ایک بلند مقام پر پہنچا دیا۔ پھر ان کی ترقی اور نشر واشاعت کے لئے آیورویدک اینڈ یونانی طبیہ کالج اور ہندوستانی طبیہ کالج قائم کیا۔ جس سے آیورویدک اور طب یونانی کی بے حد عزت اور منزلت ہوئی۔ لیکن حکیم موصوف کا سب سے بڑا کام وہ تھا جو انہوں نے ایک تحقیقی ادارہ قائم کیا جس میں قابل لوگوں کی نگرانی میں فن میں تحقیق اور اصلاح کا کام کیا۔ اس کی پہلی قسط ''قانون مصری'' کی شکل میں شائع ہوئی جس میں طب قدیم کے علمی مسائل پر بحث، اس کتاب پر بحث طوالت کا باعث ہوگی۔ مختصر یہ ہے کہ حکیم صاحب موصوف نے چار ارکان سے انکار کر دیا۔ اخلاط کو نظر انداز کر دیا۔ غرض کہ جو باتیں انہیں موجودہ سائنس میں غیر علمی معلوم ہوئیں ان سے انکار کر دیا اور ان کی جگہ طب یونانی کو اپنانا شروع کر دیا۔ ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور یہ کام تشنہ تکمیل رہ گیا۔ ان کے بعد کوئی اس کا اہل نہ ہوا۔ غنیمت ہے کہ ہندوستانی دواخانہ اور طبیہ کالج قائم ہیں۔

حکیم احمد الدین صاحب

ثانی الذکر استاد الاطباء حکیم احمد الدین صاحب موجد طب جدید نے بھی تجدید اور اصلاح کے لئے غور وخوض کیا۔ انہوں نے ایک مختلف زاویہ نگاہ سے اپنی تحقیقات کو شروع کیا۔ ان کے سامنے یہ نظریہ تھا کہ تمام طریق علاج اگرچہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن شفا سب میں ہے، ایسا کیوں ہے مدت تک وہ اس مسئلہ پر غور وفکر کرتے رہے۔ آخر وہ ایک نتیجہ پر پہنچے اور یہی ان کے تجدید فن کی بنیاد تھی۔ ان کے لئے اس نظریہ نے فن طب میں ایک بہت بڑی تبدیلی پیدا کر دی۔ ان کے اس نظریہ کا نام نظریہ افعال الاعضاء ہے۔ اس میں انہوں

نے ثابت کیا ہے کہ جس قدر طریق علاج ہیں وہ سب دراصل پیدائش مرض کے معاملے میں مغالطے میں ہیں یعنی وہ سب اپنی اپنی جگہ جس سبب کو پیدائش مرض کا سبب قرار دیتے ہیں وہ غلط ہیں۔ مثلاً آیورویدک مرض کا سبب واصلہ دوش کا قرار دیتا ہے اور طب یونانی اخلاط کو، یورپی طب جراثیم کو اور ہومیوپیتھی روح کو قرار دیتی ہے۔ پھر ان کی اصلاح اور درستی سے مرض کا علاج کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں پیدائش مرض کا اصل سبب واصلہ صرف اعضاء کی خرابی ہے۔ جب تک اعضاء درست کام کرتے ہیں کوئی مرض پیدا نہیں ہوتا۔ جب اعضاء کے فعل میں خرابی پیدا ہوتی ہے تو وہ اخلاط اور دوش کی کمی بیشی سے ہو یا جراثیم کی وجہ سے یا نفسیاتی یا کیفیاتی اثرات سے بہرحال یہ سب اسباب ضرور ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی سبب واصلہ نہیں ہے جس سبب کی وجہ سے مرض نمودار ہوتا ہے وہ صرف اعضاء کے افعال کی خرابی ہے۔ جب تک اعضاء درست رہیں نہ جسم میں دوش اور اخلاط کی زیادتی ہوتی ہے اور نہ ہی وہاں جراثیم اکٹھے ہوتے ہیں اور نہ ہی کوئی زہر وہاں پر رُکتا ہے۔ جب بھی اعضاء کے افعال خراب ہوتے ہیں، اخلاط اور دوش میں بھی خرابی واقع ہو جاتی ہے اور جراثیم اور زہر بھی بڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔

مثال کے طور پر اگر جگر کے فعل میں تیزی آ جائے تو جسم میں صفرا کی زیادتی نظر آتی ہے۔ دوسری طرف ملیریا کے جراثیم بھی خون میں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح دیگر اعضاء مثلاً معدہ اور امعاء کے فعل میں تیزی آتی ہے تو قے اور اسہال شروع ہو جاتے ہیں اور جب ان کے افعال میں سستی آ جاتی ہے تو بھوک بند اور قبض ہو جاتی ہے۔ غرض امراض کی پیدائش کا تعلق اعضاء کے افعال میں افراط و تفریط کے ساتھ ہے۔ جب ان کے افعال اعتدال پر ہوں گے تو کوئی مرض نہ ہوگا جس میں نہ دوش و اخلاط کی زیادتی ہوگی اور نہ ہی کوئی جرثومہ وزہر ہوگا۔

دیگر طریق علاج میں اعضاء کے افعال کو بالواسطہ درست کرتے ہیں بلاواسطہ درست نہیں کرتے۔ پہلے دوش اور اخلاط کو اعتدال پر لاتے ہیں یا جراثیم اور زہر کو جسم سے خارج کرتے ہیں۔ پھر اعضاء درست ہوتے ہیں لیکن صورت یہ ہونی چاہئے کہ جو عضو خراب ہو یعنی اس میں افراط و تفریط ہو اس کو بلاواسطہ درست کرنا چاہئے تا کہ اس کے اعتدال پر ایک طرف مرض ختم ہو جائے گا اور دوسری طرف اسباب الامراض دور ہو جائیں گے اس طرح ایک طرف علاج میں سہولت پیدا ہو جائے گی اور دوسری طرف تمام طریق علاج ایک مرکز پر اکٹھے ہو جائیں گے۔

دُنیا بھر میں یہ پہلا نظریہ تھا جو کیمیاوی کے بجائے مکینکی اصول پر پیش کیا گیا۔ اس نئے طریق علاج کا نام طب جدید رکھا گیا لیکن اس نئے طریق علاج کو انگریزی حکومت میں کیا وقعت ہو سکتی تھی اور اس کے علاوہ ملک بھر میں ایک درجن کے قریب طریق علاج موجود تھے، ان میں ایک اضافہ ہو جانا معمولی بات تھی۔ سوائے چند لوگوں کے کسی نے اس پر غور کیا اور نہ ہی حکیم صاحب موصوف کے پاس اس قدر دولت اور شہرت واثر تھا کہ اس طریق کو دُنیا سے روشناس کراتے۔ اس کے ساتھ ہی ایک بڑی خرابی یہ واقع ہوئی کہ اس نئے نظریہ کے ساتھ ساتھ حکیم صاحب موصوف نے تمام طریق پر تنقید کر ڈالی اور تمام طریق علاج کو غلط قرار دے دیا۔ بات صرف اسباب واصلہ خرابی افعال الاعضاء ہے۔ لیکن حکیم صاحب موصوف نے دیگر طریق علاج کے اسباب الامراض کی حقیقت سے انکار کر دیا۔ جس کے ساتھ ساتھ تمام طریقوں کو غلط قرار دے دیا۔ نظریہ تو یہ تھا کہ تمام طریقوں میں شفا ہے۔ اس کا سبب کیا ہے غور وفکر کے بعد اس کا جواب یہ تھا کہ پیدائش مرض کا اصل سبب دوش واخلاط اور جراثیم وزہر نہیں ہے بلکہ خرابی افعال الاعضاء ہے۔ بس بات ختم ہو گئی تھی۔ اس امر کی کیا ضرورت تھی کہ دوسری تمام طبوں اور ان کے تمام علمی اصولوں کو غلط قرار دے دیا جائے۔ اس صورت میں جہاں جہاں بھی ان کی طب اور ان کا نظریہ پہنچا،

ان کی خوب مخالفت کی گئی اور یہ صورت بھی طب جدید کی ترقی میں رکاوٹ کا باعث ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر محقق اپنا یہ حق سمجھتا ہے کہ اپنی تحقیق اور نظریہ کے بعد اپنے فن کے تقریباً تمام مسائل کو زیر بحث لائے اور اپنی تحقیق اور نظریہ کے مطابق تشریح کرے۔ موجد طب کے مطابق تنقید وتبصرہ کرنے کی بجائے آیورویدک اور طب یونانی اور ایلوپیتھی کے مسائل کو ایک دوسرے فن کی روشنی میں تبصرہ کرنا شروع کر دیا۔ آیورویدک اور طب یونانی کی برائیاں ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی کی روشنی میں بیان کیں اور مؤخر الذکر ہر دو کی خرابیاں ایک دوسرے کے ساتھ نکالنی شروع کر دیں۔ اصولی طور پر یہ طریق تنقید وتبصرہ غلط تھا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ افعال الاعضاء کی روشنی میں فلسفہ پیدائش الامراض پر روشنی ڈالی جاتی اور اس کے تحت آیورویدک، طب یونانی، ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی کے پیدائش مرض کی حقیقت پر تنقید کی جاتی۔ لیکن انہوں نے ایلوپیتھی کو سامنے رکھ کر آیورویدک کے دوش وپت اور یونانی طب کے ارکان، مزاج، اخلاط اعضاء ارواح اور قویٰ پر تبصرہ کر دیا۔ اسی طرح جراثیم تھیوری پر ہومیوپیتھی کے تمام اعتراض کر دیئے اور ہومیوپیتھی کے فلسفہ پیدائش امراض کو قیاسی اور وہمی شے قرار دے دیا گیا۔

نتیجہ دونوں صورتوں میں خراب ظاہر ہوا۔ ایک طرف تو نظریہ صاف ہو کر لوگوں کے سامنے نہ آیا اور دوسری طرف دیگر علاج پر غلط تنقید کر دی گئی۔ جب یہ تسلیم کیا گیا کہ ہر طریق علاج میں شفا ہے اور ہر ایک اپنے اندر ایک سچائی رکھتا ہے اور سب ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو سکتے ہیں تو پھر ان سب کی برائیاں پیش کرنے کے کیا معنی ہیں۔

چاہئے تو یہ تھا کہ تمام طریقہ ہائے علاج کی وہ خوبیاں بیان کر دی جاتیں جن کی وجہ سے شفا حاصل ہوتی ہے اور سب کی قدر مشترک کو واضح کر دیا جاتا جس طرح ایک حقیقت کو تسلیم کر کے نظر انداز کر دیا گیا۔ بعینہٖ دیگر طریق علاج کو بغیر کسی نظریہ اور اصول کے برا بھلا کہہ دیا گیا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کلیات طب جدید میں جس قدر مضامین دیگر طبوں پر تنقید کے طور پر لکھے ہوئے ہیں وہ بالکل غلط ہیں اور ان میں کوئی حقیقت نہیں ہے کیونکہ وہ تمام تبصرہ اصولی اور قاعدے کی رو سے نہیں ہے بلکہ جذبات کے ماتحت کیا گیا ہے۔ سائنس اور فن میں جذبات اور عقائد بے معنی باتیں ہیں۔

طب جدید کی رکاوٹ میں ایک بات اور نقصان کا باعث ہوئی، وہ یہ کہ نظریہ افعال الاعضاء تو پیش کر دیا گیا مگر اس کے تحت عمل کر کے نہیں دکھایا گیا۔ مثلاً موجد طب جدید نے کم وبیش تمام ضروری امراض پر تحقیق فرمائی ہے۔ انہوں نے امراض کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اگر چہ یہ تقسیم بھی اپنی جگہ غلط ہے۔ انہوں نے کتاب الاوجاع میں تمام دردوں کو بیان کر دیا ہے۔ لیکن شروع سے آخر تک کسی بھی درد کو دیکھا جائے تو کسی ایک کو بھی افعال کے مطابق بیان نہیں کیا گیا۔ بالکل یونانی اور ڈاکٹری کتب کی نقل ہے کہیں بھی پتہ نہیں چلتا کہ فلاں درد کس عضو کی افراط کے درد بیان کئے ہیں۔ ایک دموی اور دوسرا عصبی۔ یہ تقسیم بھی غلط ہے۔ دموی درد کبھی حرارت کی زیادتی سے ہوتا ہے اور کبھی خون کے دباؤ سے ہوتا ہے۔ اسی طرح عصبی درد بھی کبھی حرارت کی زیادتی سے ہوتا ہے اور کبھی برودت کی زیادتی سے ہوتا ہے اور یہ صورتیں ان کی تقسیم میں داخل نہیں ہوتیں۔ اسی طرح حمیات اور اورام وغیرہ پر بھی جہاں اپنی تحقیق کا ذکر کیا ہے وہاں پر کہیں بھی یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ فلاں عضو کی کمی یا بیشی سے یہ امراض یا علامات پیدا ہوتے ہیں۔ بالکل یہی صورت ادویات پر بھی برتی گئی ہے، آپ نے کم وبیش ایک سو ادویات پر تحقیق فرمائی ہے مگر کسی دوا میں یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ فلاں دوا سے فلاں اعضاء کے افعال میں افراط اور فلاں میں تفریط واقع ہو جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں میری تالیف تحقیق الادویہ استاذ الاطبا کا مطالعہ کریں۔

اسی طرح موجود طب جدید نے کوئی دوصد کے قریب مجربات اور مرکبات دُنیائے طب کو دیئے مگر ایک بھی مجرب نسخہ یا مرکب ایسا نہیں لکھا جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ اس سے فلاں عضو کے افعال میں تیزی یا کمی ہوتی ہے یا فلاں فلاں عضو کے فعل کی کمی یا زیادتی میں ان کو برتا جائے۔ بالکل اسی قسم کے خواص اور تاثیرات لکھے ہوئے ہیں جیسے آیورویدک، یونانی اور ڈاکٹری میں مجربات، مرکبات اور ادویات لکھی ہوئی ہیں۔ البتہ ان طریق علاج میں کہیں یہ تخصیص پائی جاتی ہے کہ فلاں دوش بڑھ جاتا ہے یا گھٹ جاتا ہے یا فلاں فلاں اخلاط درست ہو جاتے ہیں یا فلاں قسم کے جراثیم مرجاتے ہیں۔ لیکن ان کے خواص الادویہ میں کہیں بھی یہ نہیں پایا جاتا کہ یہ ادویات اور مجربات فلاں عضو کے فعل میں فلاں قسم کا اثر کرتے ہیں۔ تفصیل کے لئے کتاب سوانح حیات موجد طب جدید معہ تمام زندگی کے مجربات ومرکبات دیکھیں۔ چونکہ ان کے کام پر تنقید وتبصرہ طوالت کا باعث ہوگا ہم نے نمونے پیش کر دیئے ہیں۔ تفصیل کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔

اب ہم ان کے نظریہ افعال الاعضاء کے حسن وقبح پر بحث کرتے ہیں۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ علاج میں نظریہ افعال الاعضاء ایک بالکل جدید نظریہ ہے۔ جو کئی ہزار سالہ طبی تاریخ میں پہلی بار پیش کیا گیا۔ اس سے قبل علاج الامراض میں تشخیص کے لئے کیمیاوی اسباب کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ کوئی طریق علاج دوش اور اخلاط کو مرض کا سبب واصلہ تسلیم کرتا ہے اور کوئی طریق علاج جراثیمی و زہر اور بیرونی مواد کو امراض کا سبب واصلہ قرار دیتا ہے۔ مگر آج تک کسی بھی طریقہ علاج نے کیمیاوی اسباب سے ہٹ کر مکینکی اسباب کی طرف رجوع نہیں کیا یہ شرف حکیم احمد الدین صاحب موجد طب جدید کو حاصل ہے کہ انہوں نے ہزاروں سال کے فن طب اور اس کی تاریخ سے ہٹ کر دُنیا کے سامنے ایک بالکل نیا نظریہ پیش کیا۔ اگرچہ اپنے زمانے میں وہ اس نظریہ کی مکمل تشریح اور وضاحت تو نہیں کر سکے لیکن ان کے بعد ان کے قابل شاگردوں نے اس نظریہ کو درست کر کے تشریح اور وضاحت کے ساتھ دُنیائے طب کے سامنے پیش کیا جس سے دُنیائے طب میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا۔

4-A

نظریہ افعال الاعضاء

حکیم احمد الدین صاحب موجد طب جدید کے نظریہ افعال الاعضاء کی حقیقت یہ ہے کہ ہر مرض اعضاء کی خرابی سے پیدا ہوتا ہے اور کیمیاوی تغیرات بعد میں پیدا ہوتے ہیں اور نہ ہی جسم میں کیمیاوی تبدیلیاں عمل میں آتی ہیں۔ ان کے نظریہ کے مطابق اعضاء میں دو قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اوّل کسی عضو کے فعل میں تیزی آ جائے اس کو افراط کا نام دیتے ہیں۔ دوسرے کسی عضو کے فعل میں سستی واقع ہو جائے اس کو تفریط کا نام دیتے ہیں۔ اس افراط و تفریط کے اسباب کچھ ہی کیوں نہ ہوں یعنی خون میں کوئی خرابی ہو یا بیرونی اثرات کوئی سبب بن جائیں، بہر حال اعضاء میں افراط و تفریط واقع ہونے پر ہی جسم میں کسی مرض کے پیدا ہونے کی صورت ہوگی۔ البتہ جب کسی عضو میں افراط ہوگی تو خون کا دوران اس مرض کی طرف زیادہ ہوگا اور جب تفریط کی صورت ہوگی تو خون کے دوران کی اس صرف کمی ہوگی۔

علاج کی صورت میں انہوں نے فرمایا ہے کہ اس عضو کے فعل کو اعتدال پر لاؤ یعنی اس میں افراط و تفریط باقی نہ رہے۔ اس کی صورت یہ بیان کی ہے کہ عضو میں افراط ہے تو خون کے دوران کو اس طرف سے کم کیا جائے اور جس عضو میں تفریط ہو تو وہاں پر دوران خون کو تیز کیا جائے۔ اگرچہ انہوں نے اس نظریئے کے مطابق سوائے دردسر کے کسی مرض کا علاج بیان نہیں کیا یا کر کے نہیں دیکھا۔ دردسر میں بھی ایک مجمل ساذکر کیا ہے۔ کسی مخصوص دردسر کا ذکر نہیں کیا۔ یعنی فلاں دردسر دماغ کے فلاں حصہ یا عضو کے افراط سے ہوتا ہے اور فلاں دردسر تفریط سے ہوتا ہے۔

بہر حال ہمارے پاس ان کا ایک نظریہ ضرور ہے، دراصل بات یہ ہے کہ کوئی محقق ایک نظریہ پیش کرنے کے بعد ضروری نہیں کہ اس مقام پر پہنچ جائے کہ اس نظریہ کے ذریعے تمام نظریات پر پوری طرح حاوی ہو جائے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے (مجھے عرصہ دس سال تک ان کا قرب حاصل رہا) انہوں نے کبھی بھی اپنے نظریہ کے مطابق کامیاب علاج نہیں کیا اور وہ کبھی بھی اپنے نظریہ سے مطمئن نہیں ہوئے۔ اوّل اوّل ان کا طریق علاج مجرباتی تھا یعنی فلاں مرض کے لئے فلاں دوا استعمال کرادی جائے۔ جب اس طرح ان کو کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے ہومیو پیتھک علاج شروع کر دیا اور آخر عمر تک ہومیو پیتھک علاج ہی کرتے رہے اور بالکل ہومیو پیتھی کے اصولوں پر اعضاء کی علامات کو سامنے رکھ کر علاج کرتے رہے۔ انہوں نے کئی بار یہ کوشش کی کہ ہومیو پیتھی کی علامات کو بالاعضاء کیا جائے۔ مگر وہ اس صورت میں کبھی بھی کامیاب نہ ہوئے اور طب جدید کا نظریہ افعال الاعضاء بس ایک نظریئے تک ہی محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

بعد میں ان کے دوستوں اور شاگردوں نے نظریہ اور مجربات کو اپنے سینہ سے لگائے رکھا اور آج بھی لگائے ہوئے ہیں۔ لیکن تمام دوست اور شاگرد ایک جیسے نہیں ہوتے بعض نے اس فن کو تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی بعض نے موجد طب جدید کے اصولوں پر کتب لکھیں اور بعض نے اپنی کوششوں سے جماعت میں زندگی کی روح پھونکنے کی جدوجہد اور بعض کسی نہ کسی رنگ میں مرکز قائم کر کے کچھ نہ کچھ کرتے رہے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو حکیم صاحب کا نام اور مجربات بیچ کر اپنا دوزخ بھرتے رہے اور ایسے بھی تھے جنہوں نے فن کی تجدید و اصلاح میں اپنے آپ کو غرق کر دیا اور زمانے کے حوادثات میں گھر کر دکھ اٹھاتے رہے مگر خدمت فن کو ایک منٹ کے لئے بھی نظر انداز نہیں کیا۔ خیر موجد طب جدید کے دوستوں اور شاگردوں میں ایک میری ذات بھی تھی جس نے فن کو ہمیشہ فن کی حیثیت سے حاصل

کرنے کی کوشش کی کبھی عقیدتاً یا تجارتی حیثیت سے قبول نہیں کیا۔ جہاں بھی فن میں خامی نظر آئی یا سمجھ میں نہ بیٹھی تو اس کو سمجھنے کی پوری کوشش کی اور جب تک یقین نہ ہو جاتا اس کو دماغ میں جگہ نہ دی۔

حکیم احمد الدین طب جدید کے زمانے میں اس کو سمجھنے اور سمجھانے کی صورت میں میرے اور ان کے درمیان اکثر اختلاف ہو جاتا اور کئی کئی گھنٹے بحث و تمحیث جاری رہتی۔ اکثر سمجھنے میں ناکامی ہوتی۔ دِل کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتا کہ شاید پوری طرح میں نے اس نظریہ کو نہ سمجھا ہو۔ لیکن دوسرے دوست میرے جتنا بھی اس فن کو نہ سمجھے تھے۔ خیر موجد طب جدید کی وفات کے بعد ''انجمن خادم الحکمت'' کا بوجھ زیادہ تر مجھ پر آن پڑا۔ جماعتی اور علمی دونوں قسم کی تنظیم کے فرائض مجھ پر ڈال دیئے گئے۔ جہاں تک طب جدید کا تعلق تھا مجھے اس میں تسلی نہ تھی۔

اپنے فرائض کا احساس کرتے ہوئے جو مجھ پر ڈال دیئے گئے تھے یعنی تعلیم میرے ذمہ تھی اور ممبران کے اکثر سوالوں کے جواب مجھے دینے پڑے تھے آخر خیال کیا کہ حکیم صاحب مرحوم کے لٹریچر کا پھر بغور مطالعہ کیا جائے۔ ان کے تقریباً بیس سال کے طبی لٹریچر کا میں نے بغور مطالعہ کیا اور اس کی روشنی میں ان کی سوانح حیات لکھی اور اس میں ان کا نظام طب بھی لکھا۔ لیکن مجھے تسلی نہ ہوئی کئی سال تک طب جدید پڑھاتا رہا اور کافی مدت تک ''تبصرہ الاطباء اور خادم الحکمت'' کا ایڈیٹر بھی رہا۔ مگر دِل کو پوری طرح تسلی نہ ہوئی، عام طور پر مجھے ذیل کے شکوک بے چین کر دیتے تھے۔

طب جدید پر شکوک

① طب جدید اگر تمام طریقہ علاج سے بہتر ہے تو اس طریق علاج میں شفایابی طریق علاج سے زیادہ ہونی چاہئے۔
② دُنیا میں جس قدر طریق علاج ہیں وہ سب ظنی ہیں اور یہی صورت طب جدید میں پائی جاتی ہے۔

سو علاج میں کمال یہ ہے کہ تشخیص اور علاج میں یقینی صورت ہو جیسے دو اور دو چار ہوتے ہیں۔

اس قسم کے اعتراض مجھے موجد طب کے زمانے میں بھی تھے اور بعد میں بھی رہے پھر ایک وقت ایسا آ گیا کہ میں نے ارادہ کر لیا کہ مجھے علاج معالجہ کا دھندا چھوڑ کر کوئی اور کاروبار کر لینا چاہئے۔ کیونکہ غیر یقینی حالات میں کسی کام کو کرنا گناہ ہے۔ باوجود یہ کہ مجھے آیورویدک، طب یونانی، ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی پر کافی حد تک عبور حاصل تھا۔ لیکن علاج میں تسلی اور یقینی صورت قائم نہ تھی۔ اس لئے دِل اکثر پراگندہ رہتا تھا طب جدید پر مجھے بہت سے اعتراض تھے جن میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔

طب جدید پر چند اعتراض

① موجد طب جدید فرماتے ہیں کہ افعال الاعضاء کی خرابی کے بغیر کوئی مرض پیدا نہیں ہوتا۔ مگر شیخ الرئیس نے ایسے امراض بھی لکھے ہیں جو سوئے مزاج سے پیدا ہوتے ہیں جن میں اعضاء کے افعال میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا جیسے سوائے مزاج معدہ و جگر اور دِل وغیرہ ہیں۔ ایسے میں صرف ان اعضاء میں کیفیاتی اور نفسیاتی اضافہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اعضاء کے افعال بہت حد تک درست رہتے ہیں۔

② اگر اعضاء کی خرابی صرف دو ہی صورتیں افراط و تفریط ہیں تو ہر عضو کے صرف دو ہی مرض ہونے چاہئیں۔ ایک تیزی کا مرض جس میں عضو کا فعل تیز ہو اور دوران خون اس طرف زیادہ ہو۔ دوسرے کمی کا مرض جس میں عضو کا فعل سست ہو اور دوران خون بہت کم ہو گیا ہو۔ اگر خفت اور شدت یا حاد اور مزمن کی صورتیں بھی رکھی جائیں تو دو کی بجائے ایک عضو کے چار مرض ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس

طرح تمام امراض ایک عضو کے ساتھ بیان نہیں ہو سکتے۔ مثلاً اگر اسہال امعاء کی تیزی میں اور قبض امعاء کی سستی میں شمار کریں تو ورم امعاء کو کس صورت میں شمار کریں گے۔ جبکہ اس مرض میں کبھی قبض ہوتا ہے اور کبھی اسہال (ویسے ورم امعاء آنتوں کی تیزی کا مرض ہے)۔

اسی طرح درد امعاء اور حمّی امعاوی جن میں سوزش ہوتی ہے، امعاء کے فعل میں تیزی ہوتی ہے۔ مگر قبض ہوتا ہے اور سب سے عجیب صورت ضعف امعاء کی ہے جس میں امعاء کی طرف خون کی کمی ہوتی ہے۔ مگر ہر گھڑی پاخانے کی کیفیت قائم رہتی ہے۔ اسی طرح معدہ و مثانہ اور شش کے امراض پر غور کرلیں۔ ان سے بڑھ کر اعضائے رئیسہ دِل و دماغ اور جگر میں جن کے امراض صرف عضو کے افراط و تفریط میں ختم نہیں ہوتے، طوالت کی وجہ سے تفصیل کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

(۳) بعض امراض ایسے ہیں جن میں اعضاء کے فعل میں تیز ہوتی ہے۔ مگر علاج میں ان کے افعال کو سست کرنے کے بجائے اور زیادہ تیز کرتے ہیں، جیسے ہیضہ، ملیریا اور نمونیا وغیرہ۔ ان میں معدہ جگر اور پھیپھڑوں کے افعال بہت تیز ہوتے ہیں۔ ہم ان میں جو ادویات استعمال کرتے ہیں وہ ان کے افعال کو اور بھی زیادہ تیز کر دیتی ہیں۔ مثلاً ہیضہ میں سرخ مرچ، ملیریا میں کونین اور نمونیا میں برانڈی وغیرہ۔

(۴) امراض کی دو صورتوں کی وجہ سے ہمیں ادویات بھی دو قسم کی چاہئیں۔ ایک عضو کے فعل کو تیز کرنے والی اور دوسری اس کے فعل کو سست کرنے والی۔ مگر ایسا نہیں ہے بلکہ اس عضو کے ہر مرض کے لئے الگ الگ دوا استعمال کرتے ہیں۔ اس قسم کے اور بہت سے اعتراض ہیں جن کا جواب طب جدید کے پاس نہیں ہے۔

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ ہر عضو کے افعال کی صرف دو ہی صورتیں نہیں ہیں اگر کیفیات کو بھی دیکھا جائے تو ہر عضو میں کبھی گرمی زیادہ ہوگی اور کبھی سردی اور اسی طرح کبھی خشکی زیادہ ہوگی اور کبھی تری بڑھی ہوئی نظر آئے گی اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر عضو کے افعال کی دو سے زائد صورتیں ہیں۔ اگر ہم نفسیاتی اثرات کے ماتحت دیکھیں تو کبھی ہر عضو کے افعال کی دو صورتیں نظر نہیں آئیں گی۔ کون نہیں جانتا کہ مسرت، لذت، غصہ، غم، خوف اور ندامت وغیرہ جذبات میں جسم انسان میں مختلف کیفیات وارد ہوتی ہیں جن کا ہر حال میں اعضاء پر اثر پڑتا ہے۔

اسی طرح اگر جراثیم کو لیا جائے تو بے شمار اقسام کے جراثیم تحقیق ہو چکے ہیں اور ہر ایک کیفیت ایک ہی عضو پر جدا جدا نظر آتی ہے۔ سب سے بڑھ کر ہومیوپیتھی کی علامات ہیں جو ایک ہی عضو پر بے شمار اختلافات سے ظاہر ہوتی ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

طب جدید پر کیا منحصر ہے۔ دُنیا بھر کے تمام طریق علاج کا بہت ہی دقیق مطالعہ کیا تقریباً عرصہ بیس سال سے زیادہ ان سب میں گہری دلچسپی سے تحقیق کا سلسلہ جاری رکھا۔ مگر حقیقت اور یقینی صورت کہیں بھی پیدا نہیں ہوئی۔ آخر دِل نے فیصلہ کرلیا کہ چونکہ تمام طریق علاج ظنی ہیں اس لئے اس ناجائز صورت سے پیٹ پالنے کا دھندا کرنا گناہ ہے۔

جیسا کہ میں اس سے قبل لکھ چکا ہوں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے اللہ مجھے عزت عطا فرما اور اپنی ہدایت سے مجھے اندھیرے سے نکال کر نور کی رہنمائی فرما۔ خداوند کریم کی مہربانی ہوئی اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد دوران علاج اور مطالعہ میں چند انکشافات عمل میں آئے جن کو میں نے بنیاد بنا کر ان پر از سرِ نو تحقیق کا کام شروع کر دیا۔ مجھے امید کی کرن نظر آئی کام جاری رکھا رفتہ رفتہ ایک یقینی نظام علاج پیدا ہونا شروع ہوا۔ تحقیق میں میرا میدان تمام طریق علاج سے الگ تھا اس لئے مجھے اپنی رہنمائی کے لئے کتب سے زیادہ غور و فکر کرنا

پڑتا تھا۔ بہر حال میرے سامنے ایک واضح روشنی آنا شروع ہوگئی اور ایک جدید نظام علاج سامنے آتا گیا۔ میرا کام جاری رہا۔ شروع میں مجھے کچھ ناکامی بھی ہوئی، لیکن رفتہ رفتہ میرے تصورات تصدیق میں تبدیل ہونے شروع ہو گئے۔ عرصہ پندرہ سولہ سال کی محنت سے میرے سامنے ایک مکمل اور یقینی طریقہ علاج قائم ہوگیا۔ ابتدا میں اپنے دوستوں اور جماعت کے سرکردہ ممبران سے میں نے اپنی تحقیقات اور نئی معلومات کا ذکر کیا، مگر اکثر نے اس طرف توجہ نہیں دی اور بہت سے دوستوں اور ممبران نے برا منایا کہ میں نے طب جدید اور اس کے افعال پر تنقید شروع کر دی ہے۔ لیکن میرے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ یہاں تک کہ میرا کام ختم ہوگیا۔ اب میں مسرت اور فن کے وقار کی خاطر آپ کے سامنے اپنا نیا نظریہ پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ جو دوست کسی بات کو دریافت کرنا چاہیں ان کو ہر طرح سے مکمل آزادی ہے۔ وہ خوشی سے دریافت کر سکتے ہیں اور جب تک ان کی تسلی نہ ہو بار بار دریافت کر سکتے ہیں۔

نیا نظریہ بیان کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ پس منظر بیان کروں جس کی شدید تحریک نے مجھے نہ تھکنے والی جدوجہد کرنے پر مجبور رکھا اور خداوند کریم کی نوازش سے مجھے یہ نعمت اور دولت حاصل ہوئی جس سے انشاء اللہ قیامت تک دُنیا مستفید ہوتی رہے گی۔ صرف فن علاج ہی نہیں بلکہ کئی اور فنون میں بھی اس نظریہ سے انقلاب پیدا ہو جائے گا۔ جیسے نفسیات، خواص الاشیاء، تعلیم ادب، رنگوں کے اثرات، اخلاقیات اور معاشیات، وغیرہ وغیرہ۔

جن دنوں میں تعلیم حاصل کر رہا تھا تو ذہن میں یہ جذبہ پایا جاتا تھا کہ فن علاج کی تعلیم انتہا تک حاصل کروں گا تا کہ بہت بڑا معالج بن سکوں طب کی تعلیم ختم کرنے کے بعد جب عملی زندگی میں قدم رکھا اور علاج معالجہ شروع کیا تو باوجود انتہائی تعلیم کے علاج کرنے میں تسلی نہ ہوئی اور اکثر ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا، دِل چاہتا تھا کہ مریض کو دیکھنے کے بعد اُس کے مرض کا پوری طرح علم ہو جائے اور پھر جو دوا دی جائے اس کا یقینی اثر ہو۔ مگر ایسا نہیں ہوتا تھا۔ ابتداء میں اکثر انگریزی ادویات استعمال کی جاتی تھیں۔ کیونکہ میرے خاندان میں میرے تمام بزرگ اکثر انگریزی ادویات استعمال کرتے تھے۔ جب ان سے شفا کی یقینی صورت پیدا نہ ہوتی تو آیورویدک اور یونانی ادویات برتنے کی کوشش کی جاتی۔ مگر نتیجہ تسلی بخش پھر بھی نہ ہوا۔ ہومیوپیتھی، ہائیڈروپیتھی اور بایوکیمک تمام چھوٹی بڑی طبوں کی طرف رجوع کرنا پڑا تا کہ علاج میں نتیجہ دو اور دو چار کی طرح ظاہر ہو۔ مگر حقیقی کامیابی نصیب نہ ہوتی۔ وقتی طور پر بعض اوقات کسی پیچیدہ مریض پر کامیابی ہو بھی جاتی تو دِل کو یقین نہ آتا۔ کیونکہ میرے سامنے کوئی اصول نہیں تھا۔ ایسی کامیابی بے معنی معلوم ہوتی۔ اس پر مجھے کوئی خوشی نہ ہوتی، البتہ ان حالات میں میری جدوجہد میں اضافہ ضرور ہو جاتا۔

چار سال اسی طرح گزر گئے۔ اپنی ناکامیوں کو یہ کہہ کر چھپاتے رہے کہ ابھی فن پر پوری طرح عبور حاصل نہیں ہوا۔ چار سال کے بعد اچانک حکیم احمد الدین صاحب موجد طب جدید کا کچھ لٹریچر ہاتھ لگا، مطالعہ کیا، اگرچہ فنی طور پر اس کی حقیقت سے آگاہ نہ تھا، تاہم وہ پسند آیا۔ مزید جس قدر لٹریچر دستیاب ہو سکا منگوا کر مطالعہ کیا۔ میرا شوق مجھے ملتان سے لاہور لے آیا۔ عرصہ دس سال تک ''انجمن خادم الحکمت'' کے ساتھ گزرے، خوب قریب سے دیکھا کہ موجودہ طب سب سے بہتر طب ہے تو اس میں شفا بھی دیگر طبوں سے زیادہ ہونی چاہئے۔ مگر ایسا نہیں ہے ہمارے طریقہ علاج اور دیگر طریق علاج میں ظاہراً کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ موجد طب جدید کو خود تسلی نہ تھی۔ اس لئے کوئی گول مول جواب دے دیتے۔ میں احتراماً خاموش ہو جاتا۔ مجھے یہ لگن لگی ہوئی تھی کہ جب تشخیص اور علاج میں یقینی صورت پیدا نہ ہو اس وقت تک یہ علاج نہیں ہے بلکہ مریض پر ظلم ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اس دوران میں تمام طریق علاج کے بہترین مجربات اکٹھے کئے اور ایسے یقینی مجربات جو بعض اوقات حیرت انگیز نتائج پیدا کرتے۔ مگر دِل کو تسلی نہ ہوتی، کیونکہ اوّل تو ان کا کوئی اصول نہ تھا اور

دوسرے بعض اوقات وہی مجربات ایسے ناکام ہوتے کہ جیسے وہ دوائیں نہیں ہیں بلکہ صرف خاک ودھول ہیں۔ یہاں تک کہ سونا اور سونے کی طرح قیمتی ادویات بھی راکھ سے زیادہ وقعت نہ رکھتے۔

خیر اس پس منظر نے مجھے ہمیشہ بے چین اور بے قرار رکھا۔ اس وجہ سے مجھے کسی بھی طریق علاج پر یقین نہ رہا اور نہ ہی کسی مجرب دوا سے مجھے تسلی ہوئی۔ آخر میں اس مقام پر آ پہنچا کہ میں نے ارادہ کرلیا میں اس فن علاج کو چھوڑ دوں۔ جیسا کہ میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں۔

اتفاقی امر ہے کہ اسی دوران مجھے ہیضہ کے چند مریضوں کا علاج کرنے کا اتفاق ہوا۔ جن میں کچھ ایسے بھی تھے جن کی اُمید حیات ختم ہو چکی تھی۔ میں نے اپنے بہترین مجربات سے علاج کیا۔ تمام کے تمام مریض تندرست ہو گئے۔ بے حد خوشی ہوئی۔ مگر جب اصول شفاء پر غور کیا تو خاک بھی سمجھ میں نہ آیا۔ اور دِل پھر رنجیدہ ہو گیا۔ میں نے مرض ہیضہ اور اس کے علاج اور ادویات پھر سے تحقیق شروع کر دی مجھے دور روشنی کی شعاعیں چمکتی ہوئی نظر آئیں۔ میں نے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ وہ شعاعیں اُمید بن کر سامنے آنے لگیں۔ رفتہ رفتہ ایسی صورت پیدا ہوگئی کہ میرے سامنے چند بنیادی اصول نمودار ہو گئے۔ میں نے ان کی اساس پر اپنے کام کو اور تیز کر دیا۔ مجھے روز بروز علاج اور تشخیص میں کامیابی حاصل ہوتی گئی۔ اب میری مسرتوں کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ اب مجھے علاج کرنے میں تسکین حاصل ہوتی تھی اور تحقیقات میں بے انتہا لطف آتا تھا۔ اس طرح وقت گزرتا گیا، روز بروز یقینی نتائج پیدا ہوتے گئے اور کامیابی قریب سے قریب تر ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ چند سالوں میں اپنی تحقیقات کا کام ختم کرلیا۔ لیکن اس خیال سے کہ کہیں میری تحقیقات میں کوئی غلطی رہ گئی ہو۔ مزید مختلف زاویہ نگاہ سے تحقیق شروع کی جن میں ایک پہلو یہ تھا کہ سچائی ایک ایسا مقام ہے کہ جو ہر حقیقت کی تصدیق کرتی ہے۔ یعنی دیگر طریق علاج کی حقیقتیں کیا میری سچائی کی تصدیق کرتی ہیں۔ مجھے یہ معلوم کر کے از حد مسرت ہوئی کہ آیورویدک، طب یونانی، ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی وغیرہ تمام طریق علاج کی سچائیاں میری تحقیقات کی تصدیق کرتی تھیں۔ اس کے بعد مفید قدم میں نے یہ اٹھایا کہ اپنی تحقیقات کا اپنے قریبی دوستوں اور شاگردوں سے ذکر کرنا شروع کر دیا تاکہ ان کو سمجھا سکوں اور وہ اس پر مختلف زاویہ نگاہ سے اعتراض کریں۔ بعض دوستوں نے تو کوئی پرواہی نہ کی۔ بعض نے برا منایا کہ موجد طب جدید پر کیوں اعتراض کئے گئے ہیں۔ لیکن جن دوستوں نے توجہ دی، انہوں نے اس طریق علاج کو نہ صرف پسند کیا بلکہ اس کے شیدائی ہو گئے۔ اس بحث وتمحیث سے یہ فائدہ پہنچا کہ نیا طریق علاج نکھر کر سامنے آ گیا اور ہر قسم کے اعتراضات کے تسلی بخش جواب سامنے آ گئے۔

اب میں اپنی زندگی کی پچاسویں منزل میں ہوں اور تقریباً تیس سال اس فن کی خدمت اور تحقیق میں صرف کیے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے مجھے اس قابل کیا ہے کہ فن علاج کی سربلندی کے لئے اس کو عوام کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ اب بھی جس اہل علم اور ماہر فن کو اس کے کسی اُصول یا جزو پر اعتراض ہو تو ان کو اجازت ہے کہ وہ اپنی تسلی کرلیں اور ساتھ ہی تمام دُنیا کے اہل علم اور ماہرین فن کو چیلنج ہے کہ وہ ایسا یقینی مختصر اور عام فہم طریق علاج پیش کریں۔

یہ بیان کر دینا غیر مناسب نہ ہوگا کہ اپنے علاج کو دیگر طریق علاج سے تطابق کے دوران میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آیورویدک اور یونانی طریق علاج جن بھی اصولوں پر قائم کئے گئے ہیں وہ بالکل صحیح اور حقیقت کے مطابق ہیں۔ مگر ان پر صحیح معنوں میں عمل کرنے والے کم نظر آتے ہیں اور وہ بھی اصول کی بجائے اکثر مجربات سے عمل کرتے ہیں۔ اس لئے کہنا پڑے گا کہ ان کے صحیح اور حقیقی عاملین تقریباً ختم ہو گئے ہیں۔ **جہاں تک ایلوپیتھی کے نظریہ جراثیم کا تعلق ہے وہ تشخیص اور علاج الامراض میں ناکام ہے۔** البتہ صرف اس حد تک

مفید ہے کہ دفع زہر کے لئے دافع زہر اشیاء کا استعمال کیا جائے۔لیکن جرم کش ادویہ سے امراض کا علاج مشکل ہے۔

اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسباب بادیہ اور اسباب سابقہ کی صورت میں جراثیم انسان کے جسم میں افعال کو بگاڑ کر امراض پیدا کر دیتے ہیں۔لیکن اس کا علاج صرف جراثیم کش ادویات استعمال کرنا کافی ہے جب تک وہ اعضاء درست نہ ہوں، جراثیم اور ان کا زہر جسم سے خارج نہیں ہوتا۔یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹروں کو مختلف امراض میں صحیح جراثیم کش ادویات استعمال کرنے کے باوجود ضرورت کے مطابق مسہل وملین معرق مقئی اور مقوی ادویات بھی استعمال کرنی پڑتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ صرف جراثیم کش ادویات سے ان کو کبھی بھی کامیابی نہیں ہوسکتی۔

یہاں یہ امر بھی جان لینا چاہئے کہ جسم انسانی میں قدرتی جراثیم کش دوا حرارت بدنی ہے۔اس لئے طبیعت مدبرہ بدن فوراً جسم میں حرارت کو تیز کر کے بخار کی صورت پیدا کر دیتی ہے۔ جو ادویہ بھی حرارت جسم کو بڑھاتی ہیں وہ سب کی سب جراثیم کش ہیں۔جن میں سے پارہ، گندھک، آیوڈین اور چرپری اشیاء وغیرہ تمام جسم میں حرارت کو بڑھا دیتی ہیں۔پنسلین بھی اسی قسم کی ادویات میں سے ایک ہے جس کے استعمال سے فوراً جسم کی حرارت بڑھ جاتی ہے اور جراثیم کا قلع قمع ہونا شروع ہو جاتا ہے اور سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ حرارت جگر کی تیزی سے پیدا ہوتی ہے اور تمام حرارت پیدا کرنے والی اشیاء جگر کے فعل کو تیز کرتی ہیں۔ جہاں جسم میں حرارت کی مقدار بڑھی اور فوراً جراثیم مرنا شروع ہو گئے یہاں یہ تخصیص نہیں رہتی کہ نزلہ، زکام، کھانسی، نمونیا، ٹائیفائیڈ اور ملیریا کے لئے جدا جدا جراثیم کش ادویات استعمال کی جائیں۔اول قدرت خود جسم میں بخار پیدا کر کے جراثیم کو فنا کر دیتی ہے۔نہیں تو ذرا سی مزید حرارت کی مدد سے جگر کے فعل میں تیزی سے پیدا ہوتی ہے اور ہر قسم کے جراثیم فنا ہو جاتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ بخار کوئی مرض نہیں ہے بلکہ ایک علامت ہے اور ظاہر کرتی ہے کہ جسم میں حرارت غریزیہ کی کمی واقع ہوگئی ہے، بخار کسی قسم کا بھی ہو بالکل نہیں اُتارنا چاہئے بلکہ جسم میں حرارت کا اضافہ کر دینا چاہئے، بخار خود بخود اُتر جائے گا۔لیکن نااہل ڈاکٹر فیور مکسچر استعمال کرا کے مریض کو سخت نقصان پہنچا دیتے ہیں، بعض بے وقوف تو اسپرین وغیرہ دے کر بے حد ظلم کرتے ہیں۔

ہومیوپیتھی اپنے نظریہ اور علامات کے مطابق ایک اصولی طریق علاج ہے اس طریق علاج میں ادویات کی جو علامات اکٹھا کی جاتی ہیں ان میں کیمیاوی اور تکنیکی دونوں قسم کی علامات حاصل ہوتی ہیں۔اگر ان علامات کا پورے طور پر مطالعہ کیا جائے تو شفا یا علاج یقینی ہو جاتا ہے۔مگر کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ ہر دوا کی علامات پر پوری طرح عبور رکھتا ہے۔ جبکہ ان ادویہ کی تعداد سو دو سو نہیں ہے بلکہ ان کی تعداد کئی ہزاروں تک چلی جاتی ہیں اور پھر ایک دوسری سے ملتی جلتی بے شمار ادویات پائی جاتی ہیں۔البتہ ان علامات کو چند گروہوں میں تقسیم کر لیا جائے تو پوری طرح فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔مثلاً:

① ایسی علامات جو اعضاء کے افعال کے تغیر سے پیدا ہوں۔

② ایسی علامات جو جسم انسان کے کیمیاوی تغیرات میں پیدا ہوں۔

③ ایسی علامات جو نفسیاتی تغیرات میں پیدا ہوں۔

④ ایسی علامات جو کیفیاتی تغیرات سے پیدا ہوں۔

⑤ امتیازی علامات۔

⑥ ردعمل کی علامات وغیرہ ملتی جلتی تقسیم کی جاتی ہیں۔

لیکن ہومیو پیتھی کو مکمل طریق علاج نہیں کہا جا سکتا۔اس میں صرف علامات کا ذکر ہے،اور بس۔اس میں نہ علم العلاج ہے نہ علاج بالتد بیر ہے نہ ماہیت علامات نہ اصول اغذیہ نہ علاج بالا مالہ نہ جراحی اور نہ ہی بیرونی علاج وغیرہ اور جو کچھ بھی اس سلسلہ میں کیا جارہا ہے وہ ایلو پیتھی کی نقل کی جارہی ہے۔

بائیو کیمک اگر چہ ہومیو پیتھی سے مختلف طریق علاج ہے لیکن اسی کو غلط طریق سے ہومیو پیتھی کے اصولوں پر ڈھال لیا گیا ہے۔ اس لئے اس کو ہومیو پیتھی کا بچہ تصور کر لیں۔مندرجہ بالا طریق علاج کے علاوہ باقی جتنے بھی طریق علاج دُنیا میں رائج ہیں ان کو طریق علاج کا درجہ دینا اور اس میں شمار کرنا بالکل غلط ہے۔جیسے ہائیڈرو پیتھی،کرومو پیتھی،الیکٹرو پیتھی،آسٹرو پیتھی،روحانی علاج،علاج بالموسیقی اور مسمریزم وغیرہ۔

یہ تصدیقات اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ جن دوستوں کو تحقیق کا شوق ہو وہ میری رہنمائی سے فائدہ حاصل کر سکیں اور گمراہی سے بچ سکیں۔افسوس کہ یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ پانچ فیصدی بھی مشکل ہوگا۔ورنہ سینے سے ایک بحر بے کراں اُمنڈتا چلا آتا ہے۔خیر اب اپنی تحقیقات کو پیش کرتا ہوں،جس پر میں نے اپنی تیس سالہ زندگی عجیب کشمکش کے ساتھ خرچ کر دی۔

جن نا مساعد حالات اور مشکلات سے مجھ کو واسطہ پڑا ہے،اب بھی جب میں ان کا تصور کرتا ہوں تو میرا جسم کانپ اُٹھتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔آخر اللہ تعالیٰ کی رضا اور حکمت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ کام لینا جانتا ہے اور ہر مقصد کے لئے ضرورت کے مطابق ماحول پیدا کر دیتا ہے۔آج میرا دل اللہ کی خالقیت اور حکمت کو تسلیم کرتا ہے کہ اس کا کوئی فعل بھی حکمت اور حقیقت سے خالی نہیں ہے۔اسی کا نام جو رحمٰن اور رحیم ہے اب میں اپنی تحقیقات اور علاج میں نئے نظریہ کو پیش کرتا ہوں۔

علاج بالمفرد الاعضاء

تعریف نظریہ مفرد اعضاء:

نظریہ مفرد اعضاء ایک تحقیق ہے جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ امراض کی پیدائش مفرد اعضاء گوشت، پٹھے، غدد میں ہوتی ہے اور اس کے بعد مرکب اعضاء کے افعال میں افراط وتفریط اور ضعف سے پیدا ہوتے ہیں اور علاج میں بھی مرکب اعضاء کی بجائے مفرد اعضاء کو مدنظر رکھنا چاہئے، کیونکہ ان کے تمام مرکب اعضاء مفرد اعضاء کی بافتوں اور انسجہ (بنیادوں) سے مل کر بنتے ہیں۔ یہی علمی نظریہ ایک ایسا فلسفہ ہے جس سے جسم انسان کو مفرد اعضاء کے تحت تقسیم کر دیا گیا ہے کہ اعضائے رئیسہ دِل، دِماغ، جگر مفرد اعضاء ہیں جو عضلات، اعصاب اور غدد کے مراکز ہیں۔ جن کی بناوٹ جدا جدا اقسام کے انسجہ (ٹشوز) سے بنی ہوئی ہے اور ہر نسیج بے شمار زندہ حیوانی ذرّات (سیلز) سے مرکب ہے۔ حیوانی ذرّہ انسانی جسم کی اوّلین بنیاد (فرسٹ یونٹ) ہے۔ ہر حیوانی ذرّہ اپنے اندر حرارت وقوت اور رطوبت (ہیٹ، فورس اور انرجی) رکھتا ہے۔ جس کے اعتدال کا نام صحت ہے۔ جب اس حیوانی ذرّہ (خلیہ) کے افعال میں افراط و تفریط یا ضعف واقع ہوتا ہے تو اس کی حرارت وقوت اور رطوبت میں اعتدال قائم نہیں رہتا۔ پس اس کا نام مرض ہے۔ اس حیوانی ذرّہ کا اثر نسیج پر پڑتا ہے۔ اس کے بعد مفرد اعضاء کے تعلق سے اعصاب وغدد اور عضلات وغیرہ کے مطابق گزرتا ہوا اپنے متعلقہ عضو رئیس میں ظاہر ہوتا ہے اور ان میں افراط وتفریط اور ضعف کی شکل میں امراض وعلامات پیدا ہوتی ہیں۔ علاج کی صورت میں انہی مفرد اعضاء کے افعال درست کر دینے سے ایک حیوانی ذرّہ سے لے کر عضو رئیس تک کے افعال درست ہو جاتے ہیں، بس یہی نظریہ مفرد اعضاء ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء کی تحقیق کا مقصد:

نظریہ مفرد اعضاء کی ضرورت اور تحقیق کا مقصد یہ تھا کہ طب قدیم کی کیفیات مزاج اور اخلاط کو مفرد اعضاء سے تطبیق دے دی جائے۔ تاکہ ایک طرف ان کی اہمیت واضح ہو جائے اور دوسری طرف یہ حقیقت سامنے آ جائے کہ کوئی طریق علاج جس میں کیفیات ومزاج اور اخلاط کو مدنظر نہیں رکھا جاتا وہ نہ صرف غلط ہے بلکہ وہ غیر علمی طریق علاج ہے اور اس میں یقینی شفا نہیں اور وہ عطایانہ طریق علاج ہے جیسے فرنگی طب ہے۔ جس میں کیفیات ومزاج اور اخلاط کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اس لئے اس کی تشخیص وتجویز میں مطابقت اور موافقت پیدا نہیں ہو سکتی۔ انہیں مقاصد کے تحت نظریہ مفرد اعضاء کی بنیاد احیائے فن اور تجدید طب پر رکھی۔

(ماخوذ تحقیقات فارما کوپیا طبع شدہ نوری کتب خانہ بالمقابل ریلوے اسٹیشن-لاہور)

تشریح نظریہ مفرد اعضاء

بزبان وقلم حکیم انقلاب صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

ماخوذ تحقیقات فارما کوپیا طبع شدہ نوری کتب خانہ بالمقابل ریلوے اسٹیشن۔ لاہور

نظریہ مفرد اعضاء بالکل نیا نظریہ ہے۔ تاریخ طب میں اس کا کہیں اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ اس نظریہ پر پیدائش امراض اور صحت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس نظریہ سے قبل بالواسطہ یا بلاواسطہ پیدائش امراض مرکب اعضاء کی خرابی کو کہا جاتا رہا ہے۔ مثلاً معدہ و امعاء، شش ومثانہ، آنکھ ومنہ، کان وناک بلکہ اعضائے مخصوصہ تک کے امراض کو ان اعضاء کے افعال کی خرابی سمجھا جاتا ہے۔ یعنی معدہ کی خرابی کو اس کی مکمل خرابی مانا گیا ہے۔ جیسے سوزش معدہ، درد معدہ، ورم معدہ، ضعف معدہ اور بدہضمی پورے معدہ کی خرابی بیان کی جاتی ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ معدہ ایک مرکب عضو ہے اور اس میں عضلات واعصاب اور غدد وغیرہ ہر قسم کے اعضاء پائے جاتے ہیں اور جب مرض ہوتا ہے تو وہ تمام اعضاء جو مفرد ہیں بیک وقت گرفتار مرض نہیں ہوتے بلکہ کوئی مفرد عضو مریض ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معدہ میں مختلف اقسام کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ جب معدہ کے مفرد اعضاء میں سے کوئی گرفتار مرض ہوتا ہے۔ مثلاً معدہ کے اعصاب مرض میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس کی دیگر علامات بھی اعصاب میں ہوں گی اور ان کا اثر دماغ تک جائے گا۔ اسی طرح اگر اس کے عضلات مرض میں مبتلا ہوں گے تو جسم کے باقی عضلات میں بھی یہی علامات پائی جائیں گی۔ اور اس کا اثر قلب تک چلا جاتا ہے۔

یہی صورت اس کے غدد کے مرض کی صورت میں پائی جاتی ہے۔ یعنی دیگر غدد کے ساتھ جگر اور گردوں کو بھی متاثر کرتے ہیں یا بالکل معدہ کے مفرد اعضاء، اعصاب وغدد وعضلات کے برعکس اگر دل ودماغ اور جگر وگردہ میں امراض پیدا ہو جائیں تو معدہ وامعاء اور شش ومثانہ بلکہ آنکھ، منہ، ناک اور کان میں بھی علامات ایسی ہی پائی جائیں گی۔ اس لئے پیدائش امراض اور شفاء امراض کے لئے مرکب عضو کی بجائے مفرد عضو کو مدنظر رکھنا یقینی تشخیص اور بے خطا علاج کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اس طرح ایک طرف کسی عضو کی خرابی کا علم ہوتا ہے تو دوسری طرف اس کے صحیح مزاج کا علم ہو جاتا ہے کیونکہ ہر مفرد اعضو کسی نہ کسی کیفیت ومزاج بلکہ اخلاط کے اجزا سے متعلق ہے۔ یعنی دماغ واعصاب کا مرکز سرد تر ہے ان میں تحریک سے جسم میں سردی تری اور بلغم بڑھ جاتی ہے، اسی طرح جگر وغدد کا مزاج گرم خشک ہے اس کی تحریک سے جسم میں گرمی خشکی اور صفرا بڑھ جاتے ہیں یہ صورت قلبی عضلات کی ہے اور مفرد اعضاء کے برعکس اگر جسم میں کسی کیفیت یا مزاج اور اخلاط کی زیادتی ہو جائے تو ان کے متعلق مفرد اعضاء پر اثر ہو کر ان میں تیزی کی علامات پیدا ہو جائیں گی۔ اسی طرح دونوں صورتیں نہ صرف سامنے آ جاتی ہیں۔ بلکہ علاج میں بھی آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں، ایک خاص بات ذہن نشین کر لیں کہ مفرد اعضاء کی جو ترتیب اوپر بیان کی گئی ہے اور ان میں جو تحریکات پیدا ہوتی ہیں وہ ایک سے دوسرے مفرد عضو میں تبدیل ہوتی رہی ہیں اور کی جاسکتی ہیں۔ اس طرح سے امراض پیدا ہوتے ہیں اور اسی طرح ہی ان تحریکات کو بدل کر ان کو شفا اور صحت کی طرف لایا جاسکتا ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء کی عملی تشریح

اس اجمال کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ جسم انسانی تین چیزوں سے مرکب ہے: جسم (باڈی)، نفس (وائٹل فورس)، روح (سول)۔

جسم کا بیان

بنیادی اعضاء (بیسک آرگنز) حیاتی اعضاء (لائف آرگنز) خون (بلڈ)۔

(۱) بنیادی اعضاء

ایسے اعضاء جن سے جسم انسانی کا ڈھانچہ بنتا ہے تین اعضاء پر محیط ہیں:

(۱) ہڈیاں۔ بونز (۲) رباط۔ لگیمنٹس (۳) اوتار۔ ٹنڈنز

(۲) حیاتی اعضاء

ایسے اعضاء جن سے انسانی زندگی کی بقا قائم ہے۔ یہ بھی تین ہیں:

1. اعصاب (نروز) جن کا مرکز دماغ (برین) ہے۔
2. غدد (گلینڈز) جن کا مرکز جگر (لیور) ہے۔
3. عضلات (مسلز) جن کا مرکز قلب (ہارٹ) ہے۔

گویا دِل، دماغ اور جگر جو اعضائے رئیسہ ہیں وہی انسان کے حیاتی اعضاء ہیں۔

(۳) خون

سرخ رنگ کا ایک ایسا مرکب ہے جس میں لطیف بخارات (گیسز)، حرارت (ہیٹ)، رطوبت (لیکوئڈ) پائے جاتے ہیں یا ہوا، حرارت اور پانی سے تیار ہوتا ہے۔ دوسرے معنوں میں صفراء، سوداء اور بلغم کا حامل ہے۔ جس کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی۔ جاننا چاہئے کہ قدرت نے ضرورت کے مطابق جسم میں اس کی ترتیب ایسی رکھی ہے کہ اعصاب باہر کی طرف ہیں اور ہر قسم کے احساسات ان کے ذمہ ہیں، اعصاب کے اندر کی طرف غدد ہیں جو ہر قسم کی غذا جسم کو مہیا کرتے ہیں۔ غدد سے اندر کی طرف عضلات ہیں ہر قسم کی حرکات ان سے متعلق ہیں۔ یہی تینوں جسم میں ہر قسم کے احساسات، اغذیہ اور حرکات کے طبعی افعال انجام دیتے ہیں۔

غیر طبعی افعال

حیاتی اعضاء کے غیر طبعی افعال صرف تین ہیں:

1. ان میں سے کسی عضو کے فعل میں تیزی آجائے یا ریاح کی زیادتی سے پیدا ہوگی۔
2. انہیں میں سے کسی فعل کے عضو میں سستی آجائے یہ بلغم کی یا رطوبت کی زیادتی سے پیدا ہوگی۔
3. انہیں میں سے کسی عضو میں ضعف پیدا ہو جائے یہ حرارت کی زیادتی سے پیدا ہوگا۔ چوتھا کوئی غیر طبعی فعل واقع ہی نہیں ہوتا۔

اعضائے مفرد کا باہمی تعلق جاننا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ علاج میں ہم ان ہی کی معاونت سے تشخیص، تجویز اور علامات کو رفع کرنے میں مدد حاصل کرتے ہیں۔

افعال کے لحاظ سے بھی ہر عضو میں تین ہی افعال پائے جاتے ہیں۔

- ۱ عضو کے فعل میں تیزی کو ہم تحریک کہتے ہیں۔
- ۲ عضو کے فعل میں سستی کو ہم تسکین کہتے ہیں۔
- ۳ عضو کے فعل میں ضعف کو ہم تحلیل کہتے ہیں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ ہر عضو میں ظاہرہ دو ہی صورتیں ہیں۔ اوّل تیزی اور دوسرے سستی، لیکن سستی دو قسم کی ہوتی ہے۔ اوّل سستی سردی یا بلغم کی زیادتی سے اور دوسرے سستی حرارت کی زیادتی سے ہوتی ہے۔ اس لیے اوّل الذکر کا نام تسکین رکھا جا سکتا ہے اور ثانی الذکر کی سستی کو تحلیل ہی کہنا بہتر ہے کیونکہ حرارت اور گرمی کی زیادتی سے ضعف پیدا ہوتا ہے اور یہ بھی ایک قسم کی سستی ہے لیکن چونکہ ضعف حرارت اور گرمی کی زیادتی سے پیدا ہوتا ہے اور اس میں جسم یا عضو گھلتا ہے اور یہ صورت مرض کی حالت میں آخر تک قائم رہتی ہے بلکہ صحت کی بحالی میں بھی ایک ہلکے قسم کی تحلیل جاری رہتی ہے۔ اس لیے انسان بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے سے موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ اس لیے اس حالت کا نام تحلیل بہت مناسب ہے۔ ساتھ ہی اس امر کو بھی ذہن نشین کر لیں کہ یہ تینوں صورتیں یا علامات تینوں اعضا اعصاب، غدود، عضلات میں کس ایک حالت میں ضرور پائی جائیں گی۔ البتہ ایک دوسرے میں بدلتی رہتی ہیں اور اسی غیر طبعی تبدیلی ہی سے مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں اور انہی کی طبعی تبدیلی سے صحت حاصل ہو جاتی ہے۔ اعضا کے اندر تبدیلیوں کو ذیل کے نقشہ سے آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے:

نام اعضاء	اعصاب	غدد	عضلات	نتیجہ
ا۔ تحریک اعصاب	تحریک	تحلیل	تسکین	جسم میں رطوبات کی زیادتی
۲۔ تحریک غدد	تسکین	تحریک	تحلیل	جسم میں حرارت کی زیادتی
۳۔ تحریک عضلات	تحلیل	تسکین	تحریک	جسم میں ریاح کی زیادتی

گویا ہر عضو میں یہ تینوں حالتیں یا علامات فرداً فرداً ضرور پائی جائیں گی۔ یعنی:

- ۱ اگر اعصاب میں تحریک ہے تو غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین ہوگی، نتیجتاً جسم میں رطوبات، بلغم یا کف کی زیادتی ہوگی۔
- ۲ اگر غدد میں تحریک ہے تو عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین ہوگی، نتیجتاً جسم میں حرارت صفرا یا پت کی زیادتی ہوگی۔
- ۳ اگر عضلات میں تحریک ہے تو اعصاب میں تحلیل اور غدد میں تسکین ہوگی، نتیجتاً جسم میں ریاح یا سوداویت کی زیادتی ہوگی۔ یہ تمام جسم اور اس کے افعال کی اصولی تقسیم ہے۔

اس سے تشخیص اور علاج واقعی آسان ہو جاتا ہے۔ گویا اس طریقے کو سمجھنے کے بعد علم طب نہیں رہتا بلکہ یقینی طریق علاج بن جاتا ہے۔

نزلہ کی مثال بانظریہ مفرد اعضاء

نزلہ ایک علامت ہے جو کسی مرض پر دلالت کرتا ہے۔ اس کو کسی صورت میں بھی مرض کہنا صحیح نہیں ہے اور اس کو ابوالامراض کہنا تو انتہائی غلط فہمی ہے کیونکہ نزلہ مواد یا رطوبت کا گرنا ہے اور یہ علامات کسی تحریک کی طرف دلالت ہے۔ اس عضو کے افعال کی خرابی ہی کو مرض کہا جا سکتا ہے۔ البتہ عضو کے افعال کی خرابی کی جس قدر صورتیں ہو سکتی ہیں وہ تمام امراض میں شریک ہوں گی۔

مواد یا رطوبات کا طریق اخراج

رطوبات (لمف) یا مواد (میٹریا سکریشن) کا اخراج ہمیشہ خون میں سے ہوتا ہے۔ اس کو پوری طرح سمجھنے کے لیے پورے طور پر دورانِ خون کو ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ یعنی دِل سے صاف شدہ خون بڑی شریان اور طِنی سے چھوٹی شریانوں میں اور وہاں سے عروق شعریہ ہی کے ذریعے غدد اور غشائے مخاطی میں جسم کی خلاؤں پر ترشح پاتا ہے۔ یہ ترشح کبھی زیادہ ہوتا ہے، کبھی کم، کبھی گرم ہوتا ہے کبھی سرد، کبھی رقیق ہوتا ہے اور کبھی غلیظ اور کبھی سفید ہوتا ہے اور کبھی زرد، وغیرہ وغیرہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ نزلہ یا ترشح (سکریشن) کا اخراج ہمیشہ ایک ہی صورت میں نہیں ہوتا اس میں مختلف صورتیں کیفیتیں اور رنگ پائے جاتے ہیں۔ گویا نزلہ جو ایک علامت ہے وہ بھی اپنے اندر کئی انداز رکھتا ہے۔ اس لیے اس کو ابوالعلامات کہتے ہیں۔

نزلہ کے تین انداز

1. نزلہ پانی کی طرح بے تکلیف رقیق بہتا ہے۔ عام طور پر اس کا رنگ سفید اور کیفیت سرد ہوتی ہے۔ اس کو عام طور پر زکام کا نام دیتے ہیں۔
2. نزلہ لیس دار ہو جو ذرا کوشش اور تکلیف سے خارج ہوتا ہے۔ عام طور پر اس کا رنگ زرد اور کیفیت گرم ہوتی ہے۔ اس کو نزلہ حار کہتے ہیں۔
3. نزلہ بند ہو تو انتہائی کوشش اور تکلیف سے بھی اخراج کا نام نہیں لیتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بالکل جم گیا ہو اور گاڑھا ہو گیا ہو۔ عام طور پر رنگ میلا یا سرخی سیاہی مائل اور کبھی کبھی زور لگانے سے خون آنے لگ جاتا ہے۔ اس کو بند نزلہ کہا جاتا ہے۔

نزلہ کی تشخیص

1. پانی کی طرح رقیق اور بے تکلف بہنے والا نزلہ اعصابی (دماغی) ہے۔ رنگت سفید، قارورہ سفید اور کیفیت سرد ہے۔
2. لیسدار گاڑھا، جلن اور تکلیف سے خارج ہونے والا نزلہ غدی (کبدی) ہے اس کا رنگ زرد، کیفیت گرم و تیز، قارورہ زرد یا زرد سرخی مائل ہوتا ہے۔
3. فعل میں تیزی ہوگی۔ کیفیت سوداوی (سردی خشکی) ریاح کی زیادتی، قارورہ سرخ یا سرخ سیاہی مائل ہوتا ہے۔

گویا نزلہ کی تین صورتیں ہیں۔ ان کو اسی مقام پر ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ چوتھی صورت کوئی نہ ہوگی۔ البتہ ان تینوں صورتوں میں کمی بیشی اور انتہائی شدت ہو سکتی ہے۔ انتہائی شدت کی صورت میں انہی اعضاء کے اندر درد یا سوزش یا ورم پیدا ہو جائے گا۔ انہی شدید علامات کے ساتھ بخار، ہضم کی خرابی، کبھی قے، کبھی اسہال، کبھی پیچش، کبھی قبض ہمراہ ہوں گے، لیکن یہ تمام علامات انہی اعضاء کی مناسبت سے ہوں گی۔ اسی طرح کبھی معدہ و امعاء اور سینہ کے انہی اعضاء میں کمی بیشی اور شدت کی وجہ سے بھی ان کی خاص علامات کے ساتھ ساتھ نزلہ کی بھی علامات پائی جائیں گی۔ جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

نزلہ کے معنی میں وسعت

نزلہ کے معنی گرنا ہے۔ اگر اس کے معنی کو ذرا وسعت دے کر اس کے مفہوم کو پھیلا دیا جائے اور جسم انسان کی تمام رطوبات اور مواد کو نزلہ کہہ دیا جائے تو ان سب کی بھی اسی نزلہ کی طرح تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں اور ان کے علاوہ چوتھی صورت نظر نہیں آئے گی۔ مثلاً

اگر پیشاب پر غور کریں تو اس کی بھی تین صورتیں ہی ہوں گی:

① اعصاب میں تیزی ہوگی تو پیشاب زیادہ اور بغیر تکلیف کے آئے گا۔
② اگر غدد میں تیزی ہوگی تو پیشاب جلن کے ساتھ قطرہ قطرہ آئے گا۔
③ اگر عضلات میں تیزی ہوگی تو پیشاب بند ہوگا یا بہت کم آئے گا۔

اگر پاخانہ پر غور کریں تو مندرجہ ذیل تین صورتیں ہوں گی۔

① اعصابی صورت میں اسہال آئیں گے۔
② غددی صورت میں پیچش آئیں گے۔
③ عضلاتی صورت میں قبض پائی جائے گی۔

اسی طرح لعاب دہن، آنکھ، کان اور پسینہ وغیرہ ہر قسم کی رطوبات پر غور کرلیں۔ البتہ خون کی صورت رطوبات سے مختلف ہے۔ یعنی؛

① اعصاب کی تیزی میں جب رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے تو خون کبھی نہیں آتا۔
② جب غدد میں تیزی ہوتی ہے تو خون تکلیف سے تھوڑا تھوڑا آتا ہے۔
③ لیکن جب عضلات کے فعل میں تیزی ہوتی ہے تو شریانیں پھٹ جاتی ہیں اور بے حد کثرت سے خون آتا ہے۔

اس سے ثابت ہوگیا کہ جب خون آتا ہے تو رطوبات کا اخراج بند ہوجاتا ہے اور اگر رطوبات کا اخراج زیادہ کردیا جائے تو خون کی آمد بند ہوجائے گی۔ نظریہ مفرد اعضاء کے جاننے کے بعد اگر ایک طرف تشخیص آسان ہوگئی ہے تو دوسری طرف امراض اور علامات کا تعین ہوگیا ہے۔ اب ایسا نہیں ہوگا کہ آئے دِن نئے نئے امراض اور علامات فرنگی طب تحقیق کرتی رہے اور اپنی تحقیقات کا دوسروں پر رُعب ڈالتی رہے بلکہ ایسے امراض اور علامات جو بے معنی صورت رکھتے ہوں وہ ختم کردیئے جائیں گے۔ جیسے وٹامنی امراض، غذائی امراض اور موسمی امراض، وغیرہ وغیرہ۔ بس ایسے امراض اور علامات کا تعلق کسی نہ کسی عضو سے جوڑنا پڑے گا اور انہی کے افعال کی خرابی کو امراض کہنا پڑے گا۔ گویا کیمیاوی اور دموی تغیرات کو بھی اعضاء کے تحت لانا پڑے گا۔ دموی اور کیمیاوی تغیرات بھی اپنے اندر حقیقت رکھتے ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جسم میں خون کی پیدائش اور اس کی کمی بیشی انسان کے کسی نہ کسی عضو کے ساتھ متعلق ہے۔ اس لیے جسم انسان میں دموی اور کیمیاوی تبدیلیاں بھی اعضائے جسم کے تحت آجاتی ہیں۔ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ جسم میں ایک بڑی مقدار میں زہریلی ادویات اور اغذیہ سے موت واقع ہوجاتی ہے۔ لیکن ایسے کیمیاوی تغیرات بھی اس وقت تک پیدا نہیں ہوتے جب تک جسم کا کوئی عضو بالکل باطل نہ ہوجائے۔

دیگر اہم علامات

نزلہ کی طرح دیگر علامات بھی چند اہم علامات میں تقسیم ہوجاتی ہیں۔ اگر ان علامات کو ذہن نشین کرلیا جائے تو نزلہ کی طرح جن مفرد اعضاء سے ان کا تعلق ہوگا ان کے ساتھ ہی وہ ایک مرض کی شکل اختیار کرلیں گے ورنہ تنہا ان علامات کو امراض کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ وہ اہم علامات درج ذیل ہیں؛

① سوزش ② ورم ③ بخار ④ ضعف۔ اس کی مختصر تشریح درج ذیل میں ہے۔

(۱) سوزش: سوزش ایک ایسی جلن ہے جو کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی تحریکات سے جسم کے کسی عضو مفرد میں پیدا ہو جائے۔ سوزش میں سرخی اور درد وحرارت لازم ہوتی ہیں۔ تحریک سے سوزش تک بھی چند منزلیں ہیں؛ ① لذت ② بے چینی ③ سوزش۔

کبھی طبیعت انہی علامات میں سے کسی ایک پر رُک جاتی ہے اور کبھی گزر کر سوزش بن جاتی ہے۔ سوزش اور اورام پر کتاب شائع ہو چکی ہے جس کا نام تحقیقات وعلاج سوزش اور اورام ہے۔

(۲) ورم: ورم کی علامت سوزش کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اس میں سوزش کی علامات کے ساتھ سوجن بھی ہوتی ہے اور جب سوجن زیادہ ہو جائے یا شدت اختیار کر لے تو حرارت بخار میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جسم کے پھوڑے اور پھنسیاں اور دانے وغیرہ بھی اورام میں شریک ہیں۔

(۳) بخار: بخار ایک ایسی اور غیر معمولی حرارت ہے جس کو حرارت غریبہ (بیرونی) بھی کہتے ہیں جو جز وخون کے ذریعہ قلب سے تمام بدن میں پھیل جاتی ہے جس سے بدن کے اعضاء میں تحلیل اور ان افعال میں نقصان واقع ہوتا ہے۔ غصہ اور تھکان کی معمولی گرمی بخار کی حد سے باہر ہے کیونکہ اس سے کوئی غیر معمولی تبدیلی بدن انسان میں لاحق نہیں ہوتی۔ اس کو عربی میں حمٰی (جمع حمیات) فارسی میں تپ کہتے ہیں۔ بخار پر ہماری کتاب ''تحقیقات حمیات'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

(۴) ضعف: جسم کی ایک ایسی حالت کا نام ہے جس میں گرمی کی زیادتی سے کسی مفرد عضو میں تحلیل پیدا ہو جائے۔ ضعف کے مقابلہ میں طاقت کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ضعف کو سمجھنے کے لیے ہماری کتاب ''تحقیقات اعادہ شباب'' کا مطالعہ کریں۔ ان اہم علامات کو جسم کے ساتھ سر سے لے کر پاؤں تک جس کسی عضو کے ساتھ پائیں گے وہ مرض کہلائے گا۔

مفرد اعضاء کا باہمی تعلق

مفرد اعضاء کا باہمی تعلق بھی ہے۔ اسی تعلق سے تحریکات ایک عضو سے دوسرے عضو کی طرف منتقل ہوتی ہیں مثلاً جب غدد میں تحریک ہے تو اس امر کو ضرور جاننا پڑے گا کہ اس تحریک کا تعلق عضلات کے ساتھ ہے یا اعصاب کے ساتھ ہے، کیونکہ اس تحریک کا تعلق کسی نہ کسی دوسرے عضو کے ساتھ ہونا ضروری ہے، کیونکہ مزاجاً بھی کبھی کوئی کیفیت ایک نہیں ہوتی جیسے گرمی یا سردی کبھی تنہا نہیں پائی جائیں گی۔ وہ ہمیشہ گرمی تری یا گرمی خشکی ہوگی۔ اسی طرح سردی تری یا سردی خشکی ہوگی۔ یہی صورت اعضاء میں بھی قائم ہے یعنی غدی عضلاتی (گرم خشک) یا غدی اعصابی (گرم تر)، وغیرہ وغیرہ۔

البتہ اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ اوّل تحریک عضوی (مشینی) ہوگی اور دوسری تحریک کیمیاوی (خلطی) پر ہوگی۔ جب کسی مفرد عضو میں تحریک ہوگی تو اس کا تعلق جس دوسرے مفرد عضو سے ہوگا، اس کی کیمیاوی صورت خون میں ہوگی۔ مثلاً غدی عضلاتی تحریک ہے تو اخلاط میں خشکی پائی جائے گی۔ جب غدی اعصابی تحریک ہوگی تو خون میں تری پائی جائے گی۔

مفرد اعضاء کے تعلق کی چھ صورتیں ہیں

مفرد اعضاء صرف تین ہیں لیکن اگر ان کا آپس میں تعلق ظاہر کیا جائے تو کل چھ صورتیں بن جاتی ہیں:

① اعصابی غدی ② اعصابی عضلاتی ③ عضلاتی اعصابی ④ عضلاتی غدی ⑤ غدی عضلاتی اور ⑥ غدی اعصابی۔

یاد رکھیں کہ جو لفظ اوّل ہوگا وہ عضو کی مشینی تحریک ہے اور جو لفظ بعد میں ہوگا وہ کیمیاوی تحریک کہلاتا ہے، چونکہ کیمیاوی تحریک ہی

صحت کی طرف جاتی ہے اس لیے ہر عضوی تحریک کے بعد اس سے جو کیمیاوی اثرات پیدا ہوں انہی کو بڑھانا چاہیے، بس اسی میں شفا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہومیو پیتھک میں بھی ری ایکشن (Reaction) کی علامات کو بڑھایا جاتا ہے اس مقصد کے لیے بلکہ اقل مقدار میں بھی دوا نہ صرف مفید ہو جاتی ہے بلکہ اکثر اکسیر اور تریاق کا کام دے دیتی ہے۔

فارما کو پیا نظریہ مفرد اعضاء اعصابی مجربات

اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) اعصابی غدی (۲) اعصابی عضلاتی۔

۱ **محرک اعصابی غدی:** سہاگہ، ملٹھی ہر ایک سات تولہ سفوف کریں۔ خوراک ایک ماشہ سے 6 ماشہ تک حسب ضرورت دیں۔

۲ **شدید محرک اعصابی غدی:** شیر مدار بالا میں نصف تولہ اضافہ کر دیں۔

مقدارِ خوراک: 1/2 رتی تا 1/2 ماشہ دیں۔

۳ **ملین اعصابی غدی:** شدید محرک اعصابی غدی میں ریوند چینی 4 تولہ کا اضافہ کر دیں۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت۔

۴ **مسہل اعصابی غدی:** نسخہ نمبر 3 میں سقمونیا 5 تولہ اضافہ کر دیں۔

مقدارِ خوراک: 2 رتی تا 7 ماشہ حسب ضرورت۔

۵ **محرک اعصابی عضلاتی:** قلمی شورہ 3 تولہ تخم کاسنی 5 تولہ سفوف کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک ماشہ تا 3 ماشہ حسب ضرورت۔

۶ **محرک شدید اعصابی عضلاتی:** نمبر 5 میں جوکھار 3 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک تا 3 ماشہ حسب ضرورت۔

۷ **ملین اعصابی عضلاتی:** نمبر 6 میں گلسرخ 8 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک تا 3 ماشہ حسب ضرورت۔

۸ **مسہل اعصابی عضلاتی:** نمبر 7 میں کالا دانہ 20 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک تا 3 ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۹ **محرک عضلاتی اعصابی:** کرنجوہ آملہ ہر ایک 5 تولہ سفوف بنائیں۔

مقدارِ خوراک: ایک تا 3 ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۱۰ **محرک شدید اعصابی:** نمبر 9 میں پھٹکڑی سوختہ 10 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: 3 رتی تا 2 ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۱۱ **ملین عضلاتی اعصابی:** نمبر 10 مین ہلیلہ سیاہ سوختہ 10 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: 3 رتی تا 2 ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۱۲ **مسہل عضلاتی اعصابی:** نمبر 11 میں جلاپا 20 تولہ شامل کردیں۔

۱۳ **محرک عضلاتی غدی:** لونگ ایک تولہ دارچینی 3 تولہ، سفوف کریں۔

مقدارِ خوراک: 4 رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۱۴ **محرک شدید عضلاتی غدی:** نمبر 13 میں جلوتری 2 تولہ ملالیں۔

مقدارِ خوراک: 4 رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۱۵ **ملین عضلاتی غدی:** نمبر 14 میں مصبر 6 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: 4 تا ایک ماشہ حسب ضروردیں۔

۱۶ **مسہل عضلاتی غدی:** نمبر 15 میں حنظل 4 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: 4 رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۱۷ **محرک غدی عضلاتی:** اجوائن دیسی، تیزپات ہر ایک 4 تولہ۔

مقدارِ خوراک: ایک تا 6 ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۱۸ **محرک شدید غدی عضلاتی:** نمبر 17 میں رائی 4 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک ماشہ سے 3 ماشہ تک حسب ضرورت دیں۔

۱۹ **ملین غدی عضلاتی:** نمبر 18 میں گندھک 12 تولہ شامل کردیں۔

مقدارِ خوراک: $\frac{1}{2}$ ماشہ تا 2 ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۲۰ **مسہل غدی عضلاتی:** نمبر 19 میں ایک تولہ جمال گوٹہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی تا 4 رتی حسب ضرورت دیں۔

۲۱ **محرک غدی اعصابی:** زنجبیل 5 تولہ نوشادر 2 تولہ۔

مقدارِ خوراک: 2 رتی تا 2 ماشہ حسب ضرورت۔

۲۲ **شدید غدی اعصابی:** نمبر 12 میں مرچ سیاہ ایک تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: 2 رتی تا 2 ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۲۳ **ملین غدی اعصابی:** نمبر 22 میں سناء مکی 8 تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: 3 رتی تا 3 ماشہ حسب ضرورت دیں۔

۲۴ **مسہل غدی اعصابی:** نمبر 23 میں ریوند عصارہ ایک تولہ شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی تا 2 ماشہ حسب ضرورت دیں۔

مقویات

۱ **عضلاتی اعصابی اطریفل:** پوست ہلیلہ زرد، پوست ہلیلہ کابلی، پوست ہلیلہ سیاہ، بسفائج، اسطخدوس، کشمش، مویز منقی ہر

ایک 2 تولہ، کشتہ فولاد ایک تولہ، بادام روغن 10 تولہ، چینی ایک سیر قوام تیار کر کے شامل کریں۔

مقدارِ خوراک: 6 ماشہ تا ایک تولہ صبح و شام ہمراہ بدرقہ مناسب استعمال کرائیں۔

۳ عضلاتی غدی معجون: ازراقی مصفی ایک تولہ، جائفل، جلوتری، قرنفل، دارچینی، خولنجاں، بالچھڑ، افسنتین ایک ایک تولہ شہد 3 پاؤ معجون تیار کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک ماشہ تا 3 ماشہ۔

۳ غدی عضلاتی معجون: مربہ آملہ خشک 10 تولہ، زنجبیل، پودینہ، اجوائن دیسی، فلفل سیاہ، مصطگی رومی، فلفل دراز، عقرقرحا، بادیان، زیرہ سیاہ ہر ایک اڑھائی تولہ ملا کر زعفران 9 ماشہ شامل کر کے حسب دستور تیار کریں۔

مقدارِ خوراک: 6 ماشہ تا ایک تولہ۔

۴ غدی اعصابی لیوب: مغز چلغوزہ، پستہ، مغز اخروٹ، فندق، کنجد مقشر، مغز تخم خربزہ، مغز تخم خیارین، مغز تخم پنبہ دانہ، ثعلب مصری، بادام شیریں، تخم گندر، تخم پیاز ہر ایک 2 تولہ سب ادویہ سے 3 گنا شہد ڈال کر لیوب تیار کریں۔

مقدارِ خوراک: 6 ماشہ تا 9 ماشہ دیں۔

۵ اعصابی غدی حلوہ: روغن گاؤ 4 چھٹانک، شیر گاؤ 2 سیر حسب ترکیب تیار کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک ایک چھٹانک صبح اور شام۔

۶ اعصابی عضلاتی خمیرہ: گاؤزبان، ابریشم، کشنیز 10، 10 تولہ ملا کر برادہ صندل سفید 5 تولہ الائچی خورد ایک تولہ، عرق گلاب 2 سیر، آب انار ترش نصف سیر، قند سفید 2 سیر حسب ضابطہ خمیرہ تیار کریں۔

مقدارِ خوراک: 5 تا 9 ماشہ حسب ضرورت۔

مجربات بانظریہ مفرد اعضاء

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت جو مجربات دیئے گئے ہیں ان میں چار درجے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ ہر درجہ کا نام دینے کی بجائے ان کے نام رکھ دیئے ہیں:

① محرک ② محرک شدید ③ ملین ④ مسہل۔

اس سے دوا کے استعمال کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ ان کی مختصر تشریح درج ذیل ہے۔

محرک اور شدید: ایسی دوا سے مراد ہے جو کسی عضو کو تیز کر دے یہ تیزی اس عضو کے فعل میں انقباض پیدا کر دینے سے ہوتی ہے، جس کی صورت ایک خام قسم کی ریح (گیس) ہوتی ہے۔ اس کی شدید صورت دوا کی زیادہ تیزی ہے۔

ملین و مسهل: ملین و مسہل کو صرف نرم پاخانہ لانے اور تیز پاخانہ لانے کے معنی میں استعمال نہیں کیا، بلکہ ان سے یہ مقصد بھی ہے کہ یہ دونوں اپنے اندر محرک اور محرک شدید کے افعال زیادہ طاقت کے رکھتے ہیں۔ کیونکہ اگر محرک اور محرک شدید بھی زیادہ سے زیادہ اپنی خوراک میں استعمال کر دیں تو پاخانہ اور اسہال ان سے بھی ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر ملین اور مسہل قلیل مقدار میں دیئے جائیں تو ان سے محرک اور محرک شدید بلکہ مقوی اثرات بھی حاصل کئے جاتے ہیں۔

مجربات میں اس بات کو خاص طور پر مدنظر رکھا گیا ہے کہ ان کی تیاری میں ان کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ ان کی آپس میں مناسبت قائم رہے۔ تا کہ ایک طرف ان کے اثرات قائم رہیں تو دوسری طرف ان کی تیاری میں مشکل پیش نہ آئے اور خاص بات یہ ہے کہ نسخہ جات یاد رکھنے میں مشکل پیش نہ آئے۔ ان کے استعمال میں ہمیشہ کوشش رکھیں کہ محرکات یعنی ہلکی ہلکی ادویات سے شروع کریں اور ضرورت کے مطابق مسہلات (شدید ترین) ادویات پر ختم کر دینا چاہئے کہ طبیعت کے ساتھ ساتھ چل سکیں۔

مقوی، اکسیر اور تریاق

یہ اپنے اندر اپنی بالخاصہ تاثیر رکھتے ہیں۔

مقوی: ایسی دوا یا غذا جو کسی عضو یا خون میں طاقت مہیا کر دے۔ ایسی دوا عضو کے مزاج اور ساخت کو درست کرتی ہے۔ ایسی ادویات عام طور پر قابض ہوتی ہیں اور ان میں خوبی ہوتی ہے کہ ہلکے ہلکے خون یا رطوبت کو اعضاء کی طرف جذب کراتی ہیں۔

اکسیر: جس کو کیمیائے حیات کہتے ہیں۔ آیورویدک میں اس کو رسائن کہتے ہیں، ایسی دوا جس سے جوانی واپس آ جائے۔ اس میں تین خوبیاں لازماً پائی جاتی ہیں:

① دائمی اثر ② جاذب ③ برقی اثر۔

دائمی اثر سے مراد یہ ہے کہ استعمال کے بعد اس کا اثر فوراً ختم نہ ہو جائے بلکہ کافی عرصہ تک اس کا اثر جسم میں جاری رہے۔ جو لوگ غذا، دوا اور زہر کے فرق کو سمجھتے ہیں وہ دائمی اثر کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جاذب کا مقصد یہ ہے کہ دوا استعمال کے بعد فوراً جسم میں جذب ہو جائے اور خون و رطوبات اپنی طرف جذب کرنے کے ساتھ ساتھ جزو بدن بنائے۔ برقی اثر کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے اثرات سے جسم میں برقی رو دوڑا دے اور اپنے اثر میں برق رفتار ہو تا کہ خلیات میں دور تک پہنچ سکے۔ اگر کسی دوا میں تینوں خوبیاں نہ ہوں بلکہ صرف ایک یا دو پائی جائیں تو اس میں باقی پیدا کرنی چاہئے پھر دوا اکسیر کہلانے کی مستحق ہے۔ ورنہ یونہی کسی دوا کا نام اکسیر رکھ دینا فن سے جہالت کہا جائے گا۔

تریاق: تریاق سے مراد ایسی دوا ہے جس کے استعمال سے مخصوص زہر یا مخصوص اثرات باطل اور ختم ہو جائیں۔ جیسے ترشی کا اثر کھار سے ٹوٹ جاتا ہے۔ یا افیون کا اثر کچلہ سے باطل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ادویات اور زہر کے متعلق، وغیرہ وغیرہ۔

اکسیرات

✿ **عضلاتی غدی اکسیر:** شنگرف رومی ایک حصہ، مرکی 3 حصہ، ہر دو کو مسلسل ایک گھنٹہ کھرل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت۔

✿ **غدی عضلاتی اکسیر:** پارہ ایک تولہ، گندھک 7 تولہ کم از کم ایک گھنٹہ کھرل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت۔

✿ **غدی اعصابی اکسیر:** ہڑتال ایک تولہ زنجبیل 4 تولہ، فلفل سیاہ 3 تولہ تین گھنٹہ کھرل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت۔

❁ **اعصابی غدی اکسیر:** حجر الیہود، کہربا، نوشادر، الائچی خورد ہر ایک 6 ماشہ، سفید قند 2 تولہ، کم از کم ایک گھنٹہ کھرل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک تا 3 ماشہ حسب ضرورت سردیوں میں شہد اور گرمیوں میں شربت کے ہمراہ۔

❁ **اعصابی عضلاتی اکسیر:** کشتہ قلعی، الائچی کلاں، طباشیر، ہر ایک تولہ تولہ ورق نقرۃ 3 ماشہ۔

مقدارِ خوراک: 4 رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت۔

❁ **عضلاتی اعصابی اکسیر:** سم الفار ایک ماشہ، کشتہ چاندی 2 تولہ، کم از کم 2 گھنٹہ کھرل کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک چاول تا ایک رتی حسب ضرورت۔

تریاقات

❁ **عضلاتی غدی تریاق:** سالم اجوائن دیسی چینی کے برتن میں ڈال کر اتنا تیزاب گندھک ڈالیں کہ بمشکل تر ہو سکے۔ پندرہ بیس یوم کے بعد باریک کھرل کریں۔

مقدارِ خوراک: 2 رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت ہمراہ آب نیم گرم۔

❁ **غدی عضلاتی تریاق:** سرخ مرچ 5 تولہ، رائی 10 تولہ، حبوب نخودی تیار کریں۔

مقدارِ خوراک: ایک تا 4 رتی ہمراہ آب نیم گرم۔

❁ **غدی اعصابی تریاق:** نیلا تھوتھا، جمال گوٹہ، شیر مدار تولہ تولہ، رائی 15 تولہ، سہاگہ 7 تولہ۔

مقدارِ خوراک: خوراک 2 چاول تا ایک ماشہ حسب ضرورت ہمراہ آب نیم گرم۔

❁ **اعصابی غدی تریاق:** شیر مدار ایک حصہ، ہلدی سرخی مائل 15 حصے مخلوط کریں۔

مقدارِ خوراک: 2 چاول تا ایک ماشہ ہمراہ آب نیم گرم۔

❁ **اعصابی عضلاتی تریاق:** افیون ایک ماشہ، لوبان کوڑیا ایک تولہ، قند سفید ایک تولہ، سفوف کریں۔

مقدارِ خوراک: 1/2 رتی تا ایک ماشہ ہمراہ آب تازہ۔

❁ **عضلاتی اعصابی تریاق:** سرمہ سیاہ ایک تولہ، قشر بندق ہندی 9 تولہ سفوف بنالیں۔

مقدارِ خوراک: ایک رتی تا ایک ماشہ حسب ضرورت ہمراہ آب تازہ یا آب نیم گرم۔

نوٹ: نظریہ مفرد اعضاء فارماکوپیا کی ادویات کو ضرورت کے مطابق یونانی مرکبات کی شکل دی جا سکتی ہے جیسے مقویات میں اسی طرح اکسیرات اور تریاقات کو بھی مناسب صورتیں دی جا سکتی ہیں۔

روغنیات اور ارواح

❁ **عضلاتی غدی روغن اور روح:** روغن تلخ 14 حصہ، روغن دارچینی ایک حصہ۔

❁ **غدی عضلاتی روغن اور روح:** روغن تارپین 14 حصے، روغن قرنفل ایک حصہ۔

❁ **غدی اعصابی روغن اور روح:** روغن بیدانجیر (کسٹر آئیل) 24 حصہ، ست اجوائن ایک حصہ۔

❁ **اعصابی غدی روغن اور روح:** روغن کدو 9 حصہ، ست پودینہ ایک حصہ ملالیں، تیار ہے۔

۵ **اعصابی عضلاتی روغن و روح:** روغن بادام 9 حصہ، کافور ایک حصہ شامل کریں، تیار ہے۔

۶ **عضلاتی اعصابی روغن و روح:** روغن کنجد 7 حصہ، روغن صندل ایک حصہ ملا لیں، تیار ہے۔

نوٹ: اس طرح اور بھی بہت سے روغنیات ضرورت کے مطابق تیار کئے جاسکتے ہیں۔

کحل، کاجل

۱ **عضلاتی غدی کاجل:** کڑوے تیل کا سادہ دھواں 9 حصہ، نیلا تھوتھا ایک حصہ، روغن تلخ کی مدد سے کاجل تیار کریں۔

۲ **غدی عضلاتی کحل:** مامیراں چینی، مغز تخم نیل ہم وزن دو گھنٹہ کھرل کریں، تیار ہے۔

۳ **غدی اعصابی کحل:** فلفل سیاہ ایک حصہ، نوشادر 2 حصہ، ہلدی 7 حصہ، عرق بادیان ایک پاؤ، سحق وجذب کریں، تیار ہے۔

۴ **اعصابی غدی کحل:** سمندر جھاگ ایک تولہ، سہاگہ ایک تولہ، ایک گھنٹہ کھرل کریں، تیار ہے۔

۵ **اعصابی عضلاتی کحل:** سرمہ سیاہ ایک تولہ، قلمی شورہ ایک تولہ، مسلسل ایک گھنٹہ کھرل کریں، تیار ہے۔

۶ **عضلاتی اعصابی کحل:** سرمہ سیاہ ایک تولہ، پھٹکڑی بریاں ایک تولہ، دونوں کو ایک گھنٹہ کھرل کریں، سرمہ تیار ہے۔

نوٹ: اسی اصول پر ان کے علاوہ دیگر کحالات و کاجلیں تیار کی جاسکتی ہیں۔

حکیم انقلاب المعالج صابر ملتانی کے چند خطابات

دنیا پور 4 نومبر 1968ء

محترم حکماء معزز حاضرین، دوستو اور بھائیو! میں آپ سب کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اپنے اس طبی اجتماع کی صدارت کے لئے عزت بخشی ہے۔ آپ لوگوں کے علم وفن طب کے ساتھ ذوق وشوق اور لگاؤ دیکھ کر دل بے حد مسرت اور انتہائی شادمانی آئی ہے۔ حیرت کا یہ مقام ہے کہ ایک دور افتادہ مقام پر علم وفن طب سے اس قدر دلچسپی وتعلق اور جذبہ انتہائی قابل تعریف ہے فن طب کوئی آسان علم نہیں ہے، یہ حکمت کی شاخ ہے اور حکمت عقلمندی کا نام اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایسا ذوق وشوق رکھنے والے یقیناً عقل وشعور اور حقیقت وعلم کے جذبات رکھتے ہیں۔

گزشتہ سال بھی مجھے انہی دنوں یہاں بلکہ اسی جگہ تقریر کا موقع ملا تھا۔ اس وقت میں نے آپ کے سامنے تین باتیں بیان کی تھیں:

① میں طب قدیم کا نمائندہ ہوں اور میرا تعلق کسی طب جدید یا کسی نئے طریق علاج سے نہیں ہے۔

② طب قدیم جن بنیادوں پر قائم ہے وہ اصولی قدریں ہیں اور نہ صرف سائنسی قدروں کے مطابق ہیں بلکہ فطرت کے بھی مطابق ہیں۔ جب تک کوئی قوانین فطرت کو غلط قرار نہ دے لے وہ طب قدیم کو غلط ثابت نہیں کرسکتا۔

③ فرنگی طب یا ماڈرن میڈیکل سائنس غیر علمی اور غلط ہے۔ یاد رکھیں کہ سائنس اور شے ہے اور ماڈرن میڈیکل سائنس جدا شے ہے۔

آج آپ کے سامنے ایک اور حقیقت بیان کرتا ہوں۔ یہ قدرت کا ایک قانون ہے اور صحت کا ایک راز ہے۔ قدرت کی اس حقیقت وقانون اور صحت کے راز کا نام ہے۔ ''قوت شفا'' یہ ایک اہم حقیقت ہے اور صحت کے لئے بے حد ضروری قانون ہے۔ افسوس ہے کہ فرنگی طب اور سائنس بلکہ میڈیکل سائنس نے بھی اس کا کہیں ذکر تک نہیں کیا بلکہ اس کا طریق علاج بالکل اس کے خلاف ہے۔ علاج بالمثل (ہومیوپیتھی) بھی اس قانون سے ناواقف ہے۔ البتہ آیورویدک اور طب یونانی کے علاج میں ایک قانون کی حیثیت سے شامل ہے۔ مگر اس کی تفصیل وتشریح اور ترتیب لازمی کی حیثیت سے کبھی بیان نہیں کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قانون کے بغیر کبھی ''قوت شفاء'' حاصل نہیں ہوسکتی۔ عام طور پر دست شفا کا ذکر کیا جاتا ہے۔ لیکن جب تک قوت شفا پر دسترس نہ ہو اس وقت تک دست شفا کی خوبی پیدا نہیں ہوتی۔

قانون ''قوت شفا'' کے متعلق جاننا چاہئے مضر بذاتِ خود کوئی شے نہیں ہے، صرف صحت ایک حقیقت ہے اور اس کے قائم نہ رہنے کا نام مرض ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے جھوٹ اور برائی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت سچائی اور نیکی کا نام ہے۔ جس سچائی اور نیکی کی نفی ہوتی ہے وہاں پر جھوٹ اور برائی کی شکل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ حقیقت میں صحت ایک قانون فطرت ہے جو قدرت کے ماتحت عمل کرتا

ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ جب جسم انسان کے اعضاء خاص طور پر مفرد اعضاء (انسجہ) خون (اخلاط و کیفیات) اور نفسیاتی اثرات (جذبات) اعتدال پر قائم رہیں اس کا نام صحت ہے۔ جب اعضاء میں بگاڑ، خون میں تغیر اور جذبات میں خرابی واقع ہو جاتی ہے تو اس کا نام مرض رکھ دیا جاتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ

① نفسیاتی بگاڑ ایک وقتی اثر ہوتا ہے جو جذبات کے اثرات سے پیدا ہوتا ہے اور منٹوں میں ختم ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات گھنٹوں اور دنوں تک چلا جاتا ہے۔ شاید ہی ایسا ہوتا ہے کہ عمر بھر ایک ہی جذبہ قائم رہے۔ بہر حال ہر صورت میں اپنے تاثرات خون میں چھوڑتا رہتا ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ کسی جذبہ اور نفسیاتی اثر کا اظہار کسی نہ کسی عضو کے فعل میں کمی بیشی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

② اعضائے جسم کے افعال کی خرابی جو کیفیات کے تحت پیدا ہوتی ہے وہ فوری طور پر واقع ہو وہ بھی دائمی نہیں ہوتی بلکہ گھنٹوں تک محدود ہوتی ہے۔ پھر خرابی کے اثر کے مطابق جلد ختم ہو جاتی ہے۔ البتہ یہ خرابی بھی خون میں اپنا اثر چھوڑ جاتی ہے۔ یہ دونوں خرابیاں اگر چہ مختلف ہیں لیکن اعضاء کے افعال میں کمی بیشی کے اظہار کی وجہ سے ایک صورت معلوم ہوتی ہے۔ ان کو جسم کے مشینی اثرات کہا جاتا ہے۔ جب تک یہ قائم رہتی ہے خون میں ان کا اثر شامل ہوتا رہتا ہے۔

③ خون میں تغیر ایک دائمی تبدیلی ہے جو مشکل سے پیدا ہوتی ہے اور دیر سے ختم ہوتی ہے۔ یہ زیادہ تر مادی اثرات سے پیدا ہوتی ہے جو کھانے پینے کی اشیا کا نتیجہ ہے۔ البتہ اس میں اعضاء کے افعال اور نفسیاتی اثرات کے تحت کیفیات کے اثرات شامل ہو جاتے ہیں۔ ان کو جسم کے کیمیاوی اثرات کہا جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جسم میں یہی تینوں قسم کے اثرات پیدا ہوتے رہتے ہیں: ① نفسیاتی ② عضلاتی افعال ③ دموی تغیرات۔

اوّل دونوں مشینی اثرات ہیں۔ تیسرا کیمیاوی تغیر ہے۔ مشینی اثرات وقتی طور پر پیدا ہوتے ہیں اور فوری طور پر ختم ہو جاتے ہیں۔ کیمیاوی تغیرات مشکل سے پیدا ہوتے ہیں اور دیر سے تبدیل ہوتے ہیں۔ ان کے اعتدال کا دوسرا نام صحت ہے اور اعتدال کے بگڑ جانے کا نام مرض ہے۔

جاننا چاہئے کہ صحت کا قیام اس کیمیاوی ترتیب پر منحصر ہے جو خون میں قائم ہے۔ تمام اعضاء اس کے مطابق اپنے افعال انجام دیتے ہیں اور انسانی جذبات اس کے مطابق اُبھرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں زندگی و قوت اور عادت (اخلاق) خون کی صحیح کیمیاوی ترتیب (مرکب) پر قائم ہیں۔ بس یہی صورت ہے اور خون کی یہ صحیح کیمیاوی ترتیب بگڑ جاتی ہے۔ چاہے وہ بگاڑ نفسیاتی جذبات کے اثرات ہو یا اعضاء کے افعال کی کمی بیشی سے ہو یا مادی تغیرات سے خون میں کیمیاوی تبدیلی پیدا ہو جائے۔ بہر حال خون کی ترکیب (مرکب) میں فرق پیدا ہو جاتا ہے بس یہی مرض ہے۔ اس مرض سے جسم میں جو حالات پیدا ہوتے ہیں، وہی اس کی علامات ہیں۔ یہ علامات عضوی و کیفیاتی بھی ہوتی ہیں اور مادی و نفسیاتی بھی ہوتی ہیں۔ ان میں بعض شدید ہوتی ہیں اور بعض لطیف معلوم ہوتی ہیں۔ مریض اکثر شدید علامات کی تکلیف کا اظہار کرتا ہے اور انہی کو مرض کا نام دیتا ہے۔

علاج کی صورت میں معالج بھی مریض کی تکلیف کے زیر اثر اپنی کامیابی کے پیش نظر انہیں علامات کو رفع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اوّل تو وہ کامیاب نہیں ہوتا، اگر کسی حد تک کوئی علامت کم بھی ہو جائے یا تکلیف رُک جائے تو تھوڑے عرصہ بعد پھر نمودار ہو جاتی ہے۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ لوٹ آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معالج ماہیت سے واقف نہیں ہے اور نہ ہی صحت کے صحیح قانون کا اس کو علم ہے اس لئے اس کے پاس قوت شفا نہیں ہے اور نہ ہی وہ دست شفا رکھتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ صحت کسی علامت واثر اور تکلیف کے رفع کرنے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ صحت کی اس حالت کو لوٹانے کا نام ہے جس سے خون کی صحیح کیمیاوی ترکیب (مرکب) قائم ہو جائے۔ یہی قوت شفا ہے۔ جب قوت شفا قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس سے نہ صرف اعضاء کے مشینی افعال اور خون کی کیمیاوی درست اور تکالیف بھی دور ہو جاتی ہیں، بس اسی کا نام صحت ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کون سے طریق علاج میں صحت کو حاصل کرنے کے لئے قوت شفا کو مدنظر رکھا گیا ہے جہاں تک فرنگی طب (میڈیکل سائنس) کا تعلق ہے وہ صرف ان علامات واثرات اور تکالیف کو دور کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ جو ظاہر اور باطن جسم میں اس کو معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر خون کی کیمیاوی ترتیب اور افعال الاعضاء کو کلی طور پر مدنظر نہیں رکھا جاتا۔ زیادہ سے زیادہ ان کے زہروں کو خون کے اندر معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ جراثیم اور ان کے زہر خون کے اجزا نہیں ہیں اور نہ ہی حالت صحت میں خون پائے جاتے ہیں۔ اگر ان کو باعث مرض قرار بھی دے دیا جائے اور ان کو اینٹی سپٹک (دافع زہر) ادویات سے دور بھی کر دیا جائے تو بھی خون کی وہ صحیح کیمیاوی ترتیب پیدا نہیں ہوسکتی، جس کا نام قوت شفا ہے۔ اس کے بغیر صحت کا حصول ناممکن ہے۔

دوسرا طریق علاج، علاج بالمثل (ہومیوپیتھی) ہے۔ اس میں سرے سے مرض کا تصور ہی نہیں ہے۔ اس کی ماہیت (پیتھالوجی) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کے ہاں صحت کا کوئی مقام ہی متعین نہیں کیا گیا تو پھر بھلا وہ خون کی صحیح کیمیاوی ترکیب کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ ان کے ہاں اعضاء کے افعال وغذائی خواص اور مادی اثرات ونفسیاتی کیفیات کے جسم پر اور ان کے باہمی تعلقات پائے ہی نہیں جاتے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مریض کی کسی علامت کو رفع کرنے سے خون کے اندر صحیح کیمیاوی ترتیب پیدا ہوسکتی ہے۔ نہیں! ہرگز نہیں! بلکہ ادویات تو مادی کے بجائے روحانی خوراکوں میں استعمال کرائی جاتی ہیں۔ اس صورت میں مادی شے کے اضافہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ پھر خون میں تبدیلی کیسے پیدا ہوسکتی ہے۔ اس لئے ایسے حالات میں قوت شفا کا قائم کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہومیوپیتھی میں چند علامات رفع کرنے کے علاوہ کسی مزمن وپیچیدہ بلکہ حقیقی طور پر کسی مرض کا یقینی اور بے خطا علاج نہیں ہے۔ زبانی زبانی کیور کمانڈ (قوت شفاء) کا دعویٰ بے معنی ہے۔

ایلوپیتھی (فرنگی طب) اور ہومیوپیتھی (علاج بالمثل) کے علاوہ اور بھی چند چھوٹے موٹے طریق علاج ہیں جن میں سے بایوکیمک، ہائیڈروپیتھی (پانی اور بھاپ سے علاج)، سائیکوپیتھی (تجزیہ نفس سے علاج) وغیرہ وغیرہ سب فرنگیوں کی پیداوار ہیں۔ ان سب میں قوت شفا کا نام تک نہیں ہے۔ اوّل تو ان کو طریق علاج کہنا ہی غلط ہے بلکہ طریق علاج کے نام کی ذلت ہے۔ صرف چند علامات کو رفع کر دینے کا نام علاج نہیں ہوسکتا۔ جیسے بعض لوگ فاقہ کرنے کو علاج کہتے ہیں۔ موسیقی کو علاج کرنے میں شامل کرتے ہیں۔ مذہبی کتب و آیات اور مذہبی عبادتیں اور منتر کو روحانی علاج کا درجہ دیتے ہیں۔ اسی طرح تعویز گنڈا اور جھاڑ پھونک کو بھی علاج میں شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ بھی علاج کی شان کے منافی ہے اور نہ ہی ان میں اصول صحت ہیں اور نہ ہی یہ قانون فطرت کے مطابق ہیں۔ ان میں قوت شفا کا پایا جانا ناممکن ہے۔

ہم نے قانون شفا بیان کر دیا ہے۔ ہر طریق علاج کو اس کسوٹی پر پرکھا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی قوت شفا کے اس قانون کے علاوہ کوئی اور قانون پیش کرے جس میں قوت شفا ہو تو ہم اس کو چیلنج کرتے ہیں۔

اب آپ کے سامنے دو عدد ایسے طریق علاج پیش کرتا ہوں جن کی بنیاد ہی قوت شفا پر رکھی گئی ہے۔ کوئی صاحب علم و اہل فن یا سائنس دان مندرجہ بالا قانون یا سائنس کے کسی قانون کے تحت ان کی اس قوت شفا کی خوبی کو غلط ثابت نہیں کر سکتا اور نہ ہی ہماری تحقیق قوت شفا سے انکار کر سکتا ہے۔ یہ معجزہ ہماری تحقیقات نظریہ مفرد اعضاء کا ہے۔ جس نے حق و باطل میں تمیز پیدا کر دی ہے۔ یہ دونوں طریق علاج جن کی بنیاد قوت شفا پر رکھی گئی ہے اصولی اور مکمل ہیں۔

☆ پہلا طریق علاج طب قدیم کا ہے جس میں صحت کی بنیاد اخلاط اور کیفیات کے اعتدال پر رکھی گئی ہے۔ یعنی جب تک ان کا اعتدال قائم نہیں رہتا صحت قائم نہیں رہ سکتی۔ ان کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

① ان میں کمی بیشی واقع ہو جائے۔
② ان کے مزاج میں خرابی اور نقص پیدا ہو جائے۔
③ ان کے اپنے مقام میں تبدیلی پیدا ہو جائے۔

یعنی خلط اپنے اصل مقام سے اخراج پانے کی بجائے دیگر مقام پر چلی جائے۔ یہ صحت کی بنیاد یا ماہیت مرض طب قدیم کا بنیادی قانون ہے۔ جو قانون فطرت کے تحت عمل کرتا ہے۔ یعنی جب تک اخلاط (خون و بلغم اور صفراء و سودا) اور کیفیات (گرمی و سردی اور تری و خشکی) اعتدال پر ہیں کوئی مرض پیدا نہیں ہو سکتا ہے اور اگر کوئی مرض ہو تو جسم میں ان کا اعتدال قائم کر دیا جائے تو فوراً مرض رفع ہو جائے گا یہی قوت شفا ہے۔

☆ دوسرا طریق علاج آیورویدک کا ہے۔ اس میں صحت کی بنیاد دوشوں (صالح اخلاط) اور پرکریتی (کیفیات) پر رکھی گئی ہے۔ اس کا بھی صحت کے متعلق یہی قانون ہے کہ جب دوش اور پرکریتی اعتدال کے ساتھ قائم رہیں تو صحت قائم رہتی ہے اور جب ان کا اعتدال بگڑ جاتا ہے تو اس حالت کا نام مرض قرار دیا جاتا ہے جس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

① ان میں کمی بیشی واقع ہو جائے۔
② ان کے مزاج میں خرابی اور نقص واقع ہو جائے۔
③ ان کے اپنے مقام اخراج میں تبدیلی پیدا ہو جائے۔

آیورویدک میں یہی صحت کا بنیادی قانون ہے اور یہی ان کے ماہیت امراض کی ماہیت ہے۔ طب قدیم اور آیورویدک کے اخلاط اور دوشوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ طب قدیم اخلاط کو چار تسلیم کرتی ہے اور آیورویدک دوشوں کو تین تسلیم کرتی ہے جن کو وات (وایو سے ہے، معنی ہوا، پت یعنی صفرا، کف یعنی بلغم) کہتے ہیں۔ وہ خون کو بھی تسلیم کرتی ہیں جس کو رکت کہتے ہیں۔ لیکن اس کو دوش میں شامل نہیں کرتے۔ البتہ خون کے کیمیاوی تغیر و تبدیلی کو سمجھنے کے لئے ایسی تقسیم کی گئی ہے۔ حقیقت میں کیمیاوی تغیر و تبدیلی کی صورتیں وہی چار ہیں جن پر صحت قائم ہے۔ یہی قوت شفا ہے۔

آخر میں اس مسلمہ حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ صحت کی حفاظت کے لئے جسم میں ایک قوت ہوتی ہے جو ان تمام اثرات کا مقابلہ کرتی رہتی ہے جو جسم کو متاثر کرتے رہتے ہیں۔ ان اثرات میں نفسیاتی و کیفیاتی اور مادی و جراثیمی اثرات عام طور پر قابل ذکر ہیں۔ جب تک یہ قوت قائم رہے صحت قائم رہتی ہے جو جسم کو متاثر کرتے رہتے ہیں۔ ان اثرات میں نفسیاتی و کیفیاتی اور مادی و جراثیمی اثرات عام طور پر قابل ذکر ہیں۔ جب تک یہ قوت قائم رہے صحت قائم رہتی ہے۔ جب یہ قوت کمزور ہو جاتی ہے تو کوئی مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ اس

قوت کا نام قوت مدافعت ہے۔ جس کو ایلوپیتھی میں امیونٹی، ہومیوپیتھی میں وائٹل فورس، آیورویدک میں فن، علم نفسیات میں نفس ناطقہ اور ادبی زندگی میں اس کو مائنڈ کہتے ہیں۔ اس کا مقام بھی جسم میں خون ہی تسلیم کیا گیا ہے۔ طب قدیم نے اس کو طبعی روح کہا ہے جو اخلاط کے لطیف بخارات سے پیدا ہوتی ہے۔ یہی جسم کی حفاظت کرتی ہے ماڈرن میڈیکل سائنس نے تسلیم کیا ہے کہ خون میں سالڈ (Solid) ولیکوئڈ (ٹھوس ومحلول) مادوں کے علاوہ گیسیں (بخارات) بھی اس کے اجزاء میں جن میں آکسیجن ونائٹروجن، کاربن اور ہائیڈروجن وغیرہ قابل ذکر ہیں اور جب ان کے کیمیاوی تناسب میں فرق پڑ جاتا ہے تو صحت کا توازن بگڑ جاتا ہے۔

ہم روزمرہ زندگی میں بھی عام طور پر ایک دوسرے سے یہ دریافت کرتے رہتے ہیں: ''آپ کا مزاج کیسا ہے؟'' یا ''آپ کی طبیعت کیسی ہے؟'' یہ اس صحت کے توازن کا ہی ذکر ہوتا ہے جو کیمیاوی تناسب سے ہی قوت مدافعت قائم رکھتی ہے۔ بس جس قانون کے تحت یہ قوت صحت کو قائم رکھتی ہے اسی کا نام قانون قوت شفا ہے اسی سے حقیقی شفا پیدا ہوتی ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ اخلاط یا خون اور اس کے دیگر اجزاء ہی جسم واعضاء خصوصاً مفرد اعضاء کی غذا بنتے ہیں۔ بلکہ مفرد اعضاء مجسم اخلاط ہیں۔ بس مفرد اعضاء (انسجہ-ٹشوز) کے افعال کے اعتدال سے ہی قوت شفاء کا قانون عمل میں رہ سکتا ہے۔ صرف طب قدیم اور آیورویدک ہی ایسے طریق علاج ہیں جنہوں نے غذا کے ہضم سے لے کر اخلاط خون اور اس کے دیگر اجزاء کے بننے تک پھر ان سے ہی مفرد اعضاء مجسم ہوتے ہیں جن کو ماڈرن میڈیکل سائنس میں ٹشوز (انسجہ) کہتے ہیں اور یہ ٹشوز (انسجہ) جسم کے ابتدائی حیوانی ذرات سے تیار ہوتے ہیں۔ جن کو خلیات (سیلز) کہتے ہیں جس کا واحد خلیہ (سیل) ہے۔

بس یاد رکھیں کہ اسی حیوانی ذرہ کا اعتدال عمل قانون شفا کی اوّلین اکائی ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ اخلاط وخلیات دونوں کیمیاوی اور مشینی طور پر زندگی اور صحت رکھتے ہیں۔ صرف کسی علامت کو رفع کرنے سے کبھی صحت قائم نہیں رہ سکتی۔ بلکہ قانون شفا پر قابو پانے سے مکمل شفا کا ملکہ پیدا ہوسکتا ہے۔

دنیا پور (ضلع ملتان) 3 نومبر 1969ء

محترم حکما اور ڈاکٹر صاحبان، قابل عزت حاضرین اور معزز ساتھیو! میں آپ سب کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اپنے اس طبی اجتماع کی صدارت کی عزت بخشی ہے۔ آپ لوگوں کو علم وفن طب سے جو ذوق وشوق اور گہرا لگاؤ پیدا ہو گیا ہے، اس کے تحت میں گزشتہ برسوں میں بھی انہی ایام میں یہاں حاضر ہوا تھا۔ اگرچہ دُنیا پور ایک دور افتادہ مقام ہے تاہم آپ لوگوں کی اس قدر دلچسپی وتعلق اور جذبہ قابل تعریف ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم وحکمت کی روشنی یہاں سے اُبھر کر دُنیا کو مستفید کرے گی۔ شاید دُنیا پور کے نام میں کوئی اس قسم کا راز اور اسرار معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نام میں برکت بخشی۔

پہلے سال میں نے آپ کے سامنے جو تقریر کی تھی، اس میں تین باتیں بیان کی تھیں۔

① میں طب قدیم کا نمائندہ ہوں اور میرا تعلق کسی طب جدید یا کسی نئے طریق علاج سے نہیں ہے۔

② طب قدیم جن بنیادوں پر قائم ہے وہ اصولی قدریں ہیں اور نہ صرف سائنسی قدروں کے مطابق ہیں بلکہ قوانین فطرت کے بھی مطابق ہیں۔ جب تک کوئی قوانین کو غلط قرار نہ دے لے وہ طب قدیم کو غلط ثابت نہیں کر سکتا۔

③ فرنگی طب یا ماڈرن میڈیکل سائنس غیر علمی اور غلط ہے۔ یاد رکھیں کہ سائنس اور شے ہے اور ماڈرن میڈیکل سائنس جدا شے ہے۔

دوسرے سال میں نے آپ کے سامنے ایک حقیقت بیان کی تھی جو قدرت کا ایک فطری قانون ہے اور صحت کا ایک راز ہے۔ قدرت کی اس حقیقت و قانون اور صحت کے اس راز کا نام قوت شفا ہے۔ آج کے اجلاس میں میں جو تقریر آپ کے سامنے پیش کروں گا اس کا عنوان قانون شفا ہے، یہ بھی قدرت کا ایک راز ہے۔

دُنیا میں جس قدر طریق ہائے علاج پائے جاتے ہیں ان میں سے ہر طریق علاج کا یہی دعویٰ ہے کہ وہ سب سے بہتر کامیاب ہے۔ بعض یہاں تک دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے طریق فن میں یقینی تشخیص اور بے خطا علاج کی خوبی پائی جاتی ہے۔ لیکن سالہا سال کے تجربات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شفا من جانب اللہ ہے۔ یعنی شفا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے حاصل ہوتی ہے گویا قوت شفا کا مرکز صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشا کے بغیر کسی کو شفا نصیب نہیں ہوسکتی۔ اس لئے حکیم اور عقل مند معالج مریض کو یہی کہتے ہیں کہ اس کو ان شاء اللہ شفا ہو جائے گی۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشا شامل حال رہی تو مریض کو ضرور شفاء ہو جائے گی اور اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشا نہ ہوئی تو مریض کو شفا نہیں ہوگی۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے وعدہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ان شاء اللہ یہ وعدہ پورا ہوگا۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء ہوئی تو یہ وعدہ پورا ہوگا، ورنہ نہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حکیم و عقل منداور دیگر اشخاص جو ان شاء اللہ تعالیٰ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء پیش کرتے ہیں خود نہ تو ان شاء اللہ کی حقیقت سے واقف ہیں اور نہ ہی منشائے الٰہی کی رمز سے آگاہ ہوتے ہیں اور ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ دیکھیں کہ منشائے ایزدی سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اور منشائے الٰہی کے ذکر کا مقصد قانون قدرت واصول فطرت اور سنت الٰہیہ و عادات خداوندی کی طرف اشارہ ہے کہ جو کچھ اس زندگی اور کائنات میں ہو رہا ہے وہ سب کچھ مرضی رحمٰن اور منشائے رحیم کے بغیر نہیں ہو رہا ہے۔ ہم کو اپنا ہر فعل و عمل اس کی مرضی و منشا اور عادات اور اخلاط کے مطابق انجام دینا چاہئے۔ صرف زبانی ان شاء اللہ تعالیٰ اور رضائے الٰہی کہہ دینا کافی نہیں ہے۔ خداوند کریم نے انسان کو زندگی اور کائنات کی ہر شے کی حقیقت ماہیت اور افعال و اثرات کا علم دیا ہے اور ساتھ ہی یہ تاکید کی ہے کہ لا تبدیل لخلق اللّٰہ (اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کوئی تبدیلی نہیں ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کی کوئی تخلیق چاہے وہ کوئی شے ہو یا عمل وہ ایک خاص انداز پر پیدا کئے گئے ہیں اپنے خاص عمل پر گامزن ہیں۔ ان کی حقیقت و ماہیت اور عمل میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی۔ جس طرح ان کی ابتدائی پیدائش اور عمل مقرر کیا گیا تھا، وہی صورت تا حال قائم ہے۔

اسی طرح یہ بھی شدید تاکید کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ لن تجد لسنت اللّٰہ تبدیلا (یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون میں ہرگز ہرگز تبدیلی نہیں ہوگی) یعنی زندگی و کائنات کی جس کسی شے یا عمل کا ہمیں علم ہوگیا ہے، ان میں کبھی بھی تبدیلی نہ دیکھو گے۔

یہی وہ قانون ہے جس کو ہم مشاہدہ اور تجربہ کہتے ہیں اور آج کے دور میں اس کو سائنس کا نام دیتے ہیں۔ وہی لوگ قانون قدرت واصول فطرت اور منشائے الٰہی اور رضائے خداوندی پر عمل کر رہے ہیں۔ ایسے ہی لوگ عقلمند و حکیم اور دور اندیش ہیں۔ ایسے ہی لوگ اس وقت تک کسی شے اور عمل کو فعل میں نہیں لاتے جب تک اس کی ماہیت اور حقیقت سے واقف نہ ہو جائیں۔ بس یہی وہ لوگ ہیں جو زندگی میں کامیاب ہیں۔

صحت کا قیام بھی قانون فطرت کے عین مطابق ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان بھی فطرت کے مطابق پیدا ہوا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسانی صحت کو قائم رکھنے کے لئے اس قانون کو جاننا پڑے گا جس کے تحت انسانی صحت قائم ہے۔ جب تک اس قانون کا علم نہیں ہوگا۔

اس وقت تک صحت قائم نہیں رہ سکتی۔ بلکہ جب کوئی انسان مریض ہوگا اس کو صحت کی طرف لوٹانا مشکل ہو جائے گا جن طریق علاج کا دعویٰ ہے کہ وہ بہتر اور کامیاب ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ کیا وہ قانون فطرت کے مطابق بھی ہیں۔ اگر ان کا قانون فطرت سے کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر ان کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ وہ بہتر ہیں۔

صحت کا فطری قانون یہ ہے کہ وہ مشینی طور پر اعضائے جسم کے صحیح افعال اور کیمیاوی طور پر خون کے مکمل قوام اور مقدار پیدا ہو جائے اور جب بھی مشینی طور پر کسی عضو کے افعال میں افراط وتفریط اور ضعف پیدا ہو جائے یا کیمیاوی طور پر خون کے قوام ومقدار اور مزاج میں خرابی واقع ہوگی تو مرض پیدا ہو جائے گا اور جو طریق علاج بھی مشینی اور کیمیاوی طور پر جسم کو اعتدال پر قائم کر دے گا وہی علاج قانون فطرت کے عین مطابق ہوگا اور وہی طریق علاج بہتر اور کامیاب ہے بلکہ یقینی اور بے خطا ہے۔

اس وقت دُنیا میں جس قدر طریق ہائے علاج رائج ہیں ان میں سب سے زیادہ فرنگی طب (ایلوپیتھی) کا دور دورہ ہے، کیونکہ یہ تمام دُنیا پر چھایا ہوا ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ وہ ماڈرن وریسرچڈ واصولی ہے۔ لیکن جہاں تک اس کی تشخیص اور علاج کا تعلق ہے، وہ نہ صرف ان علامات اور تکالیف کو دور کرنے کی کوشش ہوتی ہے جو ظاہری اور باطنی طور پر جسم میں اس کو معلوم ہوتی ہیں، لیکن جہاں تک خون کے کیمیاوی اثرات اور اعضاء کے افعال کا تعلق ہوتا ہے ان کو کلی طور پر مدنظر نہیں رکھا جاتا۔ زیادہ سے زیادہ جراثیم کے زہروں کو خون کے اندر معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ جراثیم اور ان کا زہر خون کے کیمیاوی اجزاء نہیں ہیں اور نہ ہی حالت صحت میں خون کے اندر پائے جاتے ہیں اور نہ ہی وہ ادویہ خون کے کیمیائی اجزاء ہیں جن سے جراثیم اور ان کے زہروں کو فنا کیا جاتا ہے۔ اگر ان جراثیم اور ان کے زہروں کو باعث مرض قرار بھی دے دیا جائے اور ان کو دافع زہر ادویہ سے دور بھی کر دیا جائے تو بھی خون کی وہ صحیح کیمیاوی ترکیب اور اعضاء کے افعال میں اعتدال پیدا نہیں ہوتا ہے جس کا نام صحت وشفا ہے۔

دوسرا طریق علاج بالمثل (ہومیوپیتھی) ہے، اس میں سرے سے مرض کا تصور ہی نہیں ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کے ہاں صحت کا کوئی مقام متعین ہی نہیں ہے، جن کو انہوں نے قائم کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ وہ تو صرف علامات دیکھتے ہیں اور ان کو رفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس کا تعلق نہ خون کے کیمیاوی اجزاء کے ساتھ ہے اور نہ ہی اعضاء کے افعال کے ساتھ ہے، ان کی ادویہ اس قدر تقلیل میں استعمال کی جاتی ہیں کہ کسی چیز کے اضافے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ کسی علامت کو رفع کرنے سے خون کے کیمیائی اجزاء میں ہرگز کسی قسم کی کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔

طب قدیم جس کو طب یونانی اور طب اسلامی بھی کہتے ہیں جس میں صحت کی بنیاد اخلاط وکیفیات اور مزاج پر رکھی گئی ہے، یعنی جب تک ان میں اعتدال قائم ہے اس کا نام صحت ہے، ان کے اعتدال کے بگڑ جانے کا نام مرض قرار دیا گیا ہے۔ یہ اخلاط چار ہیں: ① خون ② بلغم ③ صفرا ④ سودا۔

اسی طرح کیفیات بھی چار ہیں: ① گرمی ② سردی ③ تری ④ خشکی۔

پھر ہر خلط کا ایک مزاج مقرر ہے۔ پھر تمام اخلاط کا جسم انسان میں اعتدال اضافی مقرر کیا گیا ہے۔ جس پر انسانی صحت کا قیام ہے۔ امراض کے علاج کی صورت میں صحت کے اسی مقام کو قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور یہی صحت کا فطری قانون ہے۔ قابل ذکر حقیقت یہ ہے کہ مقام صحت جسم انسانی کے مزاج کے اعتدال کو بیان کر دینا ہی کافی نہیں سمجھا گیا ان کے علاوہ ہر عضو کا مزاج ہر مرکب عضو کا

مزاج انسانی جذبات کے مزاج وغیرہ میں اخلاط سے لے کر اعضا اور جذبات تک ہم آہنگی قائم رہے تاکہ حالت صحت میں اس ہم آہنگی کو قائم رکھا جائے اور مرض کی حالت میں مزاج کی اس ہم آہنگی کو قائم کیا جائے۔ تاکہ صحت لوٹ آئے۔ یہی علاج کی غرض وغایت ہے بلکہ اس مزاج کے قیام کا کمال ہے کہ ہم عام زندگی میں جب ایک دوسرے کو ملتے ہیں تو یہی دریافت کرتے ہیں کہ ''آپ کا مزاج کیا ہے؟'' جس سے جسم وجذبات اور روح کے اعتدال کو معلوم کیا جاتا ہے۔ گویا ان کا مزاج اور طبیعت درست ہے اور صحت قائم ہے۔

تحریک تجدید طب میں تحقیقات کے بعد یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اخلاط مجسم ہوتے ہیں تو مفرد اعضاء انسجہ (ٹشوز) بن جاتے ہیں جن سے مرکب اعضاء ترتیب پاتے ہیں۔ جن کے افعال پر صحت قائم ہے۔ اس لئے اگر اخلاط کی بجائے مفرد اعضاء کو بھی مدنظر رکھ کر مزاج کے اعتدال کو قائم کیا جائے تو بھی صحت قائم ہو جاتی ہے، کیونکہ اس سے ایک طرف اخلاط کا اعتدال قائم ہو جاتا ہے اور دوسری طرف مرکب اعضاء کے افعال درست ہو جاتے ہیں۔ بس یہی یقینی تشخیص اور اور بے خطا علاج ہے جس کو دُنیا کا کوئی طریق علاج پیش نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کو غیر علمی اور غیر اُصولی کہہ سکتا ہے اور یہی طریق علاج موجودہ ایٹمی دور کا ساتھ دے سکتا ہے۔ یہی تجدید کا کمال ہے۔

لاہور اپریل 1971ء

کونوری شفاخانہ بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور۔ افتتاح کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے حکیم انقلاب المعالج صابر ملتانی صاحب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ طب یونانی کی سربلندی کے لئے نوری شفاخانہ کا افتتاح ہو رہا ہے۔ جو حقیقی معنوں میں طب یونانی کے اصولوں کے مطابق کیفیات واخلاط کے تحت ہے۔

آپ نے فرمایا کہ طب یونانی کو جنگلی، وحشی اور زمانہ کا ساتھ نہ دے سکنے کا خیال کرنے والے غلطی پر ہیں۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اتنی خوبیاں اور اچھائیاں کسی دوسرے طریق علاج میں نہیں ہیں۔ ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی طریق علاج علامات کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو مرض کی مدد اور مریض پر زیادتی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ میں طب یونانی ہی کا نمائندہ ہوں اور نظریہ مفرد اعضاء بھی طب یونانی ہی کا ایک اصول ہے۔ جس کے تحت طب میں تجدید واصلاح کی گئی ہے۔ طب میں کیفیات واخلاط کا تعلق اعضاء کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسا کیفیات واخلاط کا تعلق دوا کے ساتھ۔ لیکن مرکب اعضاء کے علاج میں ان کے مفرد اعضاء کے بگاڑ اور افعال کو سمجھے بغیر تمام عضو کی خرابی سمجھ کر علاج کرنے میں فن میں رکاوٹ آ گئی جس کو نظریہ مفرد اعضاء کی روشنی میں سمجھا اور دور کر دیا گیا ہے۔ آپ نے مثالیں دیتے ہوئے کہا کہ دماغ کا مزاج سرد تر ہے۔ لیکن چہرہ جو دماغ سے متعلق ہے۔ نہ ہی معدہ وامعاء مفرد ہیں، اس لئے دوران علاج یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ کس مفرد عضو کی خرابی ہے جب تک یہ نہ سمجھا جائے گا اس وقت تک اکسیر ہاضم وتریاق سینہ وغیرہ کے مرکبات بالکل بے اثر ثابت ہوں گے۔

جناب صابر ملتانی صاحب نے نوری شفاخانہ کو دنیا میں اپنی نوعیت کا واحد شفاخانہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ صحیح ترین طریق علاج کا علمبردار اور طب اسلامی کا ترجمان ہے۔ ہمارے ملک کی مسجدوں، ٹرسٹ اور اوقاف کو چاہئے کہ نوری شفاخانہ کی پیروی میں وہ بھی ایسے شفاخانے کھولیں تاکہ عوام کی خدمت بہتر طریقے پر ہو سکے۔

آپ نے فرمایا کہ مسکنات ومخدرات دینا کوئی علاج نہیں ہے۔ نوری شفاخانہ میں کیفیات واخلاط کے مطابق مفرد اعضاء کی خرابی کا علاج ہوگا، یہی یقینی علاج ہے۔ نوری شفاخانہ کے معالج علامات کو دبانے کی کوشش نہیں کریں گے، کیونکہ علاماتی علاج عارضی اور

وقتی ہوتا ہے۔ ہم ایسے تمام طریقہ ہائے علاج کو غلط سمجھتے ہیں۔ زبانی نہیں بلکہ تحریری چیلنج ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ نوری شفا خانہ کے ذریعہ یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ صحیح طریق علاج نظریہ مفرد اعضاء کے تحت ہی کیا جا سکتا ہے اور نظریہ مفرد اعضاء کوئی نیا طریق علاج نہیں ہے بلکہ طب یونانی کا ایک قانون ہے کہ جب اخلاط مجسم ہوں تو مفرد اعضاء بنتے ہیں اور اعضاء کے بگاڑ سے مرض پیدا ہوتا ہے۔

آخر میں آپ نے نوری جماعت کے اراکین کو مبارک باد دی اور کہا کہ میں ان کی حقیقت پسندی کی داد دیتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ جس طرح اس مسجد و دواخانہ کا افتتاح بزرگ ہستیوں کے ہاتھوں ہو رہا ہے اسی طرح اس کے نتائج بھی اچھے ہوں گے اور افادیت کے لحاظ سے یہ دُنیا میں اپنی نوعیت کا واحد یونانی شفا خانہ ثابت ہوگا۔

دنیا پور 26 اکتوبر 1971ء

محترم صدر اور معزز حاضرین! مجھے بے حد مسرت ہوئی ہے کہ میں نے آپ لوگوں کو چوتھی بار دیکھا ہے۔ دراصل میرے آنے کا باعث آپ دوستوں کی محبت اور جذبہ خدمت فن ہی ہے، جس کی تسکین اور شوق کو بلند کرنے چلا آتا ہوں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس علم و فن میں تجدید و احیاء کا سلسلہ قائم نہیں رہتا وہ فنا اور ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ دُنیا میں ہمیشہ تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے اور نئی نئی دریافتیں بھی ہوتی رہتی ہیں جن کو علم و فنون کی کلیات و جزئیات سے جوڑنا، نکھارنا اور ان میں حسن پیدا کرنا پڑتا ہے۔ باقی علوم کو تو چھوڑیئے۔ خود دین میں بھی تجدید ہوتی رہتی ہے اور اس بارے میں مذہب اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ مثلاً امام غزالی نے فلسفہ یونان کی یلغار کو روکا اور اس کے متبادل زمانہ کے حالات کے مطابق دین کو سمجھایا۔ اسی طرح اگر سیاست، اخلاق، حکمت، فلسفہ اور معاشرت کی طرف توجہ نہ دی جائے تو یہ علوم بھی رفتہ رفتہ ختم اور فنا ہو جاتے ہیں۔

ایک بات جو خاص طور پر توجہ طلب ہے وہ یہ ہے کہ فنون کی تجدید و احیاء و بقاء و ارتقاء کی طرف اسی وقت توجہ دی جاتی ہے یا ان کی ضرورت اسی وقت محسوس ہوتی ہے جب کبھی کسی متبادل متحارب یا مخالف نظام سے ٹکر ہو جائے۔ اسلام میں بھی تجدید اسی وقت ہوئی جب دیگر فلسفوں نے اس سے ٹکر لی اور اماموں نے ان کی غلطیوں کو واضح کیا اور اسلام کی خوبیوں کو نمایاں کیا۔

میں نے طب قدیم میں تجدید و احیاء کا کام کیا ہے، یہ علم و فن ہزاروں سال پرانا ہے۔ بابل و نینوا، مصر و چین اور یونان و ہند وغیرہ کی مختلف تہذیبوں میں یہ فن زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا چلا گیا جو اسلام کی روشنی سے منور ہو کر تمام عالم میں ایک نئی آب و تاب سے پھیل گیا، اس کی ٹکر کسی متبادل نظام سے نہیں ہوئی تھی، لیکن انگریز کی روباہی اور مکارانہ ذہنیت کے مظاہرہ کے ساتھ دیگر فنون کی طرح اس فن کو بھی حادثہ پیش آیا۔ خاص کر ہمارے ملک میں جب فرنگی دھوکے باز فاتح کی حیثیت سے وارد ہوا تو اس نے یہاں کے باشندوں کو ذہنی و علمی اور فنی غرض کہ ہر لحاظ سے غلام بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور یہ حقیقت ہے کہ غلاموں کے علوم و فنون، سیاست و معاشرت، معیشت اور اخلاق غرض کہ سب کچھ فاتح کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔ اسی طرح فرنگی کی آمد سے فرنگی کا علم و فن سیاست و اخلاق اس تیزی سے پھیلنے لگا کہ ملک میں اس کے نتیجہ میں عیسائی پیدا ہونے لگے اور عیسائیت کو فروغ ملنے لگا۔ اس کی سیاست کے ساتھ ساتھ معاشرہ میں ان کا فلسفہ اور ملک میں ان کا طریق علاج رائج ہوا۔ ہر فرد ان راہوں کو کھوجنے لگا جن سے مل کر اس کا مرتبہ بلند اور حکومت سے تعلق ہو۔ اس لئے حکومت کی ہر جائز و ناجائز بات تسلیم کی جانے لگی۔ محکوم قوم نے اس کا پاس وضع قطع، اخلاق سیاست و معاشرت اور فنون کو اندھا دھند اپنا لیا اور نتیجتاً اپنے علوم و فنون فراموش کر بیٹھی۔ ہمارے اچھے اور ذہین لوگ ختم ہوتے چلے گئے اور نئی نسلوں نے ایم اے وغیرہ کر کے

باہر جانا شروع کر دیا۔ ملک میں واپس آ کر دیکھا کہ فرنگی اپنی تہذیب میں رنگے ہوئے ان نوجوانوں کی توقیر کرتا ہے تو انہوں نے اپنی تہذیب و تمدن کو چھوڑ دیا اور فرنگی تہذیب کو پھیلانے میں اپنی تمام توتیں صرف کر دیں۔ سائنس کو اس طرح پیش کیا جانے لگا کہ گویا یہ مذہب سے بھی بلند و برتر ہے جس کی چکا چوند کو ہمارے علماء فقہاء نے بھی قبول کر لیا اور دین میں کمال رکھنے والوں نے سائنس کے اس سیل رواں کے سامنے سر جھکا دیا۔ لیکن یہ سب کچھ غلامانہ ذہنیت کی بنا پر بلا تحقیق ہی کر لیا گیا۔ ورنہ اگر تحقیق کرتے تو قرآن کریم کی عظمت ان پر ظاہر ہو جاتی اور حکمت و سائنس خود قرآن میں نظر آ جاتی۔ لیکن افسوس کہ لوگ اصلی حقائق بھول گئے اور اُلٹا طب قدیم کو جنگلی اور وحشی طریق علاج ثابت کیا جانے لگا۔ یہ ذہنیت مسلسل تین سو سال لگاتار کوششوں سے پیدا کی، جو علم و فن کی موت و تباہی کا پیش خیمہ تھی۔

سب سے بڑے دُکھ کی بات یہ ہے کہ خود اطباء و معالجین اور حکماء نے فن کو نظر انداز کر دیا اور فرنگی طریق علاج کو اپنایا۔ حتیٰ کہ جغادری اور ماہر فن ہونے کے داعی اس سیلاب میں بہہ گئے۔ عوام کا رونا کیا رو یا جائے، ہمارے موجودہ طبی بورڈ کے صدر فرنگی ادویہ برتتے ہیں جبکہ انہوں نے ان ادویہ کو طبی کلیات سے نہ تو تطبیق دی اور نہ ہی مزاج و کیفیات کے علاوہ فرنگی طریق پر انہیں سمجھتے ہیں۔ ان کے علاوہ جناب حکیم محمد حسن قرشی نے فن کو تباہ و برباد کر دیا ہے، چونکہ یہ قانون قدرت ہے کہ ہر کمالے راز والے اور ہر زوالے را کمالے۔ اللہ تعالیٰ کے اسی قانون کی صداقت کے لئے طب یونانی کے زوال اور فرنگی طب کے کمال کا جادو توڑنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے آگے بڑھایا تاکہ فن طب میں از سر نو زندگی پیدا ہو۔ لہٰذا میری زندگی کا مقصد اور تمام تر کوششیں تجدید طب اور احیائے فن کے لئے ہیں۔ میں فن کو زندہ کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ فن طب ختم ہو رہا تھا اور دُنیا میں ایک نیا ذہن اُبھر آیا تھا جو شکست خوردہ ذہنیت کا مظاہرہ تھا۔ وہ یہ تھا کہ اب تجدید فن اس کا نام رکھا جائے کہ فرنگی تحقیقات کو بلا کسی اُصول اور قاعدے کے اپنا لیا جائے اور تمام فرنگی ادویات و آلات کو یونانی میں ضم کر دو۔

دوستو! یاد رکھو کہ ہم فرنگی مفردات و ادویات اور آلات کے صرف اس حد تک مخالف ہیں جس حد تک ان کی تطبیق نہیں ہوتی۔ ورنہ مفردات و مرکبات یا آلات سے ہمیں کوئی عداوت نہیں ہے۔ وہ نہ پہلے ان کے تھے نہ اب ہیں۔ بلکہ تمام دُنیا کی ادویہ سب کی ملک ہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ طب یونانی اور فرنگی طب میں اُصولی و بنیادی طور پر بعد المشرقین ہے۔ ان بنیادی و اصولی اختلافات کو طے کئے بغیر ہمارے نادان دوستوں نے فن کو برباد کرنا شروع کر دیا اور ایک دوسرے کو خلط ملط کر دیا ہے۔ کیونکہ ان میں سے ایک طب مزاج و اخلاط اعضاء کے افعال کے تحت ازالہ مرض کرتی ہے تو دوسری جراثیم کے نظریہ کے تحت۔ یہ سب اصول ایک دوسری طب میں غلط سمجھے جاتے ہیں۔ پھر طب میں ہزاروں سالوں سے ادویہ کے جو مزاج تھے وہی آج بھی تسلیم کئے جاتے ہیں۔ وہی خواص ہیں لیکن فرنگی طب میں ہر پانچ سال بعد نئی ادویہ و مرکبات کی بازار میں آمد پر پرانی غلط قرار پا جاتی ہیں اور یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ سات ہزار ماہر ڈاکٹروں نے اب یوں ارشاد کیا ہے، کونین اور اسپرو کے ہزاروں مرکبات اس بات کے شاہد ہیں۔ لہٰذا یہ کمال فن نہیں ہے۔ بلکہ زوال فن ہے، طب یونانی میں یہ نہیں ہے کہ اب سات ہزار ڈاکٹر اُٹھ کر کسی چیز کو صحیح یا غلط قرار دے دیں تو وہ تسلیم کر لی جائے بلکہ اس فن کا کمال یہ ہے کہ ہزاروں سال قبل بقراط، رازی، جالینوس اور ابن سینا اجوائن، نمک، مرچ وغیرہ کے جو مزاج و خواص اور افعال و اثرات بیان کر چکے ہیں، انہیں آج تک کوئی نہیں جھٹلا سکا۔

طب یونانی کا مدار مزاج کوئی لمبا چوڑا بھی نہیں ہے جسے سمجھنا ناممکن یا مشکل ہو۔ یہ بڑا مؤثر اور جامع ہے جسے ہر بچہ و بوڑھا جانتا بھی ہے اور سمجھتا بھی ہے، یہ صرف چار کیفیات ہیں جو گرمی سردی اور خشکی و تری ہیں، یہی بیماری کی وجہ ہیں اور انہی کا اعتدال اور کمی بیشی دور کرنا علاج ہے۔ لیکن فرنگی طب نے چرس، افیون، بھنگ اور دھتورہ جیسی نشلی ادویہ کو معمول بنا رکھا ہے جو نہ صرف عارضی اور علامات کو

رفع کرنے والی دوائیں ہیں بلکہ ردِّعمل کے طور پر مہلک اور تباہ کن اثرات کی حامل ہیں اور اب ان کی مضر سے بے خبر شہر سے دیہاتوں تک وبا کی شکل میں ان کو پھیلا دیا گیا ہے۔

دوستو! فرنگی طب کے پاس ٹی بی، شوگر اور بلڈ پریشر تو چھوڑیئے، نزلہ، زکام کا بھی کوئی علاج نہیں۔ طب یونانی میں جہاں دواؤں کے مزاج ہیں وہاں امراض و اعضاء کے بھی مزاج ہیں جن کا علاج آسان ترین ہے۔ حتیٰ کہ اکثر و بیشتر امراض میں تو حاذق اطباء صرف غذا کے ہیر پھیر سے علاج کر لیتے ہیں۔ اب جو میٹھے سے آرام حاصل کر سکتا ہے اسے کیا ضرورت ہے کہ زہر کھاتا پھرے۔ ہم صرف عضو و پرزہ کے فعل کو از روئے مزاج درست کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اعضاء و اخلاط میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ صرف قوام و استحالہ کا فرق ہے کیونکہ جب اخلاط مجسم ہوتے ہیں تو اعضاء بنتے ہیں۔ اب طبیب جہاں ادویہ کے مزاج سے آگاہ ہے وہاں وہ اخلاط و اعضاء کے مزاج سے بھی واقف ہے۔ لیکن نیا طبقہ ڈاکٹروں کے ٹھاٹھ دیکھ کر فریفتہ ہو جاتا ہے یا سو سو روپے کی دوا اور رقم کا نفسیاتی اثر ہوتا ہے جبکہ سمجھدار حکیم سونف، اجوائن، مکھن وغیرہ سے وہی کام لیتا ہے۔ یہ یورین ٹیسٹ اور معدہ وغیرہ کے ایکسرے کوئی آرام نہیں دیتے۔ بلکہ یہ تو ہماری حکومت کے اغماض کی بنا پر فرنگی کی چاندی بنائی جا رہی ہے۔ کروڑوں روپے کا زرِ مبادلہ برباد کیا جاتا ہے۔ ہم کماتے ہیں اور فرنگی کے حوالے کر دیتے ہیں۔ جو کھاتا اور مزے اُڑاتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ حیوانات کی ادویات ہوں یا فصلوں اور نباتات کے لئے کھادیں، سب کچھ یورپ سے منگوایا جاتا ہے۔ مریض اور گائے کو لگانے کے لئے ٹیکے بھی یورپ سے درآمد کرنے پڑتے ہیں۔ ملکی دوائیں چھوڑ کر غلط طور پر ان کے پیچھے بھاگے چلے جا رہے ہیں اور جب ادھر سے مکمل طور پر مایوس ہو جاتے ہیں تو پھر طبیب کا رُخ کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایک طبقہ اصحاب غلیظ کا ہے، میری مراد ان بوجھ بجھکڑوں سے ہے جو ان دواؤں کی ترویج کی کوشش اس وقت جزوِ ایمان سمجھتے ہیں جب وہ یورپ میں بے اثر ثابت ہو کر متروک ہو چکی ہوتی ہیں۔

میں نے احیائے فن کے لئے پچیس سال تک تحقیق کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے نظریہ مفرد اعضاء کو پا لیا ہے یہ نظریہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ طبی قوانین میں سے ہی ایک قانون ہے۔ کیونکہ تجدید کا مطلب فن کو خس و خاشاک سے پاک کرنا ہوتا ہے۔ کوئی نئی چیز نہیں ہے اور تحقیق کی بنیاد بھی اگر طبی قانون پر ہی ہو تو کامیاب تجدید ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ اس لئے ہم نے بارہا دوستوں کو دعوت دی ہے اور اب بھی دیتا ہوں کہ یا تو اس سے اچھا نظریہ پیش کریں، میں ان کے ساتھ کام کرنے کو تیار رہوں۔ ورنہ وہ میرے ساتھ آئیں۔ کیونکہ ملک اور قوم کا مفاد اسی میں ہے۔

دوستو! ہم دولت اکٹھی کرنے نہیں بلکہ خدمت کرنے آئے ہیں اور مریضوں کو بھی یہی ہدایت کرتے ہیں کہ حرص و طمع چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کرو۔ بھوک ہو تو کھاؤ، بلا ضرورت اور بھوک کے بغیر کھاؤ گے تو امراض کی آماجگاہ بن جاؤ گے اور بلا ضرورت کھانے سے ہاتھ کھینچ لو گے تو اسی وقت سے شفا ہونا شروع ہو جائے گی اور تین دن میں مکمل آرام ملے گا۔ یہ یقینی امر ہے اور اس میں اعجازِ مسیحائی ہے۔ یہی قانونِ فطرت ہے۔

دوستو! ہم زبانی جمع خرچ نہیں کرتے بلکہ ہم نے پہلے بنک میں روپیہ جمع کر دیا اور بعد میں دس ہزار روپے کا چیلنج کیا کہ فرنگی طریق علاج بالکل غلط ہے اور پھر فرنگی طب کی غلطیوں پر ڈیڑھ درجن کتب لکھی ہیں۔ قدرت نے ہمیں فن بخشا ہے اور فنکار، بھکاری یا کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ ہم فن ہی کی لاج کے لئے آج تک امراء و وزراء سے نہیں ملتے بلکہ صحیح راستہ دکھاتے ہیں اور ہم یہ بات دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ روس و چین اور یورپ و امریکہ سب غلط ہیں، ابتداء میں ہر فرد جب کوئی حقیقت پیش کرتا ہے تو وہ تنہا ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ حق پرستوں

کا ہجوم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح میں آج تنہا نہیں بلکہ نظریہ مفرد اعضاء کی علمبردار ایک عظیم جماعت میرے ساتھ ہے جو پشاور سے چاٹگام تک ملک کے کونہ کونہ میں پھیلی ہوئی ہے اور اس جماعت کے ممبر طبیب صحیح اُصولوں کو اپنانے کے حامی ہیں، یہ لوگوں سے ہزاروں روپے خرچ نہیں کرواتے، لیکن ہمارے عام اطباء کا یہ عالم ہے کہ نہ انہیں قارورہ کی پہچان ہے اور نہ ہی نبض دیکھنا آتی ہے۔

ہم نے بار بار حکومت کو مشورہ دیا ہے کہ ہائی کورٹ کے ججوں کی نگرانی میں سائنسی اور فنی ماہرین کو بلا کر مناظرہ کروا لے۔ ہم فرنگی طب کو غلط ثابت کر دکھائیں گے اور اس غلط فن کو اپنانے سے ملک وقوم کی جو دولت برباد ہو رہی ہے وہ دیگر رفاہی کاموں میں صرف ہو سکے اور قوم کو صحت کی نعمت بھی میسر ہو اور نشیلی ادویہ کا استعمال ختم کرایا جا سکے اور بلا خرچ چند کوڑیوں میں پبلک ہیلتھ بحال کی جا سکے۔ لیکن اس نے اس طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ لہٰذا ہم عوام اطباء سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ صحیح فن کو اپنائیں اور دوسروں تک بھی پہنچائیں۔ افسران بالا کو صحیح فن سمجھائیں اور قوم کو کامیاب کرائیں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ تجدید کے بغیر فن مردہ ہو جاتے ہیں اور ہم نے فن میں تجدید کی ہے جو فطری اصولوں کے عین مطابق ہے اور ساتھ ہی ثابت کیا ہے فرنگی طریق علاج عطائیانہ اور غلط ہے۔ **وما علینا الا البلاغ۔**

منڈی بہاؤالدین 10 مئی 1970ء

صاحب صدر معزز حاضرین! السلام علیکم

اس جلسے کے متعلق جو مجھے اطلاع پہنچی ہے اس میں خاص طور پر کہا گیا تھا کہ ''رجسٹریشن فرنٹ'' کے متعلق کچھ کہا جائے اس پر ابھی تک کسی دوست نے اپنے خیالات کا اظہار نہیں کیا۔ وقت چونکہ بہت کم ہے اس لئے صرف دو یا تین باتیں میں آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ ایک اس کے متعلق، دوسرے طب یونانی کے کمالات کے متعلق اور تیسرے یہ کہ دوسرے طریقہ ہائے علاج پر طب یونانی کو کیا فوقیت حاصل ہے اور ہم کس طرح کامیابی کے ساتھ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

سب سے بڑی خوشی کی بات تو یہ ہے کہ آج میں دوسری بار منڈی بہاؤالدین کے ذہین اور محنتی عوام کے پاس حاضر ہوا ہوں، اور اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں، اور ان لوگوں کی ذہانت کا یہ حال ہے کہ آپ اندازہ نہیں لگا سکیں گے کہ ان لوگوں نے کتنی زبردست دلچسپی ظاہر کی ہے۔ ان میں جناب حکیم چوہدری دلاور علی، جناب بھلی، جناب حکیم غلام رسول بھٹہ اور جناب حکیم چوہدری فیض احمد قابل ذکر ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ جناب حکیم چوہدری فیض احمد آج ہم میں نہیں ہیں، اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ منڈی بہاؤالدین اور باہر سے لوگ علاج کے لئے وہاں آتے رہے۔ نظریہ مفرد اعضاء سیکھنے کے لئے آتے رہے ہیں اور روز بروز ان کا جوش وخروش بڑھتا رہا اور لوگوں میں نظریہ سے محبت بڑھتی گئی۔ جب سے میں یہاں آیا ہوں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں پر شاید ہی کوئی ایسا حکیم ہوگا جو اس طریق کار سے واقف نہ ہو کوئی ایسا شخص ہو جسے اس طریق سے خوشی نہ ہوتی ہو پچھلے اجلاس سے میرا خیال ہے کہ کم وبیش ڈیڑھ ہزار افراد نے اس نظریہ یا طریق علاج سے فائدہ اٹھایا تھا اور اس قدر ہجوم تھا کہ پورے طور پر ان سب کو دیکھ نہ سکا حتیٰ کہ بہت سے مریض ریلوے سٹیشن تک میرے ساتھ گئے۔ یہاں پر کچھ دوستوں نے اس طرح کام کیا ہے اور مریضوں کو سنبھالا ہے کہ تعریف کے قابل ہے، ابھی کچھ وقت پیشتر حکیم افتخار حسین میرے پاس آئے اور میرے پاس رہے، کام دیکھا، پھر یہاں آ کر انہوں نے اس طرح کام کیا ہے کہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے۔

دوستو! ہمارا طریقہ علاج کوئی نیا نہیں ہے بلکہ یہ وہی قدیم یونانی طریق علاج ہے، ہم نے اس میں کوئی نیا اضافہ نہیں کیا، بعض لوگ جو ایسا سمجھتے ہیں وہ بالکل غلط ہیں، اتنی بات ضرور ہے کہ ہم نے اسی طب کو صحیح طریقہ پر درست کر کے لوگوں کے سامنے رکھا ہے تاکہ

وہ اس کو پوری طرح سمجھیں اور اس سے مستفید ہوں۔ اب ضروری ہے کہ ہم اس کو ذمہ دار افسران کے سامنے پیش کریں۔ حکومت کے سامنے پیش کریں اور بتائیں کہ صحیح طریق علاج کیا ہونا چاہئے اور صحیح طریقہ کیا ہے۔ اس کی کارکردگی اور بنیاد پیش کریں۔ اس طرح جب آپ اس چیز کو ان کے سامنے رکھیں گے کہ یہ وہ طریق علاج ہے کہ اس کو سمجھ لینے کے بعد کوئی شخص اس کی سچائی سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس سے پہلے ان کے سامنے ایلوپیتھک طریق علاج ہے لیکن اس طب میں ابھی تک انسانی امراض کے اسباب کو صحیح طور پر نہیں سمجھا جا سکا۔ ہر روز نئی نئی بیماریوں اور نئی نئی ادویات کا اعلاج کیا جاتا ہے ابھی تک انہیں نہ امراض پر عبور حاصل ہو سکا ہے اور نہ ادویات پر اس وقت بھی ڈاکٹر جو اگرچہ ولایت پاس ہو یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں بیماری پر مجھے عبور حاصل ہے یا فلاں بیماری کو مغربی نظریہ علاج میں پوری طرح سمجھ ہی لیا گیا ہے۔ اور اگر وہ نہیں سمجھتا تو اسے کیا حق حاصل ہے کہ کسی کا علاج کرے یہی حال ان کی ادویات کا ہے کہ سوڈا بائی کارب سے لے کر گندھک تک اور ایسے ہی ان چوٹی کی ادویات تک کا ان کو پورا علم نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ وہ لوگوں کو نقصان پہنچا رہی ہیں۔ وہ خود پریشان ہیں کہ بغیر ان ادویات کے ہم کیسے علاج کریں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نہ تو وہ امراض سے واقف ہیں اور نہ ادویات سے یہ میں ایسے ہی آپ کے سامنے بات نہیں کر رہا بلکہ آپ سے پانچ سال بیشتر ہی کہہ چکا ہوں کہ آؤ میرے ساتھ بات کرو اور پھر اس کی فیس ان کے نام یا چیلنج کے طور پر دس ہزار روپیہ بنک میں جمع کر دیا ہے کہ جو ہماری بات کو غلط ثابت کر دے وہ دس ہزار روپیہ حاصل کر لے۔ یہ یقینی بات ہے کہ ایلوپیتھک ڈاکٹروں کے پاس امراض کی تحقیق نہیں ہے نہ ادویات کی تحقیق ہے۔ آج ایک دوا ایجاد ہوتی ہے تو چار پانچ سال بعد اس کی جگہ دوسری آ جاتی ہے۔ آج اسپرو آئی ہے تو کل نئی اسپرو آ جائے گی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر تمہاری ایک دوا ٹھیک ہے تو پھر اس کو بدلتے کیوں ہو۔

تپ دق کے لئے انہوں نے ہزاروں دوائیں تیار کیں لیکن نہ ان کی قیمتی دوائیں کامیاب ہوئیں نہ ان کے ٹیکے۔ دوسری طرف ہم نے ٹی بی کے لئے دوا تجویز کی ہے جو دو پیسے میں تیار ہو جاتی ہے اور ہم نے اعلان کیا ہے کہ درست اور مقررہ طریق پر جو مریض استعمال کرے اور اسے آرام نہ آئے تو ہم ایک سو روپیہ فی مریض دیں گے۔ آج سے 13 سال پیشتر میں نے اپنی کتاب تحقیقات تپدق و سل کے لئے ایلوپیتھی کو چیلنج کیا تھا کہ آؤ اور اس کو غلط ثابت کرو اور چیلنج کی رقم وصول کر لو لیکن اس طویل عرصہ میں کوئی بھی ایسا نہ کر سکا۔ تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ اگر ہمارا طریق علاج ہی صحیح ہے تو پھر مانتے کیوں نہیں۔ یہ کوئی غیر ملکی چیز نہیں ہے۔ روس، امریکہ، چین وغیرہ سے نہیں آئی۔ اپنے ملک کی چیز ہے۔ آپ لوگ سمجھتے کیوں نہیں، غور کیوں نہیں کرتے۔ ٹھنڈے دل سے کیوں نہیں سوچتے۔ ان شاء اللہ ایک وقت آئے گا کہ یورپ اور امریکہ، مشرق اور مغرب تسلیم کر لیں گے کہ ہمارا طریق علاج ہی درست اور صحیح ہے۔ یہ کوئی منطق نہیں ہے۔ یہ سائنس ہے اور ان کی سائنس کے بھی مطابق ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہماری بات کو اپنی سائنس پر بھی پرکھ لو۔ اور اگر یہ صحیح ہے تو آؤ اور اسے تسلیم کر لو۔ پھر آخر کیوں نہیں مانتے۔

اب ٹی بی کو لیجئے کہ یہ کوئی بیماری نہیں ہے۔ یہ تو اصل بیماری کی ایک علامت ہے۔ انسان میں آخر کون سا پرزہ خراب ہو جاتا ہے، جب ڈاکٹروں کو یہ پتہ نہیں ہے کہ کون سا پرزہ خراب ہے تو وہ کیسے ٹھیک کریں گے۔ انسانی جسم میں تو ایک مشین ہے اس میں بھی تو پرزے ہیں۔ جب یہ مشین خراب ہوتی ہے تو دراصل کوئی پرزہ ہی خراب ہو جاتا ہے اور وہ یہ پرزہ انسانی جسم میں کیسے داخل کریں یہی حال ان کے دیگر امراض کا ہے۔ یہ ہائی بلڈ پریشر! یہ کون سی بیماری ہے؟ یہ شوگر ہے یہ بھی کوئی بیماری ہے۔ اس کا علاج ہو رہا ہے کہ چینی بند کر دی جائے۔ یہ الرجی ہے! یہ الرجی کیا بیماری ہے؟ کیسے کیسے لغو قسم کے نام دے کر لوگوں کو خوفزدہ کیا جا رہا ہے۔ یہ لوگ ولایت سے ہو کر آتے ہیں اور جو

یہاں ہیں وہ بھی خالی ہیں یہ تو صرف یونانی طب ہے جو اپنے ٹھوس انداز سے سوچتی ہے اور یہ طب یونانی کا کمال ہے کہ جب انگریز یہاں نہیں آیا تھا تو پورے ملک پر یہی طب حاوی تھی بلکہ بیرونی دُنیا میں بھی اس کی قدر تھی، بڑے بڑے حکماء کامیابی سے علاج کر رہے تھے۔ بڑے بڑے راجے مہاراجے ان کے پاس علاج کے لئے آتے تھے کہ دُنیا حیران ہوتی تھی۔ تاریخ بھری پڑی ہے جاکر دیکھو اور غور کرو۔ لیکن جب انگریز یہاں آیا تو اس نے دیکھا کہ ہماری طب یہاں نہیں چلے گی اس نے سوچا کہ اس کا کوئی بندوبست کرنا چاہئے چنانچہ انہوں نے رجسٹریشن کا قانون پاس کر دیا کہ جن لوگوں نے ہم نے علاج سیکھنا ہے۔ انہیں رجسٹرڈ ہونا چاہئے۔ ان کے علاوہ کسی اور کو علاج کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ انگریز نے بڑے بڑے لوگوں کو مجبور کر دیا کہ وہ قدیم حکماء کو چھوڑ کر فرنگی ڈاکٹروں سے علاج کروائیں۔ رجسٹریشن کی حد قائم کر دی گئی کہ اس سے طب یونانی ختم ہو جائے گی۔ یہ 1915ء کی بات ہے، انگریز نے نہ صرف رجسٹریشن کا قانون پاس کیا بلکہ چوٹی کے قابل حکماء کو مار مار کر بھی ختم کر کیا۔ ان پر بڑے بڑے ظلم ڈھائے گئے۔ اس زمانے کے لوگوں میں حافظ حکیم محمد اجمل صاحب قابل ذکر ہیں، انہوں نے اس چیز کو سمجھا اور رجسٹریشن کے خلاف آواز اٹھائی۔

رجسٹریشن سے یہ مقصد تھا کہ انگریز کی حکومت اپنے لوگوں کو اور اپنی طب کو حاوی کرنا چاہتی تھی۔ اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ اس کی مرضی کے خلاف لوگ مٹا دیئے جائیں۔ ان کا مستقبل ختم کر دیا جائے رجسٹریشن کے لئے اس نے وہ نصاب اور وہ معیار رکھا جو طلباء کے نظریات اور اصولوں کے خلاف تھا۔

اب میں نے ان لوگوں کو جو موجودہ رجسٹریشن کے حق میں تھے سمجھایا کہ آپ لوگ پہلے یہ تو دیکھیں کہ رجسٹریشن کے لئے آپ کا معیار کیا ہے۔ آپ کو رجسٹرڈ ڈاکٹروں کے برابر درجہ دیا جاتا ہے یا کم۔ پہلے اپنا نصاب تو مکمل کر لو، لائبریریاں بناؤ، کالج بناؤ، کالج سے فارغ التحصیل ہونے پر رجسٹریشن ہوتی رہے گی۔ ایک جماعت بناؤ جو تمام پاکستان میں قائم ہو تاکہ وہ جماعت زور دے سکے۔ ایسا کچھ نہیں کیا گیا۔ صرف یہی دیکھا گیا کہ ہم رجسٹرڈ ہو جائیں گے اور حکومت ہم کو تسلیم کر لے گی۔ لیکن رجسٹریشن کا کیا ہے، جو تمبا کو بیچتے ہیں وہ بھی رجسٹرڈ ہیں۔ دراصل حکومت یہ چاہتی ہے کہ یہ لوگ اس کے علم میں رہیں۔ لیکن آئندہ کے لئے کیسے اطباء پیدا ہوں گے اس کے لئے حکومت نے یا رجسٹریشن کے حمایتی افراد نے کوئی تجویز پیش نہیں کی۔ بھئی رجسٹریشن تو کوئی شے نہیں ہے اگر آپ اچھے فن کار ہیں تو آپ کو کون روک سکتا ہے۔ رجسٹریشن تو جب ہے کہ آپ اس کے مقابل کو علاج بتائیں۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ جب یہ رجسٹریشن ہے تو اس کے بعد کوئی حکیم نہیں بن سکے گا کہ اب کالج میں کون جائے گا کہ پہلے میٹرک کرے پھر پانچ سال کالج میں پڑھے۔ وقت اور زرِ کثیر صرف کرے اس کے بعد کیا ملے گا سند ملے گی کہ یہ حکیم ہے۔ رجسٹرڈ حکیم۔ لیکن کیسا حکیم کہ نہ تو کسی کی تصدیق کر سکتا ہے نہ ڈاکٹری سرٹیفکیٹ دے سکتا ہے۔ اس انعام کے لئے کون اس قدر روپیہ اور اتنا وقت ضائع کرے گا۔ ایسا حکیم بننے کی کیا ضرورت ہے، اسی طرح حکیم ختم ہوتے جائیں گے یہی حکومت کا مقصد ہے۔

یہ فرنگیوں کا مقصد تھا کہ یہ فن تباہ ہو جائے۔ اور یہ فن تباہ کیوں ہوا؟ صرف اپنی کوتاہ اندیشی کی وجہ سے۔ اب رجسٹریشن کے ذریعے حکیموں کے بہت سے حقوق چھین لئے گئے ہیں ان کو ادویات کے استعمال سے روک دیا گیا ہے اور بہت سے کاموں کے لئے پابندی لگا دی گئی ہے۔ فرنگی طب کے متعلق دعوے کئے جاتے ہیں حالانکہ اس طب میں اتنی غلطیاں ہیں جو میں نے بیان کی ہیں۔ آپ پڑھیں تو حیران ہو جائیں۔ انہیں تو یہ بھی پتہ نہیں کہ عام قصاب کی طرح جسم پر یعنی عضلات پر کوئی زخم پیدا کئے بغیر اوپر کا پردہ ہی دور کر سکیں۔ جہاں تک ان کے اختیارات کا تعلق ہے وہ علاج کرتے وقت کسی کو جان سے بھی مار ڈالیں تو انہیں کوئی نہیں پوچھتا۔

جہاں تک رجسٹریشن کا تعلق ہے وہ نہ صرف بے سود ہے بلکہ فن کے لئے تباہ کن ہے۔ایسا رجسٹریشن قانون تو فوراً ختم ہونا چاہئے جب تک کہ اس کا کوئی مقررہ معیار نہ ہو۔علاج تو وہ شخص کرے گا جس کو استاد سرٹیفکیٹ دے گا اس کی کون سی قدر و قیمت ہے جب تک انہیں ایلو پیتھک ڈاکٹروں کے برابر حقوق نہ دیئے جائیں اس سے کسی شخص کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔دوسری طرف ہم نے طب یونانی کے کمالات کو دُنیا کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیا ہے،جس نے اس طب کو سمجھ لیا وہ کامیاب ہے۔طب یونانی یہ نہیں ہے کہ اس کے پاس فلاں بیماری کا علاج ہے۔فلاں تریاق یا اکسیر ہے بلکہ دیکھنا تو یہ ہے کہ اس کے اصول کیا ہیں۔جب تک آپ ان اصولوں کو نہیں سمجھیں گے طب یونانی کبھی سمجھ میں نہیں آئے گی اور کتنے سادہ اصول ہیں کہ مریض کے مزاج کو سمجھا جائے اور مزاج کیا ہیں کیفیات کیا ہیں یہی گرمی،سردی، خشکی،تری جب تک آپ مزاج یا کیفیت کا تعلق نہیں کر لیں گے علاج نہیں کر سکیں گے یہ تو صرف ایلو پیتھی ہے کہ سردرد ہے تو اسپرو دے دی۔حالانکہ سردرد گرمی سے ہوسکتا ہے،خشکی سے بھی سردی اور تری سے بھی۔آپ ہر سردرد کو ایک ہی دوا سے نہیں دور کر سکتے ہیں۔جب بھی آپ علاج کریں آپ کا فرض ہے کہ پہلے مریض کی کیفیت کو سمجھیں۔ڈاکٹر لوگ نہیں سمجھتے کیونکہ انہیں تو پتہ ہی نہیں ہے۔آپ بھی ایسا ہی کریں گے تو مریض کو کبھی آرام نہیں آئے گا،بلکہ مرض خراب ہو جائے گا۔یہی حال ٹی بی کا ہے۔آپ نے مریض کو سمجھنا ہے۔یہ دیکھنا ہے کہ اس کو گرمی ہے،سردی ہے،خشکی ہے یا تری ہے۔یہ کیفیات جب بڑھتی ہیں تو مادے کی شکل اختیار کر لیتی ہیں لہٰذا آپ کے لئے ضروری ہے کہ دیکھیں مریض کا مزاج سرد خشک ہے،سرد تر ہے،گرم خشک ہے یا گرم تر۔اور یہ کیفیات غذا سے پیدا ہوتی ہیں،جب کوئی غذا کھائی جاتی ہے تو وہ مزاج بنے گی پھر خون میں تبدیلی ہو جائے گی۔جیسی غذا کھائیں گے ویسی ہی کیفیت خون میں ہوگی۔یہی حیاتین ہیں۔ ایسے ہی دُنیا میں جس قدر ادویات ہیں ان کے بھی مخصوص مزاج ہیں۔کیا دُنیا میں ایسی کوئی دوا ہے جس کا کوئی مزاج نہ ہو۔کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے،بالکل نہیں۔ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔آپ گرم غذا کھائیں گے تو خون میں گرمی پیدا ہوگی۔صفراء پیدا ہوگا۔خشک غذا لیں گے تو خون میں خشکی پیدا ہوگی اور خون کا مزاج پورے جسم کا مزاج ہوگا۔جب تک آپ اس چیز کو نہیں سمجھیں گے،کامیاب نہیں ہوں گے۔ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ہم اخلاط کو نہیں مانتے،صرف خون ہی سب کچھ ہے۔میں کہتا ہوں کہ ان کی کتابوں میں اخلاط اور کیفیات موجود ہیں۔میں انہیں دکھا سکتا ہوں کہ وہ چار اقسام کے ٹشوز کو مانتے ہیں:(۱) کنکٹو ٹشوز (۲) اپی تھیلیل ٹشوز (۳) نروز ٹشوز (۴) مسکولر ٹشوز۔

ان چاروں کے مزاج مختلف ہیں اور یہی مختلف مزاج طب یونانی میں اخلاط یا کیفیات کہلاتے ہیں۔اگر نہیں تو ثابت کریں گے۔ہم چیلنج کرتے ہیں۔اب دیکھئے کہ ایک شخص کو نمونیا ہو گیا ہے،وہ کہتے ہیں اس کو سردی ہے۔اس کا علاج گرم ادویہ سے ہوگا۔لیکن اگر ہم پوچھیں کہ اس کو ٹھنڈے پانی سے نہلا کیوں نہیں دیتے ہیں۔چونکہ سردی سے بیمار ہے اس لئے گرمی سے علاج کیا جانا چاہئے وہ اور بات ہے کہ ایلو پیتھی میں ایسے لغو علاج ہوتے رہتے ہیں۔مثلاً بخار کو ٹھنڈی ہوا اور برف سے دبا دیا جاتا ہے۔سرد اور گرم بخار میں تمیز نہیں کر سکتے۔اِدھر بخار تیز ہوا اُدھر مریض کو ٹھنڈ میں ڈال دیا۔برف میں لگا دیا۔مریض مر گیا۔

تو میرے بھائی!جب تک آپ اس سردی گرمی اور مزاج کو نہیں سمجھیں گے،آپ مرض دور نہیں کر سکیں گے،جتنے اطباء یہاں موجود ہیں اور جو حضرات یہاں منڈی بہاؤالدین میں کام کر رہے ہیں وہ اگر اس چیز پر قائم ہو جائیں کہ مریض کے مزاج کو سمجھے بغیر علاج نہیں کریں گے اور پھر بھی ان کا کوئی مریض انہیں چھوڑ کر ہسپتال میں داخل ہو جائے تو میں ذمہ دار ہوں جہاں جہاں ہمارے دواخانے ہیں وہاں مریض ڈاکٹروں کو چھوڑ چھوڑ کر ہمارے پاس آتے ہیں۔ڈاکٹر خود اس پر حیران ہیں کہ میں اس جگہ کا نام لینا نہیں چاہتا۔بہرحال وہاں کی کمیٹی کے چیئرمین ہمارے حکیموں کے کمالات دیکھ کر میرے پاس آئے۔ہمارا لٹریچر دیکھا اور پھر میرے شاگرد بن گئے کہ ہمارا پیغام آگے لے جا

سکیں۔ ہماری کتابیں خرید کر لے گئے کہ میں یہ فن سیکھوں گا۔ یہ حقیقت ہے۔ یہ سچائی ہے ایسے ہی میڈیکل لائن کے بہت سے لوگ اور ڈاکٹر آتے ہیں۔ ہمارا طریقہ علاج دیکھتے ہیں یہ طب یونانی کا کمال ہے کہ اس سے آپ کا ایک مریض بھی خراب نہیں ہوگا۔

طب یونانی سے دُنیا کو روشناس کرانے کے لئے میں نے اسے ذرا سا پلٹ کر سامنے رکھ دیا ہے۔ میں اس کو ماڈرن سائنس کے مقابلے میں لے آیا ہوں تا کہ سائنس کی روشنی میں جب ڈاکٹر اس کو دیکھیں تو بے تاب نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے سب سے پہلے ٹشوز کو پیش نظر رکھا۔ یعنی اپی تھیلیل ٹشوز، کنکٹو ٹشوز، مسکولر ٹشوز اور نروز ٹشوز۔ یہی چاروں ٹشوز ہمارا جسم ہیں، انہی کے مزاج کو میں نے اخلاط پر منطبق کر دیا ہے اور بتایا ہے کہ یہی کیفیات یعنی اخلاط جو چاروں انسجہ کا مزاج ہے۔ یعنی بلغم، سودا، صفرا اور خون جب مجسم صورت اختیار کرتے ہیں تو اعضاء بن جاتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ٹشوز بن جاتے ہیں۔ انہیں کو میں مفرد اعضاء کہتا ہوں کسی کو اعتراض یا اختلاف ہو تو سامنے آ جائے، کسی ڈاکٹر کو اختلاف ہو تو سامنے بات چیت کرے اور جب بھی چاہے آئے۔ اگر وہ کامیاب ہو تو دس ہزار روپیہ مجھ سے نقد حاصل کرے۔

میں نے دوستوں کو یہی سمجھایا ہے کہ آپ انہی مفرد اعضاء کو مدنظر رکھ کر علاج کریں۔ دِل ایک مفرد عضو ہے ایسے ہی جگر اور دماغ اپنی اپنی جگہ مفرد عضو ہیں۔ ہم انہی کو اعضائے رئیسہ کہتے ہیں۔ جب صفراء زیادہ ہو جاتا ہے تو اس سے اپی تھیلیل ٹشوز بنتے ہیں۔ یعنی جگر گردے اور دیگر غدد بنتے ہیں اس کا نام میں نے رکھا ہے غدی ٹشوز غدی نسیج۔ جب کسی شخص کے جگر میں تحریک پیدا ہوگی تو جسم میں صفراء بڑھے گا۔ بڑی سادہ سی بات ہے جیسے ایک روپے کے سو پیسے یا سو پیسے کا ایک روپیہ۔ ٹشوز یا خلط، خلط یا ٹشوز۔ اخلاط جب مجسم ہوں گے تو اعضاء یعنی ٹشوز بن جائیں گے۔ اور اعضاء یعنی ٹشوز وہی مخصوص کیفیت یعنی خلط پیدا کریں گے۔ بس اتنی سی بات ہے۔ مفرد اعضاء کو سامنے رکھ کر علاج کریں جب آپ کے سامنے ایک مریض ہے جس میں صفرا کی زیادتی ہے۔ آپ دماغ کے ٹشوز کو چھیڑیں گے۔ تحریک دیں گے تو جسم میں بلغم بڑھے گی، اور صفرا فوراً اعتدال پر آ جائے گا۔ ایسے ہی جب آپ جگر کو تحریک دیں گے تو صفرا پیدا ہوگا۔

نظریہ مفرد اعضاء ایک تجدید ہے۔ تا کہ دُنیا کے سامنے ایک کسوٹی رکھی جائے۔ اور اس کسوٹی پر کسی طریق علاج کو پرکھا جا سکے۔ اگر ڈاکٹروں کا طریق علاج ٹھیک ہے تو وہ ٹشوز کو سامنے رکھ کر علاج کریں۔ اگر ہومیوپیتھی ٹھیک ہے تو اسی بنیاد پر علاج کریں۔ طب یونانی نے سمجھا دیا ہے کہ ٹشوز یعنی مفرد اعضاء دراصل مجسم اخلاط ہیں۔ آپ اگر مفرد اعضاء میں پیدا ہونے والی کمی پوری کر دیں تو مریض ٹھیک ہو جائے گا کسی قسم کا مریض ہو۔ کسی بھی قسم کا مرض ہو اس اصول سے باہر نہیں ہو سکتا۔ تمام بیماریاں اپنی اعضائے رئیسہ کے ماتحت آتی ہیں۔ اس لئے آپ کے پاس ہر مریض آئے گا آپ اس کی نبض دیکھیں گے تو فوراً بتا سکیں گے کہ اسے کیا تکلیف ہے۔ یہ طب یونانی کا سب سے بڑا کمال تھا۔ جو ختم ہو چکا تھا وہ تھا نبض دیکھنا، اب میں نے اس کمال کو پھر سے زندہ کر دیا ہے جب تک آپ نبض دیکھ کر کسی کو اس کی بیماری نہ بتا سکیں گے اس وقت تک آپ کامیاب طبیب نہیں۔ پشاور سے لے کر کراچی تک اپنے ہر طبیب پر میں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ وہ نبض پر عبور حاصل کریں جو حکیم نبض دیکھنا نہیں جانتا، وہ حکیم کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ جو مریض نبض دکھانے کے لئے آپ کے پاس نہیں آ سکتا اس کا قارورہ منگواؤ۔ طبیب تو وہ ہے جو قارورہ دیکھ کر ہی بیماری بتا دے، یہ سب چیزیں اس وقت ہی کامیاب ہو سکتی ہیں جب آپ مریض کی غذا کا بھی خیال رکھیں۔ غذا سے ہمارے جسم میں خون پیدا ہوتا ہے۔

حکیم بوعلی سینا نے کہا ہے کہ ہم تین قسم کی چیزیں استعمال کرتے ہیں، ایک غذا جس سے خون بنتا ہے۔ دوسری دوا جس سے کیفیات پیدا ہوتی ہیں، اور تیسری زہر جس سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ ہر بیماری کے لئے ہم نے الگ الگ غذائیں سمجھا دیں ہیں۔ جب

تک درست غذا معدے میں نہیں جائے گی ہمارے جسم میں خون کی مطلوبہ خلط پیدا نہ ہوگی۔ مرض کا علاج کرنے سے پہلے ایسی غذا تجویز کریں جس سے وہ مزاج پیدا ہو جائے جو آپ دوا سے پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ غذا سے اس مزاج کا خون پیدا ہوگا۔ خون پر ہی صحت اور زندگی کا دارومدار ہے۔ آپ نبض دیکھیں، مریض کو بتائیں کہ اس کو یہ بیماری ہے، اس کے جسم میں فلاں چیز کی کمی ہے اور وہ فلاں غذا استعمال کرے جس سے وہ کمی پوری ہو جائے گی اور مریض ٹھیک ہو جائے گا۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ مریض صرف غذا سے ٹھیک ہو سکتا ہے۔ غذا کے متعلق قرآن کریم میں حکم ہے کہ ﴿ کلو حلال طیبا ﴾ ''کھاؤ جو حلال اور طیب ہو''۔ طیب کے معنی ہیں وہ چیز جو پاکیزہ ہو، تازہ ہو اور اس میں خوشبو ہو۔ گوشت ایسا ہونا چاہئے جو تندرست جانور کا ہو جس پر چربی ہو جس گوشت پر چربی ہوگی تندرست ہوگا آپ اسے کھائیں گے تو تندرست رہیں گے۔

دوسری صورت چکنائی یعنی گھی کی ہے لیکن ڈاکٹر کہتے ہیں بناسپتی کھاؤ، بھائی بناسپتی بھی کوئی گھی ہے۔ وہ تو تیل بھی نہیں ہے۔ وہ تو صابن ہے۔ جو کمپنیاں صابن بناتی ہیں وہی بناسپتی بناتی ہیں، جب پتلا ہو جائے تو بناسپتی ہے اور گاڑھا ہو جائے تو صابن ہے۔ اگر صابن کھانے سے صحت بن سکتی ہے تو کھا کر دیکھیں اگر آپ کے ہاتھ پر گھی لگا ہوا ہو تو صابن سے صاف کریں تو سب صاف ہو جائے گا۔ گوشت کے بعد دوسری غذا گھی ہے اگر آپ کو گھی میسر نہیں آتا تو چربی کھائیں۔ یعنی حیوانی چکنائی۔ آپ نباتاتی تیل بھی کھا سکتے ہیں لیکن وہ حیوانی تیل کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تیل سے سستی چیزیں بھی دُنیا میں ہیں۔ آپ کو علم نہیں تو میں بتاتا ہوں۔ مثلاً دُنبے کی چکی ہے۔ پورے صوبہ سرحد میں دُنبے کا گوشت اور چربی استعمال ہوتی ہے۔ چربی صاف کر کے رکھ لیتے ہیں۔ آپ بھی استعمال کریں۔ اس کے بعد گائے کا گوشت ہے، مہنگا بھی نہیں بس دو روپے سیر ہے، کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

• ایسے ہی جس کو آپ گلوکوز کہتے ہیں کہ کون سی شکر ہے یہ تو ویجی ٹیبل ہے۔ حیوانی شکر تو شہد ہے۔ شہد کا مقابلہ بھلا گلوکوز کیسے کر سکتا ہے۔ اگر آپ نے شربت ہی پینا ہے تو شہد کا شربت کیوں نہیں پیتے۔ یہ تو ساری یورپ کی اشتہار بازی ہے جس نے لوگوں کو خراب کیا ہے۔ یورپ سے جام آ رہے ہیں۔ شربت آ رہے ہیں۔ دوائیں آ رہی ہیں اور پھر یہاں پر جو غذائیں ہیں ان میں ملاوٹ ہے اس ملاوٹ نے ہمیں خراب کر رکھا ہے۔ جہاں تک ہو سکے آپ صحیح غذا استعمال کریں۔ صحیح غذا کھانے کے بعد ہی صحیح خون بنے گا۔ ایک آدمی درست غذا کھائے اور پھر بھی بیمار ہو جائے یہ نہیں ہو سکتا۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون تبدیل نہیں ہوتے یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ گوشت اپنے خواص بدل لے۔ ہم نہیں سمجھ پاتے، ہمارے جاننے میں فرق ہوتا ہے۔ ایلوپیتھی نے دواؤں اور غذاؤں کا جو فلسفہ پیش کیا ہے یعنی وٹامن یا حیاتین وہ بالکل غلط ہے۔ انہیں تو کسی دوا یا غذا کے استعمال کا پتہ نہیں ہے۔ میں نے ان کے متعلق کتاب بھی لکھی ہے اور انہیں چیلنج کیا ہے کہ آؤ ہمارے ساتھ بات کرو اور کھا کر بتاؤ کہ خود کتنے وٹامن کھاتے ہو۔ بس لوگوں کو ان کی دوائیں لکھ دیں کہ بازار سے جا کر خرید لیں۔ میں کہتا ہوں کہ ڈاکٹر ہم لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ یہ سارے تجارتی اور کاروباری ہتھکنڈے ہیں، یورپ سے آج تک بزنس ہی آ تا رہا ہے علاج نہیں آیا۔ بلکہ ہمارے علاج کو خراب کیا جاتا رہا ہے۔ یہ یورپ والے جو اتنی کتابیں غذا کے متعلق رکھتے ہیں قرآن حکیم نے تو اس سے بہت پہلے فرما دیا ہے کہ ﴿ کلو واشربو ولا تسرفوا ﴾ یعنی کھاؤ پیو، لیکن بغیر ضرورت کے نہیں۔ بغیر ضرورت کے ہم کھا پی نہیں سکتے پانی تک بغیر ضرورت کے نہیں پی سکتے حکم ہی نہیں۔ جب تک آپ اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں کھائیں پئیں گے اس وقت تک آپ متقی نہیں ہو سکتے۔ مسلمان کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ متقی ہو۔ ہدایت متقی کو ملے گی دوسرے کو نہیں ملے گی۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿ ذالك الكتاب لا ريب فيه هدى للمتقين ﴾ یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں اور پرہیز گاروں یعنی متقی لوگوں کے لئے اس میں ہدایت ہے۔ ہدایت متقی کو ملے گی۔ متقی کون ہے؟ وہ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون ﴾ ''تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تم متقی بن جاؤ''۔ متقی بننے کے لئے پیٹ کو خالی رکھنا ضروری ہے۔ ضرورت کے بغیر مت کھاؤ۔ صرف خواہش کے ماتحت کھاؤ۔ خواہشات اور بھوک پر قابو پانا متقی پر فرض ہے۔ بغیر بھوک کے کھاؤ گے بغیر ضرورت کے کھاؤ گے تو ہدایت اور بھوک سے دور ہوتے جاؤ گے۔ مسلمان اس وقت ہی کامیاب ہوسکتا ہے جب وہ اپنی خواہشات کو روکے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنی خواہشات کو روکتے ہیں، انہیں کا مقام جنت ہے۔ ایسے ہی ہم بغیر ضرورت اور بھوک کے کھائیں گے تو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ ہم اللہ کو ناراض کر بیٹھیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہمارے سامنے ہے کہ ﴿ ان الله لا يحب المسرفين ﴾ اللہ تعالیٰ اسراف اور فضول خرچی کرنے والے و پسند نہیں کرتا۔ تمہیں کہا جاتا ہے کہ پہلے روٹی! لیکن نہیں پہلے تقویٰ پھر روٹی۔ اللہ پر ایمان رکھو، جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اس نے رزق بھی دینا ہے۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ اللہ کے پاس رزق نہیں ہے یا دُنیا میں جو روٹی ہے وہ ختم ہو جائے گی۔ کروڑوں میل لمبا چوڑا آسمان غذاؤں سے بھرا پڑا ہے، دِن رات زمین پر غذائیں اُتر رہی ہیں۔ رزق نازل ہو رہا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے نہ کھاؤ نہ ذخیرہ اندوزی کرو۔ نہ بلیک مارکیٹ کرو۔ یہ ساری تنگی ہماری اپنی پیدا کی ہوئی ہے۔ کمزوروں کو کیوں تنگ کیا جاتا ہے۔ جائز منافع لو۔ جو پیسہ ناجائز طریقے سے آئے گا وہ جائز کو بھی لے ڈوبے گا۔ متقی کے لئے یہ ساری باتیں ضروری ہیں۔ خواہشات کو روکنا فرض ہے۔ جب موت آئے گی تو یہ ساری بوریاں جو اناج سے بھری ہوئی ہیں۔ یہ گودام سب کچھ یہیں رہ جائے گا لیکن اگر آپ نے زندہ رہنا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کو رزق دے گا۔

صحیح انسانیت کی پہچان یہ ہے کہ آپ کسی کی کتنی خدمت کر سکتے ہیں۔ صحیح انسانی خدمت یہ ہے کہ آپ دوسروں کو کتنا سکھ پہنچا سکتے ہیں۔ اگر آپ یہ کر سکتے ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کو کتنا سکون ملتا ہے۔ دولت سے اطمینان نہیں ملے گا۔ کروڑوں روپے بھی آپ کو سکون قلب عطا نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ آپ انسانیت پر کاربند نہ ہوں گے تو لاکھوں روپے روزانہ کمانے والوں کا حشر بھی ہم نے دیکھا ہے کہ وہ پانی تک کو ترستے مر گئے۔ ڈاکٹروں نے حکم لگا دیا کہ اس کو پانی مت دو ورنہ مر جائے گا۔ وہ ریشمی بستروں پر پڑے ہیں، ریشمی پردے تنے ہیں لیکن پانی تک کو ترس رہے ہیں۔ کروڑوں روپے اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ دوسری طرف حکیم ہے لوگوں کی خدمت کرنے والا لوگوں کو سکھ پہنچانے والا۔ لوگوں کے دکھ بانٹ لینے والا۔ والسلام

سکھر 3 جولائی 1971ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بے شمار درود سلام کے بعد صاحب صدر، دوستو اور ساتھیو! کائنات ارض وسما اور ان کی فضا میں موجود اشیاء اجسام کو سمجھنے کے لئے قرآن حکیم نے دو طاقتیں بیان کی ہیں ایک حق ہے، اور دوسری باطل۔ اور یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ باطل کے اثرات سے ظلمت و بے راہ روی ہے اور تخریب و فساد ظاہر ہوتا ہے اور حق سے تعمیر و اصلاح اور حسن و نکھار پیدا ہوتا ہے اور حق چشمہ امن اور باعث نزول رحمت خداوندی اور یہی مطلوب و مقصود اللہ العالمین ہے اور جب اور جہاں بھی حق آ جاتا ہے،

باطل ختم ہو جاتا ہے۔ حق و باطل کو سمجھنے کے لئے بھی وہی اصول ہیں اوّل قانون فطرت اور دوسرے علوم سائنس یہ زمانہ سائنس کا دور کہلاتا ہے اور سائنسی نقطہ نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ ہمیں قانون فطرت اور سائنس ہر دو کو سمجھنے کی قوت میسر لیکن یہ قوت بھی ان ہی لوگوں کے لئے مفید و کارآمد ہے جو صالح اور ماہر عالم و فاضل ہیں۔ ہر کس و ناکس ان پر قبضہ و تصرف اور استفادہ کی قدرت نہیں رکھتا۔

قرآن حکیم ایک اور چیز پیش فرماتا ہے جو نہایت ہی آسان اور عام فہم اور اس سے ہم سہولت سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ وہ فرماتا ہے: ﴿ ان الذین عنداللّٰہ الاسلام ﴾ دین کے معنی ہیں جزاء سزا، عمل اور ردِ عمل۔ اور یہی حقیقت ظاہر ہے کہ ہم جو کام بھی کرتے ہیں اس کا کوئی نہ کوئی نتیجہ یا ردِ عمل ہوتا ہے۔ اب اگر ان افعال و اعمال کے نتیجہ میں امن و سلامتی ہے تو دین کی صحیح صورت یہی ہے۔ گویا ہمارا ہر عمل یعنی تم پر سلامتی ہو تو اس کا ردِ عمل سلامتی ہی ہوگا۔ یہی سلام ہے اور یہی حق ہے اور یہی کامیابی کامرانی کی راہ ہے اور اگر ہمارے اعمال کا نتیجہ اور ثمرہ سلامتی نہیں ہے تو وہ باطل ہے ہم قرآن پاک کے اس سنہری اصول اور قانون کو لے کر جملہ طریقوں سے دیکھتے اور پرکھتے ہیں ان میں سے جس کے نتائج میں سلامتی ہے وہ حق ہے اور جن کے نتائج برعکس ہیں وہ باطل ہیں۔ ابتدائی زندگی میں بھی یہی چیز تھی کہ حق کامران تھا اور باطل ناکام اور اب بھی یہی حقیقت ہے اور آئندہ مستقبل میں بھی یہی حقیقت رہے گی۔ جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ بجلی کی رو صحیح چل رہی ہے تو بٹن دبانے سے پنکھا چلے گا۔ بلب روشن ہوگا اور اگر کوئی چیز قانون قدرت کے مطابق نہیں ہے تو وہ ظنی ہے اور دُنیا کے تمام اُمور میں یہی اصول کارفرما ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے قانون میں تخمین و ظن نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی تخلیق اپنے فطری راستہ سے انحراف کر کے قائم اور درست رہ سکتی ہے نہ ہی کسی فائدہ کی حامل ہے۔ اس کا فرمان ہے: ﴿ لا تبدیل لخلق اللّٰہ ﴾ وہ اسی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ جس کسی چیز کے خواص جو آج سے ہزاروں سال قبل تھے وہی آج ہیں اور اس کے نتائج اس وقت تھے، وہی آج ہیں۔ یہ شاہراہ عمل، ردِ عمل کبھی بھی نہیں بدلتی خواہ ہم اسے سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ اس بارے میں بھی خود قرآن کریم ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ﴿ لن تجد لسنت اللّٰہ تبدیلا ﴾ اعمال الٰہیہ میں ہرگز تبدیلی نہیں ہوتی۔ شک و شبہ کامرانی کا ضامن ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ ہم صحیح راستہ تلاش کریں اور اس پر چل پڑیں۔ میں نے تمام مروجہ طریقہ ہائے علاج کو اپنایا ہے اور گہرا مطالعہ و تجربہ اور مشاہدہ کیا ہے وہ سب ناکام ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن میں نے طب یونانی کو کامیاب ترین طریق علاج پایا ہے۔ یہ تجرباتی و مشاہداتی ہی نہیں الہامی و وجدانی بھی ہے۔ اس کے اصول و قوانین کے تحت اثرات ہمیشہ نتیجہ میں دو اور دو چار ہی ثابت ہوتے ہیں۔ کبھی خطا نہیں ہوتی۔ لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اور انحطاط اور غلامی اور فرنگی حکومت کے غلبہ اور نظام حکومت بدلنے پر دیگر علوم و فنون اور صنعت و حرفت کی طرح علم و فن طب بھی فرنگی کی دست برد کا شکار ہو گیا اور اس میں تحقیق و تجسس و نشو و نما و ارتقا کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ محمد زکریا اور شیخ الرئیس کے بعد کوئی فنکار نظر نہیں آتا جس نے فن طب کی کوئی ادنیٰ سی بھی خدمت کی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں ڈالا کہ جب تک فرنگی طب کا ابطال نہ ہوگا اور طب یونانی کی کتب کے قوانین کا استحقاق نہ ہوگا فن زندہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ ہدایت اور روشنی میں ہی میں نے قانون شیخ کے ایک قانون پر نظریہ کی بنیاد رکھی اور دنیا کے قوانین اور اصول ہائے طب کو اس کسوٹی پر پرکھا تو سب غلط ثابت ہوئے۔

آپ سوال کر سکتے ہیں کہ فرنگی طب باطل اصول و قوانین کی حامل ہونے کے باوجود دُنیا کی کامرانی سے آگاہ اور چاروں طرف جو اس کی بہار دکھائی جا رہی ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض پروپیگنڈا ہے اور حکومت کی سرپرستی اور زرِ کثیر اور بے

شمار وسائل کی بنا پر آپ یہ سب شور و غوغا سن رہے ہیں اور اگر آئینہ حقیقت نما دیکھنا ہو تو آپ چند دنوں تک کسی ڈاکٹر کے پاس یا کسی ہسپتال میں جا کر دیکھ سکتے ہیں کہ کتنے لوگ نہ صرف ناکام بلکہ ان کی غلط تشخیص و تجویز اور غلط مرکبات وادویات کی وجہ سے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ اگر آپ نظریہ مفرد اعضاء کو سمجھ لیں گے تو آپ کو خود بخود نظر آئے گا کہ فرنگی طب و سائنس کو بالکل غلط ثابت کیا ہے کہ ان کی کوئی دوا اور بیماری کا علاج سائنٹیفک نہیں ہے اور اس کے برعکس وہ طب یونانی کی کسی دوا کو بھی غلط ثابت نہیں کر سکی۔

نظریہ مفرد اعضاء یہ ہے جو طب کا قانون ہے کہ امراض و علامات اور صحت و حیات کا دار و مدار صرف چار کیفیات پر ہے جن کی حیثیت قانون کی کلید کی خشت ہے جو گرم تر اور سرد و خشک ہے۔ صحت و مرض، ارکان و مزاج اور اخلاط بھی انہیں کے تحت ہیں اور جسم انسان کے بنیادی و حیاتی اعضاء بھی اخلاط ہی سے بنتے ہیں۔ اور جب تک یہ اعتدال پر ہوں اور اپنے فطری اصولوں پر عمل پیرا ہوں تو صحت قائم رہتی ہے اور قوانین فطرت سے ان کا انحراف مرض کا باعث ہوتا ہے۔ گویا یہ بدلے تو بیماری رونما ہوتی ہے اور اگر یہ درست ہیں تو صحت و شفا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہمارے اطباء نسخہ جات کے پیچھے بھاگ رہے ہیں اور فن کو چھوڑ گئے ہیں۔ حالانکہ انہیں نسخہ جات کے بجائے یہ دیکھنا چاہئے کہ صفراء سودا اور بلغم و خون میں کیا بڑھ گیا ہے اور کیا کم ہو گیا ہے جو کم ہو گیا ہے اسے بڑھا دیتے لیکن وہ اس طرف سے آنکھیں بند کر بیٹھے ہیں جس کے نتیجہ میں فن طب تباہ ہو گیا ہے۔ فن طب کو ختم کر دیا گیا تھا میں نے اللہ تعالیٰ کی تائید اور مہربانی سے اسے ختم ہونے سے بچایا اور زندہ کیا اور دُنیا کو اس کی اصلیت و حقیقت سے آگاہ کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔

میں نے ثابت کیا ہے کہ اخلاط سے اعضاء بنتے ہیں اور یہ ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ دلیل یہ ہے کہ مخصوص خلط کی افزائش سے مخصوص عضو میں تحریک ہوتی ہے۔ اور کسی مخصوص عضو کی تحریک سے اس کی کوئی متعلقہ خلط بڑھتی ہے۔ مثلاً اگر بلغم پیدا کرنے والی یا بڑھانے والی ادویہ استعمال کی جائیں تو دماغی قوت میں شدت، تیزی افعال واقع ہو جاتی ہے اور اگر صفراء بڑھا دیا جائے تو جگر کے فعل میں تیزی اور جگر کو قوت ملتی ہے یا اگر جگر کو قوت دینے والی ادویہ استعمال کریں تو وہی صفرا کی کثرت ہوتی ہے۔ میں نے اخلاط مفردہ سے مفرد اعضاء کا بننا ثابت کر دیا ہے اور اعضاء کے امزجہ مفرد ہیں اور جسم انسان میں صرف تین ہی حیاتی اعضاء ہیں اور چوتھا بنیادی اور یہی حیاتی اعضاء ہر سہ اعضائے رئیسہ ہیں جو دماغ، دِل اور جگر ہیں اور اعصاب، عضلات اور غدد بالترتیب ان اعضائے رئیسہ کے تحت ہیں۔ انہی تینوں اعضاء کی درستی و خرابی پر نظام حیات و صحت اور مرض و موت واقع ہوتی ہے اور مرض یا موت کی صورت میں ان کے افعال میں خلل یا کسی کا ضائع ہو جانا یا کمزور ہونا یا ٹوٹنا شامل ہیں۔ حصول صحت کے لئے ان کے جس نظام و فعل میں خرابی ہوا سے درست کرنا ہے فرنگی طب کی طرح بلا تشخیص ہر دردسر کا علاج اسپرو نہیں ہے اس لئے طب کا حامل سردرد کے علاج میں عضو، خلط اور پرزہ کو درست کرے گا مزاج کا اعتدال قائم اور دورانِ خون معتدل نہیں ہے تو بیماری پیدا ہوگی۔

اب آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ صفرا، سوداء اور بلغم و خون وغیرہ کا اعتدال یا ایلوپیتھی کو راہ راست پر لانے اور ایلوپیتھوں کی رہنمائی کے سلفر، فیرم اور پوٹاش کم و بیش ہو جائیں یا ان کی ترتیب بگڑ جائے تو بیماری ہوگی اور علاج کی صورت یہ ہوگی کہ کم اجزاء کو پورا کر دیا جائے اور علاج کے لئے یہ بھی لازمی ہوگا کہ جسم کا صحیح مطالعہ کیا جائے تا کہ واقعی کم چیز کو زیادہ کیا جائے اور انکل سے اور فرضی طور پر اٹھا کر کچھ نہ دے دیا جائے۔

نظریہ مفرد اعضاء کے سمجھنے سے سراسر آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ طب یونانی کے بعد نبض و قارورہ دیکھنے کا جو سلسلہ ختم ہو گیا تھا ہم دورانِ تعلیم اس کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر جسم میں سردی بڑھی ہوگی تو معالج کی توجہ کا مرکز اعضائے

بارد ہوں گے اور اگر جسم میں گرمی بڑھی ہوگی تو گرم مزاج اعضاء مثلاً جگر و قلب کی کمی بیشی کو دیکھا جائے گا۔ مرض کو دیکھنے کے لئے جیسے مریض کی حالت ضروری ہے ویسی ہی نبض و قارورہ بھی لازم بلکہ اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ طبیب نبض ہی سے شدت و خفت مرض اور مریض کی عدم موجودگی میں بعض اوقات صرف قارورہ ہی سے علاج کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبض و قارورہ بہت ہی اہم ہیں۔

فرنگی طب کا یہ حال ہے کہ وہ کسی مرض میں کبھی کامیاب علاج نہیں رکھتی۔ ٹی بی، لقوہ، فالج، شوگر وغیرہ کی بات ایک طرف وہ تو نزلہ و زکام کو بھی نہیں سمجھ سکے۔ وقتی دوائیں علاج نہیں ہے۔ بلکہ علاج تو یہ ہے کہ پرزہ کی خرابی کو درست، کمی کو پورا اور جسم اوور ہال کرنا ہے۔ لیکن ایلوپیتھی کے سامنے ان میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ اگر کچھ سمجھتی ہے تو صرف جراثیم کو۔ حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں ہیں اور اگر جراثیم کی کوئی اہمیت ہوتی تو شربت اور مربوں جیسی بے ضرر اور غیر جراثیم کش ادویہ سے ہرگز صحت نہ ہوا کرتی۔ حالانکہ ہم صبح و شام ان اشیاء سے بیماریوں کو دفع ہوتے اور کرتے دیکھتے ہیں۔

دوسرے اسلام جیسے حقیقت پسندانہ مذہب میں تو اتنی نفرت نہیں بلکہ دوسرے سے میل ملاپ اور عبادت و بیمار پرسی کی اخلاقیات کا جزو اعظم قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ ایک دوسرے کا جھوٹا بھی کھاتے پیتے ہیں جب کہ نظریہ جراثیم کی رو سے دور کی صاحب سلامت بھلی اس نظریہ میں بھی بنیادی جذبہ جو کام کرتا نظر آتا ہے۔ یہ وہی عیسائی ذہنیت اور رہبانیت کا تصور ہے جو فلاح و ارتقاء کے برعکس انحطاط و زوال کا حامل ہے۔

دوستو! فرنگی ذہن کی سوچ بچار اور غور و فکر کے بنیادی دھارے ہی غلط سمت کو بہہ رہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بنیادی اعضاء کے افعال کے بگاڑ سے مادے رکتے ہیں۔ اور امراض پیدا ہوتے ہیں۔

نظریہ مفرد اعضاء سمجھنے کے بعد آپ کو دیکھنا ہوگا کہ کس پرزہ میں خرابی ہے اس کو درست کر دیں تو مرض خود بخود دور ہو جائے گا اور جراثیم خود بخود تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ اخلاط و اعضاء ایک ہی چیز ہیں ان میں صرف قوام و استحالہ کا فرق ہے۔ میں طب اسلامی کا نمائندہ ہوں اور جہاں تک فرنگی طب کا تعلق ہے میں اس پر ایک کتاب لکھ چکا ہوں اور بحث کر چکا ہوں کہ وہ غلط اور اسے صحیح ثابت کرنے والے ماہرین اور سائنسدانوں کو میں نے چیلنج بھی کیا ہے اور دس ہزار روپے کا انعام بھی رکھا ہے۔ فرنگی طب کے وجود اور بقاء کا جہاں تک تعلق ہے تو آپ سب جانتے ہیں کہ حکومتیں مسلسل اس کی سرپرستی کر رہی ہیں۔ اسے ایڈ دیتی ہیں اور پروپیگنڈا کے وسیع وسائل و ذرائع اس کے قبضہ میں ہیں جب کہ طب یونانی کامل ایک سو سال سے نہ صرف بے سہارا چلی آ رہی ہے بلکہ اس کے خاتمہ کے لئے کسی امر کی کافی کوشش سے بھی دریغ نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن وہ پھر بھی زندہ ہے تو محض اپنے حقیقی اور سچے بنیادی اصول و قوانین اور تاثیر شفا کی بنا پر۔

ہمیں طب یونانی کے حامل اطبائے کرام کی ذہنیت پر افسوس ہے کہ وہ طب کے نام لیوا ہونے کے باوجود ایلوپیتھی دوائیں استعمال کرتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں اور مغربی طریق پر تیار شدہ ادویہ کے بجائے طب یونانی کے حیاتی نظریہ کے تحت تیار شدہ ادویہ کو اپنائیں اور اصلاح فن کے لئے سائنس کو دیکھیں۔ آپ کے پاس بنیادی فطری اور سچے قوانین ہیں جب کہ یہ دولت ان کے پاس نہیں ہے۔ ہماری اجوائن اور سونف کے آج بھی وہی خواص ہیں۔ جو ہزاروں سال قبل تھے۔ لیکن ان کے ہاں وہ ہر وقت بدلتے رہتے ہیں۔ وہ تجربہ کر کے ایک چیز مارکیٹ میں لاتے ہیں اور پانچ سال بعد جب وہ ہمارے طبیبوں تک پہنچتی ہے تو یورپ اس سے بدظن ہو کر کسی

نئی چیز کی تلاش میں مصروف ہوتا ہے پھر یہ لوگ سنتے ہیں کہ یہ تو ناکام ہوگئی ہے اور اس کے مقابلہ میں نئی چیز مارکیٹ میں آ گئی ہے تو یہ اس کے پیچھے بھاگتے ہیں لیکن یہ خود غور کرنے سے کیوں گھبراتے ہیں ان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ دی ہوئی عقل اور شعور کو کام میں لائیں اور حق و باطل میں امتیاز کریں اور اطباء وحکومت ہر دو کو لازم ہے کہ وہ ہر صحیح چیز کو اپنائیں اور غلط کو چھوڑ دیں۔ اگر اطباء اب بھی ایلوپیتھی ادویات کو برتتے رہے اور طب یونانی کی احیاء وبقاء کے ایسے ہی کھوکھلے نعرے اور بانگ دعوے کرتے رہے تو نہ صرف آنے والا دور انہیں معاف نہیں کرے گا بلکہ کار طفلاں تمام خواہد شد۔

میں نے طب کے احیاء کے لئے بار بار چیلنج کیا ہے اور دُنیا کو ایک شاہراہ عمل دی ہے۔ میرا یہ نظریہ مفرد اعضاء ایک کسوٹی ہے اور اگر کسی کے پاس ایسا نظریہ ہے تو میں نہ صرف اسے اپنانے بلکہ اپنے ہزاروں شاگردوں سمیت ایسے شخص کا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔

آپ نظریہ مفرد اعضاء کو سمجھنے کے بعد مریض کو غذا تجویز کر دیں تو فائدہ شروع ہو جائے گا۔ مجربات تو کامرانی کی کوئی دلیل نہیں ہیں جب تک ان کے بھی خواص واثرات اور بالاعضاء تعلق کو نہ سمجھا جائے اور یہ ڈاکٹر صاحبان تو بیماری کی تشخیص تک نہیں کر سکتے اور فن ایلوپیتھی اور یورپی طبی ڈگریاں اسی وقت ختم ہو جائیں گی جب اطباء صحیح معنوں میں فن کو اپنا لیں گے۔ ابھی آپ سب کے سامنے کی بات ہے کہ میں نے تقریباً پانچ سو مریضوں کا معائنہ کیا ہے یہ سب وہ مرض ہیں جن کا علاج ڈاکٹروں کے پاس نہیں ہے۔ اگر ڈاکٹر ان امراض اور مریضوں کو سمجھتے تو آرام آ جانا چاہئے تھا۔ سب آپ کے سامنے ڈاکٹروں کی بے بسی اور تشخیص نہ کر سکنے کا اعتراف کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ میں ہمیشہ کسی سے مرض دریافت نہیں کرتا خود بتاتا ہوں، یہی کیفیت میرے پاس تربیت پانے والے میرے شاگردوں کی ہے۔ ڈاکٹر کہیں جراثیم کے پیچھے بھاگ رہے ہیں، جہاں جراثیم نہیں ہوتے تو وہ کمزوری کے پیچھے پھرتے ہیں، معالجین کے لئے کامیابی ہے تو صرف نظریہ مفرد اعضاء اپنانے میں ہے۔

۲

مبادیاتِ طب

فہرست عنوانات

طبِّ علمی

طبِّ عملی

حرفِ اوّل

حکیم مطلق کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے علم طب پیدا کر کے اپنے بندوں پر بہت بڑا احسان کیا جس سے ان کے امراض اور تکالیف کا مداوا ہوتا ہے۔علم طب حکمت کی ایک شاخ ہے اور حکمت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ من یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا ﴾

''گویا جس کو حکمت (عقل) بخشی گئی، اُس کو بہت بڑی دولت عطا فرمائی''۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علم طب ایک انتہائی شریف فن ہے اور اس کے حامل اور عامل کو بھی اس علم کی مناسبت سے شرافت کا انتہائی مقام حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ بہترین طبیب وہ ہے جس کا اپنا مزاج اعتدال پر ہو۔ اور انسان کے مزاج کا اعتدال اُس کو شرف وفضیلت کی دلیل ہے۔ جب انسان کا مزاج نفسانی خواہشات کی غیر اعتدالی حالت سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے تو یقیناً اس کے اخلاق بھی اعتدال کے درجہ پر آنا شروع کر دیتے ہیں اور یہ انسان کے مزاج کو ارتقاء کی بلندیوں کی طرف لے جاتا ہے۔

اگر معالج کا اپنا مزاج اعتدال پر نہ رہے اور اخلاق کی اقدار کمال پر نہ ہوں تو حقیقت یہ ہے کہ اُس کا ذہن پوری قوت سے کام نہیں کر سکتا اور حکیمانہ مسائل اور عقلی دلائل جن سے مشکل مضامین حل ہوتے ہیں۔ عام طور پر بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس لئے معالج کا اوّلین فرض ہے کہ اپنے دِل ودماغ کو خواہشاتِ نفسانی اور حرص وہوس سے دور رکھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی الماوی ﴾

گویا معالج کا فرض اوّلین ہے کہ علاج کے دوران میں خدا کے خوف کو اپنے دِل میں رکھے اور خواہشاتِ نفسانی سے دور رہے تا کہ اس کو ابدی مسرت وشادمانی حاصل ہو۔ اس کا سب سے آسان حل یہ ہے کہ معالج کسی قیمت پر بھی جھوٹ نہ بولے نہ جھوٹ پسند کرے اور ہمیشہ حق و صداقت کا گرویدہ بنا رہے۔

ہم نے تقریباً بیس سال کا طویل عرصہ اس فن شریف کو سمجھنے اور اس کی تحقیق پر خرچ کیا ہے۔ اس سے جن حقائق ومعارف کا پتہ چلا ہے، ان کو بلا کم وکاست فن عزیز کی ترقی اور معالجین حضرات کی خدمت کے لئے اس کتاب میں درج کر دیا ہے۔ اس میں اس بات کا خاص اہتمام کیا ہے کہ کوئی بات ایسی نہ لکھی جائے جو تجربہ ومشاہدہ اور تحقیق میں درست ثابت نہ ہوئی ہو۔ محض سنی سنائی باتوں، کتابوں کی بے معنی نقل اور بغیر غور وفکر کئے مسئلہ کو لکھنے کی جرأت نہیں کی بلکہ اس کو گناہِ عظیم خیال کیا ہے۔ صحیح علم وہ ہے جس سے انسان کو خود فائدہ پہنچے اور دوسروں کے لئے بھی نفع کا باعث ہو اور وہ علم پوری طرح دِل ودماغ میں سرایت کر جائے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ صحیح علم وفن کو بہترین طریق پر ذہن نشین کرائیں تا کہ اس سے زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہو سکیں۔ اس کتاب میں ہم نے کوشش یہ کی ہے کہ اُن قدیم مسائل کو جن کو عرصہ سات سو سال یعنی شیخ الرئیس بوعلی سینا کے بعد سمجھانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ بلکہ اکثر مکھی پر مکھی ماردی گئی۔ بڑی وضاحت سے اور عام فہم الفاظ میں آسان اور سہل خیالات کے ساتھ ذہن نشین کرایا ہے۔

اشارات: حکمت وہ علم ہے جس کے ذریعے بقدر طاقت بشری موجودات کی صحیح حقیقت معلوم ہو۔ اس کے تحت بہت سے علوم وفنون اور ان کے اصول و فروعات (شاخیں) نکلتی ہیں۔ اسی لیے علم وفن طب کو حکمت کی ایک قسم علم طبعی کی علمی وعملی شاخ کہا جاتا ہے۔ (رجسٹریشن فرنٹ ۱۹۶۶ء فروری)

بعض مسائل ایسے تھے جن کو آج کل کی سائنس غلط قرار دیتی ہے، جن میں مسئلہ ارکان، اخلاطِ اربعہ، مزاج اور مسئلہ ارواح وقویٰ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بلکہ تشریح اور افعال الاعضاء کے بعض مسائل میں بھی موجودہ سائنس اور ڈاکٹری اختلاف کرتی ہیں۔ ان مسائل میں ہم نے بڑی جرأت سے کام لے کر حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔ ان میں سے اکثر مضامین میں موجودہ سائنس اور ڈاکٹروں کی غلطیاں نکالی ہیں۔ بعض مضامین کی ایک ایسی حسین تعبیر وتفسیر کی ہے جس سے وہ مسائل ومضامین باہم منطبق ہوگئے ہیں۔ بعض مسائل میں بالکل نئی راہیں پیدا کی ہیں۔ اس سے پہلے ان حقائق کو طب یونانی نے بیان کیا ہے اور نہ کسی اور طب نے بلکہ موجودہ سائنس بھی اُن حقائق سے خالی ہے۔ ان مضامین کو پڑھنے کے بعد ہی اس کی قدر وقیمت کا اندازہ ہوسکے گا اور پوری طرح لطف اندوز ہوا جاسکے گا۔

علم اسباب فن علاج کی جان ہے اور ان کو سمجھنے سے ہی امراض ذہن نشین ہوتے اور رفع کرنے سے مرض جڑ سے چلا جاتا ہے۔ اس لئے اس علم پر خاص زور دیا گیا ہے اور اس کو بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ علم العلامات کی اہمیت بھی کسی طرح کم نہیں۔ انہی سے مرض کی تشخیص ہوتی ہے۔ اس لئے اس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ خاص طور پر نبض اور قارورہ کو بڑی محنت سے عجیب انداز میں ذہن نشین کرانے کی سعی کی ہے۔ کیونکہ نبض اور قارورہ کا علم تقریباً مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ حالانکہ ان علوم کے ساتھ معالجین کا وقار قائم ہوتا ہے، جو معالج بغیر مریض کے مرض بتائے نبض اور قارورہ دیکھ کر خود تمام امراض کو از اوّل تا آخر بیان کر دیتا ہے تو اس کی حذاقت اور کامیابی کا سکہ جم جاتا ہے۔ جو اصحاب فن علاج کا شوق اپنے دِل میں رکھتے ہیں، وہ ذرا سی کوشش سے نبض اور قارورہ پر اچھی خاصی دسترس حاصل کرلیں گے اور رفتہ رفتہ ان علوم میں کامل مہارت پیدا ہو جائے گی۔

علم حفظانِ صحت نہ صرف ہر ذی روح کے لئے ضروری ہے بلکہ اس کا جاننا معالج کے لئے از حد ضروری ہے۔ کیونکہ جب وہ اس پر پوری طرح عبور حاصل کر لے گا تو وہ اپنے مریضوں کو صحت کے قیام کے اصولوں سے روشناس کرا سکے گا۔ اور ان کو ان حقائق کا پابند کر دے گا۔ جن سے صحت قائم رہتی اور اپنے کمال کی طرف بڑھتی ہے۔

علم العلاج میں ہم نے علاجِ کلی کی صورت میں تقریباً تمام اہم مسائل پر بڑی وضاحت سے لکھا ہے۔ یہ مسائل انتہائی ضروری ہیں۔ جب تک ایک معالج ان پر پوری طرح حاوی نہ ہو، وہ کسی مرض کے علاج سے بھی کامیابی سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ ہر معالج کا فرض ہے کہ وہ ان اصولِ کلی کو پوری طرح ذہن نشین کر لے تاکہ علاج کے دوران میں جو غلطیاں سرزد ہوتی ہیں، ان سے محفوظ رہے۔

یہ کتاب صرف مبادیاتِ طب پر ہے۔ اس لئے اس میں صرف مبادی وقوانین کو بیان کیا ہے اور عقلی موشگافیوں اور دلائل ومباحث سے گریز برتا ہے۔ کیونکہ اگر عقلیات ودلائل کو دخل دیا جائے تو ابتدائی طالب علم علم وفن حاصل کرنے کی بجائے بحث وتمحیص کی اُلجھنوں میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہم نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ ابتدائی دور میں مطول اور غیر ضروری مباحث سے گریز کریں، تاکہ طالب علم پہلے صحیح قوانین سے واقفیت حاصل کر لے، اُس کے بعد بحث وتمحیص کے لئے میدان کھلا ہے۔ جہاں وہ حقائق وقوانین کے جاننے کے بعد کبھی بھی غلطی کا شکار نہ ہوگا بلکہ اس کو مطالعہ کا شوق پیدا ہو جائے گا اور وہ خود تحقیق وتدقیق کو اپنا مشغلہ بنالے گا۔

ہم بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ ہر معالج کو کم از کم اس قدر علم وفن کے قوانین اور حقائق سے ضرور واقفیت ہونی چاہئے۔ اور جو لوگ بھی اس کتاب پر پوری طرح دسترس حاصل کرلیں گے وہ انشاء اللہ تعالیٰ بہترین قسم کے معالجین میں شمار ہوں گے۔ وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

صابر ملتانی

یکم فروری 1958ء

دیباچہ

ہر علم وفن میں اُس کے مبادیات کے جاننے کی اہم ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک کسی علم وفن کے مبادیات کا صحیح طور پر پتہ نہ چلے، اُس وقت تک وہ علم وفن پوری طرح حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس کا کمال حاصل کرنا، بغیر مبادیات کے جانے ناممکن اور محال ہے۔ یہی صورت علم وفن طب میں بھی پائی جاتی ہے، بلکہ دیگر علم وفن سے بھی بہت زیادہ، کیونکہ اس میں عقلیات کا بہت زیادہ دخل ہے اور ایک اچھے معالج کو اکثر کلیات سے جزئیات اور جزئیات سے کلیات کی طرف آنا پڑتا ہے۔ یعنی وہ کبھی کلی قوانین کے تحت جزوی معانی اخذ کرتا ہے اور کبھی جزوی معلومات سے کلیات کو ترتیب دیتا ہے۔ اسی طرح ایک طبیب کو بارہا تصورات قائم کرنے پڑتے ہیں اور اپنے علم کے تحت دلائل کے ساتھ تصدیقات کی طرف آنا پڑتا ہے۔ گویا ہر اچھے طبیب کے لئے لازم ہے کہ وہ علوم دعقلیات سے بھی کچھ بہرہ ور ہو۔ تاکہ ان کلیات و جزئیات کے تجزیہ وترتیب اور تصورات وتصدیقات کو عملی جامہ پہنا سکے۔ لیکن یہ سب کچھ اُسی صورت میں ہوسکتا ہے، جب وہ فن وعلم طب کے مبادیات اور اصطلاحات سے پوری طرح آگاہ ہو۔

مبادیاتِ طب کو پوری طرح سمجھنے کے لئے جو مشکلات پیش آتی ہیں، اُن کا ایک نمایاں تصور اور گہرے اثرات میرے دماغ اور ذہن میں میری طالب علمی کے زمانے سے شدت کے ساتھ قائم ہیں۔ پھر جب مجھے شاہدرہ طبیہ کالج میں فن طب پڑھانے کی خدمت سپرد کی گئی تو نئے نئے طلبہ کو مبادیات طب سمجھانے میں بڑی مشکلات کا سامنا ہوا، کیونکہ مبادیاتِ طب پر کوئی حسب پسند کتاب دستیاب نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے اکثر طالب علموں کو زبانی نوٹ لکھانے پڑتے تھے اور وہ نوٹ اکثر تو کالج کے زمانہ ہی میں طالب علم سے ضائع ہوجاتے تھے یا تعلیم ختم کرنے کے بعد جب طالب علم علاج معالجے کی دُنیا میں داخل ہوتا تو وہ ایک طبیب کی حیثیت سے علاج اور ادویات تک ہی محدود ہوجاتا اور یہ قیمتی نوٹ اکثر ضائع ہوجاتے۔ اس لئے مدت سے خیال تھا کہ تعلیم طب کے لئے مبادیاتِ طب کا ایک ایسا سلسلہ شروع کیا جائے جو ہر نوارد طالب علم اور اہل شوق کے لئے مفید اور کامیاب ہونے کے ساتھ ساتھ پڑھنے میں سہل اور سمجھنے میں زود فہم ہو۔ اس سے دو فائدے حاصل ہوسکتے ہیں۔ اوّل طالب علم بڑی سہولت کے ساتھ علم وفن طب حاصل کرسکیں گے اور یہ ضروری کتب ان کے پاس محفوظ بھی رہ سکیں گی۔ دوسرے اہل شوق علم طب کو اصولی طور پر حاصل کرسکیں گے جو اس سے پہلے تقریباً ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ اہل شوق اکثر علم طب کی کوئی علاج کی کتاب خرید لیتے ہیں اور اس کے تحت اپنا شوق پورا کرتے ہیں۔ جس کی صورت اکثر اس قسم کی ہوتی ہے کہ وہ لوگ کسی علاج کے عنوان کے تحت جو ادویات لکھی ہوتی ہیں، ان کو بے دھڑک اپنے اور اپنے بال بچوں پر یا دیگر مریضوں پر استعمال کرنا شروع کردیتے ہیں جو اکثر نقصان رساں ثابت ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ نہ تو مبادیاتِ طب اور اصطلاحات سے واقف ہوتے ہیں اور نہ قوانین طب اور اصولِ فن کا اُن کو علم ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اکثر مزاج وکیفیات اور ان کے مدارج اور احکامِ خصوصی کو نظرانداز کرتے ہوئے علاج کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ سلسلۂ تعلیم طب کے مبادیات قلم بند کرنے سے بے حد فوائد حاصل ہوں گے۔

علم وفن طب پر جس قدر کتب شائع ہوئی ہیں، ان میں جناب شیخ الرئیس بوعلی سینا بن حسین صاحب کی کتاب ''القانون'' کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کی خوبیوں اور بے حد افادیت کے مدنظر وہ کتاب تقریباً ہر زبان میں عربی سے ترجمہ کی گئی ہے۔ بلکہ یورپ کی یونیورسٹیوں

میں تقریباً سات سوسال تک تدریس میں شامل رہی اور حقیقت بھی یہ ہے کہ اس کتاب میں جس قدر حقائق بیان کئے گئے ہیں وہ قانون (Laws) کا درجہ رکھتے ہیں اور آج بھی زمانے کی ضرورت کے مطابق چند معمولی ترمیمات وتنسیخات کے علاوہ اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی جاسکتی اور سچ تو یہ ہے کہ جب تک ''القانون'' کو پوری طرح سمجھا نہ جائے علم وفن طب پوری طرح ذہن نشین نہیں ہوسکتا۔ اور پھر اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی ترتیب وتدوین ایک بہت اچھے انداز میں کی گئی ہے۔ اس کو چار فنون میں تقسیم کیا گیا ہے۔

فن اوّل میں امورِ طب کے قوانین کلی پر بحث کی گئی ہے۔

فن دوم میں علم الادویہ کے افعال وخواص ذہن نشین کرائے گئے ہیں۔

فن سوم میں امراض خصوصی کی تفصیل وتشریح کی گئی ہے۔

فن چہارم میں امراضِ عامہ کے حقائق ورموز بیان کئے گئے ہیں۔ گویا ایک گلدستہ ہے جو سجا کے رکھ دیا ہے۔ جس کی خوشبو اصحابِ فن اور اہل شوق کے لئے مشامِ جاں سے کم نہیں۔ اس مسلمہ حقیقت کو بیان کرنے میں کوئی باک نہیں کہ اس میں ایسے لاتبدل قوانین اور افادی قوانین بیان کئے گئے ہیں جن کا جواب آج بھی یورپی دُنیا کی سائنس بھی نہیں دے سکتی۔ اس کی ترتیب وتدوین سے ذہن اور دماغ میں جو جلا پیدا ہوتا ہے، وہ یورپ اور مغربی طب کی کسی کتاب سے ممکن نہیں۔ اس لئے ہم نے اپنی اس کتاب ''مبادیاتِ طب'' کے لئے جو کتاب منتخب کی ہے وہ ''القانون'' ہی ہے۔ البتہ اس میں ضروریات زمانہ کے مطابق ان قوانین کو عام فہم زبان میں ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے، تاکہ مبتدی اور اہل شوق زیادہ سے زیادہ مستفید ہوں۔

''القانون'' کی طوالت کے باعث اس کی تلخیصات اور نچوڑ تقریباً اسی زمانہ اور بعد کے قریب زمانہ ہی میں کئے گئے۔ جن کو ''قانونچہ'' اور ''موجز'' کے نام دیئے گئے۔ جن میں صرف علم وفن طب کے قوانین کو بیان کیا گیا اور طویل تشریحات کو نظر انداز کر دیا گیا۔ البتہ بعد کے زمانہ میں ''قانونچہ'' اور ''موجز'' کی تفسیریں لکھی گئیں اور ان قوانین کو ذہن نشین کرانے کے لئے بے حد موشگافیاں ہوئیں۔ لیکن اس طرح نہ صرف غلط مبحث کی صورت پیدا ہوگئی بلکہ بے حد خس وخاشاک اور لایعنی مباحث سے حقیقت مستور ہوکر رہ گئی۔ کیونکہ ان تشریحات اور تفہیمات میں بے معنی اور بے ضرر فلسفہ اور منطق کو داخل کیا گیا۔ جس کی وجہ سے طالب علم کے دماغ پر بے حد بوجھ ڈال دیا گیا اور اس کے لئے لازم ہوگیا کہ وہ علم وفن طب کے ساتھ ساتھ فلسفہ اور منطق کے مباحث کو بھی ذہن نشین کرے۔ نتیجہ ظاہر تھا کہ طالب علم ان مباحث کی اہمیت اور دِلچسپی میں اپنے مقاصد سے دور ہوگئے اور فن طب پر جس قسم کی دسترس حاصل ہونی چاہئے تھی وہ کامیابی کے ساتھ ان کتب سے حاصل ہونی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوگئی۔

ہم علم طب میں فلسفہ اور منطق کی چاشنی یا ضرورت کے مخالف نہیں، کیونکہ کسی علم وفن کے حقائق بغیر علم فلسفہ اور علم منطق کے ذہن نشین نہیں ہوسکتے، لیکن یہ اُس وقت تک ہی مفید ہوسکتے ہیں جبکہ ان کو صرف اُس علم وفن کی اصطلاحات کے افہام وتفہیم تک ہی محدود رکھا جائے۔ لیکن جب ان حدود سے باہر قدم رکھا جائے اور ہر بے ضرورت اور واضح مسائل کے امکانات اور حقیقتِ امری پر بحث کی جائے اور پھر یہ مبحث جواب الجواب کی صورت میں شیطان کی آنت کی طرح طوالت اختیار کرلے، تو پھر ان صورتوں سے اجتناب ہی بہتر ہے۔

ان حقائق کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم نے غیر ضروری فلسفیانہ اور منطقیانہ مباحث سے اجتناب برتا ہے اور کوشش کی ہے کہ سوائے ضروری مسائل اور قوانین کے غیر ضروری اور بے معنی مبحث سے دوری اختیار کی جائے۔ تاکہ طالب علم کا ذہن اس علم وفن کے حقائق سے نہ صرف پوری طرح مستفیض ہوسکے بلکہ ان حقائق سے عملی صورت میں بھی کامیابی حاصل کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ فنی اصطلاحات اور مشکل قوانین کو عام فہم صورتوں میں ساتھ ساتھ ذہن نشین کرایا جائے اور جس جس مقام پر اہم قوانین اور ضروری اصطلاحات کا ذکر آگیا ہے، ان

کو نظر انداز نہیں کیا گیا بلکہ ذہن نشین کرانے کی پوری کوشش کی ہے جس سے ایک عام ذہن کا طالب علم بھی پوری طرح مستفیض ہو سکتا ہے اور اہل شوق بھی مستفید ہو سکتے ہیں۔

اس وقت ہمارے سامنے ''القانون'' کے تلخیصات میں ''قانونچہ'' اور ''موجز'' کی مختلف مطبوعات ہیں۔ لیکن ان کو غور سے مطالعہ کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ ان میں ''قانون'' کی تلخیص کرتے ہوئے مختلف قسم کی کوتاہیاں برتی گئیں اور غلطیاں کی گئی ہیں۔ اور سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ان میں اکثر مسائل کو سمجھاتے ہوئے موجودہ دور اور سائنس کو مدنظر رکھا گیا۔ اس وجہ سے ان قوانین کو بعد از زمانہ نظریات اور موجودہ دور کے لئے غیر ضروری اصول تصور کیا گیا۔ ان وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے کوشش کی ہے کہ ''القانون'' کے تمام مسائل نہ صرف عام فہم ہو جائیں، بلکہ موجودہ دور کی ضروریات کے بھی مطابق ہو جائیں۔

جہاں تک ''قانون'' کے تلخیصات ''قانونچہ'' اور ''موجز'' کا تعلق ہے۔ ان میں بہت سی اختلافی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً:

① بعض مسائل کو ''قانونچہ'' میں کچھ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اس کے برعکس موجز میں انہی مسائل کو اتنے اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ایک طالب علم پوری طرح سمجھ نہیں سکتا۔

② بعض مسائل کی ترتیب ایک دوسرے کے خلاف پائی جاتی ہے۔ کیونکہ بعض مقامات ایسے ہیں کہ جن میں مسائل کی ترتیب کا اصول کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

③ بعض اصطلاحات کو اتنی اچھی طرح ذہن نشین نہیں کرایا گیا کہ طالب علم کو اُن کا صحیح تصور ہو سکے۔

④ بعض مسائل کو ذہن نشین کرانے کے لئے دونوں کتابیں تسلی بخش ثابت نہیں ہوتیں، جب تک کوئی قابل اُستاد ان مسائل کو اچھی طرح ذہن نشین نہ کرائے۔

یہی وجہ ہے کہ اطباء میں ہم دیکھتے ہیں کہ مریض کے مزاج اس کے نفسیاتی اثرات اور جسم کی علامات خاص طور پر قارورہ اور نبض کو پوری طرح سمجھنے والے بہت کم ہیں اور یہ اہم مضامین اطباء اور معالجین کے درمیان مفقود ہوتے چلے جاتے ہیں۔

آج ایسا وقت آ گیا ہے کہ تمام ہندوستان و پاکستان میں ان مسائل پر پوری طرح عبور رکھنا تو درکنار ان کو سمجھنے والے بھی شاید انگلیوں پر گنے جا سکیں اور تلاش کرنے پر شاید ایک بھی نہ مل سکے۔ اسی لئے ان مسائل کو سمجھانے اور ذہن نشین کرانے اور ان پر پوری پوری روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تا کہ اس کتاب سے وہ خاص طور پر اس طریقۂ تعلیم سے زیادہ سے زیادہ طلباء اور اہل شوق کامیابی کے ساتھ فیض حاصل کر سکیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ میرے مقاصد کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے مجھے خاص طور پر اپنے نور اور ہدایت کی توفیق ارزانی فرمائے۔

خادمِ فن

صابر ملتانی

9 جولائی 1958ء

علمِ طب

تعریف: علم طب اُس علم کا نام ہے جس کے ذریعے بدنِ انسان کے حالاتِ صحت وحالاتِ مرض کا پتہ چلتا ہے۔

غرض و غایت: علم طب کی غرض وغایت یہ ہے کہ اگر صحت ہو تو اُس کی نگہداشت کی جائے اور مرض پیدا نہ ہونے دیا جائے، یعنی صحت کو برقرار رکھا جائے۔ اگر حالتِ مرض ہو تو حتی الامکان اُس کے ازالہ کی کوشش کی جائے اور مرض کو صحت کی طرف لوٹایا جائے۔

موضوع: جسم انسان جس میں اس کا نفس اور روح دونوں شریک ہیں۔

علمِ طب کی تقسیم

''علم طب'' دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: ① علمی یا نظری ② عملی۔

فی الحقیقت یہ دونوں قسمیں علم ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔ جن کی تشریح حسب ذیل ہے۔

حصہ علمی یا نظری کی تعریف: وہ علم ہے جس سے محض اشیاء اور کائنات کا علم اور اُس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً ارکان یا کسی شے کی ذات اور اُس کے افعال کا علم۔ علاوہ ازیں اس میں اس قسم کی باتیں ہوتی ہیں جن کا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

حصہ عملی کی تعریف: وہ علم ہے جس میں ایسے مسائل ہوتے ہیں جن کا تعلق عمل سے ہوتا ہے۔ مثلاً ورزش کیسے کی جائے، اگر کوئی مرض ہو تو اس کا علاج کیسے عمل میں لایا جائے، نیز صحت کو برقرار رکھنے کے لئے کن اصولوں کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ گویا عملی سے مراد عمل کا علم مراد ہے یعنی اس میں بتایا جاتا ہے کہ عمل کیسے کیا جائے، گویا یہ بھی ایک علم ہے۔

طب علمی اور عملی کی مزید تقسیم

طبِ علمی: طب علمی کو مزید چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: ① امورِ طبیعہ کا علم ② بدنِ انسان کے حالات ③ علم الاسباب ④ علم العلامات۔

طبِ عملی: طب عملی کی دو اقسام ہیں: ① علم حفظانِ صحت ② علم العلاج۔

یہ علم طب کا مکمل خاکہ ہے، ان کی مزید تشریح اور توضیح آئندہ صفحات میں کی جائے گی۔ مگر اختصار کے ساتھ یہاں صرف مبادیاتِ طب سے روشناس کرایا جائے گا۔ اس کی تقسیم کا نقشہ حسب ذیل ہے۔

جزو اوّل

امورِ طبیعه

تعریف: امورِ طبیعه چند ایسے امور ہیں جن پر بدنِ انسان کی بنیاد قائم ہے۔ یعنی بدن انسان انہی سے مل کر بنا ہے۔ ان میں سے اگر ایک کو بھی نفی فرض کر لیں تو بدنِ انسان قائم نہیں رہ سکتا۔ وہ امور حسب ذیل ہیں:

① ارکان

تعریف: ارکان چند ایسے بسیط اجسام ہیں جو بدنِ انسان و حیوان اور نباتات و جمادات میں پائے جاتے ہیں، جن کا مزید تجزیہ نہیں ہوسکتا، یعنی ایسے اجزاءِ اوّلیہ جو مختلف صورتوں اور طبیعتوں کے اجسام میں تقسیم نہیں ہو سکتے۔ گویا وہ اجزاء لاتجزیٰ ہیں یعنی ان اجزاء کو مختلف دیگر اجزاء میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ ارکان رکن کی جمع ہے، جس کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ ایک بنیادی چیز ہے۔ گویا چاروں ارکان کائنات میں زندگی کے بنیادی اجزاء ہیں۔ وہ چار[1] ہیں: (۱) آگ - جو گرم خشک ہے۔ (۲) ہوا - یہ گرم تر ہے۔ (۳) پانی - یہ سرد تر ہے۔ (۴) مٹی - یہ سرد خشک ہے۔

---

[1] آیورویدک پانچ ارکان تسلیم کرتے ہیں۔ یعنی وہ ان چار ارکان کے ساتھ ایک ''آ کاش'' کا بھی اضافہ کرتے ہیں، جس کو ہم اثیر اور انگریزی میں ایتھر (Ether) کہہ سکتے ہیں۔ اور ان کی ترتیب اس طرح ہے: (۱) آ کاش (۲) اگنی (۳) وایو (۴) جل (۵) پرتھوی۔ مغربی سائنس تقریباً 99 عناصر تسلیم کرتی ہے۔ گویا انہوں نے آج تک جس قدر عناصر میں تحقیق اور معلومات کی ہے، وہ 99 کے قریب ہیں۔ جن میں ذیل کے خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ (۱) آئرن - لوہا (۲) آرسینک - سنکھیا (۳) آرگن (۴) اریڈیم (۵) اسٹرانیشیم (۶) اسکینڈیم (۷) انڈیم (۸) اوسی سیم (۹) آکسیجن - نسیم ﷺ .....

② مزاج

تعریف: ارکان کے امتزاج میں فعل وانفعال، اثر ومتاثر اور کسر وانکسار کے بعد جو کیفیت پیدا ہوتی ہے، اُس کا نام مزاج ہے۔ اس امتزاج میں چاروں کیفیات کا مساوی ہونا ضروری نہیں۔ اس میں جو ایک قسم کا اعتدال پایا جاتا ہے، وہ اعتدال فی القسمت (مزاج معتدل فرضی) یا باضرورت ہے۔ یعنی جس مزاج میں ان کیفیات کی جس قدر ضرورت ہو وہ پائی جائیں ان کیفیات میں حرارت اور برودت کو کیفیاتِ فاعلہ اور رطوبت اور یبوست کو کیفیاتِ مفعولہ تسلیم کیا گیا ہے۔

مزاجِ حقیقی

چاروں کیفیات کا کسی مزاج میں برابر اور مساوی پایا جانا ناممکن ہے، اس مزاج کو نقلی یا حقیقی کہتے ہیں، چونکہ اس کا عقلی اور حقیقی مزاج کا مقام ناممکن ہے، اس لئے اطباء نے ایک فرضی مزاج تسلیم کیا ہے۔

فرضی مزاج

یعنی ایسا مزاج جو ضرورت کے مطابق موالید ثلاثہ (حیوانات، نباتات، جمادات) کی کسی شے کو عطا کیا جائے۔ جس سے اس کی صحت قوئ اور نشوونما قائم رہے، یعنی جس مزاج میں گرمی کی زیادہ ضرورت ہو اُس کو گرمی زیادہ دی جائے اور جس مزاج میں سردی کی زیادہ ضرورت ہو اس کو سردی زیادہ دی جائے۔ یہ مزاج ''عدل فی القسمت'' ہے۔ مثلاً شیر کو حرارت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور خرگوش میں برودت کی زیادہ ضرورت ہے۔ اگر ان کے مزاج میں کمی بیشی ہو جائے تو ان کی صحت، قوئ اور نشوونما قائم نہیں رہ سکتی۔ بس یہی مزاج کا معتدل ہونا

لہ.....(۱۰) ایری بیم (۱۱) ایلومنیم (۱۲) اینٹی منی - سرمہ (۱۳) آیوڈین (۱۴) بیریم (۱۵) برومین (۱۶) بسمتھ - سونا مکھی (۱۷) بورون (۱۸) بیریلیم (۱۹) پرسیوڈیم (۲۰) پلاٹینم (۱۲۱) پوٹاشیم - کھار (۲۲) پلاڈیم (۲۳) تھیولیم (۲۴) تھوریم (۲۵) تھیلیم (۲۶) ٹیٹنیم (۲۷) ٹربیم (۲۸) ٹن - ٹین (۲۹) ٹنگسٹن (۳۰) ٹیلوریم (۳۱) ٹین کالم (۳۲) جونیم (۳۳) ڈسپروسیم (۳۴) روبیڈیم (۳۵) روتھیلیم (۳۶) رہوڈیم (۳۷) ریڈیم (۳۸) زمیلیم (۳۹) زرکونیم (۴۰) زنک - جست (۴۱) سلفر - گندھک (۴۲) سلور - چاندی (۴۳) سیلیکن (۴۴) سیماریم (۴۵) سوڈیم (دھاتِ نمک) (۴۶) سیریم (۴۷) سلیلیم (۴۸) فلورین (۴۹) فاسفورس (۵۰) کاربن - دخان (۵۱) کرپٹون (۵۲) کرومیم (۵۳) کوبالٹ (۵۴) کاپر - تانبا (۵۵) کولمبیم (۵۶) کیڈمیم (۵۷) کیشیم (۵۸) کیلشیم - چونا (۵۹) کلورین (۶۰) گلوشیم (۶۱) گیلیم (۶۲) گولڈ - سونا (۶۳) گڈولیلیم (۶۴) لناتھیانیم (۶۵) لیتھیم (۶۶) لیٹیشیم (۶۷) لیڈ - سیسہ (۶۸) مرکری - پارہ (۶۹) جولیبیڈیم (۷۰) گلینیشم (۷۱) مینگنیز (۷۲) نائٹروجن - شورہ (۷۳) نیون (۸۴) نکل (۷۵) نیون (۷۶) نیوبیم (۷۷) نیوڈیم (۷۸) دیناڈیم (۷۹) ہائیڈروجن - پانی (۸۰) ہولیم (۸۱) ہیلیم (۸۲) ٹیربیم (۸۳) یوٹریم (۸۴) یوریم (۸۵) یورینیم۔ مغربی سائنس کی اس تحقیق سے کہ عناصر چار نہیں بلکہ 99 ہیں طبی دُنیا میں بہت بڑا مغالطہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس کی مکمل تشریح ہماری کتاب ''فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ مگر یہاں پر اس قدر جان لیں کہ ارکان مادے کی ابتدائی صورت کا نام ہے جو چار ارکان کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ مگر وہ مادی صورتوں میں ظاہر نہیں ہوتے۔ یہ آگ، پانی، ہوا اور مٹی، دراصل وہ حقیقی ارکان نہیں بلکہ ان کے لطیف اور مادی صورتیں ہیں، انہی کی مزید تقسیم در تقسیم سے یہ سائنس کے 99 عناصر پیدا ہو گئے۔ گویا ارکان اور عناصر دو مختلف چیزیں ہیں۔ یا یوں سمجھ لیں کہ ارکان کے بعد عناصر پیدا ہوتے ہیں۔ اور آج سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ عناصر مزید سالمات اور برقیات میں تقسیم ہو سکتے ہیں اور اسی تقسیم کے نتیجہ میں ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم وجود میں آئے ہیں۔

تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن جن کا مزاج معتدل فرضی، حقیقی یا عقلی کے زیادہ قریب ہوگا، ان کا مزاج سب سے زیادہ معتدل ہوگا۔ چونکہ انسان کا مزاج تمام کائنات میں مزاج معتدل حقیقی کے بہت قریب ہے۔ اس لئے انسان اس دُنیا میں سب سے زیادہ معتدل اور اشرف المخلوقات ہے۔ اسی نسبت سے نوعی، صنفی، شخصی امزجہ کے خارجی داخلی فروق پائے جاتے ہیں، جو اگرچہ تمام بالقیاس ہیں، مگر حقیقت پر مبنی ہیں۔
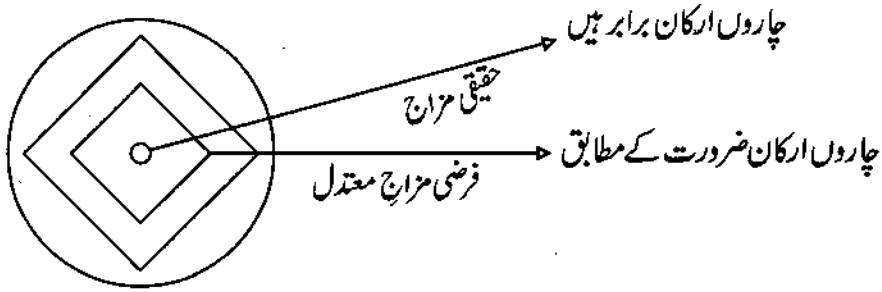
مزاج غیر معتدل

غیر معتدل فرضی ایسا مزاج ہے جو کسی فرضی معتدل مزاج کو اعتدال سے دور کر دے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) مفرد (۲) مرکب۔ پھر ہر دو کی چار چار قسمیں ہیں۔

اقسامِ مفرد: (۱) گرم (۲) سرد (۳) خشک (۴) تر۔

اقسامِ مرکب: (۱) گرم خشک (۲) گرم تر (۳) سرد خشک (۴) سرد تر۔
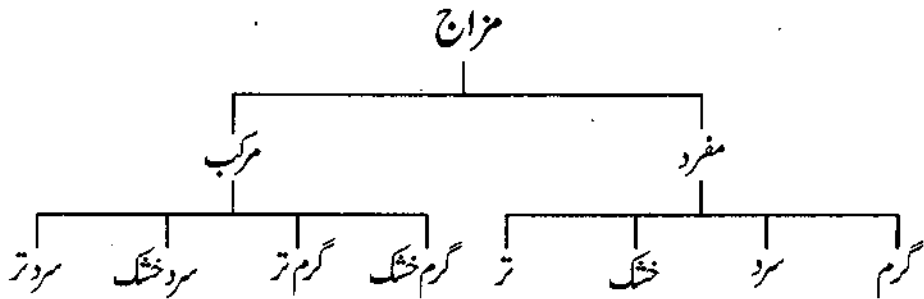
مزاجِ عمر

عمر کے اعتبار سے جوان زیادہ معتدل ہوتے ہیں۔ بچوں میں حرارت جوانوں کے برابر مگر رطوبت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے بچوں کی حرارت نرم اور جوانوں کی حرارت تیز ہوتی ہے۔ ادھیڑ اور بوڑھے اشخاص کے مزاج سرد خشک ہوتے ہیں۔ مگر بوڑھے ایک عارضی اور سطحی[1] رطوبت کی وجہ سے مرطوب ہوتے ہیں۔

---

[1] رطوبت دو طرح کی ہوتی ہے، ایک حقیقی اور ایک غیر حقیقی۔ درخت کی ٹہنی میں حقیقی یعنی اصلی رطوبت ہوتی ہے۔ سوکھی ہوئی لکڑی کو پانی میں ڈبو دیا جائے تو یہ رطوبت سطحی اور عارضی یعنی غیر حقیقی رطوبت ہوگی۔ بالکل اسی طرح جیسے حرارت غریزی اور حرارت غریبہ ہے۔

مزاجِ اعضاء

اعضاء بدن میں سب سے زیادہ معتدل سرانگشت شہادت کی جلد ہے، اس کے بعد باقی انگلیوں کے اگلے پوروں کی جلد پھر انگلیوں کی جلد، پھر غارِ کف کی جلد، پھر کفِ دست کی جلد، پھر ہاتھ کی جلد، پھر عام جلد۔ جملہ اعضاء میں سب سے زیادہ گرم ''دِل'' ہے۔ اس کے بعد جگر۔ اس کے بعد گوشت۔

اعضاء میں سب سے زیادہ سرد ہڈی، پھر کری، پھر رباط، پھر عصب، پھر تمام نخاع، پھر دماغ۔
تمام بدن میں سب سے زیادہ تر سمین (پتلی چربی)، پھر شحم (موٹی چربی)، پھر نرم گوشت، پھر دماغ، پھر نخاع۔
بدن میں سب سے زیادہ خشک بال ہیں، اس کے بعد ہڈی، پھر کری، پھر رباط پھر اعصاب ہیں۔

③ اخلاط

تعریف: اخلاط ایسا تر سیال ہے جس کی طرف غذا تحلیل ہوکر اوّلاً آتی ہے۔ یعنی جو غذا ہم کھاتے ہیں وہ ہضم ہوکر کیلوس اور کیموس کی صورت کے بعد اخلاط کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

تعداد: اخلاط[1] چار ہیں: (۱) **خون**- جو گرم تر ہے۔ (۲) **صفراء**- جو گرم خشک ہے۔ (۳) **بلغم**- جو سرد تر ہے۔ (۴) **سودا**- جو سرد خشک ہے۔

خون: جملہ اخلاط سے افضل و برتر ہے۔ یہ بدن کی غذا بنتا ہے۔ اس کی پرورش کرتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) طبعی (۲) غیر طبعی۔

طبعی خون: طبعی خون وہ ہے جو جگر[2] میں پیدا ہو اور بدن کو اس سے فائدہ پہنچے۔ یہ خون سرخ، بے بو، معتدل قوام اور شیریں ہوتا ہے۔

غیر طبعی خون: غیر طبعی خون ان اوصاف میں خون طبعی سے مختلف ہوتا ہے۔

---

[1] آیورویدک اپنے اخلاط کو دوش (بگڑنے والا) کہتے ہیں۔ وہ تعداد میں تین ہیں۔ (۱) وات، جس کا مزاج سرد خشک ہے۔ (۲) پت، جس کا مزاج گرم خشک ہے۔ (۳) کف، جس کا مزاج سرد تر ہے۔ آیورویدک میں خون کو دوشوں میں شمار نہیں کرتے، بلکہ اس کو علیحدہ چیز کہتے ہیں، جس کا نام وہ رکت رکھتے ہیں۔ ان کے نظریہ کے مطابق تینوں دوشوں کا حامل ہے۔ ایلوپیتھی (یورپی طب) صرف خون کو خلط مانتی ہے، وہ صفراء، سودا اور بلغم کو خلط نہیں مانتے۔ بلکہ ان کو خون کے فضلات میں شمار کرتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ اخلاط کے امزجہ اور کیفیات کے بھی قائل نہیں اور اسی باعث وہ علاج میں مزاج و کیفیات اور اخلاط کو مدنظر نہیں رکھتے۔

حقیقت اخلاط: اخلاط کی حقیقت بالکل دودھ کی طرح ہے۔ جب دودھ کچا ہوتا ہے تو وہ ایک ہی چیز معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب اس کو گرم کیا جاتا ہے تو اس کے اوپر بالائی آجاتی ہے اور اُس کے اندر دانے پیدا ہو جاتے ہیں جو اس کی رطوبت سے علیحدہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور ایک حصہ ثفل کی طرح بیٹھ جاتا ہے اور اکثر جل جاتا ہے، گویا یہ چار حصے (۱) بالائی (۲) ذرات یا دانے (۳) رطوبت یا مائیت (۴) ثفل یا درد یہ سب اُسی دودھ میں پائے جاتے ہیں۔ اس طرح سبب کیلوس بننے کے بعد اس میں حرارت اثر کرتی ہے، تو اس کے بعد اسی طرح چار جز بن جاتے ہیں جو حصہ بالائی کی طرح جھاگ کی شکل میں اوپر ہوتا ہے، جس کا رنگ سرخی مائل زرد ہوتا ہے، اس کو صفراء کہتے ہیں اور جو ذرّات کی شکل میں سرخ دانے پائے جاتے ہیں، اُس کو خون کہتے ہیں جو خون کی مائیت ہے اس کو بلغم کہتے ہیں۔ اس کی رنگت سفید ہوتی ہے، نیچے تلچھٹ بیٹھ جاتی ہے، جس کا رنگ سرخ سیاہی مائل ہوتا ہے۔ اس کو سودا کہتے ہیں۔ جب تک یہ اجزاء خون میں شریک رہتے ہیں یہ اخلاط ہیں اور جب خون سے باہر اخراج پاتے ہیں تو فضلات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

[2] فی الحقیقت ہر خلط طبعی کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ جگر میں پیدا ہو اور بدن کو مطلوبہ فوائد پہنچائے جو خلط جگر میں پیدا نہ ہو اور بدن کو مطلوبہ فوائد نہ پہنچائے، تو وہ غیر طبعی خلط کہلاتی ہے۔

صفراء طبعی: صفراءِ طبعی خونِ طبعی کی وہ جھاگ ہوتے ہیں جو شوخ زردی مائل سرخ ہوتے ہیں۔ ان کا وزن ہلکا ہوتا ہے، اُن کے مزاج میں تیزی ہوتی ہے وہ جگر میں پیدا ہوتا ہے، اُس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ خون کو لطیف بنا کر رگوں میں پہنچاتا ہے۔ دوسرے پھیپھڑے وغیرہ گرم خشک اعضاء کی غذا میں شامل ہوتا ہے۔ نیز اس کا ایک حصہ آنتوں پر گرتا ہے اور اس کے ثقل اور لیسدار بلغم کو دھوڑ التا ہے۔

صفراء غیر طبعی: صفراغیر طبعی کے چار اقسام ہیں: ① **مرہ** ② **محیہ** ③ **محترقہ** ④ **زنجاری یا کراثی۔**

اس کی صورتیں یہ ہیں کہ جو بلغم غلیظ کے ساتھ مخلوط ہونے سے پیدا ہوتا ہے اسے صفرامحیہ کہتے ہیں جو رقیق بلغم کے ملنے سے بنتا ہے۔ اسے مرہ صفراء کہتے ہیں اور جس میں جلا ہوا سودا مل جاتا ہے، اس کو صفراء محترقہ کہتے ہیں یا کبھی خود صفراء جل کر غیر طبعی ہو جاتا ہے۔ اسے کراثی یا زنگاری کہتے ہیں۔ کیونکہ صفراء زنگاری میں احتراق زیادہ ہوتا ہے، اس لئے یہ قتل اور ہلاکت میں زہروں کے مشابہ ہوتا ہے۔
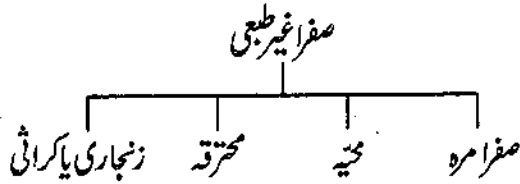
بلغم طبعی: بلغم طبعی وہ ہے جو جگر میں پیدا ہو اور بوقتِ ضرورت کامل خون بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ گویا کہ وہ سفید خون ہے جس میں ابھی کامل نضج نہیں ہوا۔ جب بدن کو غذا میسر نہیں آتی تو بلغم خون کی شکل اختیار کر کے اُس کی غذا بنتا ہے۔ یہ اعضا کو تر رکھتا ہے اور اُن کو حرکت سے خشک نہیں ہونے دیتا۔ اس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ دماغ وغیرہ سرد تر اعضاء کی غذا بنتا ہے۔

بلغم غیر طبعی: بلغم غیر طبعی یا تو مزے کے اعتبار سے ہوتا ہے یا قوام کی رو سے۔ مزے کے اعتبار سے بلغم غیر طبعی کی پانچ قسمیں ہیں۔

اقسامِ بلغم غیر طبعی باعتبار مزہ:

① حلو (شیریں)، اس کا مزاج حرارت کی طرف ہوتا ہے۔

② مالح (نمکین)، یہ حرارت اور یبوست کی طرف مائل ہوتا ہے۔

③ حامض (ترش)، یہ برودت کی طرف مائل ہوتا ہے۔

④ عفص (کھٹا)، اس کا یبوست اور برودت کی طرف میلان ہوتا ہے۔

⑤ تفہ (بے مزہ)، یہ بہت سرد اور خام ہوتے ہیں۔

اقسام بلغم غیر طبعی بلحاظ قوام: جملہ قوام کے لحاظ سے بلغم غیر طبعی کی تین قسمیں ہیں: ① بہت رقیق اس کو بلغم مائی (آبی) کہتے ہیں۔ ② بلغم جصی (گچ کی طرح) بہت غلیظ بلغم کو کہتے ہیں۔ ③ مختلف القوام، اس کا نام مخاطی (ریشہ) ہے۔
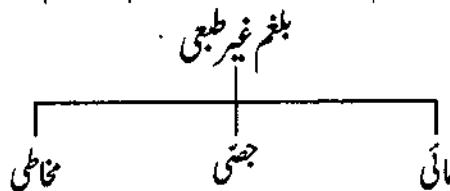
سودا طبعی: سوداء طبعی خون کا تلچھٹ ہوتا ہے، اس کا اوّل فائدہ یہ ہے کہ خون کو گاڑھا کرتا ہے اور سخت بناتا ہے۔ دوسرے ہڈی اور سرد خشک اعضاء کی غذا بنتا ہے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس میں سے کچھ حصہ فم معدہ پر گر کر بھوک لگاتا ہے۔

سودا غیر طبعی: جلی ہوئی خلط ہے، کبھی یہ خود جل جاتا ہے، کبھی دیگر اخلاط جل کر سودا بن جاتی ہیں۔

خون کے فوائد: خون کا سبب فاعلی معتدل حرارت، سبب مادی اچھی اغذیہ واشربہ جن کا مزاج معتدل ہو۔ سبب صوری نضج کامل اور سبب غائی بدن کو تغذیہ اور گرمی تری پہنچانا ہے۔

صفراء طبعی کے فوائد: صفراء طبعی کا سببِ فاعلی معتدل حرارت ہے۔ سببِ مادی لطیف، گرم شیریں اور چکنی چپڑی غذائیں، سبب صوری نضج کامل اور سبب غائی ان اعضاء کی خوراک جن میں صفراوی خون خرچ ہوتا ہے۔ مثلاً پھیپھڑے جگر وغیرہ۔

بلغم طبعی کے فوائد: بلغم طبعی کا سبب فاعلی ضعیف حرارت، سبب مادی غلیظ لیسدار اور سرد غذائیں سبب صوری نضج کامل سبب غائی بوقت ضرورت بدن کو غذا دینا طراوت پہنچانا اور خاص طور پر بلغمی اعضاء مثلاً دماغ اعصاب وغیرہ کو غذا بخشنا۔

سودا طبعی کے فوائد: سودا طبعی کا سبب فاعلی معتدل حرارت، سبب مادی غلیظ کم، رطوبت جو سرد خشک غذاؤں سے پیدا ہو سبب صوری تہہ نشین دُرد (تلچھٹ) سبب غائی سوداوی اعضاء، مثلاً ہڈی وغیرہ کو غذا بخشنا اور فمِ معدہ پر گر کر بھوک لگانا ہے۔

اسباب کی ان چار اقسام (فاعلیہ، مادیہ، صوریہ اور غائی) کو سمجھنے کے لیے مٹی کے برتن کی مثال لے سکتے ہیں۔

① ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی تیاری کے لیے سب سے پہلے مٹی اور پانی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جو اس کے لیے سبب مادیہ ہیں۔
② اس کے بعد کمہار کی ضرورت ہوتی ہے جو برتن بناتا ہے یہ سبب فاعلیہ ہے۔
③ اس کے بعد کمہار مٹی کی مدد سے ایک خاص شکل کا برتن بنا کر تیار کرتا ہے یہ اس کے لیے سبب صوریہ ہے۔
④ اور برتن جس غرض وغائیت یا کام کے لیے تیار کیا گیا ہو یہ اس کا سبب غائیہ یا تمامیہ ہے۔ (حلاج)

④ اعضاء

تعریف: اعضاء وہ کثیف اجسام ہیں جو اخلاط کی ابتدائی ترکیب (رطوبتِ ثانیہ) سے پیدا ہوتے ہیں، جیسا کہ اخلاط ارکان کی ابتدائی ترکیب سے ظہور میں آتے ہیں۔

واضح ہو کہ غذا ایک جسم ہے کہ جب وہ معدہ میں پہنچتا ہے تو بدنِ انسان کا جزو بن جاتا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ غذا معدے میں پہنچنے کے بعد ایک ایسے جوہر میں بدل جاتی ہے جو غلیظ آش جو کی مانند ہوتا ہے اس کو کیلوس کہتے ہیں یہ ہضم اوّل بھی کہلاتا ہے۔ اِس کے بعد کیلوس کا صاف اور لطیف حصہ مجریٰ الصدر کے ذریعے دِل میں چلا جاتا ہے اور باقی حصہ آنتوں میں جا کر صفراء اور دیگر آنتوں کی رطوبات کے ملنے سے پکتا ہے۔ یہ کیموس کہلاتا ہے اس کو ہضم ثانی بھی کہتے ہیں۔ پھر یہ کیموس عروق ماساریقا کے ذریعہ جگر کی طرف جذب ہو جاتا ہے اور یہاں پر نضج پانے کے بعد اخلاط میں تبدیل ہو جاتا ہے پھر اخلاط کی ابتدائی ترکیب سے جو رطوبت بنتی ہے اُسے رطوبتِ ثانیہ کہتے ہیں اور اسی رطوبت سے اعضاء بنتے ہیں جس طرح ارکان کی ابتدائی ترکیب سے نباتات وحیوانات بنتے ہیں جن کے کھانے سے کیلوس وکیموس کے بعد اخلاط پیدا ہوتے ہیں۔

اعضاء کی بناوٹ کے لحاظ سے دو قسمیں ہیں: (۱) مفرد (۲) مرکب۔

مفرد اعضاء کی تعریف: مفرد اعضاء وہ اعضاء ہیں کہ اگر اُن کا کوئی ظاہری اور محسوس حصہ لیا جائے تو وہ حصہ نام اور تعریف میں ان کا

شریک ہو۔ مثلاً ہڈی عضوِ مفرد ہے۔ اگر اس کا ایک ٹکڑا لے کر اس کا نام دریافت کیا جائے تو اس کو بھی ہڈی کہیں گے جو تعریف کُل کی ہے، وہی تعریف اُس پر بھی صادق آئے گی۔ مگر ہاتھ یا پاؤں عضوِ مرکب ہیں کیونکہ ان کے ایک حصہ مثلاً انگلی کو ہاتھ نہیں کہا جا سکتا۔

مفرد اعضاء: مفرد اعضاء میں ہڈی، کرّی، رباط، وتر، عصب، غشائی (جھلی)، چربی، وریدیں اور شرائن، جلد، شعر (بال) اور ظفر (ناخن) شامل ہیں۔

عظم (ہڈی) : ایک سخت اور بے حس عضو ہے، جو جسم انسان کی بنیاد کا کام دیتا ہے۔ اس کی بناوٹ میں زیادہ تر چونے کے اجزاء پائے جاتے ہیں۔ جسم انسان میں 246 (دو سو چھیالیس) ہڈیاں ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

سر کی ہڈیاں	8	ہنسلی کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	1	پنجے کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	16	پنڈلی کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	4
چہرے کی ہڈیاں	16	سینے کی ہڈی	1	ہتھیلی کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	10	ٹخنے کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	14
زبان کی جڑ کی ہڈی	1	پسلی کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	24	انگلیوں کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	28	تلووں کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	10
دانت (اوپر و نیچے)	32	شانے کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	2	کولہے کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	2	پاؤں کی انگلیوں کی ہڈیاں (//)	28
کان کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	6	بازو کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	2	ران کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	2	چھوٹی چھوٹی تل کی مانند ہڈیاں	8
ریڑھ کی ہڈیاں یا مہرے	26	کلائی کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	2	چپنی کی ہڈیاں (ہر دو طرف)	2	میزان کل	246

کرّی (غضروف) : ایک سفید عضو ہے اس میں ہڈی کی نسبت لچک اور نرمی ہوتی ہے جو دبانے سے دب جاتی ہے، مگر دباؤ ہٹ جانے پر اپنی لچک کی وجہ سے اپنی اصلی حالت پر آجاتی ہے۔ کرّی گویا ایک قسم کی نرم ہڈی ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے یہ ہڈی کو نرم عضو مثلاً گوشت وغیرہ کے ساتھ اس طرح جوڑتی ہے کہ سخت عضو نرم عضو کو ایذا نہیں پہنچا سکتا اور اُس کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔ بعض جگہ دو ہڈیوں کو آپس میں جوڑنے کے کام آتی ہے۔ جیسے کہ ریڑھ کے مہرے اور جوڑ اور بعض جگہ ایسے عضو کا کام دیتی ہے، جہاں نہ ہڈی کی سختی کام دے سکتی ہے اور نہ گوشت کی نرمی جیسے ہوا کی نالی اور غذا کی نالی۔

اعصاب: وہ سفید اجسام ہیں جو مڑنے میں لچک دار ہوتے ہیں اور ٹوٹنے میں سخت۔ ان کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے۔ ان سے اعضاء کے اندر حس اور حرکت دینے کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اعصاب دو قسموں میں منقسم ہیں: (١) دماغی (٢) نخاعی۔

اعصابِ دماغی: جو دماغ سے اُگتے ہیں، وہ سات جوڑے ہیں۔ ان کے ذریعے حواسِ خمسہ ظاہری) اور بعض اعضاء کو حس حاصل ہوتی ہے اور بعض اعضاء کو حرکت کے لئے تحریک ہوتی ہے۔

اعصابِ نخاعی (حرام مغز) : یہ اعصاب نخاع (حرام مغز) سے اُگتے ہیں، یہ کل اکتیس جوڑے ہیں اور ہر ایک عصب اکیلا ہے۔ اس کا کوئی جوڑ نہیں۔ ان اعصاب کا یہ فائدہ ہے کہ گردن سے نیچے کے اعضاء کی حس اور اُن میں حرکت کی تحریک اُن کے ذریعہ ہوتی ہے

اوتار (نسیں) : وہ اجسام ہیں جو بعض اعضاء کے سروں سے اُگتے ہیں۔ اور رنگ و قوام میں پٹھوں کے مشابہ ہوتے ہیں۔ یہ ان اعضا سے ملے ہوتے ہیں جو حرکت کرتے ہیں یعنی عضلات۔ ان کا فائدہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ عضو متحرک کو اپنے انجذاب سے کھینچ لیتے ہیں اور دوسری مرتبہ مسترخی (ڈھیلے) ہو کر اس کو ڈھیلا چھوڑ دیتے ہیں۔

رباطات (بندھن) : وہ اجسام ہیں جو رنگ و قوام میں پٹھوں کے مشابہ ہوتے ہیں۔ یہ ہڈی سے شروع ہوتے ہیں اور گوشت میں ختم ہو جاتے

ہیں۔ان کا فائدہ یہ ہے کہ جوڑوں کی ہڈیوں کے دونوں سروں کو یا دوسرے اعضاء کو باہم ملاتے اور باندھ دیتے ہیں۔

عضلات (گوشت کی مچھلیاں): یہ خالص گوشت ہے، البتہ ان کے اندر اعصاب، اوتار اور رباطات گزرتے ہیں۔ان کا فائدہ یہ ہے کہ ان سے جسم کی حرکت عمل میں آتی ہے۔ہڈیوں کی پوشش بنتے ہیں اور حرارت غریزی اور رطوبت غریزی جسم میں محفوظ رکھتے ہیں۔

شرائن: ان کو عروقِ ضوارب (کودنے والی رگیں) کہتے ہیں۔یہ دوہرے طبق سے بنی ہوتی ہیں، یہ قلب سے اُگتی ہیں، جوفدار ہوتی ہیں۔ان کی بناوٹ عصباتی مادے سے ہے۔ان میں بذاتِ خود حس وحرکت نہیں ہوتی بلکہ ان کی تڑپ اور حرکتِ قلب کی وجہ سے ہوتی ہے۔ان کے جوف میں سرخ رنگ کا خون اور روح ونسیم ہوتی ہے۔ان کا فائدہ یہ ہے کہ ان کے ذریعہ سے قوتِ حیات اعضاء کو پہنچتی ہے۔

اوردہ (وریدیں): ان کو عروقِ غیر ضوارب (ساکن رگیں) بھی کہتے ہیں، ان کی بناوٹ بھی عصباتی مادے سے ہے، ان میں دوہرا طبق ہوتا ہے، یہ جگر سے اُگتی ہیں اور جوفدار ہوتی ہیں۔ان میں بھی حس وحرکت نہیں ہوتی۔ان کے اندر بمقابلہ شرائن کے خون میں سرخی اور روح کم اور دخان (کاربن) زیادہ ہوتا ہے۔ان کا فائدہ یہ ہے کہ یہ جگر سے خون کو لا کر ان اعضاء کو پہنچاتی ہیں جن کے لئے یہ مفید ہیں، مثلاً عضلات اور پھیپھڑے وغیرہ۔

غشاء (جھلی): یہ جسم بھی عصباتی ہے، شکل میں پتلا ہوتا ہے، اس میں قوتِ حرکت نہیں ہوتی۔البتہ حس ضرور ہوتی ہے۔اس کا فائدہ یہ ہے کہ یہ اپنے ترشح سے اعضاء کی حفاظت کرتی ہے۔

شحم اور سمین (موٹی چربی اور پتلی چربی): یہ وہ جسم ہیں جو سفید اور نہایت نرم ہوتے ہیں۔خون کی مائیت اور چکناہٹ سے پیدا ہوتے ہیں۔ان کو سردی جمادیتی ہے، یہ گرمی سے پگھل جاتے ہیں۔ان کا فائدہ یہ ہے کہ اپنے اِردگرد کے عضو کو نرم رکھتے ہیں۔

جلد (بدن کی کھال): عصباتی جسم ہے، اس میں حس بہت زیادہ ہوتی ہے۔اس کا فائدہ اعضاء کو چھپانا ہے۔

شعر (بال): بال جسم پر زینت کے علاوہ جسم کی حفاظت کرتے ہیں۔اور جسم کے گندے فضلات کو باہر خارج کر دینے میں مدد دیتے ہیں۔زینت کی صورت میں سر کے بال خاص طور پر عورتوں کے لئے اور داڑھی مردوں کے لئے زینت ہے۔اسی طرح پلکوں اور بھوؤں کے بال زینت بھی ہیں اور جسم کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔باقی جسم پر جن مقامات پر بال ہیں۔خاص طور پر بغل اور زیر ناف۔ان سے جسم کے بعض فضلات اخراج پاتے ہیں۔

ظفر (ناخن): یہ بھی جوہر عصباتی ہیں۔یہ ہڈی کی نسبت نرم اور کرّی کی نسبت سخت ہوتے ہیں۔ان کا فائدہ یہ ہے کہ انگلی کے پوروں کو سخت اور مضبوط بنادیتے ہیں، تاکہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے پکڑنے میں مددگار ثابت ہو۔[1]

اعضاء مرکب کی تعریف: وہ اعضاء ہیں جو مفرد اعضاء کے ترکیب پانے سے بنتے ہیں۔یہ تین ترکیبوں سے ترتیب پاتے ہیں۔پہلی ترکیب جیسے آنکھ، دوسری ترکیب جیسے چہرہ، تیسری ترکیب جیسے سر۔پہلی ترکیب میں مفرد اعضاء آپس میں مل کر ایک صورت بناتے ہیں، یعنی اس

---

[1] شیخ کے زمانہ میں چونکہ خوردبین کی ایجاد نہیں ہوئی تھی، اس لئے وہ اعضاء میں مفرد اور مرکب اعضاء کا صحیح تعین نہ کر سکے، اس لئے انہوں نے جزو وکل میں مشابہت رکھنے والے اعضاء کو مفرد کر دیا اور مختلف مشابہت رکھنے والے اعضاء کو مرکب کر دیا۔اگرچہ شیخ کے زمانے میں اعصاب، عضلات اور غدد کا صحیح تصور تھا اور انہوں نے بھی ان کو مفرد میں ذکر کیا ہے، لیکن اُن کو انہوں نے بنیادی مفرد اعضاء میں نہیں لکھا۔اس لئے وہ شریانوں اور وریدوں اور غشاء اور جلد کو بھی مفرد اعضاء میں لکھ رہے ہیں۔لیکن حقیقت میں وہ مفرد اعضاء میں شریک نہیں بلکہ مرکب اعضاء ہیں۔کیونکہ ان میں اعصابی اور عضلاتی ریشے اور غشاء بھی پائے جاتے ہیں۔ صابر .....

...پاکر ایک مرکب عضو بن جاتا ہے، جیسے آنکھ۔ دوسری ترکیب میں وہ مرکب عضو دوسرے اعضاء سے مل ... کہ اس میں آنکھیں بھی موجود ہیں۔ اور تیسری ترکیب ایسی ہوتی ہے جس میں آنکھ اور چہرے کے علاوہ دیگر ... اختیار کرتے ہیں۔ جیسے سر، اس میں چہرہ اور آنکھیں دونوں شامل ہیں۔

... اعضاء میں دماغ، جس پر عضلاتی اور اعصابی جھلیاں لپٹی ہوئی ہوتی ہیں۔ آنکھیں جن میں سات پردے اور تین ...، لب، زبان، مری (غذا کی نالی) حنجرہ (ہوا کی نالی)، لہات (کوا)، پھیپھڑے جو اپنی جھلیوں میں لپٹے ہوئے ہیں۔ ... میں ملفوف ہے۔ معدہ، امعاء (انتڑیاں)، جگر جو مرارہ (پتہ) اعصاب اور جھلیوں سے مرکب ہے۔ اسی طرح طحال (تلّی) جو اعصاب اور جھلیوں سے مرکب ہے۔ دونوں گردے جن پر جھلیاں چڑھی ہوئی ہیں اور ان میں اعصاب بھی شامل ہیں۔ اسی طرح مثانہ، انثیین، قضیب، رحم وغیرہ۔ یہ مرکب اعضاء میں شریک ہیں۔

مقام کے لحاظ سے اعضاء کی تقسیم: مقام کے لحاظ سے اعضاء کی دو قسمیں ہیں: (۱) رئیسہ (۲) غیر رئیسہ۔

اعضاء رئیسہ: وہ اعضاء ہیں جن پر بقا اور حیات کا دارومدار ہے۔ یہ تین ہیں: (۱) دِل (۲) دماغ (۳) جگر۔ بعض حکماء اعضائے نسلی کو بھی اعضاء رئیسہ میں شمار کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اعضائے نسلی بھی اعضائے رئیسہ سے مرکب ہیں۔

غیر رئیسہ کی اقسام: دو ہیں (۱) خادم الرئیس (۲) غیر خادم الرئیس۔

خادم الرئیس: خادم الرئیس تین ہیں۔ (۱) دماغ کے لئے اعصاب (۲) دِل کے لئے شریانیں اور وریدیں (۳) جگر کے لئے جھلیاں اور غدد۔

غیر خادم الرئیس: ان کی دو قسمیں ہیں: (۱) مروسہ (۲) غیر مروسہ۔

مروسہ: مروسہ میں وہ مرکب اعضاء آجاتے ہیں جو اعضاءِ رئیسہ کی خدمت بلاواسطہ کرتے ہیں۔ جیسے معدہ، مثانہ، پھیپھڑے وغیرہ۔

غیر مروسہ: غیر مروسہ وہ اعضاء ہیں جن سے مل کر مروسہ اعضاء بنتے ہیں۔ مثلاً ہڈیاں، کریاں وغیرہ۔ ان میں اپنی ذاتی قوت موجود ہوتی ہے۔ جو ان کو قدرت کی طرف سے ودیعت کی گئی ہے۔ ان کی طرف اعضائے رئیسہ سے ظاہری طور پر کوئی قوت نہیں پہنچتی۔

ﷺ..... **اعضاء کے متعلق ہماری تحقیقات:** جسم انسان تین حصوں میں منقسم ہے: (۱) نفس یا طبی روح (۲) خون (۳) بدن۔ پھر بدن انسان تین قسم کے اعضاء میں تقسیم ہوتا ہے: (۱) بنیادی اعضاء (۲) بقائی اعضاء (۳) مرکب اعضاء۔

بنیادی اعضاء: بنیادی اعضاء کی تین قسمیں ہیں: (۱) ہڈی (۲) رباط (۳) وتر۔ یہ اعضاء انسان کی بنیادیں قائم کرنے کے ساتھ ان کو مضبوط بناتے ہیں۔ بقائی اعضاء کے ساتھ جوڑتے ہیں اور مرکب کرتے ہیں۔

بقائی اعضاء: بقاء اعضاء کی بھی تین اقسام ہیں: (۱) عضلات، جن کا مرکز دِل ہے۔ (۲) اعصاب، جن کا مرکز دماغ ہے۔ (۳) غدد، جن کا مرکز جگر ہے۔

مرکب اعضاء: مرکب اعضاء وہ اعضاء ہیں جو انہی بنیادی اور بقائی مفرد اعضاء سے مل کر مرکب اعضاء بنتے ہیں۔ ان کی بھی کئی اقسام ہیں۔ یہ تین ترکیبوں سے جڑتے ہیں اور رفتہ رفتہ جسم انسان تیار ہوتا ہے۔ [تفصیل ہماری کتاب ''تشریح وافعال الاعضاء'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ صابرؔ]

⑤ ارواح

اگرچہ مذہب میں روح سے مراد نفس ناطقہ ہے، مگر طب میں ہماری مراد طبی روح سے ہے۔ طب میں روح[1] ان لطیف بخارات کو کہتے ہیں جو اخلاط کے لطیف حصہ سے پیدا ہوں۔ جس طرح اعضاء اخلاط کے کثیف حصہ سے بنتے ہیں۔

چونکہ ارواح سے قوتوں کا اظہار ہوتا ہے اور یہ اظہار نفس انسانی کرتا ہے، جس کے ذرائع قویٰ انسانی ہیں۔ اس لئے قویٰ کی طرح ارواح کی بھی تین اقسام ہیں: (۱) روحِ حیوانی، جس کا مقام دِل ہے۔ (۲) روح طبعی، جس کا مقام جگر ہے۔ (۳) روحِ نفسانی، جس کا مقام دماغ ہے۔

⑥ قویٰ

تعریف: قویٰ ان قوتوں کو کہتے ہیں جن سے طبی روح کے افعال صادر ہوں۔

اقسام: قویٰ تین ہیں: (۱) قوت طبعی (۲) قوت نفسانی (۳) قوت حیوانی۔

۱۔ قوت طبعی: قوتِ طبعی وہ قوت ہے جس سے ایسی قوتوں کا اظہار ہوتا ہے جو زندگی کی بقا کے لئے تغیر و تصرف کرتی ہیں، اس کا مقام جگر ہے۔

اقسام قوت طبعی: قوتِ طبعی کی دو اقسام ہیں: (۱) قوتِ تغیر و تصرف جسم (۲) قوتِ بقائے نسل۔

قوت تغیر و تصرف جسم: ایسی قوت ہے جو جسم میں تغیر و تصرف کرے اور اس میں نشو و ارتقاء پیدا کرے۔

اقسام قوت تغیر و تصرف جسم: قوت تغیر و تصرف جسم کی دو قسمیں ہیں: (۱) غاذیہ (۲) نامیہ۔

غاذیہ: غاذیہ وہ قوت ہے جو بدن کے ہر عضو کو غذا پہنچاتی ہے اور جزوِ بدن بناتی ہے۔

غاذیہ کے خدام: (۱) جاذبہ (۲) ماسکہ (۳) ہاضمہ (۴) دافعہ۔ ان کی قوتیں اس طرح عمل میں آتی ہیں کہ اوّل قوتِ جاذبہ غذا کو جسم میں جذب کرتی ہے۔ پھر قوتِ ماسکہ غذا کو اُس وقت تک جسم میں قابو رکھتی ہے جب تک قوتِ ہاضمہ اس کو ہضم نہ کر لے اور پھر قوتِ دافعہ باقی فضلات اور غیر نافع چیزوں کو جسم سے خارج کر دیتی ہے۔

---

[1] یورپی طب اِن ارواح یا کسی ایک روح جو جسم انسان میں پائی جاتی ہے، قائل نہیں، اور نہ اس امر کی قائل ہے کہ یہ ارواح جسم انسانی میں کچھ افعال انجام دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس انکار کے برعکس وہ لطیف ارواح جن کو گیسز (Gases) کہتے ہیں۔ قائل ہیں کہ وہ خون میں پائی جاتی ہیں اور یہ خون کے اندر ایک اہم مقصد انجام دیتی ہیں۔ اس امر سے ثابت ہوا کہ یورپی طب بھی بالواسطہ ان ارواح اور ان کے افعال سے پوری طرح متفق ہے۔ یہی گیسز (Gases) جب مختلف اعضاء میں جا کر اثر انداز ہوتی ہیں تو ان کے مختلف مقام اور افعال کی وجہ سے نام بدل جاتے ہیں۔ مثلاً جو گیسز دماغ اور اعصاب میں تحریک پیدا کرتی ہیں، انہیں مینٹل فورس (Mantal Force) روحِ نفسانی کہتے ہیں، جو دِل اور عضلات میں اثر انداز ہوتی ہیں، ان کو اینی مل فورس (Animal Force) یعنی روحِ حیوانی اور جو جگر اور غدد میں اثر کرتی ہے ان کو فزیکل فورس (Physical Force) روح طبعی وغیرہ بھی کہتے ہیں۔

قوت نامیہ: قوتِ نامیہ ایسی قوت ہے جو جسم میں نوع و نسل کے اقتضیٰ کے مطابق تینوں قطروں (قطروں یا اقطار سے مراد جسم کی لمبائی، چوڑائی اور موٹائی ہے) میں جسم کی نشوونما کرے۔

قوت بقائے نسل: ایسی قوت جو ایک جسم کے لئے اپنی مثل جسم پیدا کرے۔

اقسامِ قوت بقائے نسل: قوت بقائے نسل کی دو اقسام ہیں: (۱) مولدہ (۲) مصورہ۔

قوت مولدہ: وہ قوت ہے جو اخلاط اور رطوباتِ بدن سے جو ہر منی الگ کرتی ہے اور اس کے ہر جز کو خاص عضو بننے کے لئے تیار کرتی ہے۔

قوت مصورہ: وہ قوت ہے جو حسب امر خداوندی منی کے ہر جز کو اس کے اقتضیٰ کے مطابق خط و خال اور جوف وغیرہ بخشتی ہے۔ جو جسم میں منی سے پیدا ہوتی ہے یا کوئی ایسی شکل اختیار کرتی ہے جو اس نوع کے قریب ہو۔

۲۔ **قوت نفسانی:** قوتِ نفسانی ایک ایسی قوت ہے جو جسم انسان میں احساس اور ادراک کرتی ہے اور ضرورت کے وقت حرکت کے لئے تحریک کرتی ہے اور اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ حیوان اور انسان مضر چیزوں سے بھاگ سکے اور نفع بخش چیزوں کے قریب آ سکے یا ظاہر ہے کہ ان تحریکات کے لئے مفید و مضر باتوں کا احساس و ادراک ضروری ہے۔

قوت نفسانی کی اقسام: قوتِ نفسانی کی دو اقسام ہیں: (۱) محرکہ (تحریک دینے والی قوت) (۲) مدرکہ (ادراک کرنے والی)۔

(۱) **قوت محرکہ کی اقسام:** قوتِ محرکہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) شوقیہ جو تحریک کا موجب ہوتی ہے۔ اس کی دو خادم قوتیں ہیں: (۱) شہوانیہ، ایسی قوت جو کسی چیز کے حصول کا شوق رکھے۔ (۲) غضبانیہ، جو کسی خوفناک چیز سے دور بھاگنے کی کوشش کرے یا نفرت کا اظہار کرے یا طبیعت میں انقباض پیدا ہو۔

(۲) **قوت فاعلہ:** وہ قوت ہے جو حرکت کے فعل کو تحریک دے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ یہ قوت عضلات کو سکیڑنے کا احساس پیدا کرتی ہے۔ جس سے وتر کھنچ جاتا ہے یا عضلات کو ڈھیلا کر دیتی ہے، جس سے وتر دراز ہو جاتا ہے اور عضو پھیل جاتا ہے۔

نوٹ: یہ دونوں قوتیں اس طرح یکے بعد دیگرے اپنا فعل انجام دیتی ہیں کہ ان میں امتیاز کرنا ذرا مشکل ہو جاتا ہے یعنی جس وقت دماغ میں کسی پسندیدہ چیز کی ضرورت پیدا ہوتی ہے تو قوتِ شہوانیہ اُس کے حصول کی سعی کرتی ہے۔ یا قوتِ غضبانیہ اس کے رفع کرنے کے لئے آمادہ ہوتی ہے، اس طرح قوتِ شوقیہ قوتِ فاعلہ کو تحریک پر آمادہ کر دیتی ہے۔ لیکن ان افعال میں اس انسان یا حیوان کو قطعاً اس امر کا علم نہیں ہوتا کہ اس وقت کس عضلہ کو حرکت میں لایا جائے مگر پھر بھی وہ بغیر علم اور ارادے کے اُسی عضلہ کو متحرک کرتا ہے جس کی اس وقت تحریکِ عضو کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔

(۲) **قوت مدرکہ:** قوتِ مدرکہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) مدرکہ ظاہری (۲) مدرکہ باطنی۔

① **اقسام مدرکہ ظاہری:** مدرکہ ظاہری کی پانچ اقسام ہیں، ان کو حواس خمسہ ظاہری بھی کہتے ہیں، ان کا کام یہ ہے کہ یہ باہر کی معلومات دماغ کی اندرونی قوتوں تک پہنچاتے ہیں۔ یہ حواسِ ظاہری حسب ذیل ہیں: (۱) قوت باصرہ۔ دیکھنے کی قوت (۲) قوت سامعہ۔ سننے کی قوت (۳) قوت شامہ۔ سونگھنے کی قوت (۴) قوت ذائقہ۔ چکھنے کی قوت (۵) قوتِ لامسہ۔ چھونے کی قوت۔

② **اقسام مدرکہ باطنی:** قوتِ مدرکہ باطنی جس کو حواس خمسہ باطنی بھی کہتے ہیں، ایسی قوت ہے جو حواس خمسہ ظاہری کے احساسات اور ایسے تاثرات کا ادراک کرتی ہے جن کو حواسِ خمسہ ظاہری احساس نہیں کر سکتے۔ حواسِ خمسہ باطنی حسب ذیل ہیں۔

(i) **حسّ مشترک:** وہ قوتِ باطنی جو حواس خمسہ ظاہری کی احساس کی ہوئی چیزوں کو ضرورت کے وقت دوبارہ بغیر اُس چیز کی موجودگی کے

محسوس کرتی ہے اور تصور کرتی ہے۔اس کا مقامِ مقدم دماغ کا پہلا (اگلا) حصہ ہے۔

(ii) **قوت خیال**: وہ قوت ہے جو قوتِ حس مشترک کے خزانے کا کام کرتی ہے۔یعنی اس کے تمام احساسات خزانہ خیال میں محفوظ رہتے ہیں۔

(iii) **قوت متصرفہ**: جس کو متخیلہ اور مفکرہ بھی کہتے ہیں، ایسی قوت ہے کہ اگر وہ حس مشترک کے احساسات کا اظہار کرے تو اُس کو متخیلہ کہتے ہیں۔اور اگر قوتِ واہمہ کے ادراکات کا اظہار کرے تو اس کو قوتِ مفکرہ کہتے ہیں۔اس کا مقام دماغ کا درمیان حصہ ہے۔

(iv) **قوت واھمہ**: وہ قوت ہے جو ان معانی کا ادراک کرتی ہے جن کو حواس خمسہ ظاہری ادراک نہیں کرسکتے۔مثلاً کسی لفظ کے معانی کا جاننا، جیسے اللہ کے معنی خدا۔یا کسی شخص کے متعلق یہ گمان کرنا کہ وہ میرا دوست ہے یا دشمن۔اس کا مقامِ مؤخر دماغ کا مقدم حصہ ہے۔

(v) **قوت حافظہ**: وہ قوت ہے جو وہم کے ادراکات کو محفوظ کرتی ہے اور ضرورت کے وقت ان کا ادراک کرتی ہے، اس کا مقام دماغ کے بطن مقدم کا آخری حصہ ہے۔

۳۔ **قوت حیوانی**: قوتِ[1] حیوانی ایسی قوت ہے جو اعضاء کو نفسیاتی قوت کے قبول کرنے کو آمادہ کرتی ہے اور اُسے حرکت کے قابل بنا دیتی ہے۔فی الحقیقت یہی قوت بدن کو حیات بخشتی ہے اور زندہ رکھتی ہے۔روحِ حیوانی اسی کی حامل اور حرارتِ غریزی اس سے قائم ہے۔

---
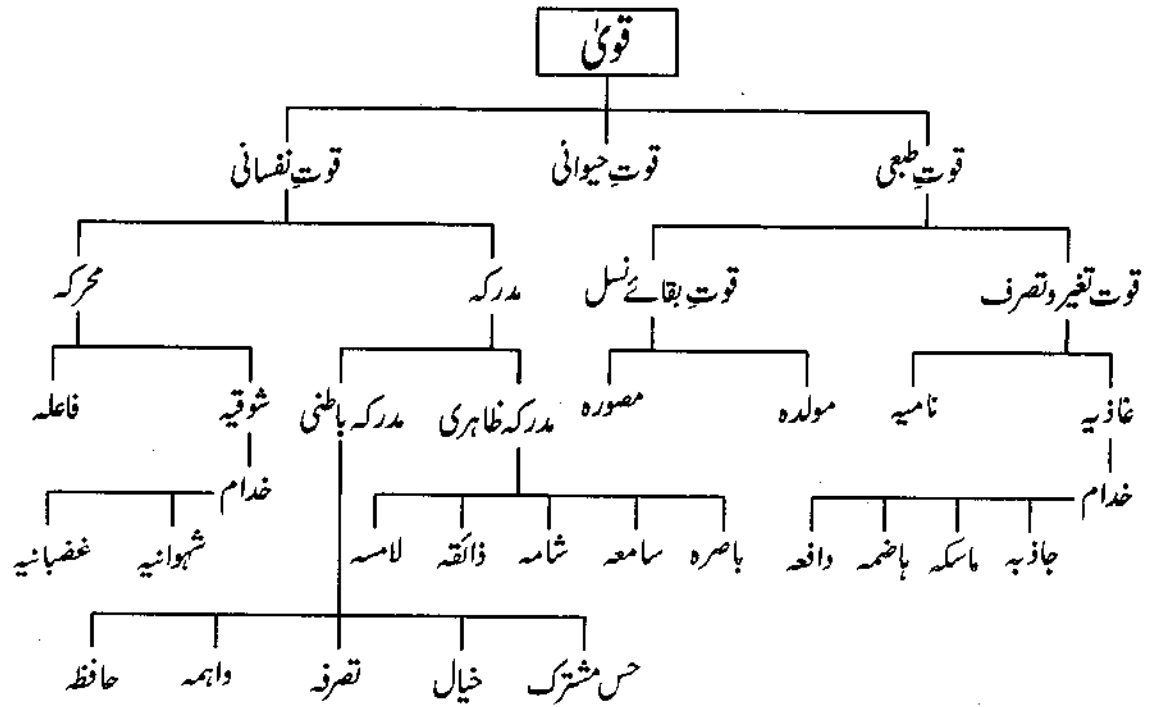
[1] (i) اس قوتِ حیوانی کا قوتِ نفسیاتی سے جدا ہونے کا ایک ثبوت یہ ہے کہ جب کوئی عضو مفلوج ہو جاتا ہے تو اس میں کبھی حس باقی رہتی ہے اور کبھی حرکت۔ جب حرکت قائم رہتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ قوتِ حیوانی قائم ہے اور جب حس قائم ہوتی ہے اور حرکت مفقود تو پتہ چلتا ہے کہ قوتِ حیوانی قائم نہیں مگر قوتِ نفسانی قائم ہے۔ .....

⑦ افعال

تعریف: افعال جمع فعل کی ہے۔ فعل وہ قوت ہے جو کسی عضو سے سرزد ہو۔ یعنی وہ سکون سے حرکت میں آئے اور اپنے مقررہ افعال انجام دے۔

اقسام: افعال دو قسم کے ہیں: (۱) مفرد (۲) مرکب۔

افعال مفرد: مفرد افعال وہ ہیں جو ایک ہی قوت سے صادر ہوں، جیسے حس۔ احساس یا حرکت یا جذب اور دفع کے افعال۔

افعال مرکب: جو ایک سے زیادہ قوتوں سے سرزد ہوں، جیسے مکھی کا اڑنا۔ مکھی جسم پر سے اُڑانے میں حس اور حرکت دونوں کام کرتی ہے یا غذا کا ہضم ہونا، کیونکہ غذا کے ہضم ہونے میں معدے کے عضلات، اعصاب اور رطوبت کی جھلیاں تمام کام کرتی ہیں۔ افعال کو مزید سمجھنے کے لئے قوتِ حیوانی کا نوٹ (iii) ملاحظہ فرمائیں۔

بقیہ...

(ii) یہ امر حقیقت پر مبنی ہے کہ دُنیا کی ہر طاقت کا منبع حرکت ہے۔ اس حرکت سے دوسری طاقت حرارت پیدا ہوتی ہے اور تیسری طاقت سے غذائیت کا ظہور عمل میں آتا ہے۔ ان طاقتوں کو سائنس میں علی الترتیب (۱) فورس (۲) ہیٹ (۳) انرجی کہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ دُنیا میں تین ہی قسم کی طاقتیں پائی جاتی ہیں۔

(iii) انسان کے اندر جو قوتِ اصلاح و تدبیر اور نظام میں مصروف رہتی ہے اس کو قوتِ مدبرہ بدن یا نفس ناطقہ کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کو وائٹل فورس (Vital Force) کہتے ہیں۔ یہ وائیٹل فورس جسم انسان میں تین مخصوص کام کرتی ہے، جن کا تعلق اعضائے رئیسہ کے ساتھ ہوتا ہے، جو قوت مدبرہ بدن کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ ان کے نام اور اوصاف درج ذیل ہیں:

۱۔ قوتِ طبعی: جو قوت جسم میں غذا اور نشوونما کے کام انجام دیتی ہے، اس کو قوتِ طبعی (نیچرل فورس) کہتے ہیں۔ اس کا مقام جگر ہے۔

۲۔ قوتِ نفسانی: جو قوت جسم میں احساسات اور تحریکات کا باعث ہوتی ہے، اس کو قوتِ نفسانی (وائٹل فورس) کہتے ہیں، اس کا مقام دماغ ہے۔

۳۔ قوتِ حیوانی: جو قوت جسم میں حرکات اور افعال قائم رکھتی ہے، اُسے قوت حیوانی (اینی مل فورس) کہتے ہیں، اس کا مقام دِل ہے۔

دراصل یہ تینوں قوتیں ایک ہی قوت کے تین مظہر ہیں، لیکن افعال کی مناسبت سے قوت ان کی تقسیم کر دی ہے۔ کیونکہ قدرت نے ہر عضو کے افعال میں اس کی ایک جبلت پیدا کر دی ہے۔ جس پر وہ قائم اور رواں دواں ہے۔

جزودوم

حالاتِ بدن

حالاتِ بدن معلوم کرنے کے لئے انسانی اعضاء کے افعال کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ دو صورتوں سے خالی نہیں ہوتے۔

① افعال اعضاء صحیح طور پر انجام پا رہے ہوتے ہیں جس طرح ایک تندرست انسان میں دیکھے جاتے ہیں۔

② افعال اعضاء درست اور صحیح حالات پر نہیں ہوتے۔ یہ دوسری[1] حالت صحت کے مخالف ہے، اس کا نام مرض رکھا جاتا ہے۔

تعریف مرض: مرض بدن کی اس حالت کا نام ہے جب اعضائے بدن اور مجاری (راستے) اپنے افعال صحیح طور پر انجام نہ دیں۔ اعضاء اور مجاری تمام جسم کے صحیح حالات پر نہ ہوں یا ایک عضو کے۔ بہر حال اس کو مرض کا نام دیا جاتا ہے۔

اقسامِ مرض: مرض کی دو قسمیں ہیں: (۱) مفرد (۲) مرکب۔

① مفرد مرض کی اقسام: اعضاء کے افعال میں جب خرابی وارد ہوتی ہے تو اس میں تین ہی صورتیں واقع ہو سکتی ہیں:

① تغیر جس میں اعضاء اور اس کے افعال کی طبعی حالت بدل جاتی ہے۔

② نقصان جس میں اعضاء اور اُس کے افعال میں کمی یا خرابی واقع ہو جاتی ہے۔

③ بطلان جس میں اعضاء اور اُن کے افعال بالکل باطل یا رُک جاتے ہیں۔ پہلی حالت کا نام سوءِ مزاج ہے، دوسری حالت کا نام مرضِ ترکیب ہے، تیسری حالت کا نام تفرقِ اتصال ہے۔

(۱) **سوء مزاج کی اقسام:** سوءِ مزاج کے دو اقسام ہیں، (۱) سادہ (۲) مادی۔

(i) سوء مزاج سادہ: سوءِ مزاج سادہ وہ مرض ہے جس میں صرف اعضاء کے اندر کیفیات میں کمی بیشی ہو جائے یعنی گرمی، سردی یا خشکی تری کا اعتدال سے بڑھ جانا۔

(ii) سوء مزاج مادی: وہ مرض ہے جس میں کیفیات کی زیادتی کی وجہ سے مزاج میں تبدیلی واقع ہو جائے، جیسے اخلاط کی کمی بیشی۔

(۲) **مرض ترکیب کی اقسام:** مرض ترکیب کی چار اقسام ہیں، (۱) مرضِ خلقت (۲) مرضِ مقدار (۳) مرض عدد (۴) مرضِ وضع۔

---

[1] بعض اطباء نے حالتِ ثالثہ بھی لکھی ہے "لاصحت ولا مرض"۔ لیکن یہ حالت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ جب انسان کے کسی عضو میں بھی مرض ہوگا اس کا اثر بالواسطہ یا بلاواسطہ تمام جسم انسانی پر پڑے گا۔ مثلاً کسی ایک مقام کا درد تمام جسم کے اعصاب کو متاثر کر دیتا ہے۔ اسی طرح کسی حصہ جسم کی سوزش اور حرارت بھی تمام جسم انسانی کو متاثر کر دیتی ہے۔

(i) مرض خلقت: مرض خلقت ایسا مرض ہے جس میں کسی عضو یا اعضاء کی شکل وصورت اپنی حالت پر قائم نہ رہے، مثلاً سیدھے عضو کا ٹیڑھا ہو جانا یا ٹیڑھے عضو کا سیدھا ہو جانا۔

اقسام مرض خلقت: چار ہیں، (۱) امراضِ شکل (۲) امراضِ مجاری (۳) امراض تجاویف (۴) امراضِ سطح۔

۱۔امراضِ شکل: ایسی حالت کا نام ہے کہ کسی عضو کی حالت میں اس طرح کا تغیر ہو کہ اس کی شکل میں خلل پیدا ہو جائے، جیسے سر کا چپٹا ہو جانا وغیرہ۔

۲۔امراضِ مجاری: مرض کی ایسی حالت کا نام ہے جس میں اعضاء کے راستے خراب ہو جائیں، مثلاً کسی مجاری کا تنگ ہو جانا، ڈھیلا ہو جانا، وغیرہ۔

۳۔امراضِ مجاویف: مرض کی اس حالت کا نام ہے جس میں مجاویف (جمع جوف) ضرورت سے زیادہ بڑے یا وسیع ہو جائیں یا تنگ اور چھوٹے ہو جائیں۔ یا بالکل بند ہو جائیں (بھر کر بند ہو جائے یا ویسے ہی بند ہو جائے)۔

۴۔امراضِ سطح: مرض کی اس حالت کا نام ہے جس میں کسی عضو یا تمام جسم کی سطح خراب ہو جائے۔

(ii) امراضِ مقدار: مرض کی اُس حالت کا نام ہے جس میں کوئی عضو یا تمام جسم اپنی مناسب مقدار سے زیادہ ہو جائے یا کم ہو جائے۔ جیسے جسم کا موٹا ہو جانا یا دُبلا ہو جانا یا کسی ایک بازو کا موٹا یا دُبلا ہو جانا۔

(iii) امراضِ عدد: مرض کی اس حالت کا نام ہے جس میں کسی عضو میں عدد کے لحاظ سے اضافہ ہو جائے یا کمی واقع ہو جائے، جیسے ہاتھ کی انگشت میں کمی یا زیادتی ہو جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں، (۱) طبعی، جو پیدائشی ہو۔ (۲) غیر طبعی، جو بعد میں کسی مرض سے پیدا ہو جائے۔

✿ امراض مرکب: مرض کی اس حالت کا نام ہے جس میں کسی ایک عضو کے امراض اکٹھے ہو جائیں۔
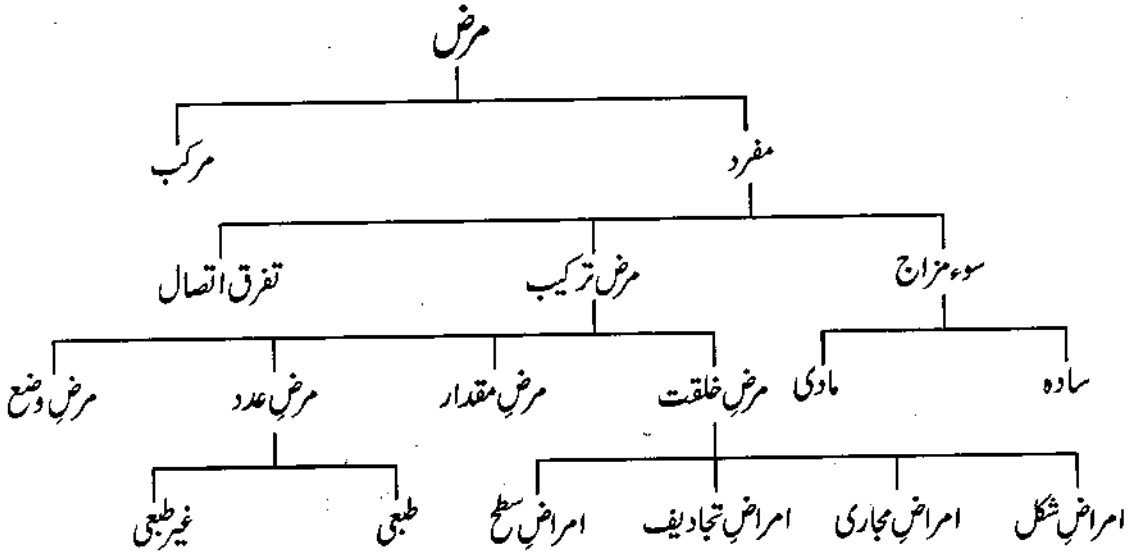
وجہ تسمیہ: امراض کے نام عام طور پر کسی حالت یا سبب یا علامت یا اُن کے مجموعوں کو مدِ نظر رکھ کر رکھے جاتے ہیں۔ مثلاً صرع جس کے معنی ہیں گرنا، فالج کے معنی ہیں نصف نصف ہونا۔

مجاری (راستہ): عضو کے اُن راستوں کو کہتے ہیں جس میں سے کوئی چیز گزرے۔ جیسے وریدیں، شریانیں اور امعاء وغیرہ۔

جوف: عضو کی اس اندرونی وسعت کو کہتے ہیں جس کے اندر کوئی چیز ٹھہرے جیسے چھیپھڑے اور ان کے جوف۔

اوقات مرض: اوقاتِ مرض میں اس امر کا خیال کرنا چاہئے کہ مرض جس زمانے میں ہو اُس کے مطابق علاج کو مدنظر رکھیں۔ مثلاً اگر مرض ابتدائی حالت میں ہو تو رادع (لوٹانے والی) ادویہ استعمال کریں، اگر مرض درمیانی حالت میں ہو تو رادع اور محلل ادویہ سے علاج کریں اور اگر انتہائی حالت میں ہو تو اس میں محللات اور مقویات کا استعمال کرائیں۔

نوٹ: مقویات کا استعمال ہمیشہ مرض کے اختتام پر کرنا چاہئے۔ اگر مرض کے دوران میں مقویات کا استعمال کیا گیا تو وہ ادویہ مرض کو تقویت دیں گی اور مرض بجائے گھٹنے کے زیادہ ہو جائے گا۔

منافع الاعضاء

حالاتِ بدن کا عنوان پڑھنے کے بعد معاً ذہن میں یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ اس باب کے تحت جسم کے حالات اس طرح لکھے جائیں گے جس سے جسم انسان کے اعضاء کے افعال کا علم ہوگا۔ مگر اس حصہ میں صرف امراض کی حقیقت، پیدائش اور اقسام کا ذکر ہے۔ قاری اس بیان کو پڑھنے کے بعد اپنے آپ کو خالی الذہن محسوس کرتا ہے۔ اس لئے مناسب خیال کیا گیا کہ اس باب کے تحت انسانی اعضاء کے کچھ افعال اور منافع بیان کر دیئے جائیں تاکہ پڑھنے والے کے ذہن کو تسلی کے ساتھ ساتھ اس کی معلومات میں بھی کچھ اضافہ ہو جائے، اس کے بعد امراض کے ساتھ انسان کا ذہن یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ اس کو اس امر کا بھی علم ہو جائے کہ تندرستی کی حالت میں انسان کے اعضائے جسم اور اس کی مشینری کس طرح کام کرتی ہے، تاکہ اس کا ایک تصور حاصل کرنے کے بعد جب جسم میں کسی مرض کو دیکھے تو اس کا فرق کر سکے کہ تندرستی اور بیماری کی حالت میں کتنا تضاد پایا جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ انسان کی پیدائش مرد اور عورت کے نطفے سے ہوتی ہے، ان نطفوں کا جب امتزاج ہوتا ہے تو ایک جان بننے کے بعد وہ بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد اُس کی شکل شہتوت کی طرح اور پھر جونک کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے بعد وہ تین حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے:

① ایک حصہ ہڈی کری، دِل اور گوشت بن جاتا ہے۔

② دوسرے حصے سے جگر، گردے اور دیگر غدد اور غشاء اور نالیوں کے استر وغیرہ بنتے ہیں۔

③ تیسرے حصے سے دماغ، اعصاب اور جلد کا کچھ حصہ تیار ہوتا ہے۔ پھر یہ نو سے دس مہینے تک عورت کے رحم میں تکمیل پا کر عدم سے وجود میں آتا ہے۔

اس جسم کے اندر قدرت نے چار نظام قائم کئے ہیں جن سے اس کے لئے بدل ما یتحلل (یعنی خون) تیار ہوتا ہے۔ دوسرے خون صاف ہوتا ہے، اور تیسرے اس میں حرارت قائم رہتی ہے اور وہ نشو و نما پاتا ہے۔ وہ چار نظام حسب ذیل ہیں:

(۱) نظامِ غذائیہ (۲) نظامِ ہوائیہ (۳) نظامِ دمویہ (۴) نظامِ بولیہ۔

(۱) نظامِ غذائیہ: یہ نظام منہ سے شروع ہوتا ہے اور مقعد تک چلا جاتا ہے۔ اس میں منہ، مری، معدہ، امعاء، جگر، طحال اور لبلبہ شریک ہیں۔ اس نظام کا فعل یہ ہے کہ جو غذا کھائی جاتی ہے وہ پہلے منہ میں دانتوں کے ذریعہ چبائی جاتی ہے جس میں منہ کا لعاب بھی شریک ہوتا ہے، اس کے بعد مری کے ذریعہ معدے میں پہنچتی ہے، جہاں پر معدے کی رطوبت سے ہضم ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس کا ایک حصہ مجریٰ الصدر کے ذریعے خون میں شریک ہو جاتا ہے اور باقی پھر امعاء کی طرف چلا جاتا ہے۔ جہاں پر اُس کو جگر کی طرف سے صفراء اور لبلبے کی رطوبات اور امعاء کی دیگر

رطوبات ہضم کرتی ہیں۔ پھر ماساریقا کے ذریعے اس کا جوہر کھنچ کر جگر میں چلا جاتا ہے، جیسا کہ اخلاط کے بیان میں ذکر کیا جا چکا ہے اور باقی فضلہ مقعد کے ذریعے خارج ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ نظام اپنے افعال انجام دیتا ہے۔

یادداشت: جب مریض کے ہاضمہ میں خلل واقع ہو جس کی خاص علامات بھوک کا نہ لگنا یا بھوک زیادہ لگنا، قبض ہو جانا یا اسہال آنا ہیں۔ یا اس نظام میں کسی جگہ درد یا ورم پیدا ہو جائے تو مریض کے اس تمام نظام کا مطالعہ کرنا چاہئے کہ کس مقام پر خرابی واقع ہوئی ہے اور کونسا عضو اپنے افعال صحیح طور پر انجام نہیں دے رہا، تاکہ علاج کرنے میں سہولت ہو۔

(۲) **نظامِ ھوائیہ**: اس نظام میں نتھنے، ہوا کی نالی، پھیپھڑے اور اس کی نالیاں شریک ہیں۔ اس نظام کے افعال یہ ہیں کہ وہ سانس کے ذریعہ ہوا میں سے نسیم (آکسیجن) حاصل کرتا ہے اور دخان (کاربانک ایسڈ گیس) خارج کرتا ہے، اور یہ نسیم کا حصول اور دخان کا اخراج پھیپھڑوں کے اندر عمل میں آتا ہے۔ جبکہ جسم کا خون پھیپھڑوں میں صاف ہونے کے لئے جسم سے بھیجا جاتا ہے۔ اس نظام میں جب خرابی پیدا ہوتی ہے، تو اس میں عام طور پر کھانسی، سانس کی تنگی، نزلہ زکام اور بلغم وغیرہ کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان امراض کے علاج میں بھی تمام نظام کو غور سے دیکھنا چاہئے کہ تکلیف کس مقام پر ہے۔

(۳) **نظامِ دمویہ**: اس نظام میں دل، شرائن، اور وریدیں اور جلد شریک ہے۔ اس نظام کا فعل یہ ہے کہ یہ تمام جسم میں خون شرائن کے ذریعے پہنچاتا ہے۔ اور وریدوں کے ذریعہ واپس دِل کی طرف صاف ہونے کے لئے لاتا ہے۔ جہاں سے وہ پھیپھڑوں میں صاف ہونے کے لئے جاتا ہے اور وہاں سے واپس دِل میں آ جاتا ہے۔ اس نظام کا فضلہ جلد کے راستے خارج ہوتا ہے، اس نظام کا فائدہ یہ ہے کہ یہ جسم میں حرارتِ غریزی کو قائم رکھتا ہے اور خون کے تصفیہ میں اس کو بہت زیادہ دخل ہے۔ جب یہ نظام بگڑ جاتا ہے تو جسم میں بخار، خون کی خرابی اور تمام جسم میں درد وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں۔

(۴) **نظامِ بولیہ**: اس نظام میں گردے، حالبین، مثانہ اور پیشاب کی نالی شریک ہے۔ اس نظام کا حصہ خون سے خاص قسم کے فضلات کو پیشاب کی شکل میں خارج کرنا ہے۔ اس نظام کی خرابی میں پیشاب میں کمی بیشی یا کسی مقام پر پتھری اور ریگ کا پیدا ہو جانا یا درد کا ظاہر ہونا ہے۔ اس نظام میں اگر کوئی تکلیف ہو تو اس میں بھی تمام نظام پر غور کرنا چاہئے کہ خرابی کہاں واقع ہے۔ جس کے دفع کرنے سے نظام اپنی صحیح حالت پر کام کرنا شروع کر دے۔

یہ چار نظام بقائے حیاتِ انسانی، اس کی نشو و ارتقاء اور تصفیہ و تغذیہ کے لئے ہیں۔ ان پر انسان کی زندگی کا دار و مدار ہے۔ اگر ان میں سے ایک نظام بھی باطل ہو جائے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ ان کے علاوہ ایک نظام اور بھی ہے۔ جس کا انسان کی زندگی میں تو دخل نہیں مگر اُس کا تعلق بقائے نسل انسانی کے ساتھ ہے۔ اس نظام کو نظامِ بقائے نسل انسانی کہتے ہیں۔

نظامِ بقائے نسل انسانی

① اس میں عضو مخصوص، خصیے اور منی کی نالیاں شریک ہیں۔ اس کے افعال یہ ہیں کہ یہاں پر خون سے منی تیار ہوتی ہے اور ضرورت کے وقت عورت کے رحم میں ڈال دی جاتی ہے۔ جب اس نظام میں خرابی پیدا ہوتی ہے تو اس سے بہت بڑی خرابی انتشار میں نقص رقتِ منی یا غلظتِ منی اور اخراج کی بے قاعدگی واقع ہو جاتی ہے، اس کے علاج میں بھی تمام نظام کے ایک ایک عضو کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

② جس طرح بقائے نسل کا نظام مردوں کے لئے ہے، اسی طرح بالکل ایک نظام عورتوں کے لئے بھی ہے، جس میں رحم، خصیۃ الرحم، قاذفین

اور بظر شریک ہیں اس نظام میں دو صورتیں قائم رہتی ہیں، اوّل یہ کہ تمام بالغ عورتوں کو ہر ماہ خون کا اخراج ہوتا ہے اور جب وہ حاملہ ہو جاتی ہیں تو یہی خون بچے کی غذا میں صرف ہوتا ہے۔ دوم اس نظام کے تحت عورت کا رحم مرد کا نطفہ قبول کرتا ہے اور اس کو رحم میں اسی خون سے پرورش کرتا ہے۔ اس نظام میں جب خرابی واقع ہوتی ہے تو ماہواری میں بے قاعدگی واقع ہو جاتی ہے، کبھی ماہواری زیادہ، کبھی بند اور کبھی تکلیف سے آتی ہے۔ اس کے علاوہ کبھی سیلان الرحم کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، ان امراض کے علاج کے لئے لازمی ہے کہ عورت کے اس تمام نظام کا بغور مطالعہ کیا جائے۔

(۳) عورتوں میں نظامِ تناسل کے ساتھ ساتھ ایک تیسرا نظام بھی کام کر رہا ہے جو دراصل اس نظام کی مدد کرتا ہے۔ یہ نظامِ لبن ہے، یعنی عورت کے وہ اعضاء جو خون میں سے دودھ کو تیار کرتے ہیں جو نومولود کی غذا بنتا ہے۔ اس نظام میں پستان اور اُس کی نالیاں شریک ہیں۔ یہ نظام، اس وقت اپنا کام شروع کرتا ہے، جب بچے کی پیدائش عمل میں آتی ہے اور تقریباً دو تین سال تک یہ نظام دودھ پیدا کرتا رہتا ہے۔ طبی نکتہ نگاہ سے بچے کو دو سال دودھ ضرور پلانا چاہیئے۔ اس نظام میں جو خرابی عام طور پر واقع ہوتی ہے، وہ دودھ میں انتہائی قلت یا اُس میں زیادتی کا واقع ہو جانا ہے اور گاہے گاہے بچے کا سرشدت کے ساتھ پستانوں کے سات لگ جانے پر وہاں پر ورم کی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات یہی ورم پک کر زخم کی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے۔ ان تمام چیزوں کے علاج میں بڑی احتیاط کے ساتھ ان تمام اعضاء کا بغور مطالعہ کرنا چاہیئے۔

پیدائش امراض

مندرجہ بالا نظام کے مطالعہ کے بعد یہ جان لینا ضروری ہے کہ ان کے صحیح اعمال کے بعد امراض کس طرح پیدا ہوتے ہیں۔ تا کہ تشخیص اور علاج میں سہولت ہو۔

سب سے پہلے یہ بات مدِ نظر رکھیں کہ جس قدر بھی نظام اوپر بیان کئے گئے ہیں ان میں سے بعض آزاد ہیں بعض نیم آزاد اور بعض بعض کے ماتحت۔ ان میں نظامِ غذائیہ بالکل آزاد نظام ہے جو جسم سے خود غذا لیتا ہے اور اُس کے فضلات کو خود خارج کر دیتا ہے۔ اس پر دیگر تمام نظامات کا بہت کم اثر پڑتا ہے۔ نظامِ ہوائیہ نیم آزاد ہے، یہ ایک طرف سے سانس کے ساتھ ہوا اندر جذب کرتا ہے اور گندی ہوا کو باہر خارج کرتا ہے، لیکن اس پر نظامِ غذائیہ کا بہت گہرا اثر ہے۔ جب نظامِ غذائیہ بگڑ جاتا ہے تو اس کو بھی متاثر کرتا ہے۔ نظامِ دمویہ اور بولیہ اور نظامِ بقائے نسل انسانی، یہ سب غذائیہ اور ہوائیہ کے ماتحت ہیں۔ کیونکہ یہ خود باہر سے کوئی چیز حاصل نہیں کرتے بلکہ نظامِ غذائیہ اور ہوائیہ جو کچھ غذا اور ہوا سے حاصل کرتے ہیں، یہ اُن کی صفائی اور ان کی تقویتِ جسم میں مصروف رہتے ہیں۔

پیدائش امراض کی صورت

پیدائش امراض کی صورت اس طرح عمل میں آتی ہے کہ جب متذکرہ بالا نظامات میں سے کوئی ایک اپنا فعل انجام دینے میں کسی وجہ سے کمزور ہو جاتا ہے تو قوت مدبرہ بدن اُن فضلات کو جو پورے طور پر اس نظام کے تحت اخراج نہیں پا سکتے ان کو پھر خون میں شریک کر کے دوسرے اعضاء کی طرف خارج کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ چونکہ یہ فضلات اپنے طبعی راستے کی بجائے غیر طبعی راستوں پر چلے جاتے ہیں۔ اس لئے وہاں پر باعث مرض بن جاتے ہیں۔ جیسے قبض کی صورت میں طبیعت اُن فضلات اور مواد کو جو پائخانے کے راستے خارج ہوتا رہتا ہے کبھی

گردوں کی طرف روانہ کر دیتی ہے۔ کبھی پھیپھڑوں کی طرف اور کبھی جلد کی طرف وغیرہ وغیرہ۔ جب وہ گردوں کی طرف اپنے مواد اور فضلات کا اخراج کرے گی تو نظامِ بولیہ میں غیر طبعی مواد کی وجہ سے خرابی واقع ہوگی اور وہاں پر وہ امراض پیدا ہو جائیں گے جن کا ذکر اس نظام کے تحت کیا گیا ہے۔ اسی طرح جب یہ مواد نظامِ ہوائیہ اور دمویہ کی طرف رجوع کرے گا تو وہاں بھی امراض کا باعث ہوگا۔ اس لئے علاج کے دوران میں اوّل یہ ضرور دیکھ لینا چاہئے کہ جو نظام خراب ہے یہ اُس کی اپنی ذاتی خرابی ہے یا کسی دوسرے نظام کی خرابی کا اثر اس پر پڑ رہا ہے۔ اگر وہ نظام بذاتِ خود خراب ہے تو صرف اسی کی اصلاح کر دی جائے اور اگر کسی دوسرے نظام کی خرابی کا اثر پڑ رہا ہے تو اوّل اس کی اصلاح کرنی چاہئے۔ اور پھر اس کے بعد اس نظام میں خرابی باقی رہ جائے تو اس کی اصلاح کر دی جائے۔ اس طرح ہم امراض کی صحیح حقیقت اور ان کے علاج میں صحیح طور پر کامیاب ہو سکیں گے۔
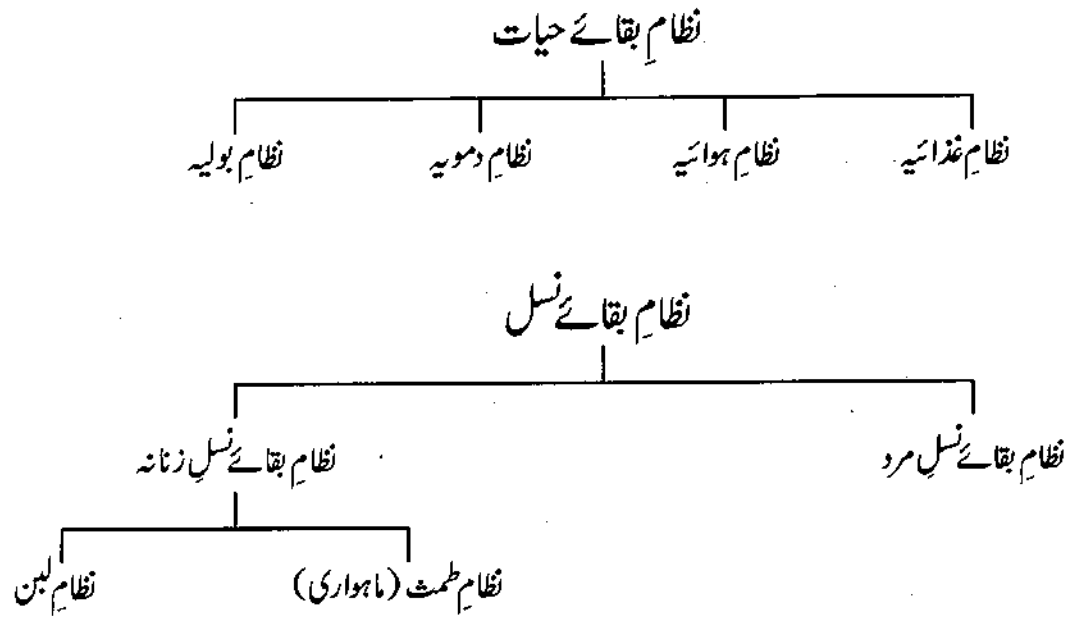
جزوسوم

علم الاسباب

تعریف اسباب

ایسے قوانین اور صورتیں جن سے زندگی اور کائنات کی تعمیر و تخریب کی صورتوں پر روشنی پڑتی ہے اور اُن کی وجہ سے احوال بدن انسان میں کوئی سی حالت (صحت یا مرض) نمودار ہو یا پیدا ہو جائے، یہ پہلے پائے جاتے ہیں۔

اقسام

اسباب کے دو اقسام ہیں، اوّل وہ اسباب جو زندگی اور کائنات کی تعمیر اور ارتقاء میں مدومعاون ہوتے ہیں، اور دوسرے ایسے اسباب جو اُن کی تخریب کا باعث بنتے ہیں، اوّل اسباب ضروریہ اور دوسرے اسباب ممرضہ کہلاتے ہیں۔

اقسامِ اسباب ضروریہ

اسبابِ ضروریہ کی چھ اقسام ہیں، اس لئے ان کو اسبابِ ستہ ضروریہ بھی کہتے ہیں۔ یہ ایسے اسباب ہیں کہ اگر ان میں سے ایک کی بھی نفی فرض کرلیں تو زندگی اور کائنات دونوں میں خلل واقع ہو جاتا ہے، گویا یہ بدن انسان کے حالات میں تغیر پیدا کرنے والے یا ان حالات کی حفاظت کرنے والے ہیں: (۱) ہوا (۲) ماکولات ومشروبات (۳) حرکت وسکونِ بدنی (۴) حرکت وسکونِ نفسانی (۵) نیند اور بیداری (۶) استفراغ واحتباس۔

۱ ہوا

ہوا ہمارے اجسام کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے، کیونکہ جسم انسان کو اس کی ضرورت دُنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ ہے۔ یہ ہر لحہ سانس کے ذریعہ جسم کے اندر جاتی ہے اور باہر آتی ہے۔ جب اندر جاتی ہے تو روح کو معتدل بناتی ہے۔ اس مقصد کے لئے اپنے ساتھ نسیم لے جاتی ہے، یعنی لطیف اور صاف ہوا، جب باہر آتی ہے تو روح کے فضلات خارج کرتی ہے، جس کی شکل مثل دخان کے ہے یعنی ثقیل اور گندی ہوا۔ صحت کے لئے لطیف اور صاف ہوا کی زیادہ ضرورت ہے، اس لطیف اور صاف ہوا کو نیستان کی زمین، گڑھوں کا گندا پانی، ردّی ترکاریاں، مضر درختوں کے بخارات، مُردوں کی بدبو، متواتر گرد وغبار یا دھواں وغیرہ خراب کر دیتے ہیں۔ لیکن جب ہوا کا مزاج اپنے اعتدال سے منحرف ہو جائے تو اس کے متعلق حکم متذکرہ بھی متغیر ہو جاتا ہے۔ ہوا کے تغیرات کی دو صورتیں ہیں: (۱) طبعی (۲) غیر طبعی۔

(۱) **طبعی تغیرات:** ایسے تغیرات جو طبعی طور پر ظہور پذیر ہوتے ہیں، جیسے ① موسمی تغیرات ② مختلف سمتوں کی ہوائیں ③ پہاڑوں اور سمندروں کا قرب ④ زمین کا تغیر۔

① **موسموں کے تغیرات اور اُن کا مزاج:** کل چار موسم ہیں: (۱) ربیع یعنی موسم بہار جو سردیوں کے بعد آتا ہے۔ اس کا مزاج معتدل ہے۔ (۲) صیف (موسم گرما)، گرم خشک ہے۔ (۳) خریف (موسم خزاں)، جو گرمیوں کے بعد اور سردیوں سے پہلے آتا ہے اس کا مزاج

سرد خشک ہے۔ شتاء (موسم سرما) اس کا مزاج سرد تر ہے۔

موسموں کے امراض: تمام موسم اپنے مزاج کے مناسب امراض پیدا کرتے ہیں اور مزاج کے خلاف امراض دور کرتے ہیں یا دور کرنے میں مدد کرتے ہیں اور اکثر دور کر دیتے ہیں۔

(i) موسم گرما کے امراض: موسم گرما کا مزاج گرم خشک ہے، اس سے جسم میں صفرا زیادہ پیدا ہوتا ہے اور اس میں تیزی آ جاتی ہے جس سے جسم میں بے چینی اور حدت بڑھ جاتی ہے دل گھبراتا ہے، صفراوی بخار اور سوزشی امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور خشکی جسم میں نمایاں ہو جاتی ہے۔ اس سے البتہ موسم سرما کے امراض مثلاً نزلہ، زکام، نمونیہ اور ہر قسم کی بلغم خشک ہو جاتی ہے۔

(ii) موسم خریف کے امراض: چونکہ یہ موسم گرمی کے بعد آتا ہے اس لئے اس موسم میں گرمی تو ختم ہو جاتی ہے البتہ خشکی قائم رہتی[1] ہے، اور اس طرح اس موسم کا مزاج سرد خشک بن جاتا ہیں، اس موسم میں جسم کے اندر سودا بڑھ جاتا ہے جس سے ہاضمے کی خرابی، ریاحی امراض کی زیادتی، بدن میں درد وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ البتہ بھوک کی زیادتی اور صفراء کی حدت میں کمی اور خون میں غلظت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

(iii) موسم سرما کے امراض: اس موسم میں گزشتہ موسم (خریف) کی سردی کے ساتھ رطوبات کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور اس موسم کا مزاج سرد تر بن جاتا ہے۔ اس موسم میں بدن میں بلغم کی زیادتی ہو جاتی ہے، جس کے ساتھ بلغمی امراض مثلاً نزلہ، زکام، سردی کا لگ جانا اور نمونیہ وغیرہ اکثر پایا جاتا ہے۔ البتہ اس سے صفراوی امراض دور ہو جاتے ہیں۔ خون کی حدت رفع ہو جاتی ہے۔

(iv) ربیع (موسم بھار) کے امراض: اس موسم میں گزشتہ موسم کی رطوبت تو باقی رہتی ہے، البتہ اس میں گرمی کا اضافہ ہو جاتا ہے اور اس موسم کا مزاج گرم تر بن جاتا ہے۔ اس موسم میں سردی کی وجہ سے رُکے ہوئے مواد گرمی کی وجہ سے تحلیل ہو کر بہہ نکلتے ہیں یا حدّت اُن پر اثر کر کے ان کو پکا کر پھوڑے پھنسیوں کی شکل میں خارج کر دیتی ہے۔ اس لئے اس موسم میں عام طور پر اسہال قے اور ہیضہ کے امراض زیادہ ہوتے ہیں۔

۲ مختلف سمتوں کی ہوائیں: جنوب اور جنوبی ہوا گرمی تری پیدا کرتی ہے۔ شمال اور شمالی ہوا سردی خشکی پیدا کرتی ہے۔ مشرق اور مشرق کی سمتوں کی ہوائیں اعتدال کے قریب ہیں۔

۳ پہاڑوں اور سمندروں کا قرب: اگر پہاڑ شہر سے دکن کی طرف ہوگا تو اس شہر کی ہوا نسبتاً سرد ہوگی اور اگر شمال کی طرف ہوگا تو اس شہر کی ہوا نسبتاً گرم ہوگی۔ اگر سمندر شہر سے دکن کی طرف ہوگا تو شہر کی ہوا نسبتاً گرم ہوگی اور اگر شمال کی طرف ہوگا تو نسبتاً سرد ہوگی۔ ان کی وجوہات یہ ہیں کہ پہاڑ سورج کی شعاعوں کو شہر کی طرف آنے میں رکاوٹ کرتا ہے، اسی طرح سمندر کی مرطوب ہوائیں بھی گرمی اور سردی کے اثر میں رکاوٹ کا باعث ہوتی ہیں۔

۴ زمین کا تغیر: زمین کے تغیر سے عام طور پر پتھریلی زمین خشکی پیدا کرتی ہے، لیکن جسم کو مضبوط بناتی ہے۔ خاکی اور تر زمین ہوا کو مرطوب کرتی اور ریگستانی زمین گرمی خشکی پیدا کرتی ہے۔ میدانی زمین گرمی اور تری پیدا کرتی ہے۔

---

[1] قانون فطرت یہی ہے کہ دونوں کیفیت اکٹھی نہ بدلی جائیں بلکہ باری باری ایک ایک کیفیت کو دور کیا جائے۔ مثلاً اگر خشکی کے علاج میں پہلے گرم کیفیت کو دور کیا جائے۔ اور بعد میں خشک کیفیت کو رفع کیا جائے۔ اسی طرح سرد خشک کیفیت میں پہلے خشک کیفیت کو دور کیا جائے اور پھر سردی کو رفع کیا جائے۔ سردی تری کے علاج میں پہلے سردی کو رفع کیا جائے اور اس کے بعد تری کا علاج کیا جائے۔ اسی طرح گرمی تری میں اوّل تری اور بعد میں گرمی کو رفع کیا جائے۔ جس طرح فطرت موسموں کے تغیرات سے سبق دیتی ہے۔

عام طور پر ٹھنڈی ہوا بدن کو مضبوط اور قوائے ہضم کو تیز اور رنگ کو صاف کرتی ہے۔ گرم ہوا جسم کو ڈھیلا اور قوائے ہضم کو ضعیف اور رنگ کو سیاہ کر دیتی ہے۔

وبا: مسموم ہوا فاسد ہو کر زہریلی ہو جاتی ہے اور اکثر ہلاکت کا موجب ہوتی ہے۔

(۲) ہوا کے غیر طبعی تغیرات: اس کے دو اقسام ہیں۔ اوّل وہ جو طبیعت کے مخالف نہیں ہوتے، جیسے اسباب سماوی اور ارضی۔ اسباب سماوی افلاک سے متعلق ہیں۔ چنانچہ کبھی آفتاب کے ساتھ بہت سے روشن ستارے جمع ہو جاتے ہیں اور موسم سرما میں گرمی پیدا کر دیتے ہیں یا سورج گرہن کے وقت موسم گرما میں یکا یک سردی پیدا ہو جاتی ہے۔ ارضی کا تعلق زمین سے ہوتا ہے، جیسے مختلف مقامات کی وجہ سے ہوا مختلف ہو جاتی ہے۔ دوسرے ایسے غیر طبعی تغیرات جو طبیعت کے مخالف ہوتے ہیں، جیسے وباء جو عام طور پر بڑی بڑی جنگوں کے دوران میں لاشوں کے متعفن ہونے سے ہوا میں زہریلے اثرات نفوذ کر جاتے ہیں جس سے وہ مسموم ہو جاتی ہے اور وبائی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

ماکولات ومشروبات

ماکول ومشروب میں وہ سب چیزیں شامل ہیں جو کھانے پینے میں آتی ہیں اور منہ کے ذریعہ جسم میں پہنچائی جاسکتی ہیں، ان کی چھ صورتیں ہیں: (۱) غذائے مطلق (۲) دوائے مطلق (۳) سم مطلق (۴) غذائے دوائی (۵) دوائے غذائی (۶) دوائے سمّی۔

(۱) غذائے مطلق: غذائے مطلق وہ خالص غذا ہے کہ جب بدن میں وارد ہوتی ہے تو بدن سے متاثر ہو کر متغیر ہو جاتی ہے۔ لیکن بدن میں کوئی تغیر پیدا نہیں کرتی بلکہ خود جزوِ بدن ہو کر بدن کے مشابہ ہو جاتی ہے۔ مثلاً روٹی، گوشت اور دودھ وغیرہ۔

(۲) دوائے مطلق: دوائے مطلق وہ ہے جو بدن سے متاثر ہو کر بدن میں تغیر پیدا کرے اور آخر کار جزوِ بدن ہوئے بغیر بدن سے خارج ہو جائے۔

(۳) سمِ مطلق (خالص زہر): وہ جو خود تو بدن سے متغیر ومتاثر نہ ہو لیکن بدن میں اپنا اثر وتغیر پیدا کر کے فساد کا باعث ہو، مثلاً سنکھیا اور سانپ وغیرہ کا زہر۔

(۴) غذائے دوائی: غذائے دوائی وہ ہے جو بدن سے متاثر ہو کر متغیر ہو جائے اور اس کے بعد خود بدن کو متاثر ومتغیر کر دے اور اس کا زیادہ حصہ جزوِ بدن بنے اور کچھ حصہ بغیر جزوِ بدن بنے جسم سے خارج ہو جائے۔ مثلاً پھل وغیرہ۔

(۵) دوائے غذائی: وہ ہے جو بدن سے متاثر ہو کر متغیر ہو جائے اور اس کے بعد بدن کو متاثر ومتغیر کر دے اور اس کا کچھ حصہ جزوِ بدن بنے اور زیادہ حصہ بغیر جزوِ بدن بنے جسم سے خارج ہو جائے، مثلاً میوہ جات اور گھی وغیرہ۔

(۶) دوائے سمی: وہ ہے جو بدن سے متاثر کم ہو اور بدن کو زیادہ متغیر کرے اور نقصان پہنچائے۔

ماکول و مشروب کے اثر کرنے کی صورتیں: ماکول ومشروب کے اثر کرنے کی صورتیں یہ ہیں کہ اگر فقط مادے سے اثر انداز ہو تو اُسے غذا کہتے ہیں اور اگر صرف کیفیت سے اثر کرے تو دوا۔ اگر اس کا اثر مادّہ اور کیفیت دونوں کے لحاظ سے ہو تو اگر مادہ زیادہ ہے تو غذائے دوائی اگر کیفیت زیادہ ہے تو دوائے غذائی کہتے ہیں۔ اگر صرف اپنی صورت نوعیہ سے اثر کرے تو اُسے ذوالخاصہ کہتے ہیں۔ جس کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل ذوالخاصہ موافقہ (تریاق) اور دوسرے ذوالخاصہ مخالفہ جیسے زہر، اگر مادے اور صورتِ نوعیہ سے اثر کرے تو غذائے ذوالخاصہ اور اگر کیفیت اور صورتِ نوعیہ سے اثر کرے تو اس کو دوائے ذوالخاصہ کہتے ہیں۔

غذا کی اقسام: غذا کی دو اقسام ہیں: (i) لطیف (ii) کثیف۔

(i) غذائے لطیف: ایسی ہلکی غذا جس سے رقیق خون پیدا ہو، جیسے آبِ انار۔

(ii) غذائے کثیف: ایسی بھدّی غذا جس سے غلیظ (گاڑھا) خون پیدا ہو، مثلاً گائے کا گوشت۔ پھر ہر ایک کی دو صورتیں ہیں:

(۱) صالح الکیموس یا فاسد الکیموس (۲) کثیر الغذا یا قلیل الغذا۔

صالح الکیموس: ایسی غذا جس سے جسم کے لئے بہترین خلط پیدا ہو، جیسے بھیڑ کا گوشت، ابلا ہوا انڈہ وغیرہ۔

فاسد الکیموس: وہ غذا جس سے ایسی خلط پیدا ہو جو بدن کے لئے مفید نہ ہو جیسے مولی یا نمکین سوکھی مچھلی۔ کیموس کے معنی خلط کے ہیں۔

کثیر الغذا: کثیر الغذا وہ غذا ہے جس کا اکثر حصہ خون بن جائے جیسے نیم برشت انڈے کی زردی۔

قلیل الغذا: قلیل الغذا وہ غذا ہے جس کا بہت تھوڑا حصہ خون بنے، جیسے پالک کا ساگ۔

غذائے لطیف، کثیر الغذا اور صالح الکیموس کی مثال زردی بیضہ، نیم برشت انڈہ اور ماء اللحم (یخنی) ہے۔ غذائے کثیف، قلیل الغذا اور فاسد الکیموس کی مثال خشک گوشت، بینگن، مسور اور باقلا ہیں۔

پانی

پانی [1] چونکہ ایک بسیط رُکن ہے، اس لئے بدن کی غذا نہیں بنتا بلکہ غذا کا بدرقہ بنتا ہے۔ یعنی غذا کو پتلا بنا کر باریک تنگ راستوں میں پہنچانے کا کام کرتا ہے۔

بہترین پانی: چشموں کا پانی سب سے بہتر ہوتا ہے اور چشموں میں سے بہترین چشمہ وہ ہے جس کی زمین طینی (خاکی) ہو اور اس کی صفت یہ ہو کہ اس کا پانی شیریں ہو، مشرق کی طرف بہتا ہو، اس کا سرچشمہ دور ہو، بلندی سے پستی کی طرف آئے اور اس پر آفتاب کی روشنی پوری طرح پڑتی رہے۔

دوسرے درجہ کا پانی: چشموں کے پانی کے بعد بارش کے پانی کا درجہ ہے، لیکن اس میں بھی بہترین پانی وہ ہے جو پتھریلے گڑھے میں جمع ہو گیا ہو اور اس پر خوب دھوپ پڑتی ہو اور اس کے ساتھ شمال اور مشرق کی ہواؤں کے تھپیڑے لگتے ہوں۔ ان پانیوں کے علاوہ دوسرے سب پانی تیسرے درجہ کے ہیں، جیسے دریاؤں، نہروں اور ندی نالوں کا پانی۔ [2]

نینداور بیداری

سونا جاگنا ضروریاتِ زندگی کے لئے نہایت اہم ہے۔ اس میں کمی بیشی صحت کے بگاڑ کا موجب بن جاتی ہے۔ نیند ظاہر بدن کو سرد اور اندرونی بدن کو گرم کرتی ہے۔ اگر نیند کمی کے ساتھ ہو تو تری پیدا کرتی ہے اور زیادتی کے ساتھ سردی خشکی پیدا کرتی ہے۔ نیند کو سکون سے زیادہ مشابہت ہے۔ نیند میں روح اندر کو دھنس جاتی ہے اور اسی وجہ سے بیرونی بدن ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور اکثر کپڑا اوڑھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

---

[1] یہ یاد رہے کہ موجودہ پانی جو ہمارے گرد و پیش ہے یہ وہ بسیط پانی نہیں ہے جیسا کہ ارکان کے بیان میں لکھا جا چکا ہے، بلکہ یہ مرکب پانی ہے اور کئی چیزوں سے مرکب ہے۔ یہ پیٹ میں جا کر پھٹ جاتا ہے اور اس میں سے خالص (رُکن) پانی جسم میں اپنے وہ فرائض انجام دیتا ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

[2] آج کل شہروں کے اندر پمپنگ کا انتظام ہے یعنی پانی کو مشینوں کے ذریعہ کھینچ کر اس کی تقطیر کی جاتی ہے جو انسانی ضرورت کے لئے ایک اچھی قسم کا پانی بن جاتا ہے، لیکن یہ پانی بھی چشموں اور بارش کے پانی جو اپنی صفات میں پورے ہوں، مقابلہ نہیں کر سکتا۔

زیادہ سونا بدن میں بہت زیادہ رطوبت پیدا کرتا ہے اور پھر اس میں سردی کی زیادتی، سردی خشکی پیدا کر دیتی ہے۔ جس سے خون میں غلظت اور سوداویت (گاڑھا اور سیاہ خون) پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا خون اور دماغ دونوں پر برا اثر پڑتا ہے۔ نیند غذا کو ہضم کرتی ہے۔ جس سے بدن میں گرمی پیدا ہوتی ہے۔ اور جب بدن میں غذا نہیں ہوتی تو روح اور جسم کو تحلیل کر کے ٹھنڈا کر دیتی ہے۔ دن کے وقت سونا نہایت برا ہے۔ اس سے جسم کا رنگ خراب ہو جاتا ہے۔ تلی (طحال) میں نقص پڑ جاتا ہے جس سے وہ خون کو اچھی طرح صاف نہیں کر سکتی۔ منہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ تمام جسمانی قوتیں سست ہو جاتی ہیں۔ ذہن کند ہو جاتا ہے۔ اس لئے دِن کے وقت سونے کی عادت کو آہستہ آہستہ چھوڑ دینا چاہئے۔ البتہ جو لوگ رات کو جاگتے ہیں یا عبادت گزار رہیں یا دماغی محنت کرتے ہیں، اُن کے لئے قیلولہ کرنا بہت ضروری اور مفید ہے۔ کیونکہ رات کی تھوڑی نیند سے اُن کی غذا پوری طرح ہضم نہیں ہوتی، اس لئے قیلولہ سے یہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔

بیداری کا اثر تمام باتوں میں نیند کے برعکس ہوتا ہے یعنی بیداری کی مشابہت حرکت سے ہے اور اس سے جسم میں حرارت پیدا ہوتی ہے۔ بے خوابی (یعنی ایسی حالت جس میں پوری طرح نیند نہ آئے اور کبھی بیداری کبھی دونوں کی درمیانی حالت) میں نیند چونکہ حرارت کو بدن کے اندر کی طرف لے جاتی ہے اور بیداری باہر کی طرف تو اس کشمکش میں طبیعت گھبرا جاتی ہے اور ساتھ ہی کیونکہ وہ پوری طرح اندر کی طرف متوجہ ہو کر غذا کو ہضم کر سکتی ہے اور نہ ہی باہر کی طرف پوری طرح رجوع کر کے فضلات کا اخراج کر سکتی ہے، اس لئے غذا فاسد ہو جاتی ہے اور شکم میں نفخ، ریاح اور قراقر پیدا ہو جاتے ہیں۔

نیند کے متعلق صحیح صورت یہ ہے کہ جوانی میں دِن رات کی چوتھائی (یعنی چھ گھنٹے) کافی ہے۔ البتہ بچوں، بوڑھوں اور مریضوں کو زیادہ سونا چاہئے۔

۴ حرکت وسکون بدنی

حرکت ایسی صورت کا نام ہے جب کوئی شے (جسم) کسی خاص وضع (سکون یا قیام) سے فعل میں آئے۔ درحقیقت اس دُنیا میں سکون مطلق کا وجود نہیں ہے۔ البتہ جب اس کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد حرکت وسکون نسبتی ہوتی ہے۔ یعنی جب کوئی جسم بلحاظ دوسرے جسم کے کسی خاص وضع یا خاص حالت پر قائم رہتا ہے تو اس کو ساکن ہونا کہتے ہیں اور جب اس کی وضع یا حالت فعل میں آ جاتی ہے تو اس کو حرکت کہتے ہیں۔ حرکت جسم میں گرمی پیدا کرتی ہے اور اُس کی زیادتی جسم کو تحلیل کرتی ہے۔ سکون سردی پیدا کرتا ہے، اور جسم میں رطوبت کو زیادہ کرتا ہے۔ البتہ حرکت وسکون دونوں کی انتہائی زیادتی جسم میں خشکی پیدا کرتی ہے۔ معتدل حرکت وسکون غذا کو ہضم کرنے اور جسم کو صحت مند رکھنے میں مدد معاون ہے۔ حرکت وسکون دونوں کی انتہائی زیادتی جسم میں سردی پیدا کر دیتی ہے۔ کیونکہ زیادہ حرکت اور زیادتی سکون میں اوّل الذکر جسم کو تحلیل کر کے سردی کا باعث ہوتی ہے۔

۵ حرکت وسکون نفسانی

حرکت وسکون نفسانی، نفس کی حرکت کا نام ہے، جو ضرورت کے وقت کبھی جسم کے اندر کبھی جسم کے باہر حرکت کرتا ہے۔ جس کے ساتھ حرارتِ جسم بھی کبھی اندر کی طرف چلی جاتی ہے اور کبھی باہر کی طرف نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ پھر ان کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) حرکت کا دفعتہً اور یکلخت اندر یا باہر کی طرف جانا۔ (۲) آہستہ آہستہ اندر اور باہر کی طرف رجوع کرنا۔ اسی طرح ایک تیسری صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے، جس میں یہ نفس بیک وقت کبھی اندر کبھی باہر حرکت کرتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ نفس جس طرف حرکت کرتا ہے وہاں دورانِ خون تیز ہو کر حرارت پیدا کر دیتا ہے اور

جس مقام سے حرکت کر کے جاتا ہے، وہاں دورانِ خون کی کمی ہو کر سردی پیدا ہو جاتی ہے۔

جسم انسان پر نفسیاتی اثرات

جسم انسان پر نفسیاتی اثرات کی تین بالمقابل صورتوں کے چھ جذبات ہیں: (۱) مسرت (۲) غم (۳) خوف (۴) غصہ (۵) لذت (۶) شرمندگی۔

① **غصہ:** غصہ کی حالت میں جذبے کا اظہار باہر کی طرف یکبارگی ہوتا ہے۔

② **خوف:** خوف کی حالت میں جذبے کا رجوع یکبارگی اندر کی طرف ہوتا ہے۔

③ **خوشی:** خوشی کی حالت میں کسی جذبے کا رجوع رفتہ رفتہ باہر کی طرف ہوتا ہے۔

④ **غم:** غم کی صورت میں کسی جذبے کا رجوع رفتہ رفتہ اندر کی طرف ہوتا ہے۔

⑤ **شرمندگی:** شرمندگی کی حالت میں نفس یکبارگی کبھی اندر اور کبھی باہر جاتا ہے۔

⑥ **لذت:** لذت کی حالت میں نفس آہستہ آہستہ کبھی اندر کبھی باہر جاتا ہے۔[1]

یہ ملے جلے جذبات دراصل دو جذبوں سے مرکب ہوتے ہیں۔ جیسے شرمندگی، خوف اور غصے سے مرکب ہے۔ اس لئے خوف کی حالت میں نفس یکبارگی اندر کی طرف رجوع کرتا ہے اور غصے میں یکبارگی باہر کی طرف۔ یعنی اس شخص کو جسے شرمندگی ہوتی ہے، اُسے بیک وقت خوف کے

---

[1] حرکت وسکون نفسانی دراصل نفس کی حرکت وسکون نہیں، کیونکہ نفس اپنا مقام نہیں بدلتا۔ ایسا مجازاً کیا جاتا ہے۔ البتہ نفس کے انفعالات اور تاثرات خون اور روح میں ضرور حرکت پیدا کر دیتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر یہ انفعالات وتاثرات دراصل باعث حرکت ہیں، ان کا عدم باعثِ سکون روح اور خون ہے۔ یہ حرکت و سکون نفسانی بدن کے لئے ویسا ہی ضروری ہے جیسا حرکت وسکون بدنی۔ کیونکہ بدنی حرکات کا دارومدار خواہشات وجذبات نفسانیہ پر بھی ہے۔ مثلاً شوق کے وقت طلب کی حرکت، نفرت کے وقت فرار کی صورت، غصے کے وقت مقابلے کی حالت اور اسی طرح خوف کے وقت چہرے کا سفید ہو جانا اور غصے کے وقت چہرے کا سرخ ہو جانا۔ یہ سب کچھ خون اور روح کے زیرِ اثر ہے۔ اس کے برعکس نفسیاتی سکون کی ضرورت اس لئے ہے کہ روح اور خون کو نسبتاً آرام حاصل ہوتا ہے کہ وہ زیادہ تحلیل نہ ہو جائے۔

جاننا چاہئے کہ نفس جب کسی مناسب یا مخالف شے کا ادراک اور احساس کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مناسب کو حاصل کرنا اور مخالف سے بچنا چاہتا ہے، تو اس وقت اپنی نفسانی قوتوں کو حرکت میں لاتا ہے اور یہ مسلمہ امر ہے کہ یہ نفسانی قوتیں ارواح کے تابع ہیں، جن کا حامل خون ہے۔ گویا ارواح خون کی حرکت کے بغیر اور خون نفسانی قوتوں کے بغیر عمل نہیں کرسکتا۔ اسی عمل کا نام نفسانی حرکت وسکون ہے۔

نفسانی جذبات کو سمجھنے کے لئے اور سہولت کی خاطر ہم نے ان کو اعضاء رئیسہ کے مطابق تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور ہر عضو کے لئے دو جذبے مخصوص کر دیئے ہیں۔ ان دو جذبوں میں ایک عضو میں انبساط پیدا کرتا ہے اور دوسرا انقباض۔ ان کی ترتیب درج ذیل ہے۔

① **دل:** دِل پر مسرت سے انبساط پیدا ہوتا ہے اور غم سے انقباض۔

② **دماغ:** دماغ میں لذت سے انبساط پیدا ہوتا ہے اور خوف سے انقباض۔

③ **جگر:** جگر میں ندامت سے انبساط پیدا ہوتا ہے اور غصے میں انقباض۔

لیکن یہ جاننا بھی انتہائی ضروری ہے کہ جب دِل، دماغ، جگر کسی ایک میں، کسی خاص قسم کی تحریک ہوگی، تو باقی دو اعضاء میں بھی کوئی نہ کوئی حالت پائی جائے گی۔ مثلاً اگر اعصاب میں تحریک ہوگی تو یہ ضروری بات ہے کہ جگر میں تحلیل (انبساط) اور دِل میں سکون (سردی) پائے جائے گی۔ گویا اس امر کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے کہ جب کسی جذبے کے ماتحت کسی عضو کا مطالعہ مقصود ہو تو باقی اعضاء کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔

ساتھ غصہ بھی آتا رہتا ہے۔ یہ غصہ دراصل خوف کے جذبے کو دور کرنے کی جدوجہد ہوتی ہے یا ردِّ عمل ہوتا ہے۔ ایسے ہی لذت بھی مسرت اور غم سے مرکب ہے۔ ان کی حقیقت یہ ہے کہ خوشی اور غصہ کی حالت میں قلب پر ایسا اثر پڑتا ہے جس سے اس کی حرکت تیز ہو جاتی ہے اور خون زیادہ مقدار میں شریانوں کی طرف روانہ ہو جاتا ہے اور تمام اعضاء میں زیادہ پہنچتا ہے۔ اس لئے بیرونی اعضاء میں خون کی گرمی اور جوش معلوم ہوتا ہے۔ اس کے برعکس خوف اور غم کی حالت میں قلب پر ایسا اثر پڑتا ہے کہ اُس کی حرکت سست ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اور خون بیرونی جسم کی طرف مقدار میں کم ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے تمام اعضاء میں کم پہنچتا ہے۔ جس سے جسم ٹھنڈا اور سست ہو جاتا ہے۔

احتباس و استفراغ

استفراغ کے معنی ہیں مواد اور فضلات کا بدن سے اخراج پانا، اور احتباس کے معنی ہیں غذائی اجزاء اور فضلات کا جسم میں رُکنا۔ فضلات دراصل اضافی لفظ ہے۔ حقیقت میں فضلات کوئی شے نہیں ہیں۔ کیونکہ جن مواد کی کسی جسم کے لئے ضرورت نہیں ہوتی وہ اس کے لئے فضلات بن جاتے ہیں۔ کیونکہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جسم کے اندر غیر ضروری غذائی اجزاء یا مفید مواد جب ان کو طبیعت قبول نہیں کرتی یا طبیعت کو ان کی ضرورت نہیں ہوتی تو وہ سب فضلات میں شامل ہیں۔ فضلات سے مراد ہے فاضل چیز یا فالتو شے۔[1]

اسباب احتباس: احتباس مندرجہ ذیل اسباب سے ہوتا ہے: (۱) قوتِ ماسکہ کی سختی (۲) قوت ہاضمہ (۳) قوت دافعہ کی کمزوری (۴) مجاری کی تنگی (۵) سدوں کا پڑ جانا (۶) مادے کی غلظت یا لزوجیت (لیس)۔ (۷) طبیعت[2] کا کسی دوسری طرف متوجہ ہو جانا اور دفعہ کرنے کی حاجت کا احساس زائل ہو جانا۔

استفراغ: بدن کا وجود اور دار و مدار غذا پر ہے۔ غذا کوئی بھی ایسی نہیں جو ساری کی ساری جزوِ بدن ہو جائے اور اس کا فضلہ نہ بنے۔ پھر یہ فضلہ اگر باقی رہے اور اُس کا اخراج نہ ہو تو بدن میں فاسد مادے اکٹھے ہو جاتے ہیں، اس کے لئے استفراغ کی انتہائی ضرورت ہے اور احتباس کی ضرورت اس لئے ہے کہ غذا کچھ عرصہ جسم میں رہے، تاکہ اس کا جوہر طبیعت حاصل کر لے۔

استفراغ اور احتباس کا اعتدال صحت اور طاقت کے لئے نہایت ضروری اور مفید ہے۔ استفراغ کی زیادتی بدن میں خشکی اور سردی پیدا کرتی ہے۔ البتہ اگر جسم میں سرد یا خشک مواد کی زیادتی ہو تو گرمی خشکی بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ احتباس کی زیادتی سے جسم بوجھل ہو جاتا ہے۔ بھوک کم ہو جاتی یا رُک جاتی ہے۔ اکثر سدے پیدا ہو جاتے ہیں جن کے نتیجہ میں عفونت (سڑاند) کا ہونا لازمی ہے۔

---

[1] جو غذا کھائی جاتی ہے تندرستی کی حالت میں جسم اس کا ایک خاص حصہ جذب کر کے جزوِ بدن بنا دیتا ہے اور باقی کو فضلات کی شکل میں خارج کر دیتا ہے، لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ فضلات میں جسم انسان کے لئے غذائیت باقی نہیں رہی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس قدر صحت اچھی ہوتی ہے اور اعضاء مضبوط ہوتے ہیں، اُسی قدر زیادہ غذائی اجزاء جذب اور جزوِ بدن بنتے ہیں اور فضلات کم خارج ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مریض اور کمزور اعضا والے جتنی زیادہ سے زیادہ غذا کھائیں اُن کے اندر اتنی طاقت اور خون کی مقدار پیدا نہیں ہوتی۔ سوال غذا کی قلت و کثرت اور اعلیٰ و ادنیٰ کا نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی صحت اور مضبوط اعضاء کا ہے۔ اگر یہ ہے تو خود بخود زیادہ غذا ہضم ہوتی اور جزوِ بدن بنتی ہے اور زیادہ سے زیادہ طاقت اور خون پیدا ہوتا ہے۔

[2] جب مادے کا اخراج پسینے کے ذریعے ہوتا ہے تو پیشاب اور پاخانہ کم ہو جاتے ہیں یا بند ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب مادے کا اخراج بذریعہ قارورہ (پیشاب) زیادہ ہوتا ہے تو پسینہ اور پاخانہ میں کمی ہو جاتی ہے یا بند ہو جاتا ہے اور اسی طرح جب پاخانے میں زیادتی ہو تو قارورہ اور پسینے پر اثر پڑتا ہے۔

(۴) اسباب مرضہ

تعریف

ایسے اسباب وصورتیں اور حالتیں جن کے عمل میں آنے سے جسم انسانی کسی نہ کسی مرض میں گرفتار ہوجاتا ہے اور جب تک رفع نہ ہوں، مرض قائم رہتا ہے۔

اقسام: اسباب مرضہ کی تین اقسام ہیں: (۱) اسباب بادیہ (۲) اسباب سابقہ (۳) اسباب واصلہ۔

(۱) اسباب بادیہ: ایسے اسباب جو ظاہری صورت میں ہمارے گردونواح میں پائے جائیں، جن کے اثرات میں مادی چیزوں کا دخل نہ ہو بلکہ وہ کیفیاتی (گرمی سردی، خشکی تری) ہوں یا نفسیاتی (جیسے غم اور غصہ وغیرہ)۔ تفصیل ان کی یہ ہے کہ وہ اسباب نہ خلطی ہوں اور نہ ترکیبی بلکہ اُن کا تعلق خارجی چیزوں سے ہو، مثلاً گرم ہوا یا سرد ہوا اور نفسیاتی صورت میں غصہ اور خوف وغیرہ۔

(۲) اسباب سابقہ: ایسے اسباب جن کا اثر ہمارے جسم پر اُن کے مادے کی وجہ سے ظاہر ہو یعنی کسی شے کے کھانے پینے کے بعد جو اثرات پائے جائیں وہ انہی کا نتیجہ ہوں گے۔[1]

(۳) اسباب واصلہ: ایسے اسباب جن کے بعد معاً مرض نمودار ہوتا ہے، یعنی مرض اور سبب میں کوئی فرق یا دوری نہیں پائی جاتی یا دوسرے الفاظ میں اُن کے اور مرض کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا بلکہ وہ براہِ راست مرض پیدا کر دیتے ہیں۔ کسی دوسری حالت کا اُن کو انتظار نہیں ہوتا۔ جس کی بہترین مثال امتلاء (مواد کا اجتماع) ہے جو بخار کا موجب ہوتا ہے، گویا امتلاء بلاواسطہ بخار پیدا نہیں کرتا بلکہ اُس کے اور بخار کے درمیان عفونت واسطہ بنتی ہے۔ امتلاء سے ابتداً عفونت لاحق ہوتی ہے اور پھر عفونت سے بخار ہوتا ہے، اس صورت میں عفونت سبب واصلہ ہے۔ جس کے ہوتے ہی بخار آجاتا ہے اور امتلاء سبب سابقہ کہلائے گا۔[2]

---

[1] اسباب بادیہ اور اسباب سابقہ ایسے اسباب ہیں کہ ان کے اور مرض کے درمیان واسطہ ہوتا ہے یعنی وہ براہِ راست مرض پیدا نہیں کرتے بلکہ ایسی حالت پیدا کرتے ہیں جو مرض کا موجب بن جاتی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ بعض اطباء نے صرف اسباب سابقہ ہی کو بالواسطہ مرض کا موجب تسلیم کیا ہے اور بادیہ کو اس سے خارج کر دیا۔ لیکن ہم نے دونوں کو شریک کر دیا، کیونکہ اسباب بادیہ اور سابقہ دونوں اقسام واصلہ نہیں ہیں۔

[2] دراصل اسباب واصلہ، اسباب بادیہ اور اسباب سابقہ سے علیحدہ نہیں ہیں، بلکہ ان دونوں میں سے جو بھی مرض کا باعث ہوجاتا ہے، اُسے اسباب واصلہ کہہ دیا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ جب یہی دونوں اسباب بادیہ اور سابقہ اپنی شدت اختیار کر لیتے ہیں اور جس کے بعد مرض پیدا ہوجاتا ہے تو یہی اسباب واصلہ کہلاتے ہیں۔ گویا ہم ان کو "واصلہ" کا نام اُس وقت دیں گے جب ان کے بعد معاً مرض پیدا ہو۔ ان اسباب واصلہ کو "اسباب شرکی" بھی کہا جا سکتا ہے، یعنی جن کی شرکت مرض کے ساتھ پائی جائے۔

مختلف طبوں کے اسباب فاعلہ (واصلہ): جاننا چاہئے کہ طب یونانی کا سبب فاعلہ (واصلہ) مزاج اور اخلاط کی خرابی ان کی کمی بیشی اور ان کا جل جانا ہے۔ آیورویدک میں دوشوں کا خراب ہوجانا، ان کی کمی بیشی یا ان کا مقام بدل لینا ہے۔ ایلوپیتھی میں جراثیم اور زہریلے مواد کا پایا جانا اور کمزوری کا پایا جانا ہے۔ ہومیوپیتھی میں روح (وائٹل فورس) کا بیمار ہوجانا۔ بایوکیمک میں جسم میں نمکیات کی کمی یا خرابی کا پیدا ہوجانا۔ کروموپیتھی میں خون کے اندر رنگوں میں کمی بیشی یا خرابی واقع ہوجانا ہے۔ سائیکوپیتھی میں انسانی جذبات میں خرابی واقع ہوجانا اور اُن میں کمی بیشی کا ہوجانا یا ان کا غلط تربیت پا جانا ہے۔ فزیوپیتھی میں اعضاء میں اس قسم کی خرابیاں واقع ہوجانا ہے کہ جن سے ان کے افعال میں افراط وتفریط واقع ہوجائے۔

واضح رہے کہ فزیوپیتھی کے علاوہ باقی جملہ طریقہ ہائے علاج جن اسباب واصلہ کو تسلیم کرتے ہیں وہ سب تمام اسباب بادیہ یا سابقہ ہیں۔ ☜ .....

اسبابِ جزوی

تعریف:

ایسی صورتوں اور حالات کا اظہار جن سے گزشتہ تینوں اسباب مرضہ ظہور میں آتے ہیں۔ جزوی اسباب دراصل کوئی جداگانہ اسباب نہیں بلکہ ان صورتوں اور حالتوں کی تشریح ہے جن سے اسباب مرضہ پیدا ہوتے ہیں۔ یہ تین قسم کے ہیں: (۱) سوءِ مزاج (۲) مرض ترکیب (۳) تفرق اتصال۔

۱ اسباب سوءِ مزاج:

ان میں کیفیات، قویٰ اور عفونت کی تفسیر ہے۔

الف> سوء مزاج گرم کے اسباب

① حرکت جو اعتدال سے تجاوز کر جائے، یہ حرکت یا تو بدنی ہوتی ہے، جیسے ریاضت کی کثرت یا نفسیاتی جیسے غصہ۔

② حرارت بالفعل کی ملاقات جیسے دھوپ یا آگ کی گرمی سے جسم میں گرمی پیدا ہو جائے۔

③ حرارت بالقوۃ کی ملاقات مثلاً گرم دواؤں یا غذاؤں کا کھانا یا گرم ضمادوں کا لگانا، حرارت بالقوۃ کا مقصد وہ گرمی ہے جو بالفعل گرم تو محسوس نہ ہو، لیکن اُس کی تاثیر سے بدن گرم ہو جائے جبکہ حرارت بالفعل سے مقصد یہ ہے کہ وہ بحالت موجودہ گرم محسوس ہو۔

④ مسامات بدن کا کثیف ہو جانا۔ مسامات بدن کے کثیف ہو جانے سے حرارت کا اخراج نہیں ہوتا، بلکہ اندرونی بدن میں جمع ہو کر گرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور مسامات بدن کو کثیف کرنے والی چیزیں بالفعل سرد ہوں جیسے برف اور یخ بستہ یا بالقوۃ ہوں جیسے پھٹکری اور مازو وغیرہ۔

⑤ عفونت یعنی مواد کا سڑ جانا جس سے بخار پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ہر متعفن مقام پر گرم بخارات اُٹھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ جو جسم یا ماحول میں حرارت کا باعث ہوتے ہیں۔

ب> اسباب سوء مزاج سرد

① برودت (سردی) بالفعل کی ملاقات۔

② برودت بالقوۃ کی ملاقات۔

③ کھانے کی بے حد کمی۔ کم کھانے سے خون کم پیدا ہوگا اور حرارت غریزی کو کم تقویت ملے گی۔

لہ..... وہ ''واصلہ'' اس وقت تک نہیں بن سکتے جب تک کسی عضو کے فعل میں تغیر واقع نہ ہو۔ مثلاً اگر جراثیم جسم کے اندر اثر انداز ہوں تو وہ کسی عضو کے فعل کو ہی خراب کریں گے یا اگر جسم کے اندر جراثیم کی پیدائش بڑھ جائے تو بھی اس وقت تک مرض ناممکن ہے۔ جب تک جسم کے کسی عضو میں خرابی واقع نہ ہو، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحیح طریقہ علاج میں اعضاء کے افعال کا جاننا بہت ضروری ہے اور یہی بات اور اصول شیخ الرئیس نے تعریف مرض میں بیان کیا ہے۔ لیکن اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اعضاء کی خرابی کے ساتھ ساتھ خون کے اندر جو کیمیاوی خرابی اور تغیر پیدا ہوتا ہے، اس کا علم بھی نہایت ضروری ہے، کیونکہ اگر اعضاء کی خرابی سبب واصلہ ہے تو خون کے اندر کیمیاوی تغیرات سبب بادیہ اور سابقہ کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لئے تشخیص میں اعضاء کی خرابی اور خون کی کیمیاوی خرابی دونوں کا علم ضروری اور اہم ہے۔

④ کھانے کی بے حد زیادتی - بے حد زیادہ کھانے سے اخلاط نامکمل (کچے) رہ جاتے ہیں، جس سے تخمہ و بدہضمی پیدا ہوتی ہے جو بدن کی حرارت کم کر دیتی ہے۔

⑤ مسامات کا بہت زیادہ کثیف (بند) ہو جانا۔

⑥ حرکت کی زیادتی - حرکت کی زیادتی سے تحلیل کی زیادتی ہو جاتی ہے، جو بالآخر سردی پیدا کر دیتی ہے۔

⑦ سکون کی زیادتی - جس سے رطوبت کا اخراج رُک جاتا ہے اور حرارت غریزی سرد پڑ جاتی ہے۔

⑧ مسامات کا کشادہ ہونا - اس سے حرارتِ غریزی کے بکثرت تحلیل ہونے سے سردی پیدا ہو جاتی ہے۔

ج> سوء مزاج خشک کے اسباب

① بالفعل خشک چیز کی ملاقات - اس سے مراد گرم خشک اور سرد خشک کیفیات کی زیادتی اور نفسیاتی طور پر غصہ اور خوف کا پیدا ہونا ہے۔

② بالقوۃ خشک چیزوں کی ملاقات۔

③ کھانے پینے کی کمی - جس سے کم رطوبت پیدا ہوتی ہے جو بدل ما یتحلل کے لئے کافی نہیں ہوتی۔

④ حرکت کی زیادتی - جس سے رطوبت بکثرت تحلیل ہوتی اور خشکی کا باعث ہوتی ہے۔

✿ اسبابِ مرض ترکیب

ان میں فسادِ شکل، تغیر بدن اور مجاری کی خرابیوں کی تفسیر ہے۔

الف> اسباب فساد شکل

① قوتِ مصورہ کا قصور جس سے مراد اُس کے فعل کا ناقص ہونا ہے جس سے اعضاء کی مخصوص شکل نہیں بن سکتی۔

② قوت مغیرہ (پھیلانے والی) کا قصور، اس سے مراد اس قوت کا مادۂ تولید سے پوری طرح کام نہ لینا اور تیار نہ کرنا ہے۔

③ ولادتِ غیر طبعی، اس سے مراد وہ باتیں ہیں جو رحم سے بچہ کے نکلتے وقت واقع ہوں، جب کہ بچہ طبعی طور پر نہ نکل سکے۔

④ تکمید (پٹی باندھنا)، پٹی کے شدت سے باندھنے یا دیر تک قائم رکھنے میں اعضاء کی شکل عام طور پر بگڑ جاتی ہے۔

⑤ سکتہ وضربہ اور حرکت غیر طبعی واسباب جو عام طور پر خارج سے واقع ہوتے ہیں۔ مثلاً سکتہ وضربہ (گر پڑنا اور چوٹ لگنا) یا اعضاء کے سخت ہونے سے قبل چلنا پھرنا یا اُن پر دباؤ ڈالنا یا کھینچنا۔

ب> اسباب اتساع (کشادگی) مجاری

① قوت ماسکہ کی کمزوری جس سے مجاری کے ریشے ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

② قوتِ دافعہ کی شدید حرکت جس کے دباؤ سے راستے زیادہ کھل جائیں۔

③ ادویاتِ مفتح (راستوں کو کھول دینے والی دوائیں) مثلاً گرم تر اندرونی اور بیرونی ادویہ۔

④ ادویات مرخیہ (ڈھیلا کر دینے والی دوائیں) جن سے مجاری کے ریشے ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

ج> اسباب ضیق مجاری: ایسے اسباب جن سے مجاری تنگ ہو جاتی ہیں جو اکثر اس قسم کے اسباب ہوتے ہیں جو اسباب اتساع مجاری کے برعکس ہوں۔

د> اسباب سُدہ

① کوئی بیرونی چیز مجاری میں پھنس جائے۔

② مجاری کا منفذ (سوراخ) کسی زخم کے بھرنے کے باعث بند ہو جائے۔

③ کسی مجریٰ (نالی) کے قریب کوئی ایسا ورم پیدا ہو جائے جس کے دباؤ سے وہ مجریٰ بند ہو جائے۔

④ زیادہ سردی کے باعث سکیڑ پیدا ہو جائے۔

⑤ قوت ماسکہ کا فعل زیادہ سختی کے ساتھ عمل کرے۔

ہ> اسباب خشونت: ایسے اسباب جن سے اعضاء کی سطح کھردری ہو جائے، اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، داخلی اور خارجی۔ داخلی صورت میں کسی مادے کا گرنا اور خارجی صورت میں گرد و غبار اور دھوئیں کا اثر انداز ہونا ہے۔

و> اسباب ملاثت: ایسے اسباب جن سے اعضاء کی سطح چکنی ہو جائے، اُس کی بھی دو ہی صورتیں ہیں۔ داخلی اور خارجی۔ داخلی صورت میں کوئی لیسدار خلط عضو پر گر کر اس کی سطح کو چکنا کر دیتی ہے اور خارجی طور پر جیسے موم روغن کسی عضو کی سطح پر لگایا جائے۔

ز> مقدار اور عدد کی زیادتی کے اسباب

① مادے کی کثرت خواہ مادہ اچھا ہو یا خراب۔

② قوتِ جاذبہ کی شدت جس سے اعضاء کے اندر بکثرت مواد جذب ہو جاتا ہے۔

ح> مقدار اور عدد کی کمی کے اسباب:

① مادے کی کمی۔

② قوتِ جاذبہ کی کمزوری۔

③ قوتِ مصورہ کی غلطی۔

ط> اسباب فساد و وضع: ایسے اسباب جن سے کوئی عضو ضرورت کے خلاف دوسرے عضو سے قریب یا دور ہو جائے۔ یہ درج ذیل ہیں:

① کوئی مادہ تشنجہ (کھینچنے والا)۔

② کوئی مادہ مرخیہ (ڈھیلا کرنے والا)۔

③ قرح (زخم) کا اثر۔

④ کسی خلط کی خشکی۔

⑤ تحجر خلط (کسی خلط کا سخت ہو جانا)۔

⑥ حرکت (غیر طبعی) کی زیادتی۔

✿ تفرق اتصال

یہ ایسے اسباب ہیں جن سے جسم کے اندر ٹوٹ پھوٹ واقع ہو۔ اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں، داخلی اور خارجی۔ داخلی صورت میں کوئی اکال (کھا جانے والی) خلط اس کو گلا سڑا کر کھا جائے یا کوئی محرق خلط عضو کو جلا دے یا کوئی لاذع (کاٹنے والی) یا صادع (پھاڑنے والی) جسم پر اثر

انداز ہو کر نقصان پہنچائے۔ خارجی صورت میں تلوار سے کٹ جانا یا رسّی سے باندھ کر جھٹکا دے دینا یا آگ سے جلنا وغیرہ۔

اسباب

- اسبابِ ضروریہ
  - ہوا
  - ماکولات و مشروبات
    - غذائے مطلق
      - لطیف
        - صالح یا فاسد الکیموس
        - کثیر یا قلیل الغذا
      - کثیف
        - صالح یا فاسد الکیموس
        - کثیر یا قلیل الغذا
    - دوائے مطلق
    - سم مطلق
    - غذائے دوائی
    - دوائے غذائی
    - دوائے سمی
  - حرکت و سکون بدنی
  - نیند و بیداری
  - استفراغ و احتباس
    - قوت ماسکہ کی سختی
    - قوتِ ہاضمہ
    - قوتِ دافعہ کی کمزوری
    - مجاری کی تنگی
    - سدّے
    - غلظت و لزوجیت مادہ
    - توجہ طبیعت منجانب دیگر
- اسبابِ ممرضہ
  - اسبابِ بادیہ
  - اسبابِ سابقہ
  - اسبابِ واصلہ

اسباب جزوی
سوءِ مزاج
مرضِ ترکیب
تفرق اتصال
سوءِ مزاج گرم
سوءِ مزاج سرد
سوءِ مزاج خشک
سوءِ مزاج رطب
داخلی
خارجی
فسادِ شکل
اتساع مجاری
ضیق مجاری
سُدّہ
خشونت
ملاست
زیادتی تعداد عدد
کمی تعداد عدد
فسادِ وضع

جزو چہارم

علم العلامات

تعریف

علامات ایسے نشانات کو کہتے ہیں جن سے حالتِ صحت یا حالتِ مرض کا پتہ چلتا ہے۔ یہ علامات گاہے مرض ہوتی ہیں اور گاہے عرض۔

اقسام

علامات کی تین اقسام ہیں جو تین زمانوں کے مطابق پائی جاتی ہیں: (۱) ماضی (۲) حال (۳) مستقبل۔
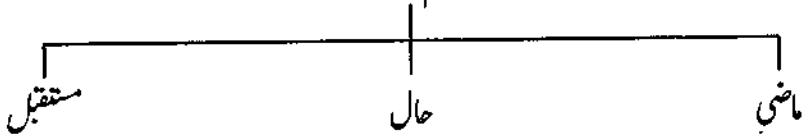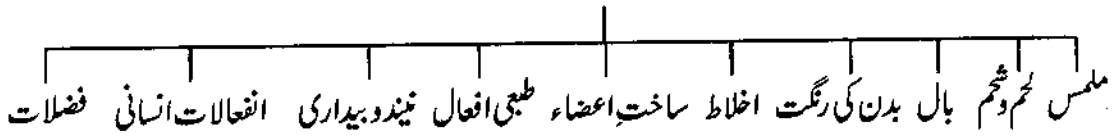
(۱) **علامات ماضی:** یہ عام طور پر اسباب بادیہ یا سابقہ پر روشنی ڈالتی ہیں جن سے اکثر ایک معالج ہی فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ جب وہ ان کا اظہار کرتا ہے تو یہ اُس کی فضیلت اور قابلیت پر دلالت کرتا ہے۔ معالج کے لئے ان کا ہمیشہ ذہن میں رکھنا باعثِ عزت ہے۔ ایسی علامات کو مذاکرہ کہتے ہیں۔

(۲) **علامات حال:** ان کی دو صورتیں ہیں، اوّل وہ جو مریض بیان کرتا ہے، دوسرے وہ جن کا اظہار معالج کرتا ہے۔ مریض اُن کو بیان نہیں کر سکتا، لیکن ان کے اثرات سمجھتا ضرور ہے۔ یہ علامات جو مریض بیان کرتا ہے ''شرکی'' ہوتی ہیں اور جو معالج بیان کرتا ہے ''سبب واصلہ'' ہوتی ہیں۔ اور یہی تشخیص اور حقیقت مرض پر روشنی ڈالتی ہیں۔ ان کو دال کہتے ہیں۔

(۳) **علامات مستقبل:** ایسی علامات جن سے مرض کے نیک و بد کا پتہ چلتا ہے کہ مرض خیر و خوبی سے انجام پائے گا یا مریض ختم ہو جائے گا۔ ایسی علامات کے بیان سے معالج کی حذاقت اور حدث کا سکہ مریض پر بیٹھتا ہے۔ ان سے مریض بھی مستفید ہوتا ہے اور معالج کی شہرت اور عزت بھی بڑھتی ہے۔ ان علامات کو ''تقدمِ معرفت'' کہتے ہیں۔ علاج کے دوران میں ان تینوں قسم کی علامات کا ذہن نشین رکھنا حاذق طبیب کے

لئے نہایت اہم ہے۔ یہ تینوں قسم کی علامتیں یا تو مزاجوں پر دلالت کرتی ہیں یا ترکیب پر (مشینی یا کیمیاوی)۔

اجناسِ علامات

یہ تمام علامات دس جنسوں میں تقسیم کی گئی ہیں۔

(۱) **ملمس** (چھوکر معلوم کرنا): اگر ملمس چھوکر گرمی محسوس کرے تو یہ حرارت کی علامت ہوگی، اگر سردی محسوس کرے تو برودت پر دلالت کرے گا۔ اگر نرمی محسوس ہو تو رطوبت پر اور سختی محسوس کرے تو خشکی کو ظاہر کرے گا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ چھونے والے شخص کا مزاج معتدل ہونا چاہئے۔ اگر اس کے مزاج میں اعتدال نہ ہوگا تو نتیجہ تسلی بخش نہیں آئے گا۔

(۲) **لحم و شحم** (گوشت و چربی): گوشت کی کثرت حرارت و رطوبت پر چربی کی زیادتی کثرت برودت و رطوبت پر اور ان کی کمی رطوبت کی کمی پر دلالت کرتی ہے۔ سرخ رنگ کا گوشت اگر بکثرت ہو تو ایسا جسم ٹھوس ہوا کرتا ہے، اگر سرخ رنگ کا گوشت تھوڑا ہو اور اُس کے ساتھ چربی کی کمی ہو تو گرمی خشکی کی علامت ہے۔ چربی دو قسم کی ہوتی ہے، (۱) شحم (جمی ہوئی سخت چربی) اور (۲) سمین (پتلی چربی)۔ چربی کی زیادتی سے جسم ڈھیلا ہو جاتا ہے اور سردی تری غالب رہتی ہے۔

(۳) **بال**: بال اگر جلد اُگیں تو خشکی کی علامت ہے۔ بالوں کی کثرت گرمی پر دلالت کرتی ہے اور قلت رطوبت پر۔ اُن کی غلظت (موٹاپن) بخارات دخانیہ کی کثرت اور باریک ہونا بخارات دخانیہ کی قلت پر دلالت کرتا ہے۔ بالوں کا گھنگھریالہ ہونا گرمی خشکی پر اور سیدھا ہونا سردی، تری پر دلالت کرتا ہے۔ رنگت کے لحاظ سے بالوں کی سیاہی گرمی پر صہوبت (پیازی رنگ) سردی اور شقرت (زردی مائل سرخی)، حمرت (سرخی) دونوں اعتدال کے قریب ہونے پر دلالت کرتے ہیں، بالوں کی سفیدی سردی پر جس کے ساتھ کبھی تری کبھی خشکی ہوتی ہے

(۴) **بدن کی رنگت**: رنگت کی سفیدی حرارت کی کمی پر، سیاہی خشکی کی کثرت پر۔ سرخی خون کی زیادتی پر۔ زردی اور سرخی حرارت کی کثرت پر۔ بینگنی رنگت سردی اور خشکی پر دلالت کرتی ہے۔ سفید رنگ بلغم کی علامت ہے اور رساسی (سیسے کی مانند) رنگ سردی اور تری پر دلالت کرتا ہے۔

(۵) **اخلاط**: **(i) خون کی زیادتی کی علامات:** سر کی گرانی، انگڑائی، جمائی، اونگھ، حواس کی کدورت، ذہن کی کندی، ذائقے کی شیرینی، بدن اور زبان کا سرخ ہونا، پھوڑے پھنسیوں کا نکلنا، بہ آسانی پھٹ جانے والے مقامات سے خون کا نکلنا، خون کی زیادتی کی علامات ہیں۔

(ii) بلغم کی زیادتی کی علامات: بدن کی رنگت کا سفید ہونا، بدن کا ڈھیلا ہونا، بدن کا ملائم اور سرد محسوس ہونا، لعاب دہن کا بکثرت محسوس بہنا، پیاس کی کمی (لیکن جب بلغم کے ساتھ صفراء ملا ہوا ہوتا ہے تو پیاس زیادہ لگتی ہے)۔ کھاری (بکس) ڈکاریں، نیند کی زیادتی، بلغم کی زیادتی کی علامات ہیں۔

(iii) صفراء کی زیادتی کی علامات: بدن اور آنکھ کی زردی، ذائقہ کی تلخی، زبان کا کھردرا ہونا، منہ اور نتھنوں کی خشکی، پیاس کی زیادتی، ضعف اشتہا، متلی اور پھریری (کپکپی)، یہ سب صفراء کی زیادتی کی علامات ہیں۔

(iv) سودا کی زیادتی کی علامات: جسم کی لاغری اور نیلا ہونا، خون کی سیاہی اور گاڑھا ہونا، غور و فکر کی زیادتی، معدے کی جلن، ترش ڈکاریں، اشتہائے کاذب، قارورہ کا نیلا یا سیاہ ہونا اور اکثر سرخ و غلیظ رہنا۔ بدن کی رنگت میں سیاہی اور بالوں کا زیادہ ہونا سودا کی زیادتی کی علامات ہیں۔

(۶) **اعضاء کی ساخت**: ہاتھ پاؤں کا بڑا ہونا، سینہ اور رگوں کا کشادہ اور ابھرا ہونا، جوڑوں کا ظاہر ہونا، یہ سب حرارت کی علامات ہیں اور ان کے برعکس سردی کی علامات ہوں گی۔

(۷) **طبعی افعال**: صحیح اور کامل افعال اعتدال کی علامات ہیں اور ناقص اور باطل افعال سردی پر دلالت کرتے ہیں۔ کاموں میں چستی اور چالاکی گرمی اور اُس کے برعکس سستی اور غبی پن سردی کی علامات ہیں۔ پریشان، بے ترتیب اور بے قاعدہ افعال حرارت کی زیادتی پر دلالت کرتے ہیں۔

(۸) **نیند اور بیداری**: معتدل نیند و بیداری اعتدال مزاج کی دلیل ہے۔ بیداری کی کثرت گرمی خشکی کی علامت ہے اور نیند کی کثرت سردی تری پر دال ہے۔ نیند میں انسان جو خواب دیکھتا ہے، اس میں بھی بعض چیزیں مزاج پر دلالت کرتی ہیں، جیسے خواب میں آگ اور شعلوں اور دیگر زرد سرخی مائل چیزوں کا دیکھنا صفراء کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے۔ بارش، اولے، بادل، نہر، دریا، پانی وغیرہ اور سفید چیزوں کے خواب آنا بلغم کی علامت ہے۔ سرخ چیزوں، بہتا ہوا خون، جنگ و جدل کا دیکھنا غلبہ خون کی دلیل ہے۔ سیاہ اور خوفناک چیزوں مثلاً دھواں، سیاہ گائے بھینس، ریچھ وغیرہ کا دیکھنا سودا کی علامت ہے۔

(۹) **انفعالات انسانی**: تیز مزاجی، کلام کی کثرت، سرعت اور تسلسل، یہ سب حرارت پر دلالت کرتے ہیں۔ بے حیائی، طیش، جرأت، یہ شدتِ حرارت کی علامات ہیں اور ان کی برقراری یبوست پر اور فوری زائل ہو جانا رطوبت پر دلالت کرتا ہے۔ بزدلی، خوف، سردی کی علامات ہیں۔ غم اور غصہ اور مسرت حرارت کی علامات ہیں۔ حیاء اور وقار کی زیادتی گرمی اور رطوبت پر دلالت کرتی ہے۔

(۱۰) **فضلات**: فضلات کی زیادتی، ان میں بو، رنگت میں پختگی، حرارت کی دلیل ہیں اور اس کے برعکس سردی کی علامات ہیں۔

نبض

تعریف

نبض شرائن کی اس حرکت کا نام ہے جو دِل کے انقباض (سکڑنا) اور انبساط (پھیلنا) کے ساتھ ان میں خون چھینکنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ حرکت جسم کی تمام شرائن میں پیدا ہوتی ہے۔ مگر یہاں پر مخصوص وہ شرائن ہیں جو بعض مقامات پر نمایاں ہوتی ہیں جن کو انگلیوں سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جیسے کلائی کی شریان، کنپٹی کی شرائن اور ٹخنے کی شریان، نبض سے مراد انہی شرائن خصوصاً کلائی کی شریان کی حالت کو محسوس کرنا ہے۔ جس سے اکثر علاماتِ جسم کا پتہ چلتا ہے۔

یادداشت

بعض لوگ جن میں اکثریت یورپی طب والوں (ڈاکٹروں) کی ہے، کا خیال ہے کہ نبض سے سوائے حرکاتِ قلب کے اور کسی مرض کا پتہ نہیں چل سکتا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ فن نبض شناسی سے آگاہ نہیں۔ جو لوگ فن نبض شناسی سے آگاہ اور اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں ان کے لئے نبض دیکھ کر امراض کا بیان کر دینا بلکہ ان کی تفصیلات کا ظاہر کر دینا کوئی مشکل نہیں۔ ہم پوری کوشش کریں گے کہ ذیل میں نبض کو اچھی طرح طالب علم کے ذہن نشین کرا دیں۔ کیونکہ ایک نبض شناس معالج نہ صرف اس فن پر پوری طرح دسترس حاصل کر لیتا ہے بلکہ وہ بڑی عزت اور وقار کا مالک بھی بن جاتا ہے۔ اس لئے ہر معالج کا یہ فرضِ اوّلین ہے کہ وہ پوری کوشش سے اس فن کو حاصل کرے۔

حرکت کی تعریف

حرکت کی تعریف اوراس کے معمولات کا بیان علم طب سے وابستہ نہیں بلکہ اس کا تعلق فلسفۂ طبعی سے ہے، ہم یہاں اس کے فلسفہ سے بحث نہیں کریں گے کہ یہ حرکت اینیہ ہے وضعیہ ہے یا اس کا تعلق حرکت کمیہ اور حرکت کیفیہ سے ہے۔ اس کی آسان تعریف جو سمجھ میں آسکتی ہے، وہ یہ ہے کہ جسم کا قوت سے فعل میں بتدریج آنا حرکت کہلاتا ہے۔ بتدریج سے مراد یہ ہے کہ اس میں کچھ زمانہ صرف ہو خواہ ایک ثانیہ یا ایک دن۔ اس لحاظ سے حرکت خواہ کس قدر تیز ہو، سب کو بتدریج کہنا پڑے گا۔

جاننا چاہئے کہ دوڑنا بھی حرکت ہے (حرکت اینیہ)، چکی کا گھومنا بھی حرکت ہے (حرکت وضعیہ)، گرمی سے پارے کا پھیلنا بھی (حرکت کمیہ) اور سردی سے سکڑنا بھی (حرکت کیفیہ) حرکت ہے۔ نبض کی حرکت کس قسم کی ہے؟ اس میں اطباء کا اختلاف ہے۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ البتہ یہ ضرور واضح کریں گے کہ یہ حرکت اُس کی ذاتی ہے یا قلب کے سکڑنے اور پھیلنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اطباء کا اس میں اختلاف ہے۔ جالینوس وغیرہ کا خیال ہے کہ شرائن کی حرکت قلب کی حرکت کے تابع نہیں ہے، بلکہ شرائن میں حرکت کرنے کی ذاتی قوت ہوتی ہے۔ خواہ یہ قوت حیوانیہ ہو یا طبعیہ۔ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ شریان کی حرکت قلب کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے۔ صاحب موجز کا بھی یہی مذہب ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ قلب کے پھیلنے کے وقت شریان سکڑتی ہے اور قلب کے سکڑنے کے وقت شریان پھیلتی ہے۔ اس کے برعکس بعض متقدمین کا یہ خیال ہے کہ قلب کے انبساط کے وقت شریان پھیلتی ہے اور قلب کے انقباض کے وقت شریان سکڑتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شریان پھیلنے اور سکڑنے کا عمل اس کے عضلات کے سکڑنے اور پھیلنے پر منحصر ہے، اور قلب کا پھیلنا اور سکڑنا بھی اس کے عضلات کے ذریعہ عمل میں آتا ہے۔ گویا سکڑنے اور پھیلنے کا عمل عضلات کا ذاتی ہے جو حرارت کے ساتھ پھیلتا ہے اور حرارت کی کمی کے باعث سکڑتا ہے۔ اس لئے جسم کے تمام عضلات اپنی اس حرکت کو خود حرارت کے تحت قائم رکھتے ہیں اور حرارت کی نفی کے ساتھ ختم کر دیتے ہیں۔[1]

نبض دیکھنے کا طریق

طبیب اپنی چاروں انگلیاں مریض کی کلائی کے اُس طرف رکھے جس طرف کلائی کا انگوٹھا ہو اور شہادت کی انگلی پہنچے کی ہڈی کے ساتھ نیچے کی طرف اور پھر شریان کی حرکت کا احساس کرے۔ یہ احساس مندرجہ ذیل جنسوں میں واضح ہوگا۔

---

[1] ماڈرن سائنس کا مسلمہ اصول ہے کہ قوت سے حرکت پیدا ہوتی ہے اور حرکت سے حرارت کی پیدائش عمل میں آتی ہے اور یہی نظامِ زندگی میں رواں دواں ہے۔ نبض کے سلسلہ میں بھی ہم مریض کے جسم میں یہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کے جسم میں اس وقت قوت کی زیادتی ہے یا حرکت کی زیادتی ہے یا حرارت کی زیادتی یا ان میں سے کس کس کی کمی ہے اور اس کے تحت نبض کی باقی جنسیں بھی قائم ہوسکتی ہیں۔ جن کی تفصیل کتاب میں درج ہے۔ نبض کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے اس قدر جان لینا ضروری ہے کہ نبض روح کے ظروف (قلب وشرائن) کی حرکت کا نام ہے۔ جو انبساط اور انقباض سے مرکب ہوتی ہے۔ جس کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ نسیم کو جذب کر کے روح کو ٹھنڈک پہنچائی جائے اور فضلات دُخانیہ کو خارج کیا جائے اس کا ہر نبضہ (ٹھوکر یا قرع) دو حرکتوں اور دو سکونوں سے مرکب ہوتا ہے، کیونکہ ہر ایک نبضہ انبساط اور انقباض سے مرکب ہوتا ہے یہ دونوں حرکتیں ایک دوسرے سے متضاد ہیں اور ہر دو متضاد حرکتوں کے درمیان سکون کا ہونا ضروری ہے۔

اجناس نبض

نبض کی دس اجناس ہیں: (۱) مقدار (۲) قرعِ نبض (۳) زمانہ حرکت (۴) قوام آلہ (۵) زمانہ سکون (۶) مقدار رطوبت (۷) شریان کی کیفیت (۸) وزنِ حرکت (۹) استواء واختلافِ نبض (۱۰) نظمِ نبض۔

۱ مقدار

مقدار کی تین قسمیں ہیں: (۱) طویل (۲) عریض (۳) مشرف اور پھر ان میں سے ہر ایک کی تین تین صورتیں ہیں گویا کل نو صورتیں ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) **الف۔ طویل** (لمبی): وہ نبض ہے جس کے اجزاء معتدل شخص (تندرست) کی نبض کی نسبت لمبائی میں زیادہ محسوس ہوں۔ ایسی نبض حرارت کی زیادتی کو ظاہر کرتی ہے۔

ب۔ قصیر (چھوٹی): یہ نبض کی صورت طویل کے مقابل اس کی طوالت کی کمی کا اظہار کرتی ہے لیکن درحقیقت اس کا تعلق طویل نبض سے ہی ہے، صرف وہ اس کی طوالت کی قصر (کمی) کا اظہار کرتی ہے اور اس اظہار سے مراد حرارت کی کمی کو ظاہر کرنا ہے۔

ج۔ معتدل (درمیانی): نبض کی یہ صورت طویل اور قصیر دونوں کے درمیان واقع ہوتی ہے، یعنی یہ بھی وہی طویل نبض ہے جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ نبض طوالت اور قصر میں اعتدال پر ہے، اس سے مراد حرارت کا اعتدال ہے۔

یادداشت: نبض طویل دراصل ایک ایسی صورت ہے جس سے حرارتِ جسم کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن جب جسم میں حرارت کم ہو تو وہی نبض قصیر بن جاتی ہے۔ اور جب حرارت اعتدال پر ہو تو اُس نبض کو ہم معتدل کہہ دیتے ہیں یہ تشریح صرف اس لیے کی گئی ہے کہ طالب علم ایک کی بجائے تین اقسام کے چکر میں نہ پڑیں بلکہ اس طویل کو ایک ہی کی تین صورتیں سمجھنے اور ذہن نشین کرنے میں آسانی ہو۔

طویل نبض جانچنے کا معیار: چونکہ نبض انگلیوں سے دیکھی جاتی ہے، اس لئے طوالت، قصر اور معتدل کو ماپنے کے لئے انگلیاں ہی معیار مقرر کی گئی ہیں۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ نبض دیکھنے میں جو چار انگلیاں استعمال کی جاتی ہیں وہی اس مقصد کے لئے معیار بھی ہیں۔ مثلاً اگر نبض کی لمبائی ان چار انگلیوں تک یا اس سے بھی گزرتی ہوئی محسوس ہو تو ہم ایسی نبض کو طویل کہیں گے۔ اگر اس کی طوالت دو تین انگلیوں کے درمیان رہے تو یہ معتدل ہوگی اور اگر دو سے کم ہو جائے تو یہ نبض قصیر ہوگی۔

(۱) **الف۔ عریض** (چوڑی): وہ نبض ہے جس کی چوڑائی معتدل شخص کی نسبت زیادہ محسوس ہو۔ یہ نبض رطوبت کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔

ب۔ ضیق (تنگ): یہ نبض عریض کی کمی کا اظہار کرتی ہے اور اس طرح رطوبت کی کمی پر دلالت کرتی ہے۔

ج۔ معتدل: وہ نبض ہے جو عریض اور ضیق کے درمیان ہو۔ ایسی نبض رطوبت اور یبوست کے لحاظ سے بدن کی اعتدالی حالت پر دلالت کرتی ہے۔

یادداشت: نبض عریض بھی نبض طویل کی طرح نبض کی ایسی حالت کا اظہار کرتی ہے جس سے بدن کی رطوبات کی زیادتی کا پتہ چلتا ہے، اور رطوبات ضرورت سے کم ہو جائیں تو اس کا نام نبض ضیق رکھ دیا گیا اور جب ضرورت کے مطابق اور اعتدال پر ہوں تو اس کو معتدل کہتے ہیں۔ دراصل یہ معتدل عریض اور ضیق کے بالمقابل ہے۔ گویا جب نبض عریض کا ذکر آئے گا یا اس نبض کا علم ہوگا تو مراد رطوبت ہوگی۔ جیسے کہ نبض طویل سے مراد حرارت ہے اور اس کا معتدل ہونا اس کا اعتدال ہے۔

جانچنے کا معیار: نبض پر چاروں انگلیاں اس طرح رکھیں کہ وہ اپنے سروں پر کھڑی ہو جائیں اور پھر اُن کے پوروں کے سروں سے نبض کا احساس کریں۔ اگر نبض کی چوڑائی نصف پورے کی چوڑائی سے زیادہ ہو تو نبض عریض ہے۔ اگر نصف پورے تک ہے تو معتدل اور اگر نصف سے کم یا تقریباً چوتھائی کے برابر ہو تو ضیق ہوگی۔

(۳) **الف۔ مشرف** (بلند): وہ نبض ہے جس کے اجزاء معتدل شخص کی نبض کی نسبت بلندی میں زیادہ محسوس ہوں۔ ایسی نبض حرکت کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔

ب۔ منخفض (پست): وہ نبض ہے جو مشرف کی کمی کا اظہار کرتی ہے اور حرکت کی کمی پر دلالت کرتی ہے۔

ج۔ معتدل: وہ نبض ہے جو مشرف اور منخفض کے درمیان ہو اور یہ اعتدال پر دلالت کرتی ہے۔

یادداشت: مندرجہ بالا دونوں نبضوں "طویل" اور "عریض" کی طرف مشرف بھی ایک ہی نبض ہے جو حرکت پر دلالت کرتی ہے اور اُس کی باقی دو صورتیں اس کی کمی اور اعتدال پر دلالت کرتی ہیں۔ مشرف نبض کا دیکھنا (جاننا) نبض کی حرکت کا جاننا ہے۔

جانچنے کا معیار: چاروں انگلیاں نبض کے مقام پر ایسی آہستگی سے رکھیں کہ انگلیوں کا نبض پر دباؤ نہ پڑے۔ اگر انگلیاں رکھنے کے ساتھ ہی نبض کا احساس ہو تو یہ نبض مشرف ہوگی۔ اگر نبض کا احساس نہ ہو تو پھر کلائی پر یہاں تک دباؤ ڈالا جائے کہ نبض کا احساس ہونے لگے۔ اگر یہ احساس کلائی کی ہڈی کے پاس اخیر میں جا کر ہو تو یہ نبض منخفض ہوگی اور اگر مشرف اور منخفض کے درمیان ہو تو معتدل لیکن اتنا یاد رہے کہ بعض وقت نبض کا احساس معتدل اور مشرف کے درمیان اور منخفض کے درمیان بھی ہوتا ہے۔ جن دو کے درمیان احساس ہو تو اس کی علامت غالب ہوگی۔[1]

قرع (ٹھوکر)

یہ نبض ٹھوکر کے لحاظ سے ہے جو انگلیوں کو محسوس ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے اُس کی تین قسمیں ہیں: (۱) قوی (۲) ضعیف (۳) معتدل۔

(۱) **قوی**: وہ نبض ہے جو انگلی کے پوروں کے گوشت کو اس زور سے ٹھوکر لگائے کہ اس کا اثر پورے کی گہرائی تک پہنچتا محسوس ہو۔ ایسی نبض قوتِ حیوانی کے قوی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

(۲) **ضعیف**: وہ نبض ہے جو قوی کے بالمقابل ہو اور یہ قوتِ حیوانی کے ضعیف ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

(۳) **معتدل**: وہ نبض ہے جو قوی اور ضعیف کے درمیان ہو اور یہ قوتِ حیوانی کے معتدل ہونے کی علامت ہے۔

جانچنے کا معیار: چاروں انگلیاں نبض پر رکھیں، پھر ان کو آہستہ آہستہ دبائیں، اس کے بعد معلوم کریں کہ انگلیاں نبض کو آسانی سے دبا رہی ہیں یا نبض ان کو سختی کے ساتھ دھکیل رہی ہے۔ یہاں بھی پھر سمجھ لیں کہ نبض قرع سے مراد قوتِ حیوانی کا جانچنا ہے اور اس کا ضعف اور اعتدال اس کے بالمقابل اور درمیانی مقام ہے۔

زمانۂ حرکت

نبض حرکت کے زمانے کے لحاظ سے ہے اور اس کی بھی تین قسمیں ہیں: (۱) سریع (۲) بطئی (۳) معتدل۔

---

[1] مقدار سے مراد کسی چیز کی لمبائی چوڑائی اور گہرائی کے متعلق معلوم کرنا ہے۔ نبض کی مقدار کا مقصد اُس کی حالتِ انبساط کا تینوں قطروں میں جاننا ہے تاکہ مریض کی طاقت کا پورا پورا علم ہو جائے۔

(۱) **سریع**: وہ نبض ہے جس کی حرکت تھوڑی مدت میں ختم ہو جاتی ہے اور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قلب کو ہوائے سرد[1] (نسیم) کی بہت حاجت ہے۔

(۲) **بطی**: وہ نبض ہے جو سریع کے مخالف ہو اور اس چیز کی علامت ہے کہ قلب کو ہوائے سرد کی حاجت نہیں۔

(۳) **معتدل**: جو سریع اور بطی کے درمیان پائی جائے۔ یہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ہوائے سرد کی کسی قدر ضرورت ہے۔

جانچنے کا معیار: انگلیاں رکھنے کے بعد یہ محسوس کریں کہ نبض کی حرکت کتنے وقفہ کے بعد پیدا ہوتی ہے، یعنی اس کے انبساط اور انقباض کا درمیانی وقفہ کتنا ہے۔ بالفاظِ دیگر وہ تیزی کے ساتھ اپنی حرکت کو پورا کر رہی ہے یا سستی کے ساتھ۔ اس امر کا بھی سابقہ نبض کی طرح خیال رکھیں کہ اس نبض میں قرع کی طرح حرکت ہی کو مدِ نظر رکھنا ہے اور اس میں سریع بطی اور معتدل اُس کے صرف درجات ہیں۔

۴ قوامِ آلہ (شریان کی سختی و نرمی)

یہ نبض شریان کی حالتِ جسم کا اظہار کرتی ہے اور اس اعتبار سے اس کی تین اقسام ہیں: (۱) صلب (۲) لیّن (۳) معتدل۔

(۱) **صلب**: وہ نبض ہے جس کو انگلیوں سے دبانے پر اس میں سختی کا اظہار ہو۔ یہ بدن کی خشکی پر دلالت کرتی ہے۔

(۲) **لیّن**: وہ نبض ہے جو صلب کے مخالف ہو۔ یہ رطوبت پر دلالت کرتی ہے۔

(۳) **معتدل**: وہ نبض ہے جو سخت (صلب) اور نرم (لین) کے درمیان ہو اور اس کی علامت ہے کہ جسم نبض متوسط حالت میں ہے۔

جانچنے کا معیار: نبض پر انگلیاں رکھ کر جسم نبض کو محسوس کریں اور یہ جانچنے کی کوشش کریں کہ اُس کا جسم آسانی کے ساتھ دبتا ہے یا نہیں۔ اس امر کو بھی ذہن نشین کر لیں کہ یہ نبض صرف جسمِ نبض کی سختی اور نرمی اور اعتدال کو جانچنے کے لئے ہے۔ گویا صرف آلۂ نبض کو دیکھنا ہے۔ مثلاً کسی ربڑ کے آلہ (ٹیوب) میں پانی بھرا ہو تو اُس میں صرف اُس ربڑ کو محسوس کرنا پڑے گا کہ وہ سخت ہے یا نرم، پانی کی زیادتی، کمی اور دباؤ کا محسوس کرنا مدِ نظر نہیں۔

۵ زمانۂ سکون

یہ نبض زمانہ سکون کے اعتبار سے ہے۔ اس کی تین اقسام ہیں: (۱) متواتر (۲) متفاوت (۳) معتدل۔

(۱) **متواتر**: وہ نبض ہے جس میں وہ زمانہ تھوڑا ہو جو دو ٹھوکروں کے درمیان محسوس ہوا کرتا ہے۔ یہ نبض قوتِ حیوانی کے ضعف کی دلیل ہے۔

(۲) **متفاوت**: یہ نبض متواتر کے مخالف ہوتی ہے تو قوتِ حیوانی کی شدت اور قوت پر دلالت کرتی ہے۔

(۳) **معتدل**: وہ نبض جو متواتر اور متفاوت کے درمیان ہو اور قوتِ حیوانی کی متوسط حالت کو ظاہر کرتی ہے۔

جانچنے کا معیار: حسبِ دستور انگلیاں رکھیں اور غور کریں کہ کتنی دیر کے بعد ٹھوکر آ کر انگلیوں کو لگتی ہے اور پھر دوسری ٹھوکر کے بعد درمیانی وقفہ کو مدِ نظر رکھیں۔ بس یہی زمانۂ سکون ایسا زمانہ ہے کہ جس میں شریان کی حرکت بہت کم محسوس ہو، بلکہ بعض اوقات اُس کی حرکت محسوس ہی نہیں ہوتی اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے نبض انگلیوں کے ساتھ ٹھہری ہوئی ہے۔ اس کا متواتر ہونا بھی انہی معنوں میں ہے کہ اس کا سکون متواتر قائم ہے۔ البتہ متواتر نبض متفاوت کی نسبت اپنی حرکت کا زیادہ اظہار کرتی ہے۔

---

[1] ہوائے بارد (سرد) سے یہاں مراد نسیم یعنی آکسیجن ہے۔ زمانۂ حرکت کا سریع ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ جسم میں دخان (کاربانک ایسڈ گیس) کی زیادتی ہے۔

❻ مقدارِ رطوبت

نبض کی یہ جنس رطوبت کے اعتبار سے ہے، جو رگوں کے جوف میں بھری ہوئی ہے۔ اس اعتبار سے اس کی تین اقسام ہیں:

(۱) ممتلی (۲) خالی (۳) معتدل۔

(۱) **ممتلی** (پُر یا بھری ہوئی): خون اور روح کی کثرت پر دلالت کرتی ہے۔

(۲) **خالی**: ممتلی کے مخالف ہوتی ہے۔

(۳) **معتدل**: ممتلی اور خالی کے درمیان اور خون اور روح کے اعتدال پر دلالت کرتی ہے۔

جانچنے کا معیار: حسب دستور انگلیاں رکھیں اور نبض کے جسم کا مطالعہ کریں۔ اُس کی صورت ایسی ہوگی جیسے کسی پانی سے بھری ہوئی ٹیوب کے اندر پانی کی مقدار کا اندازہ لگایا جائے کہ ٹیوب میں پانی ٹیوب کے جوف کے اندازے سے زیادہ ہے یا کم۔ بالکل اسی طرح نبض ضرورت سے زیادہ پھولی ہوگی اور دبانے سے اس کا اندازہ پوری طرح سے ہو سکے گا۔ اگر ممتلی ہوگی تو اُس میں ضرورت سے زیادہ خون اور روح ہوگی جو صحت کے لئے مضر ہے۔ اسی طرح خالی نبض بھی جو خون اور روح کی کمی کی علامت ہے۔ کمزوری کی دلیل ہے۔

❼ شریان کی کیفیت

نبض کی یہ جنس شریان کی گرمی، سردی پر دلالت کرتی ہے۔ اس کی تین اقسام ہیں۔

(۱) **حار**: وہ نبض جو روح اور خون کی گرمی پر دلالت کرتی ہے، جو اس کے اندر ہوتا ہے۔

(۲) **بارد**: وہ نبض جو خون اور روح کی سردی پر دلالت کرتی ہے۔

(۳) **معتدل**: جو حار اور بارد کے لحاظ سے اعتدال پر ہو۔

جانچنے کا معیار: اس نبض کا پہچاننا کوئی مشکل نہیں۔ بہت آسانی سے پتہ چل جاتا ہے۔

❽ وزنِ حرکت

یہ جنس حرکت کے وزن کے اعتبار ہے، جو ظاہر کرتی ہے کہ نبض کا زمانہ حرکت اور زمانہ سکون مساوی ہے۔ اگر یہ زمانہ صحیح صورت میں مساوی ہو تو نبض انقباض اور انبساط کے لحاظ سے معتدل حالت میں ہوگی۔ اس کی بھی تین صورتیں ہیں۔

(۱) **جید الوزن**: وہ نبض ہے جس کا انقباض اور انبساط معتدل حالت میں ہو۔

(۲) **خارج الوزن**: وہ نبض ہے جس کا انقباض اور انبساط مساوی نہ ہو بلکہ دونوں میں کمی بیشی پائی جائے۔ یہ نبض صحت کی خرابی کی دلیل ہے۔

(۳) **ردّی الوزن**: یہ نبض عمر کے اعتبار سے اپنے وزن کو صحیح ظاہر نہیں کرے گی۔ یعنی بچے، جوان اور بوڑھے کی نبض کے اوزان ان کی اپنی نبض کے مطابق نہ ہوں۔ بلکہ دوسری عمر کے مطابق ہوں۔

جانچنے کا معیار: حسبِ دستور انگلیاں نبض پر رکھیں۔ اور اس کی انقباضی اور انبساطی صورت کا مطالعہ کریں نبض جب پھیلے تو اس کی

---

❶ نبض کے انقباض اور انبساط کو سمجھنے کے لئے ایک ربڑ کا ٹکڑا کسی دوسرے فرد کو پکڑا دیں اور وہ اس کے دونوں سروں کو پکڑ کر کھینچے اور لمبا کرے۔ پھر اس کو ڈھیلا کر کے واپس اپنی جگہ پر لے آئے۔ جب وہ بار بار ایسا کرے تو اپنی انگلیاں اس ربڑ کے ٹکڑے پر رکھ دیں اور اس کو محسوس کرنا شروع کریں کہ اس کے کھینچنے پر انگلیاں کیسا محسوس کرتی ہیں اور سکڑنے پر کیا محسوس کرتی ہیں۔

حرکت کو انبساطی کہتے ہیں اور جب اپنے اندر سکڑے تو اس کو حرکت انقباض کہتے ہیں تو ان دونوں کے زمانوں کا فرق یہی اُس کا وزن ہے اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ ہر عمر کے زمانہ میں نبض دوسری عمر سے مختلف ہوتی ہے۔ اس لئے ہر عمر کے انقباض اور انبساط کو ضرور مدِنظر رکھیں۔ بچپن میں انبساط زیادہ ہوتا ہے اور بڑھاپے میں انقباض بڑھ جاتا ہے اور جوانی میں تقریباً برابر ہوتی ہیں۔

استوا و اختلاف نبض

یہ جنس اجزائے نبض کے استوا اختلاف کے اعتبار سے ہے۔ اس کی صرف دو صورتیں ہیں: (۱) مستوی (۲) مختلف۔

(۱) **نبض مستوی**: وہ نبض ہے جس کے تمام اجزاء تمام باتوں میں باقی نبض سے مشابہ ہوں۔ یہ نبض بدن کی اچھی حالت ہونے کی علامت ہے۔

(۲) **نبض مختلف**: وہ نبض ہے جو مستوی کے مخالف ہو اور اُس کے برعکس پر دلالت کرتی ہے۔

معیار: حسب دستور انگلیاں رکھیں اور جس قدر اجناس گزر چکی ہیں، ان کو پھر بغور دیکھیں اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ ان میں کوئی ربط قائم ہے یا نہیں۔ اگر ان میں ربط قائم ہے تو وہ مستوی ہے، ورنہ مختلف۔ گویا یہ نبض یہ ظاہر کرتی ہے کہ تمام اجناس نبض مقدار، قرع، زمانہ حرکت، قوام آلہ وغیرہ میں ایک ربط قائم ہے۔

نظم نبض

یہ نبض مندرجہ بالا نبض مختلف کے اعتبار سے منتظم اور غیر منتظم حالت کا اظہار کرتی ہے۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں:
(۱) مختلف منتظم (۲) مختلف غیر منتظم۔

(۱) **مختلف منتظم**: وہ نبض ہے جس میں نبض کی اختلافی حرکت ایک ہی نظام پر قائم ہو۔ یہ نبض یہ ظاہر کرتی ہے کہ نبض میں جو اختلاف پیدا ہو چکا ہے، وہ اپنی حالت پر قائم ہے یعنی وہ ایک نظام کے تحت چل رہا ہے۔

(۲) **مختلف غیر منتظم**: جو مختلف منتظم کے مخالف ہوتی ہے۔ گویا وہ یہ ظاہر کرتی ہے کہ نبض کے حالات بلا کسی خاص نظام کے بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً ایک نبض جس کی کبھی دوسری ٹھوکر سخت ہو جاتی ہے کبھی تیسری چوتھی اور کبھی دسویں ٹھوکر کے بعد ایک ٹھوکر سخت ہو جاتی ہے۔

یادداشت: حکماء نے دسویں جنس کو نبض کے اقسام میں شریک نہیں کیا۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ دسویں جنس بھی نویں جنس کی طرح ہی ہے۔ نویں جنس بھی باقی نبضوں کا استوا و اختلاف ظاہر کرتی ہے جس کا مقصد نبض کی صحت اور مرض کی طرف لوٹنے کا اظہار ہے، ورنہ اس کا اور کوئی مقصد نہیں۔ اس طرح دسویں جنس بھی نویں جنس کی مختلف نبض کے نظم کو ظاہر کرتی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مریض میں صحت کی طرف لوٹنے کی استعداد ہے، یا وہ موت کے قریب جا رہا ہے۔

مرکب نبض کے اقسام

تعریف

مرکب نبض اس نبض کو کہتے ہیں جس میں چند مفرد نبضیں مل کر ایک حالت پیدا کرتی ہیں۔ اس سلسلہ میں اطباء نے نبض کی چند مرکب صورتیں بیان کی ہیں جس سے جسم انسان کی بعض حالتوں پر خاص طور پر روشنی پڑتی ہے۔ اور خاص خاص امراض میں نبض کی جو مرکب کیفیت پیدا ہوتی ہے، ان کا اظہار ہے۔ ان کا فائدہ یہ ہے کہ ایک معالج آسانی کے ساتھ متقدمین اطباء کے تجربات سے مستفید ہو سکتا ہے۔ وہ چند مرکب

نبضیں درج ذیل ہیں۔

(۱) **نبض عظیم**: وہ نبض ہے جو طول، عرض اور شرف میں زیادہ ہو۔ یعنی اس کی تینوں حالتیں زیادتی کی طرف مائل ہوں۔ ایسی نبض جسم میں قوت، حرارت اور رطوبت تینوں کی زیادتی کا اظہار ہے۔ اس کے مقابلہ میں نبض صغیر ہے جو اپنے اثرات میں اس کے مخالف ہے اور ان دونوں کے درمیان نبض معتدل ہے۔ جس میں اس کی تینوں حالتیں اعتدال کے ساتھ پائی جائیں گی۔

(۲) **نبض غلیظ**: وہ نبض ہے جو صرف چوڑائی (عرض) اور بلندی (عظم) میں زیادہ ہو۔ سردی اور تری پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے مقابلے میں نبض دقیق ہے اور ان دونوں کی حالتِ اعتدال نبض معتدل سے ظاہر ہوتی ہے۔

(۳) **نبض غزالی**: وہ نبض ہے جو انگلی کے پوروں کو ایک ٹھوکر لگانے کے بعد دوسری ٹھوکر ایسی جلدی لگائے کہ اس کا لوٹنا اور سکون کرنا محسوس نہ ہو۔ یہ نبض اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ترویح (نسیم) کی جسم میں زیادہ ضرورت ہے۔ غزال کے معنی "بچہ ہرن"۔ یہاں اس کی مشابہت چال کی تیزی کی وجہ سے دی گئی ہے۔

(۴) **نبض موجی**: ایسی نبض جس میں شریانوں کے اجزا باوجود پُر ہونے کے مختلف ہوتے ہیں۔ کہیں سے عظیم، کہیں سے صغیر، کہیں سے بلند اور کہیں سے پست، کہیں سے چوڑی اور کہیں سے تنگ۔ گویا اس میں موجیں (لہریں) پیدا ہو رہی ہیں، جو ایک دوسرے کے پیچھے آ رہی ہیں۔ ایسی نبض رطوبت کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔ جس سے استسقاء، فالج اور سکتہ کے امراض کی طرف اشارہ ہے۔

(۵) **نبض دُودی** (کیڑے کی رفتار کی مانند): یہ نبض بلندی میں نبض موجی کے مانند ہوتی ہے، لیکن عریض اور ممتلی نہیں ہوتی۔ یہ نبض موجی کے مشابہ ہوتی ہے، لیکن اس کی موجیں ضعیف ہوتی ہیں۔ گویا یہ اس کے خلاف صغیر ہوتی ہے۔ ایسی نبض قوت کے ساقط ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن سقوطِ قوت پورے طور پر نہیں ہوتا۔ اس نبض کو دودی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ حرکت میں اس کیڑے کے مشابہ ہوتی ہے جس کے بہت سے پاؤں ہوتے ہیں۔

(۶) **نبض نملی** (چیونٹی کی رفتار کی مانند): یہ وہ نبض ہے جو نہایت ہی صغیر اور متواتر ہوتی ہے۔ ایسی نبض اکثر قوت کے کامل طور پر ساقط ہو جانے اور قریب الموت کے وقت ہوتی ہے۔ دراصل یہ نبض دودی کے مشابہ ہوتی ہے، لیکن اس سے زیادہ صغیر اور متواتر ہے۔

(۷) **نبض منشاری** (آرے کے دندانوں کی مانند): یہ وہ نبض ہے جو بہت مشرف، صلب، متواتر اور سریع ہوتی ہے۔ اس کی ٹھوکر اور بلندی میں اختلاف ہوتا ہے یعنی بعض اجزا سختی سے ٹھوکر لگاتے ہیں اور بعض نرمی سے بعض زیادہ بلند ہوتے ہیں اور بعض زیادہ پست۔ گویا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس نبض کے بعض اجزاء نیچے اُترتے وقت بعض انگلیوں کو ٹھوکر مار دیتے ہیں۔ یعنی ایک پورے کو جس بلندی میں ٹھوکر لگاتے ہیں، اُس سے کم دوسرے پورے کو۔ یہ نبض اس امر کو ظاہر کرتی ہے کہ عضو میں گرم ورم پیدا ہو گیا ہے۔ خاص طور پر پھیپھڑوں اور عضلات میں۔

(۸) **نبض ذنب الفار** (چوہے کی دُم کی مانند): وہ نبض ہے جس کے اجزاء کا اختلاف بتدریج کمی سے زیادتی کی طرف یا زیادتی سے کمی کی طرف ہوتا ہے۔ جیسے چوہے کی دُم ایک طرف سے موٹی اور دوسری طرف سے باریک ہوتی ہے۔ یہ نبض ایک مقدار سے شروع ہو کر عظیم یا صغیر کی مقدار کی طرف جاتی ہے اور پھر پہلی مقدار کی طرف لوٹ آتی ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قوت ضعیف ہو جاتی ہے اور ضعف کے بعد لوٹ آتی ہے۔ اگر یہ درمیان سے منقطع ہو جائے تو یہ بُری علامت ہے۔

(۹) **نبض مطرقی** (ہتھوڑے کی چوٹ کی طرح): وہ نبض ہے کہ جب انگلیوں پر ٹھوکر لگائے تو فوراً ہی دوبارہ ایک ٹھوکر اور لگائے۔ پھر ایک وقفہ کے بعد اسی طرح دو ٹھوکریں جلد جلد لگائے۔ اس نبض کو مطرقی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی حرکت ہتھوڑے کی حرکت سے بہت مشابہ

ہے۔ جب ہتھوڑے کو سندان پر ڈھیلے ہاتھ سے مارا جاتا ہے، تو ایک چوٹ لگا کر دوبارہ اوپر کی جانب فوراً آتا ہے اور پھر آہستہ سے دوبارہ سندان پر گرتا ہے۔ اس دوبارہ گرنے میں ہتھوڑا مارنے والے کے ارادے کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہی حال اس نبض کا ہوتا ہے۔ یہ نبض ضعف پر دلالت کرتی ہے۔

(۱۰) **نبض ذوالفترة** (ٹھہرنے والی): وہ نبض ہے جو چلتے چلتے بیچ میں ایسی جگہ ٹھہر جاتی ہے جہاں اُس کے چلنے کی توقع ہوتی ہے۔ یعنی ایسے وقت میں سکون پایا جاتا ہے جب کہ حرکت کی اُمید ہو۔ یہ نبض بھی مریض کے لئے اچھی علامت نہیں۔

(۱۱) **نبض واقع فی الوسط** (بیچ میں حرکت کرنے والی) وہ نبض ہے جو اس جگہ حرکت کرتی ہے جہاں اس کے ساکن ہونے کی توقع ہو یا نبض ذوالفترہ کے مقابل ہے۔

(۱۲) **نبض مسلی** (سوے کی مانند): یہ نبض درمیان سے موٹی اور دونوں طرف سے باریک ہوتی ہے۔ گویا چوہے کی دو دُموں کو ایک دوسری سے موٹائی کی جانب سے جوڑ دیا۔ یعنی کبھی یہ کمی سے بتدریج زیادتی کی حد تک جاتی ہیں، اور پھر اسی ترتیب سے لوٹ آتی ہے۔ یہاں تک کہ کمی پہلی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ نبض بہت ضعف کی علامت ہے۔

(۱۳) **مرتعش** (کانپنے والی): وہ نبض ہے جس میں رعشہ کی سی ایک حالت محسوس ہوتی ہے۔ یہ انتہائی ضعف کی حالت کا اظہار کرتی ہے۔

(۱۴) **ملتوی** (بل کھانے والی): وہ نبض ہے جس میں شریان اس طرح محسوس ہوتی ہے گویا وہ ایک دھاگہ ہے جو بل کھا رہا ہے۔ یہ نبض ضعف کے ساتھ حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی انتہائی کمی کا اظہار کرتی ہے۔

نبض کی علمی تشریح

نبض ایک ایسی حرکت کا نام ہے جو شرائن میں پیدا ہوتی ہے اور شرائن کا تعلق کیونکہ دِل کے ساتھ ہے، اس لئے دِل میں جس قسم کی حرکات اور حالات پیدا ہوتے ہیں، وہی شرائن میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ بناوٹ کے لحاظ سے دِل مفرد اعضاء سے بنا ہوا ہے۔ شرائن بھی تقریباً انہی اعضاء سے بنی ہوئی ہیں۔ نبض کی تشریح کو پوری طرح سمجھنے کے لئے اوّلاً دِل اور نبض کی بناوٹ اور ان کے افعال کا ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

دل: دِل دورانِ خون کا مرکز ہے۔ یہ ایک مخروطی شکل کا جوفدار عضلاتی عضو ہے، یہ اپنے غلاف میں ملفوف سینے میں دونوں پھیپھڑوں کے درمیان رہتا ہے۔ جوانی میں دِل 5 انچ لمبا اور $2\frac{1}{2}$ انچ موٹا ہوتا ہے۔ مردوں میں اس کا وزن $1\frac{1}{4}$ پاؤ سے $1\frac{1}{2}$ پاؤ تک، لیکن عورتوں میں ایک پاؤ سے $1\frac{1}{4}$ تک ہوتا ہے۔ دِل جسامت میں بڑھاپے تک بڑھتا رہتا ہے۔ اس کے اندر کی جانب ایک جھلی لگی ہوتی ہے جو شرائن کی اندرونی جھلی کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔ اس کو عربی میں غشاء مستبطن القلب اور انگریزی میں انڈوکارڈیم کہتے ہیں۔ دِل کے دو حصے ہوتے ہیں، ایک دایاں دوسرا بایاں۔ یہ دونوں حصے ایک درمیانی دیوار کے ساتھ علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں۔ ہر حصہ میں دو خانے ہوتے ہیں، اوپر والے چھوٹے خانے کو دِل کا کان (اُذن القلب) اور انگریزی میں آریکل یا ایٹریم کہتے ہیں۔ نچلے اور موٹے خانے کو عربی میں بطن القلب اور انگریزی میں ونٹریکل کہتے ہیں۔ دائیں طرف کے دونوں بڑے اور چھوٹے خانے ایک سوراخ کے ذریعے ملے ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان سیاہ خون ہوتا ہے۔ بائیں طرف کے دونوں خانے بھی ایک سوراخ کے ذریعے ملے ہوتے ہیں، ان کے درمیان سرخ خون ہوتا ہے، ان خانوں کے درمیان کواڑیں لگی ہوتی ہیں، جو ایک طرف کھلتی ہیں اور خون کو جانے دیتی ہیں۔ مگر خون کو واپس نہیں آنے دیتیں۔ اگر خون میں دباؤ ہو تو وہ بند ہوتی ہیں۔

دِل کا فعل یہ ہے کہ وہ اپنی انقباضی حرکت سے خون کو شرائن میں دھکیلتا ہے جس سے وہ بدن کے ہر حصے میں دورہ کرتا ہے۔ دِل خون کو

کس طرح دھکیلتا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ اس کی عضلی دیواریں پےدرپے سکڑتی اور پھیلتی رہتی ہیں، جس سے دِل متواتر سکڑتا اور پھیلتا رہتا ہے۔ چنانچہ دِل کے دونوں اُذن ایک ہی وقت میں پھیلتے اور دونوں بطن ایک ہی وقت میں سکڑتے ہیں۔ جب دونوں اُذن پھیلتے ہیں تو دائیں اذن میں جوف صاعد اور نازل وریدوں کے ذریعے جسم کا کثیف سیاہی مائل خون آتا ہے اور بائیں اُذن میں پھیپھڑوں کی وریدوں کے ذریعے صاف شدہ خون آتا ہے، پھر دائیں اُذن کا کثیف خون درمیانی سوراخوں کے راستے دائیں بطن میں اور بائیں اُذن کا لطیف خون بائیں بطن میں چلا جاتا ہے اور جب دونوں بطن سکڑتے ہیں تو دائیں بطن کا کثیف خون بذریعہ شریان ریوی پھیپھڑوں میں صفائی کے لئے چلا جاتا ہے، اور بائیں بطن کا خون بذریعہ شریانِ اعظم (اے اورٹا) تمام بدن میں پرورش کے لئے چلا جاتا ہے۔ دِل کے سکڑنے اور پھیلنے کی یہ حرکت ایک لمحہ سے بھی تھوڑے عرصہ میں ہوجاتی ہے۔ دِل کے ہر ایک سکڑنے کی حرکت میں تقریباً $1\frac{1}{2}$ چھٹانک خون شریان اور ورید شریانی میں چلا جاتا ہے۔

دِل کی حرکات کی تعداد میں عمر کی مختلف حالتوں میں اختلاف ہوتا ہے۔ اور اسی طرح مرض کی حالت میں بھی اُس کی حرکات میں کمی بیشی واقع ہوجاتی ہے۔ انسان کا دِل تندرستی میں ایک منٹ میں 70 سے 75 دفعہ حرکت کرتا ہے۔ مگر یہ حرکت ابتدائے زندگی سے آخر وقت تک روز بروز تعداد میں کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ جنین میں اس کی معمولی حرکت ایک منٹ میں 150 پیدائش کے وقت ایک منٹ میں 140 سے 130 تک عمر کے پہلے سال میں 120، دوسرے سال میں 110، تیسرے سال میں 95، ساتویں سال میں 80، جوانی میں 70 سے 80، ادھیڑ میں 80 سے 70 اور بڑھاپے میں 70 سے 60 فی منٹ ہوتی ہے۔ بلغمی مزاجوں کی نسبت دموی مزاجوں میں عورتوں کی نسبت مردوں میں دِل اور نبض کی حرکت تیز ہوتی ہے اور اسی طرح بعد از غذا اور ریاضت بدنی و دماغی میں بھی تیز ہوجاتی ہے۔ نیند کی حالت میں کم ہوجاتی ہے۔ مرض کی حالت میں اس میں بہت سے تغیرات آجاتے ہیں، لیکن بحالت صحت عام طور پر شام کی نسبت صبح کو، لیٹنے کی نسبت بیٹھنے میں، بیٹھنے کی نسبت کھڑے ہونے میں، کھڑے ہونے کی نسبت چلنے میں اور چلنے کی نسبت دوڑنے میں حرکتِ دل و نبض تیز ہوجاتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دِل کس طرح حرکت کرتا ہے؟ اس کے جواب میں حکماء کے مختلف اقوال ہیں۔ جالینوس کا یہ خیال ہے کہ جب قلب میں روحِ حیوانی پیدا ہوتی ہے تو اس سے قلب متحرک ہوتا ہے۔ حکیم ویسکورطیس کا یہ خیال ہے کہ حرارتِ قلب سے خون پھیلتا ہے اور خون کے پھیلاؤ سے دِل پھیلتا اور حرکت کرتا ہے۔ چونکہ یہ امر مسلم ہے کہ کوئی مادی شے اس وقت تک حالتِ سکون سے متحرک نہیں ہوسکتی جب تک اُس پر کسی تحریک کا اثر نہ ہو۔ مثلاً حرارت یا برودت یا کوئی داخلی تحریک جیسے کوئی کیمیاوی تغیر یا برقی قوت وغیرہ۔ چنانچہ پہلے یہ گمان تھا کہ جس طرح خون دخان (کاربانک ایسڈ گیس) آلاتِ تنفس میں تحریک دیتا ہے، اسی طرح وہ قلب کی تحریک کا بھی باعث ہوتا ہے۔ یعنی جب خونِ دِل کے خانوں میں جاکر اندرونی جھلی سے مس کرتا ہے، تو اس سے تحریک پیدا ہوکر دِل سکڑتا ہے اور حرکت کرتا ہے، لیکن تجربات و مشاہدات نے اس قول کو غلط ثابت کیا ہے، کیونکہ اگر کثیف خون کی بجائے دِل کے اندر خالص پانی کا دوران کیا جائے تب بھی دِل برابر سکڑتا اور پھیلتا رہتا ہے۔

چونکہ انفعالات انسانیہ مثلاً غم و غصہ وغیرہ نیز دماغی اور نخاعی امراض میں حرکاتِ قلب پر بیّن اثر پڑتا ہے۔ اس لئے بعض محققین کی رائے ہے کہ حرکتِ قلب کا مبداءِ نظامِ عصبی ہے یعنی دِل متحرک بالذات نہیں بلکہ اس کی حرکت نظامِ عصبی کے تابع ہے، بلکہ بعض حکماء کا تو یہ خیال ہے کہ مؤخر دماغ جسم کے تمام غیر ارادی افعال و حرکات کا محل ہے۔ حرکتِ قلب بھی ایک غیر ارادی فعل ہے، لہٰذا اس کا تعلق بھی مؤخر دماغ سے ہے۔ بعض پہلے مؤخر دماغ کو اور اس کے بعد اعصاب شرکیہ کو یکے بعد دیگرے حرکت قلب کا منبع قرار دیتے ہیں، لیکن مندرجہ ذیل مشاہدات و تجربات سے ان دلائل کی قطعی تردید ہوتی ہے۔

(۱) مرغی وغیرہ کے انڈے میں نظامِ عصبی کے پیدا ہونے سے بہت پہلے نقطۂ قلب پیدا ہوکر خود بخود حرکت کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح

انسانی جنین میں بھی دوسرے ہفتہ میں دماغ سے پہلے نقطۂ قلب پیدا ہو جاتا ہے۔

(۴) بعض حیوانات میں یہ مشاہدہ اور تجربہ کیا گیا ہے کہ ان کا دل جسم سے باہر نکال دینے پر بھی کچھ عرصہ خود بخود سکڑتا اور پھیلتا رہتا ہے اور بعض ادنیٰ حیوانات میں یہاں تک دیکھا جاتا ہے کہ دل کو نکال کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں، لیکن اگر ان ٹکڑوں کو گرم رکھا جائے اور مناسب غذا پہنچائی جائے تو دو گھنٹوں تک خود بخود حرکت کرتے رہتے ہیں۔ بعض صورتوں میں جب کہ دل کو حلقوں (Circles) کی صورت میں کاٹا جاتا ہے تب بھی وہ حرکت کرتے رہتے ہیں۔ بعض حکیموں کے یہ عینی مشاہدات ہیں کہ بعض مقتولین میں ایک گھنٹہ بعد از قتل قلب متحرک رہا، بعض پرندوں میں موت کے ایک دو روز بعد بھی حرکت قلب محسوس کی گئی اور جب کسی حیوان کے دل کو جسم سے نکال کر بعض خاص نمکیات (پوٹاشیم، سوڈیم، کیلشیم وغیرہ) کے پانی میں رکھا جاتا ہے تو وہ گھنٹوں تک حرکت کرتا رہتا ہے اور یہ ایک معجزہ ہے۔

پس مذکورہ بالا تجربات و مشاہدات کی بنا پر اَب یہ امر مسلمہ طور پر مانا جاتا ہے کہ قلب متحرک بالذات ہے، یعنی دل کی یہ دوامی اور باقاعدہ حرکت ذاتی ہے۔ اور اس حرکت کا باعث خاص دل ہی میں متمکن اور مستقر ہے۔ چنانچہ جوف قلب میں جو اعصاب شرکیہ کی چھوٹی چھوٹی گانٹھیں پھیلی ہوئی ہیں اور عصبی ریشوں کے ذریعہ آپس میں ملی رہتی ہیں، وہی حرکت قلب کے لئے بمنزلہ مبداء ہیں، لیکن حرکتِ قلب کو کم وبیش یا سست چست کرنے کا انتظام نظامِ عصبی کے تابع ہے۔ چنانچہ عصب راجع (ویگز) حرکتِ قلب کو سست کرتی ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ جب دونوں طرف کے یہ اعصاب کاٹ دیئے جاتے ہیں تو حرکاتِ قلب تعداد اور قوت میں بڑھ جاتی ہیں اور جب ان دونوں اعصاب میں تحریک پیدا کی جاتی ہے، یعنی اُس کے ذاتی فعل کو عارضی طور پر تیز کیا جاتا ہے تو حرکاتِ قلب سست اور کہیں بالکل باطل ہو جاتی ہیں اور بخلاف ازیں جب دونوں اعصاب شرکیہ (سمپے تھیٹک نروز) میں تحریک پیدا کی جاتی ہے تو حرکاتِ قلب چست اور قوی ہو جاتی ہیں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگرچہ قلب کی حرکت ذاتی ہے لیکن اس کو سست اور چست کرنا عصب راجع اور اعصابِ شرکیہ کے تحت ہے۔

نتیجہ: حقیقت یہ ہے کہ دل کی ذاتی حرکت یعنی اُس کا انقباض وانبساط تو اس کی ذاتی حرکت ہے، لیکن دل کا چلنا یا دھڑکنا اعصاب کے ماتحت ہے۔ جب اعصاب کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے تو اس کا انقباض وانبساط تو قائم رہتا ہے مگر اُس کے چلنے اور دھڑکنے کی حرکت فوراً رُک جاتی ہے۔ اس ساری توضیح سے ثابت ہوا کہ عضلات میں جو حرکت پائی جاتی ہے، وہ اُن کی ذاتی ہے۔

شریان: ایک قسم کی لچکدار نالیاں ہیں جن کو عربی میں عروق ضوارب اور انگریزی میں آرٹریز کہتے ہیں۔ ان کی بناوٹ بھی تقریباً دل کی بناوٹ کے مطابق ہوتی ہے۔ ہر ایک شریان کی ساخت میں تین طبق ہوتے ہیں، اندرونی طبق باریک، شفاف اور لچکدار ہوتا ہے۔ اُس کے دو پرت ہوتے ہیں، اندرونی پرت (انڈوتھیلیم) یعنی اُس نازک جھلی کا بنا ہوا جو دل کے اندر لگی ہوتی ہے، اور بیرونی پرت لچکدار ریشوں کا بنا ہوتا ہے۔ درمیانی طبق جو دبیز اور زردی مائل اور نہایت لچکدار ہوتا ہے۔ لحمی اور وتری ریشوں سے بنتا ہے اور بیرونی طبق جو زیادہ دبیز ہوتا ہے، رباطی ریشوں کے دو پرتوں سے بنتا ہے، جب دل سکڑتا ہے، خون کو شرائن میں دھکیلتا ہے اور اس کے دھڑکنے کی حرکت تمام شرائن میں تڑپ پیدا کرتی ہے، یہی سبب ہے کہ ہر شریان اچھلتی اور تڑپتی ہے۔ چنانچہ کلائی پر جو تڑپنے والی رگ ہے، عام طور پر اس کو نبض کہتے ہیں۔ اور نبض دیکھنے کے لئے عموماً اسی تڑپ کو محسوس کیا جاتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ جب دل سکڑتا ہے تو شرائن میں خون جاتا ہے۔ اسی لئے شرائن پھیلتی ہیں اور جب پھیلتا ہے تو اس میں خون واپس آتا ہے اور شرائن سکڑتی ہے۔

اس تمہید کے بعد جاننا چاہئے کہ دل اور نبض کا گہرا تعلق ہے۔ جب نبض دیکھی جاتی ہے تو اُس میں نبض کی حرکت کے ساتھ ساتھ اس کا انقباض وانبساط بھی معلوم کیا جاتا ہے۔ گزشتہ صفحات میں نبض کی جتنی اقسام بیان کی گئیں ہیں، ہم ان کو نبض کی ذات کے علاوہ تین

حصوں میں تقسیم کرتے ہیں، یعنی نبض دیکھنے میں یہی تینوں چیزیں مدنظر ہوں گی اور باقی تمام اقسام ان کے تحت آ جائیں گی۔ یہ اقسام حسب ذیل ہیں: (۱) قوت (۲) حرکت (۳) حرارت۔

ان تینوں کی تفصیل اور ان کے ماتحت باقی اقسام بیان کرنے سے قبل ہم نبض کی ذاتی حالت کا بیان کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

نبض کی ذاتی حالت

نبض کی ذاتی حالت میں مقدار، قوام آلہ اور مقدار رطوبت شریک ہے۔ ان تینوں جنسوں کے دیکھنے سے ایک طرف نبض کی حالت کا علم ہوتا ہے اور دوسری طرف ان سے بعض امراض پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً: **طویل نبض** جسم کی حرارت، بخار کی حالت اور ورم کی ابتدا کا پتہ دیتی ہے۔ قصیر نبض تپ لرزہ، جریانِ خون، قلتِ دم، اندرونی زخم اور وجع القلب کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ **عریض نبض** اورام شدید اور انتہائے تپ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ **ضیق نبض** تپ محرقہ، التہاب باریطون، ذات الجنب کی علامت ہے۔ **مشرف نبض** ریاح شکم، ذات الریہ، رعشہ، اورام اور انتہائے تپ کا اظہار ہے۔ **منخفض نبض** اعصابی درد، ہیضہ، قے، اسہال غشی، محرقہ دماغی کا اظہار کرتی ہے۔ **نبض صلب** رعشہ، ذات الریہ، امراض گردہ، تصغیر قلب، پچاس برس کی عمر کے بعد آتشک اور شراب خوری کے اثرات کا اظہار کرتی ہے۔ **لیّن نبض** کمی خون، اندرونی زخم، ذیابیطس (شکری) کی علامت ہے۔ **ممتلی نبض** ابتدائی امراض، حاد، دباؤ خون اور التہاب کا اظہار ہے۔ **خالی نبض** جریانِ خون، ذیابیطس، اندرونی زخم اور اواخر امراض حاد کی علامت ہے۔

(۱) **قوت**: قوت کے تحت قرع نبض، استوا و اختلاف نبض اور نظم نبض شامل ہیں۔ یہ حسب ذیل امراض پر روشنی ڈالتی ہیں۔

قوی بخار کی شدت، ابتدائے اورام، امراض حاد اور جریان خون کی پیش گوئی ہے۔ **ضعیف** ضعف قلب، کمی خون، بلغم کی زیادتی، ہاضمے کی خرابی کی دلیل ہے۔ **مستوی** طاقت اور مریض کی خیریت سے تندرست ہو جانے کی علامت ہے۔ **مختلف** مستوی کے بالکل مخالف اثرات و حالات کا اظہار ہے۔ **مختلف منتظم** اس امر کی دلیل ہے کہ مرض شاید صحت کی طرف آ جائے۔ **مختلف غیر منتظم** یہ نبض اکثر نقصان پر دلالت کرتی ہے۔ اور مریض کے تندرست نہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ ایسے مریض اکثر تمباکو، چائے، کافی اور دیگر منشیات کی کثرت کے عادی ہوتے ہیں۔

(۲) **حرکت**: حرکت کے تحت زمانہ حرکت، زمانہ سکون اور وزنِ حرکت شامل ہیں۔ یہ اجناس ان امراض کا اظہار کرتی ہیں۔

سریع ریاح کی زیادتی، حرارت کی کمی، اختلاجِ قلب، جگر کی خرابی اور ضعف اعصاب کی علامت ہے۔ **بطی** ضعفِ قلب، سوزشِ جگر اور جسم میں تحلیل کی علامات کا اظہار ہے۔ متواتر امراضِ قلب مزمن، سوزشِ قلب، ورمِ عضلات، ذات الریہ، سرسام اور دیگر اورام کی علامت ہے۔ **متفاوت** دماغی امراض، شدید بخار، سوزشِ اعصاب کی دلیل ہے۔ **جید الوزن** جگر کے فعل میں تیزی، سوزشِ جگر، حرارت کی زیادتی اور ضعف قلب کی علامت ہے۔ **خارج الوزن** ضعف قوت خصوصاً قوت باہ، مثانے کی کمزوری، پھیپھڑوں کی کمزوری اور بلغم کی زیادتی کا اظہار کرتی ہے۔

(۳) **حرارت**: اس میں صرف کیفیت شریان شامل ہے۔ اور **نبض حار** روح کی گرمی، صفراء کی زیادتی، بخار اور سوزشِ جگر کی علامت ہے۔ **نبض بارد** نزلہ زکام، کھانسی، ضعفِ معدہ، ضعفِ قوت اور مزمن امراض خصوصاً مزمن بخار کی علامت ہے۔

نبض کا صحیح تصور

نبض کا صحیح تصور اس صورت میں پیدا ہو سکتا ہے کہ ہر معالج اپنے ذہن میں ایک عضلہ (گوشت کی بوٹی) کا تصور رکھے جس کی

ساخت اسفنجی قسم کی ہے، جس میں ہوا اور رطوبت بھری ہوتی ہے اور اس کے درمیان میں سے خون کی شرائن اور وریدیں گزرتی ہیں۔ عضلہ جب اعتدال پر ہو تو اس میں ہوا اور رطوبت اپنے پورے اندازہ پر ہوتی ہے اور شریانوں اور وریدوں کے خون کی گرمی سے حرارت کا اُس میں ایک خاص قسم کا اعتدال پایا جاتا ہے اور جب عضلہ کا اعتدال بگڑتا ہے تو اس میں ہوا رطوبت اور حرارت کے اندازے اور اعتدال میں فرق آ جاتا ہے۔ جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کسی گوشت کے ٹکڑے کو کچھ دیر پانی میں پڑا رہنے دیں تو اس میں پانی بھر کر وہ پھیل جاتا ہے اور اگر اس کو آگ کے انگاروں پر رکھیں تو اس میں سے رطوبات ٹپکنا شروع ہو جاتی ہیں اور وہ سکڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر اس کو پانی میں ڈال کر اُس پانی کو دیر تک آگ پر پکاتے رہیں تو اس کے اجزاء تحلیل ہو کر پانی میں شامل ہو جائیں گے۔ بس یہی صورت جسم میں اس عضلہ کی ہوتی ہے۔ کبھی وہ رطوبات کی زیادتی سے پھیل کر ڈھیلا ہو جاتا ہے اور کبھی ہوا کی زیادتی سے سکڑ جاتا اور گا ہے حرارت کی کثرت سے اس میں تحلیل شروع ہو جاتی ہے۔ پس نبض بھی جس کا ایک بڑا حصہ عضلاتی ہے۔ عضلات کی ہی حالات کی نمائندگی کرتی ہے۔ نبض کی نرمی عضلات میں رطوبات کی کثرت کی دلیل ہے اور اس سے اس کی حرکات میں کمی ہو جاتی ہے۔ نبض کا تناؤ اور سکیڑ اور حرکات کی تیزی اس امر کی دلیل ہے کہ عضلات میں رطوبات خشک ہو رہی ہیں اور ریاح بڑھ رہے ہیں اور اسی طرح نبض میں حرارت کی زیادتی اور حرکات قلب میں ضعف اس امر کی علامت ہے کہ عضلات میں تحلیل شروع ہو گئی ہے۔ ان تصورات کو سامنے رکھنے اور نبض کی گزشتہ تشریحات، اقسام اور علامات پر غور کرنے سے امراض کے سمجھنے میں بے حد آسانی ہو جائے گی۔

ایک اہم نکتہ یہ بھی یاد رکھیں کہ معلومات نبض حاصل کرنے کے دوران میں اس امر کو جاننے کی انتہائی کوشش کریں کہ دل، دماغ اور جگر میں فرداً فرداً تیزی، سستی اور ضعف کی صورت میں نبض کی صورتیں کیا ہوں گی۔ اس بنیادی امر سے باقی امراض کے تعین میں بہت سہولت ہو گی اور اس کے ساتھ یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ جب کسی ایک عضو میں تیزی شدت یا سوزش ہو گی تو باقی دو اعضاء کی حالت اس سے بالکل مختلف ہو گی۔ اسی طرح بار بار کے تجربات سے حقیقت حال روشن ہو جائے گی اور نبض کا علم اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گا۔
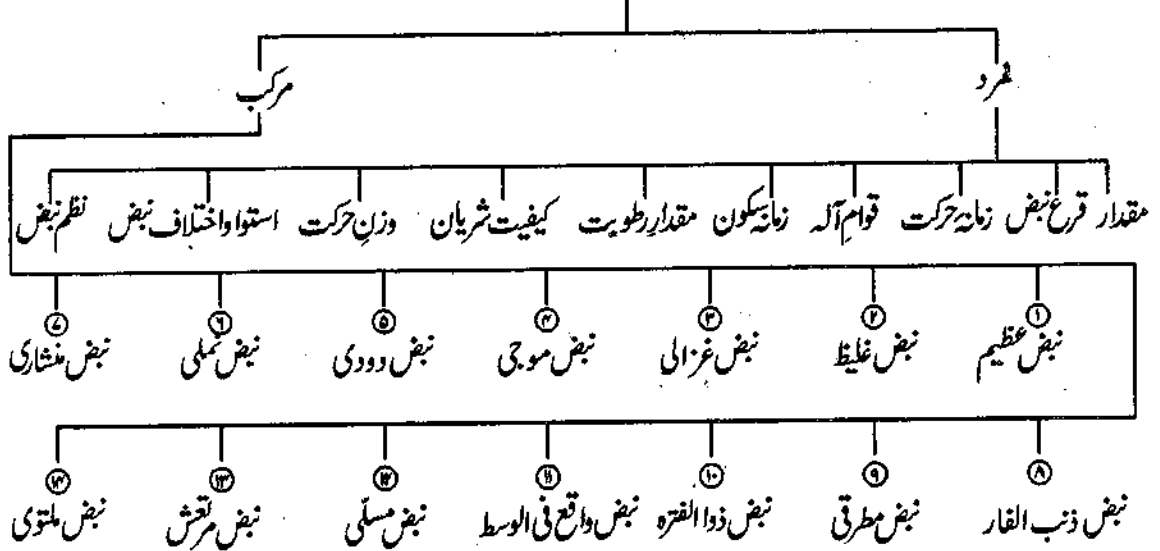
قارورہ

قارورہ دراصل اُس شیشی کو کہتے ہیں جس میں مریض اپنا پیشاب طبیب کو دکھانے کے لئے لاتا ہے۔ لیکن ادب اور گھن کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ پیشاب کا نام نہ لیا جائے صرف اُس برتن کا نام لے لیتے ہیں جس میں پیشاب ہوتا ہے اور اسی برتن یا شیشی کو قارورہ کہتے ہیں۔

قارورے کا تعلق چونکہ نظامِ بولیہ کے ساتھ ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارورے کا ذکر کرنے سے قبل کچھ اعضائے بولیہ کی تشریح کر دی جائے۔

افعال اعضائے بولیہ

نظام بولیہ میں دونوں گردے، حالبین، مثانہ اور پیشاب کی نالی شریک ہے۔ گردے پیشاب پیدا کرتے ہیں جس طرح دوسرے غدد سے خون کے مختلف مواد مخصوص رطوبات کی شکل میں خارج ہوتے ہیں، چوبیس گھنٹے میں تقریباً سیر سے ڈیڑھ سیر تک پیشاب خارج ہوتا ہے۔ چونکہ شریانِ گردہ اور وریدِ گردہ حجم میں بڑی ہوتی ہیں، اس لئے گردوں میں خون زیادہ مقدار میں تیزی سے دورہ کرتا ہے اور سارے جسم کا خون گردوں کے ذریعہ صاف ہو جاتا ہے۔ پیشاب کا جو حصہ گردوں کی نالیوں میں بنتا ہے، وہ اگلے حصہ کو حوضِ گردہ کی طرف دھکیلتا ہے جو آخرکار حالبین کے ذریعے مثانہ میں پہنچ جاتا ہے۔ جہاں سے پیشاب کی نالی کے ذریعے خارج ہو جاتا ہے۔

صفاتِ بول

بحالتِ صحت پیشاب عنبری یا ہلکے زرد رنگ کا صاف شفاف سیال ہوتا ہے۔ جس کا وزن مخصوص آبِ خون کے برابر لیکن پانی سے کسی قدر زیادہ ہوتا ہے۔ جس وقت بول خارج ہوتا ہے اُس وقت کسی قدر ترش ہوتا ہے۔ لیکن جب کچھ عرصہ پڑا رہتا ہے تو کھاری ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں تغیر اور فساد سے نوشادر پیدا ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کی بو تیز ہو جاتی ہے اور اُس سے نوشادر کی دھانس آنے لگتی ہے۔ پیشاب کی روزانہ مقدار میں قوت و موسم اور غذا کی کمی بیشی اور نوعیت سے بہت فرق پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ موسم گرما میں جب پسینہ زیادہ آتا ہے تو پیشاب کم آتا ہے۔ اگر پانی، شربت، دودھ یا لسی وغیرہ زیادہ پیا جائے تو اس کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ بعض ادویہ اور اغذیہ کے استعمال سے بھی اس کی رنگت میں فرق آ جاتا ہے۔ مثلاً ہلدی اور ریوند چینی وغیرہ کے استعمال سے پیشاب کی رنگت زرد ہو جاتی ہے۔

یادداشت: بعض اطباء کا یہ خیال ہے کہ قارورے سے صرف گردے اور جگر کے امراض تک کا پتہ چلتا ہے اور قارورہ باقی امراض اور اعضاء کی خرابی پر روشنی نہیں ڈال سکتا۔ لیکن یہ خیال غلط اور ناواقفی پر مبنی ہے۔ قاورے سے سر سے لے کر پاؤں تک تمام اعضاء کی حالت اور ہر قسم کے جسمانی و کیمیاوی تغیرات کا پتہ چلتا ہے جس کے دلائل یہ ہیں:

۱. چونکہ گردے تمام خون کو صاف کرتے ہیں اور اس میں خاص طور پر وہ اعضاء شامل ہوتے ہیں جو جسم انسان میں تکلیف کا باعث یا مرض پیدا کرتے ہیں۔
۲. پیشاب میں صرف ایک ہی رنگ نہیں ہوتا بلکہ مختلف رنگ پائے جاتے ہیں جو مختلف امراض اور اعضاء کی حالت میں امراض کا اظہار کرتے ہیں۔
۳. پیشاب کے اندر صرف ایک ہی قسم کی کیفیت نہیں پائی جاتی بلکہ کبھی اس میں ترشی پائی جاتی ہے اور کبھی کھاری پن۔
۴. پیشاب میں مختلف قسم کے مواد پائے جاتے ہیں جو اکثر مختلف اعضاء کی خرابی اور امراض پر دلالت کرتے ہیں۔

قارورہ دیکھنے کا طریق

قارورہ دیکھنے کے لئے یہ چیز نہایت اہم ہے کہ قارورہ صبح کا پہلا ہونا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ قارورہ تمام لایا جائے۔ قارورے میں تین چیزیں نہایت اہم ہیں: ① رنگت ② بو اور قوام ③ رسوب (مواد)۔

① رنگت

رنگت میں سب سے اہم وہی رنگت ہے جو فطرت نے اس کائنات میں پیدا کئے ہیں۔ یعنی نیلا، پیلا اور سرخ۔ باقی رنگ ان کے آپس میں ملنے سے پیدا ہو جاتے ہیں، جیسے سبز رنگ نیلے اور پیلے کے ملنے سے بنتا ہے۔ نارنجی رنگ پیلے اور سرخ کے ملنے سے بنتا ہے اور اسی طرح ارغوانی رنگ پیلے اور سرخ رنگ کے ملنے سے بنتا ہے۔[1]

(i) حمرت (سرخ رنگ): اس رنگت کے چار درجے ہیں: ① اصہب (پیازی)، وہ رنگ جس میں تھوڑی سی سرخی سفیدی مائل ہوتی ہے۔ یہ کسی قدر غلبۂ خون پر دلالت کرتا ہے۔ ② وردی (گلابی)۔ ③ احمر قانی، وہ جو قدرے سرخ سیاہی مائل ہو۔ ④ احمر اقتم، وہ جو سرخ سے زیادہ سیاہی مائل ہو۔ ان میں سے ہر ایک علی الترتیب پہلے کی نسبت خون کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے۔

نوٹ: سرخ رنگ کا قارورہ سردی اور خشکی پر دلالت کرتا ہے۔ اکثر اطباء غلطی سے اس کو گرمی کی علامت خیال کرتے ہیں، البتہ اگر قارورے میں خون شریک ہو تو پھر کسی قدر گرمی کی علامت کہی جاسکتی ہے۔ لیکن اس میں بھی ریاح کی زیادتی شامل ہوگی۔

(ii) صفرت (زرد رنگ): اس کے چھ درجے ہیں۔ ① یہ قارورہ سفید شفاف قدرے زردی مائل ہوتا ہے۔ یہ اُس پانی سے مشابہت رکھتا ہے جس میں بھوسہ بھگو دیا گیا ہو۔ یہ رنگ خرابیٔ ہضم پر دلالت کرتا ہے۔ ② اُترنجی، یہ قارورہ ترنج کے چھلکے کی مانند ہوتا ہے اور تلبتی کی نسبت زیادہ زرد ہوتا ہے۔ یہ کچھ ہاضمے کی عمدگی پر دلالت کرتا ہے۔ ③ اشقر، زرد رنگ قدرے سرخی مائل، یہ حرارت کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے۔ ④ نارنجی ⑤ ناری ⑥ زعفرانی۔ ان میں سے ہر ایک علی الترتیب اپنے سے پہلے سے زیادہ حرارت پر دلالت کرتا ہے۔

(iii) خضرت[2] (سبز رنگ): اس کے پانچ درجے ہیں۔ ① فستقی (پستہ کے رنگ کا)، یہ سردی پر دلالت کرتا ہے۔ ② آسمان گونی یعنی خفیف نیلا۔ ③ نیلنجی، ان میں ہر ایک اپنے سے پہلے کی نسبت سردی پر دلالت کرتا ہے۔ ④ کراثی (گندھنے کے رنگ کا قارورہ)، جو سبز ہوتا ہے۔ یہ احتراق شدید پر دلالت کرتا ہے۔ ⑤ زنجاری (زنگار کی مانند) سفیدی مائل سبز، بہت ہی زیادہ احتراق پر دلالت کرتا ہے۔

سواد اور بیاض: یہ دونوں رنگ بھی مفرد نہیں ہیں، بلکہ مرکب ہیں، جیسا کہ ابتدا میں بیان کیا گیا ہے۔ البتہ اسود کی چار صورتیں پائی جاتی ہیں، جن کا اظہار ضروری ہے۔ یہ یاد رہے کہ اسود ایسا مرکب ہے جو مختلف رنگوں کی بے اُصولی ترتیب سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں بعض رنگوں کی زیادتی اور بعض کی کمی کی صورت مختلف حالتوں پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن عام طور پر اس کا غلبہ سوداویت کی دلیل ہے۔

---

[1] جاننا چاہئے کہ کل رنگ سات ہیں جو ان تینوں رنگوں کے امتزاج سے پیدا ہوتے ہیں، لیکن اگر ان ساتوں رنگوں کے شیشوں کو آگے پیچھے رکھ کر ایک طرف سے روشنی ڈالی جائے تو دیوار پر سفید رنگ آئے گا لیکن اگر ایک شیشہ بھی نکال دیا جائے تو دیوار پر رنگدار سایہ ہوگا۔ گویا یہ ساتوں رنگ سفید رنگ کے مرکب ہیں اور جب ان ساتوں رنگوں کا امتزاج اندازے سے کم و بیش ہو جائے تو سیاہ رنگ بن جائے گا۔ گویا کل نور رنگ ہوئے۔ سفید نوری رنگ اور سیاہ ظلمت کا رنگ کہلاتا ہے۔

[2] خضرت دراصل مفرد رنگ نہیں ہے بلکہ یہ زردی اور نیلاہٹ سے مرکب ہے، اس لئے خضرت کو دیکھتے ہی دونوں رنگوں کو مدِنظر رکھنا چاہئے۔

① ایسا سیاہ قارورہ جو زعفرانی رنگ لئے ہوئے ہو یہ ایسے سودا پر دلالت کرتا ہے جو صفرا سے پیدا ہوا ہوتا ہے۔

② وہ سیاہ قارورہ جو قبط لئے ہوئے ہو یعنی وہ پہلے احمر اقتم اور اس کے بعد سیاہ ہو گیا ہو، یا بالفاظ دیگر سیاہ سرخی مائل ہو گیا ہو۔ یہ ایسے سودا پر دلالت کرتا ہے جو خون سے پیدا ہوتا ہے۔

③ وہ سیاہ قارورہ جو سبزی مائل ہو یہ خالص سودا پر دلالت کرتا ہے۔

④ سیاہ سفیدی مائل قارورہ سودائے بلغمی پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح بیاض یعنی قارورے کی سفیدی برودت یا مواد کے نضج نہ پانے پر دلالت کرتی ہے۔

یادداشت: یہ جاننا چاہئے کہ بیاض کی دو قسمیں ہیں:

① **بیاض حقیقی**: جیسے دودھ کا رنگ یہ رنگ اگر پیشاب میں پایا جائے تو بلغم و برودت کے غلبہ کے ساتھ چربی اور اعضاء اصلیہ کے پگھلنے پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے دق کے آخری درجے میں اعضائے اصلیہ کے پگھلنے کی وجہ سے قارورے کا یہی رنگ ہوتا ہے یا گردے کی انتہائی سوزش میں انڈے کی سفیدی کی طرح رطوبت اخراج پاتی ہے۔

② **بیاض غیر حقیقی**: جیسے پانی، یہ رنگ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ طبیعت نے پانی میں تصرف ہی نہیں کیا اور اس صورت میں یہ قارورہ بہت بُرا اور مواد کے نضج اور پختگی سے مایوس کرنے والا ہے۔ یہ سدّوں پر دلالت کرتا ہے جو قارورے میں رنگ بخشنے والے اعضاء کو نفوذ کرنے سے روک دیتے ہیں۔

قوام اور کدورت

بلحاظ قوام قارورے کی تین اقسام ہیں: (۱) رقیق (۲) غلیظ (۳) ان دونوں کے درمیان (معتدل)۔

(۱) **رقیق**: رقیق سے مراد پانی کی طرح یعنی جس میں مائیت غالب ہو، ایسا قارورہ عدم نضج، سدّے، ضعفِ گردہ، بکثرت پانی پینا، خشکی کے ساتھ سردی کا غلبہ ہونا، مائیت کے راستوں سے مادّے کا کسی دوسری طرف متوجہ ہو جانا، رقیق رطوبتوں کا پیشاب کی طرف چلا جانا وغیرہ پر دلالت کرتا ہے۔

(۲) **غلیظ**: جس میں گاہے اخلاط کی کثرت سے اور گاہے عدم نضج کے باعث یہ علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔

کدورت (گدلا پن): کدورت کا سبب مادہ ارضیہ ہوتا ہے جس کے ساتھ ریح بھی ہوتا ہے جو مائیت سے مخلوط ہوتا ہے۔ کدورت اور قوام میں یہ فرق ہے کہ قوام میں بول کے تمام اجزاء میں یکسانیت پائی جاتی ہے (یعنی وہ گھل مل کر بالکل ایک چیز معلوم ہوتے ہیں) اور کدورت کی صورت میں اجزاء منتشر دکھائی دیتے ہیں۔ پیشاب میں کدورت نضج نہ ہونے اور اخلاط کی حرکت کرنے کی دلیل ہے۔ کبھی کدورت قوت کے زائل ہونے اور اندرونی ورم کی وجہ سے بھی ہوتی ہے اور اکثر صاحبِ قارورہ کے سر میں درد ہونے کی علامت ظاہر کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مادہ جوش میں ہے جس سے بخارات اوپر کی طرف صعود (چڑھ) کر رہے ہیں۔

(۳) **رسوب**: اس کے اصطلاحی معنی تلچھٹ کے ہیں، لیکن قارورہ کا رسوب اس جسم کا نام ہے جو قارورے کی مائیت سے غلیظ اور اس سے ممتاز نظر آئے، خواہ قارورے کی مائیت سے غلیظ اور اس سے ممتاز نظر آئے، خواہ قارورے میں معلق ہو یا اس کے اوپر تیر رہا ہو۔ رسوب کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قارورے کی تہہ میں بیٹھا ہوا ہو، اگرچہ رسوب کے اصل معنی تہہ میں بیٹھنے کے ہیں۔ رسوب کی دو قسمیں ہیں: (i) طبعی (ii) غیر طبعی۔

(i) طبعی: رسوب طبعی وہ ہے جو سفید ہو، تہہ نشین ہو، اس کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوں۔ متخلل اور لطیف ہو، حرکت دی جائے تو جلد پھیل جائے اور پھر جلدی تہہ نشین ہو جائے۔ سفید رسوب کے مخالف رسوبات میں سب سے بہتر سرخ رسوب ہے اور پھر زرد۔

(ii) غیر طبعی: رسوب غیر طبعی ایسا رسوب ہے جس میں طبعی رسوب کے اوصاف بالکل نہ پائے جائیں یا بہت کم پائے جائیں۔ اس کی بارہ اقسام ہیں: (۱) خراطی (۲) وشیشی (۳) لحمی (۴) دسمی (۵) مدی (۶) مخاطی (۷) شعری (۸) خمیری (۹) رملی (۱۰) مادی (۱۱) علقی (۱۲) دموی۔

(i) خراطی (بڑھئی کے خراد کی مانند): وہ رسوب ہے جو چھلکوں کے مشابہ ہوتا ہے اور یہ پانچ قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) سفید طبقات جو مثانہ کے چھلنے پر دلالت کرتا ہے۔

(۲) لحمی سرخ چھلکے جو گردوں کے چھلنے پر دلالت کرتے ہیں۔

(۳) نیلے رنگ کے چھلکے جو اعضائے اصلیہ کے چھلنے کی دلیل ہیں۔

(۴) سرخ رنگ کے چھوٹے چھوٹے اجزاء، مٹر جیسے، جن کو کرسنی کہتے ہیں، یہ جگر اور گردہ کے اجزاء کے احتراق پر دلالت کرتے ہیں۔

(۵) سفیدی مائل چھلکے، ان کو نخال کہا جاتا ہے۔ یہ مثانہ کی خارش پر دلالت کرتے ہیں (نخال سبوس گندم کو کہتے ہیں)۔

(ii) وشیشی (شیش کوٹا ہوا یا کچلا ہوا گیہوں): یہ رسوب ہڑتال سرخ کے مشابہ ہوتا ہے اور خون کے احتراق یا اعضاء کے گھلنے یا خارشِ مثانہ پر دلالت کرتا ہے۔

(iii) لحمی: اس کا سبب بھی وہی ہے جو اوپر کرسنی کا بیان ہو چکا ہے۔

(iv) دسمی (چربی دار): یہ رسوب اعضاء کے گھلنے پر دلالت کرتا ہے۔ (دسم = چکنائی)۔

(v) مدی (پیپ دار): ورم کے پھوٹنے پر دلالت کرتا ہے۔

(vi) مخاطی (بیٹھ کے مشابہ): خلط غلیظ بلغمی کی دلیل ہے۔

(vii) شعری (بالوں کے مشابہ): اس کا سبب رطوبت کا لمبائی میں منقد اور بستہ ہو جانا ہے۔

(viii) خمیری (خمیر کے مشابہ): یہ رسوب رنگت اور غلظت میں خمیر کے ٹکڑوں کی مانند ہوتا ہے جو پانی میں بھگو دیئے گئے ہوں۔ یہ ضعفِ معدہ اور بدہضمی پر دلالت کرتا ہے۔

(ix) رملی (ریگ کی مانند): پتھری پر دلالت کرتا ہے جو منعقد ہو چکی ہو یا ہونے والی ہو۔

(x) مادی (خاکستر کے مشابہ): یہ رسوب بلغم یا پیپ پر دلالت کرتا ہے، جس کا رنگ زیادہ عرصہ کسی جگہ ٹھہرنے کی وجہ سے تبدیل ہو گیا ہو۔

(xi) علقی (خون کے لوتھڑے کی مانند): رسوب کی یہ قسم خون کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، چنانچہ اگر یہ مائیت کے ساتھ خوب مخلوط ہو تو ضعفِ جگر پر دلالت کرتا ہے۔ اور اگر اس میں کم اخلاط ہوں تو پیشاب کی نالی کے زخم پر دلالت کرتا ہے اور اگر رسوب مائیت سے ممتاز ہو تو اکثر مثانہ اور قضیب کے زخم پر دلالت کرتا ہے۔

(xii) دموی: یہ شریان خون کے پھٹنے پر دلالت کرتا ہے۔

قارورہ کے مقام کے لحاظ سے رسوب کی تین اقسام ہیں: (۱) غمام (۲) معلق (۳) راسب۔

(۱) غمام (ابر کی مانند): وہ رسوب ہے جو قارورہ کی سطح کے اوپر تیر رہا ہو، اس کا سبب یہ ہوتا ہے، نفخ کی کمی ہوتی ہے اور ریاح اوپر کو چڑھا دیتی ہے۔

(۳) **معلق** (لٹکا ہوا) : وہ رسوب ہے جو قارورہ کے بیچ میں ٹھہرا ہوا ہو، اس کی وجہ مذکورہ بالا باتوں کی کمی ہوتی ہے۔

(۴) **راسب** (تہہ نشین) : یہ رسوب طبعی میں نضج پر دلالت کرتا ہے اور غیر طبعی میں خرابی کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی اگر رسوب طبعی تہہ میں بیٹھا ہوا ہو تو اچھی علامت ہے اور اگر غیر طبعی رسوب تہہ میں بیٹھا ہوا ہو تو بُری علامت ہے۔

مقدار بو اور جھاگ

قارورہ کو ہم نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، اوّل اس کی صورت اور دوسرے اس کی ماہیت۔ ماہیت سے ہماری مراد اس کا تجزیہ ہے۔ قارورہ دیکھنے کے لئے سب سے اوّل اس کی صورت پر غور کرنا چاہئے، جس کی ہم نے تین صورتیں مقرر کی ہیں: (۱) مقدار (۲) بو (۳) جھاگ۔

۞ مقدار

مقدار کی تین صورتیں ہیں:

(i) **کثیر المقدار**: وہ قارورہ جو حالتِ صحت کے لحاظ سے مقدار میں زیادہ ہو۔ یہ اعضاء کے گھلنے یا زائد فضلات کے خارج ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

(ii) **قلیل المقدار**: جو بلحاظ حالتِ صحت کے تھوڑا ہو، یہ قوت کے ضعف یا تحلیل کی کثرت یا مادے کی کسی دوسری طرف متوجہ ہو جانے پر دلالت کرتا ہے۔

(iii) **معتدل المقدار**: جو کثیر اور قلیل کے درمیان ہو اور حالتِ صحت کی دلیل ہے۔

۞ بُو

بُو سے مراد دراصل ذائقہ ہوتا ہے، چونکہ قارورے کو چکھا نہیں جاتا۔ اس لئے اس کا اس کی بُو کے ذریعہ احساس کیا جاتا ہے۔ قارورے میں دو ہی قسم کی بو پائی جاتی ہے۔

(i) **حامض الرائحہ** (ترش بُو رکھنے والا) : ایسا قارورہ سرد اخلاط میں حرارت غریبہ کے اثر کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور ریاح کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے۔

(ii) **حلو الرائحہ** (شیریں) : یہ خون کے غلبے کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس میں کھاری پن پایا جاتا ہے۔ البتہ اس بات کو ضرور مدِنظر رکھیں کہ حلوالرائحہ بھی اگر کافی عرصہ پڑا رہے تو حامض الرائحہ میں تبدیل ہو جاتا ہے اور دوسرے اس بات کا خیال رکھیں کہ بعض قاروروں میں بُو زیادہ پائی جاتی ہے اور بعض میں کم۔ اگر بُو زیادہ پائی جائے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ حرارت نے مواد پر زیادہ اثر کیا ہے اور اگر بُو کی کمی ہو تو یہ عارم نضج کی وجہ سے ہوتا ہے اور حرارت کے اثر نہ کرنے کی دلیل ہے۔ بعض وقت بغیر بُو کے قارورے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ضعفِ قوت پیدا ہو گیا ہے۔

قارورہ کی مزید تشریح

قارورے کو دیکھنے میں سب سے پہلے اس کی مقدار، بو اور جھاگ دیکھنا چاہئے۔ بعد میں اس کی رنگت، قوام و کدورت اور اس کے بعد رسوب دیکھنا چاہئے۔ ان سب علامات کے اثرات و نتائج گزشتہ صفحات میں تحریر ہو چکے ہیں، اور ان کے ذہن نشین کرنے اور آپس میں تطبیق دینے سے صحیح تشخیص ہو سکتی ہے۔ البتہ رنگوں کی طرف دھیان دینا چاہئے۔ جن کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ رنگوں میں سرخ، پیلا اور

سفید رنگ اپنے اندر خاص اثرات رکھتے ہیں اور خصوصی امراض پر دلالت کرتے ہیں۔ اور جس قدر زیادہ سرخی بڑھتی جائے گی یا اس میں سیاہی غالب آتی جائے گی، اسی قدر ریاح میں شدت پیدا ہوتی جائے گی اور اس کا اثر خاص طور پر معدہ اور ریہ، دِل اور مثانہ پر پڑے گا۔ نزلہ اور دردِ سر کی شدت ہوگی۔ اسی طرح زرد رنگ کی زیادتی صفراء کی زیادتی کی دلیل ہے۔ اس سے ایک طرف گرمی بڑھتی چلی جاتی ہے تو دوسری طرف ریاح کم ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور جوں جوں زردی بڑھتی جاتی ہے، جسم میں حرارت بڑھتی جاتی ہے۔ ان پیلے رنگ کی زیادتی سوزشِ جگر، پیچش، گرمی کا نزلہ، سوزشِ سینہ اور اکثر شدید بخار کا اظہار کرتی ہے اور یہ بعض اوقات دردِ شقیقہ کے پیدا ہونے کا بھی اظہار کرتا ہے۔ عورتوں میں ماہواری کی زیادتی، کمر میں درد اور سوزشِ رحم کی دلیل ہے۔ اس سے مردوں میں سرعتِ انزال کا اظہار ہوتا ہے۔ سفید رنگ حرارت کی کمی اور بلغم کی زیادتی کی دلیل ہے۔ جوں جوں سفید رنگ قارورے میں بڑھتا جاتا ہے، حرارت کی کمی کا اظہار ہوتا جاتا ہے۔ اس سے بلغمی امراض مثلاً سردی کا زکام، نزلہ، کھانسی، دردِ سر، اسہال اور ضعفِ جگر، عورتوں میں سیلان الرحم اور مردوں میں جریان کا اظہار ہوتا ہے۔ ان رنگوں میں جب دو رنگ آپس میں ملے ہوئے ہوں، مثلاً سرخی اور زردی، زردی اور سفیدی، سفیدی اور سرخی یا ان کی مرکب صورتیں مثلاً نارنجی رنگ، سبز رنگ اور فستقی رنگ وغیرہ تو ان میں جس رنگ کا غلبہ ہو، اس کو خاص طور پر مدنظر رکھیں۔ بعض دفعہ دونوں رنگوں کا مجموعہ کسی ایک مرض پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے نارنجی رنگ یرقان کی علامت ہے، وغیرہ۔
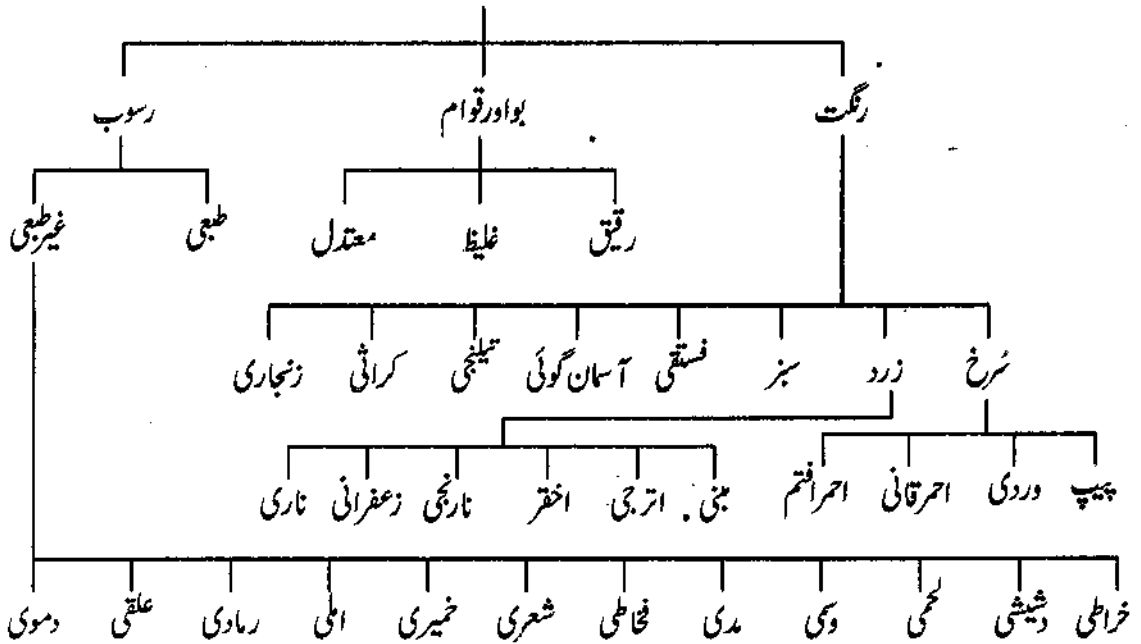
براز

براز کے متعلق معلومات حاصل کرنے سے قبل گزشتہ صفحات میں نظامِ غذائیہ کا بغور مطالعہ کریں۔ اس کے بعد براز کے متعلق ذیل کی معلومات کی روشنی میں غور کریں۔ براز کا معائنہ کرنے میں تقریباً وہی صورتیں اختیار کی جاتی ہیں جو قارورہ میں بیان ہو چکی ہیں۔ یعنی مقدار، قوام اور رنگت۔ اس کے ساتھ ہی تندرست آدمی کے براز کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے۔ جو عام طور پر معتدل قوام (نہ زیادہ رقیق نہ سخت)، ایک مناسب مقدار (اندازہ غذا کے مطابق) اور سنہری رنگ کا ہوتا ہے۔

مقدار

مقدار کی کمی وبیشی دونوں مرض پر دلالت کرتی ہیں۔ کمی مقدار اعضائے غذائیہ کے ضعف، قوتِ دافعہ اور ہاضمہ کی کمزوری یا قوتِ ماسکہ کی تیزی پر دلالت کرتی ہے۔ ایسے براز سے اکثر قولنج کا خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ زیادتی مقدار قوتِ ماسکہ کی کمزوری اور قوتِ دافعہ کی شدت پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ اکثر جسم میں صفرا کی زیادتی کا اظہار کرتی ہے۔ اس سے جسم اکثر کمزور رہتا ہے اور خون کم پیدا ہوتا ہے۔

قوام

قوام کی تین صورتیں ہیں: (۱) رقیق (۲) لیسدار اور غلیظ (۳) خشک اور سدے۔ **رقیق** عام طور پر حرارت کی زیادتی اور اس کی زیادتی اور اس کے ساتھ رطوبات کی کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ **لیسدار براز** میں کبھی صرف لیس ہوتی ہے جو غذا کے لیسدار ہونے یا خلط کے لیسدار ہونے کی علامت ہے اور کبھی اعضائے جسم کی سوزش اور تحلیل پر دلالت کرتا ہے اور کبھی لیسدار کے ساتھ چکناہٹ بہت زیادہ ہوتی ہے۔ جو سقوطِ قوت کے اثرات پر دلالت کرتی ہے۔ **خشک اور سدے** ایسا براز کبھی سردی کی زیادتی اور گاہے رطوبات کی کثرتِ تحلیل کی علامت ہوتا ہے اور کبھی اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ صفرا کا اخراج جگر سے امعا کی طرف نہیں ہو رہا۔ اس سے عام طور پر قبض، ضعفِ معدہ وجگر کا پیدا ہونا، ظاہر ہوتا ہے۔ ان علامات کے ساتھ بدبو کو بھی مدنظر رکھا جائے تو تشخیص میں کافی سہولت ہو جاتی ہے۔ مثلاً بدبو کی تیزی حرارت کے مادے میں زیادہ اثر کرنے کو ظاہر کرتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ مادہ اندر زیادہ متعفن ہو گیا ہے۔ اسی طرح بدبو کی کمی یا فقدان اس امر کی دلیل ہے کہ حرارت جسم میں کم ہو گئی ہے یا مواد پر اثر انداز نہیں ہو رہی۔ یہ صورت ضعفِ بدن کی علامت ہے۔ کبھی کبھی بو کا فقدان اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ قوتیں ساقط ہو گئی ہیں اور مریض زیادہ عرصے تک زندہ نہیں رہ سکے گا۔

رنگ

براز کے رنگ بھی قارورے کی طرح ہیں اور انہی اثرات کو ظاہر کرتے ہیں۔ یعنی سرخ رنگ ریاح کی زیادتی اور خون کے جوش کو ظاہر کرتی ہے۔ زرد رنگ کا براز صفراء کے غلبے کی دلیل ہے اور جگر کے فعل کی تیزی کا پتہ دیتا ہے۔ براز کی سفیدی غلبہ بلغم کی دلیل ہے اور اس سے اس امر کا بھی پتہ چلتا ہے کہ صفراء کم ہو گیا ہے۔ یا اس کا اخراج جگر سے نہیں ہو رہا۔ براز کے رنگ میں سیاہی اخلاط کے جل جانے یا قویٰ کے ساقط ہو جانے کو ظاہر کرتا ہے اور سبز رنگ کا براز اکثر براز کے جسم میں کافی عرصہ تک رُکے رہنے کی دلیل ہے جس کا سبب جسم میں سردی کا غلبہ ہے۔ بعض اوقات براز میں پیپ اور خون بھی ملے ہوتے ہیں جو اندر کے زخم اور پھوڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور بعض وقت ایسا براز ریاضت نہ کرنے والے شخص کا بھی ہوتا ہے۔ براز کے ساتھ غیر معمولی قراقر اور جھاگ بھی اخراج پاتے ہیں جو عام طور پر ریاح کی زیادتی کی دلیل ہوتے ہیں۔ نہایت ہی سڑا ہوا اور نہایت ہی بدبودار سیاہی مائل کے رنگ کا براز اکثر موت کی دلیل ہوا کرتا ہے۔

چہرے سے امراض کی تشخیص

چہرے اور ظاہر جسم کو دیکھ کر امراض کی تشخیص کرنا اگرچہ مشکل امر ہے لیکن ذرا محنت سے یہ علم بھی پوری طرح حاصل ہوسکتا ہے۔ اور اگر معالج اس پر دسترس حاصل کرلے تو اس کی عزت و وقار میں از حد اضافہ اور اُس کی شہرت دور دور تک پہنچ جاتی ہے۔ ذیل میں اس علم کے متعلق چند اصولی باتیں بیان کی جاتی ہیں جن پر غور و فکر کرنے سے معالج کا ذہن کھل جاتا اور وہ ہر مرض کو چہرے اور ظاہر علامات سے معلوم کرسکتا ہے۔ اس علم کو حکم لگانا کہتے ہیں۔

حکم لگانے میں تین حالتوں کو مدنظر رکھنا چاہئے: ① چہرے اور جسم کی رنگت ② چہرے اور جسم کی ہیئت ③ چہرے اور جسم کی ظاہر علامات۔

① رنگت

اس کا ذکر علامات کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اس میں جسم انسان کے اخلاط کے رنگوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً سرخ رنگ خون کے جوش پر دلالت کرتا ہے۔ زرد رنگ صفراء کی زیادتی، سفید رنگ بلغم کی کثرت اور اسی طرح سیاہ رنگ سوداویت کا اظہار ہے۔ ساتھ ہی ان رنگوں کو غور سے سمجھ لینے کے بعد ذہن فوراً اُن اعضاء کی طرف لوٹ جانا چاہئے جہاں یہ اخلاط پیدا ہوتے، قیام کرتے اور صاف ہوتے ہیں۔ ان رنگوں سے ایک طرف خون کی کیمیاوی حالت کا علم ہوتا ہے اور دوسری طرف وہ اُن اعضاء کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن کی حالت غیر طبعی ہونے سے ان اخلاط میں کمی بیشی سے یہ رنگ پیدا ہوگئے ہیں۔ ان دونوں صورتوں کو مدنظر رکھ کر ذہن میں فوراً مرض کا ایک تصور اُبھر آتا ہے اور باقی علامتوں کے دیکھنے کے ساتھ یقین کی حد تک مرض کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ جب کسی ایک رنگ کے دیکھنے کے بعد اس کے متعلقہ عضو کی طرف توجہ کی جائے تو فوراً دیگر اخلاط کے اعضاء کی طرف بھی دھیان کرلینا چاہئے کہ اُن کی وہاں کیا حالت ہے اور اُس کے بعد حکم لگانا چاہئے۔

② ہیئت

ہیئت سے مقصد چہرے اور جسم کا دُبلا یا موٹا پن اور اُس میں رطوبات کی کمی و زیادتی وغیرہ ہے۔ جسم میں چربی کی زیادتی اعصاب کے فعل کی تیزی کی علامت ہے اور اس میں عصبی امراض کو مدِنظر رکھیں۔ اگر جسم میں گوشت کی زیادتی ہو اور عضلات تنے ہوئے ہوں تو جگر کے فعل میں تیزی ہے اور اس کے امراض پر نگاہ رکھیں۔ اسی طرح اگر جسم دُبلا پتلا اور چہرہ اندر کو پچکا ہوا ہو تو معدے، امعاء اور گردوں کے امراض کا تصور ذہن میں لائیں۔ اس کے ساتھ رنگوں کو دیکھنے سے اخذ کردہ نتائج کو ان کے ساتھ تطبیق دیں اور پھر حکم لگائیں۔

③ ظاہر علامات

یہ علامات زیادہ تر ہم کو بچوں، مدہوش انسانوں اور بے ہوش لوگوں پر کام دیتی ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ دوسرے لوگوں میں بھی دیکھ کر حکم لگایا جاسکتا ہے۔ ان میں جسم کی غیر معمولی ساخت، بالوں کی قلت و کثرت، سر، چہرہ، آنکھ، کان، ناک، ہونٹ، ہاتھ پاؤں کا تناسب اور اس کے ساتھ چہرے کی لمبائی، چوڑائی، خدوخال، اُس کے کسی عضو کا کشادہ یا تنگ ہونا اور خاص طور پر چہرے پر داغ مسے اور پھنسی دانے وغیرہ قابلِ غور ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ باقی جسم کی بناوٹ لمبائی، چوڑائی، چال ڈھال، بدن کا کسی طرف جھکاؤ، جسم کا حرکات اور چال میں جھٹکنا اور اسی قسم کی کوئی اور بے ترتیبی پر بھی نگاہ ڈالی جائے اور سب سے بڑھ کر چہرے کی ذہنی کیفیت کیفیات و شادمانی کا ضرور ذہن میں تجزیہ کرنا چاہئے۔ اور ان کے بالا اعضاء اثرات کی طرف توجہ دینی چاہئے اور پھر رنگوں اور ہیئت کی علامات سے اخذ کردہ نتائج کے ساتھ تطبیق دے کر حکم لگانا چاہئے۔ ذیل کی

علامتیں خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔

(i) **گال:** گالوں کی سرخی اور غیر معمولی تمازت (چمک) جس کے ساتھ چہرے کا رنگ اُڑا ہوا اور گھبراہٹ کے آثار ہوں، عام طور پر پھیپھڑوں کے ورم اور اختلاج القلب کی علامت ہوتی ہے۔ مردوں کے گالوں پر سیاہ نشان، سوزش مثانہ وگردہ اور خصیوں کے امراض کی علامت ہے۔ عورتوں کے گالوں پر چھائیوں کا پڑ جانا سوزشِ خصیۃ الرحم اور خرابیٔ حیض کی نشانی ہے۔

(ii) **ہونٹ:** ہونٹوں کا موٹا ہوجانا، جسم میں ریاح، سوجن، سوزشِ جگر اور ہونٹوں پر سرخ سیاہی مائل پھنسی سوزشِ دماغ کی علامت ہے۔ ہونٹوں کی گہری چمک دار سرخی سل، سفیدی خون کی کمی اور بخار کی دلیل ہے۔ اسی طرح ہونٹوں کی سرخی جسم کی اندرونی سوزش کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ہونٹوں کی زردی صفراء کی زیادتی اور اس کے امراض وتے کی دلیل ہے۔ ہونٹوں کا خشک رہنا معدے میں سوزش اور مالیخولیا، سفید رنگ کی تہہ چڑھ جانا، جوڑوں کی خرابی، جلن بخار کی علامت ہے۔ لمبے بخاروں میں ہونٹوں کی خشکی زیادہ ہوجاتی ہے۔ سرسام اور پھیپھڑوں کے اورام میں ہونٹوں پر خشک قسم کی پپڑیاں جم جاتی ہیں، ہونٹوں کا پوری طرح بند نہ ہونا لقوہ کی بہت بڑی علامت ہے۔ ہونٹوں کا لٹک جانا ضعفِ اعصاب اور فالج کی علامت ہے۔

(iii) **مُنہ:** منہ کا کھلا رہنا ضعف قلب اور پھیپھڑوں کی کمزوری کی علامت ہے۔ اس کے برعکس منہ کا سختی سے بند ہونا تشنج، ورم دماغ اور غشی کی علامت ہے۔ منہ سے رال ٹپکنا، دماغی اور عصبی خرابی اور بعض لوگوں میں امعاء کے کیڑوں اور شدید نفخ شکم کی طرف اشارہ ہے۔

(iv) **آنکھ:** آنکھوں کی زردی صفراوی امراض مثلاً یرقان، سوالقنیہ، استسقاء سرخی، درد سر، نزلہ اور سوزشِ اعصاب کی دلیل ہے۔ آنکھوں کے پپوٹوں پر پھنسیاں عصبی سوزش، آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے، امراض گردہ وامعاء، بواسیر اور خون میں تیزابیت کی زیادتی کی علامت ہے۔ آنکھوں کے گرد گڑھے پڑ جانا خصوصاً بچوں میں اعصاب اور آنتوں کی سوزش کا اظہار ہے، اس میں پیاس اور اسہال کی شدت ہوتی ہے۔ آنکھوں میں اُداسی کا پایا جانا ضعفِ باہ اور جریان کی طرف اشارہ ہے۔

عام علامات

چہرے پر کسی مقام مثلاً ہونٹ، ناک، کان پر سوزشناک سرخی سیاہی مائل پھنسی کا نمودار ہونا مریض کے حق میں خطرناک ہے۔ اور جب تک مریض کا علاج غور وتوجہ سے نہ کیا گیا اس کا بچنا ذرا مشکل ہے۔ اگر اس پھنسی کے ساتھ مریض میں ہچکی کی بھی صورت ہو تو ایسا مریض مشکل سے جانبر ہوتا ہے۔ لیٹے ہوئے مریض کے گھٹنے اگر پیٹ کی طرف اکٹھے ہوں تو قولنج اور دردِ گردہ کی علامت ہے۔ اگر مریض اپنی حرکت اور چال میں اپنے پاؤں کو جھٹکا دے تو مریض کے گردوں میں بھی خرابی ہے۔

موت کے قریب کی علامات

(۱) منہ کا کھلا رہنا (۲) آنکھوں کا پتھرایا ہوا معلوم ہونا (۳) ناک کا مڑ جانا (۴) چہرے پر پریشانی کے آثار (۵) سینے پر بلغم کی زیادتی اور اخراج نہ پانا (۶) مریض کا بے ربط باتیں کرنا (۷) ہاتھ پاؤں میں کھچاوٹ اور سکت کا نہ پایا جانا (۸) نبض عام طور پر نملی ہوجاتی اور قارورے میں اکثر سیاہی پیدا ہوجاتی ہے۔

ان علامات کو جاننے کے بعد فوراً حکم نہیں لگانا چاہئے بلکہ اوپر کی علامات جو رنگ اور ہیئت میں بیان کی گئی ہیں، ان کا بھی جائزہ لے کر حکم لگانا چاہئے۔ یہ عمل کچھ مشکل نہیں۔ اس پر مکمل دسترس حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی مریض مطب میں آئے تو پہلے اُس کے چہرے اور ظاہر جسم کو دیکھ کر مرض کو اخذ کریں اور اس کے بعد بقیہ علامات نبض اور قارورہ سے تشخیص کر کے اندازہ لگائیں کہ آپ کس حد تک صحیح ہیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ ایک معالج مریض کو صرف دیکھنے کے ساتھ ہی اُس کے امراض کو بیان کر سکے گا۔

طبِّ علمی

❶ علم حفظانِ صحت

علم حفظانِ صحت ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعے ہم اپنی صحت کو قائم رکھ سکتے ہیں اور امراض سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ علم کی تین صورتیں ہیں: (۱) جبلی (۲) اکتسابی (۳) وہبی۔

(1) جبلی علم

جبلی علم وہ علم ہے جو حکیم مطلق ہر جاندار کو جبلی طور پر عطا فرماتے ہیں۔ جیسے چوہا جب بلی کی آواز سنتا ہے تو ڈر کر بھاگ جاتا ہے اور اسی طرح بلی کتے کی شکل دیکھتے ہی راہِ فرار اختیار کر لیتی ہے۔ کیونکہ جبلی طور پر چوہا اور بلی ان کو اپنا دشمن خیال کرتے ہیں۔ اسی طرح سبزی خور جانور پیدا ہونے کے بعد ہی اپنی غذا کے لئے سبزی کھانی شروع کر دیتے ہیں اور گوشت خور جانور بغیر گوشت کے کبھی رہ نہیں سکتے۔ وہ ہزار بھوکے ہوں مگر کبھی سبزی کھا کر پیٹ نہیں بھریں گے۔ ایسے ہی چرند پرند بعض دانے دنکے پر گزارہ کرتے ہیں اور بعض پرندوں کا شکار کر کے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ قدرت نے انسان میں بھی اسی قسم کا ایک جبلی شعور پیدا کر دیا ہے۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد فوراً ماں کی چھاتیوں کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کو ماں کی گود میں سکون حاصل ہوتا ہے۔ بڑے ہونے تک تمام عمر اس کو جبلی علم باخبر دیتا رہتا ہے کہ فلاں چیز مفید ہے اور فلاں مضر۔

(2) اکتسابی علم

اکتسابی علم وہ علم ہے جو انسان کو خالق دو جہاں نے تجربات و مشاہدات اور عقل کی روشنی سے عطا فرمایا ہے۔ یعنی جب وہ کسی چیز کو اپنے تجربات و مشاہدات کے بعد مفید یا مضر پاتا ہے۔ تو اس کو اختیار کرتا یا اس سے اجتناب برتتا ہے۔ اسی طرح جب اس کی عقل اُن چیزوں کی طرف اشارہ کرتی ہے مثلاً اُس نے مفید یا مضر چیزیں تجربہ و مشاہدہ کی ہوں تو اُن کو بھی وہ اپنے استعمال میں ضرورت کے مطابق لاتا یا پرہیز کرتا ہے۔

(3) وہبی

وہبی علم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ انسان کے ذہن میں ادراک کے ذریعے پیدا کر دیتے ہیں کہ فلاں چیز تمہارے لئے مفید ہے یا مضر۔ اس علم کو وجدانی بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ قوتِ واہمہ اس میں خاص طور پر کام کرتی ہے۔ یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قوتِ وجدانی قوت واہمہ کی انتہائی

ترقی یافتہ صورت کا نام ہے۔ یہ وہبی علم کہیں تو ضرورت کے مطابق عام انسانوں کو حاصل ہوتا رہتا ہے، لیکن اہل علم اور اور فیضان خصوصی طور پر ہوتا رہتا ہے اور وہ اپنی ضرورت کے مطابق اس علم اور عقل کی روشنی میں پرکھتے رہتے ہیں اور جب وہ تجربۃً عقلاً صحیح ثابت ہوتا ہے تو اس کو عوام کی خدمت کے لئے پیش کر دیتے ہیں۔ حکماء سے بھی بہت زیادہ اس علم کا القاء وانکشاف اور فیضان رسالت پر ہوتا ہے۔ وہ اُس سے اس رنگت اور کائنات کی ہر چیز کے خواص وفوائد قدرت سے حاصل کرتے ہیں اور دُنیا کو مطلع کرتے ہیں کہ دُنیا ان سے مستفیض ہو۔

جاننا چاہئے کہ یہاں پر ہم جس علم سے بحث کریں گے وہ اکتسابی ہوگا۔ کیونکہ ہمارا جبلی اور وہبی علم بھی تجربات ومشاہدات اور نتائج کے بعد اکتسابی ہی ہو جاتا ہے۔ لیکن ہم اکتسابی اس علم کو کہیں گے جو ہمارے تجربات ومشاہدات اور عقل کی روشنی میں صحیح ثابت ہو۔ صحیح ہونے کا معیار یہ ہے کہ ہم جب کبھی بھی تجربات ومشاہدات کے بعد نتیجہ دیکھیں تو وہی نکلنا چاہیے یا جب کبھی اس کے متعلق دلائل دیئے جائیں تو وہی نتائج برآمد ہوں اور اسی کو آج کل کی زبان میں سائنس کہتے ہیں۔

حرارت غریزی ورطوبت غریزی

علم حفظان صحت کا جہاں تک انسان کے جسم سے تعلق ہے اس کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ انسان کے اعضائے جسم اور ان کے افعال کا پوری طرح علم ہو، یہ علم اُسی وقت شروع ہو جاتا ہے جب انسان کا نطفہ قرار پاتا ہے۔ کیونکہ اگر اُس دوران میں بھی اُس نطفے کی نگرانی نہ کی جائے تو اس کے ضائع ہونے کا احتمال ہے۔ جس چیز کی انسان کے حفظانِ صحت میں نگرانی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ اس کا مزاج طبیعت اور طاقت کا اعتدال ہے اور یہی چیز قرار نطفہ سے انسان کی موت تک مدِّ نظر رہتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مزاج، طبیعت اور طاقت کیا شے ہے اور ان کی نگرانی کیسے ہوسکتی ہے۔ یہ ایک نہایت اہم سوال ہے اور صحت کے قیام کے لئے اس کا ذہن نشین کرنا سب سے پہلی بات ہے۔

جاننا چاہئے کہ نطفہ قرار پاتے وقت کرم منی، حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یہ نطفہ ایک جسم ہے جس کی پرورش رطوبت غریزی اور حرارت غریزی سے عمل میں آتی ہے، انہی دونوں چیزوں سے اس کو غذا ملتی ہے اور اُس میں نشو وارتقاء اور تصفیہ کا عمل جاری رہتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں اگر اعتدال سے اپنا عمل جاری رکھیں تو نطفہ صحت کے ساتھ نشو وارتقاء کے مراحل طے کر لیتا ہے اور اگر ان کا توازن قائم نہ رہے تو نطفہ کے ضائع ہونے میں کوئی شبہ نہیں جس کی صورت یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بڑھ جائے تو دوسری کو فنا کر دے گا جس سے نطفے کی غذائیت یا تصفیہ و پرورش میں خلل واقع ہو جائے گا اور نطفہ ضائع ہو جائے گا۔ مثلاً اگر حرارت بڑھ جائے تو رطوبت کو جلا دے گی اور رطوبت کی زیادتی حرارت کو ختم کر دے گی۔ اسی توازن سے جسم انسان زندہ رہتا ہے اور اگر اس میں نمایاں فرق واقع ہو جائے تو انسان کی صحت نہ صرف خراب بلکہ بعض اوقات تباہ ہو جاتی ہے۔

بدل ما یتحلل

نطفے کی حرارت ورطوبت اس قدر قلیل ہوتی ہیں کہ انہی سے انسان کے جسم کا کم وبیش ساٹھ ستر سال تک زندہ رہنا محال ہے، اس لئے قدرت نے ان دونوں کے قیام، تقویت اور امداد کے لئے بیرونی طور پر بھی رطوبت وحرارت کا انتظام کر دیا ہے جو اُس حرارت غریزی کا معاون ہوتا ہے اور اس تھوڑی بہت حرارت ورطوبت غریزی کو جو نطفہ قرار پانے کے بعد خرچ ہونا شروع ہو جاتی ہے، پورا کرتا رہتا ہے اور انسان کی ضرورت کو

پورا کرتا رہتا ہے۔ اس رطوبت اور حرارت کو جو انسان کی ضروریات کو پورا کرتی رہتی ہے "بدل ما یتحلل" کہتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ بدل ما یتحلل حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی کمی کو پورا کرتا ہے یا خود دماغ پر خرچ ہو کر ان دونوں کا قائمقام بن جاتا ہے۔

اعتراض:

یہاں پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر بدل ما یتحلل خود حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی کمی کو پورا کرتا رہتا ہے، یعنی خود حرارت، رطوبت غریزی بن جاتا ہے تو پھر حرارت غریزی اور رطوبت غریزی جن کو حرارتِ اصلی اور رطوبت اصلیہ بھی کہتے ہیں اور جن سے اعضائے اصلیہ تیار ہوتے ہیں، اُن کی کوئی ہستی نہ رہی، کیونکہ ہم ان کو مصنوعی طور پر تیار کر سکتے ہیں۔ اور اگر وہ حرارت اور رطوبت جو ان کو بدل ما یتحلل بنتی ہے وہی کام انجام دے سکتی ہے جو حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کا انجام دیتی ہے تو پھر بڑھاپا کیوں آتا ہے؟ اور موت کیوں واقع ہوتی ہے؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ حرارت غریزی اور یہ رطوبت غریزی کا بدل ما یتحلل نہیں بن سکتا۔ جو رطوبت اور حرارت بدل ما یتحلل کے طور پر خرچ ہوتی ہے، وہ صرف ایک ضرورت ہے جو پوری کی جاتی ہے اور اس سے رطوبت وحرارت غریزی کی مدد کی جاتی ہے۔ تاکہ وہ جلدی تحلیل ہو کر ختم نہ ہو جائے۔ اس کی مثال ایک چراغ کی ہے جس کی روشنی، بتی اور تیل تینوں بیک وقت کام کرتی ہیں۔ چراغ کی روشنی حرارت غریزی میں رطوبت غریزی اور تیل بدل ما یتحلل ہے۔ یہ بدل ما یتحلل جہاں ایک طرف چراغ کی روشنی کو قائم رکھتا ہے، وہاں دوسری طرف اس کی بتی کو بھی جلنے نہیں دیتا۔

صحت کی حفاظت کے لئے یہ ضروری ہے کہ حرارت غریزی چراغ کی روشنی کی طرح اعتدال سے جلتی رہے اور اس کی رطوبتِ غریزی بھی ایک دم فنا نہ ہو جائے۔ یہ وہ اعتدال ہے جو دونوں میں قائم رکھا جاتا ہے، اگر رطوبات بڑھ جائیں تو حرارت کا ختم ہونا اغلب ہے اور رطوبات کی زیادتی سے رطوبت کا جل جانا لازمی ہے۔

خون

نطفہ جب تک علقہ نہیں بنتا، اس وقت تک وہ اپنی غذا اپنے اندر کی رطوبت سے حاصل کرتا ہے اور جب علقہ بن جاتا ہے، اس کا تعلق رحم سے پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنی غذا ماں کے رس سے حاصل کرتا ہے۔ پیدائش کے بعد اس کو اوّل یہ غذا ماں کے دودھ سے اور پھر دُنیاوی اغذیہ اور اشربہ سے حاصل ہوتی رہتی ہے۔ جن سے اس کا بدل ما یتحلل پورا ہوتا رہتا ہے۔

ان امور سے ثابت ہوا کہ طبیعت انسانی صحت کی حفاظت تو کر سکتی ہے لیکن اس پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ وہ انسان کا شباب برقرار رکھے یا اس کو ایک طویل عمر تک زندگی دے سکے۔ موت کا روک دینا تو اس کے بس کا بالکل روگ نہیں۔ کیونکہ نطفہ کے قرار پانے کے بعد حرارتِ غریزی اور رطوبتِ غریزی کچھ نہ کچھ ضرور خرچ ہوتی رہتی ہے اور عمر کے ساتھ ساتھ ان میں ایک خاص قسم کی کمی واقع ہوتی رہتی ہے۔ جس طرح چراغ کے جلنے میں اس کی بتی کے تھوڑا تھوڑا جلنے کے ساتھ ساتھ وہ کم ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ وہ ختم ہو جاتی ہے۔ یہی صورت انسانی زندگی کی بھی ہے کہ وہ آخر میں حرارتِ غریزی اور رطوبت غریزی کے ختم ہونے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ ہمیشہ کے لئے شباب اور زندگی ناممکنات میں سے ہے۔

اطباء کے فرائض صرف حفظان صحت کے اصولوں کا ذہن نشین کرانا ہے تاکہ صحت قائم رہے۔ البتہ جب مرض پیدا ہو جائے تو اُس کو

صحت کی طرف لوٹانا بھی انہی کا کام ہے۔ صحت کے قیام کے لئے اہم چیز حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی پوری نگرانی اور ان کے بدل ماتحلل کو صحیح طریقوں پر پورا کرنا ہے اور یہ کوشش بھی جاری رہے کہ رطوبات اصلیہ میں کوئی فساد یا تعفن پیدا نہ ہونے دے۔ اگر وہ اپنے ان مقاصد میں کامیاب رہا تو انسان اپنی طبعی عمر کو پہنچے گا اور اُس کی قوت اور صحت ایک صحیح حالت پر قائم رہے گی۔

موت

موت دو قسم کی ہے: (۱) طبعی (۲) غیر طبعی۔ **طبعی** وہ موت ہے جو حرارت و رطوبت غریزی کے پورے طور پر خرچ ہونے کے بعد واقع ہو۔ جس کے متعلق اطباء کا خیال ہے کہ وہ سو سال سے ڈیڑھ سو سال تک ہونی چاہئے۔ کیونکہ اِن کا اندازہ ہے کہ انسان پچیس تیس سال تک اپنی جوانی کو پہنچتا ہے اور اس کو اس کے بعد پانچ گنا عرصے تک زندہ رہنا چاہئے۔ اور اگر اس کے دوران میں وہ کسی مرض کا شکار ہو جاتا ہے، یا ڈوب جاتا ہے یا پھانسی لگ جاتا ہے یا گر کر مر جاتا ہے، وغیرہ تو یہ اُس کی غیر طبعی موت ہوگی۔

حفظانِ صحت کے اہم عناصر

حفظانِ صحت کے اہم عناصر حسب ذیل تین ہیں۔

① صحت کے قیام کے لئے بدل ماتحلل کی جو ضرورت ہے وہ ایک مسلّمہ امر ہے اور بدل ماتحلل ہمیشہ اغذیہ و اشربہ ہیں کہ ان کو اپنی ضرورت کے مطابق صحیح اصولوں پر استعمال کرے اور اُن سے بدل ماتحلل حاصل کرے۔

② غذا کے بعد دوسری اہم چیز یہ ہے کہ انسان کے جسم میں غذا کھانے کے بعد فضلات اکٹھے ہوتے ہیں، ان کو باقاعدگی کے ساتھ اخراج کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ اس کی صورت جسم کو اعتدال کے ساتھ حرکت دینے اور قوت لگانے سے عمل میں آتی ہے۔ جس میں ورزش بھی شریک ہے۔ کیونکہ سکون محض جسم میں فضلات کو روک دیتا ہے۔

③ انسان اپنی قوتوں کو ضروریات سے زیادہ خرچ ہونے سے بچاتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ جسمانی اور دماغی محنت اور حرکت سے یہ قوتیں ضائع ہونے لگتی ہیں۔

یہ تینوں باتیں اگر اعتدال پر قائم رہیں تو صحت انسانی کی حفاظت اچھے طریق پر ہو سکتی ہے۔ اس مقصد کے لئے اسباب ستہ ضروریہ جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا گیا ہے، بہت حد تک کافی ہیں۔ لیکن بعض اہم باتوں کا ذکر مندرجہ بالا اصولوں کے متعلق کیا جاتا ہے جو صحت کے لئے بے حد مفید اور ضروری ہیں۔

(۱) اغذیہ و اشربہ

غذا کی مقدار میں اعتدال کو قائم رکھنا اور غذا کے استعمال کے بعد کچھ سکون کرنا ضروری ہے۔

یادداشت: غذا کھانے سے قبل یہ ضروری ہے کہ بھوک شدت سے لگی ہو، بغیر بھوک کے کبھی غذا کی طرف ہاتھ نہیں بڑھانا چاہئے۔ بھوک میں بھی اس امر کو ملحوظ رکھا جائے کہ وہ دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) صادق، (۲) کاذب۔ اشتہائے صادق کی علامات یہ ہیں کہ جسم میں فرحت ہوگی اور وہ ہلکا ہوگا اور گرم معلوم ہوگا۔ غذا کھاتے وقت لذت محسوس ہوگی۔ اشتہائے کاذب میں یہ باتیں نہیں ہوں گی بلکہ کمزوری محسوس ہوگی۔ دِل میں گھٹنے کی سی حالت پائی جائے گی اور کھانے میں بے دِلی سی قائم رہے گی۔ کھانے کے بعد جسم بے حد سست اور بوجھل رہے گا، بلکہ بعض اوقات حرکت کرنے کو دِل نہیں چاہتا۔ ہر غذا پہلی غذا کے ہضم ہونے کے بعد کھانی چاہئے۔ اگر چہ بھوک بھی کیوں نہ لگی ہو اور اشتہائے صادق کی تمام علامات پائی

جائیں۔ کیونکہ ہر غذا جو ہم کھاتے ہیں اُس کے ہضم ہونے میں کم سے کم چھ سات گھنٹے خرچ ہوتے ہیں اور اس کے بعد وہ غذا معدے اور چھوٹی آنتوں سے اُتر کر بڑی آنتوں میں چلی جاتی ہے۔ اگر چھ سات گھنٹے سے قبل کھالیا جائے تو طبیعت پہلی غذا کی طرف مصروف ہوتی ہے اور اگر اس کو ہضم کئے بغیر چھوڑ دے اور دوسری کی طرف مصروف ہو جائے تو پہلی غذا میں تعفن اور فساد پیدا ہو جائے گا۔ اور اگر دوسری کی طرف توجہ نہ دے تو اس میں بھی تعفن وفساد پیدا ہونا ضروری ہے۔ ایک وقت میں مختلف غذاؤں کا اکٹھا کرنا درست نہیں۔

یادداشت: مختلف اغذیہ میں بعض لطیف اور بعض ثقیل ہوتی ہیں اور طبیعت لطیف اغذیہ کو جلدی ہضم کر لیتی ہے اور ثقیل اغذیہ دیر تک اندر پڑی رہتی ہیں۔ نیز بعض اغذیہ ایک دوسرے کی مخالف ہوتی ہیں۔ مثلاً مچھلی اور دودھ، ترشی اور دودھ، ستو اور دودھ، انگور اور ہرنی کا گوشت، انار اور ہریسہ، چاول اور سرکہ، ان کو ایک ساتھ اکٹھا کھانے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

اگر غذا مجرب ہو تو اس کے ساتھ نمکین یا چرپری چیزیں کھائی جائیں اور اسی طرح اس کے برعکس بہتر یہ ہے کہ ہمیشہ ایک ہی غذا نہ کھائی جائے بلکہ تبدیلی کے ساتھ کھائی جائے، بھوک کو روکنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے معدے کی طرف خراب مواد گرتے ہیں۔ غذا دِن کے معتدل وقت میں کھانی چاہئے۔ موسم سرما میں دوپہر کے وقت اور موسم گرما میں صبح وشام کھانا مناسب ہے۔ کھانے سے مراد یہاں پیٹ بھر کر کھانا اور پورا کھانا مراد ہے۔

یادداشت: ایک ہی قسم کے کھانے بار بار کھانے سے اور ایک ہی ذائقہ بار بار استعمال کرنے سے جسم میں نقصان پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً ترش غذاؤں کے بکثرت اور متواتر استعمال سے بڑھاپا جلد آجاتا ہے۔ نزلہ زکام اکثر رہتا ہے۔ اعضاء میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے۔ اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نمکین چیزیں بدن کو لاغر اور دِل میں ضعف پیدا کرتی ہیں۔ میٹھی چیزیں بھوک کو ضعیف اور بدن کو گرم کرتی ہیں۔ ان کی مضرت کو ترش غذا سے اور ترش غذا کی مضرت کو میٹھی غذا سے دفع کرنا چاہئے۔ پھیکا اکثر کھانے سے بھوک جاتی رہتی ہے اور بدن میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کی مضرت کو نمکین اور چرپری چیزوں کے استعمال سے دور کرنا چاہئے۔

مشروبات

مشروبات میں تین چیزیں خاص طور پر شریک ہیں: (۱) پانی (۲) دودھ (۳) شراب۔

پانی: پانی اکثر پیاس کے وقت پیا جاتا ہے اور یہ پیاس کھانے کے دوران میں بھی لگتی ہے اور بعد میں بھی اور بغیر کھانے کے بھی۔ پانی پینے کا وقت پیاس ہے، خواہ غذا کے ساتھ یا اُس کے بعد وغیرہ۔

یادداشت: جاننا چاہئے کہ پیاس دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) صادق (۲) کاذب۔ صادق پیاس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ معدے میں پڑی ہوئی غذا کو رقیق بنائے اور اُس کو باریک شریانوں سے گزارنے کے لئے ذریعہ بنے۔ غذا کے دوران میں بھی جب پیاس لگتی ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اوّل معدے میں تیز اور سوزش پیدا کرنے والی اغذیہ کی بے چینی اور دوسری معدے میں انتہائی خشکی جو غذا کھانے کے ساتھ اکثر بڑھ جاتی ہے اور طبیعت اُس کو رقیق کرنے کے لئے پانی طلب کرتی ہے۔ پیاس کاذب کی پہچان یہ ہے کہ اگر پیٹ بھر کر تسلی کے ساتھ بھی پانی پی لیا جائے اور پھر بھی پیاس نہ بجھے، اس کی وجہ عام طور پر شور بلغم یا لیسدار مواد کی معدے میں زیادتی ہوتی ہے۔ جس کو طبیعت رفع کرنا چاہتی ہے۔ لیکن ٹھنڈا پانی پینے سے بلغم اور بھی جم جاتی اور مادۂ شور میں زیادتی واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تخمہ اور ہیضہ میں بھی پیاس کی شدت ہوتی ہے جس کی وجہ غذا کا کچا ہونا اور معدے میں سوزش اور متعفن مواد کی موجودگی ہوتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ پانی کے لئے کچھ دیر توقف کیا جائے اور اگر توقف ممکن نہ ہو تو گرم پانی تھوڑا تھوڑا دیا جائے یا بغیر دودھ کی چائے دی جائے۔ مرض میں شدت ہو تو مناسب علاج کیا جائے۔ بعض دفعہ دماغی اور اعصابی سوزش میں

بھی شدید پیاس لگتی ہے، اس کا بھی مناسب علاج کیا جائے۔ بعض اوقات ترمیووں کے استعمال سخت ورزش اور محنت، حمام اور جماع کے بعد جب پیاس لگے تو پانی سے روکنا چاہئے۔ جہاں تک ممکن ہو نہار منہ پانی نہیں پینا چاہئے۔

دودھ: دودھ غذا میں شامل ہے اور اس کو غذا کے طور پر یا غذا کے ہمراہ استعمال کرنا چاہیے۔ یہ ہرگز نہ کیا جائے کہ اس کو پانی کے طور پر اور بغیر غذا کے استعمال کیا جائے۔ دودھ استعمال کرنے کا بہترین وقت صبح کا ناشتہ ہے۔ ناشتے کے ہمراہ اس کو استعمال کرنے سے صحت پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ دودھ ہمیشہ نیم گرم ہو اور اس کو ہلکا شیریں بھی کر لینا چاہیے۔ اسی طرح بعض لوگ دودھ میں پانی ملا کر اس کی لسی بھی پیاس کے وقت پیتے ہیں۔ اس کے متعلق یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کے اثرات اپنے اندر دودھ کی غذائیت کے ہیں۔ البتہ اس میں بُرودت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے اکثر استعمال سے معدہ ٹھنڈا اور سوئے مزاج بارد کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اوّل تو اس کا استعمال ہی نہیں کرنا چاہیے لیکن جب استعمال کیا جائے تو غذا اور اس کے درمیان کافی وقفہ ہونا چاہیے۔

دھی کی لسی: دہی کی لسی بھی غذا میں شریک ہے اور اس کو بھی ہمیشہ غذا کے مقام یا اس کے ہمراہ استعمال کرنا چاہیے۔ اس کے بکثرت استعمال سے حرارت غریزی کم ہو جاتی ہے اور نفخ شکم کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا استعمال دوپہر کو غذا کے ہمراہ کرنا چاہیے۔

شراب: شراب کا استعمال بغیر طبیب کی مرضی کے کبھی نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں نقصان بہت زیادہ اور فوائد بہت ہی کم ہیں۔ اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کے استعمال سے خواہشات نفسانی بھڑک اٹھتی ہیں جو کسی صورت بھی نہیں بجھتی ہیں۔ جس سے طبیعت انتہائی منقبض ہو کر دل کے لیے بے حد نقصان کا باعث ہوتی ہے۔ جہاں تک اس کے فوائد کا تعلق ہے اس کو اکثر اعتدال سے قلیل مقدار میں ضرورت کے مطابق طبیب حاذق کے مشورے سے استعمال کیا جائے تو تمام جسم کے اعضا میں نشو و ارتقا اور قوت کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی گندے فضلات کو چھانٹ دیتی ہے اور جسم میں صالح ہو کر جذب کرنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے لیکن ان فوائد کے ساتھ ساتھ جب اس کے اثرات بڑھتے جاتے ہیں تو انہی چیزوں کے لیے سخت نقصان کا باعث ہوتی ہے۔ اس کے اثرات بڑھنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اس کو ایک دفعہ شروع کرنے کے بعد خواہ وہ دوا کے طور پر ہی کیوں نہ کیا جائے چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ گویا یہ تھوڑے ہی عرصہ میں ایک ایسی عادت بن جاتی ہے جس کا چھوڑنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس کو چھوڑنا بھی بجائے فوائد کے باعث صد نقصان ہے۔

(2) حرکت و عمل

حرکت و عمل میں تین چیزیں اہم ہیں: (۱) ورزش (۲) مالش (۳) حمام۔

یادداشت: جاننا چاہئے کہ یہ تین چیزیں اس لئے اہم ہیں کہ جسم انسان پر ان کے اثرات سے فضلات اندر نہیں رُکتے اور اخراج پا جاتے ہیں۔ ان کی ضرورت اس لئے اور بھی زیادہ ہے کہ دُنیا میں کوئی غذا بھی ایسی نہیں جس کا فضلہ نہ بنے اور اسی طرح کوئی دوا بھی ایسی نہیں جو ان فضلات کو پوری طرح جسم سے خارج کر دے اور اس کا نقصان طبیعت کو نہ پہنچے۔ اس لئے اس مقصد کے حصول کے لئے ایک ہی صورت ہے کہ جسم کو حرکت و عمل کی عادت ڈالی جائے۔ اس میں ورزش ایک ایسی چیز ہے جس میں بغیر کسی اور تدبیر اور خرچ کے انسان اپنا مقصد حاصل کر سکتا ہے۔ مگر مالش اور حمام میں ایک خاص اہتمام کی ضرورت ہے۔ بہرحال ضرورت کے وقت ان کا استعمال لازمی اور مفید ہے۔ کیونکہ اگر یہ فضلات جسم کے اندر چھوڑ دیئے جائیں تو اکٹھے ہو کر تین قسم کا نقصان پیدا کرتے ہیں: ① ان میں تعفن پیدا ہو کر جسم کی رطوبات برباد ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ ② رطوبات کی زیادتی حرارت غریزی کو ضائع کرنا شروع کر دیتی ہے۔ ③ مادے کی رکاوٹ رگوں یا آنتوں میں سدے پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہے۔ ان فضلات کا اخراج جس احسن طریقہ پر ورزش، مالش اور حمام سے ہو سکتا ہے۔ وہ کسی اور دوا و تدبیر سے ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ ورزش،

مالش اور حمام کے بعد جسم اکثر ہلکا اور خوشی محسوس کرتا ہے۔ بھوک بڑھ جاتی ہے۔ جسم مضبوط ہونا شروع ہو جاتا ہے اور روز بروز زیادہ طاقت کا احساس ہونے لگتا ہے۔

(i) ورزش: ورزش ایک ایسی حرکت ارادیہ ہے جس میں بڑے بڑے سانس لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ورزش مادی امراض کو رفع کرتی ہے۔ حرارتِ غریزیہ کو برانگیختہ کرتی ہے۔ جوڑوں کو سخت بناتی، فضلات کو تحلیل کرتی اور مسامات کو کھولتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ① وہ جو تمام جسم کے لئے عام ہو یعنی اس کا اثر تمام بدن پر پڑے، مثلاً دوڑنا، سیر کرنا، گھوڑا دوڑانا، کشتی کھینچنا، کشتی لڑنا وغیرہ۔ ② وہ جو صرف بعض اعضاء کے ساتھ مخصوص ہوں مثلاً اونچی آواز سے پڑھنا جس سے سروسینہ اور آلاتِ تنفس سے فضلات پاک اور غذا کو قبول کرنے کے لئے مستعد ہوتے ہیں۔ بھاری پتھر اُٹھانا، سخت کمان کا کھینچنا، گیند بلا کھیلنا، ان سے دونوں ہاتھوں، گردن، سینہ دونوں شانوں اور پشت کا تنقیہ ہوتا ہے۔ تیز چلنا بھی خاص ورزش ہے، اس سے دونوں سرین، دونوں رانوں اور دونوں پنڈلیوں کا تنقیہ ہوتا ہے۔

یادداشت: ورزش کا وقت وہ ہوتا ہے جب بدن خلطی فضلات اور براز سے پاک ہو اور غذا ہضم ہو چکی ہو۔ اس کے لئے بہتر وقت صبح یا تیسرا پہر ہے۔ ورزش عام طور پر معتدل ہونی چاہئے۔ زیادہ شدید قسم کی ورزش بعض اوقات نقصان کا باعث ہوتی ہے۔ معتدل ورزش میں تھکن کم ہوتی ہے، دورانِ خون جلد کی طرف آ کر اس کو سرخ کر دیتا ہے اور پھیلا دیتا ہے اور ہلکا پسینہ آتا ہے۔ جب پسینے میں شدت اور جسم میں تھکن کی زیادتی محسوس ہو تو فوراً ورزش چھوڑ دینی چاہئے۔ بعض ورزشیں جسمانی اثر کے ساتھ روحانی اثرات بھی رکھتی ہیں۔ مثلاً مقابلے کی دوڑ، گھوڑ دوڑ، گیند بلا وغیرہ جن میں ورزش کے ساتھ جیتنے ہارنے کی مسرت اور افسوس بھی شامل ہوتا ہے۔ جس سے نفس میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔

بعض ورزشوں کے فوائد: کشتی کی سیر اخلاط میں تحریک و ہیجان پیدا کرتی ہے اور اس سے جذام و استسقاء اور سکتہ کو بھی اکثر فائدہ ہو جاتا ہے۔ رات کے وقت کشتی کی سیر مقوی قلب ہے، لیکن اس میں چاند کی تیز روشنی لازمی ہے۔ تیرنے سے معدہ بہت زیادہ مقوی ہو جاتا ہے۔ تیز تیز چلنا گردوں کو صاف کرتا اور ضعفِ جگر میں بہت مفید ہے۔ باغات کی سیر باعثِ فرحتِ قلب اور دماغ میں سرور لاتی ہے۔ شدید قسم کی ورزشیں جیسے کشتی کھیلنا، پتھر اٹھانا جسم سے بلغم کو خارج کرتا ہے۔

(ii) مالش: مالش سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے جسم کو تیل یا بغیر تیل کے ملے۔ اس کی کئی قسمیں ہیں مثلاً صلب جو اعضاء کو مضبوط بناتی ہے۔ لیّن جوڑھیلا کرتی ہے۔ کثیر جو متواتر کی جائے یہ اعضاء کو دُبلا کرتی ہے۔ معتدل یہ موٹا کرتی ہے۔ کھردری (جو کھردرے کپڑے یا ہاتھ سے کی جائے) یہ خون کو ظاہر بدن کی طرف جذب کرتی ہے اور نرم مالش جو نرم ہتھیلی یا نرم کپڑے سے کی جائے، خون کو بند کرتی ہے یعنی اس عضو کی طرف کھینچ کر وہاں جمع کر دیتی ہے۔

یادداشت: مالش کا طریقہ یہ ہے کہ ابتداء میں قوت کے ساتھ شروع کی جائے اور پھر آہستہ آہستہ نرم کر دی جائے۔ اگر تیل لگانا ہو تو شروع میں ہی لگا لیا جائے۔

(iii) حمام: حمام سے مراد بند کمرے میں گرم پانی یا گرم بخارات سے غسل کرنا ہے یا اس میں اس وقت تک ٹھہرنا ہے کہ جس سے جسم کے فضلات پسینہ کے ذریعہ اخراج پا جائیں۔ حمام کے اندر سرد پانی سے غسل کرنے کو حمام نہیں کہتے بلکہ حمام میں گرم پانی یا گرم بخارات کا استعمال لازمی ہے۔

حمام کے تین کمرے ہونے چاہئیں۔ پہلا کمرہ معتدل، دوسرا گرم تر اور تیسرا گرم خشک اور ہر کمرے میں اس کے مطابق ہی ہوا استعمال کی جائے۔ گرم کمرے میں معتدل پانی یا معتدل کمرے میں بہت تیز گرم پانی نہ استعمال کیا جائے۔ کیونکہ یہ پھریری پیدا کرتا ہے۔ اچھا حمام وہ ہے

جو عرصہ دراز کا بنا ہوا ہو، اس کے کمروں کی فضا کشادہ اور ہوا پاک صاف ہو۔ پانی شیریں ہو اور اُس میں اس قسم کا ایندھن نہ جلایا جائے جس میں کسی خاص قسم کی بو وغیرہ پائی جائے۔ حمام کو بہت زیادہ گرم نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ وہ زیادہ تحلیل کا باعث ہوتا ہے اور اعضاء کو ڈھیلا بنا دیتا ہے۔ اور نہ ہی پانی ٹھنڈا ہونا چاہئے، کیونکہ وہ پسینہ نہیں لاتا۔ حمام کا ایسا ہونا ضروری ہے کہ جسم پر پسینہ آ جائے اور ہلکی سی حرارت حاصل کر لے۔

حمام کا طریقہ و فوائد: نہار منہ حمام کرنا بدن کو خشک کرتا ہے۔ اور پیٹ بھرا ہونے کی حالت میں موٹا بناتا ہے اور غذا کو ظاہر بدن کی طرف جذب کرتا ہے۔ لیکن ایسا حمام سدے پیدا کرتا ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ حمام نہ تو نہار منہ کیا جائے اور نہ سیر شکم ہونے کی حالت میں۔ حمام میں کسی چیز کے کھانے پینے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے وہ ہضم ہونے سے قبل ہی راستوں کے کشادہ ہونے کی وجہ سے دور سے اعضاء تک پہنچ جاتی ہے۔ حمام میں زیادہ دیر تک بیٹھنے سے ضعیف اعضاء کی طرف فضلات گرنے لگتے ہیں، جسم سست پڑ جاتا ہے، اعصاب کو ضرر پہنچتا ہے، حرارت غریزی تحلیل ہو جاتی ہے اور غذا کی خواہش اور قوت باہ ساقط ہو جاتی ہے۔ یہ باتیں اور مضرتیں صرف حمام میں زیادہ عرصہ بیٹھنے پر ہی موقوف نہیں بلکہ خود حمام بھی ان تمام مضرتوں کو پیدا کرتا ہے۔

یادداشت: جب تک جسم اعتدال پر نہ آ جائے اس وقت تک حمام کے پہلے کمرہ میں رہنا چاہئے۔ اور جب باہر نکلنے کا ارادہ ہو تو بدن کو خوب ڈھانپ لینا چاہئے، تاکہ ہوا نہ لگ جائے۔ جن لوگوں میں صفراء کی زیادتی ہو اُن کو گرم حمام نہیں کرنا چاہئے۔ عام طور پر خالی شکم (جب بھوک لگی ہوئی ہو) حمام کرنے سے لاغری اور خشکی پیدا ہوتی ہے۔ جو لوگ ریاضت کم کرتے ہیں، ان کو اکثر ایسا حمام کرنا چاہئے جس سے پسینہ آ جائے۔ آبِ سرد سے غسل کرنا بدن کو قوی کرتا ہے۔ مگر سردی کے وقت سرد پانی سے غسل نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس سے کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ بچوں، بوڑھوں اور مریضوں کو سرد پانی کے غسل سے روکنا چاہئے۔

جسم و قوت کی کثرت تحلیل اور شدید محنت

اس کے ذیل میں تین صورتیں ہیں: (۱) جسمانی اور دماغی محنت (۲) جذبات کی زیادتی (۳) مباشرت۔

(1) جسمانی اور دماغی محنت: جسمانی اور دماغی محنت کی کثرت جسم میں بہت زیادہ تحلیل پیدا کرتی ہے جس کو بدل ما یتحلل پورا نہیں کر سکتا اور ضعف واقع ہو جاتا ہے۔ عام طور پر جسمانی محنت زیادہ سے زیادہ ایک وقت میں چار گھنٹے اور پھر ایک گھنٹہ کے وقفہ کے بعد دو گھنٹہ سے زیادہ نہیں کرنی چاہئے۔ جسمانی محنت کرنے والوں کے لئے لازمی ہے کہ غذا پیٹ بھر کر کھائیں اور اُس میں گوشت کی مقدار کافی ہونی چاہئے۔ دماغی محنت کرنے والوں کے لئے زیادہ سے زیادہ ایک وقت میں تین گھنٹے اور پھر ایک گھنٹہ کے وقفہ کے بعد ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ دماغی کام نہیں کرنا چاہئے۔ اس سے زیادہ دماغی محنت اعصاب میں تحلیل اور اعضائے رئیسہ میں ضعف پیدا کرتی ہے۔ دماغی محنت کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنی غذا میں غلہ کم اور دودھ، گھی، پھل اور میوہ جات کا استعمال بہت زیادہ کریں۔ گوشت کا استعمال ان کے دِل کے چاہنے کے مطابق کرنا چاہئے اور نہ چاہے تو نہ بھی کریں۔ البتہ مچھلی کا استعمال ان کے لئے بہت مفید ہے۔ جسمانی اور دماغی محنت کرنے والوں کے لئے لازمی ہے کہ وہ کبھی کبھار اپنے کام سے چھٹی کریں اور وہ وقت تفریح میں خرچ کریں۔

(2) جذبات کی زیادتی: جذبات کی شدت نہ صرف جسم میں امراض پیدا کرتی ہے بلکہ جسم کو کثرت سے تحلیل کرتی ہے۔ زیادہ کثرت زیادہ تحلیل کا باعث ہے۔ زیادہ غصہ اور غم سے دِل میں تحلیل پیدا ہوتی ہے۔ غصے کی حالت میں فوراً ٹھنڈا پانی پینا چاہئے یا لیٹ جانا چاہئے۔ غم کی حالت میں مسرت کے قیام اور خدائے رحیم کی رحمت کا تصور ذہن میں تازہ کرنا چاہئے۔ خوف کی حالت میں اعصاب تحلیل ہوتے ہیں اور بعض

اوقات بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ ایسے وقت میں خوف زدہ آدمی میں غصہ پیدا کرنا چاہئے، تا کہ خوف رفع ہو جائے۔ مسرت ولذت کے جذبات کی کثرت سے ضعفِ جگر پیدا ہوتا ہے اور بعض اوقات جگر اس قدر تحلیل ہو جاتا ہے کہ صحت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اعتدال سے زیادہ لذت ومسرت میں گرفتار نہیں رہنا چاہئے اور زیادہ قہقہے بھی نہیں مارنے چاہئیں، اس سے بھی اکثر جسم میں تحلیل کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

(3) مباشرت: مباشرت کی صورت میں ذیل کی باتوں پر شدت سے عمل کیا جائے۔

① خالی پیٹ مباشرت نہ کی جائے اور شکم سیری کی حالت میں بھی نقصان رساں ہے۔
② بیماری کی حالت میں مباشرت سے قطعاً پرہیز کیا جائے۔
③ جسم میں اگر کسی کیفیت کی زیادتی (گرمی، سردی، خشکی، تری) کا شدید احساس ہو تو اس وقت بھی مباشرت سے پرہیز کرنا چاہئے۔
④ غم، خوف اور غصہ کی حالت میں بھی اس سے دُور رہنا چاہئے۔
⑤ حیض اور نفاس کے ایام میں مباشرت سے بہت دور رہنا چاہئے۔
⑥ کم سن لڑکیوں سے پرہیز کرنا بہت ضروری ہے، کیونکہ اس سے عضوِ مخصوص میں تحلیل پیدا ہوتی ہے اور ہمیشہ کنواری لڑکیوں کے پاس جانا بھی یہی کیفیت پیدا کرتا ہے۔
⑦ بڑھیا اور بدصورت عورتوں سے بھی مباشرت نہ کی جائے۔
⑧ اغلام بازی کے قریب بھی نہیں پھٹکنا چاہئے، اس سے اعضائے رئیسہ میں بے حد ضعف اور خرابی واقع ہوتی ہے۔
⑨ کثرتِ جماع سے پرہیز کیا جائے، اس سے اعصاب کو سخت نقصان پہنچتا ہے اور عام طور پر اس سے فالج، رعشہ اور تشنج کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور قلب و بینائی میں ضعف واقع ہو جاتا ہے۔

ذیل کی صورتوں میں مباشرت مفید ثابت ہوتی ہے اور صحت کو تقویت حاصل ہوتی ہے:

① جب اس کی شدید خواہش پیدا ہو یعنی بغیر کسی بیرونی تحریک کے شہوت کا غلبہ ہو۔
② مکمل تنہائی ہو، کیونکہ دوسرے کا خوف ضعفِ قلب پیدا کرتا ہے۔
③ جب جسم میں فرحت و انبساط اور ایک خاص قسم کا سرور پایا جائے۔

مباشرت سے پرہیز کرنے سے دورانِ سر، گرانی بدن، تاریکی چشم، ورمِ خصیہ اور ورم کنج ران جیسے تکلیف دہ امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور عورتوں میں اختناق الرحم، دورانِ سر، ضعف قلب اور اکثر غشی کے دورے شروع ہو جاتے ہیں۔

ذیل کی چیزیں شہوت کو بڑھانے والی ہیں: (۱) پیڑو کے بالوں کو مونڈنا (۲) لذیذ اغذیہ کا استعمال (۳) عشق و محبت کے قصے اور افسانے پڑھنا (۴) سریلی آوازوں اور نغموں کا سننا (۵) رقص وسرود کا دیکھنا وغیرہ۔

یادداشت: مباشرت کے روز نہانا دھونا، خوشبو لگانا، عمدہ کپڑے پہننا ضروری ہے۔ متعفن اور گندے مقام سے دور رہنا چاہئے، مباشرت کی تمام شکلوں میں بدترین صورت یہ ہے کہ عورت مرد کے اوپر آئے، اس طرح مرد کے اعصاب اور اعضائے مخصوصہ میں نقصان واقع ہوتا ہے۔ صحیح صورت یہ ہے کہ مرد اوپر ہو۔ مباشرت سے قبل پہلے آپس میں خوشی ومسرت کی باتیں کرنی چاہئیں اور جسم کے مخصوص حصوں میں مساس کرنا چاہئے اور جب تک جسم میں جوش اور لذت کی شدت پیدا نہ ہو اس وقت تک مباشرت نہیں کرنا چاہئے۔ اس سے میاں بیوی دونوں کے انزال میں سہولت ہوتی ہے اور دونوں کا انزال ضروری ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو اعضائے رئیسہ میں نقصان واقع ہوتا ہے اور اوپر ذکر کردہ خراب امراض پیدا ہو جاتے

ہیں۔ مباشرت اگر ضرورت کے مطابق کی جائے تو اس سے جسم ہلکا پھلکا محسوس ہوتا ہے، تھکن دور ہو جاتی ہے، اس کے بعد بہت اچھی تسلی بخش نیند آتی ہے۔ بھوک بڑھ جاتی ہے اور جسمانی و دماغی محنت کرنے کو جی چاہتا ہے اور اگر اس کے بعد تھکن، سستی اور کمزوری واقع ہو تو یہ جان لیں کہ مواصلت ضرورت کے مطابق نہیں کی جا رہی بلکہ لذت و شوق کے تحت عمل میں لائی گئی ہے۔ یہ صورت نقصان رساں ہے اور اس سے ضعف اعضائے رئیسہ پیدا ہوتا اور بڑھاپا جلد آتا ہے۔

مباشرت کے بعد تھوڑی دیر سونا لازمی ہے۔ بعض لوگ اس کے بعد دودھ، حلوہ یا کوئی اور مقوی غذا یا دوا استعمال کرنے کے عادی ہوتے ہیں تاکہ مواصلت کا بدل ما یتحلل ہو جائے، لیکن یہ عادت بجائے فائدہ کے نقصان دہ ہے۔ کیونکہ اُس وقت دورانِ خون میں تیزی ہوتی ہے اور وہ دور دور سے اپنے فضلات کا اخراج کر رہا ہوتا ہے اور ایسے وقت پر کھانے سے اُن کا ایک طرف اخراج رُک جاتا ہے اور دوسری طرف طبیعت نئی کھائی ہوئی چیز کی طرف پوری طرح توجہ نہیں دیتی اور اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ کم از کم گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد جب بدن اعتدال پر آ جائے، تو اوّل غسل کیا جائے اور بعد میں کچھ کھایا جائے۔ اور اگر ایسی عادت پڑ گئی ہو تو ایسے موقع پر جو چیز مفید ہو سکتی ہے وہ پان ہے اور اگر خوشبودار ہو تو اور زیادہ بہتر ہے۔

عورتوں کو ایامِ حمل اور زمانۂ رضاعت میں جب تک بچہ دودھ نہ چھوڑ دے، مباشرت سے پرہیز کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس سے بچہ کی صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور اس کو اکثر اسہال، پیچش اور بخار کی شکایت رہتی ہے اور بعض اوقات دق الاطفال اور ام الصبیان جیسے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ جس سے بچہ سوکھ کر کانٹا ہو جاتا ہے۔ بچہ کو دو سال تک دودھ پلانا ضروری ہے۔

تندرست آدمی کو محض شوق کی خاطر مقوی باہ یا ممسک ادویہ کا استعمال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ وہ کن اعضاء کے لئے مفید ہے اور اکثر اوقات کسی عضو کو زیادہ تیز کرنے سے بھی اس میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے اور اسی طرح طلاء وغیرہ کا استعمال بھی بجائے فائدہ کے نقصان دہ ہے۔ یہ سب چیزیں مریضوں کے لئے ہونی چاہئیں۔

تاکید: بعض لوگ حمل کی روک تھام کے لئے ایسی صورتیں عمل میں لاتے ہیں جس سے قرارِ حمل میں رکاوٹ ہو، مثلاً عزل (انزال کے وقت عضوِ مخصوص کو باہر نکال دینا)، عضوِ مخصوص پر باریک کپڑا یا ربڑ کی تھیلی (فرنچ لیدر) یا عورتوں کے جسم میں مواصلت کے بعد ایسی ادویات کا رکھنا جن سے نطفہ ضائع ہو جائے، یہ ساری صورتیں مرد و عورت دونوں کے لئے مضرت رساں ہیں۔ ان سے دِل و دماغ، دونوں پر بُرا اثر پڑتا ہے اور منی کے صحیح طور پر خارج نہ ہونے کی وجہ سے بعض اوقات مردوں کو جنون، مالیخولیا اور دورانِ سر کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے اور عورت میں اختناق الرحم اور سیلان وغیرہ کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسقاطِ حمل بھی عورتوں کی صحت پر بہت بُرا اثر ڈالتا ہے۔ ایک اسقاط دس بچوں کی پیدائش کے برابر اثرات رکھتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بچے کی پیدائش سے عورت کی صحت پر برا اثر نہیں پڑتا بلکہ اس کے لئے توانائی کا اثر رکھتا ہے۔ ہر بچہ جو پیٹ میں پرورش و نشو و نما پاتا ہے، اور اس میں زندگی کے نئے آثار پیدا ہوتے ہیں، تو اس کی اس نمو کا اثر ماں پر بھی پڑتا ہے اور اس میں نئی زندگی اور حرارت پیدا کر دیتا ہے۔

تدابیرِ موسم

موسم بھی انسان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے غیر معمولی اثرات سے بچنے کی تدابیر کرنی چاہئیں۔ خصوصاً ان لوگوں کو جن کے مزاج کے لئے تکلیف دہ ہوں، علاج کے دوران میں بھی موسم کا خیال رکھنا چاہئے۔ کیونکہ بعض امراض بعض موسموں میں مشکل العلاج ہوتے ہیں۔ اور بعض موسموں میں تیز اور تند ادویہ استعمال نہیں کی جا سکتی۔ چند ضروری باتیں درج ذیل ہیں۔

① موسم بہار کے اوائل میں جلدی فصد اور اسہال کرایا جائے اور تمام گرم تر چیزوں سے پرہیز کیا جائے۔

② موسمِ گرما میں غذا شراب اور ورزش میں کمی کردی جائے۔ سایہ میں بیٹھنا، جسم کو دھوپ سے بچانا، آرام وستائش سے رہنا، گرمی بجھانے والی اشیاء کا استعمال اس موسم میں لازمی ہے۔ عادی لوگوں کو قے کرانے میں بھی تاخیر وتساہل نہ کریں۔

③ خزاں میں خشکی پیدا کرنے والی باتوں، جماع، سرد پانی، سرد مکان میں سونے، دوپہر کی دھوپ، صبح اور رات کی سردی، ترمیووں کے کھانے سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ نیز اس کے اوائل میں استفراغ کیا جائے۔ تمام ایسی چیزیں کھائی جائیں جو کسی قدر رتر اور گرم ہوں۔

④ موسمِ سرما میں فصد اور قے سے پرہیز لازمی ہے۔ مگر بقدرِ ضرورت اسہال کی اجازت ہے۔ اس موسم میں غذا کا بکثرت مگر بقدرِ ہضم استعمال کریں۔ کیونکہ اس موسم میں ہضم اچھا ہوجاتا ہے۔

یادداشت: حاملہ عورت کو فصد، سینگیاں، اسہال اور قے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ البتہ اشد ضرورت کے وقت اجازت ہے۔ اسی طرح حمل کے دوران میں شدید خوف، غصہ، ہولناک آوازوں نیز تیز خوشبوؤں سے پرہیز کرنا چاہئے۔

طبِّ عملی

❷ علم العلاج

طریقۂ علاج کا نام

طب یونانی میں جس طریق سے علاج کرتے ہیں، اس کا نام علاج بالضد ہے۔ یعنی ہر علامت، صورت اور کیفیت کا علاج اُس کی ضد ادویات کے ساتھ، مثلاً اگر اسہال اور قے آ رہے ہوں تو بند کر دیئے جائیں، درد اور ورم کی صورت ہو تو اُن کو دور کر دیا جائے اور اگر گرمی ہو تو سرد ادویات استعمال کرائی جائیں اور اگر سردی ہو تو گرم ادویہ کا استعمال کیا جائے، وغیرہ۔ مگر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ علاج بالمثل پر عمل درآمد کرنے والے معالجین بھی کامیابی سے علاج کر رہے ہیں اور اگر ان کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو خود ہمارے اطباء جو علاج بالضد کے قائل ہیں۔ بارہا علاج بالمثل کے اصول سے کام لیتے ہیں مثلاً قولنج کا علاج افیون سے کرتے ہیں۔ حالانکہ دونوں سرد ہیں۔ حمی صفراوی کا علاج سقمونیا سے کرتے ہیں، حالانکہ صفراء اور سقمونیا دونوں گرم ہیں۔ اسی طرح بارہا قے کا علاج قے سے اور اسہال کا علاج اسہال سے کیا جاتا ہے۔ پھر ہم اس طریقہ علاج کو علاج بالضد کیوں کہتے ہیں۔

اس کے جواب میں جاننا چاہئے کہ ہر طریقہ علاج عقل، تجربات اور مشاہدات پر مبنی ہوتا ہے۔ مثلاً تجربہ ہمیں بتاتا ہے کہ سردی گرمی سے دور ہو جاتی ہے اور گرمی سردی سے اس طرح ترشی کھاری پن سے ٹوٹ جاتی ہے اور کھاری پن ترشی سے رفع ہو جاتا ہے اور جسم کا ضعف طاقت ور ادویات سے دور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارا روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ جو چیز ایک دوسرے کی ضد ہوتی ہے ان میں سے ہر ایک کا یہ طبعی تقاضا ہوتا ہے کہ دوسری کو توڑ کر اس کی جگہ لے لے اور اس جدوجہد میں جو غالب ہوتی ہے، اسی کا اثر ہوتا ہے، آگ پانی میں یہی قدرتی مشاہدہ نظر آتا ہے۔ عقلاً بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اگر گرم امراض میں گرم ادویہ واغذیہ، سرد امراض میں سرد اغذیہ وادویہ اور اسی طرح سرد اور تر امراض میں سرد اور تر اغذیہ و اشربہ استعمال کی جائیں تو مرض میں اضافہ ہوتا ہے نا کہ کمی تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم ہر علامت، صورت اور کیفیت کا بالضد علاج نہ کریں۔

رہا قولنج کا علاج افیون سے تو یہ دراصل قولنج کا علاج نہیں بلکہ قولنج کی حالت میں شدید قسم کے درد کو روکنے کی صورت ہے کیونکہ قولنج اُس سدے کا نام ہے جو سردی کی وجہ سے آنتوں میں پھنس جاتا ہے اور یہ افیون سے کبھی دور نہیں ہو سکتا۔ لیکن چونکہ سدے کے اخراج پر اتنا وقت صرف ہوتا ہے کہ اس وقت تک مریض درد کی شدت میں مبتلا رہنا برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے وقتی طور پر افیون کا استعمال کیا جاتا ہے وہ قولنج کا نہیں بلکہ درد کے احساس کا علاج ہے اور اس کا علاج افیون سے کرنا صحیح معنوں میں علاج بالضد ہے۔ اسی طرح حمی صفراوی سقمونیا سے دور نہیں ہوتا بلکہ صفراء کی ضرورت کے مطابق کمی کی وجہ سے بخار کا قیام ہوتا ہے اور اس کمی کو سقمونیا کے استعمال سے پورا کیا جاتا ہے جس سے مادۂ صفراوی اخراج پا جاتا ہے، اسی لحاظ سے سقمونیا کا عمل بھی اس کا علاج بالضد ہے۔ ایسے ہی قے اور اسہال کا علاج قے اور اسہال سے بھی قے اور اسہال کا علاج

نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس قوت کا علاج ہوتا ہے جس کی کمی کی وجہ سے طبیعت قے اور اسہال کے ذریعہ فاسد مواد کو پوری طرح خارج نہیں کر سکتی۔ اس لئے قے اور اسہال کی کمی کو قے واسہال کی ادویات سے تیز کیا جاتا ہے، تاکہ مواد فاسد کا اخراج ہو جائے اور اُس کے بعد اکثر خود ہی قے واسہال بند جاتے ہیں یا اُن کو بالضد ادویات سے بند کر دیا جاتا ہے۔

یادداشت: علاج بالمثل بھی دراصل علاج بالضد ہے، اس کی تفصیل ہماری کتاب ہومیو پیتھک ریسرچ میں ملاحظہ فرمائیں زیرِ طبع ہے۔

طریقۂ علاج: طب یونانی میں علاج تین صورتوں سے کیا جاتا ہے۔ (۱) علاج بالتدبیر (۲) علاج بالدوا (۳) علاج بالید یا دستکاری۔

(1) علاج بالتدبیر: طریقہ علاج اسبابِ ستہ ضروریہ یعنی غذا پانی وغیرہ میں مناسب تصرف کرنے سے کیا جاتا ہے جس کا ذکر علم الاسباب میں ہو چکا ہے۔

یادداشت: اسباب ستہ ضروریہ کے ساتھ ساتھ کیفیات کو بھی مدنظر رکھا جاتا ہے، یعنی گرم کیفیات کے مریضوں کی گرم کیفیات کو سرد ماحول اور سرد اغذیہ وادویہ اور دیگر تدابیر سے بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اسی طرح سرد خشک اور تر کیفیات کے مریضوں کی کیفیات کو بدلنے کے لئے ان کے برعکس تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔

(2) علاج بالدوا: علاج بالدوا میں ہر قسم کی ادویہ واغذیہ اندرونی اور بیرونی طور پر استعمال کرائی جاتی ہیں اور ان میں بالضد کا خیال مدِنظر رکھا جاتا ہے۔

یادداشت: بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جس ملک کا علاج ہو اس ملک کی ادویہ استعمال کرنی چاہئیں اور باہر سے نہ منگائی جائیں۔ یہ اعتراض بہت حد تک صحیح ہے، کیونکہ ہر ملک کی ادویات وہاں کے رہنے والوں کے زیادہ مناسب اور مزاج کے زیادہ قریب ہوتی ہیں، لیکن جو ادویہ اپنے ملک میں دستیاب نہ ہوں ان کو باہر سے منگوانا کوئی بری بات نہیں۔ لیکن اُن ادویات کے مزاج، کیفیات اور خواص وفوائد سے پوری آگاہی ہونی چاہئے۔ اس وقت بھی طب یونانی میں بے شمار دوائیں ایسی ہیں جو غیر ممالک سے درآمد کی جاتی ہیں۔ جیسے سنا مکی جو مکہ سے آتی ہے، اور دیگر اقسام سناء سے بہتر ہے۔ ثعلب مصری سے اور صبر ثقوطری جو ترکی کے علاقہ ثقوطر سے درآمد کی جاتی تھی۔

(3) علاج بالید یا دستکاری: اس صورت علاج میں اعضائے جسم کو ضرورت کے مطابق چیرنا پھاڑنا، جوڑوں کا درست کرنا اور بٹھانا، بعض امراض میں حصہ جسم میں داغنا، فصد وحجامت، امالہ مرض اور ٹوٹی ہوئی ہڈی کا جوڑنا وغیرہ شامل ہیں۔

یادداشت: دوا سے علاج کرنے میں اس امر کو ضرور ملحوظ رکھیں کہ اگر کیفیات اور مزاج کے مطابق دوا کی بجائے صرف غذا یا غذائے دوا سے علاج ہو سکتا ہو تو زیادہ بہتر اور افضل ہے۔ پھر اگر یہ ممکن نہ ہو، تو پہلے ہلکے مزاج کی ادویات سے علاج شروع کیا جائے اور مرض کی انتہائی اور شدید حالت میں تیز قسم کی شدید ادویات برتنی چاہئیں۔

علاجِ کلی

مندرجہ بالا طریقہ ہائے علاج کا ہم ذیل میں صرف اس قدر ذکر کریں گے جس سے ان کے کلی اصول بیان ہو جائیں، کیونکہ دورانِ علاج ذہن نشین نہ ہوں تو علاج صحیح طور پر نہیں ہو سکتا۔ علاج میں صرف یہ جاننا کافی نہیں ہوتا کہ فلاں مرض کی فلاں دوا ہے، بلکہ چند احکام بھی مدنظر رکھنے پڑتے ہیں۔ اور اُن کے تحت بعض اوقات ادویات میں کمی بیشی، کبھی غذا میں تغیر و تبدل، کہیں ماحول میں تبدیلی اور بعض وقت مریض کے نفسانی اور کیفیاتی اثرات کو دور کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے صرف کسی مرض کی دوا استعمال کر دینا علاج کے لئے کافی نہیں بلکہ علاج کے امورِ کلی کو ذہن نشین کرنا بہت اہم ہے۔ بلکہ ہر مرض کے اصول کلی ذہن نشین رکھنے چاہئیں جن کا ذکر کچھ یہاں اور کچھ ''کتاب العلاج'' میں تفصیل سے بیان ہوگا۔

ذیل میں ہم علاج کے جن اصول کلی پر بحث کریں گے وہ یہ ہیں: (۱) احکامِ غذا (۲) احکامِ دوا (۳) احکامِ استفراغ (۴) احکامِ امالہ (۵) احکامِ فصد و حجامت۔

احکامِ غذا

غذا کے متعلق سب سے اہم بات یہ ہے کہ بغیر شدید بھوک کے مریض کو غذا بالکل نہ دیں اور جب وہ بھوک سے غذا کے لئے اصرار کرے تو اوّل اس کو لطیف اغذیہ مثلاً دودھ کا پانی، پھلوں کا رس، چائے کا پانی یا چائے، رقیق شوربا، انڈے کی سفیدی یا انڈے کی زردی کا شوربا وغیرہ استعمال کرائیں اور جب ان کے بار بار کھانے سے بھی بھوک رفع نہ ہو تو انہی لطیف اغذیہ میں گھی کا اضافہ کر دیں۔ مثلاً دودھ یا گھی ملا ہوا دودھ یا گھی والی چائے اور شوربے میں گھی وغیرہ اور اگر اس کے بعد بھی مریض بھوک کی شکایت کرے تو دلیا، چاول، خشکہ، ڈبل روٹی اور چپاتی کا چھلکا وغیرہ دیں۔ مگر جس ترکاری کے ساتھ ان کا استعمال کرائیں اُن میں گھی بہت زیادہ ہونا چاہئے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ذہن نشین رکھیں کہ غذا کا وقفہ کم از کم چھ گھنٹے ضرور ہونا چاہئے۔ تاکہ طبیب کو تسلی ہو جائے کہ پہلے کھائی ہوئی غذا ضرور ہضم ہوگئی ہے۔

یادداشت: یاد رہے کہ غذا کو ہضم کرنے کے لئے حرارت کی ضرورت ہے اور جسم میں حرارت کی کمی کے وقت جو غذا مریض یا تندرست آدمی کھاتا ہے، وہ ہضم نہ ہونے کی صورت میں اندر متعفن ہو کر باعث فساد ہوتی ہے۔ اس لئے اگر جسم میں حرارت کی کمی ہو تو ثقیل اغذیہ، مثلاً چپاتی، نیم سخت گوشت اور روغنی اغذیہ بند کر دینا چاہئیں اور جب غذا پوری طرح ہضم ہو تو پھر تھوڑا تھوڑا کر کے غذا شروع کرائیں۔ مریض کا بغیر حرارتِ جسم کے غذا کا استعمال کرنا ایک قسم کا جرم ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی مدِنظر رکھنا چاہئے، بغیر ضرورت ٹھنڈی اغذیہ و اشربہ مثلاً شربت، لسّی وغیرہ سے پرہیز کرانا چاہئے، اور اسی طرح بغیر ضرورت مسہلات اور مدارات کا استعمال بھی منع ہے۔ کیونکہ ان سے جسم کی حرارت کم ہو جاتی ہے۔ غذا میں ذیل کے احکام کو خاص طور پر مدِنظر رکھیں۔

(۱) حرارت کے وقت مریض کو غذا سے روک دینا چاہئے۔ مثلاً جب جسم میں امتلاء زیادہ ہو، کیونکہ اُس وقت طبیعت مواد کو رفع کر رہی ہوتی ہے اور جسم میں اکثر تعفن ہوتا ہے، ایسی حالت میں غذا بھی متعفن ہو کر باعثِ نقصان ہوتی ہے۔ اسی طرح جب مرض رفع ہو رہا ہو، کیونکہ اس وقت جسم مرض کو رفع کر رہا ہوتا ہے اور غذا کی زیادتی سے طبیعت اُسے چھوڑ کر غذا کی طرف متوجہ ہو جائے گی اور مرض رُک جائے گا یا دوبارہ شدت اختیار کر لے گا۔ باری کے بخاروں میں باری کے اوقات پر اُس دِن غذا بند رکھنی چاہئے۔ اور جب تک باری گزر نہ جائے۔

غذا نہ دینی چاہئے۔

(۲) جب مریض کو بھوک زیادہ تنگ کرے اور وہ بار بار اس کی شکایت کرے تو اس کو اس قسم کی غذا دینی چاہئے جس میں مقدار کی زیادتی مگر تغذیہ میں کمی ہو۔ مثلاً سبزیوں کا استعمال بغیر دودھ کے چائے اور چاول وغیرہ اور اگر اس کے بعد بھی بھوک کی زیادتی رہے تو ان اغذیہ کے ساتھ گھی کی مقدار بڑھا دینی چاہئے، لیکن کوشش کی جائے کہ اُس کی غذا میں نشاستہ دار اغذیہ نہ ہوں یا بہت کم ہوں۔ یاد رہے کہ بھوک کی زیادتی اکثر معدے کی سوزش یا خشکی کا نتیجہ ہوتی ہے۔

(۳) بعض اوقات مریض کی بھوک بالکل بند ہوتی ہے اور وہ نقاہت محسوس کرتا ہے۔ ایسی حالت میں قلیل مقدار میں مقوی اور زود ہضم اغذیہ استعمال کرائی جائیں جیسے شوربا یا انڈے کی زردی وغیرہ۔ ان سے طاقت بھی بحال رہے گی اور ہاضمہ پر زیادہ بوجھ نہیں پڑے گا۔ بھوک کی کمی بعض وقت معدے میں رطوبات اور بلغم کی زیادتی سے ہوتی ہے، اور کبھی ضعف جگر سے پیدا ہوتی ہے۔

(۴) جب بدن میں ضعف کے ساتھ رطوبات کی زیادتی ہو تو غذا مقدار اور کیفیت دونوں کے اعتبار سے کم کرا دی جائے۔

(۵) جب جسم میں غذا کو ہضم کرنے کی استعداد زیادہ ہو جائے اور طبیعت صحت کی طرف راغب ہو تو غذا مقدار اور کیفیت دونوں میں بڑھا دی جائے۔

(۶) جب آنتوں اور جگر میں خرابی ہو تو ایسی غذا استعمال کرائی جائے جو معدے میں ہی ہضم ہو جائے۔ جیسے نشاستہ دار اور لحمی اغذیہ۔

(۷) اسی طرح جب معدے میں خرابی ہو تو ایسی غذائیں استعمال کرائی جائیں جن میں معدے کو زیادہ تکلیف نہ کرنی پڑے اور وہ جگر اور آنتوں میں ہضم ہو جائیں۔ جیسے روغنی اغذیہ۔

(۸) جس وقت جسم میں سُدّوں کا احتمال ہو تو اُس وقت ہر غذا کے ساتھ روغنی اشیاء کا اضافہ کر دیا جائے، جیسے گھی، دودھ اور بادام وغیرہ۔

(۹) جب تک جسم کے اندر مواد ہو تو اس وقت تک غذا خصوصاً مقوی اغذیہ کا استعمال بند رکھنا چاہئے۔ جب فضلات کا اخراج ہو جائے اور اعضاء میں غذا کی طلب کی استعداد پیدا ہو جائے تو اس وقت مقوی اغذیہ کو شروع کرایا جائے۔ لیکن اگر ضعف کا خطرہ ہو تو مقوی اغذیہ قلیل مقدار میں استعمال کرائی جائیں۔

(۱۰) گردوں کے امراض میں محلول اغذیہ مثلاً دودھ چائے اور پھلوں کا رس استعمال کرائے جائیں۔ آنتوں کے امراض میں اور خصوصاً جب پیچش ہو غذا میں بندش کر دینا چاہئے یا صرف دودھ کا پانی اور انڈے کی سفیدی استعمال کرائی جائے۔ اسی طرح نزلے کی حالت میں غذا بالکل روک دی جائے۔ اور اگر مریض اصرار کرے تو خشک اغذیہ مثلاً چنے، مکئی اور باجرہ کی روٹی اور یہ پسند نہ کرے تو صرف گندم کی روٹی بغیر ترکاری کے دی جائے۔ بخار کی حالت میں غذا بالکل بند کر دینا چاہئے اور مریض اصرار کرے تو صرف پھلوں کا رس استعمال کرائیں، قبض کے مریضوں کو عام طور پر زیادہ مقدار میں غذا استعمال کی جائے لیکن اُس کے ساتھ روغنی اغذیہ کی مقدار نمبر ۳ کی مقدار سے زیادہ ہونی چاہئے۔

احکامِ دوا

دوا سے علاج کے دوران میں مندرجہ ذیل امور کی رعایت کرنی چاہئے۔

(1) مزاج مریض: (۱) مرض کی نوعیت کہ آیا مرض گرم ہے یا سرد۔ (۲) مرض کا سبب، بادی سابق یا شرکی ہے۔ (۳) مریض کی قوت وضعف۔ (۴) مریض کا نیا مزاج جو مرض کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔ (۵) مزاج طبعی یعنی مریض کا اصل مزاج جو صحت کی حالت میں ہوتا ہے۔ (۶) عمر۔

(۷) عادات مثلاً مریض مسہلات، مقویات و فصد وغیرہ کا عادی ہے یا نہیں۔ (۸) مقام، جس مقام پر مریض رہتا ہے وہ گرم ہے یا سرد۔ (۹) موجودہ موسم۔ (۱۰) ہوا کی کیفیت۔

(2) دوا کی کیفیت: دوا استعمال کرنے سے قبل اس کا تعین اور اختیار کرنا ضروری ہے جو مریض کے مزاج کے مطابق ہو اور اس میں ذیل کی باتوں کو مدِنظر رکھنا چاہئے۔

① کیفیتِ مرض، مرض کی کیفیات میں شدت ہو تو ادویات بھی اتنی ہی طاقت کی استعمال کرنا چاہئیں۔
② جسم کا مزاج، مثلاً گرم مزاج شخص کو اور زیادہ گرمی پہنچ گئی ہو تو اس کو فوراً زیادہ ٹھنڈا کرنا مناسب نہیں اور اسی طرح اس کے برعکس۔
③ وقت، موسم اور ملک کے مطابق ادویات استعمال کرنی چاہئیں۔ مثلاً سردی کے موسم میں زیادہ سرد اور گرم ادویہ گرمی کے موسم میں استعمال کرنے سے پرہیز کیا جائے اور معتدل ادویہ استعمال کی جائیں۔

(3) اوقات استعمال: اس کے فیصلے میں بھی چند باتوں کا لحاظ کرنا چاہئے۔

① مرض کے اوقات ابتداء اور انتہاء کے اعتبار سے یعنی مرض کس حالت میں ہے۔
② مریض کی قوت، اگر مریض قوی ہو تو استفراغ میں دیر نہ کی جائے لیکن اگر قوت ضعیف ہو تو استفراغ کرنے میں اس وقت تک دیر کریں جب تک بذریعہ غذا قوت کو نہ لوٹایا جائے۔
③ موسم کی مناسبت، جیسے موسم سرما میں دوپہر کے وقت اور گرما میں صبح کے وقت استفراغ کیا جائے۔

یادداشت: ورم کی حالت میں اس امر کو خاص طور پر ملحوظ رکھیں کہ اُس کی ابتداء ہے تو رادع ادویہ کا استعمال کریں۔ درمیانی حالت میں رادع اور محلل ادویہ ملا کر استعمال کریں اور اگر انتہاء ہے تو صرف محلل ادویہ برتنی چاہئیں۔

(4) ادویات کا استعمال:

① صحیح تشخیص کے بعد صحیح تجویز کی ہوئی دوا استعمال کرائیں۔ جب تک تشخیص و تجویز میں شک ہو، دوا استعمال نہ کرائیں بلکہ ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ صرف غذا روک دیں اور تسلی ہونے پر دوا استعمال کرائیں۔
② جہاں تک ممکن ہو، مفرد دوائیں استعمال کرائیں اور دوائیں بھی جب تک ہلکی دوا سے کام چل جائے، تیز ادویہ استعمال کرنے کی کوشش نہ کریں۔
③ جہاں تک ممکن ہو کم ادویہ کا نسخہ استعمال کریں۔
④ زہریلی ادویات سے حتی الامکان پرہیز برتیں۔
⑤ جن ادویات کے خواص کیفیات کا علم نہ ہو یا جس مرکب کے اجزاء پوری طرح نہ جانتے ہوں ان کو استعمال نہ کریں۔
⑥ کسی مرض کو دور کرنے کے لئے اس وقت تک کوئی دوا نہ دیں جب تک مریض کی کیفیات اور مزاج کو درست نہ کر لیں۔
⑦ جسم میں فاسد مواد اور فضلات کی موجودگی میں مقویات کا استعمال نہ کرائیں، ایسی حالت میں وہ مرض کی زیادتی کا باعث ہوتی ہیں۔
⑧ کسی عضو کی مقوی دوا اس وقت استعمال کریں جب اس عضو کو دوا کے جذب کرنے کے لئے تیار کر لیا ہو۔
⑨ بغیر سوچے سمجھے شدید مسہلات، مدرات اور مقویات استعمال نہ کرائیں۔
⑩ مواد کو اعضائے رئیسہ کی طرف امالہ کرنے کی کوشش نہ کریں۔

⑪ مریض جس مرض یا علامت کا ذکر کرے، فوراً اس کے لئے دوا اٹھا کر نہیں دے دینی چاہئے۔ بلکہ خود تشخیص کریں اور پھر دوا تجویز کرنا چاہئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ جب مریض پیٹ کے درد کا ذکر کرے تو وہ درد آنتوں میں ہو یا جگر وغیرہ میں۔ اسی طرح یہ درد ریح بھی ہوسکتا ہے، سوزش سے بھی اور اس مقام پر ورم بھی ہوسکتا ہے۔

⑫ مریض اگر گرمی کی شکایت کرے تو اس کے لئے بغیر سوچے سمجھے تدبیر تجویز نہ کریں کیونکہ بے چینی اکثر ریاح کی شدت اور کسی عضو کے انقباض کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور ان کے لئے گرم ادویات کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح ہیضے کا مریض گرمی کی زیادتی اور پیاس کی شدت کا اظہار کرتا ہے اور اُس کے لئے سرد پانی زہر قاتل ہے۔

احکام استفراغ

استفراغ کے معنی جسم کو فضلات سے فارغ کرنا ہے۔ اطباء کی اصطلاح میں لفظ استفراغ سے اُن چیزوں کا بدنِ انسان سے خارج کرنا مراد ہے کہ اگر وہ چیزیں باقی رہ جائیں تو بدن میں طرح طرح کا فساد پیدا ہو کر افعال انسانی صحیح طور پر صادر نہیں ہوسکتے۔ اور یہ ذیل کی صورتوں سے کیا جاتا ہے: (۱) بذریعہ مسہل یا ملین (۲) بذریعہ حقنہ (۳) فصد (۴) قے (۵) حجامت (۶) حمام یا (۷) علق یا سینگیاں۔

یادداشت: ان استفراغات میں مسہل قے اور فصد عمومی ہیں اور باقی مقامی۔ عمومی استفراغ عام طور پر اس وقت کیا جاتا ہے جب مواد تمام جسم میں پھیلا ہوا ہو یا دوسرے الفاظ میں اخلاط میں اثر انداز ہو۔ اور مقامی استفراغ اُس وقت کیا جاتا ہے جب مادہ کسی خاص مقام پر رُکا ہوا ہو۔

شرائط استفراغ: ہر استفراغ میں ذیل کے امور کو ضرور مدنظر رکھا جائے: (۱) امتلاء (۲) قوت (۳) مزاج (۴) فربہی اور لاغری (۵) عوارض لازمہ (۶) عمر (۷) وقت (۸) ملک (۹) پیشہ (۱۰) عادت۔

(۱) **امتلاء:** اس سے مراد جسم کا مواد سے بھرا ہونا ہے۔ جب تک جسم میں مواد پایا جائے، استفراغ درست ہے اور بدن مواد سے خالی ہونے پر استفراغ روک دیا جائے۔

(۲) **قوت:** قوت سے مراد یہ ہے کہ مریض کے جسم میں اس قدر قوت ہے کہ استفراغ سے اُس کو ضعف و ناتوانی واقع نہ ہوگی۔ اگر مریض میں ضعف و ناتوانی زیادہ ہو تو استفراغ سے پرہیز کریں۔ البتہ اگر مواد کی شدت سے نقصان کا خطرہ ہو تو استفراغ ضرور کرا دینا چاہئے۔

(۳) **مزاج:** مزاج میں اگر گرمی خشکی اور سردی کی شدت ہو یا خون کی کمی ہو تو بغیر اشد ضرورت کے استفراغ سے پرہیز کرنا چاہئے۔

(۴) **فربھی اور لاغری:** فربہی اور لاغری میں بغیر ضرورت استفراغ کرنے سے انتہائی نقاہت پیدا ہو جاتی ہے۔

(۵) **عوارض لازمہ:** بغیر مرض کا تعین کئے استفراغ مہلک ہوتا ہے۔ جیسے تپ محرقہ، زخم امعاء، اورام، بواسیر اور اسی طرح حمل کے دوران میں بھی استفراغ منع ہے۔

(۶) **عمر:** بغیر اشد ضرورت بچوں، بوڑھوں اور نازک مزاج مستورات کو استفراغ نہیں کرانا چاہئے۔

(۷) **وقت:** شدت گرما و سرما، بارش اور رات کے وقت بغیر اشد ضرورت کے استفراغ سے پرہیز کرنا چاہئے۔

(۸) **ملک:** انتہائی گرم اور سرد ممالک میں استفراغ درست نہیں۔

(۹) **پیشہ:** جن پیشوں میں مواد ویسے ہی تحلیل ہو جاتا ہو اُن کو استفراغ درست نہیں جیسے حمامی، حمال اور دوسرے محنت کش مزدور وغیرہ۔

(۱۰) **عادات:** جن لوگوں کو استفراغ کی عادت نہ ہو ان کو عام طور پر استفراغ نہیں کرانا چاہئے، البتہ ضرورت کے وقت ہلکا سا استفراغ کرا دیا جائے۔

مقاصد استفراغ

① موذی مواد کا بدن سے نکالنا۔

② موذی مادے کا بقدر برداشت نکالنا۔

③ استفراغ اس طرف کیا جائے جس طرف مادے کا میلان ہو۔

④ جو مواد نکالے جائیں ان کے راستے طبعی ہوں۔ مثلاً محدث جگر کا مادہ پیشاب کی راہ مقررہ سے، جگر کا مادہ پاخانے کی راہ، نیز جدھر سے نکالا جائے وہ ادنیٰ عضو ہو اور اس سے تعلق رکھتا ہو۔

⑤ استفراغ سے قبل مادے کو منضج دے لیا جائے۔ نضج مواد کی اُس حالت کا نام ہے جس سے وہ قوام میں معتدل ہو جائے اور آسانی سے خارج ہو سکے۔ کیونکہ زیادہ غلیظ اور لیسدار مواد آسانی سے خارج نہیں ہو سکتا۔ البتہ اشد ضرورت کے وقت بغیر نضج کے بھی استفراغ کرایا جا سکتا ہے۔

یادداشت: اگر استفراغ سے مادہ بکثرت خارج ہو رہا ہو تو گھبرانا نہیں چاہئے اور جب تک قابل اخراج مادہ نکلتا رہے اور مریض برداشت کر سکے، اُس وقت تک مادے کی کثرت سے قطعاً نہ گھبرائیں لیکن جب مواد خارج ہو جائے یا کمزوری کا خدشہ ہو تو استفراغ بند کر دیں۔

مسہلات

مسہلات استعمال کرنے میں یہ امر لازمی ہے کہ ادویات نہ صرف مزاج و کیفیات کے مطابق ہوں بلکہ ہر مرض اور عضو کے بھی مطابق ہوں۔ کیونکہ قدرت نے تقریباً ہر مرض اور علامت کا ایک جدا مسہل بنایا ہے اور کسی مسہل کا غیر مناسب جگہ پر استعمال باعثِ نقصان ہوتا ہے۔

مسہلات میں مندرجہ ذیل کے طریق پر عمل کرتے ہیں:

① جسم میں قوتِ انقباض کو بڑھا دیتے ہیں، اور ان کے بعد طبیعت اس کے ردِ عمل کی صورت میں اسہال لے آتی ہے۔ جیسے مصبر۔

② ادویات جسم میں حرارت پیدا کر کے مواد کو تحلیل کرتی اور اسہال لاتی ہیں۔

③ اس قسم کی ادویات جسم میں لیس اور لزوجیت پیدا کر دیتی ہیں اور طبیعت اُن کو خارج کرنے کی کوشش میں اسہال لے آتی ہے جیسے اسپغول۔

④ نمکین ادویہ کے استعمال سے جسم میں ملاحت بڑھ جاتی ہے اور طبیعت اس کا اخراج لازمی سمجھتی ہے اور اسہال آتے ہیں جیسے لاہوری نمک۔

⑤ بعض ادویہ جسم میں سوزش پیدا کر دیتی ہے اور طبیعت اس کو رفع کرنے کی کوشش کرتی ہے اور اسہال آتے ہیں جیسے جمال گوٹہ۔

⑥ جسم میں جب ترشی یا کھار کی کثرت ہو جاتی ہے تو طبیعت ان کو اسہال کے ذریعہ خارج کرتی ہے۔ جیسے ترشی کی صورت میں املی آلو بخارا اور کھار کی صورت میں سجی کھار وغیرہ۔

⑦ جسم میں روغنی اغذیہ کی زیادتی اپنی حرارت اور لزوجیت سے اسہال پیدا کر دیتی ہے۔ جیسے بادام روغن۔

احکامِ مسہلات

① مسہلات کے استعمال میں اگر وقت ہو تو پہلے منضجات کا استعمال کر کے مادے کو صحیح طور پر پکا لیا جائے اور اس کے بعد ملینات استعمال کرائے جائیں۔ بعد ازاں مسہلات کا استعمال کیا جائے۔

② مسہلات کے دوران میں سکون و آسائش اختیار کی جائے اور اگر دوا سے متلی کی صورت پیدا ہو تو خوشبودار ادویات جیسے پودینہ وغیرہ سونگھائیں، یا تھوڑی مقدار میں استعمال کرا دیں۔

③ اگر مسہلات کے استعمال سے اسہال بکثرت آنے لگیں تو حابسات کھلا کران کو بند کریں۔

④ اگر دوائے مسہل پینے یا کھانے کے بعد دست نہ آئیں تو یہی بہتر ہے کہ طبیعت کو تحریک نہ دی جائے۔ بشرطیکہ کسی خوفناک مرض کا اندیشہ نہ ہو ورنہ فوراً حقنہ کرادیں، کیونکہ حقنہ شکم کے فاسد اخلاط کو خارج کر دیتا ہے۔

⑤ مسہل کے دورانِ عمل میں حمام کرنے سے مسہل کا فعل باطل ہو جاتا ہے۔ البتہ مسہل سے قبل ایسا کرنا معاون ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح مسہل ختم ہو جانے کے بعد حمام کرنے سے بقیہ مواد تحلیل ہو جاتا ہے۔

⑥ عمل مسہل ختم ہونے سے قبل یا فوراً بعد کھانا کھانا اس کے فعل کو باطل کر دیتا ہے، کیونکہ ایسے وقت میں طبیعت غذا کے ہضم میں مصروف ہو کر مواد کے دفع کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔ نیز غذا کے ساتھ دوا کا ملنا اُس کی قوت کو کمزور کر دیتا ہے۔ لیکن جب غذا اور دوا ہم جنس ہوں تو عمل مسہل میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

⑦ جو لوگ نہار منہ مسہل ادویات برداشت نہ کریں تو انہیں مسہل لینے سے قبل کوئی ہلکا سا ناشتہ کر لینا چاہئے، جیسے دودھ، چائے یا پھلوں کا رس اور پھل وغیرہ۔

⑧ جن لوگوں کو دوا سے نفرت ہو، اُن کو ایسے مسہل دیئے جائیں جو دوائے غذائی کی صورت رکھتے ہیں۔ جیسے بادام روغن، مویز منقیٰ، انجیر اور گھی وغیرہ۔

⑨ اگر عمل مسہل کے دوران میں پیٹ میں درد یا مروڑ کی صورت پیدا ہو تو تھوڑا تھوڑا گرم پانی یا نیم گرم دودھ کا استعمال کرایا جائے۔ پیچش کی شدت ہونے میں اسپغول نیم گرم پانی سے استعمال کیا جائے۔

⑩ مسہل کے بعد عام طور پر لطیف و مقوی اغذیہ جیسے شوربہ چوزہ مرغ کا استعمال کرانا چاہئے۔ ثقیل اور دیر ہضم اغذیہ کے استعمال سے سدّوں اور بعض حالات میں آنتوں میں سوزش پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے۔

احکام حقنہ

حقنہ کا مقصد یہ ہے کہ آنتوں کے مواد کو ملین سے خارج کیا جائے یا آنتوں میں کوئی دوا پہنچائی جائے۔ ملین کی صورت میں جب نیچے کے اعضاء سے مواد خارج ہو جاتے ہیں تو اوپر کے مواد نیچے کی طرف متوجہ ہو کر وہاں جذب ہو جانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ حقنے کی عملی تاثیر زیادہ تر معاءِ مستقیم اور امعاء کے نچلے حصہ پر ہوتی ہے۔ جس سے بدن کے بالائی حصے کے مواد ان مقامات پر کھنچ کر چلے آتے ہیں اور خالی ہو جاتے ہیں۔ قولنج، آنتوں کی خشکی یا آنتوں کے زخم کا بہترین علاج حقنہ ہے۔

اقسامِ حقنہ

(۱) مسہل آور حقنہ (۲) ملین حقنے (۳) غذا پہنچانے والے حقنے (۴) آنتوں کے زخم بھرنے والے حقنے (۵) آنتوں کے زخم صاف کرنے والے حقنے (۶) اسہال بند کرنے والے حقنے۔

اوقاتِ حقنہ

حقنہ کے لئے بہترین وقت صبح اور شام ہے، لیکن ضرورتِ شدید کے لئے وقت کی کوئی قید نہیں اور ہر وقت حقنہ کیا جا سکتا ہے۔ خواہ دوپہر ہو یا نصف شب۔

احکامِ قے

عمل قے کا مقصد معدے اور جگر کے فضلات کا اخراج ہے۔ جس طرح جو مواد آنتوں میں ہوتے ہیں ان کو ملینات کے ذریعہ خارج کیا

جاتا ہے، اس میں ذیل کے امور کو مدِ نظر رکھا جائے۔

① جن لوگوں کو قے کی عادت نہ ہو اُن کو تیز قے آور ادویات نہ دی جائیں، کیونکہ اس سے بعض اوقات بینائی اور سماعت کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور کبھی کبھی کوئی شریان پھٹ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے بہت سا خون خارج ہو کر ضعف کا باعث ہوتا ہے۔

② جن لوگوں کو نفث الدم (خون تھوکنا) کا مرض رہا ہو، ان کو کبھی قے نہیں کرانی چاہئے۔

③ جن لوگوں کو قے کی عادت ہو ان کو بھی بار بار قے نہیں کرنی چاہئے۔ بعض لوگ روزانہ صبح حلق میں انگلی ڈال کر گلے اور سینے کو صاف کرتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ اس سے پٹھے کمزور ہو جاتے ہیں۔ دِل ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور بڑھاپا جلد آ جاتا ہے۔

④ بہت موٹے انسانوں کو بھی قے نہیں کرانی چاہئے، اس سے دِل بیٹھ جانے کا خطرہ ہے جیسے ہیضے میں یک لخت دِل بیٹھ جاتا ہے۔ اسی طرح جن مریضوں کو اسہال آتے ہوں یا دماغی امراض میں مبتلا ہوں انہیں بھی قے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

⑤ قے کرانے کے بعد پانی میں تھوڑا سا سرکہ ملا کر کلی وغیرہ کرا دینی چاہئے۔

⑥ جن مریضوں کو خود بخود قے آ رہی ہو لیکن اُن کا فاسد مواد اخراج نہ پا رہا ہو تو اُن کی قے کو فوراً بند نہیں کرنا چاہئے، بلکہ ہلکی قے آور ادویہ کا استعمال کر کے فاسد مواد کا اخراج کر لیا جائے اور پھر بند کی جائے۔ یہی صورت ہیضے میں بھی مدِ نظر رکھی جائے۔

احکامِ جذب و امالہ

اس طریقۂ علاج کا مقصد یہ ہے کہ مواد جسم کو کسی دوسرے حصہ جسم میں جذب یا پھیر دیا جائے۔ مثلاً پیٹ میں درد ہو تو پیٹ کے اوپر پلستر لگانا یا سینگیاں اور گلاس کھینچنا۔ اس میں ذیل کے امور کو ملحوظ رکھا جائے۔

① اگر مادہ کسی عضو کی طرف گرنے کے لئے تیار ہو تو اُسے ایک مقام کی طرف جذب کیا جائے خواہ وہ دوسرا مقام جہاں جذب کیا جا رہا ہو۔ وہاں درد واقع ہو۔

② اگر مادہ کسی عضو میں آ چکا ہو اور اُسے آئے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہو تو اُس مادہ کو اُس عضو کے قریبی عضو کی طرف جذب کیا جائے جیسے رحم کا مادہ سینگیوں کے ذریعہ پنڈلیوں کی طرف جذب کیا جاتا ہے۔

③ لیکن اگر اُس عضو میں مادے کو آئے ہوئے زیادہ زمانہ ہو چکا ہو اور وہ وہاں ٹھہر چکا ہو تو اُس مادے کو کسی طرف جذب نہ کیا جائے بلکہ خاص اُسی عضو سے بہا کر خارج کیا جائے جیسے جونکیں لگائی جائیں۔

امالہ اور جذب جس طرح سنگیوں، گلاس اور جونکوں سے کیا جاتا ہے، اسی طرح مسہل، قے، حقنہ، فصد اور حجامت سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ امالہ اور جذب کا مقصد صرف مواد کو ایک طرف سے دوسری طرف یا تکلیف کے مقام سے صحت کی طرف پھیر دینا ہے۔

فصد

فصد ایک ایسی صورت کا نام ہے جس میں رگوں سے بوقتِ ضرورت استفراغ یا جذب و امالہ کے لئے خون کو خارج کیا جاتا ہے۔

یادداشت: عام طور پر اطباء کا یہ خیال ہے کہ فصد سے گندے اخلاط یا گندہ خون خارج کیا جاتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ فصد سے مراد صرف یہ ہے کہ جسم میں جو رطوبات کسی مقام پر رُک گئی ہیں اور اخراج نہیں پاتیں۔ اُن کو عمل فصد سے خون کے اندر جذب کیا جائے اور جہاں جہاں بلغم یا رطوبات کی کثرت سے خون نہیں پہنچ سکتا، وہاں پر خون پہنچایا جائے۔ بالفاظِ دیگر جہاں جہاں رطوبت کی زیادتی ہے، وہاں پر خشکی پیدا کر دی جائے۔ اسی طرح اُن اطباء کا خیال بھی درست نہیں، جو ہر مرض میں فصد کھولنے کے قائل ہیں۔ فصد عام طور پر ایسے امراض میں کھولا جاتا ہے جن

میں بعض مقامات پر رطوبات کی زیادتی ہو اور وہاں پر دورانِ خون پوری طرح دورہ نہ کرتا ہو یا پرانے امراض اور پرانی سوزش میں وہاں پر دوران خون کو تیز کرنا اور سوزش کو رفع کرنا مقصود ہو۔ بلاوجہ فصد کھول دینے سے خون کا ایک کثیر حصہ اور مفید حصہ جسم سے خارج ہو جاتا ہے۔ جس سے جسم میں ضعف اور خاص طور پر دِل میں ضعف واقع ہو جاتا ہے۔

احکامِ فصد

① فصد سے قبل تھوڑی سی ہلکی اور لطیف غذا اور فصد کے بعد مقوی ادویہ مثلاً خمیرہ، جوارش اور دیگر مفرحات کا استعمال کرانا چاہئے۔ غشی کی صورت میں مقویاتِ قلب جیسے خمیرہ عنبری جواہر والا استعمال کرایا جائے۔ نیز فصد کے بعد کافی آرام کرنا چاہئے اور کافی دیر تک بغیر اشد ضرورت غذا نہیں دینی چاہئے۔

② حاملہ عورتوں کو فصد نہیں کرنا چاہئے، اس سے جنین کے ساقط ہونے کا اندیشہ ہے اور اسی طرح ایامِ حیض میں فصد نہ کیا جائے اس سے ایام میں رکاوٹ واقع ہوتی ہے۔

③ گرم مزاج، لاغر اندام اور قلیل الدم اشخاص کو فصد تجویز نہیں کرنا چاہئے۔ ایسا ہی لحیم و شحیم اشخاص جن کے بدن ڈھیلے ڈھالے ہوں، اُن کو بھی بلا اشد ضرورت کے فصد منع ہے۔

④ شدت گرما و سرما میں بلا اشد ضرورت فصد سے پرہیز کرنا چاہئے۔

⑤ رنج و غم اور خوف میں بھی فصد منع ہے۔

⑥ اکثر اقسام حمیات (بخار) خصوصاً ابتدائی حالت میں فصد کرنا خوفناک امر ہے۔ اس سے تپ میں شدت، جسم میں سوزش اور ورم ہو جانے کا اندیشہ ہے اور خصوصاً سرسام کا، اسی طرح تپ دق میں فصد بالکل ممنوع ہے۔

⑦ 14 سال سے کم عمر اور 60 سے اوپر کو بغیر اشد ضرورت اور قوی قوی اور اعضاء میں خون کی کثرت کے فصد منع ہے۔

⑧ فصد مہینے کی ہر تاریخ اور دِن کے ہر حصہ میں ہو سکتا ہے۔ لیکن صبح اور تیسرے پہر کا وقت زیادہ مناسب ہے۔

⑨ اگر فصد کی حالت میں غشی کی شدت ہو تو سرد پانی یا عرق گلاب کے منہ پر چھینٹے دینا اور مناسب عطریات و لخلخہ وغیرہ کا سونگھانا اور اسی قسم کی دیگر تدابیر اختیار کرنا چاہئے۔

⑩ فصد کو آخری علاج نہیں سمجھ لینا چاہئے، اس کے بعد مریض کا باقاعدہ علاج کرنا چاہئے۔ فصد سے صرف مرض کا امالہ اور اخلاط کا انجذاب منظور ہے۔

فوائدِ فصد

① خونی مزاج اور بہت زیادہ کھانے پینے والے اشخاص کے لئے فصد ایک قوی علاج ہے۔

② عام طور پر کہنی کی رگوں کا فصد کیا جاتا ہے۔ لیکن فصد رگ قیفال سے سر کے مرض کو اور فصدِ رگ باسلیق سے جسم کے زیریں حصے میں مرض کو جلد نفع ہوتا ہے اور رگِ اکحل (ہفت اندام) کی فصد میں دونوں رگوں کے فصد کے فوائد جمع ہیں۔

③ ذہنی اسلیم کی فصد جگر کے دردوں اور بائیں کو فصد تلی کے دردوں کو دور کرتی ہے۔ رگِ عرق النساء کی فصد مرض عرق النساء اور دوالی اور نقرص میں بھی فائدہ مند ہے۔

④ رگِ صافن کی فصد حیض کے جاری کرنے میں کارآمد ہے۔ اور ساتھ ہی اس سے وہ فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں جو فصدِ رگِ عرق النساء سے

حاصل ہوتے ہیں۔

حجامت

حجامت کا مقصد جسم پر پچھنے لگا کر سنگیوں سے خون کو جذب کرنا ہے۔ یہ فعل فصد کی نسبت ضعیف ہے۔ کیونکہ اس سے محض اُس عضو کے آس پاس کا خون جذب ہو کر آتا ہے۔ برعکس اس کے فصد سے دور دور کے اعضاء کا خون خارج ہوتا ہے۔

بلحاظ فوائد سب سے قوی حجامت پنڈلیوں کی ہے، کیونکہ یہ عمل فصد کے قریب قریب ہے۔ یہ حیض کو جاری اور خون کو صاف کرتا ہے۔ اس طرح آشوبِ چشم، گندہ دہنی، مُنہ آنا، دردِ سر جیسے امراض جن میں خون کے اندر ہیجان یا مواد کی زیادتی ہو، گدّی پر سنگیاں کھنچوانا مفید ہے، کیونکہ اس سے ان مقامات کا خون جذب ہو کر آجاتا ہے اور امالہ ہو جاتا ہے، لیکن بار بار ایسا کرنے سے نسیان پیدا ہوتا ہے۔

حجامت کے بھی وہی شرائط ہیں جو اوپر فصد میں بیان کئے گئے ہیں۔ البتہ حجامت جسم کے ہر حصہ اور ضرورت کے مطابق دِن رات میں کسی وقت بھی کی جاسکتی ہے۔ لیکن جہاں تک ہو سکے بچوں کو اس سے پرہیز کرانا چاہئے۔

③

فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے

فہرست عنوانات

پیش لفظ

خداوند حکیم اور قادر مطلق کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے زمین و آسمان پیدا کر کے اس کی گردش کو ایک سیدھے راستہ پر قائم کر دیا ہے:
﴿فطرۃ السماوات والارض حنیفہ﴾ اور ان کے افعال کو جس قانون قدرت پر قائم کیا گیا ہے اس کا نام فطرت اللہ اور سنت الٰہیہ رکھ دیا گیا۔
اور تاکیداً کہہ دیا کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی شے پیدا کرتے ہیں۔ پھر اس میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے ﴿لا تبدیلا لخلق اللّٰہ﴾ بلکہ تاکیداً لکھ دیا ہے کہ ان کے قانون میں ہرگز ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائی جائے گی۔ ﴿لن تجد لسنت اللّٰہ تحویلا﴾ بلکہ اس میں ہرگز کوئی ہیر پھیر بھی نہیں پایا جائے گا اور فطرت کے متعلق راہ نمائی کر دی ہے کہ فطرت ایسے قوانین ہیں جن پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے ﴿فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیہا﴾ چونکہ اس کائنات میں انسان ہی اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے اور زندگی کا ایک انتہائی کمال ہے۔ اس لیے اس کی فطرت کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے اور نمونہ کے طور پر ذکر کیا ہے اور ہر مخلوق اس میں شامل ہے۔

انسانی زندگی اس کائنات میں جن قوانین پر قائم کی گئی ہے اس میں ہر خلق چاہے وہ جمادات میں شریک ہو چاہے نباتات کا حصہ ہو یا حیوانات سے تعلق رکھتی ہو یعنی اس کی تخلیق کسی طرح بھی ہوئی ہو وہ سب نمونے انسان کی زندگی میں شریک ہیں۔

موالید ثلاثہ میں تخلیق کی تین صورتیں نظر آتی ہیں۔ جمادات میں خودکار تخلیق؛ جو کشش ثقل کے اصول پر قائم ہے۔ نباتات میں کیمیاوی طریق تخلیق اور حیوانات میں مشینی طریق تخلیق سے پیدائش عمل میں آئی ہے (جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے) انسان میں یہ تینوں طریق تخلیق شامل ہیں اور اس لیے اگر انسان کی تخلیق کو پورے طور پر سمجھ لیا جائے تو کائنات کی ہر زندگی اور تخلیق کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے اس تخلیق میں اہم بات یہ ہے کہ جس طرح وہ انسانی زندگی میں ہم آہنگ ہیں اسی طرح ان کی باہمی زندگی یا جسم میں ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ بس اس کا سمجھنا ہی ان کے قانون قدرت اور فطرت کو سمجھنا ہے۔

انسانی مشین

انسانی زندگی کی ہم آہنگی کی مثال بھی ایک مشین سے دی جا سکتی ہے۔ یہ مشین کپڑے سینے کی ہو یا بائیسکل کی طرح ہاتھ پاؤں سے چلتی ہو یا گھڑی اور کھلونے کی طرح اس میں چابی سے کوک بھری جاتی ہو یا موٹر اور ریلوے انجن کی طرح تیل' پٹرول' بھاپ اور بجلی سے چلنے والی مشینیں ہوں۔ جب بھی ان کے کسی ایک پرزہ کو حرکت دی جاتی ہے باقی تمام پرزے حرکت میں آ جاتے ہیں اور مشین چل پڑتی ہے اور اس کا کوئی پرزہ بگڑ جاتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے تو مشین رک جاتی ہے۔ جب اس کے کسی پرزہ کو تیز کریں تو مشین تیز ہو جاتی ہے اور سست کریں تو سست ہو جاتی ہے۔ ہر مشین میں بگاڑ تین طریق سے عمل میں آتا ہے:

1. اس کے پرزے کی رفتار میں سستی یا تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔
2. پرزہ گھس جاتا ہے یا اپنے مقام سے ہٹ جاتا ہے۔ یعنی اس کی فٹنگ خراب ہو جاتی ہے یا ٹوٹ جاتا ہے۔ اس نظام کے علاوہ۔
3. ایک نظام تیل کا بھی ہوتا ہے جو ایک طرف سے اس میں ایندھن کا کام کرتا ہے اور دوسری طرف سے اس میں لبریکیشن کے ذریعہ

پرزوں کو گھسنے اور گرم ہونے سے بچانے کے لیے تر رکھتا ہے۔ اس سلسلہ کو ہم اس کا کیمیاوی نظام کہتے ہیں۔ جب کوئی مشین خراب ہو جاتی ہے تو اس کا ماہر مکینک یا انجینئر اس کی دو صورتوں کا جائزہ لیتا ہے: (۱) مشینی حالت کا بگاڑ (۲) تیل کی رفتار کا بگاڑ۔ بس جہاں بھی کہیں نقص ہوتا ہے دور کر دیتا ہے۔ پھر ساری مشین باقاعدگی کے ساتھ اسی طرح اس کے کسی ایک پرزے کو چلانے کے ساتھ چل پڑتی ہے۔ اس طریق کا نام کام کا باقاعدہ ہونا (Systematic Working) ہر انجینئر اور ماہر فن اپنی مشین کے ہر پرزے کی شکل و صورت محل وقوع، دیگر پرزوں سے تعلق اور ان کے افعال اور اعمال سے خوب واقف ہوتا ہے اور ضرورت کے مطابق اپنی معلومات سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

بس جاننا چاہیے کہ انسانی جسم بھی ایک قسم کی مشین ہے اس میں بھی تمام پرزے مشین کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی خرابی سے ایک دوسرے پر اثر پڑتا ہے اور ان میں باقاعدہ کیمیاوی طور پر خون اور دیگر رطوبات کا لبریکیشن ہوتا ہے۔ جس سے ایک طرف جسم کو غذائی صورت میں بدل ماتحلل اور طاقت قائم رہتی ہے اور دوسری طرف سے جسم کے کل پرزے تر رہتے ہیں اور ان کو رگڑ اور گرمی سے بچائے رکھتے ہیں۔

کائناتی مشین

کائنات کا ہر ذرہ قانون فطرت پر پیدا کیا گیا ہے اور اس کا تعلق کائنات میں زمین سے لے کر آسمان تک تمام دیگر ذرات کے ساتھ قانون فطرت کے مطابق ہے۔ اس لیے ان ذرات کی حرکت و گردش نہ صرف قانون فطرت کے مطابق ہے بلکہ باہمی نظم وضبط اور اصول کے تحت ہے۔ اگر زندگی و کائنات اور نفس و آفاق کے کسی ایک ذرہ یا جز میں حرکت ہوتی ہے تو دیگر ذرات قانون فطرت اور اصولی تعلق کی وجہ سے اپنا نظم وضبط قائم رکھتے ہوئے ضرور متاثر ہوتے ہیں۔

اس کائنات و آفاق اور زندگی و نفس کی تدوین انہی ذرات سے قائم ہے اور موالید ثلاثہ میں یہی ذرات پنہاں نظر آتے ہیں۔ اور انسان بھی انہی کا مجموعہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جمادات، نباتات، حیوانات، بن مانس، انسان اور نبوت تک ہر ایک میں احساس و شعور اور ادراک کی شدت، غور وخوض اور تدبر و تصدیق کی کمی بیشی پائی جاتی ہے جس قدر بھی احساس و ادراک اور تصدیق یعنی علم وعقل اور حکمت بڑھتا جائے گا اس کا شعور کائنات و آفاق طبیعیات و مابعد طبیعیات بڑھتا جائے گا اور وہ اعلیٰ مقام پر فائز ہوتا جائے گا۔

کائناتی ذرات کو طب قدیم کے قانون میں ارکان کہتے ہیں جو چار ہیں، جن کو بسیط تسلیم کیا گیا ہے اور وہ غیر منقسم ہیں یا فرنگی طب کی تحقیقات میں عناصر جو تقریباً ایک کم سو ہیں جو قابل تقسیم ہیں یعنی ہر عنصر (ایلیمنٹ) اپنے اندر سالمات (مالیکیول) اور مرکزی ذرہ (ایٹم) رکھتا ہے اور پھر یہ ذرات برقیات (الیکٹرون، پروٹان اور نیوٹران) میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ کچھ بھی تسلیم کر لیں۔ موالید ثلاثہ اور انسان میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں۔ گویا برقی ذرات کا ایک سمندر ہے جو مختلف اجسام میں بند بھی ہے اور ان کا آپس میں تعلق بھی ہے البتہ یہ حقیقت پردہ راز میں ہے کہ ان اجسام میں احساس و ادراک اور تصدیق کی قوت اور ان کا کمال کیسے پیدا ہوتا ہے۔ جن کی وجہ سے جمادات و نباتات، حیوان و انسان، آدمیت و بشریت اور نبوت کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔

بہر حال یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ زمین سے آسمان تک ہر ذرہ منظم و منضبط اور مقررہ اصولوں کے مطابق قانون فطرت میں رواں دواں ہے اس لیے اس دنیا میں جو افعال سرزد ہوتے ہیں جن میں وبائیں وسیلاب اور جنگ وزلزلے وہ سب بغیر قانون، اصول اور نظم وضبط کے نہیں

آتے اور موجودہ دور کا علم موسمیات بھی اس کی بہت حد تک تصدیق کرتا ہے۔ اس لیے وباؤں کو ہنگامی امراض نہیں خیال کرنا چاہیے بلکہ کائنات وزندگی اور نفس وآفاق کو قائم رکھتے ہوئے وباؤں کو بھی ان کے تحت قوانین اور اصول میں فٹ کرنا چاہیے تاکہ وباؤں اور آفات کے حادثات کا صحیح علم اور اس کی حکمت کا پتہ چل جائے۔ قانون فطرت کو سمجھنے کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کی خلاف ورزی عمداً یا جہلاً کرنے کے بعد اس کے نظم وضبط میں خرابی واقع ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں فطرت میں ایک ردعمل ہوتا ہے اور یہ ردعمل اس طاقت کی طرف سے عمل میں آتا ہے جو اس قانون فطرت کو چلا رہی ہے جس کو مدبر عالم یا روح عالم کہتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے طبیعت مدبرہ بدن یا نفس جسم انسانی کو ایک قانون کے تحت نظم وضبط میں رکھتا ہے جس کو طبی روح کہتے ہیں۔ جب انسانی جسم کے نظام میں کوئی خرابی واقع ہوتی ہے تو قوت مدبرہ بدن اس کی اصلاح کرتی ہے۔ اسی انسانی روح کو آیورویدک میں آتما اور روح عالم کو مہاتما کہا جاتا ہے ان دونوں کا آپس میں ایسا ہی گہرا تعلق ہے جیسے نفس وآفاق کا تعلق ہے۔

جس طرح جسم انسان کے افعال میں فطرت کے خلاف صورتیں واقع ہوتی ہیں تو امراض پیدا ہوتے ہیں جس کے لیے قوت مدبرہ بدن یا نفس حرکت میں آتا ہے بالکل اسی طرح جب کائنات میں خرابی واقع ہوتی ہے تو روح عالم یا آفاق میں حرکت پیدا ہوتی ہے اگر جسم کے افعال کی خرابی کو ہم امراض کہتے ہیں تو کائنات کے بگاڑ کو ہم وبائیں کہہ سکتے ہیں۔ جسم اور کائنات کے بعض بگاڑ تو ایسے معمولی ہوتے ہیں کہ ان کی قوت مدبرہ بدن اور روح مدبرہ عالم اصلاح کرتے رہتے ہیں مگر جب جسم یا کائنات میں فساد اور تعفن واقع ہوجاتا ہے تو اس کی اصلاح کے لیے شدید جدوجہد کرنی پڑتی ہے وہ فساد اور تعفن جسم اور کائنات میں غیر معمولی نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ یہی فطرت کی عمداً یا جہلاً خلاف ورزی ہی گناہ ہے جس کا کفارہ فوراً قانون فطرت کی طرف لوٹنا ہے۔

عطایانہ علاج

اصولی علاج بھی اسی صورت کا نام ہوسکتا ہے کہ انسانی مشین کے ہر پرزے (عضو) کے افعال، اس کی خرابیوں اور اس کے اندر غذائی (انرجی) صورتوں کا باقاعدہ علم ہو۔ لیکن جب جسم انسان میں کوئی مرض نمودار ہو، جیسے بخار، درد یا ورم وغیرہ۔ ان امراض کے علاج میں عام طور پر بغیر کسی تخصیص کے ان کے دفعیہ کے لیے دوائیں استعمال کر دی جاتی ہیں یا بعض سمجھ دار معالج ان امراض میں اتنی خصوصیت برتتے ہیں کہ اس مرض کی صحیح قسم تلاش کرتے ہیں جیسے بخاروں میں ملیریا (تپ صفراوی) انفلوئنزا (تپ نزلی) ٹی۔ بی (تپ دق) وغیرہ۔ اسی طرح دردوں اور ورموں کی بھی تخصیص کر لیتے ہیں۔ لیکن علاج کی اس صورت کا نام بھی باقاعدہ اور سسٹے میٹک علاج نہیں ہے۔

اس قسم کے علاج کو آپ خاص قسم کا اصول تو کہہ سکتے ہیں مگر باقاعدہ مشینی علاج کا نام نہیں دے سکتے۔ کیونکہ مشین کی خرابی اور بگاڑ کا پتہ چلائے بغیر اس کی ایک علامت کو رفع کرنے یا حالت کو بدلنے کی کوشش کی گئی ہے جیسے کسی ایک مشین پر جو چلتے چلتے گرم ہوگئی ہو ٹھنڈا پانی پھینک دینا حالانکہ اس کے گرم ہونے کا سبب ممکن ہے (لبریکیشن) تیل کی کمی ہو۔ شاید پٹرول ضرورت سے زیادہ جل رہا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا وہ آلہ ہی خراب ہوگیا جو زیادتی حرارت کو اعتدال پر رکھتا ہے بہرحال مشین کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اس کے پرزوں اور نظام کو دیکھا جانا ضروری ہے تاکہ حقیقت تک پہنچا جا سکے اور اس پر صرف ٹھنڈا پانی ڈال دینا ہر صورت میں غلط ہوگا اسی طرح اگر مشین میں کسی مقام پر تیل ٹپک رہا ہو تو صرف باہر ہی سے کوئی لیپ کر دینا یا ٹانکا لگا دینا یا اگر کہیں سے غیر معمولی آواز آرہی ہو تو اس کو دبانے کی کوشش کرنا حقیقت میں مشین کو درست کرنا نہیں ہے بلکہ اس کو خراب اور برباد کرنا ہے۔

فرنگی طب میں اسی غلط صورت کو اپنایا جارہا ہے۔ مریض اگر بخار کی شکایت کرتا ہے تو اس کو بخار کم کرنے کی دوا دے دی جاتی ہے یعنی

اس پر ٹھنڈا پانی ڈال دیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ وقتی طور پر اس کے لیے مفید بھی ہوسکتا ہے مگر آئندہ اس کے لیے سخت نقصان رساں ثابت ہوگا۔ اسی طرح درد میں مسکنات اور ورم میں مخدرات کو بے تکلف برتا جارہا ہے۔ گویا نہ مریض کا علاج کیا جاتا ہے اور نہ مرض کو رفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے بلکہ مریض کی ایک علامت کے دبا دینے کو علاج قرار دے دیا جاتا ہے۔ پھر ماشاء اللہ آج کل مجرباتی علاج اور پیٹنٹ ادویہ کا ایسا سلسلہ چل نکلا ہے کہ ہر شخص ان قدیم مجرباتی اور مغربی پیٹنٹ ادویات کا نہ صرف شکار ہے بلکہ مداح ہونے کے ساتھ ساتھ روز بروز اپنی صحت کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔ جب ان ادویات کے مسلسل استعمال سے اپنے جسم کو ناکارہ کر لیتا ہے تو پھر ڈاکٹر اور ان کے طریق علاج کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔

صحیح علاج

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کبھی مرض کا علاج نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ مریض کا علاج ہوتا ہے جس کے لیے لازمی ہے کہ مریض کے جسم (مشینری) کے ہر عضو (پرزے) کا بغور معائنہ اور مطالعہ کیا جائے۔ ان کے افعال کی کمی بیشی اور عضو کی خرابی کے ساتھ ساتھ غذائی (تیل) باقاعدگی کو خاص طور پر جانچا جائے اور پھر اس کا علاج اس طرح کیا جائے کہ جسم کے جن اعضاء کے افعال میں کمی بیشی ہو ان کو اعتدال پر لایا جائے اور جو عضو بذات خود کمزور یا زخمی ہو گیا ہو اس کو درست کیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں خون کا جو دور چل رہا ہے (غذائی صورت) اس کو درست کیا جائے جس کے لیے خون کے کیمیاوی اجزاء کو پورا کرنا ضروری ہوگا۔ اس طرح ایک مریض کا ایک علاج ممکن ہوسکتا ہے اور یہی باقاعدہ علاج کہلانے کا مستحق بھی ہے۔

فرنگی طب میں جو امراض کے نام رکھے گئے ہیں وہ صرف علامات ہیں کوئی خاص مرض نہیں کہلا سکتے کیونکہ ایک علامت کے پیدا ہونے کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ مثلاً بخار سردی سے بھی ہوتا ہے اور گرمی سے بھی۔ بخار درد سے بھی ہوتا اور ورم سے بھی۔ بخار میں کبھی قبض ہوتی ہے کبھی اسہال ہوتے ہیں۔ اسی طرح بخار میں کبھی شدید پیاس ہوتی ہے اور کبھی پیاس کا نام تک نہیں ہوتا۔ بعض صورتوں میں بخار میں شدت ہوتی ہے اور دیگر علامات برائے نام ہوتی ہیں اور بعض وقت بخار کی نسبت دیگر کوئی علامت شدید تکلیف دے رہی ہوتی ہے جیسے درد یا گھبراہٹ کا ہونا وغیرہ۔ اس لیے ہم کسی ایک علامت کو یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ فلاں مرض ہے اور باقی علامات ہیں۔ عام طور پر جس علامت میں شدت ہوتی ہے اس کو مرض اور باقی خفیف تکالیف کو علامت کہہ دیا جاتا ہے۔

لیکن حقیقت میں مرض تو صرف کسی عضو کی خرابی اور بگاڑ کا نام ہے جب کسی عضو کے افعال میں کمی بیشی یا اس کی ساخت میں خرابی واقعہ ہوتی ہے تو اس صورت میں وہ اپنے معینہ اعمال انجام نہیں دے سکتا۔ یعنی اپنے فرائض تغذیہ و تصفیہ اور تنقیہ کو صحیح طور پر انجام نہیں دے سکتا۔ دوسرے لفظوں میں وہ عضو اپنی خرابی کی وجہ سے نہ غذا کو خون میں صحیح طور پر تبدیل کر سکتا ہے نہ اپنے حصہ کے خون کو صاف کر سکتا اور نہ ہی اپنے اندر کے فضلات کو خارج کر سکتا ہے۔ اس صورت میں جہاں کہیں اس کے فعل کی کمی سے مواد رک جاتے ہیں یا فعل کی زیادتی سے مواد کا اخراج بڑھ جاتا ہے یا اس کی ساخت کی خرابی سے خود اس میں کسی مواد کی رکاوٹ سے فساد یا خمیر پیدا ہو کر زہریلی صورت اختیار کر لیتا ہے جس کے نتیجہ کے طور پر جسم میں مواد پیدا ہو جاتا ہے یا تخمیر اور تعفن کی صورت میں جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر بے چینی، درد، سوزش، ورم اور بخار کی صورت واقع ہو جاتی ہے۔ ہر علامت میں یہی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ اب ہر صاحب علم اور عقلمند شخص خود اندازہ لگا سکتا ہے کہ اصل مرض خرابی اعضاء ہے یا کوئی علامت وغیرہ۔ پھر اگر کوئی اس مخصوص عضو کی درستی کی بجائے صرف بخار و درد، سوزش اور ورم وغیرہ علامات کا علاج شروع کر دے تو مریض کو کہاں تک شفا ہوسکتی ہے۔

طب یونانی کا کمال

کسی طب کا اصولی پن (پرنسپل) و با قاعدگی (سسٹے میٹک) اور فطری (نیچرل) طریق علاج یہ ہے کہ اس میں مشینی اور کیمیاوی صورتیں دونوں ساتھ ساتھ پائی جائیں۔ لیکن طب یونانی کا کمال یہ ہے کہ اس میں کیمیاوی و مشینی (عضوی و اخلاطی) صورتوں کے علاوہ کائنات کے ارکان و امزجہ اور قویٰ و ارواح کی تمام صورتیں بھی ساتھ ساتھ بیان کر دی گئی ہیں۔ گویا زندگی اور کائنات کے ذروں کو ایک دوسرے میں سمو دیا ہے۔ یعنی اگر کائنات کا ذرہ بھی حرکت کرے تو زندگی پر اثر انداز ہو اور اگر زندگی کے ذرے میں حرکت پیدا ہو تو کائنات تک اثر کرے۔ اس لیے حکماء نے طب قدیم میں طب کی ابتداء ایسے امور سے کی ہے جن کا تعلق ایک طرف کائنات سے ہے اور دوسری طرف زندگی کے حقائق کے ساتھ ہے۔ ان کا نام امور طبیعیہ رکھا گیا ہے۔

ہم نے اس کتاب میں فرنگی طب کے بے اصولا پن و بے قاعدگی اور غیر فطری طریق علاج پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ پھر ان کی جراثیم تھیوری کو ہر پہلو سے غلط ثابت کیا ہے۔ اس کے ساتھ امور طبیعیہ کی حقیقت اور ان کی فن علاج میں شدید ضرورت کو بیان کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ فرنگی طب کے ان اعتراضوں کا جو طب قدیم پر ہیں تسلی بخش جواب دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ طب قدیم اصولی و با قاعدہ اور فطری طریق علاج ہے اور اس کے مقابلے میں فرنگی طب کا طریق علاج عطایانہ اور غلط ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے فرنگی طب کے غلط طریقہ علاج اور عطایانہ صورتوں کو پورے طور پر سمجھ لیا جائے گا۔ اور یہ کتاب طبی دنیا میں ایک سنگ میل ثابت ہو گی اور یہی ہمارا مقصد بھی ہے۔

ہنگامی حالات

گذشتہ ۶ ستمبر کو بھارت نے پاکستان پر بغیر الٹی میٹم رات کے اندھیرے میں لاہور پر تین اطراف سے حملہ کر دیا تھا اس کے ساتھ ہی ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا گیا تھا لیکن باوجود اس شدید جنگ کے اہل لاہور پر خوف و ہراس کا کوئی اثر نہ تھا۔ لاہور کی زندگی معمول کے مطابق بڑے جوش و خروش سے چلتی رہی۔ ہم بھی گولوں کی گن گرج اور ہوائی جہازوں کے سایوں میں بیٹھے کام کرتے رہے۔ ستمبر کا پرچہ وقت پر شائع کیا گیا اور اب اکتوبر نومبر کا خاص نمبر پہلے سے بھی زیادہ ضخیم شائع کر رہے ہیں جس کو پڑھ کر طبی دنیا دنگ رہ جائے گی۔

خداوند کریم کے خاص فضل و کرم سے پاکستان کو نہ صرف شاندار فتح نصیب ہوئی ہے بلکہ ساری قوم یکسر بدل گئی ہے۔ یقین نہیں آتا کہ آج سے صرف ڈیڑھ ماہ پہلے جو قوم تھی کیا یہ وہی قوم ہے۔ اب تمام دنیا میں اس قوم اور ملک کی وہ عزت اور شان پیدا ہو گئی ہے جس کا الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ الہم زد منزلہ

صابر ملتانی

۲۷/ اکتوبر ۱۹۶۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

ایک ''دانشور'' اور ''فنکار'' نے بگلا پکڑنے کا طریق یہ بتایا تھا کہ جب وہ دھوپ میں کھڑا ہو تو اس کے سر پر جا کر موم رکھ دینی چاہیے۔ موم دھوپ کی گرمی سے پگھل کر اس کے پروں اور آنکھوں پر جم جائے گی اور وہ اڑنے کے ناقابل ہو جائے گا۔ البتہ دوڑنے کے پھر بھی قابل ہوگا۔ اس لیے اسے پکڑنے کے وقت چند آدمی ہمراہ لے لیے جائیں تاکہ وہ بھاگ کر کہیں نہ جاسکے۔ اس کے ساتھ اس کا بھی خیال رہے کہ موم جب تک پگھل نہ جائے' اس کے سر پر قائم رہنی چاہیے اور گر پڑنے کی صورت میں دوبارہ سر پر رکھ دینی چاہیے۔ اگر وہ موم کے پگھلنے سے قبل ہی اڑنا شروع کر دے تو حزن و یاس کے ساتھ اس کی طرف تکتے رہیے۔ اس پر عرض کیا گیا کہ کیوں نہ موم سر پر رکھتے وقت ہی پکڑ لیا جائے تو اس ''دانشور'' اور آرٹ کی نمائش کیسے ہوگی حالانکہ کامیابی کا راز ان ہی میں پوشیدہ ہے۔

یہی صورت ایلوپیتھی (طب فرنگی) کی ہے۔ وہ مرض پر قابو پانے کی بجائے پہلے جراثیم پر قابو پانا چاہتی ہے اور جب جراثیم فنا ہو جاتے ہیں تو مرض کو رفع کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اگر جراثیم فنا نہ ہو سکیں تو پھر مرض کو رفع کرنے کی کوشش بھی بے سود ہوتی ہے۔ گویا جراثیم کو فنا کرنا ان کے نزدیک ایسا ہی اہم ہے جیسے بگلے کے سر پر موم رکھ کر اس کو پہلے اندھا کرنا اور اڑنے کے ناقابل بنانا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی مرض کا علاج بغیر جراثیم فنا کیے بھی ہو سکتا ہے کیونکہ جراثیم کو جسم کے اندر کوئی دوا فنا نہیں کر سکتی بلکہ ان کو فنا کرنے کے لیے ہمارے جسم کے اندر کئی کارخانے' مشینیں اور قوتیں قدرتی طور پر کام کر رہی ہیں جو ان کو ضرورت کے مطابق خود بخود فنا کے گھاٹ اتارتی رہتی ہیں۔ جب یہ فیکٹریاں اور قوتیں کبھی کمزور پڑ جاتی ہیں تو جسم میں بعض قسم کے مواد اکٹھے ہو جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان میں خمیر اور جراثیم پیدا ہو کر زہر بن جاتا ہے اور باعث مرض ہوتا ہے بعض اوقات بعض قسم کے جراثیم جسم میں داخل ہو کر ان کارخانوں اور قوتوں پر اثر انداز ہو کر ان کو کمزور کر دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان کی پیدائش و افزائش زیادہ ہو جاتی ہے اور پھر ان میں خمیر اور زہر پیدا ہو کر باعث مرض ہوتا ہے۔ گویا ہر مرض میں تین صورتوں میں سے ایک نہ ایک ضرور ہوگی۔

۱. جسم میں کسی مواد کے رک جانے سے وہاں پر خمیر کی صورت ہو کر جراثیم پیدا ہو جائیں جن کا نتیجہ زہر ہے۔
۲. جراثیم فنا کرنے والی فیکٹریاں اور قوتیں کمزور پڑ جائیں جس کے نتیجہ میں جراثیم کا فنا ہونا مشکل ہو جائے اور وہ جسم کے اندر اکٹھے ہو کر اپنا کام شروع کر دیں۔
۳. جراثیم کا جسم پر مسلسل حملہ اعضاء جسم اور قوت کو کمزور کر دے اور اس طرح جراثیم اندر جمع ہو کر افزائش نسل کے بعد اپنا زہر پیدا کر لیں اور باعث امراض ہوں۔

غرض ان تینوں صورتوں میں جب جسم کے اندر مرض پیدا ہوتا ہے تو اس میں جراثیم' قوت جسم اور اعضائے جسم تینوں کا اشتراک ہوتا ہے۔ فقط جراثیم کوئی حیثیت نہیں رکھتے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جراثیم اس میں سوائے علامت کے کوئی نمایاں حیثیت نہیں رکھتے بلکہ ان کی وہی حیثیت ہے' جو مواد کی ہے۔ دوسرے الفاظ میں جراثیم صرف زندہ مواد ہیں جو کبھی مواد کو زہر میں اور کبھی زہر کو مواد میں تبدیل کر

دیتے ہیں۔ اصل حیثیت اعضائے جسم اور قوت جسم کی ہے۔ جب تک اعضائے جسم انسانی اور قوت اپنے صحیح عمل اور حالت میں ہوں تو نہ تو جراثیم ہی جسم میں اثر انداز ہوسکتے اور نہ کہیں مواد پیدا ہوسکتا ہے۔ نیز ایسی صورت میں مواد کے رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔

ایلوپیتھی کی غلط فہمیاں

ایلوپیتھی کو یہ غلط فہمی ہے کہ امراض صرف جراثیم سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کو فنا کیے بغیر مرض رفع نہیں ہوسکتا۔ فرض کر لیا جائے کہ درست ہے۔ لیکن ہمارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ جرم کش ادویہ کے استعمال سے جسم کے اندر جراثیم مرجاتے ہیں اور ان کا اثر صرف جراثیم پر ہوتا ہے۔ اعضائے جسم اور قوت جسم پر نہیں ہوتا اور پھر اس بات کو بھی فرض کر لیا جائے کہ ادویات کا اثر صرف جراثیم پر ہوتا ہے اعضائے جسم وقوت جسم پر نہیں ہوتا اور جراثیم فنا ہو جاتے ہیں (اگرچہ ان دونوں مفروضوں کو سائنس تسلیم نہیں کرتی) لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرف جراثیم کو فنا کر دینا ہی علاج ہے۔ ان کا بدن سے اخراج اور آئندہ کے لیے پیدائش روکنا علاج میں داخل نہیں ہے (اس مسلّم حقیقت سے انکار مشکل ہے) اگر دونوں صورتیں علاج میں داخل ہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ فنا شدہ جراثیم اعضا کی درستی کے بغیر نہیں نکل سکتے اور نہ بغیر قوتِ جسم آئندہ کے لیے ان کی پیدائش رک سکتی ہے ایلوپیتھی صرف جراثیم کو ہی بیماری کا باعث اور ان کو فنا کر دینا ہی علاج مرض خیال کرتی ہے۔ یہ دونوں باتیں نہ صرف غلط بلکہ غیر علمی (ان سائنٹیفک) ہیں۔

کیا صرف جراثیم ہی باعثِ مرض ہیں؟

اب ذرا ایک اور انداز سے اس امر پر غور کریں کہ کیا صرف جراثیم ہی باعث مرض ہیں؟ اس امر میں شک نہیں کہ جراثیم باعث مرض ہوسکتے ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ اور باتیں بھی باعث امراض ہوسکتی ہیں۔ جیسے کیفیاتی اسباب (گرمی، سردی، خشکی، تری، حرکت اور سکون کی کمی بیشی) نفسیاتی اسباب (غم، غصہ، مسرت ولذت اور خوف وپشیمانی وغیرہ) مادی اسباب (ماکولات، مشروبات اور گیس کے اثرات وغیرہ) جن کی تفصیل باعث طوالت ہوگی۔ پھر صرف جراثیم کو ہی باعث مرض قرار دینا کہاں کی صداقت اور کہاں کا علمی نظریہ ہے۔ یہ سب ایلوپیتھی کے غیر علمی ہونے کی شہادتیں ہیں۔

پھر اسباب کے متعلق یہ جان لینا ضروری ہے کہ سبب بیماری کا محرک تو ہوتا ہے۔ خود مرض نہیں ہوتا یعنی یہ سبب کسی جگہ اثر کرتا اور کسی مقام جسم یا عضو جسم میں تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ جس سے افعال اعضاء غیر معتدل اور مقام جسم کی حالت متغیر ہو جاتی ہے اور اسی حالت کا نام مرض ہے۔ اس لیے طبی اصطلاح میں سبب کو اسباب سابقہ یا بادیہ کہتے ہیں۔ اسباب واصلہ یا فاعلہ نہیں کہتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جراثیم اسباب سابقہ اور بادیہ میں سے تو ہوسکتے ہیں لیکن اسباب واصلہ یا فاعلہ نہیں ہوسکتے۔ جن کے اثر کے بعد مرض پیدا ہو۔ اور اسباب بادیہ وسابقہ چاہے وہ جراثیم ہی کیوں نہ ہوں وہ اعضاء کے فعل کی خرابی اور قوتِ جسم کی کمزوری کا باعث تو ہوسکتے ہیں، مرض کا سبب نہیں بن سکتے۔ کیونکہ اگر اعضا تندرست اور قوتِ جسم مضبوط ہو تو کسی قسم کے جراثیم یا دیگر اسباب سابقہ اور بادیہ جسم میں کوئی تغیر پیدا نہیں کرسکتے۔

پھر ایک اور پہلو سے نظریہ جراثیم پر غور کریں اور دیکھیں کہ کیا جرم کش ادویہ دافع امراض ہیں؟ جن ادویہ کے متعلق برٹش فارماکوپیا اور میڈیکل کونسل جنرل فیصلہ دیتا ہے کہ فلاں دوا فلاں مرض کے جراثیم ہلاک کرتی ہے پہلے ان ادویہ کو جسم سے باہر جراثیم پر ڈال کر ہلاک کر کے دیکھا جاتا ہے لیکن جاننا چاہیے کہ جسم سے باہر کسی دوا کا جراثیم کو ہلاک کرنا اور ہے اور جسم کے اندر ان کو فنا کرنا کار دیگر ہے۔ جرم کش ادویہ

کے استعمال پر دو اعتراض پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ جرم کش ادویات جسم میں داخل ہو کر فوراً جراثیم کو ہلاک کرنا شروع نہیں کر دیتیں بلکہ ان کا اثر پہلے خون اور متعلقہ اعضاء پر پڑتا ہے۔ پھر وہ اعضاء اپنے دافع زہر لعابات (سکریشن) سے ان جراثیم یا گندے مواد (سپٹک) کو تباہ کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی دوا زیادہ تیز داخل جسم کر دی جائے تو اول وہ کریات خون خاص طور پر سفید کریات (وائٹ کارپلز) کو فنا کرنا شروع کر دیتی ہے جس سے بجائے جراثیم کے مریض خود ہلاک ہو جاتا ہے۔ طبی تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے اور روزانہ کے واقعات اس پر گواہ ہیں۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ کسی جرم کش دوا سے مریض کو فائدہ ہو بھی جائے تو دیکھنا یہ ہے کہ دوا نے صرف جراثیم کو ہلاک کیا ہے یا اعضائے جسم میں تغیر و تبدل اور خون و جسم کی قوت کو قوی و مضبوط بھی کیا ہے۔ اگر صرف جراثیم کو فنا کیا ہے تو یقیناً وہ دوا جرم کش ہے لیکن دوسری صورت میں دوا نہیں بلکہ اعضائے جسم اور قوت جسم ان کو فنا کر کے صحت کا باعث ہوئی ہے۔

ایک ہی جرم کش دوا ہر قسم کے جراثیم کو ہلاک کیوں نہیں کرتی

آیئے اس نظریہ جراثیم کو ایک اور اصول سے بھی پرکھیں تاکہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔ سو جاننا چاہیے کہ جب سائنس ایسی دوا اور طریق معلوم کر چکی ہے جس سے ہر قسم کے جراثیم ہلاک ہو جاتے ہیں تو پھر کیوں نہ ایک دوا منتخب کر لی جائے جو ہر قسم کے جراثیم کو ہلاک کرنے میں سب سے زیادہ کامیاب ہو اور اسی سے اندرونی طور پر ہر قسم کے مرض کا علاج کر لیا جائے۔ جیسے بیرونی طور پر ایک ہی دوا کو دافع تعفن (Antiseptic) کے طور پر استعمال کر لیا جاتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تقریباً ہر مرض کے لیے جدا جدا دافع جراثیم دوائیں ہیں بلکہ ایک مرض کے لیے کئی کئی ادویات استعمال کی جاتی ہیں۔ اکثر ان سب کے استعمال سے بھی فائدہ نہیں ہوتا اور دن رات دیگر جراثیم کش ادویات کی تلاش جاری ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ جراثیم تھیوری بالکل غلط اور ایلوپیتھی بالکل غیر علمی طریق علاج ہے۔ مرض کو جب بھی آرام آتا ہے تو جراثیم کش ادویہ کے استعمال سے نہیں بلکہ ان ادویہ کے استعمال سے آتا ہے جو جسم انسان کے اعضاء کو درست اور قوت کو مضبوط بنائیں۔

جراثیم کش ادویہ جب ناکام ہوتی ہیں

مندرجہ بالا حقائق کے علاوہ ایک اور حقیقت پر بھی غور کریں تاکہ نظریہ جراثیم اور ایلوپیتھی کی ناقص اور غیر علمی تمام صورتیں سامنے آجائیں۔ ہر ایلوپیتھی کا حامل (ڈاکٹر) جب جرم کش ادویات پر ادویات استعمال کرتا ہے مگر مرض میں تخفیف نہیں ہوتی تو پھر معروف عطایانہ اور عطارانہ طریق علاج اختیار کرتا ہے۔ یعنی مریض کی بیان کردہ حقیقت کے مطابق کبھی قبض کشا دوا سے اندرونی مواد کو خارج کرتا ہے۔ کبھی مدرات سے حرارت دور کرتا ہے اور گاہے محرکات کے استعمال سے اس کا بخار دور کرتا ہے۔ اسی طرح قے آور ادویہ سے معدہ صاف کرتا اور مخدر و مسکن ادویات سے درد دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طریق سے بعض اوقات متعلقہ اعضا اتفاقاً درست ہو جاتے ہیں اور مریض صحت یاب ہو جاتا ہے۔ اس پر ڈاکٹر فخر کرتا ہے لیکن حقیقت میں اس نے اندھیرے میں تیر چلائے ہیں۔ جب کبھی اس طریق سے بھی آرام نہیں آتا تو پھر آخری تیر چلاتا ہے۔ یعنی مقوی جسم و مولد خون ادویات کا استعمال شروع کر دیتا ہے اور مریض کو بھی مقوی اغذیہ خصوصاً چاہے وہ جماداتی، نباتاتی ہوں یا حیوانی، کے کھانے پر زور دیتا ہے۔ کبھی کبھی تلخ مقویات استعمال کرتا ہے جن میں ارزاقی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس طرح بھی بعض اوقات آرام آجاتا ہے۔ اس پر پھر ڈاکٹر اپنی کامیابی پر ناز کرتا ہے لیکن وہ بھول جاتا ہے کہ یہ طریقہ علاج علمی اور سائنسی

نہیں بلکہ خالص عطایانہ اور عطارانہ ہے۔اس نے کامیابی نہیں بلکہ فنی طور پر گناہ اور فن کی تذلیل کی ہے۔کیونکہ اس کی علمی اور اصولی صورت کو چھوڑ کر ایک آرٹ کے حسن کو فنا کر دیا ہے۔اس کو تو اس اصول کی پیروی کرنی چاہیے تھی کہ مریض مرتا ہے تو مر جائے مگر وہ اپنا اصول اور علمی نظریہ ترک نہیں کرے گا۔اگر یہ کام خلق کی ہمدردی کے طور پر کیا ہے تو آرٹ کے حسن پر ظلم کیا ہے۔لیکن وہ مجبور ہے کیونکہ مریضوں کے آرام نہ آنے سے اس کے پاس مریض نہیں آتے اور اس طرح کاروبار خراب ہوتا ہے۔اے کاش! وہ کبھی اس امر پر بھی غور کرتا کہ اس کا اصول علاج بالکل غیر علمی، بے اصولا و لایعنی ہے۔

غیر جراثیمی امراض

اب ذرا ایک اور پہلو سے غور کریں کہ بلاشک وشبہ ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں امراض ایسے ہیں جو بغیر جراثیم کے پیدا ہوتے ہیں اور ان کا علاج بھی بغیر جراثیم کش ادویہ سے محض ادویہ کے خواص کو مدنظر رکھ کر عطایانہ وعطارانہ طور پر کیا جاتا ہے۔کبھی خون کو صاف کیا جاتا ہے اور کبھی اسے طاقت دی جاتی ہے۔بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جراثیمی امراض سے غیر جراثیمی امراض بہت زیادہ ہیں۔جیسے کیفیاتی اور نفسیاتی امراض کیمیاوی امراض (جن میں خون کے قوام میں بعض عناصر کی کمی بیشی ہو جاتی ہے) ضعف کے امراض مثلاً دل ودماغ اور جگر کا کمزور ہو جانا اور اسی طرح پٹھوں کی کمزوری اور حرارت کی کمی سے پیدا ہونے والے امراض وغیرہ جن کی فہرست آئندہ صفحات میں دی جائے گی۔یہ تمام امور اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ ایلوپیتھی ایک غیر علمی اور غیر سائنسی طریق علاج ہے اور اس کو جلد از جلد چھوڑ دینا چاہیے۔

فوری امراض

یہ حقیقت تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے کہ فوری طور پر پیدا ہونے والے امراض جیسے چوٹ، زخم، ڈوبنا، گیس چڑھنا، زہر کھانا، اچانک بے ہوشی وغشی اور زہریلے جانوروں کا ڈسنا وغیرہ میں فوری طور پر کوئی جراثیم نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کے علاج میں دافع جراثیم ادویات استعمال کی جاتی ہیں بلکہ متعلقہ علامات کو عام طور پر حالتِ جسم کو مدنظر رکھ کر مسکن ومخدر، محرک ومقوی اور دافع زہر وتریاق استعمال کیے جاتے ہیں۔اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان امراض میں سبب کا علم نہیں ہوتا مگر ظاہرہ علامات کو سامنے رکھ کر علاج کیا جاتا ہے اور بعد میں اگر ضرورت ہو تو اسباب کو مدنظر رکھ کر اس کو رفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس تمام عرصہ میں جراثیم کا تصور تک بھی پیدا نہیں ہوتا۔یہ حقیقی مشاہدہ اور تجربہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ صرف جراثیم ہی باعث امراض نہیں بلکہ دیگر اسباب بھی موجب امراض ہوتے ہیں۔

عناصر کی کمی بیشی

جب انسان کے خون وبلغم اور پیشاب وپاخانہ کا کیمیاوی معائنہ کیا جاتا ہے تو اس میں جراثیم کے علاوہ ان مختلف عناصر کی بھی کمی بیشی پائی جاتی ہے جن سے جسم انسان مرکب ہے جیسے کیلشیم، فیرم اور سلفر وفاسفیٹ وغیرہ اور ان کی کمی بیشی بھی باعثِ مرض ہوتی ہے اور ان کے اعتدال پر لانے سے مرض کو آرام آجاتا ہے۔بالکل اسی طرح ایسی اغذیہ جن میں ترشی وکھار اور مٹھاس ونمک کی زیادتی ہو تو کھانے سے بھی امراض پیدا ہوتے ہیں اور ان کے اعتدال سے امراض رفع ہو جاتے ہیں۔ان دونوں صورتوں میں جراثیم کا کوئی دخل نہیں ہے۔کیا اس امر سے ثابت نہیں ہوتا کہ صرف نظریہ جراثیم کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

دو یا تین امراض

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک مرض کے ساتھ ہی دوسرا اور تیسرا مرض بھی پیدا ہو جاتا ہے جیسے نزلہ زکام اور ذات الجنب کے ساتھ ہی اسہال وغیرہ شروع ہو جاتے ہیں بلکہ آگے چل کر ٹی بی بھی پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح انفلوئنزا' محرقہ اور سرسام وغیرہ اکٹھے ہو جاتے ہیں بلکہ مریض اگر بچ جائے تو سل میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ ان میں ہر مرض کے جراثیم جدا جدا ہیں۔ بتایا جائے کہ ایسی حالتوں میں تشخیص وعلاج کی کیا صورت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ڈاکٹر پریشان ہو جاتے ہیں اور عموماً علامات کو ہی مدنظر رکھ کر علاج کرتے ہیں جن میں اکثر ناکامی ہوتی ہے۔ کیا اب بھی اس امر میں شک رہتا ہے کہ نظریہ جراثیم بالکل غلط اور ایلوپیتھی طریقہ علاج بالکل غیر اصولی وغیرہ علمی ہے۔

ایک قسم کے جراثیم کے مختلف امراض

اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک قسم کے جراثیم جب مختلف اعضا پر اثر انداز ہوتے ہیں تو مختلف قسم کے امراض پیدا کرتے ہیں مثلاً گونوریا کے جراثیم سے سوزش مثانہ' سوزش کلیہ' سوزش ریہ اور سوزش چشم وغیرہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ لیکن علاج کی صورت میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مرض اور ہر عضو کے علاج میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف صورتیں اختیار کی جاتی ہیں بلکہ بعض صورتوں میں متضاد صورتیں اختیار کی جاتی ہیں۔ مثلاً سوزاک اور سوزش مثانہ میں مدرات' گردوں کی سوزش میں محللات اور نمونیا و سوزش چشم وغیرہ میں محرکات کا استعمال کیا جاتا ہے۔ صرف جرم کش ادویہ کے استعمال سے تمام امراض کو آرام نہیں آتا۔ یہ امور اس امر کی صریح دلیل ہیں کہ ایلوپیتھی میں کہیں بھی ایک اصول کام نہیں کرتا اور وہ محض ایک عطایانہ طریق علاج ہے۔

ایک مرض یا عضو میں مختلف قسم کے جراثیم

مندرجہ بالا صورت کے برعکس یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک عضو کی خرابی یا ایک خاص مرض کی پیدائش میں مختلف اقسام کے جراثیم اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہاں معالج کے لیے یہ امر باعث مصیبت بن جاتا ہے کہ وہ علاج میں کیا طریق اختیار کرے کیونکہ ہر قسم کے جراثیم کے لیے جدا قسم کی دوا مقرر ہے اور وہ جب تک لیبارٹری میں اس کا تیقن نہیں کر لیتا' کوئی دوا نہیں دے سکتا۔ اور بغیر تشخیص کے دوا دینے میں نقصان اور زہریلے اثرات کے پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ معائنہ جراثیم میں غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں اور مریضوں کو غلط ادویہ دے کر یا غلط اپریشن کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ تقسیم ہند سے قبل کا واقعہ ہے کہ سنٹرل جیل لاہور کے ایک ہندو اسسٹنٹ جیلر کی لڑکی آنتوں کے مرض میں گرفتار ہوئی۔ مختلف علاج کرانے کے بعد جب آرام نہ ہوا تو اس وقت کے میو ہسپتال کے سرجن انچارج کرنل میراجکر کو دکھایا گیا۔ چونکہ لڑکی کو زائدہ اعور کے مقام پر درد اور بخار تھا اس لیے انہوں نے ورم زائدہ اعور تجویز کر کے اپریشن کر دیا۔ مگر لڑکی کو نہ درد کا آرام آیا اور نہ بخار اترا۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے دوسرا اپریشن کر دیا مگر آرام کی صورت پیدا نہ ہوئی مجھے لڑکی کو ہسپتال میں دکھایا گیا لیکن مرض کے متعلق کچھ نہ بتایا گیا۔ میں نے جا کر نبض دیکھی اور دو منٹ کے بعد ان سے کہا کہ لڑکی کو آنتوں کی ٹی بی ہے۔ اور اس کے غدد متورم ہیں۔ اتفاق سے میرے جانے سے نصف گھنٹہ قبل ہسپتال کی طرف سے نیا نتیجہ لڑکی کے ایک رشتہ دار کو جو اس کا نگران تھا سپرد کیا گیا تھا۔ وہ میری طرف حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ اس نتیجہ کا لڑکی کے والد کو کوئی

علم نہ تھا۔ اس نے اس نگران سے وجہ حیرت دریافت کی تو اس نے بتلایا کہ ابھی ابھی ڈاکٹر میراجکر کی طرف سے نیا نتیجہ آیا ہے جو انہوں نے کل کے معائنہ سے نکالا ہے اور اس میں بھی ٹی بی گلینڈ کا ورم بتایا گیا ہے۔ لڑکی کا باپ اس سے بہت خوش ہوا اور ساتھ ہی بڑے جوش اور حیرت سے کہنے لگا کہ کتنا ظلم ہے کہ سات ماہ کے بعد اور دو دفعہ اپریشن کرنے کے بعد ڈاکٹر کو آج معلوم ہوا ہے کہ لڑکی کو ورم زائدہ اعور نہیں بلکہ ٹی بی گلینڈ کا ورم ہے اور میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آپ نے صرف نبض دیکھ کر (بغیر پیٹ وغیرہ دیکھے) دو منٹ میں صحیح مرض بتا دیا ہے۔ چنانچہ وہ لڑکی کو گھر لے گیا اور وہاں پر میرا علاج کرایا۔ اس داستان سے مقصود صرف یہ ہے کہ بڑے سے بڑے ڈاکٹر بھی کیمیاوی آلات کی مدد سے تشخیص کرتے ہوئے غلطی کر جاتے ہیں اور غلط علاج شروع ہو جاتا ہے۔ اس امر میں غور طلب بات یہ ہے کہ اوّل ڈاکٹر صاحب کو ورم زائدہ اعور کے جراثیم کیسے معلوم ہوئے اور پھر وہاں ٹی۔ بی کے جراثیم کیسے پیدا ہو گئے۔ اگر انہوں نے پہلے سات ماہ تک کیمیاوی معائنہ نہیں کیا اور بغیر تسلی کے دو اپریشن کر دیئے تو از حد ظلم کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ اعضاء کی خرابی کی علامات بھی جانتے یا ان پر غور کرتے تو صاف معلوم ہو جاتا کہ ورم زائدہ اعور اور ٹی۔ بی میں کتنا نمایاں فرق ہے۔

سوزش کا ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہونا

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ معدہ کے اندر غشائے مخاطی میں سوزش ہو جاتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ سینہ، گلے اور ناک آنکھ اور کان میں پھیل جاتی ہے۔ معدہ سے لے کر کانوں تک جہاں پر بھی سوزش کی شدت ہوگی مرض اور علاج کی پوزیشن جدا ہوگی۔ تشخیص میں بھی غلطیاں پیدا ہوں گی اور ہر جگہ جراثیم کی شکل بھی بدل جائے گی۔ ہر عضو کی تکلیف کے ساتھ علامات بدلتی جائیں گی اور جرم کش ادویہ سے آرام نہیں ہوگا۔ جس قدر بھی علاج کیا جائے گا، مرض بڑھتا جائے گا۔ اس کا باعث بھی وہی طریقہ علاج کا بے اصول ہونا اور وہی علاج کی ناکامی کا موجب ہے۔

جراثیم کش ادویہ دافع سوزش نہیں

یہ ہمارا ایک نہایت اہم اور زبردست انکشاف ہے کہ جرم کش ادویہ دافع سوزش نہیں ہوتیں۔ اس چیز کو سمجھنے کے لیے اوّل یہ امر جاننا چاہیے کہ جرم کش ادویہ خود جراثیم کو ہلاک نہیں کرتیں بلکہ وہ اعضائے جسم اور اندر کی پیچیدہ مشینری کو تیز کر دیتی ہیں جو جرم کو فنا اور مواد کا اخراج کرتے ہیں۔ اگر جراثیم ہلاک بھی ہو جائیں تو یہ سوزش کے ختم ہو جانے کی علامت نہیں۔ وہ تو بعض اوقات زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ جس مقام پر سوزش ہوئی تھی (چاہے وہ جراثیم سے ہی ہوئی ہو حالانکہ وہ جراثیم کے علاوہ کسی محرش دوا سے بھی ہو سکتی ہے) وہاں پر طبیعت مدبرہ بدن رطوبات اور سفید دانہ ہائے خون کا اجتماع کر دیتی ہے تاکہ وہاں پر سوزش ختم ہو جائے گویا طبیعت خود مرض کا علاج کرتی ہے مگر دافع جراثیم ادویہ اکثر اس رطوبت فنا کر دیتی ہیں جس کے نتیجہ میں اکثر مرض شدت اختیار کر لیتا ہے بلکہ ناقابل علاج ہو جاتا ہے جس طرح کسی نمونیا کے مریض کے درد کو رفع کرنے کے لیے یا دافع جراثیم کے لیے ایم بی ۶۹۳ یا ایسی ہی دوا کا استعمال مریض کو ہلاک کرنا ہے کیونکہ درد اور صرف درد ہی اس مقام پر صحت کی علامت ہے۔ اس سے ایک طرف مریض کی طاقت بحال رہتی ہے اور دوسری طرف وہ رطوبات و سفید دانہ ہائے خون کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ تاکہ سوزش ریہ کو رفع کرے اور اسی لیے ڈاکٹروں نے بعد از خرابی بسیار دیگر ادویہ کی طرح اس کا استعمال بند کر دیا ہے۔ اسی طرح محرقہ بخار بطنی میں مسہل اور جراثیم کش ادویہ کا استعمال اور محرقہ دماغی میں اسپرین یا کوئی دیگر ایسی ہی دوا استعمال کر کے درد کو دور اور بخار کو اتارنا مریض پر ظلم ہے کیونکہ محرقہ بطنی امعاء کے غدد میں سوزش سے پیدا ہوتا ہے اور اگر اس میں مسہلات کا استعمال کیا جائے تو وہ

سوزش ورم اختیار کر لیتی ہے اور امعاء اکثر پھٹ جاتی ہے اور مریض مشکل سے جانبر ہوتا ہے اور جرم کش ادویہ سے بجائے سوزش رفع ہونے کے رطوبت اور سفید دانہ ہائے خون فنا ہو جاتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں بخار تو اتر جاتا ہے مگر مریض کی حالت خراب ہو جاتی ہے۔ وہ اکثر مر جاتا ہے اور اگر بچ جائے تو اس کا کوئی نہ کوئی عضو یا آنکھیں خراب ہو جاتی ہیں۔ ایسے کیس دیکھ کر دل کو از حد دکھ اور اس غلط طریق علاج پر افسوس ہوتا ہے۔

جراثیم کش ادویہ صحت کو تباہ کر دیتی ہیں

جراثیم کش ادویہ جہاں جسم کی اس مشینری کو تیز کر دیتی ہیں جو جراثیم کو ہلاک کر دیتی ہے وہاں وہی مشینری رطوبات جسم اور سفید دانہ ہائے خون کو بھی فنا کر دیتی ہے۔ یہی رطوبات اور سفید دانہ ہائے خون اندرونی زہروں کو ختم کر کے امراض کے دور کرنے کا باعث ہوتے ہیں لیکن ان کے فنا ہو جانے سے نہ جسم کا زہر ختم ہوتا ہے اور نہ مرض دور ہوتا ہے بلکہ کئی دوسرے خوفناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں ایسی صورت میں مجبوراً ڈاکٹروں کو پھر مجرباتی اور عطائیانہ طریق اختیار کرنا پڑتا ہے جس سے گاہے مریض بچ جاتا ہے لیکن اکثر ہلاک ہو جاتے ہیں۔

جرم کش ادویہ کا غلط استعمال

جرم کش ادویہ کا صحیح استعمال اور محل بھی ڈاکٹر صاحبان نہیں جانتے۔ اسی وجہ سے پنسلین اور دیگر جرم کش ادویہ سے بے شمار اموات واقع ہو جاتی ہیں اور اسی وجہ سے ڈاکٹر فلیمنگ نے اپنے دورۂ ہندوستان کے وقت اعلان کیا تھا کہ ہر جراثیمی مرض میں بغیر سوچے سمجھے پنسلین کا استعمال غلط اور ہلاکت کا موجب ہوتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ایسی ادویہ کے استعمال سے رطوبات جسم اور سفید دانہ ہائے خون ختم ہو جاتے ہیں جو مرض کی ابتدائی حالت میں خود دافع زہر جراثیم اور مرض کی شفا کا موجب ہوتے ہیں۔

اس امر کو سمجھنے کے لیے یہ سمجھنا چاہیے کہ جب جسم میں کسی جگہ جراثیم یا کسی اور وجہ سے سوزش پیدا ہوتی ہے تو ابتدائی حالت میں وہاں رطوبات جسم اور سفید دانہ ہائے خون اکٹھا ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور جسم میں سفید دانہ ہائے خون کی پیدائش بڑھ جاتی ہے اس سے ایک طرف سوزش ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے اور دوسری طرف اس مرض کے لیے ایک قسم کا دافع زہر مواد بننا شروع ہو جاتا ہے جس کو سیرم (Serum) کہتے ہیں۔ اوّل تو یہی تریاق جسم خود جراثیم یا سوزش ختم کر کے مرض کو دور کر دیتا ہے لیکن اگر اس تریاق کی طاقت کمزور ہو تو طبیعت اس تریاق میں خمیر پیدا کر کے جسم میں حرارت کا موجب بنتی ہے۔ یہ حرارت خود دافع جراثیم وسوزش ہے کیونکہ اس حرارت سے وہ تمام مشینری اپنا عمل شروع کر دیتی ہے جو جراثیم کو فنا کرنے کا کام کرتی ہے۔ بس یہی وقت ہے جب جراثیم کش ادویہ استعمال کی جاتی ہیں۔ اس چیز کی بہترین مثال چھالا (آبلہ) ہے جو کسی حصہ جسم کے جل جانے پر پیدا ہو جاتا ہے۔ چھالے کے اندر کا پانی قدرت اسی لیے پیدا کرتی ہے تا کہ سوزش کو دفع کرے۔ یہی وہ رطوبت ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ ابتدائی علاج میں ایک لائق معالج کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ یہ رطوبت زیادہ سے زیادہ پیدا ہو تا کہ جلن میں رفتہ رفتہ کمی آ کر وہ ختم ہو جائے۔ جو ادویہ اس پر لگائی جاتی ہیں ان کا مقصد بھی وہاں پر رطوبات کو زیادہ پیدا کرنا ہے لیکن ایک نالائق معالج اس چھالے کو کاٹ کر وہاں دافع سوزش یا جرم کش دوا لگا دیتا ہے جس کے نتیجہ میں بجائے آرام کے مرض شدت اختیار کر لیتا ہے اور کسی دوا سے آرام بھی آ جائے تو وہ حصہ جسم خراب ہو جاتا ہے۔ اس کا صحیح علاج یہ ہے کہ جب تک چھالے میں دکھن اور جلن ہو اس پر ایسی ادویہ لگائی جائیں جو رطوبات کو بڑھانے والی ہوں اور جب دکھن اور جلن ختم ہو جائے تو پھر چھالے کو کاٹ کر محلل ادویہ

استعمال کی جائیں۔ ایسی ادویہ دافع جراثیم ہوں یا نہ ہوں مریض کو یقیناً آرام آ جائے گا۔ اس کی دوسری مثال محرقہ بطنی کی ہے کہ جب محرقہ بخار چڑھتا ہے تو ایک ہفتے تک تیز' دوسرے ہفتے میں ایک حالت پر اور تیسرے ہفتے رفتہ رفتہ اترنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی فلاسفی بھی یہی ہے کہ پہلے ہفتہ طبیعت مدبرہ بدن مقام سوزش پر رطوبات اور سفید دانہ ہائے خون جمع کرتی رہتی ہے۔ جس سے وہاں پر مرض کے خلاف تریاق پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے جوں جوں وہاں پر تریاق بڑھتا جاتا ہے وہاں خمیر بھی زیادہ ہوتا رہتا ہے جس سے جسم کی حرارت بڑھتی رہتی ہے۔ جب یہ اپنے پورے عروج پر پہنچ جاتی ہے تو جراثیم یا کوئی دیگر قسم کی سوزش کو فنا کر دیتی ہے۔ جسم پر باریک باریک دانے نکل آتے ہیں اور پھر بخار اترنا شروع ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ مریض کی کمزوری سے زیادہ دن بھی لے لیتا ہے اور بد پرہیزی سے دوبارہ بلکہ سہ بارہ اپنا کورس پورا کرتا ہے۔ اس کے علاج میں اگر کوئی دوا نہ بھی دی جائے اور صرف غذا پر سخت نگرانی رکھی جائے تو مریض کو یقیناً آرام آ جاتا ہے۔ دیہاتی لوگ اس مرض میں کسی معالج کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ دوا سے یہ مرض ضدی ہو جاتا ہے اور بجائے آرام کے مرض بڑھ جاتا ہے۔ اب جو محرقہ بطنی کا سہ روزہ علاج نکل آیا ہے جس میں شروع ہی میں بخار دبا دیا جاتا ہے۔ گویا بخار اتارنا ہی محرقہ کا اصل علاج ہے نتیجتاً مریض مر جاتا ہے اور اگر بچ جائے تو اس کا کوئی نہ کوئی عضو بالکل باطل ہو جاتا ہے آنکھیں خراب اور اکثر اندھا یا بھینگا ہو جاتا ہے۔ حمیٰ محرقہ کے مطالعہ میں عقلمندوں کے لیے بہترین سبق ہیں اور مسئلہ جراثیم واضح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کی تیسری مثال محرقہ دماغی کی ہے۔ محرقہ دماغی میں اعصاب میں سوزش ہو جاتی ہے (چونکہ دماغ اعصاب کا مرکز ہے اس لیے اس کو محرقہ دماغی کہتے ہیں۔ ورنہ اصل میں سوزش جسم کے تمام اعصاب میں سر سے پاؤں تک ہوتی ہے) اس لیے طبیعت مدبرہ بدن جسم کی رطوبات اور سفید دانہ ہائے خون کو اعصاب کی طرف روانہ کرتی ہے تا کہ سوزش ختم ہو اور پیدا شدہ جراثیم ہلاک ہو جائیں۔ یہ رطوبت جہاں جسم کی سوزش کو رفع کرتی ہے وہاں پر ایک ایسا خمیر بھی پیدا کرتی ہے جو جراثیم کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اگر اس خمیر سے جراثیم ہلاک نہ ہوں تو پھر اس خمیر میں حرارت پیدا ہو کر ہر قسم کی سوزش اور جراثیم کو فنا کر دیتی ہے۔ جب یہ رطوبت جسم میں ضرورت سے بڑھ جاتی ہے تو طبیعت مدبرہ بدن ان کو جسم سے خارج بھی کرتی رہتی ہے۔ اسی لیے محرقہ دماغی میں نزلہ' زکام' آنکھوں اور منہ سے پانی' پیشاب کی زیادتی اور اسہال شروع ہو جاتے ہیں۔ ابتدا میں ان کا بند کرنا مضر ہوتا ہے جب تک سوزش اور پھر بخار خود بخود کم نہ ہو ان کو بند نہیں کرنا چاہیے۔ یہ رطوبات کا آنا اس امر کا ثبوت ہے کہ طبیعت خود ان کا علاج کر رہی ہے۔ ایسے موقعہ پر جراثیم کش ادویہ کا استعمال رطوبت اور سفید دانہ ہائے خون کو فنا کر دیتا ہے۔ جرم کش اور محرک ادویات کے استعمال کا موقع و محل وہ ہے جب طبیعت خود جسم میں خشکی پیدا کر دے اور حرارت تیز ہو جائے جو اس امر کی علامت ہے کہ طبیعت کو مدد کی ضرورت ہے۔ اس وقت ان ادویہ کے استعمال سے ان شاء اللہ تعالیٰ مریض کو آرام بھی ہو گا اور نقصان بھی نہیں ہو گا۔

حمیٰ ملیریا کی مثال

اس امر کا سب سے دلچسپ ثبوت ملیریا بخار ہے۔ جب ملیریا بخار آتا ہے تو اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں:

① جسم ٹوٹنا شروع ہو جاتا ہے اور سرد ہوتا چلا جاتا ہے۔ جمائیاں آتی ہیں اور منہ میں پانی اور آنکھوں میں آنسو نظر آتے ہیں۔

② سردی کا شدید احساس' جسم کانپنا' دانت پر دانت بجتے اور سخت بے چینی و گھبراہٹ ہوتی ہے۔ مریض گرم کپڑے اور گرم مشروبات کی خواہش کرتا ہے۔ اس طرح اس کا جسم گرم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

③ مریض کا جسم بالکل گرم اور اسے بخار ہو جاتا ہے۔ اوّل اوّل وہ کچھ سکون محسوس کرتا ہے مگر پھر گرم بھٹی میں جلنا شروع ہو جاتا ہے۔

یہاں تک کہ پسینہ آ جاتا ہے۔اس کے بعد مریض کو پورا آرام نصیب ہوتا ہے اور اکثر نیند آ جاتی ہے۔
یہ ہے ملیریا کی تمام کیفیت، اب اس پر غور کریں تو جراثیم اور علاج کی پوری کیفیت سمجھ میں آ جاتی ہے۔اوّل صورت میں سوزش جگر ہوتی ہے۔ چاہے وہ ملیریل جراثیم (Malarial Germs) سے ہو۔طبیعت مدبرہ بدن اس سوزش کو رفع کرنے کے لیے رطوبت اور سفید دانہ ہائے خون کو اس طرح روانہ کرنا شروع کر دیتی ہے۔اس حالت میں صورت اوّل کی تمام علامات پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ جب جسم میں رطوبات کی زیادتی ہو جاتی ہے تو صورتِ دوم کی اور جب جسم گرم ہو جاتا ہے تو صورت سوم کی علامات پیدا ہوتی ہیں۔ جب حرارت اپنے پورے عروج پر پہنچ جاتی ہے تو جگر کی وقتی سوزش ختم ہو جاتی ہے اور طبیعت مدبرہ بدن کو سکون مل جاتا ہے۔وہ پسینہ لا کر بخار کو کم کر دیتی ہے۔ یہ سوزش جگر جراثیمی ہو یا غدی یا موسمی ہو اسے بہر حال بخار کی حرارت سے ختم ہوتی ہے۔ جب تک سوزش جگر ختم نہ ہو اور اپنا کام صحیح طور پر شروع نہ کرے بخار کو آرام نہیں ہوگا۔ چاہے جتنی کونین اسے کھلا دو اور جسم کے ملیریائی جراثیم ختم کر دو۔ پرانا ملیریا بخار اس کے ثبوت میں ایک زبردست تجربہ اور مشاہدہ ہے۔حقیقت میں ملیریا پرانا بھی صرف اسی لیے ہوتا ہے کہ کونین اور اسی قسم کی دیگر ادویہ کے استعمال سے رطوبت وحرارت جسم کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ڈاکٹر لوگ غلطی سے اس قدرتی رطوبت کو جو ابتداء میں طبیعت پیدا کرتی ہے اور جس سے سوزش رفع ہوتی ہے جراثیم کش ادویہ سے اس کو جلا دیتے اور پیدائش کو روک دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں مرض مزمن ہو جاتا ہے یا مریض مر جاتا ہے۔ نیز ضعف قلب، کمی خون، عمومی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے جو ہارٹ فیلور (Heart Falure) کا باعث ہوتی ہے۔ یہ تمام تجربات ومشاہدات اور دلائل اس پر گواہ ہیں کہ اصل باعث مرض نہ جراثیم ہیں اور نہ ان کو ہلاک کرنے سے مرض رفع ہو سکتا ہے اور ایلوپیتھی طریق علاج غیر علمی ہے۔

حرارت ورطوباتِ جسم

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جسم انسان میں خون ہی زندگی اور طاقت ہے۔خون ایک گرم مرکب رطوبت (Hot Compound Fluid) ہے جو اعضاء کی مدد سے تمام جسم میں بنتا اور پہنچتا ہے۔ جب خون خراب ہو جائے (عناصر میں کمی بیشی آ جائے) اس کی رطوبت یا حرارت گھٹ جائے یا اس میں کسی قسم کا زہر یا جراثیم پیدا ہو جائیں تو مرض پیدا ہوتا ہے اور ان باتوں کی شدت موت کا باعث ہوتی ہے۔ قدرت نے خون ہی میں یہ طاقت رکھی ہے کہ وہ اعضاء کی مدد سے صحیح زندگی قائم رکھتا ہے۔ ہمارے اعضائے جسم تین کام کرتے ہیں۔اوّل خون پیدا کرتے، دوم اس کو صاف کرتے اور سوم جسم کے ہر حصہ میں پہنچاتے ہیں۔ گویا خون اور اعضاء کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔خون اعضاء کی غذا، گرمی اور صحت کا ذمہ دار ہے اور اعضاء اس کی پیدائش، صفائی اور گردش میں غیر معمولی مدد کرتے ہیں۔ دونوں کا یہی باہمی تعلق اور چکر صحت اور زندگی کا ضامن ہے۔

جاننا چاہیے کہ خون ذرات، رطوبات اور نمکیات سے مرکب ہے۔ ذرات جسم میں طاقت اور حرارت پیدا کرتے ہیں۔نمکیات اس کا رنگ اور قوام رکھتے ہیں اور رطوبات جسم میں غذائیت اور اعتدال قائم رکھتی ہیں۔ چونکہ نمکیات رطوبت وحلول اور ذرات خون کے قوام میں شامل رہتے ہیں۔اس لیے ظاہراً تین باتوں کا احساس ہوتا ہے۔ ❶ سرخی ❷ رطوبت ❸ حرارت۔سرخی اگرچہ ایک رنگ ہے اور جسم میں اس کے بے شمار فوائد ہیں لیکن عام طور پر اس کے فوائد رطوبت کے ساتھ دیگر نمکیات کی طرح شامل رہتے ہیں۔ باقی رطوبت اور حرارت ہی وہ چیزیں ہیں جو جسم انسان کی زندگی کے قیام کے ساتھ صحت کی حفاظت اور مرض کو رفع کرنے کی طاقت رکھتی ہیں۔ یہ مرض کا مقابلہ کیسے کرتی ہیں۔اس کو اوپر ملیریا کے تحت بیان کر دیا گیا ہے۔

جراثیم کس طرح ہلاک ہوتے ہیں

مندرجہ بالا تمام تشریح سے یہ صاف واضح ہو جاتا ہے کہ ہر قسم کی سوزش (چاہے وہ جراثیمی ہو اور اس میں اورام بھی شریک ہیں) زہر اور درد (ہر قسم کے بخار شریک ہیں) یا دیگر کوئی مرض جسم کے انہی دونوں کیمیاوی اثرات یعنی رطوبتِ خون (Liqved of The Blood) اور حرارت خون (Heat of The Blood) سے اعضاء کی مدد سے رفع ہوتے ہیں۔

ان کا جسم میں کیمیاوی تغیر (Pathology) اس طرح عمل میں آتا ہے کہ جہاں کہیں سوزش یا جراثیم پیدا یا داخل ہوتے ہیں، طبیعت مدبرہ بدن وہاں پر فوراً رطوبات گرانا شروع کر دیتی ہے جن میں سفید ذرات خون بھی شریک ہوتے ہیں۔ وہاں پر یہ مرکب اس سوزش یا جراثیم اور زہر کو رفع کرنے کے لیے مختلف قسم کا مواد (Antiseptic Matter) تیار کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جس سے وہاں کی سوزش، جراثیم اور زہر فنا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اگر جسم میں قوتِ مدافعت (Immunity) مضبوط ہو تو مرض پیدا نہیں ہوتا اور طبیعت مدبرہ بدن کی ایک زبردست مدافعت ہوتی ہے اور اس کی شدت اس مدافعتی متضاد مواد (Immunitical Antiseptic Matter) میں حرارت پیدا کر دیتی ہے جس سے اوّل وہ سوزش و جراثیم اور زہر فنا ہو جاتا ہے اور پھر وہاں کی رطوبت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اگر طبیعت مدبرہ بدن اس طرح بھی کامیاب نہ ہو سکے تو پھر وہ جسم کے غدد جاذبہ کے افعال کو تیز کر دیتی ہے اور اس تمام رطوبت کو جس میں سوزشی، جراثیمی اور زہریلا مواد ہوتا ہے ان کے اندر جذب کرانا شروع کر دیتی ہے جس سے وہاں کے کیمیاوی اور پیچیدہ افعال سے ہر قسم کا سوزشی، جراثیمی اور زہریلا مواد تباہ ہو جاتا ہے۔ اگر اس آخری طریق میں بھی قوت مدبرہ بدن کامیاب نہ ہو تو پھر وہ تمام زہریلا مواد وریدوں (Veins) کے راستہ دل میں پہنچ جاتا ہے اور موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس تمام تشریح سے صاف ظاہر ہے کہ درحقیقت طبیعت مدبرہ بدن ہی امراض کا علاج کرتی اور سوزش، جراثیم اور دیگر زہریلے مواد کو فنا کرتی ہے۔ ایلوپیتھی اس سے آگاہ نہیں ہے اس لیے اس کا علاج نہ صرف غیر اصولی ہے بلکہ ظالمانہ ہے۔

ماہیتِ مرض کو سمجھے بغیر اس کا بالمطابق طریق علاج (Accordingly way of Treatmet) مشکل ومحال ہے۔ اس کی تشریح علاج کے سلسلہ میں کی جائے گی یہاں پر اتنا جان لینا نہایت ضروری ہے کہ جب جسم میں رطوبات کی ضرورت ہو تو ان کو بڑھایا جائے۔ جب حرارت کی ضرورت ہو تو اسے پیدا کیا جائے اور جب غدد جاذبہ سے کام لینا ہو تو ان کے افعال کو تیز کیا جائے۔

زہریلا مواد۔ عناصر اور اعضائے جسم

جاننا چاہیے کہ جسم انسان کے امراض زہریلے مواد (خواہ وہ جراثیمی ہو) عناصر کی کمی بیشی اور اعضائے جسم کے افعال کی خرابی سے پیدا ہوتے ہیں اور انہی کو اعتدال پر لانے سے امراض رفع ہوتے ہیں لیکن ایلوپیتھی نے صرف اوّل الذکر زہریلے مواد اور وہ بھی صرف جراثیمی مواد کو باعث امراض قرار دیا ہے اور مؤخر الذکر دونوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ تمام ڈاکٹری کتب ان کے ذکر سے خالی ہیں۔ اگر کہیں ذکر کیا گیا ہو تو بیان کیا جائے ہم چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ان عنوانوں کے تحت ان سے پیدا ہونے والے امراض کو پیش نہیں کر سکتے۔ اس امر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ عناصر کی کمی بیشی اور افعال اعضائے جسم کی خرابی سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ اگر یہ حقیقت مسلمہ ہے تو پھر ایلوپیتھی طریق علاج یقیناً غیر علمی اور بے اصول ہے۔

صرف دفع سبب علاج مرض نہیں

اگر تھوڑی دیر کے لیے اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ہر مرض یا اکثر امراض کا سبب صرف جراثیم ہی ہیں لیکن پھر بھی صرف جراثیم کی ہلاکت کو مرض کا علاج سمجھ لینا ایک غلط نظریہ ہے۔ کیونکہ صرف دفع سبب سے مرض رفع نہیں ہوتا بلکہ اعضاء کی خرابی اور عناصر بلکہ جملہ کیفیات کا اعتدال لازم ہے۔ ان کے عدم اعتدال کی حالت میں مرض دور نہیں ہوتا اور جراثیم دوبارہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی زخم کے جراثیم کارِ بالک یا کسی دوسری جراثیم کش دوا سے ہلاک بھی کر دیئے جائیں تو پھر بھی زخم کا علاج اپنی جگہ قائم ہے۔ وہ علاج کیا ہے؟ اعضاء کے افعال' عناصر کی کمی بیشی اور کیفیات کا اعتدال ہے۔ ان تمام باتوں کا ذکر ایلوپیتھی میں کہیں نظر نہیں آتا جو اس کے غیر علمی ہونے کی غیر معمولی دلیل ہے۔

سبب کا پہلے رفع کرنا ضروری نہیں ہوتا

عوام (لے مین) بھی اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ علاج میں مقدم تکلیف کو رفع ہونا چاہیے۔ مثلاً دردِ سر کا سبب قبض ہے اور اس کو دور کرنے کے لیے کم از کم دو تین گھنٹے چاہئیں۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ اوّل دردِ سر کو دور کیا جائے۔ یہی صورت ایسی دیگر امراض مثلاً دردِ معدہ و امعاء' دردِ جگر و گردہ وغیرہ اور جراثیم سے پیدا شدہ امراض مثلاً پرانے زخم (Chronic wounds)، سرطان (Cancer)، آتشک (Syphilis) اور ان سے پیدا ہونے والے درد' بخار اور تناؤ وغیرہ میں اختیار کرنا چاہیے۔

شدتِ جذبات کے امراض

ایسے امراض جو اکثر جذبات کی شدت سے پیدا ہوتے ہیں اور جن میں ابتدائی حالت میں جراثیم کا کہیں بھی دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً غم و غصہ سے جگر کا خراب ہو جانا۔ انتہائی مسرت و لذت سے دل پر برا اثر پڑنا اور اسی طرح خوف و ندامت سے دماغ کا متاثر ہونا وغیرہ روزانہ کے تجربات و مشاہدات ہیں۔ ایسے امراض میں اوّل تو جراثیم کا کوئی دخل نہیں ہے اور اگر بعد میں پیدا ہو بھی جائیں تو جراثیم کو ہزار بار ہلاک کر دیجئے مرض رفع نہیں ہوگا جب تک جذبات کی تسکین نہ ہو یا بالفاظ دیگر اعضائے جسم کے افعال اور کیفیات خون کو اعتدال پر لانا انتہائی ضروری ہے۔ مگر ایلوپیتھی میں جذبات کی شدت سے پیدا ہونے والے امراض کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے۔ کیا اب بھی اس طب مغرب کو غیر علمی نہیں کہا جائے گا؟

ایک مرض کی متعدد علامات

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایک مرض کی کئی علامات ہوتی ہیں۔ مثلاً ورم میں درد' بخار' سوجن' دل کی بے چینی' گاہے غشی و بے ہوشی' پیاس' کبھی قے گاہے اسہال و پیچش اور اکثر ضعف جسم وغیرہ۔ ان سب کا رفع کرنا بے حد ضروری ہے۔ البتہ شدید تکلیف دہ اور خوفناک علامات کو پہلے اور دیگر کو بعد میں دور کیا جاتا ہے۔ گو یہ مرض جراثیمی ہی کیوں نہ ہو لیکن محض جراثیم کش ادویہ سے یہ علامات رفع نہیں ہوں گی چاہے جسم میں تمام جراثیم ہلاک ہی کیوں نہ ہو جائیں بلکہ ان کے استعمال کے علاوہ کچھ اور کوشش بھی کرنا پڑے گی۔ یہ مشاہدات و تجربات اس بات کی صریح شہادت ہیں کہ صرف جراثیم کا ہلاک کر دینا مرض تو کیا کسی ایک علامت کو بھی رفع نہیں کر سکتا۔ جب یہ حقیقت ہے تو پھر دن رات جراثیم کا رونا کہاں کی عقل و دانش ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مختلف امراض میں الگ الگ اقسام کے اورام ہوتے ہیں۔

غیر جراثیم کش ادویہ

ماہیت امراض، تشخیص، اسباب وعلامات کے بعد علاج اور ادویات کے نکتہ نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو دس بیس نہیں بلکہ ہزاروں ادویہ ایسی ہیں جو جرم کش نہیں لیکن جراثیمی امراض کا نہ صرف شافی علاج ہیں بلکہ اکسیر کا حکم رکھتی ہیں۔ مثلاً مخدرات (افیون، بیش، اجوائن خراسانی وغیرہ)، مسکنات (خشخاش، کشنیز، کاسنی وغیرہ)، مبردات (بہیدانہ، لسوڑیاں، عناب وغیرہ)، ملطف (ملٹھی، انجیر وغیرہ)، قابضات (مائیں، مازو، آملہ وغیرہ)، تلخ مقویات (جنطیانہ، چرائتہ اور کرنجوا وغیرہ)، دھاتیں اور ان کے کشتہ جات (فولاد، تانبہ، قلعی وغیرہ) اور اسی طرح ملینات (گل سرخ، گل بنفشہ اور ہلیلہ وغیرہ) یہ چند نمونہ از خروارے ہیں۔ ورنہ ہر قبیل کی ہزاروں ادویہ کتب طبیہ میں بھری پڑی ہیں جو کسی قسم کی جراثیم کش تو نہیں البتہ سینکڑوں امراض کے لیے اکسیر اور تریاق کا درجہ رکھتی ہیں۔ جس پر روزانہ کا تجربہ اور استعمال گواہ ہے بلکہ ان میں کی ہزاروں ادویہ انہی خواص کے ساتھ برٹش فارما کوپیا (B.P) امریکن فارما کوپیا (A.P) اور دنیا کے دیگر ممالک کے فارما کوپیاؤں میں درج ہیں۔ جادو وہ ہے جو سر پر چڑھ کر بولے۔ کیا کوئی مغربی طب کا ماہر ڈاکٹر یا معالج (Physician) یا طبی سائنس سے متعلق (Connected with mediacal science) مندرجہ بالا امور کا جواب دے سکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں دے سکتا اور ہمارا چیلنج ہے کہ نہیں دے سکتا۔ ان حقائق کی موجودگی میں بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ایلوپیتھی طریق علاج غلط اور غیر علمی (Unscientific) ہے۔

خود سائنس دانوں کی شہادتیں

تجربات، مشاہدات اور علمی وعقلی دلائل پیش کرنے کے بعد یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود یورپ اور امریکہ کے ممالک میں سائنس کی دنیا میں مغربی سائنس کے خلاف جو طوفان اٹھ رہا ہے اس کا بھی ذکر کر دیا جائے تاکہ یہ غلط فہمی کہ سائنس غلطی نہیں کرتی دور ہو جائے۔ سائنس کے اندر بھی غلطیاں ہوتی ہیں۔ جب کوئی نئی تھیوری (Theory) پیدا ہوتی ہے تو ماقبل کی تمام وہ تھیوریاں (Theories) غلط قرار پاتی ہیں جن کو پہلی دفعہ پیش کرتے وقت بہت بلند بانگ دعوے کیے جاتے تھے کہ دنیا کا ایک بڑا راز معلوم ہو گیا ہے۔ ان نظریات کا بار بار بدلنا اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ فطرت کے قوانین پر قابو پانے کا ہر شخص پوری طرح دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ہر موڑ پر اس کے اصول بدل جاتے ہیں۔ جن لوگوں کے ذہن پر یورپ اور امریکہ وغیرہ کی دنیا سوار ہے ان کو ان معلومات سے آنکھیں کھولنی چاہئیں۔ علم وعقل کسی خاص ملک اور قوم کی میراث نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا یہ انعام تمام دنیا پر تقسیم ہوتا رہتا ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ دیئے سے دیا جلتا ہے اور مغربی ممالک سے بہت کچھ حاصل کیا گیا ہے۔ لیکن غور وفکر کرنے والوں کے لیے بہت راہیں کھلی ہیں۔ مغرب نے بھی تو مشرق اور عرب ممالک سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔

ایک برطانوی طبی رسالہ میں یہ سوال اٹھایا گیا'' کہ کیا ہم نے جو تیر بہدف علاج دریافت کیے ہیں ان سے نئی بیماریاں تو پیدا نہیں ہو جاتیں؟ اس کے جواب میں یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ متعدی بیماریوں کے جراثیم کے خلاف جو جنگ شروع ہوئی تھی اسے ہم جیت چکے ہیں لیکن یہ جیت پھر ہار میں تبدیل ہوا چاہتی ہے۔ انٹی بایوٹک (جرم کش) ادویہ کی ایجاد کے بعد بہت سے جراثیم اور ان سے پیدا ہونے والی بیماریوں کا کم وبیش صفایا کر دیا گیا ہے۔ لیکن ان دواؤں سے کچھ نئے جراثیم پیدا ہو گئے ہیں جو مریضوں پر نوازش کر رہے ہیں۔ یہ نوازش خاص طور پر شفا خانوں کے مریضوں پر ہو رہی ہے۔ انٹی بایوٹک ادویات کو لوگوں نے جادو کی پڑیا سمجھا تھا لیکن اب یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ دوغلی پڑیا ہے جو ایک

طرف بیماری کو سلاتی اور دوسری طرف جگاتی ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ نئی تحقیقات ہوئی ہیں۔ جن سے ہمارے بعض پچھلے تصورات غلط ثابت ہو گئے ہیں۔ اب تک ہم یہ سمجھتے تھے کہ تھوک و بلغم سے جراثیم پیدا ہوتے ہیں اور حلق و ناک کو جراثیم کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا اور اسی لیے ہسپتالوں میں اپریشن کے وقت ڈاکٹر اور نرس منہ پر نقاب ڈال لیتے ہیں لیکن اب یہ تحقیقات ہوئی ہے کہ سانس لینے، کھنگھارنے، باتیں کرنے بلکہ چھینک لینے سے بھی بعض جراثیم مرجاتے ہیں۔ لیکن منہ و ناک پر نقاب ڈال لینے سے یہ زور پکڑ لیتے ہیں۔ اس سے زیادہ تشویشناک بات یہ ہے کہ ڈاکٹر، نرس اور کمپونڈر جو معمولی سا صاف لباس اوپر پہن لیتے ہیں اس سے جراثیم کی روک تھام نہیں ہوتی۔ پھر ہسپتال میں اپریشن سے قبل نرسیں اور ڈاکٹر ہاتھ دھوتے ہیں۔ لیکن ہاتھ سے جو چھینٹیں مارتی ہیں ان سے کمرے میں جراثیم پھیلتے ہیں۔ ان دلچسپ تحقیقات نے حفظان صحت کے ان قواعد وضوابط پر پانی پھیر دیا ہے جن کی ہم برسوں سے شدومد سے تبلیغ کرتے آرہے تھے''۔ (روزنامہ آفاق ۱۰/نومبر ۱۹۵۶ء)

پرائز یافتہ عالمی شہرت کے ایک فرانسیسی سائنس دان لوکامتے دونوائی [1] جو موجودہ دور کا نہ صرف بہت بڑا سائنس دان ہے بلکہ اس کے پاس سائنس کی مختلف شاخوں کی متعدد ڈگریاں ہیں اور بیالوجی، طبیعات، جیالوجی اور علم الادویہ پر ان کی کتابیں دنیا کے ہر حصے میں مقبولیت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ اس کی ایک کتاب انسانی منزل (Human Destiny (1947)) تاریکی کے اس ماحول میں روشنی کی کرن ہے۔ اس میں انہوں نے مغربی سائنس دانوں اور مادہ پرستوں کے کھوکھلے نعروں کا تفصیلی جواب سائنٹیفک دلائل اور کائناتی حقائق کی روشنی میں دیا ہے اور مادہ پرست اسے پڑھ کر کانپ اٹھے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کا کہنا ہے''مغربی سائنس دان مادی چیزوں کی حقیقت (جو وہ سمجھ سکتے ہیں) جان کر یہ تصور کرنے لگتے ہیں کہ انہوں نے کائنات کے اصل اسرار کی نقاب کشائی کر لی ہے۔ مشاہدات حسی مادی اشیاء نہیں ہیں۔ آواز کی کھنک، رنگ کی چمک اور ایسے دوسرے مشاہدات ہمارے ذہنی افق پر جو تاثرات ابھارتے ہیں ہم ان کو حرف آخر نہیں کہہ سکتے۔ حل کا تجربے سے گہرا تعلق ہے۔ سائنسدانوں کا یہ سمجھ لینا کہ انہوں نے اپنے تجربات سے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ کائناتی حقائق ہیں ایک بہت بڑی بھول ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ ان پر اصرار اور غرور بھی کرتے ہیں''۔ کتاب کافی ضخیم ہے اور ڈاکٹر صاحب موصوف نے زندگی اور سائنس کے بہت سے موضوعات پر بحث کی ہے۔ ابتداء میں سائنس اور اس کے مظہرات کی حدود کے تعین پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں''انسان کے افعال کا انحصار اس کے شعور کی راہ نمائی پر ہے۔ شعور کا تعلق مادی طور پر اعصاب عقلی پر ہوتا ہے یہ ضروری نہیں کہ اعصاب عقلی ہر بات کو اس کے صحیح رنگ میں دیکھیں اور ان کا احاطہ کر سکیں۔ انسان کے ذہن میں جب بھی کسی چیز کا کوئی خاکہ پیدا ہوتا ہے وہ نامکمل ہوتا ہے اور اسے کسی صورت میں بھی حتمی نہیں کہا جا سکتا۔ اعصاب کے فعل میں غلطی اور کمی بیشی کا بہت سا امکان ہوتا ہے۔ ایک مادی چیز کا وجود ایک ہی وقت میں دو مختلف دماغوں میں مختلف اثرات پیدا کرتا ہے اور ایک ہی آدمی دو مختلف اوقات میں ایک ہی چیز کو دو مختلف زاویوں سے دیکھتا ہے۔ ایک کالے رنگ کا سفوف اور سفید مائع کا محلول ہمیشہ ہماری آنکھوں کو خاکستری نظر آتا ہے۔ مگر ایک خوردبین کو سفید اور سیاہ رنگ کے ذرات نظر آئیں گے جو عجیب وغریب نظام ترتیب سے ٹکراتے ہوں گے۔ اسی طرح مشاہدہ کی آنکھ اس محلول کی ایک تیسری صورت بھی دیکھ سکتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ مشاہدہ اور سائنسی تجربہ کسی چیز کی حقیقت متعین کرنے میں ناکام رہ سکتا ہے''۔

سائنس کے متعلق علامہ اقبالؒ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں''سائنس فطرت کا مطالعہ کرتی ہے اور فطرت حقیقت ہی کے ایک گوشہ کا نام ہے''۔ اس لیے ان کے نزدیک ذات خداوندی سے فطرت (Nature) کا وہی تعلق ہے جو انسانی ذات سے اس کے

---

[1] Dr. PIERRE LECOMTE DU NOÜY (1883 - 1947)

کردار (Character) کا ہے۔ اسی کو قرآن نے ''فطرت اللہ'' کہہ کر پکارا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں ''سائنس حقیقت کے مختلف گوشوں یعنی فطرت کے مطالعہ کا نام تو ہے لیکن اس میں نقص یہ ہے کہ یہ حقیقت کو تماماً اور کمالاً نہیں دیکھ سکتی۔ اس کے مختلف شعبے اپنی دنیا میں الگ الگ مصروف مشاہدات و تجربات رہتے ہیں۔ اس لیے وہ حقیقت کا کلی ادراک نہیں کر سکتی''۔ اسی بنا پر فرماتے ہیں کہ ''مذہب کو سائنس سے خائف ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ مذہب کا مقصود حقیقت کا کلی تجزیہ ہے اور وہ حقیقت کا جزوی مطالعہ کرنے والی سائنس سے کیوں گھبرائے؟'' اس کے بعد سائنس کی اصلیت کے متعلق فرماتے ہیں ''سائنس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ حقیقت کے کسی ایک رخ کو اپنے مطالعہ کے لیے منتخب کر لے اور باقی رخوں کو چھوڑ دے۔ لہٰذا اگر سائنس یہ دعویٰ کرے کہ حقیقت کے جن پہلوؤں کا اس نے انتخاب کیا ہے وہی پہلو حقیقی ہیں تو اس کا یہ دعویٰ باطل ہوگا''۔

موجودہ دور کے سائنسی نظریات (Theories) کے متعلق بریفالٹ [1] اس طرح اظہار خیال کرتا ہے ''ہمارے طبیعاتی اور حیاتی نظریات آنے والی نسلوں کو اس طرح عجوبہ دکھائی دیں گے جس طرح ہمیں آج اس زمانے کے نظریات مضحکہ خیز دکھائی دیتے ہیں جب سائنس اپنے عہد طفولیت میں تھی (The Making of Humanity.P.197)۔

اسی طرح (Kenneth Walker) [2] اپنی کتاب (Meaning and Purpose) میں لکھتا ہے ''سائنس کے نظریات فکر انسانی کے لیے ستانے کے مقامات ہیں۔ جب کسی نئی تحقیقات کے انکشاف سے معلوم ہو کہ فلاں نظریہ اس سے مطابقت نہیں رکھتا، اسے فوراً چھوڑ دینا چاہیے''۔ [3] آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت (Special Theory of Relativity) نے نیوٹن کے نظریہ کشش و ثقل (Gravity) کو پاش پاش کر دیا ہے۔ جس کی رو سے زمان و مکان (Time & Space) کا تصور بالکل بدل گیا ہے۔ اس کے متعلق پروفیسر کار [4] (H.W.Carr) اپنی کتاب (The General Principle of Relativity) میں لکھتے ہیں ''اس حقیقت کو تسلیم کیا جا رہا ہے کہ آئن سٹائن کا جدید نظریہ اضافیت فلسفہ کے بنیادی اصولوں کو متاثر کرتا ہے۔ اب یہ اصول قرار پایا ہے کہ ہر مشاہدہ کرنے والا اپنی ذات میں مطلق ہے۔ ایسی کوئی کائنات ہی نہیں جو تمام مشاہدہ کرنے والوں کے لیے مشترکہ ہو۔ ہر مشاہدہ کرنے والے کی کائنات اپنی اپنی جدا ہے''۔ حکیم آئن سٹائن کے اپنے الفاظ یہ ہیں ''سائنس کا قانون حرفِ آخر نہیں قرار پا سکتا۔ کیونکہ سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ وہ تصورات جن کی بنیادوں پر وہ قوانین مبنی ہوتے ہیں۔ نامکمل اور ناکافی ثابت ہوتے چلے جاتے ہیں''۔

پروفیسر وائٹ ہیڈ [5] (White Head) اپنی کتاب (The Science & The Modren World - 1925) میں لکھتا ہے: ''سائنس تو الٰہیات سے بھی زیادہ قابل تغیر و تبدل ہے آج سائنس کا کوئی عالم گلیلیو کے عقائد یا نیوٹن کے معتقدات کو بلاشرط تسلیم کرنے کو تیار نہیں حتیٰ کہ وہ خود اپنے دس سال پہلے کے معتقدات کو بھی علیٰ حالہٖ صحیح تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہے''۔ پروفیسر موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں: فکر سائنس

---

1. ROBERT BRIFFAULT (1876-1948) The Making of Humanity (1949)
2. KENNETH WALKER (1882-1966) Meaning and Purpose (1944)
3. ALBERT EINSTEIN (1879-1955)
4. HERBERT WILDON CARR (1857-1931)
   General Principle of Relativity in its Philosophical and Historical Aspect (1920)
5. PROFESSOR ALFRED NORTH WHITE HEAD (1861-1947)

کی قدیم بنیادیں اب ناقابلِ فہم ہوتی جاتی ہیں۔ زمان و مکان، مادہ، ایتھر، برق، نامیاتی نظام، میکانکیت، ترتیب اجزا، ساخت قالب اور افعال سب پر نظرثانی کی ضرورت ہے''۔

جراثیم کا باہمی رشتہ مؤدت

روزنامہ امروز کے سائنسی کالم نویس جناب حمید جہلمی صاحب انسان کے لیے خطرہ کے تحت تحریر کرتے ہیں کہ جب جراثیم کش دوائیں بنیں تو یار لوگوں نے کہا ''چلو بیماریوں سے پیچھا چھوٹا۔ جب جراثیم ہی نہ رہیں گے تو بیماریاں کہاں کی'' اور سچ بھی تو ہے کہ پنسلین اور اینٹی بایوٹک دواؤں سے بہت فائدہ پہنچا ہے اور بے شمار لوگ موت کے منہ کا نوالہ بننے سے بچ گئے۔ لیکن یہ جب کی بات ہے کہ جراثیم میں قوت مدافعت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اور ان دواؤں کا اثر قبول کرتے تھے۔ اب تو حالت مختلف ہے۔ بیشتر دوائیں بے اثر ہوگئی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انسان ایک سے ایک بڑھیا اور پراز تاثیر دوا بنالیتا ہے۔ یوں ایک دوا جب بے کار ہوئی، دوسری نے اس کی جگہ لے لی۔ لیکن تابہ کہ۔ جراثیم نے پہلے ایک دوا کو بے اثر کیا پھر دوسری کو۔ جو باقی رہ گئی ہیں، کچھ دنوں کے بعد وہ بھی غیر مؤثر ہوجائیں گی۔ کل کیا ہوگا؟ اس سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ کچھ پیش بینی اور پیش بندی کر لینی چاہیے۔ بالکل آنکھیں موند لینا دانشمندی نہیں۔ سائنس کی ترقی کا جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ وہ آنے والے کل کو بہت اہمیت دیتی ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو تحقیق و تفحص کا سلسلہ کب کا منقطع ہوگیا ہوتا۔ سو وہ جراثیم کے اس عجیب و غریب رویے سے قطعاً غافل نہیں وہ ان کے طرح دے جانے کے مضرات کو سمجھتی ہے اور پوری ذمہ داری کے ساتھ اصلاح احوال کے لیے کوشاں ہے۔

سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ جراثیم میں دفاعی نظام کی نوعیت کیا ہے اور وہ کام کس طرح کرتا ہے؟ اس کا کوئی معقول جواب مل جائے تو جراثیم سے نمٹنے کی سبیل کی یا سوچی جاسکتی ہے۔ جراثیم میں قوت مدافعت پیدا ہونے کے دو امکانات ہوسکتے ہیں۔ اولاً یہ کہ جراثیم اپنے طبعی خواص بدل دیتے ہیں یا یہ کہ ان کی تخلیق و نمو بے حد سریع ہوجاتی ہے کہ جیسے ہی پنسلین کے اثر سے کچھ جراثیم ہلاک ہوئے، اسی لمحے دوسرے جراثیم نے جنم لے لیا اور ان کی جگہ سنبھال لی۔ ان میں کوئی بھی صورت ہو جراثیم انٹی بایوٹک ادویہ سے بچنے کی راہ ڈھونڈ ہی نکالتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اب تک انسان نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ جب دیکھتا ہے کہ ایک دوا کا اثر زائل ہوگیا ہے تو فوراً دوسری دوا بنالیتا ہے۔ یہ سلسلہ چاہے ہمیشہ قائم رہے یعنی انسان خواہ مدت مدید تک عناصر فطرت کے خلاف برسرپیکار رہے اور قدرت کے اصولوں کو اپنی مرضی کے مطابق توڑتا موڑتا اور ڈھالتا رہے۔ تاہم اس ساری تگ و دو کی نتیجہ خیزی کا انحصار اس پر ہے کہ صحیح وقت پر یہ تعین ہوجائے کہ جراثیم میں قوت مدافعت پیدا ہوگئی ہے تاکہ اسی کے اعتبار سے دوا میں مناسب تبدیلی کی جاسکے۔ بظاہر یہ ممکن نظر نہیں آتا کہ ہسپتالوں میں یا ایسے مراکز میں جہاں تحقیق و تشخیص کے اسباب اور جدید سہولتیں میسر ہیں وہاں تو شاید اس باب میں کچھ کیا جاسکتا ہو لیکن عام آدمی گھر پر یہ سارا بکھیڑا کیسے مول لے۔ اگر نہیں لے سکے گا تو نئی دواؤں کا موجود ہونا بھی نافع نہیں ہوگا۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہسپتالوں میں جراثیم جس طرح قوت مدافعت کا مظاہرہ کرتے ہیں کہیں اور کم ہی کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ڈاکٹر اور جراح (سرجن) بہت پریشان ہیں۔ کچھ نہیں سوجھتا کہ کیا کریں کیا نہ کریں۔ کتنی بے بسی ہے کہ مرض کی تشخیص ہوجائے۔ دوا بھی موجود ہو لیکن شفا نہ ہو۔ مریض ایڑیاں رگڑتا رہے اور گھلتا رہے۔

جراثیم کی قوت مدافعت پیدا کیسے ہوئی۔ دو امکانات کا ذکر پہلے ہوا۔ ان کی تصدیق یا تردید ابھی نہیں ہوسکی۔ ایک نیا پہلو ضرور سامنے آیا ہے جو بہت حیران کن ہے۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ طویل تحقیق سے یہ عقدہ کھلا کہ جراثیم میں قوت مدافعت اگرچہ ایک جسمانی فعل ہے

مگر اس کی تحریک جراثیم کی ''دانش'' کرتی ہے۔ جیسے ہی ان میں سے کسی کو علم ہو کہ انہیں ہلاک کرنے کے لیے انٹی بایوٹک دوا کھائی گئی ہے وہ بلا توقف دوسرے ہم جنسوں کو اس کی اطلاع کرتا ہے یہ خبر ان میں متعدی مرض کی طرح پھیلتی ہے اور وہ حفاظتی تدابیر کرنے میں مگن ہو جاتے ہیں لیکن کیا مجال کہ اپنے اصل حریف کو نظر انداز کریں یا اس سے صلح صفائی کی سوچیں۔ وہ ہمہ وقت آمادہ جنگ و جدال رہتے ہیں۔ یعنی مرض کو بڑھاتے اور پھیلاتے ہیں اور انسان کو طرح طرح سے تنگ اور زچ کرتے ہیں۔ جب انسان انہیں دم نہ لینے دے اور آمادۂ پیکار رہے تو بھلا وہ اس کی جان بخشی کیوں کریں۔ جہاں اور جب داؤ چل گیا اپنا ہنر دکھا گئے۔

جب ایک دانشور جرثومے کو دوا کا اثر محسوس ہوتا ہے تو وہ فوراً اپنے پڑوسی کے کان میں سرگوشی کرتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ حفاظت کی فکر کرلو وہ بھی اطلاع دوسرے کو پہنچاتا ہے اور یوں سب جراثیم ہوشیار ہو جاتے ہیں اور اپنے اندر دوا کے اثر کو زائل کرنے کا جذبہ بیدار کر لیتے ہیں۔ ایک جرمن سائنس دان جیر ہارڈلیک نے ثابت کیا ہے کہ جب دو جرثومے ایک دوسرے کے پہلو میں لیٹے ہوں وہ آپس میں اطلاعات کا تبادلہ کرتے رہتے ہیں۔ سیدھے سادھے الفاظ میں تبادلہ خیال کرتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے وہ زبان کے محتاج نہیں۔ جس طرح وہ انسان کو بیماری میں مبتلا کرتے ہیں اسی طرح وہ اپنے ہم جنس کو خبر یا اطلاع میں مبتلا کرتے ہیں۔ یعنی ان کی اطلاع بھی بیماری کے وائرس سے کم نہیں ہوتی۔ بالکل وہی نوعیت ہوتی ہے۔ اطلاع کے تبادلے کا فعل جسمانی طور پر سرزد ہوتا ہے اس کا ایک ذریعہ جرثوموں کا باہمی جنسی تعلق ہے جو خطرے کا مقابلہ کرنے کے وقت ہی قائم ہوتا ہے اور خطرے کی موجودگی کا احساس (جراثیم میں) عام کرتا ہے۔

سائنس دان جراثیم کی مدافعتی اہلیت کی اہمیت جانتے ہیں۔ انہیں علم ہے کہ یہ بڑھی تو امراض کا دفعیہ ممکن نہ رہے گا۔ اس لیے وہ اس باب میں بہت مغز ماری کر رہے ہیں اور جراثیم کے مدافعتی نظام کا بغور مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اسی کے باعث بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ مثلاً ایک جرثومہ اپنے ہی گروہ کے جراثیم کو اطلاع نہیں دیتا بلکہ دوسری نسل کے جراثیم کو بھی خطرے سے آگاہ کر دیتا ہے۔

جرثومہ دوا کے اثر کی خبر دوسروں تک پہنچانے سے باز رہے تو بات بنتی ہے لیکن فطرت کا قانون کیوں کر بدلے۔ جرثومے بھی اس قانون کے پابند ہیں۔ وہ بھی جہد للبقاء میں گرفتار ہیں۔ بھول پن میں مار کھائی اور انسان پنسلین اور دوسری انٹی بایوٹک دواؤں کی ایجاد پر بہت اترایا۔ لیکن جیسے جیسے جرثومے کو ان کی ہلاکت خیزی کا احساس ہوا اس نے بچ نکلنے کی ترکیب ڈھونڈ نکالی۔ سائنس دان اب دو باتوں پر اپنی توجہ مرکوز کیے ہوئے ہیں۔ اوّلاً یہ کہ ایسا ماحول پیدا ہو جائے کہ اس میں جراثیم پروان ہی نہ چڑھیں۔ اس کے لیے صفائی کا ایک نہایت عمدہ انتظام کرنا لازم ہوگا۔ دوسرے جیسے ہی جراثیم ایک دوا کے اثر سے آزاد ہو جائیں، دوسری دوا ایجاد کر لی جائے۔ اسی سلسلے میں وہ ایک نسل کے جراثیم کو دوسری نسل کے جراثیم سے الگ رکھنے پر بہت زور دیتے ہیں کہ اگر ضرر رسانی کا سلسلہ مختلف نسلوں میں راہ پا گیا تو پھر اصلاح احوال کی کوئی صورت کارگر نہ ہوگی۔

جراثیم کے بغیر بھی زندگی ممکن ہے؟

کوئی سو سال پہلے لوئی پاسچر ((LOUIS PASTEUR (1822-1895) نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ کوئی انسان اور کوئی حیوان خواہ کتنا ہی صحت مند کیوں نہ ہو، جراثیم سے خالی نہیں ہے۔ لوئی پاسچر اپنے دور کا بہت بڑا محقق تھا۔ اپنے دعوے کے جواز میں بڑے وزنی دلائل لایا۔ تھوڑی سی حیص بیص کے بعد اس کا نظریہ تسلیم کر لیا گیا۔ اب تک اس نظریئے کی صحت محل نظر نہیں ٹھہری تھی۔ دیکھا جائے تو جدید طب کی بنیاد ہی اس نظریئے پر اٹھی ہے۔ جراثیم کا وجود اور اہمیت دونوں تسلیم کر کے ہی امراض کی تشخیص بھی ممکن ہے اور علاج کا خاکہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔

لوئی پاسچر (LOUIS PASTEUR) نے بڑے وثوق سے کہا تھا کہ کوئی جاندار جراثیم کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن یہ نظریہ اب غلط ٹھہرا ہے۔ سائنس دان ایسے چوہے، چوزے، تیتر اور دوسرے جانور پالنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جن کے جسم داخلی اور خارجی ہر اعتبار سے جراثیم سے پاک ہیں۔ یہ جاندار اپنے دوسرے ہم جنسوں کی طرح معمول کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ جراثیم سے مبرا ہونے کے باعث ان کو کوئی عارضہ لاحق ہو گیا ہو یا ان کے جسم کے وظائف و معمولات میں کسی قسم کا کوئی فرق رونما ہوا ہو۔ جراثیم سے پاک جانوروں کی پرورش سے چھوت کی ایسی بیماریوں کا مطالعہ اور تجزیہ آسان ہو گیا ہے جن میں صرف ایک ہی نوعیت کے جراثیم کارفرما ہوتے ہیں۔ اسی طرح بیمار انسانوں پر جراثیم سے پاک عمل جراحی کے لیے بھی راہ ہموار ہو گئی ہے۔

نوٹیرڈم یونیورسٹی کے ماہر جراثیم جیمز اے رینز نے جراثیم سے پاک جانور پالنے کا تجربہ کوئی تیں پینتیس برس پہلے شروع کیا۔ انہیں چند سال پہلے کامیابی حاصل ہوئی۔ رینز نے اپنی ایک الگ مکمل (لیبارٹری) قائم کر رکھی ہے۔ جہاں کئی ایسے جاندار پرورش پا رہے ہیں جو جراثیم سے آلودہ نہیں ہیں۔ رینز دوسری تجربہ گاہوں کو بھی ''بلا جراثیم'' جانور فراہم کرتے ہیں۔

جانور اسی صورت میں جراثیم سے پاک ہو سکتا ہے جب وہ پیدا ہوتے ہی جراثیم سے مبرا ہو۔ پرندوں کو ان کی پیدائش سے پہلے ہی جراثیم کی دست برد سے محفوظ کرنا قدرے آسان ہے۔ چوزوں پر اس کا تجربہ بہت کامیاب رہا ہے۔ انڈہ خول میں جراثیم سے محفوظ ہوتا ہے۔ اس کے خول کو باہر کی جانب سے بھی جراثیم سے پاک کیا جا سکتا ہے۔ انڈے کو پہلے ایک جراثیم کش محلول میں ڈالا جاتا ہے۔ پھر اسے انڈے سینے والی خاص طرز کی مشین میں بند کر دیا جاتا ہے۔ جب انڈے سے چوزہ نکل آتا ہے تو ایک ایسے برتن سے خوراک حاصل کرتا ہے جو ہر قسم کی آلائش سے پاک ہوتی ہے۔ چنانچہ اس تک کسی ذریعہ سے بھی جراثیم نہیں پہنچ پاتے۔

چوزوں سے بھی زیادہ جاپانی تیتر مفید ہیں۔ کیوں کہ یہ سات ہفتے کی عمر کو پہنچتے ہی انڈے دینے لگتے ہیں۔ جب کہ مرغی سات ماہ کی عمر کو پہنچ کر انڈے دیتی ہے۔ سو جاپانی تیتروں کی تعداد بڑھانے میں آسانی رہتی ہے۔ البتہ چوپایوں کو جراثیم سے پاک کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ خصوصاً اس صورت میں کہ ان کی پیدائش کے لیے ایسا انتظام کرنا ضروری ہے کہ وہ رحم مادہ سے نکلنے کے بعد جراثیم سے بالکل محفوظ رہیں۔ اس کے لیے عموماً یہ طریقہ برتا جاتا ہے کہ جب کسی جانور کے بچہ پیدا ہونے کا وقت قریب آتا ہے تو اسے بے ہوش کر دیا جاتا ہے۔ پھر اس کے پیٹ کو جراثیم سے پاک کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں دو ٹینکیاں لی جاتی ہیں جو ایک بڑے سے پائپ کے ذریعے ملی ہوتی ہیں اور بڑی پھرتی کے ساتھ بچے کو درمیانی پائپ کے ذریعے دوسری ٹینکی میں پہنچا دیتے ہیں۔ ٹینکی میں نومولود بچے کے لیے جراثیم سے پاک غذا کا انتظام ہوتا ہے اس طرح وہ ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی جراثیم کے اثر سے محفوظ ہو جاتا ہے اور ایک صاف ماحول میں پرورش پانے لگتا ہے۔

جراثیم سے محفوظ بندروں کی پرداخت خاصی مشکل ہے ان کو مقررہ طریقے سے کھلانا پلانا اور عرصے تک یہ عمل جاری رکھنا دقت طلب اور صبر آزما ہے۔ البتہ سؤر کی پرورش آسان ہے وہ آنکھیں کھولے ہوئے پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں غذا کھلانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ وہ چھ ہفتوں میں اتنا حجم حاصل کر لیتے ہیں کہ ان کا آسانی سے اپریشن ہو سکتا ہے اور امراض کی تشخیص و تفہیم کے سلسلے میں تحقیق کی جا سکتی ہے۔

چھوٹے جانور مثلاً چوہے وغیرہ جراثیم سے پاک ٹینکیوں میں چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور وہیں ان کی افزائش نسل کا اہتمام ہوتا ہے۔

انسانی امرض کا مطالعہ کرنے کے لیے جب ڈاکٹر والڈ ایل نیوٹن کی قیادت میں ایک تحقیقاتی جماعت نے جراثیم سے مبرا جانوروں پر تجربے کیے تو پتہ چلا کہ پیچش کے جراثیم اس وقت تک معدے میں پرورش نہیں پا سکتے جب تک کہ وہاں بکٹیریا موجود نہ ہوں۔ تجربے سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی ہے کہ اگر جراثیم سے پاک جانور کو عام جانوروں کے کمرے میں چھوڑ دیا جائے تو وہ چھوت میں مبتلا ہو کر ۴۸ گھنٹے کے

اندر مر جائے گا۔ لیکن ایک بات بڑی تعجب خیز ہے کہ چوہوں میں سے صرف پچاس فی صد مرتے ہیں۔ جراثیم سے صاف چوہے اور چوزے ان کے مخصوص ماحول سے نکال کر عام چوہوں اور چوزوں میں چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ یوں ان پر (ایک طویل عرصہ تک جراثیم سے محفوظ رہنے کے بعد) جراثیم کے اثرات دیکھے جاتے ہیں۔ اسی نوع کے تجربات انسانی امراض کو سمجھنے میں مدد ہوں گے۔ مثلاً یہ معلوم ہو سکے گا کہ جب فوجی سپاہی دوسرے ملکوں میں جاتے ہیں تو ان میں سے بعض پر ان ملکوں کی بیماریوں کا حملہ اس قدر شدید کیوں ہوتا ہے کہ وہ جانبر نہیں ہو سکتے اور بعض معمولی سے بیمار رہنے کے بعد بھلے چنگے کیسے ہو جاتے ہیں؟

جراثیم سے محفوظ اور آلودہ نہ ہونے کا راز معلوم ہو جائے اور اس کے مطابق انسان کی حفاظت کا اہتمام ہو سکے تو جراحت کے سلسلے میں بھی بڑی مدد ملے گی۔ اس وقت ہر ممکن احتیاط کے باوجود ایک بھی اپریشن ایسا نہیں ہوتا جس کے سلسلے میں یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ اس میں مریض کا زخم جراثیم سے آلودہ نہیں ہوا۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ جراحت کے بعد اکثر و بیشتر اموات محض جراثیم سے اور ان سے لگنے والے چھوت کے امراض کے سبب ہوتی ہے۔ ماہرین طب کا خیال ہے کہ جانوروں کی طرح عام انسان بھی جراثیم سے پاک پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس ضمن میں عملی تجربے سے قبل جانوروں پر طویل تجربے اور گہری تحقیق کی ضرورت ہوگی۔ (روز نامہ امروز لاہور)

ایلوپیتھی کے متعلق غلط فہمی

تمام دنیا اور خصوصاً پاک ہند برصغیر میں یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ایلوپیتھی (یورپی طب) کی بنیاد یونانی طب پر ہے۔ اور ایلوپیتھی طب یونانی کی بیٹی اور اس کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ ایسا خیال کرنا غلط ہے اور یہ نظریہ حقیقت وصداقت سے سے قطعاً خالی ہے کہ ایلوپیتھی یونانی طب کی ترقی یافتہ صورت (Progressive Form Condition) ہے بلکہ دونوں میں بعد المشرقین ہے دونوں کے قواعد، قانون، نظریات، شکل وصورت اور عمل وغیرہ بالکل جدا جدا اور مختلف ہیں۔ یہ کسی زمانہ میں ایک نہیں ہوئے اور نہ کبھی ایک ہو سکتے ہیں۔ جو لوگ ان کو ایک سمجھتے یا ان کو ایک کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا آئندہ ایک کرنا چاہتے ہیں وہ بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ دو مختلف اصول اور نظریات ایک نہیں ہو سکتے۔ دو مختلف راہیں ایک نہیں کہلا سکتیں اور دو مختلف مذاہب ایک نتیجہ پیدا نہیں کر سکتے۔ اگر چہ دونوں کا عمل ایک ہی مقصد کو حاصل کرنا ہو۔ جب دونوں کے طریق کار جدا جدا ہیں تو نتائج بھی الگ الگ ہوں گے۔ جب ان دونوں طریقہ ہائے علاج میں کوئی بات بھی مشترک نہیں تو پھر دونوں ایک کس طرح ہوئے اور ایک دوسری کی ترقی یافتہ صورت اور ارتقائی حالت کیسے ہو سکتی ہے؟

اس امر میں شک نہیں کہ طب یونانی اور یورپی طب دونوں طریق کا نام علاج بالضد (Allopathy) ہے۔ یعنی ہر مرض، حالت اور علامت کا علاج اس کی ضد سے کیا جائے یا زمان ومکان کی ترقیات کو نظر انداز کرنے سے دونوں کی ایک ہی شکل نظر آتی ہے۔ تاریخ بھی بظاہر دونوں کا ایک ہونا ظاہر کرتی ہے۔ لیکن جب تاریخ طب کا محققانہ مطالعہ کیا جائے تو یہ تمام مغالطے دور ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً جب ایک محقق تاریخ طب کا وہ باب مطالعہ کرتا ہے۔ جب یورپ ہسپانیہ کی درسگاہوں میں اسلامی علوم وفنون اور حکمت ورشد کی روشنی حاصل کر کے گمراہی اور جہالت کی حالت سے نکل کر علمی وعملی زندگی میں قدم رکھ رہا تھا۔ مگر قومی اور مذہبی تعصب کے زیر اثر اسلامی علوم وفنون اور حکمت ورشد سے فرار کی راہ نکال رہا تھا۔ گویا اس تعصب کے باعث فطرت اس کو ایک گمراہی، تاریکی اور جہالت سے نکال کر ایک دوسری گمراہی اور تاریکی میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ اسلامی علوم وفنون کے ساتھ تعصب رکھنے کے باعث ہر علم وفن اور حکمت ورشد کے بنیادی اصولوں کو بھی نظر انداز کر بیٹھا اور اس نے اپنے لیے ایک جدید راہ عمل اختیار کر لی۔ اسی تعصب کے باعث وہ بے علمی وغفلت میں قوانین ارتقائے علوم وفنون کی اہمیت کو بھی نظر انداز کر بیٹھا اور پھر صدیوں کے لیے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے لیے میدان میں آ گیا۔ بالکل ایسے جیسے کوئی آدمی جہاز والوں سے ناراض ہو کر اندھیری رات میں جہاز سے سمندر میں چھلانگ لگا دے اور یہ خیال کرے کہ وہ جہاز کی حالت سے بہتر رہے گا بلکہ اس سے پہلے منزل مقصود پر پہنچ جائے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یورپ نے اپنی اسی جدوجہد میں سینکڑوں نئے قوانین دریافت کیے کیونکہ جدوجہد کا ثمرہ ضرور ملتا ہے۔ لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو یہ قوانین پہلے ہی اسلامی علوم وفنون اور حکمت ورشد میں موجود ہیں اور جو قوانین ان کے خلاف اخذ کیے گئے ان سے بعد میں بعد از خرابی بسیار دست بردار ہونا پڑا۔ اور بھی بے شمار قوانین اور قواعد اسلامی دور تہذیب کے باقی ہیں۔ جہاں تک یورپ کی رسائی نہیں ہوئی۔ الغرض یورپ کا وہ دور خاصہ اہم ہے جب وہ اسلامی تہذیب وتمدن، علوم وفنون، حکمت ورشد اور طب وفلسفہ سے برگشتہ ہو کر اس کی کتب جلا رہا تھا اور ان کے خلاف نفرت کی آگ پھیلا رہا تھا۔ یہی غلط اور نفرت انگیز روش علم طب اور فن علاج کے ساتھ بھی اختیار کی گئی۔ جس کی

تفصیل آئندہ صفحات میں بیان ہوگی۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ نے صدیوں کے ارتقائی اصولوں کو نظر انداز کر کے جو خود ساختہ قانون بنائے وہ اکثر بے بنیاد نکلے اور فن کا ساتھ نہ دے سکے اور تقریباً ہر نصف صدی کے بعد بدلتے رہتے ہیں۔

طب کی ارتقائی ترقی

یونانی طب نے اسلامی دور میں بے حد ترقی کی ہے اس لیے بعض لوگ اس کو اسلامی طب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔لیکن درحقیقت طب نہ یونانی ہے اور نہ اسلامی بلکہ یہ ایک ایسا علم ہے جس سے حالاتِ بدن سے آگاہی ہوتی ہے۔اس کی غایت صحت جسمانی کو قائم رکھنا اور وہ مبتلائے مرض ہو جائے تو صحت کی طرف لوٹانا ہے۔یہ تمام نام اضافی ہیں اور بعد کے زمانوں میں ان زمانوں کی یاد اور تاریخ کے طور پر ان کو ان ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ہر نام اپنے اندر مختلف اصول رکھتا ہے۔اس لیے ان کو طب یونانی، طب یورپی، طب ہندی وغیرہ کی بجائے یونانی طب کے اصول' یورپی طب کے اصول اور ہندی طب کے اصول کی صورت میں جاننا چاہیے لیکن اس امر کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے کہ علم طب ایک واحد علم ہے اور اس کا موضوع صرف زندہ جسم (جس میں انسان کے ساتھ حیوان اور نباتات بھی شریک ہے) ہے اور غایت حفظ صحت اور علاج ہے۔البتہ مختلف ازمنہ اور ادوار میں اس کی غایت کو زیادہ نفع بخش بنانے کے لیے اس کے اصولوں اور قوانین میں تدوین و اضافہ تحقیق و تجدید اور ترمیم و تنسیخ ہوتی رہی لیکن مقصد یہی رہا کہ صحت، طاقت، جوانی بلکہ زندگی کو ہمیشہ قائم رکھا جائے۔ہر زمانے اور دور کے اصولوں اور طریق علاج کا ایک مختلف نام پڑ گیا۔اس لیے جب ہم کہتے ہیں طب یونانی یا ہندی طب یا یورپی طب تو ہمارا مقصد ان کے اصول و طریق کا بیان کرنا ہوتا ہے۔لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ علم طب ہی جدا جدا ہیں یا ان کا موضوع اور غایت مختلف ہیں۔اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے مذاہب کہ ہر زمانے اور دور میں جدا جدا اصول و قوانین لے کر پیدا ہوئے لیکن ان سب کا مقصد ایک ہی ہے کہ انسان اس دنیا میں بہتر طریق (اصول فطرت اور عقل) پر زندگی گزارے تاکہ موت کے بعد نجات ہو۔جس مذہب کے اصول عقل و فطرت کے مطابق ہوں گے اس میں زندگی کی خوش حالی اور نجات کا تعین تسلی بخش ہوگا۔بالکل یہی اصول اور طریق کار ہر طب اور طریق علاج میں پایا جاتا ہے کہ جس طب اور طریق علاج کے قواعد، اصول اور قوانین فطرت اور عقل کے مطابق یا زیادہ قریب ہوں وہی طریق علاج یا طب دوسری طبوں سے بہتر اور افضل ہے۔آئندہ چل کر ہم اس پر بحث کریں گے کہ فطرت اور عقل کے مطابق علاج کس قسم کا ہونا چاہیے جو ایک عام انسان سے لے کر ایک ذہین آدمی تک قابل قبول ہو سکے۔

ایلوپیتھی کی ابتدا

کرنل بھولا ناتھ اپنی کتاب علم و عمل کے صفحہ ۶۱ پر تحریر کرتے ہیں ''اہل عرب کی علمی ترقی کا سورج جس کی شعاعوں نے فرنگستان کے دار العلوموں کو کئی صدیوں تک منور رکھا، ہسپانیہ کے زوال کے ساتھ غروب ہوتا ہے۔سپین کے عیسائیوں کا جب عربوں اور موروں کے ساتھ میل جول ہونے لگا اور انہوں نے مشرقی تہذیب اور ترقی کو دیکھا تو ان کے دل میں بھی تحصیل علم کا شوق پیدا ہوا''۔آگے چل کر لکھتے ہیں ''مقام ملاتو جنوبی اٹلی میں پادریوں نے ایک یونیورسٹی بنائی تھی جس میں طبابت بھی جزوی طور پر سکھائی جاتی تھی۔مگر علاج کا دارومدار ابھی تک پرانے اصولوں اور طریقوں (اسلامی طب) پر ہوتا تھا۔۱۳۰۰ء میں مان پیلے ار'' میں ایک شفا خانہ قائم کیا گیا جہاں پر بیماریوں کی علامات کا مشاہدہ اور دواؤں کا امتحان باقاعدہ طور پر کیا جانے لگا۔شاہ فریڈرک دوم نے ۱۳۳۱ء میں فرمان شاہی جاری کیا تھا کہ مقام سلانو میں پانچ سال میں ایک بار آدمی کی لاش تشریح سیکھنے کی غرض سے چیری جائے اور اس کی مملکت کے تمام اطباء اور حکماء اس موقع پر حاضر ہوں۔

اس کے بعد حکام سلطنت وئنیس نے بھی اس قسم کے احکام جاری کیے''۔ زمانہ دراز تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اہل یورپ اہل عرب کی شاگردی پر فخر کرتے رہے اور ان کی درسگاہوں سے سیکھ کر اپنے ملک میں انہی کے اصولوں پر علاج کرتے رہے۔ شاہی درباروں میں عربی اطبا پسند کیے جاتے اور یورپی اطبا اور حکیم بھی وہی لباس پہننا باعث صد عزت خیال کرتے تھے۔ آگے چل کر کرنل موصوف لکھتے ہیں ''فلسفہ میں ابن رشد کی کتابوں اور شرحوں نے ارسطالیس کو معلم اوّل بنا دیا تھا اب طب میں جالینوس، بقراط اور ابن سینا کے کمال کا ڈنکا یورپ کے دارالعلوموں میں بجنا شروع ہوا۔ بہت عرصہ یہ سلسلہ بھی جاری رہا۔ عربی کتب کے یورپ کی مختلف زبانوں میں ترجمے کیے گئے۔ بلکہ ان کی شرحیں لکھی گئیں۔ ان کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہوئے اور ہر ملک نے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا۔ اس کے بعد کرنل موصوف کے لفظوں میں ''یورپ والوں کو یہ سوجھی کہ بجائے عربی ترجموں کے حکمائے سلف کی اصلی تصانیف کی تلاش کرنی چاہیے چنانچہ حکمائے یونان اور رؤسا کے پرانے نسخے مدفون اور معبد کے تہ خانوں میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے گئے اور علم تشریح اور افعال الاعضاء کو از سرنو تازہ کیا گیا۔ سب سے پہلا باقاعدہ تشریح دان (........) گزرا ہے۔ یہ شخص پیڈوا مقام انگی کا رہنے والا تھا اور اس کی پیدائش کی تاریخ ۳۱ر دسمبر ۱۵۱۹ء ہے۔ اس نے فرانس اور اٹلی کے دارالعلوموں میں تعلیم پا کر تشریح کی ایک نہایت خوبصورت کتاب مسمی ''داہیو مینائی کارپورس نابریکا'' تصنیف کی جو اب تک پرانے کتب خانوں میں پائی جاتی ہے۔ اسی حکیم نے سب سے پہلا ''ریفائی ننگ'' کا جراحی عمل ''شاہ دوم کارلو'' پر کیا۔ مدت تک یہ سلسلہ بھی چلتا رہا اور عربی تراجم و شرح کے ساتھ ساتھ تالیفات و تصنیفات کی بھی کثرت ہوگئی۔ بعض مقامات پر طبی درسگاہیں اور ہسپتال بھی قائم ہوگئے۔ اس کے بعد ایک زبردست انقلاب آ گیا۔

ایلوپیتھی میں تعصب کی ابتداء

یورپ کے علمی ترقی کے پہلے دور میں عربی طب کو اپنایا گیا۔ عربی طبی کتب کے تراجم و شرح لکھی گئیں۔ انہی اصولوں پر درسگاہیں اور علاج میں بھی وہی طریق اختیار کیا گیا۔ دوسرے دور میں یونانی طب کی اصل کتب کی تلاش۔ ان کے تراجم اور تفاسیر لکھی گئیں۔ پھر تیسرا دور شروع ہوا۔ اور یہ دور علم و فن کے لیے انتہائی خطرناک تھا۔ ملک بھر میں ایک انقلاب پیدا ہوگیا۔ عربی طب سے نفرت اور انتہائی تعصب پیدا ہو گیا۔ اس انقلاب نے جس کے نفسیاتی اثرات بہت گہرے ہیں۔ ملک بھر میں عربی طب کے خلاف انتہائی نفرت اور تعصب پیدا کر دیا۔ چونکہ علم و فن میں نفرت اور تعصب بے معنی شے ہے اس لیے ایلوپیتھی اپنے صحیح ارتقائی راستہ سے ہٹ کر غلط راستہ پر گامزن ہوگئی۔ کرنل موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں ''اس کے بعد حکیم پیرسلوس (۱۴۹۰ء تا ۱۵۴۱ء) نے اعلانیہ طور پر حکمائے سلف کے مسائل کے ساتھ اختلاف ظاہر کیا۔ اس کے علم و کمال میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ مگر اس میں بھی شک نہیں ہوسکتا کہ وہ شخص خود پسند اور کسی قدر خبطی تھا۔ اپنے علم کے زعم میں اس نے جالینوس اور ارسطو کی کتب کو اپنے شاگردوں کے سامنے پبلک میں جلا دیا۔ ایک تو پیراسلوس کی سرکشی نے جالینوس اور ابن سینا کی توقیر کو بہت کچھ گھٹا ڈالا تھا۔ اس کے اوپر پندرھویں صدی میں چند ایک بیماریاں اس قسم کی نمودار ہوئیں جن کا ذکر پرانی کتب میں نہ تھا۔ مثلاً آتشک، طاعون اور رکٹس وغیرہ''۔ از کرنل بھولا ناتھ۔

ایلوپیتھی کی بنیادی غلطی

عربی طب یا یونانی طب کے خلاف نفرت و تعصب اور مظاہرے کرنل موصوف کے بیان کے مطابق پیراسلوس کے خود پسند اور خبطی قسم

کے انسان ہونے کا نتیجہ تھے۔ اور نئے امراض کی نمود کوئی اہم بات نہ تھی۔ کیونکہ طب عربی میں علم العلاج اور علم الامراض کے تحت جہاں امراض و علاج کو انفرادی طور پر بیان کیا گیا ہے وہاں اجتماعی طور پر کلی قوانین بھی بیان کر دیئے گئے ہیں تاکہ جو امراض اور علامات علم العلاج والامراض میں مذکور نہ ہوں، ان کا بھی علاج کیا جا سکے۔ اس سلسلہ میں کلی قوانین میں ایک طویل اور مفصل بحث موجود ہے۔ حکیم پیراسلوس اور اس قسم کے دیگر اطباء کو نفرت و تعصب نے اندھا کر دیا تھا اور نہ وہ علم و فن کا کوئی خاص فاضل تھا، ورنہ آج بھی عربی طب میں مندرجہ بالا امراض کا علاج احسن طریق پر کیا جا سکتا ہے اس کے ساتھ یہ امر بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ یورپ تک جو کتب و تعلیم پہنچی وہ زیادہ تر ہسپانیہ کے مدرسہ فکر کا نتیجہ تھی۔ لیکن اس علم و فن کا بہت بڑا خزانہ مشرق وسطیٰ میں پایا جاتا تھا جس میں ان دنوں بغداد کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ اس مدرسہ فکر میں ایسے ایسے حکماء پیدا ہوئے جن کا جواب آج بھی دنیا پیش نہیں کر سکتی۔ جن میں شیخ الرئیس ابن سینا۔ ذکریا، رازی اور فارابی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس زمانے کی یہ اولین غلطی تھی کہ عربی علم طب و فن کو نہ صرف بنیادی طور پر نظر انداز کر دیا گیا۔ بلکہ تعصب و نفرت کے ساتھ اس کو نذر آتش کرنے کی حماقت کی گئی۔ اس زمانے کے انقلاب کی وجوہات پر تبصرہ کرتے ہوئے کرنل موصوف لکھتے ہیں ''حکیم گلیلیو کی تحقیقات اور بیکن نے علوم و فلسفہ کو پرانی کٹھالیوں میں سے نکال کر نئے سانچوں میں ڈھال دیا تھا۔ کپلر، کوپرنیکس اور نیوٹن کی تحقیقات نے اس کی عالیشان عمارت کو منہدم کر کے نئے آسمان اور نئی زمین کی بنیاد ڈالی۔ اسی زمانہ میں نئی دنیا نے نیا جلوہ دکھایا۔ میگیلن نے زمین کے گرد سفر کر کے ثابت کر دیا کہ زمین کروی شکل ہے مسطح نہیں۔ ڈالٹن نے ظاہر کیا کل مادی مکنونات چھوٹے چھوٹے اجزاء سے ترکیب پائے ہوئے ہیں اور اس کا نام ایٹم یعنی جز ولا یتجزیٰ رکھا۔ اسی طرح پروفیسر بیلولٹس کے عجیب و غریب تجارب و امتحانات کے زور سے ہر کسی کو ماننا پڑا کہ مادہ اور قویٰ دائم اور باقی ہے۔ یہ کسی صورت میں نیست نہیں ہو سکتے۔ ادھر ڈارون کے نظریہ کے مطابق ارتقائے قوانین کے آگے کل موجودات اور موالید ثلاثہ کو سر جھکانا پڑا۔ غرضیکہ ہر عالم اور فلسفی اس بات کا قائل ہو گیا کہ کل مکنونات پر ایک ہی قانون جاری ہے اور سارے علوم و حکمت میں یگانگت اور اتحاد ہے''۔

کرنل موصوف نے مندرجہ بالا جن تحقیقات اور اختراعات و ایجادات کا تذکرہ کیا ہے۔ اگر وہ اس وقت زندہ ہوتے تو دیکھ لیتے کہ ان میں سے اکثر جدید تحقیقات غلط ثابت ہو گئی ہیں۔ اور بعض اختراعات جن کو یورپین لوگوں کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ وہ عرب لوگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ جیسا کہ سائنس کا ہر طالب علم جانتا ہے اور آئندہ چل کر ان کی حقیقت کو اچھی طرح واضح کیا جائے گا۔

البتہ یہ جان لینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ ایجاد و اختراع دو جدا جدا چیزیں ہیں ایجاد تحقیقات کا نتیجہ ہے جو قدیم معلومات سے وجود میں آتا ہے اور اکثر قدیم علوم و فنون سے اس کا تعلق ہوتا ہے چاہے قاعدے اور اصول بدل جائیں لیکن اس کا اشارہ اسی علم و فن کی طرف ہی ہوتا ہے جس میں یہ ایجاد اور جدید تحقیق ہوئی ہے۔ جیسے علم الابدان ایک علم ہے لیکن اس کو جن زاویوں سے دیکھا جائے گا وہ اس کے مختلف نظریات ہوں گے اسی طرح فن علاج میں مختلف طریق علاج ہیں اور ان میں سے ہر ایک نے کسی حقیقت پر بنیاد رکھی ہے اور جو حقیقت فطرت کے زیادہ قریب ہے وہ قانون بن جاتی ہے۔

اختراع کسی بالکل نئی شے یا مظہر فطرت کا علم حاصل ہونا ہے۔ یہ چیزیں زمانے کے ساتھ ساتھ انسانی طلب سے معلوم ہوتی رہتی ہیں۔ جیسے پہیے کی اختراع اچانک ظہور میں آجاتی ہے۔ ایکس ریز (X-Rays) کا علم اچانک اور خود بخود ہو گیا۔ یہ اختراعات بھی جدید تحقیقات اور ایجاد کی طرح اس وقت تک زمانے کا ساتھ دیتی ہیں جب تک کوئی نئی اختراع کا ظہور نہ ہو۔ جب کوئی نیا قانون، اصول اور ایجاد و اختراع وجود میں آجاتی ہے جو پہلے کی نسبت زیادہ مفید اور فطرت کے قریب ہو تو گذشتہ ایجادات و اختراعات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس

طرح زمانے میں ہزاروں اصول و نظریات بلکہ قاعدے اور قوانین اور سینکڑوں ایجادات واختراعات ختم ہوگئیں یا ان کی شکل وصورت ارتقاء کی منزلیں طے کر گئیں، دراصل انسان اپنی ضرورت دیکھتا ہے اور اس کے مطابق شے یا قانون طلب کرتا ہے اور پھر جدو جہد کرتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔

ایلوپیتھی کی اوّلین غلطی

ظاہر میں تو ایلوپیتھی نے تجدید و تحقیق اور اصلاح واضافہ کی طرف قدم بڑھایا اور علم طب کے ہر شعبہ میں جدت وتحقیق شروع کر دی مگر جلد بازی اور شوق ترقی میں علم طب کے بنیادی قوانین کو نظر انداز کر دیا۔ چنانچہ جہاں پر انہوں نے تحقیقات کے جوش میں امور طبعیہ (Essential Laws of Physics) کو اپنی تحقیق کا زاویہ نگاہ بنایا اور اس پر سالہا سال تک دادِ تحقیق دی۔ اور اس میدان میں بہت سی مفید معلومات بھی بہم پہنچائیں لیکن حقیقت کو اپنے قبضہ میں نہ رکھ سکے اور ان امور طبعیہ کو نظر انداز کر دیا۔ یہاں تک تو خیر کوئی بات نہ تھی کہ کسی اصول کو غلط سمجھ کر چھوڑ دیا جائے۔ البتہ یہ ضرور مناسب تھا کہ اس کی جگہ پوری کرنے کے لیے کوئی قواعد وقوانین اور اصول بھی مقرر کیے جاتے۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا اور یہ ایلوپیتھی کی اوّلین غلطی تھی۔

جاننا چاہیے کہ امور طبعیہ ایسے قوانین کا مجموعہ ہے کہ ان میں سے اگر ایک کی بھی نفی کر دیں تو ہم انسانی زندگی کو قائم نہیں رکھ سکتے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایک طرف ان قوانین کا انسانی زندگی کے ساتھ لازمی تعلق ہے اور دوسری طرف ان کا گہرا تعلق کائنات کے ساتھ ہے۔ گویا ان قوانین کو زندگی اور کائنات سے ہم آہنگ کر دیا گیا ہے۔ یہ قوانین تعداد میں سات ہیں: ❶ ارکان (Fundamental Elements) ❷ مزاج (Tempartament) ❸ اخلاط (Blood Compound) ❹ ارواح (Spirits) ❺ قویٰ (Vital Force) ❻ اعضاء (Organs) ❼ افعال (Actions)۔

ہر صاحب علم وعقل دیکھ سکتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اور اگر کسی ایک کو ترک بھی کیا جائے تو اس کی جگہ کوئی دوسرا قانون مقرر کیا جانا ضروری ہے لیکن مغربی طب نے ان سب کو یک قلم چھوڑ دیا اور ان کے قائم مقام کوئی قوانین واصول مرتب نہیں کیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی اور کائنات کی ہم آہنگی کی صورت ختم ہوگئی اور مغربی طب چند بے ربط، بے جوڑ اور غیر منظم نظریات کا مجموعہ ہو کر رہ گئی۔ یعنی جس کسی نے بھی علم طب میں کوئی تحقیق شروع کی اور اس میں بہت کچھ حاصل بھی کیا۔ لیکن یہ جاننے کی کوشش نہ کی کہ اس کا زندگی کے اہم مسائل خصوصاً امور طبعیہ کے ساتھ کیا تعلق ہے اور زندگی اور کائنات کو کہاں تک ہم آہنگ کرتی ہے۔ مثلاً ایک شخص اٹھتا ہے اور عناصر پر تحقیقات کرنے کے بعد یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ چار نہیں بلکہ زیادہ ہیں اور یہ ہوا پانی اور مٹی مفرد نہیں بلکہ مرکب ہیں۔ ہم اس کو تسلیم کر لیتے ہیں لیکن ان چار عناصر کا جو تعلق انسان کے ابتدائی خمیر سے تھا اور جس پر اس کے مزاج اور صحت کی عمارت قائم تھی وہ ختم ہوگئی۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انسان کے اسی مزاج کو کائنات کے مزاج سے جو تطبیق دی گئی تھی اس کا تصور بھی ختم ہوگیا مثلاً کائنات میں جو بھی موسم ہوتا ہے ہم اس کی گرمی، سردی، خشکی اور تری کے اثرات کو انسان پر یقینی سمجھ لیتے ہیں اور ہر موسم کی بیماریاں اس کے اثرات کے ماتحت ہوتی ہیں۔ اسی طرح جو کائنات کے ان عناصر سے جتنا زیادہ قریب ہے، اتنا ہی ان سے متاثر ہے مثلاً کوئی میدانی علاقے کا باشندہ ہے۔ کسی کو سمندر کا قرب حاصل ہے اور کوئی پہاڑ پر اپنی زندگی گذارنے پر مجبور ہے یا کوئی شہر میدانی علاقہ میں واقع ہے جہاں سخت گرمی پڑتی ہے اور کوئی شہر پہاڑ کے دامن میں اور کوئی سمندر کے کنارے آباد ہے تو یقینی امر ہے کہ ان عناصر کا فرد اور اجتماع دونوں پر اثر پڑے گا۔

اب ہم ان عناصر کے قانون کو بدلتے ہیں اور چار کی بجائے سو مقرر کرتے ہیں اور جسم انسان میں چودہ مقرر کرتے ہیں اور اس کو صحیح بھی فرض کر لیتے ہیں۔ لیکن اب بتایئے کہ ان کو زندگی اور کائنات سے کیسے تطبیق دیں۔ موسم کے اثرات کو کس طرح سمجھیں، علاقائی قرب کا اندازہ کیسے لگائیں۔ انفرادی طور پر جب کسی پر کیفیات کا اثر ہو یا اس کے مزاج میں خرابی پیدا ہو تو ان کا کیسے اندازہ لگائیں۔ ایک شخص سردی سے متاثر ہوتا ہے تو یہ کیسے معلوم کریں کہ یہ سردی پانی کے اثرات کا نتیجہ ہے یا سرد ہوا کا نتیجہ ہے اور پانی کے استعمال سے جو تکلیف ہو تو اس بات کا پتہ کیسے چلے کہ اس شخص کو پانی کی ہائیڈروجن تکلیف دے رہی ہے یا آکسیجن نقصان پہنچا رہی ہے۔ اسی طرح انتہائی گرمی بھی ضعف قلب پیدا کر کے دل کی رفتار کم کر دیتی ہے اور انتہائی سردی بھی قلب کو ٹھنڈا کر کے اس کی رفتار سست کر دیتی ہے۔ اب ان امور کا اندازہ کیسے لگایا جائے۔ نقص تو یہ ہے کہ یورپ میں زیادہ تر سردی پڑتی ہے۔ وہاں پر جب کسی کو غشی یا دل گھٹنے کا دورہ پڑتا ہے وہاں فوراً سپرٹ امونیا ایرومیٹک اور دیگر اسی طرح کی گرم و تیز مقوی قلب دوائیں استعمال کرتے ہیں۔ لیکن گرم ملک میں جب ایک شخص کو گرمی سے ضعف قلب ہو جاتا ہے تو یہ ادویات بجائے آبِ حیات کے زہر قاتل ثابت ہوتی ہیں۔

اسی طرح ہوا بھی کئی عناصر سے مرکب ہے اور کوئی آدمی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ اس وقت کاربن نقصان پہنچا رہی ہے یا نائٹروجن باعث تکلیف ہے یا ہوا اور پانی کے اندر کوئی دوسرا زہر اثر کر چکا ہے جو باعث تکلیف ہے۔ بہرحال اس سے زندگی اور کائنات کے طبعی تعلق سے انسان خالی الذہن ہو جاتا ہے۔ جب یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ گرمی اور سردی کا انسان پر اور کائنات پر یقینی اثر ہے اور علاج کے دوران میں بھی ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ نمونیا کے مریض کے لیے اس کمرے کا درجہ حرارت گرم کرنا پڑتا ہے اور محرقہ بخار کے مریض کے ماحول کو سرد کرنا پڑتا ہے۔ آخر کیوں؟ اگر یہ مسلمہ حقیقت ہے تو مزاج کو تسلیم کرنا پڑے گا اور انسان اور کائنات کے مزاج کو تطبیق دینا پڑے گی اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں علاج میں خرابیوں اور ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

اگر جسم انسان کے اندر جو چودہ عناصر ہیں ان کو چار عناصر کی جگہ اپنایا جائے تو اوّل تو ہم کو انسان کے اندر چار امزجہ کو چھوڑنا پڑے گا۔ یہ تو خیر کوئی بات نہیں لیکن ان چودہ امزجہ کو کائنات کے ساتھ کیسے تطبیق دی جائے گی جبکہ کائنات میں ایک طرف چار چار موسم ہیں اور دوسری طرف سو سے زائد عناصر معلوم ہو چکے ہیں۔ مغربی طب نے اس مسلمہ حقیقت کو چھوڑ کر فن علاج پر جو ظلم کیا ہے اس کی تلافی ناممکن ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ عناصر کی طرح دیگر طبعی امور کو بھی اسی طرح نظر انداز کر دیا ہے۔ ان کی مزید تشریح آئندہ صفحات میں بیان کریں گے اور ثابت کریں گے کہ ان کے بغیر کوئی علاج ممکن نہیں اور ہر ایسا علاج غیر علمی اور عطائیانہ ہے بلکہ علم طب پر ایک بدنما دھبہ ہے۔

یونانی طب اور آیورویدک میں بھی بہت سے ایسے اصول ہیں جن کو غلط کہا جا سکتا ہے لیکن ان کے بنیادی قوانین اور قاعدے ایسے ہیں کہ وہ سب کے سب ایک نظام کے ساتھ مربوط ہیں اور اس نظام کی کسی ایک کڑی کو بھی نکال دینے سے وہ سارا سلسلہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ ہومیوپیتھی، بائیوکیمک بلکہ کسی دوسری چھوٹی بڑی طب کو بھی دیکھا جائے تو اس کے بھی چند بنیادی قوانین و قواعد ہیں جن کے تحت اس کا فن علاج ترتیب دیا ہوا ہے۔ انہی بنیادی اصولوں کے تحت تشخیص ہوتی ہے اور انہی کے ماتحت علاج کیا جاتا ہے۔ مثلاً ہومیوپیتھی میں اصول علامات کو اختیار کیا گیا ہے۔ یعنی ہر مرض کی علامات کو اس دوا کی علامات سے تطبیق دی جاتی ہے جو تندرست آدمی کو کھلانے سے پیدا ہوتی ہیں۔ پھر صحت علامات کے بعد وہی دوا قلیل مقدار میں دی جاتی ہے۔ ان علامات کے ساتھ زندگی اور کائنات کے طبعی امور کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا جو انسان پر اثر انداز ہوتے ہیں جس میں انسانی مزاج بھی شریک ہیں جیسے گرمی کی حالت میں دوا کی علامات کیا ہوں گی۔ سردی میں ان علامات میں کیا تغیر پیدا ہوگا۔ اسی طرح پانی کا اثر جسم پر کیا ہوگا اور ہوا کیسے تغیرات پیدا کر دے گی۔ غرض انسانی جذبات، کائناتی تغیرات

بلکہ ستاروں کے اثر کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ یہی حال دوسری طبوں کا بھی ہے مگر مغربی طب میں ایسا کوئی نظام اور ترتیب نہیں پائی جاتی۔ جس سے تشخیص اور انسانی جسم کو سمجھنے میں سہولتیں ہوئیں اور علاج بھی اس کے مطابق با قاعدہ طریق پر ہو جائے۔ جب محققین مغربی طب نے عربی طب میں تحقیق کرتے ہوئے اس کی کمزور اور زنگ خوردہ کڑیوں یا اس کے لایعنی اور غیر علمی اصولوں اور قاعدوں کو نکال دیا تھا تو یہ تو کوئی بری بات نہ تھی مگر اس کے ساتھ یہ بھی لازمی تھا کہ ان کی جگہ مضبوط کڑیاں، صحیح اصول اور علمی قاعدے قائم کر کے اس سلسلے اور نظام کو قائم رکھا جاتا اور اگر وہ نظام بالکل ہی غلط اور غیر علمی تھا تو اس کی جگہ نیا نظام اور سلسلہ ترتیب دیا جاتا کہ باقاعدگی میں کوئی خرابی پیدا نہ ہوتی لیکن ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کو بھی نہیں اپنایا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی طب ایک غیر علمی، بے قاعدہ بلکہ عطایانہ طریق علاج بن کر رہ گئی جس میں امراض کے لیے ادویات ہیں اور مریض کا کوئی علاج نہیں اور نہ اس کے پاس کوئی قانون ہے جس کے تحت مریض کا علاج کر سکے۔

بعض لوگ جو مغربی پروپیگنڈہ، شان وشوکت، عالی شان کالج وہسپتال، شیشہ وآلات حسین وزہد شکن نرسیں اور جوشیلے ڈاکٹروں سے مرعوب ومتاثر ہیں۔ وہ ہماری اس بات کو بالکل غلط قرار دیں گے اور کہیں گے کہ انگریزی طب درست اصولوں پر قائم ہے۔ لیکن جو لوگ ان تین بنیادی باتوں کو سمجھ جائیں گے وہ حقیقت کو پالیں گے ① حکومت کی سرپرستی ② مغرب کا بے پناہ پروپیگنڈہ اور ③ ہماری ذہنی غلامی۔ اگر یہ کسی اور طریق علاج کو بھی حاصل ہو جائیں تو وہ بھی ایسے ہی عزت واحترام اور تقدس سے دیکھا جائے گا جیسے امریکہ میں ہومیوپیتھی کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہے تو اس کی وہاں پر ایسی ہی شان وشوکت ہے اور خود ہمارے ملک میں بھی ہومیوپیتھک ڈاکٹروں کے مطب ایلوپیتھک ڈاکٹروں سے کسی طرح کم نہیں، بلکہ بعض تو ان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ لیکن ظاہری شان وشوکت کے معنی یہ نہیں کہ اس کے اندر کچھ حقیقت بھی ہے۔ ہر چیز جو چمکتی ہے، ضروری نہیں کہ وہ سونا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ مغربی طب کے اندر نظام اور ترتیب ختم ہونے کے بعد وہ صرف چند تجربات کی مرہون منت رہ گئی ہے۔ اس میں کوئی مکمل قانون واصول نہیں ہے ایک تھیوری دوسری کے خلاف اور ایک اصول دوسرے اصول سے متصادم ومتضاد ہے جنہیں باہم کسی طرح مربوط نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن بایں ہمہ وہ دنیا کی دوسری طبوں کا مذاق اڑاتی اور اسے غیر علمی قرار دیتی ہے۔ حالانکہ وہ خود انتہائی بے اصول، بے قاعدہ غیر علمی طریق علاج ہے۔

مغربی طب کو غیر علمی اور بے قاعدہ ثابت کرنے کے لیے آئندہ صفحات میں ہم اس کے ایک ایک قانون اور اصول پر بحث کریں گے اور واضح کریں گے کہ یہ طریق علاج حقیقت اور سچائی سے اسی قدر دور ہے، جیسے ظلمت نور سے، رات دن سے، باطل حق سے اور شر نیکی سے جدا ہے اور اس کے لیے مجھے سینکڑوں سال پیچھے کی طرف لوٹنا پڑے گا اور اس عربی طب کو سامنے رکھنا پڑے گا جس کو اول اول مغرب والوں نے سیکھا، گلے سے لگائے رکھا اور پھر تجدید وتحقیق اور اصلاح کے نام سے ایسے غار میں جا گرے کہ سالہا سال کے ترقی یافتہ فن کو فنا کر دیا۔ ہم مغربی طب کے دشمن نہیں اور نہ ہی عربی طب کے دوست ہیں، بلکہ فن برائے فن یا فن برائے افادیت کے قائل ہیں۔ جہاں تک عربی طب کا تعلق ہے وہ آیورویدک اور یونانی طب کی ترقی یافتہ صورت ہے اور یہ ارتقائی منزلیں اس نے صدیوں میں طے کی ہیں۔ ابتدا میں جو قاعدے اور اصول وضع کیے گئے تھے وہ عربی طب میں تقریباً قوانین کی صورت اختیار کر گئے اور پھر ان قوانین میں ایک نظم وربط پایا جاتا ہے جو اس علم طب کی جان ہے جس کو افسوس، مغربی طب نے فنا کر کے سینکڑوں سالوں کی محنت کو برباد کر دیا اور جو کچھ اس کی جگہ دیا وہ اتنا غیر علمی اور غیر مربوط ہے کہ پھر صدیوں کے بعد ہی یہ نظام اور سلسلہ درست ہو کر اپنے مقام پر آئے گا۔

ہم عربی طب کے طرف دار نہیں ہیں کیونکہ ہمارا طریق علاج یہ نہیں بلکہ اس سے زیادہ ترقی یافتہ (Refine) ہے البتہ اس کی بنیادیں عربی طب پر قائم ہیں جس پر ہم نے ایک عظیم قصر تعمیر کیا ہے۔ ہم نے مغربی طب کی طرح عربی طب کو نظر انداز نہیں کیا اور نہ غلط سمجھ کر چھوڑ دیا ہے بلکہ اس کی بنیادوں کی صحت وحقیقت کو تسلیم کر کے ان میں مزید تحقیق واصلاح کی ہے تاکہ وہ زود فہم اور اس کی افادیت پر تیقن پیدا ہو جائے۔

آئندہ صفحات میں ہم ثابت کریں گے کہ مغربی طب قدیم طب کے بنیادی مگر معیاری اور نہ تبدیل ہونے والے قوانین سے فرار ہو کر بنیادی قاعدوں اور مسلمہ قوانین سے سے کس قدر دور نکل گئی ہے جس کے نتیجہ میں اس کا فن علاج غیر علمی بن کر رہ گیا ہے لیکن اس کو پڑھنے سے قبل اس امر کو ضرور ذہن نشین کر لیں کہ ہمیں مغربی طب و جدید سائنس کی معلومات اور تحقیقات کا پورا پورا احساس اور علم ہے جو انہوں نے مختلف علوم وفنون میں انفرادی طور پر کی ہیں، جس میں اکثر اپنے اندر سچائی اور افادیت بھی رکھتی ہیں۔ لیکن اجتماعی طور پر وہ فن علاج کے لیے نقصان رساں اور غیر مفید ہیں۔

مغربی طب کو غیر علمی اور بے قاعدہ ثابت کرنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اول علم طب کے بنیادی قواعد اور قوانین بیان کر دیئے جائیں جن کی ترتیب سے یہ نظام علم طب اور فن علاج مدون ہوا ہے تاکہ دوران بحث میں حقیقت سامنے رہے اور کہیں الجھن پیدا نہ ہو کیونکہ ہم اس اہم اور انقلابی بحث میں صاحب ذوق اور خصوصاً اہل علم حضرات کو فضول ولایعنی اور طویل مباحث میں نہیں الجھانا چاہتے بلکہ حقیقت سامنے رکھ کر فیصلہ ان کے حسن ذوق اور فضیلت علم پر چھوڑتے ہیں۔

تین معیار

یہ جاننا چاہیے کہ حقیقت یا اس کے قریب پہنچنے کے لیے صرف تین چیزیں پیش کی جاسکتی ہیں:

① **فطرت** (Nature): کیونکہ دنیا اور زندگی کا ہر قانون اسی فطرت کے مطابق عمل میں آتا اور صحیح نتیجہ دیتا ہے بلکہ ترقی وارتقاء کی طرف لے جاتا ہے یاد رہے کہ فطرت کچھ نہیں بدلتی ﴿لا تبدیل لخلق اللہ﴾ فرمان خداوندی ہے۔

② **عقل**: عقل ہی ایک ایسی طاقت ہے جو استقرا اور استنباط دونوں طریق پر ایک صحیح فیصلہ پر پہنچ سکتی ہے۔ اس کی مدد سے ہم کلیات و جزئیات کو ترتیب دے سکتے اور ضرورت کے وقت اسی کی مدد سے تصورات کو تصدیقات کی شکل دے سکتے ہیں۔

③ **تجرباتی مشاہدہ**: اس کی ضرورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسانی ذہن کم مائیگی علم سے قوانین فطرت سے واقفیت نہیں رکھتا یا ذہنی کمزوری سے علوم عقلیہ سے آگاہ نہیں ہوتا۔ اس وقت لازم ہوتا ہے کہ تجرباتی مشاہدہ سے اس کی تسلی کر دی جائے تاکہ عوامی سے عوامی ذہن بھی حقیقت سے گریز نہ کر سکے اور ہر کوئی حقیقت کے آگے سر تسلیم خم کر دے۔ ہم گذارش کریں گے کہ ہماری اس تحقیقات اور معلومات پر تنقید کر لی جائے تو انہی اصولوں پر اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ایسے ہی دیگر قوانین اور کلیات بیان کر کے ان کے تحت کی جائے ورنہ وہ بے اصولی بحث سمجھی جائے گی اور قابل قبول نہ ہوگی علمی مباحث ہمیشہ حکمت کے ماتحت بیان ہونے چاہئیں۔

ہم اس تحقیق میں عربی طب کے ان قوانین کو بھی ساتھ ساتھ بیان کریں گے جو صدیاں گذر جانے کے بعد بھی اپنی جگہ قائم ہیں اور یہ ثابت کریں گے کہ ان میں سے بعض کو جو مغربی طب نے چھوڑا ہے تو یہ اس کی غلطی اور حقیقت سے ناواقفیت تھی اور بعض کو صرف اس لیے چھوڑا ہے کہ ان کا زاویہ نگاہ مختلف تھا۔ نتیجتاً مغربی طب غلط راستہ پر چلی گئی اور فن علاج میں تباہی پیدا ہوگئی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس بحث میں ہم سلسلہ کی تمام کڑیوں کو منضبط، متعلق اور منظم رکھیں گے۔ ہمارا دعویٰ ذہن نشین رکھیں کہ "عربی طب کے تمام قوانین صحیح ہیں"۔

تعریف علم طب

علم طب (Medical Science) اس علم کا نام ہے جس کے ذریعے بدن انسان کے حالات صحت و مرض کا پتہ چلتا ہے۔ اس تعریف سے دنیا بھر میں کسی صاحب علم و فن کو انکار نہیں خواہ وہ مشرق کا ہو یا مغرب کا۔

علم طب کی غرض وغایت

اس علم کی غرض وغایت یہ ہے کہ اگر جسم انسان صحت مند ہے تو اس کی نگہداشت کی جائے اس کو برقرار رکھا جائے اور مرض نہ پیدا ہونے دیا جائے۔ اگر مرض ہو گیا ہے تو حتی الامکان اس کے ازالہ کی کوشش کی جائے تاکہ پھر صحت مند ہو جائے۔

موضوع

اس علم کا موضوع جسم انسان ہے۔ اگرچہ اس علم سے حیوانات و نباتات کی صحت و مرض کے ساتھ بھی بحث ہو سکتی ہے اور ان کے لیے بھی اس علم سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہاں تخصیص اس لیے کر دی گئی ہے کہ اس میں جسم انسان کے ہر جز، ہر کیفیت اور ہر حالت پر بحث ہوگی۔ یعنی اس میں جسم انسان کے ساتھ ساتھ اس کا نفس اور روح بھی زیر بحث آئے گی کیونکہ یہ دونوں چیزیں بھی جسم انسان سے متعلق اور ان کے بھی جسم انسان پر مفید اور غیر مفید اثرات پڑتے ہیں جس سے انسان اپنے جسم کے اعتدال کو قائم نہیں رکھ سکتا اور یہ حقیقت ہے کہ جسم انسان کا اعتدال روح اور نفس کے اعتدال کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

علم طب کی حقیقت

جاننا چاہیے کہ علم طب دراصل علم حکمت کی ایک شاخ ہے جس کا تعلق جسم انسان کے ساتھ ہے۔ اس لیے بعض لوگ اس کو حکمت بھی کہتے ہیں۔ اور اسی مناسبت سے ہر طبیب حکیم بھی کہلاتا ہے۔

حکمت کی تعریف

ایک ایسا علم ہے جس کے تحت انسان عقل کے ذریعہ کسی صحیح فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ گویا حکمت قوتِ عقل کے صحیح فیصلہ کا نام ہے۔ یہ فیصلہ قوت متفکرہ اور قوت متخیلہ کے تحت ہوتا ہے اور فیصلہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ قوت متفکرہ اور متخیلہ اپنی معلومات اپنے خزانہ یعنی حافظہ اور حس مشترک سے حاصل کرنے کے بعد ان میں تدبر وادراک کرتی ہیں گویا متفکرہ استنباط (احکام لگانا) اور متخیلہ استقراء (تلاش کرنا) کرتی ہے۔ جس سے کبھی کلیات سے جزئیات یا اس کے برعکس استخراج کیا جاتا ہے اور کبھی تصورات کو تصدیقات کی شکل دی جاتی ہے۔ غرض ان صورتوں سے گذرنے کے بعد جو کبھی شعوری اور کبھی غیر شعوری طور پر عمل میں آتی ہیں۔ حکمت اپنے صحیح فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کرتی ہے۔

علم طب کے ساتھ ہم نے حکمت کا تذکرہ اس لیے کیا ہے کہ علم طب پر بحث کرنے کے لیے علم حکمت یا اس کی کسی شاخ کو مدنظر رکھنا پڑے گا۔ کیونکہ علم حکمت کے تحت ہی فلسفہ ومنطق اور تجربہ ومشاہدہ آتے ہیں۔ اگر قوانین حکمت کو چھوڑ دیا جائے تو پھر صحیح معنوں میں کسی علم پر بحث وتمحیص نہیں ہوتی۔ افسوس ہے کہ آج کل علم حکمت اور عقلیات کے جاننے والے بہت کم ہیں اور اسی لیے عقلی قاعدوں اور حکمی کلیوں کی بجائے زیادہ تر بحث جذبات کے تحت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم میں زوال آ گیا ہے۔ اسی قسم کی غلطیاں مغربی طب کے حاملین بلکہ یورپ کے اکثر سائنس دانوں نے کی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان غلطیوں کا اعادہ نہ ہو اس لیے ہم علم طب کے قواعد وقوانین کلیات ونظم کے تحت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ عقل وحکمت کے مبادیات اور حقائق کا بھی تذکرہ کرتے جائیں گے۔

علم طب کی تقسیم

عربی طب نے علم طب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: ❶ علمی یا نظری اور ❷ عملی۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی اور کائنات میں بھی فطری طور پر دو ہی صورتیں نظر آتی ہیں۔ ایک وہ جس میں ہم کسی چیز کے متعلق علم حاصل کرنا چاہتے ہیں اور دوسری وہ صورت ہے جس میں کسی چیز کے عمل یا فوائد کے متعلق جاننا چاہتے ہیں۔ ان دو کے علاوہ علم طب کیا کسی علم کے حاصل کرنے کی کوئی تیسری صورت نہیں ہے۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ "العلم علمان علم الابدان وعلم الادیان" اگرچہ اس کی تشریح یہ کی جاتی ہے کہ علم دو ہی ہیں۔ بدن انسان کا علم (علم طب) اور علم دین (مذہب کا علم) لیکن یہ تشریح صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ بے شمار علوم مثلاً فلسفہ ومنطق، ادب وشاعری، اخلاق وسیاست، سائنس وآرٹ، صنعت وحرفت وغیرہ اس میں نہیں آتے۔ اس لیے ہم اس کی صحیح تشریح یوں سمجھتے ہیں کہ ایک علم وہ ہے جس سے دنیا اور زندگی کی ہر شے کے بدنی حالات کا علم وتعارف وغیرہ حاصل ہو اور دوسرا وہ جس سے اس کے

افعال ومنافع کا علم وتعارف ہو جیسے کسی جماداتی، نباتاتی یا حیوانی قسم کے متعلق معلومات ومعرفت حاصل کرنا علم الابدان ہوگا اور اس کے افعال ومنافع، طریق عمل اور استعمال کا علم وتعارف علم الادیان کہلائے گا۔ دین کے معنی جزا وسزا، عمل ورد عمل، ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ علم دو ہی قسم کا ہے اوّل نظری یا علمی اور دوسرے عملی۔

یہاں اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ طب بذات خود ایک علم ہے اس کی تقسیم علمی کیسے ہوسکتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ علم طب ایک کلی علم ہے تقسیم علمی ایک جزوی مفارقت ہے جس کو نظری بھی کہتے ہیں۔ جس کے معنی فکری علم کے ہیں یعنی ایسا علم جس کا تعلق صرف فکر ونظر کے ساتھ ہے جس میں عمل کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اس کی تعریف یوں ہوگی۔

طب علمی یا نظری کی تعریف

وہ علم جس سے زندگی اور کائنات کی اشیاء کی محض معرفت اور معلومات حاصل ہوتی ہے جن کا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جس کی صورت اوّل اعتقادی ہوتی ہے۔ اگر چہ بعد میں بعض اعتقادات کی صورت استنباط واستخراج اور تصدیقات کے بعد عین الیقین اور حق الیقین کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ بہر حال اس علم کا تعلق فکر ونظر اور اعتقاد کے ساتھ ہے۔ اس میں عمل کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً عناصر کا علم یا موالید ثلاثہ میں ارتقائی مدارج کی معرفت وغیرہ۔

طب عملی کی تعریف

وہ علم جس کا تعلق عمل کے علم سے ہے محض عمل سے نہیں ہے یعنی اس کی فعلی صورت کو جاننا ہے۔ عمل کو فعلی صورت میں لانا نہیں ہے۔ اس علم میں ایسے مسائل سے بحث ہوتی ہے جن کا تعلق عمل سے ہوتا ہے گویا یہ علم ایسے اعتقادات نہیں ہیں جن کا جاننا صرف فکر ونظر تک محدود ہو بلکہ اس کا تعلق کیفیت عمل سے ہے اگر چہ صرف علم کی حد تک ہے فعلی صورت اس میں شامل نہیں۔

یہاں اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر علم طب کا ایک حصہ عملی بھی ہے تو مجموعہ طب کو علم کہنا درست نہیں اور یہ تعریف جامع نہیں اور تعریف مذکورہ کے لحاظ سے قسم عملی طب کی تعریف سے خارج ہو جاتی ہے کیونکہ عمل کیفیت محسوسہ ہے اور علم کیفیت غیر محسوسہ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قسم عمل کا تعلق فعلی صورت کے ساتھ نہیں ہے جس میں حرکات بدنیہ اور اعضاء وجوارح کا استعمال ہوتا ہے بلکہ اس سے ایسا علم حاصل ہونا مراد ہے جس کا تعلق کیفیت عمل سے ہو اور صرف اسی مناسبت سے اس کو عمل کہا جاتا ہے۔ اس لیے نہیں کہ اس میں عمل کی فعلی صورت پائی جائے جیسے جاننا کہ ہر مرض کا علاج بالضد کیا جاتا ہے۔ ابوعلی سینا نے علم طب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اور یہی مذہب ہم نے بھی اختیار کیا ہے۔ بلکہ دنیا کے تمام علوم کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دیکھا ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس تقسیم کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ آئندہ صفحات میں بھی جن مسائل ونظریات پر بحث کریں گے وہ تمام مسلمہ حقیقت ہوں گے۔ جو شخص چاہے ان کو عقلی، نظری، تجرباتی اور اصول وقوانین کے تحت پرکھ کر دیکھ لے یہ صرف ہماری ذاتی آرا نہیں ہوں گی بلکہ سائنسی وعلمی تحقیق وتدقیق ہیں۔ طب علمی وعملی کو آئندہ پھر تقسیم کیا گیا ہے جس سے اس کا ایک مکمل ڈھانچہ تیار کر دیا گیا ہے۔

طب علمی کی تقسیم

طب علمی کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: ① امور طبعیہ ② حالات بدن ③ اسباب علامات۔ ان سب کی تفصیل آئندہ صفحات

میں اپنے مقام پر بیان کی جائے گی۔

طب عملی کی تقسیم

طب عملی کو بھی پھر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: ① علم حفظان صحت ② علم العلاج۔ان کی بھی آئندہ تقسیم اور تفصیل اگلے صفحات میں اپنی جگہ بیان ہوگی۔

یہ علم طب کا ایک ڈھانچہ اوراس کی حدود ہیں۔باقی اسی خاکے کو پر کرنا اور نمایاں کرنا ہے۔ہمیں بتایا جائے کہ علم العلاج کا کوئی مسئلہ۔نظریہ، قانون اور قاعدہ اس سے باہر رہ گیا ہو۔ہمارا دعویٰ ہے کہ ایسا نہیں۔یہ چیلنج بار بار اس لیے کیا جارہا ہے کہ ہم علم طب کو یقینی طور پر پیش کر سکیں۔ظنی باتوں کو ہم خود ماننے کے لیے تیار نہیں۔

طب علمی کے چاروں حصوں کی تعریف و تقسیم اور تفصیل و تشریح

اُمور طبعیہ کی تعریف

امور طبعیہ ایسے چند امور ہیں جو بدن انسان کے وجود کے لیے بنیاد اور لازمی ہیں اور اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی نفی یا عدم فرض کر لیا جائے تو بدن انسان کا قیام بالکل ناممکن ہو جائے گا۔یہ تعداد میں سات ہیں:

① ارکان ② مزاج ③ اخلاط ④ اعضاء ⑤ ارواح ⑥ قویٰ ⑦ افعال۔

آگے بڑھنے سے قبل ہم ایک اہم حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔وہ یہ کہ ''امور طبعیہ'' کی تعریف میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نفی یا عدم فرض کر لیں تو بدن انسان کا قیام بالکل ناممکن ہے۔یہ کتنا بڑا دعویٰ ہے۔کوئی اس دعوے کو توڑ سکتا ہے تو آئے اور ساتھ ہی یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ان سات امور پر کسی اور امر کا اضافہ بھی نہیں ہوسکتا۔کیا مغربی طب نے ان پر کسی امر کا اضافہ کیا ہے؟ نہیں اور بالکل نہیں! البتہ ان میں سے اکثر کو چھوڑ دیا ہے، جیسے مزاج، ارواح، قویٰ اور افعال جن تین (ارکان، اخلاط، اعضاء) کو اختیار کیا ہے ان میں سے اوّل الذکر دو کو یونانی طب سے مختلف طریق پر اختیار یا بیان کیا ہے البتہ تیسرے کو بڑی تحقیق و تفصیل سے بیان کیا ہے۔جس پر تشریح الابدان اور منافع الاعضاء کی بنیاد رکھی گئی ہے۔اس میں ڈاکٹر ہاروے کو خاص مقام حاصل ہے کہ اس نے دوران خون کو بہت اچھے طریق پر بیان کیا۔اگر چہ عربی طب میں اس کے اثرات نمایاں پائے جاتے ہیں۔لیکن چونکہ مغربی طب نے ارواح و قویٰ اور افعال کا انکار کر دیا تھا۔اس لیے ان سے اعضاء کے سلسلہ میں دوران خون کے تحت ارواح و قویٰ اور افعال کا تعلق قائم نہیں رہ سکا۔یعنی اعضاء کے افعال جو قویٰ اور ارواح بطور عمل کرتے ہیں ان کا ذکر نہیں ہے۔اس بات کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ دوران خون تمام جسم میں جاری ہے لیکن جب کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو وہاں دوران خون کم یا زیادہ ہو جاتا ہے۔اس مسلمہ حقیقت سے کسی کو مجال انکار نہیں لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اعضائے رئیسہ (دل۔دماغ۔جگر) میں سے کسی ایک کی طرف اگر دوران خون زیادہ ہوتا ہے: ① تو کیوں ہوتا ہے یعنی کون سی طاقت ایسا عمل انجام دیتی ہے۔ ② اس عضو کی کیا حالت و کیفیت ہوتی ہے ③ جب کسی ایک عضو کی طرف دوران خون تیز ہوتا ہے تو باقی دونوں اعضاء کی کیا حالت و کیفیت ہوگی اور کیوں؟ مثلاً دوران خون دماغ کی طرف تیز ہے تو کیوں؟ دماغ کی اس وقت حالت و کیفیت کیا ہے اور ساتھ ہی دل و جگر کی کیفیت و حالت کیا ہے اور کیوں ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب مغربی طب میں قطعاً نہیں ہے۔جس سے فن علاج میں

از حد خرابیاں پیدا ہوئی ہیں۔ ان کا جواب غیر ارواح وقویٰ اور افعال کے نہیں دیا جا سکتا جن کو مغربی طب اپنی کم نظری کی وجہ سے چھوڑ بیٹھی ہے۔ تفصیل آئندہ اپنے مقام پر آئے گی۔

امور طبیعیہ میں کمی بیشی نہ کر سکنے کے دعویٰ کے بعد تیسرا دعویٰ ان کی ترتیب ہے جس کو قائم رکھا گیا ہے تا کہ طالب علم اس کو سمجھ سکے اور منتہی علاج کے دوران میں اس ترتیب سے جسم انسان کو پوری طرح سمجھ سکے۔ دیکھیے انسان جو غذا کھاتا ہے اس سے جسم انسان میں جو خون بنتا ہے وہ عناصر سے مرکب ہے اور عناصر کی ترتیب سے جو ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کا نام مزاج ہے پھر اسی مزاج سے غذا میں حرارت کے کم و بیش اثر کرنے کے باعث اخلاط پیدا ہوتے ہیں۔ ان ہی اخلاط سے اعضاء اور ارواح پیدا ہوتے ہیں جن کی قوتوں اور افعال سے انسان میں حرکت اور زندگی ہے۔

اوپر تین نہایت اہم حقائق بیان کیے گئے ہیں: ❶ نظام طب ❷ امور طبیعیہ ❸ امور طبیعیہ کی تعداد اور ترتیب۔

ان حقائق کے متعلق ہمارا دعویٰ ہے کہ مغربی طب اس سے بالکل خالی ہے۔ اس میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں نظام طب کو اس طرح بیان کیا گیا ہے جس کے باعث وہ ایک دوسرے سے باہم مربوط و منظم ہیں اور یہ نظام بالکل ایک مشین کے پرزوں کی طرح خود کار (Automatic) معلوم ہوتا ہے۔ جس کا اگر ایک پرزہ بھی نکال دیا جائے تو نظام مشین درہم برہم ہو جاتا ہے۔ مغربی طب کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ اوّل تو اس میں یہ نظام نہیں دوسرے اس میں بہت سے اہم مسائل کو خارج کر دیا گیا ہے اور تیسرے جو مسائل پائے جاتے ہیں تو ان میں ترتیب نہیں پائی جاتی جس سے نہ صرف تشخیص الامراض، علاج الامراض اور حفظان صحت میں سخت خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ بلکہ تعلیم کے زمانہ میں طالب علم کو اس فن کو سمجھنے میں بھی ہزار دقتیں پیش آتی ہیں۔

مغربی طب میں مندرجہ بالا تمام خرابیوں اور نقائص کے علاوہ ایک اہم خرابی اور نقص یہ ہے کہ جب مغربی طب کی بنیاد رکھی گئی تھی تو اس وقت طبی (Medical) طبیعی (Physical) اور کیمیاوی مسائل کو اصل مسائل سے مختلف زاویہ نگاہ سے اپنایا گیا جس سے فن علاج (Technology) غلط بنیاد پر قائم ہو گیا ہے اور چند صدیوں کی روز بروز اصلاح کے بعد بھی ان نقائص اور خرابیوں سے پاک نہیں ہوا۔ ثبوت کے لیے گذشتہ دو تین صدیوں کی طبی تاریخ اٹھا کر دیکھی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے نظریات اور آج کل کی مغربی طب میں تقریباً اتنا ہی فرق ہے جتنا ان نظریات اور یونانی طب کا ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ آج کل کے نظریات اور یونانی طب کے بہت سے مسائل میں ہم آہنگی اور مناسبت ہوتی جا رہی ہے۔ اگرچہ یورپ نے ان کو کہیں نہیں اپنایا۔ آئندہ صفحات میں اس کی پوری تشریح بیان کی جائے گی۔ تا کہ ہر اہل علم وفن مغربی طب کی بوالعجبیوں سے آگاہ ہو جائے۔

امور طبیعیہ کی تشریح

اب ہم امور طبیعیہ کے ہر امر کی اس طرح تشریح کریں گے کہ اوّل یونانی طب کا قانون تحریر کریں گے۔ پھر مغربی طب کا قدیم نظریہ اور ساتھ ہی سائنس کی جدید تحقیقات ان کے بعد ان کی تشریح کریں گے تا کہ ہر صاحب علم وفن بلکہ ایک عامی بھی اندازہ لگا سکے کہ مغربی طب غلط اور غیر علمی ہے۔

① ارکان

ارکان کی تعریف

شیخ الرئیس ابوعلی سینا لکھتے ہیں:

(اما الارکان فھی اجسامٌ بسیطةٌ وھی اجزاءٌ اولیتٌ بعد الانسان وغیرہ التی لایمکن ان تنقسم الی اجسام مختلفة الصور والطبائع).

''ارکان چند ایسے بسیط اجسام ہیں جو بدن انسان وغیرہ کے لیے اجزائے اولیہ ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ وہ مختلف صورتوں اور طبیعتوں کے اجسام میں تقسیم ہو سکیں''۔

یعنی جن کے ابتداءً باہم ملنے سے تمام مرکبات عالم اور مخلوقات وجود میں آئے ہیں۔ آگے شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(وھی اربعةٌ النار حارة یابسةٌ والھواء وھو حار رطبٌ والماء وباردہ رطبٌ والارض وھو باردة یابسةٌ).

''ارکان چار ہیں: ❶ آگ، جو گرم خشک ہے۔ ❷ ہوا جو گرم تر ہے۔ ❸ پانی جو سرد تر ہے۔ ❹ مٹی جو سرد خشک ہے''۔

مغربی طب نے تحقیق و تجربات کے بعد یہ ثابت کیا کہ ارکان چار نہیں ہیں بلکہ عناصر (Elements) سو سے بھی زائد ہیں۔ یعنی پانی آکسیجن اور ہائیڈروجن سے مرکب ہے۔ ہوا تقریباً سات آٹھ گیسوں سے مرکب ہے۔ اسی طرح مٹی نو کے قریب عناصر سے مل کر بنی ہے۔ اور اسی طرح پارہ، سونا، چاندی، سنکھیا وغیرہ سب عناصر اور مفرد ہیں جن کو یونانی طب مرکب تسلیم کرتی آئی ہے۔ مغربی طب قدیم سائنس کا یہ اصول بھی تسلیم کرتی ہے کہ مادہ (Matter) غیر مبدل ہے۔ اس کی شکلیں بدل جاتی ہیں لیکن مادہ نہیں بدل سکتا۔ ان عناصر کے متعلق تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ سب غیر مبدل ہیں۔ البتہ ان کی صورتیں بدل سکتی ہیں۔ لیکن ان کی عناصرانہ شکل (Elemental Base) نہیں بدل سکتی۔

اب ماڈرن سائنس کی تحقیقات پر غور کریں جو درج ذیل ہے۔

جدید سائنس کی تحقیقات

اب مادہ کی حیثیت باطل قرار پا گئی ہے جو اسے انیسویں صدی کے محققین نے عطا کی تھی۔ مادہ کا تجزیہ کر کے اسے سالمات (Molecules)

میں تقسیم کیا گیا۔ پھر یہ سالمات ایٹم میں منقسم ہوئے اور ایٹم کے متعلق تحقیق ہوا کہ یہ برقیات (Electrons) کی مثبت اور منفی قوتوں کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا مادہ کی اصل حقیقت غیر مادی (Immaterial) قرار پاگئی اور مادہ کا بہ حیثیت مادہ یوں خاتمہ ہوگیا۔

بقول پروفیسر مگڈوگل[1] (McDoughall) ''تیس چالیس سال قبل جب میں نے سائنس کا مطالعہ شروع کیا تو یہ کہنے کے لیے کہ انسان کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے بڑی جرأت درکار تھی۔ لیکن آج حالات کس قدر بدل چکے ہیں۔ آج بڑے بڑے آئمہ طبعیات ہمیں متنبہ کررہے ہیں کہ یادرکھو فزیکل سائنس کے اصول انسانی زندگی کی تعبیر کے لیے یکسر ناکافی ہیں''...... ''آج یہ ساری کائنات جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ سخت مادی ذرات سے مرکب ہے، حرکت و توانائی کا گہوارہ بن چکی ہے جس میں ہر شے ہر آن بدلتی رہتی ہے''...... ''آج مادی ذرات ختم ہوچکے ہیں اور مادہ نے محض توانائی کی صورت اختیار کرلی ہے اور توانائی کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ کیا ہے بجز اس کے کہ اس میں مزید تغیرات اور ارتقاء کے امکانات ہیں۔ خطبہ مقدمہ ۱۹۲۴ء جو Energies of Men (Preface) میں دیا گیا۔

پروفیسر ملیکن اپنے ایک خطاب میں جو امریکن کیمیکل سوسائٹی (AMERICAN CHEMICAL SOCIETY MAGZINE - 1912) کو ۱۹۱۲ء میں کیا گیا۔ فرماتے ہیں ''ہم سب متفق ہیں کہ جہاں تک طبعیات کی سائنس جاچکی ہے اس کی رو سے دو ہی بنیادی عناصر کا وجود نظر آتا ہے۔ یعنی مثبت اور منفی برقیات (Electrons) تمام کائنات کی تعبیر کا مسالہ دکھائی دیتے ہیں۔

مشہور ماہر ریاضیات سرجیمز جینس (William James 1842-1910) لکھتے ہیں ''دور حاضرہ کی طبعیات کا رجحان اس طرف ہے کہ تمام مادی کائنات سوائے لہروں (Waves) کے کچھ نہیں۔ یہ لہریں دو قسم کی ہیں محصور (Bottled) جنہیں ہم مادہ کہتے ہیں اور آزاد جنہیں روشنی (Light) کہا جاتا ہے۔ فنائے مادہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوگا کہ ان محصور لہروں کو آزاد کردیا جائے کہ وہ فنا کی پنہائیوں میں منتشر ہوجائیں ان تصورات کے تحت یہ تمام کائنات سمٹ سمٹا کر ''دنیائے نور،'' رہ جاتی ہے۔

ہم نے تینوں نظریات اکٹھے بیان کردیئے ہیں تاکہ ان کی تشریح و تطبیق کو سمجھنے کے لیے ناظرین کو کسی قسم کی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ قارئین اندازہ لگالیں گے کہ مغربی طب کس قدر اغلاط کا مجموعہ ہے اور جدید سائنس بھی تاحال قدیم نظریات بلکہ قوانین طبعیہ کو پوری طرح سمجھ اور اپنا نہیں سکی۔ ذیل میں ہم قدیم نظریات اور ان کی تشریح پیش کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ سہولت کی خاطر ان کو ان نظریات سے تطبیق بھی دیں گے جن تک جدید سائنس پہنچی ہے یا پہنچنے کے لیے مساعی ہے۔ البتہ یونانی طب کے حقیقت مادہ پر پوری روشنی ڈالیں گے تاکہ جدید سائنس ان معلومات سے مستفید ہوسکے۔

مادہ کی حقیقت

مادہ کیا ہے؟ کیسے وجود میں آگیا؟ کائنات کے ساتھ اس کا تعلق کیا ہے؟ زندگی کیسے پیدا ہوئی۔ اس کی ارتقائی منزلیں کیا ہیں؟ ہزاروں سالوں سے اہل علم اس پر غور و فکر کرتے آرہے ہیں۔ قدیم فلاسفروں کے تصورات گو اس کے متعلق باہم مختلف ہیں۔ مگر حقیقت کی طرف قدم بڑھانے کی ہر ایک نے کوشش کی ہے۔ مغربی طب نے مادہ کا جو تصور پیش کیا ہے وہ اس کا ذاتی نہیں بلکہ یونانی فلاسفروں کے ابتدائی دور کی معلومات ہیں البتہ موجودہ سائنس دانوں نے بسیار تحقیق و تدقیق کے قدیم نظریہ کو چھوڑ کر جو جدید صورت اختیار کی ہے۔ وہ بہت حد تک اس کے قریب ہے جو نظریات عربی فلاسفروں نے پیش کیے ہیں جن کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ البتہ یہاں یہ جان لینا ضروری

---

[1] Professor William McDougall (1871-1938) (Energies of Men)

ہے کہ یونانی فلاسفروں کے تصورات کو عربی فلاسفروں نے تصدیق کا مقام بخشا اور یونانی طب کی معلومات کو عربی اطبا نے کمال تک پہنچایا۔ فرنگی طب نے تعصب کی بنا پر ان کو چھوڑ کر پھر یونانی طب پر اپنی بنیاد رکھی۔ لیکن آج چھ سو سال کی جدوجہد کے بعد پھر اسی مقام پر آ رہی ہے جس پر عربی فلاسفر و حکما چھوڑ گئے تھے۔ اگرچہ تاحال اس مقام کو بھی حاصل نہیں کر سکی۔

مادہ کس طرح وجود میں آیا۔ اس پر تو بحث آئندہ ہوگی۔ البتہ یہاں یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ جب مادہ وجود میں آیا تو مختلف اجسام میں نظر آیا۔ موالید ثلاثہ کا ہر جسم مادہ سے بنا ہوا ہے۔ جب کوئی انسان زندگی اور کائنات پر غور کرتا ہے تو اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اس کی ہر شے مادہ سے بنی ہوئی ہے۔

مادہ کی تعریف

مادہ ایک ایسا جوہر بسیط ہے جس سے کائنات کے موالید ثلاثہ کے اجسام تیار ہوتے ہیں۔ جہاں تک مادہ کے بسیط ہونے کا تعلق ہے جدید و قدیم تمام فلاسفر و حکماء اس پر متفق ہیں۔ البتہ تصور و تعداد میں اختلاف ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

دیمقراطیس: (یونان کا ایک مشہور فیلسوف اور سقراط کا ہم عصر) کی رائے ہے کہ عالم اجسام میں مادہ کی حرکت اور قوت اتصال کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ فضا جو ہم دیکھ رہے ہیں اس میں مادہ ہی مادہ منتشر ہے جن کی ابتدائی حالت ٹھوس ذرات کی ہے۔ جن کے صفات و خواص یہ ہیں: ❶ یہ ذرات بجز انقسام وہمی کے انقسام خارجی کی صلاحیت نہیں رکھتے ❷ ان ذرات کی حقیقت و ماہیت ایک ہے لیکن شکلیں ایک نہیں ہیں۔ مثلاً لوہے سے چھری یا قلم جو چاہے بنالو مادہ ایک ہے ❸ ان ذرات میں کسی عمل سے کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکی ❹ یہ ذرات فضا میں ہمیشہ حرکت کرتے رہتے ہیں ❺ ان ذرات کے مستحکم اتصال کا نتیجہ جسم ہے۔ دیمقراطیس مادہ کے اندر ایک قوت صانع کو تسلیم کرتا تھا۔ لیکن روحانی اور اصلی اثرات کا قائل نہ تھا۔

متکلمین کا نظریہ ہے کہ اجسام کی ترکیب ان اجزائے پریشاں سے ہوتی ہے جو انقسام وہمی و خارجی کسی بھی انقسام کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یہ اجزائے عالم میں متحرک و منتشر رہتے ہیں۔ جب صانع عالم کی قدرت کاملہ سے باہم مل کر سکون و استقرار حاصل کر لیتے ہیں تو جسم کی صورت وجود میں آ جاتی ہے۔ ان اجزاء کی ماہیت و حقائق مختلف ہیں۔ بعض ناریہ، بعض ہوائیہ، مائیہ اور ارضیہ ہیں اور یہ جوہر فردہ کی ترکیب سے بنے ہیں۔

ارسطو: جو معلم اوّل کے نام سے مشہور ہے اس کا نظریہ مادہ اولیٰ کے متعلق یہ ہے کہ وہ ایک ایسا جوہر بسیط ہے جو خود تو جسم نہیں لیکن جسم کی صورت قبول کرنے کی اس میں صلاحیت ہے جیسے تخم خود تو درخت نہیں لیکن اس میں درخت کی صورت قبول کرنے کی استعداد ہے۔ آنکھیں اس کو دیکھنے اور حواس محسوس کرنے سے عاجز ہیں۔ اس کے وجود کا علم ہم کو صرف استدلال و قیاس سے حاصل ہو سکتا ہے اور وہ اس طرح کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عناصر اربعہ ایک دوسرے سے بدلتے رہتے ہیں۔ یہ بدلنے کی کیفیت سوائے اس کے دوسری نہیں ہو سکتی کہ مادہ ایک صورت چھوڑ کر دوسری صورت کے لباس میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ مثلاً پانی اگر ہوا ہو جائے تو بجز اس کے کیا ہوگا کہ پانی کی صورت جاتی رہی اور اس کی جگہ ہوا کی صورت آ گئی لیکن وہ چیز جس میں پہلے پانی کی صورت تھی اور اب ہوا کی آ گئی بعینہٖ باقی ہے۔ وہی چیز جس پر اس قسم کی صورتوں کا توارد ہوتا ہے اس کو مادہ اولیٰ (Premitive Matter) اور ہیولیٰ کہتے ہیں۔

ہیولیٰ کا وجود کسی دوسرے ہیولیٰ سے نہیں ہوا ہے بلکہ وہ ایک پرتو اور عکس ہے اس روح کل کا جس کو فلاسفہ کی اصطلاح میں عقل فعال کہتے ہیں۔ ہیولیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے نہ متصل ہے نہ منفصل کیونکہ جسم متصل اور منفصل ہوتا ہے اور ہیولیٰ جسم نہیں ہوتا البتہ جب ہیولیٰ میں جسم کی صورت قائم ہو جاتی ہے تو منفصل اور متصل سب کچھ ہوتا ہے۔

مادہ اولیٰ کو سمجھنے کے لیے جسم انسان کو لے کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ مرکب ہے مختلف اعضاء سے اور اعضاء مرکب ہیں گوشت پوست اور استخواں سے۔ یہ سب کچھ اخلاط جسم سے بنتا ہے اور اخلاط جسم کی اصل غذا ہے۔ غذا کی اصل نباتات، نباتات کی اصل عناصر یہاں تک ایک جسم دوسرے جسم سے بنتا چلا آیا ہے۔ اب عناصر بھی اگر اجسام مرکبہ ہوں اور ان کی ترکیب بھی دیگر اجسام سے ہو تو ہم ان اجسام کا مادہ دریافت کریں گے اور اگر عناصر اجسام مفردہ ہوں تو سوال یہ ہوگا کہ عناصر کس چیز سے بنے ہیں۔ ان کا مادہ کیا ہے لامحالہ آخر میں ایک ایسے مادہ کے وجود کا اقرار کرنا پڑے گا جو جسم نہ ہوگا ورنہ مادہ کا سلسلہ کہیں ختم نہ ہوگا کیونکہ ہر جسم کے لیے مادہ کا وجود لازمی ہے۔ بس اسی آخری مادہ کو مادہ اولیٰ کہتے ہیں اور وہی اس ساری بحث کا موضوع ہے۔

مادہ اولیٰ کی تقسیم

مادہ اولیٰ جو ابھی جسم کی صورت میں نہیں آیا جب جسم کی صورت اختیار کرنے لگتا ہے تو اپنے اندر تقسیم ہوتا ہوا کئی صورتیں بدلتا ہے اور اس کی یہ صورتیں مادہ اولیٰ ہونے کی حالت میں ہی قائم ہو جاتی ہیں اس کے بعد جب یہ جسم اختیار کرتا ہے تو اس کے اندر تقسیم در تقسیم اور ترتیب در ترتیب سے بے شمار مختلف اقسام کے اجسام بن جاتے ہیں جن کو ہم ان کی قابلیت و استعداد کی مناسبت سے مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ مثلاً اس اعتبار سے کہ ان سے مرکبات کی ترتیب ہوتی ہے اس کو اسطقسات (Principle Element) اور اس اعتبار سے کہ مرکبات کسی تحلیل کے بعد وہی باقی رہتے ہیں۔ عناصر (Elements) سے ان میں کون وفساد اور تغیر و تقسیم کی صورت قائم رہتی ہے ارکان (Premitive Elements) کہتے ہیں۔ گویا تینوں صورتیں نہ صرف مختلف ہیں بلکہ اس کی تین حالتیں ہیں۔ اوّل ارکان، دوسرے اسطقسات اور تیسرے عناصر ہے۔ مغربی طب کی یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے کہ وہ عناصر وارکان کو ایک ہی چیز خیال کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں مختلف صورتیں اور چیزیں ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مغربی سائنس عناصر (Elements) کو سو کے قریب تسلیم کرتی ہے۔ لیکن شیخ الرئیس نے ارکان کی جو تعریف کی ہے کہ وہ ایسے بسیط اجزا ہیں جن کا مزید تجزیہ نہیں کیا جا سکتا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب تک مادے کا تجزیہ ہو سکتا ہے وہ شیخ الرئیس کے ارکان کی تعریف میں نہیں آ سکتا۔ گویا ان کی بساط ایسی لطیف ہے کہ ہمارے حواس خمسہ ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔ یہ ہوا' پانی اور مٹی جو ہم کو نظر آتے ہیں دراصل شیخ الرئیس کے ارکان نہیں کیونکہ ان کا تجزیہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ اصل ارکان کے طیف میں (طیف ایسے مادی مجموعہ کو کہتے ہیں جس میں اصل شے کے علاوہ دوسری چیزیں بھی ملی ہوں مگر ظاہر میں وہی شے نظر آئے جس کی اکثریت ہو۔ جیسے ریت کے تودے میں ریت کے علاوہ مٹی، کنکر وغیرہ بھی ملے ہوتے ہیں۔ لیکن بوجہ کثرت ریت اس کو ریت کا تودہ کہتے ہیں۔ گویا وہ تودہ ریت کا طیف ہے) جو یقیناً مرکب ہیں۔

جہاں تک عناصر کا تعلق ہے ان کو ہم مغربی سائنس کی تحقیقات کے مطابق تقریباً سو ہی تسلیم کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ دریافت ہو سکتے ہیں۔ ان کو کائنات کے ابتدائی جسم اور مادی نمونے کہیں گے۔ ارکان ان سے جدا ہیں۔ عناصر کو بسیط اور بنیادی ان معنوں میں کہا گیا ہے کہ یہ سب اپنے اندر خاص منفرد اور دوسرے سے مختلف شکل رکھتے ہیں۔ یہ ہمیشہ عناصر کہلائیں گے۔ سائنس نے بھی ایٹم کا الیکٹرون اور پروٹرون (Electrons & Protrons) برقی شراروں میں تجزیہ کرنے کے بعد اپنے خاص رنگ میں بسیط اور بنیادی کہا ہے۔ کیونکہ انہی عناصر سے کائنات وزندگی کی تشکیل نظر آتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح یونانی حکمت اپنے اخلاط کو ارکان سے مرکب مانتے ہوئے جسم انسان بلکہ نباتات و جمادات کے لیے ابتدائی جوہر مانتے ہیں۔ ارکان و عناصر کو ایک سمجھنے کا نتیجہ ہے کہ ارکان کے لیے مغربی سائنس میں کوئی

لفظ ہی نہیں ہے۔ ہم نے اس کے لیے (Premitive Elements) کا نام وضع کیا ہے تا کہ عناصر (Elements) اور ارکان میں باہم فرق ہو سکے۔

مغربی طب کو یہ غلط فہمی رہی ہے کہ یہی عناصر مادہ اولیٰ ہیں جو سائنسدانوں کے انکشافات کا حاصل ہے اور انہی کے باہم ملنے سے اجسام بنتے ہیں۔ یورپ میں مشینی طریق زندگی (Mechanical way of Life) کی ابتداء اسی نظریہ سے ہوئی۔ مغربی طب کا یہ خیال تھا کہ فضاء میں ان ذرات کی لہریں ہمیشہ اٹھتی رہتی ہیں اور نظام شمسی جس مادہ سے مرکب ہے وہ پہلے بشکل خیاتیہ النجوم یعنی بصورت غبار کو بھی موجود تھا۔ اگر ذرا غور کیا جائے تو کوئی جدید نظریہ نہیں بلکہ پرانی شراب نئے ساغروں میں چھلک رہی ہے کیونکہ اگر ان ذرات کو قابل تقسیم تسلیم کیا جائے تو دیمقراطیس اور اگر نا قابل تقسیم تسلیم کیا جائے تو متکلمین کے نظریہ کے مطابق ہے اب اگر ان عناصر کو مادہ اولیٰ قرار دیا جائے تو ان میں ابعاد ثلاثہ (طول، عرض اور عمق) نہیں پایا جانا چاہیے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عناصر میں ابعاد ثلاثہ پایا جاتا ہے اور ان کا تجزیہ بھی ممکن ہو گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اجسام (Metter) ہیں نہ کہ مادہ اولیٰ یا ارکان عناصر نہ ارکان ہیں اور نہ مادہ اولیٰ۔

تعداد ارکان

تعداد ارکان کے متعلق حکماء کا اختلاف ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ عنصر صرف ایک ہونا چاہیے جس پر عالم موجودات میں تمام متغیر ہونے والے اجسام طبعیہ کے تغیرات واقع ہو سکیں۔ اسی بنا پر بعض حکما نے ہوا کو عنصر قرار دیا کہ اس میں مختلف شکلوں کو آسانی سے قبول کرنے کی صلاحیت ہے ان کا خیال تھا کہ ہوا میں حرارت کی زیادتی سے آگ اور تکاثف سے درجہ حرارت کم ہو جائے تو پانی اور جب وہ اور زیادہ بڑھ جائے تو مٹی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ گویا عنصر ایک ہوا ہے اور آگ، مٹی، پانی اس ہوا کے بلحاظ ثقل و لطافت مدارج ہیں۔ اسی طرح بعض حکماء نے پانی کو بعض نے مٹی کو اور حکیم ہرقلیس نے آگ کو عنصر مانا ہے۔ بعض فلاسفروں کی رائے میں بخارات کو ہی عنصر مانا جا سکتا ہے کہ وہ تھوڑی کثافت سے پانی اور تھوڑی سی لطافت زیادہ ہونے سے ہوا اور آگ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد بجائے ایک عنصر کے پانی اور مٹی دو عناصر کو قرار دیا گیا اور ان کا نظریہ یہ تھا کہ تمام اجسام و مرکبات عالم کو مختلف شکلوں میں موجود ہونے کے لیے ایک تو جسم رطب کی ضرورت ہے جس پر ہر شکل آسانی سے وارد ہو سکے اور وہ پانی ہے اور دوسرے جسم یابس کی ضرورت ہے جو ان اشکال کو قائم رکھ سکے اور وہ مٹی ہے۔ بعض حکماء نے تین عناصر کو تسلیم کیا اوّل ہوائی۔ دوم سیال اور سوم منجمد۔ ان کا نام انہوں نے اپنی اصطلاح میں کبریت، زیبق اور ملح رکھا۔ بقراطؒ۔ ارسطو اور دیگر یونانی حکما چار عناصر کے قائل تھے۔ عربی حکماء میں شیخ ابو علی سینا، فارابی اور ابن رشد چار عناصر کو تسلیم کرتے ہیں جس کو اثیر اور ایتھر بھی کہتے ہیں اور یہ سب سے لطیف عنصر ہے۔ حکمائے متقدمین کا ایک طبقہ عالم میں غیر متناہی اور مختلف الحقیقت ذرات وعناصر کے وجود کا قائل تھا اور اس کا خیال تھا کہ انہی ذرات وعناصر کی ایک خاص ترکیب و ترتیب سے تمام اشیائے عالم وجود میں آتی ہیں اور انہی کے تجزیہ و تحلیل اور تفریق سے فنا ہو جاتی ہیں۔

اس سے قبل کہ ہم حکمائے متقدمین کے خیالات و تصورات پر بحث کریں۔ ان کے تصور ارکان کو بیان کرنا ضروری ہے تا کہ ارکان اور عناصر کا فرق ذہن نشین ہو جائے۔ جن حکمانے آگ، پانی، مٹی اور ہوا کو عناصر تسلیم کیا ہے انہوں نے ان کو بسیط نہیں بلکہ مرکب تسلیم کیا ہے؛ کیونکہ جن عناصر کا ہم حواس خمسہ سے احساس کر سکتے ہیں وہ مرکب اور قابل تقسیم ہیں خواہ ان کا احساس خوردبین یا دیگر کیمیاوی ذرائع سے کیا جائے کیونکہ ہر محسوس شے جسم اور ابعاد ثلاثہ رکھتی ہے اور ایسا جسم جو ابعاد ثلاثہ رکھتا ہے، مرکب ہے۔

جن حکمائے متقدمین نے ایک عنصر کو تسلیم کیا ہے انہوں نے مادہ کو اسی رنگ میں سمجھا اور تمام کائنات و زندگی کو اسی عنصر کی پیدائش تسلیم کیا ہے۔ اس کی تین صورتیں سامنے رکھیں: ❶ عنصر کو مادہ اولیٰ تسلیم کرنا اور اس سے زندگی و کائنات کی پیدائش ❷ عنصر کو بجائے عنصر سمجھنا اور اسی کی لطافت کو اس کا مادہ اولیٰ قرار دینا ❸ صرف مادی عنصر تسلیم کرنا مگر اس کی لطافت و مادہ اولیٰ کسی شے کو نہ ماننا۔ جن لوگوں نے دو تین یا چار عناصر تسلیم کیے ہیں۔ انہوں نے بھی ان کو تین صورتوں میں مانا ہے۔ لاتعداد عناصر تسلیم کرنے والے حکمانے صرف مادی اور جسمانی عناصر تسلیم کیے ہیں۔ جیسا کہ فرنگی طب نے مانے ہیں، ان کی لطافت کے قائل نہ تھے اور نہ فرنگی طب ہے۔

مغربی سائنس نے کائنات کی ابتداء عناصر سے تسلیم کی ہے جو اتفاقیہ وجود میں آ گئے موجودہ سائنس نے ثابت کیا کہ عناصر قابل تقسیم ہیں۔ اب اس امر کو تسلیم کرنا سخت جہالت ہے کہ عناصر ہی دنیا کی ابتدائی اکائی (Unit) ہیں۔ اب عناصر کو سالمات ایٹم بلکہ ایٹم کو بھی الیکٹرون اور پروٹرون میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اب یونانی حکما اور عربی حکما اور موجودہ سائنس کے نظریات کو آسانی منطبق کیا جا سکتا ہے۔ قدیم حکما عناصر کی اصل آگ اور جدید سائنس عناصر کا اختتام برقی ذرات تسلیم کرتی ہے گویا ثابت کیا ہے کہ عناصر کی ابتداء آگ سے ہوئی ہے۔ موجودہ سائنس ان برقی ذرات کو بھی توانائی (Energy) اور حرکت کی پیداوار قرار دیتی ہے اور اس کا منبع ایتھر (Ether) کو تسلیم کیا جا رہا ہے قدیم حکمانے جس چیز کو مادہ اولیٰ قرار دیا ہے وہ یہی آکاش (ایتھر) ہے جس میں ایک فطری اور قدرتی حرکت (Impulse) پائی جاتی ہے، اسی ایتھر کا تمام کائنات پر غلبہ اور حرکت ہے۔ اس حرکت کو اگر روح عالم کہا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا۔ کائنات کی تمام حرکت و عمل برق و رعد وغیرہ اسی ایتھر اور اس کی حرکت کے باعث ہے۔ اس ایتھر کا خاصہ ہے کہ وہ ہر قسم کے مادی اجسام سے اس طرح گزر جاتی ہے جس طرح روشنی آئینہ سے اور لاشعاع (X-rays) پتھر اور لوہے وغیرہ میں سے گزر جاتی ہے۔

حکیم آئن سٹائن کے نظریات نے اس امر کو اور بھی سمجھا دیا ہے کہ لہریں، توانائی اور حرکت مادہ کا اصل ہیں اور اب یہ سمجھا جاتا ہے کہ مادہ درحقیقت مربوط حوادثات ہیں اور بقول رسل ''نظریہ اضافیت نے زماں کو زمان و مکان (Time & Space) میں سمو کر مادیت کے روایتی تصور کو بہت زیادہ مجروح کیا ہے اب نظریہ اضافیت کے قائلین کے نزدیک مادہ کا تصور مادی خصوصیات کا حامل نہیں رہا بلکہ مربوط حوادث کا مجموعہ بن چکا ہے جس کی اصل حرکت یا توانائی ہے''۔ کائنات جو ہمیں اشیاء کا مجموعہ نظر آتی ہے، ایک ٹھوس شے نہیں جو فضا میں پڑی ہے۔ یہ شے ہے ہی نہیں بلکہ عمل (Action) ہے یا حوادث کی عمارت (از خطبات اقبال)۔

جدید سائنس کی ان تحقیقات کی روشنی میں قدیم حکماء کی حقیقت پرستی اور مغربی طب کی تاریکی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ماڈرن سائنس کا یہ عقیدہ کہ مادہ کی اصل ٹھوس نہیں بلکہ حرکت و توانائی ہے جو زمان و مکان کی حدود سے نکل کر صرف مربوط حوادثات اور منجمد خیالات کا مجموعہ ہے حکمائے قدیم کے اس نظریہ سے کتنا تطابق رکھتا ہے کہ مادہ اولیٰ کی اصل ہیولیٰ اور عقل فعال سے ہے۔ ہیولیٰ سے مادہ اولیٰ کی پیدائش ہے وہ اس سے بہت بلند تر شے ہے جو ابتدائی توانائی (Energy) کے قائم مقام ہے۔ اس ہیولیٰ کو عقل فعال کا پرتو یا عکس کہا گیا ہے عقل فعال کو روح کل بھی کہتے ہیں۔ گویا عقل فعال اور روح کل ایسی حرکت ہیں جن میں شعور ہے اسی کو آفاق اور روح عالم بھی کہتے ہیں جس سے نظام کائنات اور زندگی رواں دواں ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ مغربی سائنس کے مقابل میں قدیم حکمت درست ہے۔ کیونکہ ماڈرن سائنس کی تحقیقات اور وہ باہم منطبق ہو جاتے ہیں اور اس جدید سائنس کے نظریات کو غلط کہنے کی کسی میں جرأت نہیں۔

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جدید سائنس کی تحقیقات ابھی اس مقام تک نہیں پہنچیں، جہاں عربی اطباء کی معلومات تھیں۔ عربی اطباء نے اسلام کی تعلیم کے تحت طب یونانی کی اصلاح کی اغلاط کو درست کیا اور اس کی وہمی اور خیالی چیزوں کو علوم باطنیہ کشف والہام سے

تصدیقات کا مقام بخشا۔ ویدانت میں بھی علوم باطنیہ کا ذکر ہے لیکن اس تفصیل کے ساتھ نہیں جس کے ساتھ اسلام میں ہے اور ساتھ ہی جس مقام پر مسلمان صوفی کی رسائی ہے ہندو یوگی اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ بخوف طوالت امثال کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

اسلامی حکماء کی تحقیقات و آراء

اب ہم اسلامی حکماء کی مادہ، ارکان، عناصر، جسم، صورت، زندگی، موالید ثلاثہ اور کائنات کی پیدائش کے متعلق آراء پیش کرتے ہیں تاکہ مغربی دنیا کو پتہ چل جائے کہ حکمائے اسلام نے جو کئی سو سال پہلے پیش کیا تھا وہ بالکل صحیح تھا اور جدید سائنس بایں ہمہ دعوائے تحقیق و تدقیق ابھی تک وہاں نہیں پہنچ سکی۔ البتہ اس کا کچھ احساس ہوا ہے کہ مابعد الطبیعیات بھی کچھ ضرور ہے جس کے اثرات ہم محسوس کرتے ہیں لیکن ہمارے حواس خمسہ سے بالاتر ہیں۔ الفریڈ کوپن اپنی کتاب (The Crisis of Civilization) میں لکھتا ہے ''اس امر کا خیال تک بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ہم حقیقت کا قطعی علم حاصل کر چکے ہیں حتیٰ کہ سائنس کے محدود دائرہ میں بھی نہیں جب تک اس تمام محسوس دنیا کا علم نہ ہو جائے''۔

ایڈنگٹن (Henry Addington Bayley Bruce 1874-1959) اپنی کتاب (Adventuring in the Psychical) میں لکھتا ہے ''قوت، توانائی اور البادیہ سب اشارات کی دنیا سے متعلق ہیں۔ یہی وہ تصورات ہیں جن سے ہم نے طبیعیات کی خارجی دنیا تخلیق کی ہے۔ طبیعیات کی دنیا کے اسباب و ذرائع ختم کرنے کے بعد جب ہم اپنے شعور کی دنیا کی انتہائی گہرائیوں میں پہنچتے ہیں وہاں ایک نئے منظر میں داخل ہوتے ہیں اور خود اپنی ذات سے اشارات لے کر ایک نئی دنیا تخلیق کرتے ہیں جس کی بنیاد روحانیات پر ہوتی ہے''۔ آج کل کی جدید سائنس قطعی حقیقت سے ناواقف اور صرف اشارات سے حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔ اسی قسم کا جواب آج سے ڈھائی ہزار سال قبل افلاطون نے دیا تھا۔ جب ان سے اس وسیع و عریض کائنات کے اسرار و غوامض اور مستور و مجرد قوتوں کی ماہیت کے متعلق دریافت کیا گیا ''میں ایک تخیل کے رنگ میں بتاتا ہوں کہ ہماری عقل کہاں تک روشنی حاصل کر چکی ہے اور کہاں تک تاہنوز اندھیرے میں ہے۔ ذرا تصور میں لائیے کہ نوع انسانی ایک زیر زمین غار میں سکونت پذیر ہے۔ اس غار کا منہ روشنی کی طرف کھلتا ہے اور اندر سب اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ نوع انسانی اس غار کے منہ پر اس طرح زنجیروں میں جکڑی پڑی ہے کہ کوئی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھ سکتا۔ ان کے پیچھے آگ کے بڑے بڑے درخشاں شعلے نور افشاں ہیں۔ جس سے غار کے آخری بند حصے پر روشنی پڑتی ہے۔ ان شعلوں اور ان جکڑے ہوئے آدمیوں کے درمیان سے بہت سے لوگ گذر رہے ہیں جن کے پاس قسم قسم کے ظروف، مجسمے وغیرہ ہیں۔ یہ لوگ ایک دوسری طرف سے گزر رہے ہیں۔ ان کا اور ان تمام چیزوں کا سایہ جو انہوں نے اٹھا رکھی ہیں غار کے اندر سامنے کی دیوار پر پڑتا ہے۔ غار کے منہ پر بیٹھے ہوئے انسان ان تمام اشیاء کا سایہ سامنے دیوار پر دیکھ سکتے ہیں۔ پیچھے مڑ کر ان اشیاء کی حقیقت کو نہیں دیکھ سکتے۔ ان کے نزدیک حقیقت فقط اس سایہ کا نام ہے جو ان کے سامنے دیوار پر ادھر سے ادھر گذرتا دکھائی دیتا ہے۔ ماڈرن سائنس کی جملہ تحقیقات ایک خاص مقام پر آ کر رک جاتی ہیں۔ یعنی جہاں مادہ اپنا جسم و صورت چھوڑ دیتا ہے جس کے ساتھ غیر مادی تصور پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اس غیر مادی تصور کو عقلی یا وہمی طور پر جہاں تک چاہے تقسیم کر دے ہو سکتا ہے۔ لیکن بہر حال جدید سائنس کی دسترس سے باہر ہے۔ وہ اس کا نام نظر آنے کی صورت میں برقی شرارے (Electrons) اور شعاعیں رکھ لیں اور نظر نہ آنے کی صورت میں لاشعاع (X-rays) یا کائناتی شعاعیں (Cosmic-rays) رکھ لیتے ہیں۔ پھر ان دیدہ و نادیدہ شعاعوں کے اصل کو توانائی اور توانائی کا تعلق کسی قوت سے اور آخر میں ہر قوت کی پیدائش حرکت کو تسلیم کرتے ہیں۔ صرف اس پر بس نہیں بلکہ یہ بھی تسلیم کیا

گیا ہے کہ توانائی میں ایک شعور بھی پایا جاتا ہے جس کے لیے ایک غیر مادی طاقت کا تسلیم کرنا ضروری ہے اور اس کو روح (Soul) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ توانائی، قوت اور حرکت کہاں سے پیدا ہوئے اور پھر اس میں شعور اور روحانی قوت کہاں سے آ گئی۔ یہاں پہنچ کر جدید سائنس لاچار ہو جاتی ہے یونانی حکماء کا بھی یہی حال ہے جیسا کہ ابھی افلاطون کے جواب سے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے ذہنوں پر اصل علوم کے صرف سائے ہی پڑتے ہیں۔ برعکس ان دونوں گروہوں کے حکمائے اسلام نے اس مادہ کا تعلق غیر مادی طاقتوں سے جوڑ کر ان غیر مادی طاقتوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے جو خالق کل ارض و سماء اور مادہ وغیر مادہ ہے اس پیدائش کی تفصیل درج ذیل ہے: حکمائے اسلام نے حکمت نظری کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے: ❶ طبعی ❷ ریاضی ❸ الٰہی۔

حکمتِ طبعی

حکمت نظری کی طبعی قسم میں اجسام اور ان کے متعلقات سے بحث کی جاتی ہے اور خصوصاً اس لحاظ سے کہ ان میں استحالہ اور تغیر پذیر ہونے کی استعداد ہے۔ یعنی آگ سے ہوا۔ ہوا سے پانی اور اس کے برعکس اور اسی طرح زمین سے ابخرات کس طرح پیدا ہوتے ہیں۔ فضا میں جا کر پانی کے قطرات بنتے ہیں۔ بجلی گرج کیونکر پیدا ہوتی ہے۔ ان امور کے علاوہ حکمت طبعی میں نفس ناطقہ کے حالات سے بھی بحث کی جاتی ہے کیونکہ اس کا بھی بدن انسان کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ حکمت طبعی کو ماڈرن سائنس میں فزکس (Physics) کہتے ہیں۔

حکمتِ ریاضی

حکمت نظری کی قسم ریاضی میں مقادیر و اوزان اور اشکال سے بحث کی جاتی ہے۔ مثلاً اعداد کہ عدد ایک مقدار ہے یا لمبائی چوڑائی اور بلندی کا اندازہ۔ اسی طرح اوزان کا اندازہ اور کمی بیشی کے تغیرات، شکل، نکتہ، لکیر، دائرہ و مربع وغیرہ اس کا موضوع ہے۔

حکمتِ الٰہی

حکمت نظری کی قسم الٰہی میں مجردات سے بحث کی جاتی ہے جیسے واجب باری تعالیٰ اور ان چیزوں سے بحث کی جاتی ہے جو مجردات و جسمیات دونوں مشترک ہیں۔ مثلاً موجود و معدوم، وحدت و کثرت، علت و معلول کہ مجردات میں بھی یہ پائے جاتے ہیں اور جسمیات میں بھی۔ حکمت نظری کی اس قسم کو علم اعلیٰ بھی کہتے ہیں۔

جسم کی تعریف

طبیعیات میں جس جسم سے بحث کی جاتی ہے وہ ایک ایسا جوہر ہے جس میں ابعاد ثلاثہ اس طور پر فرض کیے جائیں کہ وہ ایک دوسرے کو زاویہ قائمہ پر قطع کریں۔ اس طرح بارہ قائمہ زاویے پیدا ہوں گے۔ چار فوقانی اور آٹھ تحتانی۔

چونکہ طبیعیات کا موضوع جسم ہیں۔ البتہ اس کے اجزاء میں مادہ، صورت اور عرض لازم ہیں۔ اور اگر جسم کی اس تعریف کو مدنظر رکھا جائے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ مادہ کی ہستی کے لیے ایک جوہر کا ہونا بھی ضروری ہے جس نے مادہ اولیٰ سے جوہر کی صورت اختیار کی ہے اور جواب ایک خاص عرض و صورت کے ساتھ مادی جسم اختیار کر گیا ہے۔

صورت جسمیہ کی تعریف

صورت جسمیہ کا اطلاق عموماً شکل پر ہوتا ہے۔اسی وجہ سے دونوں کو ساتھ ساتھ بولتے ہیں۔مثلاً زید کی شکل وصورت یہ ہے لیکن فلاسفہ کی اصطلاح میں صورت کا اطلاق اس شے پر ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے کسی شے کو اغیار سے امتیاز حاصل ہو۔اس بنا پر جسم کی صورت وہ چیز ہوگی جو اس کو جواہر مجردہ (ارواح وعقل) سے ممتاز کرے اور وہ سوائے امتداد (طول، عرض، عمق) کے کوئی شے نہیں ہے۔اس لیے فلاسفہ اسی امتداد کو جسم کی صورت یعنی صورت جسمیہ کہتے ہیں۔

حکمائے مشائیہ: دو امتداد کے قائل ہیں۔ایک وہ جو از قبیل جواہر ہے جس کو صورت جسمیہ کہتے ہیں اور دوسرا وہ جو از قبیل عرض ہے جس کو مقدار کہتے ہیں۔محسوس صرف مقدار ہے اور صورت جسمیہ غیر محسوس ہے اس کا علم صرف استدلال وقیاس سے ہوتا ہے۔دراصل دونوں میں کوئی فرق نہیں۔دونوں گروہ امتداد کو صورت جسمیہ کہتے ہیں البتہ حکمائے مشائیہ جوہر کے ساتھ عرض کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ صورت جسمیہ میں امتداد کے ساتھ جوہر و مادہ اور عرض تینوں شریک ہیں۔

اتصال جسم

اجسام جو صورت اختیار کرتے ہیں حقیقت میں وہ چھوٹے چھوٹے ذرات سے مرکب ہوتے ہیں جیسے پانی کے قطرات اور موم کے ذرات یا جدید سائنس میں برقی ذرات کا اتصال، ان کا اتصال اس قدر مسلسل ہوتا ہے کہ وہ ایک جسم کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور یہ اجسام حقیقت میں اپنے اپنے جوہر کے طیف ہوتے ہیں۔

ارکان کی حقیقت

جوہر اور جسم کے درمیان جو تغیرات ہوتے ہیں جس سے مختلف صور نوعیہ عمل میں آتی ہیں یعنی جوہر میں جب تغیرات عمل میں آتے ہیں جس سے وہ جسم کی صورت اور انواع اختیار کرتا ہے، اس دوران میں جوہر ارکان کی صورت اختیار کرتے ہوئے جسم، صورت اور نوع بنتا ہے جس کو ہم عناصر کہتے ہیں۔اس کے معنی یہ ہوئے کہ ارکان کی حسی تقسیم نہیں ہوسکتی۔البتہ وہمی اور عقلی تقسیم ہوسکتی ہے البتہ عناصر کی حسی تقسیم ممکن ہے گویا ارکان (آگ، پانی، ہوا، مٹی) جسم کی صورت نوعیہ ہیں جو جسم سے الگ نہیں کی جاسکتیں۔البتہ وہ تحلیل ہوکر جوہر، مادہ اولی، توانائی وقوت اور حرکت وشعور تک پہنچ جاتا ہے۔

صور نوعیہ

صورت جسمیہ نے جسم کو جن چیزوں سے ممتاز کیا ہے وہ جسم نہیں ہیں۔اسی طرح صور نوعیہ کے سبب سے جسم کے انواع میں امتیاز ہوتا ہے اور امتیاز بھی اس درجہ کا کہ کبھی ایک نوع پر دوسری نوع کا شبہ تک نہیں ہوتا۔ایک طرف تو یہ عالم اختلاف ہے اور دوسری طرف عالم اتحاد واشتراک بھی ہے۔حیرت کا مقام ہے تمام انواع ایک دوسرے سے صور نوعیہ کے اعتبار سے متحد ہیں۔اسی سبب سے صورت جسمیہ کو تمام انواع کی علت قرار نہیں دے سکتے۔ورنہ تمام اجسام صور واشکال اور آثار وخواص کے اعتبار سے متحد ہو جائیں گے اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس اختلاف کی علت مادہ ہے۔کیونکہ اوّل تو مادہ قابل محض اس کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اجسام کے صفات وخواص اور صور واشکال کو قبول کرے نہ کہ

ان کے لیے فاعل وعلت بنے۔ دوسرے یہ کہ تمام اجسام عنصریہ کا مادہ ایک ہے وہ انواع کا اختلاف کیونکر ہو سکتا ہے اس لیے جسم کی ہر نوع کے لیے ایک خاص صورت نوعیہ ہے جو اس کے تمام آثار وخواص کی علت وسبب ہوتی ہے شیشے کی سختی، سونے کی لچک، پانی کا سیلان، آگ کی حرارت، مٹی کی یبوست وغیرہ یہ سب اس کی صورت نوعیہ کے خواص ہیں گویا نوعی تبائن اور آثار وخواص کے اختلاف کا سبب اجسام کی صور نوعیہ ہیں۔

اجسام بسیط (آگ، پانی، مٹی، ہوا) کی طبیعت ہی صورت نوعیہ ہوتی ہے اور مرکبات (موالید ثلاثہ) کی طبیعت صورت نوعیہ کا ایک جز ہوتی ہے مثلاً انسان مادہ کے علاوہ نفس نباتیہ۔ نفس حیوانیہ اور نفس ناطقہ اور طبیعت کا مرکب ہے۔ گویا صورت نوعیہ اشیائے مذکورہ کے مجموعہ کا نام ہے اور طبیعت اس کا ایک جزو ہے۔ جس طرح صورت جسمیہ اور مادہ میں تلازم ہے اسی طرح مادہ اور صورت نوعیہ میں بھی تلازم ہے اور صورت جسمیہ ونوعیہ ہر دو جوہر ہیں۔ کیونکہ جس حال سے محل بے نیاز نہیں ہوتا وہ حال بھی جوہر ہوتا ہے۔

جوہر وعرض

جوہر اس شے کو کہتے ہیں جس کا وجود کسی موضوع میں قائم نہ ہو جیسے انسان، عرض اس شے کو کہتے ہیں جو اس کے برعکس ہو۔ مثلاً سرخی وسیاہی وغیرہ۔ جوہر کے بعض افراد بھی اپنے وجود میں محل کے محتاج ہوتے ہیں۔ مثلاً صورت جسمیہ ونوعیہ۔ لیکن پھر بھی وہ جوہر ہوتے ہیں اور اصل راز اس میں یہ ہے کہ عرض کا قیام محل کی حقیقت کو نہیں بدلتا۔ مثلاً سیاہی ایک عرض ہے۔ اگر کسی کپڑے پر قائم ہو تو اس کپڑے کی حقیقت نہیں بدلتی۔ اس لیے سفید کپڑا ہو یا سرخ وہ سیاہ ہو جائے تو اسے کپڑا ہی کہیں گے۔ مگر صورت کا قیام حقیقت بدل دیتا ہے۔ مثلاً مادہ پہلے مادہ تھا لیکن صورت جسمیہ کے قیام سے جسم بن گیا اور اس کو مادہ کہنا درست نہ ہوگا۔ جس طرح نطفہ میں صورت انسانی آنے سے اس کو نطفہ کہنا غلط ہے۔

لہٰذا عرض وصورت میں فرق کے لیے حکماء نے یہ اصطلاح قرار دی ہے کہ عرض کے محل کو موضوع اور صورت کے محل کو مادہ کہتے ہیں۔ اس بنا پر عرض کی تعریف یہ ہوگی کہ عرض اس شے کو کہتے ہیں جس کا وجود موضوع میں قائم نہ ہو اور جوہر کی تعریف اس کے برعکس ہے۔

جوہر کے اقسام

جوہر کی پانچ اقسام ہیں: ❶ ہیولیٰ ❷ صورت ❸ جسم ❹ نفس ❺ عقل ومفارق۔ جوہر محل ہو تو ہیولیٰ۔ حال ہو تو صورت جسمیہ ونوعیہ۔ اگر نہ حال ہو نہ محل بلکہ دونوں سے مرکب ہو تو جسم اور اگر حال ومحل سے مرکب نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق جسم کے ساتھ ہے تو نفس ورنہ عقل مفارق۔

عرض کے اقسام

عرض کی نو اقسام ہیں: ❶ کم ❷ کیف ❸ این ❹ زمان ❺ نسبت ❻ ملک ❼ وضع ❽ فعل ❾ انفعال۔ طوالت کی وجہ سے تشریح نظر انداز کی جاتی ہے۔

جوہر اور جسم

جوہر جب ہیولیٰ وصورت کے ساتھ نفس اور عقل رکھتے ہوئے جسم اختیار کرتا ہے تو اس میں ہم صرف جسم کو حواس خمسہ سے احساس کر سکتے ہیں۔ باقی چیزوں کو ہم حواس باطنیہ سے ادراک کرتے ہیں۔ البتہ صورت کا ہم فرق ضرور کرتے ہیں لیکن ہر صورت جسم اور نفس کے ساتھ

اس طرح مربوط ہے کہ اس کو جسم سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح اس عالم میں ایک چیز دوسری چیز سے بنتی ہے اور ایک چیز دوسری چیز کا سبب ہوتی ہے حالانکہ فاعل حقیقی اور بخشندۂ وجود جناب باری تعالیٰ ہیں۔ اسی طرح عقل فعال جو عالم عقول میں ایک جوہر ہے روح اور مادہ وغیرہ کے لیے سبب ہے۔

عالم عقول

عقل کو سمجھنے کے لیے شعور کا لفظ بہت اچھا ہے۔ ہم اس کی مزید تشریح آئندہ ارواح کے بیان میں کریں گے۔ یہاں پر صرف عقول اور اجسام کے باہمی تعلق اور مادہ وجسم کے عالم عقول سے علت وسبب کے ساتھ عالم وجود میں آنے کا ذکر کریں گے۔ یہ تحقیقات صرف اسلامی حکما کی ہے۔ جنہوں نے الہام وکشف اور باطنی قوت سے اس کا پتہ چلایا۔ دوسرے لوگ ان کو کماحقہ نہیں سمجھ سکتے۔

جاننا چاہیے کہ جس طرح یہ ہماری دنیا ایک خاص نظام پر چل رہی ہے۔ اسی طرح ایک عالم عقول اور ملائکہ بھی ہے اور اس عالم میں بھی ہماری اس دنیا کی طرح علت ومعلول کا سلسلہ جاری ہے۔ مشائیہ کہتے ہیں کہ خداوند کریم نے سب سے پہلے ایک جوہر مجرد پیدا کیا جس کو عقل اوّل کہتے ہیں اور پھر اسی عقل اوّل کے واسطہ سے عقل ثانی اور فلک نہم (مکان وزمان عالم عقول) کا وجود جناب باری تعالیٰ کے فیض وبخشش سے ہوا۔ اسی طرح عقول معاشرہ اور فلک اوّل کا سلسلہ...... وجود ہوا۔ بواسطہ عقول معاشرہ جناب باری تعالیٰ کے جود وکرم سے عالم عناصر ظہور پذیر ہوا۔ عقل معاشرہ کو اس عالم کے وجود کی علت ہونے کے سبب عقل فعال کہتے ہیں۔ حکمائے اشراقیہ اور حکمائے اسلام کے نزدیک عالم افلاک وعناصر کی ہر نوع کے لیے عالم عقل میں عقول مدبرہ ہیں جن کے ذریعہ جناب باری تعالیٰ اپنے فیض وبخشش سے اس عالم کو سیراب کرتا ہے اور انہی عقول کو اصطلاح شرع میں ملائکہ کہتے ہیں۔

حکمائے اسلام کی یہ تحقیقات اس حقیقت کے تحت ہیں کہ جو کچھ آفاق میں ہے وہ سب کچھ نفس انسانی میں پایا جاتا ہے۔ لیکن آفاق ایک غیر مادی شے ہے اس کا ادراک حواس باطنی ہی سے ہو سکتا ہے۔ نفس انسانی ایک غیر مادی شے ہے جو غیر مادی اشیاء کا ادراک کر سکتا ہے، اور یہ ادراک الہام وکشف کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال بالکل خواب کی سی ہے جو تقریباً جاگنے کی حالت میں پیدا ہوتی ہے۔ طوالت کے پیش نظر اس بحث کو یہاں ختم کیا جاتا ہے۔ البتہ قرآن حکیم کا یہ نقطہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کا کام سنوارنے کے بعد زمین کو سجایا اور پھر اس کو آسمان کی طرف لوٹایا۔ اس حقیقت سے ظاہر ہے کہ آفاق وعقول سے آسمان، آسمان سے زمین۔ زمین سے موالید ثلاثہ۔ پھر احساس وادراک اور نفس بنائے گئے اور نفس وہ مقام ہے جو اپنے اندر طبیعیات سے لے کر مابعد الطبیعیات تک کا ادراک کر سکتا ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں تک یورپ نہیں پہنچ سکا اور نہ بغیر اسلام کے شاید پہنچ سکے۔

خلاصہ بحث

ارکان ایسے اجزائے بسیط ہیں جن کا مزید تجزیہ نہیں ہو سکتا۔ عناصر قابل تجزیہ ہیں اور سالمات وایٹم میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ایٹم برقی شراروں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ برقی شراروں کی پیدائش ایثر کی لہروں سے ہوتی ہے۔ لہریں حرکت سے اور حرکت شعور سے پیدا ہوتی ہے۔ شعور آفاق کی پیداوار ہے اور آفاق کو عقل سے بنایا گیا ہے۔ عقل کل اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔

② مزاج

مزاج کی تعریف

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(واما الامزجه فنقولُ ان الارکان اذا اتصغرت اجزاؤها و تماست فعل بعضها فی بعض بقواها المتضادة وتکسّر کلّ واحدٍ من سورة کیفیة متشابهة فی اجزائه فهی المزاج)۔

''مزاج ہم اس کو کہتے ہیں کہ جب ارکان کے اجزاء بہت ہی چھوٹے چھوٹے ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ ملتے ہیں۔ تو یہ اجزاء اپنی متضاد قوتوں سے ایک دوسرے میں اثر کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک عنصر دوسرے عنصر کی کیفیت کے غلبہ کو توڑ دیتا ہے۔ آخرکار جب ان کا فعل وانفعال (کسر وانکسار اور اثر ومتاثر) ایک حد تک پہنچ جاتا ہے تو اس مرکب میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو اس مرکب کے تمام اجزاء میں یکساں ہوتی ہے۔ اسی کو مزاج کہتے ہیں)''۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس جہاں چار ارکان سے انکار کرتے ہیں جن کی حقیقت پر ہم گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں وہاں پر وہ چار کیفیات سے بھی انکار کرتی ہیں۔ لیکن وہ جسم انسان میں گرمی وسردی اور تری وخشکی کے اظہار اثرات سے انکار نہیں کر سکتی۔ مثلاً آگ کی گرمی برف کی سردی اور مٹی کی خشکی اور گھی کی تری سے انکار نہیں کر سکتی۔ اسی طرح موسموں میں گرمی، سردی اور خشکی تری کا پایا جانا۔ اسی طرح انسان میں بھی خون کی گرمی۔ رطوبت کی سردی ہڈی کی خشکی اور چربی کی تری سے انکار نہیں کر سکی۔ چونکہ اس نے چار ارکان سے انکار کر دیا ہے اس لیے وہ کیفیات اور مزاج سے دور ہو گئی ہے۔

یورپی طب کے مزاج نہ ماننے پر اعتراضات

اگر یہ تسلیم کر بھی کیا جائے کہ کیفیات (گرمی۔ سردی۔ تری اور خشکی) دنیا میں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ تاہم کائنات اور زندگی کا ایک مزاج تو پھر بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یعنی یہ تمام عناصر اپنے قوئی وانفعال اور جسم ونوع کی وجہ سے آپس میں اختلاف رکھتے ہیں جب اس امر سے کوئی سائنسدان انکار نہیں کر سکتا کہ یہ تمام عناصر اختلاف افعال کیمیاویہ اور مختلف الجسم والنوع بلکہ اختلاف تناسب بھی رکھتے ہیں تو یقینی امر ہے کہ جب وہ کسی جگہ زمین کے اندر ہوا میں یا پانی کے اندر اور خاص طور پر کسی نباتی اور حیوانی یا انسانی زندگی میں ملیں تو ایک مزاج پیدا کریں۔ یہ ناممکن ہے کہ یہ آپس میں ملیں اور ان میں فعل وانفعال، تاثیر وتاثر اور کسر وانکسار پیدا نہ ہو۔ جب یہ شے لازمی ہے تو پھر مزاج کا پیدا ہونا بھی ضروری ہے۔

سائنس وتغیرات کیمیاویہ

کیا کوئی سائنس دان اس امر سے انکار کر سکتا ہے کہ جب متضاد قوئی وافعال اور مختلف الجسم وتناسب اشیاء آپس میں ملتی ہیں تو کوئی

کیمیاوی تغیر پیدا نہیں ہوتا۔ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ صاف اور خالص پانی اپنی ایک خاص شکل، ذائقہ اور رنگ رکھتا ہے۔ بے شک یہ ہائیڈروجن اور آکسیجن کا ہی مرکب ہے مگر اس کا ایک خاص تناسب ہے جو ہمیشہ قائم رہتا ہے اور جب تناسب قائم نہ رہے تو کبھی بھی پانی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ جب اس میں کوئی دوسرا عنصر یا گیس شامل ہو جاتی ہے تو اس کی شکل، ذائقہ اور رنگ میں فرق آ جاتا ہے۔ یہی حال ہوا کا ہے۔ انسانی جسم میں اس کے اثرات زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ جسم انسان اور خصوصاً اس کے خون میں سائنس کے مطابق چار ارکان و کیفیات کی بجائے چودہ یا کچھ زیادہ عناصر بھی تسلیم کر لیے جائیں۔ لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان عناصر کے امزجہ اور اخلاط سے ایک درمیانی قوام پیدا ہوتا ہے وہی صحیح قوام انسانی زندگی کے لیے نہایت اہم ہے اس کو ہم خون کہتے ہیں۔ اگر اس قوام میں مشمولہ عناصر میں کوئی کمی بیشی ہو جائے یا کوئی عنصر خراب ہو جائے یا اس قوام میں کوئی زہریلا مواد شامل ہو جائے تو خون خراب ہو جائے گا اور انسانی زندگی کے لیے یقیناً مضر ہوگا۔ اگر غور کیا جائے تو چودہ عناصر والا خون چار اخلاط کے ساتھ تطبیق پا سکتا ہے۔

طب یونانی نے کیفیات اور مزاج سے فن میں سہولت پیدا کر لی ہے جو چودہ عناصر اور ان کے خواص سے ممکن نہیں ہے۔ اس لیے مغربی طب اس میدان میں طب یونانی کے مقابلہ میں ناکام ہے۔ ایک یونانی طب کا معالج جب کسی مریض کے جسم یا نبض کو دیکھتا ہے تو اول وہ کیفیات اور مزاج ہی دیکھتا ہے۔ جب وہ کسی کیفیت کی زیادتی دیکھتا ہے تو پھر اس کے اثرات مریض کے قارورہ، پاخانہ اور باقی جسم میں تلاش کرتا ہے۔ اس تطبیق کے بعد مریض کے مزاج کی رعایت سے اس کیفیت کو رفع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر اطباء کا سالہا سال کا تجربہ ہے کہ مریض کے مزاج اور کیفیات کو اعتدال پر لانے سے نہ صرف مرض رفع ہو جاتا ہے بلکہ ہر قسم کا زہر بھی فنا ہو جاتا ہے۔ یہ یقین و تجربہ اور مشاہدہ ان کو تمام زندگی اس پر قائم رکھتا ہے۔

یقین، تجربہ اور مشاہدہ

یہ حقیقت ہے کہ ہر علم کی ابتداء صرف ایک ایسے یقین پر ہوتی ہے جس کو فرض کیا جاتا ہے اس کو علم الیقین کہتے ہیں اور پھر یہی علم تجربات و مشاہدات کے بعد صحیح اترنے پر عین الیقین اور پھر حق الیقین بن جاتا ہے۔ کیفیات اور مزاج کا علم حاصل کرنے کے بعد جب طبیب مریض کے جسم میں کسی کیفیت یا مزاج کی کمی بیشی دیکھتا ہے تو وہ اپنے تجربات کے تحت اس کیفیت کو مریض کے قارورہ، پاخانہ اور پسینہ میں دیکھتا ہے اور پھر اس یقین اور تجربہ و مشاہدہ کے بعد اس مزاج اور کیفیات کی بالضد ادویات استعمال کرتا یا تدابیر عمل میں لاتا ہے تو مریض کو آرام و صحت ہونا شروع ہو جاتی ہے تو اس کے دل و دماغ میں یقین محکم پیدا ہو جاتا ہے کہ مزاج و کیفیات کے تحت تشخیص و علاج بالکل صحیح طریق علاج ہے۔ اس کے مقابلہ میں اوّل تو چودہ عناصر کو بغیر مزاج اور کیفیات کے صرف ان کے قویٰ اور خواص کے اثرات تلاش کر کے پورا کرنا مشکل ہے۔ اور پھر ان کے ساتھ خون میں جراثیم کی تلاش امر زائد ہے۔ جب کسی مرض کا کوئی جرثومہ مل جائے تو پھر چودہ عناصر بھی نظر انداز ہو جاتے ہیں اور اس خاص قسم کے جرثومہ کے لیے قاتل جراثیم ادویہ استعمال کی جاتی ہیں اور چودہ عناصر کی کمی بیشی اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔ پھر اس امر پر بھی غور نہیں کیا جاتا کہ ممکن ہے اس جرثومہ اور زہر کا سبب ہی ان چودہ عناصر کی کمی بیشی اور خرابی ہو۔ مریض کو آرام آئے نہ آئے بس کسی خاص قسم کے جرثومہ کے نظر آنے پر صرف اسی کو فنا کرنا لازمی ہوتا ہے۔ خواہ سبب کے قائم رہنے پر وہ جرثومہ اپنی نسل کے ساتھ دوبارہ وہاں پیدا ہو جائے۔

چودہ عناصر اور جراثیم

یورپی طب نے اس امر کا کہیں فیصلہ نہیں کیا کہ تشخیص کے دوران میں جب مرض معلوم کیا جاتا ہے تو خون کے چودہ عناصر کا تجزیہ کر

کے ان کو درست یا پورا کیا جائے یا جراثیم کو تلاش کیا جائے یا جن امراض کے جراثیم کا علم ہو چکا ہے ان میں جراثیم اور باقی امراض میں چودہ عناصر کی کیمیاوی کمی بیشی اور خرابی کو کو سامنے رکھا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر صالح، طاقتور اور مقدار میں پورا خون اپنے اندر ایک خاص قوت مدافعت (Immunity) یا قوت مدبرہ بدن (Vital Force) رکھتا ہے تو ایسی حالت میں جب بھی کوئی جرثومہ جسم یا خون میں داخل ہوگا فوراً فنا ہو جائے گا جیسا کہ سائنس کا یقین ہے۔ اگر جرثومہ تلاش بھی کر لیا جائے تو جرم کش دوا کے استعمال کی ضرورت نہیں بلکہ جسم کی قوت مدافعت اور قوت مدبرہ بدن کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے اور یہ چودہ عناصر کے پورا اور درست کرنے پر موقوف ہے جیسا کہ طب یونانی چار مزاج اور چار کیفیات پر یقین رکھتی ہے اور تجربہ و مشاہدہ اس کو عین الیقین اور حق الیقین بنا دیتا ہے۔ آج بھی ہر اس مریض کے مزاج میں جس کے مزاج میں کیفیات کی کمی بیشی اور خرابی واقع ہوگئی ہو۔ اعتدال پیدا کرنے سے مرض رفع ہو جائے گا۔ اس مقصد کے لیے جو تیز و ہلکی ادویہ استعمال کی جاتی ہیں وہ مزاج و کیفیات کی خرابی کے مختلف مدارج کے مطابق ہوتی ہیں۔ طب یونانی کی بالخاصہ ادویہ تیسرے درجہ پر آتی ہیں۔ اوّل کیفیات اور دوم مزاج کو مدنظر رکھا جاتا ہے بالخاصہ ادویہ کا علم نہ بھی ہو تو صرف کیفیات کی درستی اور مزاج کے اعتدال سے بھی مرض رفع ہو جاتا ہے۔ بالخاصہ ادویات سے صرف یہ مقصد ہوتا ہے کہ وہ بار بار کے تجربات سے خاص خاص امراض و علامات میں مفید ثابت ہوئی ہیں جن میں ان امراض کے مزاج و کیفیات بھی شریک ہیں لیکن بغیر مزاج اور کیفیات کے صرف مرض اور دوا کا تعلق بے معنی شے ہے۔ اس امر سے ثابت ہوا کہ قوت مدافعت اور قوت مدبرہ بدن کا کیفیات اور مزاج کے ساتھ گہرا تعلق ہے، بالفاظ دیگر خون کی مقدار، صفائی اور قوت ہی صحت کی ضامن ہے۔

قوتِ مدافعت اور قوتِ مدبرہ بدن

سوال پیدا ہوتا ہے کہ قوت مدافعت اور قوت مدبرہ بدن کیا شے ہیں۔ ان کے کیا کام ہیں اور ان کے درمیان کیا فرق ہے۔ یورپی طب قوت مدافعت کے متعلق یہ بیان کرتی ہے کہ وہ ایک ایسی قوت ہے جو عضو و خون میں ہوتی ہے اور ضرورت کے وقت اس میں پیدا ہونے والے زہر یا زہریلے جراثیم کا مقابلہ کرتی ہے اور قوتِ مدبرہ بدن وہ قوت ہے جو خون و جسم انسان میں پائی جاتی ہے اور ضرورت کے وقت اس پر نازل ہونے والے حوادث و تکالیف کا مقابلہ کرتی ہے۔ لیکن وہ کیا ہیں؟ کہاں پیدا ہوتی ہیں؟ اور ان میں کیا فرق ہے؟ کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی حقیقت یہ ہے کہ قوتِ مدافعت اس قوت کا نام ہے کہ جب خون کا مزاج اور عناصر اعتدال پر ہو اور اس کی مقدار صفائی اور قوت کیمیاوی طور پر اپنے پورے اندازے پر پائی جاتی ہو اور اسی طرح قوت مدبرہ بدن ایسی قوت ہے جو جسم کے خون میں پائی جاتی ہے جس سے ان کے افعال اپنی درست حالت میں قائم ہوتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب ان کا مزاج و کیفیات بالکل صحیح حالت میں پائی جائیں بس اسی شے کا نام مزاج ہے جو انسانی صحت کو درست اور قائم رکھتا ہے۔

جب تک دونوں قوتیں اعتدال پر نہ ہوں مرض کی مدافعت اور اصلاح نہیں ہوسکتی اور ان کا اعتدال ناممکن ہے۔ جب تک جسم کے عناصر کیفیات اور خون کی مقدار اپنی مکمل حالت میں نہ ہو۔ اگر ہم ارکان کا مزاج نہ بھی تسلیم کریں تو عناصر کا اعتدال لامحالہ ماننا پڑے گا اور یہی عناصر کا اعتدال ان کا مزاج قرار پائے گا۔ اسی طرح خون بھی اپنے مرکب کے ساتھ اپنے اندر ایک خاص مقدار حرارت کی رکھتا ہے خواہ وہ ازلی ہو (حرارت غریزی) یا سرخ ذرات کی گردش یا عناصر کے امتزاج سے پیدا ہو جس کا ثبوت تھرمامیٹر دیتا ہے۔ جب کسی وجہ سے حرارت میں کمی واقع ہو جاتی ہے تو لامحالہ خون میں سردی کا اثر داخل ہوگا۔ اس طرح خون میں گرمی سردی کا پایا جانا ثابت ہوگیا۔ اسی طرح اگر خون کی مقدار پر غور کیا جائے تو بعض امراض (ہیضہ) یا موسم کے اثرات سے اس میں کبھی رطوبات کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اسی کو طب یونانی میں خشکی

اور جب رطوبات کی مقدار کسی سبب سے زیادہ ہو جائے تو اس کو تری کا نام دیا جاتا ہے۔ یہی ہے خون کا مزاج اور اس کی کیفیات کی حقیقت۔ کیا کسی کو اس سے انکار ہے۔ طب یونانی نے ان پر اپنے فن کی بنیاد رکھ کر عقل و فطرت سے کام لیا ہے اور مغربی طب نے ان کو نظر انداز کر کے غیر علمی راستہ اختیار کیا ہے۔

عناصر کا فعل وانفعال

فلاسفہ نے ثابت کیا ہے کہ ہر جسم عنصری میں حرارت و برودت کیفیاتِ فعلی اور رطوبت یبوست کیفیاتِ انفعالی ہیں۔ ان چار کیفیتوں میں ایک کیفیت فعلی اور ایک انفعالی کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ تمام اجسام عنصریہ کی ترکیب ارکان اربعہ سے ہوتی ہے اور چونکہ آگ (حار یابس) ہوا (رطب حار) پانی بارد ورطب اور مٹی (بارد و یابس) ہے اس لیے وہ اجسام جن کی ان عناصر سے ترکیب ہوتی ہے۔ ان میں ان چار کیفیات کو موجود ہونا چاہیے۔ مگر نہیں! مزاج حاصل ہونے کے بعد صرف ایک کیفیت فعلی اور ایک انفعالی رہ جاتی ہے مزاج چونکہ اس کیفیت متوسطہ کو کہتے ہیں جو عناصر کے کسر و انکسار سے حاصل ہوتی ہے۔ کاسر و منکسر کے تعین میں فلاسفہ کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک فاعل کاسر کیفیت اور بعض کے نزدیک صورت ہے اور منفعل مادہ وغیرہ۔ طب یونانی میں اس بحث کا پایا جانا ثابت کرتا ہے کہ اس فن میں کس قدر لطیف و دقیق تحقیقات کا جز تھا وہ کسی مشاہدہ کو نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ مگر یورپی طب نے جہاں کیفیات و مزاج کو اپنی غلط روش سے تسلیم نہیں کیا وہاں ان قوئی پر بھی بحث و تحقیق رہ گئی ہے ورنہ اس تحقیقات میں موجودہ کیمسٹری میں اشیاء کے مشینی اور کیمیاوی اثرات کے ایک نئے باب کا اضافہ ہوتا اور پتہ چلتا کہ جسم انسانی پر مشینی اور کیمیاوی اثرات کرنے والی اود یہ واشیاء کون سی ہیں۔ مشینی اشیاء وہ ہیں جن کے اثرات فعلی ہوں جو دیگر اعضا یا اشیاء میں تحریک پیدا کرتی ہیں اور کیمیاوی اشیاء وہ ہیں جن کے اثرات انفعالی ہیں یعنی وہ دیگر اشیا یا اعضاء میں اوّل جذب ہوتی ہیں اور پھر اپنے اثرات ظاہر کرتی ہیں۔ ان شاء اللہ ہم اس سلسلہ میں اپنی تحقیقات پوری وضاحت سے بیان کریں گے۔ یہاں یہ جان لیں کہ فرنگی طب میں جہاں اور خامیاں ہیں وہاں یہ بھی ایک بہت بڑی خامی ہے جس سے نصف کیمسٹری (کیمیا) خالی اور نامکمل ہے۔

موجودہ کیمسٹری جب یہ تسلیم کرتی ہے کہ جسم انسان چودہ عناصر سے مرکب ہے اور بایوکیمسٹری (کیمیائے زندگی) یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ ان چودہ عناصر کا اپنی پوری مقدار اور تناسب سے خون کے اندر مکمل ہونا صحت انسانی کے لیے لازمی ہے اور ان میں کمی مقدار اور تناسب مرض کی علامت ہے تو بس اسی قوام کا نام مزاج ہے مزاج کے معنی چند چیزوں کے ملنے اور اثر و متاثر اور فعل وانفعال کے بعد جو قوام پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ شیخ الرئیس کا بیان پیچھے گزر چکا ہے۔ گویا موجودہ سائنس عملی طور پر مزاج تسلیم کرتی ہے۔ لیکن علمی طور پر انکار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موالید ثلاثہ میں ہر مقام پر مزاج قائم ہے جس سے انکار ناممکن ہے۔ اس کے ساتھ اس کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ تشخیص میں طب یونانی کے چار ارکان کی چار کیفیات کو جانچنا اور تجزیہ کرنا سہل ہے یا طب مغرب کے چودہ عناصر کا تجزیہ اور پھر اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان چار میں سے گرمی و سردی دو کیفیاتِ فاعلہ اور تری و خشکی دو کیفیات منفعلہ ہیں یعنی اوّل صرف گرمی سردی کو سمجھ لیا جاتا ہے اس کے بعد باقی دو کیفیات کو جوڑ لیا جاتا ہے۔ یہ چیز ہر معالج آسانی سے سمجھ لیتا ہے اس کے مقابلہ میں چودہ عناصر کا تجزیہ و علم بغیر لیبارٹری کے ایک معالج کے بس کا روگ نہیں ہے جس میں کم از کم ایک دن خرچ ہو جاتا ہے اتنی دیر مریض بچے یا مرے۔ اس پر مزید جائے افسوس یہ ہے کہ اس تجزیہ کے بعد بھی صرف اس عنصر کا علم ہوگا مرض کا علم پھر بھی یقینی نہ ہوگا۔ کیونکہ ہر عنصر کی خرابی سے کئی امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اندازہ نہیں ہوگا کہ اس خاص عنصر کے کم ہو جانے سے کون سا عنصر بڑھ گیا ہے جس کو علاج میں پورا کرنا چاہیے یا بڑھ جانے کو کم کرنا

چاہیے یا دونوں کو ساتھ ہی کم و بیش کرنا چاہیے۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ سائنس کو اس امر کی تحقیق بالکل نہیں ہے کہ کس نمک کے بڑھ جانے سے کون سا نمک کم ہو جاتا ہے اور کس نمک کے کم ہونے سے کون سا نمک بڑھ جائے گا۔ یہ سب کچھ ایک گورکھ دھندا بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہر عامی سے عامی بھی جانتا ہے کہ گرمی کی زیادتی سے سردی کم ہو جاتی ہے اور تری کی کمی سے خشکی بڑھ جاتی ہے۔

مزاج کی تقسیم

شیخ الرئیس بیان کرتے ہیں ''مزاج عقلی طور پر تقسیم ہوتا ہے ❶ معتدل حقیقی اس مزاج کو کہتے ہیں جس مرکب میں متضاد کیفیات (عقلی طور پر) مساوی مقدار میں ہوں ❷ معتدل غیر حقیقی جو اعتدال حقیقی سے خارج ہو لیکن قسم اول کا وجود بیرونی طور پر قطعی ممکن نہیں البتہ جو مزاج بیرونی طور پر پائے جاتے ہیں وہ اعتدال حقیقی سے خارج ہوتے ہیں۔ قسم اول کا نام اطباء نے معتدل فرضی رکھا ہے اور وہ مزاج ہے جو کسی نوع کے موضوع میں پایا جاتا ہے وہی مزاج اس کے لیے بہتر ہے اور دوسرا وہ مزاج جو اعتدال سے خارج ہو''۔

طب یونانی میں مزاج پر بحث کر کے بے شمار گتھیوں کو سلجھایا گیا ہے اس کا کمال پہلو یہ ہے کہ کائنات میں موالید ثلاثہ کے ساتھ انسان پر عقلی طور سے بحث کی ہے اس صورت سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا کائنات میں کیا درجہ ہے اور وہ اشرف المخلوقات کیوں ہے اور پھر ہر انسان اپنے مزاج کی وجہ سے دیگر انسانوں پر کیا تفوق رکھتا ہے۔ ایک ذہین انسان کو جاہل انسان پر کیا فوقیت ہے اور انتہا یہ ہے کہ ایک نبی اپنے اعتدال مزاج کی وجہ سے دیگر انسانوں پر درجہ میں کیوں بلند ہے اور سب سے بڑھ کر خوبی یہ ہے کہ مزاج کی اصلاح سے انسانوں میں بلندی مراتب کی جاسکتی ہے۔

ایلوپیتھی نے مزاج کی بحث چھوڑ کر نہ صرف علمی دنیا میں ایک نقصان عظیم کیا ہے بلکہ طب یونانی کے پھلتے پھولتے شجر پر سایہ ڈال کر سالہا سال تک اس کی نشو و نما میں رکاوٹ ڈالی ہے۔ مگر سائنس اس اہم مسئلہ کو کیسے نظر انداز کر سکتی تھی آخر یورپ میں ایسے سائنس دان پیدا ہوئے جنہوں نے مسئلہ ارتقاء کو جانا اور اس پر بحث و تمحیص کی اور اس بحث و تمحیص میں کائنات کی ابتداء، موالید ثلاثہ پر غور و فکر کیا گیا۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حیوانات کی ابتدا نباتات کی انتہا اور نباتات کی ابتدا جمادات کی انتہا ہے اسی طرح حیوانات کی انتہا ابتدائی انسان (بندر۔ بن مانس۔ ریچھ وغیرہ) سے ہوئی ہے۔ ان مسائل کی صحت پر ابھی تک اگرچہ کوئی مکمل ثبوت بہم نہیں پہنچایا گیا تاہم یہ حقیقت مسلمہ امر ہے کہ اس دنیا میں ارتقاء قائم ہے اور کائنات کی ہر شے میں مدارج پائے جاتے ہیں جن کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور انسان ان سب میں اشرف المخلوقات ہے۔ اس وقت تک سائنس نے انسان کو اشرف المخلوقات ثابت کرنے میں جو صورت اختیار کی ہے اس میں صرف ادراک اور شعور سے کام لیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ سوائے انسان کے کسی حیوان اور نباتات میں نہیں پائے جاتے۔ نشو و نما، احساس ادراک اور شعور پر بحث پھر کبھی کریں گے۔ البتہ یہاں ہم مزاجاً ثابت کرتے ہیں کہ یہ ادراک اور شعور بغیر اس مزاج کے نہیں پائے جاتے جن میں اعتدال حقیقی کا بہت قرب نہ پایا جائے۔ یہ تطابق جہاں انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی تصدیق ہے وہاں مزاج کی حقیقت کی سچائی کا بھی ثبوت ہے۔

انسان کا مزاج اور اشرف المخلوقات ہونا

فن طب میں دو قسم کے مزاجوں سے بحث کی گئی ہے۔ مزاج معتدل حقیقی اور مزاج معتدل فرضی۔ مزاج معتدل حقیقی یعنی وہ مزاج

جس میں چاروں کیفیات برابر ہوں۔ اس صورت کا پایا جانا ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ کیفیات ایک دوسرے کی ضد ہیں اس لیے لازم ہے کہ ان کے باہم امتزاج سے جب کسر وانکسار اور اثر ومتاثر عمل میں آئے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی کیفیت غالب ہو اس مزاج کا وجود عملی نہیں ہے بلکہ عقلی ہے اور اس کا ذکر صرف تمثیلی ہے۔ دوسرا مزاج معتدل فرضی ہے۔ یہ وہ مزاج ہے جو کائنات کی ہر شے کے مطالعہ کے بعد اس میں فرض کیا گیا ہے کہ صحت کی حالت میں موالید ثلاثہ کی ہر چیز میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً شیر میں اس قدر گرمی رکھ دی گئی ہے کہ اس سے اس کے قویٰ، جرأت اور صحت قائم رہتی ہے اسی طرح خرگوش میں سردی غالب ہے جو اس کی صحت کے قیام کے ساتھ اس میں خوف کے غلبہ کو قائم رکھتی ہے۔ اسی طرح موالید ثلاثہ کی ہر شے کا ایک مزاج فرض کیا گیا ہے جس پر اس کی صحت وزندگی قائم ہے۔ جمادات، نباتات اور حیوانات کے بعد جب انسان کا فرضی مزاج دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں وہ تفاوت نہیں پایا جاتا جو حیوانی مزاج میں پایا جاتا ہے یعنی ایک طرف اس میں شیر کی انتہائی حرارت اور دوسری طرف خرگوش کی انتہائی برودت نظر آتی ہے۔ انسان میں حرارت و برودت کا تفاوت بہت کم ہے۔ بالفاظ دیگر اس میں چاروں کیفیات برابر برابر تو نہیں البتہ دنیا کی تمام مخلوقات میں مزاج معتدل حقیقی کے بہت ہی قریب ہیں۔

نظریہ ارتقاء کی تحقیق کے لیے مزاج کا مسئلہ کتنا آسان ذریعہ ہے کیونکہ موالید ثلاثہ کے مزاج میں نہ صرف تفاوت بلکہ ایک تطابق بھی پایا جاتا ہے۔ یہی وہ نظریہ ہے جس کو فن طب میں دو قیمتی اصولوں میں بند کر دیا ہے۔ مزاج معتدل حقیقی اور مزاج معتدل فرضی۔ اگرچہ مزاج معتدل حقیقی اس دنیا میں نہیں پایا جاتا تاہم اس کو کائنات کا ایک عقلی مزاج اور مرکزی نقطہ تو کہہ سکتے ہیں۔ اس مزاج کو مرکزی نقطہ مقرر کرنے کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جس شے کا مزاج ''جو ہم نے اس کی صحیح صحت کے مطابق فرض کیا ہے''۔ اس اعتدال حقیقی کے زیادہ قریب ہوگا وہی احسن اور افضل ہوگا۔ اس سے نہ صرف جمادات، نباتات، حیوانات اور انسانوں کا باہم تفاوت اور ارتقائی مقام کا پتہ چلتا ہے بلکہ انسانوں کے باہمی تفاوت کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس سے ایک شخصیت کی انسانیت، آدمیت، ادراک عقل اور حکمت کا دوسری شخصیت سے فرض کیا جا سکتا ہے بلکہ ایک قوم وملک کا دوسری قوم وملک اور ایک جنس کا دوسری جنس کے ساتھ ذہنی اور جسمانی فرق کیا جا سکتا ہے۔

مزاج کے حدود

طب میں جہاں سہولت کے لیے مزاج کا ایک مرکز (مزاج معتدل حقیقی) اور اس کے بعد (مزاج معتدل فرضی) مقرر کر دیا گیا ہے وہاں اس کا حدود اربعہ بھی مقرر کر دیا گیا ہے جس سے وہ باہر نہیں ہوگا۔ شیخ الرئیس کا کمال ہے کہ وہ ہر مسئلہ کو پہلے کلی طور پر اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہے اور پھر اس کے جزئیات کی طرف آتا ہے تاکہ طالب علم ہر مسئلہ کو سہولت سے سمجھنے کے بعد اس کے جزئیات وکلیات پر بھی پورے طور پر حاوی ہو جائے وہ آٹھ حدود مندرجہ ذیل ہیں: ❶ معتدل نوعی ❷ معتدل صنفی ❸ معتدل شخصی ❹ معتدل عضوی۔ پھر قیاس کے اعتبار سے ان کو خارجی اور داخلی دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تاکہ ہر اعتبار سے مزاج کا اعتدال ہر طالب علم کے سامنے آ جائے۔

شیخ الرئیس کے مقرر کردہ آٹھ حدود

شیخ الرئیس لکھتے ہیں: ''اس معنی (اعتدال فرضی) کے لحاظ سے معتدل فرضی کی مختلف اعتبارات سے آٹھ قسمیں ہوتی ہیں''۔ یعنی جب کسی فرضی معتدل کو معتدل کہا جاتا ہے تو اس کو ان آٹھ اعتبارات میں سے کسی ایک اعتبار سے ہی معتدل کہا جاتا ہے۔

❶ معتدل نوعی بالقیاس الی الخارج

یہ وہ مزاج ہے جو انسان کو دیگر مخلوقات کے مقابلہ میں حاصل ہے۔ یعنی وہ مخصوص مزاج جو مخلوقات کی کسی نوع کو حاصل ہو اور یہ مزاج اس نوع کے لیے یقیناً معتدل اور مناسب ہوگا۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ جو مزاج انسان کے لیے مناسب اور معتدل ہے اس کے بغیر انسان ہونا ناممکن ہے مگر یہ مزاج انسانی شیر اور خرگوش کے لیے مناسب نہ ہوگا اور نہ شیر اور خرگوش کا مزاج انسان کے لیے مناسب ہوگا اور یہ مزاج انسان کے ہر ایک فرد میں خواہ وہ بچہ ہو یا جوان، عورت ہو یا مرد، پاکستانی ہو یا برمی کم وبیش اختلاف کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ اگر یہ مخصوص مزاج نہ ہوتو وہ انسان اپنے مقام پر انسان ہی نہ رہے۔

❷ معتدل نوعی بالقیاس الی الداخل

یہ مزاج اس شخص کو حاصل ہوگا جو انسان کے اشخاص میں سب سے زیادہ معتدل ہوگا۔ گویا اس نوع کے اندر جو افراد داخل ہیں ان سب کے مزاج کے مقابلہ میں یہ مزاج معتدل ہوگا۔

❸ معتدل صنفی بالقیاس الی الخارج

یہ مزاج کسی اقلیم کے باشندوں کو دوسری اقالیم کے مقابلہ میں حاصل ہوگا۔ یعنی وہ مزاج جو کسی نوع کی ایک صنف کو دوسری اصناف کے مقابلہ میں حاصل ہوتا ہے۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ انسان ایک نوع ہے۔ اس کی بہت سی اصناف عربی، پاکستانی، اور یورپی وغیرہ ہیں ہر ایک صنف کا مزاج دوسری صنف سے جداگانہ اور مخصوص ہوتا ہے اور یہی اس کے لیے متعدل اور بہتر ہوتا ہے۔

❹ معتدل صنفی بالقیاس الی الداخل

یہ مزاج اس شخص کو حاصل ہوگا جو کسی معیّن صنف کے اشخاص میں سب سے زیادہ معتدل ہوگا۔ یعنی وہ مزاج جو نوع کی کسی صنف کو حاصل ہو اور اس صنف کے اندر جو افراد داخل ہوں ان سب کے مقابلہ میں معتدل ہوگا۔

❺ معتدل شخصی بالقیاس الی الخارج

یہ وہ مزاج ہے جو کسی معین شخص کو حاصل ہوتا ہے۔ یعنی وہ مخصوص مزاج جو کسی نوع کے اشخاص کو حاصل ہو اور یہ اس نوع کے دوسرے اشخاص کے مقابلہ میں معتدل ہوتا ہے۔ اس مزاج کے لحاظ سے ہر شخص معتدل ہے خواہ وہ گرم، سرد کوئی مزاج رکھتا ہو گویا ہر شخص کا مخصوص مزاج اس کے لیے مناسب ہے دوسرے شخص کا مزاج اس کے لیے ہرگز مناسب نہیں خواہ دوسرا شخص زیادہ معتدل ہو۔

❻ معتدل شخصی بالقیاس الی الداخل

یہ مزاج جب کسی شخص کو حاصل ہو جاتا ہے تو وہ ہر خراب حالت سے دور ہو جاتا ہے۔ یعنی یہ معتدل شخصی اس کے اپنے لحاظ سے ہوگا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر شخص کا مزاج ابتدائے عمر سے آخر تک ایک حال پر قائم نہیں رہتا بلکہ عمر، موسم، صحت، تندرستی ومرض میں بدلتا رہتا ہے۔ مگر ایک حالت ایسی ہوگی جس میں وہ بہت زیادہ تندرست ہو اور اس کے سب افعال درست ہوں۔ چنانچہ اس وقت کا مزاج ہی اس کا بہترین مزاج ہوگا۔

❼ معتدل عضوی بالقیاس الی الخارج

یہ وہ مزاج ہے جو تمام اعضا کے ہر نوع میں پایا جاتا ہے یعنی وہ مزاج جو ہر ایک عضو کو غیر کے مقابلہ میں حاصل ہے تاکہ وہ دیگر نوع

سے اپنے اس مزاج کے لحاظ سے مختلف ہو جائے۔ مثلاً ہڈی، گوشت، چربی ہر ایک کا دوسرے سے ایک الگ مزاج ہے اور وہی اس کے لیے مناسب ہے۔

❽ معتدل عضوی بالقیاس الی الداخل

یہ مزاج جب کسی عضو کو حاصل ہو جاتا ہے تو وہ اپنے بہترین حالات میں ہوتا ہے۔ یعنی یہ مزاج اس عضو کے ذاتی حالات کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

اوّل: اس کی وہ صورت جبکہ وہ اپنے مزاج کی بہترین صورت میں ہونے کی وجہ سے اعتدال پر ہو۔

دوسری: جبکہ تمام اعضاء میں کوئی ایک اپنے مزاج کی وجہ سے دوسروں کی نسبت اعتدال حقیقی کے قریب کہا جا سکے۔

مزاج غیر معتدل

اس کے متعلق شیخ الرئیس فرماتے ہیں:

''وہ مزاج جو حسب مناسب اطبا غیر معتدل ہے۔ یعنی اعتدال فرضی سے خارج ہو۔ اس کی آٹھ اقسام ہیں۔ اس لیے کہ وہ گرم ہو گا یا سرد یا تر و خشک۔ اسی طرح وہ گرم تر یا گرم خشک ہو گا یا سرد تر یا سرد خشک ہو گا''۔

③ اخلاط

شیخ الرئیس فرماتے ہیں:

(الخلط جسمٌ رطبٌ سیالٌ یتحیل الیه الغذا اوّلاً وانواعه الدم وهو حارٌ رطبٌ والصفراء وهی حارةٌ یا بسةٌ والبلغم وهو باردٌ رطبٌ والسوداءُ وهی باردة یابسةٌ).

''خلط ایک تر اور بہنے والا مادہ ہے۔ غذا ہضم ہونے کے بعد پہلے اسی کی صورت اختیار کرتی ہے اور اس کے اقسام یہ ہیں: ① خون جو گرم تر ہے۔ ② صفراء جو گرم خشک ③ بلغم جو سرد تر۔ اور ④ سودا جو سرد خشک ہے''۔

اس کی تشریح یہ ہے کہ غذا کے معدہ و امعاء سے ہضم ہونے کے بعد اس کا جو خلاصہ جگر کی طرف بذریعہ ماساریقا کے چلا جاتا ہے اس خلاصہ غذا سے تمام اخلاط بنتے ہیں جن کو خون، صفرا، بلغم اور سودا کہتے ہیں اور یہ تمام اخلاط جگر میں پیدا ہوتے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے:

اخلاط غذا کا جو حصہ معتدل طور پر پختہ ہو کر جاتا ہے وہ خون، جو پک کر زیادہ لطیف ہو جاتا ہے وہ صفرا، غذا کا جو حصہ جل کر سیاہ ہو جاتا ہے وہ سودا اور جو خام رہ جاتا ہے وہ بلغم ہے۔

اس کے مقابلہ میں یورپی طب کا نظریہ یہ ہے: ① غذا کا خلاصہ جگر کی طرف ماساریقا کے ذریعہ بہت کم جاتا ہے۔ اس کا زیادہ حصہ عروق بعینہٖ اور مجریٰ الصدر کے ذریعے جگر سے پہلے قلب میں پہنچتا ہے۔ ماساریقا کا بڑا کام معدہ اور امعاء سے وریدی خون کا واپس لے جانا ہے ② اخلاط چار نہیں بلکہ صرف ایک، خون ہے جو مختلف اجزاء سے مرکب ہے۔ ③ کچھ اجزا جگر میں بنتے ہیں ④ کچھ طحال ⑤ کچھ ہڈیوں کے گودے اور ⑥ کچھ بدن کی گلٹیوں میں تیار ہوتے ہیں ⑦ صفراء واقعی جگر میں بنتا ہے ⑧ بلغم کا مستقل کوئی وجود نہیں ⑨ زیادہ سے زیادہ اسے خون کا ایک جز تسلیم کرنا پڑے گا۔ ⑩ سودا کا وجود ثابت ہی نہیں ہوتا اور ⑪ طبعی خون کے لیے جگر میں پیدا ہونا ضروری نہیں بلکہ محض کیمیاوی طور پر درست ہونا لازمی ہے۔

اخلاط کے متعلق شیخ الرئیس کے فوائد و قیود

شیخ الرئیس کی تعریف خلط میں چند فوائد و قیود بھی ہیں یعنی رطب کہنے سے ہڈی، گوشت کری وغیرہ الگ ہو گئے۔ سیال نے چربی کی نفی کر دی ''جس کی طرف غذا متحیل ہوتی ہے''۔ اس سے مراد یہ ہے کہ غذا کی ماہیت (صورت نوعیہ) بدل کر دوسری شکل اختیار کر لے۔ اس نے کیلوس کو الگ کر دیا کیونکہ کیلوس اگرچہ جسم رطب اور سیال ہے مگر اس میں صورت نوعیہ غذا کی قائم ہے اور غذا کی بو اور مزہ قائم رہتا ہے اور ''متحیل اولاً'' کی قید سے رطوبت ثانیہ اور دیگر اقسام کی رطوبات کی نفی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ تمام اگرچہ جسم، رطب اور سیال ہیں اور غذا کا استحالہ بھی ان کی طرف ہو سکتا ہے مگر استحالہ اولاً نہیں ہوتا بلکہ اولاً غذا اخلاط ہی کی طرف متحیل ہوتی ہے۔

اس تشریح اور فوائد و قیود کا ذکر کرنے کے بعد اب ہم طب یورپ کے ایک ایک اعتراض کا جواب دیتے ہیں جو ہمارے مطالعہ کے مطابق زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتے ہیں اور فیصلہ اہل علم و فن پر چھوڑتے ہیں کہ آیا طب یونانی حقیقت پر ہے یا طب فرنگی۔

اعتراض نمبر(۱): غذا کا خلاصہ جگر کی طرف ماساریقا کے ذریعہ بہت کم جاتا ہے اس کا زیادہ حصہ عروق لبینہ اور مجریٰ الصدر کے ذریعے جگر سے پہلے قلب میں پہنچتا ہے۔

جواب: جاننا چاہیے کہ غذا کا جو خلاصہ عروق لبینہ اور مجریٰ الصدر کے ذریعے قلب میں جاتا ہے وہ کیلوس میں سے جذب ہو کر جاتا ہے۔ اس کا رنگ اگرچہ سفید ہوتا ہے اور اس میں غذا کی صورت نوعیہ اور بو بھی قائم نہیں رہتی لیکن ہم اس کو خون بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ سرخ نہیں ہوتا اس کی شکل زیادہ سے زیادہ سفید رطوبت خون کی ہوتی ہے یا زیادہ سے زیادہ اس میں سفید ذرات کی زیادتی تسلیم کر لیں اور جب یہی رطوبت دوران خون کے ساتھ جگر میں صاف ہونے کے لیے پہنچتی ہے تو وہاں پر اس کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے اور اس کا صفرا اس سے الگ ہو جاتا ہے اس امر سے کسی یورپی ڈاکٹر اور سائنسدان کو انکار نہیں ہے کہ خون جگر میں صاف ہوتا ہے اور اس کا صفراوی مادہ اس سے جدا ہوتا ہے اور اس امر سے بھی کسی کو انکار نہیں ہے کہ خون میں رطوبت خون اور سفید ذرات خون شامل ہوتے ہیں جو بوقت ضرورت خون اور سرخ ذرات خون میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور یہی کام جگر اور مختلف غدد کی حرارت انجام دیتی ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک جگر کی حرارت خام خون پر اثر انداز نہ ہو تو وہ کبھی بھی پختہ اور اصلی خون میں تبدیل نہیں ہو سکتا۔ اس مسلمہ حقیقت کے بعد اس امر سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جب تک کیلوس سے جذب شدہ رطوبت جگر میں جا کر حرارت حاصل نہ کرے اس وقت تک پختہ اور اصلی خون نہیں بنتا اور نہ ہی اس کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ کیلوس سے کشیر کشیدہ رطوبت پہلے قلب میں جائے یا جگر میں، جب تک جگر کی حرارت سے پختہ نہ ہو اس وقت تک خون کی شکل اختیار نہیں کر سکتی۔

یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ جو خلاصہ غذا قلب کی طرف نکل جاتا ہے اس میں روغنی اجزا نہیں ہوتے کیونکہ وہ بغیر صفراوی مادہ کے حل نہیں ہوتے لہٰذا جگر کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ دوسرے قدرت فیاض واقع ہوئی ہے کہ وہ خلاصہ غذا کا ایک حصہ فوراً دل کی طرف بھیج دیتی ہے تاکہ جسم کو فوراً غذا مل جائے اور ساتھ ہی اگر جگر کی طرف ہضم کرنے والے اعضاء کمزور یا مریض ہو تو جسم غذا کی کمی کی وجہ سے نقصان میں نہ رہے اسی طرح کبھی قلب کی طرف خلاصہ غذا روانہ کرنے والا حصہ کمزور یا مریض ہو جائے تو جگر والا حصہ جسم کو غذا کے نقصان سے بچائے۔ لیکن اس میں ایک اسرار یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ جو خلاصہ غذا قلب کی طرف جاتا ہے اس میں تیزابیت غالب ہوتی ہے تیزابیت کا خاصہ دل کو تقویت دینا اور سکیڑنا اور حرکت میں رکھنا ہے۔ جو حصہ جگر کی طرف جاتا ہے وہ جگر میں تقویت، حرارت اور اس کے فعل کو تیز کرتا ہے۔ یہ وہ تحقیقات ہیں جن سے نہ صرف فرنگی طب بلکہ جدید سائنس بھی خالی ہے۔

دوسرا اعتراض: اخلاط چار نہیں بلکہ صرف ایک۔ خون ہے اور وہ مختلف اجزاء سے مرکب ہے۔

جواب: یہ سمجھنا کہ خون چار اخلاط سے مرکب نہیں ہے صحیح نہیں بلکہ حقیقت میں خون کی چار صورتیں ہیں اور ہر صورت کے خواص جداگانہ ہیں۔ آسانی سے یہ مسئلہ یوں سمجھ میں آ سکتا ہے کہ دراصل خون کا رنگ سرخ نہیں بلکہ سفید ہے جس کو یونانی خام خون (بلغم) کہتے ہیں جو بوقت ضرورت حرارت سے استحالہ حاصل کر کے سرخ خون بن جاتا ہے۔ فرنگی طب اس رطوبت کو خون ہی تسلیم کرتی ہے جو کیلوس بن جانے کے بعد کشید ہو کر مجریٰ الصدر کے ذریعے قلب کی طرف جاتا ہے اور اس کا رنگ بھی سفید ہوتا ہے اور ضرورت کے وقت جگر اور دیگر غدد میں حرارت سے پختہ ہوتا ہے۔ دونوں طبوں کے ان حقائق سے یہ امر مسلمہ ہو گیا ہے کہ خام خون سفید ہے اور حرارت سے پختہ ہو کر سرخ ہو جاتا ہے جس طرح معتدل حرارت سے خام خون سرخ ہو جاتا ہے جس کو خون کہتے ہیں اس طرح زیادہ حرارت سے زرد رنگ کا صفرا پیدا ہو جاتا ہے جس کو جگر صاف کرتا ہے۔ فرنگی طب کو اس سے انکار نہیں، بلغم سے بھی انکار نہیں کرتی کیونکہ ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ خام خون بلغم ہے اور سرخ خون

کوتو وہ تسلیم کرتی ہے البتہ سودا کی صورت سے منکر ہے لیکن ذرا غور کیا جائے تو فوراً یہ حقیقت سامنے آ جاتی ہے کہ جب معتدل حرارت سے خام خون (خلاصہ غذا) سرخ خون زیادہ تیز حرارت سے صفرا میں تبدیل ہو جاتا ہے تو کیا اشد حرارت سے وہ جل کر سیاہ صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ اب ہر صاحب عقل بتا سکتا ہے کہ طب یونانی کے چار اخلاط کو سمجھنے میں کیا دقت ہے۔ یہ سارا کارنامہ حرارت کا ہے جو جگر میں پیدا ہوتی ہے۔ جس سے یہ تمام تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ پھر طبیعت جسم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک دم تمام خام خون (خلاصہ غذا) نہ خون میں تبدیل کرتی اور نہ سارے کا سارا صفراء اور سودا بنا دیتی ہے بلکہ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی قوتِ مدبرہ بدن ایسے اجزا کو جو جسم میں زیادہ ہو جائیں اور ان سے نقصان کا احتمال ہو نکالتی رہتی ہے۔ اسی کے تحت صفراء کو جگر اور سودا کو طحال صاف کرتی ہے گویا جسم انسانی میں بلغم (خام خون۔ خلاصہ غذا) کے ساتھ ساتھ (معتدل حرارت والا) سرخ خون (زیادہ حرارت والا) صفرا اور (اشد حرارت والا) سودا ملے جلے پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ جسم انسان کی مشین کچھ ایسی بنی ہے کہ ایک طرف غذا سے خون بنتا جاتا ہے اور دوسری طرف جسم میں خرچ ہوتا جاتا ہے، اور تیسری طرف خراب اور ناکارہ خون صاف ہوتا جاتا ہے۔ یہ مشین کے تین حصے اپنا عمل کیسے انجام دیتے ہیں اس کی تفصیل آئندہ اپنے مقام پر آئے گی۔ جہاں تک خون کا تعلق ہے وہ غذا کا خلاصہ اور غذا عناصر سے مرکب اور عناصر چودہ پندرہ قسم کے جسم انسان میں پائے جاتے ہیں اور یہ عناصر چار ارکان سے مرکب ہیں جن کی تفصیل وتشریح ارکان اور مزاج کے سلسلہ میں کی جا چکی ہے۔

اعتراضات نمبر (۳-۴-۵-۶-۷): (۳) کچھ اجزاء جگر میں بنتے ہیں (۴) کچھ طحال میں (۵) کچھ ہڈیوں کے گودے میں اور (۶) بدن کی گلٹیوں میں تیار ہوتا ہے (۷) صفراء واقعی جگر میں بنتا ہے۔

جواب: یہ قطعاً غلط ہے کہ خون مندرجہ بالا مقامات پر تیار ہوتا ہے بلکہ خون صرف معدے اور امعاء میں تیار ہوتا ہے جہاں غذا تحلیل ہو کر کیلوس کی شکل اختیار کرتی ہے۔ دوسرے تمام مقامات پر کیمیاوی اعمال سے خون صاف ہوتا ہے یا حرارت سے پختہ ہوتا ہے۔ جگر میں بھی خون تیار نہیں ہوتا بلکہ پختہ اور صاف ہوتا ہے یہ جو کہا گیا ہے کہ جگر میں تمام اخلاط پیدا ہوتے ہیں تو اس سے مراد ان کا بننا اور شکل اختیار کرنا ہے ورنہ پیدائش صرف معدہ اور امعاء میں ہوتی ہے۔ پھر ضرورت کے مطابق مختلف اعضاء اور مقامات میں صاف ہوتا اور بعض کیمیاوی صورتوں سے اس شکل وترکیب میں تغیر پیدا ہوتا ہے تاکہ مختلف اعضاء کے مناسب تیار کیا جائے مثلاً جگر میں سے جب خام خون یا خام جمع پختہ خون گذرتا ہے تو حرارت کے اثر سے اس میں سرخی پیدا ہو جاتی ہے اور اگر حرارت اعتدال سے زیادہ ہو تو صفرا زیادہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی رنگت میں زردی نمایاں ہو جاتی ہے اور اگر حرارت کا شدید اثر ہو جائے تو خون میں سیاہی (کاربن) پیدا ہو جاتی ہے جس کو سودا کہتے ہیں۔ جب یہی خون طحال کی طرف جاتا ہے تو وہاں کیمیاوی اثر سے اس میں سیاہی صاف ہوتی ہے اور تیزابیت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یہی تیزابیت ضرورت کے وقت رطوبت معدی کی صورت میں معدہ اور دیگر عضلات پر گر کر اس میں تحریک پیدا کرتا ہے، تعفن دور کرتا اور روغنی اجزاء کو ہضم کرتا ہے۔ تیزابیت معدہ سے فرنگی طب انکار نہیں کر سکتی ہے۔ جو غیر ناقلہ غدد سے ترشح پاتی ہے۔

اعتراض نمبر (۸-۹): بلغم کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کو خون کا جز تسلیم کرنا پڑے گا۔

جواب: حیرت کا مقام ہے کہ بلغم (خام خون) جو دراصل صحیح معنوں میں خون ہے اس کو تسلیم نہیں کیا جا رہا اور سرخ رنگ کے محلول کو خون کہا جاتا ہے جو خام خون کی حرارت سے پختہ ہو کر ایک شکل ہے۔ اسی طرح صفراء کو تسلیم کیا جاتا ہے جو خون میں اعتدال سے زیادہ اثر کرنے کا نتیجہ ہے مگر سودا کو نہیں تسلیم کیا جاتا جو خون میں اشد حرارت کے عمل کرنے کا نتیجہ ہے۔ ان اخلاط کی ان چار صورتوں کی بہترین مثال دودھ ہے جس سے یہ مسئلہ آسانی سے ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

کچا دودھ جب کسی برتن میں ڈال کر دیکھا جائے تو اوپر سے نیچے تک ایک جیسا ہوتا ہے۔ جب اس کو آگ پر رکھا جائے تو تھوڑی دیر ابلنے کے بعد اس کے اوپر بالائی آ جاتی ہے اور دودھ کے اندر دانہ بن جاتا ہے گویا سفید ذرات دودھ کی رطوبت میں تیرتے نظر آتے ہیں۔ جب زیادہ آگ پر رہے تو بالائی کے رنگ میں زردی اور دودھ میں ہلکی سرخی پیدا ہو جاتی ہے اور برتن کے تلے میں سیاہی مائل بالائی کی قسم کی ایک شے جم جاتی ہے جس کو کھرچن کہتے ہیں گویا دودھ کو گرم کرنے سے اس کی چار صورتیں بن جاتی ہیں: ❶ بالائی ❷ ذرات ❸ رقیق سفید رطوبت ❹ گاڑھا اور بعض اوقات سخت شدہ دودھ۔ ان چار صورتوں کی شکل بالکل چار اخلاط کی ہے۔ ذرات خون، بالائی صفراوی جھاگ۔ رقیق سفید رطوبت بلغم اور گاڑھا دودھ سودا کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اس مثال کو سامنے رکھ کر کوئی کیلوس (خام خون) کی چار حالتوں سے انکار کر سکتا ہے؟ مگر حقیقت پسند نہیں بلکہ کور باطن ہے۔

بس یہ حقیقت ہے کہ خون دراصل کیلوس کی اس حالت کا نام ہے جب آنتوں سے جذب یا کشید ہو کر خون میں شریک ہوتا ہے۔ اس وقت اس کا رنگ سفید ہوتا ہے۔ جگر میں سے گذرتے وقت اس کی معتدل حرارت اس کو پکا کر سرخ بنا دیتی ہے اور یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جب حرارت اعتدال سے زیادہ ہو یا غذا کے اجزاء میں حرارت زیادہ ہو تو جگر میں صفرا کی صورت نمودار ہوتی ہے اور جب حرارت اشد ہو یا غذا میں سوداوی اجزاء کی زیادتی ہو تو سودا زیادہ تیار ہوتا ہے۔ جگر میں جب خون پختہ ہو کر چار رنگ اختیار کر لیتا ہے وہاں پر اس کی چار حالتیں بھی نظر آتی ہیں: ❶ خون کے جھاگ ❷ خون کے ذرات ❸ خون کی رطوبت ❹ خون کی غلظت، جو علی الترتیب صفرا، خون، بلغم اور سودا کہلاتے ہیں۔ یہاں اس غلطی کا پھر ازالہ کیا جاتا ہے کہ خون چار اخلاط سے مرکب ہے بلکہ اخلاط خون کی چار صورتوں کا نام ہے جو حرارت بن جاتی ہیں۔

اخلاط کے خواص وفوائد

اخلاط کو صحیح طور پر سمجھنے اور ذہن نشین کرانے کے لیے اطبائے قدیم نے ان کے خواص وفوائد بھی بیان کیے ہیں تا کہ پوری طرح ذہن نشین کر کے ان سے فوائد حاصل کیے جائیں۔ پہلے ان کو صالح وغیر صالح کے لحاظ سے دو اقسام ❶ خلط طبعی ❷ خلط غیر طبعی میں تقسیم کیا ہے اور پھر ان کے فوائد بیان کیے ہیں جو شیخ الرئیس کے الفاظ میں ذیل میں درج ہیں۔

خون کے اوصاف

''خون طبعی کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ اس میں بدبو نہیں ہوتی اور اس کا مزہ (دوسرے اخلاط کی نسبت) شیریں (اچھا ذائقہ) ہوتا ہے اور خون غیر طبعی رنگ۔ بو اور مزہ میں خون طبعی کا مخالف ہوتا ہے''۔

صفراء کے اوصاف

صفراء طبعی، خون طبعی کے جھاگ ہوتے ہیں اور وہ اپنے اوصاف میں شوخ سرخ ہوتا ہے۔ وزن میں ہلکا اور مزے میں تیز ہوتا ہے اور جگر میں پیدا ہوتا ہے۔ صفراء غیر طبعی کے چار اقسام ہیں: ① مرہ جس میں پانی کی طرح رقیق رطوبت ملی ہوتی ہے ② مرہ محیہ جس میں غلیظ رطوبت ملی ہوتی ہے ③ کراثی جو صفرائے محرقہ اور صفرائے مرہ سے مرکب ہے اس کی پیدائش معدہ میں ہوتی ہے ④ زنجاری جو تمام اقسام سے گرم اور مزاج میں زیادہ تر زہر کے قریب ہے''۔

بلغم کے اوصاف

''بلغم طبعی وہ ہے جو کامل خون بننے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور وہ ایسا خون ہے جو پوری پختگی پانے سے قاصر رہا ہے۔ بلغم غیر طبعی کے پانچ اقسام ہیں: ① حلو جس میں کسی قدر خلط شیریں کی آمیزش ہوتی ہے ② مالح (نمکین) اس میں صفرائے محرقہ (جلا ہوا) ملا ہوتا ہے ③ حامض (ترش) وہ بلغم جس میں ضعیف حرارت اپنا اثر کر جاتی ہے ④ عمض (بکھٹا) جس میں جوہر ارضی کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ جملہ اقسام بلغم میں زیادہ کثیف ہوتا ہے ⑤ تفہ (بے مزہ) جس کا کوئی مزہ نہیں ہوتا اس میں جوہر مائی غالب ہوتا ہے، یہ تمام اقسام سے سرد ہے''۔

سودا کے اوصاف

''سودا طبعی، خون طبعی کا تلچھٹ ہے۔ البتہ سوداء غیر طبعی جلی[1] ہوئی خلط ہے''۔

کیفیت تولد اخلاط

جاننا چاہیے کہ پیدائش اخلاط کی کیفیت یہ ہے کہ غذا ایک ایسا جسم ہے جو بدن انسان میں پہنچنے سے اس کا ایک جزو بن جاتا ہے جب وہ معدہ میں داخل ہوتی ہے تو اس میں ایک ایسا استحالہ ہوتا ہے کہ وہ ایک جوہر (خلاصہ غذا) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جس کی شکل غلیظ آش جو کی مانند ہوتی ہے وہ کیلوس کہلاتا ہے (یہ اولیں کشید ہے) پھر اس کا بھی صاف (لطیف) حصہ عروق ماساریقا کے ذریعہ جگر کی طرف بھیج دیا جاتا ہے (یہ دوسری کشید ہے) جگر میں (اس کی حرارت سے) طبخ آتا ہے (یہ اولیں ہضم ہے) اس طبخ کے بعد وہ کیموس کہلاتا ہے اس میں سے، ایک سے جھاگ کی مانند۔ ایک رسوب کی مانند۔ زیادتی طبخ کی وجہ سے دو کے ساتھ ایک شے جلی ہوئی۔ ایک شے غیر طبخ شدہ حاصل ہوتی ہے جبکہ طبخ میں کمی رہ جاتی ہے۔ پس جھاگ صفرائے طبعی۔ رسوب سودائے طبعی۔ لطیف جلی ہوئی شے صفرائے غیر طبعی اور کثیف سوئے غیر طبعی اور غیر طبخ شدہ شے بلغم ہے اور ان تمام میں جو صاف اور پختہ ہے، وہ خون ہے''۔

خواص وافعال اخلاط

خون سبب فاعلی: معتدل حرارت۔ سبب مادی: معتدل اور مناسب اغذیہ واشربہ۔ سبب صوری: نضج کامل سبب غائی۔ بدن کو تغذیہ۔ گرمی اور رطوبت پہنچانا ہے۔

صفرائے طبعی سبب فاعلی: معتدل حرارت۔ زیادہ احتراق شدہ کا حرارت کی زیادتی۔ سبب مادی: لطیف۔ گرم شیریں۔ چکنی اور چرپری اغذیہ۔ سبب صوری: طبعی کا پختگی کامل اور غیر طبعی میں پختگی کا حد سے بڑھ جانا، سبب غائی: ❶ ایسے اعضاء کو غذا پہنچانا جن کو اس کا پہنچنا مناسب ہے ❷ خون کو لطیف بنانا جس سے کہ وہ تنگ مجاری میں نفوذ کر سکے ❸ امعاء میں احساس پیدا کرنا تا کہ فضلات کے رفع کے لیے ان میں ضرورت پیدا ہو۔

بلغم سبب فاعلی: کمی حرارت سبب مادی غلیظ، لیس دار اور سرد غذائیں۔ سبب صوری: پختگی کی کمی۔ سبب غائی: ❶ جب بدن کو غذا کی کمی محسوس

---

[1] جو بھی خلط جل جائے وہ سودا بن جاتی ہے لیکن جاننا چاہیے کہ اصل خلط بلغم (خلاصہ کیلوس) ہے اور تمام اخلاط جگر کی حرارت سے ہی بنتے ہیں۔ سودا گویا اصل خلط کا جلنا ہے۔

ہو تو فوراً پہنچائے ❷ بدن کو رطوبت پہنچانا ❸ ان اعضاء کی غذا لینے جن کے لیے وہ مقرر ہے۔
سوداء طبعی کا سبب فاعلی: معتدل حرارت اور احتراق شدہ کا اعتدال سے متجاوز حرارت سبب مادی غلیظ وکم رطوبت والی گرم اغذیہ۔ سبب صوری: تہ نشین درد جو نہ تو بہے اور نہ تحلیل ہو سکے۔ سبب غائی: ① ان اعضاء کو غذا پہنچانا جن کے لیے مقرر کیا گیا ہے ② طحال سے فم معدہ پر گر کر غذا کی خواہش پیدا کرنا جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ زیادتی کسیلے پن سے تحریک پیدا کرتا ہے اور اپنی ترشی سے بھوک لگاتا ہے۔ یہ سارے کیمیاوی تغیر ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔

خلاصہ بحث

شیخ الرئیس کے مندرجہ بالا بیان کا خلاصہ درج ذیل ہے تاکہ پوری بحث سامنے آجائے اور اس پر فرنگی طب کے متوقع اعتراضات اور ان کے جوابات سمجھائے جاسکیں۔ تمام اخلاط خون، صفراء، بلغم، سوداء خلاصہ غذا سے جگر میں تیار ہوتے ہیں۔ خلاصہ غذا میں جو معتدل طور پر پختہ ہو جاتا ہے وہ خون جو پک کر زیادہ لطیف ہو جاتا ہے وہ صفراء اور جو جل کر سیاہ ہو جاتا ہے وہ سودا اور جو خام رہ جاتا ہے وہ بلغم ہے خون کا مزہ شیریں ہے حتیٰ کہ بعض نے اس کی حلاوت کو شہد سے تشبیہ دی ہے۔ بلغم سرد تر اعضا جیسے دماغ اور اعصاب کے تغذیہ میں داخل ہوتا ہے۔ صفرا گرم خشک اعضاء جیسے پھیپھڑے کے تغذیہ میں داخل ہوتا ہے اور اس کے فوائد یہ ہیں کہ یہ رگوں میں خون کے ساتھ جاتا ہے اور اس کو رقیق بنا کر باریک باریک رگوں میں نفوذ کرا دیتا ہے اور آنتوں پر گر کر پاخانہ کے اخراج کا احساس کرا دیتا ہے۔ صفرائے طبعی کا رنگ شوخ سرخ یعنی زعفران کی مانند سرخ زردی مائل ہوتا ہے اور اس کا قوام لطیف ورقیق اور وزن میں خفیف ہوتا ہے۔ سوداء خون کو غلیظ کرتا ہے تاکہ وہ اعضاء کی ساخت میں قائم رہے اور جزو بدن بن سکے۔ ہڈیوں جیسے سرد خشک اعضاء کی غذائیت طحال سے فم معدہ پر گر کر اپنی ترشی اور کسیلے پن سے بھوک لگا دیتی ہے۔

یورپی طب کے متوقع اعتراضات

ان حقائق پر طب یورپ کے جو اعتراضات کیے جاسکتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

❶ **خون**: اگرچہ خون کے اندر شریں اجزاء ضرور ہیں مگر مزے میں شوریت غالب ہوتی ہے۔

❷ **بلغم**: تمام بدن کا تغذیہ محض خون سے ہوتا ہے اس لیے سرد تر اعضا جیسے دماغ اور اعصاب وغیرہ کا تغذیہ بھی خون ہی کے مخصوص اجزاء سے ہوتا ہے۔

❸ **صفراء**: صفراء طبعی زرد یا زرد سبزی مائل ہوتا ہے۔ اسی میں کسی قدر لزجیت بھی ہوتی ہے۔ یہ پانی سے ثقیل ہوتا ہے اور جب پتہ میں دیر تک رہتا ہے تو سیاہی مائل ہو جاتا ہے۔ تمام بدن کا تغذیہ محض خون سے ہوتا ہے اس لیے پھیپھڑے بھی اسی خون سے اپنی غذا حاصل کرتے ہیں۔ یہ ایک قدرتی مسہل ہونے کے علاوہ چربیلے اور روغنی مواد کے ہضم کرنے میں بھی حصہ لیتا ہے۔

❹ **سوداء**: چونکہ سودا کا وجود ہی ثابت نہیں اس لیے اس کے تمام فوائد بھی ناقابل تسلیم ہیں۔ تمام اعضاء کی پرورش کے لیے خون کے اندر ہر قسم کے مواد موجود ہیں اس لیے ہڈیوں کا تغذیہ بھی خون ہی سے ہوتا ہے۔ طحال میں سودا کا جمع ہونا اور پھر وہاں سے فم معدہ تک روانہ ہونا اور اس سے بھوک کا لگنا یہ سب باتیں ناقابل تسلیم ہیں۔ طحال کا کام خون کے بعض اجزاء کا مکمل کرنا ہے۔ بھوک دیگر احساسات اور خواہشات کی طرح اعصاب کے تابع ہے، معدہ کے اندر جو ترشی پائی جاتی ہے وہ معدہ کی رطوبت سے حاصل ہوتی ہے اور اس سے غذا ہضم ہوتی ہے یعنی بھوک سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اعتراضات کے جوابات

❶ **خون** کے ذائقہ کے متعلق یورپی طب یہ تسلیم کرتی ہے کہ خون میں شیریں اجزاء ہوتے ہیں مگر اس امر سے انکاری ہے کہ اس کا ذائقہ شیریں ہے اس کا کہنا ہے کہ خون کا ذائقہ نمکین ہے لیکن حیرت کا مقام ہے کہ وہ سائنس کی موجودہ تحقیقات پر عقل کی روشنی میں کیوں غور نہیں کرتی۔ طب یونانی کا دعویٰ یہ ہے کہ خون کا ذائقہ شیریں ہے نہ کہ صفراء' سوداء اور بلغم سے مخلوط خون کا ذائقہ شیریں ہے۔ ان حقائق کو سائنس کی روشنی میں غور کرنے سے فرنگی طب کے مغالطہ کا صاف پتہ چل جاتا ہے۔ سب سے پہلے ہم انسانی غذا کو لیتے ہیں جس کے متعلق موجودہ سائنس کہتی ہے کہ وہ پانچ اجزاء سے مرکب ہے: ① پروٹین (اجزائے لحمیہ) ② کاربوہائیڈریٹس (نشاستہ اور شکر کے اجزاء) ③ فیٹس (روغنی اجزاء) ④ سالٹس (نمکین اجزاء) ⑤ واٹر (پانی)۔

ہر صاحب عقل وفہم جانتا ہے کہ جو غذا کھائی جاتی ہے اس میں نشاستہ اور شکر کے اجزاء زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ ان سے جسم انسانی میں انرجی (قوت غذائیہ) زیادہ پیدا ہوتی ہے اور ضرورت کے وقت نشاستہ بھی شکر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جب تجربہ ومشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ جسم میں شکر یلے اجزاء زیادہ ہوتے ہیں تو لازمی ہے کہ خون میں شیرینی کا غلبہ ہو مگر اس کے برعکس جب خون کو چکھا جائے تو اس کا ذائقہ نمکین ہوتا ہے۔ اس کی تطبیق یہ ہے:

خون میں تین ضروری اجزاء ① ترشی ② کھاری اور ③ نمکین پائے جاتے ہیں ان حقائق سے جدید سائنس بھی انکار نہیں کر سکتی۔ کیونکہ جب بھی خون کا کیمیاوی امتحان کیا جائے تو اس میں کبھی ترشی کی زیادتی اور گاہے کھاری اجزا زیادہ پائے جاتے ہیں۔ لیکن صحت کی حالت میں جب ان کا اعتدال ہوگا تو خون کا ذائقہ نمکین ہوگا۔ سائنس کا ایک ابتدائی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ایسڈ (ترشی) اور الکلی (کھار) سے سالٹ (نمک) پیدا ہوتا ہے۔ یہی صورت انسانی خون کی بھی ہے کہ وہ ترشی اور کھار کا مرکب ہونے کی وجہ سے نمکین ہے۔ البتہ اس میں کھاری پن غالب ہے۔ اس حقیقت سے جہاں یہ انکشاف ہوتا ہے کہ خون کا اصل ذائقہ شیریں اور اس کے مرکب کا نمکین ہے وہاں یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ خون میں صفراء کے علاوہ سودا بھی ہے جس کا ذائقہ ترش ہے اور یہی ترشی صفراء کی تلخی اور خون کی شیرینی سے مل کر تمام مرکب کا ذائقہ نمکین بنا دیتی ہے۔ تجربہ ومشاہدہ اس پر گواہ ہے کہ اگر ہم ترشی اور شیرینی کو ملائیں اور اس میں ضرورت کے مطابق تلخی شامل کرلیں تو اس مرکب کا ذائقہ نمکین بن جائے گا۔ یہاں اس امر کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ بلغم (جو خون کی بنیاد ہے) کے متعلق یہ امر تسلیم کیا گیا ہے کہ اس کے ذائقے صفراء اور سودا کی آمیزش سے بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی نمکین، کبھی شور اور کبھی بے مزہ، پھر یہی بلغم جب خون میں تبدیل ہوتی ہے تو اس میں وہی ذائقے قائم رہتے ہیں۔ طبعی بلغم کا ذائقہ ہمیشہ شیریں ہوتا ہیں۔ جو دراصل بنیاد خون ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایلوپیتھی کا رجوع ایک نئے میدان کی طرف تھا اس لیے جب بھی کسی یونانی مسئلہ کو اپنے نظریہ کے خلاف پایا بلا تحقیق وتدقیق اس کو رد کر دیا۔ سہل پسند معالج اس کو تسلیم کرتے گئے اور حکومت سرپرستی کرتی گئی اور تمام ممالک میں وہی تسلیم کیا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ آج ایلوپیتھی کے کسی نظریہ کو جھٹلانا اور اس کی کسی بات کو غلط قرار دینا ایک کارِ عظیم بن گیا ہے لیکن بہت جلد دنیا ایلوپیتھی کے غیر علمی ہونے کو تسلیم کرلے گی۔

❷ **بلغم** کے متعلق یہ اعتراض کس قدر غلط ہے کہ وہ دماغ اور اعصاب جیسے اعضاء کی غذا نہیں بنتا۔ ان عقلمندوں سے کوئی پوچھے کہ جب آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ خون جو تقریباً چودہ عناصر سے مرکب ہے اس کا ہر عنصر جسم کے کسی نہ کسی عضو کی غذا بنتا ہے مثلاً کیلشیم (چونا) اور فیرم

(فولاد) کا زیادہ حصہ عضلات کی غذا میں صرف ہوتا ہے۔ آیوڈین۔ سلفر (گندھک) اور سالٹس (نمکیات) کا اکثر حصہ جگر اور دیگر غدد اور اسی طرح پوٹاشیم۔ میگنیشیم اور فاسفیٹ کا زیادہ حصہ دماغ اور اعصاب کی غذا کے لیے مخصوص ہے تو پھر طب یونانی کے اس نظریہ پر کیوں اعتراض ہے کہ بلغم سرد تر ہونے کی وجہ سے اعصاب اور دماغ کی غذا بنتا ہے۔ اگر اس طرح یقین نہ آئے تو بلغم کا کیمیاوی تجزیہ کر لیں اس میں وہی اجزاء پائے جائیں گے جن کو آپ دماغ اور اعصاب کی غذا تسلیم کرتے ہیں۔

اسی پر بس نہیں۔ غذا کے متعلق بھی سائنس یہ تسلیم کرتی ہے کہ پروٹین زیادہ تر دل اور عضلات کی غذا ہیں۔ فیٹس جگر اور دیگر غدد اور گلیسرین (جو زیادہ تر شکر و نشاستہ (کاربوہائیڈریٹس) سے تیار ہوتی ہے) دماغ اور اعصاب کی غذا میں خرچ ہوتی ہے اب صاحب فہم سمجھ سکتا ہے کہ یہ اعتراض کس قدر بودا ہے کہ بلغم دماغ اور اعصاب کی غذا میں صرف نہیں ہوتی بلکہ وہ بھی صرف خون ہی سے غذا حاصل کرتے ہیں۔

❸ **صفراء** کے متعلق بھی یہی اعتراض ہے کہ وہ پھیپھڑے وغیرہ کسی خاص حصہ کی غذا نہیں بنتا بلکہ تمام بدن کا تغذیہ محض خون سے ہوتا ہے۔ اس کے لیے اوپر والے جواب کو پھر ملاحظہ کریں کہ جسم کے مختلف اعضاء کو خون کے مختلف عناصر کس طرح غذا پہنچاتے ہیں پھر اس امر پر غور کریں کہ پھیپھڑے ایسے اعضاء ہیں جن کا کام خون میں زبردست انقلاب پیدا کرنا ہے جس سے خون کے اندر دو ہواؤں نسیم (آکسیجن گیس) اور دخان (کاربانک گیس) کا ملاپ اور تبدیلی (ٹرانس مشن) ہوتی ہے۔ اس لیے پھیپھڑوں کے جسم کو سخت اور خشک بنایا گیا ہے تاکہ اس کی نالیوں میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ جب پھیپھڑوں پر سردی اور تری کا اثر ہوتا ہے تو وہاں پر بلغم دریشہ اور رطوبات پیدا ہو جاتی ہیں اور اس سے ہوا کی نالیوں کے راستے تنگ اور بعض اوقات تقریباً بند ہو جاتے ہیں جس سے سانس میں تنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ پھیپھڑوں میں گرمی خشکی کا غلبہ رہے اور یہ مقصد ایسے عناصر سے حاصل ہوتا ہے جن میں سلفر (گندھک) کی زیادتی ہو یا دوسرے معنوں میں ان کی غذا ایسے خون سے ہو جس میں صفراء کے اجزاء غالب ہوں اور عقل بھی اس کو تسلیم کرتی ہے۔ اگر مزید تجربات کی ضرورت ہو تو کسی ایسے شخص کو جس کی صحت بالکل صحیح ہو اس کو سرد تر اغذیہ و اشیاء مثلاً مولی۔ گاجر یا کھیرا ککڑی وغیرہ استعمال کرائیں۔ سردیوں میں تو صرف چند بار سرد پانی پلا دینے سے فوراً تجربہ ہو جائے گا۔ اوّل تو سردی کی زیادتی سے نمونیا ہو جائے گا۔ نہیں تو نزلہ ضرور پھیپھڑوں پر گرنا شروع ہو جائے گا جس سے ہوا کی نالی میں بلغم اور رطوبت رک کر سانس میں رکاوٹ کا باعث ہوگی۔

پھیپھڑوں میں جب کھانسی کا مرض ہوتا ہے تو یہ بھی اس بات کی علامت ہے کہ ان میں سردی خشکی سے سوزش پیدا ہو گئی ہے یا سردی تری سے بلغم پیدا ہو کر ہوا کی نالیوں میں رکاوٹ کا باعث ہوتی ہے اور کھانسی کا عمل اس تکلیف کے اظہار اور رفع کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر جب گرم خشک اغذیہ یا ادویہ استعمال کرائی جاتی ہیں تو بلغم خشک ہو جاتا ہے اور اگر سوزش ہو تو رفع ہو کر کھانسی رک جاتی ہے۔

تیسرے یہ ایک قانون فطرت ہے کہ جس رنگ کی غذا کھائی جائے، مسلسل استعمال سے جسم کا رنگ بھی وہی ہو جاتا ہے۔ پھیپھڑوں کی غذا خون کے صفراوی اجزاء ہیں جن کا رنگ سرخ زردی مائل ہے اس لیے قدرت نے ان کا رنگ بھی سرخ زردی مائل بنا دیا ہے۔ طوالت کے پیش نظر مزید دلائل ختم کیے جاتے ہیں۔

❹ **سوداء** کے متعلق اعتراضات زیادہ ہیں اس لیے جوابات بھی زیادہ ہوں گے:

① اوّل تو فرنگی طب سودا کا وجود ہی تسلیم نہیں کرتی۔ اس کے جواب میں اخلاط کی پیدائش کے متعلق ہمارا جواب دوبارہ مطالعہ کر لیں۔

② بلغم اور سودا کی طرح یہاں بھی یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ سودا کسی عضو کی غذا نہیں بنتا۔ اس کے متعلق بلغم اور سودا کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے بعد جاننا چاہیے کہ طب یونانی نے سودا کا رنگ سیاہی مائل، ذائقہ ترش اور قوام گاڑھا بیان کیا ہے بس انہی تین

علامات کو سامنے رکھ کر انہی سے ہم نہ صرف سودا کی حقیقت واصلیت ثابت کریں گے بلکہ اس کے فوائد کو بھی بہ تشریح بیان کریں گے۔

یہاں یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ طب یونانی کے مطابق سوداطحال کے مقام پر جمع ہوتا ہے پھر وہاں سے فم معدہ پر گرتا ہے جس سے بھوک پیدا ہوتی ہے۔ فرنگی طب ان سب چیزوں کو تسلیم نہیں کرتی البتہ یہ ضرور تسلیم کرتی ہے کہ معدہ میں ترشی ضرور گرتی ہے جو ان کی تحقیق کے مطابق معدہ کے اندر کی میوکس ممبرین (غشائے مخاطی) سے ترشح پاتی ہے اس سے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ غشائے مخاطی یا معدہ میں ترشی خون کے اندر ترشح پاتی ہے یا کسی اور مقام سے وہاں پر گرتی ہے۔ اگر خون سے ترشح پاتی ہے تو جیسا کہ فرنگی طب یہ تسلیم کرتی ہے کہ جسم کے ہر حصہ کو خون سے غذا ملتی ہے۔ یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑے گی کہ خون کے اندر ترشی بھی ہوتی ہے اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ:

1. جب خون میں ترشی بڑھ جاتی ہے تو اس میں کاربانک ایسڈ گیس کی زیادتی پائی جاتی ہے۔
2. خون میں ترشی بڑھ جانے سے اس گاڑھا پن اور
3. سیاہی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی علامات طب یونانی پیش کرتی ہے۔ اس سے سودا کا ثبوت حاصل ہو گیا۔

اگر ترشی غشائے مخاطی سے گرتی ہے اور خون سے ترشح نہیں پاتی تو پھر وہاں کہاں سے آتی ہے اور وہاں کیسے پیدا ہوتی ہے؟ اوّل تو طب فرنگی کے پاس کوئی جواب نہیں اور کچھ جواب ہو سکتا ہے تو غشائے مخاطی خود ترشی پیدا کرتی ہے بالکل اس طرح جیسے جگر صفراء پیدا کرتا یا خون سے علیحدہ کرتا ہے اور گردے پیشاب پیدا کرتے یا خون سے اس کے اجزا جدا کرتے ہیں۔ اس جواب کے بعد بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ خون میں ترشی ہوتی ہے اور غشائے مخاطی کے ذریعہ جدا کی جاتی ہے۔ اس سے بھی سودا کی حقیقت خون میں واضح ہو جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فرنگی طب اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ طحال ایک ایسی غدود ہے جس میں نالی وغیرہ نہیں لگی ہوئی یعنی وہ (Duct less gland) (بے نالی کا غدود) ہے اور اس کے افعال میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خون کے وہ اجزاء جو جسم میں خرچ ہو جاتے ہیں یا وہ سرخ ذرات جن میں ٹوٹ پھوٹ واقع ہوتی ہے۔ ایسا خراب خون اور ٹوٹے ہوئے ذرات کیمیاوی طور پر (کسی نالی کے ذریعہ نہیں) طحال میں جا کر پھر خون کی صحیح صورت اختیار کرتے ہیں۔ ہمیں اس امر کی صحت سے انکار نہیں لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ:

1. جب طحال میں کوئی نالی نظر نہیں آتی اور اس میں خراب خون کا جانا اور وہاں سے درست شدہ خون کا واپس آنا تسلیم ہے تو یہ امر بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایسا خون اپنے اندر خاص قسم کے اجزاء رکھتا ہے اور اس کی بناوٹ میں بالکل ایک خاص قسم کی شے پائی جاتی ہے جیسے جگر اور گردوں کے افعال کے بعد جب خون صاف ہوتا ہے تو ان کے خون میں بھی خاص قسم کے اوصاف پائے جاتے ہیں تجربہ اور مشاہدہ نے بتایا ہے کہ جگر میں صاف شدہ خون میں سرخی وحرارت (فیرم وسلفر اجزاء کی زیادتی) اور گردوں میں صاف شدہ خون میں خشکی وبرودت (پوٹاشیم وسوڈیم) کی زیادتی پائی جاتی ہے۔ اسی طرح طحال سے صاف شدہ خون میں سیاہی وغلظت (کیلشیم اور آیوڈین) پائے جاتے ہیں اور اس طرح خون کی کیمیاوی طور پر درستی وصفائی ہوتی رہتی ہے۔
2. جب خون صاف ہوتا ہے تو اس کا ایک فضلہ بھی باقی رہ جاتا ہے جیسے جگر خون کو صاف کرنے کے بعد اس میں سے خراب قسم کے صفراء کو الگ کر کے پتہ کی طرف بھیج دیتا ہے۔ اسی طرح گردے پیشاب کو صاف کر کے اس میں سے پیشابی مواد (یوریا) جدا کر کے مثانہ کے راستے باہر نکال دیتے ہیں۔ بعینہٖ طحال جب خون کو صاف کرتی ہے یا خراب خون کو درست کرتی ہے تو پھر اس کا بھی ایک فضلہ بنتا ہے۔ آخر وہ کہاں جاتا ہے؟ کیا وہ طحال کے اندر ختم ہو جاتا ہے؟ یا کیمیاوی راستہ سے خون میں شریک ہوتا ہے یا جسم کے کسی عضو یا

حصہ پر گرتا ہے؟ یا کیمیاوی راستہ سے خون میں شریک ہوتا ہے یا جسم کے کسی عضو یا حصہ پر گرتا ہے اور اس کو گرنا بھی چاہیے۔

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اگر مسلمہ حقائق اور روزانہ کے تجربات و مشاہدات پر مبنی ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ طحال میں صاف ہونے کے بعد جو خون دوران خون میں شریک ہوتا ہے اس میں خاص قسم کے اجزاء شریک ہوتے ہیں جن کا خون میں شریک ہونا ضروری ہے ان سے بعض اعضائے جسم خصوصاً قلب اور عضلات کو تقویت پیدا ہوتی ہے اور جو کچھ فضلہ بچتا ہے وہ بھی طحال میں پڑا نہیں رہ جاتا بلکہ کیمیاوی طور پر جسم کے کسی حصہ یا عضو پر گرتا ہے۔ یہی چیز ہے جس کو طب یونانی سودا کہتی ہے جو طحال سے معدہ پر گرتا ہے۔ جب اس حقیقت سے انکار نہیں کہ معدہ پر ترشی گرتی ہے اور پھر اس امر سے بھی انکار نہیں کہ طحال میں صاف شدہ خون کا فضلہ ہوتا ہے تو پھر وہ معدہ پر گرتا کس طرح ہے۔ اس ذریعہ (Process) کو جان لینا سائنس کا کام ہے ہم اس کی حقیقت اپنی کتاب ''منافع الاعضا'' میں بیان کریں گے۔

بھوک اور سوداء

مندرجہ بالا حقائق سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ سودا کا وجود ہے اور وہ طحال میں جمع ہوتا ہے اور وہاں سے معدہ پر گرتا ہے باقی یہ امر کہ وہ بھوک لگاتا ہے یا بھوک کا تعلق اعصاب کے تحت ہے اس مسئلہ میں بھی فرنگی طب غلطی پر ہے اور اس سلسلہ میں ان کی تحقیقات نفی کے برابر ہیں۔ کیونکہ جہاں تک مفرد اعضاء کے افعال کا تعلق ہے فرنگی طب اور سائنس کی تحقیقات اس بارے میں نہ ہونے کے برابر ہیں اور اسی لیے انہوں نے فزیالوجی (منافع الاعضاء) میں شرمناک غلطیاں کی ہیں۔ مثلاً فرنگی طب یہ تو جانتی ہے کہ بھوک کا احساس اعصاب سے ہوتا ہے۔ طب یونانی میں بھی یہ ایک مسلمہ امر ہے اور ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر اس امر کا قطعاً علم نہیں ہے کہ جب اعصاب کسی بات کا احساس کرتے ہیں تو دیگر مفرد اعضاء کی اس وقت کیا حالت ہوتی ہے کہ وہ بھی اس کے فعل میں شریک ہوتے ہیں مثلاً بھوک لگنے کا فعل بھی ایک عصبی احساس ہے کسی کو اس سے انکار نہیں بلکہ بدن کے جملہ احساسات کا تعلق اعصاب ہی سے ہے لیکن یہ جاننا چاہیے کہ جب اعصاب اپنے احساسات کا اظہار کرتے ہیں تو اس وقت نہ ان پر رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے جو سردی کے بڑھ جانے کا نتیجہ ہے اور نہ خون کی زیادتی جو گرمی سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ دوسرے معنوں میں یوں سمجھ لیں کہ دوران خون کی اگر اعصاب کی طرف کمی ہو جائے تو وہاں پر حرارت کم ہو کر سردی کی وجہ سے رطوبات زیادہ ہو جائیں گی اور اسی طرح اس طرف دوران خون کی زیادتی سے حرارت کی کثرت ہو جائے گی اور دونوں صورتوں میں اعصاب کے افعال صحیح حالت میں نہیں رہیں گے اوّل صورت میں جسم کے اندر پوٹاشیم سوڈیم، میگنیشیم، ہائیڈروجن گیس اور الکلی کی زیادتی ہو جائے گی۔ دوسری صورت میں سلفر، فیرم کیلشیم بڑھ جائے گا اور اس جگہ آکسیجن اور نمک کی زیادتی ہو جائے گی۔ جب اعصاب کے افعال صحیح حالت میں نہیں ہوں گے تو پھر ان کا احساس بھی چاہے بھوک کے لیے ہو یا جنسی صحیح طور پر نہ ہوگا۔ اس امر کے لیے لازمی ہے کہ اعصاب اپنی صحیح حالت پر رہیں۔ اعصاب اپنی صحیح حالت پر اسی وقت رہ سکتے ہیں جب دل کا فعل صحیح ہو اور وہ صحیح طور پر اپنا خون اعصاب کی طرف روانہ کر رہا ہو اور کیمیاوی طور پر خون کے عناصر درست ہوں۔ دل کا فعل اسی صورت میں درست حالت میں قائم رہتا ہے کہ جب ان کے عضلات میں انقباض و انبساط اعتدال پر رہے اور جاننا چاہیے کہ دل کا انقباض خون کی اس ترشی پر قائم رہتا ہے جو عضلات پر ترشح پاتی ہے اور خون میں شریک ہوتی ہے چونکہ معدہ کا تعلق غذا کے ساتھ ہے اس لیے جب معدہ کے عضلات پر ترشی کا اثر ہوتا ہے تو ان میں انقباض پیدا ہوتا ہے جس سے اعصاب کی طرف سے رطوبات جذب ہو جاتی ہیں اور اعصاب میں تناؤ اور سختی پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر ان کے درمیان برقی رو (Electricity) تیزی سے گزرنا شروع کر دیتی ہے اور اعصاب کے فعل میں

احساس کی تیزی بڑھ جاتی ہے۔

ان حقائق سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ترشی عضلات معدہ پر گر کر بھوک لگاتی ہے وہاں یہ امر بھی سامنے آ جاتا ہے کہ بھوک لگنے میں صرف اعصاب کو دخل نہیں ہے بلکہ اس میں عضلات اور غشائے مخاطی بھی برابر کی شریک ہیں۔ اس روشنی میں اس امر کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فرنگی طب کی تحقیقات کس حد تک غیر علمی اور اس کا علاج مریضوں کے لیے کتنا نقصان رساں ہے۔

بھوک لگنے میں ترشی کو جو دخل ہے وہ اوپر بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارا روزانہ کا تجربہ و مشاہدہ ہے کہ ترش اشیاء اور اغذیہ کھانے سے فوراً بھوک لگ جاتی ہے اس لیے قدرت نے:

1. پھلوں میں اکثر ترشی کا حصہ غالب رکھا ہے۔
2. اور پھر جو اغذیہ و اشرباء کچھ دن پڑی رہیں۔ ان میں ترشی پیدا ہو جاتی ہے۔
3. گویا ترشی خمیر کی پیداوار ہے۔
4. خمیر اپنے اندر طاقت رکھتا ہے۔
5. اسی خمیر سے الی (پھپھوندی) پیدا ہوتی ہے جس سے پن سلین تیار کی جاتی ہے جس کی طاقت و حرارت ایک مسلمہ امر ہے۔
6. یہی خمیر ہے جس سے سرکہ تیار ہوتا ہے جو انتہائی مقوی اور اشتہا آور معدہ ہے۔
7. آخر میں یہ حقیقت بھی سن لیں کہ یہی خمیر ہے جس سے شراب تیار کی جاتی ہے جس کی گرمی اور فوری طاقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مندرجہ بالا تمام اشیاء میں ترشی کا اثر داخل ہے اور سب کی سب انتہائی بھوک لگاتی ہیں۔ ان حقائق کے بعد بھی اگر فرنگی طب کے معالج اور سائنس دان اپنی آنکھیں بند کر لیں تو پھر اس کو کور ذوقی اور تعصب کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے ورنہ ان کی موجودگی میں کوئی اہل علم و عقل سودا اور اس کے افعال سے انکار نہیں کرے گا۔

④ اعضاء

اعضائے جسم انسان کا علم فن علاج میں اولین اور بنیادی ضرورت ہے۔ کیونکہ علاج کا تعلق انہی کے ساتھ ہے۔ اگر اعضاء کا صحیح تصور، ان کی ماہیت اور حقیقی مقام کا علم نہ ہو تو یقین کے ساتھ علاج کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس کی مثال بالکل ایک مشین کی ہے جس کے تمام پرزوں اور ان کے افعال و مقام کا علم اس کے چلانے والے کو ہونا لازمی ہے ورنہ اوّل تو وہ اس کو چلا نہیں سکتا اور چلا بھی لے تو بگڑنے کی صورت میں درست نہیں کر سکتا۔

فرنگی طب کا دعویٰ ہے کہ اس کو نہ صرف اعضائے انسان کا پہلے اور قدیم طریقہ ہائے علاج سے زیادہ بلکہ صحیح اور حقیقی علم ہے۔ کیونکہ اس تحقیق میں سائنس نے بھی اس کی بہت مدد کی ہے اور مسلسل تجربات و مشاہدات اور قیمتی آلات کی مدد سے یہ علم حاصل کیا گیا ہے مگر ہم اس باب میں واضح کریں گے کہ اس باب میں بھی ان سے کس قدر فاش غلطیاں ہوئی ہیں اور خصوصاً منافع الاعضاء میں انہوں نے کیسی کیسی قلابازیاں لگائی ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ جہاں تک اعضاء کے باہمی تعلق کی صورت ہے اس میں فرنگی طب کی تحقیقات صفر کے برابر ہیں۔ مثلاً اعضائے رئیسہ اور خادم الرئیسہ کے افعال کا باہمی تطابق۔ مفرد اور مرکب اعضاء کا تعلق اور خاص طور پر یہ کہ مرکب اعضا اپنے افعال کس طرح انجام دیتے ہیں۔ ان سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ دوران خون کا مختلف اعضاء پر کیا اثر ہوتا ہے مثلاً اگر دوران خون کی تیزی اعضائے رئیسہ میں سے کسی ایک کی طرف زیادہ تیز ہو تو باقی دو کی اس وقت کیا حالت اور کیفیت ہوتی ہے۔ اس قسم کے اور کئی حقائق ہیں جن کا تعلق انسان کے جسم، صحت، بقائے حیات اور بقائے نسل کے ساتھ ہے۔ مگر فرنگی طب ان مسائل میں تقریباً خاموش ہے۔ ہم ان سب مسائل پر نہ صرف تفصیلی بحث کریں گے بلکہ یورپی طب کی غلطیاں بھی واضح کرتے جائیں گے۔

پیدائش اعضاء

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(وھی اجسامٌ متوالدة من اول مزاج الاخلاط کما ان الاخلاط اجسامٌ متولدة من اول مزاج الارکان).

''اعضاء وہ اجسام ہیں جو اخلاط کی ابتدائی ترکیب سے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ اخلاط ایسے اجسام ہیں جو ارکان کی ابتدائی ترکیب سے پیدا ہوئے ہیں''۔

جاننا چاہیے کہ ارکان کی ابتدائی ترکیب سے نباتات اور حیوانات بنتے ہیں جن کے کھانے سے پہلے پہل بدن انسان میں اخلاط پیدا ہوتے ہیں۔ انہی اخلاط کی ابتدائی ترکیب سے جو رطوبت بنتی ہے۔ اس سے اعضاء ظہور میں آتے ہیں۔ اس رطوبت کا نام ''رطوبت ثانیہ'' رکھا گیا ہے۔

فرنگی طب میں چونکہ ارکان، مزاج اور اخلاط کی دقیق و نازک مباحث کا تذکرہ نہیں ہے اس لیے اس میں انسان کی پیدائش کو مرد و عورت کے نطفہ سے شروع کیا ہے اور اس میں اپنی دقیق و نازک تحقیقات کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً مرد کی منی میں کرم ہوتے ہیں اور عورت کی منی میں بیضے، اور جب مرد کی منی عورت کے رحم میں داخل ہوتی ہے تو مرد کے کرم منی بیضہ انثی کے قریب جا کر اس کے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ پھر اس

کے اندر بہت سی تبدیلیاں ہوتی ہیں اور پھر دونوں یک جان ہو کر بڑھنے لگتے ہیں اور جب وہ بڑھ کر خوشہ شہتوت کے برابر ہو جاتا ہے تو پھر چار حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ یہ تقسیم چار پردوں کی صورت میں ہوتی ہے۔ جن کو فرنگی طب نے ٹشوز کا نام دیا ہے۔ جن کو انسجہ کہنا چاہیے۔ چونکہ ان کی بناوٹ بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے بافندہ کا کپڑا بنا ہوتا ہے اس لیے ان کو بافت بھی کہتے ہیں۔

حیوانی ذرہ

ان ٹشوز (انسجہ) کے متعلق فرنگی طب لکھتی ہے کہ ان کی بناوٹ و بافت اور ترتیب و ترکیب سیل (Cell) کے مجموعوں سے ہوتی ہے۔ جس کو ہم ''خلیہ'' کہتے ہیں۔ گویا خلیہ انسانی جسم کا ایک ابتدائی ذرہ ہے۔ چونکہ اس میں ایک جداگانہ زندگی اور اس کے افعال تسلیم کیے گئے ہیں۔ اس لیے اس کو حیوانی ذرہ بھی کہتے ہیں یعنی تمام جسم انسانی انہی حیوانی ذروں سے ترتیب و ترکیب پاتا ہے جن کی تفصیل کتب میں بھری پڑی ہیں۔ آج کل یہ بالکل جدا ایک فن بن گیا ہے۔ جس طرح علم الجراثیم بھی ایک فن بن گیا ہے۔

انسجہ کی تقسیم

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے اپنی تحقیقات سے ثابت کیا ہے کہ ان خلیات (حیوانی ذروں) کے جسم انسانی میں چار قسم کے مجموعے ہیں۔ جن کو ٹشوز (انسجہ یا بافت) کہا جاتا ہے۔ یہی چار اقسام کے ٹشوز (انسجہ) انسان کے اعضاء اور جسم بناتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھیں کہ ایک خاص قسم کی ساخت اور بافت بنتی ہے اس خاص قسم کی ساخت یا بافت کو ''نسیج'' کہتے ہیں جن کی جمع ''انسجہ'' ہے۔ یہ انسجہ ہی اعضاء بناتے ہیں۔ ان انسجہ یا اعضائے جسم کے افعال و فوائد وہی ہیں۔ جو ان خلیات کے ہیں جن کے وہ مجموعے ہیں۔ انہی انسجہ کو انگریزی میں ''ٹشوز'' کہتے ہیں۔ یہی انسجہ ٹشوز یعنی خلیات کے مجموعے کی ساختیں اور بافتیں دراصل جسم کے مفرد اعضاء ہیں۔

اقسام انسجہ

یہ انسجہ (ٹشوز) چار قسم کے ہوتے ہیں جو درج ذیل ہیں: ❶ نسیج لحمی (مسکولر ٹشوز) اس سے عضلات (لحم۔ گوشت) جسم تیار ہوتے ہیں ❷ نسیج عصبی (نروس ٹشوز) ان سے اعصاب جسم تیار ہوتے ہیں ❸ نسیج قشری (اپی تھیلیل ٹشوز) ان سے جھلیاں اور غدود (گلٹیاں) بنتے ہیں ❹ نسیج الحاقی (کنکٹو ٹشوز) ان سے باقی تمام جسم کی بھرتی ہوتی ہے جیسے ہڈی، رباط اور وتر وغیرہ۔

ان تمام انسجہ سے بعض اعضاء صرف ایک ہی قسم کی ساخت کے بنتے ہیں۔ جیسے اعصاب و عضلات اور غدد۔ اسی طرح ہڈی و رباط اور وتر کی بافت تیار ہوتی ہے لیکن یہ مفرد اعضاء بعض مقامات پر آپس میں ایک دوسرے سے باہم جڑے اور ملے ہوتے ہیں۔ اور بعض اعضاء کی ساخت اور بافت میں مختلف اقسام کے انسجہ شریک ہوتے ہیں جیسے جلد و جھلیاں اور عروق وغیرہ۔ فرنگی طب میں اس کو علم انسجہ (ہسٹالوجی) کہتے ہیں۔ لیکن وہ ان کی فزیالوجی (منافع الاعضاء) سے واقف نہیں ہیں جن پر ہم نظریہ مفرد اعضاء کے تحت روشنی ڈالیں گے اور ثابت کریں گے کہ وہ ان کی تخلیق و ماہیت اور افعال و تعلق باہم کیا ہیں اور پھر غلط ثابت کرنے والوں کو چیلنج کرتے ہیں۔

فرنگی طب کو ناز ہے کہ اس نے تشریح الابدان (اناٹومی) اور منافع الاعضاء (فزیالوجی) میں بہت لمبی چوڑی تحقیقات کی ہے۔ ظاہر میں بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ تحقیق تو ضرور کرتی رہی ہے مگر وہ غلط راستہ پر چلتی رہی ہے، جیسے کعبہ کی طرف جانے والا

ترکستان کے پرکشش راستہ کو اختیار کرلے، وہ چلتا تو ضرور گیا ہے مگر منزل مقصود سے بہت دور جاپڑا ہے۔ پھر آنے والی نسلوں نے ترکستان کو ہی منزل مقصود قرار دے دیا ہے یہی حال فرنگی طب کی تحقیق کا ہے۔

فرنگی طب کو سب سے زیادہ ناز سیل وٹشو (خلیہ ونسیج) کی ریسرچ (تحقیق) پر ہے لیکن اگر وہ باغور طب قدیم کا مطالعہ کرتی تو اس میں اس سے بہتر صورتیں نظر آجاتیں اور تحقیقات میں ایک سیدھا راستہ بھی ہاتھ آجاتا۔ یہ امر ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ منزل تحقیقات کے لیے صراط المستقیم کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اسلام نے اس پر بہت زور دیا ہے۔ اسی کو انگریزی میں لائن آف ایکشن (Line of Action) کہتے ہیں۔ اور یہی فطری طریق تحقیق ہے۔

سیل (حیوانی ذرہ۔ خلیہ) پر اگر غور کریں تو تحقیق کا یہ ایک راز معلوم ہوتا ہے کہ یہ حیوانی ذرہ جوہر اور مادہ کی ابتدائی صورت ہے۔ جن کے ذہن میں ہماری جوہر و مادہ اور صورت کی بحث محفوظ ہے وہ خود اندازہ لگالیں گے کہ حیوانی ذرہ (سیل) جوہر و مادہ کی ابتدائی صورت ہے جو مفرد اعضاء (انسجہ) کی درمیانی حالت ہے جس کو خوردبین کی آنکھ نے دیکھا ہے۔ لیکن طب قدیم نے حیوانی ذرہ سے پہلی حالتیں جوہر اور مادہ کو بڑی خوبصورتی سے بیان کردیا ہے۔ شیخ الرئیس کے الفاظ پر غور کریں کہ وہ پیدائش اعضاء پر لکھتے ہیں کہ ''اعضاء وہ اجسام ہیں جو اخلاط کی ابتدائی ترکیب سے پیدا ہوتے ہیں''۔ جس کی مثال بھی بیان کردی ''جیسا کہ اخلاط ایسے اجسام ہیں جو ارکان کی ابتدائی ترکیب سے پیدا ہوتے ہیں''۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مادہ اور صورت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بلکہ صورت (حیوانی ذرہ اور نسج) اور مفرد اعضاء جو صرف آنکھ سے نظر آسکتے ہیں ان کی ماہیت اور عمل میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر کوئی ان میں فرق پیدا کردے تو ہم اس کو چیلنج کرتے ہیں۔ گویا شیخ الرئیس نے جوہر و مادہ اور صورت تک سب کچھ بیان کردیا ہے۔

غور کریں کہ طب قدیم چار اخلاط تسلیم کرتی ہے اور ہر خلط اپنا ایک الگ مزاج اور عمل رکھتی ہے اور فرنگی طب چار اقسام کے انسجہ (ٹشوز) بیان کرتی ہے۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ ہر قسم کے انسجہ میں طب قدیم کی ایک خلط پائی جاتی ہے اور اسی سے وہ غذا اور زندگی حاصل کرتی ہے۔ تطبیق یوں ہے: ① اعصابی انسجہ میں بلغم ② عضلاتی انسجہ میں خون ③ کبدی انسجہ میں صفرا اور ④ طحالی انسجہ میں سودا کے محلول پائے جاتے ہیں جو ان کی غذا اور عامل (ایری ٹینٹ) ہیں اور جب انہی محلولات میں انسجہ (مفرد اعضاء) کے اندر جب خمیر پیدا ہوتا ہے تو وہاں پر ان کے خاص قسم کے جراثیم پیدا ہوجاتے ہیں۔ ہماری تحقیق سے یہ بات بھی سمجھ لیں کہ جراثیم بھی ابتدائی طور پر تین قسم کے ہیں ① جراثیم عصی (بیسی لائی) ڈنڈا نما۔ جہاں پر اعصابی ہیں وہاں پر غیر طبعی بلغم پیدا کرتے ہیں۔ بلغم کے جس قدر غیر طبعی اقسام ہیں۔ ان کے اقسام جراثیم سے تطبیق پاتے ہیں ② جراثیم کرویہ (کاکائی) گیند نما۔ جہاں پر کبدی ہیں وہاں پر غیر طبعی صفراء پیدا کرتے ہیں۔ صفراء کے جس قدر غیر طبعی اقسام ہیں ان کے اقسام کو جراثیم سے تطبیق دے دیں ③ جراثیم حلزونیہ (وریو) گھونگھا نما۔ جہاں پر عضلاتی ہیں وہاں پر غیر طبعی سودا پیدا کرتے ہیں۔ سودا کی جس قدر غیر طبعی اقسام ہیں ان کے اقسام جراثیم سے تطبیق پاجاتے ہیں۔ یہ سب کچھ انتہائی اختصار سے بیان کیا گیا ہے ان کی تفصیل ہم اپنے رسائل میں بیان کرچکے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ فرنگی طب نے تین قسم کے انسجہ ① اعصابی ② عضلاتی ③ غدی کو حیاتی تسلیم کیا ہے۔ مگر الحاقی کو ادنیٰ قسم مانا ہے۔ اسی طرح طب یونانی نے بھی سوداء کو گھٹیا خلط کہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیورویدک نے تین دوش (وات۔ پت۔ کف) مانے ہیں۔ چوتھے خون (رکت) کو الگ کردیا ہے۔ ہم نے طب قدیم اور آیورویدک کو ماڈرن سائنس کے ساتھ تطبیق دیتے ہوئے صرف تین ہی انسجہ کو حیاتی اور فعلی تسلیم کیا ہے۔ تاکہ دنیا کی کوئی طبی تحقیق ہماری اس تحقیق سے انکار نہ کرسکے۔ یہ ہماری تحقیق وتجدید علم وفن جو صرف خداوند حکیم وکریم کے فضل و کرم سے ہمیں نوازی گئی ہے۔ کیا طبی دنیا میں کوئی ہے جو اس کا مقابلہ کرسکے۔ یہ ایک نیا فلسفہ اور نئی حقیقت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس اپنی تمام تحقیقات میں جوہر اور روح کو نظر انداز کر دیتی ہے اور مادہ اور جسم کو اپنے سامنے رکھتی ہے جس کی وجہ سے وہ حقیقت اور صدق سے بہت دور نکل جاتی ہے۔ چونکہ اس کی تحقیق کی بنیاد نہیں ہوتی۔ اس لیے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتی ہے اور سر پٹختی ہے پھر نئی راہیں تلاش کرتی ہے۔ ہم اسلام کی بات نہیں کرتے اس کی تو بنیاد ہی ایمان بالغیب ہے جہاں سے وہ جوہر و روح پیدا کیے ہیں جن سے یہ مادہ اور جسم بنتے ہیں ہم عیسائیت کی بات کرتے ہیں جس کو فرنگی قوم اختیار کیے ہوئے ہے جس میں مادیت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ گویا ایک بغیر روح لاشہ اٹھائے پھرتے ہیں جس سے دماغ کو تسکین ہے اور نہ ہی دل کو اطمینان ہے۔

فرنگی طب میں تقسیم اعضاء

فرنگی طب نے اعضاء میں حیات وقوت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خلیہ ایک ایسا حیوانی ذرہ ہے جس کو انسانی جسم کی ایک ایسی اینٹ کہنا چاہیے جس کے مرکز میں جوہر حیات ہے جس کی وجہ سے اس میں طبعی وعضوی اور کیمیاوی وحیاتی افعال مکمل طور پر پورے ہوتے ہیں۔ یعنی تغذیہ وتنمیہ اور تصفیہ تنسیم کے اعمال کے ساتھ اس میں نشو وارتقاء اور تولد وتناسل کی قوت ہوتی ہے۔ یعنی زندہ رہتا ہے۔ غذا حاصل کرتا ہے۔ بڑھتا ہے اپنے فضلات خارج کرتا ہے۔ نسیم جذب کرتا ہے۔ بڑھ کر اپنے کمال تک پہنچتا ہے اور اپنی مثل پیدا کرتا ہے۔ دیگر الفاظ میں اس طرح سمجھ لیں کہ زندگی کے تمام لوازم حیات (قوت وحرارت اور رطوبت) اس میں پائے جاتے ہیں۔ اور ضرورت کے مطابق بڑھتے گھٹتے رہتے ہیں۔ اس لیے خلیہ کو حیوانی ذرہ کہتے ہیں اور انسان انہی حیوانی ذروں کے مجموعوں (انسجہ) سے مرکب ہے۔

خلیہ کی ماہیت

خلیہ کو کیسہ (سیل) بھی کہتے ہیں۔ یہ انتہائی چھوٹا سا ذرہ ہوتا ہے۔ یہ جسامت کے لحاظ سے مختلف اقسام کے ہوتے ہیں۔ بعض خلیے اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں جو بغیر خوردبین کے نظر نہیں آسکتے ان خلیات کی جسامت کا اندازہ اس طرح لگا سکتے ہیں کہ ایک انچ لمبی قطار میں ایک سو سے لے کر چھ ہزار (۱/۱۰۰ سے ۱/۶۰۰۰) تک آجاتے ہیں۔ یہی خلیات جب باہم مل جاتے ہیں تو نسیج (ٹشو) بناتے ہیں۔ خلیہ کی ساخت کو کم از کم چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ❶ خلیہ کی تھیلی ❷ مادہ حیات ❸ جوہر حیات ❹ مرکز حیات۔ جن کی کلی ماہیت اور ان سے تیار ہونے والے انسجہ واعضاء مفردہ ومرکبہ کی تفصیلات کتب طبیہ وتشریح اور منافع الاعضاء میں بھری پڑی ہیں۔ لیکن ان میں انسجہ (مفرد اعضاء) کی انفرادی ماہیت وافعال اور باہمی تعلقات کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ماہیت امراض (پیتھالوجی) میں امراض کو مرکب اعضاء کی خرابی اور بگاڑ کو تسلیم کیا ہے چاہے ان کا سبب جراثیم ہوں یا کیمیاوی تغیرات۔ بہر حال ماہیت امراض میں انسجہ (مفرد اعضاء) کو کہیں دخل نہیں ہے۔ ان کے برعکس طب قدیم نے ان مفردات کی پیدائش سے قبل ہی مادہ کے تغیر کو ہی ماہیت مرض تسلیم کر لیا ہے اس طرح کیمیاوی تغیرات اور جراثیم کی پیدائش سے قبل ہی امراض کی صورت سامنے آجاتی ہے۔ یہی فطرتی کمال ہے۔

طب قدیم میں تقسیم اعضاء

شیخ الرئیس اعضاء کو اخلاط کی ابتدائی ترکیب (رطوبت ثانیہ) سے پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(وھی تنقسم الی رئیسة وغیر رئیسه والتی لیست برئیسة تنقسم الی خادمة الرئیسة والی غیرخادمة

الرئیسة والتی لیست بخادمة الرئیسة تنقسم الی مروسة والی غیر مرؤسة).

''اعضاء کی دو قسمیں ہیں: ❶ رئیسہ ❷ غیر رئیسہ۔ پھر جو اعضائے رئیسہ نہیں ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں: ❶ خادم رئیس ❷ غیر خادم رئیس۔ اور پھر غیر خادم رئیس کی بھی دو قسمیں ہیں: ❶ مروسہ ❷ غیر مروسہ''۔

ان سب کی تعریفیں ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔ شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(اما الاعضاء الرئیسة فهی التی تکون مبادی للقویٰ محتاجًا الیهانی بقاء انشخص اولنوع. اما بحسب ابقا انشخص نثلثة القلب وهو مبد اقوة الحیواة. والدماغ وهو مبداء قوة الحس والحوکة. والکبد وهو مبدأ قوة التفذیه. وامابحسب بقاء النوع فهذه الثلثة مع رابع وهوالانیثان).

''اعضائے رئیسہ وہ اعضاء ہیں جو قوتوں کے مبادی (سرچشمہ) ہیں (یعنی قوتیں انہی سے پیدا ہوتی ہیں) اور بقائے شخص یا نسل کے لیے ان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے بقائے شخص کے لیے اعضائے رئیسہ ہیں ① قلب جو قوت حیوانیہ کا مبدا اور سرچشمہ ہے ② دماغ جو قوت حس وحرکت کا مبدا اور سرچشمہ ہے ③ جگر جو قوت تغذیہ کا مبدا اور سرچشمہ ہے۔ لیکن بقائے نسل کے لیے تین تو یہی ہیں اور ان کے ساتھ چوتھے انثیین ہیں''۔

قابل غور بات یہ ہے کہ طب قدیم نے اعضائے جسم کو شخصی طور پر تین صورتوں میں اور نسلی طور پر چار صوتوں میں نہ صرف تقسیم کر دیا ہے بلکہ ان کے جدا جدا ابتدائی افعال بھی بیان کر دیئے ہیں اور یہی افعال ان کے کیمیاوی مواد (اخلاط) کے بھی ہیں جن سے نہ صرف یہ اعضاء تیار ہوتے ہیں بلکہ انہی سے ان کا تغذیہ بھی ہوتا ہے۔

خلیات کے افعال وقویٰ سے ناواقف

طب قدیم نے جس خوبصورتی سے اعضائے رئیسہ کے افعال وقویٰ بیان کیے ہیں اور انہی کو انہوں نے مفرد اعضاء بیان کیا ہے جن کی ہم آئندہ مکمل تشریح کریں گے۔ فرنگی طب نے اپنے مفرد اعضاء (انسجہ) کے افعال وقویٰ کو اس طرح بیان نہیں کیا۔ اس نے نہ انسجہ کے افعال وقویٰ کی تشریح کی ہے اور نہ ہی ان کے باہمی تعلق کو ظاہر کیا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی پیدائش اور تغذیہ جن کیمیاوی مواد سے ہوتا ہے ان کی تفصیل بیان نہیں کی۔ وہ تو ہر انسجہ بلکہ ہر عضو کی غذا صرف خون سے تسلیم کرتی ہے۔ جب وہ ان کے جداگانہ کیمیاوی مواد کا تجزیہ کر لے گی وہ فوراً اخلاط اور مزاج کو تسلیم کر لے گی۔ یہ وہ راز ہیں جن کو ابھی فرنگی طب کو اپنے خلیات (سیلز) اور علم الحیات (بائیولوجی) میں تحقیقات کرتے ہیں۔ یہ افعال وقوتیں جسم میں کس طرح اثر انداز ہوتی ہیں ان کے متعلق باقی اعضا کی تعریفیں بیان کی جاتی ہیں۔ شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(اما خادمة الرئیسة نمثل الاعصاب الدماغ والشرائین القلب والاوردة الکبد وادعیه المنی الانیشین).

''اعضائے خادم الرئیس جیسے اعصاب دماغ کے لیے شرائین قلب کے لیے وریدیں جگر کے لیے اور ادعیہ منی انیثین کے لیے ہیں''۔

فرنگی طب کا اعتراض

یہاں پر فرنگی طب کا اعتراض ہے کہ شریانوں کی طرح وریدوں کا مرکز بھی قلب ہے۔ وہ جگر سے نہیں نکلتیں بلکہ ان کا تعلق بھی قلب کے ساتھ ہے۔

طب قدیم کا جواب

یہ ایک ایسا دقیق تحقیقاتی مسئلہ ہے جس سے فرنگی طب بے خبر ہے۔ اگرچہ علم الانسجہ اس کو پورے طور پر تسلیم کرتی ہیں۔ ہم اس کی اس مشکل کو اپنی تحقیقات سے حل کرتے ہیں اور ان کی بے خبری کو دور کرتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ دماغ انسجہ اعصابی سے بنا ہوا ہے اور اس پر دو عدد پردے ہوتے ہیں۔ ایک پردہ غشائی جو انسجہ قشری سے بنا ہوا ہے اور دوسرا پردہ حجابی ہے جو انسجہ عضلاتی سے بنا ہوا ہے۔ اسی طرح قلب انسجہ عضلاتی سے بنا ہوا ہے اور اس پر بھی دو پردے ہیں۔ ایک پردہ غشائی ہے جو انسجہ قشری سے بنا ہوا ہے۔ دوسرا پردہ مخاطی ہے جو انسجہ اعصابی سے بنا ہوا ہے۔ بالکل اسی طرح جگر انسجہ قشری سے بنا ہوا ہے اور اس پر بھی دو پردے ہیں۔ ایک عضلاتی اور دوسرا اعصابی ہے۔ اس تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح دماغ اور اعصاب کے انسجہ کی ترتیب و بناوٹ ایک ہے اسی طرح قلب اور شرائین کی ترتیب و بناوٹ کی ایک ہی صورت ہے بالکل اسی طرح جگر اور وریدوں کی ترتیب و بناوٹ ہم شکل ہے۔ اسی لیے اعصاب و شرائین اور وریدین اپنی خدمت سے دماغ و قلب اور جگر کے خادم ہیں۔ یہ وہ راز ہے جس سے آج تک فرنگی طب اور اس کی ماڈرن سائنس بے خبر ہے۔ کیا کوئی اس حقیقت کا جواب دے سکتا ہے۔

فرنگی طب کا اعتراض

فرنگی طب کا ایک اعتراض یہ ہے کہ طب قدیم جو یہ تسلیم کرتی ہے کہ تمام اعضاء کا تغذیہ وریدی خون سے ہوتا ہے جو جگر سے تمام بدن میں وریدوں کے ذریعہ پہنچتا ہے اور شریانی خون بالکل خرچ ہی نہیں ہوتا برائے نام خرچ ہوتا ہے۔ شریانوں کا کام اپنی روح حیوانی کے ذریعہ اعضاء میں قوت حیات پہنچانا ہے۔ کیونکہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے تحقیق کیا ہے کہ تمام اعضاء کا تغذیہ شریانی خون سے ہوتا ہے اور وریدوں کے خون سے اعضاء کا بچا ہوا سیاہی مائل خون قلب کی طرف واپس آتا ہے تاکہ قلب پھیپھڑوں میں بھیج کر اسے دوبارہ صاف کر سکے۔ غرض شریانی خون برابر خرچ ہوتا رہتا ہے جس سے برابر اعضاء کا تغذیہ ہوتا رہتا ہے۔ اور اس میں قوت حیات بھی قائم رہتی ہے۔

طب قدیم کا جواب

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ جو کیموس اور کیلوس غذا کے بعد تیار ہوتا ہے وہ جب تک جگر میں پختہ نہ ہو اس میں نہ حرارت پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا رنگ شوخ سرخ ہوتا ہے۔ دوسرے یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ جگر کی بناوٹ انسجہ قشری سے ہوتی ہے۔ تیسرے یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ جسم کی اصل خوراک حرارت ہے۔ ان کے انہی تینوں حقائق کو سامنے رکھیں اور غور کریں کہ طب یونانی اپنے حقائق میں کہاں تک صحیح اور فرنگی طب اور اس کی ماڈرن سائنس کہاں تک غلط ہے۔

جاننا چاہیے کہ جو غذا معدہ میں ہضم ہو کر سیدھی دل میں جا کر خون میں شریک ہو جاتی ہے اس میں اس وقت تک حرارت اور سرخی پیدا نہیں ہوتی جب تک وہ وریدوں اور جگر میں پختہ ہو کر دوبارہ قلب میں داخل نہ ہو بالکل اسی طرح جیسے آنتوں کی غذا جب جگر میں جاتی ہے تو پختہ ہو کر اس کے اندر حرارت اور سرخی پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا خون میں حرارت اور سرخی پیدا ہونے کے لیے غذا کا جگر میں پختہ ہونا ضروری ہے۔ اوپر ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ شریانوں کی بناوٹ قلب کے مشابہ ہے اور وریدوں کی بناوٹ جگر کے مشابہ ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ شریانوں کا کام اور ہے اور وریدوں کا کام دیگر ہے۔ صرف یہی کام نہیں ہے کہ وہ شریانوں سے بچا ہوا وہ خون جس میں سے نسیم

(آکسیجن) نکل چکی ہے اور سیاہ ہو چکا ہے۔ اس کو واپس قلب میں پہنچا دے۔ بلکہ وریدوں کا کام یہ ہے کہ وہ شریانی خون میں سے نسیم کے ساتھ جو حرارت اور سرخی ختم ہو گئی ہے ان کو دوبارہ پیدا کرے۔ جب بھی خون وریدوں میں داخل ہوتا ہے تو اس کی بناوٹ کے لحاظ سے وہاں پر گردش سے حرارت اور سرخی پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر خون وریدوں سے نہ گزرے تو وہ پھیپھڑوں میں دوبارہ نسیم کو کبھی جذب نہ کرے۔ جن لوگوں کے سانس میں تنگی ہوتی ہے اور وہ منہ کھول کر سانس لیتے ہیں۔ ان کے خون میں وہ حرارت نہیں ہوتی جو وریدوں اور جگر میں پیدا ہوتی ہے۔

یاد رکھیں فرنگی طب کی یہ تحقیق بھی غلط ہے کہ پھیپھڑوں میں جب خون جاتا ہے وہ فوراً نسیم کو جذب کر لیتا ہے اور دخان کو چھوڑ دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک خون وریدوں سے پورے طور پر حرارت حاصل نہ کرے اس وقت تک اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ نسیم کو جذب کر سکے۔ یاد رکھیں: شریانوں کی بناوٹ میں جو انسجہ عضلاتی کی کثرت ہوتی ہے اس لیے وہ ایک تو نسیم کو دھکیلتی ہیں دوسرے اس کو اور پختہ کرتی ہیں اور جب نسیم کو خون میں سے خارج کر دیتی ہیں اور پھر اس خون میں سیاہی (کاربن) رہ جاتی ہے۔ یہی سیاہی وریدوں میں حرارت سے پختہ ہو کر اپنے اندر سرخی اور نسیم حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہو گیا کہ جسم کی اصل غذا حرارت ہے وہی نسیم کو جذب کرتی اور دخان کو خارج کرتی ہے۔ یہی حرارت بلغم کو پختہ کر کے خون کو سرخ کرتی ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حرارت کی پیدائش جگر اور وریدوں میں ہوتی ہے۔ بس ثابت ہو گیا کہ تمام جسم کو غذا صرف جگر سے جاتی ہے۔ قلب اور شرائین تو صرف غذا پہنچانے والے اعضاء اور آلات ہیں۔ اس کے مزید ثبوت کے لیے ہم مرض ذیابیطس پیش کرتے ہیں۔ جسم میں غذا جگر میں پورے طور پر پختہ نہیں ہوتی تو طبیعت اس کو خون میں بھی قائم رکھتی ہے اور پیشاب میں بھی خارج ہوتی رہتی ہے۔ یاد رہے کہ جگر سے ہماری مراد جسم کے تمام غدد ہوتے ہیں جس میں لبلبہ اور گردے بھی شریک ہیں۔ جگر ان کا مرکز ہے جیسے دماغ اعصاب کے لیے اور قلب عضلات کے لیے مرکز ہیں۔ یہ ہیں طب یونانی میں ہماری تحقیقات جن کے فرنگی طب کے پاس نہ جواب ہیں اور نہ ہی وہ ان سے انکار کر سکتی ہے۔

فرنگی طب کا اعتراض

فرنگی طب یہ تسلیم نہیں کرتی کہ اعصاب کا تغذیہ براہ راست دماغ یا حرام مغز سے ہوتا ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ اعصاب کا تغذیہ دیگر اعضاء کی طرح عروق دمویہ سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اعصاب کے اندر دوسرے اعضاء کی طرح رگیں آتی ہیں۔

طب قدیم کا جواب

ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ تمام اعضائے جسم کی قوت غاذیہ کا مرکز جگر ہے اور چونکہ فعل نمو بھی تغذیہ کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے قوت نامیہ کا مرکز بھی جگر ہے اور ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ جگر تمام جسم کے غدد کا مرکز ہے اور ہر غدد اپنی جگہ جگر کا کام کر رہا ہے۔ فرنگی طب بھی یہ تسلیم کرتی ہے کہ تمام اعضاء کے اندر قدرتی طور پر قوت غاذیہ و نامیہ موجود ہوتی ہے جو شریانی خون کی دوامی آمد سے قائم رہتی ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہو گیا کہ اعصاب کو بھی تغذیہ جگر ہی سے ہوتا ہے۔ جہاں تک طب قدیم یہ تسلیم کرتی ہے ان کا تغذیہ براہ راست دماغ یا حرام مغز سے ہوتا ہے۔ اس میں یہ راز ہے کہ اعصاب کی وہی غذا ہے جو دماغ اور حرام مغز کی ہے۔ یعنی بلغم ہے۔ جس کو فرنگی طب اس طرح تسلیم کرتی

ہے کہ دماغ وحرام مغزاور اعصاب کے غذا گلیسر وفاسفیٹس کے اجزاء ہیں۔ یہی بلغم میں اجزاء پائے جاتے ہیں۔ جس کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ ہے کہ اطباء جب کسی انسان کے دماغ وحرام مغزاور اعصاب کو طاقت کے لیے کوئی دوا استعمال کراتے ہیں تو اس میں بادام اور دیگر مغزیات شامل ہوتے ہیں جن میں گلیسر وفاسفیٹ کے اجزاء بکثرت پائے جاتے ہیں۔ فرنگی طب اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتی کہ ہر عضو جسم کے لیے مختلف غذا ہوتی ہے اور وہ خون سے اپنی ضرورت کی غذا جذب کرتا ہے۔ یہ طب قدیم کی تحقیق ہے جس سے فرنگی طب بالکل بے خبر ہے۔

طب قدیم میں بقایا تقسیم اعضاء

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(واما الاعضاء المروسه بلاخلامة فهی الاعضاء التی تجری الیها القویٰ من الاعضاء الرئیسة کالکلی والمعده والطحال والرئیسة و اما الرعضاء التی لیست بخادمة ولا مرؤسةٍ وهی الاعضاء التی تختص بقوی غریزیةٍ لها ولا تجری الیها من الاعضاء الرئیسة قوی اخر کالعظام والفضاریف).

''اعضائے مروسہ جو اعضائے رئیسہ کے خادم نہیں ہیں، وہ اعضاء ہیں جن کی طرف اعضائے رئیسہ سے قوتیں پہنچتی ہیں۔ مثلاً گردہ، معدہ، طحال، پھیپھڑا۔ البتہ جو اعضاء نہ تو خادم رئیس ہیں اور نہ ہی مروسہ ہیں۔ یہ وہ اعضاء ہیں جن میں قوت غریزی موجود ہے اور ان کی طرف اعضائے رئیسہ سے کوئی دوسری قوت نہیں پہنچتی۔ مثلاً ہڈیاں اور کریاں''۔

اعضائے مروسہ اگرچہ اعضائے رئیسہ نہیں ہیں اور نہ ہی خادم الرئیس ہیں لیکن یہ اپنے اندر بے حد اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگالیں کہ ان کی طرف تمام اعضائے رئیسہ کی طرف سے قوتیں آتی ہیں۔ گویا ان کا تعلق تینوں اعضائے رئیسہ کے ساتھ ہے جب کہ اعضائے خادم الرئیس کا تعلق صرف کسی ایک عضو رئیس کے ساتھ ہے۔ اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ عضو رئیس یا اس کے خادم عضو میں سے کوئی بیمار ہو تو صرف اسی عضو کی خرابی و بیماری اور کمی بیشی کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ لیکن اگر کسی عضو مروسہ میں خرابی ہو تو لازمی ہے کہ یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ کس عضو رئیس کی خرابی کا اثر اس پر ہے۔ انسجہ (مفرد اعضاء) کے نقطہ نظر سے دیکھنا پڑے گا کہ عضو مروسہ کا کون سا نسج خراب ہے۔ یہ ایک ایسا راز ہے جس سے فرنگی طب بالکل ناواقف ہے اگر اس کو علم ہے تو وہ اپنی کتب طبیہ میں اس قانون کو دکھائیں۔ ان شاءاللہ نہیں دکھاسکیں گے۔

آخر میں ایسے اعضاء کو بیان کیا ہے جو نہ تو خادم الرئیس ہیں اور نہ ہی مروسہ ہیں۔ یعنی ان کی طرف کسی عضو رئیس کی طرف سے قوت نہیں جاتی۔ خود ان کے اندر فطرةً قوت موجود ہے جس کو طب قدیم حرارت عزیزی کی قوت کہتی ہے جس سے اس میں خود تغذیہ وتنمیہ کی قوت پائی جاتی ہے۔ حرارت غریزی وہی قوت ہے جو نطفہ کے ساتھ انسان کے اندر ودیعت کی گئی ہے اور وہ قوت موت تک قائم رہتی ہے۔ اسی قوت غریزی کی مدد سے وہ اپنے نشوو ارتقاء اور زندگی کے لیے غذا خون سے حاصل کرتے رہتے ہیں۔ ان میں ہڈیاں اور کریاں (نرم ہڈیاں) شامل ہیں۔

یہاں یہ بات خاص طور پر ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ ہڈیوں اور کریوں کو طب قدیم نے اعضائے اصلیہ میں شمار کیا ہے۔ اور اعضائے اصلیہ کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ منی سے پیدا ہوتے ہیں جو اعضاء منی سے پیدا ہوتے ہیں ان میں تازندگی قوت غریزی قائم رہتی ہے تاکہ اس کی وجہ سے اس میں نشوو ارتقاء اور زندگی کے لیے غذا حاصل کرنے کے لیے قوت حاصل رہے اور کبھی تھوڑی بہت ضرورت پڑے تو وہ مقصد بھی حاصل ہوجائے۔ مثلاً ٹوٹی ہوئی ہڈی جڑ جائے۔ یا کبھی قوت میں تیزی ہو تو زائد ہڈی پیدا ہوجائے یا کہیں کوئی ہڈی میں ابھار پیدا ہوجائے۔ بعض لوگوں میں پانچ سے زائد انگلیاں یا بعض لوگوں میں زائد دانت یا ضرورت سے زائد لمبے دانت دیکھے جاتے ہیں۔ اسی طاقت سے ناخن اور دانت

پیدا ہوتے ہیں۔ بچپن کے جب دانت گر جاتے ہیں تو دوبارہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر اس قوت میں شدت ہو تو تیسری بار بھی دانت یا دانت نما صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا یہ سب کچھ حرارت غریزی کی قوت پر منحصر ہے جس سے اعضائے اصلیہ میں نشو و ارتقاء اور زندگی قائم رہتی ہے۔

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس ہڈی اور کری کی پیدائش انسجہ الحاقی (کنکٹوٹشوز) سے تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرے یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہر نسیج بلکہ ہر حیوانی ذرہ (سیل) میں اپنی جداگانہ زندگی ہے جس سے اس میں تغذیہ وتنمیہ اور تسنیم وتصفیہ کی قوت ہوتی ہے اور تیسرے اس میں نشو و ارتقاء کی قوت ہوتی ہے جس سے ایک قسم کا نسیج دوسرے قسم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ان حقائق کے بعد اب طب قدیم کی قوت حرارت غریزی پر غور کریں۔ جو کچھ مغربی طب تسلیم کرتی ہے اس سے بھی زیادہ اس میں موجود ہے۔ یہ ہیں طب قدیم کے کمالات جن سے پورے طور پر فرنگی طب واقف نہیں ہے۔ فرنگی طب کی اس تحقیق کو بھی ذہن میں رکھیں کہ وہ یہ تسلیم کرتی ہے کہ نسیج الحاقی تمام دیگر انسجہ سے ادنیٰ ہے۔ اب غیر مروسہ اعضاء اور ادنیٰ انسجہ کو بالمقابل رکھ کر لطف اٹھائیں اور طب قدیم کے بیان پر فخر کریں۔ یہی ہے فن کا کمال۔ صرف یہیں پر کمالات ختم نہیں ہوتے بلکہ ان کی ماہیت کو بیان کرتی ہے۔

ماہیت اعضاء

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(وتنقسم الاعضاء بالجملة الی مفردة وھی التی ای جدہ محسوس اخذت منھا کان مشارکا للکل فی الاسم والحد. والی مرکبة ھی التی لاتکون کذلك وتسمیٰ اعضاءً الیةؒ).

''اعضاء بالجملہ مفرد کی صورت میں تقسیم ہوتے ہیں۔ اعضاء مفرد وہ ہیں جن کا کوئی ظاہری اور محسوس حصہ لیا جائے تو وہ نام اور تعریف میں کل کا شریک ہو۔ اعضاء مرکبہ وہ اعضاء ہیں جو اعضاء مفردہ کے مانند نہ ہوں۔ اعضاء مرکبہ کو اعضاء الیہ بھی کہتے ہیں''۔

مفرد اعضاء طب قدیم انہی کو کہتی ہے جن کو فرنگی طب نے انسجہ کا نام دیا ہے اور انہی کو اعضائے اصلیہ بھی کہا ہے۔ یہ وہی اعضاء ہیں جو اوّل اوّل منی سے پیدا ہوتے ہیں جن کی تفصیل سے طبی کتب میں بھری پڑی ہیں۔

فرنگی طب کا اعتراض

طب قدیم ہڈی۔ کری۔ رباط۔ وتر۔ عصب۔ عضلہ اور جسم کی شرائین اور وریدوں کو بھی مفرد اعضاء میں شریک کرتی ہے۔ حالانکہ وہ مرکب انسجہ سے بنی ہوتی ہیں۔

طب قدیم کا جواب

جہاں تک شرائین اور وریدوں میں امتیاز کی صورت ہے ہم ان کو گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں جن سے فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس بالکل واقف نہیں ہے۔ جہاں تک ان کے طبقات کا تعلق ہے یہ طبقات قلب اور جگر میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان طبقات کو دور کیا جائے اور ان کے ایسے اجزاء کو لیا جائے جو محسوس ہوں اور عرف میں ان کو اس کا جز بھی کہا جائے تو ایسی صورت میں شرائین اور وریدیں مفرد کہلائیں گی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کے افعال مختلف ہیں اس لیے اپنی اپنی جگہ وہ مفرد ہیں۔

فرنگی طب کا دوسرا اعتراض

چربی نہ مفرد اعضاء سے متعلق ہے اور نہ ہی اس کی پیدائش خون کی ماہیت سے ہوتی ہے بلکہ وہ خون کے روغنی اجزا سے پیدا ہوتی ہے۔

طب قدیم کا جواب

ہم گذشتہ صفحات میں ثابت کر چکے ہیں کہ بلغم خام خون ہے اور اس میں خون کے تمام اجزاء ہوتے ہیں اور یہ دماغ ونخاع اور اعصاب کی غذا ہیں۔ فرنگی طب یہ تسلیم کرتی ہے کہ اعصاب کی غذا میں گلیسرین جیسے روغنی اجزا شریک ہیں تو چربی جس ماہیت سے بنتی ہے اس میں روغنی اجزاء کا ہونا لازمی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ چربی کو طب قدیم نے اگرچہ مفرد اعضاء میں لکھا ہے مگر اس کو اعضاء اصلیہ میں شمار نہیں کیا۔ اس کی پیدائش خون سے تسلیم کی ہے اور اس کا مزاج سرد مقرر کیا گیا ہے۔

مفرد اعضاء کی تقسیم

طب قدیم کے قانون کے تحت اعضائے مفردہ تین قسم کے ہوتے ہیں: ❶ بنیادی اعضاء (بیسک آرگن) ❷ حیاتی اعضاء (لائف آرگن) ❸ خون سے بنے ہوئے اعضاء (بلڈ آرگن) جن کی مختصر تشریح درج ذیل ہے:

❶ بنیادی اعضاء

ایسے اعضاء جن سے انسانی جسم کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے جن میں تین اعضاء شریک ہیں ① ہڈیاں (بونز) ② رباط (لگے منٹس) ③ اوتار (ٹنڈنز) ان میں حرارت غریزی کی قوت ہوتی ہے جس کی مدد سے یہ خون میں سے غذا حاصل کرتے ہیں۔ انسانی جسم کی بنیاد اور ڈھانچہ کے سوا ان کا انسانی زندگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ نہ اعضائے رئیسہ کی طرف سے ان کی طرف کوئی قوت آتی ہے اور نہ ہی ان کی طرف سے کوئی قوت جاتی ہے۔

❷ حیاتی اعضاء

ایسے اعضاء جن سے انسانی زندگی اور بقاء قائم ہے۔ یہ بھی تین ہیں ① اعصاب (نروز) جن کا مرکز دماغ (برین) ہے۔ ② عضلات (مسلز) جن کا مرکز قلب (ہارٹ) ہے۔ ③ غدد (گلینڈز) جن کا مرکز جگر (لیور) ہے گویا دل و دماغ اور جگر جو اعضائے رئیسہ ہیں یہی انسان کے حیاتی اعضاء ہیں اور انہی کے ساتھ انسانی زندگی قائم ہے اور دیگر اعضاء اور خون رواں دواں۔

❸ خون سے بنے ہوئے اعضاء

خون سرخ رنگ کا ایک ایسا مرکب ہے جس میں لطیف بخارات (گیسز) حرارت (ہیٹ) رطوبات (لیکوئیڈ) پائے جاتے ہیں۔ یا ہوا و حرارت اور پانی کا مرکب ہے۔ دوسرے معنوں میں سوداء وصفراء اور بلغم کا حامل ہے اور اس سے جسم کے بنیادی و حیاتی اعضاء کی غذا کے ساتھ ساتھ چربی بھی تیار ہوتی ہے جو اس کے بنائے ہوئے اعضاء ہیں جو خون کی ماہیت اور اس کے روغنی مادوں سے پیدا ہوتی ہے۔

مفرد اعضاء کی مختصر تشریح و منافع

مفرد اعضاء کی تینوں اقسام کو الگ الگ بیان کیا جاتا ہے:

بنیادی اعضاء

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(اما الغضروف فهو جسم الينُ من العظم واصلبُ من سائر الاعضاء خلق ليحسن به اتصال العظم بالاعضاء اللينة)

''کری ایک جسم ہے جو ہڈی سے نرم اور دیگر اعضاء سے سخت ہوتی ہے۔ اس کی پیدائش کی غرض یہ ہے کہ اس کے ذریعے ہڈی کو نرم اعضاء سے جوڑا جاتا ہے ''کری میں ہڈی بھی شریک ہے''۔

(وما الاوتار فهو اجسام تنبت من اطراف بعض العضل شبيهة بالعصب فتلاقى الاعضاء المتحركة فتارة تجذبها بانجذ ابها و تارة ترخيها باستو خائها).

''اوتار وہ اجسام ہیں جو بعض عضلات کے سروں سے اگتے ہیں اور پٹھوں کے مشابہ ہوتے ہیں۔ یہ ان اعضاء سے ملے رہتے ہیں جو حرکت کرتے ہیں۔ پس اوتار ایک مرتبہ تو عضو متحرک کو کھینچ لیتے ہیں اور دوسری بار خود ڈھیلے ہو کر اس کو چھوڑ دیتے ہیں''۔

(واما الرباطات فهى اجسام شبيهة بالعصب تاتى من العظم الى اللهم وتوصل بين طرفے عضمے المفاصل وبين اعضاء اخره).

''رباطات (بندھن) وہ اجسام ہیں جو پٹھوں کے ہم شکل ہوتے ہیں۔ یہ ہڈی سے شروع ہوتے ہیں اور گوشت میں ختم ہو جاتے ہیں اور جوڑوں کی ہڈیوں کے دونوں سروں کو دوسرے اعضاء سے باہم باندھ دیتے ہیں''۔

حیاتی اعضاء

(واما الاعصاب فهى جسامٌ بيضٌ لينة فى الانعطاف صلبةٌ فى الانفصال خلقت ليتم الاعضاء الحس وحركة)

''اعصاب (پٹھے) وہ سفید اجسام ہیں جو نرم لچکدار ہوتے ہیں اور ٹوٹنے میں سخت ہوتے ہیں۔ ان کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے تاکہ ان کے ذریعے اعضاء میں حرکت عمل میں آتی ہے''۔

(واما العضلات فهى اجسام لحمية الجسد تركيبها من اللحم المحض ومن العصب والاوتار والرباطات ومنفقها ان تحوك الاعضاء بمعاونة الاوتار لها وان تكسو العظام وتحقن الحرارة الغريزية فى الجسد).

''عضلات (گوشت) وہ لحمی اجسام ہیں جو ان کی بناوٹ میں خالص گوشت ہوتا ہے۔ پھر اعصاب واوتار اور رباطات مل کر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ان کے فوائد میں ❶ اوتار کی مدد سے اعضاء کو حرکت دینا ❷ ہڈیوں کو ڈھانپنا ❸ حرارت عزیزی کو جسم میں محفوظ رکھنا ہے''۔

(واما الكبد فهو جسم مركبٌ من اللهم والعروق والشرائين والغشاء الذى ستيرها ونيس لها فى نفسها حسٌ. اما عشاؤها فله حس كثير ولونها شبيه بالدم الجامد وهى منبت العروق الغير الضوارب التى تسمے الاوردة

وموصفها فی الجانب الایمن وظهرها یلاحق بضلوع الخلف وبطنها یلاصق بالمعدة واعلاها فی مابین حجاب الصدر و اسفها ینتهیٰ الی الخاصرة ومنفقها تولید الدم تغذیه الاعضاء).

''جگر (غدود) ایک جسم ہے جو گوشت، شریانوں، وریدوں اور اس جھلی سے مرکب ہے جو جگر کو ڈھانپے ہوئے ہے۔ بذات خود جگر بے حس ہے لیکن اس کی جھلی بہت ذی حس ہے (یعنی جگر جدا ایک مفرد عضو (نسیج) ہے اور وہ گوشت عضلات اور جھلی (اعصاب) سے مرکب ہے اس میں شریانیں اور وریدیں بھی ہیں) جگر کی رنگت منجمد خون کی مانند ہے۔ عروق غیر صوارب (ساکن) اس سے اگتی ہیں جن کو اوردہ کہتے ہیں۔ اس کی جائے قیام دائیں طرف پسلیوں کے اندر ہے۔ جگر کی پشت زیریں پسلیوں سے چسپاں رہتی ہے اس کا بطن معدہ کے ساتھ متصل ہے۔ جگر کا بالائی حصہ حجاب حاجز کے درمیان رہتا ہے اور زیریں حصہ خاصرہ تک پہنچتا ہے۔ جگر کا فائدہ اعضاء کے تغذیہ کے لیے خون پیدا کرنا ہے''۔

نوٹ: طحال ولبلبہ اور گردے وغیرہ بھی جگر کی طرح غدد ہیں۔

طب قدیم کے کمال کا راز

اس کتاب کے لکھنے میں جہاں طب قدیم کے فطری قوانین کی حقیقت کا اظہار ہے وہاں پر اس کے علاج الامراض اور حفظ صحت کے کمال کا ایک راز بیان کرنا ہے۔ یہی راز ہے جس سے طب قدیم میں علاج الامراض اور حفظان صحت سو فی صدی یقینی اور بے خطا بن سکتے ہیں۔ یہ کمال فرنگی طب تو کیا کسی طب میں نہیں پائے جاتے۔ البتہ آیورویدیہ میں اس کی جھلکیاں ضرور نظر آتی ہیں۔ لیکن مکمل طور پر اس میں بھی بیان نہیں کیا گیا ہے وہ راز کیا ہے؟ یہ راز پیدائش امراض ہے۔ پیدائش امراض میں فرنگی طب جراثیم کو تسلیم کرتی ہے۔ جہاں ان کو جراثیم نہیں ملے وہ عناصر خون کی کمی بیشی سے امراض کا علاج کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم ابتدائے کتاب میں لکھ چکے ہیں آیورویدک میں پیدائش امراض دوشوں کی خرابی و کمی بیشی اور ان کے مقام بدل جانے کو تسلیم کرتے ہیں اور ہومیوپیتھی میں پیدائش امراض روح (وائٹل فورس) کا کمزور ہو جانا تسلیم کیا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

طب قدیم میں پیدائش مرض اور حفظان صحت کا قیام مزاج اور اخلاط کے اعتدال پر ہے جو جسم انسان میں کیمیاوی صورتیں ہیں۔ اس میں راز کی بات یہ ہے کہ اعضائے مفردہ (انسجہ) انہی امزجہ اور اخلاط سے پیدا ہوتے ہیں اور امزجہ و اخلاط اس غذا سے پیدا ہوتے ہیں جو انسان کھاتا ہے۔ گویا جو ہر وہ مادہ اور امزجہ و اخلاط سے لے کر اعضائے مفردہ تک ہے جن میں حیوانی ذرہ (سیل) اور انسجہ (ٹشوز) بھی شریک ہیں ایک قسم کے مواد و اجزاء اور اخلاط و اعضاء ہیں۔ یعنی اگر امزجہ اور اخلاط میں کیمیاوی طور پر کمی بیشی اور خرابی پیدا ہو گی تو مفرد اعضاء (انسجہ) اور مرکب اعضاء میں بھی وہی خرابی اور مرض کی حالت چلی جائے گی۔ اسی حالت کا نام مرض ہے اور جسم انسان کے امزجہ اور اخلاط کی حالت درست کر دی جائے گی تو مرض دور ہو جائے گا اور صحت قائم ہو جائے گی۔

اس حقیقت میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ غذا سے لے کر اعضاء تک جراثیم کا کہیں تصور پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اگر اس دوران میں کسی مقام پر یعنی غذا سے لے کر اعضاء تک کہیں بھی بیرونی طور پر یا اندرونی طور پر کہیں خمیر اور فساد سے جراثیم پیدا ہو کر اپنا زہریلا اثر کریں تو یقینی امر ہے کہ امزجہ و اخلاط اور اعضاء کی قوتیں ان کے فنا اور برباد کرنے کا خود کار عمل کرتی ہیں۔ جس طرح دیگر اقسام کے زہروں کو وہ فنا و برباد کرنے کے لیے خود کار عمل کرتی ہیں۔ امراض پیدا کرنے والے جراثیم کو ہم تسلیم بھی کر لیں تو بھی ان کی اہمیت دیگر اقسام کے زہروں سے

زیادہ نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہم ان کو حیوانی زہروں کا نام دے سکتے ہیں۔ لیکن ان کا تعلق امراض اور حفظ صحت سے کوئی نہیں ہے۔ جس طرح دیگر زہروں کا تعلق امراض وحفظان صحت سے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ طب قدیم میں ہر قسم کے زہروں کا تعلق امزجہ اور اخلاط سے پیدا کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ طب قدیم کیا فرنگی طب میں بھی زہروں کے امراض بیان نہیں کیے گئے۔ جس طرح انہوں نے حیوانی زہروں (جراثیم) کے امراض گنوائے ہیں ان کو چاہیے تھا کہ جراثیم (حیوانی زہر) کی طرح نباتاتی اور جماداتی زہروں کے امراض بھی بیان کرتے۔ ان کے سلسلہ میں تو ان کی زہریلی علامات لکھ دی ہیں اور ان کے علاج بیان کر دیئے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ وہ اپنی سہولت کے لیے (ہماری سہولت کے لیے نہیں کیونکہ طب قدیم میں ہر زہر اوّل کسی مزاج اور خلط میں اضافہ کرتا ہے پھر وہ کسی عضو پر اثر انداز ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر زہر بھی ایک مزاج رکھتا ہے) وہ ہر نوع جراثیم کی زہریلی علامات لکھ لیتے اور ان کے تریاق بیان کر دیتے۔ ان کا امراض سے تعلق پیدا نہ کرتے تو ان کے لیے علم العلاج بہت آسان ہو جاتا۔ انہوں نے خواہ مخواہ حیوانی ذروں (جراثیم) کو علم الامراض میں کھینچ کر اپنے لیے بہت بڑی مشکلات پیدا کر لی ہیں۔ ان کی سہولت کے لیے ان سے زیادہ ہم نے کام کیا ہے کہ ہم نے تمام اقسام جراثیم کو نہ صرف بالمفرد اعضاء (انسجہ) بلکہ امزجہ اور اخلاط کے ساتھ تطبیق دے دیا ہے۔ ہماری یہ تحقیقات ''ماہنامہ رجسٹریشن فرنٹ'' میں شائع ہو چکی ہیں۔ یہ تحقیقات ہم نے اس لیے کی ہیں کہ ہم ثابت کر سکیں کہ جراثیم (حیوانی زہروں) کا تعلق ایک طرف امزجہ اور اخلاط کے ساتھ ہے اور دوسری طرف مفرد اعضاء (انسجہ) کے ساتھ ہے تاکہ ان کے زہریلے اثرات کا تعلق ایک طرف امزجہ اور اخلاط سے قائم ہو جائے اور دوسری طرف ان کا تعلق اعضائے مفرد سے ظاہر ہو جائے جیسے دیگر نباتاتی اور جماداتی زہروں کے اثرات کے تعلقات امزجہ اور اخلاط کے ساتھ قائم ہیں تاکہ ان کے زہروں کے لیے دافع جراثیم (انٹی سپٹک) ادویات کی ضرورت نہ رہے بلکہ صرف امزجہ واخلاط یا مفرد اعضاء (انسجہ) کے افعال کے اعتدال سے امراض کو رفع کیا جا سکے۔ گویا جراثیم کی علاج میں کوئی اہمیت نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ فرنگی طب کی بنیاد جو جراثیم پر ہے بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جراثیم نہ خون کا کیمیاوی جزو ہیں اور نہ ہی جراثیم اعضائے مفردہ کا حصہ ہیں۔ اس لیے امراض اور حفظان صحت کی بنیاد جراثیم پر رکھنا انتہائی لغو اور بے معنی بات ہے۔ انہی حقائق سے ثابت ہے کہ فرنگی طب بے اصولا وعطایانہ اور غلط ہے۔

فرنگی طب کے جراثیم کو غلط ثابت کرنے کے لیے ایک اور حقیقت پیش کرتے ہیں۔ یہ حقیقت علاج بالمثل (ہومیوپیتھی) کے تجربات اور مشاہدات ہیں۔ یہ بات ہم بار بار بیان کر چکے ہیں کہ ہومیوپیتھی مکمل طریقہ علاج نہیں ہے۔ البتہ اس کا علم الادویہ اپنے اندر کچھ حقائق رکھتا ہے۔ انہی حقائق کو ہم پیش کر کے ثابت کر دیں گے کہ جراثیم کا تعلق کسی مرض کے ساتھ نہیں ہے البتہ ان کے اثرات کی علامات ضرور ہیں۔

ہومیوپیتھی علم الادویہ کے تجربات اور مشاہدات سے یہ حقیقت مسلمہ بن گئی ہے کہ جسم انسان پر جو ادویات اور زہر استعمال کیے جاتے ہیں ہر ایک کی الگ الگ علامات ہوتی ہیں۔ ان سے امراض پیدا نہیں ہوتے اس لیے وہ کسی مرض اور حفظان صحت کو تسلیم نہیں کرتے۔ انہی اصولوں پر جراثیم (حیوانی زہر) کی بھی علامات ہو سکتی ہیں۔ ان سے امراض پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس حقیقت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ جراثیم کا امراض سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس سے بھی بڑا ثبوت یہ ہے کہ جن امراض کے اسباب فرنگی طب جراثیم کو تسلیم کرتی ہے۔ انہی امراض کے اسباب کو ہومیوپیتھی تجربات ومشاہدات سے اپنی ادویات اور زہروں (سورا، سفلس، سائیکوسس) کے اثرات میں بیان کرتی ہے۔ گویا جن امراض کو وہ جراثیم کا نتیجہ ثابت کرتی ہے۔ ہومیوپیتھی ان کو اپنی ادویات اور زہروں کے اثرات کی علامات ثابت کرتی ہے۔ اب کوئی فرنگی طب کی تحقیق کو اہم سمجھے یا ہومیوپیتھی کے تجربات اور مشاہدات کو صحیح تسلیم کرے۔ کیا کوئی فرنگی معالج ہومیوپیتھی کی اس حقیقت کو غلط ثابت کر سکتا ہے۔ کیا اب بھی کوئی صاحب عقل اور اہل فن فرنگی طب کو صحیح تسلیم کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں!!

لطف کی بات یہ ہے کہ ہومیو پیتھی کے علم الادویہ میں فرنگی طب کی دافع عفونت اور قاتل جراثیم ادویات ہی سے خوفناک امراض کا پیدا ہونا ثابت ہے۔ مثلاً مرکری اور ایوڈم جیسی انتہائی دافع عفونت اور قاتل جراثیم ادویہ تپ دق اور نمونیا پیدا کرتی ہیں۔ کونین سے ملیریا پیدا ہوتا ہے اور ہارٹ فیل ہو جاتا ہے۔ سوڈا اور پوٹاس کے مرکبات سے ذیابیطس اور عام کمزوری پیدا ہو جاتی ہے ان سے جسم میں خوفناک پھوڑے اور خارش پیدا ہو جاتی ہے وغیرہ۔

اس سے بھی پر لطف بات یہ ہے جو امراض زہریلے جراثیم سے پیدا ہوتے ہیں وہ امراض طب قدیم کی ایسی ادویات سے دور ہو جاتے ہیں جو نہ دافع تعفن ہیں اور نہ ہی قاتل جراثیم ہیں۔ یہی وہ راز ہے جس کو ہم نے یہاں ثابت کیا ہے کہ امراض جراثیم سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ کیمیاوی طور پر اخلاط کی خرابی یا مفرد اعضاء (انسجہ) کے افراط و تفریط اور ضعف سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اعضائے مفردہ (انسجہ) اخلاط سے بنتے ہیں اور اخلاط اغذیہ سے پیدا ہوتے ہیں اور اغذیہ عناصر سے مرکب ہیں۔ گویا یہ ایک مربوط تسلسل ہے جو اغذیہ و اشیاء مزاج و اخلاط اور اعضائے مفرد اور اعضائے مرکبہ تک اپنا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ اسی سلسلہ کے درست قائم رہنے کا نام صحت ہے اور جہاں پر اس سلسلہ میں خرابی واقع ہوتی ہے مرض پیدا ہو جاتا ہے اور پھر جب اس سلسلہ کو درست کر دیا جائے مرض دور ہو کر صحت قائم ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال بالکل میدان جنگ کی ہے جہاں فوج لڑ رہی ہوتی ہے اور اس کے پیچھے رسد اور کمک کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جہاں پر رسد اور کمک میں خلل پیدا ہوا وہاں پر فوج کی لڑائی میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر یہ سلسلہ رسد اور کمک کا درست کر دیا جائے تو فوج کامیاب ہو جاتی ہے۔ ورنہ فوج شکست کھا جاتی ہے۔ انسانی جسم میں اعضاء فوج ہیں جو صحت کو قائم رکھنے کے لیے ایک قسم کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اغذیہ و اشیاء اور امزجہ و اخلاط اس کے لیے رسد اور کمک ہیں جن کا سلسلہ قائم رہنا ضروری ہے۔ اس سے صحت قائم رہ سکتی ہے۔ ورنہ مرض کا حملہ ہو جانا لازمی ہے۔ یہی زندگی و صحت اور طاقت فطری کا راز ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے مادہ اور اعضاء کی حقیقت پر سے پردہ ہٹانے کی بہت کوشش کی ہے مگر جو کچھ طب قدیم نے بیان کیا ہے اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکیں۔ خاص طور پر اس نے مادہ اور اعضاء کے سلسلہ اور تعلق کو جس خوبصورتی سے باہم جوڑا ہے اس کا جواب نہ فرنگی طب میں ہے اور نہ ہی ماڈرن سائنس پیش کر سکتی ہے۔ یہی حفظانِ صحت و مرض اور علاج مرض کا فطری اور حقیقی راز ہے اور جب تک وہ اس سلسلہ کو قائم نہیں کریں گے ان کے فن علاج میں خرابی رہے گی۔ ان کا علم و فن طب کبھی صحیح اور کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہی ہمارا چیلنج ہے۔

⑤ ارواح

ارواح کیا ہیں

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(امّا الارواح اجسامٌ لطیفةٌ تحدث من بخارية الاخلاط ولطافتها وتنقسم الى طبيعية).

''ارواح وہ لطیف اجسام ہیں جو اخلاط اوران کی لطافت سے پیدا ہوتے ہیں اوراپنی طبیعتوں کی طرف تقسیم ہو جاتے ہیں) یہ تین ہیں: ❶ روح طبیعی ❷ روحی حیوانی ❸ روح نفسانی''۔

روح طبیعی

(وهى التى تنفذ من الكبد فى العروق غير الضوارب الى جميع البدن).

''روح طبیعی وہ ہے جو جگر سے بذریعہ اوردہ تمام بدن میں پہنچتی ہے''۔

روح حیوانی

(والى حيوانية وهى التى تنفذ فى العروق الضوارب من القلب الى جميع البدن)

''روح حیوانی وہ ہے جو قلب سے بذریعہ شرائین تمام بدن میں پہنچتی ہے''۔

روح نفسانی

(والى نفسانية وهى التى تنفذ من الدماغ فى العصب الى اقاصى الاعضاء)

''روح نفسانی وہ ہے جو دماغ سے پٹھوں کے ذریعہ اعضاء کے انتہائی حصوں تک پہنچتی ہے''۔

طب قدیم میں روح ان لطیف بخارات کو کہتے ہیں جو اخلاط کے لطیف حصہ سے پیدا ہوتے ہیں جس طرح اعضاء اخلاط کے کثیف حصہ سے بنتے ہیں۔ اس سے مراد طبی روح ہے۔ مذہبی روح نہیں ہے جس کو نفس ناطقہ کہتے ہیں۔

چونکہ ارواح سے قوتوں کا اظہار ہوتا ہے جن کا ذریعہ اظہار نفس انسانی ہے اس طرح قویٰ کی طرح ارواح کی بھی تین اقسام ہیں: ❶ روح حیوانی جس کا مقام قلب ہے ❷ روح طبیعی جس کا مقام جگر ہے ❸ روح نفسانی جس کا مقام دماغ ہے۔

فرنگی طب میں ارواح کا تصور

ماڈرن سائنس اور فرنگی طب میں ارواح یا کسی ایک روح کا جو جسم انسانی میں پائی جاتی ہے کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ وہ ان کے قائل نہیں ہیں اور نہ اس امر کے قائل ہیں کہ یہ ارواح جسم انسان میں کچھ افعال انجام دیتی ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس انکار کے برعکس وہ لطیف ہواؤں کے قائل ہیں جن کو گیسز کہتے ہیں۔ اس امر کے بھی قائل ہیں کہ وہ خون میں بھی پائی جاتی ہیں اور یہ خون کے اندر کئی اہم مقصد انجام دیتی ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ فرنگی طب بھی بالواسطہ ان ارواح اوران کے افعال سے پوری طرح واقف ہے، البتہ طب قدیم نے ان

ارواح کا امور طبیعہ میں جس طرح تانا بانا بنا کر ایک مجموعہ کی صورت دی ہے اس کے فوائد اور حقائق سے بے خبر ہے یہیں سے فرنگی طب کی بے اصولی اور لاقانونی پیدا ہوتی ہے اور فرنگی طب غلط ہو کر عطایانہ صورت اختیار کر گئی ہے۔

اس حقیقت سے فرنگی طب انکار نہیں کر سکتی کہ یہی گیسز جب مختلف اعضاء میں جا کر اثر انداز ہوتی ہیں تو ان کے مختلف مقام اور افعال کی وجہ سے نام بدل جاتے ہیں۔ مثلاً جو گیسز دماغ اور اعصاب میں تحریک پیدا کرتی ہیں انہیں منٹل فورس (روح نفسانی) کہتے ہیں۔ جو قلب اور عضلات میں اثر انداز ہوتی ہیں ان کو اینی مل فورس (روح حیوانی) اور جو جگر اور دیگر غدد میں اثر انداز ہوتی ہیں ان کو فزیکل فورس (روح طبعی) کہتے ہیں۔ اگر ان کے قویٰ اور افعال کے مطابق دیکھا جائے تو: ❶ روح نفسانی (مینٹل فورس) کا تعلق دماغ اور اعصاب کے ساتھ ہے جن کا تعلق بلغم اور رطوبت کے ساتھ ہے۔ اس کو انرجی کہتے ہیں۔ ❷ روح حیوانی (اینی مل فورس) کا تعلق قلب اور عضلات کے ساتھ ہے جن کا تعلق خشکی کے ساتھ ہے اس کو فورس کہتے ہیں ❸ روح طبعی (فزیکل فورس) کا تعلق حرارت سے ہے اس کو پاور کہتے ہیں۔ بہر حال ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ ماڈرن سائنس اور فرنگی طب میں ارواح کا تصور ہے جو اصل میں انہوں نے طب قدیم سے ہی لیا ہے مگر ان کو علاج سے دور کر کے اپنے کو غلط اور عطایانہ بنا لیا ہے۔

روح پر فرنگی طب کا اعتراض

روح کے متعلق فرنگی طب کا ایک یہ اعتراض بھی ہے کہ روح جس کی تعریف طب قدیم یہ کرتی ہے کہ وہ لطیف بخاری جسم ہے۔ ایسے جسم کا اگر وجود بھی ہو تو قویٰ بدنیہ کو ان سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے اور نہ ایسے جسم کی کوئی خاص بدنی اہمیت ہے۔

طب قدیم کا جواب

پھر ایک بار طب قدیم کے اس قانون کو ذہن نشین کر لیں کہ روح بخارات کے مانند ایک لطیف جسم ہے جو لطیف خون سے تیار ہوتا ہے تمام قوتیں اسی جسم کے ساتھ قائم ہوتی ہیں اور انہی کے تمام اعضاء میں پہنچتی ہیں۔ یہاں ذہن نشین کرنے والی حقیقت یہ ہے کہ جسم کی تمام قوتیں ارواح سے قائم ہوتی ہیں اور انہی کے ذریعے تمام اعضاء میں پہنچتی ہیں۔ اس کی مثال بجلی کے ساتھ دی جا سکتی ہے جو آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔ بجلی کی پیدائش (سیل) کے ذریعے کی جائے یا مشین (ڈائنمو) کے ذریعے کی جائے۔ جب یہ بجلی تیار ہو جاتی ہے تو اس کا اظہار اس کی لہر سے ہوتا ہے۔ یہ لہر اس کی تاروں میں گزرتی ہے اور ضرورت کے مقام پر اپنی طاقت اور شعلہ کا اظہار کرتی ہے۔ اس طرح بجلی کے اظہار میں تین چیزوں کا پایا جانا نہایت ضروری ہے ❶ وہ مرکز جہاں سے بجلی پیدا ہو رہی ہے ❷ وہ قوت جو اس مرکز میں پیدا ہو رہی ہے ❸ وہ لہر جو اس قوت سے خارج ہو کر بجلی کی تاروں سے اخراج پا رہی ہے۔ بس اس لہر کی مثال روح کی ہے جو قوت میں سے تاروں کے ذریعے اخراج پاتی ہے۔ اور قوت اپنے مرکز میں پیدا ہو رہی ہے جس طرح یہ لہر کسی مشین کے پرزے کو حرکت دیتی ہے یا کہیں شعلہ (سپارک) پیدا کرتی ہے بالکل اسی طرح روح جسم انسان میں اپنے مرکز سے قوت کو لے کر کسی عضو تک پہنچ جاتی ہے۔ اگر روح یا لہر اپنے مرکز سے قوت کو باہر خارج نہ کرے تو قوت اپنے مرکز میں ہی بند رہے یہی روح جسم اور اس کے افعال ہیں۔ کیا فرنگی طب یا ماڈرن سائنس اس حقیقت سے انکار کر سکتی ہے۔ اگر اس کو انکار ہے تو ہمارا چیلنج قبول کرلے۔ ہم ہر گھڑی یہ حقیقت ثابت کرنے کے لیے تیار ہیں۔

روح اور زندگی

انسانی نطفہ (منی) جس کے اندر فرنگی طب اور ماڈرن سائنس بے شمار کرم تسلیم کرتی ہے اس کے متعلق کہتی ہے کہ اس کی زندگی مثل ❶ ایسا ❷ حیوانی ذرہ جرثومہ کے ہوتی ہے۔ جن میں زندگی کے تمام لوازم پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں۔ جب انسانی نطفہ (منی کا کرم) عورت کے بیضہ انثیٰ سے مل کر بڑھنا شروع ہوتا ہے، دونوں یک جان اور یک قالب ہو کر بڑھتے ہیں۔ طب قدیم یہ تسلیم کرتی ہے کہ اس نطفہ میں ایک رطوبت ہوتی ہے جس کو وہ رطوبت غریزی (اصلی) کہتے ہیں اور دوسرے حرارت ہوتی ہے جس کو حرارت غریزی (اصلی) کہتے ہیں اور تیسری حقیقت وہ امر ہے جو حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کے قوام ومقدار اور افعال وتصرف کو قائم رکھتا ہے۔ یہی ناظم اور نگران روح ہے۔ بالکل بجلی کے سیل کی طرح جس میں بجلی پیدا ہو رہی ہے اور لہریں اٹھ رہی ہیں اور تاروں میں ان کی رو دوڑ رہی ہے۔ جن لوگوں کو سمندر کی لہریں اور شعلوں میں مرغولوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ خوب اچھی طرح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ہر قوت کے اندر سے لہریں اٹھتی ہیں اور ان میں ہوائیں چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ یہی ان کی ارواح ہوا کرتی ہیں۔ یہی قانون قدرت ہے اور اشیاء کی فطرت ہے۔ اسی مسلمہ حقیقت کا نام ماڈرن سائنس فورس رکھتی ہے یہی تینوں حقیقتیں مل کر نطفہ کو نشو وارتقاء کی منزل طے کرا کے مکمل انسان بنا دیتی ہیں اور زندگی تک اس کی صحت اور طاقت کو قائم رکھتی ہیں اور جب ان میں سے کسی میں نقص پیدا ہو جاتا ہے تو امراض نمودار ہوتے ہیں اور جب ان میں سے کوئی ختم ہو جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے بجلی کے سیل میں سے اس کی کوئی شے خراب اور ختم ہو جائے اور کام بگڑ جائے۔

ایٹم اور روح

موجودہ دور میں روح کی بہترین مثال ایٹم سے دی جا سکتی ہے ماڈرن سائنس نے ایٹم کو وہ لطیف ترین ذرہ تسلیم کیا ہے باوجودیکہ وہ بے جان ہے لیکن اس میں بھی ایک خود کار زندگی ہے جس کا اظہار اس کی لہریں کرتی رہتی ہیں۔ یہ لہریں بجلی کی رو کی طرح اس کے اندر سے نکلتی رہتی ہیں جو اس کی طاقت کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔ یہ تعداد میں تین مختلف قسم کی ہوتی ہیں جن کی تشریح طویل ہے ان کے نام یہ ہیں: ❶ الیکٹرون ❷ نائٹرون ❸ پروٹرون۔ اعلیٰ دھاتوں میں ان کے مشاہدے آسانی سے کیے جا سکتے ہیں جیسے ریڈیم، یوریم اور پلاٹینم وغیرہ وغیرہ۔ یہاں ہمارا مقصد صرف روح کی حقیقت کا بیان کرنا ہے۔

ان حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ طب میں ارواح لطیف گیسز اور بجلی کی لہریں ہیں جن میں بعض کے اندر جلنے کی قوت ہے اور شعلہ قبول کرتی ہیں۔ جلنے والی گیس کا نام آکسیجن (نسیم) رکھ لیں یا کچھ اور نام رکھ لیں۔ یعنی اس کو حرارت غریزی (اصلی) کے شعلہ کا نام دے دیں یا حرارت غریزی کی مدد ومعاونت کرنے والا مادہ جس کے ایٹم کے پھٹنے سے حرارت غریزی پیدا کر دیتی ہے۔ اس توضیح سے ہم زندگی کے بہت قریب پہنچ جاتے ہیں یعنی ہم حرارت غریزی کو پیدا کر سکتے ہیں۔ البتہ اس میں شعلہ (سپارک) جس کو ہم روح کہتے ہیں اس کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے اگر موجودہ دور کے سائنسدانوں کے تجربات کی طرف ہم غور کریں کہ انہوں نے بعض چھوٹے چھوٹے جانوروں کو مار دینے کے کئی کئی گھنٹے بعد ان میں دوبارہ زندگی پیدا کر دی ہے یا ایسے انسانوں کو دوبارہ زندگی لوٹا دی ہے جو ڈوب کر مر گئے تھے یا بجلی کے شاک سے مر گئے تھے یا آکسیجن کے ٹینٹ (خیمہ) میں مرنے والوں کو زندہ رکھ کر ان کو موت سے باہر گھسیٹ لیا جاتا ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ آئندہ بہت جلد انسان اس امر پر قابو پالے گا کہ وہ روح کے شعلہ (سپارک) سے حرارت غریزی کو پھر روشن کر دے۔ اس میں مذہب کے

خلاف کوئی بات پیدا نہیں ہوتی وہ بھی امر ربی ہوگا۔ بلکہ یوں خیال کرلیں کہ خداوند حکیم نے ہمیں خود زندگی کے طریق سے آگاہ کیا ہے۔ ثبوت کے طور پر قرآن حکیم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مردوں کا زندہ کرنا ثابت ہے۔ بلکہ مٹی کے پرند بنا کر ان میں روح پھونکنا ثابت ہے۔ یہ طاقت پیدا ہونے کے بعد مریضوں اور کوڑھیوں کو ہاتھ لگا کر تندرست کر دینا معمولی بات ہے۔

لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمیں اس گیس (روح) کا علم ہو جائے جو اپنے شعلہ (سپارک) سے حرارت غریزی کو پھر روشن کر دے جس طرح ہم بجلی کی مثبت و منفی تاروں کو جب باہم جوڑتے ہیں تو شعلہ بھڑک اٹھتا ہے۔ ہر شخص بجلی کی تاروں میں جدا جدا بجلی کی لہروں کو محسوس کر سکتا ہے۔ مگر شعلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دونوں تاروں کو ملایا جاتا ہے۔ یہی روح ہے۔

روح اور حرارت غریزی

حرارت غریزی کے متعلق اگرچہ حکمائے متقدمین اور متاخرین میں اختلافات ہیں۔ لیکن وہ سب اس امر پر متفق ہیں کہ حرارت غریزی ایک ایسی حرارت ہے جو قیام نطفہ کے وقت مرد اور عورت کے مادہ تولید کے ملنے کے ساتھ پیدا ہوتی ہے اور اسی پر زندگی قائم ہے اور جب وہ ختم ہو جاتی ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے اس لیے اس کو حرارت اصلیہ بھی کہتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا نطفہ اور مادہ تولید میں پہلے حرارت نہیں ہوتی۔ جواب یہ ہے کہ ان میں ہوتی ہے۔ مگر دونوں کے ملنے سے ایک شعلہ پیدا ہوتا ہے جس طرح بجلی کے دو تاروں میں جدا جدا بجلی کی رو تو چل رہی ہوتی ہے مگر شعلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ دونوں آپس میں ملتی ہیں۔ بس یہی شعلہ ہی روح ہے۔

طب قدیم کے قانون کے مطابق حرارت غریزی بڑھائی نہیں جا سکتی۔ اس کے برعکس ماڈرن سائنس اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ حرارت غریزی کوئی حرارت اصلیہ نہیں ہے۔ بلکہ جسم انسان میں پیدا شدہ حرارت ہے۔ اس کو جس قدر بھی چاہیں انسان بڑھا سکتا ہے۔ اس کا جواب طب قدیم کا وہ ہے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ انسانی نطفہ اور عورت کا مادہ تولید اپنے ملنے پر جو حرارت پیدا کرتا ہے پھر زندگی بھر یہ حرارت اور شعلہ پیدا ہونا فی الحال ممکن نہیں۔ آئندہ شاید کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے ممکن ہے البتہ ان دونوں نظریات میں جو مغالطہ ہے کہ روح کو شعلہ تسلیم کر لیا جائے اور حرارت غریزی جلنے والا مادہ (بتی) تو حقیقت اس طرح سامنے آ جاتی ہے کہ شعلہ پھر روشن نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ حرارت غریزی کو زیادہ سے زیادہ جس قدر بھی بڑھایا جائے اس سے دو مقدمات واضح ہو جاتے ہیں کہ انسان حرارت غریزی کے ساتھ زندہ ہے اور وہ بڑھائی جا سکتی ہے مگر شرط ہے کہ شعلہ (روح) روشن رکھا جائے تو اس طرح انسان ایک لمبی عمر تک زندہ رہ سکتا ہے۔ دلیل کے طور پر چند شواہد بھی پیش کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً پیدائش کے بعد تندرست بچے کا سانس نہ لینا یا مر جانا یا تندرست نوجوان کا دم گھٹ جانا یا ڈوب جانا۔ بلند مقام سے گر کر مر جانا اور بہت زیادہ خون خارج ہو جانے کے بعد موت کا واقع ہو جانا۔ ان سب مشاہدات سے صاف ظاہر ہے کہ حرارت غریزی تو جسم میں قائم ہے مگر روح کا شعلہ بجھ گیا ہے اور اسی پر زندگی کا دارومدار ہے۔

قرآن حکیم اور روح

قرآن حکیم نے روح کے متعلق فرمایا ہے: ﴿قل الروح من امر ربی﴾ (کہہ دیں کہ روح میرے رب کا امر ہے) رب کو ہم نے نور اور حرارت غریزی (اصلی) تسلیم کیا ہے اور شعلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب امر ربی صادر ہوتا ہے۔ یہی روح ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ روح ایک شعلہ ہے۔ حکماء نے جسم انسان میں ایک طبی روح کو تسلیم کیا ہے جس کو مذہبی روح سے ایک الگ ہستی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ شیخ

الرئیس نے بیان کیا ہے جو ہم گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں۔ یہی روح ایک شعلہ ہے جو بھڑک اٹھتا ہے۔ اگرچہ روح کے مشرقی اور مغربی تصورات میں بہت کچھ فرق ہے فرنگی طب اور ماڈرن سائنس روح کو سپرٹ کہتی ہے وہ سپرٹ کو روح شراب بھی کہتے ہیں جو ایک محلول ہے اور آگ سے بھڑک اٹھتا ہے اور شعلہ پیدا کرتا ہے۔ اس سے بھی روح کے ایک پہلو کی وضاحت ہوتی ہے۔ دوسری دلیل مادہ اور جوہر کی ہے اگر ان دونوں کی تقسیم کو جاری رکھا جائے تو آخر میں ان کا اختتام بھی شعلہ پر ہوگا۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ ماڈرن سائنس کی تحقیق سے بھی اگر عناصر (ایلیمنٹ) کا تجزیہ کیا جائے تو وہ بھی ایٹم کے بعد برقات (الیکٹرون) پر ختم ہوتا ہے جو بذات خود شعلہ ہیں۔ چوتھی دلیل قدیم آیورویدک سائنس کی ہے۔ جو پانچ ارکان (تت) تسلیم کرتی ہے اور ان کی پیدائش کو اس طرح بیان کرتی ہے ❶ پرتھوی (مٹی) کی پیدائش جل (پانی) سے ہوئی ہے ❷ جل کی پیدائش وایو (ہوا) سے ہوئی ہے ❸ وایو کی پیدائش اگنی (آگ) سے ہوئی ہے ❹ اگنی کی پیدائش آکاش (ایثر) سے ہوئی ہے۔ آگ اگر شعلہ ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ❺ آکاش آگ کا سمندر ہے جو اس کائنات کے اوپر پھیلا ہوا ہے اور آفاق کا سلسلہ اس سے قائم ہے جس کو ہم روح عالم کہتے ہیں۔ قرآن حکیم نے بھی آسمان کو اثیر کے معنوں میں بیان کیا ہے جس کو ماڈرن سائنس ایتھر کہتی ہے۔ وہ فرماتا ہے: ﴿اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ﴾ (یا بارش کی مانند آسمان سے جس میں اندھیرا اور گرج اور بجلی ہے) ان حقائق سے ثابت ہے کہ اثیر ایک آگ کا سمندر ہے۔ قرآن حکیم میں اور بھی کئی جگہ اس سماء کی وضاحت آئی ہے جن سے ان حقائق کی مزید وضاحت کی گئی ہے۔

نفس اور آفاق

اگر نفس اور آفاق کے تعلق کو آپس میں جوڑا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دونوں آگ کے قبیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہندو علم العقائد (میتھالوجی) میں آتما اور پرماتما کی تعلیم پر اگر غور کیا جائے تو وہ بھی بہت کچھ نفس اور آفاق کے تصورات اور اثرات کی ایک ہندی شکل ہے جس کے متعلق قرآن حکیم نے بھی فرمایا ہے جو کچھ آفاق میں ہے وہی نفس میں ہے۔ اس نفس اور آفاق اور آتما و پرماتما کی توضیح کا مقصد یہ ہے کہ ان سب چیزوں کا تعلق آگ سے ہے اور صرف آگ ہی میں وہ قوت ہے جو زندگی بخش ہے۔ پرورش کرتی ہے اور حرارت بخشتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آگ کی پوجا ہوتی رہی ہے۔ فرقہ زرتشت خدا کا تصور آگ سے کرتا ہے۔

قرآن حکیم نے رب کا جو لفظ دیا ہے اس میں بھی زندگی و پرورش اور حرارت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہے کہ روح کو ہوا کہنا بالکل غلط فہمی ہے بلکہ اس کو شعلہ اور سپرٹ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ یہی شعلہ انسانی جسم میں حرارت غریزی کو روشن رکھتا ہے یا اس سے حرارت غریزی جلتی ہے اور زندگی قائم رہتی ہے۔ حرارت غریزی ختم ہو جائے یا شعلہ کسی صورت میں بجھ جائے تو زندگی کو فنا آ جاتی ہے۔

جہان اکبر اور جہان اصغر

یہ کائنات و آفاق اور برہما جس کو جہان اکبر بھی کہتے ہیں جن قوانین اور قویٰ کے تحت چل رہا ہے، بالکل انہی قوانین اور قویٰ کے تحت جسم انسان میں روح و نفس اور من چل رہا ہے۔ اس کو جہان اصغر کہتے ہیں جن کی مختصر تشریح یہ ہے کہ جس طرح جہان اکبر میں قوت اور بجلی کی پیدائش کیمیاوی ذرہ ہائے، رگڑ کی صورت اور کشش ثقل سے ہو رہی ہے اسی طرح جہان اصغر میں بھی یہ نظام قائم ہیں اور اس میں بھی ہر گھڑی قوت و بجلی پیدا ہو رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ❶ انسان کا ہر حیوانی ذرہ ایک الیکٹرک سیل ہے ❷ جسم انسان میں خون کی گردش حرکت و رگڑ (ایکشن) کے اصولوں پر بجلی اور قوت پیدا کر رہی ہے ❸ ہر غیر حیوانی ذرہ اپنے اندر نظام شمسی (نظام ایٹم) اور ہر گھڑی غیر شعوری طور پر بجلی

اور قوت پیدا کر رہا ہے۔ جب جہان اکبر اور جہان اصغر دونوں ایک قانون کے مطابق فطرت اور قدرت کے تحت قائم ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کا باہمی تعلق نہ ہو یہ تعلق نفس و آفاق کا ہی ہے۔

مادہ قوت اور روح

یہ حقیقت ہے کہ جو قوتیں نفس و آفاق میں پیدا ہو رہی ہیں وہ بغیر مادہ کے ناممکن ہیں۔ جس مقام پر قوت اور بجلی پیدا ہو رہی ہے وہ کیمیاوی طور پر ہو چاہے حرکت سے پیدا ہو یا نظام شمسی اس کا ذریعہ ہو وہاں پر مادہ مقدم ہے اور اس کے ساتھ کسی ایسی قوت کا تصور بھی ضروری ہے جو مادہ اور قوت کے نظام کو قائم رکھ سکے۔ کیونکہ بغیر قوام کے نظام جہاں ممکن نہیں ہے۔ اس کا نام ہم روح رکھتے ہیں۔ گویا جہاں پر قوت کا تسلسل قائم ہے وہاں پر مادہ وقوت اور روح تینوں موجود ہیں۔ ان میں سے اگر ایک بھی نفی کر دیں تو قویٰ اور بجلی کی پیدائش فوراً ختم ہو جاتی ہیں۔ گویا انسانی جسم مادہ وقوت اور روح کا مرکب ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو مادہ اور روح کا فرق کثافت اور لطافت کا ہے اور ان کا تعلق ہمیشہ قوتوں سے قائم رہا ہے۔ مادہ بغیر صورت کے نظر نہیں آ سکتا اس کی یہ صورتیں عناصر وارکان کی شکل میں ہوں یا موالید ثلاثہ کے جسم میں پائی جائیں لیکن اپنی صورت میں نظر نہیں آ سکتا۔ مادہ اپنی شکل وصورت میں ایک جسم ضرور ہے مگر وہ ایک ہیولیٰ ہے جس کو مادہ کی ابتدا کہنا چاہیے۔ جب ہیولیٰ کی حقیقت پر غور کیا جائے تو اس کی اصل بھی قوت اور روح پر ختم ہو جاتی ہے۔ گویا مادہ کے اندر بھی روح کارفرما ہے جس طرح مادہ کا اظہار صورت سے ہوتا ہے روح کا اظہار عمل اور حرکت سے ہوتا ہے۔

جسم خود کار روح ہے

ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ مادہ میں روح ہوتی ہے جیسے جسم میں مادہ ہوتا ہے۔ اس لیے ہر ایک جسم وہ ذی حیات ہو یا غیر ذی حیات اپنے اندر ایک روح اور خاص قسم کی زندگی رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ ہر ذرہ زمین اپنے اندر ایک نظام زندگی رکھتا ہے اور ایٹم (ابتدائی ذرہ) کی جدید تحقیقات نے بھی اس حقیقت کو ثابت کر دیا ہے کہ ہر ذرہ اپنے اندر نظام شمسی رکھتا ہے جو بذات خود ایک زندگی ہے اس لیے یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر جسم اپنے اندر روح رکھتا ہے اور دوسری طرف یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی ہے کہ ہر جسم حیات اور ظاہری طور پر غیر ذی حیات بے شمار ذرات کا مجموعہ ہے۔ دونوں حقائق کو اگر ملایا جائے تو ایک نئی تیسری حقیقت بھی سامنے آ جاتی ہے کہ ہر جسم زندگی اور روح رکھنے والے ذرات کا مجموعہ ہے۔

روح ایک امر ناگزیر ہے

مندرجہ بالا حقائق سے یہ حقیقت ثابت ہو گئی ہے کہ روح ایک امر ناگزیر ہے۔ جو جسم کی قوت سے فطرت کے مطابق عمل کرنے سے جاری ہوتا رہتا ہے اور یہی ''من امر ربی'' ہے۔ اگر اجسام اپنی صحیح شکل میں اپنی قوتوں کو پیدا کریں اور وہ قوتیں فطرت کے عمل کے مطابق اپنا عمل جاری رکھیں تو روح نہ صرف عدم سے امر خداوندی کے مطابق پیدا ہوتی رہتی ہے بلکہ ارتقاء کی منزلیں بھی طے کرتی ہے بالکل اسی طرح جیسے اجسام کے خواص ہیں ان کے مطابق ارواح کا ظہور یقینی ہے اگر اجسام ختم ہو جائیں گے تو نہ قوتیں پیدا ہوں گی اور نہ ہی روح امر ہو گی اور موت وارد ہو جائے گی۔ بس اسی عمل ورد عمل کو قرآن لفظ ''دین'' کہتا ہے۔ گویا زندگی اور کائنات کی روحیں فطرت اور قدرت کے مطابق عمل در عمل پر قائم ہیں۔

یہی ارواح کی حقیقت ہے۔ اگر فرنگی طب اور ماڈرن سائنس تسلیم نہ کرے تو ہمارا چیلنج قبول کرلے ہم ان کی تشفی کرنے کے لیے تیار ہیں۔

⑥ قویٰ

قوت کی تعریف

قوت وہ شے ہے جو فعل کا بالذات مبداء اور مرکز ہو۔ جس سے طبی روح کے افعال صادر ہوں۔ یعنی قوت خود کار شے ہے جو روح کے واسطے سے اپنا عمل کرتی ہے۔

قویٰ کے اقسام

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(وھی ثلثة اقسام طبیعیة وھی فی الکبد وحیوانیة وھی فی القلب ونفسانیة وھی فی الدماغ).

''قوتوں کی تین قسمیں ہیں: ❶ قوت طبیعیہ جو جگر میں ہے ❷ قوت حیوانیہ جو قلب میں ہے ❸ قوت نفسانیہ جو دماغ میں ہے''۔

یہ امر حقیقت پر مبنی ہے کہ دنیا کی ہر قوت کا منبع حرکت ہے۔ اس حرکت سے دوسری قوت پیدا ہوتی ہے جس کو حرارت کہتے ہیں اور پھر اس سے تیسری قوت کا ظہور عمل میں آتا ہے اس کو غذائیت کہتے ہیں۔ ان قویٰ کو ماڈرن سائنس میں علی الترتیب ❶ فورس ❷ ہیٹ ❸ انرجی کہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں تین ہی قسم کی طاقتیں پائی جاتی ہیں۔ قویٰ کے تین ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بدنی قوت کا فعل دو حال سے خالی نہیں ہے۔ اگر شعور کے ساتھ نہ ہوگا تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں یا وہ حیوان کے ساتھ خاص ہوگا۔ اگر حیوان کے ساتھ خاص ہے تو اس کا نام قوت حیوانیہ ہے اگر اس کے ساتھ خاص نہیں ہے تو اس کا نام قوت طبیعیہ ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تین قوتیں کیوں ضروری ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ قوت حیوانیہ اس لیے ضروری ہے کہ بدن انسان عناصر سے مرکب ہے اور ہر ایک عنصر قدرتاً الگ ہونے اور متعفن ہونے کا میلان رکھتا ہے۔ اس لیے ایسی قوت کی ضرورت ہے جو ان کو الگ ہونے سے روکے اور متعفن نہ ہونے دے۔ اسی کا نام قوت حیوانیہ ہے۔

قوت نفسانیہ اس لیے ضروری ہے کہ اسی سے اچھے برے کی تمیز ہوتی ہے اگر یہ نہ ہو تو ہمیں نہ غذا کا علم ہو اور نہ آگ اور زہر کی تمیز ہو اور نہ ہم کسی مضادِ حیات سے بچ سکتے ہیں اور نہ کسی مفید چیز کی طلب کر سکتے ہیں۔

قوت طبیعیہ اس لیے ضروری ہے کہ بدن حرارت و رطوبت سے مرکب ہے اور رطوبت جب حرارت سے ملتی ہے تو بخارات بن کر تحلیل ضرور ہوتی ہے۔ اس لیے کسی ایسی قوت کی ضرورت ہوتی ہے جو اس تحلیل کا عوض حاصل کرتی رہے۔ ورنہ چند دنوں میں انسان فنا ہو جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ جس بدن میں جو قوت ہوتی ہے وہ اس کے نظام کو قائم رکھتی ہے جس کے ساتھ وہ فطری طور پر اس میں اصلاح و تدبیر بھی کرتی رہتی ہے۔ اگر قوت میں یہ خوبی نہ ہو تو وہ جسم قائم نہ رہ سکے۔ اسی حقیقت کے تحت انسان کے اندر بھی جو قوت ہے وہ اصلاح و تدبیر اور نظام میں مصروف ہے۔ اس کو قوت مدبرہ بدن یا نفس ناطقہ کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کو وائٹل فورس کہتے ہیں۔ یہ وائٹل فورس جسم انسان میں تین مخصوص کام کرتی ہے جن کا تعلق اعضائے رئیسہ سے ہوتا ہے جو قوت مدبرہ بدن کے تحت اس کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ ان کے نام اور اوصاف حسب ذیل ہیں:

❶ قوت طبعی

جو قوت جسم میں غذا اور نشو ونما کے کام انجام دیتی ہے اس کو قوت طبعی کا نام دیتے ہیں۔ اور انگریزی میں نیچرل فورس کہتے ہیں جس کا مقام جگر ہے۔

❷ قوت نفسانی

جو قوت جسم میں احساسات اور تحریکات کا باعث ہوتی ہے اس کو قوت نفسانی کا نام دیتے ہیں اور انگریزی میں اس کو مینٹل فورس کہتے ہیں۔ اس کا مقام دماغ ہے۔

❸ قوت حیوانی

جو قوت جسم میں حرکات و افعال قائم رکھتی ہے اس کو قوت حیوانی کا نام دیتے ہیں اور انگریزی میں اسے اینی مل فورس کہتے ہیں۔ اس کا مقام قلب ہے۔

دراصل یہ تینوں قوتیں ایک ہی قوت کے تین مظہر ہیں جو تین مختلف مراکز میں تقسیم کر دی گئی ہیں تاکہ ان کے تعلق سے وہ ایک دوسری کے ساتھ کام کر سکیں کیونکہ قدرت نے ہر عضو کے افعال میں اس کی ایک جبلت (انسٹکٹ) پیدا کر دی ہے جس کے تحت وہ قائم اور جاری ہے۔

قوت طبعیہ کے اقسام

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(اما القوۃ الطبیعیة فتنقسم الی قسمین مخدومه وخدمة اما المخدومة فتنقسم الی مایتصرف فی الغذاء البقاء الشخص وهی الغاذبیة والنامیة والٰی ما یتصرف فی الغذاء البقا النوع وهی المولدة والمصورۃ).

''قوت طبعیہ کی دو قسمیں ہیں ❶ مخدومہ ❷ خادمہ۔ پھر مخدومہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہے جو بقائے شخص کے لیے غذا میں تصرف کرتی ہے اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں: ❶ غاذیہ ❷ نامیہ۔ دوسری قسم وہ ہے جو غذا میں بقائے نوع کے لیے تصرف کرتی ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں: ❶ مولدہ ❷ مصورہ''۔

ان کی تشریح شیخ الرئیس اس طرح بیان کرتے ہیں:

(واما الغاذیة فهی التی تحلیل الغذاء الٰی مشابهة المغتذی یخلف بدل ماتیحللٰ منه. واما النامیة فهی التی تنریدنی اقصار الجسم علی التناسب الطبیعی لیبلغ علٰی تمام النشوء واما المولدة فعلٰی نوعین نوع یحصل المنی فی الذکور الانثٰی ونوع اخر یفصلُ القوی التی فی المنی فیمزجُها تمریجاۃٍ مختلفة بحسب کل عصوٍ و تسمٰی المغیرۃ الاولٰی. واما المصورۃ فهی التی تصدُر فیها تخطیط الاعضاء وتشکیلاتها وتسمٰی المغیرۃ الثانیة. واما الخادمة فهی الجاذبة والماسکة والهاضمه والدافعة للتفل).

''غاذیہ وہ قوت ہے جو غذا کو بدل کر مغتذی کے مشابہ کر دیتی ہے۔ تاکہ یہ غذاء اس چیز کا عوض اور بدل بن جائے جو اس عضو سے تحلیل ہو گئی ہے۔ نامیہ وہ قوت ہے جو جسم کو طبعی تناسب میں بڑھاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ جسم اپنی پوری بڑھوتری تک پہنچ جاتا

ہے مولدہ دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے۔ ایک قسم تو وہ ہے جو مرد و عورت میں منی کو پیدا کرتی ہے اور دوسری قوت وہ ہے جو ان قوتوں کو جدا جدا کرتی ہے جو منی میں موجود ہوتی ہیں اور پھر ان قوتوں کو مختلف ترکیبوں سے ہر عضو کے مطابق ترتیب دیتی ہے اس کا نام مغیر اولیٰ ہے۔ مصورہ وہ قوت ہے جو اعضاء کے خط و خال اور شکل و صورت پہناتی ہے۔ اس کا نام مغیر ثانیہ ہے۔ قوت خادمہ کی چار قسمیں ہیں جن کو ① جاذبہ ② ماسکہ ③ ہاضمہ ④ دافعہ کہتے ہیں''۔

یہاں پر یہ حقیقت ذہن نشین کر لیں کہ قوت غاذیہ کے فعل اور قوت نامیہ کے فعل میں یہ فرق ہے کہ تغذیہ میں انسانی جسم کی کمی جو گرمی اور حرکت وغیرہ سے تحلیل ہو جاتی ہے وہ کمی پوری ہو جاتی ہے اس پر اضافہ نہیں ہوتا۔ اور تنمیہ میں اعضاء پہلی حالت سے بہت زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ چنانچہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بڑھ کر جوان ہو جاتا ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ قوت نامیہ اعضاء کو اسی تناسب سے اور اسی حد تک بڑھا سکتی ہے جس حد تک قد و قامت ہو سکتا ہے جس کی کم و بیش ایک حد ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ نامیہ کا فعل ہمیشہ جاری رہتا ہے اور اعضاء ہمیشہ بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ انسان کا بدن ایک ہاتھی کے برابر ہو جائے۔ نیز نامیہ تینوں قطروں (لمبائی۔ چوڑائی۔ موٹائی) میں بڑھتا ہے۔ اگر صرف فربہی آ جائے اور لمبائی میں اضافہ نہ ہو جیسا کہ توند والے فربہ لوگوں میں پایا جاتا ہے تو وہ نامیہ کا فعل نہیں سمجھا جا سکتا۔ بلکہ وہ غاذیہ کے افعال میں داخل ہوگا۔

قوت مولدہ کے تحت جو دو قوتیں بیان کی گئی ہیں اوّل محصلہ (جمع کرنے والی) دوسرے مفصلہ (جدا جدا کرنے والی) ان کی توضیح یہ ہے کہ منی گو ایک چیز ہے پھر اس میں دو جدا جدا قوتیں کیسے پائی جاتی ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اسی سے ہڈی جیسے سخت اعضاء بھی بنتے ہیں اور گوشت جیسے نرم اعضاء بھی بن جاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ منی اگرچہ دیکھنے میں بظاہر ایک جیسی معلوم ہوتی ہے مگر دراصل اس کے اندر مختلف قسم کے اجزا پائے جاتے ہیں اور ان اجزاء کے اندر مختلف کیفیات پائی جاتی ہیں جو تمام اپنی اپنی جگہ مختلف قوتیں ہیں۔ اور ہر قوت اپنی اپنی جگہ کام کرتی ہے جیسے خون میں مختلف اجزا ہوتے ہیں اور وہ مختلف اعضاء کی غذا بنتے ہیں۔

فرنگی طب کا اعتراض

فرنگی طب کو اعتراض ہے کہ تمام اعضاء کی قوت غاذیہ و نامیہ کا مرکز جگر ہے۔ بلکہ تمام اعضاء کے اندر قدرتی طور پر قوت غاذیہ و نامیہ موجود ہوتی ہے۔ جو شریانی خون کی دوامی آمد سے قائم رہتی ہے۔

طب قدیم کا جواب

جاننا چاہیے کہ شریانی خون اس وقت تک غذا نہیں بن سکتا جب تک وہ شریان سے جسم پر ترشح نہ پائے۔ ترشح کا عمل شریانوں کے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ کام ان غدد کے ذمہ ہے جو شریانوں کے سروں پر لگے ہوئے ہیں جو جگر کے تحت کام کرتے ہیں اور ان کی بناوٹ جگر جیسی ہے اس لیے ثابت ہوا کہ قوت غاذیہ و نامیہ کا مرکز جگر ہے۔

طب فرنگی کا اعتراض

فرنگی طب اعتراض کرتی ہے کہ قوت مصورہ جس کا کام جنین کی شکل و صورت بنانا ہے۔ یہ قوت رحم میں ہوتی ہے یعنی مادہ منی کے اندر

جو شکل و صورت پیدا ہوتی ہے یہ قوت اس میں رحم سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ تسلیم کرتی ہے کہ قوت مصورہ براہ راست نطفہ میں ہوتی ہے جو زن و مرد کے مادہ تولید کے ملنے سے بنتا ہے جس طرح انڈوں میں ہوتی ہے۔ مرغی کے انڈے اگر مناسب گرمی میں رکھے جاتے ہیں تو بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔ رحم محض تغذیہ جنین کا بہترین مقام ہے۔

طب قدیم کا جواب

اوّل تو انسانی نطفہ کو مرغی کے انڈے سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ اس کے اندر ہی اس کی غذائیت کا انتظام ہے۔ دوسرے انسانی نطفہ کے لیے غذا اور حرارت کے ساتھ احساس و شعور کی بھی ضرورت ہے جو رحم کے بجائے کہیں اور حاصل نہیں ہوسکتی۔ اگر صرف غذائیت اور حرارت کی ضرورت ہوتی تو اب تک مشینی یا بوتل کا انسان بن چکا ہوتا۔ یہی احساس و شعور ہے جو شکل و صورت کو ترتیب دیتا ہے۔

قوتِ حیوانیہ

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(واما الحیوانیة فھی التی تفصل انبساط القلب والشرائین وانقباضھا للترویح واخراج الابخوة الدخانیة وبھا یکون حرکة الخوف والغضب).

''قوت حیوانیہ وہ قوت ہے جو قلب و شرائین میں پھیلاؤ اور سکیڑ پیدا کرتی ہے جس سے اس کو ترویح اور بخارات دخانیہ کا اخراج ہوتا ہے اور اسی سے ڈر اور غصہ کی حرکت ظاہر ہوتی ہے''۔

اس امر کو یاد رکھیں کہ ڈر اور غصہ میں اخلاط اور روح اور خون میں حرکت ہوتی ہے۔ چنانچہ ڈر میں جب چہرہ سفید ہوجاتا ہے تو اس میں روح اور خون باہر سے اندر چلے جاتے ہیں اور غصہ میں جب چہرہ لال ہوجاتا ہے تو خون اور روح باہر کی طرف تیز ہوجاتے ہیں۔

قوت حیوانی ایسی قوت ہے جو اعضاء کو نفسیاتی قوت کے قبول کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور اس کو حرکت کے قابل بنا دیتی ہے۔ فی الحقیقت یہی قوت بدن کو حیات بخشتی ہے اور زندہ رکھتی ہے۔ روح حیوانی اسی کی حامل ہے اور حرارت غریزی اس سے قائم ہے۔

حرارت غریزی پر اعتراض

فرنگی طب حرارت غریزی پر یہ اعتراض کرتی ہے کہ بدن کی حرارت کسی خاص قدرتی جوہر سے نہیں ہے بلکہ جو غذائیں ہم کھاتے ہیں اس کے مخصوص اجزا نسیم (آکسیجن) سے مل کر جلتے ہیں جس سے حرارت پیدا ہوتی ہے۔ غرض بدنی حرارت کا دارومدار غذا پر ہے اور یہ حرارت مسلسل ہر وقت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ غذا کے وہ اجزاء جو مستعمل ہوکر بدن کے اندر ہر وقت حرارت پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ان میں روغن، شکر، گوند اور نشاستہ خصوصیت سے اہمیت رکھتے ہیں۔

طب قدیم کا جواب

طب قدیم تین قسم کی حرارت کو تسلیم کرتی ہے:

❶ حرارت اصلیہ وہ حرارت ہے جو انسانی جسم کی پیدائش کے نطفہ میں ہوتی ہے۔اس کو حرارت غریزی کہتے ہیں جو زندگی تک قائم رہتی ہے اور اس کے ختم ہو جانے یا بجھ جانے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔زندگی بھر یہ حرارت دوبارہ پیدا نہیں ہو سکتی۔اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر یہ پیدا ہو سکتی تو نہ بڑھاپا آتا اور نہ ہی موت واقع ہوتی اس کی مثال حکماء نے چراغ میں بتی کی دی ہے جس پر چراغ کی زندگی قائم ہے۔

❷ حرارت بدنیہ، جو صحیح غذا کھانے کے بعد صحت کی حالت میں پیدا ہوتی رہتی ہے اور جسم کی صحت کو قائم رکھتی ہے اور امراض سے محفوظ رکھتی ہے۔

❸ حرارت غریبہ وہ حرارت ہے جو جسم کے مواد کے بھڑک اٹھنے سے پیدا ہو جاتی ہے۔یہ فساد خمیر اور تعفن سے پیدا ہوتی ہے۔یہ حرارت بھی حرارت بدنیہ کی غیر حاضری میں اس کی حفاظت کرتی ہے۔جس کو ہم بخار کہتے ہیں۔

ان کے فرق کو اس طرح سمجھ لیں کہ ماڈرن سائنس تسلیم کرتی ہے کہ اس میں دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن ہوتی ہے۔پانی چاہے درجہ انجماد تک ٹھنڈا کر لیا جائے پھر بھی اس میں آکسیجن قائم رہے گی۔کیونکہ پانی اس کی ترتیب پر ہی قائم ہے۔اور اگر پانی کو کھولاؤ کے مقام تک بھی گرم کر لیا جائے تو بھی پانی میں آکسیجن قائم ہے۔بلکہ پانی میں جو بخارات پیدا ہوتے ہیں ان میں بھی آکسیجن قائم رہتی ہے۔یہی اس کی حرارت اصلیہ (غریزی) ہے جس نے اس کو پانی کی شکل دی ہے اور جس حرارت سے وہ پانی گرم ہوتا ہے وہ حرارت بدنیہ ہے جو اس کو پہنچائی گئی ہے۔تیسری حرارت وہ ہے جب پانی میں فساد ہو کر اس میں حرارت غریبہ پیدا ہو جاتی ہے۔یہ فساد اس کے اندر خمیر سے بھی پیدا ہو سکتا ہے اور ہائیڈروجن کے جلنے پر بھی پیدا ہو سکتا ہے۔اسی فساد ہی سے آج کل ہائیڈروجن بم پیدا کیا گیا ہے۔اس کا تجربہ ہم پٹرول کو آگ لگا کر اس پر پانی ڈال کر کر سکتے ہیں۔فرنگی طب کی غلط فہمی صرف اس لیے ہے کہ وہ فزکس (طبعیات) اور کیمسٹری (کیمیا) کے مسائل کو باہم ملا کر نہ نتائج اخذ کر سکتی ہے اور نہ دونوں کے تعلق کو قائم رکھ سکتی ہے۔

جہاں تک روغن، شکر، گوند اور نشاستہ کا تعلق ہے ان کے اندر جو حرارت ہے ان کے اثرات وافعال سے بھی وہ بے خبر ہے۔کیونکہ ہر شے جدا قسم کی ہے۔اس کے عناصر جدا ہیں اور وہ جدا قسم کی حرارت پیدا کرتی ہے۔دلیل کے لیے ہم ایٹم بم۔نائٹروجن بم اور ہائیڈروجن بم کو پیش کرتے ہیں۔کیا کوئی ان کی حرارت کو ایک ہی قسم کی ثابت کر سکتا ہے۔پھر اگر لطافت کے اعتبار سے حرارت کو دیکھنا شروع کر دیں تو ہم آگ وبجلی اور ایکس ریز و کاسمک ریز تک جا سکتے ہیں۔جن کے بیّن فرق سے کوئی فرنگی ڈاکٹر اور سائنس دان انکار نہیں کر سکتا۔ہم ان کو نہ صرف غیر معمولی حقائق معلوم ہوں گے بلکہ ان کو اپنی غلطیوں کا علم بھی ہو جائے گا۔یہی فطرت ہے۔

یاد رکھیں کہ طب قدیم حرارت غریزی کی حقیقت کو بدن کے اندر اس کی پیدائش کے وقت ایک ایسا جوہر قدرتی طور پر سپرد کر دیا گیا ہے جو بدن کے اندر ہر وقت گرمی بھیجتا رہتا ہے۔اس جوہر کا مرکز قلب ہے۔یہ جوہر جوانی کے بعد سے کم ہونا شروع ہوتا ہے اور بڑھاپے تک بتدریج کم ہوتا چلا جاتا ہے۔جب یہ بالکل ختم ہو جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔اس جوہر کو قوت ''حرارت غریزی'' کہتے ہیں۔جو دوبارہ پھر کسی صورت سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

جہاں تک غذائی حرارت کا تعلق ہے اس کے متعلق فرنگی طب تسلیم کرتی ہے کہ غذا جزو بدن بھی بنتی ہے اور تولید حرارت کے لیے بھی مواد مہیا کرتی ہے جو ایندھن کا کام دیتی ہے۔طب قدیم نے غذائی حرارت (بدنی حرارت) کو اس طرح بیان کیا ہے کہ غذا جزو بدن بنتی ہے اور اعضائے بدن کے جو اجزا تحلیل ہوتے رہتے ہیں ان کا بدل اور قائم مقام بن جاتی ہے۔گویا اس غذائی حرارت کا حرارت سے کوئی تعلق

نہیں ہے۔ یہ امر بھی ذہن نشین کر لیں کہ طب قدیم میں غذا کا تعلق جگر سے ہے اور جگر حرارت پیدا کرتا ہے۔ گویا جسم انسان کی اصل غذا حرارت ہے۔ ماڈرن سائنس اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتی۔

قوتِ نفسانیہ

قوت نفسانی ایک ایسی قوت ہے جو جسم انسان میں احساس اور ادراک کرتی ہے اور ضرورت کے وقت حرکت کے لیے تحریک کرتی ہے اور اس کی ضرورت اس لیے ہے کہ حیوان اور انسان مضر اشیاء سے بھاگ سکے اور مفید و نفع بخش چیزوں کے قریب آ سکے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان تحریکات کے لیے مفید و مضر باتوں کا احساس و ادراک ضروری ہے۔

قوت نفسانیہ کی تقسیم

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(واما النفسانية فتنقسم الٰى مدركة ومحركة. اما المدركة فتنقسم الى ماهو فى الظاهر والٰى ما هو فى الى لباطن. اما التى فى الظاهر فهو السمع والبصر والشم والذوق واللمس. واما التى فى الباطن فالحس المشترك والخيال والمتصرفة والوهم والحافظة).

''قوت نفسانی مدرکہ اور محرکہ میں تقسیم ہوتی ہے۔ پھر مدرکہ قوت ظاہری اور قوت باطنی میں تقسیم ہوتی ہے۔ قوت ظاہری میں ❶ سامعہ ❷ باصرہ ❸ شامعہ ❹ ذائقہ اور ❺ لامسہ ہیں۔ اور قوت باطنیہ میں ❶ حس مشترک ❷ خیال ❸ متصرفہ ❹ وہم اور ❺ حافظہ ہیں''۔

جاننا چاہیے کہ قوت مدرکہ ظاہری کو حواس خمسہ ظاہری بھی کہتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہے باہر کی معلومات دماغ کی اندرونی قوتوں تک پہنچاتے ہیں جو تمام اپنی جگہ بھی قوئی ہیں۔

❶ قوت سامعہ (سننے کی قوت) ❷ قوت باصرہ (دیکھنے کی قوت) ❸ قوت شامہ (سونگھنے کی قوت) ❹ قوت ذائقہ (چکھنے کی قوت) اور ❺ قوت لامسہ (چھونے کی قوت)۔

اسی طرح قوت مدرکہ باطنی جسے حواس خمسہ باطنی بھی کہتے ہیں ایسی قوت ہے جو حواس خمسہ ظاہری کے احساسات اور ایسے تاثرات کا ادراک کرتی ہے جن کو حواس ظاہری محسوس نہیں کر سکتے۔ یہ بھی اپنی جگہ قوئی ہیں۔

① حس مشترک وہ قوت ہے جو حواس خمسہ ظاہری کے احساس کی ہوئی چیزوں کو ضرورت کے وقت دوبارہ بغیر ان چیزوں کی موجودگی کے محسوس کرتی ہے اور تصور کرتی ہے۔

② قوت خیال وہ قوت ہے جو قوت حس مشترک کے خزانے کا کام کرتی ہے یعنی اس کے تمام احساسات خزانہ خیال میں محفوظ رہتے ہیں۔

③ قوت متصرفہ جس کو متخیلہ اور مفکرہ بھی کہتے ہیں ایسی قوت ہے کہ اگر وہ حس مشترک کے احساسات کا اظہار کرے تو اس کو متخیلہ کہتے ہیں۔ اور اگر قوت واہمہ کے ادراکات کا اظہار کرے کو اس کو مفکرہ کہتے ہیں۔

④ قوت واہمہ وہ قوت ہے جو ان معانی کا ادراک کرتی ہے جن کو حواس خمسہ ظاہری احساس نہیں کر سکتے۔ مثلاً کسی لفظ کے معنی جاننا جیسے

رب کے معنی خدا کیے جاتے ہیں یا کسی شخص کے متعلق یہ گمان کرنا کہ وہ دوست ہے یا دشمن ہے۔

⑤ قوت حافظہ وہ قوت ہے جو وہم کے ادراکات کو محفوظ کرتی ہے اور ضرورت کے وقت اس کو پھر ادراک کرتی ہے۔

یہاں پر اس حقیقت پر غور کریں کہ حواس خمسہ ظاہری صرف ظاہری اشیاء کا احساس ہی کر سکتے ہیں۔ لیکن جو واردات اور معنی انسانی ذہن میں تاثرات پیدا کرتے ہیں ان کا احساس نہیں کر سکتے۔ ان کو صرف حواس خمسہ باطنیہ ہی ادراک کر سکتے ہیں انہی کے تحت ہی قوت عقل کام کرتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قوت عقل کیا ہے؟

قوت عقل

یہ ایک ایسی قوت ہے جو اشیاء کی صحیح حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے لیے فیصلہ کرتی ہے اور اس کا یہ عمل احساس اور ادراک سے حاصل شدہ تاثرات میں ہوتا ہے۔ اس لیے قوت عقل کو قوت متخیلہ اور قوت متفکرہ بھی کہتے ہیں جب یہ احساس (حواس خمسہ ظاہری کے) تاثرات میں اپنا فیصلہ صادر کرتی ہے تو اس کو قوت متخیلہ کہتے ہیں اور جب یہ ادراکی (حواس خمسہ باطنی) کے تاثرات میں اپنا فیصلہ صادر کرتی ہے تو اس کو قوت متفکرہ کہتے ہیں۔ جن تاثرات کا عقل فیصلہ کر لیتی ہے بس یہی اس کا علم ہوتا ہے۔ اس علم کی صحت کا دارومدار صحیح مشاہدات اور صحت مند تجربات پر قائم ہے۔ پھر زندگی بھر انسانی معلومات کا خزانہ اسی علم و عقل اور مشاہدات و تجربات سے بڑھتا رہتا ہے۔ انسان کے مشاہدات و تجربات جس قدر فطرت اور قدرت کے قریب ہوتے ہیں اور علم و عقل کے فیصلے جس قدر صحت مندی کے قریب ہوں گے، اسی قدر انسان حقیقت کے قریب ہوگا۔ اس لیے حقیقت کے قریب پہنچنے تک حواس خمسہ ظاہری اور باطنی کا صحیح ہونا از بس ضروری ہے۔ اس حقیقت کو بھی یاد رکھیں کہ حقیقت کے قریب پہنچنے کے لیے صرف مشاہدات و تجربات کافی نہیں ہیں بلکہ اس علم کی بھی ضرورت ہے جو عقل کی روشنی میں حاصل ہوا ہے اور قوت خیال اور قوت حافظہ میں محفوظ ہے کیونکہ یہی ادراکات اور مشاہدات اور تجربات کو قبول کرتے ہیں اور قبول کرنے کا کام قوت حیوانیہ کے سپرد ہے جو اعضاء کو نفسانی تحریکات کو قبول کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور اسے حرکت کے قابل بناتی ہے۔ فی الحقیقت یہی قوت بدن کو حیات بخشتی اور زندہ رکھتی ہے۔ روح حیوانی اسی کی حامل ہے اور حرارت غریزی اسی سے قائم ہے یا اس طرح سمجھ لیں کہ قوت نفسانی سے مشاہدات و تجربات حاصل ہوتے ہیں۔ اور قوت حیوانی سے وہ قبول ہو کر علم و حقیقت بن جاتے ہیں۔ اس لیے سائنس کے ساتھ فلسفہ بھی ضروری ہے جو علم اور عقل کا خزانہ ہے اور اشیاء کی حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے اور انسان کے اندر وجدانی قوت پیدا کر دیتا ہے۔

قوت کی حقیقت

سوال پیدا ہوتا ہے کہ قوت کی حقیقت کیا ہے؟ قوت کے متعلق یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ قوت کوئی ایسی شے نہیں ہے جس کو ہم مادی طور پر محسوس کر سکیں۔ اس کا اظہار ہمیشہ کسی طاقت کے فعل سے ہوتا ہے۔ ہم زیادہ تر اس کا ادراک کرتے ہیں۔ البتہ بعض حالتوں میں لمس سے بھی محسوس کر سکتے ہیں۔ انسان میں جب قوت قائم ہوتی ہے تو حواس خمسہ ظاہری اور باطنی میں احساسات اور ادراکات کے علاوہ غور و فکر۔ جرأت و بہادری اور عقل و حرکات جسم کا اظہار ہوتا ہے۔ اور جوں جوں انسان میں قوت کی کمی واقع ہوتی چلی جاتی ہے تو اس کے قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں۔ اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اس میں حس و حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کو موت کہتے ہیں لیکن اس کے حیوانی ذرات جسم میں زندہ ہوتے ہیں۔ جب ان میں فساد و خمیر اور تعفن پیدا ہوتا ہے تو ان کی زندگی بھی ختم ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی اس کے غیر حیوانی ذرات میں زندگی باقی

رہتی ہے۔ یہ وہ زندگی ہے جو ایٹم کی زندگی کہلاتی ہے۔

انسانی زندگی کے علاوہ جب ہم کائنات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کائنات میں ہم جن اشیاء کو قوت کہتے ہیں یا جن اشیاء میں قوت نظر آتی ہے وہ آگ، روشنی، نور، برق، حرارت، ہوا کا دباؤ اور پانی کی تیزی ہے اور انہی اشیاء پر کائنات قائم ہے۔ کائنات میں قوت کے جو مظاہر ہیں ان میں شدت کے لحاظ سے بجلی کو سب پر اہمیت حاصل ہے۔ اس کی گھن گرج، برق رفتاری اور جلا کر فنا کر دینے کی تیزی کا مقابلہ نہیں ہے۔ انسان نے جب بجلی کے یہ کارنامے دیکھے تو عقل سے اس کو ایجاد کرلیا۔ اور اس سے اپنی خدمات حاصل کرنی شروع کر دیں۔ یہی بجلی اب اس کے گھر میں روشنی کرتی ہے۔ اس کا پنکھا چلاتی ہے۔ کمروں کو گرم اور سرد رکھتی ہے۔ کھانا تیار کرتی ہے۔ دیگر ہزاروں مشینیں چلانے کے علاوہ اس کی تفریح کے لیے ریڈیو بھی چلاتی ہے۔ نہ صرف موجودہ دور کی سب سے بڑی قوت ہے۔ بلکہ ہر زمانے میں یہی قوت سب سے بڑی قوت تسلیم کی جائے گی۔ ایٹم کی قوت میں اسی کا اظہار ہے۔

بجلی کے اقسام

بجلی تین اقسام سے پیدا ہوتی ہے:

❶ بیٹری میں پیدا ہوتی ہے۔ جو کیمیاوی طور پر تیار کی جاتی ہے۔

❷ ڈائنامو سے پیدا کی جاسکتی ہے۔ یہ مشینی طور پر رگڑ سے پیدا ہوتی ہے۔

❸ نظام کشش ثقل سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ ذرات کی گردش سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی پر نظام شمسی اور دیگر ستارگان قائم ہیں۔ ان کی تفصیل ہم اپنی کتاب تحقیقات اعادہ شباب میں لکھ چکے ہیں۔

جسم انسان خود برقی سرکٹ ہے

جسم انسان میں بھی انہی تینوں صورتوں سے بجلی پیدا ہوتی ہے۔ ہر حیوانی ذرہ (سیل) ایک مخفف الیکٹرک سیل ہے جس میں بجلی محفوظ رہتی ہے۔ چونکہ اعضائے رئیسہ تین ہیں اور انہی پر زندگی قائم ہے۔ اس لیے بجلی کی تینوں اقسام ان میں جدا جدا ہیں:

① پہلا بجلی کا نظام جو کشش ثقل کے تحت کام کرتا ہے وہ دماغ اور اعصاب کے خلیات میں قائم ہے۔

② دوسرا بجلی کا نظام جو حرکت و رگڑ کے تحت کام کر رہا ہے وہ قلب و عضلات کے خلیات میں قائم ہے۔

③ تیسرا بجلی کا نظام جو کیمیاوی طور پر کام کر رہا ہے وہ جگر و غدد کے تحت کام کر رہا ہے۔

یہ تینوں قوتیں ① قوت حس ② قوت حرکت ③ قوت حرارت (انرجی، ایکشن، ہیٹ) اپنی اپنی جگہ کام کر رہی ہیں۔ اور ضرورت کے وقت قوت کا اخراج کرتی ہیں۔ اس طرح جسم کے مختلف اعضاء اپنے حیوانی ذرات (سیلز) سے مختلف قویٰ کے تحت مختلف اشیاء پیدا کرتے ہیں۔ اعصابی خلیات رطوبات (انرجی) عضلاتی خلیات کیسز (فورس) اور غدی خلیات حرارت (ہیٹ) پیدا کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے مرکب سے خون اور اخلاط تکمیل پاتے ہیں۔ یہ سلسلہ بجلی کی طرح ان سیلز (خلیات) سے ہر گھڑی پیدا ہو کر انسانی زندگی و قوت اور صحت قائم رکھتے ہیں۔ گویا بجلی کا ایک نظام (سرکٹ) قائم ہے جو قویٰ کو پیدا اور خارج کر رہا ہے۔ کیا ماڈرن سائنس اور فرنگی طب ان حقائق سے انکار کر سکتی ہے۔ یہ ہماری وہ تحقیقات ہیں جن کے لیے ہم ان کو چیلنج کرتے ہیں۔

راز کی بات

یہاں پر ایک راز کی بات سمجھ لیں کہ یہ تینوں قوتیں (بجلی) باہم مل کر کام کرتی ہیں۔ان کا باہمی گہرا تعلق ہے اور ان میں ضرورت کے مطابق اعتدال رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے خون کے اجزاء جسم میں ایک خاص اعتدال کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ اگر ان قویٰ میں کمی بیشی یا کمزوری واقع ہو جائے تو اعضاء کے افعال بگڑ جاتے ہیں اور صحت قائم نہیں رہ سکتی۔ بس اسی حالت کا نام مرض ہے۔ جب اعضاء کے افعال درست ہو جائیں یا خون کے اجزاء مکمل ہو جائیں یا یہ قوتیں (بجلی) اپنے افعال اعتدال سے انجام دیں تو مرض رفع ہو جاتا ہے اور اس کا نام صحت ہے۔

مقام غور یہ ہے کہ طب قدیم میں ارکان سے لے کر قویٰ تک کس قدر خوبی کے ساتھ ایک دوسرے کو بن دیا جاتا ہے کہ اگر ان میں سے ایک اپنی جگہ سے بگڑ جائے یا خراب ہو جائے یا ان میں کمی بیشی ہو جائے تو اس طرح سارا نظام (سرکٹ) قائم نہیں رہ سکتا۔ یہی زندگی وقوت اور صحت کا راز فرنگی طب کو قطعی معلوم نہیں ہے۔

⑦ افعال

تعریف افعال

افعال جمع فعل کی ہے۔ فعل وہ امر ہے جو قوت سے عمل میں آتا ہے۔ اور کسی عضو کی حرکت سے سرزد ہوتا ہے۔ یعنی اپنی حالت سکون سے حرکت میں آ کر اپنے مقررہ افعال انجام دیتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ جب قوئی کا وجود جسم اور اعضاء کے لیے ضروری ہے تو افعال بھی اس کے لیے ضرور ہوں گے۔ اس لیے جسم اور اعضاء کا وجود بلا ان تینوں قسم کے افعال قوئی کے ناممکن ہے۔ یعنی افعال کے بغیر قوئی بیکار ہیں۔

افعال کی تقسیم

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

(اما الافعال فتنقسم الی مفرد و مرکب. اما المفرد فهو الذی یتم بقوة واحدة کاالجذب الامساك و الهضم الدفع. و اما المرکب فهو الذی یتم بقوتین فصاعد النفوذ الغذاء فانه یتم بقوتین الجاذبة و الدفعة).

افعال دو قسم ہوتے ہیں: ① مفرد ② مرکب۔ افعال مفرد وہ ہیں جو صرف ایک قوت سے پورے ہو جاتے ہیں۔ جیسے جذب، امساک، ہضم اور دفع۔ افعال مرکب وہ ہیں جو دو قوتوں یا دو سے زیادہ قوتوں سے انجام پاتے ہیں۔ جیسے نفوذ غذا جو دو قوتوں، جاذبہ اور دافعہ سے انجام پاتا ہے"۔

جاننا چاہیے کہ انسانی جسم اعضاء سے مرکب ہے اور اعضاء انسجہ سے مرکب ہیں اور انسجہ خلیات سے مرکب ہیں۔ خلیہ ایک حیوانی ذرہ جو اپنے اندر زندگی کے تمام افعال رکھتا ہے۔ خلیہ اپنے افعال میں بالکل آزاد ہے۔ مگر ایک ہی قسم کے خلیات جو ایک خاص قسم کا نسیج (ٹشو) بناتے ہیں۔ وہ اپنے خاص قسم کے افعال میں ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی ان کے مفرد افعال ہیں۔ جیسے اعصابی انسجہ میں قوت حس، غدی انسجہ میں قوت غازیہ (نشوونما) پائی جاتی ہے اسی طرح عضلاتی انسجہ میں قوت حرکت پائی جاتی ہے چونکہ انسجہ مفرد اعضا ہیں اس لیے ان کے افعال بھی مفرد ہیں۔

چونکہ اعضائے انسانی انہی انسجہ (مفرد اعضاء) سے مرکب ہیں۔ اس لیے اعضاء کے افعال انہی مختلف انسجہ کے مختلف افعال سے مرکب طور پر انجام پاتے ہیں جیسے غذا کا جسم میں ہضم ہونا۔ یعنی غذا جس عضو کی طرف جاتی ہے اس عضو کی قوت جاذبہ اس کو جذب کرتی ہے اور جس عضو سے جدا ہو کر جاری ہوتی ہے اس کی قوت دافعہ اس کو دفع کرتی۔ اس طرح بھی سمجھ لیں کہ جب مکھی کا جسم پر بیٹھنے کا احساس ہوتا ہے تو یہ صرف اعصاب کا مفرد فعل ہے۔ جب ہم مکھی کو اڑانے کے لیے اسے ہاتھ سے اڑاتے ہیں تو ہاتھ کی یہ حرکت عضلاتی حرکت ہے۔ ان دو افعال سے جو فعل عمل میں آتا ہے بس یہی مرکب فعل ہے۔

جاننا چاہیے کہ جسم انسان میں جس قدر افعال سرزد ہوتے ہیں وہ مرکب ہوتے ہیں۔ اور یہ تمام افعال اس قدر خودکار ہیں کہ ہم ان

کا شعور بھی نہیں کر سکتے البتہ ان افعال کے سرزد ہونے کے بعد جو علامات اور نتائج پیدا ہوتے ہیں ان سے ہم کو اندازہ ہوتا ہے کہ فلاں مفرد فعل اعتدال سے زیادہ یا کم عمل میں آیا ہے۔ بس انہی اعضاء کی کمی بیشی اور ضعف کو جاننے کا نام مرض ہے۔ طب قدیم ان مفرد افعال کو امزجہ واخلاط اور قویٰ واعضاء کے افراط وتفریط اور ضعف سے اندازہ لگا کر مرض کی حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں اور ان کو اعتدال پر لا کر صحیح علاج کرتے ہیں۔

فرنگی طب کے علاج میں غلطی

فرنگی طب خلیات (سیلز) اور مفرد اعضاء (ٹشوز) کو تسلیم کرتی ہے بلکہ یہ خوردبینی دور کی تحقیقات ہیں۔ لیکن ان کی یہ تحقیقات تشریح الابدان اور منافع الاعضاء تک محدود ہیں۔ اس نے ان کے کیمیاوی اعمال اور طبعی افعال کو امراض اور علاج کی بنیاد نہیں بنایا۔ اس لیے اس کو مرض کی بنیاد جراثیم پر قائم کرنا پڑی ہے اور علاج کے سلسلہ میں انہی جراثیم کو قتل اور فنا کرنا پڑتا ہے جن کا مفرد اعضاء اور مرکب اعضاء سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ بیرونی طور پر یا اندرونی طور پر ان رطوبات پر پلتے ہیں جو خون سے جدا ہوتی ہیں ان کو فنا کر دینے یا اخراج کر دینے سے بھی امراض دور نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس طرح اعضاء کے افعال درست نہیں ہو سکتے۔

اعضاء کے افعال اس وقت درست ہو سکتے ہیں جب اعضاء کے افعال درست کیے جائیں۔ خصوصاً ٹشوز (مفرد اعضاء) کے افعال درست کیے جائیں۔ کیونکہ افعال کی خرابی سے وہاں پر پھر جراثیم اپنا حملہ کر سکتے ہیں۔ یہی سب کچھ غیر فطری (ان نیچرل) اور غیر علمی (ان سائنٹیفک) ہے اس لیے ہم فرنگی طب کو غلط کہتے ہیں۔

مفرد اعضاء اور اخلاط

مفرد اعضاء کے افعال کی خرابی کو درست کرنے سے اخلاط بھی اعتدال پر آ جاتے ہیں۔ اسی طرح اخلاط میں اگر اعتدال پیدا کیا جائے تو اعضائے مفردہ (ٹشوز) کے افعال درست ہو جاتے ہیں۔ اس طرح نہ صرف جسم کے تمام مواد وفضلات اور زہر ختم ہو جاتے ہیں بلکہ جراثیم اور ہر قسم کر کرم فنا ہو کر نکل جاتے ہیں۔ گویا اخلاط کا اعتدال ہی اعضائے مفردہ (ٹشوز) کی درستی ہے جن سے ہر قسم کے امراض رفع ہو کر صحت قائم ہو جاتی ہے۔

جہاں تک فرنگی طب، امراض میں اعضاء کی خرابی کو تسلیم کرتی ہے۔ اوّل تو وہ اس کو کچھ اہمیت نہیں دیتی اور جراثیم کی تلاش اور فنا میں سرگرداں رہتی ہے لیکن چونکہ امراض کی ترتیب بالاعضاء ہے اس لیے جب وہ امراض کا نام لیتی ہے تو بالاعضاء ان کا ذکر کرتی ہے۔ جیسے سوزش وورم اور درد کو بھی سر وسینہ اور کبھی معدہ ومثانہ سے موسوم کرتی ہے۔ گویا پورے سر وسینہ اور معدہ ومثانہ کو مرض کی آماجگاہ قرار دیتے ہیں۔ یہی صورتیں جگر وگردوں اور قلب وامعاء میں بھی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ان کے مفرد اعضاء (ٹشوز) کی خرابیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ گویا بیک وقت تمام عضو کو مریض سمجھتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ مرکب اعضاء ہیں جو مفرد اعضاء (ٹشوز) سے مرکب ہیں اور بیک وقت تمام مفرد اعضاء (ٹشوز) مریض نہیں ہو سکتے۔ اس لیے ان کے سامنے یہ حقیقت نہیں ہوتی کہ ان مرکب اعضاء کا کون سا مفرد عضو (ٹشو) خراب ہے اور صرف اسی کا درست کرنا ہی صحیح علاج ہے۔ یہی فرنگی معالجوں کی غلط فہمی ہے اس لیے فرنگی طب غلط ہے۔ اگر جراثیم کو ہی مدنظر رکھیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ مفرد اعضاء (ٹشوز) کے جراثیم مختلف ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مرکب عضو میں مختلف جراثیمی امراض نظر آتے ہیں اور

وہاں پر مختلف امراض پیدا کرتے ہیں۔

طب قدیم میں یہی کمال ہے کہ اس میں جو امراض کا ذکر بالا عضاء سے ہے تو ان کے ساتھ ہی ہر عضو، ہر قوت اور ان کے افعال اخلاط کے تحت بیان کر دیئے گئے ہیں۔ گویا امور طبیعیہ کی ساتوں صورتیں ایک دوسرے کے ساتھ بنی اور گوندھی ہوئی ہیں۔ جب کوئی یونانی معالج کسی مرض کا علاج کرتا ہے تو وہ مزاج کے تحت تمام امور طبیعیہ کو سلسلہ وار جانچ لیتا ہے اور پھر اسی مزاج و اخلاط کے تحت دواء اور غذا تجویز کرتا ہے جس کے نتیجہ میں اس کو یقینی اور بے خطا کامیابی ہوتی ہے۔ یہی علمی اور سائنسی طریقہ ہے اور یہی فطری و قدرتی اور صحیح طریقہ علاج ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہو گیا ہے کہ امراض کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے اور صحیح علاج کرنے کے لیے امور طبیعیہ کا نہ صرف جاننا بلکہ ان کو امراض اور علاج کی بنیاد بنانا انتہائی لازم اور بہت ضروری ہے۔ ان کے بغیر امراض کا جاننا اور صحیح علاج کرنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اس لیے ہم نے ان حقائق کو واضح کرنے کے لیے مفرد اعضاء (ٹشوز) کا نظریہ دنیائے طب کے سامنے پیش کیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ مفرد اعضاء و قوئ اور اخلاط و مزاج لازم و ملزوم ہیں۔ جن سے ایک طرف فرنگی طب کی غلطی و عطائی پن دوسری طرف طب یونانی صحت اور کمال ثابت ہوتا ہے۔ یہی ہماری تیس سالہ تحقیق ہے جس پر ہم دنیا بھر کی تمام تحقیقات کو چیلنج کرتے ہیں اور حقیقی و فطری طب یونانی کے کمالات کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

پہلا حصہ ختم

خداوند کریم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس کتاب (فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے) کا پہلا حصہ ختم ہو گیا ہے۔ اس کے باقی حصے ان شاء اللہ تعالیٰ زندگی بخیر رفتہ رفتہ لکھنے کی کوشش جاری رکھی جائے گی۔ یہ کتاب بھی وقت کی کمی کی وجہ سے عرصہ سات سالوں میں لکھی گئی ہے۔ چونکہ اس وقت اس کتاب کی ضرورت تھی اس لیے اس کے پہلے حصے کو جو نہایت اہم ہے، شائع کر دیا گیا ہے اور باقی حصوں کو دوسرے مناسب وقت کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔ کیونکہ ضرورت کے مطابق ہمیں دو کتب کی بے حد ضرورت ہے۔

❶ تحقیقات علم الادویہ۔ جس کا بہت سا حصہ ''ماہنامہ رجسٹریشن فرنٹ'' میں شائع ہو چکا ہے۔ کوشش کی جائے گی کہ اس کو جس قدر جلد ہو سکے شائع کر دیا جائے۔

❷ تجدید طب۔ اس میں علم و فن طب میں تجدید کی اہمیت، تجدید طب کی تاریخ تجدید طب کے لیے طریق کار، نظریات، ہمارا نظریہ مفرد اعضاء اور ہماری تحقیقات کو ترتیب سے پیش کرنا وغیرہ شامل ہے۔

ان دونوں کتب کی چونکہ بہت ضرورت ہے اس لیے کتاب (فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے) کے باقی حصے ان دونوں کتب کے بعد شائع کیے جا سکتے ہیں۔

اس کتاب (فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے) کی ترتیب شیخ الرئیس کے قانون کے مطابق رکھی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم ابتداء میں لکھ چکے ہیں کہ طب کے دو حصے ہیں ① علمی یا نظری حصہ ② عملی حصہ۔ عملی حصے کے چار جزو ہیں: ① امور طبیعیہ ② حالات بدن ③ اسباب ④ علامات۔ علمی حصے کے دو جزو ہیں ① علم حفظان صحت ② علم العلاج۔ موجودہ کتاب علمی حصہ کا پہلا جزو ہے۔ جو کتاب فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے کا ایک حصہ ہی شمار ہو سکتا ہے۔

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ وقت کی کمی کی وجہ سے اس کتاب کو زیادہ تفصیل سے نہیں لکھا جا سکا۔ مکمل تشریحات کی صورت میں اس کتاب کا دس گنا طویل ہونا ممکن تھا۔ لیکن ہم نے اختصار کے ساتھ ساتھ تمام اہم مباحث کو اس میں بہت احسن طریق پر سمیٹ لیا ہے۔ جن سے ایک قاری پورے طور پر مطمئن ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ کتاب علم و فن طب میں ایک انقلابی سنگ میل ثابت ہو گی۔ اور طب قدیم کو نہ صرف اپنا پورا مقام مل جائے گا۔ بلکہ اس کے کمالات کے نور سے دنیا جگمگا اٹھے گی۔ اور فرنگی طب کا مقام واپسی (ٹرننگ پوائنٹ) آج سے شروع ہو جائے گا۔ یہی اس کتاب کے لکھنے کا اصل مقصد ہے۔

وما توفیقی الا باللہ!

۴
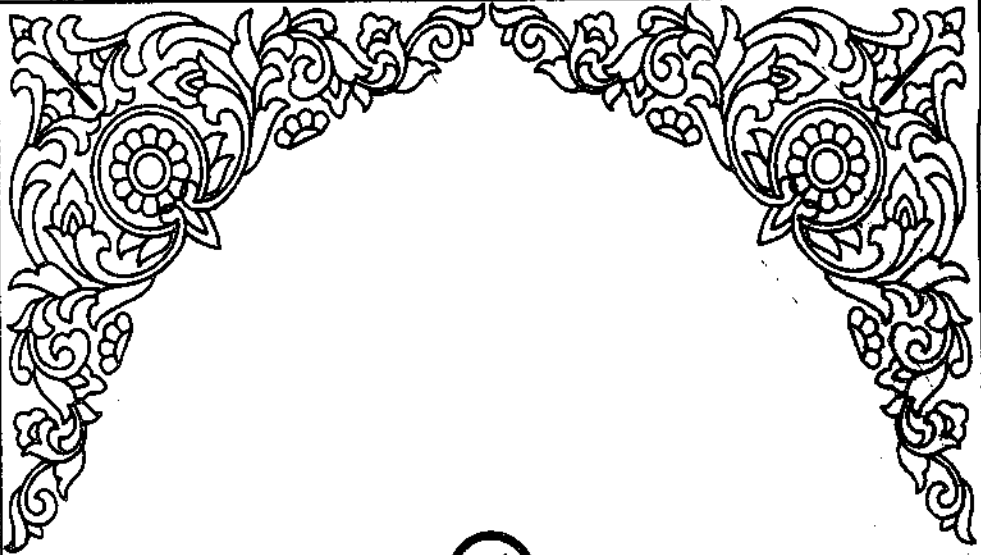
تحقیقاتِ سوزاش واورام

فہرست عنوانات

معنون

اپنی اس علمی تحقیق وفنی انکشاف اور طبی تجدید وسائنسی تدقیق کو جو احیائے طب اور ارتقائے علم وفن کے لئے گئی ہے اپنے عزیز دوست حکیم محمد شریف صاحب زبدۃ الحکماء دواخانہ دنیاپور ضلع ملتان کے نام نامی اور اسم گرامی سے موسوم کرتا ہوں۔ آپ نظریہ مفرد اعضاء کو سمجھنے اس کے تحت علاج معالجہ کرنے اور نبض وقارورہ پر عبور حاصل کرنے کے لئے ایک ماہ سے زیادہ لاہور رہے اور نہ صرف بار بار تشریف لاتے رہے بلکہ اپنے برادر اصغر اور دیگر دوستوں کو بھی بھیجتے رہے۔

آپ تحریک تجدید طب کے سرگرم رکن ہیں، انہوں نے تھوڑے عرصے میں نہ صرف اپنے شہر دنیاپور میں اطباء وحکماء اور صاحب علم و اہل فن کو حلقہ تجدید طب میں شریک کرلیا ہے بلکہ گردونواح کے اطباء اور معالجین کو بھی اس سے پوری طرح آگاہ کردیا ہے ساتھ ہی عوام میں ذوق و شوق اور تبلیغ کے لئے گذشتہ سال وہاں پر 3 نومبر کو میری صدارت میں جلسہ کرایا گیا اور اس سال پھر 4 نومبر کو جلسہ کا اہتمام کیا۔ آپ نے چند ماہ سے طبی تعلیم کا سلسلہ شروع کردیا ہے ان کے ارادے بہت بلند ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکت بخشے۔

خادم فن

صابر ملتانی

1968ء

پیش لفظ

یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ خداوند حکیم نے یہ زندگی اور کائنات اپنی مرضی سے تخلیق کی ہے اور اپنی مرضی کے مطابق بنائی ہے اور ان کا رواں دواں ہونا بھی اسی کی مرضی پر منحصر ہے۔ اس میں انسان اور فرشتوں کے دخل کا کوئی تعلق نہیں ہے کہ وہ ذرّہ برابر بھی اپنی مرضی سے کمی بیشی کر سکیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ایک صفت عادل بھی ہے اور یہ صفت ربّ ورحمان اور رحیم کے بعد سب سے بڑی صفت ہے کہ مالک یوم الدین ہے، یعنی جزاء اور سزا کے دن کا مالک ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے کہ اگر مخلوق کو کچھ اختیار بھی دیئے جائیں۔ ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق مجبور ہے، مگر عقل کا تقاضا ہے کہ جزاء اور سزا کا نتیجہ عدل ہے جو بغیر کسی فعل کے صادر نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر غور وفکر سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ زندگی اور کائنات جو خداوند حکیم کی مرضی سے تخلیق ہوئی ہے اس میں زبردست حکمت پائی جاتی ہے۔ یعنی جو کچھ بھی تخلیق ہوا ہے وہ سب کا سب کسی قانون کے مطابق ہے۔ اس قانون کا نام فطرت ہے جو حقیقت وسچائی ہے اور اس کا نام منشائے الٰہی اور رضائے خداوندی ہے۔

قانون فطرت اور منشائے الٰہی جس پر زندگی اور کائنات رواں دواں ہے۔ یہی حق پرستی اور حقیقت پسندی ہے۔ جب حق وصداقت اور حقیقت وسلامتی کی پرواہ نہیں کی جاتی تو یہ نہ صرف رضائے خداوندی اور منشائے الٰہی کی بغاوت ہوتی ہے جو گناہ کا درجہ رکھتی ہے بلکہ قانون فطرت کی بھی خلاف ورزی ہے۔ جس کا نتیجہ اس کا ردِّعمل ہے۔ یہ ردِّعمل زندگی میں بھی ہوتا ہے اور کائنات میں بھی ہوتا ہے جس سے زندگی اور کائنات میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ زندگی کے معمولات اور اس کے اعضاء کے افعال میں خلل واقع ہو تو اس کو مرض کہتے ہیں۔ اور اگر کائنات کے معمولات اور اس کے ستارگان کے افعال میں خلل واقع ہو جائے تو اس کو آفت کہتے ہیں۔ یہ سب قانون فطرت کی خلاف ورزیاں ہیں۔

اکثر لوگ زندگی کے خلل اور مرض کو تو سمجھتے ہیں مگر کائنات کے خلل اور آفت کو بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ اس کائنات کے ہر ذرّہ کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے جیسے انسانی یا حیوانی یا نباتاتی جسم کے ہر ذرے کا آپس میں گہرا تعلق ہے بلکہ یہ تعلق اس قدر گہرا ہے کہ جسم کے ایک ذرّے سے دوسرے ذرّے تک کا خون دورہ کرتا ہے۔ جس میں خون کی حرارت ورطوبت اور روح وغیرہ اور دیگر کیمیاوی اجزاء بھی دورہ کرتے ہیں۔ اسی طرح کائنات کے ہر ذرّہ میں بھی اس کی فضا اپنا دورہ کرتی ہے جس کے ساتھ اس کی حرارت ورطوبت اور روح وغیرہ اور دیگر کیمیاوی اجزاء بھی دورہ کرتے ہیں۔ پھر جس طرح زندگی کے جسم میں اس کے کسی ذرّے میں کانٹا چبھ جائے تو وہاں پر درد کے ساتھ ہی سوزش پیدا ہو جاتی ہے، جس کے ساتھ ہی جسم کا خون وہاں پر اکٹھا ہو کر ورم کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور جسم میں ایک غیر معمولی تغیر پیدا ہو جاتا ہے، جس کا نام ہم مرض رکھتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جب کائنات کے کسی ذرّے میں فطرت کے خلاف رکاوٹ یا اثر پیدا ہو جائے تو وہاں پر بے چینی پیدا ہو کر ایک ہنگامہ ابھرتا ہے جس کے ساتھ کائنات کی فضا اسی طرف دباؤ ڈال کر وہاں خلل پیدا کر دیتی ہے جس کو آفت کہتے ہیں۔ ان آفات میں آگ وہوا اور پانی کے طوفان زلزلے اور سیلاب، متعدی امراض اور جنگیں وغیرہ شامل ہیں۔

جو بات میں ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ زندگی اور کائنات میں حق وصداقت ہی ایک شے ہے۔ اس کی مطابقت کا نام نیکی اور خداترسی ہے۔ یہی منشائے الٰہی ورضائے خداوندی اور اطاعت وسلامتی ہے۔ جہاں پر مطابقت نہیں رہتی وہاں پر گناہ وبغاوت اور مرض وآفت کی صورت بن جاتی ہے جو بذاتِ خود کوئی شے نہیں ہے۔ یعنی جہاں حق وصداقت کے عمل میں رکاوٹ پیدا ہو جائے وہاں برائی اور خلل نمودار ہوگا۔ ورنہ ان کی ذاتی شکل وصورت کوئی نہیں ہے۔

یہی صورت امراض کی بھی ہے کہ وہ بذاتِ خود کوئی صورت نہیں رکھتے۔ اصل صورت زندگی کے نظام اور جسم کے اعضاء اور اعضاء کے ذرّات کے افعال کا درست ہونا ہے جس کا نام صحت ہے۔ جب صحت قائم نہیں رہتی تو اس کا نام مرض رکھ دیا جاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ مرض کی ماہیت کو سمجھنے کے لئے جب تک جسم کے طبعی اور صحت مند افعال و حالات کو ذہن نشین نہ کیا جائے۔ اس وقت تک اس کے غیر طبعی افعال و حالات اور مرض پر عبور حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس مقصد کے لئے علم تشریح الابدان، علم افعال الاعضاء اور علم الانسجہ کو سب سے پہلے ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علاج میں کامیابی کا راز صحیح تشخیص ہے جو ماہیت مرض کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی اور مرض کو سمجھے بغیر علاج کرنا نہ صرف گمراہی ہے بلکہ بہت بڑا گناہ ہے۔

جب کوئی مریض معالج کے پاس آتا ہے تو پہلی بات جو اس کے ذہن میں ابھرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کو مرض کیا ہے۔ بلکہ نفسیاتی طور پر مریض کے ذہن میں بھی یہی ہوتا ہے کہ اس کو کیا مرض ہے، اس لئے طب کے طالب علم کو سب سے پہلے جس بات کا علم ہونا چاہئے وہ مرض کی ماہیت ہے۔ اس لئے یہ ایک جدا علم کی صورت اختیار کر گیا ہے جو اپنے اندر بے حد اہمیت رکھتا ہے اور طبی اصطلاح میں اس کو علم الامراض یا ذرا وسیع معنوں میں علم ماہیت امراض کا نام دیا گیا ہے۔ جس کو انگریزی میں پیتھالوجی (PATHOLOGY) کہتے ہیں۔ بعض اطباء نے اس کا ترجمہ باتو موجیا کیا ہے جو ماہیت امراض کے مقابلے میں بے معنی ہے۔ کیونکہ علم ماہیت امراض بذاتِ خود ہر جنس اور نوع کے امراض اور جسم کے غیر طبعی حالات میں اعضاء کی ماہیت و ترکیب اور افعال میں کیا تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ مفرد اعضاء (انسجہ) اور مرکب اعضاء ایک دوسرے کو کس طرح متاثر کرتے ہیں۔ پھر مرض کی صورتیں کیوں اور کس طرح پیدا ہو جاتی ہیں، کو پورے طور پر ظاہر کر دیتا ہے۔ اس لئے اس کا نام ماہیت الامراض ہی صحیح ہے۔

جاننا چاہئے کہ ماہیت امراض میں مرض کی ابتدائی صورت کسی مفرد اعضاء (نسیج) میں تحریک اور خون کے مزاج (کیفیات) یا خون کے کیمیاوی مادوں (اخلاط) میں تغیر پیدا ہوتا ہے۔ پھر مفرد اعضاء میں سوزش کی صورت قائم ہو جاتی ہے جس کی طرف خون کی تیزی بڑھ جاتی ہے۔ اگر خون کے دباؤ سے وہاں کی سوزش رفع نہ ہو تو وہاں پر ورم کی صورت نمودار ہو جاتی ہے۔ گویا مرض کی ابتدائی مستقل صورت سوزش ہی ہے جس میں درد و خارش اور گرمی سرخی بھی شامل ہیں۔ اس لئے ہم نے علم الامراض کو سمجھانے کے لئے سوزش پر مکمل بحث کی ہے اور پھر سوزش سے لے کر ورم تک کی تمام تبدیلیوں اور تغیرات کو مکمل طور پر بیان کیا ہے تاکہ ہر معالج ماہیت الامراض سے پورے طور پر آگاہ ہو کر دسترس حاصل کر لے اور یہیں سے معالج کی کامیابی اور کمال شروع ہوتا ہے۔

جہاں تک سوزش اور ورم کے علاج کا تعلق ہے وہ مرض کی ترکیب و ترتیب اور تربیت جس کو انگریزی میں Constitution، Synthesis اور Development کہتے ہیں، سے سوزش اور ورم کی صورتیں ابھرتی ہیں۔ انہی صورتوں کو قانون علاج کے تحت قائم کر دینے کا نام علاج ہے اور یہی مقام صحت مندی ہے۔ پھر بھی مثال کے طور پر اورام سر کے علاج کو بے حد تفصیل اور تشریح کے ساتھ بیان کر دیا ہے، تاکہ اس کی روشنی میں سر سے پاؤں تک کے سوزش اور اورام کا علاج یقینی اور بے خطا طریق پر کیا جاسکے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن معالجین نے نظریہ مفرد اعضاء کو سمجھ کر ذہن نشین کر لیا ہے، ان کے لئے ہر سوزش و ورم کا علاج بلکہ ہر مرض کا علاج مشکل نہیں ہے۔ ہم پورے طور پر سمجھتے ہیں کہ معالجین کی نفسیاتی خواہش ہے کہ ہر سوزش اور ورم کا علاج لکھ دیا جاتا تو بہتر تھا، کیونکہ ہر ذہن اپنے اندر کمال نہیں رکھتا۔ اس مقصد کے لئے کچھ عرصہ انتظار کرنا پڑے گا۔ البتہ اس کتاب میں ایک مشکل دور کر دی گئی ہے کہ جسم کے تمام امراض کو نظریہ مفرد اعضاء (انسجہ) کے تحت دل و دماغ اور جگر کے ماتحت تقسیم کر دیا گیا ہے، جس سے تشخیص میں بے حد آسانیاں اور علاج میں انتہائی سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں، جس کا مقابلہ فرنگی طب نہیں کر سکتی۔ اس کا اندازہ صاحب فن اور اہل علم ہی کر سکتے ہیں۔

صابر ملتانی 1968ء

مُقدّمۃ

خداوند کریم نے قرآن حکیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی کہلوایا ہے کہ ﴿ وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴾ ''اور جب میں بیمار پڑتا ہوں بس وہی شفا دیتا ہے''۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان جب بادی اثرات (کیفیاتی و آفاقی اور نفسیاتی) اور مادی اثرات (ماکولات و مشروبات) سے بیمار ہو جاتا ہے تو خداوند حکیم ہی اس کو شفا دیتے ہیں۔ گویا جب انسانی جسم کا اعتدال قائم نہیں رہتا تو وہ بیمار ہو جاتا ہے۔ یعنی مرض اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان کی صحت قائم نہیں رہتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحت کا قیام انسانی جسم کا اعتدال ہی صحت ہے اور یہ یقینی امر ہے کہ یہ افعال الاعضاء کسی قانون کے تحت عمل کر رہے ہیں، یہ قانون یقیناً قانون فطرت ہے جو دو حالات سے خالی نہیں ہے۔ اوّل قانون آفاق، دوسرے قانون انفس اور دونوں قانون قدرت کے تحت کام کرتے ہیں۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ثابت ہوا کہ شفاء اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ گویا زندگی اور کائنات میں جو تغیرات پیدا ہوتے ہیں ان میں تدبیر صرف قانون قدرت کے اختیار میں ہے۔ قانون قدرت اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں اور اسی کے اختیار میں ہے۔ انہی قوانین قدرت میں ایک قانون شفا بھی ہے۔ جو فطرت کے تحت کام کرتا ہے۔

قدرت اور فطرت کا فرق

جاننا چاہیے کہ قدرت وہ طاقت ہے جس سے اللہ تعالیٰ زندگی و کائنات اور تمام عالمین پر قادر ہے، ان کی یہ قدرت بھی اصول کے تحت ہے جو قانون بن گیا ہے۔ فطرت وہ طاقت ہے جس پر یہ زندگی و کائنات اور تمام عالم رواں دواں ہیں۔ یہ بھی اصول و قاعدہ اور ترتیب کے ماتحت ہے اس لئے قانون کی حیثیت رکھتی ہے۔ بہر حال ذہن نشین کرنے کے لئے قانون فطرت کہہ دیا جاتا ہے، لیکن فطرت خود قدرت کے تحت قانون ہے۔

قانون

قانون کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو عوام اس کو سن کر عمومی لفظ کی طرح نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ لفظ قانون اپنے اندر بہت بڑی طاقت رکھتا ہے، یعنی ایسے قاعدے اور طریق جو کسی اصول و ترتیب اور صحیح بنیادوں پر قائم ہوں۔ یا یوں سمجھ لیں کہ روزانہ زندگی میں مسلسل تجربات و مشاہدات کسی عمل یا شے کے نتائج ایک ہی صورت میں پیدا ہوں تو بس اس کو قانون کہتے ہیں۔ جیسے آگ جلاتی ہے اور پانی کو گرم کرتی ہے۔ اسی طرح پانی سردی پیدا کرتا ہے اور آگ کو بجھا دیتا ہے۔ جب بھی یہ اعمال کئے جائیں گے ایسا ہی ہوگا۔ انگریزی میں اس کو لاء (Law) کہتے ہیں اور یہ بالکل سائنس کے معنوں میں آتا ہے، بلکہ مزید زور پیدا کرنے کے لئے سائنسی قوانین (Scientific Laws) کہتے ہیں۔

القانون

قانون کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس امر پر غور کریں کہ تقریباً سات سو سال پہلے شیخ الرئیس بوعلی سینا نے علم و فن طب پر جو کتاب لکھی ہے اس کا نام القانون رکھا ہے، جس کا مقصد اور اظہار یہ ہے کہ یہ کتاب ایسے اصول قاعدوں کے تحت ترتیب دی گئی ہے جو روزانہ زندگی میں مسلسل تجربات و مشاہدات کے بعد قائم کئے گئے ہیں۔ جن میں کہیں بھی نقص اور خلا نہیں ہے۔ جو لوگ لفظ سائنس کو اہمیت دیتے ہیں وہ لفظ

قانون پر غور کریں جس کے بغیر سائنس بھی مکمل نہیں ہے۔ یادرکھیں علم کو اصول، قاعدوں اور ترتیب کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ قرآن حکیم نے فطرت کا لفظ بھی استعمال کیا ہے، جیسے:

﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ﴾ (سورة الروم: ۳۰)

''اللہ تعالیٰ کی یہ فطرت ہے کہ جس کے قانون پر انسان پیدا کیا گیا ہے''۔

اور فطرت کے معنوں میں ''سنت'' کا لفظ بھی استعمال کیا ہے، جیسے:

﴿ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴾ (سورة الاحزاب: ٦٢)

''ہرگز اللہ تعالیٰ کے قانون میں تبدیلی نہ پاؤ گے''۔

ترتیب

قدرت وفطرت اور قانون کی تشریح کی ضرورت اس لئے پیدا ہوئی کہ یہ سب کسی ترتیب پر کام کرتے ہیں اور یہ ترتیب خود کار اصول اور طریق پر قائم ہے۔ یعنی ایک صورت کے بعد دوسری صورت اور ایک عمل کے بعد دوسرا عمل پیدا ہو جاتا ہے جس کو انگریزی میں سسٹے میٹک (Systematic) (باقاعدہ) کہتے ہیں۔

مرض کا تصور

غور کریں کہ قانون قدرت وقانون فطرت اور سنت الٰہیہ کے تحت مرض کا تصور کیا ہے۔ اس حقیقت سے تو انکار نہیں ہے کہ مرض جس طرح بھی پیدا ہو، بہر حال وہ کسی نہ کسی قانون صحت کی خلاف ورزی ہوگا۔ یادرکھیں کہ برائی کبھی قانون کے ماتحت نہیں ہوتی بلکہ برائی وہ شے یا عمل ہے، جو نیکی اور بھلائی کی خلاف ورزی سے پیدا ہوتی ہے، اس لئے مرض بھی کسی قانون کے تحت پیدا نہیں ہوتا بلکہ جب صحت کے قانون کی خلاف ورزی کی جاتی ہے تو مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا میں جس قدر طریق علاج ہیں، سب نے مرض کی پیدائش کو صحت کے قوانین کی خلاف ورزی قرار دیا ہے۔ ذیل میں چند طریق علاج کے اصول صحت اور ان کی خرابی سے پیدائش امراض کی صورتیں پیش کی جاتی ہیں۔

آیورویدک اور پیدائش امراض

آیورویدک میں صحت کی بنیاد دوشوں (اخلاط) اور پرکریتوں (کیفیات) کے اعتدال پر رکھی گئی ہے اور جب ان میں کمی بیشی یا نقص و خرابی یا ان کے مقام میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے تو اس حالت کو مرض قرار دیتے ہیں۔ یادرہے کہ مرض کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب بے اعتدالی کا اثر اعضاء کے افعال میں ظاہر ہوتا ہے۔

طب یونانی میں پیدائش امراض

یونانی طب میں صحت کی بنیاد جسم کے اخلاط (خون وبلغم اور صفراء وسودا) اور کیفیات (گرمی سردی اور خشکی وتری) کے اعتدال پر رکھی گئی ہے۔ جب ان میں اعتدال قائم نہیں رہتا تو اس میں تین صورتیں پیدا ہوتی ہیں: (۱) کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے۔ (۲) مزاج میں خرابی ونقص رونما ہو جاتا ہے۔ (۳) ان کے اپنے مقام میں تبدیلی پیدا ہو جائے۔ یعنی کوئی خلط اپنے صحیح مقام سے اخراج پانے کی بجائے دیگر مقام پر چلی جائے۔ مثلاً صفراء جگر سے اخراج کی بجائے خون میں شامل ہو کر دیگر اعضاء پر اثر انداز ہو۔ یہ حقیقت بھی یادرکھیں کہ حالت مرض کا اظہار اسی وقت ہوگا جب اعضاء کے افعال میں اعتدال بگڑ جائے گا۔ یہی بے اعتدالی مرض قرار دی جاتی ہے۔

فرنگی طب اور پیدائش مرض

فرنگی طب چار اخلاط اور چار کیفیات تسلیم نہیں کرتی، وہ صرف ایک خون کو ہی تسلیم کرتی ہے۔ البتہ وہ یہ تسلیم کرتی ہے کہ خون کم وبیش بارہ چودہ عناصر سے مرکب ہے۔ جب ان عناصر میں کمی بیشی اور نقص وخرابی واقع ہوجاتی ہے تو مرض پیدا ہوجاتا ہے۔ جس کا اظہار اعضاء کے افعال کی بے اعتدال سے ہوتا ہے۔ البتہ جب سے جراثیم تھیوری پیش کی گئی ہے، اس وقت سے یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ یہی اعضاء کے افعال اور خون میں خرابی کا سبب ہوتے ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ جب تک اعضاء کے افعال اور خون کے مرکب میں بے اعتدالی واقع نہ ہو اس وقت تک مرض کی صورت کا اظہار نہیں ہوسکتا۔ گویا صحت کے اصول کی بے اعتدال کا نام مرض ہے۔

ہومیوپیتھی اور پیدائش مرض

ہومیوپیتھی (علاج بالمثل) تسلیم کرتی ہے کہ اوّل روح بیمار ہوتی ہے پھر اس کا اثر جسم وخون پر پڑتا ہے اور اعضاء کے افعال بگڑ کر مرض کی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔ روح سے مراد وائٹل فورس (Vital Force) (طبی روح) ہے۔

بائیوکیمک اور پیدائش مرض

جسم اور خون تقریباً بارہ چودہ نمکیات سے مرکب ہیں۔ جب ان میں سے کسی نمک میں کمی یا خرابی واقع ہوجاتی ہے تو مرض پیدا ہوجاتا ہے۔ فرنگی طب کے عناصر اور بایوکیمک کے نمکیات میں یہ فرق ہے کہ فرنگی عناصر کو مفرد ظاہر کرتی ہے اور بائیوکیمک نمکیات کو مرکب تسلیم کرتی ہے۔

ہائیڈروپیتھی اور پیدائش مرض

جسم اور خون کے (فارن میٹرز) ایسے گندے مادے جن کو خارج ہونا چاہئے، جب اندر تک جاتے ہیں تو ان کا اثر اعضاء کے افعال پر پڑتا ہے اور مرض پیدا ہوجاتا ہے۔

سائیکوپیتھی اور پیدائش مرض

سائیکوپیتھی (نفسیاتی علاج) تسلیم کرتی ہے کہ انسان میں جسم اور روح کے علاوہ جذبات بھی پائے جاتے ہیں، جب ان جذبات میں کمی وبیشی یا خرابی اور نقص پیدا ہوجاتا ہے تو اس کا اثر اعضاء کے افعال پر پڑتا ہے اور مرض کی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔ جذبات کو سمجھنے کے لئے طبی روح (وائٹل فورس Vital Force) کو مدنظر رکھیں اور ان کے باہمی فرق کو سمجھیں۔

مندرجہ بالا سات مشہور طریق کے علاوہ اور بھی کئی غیر مشہور طریق ہیں جن میں (۱) کروموپیتھی (رنگوں سے علاج) (۲) الیکٹروپیتھی (۳) علاج بالغذا (۴) طب روحانی (۵) علاج بالموسیقی (۶) فزیکل پیتھی (مالش اور امالہ سے علاج) (۷) تعویز گنڈہ سے علاج وغیرہ جو سب طب کی شاخیں ہیں یا ان سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق ہے، یہ سب بھی مرض کی پیدائش کو اعضاء کے افعال کی خرابی ہی تسلیم کرتے ہیں جو ان کے نظریات کے تحت عمل میں آتے ہیں۔

قرآن حکیم اور پیدائش مرض

آج ہم دُنیا میں ایک نئی حقیقت پیش کرتے ہیں۔ آج کی دُنیا سائنس کی دُنیا ہے، جس کو اپنے علوم ومشاہدات اور تجربات پر ناز ہے مگر وہ اس حقیقت سے بالکل بے خبر ہیں۔ حکماء اور اطباء نے بھی اس حقیقت کا ذکر نہیں کیا۔ ان کے علاوہ علمائے عظام اور صوفیائے کرام نے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ تک نہیں کیا کہ قرآن بھی پیدائش مرض کے متعلق ایک قانون رکھتا ہے۔ قرآن حکیم کے نزول کو تقریباً چودہ سو سال ہوگئے

ہیں، مگر اس حقیقت کو ہم دُنیا کے سامنے پہلی بار پیش کر رہے ہیں۔ البتہ حضرت رسول کریم ﷺ کی حدیثوں میں اس طرف پورے طور پر اشارات ملتے ہیں۔ مسلسل تیس سال تک کے مطالعہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت مجھ پر روشن کر دی ہے جو موجودہ سائنسی دور اور میڈیکل سائنس کی غلطیوں کا صحیح اظہار ہے۔

قرآن حکیم کا دعویٰ ہے کہ وہ کتاب فطرت ہے، وہ اپنا ایک قانون رکھتا ہے، اس کی بھی ایک سائنس ہے جو اپنے اندر علوم و اعمال اور مشاہدات و تجربات کا ایک مسلسل اور لامتناہی سلسلہ رکھتا ہے جو تقریباً چودہ سو سال سے ان خزانوں کو بکھیر رہا ہے۔ یہ حقیقت بھی اس کے خزانے کا ایک بیش بہا موتی ہے۔ قرآن حکیم کے اس دعویٰ کے ساتھ کہ وہ کتاب فطرت ہے اس کے ساتھ اس دعوے کو بھی ذہن نشین رکھیں کہ اس میں ہر صغیر و کبیر اور رطب و یابس کا ذکر ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہوتا ہے کہ اس میں پیدائش مرض کا ذکر نہ ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں امراض کا بھی ذکر ہے۔ یقینی شفا کا بیان بھی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی تو قرآن حکیم کے اس طبی خزانے کی ایک ایک شے بیان کروں گا، یہی صحیح علاج ہوگا۔ ماشاء اللہ۔

قرآن حکیم پیدائش مرض کے متعلق بیان کرتا ہے:

﴿ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ (البقرة: ١٠)

''ان کے دِلوں میں بیماری ہے''۔

ایک چھوٹے سے جملے میں کتنی بڑی حقیقت بیان کر دی ہے کہ انسانوں میں جب مرض پیدا ہوتا ہے تو وہ دِل میں پیدا ہوتا ہے۔ اس حقیقت سے تین صورتیں سامنے آتی ہیں: (۱) مقام پیدائش (۲) ابتداء پیدائش مرض (۳) اسباب بادی ہوں یا مادی پیدائش مرض دِل ہی میں ہوگا۔ گویا مرض پہلے دِل میں اثر انداز ہوگا۔ پھر باقی جسم اور خون میں اپنے اثرات ظاہر کرے گا جس کی تشریح درج ذیل ہے۔

اوّل جاننا چاہئے کہ انسان تین حالتوں سے مرکب ہے (۱) جسم (۲) نفس (۳) روح۔ تینوں کا مرکز دِل ہی تسلیم کیا گیا ہے اور اگر جسم کے ساتھ خون کا بھی ذکر کر دیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ خون کا مرکز بھی دِل ہی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جسم و خون اور نفس و روح پر اندرونی و بیرونی طور پر کوئی شے اثر انداز ہو تو اس کا اظہار دِل پر ہوگا۔ یہ ایک ظاہری تشریح اور دلیل ہے۔

اس کی باطنی تشریح اور دلیل یہ ہے کہ کسی بات یا شے کے لئے کوئی ظرف بھی ہونا چاہئے، ہم مرض کی پیدائش دوش و اخلاط سے تسلیم کریں یا عناصر و نمکیات کی کمی بیشی جانیں۔ یا روح و نفس کی خرابی کو مانیں تو لازمی امر ہے کہ ان کے لئے کوئی مقام بھی تسلیم کرنا پڑے گا اور جسم انسان میں جب ہم غور و فکر کرتے ہیں تو قلب ہی میں چار مقام نظر آتے ہیں۔ ان میں سے دو عدد دِل کے بطن کہلاتے ہیں اور دو عدد اس کے اذن کہلاتے ہیں جن میں خون اور اس کے مادی روحانی اجزاء اثرات سے اس طرح بھرے ہوئے ہوتے ہیں کہ اس طرح سارے جسم میں کہیں نظر نہیں آتے۔ البتہ کہا جا سکتا ہے کہ شریانوں اور وریدوں میں بھی خون دوڑتا ہے۔ لیکن جاننا چاہئے کہ جسم کی تمام شریانیں دِل ہی کی طرف سے آتی ہیں اور تمام وریدیں دِل ہی میں واپس لوٹ جاتی ہیں۔ وہ بھی دِل کا حصہ تسلیم کئے گئے ہیں اور یہ بھی یاد رکھیں کہ جسم میں دِل کے سوا جتنے بھی اعضاء ہیں ان میں خون صرف شریانوں اور وریدوں ہی میں رہتا ہے۔ دِل کی طرح ان سے جدا ہو کر ان اعضاء میں کہیں اکٹھا نہیں ہوتا۔ ایک اور بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ خون جب جسم پر ترشح پاتا ہے تو وہاں پر اکٹھا ہوتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ جہاں پر خون ترشح پاتا ہے اور جذب ہو کر جزو بدن بنتا ہے وہ تمام عضلات ہیں اور یہ عضلات دِل کے ماتحت ہیں لیکن یہ بھی یاد رکھیں کہ جو خون ترشح پاتا ہے، وہ صرف خون کی رطوبت ہوتی ہے، اصل خون نہیں ہوتا۔ اصل خون تو صرف دِل ہی میں نظر آ سکتا ہے۔

تیسری تشریح و دلیل نظریہ مفرد اعضاء کے تحت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظریہ مفرد اعضاء کی روشنی ہی میں مجھے قرآن حکیم کے اس خزانے کا علم ہوا ہے، مجھے یقین ہے کہ جب دُنیا میں نظریہ مفرد اعضاء کی روشنی پھیلی تو دُنیا بھر کے علوم و فنون میں ایک انقلاب آ جائے گا۔ اور ان کی نئی نئی صورتیں سامنے آئیں گی اور یہی ان کی حقیقت کا تجزیہ ہوگا۔

جاننا چاہئے کہ جہاں تک قلب کی ذاتی ساخت کا تعلق ہے وہ عضلاتی انسجہ (ٹشوز) کا بنا ہوا ہے اور زندگی بھر حرکت میں رہتا ہے۔ جس کے ساتھ اس کے اندر کا خون حرکت میں رہتا ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ عضلات (دِل) میں ایک ذاتی حرکت ہے۔ بلکہ یوں سمجھ لیں کہ عضلات کے معنی حرکت کے ہیں۔ جس طرح اعصاب کے معنی احساس کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دِل ہر وقت حرکت میں رہتا ہے۔ اس حرکت کو مسلسل رکھنے اور اس میں کمی و بیشی کرنے کے لئے تحریکات اور اغذیہ کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لئے دو عدد غلاف ہیں جن میں یکے بعد دیگرے قلب ملفوف ہے۔ ان میں پہلا غلاف جو قلب پر لپٹا ہوا ہے۔ وہ غشائے مخاطی (انسجہ غدی۔ اپی تھیلیل ٹشوز Epithelium Tissue) کا ہے۔ اس کے اوپر دوسرا غلاف اعصابی نسیج (نروس ٹشوز Nervous Tissue) کا ہے۔ پہلے غلاف کا تعلق جگر کے ساتھ ہے، جہاں سے غذا حرارت کی صورت میں ملتی رہتی ہے، اور دوسرے غلاف کا تعلق دماغ سے ہے جہاں تحریکات رطوبت کی صورت میں پہنچتی رہتی ہیں۔

یہ بات یاد رکھیں کہ یہ غلاف صرف قلب کے اوپر ہی نہیں لپٹے ہوئے بلکہ قلب کی ہر گہرائی اور تہہ تک چلے گئے ہیں۔ گویا قلب اگرچہ نسیج عضلاتی کا بنا ہوا ہے، لیکن اس کی ساخت اور بافت میں عصبی (دماغ) اور غدی (جگری انسجہ) گندھے ہوئے ہیں، جس کے ساتھ ان کی خلاؤں کو الحاقی ساخت نے پر کیا ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ قلب جو ذاتی طور عضلاتی نسیج کا بنا ہوا ہے، اس میں دیگر تمام انسجہ پوری طرح شریک ہیں جس سے اس کا دیگر اعضائے رئیسہ سے گہرا تعلق ہے۔ یعنی اعضائے رئیسہ اور ان کے متعلقات میں جو کیفیات و تحریکات اور اعمال و صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کا نہ صرف اثر قلب پر پیدا ہوتا ہے بلکہ اس کے فعل میں کمی بیشی اور ضعف بھی پیدا کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان کے ذہن میں کوئی جذبہ پیدا ہو، بیدار ہو تو معاً یعنی ایک سیکنڈ سے بھی پہلے دِل پر اس کا اثر ہو جاتا ہے۔ گویا سب سے پہلے جسم پر کوئی بات اثر انداز ہو سکتی ہے تو وہ جذبہ ہی ہو سکتا ہے، جو نفسیاتی اثر ہے۔ مادی شے دیر میں اثر انداز ہوگی اور بذریعہ نسیج یا بذریعہ خون ہوگا۔

یہ بات بھی یاد رکھیں کہ ہر مادے کے عمل کے ساتھ اس کے نفسیاتی اور کیفیاتی اثرات بھی ہوتے ہیں جو مادے کے اثر سے پہلے پہنچ جاتے ہیں۔ اسی لئے تسلیم کیا گیا ہے کہ انسان میں جو امراض پیدا ہوتے ہیں ان میں نفسیاتی اور کیفیاتی اثرات 99 فیصد پائے جاتے ہیں۔ امراض کے علاج میں ان کو مدنظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ قرآن حکیم نے نہ صرف ان نفسیاتی و کیفیاتی اور مادی اثرات کا ذکر تفصیل سے کیا ہے، بلکہ ان غلافوں کا ذکر بھی کیا ہے، جن میں قلب ملفوف ہے اور ان کی طرف سے یہ تاثیر پہنچتے ہیں جو قلب کے افعال میں تغیر پیدا کر کے مرض پیدا کر دیتے ہیں۔

قرآن حکیم بیان کرتا ہے:

﴿ اِنَّا جَعَلْنَا قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَفْقَهُوْهُ ﴾

''تحقیق ہم نے ان کے دِلوں پر پردہ بنایا ہے تا کہ سمجھ سکیں''۔

اس پردے کا بڑا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ ان اثرات کو سمجھائے جو اس کی طرف پہنچتے ہیں۔ کئی جگہ اکنہ (دِل کا پردہ) ذکر آیا ہے اور اس کے علاوہ **قلوبنا غلف** (ہمارے دِلوں پر پردے ہیں)۔ غلاف کا لفظ اسی غلف سے بنا ہے۔ ایسا پردہ جو کسی شے کے اوپر بالکل غلاف کی طرح چڑھا کر ڈھانپ دیا جائے۔ قرآن حکیم میں پردے کے معنوں میں حجاب و کشف اور غشاء بھی آتے ہیں۔ ان کا ذکر اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔ دِل پر جن پردوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ اکنہ اور غلف ہی ہیں اور اس میں یہ سمجھ لیں کہ طبی تشریح کے مطابق دِل پر دو پردے ہوتے ہیں۔ باہر کا پردہ

اعصابی انسجہ (نروس ٹشوز Nervous Tissue) کا ہوتا ہے اور اندرونی غدی انسجہ (Epithlium Tissue) کا ہوتا ہے۔ غلف بیرونی عصبی پردہ ہے جس کا تعلق اعصاب اور دماغ سے ہے اور اکنہ اندرونی پردہ ہے جس کا تعلق غدد اور جگر سے ہے۔ انہی دونوں ذرائع سے تمام جسم کے کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی اثرات قلب تک پہنچ کر اس کے فعل میں کمی بیشی اور ضعف پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ اثرات خود کار طریق کار پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اتنی جلدی ہوتے ہیں کہ انسانی شعور بھی اس وقت ہوتا ہے جب اثر شروع ہو جاتا ہے۔

یہ بات بھی سمجھ لیں کہ قرآن حکیم نے جہاں بھی قلب کا ذکر کیا ہے وہاں دیگر اعضائے رئیسہ کا اکثر ساتھ ہی ذکر کیا ہے۔ البتہ اس کے تعین لئے دو ایسی علامات واضح کر دی گئی ہیں۔ جن کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ دماغ کے لئے اذن (کان) اور جگر کے لئے بصر (آنکھ) کو متعین کیا ہے۔ جیسے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ وَ عَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ﴾ (البقرة: ۷)

''اللہ تعالیٰ نے ان کے دِلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے''۔

ایک دوسری جگہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ○ ﴾ (الاعراف: ۱۷۹)

''ان کے واسطے دِل ہیں مگر ان کے ساتھ نہیں سمجھتے، ان کے واسطے آنکھیں ہیں لیکن ان سے نہیں دیکھتے، ان کے واسطے کان ہیں مگر ان کے ساتھ نہیں سنتے، یہ چار پایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں۔ یہ لوگ غافل ہیں''۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ○ ﴾ (الحج: ٤٦)

''کیا انہوں نے زمین پر سیر نہیں کی ہے کہ ہوتے ان کے واسطے دِل اور سمجھتے ان کے ساتھ اور کان کہ ان کے ساتھ سنتے، پس تحقیق یہ بات نہیں ہے کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں لیکن ان کے دِل اندھے ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں''۔

اس طرح قرآن حکیم میں بہت ساری آیتیں ہیں جن کا دِل کی تشریح وافعال اور نفسیاتی وجسمانی امراض کو ذہن نشین کرنے کے ساتھ ساتھ دِل کے دیگر اعضاء کے ساتھ تعلق کو ظاہر کیا گیا ہے۔ جگہ کم ہے، مضمون بہت طویل ہے۔ اس کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ ذیل میں ہم قرآن حکیم کی پیدائش مرض کو بیان کرتے ہیں، تاکہ اس کا ایک ہلکا سا نقشہ ذہن نشین ہو جائے اور صاحب فن اور اہل علم اس انداز پر غور وفکر کر سکیں۔

چونکہ امراض کی پیدائش کے تین بڑے اسباب ہیں: (۱) بادی۔ کیفیاتی ونفسیاتی (۲) مادی (۳) سابقہ۔ فاعلہ۔ قرآن حکیم نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ پہلے بادی امراض کے متعلق سمجھیں۔ قرآن حکیم بیان فرماتا ہے:

﴿ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ○ ﴾ (البقرة: ۱۰)

''ان کے دِلوں میں بیماری ہے، اللہ نے بیماری بڑھادی اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، بسبب اس کے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے''۔

جاننا چاہئے کہ لوگوں کی بری عادتوں میں سب سے بُری عادت جھوٹ بولنا ہے۔ حیرت یہ ہے کہ بعض لوگ اس کو برائی خیال ہی نہیں

کرتے لیکن قرآن حکیم جھوٹ کو ایک نفسیاتی مرض قرار دیتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ جو لوگ جھوٹ بولتے ہیں وہ دوسروں کو فریب دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ دوسروں کو نہیں اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں۔ قرآن حکیم بیان کرتے ہیں:

﴿ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ مَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ○ ﴾ (البقرة: ۹)

''اللہ تعالیٰ اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، فریب دیتے ہیں، لیکن وہ اپنے نفس کو فریب دیتے ہیں اور نہیں سمجھتے''۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ فریب دینا خوف کی علامت ہے۔ جو اعصاب میں تحریک سے پیدا ہوتا ہے، جس سے قلب کے فعل میں کمی پیدا ہو جاتی ہے اور انسانی جرأت ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے، جس کے لئے دردناک عذاب ہی ہوسکتا ہے۔

اب مادی صورت بھی سمجھ لیں۔ قرآن حکیم بیان کرتے ہیں:

﴿ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ ﴾ (التوبة: ۱۲۵)

''اور وہ لوگ کہ جن کے دِلوں میں مرض ہے، پس زیادہ کر دی نجاست ان کی نجاست میں''۔

یاد رکھیں کہ جب دِل کے فعل میں خرابی واقع ہوتی ہے تو قلب (عضلات) میں مواد رُکنا شروع ہو جاتا ہے اور باعث فساد ہوتا ہے۔

تیسری صورت سبب سابقہ کی ہے اور وہ وہی عضو ہے جس کے فعل میں خرابی پیدا ہو کر مرض کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ یہ قلب یا اس کا کوئی پردہ ہوسکتا ہے۔ یہی صورت فاعلہ ہے۔ یہی مرض کی ابتداء ہے۔

دُنیا کے تمام طریقہ ہائے علاج اور قرآن حکیم کے پیدائش مرض کو پیش کرنے کے بعد ہم ماہیت مرض کی طرف لوٹتے ہیں۔ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ مرض حقیقت اور مثبت شے نہیں ہے بلکہ خرابی اور منفی شے ہے۔ حقیقت اور مثبت شے صحت ہے جو قدرت اور فطرت کے قوانین پر قائم ہے۔ اس لئے صحت کا قیام انہی قوانین کا سمجھنا ہے اور یہی زندگی اور کائنات کا ماحصل ہے۔

جہاں تک ماہیت امراض کی تشخیص کا تعلق ہے اس کی انتہائی اختصار کے ساتھ مندرجہ ذیل تین صورتیں ہیں: (۱) کسی مفرد عضو کے فعل میں کمی یا (۲) اس کے فعل میں تیزی یا (۳) اس کے فعل میں ضعف واقع ہو جائے۔

ایسی صورتوں میں ان مفرد اعضاء کے دیگر مفرد اعضاء کے ساتھ باہمی تعلقات، پھر ان کے مرکب اعضاء وخون اور تمام جسم پر کیا اثرات ہوتے ہیں۔

اس کتاب میں ہم نے ماہیت امراض پر بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ مرض کی ابتدا کسی مفرد عضو میں تحریک سے ہوتی ہے، جو سوزش کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ یہی سوزش ورم کی حالت پیدا کر لیتی ہے جس سے اس کی تمام علامات ظاہر ہو جاتی ہیں۔ ہم نے تحریک سے لے کر سوزش اور ورم تک تمام صورتیں اور حالات بیان کئے ہیں۔ اسی بیان کا نام ماہیت مرض (پیتھالوجی) ہے۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس میں قدیم طب کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایمان داری سے فرنگی طب کی غلط تحقیق اور نظریات کو بھی پیش کر دیا ہے، تاکہ آئندہ نسلیں طب قدیم کی صداقت سے مستفید ہوں اور فرنگی طب کی غلط فہمیوں سے محفوظ رہیں۔

اس جدوجہد اور سعی کا اندازہ صاحب علمؑ اور اہل فن ہی لگا سکتے ہیں۔ یہ اللہ کا انعام ہے۔ میں تہہ دِل سے اس کا شکر گزار ہوں۔ یہی میرے لئے سب سے بڑی سعادت ہے۔

صابر ملتانی 1968ء

تحقیقات سوزش

سوزش کی تعریف

جسم کے کسی حصہ میں جلن یا خراش پیدا ہو جائے جس کا طبی نام التہاب ہے اور انگریزی میں اس کو اریٹیشن کہتے ہیں۔

فرنگی طب (ڈاکٹری) کی غلط فہمی

فرنگی طبی کتب میں سوزش کو اریٹیشن (Irritation) کی بجائے انفلامیشن (Inflammation - ورم) لکھا ہے۔ یہ غلط ہے۔ انفلامیشن ورم کو کہتے ہیں جو اریٹیشن (التہاب) کی انتہائی صورت ہے۔ سوزش سے جب ورم بنتا ہے تو کئی قسم کی نسیجی، عضوی اور کیمیاوی تبدیلیاں عمل میں آتی ہیں۔

جاننا چاہئے کہ التہاب (سوزش) ورم کے مترادف نہیں ہے۔ ورم میں اُبھار (Swelling) ضروری ہے اور سوزش میں بجائے اُبھار کے انقباض ہوتا ہے۔ پھر ہر ورم التہابی نہیں ہوتا اور نہ ہر التہاب کو ورم کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ صرف ورم کہنا ہی کافی ہے، کیونکہ تہوج بالکل جدا قسم کے اُبھار ہیں جو ورم کی تعریف میں نہیں آسکتے۔

سوزش کی وضاحت

سوزش (التہاب) ظاہر میں کسی حصہ جس میں کسی خراش کنندہ شے کے خلاف قوتِ مدبرہ بدن کی ایک منظم و مرتب مدافعانہ تدبیر ہے تاکہ اس شے کے مضر اثرات کو وہیں ختم کر دیا جائے اور وہ پہنچنے نہ پائے اور باقی جسم محفوظ رہے۔

سوزش کی اہمیت

سوزش کی اہمیت تین صورتوں میں مسلمہ حقیقت بن گئی ہے۔ ① اس کی حقیقت کا جاننا جس کا تعلق مرض کی ماہیت کے ساتھ ہے۔ ② اس کا علم رکھنا، اس کا تعلق معالج کے ساتھ ہے۔ ③ اس کی وسعت کا جاننا، اس کا تعلق فن کے ساتھ ہے۔

جب تک سوزش کی حقیقت اور ماہیت کا پتہ نہ چل جائے علم الامراض پر عبور حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر معالج اس علم سے ناواقف ہے تو وہ صرف دوا فروش ہے اور اس کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ ایک ماہر، **مشہور اور بلند پایہ سرجن پروفیسر راتھر فورڈ ماریسن کا قول ہے: ''جس معالج نے التہاب کو اچھی طرح سمجھ لیا وہ دو تہائی جراحت کا مالک بن گیا''۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ جو معالج سوزش کو پوری طرح سمجھ کر اس پر عبور حاصل کر لے، اس نے تین چوتھائی علم العلاج اور جراحت پر دسترس حاصل کر لی ہے۔**

یہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ سوزش بہت مضر اور عضو کو تباہ کرنے والی ہے۔ مگر جو اہل فن حقیقت شناس ہیں، وہ جانتے ہیں کہ سوزش جسم کے لئے کس قدر رحمت اور امراض کے علاج میں اپنے اندر کس قدر شفائی طاقت رکھتی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح بدن بذاتِ خود انسانی جسم کے لئے ایک نعمت ہے۔

اگر چہ ظاہر میں ہر مرض ایک تکلیف اور دکھ کا احساس ہے، لیکن:

① سوزش زہر کو جسم میں سے روکتی ہے اور جس مقام پر سوزش ہوتی ہے اس کو اسی مقام تک محدود رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔

② اس مقام پر طبیعت مدبرہ بدن کی مدد سے بغیر دوا کے اس کو آرام دینے کی کوشش کرتی ہے اور جب خون میں قوت مقابلہ (Immunity) کم ہو جاتی ہے تو وہ اصلاح سے عاجز ہو جاتی ہے۔

③ جب کسی مقام پر سوزش ہوتی ہے تو وہ سوزش جسم کی پہلی سوزش یا تکلیف دہ علامت کو رفع کر دیتی ہے۔

④ اگر کسی حصہ جسم میں کسی قسم کا مرض ہو اور اس کا علاج ممکن نہ ہو تو اس عضو کی مناسبت سے جسم کے کسی ایسے مقام پر سوزش پیدا کر دی جائے تو اس عسر العلاج مرض سے شفا کلی حاصل ہو جاتی ہے۔ مثلاً صرع میں بائیں ٹانگ پر سوزش پیدا کرنے سے شفاء کلی حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح پیٹ میں درد ہو تو پیٹ کے اوپر رائی کا پلستر یا ماتھے پر سوزش پیدا کر دینے سے درد شکم رفع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح باری کے بخار میں پیٹ پر یا ہاتھ پاؤں یا ماتھے پر سوزش پیدا کر دینے سے باری کا بخار ختم ہو جاتا ہے اور قیام مرض پر دورانِ خون کی پوری شدت ہو جاتی ہے اور مرض رفع ہو جاتا ہے۔ گویا طبیعت کی معاونت ہو جاتی ہے۔

علاج بالا مالہ کوئی نیا طریق علاج نہیں ہے۔ زمانہ قدیم سے یونانی طب میں چلا آتا ہے۔ مگر اس کی حقیقت اور اس کے اصول علاج سے شاید دُنیا میں ایک شخص بھی واقف نہ ہو۔

جناب استاد الاطباء حکیم احمد الدین صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس ماہیت کی طرف نہ صرف اشارات کئے بلکہ اس پر بہت تاکید کی تھی، لیکن سچ یہ ہے کہ وہ اس کی افادیت سے ضرور واقف تھے، مگر اس کی ماہیت، حقیقت اور اصول علاج سے واقف نہ تھے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس پر پوری روشنی ڈالیں گے۔ فصد، حجامت، پچھنے، سنکیاں کھچوانا، مالش، ٹکور، پلستر، حمام، پاشویہ وغیرہ اس کی مختلف تدبیریں ہیں۔ **میری ذاتی رائے میں اسلام نے جو وضو کی تعلیم دی ہے وہ بھی علاج بالا مالہ میں داخل ہے۔**

سوزش کی ماہیت

سوزش کی ماہیت کو سمجھنے کے لئے نسیجی، عضوی اور کیمیاوی تبدیلیوں کا جاننا نہایت اہم ہے جو انسانی جسم میں رونما ہوتی ہیں۔ سوزش کو پوری طرح ذہن نشین کرنے کے لئے اس کی ماہیت کا جاننا نہایت اہم ہے۔ جب تک سوزش کی ماہیت کا پورا علم نہ ہو اس وقت تک سوزش کی حقیقت سے معالج بے خبر رہتا ہے۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ علاج میں پوری دسترس پیدا نہیں ہو سکتی۔ خاص طور پر سوزش کی ابتدائی حالت وانتہائی اور پرانی حالت میں تمیز پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ امتیاز اس وقت پیدا ہوتا ہے جب سوزش سے پیدا ہونے والی نسیجی وعضوی اور کیمیاوی تبدیلیوں کا پورا پورا علم ہو۔ یہ تبدیلیاں گویا علامات ہیں جو دورانِ مرض یا کسی بڑی علامت میں رونما ہوتی ہیں۔

جب کوئی نسیج (خراش کنندہ) سوزش کا باعث ہوتا ہے تو بیک وقت تمام جسم میں تین قسم کی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اوّل نسیجی، دوسرے کیمیاوی، تیسرے عضوی اور تینوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اگر چہ تبدیلیوں کی ابتداء تو کسی ایک نسیج میں شروع ہوتی ہے، لیکن فوراً ہی کیمیاوی اور عضوی تبدیلیاں رونما ہو جاتی ہیں۔ یا اس کے برعکس یوں سمجھ لیں کہ ہر عضو نسیجی بافتوں سے مرکب ہے اور ان کی غذا کے لئے خون کی نالیاں لگی ہوئی ہیں جن میں کیمیاوی تبدیلیاں کچھ نالیوں کے اندر اور کچھ نالیوں کے باہر رونما ہوتی ہیں۔ یہ تینوں تبدیلیاں آپس میں ایسی لازم وملزوم اور خود کار (Automatic) ہیں، گویا یہ تمام قسم کی تبدیلیاں جدا جدا معلوم نہیں ہوتیں۔ لیکن دراصل یہ الگ الگ ہیں۔

فرنگی ڈاکٹروں کی غلط فہمی

سوزش سے جو تبدیلیاں جسم میں پیدا ہوتی ہیں، فرنگی ڈاکٹروں نے ان کے سمجھنے میں بے حد غلطیاں کی ہیں اور ایسے غلط انداز میں سمجھا ہے کہ سوزش کی ماہیت اور حقیقت کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت کا علم پوری طرح ان کو حاصل نہیں ہے۔ فرنگی ڈاکٹروں کی کتب میں سوزش اور ورم میں تفریق نہیں کی جاتی۔ گویا ایک طالب علم جو سوزش کو سمجھنا چاہے وہ ورم میں اُلجھ جاتا ہے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ کالج کے پروفیسر اس کی پوری تشریح و وضاحت اور فرق بیان نہیں کر سکتے تو بے چارے طالب علم کیسے پورے طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ وہاں پر زیادہ سے زیادہ اس مقام یا عضو میں پیدا ہونے والے انقباض (خون کی کمی اور ضعف اور رطوبات کی کمی بیشی اور سفید و سرخ ذرات کی کثرت و قلت اور اخراج و بندش وغیرہ کو بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ حیوانی ذرّہ (سیل) میں کیا تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ کیسے پیدا ہوتی ہیں؟ حیوانی ذرات کی بافتوں یعنی انسجہ کا مختلف اعضاء کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اسی طرح انسجہ، اعضاء اور دوران خون کا باہمی تعلق کیا ہے؟ اور مرض کی حالت میں اس باہمی تعلق میں کیا نقائص رونما ہو جاتے ہیں؟ جب تک صحت کی حالت کا پورا نقشہ ذہن میں نہ ہو تو مرض کی حالت میں جو تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں، ان کو کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔

کیسہ اور عضو کا فرق

سوزش کے سمجھنے کے لئے ایک نہایت اہم رمز یہ ہے کہ حیوانی ذرّہ (کیسہ) کے افعال اور عضو کے افعال میں مماثلت اور ان کے افعال میں جو اختلاف ہے ان کا جاننا بھی نہایت ضروری ہے۔ اس کے ساتھ اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اعضاء کے افعال اپنے انسجہ (ٹشوز) کے ماتحت ہیں یا ان سے جدا ہیں۔ ان تمام اہم باتوں کا فرنگی طب (ڈاکٹری) اوّل تو علم ہی نہیں رکھتی۔ ان کی کتب میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے اور اگر کسی قسم کا علم پایا جاتا ہے تو وہ غلط، بے معنی اور ناکارہ ہے۔ جب تک کیسہ کے افعال کو عضو کے افعال کے ساتھ تطابق نہیں دیا جائے گا اس وقت تک سوزش تو رہی ایک طرف دیگر امراض کی ماہیت بھی پورے طور پر نہیں آ سکتی۔ کیونکہ کیسہ انسانی جسم میں ایک ابتدائی زندگی (First Unit) ہے اور یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اس میں زندگی ہے۔ اس کے افعال ہیں۔ اس میں نشوونما ہے۔ اس میں تولید ہے اور اس میں موت بھی واقع ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ غذا لیتے ہیں۔ اپنی غذا کے فضلات کو صاف کرتے ہیں اور باقاعدہ سانس لیتے ہیں۔ گویا ان کا تغذیہ، تصفیہ اور تسنیم بالکل ایسے ہے جیسے انسانی جسم کا ہے۔ جو مرکب اعضاء سے بنتے ہیں، مرکب اعضاء مفرد اعضاء سے ترتیب پائے ہوئے ہیں۔ مفرد اعضاء کی بناوٹ انسجہ (ٹشوز) سے ہے اور انسجہ حیوانی ذرّات (کیسہ جات) سے ترتیب پاتے ہیں۔ ایک طرف حیوانی ذرّہ میں بھی یہ سب کچھ نظر آتا ہے تو باقی درمیانی کڑیوں کو کیوں نظر انداز کر دیا جائے۔ اور پھر ان کے باہمی تعلق کیوں نہ سمجھا جائے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان سب کے افعال کو بالمقابل سمجھا جائے۔ اگر کیسہ اور انسانی زندگی کے افعال میں تطابق پایا جاتا ہے تو کیسہ کو جو انسان کی ابتدائی ترکیب (First Unit) ہے اس کو سامنے رکھ کر صحت و مرض کا تعین کیا جائے۔ اور ان سے اعضاء کے افعال پر جو اثر پڑتا ہے اس کو ذہن نشین کیا جائے۔

فرنگی طب کی علمی کم مائیگی

فرنگی طب کو اپنی طبی سائنس (میڈیکل سائنس) پر بہت ناز ہے، لیکن جب ایک محقق ان کی علمی اور سائنسی کتب کو دیکھتا ہے تو ان کی فاش غلطیوں کے ساتھ ساتھ ان کی بے علمی اور جہالت کو دیکھ کر افسوس کرتا ہے کہ ایک طرف اپنی سائنس کے اتنے لمبے چوڑے دعوے اور دوسری طرف

اندر سے یہ کھوکھلا پن۔ایک طرف یہ شور اور دوسری طرف یہ بے نمکی۔ جب کسی فرنگی ڈاکٹر سے پوچھا جائے یہ کیا بات ہے؟ تو شرم سے گردن جھکا کر آئیں بائیں اور شائیں کرنے لگتے ہیں۔

ماہیت امراض کے سمجھنے میں بھی ان کے ہاں بے حد غلطیاں ہیں۔ بے علمی اور حقیقت سے ناواقفیت کے بے شمار نمونے نظر آتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم ان کی ادنیٰ ادنیٰ غلطی بھی معاف نہیں کریں گے۔ بال کی کھال نکالیں گے اور اندی کی چندی کر دیں گے۔امراض کا تعین اس وقت تک جس طرح کیا گیا ہے وہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی بے علمی (Unscientific) اور جہالت پر دلالت کرتا ہے۔ایک طرف تو انسانی جسم کی تشریح اور افعال کو کیسہ تک بیان کر دیا ہے۔ مگر دوسری طرف امراض کا تعین کرتے وقت صرف مرکب اعضاء کو سامنے رکھا گیا ہے۔ مثلاً اگر معدے اور امعاء میں خرابی ہو یا مثانہ اور سینہ میں نقص ہو تو معدہ اور امعاء اور مثانہ و سینہ کی مناسبت سے امراض کا تعین کیا گیا ہے اور اسی نسبت سے نام رکھے گئے ہیں۔ جیسے درد معدہ، ورم امعاء، سوزش مثانہ اور سینہ کی جلن وغیرہ۔ حالانکہ معدہ و امعاء اور مثانہ و سینہ دیگر تمام اسی قسم کے اعضاء مفرد اعضاء سے مرکب ہیں۔ یعنی وہ تمام اعصاب و غدد اور عضلات سے مرکب ہیں اور یہ مفرد اعضاء سب کے سب مختلف اقسام کی بافتوں (ٹشوز) اور کیسوں (سیلز) سے ترتیب پا کر ترکیب پاتے ہیں۔اور ہر مفرد عضو کے افعال دوسرے عضو سے اسی طرح مختلف ہیں جس طرح ان کے کیسے الگ الگ ہیں۔ایک وقت میں ان میں سے کسی ایک میں تحریک یا سوزش ہوتی ہے۔سب میں بیک وقت نہ تحریک ہوتی ہے اور نہ سوزش۔اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان سب کے افعال میں افراط و تفریط یا ضعف بیک وقت ایک ہی جیسا نہیں ہوتا۔سوزش نہیں ہوگی۔لیکن فرنگی طب معدہ اور دیگر مرکب اعضاء میں سے کسی ایک میں آ کر سوزش تسلیم کرے گی تو اس کے تمام مفرد اعضاء میں بیک وقت تسلیم کرے گی۔ جو قطعاً ناممکن ہے جس کے ثبوت میں ہم ان کے غلط تجربات کی تفصیل بیان کریں گے، جو انہوں نے مینڈکوں پر کئے ہیں اور غلط نتائج حاصل کئے ہیں۔ایسی صورت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کا تعین امراض صحیح ہے نہ سوزش وغیرہ کے متعلق انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے نہ ان کے تجربات درست ہیں نہ ان کی تحقیقات فطرت کے مطابق اور علمی (Scientific) ہیں۔

فرنگی طب کے غلط تجربات

فرنگی طب میں سوزش کی ماہیت (Pathology) بیان کرنے میں بالکل اندھے پن سے کام لیا جاتا ہے۔وہاں نسیجی تبدیلیوں، کیمیاوی اثرات اور اعضاء کے افعال کو ان کی اپنی حیثیت سے جدا جدا کر کے بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ چاہئے تو یہ تھا کہ کیسہ سے شروع کیا جاتا کہ وہ بذات خود ایک حیوانی ذرہ ہے۔اس میں احساس ہے۔غذائی نظام ہے اور قوت و ضعف کے اثرات کے ساتھ ساتھ زندگی اور موت کی صورتیں بھی نظر آتی ہیں۔اس کی زندگی اور افعال کو اوّل اس کی ذاتی نسیجی بافت اور پھر اسی بافت سے بنے ہوئے مفرد عضو کو سامنے رکھا جاتا اور پھر کیسہ سے لے کر مفرد عضو تک کی تبدیلیوں کی مناسبت اور فرق کو بیان کیا جاتا۔ پھر جو امراض یا علامات کی صورتیں پیدا ہوتیں ہیں ان کو بیان کیا جاتا۔مگر فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس کا پورا علم ان باتوں سے خالی ہے جس کے ثبوت میں ہم ان کی کتب پیش کر سکتے ہیں۔

سوزش سے فرنگی طب کے غلط تجربات

فرنگی طب میں سوزش کو سمجھنے کے لئے زیادہ سے زیادہ خوردبین کے نیچے کسی سوزش ناک مقام کو رکھا جاتا ہے اور اس میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کو نوٹ کیا جاتا ہے۔اس مقصد کے لئے زیادہ تر مینڈک سے کام لیا جاتا ہے۔مثلاً مینڈک کے پنجے کو پھیلا کر اس پر کوئی بیرونی محرک لگا کر اوّل سوزش پیدا کرتے ہیں، پھر ان تبدیلیوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔لیکن تبدیلیوں کا پورا علم اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ پہلے بغیر سوزش کے تندرست مقام کا بھی مطالعہ کیا جائے۔غرض اس کی تبدیلیوں میں خون کی کمی بیشی، رفتار میں تیزی اور سستی، سرخ اور سفید دانوں کا خون کی رو میں

بہنا اور الگ ہونا، خون کی نالیوں کا سکڑنا اور پھسلنا، کیسہ اور نسیج کی اندرونی اور بیرونی تبدیلیاں، وہاں پر لمف اور رطوبات کا گرنا، اس میں انقباض اور انبساط کا پیدا ہونا، ان کا بڑھنا اور زندگی کے اثرات کا قائم رہنا یا مردہ ہوجانا۔ غرضیکہ تجربات میں اس قسم کے نتائج حاصل کئے جاتے ہیں۔ مگر یہ طریق کار غلط ہے، کیونکہ اس صورت میں اوّل ٹشوز کا تعین نہیں کیا جاتا کہ ایک تجربہ کرنے والا کس قسم کی بافت (ٹشو) پر تجربات کر رہا ہے۔ وہ بافت عصبی ہے یا عضلاتی یا کوئی اور ہے اور ہر ایک کا باہمی فرق کیا ہے؟

دوسرے خون کی نالیوں کے پرت بھی مختلف پرتوں سے تیار ہوتے ہیں۔ ان کا انقباض انبساط کس بافت سے متعلق ہے اور خون کی رفتار پر تیزی وسستی کا اثر کس بافت کے انقباض اور انبساط سے پڑتا ہے۔

تیسرے یہ کہ تجربات سے جو نتائج حاصل کئے گئے ہیں وہ تیزابی اثر رکھتے ہیں یا کھاری اور نمکین اثرات کے حامل ہیں۔ ہر ایک کے تجربات دوسرے سے جدا ہوں گے۔ یہ اور اسی قسم کے کئی حقائق ہیں جن کا نہ فرنگی طب کو علم ہے اور نہ کسی قسم کی کتب اور تجربات میں ان کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اور ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے تجربات غلط اصولوں پر مبنی ہیں اور ان کے نتائج بھی صحیح نہیں ہیں۔ طرہ یہ کہ اگر ہم کسی قسم کے جراثیم کو بھی سوزش کا محرک تسلیم کر لیں تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ذات الریہ، ذالت الجنب اور سل ودق (Tuberclosis) کے جراثیم اپنے اندر مختلف نوعیت رکھتے ہیں۔ یا ان کے زہر بالکل مختلف اقسام کے ہوتے ہیں۔ پھر ہر قسم کی سوزش کے ایک ہی جیسے نتائج کیسے ہوسکتے ہیں۔

ہماری مشکلات

ہماری مشکلات میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم کو بیک وقت دو کام کرنے پڑتے ہیں۔ یعنی اوّل رول ادا کرنا پڑتا ہے۔ ایک طرف اپنی تحقیقات کو پیش کرنا اور دوسری طرف فرنگی طب کی غلطیوں اور خرابیوں کو راستہ میں سے دور کرنا تاکہ جہاں پر اہل علم اور صاحب فن ہماری تحقیقات سے مستفید ہوں وہاں پر وہ فرنگی طب کی غیر علمی معلومات سے آگاہ ہوتے رہیں تاکہ صحیح علم وفن حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ فرنگی طب کی وجہ سے ان کے اندر جو احساس کمتری پیدا ہوگیا ہے وہ بھی دور ہوتا رہے۔

ان دوگونا مشکلات کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ہمارے حکماء اور اطباء کا اکثر طبقہ علمی تحقیقات سے مناسبت نہیں رکھتا۔ اس کو نہ فن عزیز ہے اور نہ ملک اور قوم کی بہتری کا جذبہ ہے۔ خودی اور خودداری اور خوداعتمادی کے اسرار ورموز سے بہت دور ہے۔ وہ پیٹ کا بندہ ہے۔ جائز وناجائز دولت چاہتا ہے، چاہے وہ ملکی ادویات کو فروخت کر کے ملے چاہے وہ فرنگی ادویات فروخت کرنے سے حاصل ہو۔ اکثر صرف اس لئے مخالفت کرتے ہیں کہ کیوں ان کے غلط طریق کار سے ان کو روکا جاتا ہے، جس سے انہوں نے بڑی بڑی دولت کمائی ہے اور لاکھوں روپیہ جمع کر لیا ہے، لیکن ہمیں کسی دولت منداور دشمن فن کی پرواہ نہیں ہے۔ ہم نے صرف اپنا کام جاری رکھا ہے، بلکہ ہم ایسے غلط قسم کے بے غیرت و زر پرست لوگوں کو چیلنج کرتے رہیں گے۔ اور ان کو ننگا کر کے طبی دُنیا میں پیش کرتے رہیں گے۔ تاکہ دوسروں کے لئے عبرت ہو۔

سوزش کی حقیقت

جسم کے کسی مقام پر سوزش ہمیشہ تحریک یا جل جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ کبھی یہ تحریک اور جلنا خفیف ہوتا ہے اور کبھی شدید ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر قسم کی تحریک بھی جسم کے اس حصہ کا جلنا ہے کیونکہ تحریک کا دوسرا نام رگڑ ہے اور رگڑ سے حرارت پیدا ہوتی ہے جس سے بجلی پیدا ہوتی ہے اور جب جسم کی برداشت سے زیادہ ہوجاتی ہے تو اس کو جلا دیتی ہے۔ بس اس طرح سوزش پیدا ہوجاتی ہے، گویا سوزش حرارت سے جلنے کا نام ہے۔

سوزش سے کیمیاوی تبدیلیاں

جس مقام پر سوزش پیدا ہوتی ہے، وہاں پر جلنے سے آکسیجن بھڑک اٹھتی ہے اور کاربن ڈائی اوکسائیڈ گیس پیدا ہوتی ہے۔ اگر سوزش خفیف ہوتی ہے تو اس کا اثر اعصاب تک رہتا ہے۔ کیونکہ جسم کی سطح پر اندر باہر اوّل اعصاب استر کئے ہوتے ہیں۔ اس کا ردِّعمل یہ ہوتا ہے کہ وہاں رطوبت کا ترشح شروع ہو جاتا ہے جس کو لمف کہتے ہیں۔ یہ رطوبات متعلقہ غشائے مخاطی سے ترشح پاتی ہیں جس کے ساتھ ساتھ خون کا دباؤ اس طرف بڑھ جاتا ہے اور ترشح میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وقت سوزش کو ختم کر دیتا ہے جس کے ساتھ ہی ترشح بھی رُک جاتا ہے۔ یہ صورت اس وقت عمل میں آتی ہے جب سوزش کے ساتھ جلد بھی زخمی ہو کر کھل جائے، لیکن اگر سوزش میں وہی رطوبت جمع ہو کر سوزش کو رفع کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے اور جب تک سوزش ختم نہ ہو چھالے اور دانے قائم رہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات خون میں ایسے سوزشی مادے جن سے اعصاب میں **مسلسل یا مستقل** طور پر چھالے اور دانے نکلتے رہتے ہیں۔ یہ چھالے اور دانے اکثر سفیدی مائل ہوتے ہیں، کبھی ان میں ہلکی زردی بھی پائی جاتی ہے اور بعض اوقات سرخی کی زیادتی ہوتی ہے۔ کیمیاوی طور پر اس رطوبت میں کھاری پن ہوتا ہے۔ اندرونی طور پر جو مادہ یہ سوزش پیدا کرتا ہے وہ **آتشکی مادہ** ہوتا ہے، چاہے وہ شدید ہو یا خفیف۔

اگر سوزش درمیانے درجے کی ہو تو رطوبت کے ساتھ ملا ہوا خون بھی آ جاتا ہے، اس سوزش کا اثر غشائے مخاطی اور غدد تک پہنچ جاتا ہے، کیونکہ اعصاب کے بعد جسم میں غدی اور غشائی نسیج ہوتے ہیں۔ جن کا تعلق جگر اور گردوں سے ہوتا ہے۔ چونکہ اس صورت میں غدود اور غشاء زخمی اور سوزش ناک ہو جاتی ہے اس لئے رطوبات کا ترشح پوری طرح قائم نہیں رہتا اور اس میں خون بھی شریک ہو جاتا ہے اور جب تک سوزش قائم رہتی ہے خون کا دباؤ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ لیکن اکثر رطوبت ملا خون (کچ لہو) اخراج پاتا ہے۔ جب سوزش ختم ہو جاتی ہے تو رفتہ رفتہ پہلے خون اور پھر رطوبت کا ترشح بند ہو جاتا ہے۔

جب جلد زخمی نہ ہو تو جلد کے نیچے سرخی مائل رطوبت اکٹھی ہو جاتی ہے جو بہت جلد زردی مائل ہو جاتی ہے اور دانے کی بجائے پھوڑے کی صورت نظر آتی ہیں اور جب خون میں ایسے سوزشی مادے ہوں جن سے جسم میں ایسی صورت پیدا ہو جائے تو یہ پھوڑے مسلسل اور مستقل طور پر قائم ہو جاتے ہیں۔ اس مادے میں **سوزاکی مادے** کے اثرات پائے جاتے ہیں جس کو آپ **سورا** کہہ سکتے ہیں۔ سوزاکی مادہ اور سوزاک میں صرف یہ فرق ہے کہ سوزاکی مادہ کے اثرات تمام جسم میں پائے جاتے ہیں اور سوزاک کا اثر صرف پیشاب کی نالی میں پایا جاتا ہے۔ یہ مادہ کیمیاوی طور پر اپنے اندر صفراوی کیفیات اور مزاج رکھتا ہے، اس میں تیزابی کیفیت اکثر نہیں پائی جاتیں اور اگر کبھی پائی بھی جائیں تو بہت قلیل مقدار میں ہوتی ہیں۔ مادہ کے شدید اور خفیف ہونے سے ان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

اگر سوزش شدید ہو تو اس کا اثر عضلات تک پہنچ جاتا ہے، کیونکہ اعصاب اور غشاء یا غدد کے بعد عضلات کا مقام ہے، اس کے ردِّعمل میں رطوبت کی بجائے خالص خون کا اخراج شروع ہو جاتا ہے۔ رطوبت اس لئے نہیں آتی کہ اس کا نظام باطل ہو چکا ہوتا ہے۔ چونکہ سوزش عضلات میں ہوتی ہے جس سے دل کے فعل میں تیزی ہوتی ہے اس لئے خون کا دباؤ بے حد شدید ہو جاتا ہے یہاں پر نکتہ قابل غور ہے کہ جس مقام سے رطوبت کا اخراج ہو رہا ہو تو وہاں پر خون کا اخراج بند ہو جاتا ہے۔ یہی ان دونوں کی زیادتی کا یقینی علاج بھی ہے۔ اسی نظریہ کے تحت فصد اور سینگی کے اعمال کو بھی سمجھ لیں۔ یعنی جسم میں کسی مقام پر اگر رطوبات یا بلغم کا اجتماع ہو تو وہ فصد کرنا اور سینگی کھچوانا افضل ہے۔

اگر عضلاتی سوزش کے بعد جلد زخمی نہ ہو تو خون کے نیچے اکٹھا ہو کر پھوڑا بن جاتا ہے یا خون میں ایسے شدید مادے ہوں جو عضلات میں اندرونی طور پر سوزش پیدا کریں تو بڑے بڑے پھوڑے (گومڑ) پیدا ہو جاتے ہیں اور جب تک سوزش عضلات ختم نہ ہو تو یہ سلسلہ بدستور جاری رہتا

ہے۔ ان پھوڑوں میں سرخی اور جلن زیادہ ہوتی ہے۔ البتہ جب ان میں پیپ پڑ جاتی ہے تو جلن اور سرخی کم ہو جاتی ہے۔ کیمیاوی طور پر ان پھوڑوں میں تیزابیت پائی جاتی ہے۔ ایسا مادہ جو عضلات میں سوزش پیدا کرے، یہ **بواسیر مادہ ہوتا ہے۔ جس کو سائیکوسس کہتے ہیں۔** سائیکوسس مادہ میں اور بواسیر میں صرف مقام کا فرق ہے۔ البتہ بواسیر کے مریض کے خون میں رفتہ رفتہ یہ مادہ اکٹھا ہو جاتا ہے یا بواسیر مادے والے انسان کو بھی بواسیر ہو جاتی ہے۔

بواسیری مادے میں اگر حرارت کی کمی واقع ہو جائے تو یہی دقی مادہ بن جاتا ہے۔ ان کی مثال تیزاب گندھک اور تیزاب سرکہ کے فرق سے ہو سکتی ہے۔ دونوں تیزاب ہیں۔ لیکن تیزاب گندھک میں جو ترشی کے ساتھ حرارت کا بھی اثر ہے۔ اہل علم حضرات اور صاحبان فن ان حقائق پر غور کر کے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

سوزش کے مشینی اثرات

جس مقام پر سوزش پیدا ہوتی ہے وہاں پر چونکہ دخانی (کاربانک ایسڈ) مادہ کی زیادتی بڑھ جاتی ہے، اس لئے وہاں پر سکیڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سکیڑ کے ساتھ ہی اس عضو کے فعل میں تیزی آ جاتی ہے اور وہاں پر بے چینی بڑھ جاتی ہے۔ خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے جس کی زیادتی سے اعصاب پر دباؤ پڑ کر درد شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ سکیڑ کی وجہ سے اس عضو میں خون پورے طور پر دورہ نہیں کر پاتا یا وہاں کی شرائین اور آوردہ بھی سکڑ جاتی ہیں اس لئے وہاں اجتماع خون شروع ہو جاتا ہے اس لئے وہاں پر سرخی اور ابھار (سوجن) پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ جب اعصابی سوزش ہو تو سرخی ہوتی ہے اور سوجن نہیں ہوتی ہے اور جب غدی سوزش ہوتی ہے تو اس وقت سوجن تو ہوتی ہے مگر خون نہیں ہوتا، بلکہ رطوبت کی سوجن ہوتی ہے جس میں سرخی نہیں ہوتی۔

یہ ہے سوزش کی مختصر حقیقت۔ اہل علم اور صاحب فن اس کی تفسیر سمجھ کر بے حد فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے، فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس اس علم سے ناواقف ہے، اس لئے اس کا علم نامکمل اور غلط ہے۔ اگر ان میں جرأت ہے تو وہ ہمارے اس علم کو اپنی نامکمل سائنس اور علم سے نکال کر دکھائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب وقت بھی قریب آ رہا ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس کو غلط اور غیر یقینی قرار دے دیا جائے۔ ہم روز بروز ایسی علمی اور تحقیقی معلومات پیش کریں گے کہ ان کی حقیقت کے سامنے ان کا ٹھہرنا بے حد مشکل ہو جائے گا۔

سوزش کا اثر

سوزش کی ماہیت، سوزش کی تعریف وحقیقت عملی وکیمیاوی تبدیلیاں ذہن نشین کر لینے کے بعد اس امر کو بھی سمجھ لیں کہ جسم میں کسی عضو کی زندہ ساخت پر مہیج اور خراش کنندہ سے جو بے چینی یا جلن پیدا ہوتی ہے اس کے خلاف قوت مدافعت (امیونٹی) یا قوت مدبرہ بدن (وائٹل فورس) کی ایک مدافعانہ خودکار (سسٹے میٹک) اور منظم (آرگنائزڈ) تدبیر ہے۔ اکہ اس کے مضر اثرات کو روکنے کی کوشش کی جائے اور وہ پھیلنے نہ پائے تاکہ باقی جسم محفوظ رہے۔

سمجھنے کی خاص بات تو یہ ہے کہ عضو کے خاص خلیات یا انسجہ میں انقباض اور سکیڑ پیدا ہوتا ہے اور وہاں کے خلیات یا اس عضو کے افعال میں تیزی واقع ہوتی ہے۔ اس عضو یا انسجہ پر پڑی ہوئی رطوبت خشک ہو چکی ہوتی ہے۔ اور قوت مدافعت اس کو پیدا کرنا یا اس مقام پر رطوبت طلیہ یا بلغم کو گرانا چاہتی ہے۔ طبیعت مدبرہ بدن اس کی ضرورت کے تحت دورانِ خون کو تیز کر دیتی ہے۔ لیکن سکیڑ وانقباض کی وجہ سے رطوبت ترشح کم ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ لیکن سوزش کی بے چینی اور تکلیف کے مطابق وہاں خون اکٹھا ہوتا رہتا ہے۔

سوزش سے سکیڑ اور اجتماع خون کیونکر ہوتا ہے؟

یہ قانون فطرت ہے کہ زندگی اور موالید ثلاثہ میں تحلیل صرف حرارت سے ہوسکتی ہے جہاں کہیں سوزش یا رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو حرارت کی کمی اور سردی کی زیادتی پیدا ہوجاتی ہے۔ اگر ظاہر میں سردی کے اثرات نہ بھی ہوں تاہم اس مقام کی مناسب حرارت میں اس قدر کمی واقع ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے ضروری افعال انجام نہیں دے سکتی۔ اس لئے اس مقام کے مناسب اور ضروری حرارت میں جو کمی واقع ہوگی وہاں پر سردی کے اثر و دخل کا نتیجہ ہوگا۔

یہ سکیڑ ایک طرف سردی کا نتیجہ ہوتا ہے اور دوسری طرف قانون فطرت کے اس عمل کو پورا کرتا ہے کہ وہاں پر حرارت کی کمی کو پورا کیا جائے۔ یعنی خون کی جو تیزی اس طرف بڑھ جاتی ہے۔ قوت مدافعت اس کو روک کر اس مقام کو گرم کر کے اس سے تحلیل کا کام لینا چاہتی ہے۔ جب حرارت پورے انداز پر آجاتی ہے تو رکاوٹ اور موالید تحلیل ہوجاتا ہے اور سوزش ختم ہوجاتی ہے۔

ایک بہت بڑی غلط فہمی

جس مقام پر سوزش کی زیادتی سے بے چینی اور جلن ہو رہی ہو تو عام طور پر اس کو گرم مرض سمجھ لیا جاتا ہے کیونکہ وہاں پر خون کی زیادتی ہوتی ہے جس سے وہاں پر گرمی کا بڑھ جانا لازمی ہے، لیکن اس امر کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ گرمی اجتماع خون کی وجہ سے ہے جس کی وجہ وہاں پر سکیڑ ہے۔ قانون فطرت ہے کہ سکیڑ ہمیشہ سردی سے ہوتا ہے۔ جب حرارت اپنے پورے انداز پر آجائے گی تو سوزش رفع ہوجائے گی اور اجتماع خون تحلیل ہوجائے گا۔

علاج کی صورت میں بجائے اس کے کہ وہاں پر حرارت بڑھائی جائے، وہاں پر علاج سے سردی پہنچائی جاتی ہے۔ فرنگی ڈاکٹر فوراً ٹھنڈے کمروں میں پنکھے کے نیچے مریض کو لٹا دیتے ہیں۔ بخار ہو تو سر پر برف کی پٹی یا تھیلی رکھتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ اوّل تو مریض ہی ختم ہوجاتا ہے یا فالج سے اس کا کوئی عضو مارا جاتا ہے۔ فرنگی ڈاکٹر اس امر کی قطعاً تشخیص نہیں کرسکتا کہ فلاں مرض سردی کا ہے یا گرمی کی زیادتی کا ہے۔ جس کسی بھی مرض میں بخار ہو وہ فوراً سر کو ٹھنڈا کرنے کی ہدایت کرتے ہیں اور مریض کی قوت مدافعت اور قوت مدبرہ بدن کو کمزور کر کے مریض کا نقصان کر دیتے ہیں۔

اگر بخار کی تیزی میں سر پر ٹھنڈی پٹی یا تھیلی رکھنی ضروری ہے تو نمونیا اور پلورسی میں کیوں نہیں رکھی جاتی۔ نمونیا کی سردی کا بخار تسلیم کر بھی لیں لیکن پلورسی تو ظاہرہ جسم میں گرمی کی زیادتی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بخار میں سر کو ٹھنڈا رکھنے سے کیوں گھبراتے ہیں۔ اس میں دِل و دماغ اور جگر اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ ایسا کرنے سے مریض فوراً مرجاتا ہے۔ اس طرح کی غلطیاں وہ کرتے ہیں۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ ان کی ہزاروں غلطیاں پیش کریں گے۔

علاج کا سب سے بڑا راز

سوزش کی ماہیت کا سمجھ لینا علاج کا سب سے بڑا راز ہے۔ کیونکہ اس سے بڑے بڑے امراض میں غلط فہمیاں ہوتی ہیں۔ مثلاً جگر کی سوزش سے یرقان پیدا ہوجاتا ہے۔ جاہل اس کو گرمی کا مرض خیال کر کے ٹھنڈی ادویات کا استعمال کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ استسقاء اور سوء القنیہ ہو کر مریض مرجاتا ہے۔ یہی غلطی دق وسل (ٹی-بی) کے علاج میں بھی کی جاتی ہے کہ اس کو گرم مرض خیال کرتے ہوئے ٹھنڈے شربت اور عرق استعمال کرائے جاتے ہیں اور مریض رفتہ رفتہ موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے۔

شدید پیاس ہمیشہ سوزش سے لگتی ہے

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ پیاس گرمی کی شدت سے لگتی ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ گرمی سے جو پیاس لگتی ہے وہ پانی کی کمی کا احساس ہے جو پسینہ کی زیادتی سے کم ہو جاتا ہے۔ جب تازہ پانی پیا جاتا ہے تو پیاس بجھ جاتی ہے۔ لیکن شدید پیاس تازہ پانی تو کیا ٹھنڈے پانی اور شربت وغیرہ سے بھی نہیں بجھتی۔ ایسی پیاس سوزش سے لگتی ہے اور سوزش سردی سے پیدا ہوتی ہے۔ گویا شدید پیاس گرمی سے نہیں سردی سے لگتی ہے، لہٰذا اس کے لئے گرم پانی، قہوہ اور چائے وغیرہ ہی مفید ہو سکتے ہیں۔

ہیضہ اور نمونیا بے حد شدید پیاس ہوتی ہے۔ مریض کہتا ہے کہ اس کے منہ کے ساتھ یخ پانی لگا دیا جائے۔ لیکن صاحب فن معالج جانتا ہے کہ ایسا کرنا موت کو دعوت دینا ہے۔ وہ گرم پانی اور قہوہ دیتا ہے۔ فرنگی ڈاکٹر تو نمونیا میں رم شراب تک دے دیتے ہیں۔ اگرچہ اس کا استعمال بھی اصولاً غلط ہے۔ تاہم ٹھنڈے پانی کا استعمال انتہائی مضر ہے۔

سوزشی بخار

سوزشی بخار میں حرارت مسلسل ہوتی ہے اور وہ اس امر کی علامت ہے کہ مقام سوزش پر جو حرارت اکٹھی ہو رہی ہے طبیعت مدبرہ بدن اس کو جسم میں پھیلا رہی ہے۔ باوجود درجہ حرارت زیادہ ہونے کے سوزش قائم ہے، اس لئے ایسے بخاروں میں زیادتی حرارت سے سوزش کو ختم کرنا چاہئے۔ ٹھنڈی ادویات، فیور مکسچر، اسپرین سے درجہ حرارت کو کم کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ ورنہ مریض کے ختم ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

گرمی سے کوئی بخار نہیں ہوتا

جاننا چاہئے کہ خالی گرمی سے کوئی بخار نہیں ہوتا، گرمی کی زیادتی سے جب فوراً پسینہ آ جاتا ہے تو بخار کیسے رہ سکتا ہے۔ صفراوی بخار خالص گرمی کا بخار نہیں ہے۔ اس میں صفراء کا اخراج رُک جاتا ہے۔ اس میں ٹھنڈی ادویات سے آرام نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اعضاء کو مدنظر رکھ کر علاج کرنا چاہئے۔

سوزشی درد

سوزشی دردوں میں ٹھنڈی اور منشی ادویات مثلاً افیون، بھنگ، اور دھتورہ وغیرہ کبھی مفید نہیں ہوتیں۔ البتہ عارضی فائدہ ہو جاتا ہے یعنی اعصاب سن ہو جاتے ہیں لیکن پھر شدید قسم کا حملہ ہوتا ہے۔ ان کا علاج بھی سوزش رفع کرنا ہے اس کے لئے ہمیشہ گرم ادویات استعمال کرنا پڑتی ہیں۔

سوزش کے فوائد

سوزش کے بڑے فوائد اعضاء میں سکیڑ سے قوت پیدا کرنا اور اس مقام پر اجتماع خون سے حرارت پیدا کرنا ہے تاکہ فوراً تحلیل واقع ہو کر رکاوٹ دور ہو جائے۔ جو لوگ فطرت کے اس قانون کو نہیں سمجھتے ہر گرم مقام پر سرد ادویات استعمال کرتے ہیں۔ یا شدید پیاس کو بھی گرمی کی علامت خیال کرتے ہیں یا سوزشی بخاروں اور سوزشی دردوں میں ٹھنڈی ادویات یا منشیات یا عارضی رفع درد ادویات مثلاً سیریڈین وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ وہ مریض پر ظلم کرتے ہیں۔ ایسے ظلم فرنگی طب (ڈاکٹری) میں روز ہو رہے ہیں۔ جن کو بہت آسانی سے ہسپتالوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

سوزش کی ماہیت میں فرنگی طب کی غلطیاں

اس امر کو مدنظر رکھیں کہ مقام سوزش میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کا مطالعہ فرنگی طب نے خوردبینی مشاہدات اور تجربات سے کیا ہے۔ مگر

پھر بھی ایسی ایسی غلطیاں کی ہیں کہ پڑھ کر شرم آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مفرد اعضاء کے افعال اور ان کے تعلق اور خاص طور پر خلیات اور انسجہ کے افعال اور تعلقات سے پورے طور پر آگاہ نہیں ہیں۔ ان اغلاط کو ذہن نشین کرنا بے حد ضروری ہے۔

① سوزش جس مقام پر مجھ اثر انداز ہوتا ہے اس مقام کے انسجہ میں انقباض (سکیڑ) پیدا ہو جاتا ہے اور یہ انقباض عروق شعریہ اور عروق دمویہ دقیقہ میں تھوڑی دیر کے لئے ہوتا ہے اور پھر مجھ کے موذی اور سمی اثرات سے فالج ہو کر انبساط ہو جاتا ہے۔ وہ پھیل جاتی ہیں جس سے مقام ماؤف پر خون کی مقدار بڑھ جاتی ہے اور ایک قسم کا اختفان دموی ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد بہت جلد وہاں کا دورانِ خون سست ہو جاتا ہے اور سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔

② حیرت کا مقام ہے کہ یہ انقباض تھوڑی دیر کے بعد انبساط میں کیسے تبدیل ہو جاتا ہے جب کہ ان عروق میں فالج کی صورت بھی پیدا ہو گئی ہو۔ فالج کے متعلق یہ ذہن نشین کر لیں کہ جس مقام پر ہوگا وہاں کے احساس و افعال دونوں یا کسی ایک میں نقصان ہوگا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہاں پر انقباض کے فوراً بعد انبساط واقع ہو جائے۔ اگر انبساط ہو جائے گا تو نہ صرف دورانِ خون کا اجتماع رفع ہو کر دورانِ خون درست ہو جائے گا بلکہ سوزش بھی رفع ہو جائے گی۔ دوسرے ایک طرف سے یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ انبساط کے ساتھ ہی وہ عروق میں پھیل جاتی ہے اور دوسری طرف یہ مانا جاتا ہے کہ وہاں پر خون کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ دوسرے یہ انقباض خلیات اور انسجہ میں پیدا ہوتا ہے نہ کہ عروق میں البتہ جس قسم کے انسجہ میں انقباض پیدا ہوتا ہے اسی قسم کے انسجہ جو عروق میں ہیں وہ متاثر ہوتے ہیں۔ کبھی انسجہ عصبی، کبھی انسجہ عضلاتی اور کبھی انسجہ قشری وغیرہ سکڑتے ہیں کیونکہ ایک وقت میں ایک ہی قسم کے خلیات نسیج سوزش ناک ہوتے ہیں۔ بیک وقت تمام پر ایک ہی قسم کی سوزش کا اثر نہیں ہوتا۔

③ دورانِ خون کے سست ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر سوزش انسجہ عضلاتی اور انسجہ قشری میں ہو تو خون کے دباؤ میں تیزی رہتی ہے اور دورانِ خون کے سست ہونے کا کبھی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر سوزش انسجہ اعصابی میں ہو تو خون کا دباؤ ٹوٹ جاتا ہے اور دورانِ خون سست ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی اعصاب کی طرف تیزی رہتی ہے اور رطوبات (لمف) کی زیادتی ہو جاتی ہے۔

فرنگی طب سوزش خصوصاً ورم میں بہت بڑی غلطی یہ کرتی ہے کہ وہ تمام اقسام کے انسجہ کو بیک وقت بیمار یا سوزش ناک سمجھ لیتی ہے اور عروق دمویہ کے افعال کو بھی اس میں شریک کر دیتی ہے، لیکن حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔ کیونکہ سوزش ہمیشہ کسی ایک نسیج میں شروع ہوتی ہے اور موت تک اسی ایک ہی قسم کے نسیج میں رہتی ہے۔ البتہ دیگر صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں جس کا نتیجہ فالج ہوتا ہے۔ تسکین، تحذیر اور تحلیل کی حالتیں سوزش سے جدا ہیں۔ اس لئے ہر سوزش و ورم تمام اقسام کے انسجہ اور عروق دمویہ کو ایک ہی حالت میں سمجھنا نہ صرف فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی جہالت ہے بلکہ خورد بین ہونے کے باوجود ان کا اندھا پن ہے۔

سوزش کے متعلق ہمیشہ یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ خلیات و انسجہ اعضائے عروق دمویہ سے بالکل جدا ہیں۔ اگرچہ یہ انسجہ عروق دمویہ کی بناوٹ میں شریک ہیں، جب دورانِ خون عروق دمویہ سے عروق شعریہ (شعریہ بال سے باریک عروق) میں پہنچتا ہے۔ تو وہاں سے شبنم کی طرح رطوبت طلیہ (لمف) کی صورت میں اعضاء پر گرتا ہے جس سے خلیات و انسجہ کی غذا بنتا ہے اور جو کچھ وہاں پر بچتا ہے وہ غدد جاذبہ سے جذب ہو کر عروق جاذبہ میں واپس چلا جاتا ہے۔ اس رطوبت کا گرنا بھی سوزش خصوصاً دردوں کے لئے مفید ہے، کیونکہ رطوبت طلیہ بھی خون کا ایک حصہ ہے جس میں سرخی کم مائیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اگر سوزش زیادہ ہو تو اس مقام پر خون کی مقدار زیادہ پہنچنے لگتی ہے۔ لیکن اخراج میں چونکہ کمی ہوتی ہے اس لئے اجتماع خون ہو جاتا ہے جو رفتہ رفتہ ورم کی صورت اختیار کر لیتا ہے، لیکن یہ یاد رکھیں کہ جب سوزش انسجہ اعصابی میں ہوگی تو ورم کی صورت

تہوج کی ہوگی۔ یعنی ورم میں رطوبات کی زیادتی ہوگی جیسے شہد کی مکھی اور بھڑ کے کاٹنے سے جسم سوجھ جاتا ہے یا جسم پر چھالے پڑ جانے کی صورت میں ہم دیکھتے ہیں کہ اگر سوزش غدی انسجہ ہوگی تو ورم کے ساتھ خون کا بہاؤ زیادہ رہتا ہے۔ رطوبت کا اخراج بالکل بند رہے گا اور جب انسجہ عضلاتی میں سوزش ہوگی تو ورم دموی کے ساتھ ساتھ کم وبیش رطوبت بھی جاری رہے گی۔ علاج میں ہم کو ہر قسم کے نسیج کی صورت کا خیال کرنا لازمی ہے، فرنگی طب کی جہالت اور اس کی اندھی سائنس کی کورانہ تقلید نہیں کرنی چاہئے۔ کیا کوئی فرنگی ڈاکٹر یہ ثابت کرسکتا ہے کہ یہ علم ان کے پاس ہے یا وہ اس قسم کی غلطیاں نہیں کرتے ہیں۔

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ عروق دمویہ بھی انہی انسجہ سے مرکب ہیں جن سے تمام جسم مرکب ہے، اس لئے ان ہی انسجہ کی تحریکات سے عروق دمویہ کے انسجہ بھی متاثر ہوجاتے ہیں۔ لیکن تمام اقسام کے انسجہ بیک وقت متاثر نہیں ہوتے۔ بلکہ نسیج جسم کا سوزش ناک ہوگا۔ اسی کی مناسبت سے عروق دمویہ کا نسیج بھی متاثر ہوگا۔ لیکن فرنگی طب کی تحقیق یہ ہے کہ ہر سوزش اور ورم میں صرف عروق کا قشری نسیج (جس کو بنظر مبطنہ یعنی عروق کے اندر استر کرنے والی جلد کہتے ہیں) متاثر ہوتا ہے۔ یہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی غلط فہمی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ جراحی میں صحیح انسجہ کی خرابی کو تلاش کرنے کی بجائے مریض حصہ کاٹ کر پھینک دیتے ہیں۔ جیسے زائدہ اعور میں اکثر ان کا معمول ہے۔ اس طرح روزانہ ایک بہت بڑی غلطی گلے (Tonsilitis) پڑ جانے کے آپریشن میں کرتے ہیں۔ یعنی گلے پڑ جانے میں وہاں کے نسیج عضلاتی سوزش ناک ہوتے ہیں اور وہاں کے غدد نکال کر باہر کردیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غدد نکال دینے کے بعد بھی وہاں پر سوزش قائم رہتی ہے اور نزلہ دائمی ہوجاتا ہے۔ کیونکہ جس رطوبت نے ان غدد میں اکٹھا ہونا تھا وہاں سے خارج کردی گئی ہیں اور سوزش باقی ہے۔ مرض ایک دوسری خوفناک صورت اختیار کرلیتا ہے۔ ایسے اپریشنوں کا انجام اکثر ٹی بی اور سعال مزمن ہوجاتی ہے۔

فرنگی طب کی ایک بہت بڑی غلطی یہ ہے کہ جسم میں جہاں پر بھی کہیں غدد پھول جاتے ہیں وہ ان کو اورام دموی میں شمار کرتے ہیں جن میں کبد وطحال اور لبلبہ بھی شریک ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اورام نہیں ہیں، بلکہ رخوع ہیں۔

ہمیشہ یاد رکھیں! رخوع میں رطوبات کا اجتماع ہوتا ہے، خون کا اجتماع نہیں ہوتا۔ اس طرح قلب کے پھول جانے اور پھیل جانے میں بھی رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے۔ ان تمام صورتوں کا علاج اورام کی صورت میں کرنا سخت خطرناک ہے۔ اس امر کو ہمیشہ ذہن نشین رکھیں کہ سوزش اور ورم میں انقباض پیدا ہوتا ہے اور رخوع میں انبساط ہوتا ہے۔ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے اس طرح کی بے شمار غلطیاں کی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ رفتہ رفتہ سب پیش کردی جائیں گی۔

سوزش کے اسباب

سوزش کے اسباب تین قسم کے پائے جاتے ہیں:

(۱) کیفیاتی اور نفسیاتی: جیسے گرمی سردی وخشکی تری کی کمی وزیادتی۔ اس میں بجلی، ایکس ریز اور ریڈیم بھی شریک کرلیں۔ نفسیاتی اثرات میں غم وغصہ اور خوف میں افراط وتفریط۔ جن کی تفصیل مبادیات طب میں ملاحظہ کریں۔

(۲) مادی و سمی: جیسے جسم میں کسی جگہ خراب مادہ کا رکنا، یا زہریلی اشیاء کا اثر انداز ہونا۔ مثلاً جراثیم، تیزابات جن میں سم الفار، ایسڈ کاربالک وغیرہ تیز قسم کی کھاریں جیسے سہاگہ وغیرہ۔

(۳) شرکی و کیمیاوی: جیسے ضربہ وسقطہ اور شدید دباؤ وغیرہ یا خون میں رفتہ رفتہ کسی زہر یا مادے کا اکٹھا ہوجانا وغیرہ۔

جہاں تک ان اسباب کا تعلق ہے یہ سب کے سب جب تک کسی عضو یا عضو کے خلیے پر اثر انداز نہ ہوں سوزش پیدا نہیں ہوتی۔ سوزش کی

کی بیشی مہیج وموثر کی خفت وشدت اور اعضاء کے ردِّعمل پر منحصر ہے۔ کیونکہ ہر عضو اور خلیے کا ردِّعمل اس میں قوت مدبرہ بدن کی جدوجہد مختلف طریق پر عمل کرتی ہے۔ مثلاً عضلاتی سوزش کا ردِّعمل شدید اور خطرناک ہوتا ہے، اس لئے اس میں جلد موت واقع ہو جاتی ہے، کیونکہ اس میں خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ عضلات کا مرکز قلب ہے اور وہ ہلکی سوزش بھی مشکل سے برداشت کر سکتا ہے، جیسے نمونیا میں دیکھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اعصابی سوزش اگر شدید بھی ہو تو کم خطرناک ہوتی ہے۔ جیسے اکثر پرانے دردوں اور بلغمی امراض میں دیکھا گیا ہے۔ بہرحال غیر معمولی سوزش یہاں پر بھی اپنا کام کر جاتی ہے، جیسے ہیضہ وزلہ وبائی وغیرہ۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب ان تمام اسباب کو تسلیم کرتی ہے، مگر جب علاج کی صورت سامنے آ جاتی ہے تو جراثیمی نظریہ کو سامنے رکھ کر علاج کرتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ کیمیاوی طور پر متضادِ زہر (اینٹی ڈوٹ) ادویات استعمال کر لیتے ہیں۔ جیسے ایسڈ کے مقابلے میں الکلی (کھار) اس کے برعکس استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اعضاء کے افعال اور ان کی خرابیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ خلیات اور انسجہ کے افعال کی طرف بھی نہیں دیکھتے۔ ان کے سامنے گرمی وسردی اور تری وخشکی بلکہ بجلی وریڈیم اور ایکس ریز کے اثرات اور داغ بھی جراثیم کش ادویات سے دور کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اسی طرح ضربہ وسقط اور دباؤ کے علاج میں وقتی طور پر دادع مسکن اور مخدر ادویات کو بھی اہمیت نہیں دیتے۔ بس یہی کوشش کرتے ہیں کہ یہاں پر دافع تعفن ادویات لگا کر اس مقام کو جراثیم سے پاک کر لیں۔ پھر کھاری دافع تعفن لے کر تیزابی دافع تعفن تک کا تجربہ کر جاتے ہیں۔ ماشاء اللہ ان کو یہ حقیقی علم بھی نہیں ہوتا کہ دافع تعفن دوا میں کون سی کیمیاوی کیفیت پائی جاتی ہے۔ جہاں آیوڈین استعمال کرنا ہوتی ہے، وہاں پر کاربالک ایسڈ برت لیتے ہیں اور جہاں کریوزوٹ برتنا ہوتا ہے وہاں پر آیوڈوفارم استعمال کر لیتے ہیں یا سیدھا ہی لائی سول یا فینائل استعمال کر لیتے ہیں۔

تقسیم اسباب سوزش

فرنگی طب میں سوزش کے التہاب کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اوّل اسباب سابقہ (پری ڈسپوزنگ کاز)، اس کو متعدی بھی کہتے ہیں۔ دوم اسباب محرکہ (راکسائیٹنگ کاز) اس کو اسباب واصلہ بھی کہتے ہیں۔ اسباب سابقہ یا متعدی جن میں جسم کی قوت مدافعت یا عضو کی قوت حیوانیہ کم ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے بیرونی موذیات بآسانی مضرت پہنچا سکتی ہیں۔ اسباب سابقہ یا متعدی کو دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔

الف۔ مقامی اسباب سابقہ مثلاً:

① دورانِ خون کی خرابی، دورانِ خون کا غیر معمولی طور پر تیز یا سست ہونا، جیسا کہ عوارض عروق میں قلب الدم سے ہوتا ہے یا دباؤ وغیرہ کے باعث امتلائے دم سے واقع ہوتا ہے۔

② بعض مخصوص قسم کی ساختیں مثلاً غشیہ مائیہ (میرس ممبرین) غشیہ نکالیہ (سائنوویل ممبرین) اپنی مخصوص بناوٹ کے لحاظ سے بمقابلہ غشیہ مخاطیہ (میوکس ممبرین) قبول سوزش کی زیادہ استعداد رکھتی ہے۔ بشرطیکہ ان کا تعلق بیرونی ہوا سے قائم ہو۔ ان کے علاوہ جو عضو ایک مرتبہ سوزش میں مبتلا ہو جائے وہ شفا پا لینے کے بعد بھی دوسری مرتبہ سوزش میں مبتلا ہونے کی مخصوص اور زیادہ استعداد رکھتا ہے۔

ب ۔ عمومی اسباب سابقہ یا متعدیہ، مثلاً خون کی ترکیب کا بوجھ، بڑھاپا، فاسد وناقص ہو جانا یا امراض وموذیات سمیہ کے باعث خرابی کا آ جانا جس میں کثرت استعمال شراب یا پارہ وسیسہ اور فاسفورس کے استعمال سے فساد خون کا ہو جانا یا کیمیاوی فاسد مواد کا خون میں جذب ہونا

جیسے ذیابیطس شکری (ڈایابیٹز میلیٹس، النقرس/ گاؤٹ) اور وجع المفاصل (روماٹزم) وغیرہ میں ہوتا ہے یا خون کے فضلات کا طبعی طور پر خارج نہ ہونا جیسے کہ گردوں کے بعض امراض میں ہوتا ہے، یا خون کے معمولی امراض میں تغیر واقع ہونا جیسے کہ گردوں کے بعض امراض میں ہوتا ہے یا خون کے معمولی امراض میں تغیر واقع ہونا جیسے فقرالدم (انیمیا) سکروی سمیات جراثیمی خنازیر اور آتشک وغیرہ۔

اسباب محرقہ یا واصلہ:

یہ وہ اسباب ہیں جن سے خراش ہو کر سوزش پیدا ہوتی ہے۔ پھر التہاب کے بعد ورم کی صورت بنتی ہے۔ ان کو اسباب مہیج (اری ٹیٹنٹ) کہتے ہیں۔ ان کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں۔

(۱) مہیجات آلیہ: جیسے ضرب، زخم، صدمہ، رگڑ، دباؤ، کھچاؤ، موچ، اور گھونسہ وغیرہ۔

(۲) مہیجات طبیعہ: (الف) حرارت، احتراق (جلنا)، پانی یا آگ کے اثرات۔ (ب) یخ بستگی (ج) برقی نموجات۔ یہ یا تو طبعی برق ورعد کے اثر سے صدمہ پیدا کر دیں یا غیر طبعی ہوں۔ جیسے شدید اور طاقت ور مصنوعی نموجات برق جو طبیب یا جراح علاج کے لئے استعمال کرتا ہے یا مصنوعات میں روشنی پیدا کرنے، گاڑیوں کو چلانے اور کھینچنے کے لئے استعمال میں آتے ہیں۔

(۳) مہیجات سمیہ: ان کی چند قسمیں ہیں:

الف مہیجات کیمیاویہ: تیزابات (ایسڈز)، کھاریں (الکلائنز)۔

ب۔ سمیات نباتیہ: روغن جمال گوٹہ (کروٹن آئل)، روغن خردل (مسٹرڈ آئل)۔

ج۔ سمیات حیوانیہ: تیلنی مکھی (کینتھر یڈ فلائی)، دیگر کیڑے، ٹڈیاں، حشرات الارض کے ڈنگ مارنے یا ڈسنے اور اثرات سے سوزش و آبلہ اور ورم پیدا ہو جاتا۔

د۔ جراثیم یا اجساد دقیقہ وغیرہ کے زہریلے کیمیات وغیرہ۔

(۴) علم الجراحت۔ [ترجمہ حکیم کبیرالدین]

تقسیم اسباب کے متعلق فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب تقسیم اسباب کے سلسلہ میں بہت بڑی غلط فہمی میں گرفتار ہے۔ اوّل وہ اسباب سابقہ اور اسباب محرقہ کا فرق نہیں سمجھتی۔ کیونکہ اسباب محرکہ (اکسائٹنگ کاز) یا واصلہ جن کو اسباب فاعلہ بھی کہتے ہیں یہ کوئی جدا اسباب نہیں ہیں، بلکہ جو بھی اسباب پیدائش مرض میں محرکہ و واصلہ اور فاعلہ ہوں گے، یعنی جن کے معاً بعد مرض کا ظہور ہو یا دیگر الفاظ میں جن کے اثرات کے بعد کسی عضو یا نسیج یا خلیہ کے افعال میں خرابی واقع ہو وہی اسباب محرک اور واصلہ بن جاتے ہیں تو پھر جدا طور پر اسباب محرکہ اور واصلہ کے قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر ان اسباب محرکہ اور واصلہ کی طرف توجہ کریں جن کی فہرست ان کے تحت دی گئی ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ تمام اسباب دو قسم کے ہیں۔ اوّل بادیہ یعنی ظاہرہ جن کا تعلق کسی مادے سے نہیں ہے جیسے مہیجات الیہ، مہیجات طبیعہ برودت اور برقی نموجات شامل ہیں اور باقی کے اسباب سابقہ ہیں۔ یعنی جن کا تعلق مادے کے ساتھ ہے۔ جیسے مہیجات سمیہ۔ ان کی چند قسمیں ہیں: (الف) مہیجات کیمیاویہ (ب) سمیات نباتیہ (ج) کمیات حیوانیہ اور جراثیم یا اجساد دقیقہ وغیرہ۔ اب اگر اسباب سابقہ اور متعدیہ پر غور کریں تو وہ بھی اسی قسم کے ہیں جیسے کہ اسباب محرکہ ہیں۔ جیسے مقامی اسباب سابقہ اور متعدیہ میں دورانِ خون کی خرابی اور بعض مخصوص ساختوں کی کمزوری یا خرابی وغیرہ۔

اسی طرح عمومی اسباب اور متعدیہ میں بوجہ بڑھاپے اور امراض موذیات سمیہ کے باعث خون کی ترکیب کا فاسد ہو جانا، کثرت شراب نوشی، پارہ و سیسہ اور فاسفورس کے استعمال سے خون میں فساد کیمیادی، فاسد مواد کا خون میں جذب ہونا جیسے ذیابیطس شکری، نقرس اور وجع المفاصل وغیرہ میں ہوتا ہے۔ خون کے فضلات کا طبعی طور پر خارج نہ ہونا جیسے گردوں کے بعض امراض میں ہوتا ہے۔ خون کے معمولی اجزاء میں تغیر واقع ہوتا ہے جیسے کمی خون، خرابی خون، جراثیمی سمیات مثلاً خنازیر اور آتشک وغیرہ۔

گویا جو اسباب سابقہ اور متعدیہ بیان کئے گئے ہیں ان کا اسباب محرکہ اور واصلہ میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ جن اسباب کا تعلق مادہ کے ساتھ ہے وہ سب سابقہ ہی ہیں البتہ جو مادی اسباب نہیں ہیں ہم نے ان کا بادیہ ظاہری اسباب لکھا ہے۔ ان کو کیفیاتی بھی کہہ سکتے ہیں۔

طب قدیم اور اسباب

طب قدیم میں بھی اسباب کی بحث ہے اور وہ ہر ظاہری و باطنی مرض کے لئے تین اسباب تسلیم کرتی ہے جو کہ وہ (۱) اسباب بادیہ (۲) اسباب سابقہ (۳) اسباب واصلہ کہتی ہیں۔

ان کی تشریح ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ البتہ طالب علموں کے لئے ایک اہم حقیقت کا بیان کرنا ضروری ہے تا کہ تلاش اسباب میں مغالطہ نہ ہو۔

اسباب واصلہ کی غلط فہمی

جاننا چاہئے کہ طب قدیم میں جو تین اسباب بیان کئے جاتے ہیں دراصل وہ تین نہیں بلکہ دو قسم کے ہیں۔ اوّل بادیہ جس میں ہر قسم کے غیر مادی اسباب داخل ہیں۔ دوم سابقہ جس میں ہر قسم کے مادی اسباب شامل ہیں۔ اگر زندگی اور کائنات پر غور کیا جائے تو صرف دو ہی قسم کے اسباب پائے جاتے ہیں۔ مادی ؕجسمی اور غیر مادی اور غیر جسمی۔ ان کے علاوہ کسی قسم کی اشیاء یا غیر اشیاء پائی نہیں جاتیں۔ اس لئے اسباب صرف دو ہی قسم کے ہیں۔ غور کریں فرنگی طب کے اسباب محرکہ میں مادی اسباب شریک ہیں۔

اسباب واصلہ کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ صرف تعین اسباب کی خاطر ہے۔ یعنی وقت پیدائش مرض اسباب بادیہ اور سابقہ میں سے جو بھی ہوں گے ان کو اسباب واصلہ کہہ دیا جائے گا۔ ان کی ذاتی یا اپنی کوئی صورت نہیں ہے۔ اکثر طالب علم اس کو سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اور یہی غلطی فرنگی طب نے بھی کی ہے جس کی وجہ سے اسباب کی تقسیم میں خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ طب قدیم میں اسباب کی تقسیم قانون فطرت کے مطابق یونہی انکل پچو نہیں ہے۔ البتہ ان اسباب بادیہ اور سابقہ کو سہولت کے لئے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جیسے اسباب بادیہ کی ظاہری صورت کیفیاتی اور باطنی صورت کو نفسیاتی کہہ سکتے ہیں اور اسی طرح اسباب سابقہ کی ظاہرہ صورت کو مادی اور اس کی باطنی صورت کو شرکی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن طب قدیم نے اس تقسیم کو ضروری نہیں سمجھا۔ کیونکہ یہ دونوں مفہوم ان کے ناموں میں نمایاں ہیں۔

علامات سوزش

یہ ہم لکھ چکے ہیں کہ کسی زندہ ساخت پر کوئی مہیج (خراش کنندہ) اگر اثر کرے تو اس کے خلاف جسم کی ایک مدافعانہ تدبیر کا نام سوزش ہے چونکہ یہ مدافعانہ تدبیر ایک اصولی اور فطری ہے اس لئے اس کو منظم کہا جا سکتا ہے۔ ہر اصولی و فطری اور منظم عمل اپنے اندر چند ایسی علامات رکھتا ہے جن کے بار بار کے مشاہدے اور تجربے سے اس کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقت حکمت بن جاتی ہے۔ ان کو سمجھنے ہی سے انسان حکیم بنتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ مقام سوزش کو سمجھنے کے لئے بھی چند علامات مقرر ہیں۔ ان کا سمجھنا اس لئے بھی نہایت اہم ہے کہ سوزش کو سمجھ لینے سے

پچھتر فیصد امراض کو سمجھا جا سکتا ہے۔ سوزش بذاتِ خود ایک بڑی علامت ہے۔ مرض نہیں ہے۔ لیکن بڑی علامات یا مجموعہ علامات کو بھی امراض میں شریک کیا جا سکتا ہے، لیکن ان میں تخصیص لازمی ہے تاکہ امراض اور افعال الاعضاء کا تعلق قائم رہے۔ ہم تقسیم امراض میں اس پر بحث کر چکے ہیں اور آئندہ پھر کریں گے۔

یہاں اس امر کو پھر ذہن نشین کر لیں کہ فرنگی طب نے سوزش کو الگ بیان نہیں کیا ہے بلکہ ورم کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے کہ ان کا آپس میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ گویا سوزش اور ورم ایک ہی شے ہیں، لیکن یہ فرنگی طب کی غلطی ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ سوزش اور ورم دونوں جدا جدا علامات ہیں۔ ان میں کوئی شک نہیں کہ ورم اکثر سوزش کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ لیکن یہ فرنگی طب کی غلطی ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ سوزش اور ورم دونوں جدا جدا علامات ہیں۔ ان میں کوئی شک نہیں کہ ورم اکثر سوزش کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر سوزش کے بعد ورم ہو یا ہر ورم میں سوزش لازمی ہو۔ دونوں کی علامات جدا جدا ہیں۔ سوزش میں پانچ علامات پائی جاتی ہیں:

(۱) جلن (۲) گرمی (۳) سرخی (۴) رطوبات (۵) تغیر افعال۔ جن کی تشریح درج ذیل ہے۔

(۱) **جلن**: سوزش کے معنی جلن کے ہیں اور یہی سوزش کی بڑی علامت ہے لیکن یہاں جلن کو التہاب کے معنوں میں نہیں بلکہ احساس تکلیف اور الم کے معنوں میں لیا جاتا ہے جس کو انگریزی میں برننگ پین (Burning Pain) کہتے ہیں۔ درحقیقت درد بھی جلن کی تیزی کی علامت ہے۔ خارش بھی اس میں شریک ہے۔ لذب بھی ایک قسم کی ہلکی خارش ہے وہ بھی جلن میں شمار کی جاتی ہے لیکن یہ یاد رہے کہ ہر قسم کا درد صرف اور صرف جلن سے پیدا نہیں ہوتا اس کا ذکر درد کے تحت بیان کیا جائے گا۔

(۲) **حرارت**: حرارت گرمی کا احساس ہے جو چھونے سے معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ مقام سوزش کی طرف دورانِ خون کی تیزی ہوتی ہے اور خون وہاں پر اکٹھا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ مقام چھونے سے گرم محسوس ہوتا ہے۔

(۳) **سرخی**: سرخی کا تعلق خون کے ساتھ ہے۔ چونکہ مقام سوزش کی طرف اجتماع خون ہو رہا ہوتا ہے اس لئے وہاں پر سرخی لازمی ہوتی ہے۔ سوزش کے ابتدائی دور میں سرخ کا رنگ شوخ گلابی ہوتا ہے۔ لیکن جب دوران خون میں سستی واقع ہوتی ہے تو اس کے رنگ میں سرخ زردی یا سرخی سیاہی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خون کی سرخی اپنے اندر تیزابیت رکھتی ہے اور یہ دبا کی صورت میں قائم رہتی ہے اور جب زردی نمودار ہوتی ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہاں یہ تیزابیت کم ہو گئی ہے اور صفرا زیادہ ہو گیا ہے اور جب سیاہی مائل ہو جاتی ہے تو اس امر کی علامت ہے کہ رطوبات وہاں پر بڑھ رہی ہیں اور تیزابیت رفتہ رفتہ کھاری پن میں تبدیل ہو رہی ہیں۔

البتہ اس حقیقت کو ذہن نشین کر لیں کہ کسی ایسی ساخت میں جس میں عروق دمہ بالکل نہیں پائے جاتے اس میں جب بھی سوزش ہوتی ہے تو اس میں جلن و رطوبات اور تغیر افعال تو ہوتا ہے مگر سرخی اور حرارت نہیں ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ بھی مقام سوزش ہے جیسے آنکھ کا طبقہ قرنیہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پانچوں علامات ہر سوزش میں ضروری نہیں ہیں۔ جو معالج تشریح اور افعال الاعضاء کا علم رکھتے ہیں، ان سے ایسی غلطیاں نہیں ہوتیں کیونکہ علم تشریح الابدان اور علم منافع الاعضاء ہم کو بتاتے ہیں کہ طبقہ قرنیہ میں عروق دمویہ نہیں ہوتے اور اس کی نشو و نما بذریعہ رطوبت جلد یہ سے ہوتی ہے اور پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حرارت محض کثرت و سرعت خون پر منحصر ہے اور سرخی عروق شعریہ میں کثیر مقدار خون کی وجہ سے ہوتی ہے اس لئے ایک ایسی ساخت جس میں عروق دمویہ بالکل موجود نہ ہوں تو اس میں بحالت سوزش سرخی اور حرارت دونوں واقع نہیں ہو سکتیں۔ یہ صورت غضروف مفاصلی (جوڑوں کی کری) کی بھی ہے، وہاں پر بھی یہی صورت واقع ہوتی ہے، یعنی سرخی اور گرمی نہیں پائی جاتی۔

سرخی کے لئے یہ امر بھی ذہن نشین رکھیں کہ اگر کوئی مہیج (مہیج اس شے یا طاقت کو کہتے ہیں جو کسی ساخت پر عمل کرنے سے اس کی طبعی بناوٹ یا طبعی افعال یا ان ہر دو میں تغیر پیدا کر دے) اپنے اندر تیزابیت رکھتا ہے تو مقام سوزش پر حرارت اور سرخی زیادہ ہوگی اور جس قدر بھی تیزابیت میں کمی بیشی ہوگی اسی قدر ان میں کمی بیشی ہوگی اور ساتھ ہی جلن اور افعال میں بھی زیادہ تیزی ہوگی۔ البتہ رطوبات کے اخراج میں بے حد کمی ہوگی یا بالکل نہیں ہوگی۔ اور جو ہوگی وہ صرف تیزابیت کا ردِّ عمل ہوگا۔ لیکن اگر مہیج اپنے اندر کھاری پن رکھتا ہے تو اس میں سرخی وحرارت اور جلن وافعال میں تیزی نسبتاً بہت کم ہوگی۔ مگر رطوبات کا اخراج بہت زیادہ ہوگا۔

فرنگی تحقیق کی غلطی

سوزش کی ان علامات کی کمی بیشی کی وجہ فرنگی تحقیقات میں اوّل تو ذکر ہی نہیں کی گئی کیونکہ انہوں نے صرف تیزابیت کا ذکر کیا ہے۔ کھاری پن کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن اگر کسی فرنگی ڈاکٹر سے سوال بھی کیا جائے تو وہ جھٹ یہی کہہ دے گا کہ یہ بات تو صاف نظر آتی ہے کہ تیزابیت سے سوزش کم ہوگی اور کھاری پن سے زیادہ ہوگی۔ لیکن وہ اس امر کو نظر انداز کر جائے گا کہ کھاری پن میں بھی کاسٹک (کائی) کا اثر ہوتا ہے۔ لیکن بعض اوقات تیزابیت سے زیادہ ہوتا ہے جیسے سوڈا کاسٹک اور پوٹاش کاسٹک میں پایا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت وہ نہیں جانتے اور نہ ہی ان کی کتب میں لکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تیزابیت کا اثر ہمیشہ عضلات پر ہوتا ہے جس سے رطوبات کا اخراج شدید ہو جاتا ہے اور باقی علامات میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

یہاں پر ایک اور بحث کی ابتدا ہوتی ہے کہ بعض کیڑے مکوڑے اور جانور ایسے ہیں کہ اگر ان کا ایک حصہ کاٹ دیا جائے تو وہ حصہ پھر پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے انگوش مچھلی کا کوئی سا بیرونی عضو ضائع ہو جائے تو وہ پھر از سرِ نو پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح اگر ہوٹ مچھلی کی دُم کٹ جائے تو وہ پھر ایک عرصہ کے بعد مکمل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کیچوؤں چھپکلیوں بلکہ امیبا اور نسیج میں بھی دیکھا گیا ہے۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کسی چوہے کی گردن کاٹ دی جائے تو اس کا بالائی اور زیریں دونوں حصے مردہ ہو جاتے ہیں اور اگر کتے کی دم کٹ جائے تو وہ بھی کبھی پیدا نہیں ہوتی۔

اس کے متعلق فرنگی طب یہ کہتی ہے کہ جانور کا جو حصہ دوبارہ پیدا ہو جاتا ہے یا مکمل ہو جاتا ہے تو دراصل اس کا مرکزی حصہ (نواۃ) باقی رہتا ہے، جہاں نواۃ ہی علیحدہ ہو جائے وہ حصہ کبھی دوبارہ زندہ نہیں ہوتا اور نہ مکمل ہوتا ہے اور اعلیٰ جانوروں میں جو اکثر ریڑھ والے حیوانات ہوتے ہیں ان میں مختلف نظامِ جسمانی ایک دوسرے کے ماتحت ہوتے ہیں اس لئے جب ان میں سے کوئی سا نظامِ جسمانی باطل ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ دوسرا بھی باطل ہو جاتا ہے۔

سرخی وحرارت کے تحت یہ بحث بیان کی جا رہی ہے کہ ادنیٰ حیوانات کے اعضاء کے کٹ جانے پر یا کاٹ دینے پر ان کے کٹے ہوئے حصے دوبارہ پیدا ہو جاتے ہیں اور ان کے مقابلے میں اعلیٰ حیوانات میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔

فرنگی سائنس کی غلط فہمی

اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہر حیوان کیا بلکہ نباتات اور جمادات میں بھی یہی صورت قائم ہے کہ ان کا تعلق اگر مرکز یا اصل سے قائم نہ رہے تو نشوو ارتقاء ختم ہو جاتا ہے اور اگر جسم میں کوئی خرابی یا نقص واقع ہو جائے تو مرکز اور اصل کے تعلق سے وہ پورا ہو جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ادنیٰ طبقہ کے کیا اعلیٰ طبقہ کے حیوانات بلکہ انسانوں کے جسم پر اگر گہرا زخم بھی آ جائے تو رفتہ رفتہ بالکل بھر جاتا ہے۔ درختوں کی شاخیں کاٹ دی جاتی ہیں۔ وہ پھر پیدا ہو جاتی ہیں۔ پہاڑوں کو توڑ دیا جاتا ہے ان کے اندر کی جمادات نکال لی جاتی ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ بعد پھر وہاں پر بہت کچھ جمع ہو

جاتا ہے۔ یہاں پر ادنیٰ اور اعلیٰ حیوانات کا کچھ تصور نہیں ہے۔

زندگی اور نشو وارتقاء پانی پر ہے

حقیقت یہ ہے کہ زندگی اور نشو وارتقاء کا دارومدار پانی پر ہے اور قرآن حکیم میں بھی یہی فرمایا گیا ہے۔ اس اصول کے تحت جو جانور پانی یا کیچڑ میں رہتے ہیں ان میں نشو وارتقاء جلد واقع ہوتا ہے۔ ان کے مقابلہ میں جو حیوانات خشکی پر واقع ہیں ان کی نشو وارتقا دیر سے واقع ہوتی ہے۔ یہی چیز نباتات میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور یہی صورت پہاڑوں میں بھی قائم ہے۔

جاننا چاہئے کہ حیوانات کی دو بڑی اقسام ہیں: (اوّل) پانی کے حیوانات جیسے امیبا مچھلی اور کیچوا وغیرہ۔ (دوسرے) خشکی کے جانور گائے، بکری، گھوڑا اور بندر وغیرہ ہیں۔ اوّل الذکر حیوانات میں جو نشو وارتقاء جلد ہوتا ہے اس کی وجہ ریڑھ کی ہڈی کے تحت نظامات کا ہونا اور نہ ہونا نہیں ہے بلکہ پانی اور رطوبات کی زیادتی ہے۔ کیونکہ یہ حیوانات پانی میں زندگی بسر کرتے ہیں یا پانی کے قریب رہتے ہیں اس لئے ان کے اعصاب انتہائی تیزی سے کام کرتے ہیں۔

نشو وارتقا زندگی اور اعصاب

جاننا چاہئے کہ نشو وارتقا اور زندگی اعصاب کی تیزی پر قائم ہے اور اعصاب کی تیزی پانی کی غذائیت پر منحصر ہے۔ یہ مزمن اور پیچیدہ امراض جیسے دق وسل (ٹی بی)، سرطان (کینسر)، مرگی (Epilepsy)، کوڑھ (Leprosy) وغیرہ میں اعصاب کے افعال ناکارہ ہوجاتے ہیں اور ایسے امراض میں اعصاب کے افعال درست ہوجائیں تو وہ بہت جلد رفع ہوجائیں اور شباب میں بھی اعصاب میں تیزی پیدا کرنے سے بہت حد تک کامیابی ہوسکتی ہے۔ یہ ہماری تحقیقات ہیں۔ جن سے فرنگی طب واقف ہے اور نہ ہی فرنگی سائنس کو اس کا علم ہے یہ اہل فن کا فرض ہے کہ اس کو ہر اہل علم اور صاحب فن تک پہنچائیں۔

رطوبات

حالت صحت میں طبعی طور پر انسانی جسم کے اندرونی اور بیرونی اعضاء پر رطوبات کا ترشہ ہوتا رہتا ہے جس سے جسم اور اعضاء نرم رہتے ہیں۔ یہ رطوبات قدرتی طور پر جو بدن پر ترشہ پاتی ہیں ان کو طبی اصطلاح میں رطوبات طلیہ (شبنم) اور انگریزی میں Secration کہتے ہیں۔ یہ رطوبات صحت کی حالت میں اعتدال کے ساتھ اس قدر ترشح ہوتا ہے جس سے ایک طرف جسم کی غذا بنتا ہے اور دوسرے اس سے جسم اور اعضاء میں خشکی رفع ہوتی رہتی ہے تاکہ اعضاء میں سوزش پیدا نہ ہو۔ مثلاً ناک کان اور آنکھ ومنہ میں اس کی وجہ سے خشکی نہیں ہوتی۔ اس طرح حلق وحجرہ اور غذا کی نالی بھی اسی سے تر رہتی ہے۔ ان کے علاوہ بیرونی جلد اور اندرونی مجاری اور جوڑوں میں خشکی وغیرہ پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ پیشاب کی نالی و مقعد اور رحم میں بھی یہی رطوبت بوقت ضرورت اعتدال کے ساتھ تراوت رکھتی ہے، لیکن جب کسی حصہ جسم یا مجرا میں سوزش پیدا ہوتی ہے تو اس کو رفع کرنے کے لئے ردّعمل کے طور پر یہ رطوبت اعتدال سے زیادہ گرنا شروع کردیتی ہے۔ یہ رطوبات کا زیادہ گرنا جسم کی ایک بڑی علامت ہے۔ مختلف مقام کی وجہ سے اس کے مختلف نام ہیں۔ مثلاً اگر یہ رطوبت ناک سے گرے تو زکام حلق سے گرے تو نزلہ کہتے ہیں۔ نزلہ کے معنی گرنا ہے۔ اگر نزلہ کو زیادہ وسعت دے دیں تو ناک وکان آنکھ ومنہ کی رطوبات کی زیادتی بھی نزلہ میں شمار ہوسکتی ہے۔ اسی طرح پیشاب کی زیادتی اسہال اور پسینہ بھی نزلہ کی صورتیں ہیں۔ اگر مردانہ اور زنانہ عضوی امراض وعلامات جریان اور سیلان کو سامنے رکھا جائے تو یہ بھی نزلہ ہی کی مختلف شکلیں ہیں جو انسانی جسم سے باہر کی طرف گرتی ہیں۔

اسی طرح جسم انسان کے اندر گرنے والی رطوبات بھی کئی امراض وعلامات بن کر سامنے آ جاتی ہیں۔ یہ سب اندرونی اعضاء کی سوزش کے نتیجے ہیں۔ مثلاً ماءفی الدماغ نزولا ماء ماء فی الصدر۔ استسقاء قیلہ الماء وغیرہ یہ سب اندرونی سوزش اور رطوبات کی زیادتی سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ بذاتِ خود امراض نہیں ہیں بلکہ بعض امراض کی علامات ہیں۔ ان کا علاج ان اعضاء کی سوزش کا رفع کرنا ہے۔ فرنگی طب ان سب کو جدا جدا امراض سمجھتی ہے اور ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ علاج تجویز کرتی ہے جس کا نتیجہ امراض کا غلط سمجھنا اور ان کا غلط علاج ہوتا ہے۔

رطوبت کی حقیقت

جو رطوبت انسانی جسم کے اعضاء پر ترشح پاتی ہے یا باہر کی طرف خارج ہوتی ہیں یہ خون سے جدا ہو کر اخراج پاتی ہے۔ جب جسم پر شبنم کی طرح گرتی ہے تو اس کو رطوبت طلیہ اور رطوبت دمویہ بھی کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کو پلازمہ (خون کا آبی رقیق حصہ) کہتے ہیں۔ یہ رطوبت عروق شعریہ کی دیواروں سے تراوش پاتی ہے۔ تراوش یافتہ آب خون کو لمف بھی کہتے ہیں۔

پلازمہ کا نام لمف غلط ہے

فرنگی طب اس پلازمہ کو جو جسم انسان کے اعضاء پر ترشح پاتا ہے لمف کا نام دیتی ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ پلازمہ خون کی ایک ایسی مائیت (رقیق آب) ہے جس میں خون کے قریباً تمام اجزاء معہ سرخ انتہائی باریک ذرّات خون اور گازین (گیسیں) شامل ہوتی ہیں اس مائیت میں جسم انسان کے لئے حرارت اور غذائیت ہوتی ہے۔ یہ جسم میں جہاں اس کا بدل یا تحلیل بنتی ہے وہاں اس کی سوزش بھی رفع کرتی ہے اور بے شمار امراض کو رفع کرتی ہے۔ لیکن (لمف) اس رطوبت کا نام ہے جو تغذیہ و تسنیم اور تنمیہ کی تحلیل سے بچ جاتی ہے اور اس میں حرارت نام کو نہیں رہتی اور کیمیاوی طور پر پلازمہ میں تیزابیت ہوتی ہے اور لمف میں کھاری پن غالب ہوتا ہے اس لئے اس کو لمف کی بجائے صرف سکریشن کہنا چاہئے۔ اس کا نام لمف اس لئے رکھا گیا ہے کہ جب یہ جسم کی ضروریات سے بچ جاتی ہے تو لمفیٹک گلینڈز (Lymphatic Glands) (غدد جاذبہ) جذب کر کے پھر درستی کے لئے خون میں ملا دیتے ہیں۔ اس لئے جاننا چاہئے کہ پلازمہ رطوبت طلیہ اور لمف (رطوبت جاذبہ) دونوں مختلف چیزیں ہیں۔

رطوبت کے متعلق فرنگی طب کی ایک اور غلطی

فرنگی طب اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ ہر عضو کی سوزش میں ایک ہی قسم کی رطوبت کا اخراج (سکریشن) ہوتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے ہر عضو کی سوزش میں جو رطوبات اخراج پاتی ہیں ان کی کیمیاوی نوعیت ایک دوسری سے بالکل مختلف ہے۔ مثلاً اعصاب کی سوزش میں جو رطوبات اخراج پاتی ہیں۔ ان میں مائیت اور کھاری پن زیادہ ہوتا ہے، جیسے زکام میں ہم دیکھتے ہیں جو سوزش کسی غدود میں ہوتی ہے اس میں ہر غدود کا اپنا کیمیاوی تغیر شامل ہوتا ہے۔ البتہ اس میں لمفی مادے اور لحمی مادے نہیں ہوتے بلکہ سیرم کی زیادتی ہوتی ہے، جیسے سوزش جگر نزلہ اور غشائے مخاطی میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح جو سوزش کسی عضلہ میں ہوتی ہے اس کی رطوبت میں لحمی اجزاء اور تیزابی مادے زیادہ ہوتے ہیں جیسے سوزش معدہ اور رشش میں ظاہر ہیں۔ اس لئے ہر عضو کی سوزش میں علاج کے دوران ان امور کو ضرور مدنظر رکھنا چاہئے۔ باوجودیکہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کے پاس خوردبین اور نازک آلات ہیں لیکن پھر بھی اس کی یہ غیر معمولی غلطیاں قابل غور ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے طریق علاج کی بنیاد ہی غلط اصولوں پر قائم ہے۔

گزشتہ چار علامات جن کا ذکر مختصر طور پر کیا گیا ہے، وہ اگرچہ علامات ہیں لیکن انتہائی اہم اور بڑی علامات ہیں جن پر امراض اور علاج کی بنیاد ہے اور یہی علامات جب پھیلتی ہیں تو تمام جسم انسان کو گھیرے میں لے لیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو امراض کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ مثلاً:

① جلن اپنی شدت میں خارش اور درد کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

(۲) گرمی جب بڑھتی ہے تو بخار کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

(۳) سرخی کی زیادتی ورم کا روپ بھر لیتی ہے اور ساتھ ہی جلد میں خرابی پیدا کر دیتی ہے۔

(۴) رطوبات کی زیادتی جسم کے اندر یا باہر کسی حصہ یا عضو میں رطوبات کی زیادتی کے ساتھ تمام جسم میں بلغمی مزاج کا اثر قائم کر دیتی ہے۔لیکن یہ چاروں صورتیں کیمیاوی ہیں۔ پانچویں علامت تغیر افعال کی شکل مشینی اور عضوی ہے۔اس حیثیت سے اس کی اپنی اہمیت اپنی جگہ قائم ہے جو اس کے بیان سے ظاہر ہے۔

تغیر افعال

جب جسم کے کسی عضو میں سوزش ہوتی ہے تو وہاں کے افعال میں تغیر واقع ہوتا ہے۔اس تغیر کی تین صورتیں ہوتی ہیں: (۱) تحریک (۲) تسکین (۳) تحلیل۔جن کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

(۱) **تحریک**: جب کسی مقام پر سوزش پیدا ہوتی ہے تو وہاں پر اوّل انقباض پیدا ہوتا ہے۔جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں جو اس امر کا اظہار ہے کہ وہاں پر حرارت یا آکسیجن کی کمی اور برودت اور کاربن کی زیادتی ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں وہاں پر رطوبات کی کمی واقع ہوتی ہے بلکہ بندش ہو جاتی ہے کیونکہ جب تک رطوبات کی بندش نہ ہو تو دوران خون کا اس طرف اجتماع نہیں ہو سکتا۔ یہ اجتماع طبیعت مدبرہ بدن آگ کے لئے کرتی ہے کہ خون کی حرارت سے سوزش کو رفع کر سکے،جس کے نتیجہ میں وہاں پر تناؤ بڑھ جاتا ہے اور حرکت کرنے میں وقت ہوتی ہے۔خاص طور پر جب سوزش عضلات میں ہوتی ہے تو طبعاً انسان آرام کا خواہش مند ہوتا ہے۔جب آنکھ اور کان میں سوزش ہوتی ہے تو دیکھنے اور سننے میں تکلیف ہوتی ہے۔ گویا حرکات اعضا اور جسم میں تیزی اور تناؤ بلکہ انقباض شدید ہو جاتا ہے۔

(۲) **تسکین**: چونکہ سوزش کا ابتدائی ردّعمل رطوبات کا گرنا ہے،اس لئے طبیعت مدبرہ بدن اکثر رطوبات کو گراتی رہتی ہے اور یہ رطوبات خون ہی سے جدا ہو کر گرتی ہے۔اس طرح وہاں پر رفتہ رفتہ کافی مقدار میں رطوبت بھی اکٹھی ہو جاتی ہے۔یہی رطوبت ہے جو جسم کی جلن اور دردوں کو روکتی ہے۔

یاد رکھیں کہ جس قدر مخدر و مسکن اور دافع درد ادویات ہیں جو بذاتِ خود جسم پر نہ کیمیاوی طور پر اور نہ ہی عضوی طور پر کچھ اثر کرتی ہیں، بلکہ ان سے جسم میں رطوبات کا اخراج بڑھا دیتی ہیں اور یہی رطوبت تسکین، تخدیر اور دردوں کو دور کرنے کا باعث ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے جل جانے کے بعد جب کسی مقام پر چھالا پڑ جاتا ہے،تو اس چھالے کے پانی کا صرف یہ مقصد ہوتا ہے کہ وہاں کی جلن اور درد دور کرے۔بعض جاہل معالج اس چھالے کو کاٹ دیتے ہیں جس سے بجائے فائدے کے سوزش بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔گویا چھالا اور رطوبت قدرتی اور فطری طریق علاج ہے اس میں اضافہ کرنا چاہئے،اس سے جلن دور کے ساتھ بے چینی اور تناؤ بھی کم ہو جاتا ہے۔

علاج کا ایک راز: اسلامی اطباء نے سوزش اور ورم کے علاج ہیں ابتدائی طور پر جس واضح صورت کا ذکر کیا ہے وہ یہی ہے کہ اس مقام پر رطوبات کو زیادہ سے زیادہ گرایا جائے۔ جب رطوبات کی زیادتی کے باوجود بھی سوزش اور ورم قائم ہو تو پھر ایسی ادویات استعمال کرائیں جو رادع کے ساتھ محلل بھی ہوں یعنی رطوبات کو زیادہ گرائیں مگر وہ محلل بھی ہوں۔یعنی ان ادویات میں گرمی بھی ہونی چاہئے گویا گرم تر ادویات ہونی چاہئیں اور جب یہ مقام بھی گزر جائے تو صرف محلل ادویات برتنی چاہئے اور حرارت بڑھانا چاہئے اور ساتھ ہی غدود جاذبہ کے افعال میں تیزی پیدا ہو جائے یا پسینہ کے ذریعہ باہر اخراج پا جائیں تاکہ سوزش اور ورم وہاں پر ختم ہو جائے۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ رطوبت جسم جب اعضاء پر پڑتی ہے تو قدرتاً اور فطرتاً وہاں پر تخدیر اور تسکین کا باعث ہوتی ہے۔یہی رطوبت

جب زیادتی کے ساتھ کسی عضو پر پڑتی رہے یا کثرت سے گرتی رہے تو استرخاء (پیرالائس) پیدا کر دیتی ہے۔ یہ ہیں علاج کے اسرار و رموز اور علاج کے راز جن سے فرنگی ناواقف ہے۔ اور اس کو کہتے ہیں تجدید طب اور ترقی فن جو فی زمانہ دُنیائے طب میں ختم ہو چکی ہے۔

(۳) **تحلیل**: تحلیل کے معنی ہیں حل کرنا۔ طبی اصطلاح میں سوزش اور ورم کو ختم کر دینا جاننا چاہئے کہ تحلیل حرارت کا ضرورت کے مطابق قائم کرنا ہے۔ جب حرارت قائم ہو جاتی ہے تو اس کے نتیجہ میں خشکی اور کاربن دور ہو جاتی ہے جیسا کہ ہم حمیات میں بیان کر چکے ہیں۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ابتداء میں ایسی گرمی چاہئے جس کے ساتھ رطوبات بھی شامل ہوں۔ مثلاً گرم پانی کی بھاپ سے حرارت پیدا کی جائے۔ دوسری صورت میں ایسی گرمی پیدا کی جائے جس میں گرمی کے ساتھ خشکی بھی لازمی ہے۔ جیسے ریت اور اینٹ کی گرمی سے حرارت پیدا کرنا وغیرہ۔ تکمید تو ورم سوزش پر ہر معالج کیا ہر ضرورت مند کرتا ہے۔ مگر تحلیل کے راز کو دس ہزار میں سے ایک بھی نہیں جانتا اور فرنگی طب تو ایسے اسرار و رموز اور رازوں سے بالکل خالی دامن ہے۔

یہ یاد رکھیں کہ تحلیل اس وقت تک تو مفید ہے جب تک سوزش و ورم، خشکی و بے چینی، انقباض و تناؤ، ریاح و کاربن اور جلن و بخار ہو۔ لیکن جب ان میں سے کوئی صورت بھی نہ ہو تو لازم یہ تحلیل جسم میں ضعف پیدا کرتی ہے، جیسے موم بتی پگھلتی ہے یا برف دھوپ میں رفتہ رفتہ ختم ہو کر پانی بن جاتی ہے۔ یہ تحلیل حرکات جسم کو بھی کم کر دیتی ہے۔ جیسے دباؤ خون کی زیادتی میں جب خون کا دباؤ قلب کی طرف ہوتا ہے تو ہارٹ فیل ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کا فعل کثرت حرارت سے رُک جاتا ہے یا جب خون کا دباؤ دماغ کی طرف ہوتا ہے نروس بریک ڈاؤن (تحلیل اعصاب) واقع ہو جاتا ہے۔ گویا اگر رطوبات کی زیادتی سکون سے اعضا کے افعال میں کمی پیدا کرتی ہے تو حرارت کی زیادتی بھی تحلیل سے اعضا کے افعال میں تفریط پیدا کر دیتی ہے۔

استاذ الاطباء حکیم احمد الدین کی غلط فہمی

جناب استاذ الاطباء حکیم احمد الدین نے فرنگی طب کی نقل میں نہ صرف کیفیات و اخلاط سے انکار کر دیا تھا بلکہ اپنا نظریہ افعال الاعضاء بیان کرنے میں صرف عضو کی دو صورتیں بیان کی تھیں۔ اوّل کسی عضو کے فعل میں تیزی یا افراط اور دوسرے اس کے فعل میں سستی لیکن انہوں نے اس افراط اور دوسرے اس کے فعل میں سستی۔ لیکن انہوں نے اس افراط و تفریط کی وجہ صرف دوران خون کی زیادتی اور کمی کے سوا اور کچھ نہیں بتایا کہ خون کی زیادتی سے اعضاء کے افعال میں تیزی کیوں پیدا ہوتی ہے اور اس کی کمی سے ان میں سستی کیوں پیدا ہوتی ہے۔ افسوس ان کو اس امر کا علم ہی نہیں تھا کہ خون کی زیادتی سے جب حرارت بڑھ جاتی ہے تو اس سے بھی اعضاء میں تحلیل ہو کر اعضاء میں ضعف اور کمی واقع ہو جاتی ہے۔

اگر وہ اس راز سے واقف ہوتے تو تفریط کی دو صورتیں تسلیم کرتے۔ ایک سردی کی زیادتی سے اور دوسرے گرمی کی زیادتی سے۔ لیکن ان دو صورتوں کو تسلیم کرنے سے ان کو گرمی سردی اور خشکی تری کیفیات اور مزاج کا قائل ہونا پڑتا۔ اور آیورویدک اور طب یونانی کو انہوں نے جو غلط قرار دیا تھا ان کو صحیح ماننا پڑتا۔ اس طرح ان کی تحقیقات کا سلسلہ ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔

اس امر کو ہمیشہ ذہن نشین رکھیں کہ حقائق قدرت اور قوانین فطرت کو کبھی نہ جھٹلایا جاسکتا ہے اور نہ توڑا جاسکتا ہے۔ فرنگی طب نے بھی یہی غلطی کی ہے کہ جو اس نے آیورویدک اور طب یونانی کو جھٹلانے اور ان کے قوانین کو توڑنے کی کوشش کی ہے سیدھی راہ صرف ایک ہوا کرتی ہے دو نہیں ہوسکتیں۔ جب طب قدیم صحیح راہ پر ہے تو لازمی امر ہے کہ فرنگی طب غلط راہ اور گمراہی میں مبتلا ہے۔

تحلیل کی حقیقت

تحلیل کی اصطلاح کو سمجھنا اگرچہ مشکل نہیں ہے یہ ایک عام لفظ ہے، لیکن عوام اور طلباء کے ذہن نشین کرنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مکمل کیمیاوی اور فعلی تشریح کردی جائے تا کہ اس کا صحیح تصور ذہن نشین ہو جائے۔ یہی افہام وتفہیم نہ صرف اورام کے علاج میں بلکہ تمام علم العلاج کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

ہم تحلیل لکھ چکے ہیں، حل کرنا، طبی اصطلاح میں سوزش اور ورم کو ختم کرنا زیادہ وضاحت کے لئے یوں سمجھ لیں کہ رُکے ہوئے خون کو اپنے مجریٰ میں جاری کرنا یا مجریٰ کی بندش میں جو کیمیاوی اور فعلی مواد پیدا ہو گیا ہو ان کو دور کرنا۔ انگریزی میں اس کو ریزالویشن (Resolvation) کہتے ہیں۔ جس کی مثال ہم نے جلتی ہوئی موم بتی اور دھوپ میں پڑی ہوئی برف سے دی تھی کہ اس میں تحلیل کی ایک صورت قائم ہے۔ اسی طرح اگر گڑ کی ڈلی پانی میں ڈال دیں تو عمل تحلیل شروع ہو جائے گا، وغیرہ وغیرہ۔

لیکن طبی تحلیل تو اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک سوزش وورم، مواد کی بندش اور خون کی رکاوٹ دور نہ ہو۔ اور عضو سوزش ناک اپنی اصل جگہ پر لوٹ نہ آئے۔ یہ اس وقت واقع ہوتا ہے جب کہ التہاب کا بلب اس قدر سخت نہ ہو کہ ماؤف کی قوت حیوانیہ (وٹیلٹی) بالکل باطل ہو جائے۔

تحلیل کو سمجھنے کی آسان صورت یہ ہے کہ عمل سوزش کو ذہن نشین کر لیا جائے، کیونکہ تحلیل کا فعل بالکل سوزش کے اُلٹ ہے۔ یعنی اگر عمل سوزش کا نام ترتیب مواد سینتھیسس آف میٹر (Synthesis Of Matter) اور اجتماع خون کنجکشن آف بلڈ (Congestion Of Blood) ہے تو تحلیل کو ہم ترکیب مواد یا انالیسز آف میٹر (Analysis Of matter) اور خون کے اجراء یا ری فلو آف بلڈ (Reflow Of Blood) اس لئے عمل سوزش خصوصاً اس کے خوردبینی نظائر (Microscopic Divices) کا سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ لیکن اس کے سمجھنے سے قبل جسم میں گردش خون کا جان لینا بھی نہایت ضروری ہے تا کہ صحیح گردش خون عمل سوزش اور تحلیل سے متعلق جدا جدا تین صورتیں ہیں جو علاج معالجہ کے اندر بے انتہا اہمیت رکھتی ہیں۔

سوزش سے قبل جسم میں گردش خون کا نظارہ

سوزش التہاب کو ذہن نشین کرنے کے لئے حیوانات پر تجربے کئے جاتے ہیں اور اصلی التہابی حالت کی چشم دید کیفیت سے بصیرت حاصل کی جاتی ہے۔ چنانچہ اگر زندہ مینڈک کے پنجہ کی جھلی کو پہلے خوب تان کر خوردبین کے نیچے پھیلا دیا جائے اور بغور دیکھا جائے تو سیلان خون کی طبعی کیفیت کا عجیب وغریب نظارہ آنکھوں کے سامنے پیش ہوگا۔ جس کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

① بحالت صحت شریانوں، وریدوں اور عروق شعریہ میں خون بہتا ہوا نظر آئے گا۔ سیلان خون (Blood Flow) کا اندازہ کریات دمویہ (ذرّات خون) کی نقل وحرکت سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ کریات حمراء (سرخ ذرّات خون میں ہر عنصر وذرّہ دوسرے ذرّہ سے جدا نظر آئے گا)۔ خون کے سرخ دانے بہاؤ کے وسطی یا مرکزی حصہ میں بہتے ہوئے نظر آئیں گے اور اس کے گرد یعنی عروق کا محیطی حصہ جو کریات سے معرا ہوتا ہے بے حرکت و بے رنگ نظر آئے گا۔ مگر اس میں بعض کریات بیضا (سفید ذرّات خون) آہستگی وسست رفتاری کے ساتھ بہاؤ میں لڑھکتے ہوئے نظر آئیں گے۔ گاہے بعض سفید دانے سرخ دانوں کے درمیان مرکزی حصہ میں بھی دکھائی دیں گے۔ شریانیں کہیں پتلی اور کہیں موٹی نظر آئیں گی۔

(۲) چھوٹی شریانوں کے جوف میں مسلسل ومستوی تغیرات نظر آئیں گے۔ یعنی ان کی جسامت ایک قسم کی ترتیب وباقاعدگی کے ساتھ متواتر کم وبیش ہوتی ہوئی دکھائی دے گی۔ شرائین صغیرہ کی جسامت کا یہ اختلاف قلب کی حرکات کے اثر سے تو بے تعلق ہوتا ہے مگر عروق شعریہ کے اندر کے سیلان خون پر اس مدوجذر اور تغیر کا نمایاں اثر ہوتا ہے۔

(۳) کریات حمرا (سرخ ذرّات خون) کی جسامت میں بھی تغیرات نظر آئیں گے۔ جو بیشتر روشنی کے اثر سے نمایاں ہوتے ہیں، یعنی جب روشنی زیادتی کے ساتھ ہوگی تو یہ سرخ دانے سکڑ جائیں گے۔ اور جب یہ روشنی کم ہوجائے گی تو یہ دانے پھیل جائیں گے کیونکہ روشنی باعث تحریک ہے اور اندھیرا باعث تسکین۔ [دیکھیں میرا مضمون "روشنی اور اندھیرے کے اثرات"]

سوزش کی حالت میں گردش خون کا نظارہ

اب اگر مینڈک کے پنجہ پر کوئی تیز مہیج مرکب (مثلاً نمک خوردنی یا نوشادر کا ایک ذرہ) لگادیں۔ پھر پنجہ کی جھلی کو خوردبین کے نیچے رکھ کر دیکھا جائے تو ابتداء میں جھلی کے شرائین صغیرہ تھوڑی دیر کے لئے عارضی طور پر سکڑ جائیں گے، لیکن یہ عارضی انقباض چنداں اہمیت نہیں رکھتا اور ایسے ہی التہاب میں عموماً نمودار ہوتا ہے جو (تجزیہ مہیجات) کے اثر سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس عارضی انقباض کے بعد ہی فوراً ملتہب (سوزش) حصے میں ماؤف کے عروق بہ سرعت پھیل جاتے ہیں۔ اور یہ استرخاء (ڈھیلا پن) دیرپا ہوجاتا ہے۔ پھر اس مقام کا دوران خون تیز ہوجاتا ہے۔ یہ سرعت دورانِ استرخاء شرائین صغیرہ کے اندر کے مقامی محرک اعصاب میں بعض تغیرات پیدا ہونے کی وجہ سے ظہور میں آتا ہے۔ دورانِ خون کی سرعت کچھ وقفہ کے لئے تو جاری رہتی ہے، مگر بالآخر خون کا بہاؤ بتدریج سست پڑجاتا ہے۔ گویا رفتار خون کو آہستہ آہستہ کوئی چیز آگے بڑھنے سے روک رہی ہے۔ اس مزاحمت کے بعد ایک ایسا وقفہ نمودار ہوتا ہے جس میں خون کے دانے جو پہلے جدا جدا بہہ رہے تھے ایک جگہ مجتمع ہوکر ٹھہر ٹھہر کر اور رُک رُک کر آگے قدم رکھتے ہیں اور کبھی آگے بڑھتے ہیں اور کبھی پیچھے ہٹتے ہیں۔ اور اس حالت ذبذبہ کو اگزیلیٹیشن (Exalation) کہتے ہیں۔ بالآخر ایک ایسی حالت وقوف آجاتی ہے جس کو اسٹےسس (Stasis) کہتے ہیں۔

اس وقوف کا نتیجہ بعض حالات میں تو یہ ہوتا ہے کہ عروق کے اندر حقیقی انجماد خون واقع ہوکر رگوں کے اندر جم کر ان کو بند کردیتا ہے۔ جس کو حالت انسداد (تھرامبوسس-Thrombosis) کہتے ہیں۔ اور اس منجمد خون کو جو رگوں کے اندر جم کر ان کو بند کردیتا ہے سدہ (تھرامبس-Thrombis) کہتے ہیں۔ (علم الجراحت) تھرامبوسس (خون کی نالیوں میں سدہ بن جانا، فرنگی طب میں ایک بہت بڑا مرض خیال کیا جاتا ہے)، جس کا ان کے پاس کوئی یقینی علاج نہیں ہے اور اس کا نتیجہ اچانک موت، ہارٹ فیلور (Heart Failure) کہا جاتا ہے۔

سوزش میں اجتماع خون کی حالت

سوزش کے دوران میں عروق کی دیواروں اور اجزائے خون کے باہمی طبعی تعلقات ان کی صورتوں اور حالات میں تغیرات واقع ہوجاتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ خود عروق کی دیواروں میں بعض غیر محسوس تبدیلیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ خون کی ترکیب وساخت کی کوئی تبدیلی یہ تغیر پیدا نہیں کرتی۔ چنانچہ جیسے جسم میں استرخاء عروق واقع ہوتا ہے، خون کے سفید دانے عروق کی دیواروں سے متصل ہوکر بہاؤ کو غیر متحرک محیطی طبقہ میں مجتمع ہوجاتے ہیں۔ گویا وہ اپنی ہمراہی فوج کی قطار سے علیحدہ ہوکر بچھڑ جاتے ہیں۔ اوّلاً سفید دانوں کا اجتماع وریدوں میں شروع ہوتا ہے۔ پھر عروق شعریہ میں اور آخر کار شریانوں میں خون کے سفید دانے بھی جو ابتدا میں ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ بہتے چلے جاتے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ اور عروق کی دیواروں کے ساتھ چسپاں ہوجاتے ہیں۔ مگر خون کے سفید دانے بمقابلہ سرخ دانوں کے عروق کی دیواروں سے زیادہ

چسپاں ہوتے ہیں۔ سوزش میں جب اس قسم کے تغیرات کے بعد اجتماع خون ہوتا ہے۔ اس کو امتلائے دموی (ہائی پریمیا-Hyperemea) کہتے ہیں۔

سوزش کے دوران میں ترشح

سوزش میں اجتماع خون کے ساتھ ایک انتہائی ضروری عمل ترشح کا ہے یعنی وہ رطوبات جو خون سے اخراج پاتی ہیں۔ یہ عمل ابتدائی صورت ہی سے نمودار ہو جاتا ہے۔ خون کا ہر ایک جزو اس عمل ترشح (اگزوڈیشن-Exudation) میں لیتا ہے۔ یہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ خون کے سفید دانے عروق کی دیواروں سے قریب یعنی محیطی حصہ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ یہاں اس اجتماع کے دو وجود ہیں۔ اوّل تو عروق کی دیواروں میں بطور خود چند تغیرات واقع ہوتے ہیں جن کی وجہ سے یہ دیواریں زیادہ چپچی ہو جاتی ہیں اور دانوں کو چسپاں کر لیتی ہیں۔ دوئم جراثیمی مرکبات کی کشش جسے کشش جراثیمی (بیکٹیریل ٹی لیلی) کا نام دیتے ہیں۔ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

الغرض خون کے سفید دانے عروق کی دیواروں کے قریب بکثرت جمع ہو جاتے ہیں یہ نقل وحرکت بالخصوص وریدوں کی دیواروں میں زیادہ نمایاں ہوتی ہے اور اس کے بعد عروق شعریہ میں اخراج وترشح خصوصی طور پر ایک قسم کی حیوانی قوت (وائیٹلٹی-Vitality) کا ظہر ہے اور حیوانیہ (امیبا-Amoeba) کی سی حرکت کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ پہلے تو عروق کی غشائی مبطن (انڈوتھیلیم-Endothelium) کے خلیات (سیلز-Cells) میں عمل التہاب کے تفرق اتصال واقع ہو جاتا ہے۔ پھر انہی خلیات کے مابین مقامات تفرق میں سیف دانوں کے باریک زوائد گھس جاتے ہیں اور مادہ حیات (پروٹوپلازم-Protoplasm) دانوں سے بہہ کر ان زوائد میں آنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ غشائے مبطن کے اجزاء وعناصر ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں اور بالآخر یہ دانے نفوذ کر کے عروق کی دیواروں سے باہر آس پاس منبج خلوی میں آ جاتے ہیں۔ سفید دانوں کی یہ حرکت بھی بند ہو جاتی ہے۔ جب خون کے سفید دانے بھاگ کر رگوں کے باہر کی ساخت میں چلے جاتے ہیں تو ان میں مختلف تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ مثلاً اوّل تو ممکن ہے کہ ترشح سے ہلاک ہو جائیں اور ان کے ٹوٹنے کے بغیر خمیر لیفین (فائبریشن فرمنٹ- Fibrin Ferment) تیار ہو کر خلط دمویہ (Coagulum) کے بنانے میں معاون ہو جس کا بیان ابھی کیا جائے گا۔

دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دانے ٹوٹ کر عروق جاذبہ (لمفیٹک ویسلز-Lymphatic Vasells) کے سلسلہ میں شامل ہو جائیں یا یہ کہ پیپ کے دانوں میں تبدیل ہو جائیں۔ علاوہ ازیں ان کے ٹوٹنے یا پیپ کے دانوں کی شکل میں آنے سے پہلے مرکز التہاب کے آس پاس کی مردہ ساخت کے خارج کرنے یا جراثیم کے ہضم کرنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ دراصل خون کے یہ دانے فضلات بدن کے صاف کرنے میں جاروب کش کے مانند ہیں یا قدرتی مقدمہ الجیش (فوج کا ابتدائی حصہ) ہیں جو حملہ آور دشمن کی روک تھام کرنے کے لئے عروق سے باہر آ جاتے ہیں اور بدنی حفاظت کا کام سب سے پہلے یہی کرتے ہیں۔ بدن میں ان کا اوّلین فرض یہ ہے کہ یہ فاسد مواد اور مردہ ساخت کو بدن سے خارج کر دیں اور گل فساد کو محدود کر کے پھیلنے سے روک دیں۔ اس کے بعد اپنی جگہ اپنے سے بہتر دانوں کو دے دیتے ہیں۔ جو فعل التیام (ہیلنگ پراسس-Healing Process) میں حصہ لیتے ہیں۔ ان کو خلیات جرثومہ لیفیہ (فائبرو بلاسٹک سیلز-Fibro Blastic Cells) اسی طرح خون کے سرخ دانے عروق شعریہ کی دیواروں سے چھن کر باہر آ جاتے ہیں۔ مگر یہ صرف التہاب حابس (عضلاتی) میں ہوتا ہے، جب یہ عروق سے باہر آ جاتے ہیں تو یہ ٹوٹ جاتے ہیں اور ان کا رنگین مادہ یہاں کی ساخت میں پھیل جاتا ہے جو صحت کے بعد بالآخر جذب ہو جاتا ہے۔

سوزش میں کیمیاوی اور مشینی افعال کے متعلق فرنگی طب کی غلط فہمی

سوزش میں خون اور اس کے بہاؤ اور عروق میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں فرنگی طب اس کا بڑا سبب خون میں کیمیاوی تبدیلیاں ہی قرار دیتی

ہے۔ مثلاً اجماع خون رطوبات کا ترشہ سفید وسرخ دانوں کے افعال میں تبدیلی ترشح واسترخائے عروق اور لزوجیت اور کشش جراثیمی وغیرہ اور سب سے بڑی تبدیلی خون میں سدہ (تھرومبس-Thrombis) کا پیدا ہونا کیمیاوی تبدیلیاں سمجھا جاتا ہے اور اس کا علاج بھی وہ کیمیاوی طریق پر کرتی ہے۔لیکن یہ سب کچھ بالکل غلط ہے۔ یہ سب تبدیلیاں مشینی فعل کا نتیجہ ہیں۔یعنی جب تک کسی عضو کے فعل میں خرابی نہ پیدا ہو خون میں مندرجہ بالا کیمیاوی تبدیلیاں رونما نہیں ہوتیں۔ یادرکھیں! سوزش بذاتِ خود عضو کا فعلی تغیر ہے اور خون اور اس کے اجزاء کے اجتماع اور تبدیلیاں مشینی اعمال کے تغیر کا نتیجہ ہیں۔

دوسری غلط فہمی

جس طرح کی تبدیلیوں کا ذکر مندرجہ بالا اوراق میں کیا گیا ہے یہ صرف ایک صورت ہے اس کو ہم عضلاتی سوزش کہتے ہیں۔اس کے علاوہ غدی اور عصبی سوزشیں بھی ہوتی ہیں۔جن کی صورتیں عضلاتی سے بالکل مختلف ہیں جو معالج نظریہ مفرد اعضاء سے واقف ہیں وہ پوری طرح جانتے ہیں کہ عضلاتی غدی اور عصبی تحریکات میں خون کہاں اکٹھا ہوتا ہے اور رطوبات کس عضو کے مقام پر اکٹھی ہوتی ہیں۔لیکن فرنگی طب صرف ایک ہی صورت سے واقف ہے اور وہ بھی اس کا صحیح علم نہیں رکھتی۔اس لئے اس کے بیان میں کیمیاوی اور فعلی طور پر غلطیاں پائی جاتی ہیں جن کی اصلاح ہم اپنا فرض خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ اول یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ فرنگی طب غلط ہے اور دوسرے اس اصلاح سے ہم اپنے ممبر کو صحیح اور مفید علم پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس سے مکمل طور پر مستفید ہو سکیں جس کے نتیجہ میں فرنگی ڈاکٹروں کو فن علاج سے بے علمی اور ناواقفیت کی وجہ سے اس فنی میدان میں شکست دے کر اس میدان سے نکال باہر کردیں یا وہ اس امر پر مجبور ہو جائیں کہ نظریہ مفرد اعضاء کو تسلیم کرلیں اور اس کے مطابق علاج جاری رکھیں۔

سوزش سے عروق کے اندر تغیرات

سوزش کی صورت میں سائل دموی (لائکر سنگوئنیس-Liquar Sanguinis) بھی عروق سے باہر آجاتا ہے۔یعنی طبعی مقدار سے بہت زیادہ باہر آجاتا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ ہمیشہ باہر آیا کرتا ہے اور اس طرح یہ زیادتی اس قدر ہوتی ہے کہ باوجود عروق جاذبہ معمول سے زیادہ اپنا کام کرتے ہیں۔ پھر بھی یہ وہاں اس قدر اکٹھا ہو جاتا ہے کہ وہ جذب کرنے سے عاجز آجاتے ہیں۔ اگر یہ سائل دموی بہ کراس پاس کی ساخت میں چلا جاتا ہے تو یہ وہاں جاکر منجمد ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ وہاں کے ٹوٹے ہوئے سفید دانوں کے اس مادہ (خمیر لیفین) سے مل جاتا ہے جو اسے منجمد کردیتا ہے۔اس مقام میں سوزش کی وجہ سے عروق جاذبہ کی رطوبت مائیت دم (لمف-Lymph) بھی جمع ہو جاتا ہے۔جس سے ایک قسم کا تہوج (ایڈیما-Odaema) پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر اس طرح میں تفرق اتصال کافی ہوتا ہے تو یہ عضو سے بڑھ کر خارج ہونے لگتا ہے۔ اگر اس کا ترشح (سکریشن-Secretion) کسی غشائے پانی (Serous Membrance) مثلاً صفاق (پری ٹونیم-Peritonium)، غشائے صدرہ (پلیورہ-Pleura)، غشائے زلالیہ (سائینوویل ممبرین-Synovial Membrane) میں سے تو یہ مصل وہاں کے جوف میں جمع ہو جاتا ہے۔اول یہ مصل ذاتی طور پر منجمد ہونے کے قابل ہوتا ہے، کیونکہ اس کے اندر سائل دموی شامل ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر انجماد خود واقع ہو جائے تو یہ لوتھڑا یا سطح غشاء کے ساتھ چپکا ہوا ہوتا ہے یا آزادی کے ساتھ پانی میں تیرتا رہتا ہے۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

سوزش کی صورت میں جو سائل دموی عروق سے باہر آجاتا ہے جس سے تہوج پیدا ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر صفاق اور غشائے صدر کے جوف میں اکٹھی ہو کر تہوج کا باعث ہوتی ہے، وہ رطوبت وہ نہیں ہوتی جو مقام سوزش سے اخراج پاتی ہے بلکہ سوزش کی وجہ سے جو اجتماع خون ہوتا

ہے جس کی روانگی رُک چکی ہوتی ہے۔ اسی خون کی حدت سے وہاں کے اعضاء میں تحلیل پیدا ہو کر اخراج ہوتا ہے۔ اسی طرح استسقاء ماءفی الصدر اور ماءفی الدماغ کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس حقیقت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سوزش کا اثر صرف اسی مقام تک محدود نہیں رہتا۔

سوزش کا نظامِ جسم سے تعلق

سوزش کے متعلق یہ پہلے بتلایا گیا ہے کہ وہ ایک ایسی صورت ہے جو سوزش کی حالت میں کسی مہیج شے کے مقابلے میں ایک فوری منظم و مرتب مدافعانہ تدبیر ہے۔ یہاں یہ بھی سمجھ لیں کہ اس مدافعانہ تدبیر میں جسم کے تقریباً تمام نظام کام کرتے ہیں۔ مثلاً:

① عصبی نظام جس کا مرکز دماغ ہے جس کا کام اپنی حس سے جسم کو اطلاع پہنچانا ہے۔

② عضلاتی نظام جس کا مرکز قلب ہے اور جس کا کام احساس شدہ مقام پر ضرورت کے مطابق خون روانہ کرتا ہے۔

③ غدی نظام جس کا مرکز جگر اور گردے ہیں (دونوں میں فرق پھر کبھی بیان کیا جائے گا جس کا کام احساس کے مقام پر ضرورت کے مطابق رطوبات غدی پہنچانا ہے یہ سب نظام ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح منسلک ہیں کہ اگر ان میں سے کسی نظام جسم میں کسی قسم کا کوئی فساد پیدا ہو جائے تو اس کا اثر باقی نظام ہائے جسمانی پر بھی پڑتا ہے)۔

لیکن اس امر کو ذہن میں کر لیں کہ مدافعانہ تدبیر اور ردّ عمل مہیج کی شدت اور مقام کی وجہ سے اس کے مطابق ہوتی ہے اور یہی صورت تمام جسمانی طور پر بھی فائد ہوتی ہے یعنی سوزش کا اثر تمام نظام جسمانی پر مہیج کی خاصیت وشدت اور مقام کی اہمیت پر منحصر ہے۔ مثلاً اگر کسی کے رخسار پر کوئی معمولی یا ہلکی سی سوزش ہو تو وہ شخص اس کی پرواہ کئے بغیر چلتا پھرتا ہے اور اپنا کام کاج کرتا رہتا ہے اور اکثر اس کو یہ تھوڑی سی سوزش بھول بھی جاتی ہے۔ مگر اس کے برعکس اگر یہی سوزش کان کے باہر یا اندر ہو یا دانت یا آنکھ میں ہو یا گردن پر ہو یا رخسار پر ہی ایک بڑے دمبل کی صورت اختیار کر لے تو مریض سخت بے چین ہوگا اور ساتھ ہی بھوک بند ہو جاتی ہے۔ بخار آ جاتا ہے۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ سوزش وورم اور دنبل کے اثرات سے تمام نظام جسم میں یہ تغیرات پیدا ہوئے ہیں لیکن ان کے اندر کمی بیشی سوزش کی صورت اور مقام پر منحصر ہے۔

سوزش کے فوائد

سوزش کی افادیت پر ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ اب آخر میں بھی اس کے ضروری فوائد لکھ دیتے ہیں، تاکہ معالجین سوزش دیکھ کر یا اس کا نام سن کر گھبرا نہ جائیں بلکہ اس کے مفید پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر جسم اور اس کے نظام کو جو فوائد پہنچا سکتے ہیں پہنچائیں۔ بعض وقت سوزش کی مدد سے بڑے بڑے امراض دور کر دیئے جاتے ہیں۔ اس کے قیام سے زندگیاں بچائی جا سکتی ہیں، اس لئے بعض مزمن اور پیچیدہ امراض میں سوزش پیدا کی جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ فطرت بھی سوزش اس لئے پیدا کرتی ہے کہ وہ اس سے نہ صرف اندرونی مواد و جراثیم کو جلاتی ہے بلکہ انسانی غفلت سے اندر جو امراض وعلامات پیدا ہو جاتی ہیں ان کو دور کرتی ہے۔

سوزش اگرچہ ایک شدید علامت ہے، جس سے جسم انسانی کو بہت تکلیف ہوتی ہے، لیکن وہ ایک ایسا ردّ عمل اور مفید صورت ہے، جس سے مواد فاسدہ اور جراثیم کی سمیت جو جسم کے اندر پیدا ہو گئی ہے یا داخل ہو گئی ہے اور اپنے زہریلے اور خراب اثرات سے نقصان کا باعث ہونا چاہتی ہے۔ اس کی مدافعت اور مقابلہ کر کے اس کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔

مقابلے کی پہلی صورت یہ ہوتی ہے کہ دوران خون میں تیزی جو مقام سوزش کی طرف واقع ہوتی ہے اس سے تین فائدے ہوتے ہیں:

① زہریلے مواد اور جراثیم کی مقدار اس میں مل کر کم ہو جاتی ہے۔

② خون کی حرارت اور متضاد مادے جو وہاں اکٹھے ہو جاتے ہیں ان کو کم کر دیتے ہیں۔

(۴) خون کی تیزی سے وہ بہت حد تک مقام سوزش سے بہہ جاتے ہیں بلکہ خارج ہو جاتے ہیں اور وہاں پر سوزش کو بڑھنے یا مکمل ہونے کے مواقع ضائع ہو جاتے ہیں، جیسا کہ معمولی اور تھوڑی سوزش میں اکثر دیکھا جاتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ مقام سوزش کے عضو میں انتہائی تیزی اور انقباض پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے اس عضو پر زیادہ تحذیر اور حرارت جذب ہوتی ہے۔ جس سے وہ عضو طاقت حاصل کر کے مقابلے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

تیسری صورت وہاں پر دوران کی رکاوٹ ہے جس کا بڑا مقصد وہاں پر حرارت ساتھ ساتھ وہاں پر اوّل رطوبت کا زیادتی سے گرانا ہے اور سفید دانوں کو وہاں پر اکٹھا کر دینا ہے جو قاتل جراثیم اور دافع زہر ہیں۔ اگر یہاں رکاوٹ واضح نہ ہو تو ظاہر ہے کہ یہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے۔

انتہا یہ ہے کہ اگر کسی مقام پر سوزش پیدا ہوتی ہے تو اس سے اس قدر فوائد حاصل کرنے کے مواقع پیدا ہوتے ہیں جن سے ایک قابل معالج ہی استفادہ کر سکتا ہے۔ ان حقائق اور فوائد کے بیان کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جہاں پر سوزش کا علاج کیا جائے وہاں سوزش سے بذاتِ خود جو فوائد حاصل ہوتے ہیں ان کو بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔

سوزش کا بیان ختم

یہاں پر سوزش کا بیان ختم کر دیا گیا ہے۔ ہم نے سوزش پر اس قدر تفصیل سے لکھا ہے کہ دُنیا کی کسی طبی کتاب میں نہ اس طرح شرح و بست سے لکھا ہے اور نہ ہی اس طرح یقین کے ساتھ ذہن نشین کرایا گیا ہے۔ باقی رہا سوزش کا علاج وہ ہم اورام کے ساتھ لکھیں گے کیونکہ اورام بھی سوزش کی انتہائی صورت ہے اور دونوں کے اکٹھے علاج میں معالج کے لئے بے حد سہولتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس طرح دونوں کے صحیح تعلق کا علم ہو جائے گا۔ دوسرے دونوں ایک دوسرے سے اس طرح متصل ہیں کہ دونوں کی اکٹھی تشخیص اور تجویز ہی مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

تحقیقات اورام

ورم کی تعریف

جسم انسانی کے کسی عضو یا حصے کے حجم اور مقدار کا غیر طبعی طور پر کسی مادہ کے نفوذ کرنے سے زیادہ ہو جانا جس کے ساتھ درد، گرمی اور سرخی کا پایا جانا بھی لازمی ہے۔

ورم سوزش کے بعد دوسرا درجہ ہے۔ سوزش پر ہم گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں اور اب اورام پر تحقیقات شروع کی جا رہی ہے، اس کے اختتام پر دونوں کو ملا کر کتابی صورت میں شائع کر رہے ہیں، جس کا نام ہے تحقیقات سوزش واورام اور ان کا علاج۔ اس میں اعصابی وغدی اور عضلاتی تینوں قسم کے اورام زیر بحث لائے گئے ہیں۔ خداوند کریم کے فضل و کرم سے ایسے اسرار و رموز بیان کئے گئے ہیں کہ فرنگی طب مدت تک یہ کمال حاصل نہیں کر سکے گی۔

اس سے قبل ہم سوزش کے بیان میں یہ تاکید لکھ چکے ہیں کہ سوزش کسی مہیج شے کے مقابلے میں ایک فوری منظم و مرتب مدافعانہ تدبیر ہے جو بدن اختیار کرتا ہے۔ جب جسم اپنی اس تدبیر میں کامیاب نہیں ہو سکتا تو پھر ورم کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کو سوجن اور اماس کے نام بھی دیتے ہیں۔ انگریزی میں اس کو سویلنگ (Swelling) کہتے ہیں، لیکن اس کو فرنگی طب کی اصطلاح میں انفلی میشن (Inflamation) کہتے ہیں۔

تاکید نمبر ۱: ہم یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ ورم کو التہاب کا مترادف نہیں سمجھنا چاہئے یہ کسی طرح بھی درست نہیں ہے، کیونکہ ہر ورم التہابی نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر التہاب میں ورم ہوتا ہے۔ البتہ جب کوئی ورم التہاب کی وجہ سے پیدا ہو تو ایسی صورت میں اس کو التہابی ورم کہا جا سکتا ہے۔

تاکید نمبر ۲: اس لئے بعض لوگ تہیج (Aneurysma) کو بھی اورام میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن تہیج کو اورام میں شریک نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ ورم کی صورت پوری نہیں ہوتی بلکہ رطوبت کا کسی بند جھلی میں اجتماع ہے۔

تاکید نمبر ۳: اسی طرح کی ایک بہت بڑی غلطی یہ کی جاتی ہے کہ بعض اورام کو حار کہا جاتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے اور کوئی ورم بھی گرم نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر سوزش اور ورم میں اجتماع مواد ہوتا ہے اور اجتماع کبھی بھی گرمی سے نہیں ہوتا، بلکہ سردی سے ہوتا ہے، چاہے وہ سردی گرمی کی نسبت بہت ہی کم کیوں نہ ہو۔ اس لئے ورم کے علاج میں کبھی بھی سرد ادویات کا استعمال جائز نہیں ہے۔

سوزش اور ورم میں فرق

سوزش میں ابھار و اماس اور سوجن نہیں ہوتی اور باقی سوجن کی تمام صورتیں مثلاً (۱) درد (۲) گرمی (۳) سرخی اور (۴) فتور افعال پائی جاتی ہیں، جن کا ذکر ہم سوزش کے باب میں تفصیل کے ساتھ کر چکے ہیں۔ ایک فعل اور بھی ہوتا ہے کہ جب تک سوزش رہتی ہے اس وقت تک مقامی طور پر حرارت رہتی ہے، لیکن جب ورم بن جاتا ہے تو مقامی حرارت میں زیادتی ہو جاتی ہے جس کو طبیعت مدبرہ بدن رفتہ رفتہ جسم میں پھیلاتی رہتی ہے جس کے نتیجہ میں بخار کی صورت قائم ہو جاتی ہے اور یہ بخار اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک ورم قائم رہتا ہے۔

ورم اور بخار کا تعلق

بخار اور ورم کا بہت گہرا تعلق ہے، بلکہ یوں سمجھ لیں کہ تمام مسلسل بخار کم وبیش اورام ہی سے قائم رہتے ہیں جس قدر شدید بخار ہوگا۔ اسی قدر بڑا ورم ہوگا یا زیادہ نازک مقام وعضو میں ورم واقع ہوگا۔ مشہور دائمی بخار جسم کے کسی نہ کسی عضو کا ورم ہی ہے۔ ذات الریہ، محرقہ بطنی اور غب غیر خالص دائمی وغیرہ وغیرہ گویا اکثر دائمی بخار صرف اورام کا نتیجہ ہیں۔

بخار کی علامات کے متعلق اس قدر سمجھ لینا کافی ہے کہ وہ زیادہ تر حرارت کی زیادتی کے نتائج ہیں جو اورام پیدا ہوتی ہے یا ان فضلات کی کے نتائج ہیں جو دورانِ خون میں شامل ہو کر عضلات وغدد اور دیگر اعضاء احشاء کے خلیات پر اثر کرتے ہیں۔

بخار کی شدت اور اس کی نوعیت مریض کے سابقہ حالات اور مرض کی نوعیت اور مدت کے لحاظ سے مختلف ہوا کرتی ہے۔ نوجوان تندرست اور قوی اشخاص میں اورام شدید کا بخار عموماً شدید قسم کا ہوتا ہے اور اس میں حرارت اور اس کے دیگر عوارض مع ہذیان (Delirium) کے بہت نمایاں ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس کمزور مریضوں میں اور اسی طرح طویل بخاروں کے انتہائی درجہ میں مثلاً حمی مطبقہ متناقصہ (ٹائی فائیڈ فیور) اور شدید غدودی جراثیمی بخار مثلاً سرخ باد اور تعفن دم (Erisipelas Septicemia) جس سے انتہائی ضعف وہبوط (کولیپس-Collepse) نمایاں ہوجاتے ہیں اس حالت میں بخار کا تیز ہونا ضروری نہیں ہے اور مریض پر بے عقلی سی طاری ہوجاتی ہے، یا بکواس کے ساتھ ہلکا ہذیان ہوتا ہے۔ کپڑے نوچتا ہے اور پاخانہ وپیشاب بستر پر ہی ہوجاتا ہے۔

یہ امر محقق ہے کہ حرارت بدنیہ کے نظام کے خاص مراکز میں پیدائش حرارت زیادہ ہوجاتی ہے اور اخراج واعتدال حرارت کم ہوجاتا ہے یا رُک جاتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ حرارت بدنیہ کی پیدائش اور اس کے زوال کا باہمی اعتدال اس طرح قائم رہتا ہے کہ جلد وتنفس اور دیگر ذرائع سے جس قدر وہ ضائع ہوتی ہے اسی قدر وہ پھر اعضاء اور علی الخصوص احشاء وعضلات، رادیہ کے استحالۂ انسجہ (Tissue Matabolism) سے پیدا ہوجاتی ہے۔ اس لئے بدن کے اندر ارتفاع حرارت کے دو ہی اسباب ہوسکتے ہیں:

① حرارت طبعی حالت میں کم ہو۔

② اس کی پیدائش اعتدال سے زیادہ ہو۔

لیکن یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بخار کا باعث یہ ہے کہ حرارت پیدا کرنے والے انسجہ خاص کر عضلات میں تیزی آجاتی ہے۔ جس کی شہادت اس امر سے ملتی ہے کہ بخار کی حالت میں مریض کے عضلات ڈھیلے پتلے ہوجاتے ہیں۔ اس کی عقلی طاقت کم ہوجاتی ہے اور اس کے علاوہ قارورہ میں عضلی انسجہ (مسکولر ٹشوز-Muscular Tissues) کے فضلات بکثرت پائے جاتے ہیں۔

تولید حرارت کی یہ تیزی انسجہ میں اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ قانون قدرت ہے کہ سوزش ہمیشہ حرارت ہی سے ختم ہوتی ہے۔ قانون قدرت ہے کہ سوزش سے ہمیشہ حرارت پیدا ہو کر مقام ورم تک پہنچ کر وہاں کے ورم کو تحلیل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ دوسری طرف طبیعت مدبرہ بدن اس حرارت کو بدن میں پھیلا کر اس میں اعتدال پیدا کرتی رہتی ہے۔ یہ اب معالج کا کام ہے کہ وہ اس حرارت کو جسم میں محفوظ کرلے اور ضائع ہونے سے بچائے اور مقام ورم پر اکٹھا کر کے ورم کو تحلیل کردے تاکہ ورم رفع ہوجائے اور اگر ضرورت سمجھے تو ادویات سے حرارت کی پیدائش میں زیادتی کر کے اپنا مقصد بہت جلد حاصل کرلے تاکہ ورم کے اثر سے جسم کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ یہی معالج کا کمال فن ہے۔

اورام کی اہمیت

ورم کی ماہیت کو ذہن نشین کرنے کے لئے اس کو خوب اچھی طرح جان لیں کہ ہر ورم میں مندرجہ ذیل پانچ علامات ضرور پائی جائیں۔

① سوجن (سویلنگ-Swelling)

② سرخی (ریڈنیس-Redness)

③ درد (پین-Pain)

④ حرارت (ہیٹ-Heat)

⑤ فتورِ حرکت (لاس آف ایکشن-Loss Of Action)

ان میں ایک چھٹی علامت بخار کا بھی اضافہ کرلیں جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ لیکن بخار ہر ورم میں ضروری نہیں ہے یہ اکثر ان اورام میں پایا جاتا ہے جن میں ان کی شدت ہوتی ہے جو ان کے شدید اسباب مہیج کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ البتہ یہ یاد رکھیں کہ بخار اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک عضلات اور مرکز عضلات کے افعال میں تیزی پیدا ہو کر دِل کی حرکت میں تیزی نہ پیدا ہو جائے اور یہ بھی ذہن نشین کرلیں کہ اگر دماغ اور اعصاب کے افعال میں تیزی ہوگی تو نہ ورم جلد مکمل ہوگا اور نہ آرام کی صورت پیدا ہوگی۔ اس صورت میں ورم مدت تک قائم رہے گا یا مریض رطوبات جسم کے نکل جانے پر جلد مر جائے گا۔ موت کی صورت میں مریض پر نیند یا بیہوشی کا غلبہ رہے گا جیسا کہ عام طور پر محرقہ میں دیکھا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر اورام میں جگر اور غدد کے افعال میں تیزی ہوگی تو ورم جلد پختہ ہوگا یا جلد تحلیل ہو جائے گا، اور اکثر جلد آرام آجاتا ہے یا شدت کی صورت میں جب غشی بھی ساتھ ہو تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس میں حرارت اور بخار کی انتہائی تیزی ہوتی ہے اس لئے اورام کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ان کی حرارت اور خصوصاً بخار کو ضرور مدِ نظر رکھنا چاہئے۔

ورم میں حرارت کی اہمیت

اس سے پہلے بھی تاکید کی گئی ہے کہ اورام میں سے کوئی بھی ورم اصولی طور پر گرم نہیں ہوتا اور وہ سب اپنے مقام کی اہمیت کے لحاظ سے گرمی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر ورم کے مقام پر گرمی ہو تو وہاں پر ورم کیا سوزش بھی قائم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے تمام اورام میں حرارت پیدا کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ طبیعت مدبرہ بدن بھی وہاں پر خون کو بھیج کر حرارت ہی پیدا کر رہی ہوتی ہے۔ جہاں تک سرد ادویات سے رادع صورت کا تعلق ہے وہ بھی خون کی بہت کم ہے۔ اس لئے حالت ورم کو ذہن نشین کئے بغیر کبھی بھی رادع ادویات یا رادع اور محلل ملی جلی ادویات کو بغیر سوچے سمجھے نہ استعمال کریں۔ جیسا کہ فرنگی ڈاکٹر فوراً ٹھنڈا پانی یا برف یا کولر کا پانی استعمال کر دیتے ہیں۔ بلکہ پنکھے کے استعمال سے بھی احتیاط کریں، بعض فن سے اندھے معالج خصوصاً فرنگی ڈاکٹر سرسام میں گھڑوں پانی گرا دیتے ہیں۔ یہ مریض پر بالکل ظلم ہے بلکہ اس کو فنا کر دینے کے مترادف ہے۔

جن کو حکماء اور اطباء سرد اورام لکھتے ہیں، وہ اورام وہی ہیں جن میں اعصاب کے افعال میں تیزی ہوتی ہے جن کی وجہ سے دِل اور عضلات کے افعال میں سکون رہتا ہے اور جسم میں حرارت نہیں پھیلتی۔ ایسی صورت میں فوراً دِل اور عضلات کے افعال کو تیز کر دینا چاہئے، جیسے خسرہ و چیچک اور محرقہ بطن میں دانے اندر رُک جاتے ہیں۔ یا محرقہ دماغی میں اسہال یا پیشاب زیادہ آتا ہے یا نزلہ و نیند اور بے ہوشی کی صورت قائم رہتی ہے۔

ورم میں گرمی لازمی ہے

ورم کے مقام پر جو گرمی محسوس ہوتی ہے وہ اس خون کی وجہ سے ہوتی ہے جو طبیعت مدبرہ بدن وہاں پر حرارت قائم ہو کر وہاں کی سوزش و جراثیم اور تکلیف و مواد دوسری سے خشکی کو دور کر دے۔ لیکن اس گرمی سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔ یہی گرمی جب وہاں پر بڑھ جاتی ہے تو طبیعت

مدبرہ بدن اعتدال کو قائم رکھنے کے لئے اس خون کو تمام جسم میں پھیلا دیتی ہے جو وہاں پر گرمی پیدا کر رہا ہوتا ہے اور وہاں پر تازہ خون روانہ کر دیتی ہے۔اس طرح جسم میں بخار پیدا ہو جاتا ہے۔اس ورم کی حرارت اور جسم کے بخار کو بدن کی زائد گرمی تصور کر کے وہاں سرد ادویات کا استعمال شروع کر دینا مرض کو خراب کرنا اور مریض پر ظلم کرنا ہے۔ایسی غلطی کبھی نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ پینے کے لئے سرد پانی تک نہیں دینا چاہئے۔شربت اور برف کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اورام کے بخار

بعض معالج جن میں فرنگی ڈاکٹر خاص طور پر قابل ذکر ہیں، بخار خصوصاً اورام کے بخار کو سمجھے بغیر مکسچر یا دافع بخار دوا، جس سے ٹمپریچر گر جائے، کا استعمال کر دیتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے بلکہ مرض کو بگاڑنا اور مریض پر ظلم کرنا ہے۔اس طرح پسینہ اور پیشاب آور اور مسہل وملین وغیرہ ادویات سے شربت یا عرق اور ٹھنڈا پانی وغیرہ استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ان تمام صورتوں سے اورام کی تحلیل میں دیر واقع ہو جاتی ہے۔اورام کے بخار پر کیا منحصر ہے ہر قسم کا بخار کوئی مرض نہیں ہے وہ ایک قسم کی علامت ہے جو سوزش واورام اور جراثیم ومواد متعفنہ سے پیدا ہوتا ہے جن سے کسی مفرد عضو کے فعل میں خرابی واقع ہو کر بخار پیدا ہو جاتا ہے۔بس اس عضو جسم کے افعال کو درست کر کے اس کی قوت مدافعت (امیونٹی) کو بڑھایا جائے اس طرح سبب دور ہو کر بخار خود بخود اُتر جاتا ہے۔ بخاروں کے متعلق تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''تحقیقات حمیات (بخار)'' کا مطالعہ کریں۔

اورام کی حرارت اور بخار سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ بلکہ ان کو بڑھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جیسے ہی ان کو اندرونی اور بیرونی طور پر بڑھانے کو کوشش کی جائے گی۔فوراً اورام کی حرارت اور بخار کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

ذات الریہ (نمونیہ) کے متعلق ہر باشعور طبیب وحکیم اور وید جانتا ہے کہ یہ پھیپھڑوں کا ورم ہے اور اس کا علاج گرم ادویات سے کرتا ہے۔فرنگی ڈاکٹر بھی گرم ادویات دیتے ہیں بلکہ برانڈی جیسی حرام شے تک استعمال کرا دیتے ہیں۔لیکن مریضوں کو خشکی اور پیاس کی شدت ہوتی ہے تو گلوکوز استعمال کرا دیتے ہیں۔ان کو کوئی سمجھائے کہ گلوکوز (کاربوہائیڈریٹ/نشاستہ) اور الکلائن (کھار) ہے۔جس کے استعمال سے فوراً ٹمپریچر (حرارت بدنیہ) کم ہو جاتا ہے۔اس میں حرارت نہیں ہوتی، اس لئے اس کو اورام میں استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ یہ کوئی مقوی شے بھی نہیں ہے۔

ذات الریہ (نمونیہ) کی طرح محرقہ بطنی بھی آنتوں کا ورم ہے۔لیکن اس کے علاج میں اطباء اور حکماء سرد ادویات استعمال کرتے ہیں بلکہ ایسی ایسی سرد ادویات دی جاتی ہیں کہ دیکھ اور سن کر عقل حیران ہوتی ہے۔ بڑی بڑی طبی کتب میں یہی کچھ لکھا ہے۔اگر یقین نہ ہو تو فرنگی شفاء الملک کی کتب خصوصاً جامع الحکمت اور طبی فارما کوپیا کو دیکھ لیں۔ جب ایسے ایسے مجربات سے آرام نہیں ہوتا تو پھر یہی اطباء اور حکماء فرنگی گرم ادویات کی تعریف کرتے ہیں۔مگر اپنے بے یقینی بے خطاء شفاء رکھنے والے علم العلاج کی طرف نہیں دیکھتے کہ ان میں اورام کا علاج کیا لکھا ہے۔ حمیٰ اورامیہ کا علاج کیسے کرنا چاہئے۔ بخار کا نام سن کر صرف عرق اور شربت پلا پلا کر بخار کو خراب اور مریضوں پر ظلم نہیں کرنا چاہئے۔ان حقائق سے اورام کی حرارت کو پورے طور پر سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔

ورم میں درد کی اہمیت

اورام میں دوسری علامات درد (پین-Pain) ہے۔درد کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگالیں کہ اگر ورم میں درد کی تکلیف نہ ہو تو مریض ورم کی چنداں پرواہ نہیں کرتا اور باقی تکلیف بہت حد تک برداشت کر کے پڑا رہتا ہے بلکہ کاروبار میں مصروف رہتا ہے۔لیکن ورم کا درد ایک

ایسی تکلیف ہے جو قابل برداشت نہیں ہے۔اس لئے بعض معالج جن میں فرنگی ڈاکٹر خاص طور پر قابل ذکر ہیں اس کوشش میں ہوتے ہیں کہ درد کی تکلیف کو جلد از جلد ختم کر دیا جائے۔ایسا کرنا نہ صرف غلط ہے بلکہ مریض پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔ایسا علاج بالکل بے اصولا ہے، کیونکہ درد کی موجودگی اس امر کا اظہار ہے کہ سبب ورم قائم ہے۔مثلاً جسم میں کسی جگہ کانٹا یا سوئی چبھ جائے تو اس سے جو درد ہوتا ہے اس کا علاج یہ نہیں ہے کہ کانٹا یا سوئی نکالے بغیر وہاں کے درد کو مجربات یا منشیات سے روکنے کی کوشش کی جائے، جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ طبیعت مدبرہ بدن جو فطرتاً اس تکلیف کے علاج کے لئے مقررہ ہے، وہ اپنے کام سے غافل ہو جائے گی اور فوری طور پر جس قوت اور حرارت سے اس ورم یا سوزش کا علاج وہ کرنا چاہتی ہے ختم ہو جائے گا یا رُک جائے گا۔گویا درد نہ صرف ایک قدرتی علاج کی صورت ہے بلکہ علاج کا معیار بھی ہے۔جس کے قیام سے پتہ چلتا ہے کہ تاوقت وہاں پر ورم یا سوزش اور مرض موجود ہے، اس لئے علاج میں صرف درد کو روکنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے بلکہ ورم اور سوزش کو اصولی طور پر رفع کرنا چاہئے جس سے پہلے درد ہی کو آرام ہوتا ہے۔

درد کی حقیقت

درد کی حقیقت یہ ہے کہ مقام ورم کی عروق شعریہ میں خون حد اعتدال سے زیادہ آجاتا ہے جس کی وجہ سے وہاں سوزش ہوتی ہے جو بذاتِ خود ایک ہلکی قسم کا درد ہے اس کو جلد ہی دورانِ خون کو اس طرف تیز کر دیتی ہے۔ساتھ ہی ساتھ مائیت خون بھی تراوش کرتی رہتی ہے۔اس طرح خون کے دباؤ کی زیادتی سے رگوں کے پردوں پر پھیلے ہوئے اعصاب تن کر دب جاتے ہیں اور درد کرنے لگتے ہیں۔لیکن جو اعضاء زیادہ نرم ہو جاتے ہیں ورم پر کم دباؤ کے سبب درد کم ہوتا ہے جہاں پر اعضاء سخت اور جلد تنی ہوئی ہوتی ہے وہاں پر زیادہ دباؤ کے باعث درد سخت اور اکثر درد ٹیس کے ساتھ ہوتا ہے جیسے ذات الجنب (پلورسی) میں ہوتا ہے۔

دردوں میں جو مختلف اقسام کی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں اس کی وجہ درد کا مختلف اعضاء میں ہونا ہے جیسے اعصاب میں درد کے ساتھ بے چینی جلد کی خارش اور اکثر ناقابل برداشت بلکہ بعض اوقات بے ہوشی کی صورت ہوتی ہے۔غدد کلیتین میں جلن کے ساتھ درد ہوتا ہے۔جیسے ذات الجنب (پلورسی) اور سوزاک (گونوریا) وغیرہ میں۔اسی طرح عضلات اور حجاب میں چبھن اور مروڑنے والا درد ہوتا ہے۔اندازنرم اور سخت اعضاء کے مقابلہ میں پستانوں اور گردوں کے دردوں اور گالوں اور ماتھے کے دردوں سے لگایا جا سکتا ہے۔یہ اوّل الذکر مقام نرم ہیں اور ثانی الذکر سخت مقام ہیں جہاں پر زیادہ رطوبت اکٹھی نہیں ہو سکتی اور درد میں شدت ہوتی ہے۔

دردوں کی دوسری وجہ خون اور رطوبات کی کمی بیشی ہے اور ان کا گرم اور سرد احساس ہے۔یعنی جہاں خون کا دباؤ ہوگا وہاں پر درد شدید ہوگا۔اس کو عام طور پر اطباء گرمی کا درد کہتے ہیں اور جہاں پر خون کی رطوبات تراوش پا کر دباؤ پیدا کر دیں وہاں پر درد کم، مگر بوجھ زیادہ ہوگا۔ایسے دردوں کو اطباء نے بلغمی اور سردی کا درد کہا ہے۔یہ وہ تحقیقات ہیں، ان کو ذہن نشین کر لیں، فرنگی طب (ڈاکٹری) ان حقائق سے واقف نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہڈیوں کے درد شدید اور توڑنے والے ہوتے ہیں۔کیونکہ ہڈیوں کے غشاء کے نیچے رطوبات کا اجتماع ہوتا ہے، اس لئے خون کا اجتماع درد میں شدت پیدا کرتا ہے۔

بعض درد اپنے مقام سے دور معلوم ہوتے ہیں جیسے جگر اور طحال کے درد اور سوزش کندھوں میں اور پھیپھڑوں کے درد اور سوزش گردوں کے نیچے اور اوپر پیچھے۔گردوں کے درد اور سوزش رانوں کے اندر بلکہ بعض اوقات پوری ٹانگ اور پاؤں تک محسوس ہوتا ہے۔اسی طرح مثانہ کے درد اور سوزش خصیوں اور پیشاب کی نالی تک چلے جاتے ہیں۔عورتوں میں رحم کی درد اکثر کمر اور سر میں محسوس ہوتی ہے اور اکثر مستقل صورت اختیار کر لیتے ہیں۔اس لئے کسی صورت میں بھی دردوں میں اس وقت تک روکنے کی کوشش نہ کریں، جب تک اس کی اصل وجہ معلوم نہ کر لیں۔اگر درد کو فوراً

روک دیا گیا تو سوزش اور ورم مزمن صورت اختیار کر لیتے ہیں اور جب تک پھر ان دردوں کو پیدا نہ کیا جائے ان کو آرام نہیں آ سکتا۔ کیونکہ دردوں میں یہ خوبی ہے کہ وہاں پر خون کو کھینچ کر مقام کو گرم رکھتے ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ بخار چڑھا دیتے ہیں۔ بخار کی آگ (دوزخ کی بھٹی) ہی نوے فیصدی امراض کا علاج ہے۔

درد کی صورتیں

درد کی صرف تین صورتیں ہیں جو درج ذیل ہیں۔

① آرام اور سکون کی حالت میں ورم کے مقام پر درد محسوس ہو اور جب کچھ حرکت کی جائے تو درد میں آرام معلوم ہو۔ **اس قسم کا درد اعصابی ہوتا ہے۔**

② آرام اور سکون کی حالت میں مقام ورم پر درد میں سکون رہے۔ مگر معمولی حرکت پر یا مقام ورم کو ذرا سا بھی چھوا جائے تو درد کا فوراً احساس ہو۔ **اس قسم کا درد غدی ہوتا ہے۔**

③ درد کا احساس صرف اسی وقت ہوتا ہے جب کہ مقام ماؤف پر دباؤ ڈالا جائے یا اس کو حرکت دی جائے۔ البتہ بعض دفعہ خفیف دباؤ یا خفیف حرکت سے درد کا احساس نہیں ہوتا۔ لیکن شدید دباؤ یا زیادہ حرکت سے درد کا احساس ہونے لگتا ہے۔ **اس قسم کا درد عضلاتی ہوتا ہے۔**

چوٹ

اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ درد کا اندازہ بڑے اور چھوٹے ورم سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس میں جس قدر سختی ہوگی اسی قدر درد زیادہ ہوگی اور جس قدر نرمی ہوگی، درد کم ہوگا یا دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیں کہ جس قدر سوجن زیادہ ہوگی اور درد کم ہوگا۔ جس قدر سوجن کم ہوگی، درد زیادہ ہوگا۔ کیونکہ ابتداء میں رطوبات کے ترشح سے درد میں کمی ہوتی ہے۔ یہی مقام ہے جس کو رفوع کہتے ہیں۔

دردوں میں کمی بیشی

ان حقائق سے یہ حقیقت پورے طور پر جان لیں کہ درد کی زیادتی ایسے مقام پر ہوگی جہاں پر اعصاب کی زیادتی انسجہ کی سختی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کان کا درد اور دانت کا درد دیگر دردوں سے زیادہ اور ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ کان میں اعصاب کی زیادتی اور دانتوں اور مسوڑھوں میں زیادہ سختی پائی جاتی ہے۔ وہاں پر انسجہ بہت زیادہ پھیل نہیں سکتے اور ان مقامات پر جب بھی خون کا ذرا سا دباؤ بڑھ جاتا ہے درد شدید ہو جاتا ہے۔

دوسرا تجربہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے ہاتھ کی پشت پر جب بھی کوئی بھڑ وغیرہ ڈنگ مارتی ہے تو وہاں پر ورم بہت زیادہ اور نمایاں طور پر ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی درد فوراً کم ہونا شروع ہو جاتا ہے اور پشت دست کی بجائے اگر کف دست میں کوئی بھڑ وغیرہ ڈنگ مارے تو وہاں پر ورم نہ ہونے کے برابر ہوگا۔ مگر درد زیادہ ہوگا۔ ان دردوں کی کمی بیشی کی وجہ بیان کر دی گئی ہے تاکہ معالج اورام کے دردوں کو رفع کرنے میں مقام اور اصول علاج کو مدنظر رکھیں اور فوراً درد کو مخدرات اور منشیات سے کم کرنے کی کوشش نہ کریں۔ بلکہ اصولی طور پر اورام کا علاج کریں اور یہی اصولی علاج ہے۔

ورم میں سرخی کی اہمیت

اورام میں تیسری علامت سرخی (حمرت) کی ہے، جس کو انگریزی میں ریڈنس (Redness) کہتے ہیں۔ سرخی کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ سرخی کی زیادتی کے ساتھ ہی ساتھ حرارت اور درد کی زیادتی ہوتی ہے اور سرخی کو دیکھنے سے اورام کی اکثر صورتوں کا اندازہ

لگایا جا سکتا ہے۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ سرخی مقام درد پر خون کے اجتماع سے پیدا ہوتی ہے۔ جس قدر سوزش زیادہ ہوتی ہے، اسی قدر خون کا دباؤ، حرارت، درد اور سرخی زیادہ ہوتی ہے۔ جب تک درد اور حرارت اور خون کا دباؤ بڑھتا رہتا ہے، سرخی بھی بڑھتی رہتی ہے۔ جہاں درد میں کمی اور سوجن میں زیادتی ہوئی، سرخی میں کمی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

سرخی میں تغیرات

ابتداء میں اس کا رنگ شوخ گلابی رنگ کا ہوتا ہے اور پھر جلد گہرا سرخ ہوتا ہے۔ اگر ضعف کی وجہ سے دورانِ خون میں دباؤ کم ہو جائے یا ترشہ رُک جائے یا حرارت میں کمی واقع ہو جائے یا خون کی واپسی میں رکاوٹ پیدا ہو جائے، جیسا کہ عروق شعریہ سے خون کے گزرنے میں زیادہ وقت ہوتی ہے تو سرخی گہری سیاہی مائل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر سوزش کم ہو تو سرخی میں زیادتی ہوتی ہے اور جب سوزش بڑھ جائے تو سرخی ہلکی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ سوزش میں رطوبات کا ترشہ بڑھ جاتا ہے۔ جو سرخی کو کم کر دیتا ہے۔ ابتدائی صورت میں سرخ ذرّات خون کی کثرت ہوتی ہے جن سے سرخی کا اظہار زیادہ ہوتا ہے اور ترشح کے بعد سفید ذرّات خون زیادہ بڑھ جاتے ہیں وہ بھی سرخی کی زیادتی کو کم کر دیتے ہیں۔

مقام سرخی کو اگر دبایا جائے تو بھی اس کا رنگ ہلکا ہو جاتا ہے اور جب دباؤ ہٹایا جائے تو پھر وہاں پر سرخی لوٹ آتی ہے۔ سرخی کی زیادتی کی ایک وجہ نسیم (آکسیجن-Oxygen) کی زیادتی بھی ہوتی ہے۔ جب نسیم کم ہو جاتی ہے تو سرخی کے بجائے دبانے سے زردی پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ عروق میں سے خون کی سرخی خارج ہو کر ساخت میں چلی جاتی ہے۔ جب کبھی خون میں رکاوٹ پیدا ہو جائے یا عروق میں سدہ واقع ہو جائے یا عروق شعریہ میں سے کوئی عروق پھٹ جائے اور خون کی روانگی رُک جائے تو دبانے سے سرخ رنگ غائب نہیں ہوتا۔ اور اگر یہ حالت دیر تک رہے تو اس مقام پر اکثر دھبہ پڑ جاتا ہے۔

اکثر ورم اپنے رنگ کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ مثلاً آتشک اپنی سرخی کی وجہ سے تشخیص کیا جاتا ہے۔ طب یونانی میں سرخ رنگ کے ورم کو عام طور پر دموی کہا جاتا ہے اور جب زرد صورت اختیار کر لیتا ہے تو اس کو صفراوی ورم کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر سفیدی زیادہ ہو تو بلغمی ورم کہتے ہیں۔ طب یونانی میں انہی رنگوں کی وجہ سے اورام کے نام بھی رکھ دیئے گئے ہیں۔ مثلاً سر کے دموی ورم کو جس میں سرخی زیادہ ہوتی ہے قرانیطس خالص کہتے ہیں اور بلغمی ورم کو لیثرغس کہتے ہیں۔

بعض اورام کی رنگت کا اثر دور دور تک ہوتا ہے۔ مثلاً دماغ کے ورم سے منہ سرخ ہو جاتا ہے، امعاء کے ورم سے جلد پر سرخ دانے نکل آتے ہیں، معدہ کی سوزش اور ورم سے جسم پر پتی اُچھل آتی ہے، جسم پر سر سے لے کر پاؤں تک اور جلد پر سرخ دھبے پڑ جاتے ہیں۔

اورام میں سرخ رنگ کے متعلق یہ یاد رکھیں کہ عضلاتی ورم ہے یا عضلات میں تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جس ورم میں زردی غائب ہو تو سمجھ لیں کہ غدی تحریک ہے یا وہ غالب آ رہی ہے۔ جو ورم سفید ہو یا سفیدی ان پر غالب ہو تو اس کی وجہ اعصابی تحریک ہوتی ہے۔ جو صورت حمیات میں حرارت پیدا کرتی ہے وہ صورت اورام میں بھی کام کرتی ہے۔

سرخی کی پیدائش اور اس کے افعال

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ خون کے سرخ دانوں کی وجہ سے سرخی پیدا ہوتی ہے۔ خون میں اکثر سرخ دانے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے خون کے باقی اجزاء خصوصاً اس کا پانی بھی رنگین نظر آتا ہے۔ یہ سرخ دانے سفید دانوں سے پیدا ہوتے ہیں اور خون کے سفید دانے کیلوس اس کے دانوں سے پیدا ہوتے ہیں جو غذا کھانے کے بعد تیار ہوتا ہے۔

یہ ذرّات کیلوس و ذرّات سفید اور ذرّات سرخ کی پیدائش اور تبدیلیاں یونہی خود بخود نہیں ہوتی رہتیں بلکہ یہ جسم میں کیمیادی

تبدیلیاں ہیں جو بعض اعضاء کے تعاون سے پیدا ہوتی رہتی ہیں۔اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ ان تبدیلیوں کی کمی بیشی کی صورت میں ان اعضاء کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

صحیح کیلوس اسی وقت تیار ہوسکتا ہے جب کہ غذا میں صحیح طور پر رطوبات معدی وامعائی اور لبلبہ وکبدی وغیرہ اس میں شامل ہوں اور اس کو پوری طبخ کا وقفہ حاصل ہو۔اسی طرح سفید ذرّات خون اسی وقت صحیح طور پر تیار ہوسکتے ہیں جب غدد جاذبہ میں ان کی پختگی عمل میں آئے۔یہی صورت سرخ ذرّات خون کی ہے۔جب تک ان کی پختگی جگر میں نہ ہو،اس وقت تک وہ سرخ نہیں بنتے۔گویا جگر کی حرارت ہی ان کو پکا کر سرخ بناتی ہے۔اور خون سرخ ہونے تک جسم کے تمام اعضاء اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔جب جا کر خون میں سرخی پیدا ہوتی ہے۔

جب یہ سرخی تندرستی کی حالت میں جسم میں خرچ ہو جاتی ہے تو باقی رطوبات جو جسم میں پڑی رہ جاتی ہیں غدد جاذبہ کے ذریعے کھینچ جاتی ہیں اور کیمیاوی طور پر طحال میں وارد ہو کر اس میں پھر تحلیل شروع ہو جاتی ہے۔خون کی سرخی میں ترشی اور کھار تقریباً اعتدال پر ہوتے ہیں۔سرخی ختم ہونے پر اس میں صرف کھاراپن رہ جاتا ہے اور یہی کھاراپن طحال میں جا کر کیمیاوی طور پر ترشی میں تبدیل ہوتا ہے اور پھر کیمیاوی طور پر قلب اور عضلات میں اپنی ترشی سے تیزی پیدا کرتا ہے۔جہاں پر تیزی اور گردش سے حرارت پیدا ہو کر جگر میں پھر سرخی حاصل کرتا ہے اور یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔

جو خون شریانوں میں ہوتا ہے اس کی سرخی شوخ ہوتی ہے اور اس کا ذائقہ نمکین ہوتا ہے اور یہی اس کی گرمی اور تحلیل پر دلالت ہے۔ کیونکہ حرارت کا حامل بھی خون ہے اور اسی حرارت کی وجہ سے وہ شریانوں میں بہتا اور گردش کرتا ہے۔خون کی حرارت خون کی سرخی سے قائم ہے۔ البتہ جب اس میں نرم پن پیدا ہو جائے تو اس کی حرارت اور قوت تحلیل ورم کی صورت میں یہ طاقت مفید ثابت ہوتی ہے۔

جب خون کو باہر نکالا جائے تو اوّل وہ گاڑھا سیاہ ہو جاتا ہے اور پھر جم جاتا ہے۔شریانوں کے اندر خون کے اجزائے ہوائیہ اپنی مقدار اوسطاً اس کے جسم کے نصف سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔یہ اجزائے ہوائیہ، دخان ونسیم اور شوریہ (کاربالک ایسڈ، آکسیجن اور نائیٹروجن) سے مرکب ہوتے ہیں۔ان کا ایک خاص تناسب ہے جو شریانوں میں خون کو سیال رکھتا ہے۔جب خون باہر آتا ہے تو یہ توازن اجزائے ہوائیہ ختم ہو جاتے ہیں،اور وہ جم جاتا ہے۔جب جسم کے اندر کسی ورم میں سرخی کی تبدیلی سیاہی میں ہونے لگے تو اس عمل سے فوراً اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان اجزائے ہوائیہ کا توازن ختم ہو رہا ہے۔اس عمل کو سمجھنے سے بہت سے خوفناک اورام کا علاج کیا جاسکتا ہے اور بہت سی زندگیوں کو بچایا جاسکتا ہے۔

خون کی سرخی ایک سرخ رنگ کے مادے (ہیموگلوبن) سے ہوتی ہے جس سے ایک طرف دخانی اجزاء کم ہوتے ہیں دوسری طرف حرارت قائم ہو جاتی ہے۔بس یہی سرخ دھار اور سیال خون دافع سوزش اور محلل اورام ہے۔یہی خون روح حیوانی کا حامل ہے بلکہ صحت کا محافظ ہے۔

ورم میں سوجن کی اہمیت

اورام میں چوتھی علامت سوجن کی ہے جس کو نمو (سویلنگ-Swelling) کہتے ہیں۔یہ سوجن ایک غیر طبعی ابھار اور نمو ہے جو مقام سوزش پر خون اور رطوبت کی زیادتی یا وہاں پر کسی مواد کی تربیت سے نمو اور جسم کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔کبھی وہاں پر خون کی زیادتی اور سختی ہوتی ہے اور کبھی رطوبات کی زیادتی اور سختی ہوتی ہے اور کبھی رطوبات کی زیادتی اور نرمی ہوتی ہے۔کبھی نہ خون کی زیادتی ہوتی ہے اور نہ رطوبات کی زیادتی۔مگر وہاں پر جسمانی سختی پائی جاتی ہے۔

سوجن میں امتیاز

اصلی ورم کی سوجن تو وہی ہے جس میں خون کی زیادتی اور سختی پائی جائے یا خون کی زیادتی اور سختی کے ساتھ رطوبات اور نرمی پائی جائے۔ کبھی خون کی زیادتی اور سختی زیادہ ہوتی ہے اور رطوبات اور نرمی کم ہوتی ہے۔ اسی طرح کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔ دونوں کا کسی نہ کسی حد تک پایا جانا ضروری ہے اور یہ کبھی نہ ہوگا کہ رطوبات و نرمی تو پائی جائے لیکن خون اور سختی کا وہاں پر وجود ہی نہ ہو۔

دوسری صورت ایک قسم کا تہوج ہے۔ اس کو رخوء کہتے ہیں۔ جیسے استسقاء و ذات الجنب اور وجع المفاصل وغیرہ ہیں۔ یہاں پر مقام عدم پر رطوبات اکٹھی ہوتی ہیں۔

وہ اندر کے عضو کی تحلیل ہوتی ہے۔ جیسے استسقاء میں سوزش غدد و جگر میں ہوتی ہے اور تحلیل قلب و عضلات میں ہوتی ہے۔ یہی صورت ذات الجنب کی غشائے مخاطی (غدی جھلی) میں پائی جاتی ہے اور وجع المفاصل میں سوزش اعصاب میں ہوتی ہے اور تحلیل غدود میں ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جہاں بھی جسم میں تحلیل ہوگی اس طرح کی رطوبات اندر اس مقام پر اکٹھی ہو سکتی ہیں۔ ایسے تمام اورام حقیقی اورام نہیں ہوتے، صرف سوجن ہوتے ہیں، اس لئے رخوع کہلاتے ہیں۔

تیسری قسم کی سوجن ایسے سخت اجسام کی ہے جن میں ظاہرہ نہ خون کی زیادتی ہوتی ہے اور نہ رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل جیسے عظم کبد و عظم طحال اور عظم قلب و گلے پڑنا وغیرہ۔ ان تمام صورتوں میں اعضاء کی طرف سکون ہوتا ہے اور رطوبات کی زیادتی سے یہ اعضاء پھول جاتے ہیں۔ ان کو ورم نہیں خیال کرنا چاہئے اور نہ ہی ورم کی طرح ان کا علاج کرنا چاہئے۔ کیونکہ اورام میں زیادہ سے زیادہ حرارت پیدا کی جاتی ہے۔ مگر یہاں پر زیادہ سے زیادہ تحریک پیدا کر کے ان اعضاء کی رطوبات کو خشک کرنا پڑتا ہے۔ تیسری قسم کی دوسری صورت رسولی کی ہے جو جسم میں کسی مقام پر مواد جسم تربیت پا کر بے ڈول جسم بن جاتا ہے یا کسی مقام کا مواد سختی قبول کر لیتا ہے، جن کی تفصیل ان کے باب میں بیان کی جائے گی۔

اصل سوجن اس وقت پیدا ہوتی ہے جب خون کی رطوبت ٹپک کر خانہ اور جسم میں بھر جاتی ہے۔ جوں جوں یہ رطوبت اور مائیت بڑھتی جاتی ہے، سوجن زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ جن مقامات پر خانہ دار جسم زیادہ ہوتا ہے، وہاں پر ورم بھی زیادہ ہوتا ہے۔

یاد رکھیں کہ جب ورم کی سرخی کم ہوتی جائے گی۔ ورم کا بڑھنا رُک جاتا ہے اور سرخی ختم ہو جاتی ہے۔ ورم بالکل نرم ہو جاتا ہے۔ اگر حرارت بھی کم ہو جائے تو وہی نرم سوجن جو صرف رطوبت اور مائیت ہوتی ہے پھر سخت ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسے سخت ورم میں سرخی غائب ہوتی ہے۔

رطوبت طلیہ اور رطوبت دمویہ

حالت صحت میں طبعی طور پر تغذیہ و تنمیہ اور تصفیہ جسم کے لئے جو رطوبت جسم پر ترشح پاتی رہتی ہے اس کو رطوبت طلیہ کہتے ہیں۔ طلیہ کے معنی شبنم کے ہیں۔ گویا یہ جسم پر شبنم کی طرح ترشح پاتی ہے جس کو انسانی جسم جذب کر لیتا ہے اور اگر کچھ باقی بچ جاتی ہے یا غلیظ رطوبات جو جسم سے اس میں شامل ہو جاتی ہیں ان سب کو غدد جاذبہ جذب کر کے عروق جاذبہ کے ذریعے قلب میں شامل کر دیتے ہیں۔

صحت کی حالت میں رطوبت طلیہ طبعی طور پر اعتدال کے ساتھ ترشح پاتی ہیں۔ لیکن جب اس کے ترشح میں اضافہ یا زیادتی پیدا ہو جائے تو اس کو رطوبت طلیہ کی بجائے رطوبت دمویہ کہا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ رطوبت طلیہ اور رطوبت دمویہ میں کوئی فرق نہیں۔ یہ فرق صرف ان کی کمی اور زیادتی کا ہے۔ جہاں تک ان کے اجزاء کا تعلق ہے اس میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس کو سمجھنے کے لئے نزلہ زکام کو مدنظر رکھیں۔ یعنی نزلہ زکام میں جو

رطوبات جسم کے اندر یا باہر گرتی ہیں وہ کوئی نئی نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہی رطوبات ہوتی ہیں جو صحت اور تندرستی کی حالت میں طبعی طور پر جسم کو تر و نرم اور گرم رکھتی ہیں۔ لیکن جب ان مقامات پر اندر و باہر کسی جگہ سوزش ہوتی ہے یا کوئی مہیج اثر کرتا ہے تو ان کی مقدار میں زیادتی ہوتی ہے بلکہ اسی نزلہ میں ہم نے ان تمام رطوبات کو بیان کیا ہے جو جسم انسان سے کسی راہ خارج ہو یا منی اور ودی کے اخراج میں زیادتی ہو۔ ان کی تفصیل ہماری کتب تحقیقات نزلہ وزکام اور تحقیقات فارما کوپیا میں دیکھیں۔

رطوبت دمویہ کی زیادتی مرض پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن قدرت فطری طور پر کسی علامت کو بغیر مفید وجہ کے پیدا نہیں کرتی۔ ظاہرداری میں چونکہ یہ علامات غیر طبعی ہیں، اس لئے ان کو امراض کے ذیل میں داخل کر لیتے ہیں۔ ورم میں بھی یہی رطوبت دمویہ خون سے جدا ہو کر ترشح پاتی ہے اور جہاں اس کے اخراج کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا، وہاں سوجن کی صورت پیدا کر دیتی ہے۔

اس رطوبت دمویہ میں خون کے تمام خواص و اثرات پائے جاتے ہیں۔ البتہ اپنے اعضاء کی مناسبت سے ان کی ماہیت میں ضرور فرق ہوتا ہے۔ مثلاً اعصاب میں تحریک ہو تو رطوبات رقیق ہوں گی۔ اس میں سردی غالب ہوگی جسم میں خون کا دباؤ بہت کم ہوگا اور رنگت میں سفیدی غالب ہوگی۔ گویا جسم میں شوریت (ہائیڈروجن) کا غلبہ ہوگا۔ جب غدی تحریک ہوگی تو رطوبت غلیظ اس میں حدت غالب، پیشاب میں جلن، جسم میں خون کا دباؤ دل کی طرف بڑھا ہوا، رنگت میں زردی نمایاں ہوگی۔ گویا جسم میں کبریت (آکسیجن) کا غلبہ ہوگا۔ عضلاتی تحریک میں رطوبت زیادہ غلیظ، اکثر ناقابل اخراج، خشکی غالب، جسم میں خون کا دباؤ دماغ کی طرف بڑھا ہوا، رنگت میں سرخی نمایاں ہوگی۔ گویا جسم میں دخان (کاربن) کا غلبہ ہوگا۔ جب دو تحریکوں کو سامنے رکھیں گے تو افعال و اثرات مشترک ہوں گے۔

رطوبت دمویہ کے افعال واثرات

جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ قدرت جسم میں کسی علامت کو بغیر کسی مفید وجہ کے ہرگز پیدا نہیں کرتی۔ اگرچہ اس کی غیر طبعی صورت باعث تکلیف اور مرض کے تحت داخل ہو یہی صورت اس رطوبت دمویہ (ترشح) کی بھی ہے۔ اس کے فوائد درج ذیل ہیں: ① اپنے اعضاء کی مناسبت کی وجہ سے انہیں ترشح میں کھاری و ترشی اور نمکینی اثرات غالب ہوتے ہیں۔ ② فاد زہر ہوتا ہے۔ ③ اس میں ہر قسم کے حیواناتی و نباتاتی اور جماداتی زہر ختم یا خفیف ہو جاتے ہیں۔ ④ سوزش اور جلن کو کم کرتا ہے۔ ⑤ خون کے اجتماع کو کم کرتا ہے۔ ⑥ دورانِ خون کو اس طرف آنے سے روکتا ہے۔ ⑦ اس کے دباؤ کی وجہ سے اعضاء کے افعال میں سکون پیدا ہوتا ہے۔ اورام پر گرم پلٹس، ٹکور اور گرم مالش کا مقصد اس رطوبت کا بڑھانا ہے اور یہی اس کے مفید ہونے کی دلیل ہے۔ گویا رطوبت دمویہ کے ساتھ سوجن بھی فطرت کا ایک مفید عمل ہے۔

ورم سے افعال کی خرابی میں اہمیت

اورام میں پانچویں علامت فتور افعال اعضاء (لاس آف فنکشن- Loss Of Function) ہے جو اعضاء کی معمولی افراط و تفریط سے لے کر حرکت و سکون یا اس کی کسی خفیف علامت جلن و خارش اور لذت کی زیادتی سے ہوتا ہے اور سستی کا اعضاء کی حرکت میں بوجوہ مشکل سے حرکت کا ہونا یا بالکل ہی حرکت کا رُک جانا ہوتا ہے۔

فتور افعال اعضاء میں غلط فہمی

جب کسی عضو کے افعال میں افراط و تفریط اور تیزی و کمی پیدا ہوتی ہے تو اس کے متعلق کبھی بھی اس عضو کی سوزش ورم کی طرف توجہ نہیں دیتی بلکہ یونہی اس عضو کی خرابی ایک بے معنی تکلیف سمجھ لی جاتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی عضو کے افعال میں ہر افراط تفریط سے اورام و سوزش کا ایک گہرا تعلق ہے۔ اگر وہاں پر درد یا اس کی خفیف علامت سے عضو کے افعال میں فتور ہے تو درد بھی سوزش اور ورم کی علامت ہے۔ بلکہ

ان کے بغیر درد پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اگر وہاں پر سوجن کی وجہ سے افعال اعضاء میں فتور ہے تو یہ علامت بھی ورم کی ہے۔ گویا اس حقیقت کو مدنظر رکھیں کہ جسم کے کسی عضو کے افعال میں اگر کسی قسم کا فتور تھوڑا یا بہت واقع ہو تو فوراً اس عضو کے ورم یا سوزش کو ضرور سامنے رکھیں۔ اسی طرح کبھی کسی ایک عضو کی سوزش اور ورم کا اثر کسی دوسرے عضو کے افعال میں فتور پیدا کر دیتا ہے، اس لئے جسم میں خرابی اعضاء کے ساتھ دیگر اعضاء کو بھی بغور سمجھنا ضروری ہے۔

فتور افعال اعضاء کی صورتیں

اعضاء کے افعال میں فتور کی تین صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اوّل اعضاء کے افعال میں تیزی پیدا ہو جائے جس میں درد اور خون کے دباؤ سے اس کا اظہار ہوگا۔ دوسرے اعضاء کے افعال میں سستی پیدا ہو جائے جو تخدیر (سن ہو جانے) تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ صورت تسکین یا رطوبات کی زیادتی سے پیدا ہو جاتی ہے۔ تیسرے اعضاء کے افعال میں ضعف یا دُبلا پن بادیہ سابقہ اور مشینی یا کیمیاوی یا کچھ اور کیوں نہ ہو، لیکن تینوں صورتوں کے علاوہ چوتھی صورت کبھی نہیں ہو سکتی۔ ان کو سمجھ لینے سے فتور افعال اعضاء کو پورے طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ پھر سستی تسکین سے لے کر فالج و تخدیر تک اور بے چینی حرکت اعضاء سے جنون تک کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے اور پھر ہر قسم کی خرابی خون اور ضعف کا آسانی کے ساتھ علاج کیا جا سکتا ہے۔

فرنگی طب کے علاج میں ایک بڑی خرابی

جسم کے کسی عضو کے افعال میں اگر فتور پیدا ہو جائے تو فرنگی معالج اوّل تو اس کو ضعف یا امیونٹی کی کمی یا مواد کی زیادتی یا خون کے کیمیاوی عناصر کی کمی یا وہاں جراثیم کا سراغ لگاتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی چیز ہاتھ نہ لگے تو اپنی بے بسی اور کمزوری پر رو کر بیٹھے رہتے ہیں۔ جیسے جوڑوں کے دردوں اور فالج میں ان کو کچھ نظر نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایسے علاج میں بے حد ناکام ہیں۔

علاج کی جلد بازی میں فرنگی طب کے ظلم

امراض کا فوری علاج کرنا فرنگی طب نے اپنی فوقیت بنا رکھی ہے ہیں اور ہر مرض علامت کے دور کرنے میں جلد بازی اختیار کر رکھی ہے۔ اور ان کی اس خوبی کا عوام پر گہرا اثر پڑا ہے۔ مثلاً درد سر میں سارِیڈان اور اسپرو کا استعمال دیگر اقسام کے دردوں میں مارفیا و افیون اور بھنگ، دھتورہ اور دیگر منشی ادویہ کے استعمال کو فوقیت دی جاتی ہے۔ اسی طرح محرقہ وخسرہ اور پیچش وغیرہ کے فوری علاج میں تیز ادویات کا استعمال کرنا بے حد ظلم ہے۔ کیونکہ ایسی ادویات سے رطوبات کے ترشح میں فوری طور پر ایسی تیزی ہو جاتی ہے کہ ان کی زیادتی سے جسم کے کسی عضو یا سارے جسم میں تخدیر فالج اور اکثر موت واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دورانِ خون کی کسی ایک عضو کی طرف تیزی اور شدت وہاں پر تحلیل اور ضعف پیدا کر دیتی ہے۔ یہی ہے کہ فرنگی طب کے اس ظلم کی وجہ سے اکثر ایسے مریض دیکھنے پڑتے ہیں جن کی دماغی اور قلبی حالت خراب ہوگئی ہے اور دورے پڑتے ہیں۔ آنکھوں میں بھینگا پن یا اندھا پن پیدا ہو گیا ہے یا کوئی بازو اور ٹانگ وغیرہ ماری گئی ہے یا ٹمپریچر اور درجہ حرارت ایسا گر گیا ہے کہ وہ پورا ہی نہیں ہوتا اور جسم روز بروز کمزور ہوتا جاتا ہے۔

فرنگی طب کی جلدی بازی کے یہ چند نمونے ہیں جو انسانوں پر غیر معمولی ظلم ہے۔ مرض کیا، درد کیا، مریض کی زندگی تباہ کر کے رکھ دی۔ یہی وجہ ہے کہ اطباء ہر مرض کے علاج میں اوّل نضج کو مدنظر رکھتے ہیں تا کہ پہلے مواد پختہ ہو جائے اور خود نکلنے کی کوشش کرے۔ اس لئے ہم نے ہر عضو کو تحریک دینے کی تاکید کی ہے۔ تا کہ عضو میں تربیت و تقویت پیدا ہو جائے اور جسم میں کیمیاوی اعضاء بھی پورے ہو جائیں اور ان میں امراض و علامات کو خارج کرنے کی اہلیت پیدا ہونا بے حد ضروری ہے۔

علاج میں ورم کا مقام

علاج میں یہ امر ذہن نشین کرلیں کہ سوزش اور ورم کا ایک خاص مقام اور اہمیت ہے جو مقام اور اہمیت ان کو حاصل ہے وہ کسی علامت کو امراض اور علاج سے حاصل نہیں ہے، بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ تقریباً جسم انسان کی تمام علامات انہی دونوں علامات سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً درد، بخار، سرخی، ضعف اور اعضاء کے افعال میں کمی بیشی اور ان کے ماتحت علامات سب انہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ جو معالج سوزش اور ورم کو پورے طور پر ذہن نشین کرلے گا وہ تمام امراض اور ان کی علامات پر پوری طرح قابو پالے گا۔ آج تک سوزش اور ورم کو پورے طور پر سمجھنے کی کوشش کبھی نہیں کی گئی ہے اور نہ ہی ان کو دیگر ہر مرض اور علامت میں مدنظر رکھا گیا ہے۔

فتورِ افعال کی حقیقت

قدرت کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ لیکن انسان اندازے کے مطابق نہیں پاتا تو پریشان اور بے چین ہو جاتا ہے اور اکثر اپنی تکلیف کی شدت میں تڑپتا ہے اور روتا ہے۔ مگر خداوند کریم کی رحمت وقدرت اور ربوبیت ہمیشہ اس پر اپنی نوازشات ہی کرتی رہی ہے۔ مثلاً کام کی زیادتی سے جب تھکن ہو جاتی ہے تو انسانی اعضاء میں حرکت مشکل ہو جاتی ہے۔ حرکت میں تکلیف ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کو آرام کی ضرورت ہے۔ گویا وہ حرکت میں تکلیف رحمت خداوندی ہے۔

اسی طرح جب زیادہ لیٹنے سے تھکن اور بے چینی پیدا ہو جاتی ہے تو دل لیٹنے میں پریشانی اور گھبراہٹ محسوس کرتا ہے اور چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے کی قوت معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح زیادہ کھانے سے سستی و تھکن اور قرار نہیں آتا اور بھوک ختم ہو جاتی ہے، اور آرام کو دل چاہتا ہے۔ اس میں خیریت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح دیگر مفرد اور مرکب اعضاء کے افعال کی افراط و تفریط اور ضعف پر غور کیا جاسکتا ہے۔

ورم میں مدہ کی اہمیت

اورام میں جن پانچ علاماتِ ورم کی اہمیت پر تفصیلی بحث کی گئی ہے، یہ اورام کی تشخیص میں زبردست اہمیت رکھتی ہے۔ اورام میں ایک شے اور بھی شامل ہے۔ اگرچہ اس کا علاماتِ اورام سے تعلق نہیں ہے، تاہم اس کی اہمیت مسلمہ ہے۔ کیونکہ ورم کی ابتداء سے انتہاء تک اس کا ورم کے ساتھ تعلق رہتا ہے۔ اس کو پیپ کہتے ہیں۔ اس کو مدہ اور قیح (پس-Puss) بھی کہتے ہیں۔

پیپ کی تعریف

یہ ایک گاڑھی لیسدار رطوبت ہے جس کا بالائی حصہ کچھ رقیق اور نیچے کا حصہ کثیف ہوتا ہے۔ کبھی تمام کی تمام کثیف بلکہ بعض اوقات منجمد ہوتی ہے۔ رنگ سفید زردی مائل کبھی سرخی مائل اور کبھی نیلگوں بھی ہوتا ہے۔ اس کا رقیق حصہ اکثر رطوبت صدیدی (رطوبت زخم) ہوتی ہے۔ اپنے مقام کے لحاظ سے اس کی رنگت اور قوام میں تبدیلی ہوتی ہے۔ **یعنی اگر سوزش اعصاب میں ہوگی تو رنگت میں سفیدی اور نیلاہٹ غالب ہوگی اور اگر عضلات میں سوزش ہوگی تو رنگت سرخی مائل اور اکثر گاڑھی یا منجمد شدہ ہوگی۔ اسی طرح اگر سوزش غدد میں ہوگی تو رنگت گاڑھی اور زرد اور قوام نیم جامد ہوگا اور جلد تیار ہو جاتی ہے۔**

مدہ کی حقیقت

مدہ یا پیپ دراصل مترشح رطوبت ہے۔ جو رطوب طلیہ کی صورت میں وہاں پر گر کر اکٹھی ہو جاتی ہے اور جب وہ وہاں پر کافی عرصہ ٹھہرنے کے بعد حرارت اس پر عمل کرتی ہے تو اس میں خمیر پیدا ہو جاتا ہے اور خمیر پیدا ہونا قدرت کا فطری عمل ہے تاکہ اس میں تیزی پیدا ہو کر وہ ورم کے جسم کو کھانا شروع کردے۔ جس سے مدہ کے اخراج کا راستہ پیدا ہو جائے اور باہر اخراج پائے۔ ایک طرف تو یہ قدرتی علاج ہے، دوسری

طرف اس سے جسم گرم رہتا ہے۔ تیسرے قدرت اس میں جراثیم پیدا کر دیتی ہے جو اس خمیر کو ختم کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مدہ میں رقیق رطوبت تو سائل صدیدی ہوتا ہے اور کثیف وغلیظ یا منجمد شدہ مادے وہاں کے نسیج اور جراثیم جو مردہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور وہ متعدد زہر یلے اجزاء جو وہاں پر اکٹھے ہو گئے ہوتے ہیں۔ سب پیپ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس طرح سوزش اور ورم کا ہر قسم کا مواد پیپ میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

مدہ کے فوائد

باوجودیکہ پیپ ایک لیسدار گاڑھا اور بدبودار مواد ہے لیکن قدرت کا ایک ایسا کیمیاوی مواد ہے جس سے وہ سوزش اور ورم کا علاج کرتی ہے۔ ① اس سے سوزش کم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ ② ورم میں نرمی اور اس میں شگاف پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ③ ہر قسم کے جراثیم مر جاتے ہیں اور زہریلے اجزاء ختم ہو جاتے ہیں۔ ④ جب پیپ بن جاتی ہے تو بخار اتر جاتا ہے یا کم ہو جاتا ہے۔ ⑤ پیپ کے بن جانے پر ورم کا زہر جسم میں پھیل جانے سے رُک جاتا ہے اور پیپ پیدا نہ ہو تو ورم سے جلد موت واقع ہو جاتی ہے۔

مدہ کے نقصانات

قدرت کا ایک قانون ہے کہ جب کوئی عضو اپنے افعال اعتدال پر انجام نہ دے یا کوئی مواد مقررہ وقت سے زیادہ عرصہ تک کسی مقام پر ٹھہرے یا مواد کی پیدائش میں کمی بیشی واقع ہو تو یہ غیر فطری صورتیں نقصان کا باعث ہوتی ہیں۔ یہی صورتیں پیپ کے غیر فطری قوام اور قیام کو عمل میں لاتی ہیں جس سے بعض اوقات نقصان واقع ہو جاتے ہیں: ① پیپ زیادہ مدت تک رہے تو جسم کے اندر گرد اگرد اس کو کھا کر اس میں غار پیدا ہو جاتے ہیں۔ ② اس کے منجمد ہو جانے پر اس کا عمل رُک جاتا ہے اور وہاں پر غیر فطری افعال عمل میں آتے ہیں۔ ③ اس مقام پر بوجھ پیدا ہو جاتا ہے۔ ④ وہاں زیادہ قیام سے اس میں پھر جراثیم پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ⑤ اگر پیپ دورانِ خون میں شریک ہو جائے تو اس کے زہر کا بخار بن جاتا ہے۔ ⑥ پیپ کے زیادہ دیر قیام سے یا اس کی شدت سے وہاں کے اعضاء مردار ہو جاتے ہیں۔ ⑦ پیپ کی پیدائش کے ساتھ ہی خون کی پیدائش کم ہو جاتی ہے۔

مدہ کی علامات:

جب پیپ پیدا ہوتی ہے تو ذیل کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں: ① درد اور جلن جو ورم میں ہوتا ہے، کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ② بخار کم ہو جاتا ہے یا اُتر جاتا ہے۔ ③ عام طور پر پسینہ آتا ہے۔ ④ بھوک بند ہو جاتی ہے۔ ⑤ ضعف کی علامات شروع ہو جاتی ہیں۔ ⑥ اگر اعضائے رئیسہ کے قریب ہو تو فوراً جسم میں زہریلے اثرات پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

مدہ کے اظہار کی صورتیں

جاننا چاہئے کہ سوزش اور ورم کسی نہ کسی ایک نسیجی ساخت میں ہوگا۔ تمام میں بیک وقت نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ہمارا نظریہ مفرد اعضاء بتاتا ہے۔ البتہ ایک نسیجی ساخت میں منتقل ہوگا تو اول نسیجی ساخت کو چھوڑ دے گا جس کا ثبوت ہمیں خون کے کیمیاوی اثرات سے ملتا ہے۔ یعنی جس نسیج میں تحریک ہوگی اس کا اثر زیادہ خون میں ہوگا اور جس طرف اس کا رجوع ہوگا اس کا اثر خون میں نمودار اور ظاہر ہونا شروع ہوگا یعنی وہ کم ہوگا جیسے جیسے بڑھتا جائے گا خون میں زہر ہوتا جائے گا یعنی اگر اعصابی نسیج میں تحریک ہے اور وہ عضلاتی نسیج کی طرف بڑھ رہی ہے خون میں رطوبات زیادہ ہوں گی۔ جسم سے رطوبات کا اخراج بڑھ جائے گا۔ خون میں کھاری پن (الکلی) کے اثرات زیادہ ہوں گے۔ ہائیڈروجنی اثر غالب ہوگا۔ پیشاب میں سفیدی یا نیلاہٹ ہوگی۔ یہ سب اعصابی نسیج کی تحریک کی علامات ہیں۔ عضلاتی نسیج کی تحریک کا اثر اس طرح ظاہر ہوگا کہ خون میں سرخی، گاڑھا پن اور ترشی جو پہلے کم تھی بڑھنی شروع ہوگی۔ کاربن اور ریاح کے اثرات زیادہ ہونے شروع ہو جائیں گے۔ پیشاب میں سرخی بڑھنی شروع ہو

جائے گی۔ کاربن اور ریاح کے اثرات زیادہ ہونا شروع ہو جائیں گے۔ پیشاب میں سرخی بڑھنی شروع ہو جائے گی۔ یہ اعصابی عضلاتی تحریک ہے۔ اسی طرح باقی پانچ کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

یہی صورت سوزش اور ورم کی بھی ہے۔ کسی ایک ہی تحریک سے شروع ہو گی جس کا کیمیاوی طور پر خون میں اثر ہوگا اور اسی کی صورت میں پیپ کا اظہار ہوگا۔ **مثلاً اگر پیپ عضلاتی نسیج میں ہوگا تو اس کی شکل خون (پھوڑے) کی ہوگی۔ اور اگر پیپ نہ پڑے جس کی وجہ حرارت کی کمی ہو تو وہ ایک قسم کی داد کی شکل ہو جائے گی اور اگر پیپ کسی غشائے مخاطی سے تعلق رکھتی ہے تو یہ تعلق غدی ہے اس لئے یہ قرحہ کہلائے گی۔ اسی طرح اگر یہ پیپ غدد کے اندر ہوگی تو ناسور کہلائے گی۔ اگر اعصابی نسیج میں پیدا ہو جائے تو اس کی شدت اور سمیت سے معمولی دانے پیدا ہو جاتے ہیں، جن میں سفیدی پانی یا گاہے گاہے لیسدار مادہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر اعصابی نسیج میں شدت یا سمیت کی زیادتی ہو تو ساختوں کی تحلیل ہو کر پیپ پیدا ہونے کی مہلت ہی نہیں ملتی اور فوراً سارے نسیجی نظام میں شدت اور زہر پھیل جاتا ہے۔ دوسرے نسیجی نظام تک اثر پہنچ کر ساختیں مردہ ہو جاتی ہیں اور بعض اوقات فوراً موت واقع ہو جاتی ہے۔**

کینسر اور فرنگی طب کی لاعلمی

کینسر (سرطان) کے متعلق فرنگی طب نے آج تک بہت تحقیق کی ہے مگر وہ اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہے۔ اور اس وقت تک آگاہ نہیں ہو سکتی جب تک وہ ہر نسیجی اثرات وتحریک اور سوزش کا الگ الگ مطالعہ نہ کرے۔ کیونکہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ہر نسیجی ساخت کی خرابی کا الگ الگ اظہار ہے جو اس میں سوزش کے مزمن یعنی حرارت کی کمی سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے ان کی شکل کینسر (سرطان) سے ملتی ہے۔ یعنی اسی واحد ساخت کی نسیجی ساختیں ہوتی ہیں جو ایک دوسری ساختوں میں بنی اور گوندھی ہوتی ہیں اور جب ان میں پیپ پیدا ہو جائے تو وہاں کی سوزش ختم ہو جائے گی۔ بس یہی وہاں کے کینسر (سرطان) کا علاج ہے۔ ہم فرنگی طب کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کینسر (سرطان) کے متعلق ہم سے بات کرے، کیونکہ صرف نظریہ مفرد اعضاء ہی یہ مسئلہ حل کر سکتا ہے۔

اورام اور جراثیم

اورام میں جراثیم کا اندازہ صرف اس امر سے لگالیں کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس میں اورام کا تصور بغیر جراثیم کے نہیں پایا جاتا۔ یہ تصور بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ، ہر حال میں جراثیم کے بغیر وہ کبھی بھی اورام کا تصور نہیں کر سکی یعنی ضربہ وسقطہ اور ہر ماحول سے بالواسطہ اورام میں جراثیم پیدا ہو جائیں یا جراثیم سے بلاواسطہ اورام پیدا ہو جائیں۔ بہر حال اس کے نزدیک دو چیزیں لازم وملزوم ہیں بلکہ یوں سمجھ لیں کہ جراثیم کے بغیر ورم کو ورم ہی نہیں سمجھا جاتا۔ ان کے بغیر اورام کا علاج ہی ناممکن سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم جراثیم اور فرنگی طب اور ماڈرن سائنس میں ایک جداگانہ مستقل فن بن گیا ہے بلکہ اس کی اس قدر شاخیں بن گئی ہیں کہ ان سے کسی ایک پر مکمل عبور حاصل کرنے کے لئے ایک پوری انسانی زندگی درکار ہے لیکن ہم کوشش کریں گے کہ علم جراثیم کو اس انداز اور اختصار سے بیان کریں کہ مکمل طور پر اس کی حقیقت واہمیت سامنے آجائے اور حسن وقبح سے استفادہ حاصل کیا جاسکے۔

جہاں تک اورام میں جراثیم کا تعلق ہے ان کے پائے جانے اور ان کے اعمال کا کچھ نہ کچھ تو پتہ چلتا ہے اور اسی طرح ان امراض میں بھی ان کا سراغ ملتا ہے جو اورام سے پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے ان کو ہر مرض میں تلاش کرنا شروع کر دیا ہے اور اس امید میں گرفتار اور سرگرداں ہیں کہ جلد ہی ان کے جراثیم مل جائیں گے۔ ان کی دیکھا دیکھی جدید طبیب اور فرنگی حکیم وماڈرن دید و ہومیوپیتھ جن کے طریق علاج کی بنیاد بالکل جدا قوانین اور اصولوں پر ہے۔ انہوں نے بھی جراثیم تھیوری کو بے معنی طریق پر اپنا لیا ہے۔ جس کے ساتھ ہی اپنے طریق

علاج کو برباد وفنا کردیا ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء اور جراثیم

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت کسی حصہ جسم میں اس وقت تک کوئی مرض پیدا نہیں ہوتا۔ جب تک کسی حصہ جسم یا عضو میں کم وبیش تحریک پیدا نہ ہو اور یہی تحریک پھر دورانِ خون کو اس عضو یا حصہ جسم کی طرف تیز کردیتی ہے اور جب تحریک زیادہ تیزی اختیار کرلیتی ہے تو اس کو ہم سوزش کہتے ہیں اور یہی سوزش ہی بڑھ کر ورم بن جاتا ہے اور پھر باقی علامات بھی ظہور میں آجاتی ہیں۔ جن کا ذکر اورام کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح امراض وعلامات کی پیدائش ہوتی ہے۔

ابتدائی سوزش قاتل جراثیم ہے

جاننا چاہئے کہ جس مقام پر تحریک یا ابتدائی سوزش پیدا ہوتی ہے اس مقام پر ہر قسم کی رطوبات کا فقدان ہوتا ہے، وہاں پر اگر رطوبات تسلیم کی جائیں تو اس جگہ پر صحیح معنوں میں تحریک تسلیم نہیں کیا جاسکتی۔ اس تحریک سے وہاں پر ریاح (گیسز) تو تسلیم کی جاسکتی ہیں جن میں کاربانک ایسڈ کا اثر کم وبیش ضرور ہوتا ہے اور خشکی کا غلبہ ہوتا ہے اس ریاح کے ساتھ طبیعت وہاں پر حرارت پیدا کرنے کی کوشش کررہی ہوتی ہے۔

اس حقیقت سے ثابت ہوا کہ جب کسی مقام پر تحریک اور ابتدائی سوزش ہوگی وہاں پر خشکی اور حرارت کا غلبہ ہوگا۔ پھر یہ امر مسلمہ ہے کہ گرمی خشکی قاتل جراثیم ہے، اگر طب قدیم کی رو سے بھی غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ گرم خشک مزاج صفراء کا ہے جو قاتل جراثیم ہے۔ اس لئے جہاں پر تحریک یا ابتدائی سوزش ہوگی، وہاں جراثیم نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی اس حقیقت کو غلط ثابت کردے تو ہم چیلنج کرتے ہیں۔

جراثیم کی پیدائش

اس حقیقت کو کبھی بھی نظر انداز نہ کریں کہ کسی قسم کا جرثومہ کسی خشکی گرمی کے مقام پر زندہ رہ سکتا ہے۔ جب بھی اور جہاں بھی جراثیم پائے جائیں گے چاہے وہ بالواسطہ پائے جائیں یا بلاواسطہ۔ بالواسطہ صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی قسم کے جراثیم کسی طرح اس مقام پر پہنچ جائیں جہاں پر رطوبات یا نمی پائی جائے اور وہاں پر اپنی نشوونما بڑھا دیں اور بلاواسطہ صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی مقام پر رطوبات یا نمی رُک کر قانونِ قدرت کے مطابق متعفن ہوگئی ہے اور وہاں پر جراثیم کی پیدائش اور نشوونما ہوگئی۔ بس انہی دو صورتوں کے علاوہ جراثیم پیدا ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے اور یہ دونوں صورتیں بھی اسی وقت عمل میں آتی ہیں جب رطوبت اور نمی ہوتی ہے۔

ورم میں جراثیم کی آمد

جاننا چاہئے کہ ابتدائی سوزش کے بعد جب دورانِ خون کی وہاں تیزی ہوجاتی ہے تو طبیعت مدبرہ بدن اس عضو کی قوت مدافعت کے تحت وہاں پر زیادہ رطوبات گراتی ہے۔ جیسے کہ تندرستی کی حالت میں وہ اعتدال کے ساتھ گرا رہی ہوتی ہے، تاکہ اس مقام کی سوزش اور بے چینی و خشکی کو ختم کردے اور معمولی سوزش میں وہ اکثر کامیاب ہوجاتی ہے، لیکن جب سوزش زیادہ ہوتی ہے تو رطوبت مسلسل گرتی رہتی ہے اور اس قدر زیادہ ہوجاتی ہے کہ غدد جاذبہ اس کو وہاں سے جلد از جلد ختم نہیں کرسکتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہاں پر بالواسطہ یا بلاواسطہ جراثیم پیدا ہوجاتے ہیں اور پھر وہاں پر ان کی نشوونما شروع ہوجاتی ہے۔

تعفن قاتل جراثیم

قانون قدرت ہے کہ جس مقام پر کوئی رطوبت یا نمی اپنے مقررہ وقت سے زیادہ عرصہ تک قیام کرے تو فطرتاً اس میں حرارت اثر کرنے لگتی ہے اور وہاں پر خمیر ہونا شروع ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ جراثیم ہوتے ہیں یا باہر سے اگر جراثیم اس پر اثر انداز ہو کر وہاں پر خمیر پیدا کر دیتے ہیں اور پھر جراثیم کی نشوونما شروع ہو جاتی ہے۔ ان جراثیم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہاں پر رطوبت یا نمی خصوصاً اس رطوبت اور نمی کے مواد ختم ہو جاتے یا مر جاتے ہیں۔

ترشی قاتل جراثیم ہے

ہر خمیر ترشی سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک طرف تو خمیر تعفن اور جراثیم کے بعد اوّل مادہ متعفنہ اور جراثیم کو ختم کر دیتا ہے۔ اگر رطوبات زیادہ ہوں تو ان کو پھر تیزابیت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ یہ تیزابیت ہر قسم کے جراثیم کو ختم کر دیتی ہے جیسے سرکہ میں جراثیم پیدا نہیں ہو سکتے۔ بلکہ شراب میں بھی جراثیم نہیں ہوتے اور دونوں جراثیم سے تیار ہوتے ہیں۔ ان تیزابات میں ہر قسم کے جراثیم فنا ہو جاتے ہیں۔ گویا اگر قدرت کسی جگہ جراثیم پیدا کرتی ہے تو اپنے فطری اصولوں پر ان کو فنا بھی کر دیتی ہے۔ ہمیں انہی فطری اصولوں کو جاننا چاہئے جو جراثیم کو فنا اور برباد کر دیتے ہیں یہ فطری اصول وہی ہیں جو اعضاء کے افعال کو تیز کر کے وہاں پر اس کی قدرتی امیونٹی کو تیز کرتا ہے۔ یہ وہی طریق کار ہے جس سے طبیعت مدبرہ بدن خود جراثیم کو ہلاک کر دیتی ہے۔

تاکید

اگر ہم کسی خمیر کو ادویات سے فنا کریں تو وہ صرف وقتی بات ہوگی، جب تک وہاں رطوبتی مادہ پڑا ہے، وہاں پر پھر خمیر پیدا ہو کر جراثیم کی پیدائش اور نشوونما شروع ہو جائے گی، اس لئے دافع تعفن ادویات کا استعمال نہ صرف غیر مفید ہے بلکہ بعض اوقات نقصان رساں ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دافع تعفن ادویات سے جہاں پر جراثیم مرجاتے ہیں وہاں مفید جراثیم اور انسجہ بھی کمزور ہو جاتے ہیں یا مرجاتے ہیں پھر دوبارہ ان میں طاقت نہیں ہوتی کہ مرض کا مقابلہ کریں۔ اس لئے دافع تعفن کی بجائے وہاں قدرتی طور پر قانون فطرت کے عمل کو پورا کرنا چاہئے جو اعضاء اور قوت مدافعت کے عمل سے پورا ہوتا ہے۔ یعنی اعضاء کے افعال کو تیز کر کے وہاں کی رطوبات اور نمی کو ختم کر دینا چاہئے۔ جس سے قوت مدافعت (امیونٹی) بڑھ جائے گی۔ اس طرح ایک طرف تمام جراثیم فنا ہو جائیں گے اور دوسری طرف انسجہ میں قوت پیدا ہو جائے گی۔ اور مرض نہ صرف آسانی سے ختم ہو جائے گا، بلکہ جڑ سے چلا جائے گا اور طاقت بھی قائم ہو جائے گی۔ فرنگی طب نظریہ جراثیم کو اپنا کمال خیال کرتی ہے جو ہم نے ختم کر دیا ہے اور اس کا جادو توڑ دیا ہے۔ تفصیل آئندہ ملاحظہ کریں۔

جراثیم کی ماہیت

جراثیم کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ نہایت باریک اور چھوٹی حیوانات ہیں جو صرف ایک حیوانی ذرّہ سے بنے ہوتے ہیں۔ جیسے ایبا بنا ہوتا ہے۔ جراثیم کی ساخت نہایت بسیط اور سادہ ہوتی ہے۔ وہ ایک نہایت نازک اور باریک دِل ہوتا ہے جس کے اندر مادہ حیات پایا جاتا ہے۔ مادہ حیات کے اندر ایک دو بلبلے اور کچھ دانے ہوتے ہیں۔ دیوار کے باہر لیسدار مادہ کا غلاف ہوتا ہے۔ جراثیم کے اوپر مخملی روئیں ہوتے ہیں جن کو ''اہداب'' کہتے ہیں جو دراصل مادہ حیات کے باہر کی طرف لمبے لمبے بڑھاؤ ہیں۔ جیسے انسان کے جسم پر بال ہوتے ہیں جن میں ذاتی احساس اور حرکت ہوتی ہے اور یہ اہداب تین سے چھ تک ہوتے ہیں جن جراثیم پر یہ نہیں ہوتے ان میں حرکت نہیں پائی جاتی۔ ذاتی حرکت سے مراد

وہ حرکت ہے جو بلا ارادہ یا بارادہ ظاہر ہو۔ جس سے جسم ایک مقام سے دوسرے مقام تک حرکت کر سکے یا وہ جسم کے کسی حصہ کو ہلا سکے جن پر یہ مخملی روئیں نہیں ہوتیں ان میں ذاتی حرکت نہیں پائی جاتی۔ البتہ وہ دیگر مادوں سے حرکت میں رہتے ہیں۔

جراثیم کی افزائش نسل

جراثیم میں افزائش نسل کے طریقے نہایت سادہ اور بسیط ہے کیونکہ ان میں آلات تولید و تناسل کی کوئی علامت نہیں ہوتی۔ چنانچہ ان میں افزائش نسل معمولی اقسام یعنی خود بخود تقسیم در تقسیم سے ہوتی ہے۔ یہ بعض قسموں میں اندرون خلیہ تخم اور بیج کے بننے سے بڑھتی ہے جس کو تکوین بزر کہتے ہیں۔ اوّل قسم بسیط۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

① خانہ یا جھلی بڑھ جاتی ہے اور پھر وہ دو خانوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ پھر دونوں خانے بڑھ کر پختہ جراثیم بن جاتے ہیں، پھر جدا ہو جاتے ہیں۔

② ایک خانہ یا جھلی میں کئی بڑھاؤ ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ مستقل جراثیم بن جاتے ہیں اس طرح چند گھنٹوں کے اندر بے شمار جراثیم بن جاتے ہیں۔

دوسرا طریقہ خلیہ کے اندر تخموں کا پیدا ہو کر بڑھنا اور جراثیم کا بننا ہے۔ اس کو تکوین بزر کہتے ہیں۔ یہ پہلے طریقہ کی نسبت کسی قدر پیچیدہ ہے اور اس طرح ان جراثیم کی پیدائش ہوتی ہے جو ڈنڈا نما ہوتے ہیں جن کو "عصٰی" کہتے ہیں۔ جراثیم کے تخم گول یا بیضوی شکل کے ہوتے ہیں اور خانہ جرثومہ کی دیوار کے اندر اس طرح پیدا ہوتے ہیں کہ ایک جرثومہ کا مادہ حیات اپنے غلاف کے اندر ایک یا زیادہ حصوں میں سکڑ جاتا ہے اور پھر ہر ایک حصہ ایک علیحدہ غلاف میں ملفوف ہو کر ایک مستقل جرثومہ بن جاتا ہے۔

اقسام جراثیم

تقسیم کے لحاظ سے جراثیم کی بنیاد اگرچہ ان کی شکل وصورت اور پیدائش امراض پر رکھی گئی ہے۔ لیکن ان کے وہ خواص بھی شامل کر لئے جاتے ہیں جو ان کے افعال اور کاشت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی بعض اقسام تو محض بوجہ خصوصیات شکل کے دوسرے اقسام سے ممتاز ہوتے ہیں۔ مگر بعض اقسام اگرچہ شکل میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں مگر اپنے خصائص وافعال جدا رکھتے ہیں۔ اسی طرح بعض اقسام اپنے طریق کاشت کے لحاظ سے دوسروں سے الگ ہیں۔ اس وجہ سے شکل کے علاوہ تقسیم کے وقت ان دونوں باتوں کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کی تین اقسام کی جاتی ہیں: (۱) عصٰی - ڈنڈا نما (۲) کرویہ - گیند نما (۳) حلزونیہ - پیچدار، گھونگھا کی شکل کے ہوتے ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

جراثیم عصٰی

ان جراثیم کی شکلیں ڈنڈوں کی مانند ہوتی ہیں۔ انگریزی میں ان کو بیسی لائی کہتے ہیں جس کا واحد ہے۔ یہ عام طور پر سیدھے ہوتے ہیں لیکن گاہے گاہے کسی قدر خمیدہ بھی ہوتے ہیں۔ عصٰی قسم کے جراثیم عام طور پر بند ہی سے بنتے ہیں اور ان پر اہداب (بال) بھی پائے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے ان میں ذاتی حرکت بھی ہوتی ہے۔ یعنی ان کی حرکت انہی اہداب کی وجہ سے ہوتی ہے۔

جراثیم عصٰی کی امراض کے لحاظ سے تقسیم

اس لحاظ سے جراثیم عصی کی تین اقسام کی گئی ہیں:

(۱) مقامی: یہ جراثیم جسم کے خاص حصہ میں داخل ہوکر وہیں ساکن رہتے ہیں اور اسی مقام پر اپنے سمیات بناتے ہیں اور پھر یہی سمیات جذب ہوکر علامات پیدا کر دیتے ہیں۔اس قسم کے جراثیم تمام جسم میں نہیں پائے جاتے۔ان کی مثال ہیضہ، کزاز، خناق وبائی اور پیچش وغیرہ کی ہے۔

(۲) مقامی منتقل: اس قسم کے جراثیم وہ ہیں جو اوّل ایک مقام پہ ہوتے ہیں اور بعد میں اسی مقام سے منتقل ہوکر جسم کے مختلف مقامات پر پھیل جاتے ہیں اور جہاں پر جا کر سکونت اختیار کرتے ہیں وہیں پر نو آبادیات قائم کر لیتے ہیں۔جن کے اثرات سے زہریلے حادثات رونما ہوتے ہیں۔ان کی مثال ٹیوبرکل (مادہ دق وسل) کی ہے۔

(۳) منتقل عامہ: اس قسم کے جراثیم بدن پر حملہ کرتے ہی تمام جسم میں پھیل جاتے ہیں اور خون ورطوبت میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ان کی مثال آتشک، جذام، طاعون، ملیریا، انتھریکس، تپ محرقہ اور تمام حمیات وامراض عامہ کے جراثیم اسی قسم کے ہوتے ہیں، البتہ یہاں پر یہ یاد رکھیں کہ جدری، حصہ وجع المفاصل اور سرخ باد وغیرہ بھی امراض عامہ ہیں۔لیکن ان کے جراثیم ابھی تک معلوم نہیں ہوئے۔

جراثیم کرویہ

یہ جراثیم بالکل یا قریب قریب گیند کی طرح گول ہوتے ہیں۔ان کو انگریزی میں کاکائی کہتے ہیں جس کا واحد کاکس ہے۔یہ تمام اقسام میں زیادہ سادہ ہوتے ہیں ان میں سے بہت ہی کم ہوتے ہیں جن پر اہداب پائے جاتے ہیں۔ان میں بزر نہیں بنتے۔بلکہ تقسیم در تقسیم سے بڑھتے ہیں۔گویا جراثیم گول گول نقطوں کی طرح ہوتے ہیں۔بحیثیت جماعت جراثیم کرویہ ریم اور سدہ پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔اس لئے مختلف اقسام کے پیدا کردہ امراض ایک دوسرے کے ساتھ مبدل ہو جاتے ہیں جیسے سوزاک کا ورم سطح کے اتصال سے بڑھتا خصیتین میں منتقل ہو جاتا ہے۔یا تمام جسم میں اس کا زہر پیدا ہو جاتا ہے۔جراثیم کرویہ سے جو اورام پیدا ہوتے ہیں۔وہ کئی قسم کے ہوتے ہیں:

① بعض تو فقط مقامی ہوتے ہیں اور ایک جگہ پر ہمیشہ محدود رہتے ہیں، جیسے خراج، دنبل اور دبیلہ وغیرہ۔

② ایسے ورم بھی ہوتے ہیں جو مقدم مقامی ہوتے ہیں۔مگر اتصال سطح کے ساتھ ساتھ ورم متعدی ہوکر پھیلتے جاتے ہیں اور پیپ بنتی جاتی ہے جس کے سبب سے اعضاء کھائے جاتے ہیں اور مردہ ہوتے ہیں۔جیسے گوشت خورہ اور آکلہ وغیرہ۔

③ ایک اور قسم کا ورم ہوتا ہے جو مقامی تو ہوتا ہے مگر بعد میں اس کا اثر تمام جسم پر تیزی سے پھیل جاتا ہے۔اس کے جسم میں سرایت کرنے کے دو طریقے ہیں۔پہلی صورت تو یہ ہے کہ متورم مقام پر جراثیم کے موذی اثرات سے سمیات پیدا ہوتے ہیں، یہ سمیات جذب ہوکر تمام جسم میں پھیل کر اس کو اپنے موذی اثرات سے متاثر کر دیتے ہیں۔چونکہ جراثیمی سمیات کیمیاوی مرکبات ہوتے ہیں اس لئے اس کا موذی اثر جذب شدہ زہر کی مقدار پر منحصر ہوتا ہے۔اسی طرح پر جس طرح سنکھیا اور پارہ سے ہوتا ہے۔یعنی جذب شدہ زہر کی مقدار کم ہوتی ہے تو علامات بھی خفیف ہوتی ہیں۔ان علامات کو اصطلاح میں تسمیم یا سیپٹک انٹاکسی کیشن (Septic Intoxication) کہتے ہیں۔تپ دق، پرسوت کا تپ اور خفیف بخار جو پھوڑے پھنسی کے ہمراہ ہوتا ہے ایسے تسمیم کی مثالیں ہیں، جب جذب شدہ زہر کی مقدار زیادہ ہوتی ہے تو بیمار بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔اس کو سپی سیمیا (Septiceamis) یا تپ عفنیہ کہتے ہیں۔دوسری صورت وہ ہوتی ہے کہ جراثیم خود متورم مقام سے کسی نہ کسی حیلہ سے منتقل ہوکر تمام جسم میں پھیل جاتے ہیں اور باعث نقصان ہوتے ہیں۔

منتقلی جراثیم

ایک صورت تو یہ ہے کہ جراثیمی زہر جسم میں جذب ہو کر باعث نقصان اور فنا ہو۔ جس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ دوسری صورت وہ ہوتی ہے کہ جراثیم خود متورم مقام سے کسی نہ کسی طرح منتقل ہو کر تمام جسم میں پھیل جاتے ہیں۔ یہ بھی دو طریق سے ہوتا ہے۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ متورم مقام میں سے نکل کر جراثیم خود خون میں ایک ہی وقت میں منتشر ہو جاتے ہیں۔ اس کو اصطلاح میں انتشار عامہ (سپٹی سیمیا) کہتے ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جراثیم مقام سے منتقل ہو کر کسی مقام میں اسی قسم کے ورم والتہاب پیدا کر دیتے ہیں۔ اس کی مثال وجع المفاصل ریحی ہے جو سوزاک سے پیدا ہو جاتے ہیں یا اکیمیا سپٹک انڈو کارڈائٹس ہے۔ ورم منتقل اس طور پر ہوتا ہے کہ مقامی ورم کے حوالے سے وریدیں بھی متورم ہو جاتی ہیں اور ان کے اندر خون منجمد ہو جاتا ہے، اس انجماد خون کو اصطلاح میں سدہ وریدی (تھرامبوسس) کہتے ہیں۔ اتفاقی یا صدمہ سے منجمد شدہ خون کا ذرا سا ٹکڑا ٹوٹ جاتا ہے۔ اور خون کے ساتھ بہتا ہوا دور تک چلا جاتا ہے۔ اور باریک عروق میں جا کر اٹک جاتا ہے اور اس سے سدہ پیدا ہو جاتا ہے اور چونکہ اس کے اندر موذی جراثیم موجود ہوتے ہیں، اس لئے وہاں پر بھی اسی قسم کا ورم پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا نام پائی ریمیا ہے۔

جراثیم کرویہ کے اقسام

جراثیم کرویہ (کاکائی) کی کئی جماعتیں ہیں۔

① ایک جماعت تو وہ ہے جس میں نقاط ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے ہیں، اس کے جراثیم کرویہ واحدیہ (مائیکرو کاکائی) یا فقط کاکائی کہلاتے ہیں۔ اور ان کے اثرات سے کئی قسم کے اورام اور التہاب پیدا ہو جاتے ہیں۔

② دوسری جماعت وہ ہے جس میں نقاط جوڑا جوڑا بن کر رہتے ہیں۔ ان کا نام جراثیم زوجہ کویہ (ڈپلومہ کاکائی) ہے۔ اس جماعت کے جراثیم سوزاک، ذات الریہ اور سرسام میں پائے جاتے ہیں۔

③ تیسری جماعت وہ ہے جو چار چار مل کر رہتے ہیں۔ یہ مربع جراثیم کرویہ (سکوائر کاکائی) ہیں جو امراض معدہ میں پائے جاتے ہیں۔

④ چوتھی جماعت کے جراثیم قطار در قطار زنجیر بنا لیتے ہیں۔ جو زنجیری کرویہ (سٹرپٹو کاکائی) کہلاتے ہیں۔

⑤ پانچویں جماعت کے جراثیم انگور کی طرح خوشہ در خوشہ ہوتے ہیں۔ اسی سبب سے ان کو جراثیم ملمی کرویہ (سٹیفلو کاکائی) کہتے ہیں۔ یہ جراثیم مختلف اقسام کے اورام بثور اور خراج وغیرہ میں ملتے ہیں۔

جراثیم حلزونیہ

تیسری بڑی قسم کے جراثیم حلزونیہ کہلاتے ہیں۔ حلزون گھونگھا کو کہتے ہیں۔ جو سمندری جانور کا گھر ہوتا ہے۔ اس کو انگریزی میں ''اسپرلا'' کہتے ہیں۔ جس کا واحد اسپرس ہوتا ہے۔ یہ جراثیم جو اصل میں لمبے لمبے بلدار عصی (ڈنڈے) کی شکل کے ہوتے ہیں اور تین جانب پیچ کھاتے ہیں۔ انہی میں سے بڑے بڑے اور لمبے لمبے جراثیم بل کھا کر پیچ کش (بیرم) کی طرح لہردار اور بلدار ہو جاتے ہیں۔ ان کی بعض قسمیں چھوٹی اور لمبی ہوتی ہیں جو کم بل کھاتی ہیں۔ ان کو شرطیہ (وبریو) کہتے ہیں لیکن جراثیم حلزونیہ دراصل لمبے لمبے جراثیم ہی ہوتے ہیں۔ جن میں گھونگھا کی طرح بل پڑے ہوتے ہیں۔ جراثیم حلزونیہ کی اکثر قسمیں فن جراحت میں کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں اور اس کے امراض پیدا کرنے والی بھی صرف دو اقسام زیادہ مشہور ہیں۔

اوّل شرطیہ ہیضہ ایشیائی (ویروکالرائی ایشیاٹکی) دوسرے حلزونیہ حمی راجعہ (اسپرس ریلیپ سنگ فیور) اس کی آخری قسم کوادنیٰ رُتبہ کا حیوان (پرٹوزون) کہتے ہیں۔ یعنی اس کو جراثیم سے الگ خیال کرتے ہیں۔

جراثیم اوراعضاء کی تطبیق

علم جراثیم کومختصر طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس میں ضروری علم کو نظرانداز نہیں کیا گیا ہے۔ مندرجہ بالا جو صورتیں ہیں ہم نے صرف انہی کو بیان کیا ہے۔ کیونکہ ہم چاہتے ہیں کہ ان جراثیم کو بھی اعضاء سے تطبیق دے دیں تاکہ فرنگی طب کی تحقیقات کی وہ غلطیاں جو اس نے جراثیم کے افعال اور تدقیق اور امراض وعلامات کو پورے طور پر سمجھایا جاسکے۔

جہاں تک علم الجراثیم کا تعلق ہے اس میں اس قدر طوالت پیدا ہو چکی ہے جس کا اندازہ اس امر سے لگالیں کہ وہ اپنی جگہ ایک مکمل سائنس اور شعبہ بن چکا ہے جس کے حصول کے لئے اگر ایک انسان اپنی ساری زندگی صرف کر دے تو مشکل سے اس کو ضرورت کے مطابق حصول اور شعبوں کو حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن تمام علم پر حاوی ہونا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ جہاں تک علم الجراثیم کی اس وسعت کا تعلق ہے اس میں جن شعبوں پر بحث ہوتی ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں: (۱) جراثیم کی حقیقت (۲) جراثیم کے اقسام اور اقسام در اقسام (۳) جراثیم کے افعال ان سے زہروں اور امراض کی پیدائش (۴) جراثیم سے اغذیہ وادویہ اور اشیاء میں تبدیلی اور پیدائش جیسے خمیر وتیزاب اور الکوحل اسی طرح اس سے مختلف اقسام کے کیمیاوی تریاق اور اکسیری مقاصد کے لئے زہر بنانا جیسے پینسلین اور ویکسین وغیرہ۔ (۵) جراثیم کی کاشت اور پیدائش اور پرورش کے طریقے۔ (۶) جراثیم کی غذائیت، ان کو رکھنا اور ان کی نسلیں تیار کرنا۔ (۷) جراثیم سے مناعت پیدا کرنا اور انہی سے ادویات خاص طور پر حفظ صحت کے لئے ادویات بنانا۔ جیسے چیچک کے ٹیکے وغیرہ۔ غرض اس کی وسعت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ اس کا اندازہ بھی طوالت کا باعث ہے اور پھر یہ وسعت روز بروز بڑھ رہی ہے، پتہ نہیں کہاں جا کر ختم ہو۔

جراثیم اور شفایابی

علم الجراثیم کی اس قدر وسعت کے باوجود جہاں تک شفا امراض کا تعلق ہے اس میں آیورویدک اور طب یونانی کے مقابلے میں فرنگی طب کو کوئی کامیابی نہیں ہوئی اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے مقابلے میں عشر عشیر کامیابی بھی نہیں ہوئی بلکہ اگر ماہیت امراض واصول علاج اور مزاج و کیفیات کو سامنے رکھا جائے تو کہا جائے گا کہ فرنگی طب نے اپنے آپ کو اندھیرے وگمراہی میں دھکیل دیا ہے۔ اگر جراثیم کو جن بھوت قرار دے دیا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ فرنگی طب جہالت میں داخل ہو گئی ہے۔

یاد رکھیں کہ جراثیم کش ادویات کا استعمال امراض میں شفا پیدا نہیں کر سکتا۔ جراثیم مر سکتے ہیں لیکن مقام میں طاقت وامیونٹی اور قوت مدافعت پیدا نہیں کر سکتے۔ جس کی کمی اصل باعث تھی وہاں پر جراثیم کا اثر انداز ہونا اور پیدا ہونا اور جبکہ اصل سبب درست نہ ہو مرض ہرگز ہرگز نہیں جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی معالج کی جراثیم کش ادویات جہاں ناکام ہوتی ہیں وہاں پر مخدرات سے کام لیتے ہیں۔ اس طرح افیون و مارفیا، بھنگ، دھتورہ، اجوائن خراسانی اور کوکین وغیرہ سینکڑوں ادویات استعمال کر کے مریضوں کے اعصاب سن کر رہے ہیں تاکہ احساس مرض رُکا رہے۔ لیکن کب تک پھر جب ری ایکشن ہوتا ہے تو مریض موت کے غار میں چلا جاتا ہے۔ فرنگی ڈاکٹر افسوس کرتا رہتا ہے کہ فرنگی طب کی ایسی اکسیر ادویات بھی مریض کو بچا نہ سکیں۔

جراثیم کا تعلق اعضاء

فرنگی طب نے تقسیم کے لحاظ سے جراثیم کی بنیاد ان کی شکل وصورت اور پیدائش امراض پر رکھی ہے۔البتہ وہ خواص بھی شامل کر لئے ہیں جوان کے افعال وکاشت سے تعلق رکھتے ہیں۔یعنی بعض اقسام تو محض خصوصیات شکل کے دوسرے اقسام سے ممتاز ہوتے ہیں۔لیکن بعض اقسام اگرچہ شکل میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں مگر اپنے خصائص افعال جدا رکھتے ہیں۔اسی طرح بعض اقسام اپنے طریق کاشت کے لحاظ سے دوسروں سے الگ ہیں۔اسی وجہ سے شکل کے علاوہ تقسیم کے وقت ان دونوں باتوں کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے۔اس لئے فرنگی طب میں ان کی تین اقسام کی جاتی ہیں۔(۱) بیسی لائی (ڈنڈا نما) جن کو ہم عصی کا نام دیتے ہیں۔(۲) کا کائی (گیند نما) جن کو ہم کرویہ کہتے ہیں۔(۳) سپر لائی (گھونگھا نما) جن کو حلزونیہ کہا جاتا ہے۔

لیکن فرنگی طب نے ان کی تقسیم بالاعضاء نہیں کی۔اس وجہ سے ان کو جراثیم کے افعال واثرات اور ماہیت امراض وتخصیص علامات کے سمجھنے میں بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اس لئے انہوں نے ایک ہی قسم کے جراثیم کو مختلف مقامات پر مختلف امراض کی شکل میں صرف امراض اور علامات کے نام سے تخصیص کر کے ماہیت امراض کو بیان کیا ہے۔مثلاً نمونیا کاکس اور گونو کاکس وغیرہ کو ذات الریہ اور سوزاک میں ایک ہی قسم کے جراثیم کا ذکر کیا ہے۔اگر انہوں نے جراثیم کو بالاعضاء تحقیق کیا ہوتا تو وہ امراض وعلامات کے ناموں سے موسوم کرنے کی بجائے اعضاء سے موسوم کرتے جن میں ان کے لیے سہولتیں بھی ہوتیں اور غلط فہمیاں بھی پیدا نہ ہوتیں۔جیسے نمونیا کے لئے کاکس جراثیم کا نام دیا گیا ہے حالانکہ کا کائی پلورسی پیدا کرتے ہیں۔نمونیا پیدا نہیں کرتے۔یوں سمجھ لیں کہ جو جراثیم غدود پر اثر کرتے ہیں،اسی قسم کے جراثیم تمام جسم میں غدود پر ہی اثر انداز ہوں گے۔اور ان کی شکل بھی غدد سے مشابہت رکھتی ہوگی۔یہی صورت اعصابی اور عضلاتی انسجہ (ٹشوز) میں پائی جانی لازمی ہے۔اگر بعض جراثیم میں کم وبیش کچھ انیس بیس کا فرق ہوگا تو اس کی وجہ سے وہاں کے اعصاب وعضلات میں اور غدد کی بناوٹ میں کمی بیشی لازمی پائی جائے گی۔ایسا ہونا یقینی ہے۔

جراثیم بالاعضاء

ماڈرن میڈیکل سائنس (فرنگی طب) نے جراثیم کی تین بڑی اقسام بیان کی ہیں۔جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں،اگر آپ ان پر غور کریں تو اس کی تحقیق کے مطابق باتیں ایسی ہیں جو ان کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں:(۱) شکل (۲) خواص (۳) اثرات۔یعنی شکل سے ان کی وضع وصورت ہے۔خواص سے ان کی پیدائش سے لے کر آخر زندگی تک ان کی خصوصیات ہیں اور اثرات میں ان کے زہر ہیں اور قانون فطرت کی روشنی میں دیکھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر شکل وصورت واضح نہیں سمجھی جاسکتی۔سوائے قدرت کی فطرت کے اس قانون میں تبدیلی نہیں آسکتی۔اسی قدرت کے فطری قانون کے تحت جب جراثیم کی شکل وصورت اور وضع پر غور کریں تو اعضاء کی مناسبت کے مدنظر ان کے اقسام کی اس طرح بالاعضاء تطبیق ہوتی ہے:(۱) عصی۔جن کو بیسی لائی کہتے ہیں،اور ڈنڈا نما ہوتے ہیں بالکل اعصابی شکل وجسم اور کیفیات وماحول رکھتے ہیں۔(۲) حلزونیہ جن کو اسپر لائی کہتے ہیں۔گھونگھا نما ہوتے ہیں۔وہ عضلاتی شکل وجسم اور کیفیات وماحول رکھتے ہیں۔البتہ جہاں جہاں اعصاب وغدد اور عضلات کے انسجہ میں حالات کے مطابق چیز میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔اگر خواص کو مدنظر رکھیں جو تینوں میں پیدائش سے آخر زندگی تک ان کے افعال واعمال بالکل جدا جدا ہیں جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں اور جہاں تک اثرات زہروا[illegible]راض اور علامات پیدا کرنے کا تعلق ہے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ:

① جراثیم عصی (Bacilli) ایسے ہی زہر وامراض اور علامات پیدا کرتے ہیں جن میں اعصابی انسجہ میں تحریک وتیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ چاہے وہ جسم کے کسی حصہ میں کیوں نہ ہو۔ وہاں پر رطوبات کی زیادتی، بلغم اور ریشہ (سکریشن ولمف) کا جو غلبہ ہوگا جن کا اثر منہ سے لے کر مقعد تک اور تھوک سے لے کر ادرار تک زیادتی ہوگی۔ اگر اس تحریک میں بال برابر فرق ہو تو ہم ذمہ دار ہیں۔

② جراثیم کرویہ (Cocci) ایسے زہر وامراض اور علامات پیدا کرتے ہیں جن میں غدی انسجہ میں تحریک وتیزی پیدا ہو جاتی ہے، چاہے وہ جسم کے کسی حصہ میں کیوں نہ پائے جائیں، وہاں پر سوزش وجلن اور حرارت وصفراء کی زیادتی ہوگی۔ ناک ومنہ سے لے کر پیشاب وپاخانہ تک جلن وصفراء کا اثر نظر آئے گا۔ کوئی بھی ان حقائق سے انکار نہیں کر سکتا۔

③ یہی صورت جراثیم حلزونیہ (Spirula) کے زہر وعلامات پیدا کرتے ہیں جن سے عضلاتی انسجہ میں تحریک وتیزی رونما ہو جاتی ہے۔ چاہے وہ جسم کے کسی حصہ میں کیوں نہ ہوں۔ وہاں پر ترشی وریاح اور خشکی کی زیادتی ہوگی جن کا اثر سر سے لے کر پاؤں تک ظاہر ہوگا۔ ذائقہ سے لے کر پیشاب تک میں ترشی پائی جائے گی۔ جس طرح اعصاب وعضلات اور غدد کی تحریکات یا بلغم وسودا اور صفراء کے کیمیاوی اثرات ایک عضویا اپنے مقام سے دوسرے عضویا مقام تک پہنچ جاتے ہیں۔ اسی طرح جراثیم اور ان کے اثرات بھی ایک عضویا مقام سے دوسرے عضویا مقام تک چلے جاتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہ کریں کہ امراض اور علامات کبھی جراثیم اور ان کے زہر سے اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتے جب تک کسی مفرد عضو کے فعل میں تحریک وتسکین اور تحلیل میں زیادتی پیدا نہ ہو۔

یہ ہیں جراثیم کے متعلق ہماری تحقیقات، جن کے متعلق ہمارا دعویٰ ہے کہ فرنگی طب اس سے بالکل ناواقف اور تہی دست ہے اور نہ ہی اس نہج پر اس نے اپنی تحقیقات کی ہیں۔

جراثیم اور اخلاط کا تعلق

جراثیم اور اعضاء کے تعلق کو ذہن میں رکھ لینے کے بعد اب ذرا ایک اور زاویہ نگاہ سے جراثیم کے متعلق ہماری تحقیقات کو سمجھیں تا کہ جراثیم کی حقیقت اور ان کے افعال پورے طور پر واضح ہو جائیں۔ کیونکہ ہم چاہتے ہیں کہ تحریک تجدید طب کے حاملین اور عاملین فرنگی طب سے پورے طور پر واقف ہو جائیں اور فرنگی ڈاکٹروں کو اچھی طرح جواب دے کر سمجھا سکیں۔

جاننا چاہئے کہ طب قدیم چار اخلاط تسلیم کرتی ہے اور فرنگی طب چار اقسام کے انسجہ (ٹشوز) بیان کرتی ہے۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ ہر قسم کے انسجہ میں طب قدیم کی ایک خلط پائی جاتی ہے اور اسی سے وہ غذا اور زندگی حاصل کرتی ہے۔ تشریح یوں سمجھ لیں ① اعصابی انسجہ میں بلغم ② عضلاتی انسجہ میں خون ③ قشری (کبدی) انسجہ میں صفراء اور ④ الحاقی (طحالی) انسجہ میں سودا کے محلول پائے جاتے ہیں۔ جو ان کی غذا اور عامل ہیں۔ اوپر ہم نے انہی محلولات میں خمیر پیدا ہونے سے وہاں پر ان کے خاص قسم کے جراثیم کا ذکر کیا ہے۔ اب ہماری تحقیقات سے ہماری بات کو سمجھ لیں کہ ① جراثیم عصی جہاں اعصابی ہیں وہاں غیر طبعی بلغم پیدا کرتے ہیں اور بلغم کے جس قدر غیر طبعی اقسام ہیں ان سے تطبیق دے دیں۔ ② جراثیم کرویہ بھی قشری ہونے کی وجہ سے غیر طبعی صفراء پیدا کرتے ہیں۔ ③ جراثیم حلزونیہ میں عضلاتی ہونے سے غیر طبعی سودا اور ترشی پیدا کرتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ فرنگی طب نے تین قسم کے انسجہ اعصابی، عضلاتی اور قشری کو حیاتی تسلیم کیا ہے۔ الحاقی کو ادنیٰ نبات مانا ہے۔ اس لئے طب یونانی نے سوداء کو گھٹیا خلط کہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیورویدک نے دوش (وات، پت، کف) مانے ہیں۔ خون (رکت) کو الگ کر دیا ہے۔ ہم نے بھی یونانی و آیورویدک اور ماڈرن سائنس کو تطبیق دیتے ہوئے صرف تین ہی انسجہ کو حیاتی اور فعلی تسلیم کیا ہے تا کہ دُنیا کی کوئی طبی تحقیق اس سے انکار نہ کر سکے۔ یہ ہے ہماری تحقیق و تجدید جو صرف خداوند حکیم کے فضل و کرم سے ہمیں نوازی گئی ہے۔ کیا طبی دُنیا میں کوئی ہے جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ یہ ایک نیا فلسفہ اور ایک نئی حقیقت ہے۔

اورام کے اقسام

اورام کے اقسام بیان کرنے میں جہاں ماہیت و ترتیب اور تربیت و ترکیب مرض کا تعلق ہے طب قدیم اور فرنگی طب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ گویا مشرق و مغرب کا فرق ہے۔ جہاں تک علامات کا تعلق ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی طرح جہاں تک علامات کو مرض سمجھنے کی صورت ہے اس میں بھی دونوں مشترک ہیں۔ یعنی پھوڑے پھنسی اور قروحات و جروحات ایک ہی انداز میں پائے اور سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں اورام کے اقسام کو بحیثیت امراض کے سمجھنا ضروری ہے تا کہ اس کی ماہیت و ترکیب اور تربیت و ترتیب (پیتھالوجی) ذہن نشین ہو جائے۔ ہم طب قدیم کو الہامی سمجھتے ہیں۔ فرنگی طب کو اپنی تحقیقات پر ناز ہے اور ساتھ ہی اس کا پروپیگنڈہ ہے کہ فرنگی طب کو جراحی امراض (سرجری) میں کمال حاصل ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جہاں تک اورام کا بحیثیت امراض کے تعلق ہے کونسی طب صحیح راہ اور حقیقت کی طرف راہ نمائی

کرتی ہے۔

طب قدیم میں اورام کی تعریف

ورم ایک ایسا مرض مرکب ہے جس کے ساتھ سوئے مزاج وتفرق اتصال اور مرض ترکیب بھی موجود ہوتا ہے۔ اس کا مادہ چاروں اخلاط سے کوئی خلط ہوا کرتی ہے یا بعض دفعہ ریح سے بھی عارض ہو جاتا ہے۔ مادی ریح کی نسبت زیادہ خطرناک اور دشوار علاج ہوتا ہے۔ گرم ورموں کی علامت ضربات اور مقام ورم کی سرخی یا زردی ہوتی ہے اور سرد ورموں میں مقام ماؤف کی سفیدی یا نیلاہٹ نیز درد کی خفت پائی جاتی ہے۔

طب قدیم میں تقسیم مرض

طب قدیم میں مرض کی دو قسمیں ہیں: ① مرض مفرد (Simple Desease) ② مرض مرکب (Compound Desease)
مرض مفرد کی پھر تین قسمیں ہیں: (۱) مرض سوئے مزاج (۲) مرض ترکیب (۳) مرض تفرق اتصال۔

مرض سوئے مزاج

سوئے مزاج جب کسی مفرد عضو کے اندر کیمیاوی طور پر تغیر پیدا ہو جائے اور اس تغیر کے ساتھ تبدیلی بھی ہو جائے تو اس کی مندرجہ ذیل دو صورتیں ہوں۔

(۱) **سوئے مزاج سادہ:** جس میں کسی مفرد عضو میں صرف کیفیاتی یا نفسیاتی طور پر تبدیلی اور تغیر پیدا ہو جائے اور اس تغیر اور تبدیلی سے اس عضو کے فعل میں خرابی واقع ہونا شروع ہو جائے۔ یہ خرابی اس قدر لطیف ہوتی ہے کہ اس سے اس عضو کے اندر کوئی کیمیاوی اور خلطی خرابی واقع نہیں ہوتی۔ البتہ عضو کے فعل میں لطیف تغیر و تبدیلی ضرور واقع ہوتی ہے۔ جس کا اندازہ مریض کے احساسات اور معالج نبض و قارورہ سے آسانی کے ساتھ لگا سکتا ہے۔ یہ مرض کی ایک صورت ہے اگرچہ اس قدر قلیل کیوں نہ ہو اور عام طور پر اس کی مدت بہت قلیل ہوتی ہے۔ اس کے بعد کبھی یہ اصل کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور جب کبھی قوت مدبرہ بدن یا قوت مدافعت عضو کمزور ہو تو پھر یہ صورت سوئے مزاج سادہ آئندہ شدت اختیار کر لیتی ہے۔ کبھی یہ سلسلہ مدت تک قائم رہتا ہے۔

(۲) **سوئے مزاج مادی:** جس میں کسی مفرد عضو میں کیمیاوی اور خلطی تغیرات اور تبدیلیاں پیدا ہوں یعنی یہ تغیرات و تبدیلیاں صرف کیفیاتی (گرم و سرد اور تر و خشک) اور نفسیاتی (غم و غصہ اور خوف، خوشی و لذت اور ندامت) بلکہ اس مفرد عضو میں خون کے اجزاء میں کمی بیشی یا خون میں صفراء اور بلغم و سوداء میں کمی بیشی یا خرابی یا اپنا مقام تبدیل کر لیتے ہیں۔ البتہ اس میں فساد اور تعفن کی حالت ابتداء میں نہیں پائی جاتی جس سے عضو کے افعال میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ تغیر و تبدیلی نمایاں ہوتی ہے اور جب اس میں فساد و تعفن پیدا ہو جائے تو سوزش و ورم اور بخار تک نوبت پیدا ہو جاتی ہے۔

یہاں پر سمجھنے والی بات یہ ہے کہ سوئے مزاج سادہ اور سوئے مزاج مادی صرف (۱) مفرد عضو میں واقع ہوتا ہے۔ (۲) عضو میں کیفیاتی و نفسیاتی اور کیمیاوی و خلطی تغیرات و تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ (۳) فساد اور تعفن اس کا لازمی جز نہیں ہیں۔ بلکہ بعد میں غلبہ مرض سے شروع ہوتا ہے۔

فرنگی طب میں سوئے مزاج کے امراض نہیں ہیں

فرنگی طب میں امراض سوئے مزاج سادہ اور سوئے مزاج مادی دونوں کا تصور نہیں ہے۔ ان کے امراض فساد اور تعفن سے شروع ہوتے ہیں جب کہ مادہ میں جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں یا کوئی بیرونی جراثیمی یا غیر جراثیمی زہر اگر فساد و تعفن کا باعث بن جائے لیکن طب قدیم میں سوئے مزاج کے بہت سے امراض ہیں اور اگر غور سے دیکھا جائے تو اکثر امراض کی ابتداء سوئے مزاج سے شروع ہوتی ہے اور بہت سے امراض مدت تک صرف سوئے مزاج مادی کیفیاتی اور اخلاط سے بالکل مختلف صورت کا ہوگا۔ باقی رہا سوئے مزاج سادہ جو صرف کیفیاتی اور نفسیاتی ہوتا ہے اس کا

ان کے ہاں قطعاً تصور تک نہیں ہے۔یعنی مفرد اعضاء میں تحریک ہے۔

آیورویدک میں سوئے مزاج سادہ

آیورویک میں اگرچہ پرکرت (مزاج) کا تصوُّر قائم ہے اور دوشوں کے مزاج بھی تسلیم کرتے ہیں، لیکن ان کے طریق علاج میں سوئے مزاج سادہ کا کوئی تصور نہیں ہے، البتہ ہومیو خواص الادویہ اور بائیوکیمک خواص الادویہ میں کیفیاتی اور نفسیاتی اثرات کو نہ صرف تسلیم کیا گیا ہے بلکہ ان کی علامات بھی لکھی گئی ہیں۔یہی اثرات تحلیل نفسی (Pychernalysis)، علاج بذریعہ ماء (Hydro Therapy) اور علاج بذریعہ رنگ (Chromo-Therapy) صورتوں میں بھی حاصل کئے جاتے ہیں۔

طب جدید شاہدوری کی غلط فہمی

طب جدید جس کے موجد جناب الاطباء حکیم احمد الدین صاحب تھے، ان کا نظریہ ماہیت مرض افعال الاعضاء کے افعال میں کمی بیشی تھی، اس میں نقص وخرابیاں اور غلط فہمیاں تھیں۔اس لئے مجھے اس کو چھوڑنا پڑا۔یا یوں سمجھ لیں کہ اس کی جدت سے متاثر ہوکر طب قدیم میں بالاعضاء تجدید کرنی پڑی اور خداوند کریم نے زبردست کامیابی عطا فرمائی۔طب جدید میں مندرجہ ذیل خامیاں تھیں:

① وہی نقص ہے جو فرنگی طب میں پایا جاتا ہے۔یعنی مفرد اعضاء (انسجہ) کی خرابی ہے۔امراض کی خرابی سے ابتداء نہیں کی گئی بلکہ مرکب اعضاء کے افعال کی خرابی کو امراض قرار دے دیا گیا ہے۔

② یہ خرابی ہے کہ کیفیات واخلاط اور مزاج کو بالکل چھوڑ دیا ہے جس سے ان کے ہاں گرمی، سردی وخشکی اور تری کا اثر امراض پر نہیں پڑتا۔ اس لئے ان کے ہاں صرف اعضاء کی تیزی اور سستی، دو ہی صورتیں پائی جاتی ہیں اور ضعف کا کہیں تصور نہیں ہے۔

جاننا چاہئے کہ اعضاء میں تیزی طب جدید کے اصول میں خون کی تیزی سے پیدا ہوتا ہے اور اعضاء کی سستی خون کی سستی سے ہوتی ہے۔ اگر ہم اوّل صورت کو تحریک کہیں تو دوسری صورت کو تسکین تسلیم کرنا پڑے گا، جو سردی یا بلغم کی زیادتی کا اثر ہے، لیکن ضعف جو تحلیل کا نتیجہ ہے اس کو کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی اور علم العلاج نامکمل رہ جاتا ہے۔

③ تیسری غلط فہمی یہ ہے کہ جب تک عضو میں کمی بیشی واقع نہ ہو اس کو طب جدید مرض تسلیم نہیں کرتی۔مگر یہ طب قدیم کیفیاتی ونفسیاتی اثر سے تبدیلی اور تغیر کو بھی مرض قرار دیتی ہے جو سوئے مزاج سادہ کہلاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے امراض اس کے تحت آتے ہیں، بس یہی نکتہ بازگشت (Turning Point) تھا جس سے طب قدیم کی طرف پھر لوٹنا پڑا۔اور یہی زاویہ نگاہ تھا جس سے تجدید کا مقام پیدا ہوا۔یعنی جب تک سوئے مزاج سادہ اور کیفیات کو تسلیم نہ کیا جائے تو کوئی علم العلاج مکمل نہیں ہوسکتا۔ذہن میں یہ بات سما چکی تھی کہ اعضاء کے افعال کی خرابی ہی کو مرض کہنا صحیح ہے۔بس اسی جدوجہد اور تحقیق میں مفرد اعضاء (انسجہ) کو بنیاد قرار دے دیا گیا اور تجدید طب کی ابتداء شروع ہوگئی۔جواب تکمیل کے قریب ہے۔

سوئے مزاج مفرد اور مرکب

چونکہ بنیادی طور پر کیفیات چار ہیں: (۱) گرمی (۲) سردی (۳) تری اور (۴) خشکی۔جو کبھی مفرد یعنی ایک ایک اور کبھی مرکب دو دو کی زیادتی کو سوئے مزاج کی خرابی کہا گیا ہے۔اس لئے حکماء اور اطباء نے سوئے مزاج کی آٹھ قسمیں تسلیم کی ہیں۔جس میں چار کی مفرد اور چار کی مرکب، اور سوئے مزاج مفرد کی چار اقسام اس طرح بیان کی ہیں:

① سوئے مزاج حار جس سے مزاج میں صرف گرمی بڑھ جاتی ہے۔

(۲) سوئے مزاج بارد جس سے مزاج میں سردی بڑھ جاتی ہے۔

(۳) سوئے مزاج بارد رطب جس سے مزاج میں سردی اور تری بڑھ جاتی ہے۔

(۴) سوئے مزاج بارد یابس جس سے مزاج میں سردی اور خشکی بڑھ جاتی ہے۔

پھر اسباب کے تحت ہر ایک کی دو صورتیں ہیں۔ **اوّل سوئے مزاج سادہ جس میں صرف کیفیات کی زیادتی سے جیسے گرمی، سردی وغیرہ، کسی مادہ کے بغیر جسم متاثر ہوتا ہے۔ یہ صرف خارجی اثرات سے متاثر ہوتا ہے، ان کو اسباب بادیہ کہتے ہیں۔ دوسرے سوئے مزاج مادی جس میں اخلاط کی زیادتی سے جسم متاثر ہوتا ہے۔ یہ مزاج کا بگڑنا داخلی اثرات سے متاثر ہوتا ہے۔ ان کو اسباب سابقہ کہتے ہیں۔ مثلاً صفراء کی زیادتی سے بدن میں گرمی ہو جائے یا بلغم کی زیادتی سے جسم میں سردی بڑھ جائے، وغیرہ وغیرہ۔**

سوئے مزاج مفرد غلط ہے

سوئے مزاج سادہ میں جو مفرد کیفیات کی وجہ سے مزاج کا بگڑنا بیان کیا جاتا ہے، یہ بالکل غلط ہے، کبھی بھی جسم میں گرمی یا سردی اور کسی مفرد کیفیت کی زیادتی نہیں پائی جاسکتی۔ جسم میں کیفیات ہمیشہ مرکب ہوتی ہیں۔ یعنی اگر گرمی یا سردی کی زیادتی ہوگی تو ان کے ساتھ گرمی یا سردی کا پایا جانا لازمی امر ہے۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ حکماء اور اطباء نے جو سوئے مزاج سادہ کی یہ مفرد صورتیں بیان کی ہیں، وہ صرف افہام و تفہیم کے لئے ہیں۔ ایسے جسم میں گرمی خشکی اور سردی تری یا سردی خشکی دونوں کا ہونا ضروری ہے۔

البتہ سوئے مزاج مادی میں مفرد تین پائی جاتی ہیں، کیونکہ وہ بنیادی طور پر خود مرکب ہوتی ہیں۔ یعنی (۱) خون کا گرم تر (۲) بلغم کا مزاج سرد تر (۳) صفراء کا مزاج گرم خشک (۴) سودا کا مزاج سرد خشک جیسا کہ بنیادی طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لئے جب جسم میں کوئی خلط بڑھتی ہے تو اس کے مادہ کے ساتھ اس کی کیفیات بھی بڑھ جاتی ہیں۔

اخلاط کی مرکب صورتوں میں غلط فہمی

بعض دفعہ دو اخلاط بھی مرکب ہو جاتے ہیں اور علاج میں دونوں کی رعایت رکھی جاتی ہے۔ لیکن یہ یاد رکھیں کہ دور کے اخلاط یا مقابل اور متضاد اخلاط آپس میں کبھی نہیں ملتے اور ان کو غلط طور پر سمجھنے سے اکثر غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً خون میں بلغم اور صفراء تو مل سکتے ہیں اور جب بلغم کے ملنے سے خون میں رطوبت کی زیادتی اور حرارت میں کمی یا صفراء کے ملنے سے خون میں رطوبات کی کمی اور حرارت کی زیادتی پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح بلغم اور سوداء کے ملنے سے رطوبات اور سردی میں کمی بیشی، ایسے ہی سوداء اور صفراء کی کمی بیشی میں خشکی اور حرارت میں کمی بیشی اور ان کے مشترکہ اثرات تو پیدا کر سکتے ہیں۔ **مگر کبھی بلغم و صفراء اور سوداء خون آپس میں نہیں ملتے۔** کیونکہ ان کی پیدائش دور کے اعضاء میں ہوتی ہے اور ان کی موجودگی میں مقابل اور متضاد اخلاط پیدا نہیں ہو سکتے۔

خلط غیر طبعی کا ایک غلط تصور

خلط غیر طبعی اس خلط کو کہتے ہیں جس میں صفراء اور بلغم دونوں ملے ہوتے ہیں۔ لیکن جاننا چاہئے کہ بلغم کی پیدائش اعصاب میں تحریک سے ہوتی ہے اور صفراء کی پیدائش جگر کی تحریک سے ہوتی ہے۔ جب بلغم کی پیدائش ہوتی ہے اس سے قبل صفراء خون میں تبدیل ہو چکا ہوتا ہے۔ اس لئے اس وقت صفراء کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب صفراء کی پیدائش ہوتی ہے، اس سے قبل سوداء بن چکا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں بلغم کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔

بعض حکماء اور اطباء یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ جب بلغم اور صفراء کو اکٹھا دیکھا جاتا ہے تو پھر اس کے ماننے میں کیوں انکار ہے۔ اس کے متعلق جاننا چاہئے کہ جب جگر میں سکون ہوتا ہے تو اس وقت اس میں اور اس کے متعلقہ مفرد اعضاء (انسجہ) جسم میں جس مقام پر بھی ہوں ان میں سکون (بلغم) ہوتا ہے جو عضلاتی تحریک سے وہاں اکٹھا ہو چکا ہوتا ہے۔ لیکن جب فطری طور پر خود جگر کے انسجہ نسیج قشری کو تحریک دی جاتی ہے تو وہاں پر صفراء کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے، تو اس وقت وہ بلغم صفراء سے مل کر خارج ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ جب جسم میں کسی مقام پر قشری انسجہ (کبدی وغدی) کو جب قدرتی یا فطری طور پر یا خود بخود تحریک دی جاتی ہے تو اس تحریک یا سوزش کو ختم کرنے کے لئے اعصابی انسجہ اپنی رطوبات (سکریشن) کو وہاں پر تسکین دینے کے لئے گراتے ہیں جو بلغم کی شکل میں وہاں پر رُک جاتا ہے اور اکثر صفراء کے ساتھ مل کر خارج ہوتا ہے تو ان دونوں حالتوں کو خلط غیر طبعی کہا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ بلغم کا تصور نہیں ہوتا۔ ان مرکب اخلاط میں چاہے بخار ہو یا کوئی اور علامت اس میں بلغم کا تصور غلط ہے۔ اور یہ خالص صفراوی امراض ہیں، ان کا علاج صفراوی خلط یا جگر کے تحت کرنا ضروری ہوتا ہے۔

صفراء غیر طبعی کا غلط تصور

صفراء لغت میں زرد کو کہتے ہیں۔ مگر طبی اصطلاح میں اس خلط کا نام ہے جو آیورویدک میں پت کہلاتی ہے۔ یہ خلط اکثر زرد رنگ کی ہوتی ہے اور اس کا مزاج گرم خشک تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کو ماڈرن میڈیکل سائنس میں بائل (Bile) کہتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ آنتوں پر گر کر پاخانہ کی حاجت پیدا کرتی ہے اور آنتوں کو پاخانہ اور بلغم وغیرہ سے صاف کرتی ہے۔ یہ بھی اس کا فائدہ بیان کیا جاتا ہے کہ بعض مقامات میں صفراء خون کے ساتھ مل کر اور خون کو رقیق و لطیف بنا کر باریک باریک رگوں میں نفوذ کرا دیتا ہے۔ نیز بعض گرم خشک اور لطیف اعضاء کی غذا میں خون کے ساتھ صرف ہوتا ہے۔ جیسے پھیپھڑے۔ علاوہ ازیں آنتوں پر گر کر بعض اجزاء کے ہضم ہونے میں اور زیادہ سڑاند کے روکنے میں آمادہ کرتا ہے۔

صفراء کی طبعی صورت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ وہ شوخ سرخ ہو۔ اس کا وزن ہلکا ہو اور اس میں کافی حدت اور تیزی ہو۔ صفراء غیر طبعی وہ ہے جو ان باتوں میں طبعی صفراء کے مخالف ہو۔ صفراء کے غیر طبعی ہونے کی کئی صورتیں ہیں: ① غلیظ بلغم سے مل جاتا ہے جسے صفراء صفر (محیہ) انڈے کی زردی کی مانند کہتے ہیں۔ ② وہ رقیق بلغم کے ساتھ مل جاتا ہے، جس سے صفراء بذاتِ خود جل جاتا ہے۔ جسے صفراء کراثی (گندنا کے رنگ کا) یا صفراء زنجاری (زنگار کے رنگ کا) کہتے ہیں۔ صفراء زنجاری میں چونکہ احتراق بہت زیادہ ہوتا ہے اس لئے یہ صفراء زہروں کے قریب ہوتا ہے۔ دونوں اکثر معدہ میں پیدا ہوتے ہیں اور قے کی راہ خارج ہوتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ صفراء کراثی یعنی گندنا کے مانند ہے جو سبز رنگ کا ہوتا ہے اور اسی طرح زنجاری (زنگاری) بھی سبز رنگ کا ہوتا ہے۔ رنگوں کی مناسبت سے ان پر غور کریں کہ ان کا تعلق کن اعضاء کے ساتھ ہے اور اس کے ذائقہ پر بھی غور کریں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اخلاط کے لحاظ سے بلغم کی پیدائش صفراء کی پیدائش سے بالکل مختلف اور متضاد صورت میں ہوتی ہے۔

حکماء اور اطباء متقدمین اور متاخرین نے جو صفراء محیہ اور صفراء مرہ میں غلیظ اور رقیق بلغم کی آمیزش بیان کی ہے، یہ دونوں دراصل وہی صورتیں ہیں جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے علاج میں بلغم کی رعایت رکھ کر بلغمی ادویات کا استعمال کرنا بالکل غلط ہے۔ مثلاً غب غیر خالص جس کے مادہ میں صفراء اور بلغم دونوں مخلوط ہوتے ہیں۔ اس کا علاج خالص صفراء یا غدی انسجہ کو مدنظر رکھ کر کرنا چاہئے۔ اسی طرح ذات الجنب خالص صفراوی مرض ہے اور پھیپھڑوں کے قریب ہونے کی وجہ سے بھی بلغم کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ وہ غلطیاں ہیں جو حکماء اور اطباء علاج میں روزانہ کرتے ہیں۔

مرض ترکیب

طب یونانی میں مفرد کی تین اقسام ہیں۔ ہم اس کی پہلی قسم سوئے مزاج اور اس کی ترکیب پر تنقید کر چکے ہیں۔ پھر یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ اوّلاً سوئے مزاج کا تعلق اعضائے مفردہ (انسجہ) سے ہوتا ہے۔ جس سے تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ جس میں اس کے افعال کی طبعی حالت بدل جاتی ہے۔ پھر اس کا اثر ایک مفرد عضو سے دوسرے مفرد عضو کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جب مرض کا اثر دیگر مفرد اعضاء کی طرف اثر کرتا ہے اس وقت گویا مرکب صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس حالت کو اس کا نقصان کہتے ہیں۔ جب دو مفرد اعضاء (انسجہ) میں مرض اثر کر جائے اس کو طب یونانی میں مرض ترکیب کہتے ہیں۔ یہ مرض مفرد کی تین اقسام میں سے دوسری صورت ہے۔

طبی کتب مرض ترکیب کو بھی سوئے مزاج کی طرح بے حد سمجھنے کی ضرورت ہے۔ **جب تک ہم مرض کی حالت اور اس کی تبدیلیوں سے پوری طرح واقف نہ ہوں، اس وقت تک جسم انسان کا پورے طور پر علاج نہیں ہو سکتا۔ صرف علامت کا علاج ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی اپنے علاماتی علاج میں بری طرح ناکام ہیں۔**

''ایلوپیتھی'' میں اعضائے جسمانی کی اندرونی تبدیلیوں کا علم ہوتا ہے۔ مگر مزاج کے تغیرات سے بالکل بے علم ہے۔ ہومیوپیتھی میں کیفیاتی اور نفسیاتی تغیر کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ مگر اعضائے جسم کی اندرونی تبدیلیوں اور مزاجی خرابیوں سے وہ بالکل لاعلم ہے۔

علم الامراض میں بیرونی کیفیاتی و نفسیاتی تغیرات اور علامات کا علم اور اندرونی و جسمانی وعضوی اور مزاجی تبدیلیوں کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔ اس لئے علم الامراض ایک اہم علم ہے۔ علم الامراض کی حقیقت اور اہمیت کا پتہ مفرد اعضاء (انسجہ) کی اصلیت معلوم کرنے سے چلتا ہے۔ اس لئے اوّل کچھ مفرد اعضاء کے متعلق سمجھ لیں جو طب یونانی نے لکھا ہے۔

تعریف اعضاء طب یونانی

اعضاء وہ کثیف اجسام ہیں جو اخلاط کی ابتدائی ترکیب سے پیدا ہوتے ہیں، جس کو رطوبت ثانیہ کہتے ہیں، جیسا کہ اخلاط ارکان کی ابتدائی ترکیب سے ظہور میں آتے ہیں۔ یعنی ارکان سے اخلاط اور اس کی رطوبت ثانیہ جدا ہو کر اعضاء بناتی ہے۔

مفرد اعضاء طب یونانی

مفرد اعضاء وہ اجسام ہیں کہ اگر ان کا کوئی ظاہری اور محسوس حصہ لیا جائے تو وہ حصہ نام اور تعریف میں اس جسم میں شریک ہوگا۔ مثلاً ہڈی ہی کہیں گے اور جو تعریف کل کی ہے وہ اس ٹکڑے پر بھی صادق آتی ہے۔ مگر ہاتھ پاؤں اور باقی جسم مرکب عضو ہیں۔ کیونکہ ان کے ایک حصے کو مثلاً انگلی کو ہاتھ پاؤں نہیں کہا جا سکتا۔ ماڈرن سائنس بھی اس تعریف اور نام سے انکار نہیں کر سکتی۔ مثلاً ہڈی کل ہو یا جزو ان کے نزدیک کنکٹو ٹشوز (نسیج الحاقی) سے تیار ہوتی ہے اور اس لئے مفرد عضو نسیج ہے، ہڈی اس کا طیف ہے۔

مفرد اعضاء جو طب یونانی میں بیان کئے گئے ہیں، ان کی ترتیب ماڈرن سائنس کے مطابق اس طرح ہے:

(۱) **نسیج الحاقی (Connective Tissue)**: ہڈی، کری، ناخن، رباط وتر اور بال۔

(۲) **نسیج عصبی (Nervous Tissue)** : اعصاب جسم اور ان کی جھلیاں۔

(۳) **نسیج عضلاتی (Musscular Tissue)** : عضلات جسم اور ان کی جھلیاں۔

(۴) **نسیج قشری (Epithelial Tissue)** : غدود اور اس کی جھلیاں۔

طب یونانی نے مفرد اعضاء کی تعریف کے مطابق شریانوں، وریدوں، جلد اور چربی کو بھی مفرد اعضاء میں لکھا ہے۔ مگر انسجہ کے تحت یہ چاروں چیزیں مختلف انسجہ سے مرکب ہیں۔ اس لئے اس کو مفرد اعضاء نہیں کہنا چاہئے اور مرکب اعضاء سے سمجھنا چاہئے۔ اگرچہ ظاہر میں مفرد نظر آتے ہیں۔ ان مفرد اعضاء (انسجہ) کی تفصیلی تشریح یونانی اور اسلامی دور میں اس لئے نہ ہو سکی کہ اس وقت خوردبین ایجاد نہیں ہوئی تھی۔

مفرد اعضاء کی ترکیب

ترکیب کے معنی ہیں باہم جڑنا۔ جب اعضاء باہم مل کر یک جان بنتے ہیں تو گویا باہم جڑتے ہیں۔ مثلاً اعصابی اور عضلاتی ریشے جب آپس میں ترکیب پاتے ہیں تو ان کے جڑنے کی تین صورتیں ہیں، اوّل دونوں قسم کے انسجہ اپنی اپنی جگہ تکمیل پا کر باہم جڑ جائیں۔ شرائین و اوردہ اور جلد میں عضلاتی اعصابی اور غدی ریشے باہم جڑے ہوتے ہیں۔ اور خوردبین سے بھی الگ الگ دیکھے جاسکتے ہیں۔ دوسرے مختلف انسجہ کے کیمیاوی مرکب سے انسجہ باہم جڑے ہیں، جیسے چربی اور ہڈی کے اندر کے گودے وغیرہ۔ تیسرے مختلف انسجہ باہم ایک دوسرے کے اندر بنتے چلے گئے ہوں۔ جیسے اعضائے رئیسہ میں دل و دماغ اور جگر میں نظر آتے ہیں۔

چونکہ مفرد اعضاء (انسجہ) ایک دوسرے سے ترکیب پاتے ہیں، اس لئے امراض ترکیب میں ایک مفرد عضو (نسیج) کی خرابی کا اثر جب دوسرے مفرد عضو (نسیج) تک پہنچ جاتا ہے تو تغیر مفرد اعضاء (انسجہ) کے بعد نقصان پیدا ہوتا ہے اور اس سے دونوں کے افعال میں تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بس یہی مرض ترکیب ہے۔ اس عضو (نسیج) تک پہنچ کر اس کے فعل میں تبدیلی پیدا کرے اور غیر طبعی افعال ظہور میں آئیں۔

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت ہم نے مرض ترکیب کو جس طرح ذہن نشین کرایا ہے، اس سے قدیم و جدید طبی کتب خالی ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علم الامراض اپنے اندر کس قدر اہمیت رکھتا ہے۔

مرض ترکیب کے اقسام

مرض ترکیب کو سمجھ لینے کے بعد مفرد (انسجہ) کے اندر جو تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا سمجھنا نہایت اہم ہے کہ طب یونانی نے ان پر کس خوبصورتی سے روشنی ڈالی ہے۔ جب ہم ماڈرن سائنس کی روشنی میں مرض کی ماہیت پر روشنی ڈالیں گے تو ان کو سمجھنے میں نہ صرف آسانیاں پیدا ہوں گی بلکہ فرنگی طب کی خرابیاں وغلطیاں اور نقائص سامنے آجائیں گے اور طب یونانی کی عظمت کا صحیح اندازہ کیا جا سکے گا۔ مرض کی چار اقسام ہیں: (۱) مرض خلقت (۲) مرض مقدار (۳) مرض عدد (۴) مرض وضع۔ مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ مرض خلقت

ایک ایسا مرض ہے، جس میں کسی عضو یا جسم کی شکل وصورت اپنی صحیح حالت پر قائم نہ رہے۔ مثلاً سیدھے عضو کا ٹیڑھا ہو جانا۔ مرض خلقت کے بھی چار اقسام ہیں: (۱) امراض شکل (۲) امراض مجاری (۳) امراض تجاویف (۴) امراض سطح۔ مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) **امراض شکل:** اس کی شکل میں خلل پیدا ہو جائے، جیسے چپٹا سر ہونا وغیرہ۔

(۲) **امراض مجاری:** مرض کی ایسی حالت کا نام ہے، جس میں اعضاء کے راستے خراب ہو جائیں۔ مثلاً مجاری کا تنگ اور ڈھیلا ہو جانا۔

(۳) **امراض تجاویف:** مرض کی ایسی حالت کا نام ہے، جس میں تجاویف ضرورت سے زیادہ وسیع، تنگ یا بند ہو جائیں

(۴) **امراض سطح:** مرض کی ایسی حالت کا نام ہے، جس میں کسی عضو یا جسم کی سطح خراب ہو جائے۔

۲۔ امراض مقدار

مرض کی ایسی حالت کا نام ہے، جس میں کوئی عضو یا تمام جسم اپنی مناسب مقدار سے زیادہ ہو جائے یا کم ہو جائے۔ جیسے جسم کا موٹا ہو جانا یا دُبلا ہو جانا یا کسی ایک حصہ کا موٹا یا دُبلا ہو جانا۔

۳۔ امراض عدد

مرض کی ایسی حالت کا نام ہے، جس میں کسی عضو میں عدد کے لحاظ سے اضافہ ہو جائے یا کمی واقع ہو جائے۔ جیسے ہاتھ کی انگلی میں کمی یا زیادتی ہو جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) طبعی یعنی پیدائشی (۲) غیر طبعی جو کسی مرض کی وجہ سے ہو جائے۔

۴۔ امراض وضع

مرض کی ایسی حالت کا نام ہے، جس میں کوئی عضو اپنے موضوع یا مقام سے دور ہو جائے یا کسی ساکن عضو میں حرکت پیدا ہو جائے یا متحرک عضو ساکن ہو جائے۔

مرض ترکیب کی تشریح

طب یونانی میں مرض ترکیب کی یہ جو اقسام بیان کی گئی ہیں، سب مفرد اعضاء (انسجہ) کے وہ اثرات ہیں جو اپنی بافتوں کے ذریعے سے ایک دوسرے میں اُتر جاتے ہیں۔ یہ صورتیں پیدائش سے پہلے بھی ہو سکتی ہیں اور پیدائش کے بعد بھی ہو سکتی ہیں۔ پیدائش سے پہلے مثلاً نطفہ میں اثر

پیدا ہو جائے یا حمل کے دوران میں ماں کے خون میں کوئی کیفیاتی یا نفسیاتی اور جسمانی خرابی اور توہماتی اثر پڑ جاتا ہے اور عجیب وغریب بچے پیدا ہوتے ہیں جن میں شاہ دولہ کے چوہے بھی شریک ہیں۔ ان کو طبعی صورت نہیں کہنا چاہئے۔ قبل پیدائش اثرات کہنا چاہئے۔ پیدائش کے بعد اکثر امراض میں جب کسی مفرد عضو میں تحریک وتحلیل یا تسکین کا زیادہ اثر ہوتا ہے تو یہ صورتیں ہو جاتی ہیں۔ ماڈرن سائنس نے بھی یہ حقیقت تسلیم کر لی ہے کہ مختلف انسجہ میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔

مرض تفرق اتصال

مرض مفرد کی تیسری قسم کو طب یونانی میں تفرق اتصال کہتے ہیں۔ اس کی پہلی اور دوسری اقسام سوئے مزاج اور مرض ترکیب اور ان پر تنقید وتشریح بیان کر چکے ہیں۔ ان دونوں کی طرح مرض تفرق اتصال کو بھی سمجھنے کی بے حد ضرورت ہے۔ کیونکہ صدیوں سے نہ ان پر تنقید کی گئی ہے اور نہ ہی ان کی صحیح تشریح ہو سکی ہے اور اب جب کہ ماڈرن سائنس کا دور ہے اور زبردست خوردبینوں کی مدد سے ذرہ ذرہ جسم (خلیہ وسیل) کی تشریح و افعال بیان کر دیئے گئے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ طب یونانی میں بیان کی گئی امراض تشریح اور تفصیل کو اس طرح بیان کر دیا جائے کہ اس کی خوبی و برتری اور عظمت اور فرنگی طب اور ماڈرن سائنس پر واضح ہو جائے اور انہوں نے موجودہ دور میں جو ترقی کی ہے وہ اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ وہ نشو ونما میں اور ارتقاء میں یونانی طب کے مقابلہ میں کہیں افضل اور بہتر ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس قدر دقیق اور صحیح بیان طب یونانی میں ہے فرنگی طب ابھی تک اس کے پائے کو نہیں پہنچ سکی۔ یہی اس کا کمال ہے۔

مرض تفرق اتصال کی تعریف

وہ مرض ہے جس میں اعضاء کی ساخت متفرق اور جدا ہو جاتی ہے اور اس کا باہمی اتصال جاتا رہتا ہے۔ جسم کٹ پھٹ جاتا ہے۔ یہ اچھی طرح یاد رکھیں کہ گاہے تفرق اتصال بالکل نمایاں ہوتا ہے اور آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ مثلاً عضو کا کٹ جانا، جلد کا چھل جانا اور گاہے اس قدر خفیف اور باریک ہوتا ہے کہ وہ آنکھوں سے نمایاں طور پر ظاہر نہیں ہوتا۔ مثلاً سوئی کی نوک اگر جلد میں خفیف طور پر چبھو کر نکال لی جائے کہ خون نہ نکلے تو جلد میں تفرق اتصال سوئی کی نوک سے پیدا ہو جائے گا اور اس کا اثر درد کی صورت میں محسوس ہوگا۔ مگر جلد کے اجزاء کی علیحدگی آنکھوں سے معلوم نہ ہوگی۔ اسی طرح ورم جب اعضاء کی ساخت میں مادہ نفوذ کرتا ہے گو مادہ کے نفوذ سے اس عضو کے اجزاء لازمی طور پر متفرق اور جدا ہو جاتے ہیں۔ مگر ہر ایک مفرد عضو کا تفرق آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ جیسے سوزش جو بادی ہو مادی اور اندرونی ہو یا بیرونی، جب کیفیات کے اثر سے مفرد عضو میں سکیڑ پھیلاؤ پیدا ہوتا ہے تو اس مفرد عضو نسیج میں خفیف تفرق ضرور پیدا ہو جاتا ہے لیکن وہ دیکھا نہیں جا سکتا۔ مگر جو تفرق اتصال گہرا اور نمایاں ہو وہ آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ تفرق اتصال مفرد اعضاء اور مرکب اعضاء دونوں میں ہو سکتا ہے یعنی دونوں کے اجزاء متفرق اور جدا ہو سکتے ہیں۔ تفرق کا معنی جدا ہونا ہے۔ طب یونانی میں مختلف اعضاء کے تفرق اتصال کے مختلف نام ہیں۔ چونکہ اعضاء کے افعال میں روک پیدا ہو جاتی ہے۔ یا بالکل باطل ہو جاتے، اس لئے تفرق اتصال کو بطلان بھی کہتے ہیں۔

مرض تفرق اتصال کی حقیقت

تفرق اتصال کے متعلق عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس مرض کا تعلق اوّلاً اعضائے مفرد ومرکبہ دونوں سے ہوتا ہے۔ بعض حکماء نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے کہ ایسا مرض ہے جس میں اس کا تعلق کبھی اوّلاً اعضائے مفرد سے ہوتا ہے اور کبھی اعضائے مرکبہ سے۔ یہی تفرق اتصال ایک عام مرض ہے۔ جس کا تعلق دونوں قسم کے اعضاء کے ساتھ ممکن ہے۔ بخلاف سوئے مزاج اور مرض ترکیب کے کیونکہ ان کا تعلق عضو مفرد اور عضو مرکب سے جدا جدا ہوتا ہے۔

لیکن ہمیں تو اس حقیقت کو سمجھنا ہے کہ مرض کی اصلیت اور ماہیت کیا ہے اور اعضائے مفردہ اور مرکبہ سے تعلق کا مقصد کیا ہے۔ تفرق اتصال کی حقیقت کو ذہن نشین کرنے اور سوئے مزاج اور مرض ترکیب کا فرق سمجھنے کے لئے یہ جان لیں کہ سوئے مزاج سے کسی ایک مفرد عضو (نسیج) میں کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی وکیمیاوی طور پر تبدیلی پیدا ہوتی ہے جس سے اس میں تغیر واقع ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کے افعال کی طبعی حالت بدل جاتی ہے اور جب اس تغیر کا تعلق دوسرے مفرد اعضاء سے ہو جاتا ہے تو اس کو مرض ترکیب کہتے ہیں۔ چونکہ اس حالت میں دیگر اعضائے کے افعال میں بھی خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کو نقصان بھی کہتے ہیں۔ گویا سوئے مزاج اور مرض ترکیب میں اعضائے مفردہ اور اعضائے مرکبہ میں خرابیاں صرف ان کے طبعی افعال میں تغیر اور نقصان سے پیدا ہوتی ہیں جس کی وجہ کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی وکیمیاوی ہوتی ہے لیکن ان میں ابھی تک تفرق اتصال نہیں ہوتا۔ یعنی اعضاء کے اتصال میں تفرق اور جدائی کی صورت پیدا نہیں ہوتی اور جب یہی تغیر اور نقصان بڑھ کر بطلان پیدا کر دے تو یہ تفرق اتصال بن جاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ یہ تفرق اتصال جیسے اندرونی طور پر تغیر اور نقصان سے پیدا ہوا اسی طرح بیرونی طور پر واقع ہو سکتا ہے جس کی مختلف صورتیں، جو مختلف اعضاء میں واقع ہوتی ہیں، درج ذیل ہیں:

① جلد میں تفرق اتصال کی دو صورتیں ہیں۔ اولاً جس میں جلد پر خفیف خراش ہوں اس کو خدش (Excoriation) کہتے ہیں۔ دوسرے جس میں جلد زیادہ چھل جائے اس کو سحج (Abrasion) کہتے ہیں۔

② گوشت کے تفرق اتصال کی بھی دو صورتیں ہیں۔ اوّل گوشت کا تازہ زخم جس میں پیپ نہ پڑی ہو۔ جراحت (Wound) کہتے ہیں۔ دسرے جب گوشت کے زخم میں پیپ پڑ جائے تو اس کو قرحہ (Ulcer) کہتے ہیں۔

③ ہڈی کے تفرق اتصال کی بھی دو صورتیں ہیں، اوّل ہڈی یا کری جب اس کے دو یا چند ٹکڑے ہو جائیں تو اس کو (Transverse Fracture) کہتے ہیں۔ دوسرے ہڈی یا کری جب وہ ہر صورت میں ٹکڑے ہو جائے تو اس کو مفتت (Communicated Fracture) کہتے ہیں۔

④ ہڈی کے ساتھ مرکب تفرق اتصال وہ ہے جس میں ہڈی یا کری یا عصب یا شریان یا ورید کے طول میں واقع ہو۔ اس کو شق (Repture) کہتے ہیں۔

⑤ شریان یا ورید کا تفرق اتصال، اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ اوّل جب کسی شریان یا ورید کے عرق میں تفرق اتصال واقع ہو تو اس کو باتر (Invasion) کہتے ہیں، دوسرے اگر کسی شریان یا ورید کا منہ کھل جائے تو اس تفرق اتصال کو باثق کہتے ہیں۔

مرض تفریق اتصال کی یہ صورتیں کسی ایک مفرد عضو (نسیج) یا دیگر مفرد اعضاء انسجہ میں بیک وقت ہو سکتی ہیں۔ مگر ان مفرد اعضاء (انسجہ) میں بیک وقت عمل کرنے کو مرض مرکب نہیں کہتے اس کی صورت دیگر ہے۔

مرض مرکب

اس حالت کا نام ہے جو امراض کے ملنے سے پیدا ہو، یعنی اس میں بیک وقت مرض سوئے مزاج مرض ترکیب اور مرض تفرق اتصال تینوں صورتیں پائی جاتی ہیں۔ جیسے ورم، قرحہ اور ناسور وغیرہ۔ کیونکہ اس میں تغیر ونقصان اور بطلان تینوں شامل ہیں، اس لئے مرکب امراض کے علاج میں بھی تینوں صورتوں کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ یہاں اعضائے مرکبہ کو بھی سمجھ لیں، جو طب یونانی میں بیان کی گئی ہے، تا کہ غلط فہمی باقی نہ رہے۔

اعضائے مرکبہ کی تعریف

وہ اعضاء ہیں جو مفرد اعضاء کی ترکیب سے بنتے ہیں۔ یہ تین ترکیبوں سے ترتیب پاتے ہیں، پہلی ترکیب جیسے آنکھ، دوسری ترکیب جیسے چہرہ، تیسری جیسے سر، پہلی ترکیب میں مفرد اعضاء آپس میں مل کر ایک صورت بناتے ہیں اس میں اعصاب وغشاء اور عضلات وغیرہ ترکیب پا کر ایک مرکب عضو بناتے ہیں۔ جیسے آنکھ، دوسری ترکیب میں وہ مرکب عضو دوسرے اعضاء سے مل کر ایک نئی ترکیب بناتے ہیں جیسے چہرہ کہ اس میں آنکھیں بھی موجود ہوتی ہیں۔ اور تیسری ترکیب ایسی ہوتی ہے جس میں آنکھ چہرہ کے ساتھ دیگر اعضاء بھی مل کر ایک عضو کی شکل اختیار کرتے ہیں جیسے سر، اس میں چہرہ اور آنکھیں سب شامل ہیں۔ طب یونانی کا کتنا بڑا کمال ہے کہ خوردبین نہ ہونے کے باوجود مفرد اور مرکب اعضاء کے فرق اور ان کی ترکیبوں کو ظاہر صورت میں کس خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

فرنگی طب میں تقسیم امراض:

ہم گزشتہ بیان میں طب قدیم کی ماہیت اور تقسیم مرض پر نہ صرف تفصیل سے لکھ چکے ہیں بلکہ اس میں غیر جانبدارانہ تنقید کر کے اس کے حقائق بھی پیش کر چکے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم نے جو دقیق تشریح کی ہے اس سے ہمارا مقصد فرنگی طب کی پیتھالوجی (ماہیت امراض) اس کی تقسیم اس میں کیمیاوی وعضوی تبدیلیوں کا بیان کرنا اور اس کا ذہن نشین کرنا ہے۔ تاکہ پورے طور پر اندازہ ہو سکے کہ یونانی طب اور فرنگی طب میں حقیقت مرض کو کس نے بہتر طریق پر ذہن نشین کرایا ہے۔ جہاں تک ماہیت وترتیب اور تربیت وترکیب مرض کا تعلق ہے، یونانی طب اور فرنگی طب میں زمین وآسمان کا فرق ہے جس طرح باقاعدہ اور فطری اصولوں پر یونانی طب نے اس کو ذہن نشین کرایا ہے فرنگی طب اور اس کی سائنس میں یہ بات نہیں ہے اور جگہ جگہ ذہن الجھتا ہے جس سے علاج میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جب تشخیص ہی غلط ہو تو علاج میں خرابیاں واقع ہونا ضروری ہوتا ہے۔

ترسب وفساد (Infiltration & Degeneration)

جس طرح یونانی طب میں مرض کی ماہیت میں اس کی ابتدائی صورت مرض سوئے مزاج، مرض ترکیب اور مرض تفرق اتصال سے شروع ہوتی ہے، اسی طرح فرنگی طب کی پیتھالوجی میں اس کی ابتداء بدن انسان میں کیمیاوی وعضوی تغیرات اور تبدیلیوں سے ہوتی ہے، وہ ترسب اور فساد کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔ گویا فرنگی طب میں امراض کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ترسب وفساد کا سمجھنا اوّلین شے ہے۔ چونکہ جسم انسان کی ترتیب وترکیب ابتدائی حیوانی ذرّہ (خلیہ سیل) سے ہوتی ہے، اس لئے ترسب وفساد کا تعلق بھی خلیہ ہی سے شروع ہوتا ہے۔

ترسب کی ماہیت

اگر کسی خلیہ (سیل) یا نسیج (ٹشو) کی ساخت میں اندرونی یا بیرونی کیمیاوی اور عضوی طور پر کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو، اور نہ ہی اس میں کوئی تکلیف ہو بلکہ اس پر یا اس کے اندر کوئی دوسرا مادہ کسی دوسری جگہ سے آ کر اکٹھا ہونا شروع ہو جائے اس کو ترسب (Infiltration) کہتے ہیں۔ ترسب میں خلیہ یا نسیج تندرست ہوتا ہے، لیکن دوسرا مادہ اس کے اندر کیمیاوی یا عضوی طور پر اکٹھا ہو کر اثر انداز ہوتا ہے۔ ہم اس کو یونانی طب کے قسم مرض ترکیب سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ کیونکہ جو مواد وہاں پر آ کر جمع ہو کر اثر انداز ہوتا ہے، لامحالہ اس کا تعلق کسی نہ کسی دیگر خلیہ یا ٹشو سے ضرور ہوگا۔ مثلاً چربی کے لطیف اجزاء دوسری جگہ سے آ کر اکٹھا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات کسی فساد شحمی میں اس کے ذرات شحمی اکٹھے ہو کر مادہ حیات کو خلیے کی دیوار کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔ اسی طرح ہڈیوں کے گودے میں بھی شحمی ترسب واقع ہو سکتا ہے۔ یہ سب اس وقت واقع ہو سکتا

ہے، جب ان کے شحمی ذرّات طبعی ذرّات میں غیر معمولی کمی واقع ہوجاتی ہے۔

ترسب کی اقسام

① ترسب شحمی (Fally Infiltration) ② ترسب کلسی (Calcification) ③ ترسب گلائی کوجینی (Glycogenous) (شکری)۔ان کی تفصیل طویل ہے اوراس کے مقام پر بیان کی جائے گی لیکن اس بات کو ذہن نشین کرلیں کہ فرنگی طب نے ان کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔

فساد کی ماہیت (Degeneration)

جب کسی خلیہ (سیل) یا نسیج (ٹشو) کی ساخت یا اس کے طبعی افعال میں کیمیاوی یا عضوی طور پر نقص واقع ہوجائے یعنی بذاتِ خود مریض ہوجائے تو اس کو ہم یونانی طب کے قسم مرض تفرق اتصال سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ کیونکہ اس میں خلیہ کے اتصال میں فرق پیدا ہوجاتا ہے۔ چونکہ فساد اصل سبب جراثیم سمجھے جاتے ہیں اس لئے فرنگی طب میں مرض کی ابتداء فساد پر رکھی جاتی ہے اوران کی ساری طب ان کے گرد گھومتی ہے۔ فساد جسم میں کسی جگہ واقع ہو، اس کا سبب بالواسطہ یا بلاواسطہ جراثیم کا اثر ہی سمجھا جاتا ہے۔

ترسب اور فساد کا فرق

ان کے فرق کو سمجھنے کے لئے یہ ذہن نشین کرلیں کہ ترسب میں بذاتِ خود کسی خلیہ میں نقص واقع نہیں ہوتا بلکہ دوسرے حصہ جسم سے کوئی مادہ وہاں پر اکٹھا ہوکر اثر انداز ہوتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس فساد میں خلیہ ذات میں کیمیاوی یا عضوی طور پر خرابی واقع ہوجاتی ہے۔ ہم نے سمجھانے کے لئے ترسب کو مرض ترکیب سے تشبیہ دی ہے۔ اگرچہ یہ صرف تشبیہات ہیں جن کو مثل نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ جن خوبیوں سے مرض ترکیب اور مرض تفرق اتصال سے امراض ذہن نشین ہوتے ہیں ان خوبیوں سے مرض ترسب اور فساد سے ذہن نشین نہیں ہوسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب کی پیتھالوجی اوّل تو مرض کی ماہیت پر پوری طرح روشنی نہیں ڈال سکی ہے۔ اور جہاں ترسب اور فساد کا تعلق ہے۔ جو مرض کی بنیادی صورتیں ہیں۔ ان کو بھی چھوڑ کر صرف جراثیم کے نظریہ کو اپنا کر مرض کی ماہیت پر پردہ ڈال کر اس کو اندھیرے میں بند کردیا ہے۔ مرض کی ماہیت کو ذہن نشین کرنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے خلیہ کے متعلق پورے طور پر آگاہ ہوجانا چاہئے۔ کیونکہ مرض کا آغاز خلیہ (حیوانی ذرّہ) سے ہوتا ہے۔

تعریف خلیہ

خلیہ اس کو کیسہ (سیل) کہتے ہیں، یہ انتہائی چھوٹا حیوانی ذرہ ہوتا ہے۔ یہ جسامت کے لحاظ سے مختلف اقسام کے ہوتے ہیں۔ بعض خلیے اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں کہ بغیر خوردبین کے نظر نہیں آسکتے۔ ان خلیات کی جسامت کا اندازہ اس طرح لگا سکتے ہیں کہ ایک انچ لمبی قطار میں ایک سو سے لے کر چھ ہزار تک آجاتے ہیں، یہی خلیات جب باہم مل جاتے ہیں تو نسیج (Tissue) بناتے ہیں۔ یہ نسیج کل چار قسم کے ہوتے ہیں۔ ان پر ہی جسم انسان کی بنیاد ہے۔

خلیہ کی ترتیب ساخت

خلیہ کی ساخت کو کم از کم چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: ① خلیہ کی تھیلی ② مادہ حیات ③ جوہر حیات ④ مرکز حیات۔ جن کی تشریح درج ذیل ہے۔

(۱) خلیہ کی تھیلی: یہ تھیلی ایک جالی دار نہایت چھوٹی سی تھیلی ہوتی ہے جس کی ساخت میں باہر کی طرف ایک شفاف حجابی جھلی ہوتی ہے۔ یہ جھلی باریک ریشوں کی بنی ہوتی ہے جس کے اندر ایک خاص قسم کی رطوبت ہوتی ہے اور جھلی کے اندر جو رطوبت بھری ہوتی ہے اس کو مادہ حیات (Protoplasm) کہتے ہیں۔

(۲) مادہ حیات: ایک رقیق ولعابدار اور شفاف وسفید رطوبت ہوتی ہے جو خلیہ کی تھیلی میں بھری رہتی ہے۔ اس کو مادہ حیات (Protoplasm) کہتے ہیں، اس میں زندگی کے تمام لوازم پائے جاتے ہیں، یعنی اس میں نشوو ارتقاء اور توالد و تناسل کے ساتھ تکثیہ وتصفیہ اور تسنیم کے اعمال کی قوت ہوتی ہے۔ یعنی زندہ رہتا ہے، بڑھتا ہے، اور اپنی مثل پیدا کرتا ہے۔ اس کے اندر ایک گٹھلی سی ہوتی ہے، اس کو جوہر حیات (نیوکلی ایس) کہتے ہیں۔ اس کو جوہر حیات اس لئے کہتے ہیں کہ مادہ حیات کی زندگی کا دارومدار اس جوہر حیات پر ہوتا ہے۔

(۳) جوہر حیات: ایک گٹھلی کی طرح گول دانہ ہوتا ہے جو خلیہ کے مادہ حیات میں پائی جاتی ہے جس کو جوہر حیات (نیوکلی) کہتے ہیں، اس گٹھلی پر بھی ایک جالیدار جھلی چڑھی ہوتی ہے، اس جالیدار جھلی کے ریشوں میں بھی رطوبت بھری ہوتی ہے اور جھلی کے اندر بھی رطوبت ہوتی ہے۔ زندگی کا دارومدار بھی اسی جوہر حیات کو سمجھا جاتا ہے۔ تجربتاً جب کسی خلیے کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں اور جس حصے میں جوہر حیات ہوگا وہ زندہ رہے گا، باقی مر جائے گا اور بڑھ کر پھر پورا خلیہ بن جاتا ہے۔ اس جوہر حیات کے اندر بھی ایک نقطہ ہوتا ہے جس کو مرکز حیات کہتے ہیں۔

(۴) مرکز حیات (Nucleus): جوہر حیات کے درمیان ایک نقطہ سا ہوتا ہے، اس کو مرکز حیات (نیوکلی ایس) کہتے ہیں۔ بعض خلیات میں یہ مرکز حیات نہیں ہوتا۔ بہرحال اس میں بھی زندگی ہوتی ہے۔ اس طرح خلیہ کی زندگی عمل کرتی ہے۔

حقیقت خلیہ

خلیہ (سیل) ایک حیوانی ذرہ ہے۔ جس کو انسانی جسم کی ایک ایسی اینٹ کہنا چاہئے جس کے مرکز میں جوہر حیات ہے۔ جس کی وجہ

سے اس میں طبعی وعضوی اور کیمیاوی وحیاتی افعال مکمل طور پر پورے ہوتے ہیں۔ یعنی تغذیہ وتمیہ اور تصفیہ وتسنیم کے اعمال کے ساتھ اس میں نشو وارتقاء اور توالد وتناسل کی قوت ہوتی ہے، یعنی زندہ رہتا ہے۔ غذا حاصل کرتا ہے، بڑھتا ہے، اپنے فضلات خارج کرتا ہے، نسیم جذب کرتا ہے۔ بڑھ کر اپنے کمال تک پہنچتا ہے اور اپنا مثل پیدا کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس طرح سمجھ لیں کہ زندگی کے تمام لوازم قوت حرارت اور رطوبت اس میں پائے جاتے ہیں اور ضرورت کے مطابق بڑھتے گھٹتے رہتے ہیں۔ اس لئے خلیہ کو حیوانی ذرّہ کہتے ہیں اور انسان انہی حیوانی ذرّوں کا مرکب ہے۔

خلیات کی نشو ونما اور باہمی تعلق

خلیات کی نشو ونما کی جو تین صورتیں ہیں، تقریباً باہمی تعلق اور ملاپ کی وہی صورتیں ہیں۔ یہ تین صورتیں ہیں:۔

① نوک درنوک ② شاخ درشاخ ③ پہلو بہ پہلو۔

(۱) **نوک در نوک:** جو خلیے نوک درنوک ملتے ہیں وہ باہم تقسیم در تقسیم ہوتے ہیں یعنی ایک خلیہ مع اپنی تھیلی اور جوہر حیات کے دو حصوں میں تقسیم ہوجاتا ہے۔ پھر دو کے چار اور چار کے آٹھ تقسیم در تقسیم ہوکر بے شمار ہوجاتے ہیں۔ اس طرح نوک درنوک آپس میں مل کر ریشے بناتے ہیں۔ جیسے عضلات وغیرہ بنتے ہیں۔

(۲) **شاخ در شاخ:** خلیہ کے جسم سے چھوٹی چھوٹی شاخیں پھوٹ نکلتی ہیں۔ پھر خود مکمل ہوکر ایک خلیہ بن جاتی ہیں اور اس خلیہ سے الگ ہو جاتی ہیں اور پھر خود علیحدہ خلیہ بن کر شاخوں کے ذریعہ باہم ملتی ہیں۔ اس طریقے سے الحاقی اور عصبی خلیے باہم ملتے ہیں۔

(۳) **پہلو بہ پہلو:** اس طریقے سے ملنے والے خلیے غلاف کے اندر ہی تیار ہوتے ہیں۔ جوہر حیات کئی حصوں میں تقسیم ہوکر ہر حصہ خود ایک خلیہ بن جاتا ہے۔ جب یہ مکمل ہوجاتے ہیں تو غلاف خلیہ پھٹ جاتا ہے اور وہ باہر آجاتے ہیں اور پہلو بہ پہلو مل کر جھلیاں بناتے ہیں۔

انسجہ (Tissues)

اس طرح خلیات کے باہم ملنے سے انسان کے مختلف اعضاء بنتے ہیں۔ گویا تمام جسم بے شمار خلیات کا مجموعہ ہے۔ اعضائے جسم بننے سے قبل ان خلیات کے باہم ملنے وجڑنے اور تعلق سے ایک خاص قسم کی ساخت اور بافت بنتی ہے۔ ان کی ایک قسم کی ساخت اور بافت کو نسیج کہتے ہیں۔ جن کی جمع انسجہ ہے۔ یہ انسجہ ہی اعضاء بناتے ہیں۔ ان انسجہ یا اعضائے جسم کے افعال وفوائد وہی ہیں جو ان خلیات کے ہیں جن کے وہ مجموعے ہیں۔ انہی انسجہ کو انگریزی میں ٹشوز کہتے ہیں۔ یہی انسجہ (ٹشوز) یعنی خلیات کے مجموعے کی ساخت اور بافت دراصل جسم کے اعضائے مفرد ہیں۔

اقسام انسجہ

یہ انسجہ (ٹشوز) چار قسم کے ہوتے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں:

① **نسیج لحمی** (Muscular Tissue) : ان سے عضلات جسم تیار ہوتے ہیں۔
② **نسیج عصبی** (Nervouse Tissue) : ان سے اعصاب جسم تیار ہوتے ہیں۔
③ **نسیج قشری** (Epithelial Tissue) : ان سے جھلیاں اور غدد (گلٹیاں) بنتے ہیں۔
④ **نسیج الحاقی** (Connective Tissue) : ان سے باقی تمام جسم کی بھرتی ہوتی ہے۔

ان تمام انسجہ سے بعض اعضاء صرف ایک ہی قسم کی ساخت اور بافت سے بنتے ہیں، جیسے اعصاب وعضلات وغدد اور ہڈی وکری وغیرہ۔

لیکن یہ مفرد اعضاء آپس میں ایک دوسرے سے باہم جڑے اور ملے رہتے ہیں۔ لیکن بعض اعضاء کی ساخت اور بافت میں مختلف اقسام کے انسجہ شریک ہو جاتے ہیں۔ جیسے جلد و جھلیاں اور عروق وغیرہ۔ فرنگی طب میں اس کو علم الانسجہ (Histology) کہتے ہیں۔ لیکن وہ ان کی فزیالوجی (منافع) سے واقف نہیں ہیں۔ جن پر ہم نظریہ مفرد اعضاء کے تحت روشنی ڈال رہے ہیں۔

غرض انہی خلیات (حیوانی ذرّات) کی ساختوں اور بافتوں سے انسجہ (ٹشوز) اور انسجہ کے مفرد اعضاء مثلاً گوشت و پٹھے، ہڈیاں اور گلٹیاں اور جلد و عروق تیار ہوتے ہیں، پھر انہی اعضائے مفرد سے اعضائے مرکب تیار ہوتے ہیں۔ جیسے آنکھ، ناک، کان اور عروق و جھلیوں سے مکمل دل و دماغ اور جگر۔ اسی طرح ہاتھ پاؤں اور باقی تمام جسم۔ گویا جسم ایک کپڑا ہے جو تانے بانے سے بنا ہوا ہے۔ بافتن کے معنی بھی بننا ہے۔ اس سے بافندہ اسم فاعل ہے۔

افعال خلیہ

ہم لکھ چکے ہیں کہ ایک خلیہ میں زندگی کے تمام لوازم پائے جاتے ہیں، ان میں قیام حیات کے ساتھ ساتھ توالد و تناسل کا سلسلہ بھی قائم ہے، قیام حیات میں جہاں وہ اپنے لئے تغذیہ اور تسنیم حاصل کرتا ہے وہاں پر تصفیہ جسم بھی کرتا ہے جس سے وہ اپنے اندر سے خاص قسم کے مواد کے رطوبات کی شکل میں خارج بھی کرتا رہتا ہے۔ یہ تغذیہ بھی جسم ہی سے حاصل کرتا ہے وہ اس کی اپنی ذات کے لئے مفید ہوتی ہے۔ لیکن جو مواد اخراج پاتے ہیں دیگر اعضاء کی غذاء یا باعث زندگی ہوتے ہیں۔ مثلاً نسیج اعصابی جو غذا حاصل کرتے ہیں وہ کھاری ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ اپنے فضلات کا اخراج کرتے ہیں وہ ترشح ہوتی ہے۔ جو نسیج عضلات کی غذا ہے اس طرح نسیج عضلاتی جو فضلہ خارج کرتے ہیں، ان میں خمیری اثرات یا صفراء وہ اجزاء شریک ہوتے ہیں جو غدد (جگر وغیرہ) کی غذا میں شریک ہوتے ہیں۔ گویا ایک طرف یہ ذرّات غذا بنتے ہیں۔ دوسری طرف خون میں تقویت کا باعث بنتے ہیں۔ اس طرح یہ خلیات جسم میں نشو و ارتقاء اور صحت و تقویت کا باعث بنے رہتے ہیں۔ مختصر طور پر اس طرح سمجھ لیں کہ خلیات اپنے طبعی افعال انجام دیتے رہتے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں:

① خلیہ اپنی حیات قائم رکھتا ہے جس کے لئے وہ تغذیہ و تسنیم اور نشو و نما پاتا ہے۔
② خلیہ اپنے توالد و تناسل قائم رکھتا ہے، جس کے لئے اس میں نشو و ارتقاء اور ٹوٹ پھوٹ رہتی ہے۔
③ خلیہ اپنا خاص کام ضرور کرتا ہے اور وہ اپنے اندر خاص قسم کی غذا جذب کرتا ہے اور خاص قسم کے مواد کا اخراج کرتا ہے۔ بس اس طرح خلیات اپنے طبعی افعال جاری رکھتے ہیں۔

جب ان خلیات میں کہیں ترسب و فساد پیدا ہوتا ہے تو ان کے طبعی افعال میں نقص واقع ہوتا ہے۔ ان نقائص کو ذہن نشین کرنے کے لئے خلیات کے طبعی افعال کو مدنظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ اس پر انسان کے صحت و مرض کے ساتھ نہ صرف گہرا تعلق ہے بلکہ اس کی اپنی حیات اور نشو و ارتقاء اسی پر منحصر ہے۔

جو مواد غذا کے طور پر وہ جذب کرتا ہے اس میں خمیری و کیمیاوی تبدیلی پیدا کرتا ہے اور جو مواد فضلات کے طور پر خارج کرتا ہے وہ دیگر خلیات کی غذا کے علاوہ دافع تعفن اور سوزش بھی ہوتے ہیں۔ دراصل خلیات سے یہی مواد ہر قسم کے جراثیم اور زہروں کو فنا کر دیتے ہیں اور یہ فطری سلسلہ قدرت نے خود کار قائم رکھا ہے، لیکن جب خلیات میں فساد پیدا ہوتا ہے، تو اس کے مواد اور فضلات بھی زہر کی شکل اختیار کر کے باعث نقصان بن جاتے ہیں۔ یا کبھی خلیات کی رطوبت کے مواد کی زیادتی اور کمی دونوں دیگر خلیات کے لئے تکلیف کا باعث ہوتے ہیں، اس لئے ان خلیات کے طبعی افعال کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ اس طرح خلیات کی تشریح فعلی اور کیمیاوی افعال کو پورے طور پر سمجھ کر امراض و علاج پر مکمل

دسترس حاصل کر سکتے ہیں۔

انسجہ (ٹشوز) کے مجموعے

یہ حقیقت بار بار لکھی جا چکی ہے کہ تمام جسم انسان مختلف اقسام کے حیوانی ذرّات (سیلز) سے بنا ہوا ہے۔ یہ خلیات چونکہ مختلف اقسام کے ہوتے ہیں، اس لئے یہ خلیات پہلے اپنے مجموعے تیار کرتے ہیں اور پھر ان مجموعوں سے اعضائے مفرد تیار ہوتے ہیں اور پھر اعضائے مفرد سے اعضائے مرکبہ بنتے ہیں۔ ان مرکب اعضاء سے جسم انسان کی صورت بن جاتی ہے۔ گویا خلیات کے بعد جو شے پہلے تیار ہوتی ہے، وہ یہی خلیات کے مجموعے ہیں۔ جن کو بافت یا ساخت عربی میں نسیج اور انگریزی میں Tissues کہتے ہیں۔ گویا یہی مجموعے جسم انسان کی اصل بنیاد ہیں اور یہی اعضائے مفرد ہیں۔

انسجہ کے اقسام

یہ حقیقت بھی بار بار لکھی جا چکی ہے کہ یہ انسجہ چار قسم کے ہوتے ہیں۔

① نسیج عصبی ایسی بافت (ٹشو) ہے جو عصبی قسم کے خلیات سے تیار ہوتی ہے جس سے اعصاب اور ان کا مرکز دماغ تیار ہوتا ہے۔

② نسیج عضلاتی ایسی بافت (ٹشو) ہے جو عضلاتی قسم کے خلیات سے تیار ہوتی ہے جس سے عضلات اور ان کا مرکز قلب تیار ہوتا ہے۔

③ نسیج قشری ایسی بافت (ٹشو) ہے جو قشری قسم کے خلیات سے تیار ہوتی ہے جس سے غدد اور ان کا مرکز جگر تیار ہوتا ہے۔

④ نسیج الحاقی ایسی بافت (ٹشو) ہے جو الحاقی قسم کے خلیات سے تیار ہوتی ہے جس سے جسم کی بنیادیں (ہڈی و کری اور وتر و رباط) اور بھراؤ مکمل ہوتا ہے جن سے اعضائے جسم قائم ہیں۔

مفرد اعضاء کی صورت میں تو صرف ایک ہی قسم کے خلیات پائے جاتے ہیں۔ جیسے ہڈی و کری میں الحاقی مادہ۔ لیکن جب اعضاء مرکب ہوتے ہیں جلد و عروق اور شرائن و اوردہ تو ان میں مختلف اقسام کی بافتیں آپس میں مل کر ترتیب پاتی ہیں یا جہاں جہاں اعضاء آپس میں متعلق ہوتے ہیں تو پھر یہ بافتیں ایک دوسری بافت کے اندر تک چلی جاتی ہے جیسے جگر میں نظر آتا ہے تفصیل درج ذیل ہے:۔

① **نسیج عصبی** (Nervous Tissue): یہ عصبی خلیات کے ریشے ہوتے ہیں۔ یہ ریشے نہایت باریک بنے ہوتے ہیں۔ ایک متوسط عصبی ریشے کی جسامت ۴ر۱اِنچ ہوتی ہے۔ نسیج عصبی پر دو غلاف چڑھے رہتے ہیں۔ اس لیے نسیج عصبی کو محور عصب (AXON) کہتے ہیں۔ یہی عصبی ریشے کا اصل جوہر ہوتا ہے۔ اس کے اوپر غلاف شحمی (Medullary Sheath) ہوتا ہے جس کا تعلق قشری بافت سے ہوتا ہے۔ دوسرا غلاف ایک اور جھلی کا ہوتا ہے جس کا تعلق عضلاتی بافت کے ساتھ ہوتا ہے جس طرح برقی تار ربڑ کی نلکیوں میں لپٹی ہوتی ہے اسی طرح انسجہ اعصابی اپنے مرکز سے لے کر تمام جسم میں پھیلے ہوتے ہیں اور ان میں برقی رو کی طرح تحریکات چلتی ہیں۔ ان انسجہ اعصابی میں چھوٹی چھوٹی بلندیاں ہوتی ہیں جن کو طبی اصطلاح میں عنقود (Ganglion) کہتے ہیں۔ جہاں پر دیگر انسجہ اپنی دیگر راہیں بناتے ہیں انسجہ اعصابی کا اختتام مختلف طریق پر ہوتا ہے:

1. جال کی شکل میں ختم ہوتے ہیں۔
2. حلقوں میں ختم ہوتے ہیں۔
3. لمبی صورت میں ختم ہوتے ہیں۔
4. ابھار بنا کر ختم ہوتے ہیں۔ جیسے ہتھیلی اور تلوؤں کی جلد کے نیچے ہوتے ہیں۔ انسجہ اعصابی دماغ سے لے کر حرام مغز کے ذریعے تمام جسم

میں پھیلتے ہیں۔ان کے افعال احساس کرنا ہے اور عضلات وغدد کو حرکت دینا ہے۔ان کا تعلق حواس ظاہری اور باطنی سے ہوتا ہے۔

② نسیج عضلاتی (Muscular Tisseu): یہ عضلاتی خلیات سے بنتے ہیں چونکہ ہڈی اور کری کے بعد جسم پر گوشت کا ایک بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔اس لیے عضلات (گوشت) کی جسم پر کثرت ہوتی ہے۔اس بافت کے ریشے باہم مل کر مجموعے بناتے ہیں۔ پھر یہی مجموعے مل کر عضلہ بن جاتے ہیں۔ یہ عضلات سر سے لے کر پاؤں تک اعصاب وغدد کے ساتھ متعلق رہتے ہیں۔ دل عضلات کا مرکز ہے اور معدہ کو عضلات میں بے حد اہمیت حاصل ہے۔

عضلات بناوٹ اور افعال کے لحاظ سے دوقسم کے ہوتے ہیں۔اوّل ارادی عضلات (Voluntary Muscles) جو انسان کے ارادہ کے تحت کام کرتے ہیں جیسے ہاتھ پاؤں کے عضلات جن پر خاص قسم کی دھاریاں ہوتی ہیں۔دوسرے غیر ارادی عضلات (Involuntary Muscle) جن کی حرکت انسان کے ارادہ کے تحت نہیں ہے جیسے دل و پھیپھڑے اور معدہ وغیرہ ارادی عضلات میں پھیلنے اور سکڑنے کی طاقت ہوتی ہے بلکہ ان کی حرکت جونک کی سی حرکت ہوتی ہے۔ یعنی ان عضلات کا اگر ایک حصّہ سکڑتا ہے تو دوسرا پھیل جاتا ہے جیسے مری اور آنتوں کے عضلات میں یہ بات نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ ہر قسم کے عضلات کے افعال کے متعلق یہ بات سمجھ لیں کہ ان کے ذمہ قدرت نے جسم کی ہر قسم کی حرکت کرنا لگا رکھا ہے۔ یہ احساس باعث حرکت ہو یا نہ ہو۔اسی طرح جسم کی ہر حرکت صرف عضلات ہی کرتے ہیں۔

③ نسیج قشری (Epithelial Tissue): یہ قشری خلیات سے بنتے ہیں۔جسم انسان میں نسیج قشری عام طور پر غدد اور غشائے مخاطی کی شکل میں سر سے لے کر پاؤں تک پھیلے ہوئے ہیں۔غشا کی صورت میں اعضاء کے اندر یا باہر لگی ہوتی ہے۔ جیسے مری و معدہ اور امعاء کی صورت میں جلد کا بالائی طبق جس کو بشرہ کہتے ہیں۔اعصاب کے ریشے کے ساتھ لگی ہوتی ہے جو حقیقی جلد کی حفاظت کرتا ہے۔ جب بالائی طبق کے پرانے انسجہ کی وجہ سے مردہ ہو کر گر پڑتے ہیں تو اس کی جگہ نئی بافت پیدا ہو جاتی ہے۔

افعال کے لحاظ سے جسم کے اندر یا باہر جہاں جہاں پر رطوبات کی ضرورت ہے وہاں پر نسیج قشری غدد یا جھلی کی شکل میں ضرور لگے ہوتے ہیں جیسے منہ میں تھوک' آنکھ میں آنسو' ناک اور حلق میں رطوبت اسی طرح مری و پھیپھڑوں کے اندر بلغم' عورتوں میں دودھ اور مردوں میں منی وغیرہ کا اخراج پانا۔اسی طرح پسینہ اور پیشاب وغیرہ کا اخراج بھی نسیج قشری کے افعال میں داخل ہے۔

④ نسیج الحاقی (Connective Tissue): یہ الحاقی خلیات سے بنتے ہیں۔اس کو اس طرح سمجھ لیں کہ جسم انسان کی بنیاد ہڈی و کری اور رباط و اوتار پر ہے ان پر اعصابی وغددی اور عضلاتی انسجہ سے جو اعضاء بنتے ہیں ان کے علاوہ جو جسم میں بھرتی ہوتی ہے وہ سب انسجہ الحاقی سے ہوتی ہے۔ جہاں تک احساس و حرکت اور اخراج رطوبت کا تعلق ہے اس میں اس قسم کے کوئی اثرات و افعال اور فوائد نہیں پائے جاتے گویا ان میں زندگی تو ہے مگر انسانی زندگی کے معاملات میں جو دخل اعصاب و عضلات اور غدد کو حاصل ہے وہ انسجہ الحاقی میں نہیں پایا جاتا۔ گویا الحاقی انسجہ صرف بنیاد اور بھرتی کا کام کرتے ہیں۔ ماڈرن میڈیکل سائنس نے ثابت کیا ہے کہ انسجہ الحاقی انسانی زندگی اور جسم میں ابتدائی بافت ہیں جن میں نشو و ارتقاء پیدا ہوتا ہے تو یہ دیگر انسجہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔جسم کے جس مقام پر نشو و ارتقاء ختم ہو جاتا ہے۔ وہاں پر الحاقی انسجہ کی کثرت ہو جاتی ہے۔ گویا ان کی کثرت بعض مقامات پر وہاں کی زندگی ختم کر دیتی ہے۔خون میں ہر قسم کے انسجہ کے مادے پائے جاتے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ جو مادہ پایا جاتا ہے وہ انسجہ الحاقی کا ہوتا ہے۔ جب انسجہ الحاقی کے مادہ میں زیادتی ہوتی جاتی ہے تو جسم میں خشکی اور خون میں گاڑھا پن پیدا ہو جاتا ہے۔اعصاب و عضلات اور غدد کے افعال بگڑ جاتے ہیں اور جب اس میں کمی واقع ہوتی ہے تو جسم میں رطوبات کی زیادتی خون میں رقت اور کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ہڈیوں میں خرابی اور جسم کی نشو و ارتقاء رک جاتی ہے۔

مفرد اعضاء میں مرض کی ابتداء

مفرد اعضاء (انسجہ) کے خلیات کے افعال جب طبعی طور پر اعتدال پر قائم رہتے ہیں تو مجرائے بدن میں بھی کوئی خرابی نہیں پیدا ہوتی۔ اس کا نام صحت ہے۔ جب ان میں نقص و خرابی اور بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی اگر کسی خلیہ کے ان صفات کے اندر کسی قسم کا فرق آ جائے تو یہ خلیہ ایسی صورت میں ضرور مریض ہو گا۔ اس کا نتیجہ اور اثر مجرائے جسم پر پڑے گا۔ ان میں خرابی اور بے اعتدالی واقع ہو جائے گی۔ بس اسی کا نام مرض ہے اور اس کی طرف جسم کی جو صورتیں دلالت کریں گی وہ علامات ہیں۔

طب یونانی میں مرض کی ماہیت میں اس کی ابتداء مفرد اعضاء (انسجہ) کے مرض: (۱) سوئے مزاج۔ (۲) مرض ترکیب۔ (۳) مرض تفرق اتصال سے شروع ہوتی ہے۔ فرنگی طب کی پیتھالوجی (ماہیت امراض) میں مرض کی ابتداء ترسب وفساد سے شروع ہوتی ہے۔ اگر فرنگی طب کے ترسب کو مرض ترکیب اور فساد کو تفرق اتصال بھی تسلیم کر لیں تو بھی سوئے مزاج ایک ایسی صورت ہے جو طب یونانی میں تو نظر اور سمجھ آ سکتی ہے مگر فرنگی طب میں اس کی کوئی صورت نہیں ہے۔ پھر ترسب میں جو صورت بیان کی گئی ہے۔ صرف اس قدر ہے کہ اس کی طرف کوئی دوسرا مادہ اکٹھا ہو جائے۔ وہ خود تندرست ہوتا ہے اور اس کے اندر یا باہر کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی اور یہی حالت اس کے تمام اقسام میں قائم ہے۔ لیکن طب یونانی مرض سوئے مزاج میں مفرد اعضاء (انسجہ) کے اندر مزاج کی تبدیلی تسلیم کرتی ہے جس میں اس کے اندر کی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں اور امراض کی ابتداء ہوتی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے فرنگی طب خلیہ کی اندرونی تبدیلیاں کسی نہ کسی صورت میں تسلیم کرتی ہے۔ مثلاً کسی قسم کی تبدیلی اس کی شکل میں واقع ہو جائے۔ یا اس کی نواۃ جو مرکز یا وسط میں واقع ہے۔ اسی طرح مادہ حیات کی اپنی خاص شکل اور جائے وقوع ہے۔ ان کے طبعی اجزاء غیر طبعی مقدار میں یا غیر طبعی جگہ پر واقع یا مفقود ہوں تو خلیہ مریض سمجھا جائے گا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے مزاج میں خرابی واقع ہو گئی ہے لیکن فرنگی طب نہ اس حالت کا نام رکھتی ہے اور نہ اس کو ترسب اور فساد میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

مفرد اعضاء میں امراض کی صورتیں

ہم نے نظریہ مفرد اعضاء کے تحت انسجہ (مفرد) اعضاء میں امراض کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

① ان کے افعال میں تیزی ہو گی جس کو ہم ان کی تحریک کا نام دیتے ہیں۔
② اس کے افعال میں سستی ہو گی جس کو ہم تسکین کہتے ہیں۔
③ ان کے افعال میں ضعف واقع ہو گا جس کا نام ہم نے تحلیل رکھا ہے۔

ان تینوں صورتوں کی ابتداء سوئے مزاج سے شروع ہوتی ہے اور پھر مرض ترکیب اور داخلی تفرق اتصال تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ امراض کی ماہیت اور حقیقت کے سمجھنے کا سب یہی راز ہے۔ مرض کی ابتداء سے لے کر اس کی انتہاء تک یہی سلسلہ چلا جاتا ہے۔ اس طرح طالب علم اور اطباء کو امراض کی حقیقت' ماہیت اور ان کے نتائج جو ضعف و قوت اور بڑھاپے کی صورتوں میں آسانی سے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس تو کیا کسی طریق علاج نے بھی ان کوائف کو اس ترتیب اور خوبصورتی سے بیان نہیں کیا ہے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

مفرد اعضاء میں تحریک کے امراض

کسی مفرد عضو میں جب تحریک پیدا ہوتی ہے تو اس کے فعل میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ تحریک کی ابتداء میں تو عضو بوجہ کسی محرک کیفیت یا مادہ (عنصر) کی زیادتی یا اپنی ساخت میں کسی کیفیت یا مادہ کی کمی سے گر جاتا ہے اور اس کے مزاج میں سردی اور رطوبت میں خشکی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس سے اس فعل میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس عضو جسم میں ابتداءً کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی البتہ اس میں خشکی کی وجہ سے وہ اپنے افعال تیزی سے انجام دینے لگتے ہیں اور خون کا دورہ اس کی طرف تیز ہو جاتا ہے۔ گویا ایک قسم طاقت کی صورت اس میں قائم رہتی ہے۔ اگر یہی صورتیں اس میں قائم رہیں اور اس کی رطوبات تمام خشک نہ ہو جائیں اور اس کا سکیڑ زیادہ بڑھے تو اس کے افعال کی تیزی سے جو اخلاط یا رطوبات یا مواد پیدا ہو رہے ہیں وہ جسم میں بڑھ جاتے ہیں **جیسے جگر کے فعل میں تیزی سے صفراء، دماغ کے فعل میں تیزی سے رطوبت اور دل کے فعل میں تیزی سے ریاح کی زیادتی ہو جاتی ہے۔ گویا یہ سکیڑ اعصاب و غدد اور عضلات تینوں میں ہو سکتا ہے۔** یہ کیمیاوی امراض ہیں جو مشینی طور پر اعضاء میں سکیڑ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس تحریک سے اعضاء میں جو سکیڑ پیدا ہوتا ہے اس کو طب میں ضمور اور انگریزی میں اٹروفی (Atrophy) کہتے ہیں۔ بعض نے اس حالت کو ہزال لکھا ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ ہزال تحلیل کے بعد پیدا ہوتا ہے جاننا چاہیے کہ عضو کا سکیڑ یا ضمور حجم میں عظم کے مقابلے میں ہوا کرتا ہے۔ اس میں حرارت کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس لیے اس حالت کو ہزال کہنا صحیح نہیں ہے۔

جب کسی عضو میں سکیڑ پیدا ہوتا ہے تو اس میں کیمیاوی طور پر ارضی مادے پیدا ہوتے اور بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ جن کو کلسی مادہ کہنا زیادہ بہتر ہے۔ اعضاء میں کلسی مادے کی زیادتی سے کبھی ریاح کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ کبھی وہاں انسجہ میں تحریک ہو کر ان میں نشوونما شروع ہو جاتی ہیں۔ جس سے رسولیاں سلعات (Tumor) بن جاتی ہیں۔ کبھی خشکی سے اعضاء پھٹ جاتے ہیں۔ کبھی خارش شروع ہو جاتی ہے۔ کبھی دانے آتے ہیں۔

جب کبھی کسی عضو میں رفتہ رفتہ یا یکبارگی یا ضربہ یا سقطہ سے خشکی ہو جاتی ہے جس میں اکثر ورم پیدا ہو جاتا ہے۔ گویا خشکی سے لے کر خارش و دانے، سوزش و بدن پھٹنا اور سلعات و اورام سب اسی تحریک کے مشینی امراض ہیں۔ مشینی اور کیمیاوی امراض اور علامات کے فرق کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

مفرد اعضاء میں تسکین کے امراض

جب کسی مفرد عضو میں بلغم اور رطوبات کی زیادتی شروع ہو جاتی ہے تو اس عضو کے حجم یا انسجہ کی تعداد یا غیر عضوی (نسیج) مادوں کے اجتماع سے نشوونما ہو کر اس کی ساخت میں غیر طبعی بڑھاؤ پیدا ہو جاتا ہے جس کو عظم کہتے ہیں۔ اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

① عظم صادق ② عظم کاذب ③ عظم اضافی۔

① **عظم صادق** (Hypertrophy Proper): جب اعضاء کی ساخت میں طبعی طور پر بڑھاؤ پیدا ہو تو اس کو عظم صادق کہتے ہیں۔ جیسے ورزش اور محنت سے اعضائے جسم میں عظم واقع ہو جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہاں کے اعضاء میں ورزش اور محنت، خشکی کے ساتھ طلب غذا بڑھ جاتی ہے جو خون سے حاصل کرتے ہیں جس سے ان میں طبعی نشوونما ہو جاتی ہے اور یہی صالح چیز ہے۔ اس کو مرض میں شمار نہیں کیا جاتا۔ یہ مفید صورت ہے۔

② **عظم کاذب** (Hypertrophy Improper): جب عضو کی ساخت میں بلغم یا رطوبات جمع ہوں مگر وہ اعضاء میں جذب اور جزو بدن نہ ہوں ان سے مفرد اعضاء (انسجہ) بڑھ کر نرم یا ڈھیلے ہو جائیں۔ ایسے بڑھاؤ زیادہ تر انسجہ الحاقی میں ہوا کرتے ہیں۔ چونکہ یہ غیر طبعی بڑھاؤ ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو عظم کاذب کہتے ہیں۔ جیسے جگر وطحال اور دل و پیٹ کا بڑھ جانا وغیرہ۔

③ **عظم اضافی** (Compensatory Hypertrophy): جب کسی عضو پر کسی غیر مادہ کا بڑھاؤ پیدا ہو جائے، جیسے چربی یا غیر انسجہ کا بڑھاؤ۔ چونکہ یہ بڑھاؤ غیر طبعی ہوتا ہے اس لیے اس کو عظم اضافی کہتے ہیں۔ جیسے دل گردوں اور پیٹ پر چربی کا چڑھ جانا۔

تحلیل کے امراض

جسم میں انسجہ (مفرد اعضاء) کے امراض کی تیسری صورت تحلیل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حرارت کی زیادتی سے جسم میں تحلیل ہوتی ہے جس سے ضعف پیدا ہو جاتا ہے جس سے انسجہ میں کمی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے جیسے موم بتی کے جلنے کی حرارت سے موم تحلیل ہو کر اس میں کمی واقع ہو جاتی ہے یا برف اگر دھوپ میں پڑی ہو تو اس میں تحلیل اور کمی شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن ظاہر میں اس تحلیل جسم کی رطوبت جہاں پر اکٹھی ہو جاتی ہے وہاں ایک ورم کی صورت پیدا کر دیتی ہے۔ یہ مرض تحلیل کی علامت ہے۔

ورم کی حقیقت

ورم کی حقیقت پر ہم ابتداء میں بھی روشنی ڈال چکے ہیں کہ ورم صرف ابھار یا سوجن کو کہتے ہیں جس کو انگریزی میں سویلنگ (Swelling) کہتے ہیں۔ جو ماؤف جگہ کو باقی صحیح بدن سے اونچا کر دے۔ یہ اورام (۱) سوزش میں ہو سکتے ہیں جن کو ہم ضمور کے تحت لکھ چکے ہیں۔ (۲) رطوبت کی زیادتی سے ہو سکتے ہیں جن کو ہم نے عظم یا تضخم کے تحت بیان کیا ہے۔ (۳) انسجہ کے ٹوٹ پھوٹ اور تکاثر و تحلیل سے پیدا ہوتے ہیں جن کو ہم استسقاء کے تحت بیان کریں گے۔ ورم صرف التہاب کو نہیں کہتے وہ صرف سوزشی ورم کو کہا جاتا ہے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر ورم کا باعث صرف التہاب (Inflammation) ہو۔ ورم کی حقیقت کو پورے طور پر ذہن نشین کر لینا چاہئے، تاکہ مبالغہ نہ رہے۔

استسقاء (Dropsy)

وہ مرض ہے جس میں پیٹ یا بیرونی اعضاء پھول جاتے ہیں۔ استسقاء ایک عرب لفظ ہے۔ جو سقی سے مشتق ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں پانی مانگنا، پانی کا جمع ہو جانا۔ چونکہ حالت استسقاء میں جسم کی کسی نہ کسی ساخت یا جوف میں خون کا پانی (Serum) اکٹھا ہو جاتا ہے یا جسم میں پانی کی طلب بڑھ جاتی ہے جس سے یہ علامت استسقاء ظاہر ہوتی ہے۔ چونکہ اس مرض میں جسم پھول جاتا ہے اور اس میں ابھار یا سوجن کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو ماؤف جگہ کو صحیح حالت بدن سے اونچا کر دیتا ہے، اس لئے اس مرض کو اورام کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

استسقاء کی اقسام

اطبائے قدیم نے اس کے تین اقسام بیان کئے ہیں۔

① استسقاء زقی (Ascites)، زق مشک کو کہتے ہیں۔ جس طرح مشک پانی سے پھول جاتی ہے، اسی طرح پیٹ بھی پانی سے پھول جاتا ہے۔

② استسقاء لحمی (Anasarca) (لحم = گوشت) اس مرض میں جسم کا گوشت نرم اور پھول جاتا ہے۔

③ استسقاء طبلی (Tympanites) (طبل یعنی ڈھول)۔ پیٹ اس طرح پھول جاتا ہے کہ اس میں سے ڈھول کی سی آواز آتی ہے۔ چونکہ

ان اقسام کو سمجھانے میں حکماء اور اطباء نے کچھ غلطیاں کی ہیں اور کہیں ذہن نشین کرایا ہے تو پورے طور پر نہیں سمجھا گیا۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس مضمون کو پوری طرح ذہن نشین کرا دیں گے۔

استسقاء کی مقامی تقسیم

جب جسم کا کوئی مقام پھول جائے یا اس کی بعض ساختوں اور جوفوں میں سیالی خون جمع ہو جائے، تو ان کو مختلف ناموں سے نامزد کیا جاتا ہے۔ مثلاً استسقاء الدماغ، استسقاء الصدر، استسقائے غلاف القلب، پیٹ کے جوف میں ہو تو استسقائے زقی، استسقاء الخصیہ، استسقاء الرحم وغیرہ وغیرہ کہتے ہیں۔ استسقاء کا مطلق اظہار استسقاء الذقی پر کیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ چہرہ و پپوٹوں اور ہاتھ پر اماس آ جاتی ہے۔ اس کو بھی ورم رخو یا تہوج (Oedema) کہتے ہیں۔

مقاموں کے متعلق غلط فہمی

مختلف مقامات کے استسقاء کے جو مختلف نام رکھے گئے ہیں ان کو جدا جدا اقسام کے استسقاء خیال نہیں کرنا چاہئے بلکہ استسقاء الزقی کی مختلف صورتیں ہیں جو مختلف اعضاء یا مختلف مقامات پر تحریک کی وجہ سے وہاں پر واقع ہو گئے ہیں یا ان کو استسقاء الزقی کی مختلف علامات خیال کر لینا چاہئے۔ اسی طرح چہرہ و پپوٹوں اور ہاتھ پاؤں کے اماس (پھول جانے) کو بھی استسقاء الزقی ہی تسلیم کر لینا چاہئے۔ کیونکہ یہ سب استسقاء الزقی کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اور ان کے ایک ہی اسباب ہوتے ہیں اس لئے ان کا ایک ہی علاج ہے۔ ان کو مختلف امراض خیال کر کے مختلف علاج کے لئے پریشان نہ ہونا چاہئے۔

فرنگی طب کی غلط تشخیص

جسم کے مختلف جوفوں میں جو استسقاء پیدا ہو جاتا ہے اس کو رطوبت طلیہ (Secration) یا رطوبت لمفاویہ تحقیق کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق فرنگی منافع الاعضاء کی کتب میں لکھا گیا ہے کہ رطوبت طلیہ ہمیشہ بدن میں بنتی رہتی ہے۔ اور اس کا یہ کام ہے کہ اپنے ہمراہ خون سے غذا لے جا کر مثل شبنم جسم پر پھیل جاتی ہے اور ان کو غذا پہنچاتی ہے۔ پھر وہاں سے ان کے فضلات جذب کر کے اپنے ہمراہ لیتے ہوئے عروق جاذبہ سے اور وہاں سے پہنچ کر خون میں مل جاتی ہے۔ بس اس رطوبت طلیہ ہی کی زیادتی کو استسقاء تحقیق کیا ہے۔ جو بالکل غلط ہے۔ فرنگی طب اس رطوبت طلیہ کے اجتماع کی صورتیں اس طرح بیان کرتی ہے کہ استسقاء کی حالت میں رطوبت طلیہ کا جمع ہونا دو ہی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ اوّل یہ کہ رطوبت طلیہ بہت زیادہ مقدار میں خون سے مترشح ہوتی رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ رطوبت طلیہ کے طبعی دوران میں کوئی خرابی پڑ جاتی ہے۔ ان دونوں وجوہات میں سے پہلے زیادہ ورم ہے اور ان کا سبب عروق دموی کی اس کمزوری کا سبب فقر الدم یا کوئی سمیت (جو خون میں دورہ کر رہی ہے) ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ استسقاء کبھی بھی رطوبت طلیہ کے اجتماع سے نہیں ہوتا۔ ایسا خیال کرنا بھی بالکل غلط ہے۔ جاننا چاہئے کہ استسقاء ہمیشہ اس رطوبت سے ہوتا ہے۔ جو کسی مفرد عضو (نسیج) کے تحلیل ہونے سے اخراج پاتی ہے۔ کیونکہ جسم کی رطوبت عضلات ہی میں بھری رہتی ہے۔ یہ تحلیل اس وقت عمل میں آتی ہے جب غدد (جگر) میں سوزش اور انقباض ہو جاتا ہے۔ جس سے مجاری تنگ ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں صفراء کی پیدائش تو قائم رہتی ہے مگر اس کا اخراج رُک جاتا ہے۔ پھر یہی صفراء خون میں داخل ہو کر اکٹھا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس حالت کی ابتدائی صورت کا نام یرقان (Jaundice) ہے۔ پھر سوالقنیہ پیدا ہو جاتا ہے جس میں خون بگڑ جاتا ہے۔ چہرہ اور بدن کی رنگت زردی مائل ہوتی ہے۔ اور ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور نہایت کمزوری ہو جاتی ہے، اس کے بعد جب عضلات میں تحلیل شروع ہو جاتی ہے تو وہ پھیلنا

شروع ہوجاتے ہیں۔ اور یہی حالت دِل کے عضلات کی ہوتی ہے۔ پھر عضلات اور دِل کی تحلیل شدہ رطوبت بدن کے جوفوں میں اکٹھا ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ بس اس حالت کا نام استسقاء ہے۔ جس حصہ جسم میں تحلیل زیادہ ہوتی ہے اس کی مناسبت سے نام رکھ دیا جاتا ہے۔ لیکن مرض کی حالت ایک ہی رہے گی۔ غدد (جگر) میں سوزش، عضلات (قلب) میں تحلیل اور اعصاب (دماغ) میں سکون (بلغم) ہوگا۔ یعنی دماغ ہو یا قلب صدر ہو یا شکم رحم ہو یا خصیہ اور چہرہ و پپوٹے ہیں یا ہاتھ پاؤں میں بھی ابھار و سوجن اور اماس و تہوج ہو، حقیقت میں غدد (جگر) اور ان کے متعلقات میں سوزش ہوگی۔ گویا استسقاء ایک ہی مرض ہے اور اس کی ایک ہی ماہیت ہے چاہے مقام کے لحاظ سے اس کا نام مختلف کیوں نہ ہوں۔ جیسے سوزش و درد اور بخار و ضعف کی علامات مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے نامزد کئے جاتے ہیں لیکن ان کی اپنی حقیقت ایک ہی رہتی ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ فرنگی تحقیقات کس قدر غلط اور گمراہ کن ہیں۔ ہم ذیل میں ثبوت کے لئے انہی کے اسباب مرض بیان کرتے ہیں تاکہ حقیقت پورے طور پر روشن ہوجائے۔

رطوبت طلیہ اور سیال خون میں فرق

جاننا چاہئے کہ رطوبت طلیہ کی تعریف جو فرنگی طب منافع الاعضاء میں درج ہے ہم اوپر لکھ چکے ہیں اور اس کی کتب ہی سے سیال خون کی ماہیت لکھتے ہیں:۔

① استسقاء میں جو رطوبت ہوتی ہے اس کا رنگ طبعی (ہلکا زرد) ہوتا ہے۔
② اس کا وزن مخصوص 1006 سے لے کر 1013 تک ہوتا ہے۔
③ اس میں مادہ ملحمہ برائے نام ہوتا ہے۔
④ اس میں کریات بیضہ بہت کم مقدار میں ہوتے ہیں۔
⑤ اس میں غیر طبعی آمیزش مثلاً صفراء جو خون میں دورہ کررہا ہوتا ہے۔

یہ رطوبت ابالنے پر رطوبات بیضہ کی طرح منجمد نہیں پائی جاتی بلکہ وہ ایسی رطوبت ہے جو خون سے شرائین و غدد کے ذریعہ جسم پر شبنم کی طرح ترشح پاتی ہے اور جسم اپنی غذائی ضرورت کے لئے جذب کرلیتا ہے۔ اور اس میں خون کے تمام اوصاف پائے جاتے ہیں اور اس کے خلاف سیال خون میں نہ ہی اس کا رنگ و وزن ہوتا ہے اور نہ ہی اس میں اجزائے ملحمہ و کریات بیضا اور البیومن ہوتی ہے۔ بلکہ اس میں نمک و صفراء کی زیادتی کی وجہ سے اس کا رنگ ہلکا زرد ہوتا ہے یا کسی زہر یا زہریلے جانور مثلاً زہریلی مچھلی، کیکڑا وغیرہ کھانے یا سانپ، بچھو، کن کھجورا، اور بھڑ کے زہر کا اثر ہوتا ہے جن سے جگر اور گردوں میں انقباض ہوکر غدد میں سکیڑ پیدا ہوجاتا ہے۔ اور عضلات و قلب میں تحلیل شروع ہوجاتی ہے۔

تحقیقات علاج اورام

علاج اورام

اب تک ہم تحقیقات اورام پر لکھتے رہے ہیں اور اب علاج اورام پر اپنی تحقیقات شروع کر رہے ہیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ اس مضمون کو جلد ختم کر دیں۔ کیونکہ بعض دوست اس کی طوالت سے گھبرا گئے ہیں۔ چونکہ ہمارے ملک میں تحقیقات کا ذوق بہت ہی کم ہے، اس لئے اکثریت معالجین صرف اس امر کو پسند کرتے ہیں کہ مرض یا علامت کا نام لکھ کر علاج پیش کر دیا جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب تک ماہیت مرض اور اس کے متعلق پوری تحقیقات سے آگاہی نہ ہو اس وقت تک مرض کے علاج پر پورے طور پر دسترس حاصل نہیں ہو سکتی۔ پھر سوزش اور اورام جیسی علامات کا مکمل طور پر جاننا نہایت اہم ہے کیونکہ پہلے بھی یہ بات ہم واضح کر چکے ہیں کہ تمام علم العلاج میں سوزش و اورام کو انتہائی اہمیت حاصل ہے اور جو معالجین اس پر اچھی طرح دسترس رکھتے ہیں وہ ہر قسم کے علاج پر مکمل قدرت رکھتے ہیں۔

ہم نے سوزش و اورام کی تحقیقات میں ایسے ایسے اسرار و رموز اور حقائق پیش کئے ہیں کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کو ان کا تا حال علم بھی نہیں ہے۔ شاید آئندہ سو پچاس سالوں تک ان کی حقیقت سے آگاہ ہو سکیں اور ان کے ساتھ ہی ماہیت امراض تشخیص امراض، نام امراض اور علامات و اسباب پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے بھی لکھنا تھا کہ کوئی یہ کہہ نہ پائے کہ جب ہماری تحقیقات فرنگی طب ماڈرن سائنس پر برتری ایڈوانس رکھتی ہیں تو ان کی معلومات کی حقیقت کو کیوں نہیں پیش کیا گیا اور دوسری اہم بات یہ تھی کہ ہمیں ان کے علم وفن کی غلطیوں کو بھی پیش کر کے یہ واضح کرنا تھا کہ ان کا علم وفن نہ صرف غلط ہے بلکہ حقیقت سے بھی بہت دور ہے۔ الحمدللہ کہ ہم اپنے قول وفعل میں بہت حد تک کامیاب رہے ہیں۔ اُمید ہے کہ آئندہ علم وفن کی تجدید و تکمیل کے لئے بھی اللہ تعالیٰ صراط المستقیم کی ہدایت فرمائیں گے۔

تعین اورام

آیورویدک اور اطباء نے چونکہ اورام کو دوشوں اور اخلاط کے تحت بیان کیا ہے اور ہم نے دوشوں اور اخلاط کو بالمفرد اعضاء سے تطبیق دے کر فن میں تجدید اور تکمیل کی صورت پیدا کی ہے۔ اس لئے انہوں نے اورام کی جو صورتیں پیش کی ہیں ان کا تعین اور تطبیق کرنا ضروری ہے تا کہ ان کو پورے طور پر سمجھا جا سکتا اور اس کے ذہن نشین کرنے میں سہولت بھی ہو۔

شیخ الرئیس لکھتے ہیں کہ ورم ایک ایسا مرض ہے جس میں جسم کا کوئی مقام پھول جاتا ہے یا غلیظ ہو جاتا ہے۔ یہ مرض کسی عضو میں فضلات اور زائد مواد سے نمودار ہوتا ہے جو اس میں جمع ہو کر تناؤ اور پھیلاؤ پیدا کر دیتے ہیں۔ اور بثور یعنی پھنسیاں اورام ہی سے ہیں۔ پھنسیاں دراصل چھوٹے اورام ہیں۔ اس طرح اورام بھی گویا بڑی بڑی پھنسیاں ہیں گا ہے ورم بیرونی اسباب سے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کسی عضو میں چوٹ لگتی ہے تو درد کی وجہ سے اس کے اندر جوش حرارت پیدا ہو جاتا ہے جس سے خون یہاں کھنچ کر چلا آتا ہے۔ چونکہ چوٹ کے باعث اس عضو کے اندر

ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ اور طبیعت اس ضعف کو دور کرنے اور اس کی اصلاح کرنے کی غرض سے خون روانہ کرتی ہے جس سے یہ عضو اس خون سے پر ہو کر متورم ہو جاتا ہے۔

اقسام اورام

شیخ الرئیس نے پھر مختلف اخلاط سے ان کے اقسام لکھے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) **فلغمونی** (Phlegmon): دموی ورم ہے۔ علامات: مقام پھولا ہوا، گرم سرخ اور تناؤ ہوا ہوتا ہے، ہاتھ سے نہیں دبتا، درد بھی سخت ہوتا ہے، ٹیس پڑتی ہے، علی الخصوص اس وقت جب کہ یہ ورم کسی ایسے عضو میں ہو جہاں شریانیں بکثرت ہوتی ہیں، ورم دموی کی ایک قسم ہے جسے یونانی میں شقاقلوس اور عربی میں خبیثہ کہتے ہیں۔ یہ ایک بڑا ورم ہے جو غلیظ خون سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ ورم اتنا بڑا ہوتا ہے اور اس کا مادہ اتنا غلیظ ہوتا ہے کہ وریدیں، شریانیں بلکہ ہوائی آمد و رفت کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔ شریانیں حرارت غریزیہ کی ترویج سے رُک جاتی ہیں جس سے حرارت بجھ جاتی ہے۔ خون گندہ ہو کر فاسد ہو جاتا ہے۔ پھر اس خون سے یہ عضو بھی گندہ اور فاسد ہو جاتا ہے اور مردہ ہو کر سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس کا علاج کاٹ ڈالنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ لیکن جب تک حرارت غریزیہ نہیں بجھی ہوتی اور عضو میں جب تک اتنا فساد نہیں ہوتا، بلکہ حرارت غریزیہ کے بجھنے خون کے چمکنے اور جلد کے کثیف ہونے کے باعث صرف اس کے رنگ کی تازگی جانے لگی ہو اور اس کی ٹیس بند ہو چکی ہو تو اس کا نام ''غانغرایا (Gangrene)'' ہوتا ہے اس حالت میں ٹیس کے بند ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کی قوت جاتی رہتی ہے۔

(۲) **حمرہ** (Erysipelas): وہ ورم ہے جو خالص صفراء سے پیدا ہوتا ہے۔ علامات صفراوی ورم روشن، براق، سوزش اور صفراء کے رنگ پر سرخ ہوتا ہے جو دبانے سے ہٹ جاتی ہے۔ پھر یہ سرخی جلد ہی لوٹ آتی ہے۔ نیز یہ ورم سطح جلد سے قریب تر ہوتا ہے۔ زیادہ گہرا نہیں ہوتا۔ وہاں اگر صفراء خون کے ساتھ مخلوط ہو تو یہ ورم گوشت کے اندر گہرا ہوتا ہے۔ درد خفیف ہوتا ہے۔ سوزش شدید ہوتی ہے اور حمرہ پھیلتا اور دوڑتا ہے۔ اس کی ایک قسم نملہ ہے۔ وہ ایک دانہ یا چند دانے ہیں جن کے ساتھ اس قدر سوزش اور جلن ہوتی ہے۔ اور دانے کی جگہ ہلکا سا ورم ہوتا ہے اور چونکہ اس کا مادہ تیز ہوتا ہے، اس لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ چیونٹی کی طرح رینگتا ہے۔

نملہ کی ایک قسم نملہ متاکلہ (Herpes Zoaster) ہے۔ جو جلد کو زخمی کر کے کھا جاتا ہے (متاکلہ کھانے والا) دوسری قسم نملہ ساذجہ (Herpes Simplex) (ساذجہ سادہ) جو ظاہر جلد میں دوڑتا ہے اس کا سبب لطیف اور تیز صفراء ہوتا ہے جو باریک رگوں کے دبانے سے خارج ہوتا ہے۔ یہ مادہ جلد کی گرہ میں کیوں بند نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نہایت لطیف اور تیز ہوتا ہے۔

نملہ کی اقسام میں سے جاورسیہ ان دانوں کو کہتے ہیں جو باجرہ کے مانند چھوٹے چھوٹے متفرق آبلے ہوتے ہیں۔ ان کی جڑیں سرخ اور سرے سفید ہوتے ہیں۔ گاہے ان کے ساتھ شدید سوزش اور ورم ہوتا ہے اور پانی بہتا ہے۔ اس کا سبب بھی صفراء ہے جس سے نملہ پیدا ہوتا ہے۔ مگر یہاں کا مادہ صفراء رقت و غلاظت میں اوسط درجہ کا ہے اور حدت میں کم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ کسی قدر بلغم رقیق مل جاتا ہے۔

(۳) **جمرہ** (Anthrax): وہ دانے ہوتے ہیں جو گاہے منتشر اور گاہے اجتماعی حالت میں چپٹے ہو کر نمودار ہوتے ہیں۔ جمرہ یعنی انگارہ کی مانند ان میں سخت سرخی ہوتی ہے۔ ہر ایک دانہ بدن کا ایک گہرا حصہ گھیر لیتا ہے۔ گوشت کے اندر گھس جاتا ہے اور اس کا درد ایسا ہوتا ہے گویا بدن پر آگ رکھی ہوئی ہے۔ اس پر کھرنڈ جم جاتا ہے۔

(۴) **نار فارسی** (Ecxema): وہ دانہ ہے جو نکل کر جلد پر کھرنڈ جما لیتا ہے۔ کیونکہ یہ اپنی حدت کی زیادتی سے جلد کو جلا دیتا ہے۔ اس کے ساتھ نہایت سخت سوزش ہوتی ہے۔ یہ دانہ جہاں نکلتا ہے وہاں طوؤسی رنگ کے سرخ خطوط جلتی ہوئی آگ یا بھڑکتے ہوئے شعلے کے مانند ہوتے

ہیں۔ یہ جمرہ سے قریب تر ہوتا ہے۔

(۵) **تنفط** (Blister): کبھی بدن پر آبلے نکل آتے ہیں جن میں رقیق رطوبت ہوتی ہے جس طرح جلنے سے آبلے نکل آتے ہیں اور گاہے ان میں پتلا خون ہوتا ہے۔ آبلوں کے پیدا ہونے کی یہ صورت ہوتی ہے کہ عارضی حرارت سے خون رقیق ہو جاتا ہے اور اس میں اس قدر جوش آتا ہے کہ مائیت الگ ہو کر عروق کے سروں میں جلد کے نیچے چلی جاتی ہے اور جلد بمقابلہ ساختوں کے زیادہ ٹھوس ہوتی ہے۔ اس لئے مائیت اس میں نفوذ کر کے خارج نہیں ہو سکتی۔ اگر ایسا ہوتا تو مائیت پسینہ کی طرح بدن سے بالکل خارج ہو جاتی۔ بلکہ جلد سے پانی سے بھرے ہوئے آبلے بن کر رہ جاتی۔

(۶) **شری** (Urticaria): پتی بھی ایک قسم کے دانے ہیں۔ بعض چھوٹے اور بعض بڑے اور چپٹے ہوتے ہیں۔ یہ دانے سرخ ہوتے ہیں۔ ان میں پریشان کن کھجلی ہوتی ہے اور علی العموم یک لخت پیدا ہوتے ہیں۔ اس مرض کا سبب وہ گرم بخارات ہوتے ہیں جو یک لخت صفراوی خون یا بلغم شور سے بدن میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو پتی خون سے اچھلتی ہے اس کی علامت یہ ہے کہ ان میں سرخی اور گرمی زیادہ ہوتی ہے اور جلد نمودار ہو جاتی ہے اور اکثر دن کو نکلا کرتی ہے اور بلغمی کی علامت یہ ہے کہ سفید مائل ہوتی ہے۔ اور اکثر شب کے وقت اچھلا کرتی ہے۔

(۷) **خراج** (Acute Abscess): بڑے بڑے گرم ورموں میں جب پیپ جمع ہو جاتی ہے تو اس کو خراج (پھوڑا) کہتے ہیں۔ اس کی پیدائش غلیظ مادے سے ہوتی ہے جس کو طبیعت کسی عضو کی طرف دفع کرتی ہے اور وہ غلیظ ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں ہوتا کہ جلد میں نفوذ کر کے میل اور پسینہ اور بخارات کی شکل میں تحلیل ہو سکے اور نہ ہی اس قابل ہوتا ہے کہ گوشت میں سرایت کر جائے اور پیوست ہو جائے۔ وہ عضو کو پھاڑ کر اپنی جگہ بنا لیتا ہے اور پھر خود بھی متعفن ہونے لگتا ہے۔ اور اردگرد کے گوشت کو بھی اس گرمی سے متعفن کرنے لگتا ہے۔ جو اس میں عارضی حرارت سے پیدا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اس فضا میں جہاں یہ جمع ہوتا ہے، پیپ اکٹھی ہو جاتی ہے۔ پھر یہ پیپ پختہ ہو کر اور اردگرد کی جگہ کو کھا کر پھوٹ نکلتی ہے۔ پیپ بننے کی علامت یہ ہے کہ درد بڑھتا چلا جاتا ہے اور چھونے سے تنا ہوا معلوم ہوتا ہے اور پیپ کے پک جانے کی علامت یہ ہے کہ درد کی شدت میں سکون آ جاتا ہے۔

(۸) **دنبل** (Boil): دنبل دراصل بڑی اور صنوبری شکل کی پھنسی ہے۔ اس کی رنگت میں سرخی اور ابتداء میں سخت درد ہوتا ہے۔ یہ بھی حقیقت میں پھوڑوں کی قسم ہے۔ بلغمی اورام یونانی طب میں ان کو اورام کہا گیا ہے جو بلغمی مادہ کی زیادتی یا خرابی سے پیدا ہوتا ہے۔

(۹) **ورم رخو** (Dadema): ورم رخو کا یونانی نام اوذیما ہے۔ یہ ایک سفید اور ڈھیلا سا ورم ہوتا ہے۔ اس ورم کے ساتھ نہ گرمی ہوتی ہے اور نہ ہی درد کیونکہ یہ رقیق رطوبت کے بہنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس ورم میں کسی قدر غلاظت اور قدرے ثقل بھی ہوتا ہے اور دبانے سے انگلی اندر گھس جاتی ہے۔ اور دباؤ کا اثر اس پر دیر تک قائم رہتا ہے۔

(۱۰) **رسولی** (Tumor): یہ ایک غلیظ ورم ہے جو گوشت کے ساتھ چسپاں نہیں ہوتا بلکہ اس طرح الگ ہوتا ہے کہ وہ گرفت میں آ سکتا ہے اور حرکت دینے سے وہ ہر طرف آگے پیچھے، دائیں بائیں پھر سکتا ہے۔ یہ ورم چنے سے لے کر تربوز تک کے برابر ہوتا ہے۔ اس کی ایک تھیلی ہوتی ہے جو اسے ہر طرف سے گھیرے رکھتی ہے۔ اس کی پیدائش غلیظ بلغم سے ہوتی ہے۔

رسولی کی چار قسمیں ہیں: ① شحمیہ ② عسلیہ۔ شہد جیسی ③ اردھالیہ۔ ایک قسم کے حریرے جیسی۔ ④ شیرازیہ۔ ایک قسم کے سالن کی مانند۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مذکورہ بالا قسمیں مذکورہ بالا اشیاء پر حاوی ہوتی ہیں۔ پہلی قسم میں شحمیہ سب سے سخت ہوتی ہے اور اس کے چھونے سے کسی قدر درد بھی ہوتا ہے اور باقی تینوں اقسام نرم اور قلیل الحس ہوتی ہیں۔

(۱۱) **اورام غدد اور عقد**: گلٹیاں اور گانٹھیں دو قسم کی ہوتی ہیں: ① طبعی یعنی اصلی (غدد) ② غیر طبعی یعنی عارضی (رسولی اور مسے)۔

زبان کی جڑ کے غدد اور عارضی عقد دراصل بدن کے زوائد اور ابھاروں کے مانند ہیں۔ دراصل عقد سخت جسم ہوتی ہیں اور سردی اور خشکی سے بستہ ہو کر اور وہ بھی غلاظت اور صلابت اختیار کر لیتی ہیں۔ فرق ان میں اور رسولی میں صرف یہ ہے کہ یہ رسولی کی طرح بڑھتی نہیں ہیں۔ اور ان پر رسولی کی طرح غلاف بھی نہیں ہوتا اور غدد نرم نہیں ہوتے بلکہ سخت ہوتے ہیں۔

عقد کی اقسام

عقد کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) جو گوشت سے خالی مقامات پر نمودار ہوتی ہیں۔ یہ فندق اور اخروٹ وغیرہ کے مانند ہوتی ہیں اور دبانے سے پھیل کر غائب ہو جاتی ہیں۔ یہ گاہے درد کے ساتھ ہوتی ہیں اور گاہے درد کے بغیر۔

(۲) عقد گاہے لحمی یعنی گوشت کی سی ہوتی ہے۔ یہ پہلی قسم کے خلاف بدن کے ہر حصے میں پیدا ہو سکتی ہے۔ ان کو ثالیل مدفنہ (چھپے ہوئے) کہتے ہیں۔

(۳) گاہے غیر معمولی حرکت اور رگڑ سے بھی اعصاب میں عقد پڑ جاتی ہے۔ اعصاب کی عقد بھی رسولی کی طرح ابھری ہوئی ہوتی ہیں۔ اور اسی طرح دب جاتی ہیں۔ لیکن رسولی اور ان میں یہ فرق ہے کہ رسولی ہر طرف پھر سکتی ہے مگر یہ صرف دائیں بائیں ہٹ سکتی ہیں۔

(۱۲) خنازیر (Scrofula): کنٹھ مالا رسولی کی طرح گوشت سے الگ نہیں ہوتا بلکہ گوشت کے ساتھ لگا ہوتا ہے۔ یہ رسولی سے زیادہ سخت ہوتا ہے اور خنازیر کی جگہ باہر سے گلٹیاں اور رسولی سی نظر آتی ہیں۔ خنازیر لحوم رخوہ یعنی گلٹیوں اور خاص کر گردن میں پیدا ہوتا ہے۔ (دیگر مقامات پر بھی پیدا ہو سکتا ہے)۔ خنازیر کی گلٹیاں اکثر متعدد ہوتی ہیں اور ایک تھیلی کے اندر بند ہوتی ہیں۔ ان کا نام خنازیر اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ اکثر مرض سؤر کو ہوتا ہے۔ کنٹھ مالا کی پیدائش بدہضمی اور تخمہ سے ہوا کرتی ہے۔

(۱۳) طاعون (Plague): شیخ الرئیس کا قول ہے کہ جس یونانی لفظ کا ترجمہ عربی میں طاعون ہے، یونانیوں کے نزدیک یہ تمام ان اورام کے لئے بولا جاتا ہے جو لحوم غدد یعنی گلٹیوں میں ہوا کرتے ہیں۔ خواہ وہ گلٹیاں حسدار ہوں جیسے خصیے، چھاتی اور اصل اللسان وغیرہ اور خواہ وہ بے حس ہوں مثلاً بغل کی گلٹیاں، کان کے پیچھے کی گلٹیاں، سر کے پیچھے کی گلٹیاں، بعد میں لفظ مہلک اور زہریلے اورام کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے، لیکن گلٹیوں سے اس کا تعلق لازمی ہوتا ہے۔

طاعون چھوٹے چھوٹے دانے یا بڑے ورم کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ حد سے زیادہ سوزش ہوتی ہے۔ یہ مقام ماؤف سبز یا نیلا یا سرخ ہو جاتا ہے۔ اس مرض کے ساتھ قے بھی آتی ہے۔ اس کا سب سے زہریلا مادہ ہوتا ہے جو عضو کو فاسد اور متصلہ اجزاء کے رنگ کو بدل دیتا ہے اور اس کی بری کیفیت شریانوں کی راہ قلب تک پہنچ کر قے، غشی اور خفقان پیدا کرتی ہے اور یہ مرض علی العموم چوتھے روز ہلاک کر دیتا ہے۔ اور اکثر اس کا ورم ضعیف اور ڈھیلے اعضاء میں ہوتا ہے۔ علی الخصوص یہ مغابن یعنی کنج ران، بغل اور کان کے پیچھے ہوا کرتا ہے۔ اور کبیر طاعون وہ ہے جو بغل اور کان کے پیچھے عارضی ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مقام ایسے اعضاء سے قرب رکھتے ہیں جو رئیس ہیں۔

(۱۴) اورام المغابن: گاہے مغابن یعنی بغلوں اور کنج ران میں ہو جایا کرتا ہے (مگر وہ زہریلے اور فاسد نہیں ہوا کرتے)۔ بلکہ ان اورام کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اعضائے رئیسہ اپنے فضلات کو ان کی طرح پھینکتے ہیں۔ گاہے ہاتھ پاؤں کے دوسرے زخموں اور وروموں سے بھی ان میں ورم پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ طبیعت اصلاح کرنے کی غرض سے ان اورام وغیرہ کی طرف اچھے یا برے مواد کی راہ میں ہوتی ہے اور ان کی ساخت بھی ضعیف ہوتی ہے۔ اس لئے یہ مواد ان گلٹیوں کے اندر نفوذ کر کے ورم پیدا کر دیتا ہے۔

(۱۵) **عرق مدنی (انارو۱)** (Guinea Worm): عرق مدنی ایک مرض ہے۔ اوّل یہ دانہ سا نمودار ہوتا ہے۔ پھر پھول کر آبلہ بن جاتا ہے۔ پھر اس میں چھید ہو جاتا ہے جس سے ایک شے رگوں کی مانند خارج ہوتی ہے اور وہ بڑھتے بڑھتے ایک بالشت کے برابر اور مزید بڑھ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بالکل خارج ہو جاتی ہے اور گاہے کیڑے کی طرح جلد کے نیچے حرکت کرتی ہے۔

سبب: اس مرض کا سبب ردّی فضلات ہوتے ہیں جو گوشت کے اندر کی رگوں میں جمع ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی غیر معمولی حرارت بھی ہوتی ہے۔ جو ان فضلات کو بھون کر خشک اور بستہ کر دیتی ہے اور یہ فضلات دھاگے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ کیونکہ یہ رگوں کی نالیوں میں پیدا ہوتے ہیں، ان کو طبیعت دوسرے فضلات کی طرح دفع کرتی ہے۔ جو بعض باریک شاخوں شاخوں کی طرح جا کر اسے کھولتے ہیں اور قوت دافع کے زور سے جلد میں سوراخ کر دیتے ہیں۔ یہ مرض اکثر حجاز جیسے گرم خشک ممالک میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کو مدینہ منورہ کی طرف اس لئے منسوب کیا گیا کہ وہاں اکثر پیدا ہوتا ہے۔

اورام ریاحی

شیخ الرئیس لکھتے ہیں کہ ورم ریحی کی ایک قسم تو وہ ہے جو متحرک بخارات سے پیدا ہوتی ہے، اور تہیج یعنی بھر بھراہٹ سے مشابہ ہوتی ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جو ریاحی بخارات (غلیظ بخارات) سے عارض ہوتی ہے، اس کا نام نفخہ (پھولنا) ہے۔

علامات: یہ ورم پھولی ہوئی مشک کی طرح ہلکا ہوتا ہے۔ انگلی سے بہت کم ہوتا ہے اور دباؤ کا اثر فوراً زائل ہو جاتا ہے۔

سبب: گاہے اس کی پیدائش سوداوی مادے سے ہوتی ہے جو خون کا میل اور تلچھٹ ہوتا ہے۔ اس قسم کے اعضاء کٹ کٹ کر نہیں گریں گے۔ کیونکہ اس کا مادہ زیادہ فاسد نہیں ہوتا بلکہ اعضاء کی حس باطل ہو جاتی ہے اور یہ موٹے اور ٹھوس ہو جاتے ہیں۔ آواز بیٹھ جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اس مرض کا نام داء الاسد (شیر کا مرض) ہے۔ اگر شروع شروع میں ہی اس کا تدارک کر دیا جائے تو یہ قسم قابل علاج ہے۔ گاہے یہ مرض اس سوداوی مادہ سے پیدا ہوتا ہے جو غیر طبعی صفراء کے جلنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اس قسم میں اعضاء گل کر گرنے لگتے ہیں اور یہ شفایاب نہیں ہوتا۔

علامات: جذام کے شروع ہونے کی علامت یہ ہے کہ آواز بگڑتی جاتی ہے۔ سانس میں تنگی آ جاتی ہے۔ آنکھ کی سفیدی گدلی ہو جاتی ہے۔ چہرہ سیاہی مائل ہو جاتا ہے۔ رگوں میں گانٹھیں سی پڑ جاتی ہیں۔

جرب (Scabies) (خارش کے دانے)

یہ چھوٹی چھوٹی پھنسیاں ہیں جو اوّل اوّل سرخ ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ سخت کھجلی ہوتی ہے۔ ان میں ریم بھر جاتی ہے۔ اور گاہے نہیں بھرتی اور اکثر یہ ہاتھوں اور انگلیوں کے درمیان پیدا ہوتی ہے۔ گاہے سارے بدن میں عارض ہو جاتی ہے۔

سبب: اس کا سبب یہ ہے کہ براہِ راست خون فاسد ہو جاتا ہے یا صفراء اور جلا ہوا سوداء یا نمکین بلغم خون کے ساتھ مل جاتا ہے، خارش کی قسموں اور درد و کھجلی وغیرہ جیسے عوارض کے اختلاف کا دار و مدار ان ہی اخلاط کے ملنے پر اور ان کی تیزی و سکون اور غلاظت و رقت اور کثرت و قلت پر ہے۔ خون کے فاسد ہونے اور جلنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ گرم مصالحے بکثرت استعمال کئے جاتے ہیں یا گرم اور چٹ پٹ کوامخ (ایک قسم کا سالن جو پودینہ دودھ اور گرم مصالحہ سے تیار کیا جاتا ہے) شوربا اور نمکین گوشت وغیرہ، مٹھاس و شراب اور دوسری خشک غذائیں بکثرت کھائی جاتی ہیں۔ جس سے خون فاسد ہو کر قوام اور مزہ بدل جاتا ہے۔ اس میں وہی غیر طبعی مواد پیدا ہو جاتے ہیں۔ طبیعت اس کو دیگر فضلات کی طرح اور اندرونی شریف اعضاء سے دفع کر کے جلد کی طرف باریک رگوں میں پھینک دیتی ہے اور جلد اپنی ذاتی کمزوری کے باعث اس کو قبول کر لیتی ہے اور کھجلی پیدا ہو جاتی ہے۔

اقسام

خارش کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں۔

(۱) **خشکی کھجلی**: جس میں نہ پیپ پڑتی ہے اور نہ اس میں سے کوئی رطوبت بہتی ہے۔

(۲) **تر کھجلی**: جس سے رطوبت اور پیپ بہتی ہے اور گاہے اس سے سیاہ خون بھی جاری ہو جاتا ہے اور گاہے اس وقت جب کہ مادہ غلیظ اور اس میں رطوبت ہوتی ہے اور اس میں لیکھ کی مانند کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس مرض کی شکلیں مختلف ہوا کرتی ہیں جس میں تیز صفراء کا غلبہ ہوا کرتا ہے اس میں دانوں کے سرے تیز رنگ سرخ اور درد کھجلی اس میں زیادہ ہوتی ہے جس میں سودا کا غلبہ ہوتا ہے اس میں دانوں کی جڑیں سیاہ ہوتی ہیں، اس میں درد کم، مرض پائیدار اور سستی سے صحت پذیر ہوتا ہے اور جو بلغم سے پیدا ہوتی ہے اس کے دانے سفید اور پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔

قوبا (Ring Worm)

داد ایک قسم کی خُشُونَت یعنی کھردراپن ہے جو جلد پر پیدا ہو جاتی ہے اس کا رنگ گاہے سرخی مائل ہوتا ہے، اس کی پیدائش تیز اور لطیف خون سے ہوتی ہے جس کے ساتھ غلیظ سودا ملا ہوتا ہے، جو جرب (خارش) کے مادہ سے زیادہ غلیظ ہوتا ہے اور گاہے اس کی پیدائش جلی ہوئی غلیظ رطوبت اور بلغم شور سے ہوتی ہے جو تیز خون سے مل جاتی ہے اور یہ دیر پا داد میں ہوتا ہے جس میں جلد کے چھلکے اتر اتر کر گرتے ہیں۔

ورم کا علاج عمومی

ہم نے مفرد اعضاء (انسجہ) میں امراض کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

① ان کے افعال میں تیزی ہوگی جس کو تحریک کا نام دیا گیا ہے۔

② اس کے افعال میں سستی ہوگی، ہم اس کو تسکین کہتے ہیں۔

③ اس کے فعل میں ضعف واقع ہوگا، جس کا نام ہم نے تحلیل رکھا ہے۔

ان تینوں صورتوں کی ابتداء سوئے مزاج سے شروع ہوتی ہے اور پھر مرض ترکیب آخر میں تفرق اتصال تک پہنچ جاتی ہے اور ورام بھی انہی تینوں صورتوں کے تحت آتے ہیں۔

اورام کو علاج الامراض پر فوقیت اس لئے حاصل ہے کہ کوئی بھی مرض جس نسیج (مفرد اعضاء) میں شروع ہوتی ہے۔ وہ آخر میں کسی نہ کسی سوزش اورام پر ختم ہوتی ہے۔ گویا ہر مرض کی انتہا کسی نہ کسی ورم کی ابتداء پر ہوتی ہے۔ اگر علم الامراض پر غور کیا جائے تو وہ صرف علم الاورام ہیں۔ یعنی ابتداء سے انتہاء تک اورام کی مختلف صورتیں ہیں، اس لئے جو لوگ بھی علم الاورام پر پوری دسترس رکھتے ہیں۔ وہ معالج ہر قسم کے امراض پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ علم الامراض میں اور کچھ نہیں ہے۔ امراض کی ماہیت کو سمجھنے کا بس یہی راز ہے۔ امراض کی ابتداء سے لے کر ان کی انتہاء تک بس یہی سلسلہ چلا جاتا ہے۔ اس طرح طالب علم اور عوام کو امراض کی حقیقت و ماہیت اور علامات و نتائج آسانی سے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔

امراض کی انتہائی صورتوں کو ہم نے ورم تحقیق کیا ہے اور اورام کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

① ضمور (Atrophy) ② عظم (Hypertrophy) ③ استسقاء (Oedema)

عام طور پر جس کو ورم کہا جاتا ہے وہ ضمور ہے۔ اس کو التہاب اور انگریزی میں Inflamation کہتے ہیں۔ اس نوع کے تمام اور

ام ضمور کے تحت ہی آئیں گے۔ اگرچہ اس کے متعلق ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں، لیکن ذہن نشین کرنے کے لئے اس قدر پھر سمجھ لیں کہ جب کسی عضو میں اندرونی طور پر سوزش ہوتی ہے، یا بیرونی طور پر کسی عضو پر شدید ضرب پہنچتی ہے تو اس کا اثر مقام مضروب سے دماغ نخاع میں سرایت کر جاتا ہے۔ پھر مبدائے اعصاب سے پلٹ کر عضو ماؤف کے ہر ایک جزو میں پھیل جاتا ہے۔ اس سے وہاں پر دوران خون تیز ہو جاتا ہے۔ رگیں خون سے بھر جاتی ہیں۔

ماہیت ورم

ورم میں جو تغیرات پیدا ہوتے ہیں ان کی درج ذیل صورتیں عمل میں آتی ہیں:۔

اوّل۔ اوّل انسداد الدم (خون کا بند ہو جانا)، سوزش کے خاص مرکز میں خون کی رفتار بند ہو جاتی ہے اور خون ایک چکر سا معلوم ہوتا ہے۔

دوم۔ اجتماع الدم (خون کا اکٹھا ہونا) مرکز کے ہر طرف خون نہایت سست اور مدھم اور رُک رُک کر چلتا ہے۔ رگوں کی طاقت جاذبہ بالکل دور ہو جاتی ہے۔ خون کے سرخ ذرّات ختم ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور سفید دانوں کی تعداد بڑھنے لگتی ہے۔ جب ان کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے تو باہم چسپیدہ ہو کر عروق کے خون میں اٹک جاتے ہیں۔ اس صورت میں اگر کسی قدر خون نکالا جائے تو اس پر ایک نیلگوں جھلی بن جاتی ہے جب خون جم جاتا ہے تو یہی جھلی سطح خون پر سفید زردی مائل نظر آتی ہے۔ پھر سکڑ کر پیالہ کی شکل بن جاتی ہے۔

سوم۔ رجوع الدم۔ دوسری صورت کے گرداگرد دورانِ خون بے حد تیز ہو جاتا ہے۔ عروق شعریہ وغیرہ کی رگیں پھول جاتی ہیں۔ خون کے سرخ دانے بہ نسبت سفید دانوں کے بکثرت اکٹھے ہونے لگتے ہیں۔ خون میں کئی قسم کے تغیر پیدا ہو جاتے ہیں جن کا ذکر ہم سوزش میں کر چکے ہیں۔ یہ سب تغیرات اعصاب کے افعال میں خلل سے عمل میں آتے ہیں۔

اسباب عمومی

بیرونی طور پر ضربہ وسقطہ، صدمہ ودباؤ، محنت ومشقت کی کثرت، موسمی تغیرات، سردی خشکی، یا گرمی خشکی کا بڑھ جانا مختلف اندرونی و بیرونی زہر اور فاسد مواد وغیرہ کا جسم میں اثر کر جانا۔ ان میں جراثیم بھی شامل ہیں۔ اسی طرح **شدید نفسیاتی اثرات غم وغصہ اور خون کی زیادتی بھی فوری طور پر یا رفتہ رفتہ جسم میں سوزش اور ورم پیدا کر دیتے ہیں۔**

علامات: سب سے بڑی علامات یہ ہیں۔ مقام ماؤف پر (۱) سرخی (۲) سوجن (۳) تناؤ (۴) درد (۵) گرمی۔ جن کی تفصیل ہم ماہیت اورام میں لکھ چکے ہیں۔ یہ علامت خفیف حالت میں کم اور شدید حالت میں زیادہ ہوتی ہے۔ نبض تیز ومشرف اور عضلاتی ہو جاتی ہے۔ شدت میں بخار جو اکثر لرزہ کے ساتھ چڑھتا ہے، حرارت جسم زیادہ ہو جاتی ہے، جسم کا رنگ سرخ نیلگوں ہو جاتا ہے، پیشاب وپسینہ کم، اکثر قبض اور ریاح کی زیادتی، قارورہ کا رنگ سرخ زردی یا سیاہی مائل ہوتا ہے، بھوک بند ہو جاتی ہے اور اشتہائے طعام ختم ہو جاتی ہے، جسم میں خصوصاً مقام ماؤف پر بے چینی اور بے قراری بڑھ جاتی ہے۔

اصول معالجات اورام

چونکہ اورام کے اسباب مختلف ہوتے ہیں اور اس میں سوئے مزاج ومرض ترکیب اور تفرق اتصال تینوں شامل ہوتے ہیں اور اس میں چاروں اخلاط میں سے کوئی ایک خلط ہوا کرتی ہے۔ اور بعض دفعہ ریح سے بھی عارض ہو جاتا ہے۔ ان کے ساتھ ہی مختلف مقامات اور مختلف احوال کی وجہ سے علاج میں کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور ہوتا ہے، اس لئے ان سب کو مدنظر رکھ کر معالجات اورام کے اصول کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

اورام کی مختلف صورتیں

اورام کی اقسام ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں، لیکن مختلف صورتیں جو مختلف اسباب کے تحت پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے علاج میں عام طور پر ورم حار و ورم سادہ اور ورم عضوی کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان صورتوں میں کچھ غلط فہمیاں دور کرنا ضروری ہیں۔ کیونکہ ان غلط فہمیوں سے معالجات میں جو الجھنیں پیدا ہوتی ہیں وہ اکثر خوفناک ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کو ذہن نشین کر لیں۔

جمہور حکماء سے اختلاف

شیخ الرئیس لکھتے ہیں بعض اورام حار ہوتے ہیں، بعض بارد۔ پھر اورام باردہ کی دو صورتیں ہیں۔ گاہے نرم ہوتے ہیں (اورام تہوجیہ۔ Oedema) گاہے سخت (سوداوی)۔ حکمائے متقدمین اور متاخرین نے متفقہ طور پر اورام کی دو بڑی اقسام بیان کی ہیں: اوّل گرم، دوسرے سرد۔ اور اخلاط کے مطابق ان کی چار صورتیں ہو جاتی ہیں یعنی گرم تر و گرم خشک اور سرد تر و سرد خشک۔ لیکن میری تحقیقات یہ ہے کہ مطلق گرم ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہر قسم کے ورم کی ابتداء سوزش اور جلن سے ہوتی ہے۔ چونکہ سوزش میں انقباض ہونا لازمی ہے۔ اور انقباض ہمیشہ سردی سے ہوتا ہے۔ گرمی سے انقباض ہرگز پیدا نہیں ہوتا۔

یہ حقیقت ہے کہ سردی ہر شے میں سکیڑ پیدا کرتی ہے اور گرمی ہر شے کو پھیلاتی ہے۔ اس لئے اس کا ورم صرف سردی سے پیدا ہوتا ہے۔ گرمی سے ہرگز کوئی ورم پیدا نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی گرمی سے کوئی درد اور بخار پیدا ہو سکتا ہے۔ ان تینوں کے متعلق ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

جہاں تک گرم ورم کہنے کا تعلق ہے، یہ صرف اضافی بات ہے۔ یعنی جن اورام میں خون کا دباؤ ہوتا ہے ان کو گرم ورم کہہ دیا جاتا ہے۔ اور جن اورام میں رطوبات زیادہ ہوتی ہیں ان کو سرد ورم کہہ دیا جاتا ہے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ جن اورام کو سرد (تہوجیہ) کہا جاتا ہے ان کے اندر جسم میں انتہائی گرمی بلکہ صفراء کی بے حد زیادتی ہوتی ہے۔ ان حقائق کو سمجھنے کے لئے بنیادی طور پر یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اورام ہمیشہ سردی سے پیدا ہوتے ہیں ان کا علاج ہمیشہ گرم اشیاء سے کیا جاتا ہے۔ جہاں تک رادع اور سرد ادویات کا تعلق ہے یہ ابتداء میں صرف اس لئے کیا جاتا ہے کہ خون کا اجتماع اور دوران ورم کی طرف کم ہو جائے تاکہ زیادہ حصہ جسم کو متاثر نہ کرے۔ لیکن یہ حقیقی علاج میں شریک نہیں ہے۔ حکمائے جمہور اس امر پر متفق ہیں کہ ہر مکمل ورم کا علاج گرم اشیاء سے کیا جائے یہاں تک کہ تہوّجہ (Oedema) کا علاج بھی گرم اشیاء سے کیا جاتا ہے۔ بس یہی اس تحقیق پر زبردست دلیل ہے کہ اورام کی ابتدا ہمیشہ سردی سے ہوتی ہے اور ان کا علاج گرمی سے کرنا چاہئے۔ اس طرح طالب علم کے دل میں کوئی غلط فہمی نہیں رہتی اور وہ علاج پر پوری طرح قابو پالیتا ہے۔

ورم کی کیفیاتی بالاعضاء تقسیم

عضلات میں جب ورم ہوگا تو اس کی کیفیاتی طور پر دو ہی صورتیں ہوں گی، اوّل عضلات میں غیر معمولی خشکی سردی اثر کر جائے یعنی **عضلاتی اعصابی ورم** (ورم خشک سرد)۔ یہ عام طور پر انتہائی انقباض سے ہوتی ہے۔

یاد رکھیں! یہ ریاحی ورم ہے اور سوداویت کی صورت میں پیدا ہوتا ہے، لیکن اس میں تیزی و جلن اور سوزش نہیں ہوتی، اس لئے اس کو سرد ہی کہا جاتا ہے۔ دوسرے عضلات میں خشکی کے ساتھ کچھ گرمی اثر کر جائے یا پیدا ہو جائے جو انتہائی خشکی کا اثر ہے، لیکن یہ یاد رکھیں کہ یہ گرمی بہرحال خشکی سے کم ہوگی (کیونکہ اگر گرمی خشکی سے بڑھ جائے تو لازماً اور فطرتاً ورم تحلیل ہو جائے گا)۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ (سوداویت میں سردی کا غلبہ ہوتا ہے، لیکن اس کی خشکی کی زیادتی ہمیشہ حرارت کو پیدا کرتی رہتی ہے) اس ورم کو **عضلاتی غدی** کہتے ہیں۔ یعنی خشکی گرمی کی طرف مائل ہوگئی ہے (یعنی ورم خشک گرم) یہ ورم اس وقت پیدا ہوتا ہے جب عضلات میں انتہائی انقباض

کے ساتھ تیزی وجلن اور سوزش پیدا ہوجائے اور یہ سوزش اس خون سے پیدا ہوتی ہے جو ورم کی صورت میں وہاں پر اکٹھا ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ یہ بھی ریاحی ورم ہے۔ اس کو غلطی سے گرم ورم کہا جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خون وجسم اور مقام ورم میں کچھ تیزی وجلن اور سوزش پیدا ہوجاتی ہے۔ لیکن بہر حال ہر جگہ جو گرمی پیدا ہوتی ہے، وہ خشکی سے بہت ہی کم ہوتی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس ورم کو طب قدیم میں انتہائی گرم ورم کہا گیا ہے اور پر لطف بات یہ ہے کہ اس کا علاج بھی گرم ادویہ اور اغذیہ سے کرتے ہیں۔ اس کا علاج بھی گرم ادویہ اور اغذیہ سے ہونا چاہئے۔ اس لئے نظریہ مفرد اعضاء کے تحت غدی تحریک کو تیز کر دیا جاتا ہے۔ جو عضلاتی کی طرف ہوتی ہے۔ **غدی عضلاتی تحریک** کو اس لئے قائم رکھا جاتا ہے کہ پورے طور پر حرارت پیدا ہوجائے اور جسم میں اکٹھی بھی ہوتی رہے۔ ویسے یہ **یاد رکھیں کہ گرمی خشکی (غدی عضلاتی تحریک) میں بھی پوری گرمی نہیں پائی جاتی، پوری گرمی ہمیشہ گرمی تری میں پائی جاتی ہے، جو غدی اعصابی تحریک ہے اور جب تک یہ تحریک پیدا نہ ہو عضلاتی ورم تحلیل نہیں ہوسکتا۔**

عفونتی اور غیر عفونتی ورم

طب یونانی میں کیفیاتی اور اخلاطی صورتوں کے علاوہ اورام کی غیر عفونتی اور عفونتی دوصورتوں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ غیر عفونتی کی مثال کانٹا چبھنا ہے اور فرنگی طب میں غیر عفونتی ورم کو تسلیم ہی نہیں کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر سوزش بغیر خمیر کے پیدا ہی نہیں ہوتی۔ یہ خمیر ہی فساد اور تعفن کا باعث ہوتا ہے۔ اس میں حرارت ضرور پیدا ہوتی ہے۔ مگر یہ حرارت ورم کی خشکی سے بہت کم ہوتی ہے۔ اس کو ریاحی ہی سمجھنا چاہئے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے، جب تک سوزش پیدا نہ ہو اور چاہے انتہائی انقباض سے وہاں پر خون کا دباؤ کتنا بڑھ جائے ایسا ورم ہمیشہ سرد ہی کہلائے گا۔ لیکن ایسے اورام اکثر زیادہ دیر تک نہیں رہتے اور خمیر وفساد پیدا ہوجاتا ہے اور اورام عفونتی بن جاتے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ بغیر سوزش وخمیر اور فساد وتعفن کے کسی سرد یا گرم اور ریاحی ورم کا علاج بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ سوزش وخمیر اور فساد وتعفن ہی جسم میں حرارت پیدا کرتے ہیں جن سے تحلیل ہوکر اورام رفع ہوجاتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ جب بھی سوزش وخمیر اور فساد وتعفن کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ جو ابتدائی اورام کی جلن اور درد کے لئے مفید ہے، لیکن اگر اس کا قیام زیادہ دیر رہ جاتا ہے تو وہ خود قاطع اور زہر بن جاتی ہے۔ بہر حال سوزش وخمیر اور فساد وتعفن کی افادیت اور نقصان کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ یہ سب کچھ اورام کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اور اس کے علاج (کی حقیقت) کے لئے اسرار ورموز اور راز بھی ہیں۔

غدی اور اعصابی اورام

عضلاتی اورام کو ذہن نشین کرنے کے بعد غدی اور اعصابی اورام کو سمجھیں۔ عضلاتی اورام کی دوصورتیں بیان کی ہیں:

(۱) عضلاتی اعصابی (۲) عضلاتی غدی۔

اسی طرح غدی کی بھی دوصورتیں ہیں: (۱) غدی عضلاتی - گرم خشک (۲) غدی اعصابی - گرم تر۔

جاننا چاہئے کہ غدی عضلاتی اورام جلد شفایاب ہوجاتے ہیں۔ یا ان میں جلد موت واقع ہوجاتی ہے۔ جیسے ذات الجنب۔ کیونکہ ان میں حرارت بہت پیدا ہوکر اورام کو تحلیل کر دیتی ہے۔ لیکن اگر علاج میں غلطی واقع ہوجائے جو سرد ادویات کے استعمال سے ہوجاتی ہے، تو حرارت اور اورام ضعف قلب پیدا کر کے موت کا باعث بن جاتی ہے۔

غدی اعصابی اورام (گرم تر اورام) بہت جلد شفایاب ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ ان میں حرارت اور رطوبت کی پیدائش زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن گرمی کو مدنظر رکھتے ہوئے جو سرد خشک یا سرد تر ادویات اور اغذیہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ اورام مزمن بن جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو اورام کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں وہ کیفیات واخلاط کی زیادتی کو دیکھ کر جھٹ بالضد ادویات اور اغذیہ کا استعمال شروع کر دیتے ہیں اور اس امر کو نظر انداز کر دیتے

ہیں کہ جگر گردہ اور غدود وغیرہ میں بھی ورم کی صورت پیدا ہوگی۔ وہاں پر سوزش اور جلن انقباض اور سردی سے پیدا ہوگی۔ صفراء اور حرارت کی زیادتی جگر وگردوں اور غدد کی تیزی کا نتیجہ ہیں۔ پس اس قسم کے اسرار ورموز اور راز نہ جاننے سے معالجین علاجُ الامراض خصوصاً اورام کے علاج میں غلطیاں کیا کرتے ہیں۔

اعصابی اورام

عضلاتی اور غدی اورام کی طرح اعصابی اورام بھی دو اقسام کے ہوتے ہیں: (۱) اعصابی غدی اورام (تر گرم اورام)۔ (۲) اعصابی عضلاتی اورام (تر سرد اورام)۔ یاد رکھیں کہ اعصابی اورام اکثر نہیں ہوتے۔ اگر ہو جائے تو بہت جلد رفع ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ساتھ ہی ایک طرف جسم سے رطوبات کا اخراج بڑھ جاتا ہے۔ جس سے خون کے اندر کے زہر کیمیاوی طور پر کم ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف دِل کی حرکات میں کمی واقع ہو جاتی ہے جس سے اجتماع خون میں فوراً کمی واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن جب اعصاب میں سوزش شدید یا ورم واقع ہو جائے، جیسے اعصابی غدی ورم میں چیچک اور خسرہ وغیرہ اور اعصابی عضلاتی ورم جیسے آتشک وخارش وغیرہ تو ان کے علاج میں بے حد مشکلات پیدا ہوتی ہیں، کیونکہ جسم میں ایک طرف رطوبت زیادہ ہوتی ہے اور دوسری طرف دِل اور عضلات میں تسکین پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے ان کے علاج میں ایک رطوبت کا خشک کرنا اور دوسری طرف دِل وعضلات کی تسکین کو دور کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے چیچک وخسرہ اور محرقہ بطنی (ٹائی فائیڈ) میں بخار کے تیز ہو جانے، قبض پیدا کر دینے سے جسم پر فوراً دانے نکل آتے ہیں اور اعصابی قسم کے اورام بلکہ بخار اور درد وغیرہ سب دور ہو جاتے ہیں اور مریض بہ خیریت صحت کی طرف لوٹنا شروع کر دیتا ہے۔

یہ وہ اسرار ورموز اور راز وحقیقت ہے جس سے فرنگی طب بالکل ناواقف ہے۔ بلکہ بالکل ناکام ہے۔ اور اگر ان کے طبی کتب خانوں میں ایسے خزانے ہوں تو پیش کرنے والوں کو ہم چیلنج کرتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ فرنگی طب کم از کم ایک سو سال کے بعد اس مقام کو سمجھ سکے گی۔ ان کے سامنے فی الحال جراثیم کا مسئلہ ہے، جب وہ ایٹم کے امراض کو سمجھے گی تو اس وقت ہماری تحقیقات کی حقیقت سے مستفید ہوں گے۔

علاج اورام کی تشریح

طب میں اورام کو دو صورتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اوّل اورام خصوصی جیسے ورم دماغ، ورم سینہ اور ورم معدہ وغیرہ۔ دوم اورام عمومی جیسے پھوڑے پھنسیاں اور خارش درسولیاں وغیرہ۔ اور پھر ان کو سر سے پاؤں تک ترتیب کے ساتھ تقسیم کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس صورت اور تقسیم میں کئی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں جیسے اورام خصوصی کسی خاص اعضاء کے ساتھ مخصوص ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے لیکن جب کسی خصوصی ورم کی صورت طوالت پکڑ لیتی ہیں یا طوالت اختیار کر لیتی ہے تو اس سے خون میں جو مواد اکٹھے ہو کر کیمیاوی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں ان سے اورام عمومی پیدا ہو جاتے ہیں، اسی طرح جب جسم پر اورام عمومی پیدا ہو جاتے ہیں تو اس کا اثر بھی رفتہ رفتہ کسی خاص عضو کو زیادہ متاثر کرتا ہے۔ اس لئے یہ اورام خصوصی اور اورام عمومی کی صورتیں کوئی قابل وقعت نہیں ہیں۔

اسی طرح اورام کی سر سے پاؤں تک کی تقسیم بھی کوئی زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ کیونکہ کسی ایک جگہ کا ورم ضروری نہیں ہے کہ وہ اسی مقام کا ہو۔ مثلاً سر کے پردوں کے اورام یا عضلاتی ہوں گے یا غدی ہوں گے۔ جن کے تعلق قلب وجگر کے ساتھ ہیں۔ جب تک قلب وجگر میں خرابی واقع نہ ہو دماغ کے ان پردوں میں اورام نہیں ہوتے۔ مثلاً نمونیہ میں دماغی ورم عضلاتی ہوتا ہے۔ اور محرقہ بطنی میں دماغی ورم غدی ہوتا ہے گویا ان دونوں صورتوں میں دماغی اورام مرض نہیں ہیں بلکہ علامات ہیں۔

اسی طرح دماغ کے علاوہ جسم کے کسی حصہ میں اعصابی سوزش یا ورم ہو تو یقینی بات ہے کہ اس کا اثر دماغ میں ہوگا۔ اس طرح جسم میں

جس جگہ سوزش اور ورم ہوگا اس کو دماغی علامت ہی کہنا پڑے گا۔ مرض نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ دماغ بجائے سوزش ''اعصابی نسیج'' کہہ سکتے ہیں، لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ خالص اعصابی سوزش اورام کا اثر جسم میں کس کس مقام میں کہاں تک ہوتا ہے، تاکہ علاج میں آسانیاں پیدا ہو جائیں۔

اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ہم نے اعصابی وغدی اور عضلاتی تحریکات اور سوزش کی حدود مقرر کر دی ہیں اور ان کی حدود کو ایک عضو سے لے کر دوسرے عضو تک کے تعلقات کو ان دونوں کے ناموں میں ملا کر بیان کر دیا ہے۔ گویا ایک عضو کا تعلق دوسرے عضو کے ساتھ کہاں تک ہے۔ چونکہ ہر عضو کا دیگر دو اعضاء کے ساتھ تعلق ہے، اس لئے ان کی صورتیں اس طرح پیدا ہوتی ہیں: (۱) اعصابی عضلاتی (۲) اعصابی غدی (۳) عضلاتی اعصابی (۴) عضلاتی غدی (۵) غدی عضلاتی (۶) غدی اعصابی۔

اس طرح ایک عضو کا دوسرے کے ساتھ پورا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ سالہا سال کی تحقیقات کے بعد ان چھ حدوں کو اس طرح تعین کیا گیا ہے یعنی ان چھ حدود میں سے کسی ایک میں بھی تحریک وسوزش اورام ہوگا تو یہ اصل مرض ہے اور یہ صورتیں ان مقامات کے علاوہ کسی اور مقام پر ہوں گی تو وہ ان کی علامات ہوں گی۔ بس یہی مرض اور علامات کا فرق ہے۔ دراصل یہ چھ حدود تین حدود میں بھی بیان ہو سکتی ہیں۔ مثلاً عصبی مفرد عضو (Tissue) کا تعلق عضلی مفرد عضو تک ایک حد مقرر کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح عضلی کا غدود سے تعلق اور غدود سے عصبی تعلق کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اس میں دوگنی (ڈبل) صورتیں اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ جو لفظ پہلے بیان ہوتا ہے وہ عضو کا ذاتی فعل ہے جس کو اس کا مشینی فعل کہہ سکتے ہیں اور دوسرا لفظ جو بیان کیا جاتا ہے وہ اس فعل کا کیمیاوی اثر یا نتیجہ ہے۔ کیونکہ دُنیا میں کوئی کیفیت مفرد نہیں ہوتی۔ یعنی صرف گرم یا سرد یا صرف تر یا خشک نہیں ہوتیں بلکہ گرم تر یا گرم خشک اور سرد تر یا سرد خشک دو دو کیفیات کو اکٹھا بیان کیا جاتا ہے۔ ان کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ پہلی کیفیت مشینی ہوتی ہے اور دوسری کیفیت کیمیاوی ہوتی ہے۔ ان پر ذرا سا غور کرنے پر آسانی سے ذہن نشین ہو جاتی ہیں۔ جو لوگ بھی ان تحریکات پر جتنا زیادہ غور کریں گے وہ اتنا ہی زیادہ علم تشخیص پر دسترس حاصل کر لیں گے۔ تفصیلات درج ذیل ہیں۔

ظاہری تقسیم جسم انسان بہ نظریہ مفرد اعضاء

جسم انسان کو ہم نے اعضائے رئیسہ یا دوسرے الفاظ میں انسجہ (ٹشوز) میں تقسیم کر دیا ہے جن کے مرکز یہی اعضائے رئیسہ (دِل، دماغ اور جگر) ہیں۔ یہ انسجہ تمام جسم میں اس طرح اوپر تلے پھیلے ہوئے ہیں کہ جسم کا کوئی ایسا مقام نہیں ہے کہ جہاں پر صرف ایک یا دو قسم کے انسجہ ہوں یا ان کا آپس میں تعلق نہ ہو۔ اس لئے امراض کی صورت میں تینوں اقسام کے حیاتی انسجہ متاثر ہوتے ہیں۔ البتہ ان کی صورتیں جدا جدا ہوتی ہیں۔ ہر عضو کی صرف تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یعنی اس میں (۱) تحلیل ہوگی (۲) تحریک ہوگی (۳) تسکین ہوگی۔ چوتھی حالت نہیں ہو سکتی، اور نہ ہی کوئی چوتھا عضو رئیس ہے۔ چونکہ تین ہی اعضائے رئیسہ ہیں اور تین ہی حالتیں پائی جاتی ہیں اس لئے جب کسی ایک عضو میں ایک حالت مثلاً تحریک پائی جائے گی تو باقی دو اعضاء میں دوسری دو حالتیں تحلیل و تسکین کی پائی جائیں گی۔

یاد رکھیں کہ جہاں پر تحریک ہے بس وہی مقام مرض ہے اور جہاں پر تحلیل تسکین ہوگی تو یہ اس کی علامات ہیں۔ البتہ مقام تحریک کے عضو مفردہ (انسجہ) کا اثر جہاں جہاں پر جسم میں پھیلا ہوگا وہ بھی اس کی تحریک کے ساتھ ہوگا۔ گویا اس کا تعلق بھی اسی تحریک کے ساتھ ہے۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جسم کے کسی مقام پر کسی ایک عضو میں کوئی اندرونی یا بیرونی تکلیف یا صدمہ پہنچ جاتا ہے اور وہ اس قدر شدت اختیار کر لیتا ہے کہ اس عضو مفردہ (نسیج) کے اصل مقام پر اس کا معمولی اثر ہوتا ہے۔ اس لئے اصل مقام کے علاوہ جہاں پر بھی کوئی تکلیف کسی قدر بھی شدید ہو وہ اس تحریک کے تحت شمار ہوگی اور اس کا علاج اس کے تحت ہی کیا جا سکتا ہے۔ ایسا صرف اس لئے ہوتا ہے کہ دورانِ خون کی گردش ہی قدرت نے فطری طور پر ایسی بنائی ہے کہ جہاں جا رہا ہے وہاں تحریک ہے، جہاں جا چکا ہے وہاں پر تحلیل ہے، اور جہاں سے گزر رہا ہے، وہاں پر تسکین ہے۔ اگر معالج دورانِ خون کی گردش کو پورے طور پر ذہن نشین کر لے تو امراض کی ماہیت کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ مختصراً درج ذیل ہے۔

دورانِ خون اور نظریہ مفرد اعضاء

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت دورانِ خون دِل (عضلاتی انسجہ) سے جسم میں دھکیلا جاتا ہے۔ پھر شریانوں کی وساطت سے جگر (غدی انسجہ) سے جسم میں دھکیلا جاتا ہے۔ پھر شریانوں کی وساطت سے جگر (غدی انسجہ) سے گزرتا ہوا دماغ (اعصابی انسجہ) پر گرتا ہے۔ تمام جسم کی غذا بننے کے بعد پھر باقی رطوبات غدد جاذبہ کے ذریعے جو طحال کے تحت غدد کی وساطت سے کام کرتے ہیں جذب ہو کر پھر خون میں شامل ہو کر دِل (عضلاتی انسجہ) کے فعل کو تیز کرتا ہے اور جو خون غدد سے چھننے سے رہ جاتا ہے وہ بھی وریدوں کے ذریعے واپس قلب میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح دوران خون کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ لیکن جس مفرد عضو (انسجہ) کے مقام پر تحریک یا سوزش ہو کر تکلیف ہو جاتی ہے، وہاں پر مرض قائم ہو جاتا ہے۔ جس کا انجام ورم ہوتا ہے اور باقی اس کی علامات ہوتی ہیں۔ یہ نظریہ مفرد اعضاء کے تحت دوران خون اور مرض و علامات کی ماہیت ہے جس کو سمجھ لینے سے حقیقت مرض پر دسترس ہو جاتی ہے۔

جسم انسان کی بالمفرد اعضاء تقسیم

امراض تشخیص کے لئے نبض و قارورہ اور براز دیکھنے کافی ہیں۔ ایک قابل معالج ان کی مدد سے مریض کے جسم میں جو کیفیاتی، خلطی اور

کیمیاوی تبدیلیاں ہوتی ہیں مفرد اعضا (ٹشوز-انسجہ) کے افعال کی خرابی کو سمجھ سکتا ہے اور ان کے علاوہ دیگر رطوبات جسم جن کا ذکر نزلہ کے بیان میں کیا گیا ہے کے افعال کو سمجھ کر امراض کا تعین کر سکتا ہے مگر ہم نے زیادہ سہولت اور آسانی کے لئے جسم انسان کو چھ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے تا کہ مریض اپنے جس حصہ پر ہاتھ رکھے معالج فوراً متعلقہ مفرد اعضاء کی خرابیوں کو جان جائے اور اپنا علاج یقین کے ساتھ کرے، تا کہ قدرت کی قوتوں کے تحت فطری طور پر شرطیہ آرام ہو جائے۔

یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی فطرت نہیں بدلتی۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ فطرت اللہ کا صحیح علم رکھے تا کہ نتیجہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق نکلے۔ اللہ تعالیٰ کی اسی فطرت کے مطابق علاج کا نام شرطیہ طریق علاج ہے۔ قرآن حکیم نے کئی بار تاکید کی ہے: ﴿لن تجد لسنت الله تبديلا﴾ ''اللہ تعالیٰ کے نظام فطرت میں ہرگز ہرگز تبدیلی نہیں آتی''۔ آگ اپنی فطرت حرارت سے جدا نہیں اور پانی اپنی برودت سے الگ نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی انشاء اللہ تعالیٰ کہتے ہیں اس کا مقصد بھی یہ ہوتا ہے کہ اس کام میں منشائے الٰہی شریک ہے اور وہ فعل فطرت اللہ کے مطابق ہے اس لئے اس میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل رہتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ ہم نے انسان کو سر سے لے کر پاؤں تک دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ پھر ہر حصے کے تین مقام مقرر کئے ہیں۔ اس طرح کل چھ مقام بن جاتے ہیں۔ چونکہ اعضائے رئیسہ تین ہیں اس لئے ہر عضو رئیس کے تحت دو دو مقام اپنا کام کرتے ہیں۔ اس طرح ایک طرف ہر مفرد عضو کے حدود کا تعین ہو جاتا ہے اور دوسری طرف اس کے کیمیاوی اثرات کا پتہ ہو جاتا ہے۔ پس ان میں سے جس مقام پر کوئی تکلیف ہوگی وہ ایک ہی قسم کے مفرد عضو (نسیج) کے تحت ہوگی۔ اور ان کا علاج بھی ایک ہی قسم کے مشینی اور کیمیاوی تبدیلیوں سے کیا جا سکتا ہے۔

جسم انسان کے دو حصوں کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ سر کے درمیان جہاں پر مانگ نکلتی ہے وہاں سے ایک سیدھا فرضی خط لے کر بالکل ناک کے اوپر سے سیدھے منہ، ٹھوڑی اور سینہ و پیٹ سے گزرتی ہوئی مقعد کی لکیر تک پہنچ جاتی ہے۔ اور اسی طرح پشت کی طرف سے ریڑھ کی ہڈی پر سے گزرتی ہوئی پہلی لکیر سے مل جاتی ہے۔ اس طرح انسان دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ یعنی انسان کا ایک دایاں حصہ اور دوسرا بایاں حصہ ہے۔ یہ دونوں حصے جدا جدا اپنے اندر بے شمار راز رکھتے ہیں۔ قرآن حکیم نے بھی انسان کے دائیں بائیں کو بہت اہمیت دی ہے۔

یہ تقسیم اس لئے کی گئی ہے کہ سالہا سال کے تجربات نے بتایا ہے کہ قدرت نے جسم انسان کو اس طرح بنایا ہے کہ وہ بیک وقت تمام جسم کو کسی مرض کے نقصان پہنچنے سے روکتی ہے۔ بلکہ کسی ایک حصہ جسم میں تحریک سے تکلیف ہو رہی ہوتی ہے، کسی دوسرے حصے میں تقویت (ابتدائی صورت تحلیل) اور کسی تیسرے حصے میں تسکین (رطوبات اور غذائیت) پہنچا رہی ہوتی ہے۔ اور یہ کوشش اس لئے جاری رہتی ہے کہ انسان کو تکلیف اور مرض سے اسی طاقت کے مطابق بچایا جائے اور یہ کوشش اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک کوئی جسم بالکل بے کار اور ناکارہ ہو کر دوسروں سے تعلق نہ توڑ دے اور موت واقع ہو جائے مثلاً اگر جگر اور غدد کے فعل میں تیزی اور تحریک ہو تو دورانِ خون دِل و عضلات کی طرف جا کر اس کی پوری حفاظت کرتا ہے اور دماغ و اعصاب کی طرف رطوبت اور سکون پیدا کر دیتا ہے تا کہ تمام جسم صرف جگر و غدد کی بے چینی سے محفوظ رہے اور قوتیں اس کا مقابلہ کر سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص ربوبیت اور رحمت ہے۔

مرض کی ابتدا ہمیشہ ایک طرف ہوتی ہے

جب جسم انسان کے دائیں یا بائیں حصے میں کوئی تکلیف یا مرض ہو تو طبیعت مدبرہ بدن دوسرے حصے کو محفوظ رکھتی ہے اور یہ اوپر والے قانون بالمفرد اعضاء کے تحت ہوتا ہے۔ مثلاً دردِ سر بھی دائیں طرف ہوتا ہے کبھی بائیں طرف ہوتا ہے، کبھی سر کی پچھلی طرف ہوتا ہے کبھی پھیل کر سارے سر میں ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی دائیں آنکھ میں کوئی تکلیف ہوتی ہے اور کبھی بائیں آنکھ میں، پھر دونوں میں پھیل جاتی ہے

لیکن کمی بیشی ضرور قائم رہتی ہے۔ اسی طرح ناک میں کبھی دائیں طرف مرض ہوتا ہے اور کبھی بائیں طرف مرض ہوتا ہے اور بہت کم دونوں میں ایک سی حالت ہوتی ہے۔ یہی صورت کانوں، دانتوں اور منہ کے باقی حصوں کی ہوتی ہے۔ اس صورت کو اگر پھیلاتے جائیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ گردن کے دونوں طرف، دونوں شانوں، دونوں بازوؤں، سینہ اور معدہ اور امعاء کے ساتھ ساتھ جگر و طحال اور دونوں گردے، یہاں تک کہ مثانہ وخصیے اور دونوں ٹانگیں اپنی اپنی تکالیف میں جدا جدا صورتیں رکھتیں ہیں۔ یہ تقریباً ناممکن ہے کہ دونوں میں بیک وقت تکلیف شروع ہو البتہ رفتہ رفتہ دوسری طرف کے وہی مفرد اعضاء (نسیج) متاثر ہو کر کم وبیش اثر قبول کر لیتے ہیں۔ یہ وہ راز ہے جو اللہ تعالیٰ نے نظریہ مفرد اعضاء کے تحت دُنیائے طب پر ظاہر کیا ہے۔ اس سے قبل دُنیائے طب میں اس کا کسی کو علم نہیں تھا۔ فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس اس علم سے بالکل خالی ہیں۔

مفرد اعضاء کی ظاہری تقسیم کی تشریح

ان دونوں حصوں کو ہم نے تین تین مقامات میں اس طرح تقسیم کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

پہلا مقام: اس مقام کی ابتداء اعصاب کے انسجہ سے شروع ہو کر عضلات کے انسجہ تک پہنچتی ہے۔ اس کا نام **عصابی عضلاتی** مقام رکھا ہے۔ مزاج اس کا سرد تر ہے۔ اس مقام میں سر کا دایاں حصہ، دایاں کان، دائیں آنکھ، دائیں ناک، دایاں چہرہ مع دائیں طرف کے دانت و مسوڑھے اور زبان۔ دائیں طرف کی گردن شامل ہے۔ گویا سر کے دائیں طرف سے دائیں شانہ تک جس میں شانہ شریک نہیں ہے۔ جب کبھی بھی ان مقامات پر کہیں تیزی ہوگی اعصابی عضلاتی تحریک ہوگی۔ علامت کے طور پر جسم میں رقیق بلغم کی زیادتی ہوگی۔ بول و براز اور نبض میں بھی بلغم کا اثر بہت زیادہ ہوگا۔

دوسرا مقام: اس مقام کی ابتداء عضلات کے انسجہ سے شروع ہو جاتی ہے اور اعصاب کے انسجہ سے تعلق رہتا ہے۔ گویا مفرد اعضاء انسجہ کا وہ تعلق ہے۔ مگر تحریک اعصاب کی بجائے عضلات میں شروع ہوگئی ہے۔ اس مقام کا نام **عضلاتی اعصابی** رکھا ہے۔ مزاج اس کا سرد خشک ہے۔ ظاہر طور پر اس مقام میں دایاں شانہ، دایاں بازو، دایاں سینہ، دایاں پھیپھڑہ اور دایاں معدہ شریک ہے۔ گویا دائیں شانہ سے لے کر جگر تک۔ اس میں جگر شریک نہیں ہے۔ جب کبھی ان مقامات میں سے کسی میں تیزی و درد اور سوزش و ورم ہوگا تو یہ عضلاتی اعصابی تحریک ہوگی۔ اس کی علامات میں بلغم اور سوداویت جسم پر غالب ہوگا اور بول و براز اور نبض میں ان کا اثر نمایاں ہوگا۔ گویا اس کا اثر خشک سرد ہے۔ خشکی مقدم اور سردی مؤخر، کیونکہ خشکی زیادہ ہے۔

تیسرا مقام: اس مقام کی ابتداء عضلات کے انسجہ سے شروع ہو کر غدد (جگر) کے انسجہ تک قائم ہے۔ اس مقام کا نام **عضلاتی غدی** ہے۔ اس تحریک میں عضلات کا تعلق غدی کے ساتھ قائم ہے۔ اور تحریک غدد کی طرف جانا شروع ہو جاتی ہے۔ مزاج اس کا خشک گرم ہے۔ خشک کا لفظ پہلے اس لئے کہ اس تحریک میں خشکی زیادہ اور گرمی کم ہوتی ہے۔ ظاہری طور پر اس مقام میں جگر دائیں طرف کی آنتیں، دائیں طرف کا مثانہ، دایاں خصیہ، دائیں طرف کا مقعد اور دائیں ساری ٹانگ کولہے سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک شامل ہیں۔ گویا جگر سے لے کر دائیں ٹانگ، پیر کی انگلیوں تک سب اس میں شامل ہیں۔ جب بھی ان مقامات میں سے کسی ایک میں تیزی ہوگی تو عضلاتی غدی تحریک ہوگی۔

چوتھا مقام: اس مقام کی ابتداء غدد (جگر) کے انسجہ سے شروع ہو کر عضلات کے انسجہ تک قائم رہتا ہے۔ یعنی تحریک تو غدد سے شروع ہوتی ہے مگر اس کا تعلق عضلات ہی سے قائم ہے۔ اس تحریک کا نام **غدی عضلاتی** ہے۔ مزاج اس کا بھی گرم خشک ہے لیکن اس کی گرمی "تیسرے مقام"

سے زیادہ ہے۔ مگر اس قدر زیادہ نہیں ہے کہ خشکی پر غالب آ جائے۔ البتہ جب یہ تحریک پوری ہو جائے تو اس وقت گرمی غالب ہو جاتی ہے اور ساتھ تحریک بدل جاتی ہے۔ یاد رہے کہ اس تحریک میں حرارت یا صفراء کی پیدائش ہونے کے ساتھ ساتھ اخراج نہیں ہوتا، بلکہ جسم و جگر اور خون میں اکٹھا ہوتا رہتا ہے اور جب ضرورت کے مطابق پورا ہو جاتا ہے تو اعصاب میں تحریک پیدا کر کے اس کو غدی اعصابی بنا دیتا ہے۔ یہی تحریک کا فطری طریقہ ہے۔

ظاہری طور پر اس مقام کی ابتداء بائیں طرف سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں سر کا بایاں حصہ، بایاں کان، بائیں آنکھ، بائیں ناک، بایاں چہرہ مع بائیں طرف کے دانت و مسوڑھے اور زبان اور بائیں گردن شامل ہیں۔ گویا بائیں جانب سر سے لے کر بائیں شانہ تک جس میں شانہ شریک نہیں ہے۔ جب کبھی ان مقامات پر تیزی ہو تو غدی عضلاتی تحریک ہوگی۔

پانچواں مقام: اس مقام کی ابتداء غدد (جگر) انسجہ ہی سے شروع ہوتی ہے اور اعصاب کے انسجہ کی طرف جاتی ہے۔ اس تحریک کا نام **غدی اعصابی** ہے۔ مزاج اس کا گرم تر ہے۔ اس میں گرمی زیادہ اور رطوبت بہت کم ہوتی ہے۔ پھر اس میں رطوبت بڑھتی جاتی ہے۔ جب گرمی کم اور رطوبت زیادہ ہو جاتی ہے تو خودکار طریق پر تحریک بدل کر اعصابی غدی بن جاتی ہے۔

ظاہری طور پر اس مقام میں بایاں شانہ، بایاں بازو، بایاں سینہ، بایاں پھیپھڑہ اور بایاں معدہ شریک ہیں۔ گویا بایاں شانہ سے لے کر طحال تک جس میں طحال شریک نہیں ہے۔ یاد رہے کہ اس مقام میں دِل ہوتا ہے۔ مگر اس کا صرف غدی انسجہ (اپی تھل ٹشو) شریک ہوتا ہے۔ البتہ اس کا تعلق اس کے اعصاب تک رہتا ہے جس طرح تیسرے مقام میں جگر اور گردے شریک ہیں۔ لیکن ان کے صرف عضلاتی انسجہ شریک ہوتے ہیں۔ جب کبھی پانچویں مقام میں کسی جگہ تیزی ہوگی تو یہ تحریک غدی اعصابی ہوگی۔

چھٹا مقام: اس مقام کی ابتداء اعصابی انسجہ سے شروع ہوتی ہے لیکن اس کا تعلق غدد (جگر) سے قائم رہتا ہے۔ اس تحریک کا نام **اعصابی غدی** ہے۔ مزاج اس کا گرم تر ہے جس میں گرمی کم اور رطوبت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ جب گرمی بالکل ختم ہو جاتی ہے تو خودکار طریق سے تحریک بدل جاتی ہے اور پھر اعصابی عضلاتی تحریک شروع ہو جاتی ہے اور یہی ہماری پہلی تحریک ہے۔ یہی فطری طریق علاج ہے۔

ظاہری طور پر اس مقام میں طحال و لبلبہ اور بایاں گردہ بائیں طرف کی آنتیں، بائیں طرف کا مثانہ، بایاں خصیہ، بائیں طرف کا مقعد، گویا کولہے سے لے کر بائیں پاؤں کی انگلیوں تک شریک ہیں۔ یاد رکھیں کہ اس میں جو غدد شریک ہیں ان کے اعصابی انسجہ ہوتے ہیں۔

دورانِ خون

یہ تقسیم دورانِ خون کی گردش کے بالکل مطابق ہے جو دِل (عضلات) سے شروع ہو کر جگر (غدد) سے گزرتے ہوئے دماغ (اعصاب) کے زیر اثر تمام جسم پر رطوبات کو بکھیر دیتی ہے۔ پھر طحال (غدد جاذبہ) سے وہ رطوبت جذب ہو کر دِل (عضلات) میں شامل ہو جاتی ہے۔ یہ وہی دورانِ خون ہے جس کو طب یونانی نے بیان کیا ہے۔ جن کو ہم غذا کے چار ہضم کہتے ہیں۔

چونکہ دورانِ خون دِل سے شروع ہوتا ہے اس لئے ہم کو اس کا بیان عضلاتی غدی تیسرے مقام سے شروع کر کے ترتیب وار چھ مقام بیان کرنے چاہئیں تھے۔ اس طرح یہ دورانِ خون عضلاتی اعصابی دوسرے مقام پر ختم ہوتا۔ لیکن ہم نے ایک سرے کو مدنظر رکھتے ہوئے سر کے دائیں طرف سے شروع کر کے بائیں طرف کے پیر کی انگلیوں پر ختم کر دیا ہے، تاکہ اس تقسیم کو سمجھنے میں آسانی رہے۔ حقیقی دورانِ خون کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

تحریکات کا تعلق

تحریک کے جو یہ چھ مقام بیان کئے گئے ہیں ان میں اس حقیقت کو نہ بھولیں کہ دراصل یہ تین مفرد اعضاء کی تین تحریکیں ہیں۔ جب ان کا تعلق جوڑا جاتا ہے تو چھ صورتیں بن جاتی ہیں۔ یہ تین مفرد اعضاء (انسجہ) دماغ و دِل اور جگر (اعصاب وعضلات اور غدد) کی ابتدائی بافتیں (ٹشوز) ہیں۔ اعصاب (دماغ) کا تعلق ایک طرف عضلات (دِل) سے ہے اور دوسری طرف غدد (جگر) سے ہے۔ بالکل ایسے ہی غدد (جگر) کا تعلق ایک طرف عضلات (دِل) سے اور دوسری طرف اعصاب (دماغ) کے ساتھ ہے۔ یہ تینوں تعلق انہیں مفرد اعضاء (انسجہ) کے ذریعے ہیں گویا ہر مفرد عضو کی دو تحریکیں ہیں۔ اس طرح یہ چھ صورتیں بن جاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے آیورویدک میں تین دوشوں وات، پت، کف کا باہمی تعلقات مل کر ان کی چھ صورتیں (۱) وات پت (۲) وات کف (۳) پت وات (۴) پت کف (۵) کف وات (۶) کف پت۔ یہ صورتیں طب یونانی میں بھی پائی جاتی ہیں، یعنی اس کے اخلاط کی کیفیات بھی مرکب ہیں جن کا باہمی دیگر خلطوں سے تعلق ہے۔ گرمی خون میں بھی ہے اور صفراء میں بھی ہے۔ اسی طرح سردی بلغم میں بھی ہے اور سوداء میں بھی ہے۔ بالکل ایسے ہی خشکی صفراء میں بھی ہے اور سودا میں بھی ہے۔ یہی صورت تری کی بھی ہے۔ وہ خون میں بھی ہے اور بلغم میں بھی پائی جاتی ہے جس طرح دوشوں اور اخلاط کی ان مرکب صورتوں سے مزاج قائم ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح مفرد اعضاء (انسجہ) کی مرکب صورتوں سے انسانی مزاج بنتے ہیں۔

لیکن پھر یاد رکھیں کہ حیاتی مفرد اعضاء (انسجہ) صرف تین ہیں۔ چوتھا مفرد عضو (نسیج) بھی ہے جس کو نسیج الحاقی کہتے ہیں، لیکن اس کا تعلق بنیادی اعضاء (ہڈی) وغیرہ کے ساتھ ہے۔ چونکہ اعضائے رئیسہ تین ہیں، اس لئے حیاتی مفرد اعضاء بھی تین ہیں، انہی کو ذہن نشین کرنا ہی رازِ زندگی ہے۔

اس حقیقت کو بھی ذہن نشین رکھیں کہ جب مفرد عضو میں تحریک ہوگی دیگر دونوں اعضاء میں ترتیب کے لحاظ سے اس کے بعد والے مفرد عضو میں تحلیل ہوگی اور تیسرے مفرد عضو میں تسکین ہوگی۔ مثلاً اگر اعصاب میں تحریک ہوگی تو ان کے بعد چونکہ غدد ہوتے ہیں ان میں تحلیل ہوگی اور غدد کے بعد جسم میں عضلات ہیں ان میں تسکین ہوگی۔ اسی طرح تمام مفرد اعضاء میں تحریک و تحلیل اور تسکین ہوگی۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ جراثیم جسم کے کسی بھی مقام پر ہوگا، وہی اثر رفتہ رفتہ تمام جسم میں پھیل جاتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ مختلف مقامات پر جو مختلف اقسام کی سوزشیں، اورام اور پھوڑے وابھار ہوتے ہیں، وہ مقامات کا مختلف ہونا ہے۔

ورم سر (سرسام)

ماہیت ورم سر

ورم سر کو طبی اصطلاح میں سرسام کہتے ہیں۔ سرسام کے لغوی معنی بھی ورم دماغ کے ہیں۔ اس مرض میں صرف جوہر دماغ یا اس کے پردوں میں ورم ہو جاتا ہے۔ طب قدیم میں یہ مرض دو قسم کا ہوتا ہے۔ اوّل سرسام حقیقی جس میں جوہر دماغ یا اس کے پردوں میں ورم ہو جاتا ہے۔ ورم سرسام غیر حقیقی جس میں دماغ اور اس کے پردے بذاتِ خود متورم نہیں ہوتے بلکہ دیگر امراض کا اثر دماغ پر پڑ جاتا ہے۔ بہر حال اس قسم کا ورم بھی سرسام کہلاتا ہے لیکن اس کو اورام دماغ میں شریک نہیں کرنا چاہئے۔

تشخیص میں غلطیاں

چونکہ سرسام میں اکثر مریض کو غش آ جاتا ہے یا بے ہوش ہو جاتا ہے اور اس کو ہذیان ہو جاتا ہے اور بکواس کرتا ہے۔ اس لئے اس کی تشخیص میں اکثر غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ اس کے کامیاب علاج کے لئے ضروری ہے کہ اس کی صحیح تشخیص کی جائے۔ حکمائے طب قدیم نے سرسام کو حقیقی اور غیر حقیقی میں تقسیم کر کے پھر باعتبار مادہ سرسام حقیقی کو مندرجہ ذیل چار اقسام میں تقسیم کر دیا ہے۔

① سرسام دموی (قرانیطس) ② سرسام سوداوی (الیثاغس) ③ سرسام صفراوی (قرنیطس خالص) ④ سرسام بلغمی (لیثرغس)

لیکن بعض کیفیات کے تحت پہلی دوسری قسم کے سرسام حار اور تیسری چوتھی قسم کے سرسام بارد کہتے ہیں۔ اسی طرح سرسام غیر حقیقی کی بھی مادہ اور کیفیات کے تحت اقسام ہو سکتی ہیں۔ انہی اقسام در اقسام کے تحت ہی سرسام کی تشخیص میں اکثر غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ کیونکہ امراض کی تشخیص میں مزاج و اخلاط اور اعضاء تینوں صورتیں مدنظر ہوتی ہیں۔ اس طرح اگر اعضاء کو مزاج اور اخلاط کے تحت بھی دیکھیں تو کم از کم بارہ اقسام بنتی ہیں۔ یعنی چار صورتیں جوہر دماغ کے لئے اور چار چار صورتیں دونوں پردوں کے لئے۔ لیکن اگر ہم مفرد اعضاء کی حقیقت کو مدنظر رکھیں اور پوری طرح ذہن نشین کر لیں تو تشخیص کی یہ تمام غلطیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہے کہ جوہر دماغ خالص اعصابی انسجہ (ٹشوز) سے بنتے ہیں۔ اور اس کا مزاج سرد تر ہے۔ جب اس میں تیزی و سوزش اور ورم کی صورت پیدا ہوگی، تو اس کی کیفیاتی اور مادی صورتوں میں شدت پیدا ہو جائے گی۔ اسی طرح جوہر دماغ پر جو پردہ ہے جس کو غشاء کہتے ہیں جو غدی انسجہ کا بنا ہوا ہے جس کا تعلق جگر سے ہے جس کا مزاج گرم خشک ہے جب اس میں تیزی و سوزش اور ورم ہوگا تو اس میں اس کی کیفیاتی اور مادی صورتوں میں زیادتی ہوگی۔ یہی صورت دماغ کے دوسرے پردے کی ہے جس کو حجاب کہتے ہیں جو عضلاتی انسجہ کا بنا ہوا ہے جس کا تعلق قلب سے ہے جس کا مزاج گرم تر ہے جب اس میں تیزی و سوزش اور ورم پیدا ہو جائے گا تو اس میں اس کی کیفیات اور مادہ زیادہ ہوگا۔

یہاں پر بات یاد رکھیں کہ عضلات کا مزاج ہم نے خشک تسلیم کیا ہے مگر یہاں پر خون کی گرمی سے اس کو گرم تر لکھ دیا ہے۔ انقلابی معالج

اس حقیقت سے پورے طور پر واقف ہیں۔

ان حقائق کو ذہن نشین رکھیں کہ ہر مفرد عضو اسی مادہ سے بنا ہوا ہے جو وہ خود پیدا کرتا ہے۔ اس طرح ورم دماغ کی تشخیص بالکل آسان ہو جاتی ہے۔ یعنی جس مفرد عضو میں تیزی و سوزش اور ورم ہوگا تمام جسم میں اور خون میں وہی مشینی اور کیمیاوی اثر غالب ہوگا۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی ڈاکٹروں نے ورم دماغ کی تین صورتیں اس طرح تسلیم کی ہیں: ① خاص دماغ کے ورم کو Cerebritis ② دماغی جھلیوں کے ورم کو Meningitis اور ③ دماغ اور جھلیوں کے ایک ساتھ متورم ہونے کو Cerbro-meningitis کہتے ہیں۔ اس میں یہ غلط فہمی ہے کہ وہ دماغ کی دونوں جھلیوں کے ورم کو ایک ہی قسم کا ورم تسلیم کرتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ دونوں جھلیوں کے ورم جدا جدا قسم کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح جوہر دماغ اور اس کے دونوں پردوں کو بھی ایک ہی قسم کا ورم تسلیم کیا ہے۔ یہ اور بھی زیادہ غلط ہے۔ گویا تینوں اقسام کے اورام کو ایک ہی قسم کا ورم تسلیم کر لیا گیا ہے۔ البتہ بعض نام مختلف رکھ لئے ہیں جو کسی صورت میں بھی صحیح نہیں ہے۔

اگر جراثیم کے تحت انہوں نے تینوں اقسام اورام کو جدا جدا تسلیم کیا ہے تو یہ بالکل ہی غلط ہے، کیونکہ جوہر دماغ اور اس کے پردوں کے انسجہ (ٹشو) جدا جدا ہیں۔ ان میں جدا جدا قسم کے جراثیم پیدا ہو کر سوزش اور ورم پیدا کیسے پیدا کر سکتے ہیں۔ ان جراثیم کی تشریح بالاعضاء ہم گزشتہ صفحات میں تفصیل اور تشریح کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ جب فرنگی طب کی تشخیص ہی غلط ہے تو پھر اس کا علاج کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس نے جراثیم کو مرض کی ماہیت سمجھ رکھا ہے۔

جب تک وہ جراثیم کی ماہیت کو سمجھ کر اس کو صحیح مقام نہ دیں اس وقت تک وہ ماہیت مرض کا صحیح تعین نہیں کر سکتے۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔

سرسام غیر حقیقی

اس کو سرسام مجازی بھی کہتے ہیں۔ یعنی مجازاً اس کو سرسام کہہ دیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ سرسام نہیں ہوتا لیکن اس کو ضرور مدنظر رکھیں کہ سرسام غیر حقیقی میں بھی جوہر دماغ اور اس کے پردے شدید متاثر ہوتے ہیں۔ فرنگی طب میں اس کو (Delirium) کہتے ہیں۔ جس طرح سرسام حقیقی کی غلط فہمی سے تشخیص میں غلطیاں ہوتی ہیں۔ اسی طرح سرسام غیر حقیقی میں بھی غلطیاں ہوتی ہیں۔

جاننا چاہئے کہ سرسام غیر حقیقی کسی دوسرے مرض کی شدت خصوصاً جسم میں کسی اور مقام پر ورم و سوزش اور بخار و زہر کی تیزی سے پیدا ہوتا ہے لیکن اس امر میں اس حقیقت کو ضرور مدنظر رکھیں کہ اعضائے مفردہ کی مناسبت سے جس عضو (اعصاب و غدد اور عضلات) میں مرض کی شدت ہوگی، اسی کے تعلق سے دماغ یا اس کے پردوں پر اثر ہوگا۔ فرنگی ڈاکٹر اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔ وہ ہمیشہ مکمل دماغ کو مریض خیال کرتے ہیں۔

تاکید

یہاں پر اس امر کو بھی ذہن نشین رکھیں کہ دماغ یا اس کے پردے چونکہ مفرد ہیں اس لئے ان کے اورام میں مختلف مادے یا مختلف کیفیات کے اثر سے اورام نہیں ہوں گے۔ مثلاً جوہر دماغ میں کبھی بلغمی و اعصابی تحریکات سے سرسام نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ صفراوی و کبدی اثرات سے ہوگا۔ بالکل اسی طرح حجاب میں بلغمی و اعصابی اور صفراوی و کبدی تحریکات سے سرسام نہیں ہوگا۔ بلکہ ہمیشہ سوداوی اور عضلاتی اثرات سے ہوگا۔ اگر مفرد اعضاء کو مدنظر رکھا جائے گا تو کیفیاتی اور اخلاطی و مادی صورتیں بھی آسانی سے سامنے آئیں گی۔ اس طرح تشخیص میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی اور علاج میں تمام مشکلات بھی دور ہو جائیں گی۔

ورم دماغ (اعصابی عضلاتی)

ماہیت ورم

یہ ورم خالص دماغی اور اعصابی ہوتا ہے جس کو طب میں سرسام بلغمی (لیثرغس) اور انگریزی میں Cerebritis کہاجاتا ہے۔یادرکھیں کہ اس کا اثر دماغ کے کسی پردے پر نہیں ہوتا۔اگر ہوجائے تو یہ ورم کم ہونا شروع ہوجاتا ہے۔یہ بھی یادرکھیں کہ جب بھی اس کا اثر کسی پردے پر ہوگا تو صرف عضلاتی پردے (حجاب) پر ہوگا۔غشاء پر بالکل نہیں ہوگا۔کیونکہ بلغم میں سردی کی شدت ہوجاتی ہے تو وہ خشک ہوکر سوداوی صورت اختیار کرلیتی ہے اور عضلات کو تحریک دیتی ہے۔پردہ غشاء جگر اور صفراء کے تحت ہے اس کو تحریک ہمیشہ عضلاتی تحریک کے بعد ہوتی ہے۔کیونکہ انتہائی خشکی حرارت کی طرف مائل ہوتی ہے۔یہ سب حکماء کے حقائق ہیں جن پر جدید سائنس کا اتفاق ہے۔

حقیقت مرض

مفرد اعضاء کے تحت ہم اس ورم کو اعصابی کہتے ہیں جس کا اثر عضلات کی طرف جاتا ہے۔اس لئے اس کا نام اعصابی عضلاتی ورم رکھا ہے۔یعنی مشینی طور پر اعصاب میں تحریک ہے اور کیمیاوی طور پر خون میں خشک سردی بڑھ رہی ہے۔

درد و ورم

یہ ورم دماغ میں ہوکر اس کا اثر نصف دائیں سر سے لے کر نصف دائیں گردن وشانہ تک جاتا ہے۔اس میں شانہ شریک نہیں ہے۔یہ دماغ کا حقیقی ورم ہے۔اگر دماغ کی بجائے یہ دائیں طرف گردن سے شانہ تک کسی مقام پر ورم ہوجائے تو وہاں کے اعصاب کا یہ حقیقی ورم ہوگا۔مگر دماغ کا غیر حقیقی ورم ہوگا۔اسی طرح بائیں طرف گردے سے لے کر پاؤں تک جس میں بائیں طرف کی آنتیں ومثانہ اور عضو مخصوص اور خصیہ شریک ہیں،اس میں گردہ شریک نہیں ہے۔البتہ اس میں جگر وگردوں کا تعلق قائم رہتا ہے۔یہ ایسے حقائق ہیں جن کا فرنگی طب کو بھی علم نہیں ہے۔

اسباب: ہر ورم کے اسباب دو ہی قسم کے ہوتے ہیں: اوّل بادیہ، دوم سابقہ۔اسباب بادیہ (ظاہری اسباب) جن میں کیفیاتی ونفسیاتی اثرات میں خاص طور پر خوف کا پیدا ہونا پایا جاتا ہے۔ان صورتوں میں سوزش اور درد لاحق ہوتا ہے۔جو جذب معدہ ہیں۔یعنی طبیعت اس سوزش درد اور تفرق کی اصلاح کے لئے اس طرف متوجہ ہوتی ہے۔اور عروق کو پھیلا کر اس طرف رطوبات زیادہ مقدار میں روانہ کردیتی ہے۔یہی صورت باعث ورم بن جاتی ہے۔اسباب سابقہ (اندرونی اسباب) جن میں تیز بخار وامتلاء، خسرہ وچیچک، محرقہ دماغی، وجع المفاصل، زہر آتشک وسوزش اعصاب اور سرد منشیات مثلاً افیون بھنگ اور دھتورہ وغیرہ۔عورتوں میں سیلان رحم اور بندش حیض قابل ذکر ہیں۔

علامات: چونکہ یہ ورم خالص اعصابی ہے، اس لئے اس میں بلغم کی شدت ہوتی ہے۔بلغم جس بخار میں ہوگی وہ بھی اعصابی ہوگا اور جس مرض سے ہوگا وہ بھی اعصابی ہوں گے۔اسی طرح جن زہروں سے ہوگا وہ بھی اعصاب میں سوزش پیدا کرنے والے ہوں گے۔جیسا کہ اسباب کے تحت

لکھا گیا ہے اور بلغم کے ساتھ اسی بخار و مرض اور زہر کی علامات پائی جائیں گی۔ ابتدائی علامات میں سر کا بوجھل ہونا، طبیعت کا سست اور بے چین ہونا، پھر درد اور دوران کا پیدا ہو جانا، سردی کی شدت کا احساس، ساتھ ہی بدن میں کھچاؤ اور تناؤ کے تشنج کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ بخار کی شدت اور پیاس میں زیادتی۔ رفتہ رفتہ ہوش و حواس میں خلل پیدا ہو کر مریض ہذیان شدید کرنا شروع کر دیتا ہے۔ آنکھیں سرخ پانی سے بھری ہوئی، ناک بہتی ہے۔ مریض بالعموم ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا ہے۔ بعض اوقات چارپائی سے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ گاہے بستر اور کپڑوں کو چننے دیوار پر کسی چیز کو تلاش کرنے اور ہوا میں سے کسی چیز کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگتا ہے اور آخر کار بالکل بے ہوش پڑا رہتا ہے۔ ابتداء میں قبض ہوتا ہے اور عضلات شکم تنے ہوئے ہوتے ہیں۔ لیکن آخر میں عضلات ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور بول و براز بلا ارادہ خارج ہونے لگتے ہیں۔ آنکھیں نیم کشادہ ہوتی ہیں۔ جلد سرد اور چپچپی ہوتی ہے۔ چہرے پر مردنی چھا جاتی ہے، ہاتھ پاؤں سرد ہو جاتے ہیں، سانس خراٹے سے آنے لگتا ہے اور آخر کار مریض اسی بے ہوشی کی حالت میں انتقال کر جاتا ہے۔

جب دماغ اور اعصاب میں ورم ہونے لگتا ہے تو ابتداً منہ میں پانی آتا ہے، جی متلاتا ہے اور ابکائیاں آتی ہیں اور کبھی قے بھی ہو جاتی ہے۔ آنکھوں کی گہرائی میں درد محسوس ہوتا ہے۔ نبض مشرف وموجی اور قارورہ سفید اور براز رقیق ہوتا ہے۔

انجام: چونکہ یہ ورم جوہر دماغ میں ہوتا ہے اور خالص دماغی ورم ہے، اس لئے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ چونکہ اکثر اطباء، حکماء اور فرنگی ڈاکٹر تشخیص میں غلطی کر جاتے ہیں، اس لئے مریض بالعموم ہلاک ہو جاتا ہے۔ اکثر دوسرے تیسرے روز حد چوتھے روز تک ہلاک ہو جاتا ہے۔ لیکن گھبرانا نہیں چاہئے۔ اگر معالج ذرا کوشش سے کام لے کر اس ورم کو تشخیص کرے تو علاج کے ساتھ ہی فوراً آرام ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ بات یاد رکھیں کہ کسی مرض میں نقصان یا موت اسی وقت ہوتی ہے جب تشخیص غلط ہو اور علاج اور ادویات صحیح نہ ہوں۔ یہ ناممکن ہے کہ صحیح تشخیص اور علاج پر اللہ تعالیٰ آرام نہ دے۔

تاکید: جو علامات اوپر لکھی گئی ہیں، یہ سرسام بلغمی کی ہیں جو اعصابی عضلاتی ہیں، ان کو خوب یاد کر لیں، ذہن نشین کر لیں۔ ہر اعصابی عضلاتی مرض کی علامات کم و بیش اور شدید و خفیف طور پر ان سے ملتی ہوں گی اور ہمیشہ کام دیں گی۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ **اکثر طبی اور ڈاکٹری کتب میں مختلف اقسام کے اورام سر کی علامات کو آپس میں غلط ملط کر دیا ہے۔ اور ہر شخص ان کو باہم تمیز نہیں کر سکتا۔ خاص طور پر ہومیوپیتھک ادویات استعمال کرنے والے ان علامات سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔**

اصول علاج

کسی مرض کی دوا جاننے سے اہم بات یہ ہے کہ اس مرض کے اصول علاج کا علم ہونا چاہئے کیونکہ کسی مرض کے علاج میں اگر مقررہ علاج و ادویات اور تدابیر سے کامیابی نہ ہو تو معالج کو ناکامی کا منہ دیکھنا نہ پڑے۔ اس لئے اصول علاج کا جاننا نہایت اہم ہوتا ہے۔ اور علاج کے دوران میں اس کو یقین ہوتا ہے کہ جو علاج وہ کر رہا ہے اس مرض کے لئے صحیح ہے یا نہیں۔ اگر اس کو ناکامی ہو تو اس مرض کے اصول علاج کے تحت وہ فوراً ضرورت کے مطابق تجدید و ترتیب قائم کر سکتا ہے۔

اصول علاج دو قسم کا ہوتا ہے۔ اوّل علاج عمومی، دوسرے اصول علاج خصوصی۔ اصول علاج عمومی سے مقصد یہ ہے کہ وہ اصول جو ہر مرض میں مدنظر رکھنا ضروری ہے، وہ تین ہیں: (۱) ازالہ سبب (۲) سکون مریض (۳) اعتدال دوران خون۔ ان کی تشریح مندرجہ ذیل ہے:۔

(۱) ازالہ سبب: مقصد یہ ہوتا ہے کہ مرض کی صورت میں جو سبب ظاہر یا سبب واصل ظاہر میں نظر آئے یا محسوس ہو چکا ہے وہ سبب بادیہ ہو یا سبب سابقہ ہو فوراً دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ مثلاً اسباب بادیہ میں کیفیاتی ونفسیاتی اثرات، ضربہ وسقطہ اور نشہ، بجلی یا کسی اور شے سے جل جانا۔ اسی

طرح اسباب سابقہ میں بخار، دیگر حصہ جسم کے امراض خصوصاً سوزش و اورام اور منشیات کا استعمال اور تیز بو اور زہریلی گیسوں کا اثر کر جانا، وغیرہ وغیرہ۔

(۲) سکون مریض: اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مریض کو ظاہری طور پر اس طرح لٹا دیں کہ اس کی بے چینی رفع ہو جائے۔ مثلاً مریض میں سردی گرمی کی شدت کا احساس ہو تو اس کو فوراً دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر جسم میں کسی مقام پر درد یا بوجھ ہو تو اس مقام پر سہارا دیا جائے یا پٹی باندھ دی جائے۔ اگر پیاس کی شدت ہو تو ضرورت کے مطابق مگر مناسب گرم کوئی مشروب دیا جائے۔ مریض کا کمرہ سکون بخش ہو اور تیمار دار خوش اخلاق اور ہمدرد ہونا چاہیے۔

(۳) اعتدال دوران خون: اس کا مقصد یہ ہے کہ جسم میں جو حصہ گرم یا سرد معلوم ہو اس کو فوراً اعتدال پر لانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس کی وجہ وہاں پر خون کی کمی یا زیادتی ہوتی ہے۔ غذا و دوا یا مالش وغیرہ سے دورانِ خون کو اعتدال پر لایا جا سکتا ہے۔ اس کو امالہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی جس مقام پر خون کی کمی محسوس ہو وہاں پر خون کھینچ لینا۔ شدید صورتوں میں سوزشناک ادویات، جونک دسنگیاں اور حجامت فصد تک بھی اگر ضرورت پیش آئے تو فوری طور پر کیے جا سکتے ہیں۔ ان سے بھی سکون مریض اور ازالہ مرض ہو جاتا ہے۔

اصول علاج خصوصی

سرسام بارد (اعصابی عضلاتی) جیسے اصول علاج میں ان تین صورتوں کو مدنظر رکھیں۔ ① مریض کو سردی سے محفوظ کریں۔ ② بلغم اور رطوبت کو کم کرنے کی کوشش کریں۔ ③ قلب کو طاقت دیں۔

تاکید: سرسام میں عام طور پر جو علاج کئے جاتے ہیں ان میں محلل اورام ادویات کی بجائے امالہ (مرض کا رخ بدلنا) پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اور اس مقصد کے لئے زیادہ تر مسہل استعمال کیا جاتا ہے۔ تا کہ دوران خون سر کی طرف سے کم ہو کر امعاء کی طرف ہو جائے۔ لیکن مسہلات میں اس امر کو ہمیشہ نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ وہ کس قسم کے ہونے چاہئیں۔ کوئی سا تیز مسہل دے دیا جاتا ہے۔ یہ نظریہ غلط ہے۔ کیونکہ اگر مسہلات اعصاب و دماغ میں تحریک دینے والے اور بلغم و رطوبات کو زیادہ کر کے رقیق اسہال لانے والے ہوں گے تو وہ بجائے مفید ہونے کے مضر ثابت ہوں گے۔ یاد رکھیں کہ مسہلات ایسے ہونے چاہئیں جو جسم میں اوّل خشکی (عضلاتی اعصابی) اور بعد میں خشکی اور حرارت (عضلاتی وغدی) پیدا کریں۔ اس طرح مریض فوراً خطرے سے باہر نکل جاتا ہے۔

تاکید: سرسام بارد شدت میں کبھی اسہال خود بخود شروع ہو جاتا ہے، ان سے تسلی حاصل نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ اسہال کے جسم میں بلغم اور رطوبت کی زیادتی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ان کو فوراً خشک گرم اشیاء سے روکنا چاہئے۔ ایسی صورت میں بھی اگر مسہل دینا ضروری ہو تو مقوی قلب مسہل دے سکتے ہیں۔ جو تحقیقات فارما کوپیا میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ یعنی عضلاتی غدی مسہل دیں۔

سرسام کا علاج

سرسام بارد (اعصابی عضلاتی) کا اصل علاج یہ ہے کہ دماغ اور اعصاب کی طرف سے دوران خون کو دِل (عضلات) کی طرف کر دیں۔ یعنی **عضلاتی اعصابی تحریک کر دیں۔** اس طرح جو خون دماغ و اعصاب کی طرف جا رہا ہے وہ وہاں اس طرف نہ صرف جانا رک جائے گا بلکہ جو بلغم اور رطوبت پیدا ہو چکی ہے وہ خشک ہونا شروع ہو جائے گی اور جو خون وہاں پر آ چکا ہے وہ بھی رفتہ رفتہ اعتدال پر آنا شروع ہو جائے گا۔ چونکہ اس مریض میں گھبراہٹ کے ساتھ پیاس بھی ہوتی ہے۔ اس لئے آب انار ترش یا سکنجبین سادہ یا شربت آلو بخارا یا رب املی آلو بخارا دیں۔ روغن گل اور سرکہ میں کپڑا بھگو کر سر پر رکھیں۔ دوا کے طور پر عضلاتی اعصابی محرک یا محرک شدید دیں۔ اگر قبض ہو تو عضلاتی اعصابی یا عضلاتی اعصابی مسہل اس مقدار میں دیں کہ پانچ سات اسہال ہو جائیں۔ بلغم اور رطوبات خشک ہو جائیں تو عضلاتی اعصابی مقوی استعمال کریں۔ اس سے جلد

صحت اور طاقت آ جاتی ہے۔

تاکید: ایک سب سے بڑی غلطی اس علاج میں یہ کی جاتی ہے کہ جب مریض کو گھبراہٹ اور بے چینی ہوتی ہے تو خمیرہ جات خصوصاً خمیرہ گاؤزبان استعمال کراتے ہیں۔لیکن جاننا چاہئے کہ یہ مفرح قلب ادویہ اور اشیاء ہمیشہ اعصابی ہوتی ہیں جن سے اعصاب میں تحریک ہوکر بلغم اور رطوبات میں زیادتی ہوجاتی ہے۔اس طرح کاہو، کاسنی، خرفہ، بہیدانہ اور کدو وغیرہ کا استعمال مفید ہونے کے بجائے یقیناً مضر ثابت ہوتا ہے۔اسی طرح کے شربت اور عرقیات سے پرہیز کریں، جیسے بید مشک، صندل، نیلوفر اور گلاب وغیرہ سے دور رہیں۔

سرسام سوداوی

سرسام سوداوی (عضلاتی اعصابی) سرسام بارد (اعصابی عضلاتی) سے جدا ہے۔لیکن یاد رکھیں کہ سرسام بارد (اعصابی عضلاتی) کے غلط علاج یا کچھ عرصہ علاج نہ کرنے سے پیدا ہوجاتا ہے۔اس حیثیت سے یہ کوئی جدا شے نہیں ہے، اس لئے اسی سرسام کے ساتھ ہی اس کے علاج کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

سودا کے متعلق غلط فہمی

سودا کا مزاج انتہائی سرد خشک تسلیم کیا گیا ہے جس کا قوام گاڑھا، لیسدار، مائل بہ خشکی، رنگ سفید سیاہی مائل اور ذائقہ کبھی پھیکا مائل بہ ترشی ہوتا ہے۔کبھی مکمل ترش ہوتا ہے۔جوں جوں اس میں شدت بڑھتی چلی جاتی ہے۔سیاہی، ترشی اور خشکی بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ بلغم وصفراء اور خون جب جل جاتے ہیں تو سودا میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔

یہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ بلغم (رطوبت) جب انتہائی سرد ہونا شروع ہوجاتی ہے، تو وہ گاڑھی لیسدار اور خشک ہونا شروع ہوجاتی ہے۔یہاں تک کہ انتہائی سردی میں جسم برف ہوجاتا ہے۔پھر انتہائی خشکی کے باوجود اس میں تیزی پیدا ہوجاتی ہے جس سے حرارت کی پیدائش تسلیم کی گئی ہے۔اس لئے انتہائی خشک ادویہ اور زہروں کو گرم خشک تسلیم کرلیا گیا ہے۔لیکن یہ بات حقیقت سے بعید معلوم ہوتی ہے کہ سودا اور خون جو گرم ہیں جل جانے کے بعد سودا بن جاتے ہیں۔کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ **سودا کا علاج انتہائی گرم اغذیہ وادویہ اور زہر و اشیاء ہیں۔** یہ حقیقت ہے کہ سودا کا علاج سرد اغذیہ وادویہ اور اشیاء و زہروں سے نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔اگر صفراء وخون کے جل جانے کے بعد سودا پیدا ہوتا ہے تو بات بعید از عقل وحقیقت اور تجربہ ومشاہدہ کے خلاف ہے۔ہم جب چاہیں سودا کو صفراء سے ختم کردیں اور نظریہ مفرد اعضاء کے تحت عضلاتی تحریک کو جو سودا پیدا کرتی ہے غدی تحریک سے جو صفراء پیدا کرتی ہے، فوراً ختم کرسکتے ہیں۔اور جب خون کی حرارت ختم ہوجائے تو بلغم (رطوبت) بن جاتی ہے۔اس کے برعکس ناممکن ہے۔

تاکید: جب بلغم خشک ہوکر سودا میں تبدیل ہوتی ہے تو عضلاتی تحریک شروع ہوجاتی ہے اور اعصابی تحریک ختم ہوجاتی ہے۔عضلاتی تحریک کا علاج یہ ہے کہ غدی (جگر) تحریک پیدا کردی جائے۔اس سے صفراء پیدا ہوتا ہے۔

سرسام سوداوی کا علاج

سرسام سوداوی جو عضلاتی تحریک ہے اس کا اوّل یہ دیکھنا ہے کہ عضلاتی تحریک کا تعلق اعصاب (سردی) کے ساتھ یا جگر (گرمی) کے ساتھ ہوگیا ہے۔اگر تعلق اعصابی ہے، یعنی عضلاتی اعصابی ہے تو پھر اس کا تعلق جگر (گرمی) سے کریں۔یعنی عضلاتی غدی کردیں۔اوّل تو یہیں مرض ختم ہوجائے گا۔اس مقصد کے لئے عضلاتی غدی ملین یا عضلاتی مسہل دیں۔

یاد رکھیں کہ شدید امراض اور خطرناک امراض میں ابتداء ہی سے ملینات اور مسہلات کا استعمال ضروری ہے۔کیونکہ وقت کم ہوتا ہے اور

جان کا خطرہ ہوتا ہے۔ البتہ جب اجابتوں میں شدت ہو اور کمزوری کا خطرہ ہو تو محرک یا محرک شدید استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

اگر عضلاتی غدی کے بعد جسم میں سودا کا اثر ہو یا حرارت کی کمی ہو تو **غدی عضلاتی محرک و محرک شدید یا ملین و مسہل استعمال کرادیں۔** فوراً سرسام سوداوی (عضلاتی تحریک) بالکل ختم ہو جائے گا اور مریض یقیناً تندرست ہو جائے گا۔ **آرام آجانے کے بعد غدی عضلاتی مقوی** کچھ روز استعمال کر کے علاج ختم کر دیں۔ غذا شدید بھوک کے بغیر نہ دیں۔ صرف قہوہ دیں۔ جب بھوک ہو تو شوربا یا یخنی دیں۔ گرم پانی پلائیں۔

محلل ادویات کا خارجی استعمال

محلل سرخی اور گرم ادویات کے اندرونی استعمال کے ساتھ ضرورت کے مطابق بیرونی طور پر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ بیرونی استعمال سے صرف مقامی طور پر اور عارضی طور پر مفید ہو کر تسکین ہو سکتی ہے۔ اگر اندرونی استعمال سے غفلت برتی گئی تو ورم تحلیل نہیں ہوگا۔ اس لئے اندرونی استعمال ادویہ کو مقدم رکھیں تاکہ خون اور اس عضو میں پوری حرارت پیدا ہو جائے اور اس کا تعلق ورم سے مسلسل قائم رہے اور مریض جلد صحت یاب ہو جائے۔

بیرونی استعمال میں تکمید رطب مثلاً تھیلیوں میں گرم پانی (خواہ خالص ہو یا اس میں کوئی محلول دوا ہو) بھر کر سینکنا، گرم پانی سے کپڑا یا نمدہ تر کر کے نچوڑنے کے بعد ٹکور کرنا (اس پانی میں بھی کوئی دوا شامل کر سکتے ہیں) گرم ضماد یا نطوخ لگانا۔ مثلاً السی کا ضماد یا سادہ روئی گرم کر کے سینکنا، مرغ، کبوتر یا کسی دوسرے پرندے کو ذبح کر کے اور فوراً پیٹ چاک کر کے گرم گرم متورم حصہ پر باندھ دینا اور مالش وغیرہ کی موٹی ٹکیہ یک طرفہ پکا کر اس پر گھی یا تیل لگا کر باندھنا۔ خشک تکمید کے لئے ریت، گرم اینٹ یا خشک ادویات کو گرم کر کے تھیلی میں بھر کر ٹکور کرنا۔ خشک حرارت بھی ضرورت کے وقت ورم کے علاج میں استعمال کرنا چاہئے۔ اس کا بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ ترشح شدہ رطوبات کو جو وہاں پر خون کے آنے میں رکاوٹ کا باعث ہوتی ہیں، وہاں سے جذب کر لیتی ہے۔ **خشک تکمید اورام مزمن میں زیادہ مفید ہوتی ہے۔**

دافع عفونت ادویات

دافع عفونت ادویات تریاقات کے تحت آتی ہیں۔ ان کا اثر فوری طور پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم علم الادویہ کی اصطلاحات میں لکھ چکے ہیں۔ کیونکہ ورم عفونی کے علاج کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عفونت کو زائل کیا جائے۔ عفونی مواد کو تباہ و برباد کیا جائے اور اس کے سمی مواد کو ضائع اور خارج کیا جائے اور ساتھ ہی یہ بھی مدنظر ہوتا ہے کہ عفونت کے زہر سے اعضاء کی ساختوں اور انسجہ کو تباہی و بربادی سے بچایا جائے۔ کیونکہ متورم حصہ کی رگوں اور عروق جاذبہ میں اچھے خون کا دوران نہیں رہتا یا کم ہو جاتا ہے۔ اس لئے مواد عفونیہ کا زہر ساختوں پر برا اثر کرتا ہے اور پھر خون میں جذب ہو کر اس کی ترکیب اور قوت مقابلہ کو بگاڑ اور کمزور کر دیتا ہے اور جلد موت واقع ہو جاتی ہے۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

عفونت سے طب یونانی پورے طور پر آگاہ ہے۔ طب یونانی میں عفونتی اور غیر عفونتی دونوں قسم کے امراض پائے جاتے ہیں۔ کم و بیش نوے فیصدی عفونتی امراض ہیں۔ ان میں حمیات اورام اور اندرونی زہریلے مواد کا خاص طور پر عفونت سے تعلق ہے۔ فرنگی طب عفونت سے اس وقت واقف ہوئی جب ان کے سامنے جراثیم کا مسئلہ آیا اور انہوں نے علم الامراض کی بنیاد جراثیم کی پیدائش پر رکھی۔ لیکن جراثیم کے چکر میں آکر وہ عفونت کی حقیقت کو نظر انداز کر گئی۔ اور وہ جراثیم کو فنا کرنے کو امراض کا صحیح علاج خیال کرتی ہے۔ لیکن جاننا چاہئے کہ عفونت اور جراثیم دو مختلف چیزیں ہیں۔ یعنی کبھی عفونت کے بعد جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں اور کبھی جراثیم عفونت پیدا کرتے ہیں۔

یاد رکھیں! عفونت ایک خاص صورت ہے جو خاص قسم کے مواد و ماحول اور درجہ حرارت میں پیدا ہوتی ہے اور جراثیم حیوانی و نباتی اجسام

ہیں۔ جو بغیر عفونت کے پیدا نہیں ہو سکتے۔ لیکن وہ عفونت کے بغیر بھی زندہ رہ سکتے ہیں اور عفونت کی شدت میں مر بھی جاتے ہیں۔ کسی عفونت پر اگر جرم کش دوا ڈالی جائے تو جراثیم ضرور مر جاتے ہیں۔ لیکن اگر مواد اپنی جگہ پر قائم رہے تو اس میں پھر جراثیم پیدا ہو جائیں گے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک مواد و ماحول اور درجہ حرارت قائم رہتا ہے۔

کسی مرض کی بنیاد عفونت تو ہو سکتی ہے مگر جراثیم نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ بغیر عفونت کے جراثیم پیدا نہیں ہو سکتے۔ اور جراثیم بغیر مواد و ماحول اور درجہ حرارت کے عفونت پیدا نہیں کر سکتے۔ اس لئے عفونتی امراض میں دفع عفونت کی کوشش کرنی چاہئے نہ کہ قاتل جراثیم ادویات کو دافع عفونت اور علاج مرض کو حقیقت سمجھ لیا جائے۔ یہ خیال کرنا غلط فہمی ہے۔

ایک اور غلط فہمی

فرنگی طب کا یہ نظریہ غلط ہے کہ جراثیم کش خاص قسم کی ادویات ہوتی ہیں۔ بلکہ ہر گرم و شدید اور زہر جرم کش ہے۔ البتہ ہر عفونت کے لئے مختلف اقسام کی ضرورت ہے۔ مثلاً نمک و چونا اور گندھک تینوں جرم کش ہیں۔ لیکن تینوں مختلف قسم کی عفونتوں کو ختم کرتی ہیں۔ اس لئے مختلف اعضاء عفونت ان اعضاء کی تقویت و تیزی کے بعد پیدا ہوتے ہیں، اس لئے متعلقہ اعضاء کی خرابی کے مدنظر دافع عفونت ادویات استعمال کرنی چاہئیں۔

یاد رکھیں تریاق کسی دوا و زہر اور عفونت کے متضاد شے کو کہتے ہیں۔ جیسے کھاد کے مقابلے میں تیزاب اور افیون کے متقابل کچلہ اور سانپ کے عفونتی زہر کے لئے عشر (آک) کا کھلانا تریاق ہیں۔ یاد رکھیں کہ دوا و زہر اور عفونت جس قدر شدید ہوں ان کے تریاق بھی اسی قدر شدید مؤثر ہونے چاہیں۔ اطباء کو خوفناک زہروں اور امراض کے تریاق کا پورے طور پر علم ہونا چاہئے۔ اس سے قیمتی جانیں بچائی جا سکتی ہیں۔

قانون استعمال ادویات

ہر قسم کے سرسام کا علاج ہم لکھ چکے ہیں، لیکن مزید معلومات کے لئے آخر میں کچھ مفرد ادویات لکھ رہے ہیں، تاکہ ان معلومات سے بھی معالجین مستفید ہو سکیں۔ چونکہ ہم نے سرسام کے تین اقسام لکھے ہیں: (۱) اعصابی (۲) عضلاتی (۳) غدی۔ اس لئے ان کی ادویات بھی انہیں کے تحت لکھتے ہیں۔

اس امر کو پھر ذہن نشین کر لیں کہ اس امر کا اصل علاج یہ ہے کہ دماغ کی طرف خون کی آمد کو کم کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے رادع اور مسکن ادویات استعمال کی جاتی ہیں۔ رادع کا مقصد یہ ہے کہ سوزش اور اورام کے مقام پر جو بے چینی اور درد ہے اس کو کم کیا جائے تاکہ خون اس مقام کی طرف آنا کم ہو جائے۔ یہ دونوں صورتیں لازم و ملزوم ہیں۔ ان مقاصد کے لئے تقریباً ایک ہی قسم کی ادویات ہوتی ہیں اور وہ دونوں کام کرتی ہیں۔

یاد رکھیں کہ جب کسی مقام پر سوزش ہوتی ہے تو اس کا اندرونی سبب کیمیاوی ہوتا ہے جو خون میں موجود ہوتا ہے۔ اس کے رفع کرنے کے لئے دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اوّل خون میں کیمیاوی طور پر تغیر پیدا کیا جائے اور دوسرے مقام سوزش اور ورم پر سکون پیدا کیا جائے تاکہ رادع صورت پیدا ہو کر وہاں پر خون کی آمد کم ہو جائے اور یہی صحت کی ابتدائی صورت ہے۔ یہ بات پھر ذہن نشین کر لیں کہ رادع اور مسکن ادویات کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ خون کی رطوبات کا وہاں ترشح کیا جائے۔ کیونکہ یہ ترشح ہی حقیقی رادع اور مسکن صورت پیدا کر سکتی ہے۔ اور اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جو خون وہاں پر جمع ہو گیا ہے اس کے ترشح سے اس میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور یہی فطری طریق علاج بھی ہے اور قدرت بھی فطری طور پر عمل کرتی ہے۔ لیکن جب سوزش اور ورم میں شدت ہوتی ہے یا خون کی کیمیاوی صورت میں مواد کی زیادتی ہوتی ہے تو رادع اور مسکن ادویہ انتہائی ترشح کے بعد بھی رادع اور تسکین کی صورت قائم نہیں ہوتی بلکہ وہاں پر ترشح شدہ رطوبات کی زیادتی بوجھ اور سستی جسم کا باعث بن جاتی ہے۔

رطوبت کی زیادتی کی صورت میں ایسی ادویات استعمال کی جاتی ہیں کہ جو رطوبات وہاں پر آ چکی ہیں ان کو وہاں سے جذب کر کے

حالت اعتدال پر لایا جائے۔ایسی ادویات کورادع محلل کہتے ہیں۔ایسی ادویات ایک طرف خون کی تیزی اور جوش کو کم کر کے رطوبات کا ترشح قائم رکھتی ہیں اور دوسری طرف جو رطوبات وہاں پر اکٹھی ہوتی ہیں ان کو وہاں سے جذب کر کے محلل میں پھر شامل کرنا شروع کر دیتی ہیں۔لیکن جب مواد کی زیادتی اور تیزی کی وجہ سے سوزش اور ورم تحلیل نہ ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خون کے اندر حرارت اور قوت مدافعت کم ہو گئی ہے۔اور مریض میں ضعف بڑھ جاتا ہے۔

ضعف اور حرارت کی کمی صورت میں محلل ادویات کا استعمال کیا جاتا ہے، جس سے ایک طرف طاقت اور حرارت جسم میں بڑھتی ہے، دوسری طرف دوران خون میں تیزی ہو کر سوزش اور ورم تحلیل ہو جاتے ہیں۔محلل ادویات سے رطوبات کا ترشح فوراً بند ہو جاتا ہے اور جو رطوبات وہاں پر قائم ہوتی ہیں بہت جلد جذب ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔جب رطوبات خشک ہو جاتی ہیں تو اس مقام پر حرارت بھڑک اٹھتی ہے جس سے سوزش اور ورم فوراً تحلیل ہو جاتے ہیں۔

رادع اور مسکن ادویات

ایسی ادویہ مسکن حرارت اور مولد رطوبات ہوتی ہیں۔یہ مولد بلغم ہونے کی بناء پر مبرد مسکن کے علاوہ مخدر بھی ہو سکتی ہیں جو انتہائی شدت میں استعمال کی جا سکتی ہیں۔**ایسی ادویہ ہمیشہ اعصابی عضلاتی ہوتی ہیں:**

(۱) آب برگ کاسنی (۲) آب برگ خرفہ (۳) شیرہ تخم خیارین (۴) شیرہ تخم کاہو (۵) شیرہ تخم خرفہ (۶) شیرہ تخم کشنیز (۷) شیرہ صندل (۸) عرق بید مشک (۹) عرق کیوڑہ (۱۰) عرق گلاب (۱۱) عرق نیلوفر (۱۲) عرق لعاب بہدانہ (۱۳) سبوس اسپغول (۱۴) کتیرا (۱۵) خشخاش (۱۶) شیرہ تخم کدو (۱۷) لعاب اسپغول (۱۸) شیرہ تخم تربوز (۱۹) کافور وغیرہ ادویات کے شیرہ جات و عرقیات اور شربت تیار کر کے دے سکتے ہیں۔

رادع و محلل

ایسی ادویات مسکن حرارت کے ساتھ حابس رطوبات ہوتی ہیں، سرد خشک مولد سودا ہوتی ہیں۔ایسی ادویات مبردہ مسکن کے ساتھ مخدر بھی ہو سکتی ہیں جو انتہائی ضرورت پر استعمال کرنی چاہئیں۔**ایسی ادویات ہمیشہ عضلاتی اعصابی ہوتی ہیں:** (۱) عضلاتی غدی (۲) غدی عضلاتی (۳) غدی اعصابی ہوتی ہیں۔

(۱) اسارون (۲) اصل السوس (۳) افسنتین (۴) اکلیل الملک (۵) انزروت (۶) اریسا (۷) ایلوا (۸) بابونہ (۹) بالچھڑ (۱۰) دار چینی (۱۱) لونگ (۱۲) جائفل (۱۳) برگ آک (۱۴) ارنڈ (۱۵) ارار وٹ (۱۶) بیروزہ (۱۷) پان (۱۸) پپیتہ (۱۹) پودینہ (۲۰) پیاز (۲۱) حنظل (۲۲) پیلا مول (۲۳) تخم ترب (۲۴) تلسی (۲۵) تھوہر (۲۶) تیزپات (۲۷) جاوتری (۲۸) جدوار (۲۹) جمالگوٹہ (۳۰) چاکسو (۳۱) چربی (۳۲) لوئی (۳۳) گھی (۳۴) ریوند (۳۵) زوفا (۳۶) زیرہ (۳۷) سقمونیا (۳۸) سورنجاں (۳۹) شاخ گوزن (۴۰) شنگرف (۴۱) شہد (۴۲) صابون (۴۳) عشبہ (۴۴) عودصلیب (۴۵) غاریقون (۴۶) لفاح (۴۷) گل بنفشہ (۴۸) گندھک (۴۹) لہسن (۵۰) مرچ سرخ (۵۱) مرکی (۵۲) مقل (۵۳) موم (۵۴) نوشادر (۵۵) ہلدی (۵۶) نیلا طوطیہ وغیرہ۔ضرورت کے مطابق مفرد یا مرکب دیئے جا سکتے ہیں۔

مسہلات

ہر قسم کا مسہل محلل کی صورت رکھتا ہے۔اس لئے ہر ضرورت کا مسہل محلل ادویات ہی سے ہونا چاہئے۔اس مقصد کے لئے بالمفرد اعضاء کوئی بھی مفرد دوا استعمال کی جا سکتی ہے۔البتہ جب مرکبات کی صورت میں استعمال کرنا چاہیں تو تحقیقات فارماکوپیا میں دیئے ہوئے مسہلات استعمال کریں۔کیونکہ وہ سب مجربات ہیں۔البتہ انہی اصولوں پر اور مرکبات ترتیب دیئے جا سکتے ہیں۔

دماغ اوراعصاب کے امراض

یادداشت

گزشتہ صفحات میں اورام وسوزش کے متعلق ہم اپنی تحقیقات تفصیل کے ساتھ پیش کر چکے ہیں اور ساتھ ہی ورم سر (سرسام) کے مختلف اقسام کی مکمل تشریح کو بیان کر دیا ہے۔ نیز سرسام غیر حقیقی میں تمام جسم کے اورام کا دماغ اوراس کے پردوں پر جواثر اور تکلیف پیدا ہوتی ہے، اس کو بھی بڑا شرح وبسط کے ساتھ بیان کر دیا ہے اوراس کے ساتھ ہی ان کے علاج کو سہل اور آسان طریق پر ذہن نشین کرا دیا ہے۔ گویا اس تفصیل اور تشریح کو پڑھ کر ہر معالج علاج سرسام پر مکمل طور پر قابو پالیتا ہے۔

اس حقیقت سے کوئی ایک معالج بھی انکار نہیں کرے گا کہ جس انداز اور طریق پر ہم نے یہ تفصیل وتشریح بیان کی ہے، ہم سے قبل کسی نے نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک سرسام کو ایک انتہائی مشکل اور تقریباً ناقابل علاج خیال کیا جاتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ فرنگی طب جس کو ماڈرن میڈیکل سائنس کے کمالات کا دعویٰ ہے، اس کے متعلق بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اس نے سرسام کو پورے طور پر نہیں سمجھا اور خاص طور پر اس کے اقسام کو سمجھنے میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔ الحمدللہ جو معالج بھی اس سے مستفید ہوں وہ اسی حکیم مطلق کا شکریہ ادا کریں جس نے یہ علم وفن عطا فرمایا اور فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی غلطیوں سے محفوظ کر دیا۔ جو معالج اورام وسوزش اور سرسام کی اس تحقیق اور روشنی کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھیں گے وہ ہمیشہ فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس کی غلط تحقیقات اور بے معنی ریسرچ سے پوری طرح محفوظ رہیں گے۔ یہی ہماری جدوجہد کا مقصد ہے۔

دماغ واعصاب کے امراض

دماغ اور اعصاب کے کئی امراض ہیں۔ صرف سرسام ہی ایک دماغی مرض نہیں ہے۔ سرسام (ورم دماغ) سر کا ایک انتہائی اور شدید مرض ہے۔ اس کے مشکل اور شدید ہونے کی وجہ سے اس کو پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کے علاج پر حاوی ہو جانے سے باقی امراض دردسر سے لے کر ورم دماغ تک اس کی سوزش اور ورم میں آجاتے ہیں۔ اور بعض امراض ایسے ہیں جو ورم دماغ کے دوران پیدا ہو جاتے ہیں یا ورم دماغ کے پورے طور پر رفع نہ ہونے پر قائم رہ جاتے ہیں۔ جیسے فالج اور استرخاء، وغیرہ وغیرہ۔ اب جب کہ ان امراض کو بیان کیا جائے گا تو سرسام کی روشنی میں بہت آسانی سے ذہن نشین ہو جائے گا۔ یہ بہت بڑا فائدہ ہے۔

فرنگی طب کی غلطیاں

سب سے بڑی بات جو ذہن نشین کرائی ہے وہ فرنگی طب کی غلطیاں ہیں جو دماغی امراض کے بیان میں کی ہیں۔ یعنی بعض دماغی اور اعصابی امراض کو دیگر اعضاء کے تحت لکھ دیا ہے۔ مثلاً لعاب دہن کا زیادہ ہونا، دِل کا بڑھ جانا، ہیضہ، ذیابیطس، تلی کا بڑھ جانا وغیرہ۔ اسی طرح بعض دیگر اعضاء کے امراض کو اعصاب کے تحت لکھ دیا گیا ہے۔ تشنج، بیداری اور جنون ونزلہ وغیرہ۔ یہ بات پھر ذہن نشین کرلیں کہ امراض سر اور امراض

دماغ واعصاب ایک ہی قسم کے نہیں ہو سکتے۔ امراض سر میں دماغ واعصاب کے ساتھ ان کے پردوں کے امراض بھی شریک ہیں۔ ذیل میں دماغ اوراعصاب کے امراض کی فہرست درج کی جاتی ہے۔

خاص دماغ اوراعصاب کے امراض

(۱) صداع بارد ساذج (۲) صداع بلغمی (۳) صداع شرکی بلغمی۔ سر سے لے کر پاؤں تک اعصابی سوزش (۴) صداع قوت حس دماغی و اعصابی (۵) صداع جماعی (۶) صداع خماری (۷) صداع کری (۸) صداع حسی (۹) صداع نخی دائیں طرف (۱۰) عصابہ (۱۱) سرسام بلغمی (۱۲) سدرد دوار سر چکرانا۔ سبات (غفلت کی نیند) (۱۳) جمود (۱۴) نسیان (۱۵) مالیخولیا (۱۶) داء الکلب (جنون کلبی) (۱۷) جرع دماغی (۱۸) سکتہ (۱۹) استرخاء (۲۰) فالج عصبی (۲۱) لقوہ (۲۲) خدر (۲۳) اختلاج۔

آنکھوں کے امراض جو دماغی اور اعصابی ہیں: (۱) رمد اور تکدر بلغمی (۲) دمعہ (ڈھلکہ) (۳) شب کوری (۴) ضعف بصر بلغمی (۵) استرخاء الجفن (۶) بردہ (پلک کے دانے)۔

کان کے امراض جو دماغی اوراعصابی ہیں: (۱) وجع الاذن (۲) دیدان الاذن (۳) سیلان الاذن۔

ناک کے اعصابی ودماغی امراض: (۱) زکام (۲) زکام بلغمی (۳) عطاس (۴) مجز الانف (۵) دیدان الانف۔

ہونٹوں کے دماغی اوراعصابی امراض: (۱) اختلاج الشفت (۲) تشقق الشفتین۔

منہ زبان اور گلے کے دماغی واعصابی امراض: (۱) وجع الاسنان بلغمی (۲) وجع الاسنان وردی (۳) تحریک الاسنان (۴) ذہاب ماء الاسنان (۵) حضر وقلع۔ دانتوں پر میل جمنا (۶) تزید الاسنان۔ دانتوں کا بڑھنا (۷) حکتہ الاسنان (۸) جریر الاسنان۔ دانت پیسنا۔

حلق ومری اور نرخرہ کے دماغی واعصابی امراض: (۱) استرخاء اللہات۔ کوا گرنا (۲) استرخاء المری (۳) حکاک المری (۴) عسر البلغ بلغمی (۵) ورم المری۔

پھیپھڑوں اور سینہ کے دماغی واعصابی امراض: (۱) ضیق النفس بلغمی (۲) سعال بلغمی۔

دل کے دماغی واعصابی امراض: (۱) عظم القلب۔

پستان کے دماغی واعصابی امراض: (۱) کثرت اللبن (۲) عظم الثدی۔

معدہ اور آنتوں کے اعصابی امراض: (۱) قراقر معدہ وامعاء (۲) سقوط اشتہاء (۳) علت الغثیان والسہوع والقی (۴) علت العطش (۵) ہیضہ (۶) اسہال۔

جگر وطحال کے دماغی واعصابی امراض: (۱) ضعف کبد (۲) عظم طحال (۳) علت الابدان۔

مقعد کے دماغی واعصابی امراض: (۱) استرخاء المقعد (۲) النواصیر۔

گردہ ومثانہ کے دماغی واعصابی امراض: (۱) ضعف کلیہ (۲) ذیابیطس (۳) بول فی الفراش (۴) سلسل البول (۵) استرخاء مثانہ (۶) استرخاء قضیب (۷) جریان منی۔

جوڑوں کے دماغی واعصابی امراض: (۱) وجع المفاصل (۲) عرق النساء۔

رحم کے دماغی واعصابی امراض: (۱) حبس الطمث (۲) حکتہ الفرج (۳) استرخاء المہبل (۴) سیلان الرحم (۵) اسقاط حمل۔

جلد کے دماغی واعصابی امراض: (۱) الطاعون (۲) الخنازیر (۳) الثور۔

جلد کے دماغی اور اعصابی بخار: (۱) حمی بلغمی (۲) حمی دموی (۳) الحصبہ والجدری (۴) محرقہ دماغی۔

تاکید: دماغی اور اعصابی امراض کی یہ فہرست سے ایک طرف امراض کا علم ہوتا ہے، دوسرے علامات کا یقینی پتہ لگتا ہے۔ یعنی جب بھی جسم میں کسی مقام پر دماغی اور اعصابی مرض ہوگا تو یہ امراض اس پر علامت کا بھی کام کر دیں گی۔ یہ ناممکن ہے کہ دماغی اور اعصابی امراض صرف اسی مقام پر محدود رہیں۔ اور دیگر مقام پر اثر نہ ہوں۔ بس ان کو ذہن نشین کر لیں۔ علاج پر دسترس حاصل کرنے کا راز ہے۔

دِل وجگر کے امراض

تقسیم امراض

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت ہم نے امراض کو اعضائے رئیسہ (دِل ودماغ اور جگر) کے مطابق تین اقسام میں تقسیم کیا ہے تاکہ تشخیص میں سہولت اور علاج میں آسانیاں ہوں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم فرنگی طب (میڈیکل سائنس اور ماڈرن سائنس) کی غلطیوں کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ اس طرح ایک طرف اخلاط وکیفیات معالج کے سامنے ہوتے ہیں اور دوسری طرف اعضاء کے مشینی افعال اور ان کے خون میں کیمیاوی تاثرات کا علم ہوتا ہے۔ اس طرح معالج کو جسم انسان اور اس کے اعضاء پر مکمل نگاہ رہتی ہے۔ نظریہ مفرد اعضاء کا یہی سب سے بڑا مقصد ہے۔

دماغ اور اعصاب کے امراض ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ذیل میں قلب وعضلات کے امراض بیان کرتے ہیں۔

قلب و عضلات کے امراض

سر کے قلبی اور عضلاتی امراض: (۱) صداع سوداوی (۲) صداع ریحی۔ درد سر ریحی کوئی جدا مرض نہیں ہے، صداع سوداوی کی ہی ایک علامت کی شدت ہے۔ (۳) صداع شرکی معدی سوداوی۔ یہ بھی کوئی جدا مرض نہیں ہے۔ معدہ عضلاتی ہے۔ سودا اس کی کیمیاوی صورت ہے۔ یہ سادہ ہو یا مادی بہر حال عضلاتی ہے۔ (۴) صداع دموی۔ درد سر دموی نہیں ہوتا، البتہ اطباء جس درد سر کو دموی کہتے ہیں وہ عضلاتی غدی ہے، اس میں خون کا دباؤ بہت شدید اور تیز ہوتا ہے۔ (۵) صداع ضعف دماغی۔ یہ درد سر دراصل قلبی وعضلاتی ہوتا ہے جس میں اعصاب و دماغ میں ضعف ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ غدد تحریک میں ضعف عضلاتی (حجاب دماغ) ہوتا ہے۔ اسی صورت میں اعصابی و دماغی تحریک میں ضعف غدی غشائے دماغی ہوتا ہے۔ اور دونوں اقسام کے ضعف سر کا ذکر نہ طب یونانی میں ہے اور نہ فرنگی طب میں پایا جاتا ہے۔ (۶) صداع ذہنی۔ یہ درد بھی کوئی جدا نہیں ہے۔ خشکی سودا میں لازم ہے اس کا جدا درد سر ہونا بے معنی بات ہے۔ (۷) صداع جماعی۔ یہ درد سر بھی کوئی جدا مرض نہیں ہے۔ عضلاتی تحریک کی علامت ہے۔ شدت کی صورت میں درد پیدا ہوتا ہے۔ (۸) سرسام سوداوی (۹) ماشرا (۱۰) سدر و دوار سوداوی (۱۱) سہر۔ بے خوابی (۱۲) مالیخولیا (۱۳) کابوس (۱۴) صرع معدی (۱۵) استرخاء وفالج اور لقوئی سوداوی (۱۶) تشنج (۱۷) تمدد کزاز۔

آنکھ کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) رمد۔ آنکھ دکھنا (۲) رمد ریحی۔ یہ آنکھ دکھنا بھی سوداوی میں شریک ہے۔ (۳) طرفہ آنکھ کا خونی نقطہ (۴) ظفرہ۔ ناخونہ (۵) بیاض العین۔ پھلی (۶) انتفاع ملتحمہ۔ آنکھ کا پھولنا (۷) ورقہ۔ آنکھ کی پھنسی (۸) قروح العین۔ آنکھ کے زخم (۹) کمنہ دھند غبار (۱۰) مہر ورتوندی (۱۱) نجوظ العین۔ آنکھ کا ابھرآنا (۱۲) معد سرج۔ یہ کوئی جدا مرض نہیں ہے۔ پھلی ہے جو سیاہ رنگ کی ہوتی ہے۔ (۱۳) مولی ۔ بھینگا پن (۱۴) غنیق۔ پتلی کا پھیل جانا (۱۵) ضعف بصر۔ اعصاب و دماغ میں تحلیل سے ضعف پیدا ہو جانا۔ (۱۶) سرطان العین۔

پلکوں کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) استرخاء الجفنا (۲) سلاق۔ باہمنی (۳) شعیرہ۔ انجن ہاری (۴) توثہ الاجفان۔ نوک پلک (۵) غرب۔ کوئے کا ناسور۔

کان کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) وجع الاذن۔ درد کان (۲) طنین دودی و کان بجنا (۳) سوزش واورام اور قلاح الاذن۔

ناک کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) نزلہ (۲) قروح اورام الانف (۳) بواسیر الانف (۴) جفات الانف۔ ناک کی خشکی۔

ہونٹوں کے قلبی وعصبی امراض: (۱) تشقق الشفتین۔ ہونٹ کا پھٹنا (۲) قروح واورام الشفت (۳) بواسیر الشفت۔

منہ اور زبان کے قلبی وعصبی امراض: (۱) قلاع سوداوی (۲) عظم اللسان (۳) ورم اللسان (۴) فساد الذوق (۵) خشونۃ اللسان (۶) حرقۃ اللسان۔ زبان کی جلن۔ (۷) شقاق اللسان۔ زبان کا پھٹنا۔

مسوڑھوں کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) وجع الاسنان (۲) خرس الاسنان۔ دانتوں کا کند ہو جانا۔ (۳) تفتت الاسنان۔ دانتوں کا ریزہ ریزہ ہو جانا۔ (۴) صریر الاسنان۔ دانت پیسنا (۵) ورم اللثہ۔

حلق ومری کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) ورم اللہات- کوے کی سوجن (۲) خناق- خناق صرف عضلاتی ہوتا ہے، عضلاتی اعصابی (سرد) اور عضلاتی غدی (گرم) بھی ہوسکتا ہے۔ یاد رکھیں کہ کبھی اعصابی اور غدی نہیں ہوسکتا۔ اس کے تمام اقسام اس میں شریک ہیں۔ (۳) بثوراحلق (۴) عسر البلع سوداوی- مشکل سے نگلنا (۵) ورم المری (۶) بحتہ الصوت- آواز کا بیٹھنا۔

سینہ کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) ضیق النفس یابس- دمہ (۲) سعال یابس (۳) ذات الریہ پھیپھڑوں کا ورم۔ پھیپھڑوں کی سوزش اور دانے اس میں شریک ہیں۔ (۴) ذات العرض- درد پشت (۵) ذات الصدر- درد سینہ (۶) برسام- ورم حجاب حاجز (۷) جمود صدر- سینہ کی جکڑن۔

قلب کے عضلاتی امراض: (۱) خفقان یابس- خفقان معدی اس میں شریک ہے۔ (۲) غشی یابس (۳) ضغطہ القلب- دِل کا سکڑنا۔ (۴) ورم اذن القلب- دِل کے اندر کا ورم۔ (۵) علت دخانیہ- دِل سے دھواں اٹھنا۔

پستانوں کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) ورم ثدی سوداوی (۲) سرطان الثدی۔

معدہ کے قلبی (عضلاتی) امراض: (۱) وجع المعدہ یابس (۲) ورم معدہ (۳) نفخ ورياح معدہ (۴) جوع الکلب - کتے کی بھوک۔ (۵) علتہ الفواق (۶) علتہ العطش- پیاس کی مرض (۷) سوزش اور حرارت معدہ۔

جگر اور طحال کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) عظم الکبد (۲) علتہ الطحال- تلی کا سکڑ جانا۔

آنتوں کے قلبی اور عضلاتی امراض: (۱) علتہ الکلیہ- گردوں کا سکڑ جانا۔ (۲) ریاح الکلیہ (۳) علت الحصاۃ سوداوی (۴) ورم مثانہ (۵) وجع المثانہ (۶) احتباس البول- پیشاب کا بند ہوجانا۔ (۷) تشنج مثانہ۔

عضو تناسل اور خصیوں کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) کجی (۲) ورم قضیب (۳) احتلام (۴) ورم خصیتین۔

رحم کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) وجع الرحم یابس (۲) ورم الرحم (۳) اختناق الرحم (۴) عسر الطمث۔

جوڑوں کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) نقرس (۲) وجع الراکبہ - گھٹنے کا درد۔ (۳) وجع الورک- سرین کا درد۔ (۴) عرق النساء۔

قلبی وعضلاتی بخار: (۱) روزانہ کا بخار (۲) حمیٰ دموی یابس (۳) حمیات سوداویہ (۴) حمیات اورام یابس۔ یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ بخار جسم میں اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب عضلات میں تحریک ہوتی ہے۔

جلد کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) دبیلہ ودمل (۲) قوبا- داد۔

بالوں وناخنوں کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) داء الثعلب- بال جھڑ۔ (۲) الحزاز- بفا یا بھوسی۔ (۳) ناخنوں کا پھٹنا۔ (۴) دبلاپن۔

جگر اور غدد کے امراض

سر کے کبدی امراض: (۱) صداع صفراوی (۲) صداع ضعف- دماغی وقلبی (۳) صداع شقیقہ- بائیں طرف (۴) سرسام صفراوی (۵) ماشرا- ورم چہرہ (۶) جنون (۷) ریشہ (۸) حذر۔

آنکھوں اور پلکوں کے کبدی وغدی امراض: (۱) رمد صفراوی (۲) رمد الاطفال (۳) سبل- آنکھ میں رگوں کا پردہ (۴) قروح العین (۵) مورسرج- سیاہ پھولا (۶) اتساع - پتلی کا پھیل جانا۔ (۷) نزول الماء (۸) ضعف بصر قلبی (۹) استرخاء ظفن (۱۰) بردہ- پوٹہ کے دانے (۱۱) عزب- ناسور چشم۔

کان کے کبدی امراض: (۱) سوزش اذن (۲) قرحہ و ناسور الاذن (۳) انفجار الاذن-کان سے خون آنا۔ (۴) قلاح الاذن (۵) اورام اصل الاذن۔

کان کے کبدی وغدی امراض: (۱) نولہ (۲) رعاف-نکسیر (۳) بثور الانف (۴) قروح الانف۔

لب کے قلبی وعضلاتی امراض: (۱) تشقق انشد قیق-باچھوں کا پھٹ جانا۔

دہن کے جگر وغدی امراض: (۱) بثور الفم (۲) قروح الفم (۳) قلاح صفراوی (۴) آکلۃ الفم (۵) استرخاء اللسان (۶) فساد الذوق (۷) حرقۃ اللسان۔

دانتوں اور مسوڑھوں کے امراض: (۱) تحریک الاسنان (۲) قروح و ناسور لثہ (۳) لثہ دمویہ۔

حلق ومری کے امراض: (۱) خناق صفراوی (۲) بثور الطلق (۳) استرخاء المری (۴) قروح المری (۵) بحۃ الصوت۔

سینہ اور پھیپھڑوں کے امراض: (۱) ضیق النفس کبدی (۲) سعال کبدی یا حاد (۳) سعال بلغمی (۴) نفث الدم (۵) سل اور سل کے ساتھ بخار کا ہونا سل کا بخار ہے۔ تپدق نہیں ہے۔ تپدق عضلاتی ہے۔ اس میں سل شامل نہیں ہے۔ (۶) ذات الجنب۔

قلب کے کبدی امراض: (۱) قلت اللبن (۲) ورم ثدی حار (۳) دبیلہ ثدی (۴) قروح وآکلہ ثدی۔

معدہ وآنتوں کے کبدی امراض: (۱) قئ الدم معدی (۲) جوع البقر (۳) ضعف معدہ (۴) ہیضہ (۵) زحیر خونی۔

جگر کے کبدی وغدی امراض: (۱) سوزش جگر (۲) یرقان (۳) علت الاستسقاء (۴) حب القرح۔

مقعد کے امراض: (۱) قروح المقعد (۲) استرخاء المقعد (۳) شقاق المقعد (۴) بواسیر خونی (۵) ناسور مقعد۔

گردہ و مثانہ کے امراض: (۱) ریاح الکلیہ (۲) حصاۃ الکلیہ (۳) قروح الکلیہ (۴) حرکت بول (۵) وجع الکلیہ و مثانہ (۶) بول الدم (۷) استرخاء المثانہ۔

قضیب وخصیتین کے امراض: (۱) سرعت انزال (۲) ضعف باہ کبدی (۳) حلۃ الفتق (۴) وجع الخصیتین (۵) سوزاک۔

رحم کے کبدی امراض: (۱) خصیۃ الرحم (۲) کثیر الطمث (۳) نتوء الرحم (۴) سیلان الرحم (۵) قروح الرحم (۶) علت الفقر۔

جوڑوں کے کبدی امراض: (۱) غب دائمی (۲) تپدق سلی (۳) نوبتی تپ (۴) طاعون۔

امراضِ جلد: (۱) خارش (۲) ناسور (۳) جریان خون (۴) چھائیاں (۵) مٹاپا۔

بالوں کے امراض: (۱) بالوں کا گرنا (۲) بالوں کا گھونگھریالا ہونا۔

ہم نے اعضائے رئیسہ (دِل و دماغ اور جگر) کے امراض کو جدا جدا لکھ دیا ہے۔ بڑا محنت طلب کام تھا۔ صاحب فن اور اہل علم ہی اس محنت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اب معالجین کا فرض ہے کہ اس کو یاد کر لیں، اس سے تشخیص میں آسانیاں اور علاج میں سہولتیں ہو جائیں گی۔ اور اگر معالج ان پر غور کریں گے تو ان کو رفتہ رفتہ علم ہو جائے گا کہ دِل و دماغ اور جگر کے امراض کس کس قسم کے ہو سکتے ہیں۔ یہ فن کے کمال کا راز ہے اور اسی میں فن کا عروج ہے۔

۵
تحقیقات تین انسانی زہر

فہرست عنوانات

معنون

اپنی اس علمی تحقیق کو اپنے عزیز شاگرد جناب حکیم رحمت علی راحت صاحب، جھال خانو آنہ نزد مسلم کمرشل بنک لائل پور (فیصل آباد) کے نام سے موسوم کرتا ہوں جو علم وفن طب کا انتہائی شوق رکھنے والے ہیں۔ عزیز نے قانون مفرد اعضاء کو سمجھنے کے لئے بے حد کوشش کی ہے۔ بے حد مشکلات کا مقابلہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ دوسروں کو قانون مفرد اعضاء ذہن نشین کرانے کے لئے تشریح نظریہ مفرد اعضاء پر ایک کتاب لکھ کر شائع کی ہے۔ آج کل ان کی تصانیف بھی مارکیٹ میں ناپید ہیں۔

تحریک تجدید طب کے ابتدائی ساتھیوں میں سے ہیں۔ انہوں نے کم وبیش چودہ سال فن کی خدمت کی ہے۔ ان کے چھوٹے بھائی عزیزم ڈاکٹر محمد صدیق رہبر کلیمی ایم اے بھی ایک فاضل ہیں۔ جن کے اندر علم وفن طب کے حصول کا زبردست جذبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو کمال و برکت نصیب کرے۔ آمین!

خادم فن

صابر ملتانی

تیسری کرن

''تحقیقات تین اِنسانی زہر'' ایک ایسی نایاب کتاب ہے جس نے طبی دُنیا میں انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے آگاہی ہوتی ہے کہ ''سورا'' تمام امراض کا مبداء و مصدر ہے یا نہیں؟ تینوں میازم سورا، سفلس اور سائیکوسس آپس میں اکٹھے ہوتے ہیں یا نہیں اور ان ہر دو یا سہ میازم کے ملنے سے جو مشترکہ علامتیں پیدا ہوتی ہیں وہ کیا ہوتی ہیں؟ کہاں سے آتی ہیں؟ اور کہاں چلی جاتی ہیں؟ یا یہ تینوں زہر اکٹھے ایک جسم میں ہو ہی نہیں سکتے؟ ان سب باتوں کا جواب اس کتاب میں ملے گا۔

قدیم سائنسی نظریات سے ہی جدید طبی نظریات جنم لیتے ہیں۔ ڈاکٹر ہانمن اور ان کے پیروکاروں کی بات کوئی حتمی دلیل یا وحی نہیں کہ جس میں اصلاح یا تبدیلی نہ ہو سکے۔ رچرڈ ہیوز اور کئی ڈاکٹر نظریہ میازم کو تو کلی طور پر رد کر کے اسے عبث اور نا قابل فہم سمجھتے ہیں، ہومیو پیتھی فلسفہ میں جو غلطیاں ہیں نہ صرف یہ کتاب ان کی اصلاح کے لئے ٹھوس لائحہ عمل پیش کرتی ہے بلکہ ہومیو پیتھی کی تمام علامات کا ایک منفرد طریقہ علاج ''قانون مفرد اعضاء'' کے تحت سو فیصد احاطہ کرتی ہے۔ ڈاکٹر ہانمن کی یہ بات غلط تھی کہ سورا کی تخریب کاری زندگی بھر جاری رہتی ہے، حالانکہ حدیث رسول ﷺ کے مطابق ((لکل داء دواء)) یعنی ہر مرض کا علاج ہے۔ تو پھر مرض کی علامات کا رفع کرنا بھی ممکن ہے۔ بانیان ہومیو پیتھی کی کتاب Organan of Medicine اور Nature of Chronic Diseases سے لے کر دورِ حاضر کے مختلف ہومیو پیتھی مصنفین مثلاً ای۔بی نیش اور ڈاکٹر مسعود قریشی وغیرہ نے سورا کی حقیقت یا وسعت اور اس کی اصلیت کو سمجھنے کی ضرورت پر زور دیا، حالانکہ وہ اسے خود نہ سمجھ سکے اور قانون مفرد اعضاء سے ناواقف ہومیو پیتھ ڈاکٹرز، ایلو پیتھ ڈاکٹرز، حکماء وید سورا کی مخفی اور ظاہری صورت کو نہیں سمجھ سکے، پھر بے چارے اس کی مخلوط حالت کا رنگ، گہرائی، تنہا ظاہری و مخفی علامات کو کیسے سمجھ سکیں گے؟ تین زہروں کی ماہیت اور ان کا سدباب اس کتاب میں پیش کردہ ریسرچ سے ہی ممکن ہوا ہے، جس سے بیماروں کی شفا کی اُمید بندھی ہے۔

قانون مفرد اعضاء سے ہی آپ ایلو پیتھی، ہومیو پیتھی، طب یونانی، آیورویدک ادویہ کا درست طریق سے استعمال کر سکتے ہیں۔

یہ کتاب اپنے مفید ہونے کا خود ثبوت پیش کرتی ہے۔

مشک آنست کہ خود ببوید، نہ کہ عطار بگوید

ایڈیٹر

المعالج حکیم بابر بن دلاور

رجسٹرار تحریک تجدید طب پاکستان

ایڈوائزر ہومیو پیتھک میڈیکل ایسوسی ایشن آف پاکستان

پیش لفظ

الحمدللّٰہ رب العالمین، الصلوٰۃ والسّلام علی رسولہ الکریم. امابعد!

اللہ کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہمیں اس قابل کیا کہ ہم علم وفن طب میں علم العلاج پر ایسی کتاب پیش کر سکیں، جس کی مثال گذشتہ ہزاروں سال کی طبی دُنیا میں نہیں ملتی اور نہ آج کل کی طبی دُنیا اس کی نظیر پیش کر سکی ہے۔ اس کے بغیر علم وفن طب بے روح جسم ہے جو بے جان ہو کر رہ جاتا ہے۔ یعنی اس کی ہستی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لئے جن معالجین کو علم العلاج پر دسترس حاصل ہے، وہی معالج علم وفن طب میں کامیاب رہے ہیں۔ انہی معالجین نے دراصل علم وفن طب کی زندگی و نام اور کمال کو برقرار رکھا ہے۔

علم العلاج میں ایک شعبہ زہروں کے علاج کا بھی مقرر ہے، جس میں ہر قسم کے جماداتی، نباتاتی اور حیواناتی زہروں کا علاج کیا جاتا ہے۔ مگر انسانی زہروں پر نہ کوئی کتاب لکھی گئی ہے اور نہ ہی کسی علاج کی کتاب میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ البتہ بعض محققین نے ان زہروں کی طرف اشارے ضرور کئے ہیں، لیکن وہ اشارے ناکافی ہیں۔ کیونکہ ان میں زہروں کی ماہیت و پیدائش اور علامات و عوارضات پر کچھ بھی روشنی نہیں ڈالی گئی۔ یہ ایک انتہائی اہم موضوع ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ روزمرہ زندگی میں ہر ایک مرض سے اس کا کچھ نہ کچھ تعلق ہوتا ہے۔ کیونکہ انسانی خون و اخلاط میں کیمیائی طور پر بعض اثرات ایسے پائے جاتے ہیں جو بچہ اپنی پیدائش پر ماں باپ سے لے کر پیدا ہوتا ہے اور ساری زندگی اس کے اثرات یا اس سے ملتے جلتے اثرات اس کے اندر پائے جاتے ہیں۔ جن کو ایسے امراض کا نام دیا جاتا ہے جو وراثت میں منتقل ہو گئے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اکثر اولاد میں ایسے امراض پائے جاتے ہیں جو ماں باپ میں پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض ایسے امراض و علامات بھی ہیں جو کسی ایک علاقہ میں کسی خاص آب و ہوا اور ماحول کی وجہ سے انسان کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ تمام قسم کے امراض و عوارضات تمام زندگی انسان میں رہتے ہیں۔ بلکہ دیگر انسانوں میں بھی منتقل ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک قسم کے زہر ہیں جو انسانی جسم و خون اور اخلاط میں کیمیائی طور پر تیار ہوتے ہیں جو نہ صرف زندگی بھر ان کے لئے باعث مصیبت اور عذاب ہوتے ہیں بلکہ دیگر بنی نوع انسان کے لئے بھی مشکلات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ہم نے اس کتاب میں انہی انسانی زہروں پر بحث کی ہے۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ یہ کتاب نہ صرف ایک نئے باب و شعبہ کی ابتداء کرے گی بلکہ ایک سنگ میل ثابت ہوگی۔

یہ زہر تین قسم کے ہوتے ہیں: (۱) آتشکی زہر (۲) بواسیری زہر (۳) سوزاکی زہر۔

یہ زہر صرف تین اس لئے ہیں کہ جسم انسان میں اعضائے رئیسہ بھی تین قسم کے ہوتے ہیں، اور ہر عضو رئیس کی خرابی سے ایک زہر پیدا ہوتا ہے۔ یاد رکھیں کہ ان کے علاوہ دُنیا میں کوئی ایسا زہر نہیں پایا جاتا جو جسم انسان میں پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی ماہر یا محقق ان کے علاوہ کوئی زہر ثابت کرے تو ہم اس کو چیلنج کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دُنیا بھر میں جس قدر زہر پائے جاتے ہیں چاہے وہ جماداتی، نباتاتی، حیواناتی یا جراثیمی ہوں اور چاہے وہ زہریلے امراض کے زہر ہوں، وہ سب ان تینوں اقسام کے زہروں سے باہر نہیں ہوں گے۔ دُنیا میں صرف تین اقسام کے زہر پائے جاتے ہیں جو جسم انسان

کو نقصان و تکلیف اور مرض وعوارض کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس لئے دوائیں بھی صرف تین اقسام کی ہوتی ہیں۔ جن کی تفصیل اس کتاب میں ذہن نشین کرادی ہے جس سے تشخیص الامراض میں آسانیاں اور علاج میں سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں۔

سب سے بڑی بات جو اس کتاب میں بیان کی گئی ہے، یہ ہے کہ انسانی جسم کے سر سے لے کر پاؤں تک تمام امراض کے متعلق ثابت کر دیا گیا ہے کہ وہ تمام امراض جن کی اس وقت دُنیا میں تحقیق ہو چکی ہے، وہ سب ان تین زہروں کے اندر شریک ہیں اور انہی کے علاج میں ان سب کے علاج بھی شریک ہیں۔

ایک اہم تحقیق یہ کی گئی ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس آئے دِن جو نئے نئے امراض کی تحقیق کا ڈھونگ رچا رہی ہے، وہ سب اس کی بے علمی اور بے اُصولی کے ثبوت ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا طریق علاج نہ صرف غیر علمی ہے بلکہ غلط بھی ہے۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے اس وقت جو امراض تحقیق کئے ہیں، وہ صرف ایک نظام کے امراض ہیں۔ جن کو اعصابی امراض کہتے ہیں۔ مگر ہم نے اس کے علاوہ دو اور نظام پیش کئے ہیں، ایک عضلاتی نظام اور دوسرا غدی نظام، جن کے تحت ایسے تمام عضلاتی اور غدی امراض پیش کر دیئے گئے ہیں جن کا ان کو بالکل علم نہیں ہے۔ یہ ہمارے علم العلاج کی بہت بڑی فوقیت ہے جو ایسا سنگ میل ہے جو ہمیشہ قائم رہے گا اور دُنیائے طب کو روشنی دیتا رہے گا۔ یہ ہمارے فن کا کمال ہے۔

آخری اہم بات یہ ہے کہ ڈاکٹر ہانمن صاحب نے تین زہروں کا ذکر کیا ہے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

① سفلس (آتشکی زہر)

② سائیکوسس (بواسیری زہر)

③ سورا (سوزاکی زہر)

مگر ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ تین قسم کے زہر درست تو ہیں مگر ڈاکٹر ہانمن اور ان کے تمام ساتھیوں کو ان زہروں کی صحیح حقیقت کا بالکل علم نہیں تھا اور نہ ہی دُنیا بھر کا کوئی ہومیو پیتھ جانتا ہے اور اگر جانتا ہے تو ہم چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ڈاکٹر ہانمن یا اپنی کتب سے ہمیں نکال کر دکھائیں۔ ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ انشاء اللہ تعالیٰ نہیں دکھا سکیں گے۔

البتہ ہم نے ان زہروں پر پوری روشنی ڈالی ہے، اور ان کو پورے طور پر ذہن نشین کرادیا ہے۔ تاکہ حکماء و اطباء اور معالج وغیرہ بلکہ ہر طالب علم طب پورے طور پر اسے سمجھ کر مستفید ہو سکے اور کمال حاصل کر سکے۔ جو صاحب علم اور اہل فن اس کو سمجھ لیں گے وہ ان شاء اللہ تعالیٰ فن علاج میں کامل ہو جائیں گے۔ یہی اس کتاب کی تعلیم کا کمال ہے۔

خادمِ فن

صابر ملتانی

اکتوبر 1971ء

مُقدّمہ

ربّ العالمین نے قرآن حکیم میں سورت والتین میں فرمایا ہے:

﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: ”قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی، طور سینین کی، اور اس شہر امن والے کی، بے شک پیدا کیا ہم نے انسان کو اچھی ترکیب کے ساتھ، پھر پھیر دیا ہم نے انتہائی نیچے، مگر جو لوگ کہ ایمان لائے اور اعمال کئے اچھے، پس ان کے واسطے اجر نہ ختم ہونے والا ہے، پھر جزا کے بعد کس نے تم کو جھٹلایا ہے، کیا اللہ تمام حاکموں سے اعلیٰ حاکم نہیں ہے“۔

تشریح: اس سورہ میں انسانی پیدائش و عظمت اور ارتقاء و تنزل کا ذکر ہے۔ بیان سے پہلے چار مختلف مزاجوں کو دو دو بالمقابل بیان کیا ہے:

(۱) انجیر۔ سرد خشک (عضلاتی اعصابی) (۲) زیتون۔ گرم تر (غدی اعصابی)

(۳) طور سینین۔ سرد تر (اعصابی عضلاتی) (۴) بلد الامین۔ گرم خشک (عضلاتی غدی)

یہ چار مزاج جہاں مادی طور پر اپنے اثرات رکھتے ہیں، وہاں نفسیاتی اور روحانی طور پر بھی ان کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ یہ مادی، نفسیاتی اور روحانی طور پر بیان کر کے ہر قسم کے ساتھ یہ واضح کیا ہے کہ انسان کی پیدائش انتہائی خوبی اور اعلیٰ مقام تک کی گئی ہے۔

پھر تاکید کی گئی ہے کہ یہ مقام اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک کہ انسان اللہ کریم پر ایمان رکھے اور اس کے قلب کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے۔ اور ساتھ ہی اس کے اعمال میں عمدگی اور اصلاح کا پہلو قائم رہے۔ ورنہ وہ انتہائی گہرائیوں میں گرا دیا جاتا ہے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین (نہ ختم ہونے والی جزاء اور سزاء) کو جھٹلا سکے۔ ان حقائق کے بعد اللہ تعالیٰ کو تمام حاکموں کا حاکم نہ سمجھنا عقل و بصیرت اور ذہن کے خلاف ہے۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾

ترجمہ: ”تحقیق اللہ تعالیٰ کے نزدیک جزاء کا معیار اسلام ہے“۔

یعنی جس عمل میں اور زندگی و کائنات میں سلامتی اور امن ہے، وہی حقیقی دین ہے۔ گویا انسان کے صحیح و صالح اعمال ہی اس کے صحت مند جسم و نفس اور روح کے ضامن ہیں اور اسی طرح اس کے اندرونی اعضاء اور خون کی صحت مندی کے حامل ہیں۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ انسان عین فطرت کے مطابق پیدا کیا گیا ہے، جس کی تصدیق خود قرآن حکیم نے بھی کی ہے۔ جو لوگ اس کی پیدائش کی حقیقت کو سمجھ گئے ہیں، وہ جسمانی، نفسیاتی اور روحانی طور پر کامیاب ہیں اور ہمیشہ کامران رہیں گے۔ کیونکہ قرآن حکیم کی ہدایت

قانون فطرت بیان کرتی ہے۔ انسان وہ ہے جس میں جذبہ اُنس پایا جاتا ہے، ورنہ وہ حیوان ناطق ہے، جس میں اُنس کے بجائے وحشت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ وحشت ان زہریلے اجزاء سے پیدا ہو جاتی ہے جو خون میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ جذبہ اُنس ہی ہے جو ان زہروں کو خارج اور ختم کرتا رہتا ہے۔ انسان کی ایک جبلت ہے جو اس کی صحیح فطرت پر قائم رہتی ہے۔

ماہرین نفسیات نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ صحیح جبلت سے انسان میں جذبہ اُنس قائم ہوتا ہے۔ وہ غیب پر ایمان رکھتا ہے کہ ایسی طاقت ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے اور اس کی مالک ہے۔ اس کی عبادت کرتا ہے۔ اس کے لئے خرچ اور قربانی کرتا ہے۔ اس میں محبت کے ساتھ خوف کا جذبہ بھی شریک ہوتا ہے اور اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

قرآن حکیم نے ایسے صحیح جبلت انسان کو متقی کہا ہے اور تاکید کی ہے کہ ہدایت صرف متقی کے لئے ہے۔ انسان مسلمان ہو یا غیر مسلمان، اس کی پیدائش صحیح فطرت پر ہوتی ہے اور اس کی جبلت بھی صحیح ہونی چاہئے اور اس کا تعلق اور ایمان غیب پر ہونا چاہئے۔ اس کی خوشنودی کے لئے اس کے اعمال اچھے ہونا اور اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنا لازمی بات ہوتی ہے۔ وہ ایسے پیغام کا منتظر رہتا ہے جو غیب کی طرف سے اس کو ملے اور اس پیغام کے مطابق زندگی گزارے۔

جب رسول، پیغمبر اور نبی آئے تو ایسے ہی صحیح جبلت اور صحیح فطرت کے انسانوں نے ان کو تسلیم کیا اور اپنی زندگیوں کو ان کے احکام کے مطابق ڈھال کر مجسم اخلاق بن گئے اور ان کا درجہ انسان سے بڑھ کر آدمی تک جا پہنچا اور وہ انسان سے بڑھ کر آدمی بن گئے اور یہ سلسلہ نبوت نور اپنے کمال کو پہنچا تو یہ سلسلہ نور نبوت ختم ہو گیا۔ خاتم نبوت رسول اکرم حضرت محمد ﷺ تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام بذریعہ وحی قرآن حکیم کی صورت میں دُنیا کے سامنے پیش کر دیا اور زندگی و کائنات کے تمام فطری قوانین کی تشریح کر دی۔ اب کوئی ایسا فطرت کا قانون اور اسرار رموز باقی نہیں رہ گیا جو قرآن حکیم میں نور نبوت کے ذریعے بیان نہ کیا گیا ہو۔ اس لئے آئندہ نہ کسی نبوت کی ضرورت ہے اور نہ کسی پیغام کا انتظار ہے۔

جن انسانوں نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو تسلیم کیا ہے، ان میں آدمیت اور اخلاق پائے جاتے ہیں۔ ان کے درجے بڑھا دیئے گئے ہیں۔ وہ آدمی سے بشر بن گئے ہیں۔ وہ تمام دُنیا کے لئے امن و سلامتی اور خیر و خدمت بنی نوع انسان و ترتیب کائنات کے حامل ہیں۔ ہم نے تخلیق انسانی کے بعد اس کے ترقی و تنزل کی تمام صورتوں کے ساتھ اس کے کمال تک کو بیان کر دیا ہے۔ انسانیت کا کمال آدمیت ہے، اور آدمیت کا کمال بشریت ہے، اور بشریت کا کمال نور نبوت ہے، اور نور نبوت کا کمال ختم نبوت ہے۔ چونکہ نبوت نور مجسم ہے، اس لئے انسان خواہ کتنا بھی کمال حاصل کر لے نبی نہیں بن سکتا۔

نور اللہ اور ربوبیت ہی ایسے کمال ہیں جن سے جسم و نفس اور روح میں کمال پیدا ہوتا ہے۔ جب انسان کے ایمان و عمل صالح میں ترتیب قائم نہیں رہتی تو مادی طور پر خون میں خرابی اور فساد پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے، جو جسم کے لئے تکلیف اور دُکھ کا باعث بن جاتا ہے۔ یہی وہ زہر ہیں جو انسان کے جسم میں امراض و عوارض پیدا کر دیتے ہیں۔ بس ثابت ہوا کہ انسان کے اعضاء کے غیر صالح اعمال سے زہر پیدا ہوتے ہیں۔

یہ حقیقت بار بار بیان کر دی گئی ہے کہ تجدید طب اور احیائے فن کی بنیاد قانون مفرد اعضاء پر قائم ہے۔ یعنی جب اخلاط مجسم ہوتے ہیں تو مفرد اعضاء بن جاتے ہیں۔ گویا مفرد اعضاء مجسم اخلاط ہیں۔ یہ مفرد اعضاء (انسجہ) جن کو انگریزی میں ٹشوز کہتے ہیں جو خلیہ (حیوانی ذرّہ) سیل سے مرکب ہوتے ہیں۔ یہ خلیہ جسم میں اپنی جگہ ایک یونٹ اور اکائی ہے، جو اپنی جگہ پر ایک مقام رکھتا ہے اور اپنی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے خود اپنی غذا خون سے حاصل کرتا ہے۔ اپنا فضلہ خارج کرتا ہے اور آکسیجن کو جذب اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کو خارج کرتا ہے۔ گویا یہ اپنی جگہ پر ایک مکمل

زندگی رکھتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حیوانی ذرّہ (سیل) اور اخلاط کا باہمی گہرا تعلق ہے۔ یعنی یہ اخلاط ہی سے تیار ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے جب اخلاط میں زہر پیدا ہوتا ہے تو خلیات (سیلز) مرنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب مفرد اعضاء (ٹشوز) اپنے اعمال میں بگڑ جاتے ہیں، تو اخلاط میں زہر پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ثابت ہوا کہ اخلاط و مفرد اعضاء لازم و ملزوم ہیں۔

جہاں تک روح اور نفس کا تعلق ہے، ان کے متعلق یہ ذہن نشین کر لیں کہ روح طبی یا ربی ان کا حامل خون ہے اور وہاں سے مفرد اعضاء کے ذریعے تمام جسم میں نشوو ارتقاء اور تحریک پیدا کر دیتے ہیں۔ نفس کے حامل مفرد اعضاء ہیں۔ ہر مفرد اعضاء اپنے اپنے مزاج کے مطابق اپنے مزاج کا اظہار کرتا ہے۔ اس طرح اخلاط و جسم اور نفس و روح کا تعلق قائم رہتا ہے۔ اس لئے جسمانی اور مادی امراض کے تعلق کو نفس و روح تک قائم کرنا ضروری ہے۔ اس طرح ہر انسان کے مرض کے ساتھ ساتھ اس کے نفسیاتی اور روحانی امراض اور خرابی اخلاق کا پورے طور پر علم ہو سکتا ہے۔

انہی جذبات اور وجدان کے تحت ہم نے ''تین انسانی زہر'' نامی کتاب لکھی ہے۔ اس میں اگرچہ تین زہروں کا تعلق تین مفرد اعضاء سے ہے۔ لیکن یہ کتاب ہر قسم کے زہر اور ہر مفرد عضو کی خرابی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور اس سے اس قدر بصیرت پیدا ہوتی ہے کہ انسان ہر قسم کے زہر کے اثرات اور ہر قسم کے مفرد اعضاء پر پوری طرح قابو پا لیتا ہے۔ اپنی انہی خوبیوں کی وجہ سے یہ کتاب تحقیقات زہر کے لحاظ سے نہ صرف غیر معمولی نوعیت کی کتاب ہے، بلکہ بیان امراض کے سلسلہ میں یہ بے حد خصوصیات کی حامل ہے۔ اس کے پڑھنے کے بعد قاری کو ہر مرض اور ہر زہر پر پورے طور پر عبور حاصل ہو جاتا ہے۔

جہاں تک علاج کا تعلق ہے، یہ کتاب دُنیائے طب میں اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے۔ اس وقت تک جس قدر کتب علاج الامراض یا علاج زہر پر لکھی گئی ہیں، اوّل تو ان میں علاج الامراض نقل در نقل اور غیر یقینی ہے۔ دوسرے جہاں تک زہروں کا تعلق ہے، اوّل تو ان کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے اور اگر کہیں ان کا تھوڑا بہت ذکر ہے تو وہ بالکل بے اصولا اور بے ربط پایا جاتا ہے۔ اس طرح ایک طالب علم نہ تو ان کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی ان کے علاجوں پر حاوی ہو سکتا ہے۔

اس سلسلے میں جہاں تک فرنگی طب کا تعلق ہے، جس کو ماڈرن میڈیکل سائنس کہتے ہیں۔ وہ سائنس کے نام پر ایک زبردست دھوکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرنگی طب (ماڈرن میڈیکل سائنس) میں نہ تو امراض کے سلسلہ میں کوئی تحقیق ہے اور نہ ہی اس میں زہروں کی حقیقت پر کوئی اُصولی اور بنیادی بات بیان کی گئی ہے۔ نتیجہ کے طور پر ہر مرض کے علاج میں جدا جدا علاج اور ہر زہر کے علاج میں الگ الگ تریاق پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس طرح اس بے ربط اور غیر یقینی تشریح الامراض اور سمیات میں کسی طالب علم کا پوری طرح قابو پانا نہ صرف مشکل ہے بلکہ ایک ناممکن امر ہے۔ ہم نے اپنی کتاب ''تحقیقات الامراض والعلامات'' اور ''مختصر علاج'' میں ان امراض و علامات کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

اپنی زیر نظر کتاب میں علاج الادویہ کے سلسلہ میں ہم نے بعض اہم ادویہ اور غیر معمولی اصول ادویات کو نہ صرف نظر انداز کر دیا ہے، بلکہ بالکل غلط قرار دے دیا ہے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ سب اصولی طور پر قانون علاج کے بالکل منافی ہیں۔

ہم نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ اصول علاج اور علاج الادویہ کسی قانون کلی اور فطری اُصولوں کے تحت رہیں۔ جس طرح ایک عضو کے مرض کا علاج دوسرے عضو سے کیا جا سکتا ہے، اسی طرح ایک زہر کا علاج دوسرے زہر سے کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ اس حقیقت کو قانون کی حیثیت دے دی ہے کہ ایک زہر جب شدت اختیار کر لیتا ہے تو وہ دوسرے عضو کو تحریک دے کر اس کے زہر کی پیدائش شروع کر دیتا ہے۔ جس سے نیا زہر پیدا ہو

کرفطری طور پر پہلے زہر کو ختم کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ قانون الہی ہے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر انسان قانونِ الہی کے مطابق اپنی زندگی کو قائم کر لے تو وہ ایسے زہروں اور ان سے پیدا شدہ امراض سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

علاج الادویہ میں اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ غذائی علاج کے ساتھ مفرد ادویہ اور مرکب ادویہ کو تفصیل سے بیان کیا جائے۔ ان کے علاوہ خاص الخاص مجربات پیش کر دیے ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ سب علاج بالمفرد اعضاء ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان میں یقینی علاج اور بے خطا مجربات ہیں۔

تجدید طب سے علم وفن طب میں جو انقلابی کام کیا گیا ہے، اس کی کامیابی اور کمالات حقیقت بن گئے ہیں اور ہر معالج جو ان اصولوں کے تحت علاج کرتا ہے، وہ نہ صرف اپنے علاج میں کامیاب ہے بلکہ روز بروز شہرت حاصل کرتا جا رہا ہے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ دیگر اطباء وحکماء بلکہ ایلوپیتھی ڈاکٹر اور ہومیو پیتھ بھی ان کامیابیوں اور کمالات کو دیکھ کر خود بخود ان کی طرف رجوع کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جلد از جلد قانون مفرد اعضاء کو سمجھ کر تجدید طب سے مستفید ہوں اور اپنے مطب کو کامیاب اور کامران بنائیں۔ یہ قانون مفرد اعضاء کی کامیابی اور تجدید طب کی حقیقت کا زندہ ثبوت ہے۔ اب ممبران کا فرض ہے کہ وہ ایسے اہل علم وصاحب فن اور معالجین کو اپنے قریب کر لیں اور محبت سے ان کو تجدید طب کا قانون مفرد اعضاء سمجھائیں۔

صابر ملتانی

اکتوبر 1971ء

تین اِنسانی زہر

جواشیاء کھائی جاتی ہیں، وہ تین حالات سے خالی نہیں ہوتیں: (۱) غذا (۲) دواء اور (۳) زہر۔ جن کی تعریفیں درج ذیل ہیں:

تعریف غذا

ایسی شے جو اگر کھالی جائے تو اوّل جسم کو متاثر کرے، پھر جسم سے متاثر ہوکر جزوبدن بن جائے غذائے خالص کہلاتی ہے۔

تعریف دواء

ایسی شے جو اگر کھالی جائے تو اوّل جسم کو متاثر کرے، لیکن جسم سے متاثر نہ ہو، اور جزو بدن ہوئے بغیر جسم سے خارج ہو جائے، دوائے خالص کہلاتی ہے۔

تعریف زہر

ایسی شے جو اگر کھالی جائے تو جسم کو اس قدر متاثر کرے کہ جسم کو فنا کر دے، سم خالص کہلاتی ہے۔

پھر ان سے مرکبات کی بھی تین صورتیں ہیں:

(۱) غذائے دواء: جس میں غذاء زیادہ اور دواء کم ہو۔

(۲) دوائے غذائی: جس میں دواء زیادہ اور غذاء کم ہو۔

(۳) دوائے زہر: جس میں دواء زیادہ اور زہر کم ہو۔

جاننا چاہئے کہ زہر بھی غذاء اور دواء کی طرح تین قسم کے ہوتے ہیں۔ اس کی مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں:

(۱) جماداتی زہر: جیسے (۱) سنکھیا (۲) ہڑتال (۳) پارہ وغیرہ۔

(۲) نباتاتی زہر: جیسے (۱) بیش (۲) کچلہ (۳) افیون وغیرہ۔

(۳) حیوانی زہر: جیسے (۱) سانپ (۲) بچھو (۳) زہریلے کیڑے۔

ہر قسم کے زہر جب جسم میں داخل ہوتے ہیں تو وہ اپنے اثرات وافعال اور خواص سے جدا جدا علامات پیدا کرتے ہیں۔ یہاں پر ہم جن اقسام کے زہروں کا ذکر کر رہے ہیں، وہ ان زہروں سے الگ قسم کے ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ یہ وہ زہر ہیں جو صرف انسانی جسم میں تیار ہوتے ہیں اور ان سے خوفناک قسم کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ ذیل میں ہم انہی اقسام کے زہروں کا ذکر کریں گے۔

تعریف زہر اِنسانی

انسانی خون و رطوبات اور جسم میں ایسی حالت وصورت پیدا ہو جائے جیسی دیگر اقسام کے زہروں کے اثرات سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی جب جسم میں پیدا ہو اس کو فنا کر دے یا کسی دیگر جسم میں داخل ہو تو اس کو بھی فنا کر دے یا اس میں بھی زہریلی علامات اور اثرات پیدا کر دے۔ اس

زہر کا اثر فوری بھی ہوسکتا ہے اور رفتہ رفتہ بھی ہوسکتا ہے۔

پیدائش زہرِ انسانی

جسم انسانی میں جب کوئی مرض پیدا ہوتا ہے تو قوت مدافعت (امیونٹی) اور قوت مدبرہ بدن (وائٹل فورس) اس کو رفع کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ جب وہ کمزور ہونا شروع ہوجاتی ہے تو پھر اس مرض کا زہر خون میں اکٹھا ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ غالب ہوجاتا ہے اور رفتہ رفتہ جسم کو ختم کردیتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہی زہر کسی دوسرے جسم پر اثر انداز ہوکر اس جسم میں بالکل اسی قسم کے زہریلے اثرات اور علامات پیدا کردے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ جس انسان میں یہ زہر پایا جاتا ہے، اس کی اولاد میں بھی اسی قسم کے زہریلے اثرات اور علامات پائی جاتی ہیں۔ یہ اثرات اور علامات بالکل وہی ہوتی ہیں جو باپ میں پائی جاتی ہیں۔ پہلی صورت کا نام بگاڑ اعضاء، دوسری صورت کا نام چھوت چھات اور تیسری کا نام اثرات وراثت ہے۔

انسانی زہر کی اقسام

چونکہ ان زہروں کی ابتداء اعضاء کے بگاڑ سے ہوتی ہے، اور انسانی جسم کے حیاتی اعضاء صرف تین ہیں جن کو ہم اعضاء رئیسہ (دِل، دماغ، جگر) کہتے ہیں۔ اس لئے یہ زہر بھی تین ہی اقسام کے ہوتے ہیں، جن کی صورتیں درج ذیل ہیں:

① **اعصاب**: جن کا مرکز دماغ ہے، ان کے بگاڑ سے جو زہر پیدا ہوتا ہے، اس کا نام زہر آتشک یا آتشکی مادہ ہے۔

② **غدد و غشائے مخاطی**: جن کا مرکز جگر ہے، ان کے بگاڑ سے جو زہر پیدا ہوتا ہے، اس کا نام زہر سوزاک یا سوزاکی مادہ ہے۔

③ **عضلات**: جن کا مرکز دِل ہے، ان کے بگاڑ سے جو زہر پیدا ہوتا ہے، اس کا نام زہر بواسیر یا بواسیری مادہ ہے۔

یہی زہر مختلف صورتوں میں نظر آتے ہیں، لیکن اگر ان کا تجزیہ کیا جائے تو وہ ان تین صورتوں ہی میں شامل نظر آتے ہیں جن کی تفصیلات آئندہ پیش کی جائیں گی۔

یادداشت: یاد رکھیں کہ آتشک جس کو انگریزی میں سفلس کہتے ہیں، یہ نہ تو مرض ہے اور نہ ہی زہر ہے، بلکہ یہ اس مرض کی علامت ہے جس کا زہر آتشکی مادہ ہے۔ آتشک اور آتشکی مادہ کا فرق ظاہر کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح سوزاک اور سوزاکی مادہ میں فرق ہے۔ بالکل اسی طرح ہی بواسیر اور بواسیری مادہ میں بھی فرق ہے۔ ان کی تفصیلات آئندہ پیش کی جائیں گی۔

تاریخ ابتداء

جہاں تک زہروں کی ابتداء کا تعلق ہے یہ حقیقت ہے کہ انسان کی پیدائش کے ساتھ ساتھ اس کے خون اور گوشت میں ان کا پایا جانا ضروری تھا۔ مگر ان کے علم اور حقیقت کا اسی وقت پتہ چلا جب علم وفن طب پر کتب لکھی گئیں۔ سب سے قدیم علم وفن آیورویدک ہے اور اس میں علمی و فنی طور پر کتب لکھی گئی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کسی نہ کسی رنگ میں ان زہروں کا پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح جب طب یونانی کا گہرا مطالعہ کیا جاتا ہے تو اس میں بھی ان زہروں کا کسی نہ کسی رنگ میں بیان پایا جاتا ہے۔

فرنگی طب (ایلوپیتھی) کی کتب میں آتشک وسوزاک اور بواسیر کا علم تو ضرور ملتا ہے لیکن آتشکی مادہ، سوزاکی مادہ اور بواسیری مادہ کا الگ الگ کہیں ذکر نہیں کیا گیا۔ البتہ بعض امراض کے اسباب میں ان مادوں کا ذکر کہیں کہیں ضرور پایا جاتا ہے اور جب سے ماڈرن میڈیکل

سائنس نے نظریہ جراثیم پیش کیا ہے، اس وقت سے ان زہروں کو ان کے ساتھ منتقل کر کے ان کے ان کے ناموں کے ساتھ منسوب کر دیا ہے۔ مگر ان زہروں کی تفصیلات سے واقف نہیں کرایا گیا۔ یعنی یہ زہر کہاں کہاں پیدا ہوتے ہیں؟ کیسے پیدا ہوتے ہیں؟ ان کی حدود کیا ہیں؟ ان کی تفصیلی علامات کیا ہیں؟ ان کے اثرات کیا ہیں اور کہاں کہاں ہیں؟ خاص طور پر ان زہروں کا ایک دوسرے پر کیا اثر ہوتا ہے اور نفسیاتی طور پر ان زہروں کے انسانی جذبات پر کیا اثرات پڑتے ہیں؟

ان زہروں کا سب سے پہلے علمی وفنی طور پر ڈاکٹر ہانمن نے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے ان زہروں کو سفلس، سورا اور سائیکوسس کے ناموں سے موسوم کیا ہے۔ اگرچہ سفلس ایک علامت کا نام ہے یا زیادہ سے زیادہ مرض کا نام کہا جا سکتا ہے۔ اس سے کسی زہر کا پتہ نہیں چلتا۔ مگر سورا اور سائیکوسس چونکہ نہ کسی مرض کے نام ہیں اور نہ ہی کسی علامت کے نام ہیں۔ اس لئے ان کے ساتھ جب سفلس کو ملا کر پڑھا جاتا ہے تو اس سے بھی ان کا مقصد ایک خاص قسم کا زہر ہی معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ہانمن اور ان کے بعد کے ایک قابل ہومیو پیتھ ڈاکٹر جیمز ٹیلر کینٹ (James Tyler Kent) نے ان تینوں زہروں کو روشناس کرانے کی کوشش کی ہے۔ ان میں بہت سی باتیں اچھی اور قابل ذکر ہیں۔ لیکن جب ان کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان زہروں کی اصلیت اور ہستی تو ان کے تحت الشعور میں ضرور ہے، مگر شعوری طور پر وہ ان کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ مثلاً ① یہ زہر کہاں پیدا ہوتے ہیں؟ ② کیسے پیدا ہوتے ہیں؟ ③ ان کی حدود کیا ہیں؟ ④ ان کی تفصیلی علامات کیا ہیں؟ ⑤ ان کے اثرات کیا ہیں اور کہاں پائے جاتے ہیں؟ ⑥ ان زہروں کا ایک دوسرے پر کیا اثر ہے؟ ⑦ جذبات پر ان زہروں کے اثرات انہوں نے بیان کیے مگر غیر مبہم ہیں، واضح نہیں ہیں۔ ⑧ زہروں کے اثرات سے کیا کیا جذبات اُبھرتے ہیں، ان کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی جذبات کی حقیقت پر کچھ لکھا ہے۔ ⑨ جن ادویات کا ذکر ان زہروں کے سلسلہ میں کیا ہے، وہ بالکل غلط ہیں۔ ان سب کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی۔

آتشکی مادہ

تعریف آتشکی مادہ

آتشکی مادہ ایک ایسا زہر ہے جو آتشک سے پیدا ہوتا ہے، پھر انسانی جسم و خون اور منی میں سرایت کر جاتا ہے۔ آتشک کبھی اندرونی خرابی سے پیدا ہوتا ہے، کبھی دوسروں سے چھوت کی وجہ سے لگ جاتا ہے اور کبھی ماں باپ کی طرف سے ورثہ میں مل جاتا ہے۔ جب یہ مادہ انسان میں پورے طور پر اثر کر جاتا ہے تو خوفناک صورتیں اور علامتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

آتشک کی تاریخ

آیورویدک ایک انتہائی قدیم علم وفن علاج ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ ربانی علم وفن ہے، جس کے اوّلین حامل صرف رشی اور منی تھے اور عوام کی دسترس سے بہت دور تھا۔ موجودہ دور کی مستند کتاب ''مخزن آیورویدک'' (مصنفہ ویدراج کرشن دیال وید شاستری) میں آتشک کے متعلق یوں تحریر ہے: ''سوزاک کی مانند آتشک کا ذکر بھی قدیم آیورویدک کتب میں نہیں پایا جاتا۔ اس کی وجہ بھی وہی ہے جو کہ ہم مرض سوزاک کے بیان میں کر چکے ہیں''۔ سوزاک کے بیان کے تحت یوں تحریر ہے: ''حقیقت یوں ہے کہ مرض سوزاک اور آتشک ہندوستان کی بیماریاں نہیں ہیں۔ بلکہ یہ دونوں امراض ہندوستان پر غیر ملکی حکومتوں کے وقت سے ہی رونما ہونا شروع ہوئے ہیں۔ غیر ملکی حکومتیں اس ملک میں جس قدر پرانی ہوتی

گئیں، اس قدر ان امراض کو زیادہ پھیلنے کا موقعہ ملا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومت یا عہد مغلیہ تک ہندوستان کی طب قدیم آیورویدک کی مستند تصانیف ان امراض سے خالی پائی جاتی ہیں''۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ آیورویدک تصانیف اس لحاظ سے نامکمل اور ادھوری ہیں۔ یا اس وقت کے ویدوں کو ان امراض کا علاج کرنا نہیں آتا تھا، درآنحالیکہ آیورویدک طب بطور خود ہر طرح سے مکمل اور ضروریات وقت کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس زمانے میں آیورویدک تصانیف معرض وجود میں آئیں، اس وقت اس ملک میں ان امراض کا نام ونشان تک نہ تھا۔ ورنہ یہ کبھی ہوسکتا ہے کہ آیورویدک جیسی مکمل سائنس کی کتب میں ایسے تباہ کن اور خوفناک قسم کے امراض کا ذکر تک نہ ہو۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ ہندوستان میں اس وقت یعنی عہد مغلیہ سے پیشتر مرض آتشک اور سوزاک کا وجود نہ تھا، اس کا جواب اگر عقلی ونقلی دلائل سے دینے لگیں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے، مگر ہم یہاں صرف دو لفظوں میں اس کا جواب دے کر اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں اور وہ جواب یہ ہے کہ ہندوستان کے قدیم رشیوں اور منیوں نے انسانی جسم کو نشو ونما دینے، اس کو مکمل بنانے، اور اس کو ہر طرح کی آفات سے محفوظ رکھنے کے لئے اُصول ہی اس قسم کے وضع کئے تھے کہ کوئی بھی انسان ان پر عمل پیرا ہو کر کبھی بیمار نہیں ہوسکتا تھا۔ چہ جائیکہ آتشک اور سوزاک جیسے گھناؤنے امراض میں مبتلا ہو۔

حائضہ عورت کے لئے ہندو دھرم شاستر اور ویدک شاستر کا حکم ہے کہ وہ حیض کے دنوں میں بالکل تخلیہ میں رہے۔ کسی سے چھوئے نہیں اور نہ ہی کھانے پینے کی اشیاء کو ہاتھ لگائے۔ اسی طرح حائضہ کے متعلقین کے لئے بھی خاص ہدایت ہے کہ وہ اس کے ہاتھ کی کسی چیز کو بھی استعمال نہ کریں۔ حتیٰ کہ حائضہ اور حاملہ سے مباشرت کرنے والے کو گنہگار کہا گیا ہے۔ اس قسم کے اُصول ہندو مذہب کا جز وخاص بن چکے تھے، اور کوئی بھی آدمی ان کی خلاف ورزی نہیں کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان میں آتشک اور سوزاک وغیرہ جیسے خوفناک امراض پیدا ہی نہیں ہوتے تھے۔

چونکہ زمانہ انگریزی راج کی برکت سے یہ مرض ملک میں عام ہوگیا ہے، اس لئے مخزن آیورویدک جو کہ ضروریات وقت کو ملحوظ رکھ کر وجود میں آیا ہے، اس میں موجودہ زمانے کے امراض کا اندراج نہایت ضروری سمجھ کر ہم نے ڈاکٹری ویونانی کتب سے مدد حاصل کی ہے۔

پھر آتشک کے بیان میں لکھتے ہیں: ''حقیقت میں مرض سوزاک اور آتشک اس زمانے میں کسی بھی انسان کو نہ ہوتے تھے جس زمانے میں آیورویدک کی قدیم کتب ان امراض کے نام تک سے ناآشنا ہیں۔ زمانہ جدید کی کتب میں اس مرض کا ''فرنگ روگ'' کے نام سے ذکر ملتا ہے۔ جس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ مرض فرنگستان کی عورتوں سے مجامعت کرنے کے باعث یا فرنگیوں سے میل جول کے سبب ہندوستان میں پیدا ہوا۔ ورنہ انگریزی دور حکومت سے پیشتر اس مرض کا ہندوستان بھر میں کہیں نام ونشان تک نہ تھا۔ بعض ویدوں کا خیال ہے کہ آیورویدک کتب میں جس مرض کو اپدنش کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، وہی آتشک ہے۔ مگر یہ بات بالکل غلط ہے۔ کیونکہ آتشک اور اپدنش کے اسباب وعلامات پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آتشک اور اپدنش بالکل جداجدا امراض ہیں۔ آیورویدک کا اپدنش صرف مردوں کی بیماری ہے اور آتشک مرد وعورت دونوں کو ہو سکتا ہے۔ اپدنش اخلاط کی خرابی یا چوٹ وغیرہ سے پیدا ہوتا ہے اور آتشک ایک متعدی مرض ہے جو کہ صرف آتشک میں مبتلا مرد سے عورت کو اور عورت سے مرد کو ہو جاتا ہے۔ یا آتشکی مریض کے ہمراہ کھانے پینے، سونے یا اس کے کپڑے وغیرہ پہننے سے ہو جاتا ہے۔ اگر چہ ہر دو امراض عضو تناسل سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن ہیں دونوں ایک دوسرے سے مختلف۔

حقیقت سے بے خبری

ویدراج کرشن دیال جی کے مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوزاک اور آتشک، دونوں کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ''سوزاک اور آتشک ہندوستان کی بیماریاں نہیں ہیں، بلکہ یہ دونوں امراض ہندوستان پر غیر ملکی حکومتوں کے وقت سے رونما ہونا شروع ہو گئے ہیں''۔ تصدیق میں یہ لکھتے ہیں کہ ''اسلامی حکومت یا عہد مغلیہ تک ہندوستان کی طب قدیم آیورویدک کی مستند تصانیف اس امراض سے خالی پائی جاتی ہیں''۔ لیکن دوسری طرف یہ لکھتے ہیں کہ ''اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آیورویدک تصانیف اس لحاظ سے نامکمل یا ادھوری ہیں یا اس وقت کے ویدوں کو ان امراض کا علاج کرنا نہیں آتا تھا، درآنحالیکہ آیورویدک طب بطور خود ہر طرح سے مکمل اور ضروریات وقت کے لئے کافی تھی''۔ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ''اس کا مطلب یہ ہے کہ جس زمانے میں ویدک تصانیف معرض وجود میں آئیں اس وقت اس ملک میں ان امراض کا نام و نشان نہ تھا۔ ورنہ یہ کبھی ہوسکتا ہے کہ آیورویدک جیسی مکمل سائنس کی کتب میں ان کا ذکر نہ ہو''۔

ایک طرف تو ویدراج یہ تسلیم کرتے ہیں کہ سوزاک اور آتشک ہندوستان کی بیماریاں نہیں ہیں، دوسری طرف یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آیورویدک تصانیف ان امراض سے خالی نہیں ہیں، اب ان دونوں بیانوں میں سے کس کو صحیح تسلیم کیا جائے۔ اگر ان کا مطلب سوزاک اور آتشک کے ناموں سے ہے کہ یہ فرنگی دور حکومت میں آئے ہیں تو وہ آیورویدک سے ان امراض کو نکال کر پیش کریں یا جس انداز میں آیورویدک ان امراض کو تسلیم کرتا ہے، اس کا ذکر کریں یا کسی طرح سوزاک اور آتشک کے ساتھ مطابقت ثابت کریں۔ اگر ان کا مقصد اُن کو اپنے سامنے کسی عضو کی خرابی یا خون کے کیمیائی تغیرات کا ذکر کرنا پڑے گا۔ جن سے اندازہ ہو جائے گا کہ واقعی ان امراض کا آیورویدک میں علاج موجود ہے۔

امراضِ خبیثہ

تحقیقاتی حیثیت سے امراض خبیثہ پر کچھ کام نہیں کیا گیا۔ البتہ لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر بھولا ناتھ نے ان امراض اور ان کی تاریخی صورتوں پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی کتاب ''علم وعمل طب'' 1915ء میں شائع ہوئی۔ گویا تقریباً ستتر سال پہلے کی تصنیف ہے۔ اگر چہ اس زمانے میں نظریہ جراثیم اور ماڈرن سائنس کے اثرات پورے عروج پر تھے، تاہم پاک و ہند میں فرنگی طب کے اثرات گہرے نہ تھے اور طب یونانی اپنے پورے وقار سے قائم تھی۔ اس لئے تعصب کے باوجود اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ کرنل ڈاکٹر بھولا ناتھ صاحب جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ عربی اور فارسی کا بھی ذوق رکھتے تھے، اس لئے انہوں نے اس زمانے کے ماحول میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے ان امراض کی ماہیت پر اسی قدر لکھا ہے جو کچھ کتب میں درج ہے۔ مگر امراض کی حقیقت پر روشنی نہیں ڈال سکے۔ یہ شاید اس لئے کہ نظریہ جراثیم جس پر ان کا ایمان تھا اس سے باہر جانا ان کے لئے بہت مشکل تھا۔ بہر حال ان کی کوشش بہت حد تک قابل تعریف ہے۔ اپنی کتاب ''علم وعمل'' کے صفحہ 479 پر امراض خبیثہ کے متعلق لکھتے ہیں: ''اس جماعت میں تین بیماریاں شامل ہیں: (۱) گوریا (سوزاک) (۲) سافٹ (شنکر) اور (۳) سفلس (آتشک)۔ ان میں سوزاک کے بارے میں شک نہیں ہوسکتا کہ یہ مرض قدیم زمانے سے یورپ و ایشیاء کے ممالک میں چلا آتا ہے''۔

ہیروڈوٹس ایک مشہور یونانی مؤرخ لکھتا ہے کہ ''جب اہل سیتیا نے ملک یونان پر حملہ کر کے ہماری سلطنت کو تہ و بالا کرنا چاہا تو ہماری مقدس دیوی وینس یورینیا (Venusurinia) نے خفا ہو کر ان حملہ آوروں کے درمیان ایک مکروہ اور متعدی مرض بطور سزا کے پیدا کر دیا''۔

اگر چہ یہ بیان افسانہ معلوم ہوتا ہے، مگر اس مکروہ مرض کی جو علامات یونانی مؤرخ ہیرڈوٹس نے بیان کی ہے، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مرض سوزاک تھا۔ البتہ آتشک کے بارے میں شک معلوم ہوتا ہے۔ بعض محققین کی رائے میں یہ مرض ایشیاء اور یورپ کے ممالک میں مسیح علیہ السلام

سے کئی صدیاں پیشتر موجود تھا۔ اس دعوے کی تائید میں دو قسم کے ثبوت پیش کئے جاتے ہیں۔ مصر، یونان اور روما کے پرانے مدفون میں جو ہڈیاں پائی گئی ہیں، ان میں بعض ہڈیوں پر آتشک کے اثرات موجود تھے۔

ہزاروں برس کی دفن کی ہڈیوں کے مشاہدات سے کسی امر کے اثبات و نفی کی غرض سے رائے قائم کرنا قابل اعتبار نہیں ہو سکتا۔ حال کے محققین نے ان حقائق پر بہت کچھ غور و فکر کیا ہے اور جملہ محققین آثار قدیمہ متفق الرائے ہیں کہ جن نشانات کو آتشک کا ثبوت سمجھا گیا تھا وہ درحقیقت ٹیوبرکل اور سرطان کے آثار ہیں۔

دوسرا ثبوت یہ پیش کیا جاتا ہے کہ پرانے مصنفوں کی تحریر میں اس مرض کا ذکر موجود ہے۔ یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ پرانی یونانی، ہندی اور چینی کتابوں میں اعضائے تناسل کی بواسیر اور نواسیر کا کہیں کہیں ذکر پایا جاتا ہے۔ مگر بقراط، جالینوس اور پرانے مصری اطباء کی تحریروں میں ان امراض کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی مصنف نے آتشک کے دوسرے اور تیسرے درجے کے عوارضات عامہ کو بیان کیا ہے اور نہ اس مرض کا تعلق اعضائے تناسل کے زخموں کے ساتھ بتایا ہے۔

آگے چل کر لکھتے ہیں ”عام اطباء کی رائے ہے کہ یہ مرض امریکہ دریافت ہونے کے بعد کولمبس کے ملاحوں کے ذریعے یورپ میں پھیلا اور ایک تاریخی واقعہ ہے کہ آتشک نے پندرھویں صدی کے اواخر میں تمام یورپ میں وبائی صورت اختیار کر لی تھی۔ کولمبس 1493ء میں امریکہ سے واپس آیا۔ اس کے دو سال بعد چارلس شاہ فرانس نے نیپلز پر حملہ کیا اور شہر کے گرد محاصرہ ڈالا۔ شاہ فرانس کی مدد کے لئے ہسپانیہ سے بھی فوجیں آئیں اور بہت سے ترک اور دیگر اقوام اس ہنگامہ میں شامل ہوئیں۔ اس جم غفیر میں یہ مرض نمودار ہوا اور اس سرعت کے ساتھ پھیلا کہ شاید ہی کوئی آدمی اس سے بچا ہو۔ چنانچہ طنز کے طور پر فرانس والوں نے مشہور کیا کہ یہ نیپلز کا میوہ ہے۔ نیپلز والوں نے اس کو فرانس کے سر جڑا۔ اسی طرح اس کے کئی نام مشہور ہو گئے۔ نیپلز کا آبلہ، فرانس، ترکی اور ہسپانیہ کے نام سے منسوب کیا گیا۔ یہ مرض نیپلز سے پھیلتا ہوا یورپ کے تمام ممالک میں اثر کر گیا اور اعلیٰ ادنیٰ، امیر غریب سب اس مرض میں مبتلا ہو گئے، حتیٰ کہ روما کا پوپ بھی اس حملہ سے خالی نہ رہا۔ جب علمائے دین میں یہ مرض پہنچا تو اس کے لئے دینی نام بھی تجویز ہوئے اور مرض جرب، مرض سینٹ لیزڈ، مرض راس اور مرض سینٹ کلیمنٹ کے ناموں سے اسے موسوم کیا گیا۔

پس منظر کی تشریح

مندرجہ بالا جو تاریخی پس منظر بیان کیا گیا ہے، اس سے آتشک اور آتشکی مادہ کی حقیقت کا علم تو نہیں ہوتا، البتہ اس کی ماہیت پر روشنی ضرور پڑتی ہے اور اس امر کا بھی پتہ چلتا ہے کہ سفلس آبلہ فرنگ اور آتشک وغیرہ کا نام پہلی بار فرنگیوں کی طرف سے روشناس کرایا گیا اور اجتماعی طور پر یہ مرض یا آتشکی مادہ صرف فرنگیوں ہی میں پھیلا ہے اور پھر اس کے بعد باقی دُنیا میں پھیلا ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ یہ مرض بالکل نیا ہے، جس کو پہلے فرنگی طب نے تحقیق کیا ہے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ جو مرض بھی انسان کو لاحق ہوتا ہے، وہ ہر زمانے اور ہر ملک میں ہوتا ہے اس کا نام چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو، بہر حال یقیناً ہے۔ کیونکہ یہ انسانی جسم کی بناوٹ میں فطری طور پر داخل ہے۔ البتہ کسی مرض کا اجتماعی طور پر ظاہر ہونا اس کا ایک عام تعارف ہوتا ہے۔ دوسرے اس مرض کی کثرت سے اس ملک کے برے کردار اور گندی فطرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ خاص طور پر جنگ کے دوران سپاہیوں کی وحشیانہ اور بے ہنگم فطرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

سفلس (آتشک) کی ماہیت پر جو روشنی پڑتی ہے وہ کولمبس کے ملاحوں کی بیماری سے ظاہر ہوتی ہے، جو اس کے ساتھ سفر میں شریک تھے۔ یہ ایک طویل سمندری سفر تھا۔ سمندری پانی، سمندری آب و ہوا اور ممکن ہے سمندری غذا کا اثر بھی اس میں شریک ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ

مرض تقریباً تمام ملاحوں کو متاثر کر گیا ہو جس سے یہ مرض تمام یورپ میں کثرت سے پھیل گیا تھا۔

ان حقائق سے دو باتوں کا علم ہوتا ہے۔اوّل یہ کہ مرض سفلس (آتشک) اور مادہ سفلس (آتشکی مادہ) میں سمندری آب وہوا اور نمی و غذا کا دخل ہے۔دوسرے یہ کہ یہ مرض متعدی ہے، اور اس کی ماہیت کا یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ جنسی مرض ہے اور اس کی ابتداء جنسی اعضاء پر آبلہ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے جو آتشک کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

آتشک اور آبلہ فرنگ

جناب حذاقت مآب حکیم احمد علی خاں صاحب زبدۃ الحکماء ایک بہت فاضل اور قابل طبیب گزرے ہیں۔ان کو طب قدیم اور فرنگی طب دونوں پر زبردست عبور حاصل تھا۔وہ زبدۃ الحکماء کا امتحان پاس تھے۔ان دونوں زبدۃ الحکماء کی تعلیم پنجاب یونیورسٹی میں دی جاتی تھی۔اور اس کا مرتبہ اسسٹنٹ سرجن کے برابر ہوتا تھا۔فرنگی ڈاکٹر بھی وہاں لیکچر دیتے تھے اور سرجری کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔حکیم صاحب کو علاج معالجہ کے ساتھ ساتھ جراحی میں بھی کمال دسترس حاصل تھی۔انہوں نے اصول معالجات فن جراحی پر ایک کتاب لکھی ہے۔جس کا نام معمول احمد یہ ہے اور یہ تین حصوں میں لکھی گئی ہے۔میرے پاس اس کا تیسرا ایڈیشن ہے جو 1906ء میں شائع ہوا تھا۔

اپنی اس کتاب کے متعلق حکیم صاحب موصوف اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں "الحمدللہ کہ نیاز کیش کے ہاتھ سے یہ مشکل اور اہم کام 2 رجب 1307ھ مطابق 22 فروری 1890ء جو میری عمر کا بیالیسواں سال ہے، سرانجام پایا۔اس مردہ فن نے نئی زندگی حاصل کی۔جس محنت و تلاش، جانفشانی اور عرق ریزی سے اس کتاب کو میں نے لکھا ہے، اس کا حال میں خود ہی جانتا ہوں۔اسی مناسبت سے اس کتاب کا نام معمول احمد یہ رکھا گیا ہے۔اس کتاب میں علم جراحی اور اس کے متعلق دیسی اور انگریزی دونوں طریق عمل سے تصاویر دآلات اور اصول وقواعد جن پر میں اٹھارہ سال سے عمل کر رہا ہوں اور دونوں طریق کے شفاخانوں میں برابر استعمال کئے جاتے ہیں، حسن ترتیب نہایت عام فہم اور سلیس اُردو میں لکھا ہے تاکہ کم علم طبیب کو بھی دقیق اُصول سمجھنے اور مرض کی تشخیص کرنے میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے۔انگریزی، یونانی اور ہندی ادویات کا مقابلہ کیا ہے اور ایک دوسرے میں تطبیق دی ہے۔حتی المقدور زمان حال و ماضی کی کسی تحقیق و تدقیق کو فروگزاشت نہیں کیا گیا تاکہ مبتدیوں کو ایک مستقل درسی کتاب اور منتھیوں کو ایک عمدہ دستور العمل ہاتھ آ جائے۔یہ کام جو میرے ہاتھ سے انجام کو پہنچا ہے، سخت مشکل ہے۔میں بڑے دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ میں پہلا شخص ہوں جن نے طب یونانی وڈاکٹری کو متحد کرنے کی کوشش کی، اس کوشش میں منزل مقصود پر پہنچنے یا اس میں ناکام ہونے کا فیصلہ منصف مزاج اور قدر دان، ہم پیشہ ناظرین پر منحصر ہے"۔

سبب تالیف کتاب کے متعلق حکیم صاحب لکھتے ہیں: "جب دونوں شریف فن طب کی تحصیل سے فراغت کلی حاصل ہوئی اور بہت سی کتب مبسوط جدیدہ مطالعہ میں آئیں تو دل میں خیال آیا کہ روز افزوں مشاہدات تشریح، جدید تجربات، تشخیص مرض، ادویات کی تاثیر کیمیائی وغیرہ اُصول وقواعد سے یونانی طب کو فروغ دے کر تکمیل تک پہنچایا جائے اور یونانی اطباء کے اسرار مخفیہ، صدر یہ، کم خرچ اور سریع التاثیر نسخہ جات مفیدہ سے جن پر دیسی اطباء کو کمال فخر حاصل ہے اور انہی کو وہ ذریعہ حصول معاش جانتے ہیں۔فن ڈاکٹری کو ترقی دی جائے اور اس طرح باہم خلط ملط کیا جائے کہ کسی فرد و بشر کو دوئی کی تمیز نہ رہے۔بلکہ ایک ہی نام سے پکارا جائے اور ہر فریق کے اہل فن دونوں طبقوں کے اصولوں سے واقف ہو کر عوام کو مستفید کریں۔اسی بناء پر 1880ء میں ایک ماہوار رسالہ موسوم "تکمیل الحکمت لاہور" سے جاری کیا جو خدا کے فضل وکرم اور اہل ملک کی قدردانی سے جلد ہی مقبول خلائق ہو گیا۔دولت مآب سرآمد حکماء انگلستان برگزیدہ ڈاکٹران زمان جناب ای سٹیفن صاحب بہادر کمشنر حفظان صحت پنجاب نے اس کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔اس وقت کی گورنمنٹ عالیہ اس کی بہت سی کاپیاں خرید کر پنجاب کے سول سرجنوں اور میونسپل کمیٹیوں کو ارسال

فرماتی۔ جناب ممدوح کے ہیڈکلرک خلیق الطبع، حلیم مزاج امیر با توقیر جناب ڈبلیوڈی روز ویل صاحب کی ذات بابرکت سے اس رسالہ کو ظاہری و باطنی امداد ملتی تھی۔ چونکہ رسالہ مذکور میں عام خیال کے مطابق مختلف مضامین شائع ہوا کرتے تھے، اس لئے مدت سے اشتیاق تھا کہ کوئی مستقل کتاب مرتب کرنی چاہئے، جس سے زمانہ میں میرے بعد میرے ہم پیشہ اصحاب مستفید ہوتے رہیں اور مجھے دعائے خیر سے یاد فرماتے رہیں اور میرا نام بھی دُنیا میں تاابد قائم رہے''۔

کتاب ومؤلف اور اس کے کام کا تعارف ذرا تفصیل سے کرایا گیا ہے، تاکہ ان کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ مؤلف موصوف نے اس کتاب کی فصل پانزدہم میں صفحہ 88 پر آتشک کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں: ''آتشک (سفلس) میں چونکہ جلن اور سوزش اس طرح پائی جاتی ہے، جیسے کوئی مقام آگ سے جل رہا ہے۔ اس کو آتشک کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس کو آبلہ فرنگ بھی کہتے ہیں۔ اس جہت سے کہ نویں صدی تک یہ مرض صرف جزائر فرنگ تک محدود تھا، بعدازاں عرب میں اس کا ظہور ہوا اور اس وجہ سے زمانہ قدیم کی کتب طبیہ میں اس کا نام نہیں پایا جاتا۔ بعض اطباء اس کو ارمنی دانہ اور نار فارسی کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے کہ ابتداء میں اس کا ظہور ارمن یا فارس میں ہوا۔ بعض عہد سکندری سے اس کی ابتدائی پیدائش شمار کرتے ہیں۔ بثور غریبہ ونفاطات کو آتشک میں شامل کرتے ہیں۔ یہ مرض جس قدر خوفناک ہے، اسی قدر فی زمانہ عام ہے۔ جب آتشک کے مواد خون میں سرایت کر جاتے ہیں تو مختلف اقسام کی بیماریاں پیدا کرتے ہیں۔ شروع میں خفیف سی سوزش ہوتی ہے۔ پھر اس کا زہر اندرونی اعضاء کے غشائے مخاطیہ اور بعد میں غشائے الحاقیہ کے رباط استخواں اور جلد وغیرہ پر حملہ کرتا ہے۔ جس کے سبب فوطے، دماغ اور جگر وغیرہ مبتلائے مرض ہو جاتے ہیں۔ آخر کو جلد عضلات کے چیچھڑے اور استخواں کے ٹکڑے گل کر اخراج پاتے ہیں۔

حکیم صاحب موصوف بھی آتشک کو آبلہ فرنگ کہہ کر فرنگی مرض کہتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ نویں صدی تک یہ مرض جزائر فرنگ تک محدود تھا۔ بعدازاں عرب ممالک میں ظاہر ہوا۔ جہاں پر اس کو ارمنی دانہ اور نار فارسی کہتے ہیں اور یہی وجہ بیان کرتے ہیں کہ اس کا نام کتب طبیہ میں نہیں ہے، لیکن وہ اس امر کو بھی مانتے ہیں کہ بعض اس کی ابتداء عہد سکندری سے شمار کرتے ہیں۔ اور دلیل میں بثور غریبہ ونفاطات کو آتشک میں شامل کرتے ہیں۔ لیکن یقین کے ساتھ اس مرض کی ماہیت اور حقیقت پر روشنی نہیں ڈالتے۔ البتہ اس مرض میں آتش وجلن اور سوزش و آبلہ وغیرہ کی صورتیں بیان کرتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس مرض کا اثر اعضائے مخصوصہ اور خصیوں پر ہوتا ہے اور یہ مرض امراض خبیثہ میں شمار ہوتا ہے۔

آتشکی مادہ کی تلاش

لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر بھولا ناتھ سفلس کا تعین کرتے ہوئے اپنی کتاب ''علم وعمل طب'' کے صفحہ 481 پر لکھتے ہیں: ''بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نار فارسی، آبلہ فرنگ آتشک اور جمرہ کا بیان جو طب یونانی کی کتابوں میں پایا جاتا ہے، وہ بھی سفلس ہے۔ یہ بالکل غلط ہے، نار فارسی کی علامات مندرجہ ذیل ہیں:

آن بز باشد پر از آب رقیق۔ شدید الحرقہ وکثیر الحکتہ۔ چون بر آید بزودی خشک گردد وخاصہ ویست کہ چوں ظاہر خواہد شدر نخستین در بدن لحیکہ بر آید۔ خط ہائے سرخ طاوس پدید آید ہمچوں زبانہ آتش بثور ظہور نماید واین راشر آتشک بعض آن رامترادف جمرہ خوانند وعلامات او آنست کہ با مکہ وتلہب مفرط باشد وہمچوں آبلہ زرد خشک ریشہ آرد۔ (محمد اکبر ارزانی)

فقال القرشي: "الجمرة بالجيم و نار فارسية يقال ذلك لكل بثره اكالته منفطه محترقه محرثه للحشريشه و ريما حصب النار فارسيه لما كان بلثومن جنس التملته في سعي و تنفيط من مادة صفراويه و قليته تالتعفن والسوداء ولا

جمره بما بسوداء بحد معه من غير رطوبت و تكون كثير السودا غليظ نا ملصته قليل الصود".

یونانی کتابوں میں پانچ قسم کی بثورغریبہ بھی بیان کی گئی ہیں۔جن کی مختصر تشریح مندرجہ ذیل ہے:

① **ذات الاصل**: آن خورد و سپید و سخت بیخ بود مانند غدد و مشرقتہ الروس و قلیل الالم و غیر النضج واز ثبور اندک ریم ترشح نماید۔

② آنکہ خورد و سرخ و سخت و بے درد باشد و منتقل بود یعنی در یک موضع ظاہر شد و باز از آنجا پنہاں شود۔ دور جائے دیگر برآید زمانی طویل بایند۔

③ **شلم**: بثر ہائے طلب و در روئے ور خسار پدید آید و قوای و مقدار در روئے سرخ گردد و مادہ دے خون فاسد تیر است۔لہٰذا اگر در علاج اودیر کنند، ثبور مذکور منتمش شوند و تمام روئے را مشتمل گرداند۔

④ **ثبور الاصداغ**: بثر ہائے بزرگ شبیہ بہ وما میل خورد بہ اصداغ ظاہر شوند و خاصہ ویست کہ پختہ نہ گردد۔ اما متسرخی باریک وسرخ شود و آنکہ شگافند غیر از خون غلیظ چیزے دیگر بر بناید۔

⑤ **ثبور القفا**: بثر ہائے شبیہ الاصداغ در پس گردن عارضی شوند و فرق در ثبور الاصداغ و قفا آنست کہ ثبور کثیر العدد باشد و وجع شدید دارد و نجات از اں کمتر متوقع شود و سبب او خون تیز است کہ در مجاری نخاع در آمدہ چیزے دیگر بر بناید۔

مفصلہ بالا علامات کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان امراض میں ایک بھی سفلس نہیں ہے۔ مثلاً جلن، سوزش وزرد پانی کا جانا اور خشک ریشہ جو نار فارسی آتشک اور جمرہ کی علامات بیان کی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی جلد یا مقامی مرض سے مراد ہے، غالباً مصنف اگزیما کے بارے میں بیان کر رہا ہے۔ سفلس میں یہ علامات نہیں پائی جاتیں۔ ذات الاصل بھی سفلس نہیں ہوسکتا۔ شلم کی علامات ایکنی سے ملتی ہیں۔ بثور الاصداغ اور بثور القفا میں بائل اور کاربنکل میں مغالطہ کر دیا ہے۔ آبلہ فرنگ کی چار قسمیں ہیں:

۱۔خونی علامات

گرانی سر و امتلاء و انتفاخ رگہا و شرائن، شیرینی دہن، گرانی خانہ ہائے چشم، سرخی رُو، ثقل اعضاء، درد بندگاہ و رنگ دانہ ہا مائل بہ سرخی بدن و تہ او سرخ نمودن خشونت در حلق و عظم نبض و سرخی و غفلت در قارورہ پدیر آمدن۔

۲۔صفراوی علامات

زردی و الاغری رو و بدن، تلخی دہن، تشنگی و بے خوابی خشکی بینی و زبان، سرعت نبض، غلظت و سرخی قارورہ و خیالات در پیش چشم آمدن و رنگ جوشش مائل بہ زردی بودن و ایں جوشش با سوزش باشد و زرد آب از و بسیار رود۔

۳۔بلغمی

درد بند ہا، سردی جلد، بسیاری خواب، سپیدی بول، رنگ جوشش بہ سپیدی مائل بودن و گرد جراحت سپید سوزناک بودن و رطوبات و زرد آب رواں شدن از جراحت و از بینی و زبان آب آمدن، سر و چشم گراں بودن و ہوائے سردہ از چیز ہائے سرد متاذی گشتن۔

۴۔سوداوی علامات

گرانی و خشکی رو، بے خوابی و تیرگی رو و بدن و رقت و بطو نبض۔ سفیدی بول و خشکی چشم و بینی و خیالات و افکار فاسد۔ رنگ جوشش مائل بہ سیاہی بودن و خشکی بر جراحت غائب نمودن و ایں مرض دیر پائے شود۔

اس بیان سے بھی شک دور نہیں ہوتا۔ علامات کی اتنی لمبی چوڑی فہرست میں فقط تین علامات ایسی ہیں جو سفلس کی علامات ہوسکتی ہیں اور

خیالات وافکار فاسدہ آب از بینی دہن آمدن، گرانی، خشکی اور بے خوابی وغیرہ سفلس کی علامات ہرگز نہیں ہوسکتیں۔ علاوہ اس کے نہایت ضروری بات مصنف نے یہ نہیں لکھی کہ جس مرض کو آبلہ فرنگ بیان کیا گیا ہے، اس کا مقامی زخم سے بھی کوئی تعلق ہے۔ البتہ آبلہ فرنگ کے علاج میں جو سیماب کو کئی صورتوں میں استعمال کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آبلہ فرنگ درحقیقت سفلس تھا۔ بہرکیف یہ مرض جدید ہے اور پندرھویں صدی سے پہلے موجود نہ تھا۔ یا کم از کم اس مرض کا ذکر پندرھویں صدی سے پہلے کی تصانیف میں نہیں پایا جاتا۔

آتشکی مادہ سے بے خبری

لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر بھولا ناتھ نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ سفلس ایک جدید مرض ہے اور فرنگی طب کی تحقیق ہے۔ طب قدیم کی تمام امراض اور علامات کو دیکھ ڈالا ہے، بلکہ خوب چھان بین کی ہے۔ مگر ان کو سفلس کی قابل قدر علامات نہیں ملتی ہیں۔ اگر تین چار علامات ملی بھی ہیں تو ان کو دیگر امراض سے مشابہت کے تحت نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ یہ تمام علامات تو رہیں ایک طرف، ان علامات کی طرف بھی غور نہیں کیا گیا جن کو امراض کا نام دیا گیا ہے۔ اور ان میں سفلس کی غالب صورتیں ظاہر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جمرہ، نار فارسی، آتشک اور آبلہ فرنگ پر غور کیا جائے تو یہ تمام سفلس پر روشنی ڈالتے ہیں اور ان کی خاص علامات جیسے بثور، بثرہ انگارہ کی سرخی و جلن نار و آتش اور آبلہ وغیرہ، یہ سب آتشکی مادہ پر دلالت کرتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ بثور و آبلہ اور پھوڑہ وپھنسی میں زمین و آسمان کا فرق ہے، جو اہل فن اور صاحب علم ان میں طبیعاتی کیمیائی اور مادی طور پر فرق سمجھ سکتے ہیں۔ وہ سفلس اور آتشکی مادہ کو خوب سمجھ سکتے ہیں جن کی تشریح ہم آئندہ اپنے مقام پر بیان کریں گے۔ کسی مرض کے سبب کو جاننا ہی اس کی حقیقت کو سمجھنا ہے۔

آتشک کے اسباب:

معمول احمدیہ میں آتشک کے اسباب اس طرح تحریر ہیں: ''اس کی پیدائش حار مزاج کثیر الفساد اخلاط عورتوں کی صحبت سے ہوجاتی ہے اور ان کی مباشرت سے آتشک کا سریع السرایت مادہ خون میں داخل ہوجاتا ہے جس کی سمیت سے مردوں کے خصیے، نائزہ اور عورتوں کی اندام نہانی اور فم رحم پر زخم پیدا ہوجاتا ہے۔ اگر مریضہ آتشک کا دودھ تندرست بچہ کو پلایا جائے تو بچہ کو بھی آتشک ہوجاتا ہے، مبتلائے آتشک بچہ کے دودھ پینے سے مریضہ کے پستانوں پر، آتشک والی زچہ کی قابلہ کی انگلیوں پر یہ مرض ہوجاتا ہے۔ مریض کے مواد زخم، تھوک، دودھ وغیرہ حتیٰ کہ اس کے بستر پر لیٹنے سے بھی یہ مرض ہوجاتا ہے۔ آتشک والے بچہ کے مواد سے ٹیکا لگانا موجب ظہور مرض ہوجاتا ہے۔ مگر وہ شخص جس کے جسم میں آتشک کی علامات موجود ہوں، تندرست عورت کے ساتھ مباشرت کرے تو اس کے اعضائے تناسل پر کوئی نشان زخم وغیرہ کا پایا جائے تو بچہ آتشک کی جسمی علامات میں مبتلا پیدا ہوگا۔ یہ مرض موروثی بھی ہے۔ غرض کہ آتشک کا مواد خواہ کسی طور سے لگے ہر جگہ اپنا اثر ضرور پیدا کرتا ہے۔

اس کی بیخ کنی کی نسبت بحث طویل ہے اور بڑی بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ لیکن اس کے زہر کی سرایت سے زخم ظہور میں نہ آئیں اور نہ غدد جاذبہ متورم ہوں اور علاج بھی معقول طور پر کیا جائے تو بے شک زہر کا اثر معدوم ہوسکتا ہے۔ مگر جب زخم موجود ہوں اور زہر کی سرایت غدد جاذبہ تک پہنچ جائے تو اس کا نیست و نابود کرنا محال ہوجاتا ہے۔

علم وعمل طب میں آبلہ فرنگ (سفلس) آتشک حقیقی کے اسباب میں اس طرح تحریر ہیں: ''اس کا باعث ایک قسم کا جرم ہے جس کو سپائرو چیٹا پیلڈا کہتے ہیں۔ یہ حیوانی مادہ ہوتا ہے''۔

آبلہ فرنگ (سفلس) آتشک کی دو اقسام ہیں:

① **خود حاصل کردہ:** یعنی وہ مرض جو مریض کو اپنی بداعمالی کی سزا میں ملتا ہے۔
② **موروثی:** جو بچہ کو اپنے والدین کی بدافعالیوں سے ورثہ میں ملتا ہے۔

❁ خود حاصل کردہ آبلہ فرنگ کئی طرح سے ہوسکتا ہے: ① جماع سے زخم اعضائے تناسل پر بنتا ہے۔ ② مریض بچوں اور عورتوں کا منہ چومنے سے۔ ③ مریضوں کے جھوٹے برتن میں پانی پینے یا ان کے ساتھ حقہ اور سگریٹ پینے سے زخم ہونٹوں اور زبان پر پیدا ہوتا ہے۔ ④ ڈاکٹر اور قابلہ جو آبلہ فرنگ کے مریض زچہ کے وضع حمل میں معالج ہوتے ہیں، ان کی انگلیوں پر زخم ہوجاتا ہے۔

❁ موروثی: ① مرض والے بچہ کو اگر تندرست دایہ دودھ پلائے تو اس کے پستانوں پر زخم واقع ہوگا۔ ② کند پچکاری یا دوسرے آلات جو مریضوں پر استعمال کئے جانے کے بعد تندرست آدمیوں کے کام میں لائے جاتے ہیں، ان کے ذریعہ بھی مرض تحویل ہوجاتا ہے۔ ③ مرض والے بچہ کا مواد لے کر تندرست بچوں کو چیچک کا ٹیکہ لگانے سے بھی مرض تحویل ہوجاتا ہے۔

خزائن الطب جدید مصنفہ ڈاکٹر محمد نصیر الدین میں آتشک (سفلس) کے اسباب اس طرح تحریر ہیں: ''1906ء میں شاڈن (Schaudian) نے اس کو پیدا کرنے والے جراثیم بڑی کوشش سے دریافت کئے تھے، جن کا نام ٹریپو نیمو پیلیڈیا (Trepo Nemu Pallidia) مشہور ہوگیا۔ مگر فی زمانہ جرثومہ مذکور کو سپائرو چیٹا پیلیڈ یا کہتے ہیں۔ مگر بعض وجوہ کی بنا پر اس کا نام سپائروچیٹمیا پیلیڈم بھی مشہور ہے۔ یہ ایک بلدار حلزونیہ قسم کا نہایت ہی مہین اور نازک جرثومہ ہے، جس کا رنگ سفید قدرے سیاہی مائل بہ نیلگوں ہوتا ہے۔ برمے کی مانند اس میں بل ہوتے ہیں۔ اس کی لمبائی آٹھ سے دس مائیکرو ملی میٹر ہوتی ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت کرنے میں بہت سست ہوتا ہے۔ ایک درجہ سینٹی گریڈ کی حرارت پر تلف ہوجاتا ہے۔ یہ جرثومہ فلٹر سے نہیں گزر سکتا۔

دیگر اسباب

اس کے جسم میں داخل ہونے کا عام طریقہ جماع ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ مجامعت کے وقت مریض کے اعضائے تناسل پر چھیلن یا زخم موجود ہوں، بلکہ اس کا زہر جلد اور پردہ مخاطیہ میں بغیر زخم اور چھیلن کے بہ آسانی سرایت کرسکتا ہے۔ پردہ مخاطیہ پر خصوصیت سے اس کا اثر ہوتا ہے۔ اس مرض کے جراثیم زخموں کو مندمل ہونے کے بعد بھی منی میں موجود ہوتے ہیں۔ مرض سے شفایاب ہوجانے کے دو سال بعد تک اس مرض سے تندرست کو چھوت لگنے کا احتمال ہوتا ہے۔ مگر بعض اوقات پانچ سال بعد بھی یہ مرض سرایت کرسکتا ہے۔ اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ جنین کی بہت مدت گزرنے کے بعد بھی اپنی ماں کا متعدی اثر پہنچ سکتا ہے۔ پس اس میعاد کو محدود نہ سمجھنا چاہئے۔ بعض اوقات بہت مدت کے بعد بھی جراثیم مریض کے خون میں موجود ہوتے ہیں۔ مگر اس متعدی چھوت کا وقت وہ ہے جب مریض کے جسم پر پرائمری سفلیٹک سور (ابتدائی آبلہ فرنگ) موجود ہو۔ نیز دوسرے درجہ کے آغاز کا زمانہ بھی سخت متعدی اور خطرناک ہوتا ہے۔ مرض کو جس قدر زیادہ مدت گزرتی جاتی ہے، اسی قدر دشواری سے جراثیم ملاحظہ میں آتے ہیں۔

اس کے سرایت کرنے کا باعث تو مجامعت ہی ہے۔ مگر بوسہ لینے یا مریض کے بستر پر سونے سے، اس کے جھوٹے برتنوں میں کھانے سے، اس کا حقہ سگریٹ پینے سے پرائمری سفلیٹک سور (ابتدائی آبلہ فرنگ) بجائے اعضائے تناسل کے ہونٹوں پر برآمد ہوتے ہیں۔ جن کو ایکسٹرا جینیٹل شینکر (Extra genital chancer) کہتے ہیں۔

بعض اوقات مریض باد فرنگ کی مستعملہ جونکیں یا انجکشن تندرست آدمی کو لگانے سے بھی ابتدائی زخم جونکوں یا انجکشن کے مقام پر پیدا ہو

جاتا ہے۔کبھی کبھی مرض آتشک میں مبتلا حاملہ کے بچہ جنتے وقت دایہ بھی غفلت کے باعث اس مرض میں مبتلا ہوسکتی ہے۔مگر 95 فیصدی یہ مرض قحبہ خانے (چکلہ) کے چکر لگانے والے اوباشوں کو ہوتا ہے،جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قدرت نے بدافعال لوگوں کو قبیح افعال سے باز رکھنے کے لئے اس مرض کو بطور سزا،عذاب اور قہر کا نشانہ بنایا ہے۔یہ سزا نہ صرف اس کی ذات تک ہی محدود رہتی ہے بلکہ آئندہ نسل تک اس کا متعدی اثر ظاہر ہوتا ہے،جو عبرتناک ہے''۔

''حاذق''،اشاعت اٹھارویں،بار 1938ء از افادات جناب مسیح الملک حکیم حاذق محمد اجمل خاں صاحب مرحوم میں آتشک کے اسباب اس طرح تحریر ہیں:''چونکہ یہ مرض متعدی ہے،اس لئے آتشک میں مبتلا مریضوں کے ساتھ صحبت کرنے سے اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور کھانا کھانے سے یا ایسے مریضوں کا جھوٹا پانی پینے سے یا حائضہ عورتوں کے ساتھ یا فاحشہ عورتوں اور طوائفوں کے ساتھ مباشرت کرنے سے یہ مرض پیدا ہوتا ہے۔بعض دفعہ ایسے مریضوں اور تندرست اشخاص کے ایک جگہ پیشاب پاخانہ پھرنے سے بھی یہ بیماری ہو جاتی ہے۔بہر حال اس بیماری کا زہریلا اثر جسم میں سرایت کر کے اخلاط اور خون کو جلا کر سودائے محترق بنا دیتا ہے اور یہ فاسد اخلاط اور خون جسم میں رہ کر بیماری کا باعث ہوتے ہیں۔

''علاج بالمفردات''1939ء از جناب شمس الاطباء حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب کے صفحہ 297 پر آبلہ فرنگ یعنی آتشک کے متعلق یوں تحریر ہے:''بقول بعض یہ مرض قدیم ہے اور بثور غریبہ سے مؤلفین کی یہی مراد ہے۔بعض کہتے ہیں کہ جمرہ اور نار فارسی کی ایک قسم ہے۔عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ مرض نیا ہے،جو چار پانچ سال سے جزائر فرنگ میں ظاہر ہو کر اب تمام بلاد میں پھیل گیا ہے۔اس لئے اطبائے قدیم کی کتابوں میں اس کا ذکر موجود نہیں ہے۔بہر حال یہ مرض متعدی اور مسہری (سرایت کرنے والا) ہے۔اس کے اسباب دیگر امراض کی طرح اخلاط اربعہ سے وابستہ ہیں۔مگر اس کی ہر نوع میں سودا کے آثار ضرور پائے جاتے ہیں۔بعض دفعہ اس کا مادہ تنہا سودا بھی ہوا کرتا ہے۔اس کے حادث ہونے کا سب سے بڑا سبب اس مرض کی عورتوں سے جماع کرنا ہے۔بعض اوقات ایسے مریضوں کے ساتھ باہم کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے سے بھی لاحق ہو جایا کرتا ہے''۔

اصل سبب سے لاعلمی

آبلہ فرنگ (سفلس) آتشک کے متعلق جس قدر بھی اسباب لکھے گئے ہیں۔ان میں اس کو متعدی اور مسہری مرض قرار دیا گیا ہے،جو چھوت چھات سے ہو جاتا ہے اور اس کو جدید فرنگی مرض کہا گیا ہے۔تقریباً ہر کتاب میں ایسا ہی لکھا ہے۔البتہ یونانی کتب نے ضرور تسلیم کیا ہے کہ مرض پیدا ہونے کے بعد جو اخلاط اور خون کو جلا کر سودا محترق بنا دیتا ہے،مگر سوائے چھوت چھات کے اس مرض کا اور کوئی سبب بیان نہیں کیا۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ چھوت چھات کے سوا اور بھی کوئی صورت پیدا ہوسکتی ہے یا نہیں۔مثلاً (۱) موسم (۲) کوئی غذا (۳) کوئی دوا (۴) کوئی زہر۔یعنی چھوت چھات کے علاوہ کوئی مادی اثر بھی ہے،جو یہ مرض پیدا کر دیتا ہے اور کوئی ایسا سبب کسی نے بیان نہیں کیا۔البتہ کرنل بھولا ناتھ کے تاریخی پس منظر سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ کولمبس جب اپنے سمندری سفر سے واپس آیا تو اس کے ساتھیوں میں یہ مرض پایا جاتا تھا۔ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ نہ ہی عورتیں تھیں اور نہ ہی جانے سے قبل کسی کو یہ مرض تھا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سمندر کی نمکین رطوبت نے ان میں یہ مرض پیدا کر دیا تھا۔یہی اس کی تحقیقات کی ابتدا ہے۔

آتشک ایک مزمن عفونت ہے

ڈاکٹر جیمز ٹائلر کینٹ کی کتاب ''لیکچرز اون ہومیو پیتھک فلاسفی'' جس کا ترجمہ جناب سید عنایت حسین صاحب بخاری ایم اے ہومیو پیتھ نے کیا ہے۔ اس کتاب کے عنوان ''علم وفن'' کے تحت صفحہ 216 پر ڈاکٹر موصوف بیان کرتے ہیں: ''بنی نوع انسان میں تین مزمن عفونتیں پائی جاتی ہیں۔ جنہیں سورا، آتشک اور سائیکوسس کہا جاتا ہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔ سب سے بڑی اور دشوار مزمن مرضیاتی حالتیں وہ ہوتی ہیں جن میں یہ تینوں عفونتیں باہم مخلوط پائی جاتی ہیں یا ان تینوں کے بعض حصوں یا حالتوں کو دواؤں کے غلط اور بے احتیاطی کے استعمال سے اور پیچیدہ بنا دیا جاتا ہے۔ ایسی صورتوں میں جب دوائیہ اثرات رفع کئے جا چکیں تو اصل عفونتوں کے مطالعہ ومشاہدہ کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اکثر مریضوں میں یہ عفونتیں دوائیہ اثرات کے تحت پیچیدہ بنا دی جاتی ہیں۔ اس لئے جب کبھی مزمن مرض سے واسطہ پڑتا ہے تو ساتھ ہی مزمن دوائیہ اثرات سے بھی نپٹنا پڑتا ہے اور ان دواؤں کی قوت حیات پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کا مطالعہ کرنا اور جائزہ لینا پڑتا ہے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ پرانے وقتوں میں جب مسہلات، فصد، قے آور ادویات، بے حس کر دینے والی اشیاء اور شدید پسینہ لانے والی چیزوں کا استعمال وغیرہ امور رائج تھے، انسان کو صحت کے لحاظ سے اس درجہ تباہ وبرباد نہ کیا گیا تھا جس قدر آج کل انسان کو امراض کے حوالے کر دیا گیا ہے اور اس کے جسم کو پارہ پارہ کیا جا رہا ہے۔ ان دنوں مریض تیز جلابوں اور شدید قے آور دواؤں کے ذریعے پیٹ کی صفائی کے بعد اپنے آپ کو بہتر محسوس کرنے لگتا تھا اور ان کے اثرات ایسے نہ ہوتے تھے جنہیں وہ اپنے ساتھ قبر میں لے جاتے تھے۔ لیکن آج کل تو ان کی نسبت دواؤں کی کم مقدار خوراک جو کیمیائی ذرائع سے زیادہ مرتکز اور مختصر بنالی گئی ہے، اپنے مضر اثرات کو جسم پر مسلط کر دیتی ہے اور آہستہ آہستہ اپنی مزمن علامتیں جسم میں پیدا کرتی رہتی ہیں۔

ان ایلوپیتھک دواؤں کے متواتر استعمال سے ایک عجیب خوفناک صورت پیدا ہوگئی ہے، جو طبی تاریخ میں کبھی نہ پائی جاتی تھی۔ اب تو ان کی متعدد خوراکوں کے ذریعے انتہائی ضرر رساں حالت پیدا کی جاتی ہے۔ سلفانل جیسی ہلکی دوائیں بھی اپنی مزمن علامات پیدا کرنے کے لئے کئی مہینے کا تقاضا کرتی ہیں اور نہایت ہی ضرر رساں دوائیں ہیں۔ ان سے تیز اور شدید دواؤں کا تو کیا کہنا اور کیا ٹھکانا، وہ تو ایک مصیبت ہیں، جسے بنی نوع انسان پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ یہ سست رفتار مگر انتہائی تیز اور عمدہ مرکبات ومفردات کچھ اس طرح کیمیائی طور پر تیار کئے جاتے ہیں کہ ابتدائی عمل میں تو نرم اور ہلکے ہوتے ہیں، لیکن ثانوی عمل میں اور بعد کے بداثرات کے اعتبار سے انتہائی شدید اور مضر ہیں۔

ڈاکٹر ہانمن نے اپنے دور میں یہ بیان دیا تھا کہ وہ مزمن امراض نہایت مضر اور اذیت رساں ہیں، جنہیں دوائیہ بداثرات کے ساتھ شامل کر کے مزید پیچیدہ اور خوفناک بنا دیا جاتا ہے۔ دردسر اور نزلہ وزکام کے لئے چھوٹی چھوٹی خوبصورت مگر ضرر رساں ٹکیاں اپنے ابتدائی عمل میں تو ہلکی اور خفیف ہوتی ہیں، لیکن ثانوی عمل یا آخری اثرات کے اعتبار سے انتہائی مضر اور خوفناک بنا دیا گیا ہے''۔

مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ ایلوپیتھی طریقہ علاج میں جب آتشک کا علاج کیا جاتا ہے تو آتشکی مادہ جو ایک زہریلی عفونت ہے۔ زہریلی ادویہ کے استعمال سے اس زہر کو اور بھی پیچیدہ بنا دیا جاتا ہے اور جب تک ان زہریلی ادویہ کے اثرات ختم نہ ہوں، اس وقت تک اصلی آتشکی زہریلا مادہ سامنے نہیں آتا جس کے بغیر وہ قابل علاج نہیں ہے۔ یعنی اس کی صحیح صورت میں ہی اس کے لئے صحیح ادویہ سے آرام ہوسکتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ ہومیوپیتھی میں ہر مرض کے لئے وہی ادویات استعمال کی جاتی ہیں، جو تندرست انسان میں وہ علامات پیدا کر دیں جو کسی مرض میں پائی جاتی ہیں۔ علامات کی صحیح دوا ہی اس مرض کا علاج ہوسکتا ہے، اس نظریہ کے تحت اگرچہ ہومیوپیتھی میں امراض کی بحث نہیں کی جاتی۔ لیکن اگر تحقیقات کی نظر سے دیکھا جائے تو یقین کرنا پڑتا ہے کہ جن ادویہ کو ہومیوپیتھک طریقہ علاج میں شفا کے لئے استعمال کیا جاتا

ہے، وہی ادویہ کے اسباب بھی بن سکتی ہیں۔یہی صورت آتشک میں بھی پائی جاتی ہے۔

ہومیوپیتھی کی جن ادویہ میں آتشک کی علامات پائی جاتی ہیں ان میں آتشکی زہر (The Syphilitic Virus) کو بھی دوا کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، جس کا نام سفیلینم (Syphilinum) ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہومیوپیتھی بھی چھوت کو تسلیم کرتی ہے۔

بہر حال ہمیں یہاں آتشک کے ان اسباب سے بحث ہے جن سے انسانی جسم میں زہر خود بخود کسی مادہ میں عفونت سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ چھوت بن کر دیگر انسانوں کے لئے باعث تکلیف اور مرض کا سبب بن جاتا ہے۔ذیل میں ہم ہومیوپیتھی کی ان ادویات کو تحریر کرتے ہیں جن سے آتشک کی علامات پیدا ہوتی ہیں۔گویا یہ ادویہ بھی آتشکی زہر پیدا کرتی ہیں۔

ہومیوپیتھی میں پہلے درجہ کی ادویات

نائٹرک ایسڈ: پارہ کا کثرت سے استعمال کیا گیا ہو اور اصلی زخم یا گلٹی کے آس پاس مہاسے نکل آئیں۔

گوائیکم: اگر زخم پر گلٹی جلد مندمل نہ ہوتی نظر آئے اور گھونگٹ میں ورم ہو۔

مرکیوریس وائیوس: ابتدائی درجوں کے لئے بہترین دوا ہے اور جہاں مرض شدید ہو، زخم ہو جائیں یا گلٹی نکل آئے وہاں کام آتی ہے۔

اس امر کو پھر ذہن نشین کر لیں کہ ہومیوپیتھی میں جن علامات کے لئے جو ادویہ استعمال کرائی جاتی ہیں، وہی ادویات ہوتی ہیں جو ایک تندرست انسان میں زیادہ سے زیادہ کھلانے سے وہی علامات پیدا کر دیتی ہیں۔تندرست انسان کا تصور ذہن میں رکھیں، یعنی ایسا انسان جس کے جسم میں نہ کسی قسم کی سوزش ہو اور نہ ہی خون میں کسی قسم کے جراثیم کا اثر ہو تاکہ ادویات کھلانے کے بعد صحیح طور پر صرف اسی کی ذاتی علامات ظاہر ہوں۔تندرست انسان کے تصور پر تاکید صرف اس لئے لگائی گئی ہے کہ ہم نے یہ ثابت کرنا ہے کہ آتشک صرف چھوت کا مرض نہیں ہے، بلکہ بغیر چھوت کے دیگر کیفیاتی و نفسیاتی اور مادی اثرات سے بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

ہومیو پیتھی میں دوسرے درجہ کی ادویات: آتشک کے دوسرے درجے میں ہومیوپیتھی کی مندرجہ ادویات استعمال ہوتی ہیں:

مرک کار: جب حلق اور منہ میں درد ہو۔

مرکیورس آئیوڈیٹس فلیوس: جب دانے نکل آئیں۔

کالی آئیوڈائیڈ: جب حلق میں درد ہو اور دانے نکل آئیں۔

بربریس اکوی فولیم: جب کمزوری کے ساتھ آتشک کی شکایت ہو۔

مزریم: جب رات کے وقت ہڈیوں میں درد ہو۔

گریفائٹس: جب آتشکی چنبل اور مندمل نہ ہونے والا زخم ہو۔

کالی بائی کرومیم: جب زبان میں چنبل اور زخم ہو۔

ہومیوپیتھی میں تیسرے درجہ کی ادویات: آتشک کے تیسرے درجے میں ہومیوپیتھی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال ہوتی ہیں:

کالی آئیوڈائیڈ: جب جسم کے اندرونی اعضاء میں آتشکی گومڑ ہوں۔

آرم مٹیلیکم: جب ہڈیوں میں درد یا زخم ہوں اور ٹھیے بڑھ جائیں۔

فلورک ایسڈ: جب زبان اور حلق میں تکلیف ہو۔

نائٹرک ایسڈ: جب مقعد میں آتشکی زخم ہوں۔

آتشکی مادہ کے تحت دیگر علامات

آتشکی مادہ کے تحت کمی بیشی کے ساتھ سینکڑوں دیگر علامات ہیں جن کو ہومیوپیتھی نے آتشک سے جدا جدا بیان کیا ہے، مگر آتشکی مادہ کے ساتھ ان کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ خصوصاً اعصاب میں تیزی کی علامات مثلاً: قے، ملیریا اور بعض دیگر بخار، ضعف جگر، دل کا بڑھ جانا اور بلغمی دمہ وغیرہ۔ ہومیوپیتھی کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے۔ جس نے ان تمام علامات کو اکٹھا کر دیا ہو جو آتشکی مادہ سے پیدا ہوتی ہوں۔ اگر ایسا ہو جاتا کہ جسم انسان کی تمام علامات کو (۱) سفلس (۲) سورا (۳) سائیکوسس کے تحت تقسیم کر دیا جاتا تو ہومیوپیتھک طریق علاج میں اختصار پیدا ہو جاتا، جس سے تشخیص اور علاج میں آسانی ہو جاتی۔ ہم مسرت سے اعلان کرتے ہیں کہ ہم نے تمام جسم کی علامات کو اعصابی، غدی اور عضلاتی انسجہ کے تحت تقسیم کر کے شائع کر دیا ہے۔ جس سے معالج کے لیے بے حد سہولتیں پیدا ہو گئی ہیں۔

آتشکی زہر کی علامات

ہومیوپیتھی میں آتشکی زہر (The Syphilitic Virus) کو کھلا کر بھی علامات حاصل کی جاتی ہیں اس دوا کو سفلینیئم (Syphilinum) کہتے ہیں۔ یہ دوا آتشک کے جرم سے تیار کی جاتی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس دوا کو آتشک کے علاوہ دیگر امراض میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر ان علامات کو آتشکی زہر کے تحت شمار نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ شفا پر معالج مکمل دسترس نہ رکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

آتشکی زہر کے باعث جو شکایات پیدا ہو جاتی ہیں، ان کی علامات درج ذیل ہیں: تمام شکایات رات کو ترقی کرتی ہیں۔ درد شام کو شروع ہوں اور پو پھٹنے تک رہیں۔ درد آہستہ آہستہ بڑھیں اور پھر بتدریج کم ہوتے جائیں۔ بھالا مارنے والے درد جو دل کے میانہ سے شروع ہو کر نچلے سرے تک جائیں اور رات کو زیادہ ہو جائیں۔ عصبی درد سر رات کو نیند نہ آئے اور ہذیان ہو جائے۔ درد چار بجے شام سے شروع ہو کر دس گیارہ بجے رات تک بہت زیادہ ہو جائیں۔ پھر آہستہ آہستہ کم ہوتے جائیں۔ حتیٰ کہ پو پھٹنے تک غائب ہو جائیں۔ پیدائشی آنکھ دکھنے (شدید رمد مولودی) پپوٹے متورم اور سونے میں چپک جائیں۔ رات کو بڑے غضب کا درد ہو۔ خاص کر رات کے دو بجے سے پانچ بجے تک سخت تکلیف رہے۔ کیچ (گید) بکثرت آئے اور ٹھنڈے پانی سے دھونے سے آرام آئے۔

مزمن قبض

کئی سال سے لگا تار قبض ہو۔ مبرز میں سکڑا ؤ پڑے ہوئے محسوس ہوں۔ اگر انیما کا استعمال کیا جائے تو نا قابل برداشت درد ہو۔ مقعد اور مبرز کا انشقاق، کانچ نکل آئے۔ خاندان میں آتشک کا مرض ہو۔ کندھے کے جوڑ یا عضلہ بازو کے شروع حصہ میں وجع المفاصل کے درد ہوں اور بازو کو اوپر اٹھانے میں درد زیادہ ہو۔ آتشکی مریض جنہوں نے آتشک کے زخم کا خارجی علاج کرایا ہو اور اس کے باعث ان کو حلق، جلد اور بدن کے امراض سالہا سال سے تنگ کر رہے ہوں۔ لیکوریا جب کہ پانی با افراط آئے اور رس رس کر مریضہ کی ہڈیوں تک جائے۔ شیاٹیکا (لنگڑی کا درد) جب کہ رات کو ہو اور دن چڑھے آرام آ جائے۔

ان علامات پر اس امر میں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کس شئی کی تحریک سے یہ علامات پیدا ہوتی ہیں۔ یہی دوا جن دیگر تکالیف میں استعمال کی جاتی ہے، ان کی علامات پر بھی اسی انداز میں غور کر لینا چاہئے۔ ان علامات کی تفصیل درج ذیل ہیں: ① درد آہستہ آہستہ بڑھیں اور بتدریج بڑھیں۔ مختلف مقامات میں حرکت کریں۔ مریض کو بار ہا جگہ بدلنی پڑے۔ جسم پر ہلکے سرخ تانبے کے رنگ کے دھبے نمودار ہوں اور سردی لگنے سے نیلے ہو جائیں۔ ② رات کو بہت خوف آئے اور جاگنے پر اس قدر نقاہت ہو کہ مریض زندگی پر موت کو ترجیح دے۔ ③ حافظہ کمزور،

کتابوں، اشخاص یا جگہوں کے نام بھی یاد نہ رہیں۔ ④ ایک ایک کے دو دو نظر آئیں۔ ایک کے نیچے دوسری شکل نظر آئے۔ ⑤ **ریاضی کے سوالات حل کرنا مشکل ہو۔** ⑥ دانت مسوڑھوں کے پاس بوسیدہ ہو کر ٹوٹ جائیں۔ بدشکل، سرے دندانے دار، قدرِ میں چھوٹے اور سروں کے پاس جھک جائیں۔ ⑦ مریض شراب پینے کی خواہش کرے، سمیت سے موروثی شکایت۔ ⑧ ٹانگوں کے درمیان سرخی اور درد ہو۔ ⑨ وجع المفاصل کے دردوں کے دوران عضلات میں سخت گانٹھیں پڑ گئی ہوں۔ ⑩ موسم گرما میں دمہ کا پرانا عارضہ شروع ہو جائے۔ چھاتی میں سے سیٹی بجنے اور کھڑ کھڑانے کی آوازیں آئیں، آواز بیٹھ جائے۔ ⑪ کھانسی رات کو شدید اور خشک ہوتی ہے اور ہوا کی نالیوں کو چھونے سے درد ہو۔ ⑫ جسم پر سرخ بھورے رنگ کے داغ، ان میں سے بڑی سخت بدبو آئے، سخت نقاہت ہو۔

زیادتی مرض: غروب آفتاب سے لے کر طلوع آفتاب تک موسم گرما میں اور ساحل سمندر پر۔

کمی مرض: پہاڑوں پر، خشکی پر، دِن کے وقت، آہستہ آہستہ حرکت سے۔

تطبیق: آتشکی علامات اور دیگر علامات جو آتشکی زہر سے پیدا ہوتی ہیں، دراصل وہ بھی آتشک کی علامات ہیں۔ کیونکہ ہم کو یقین ہے کہ ہم نے آتشکی زہر کھلا کر حاصل کی ہیں۔ اس لئے اگر ہم ان کا اشتراک معلوم کریں تو ہم آسانی سے اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ آتشکی زہر کا تعلق کس ٹشو کے ساتھ ہے۔ دوسری طرف ہمیں اس امر کا بھی یقینی علم ہو جائے گا کہ جو ادویہ بالخاصہ آتشکی زہر پیدا کرتی ہیں، ان کا باہم نوعی فرق کیا ہے۔ اس طرح آتشکی زہر کے زیرِ اثر اس کی تمام علامات اور ادویات ایک مرکز پر اکٹھی ہو جائیں گی۔ یہ طبی دُنیا میں ایک بہت بڑا انقلاب ہوگا۔

ہومیو آتشکی ادویات

ہومیو پیتھی میں جو ادویات آتشکی علامات کے لئے دی جاتی ہیں، دراصل وہی ادویات آتشک کے اصلی زہر ہیں۔ آتشکی مادہ یا آتشکی جراثیم سے جو آتشک کی علامات پیدا ہوتی ہیں، وہ آتشک کا اصلی زہر یا مادہ نہیں ہے۔ اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینے کے بعد ہمارے سامنے تین کلیے قائم ہو جاتے ہیں:

① آتشکی ادویات کا باہمی اشتراک کیا ہے اور ان میں باہمی اختلاف کیوں ہے۔

② آتشکی ادویہ کس مفرد عضو (نسیج-ٹشو) پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

③ آتشکی ادویات کے اثرات اور علامات کی پیدائش میں کیا کیا تغیرات اور انتشار پیدا ہوتے ہیں۔ خصوصاً معمولی یا غیر معمولی اور خفیف وشدید بالکل اسی طرح مزمن و پیچیدہ علامات کی ترکیبات کیا ہوتی ہیں؟

ان کلی حقائق کے بعد ہم ایک طرف آتشک اور اس کی تمام ادویہ پر پورے طور پر حاوی ہو جائیں گے اور دوسری طرف اس مفرد عضو کے پورے تغیرات و ترکیبات پر عبور حاصل ہو جائے گا۔ اس طرح نہ صرف آتشک کی علامات میں ہم کو دسترس حاصل ہو جائے گی بلکہ وہ تمام علامات جن کا تعلق آتشک کے ساتھ ہے، ان کا بھی علم ہو جائے گا۔ اس طرح ہم تلاش ادویہ سے بچ جائیں گے اور یقینی و بے خطا علاج ہمارے سامنے ہوں گی۔ یہ طبی دُنیا میں ایک بہت بڑا انقلاب ہے۔

① **سی لینیم:** یہ ہومیو پیتھی کی ایک دوا ہے جو عام طور پر آتشک کے پہلے درجے میں دی جاتی ہے۔ غور کریں کہ جو علامات اس سے پیدا ہوتی ہیں ان کا تعلق کس عضو اور کس خلط سے ہے۔ یہ غور و فکر ہی علم الیقین ہے۔

علامات: بوڑھے اور ادھیڑ عمر کے اشخاص کی قوت میں کمی۔ غدہ قدامیہ کی سوزش۔ غدہ قدامیہ کا رس قطرہ قطرہ کر کے گرتا رہتا ہو۔ مریض خیالات شہوانی میں مستغرق رہے اور قوت باہ بالکل کمزور ہو۔ نامردی ہو لیکن مجامعت کی خواہش زیادہ ہو۔ سرعت انزال کے ساتھ ہی بڑی دیر تک کپکپی

رہے۔ خیرش سست اور ناکافی ہو۔ مجامعت کے بعد مریض کمزوری محسوس کرے۔ بدمزاج ہو جائے۔ بیٹھنے پر بوقت اجابت اور دورانِ خواب میں غدہ قدامیہ کا رس قطرہ قطرہ گرتا رہے۔ قرحہ، منی پتلی اور بودار نکلے۔ دخول کے وقت قضیب ڈھیلا رہے۔ مجامعت کے لئے مریض دیوانہ ہو۔ مگر عملی طور پر ناکام رہے۔

پیشاب: چلتے پھرتے پیشاب کے قطرے خود بخود گرتے رہیں۔ پیشاب سرخ سیاہ اور تھوڑا آئے۔ موٹی ریت تہہ نشین ہو۔

پاخانہ: پاخانہ سخت، لمبا اور مبرز میں ایسا بھرا ہوا ہو کہ اس کے خارج کرنے کے لئے بیرونی مدد کی ضرور پڑے (ایلوز۔کلکیریا۔سیپیا۔سلیشیا) تپ محرقہ یا دیگر مہلک امراض کے بعد قبض کا عارضہ ہو گیا ہو۔ رات کے وقت مریض کو بھوک لگے۔ سر، بھوؤں اور آلہ تناسل کے بال گرتے جائیں، شراب نوشی، عیاشی میں لیمونیڈ اور چائے پینے کے باعث ہر سہ پہر کو دردِ سر ہو۔ لیٹنے اور سونے کی زبردست خواہش موجود ہو۔ خاص کر موسم گرما میں۔ قوت آناً فاناً زائل ہو جائے۔

زیادتی مرض: موسم گرما میں، سونے کے بعد چائے نوشی سے۔

کمی مرض: ٹھنڈا پانی پینے اور سرد ہوا اندر کھینچنے سے۔

مخالف: چائنا، شراب۔

مصلح: اگنیشیا، پلسٹلا۔

تطبیق: اگر ان علامات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عضوی (مشینی) طور پر عضلاتی اعصابی علامات ہیں۔ یعنی عضلات میں سردی کا اثر ہے۔ یعنی خشکی سردی غالب ہے اور کیمیائی طور پر سوداوی علامات ظاہر ہیں۔

اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ طب قدیم میں اخلاط کی صرف چار ہی صورتیں ہیں (خون وصفراء اور بلغم وسودا)۔ اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ انسان کسی قسم کی غذا و دوا اور زہر کھائے، لیکن اخلاط میں چار کے علاوہ کبھی پانچویں خلط نہیں بنتی۔ البتہ ہر غذا و دوا اور زہر کے اخلاط میں کمی بیشی، تیزی وشدت، گرمی وسردی اور تری وخشکی وغیرہ ایک خاص درجہ میں ضرور پائی جاتی ہیں۔

اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی ذہن نشین رکھیں کہ ہر خلط کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اوّل خلط طبعی اور دوسری خلط غیر طبعی۔ طبعی اخلاط میں تو ہر خلط صرف ایک ہوتی ہے، لیکن غیر طبعی اخلاط میں ہر خلط کی متعدد صورتیں ہیں اور یہی صورتیں ان کی کیفیات میں کمی بیشی، تیزی وشدت۔ گرمی وسردی اور تری وخشکی وغیرہ پائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ ان تمام اخلاط کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی خلط میں خمیر اور تعفن پیدا ہو جائے۔ یہ خمیر وتعفن طبعی اخلاط میں بھی پیدا ہو سکتا ہے، اور غیر طبعی اخلاط کی صورت میں بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ جیسی بھی صورت ہو گی، ویسی ہی علامات پیدا ہوتی ہیں۔ یہ تمام اختلافات ہمارے سامنے ہوں، تو ہم غذا و دوا اور زہر کی علامات کو ہر خلط کے ساتھ تطبیق دے سکتے ہیں۔

② **نائٹرک ایسڈ (Nitricum Acidum):** تیزاب شورہ۔ آتشک کے لئے ہومیوپیتھی کی دوسری دوا ہے۔ اس کے استعمال کے لئے ایک حصہ نائٹرک ایسڈ اور 9 حصے ''آب مقطر'' ملانے سے 1x ڈلیوشن تیار کیا جاتا ہے۔ 3x ڈلیوشن کے بعد الکوحل میں ڈلیوشن تیار کئے جاتے ہیں۔ علامات درج ذیل ہیں۔ ان علامات پر غور کریں کہ ان کا تعلق کن مفرد اعضاء (انسجہ) سے ہے۔

علاماتِ خاص: ① شور وغل ناقابل برداشت ہو اور اس سے مرض میں اضافہ ہو۔ ② پیشاب گہرا زرد، تیز بو والا، گھوڑے کے پیشاب کی طرح۔ ③ تمام اخراج بودار۔ ④ لکڑی یا سوئی چبھونے سے درد دفعتہً نمودار ہوں اور بیک وقت غائب ہو جائیں۔ ⑤ اسہال کی نسبت قبض کی جانب طبیعت کا زیادہ میلان۔ ⑥ ہر موسم سرما میں زکام شروع ہو جائے، پھر دوسرا حملہ شروع ہو جائے۔ ⑦ زندگی سے مایوسی۔ ہر ایک شے سے

جی اُچاٹ ہوجائے۔

طبیعت: انتقام پسند، موت سے خائف، رونے پر آمادہ ہو، چڑ چڑی طبع، متنفر، سینہ زوری، مایوس، مرض کے خیال سے پریشان، عصبی مزاج برانگیختہ اور بے تسکین۔

سر: ٹوپی کے بوجھ سے سردرد، سر بھرا ہوا معلوم، سر پر پٹی بندھی ہونے کا احساس، کھوپڑی ذکی الحس، بال گرتے ہوں، گلی کے شور سے مرض میں اضافہ۔

کان: اونچا سنائی دے۔ قوت سماعت میں فتور۔ گاڑی یا ریل میں سیر کرتے وقت سماعت درست ہوجائے۔ کوئی چیز چباتے وقت کانوں میں چبھن پڑے، شور وغل بے حد ناقابل برداشت۔ گاڑیوں کا سڑک پر چلنا ناگوار معلوم ہو۔

آنکھیں: تیز چبھونے کے سے درد، قرنیہ زخمی، اشیاء دوہری نظر آئیں۔

ناک: مزمن زکام کے ساتھ زرد ناگوار اور خراشیدہ رطوبت کے اخراج، ناک کا ڈفتھیریا۔ اس کے ساتھ ناک سے پانی کی طرح اور بے حد خراش دار جلانے والی رطوبت کا اخراج۔ بواسیر الانف۔ ہر روز صبح کو سبز میل نکلتے ہوں۔ زکام کے ساتھ نتھنے دکھیں اور ان سے خون نکلے۔

منہ: تھوک کے ساتھ منہ سے بدبو آئے، خونی تھوک، سانس بدبودار، تھوک بکثرت آئے، مسوڑھوں سے اخراج خون، زبان سرخ، چبھن پڑے زبان کے کناروں پر درد کرنے والی پھنسیاں زبان صاف سرخ اور تر۔ درمیان میں میل جمی ہوئی۔ دانت ڈھیلے، مسوڑھے اسفنجی، تالو میں زخم۔

حلق: لوزتین پر خناقی جھلی، حلق خشک اور کانوں میں درد، کھانسی سے بلغم لگلے سفید دھبے اور واضح نشانات ہوں، کسی چیز کے نگلتے وقت تکلیف ہو۔

خواہش: چونا مٹی، چاک، مچھلی، چربی وغیرہ۔

نفرت: گوشت اور روٹی سے۔

معدہ: نہ ہضم ہونے والی اشیاء کی خواہش۔ بھوک بہت لگے۔ ذائقہ میٹھا، بدہضمی کے ہمراہ اگزالک ایسڈ کی زیادتی۔ یورک ایسڈ اور فاسفورس بڑھے ہوئے ہوں۔ طبعی اضمحلال بہت زیادہ۔ دِل کے دہانے میں درد، چاک مٹی کھانے کی خواہش۔

پیٹ: قبض، مقعد پھٹی ہوئی معلوم ہو، بہت کونتھنا پڑے لیکن اخراج کم ہو، مقعد میں شقاق، پاخانے کے بعد شدید کاٹنے والا درد جو گھنٹوں تک جائے۔ امعاء سے جریان خون، چمکیلے خون کا بکثرت اخراج، خروج مقعد، بواسیر، مسوں سے خون جلد نکل آئے، اسہال مٹیالے اور ناگوار بو والے، پاخانے کے بعد طبیعت میں چڑ چڑا پن اور تکان، پیٹ پھولا ہوا اور نفخ، جگر کے مقام پر چبھن، حرکت سے تکلیف میں اضافہ، قولنج کو کپڑا کس کر باندھنے سے آرام، مقعد کے قریب نمی، ضیق کا عارضہ۔

پیشاب: پیشاب بے خبری میں نکل جائے، نائزہ متشنج اور زخمی، پیشاب شراب تلچھٹ کی مانند گدلا، مقدار میں کم، زرد، گھوڑے کے پیشاب کی بو والا اور خارج ہوتے وقت سرد معلوم ہو، جلن اور ڈنگ مارنے والا درد، پیشاب خون آمیز اور البومن والا۔

آلات مخصوصہ: (مردانہ) سوزاک کے ساتھ آتشکی زخم یا مسے۔ آتشک سپاری اور دیانہ میں دکھن۔ جلن اور ورم۔ ڈنگ مارنے کے سے درد، ناگوار مادہ خارج ہو۔ (زنانہ) وضع حمل کے بعد استحاضہ۔ بیرونی حصوں میں دکھن اور ان کے ساتھ زخم۔ سیلان الرحم زرد۔ گوشت کے رنگ کا پانی کی طرح تار تار ہوکر خارج ہو، موٹے زہار گرتے ہوں، رحم میں جریان خون۔ حیض قبل از وقت اور بکثرت پانی کی طرح آتا رہتا ہو۔

آلات تنفس: آواز بیٹھ جائے۔ آواز بھاری، خشک بجنے والی کھانسی جو سیڑھیوں پر چڑھنے سے سانس پھول جائے۔ کھانسی دِن میں زیادہ ہو نیند میں کھانسی آئے۔ کھردری خشک کھانسی، آدھی رات سے پیشتر آئے۔ کھانسی کے ہمراہ زرد اور سیال بلغم کا اخراج ہو۔

اطراف: ہاتھوں پر پسینہ آئے، پاؤں کی انگلیاں پھٹی ہوں۔ پاؤں پر بدبودار پسینہ آئے، جس کی وجہ سے پاؤں کی انگلیاں دکھیں۔

جلد: بڑے بڑے مسے پھٹے ہوئے ہوں، انہیں دھونے سے خون نکل آئے۔ زخم جن سے خون بہ آسانی نکل آتا ہو۔ جلد خشک زرد اور چھلکے اُترتے ہوں۔ گہری رنگت کی جھریاں اور مہاسے۔ مسے گوبھی کے پھول کی طرح۔ لکڑی چھونے سے درد۔ کنارے بے قاعدہ۔ چہرے پر نشان، پیشانی پر زیادہ ہو۔

مزاج: آتشکی اور خنازیری مزاج، کالے رنگ والے کالے بالوں والے، کالی آنکھوں والے عصبی، دبلے مضبوط ریشوں والے۔ جسمانی اُکساہٹ بہت ہو۔ مزمن امراض کا شکار۔ جلد سردی لگ جائے۔ جلدی اسہال آنے لگیں۔ غور وفکر کرنے والے معمر اشخاص۔

اسباب: کسی بیماری کا حد سے زیادہ خیال رہے۔ پارے کے مرکبات کا بکثرت استعمال۔ بے خوابی، گھبراہٹ، نقصان رسی۔ کوئی دیرپا زہر، پارہ، آتشک، خنازیر۔ ڈجی ٹیلس کا بکثرت استعمال۔

شدت مرض: حرارت یا موسم کی تبدیلی، چھونے سے، بیٹھے ہوئے اُٹھنے سے، شب کو آدھی رات کے بعد، ہیرنگ مچھلی سے، پسینہ آنے سے، چلنے پھرنے سے، جاگنے پر، گرم تر موسم میں۔

کمی مرض: گرمی سے، ٹہلنے پر، گاڑی کی سواری سے۔

امراض جن کے لئے مفید ہے: (۱) بدبودار پیشاب (۲) پارہ کے خراب اثرات (۳) جلدی امراض جو بوجہ آتشک یا ٹولولیہ ہوں۔ (۴) ہڈی اور غدی عوارض۔ (۵) مزمن امراض۔ (۶) مسوڑھوں، دانتوں، زبان اور ایسے امراض جو پارے کی وجہ سے ہوں۔ (۷) ناک کا ڈفتھیریا۔ (۸) تپ دق میں، پیشاب کے بعد۔ (۹) خنازیر، شدید خنازیر، رمد چشم۔ (۱۰) بچوں کی رمد چشم۔ (۱۱) سوزاکی رمد چشم۔ (۱۲) متورم گلٹیاں۔ (۱۳) حنجرہ کی کھانسی جب کہ بلغم نہ آتا ہو۔ (۱۴) جن مریضوں کو گاڑی میں سوار ہونے سے ہی آرام آئے۔ (۱۵) آتشک کی وجہ سے ہڈیوں کے درد۔ (۱۶) فتق کے لئے۔ (۱۷) قبض جو اسہال کے ساتھ باری باری ہوں۔ (۱۸) سوزاک جب کہ اخراج پتلا خونی ہو۔ بعد میں زرد یا سبز ہو جائے، پیشاب کرتے وقت جلن، لکڑی ٹھونکنے کے سے درد، نائزہ متورم اور بہت درد کرے۔ (۱۹) کنڈائی لومیٹا (۲۰) قرحہ (۲۱) پیچش (۲۲) آلات تناسل کے آتشکی (۲۳) حنجرہ کی سل میں نہایت مفید اور کارآمد ہے۔ (۲۴) تپ محرقہ میں مجرب اور آزمودہ۔ (۲۵) کثرت طمث جو اسقاط یا مسلسل وجع الطمث کی وجہ سے ہو۔ (۲۶) اندام نہانی کی خارش، حکۃ الفرج۔ (۲۷) جھریاں۔ (۲۸) جب بخار کی وجہ سے چھاتی میں دکھن ہو، پھیپھڑوں سے جریان خون، ناگوار بلغم اور خونی سیال کا اخراج۔

نائٹرک ایسڈ سے قبل: نیٹرم کارب، کلکیریا کارب، ہیپر سلف، مرکری پلسٹلا، سلفر، کالی کارب، مرکری کارب۔ یہ ادویہ مفید ہیں۔ گویا یہ تمام ادویہ بھی جسم میں آتشک کی علامات پیدا کرتی ہیں۔

نائٹرک ایسڈ کے بعد: پلسٹلا، کلکیریا کارب سلفر، مرکری کارب، برائی اونیا، فاسفورس اور کالی کارب کا استعمال نہایت فائدہ مند ہوتا ہے۔ یعنی یہ تمام ادویہ بھی جسم میں آتشک کی علامات پیدا کرتی ہیں۔

مخالف: لیکیسس وہ دوا جو آتشک کی علامات کے مخالف ہے۔

معاون: آرسینک، کیڈمیم۔ یہ وہ ادویہ ہیں جو ان علامات کے لئے معاون ہیں۔

نائٹرک ایسڈ کے فاد زہر: کیمفر، ہیپر سلف، کلکیریا کارب، بیلاڈونا، مرکری آئیوڈم، سلفر، فاسفورک ایسڈ، پٹرولیم، کونیم۔

نائٹرک ایسڈ جن کا فاد زہر ہے: ڈجی ٹیلس، مرکیوریس، کلکیریا کارب، کونیم۔

③ **گوائکم (Guaiacum)**: جس کو Resin of Ligumvitae بھی کہتے ہیں۔ یہ تیسری دوا ہے جس کے کثرت استعمال سے جسم میں آتشک پیدا ہو جاتا ہے۔ ہومیوپیتھی میں جب اس کی تقلیل کر کے استعمال کرتے ہیں، تو یہی دوا آتشک کے لئے مفید ہو جاتی ہے۔ یہ دوا جسمانی ریشوں پر نمایاں اثر کرتی ہے اور خاص طور پر ریاحی دردوں، گٹھیا، ورم لوزتین میں اس کا استعمال مفید ہے۔ آتشک کے دوسرے درجہ میں بھی مفید ہے۔ حاد وجع المفاصل میں بے حد مفید ہے۔ گوائیکم کی رطوبتیں بدبودار ہوتی ہیں۔ اس کی دیگر علامات درج ذیل ہیں۔

دماغ: حافظہ کمزور، خیالات منتشر، مریض آنکھ پھاڑ کے دیکھے، کوئی بات یاد نہ رکھ سکے۔ نسیان کا عارضہ ہو۔

سر: سر اور چہرے میں وجع المفاصل اور ریاحی درد جو گردن کی طرف منتقل ہوں۔ کھوپڑی میں پھاڑنے والا درد ہو جو سرد اور مرطوب موسم میں بڑھ جائے، سر سوجا ہوا محسوس ہو۔ شریانیں پھولی ہوئی ہوں۔ بائیں کان میں درد۔ سر میں درد ختم ہونے کے بعد چبھن ہو۔

آنکھیں: پتلیاں پھیلی ہوئی، پپوٹے چھوٹے محسوس ہوں۔ آنکھ کے گرد پھنسیاں ہوں۔

حلق: حلق میں مفاصلی درد اور عضلات میں کمزوری۔ حلق خشک۔ حلق میں سوجن اور جلن جو کان کی طرف منتقل ہو۔ غدد متورم ہوں۔

معدہ: زبان پر میل، سیب اور دیگر پھل کھانے کی خواہش، دودھ پینے سے نفرت، معدے میں جلن، فم معدہ میں کھچاوٹ۔

پیٹ: پیٹ میں نفخ، دست اور طفلی ہیضہ، آنتوں میں خمیر اٹھے۔

مثانہ: پیشاب کرنے کے بعد تیز چبھن، پیشاب کی بار بار حاجت۔

آلات تنفس: سانس رکنے کا احساس، خشک کھانسی، کھانسی کے بعد متعفن سانس، سینے میں پسلیوں کے ہلنے سے درد جس کے ساتھ بلغم کے اخراج سے پہلے دم گھٹے۔

آلاتِ تناسل زنانہ: خصیہ الرحم میں ورم، حیض میں بے قاعدگی، درد والے حیض اور مثانہ میں خارش۔

کمر: سر سے گردن تک درد ہو۔ گردن اکڑی ہوئی اور شانے درد کریں۔

اطراف: شانوں، بازوؤں اور ہاتھوں میں ریاحی درد، عرق النساء اور کمر میں درد ٹخنوں میں درد جس سے لنگراہٹ پیدا ہو۔ جوڑوں میں سوجن، درد اور دباؤ، گرمی ناقابل برداشت ہو۔

کمی بیشی علامات: حرکت سے، گرمی سے، سرد اور مرطوب موسم میں دباؤ اور چھونے سے۔ ۶ بجے شام سے ۴ بجے صبح تک علامات شدت اختیار کریں۔

④ **میزیرم (Mesreum)**: جس کو Spurg Olive اسپرج اولیو بھی کہتے ہیں۔ یہ ایک چھوٹی سی جھاڑی وسط یورپ میں پائی جاتی ہے۔ یہ چوتھی دوا ہے جس کے کثرت استعمال سے آتشک ہو جاتی ہے اور تقلیل استعمال سے اس مرض سے آرام ہو جاتا ہے۔ اس کی مختصر علامات درج ذیل ہیں۔

علامات: ① جلن دار پھنسیاں ناقابل برداشت خارش ② آتشکی و خنازیری علامات جب کہ استخوان اور جلد مبتلائے مرض ہوں۔ ③ رخساروں کے استخوان میں عصبی درد اور ماؤف مقام سن ہو جائیں۔ ④ عصبی درد جو نزلہ چشم یا پھنسیوں کی وجہ ہوں۔ ⑤ مفاصلی درد ہوں۔ خفیف چھونے سے مرطوب آب و ہوا سے اور رات کو بستر میں اضافہ۔ ⑥ آتشک میں پارہ کے ناجائز استعمال سے درد پیدا ہو جائیں یا گلٹیاں نکل آئیں۔ ⑦ ٹیکہ کرانے کے بعد جلن اور خراشدار پھنسیاں جسم پر نکل آئیں۔ ⑧ بوسیدہ دانتوں میں درد، دانت ہلتے معلوم ہوں۔ غذا چباتے وقت زبان لگے تو درد ہو۔ ⑨ دانتوں میں رات کو درد زیادہ ہوں، منہ کھولنے اور ہوا اندر کھینچنے سے آرام معلوم ہو۔ ⑩ دانتوں کی جڑیں بوسیدہ ہو جائیں۔

زخم: زخموں کے اردگرد چھالے ہو جائیں جو بہت خارش کریں۔ آگ کی مانند جلن اور ان کے گرد چمکیلے حلقے نظر آئیں۔ زخموں کے اوپر موٹی زردی مائل سفید پپڑیاں جم جائیں اور ان کے گرد زرد پیپ جمع ہو جائے۔

سر: سر پر چمڑے کی مانند پپڑیاں جم جائیں۔ ان کے نیچے سفید رنگ کی گاڑھی پیپ جمع ہو جائے۔ بال جھڑ جائیں کچھ عرصہ بعد پیپ میں بو آنے لگے اور اس میں کیڑے پڑ جائیں۔ بچہ چہرے کو نوچتا رہے۔ چہرہ سرخ اور متورم۔ رات کو خارش بہت زیادہ ستائے۔

زیادتی مرض: رات کو شام سے لے کر آدھی رات تک، سرد ہوا چلنے سے۔

فاد زہر:

لیسیٹک ایسڈ، برائی اونیا، کلکیریا کارب، کیمفر اور نکس وامیکا وغیرہ مندرجہ بالا ادویہ کی علامات، ان کی کمی بیشی اور ان کے فاد زہر کی علامات پر غور کرنے سے آتشک کی حقیقت سامنے آجاتی ہے اور اس کا علاج بہت حد تک آسان ہو جاتا ہے۔

آتشک پیدا کرنے والی ادویہ

اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے کہ بعض ادویہ اور زہروں کے استعمال سے آتشک پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے ہم نے ہومیوپیتھی علم الادویہ کی چند ادویہ پیش کی ہیں، ذیل میں چند اور ادویہ پیش کر رہے ہیں۔ تاکہ ذہن اس حقیقت کو پورے طور پر قبول کر لے۔

ہم نے ہومیوپیتھی علم الادویہ سے یہ چند ادویہ اس لئے پیش کی ہیں کہ اس کے حقائق اور تجربات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ورنہ ہم کم از کم پچاس ایسی ادویہ پیش کر سکتے ہیں جن کے استعمال سے آتشک پیدا ہو سکتا ہے اور ان کے ثبوت میں ہم ہومیوپیتھی کی دیگر ادویہ بھی پیش کر سکتے ہیں۔ ہم نے صرف انہی ادویہ تک اکتفا کیا ہے جو ہومیوپیتھی نے آتشک کی علامات میں پیش کی ہیں۔

⑤ مرکیوریس آئیوڈیٹس فلیورس (Mercurius Iodatus Flavurs)

اس کو Yellow Iodide of Mercury بھی کہتے ہیں۔ یہ دوا پارہ اور آئیوڈائیڈ کا مرکب ہے۔ علامات درج ذیل ہیں:
① دائیں طرف کے غدود خاص کر متورم ہو کر تراوش پا رہے ہوں۔ ② زبان کی جڑ پر گہری میل جمی ہو اور نوک و کنارے سرخ ہوں اور ان پر دانتوں کے نشان ہوں۔ ③ خناق وبائی ہو جب کہ غدود بڑھے ہوئے اور متورم ہوں۔ ان پر جھلی آئی ہوئی ہو۔ ④ سخت آتشک یا مادہ آتشک کے لئے غدود جنگاسہ بڑھ جائیں۔ ⑤ آتشکی اور خنازیری مزاج والے اشخاص کی برونکائیٹس (کھانسی) تر کھانسی اور کھڑکھڑاہٹ۔ ناک اور حلق کی رطوبتی جھلیاں متورم۔ ہوا کی نالیوں میں بلغم جمی ہو۔ نگلنے کی خواہش لگاتار لگی رہے۔ گلے میں بلغم معلوم ہو اور گلے کے دائیں طرف سخت درد اور ورم ہو۔ ⑥ پستانوں میں گلٹیاں ہوں۔ پسینہ آتا ہو ہاضمہ کا فتور لاحق ہو۔

اس دوا کے بجائے پارہ اور آئیوڈائیڈ جدا جدا بھی آتشک کی دوائیں ہیں، ان کے علاوہ پارہ کے دیگر مرکبات (۱) مرکیوریس کار (Mercurius cor) اس کو کاروسو سبلی میٹ (Corrocsive Sublimate) بھی کہتے ہیں۔ (۲) مرکیوریس سالو (Mercurius Solubulus) اس کو کوئیک سلور (Quick Silver) بھی کہتے ہیں۔ (۳) مرکیورس آئیوڈائیڈس ربرم، ریڈ آئیوڈائیڈ آف مرکری (Red Iodide of Mercury) بھی کہتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

⑥ آرسینکم برومیم (Arsenicum Bromium)

جس کو برومائیڈ آف آرسینک (Bromide of Arsenic) بھی کہتے ہیں۔ سنکھیا اور برومائیڈ کا مرکب ہے۔ اس کی علامات درج

ذیل ہیں: پھوڑے پھنسیاں، آتشکی زخم، خنازیر، ضدی، نوبتی بخار، ذیابیطس، آتشکی زہر اور سوزاک کی اثرات۔ اس دوا کی بجائے آرسینک اور برومائیڈ جدا جدا بھی آتشک کی علامات پیدا کرتی ہیں۔ ان کے علاوہ آرسینک کے دیگر مرکبات بھی یہی علامات پیدا کر دیتے ہیں۔

(۱) آرسینک آئیوڈائیڈ (Arsenic Iodide) جس کو آئیوڈائیڈ آف آرسینک (Iodide Of Arsenic) کہتے ہیں۔

(۲) آرسینک البم (Arsenic Album) جس کو ایسڈ آرسینک (Acid Arsenic) بھی کہتے ہیں۔

⑦ کالی آرسینکم (Kali Arsenicum)

یہ پوٹاش اور سنکھیا کا مرکب ہے۔ اس کی علامات درج ذیل ہیں: ناقابل برداشت خارش جو کپڑے اُتارنے سے زیادہ ہو۔ کیل، آبلے جو دورانِ خون میں زیادہ تکلیف دہ ہوں۔ حزین انگیز یا گرمی اور چلنے پھرنے اور کپڑے اتارنے سے خارش بڑھے، زخم اور چنبل، بازو اور گھٹنوں کے جوڑوں میں شگاف، گٹہ کے اُبھار، جلدی سرطان جو اچانک ظاہر ہو اور جلد کے نیچے گانٹھیں وغیرہ۔

آلات تناسل زنانہ

رحم کے منہ پر گوبھی کے پھول کی طرح کے مہاسے جس کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے والے درد ہوں۔ رحم سے بدبودار رطوبت کا اخراج اور پیڑو کے نیچے درد ہو۔

(۱) کالی آرسینکم (Kali Arsenicum) اس کو پوٹاش آف بائی کرومیٹ (Potas of Bichromate) بھی کہتے ہیں۔

(۲) کالی برومیٹ (Kali Bromatum) اس کو پوٹاشیم برومائیڈ (Potassium Bromide) بھی کہتے ہیں۔

(۳) کالی کاربانیکم (Kali Corbonicum) اس کو پوٹاشیم کاربونیٹ (Potassium Corbonate) بھی کہتے ہیں۔

(۴) کالی میوراٹیکم (Kali Muraticum) اس کو کلورائیڈ آف پوٹاشیم (Chloride of Potassium) بھی کہتے ہیں۔

(۵) کالی نائٹریکم (Kali Nitricum) اس کو نائٹریٹ آف پوٹاشیم (Nitrate of Potassium) بھی کہتے ہیں۔

(۶) کالی فاسفوریکم (Kali Phos) اس کو فاسفیٹ آف پوٹاشیم (Phosphate of Potassium) بھی کہتے ہیں۔

(۷) کالی سلفیوریکیم (Kali Sulph) جس کو پوٹاشیم سلفیٹ (Potassium Sulphate) بھی کہتے ہیں۔

ان ادویہ کے علاوہ اور بھی بہت سی ادویہ ایسی ہیں جن کے ہومیوپیتھی طریق سے خواص لینے پر آتشک (سفلس) کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ جن کی علامات کو ہم ہومیوپیتھی علم الادویہ سے نکال کر پیش کر سکتے ہیں۔ مگر طوالت کی وجہ سے نظر انداز کر دیا ہے۔ حقیقت کے پیش کرنے کے لئے اس قدر ادویہ ہی کافی ہیں۔ ان سے ہمارا مقصد پورا ہو جاتا ہے اور یہ حقیقت پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ آتشک صرف چھوت سے ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ بعض قسم کی اغذیہ وادویہ اور زہروں کے استعمال سے بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ خصوصاً ایسی اشیاء جو محرک دماغ اور اعصاب ہونے کی وجہ سے جسم میں کثرت سے رطوبات و بلغم اور سردی پیدا کر دیتی ہیں۔

آتشک کے سبب کی صحیح تحقیق

ہم گذشتہ صفحات میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ مرض آتشک کا سبب جو اس وقت تک تسلیم کیا گیا ہے وہ چھوت ہے جو ایک سے دوسرے کو لگ جاتی ہے۔ لیکن ہم نے گذشتہ صفحات میں یہ ثابت کیا ہے کہ چھوت ایک سبب تو ہو سکتا ہے، لیکن وہ اصل سبب نہیں ہے یعنی وہ سبب فاصلہ نہیں ہے۔

یاد رکھیں کہ سبب فاصلہ وہ ہوتا ہے جس میں تغیر کے بعد مرض کی صورت پیدا ہوتی ہے اور وہ مرض آتشک کے لئے جسم انسان میں سوزش وورم اعصاب ودماغ ہے۔ جب تک اعصاب میں سوزش اور ورم کی صورت پیدا نہیں ہوتی، مرض آتشک نمودار نہیں ہوسکتا۔ آتشک کی چھوت بھی سوزش وورم اعصاب ودماغ پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح جو اغذیہ وادویہ اعصاب میں سوزش وورم کا سبب بنتی ہیں، ان سے بھی مرض آتشک پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کے ثبوت میں ہم نے چند ہومیوپیتھک ادویہ کی علامات پیش کی ہیں۔ جن کے کھانے سے مرض آتشک پیدا ہو جاتا ہے۔ اور حیرت یہ ہے کہ ان میں چھوت چھات کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ آتشک کے متعلق ہماری یہی تحقیق ہے کہ مرض آتشک انہی اسباب سے پیدا ہوتا ہے جو اعصاب ودماغ میں سوزش پیدا کردیتے ہیں۔ اس سے قبل آج تک یہ تحقیق دُنیا کی کسی طب نے پیش نہیں کی۔

یاد رکھیں کہ اعصاب کی غذا بلغم اور رطوبت ہے اور اس میں جب تحریک ہوتی ہے تو یہ بھی جسم میں رطوبت اور بلغم پیدا کرتے ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ آتشک کے مریض کے جسم میں اعصاب کی تحریک کے ساتھ ساتھ رطوبات اور بلغم کی شدت ہوتی ہے، جس میں خمیر اور تعفن پیدا ہو کر مرض کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ محققین نے اس مرض کی علامات میں تین درجے لکھے ہیں۔ جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

آتشک کا درجہ اوّل

آتشک کا زہر جسم میں داخل ہوتے ہی اس مرض کا ابتدائی دور شروع ہو جاتا ہے اور تین ہفتے سے لے کر پانچ ہفتے تک کی مدت زیادہ سے زیادہ اس درجے کی مانی گئی ہے۔ لیکن کم از کم دس دن بعد سرایت کے مقام پر ایک سخت اُبھار یا سرخ پھنسی پیدا ہو جاتی ہے، جس کی جڑ سخت ہو جاتی ہے اور یہ رفتہ رفتہ بڑھ کر پھٹ جاتی ہے اور ایک زخم بن جاتا ہے جو صرف ایک ہی ہوتا ہے اور اس کے آس پاس کی جگہ قدرے اونچی ہوتی ہے۔ اگر زخم کو دبا کر دیکھیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی سخت گرمی جلد کے اندر پیدا ہو گئی ہے۔ اس زخم میں درد بالکل نہیں ہوتا اور مواد بھی بہت کم نکلتا ہے اور زخم کے پیدا ہونے کے پانچ سات روز بعد جنگل سوں (کنج رانوں) کی گلٹیاں متورم ہونے لگتی ہیں جو دبانے سے سخت تکلیف دہ معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن ان میں درد نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ نرم ہوتی ہے اور نہ ان میں پیپ پڑتی ہے۔ اگر اس آتشکی پھنسی یا اُبھار میں سے یا متورم غدد میں سے بذریعہ سوئی ذرہ سی رطوبت لے کر بذریعہ خوردبین امتحان کیا جائے تو اس میں آتشک کے لہردار جراثیم نظر آئیں گے۔

آتشک کا درجہ دوم

یہ تو ناظرین کو معلوم ہو گیا ہے کہ آتشک ابتدائی درجہ میں ایک ورم یا آبلہ سا عضو تناسل پر نمودار ہوتا ہے اور یہ درجہ دس گیارہ دِن یا دس دِن سے لے کر پانچ چھ ہفتے تک ہوا کرتا ہے۔ اب درجہ دوم کی علامات سنئے، اسی ورم یا پھنسی یا آبلہ میں جو ابتداً بہت مشتبہ اور مشکوک حالت میں ہوتا ہے، آتشک کے جراثیم پلتے ہیں۔ اگر ان زخموں کو کھرچ کر خوردبین کے سامنے دیکھا جائے تو آسانی سے آتشک کے جراثیم کا ثبوت ملتا ہے۔ پھر اگر یہ درجہ غفلت اور لاپرواہی سے گزار دیا جائے تو درجہ دوم شروع ہو جاتا ہے۔ اور خون کے مسموم ہو جانے کی علامتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ یعنی جب آتشک کا زہر جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔ تب علامات مفصلہ ذیل ہوتی ہیں۔ چنانچہ ابتداء میں مریض کے جسم میں نہایت ہل چل مچ جاتی ہے۔ یعنی بخار ہو جاتا ہے جو کبھی خفیف اور کبھی شدید ہو جاتا ہے اور کبھی نوبتی اور کبھی لازمی ہوتا ہے اور بعض اوقات ملیریا بخار سے اس بخار کا دھوکہ ہونے لگتا ہے۔ مریض پست ہمت اور نڈھال ہو جاتا ہے۔ گوشت اور ہڈیوں میں درد ہونے لگتا ہے۔ عموماً دست وپا اور جوڑوں میں درد ہونے لگتا ہے۔ شدید دردِ سر اور بے خوابی ہونے لگتی ہے اور جلد کی رنگت پیلی پڑ جاتی ہے۔ آتشک کے بخار اور دردوں کو اکثر رات کے وقت شدت ہوتی ہے۔ حلق، تالو اور لوزتین میں التہاب اور ورم کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد بازوؤں اور رانوں کے پچھلے حصوں میں گلابی رنگ کے داغوں سے درجہ دوم

کے آغاز کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ دانے دو ہفتے سے چار ہفتے تک تمام جسم پر نکلتے ہیں۔ اور پھر دو ماہ کے اندر مرجھا جاتے ہیں یا ختم ہو جاتے ہیں۔ اور کچھ عرصہ کے لئے وہاں سیاہ داغ رہ جاتے ہیں۔ ان دانوں کے درمیان پیپ بھی پڑ جاتی ہے۔ مگر جلن یا خارش بالکل نہیں ہوتی جو آتشکی دانوں کی علامات خاص ہے۔ ان دانوں کے نکلتے ہی لبوں اور زبان پر اور رخساروں کے اندر سفید داغ بن جاتے ہیں۔ چٹیوں اور گردن کی گلٹیاں بھی بڑھ جاتی ہیں۔ حنجرہ، لوزتین اور حلق میں ورم اور التہاب جو عروق جاذبہ کی سوزش کا نتیجہ ہے پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی ورم لوزتین آتشکی ہو جاتا ہے۔ ان میں زخم پڑ جاتا ہے۔ نیز مبرز وغیرہ کے اطراف میں اور عورتوں کے جسم کے زیریں حصے میں مرد کے فوطوں وغیرہ پر اور انگلیوں کے درمیانی حصے چٹے یا بدبودار رطوبت کا بہہ کر جم جانا جو لعابدار جھلیوں میں پھیل جاتی ہے۔ یہ علامتیں ہیں جو ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ بالوں کا جھڑ جانا، ناخنوں میں شکستگی و تیرگی کا پیدا ہونا۔ یہ سب عصبی خرابیوں کا نتیجہ ہے اور انہی صورتوں کے ساتھ بعض اوقات جسم پر بثور ثولولی (مسوں کی طرح کی پھنسیاں) پیپ دار دانے اور چھالے اور جسم کے مختلف حصوں میں زخم یا عام پھوڑے بھی اس مادے کی ماہیت اور خون صالح سے تغذیہ حاصل نہ ہونے کے اسباب کا نتیجہ ہے۔ انہی دنوں کلائی اور ٹانگوں کی لمبی ہڈیوں میں لمبی نلیوں میں درد ہونے لگتا ہے۔ چونکہ علامات جسم کی شدت میں بہت اختلاف ہے، اس لئے جب تھوڑے عرصہ کے بعد گلابی رنگ کے دھبے مرجھانے لگتے ہیں، تب کوئی نہ کوئی اور قسم کے بخارات بدن میں نکلتے ہیں اور یہ چہرے، سر اور چشم اور ہاتھ پاؤں پر اکثر نمودار ہوتے ہیں۔ رنگ ان بخارات کا بھی تانبے جیسا ہوتا ہے اور جب یہ بڑھنے لگتے ہیں، تب ان پر چھلکے پیدا ہو جاتے ہیں اور تمام جسم سورائی سس کی شکل کا ہو جاتا ہے۔ یعنی تمام جسم پر یا جسم کے بعض حصوں پر گول گول چھلکوں کی چٹیں پیدا ہو جاتی ہیں، مگر ان میں کسی قسم کی رطوبت نہیں ہوتی۔ جب یہ جھڑ جاتی ہیں تب جلد پر اور چٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بعض صورتوں میں ایسی سخت پھنسیاں جن میں پیپ نہ پڑے بڑھ کر اونچا اُبھار بن جاتے ہیں۔ اب ملائم تالو اور حلق میں زخم پیدا ہو جاتے ہیں۔ یا لوزتین میں گہرے زخم پڑ جاتے ہیں۔ حلق کے پردہ اور باچھوں پر۔ عورت کے اندام نہانی اور لبوں پر، مرد کے فوطوں پر اور مقعد کے گرد داغ پیدا ہو جاتے ہیں۔ سر کے بال اس قدر گر جاتے ہیں کہ بیمار گنجا ہو جاتا ہے یا اس کے سر میں لف پیدا ہو جاتا ہے، اکثر بیمار بہرے ہو جاتے ہیں۔ بعد ازاں کف دست و پا پر سورائی سس اور زبان کے کناروں پر زخم پیدا ہو جاتے ہیں۔ طبقہ عنبیہ کے التہاب کی بیماری بھی ہو جاتی ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ابتداء ہی سے جلد پر سخت قسم کی پھنسیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور جب وہ جا بجا اکٹھی ہوتی ہیں اور ان پر جا بجا موٹا سیاہ رنگ کا کھرنڈ بن جاتا ہے۔ تب مریض نہایت بدشکل ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات پھنسیاں بھی چیچک کے دانوں کی طرح نمودار ہوتی ہیں۔ جلد کی وہ بیماری جو آتشک کے سبب پیدا ہوتی ہے، علاج سے بمشکل رفع ہوتی ہے اور برسوں تک چلتی رہتی ہے۔ ان امراض جلدی میں جو آتشک کے سبب سے پیدا ہوتی ہیں اور ان جلدی بیماریوں میں جو آتشک کے سبب سے پیدا نہیں ہوتیں، یہ فرق ہے کہ جو بیماریاں آتشک کے سبب سے پیدا ہوتی ہیں اور ان جلدی آتشک کے سبب سے پیدا ہوتی ہیں، ان سے جلد کا رنگ تانبے جیسا ہو جاتا ہے۔ اور ان میں نہ خارش ہوتی ہے اور نہ ہی گرم ہوتی ہے۔ مگر تشخیص کامل کے لئے حلق اور منہ کو بھی ملاحظہ کرنا چاہئے اور جڑوں اور گلو کی گلٹیاں بھی دیکھنی چاہئیں۔ جلد کا رنگ تانبے جیسا اس لئے ہوتا ہے کہ آتشک کا زہر تمام خون میں سرایت کر جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے تمام باریک عروق اور رگوں میں خون کا اجتماع ہونے لگتا ہے۔ ان کی رنگت اس مادہ سمیہ کے اشتراک کی وجہ سے تانبے جیسی ہو جاتی ہے اور کبھی ان بثور میں پیپ بھی پڑ جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی ان میں خارش اور جلن نہیں ہوتی۔

آتشک کا درجہ سوم

آتشک کے تیسرے درجے کے ظاہر ہونے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔ آتشک کے تیسرے درجے کا ظاہر ہونا بہت حد تک مریض کی

صحت اور علاج پر منحصر ہے۔ چنانچہ آتشک کے تیسرے درجے کا ظاہر ہونا بہت حد تک مریض کی صحت اور علاج پر منحصر ہے۔ چنانچہ آتشک کے تیسرے درجہ میں جن بیماریوں کا صحیح اور باقاعدہ علاج کیا جاتا ہے، ان میں آتشک کے تیسرے درجے کی علامتیں ظاہر نہیں ہوتیں۔ اگر ہوں بھی تو بہت خفیف ہوتی ہیں۔ لیکن بعض مریضوں میں معقول علاج کے باوجود چھ یا آٹھ ماہ بعد اور بعض میں کئی کئی سال بعد درجہ سوم کی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں اور بعض مریض پندرہ پندرہ بیس بیس سال تک بھلے چنگے رہتے ہیں اور پھر ان میں درجہ سوم کی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ درجہ دوم اور سوم میں وقتاً فوقتاً ایسی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں جو مریض کو تنبیہ کرتی ہیں کہ ابھی آتشک کا مرض گیا نہیں۔ ان علامتوں کو درجہ دوم کی آخری علامتیں کہتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) کرہ چشم کے مختلف پردوں میں التہاب۔

(۲) شرائین کے اندرونی طبق میں التہاب۔ کسی دماغی شریان میں سدہ واقع ہو کر کسی خاص حصہ دماغ کے دوران خون کا مسدود ہو جانا اور اس کے افعال کا معطل ہو کر مقام کا فالج ہو جانا۔

(۳) ہاتھ پاؤں کے تلوؤں اور بعض دفعہ تمام جسم پر مرض سورائی سس کا پیدا ہو جانا۔ جس میں گول گول چٹاخ پڑ جاتے ہیں اور چمڑا خشک ہو کر پھٹ جاتا ہے اور اس پر سے چھلکے اُترتے رہتے ہیں۔

(۴) ٹانگوں وغیرہ پر گول گول زخم بن جاتے ہیں، جنہیں ڈاکٹری اصطلاح میں روپیا (Rupia) اور طب قدیم کی اصطلاحات میں لفاخات یا چھالے کہتے ہیں یہ چھالے کبھی متفرق اور کبھی مجتمع ہوتے ہیں اور مٹر کے دانے سے لے کبوتر یا مرغی کے انڈے کے برابر ہوتے ہیں اور آبی رطوبت سے پر ہوتے ہیں۔ چھالے پھوٹ کر رطوبت بہہ جاتی ہے اور ان پر کھرنڈ جم جاتے ہیں۔ آتشکی لفاخات کا یہ خاصا ہوتا ہے کہ یہ زخم اندر ہی اندر بڑھتا ہے، ننھے بچوں کی ہتھیلیوں اور تلوؤں میں مادہ آتشک سے یہ مرض عموماً ہو جاتا ہے۔

غرض یہ کہ اس مرض میں اگر پہلے اور دوسرے درجے کا علاج دھیان سے نہ کروایا جائے تو تیسرا درجہ اپنے خوفناک اثرات کے ساتھ رونما ہوتا ہے اور اعضائے رئیسہ تک متاثر ہوتے ہیں۔ دماغ اور اس کے اعصاب، پھیپھڑے، جگر، گردے طحال آنتیں اور اعضائے باطنی میں گونا گوں خرابیاں اور سختیاں پیدا ہو کر حیات کی مسرتیں اور نشاط عمر کا دور کلفت اور مصیبتوں میں بدل جاتا ہے۔ بعض اوقات آنکھ کا پردہ قرنیہ اور دوسرے پردے باہم جڑ جاتے ہیں اور عصب لوزتین میں التہاب پیدا ہو جاتا ہے۔ ابتدائی حالات میں تو ہڈیاں درد کرتی ہیں، لیکن آخر میں ہڈیاں نرم ہو کر گلنے لگتی ہیں۔ تالو گل جاتا ہے۔ کبھی ناک کا بانسہ گل کر ناک بیٹھ جاتی ہے اور پھر یہ حالتیں ایسی بعید العلاج ہوتی ہیں کہ مریض موت کی گھڑیاں گننے لگتا ہے۔

اس مرض کا اثر ذرات خون اور اعضائے جسم کے تار و پود پر بھی ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ جب مریض کے جسم میں مادہ کا سم قاتل داخل ہو جاتا ہے اور مدافعات فطری مقابلے پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو جسم کے ریشوں، غدد اور جھلیوں وغیرہ میں سختی اور مادہ تو ثولی پیدا ہو کر اس کے مزاج کی رطوبتیں جسم کے ہر حصہ میں جہاں آسانی سے موقع ملتا ہے جمع ہو کر صلابتیں پیدا کرتی رہتی ہیں اور اسی مادہ لزوجت کا دباؤ کہیں جسم کے ریشوں اور شریانوں و اعصاب وغیرہ پر پڑتا ہے اور کہیں یہ لزوجت ان تمام اعضاء میں سے کسی ایک کو انتخاب کر لیتی ہے۔ چنانچہ مختلف احشاء میں گلٹیاں جلد کے نیچے عضلات میں، زبان، حلق، امعاء، دماغ، نخاع، اعصاب دل، پھیپھڑے جگر، تلی اور گردوں وغیرہ پر نیز ہڈیوں میں بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

آتشک کے اقسام

آتشک کے دو اقسام ہیں، عوام ان کو نر اور مادہ کہتے ہیں۔ انگریزی میں سافٹ شنکر اور ہارڈ شنکر کہتے ہیں۔ ہماری تحقیقات میں ایک

اعصابی عضلاتی ہے اور دوسری اعصابی غدی ہے۔ یونانی طب میں اعصابی عضلاتی اس آتشک کو کہتے ہیں جس میں رقیق بلغم جل کر سودا بن جائے اور متعفن ہو جائے اور اعصابی غدی اس آتشک کو کہتے ہیں جس میں رقیق بلغم صفراء سے مل کر جل جائے اور متعفن ہو۔ بہر حال دونوں قسم کے آتشک میں بلغم کا دخل ہوتا ہے، جل کر متعفن ہو جاتا ہے۔

دلچسپ بحث

عوام میں آتشک کے دو اقسام نر اور مادہ کے لحاظ سے تسلیم کئے گئے ہیں۔ ان میں دلچسپ بات یہ ہے کہ ہم نے کئی بار اشارہ کیا ہے کہ ہماری تحقیقات میں عورت میں عضلاتی تحریک اوّل تو ہوتی ہی نہیں ہے اور اگر ہوتی ہے تو اعصابی عضلاتی یا غدی عضلاتی تک محدود رہتی ہے اور مردوں میں پوری عضلاتی غدی تحریک کام کرتی ہے۔ اس لئے **نر آتشک اعصابی عضلاتی ہوتا ہے جو زیادہ تر مردوں کو ہوتا ہے اور عضلاتی اعصابی آتشک مادہ ہوتا ہے جو مردوں کو کم اور عورتوں کو زیادہ ہوتا ہے۔** دیگر طبی کتب میں ان کی تشریح درج ذیل ہے۔

نر اور مادہ آتشک میں فرق

مادہ اور نر آتشک میں یہ تفاوت ہے کہ مادہ آتشک سے مسموم ہونے کے بعد کم از کم دس یوم ورنہ دو ہفتے تک ابتدائی علامتیں ظاہر ہوں تو سمجھ لینا چاہئے کہ آتشک مادہ ہے اور اگر ارتکاب فعل بد سے 24 گھنٹے کے اندر ہی فوری آبلہ نمودار ہو جائے اور ٹوٹ کر چار پانچ دِن میں زخم بن جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ آتشک کا مادہ ہے۔ نیز نر اور مادہ آتشک کی شناخت کے لئے اور بھی علامتیں ہیں۔ مادہ آتشک میں آبلہ یا زخم پیدا ہونے کے ہفتہ عشرہ بعد چڈوں میں ایک طرف یا دونوں طرف گلٹیوں میں ورم نمودار ہوتا ہے۔ لیکن پیپ نہیں پڑتی۔ اور اگر آتشک نر ہے تو زخم پیدا ہوتے ہی غدود متورم ہو کر عموماً جلد پک جاتے ہیں اور پیپ بہنے لگتی ہے۔

اس میں تو کوئی کلام نہیں ہے کہ فاحشہ بازاری عورتوں سے مباشرت کے بعد ان علامتوں کا پیدا ہو کر آبلہ ورم یا زخم بن جانا، پھر چڈوں کی گلٹیاں متورم ہو جانا بطور مشترک ہیں۔ لیکن مادہ آتشک میں بڑا امتیازی فرق یہ ہے کہ اس کا آبلہ بہت سخت ہو جاتا ہے اور چٹکی کے اندر دبانے سے جلد کے اندر ایک غدود سا معلوم ہوتا ہے اور چھونے سے متحرک اور ایک سمت سے دوسری سمت ہٹتا معلوم ہوتا ہی اور آتشک نر میں اتنی صلاحیت نہیں ہوتی۔ وہ نمودار بھی جلد ہوتا ہے اور پک بھی جلد جاتا ہے اور اس کا زخم بھی گہرا ہوتا ہے۔ تاہم یہ باتیں بہت غور کے قابل ہیں۔ کیونکہ دونوں آتشک نر اور مادہ ایک ہی زمانے میں پیدا ہوتے ہیں اور دھوکا کھا کر نتائج بد سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس لئے طبیب کی حذاقت کا امتحان انہی حالات کے موازنہ میں ہوا کرتا ہے۔ ان دونوں کے اثرات میں بھی فرق ہے۔

مادین آتشک کا زہر خون میں سرایت کر جاتا ہے اور اس کا مادہ اندر ہی اندر نشوونما پاتا رہتا ہے۔ اس لئے ایک زمانہ دراز تک علاج کی ضرورت ہے۔ اس لئے دور جدید میں تین سال تک علاج کی ضرورت ہے۔ ورنہ صلی السبیل تو ارث نسلوں میں یہ قاتل منتقل ہو کر قوم کے شیرازہ حیات میں ابتری پیدا کر دینے کا ذریعہ بنتا ہے۔ لیکن نر آتشک کا زہر خون میں شامل نہیں ہوتا۔ بلکہ بیرونی تکلیف پر ہی ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر زخم کا علاج اور فوری نہ کیا جائے تو اس سے بھی عضو تناسل میں تکل پیدا ہو جاتا ہے اور وہ گل جاتا ہے۔ لیکن اگر ہوشیاری سے خبر گیری کی جائے اور جلدی اس کا علاج کر لیا جائے تو زیادہ خطرات پیش نہیں آتے۔

نر آتشک میں مرکبات سیماب وغیرہ کے زیادہ استعمال کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ اس لئے کہ اس کا اثر خون اور عروق کے نازک حصے تک نہیں پہنچ سکتا اور اس میں درجات بھی نہیں ہوتے۔

جب تک کوئی ایسی قوی وجہ نہ ہو کہ آتشک نر اور آتشک مادین متحد الوقت نہ ہو جائے، اس وقت تک دونوں میں مابہ الامتیازی وہی علامتیں رہیں گی جو اوپر بیان کر دی گئی ہیں۔ اس لئے آتشک نر میں خون عموماً سمیت سے محفوظ ہوتا ہے، لیکن اس کے مادہ کے خبیث ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔

اصول علاج

یاد رکھیں کہ اصول علاج اسباب کے مطابق قائم کئے جاتے ہیں۔ ہم اپنی تحقیقات میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ مرض آتشک کا سبب صرف چھوت چھات نہیں ہے بلکہ وہ سبب غذائیں، دوائیں اور ماحول ہو سکتے ہیں جو دماغ اور اعصاب میں سوزش پیدا کر دیں اور ان سے زہر پیدا ہو کر جسم کو کھانا شروع کر دیں۔ آتشک ایک مخصوص علامت ہے، جس کے زخم کی ابتداء اعضائے مخصوصہ سے ہوتی ہے اور اس کے بعد اس کے اثرات اور زخم باقی جسم پر پھیل جاتے ہیں۔ خاص طور پر حلق اور ناک، آنکھ اور کان، ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں نمایاں طور پر اس سے متاثر ہوتی ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ آتشک کی ابتداء صرف اعضائے مخصوصہ سے شروع ہو۔ بلکہ مادے کی شدومد اور خفت کی وجہ سے دیگر اعضاء پر بھی اس کی علامات شروع ہو سکتی ہیں۔ اس لئے تشخیص میں مریض کے مزاج اور اعضاء پر اثرات خاص طور پر انسجہ (Tissues) پر سوزش کا خاص طور پر خیال رکھیں تو صحیح تشخیص سامنے آجاتی ہے۔

اُصول علاج کو پھر ذہن نشین کر لیں کہ دماغی اور اعصابی امراض کی سوزش میں اعصاب میں تیزی۔ غدد اور جگر میں تحلیل اور دِل اور عضلات میں سکون ہوتا ہے۔ اس لئے نظریہ مفرد اعضاء کے تحت جس مقام پر سکون ہوتا ہے، اس میں تیزی پیدا کر دی جاتی ہے، جس سے وہاں کی رطوبات خصوصاً متعفن اور زہریلی رطوبات ختم ہونا شروع ہو جاتی ہیں، اور ان کی مکمل تحریک کے بعد جسم کی حالت اس طرح بن جاتی ہے کہ دِل اور عضلات میں تحلیل اور دماغ اور اعصاب میں تحریک اور جگر و غدد میں تسکین ہوتی ہے۔ یعنی جہاں پر تسکین تھی وہاں پر تحریک ہوگی جہاں سوزش تھی وہاں پر وہ تحریک سے رفع ہوگی اور جہاں پر تحلیل تھی اور اس سے ضعف تھا وہاں پر حدت ختم ہو کر سکون پیدا ہو گیا۔ یہی اعصابی اور دماغی امراض کا اصول علاج ہے۔ چاہے وہ سر سے پیر تک کسی مقام پر ہوں۔ البتہ سہولت کے لئے اگر اتنا اور کر لیا جائے تو بہتر ہے کہ اعصابی غدی تحریک سے پہلے اعصابی عضلاتی کر دیا جائے تاکہ دورانِ خون آسانی کے ساتھ اعصاب سے عضلات کی طرف منتقل کیا جائے۔

یادداشت

یاد رکھیں کہ اصول علاج کلی طور پر صرف اتنا ہی ہے کہ دورانِ خون کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی تحریکات اور علاج کو جاری رکھنا چاہئے دوران خون جو قلب اور عضلات سے شروع ہوتا ہے۔ جگر اور غدد سے گزرتا ہوا دماغ اور اعصاب پر اپنی رطوبات پھینکتا ہے۔ پھر عضلات اور قلب کے انقباض سے وہ رطوبات جذب ہو کر دورانِ خون میں ترشی اختیار کرنے کے بعد شامل ہو جاتی ہیں۔ بس اسی دوران خون کے تحت امراض بھی ختم ہو جاتی ہیں اور کیمیائی طور پر خون بھی صاف ہو جاتا ہے۔

فرق

یادداشت کے لئے ہم اعصابی غدی اور اعصابی عضلاتی کا فرق پھر بیان کر رہے ہیں تاکہ نو آموز معالج مغالطے میں نہ رہیں۔ اعصابی غدی میں اعصاب میں سوزش کے ساتھ ساتھ جسم میں کچھ حدت بھی پائی جاتی ہے اور زخموں میں سوزش زیادہ ہوتی ہے۔ رطوبات بھی زیادہ ہوتی ہیں، زخم زیادہ رستے ہیں، لیکن جلن ختم نہیں ہوتی اور اعصابی عضلاتی میں سوزش کم، تعفن زیادہ، رطوبات کم اور غلیظ، جلن بھی کم ہوتی ہے۔ اس لئے

اگر اعصابی غدی صورت کو پہلے غدی اعصابی کرلیا جائے تو تحریک بدلنے کے ساتھ ساتھ مرض کی تیزی میں بھی کمی ہوجاتی ہے۔

ہم اپنی تحقیقات میں آتشک کے نر اور مادہ اقسام کے متعلق لکھ چکے ہیں۔ وہ بھی یہی دونوں صورتیں ہیں۔ یعنی مادہ آتشک اعصابی غدی ہے جو اپنے اثر میں مادی ہوتی ہے اور اعصابی عضلاتی نر آتشک ہے جو اپنے اثرات کے لحاظ سے پہلے کی نسبت کم ہوتی ہے۔ گویا اس طرح ہم مادہ آتشک کو نر آتشک میں بدل سکتے ہیں۔ اگر کوئی معالج وقتی طور پر نبض یا قارورے سے یہ فرق معلوم نہ کرسکے تو اس کو اصول علاج کے مطابق اعصابی امراض کا علاج اعصابی تحریک سے شروع کرنا چاہئے۔ طبیعت خودبخود رفتہ رفتہ منزلوں سے گزر کر ٹھیک ہوجائے گی۔ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ہر عضو کے ساتھ جو دو تحریکیں وابستہ کی گئی ہیں، وہ صرف سہولت کے لئے ہیں۔ ورنہ ان کا اصول علاج پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لئے اعصابی غدی اور اعصابی عضلاتی کے فرق سے گھبرانا نہیں چاہئے۔

اسی طرح دیگر امراض کے علاج میں عضلاتی اعصابی اور عضلاتی غدی یا غدی عضلاتی اور غدی اعصابی وغیرہ تحریکات میں فرق اگر وقتی طور پر معلوم نہ ہوسکے تو کسی قسم کا فکر کئے بغیر اصول علاج کے تحت صرف مفرد اعضاء عضلات، غدد اور اعصاب میں ضرورت کے مطابق تحریک پیدا کردینا کافی وشافی اور یقینی علاج ہے۔ ذیل میں ہم دونوں تحریکات کے مطابق ادویات لکھیں گے۔ لیکن اگر تشخیص میں کوئی کمی رہ جائے تو صرف عضلاتی ادویات استعمال کریں اور یہی آتشک کا صحیح وشافی اور یقینی ومکمل علاج ہے۔ شرط یہ کہ غذا بھی اس کے مطابق رکھی جائے اور اگر ہوسکے تو ماحول بھی دیکھا جائے۔

علاج

مرض آتشک کا آسان اور سیدھا سادھا علاج یہ ہے کہ یونانی طریق علاج کے مطابق اخلاط اور مزاج کے تحت کیا جائے۔ یہ بات پھر ذہن نشین کرلیں کہ جب بلغم میں فساد اور تعفن پیدا ہوکر سودا بن جاتا ہے تو وہ جسم میں آتشک کی علامات پیدا کرنا شروع کردیتا ہے اور جب اس کے بالمثل خلط اور مزاج پیدا کیا جاتا ہے تو بلغم کی پیدائش اور اس کا فساد اور تعفن ختم ہونا شروع ہوجاتا ہے اور مزمن آتشک ہمیشہ کے لئے ختم ہوجاتا ہے۔

چونکہ بلغم کی زیادتی اعصابی تحریک سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے بالمقابل عضلاتی تحریک سے بلغم ختم ہوجاتی ہے۔ اس لئے عضلات کو تحریک دیں جو بالکل طب یونانی کے بنیادی اصولوں کے مطابق عمل کرکے جسم میں نیا مزاج پیدا کردیتا ہے، اس مقصد کے لئے ذیل کی ادویات استعمال کریں۔ یہاں پر پھر تاکید کی جاتی ہے کہ عام ذہن کے اطباء عضلات کی دو تحریکوں کا خیال نہ رکھیں جن میں سے ایک سرد اور ایک گرم ہوتی ہے، جو تحریک بھی استعمال کریں گے فائدہ شروع ہوجائے گا۔

تحقیقات فارماکوپیا کے نسخے جو عضلاتی ہیں، استعمال کرسکتے ہیں۔ عضلاتی اعصابی مسہل، عضلاتی غدی ملین، ضرورت پر مسہل اور جب دیکھیں کہ خوفناک صورت اختیار کرگیا ہے تو اس وقت عضلاتی اعصابی اکسیر، عضلاتی غدی اکسیر یا عضلاتی اعصابی تریاق یا عضلاتی غدی تریاق استعمال کرائیں۔ لیکن اگر مریض کو قبض ہو تو عضلاتی یا اعصابی مسہل یا عضلاتی غدی مسہل ساتھ شریک رکھیں۔ بلکہ کوشش یہ ہونی چاہئے کہ مریض کو روزانہ دو تین اسہال ہوجایا کریں۔

زہریلی ادویات

ہم نے اپنی تحریروں میں ہمیشہ یہ تاکید کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، زہریلی ادویات کا استعمال نہ کیا جائے اور جب اس کے بغیر چارہ نہ ہو تو اس کو قلیل سے قلیل مقدار میں برتیں۔ چونکہ اکسیرات اور تریاقات میں زہروں کی آمیزش ہوتی ہے، اس لئے ان کا استعمال اشد ضرورت کے وقت کیا کریں تاکہ معالج یا مریض کبھی غلطی سے یا جلد فائدہ کی خاطر زیادہ مقدار میں دوا کھالے تو نقصان نہ ہو۔

پارہ کا استعمال

آیورویدک، طب یونانی اور فرنگی طب ہومیو پیتھی میں پارے کو آتشک کے مرض میں استعمال کیا جاتا ہے اور ہر طریق علاج میں اس سے یقینی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔

پارہ کے متعلق ہماری تحقیقات

کیمیا کی اصطلاح میں پارے کو خام چاندی کہتے ہیں اور ان دونوں کے ایک ہی قسم کے افعال و اثرات بیان کرتے ہیں اور جہاں تک مزاج اور خلط کا تعلق ہے، چاندی اور پارہ اپنی خام حالتوں میں بلغم پیدا کرتے ہیں اور ان کا اثر اعصاب پر شدت سے ہوتا ہے۔ لیکن جب چاندی کا کشتہ تیار کیا جاتا ہے تو اس کا اثر عضلات پر پڑتا ہے اور اس کے علاوہ چاندی کسی صورت میں بھی استعمال کی جائے، اس کے افعال و اثرات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ لیکن پارہ ایک ایسی دوا ہے جو مختلف افعال و اثرات کی ادویات کے ساتھ مل کر دوسری ادویات کے افعال و اثرات میں تیزی اور شدت پیدا کر دیتا ہے۔ اس لئے آیورویدک اور فرنگی طب میں اس کے بے شمار مرکبات ہیں جو طب یونانی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً اس کا ایک عام مرکب کجلی ہے۔ جو پارہ اور گندھک کو ہم وزن ملانے سے آدھ گھنٹہ تک کھرل کرنے کے بعد تیار ہو جاتی ہے۔ اس کے افعال و اثرات غدی عضلاتی ہوتے ہیں۔

ہم نے کجلی کے نسخے میں یہ تبدیلی کر دی ہے کہ پارہ ایک حصہ اور گندھک سات حصے آدھ گھنٹہ تک کھرل کریں تو کجلی تیار ہو جاتی ہے اور جہاں کجلی کی ضرورت ہو، اس کو استعمال کریں، یہ کجلی سے بھی زیادہ مفید اور بہتر ثابت ہوتی ہے اور اس سے منہ بھی نہیں آتا۔

اس کا دوسرا مشہور مرکب شنگرف ہے۔ جو گندھک اور پارے کے ملانے سے تانبے کے برتن میں پختہ کیا جاتا ہے۔ اس کے اثرات و افعال عضلاتی غدی ہیں۔ اس کا تیسرا مرکب دار چکنا ہے جو پارے اور نمک اور دیگر کیمیائی ادویات کا مرکب ہے۔ اس کے افعال و اثرات غدی اعصابی ہیں۔ اس کا چوتھا مرکب سنگجو رہے جو پارہ اور سنکھیا کا مرکب ہے۔ یہ عضلاتی اعصابی ہے۔ ان کے علاوہ فرنگی طب کے علم الادویہ میں اس کے مزید مرکبات پائے جاتے ہیں جن میں سب سے پہلا مشہور مرکب کیلومل ہے۔ اس میں پارے کے نمایاں اثرات کے ساتھ مسہل اور ملین اثرات بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ اعصابی غدی ہے اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی ملین ضرور دینا چاہئے۔ نہیں تو فوراً منہ آجاتا ہے۔

پارے کی یہ خوبی کہ وہ فوراً ہر قسم کی ادویات میں تحلیل ہو کر ان کے اثرات کو بڑھا دیتا ہے، بہت ہی کم ادویات میں نظر آتی ہے اور جن میں یہ خوبی پائی بھی جاتی ہے تو بہت کمی کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ ہم کسی اور موقع پر اس کا ذکر کریں گے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب پارہ گندھک سے ملتا ہے تو اس کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے۔ شنگرف کو جب پختہ کرتے ہیں تو اس کا رنگ شنگرفی ہو جاتا ہے۔ جب اس میں نمک کی آمیزش کرتے ہیں تو اس کا رنگ زردی مائل ہو جاتا ہے۔ جب اس کو نیلے تھوتھے میں ملایا جائے تو اس کا رنگ سلیٹی بن جاتا ہے۔ اس کے مختلف رنگ اپنے اندر مختلف اثرات بھی رکھتے ہیں اور ضرورت کے وقت یہ اکسیر کا کام دیتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ جس نسخے میں پارہ نہیں ہوتا وہ کبھی اکسیر کا کام نہیں کر سکتا۔ کیونکہ پارے کے افعال و اثرات میں اتنی شدت ہے کہ یہ برق رفتاری کے ساتھ عمل کرتا ہے۔

بیرونی طور پر بھی پارہ اپنی مختلف صورتوں اور رنگوں میں مختلف امراض میں اکسیر کا کام دیتا ہے۔ اگر کیمیائی طور پر بھی پارہ دہی کی طرح پھٹ جائے تو یہ آبِ حیات بن سکتی ہے۔ جس کی ایک خوراک جسم کو کندن بنا سکتی ہے۔ لیکن یہ بہت مشکل عمل ہے جس کو یہ نصیب ہو جائے، وہ بادشاہ ہوتا ہے۔

چند اہم نکات

ہم نے اپنی تحقیقات میں یہ ثابت کیا ہے کہ آتشک اگرچہ متعدی مرض ہے، تاہم اس کی ابتداء ایسی اغذیہ اور ادویہ سے بھی ہو سکتی ہے جو اعصاب میں شدید تحریک پیدا کریں یا بلغم اور رطوبت کی پیدائش کو بڑھا دیں۔ اس لئے انسان کو خصوصاً ایسے لوگوں کو جن کو اعصاب میں تحریک ہو یا وہ بلغم کے مریض ہوں، ان کو ایسی اغذیہ اور ادویہ سے پرہیز کرنا چاہئے، جن سے ان کی تکالیف میں اضافہ ہوتا ہے۔ مثلاً:

(۱) سرد پانی کا زیادہ استعمال، سرد اغذیہ کا زیادہ کھانا۔ دریائی اور سمندری زندگی، ہر وقت رطوبت اور نمی میں گھرے رہنا۔ مچھلی اور دریائی یا سمندری جانور کو بہت مدت تک استعمال کرنا وغیرہ۔

(۲) جن لوگوں کو مرض آتشک ہے، ان سے ملنے جلنے اور کھانے پینے میں پرہیز لازمی ہے۔

(۳) ایسے لوگوں کو اس وقت تک شادی نہیں کرنی چاہئے جب تک ان کو اس مرض سے پوری طرح آرام نہ آ جائے۔ کیونکہ شادی کے بعد یہ مرض بیوی کو بھی ہو جاتا ہے، جس سے وہ دیگر رشتہ دار عورتوں میں پھیل سکتا ہے اور اگر اولاد پیدا ہو جائے تو یہ مرض یقیناً اس میں بھی جاتا ہے۔ پھر یہی بچے کھیل کود کے میدان اور سکول و کالجوں میں دوسرے بچوں اور ہمجولیوں میں اس مرض کے پھیلانے کا باعث بنتے ہیں۔ کھیل کود کے دوران ماں باپ کو بچوں کے دوستوں پر خاص نگاہ رکھنی چاہئے۔ اور سکول اور کالج میں ایسے بچوں کو جب تک معالج کی تصدیق نہ ہو، داخلہ نہیں ملنا چاہئے۔

(۴) اگر مریض کے ظاہری جسم پر زخم وغیرہ نہ ہوں تو اس کو علاج کے دوران گھر سے باہر آنے جانے کی بندش نہیں ہونی چاہئے۔ لیکن اگر جسم پر زخم ہوں اور خاص طور پر ان میں تعفن پیدا ہو جائے تو اس کو ہسپتال داخل کرا دیا جائے یا گھر میں رہنے کی تاکید کی جائے، تاکہ اس سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں۔

(۵) جب جسم میں درد اور جلن کے ساتھ بدبودار پیپ اور تعفن پیدا ہو جائے تو کوشش یہ کرنی چاہئے کہ جلد ہی درد و جلن اور بدبودار پیپ رفع ہو جائے، کیونکہ ایک طرف یہ پیپ بدن میں جہاں بھی دوسری جگہ لگتی ہے وہیں زخم بنا دیتی ہے اور دوسری طرف دوسرے لوگوں میں امراض پھیلانے کا باعث بنتی ہے۔

(۶) یہ بات یاد رکھیں کہ جس شخص کے جسم میں پھوڑے یا زخم یا خارش ہو اس کے جسم پر مرض آتشک کا جلد حملہ ہو سکتا ہے۔

(۷) بعض لوگوں میں جب آتشک کے سبب سے غدود پر اثر ہوتا ہے تو تحلیل کے بعد ان میں کھچاؤ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں جسم میں فوراً حرارت کی کمی پورا کرنا چاہئے۔ علاج کے دوران یہی کوشش ہونی چاہئے کہ مریض کے زخم اور درد و جلن جلد رفع ہو جائے اور اس سے بہنے والی رطوبت اور پیپ جلد سے جلد ختم ہو جائے۔ اور اس امر کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مکمل شفا تک مریض کو قبض ہرگز نہیں ہونی چاہئے۔

(۸) اگر مرض صرف اعضائے مخصوصہ تک محدود ہو تو اس میں مقامی ادویات کا استعمال بھی ضروری ہے۔

(۹) مرض کتنی بھی شدت اختیار کر جائے یہاں تک کہ گوشت گلنے سڑنے لگے تو بھی علاج سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ البتہ اکسیرات اور تریاقات کے ساتھ ساتھ حرارت پیدا کرنے والی ادویات استعمال کرائیں۔

(۱۰) علاج کے دوران میں ہمیشہ یہ پہلے تشخیص کر لینا چاہئے کہ مرض آتشک کے زخم ہیں یا کسی اور مرض سے زخم پیدا ہو گئے ہیں۔ تشخیص میں سب سے بڑا ذریعہ نبض و قارورہ ہیں۔ ان کے علاوہ زخم ہمیشہ سطح پر ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ دیگر امراض کے زخم جسم کے اندر کی طرف سے باہر کی طرف آتے ہیں۔

(۱۱) یہ بات بھی یاد رکھیں کہ جب جسم میں جگہ جگہ گلٹیاں بن جائیں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ الحاقی مادے میں حرارت کی کمی سے سختی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ گلٹیاں حرارت کی کمی سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ گلٹیاں بڑھ جائیں تو ان میں بھی پھٹ کر زخم پیدا ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی بہت سی گلٹیوں کے زخم اکٹھے ہو کر ایک بہت بڑا زخم بنا دیتی ہیں۔

(۱۲) الحاقی مادے میں سختی پیدا ہونے کے بعد عضلاتی مادے میں کھچاؤ اور زخم بڑھنے لگتے ہیں، اور جسم متورم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ مرض ہڈیوں کی جھلی کو نقصان پہنچا کر مردہ بنانا شروع کر دیتا ہے۔

(۱۳) اگر مریض بہت ضعیف ہو گیا ہو تو اس کے علاج میں مقوی اغذیہ کا اضافہ کر دینا چاہئے اور مریض کو صاف ستھرا رکھنا چاہئے جس سے اس کے جسم میں بہت جلد طاقت پیدا ہو کر مرض رفع ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

بواسیری مادہ

تین انسانی زہروں میں سے ایک زہر آتشکی مادہ کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اب دوسرے زہر بواسیری مادہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم ان شاء اللہ تعالیٰ تیسرے زہر سوزاکی مادہ کا ذکر کریں گے۔ ان زہروں کی تعریف ہم نے اس طرح کی ہے۔

تعریف زہر انسانی

انسانی خون اور رطوبات اور جسم میں ایسی حالت و صورت پیدا ہو جائے جیسے دیگر اقسام کے زہروں کے اثرات سے پیدا ہوتی ہیں۔ یعنی جس جسم میں پیدا ہو اس کو فنا کر دے یا کسی دیگر جسم میں داخل ہو کر اس کو بھی فنا کر دے یا اس میں بھی زہریلی علامات و اثرات پیدا کر دے اس زہر کا اثر فوری بھی ہو سکتا ہے اور رفتہ رفتہ بھی ہو سکتا ہے۔

پیدائش زہر انسانی

جسم انسان میں جب کوئی مرض پیدا ہوتا ہے تو قوتِ مدافعت (امیونٹی) اور قوت مدبرہ (وائٹل فورس) اس کو رفع کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ جب وہ کمزور ہونا شروع ہو جاتی ہے تو پھر اس مرض کا زہر خون میں اکٹھا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ غالب ہوتا جاتا ہے اور رفتہ رفتہ جسم کو ختم کر دیتا ہے۔ یہی زہر جسم کو فنا کر دیتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہی زہر کسی دوسرے جسم پر اثر انداز ہو کر اس جسم میں بالکل اسی قسم کے زہریلے اثرات اور علامات پیدا کر دے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ جس انسان میں یہ زہر پایا جاتا ہے، اس کی اولاد میں بھی یہی زہریلے اثرات اور علامات پائی جاتی ہیں۔ یہ

اثرات اور علامات بالکل ویسی ہوتی ہیں جو باپ میں پائی جاتی ہیں۔ اوّل صورت کا نام بگاڑ اعضاء، دوسری صورت کا نام چھوت چھات اور تیسری صورت کا نام اثرات وراثت ہے۔ ہم نے زہروں کے اقسام کے متعلق اس طرح بیان کیا ہے۔

اقسام انسانی زہر

چونکہ ان زہروں کی ابتداء بگاڑ اعضاء سے ہوتی ہے اور چونکہ جسم انسان کے حیاتی اعضاء صرف تین ہیں، جن کو ہم اعضائے رئیسہ کہتے ہیں یعنی دِل، دماغ اور جگر۔ اس لئے یہ زہر بھی تین ہی اقسام کے ہوتے ہیں۔ جن کی صورتیں درج ذیل ہیں:

(۱) اعصاب جن کا مرکز دماغ ہے، ان کے بگاڑ سے جو زہر پیدا ہوتا ہے، اس کا نام زہر آتشک یا آتشکی مادہ ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

(۲) غدد اور غشائے مخاطی، جن کا مرکز جگر ہے، ان کے بگاڑ سے جو زہر پیدا ہوتا ہے اس کا نام زہر سوزاک یا سوزاکی مادہ ہے جس کا ذکر ہم آئندہ کریں گے۔

(۳) عضلات، جن کا مرکز دِل ہے، ان کے بگاڑ سے جو زہر پیدا ہوتا ہے اس کا نام زہر بواسیر یا بواسیری مادہ ہے، جس کا ذکر ہم اب کر رہے ہیں۔

یہی زہر بعض اوقات مختلف صورتوں میں نظر آتے ہیں اور ان سے مختلف علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن اگر ان کا پوری طرح تجزیہ کیا جائے تو وہ ان تینوں صورتوں ہی میں نظر آتے ہیں۔

یادداشت

یاد رکھیں کہ آتشک جس کو انگریزی میں سفلس کہتے ہیں۔ یہ نہ مرض ہے اور نہ ہی خود زہر ہے۔ بلکہ یہ اس مرض کی علامت ہے جس کا زہر آتشکی مادہ ہے۔ آتشک اور آتشکی مادہ کا فرق سمجھنا ضروری ہے، اسی طرح سوزاک اور سوزاکی مادہ کا فرق ہے اور بالکل اسی طرح بواسیر اور بواسیری مادہ میں فرق ہے۔

راز کی بات

دُنیا بھر میں جس قدر بھی زہر پائے جاتے ہیں، چاہے وہ جماداتی ونباتاتی اور حیواناتی ہوں، جن میں ہر قسم کے جراثیم بھی شریک ہیں اور چاہے وہ امراض زہر ہوں جن میں ہر قسم کے امراض شامل ہیں۔ وہ سب زہر ان تینوں اقسام سے باہر نہیں ہیں۔ اس لئے دُنیا میں صرف تین اقسام کے زہر، تین اقسام کی ادویہ اور تین ہی اقسام کی اغذیہ پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح تین ہی اقسام کے امراض اور تین ہی اقسام کے زہر پائے جاتے ہیں۔ یہ تین چیزیں (۱) کھار (۲) ترشی اور (۳) نمک (جو کھار اور ترشی کا مرکب ہے) ہیں۔ دُنیا میں یہی تینوں چیزیں خالص یا کم وبیش ملی جلی پائی جاتی ہیں۔ ان کے خواص پر حاوی ہونا تمام کائنات پر حاوی ہونا ہے۔ اب ہم بواسیر کی ماہیت پر لکھتے ہیں، اس کے بعد بواسیری مادہ کی حقیقت پر لکھیں گے، تاکہ دونوں کا فرق سمجھا جاسکے اور علاج میں کسی قسم کی مشکل پیدا نہ ہو۔

بواسیر کی ماہیت

بواسیر سے مراد عام طور پر مقعد کے مقام پر مسوں کا نکل آنا ہے۔ یہ باسور کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں مواد کا بہنا۔ چونکہ ان مسوں سے اکثر اوقات خون وآب زرد اور ریاح کا اخراج ہوتا رہتا ہے، اس لئے اس کو بواسیر کہتے ہیں۔ جس کو انگریزی میں پائلز کہتے ہیں۔ یہ مسّے عروق مقعد کے دھانوں پر ان کے لحمی بڑھاؤ کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جس کا سبب بالعموم سوداوی غلیظ خون تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ سوداوی غلیظ خون

بذاتِ خود سودا ہو یا کوئی دیگر خلط جل کر سودا غلیظ بن کر خون میں شامل ہوگئی ہو۔ یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ بعض اوقات صفرا خون میں ملنے سے بھی بواسیر پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اس میں بھی سوداوی صورت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کی عمومی علامت یہ ہے کہ مقعد پر بوجھ اور خارش رہتی ہے۔ شدت کی صورت میں سوزش اور درد ہوتا ہے اور مسوں سے مواد بہتا ہے اور خونی ہو تو خون آتا ہے جو کبھی پاخانے سے پہلے اور کبھی بعد میں آتا ہے۔ بعض اوقات پاخانے کے ساتھ بھی ملا ہوا ہوتا ہے۔

بواسیر کی اقسام

بواسیر کی دو اقسام ہیں: ایک بادی، دوسری خونی۔ پھر خونی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ① جس میں مسوں کے ساتھ خون آتا ہے، اس کو دامی یا دامیہ کہتے ہیں۔ ② جس میں مسے تو ہوتے ہیں مگر خون نہیں آتا، اس کو عمیا کہتے ہیں۔

مسوں کی اقسام

بواسیر کے مسے کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ مختلف شکل وصورت کی وجہ سے ان کے نام بھی مختلف ہوتے ہیں۔ چند اقسام کے نام درج ذیل ہیں: ① عنبی (انگوری) جو انگور کی شکل کے ہوتے ہیں۔ ② تینی (انجیری) جو انجیر کی شکل کے ہوتے ہیں۔ ③ ثولولی (مسوری) جو مسور کی شکل کے ہوتے ہیں۔ ④ تمری (کھجوری) جو گٹھلی کی مانند سخت ہوتے ہیں۔ ⑤ توثی (شہتوتی) جو شکل میں لمبے اور نرم ہوتے ہیں۔

نوٹ: مسوں کے مقعد کے اندر اور باہر ہونے کے بھی دو اقسام ہیں۔ بہر حال مندرجہ بالا اقسام میں شمار ہوتے ہیں۔

ریحی بواسیر

اس کو عربی میں ریح البواسیر کہتے ہیں۔ اس میں مسے نہیں ہوتے۔ اگر ہوتے بھی ہیں تو نمایاں نہیں ہوتے۔ اس کی خاص علامات یہ ہیں: پیٹ میں ریاح دوڑتی پھرتی ہے، جو آسانی کے ساتھ اخراج نہیں پاتی۔ ریاح جسم میں مختلف مقامات میں دوڑتی پھرتی ہے۔ کبھی پیٹ و کمر میں اور کبھی مقعد اور آنتوں میں دباؤ ڈال دیتی ہے۔ پیٹ میں اکثر قبض رہتی ہے۔ مقعد کی بواسیر کی طرح اور بھی چند امراض ہیں جن میں مسے پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ① بواسیر الانف ② بواسیر شفت ③ بواسیر رحم وغیرہ۔

بواسیر الانف

ناک کی بواسیر، ناک کے اندر بدگوشت پیدا ہو جاتا ہے جو گٹھلی کی طرح عام طور پر سفید ہوتا ہے اس کے ساتھ درد کم ہوتا ہے اور کبھی یہ گوشت سرخ اور نیلا ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ درد شدید ہوتا ہے۔ خصوصاً اگر اس سے بدبودار زرد پانی بہہ رہا ہو۔ اس سے ہوا کا راستہ تنگ ہو جاتا ہے۔ اور ناک کا بانسہ بھر جاتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ بڑھا ہوا گوشت ناک میں دکھائی دیتا ہے اور گاہے وہ بڑھ کر اتنا لمبا ہو جاتا ہے کہ ناک سے یا تالو سے باہر آ جاتا ہے۔ اس وقت اسے طبی اصطلاح میں علق (جونک) کہتے ہیں۔

ناک کے اندر جو زائد گوشت پیدا ہو جاتا ہے، اس کا سبب اس کی اندرونی رگوں میں خون سوداوی کا احتباس ہوا کرتا ہے۔ اگر زیادہ سخت ہو اور اس سے کسی قسم کی رطوبت نہ نکلے تو سرطان کی قسم میں شمار ہو کر بمشکل علاج پذیر ہوتا ہے۔ لیکن اگر نرم اور بارطوبت ہو تو بہ سہولت علاج پذیر ہو سکتا ہے۔

بواسیر شفت

ہونٹ کی بواسیر۔ گاہے نچلے ہونٹ میں چھوٹے سے انگور کے برابر نیلے رنگ کا ابھار پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے ہونٹ باہر کی طرف

لوٹ جاتا ہے اور درمیان سے پھٹ جاتا ہے۔ اس کو ہونٹ کی بواسیر کہتے ہیں اور گاہے نچلے ہونٹ میں سیاہ رنگ کا توت نما اُبھار پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کی رنگت اور شکل و شباہت شہتوت جیسی ہوتی ہے۔ اس مرض کا سبب خون محترق ہوا کرتا ہے۔ جس سے صرف لب زیریں (نچلا ہونٹ) یا دونوں ہونٹ موٹے ہو جاتے ہیں اور ان میں شقاق (پھٹن) پیدا ہو جاتی ہے اور ہونٹ پر توت نما اُبھار پیدا ہوتا ہے۔ اس میں مادہ کی شدت ہوتی ہے۔

بواسیر رحم

رحم کی بواسیر۔ رحم کے اندر مستے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کے مستے دیکھنے اور چھونے سے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ مستے درد کی شدت کے وقت سرخ ورنہ زرد رہتے ہیں۔ ان سے میل کی مانند رطوبت خارج ہوتی ہے جس کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے۔ اس مرض کا سبب بھی سوداوی مادہ کی شدت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اکثر رحم میں درد اور رطوبت کی زیادتی رہتی ہے۔

فرنگی طب اور تحقیق بواسیر

کرنل بھولا ناتھ اپنی کتاب ''علم و عمل طب'' میں لکھتے ہیں: ''بواسیر ایک ایسا عالمگیر مرض ہے کہ بہت ہی کم ایسے خوش نصیب آدمی ہوں گے جو اس آفت سے بری ہوں گے''۔ بواسیر بلحاظ مقام دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) خارجی جو خارج از مبرز ہوتی ہے۔ (۲) داخلی جو مقعد کے اندر واقع ہوتی ہے۔

ا۔ خارجی بواسیر

مبرز کے باہر کی جانب ایک یا دو مسے بن جاتے ہیں، ان میں خارش اور جلن ہوا کرتی ہے اور قبض ہونے سے اور سرد یا سخت چیز پر بیٹھنے سے ان میں ورم ہو کر درد اور سوزش ہوتی ہے اور بیمار نہ چل پھر سکتا ہے۔ نہ بیٹھ سکتا ہے۔ رفع حاجت کے وقت درد کے مارے مریض پریشان ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی پیشاب بھی بند ہو جاتا ہے۔ اگر مسے عین مبرز کے اوپر واقع ہوں، یعنی نیم دروں یا نیم بروں تو اس قسم کی بواسیر کو درمیانی بواسیر کہتے ہیں۔

درحقیقت مبرز کے آس پاس کی جلد کے چنوٹوں کے اندر ڈھیلا پن واقع ہو کر ورم ہو جاتا ہے۔ یہی مسے ہوتے ہیں اور متورم جلد کے اندر وریدوں کی ایک شاخ ہوتی ہے۔ یہ مسے ہمیشہ خشک ہوتے ہیں اور ان میں سے کسی قسم کا مواد خون نہیں نکلتا۔ یہی اصل میں خارجی بواسیر اندرونی بواسیر کی علامت ہے۔ یعنی پہلے اندرونی بواسیر ہوتی ہے اور اس کے کچھ عرصہ بعد خارجی بواسیر پیدا ہوتی ہے۔

۲۔ داخلی بواسیر

مبرز سے لے کر دوانچ کے اوپر تک مسے بنتے ہیں۔ یا تو مقعد کے گرداگرد چاروں طرف میوکس ممبرین میں وریدیں پھول جاتی ہیں یا ایک دو وریدیں دائمی طور پر ممد ہو کر یا تو بلندیاں پیدا ہو جاتی ہیں یا پھر موٹے موٹے مسے بن جاتے ہیں۔ مسوں کی سطح کسی قدر کھردری ہوتی ہے اور وہ سٹرابری (فرنگی قسم کا بیر) کی طرح دانہ دار نظر آتے ہیں۔ یہ مسے کبھی کبھی پاخانے کے وقت مبرز سے باہر نکل آتے ہیں۔ اور زور لگانے سے اس قدر پھول جاتے ہیں کہ پھر اندر نہیں جا سکتے اور ان میں ورم ہو کر سخت درد اور سوزش ہوتی ہے۔ اندرونی بواسیر میں خون نہیں جاتا۔ مگر گاہے گاہے ضرور جاتا ہے یا رفع حاجت کے وقت پاخانے کے پہلے یا بعد میں چند قطرے نکلتے ہیں۔ خاص کر جب قبض ہو جاتی ہے یا کھانے میں بے احتیاطی کی جاتی ہے۔

اندرونی بواسیر کی ایک شدید قسم بھی ہے جس کا خون دورہ سے خارج ہوتا ہے۔ اس مرض کا دورہ اس طرح سے ہوتا ہے کہ چند روز پیشتر مریض کا ہاضمہ بگڑ جاتا ہے اور پیٹ میں قراقر اور کھلبلی ہوتی ہے۔ ٹانگوں میں درد ہوتا ہے، پنڈلیوں میں تکان اور درد محسوس ہوتا ہے۔ خصوصاً در دتیز چلنے یا سیڑھی چڑھنے سے زیادہ ہو۔ کبھی کبھی خفقان بھی ہوتا ہے اور دِل بے تحاشا دھڑکتا ہے۔ رات کو اچھی طرح نیند نہیں آتی۔ سوتے ہوئے دفعتاً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ پاؤں یا بدن کا اور کوئی حصہ سن ہو گیا ہے اور سن ہونے پر بیمار چونک کر اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، دوسری کروٹ لیٹ کر سو جاتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد پھر وہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان ایام میں پیشاب بھی چند بار زیادہ آتا ہے۔ غرضیکہ اس قسم کی علامات دو تین دِن رہ کر قبض ہونے کے ساتھ یا بغیر قبض کے خون جاری ہو جاتا ہے اور خون نہایت کثرت سے جاتا ہے۔ مسہل کرتے رہو یا پاخانہ صاف ہوتا رہے تو بھی خون جاری رہتا ہے۔ رفتہ رفتہ خون خود بخود بند ہو جاتا ہے اور علامات دور ہو جاتی ہیں۔ بواسیر کا دورہ مہینہ یا دو مہینہ میں ایک بار ہوتا ہے۔ مگر شدید حالتوں میں یا بے احتیاطی کرنے کی صورت میں پندرھویں دِن یا ہفتہ وار ہوتا ہے اور کبھی خون ہر روز آتا ہے اور بالکل نہیں رُکتا اور مریض سفید رنگ منحنی اور کمزور ہو کر صاحب فراش ہو جاتا ہے اور چل پھر نہیں سکتا۔

بواسیر اور فرنگی طب کی تحقیق

بواسیر کو ایک عالمگیر مرض کہا گیا ہے۔ جس کی چند وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ اوّل یہ کہ مقعد میں عروق و شریانیں عمومی واقع ہوتی ہیں۔ حالانکہ اور سارے امعاء میں عرضاً پائی جاتی ہیں۔ ان عروق میں دوسری وریدوں کی طرح مصارع نہیں ہوتے اور نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ خون اپنے وزن سے ہمیشہ نیچے اُترنے کا رُخ کرتا ہے۔ اور مقعد کے عروق میں ایک قسم کا ہر وقت امتلاء موجود رہتا ہے۔

دوسرے وریدوں کے اطراف میں عضلات یا دوسرے اعضاء ہوتے ہیں جن کی مجاورت سے وریدیں کچھ نہ کچھ دبی ہوئی اور کسی ہوئی رہتی ہیں۔ مقعد کی اندرونی سطح میں جہاں پر یہ وریدیں واقع ہوتی ہیں کوئی چیز اس قسم کی موجود نہیں ہے جو وریدوں کو سنبھالے اور ان کو دبا کر کس دے اور گاہے گاہے خالی کر دے۔ بیداری کی حالت میں انسان ہر وقت کھڑا یا چلتا پھرتا رہتا ہے یا پھر کچھ بیٹھ کر کام کرتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں مقعد کے عروق کے اندر خون کا رُخ کشش ثقل کی وجہ سے نیچے کی طرف ہوتا ہے۔

یہ گویا خلقی اسباب ہیں۔ جو ہماری بشریت کے وارث ہیں اور ہر فرد و بشر میں موجود ہوتے ہیں۔ اب ان کے اوپر اگر اور اس قسم کے اسباب واقع ہو جائیں جن سے امتلائے امعاء زیادہ ہو جائے تو فوراً یہ خبیث مرض نمودار ہو گا اور تا دوام الحیات قائم ہو جائے گا۔

اس قسم کے اسباب میں زیادہ کھانا یا اس قسم کی اشیاء کا کھانے پینے میں استعمال کرنا ہے جن سے سوئے ہضم، قبض اور امتلاء پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً ثقیل اور مرغن اشیاء مرچ مصالحہ، اچار، شراب، گوشت۔ زیادہ آرام طلبی اور بیٹھے رہنا اور ورزش نہ کرنا، جس سے کھانا اچھی طرح سے ہضم نہیں ہوتا اور قبض رہتا ہے۔ مسہلات کا زیادہ استعمال کرنا بھی مضر ہے۔

مردوں کو یہ مرض بہ نسبت عورتوں کے زیادہ ہوتا ہے۔ جس کا باعث یہ ہوتا ہے کہ عورتوں میں ماہواری (حیض) آنے کے سبب سے تنقیہ ہوتا رہتا ہے۔ اس مرض کا زیادہ زور تیس برس کے بعد ہوتا ہے اور خود بخود کم ہو جاتا ہے۔ مگر بڑھاپے کی عمر میں جب مثانہ اور پراسٹیٹ گلینڈ (غدود احلیل) کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور پیشاب اور پاخانہ کرتے وقت زور لگانا اور کونتھنا پڑتا ہے تو بواسیر پھر نمودار ہو جاتی ہے۔ کرم امعاء و دیگر اورام قولون و مستقیم بھی اس کے مؤید اسباب ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس کسی سخت یا سرد چیز پر بیٹھنا اور سائیکل کی سواری بھی بواسیر کے لئے مضر ہے۔ عورتوں کو ایام حمل میں یا جب کسی قسم کے اورام اور ٹیومر (رسولی) رحم یا خصیتین میں پیدا ہو جائیں جن سے حوض الورک میں وزن بڑھ کر عروق

کا امتلاء ہو جاتا ہے۔ بواسیر ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔ بواسیر بعض مریضوں میں علامات پیدا ہوا کرتی ہیں۔ امراض کبد وقلب جن میں ورید باب کے شاخوں میں امتلاء ہوتا ہے بواسیر بھی ضرور پیدا ہو جاتی ہے اس لئے کہ وہ اور مقعد آخر میں ورید باب میں جا کر ختم ہوتے ہیں۔

بعض لوگوں میں یہ مرض خاندانی اور موروثی ہوتا ہے۔ خصوصاً سوداوی مزاج کے لوگوں میں۔ بلکہ اغلب خیال یہ بھی ہے کہ نقرس اور نیورلجیا یعنی وجع عصب سے بھی اس مرض کا کچھ نہ کچھ تعلق ہے۔ اس طور پر ایک خاندان میں باپ کو نقرس میں مبتلا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے دو لڑکے یا ایک لڑکا اور ایک لڑکی میں سے ایک کو نیورلجیا ہوگا، دوسرے کو بواسیر بلکہ ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک ہی شخص کو بواسیر اور نیورلجیا تھا۔ جب بواسیر کا خون جاتا رہتا ہے تو نیورلجیا کا دور نہیں ہوتا اور جب نیورلجیا کا زور ہوتا ہے تو بواسیر کا خون بند ہو جاتا ہے۔ بواسیر کے مریضوں کو دوامی ویریکوسل وغیرہ وریدوں کے امراض بھی اکثر ہوا کرتے ہیں۔ خونی بواسیر ہمیشہ دورہ سے زور کرتی ہے جس کے سبب دائرہ امراض یعنی نقرس و نیورلجیا کے ساتھ اس مرض کا رشتہ اور مستحکم طور پر ثابت ہوتا ہے۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی تحقیقات میں پہلی غلطی یہ کی گئی ہے کہ بواسیر کے عالمگیر ہونے کی ایک وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ مقعد میں عروق وشرائن عمودی واقع ہوتے ہیں۔ یہ گویا خلقی سبب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان میں خلقی طور پر کچھ بھی خرابی نہیں ہے۔ کیونکہ انسان مسلمہ طور پر اشرف المخلوقات ہے اور خداوند تعالیٰ نے بھی قرآن حکیم میں فرمایا ہے:

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴾

''البتہ تحقیق ہم نے انسان کو بہترین بناوٹ پر پیدا کیا ہے''۔

پھر انسان کی تخلیق پر اعتراض غیر مناسب اور اس کی حقیقت کا نہ جاننا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مقعد کی عروق اور شرائن کو عمودی اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہاں پر اعصاب کی کثرت ہے۔ تاکہ تحریک سے وہاں غدد اپنی رطوبات کو آسانی سے نیچے کی طرف گرا سکیں۔ جس سے پاخانہ اور ریاح آسانی سے اخراج پا سکیں۔ اگر مقعد کے پاس بھی ان کی عمودی صورتیں نہ ہوتیں تو مواد وہاں پر رُکا رہتا اور متعفن ہو کر باعث فساد ہوتا۔ جس سے تکلیف دہ امراض کا پیدا ہونا یقینی ہے۔ اگر خلقی سبب تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ مرض ہر شخص کو ہونا چاہئے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔

دوسری یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ عضلات اور دیگر اعضاء کے مجاورات کے دباؤ اور کساؤ سے بواسیر کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس دباؤ اور کساؤ کا کوئی سبب پیش نہیں کیا گیا جو بالکل بے دلیل ہے۔ البتہ دیگر اسباب میں یہ لکھا گیا ہے کہ بیداری کی حالت میں انسان ہر وقت یا کھڑا رہتا ہے یا چلتا پھرتا رہتا ہے یا کچھ بیٹھ کر کام کرتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں مقعد کے عروق کے اندر خون کا رُخ بوجہ کشش ثقل کے نیچے کی طرف کو ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ چلنا پھرنا مرض بواسیر کے لئے بے حد مفید ہے۔ البتہ بیٹھے رہنا، چونکہ حرکت کے خلاف ہے، اس لئے قبض کی صورت پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن ان دونوں صورتوں کا تعلق کشش ثقل سے کچھ نہیں ہے۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بے شمار ایسے امراض ہیں جن میں دورانِ خون نیچے کی طرف ہوتا ہے اور اسی طرح بہت سے ایسے امراض ہیں جن کا تعلق اوپر کی طرف ہوتا ہے اور ان پر کشش ثقل کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

یاد رکھیں کہ جسم میں دورانِ خون نیچے کی طرف اس وقت ہوتا ہے جب دماغ اور اعصاب میں تحریک ہو اور دورانِ خون اوپر کی طرف اس وقت ہوتا ہے جب تحریک قلب وعضلات میں ہوتی ہے اور اسی طرح جسم کے اندر کی طرف دورانِ خون اس وقت ہوتا ہے جب جگر اور غدد میں تحریک ہو۔ بہر حال فرنگی طب کی یہ تحقیقات دورانِ خون اور قانون فطرت کے خلاف ہیں اور تجربہ اور مشاہدہ ان کو غلط قرار دیتا ہے۔

جہاں تک دباؤ اور کساؤ کی حقیقت کا تعلق ہے، اس کے متعلق فرنگی طب خاموش ہے۔ اس کی حقیقت ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ معدہ کی بناوٹ میں زیادہ تر عضلات کا تعلق ہے جن کا کام ترشی (ایسڈیٹی) پیدا کرنا ہے، جس سے وہ غذا جو معدہ میں داخل ہوتی ہے نہ صرف تحلیل ہوتی ہے بلکہ اس سے ہضم بھی ہوئی ہے۔ لیکن جو غذا معدہ میں پورے طور پر تحلیل ہوتی ہے، بلکہ اس سے ہضم بھی ہوتی ہے۔ لیکن جو غذا معدہ میں پورے طور پر تحلیل نہ ہو سکے، چاہے غذا ثقیل ہو یا ترشی میں کمی ہو تو وہ غذا معدہ میں پڑی رہتی ہے، اس میں فساد و خمیر پیدا ہو کر نقص پیدا ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں وہاں پر ریاح کی کثرت ہو جاتی ہے۔ اسی ریاح اور تبخیر کی زیادتی سے عضلات و امعاء اور عروق و شریان میں دباؤ اور کساؤ پیدا ہوتا ہے۔ اسی کے مسلسل اثر سے قبض و بواسیر اور مسّے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ قبض و بواسیر اور تبخیر و مسّے عضلات کے افعال میں تیزی نہ ترشی کی زیادتی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ان میں تیل و ترشی اور گوشت و خشک اشیاء مضر پائی جاتی ہیں۔

بواسیر اور ہومیوپیتھی

ہومیوپیتھی میں امراض کا تصور نہیں ہے۔ صرف علامات کو مدنظر رکھ کر علاج کیا جاتا ہے۔ یہ علامات وہ ہیں جو کسی مفرد دوا کے کسی تندرست انسان کو کھلانے سے پیدا ہوتی ہیں۔ ظاہر میں جسم انسان اور ادویات کے تعلقات کو ذہن نشین کرنے کا بہترین نظریہ ہے، بلکہ جسم انسان میں جو تکالیف پیدا ہو سکتی ہیں، ان کے جاننے کا ایک بہت اچھا ذریعہ ہے۔ لیکن کلی طور پر انسان کی تکالیف کو اس نظریہ اور ذریعے سے سمجھا نہیں جا سکتا اور جب کہ ایک ہی علامت کے لئے بہت سی ادویات ہوں تو پھر ان کا ذہن نشین کرنا ایک مشکل امر ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ طب و آیورویدک اور فرنگی طب (ڈاکٹری) میں ادویات اور علامات یا امراض کو باہم تطبیق سے پہلے ان علامات کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بلکہ فرنگی طب میں یہ کوشش اب تک جاری ہے اور اس کو فن علاج کا ایک علیحدہ حصہ بنا کر اس میں شامل کر دیا ہے۔ اس علم کو پیتھالوجی (ماہیت) امراض کہتے ہیں۔ جس میں کسی علامات یا مرض کی پیدائش و ترتیب اور اس کے نتائج پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

طب اور آیورویدک میں ماہیت امراض چونکہ اخلاط اور دوشوں کے ماتحت ہے۔ اس لئے ہر مرض کے ساتھ ہر علامت کو جو جسم انسان میں پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ ان کے اسباب کو بھی بغیر سمجھے نظر انداز نہیں کیا۔ مگر ہومیوپیتھی میں نہ امراض کا تصور ہے اور نہ ہی اسباب کا ذکر ہے۔ اس طرح اسباب سے لے کر امراض تک علامات میں جو صورتیں بنتی بگڑتی ہیں، اور ان میں کمی بیشی ہوتی ہے، ان سے معالج ناواقف رہتا ہے۔ ایسی صورتوں میں امراض و علامات کی ابتدائی و انتہائی اور پیچیدہ حالتوں کو سمجھنے سے وہ قاصر رہتا ہے۔

ان حقائق کو سامنے رکھا جائے اور بواسیر کی ماہیت پر غور و فکر کیا جائے تو اس کی علامات کی پیدائش، ان میں تبدیلیاں اور ترتیب و نتائج کی جو صورتیں پیدا ہوتی ہیں ان سے ایک ہومیوپیتھ بے خبر ہی رہتا ہے۔ ان کی کتب میں بھی وہی علامات درج ہیں جو طب و آیورویدک اور فرنگی طب میں امراض کے ناموں سے موسوم ہیں۔ چونکہ ان کے ہاں امراض کا تصور نہیں ہے، اس لئے امراض اور علامات کا فرق نہیں کر سکتے۔ پھر ان کے ہاں اکثر علامات مرکب ہیں جن کو دیگر طریق علاج میں امراض کا نام دیا گیا ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ ان کے ہاں نہ مرض کا علم ہے اور نہ ہی علامت کی حقیقت ہے۔ بہر حال ہومیوپیتھی نے بواسیر کی علامات کے لئے جن ادویات کا ذکر کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

(۱) ایسی کیولس ہپوکاسٹنم (۲) ایلوز (۳) ایپس ملیفیکا (۴) آرسینکم (۵) سلفر (۶) بیلاڈونا (۷) کلکیریا کارب (۸) کاربوویجی ٹیبلس (۹) کاسیکم (۱۰) کالن سونیا (۱۱) ڈایاسکوریا (۱۲) گریفائٹس (۱۳) ہیمامیلس (۱۴) ہائیڈراسٹس (۱۵) اگنیشیا (۱۶) کالی کارب (۱۷) میوراٹک ایسڈ (۱۸) نائٹرک ایسڈ (۱۹) نکس وامیکا (۲۰) پلسٹلا (۲۱) فاسفورس (۲۲) پوڈوفائیلم (۲۳) رسٹاکس (۲۴) سیپیا (۲۵) ایکونائٹ۔

علاماتِ ادویہ

ان ادویات کی ہومیوپیتھی علامات کتب میں درج ہیں۔اگر ہر دوا کی علامات کو تفصیل کے ساتھ سر سے پاؤں تک بیان کیا جائے تو بہت طوالت ہوگی،اس لئے صرف انہی علامات کو یہاں لکھا جائے گا جن کا تعلق بواسیر و مقعد اور مسوں کے ساتھ ہے۔تاکہ ان کے تعلق کو سمجھنے میں آسانی ہو اور علاج میں سہولت رہے۔

۱ ایسی کیولس ہپو کاسٹینم: مسے لمبے اور ارغوانی رنگ کے بڑھے ہوئے جن سے قلیل سا جریان خون ہوتا ہے۔خارش اور جلن دار درد جن کے ساتھ مقعد میں بھراؤ اور خشکی کا احساس ہو۔کمر اور پیڑو کے حوالی میں شدید دکھن ہو۔جس کے ہمراہ پیٹھ میں سختی ہو جس میں چلنے پھرنے سے اضافہ ہو۔متواتر کمر درد جو پیڑو اور جوڑوں کو متاثر کرے۔

۲ ایلوز: بواسیر کے مسے انگوروں کے گچھوں کی طرح لٹکتے ہوئے۔جس کے ساتھ امعائے مستقیم میں متواتر نیچے کی طرف دباؤ رہے۔مسوں میں شدید حرارت اور بے چینی جسے سرد پانی سے آرام محسوس ہو۔شدید دباؤ جس کے ساتھ خونی یا جیلی نما خونی پاخانے۔سر درد دھیما دھیما اور سر بوجھل۔اس کے ساتھ جگر میں میٹھا میٹھا درد۔پاخانہ پھرنے کے دوران اور بعد میں نقاہت کا احساس۔

۳ ایکونائٹ: خونی بواسیر یہ ایک مرکب علامت ہے۔اس میں خون،درد،مسوں اور قبض کا تصور شامل ہے۔مقعد میں نیش زنی اور دباؤ۔جلد عام طور پر خشک۔متواتر بے آرامی۔مریض چپ چاپ نہ رہ سکے دموی مزاج اور پر خون اشخاص۔

۴ ایپس میلفیکا: بواسیر میں ڈنگ مارنے والے جلانے والے اور ٹیس دار درد جنہیں ٹھنڈے پانی سے آرام ملے۔قبض جس کے ساتھ اس طرح کا احساس ہو کہ پاخانہ کرتے وقت کوئی تنگ چیز ٹوٹ جائے گی۔دائیں خصیۃ الرحم کا بڑا ہو جانا۔چھاتی کے بائیں حصہ میں درد اور کھانسی۔

۵ آرسینکم: بادی بواسیر جو آگ کی مانند جلے۔خاص کر رات کے وقت نیند حرام ہو جائے۔دن کے وقت نیش زن درد۔خصوصاً چلتے وقت سخت تشویش،بے آرامی اور موت کا خوف،بہت پیاس،مریض تھوڑا تھوڑا پانی بار بار پئے۔جملہ علامات رات کے وقت خراب۔خصوصاً نصف شب کے بعد۔

۶ بیلاڈونا: خونی بواسیر جو نہایت بے حس ہوتی ہے اور ذرا سا چھو لینے سے درد کمر میں اس امر کا احساس جیسے ٹوٹ جائے گی۔درد کا یکایک ظاہر ہونا اور پھر اسی طرح بند ہو جانا۔سر کی طرف خون کی زیادتی جس کے ہمراہ کن پٹیوں میں درد،مریض نیند کی طرف مائل مگر سو نہ سکے۔

۷ کلکیریا کارب: مسے سوجے ہوئے اور باہر نکلے ہوئے جن سے کافی مقدار میں خون خارج ہو۔امعائے مستقیم میں چبھن اور جلن۔مریض آرام سے نہ رہ سکے۔امعائے مستقیم میں کھچاؤ اور کاٹنے والا درد جس کے ساتھ درد انگیزی کا احساس خاص کر پاخانہ پھرنے کے بعد۔ماہواری جلد جلد اور بکثرت،پاؤں ٹھنڈے اور نمدار،سیڑھیوں پر چڑھنے سے درد سر۔

۸ کاربو ویجی ٹیبلس: مسے سوجے ہوئے اور باہر نکلے ہوئے۔جن سے کافی مقدار میں خون خارج ہو۔امعائے مستقیم سے چھلنے والی رطوبت کا اخراج جس سے سخت بدبو آئے۔مسوں میں گدگدی،خارش اور جلن۔پاخانے بدبودار۔خونی بلغم کے ترش اور گلی سڑی غذا کے ڈکار جن کے ساتھ انتڑیوں سے بہت زیادہ ریاح کا اخراج۔

۹ کاسٹیکم: مسے بڑے اور پر درد جو پاخانے کو روکیں۔چھونے سے مسوں پر نیش زنی اور جلن۔چلنے پھرنے میں ناقابل برداشت اذیت۔کمزور،خنازیری مزاج اشخاص جن کا چہرہ زرد ہو۔پیٹ میں بھراؤ اور دباؤ جیسے پھٹ جائے گا۔

۱۰ کالن سونیا: بواسیر بادی یا خونی جس کے ساتھ ایسا احساس گویا امعائے مستقیم میں کنکر یا ریت اٹک رہی ہے۔دائمی قبض۔پاخانے میں

ہلکے رنگ کے سدے، جن کے ساتھ مقعد میں ہلکا ہلکا درد حیض کے وقت درد شام کے وقت تکالیف میں اضافہ۔ صبح کے وقت آرام۔

۱۱ ڈایا سکوریا: بواسیر انگوروں کے گچھوں کی مانند۔ مقعد کے اردگرد جس سے خون نہیں نکلتا۔ مقعد سے لیس دار بلغم بلا ارادہ خارج ہو۔ پرانے بواسیری مسوں سے لے کر جگر تک برچھی لگنے کے سے درد۔ پاخانہ سیاہ رنگ کا سخت اور ڈلے دار۔

۱۲ گریفائٹس: بواسیر کے ساتھ امعائے مستقیم کا اخراج مسوں کے درمیان پر درد اور جلن دار شگاف امعائے مستقیم میں جلن خارش اور چبھن۔ خروج امعائے مستقیم بغیر زور لگائے واقع ہو جائے جیسے کہ مقعد کا بند فالج زدہ ہو رہا ہو۔ قبض مزمن جس کے ساتھ سخت دشوار گزار اور گانٹھ دار پاخانے، جلد بیمار اور اس پر پھنسیاں وغیرہ جن سے لیسدار رطوبت خارج ہو۔ مقعد میں شگاف ہو۔

۱۳ ہیمامیلس: بواسیر جس سے بکثرت خون خارج ہو جس کے ساتھ جلن اور سوزش اور بعض اوقات مقعد چھل جائے۔ تھوڑا سا خون نکل جانے سے بھی تکان اور نقاہت۔ ایسا محسوس ہو کہ گویا کمر ٹوٹ جائے گی۔ ناک معدہ یا امعاء سے سست جریان خون ہوتا ہو۔

۱۴ ھائی ڈراسٹس: بواسیر سے قلیل خون خارج ہونے پر بھی نقاہت طاری ہو جائے، قبض، پاخانے ڈلی دار، جھلی سے ڈھکے ہوئے، قولنج رحمی جس کے ساتھ نقاہت اور شدید قسم کی کمزوری۔ معدہ میں ڈوب جانے کا احساس۔

۱۵ اگنیشیا: بواسیر کے ساتھ امعائے مستقیم میں کافی اوپر گولی لگنے کا سا درد۔ مسے ہر مرتبہ پاخانہ پھرنے پر باہر نکل پڑیں اور انہیں اپنی جگہ واپس رکھنا پڑے۔ اعضاء اس طرح سوزش سے پر ہوں جیسے چھل گئے ہوں۔ جب پاخانے کھلے ہوں تو اخراج خونی اور درد بہت شدت کے ہوں۔ پیڑو کے موالی میں کھینچ دار درد ہوں۔ مریض غم زدہ اور معدہ میں خلا کا احساس ہو۔

۱۶ کالی کارب: مسے لمبے اور پر درد ہوں جو پیشاب کرتے وقت کافی باہر نکل آئیں۔ پاخانے لمبے اور دشوار گزار جیسے کہ امعائے مستقیم کی سستی کی وجہ سے ایسی حالت ہو گئی ہو۔ پاخانہ پھرتے وقت سوج جائیں اور ان سے خون بہہ نکلے اور اس کے ساتھ ان میں چبھن اور جلن ہو۔ شدید قبض ہو اور پاخانہ پھرنے سے ایک یا دو گھنٹے قبل سراسیمگی ہو جس کے ساتھ قولنج کی چبھن دار درد ہو۔

۱۷ میوراٹک ایسڈ: مسے باہر نکلے ہوئے جن میں جلن اور سوزشی درد ہوں۔ مسے نیلگوں اور نہایت پر حس اور پر درد۔ اعضاء میں شدت کی کھجلی۔ جس کو کھجلانے سے آرام نہ ہو۔ پاخانے کے ساتھ خون کا اخراج۔ پیشاب کرتے وقت مقعد باہر نکل آئے۔

۱۸ نائٹرک ایسڈ: خونی بواسیر جس کے مسے ہر مرتبہ پاخانہ پھرنے کے بعد باہر نکل آئیں۔ خون کا رنگ چمکیلا، سرخ اور جما ہوا لیکن تھکے دار نہیں ہوتے، امعائے مستقیم میں تیز کاٹنے والا درد جو پاخانہ پھرتے وقت کئی گھنٹوں تک قائم رہے اور کھلے پاخانے کے بعد خراب ترین حالت پرانے بواسیری مسے جن سے بہت زیادہ کیچ خارج ہو۔ پاخانہ پھرنے کے بعد شدت سے خون خارج ہو۔ مقعد میں شگاف پڑ جائیں۔

۱۹ نکس وامیکا: خونی یا بادی بواسیر۔ مسوں میں جلن دار درد اور چبھن، پاخانہ پھرنے کے وقت ہلکے سرخ رنگ کا خون خارج ہو۔ پاخانہ پھرنے کی لاحاصل حاجت بار بار ہو۔ دائمی قبض۔ مریض نہایت متلون اور الگ تھلگ رہنا چاہتا ہو۔ بیٹھے رہنے کی عادت اور شراب خوری میں مبتلا۔

۲۰ فاسفورس: خونی بواسیر جس کے ساتھ نیزہ لگنے کا سا درد۔ ہر مرتبہ پاخانہ پھرنے پر ایک چھوٹی سی دھار کی صورت میں خون خارج ہو۔ امعائے مستقیم میں پھوڑے پیدا ہو جائیں۔ جن سے خون اور پیپ نکلتی رہے۔ پاخانہ باریک لمبا اور سخت دشوار گزار۔

۲۱ پوڈو فائیلم: زچگی کے دوران میں بعد ازاں بواسیر اور خروج مقعد انقباض رحم اور اس کے ساتھ قبض اور بچہ دانی کا بڑا اور پھیلا ہوا رہنا۔ جس کی وجہ سے زچہ بستر پر ہی پڑے رہنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

۲۲ پلسٹلا: زیادہ تر بادی بواسیر جس کے ساتھ مسوں میں درد انگیز بوجھ رہے۔ امعائے مستقیم میں چبھن اور خارش اور مقعد کی سوزش، پیچیدہ اور

ڈھیلی قبض، جس کے ساتھ صبح کے وقت متلی اور منہ بدذائقہ۔ مریضہ کی طبیعت رونے والی اور شکایت وشکوہ کرنے والی بیٹھی حالت سے اُٹھنے پر دوران سر۔ جملہ علامات شام کے وقت خراب تر۔

رسٹاکس: بواسیر پر سوزش۔ ریاح، مسے ہر مرتبہ پاخانہ پھرنے سے باہر نکل آئیں۔ کمر میں کھچاؤ، جو اوپر سے نیچے کی طرف ہوتا ہو۔ امعائے مستقیم میں دباؤ اور تناؤ۔ چھوٹی کمر میں ایسا درد گویا کہ وہ پھٹ گئی ہے جسے حرکت سے آرام معلوم ہو۔ بھیگ جانے اور بوجھ اٹھانے سے حالت خراب تر۔ مریض کی خلقی عادت وجع المفاصل کی طرف راغب۔

سیپیا: عام طور پر خونی بواسیر۔ جس کے ساتھ پاخانہ پھرتے وقت مسے اور امعائے مستقیم باہر نکل آئیں۔ امعائے مستقیم میں متواتر درد اور دباؤ جس کے ساتھ مقعد میں گرمی، جلن اور سوجن۔ امعائے مستقیم سے رطوبت کا اخراج ہوتا رہے۔ مقعد میں گولے کے سے بوجھ کا احساس جو پاخانہ پھر چکنے کے بعد رفع نہ ہو۔

سلفر: بواسیر خونی ہو یا بادی۔ پاخانہ پھرنے کی بار بار حاجت، جو ایک رقیق خونی اخراج کے بعد بھی بدستور قائم رہے۔ مقعد اور موالی مقعد میں نیشن زنی کی طرح جلن اور سوزش۔ پاخانہ پھرتے وقت خروج مقعد۔ کمر میں شدید چبھن دار درد۔ پیشاب کرتے وقت مجری البول میں جلن دار درد۔ نقاہت اور کمزوری کے دورے جو خصوصاً کھڑا ہونے یا چلنے پر واقعہ ہوں۔ سر کی چوٹی پر متواتر حرارت پیدا کرنے والی گرمی۔

ان ادویات کے علاوہ بعض کتب میں دیگر ادویات بھی درج ہیں۔ جن میں (۱) لیکسس (۲) اناکارڈیم (۳) مرکیورلیس (۴) کروٹن ٹگ (۵) کینتھر (۶) تھوجا (۷) ایسکولس ہپوکاسٹینم (۸) کالن سوینا (۹) انٹی موینیم کرڈم۔ اور (۱۰) رٹیھیا وغیرہ شامل ہیں۔ ہم نے طوالت کے پیش نظر ان کی علامات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ کتب میں درج ہیں۔

ہم نے ہومیو پیتھک علامات کے تحت پچیس ادویات درج کر دی ہیں، جن سے ایک معالج کے ذہن میں ادویات اور علامات کا ایک مناسب نقشہ بن جاتا ہے۔

ہومیو پیتھی

ہومیو پیتھی میں عام طور پر تین قسم کی علامات پائی جاتی ہیں۔ جن کے حاصل کئے بغیر علاج ناممکن ہے۔ یہ تینوں قسمیں یہ ہیں:

(۱) کامن سمپٹمز- علاماتِ مشترکہ (۲) جنرل سمپٹمز- علاماتِ خصوصی (۳) پرٹیکولر سمپٹمز- علاماتِ جزوی۔

ان کی تشریح درج ذیل ہے۔

۱ کامن سمپٹمز: یہ ایسی علامات ہیں جو کسی مریض کی حالت مرض میں ظاہری طور پر مشترک ہیں۔ چونکہ عام طور پر ان کا پایا جانا لازمی ہے۔ اس لئے ان کو عمومی علامات (کامن سمپٹمز) کہتے ہیں۔ یہ ایسی ابتدائی علامات ہیں جن سے ہم مریض کو کسی ایک حالت (مرض) سے کسی دوسری حالت (مرض) میں فرق محسوس کر سکتے ہیں۔ ان علامات کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگائیں کہ جب تک علامات مشترک عمومی کو نہ حاصل کیا جائے، ہم اس حالت (مرض) کے لئے کسی دوا کا انتخاب نہیں کر سکتے۔ ان علامات سے کسی علامت کی ایک خاص حالت (مرض) کا تعین ہوتا ہے۔ یہ علامات تشخیص کی بنیاد ہیں۔ مثلاً بخار کی مشترک علامات۔

۲ جنرل سمپٹمز: یہ ایسی علامات ہیں، جن کا تعلق مریض کے اظہار پر ہے جن کو مریض خود بیان کرتا ہے۔ ان کو مریض کی خصوصی علامات کہا جاتا ہے۔ جس سے وہ اپنی حالت (مرض) کی خصوصی صورتیں بیان کرتا ہے۔ جن سے اس کی حالت (مرض) کی کمی بیشی اور تکلیف و بے چینی یا خواہشات واثرات کا پتہ چلتا ہے۔ یہ علامات خصوصی ہی عمومی مشترک علامات کو واضح کر کے اس مریض کے ساتھ مخصوص کر دیتی ہیں۔

مثلاً مریض کو بخار ہو تو یہ بخار کی عمومی مشترک علامت ہے۔ جو ہر بخار کے مریض میں پائی جاتی ہے۔ لیکن جب کوئی مریض بیان کرے گا کہ اس کو گرمی کے احساس میں کس قدر شدت ہے یا باوجود بخار ہونے کے جسم میں سردی کی کیفیت ہے، پیاس ہے یا نہیں، کہیں درد یا جلن کا احساس ہے۔ پاخانہ اور پیشاب میں کمی بیشی، بھوک کی زیادتی یا بھوک بند یا کھانے پینے سے نفرت وغیرہ ایسی علامات ہیں جو صرف مریض ہی بیان کر کے اپنی حالت (مرض) کو محفوظ کر سکتا ہے۔

پرٹیکولر سمپٹمز: علامات جزوی۔ یہ ایسی علامات ہیں جو جسم کے کسی حصہ یا عضو سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ علامات عمومی بھی مشترک ہو سکتی ہیں اور علاماتِ خصوصی میں مریض بھی بیان کر سکتا ہے۔ ان جزوی علامات سے عمومی اور خصوصی علامات میں یعنی حالت مرض اور دوا کے بے خطا اثرات سامنے آجاتے ہیں۔ مثلاً بخار کی عمومی حالت اور مریض کے خصوصی اظہار بیان کے ساتھ جزوی علامات ظاہر کرتی ہیں کہ جسم کے فلاں حصہ یا عضو میں جلن و درد اور سرخی و ابھار۔ اسی طرح پھوڑا و پھنسی اور دباؤ اور تناؤ وغیرہ کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ہم کسی صحیح حالت (مرض) یا دوا کا تعین کر سکتے ہیں۔

ہم نے ہومیو پیتھی کے اقسام علامات و اصول علامات اور انتخاب علامات کو پورے طور پر ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ ہمارے اعتراض پڑھ کر وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم ہومیو پیتھی کی علامات کو سمجھے بغیر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اعتراضات سے مراد ہومیو پیتھی کی برائیاں نہیں ہیں، بلکہ اس میں جو خامیاں ہیں ان کو پیش کر دیا جائے تاکہ اس طریقہ علاج سے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کئے جا سکیں۔ اگر ایسا ممکن نہیں ہے، تو پھر اس لاش کو اٹھائے پھرنا ملک اور قوم پر بے معنی بوجھ ہے۔

علامات اور مرض کا فرق

ہومیو پیتھی میں امراض کا ذکر نہیں ہے، بلکہ علم الامراض کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے، جس سے تعریف مرض و حالت مریض کا پتہ چلتا ہے۔ حقیقت مرض جس میں مرض و علامات کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ ماہیت مرض جس میں مرض کی علامات اور ان کی تبدیلیوں کا علم ہوتا ہے جس کو انگریزی طب میں پیتھالوجی کہتے ہیں۔ لیکن جب ہومیو پیتھی کی علامات کو دیکھتے ہیں، چاہے وہ عمومی ہوں یا خصوصی اور چاہے وہ جزوی ہوں، ان میں شاید ہی کوئی ایسی علامت ہو جس کو طب و آیورویدک اور فرنگی طب اور دیگر طریق ہائے علاج نے امراض نہ لکھا ہو اور ان کا علاج امراض کے نہ کیا گیا ہو۔ گویا یہ بھی ایک غلط فہمی ہے کہ امراض کو علامات تسلیم کر لیا گیا ہے۔

ہومیو پیتھی میں علامت کی نہ کوئی تعریف بیان کی گئی ہے اور نہ کوئی مخصوص صورت بیان کی گئی ہے اور نہ ہی کہیں علامت اور مرض کا فرق بیان کیا گیا ہے۔ جب ان کی علامات عمومی و خصوصی اور جزوی کو دیکھا جاتا ہے وہ سب امراض کے مجموعے ہیں۔ بلکہ ان کی کتب میں انہی حالات کے تحت علاج تحریر ہیں۔ وہ سب کے سب امراض ہیں۔ کیا دُنیا کا کوئی ہومیو پیتھ ایسا ہے جو ان ناموں کو بدل دے مثلاً بخار ایک علامت ہے۔ ہم بھی اس کو علامت ہی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اس کی عمومی و خصوصی اور جزوی کوئی بھی صورت ہو، دُنیا کے تمام طریق ہائے علاج نے اس کو مرض تسلیم کر کے علاج کیا ہے۔ ان کے برعکس ہومیو پیتھی کو چاہیئے تھا کہ وہ بخار کی کسی حالت یا علامت کا عنوان نہ بناتی۔ مگر انہوں نے یہ عنوانات قائم کئے اور ان کے تحت علامات بیان کر کے اسباب تک لکھ دیئے جن کا ذکر ان کے ہاں گناہ ہونا چاہئے تھا۔ ان کے اسباب و علاج تو صرف ادویہ ہیں، یعنی دوا کی زیادتی اسباب ہیں اور دوا کی تقلیل علاج۔ لیکن انہوں نے اس پر بھی بس نہیں کی بلکہ اپنی کتب میں ہر قسم کے بخار کو عنوان بنا کر علاج لکھ دیئے ہیں اور تمام امراض کے ساتھ یہی حشر کیا ہے۔ ان کو چاہیئے تھا کہ بخار کو حرارت کے نام کی علامت قرار دیتے پھر اس کی شدت و خفت اور سردی و گرمی کے ساتھ ان کے اندرونی و بیرونی احساس کو سامنے رکھ کر علاج بیان کرتے۔ ایک جگہ پر ہر قسم کے بخاروں کا علاج ہو جاتا اور معالج کو بھی علاج

کرنے میں سہولت ہوتی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ علامت بخار عمومی علامت ہے۔ لیکن بخار کے تمام اقسام جزوی علامت میں شریک ہیں۔ ایسی صورتیں دیگر علامات میں بھی پائی جاتی ہیں۔

علامات کے باہمی فرق

ہومیوپیتھی میں جس قدر بھی علامات درج ہیں۔ ان کی کمی بیشی اور ان کی مختلف صورتوں کے باہمی فرق کی کہیں تشریح نہیں ہے۔ مثلاً درد وجلن اور ورم و بخار وغیرہ نہایت اہم علامات میں شریک ہیں۔ ان میں کمی بیشی اور مختلف صورتوں کا سمجھنا مشکل ہے۔ جیسے درد کی کمی بیشی کے ساتھ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان میں ٹیس مارنے والا درد چوٹ مارنے والا اور چیرنے والا درد وغیرہ مختلف اقسام کے درد ہیں۔ ان کے فرق کو کہیں نہیں سمجھا گیا ہے۔

بواسیر کی علامات

یہ ساری تمہید اس لئے بیان کی گئی ہے کہ ہم بواسیر کی علامات کے متعلق لکھ سکیں۔ حالت بواسیر میں جو علامات بیان کی گئی ہیں، ان میں عمومی علامات یہ ہیں جیسے مقعد سے مواد کا رسنا اور مسوں کا ہونا۔ خصوصی علامات میں مقعد میں درد جلن اور خون و رطوبت کا اظہار۔ ان کے علاوہ قبض کی کیفیت۔ جزوی علامات میں مسوں کی شکل و صورت اور مقعد کی حالت وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان علامات کے متعلق یہ سمجھ لیں کہ اوّل تو یہ ساری علامات مرکب ہیں۔ یعنی مختلف علامات کے مجموعوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً علامت درد ایسی علامت ہے جو کسی عضو میں انقباض و سوزش اور خون و بلغم کے دباؤ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہی صورتیں جلن و ورم اور بخار میں بھی پائی جاتی ہیں۔ دوسرے ان علامات میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس عضو میں پیدا ہوئی ہیں۔

ظاہر ہے کہ مقعد ایک مرکب عضو ہے۔ وہاں پر اعصاب اور عضلات کے ساتھ غشائے مخاطی بھی پائے جاتے ہیں۔ اس صورت میں یہ تعین کرنا مشکل ہے کہ درد و جلن اور ورم و مسے کن اعضاء کے ساتھ متعلق ہیں۔ ان کے سمجھے بغیر بواسیر کا علاج آسان نہیں ہوسکتا۔ اور دوا کے انتخاب میں بھی آسانی نہیں ہوسکتی۔

زہریلی علامات

ڈاکٹر ہانمن پہلے شخص ہیں جنہوں نے جسم انسان میں پیدا ہونے والے زہروں کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ بواسیر کا تعلق سائیکوسس زہر کے ساتھ ہے۔ اس کے علاج میں اسی زہر کو مدنظر رکھنا چاہئے اور انہی علامات کو لکھنا چاہئے جو اس زہر سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ علامات اپنے مقام و اثر اور شکل و صورت کے لحاظ سے سفلس اور سورا کے زہروں سے مختلف ہیں۔ لیکن علاج میں جن ادویات کو بیان کیا گیا ہے۔ ان میں تینوں زہروں کی علامات پائی جاتی ہیں۔ مختصر طور پر ہم نے علامات کے متعلق کچھ لکھ دیا ہے تا کہ بواسیر اور اس کے علاج میں سہولت پیدا ہوجائے۔ علامات پر اس کے علاوہ بھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ لیکن ہم نے طوالت کی وجہ سے نظر انداز کر دیا ہے۔

ڈاکٹر ہانمن اور تین انسانی زہر

ڈاکٹر سیموئیل ہانمن موجد ہومیوپیتھی پہلے محقق ہیں جنہوں نے تین ایسے زہروں کا ذکر کیا ہے جو جسم انسان میں ایک خاص کیفیت اور مزاج پیدا کر دیتے ہیں۔ اور تاکید کی ہے کہ علاج کے دوران ان زہروں کو مدنظر رکھتے ہوئے ادویات کا انتخاب کرنا چاہئے۔ واقعی یہ قابل تعریف تحقیق اور علاج میں یقینی تجویز ہے۔ ان زہروں کے متعلق انہوں نے اپنی کتاب آرگینن (کلیات) میں مختلف مقامات پر خاص ناموں سے ذکر کیا

ہے۔وہ نام سفلس، سائیکوسس اور سورا ہیں۔جن کو ہم نے آتشکی مادہ، بواسیری مادہ اور سوزا کی مادہ کا نام دیا ہے۔

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ڈاکٹر موصوف نے ان تینوں زہروں کے متعلق اپنے جو خیالات پیش کئے ہیں۔وہ ایک تصور سے زیادہ نہیں ہیں۔کیونکہ انہوں نے ان کی حقیقت و ماہیت کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی اور جہاں اور بھی انہوں نے وضاحت بیان کرنے کی کوشش کی ہے وہاں پر ان کو باہم خلط ملط کر کے الجھایا ہے۔جس سے ظاہر ہے کہ ان کے متعلق ڈاکٹر موصوف کا علم ایک تصور سے زیادہ نہیں ہے۔انہوں نے اپنی کتاب آرگینن (کلیات) میں اور بھی بہت سی غلطیاں کی ہیں۔لیکن ان پر ہم باقاعدگی سے پھر لکھیں گے یہاں پر ان تین زہروں کے متعلق لکھ رہے ہیں گزشتہ آتشکی مادہ میں بھی اس کی غلط فہمی پر لکھ چکے ہیں۔

ڈاکٹر ہانمن کی تشریح

آرگینن (صفحہ ۷۹) میں تحریر ہے:''آج تک صرف مرض آتشک ہی کو ایک ایسی زہریلی مرض تسلیم کیا گیا ہے جو علاج سے رفع نہ ہونے کی حالت میں مریض کی زندگی کے ساتھ ہی دفع ہو سکتی ہے۔مرض سائیکوسس (Sycosis) یعنی گانٹھ دار جلدی مرض (یہ گانٹھ دار اُبھار عام طور پر چہرہ اور تلوؤں پر دیکھنے میں آتے ہیں) بغیر مناسب علاج کی مدد کے روح رواں (Vital Force) کی اپنی طاقت سے اتنی ہی ناقابل علاج ہے جتنی کہ آتشک جس کو اب تک ایک خاص زہریلی مزمن مرض کا درجہ نہیں دیا گیا۔لیکن دراصل یہ ایک علیحدہ مرض ہے۔معالج لوگوں نے اس مرض کے علاج میں جس وقت جلد کے اُبھاروں کو دور کر دیا تو یقین کر لیا کہ خود مرض ہی دفع ہو گیا ہے۔لیکن وہ اس کے طرح طرح کے اندرونی بگاڑ کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

صفحہ ۸۰ میں تحریر ہے کہ مذکورہ بالا مرض امراض آتشک اور جلدی اُبھار (سائیکوسس) سے بھی زیادہ زبردست اور توجہ طلب ہے۔کھجلی کا مادہ (سورا) مزمن زہر ہے۔آخر الذکر یعنی سائیکوسس بھی مرض آتشک اور مرض دانہ دار اُبھار (سائیکوسس) کی طرح اپنے زہر کو ظاہر کرتا ہے۔ آتشک کے اندرونی مادہ کا اظہار بادفرنگ سے ہوتا ہے اور مرض سائیکوسس کا گوبھی کے پھول کی شکل جیسے اُبھاروں سے اسی طرح کھجلی کا مادہ (سورا) کا زہر جس وقت تمام جسم کے اندر مکمل طور پر سرایت کر جاتا ہے تو اپنے آپ کو ایک خاص جلدی اُبھار کے ذریعے ظاہر کرتا ہے۔اس اُبھار میں بعض اوقات صرف چند دانے ہوتے ہیں اور ان میں ناقابل برداشت خارش ہوا کرتی ہے اور گدگدی سی محسوس ہوتی ہے۔اس کے علاوہ دانوں میں خاص قسم کی بو پائی جاتی ہے۔

صفحہ ۲۰۴: اگر ہم ان تمام مزمن امراض اور بگاڑوں کو نظر انداز کر دیں جو کہ طرزِ معاش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔نیز ان بے شمار امراض دوائی والی امراض کو بھی نظر انداز کر دیں جو کہ طرزِ معالجہ کے ماہرین کی فضول خطرناک اور نامعقول تدبیروں سے ظہور پذیر ہوتی ہیں (حالانکہ معالجہ کے وقت اصلی مرض بالکل خفیف سا ہوتا ہے) تو باقی سب بیماریاں ان تین مزمن زہریلے مادوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔اندرونی سفلس۔ اندرونی سائیکوسس۔لیکن عموماً زیادہ تعداد میں اندرونی سورا (کھجلی کا مادہ) ان تین میں سے ہر ایک جب کبھی جسم میں سرایت کر جائے تو یہ جسم کے اوپر اپنا غلبہ پالیتا ہے اور تمام حصوں میں پھیل جاتا ہے۔اس کے بعد ان میں سے ہر ایک کی خاص خاص ابتدائی اور قائم مقامی علامات نمودار ہوتی ہیں۔کھجلی کے مادہ کی صورت میں جلدی کھجلی، آتشک کی صورت میں بادفرنگ یعنی شینکر اور سائیکوسس کی صورت میں گوبھی کی شکل والے اُبھار۔ اگر ہم ان مزمن زہریلے مادوں والی بیماریوں کو ان کی مقامی علامات سے محروم کر دیں، تو زبردست قدرت کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ زہریلے مادے جسم کے اندر ہی اندر ترقی کر کے جلدی یا دیر سے نہایت خطرناک صورت میں ظاہر ہوں اور ان بے شمار تکلیف دہ امراض کا باعث بنیں جن کے ہاتھوں

انسان کی نسل صدہا سال سے نالاں ہے۔ کاش معالج ان تین زہریلے امراض کا مناسب اندرونی ہومیوپیتھک ادویہ کے ذریعے سے علاج کرتے اوران کی مقامی علامات کے لئے کوئی خارجی ادویہ استعمال نہ کرتے۔ تب ممکن تھا کہ وہ ہولناک امراض اس قدر کثیر تعداد میں ہرگز ظاہر نہ ہوتے۔

صفحہ ۲۰۶: کسی مزمن مرض کا علاج شروع کرنے سے پیشتر یہ دریافت کرلینا نہایت ضروری ہے کہ مریض کے اندر امراض زہرہ میں سے کسی کی سرایت تو نہیں ہوئی۔ کیونکہ اگر ہوئی ہو تو علاج صرف اسی کی طرف مبذول کیا جائے۔ بشرطیکہ صرف آتشک کی علامات موجود ہوں یا اس سے کم ہونے والے مرض کی جس میں گو بھی کی شکل کے اُبھار ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بیماری (آتشک) آج کل شاذ و نادر ہی اکیلی دیکھنے میں آتی ہے۔ اگر اس قسم کی سرایت بہت پہلے کبھی واقع ہو چکی ہو تو معالج اس کا بھی خیال کرے اور جب صرف آتشک کی علامات کے علاوہ اور کئی علامات موجود ہوں تو وہ عموماً سورا (کھجلی کا مادہ) کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ ایسی حالت میں سورا اور سفلس کے مادے باہم مل کر مرض کو پیچیدہ بنا دیتے ہیں۔ جس وقت معالج کا یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کے سامنے مزمن امراض زہروں میں سے کوئی بیماری ہے تو دراصل اس کو کسی آتشکی مرض کا جس کے ہمراہ سورا (کھجلی کا مادہ) بھی ہوتا ہے علاج کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ مزمن امراض کے بنیادی اسباب میں سے اندرونی کھجلی کا بگاڑ سب سے بڑا سبب سورا (کھجلی کا مادہ) یا آتشک کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے اور مادہ سائیکوسس کے ساتھ اور وہ بھی آتشک یا سوزاک کے امراض کا بنیادی سبب ہوتا ہے۔ خود ان امراض کے کوئی بھی مختلف نام کیوں نہ ہوں۔ علاوہ ازیں یہ مزمن امراض ایلوپیتھک غلط تدابیر کی وجہ سے نہ صرف ترقی کرتی رہتی ہیں بلکہ بعض ملکوں میں عجیب وغریب قسم کی ہولناک صورتیں اختیار کرتی ہیں۔

ڈاکٹر ہانمن کی غلط فہمی

ان تمام اقتباسات کو غور سے پڑھا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جناب ڈاکٹر موصوف نے ان تین زہروں کی نہ حقیقت پر روشنی ڈالی ہے اور نہ ہی اس کی ماہیت کی تشریح کی ہے۔ اور جہاں تک ان مادوں کی پیدائش اور ترتیب کا تعلق ہے، اس میں الجھاؤ پیدا ہو گیا ہے۔ یعنی سورا، سفلس اور سائیکوسس کیا مادے ہیں۔ ان کے خواص وفوائد اور افعال واثرات کیا ہیں۔ ان کی پیدائش کیسے ہوتی ہے اور ان کے آپس میں ملنے کی ترتیب کیا ہے۔ ایک کا دوسرے پر کیا اثر ہے۔ یہ سب کچھ اندھیرے میں ہے۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ مزمن امراض کے علاج میں ان تینوں زہروں کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ عام امراض میں ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ سفلس شینکر (آتشک) ہے۔ سائیکوسس جلدی اُبھار کا مرض ہے اور سورا اینا زہر ہے جس سے کھجلی پیدا ہوتی ہے۔ یہ جدا جدا بھی مرض پیدا کرتے ہیں اور مل کر خوفناک امراض پیدا کر دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں زہر اپنی جگہ مستقل مادے ہیں جو جسم کے مختلف اعضاء کی خرابی سے پیدا ہو کر خون میں شریک ہوتے ہیں۔ ہر زہر ایک دوسرے کے مخالف ہے، کیونکہ ایک کی پیدا شدہ امراض دوسرے سے مختلف ہیں۔ جس قدر ادویات دُنیا میں پائی جاتی ہیں، چاہے وہ جمادات ہوں یا نباتات اور حیوانات، وہ کھار، ترشی اور نمک سے خالی نہیں ہیں، اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ سورا و سفلس اور سائیکوسس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لئے ان تینوں زہروں کی حقیقت و ماہیت اور پیدائش وترتیب کا جاننا علم وفن میں زبردست انقلاب ہے۔

ڈاکٹر کینٹ کی تشریح

گزشتہ صفحات میں ہم نے ڈاکٹر ہانمن موجد ہومیوپیتھی کی وہ تحقیقات پیش کی ہیں جو انہوں نے سائیکوسس (بواسیری مادہ) کے متعلق اپنی کتاب آرگینن (کلیات) میں تحریر کی ہیں۔ ہم نے ثابت کیا ہے کہ ان کو ان عفونتی مادوں کا تصور ضرور ہے۔ مگر ان کی انفرادی حقیقت و ماہیت اور علامات واثرات کو واضح الفاظ میں بیان نہیں کیا۔ بلکہ کہیں سورا کو سفلس میں منتقل کر دیا ہے۔ کہیں سفلس میں سائیکوسس کو شامل کر دیا ہے اور کہیں

سائیکوسس کو سورا کی پیداوار ثابت کیا ہے۔ پھر عام امراض اور عفونتی امراض میں کوئی تفریق قائم نہیں کی گئی ہے۔

اب ہم ڈاکٹر جیمز ٹائلر کینٹ (اے ایم - ایم ڈی) جو ڈاکٹر ہانمن موجد ہومیوپیتھی کے نامور اور چوٹی کے شارح ہیں، کے خیالات اور تحقیقات پیش کرتے ہیں۔ ان سے ایک طرف سائیکوسس وسورا اور سفلس پر روشنی پڑے گی اور دوسری طرف اس حقیقت کا علم ہو جائے گا کہ ڈاکٹر ہانمن اور ان کے بہترین ساتھیوں نے ان عفونتوں کو کس انداز میں سمجھا ہے۔ وہ اپنی کتاب ''لیکچرز اون ہومیو پیتھک فلاسفی'' جس کا ترجمہ سید عنایت حسین شاہ صاحب بخاری ایم اے نے کیا ہے، میں فرماتے ہیں:

بنی نوع انسان میں تین مزمن عفونتیں پائی جاتی ہیں، جن کو (۱) سورا (۲) سفلس اور (۳) سائیکوسس کہا جاتا ہے۔ سب سے بڑی اور دشوار مزمن مرضیاتی حالتیں وہ ہوتی ہیں جن میں یہ تینوں عفونتیں باہم مخلوط پائی جاتی ہیں۔ یا ان تینوں کے بعض حصوں یا حالتوں کو دواؤں کے غلط اور بے احتیاطی کے استعمال سے پیچیدہ بنا دیا گیا ہے۔ ایسی صورتوں میں جب دوائیہ اثرات رفع کئے جا چکیں تو اصل عفونتوں کے مطالعے و مشاہدہ کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اکثر مریضوں میں یہ عفونتیں دوائیہ اثرات کے تحت پیچیدہ بنا دی جاتی ہیں۔ اس لئے جب بھی مزمن امراض سے واسطہ پڑتا ہے تو ساتھ ہی مزمن دوائیہ اثرات سے بھی نپٹنا اور ان دواؤں کی قوت حیات پر جو اثرات مرتب ہوئے ہوں، ان کا مطالعہ کرنا اور جائزہ لینا پڑتا ہے۔

سورا ہی تمام امراض جسمانی کا مبداء اور مصدر ہے۔ اگر سورا عفونت کی حیثیت میں بنی نوع انسان پر مسلط ہو جاتا ہے تو دوسرے دو مزمن مرضوں کا وجود غیر ممکن ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی انسان شدید امراض کے لئے استعداد قبول مرض بھی ممکن نہ رہتی۔ جملہ امراض انسانی کی بنیاد ہی سورا ہے، کیونکہ اس پر بھیانک عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ یہی پہلا مرض ہے اور باقی تمام امراض اس کے بعد وجود پذیر ہوئے۔

دوسرے لفظوں میں پہلا بنیادی سبب سورا اور دوسری مزمن عفونتیں سفلس اور سائیکوسس ہیں۔

ہانمن اپنی کتاب مزمن امراض میں تذکرہ کرتے ہیں کہ سورا سب سے قدیم و عالمگیر اور انتہائی مہلک عفونتی مرض ہے۔ اس کے باوجود اسی کے ادراک وفہم میں انتہائی غلط فہمی واقع ہوئی ہے۔ سورا انتہائی عفونتی مرض ہے جو اب تک علم انسان میں آیا ہے۔

تینوں مزمن عفونتیں سورا، سفلس اور سائیکوسس متعدی اور وبائی ہیں۔

آتشک وہ مرض ہے جو ناپاک مجامعت کے نتائج سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ وہاں جانے سے جہاں آتشک ہو یا ان افراد سے میل جول رکھنے سے جو اس میں مبتلا ہوں، یہ مرض وجود پذیر ہوتا ہے۔ یہ ایک عمل ہے۔ ایک فعل ہے۔ لیکن یہ حیثیت سورا کی نہیں ہے۔ وہ اس کا اکتساب اور جستجو نہیں کرتا۔ وہ کسی ایسی جگہ نہیں جاتا جہاں سورا ہو۔

قدیم یا ابتدائی سورا نے اپنے ساتھ سفلس اور سائیکوسس کو بھی جمع کر لیا ہے۔ پھر انہوں نے اجتماعی حیثیت سے ترقی کرتے ہوئے ایک حالت اور حیثیت حاصل کر لی ہے۔

سورا نے اس قدر ترقی کی ہے کہ یہ سب سے زیادہ متعدی بن گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ جس قدر پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتا جاتا ہے، اس قدر ذرّیت انسانی میں اس کے لئے اثر پذیری بڑھتی جا رہی ہے اور یہ چھوت پرانے مرض میں زیادتی کا باعث ہوتی ہے۔ جوں جوں یہ بڑھتا جاتا ہے، بچوں میں دوسری عفونتوں کی ذکاوت حس پیدا ہوتی جاتی ہے۔ موجودہ نسل انسانی تینوں عفونتوں یعنی سورا، سفلس اور سائیکوسس کے لئے شدید اثر پذیری رکھتی ہے۔ ہانمن کے نزدیک سورا ہی تمام مزمن امراض کا مشترک سرچشمہ ہے یا موجودہ دور میں مزمن امراض کم از کم ۸/۷ حصے کا باعث سورا ہی ہے۔

ایک ایسے مریض کو لیجئے جو دس پندرہ سال تک سائیکوسس کے عارضہ میں مبتلا رہا ہو، اس کا چہرہ پلپلا اور پھیکا ہوتا ہے۔ جسم پر مسے اور گومڑیاں نکل آتی ہیں، ہونٹ زرد پڑ جاتے ہیں، کان شفاف دکھائی دینے لگتے ہیں اور وہ انحطاط و اضمحلال کی طرف جا رہا ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کئی ایک عوارض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ [صفحہ ۲۵۷-عنوان سائیکوسس]

یاد رہے کہ ناک کا نزلہ بھی اکثر حالتوں میں سائیکوسس ہو سکتا ہے اور ایسا نزلہ عموماً سوزاک اخراج کے مواد کے دب جانے کے بعد لاحق ہوتا ہے۔ یہ نزلہ یا سوجن نتھنوں میں جگہ پکڑ لیتی ہے۔ [صفحہ ۲۵۷-عنوان سائیکوسس]

البتہ یہ ایک عجیب بات ہے کہ سائیکوسس صرف نرم خلیات پر اثر انداز ہوتا ہے اور ہڈیوں پر کچھ اثر نہیں کرتا۔ لیکن آتشک نرم خلیات کے علاوہ ہڈیوں پر بھی اثر کرتی ہے۔ البتہ سورا پورے جسم پر اثر انداز ہوتا ہے۔ کوئی حصہ یا عضو اس کے اثر سے محفوظ نہیں رہتا۔ وہ پورے جسم میں ایک عام انحطاط کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ [صفحہ ۲۶۰-عنوان سائیکوسس]

یہ مرض اپنا اظہار پھنسیوں وغیرہ کے ذریعے سے نہیں کرتا۔ سوا اس کے مسے اور گومڑیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ سفلس یا سورا کی سی خارش یا جلدی بیماری کے توسط سے ظاہر نہیں ہوتا بلکہ وجع المفاصل کی حالتوں اور کمی خون کی کیفیتوں کے واسطے سے نمودار ہوتا ہے۔ یہ پہلے پہل خون پر قابو پاتا ہے۔ [صفحہ ۴۴۲-عنوان سائیکوسس]

ڈاکٹر کینٹ کی کتاب کے اس ۴۴۲ صفحات کے ترجمہ میں سائیکوسس کو ذہن نشین کرنے اور اس کا سورا اور سفلس سے جو تعلق ہے، اسے پوری طرح بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر اس میں سائیکوسس کی حقیقت و ماہیت اور پیدائش و امراض سے کیا تعلق ہے، کوئی وضاحت معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ ان عفونتوں کو سمجھنے میں اور مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ مثلاً جب یہ عفونتیں آپس میں مل جاتی ہیں تو تین قسم کی عفونتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یعنی (۱) سورا اور آتشک کا مرکب (۲) سورا اور سائیکوسس کا مرکب اور (۳) آتشک اور سائیکوسس کا مرکب۔ ان سب سے بڑھ کر سورا اور آتشک اور سائیکوسس تینوں عفونتوں کا مرکب ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ ان نئے مرکبوں کی علامات کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا۔ اس کے علاوہ ان عفونتوں اور امراض کا ذکر ہے۔ مگر ان کی علامات کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس طرح زہریلی ادویات کے اثرات کو عفونتوں پر تسلیم کیا گیا ہے کہ ان کے اثرات دب جاتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ دب کر عفونتیں کہاں چلی جاتی ہیں۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہومیوپیتھی کے بنیادی نظریہ کے تحت تندرست انسان پر ادویات کے استعمال سے جو علامات پیدا ہوتی ہیں انہی علامات کے لئے وہی دوا قلیل مقدار میں دینا چاہیے پھر ہومیوپیتھی میں عفونتوں اور متعدی امراض کا ذکر کیا معنی رکھتا ہے۔

بہر حال یہ امر قابل غور ہے کہ جب تک ان مسائل کا حل پیدا نہیں ہوگا، ہومیوپیتھی کی ترقی ناممکن ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جب ہر چوٹی کا ہومیوپیتھ اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ اس میں بہت حد تک ترقی اور اصلاح کی ضرورت ہے، تو پھر ان امور پر غور کرنا ناگزیر ہے۔

بواسیری مادہ کی صحیح تحقیق

بواسیری مادہ ایک ایسا زہر ہے جس کی پیدائش جسم انسانی میں ہی ہوتی ہے۔ یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ جب تک جسم میں بواسیری مادہ پیدا نہ ہو، اس وقت تک جسم میں بواسیر کے اثرات اور علامات ظاہر نہیں ہوتے۔

یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ بواسیری زہر جب جسم میں پیدا ہوتا ہے تو اس کے اثرات تمام جسم میں سر سے پاؤں تک خاص طور پر مقعد اور رحم میں نمایاں ہوتے ہیں۔ جس کے ثبوت میں بواسیر کے مسوں کے علاوہ ناک ولب اور رحم کے بواسیری مسے پیش کئے جاسکتے ہیں۔ بلکہ جسم انسان میں کسی جگہ بھی مسے نمودار ہوں، وہ بھی بواسیری مادہ کے اثرات ہیں۔

یہ بات یاد رکھیں کہ جب جسم انسان میں بواسیری مادہ کا زہر ہوگا، اس وقت جسم میں کوئی دوا یا زہر اثر نہیں کرے گا۔ خصوصاً انسانی زہروں میں آتشکی زہر اور سوزاکی زہر یا ان کے مادے یا جراثیم بالکل اثر نہیں کرسکتے۔ اگر یہ زہر اثر کرجائیں تو سمجھ لیں کہ بواسیری زہر ختم ہوگیا ہے۔ دوسرے یہ امر بھی ذہن نشین کرلیں کہ بیک وقت دو زہر نہ تو جسم پر اثر انداز ہوسکتے ہیں، اور نہ ہی آپس میں مل سکتے ہیں۔ یہ نظریہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ زہر کے اثرات مختلف اعضاء پر ہوتے ہیں، اور ہر ایک کا کیمیائی مرکب ایک جدا صورت رکھتا ہے۔ یہ قانون فطرت ہے کہ جب کسی ایک زہر میں دوسرا زہر اثر انداز ہوتا ہے تو دونوں کے اثرات باطل یا کمزور ہوجاتے ہیں۔ البتہ ایک ہی انداز اور تحریک کے دو زہر ضرور ممد و معاون ہوتے ہیں۔

جب ایک زہر میں دوسرا زہر اثر کرتا ہے تو وہ پہلے زہر کے اثرات کو ختم کرنا شروع کردیتا ہے۔ بشرطیکہ دوسرا زہر اپنی مقدار اور طاقت میں زیادہ ہو، ورنہ پہلا زہر پھر غالب آجاتا ہے۔ کیوں کہ پہلے زہر کے کیمیائی اثرات خون میں شریک ہوتے ہیں اور دوسرا زہر ابتداء میں صرف عضوی طور پر اثرات پیدا کررہا ہوتا ہے۔ جب تک وہ خون میں کیمیائی اثرات کو ختم نہ کرے، پہلے زہر کے اثرات ختم نہیں ہوتے۔ وہ دوبارہ نمایاں ہوکر زہریلے اثرات کو ختم کردیں گے اور عضوی افعال کو بدل دیں گے۔ یہی صورت صحت اور مرض میں بھی ہے۔ یعنی صحت کی حالت میں جب کوئی مرض اثر انداز ہوتا ہے تو اس کا پہلا اثر کسی مفرد عضو پر ہوتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اس کا اثر خون کے کیمیائی اثرات (اخلاط) کو بدلتا ہے۔ جب تک خون کے کیمیائی اثرات میں تبدیلی پیدا نہ ہو، مرض قیام پذیر نہیں ہوتا۔ رفتہ رفتہ خود بخود ختم ہوجاتا ہے اور جس کسی عضو میں خرابی واقع ہوگئی تھی، وہ رفع ہو جاتی ہے۔ کسی دوا کی ضرورت پیدا نہیں ہوتی۔ یہی صحت و مرض کا راز ہے اور یہی قوتِ شفا ہے۔

غلط فہمی

عام طور پر ایک غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ آتشک اور سوزاک دونوں اکٹھے ہوجاتے ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ سوزاک کے ساتھ آتشک کے زخم بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سوزاک اور آتشک دونوں مختلف زہر ہیں اور کبھی اکٹھے نہیں ہوسکتے۔ اگر سوزاک کے ساتھ آتشک کے اثرات اختیار کریں گے تو سوزاک کے اثرات خود بخود ختم ہوجائیں گے۔ اگر سوزاک کے اثرات ختم نہ ہوئے تو آتشک کے اثرات خود بخود

رفع ہوجائیں گے۔

یہی صورت بواسیری مادہ میں بھی پائی جاتی ہے کہ جب تک خون میں بواسیری زہر پایا جاتا ہے۔اس وقت تک نہ سوزاک کا زہراثر کر سکتا ہے اور نہ ہی آتشک کا زہر غلبہ پاسکتا ہے۔اگر ان میں سے کسی ایک کا اثر بھی خون میں کیمیائی طور پر غلبہ پا گیا ہے تو یقیناً بواسیری مادہ ختم ہو جائے گا۔ورنہ بواسیری مادہ دیگر زہروں کو رفع کردے گا۔

بواسیری مادہ کی پیدائش

جسم میں خون ایک ایسا ماحول ہے جو دِل اور اس کے عروق (شرائن ورید) میں دوڑتا پھرتا ہے۔یہ مسلمہ حقیقت ہے،خون مرکب ہے، چاہے اس کو اخلاط سے مرکب تسلیم کرلیں جیسا کہ ہم نے ثابت کیا ہے۔یا اس کے عناصر سے مرکب سمجھ لیں۔ بہر حال خون مرکب ہے، یہ مرکب اس لئے ہے کہ جسم جو خود مفرد اعضاء ہیں،ان کی غذا بنتا ہے۔اس لئے قدرت نے جسم میں ایسا خودکار نظام بنایا ہوا ہے کہ جب بھی کسی مفرد اعضاء (ٹشوز) کی طرف سے غذا طلب ہوتی ہے،وہاں پر خون پہنچ کر مخصوص قسم کی غذا کا اخراج شروع کر دیتا ہے اور دوسری طرف اسی قسم کی غذا خون میں زیادہ سے زیادہ بننا شروع ہو جاتی ہے۔مثلاً جب دماغ اور اعصاب میں غذا کی طلب ہوتی ہے یعنی ان میں تیزی آ جاتی ہے تو خون میں ایسی رطوبات اخراج پاتی ہیں،جن میں کھاری پن (الکلی) زیادہ ہوتی ہے جس کو طب میں بلغم کہتے ہیں۔اسی طرح جب دِل اور عضلات میں غذا کی طلب ہوتی ہے یا ان کے افعال میں تیزی آ جاتی ہے تو خون میں ایسی رطوبات اخراج پاتی ہیں جن میں ترشی (تیزابیت) زیادہ ہوتی ہے۔بالکل یہی صورت جگر اور غدد کی طلب کی ہوتی ہے۔یعنی جب ان میں تیزی آ جاتی ہے تو خون میں ایسی رطوبات اخراج پاتی ہیں جن میں صفراء (بائل) ہوتا ہے جو اپنے اندر خاص قسم کی حرارت رکھتا ہے۔

جب یہ رطوبت جسم کسی مفرد عضو پر گرتی ہے تو اس عضو کو جس قدر ضرورت ہوتی ہے،وہ حاصل کر لیتا ہے اور جو بچ جاتی ہے تو طبیعت اپنے خودکار طریق پر اس کو جذب کر کے پھر خون میں شامل کر دیتی ہے۔لیکن بعض دفعہ رطوبت اس قدر زیادہ ہوتی ہے جو تمام کی تمام جذب نہیں ہو سکتی تو طبیعت اس کو وہاں سے ختم کرنے کے بعد اس میں خمیر پیدا کر دیتی ہے۔بس یہی خمیر در خمیر جب بڑھتا رہتا ہے تو آخر کار زہریلے اثرات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔جیسے تازہ دودھ دوسرے روز دہی بن جاتا ہے اور یہی دہی تین چار روز میں اس قدر ترش ہو جاتا ہے کہ زبان سے نہیں لگایا جا سکتا اور چند روز بعد اسی شدید ترش دہی میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔پھر یہی کیڑے اس مادے میں زہر پیدا کر دیتے ہیں۔اسی طرح ہر وافر رطوبت زہر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

یاد رکھیں کہ یہ زہر باعث مرض نہیں ہوتا بلکہ باعث مرض وہ سبب ہوتا ہے جس سے رطوبت اس عضو پر اعتدال سے زیادہ گری تھی۔اس لئے اس کا علاج اس زہر کو ختم کرنا نہیں اور نہ وہاں کیڑے (جراثیم) فنا کرنا ہے،بلکہ اس عضو کو درست کرنا ہے جس کی وجہ سے وہاں پر رطوبت زیادہ گری ہے تاکہ خمیر بننا ہی رُک جائے،اس طرح زہر کی پیدائش ختم ہو جاتی ہے۔

جو رطوبت قلب اور عضلات کی تیزی سے پیدا ہوتی ہے،اس کی زیادتی اور اس میں خمیر سے جو مادہ بن کر زہر میں تبدیل ہوتا ہے،یہی بواسیری مادہ ہے،بالکل اسی طرح جیسے ہم نے آتشکی مادہ میں لکھا ہے کہ دماغ اور اعصاب کی تیزی سے جو رطوبت پیدا ہوتی ہے،اس میں خمیر پیدا ہو کر اس میں آتشکی زہر پیدا ہو جاتا ہے۔یہ صورت سوزاک کی زہر کی ہوتی ہے۔عضلاتی رطوبت بذاتِ خود ترش ہوتی ہے۔پھر اس ترقی میں خمیر پیدا ہو کر شدید ترشی بن جاتی ہے۔اور اس میں اس قدر شدت پیدا ہو جاتی ہے کہ زہر بن جاتی ہے۔یہی زہر پھر غذا کے ساتھ خون میں جذب ہونا شروع

ہوجاتا ہے۔ پھر اس کا اثر خون کے ساتھ تمام جسم پر اثر انداز ہوتا ہے۔

علامات

جسم میں تناؤ، کھچاؤ۔ دل کی رفتار میں تیزی۔ عضلات میں سکیڑ۔ دماغ و اعصاب میں ضعف۔ جگر اور دیگر غدد کے افعال میں سستی اور سکون اور وہاں پر رطوبت اور بلغم کی زیادتی۔ اسی ترش بلغم اور رطوبت کے دباؤ سے جسم کے تمام مخرجوں پر مسے پیدا ہوجاتے ہیں۔ جن میں مقعد، رحم اور ناک ولب وغیرہ شامل ہیں اور بعض دفعہ جسم کی دیگر حصوں پر بھی مسے پیدا ہوجاتے ہیں۔ ذائقہ ترش لیکن جب صفراء کا اخراج رُک جاتا ہے تو ذائقہ تلخ بھی ہوجاتا ہے۔ منہ، ناک اور سر میں خشکی۔ بند نزلہ، سینے میں جلن اور خشک کھانسی۔ معدہ میں جلن، درد اور ریاح، گردوں اور جگر پر دباؤ۔ ان علامات میں شدت سے جوڑوں اور عضلات میں درد شروع ہوجاتا ہے اور ہر قسم کی تکلیف میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

بواسیر کی خاص علامت

بواسیر کی عام علامات لکھ دی گئی ہیں اور اب اس کی خاص علامات لکھی جاتی ہیں۔ تاکہ تشخیص میں سہولت رہے۔ وہ یہ ہیں:

مریض کی مقعد کے اندر درد وسوزش اور خارش و بوجھ کے احساس کی شدت ہوتی ہے اور طبیعت بے حد بے چین رہتی ہے۔ بیٹھتے وقت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ اکثر انسان لیٹا رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ عروق مقعد کے دہانوں پر جو مسے (لحمی فزونیات) ہوتے ہیں، بیٹھنے سے ان پر سخت دباؤ پڑ کر مرض میں شدت پیدا ہوجاتی ہے۔ اگر ان مسوں سے خون سے اور زرد آب خارج ہوتا ہو تو اس کو خونی بواسیر کہتے ہیں۔ اس کو عمیا (اندھی) بھی کہتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ اگر خونی بواسیر ہو تو پاخانے کے ساتھ خون ملا ہوا نہیں آتا۔ یہ اکثر پہلے آتا ہے یا بعد میں قطروں کی شکل میں گرا کرتا ہے۔ خون کے اخراج کے بعد سوزش اور بوجھ کم ہوجاتا ہے اور ریاح کے اخراج کے بعد درد میں کمی ہوتی ہے۔ جوں جوں ریاح میں بندش ہوتی جاتی ہے، مسے بڑھتے جاتے اور درد میں شدت ہوتی جاتی ہے۔ اکثر قبض رہتی ہے۔ مگر کبھی مروڑ کے ساتھ پاخانہ آتا ہے۔ جلن میں شدت ہوتی ہے۔ البتہ پیشاب بار بار آتا ہے، جس کے ساتھ کچھ تسکین محسوس ہوتی ہے۔

تدبیر وعلاج بواسیر

بواسیری مادے کا زہر چونکہ عضلاتی ہوتا ہے جیسا کہ ہم اپنی تحقیقات، تجربات ومشاہدات اور دلائل وقیاس سے ثابت کر چکے ہیں اور یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ بواسیری مادہ ترشی سے پیدا ہوکر تیزابیت کی صورت اختیار کر کے زہر بن جاتا ہے جیسا کہ دہی اگر چند ہفتے پڑا رہے تو وہ نہ صرف تیزاب بن جائے گا بلکہ اس کے اندر زہریلے اثرات پیدا ہوجائیں گے جو مہلک ثابت ہوتے ہیں۔

بواسیری مادہ کا اثر واخراج چونکہ گردوں، جگر اور دیگر غدد کی طرف ہوتا ہے۔ اس لئے وہ متاثر ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ ان میں سوزش یا سوزشی مادہ کے اجتماع سے پتھری پیدا ہوجاتی ہے۔ اس لئے اس کا اثر غدد پر پڑتا ہے۔ تحریک کی صورت یہ ہوتی ہے کہ **عضلات میں تحریک، غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل کی صورتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔** چونکہ نظریہ مفرد اعضاء میں علاج کا اصول یہ ہے کہ جس عضو میں تسکین ہو اس کو تیز کر دینا چاہئے۔ اس لئے بواسیری مادے کے زہر کا علاج یہ ہے کہ اس کو نکالنے اور ختم کرنے کے لئے غدی ادویہ اور اغذیہ کا استعمال ہونا چاہئے۔ یہی اس کے لئے یقینی علاج اور بے خطا تدبیر ہے۔

طب کے نظریہ اخلاط سے یوں سمجھیں کہ جمہور اطباء متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ مرض بواسیر سوداوی مادہ سے پیدا ہوتا ہے۔ بس یہی

سوداوی مادہ اپنی کثرت اور خمیر و تعفن اور فساد سے زہر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن اس کے علاج میں اکثر اطباء میں اختلاف ہے جس سے اس کے علاج کی کامیاب صورت سامنے نہیں آسکی۔ حقیقت یہ ہے کہ اب تک اس کا یقینی اور بے خطا علاج کتب میں نہیں ہے۔ صرف علامات کے علاج کئے گئے ہیں۔ کبھی خون روکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کبھی مسوں کو خشک کیا جاتا ہے اور کبھی مسوں کی قطع برید سے علاج کیا جاتا ہے۔ قدیم حکماء میں شیخ الرئیس بوعلی سینا اور حکیم رازی وغیرہ تک سب نے اسی علامتی علاج کو ہی لکھا ہے۔ جس میں کامیابی کی کہیں کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اور ہر علاج بے اثر اور ناکام ثابت ہوتا ہے۔

جہاں تک فرنگی طب میں بواسیر اور اس کے زہریلے مادے کے علاج کا تعلق ہے، وہ طب سے بھی زیادہ ناکام ہے۔ کیونکہ ان کے ہاں اخلاط کا تصور سرے ہی سے نہیں ہے، سینکڑوں سالوں سے وہ ایسی ادویات کے تجربات اور مشاہدات کر رہے ہیں۔ مگر تا حال ان کو کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ البتہ اس میں بھی علاقائی علاج ضرور ہوتا ہے جو صرف عارضی ہوتا ہے۔ آخر تنگ آ کر وہ بواسیر کے مسوں کا آپریشن کر کے بھی کامیاب نہیں ہوتے۔ کیونکہ آپریشن سے مسے کٹ جاتے ہیں، لیکن بواسیری مادہ اور سوداویت کی پیدائش ختم نہیں ہوتی اور تھوڑے عرصہ بعد پہلے سے بھی خراب حالت پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی طرح آیورویدک بھی اس علاج میں ناکام ہے۔ کیونکہ ان کے ہاں بھی صرف علاماتی علاج ہے جو کامیاب نہیں ہے۔

جہاں تک ہومیوپیتھی طریق علاج کا تعلق ہے، تو وہ ہے ہی علامات کا علاج۔ وہاں پر نہ کسی مرض کا تصور ہے اور نہ کسی مادہ کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ہانمن صاحب نے تین مادوں کا ذکر کیا ہے جس میں سفلس وسورا اور سائیکوسس کا ذکر ضرور کیا ہے۔ اوّل بواسیری مادہ کی تخصیص نہیں کی ہے اور دوسرے ان مادوں کو اس طرح بیان کیا ہے کہ آپس میں گڈمڈ کر دیا ہے۔ نہ ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس طرف توجہ کی گئی ہے۔ اس لئے اس میں بواسیر کے کامیاب علاج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تمام ہومیوپیتھ خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔

بواسیر کے علاج میں ناکامی کی وجوہات

بواسیر کی پیدائش چونکہ سوداوی مادہ سے ہوتی ہے، اس لئے خیال کیا جاتا ہے کہ سوداوی امراض میں بھی پائی جاتی ہے، سوداوی مادہ کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ چونکہ سودا کی صورت میں اخلاط جل کر ختم ہو چکی ہوتی ہیں۔ اس لئے صالح اخلاط کا پیدا کرنا مشکل امر ہے۔ طب میں سوداوی امراض کا علاج زیادہ سے زیادہ ماء الجبن ہے۔ لیکن وہ بھی کامیاب نہیں ہے، بلکہ صرف علاماتی علاج ہے۔

دوسری ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ سوداوی امراض کا علاج غلط کیا جاتا ہے اور یہی سب سے بڑی وجہ ہے۔ بواسیر اور دیگر سوداوی امراض میں ناکامی ہوتی ہے۔ اس وقت تک سوداوی امراض کا علاج مولد خون ادویہ سے کیا جاتا ہے، یہی اس کے علاج کی غلط فہمی ہے۔

یاد رکھیں کہ سوداوی امراض کا علاج مولد خون ادویہ سے نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔ کیونکہ سودا کا مزاج سرد خشک ہے۔ چاہے وہ سودا صفراوی اور دموی کیوں نہ ہو۔ اس لئے جب بھی سوداوی امراض کا علاج کرنا مقصود ہو تو سوداوی کیفیات سردی خشکی کو ختم کرنا ضروری ہے۔ **قانون فطرت کے مطابق سردی خشکی کو ختم کرنے کے لئے خشکی کو بڑھا کر سردی کی تری کو ختم کر دینا چاہئے جسم میں گرمی خشکی پیدا ہو جائے۔ یعنی صفراء پیدا ہو جائے، جو گرم خشک ہے۔ اگر گرمی تری پیدا کی گئی تو تری پھر گرمی کو توڑ دے گی اور رطوبت بڑھ جائے گی اور سردی میں تحلیل ہو جائے گی۔ نتیجہ میں سردی خشکی قائم رہے گی۔ سوداوی امراض کے علاج کا راز نظریہ مفرد اعضاء نے پیش کیا ہے** اور علاج میں اطباء جو غلطی کرتے ہیں، وہ بھی اسی سے پتہ چلا ہے۔

- جاننا چاہئے کہ سوداوی امراض یا سرد خشک کیفیات کی تحریک نظریہ مفرد اعضاء میں عضلاتی ہوتی ہے۔ اس کا علاج غدی تحریک ہے جو

صفراوی یا گرم خشک ہے اور وہ بھی غدی عضلاتی، تا کہ صفراء پیدا ہو جائے اور یہی صفراء قاطع سودا ہے۔

دوسرے الفاظ میں اگر ہم عضلاتی تحریک کو چونا خیال کرتے ہیں تو غدی تحریک گندھک ہوگی۔ اور چونے کا علاج گندھک یقینی اور بے خطا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ تیزابیت کا علاج صفراویت ہے۔ سائیکوسس کا علاج سودا سے یقینی کامیابی سے اور شرطیہ طور پر کیا جاسکتا ہے۔

پس یہ بات ہمیشہ کے لئے ذہن نشین کر لیں کہ بواسیر اور بواسیری زہر کی پیدائش سوداوی مادہ عضلاتی تحریک سے ہوتی ہے اور اس کا علاج صفراوی مادہ اور غدی تحریک سے کامیاب اور بے خطا کیا جاسکتا ہے۔

بواسیر کا اُصول علاج

طب میں اصولی علاج کے طور پر مندرجہ ذیل صورتوں پر عمل کیا جاتا ہے: (۱) رفع قبض (۲) بندش خون (۳) اخراج ریاح (۴) رفع درد و سوزش اور ورم (۵) مولد خون و رطوبت اور (۶) اصلاح جگر و ہضم وغیرہ وغیرہ۔

طب کے قانون کے تحت یہ جس صورت میں بھی کی گئی ہیں، یہ علامات کا علاج ہوسکتا ہے۔ مگر اصول علاج بالکل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ طب کی بنیاد اخلاط پر ہے اور اس میں ہر مرض و علامت کا علاج اخلاط کی اصلاح اور مزاج میں ترتیب ہونی چاہئے۔ چونکہ بواسیر خونی ہو یا ریاحی، دونوں اقسام میں خلط سودا کی زیادتی اور خرابی ہوتی ہے، اس لئے اس کی اصلاح کرنا مقدم ہوتا ہے۔ البتہ درستی جگر لازمی امر ہے۔

اگر بواسیر کے علاج میں کم از کم جگر کے افعال کی درستی بھی کر لی جائے تو نہ صرف بواسیر دور ہو جاتی ہے بلکہ مندرجہ بالا صورت میں جن کو اصول علاج کہا جاتا ہے وہ سب رفع ہو جاتی ہیں۔ مگر اوّل یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جگر اپنے افعال میں ست ہے یا تیز ہے یا اس میں ضعف پیدا ہو گیا ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی خلط صفراء پیدا کر رہا ہے یا نہیں کر رہا ہے۔ اگر صفراء کی کمی ہے اور جگر کے فعل میں سستی ہے تو پھر یہ یقینی امر ہے کہ جگر کی اصلاح کے لئے اس فعل میں تیزی پیدا کرنا ضروری ہے۔ اور یہی اس کا بے خطا اُصول علاج ہے۔

آیورویدک، فرنگی طب اور علاج بالمثل تینوں میں کوئی اصول علاج نہیں ہے صرف علامات کو رفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جن میں کبھی قبض کو رفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کبھی بندش خون اور کبھی دفع درد مگر کلی طور پر کسی اصول کو مدنظر رکھ کر علاج نہیں کیا جاتا ہے۔ اس لئے یہ تمام طریق علاج بواسیر میں ناکام ہیں۔

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت بواسیر کا اصول علاج یہ ہے کہ بواسیر عضلاتی تحریک اور سوزش ہے اور اس کا علاج غدی تحریک ہے جس کا مرکز جگر ہے۔ اگر ریاحی بواسیر ہے تو عضلاتی اعصابی ہے۔ اور خونی ہے تو عضلاتی غدی ہے۔ اگر ریاحی (عضلاتی اعصابی) ہے تو اس کو عضلاتی غدی کر دیں۔ بس آرام ہو جائے گا۔ اور اگر خونی (عضلاتی اعصابی) ہے تو اس کو عضلاتی غدی کر دیں۔ بس آرام ہو جائے گا۔ اور اگر خونی (عضلاتی غدی) ہے تو غدی عضلاتی تحریک کر دیں۔ اس مقصد کے لئے ادویہ اور اغذیہ ان کے مطابق ہونی چاہئیں۔ البتہ اس حقیقت کو ذہن نشین کر لیں کہ خون آئے یا نہ آئے، اگر مسے ہوں تو بواسیر یقیناً خونی ہے اور خون کی کثرت اس وقت ہوتی ہے جب طبیعت مدبرہ بدن اصلاح کے طور پر غدد کے فعل کو تیز کر دیتی ہے۔

بندش خون

یہ قانون، ہم کئی بار لکھ چکے ہیں کہ جب کہیں سے خون آ رہا ہو تو وہاں پر رطوبات کا آنا بند ہو جاتا ہے اور جب رطوبات کا اخراج شروع ہو جاتا ہے تو خون کا اخراج بند ہو جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے اعصاب میں تحریک دینے سے فوراً رطوبات کا اخراج شروع ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی خون کا آنا بند ہو جاتا ہے۔ اگر خون آنے کے ساتھ پیچش ہو تو وہ بھی رُک جاتی ہے۔ ساتھ ہی مقعد اور مسوں کا بوجھ بھی فوراً ختم ہونا شروع

ہو جاتا ہے۔

درد سوزش

درد اور سوزش خون کے دباؤ سے یا رطوبت کے دباؤ سے ہوتا ہے جو وہاں پر اکٹھے ہو رہے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ''تحقیقات وعلاج سوزش واورام'' میں لکھا ہے۔

یہ حقیقت بھی ذہن نشین کر لیں کہ جب خون کے دباؤ سے درد وسوزش اور ورم ہو تو رطوبت کا وہاں سے اخراج فوراً ان کے آرام کی صورت پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن اگر دباؤ کا باعث وہاں پر رطوبات کی زیادتی ہو تو وہاں دورانِ خون کی تیزی سے فوراً آرام شروع ہو جاتا ہے۔ ان مقاصد کے لئے وہاں پر کسی دافع درد وسوزش مرہم یا روغن کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف تحریک پیدا کرنا کافی ہے۔ اگر مرہم یا روغن لگانے کا خیال ہو تو وہ اسی تحریک سے ہونا چاہئے بہتر یہ ہے کہ جو دوا کھلا رہے ہیں، اسی کو تحریک کے مطابق مرہم یا روغن میں ملا کر استعمال کریں۔ مگر خون اور رطوبت کی دونوں صورتیں مدنظر رکھیں۔

قبض اور بندش ریاح

رفع قبض اور اخراج ریاح میں صفراء اور حرارت کا بہت دخل ہے۔ جگر کا اہم فعل ہی یہی ہے کہ وہ خون سے صفراء اور حرارت آنتوں میں گرا کر رفع قبض اور اخراج ریاح کرتا ہے۔ جب جگر کے فعل میں کمی واقع ہو جاتی ہے تو صفراء کی پیدائش اور اخراج رُک جاتی ہے جس سے قبض اور بندش ریاح ہو جاتی ہے۔ اس کا علاج قبض کشا اور دافع ریاح ادویہ اور اغذیہ کا استعمال نہیں ہے۔ بلکہ جگر کے فعل تیز کرنا ہے۔ جس سے ایک طرف قبض کشائی اور اخراج ریاح ہوتی ہے اور دوسری طرف بواسیر کی دیگر علامات کو دور کرتی ہے۔

مولد خون رطوبات

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ غذا معدہ اور امعاء میں ہضم ہو کر جب جگر سے گزرتی ہے تو وہ خون بن جاتی ہے یا ضرورت کے وقت بلغم جگر میں جا کر خون میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ گویا خون کی پیدائش بھی جگر میں ہوتی ہے۔ اگر جگر کے فعل میں کمی واقع ہو تو خون کی پیدائش بہت حد تک کم ہو جاتی ہے۔

یہ حقیقت بھی ذہن نشین کر لیں کہ جسم میں رطوبت کی پیدائش حرارت کے عمل اور اثر سے ہوتی ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ صفراء اور حرارت اعصاب میں تحریک پیدا کرتے ہیں جس سے غدد رطوبت کی پیدائش شروع کر دیتے ہیں۔ بہر حال جگر (غدی) تحریک سے بواسیر کو آرام ہو جاتا ہے اور اس کی علامات دور ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

بواسیر کے لئے اغذیہ

بکری کا گوشت، مرغی و بطخ اور مرغابی کا گوشت اور انڈے، تیتر و بٹیر اور تلیر کا گوشت۔ چلغوزہ، بادام شیریں۔ کھجور تر اور شیریں، خوبانی، شہتوت، پالک اور میتھی کا ساگ، ادرک اور لہسن، سیاہ مرچ اور زیرہ سیاہ۔ گائے اور بکری کا دودھ۔ مکھن اور گھی گیہوں کی چپاتی اور دلیہ وغیرہ شدید بھوک پر دے سکتے ہیں۔

پرہیز

گائے بھینس کا گوشت، اُبلے ہوئے انڈے، تیز مرچ، مصالحہ، اچار اور ترشی وغیرہ اور خشک اشیاء۔

مفرد ادویہ

اجوائن دیسی، اسارون، پلاس پاپڑا، تیز پات، جمال گوٹہ اور اس کا روغن، ست پودینہ، ست بیروزہ، رائی، رسونت، شنگرف، عاقرقرحا، گھیکوار، گھی، گیندا اور انزروت۔

علاج بالمرکبات

چونکہ بواسیر عضلاتی تحریک (سوداوی مادہ) ہے۔ اس لئے اس کے لئے غدی ادویہ یقینی و بے خطا اور اکسیر ادویہ ہیں۔ اس لئے غدی ادویہ خصوصاً غدی عضلاتی ادویہ۔ کیونکہ ان سے نہ صرف صفراء اور حرارت پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ وہ پتہ میں جمع ہو کر خون میں سرایت بھی کرتی رہتی ہے۔ جب وہ ضرورت کے مطابق پیدا ہو جاتی ہے، اس مقصد کے لئے وہ تمام مرکبات و مجربات جو تحقیقات فارما کوپیا اور تحقیقات المجربات میں درج ہیں، ضرورت کے مطابق محرک وشدید اور ملین و مسہل وغیرہ۔ اسی طرح تریاق واکسیرات اور مقویات بھی دے سکتے ہیں۔

مجربات

مندرجہ بالا مفردات و مرکبات اور مجربات وغیرہ علاج کے لئے بہت کافی ہیں۔ مگر چونکہ اکثر دوستوں کو ذوق مجربات ہوتا ہے، اس لئے دیگر مجربات درج ذیل ہیں۔

سفوف بواسیر: تخم ترب ایک حصہ، تخم سرس 8 حصے، زیرہ سیاہ 6 حصے۔ سب کو کوٹ پیس کر سفوف بنالیں۔

مقدار خوراک: 3 ماشے سے 6 ماشے تک ہمراہ آبِ نیم گرم۔

حبوب بواسیر: تخمِ نیم، بکائن اور افسنتین، ہر ایک 2 تولے۔ اور رسونت 6 تولے۔ حب بقدر نخود تیار کرلیں۔

مقدار خوراک: 2 سے 4 حب دِن میں دو سے چار بار دے سکتے ہیں۔

تریاق بواسیر: جمال گوٹہ ایک حصہ، شنگرف 12 حصے، انزروت 12 حصے۔ کوٹ پیس کر باہم ملالیں۔

مقدار خوراک: 2 چاول سے 2 رتی تک ہمراہ آب تازہ دیں۔

اکسیر بواسیر: اکسیر غدی عضلاتی ایک تولہ کھرل میں ڈال دیں۔ گھیکوار ایک پاؤ، تھوڑا تھوڑا ڈال کر تمام کھرل کریں۔ پھر وزن کر کے اس کے برابر ریٹھے کا سفوف ملالیں۔ بس تیار ہے۔

مقدار خوراک: 2 رتی سے ایک ماشہ تک ہمراہ آبِ تازہ استعمال کریں۔

سوزاکی مادہ

تین انسانی زہروں میں سے دو زہر آتشکی مادہ اور بواسیری مادہ کو ہم بیان کر چکے ہیں، اب ہم تیسرے زہر سوزاکی مادہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ان زہروں کی تعریف ہم نے اس طرح کی ہے۔

تعریف زہر انسانی

انسانی خون و رطوبت اور جسم میں ایسی حالت اور صورت پیدا ہو جائے جیسے دیگر اقسام کے زہروں کے اثرات سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی جس جسم میں پیدا ہو کہ اس کو فنا کر دے یا کسی دیگر جسم میں داخل ہو کر اس کو بھی فنا کر دے یا اس میں بھی زہریلی علامات واثرات پیدا کر دے اس زہر

کا اثر فوری بھی ہوسکتا ہے اور رفتہ رفتہ بھی ہوسکتا ہے۔ ہم نے ان زہروں کی پیدائش کے متعلق لکھا ہے۔

پیدائش زہر انسانی

جسم انسانی میں جب کوئی مرض پیدا ہوتا ہے تو قوت مدافعت (امیونٹی) اور قوت مدبرہ بدن (وائٹل فورس) اس کو رفع کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے اور جب وہ کمزور ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ تو پھر اس مرض کا زہر خون میں اکٹھا ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ غالب ہوتا چلا جاتا ہے اور رفتہ رفتہ جسم کو ختم کردیتا ہے۔ یہاں تک کہ یہی زہر آخرکار جسم کو بالکل فنا کردیتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہی زہر کسی دوسرے جسم پر اثر انداز ہوکر اس جسم میں بالکل اسی قسم کے زہریلے اثرات اور علامات پیدا کردے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ جس انسان میں یہ زہر پایا جائے اس کی اولاد میں بھی یہی زہریلے اثرات اور علامات پائی جاتی ہیں۔ یہ اثرات اور علامات بالکل وہی ہوتی ہیں جو باپ میں پائی جاتی ہیں، اوّل صورت کا نام بگاڑ اعضاء دوسری کا نام چھوت چھات اور تیسری صورت کا نام اثرات وراثت ہے۔ ہم نے زہروں کے اثرات کے متعلق اس طرح بیان کیا ہے۔

اقسام زہر انسانی

چونکہ ان زہروں کی ابتداء بگاڑ اعضاء سے ہوتی ہے اور چونکہ جسم کے حیاتی اعضاء صرف تین ہیں، جن کو ہم اعضائے رئیسہ کہتے ہیں۔ یہ دِل، دماغ اور جگر ہیں۔ اس لئے یہ زہر بھی تین ہی اقسام کے ہیں جن کی صورتیں درج ذیل ہیں:

① اعصاب جن کا مرکز دماغ ہے، ان کے بگاڑ سے جو پیدا ہوتا ہے، اس کا نام زہر آتشک یا آتشکی مادہ ہے جس کو ہم بیان کرچکے ہیں۔

② عضلات جن کا مرکز دِل ہے، ان کے بگاڑ سے جو زہر پیدا ہوتا ہے اس کا نام زہر بواسیر یا بواسیری مادہ ہے۔ اس کا بیان بھی ختم ہوچکا ہے۔

③ غدد اور غشائے مخاطی جن کا مرکز جگر ہے۔ ان کے بگاڑ سے جو زہر پیدا ہوتا ہے، اس کا نام زہر سوزاک یا سوزاکی مادہ ہے، جس کا ذکر ہم اب کررہے ہیں۔ یہی زہر بعض دفعہ مختلف صورتوں میں نظر آتے ہیں اور ان کی مختلف علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن ان کا اگر تجزیہ کیا جائے تو وہ ان ہی تین صورتوں میں نظر آتے ہیں۔

یادداشت

یاد رکھیں کہ آتشک جس کو انگریزی میں سفلس کہتے ہیں۔ یہ نہ مرض ہے اور نہ ہی خود زہر ہے۔ بلکہ یہ اس مرض کی علامت ہے جس کا زہر آتشکی مادہ ہے۔ آتشک اور آتشکی مادے کا فرق سمجھنا ضروری ہے۔ اس طرح بواسیر اور بواسیری مادہ کا فرق ہے۔ یہی صورت سوزاک اور سوزاکی مادہ کی ہے۔

راز کی بات

دُنیا بھر میں جس قدر بھی زہر پائے جاتے ہیں، چاہے وہ جماداتی ونباتاتی اور حیواناتی ہوں، جن میں ہر قسم کے جراثیم بھی شریک ہیں اور چاہے وہ امراض ظاہر ہوں جن میں ہر قسم کے امراض شامل ہیں۔ وہ سب زہر ان تینوں اقسام سے باہر نہیں ہیں۔ اس لئے دُنیا میں صرف تین اقسام کے زہر، تین اقسام کی ادویہ اور تین ہی اقسام کی اغذیہ پائی جاتی ہیں۔

اسی طرح تین ہی اقسام کے امراض اور تین ہی اقسام کے زہر پائے جاتے ہیں۔ یہ تین چیزیں ① کھار ② ترشی اور ③ نمک (جو دراصل کھار اور ترشی کا مرکب ہے) ہیں۔ دُنیا میں یہی تینوں چیزیں خالص یا کم وبیش ملی جلی حالت میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے خواص پر حاوی ہونا تمام کائنات پر حاوی ہونا ہے۔ اب ہم پہلے سوزاک کی ماہیت کے بارے میں لکھتے ہیں اور پھر سوزاکی مادہ کی حقیقت پر لکھیں گے تاکہ دونوں کا فرق

سمجھ میں آسکے اور علاج میں کسی قسم کی مشکل پیدا نہ ہو۔

تعریف مرض

سوزاک پیشاب کی نالی (نائزہ) کا زخم ہے جس میں سے پیپ یا بدبودار رطوبت بہتی ہے اور اکثر درد ہوتا ہے۔ مزمن ہونے کی صورت میں یہ علامات بہت کم ہو جاتی ہیں۔ البتہ پیشاب کی نالی میں تنگی ہو جاتی ہے، اس کو تضیق نائزہ کہتے ہیں۔

حقیقت مرض

پیشاب کی نالی کے غشاء میں زخم ہو جاتا ہے۔ جب وہاں سے پیشاب گزرتا ہے تو شدید درد ہوتا ہے۔

ماہیت مرض

کسی سبب سے نائزہ (پیشاب کی نالی) میں اوّل سوزش پیدا ہو جاتی ہے، پھر رفتہ رفتہ زخم ہو جاتا ہے۔ جس میں سے خون آنا شروع ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی درد شدت اختیار کر لیتا ہے۔ مریض پیشاب کرتے وقت تڑپ جاتا ہے۔ بلکہ پیشاب کرتے ہوئے گھبراتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ خون کی بجائے رطوبت آنا شروع ہو جاتی ہے اور پھر پیپ آنا شروع ہو جاتی ہے جس سے درد کم ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ علامات کم ہو جاتی ہیں۔ لیکن غشاء سکڑ جاتی ہیں جس سے نائزہ میں تنگی پیدا ہو جاتی ہے۔

آیورویدک میں سوزاک کا ذکر نہیں ہے

مخزن آیورویدک میں لکھا ہے کہ آیورویدک کی قدیمی مستند کتب کے علاوہ جدید ویدک کتب میں بھی مرض سوزاک کا ذکر نہیں ملتا۔ بعض ویدوں کا خیال ہے کہ موتر کرچھر، موتر گھات سوزاک ہے اور بعض اس کو اوشن وات کہتے ہیں۔ مگر اسباب و علامات کے لحاظ سے اگر سوزاک اور موتر کرچھر، موتر گھات اور اوشن وات وغیرہ کو دیکھا جائے تو یہ سوزاک سے بالکل جداگانہ ہیں۔ کیونکہ سوزاک جہاں بدکاری، زناکاری، کثرت جماع، حاملہ و حائضہ سے مجامعت وغیرہ کے اسباب سے پیدا ہوتا ہے۔ وہاں موتر کوچھر وغیرہ امراض دیگر امراض کی مانند اخلاط کے غیر معتدل ہونے سے پیدا ہوتی ہیں۔

حقیقت یوں ہے کہ مرض سوزاک اور آتشک برصغیر پاک و ہند کی بیماریاں نہیں ہیں بلکہ یہ دونوں امراض ہندوستان کی غیر ملکی حکومتوں کے وقت سے ہی رونما ہونا شروع ہوئے ہیں اور غیر ملکی حکومتیں اس ملک میں جس قدر پرانی ہوتی گئیں اس قدر ان امراض کو زیادہ پھیلنے کا موقع ملا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومت یا عہد مغلیہ تک ہندوستان کی طب قدیم آیورویدک کی مستند تصانیف ان امراض سے خالی پائی جاتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آیورویدک تصانیف اس لحاظ سے نامکمل یا ادھوری ہیں یا اس وقت کے ویدوں کو ان امراض کا علاج کرنا نہیں آتا تھا۔ درآں یہ حال آیورویدک طب بطور خود ہر طرح سے مکمل اور ضروریات وقت کے لئے کافی تھی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس زمانے میں ویدک تصانیف معرض وجود میں آئیں اس وقت اس ملک میں ان امراض کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آیورویدک جیسی مکمل سائنس کی کتب میں ان کا ذکر تک نہ ہو۔

طب میں سوزاک کا ذکر نہیں ہے

طب کے یونانی اور اسلامی دور میں متقدمین اور متاخرین حکماء اور اطباء کی کتب میں سوزاک کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ حرقۃ البول الدم اور سدۃ البول کا ذکر ضرور ہے۔ جن میں سوزاک کی تمام صورتیں داخل ہیں۔ بلکہ ان میں پیشاب کی نالی سے لے کر مثانہ اور گردوں تک کی سوزش و درد

اور زخم کا علاج ہوسکتا ہے۔اس سلسلہ میں جو علاج لکھے گئے ہیں وہ اکثر درست اور کامیاب ہیں۔البتہ جلن، خون اور پیپ کی قسم کو مدنظر رکھ کر علاج کرنا چاہئے۔

شمس الاطباء حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی نے جو کتب لکھی ہیں، ان میں جہاں یونانی اور اسلامی کتب کے تراجم اور ترتیب کو قائم رکھا ہے۔ان میں سوزاک کا بالکل ذکر نہیں ہے اور جو کتب فرنگی طب کی کتب کو سامنے رکھ کر لکھی ہیں، ان میں سوزاک کا ذکر ضرور ہے۔ان حقائق سے ثابت ہے کہ سوزاک فرنگی دور کی لعنت ہے اور جب سے اس کو متعدی و جنسی امراض میں شمار کرلیا گیا ہے، اس کی لعنت بڑھ گئی ہے، ورنہ یہ ایک زخم ہی تو ہے جو پیشاب کی نالی میں ہو جاتا ہے، جس کا علاج طبی کتب میں کامیابی سے بیان کیا گیا ہے۔البتہ جہاں تک سوزاک کی مادہ کا تعلق ہے، اس کے متعلق کچھ ذکر نہیں ہے۔لیکن فرنگی دور میں سوزاک کی مادہ سے پیدا ہونے والے امراض کا ذکر بھی ضرور پایا جاتا ہے۔جو یقیناً فرنگی کتب سے اخذ کیا ہوا معلوم ہوتا ہے، اس سے سوزاک کی مادہ کے اثرات ضرور سامنے آ گئے ہیں۔

فرنگی طب اور سوزاک

شمس الاطباء حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی کی کتب مخزن حکمت (طبع دوازدہم-جلد اوّل) میں فرنگی طب کو سامنے رکھ کر جو کچھ لکھا ہے، وہ درج ذیل ہے۔اس کا اُردو میں نام سوزاک، طبی نام سیلان زہری اور ڈاکٹر نام گنوریا ہے۔

مرض کی کیفیت

سوزاک ایک چھوت دار مرض ہے جس میں پیشاب کی نالی متورم ہوکر اس سے پیپ آنے لگتی ہے۔اس کا باعث بھی ایک خورد بینی جرثومہ ہے جس کو ڈاکٹری اصطلاح میں گونو کاکس یعنی جرثومہ سوزاک کہتے ہیں۔حضرت انسان کے سوا اور کسی حیوان میں یہ مرض نہیں پایا جاتا۔

نوٹ

پیشاب کی نالی (یوریتھرا) نائزہ میں ورم ہوکر پیپ آنے لگ جایا کرتی ہے۔مثلاً اگر حائضہ کے ساتھ جماع کیا جائے یا ایسی عورت کے ساتھ جماع کیا جائے جس کو سفید رطوبت (لیکوریا) سیلان الرحم آتی ہو۔تب بھی نائزہ متورم ہو جاتا ہے۔پیشاب جل کر آنے لگتا ہے اور اس کے ساتھ پیپ بھی آنے لگتی ہے۔مرض نقرس (گاؤٹ) کے مریض جن کا پیشاب نہایت ترش ہوتا ہے، جب شراب و کباب اور مرچ مصالحہ کا زیادہ استعمال کرتے ہیں تب ان کے پیشاب میں بھی جلن پیدا ہو جاتی ہے اور نائزہ متورم ہو جاتا ہے۔ایسے ہی مسہل خصیہ فوقانی میں بھی نائزہ (پیشاب کی نالی) سے پیپ آنے لگتی ہے۔

لیکن مذکورہ بالا اسباب سے جو نائزہ میں ورم ہوکر پیپ آنے لگتی ہے یا پیشاب سوزش سے آنے لگتا ہے تو اس کو سوزاک نہیں کہتے۔کیونکہ اس کا ورم نہ تو متعدی ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی پیپ میں سوزاک کے جراثیم ہوتے ہیں۔ایسے ورم نائزہ کو ڈاکٹری میں سمپل یوریتھرائٹس اور طب میں ورم مجری بول کہتے ہیں۔ورم نائزہ اور سوزاک میں اگرچہ مریض کے حالات دریافت کرنے سے تشخیص ہوسکتی ہے، لیکن پیپ کا خوردبینی امتحان کرنے سے کامل تشخیص ہو جاتی ہے۔

مردوں میں سوزاک کا زخم پیشاب کی نالی کے عموماً اگلے حصے (سپاری والے حصے) میں ہوتا ہے۔لیکن کبھی بڑھ کر اس کے پچھلے حصے میں بلکہ غدی مذی (پراسٹیٹ گلینڈ) مثانہ اور خصیہ فوقانی (اپی ڈڈی مس) تک جا پہنچتا ہے۔بعض مریضوں میں جراثیم سوزاک خون میں سرایت کرکے اس کو متعفن اور زہریلے کر دیتے ہیں۔ایسی حالت کو سرایت جرثومہ سوزاک (گونو کاکس انفیکشن) کہتے ہیں۔جس کو اب ایک مستقل مرض مانا جاتا ہے۔اس لئے ہم نے بھی اس کو سوزاک کے بعد ایک مستقل مرض کی حیثیت سے لکھ دیا ہے۔ایسی حالت میں اکثر سوزاک کی گٹھیا وغیرہ ہو جاتا ہے۔

کبھی خون کے متعفن ہو جانے سے جسم پر جا بجا پھوڑے نکل آتے ہیں اور کبھی دِل کے اندر کی جھلی میں ورم ہو کر زخم پڑ جاتے ہیں۔ عورتوں میں سوراخ بول کے علاوہ کبھی یہ مرض رحم کی گردن تک جا پہنچتا ہے۔ جس کے باعث رحم اور پیڑو کے بہت سے امراض اور تکالیف پیدا ہو جاتی ہیں۔

غرضیکہ سوزاک ایک ایسا خبیث مرض ہے جس سے اور کئی امراض مثلاً ① بد ② بدگھیا ③ خونی پیشاب کا آنا ④ پیشاب کا بند ہو جانا ⑤ ورم خصیہ ⑥ ورم مثانہ ⑦ نامردی ⑧ سوزاکی آنکھ کا آنا ⑨ خون کا متعفن ہو جانا ⑩ عورتوں میں ورم گردن رحم ⑪ ورم رحم اور ⑫ بانجھ پن وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن عام طور پر لوگ نادانی سے سوزاک کو ایک معمولی مرض سمجھ کر اس کا مناسب علاج نہیں کرتے، حالانکہ یہ ایک نہایت ہی موذی اور خبیث مرض ہے۔

سوزاکی مادہ اور فرنگی طب

ماڈرن میڈیکل سائنس اور فرنگی طب میں سوزاکی مادہ کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اس لئے ان میں سوزاکی زہر کا ذکر ہے اور نہ اس زہر سے پیدا ہونے والے امراض کا ذکر ہے۔ البتہ سوزاکی جراثیم کی چھوت اور اس سے سوزاک اور دیگر امراض کے پیدا ہونے کا ذکر ضرور ہے اور اس پر فرنگی طب میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔

مخزن حکمت میں متعدی امراض کے تحت سوزاکی جراثیم کی چھوت کو سرایت جرثومہ سوزاک اور اس کا طبی نام عدوی جرثومہ سوزاکیہ لکھا ہے جو انگریزی نام گونو کاکس انفیکشن کا اُردو طبی ترجمہ معلوم ہوتا ہے اس کے متعلق جو نوٹ دیا گیا ہے وہ درج ذیل ہے: ''سرایت جرثومہ سوزاک سے مراد ہے سوزاک کی چھوت لگنا۔ یعنی جرثومہ سوزاک کا جسم میں سرایت کرنا جس سے نہ صرف سوزاک ہو جاتا ہے بلکہ اور بہت سے موذی اور مہلک سوزاکی امراض ہو جاتے ہیں۔ پاک و ہند میں مرض سوزاک کو ایک معمولی مرض خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن اس مضمون کو پڑھنے سے آپ کو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ یہ کس قدر موذی مرض ہے اور اس کے عوارض و نتائج کس قدر خطرناک ہیں۔ پناہ بخدا چونکہ یہ مرض امراض جدیدہ میں نہایت اہمیت رکھتا ہے اور تمام موجودہ فاضل محققین نے اس کو بیان کیا ہے، اس لئے ہم نے بھی اس کو تحریر کرنا ضروری سمجھا ہے۔

گونو کاکس یعنی جرثومہ سوزاک ایک چھوٹا سا جوڑا جرثومہ (ڈپلو کاکس) ہے جس کی دونوں متصلہ سطحیں چپٹی یا قدرے گہری ہوتی ہیں۔ جرثومہ سوزاک چونکہ جسم انسان کے باہر مشکل سے چند گھنٹے ہی زندہ رہ سکتا ہے، اس لئے یہ براہِ راست انسان سے انسان میں سرایت کرتا ہے۔

طریق سرائیت

جرثومہ سوزاک کی چھوت لگنے یا سرایت کرنے کا عمل مریض یا مریضہ سوزاک کے ساتھ مجامعت کرنا ہے۔ لیکن اگرزچہ مرض سوزاک میں مبتلا ہو تو جراثیم اس کے اندام نہانی کی رطوبت سے نومولود یعنی نوزائیدہ بچہ کی آنکھ میں لگ کر آشوب چشم سوزاکی پیدا کر دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں کبھی اتفاقیہ ان چھوت دار اشیاء سے بھی جن کو آشوب چشم سوزاکی کے مریضوں یا مریضہ سوزاک کے اندام نہانی سے مادہ لگ گیا ہو۔ یہ مرض دوسروں میں سرایت کر جاتا ہے۔

خصوصیات سرایت جرثومہ سوزاک

سرایت جرثومہ سوزاک کی نہایت اہم اور غالباً خاص خصوصیت یہ ہے کہ یہ نہایت ہٹیلا ہوتا ہے، دیگر جراثیم موذیہ کی نسبت اس جرثومہ کے جسم میں سرایت کرنے سے بہت تھوڑی اموات واقع ہوتی ہیں۔ مگر اموات کی کمی کا تناسب ان بے شمار مرضی تغیرات سے پورا ہو جاتا ہے جو

مرض میں واقع ہوتے ہیں۔یعنی اس میں مرضی تغیرات جسم میں زیادہ ہوتے ہیں۔ اگر ایک دفعہ یہ جرثومہ جسم میں پہنچ جائے تو یہ جسم کی ساخت میں اس مستحکم طور پر سرایت کر جاتا ہے کہ پھر اس کا قلع قمع کرنا یا اس کو نیست و نابود کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔کیونکہ یہ ان تمام حفاظتی و مدافعتی تدابیر کا جو اس کے دفعہ و اخراج کے لئے کی جاتی ہیں پوری قوت اور شدت سے مقابلہ کرتا ہے۔

سرایت جرثومہ سوزاک کی مدت بجائے مہینوں کے سالوں تک ہوتی ہے گو اس میں ایسے وقفے ہو سکتے ہیں جن میں کہ اعضائے ماؤف بالکل تندرست ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ورم غبیہ (ایکوائرائٹس) جرثومہ سوزاک کی ابتدائی سرایت کے کئی سال بعد بھی ہو جاتا ہے اور اس بات کا ثبوت کہ ورم مذکورہ جرثومہ سوزاک کی سرایت کے سبب ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ بہت مشکل ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض محققین نے لکھا ہے کہ ورم غبیہ سوزاکی مرض سوزاک ہو چکنے کے چودہ پندرہ سال کے بعد بھی ہوا ہے۔ اس لئے بعض اوقات ابتدائی سرایت جرثومہ سوزاک کے سرایت کر جانے کے بعد جب شدید مرض سوزاک ہو جاتا ہے تو ایک بار شدید علامات مرض رفع ہو جانے کے بعد پھر خفیف یا مشتبہ سوزاک کا جراثیمی ثبوت حاصل کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں جراثیمی ثبوت حاصل کرنا اکثر بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں جراثیمی سوزاک کی تعداد بہت تھوڑی رہ جاتی ہے اور وہ ماؤف ساخت کے مسامات میں اس قدر گہرے نفوذ کر جاتے ہیں کہ پھر اس مقام ماؤف سے تراوش یافتہ رطوبت یا مواد میں خوردبینی امتحان سے بھی ان کا سراغ نہیں ملتا اور ابھی تک دیگر بلاواسطہ طریق تشخیص مثلاً ایگلوٹی نیشن وغیرہ بمشکل قابل اعتماد ہیں۔

جراثیم سوزاک کے سرایت کرنے کے بعد بالعموم پیپ پیدا کرنے والے گول زنجیری جراثیمی (سٹرپٹو کاکائی) اور خوشہ دار جراثیم (سٹفی لوکاکائی) بھی سرایت کر جایا کرتے ہیں۔ جس کو سیکنڈری ایکشن یا عدوی ثانیہ کہتے ہیں۔ جراثیم سوزاک کے جسم انسانی میں سرایت کرنے کے مندرجہ ذیل نتائج ہوتے ہیں۔

(۱) ابتدائی چھوت لگنے یا سرایت کرنے کے نتائج

جب جراثیم سوزاک کی ابتدائی چھوت لگتی ہے، یعنی ابتدا میں مریض سے تندرست انسان میں سرایت کرتے ہیں تو ایسی صورت میں مردوں میں شدید یا خفیف ورم نائزہ (یوریتھرائٹس) یعنی سوزاک اور قرحہ (گلیٹ) ہو جاتا ہے۔ عورتوں میں شدید یا مزمن ورم اندام نہانی (وجائنائٹس) ورم گردن و باطن رحم (سروائیکو اینڈ اسٹرائٹس) اور مردوں اور عورتوں دونوں میں آشوب چشم (کنجنکٹے وائٹس) کی شکایت ہو جاتی ہے۔

ابتدائی انتشار کے نتائج

مجامعت وغیرہ سے جب جراثیم سوزاک آلات بول میں سرایت کر کے مقام سرایت کے آس پاس کی ساختوں میں فوراً منتشر ہو جاتے ہیں تو اس کے اس سرایت و انتشار سے مردوں میں ورم حوالئے نائزہ (پیری یوریتھرائٹس) دبل (ایب سس) ورم غدہ مذی (پراسٹے ٹائٹس)، ورم خصیہ فوقانیہ، یا ورم اغدیدوس (اپی ڈیڈی سائڈس)، ورم کیسہ منی (ویسی کولائٹس)، عورتوں میں ورم قاذف یعنی رحم اور خصیۃ الرحم کی درمیانی نالی کا ورم (سلپجن جائٹس) قاذف و خصیۃ الرحم کا ورم (سپنجو اور پرائیٹس) مردوں اور عورتوں دونوں میں ورم مثانہ (سس ٹائٹس) ہو جاتا ہے۔ نیز دونوں میں اور بالعموم عورتوں میں مقامی طور پر باریطون یعنی آنتوں وغیرہ کی غلافی جھلی یا پیری ٹونیم بھی متاثر ہو جاتی ہے۔ یعنی اس میں جراثیم سرایت کر کے باعث ورم ہوتے ہیں۔ زیادہ تر عورتوں میں پیڑو کی باریطون میں ورم (پیلوک پیری ٹو نائیٹس) ہو جاتا ہے اور متورم جھلی مختلف مقامات میں جڑ جاتی ہے۔ جس سے پیڑو کے اندرونی اعضاء مثلاً رحم و خصیۃ الرحم وغیرہ کے طبعی افعال ناقص و زائل ہو جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ عورتوں میں بانجھ پن (سٹرے لٹی) پیدا ہو جاتا ہے۔ مردوں میں جراثیم سوزاک کی سرایت اور مقام انتشار کے آخری نتائج یہ ہوتے ہیں کہ پیشاب کی نالی میں رکاوٹ

(یوریتھرل سٹرکچر) پیدا ہو جاتی ہے۔غدہ مذی میں مزمن قسم کا ورم (کرانک پراسٹے ٹائٹس) ہو جاتا ہے۔اور اگر مثانہ سے براہ حالبین جراثیم گردوں میں سرایت کر جائیں تو ورم حوض گردہ (پائی لائٹس) ہو جاتا ہے اور بعد میں آلاتِ بول میں بی کولائی قسم کے جراثیم سرایت کر کے مرض کی تکلیف میں شدید اضافہ کر دیتے ہیں۔

جراثیم سوزاک کے خون میں سرایت کرنے کے نتائج

جب سوزاک کے جراثیم خون میں سرایت کر جاتے ہیں تو تعفن دم (سپٹی سیمیا) تنقیح الدم کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔

الف۔تعفن خون (سپٹی سیمیا)

جراثیم سوزاک کے خون میں سرایت کرنے سے خون میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے، اگرچہ اس کے مریض بہت کم دیکھے جاتے ہیں مگر ایسے مریضوں میں دِل کی اندرونی جھلی میں ورم ہو کر اس میں زخم پڑ جاتے ہیں اور یہ مرض بالعموم مہلک ہوتا ہے۔ایسے مریضوں کے خون کا امتحان کرنے پر اس میں سوزاک کے جراثیم پائے جاتے ہیں، جس سے تعفن خون سوزاکی کی کامل تشخیص ہو جاتی ہے۔

ب۔پیپ آمیز خون کی ظاہری علامات (پائی ایمک فیسی ٹیشزہ)

ان میں سے اہم ترین سوزاکی گنٹھیا (گنوریل روماٹزم) ہے جس میں جوڑ متورم ہوتے ہیں اور ان کی اندرونی جھلیاں اور رباطات ماؤف ہو جاتے ہیں۔شدید یا کم شدید قسم کے سوزاکی گنٹھیا کو ایک قسم کا تنقیح الدم سوزاکی (گنوریل پائی ایمیا) ہی سمجھنا چاہئے۔سوزاکی گنٹھیا کے اکثر مریضوں کے ماؤف جوڑوں میں سوزاک کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ریڑھ میں ورم ہو کر اس میں کجی آ جاتی ہے، جسے سپنڈیلائٹس ڈیفارمینس کہتے ہیں۔جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ اکثر صورتوں میں یہ بھی مزمن سرایت سوزاک یعنی عرصہ سے جسم میں جراثیم سوزاک کے سرایت کر جانے کا نتیجہ ہوتی ہے۔

ورم غلاف دِل (پیری کارڈائٹس) اور ورم غلاف الریہ یا ذات الجنب (پلورسی) بھی جراثیم سوزاک کے سرایت کرنے کے نتائج بعیدہ بتائے جاتے ہیں۔آنکھ کے پردہ عنبیہ کا ورم (آئی رائٹس) جو کہ بار بار عود کر آتا ہے اور جس کو اکثر آتشکی خیال کیا جاتا ہے۔وہ زیادہ تر سوزاکی ہی ہوتا ہے۔یعنی جراثیم سوزاک کے آنکھ کے پردہ عنبیہ میں سرایت کر جانے سے ہوا کرتا ہے۔

فرنگی طب اور سوزاکی مادہ

فرنگی طب ظاہر میں سوزاکی مادہ کی بجائے سوزاکی جراثیم کو تسلیم کرتی ہے۔لیکن سوزاکی زہر سے بھی انکار نہیں کر سکی۔بلکہ اس نے سوزاکی زہر کی دو صورتیں تسلیم کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تعفن خون سوزاکی (گنوریل سپٹی سیمیا)

(۲) سوزاکی پیپ (گنوریل پائی ایمیا)

لیکن اگر غور کیا جائے تو دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔صرف صورتیں مختلف ہیں۔اس کی غلط فہمی ہے۔جب سوزاک کا مادہ خون میں سرایت کر جاتا ہے تو وہ خون میں تعفن پیدا کر دیتا ہے اور جہاں سوزاکی زخم میں پیپ پیدا ہوتی ہے تو وہ سوزاکی پیپ ہوتی ہے۔پھر جہاں جہاں یہ سوزاکی پیپ سرایت کر جاتی ہے وہاں پر سوزاکی امراض و علامات پیدا کر دیتی ہے، جن میں سوزاکی جراثیم کا پایا جانا ضروری ہے۔کیونکہ اس میں تعفن ہوتا ہے۔اور جراثیم تعفن ہی کی پیداوار ہوتے ہیں۔

جہاں تک ان امراض کا تعلق ہے جو سوزاکی جراثیم سے پیدا ہوتے ہیں وہ وہی امراض ہیں جو سوزاکی زہر سے پیدا ہوتے ہیں۔ جن میں مردوں میں خصیوں کا ورم عورتوں میں خصیۃ الرحم کا ورم۔ آنکھ کے پردہ عنبیہ کا ورم۔ ذات الجنب کا ورم اور جوڑوں کے اورام وغیرہ شامل ہیں۔ گویا جسم میں جہاں تک انسجہ غدد اور غشائے مخاطی (اپی تھیلیل ٹشوز) کا تعلق ہے، ان میں سوزاکی زہر کے امراض وعلامات نظر آتے ہیں جن میں جگر اور گردے لازمی طور پر شریک ہیں۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب کی تحقیقات میں سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ ان کا طریق تحقیقات کلی نہیں ہے بلکہ جزدی ہے اور وہ تجزیہ وتحلیل کی طرف توجہ دیتی ہے۔ مگر کلی طور پر کسی عضو یا شے کا مطالعہ اور تحقیق کئے بغیر ان کا تجزیہ اور تحلیل کر کے ان کے جزئیات پر تحقیق شروع کر دیتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک کل کو مختلف اجزاء میں تجربہ ومشاہدہ کر لیتی ہے۔ اور ان کے جدا جدا اثرات وافعال اور نتائج پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن ان کے باہمی تعلق سے بےخبر رہتی ہے۔

سوزاکی جراثیم ہوں یا سوزاکی مادہ، دونوں کے ایک ہی اثرات ہیں۔ البتہ سوزاکی مادہ سے جو زہر پیدا ہوتا ہے وہ جراثیم میں ظاہر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سوزاکی زہر سے جو امراض پیدا ہوتے ہیں وہ سوزاکی مادہ کے پیدا ہوئے بغیر ظاہر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے سوزاکی مادہ کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ گویا سوزاکی زہر کا درمیانی واسطہ ضروری امر ہے۔ اس لئے سوزاکی مادہ کا تجربہ ومشاہدہ لازمی امر ہے۔

سوزاک اور ہومیوپیتھی

علاج بالمثل (ہومیوپیتھی) میں امراض کا تصور نہیں ہے صرف علامات کو مدنظر رکھ کر علاج کیا جاتا ہے اور یہ علامات ان ادویات کی ہوتی ہیں جو تندرست انسان کو کھلا کر حاصل کی جاتی ہیں۔ لیکن انتہائی حیرت کا مقام ہے کہ جب علاج کے متعلق ہومیوپیتھک کتب کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو ان میں علاج کے سلسلہ میں جو عنوان دیئے گئے ہیں وہ انہی امراض کے نام ہیں جو دیگر طریق ہائے علاج کی کتب میں درج ہیں۔ ان میں سوزاک کا نام بھی درج ہے۔

ایک خالی الذہن محقق یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ ان عنوانات کو دیگر طریق ہائے علاج کی طرح امراض تصور کیا جائے یا علامات ہی سمجھ لیا جائے۔ تعجب اس امر پر ہے کہ ہومیوپیتھی کی جس قدر کتب علاج پر لکھی گئی ہیں ان کے نام علاج الامراض اور انہی کے تحت علامت بیان کر کے علاج کئے گئے ہیں۔ علم وفن میں یہ اختلاف حقیقت کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ بہر حال سوزاک کے عنوان کے تحت جو ادویہ اور ان کی علامات درج ہیں، ان کو بیان کیا جاتا ہے اور ان ادویہ کے باہمی تعلق کو ان کے اختتام پر بیان کیا جائے گا۔ تاکہ غور کے بعد نتائج نکالے جا سکیں۔

ایکونائٹ: ابتدائی اور سوزشی درجہ میں جیلسیمیم (کنے بس سٹیوا) پیشاب کرنے پر حشفہ میں جلن اور ٹیسیں، رات کے وقت دردانگیز ایستادگی (کینتھرس اور کیپسیکم) نوجوان اور پرخون افراد۔

اگیوا امریکانہ: انتہائی پر درد ایستادگی، پیشاب کرتے وقت سخت تکلیف جس کے ہمراہ گرمی درد اور مثانہ کی گردن میں دباؤ خصیتین میں کھچاؤ۔ جس کا اثر رانوں تک جائے، درد اس قدر شدید ہو کہ مریض مر جانے کو ترجیح دے۔

۷ **اگنس کاسٹس:** زرد رنگ کا ریم آلود اخراج۔ خصوصاً پرانے زناکاروں میں مریض نامرد اور ساتھ ہی شہوانی جذبات مرتے جائیں گے اور ایستادگی بھی غائب ہوتی جائے۔ بار بار سوزاک کا حملہ ہو چکا ہو۔ خصیتین سرد متورم اور سخت ہوں۔

۴ **آرجنیٹم نائٹریکم:** پیشاب کرتے وقت مجری البول میں جلن اور ایسا احساس کہ مجری البول سوجا ہوا ہے اور اندر سے چھلا ہوا ہے۔ دبے ہوئے سوزاک کی وجہ سے خصیتین سوجے ہوئے اور سخت ہوتے ہیں۔

۵ **کنبے بس سٹیوا:** سوزشی درجہ جس کے ہمراہ درد انگیز علامات (ایکونائٹ) حشفہ کا غلاف بہت زیادہ سوجا ہوا اور آگے سے بہت تنگ ہو جانے کے قریب۔ ایسی حالت میں جب کہ غلاف آگے سے تنگ ہو جائے تو حشفہ واپس نہیں چڑھ سکتا (مرکیوریس) حشفہ و غلاف حشفہ سیاہی مائل سرخ۔ عضو تناسل پر سوزش جیسے کہ جل گیا ہو اور چلتے پھرتے وقت سخت درد، عسر البول، پیشاب قطرہ قطرہ تکلیف سے آئے (اگیو۔ کینتھرس) پیشاب کرنے کے دوران میں اور بعد میں مجری البول میں جلن پیشاب کی دھار دو شاخی (کنتھیرس)۔

۶ **کینتھرس:** جب کہ سوزش مثانہ تک پھیل گئی ہو۔ پیشاب کرنے کی متواتر خواہش جس کے ساتھ بہت تھوڑا پیشاب خارج ہو (کیپ سیکم) رات کے وقت درد اور ایستادگی۔ جس کے ساتھ مجری البول میں کھچاؤ اور سوزش۔

۷ **کیپ سیکم:** مجری البول میں کرم کی مانند یا ریم آلود زرد اخراج ہو (اگنس کاسٹس) پیشاب کرتے وقت مجری البول میں جلن کاٹ یا نیشن زنی مجری البول چھونے سے درد کرے۔ رات کے وقت تکلیف دہ ایستادگی (ایکونائٹ)۔

۸ **ھائی ڈراسٹس:** حاد یا مزمن قسم کا سوزاک۔ دوسرے درجہ میں۔ اخراج گاڑھا اور زرد (سیپی شیو) پتلا مواد جو کہ پرانے سوزاک میں نکلتا رہتا ہے۔ بکثرت اور بلا درد خارج ہو اور اس کے ہمراہ نقاہت ہو۔ دائیں جنگاسا میں خصیتین تک کھچاؤ (مرکیوریس) ہر مرتبہ انتڑیوں میں پاخانہ خارج ہونے پر نقاہت اور بے ہوشی کا احساس (وراٹرم)۔

۹ **آئیوڈائیڈ آف سلفر:** نالی کا سکڑاؤ، جس کے ہمراہ غدہ مثانہ بہت بڑھا ہوا ہو۔

۱۰ **مرکیوریس:** آتشک کے گھاؤ کے ساتھ پیچیدہ سوزاک (نائٹرک ایسڈ) اخراج زردی مائل سبز ریم آلود۔ رات کو بکثرت۔ حشفہ کا گھونگھٹ سوجا ہوا اور اس کی اندرونی سطح پر سوزش و سرخی۔ پیشاب باریک دھار کی صورت میں یا قطرہ قطرہ آئے۔ بعض اوقات خون آمیز ہو۔ رات کے وقت اور نمدار بارشی موسم میں حالت زیادہ خراب ہوتی ہے۔

۱۱ **نائٹرک ایسڈ:** سوزاک جس کے ہمراہ آتشک اور مسے ہوں۔ مجری البول کے سوراخ پر اور حجاب حشفہ کی اندرونی سطح پر چھوٹے چھوٹے چھالے۔ اخراج خون بلغم کا ساریم، آلود (مرکیوریس) پرانا سوزاک (اگنس کاسٹس) مرکیوریس۔ تھوجا، پیشاب نہایت بدبودار اور خارج ہونے پر درد۔ پارہ کے غلط اور بے جا استعمال کے بعد۔

۱۲ **نکس وامیکا:** کباب چینی اور دیگر عطائی ادویات کے استعمال کے بعد اخراج پتلا، پیشاب کرنے پر جلن اور حرارت، اخراج دبا ہوا، جس کی وجہ سے خصیتین متورم۔ غدی مثانہ سوجا ہوا (پلسٹلا) سر کے پچھلے حصہ میں دھیما دھیما درد اور دائمی قبض ہو۔

۱۳ **پلسٹلا:** اخراج گاڑھا۔ زرد یا زردی مائل سبز (لیتھیم کاربالیکم) غلاف حشفہ کے اندرونی اور اوپر کی سطح پر خارش اور جلن۔ دبا ہوا سوزاک جس کے ہمراہ جوڑوں کا گنٹھیا (تھوجا) غلاف حشفہ پر چھالے، مثانہ کی شدید حرارت، اور پیشاب کر چکنے کے بعد سخت درد ہو۔

۱۴ سنی شیو: ترقی یافتہ درجہ۔ غدہ مثانہ بڑھا ہوا اور سخت۔ بائیں جانب میٹھا میٹھا اور بوجھل درد جو نیچے خصیتین تک مار کرے۔ رات کے وقت شہوانی خواب آئیں جن کے ساتھ جسم ناپاک ہو جائے۔

۱۵ سلفر: پرانا سوزاک۔ بلا درد یا صرف مجری البول میں ہلکی ہلکی سی جلن۔ مختلف اعضاء میں گٹھیا کے درد، آنکھوں کی کہنہ سوزش۔ غدہ مثانہ کے مزمن عوارضات بواسیر بادی یا خونی (نکس) جلد خشک، ناصاف اور بھوسی دار۔

۱۶ تھوجا: اخراج پتلا اور سبز، پیشاب کے وقت چھیلن کا درد، مجری البول سوجا ہوا پیشاب دو دھارا (کنے بس سٹیوا) رکا ہوا سوزاک جس کے باعث مفاصلی گٹھیا، غدہ مثانہ کا ورم، جرب الحلق (ایک طرح کی خارش جو سر یا چہرے کے اس حصہ میں، جہاں داڑھی ہوتی ہے پیدا ہو جاتی ہے) اور نامردی، رات کو پر درد ایستادگی جس کی وجہ سے بے خوابی ہو جائے (ایکونائٹ)۔

۱۷ لٹسی لاگو: حاد درجہ جس میں مجری البول کے حشفہ والے حصہ میں ایک مقررہ جگہ پر نیش زن درد ہوتا ہے۔ اس دوران میں مزمن درجہ بھی پیدا ہو جاتا ہے جس میں آنکھوں پر آشوب اور خصیتین متورم ہوں۔ یہ کیفیت اخراج کے دب جانے پر پیدا ہوتی ہے۔ غیر معتدل عادات والے اشخاص جو مرغن غذائیں کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔

امدادی تدابیر

ہومیو پیتھک ڈاکٹر سوزاک کا علاج سوزش پیدا کرنے والے انجکشنوں سے کرتے ہیں۔ حالانکہ دوسرے ڈاکٹر اس کو مفید تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

ہم نے ہومیو پیتھک علامات کے تحت سترہ عدد ادویات درج کر دی ہیں۔ ان ادویات کے علاوہ بعض کتب میں دیگر ادویات بھی درج ہیں۔ مگر ہم نے طوالت کے پیش نظر ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔ البتہ ان چند ادویات سے معالج کے ذہن میں ادویات اور علامات کا ایک مناسب نقشہ پیدا ہو سکتا ہے۔

ہومیو پیتھی ادویات میں اختلاف

حیرت سے کہنا پڑتا ہے کہ ہومیو پیتھی میں علاج کے وقت صرف علامات کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور مرض کے ساتھ ادویات کی حقیقت پر بالکل توجہ نہیں دی جاتی۔ جہاں تک علامات کا تعلق ہے، ان کی ترتیب کو سمجھنے کے لئے بھی بے شمار غلطیاں کی جاتی ہیں۔ ان پر ہم بحث نہیں کرنا چاہتے۔ یہاں پر کچھ ادویات کے انتخاب اور اختلاف کے متعلق لکھا جاتا ہے۔

جس قدر ادویات سوزاک اور اس کی علامات کے متعلق درج ہیں، ان میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اول اگر مزاج کے اعتبار سے غور کیا جائے تو ہومیو پیتھی گرمی سردی اور تری و خشکی کی بے حد قائل ہے۔ اگرچہ چار اخلاط کو تسلیم نہیں کرتی مندرجہ بالا ادویہ پر نظر کی جائے تو ان میں ہر مزاج کی ادویات شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ **سوزاک اور اس کی علامات ہر مزاج کے انسان کو نہیں ہو سکتیں۔ ان کے لئے گرم خشک مزاج یا زیادہ سے زیادہ انتہائی سرد مزاج ہو سکتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی مزاج نہیں ہو سکتا۔ ایسا خیال کرنا بھی فن علاج سے بے علمی ہے۔**

اگر ہم مزاج کو چھوڑ دیں اور صرف ان کے کیمیائی عناصر کو دیکھیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض فیرم اور کیلشیم کے اجزاء رکھتی ہیں اور بعض سلفر و فاسفیٹ اور پوٹاشیم کے اثرات خون میں پیدا کرتی ہیں اور ان کے باہمی اختلافات بالکل نمایاں ہیں۔ کوئی ہومیو پیتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ کون سی ادویات مفید ہیں اور کون سی مضر ہیں۔

اسی طرح اُن کے کیمیائی اجزاء کا تجزیہ کریں تو ان میں کھاری ادویہ کے ساتھ تیزابی ادویات بھی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ سالٹ بھی ہیں جو کھار اور تیزاب کے مرکب سے تیار ہوتے ہیں۔ ہومیوپیتھی یقینی طور پر یہ نہیں بتا سکتی کہ سوزاک کے لئے کھاری ادویہ زیادہ مفید ہیں یا تیزابی اور نمکین ادویات ان کے لئے یقینی علاج ہیں۔

اس کے علاوہ اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہ کریں کہ سوزاک اور اس کی علامات کے لئے جسم میں ایک خاص قسم کا زہر پیدا ہو جاتا ہے جس سے سوزاک اور اس کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ہر قسم کے زہر سے سوزاک پیدا ہو جائے۔

ڈاکٹر ہانمن نے تین قسم کے زہروں کا ذکر کیا ہے جو یہ ہیں: (۱) سورا (۲) سفلس اور (۳) سائیکوسس۔ ان کے علاوہ جسم میں اور کوئی زہر پیدا نہیں ہو سکتا۔ اب ذرا غور کریں کہ سوزاک اور اس کی علامات ان تینوں زہروں میں سے کس کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ یقیناً کسی ایک زہر سے ان کا تعلق ہے۔ پھر لازمی ہو جاتا ہے کہ ادویات بھی وہی ہونی چاہئیں جو جسم میں اس زہر کے اثرات پیدا کر سکیں اور وہی ان کے لئے باعث شفا ہوں گی۔ لیکن مندرجہ بالا ادویہ میں ہر قسم کے زہر کو پیدا کرنے والی اشیاء شامل ہیں۔

ان حقائق اور دلائل میں ہومیوپیتھ حضرات کو غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے، پاک و ہند کے ہومیوپیتھ حضرات کو یورپ اور امریکہ کی طرف نظریں جما کر نہیں رکھنی چاہئیں۔ بلکہ خود بھی تحقیق و تدقیق کرنی چاہئے۔

سورا اور ڈاکٹر ہانمن کی غلط فہمی

ڈاکٹر ہانمن موجد ہومیوپیتھ پہلے محقق ہیں جنہوں نے تین انسانی زہروں سے طبی دُنیا کو روشناس کرایا ہے اور تاکید کی ہے کہ علاج الامراض خصوصاً مزمن امراض میں ان تینوں زہروں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ ان زہروں کے نام یہ ہیں: (۱) سورا (۲) سفلس (۳) سائیکوسس۔ امراض کے علاج میں پہلے اس امر کا تعین کر لینا ضروری ہے کہ اس کا تعلق کس زہر سے ہے۔ پھر ایسی ادویات کا انتخاب کرنا چاہئے جن کا تعلق کسی خاص زہر کے ساتھ ہو ورنہ علاج میں کامیابی نہیں ہوگی۔

جہاں تک ان زہروں کا تعلق ہے یہ ایک مفید تحقیق ہے اور علاج الامراض میں یہ ایک کامیاب اُصول ہے۔ لیکن جہاں تک ان زہروں کی تشریح کا تعلق ہے، اس کو تفصیل سے بیان نہیں کیا گیا۔ ایک زہر کو دوسرے زہر سے الگ کر کے بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ ایک کو دوسرے کے ساتھ مخلوط کر دیا گیا ہے۔ اس طرح ان کے افعال و اثرات اور خواص کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ گویا ڈاکٹر ہانمن کو ان کے متعلق بہت بڑی غلط فہمی ہے جس کے ثبوت میں ہم آرگینن سے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

صفحہ ۲۰۶: کسی مزمن مرض کا علاج شروع کرنے سے پیشتر یہ دریافت کر لینا نہایت ضروری ہے کہ مریض کے اندر امراض زہری میں سے کسی زہر کی سرایت تو نہیں ہوئی۔ اگر ہوئی ہو تو علاج صرف اسی کی طرف مبذول کیا جائے۔ بشرطیکہ صرف آتشک کی علامات موجود ہوں یا اس سے کم ہونے والی مرض کی جس میں گو بھی کی شکل کے اُبھار ہوں۔ لیکن یہ بیماری آتشک آج کل شاذونادر ہی اکیلی دیکھنے میں اور آتی ہے۔ اگر اس قسم کی سرایت پہلے کبھی واقع ہو چکی ہو تو معالج اس کا بھی خیال کرے اور جب صرف آتشک کی علامات کے علاوہ اور کئی علامات بھی موجود ہوں تو وہ عموماً سورا (کھجلی کا مادہ) کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ ایسی حالت میں سورا اور سفلس کے مادے باہم مل کر مرض کو پیچیدہ بنا دیتے ہیں۔ جس وقت معالج کا یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کے سامنے مزمن امراض زہری میں سے کوئی بیماری ہے تو دراصل اس کو کسی آتشکی مرض کا جس کے ہمراہ سورا بھی ہوتا ہے، علاج کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ مزمن امراض کے بنیادی اسباب میں اندرونی کھجلی کا بگاڑ سب سے بڑا

سبب ہے۔ سورا یا تو آتشک کے مادے کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے اور یا سائیکوسس کے ساتھ۔ اور وہ بھی اس وقت جب کہ آتشک یا سوزاک کے امراض واقعی جسم میں سرایت کر چکے ہوں۔

صفحہ ۲۰۴: اگر ہم ان تمام مزمن امراض اور بگاڑوں کو نظر انداز کر دیں جو کہ طرزِ معاش کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، نیز ان بے شمار دوا والے امراض کو بھی نظر انداز کر دیں جو کہ پرانے طرز کے معالجہ کے ماہرین کی فضول، خطرناک اور نامعقول تدبیروں سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ حالانکہ معالجہ کے وقت اصلی مرض بالکل خفیف سا ہوتا ہے، تو باقی سب کی سب بیماریاں ان تین مزمن زہریلے مادوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اندرونی سفلس، اندرونی سائیکوسس، لیکن عموماً اور تعداد میں اندرونی سورا۔ ان تینوں میں سے ہر ایک (جب کبھی جسم میں سرایت کر جائے) جسم کے اوپر اپنا غلبہ رکھتا ہے اور تمام حصوں میں پھیل جاتا ہے۔ اس کے بعد ان میں سے ہر ایک کی خاص خاص ابتدائی اور قائم مقامی علامات نمودار ہوتی ہیں۔ (کھجلی کے مادے کی صورت میں جلد کی کھجلی) آتشک کی صورت میں بادفرنگ یعنی شینکر اور سائیکوسس کی صورت میں گوبھی کی شکل والے اُبھار۔

اگر ہم مزمن زہریلے مادوں والی بیماریوں کو ان کی مقامی علامت سے محروم کر دیں تو زبردست قدرت کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ زہریلے مادے جسم کے اندر ہی اندر ترقی کر کے جلد یا بدیر نہایت خطرناک صورت میں ظاہر ہوں اور ان بے شمار تکلیف دہ امراض کا باعث بنیں جن کے ہاتھوں انسان کی نسل صدہا سال سے نالاں ہے۔ کاش معالج ان تین زہریلے امراض کا مناسب اندرونی ہومیوپیتھک ادویہ کے ذریعے علاج کرتے اور ان کی مقامی علامات کے لئے کوئی خارجی ادویہ استعمال نہ کرتے تب ممکن تھا کہ وہ ہولناک امراض اس قدر کثیر تعداد میں ظاہر نہ ہوتے۔

ان کے علاوہ کچھ اقتباسات ہم سفلس اور سائیکوسس کے بیان میں پیش کر چکے ہیں۔ ان سب سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر ہانمن ان کی الگ الگ تشریح و تفصیل اور افعال و اثرات سے واقف نہ تھے۔ انہوں نے تینوں کے خواص اور فوائد کو ایک دوسرے میں خلط ملط کر دیا ہے۔ اس لئے کوئی ہومیوپیتھ ان کی صحیح حقیقت سے واقف نہیں ہے۔

ڈاکٹر کینٹ کی سورا کے متعلق غلط فہمی

ہم یہ تحریر کر چکے ہیں کہ ڈاکٹر ہانمن موجد ہومیوپیتھی پہلے محقق ہیں جنہوں نے سورا، سفلس اور سائیکوسس تین قسم کے انسانی زہروں سے طبی دُنیا کو روشناس کرایا ہے۔ انہوں نے تاکید کی ہے کہ جب تک ان کو مدِنظر نہ رکھا جائے، ہومیوپیتھک علاج کامیاب نہیں ہو سکتا۔ مگر جہاں تک ان زہروں کی تعریف اور تشریح کا تعلق ہے ہم نے ان کی کلیات (آرگینن) سے ثابت کیا ہے کہ وہ نمایاں طور پر ان کی تعریف و تعین نہیں کر سکے اور نہ ہی ان کی تشریح و تفصیل بیان کر سکے ہیں۔ یعنی ایک زہر کو دوسرے زہر سے الگ کر کے بیان نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ ایک کو دوسرے کے ساتھ مخلوط کر دیا گیا ہے۔ اس طرح ان کے افعال و اثرات اور خواص کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ گویا ڈاکٹر ہانمن کو ان کے متعلق بہت بڑی غلط فہمی تھی۔

اس خیال سے کہ شاید ہم ڈاکٹر ہانمن کے بیان کو پورے طور پر نہ سمجھ سکے ہوں۔ ہم ان کے ایک قابل ترین شاگرد ڈاکٹر جیمز ٹائلر کینٹ کی معلومات پیش کرتے ہیں۔ مگر افسوس کہ شاگرد نہ ہی استاد کے علم کو بیان کر سکا ہے اور نہ ہی اس کا تعین اور تشریح کر سکا ہے۔ ذیل میں ان کی کتاب ''دلیکچرز آن ہومیوپیتھک فلاسفی'' (ہومیوپیتھک فلسفہ) ترجمہ از جناب سید عنایت حسین صاحب بخاری ایم اے ہومیوپیتھی سے چند اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔ قارئین خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔

صفحہ ۲۱۸۔ مزمن امراض سورا کے تحت لکھتے ہیں: ''سورا ہی تمام امراض جسمانی کا مبداء اور مصدر ہے۔ اگر سورا عفونت کی حیثیت میں بنی نوع انسان پر مسلط نہ ہو جاتا تو دوسرے دو مزمن مرضوں کا وجود غیر ممکن ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی انسان میں شدید امراض کے لئے استعداد قبول مرض بھی ممکن نہ رہتی۔ گویا جملہ امراض انسانی کی بنیاد ہی سورا ہے، کیونکہ اسی مرض کی بھیانک عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ یہی پہلا مرض ہے اور باقی کے تمام امراض اس کے بعد وجود پذیر ہوئے''۔

صفحہ ۲۰۰: ''سورا کی سادہ اشکال جب دانے یا آبلے یا خارش (ہیں) غائب ہو جائیں۔ یہ ہیں کہ نزلہ و زکام کی مختلف شکایات پیدا ہو جاتی ہیں اور جب آپ ان عوارض یا علامات کے لئے دوا دیتے ہیں تو بچپن کے دبے ہوئے جلدی دانے اور آبلے پھر سے نمودار ہو جاتے ہیں''۔

صفحہ ۲۲۸: ''سورا سادہ اور منفرد آبلہ دار خارش کی صورت میں ابتدائی طور پر ظاہر ہوتا ہے''۔

صفحہ ۲۲۹: ''سورا ان امراض کے مزمن اظہار کا ذمہ دار ہے جو طبیعت میں آتشکی اور سوزا کی نہیں، سورا کی سرگرمی عمل کا نتیجہ ہے جو جسم میں گردوں پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ اسی طرح جگر کی عام بیماریاں امراض نہیں ہیں بلکہ سورا جگر کے مقام پر مرتکز ہوتا ہے۔ اسی طرح پھیپھڑوں کی بیماریاں قلب کی بیماریاں اور دماغ کی بیماریاں امراض نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کا سرچشمہ ایک ہے اور اسی سرچشمہ سے ہم ان کے ارتقاء کی حالت کا مشاہدہ کرتے ہیں''۔

صفحہ ۲۳۱، عنوان مزمن امراض (سورا مسلسل) کے تحت لکھتے ہیں: ''تینوں مزمن عفونتیں سورا، سفلس اور سائیکوسس متعدی اور وبائی ہیں''۔

صفحہ ۲۳۲: ''سورا مقدم اور باقی دو عفونتیں مؤخر ہیں''۔

صفحہ ۲۳۹: ''یہ حالت متواتر ترقی کرتے کرتے اب مجتمع اور مرتکز ہو کر پیچیدہ تر ہو گئی ہے۔ قدیم ابتدائی سورا نے اپنے ساتھ سفلس اور سائیکوسس کو بھی جمع کر لیا ہے۔ پھر انہوں نے اجتماعی حیثیت سے ترقی کرتے ہوئے ایک حالت اور حیثیت حاصل کر لی ہے''۔

صفحہ ۲۴۰: ''یہی کیفیت سورا کی خارجی اشکال کی ہے۔ یعنی آبلہ دار یا چھلکے والی خارش۔ پھنسیوں اور دوسری تمام جلدی بیماریوں وغیرہ کی یہی صورت ہوتی ہے''۔

صفحہ ۲۴۱: ''سورا کو جسم کے اندر دبا دینے کے نتیجہ میں سرطان یا ناسور کی شکل میں مختلف قسم کی شکایات اور عوارض لاحق ہو جاتے ہیں۔ پھیپھڑوں اور قلب کے خلیاتی تغیرات سل و دق اور دوسری خلیاتی اور عضوی تباہ کاریاں ہوتی ہیں''۔

صفحہ ۲۴۴: ''ان علامات میں جو سورا کی مظہر تھیں اور ان علامات میں جو گندھک کی تصویر پیش کرتی ہیں، ایک عجیب و غریب مشابہت پائی گئی تھی جس کی بنا پر ہانمن نے گندھک کا استعمال سورائی مریضوں میں کیا۔ سورائی علامات اکثر دواؤں میں پائی جاتی ہیں۔ جتنی بھی مزمن دوائیں یعنی گہرا اور پائیدار اثر کرنے والی دوائیں ہیں، وہ سب کی سب کم و بیش سورائی مزاج و طبیعت کی حامل ہیں''۔

صفحہ ۲۴۹: ''آتشک پہلے پہل انسان کے اندرونی خلیات، غلاف، استخوانی ہڈیوں اور دماغ وغیرہ پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اگر اس کا تقابل سورا سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مؤخر الذکر عموماً شرائین اور جگر وغیرہ پر اثر انداز ہوتا ہے اور جلد کے نیچے انجماد پیدا کر دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے دنبل، پھوڑا، پیپ وغیرہ عوارض پیدا ہو جاتے ہیں۔ آتشکی پھوڑا صحیح معنوں میں پھوڑا نہیں ہوتا۔ یہ تو ایک دقی مادہ سا مجتمع ہو کر ماہیت میں انتہائی زہریلا اور تباہ کن ہوتا ہے''۔

صفحہ ۲۵۳: ''حقیقی سائیکوسس کے مریض جو معالج کے پاس آتے ہیں بالعموم وہی ہوتے ہیں جن کی حالت میں مرض کو دبا دیا جاتا ہے

اوراب وہ ابتدائی حالت مرض کی نسبت زیادہ خطرناک اور بدتر حالت میں ہوتے ہیں''۔

صفحہ ۲۵۷: ''ایک ایسے مریض کو لیجئے جو دس پندرہ سال تک سائیکوسس کے عارضے میں مبتلا رہا ہو۔اس کا چہرہ پلپلا اور پھیکا ہوتا ہے، جسم پر مسے اور گومڑیاں نکل آتی ہیں، ہونٹ زرد پڑ جاتے ہیں، کان شفاف دکھائی دینے لگتے ہیں اور وہ انحطاط و اضمحلال کی طرف جا رہا ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کئی ایک عوارض میں مبتلا ہوتا ہے جو ایک قسم کی مخصوص علامات ہوتی ہیں''۔

صفحہ ۲۵۸: ''یاد رہے کہ ناک کا نزلہ بھی اکثر حالتوں میں سائیکوسس ہوسکتا ہے، ایسا نزلہ عموماً سوزا کی مواد کے دب جانے سے ہوتا ہے''۔

صفحہ ۲۶۰: ''یہ ایک عجیب بات ہے کہ سائیکوسس صرف نرم خلیات ہی پر اثر انداز ہوتا ہے اور ہڈیوں پر کچھ اثر نہیں کرتا۔لیکن آتشک نرم خلیات کے علاوہ ہڈیوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ البتہ سورا پورے جسم پر اثر انداز ہوتا ہے۔کوئی حصہ یا عضو اس کے اثر سے محفوظ نہیں رہتا۔ وہ پورے جسم میں انحطاط کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔

نتیجہ

ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ سورا و سفلس اور سائیکوسس کو ڈاکٹر کینٹ کی وساطت سے ذہن نشین کرادیں۔لیکن قارئین خود فیصلہ کرلیں کہ وہ ان کا کس حد تک تعین کر سکے ہیں۔

سوزا کی مادہ کی حقیقت

سوزا کی مادہ ایک ایسا زہر ہے جو غدی مادہ، صفرا (بائل) میں خمیر در خمیر سے پیدا ہوتا ہے۔ جیسے تازہ دہی بذاتِ خود ایک خمیر ہے۔ دوسرے تیسرے روز اس کے خمیر میں اور زیادہ تیزی پیدا ہو جائے گی۔اس کی ترشی بہت زیادہ ہو جائے گی۔ اگر یہی دہی دس پندرہ روز یا بیس تیس روز پڑی رہے تو اس میں انتہائی ترشی کے ساتھ کیڑے بھی پڑ جائیں گے۔ بالکل یہی صورت غدی مادہ (صفراء) میں مسلسل خمیر کے بعد پیدا ہو جاتی ہے۔ بالکل ایسے ہی صفراء جس کو طب میں کراثی صفراء اور زنجاری صفرا کہا گیا ہے اور ان کو زہر تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ زہر غدی انسجہ (اپی تھل ٹشوز) کی پیداوار ہے جس کا مرکز جگر ہے۔ رفتہ رفتہ یہ جسم کے ہر غدد میں سر سے پیر تک پھیل جاتا ہے اور کیمیائی طور پر خون میں شریک ہو جاتا ہے اور ان سب میں سکیڑ پیدا ہو جاتا ہے۔

سوزا کی علامات

جسم میں جلن، خارش، سوزشی دانے، خون میں جوش، جسم و چہرہ اور پیشاب میں زردی کے ساتھ جلن، خون میں رقت۔ چونکہ اس زہر کا اخراج پیشاب کی طرف ہوتا ہے، اس لئے پیشاب کی نالی میں زخم ہو جاتے ہیں اور خون کے ساتھ پیشاب میں پیپ بھی آنے لگ جاتی ہے۔ پیشاب کی ایسی حالت کو سوزاک کہتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہی مادہ آنکھوں میں سوزش پیدا کر کے وہاں سرخی اور ورم پیدا کر دیتا ہے۔اس کو سوزا کی آنکھ دکھنا کہتے ہیں۔ جس مرد یا عورت میں یہ مادہ شدت اختیار کر گیا ہو، ان کے نوزائیدہ بچے پر بھی اس کا اثر ہوگا۔اس کی آنکھیں سوزش ناک ہوں گی یا ضائع ہو چکی ہوں گی اور بچہ اندھا ہوگا اور اس کے جسم پر بھی سوزش کے اثرات ہوں گے۔

جن مردوں کو یہ مرض ہو ان کو اس وقت تک شادی نہیں کرنی چاہئے جب تک ان کا قارورہ اس امر کی تصدیق نہ کر دے کہ اس میں سوزا کی مادہ نہیں پایا جاتا۔ ورنہ معصوم و بھولی بھالی اور پاک دامن و نیک بیبیوں کی زندگی میں نہ صرف عذاب آ جاتا ہے، بلکہ اولاد کے لئے بھی

مصیبت آجاتی ہے۔ کتنی شرم کی بات ہے کہ ایسے مرد اپنی چھوٹی چھوٹی بچیوں کو اٹھائے پھرتے ہیں اور ویدوں، اطباء اور ڈاکٹروں کو علاج کے لئے دکھاتے پھرتے ہیں۔ جن لوگوں میں سوزاک کی شدت ہو، اکثر ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی ہے تو مرجاتی ہے۔ اگر نہ مرے تو زندگی بھر بیمار رہتی ہے اور گھر بھر کے لئے مصیبت بنی رہتی ہے اور دوسروں میں اس مرض اور زہر کے پھیلانے کا سبب بنتی ہے۔

چونکہ سوزاک غدی مرض ہے اور اس کا پہلا اثر پیشاب کی نالی پر ہوتا ہے اور غشائے مخاطی میں ہوتا ہے۔ وہاں پر شدید سوزش اور زخم کے بعد ورم ہو جاتا ہے۔ پھر حشفہ سوج جاتا ہے۔ اس کا دوسرا حملہ ودی اور مذی کے غدد اور خصیوں پر ہوتا ہے جس سے وہ دردناک ہو جاتے ہیں۔ انتشار کی شدت پیدا ہو جاتی ہے، جس سے پیشاب کے زخم اور ورم میں انتہائی درد ہوتا ہے اور مریض چیخیں مارتا ہے۔ وہ اس عذاب سے جان دے دینا سہل سمجھتا ہے۔ ایک مریض کو دیکھا کہ اس نے اپنے عضو مخصوص کو جراحی کے ذریعے کٹوایا۔ مگر یہ اس کا علاج نہیں ہے۔ کیونکہ اپریشن سے جسم میں اس مرض کا زہر ختم نہیں ہو سکتا۔ باقاعدہ علاج سے یہ مرض بہت جلد رفع ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر اپنی غلط فہمی کی وجہ سے اپریشن کر دیتے ہیں۔

اسی طرح جب عورت میں اس زہر کی شدت ہوتی ہے تو یہ مرض پیشاب کی نالی کے زخم کے بعد اندر کے اعضائے مخصوصہ میں بھی پھیل جاتا ہے۔ اندام نہانی میں آگ لگا دیتا ہے۔ پیشاب کے جل کر آنے کے ساتھ اندام نہانی میں تیز مادے بھر جاتے ہیں اور بدبودار رطوبت کا اخراج ہوتا ہے۔ ساتھ ہی پیشاب کی نالی سے پیپ اخراج پاتی رہتی ہے۔ کمر اور جسم میں سخت درد اور دکھن ہو جاتی ہے۔ اس مرض میں مبتلا عورتیں اکثر بانجھ ہو جاتی ہیں۔ جب کوئی مرد ایسی عورت سے مواصلت کرتا ہے، تو یقیناً اس زہر سے متاثر ہوتا ہے اور بہت جلد سوزاک کا مریض بن جاتا ہے۔

تمام بازاری عورتیں اس مرض میں مبتلا ہوتی ہیں۔ ان کے قریب جانا سانپ کے منہ میں جانے کے مترادف ہے۔ اگر کسی عورت میں زہر ہو تو اس کی شادی اس وقت تک نہیں کرنی چاہئے جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ وہ اس مرض کے زہر سے بالکل پاک اور تندرست ہوگئی ہے۔ ورنہ وہ اس زہر کو دنیا میں مزید پھیلانے کا باعث بن جائے گی۔

علاماتِ شفا

جب اس مرض سے شفا ہوتی ہے تو اس کے زہر کا اثر جسم سے ختم ہو جاتا ہے۔ جس کی مندرجہ ذیل علامات ہیں:

① پیشاب میں جلن نہیں ہوتی۔

② پیشاب میں خون اور پیپ کا نشان تک نہیں رہتا۔ بلکہ اس کے سوراخ میں چیک تک ختم ہو جاتی ہے۔

③ گرم اور جگر میں سوزش پیدا کرنے والی اشیاء کے استعمال سے اس کی علامات کا اظہار نہیں ہوتا۔ خاص طور پر انڈے، بھنا ہوا گوشت، لہسن، پیاز، سرخ مرچ اور گرم مصالحہ جات وغیرہ۔

④ نلوں میں درد اور بوجھ وغیرہ کے محسوس نہ ہونے کے بعد اس مرض سے کلی طور پر شفا سمجھ لینا چاہئے۔

نوٹ

اس زہر سے جسم میں اور بھی بعض قسم کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں، جیسے جوڑوں کا درد، ناک میں جلن اور گردوں میں سوزش وغیرہ۔ ان تمام صورتوں میں غدی وغشائی امراض کو ہی مدنظر رکھنا چاہئے۔

غلط فہمی

اس زہر سے جب جوڑوں میں درد ہوتا ہے تو اس کو وجع المفاصل سوزا کی کہتے ہیں۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ یہ وجع المفاصل (رہومائزم) نہیں بلکہ نقرس (گاؤٹ) ہوتا ہے۔ اس طرح ناک کی سوزش میں جب رطوبت آتی ہے، وہ زکام نہیں ہوتا بلکہ نزلہ حار ہوتا ہے۔

سوزاک

پیشاب کی نالی میں شدید سوزش سے زخم ہو جاتا ہے۔ جس سے پہلے جلن کے ساتھ پیشاب، پھر شدید درد کے ساتھ خون اور پھر پیپ آنا شروع ہو جاتی ہے۔ جس کے ساتھ ہی عضو مخصوص متورم ہو جاتا ہے۔ اگر پیشاب میں جلن ہو، مگر خون اور پیپ نہ آئے تو اس کو سوزاک نہیں کہا جائے گا بلکہ اس حالت کو حرقت بول کہتے ہیں۔ اگر سوزاک پرانا ہو جائے تو اسے قرحہ کہتے ہیں۔ سوزاک کو انگریزی میں گنوریا کہتے ہیں۔

ماہیت سوزاک

پیشاب کی نالی (نائزہ) میں اندر کی طرف ایک جھلی ہوتی ہے جو قشری (غدی) مادہ کی بنی ہوتی ہے۔ وہ ضرورت کے وقت رطوبت سے تر رہتی ہے اور یہ ضرورت پیشاب اور منی کے اخراج میں پیدا ہوتی ہے۔ جب اس رطوبت کا اخراج کسی سبب سے رُک جاتا ہے تو نالی میں جلن پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی جلن حرقت بول یا سوزاک کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور جب یہ شدت اختیار کر لے تو سوزاک کی مادہ (سورا) پیدا ہو جاتا ہے۔

اسباب

سوزاک کے جس قدر بھی اسباب ہو سکتے ہیں ان میں یہ بات ضروری ہے کہ پیشاب کی نالی میں رطوبت کا اخراج بند ہو جاتا ہے۔ مثلاً کثرت مباشرت، حیض کا اثر، گرم تیز اشیاء، سوزاکی مادہ کا اثر، حاملہ کی رطوبت، بعض امراض کا اثر، اغلام بازی، جلق کا کثرت سے استعمال وغیرہ جن کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کثرت مباشرت خصوصاً زناکاری اس مرض کا خاص سبب ہوتا ہے۔ جس کے باعث ہمیشہ رگڑ اور کثرت انزال سے ایک طرف عضو سوزشناک ہو جاتا ہے اور دوسری طرف رطوبات کا اخراج ختم ہو جاتا ہے۔ بلکہ منی کی پیدائش بھی ختم ہو جاتی ہے۔ خشک رگڑ سے اکثر خون آ جاتا اور عضو متورم ہو جاتا ہے۔

حیض کے خون میں جو تیزی ہوتی ہے اس کے اثرات سے انکار ممکن نہیں، اس کے علاوہ خون بذاتِ خود قاطع رطوبات ہے۔ حیض کے علاوہ رحم کی متعفن رطوبات، حمل کے ایام کی رطوبات، سیلان الرحم کی رطوبات وغیرہ کے اثرات بھی یہ مرض پیدا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح عورت و مرد کے اندر سوزاکی مادہ کا اثر بھی یہ مرض پیدا کر دیتا ہے۔ گرم اور تیز اشیاء میں مرچ و مصالحہ جات، تیل و ترشی، چٹنی و اچار، کثرت شراب و بھنا ہوا گوشت رطوبات کے اخراج کو روک کر نالی میں سوزش پیدا کر دیتے ہیں۔ اور ساتھ ہی پیشاب میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔

بعض امراض میں غدد اور غشائے مخاطی میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔ پتھری و ریگ، نقرس کثرت احتلام وغیرہ۔ ان کے علاوہ اغلام بازی اور جلق میں کثرت رگڑ و گندگی اور منی و رطوبات کا زیادہ اخراج اکثر سوزاک پیدا کر دیتے ہیں۔ سوزاکی مرد اور سوزاکی عورت سے بھی ایک دوسرے کو یہ مرض ہو جاتا ہے۔

علامات

سوزاک کی مادہ (سورا) اور دیگر اثرات کے چند دنوں بعد اکثر تین یوم سے سات یوم کے اندر اندر پیشاب کی نالی میں سوزش وخارش اور جلن اور کمی بول شروع ہو جاتا ہے۔ جس کے ساتھ درد وخون اور پیپ کا آنا شروع ہو جاتا ہے۔ درد بڑھتا جاتا ہے، پیشاب رُک جاتا ہے، عضو مخصوص متورم ہو جاتا ہے۔ پیشاب کرتے وقت ٹیسیں پڑتی ہیں۔ تکلیف یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ کپڑا بھی چھو جائے تو درد ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ علاج سے کچھ تخفیف ہو جاتی ہے۔ اگر علاج صحیح ہوا ہوتو سوزاک بالکل رفع ہو جاتا ہے۔ نہیں تو قرحہ بن جاتا ہے اور رفتہ رفتہ اس کا سوزا کی مادہ سارے جسم میں اثر کر کے خوفناک صورتیں پیدا کر دیتا ہے۔

خوفناک صورتیں

سوزاک کا جب آرام نہیں آتا تو قرحہ بن جاتا ہے۔ اس سے پیشاب کی نالی خشک اور تنگ ہو جاتی ہے۔ جس سے پیشاب کا اخراج مشکل ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات تو پیشاب کی نالی میں تیز سلائی سے پھر زخم کیا جاتا ہے اور نالی کا راستہ کھولا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات پیشاب کے اخراج کے لئے نالی میں ایک اور راستہ بنا دیا جاتا ہے۔ سوزا کی مادہ میں شدت کے بعد یہ مثانہ کی طرف بڑھتا ہے۔ تو غدد مذی و ودی اور خصیہ فوقانی تک چلا جاتا ہے۔ جب اس زہر کا اثر خون میں سرایت کر جاتا ہے تو اس کو بھی متعفن اور زہریلا کر دیتا ہے۔ جس سے جسم پر دانے نکل آتے ہیں۔ اس سے دِل اور باقی اعضاء کی غدی جھلی (غشائی مخاطی) میں بھی شدید سوزش ہو جاتی ہے جس میں پیشاب کا بند ہو جانا، پیشاب میں خون کا آنا، خون کا متعفن ہو جانا، جوڑوں کا درد (نقرس)، ورم مثانہ اور سوزا کی آنکھ کا آنا شامل ہے۔ عورتوں میں یہ مرض جب رحم تک پہنچ جاتا ہے تو رحم اور خصیۃ الرحم میں ورم پیدا ہو جاتا ہے۔ جس میں پیشاب کے امراض کے علاوہ رحم کے بعض امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اکثر بانجھ پن پیدا ہو جاتا ہے۔

سوزاک کوئی معمولی مرض نہیں ہے، اس سے بھی بہت خوفناک قسم کا زہر پیدا ہوتا ہے۔ جس کو سوزا کی زہر (سورا) کہنا چاہیئے۔ جب تک اس کا مکمل علاج نہ ہو جائے، اس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ ورنہ اس کا زہر جسم میں داخل ہو جاتا ہے۔

اصول علاج

سوزاک پیشاب کی نالی (نائزہ واحلیل) کا مرض ہے۔ اس میں نالی کے اندر سوزش ہو جاتی ہے۔ یہ سوزش وہاں کی غشائے مخاطی میں ہوتی ہے، جس کا تعلق غدد (جگر) سے ہے۔ گویا جگر وگردوں اور جسم کے تمام غدد اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگرچہ مرض کا مرکز پیشاب کی نالی ہے، مگر اصل مرکز جگر ہے جو ایک عضو رئیس ہے۔ اس لئے سوزاک کے علاج میں جگر وگردوں اور غدد وغشائے مخاطی کو مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔

چونکہ اس مرض میں جگر گردوں اور غدد وغشائے مخاطی میں سکیڑ پیدا ہو جاتا، اس لئے اس کے اصول علاج میں اس حقیقت کو بھی ذہن میں رکھیں کہ وہاں کی سوزش کے ساتھ ساتھ وہاں کا سکیڑ بھی ختم ہو جانا چاہیئے۔

غلط فہمی

چونکہ اس مرض میں گرمی اور صفراء بے حد بڑھ جاتا ہے اور پیشاب میں بندش آجاتی ہے۔ اس لئے اس مرض میں عمومی اطباء اور عوام سرد سے سرد مدرات دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ صندل وکباب چینی اور مہندی ودھنیا تک استعمال کرا دیتے ہیں۔ قلمی شورہ ان ادویہ کا خاص جز ہے۔ بعض مجرباتی معالج گرم مدرات جیسے دار چینی، لوبان اور ست سلاجیت وست گلو وغیرہ دیتے ہیں اور زخم بھرنے کے لئے ست بیروزہ ان کا ضروری جزو۔

ہے۔ یہ سب بے اصولی علاج ہیں۔

اسی طرح فرنگی معالج (ڈاکٹر) قاتل جراثیم اور حابس رطوبات دوا دینے سے ایک روز میں علامات روک دیتے ہیں۔ چند روز بعد پھر وہی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ پھر کھانے کے لئے ادویات دیتے ہیں۔ ان میں مسکنات و مخدرات اور دافع تعفن اور دافع جراثیم کے ویکسین اور مرکبات بڑے فخر سے دیتے ہیں۔ لیکن یہ سب طریقے غلط اور عطائیانہ ہیں۔

صحیح علاج

یاد رکھیں کہ سوزاک اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب پیپ بن چکی ہوتی ہے۔ ایسے موقعہ پر ورم مکمل ہو چکا ہوتا ہے۔ اس لئے رادع و مسکنات اور مخدرات و جراثیم کش ادویات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ محللات کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس سے نہ صرف یہ کہ وہاں کی سوزش و درد اور زخم و پیپ ختم ہو جاتی ہے، بلکہ پیشاب بھی کھل کر آ جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے محللات جگر اور مخرج صفراء ادویات کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے یرقان اور سوالقینہ واستسقاء میں ہوتا ہے۔ علاج میں ادویہ اور اغذیہ ایک ہی قبیل کی ہونی چاہئیں۔ غذا کے لئے دیکھیں ''تحقیقات علاج بالغذا'' (غدی) **اعصابی دوا کے لئے بھی غدی اعصابی ادویہ دیں۔ اگر قبض ہو تو غدی اعصابی ملین یا غدی اعصابی مسہل دیں۔ یہ یقینی اور بے خطا کے ساتھ ساتھ فوری علاج بھی ہے۔** تحقیقات فارما کوپیا اور ''تحقیقات المجربات'' میں یہ سب نسخے درج ہیں۔ مفرد ادویہ کے لئے دیکھیں ''تحقیقات علم الادویہ'' میں غدی اعصابی ادویہ۔ اس میں کوئی ڈیڑھ سو ادویہ دی گئی ہیں۔ ضرورت کے مطابق استعمال کر سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ تحقیقات فارما کوپیا میں غدی اعصابی تریاق جو ابتدائی اور شدید حالت میں دینے چاہئیں اور غدی اعصابی اکسیر جو قرحہ و مزمن اور خباثت و خوفناک حالت و صورت میں دے سکتے ہیں۔ **آرام آ جانے کے بعد کچھ دنوں تک غدی اعصابی مقوی بھی استعمال کر دیں اس طرح مکمل تسلی بخش علاج ہو جاتا ہے** اور مرض کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ

٦
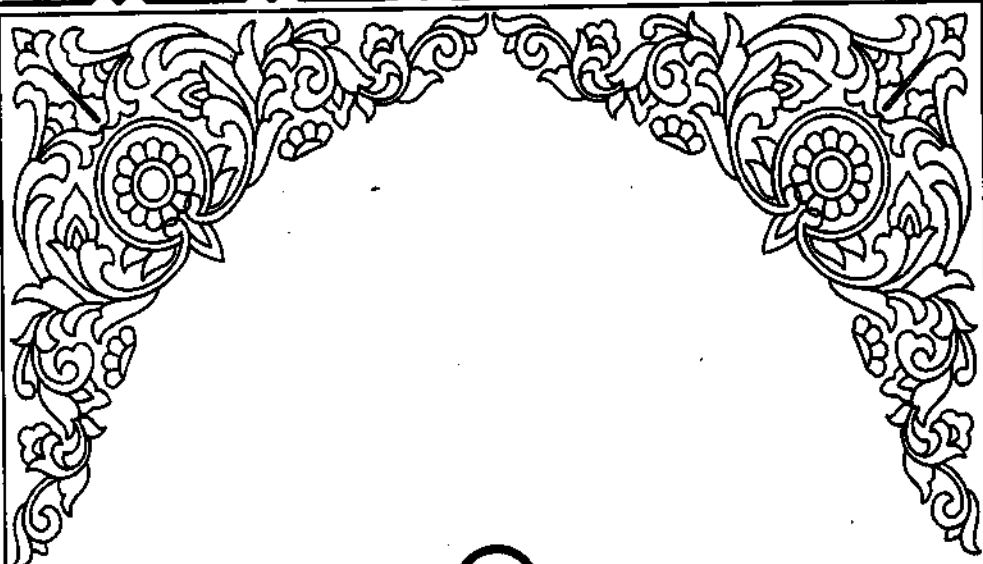
تحقیقات امراض وعلامات

فہرست عنوانات

عرضِ ناشر

قارئین عرصہ دراز سے ہمارے بزرگوار (داداجان) حکیم انقلاب المعالج صابر ملتانی موجد قانون مفرد اعضاء کی تحقیقی تصانیف کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔ جن کو شائع کرنے کے لیے والد محترم جناب حکیم مسلم ناصر شکیل صاحب نے کئی بار کوشش کی کہ حکیم انقلاب رحمۃ اللہ علیہ کی تمام کتب شائع کر کے ان کے ہزاروں شاگردوں کی علمی پیاس بجھائی جائے مگر بعض مجبوریوں کی وجہ سے وہ کتب شائع نہ کر سکے۔ دوست بار بار اصرار کر رہے تھے کہ آپ کی تمام تصانیف کی اشاعت کا بندوبست کیا جائے۔ کیونکہ قانون مفرد اعضاء پر مکمل عبور حاصل کرنے کے لیے آپ کی کتب کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اب والد صاحب نے تمام کتب کی اشاعت کا بارِ گراں میرے ذمہ لگا دیا ہے۔

تحقیقات الامراض والعلامات میری پہلی کوشش ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے لیے مجھے کافی مشکلات کا سامنا بھی ہوا مگر میں ان مشکلات کے باوجود اپنے داداجان کی کتب کی اشاعت کو اپنا فرض سمجھتے ہوئے پورا کروں گا۔ اور اس راہ میں آنے والی تمام مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے ہر ماہ ایک کتاب شائع کر کے آپ کے شاگردوں کی علمی پیاس بجھانے کی حتی الامکان کوشش کروں گا۔

کتاب ہذا کی ترتیب و پروف ریڈنگ کرتے ہوئے کتاب کو اغلاط سے پاک کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ مگر پھر بھی آپ سے استدعا ہے کہ کتاب میں اگر کوئی اشاعتی یا طباعتی خامی نظر آئے تو مجھے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں درست کیا جا سکے۔

اس سلسلہ میں میں اپنے دوستوں کا مشکور ہوں جن کے بھرپور تعاون کی وجہ سے میں اس قابل ہو سکا کہ کتاب آپ کے سامنے پیش کر سکوں۔

امید ہے کہ اس کتاب سے معالجین قانون مفرد اعضاء ہی نہیں بلکہ ہر عام و خاص اور اہل علم حضرات کے علاوہ، حکیم، طبیب اور ڈاکٹر حضرات بھی مستفید ہوں گے۔

قارئین سے آخر میں گذارش ہے کہ میرے لیے دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کتاب کے علاوہ دوسری تمام کتب شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

معظم فرید صاحبزادہ حکیم مسلم ناصر شکیل

مختصر تعارف

حکیم انقلاب المعالج دوست محمد صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

موجد قانون مفرد اعضاء و بانی تحریک تجدید طب

آپ کا اصل نام دوست محمد تھا صابر ملتانی آپ کا ادبی نام تھا اسی نام سے آپ دنیائے طب میں مشہور ہوئے ۹ جولائی ۱۹۰۶ء کو ملتان میں پیدا ہوئے اسی نسبت سے ملتانی کہلائے ابتدائی تعلیم سے ایف اے تک ملتان میں ہی تعلیم حاصل کی اردو فارسی عربی فاضل کے امتحانات لاہور سے پاس کیے ابتدائی طبی تعلیم اپنے ماموں حکیم احمد حسن سے حاصل کی اس کے بعد ۱۹۳۳ء سے تحقیقات کا آغاز کیا تحقیقات کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے کہ تحقیقات کرنا لوہے کے چنے چبانے کے مترادف ہے۔

چونکہ آپ کا ذہن انتہائی تحقیقی تھا اس لیے ہر مسئلہ کو فطرت کے مطابق پرکھنے لگے چونکہ فرنگی طب کی بنیاد ہی قانون فطرت کے مطابق نہیں ہے اس لیے اسے خلاف فطرت پایا مثلاً جراثیم اور اس کی نشوونماء پر غور کیا اور یہ ثبوت حاصل کرنے کی کوشش کی کہ کیا جراثیم ہی مرض کا باعث ہوتے ہیں؟ یا کوئی اور سبب ہوتا ہے؟

تحقیقات سے معلوم ہوا کہ جراثیم تو نتیجہ مرض ہیں نہ کہ سبب مرض کیونکہ اگر کسی جگہ رطوبتی مواد رکھ دیا جائے اور وہاں کئی دن تک پڑا رہے اور اس پر مناسب حرارت اثر کرتی رہے تو اس رطوبتی مواد میں پہلے خمیر پیدا ہوتا ہے پھر جراثیم نمودار ہوجاتے ہیں بالکل اسی اصول کے تحت جب کوئی مفرد عضو اپنے فضلات یا رطوبت باہر خارج نہیں کرتا تو کچھ عرصہ کے بعد اس میں خمیر پیدا ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں وہاں تعفن پیدا ہو کر جراثیم بن جاتے ہیں۔

اسی طرح کیفیات کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہ تھا ان کے خواص وفوائد اور افعال واثرات سے انکار کسی صورت میں نہ بن پڑتا تھا مثلاً گرمی سے سردی ختم ہوجاتی ہے تو خشکی سے تری قائم نہیں رہ سکتی اسی طرح ترشی کو الکلی سے ختم ہوتے ہوئے دیکھا اور الکلی کو ترشی سے تو طب یونانی کی وہ اخلاط مزاج والی تھیوری حقیقت بن کر سامنے آ گئی یعنی الکلی طب یونانی کی رو سے بلغم ہے تو ترشی طب یونانی کی رو سے سودا ہے اگر سائنس الکلی سے ترشی کو ختم کرنا ضروری سمجھتی ہے تو طب یونانی بلغم (تری) کو سودا (خشکی) سے ختم کرتی ہے اسی طرح اخلاط مزاج کی حقیقت کو اٹل صورت میں تسلیم کرنا پڑا اسی طرح ایلوپیتھی کے ہر نکتہ کو فطرت کے مطابق پرکھنا شروع کر دیا جوں جوں ایلوپیتھی کے ہر پہلو کو پرکھتے جاتے ویسے ہی اس سے دور بھاگنا شروع کر دیا یہی وجہ تھی کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس طریقہ یا قانون کا نتیجہ دو اور دو چار نہ ہو اس پر عمل نہیں کرنا چاہیے اس دوران آپ کو ایک عجیب وغریب حیرت انگیز واقع پیش آیا جس نے آپ کا ذہن بدل کر رکھ دیا۔

آپ کے پاس ہیضہ کا ایک مریض آیا آپ نے طب جدید کے اصول کے تحت معدہ وامعاء کے سکون کے لیے دوا دی تو مریض کی حالت غیر ہوگئی پھر طب قدیم کے اصول کے تحت علاج کیا گیا تو فوراً شفاء ہوگئی نتیجہ کے طور پر آپ کو امید کی ایک کرن نظر آئی آپ نے طب قدیم کا گہری نظر سے مطالعہ شروع کر دیا آخر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ نعمت عطا کر دی جس کے آپ مدت سے متلاشی تھے اس نعمت کا نام قانون مفرد اعضاء ہے یہ قانون طب یونانی اور آیورویدک میں ایک انقلاب آفریں قانون ہے جو طبی دنیا میں ایک زبردست انقلاب تھا اسی وجہ سے آپ حکیم انقلاب کے نام سے مشہور ہوئے۔

امراض کی تعداد

اس قانون کی رو سے ثابت کیا گیا ہے کہ امراض صرف تین ہیں جو مفرد اعضاء یعنی اعصاب غدد اور عضلات میں پیدا ہوتے ہیں باقی سب کی سب علامات ہیں قانون مفرد اعضاء کے تحت جو علاج کیا جاتا ہے اس کا نتیجہ دو اور دو چار کی صورت میں برآمد ہوتا ہے آپ نے قانون مفرد اعضاء دنیا کے فلاسفروں، محققوں، مجددوں اور ڈاکٹرز کے سامنے دعوے کے ساتھ ۱۹۵۸ء میں پیش کیا۔ اس وقت آپ کے سامنے مشکلات کے پہاڑ تھے مگر آپ نے ان کی پرواہ نہ کی اور تحقیقات جاری رکھیں اور اپنی مطبوعات بھی پیش کر دیں جو رہتی دنیا تک انسانیت کے کام آتی رہیں گی ادویات کی تحقیق کے سلسلے میں بھی آپ اپنے جسم کو اذیتیں دیتے رہے گویا آپ نے اپنے جسم کو ایک لیبارٹری بنا کر دنیا کو ایک حقیقی فن کی طرف راغب کر دیا، کثرت مطالعہ اور تیز ترین ادویات کے استعمال نیز دن رات کی مصروفیت اور دور دراز کے تھکا دینے والے سفر سے آپ بیمار ہو گئے اور بالآخر چونسٹھ سال کی عمر میں ۳۰ جون ۱۹۷۲ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ○

پیش لفظ

تحقیقات الامراض والعلامات کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگالیں کہ ان کے بغیر نہ ہی تشخیص صحیح ہوسکتی ہے اور نہ کسی علاج میں کامیابی ہو سکتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ شیخ الرئیس بوعلی سینا کے بعد امراض اور علامات پر کوئی تحقیقات نہیں ہوئیں اور اس کے بعد جو کتب حقیقت امراض اور علامات پر لکھی گئی ہیں ان میں اسی کی نقل کی گئی ہے۔ اسی طرح آیورویدک میں چرک اور سسٹرت کے بعد ہزاروں سالوں میں ان کی معلومات پر اضافہ کیا ہوتا۔ البتہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے ان کو بھی پورے طور پر نہیں سمجھا گیا بلکہ ان میں خس وخاشاک اس قدر ملا دیا گیا ہے کہ ان کی اصل حقیقت بھی ان میں دب کر روپوش ہوگئی ہے۔ اب ان کی حقیقت اصل رنگ میں پیش کرنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہوگیا ہے۔

آیورویدک کی تحقیقات کا کام تو اس وقت ختم ہوگیا تھا جب سکندر اعظم کی فتوحات کے ساتھ ہندوستان پر طب یونانی کی برتری قبول کر لی گئی اور بعد کے زمانوں میں خصوصاً اسلامی علوم وفنون کے انتہائی ترقی یافتہ دور میں طب یونانی کی عظمت ہندوستان میں بہت بڑھ گئی اور جب ہندوستان پر مسلمانوں نے صدیوں تک بادشاہی کی تو طب یونانی کا ہر طرف غلبہ اور بول بالا ہوگیا جس کے ساتھ ہی آیورویدک یا تو کتب میں بند ہوگئی یا طب یونانی کے ساتھ ساتھ اس کا بھی ذکر ہوتا رہا لیکن اس کی تحقیق وترقی کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا۔ آیورویدک کی تحقیق وترقی میں رکاوٹ کا ایک بڑا سبب یہ بھی پیدا ہوگیا کہ آیورویدک کی اصل زبان سنسکرت ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔ ہندوستان کی نئی زبانوں میں نئے علم وفن اکٹھے ہوگئے۔ اب حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ آیورویدک زبان کا زندہ ہونا قطعاً ناممکن ہوگیا ہے۔ اس لیے آیورویدک کی تجدید کا سوال ہی ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا ہے۔

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کے عروج اور علوم وفنون کے دور نے طب یونانی کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو یونانی طب وحکمت اور علم و سائنس نے آیورویدک کے ساتھ کیا تھا۔ مگر انیسویں صدی کے آخر تک مسلمانوں کی حکومت کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے دیگر چھوٹے بڑے نوابوں، حکمرانوں اور راجوں مہاراجوں کے دور میں طب یونانی بہت حد تک زندہ رہی اور آج بھی وہ زندہ ہے کیونکہ اس کی روح یعنی اس کی زبان عربی آج بھی زندہ زبانوں میں شامل ہے اور تقریباً نصف دنیا میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی ترقی اور عروج کے بعد اس میں بھی تحقیق اور ترقی کا دور ختم ہوگیا ہے۔

ان حقائق کے مدنظر ہم نے عرصہ بیس پچیس سالوں سے طب یونانی میں تجدید کا سلسلہ شروع کیا تھا جس کی بنیاد کیفیات واخلاط کو بالمفرد اعضاء پیش کیا گیا تاکہ فرنگی طب کا نہ صرف مقابلہ کیا جائے بلکہ ان کو ان کی معلومات کے تحت غلط اور غیر علمی (ان سائنٹیفک) ثابت کیا جائے جو ہم عرصہ پانچ برس سے بہت کامیابی کے ساتھ دنیا طب وحکمت اور جدید دور سائنس اور علم میں پیش کر رہے ہیں۔

نظریہ مفرد اعضاء کا مقصد صرف یہ ہے کہ طب یونانی کے علوم فنون کو جو کیفیات واخلاط کے حدود میں بند ہیں ان کو ماڈرن سائنس کی تدقیقی (مائینوٹ) تحقیقات جو ایٹمی دور کے منافع الاعضاء فزیالوجی کا سب بڑا اور آخری کارنامہ ہے اس کے مطابق اور اس کے رنگ میں پیش کر سکیں۔

اللہ کریم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس پیش کش اور تجدید طب میں انتہائی کامیاب اور کامران کیا ہے۔

اس کتاب سے پہلے ہم تقریباً دس کتب اسی نظریہ مفرد اعضاء (انسجہ۔ٹشوز) کے تحت پیش کر چکے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی سے بے حد مقبول اور بے انتہا مفید ثابت ہوئی ہیں۔ یہ کتاب بھی انہی کی ایک کڑی ہے۔ نظریہ مفرد اعضاء تو پہلے کئی بار بیان ہو چکا ہے۔ اس کے تحت قابل اطباء اور فاضل معالجین امراض وعلامات کی حقیقت سے واقف ہو چکے ہیں لیکن نو آموز اطباء اور طالب علموں کی سہولت کے ساتھ ساتھ تشخیص میں آسانیاں پیدا کرنے کے لیے یہ تحقیقات الامراض وعلامات اور ان کے علاجات کی طرف اشارے پیش کیے گئے ہیں تا کہ علاج میں اور بھی یقینی اور بے خطا صورتیں پیدا ہو جائیں۔ اس کتاب پر جو محنت کی گئی ہے اس کا اندازہ ایماندار اور محقق اہل علم صاحب فن ہی لگا سکتے ہیں اور وہی اس کی قدر وقیمت کی داد دے سکتے ہیں۔

اس کتاب میں تحقیقات الامراض وعلامات کے علاوہ تین باتوں کو خاص طور پر مدنظر رکھا گیا ہے:

1. بیرونی طور پر جسم انسانی کی تقسیم اور مفرد اعضاء میں امراض کی ابتدا کی حدود تا کہ مریض اگر جسم کے کسی مقام پر ہاتھ رکھ دے تو فوراً پتہ چل جائے کہ فلاں مفرد عضو میں تحریک شروع ہوگئی ہے۔ یہ علم تشخیص میں اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اس کی مثال آج تک طبی دنیا پیش نہیں کر سکی اور آئندہ اس کی بنیاد پر قابل قدر تحقیقات سامنے آسکتی ہیں۔
2. تشخیص الامراض وعلامات میں ان کے فرق کو دلائل کے ساتھ بیان کر دیا ہے تا کہ علاج میں غلط فہمی باقی نہ رہے اور یقینی طور پر مرض کو رفع کیا جا سکے۔
3. علاج کو ذہن نشین کرانے میں بعض مشہور امراض وعلامات کے علاجات کے اشارے لکھ دیئے ہیں تا کہ ان میں مشکلات پیش نہ آئیں۔ اگر ہم تمام امراض میں یہ صورت قائم رکھتے تو کتاب کا حجم کم از کم دس گنا ہوتا جو اس قلیل وقت میں بالکل ناممکن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تفصیلی علاجات کے لیے دس گنا حجم بھی ناکافی ہے۔

وما توفیقی الا باللّٰہ.

مُقدّمہ

حکیم مطلق وخالق ارض وسماء اور قادر زندگی وکائنات کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ایسی کتاب لکھنے کی قوت عطا فرمائی جس کی علم وروشنی سے طبی دنیا نہ صرف محروم تھی بلکہ اس کے حقائق کے بغیر علم وفن طب کو سمجھنے کے لیے ظن وگمان اور پیچیدگی میں مبتلا تھی۔ اس کتاب میں حقیقت الامراض وعلامات کا ایسا نقشہ پیش کر دیا ہے جس سے ہر مرض اور ہر علامت نکھر کر نمایاں ہوگئی ہے اور کسی قسم کے شک وشبہ اور ظن وگمان کی ادنیٰ سی صورت بھی باقی نہیں رہی۔ ہر معالج جس کو فن طب کی مبادیات کا علم ہو اس سے پورے طور پر مستفید ہوسکتا ہے۔ اس کتاب کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ایسے زمانے میں لکھی گئی ہے جب کہ طبی دنیا میں فرنگی طب کا نہ صرف دور دورا ہے بلکہ اس کا تمام دنیا پر قبضہ ہے۔ اس کتاب نے اس کے تحقیقات الامراض وعلامات کو نہ صرف کلیم بدل دیا ہے بلکہ غلط قرار دے دیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد فرنگی طب کی بے بسی اور بے کسی طبی دنیا میں نمایاں طور پر روشن اور واضح ہو جائے گی۔ اس کے بعد طبی دنیا کبھی بھی اس کی تحقیقات کو صحیح مقام نہیں دے گی۔ جن لوگوں نے امراض اور علامات کی حقیقت کو سمجھنا ہے ان کے لیے لازمی امر ہوگا کہ وہ اس کتاب کو اپنا رہنما بنا کر علم وفن طب کی روشنی حاصل کریں ورنہ وہ طبی دنیا کے حقیقی علم سے محروم اور کامیابی سے دور رہیں گے۔

ہندو پاکستان میں صدیوں سے تحقیقات الامراض وعلامات پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ آیورویدک کا ذکر تو بالکل بے سود ہے کیونکہ اس میں صدیوں سے علم طب وفن میں کوئی کام ہی نہیں ہوا۔ جہاں تک طب یونانی کا تعلق ہے اس میں ابن نفیس کی کتاب ''شرح اسباب وعلامات'' کے بعد کوئی قابل قدر کتاب نہیں لکھی گئی۔ پھر بعد کے زمانوں میں اسی کتاب سے فارسی میں کتب لکھی گئیں اور بعد میں اسی کتاب کے اردو زبان میں ترجمے ہوئے اور ہندو پاکستان کے تمام فرنگی طبیہ کالجوں (انگلو انڈین طبیہ کالج) جن میں طب یونانی کے ساتھ فرنگی طب بھی پڑھائی جاتی تھی' شامل نصاب رہی۔

''شرح اسباب وعلامات'' ایک انتہائی قابل قدر کتاب میں اسلامی طب کے دور کمال کی تمام تحقیقات' اسباب وعلامات اور امراض وعلاجات کے متعلق درج کی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے زمانوں میں اسے بڑھ کر تو کیا اس کے برابر بھی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ایسی تحقیقاتی کتاب آج تک فرنگی طب (ماڈرن میڈیکل سائنس) بھی شائع نہیں کر سکی۔ یہی اس کا کمال ہے ان حقائق سے اندازہ لگالیں کہ یہ کتاب طبی دنیا میں کس پائے کی قابل قدر کتاب ہے جس کی تفصیل کے لیے پھر اس سے دگنی تگنی کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔

جہاں تک اس کتاب کے حقائق کا تعلق ہے بہت سے مقام ایسے ہیں جہاں پر اختلاف کیا جاسکتا ہے کیونکہ تحقیق میں مختلف ذہن اور جداقسم کے نظریات غالب رہتے ہیں۔ لیکن اس کتاب میں شرح اسباب وعلامات اور امراض وعلاجات میں ہمیشہ حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر جن لوگوں نے ان کے اردو ترجمے کیے ہیں انہوں نے اس پر جو حاشیے لکھے ہیں ان میں بے حد خرابیاں کی ہیں۔ جن کی تفصیل طوالت کا باعث ہوگی۔ ہمارے سامنے اتنا عظیم کام ہے کہ ہم فی الحال ہر طبی مفید یا غیر مفید کتاب کے حسن وقبح پر بحث نہیں کر سکتے لیکن یہ خدمت بھی ہمارے ذہن

میں محفوظ ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جس میں ہندوستان کو بدقسمتی سے شکست ہوگئی تھی جس کا نام فرنگی حکومت نے غدر ۱۸۵۷ء رکھا تھا۔ اس کے بعد فرنگی نے جب اپنی حکومت مضبوط کرلی تو انہوں نے اپنے ملکی اور قومی علوم وفنون کی نشرواشاعت کے لیے تمام ہندوستان میں جگہ جگہ اپنے سکول اور کالج قائم کیے۔ ان میں میڈیکل سکول اور کالج بھی قائم کیے گئے۔ لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب ملک میں زبان اردو اپنے پورے عروج میں تھی۔ وہی دور تھا جب مرزا غالب، مومن اور ذوق کا طوطی بولتا تھا اور اسی دور میں سرسید، مولوی نذیر احمد اور مولانا شبلی نعمانی نے اپنے علمی خزانوں سے ملک کو مالا مال کر دیا۔ اس کے فوراً بعد ہی مولانا حالی، مولانا محمد حسین آزاد اور اکبر الہ آبادی نے زبان اردو کی پلک نوک سیدھی کر دی۔ اسی باکمال دور میں مولانا ابوالکلام آزاد اور حکیم الامت علامہ اقبال جیسی باکمال شخصیتوں نے اپنی زبان، قوت اور علم وفن کا لوہا دنیا بھر میں منوالیا۔

زبان کے اس اثر کی وجہ سے فرنگی حکومت مجبور تھی کہ ملک میں علوم وفنون کی اشاعت کو انگریزی، فارسی اور عربی کی بجائے اردو زبان میں جاری کرے۔ تقریباً تمام ہندوستان میں علوم وفنون اردو زبان میں جاری کیے گئے اور اس مقصد کے لیے انگریزی کتب کے ترجمے کر کے ان کو نصاب میں داخل کیا گیا اور سالہا سال کی تعلیم کے بعد اردو زبان ہی میں امتحان لیے گئے اور کامیاب لوگوں کو فرنگی طب کی ڈگریاں دی گئیں اور ان کو ملازمتیں بھی عطا کی گئیں۔ وہ کتب جو نصاب میں داخل تھیں اب بھی لائبریریوں میں موجود ہیں۔

پنجاب میں فرنگی طب کی بڑی درس گاہ میڈیکل سکول لاہور تھی جس کا نام بعد میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج رکھا گیا۔ جو اب تک قائم ہے۔ تھوڑا عرصہ گزرا اس کی صد سالہ برسی منائی گئی ہے۔ اس درسگاہ میں بھی اردو زبان میں فرنگی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس دور میں جو فرنگی طبی کتب ترجمہ ہوئیں ان میں ڈاکٹر رحیم بخش کی طب رحیمی اور ڈاکٹر پنڈت بال کرشن کول کے میٹیر یا میڈیکا کا پہلا ایڈیشن ۱۸۹۷ء میں شائع ہوا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انیسویں صدی کے آخر تک پنجاب کی اس فرنگی درسگاہ میں فرنگی طبی تعلیم اردو زبان میں دی جاتی تھی اور اس طرح فرنگی طبی تعلیم کو مقبول بنانے کی سعی اور کوشش جاری تھی۔

شاید اسی جذبہ کے تحت جیسا ڈیڈیکیشن (معنون) سے ظاہر ہے لفٹیننٹ کرنل بھولا ناتھ نے اپنی ''کتاب علم وعمل طب'' لکھی۔ کوئی شک نہیں کہ تاریخی وتمدنی اور عملی وفنی تبدیلیوں کی حیثیت سے یہ کتاب ایک سنگ میل ہے جس میں معاشرہ کی تبدیلی پر خاص روشنی پڑتی ہے لیکن اس کتاب کا بڑا مقصد یہ تھا کہ طب یونانی کو ختم کر دیا جائے کہ وہ اب قدیم ہو چکی ہے۔ فرنگی طب کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جگہ جگہ طب قدیم پر زبردست اعتراض کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب جناب مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب کے نام منسوب کی گئی ہے۔ اس کا جواب ضرور جناب مسیح الملک صاحب کو دینا چاہیے تھا مگر نہیں دیا گیا۔ البتہ بعد کے زمانے میں جناب حکیم کبیر الدین صاحب پروفیسر طبیہ کالج دہلی نے بعض اعتراضوں کے جوابات دیئے ہیں۔ لیکن وہ سب بے معنی ہو جاتے ہیں جب کہ انہوں نے اپنی کتاب ''افادہ کبیر'' کے آخر میں ایک ضمیمہ لکھ کر فرنگی طب کے بہت اعتراضوں کو صحیح سمجھ کر درست تسلیم کر لیا ہے جن کے جوابات ہم نے اپنی کتاب ''فرنگی طب غلط طریق علاج'' میں دیئے ہیں۔ اب کرنل بھولا ناتھ کی کتاب ''علم وعمل طب'' کے جواب کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم نے تمام فرنگی طب کو غلط ثابت کر دیا ہے اور ان اکثر اعتراضات کے جواب اپنی طبی تصانیف میں جگہ جگہ دیئے ہیں جن سے وہ لوگ باخبر ہیں جنہوں نے وہ پڑھ لی ہیں۔

کرنل بھولا ناتھ نے اپنی کتاب ''علم وعمل طب'' میں طب یونانی پر خوفناک حملے کیے ہیں جو اکثر غلط ہیں۔ لیکن حیرت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر اعتراضات کو جناب حکیم کبیر الدین نہ صرف لاجواب ہو کر بلکہ صحیح سمجھ کر اپنا گئے ہیں اور اپنی کتاب ''افادہ کبیر'' میں قدیم اور جدید نظریات کو بالمقابل لکھا ہے اور تعجب انگیز بلکہ دردناک بات یہ ہے کہ طب یونانی کے وہ قانون جن پر اس کی بنیاد ہے اور پوری عمارت قائم ہے جن کے

خلاف فرنگی طب نے لکھا ہے انہی فرنگی طب کے نظریات کو صحیح سمجھ کر قانون عصری میں تحقیقات طب یونانی کے نام سے لکھا گیا ہے۔ اس کتاب پر ① جناب مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب ② جناب حکیم محمد کبیر الدین صاحب ③ جناب حکیم محمد الیاس صاحب مرحوم سابق پروفیسر طبیہ کالج دہلی اور ④ جناب حکیم فضل الرحمٰن صاحب سابق پروفیسر طبیہ کالج کے دستخط ثبت ہیں۔

کرنل بھولا ناتھ کی کتاب ''علم وعمل طب'' بیسویں صدی کے بالکل ابتداء میں لکھی گئی اور ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی جو طب قدیم کی تباہی کی زبردست کوشش تھی۔ مگر اسی زمانے میں ایک دو ایسی شخصیتیں بھی ابھریں جنہوں نے نہ صرف فن طب کو سہارا دیا بلکہ طب یونانی کی عزت رکھ لی۔ یہ قابل عزت جناب حکیم فیروز الدین صاحب مرحوم مالک ماہنامہ ''الحکیم'' لاہور اور جناب شمس الاطبا حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب تھے جنہوں نے علم العلاج، علم الادویہ اور مجربات کے خزانے پیش کر کے وہ قابل قدر خدمات انجام دیں کہ پھر تباہ وبرباد اور فنا ہوتے ہوئے فن طب کو زندہ کر دیا۔ انہوں نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ فرنگی طب کے تحقیق شدہ علم وفن کے مقابلے میں طب یونانی اور آیورویدک کے خزانے دنیا کے سامنے پیش کر دیئے۔ طب قدیم کو طب فرنگی کے ساتھ علمی اور فنی حیثیت سے تطبیق دینے کی کوشش کی اور اپنے علمی اور فنی کارناموں میں پورے طور پر کامیاب ہوئے اور ان کی اولاد اور متعلقین اسی انداز میں خدمت علم وفن کرتے رہے ہیں۔

شمس الاطبا حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی نے مخزن حکمت (گھر کا حکیم وڈاکٹر) جیسی کامیاب کتاب لکھی کہ اس کی تمام ہندوستان میں دھوم مچ گئی۔ شاید ہی کوئی حکیم اور ڈاکٹر ہو جس نے اس کو خرید کر اپنے علم میں اضافہ نہ کیا ہو بلکہ ہر صاحب علم نے اس کو خریدا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ملک کی ہر بڑی لائبریری نے اس سے اپنی زینت بڑھائی۔ پنجاب یونیورسٹی نے اس کو ایک بہترین کتاب ہونے کا انعام دیا اور حکومت ہند نے ان کو خان صاحب کا خطاب عطا کیا۔

اگر شمس الاطبا ''مخزن حکمت'' کے سوا اور کوئی کتاب نہ لکھتے تو بھی ان کی کامیابی کے لیے یہ کتاب کافی تھی۔ مگر انہوں نے اس پر بس نہیں کی۔ اس سے بھی زیادہ بہتر کتب لکھیں جن کا جواب آج تک نہیں لکھا گیا۔ مثلاً میٹیر یا میڈیکا (علم الادویہ) علاج بالمفرد اودویہ، مخزن العلاج اور تشریح وافعال الاعضاء انسانی وغیرہ جن کی کوئی آج تک کامیاب نقل بھی نہیں کر سکا اور حقیقت ہے کہ جس خلوص اور محنت سے وہ لکھی گئی ہیں ان کا جواب لکھنا واقعی مشکل ہے۔

''مخزن حکمت'' کی کامیابی دیکھ کر دوسرے لوگوں کے منہ میں بھی پانی بھر آیا اور اس انداز پر اور کتب لکھی گئیں۔ جن میں ڈاکٹر نصیر الدین کی کتاب ''خزائن الطب جدید'' (گھر کا کامل طبیب) اور فرنگی شفاء الملک کی کتاب ''جامع الحکمت'' قابل ذکر ہیں۔ مگر دونوں میں ''مخزن الحکمت'' والی خوبیاں کہاں۔ زمین آسمان کا فرق ہے۔ ''خزائن الطب جدید'' میں نہ کوئی ترتیب ہے اور نہ ہی اس کو عام کیا گیا ہے بلکہ فرنگی طب کے بوجھل مضامین کو بے ترتیبی سے اردو کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ اس میں طب قدیم کے علم وفن کو اتنی اہمیت بھی نہیں دی جس قدر کرنل بھولا ناتھ نے اپنی بدنام کتاب علم وعمل طب میں دی۔ اس کے علاوہ علمی، فنی اور روزانہ زندگی کے مسائل کو کسی سلجھے ہوئے ڈھنگ سے بیان نہیں کیا گیا۔ اس لیے اس کتاب کی طرف کسی نے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اور یہ کتاب ردی اور کباڑ خانے میں پھینک دی گئی اور بے موت مر گئی۔ فطرت کا یہ ردعمل بھی صحیح تھا۔

دوسری کتاب فرنگی شفاء الملک حکیم محمد کی ''جامع الحکمت'' کو پوری کوشش سے مقابلے کے لیے لکھا گیا۔ اس کی لفظ بلفظ نقل کی گئی۔ مگر اس میں اہتمام یہ کیا گیا کہ طب قدیم کے علاج کو فرنگی طب سے مقدم رکھا گیا تاکہ طب قدیم کی نمائندگی کرے لیکن اس اہتمام کے سوا تمام کتاب کو فرنگی طب کے علوم وفنون کی جدید تحقیقات سے بھر کر نہ صرف کتاب کا ستیہ ناس کر دیا بلکہ طب قدیم کے حقائق اور خزانے کو تباہ وبرباد کر کے رکھ دیا۔ طب قدیم کے علم وفن کو کہیں ابھرنے کا موقعہ نہیں دیا گیا۔ بعض جگہ طب قدیم کے بنیادی قوانین کو فرنگی طب سے تطبیق دے کر ان کو سہارا دینے کی کوشش کی

گئی ہے اور یہ کوشش نہ صرف بھونڈی ہے بلکہ جگہ جگہ طبی مسائل کو غلط طریق پر بیان کر کے ان میں احساس کمتری پیدا کر دیا گیا ہے۔ جہاں تک ماہیت امراض واسباب اور علامات کا تعلق ہے فرنگی طب کی تحقیقات کو نہ صرف مقدم رکھا گیا ہے بلکہ اپنایا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں جراثیم کو بے حد اہمیت دی گئی ہے۔ طب قدیم کے بنیادی قوانین کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس لیے امراض کے علاج میں ذہن خود بخود فرنگی علاج کی طرف رجوع کرتا ہے۔ علاج میں جو مجربات خصوصاً طب قدیم سے لکھے گئے ہیں۔ اوّل تو بے معنی اور بے تعلق ہیں' دوسرے علم مجربات کی رو سے بالکل غلط ہیں۔ ہم نے ان کے متعلق ایک بار لکھا تھا کہ فرنگی شفاء الملک اپنی اس کتاب سے جس قدر صحیح تجربات پیش کر دیں ہم اتنے ہی روپے پیش خدمت کر دیں گے۔ سب سے بڑا ظلم جو اس کتاب میں نظر آیا ہے۔ وہ مسئلہ غذا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ سے جناب شفاء الملک صاحب قطعاً نابلد ہیں۔ سر سے پیر تک کسی مرض کے متعلق صحیح غذا تجویز نہیں کی گئی۔ پڑھ کر لگتا ہے جو مریض بھی اس غذا کو کھائے گا یقیناً مرے گا۔ گویا کتاب لکھ کر نہ صرف ملک وقوم کی دولت کو تباہ و برباد کیا گیا ہے بلکہ ملک وقوم پر علاج وغذا سے ظلم کیا گیا ہے۔ سب سے بڑا دکھ یہ معلوم ہوتا ہے کہ طب یونانی کے علم وفن کی عزت ووقار خاک میں ملایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے اس کتاب میں علمی وفنی دنیا ہی بالکل بدل دی گئی ہے۔ اس لیے اس کے مقبول ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چونکہ فرنگی شفاء الملک طبیہ کالج لاہور کے پرنسپل رہے ہیں اس لیے ان کے شاگرد اور طالب علموں کو یہ کتاب مجبوراً خریدنا پڑتی تھی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ کالج کے کورس میں علم العلاج کی حیثیت سے قبول نہیں ہو سکی۔ اس کے علاوہ موصوف نے کوشش کی ہے کہ پنجاب یونیورسٹی یا حکومت اس پر کچھ انعام عطا کرے۔ مگر انتہائی جدوجہد اور خوشامد کے بعد بھی وہ اس سلسلہ میں ناکام ہوئے ہیں۔ آج بھی حقیقت روزروشن کی طرح ظاہر ہے کہ ''مخزن حکمت'' کے مقابلہ میں اگر اس کتاب کو رکھا جائے تو کوئی اس کو نصف قیمت پر بھی خریدنے کو تیار نہیں ہے۔ فرنگی شفاء الملک نے صرف یہی علمی کتاب پیش کی ہے جس کا حشر آپ کے سامنے ہے۔ باقی کتب تو صرف مجربات فروشی کے تحت لکھی گئی ہیں۔ جن کی قدر وقیمت صرف تجارتی پہلو کے سوا اور کچھ نہیں۔ تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''تحقیقات فارما کوپیا'' کا مطالعہ کر لینا کافی ہے۔

مخزن حکمت کی نقلیں دیگر طریقہ ہائے علاجوں نے بھی خوب کھلے دل سے کی ہیں۔ اس کو سامنے رکھ کر مخزن آیورویدک لکھی گئی۔ اسی طرح ہومیوپیتھی اور بایوکیمک والوں نے ہومیوپیتھی علاج اور بایوکیمک علاج کے نام سے اس کی پوری پوری نقلیں کیں۔ ثبوت کے طور پر جناب ڈاکٹر نظام الدین کی ''علاج ہومیوپیتھی'' اٹھا کر دیکھی جا سکتی ہے۔ ہومیوپیتھ معالجوں کو نقل کے لالچ نے اس قدر اندھا کر دیا کہ وہ اس حقیقت کو بھول گئے کہ علامات کے علاوہ انہوں نے امراض کا تعین کر کے علاج لکھ ڈالے یعنی امراض واسباب اور علامات لکھ کر نیچے ہومیوپیتھک اور بایوکیمک کے علاج نقل کر دیئے اور اس کا نام اپنے علم وفن کا کمال ظاہر کیا گیا اور کہیں بھی اختلاف ظاہر کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ ترتیب کو مدنظر رکھنا برا نہیں ہے۔ لیکن نقل کرنا علم وفن کو ختم کر دیتا ہے۔ ان پر بس نہیں ہوئی۔ ان کے علاوہ دیگر طریق ہائے علاج ہومیوپیتھی ''کروموپیتھی'' (رنگوں سے علاج) ہائیڈروپیتھی (پانی اور بھاپ سے علاج) سائیکوپیتھی (نفسیاتی تجزیہ سے علاج) علاج بالغذا وغیرہ (جو دراصل ہومیوپیتھی اور بایوکیمک کی طرح طریقہ ہائے علاج نہیں ہیں بلکہ خواص الاشیاء اور علامات الاجسام لینے کے طریق ہیں ان کے ساتھ پیتھی اور علاج کا نام لگا کر ان کو ایک جداگانہ طریق علاج بنا دینے کی کوشش کی گئی ہے) سب نے مخزن حکمت کی نقلیں حسب منشا کی ہیں۔ بہرحال مخزن حکمت جیسی قابل قدر کتاب کی خوبیوں کو بگاڑ کر رکھ دیا اور اس طرح علم الامراض اور علم العلامات کی تحقیقات وکامیابی خصوصاً طب یونانی کے تحقیقاتی وتدقیقی اور علمی وفنی مقام کو ختم کر کے رکھ دیا۔ نتیجتاً پاک وہند میں علم وفن کی ترقی اور تجدید ہمیشہ کے لیے ابھرتی ہوئی برباد ہو گئی جس کی تجدید اور احیاء کے سب دروازے بند ہو گئے۔ جن کے کھلنے کی سب راہیں بند ہو گئیں اور اس کے بعد علم وفن طب میں فرنگی طب کے جراثیم داخل ہو گئے جن سے ان میں تعفن اور فساد پیدا ہو گیا اور پھر وہ خرابی پیدا ہوئی کہ حق وباطل میں تمیز نہ رہی۔ اب اس کا صرف یہی علاج باقی تھا کہ مرغولے کو ختم کر کے از سر نو علم وفن طب میں احیاو تجدید کی جائے

جو دنیا کے سامنے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہم کر رہے ہیں۔ اسی کے تحت ہم تحقیقات الامراض والعلامات اور ان کا علاج پیش کر رہے ہیں۔

جو حقائق ہم پیش کر رہے ہیں ان میں ذیل کے حقائق کو خاص طور پر مدنظر رکھا گیا ہے:

❶ ماہیت امراض وعلامات کی تحقیقات کو خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ انہی پر تشخیص اور علاج کی بنیاد قائم ہے۔ آیورویدک ان کی ماہیت کی بنیاد پرکرتی اور دوشوں پر رکھتی ہے اور طب یونانی نے ان کی بنیاد کیفیات اور اخلاط پر رکھی ہے ان دونوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے کیونکہ آیورویدک خون رقت دوشوں اور پت کف سے الگ شمار کرتے ہیں اور طب یونانی میں چاروں کو اخلاط میں شریک کرتے ہیں اور انہی کے تحت دونوں طریق علاج میں امراض وعلامات کی ماہیت بیان کر دی ہے۔ فرنگی طب نے پرکرتی دوشوں اور کیفیات واخلاط چھوڑ کر جراثیم اور خون کے اجزاء کی کمی بیشی یا زیادہ سے زیادہ کسی عضو کی قوت (امیونٹی) کے تحت ماہیت امراض وعلامات بیان کیے ہیں۔ ان کے تحت امراض وعلامات کی طبی وکیمیاوی تبدیلیاں (پیتھالوجی) میں بیان کی جاتی ہیں۔

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت ہم نے ان پرکرتی دوشوں اور کیفیات واخلاط کو اوّل مفرد اعضاء کے ساتھ تطبیق دی ہے۔ اور پھر ان کے تحت امراض وعلامات کی ماہیت اور حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً آیورویدک کف کا مقام دماغ اور اعصاب تسلیم کرتی ہے اسی طرح طب یونانی کا قانون ہے۔ سردتر مزاج دماغ اور اعصاب کا ہے۔ اسی طرح اوّل الذکر پت کا مقام جگر اور غدی ترشہ بیان کرتے ہیں اور ثانی الذکر جگر کا مقام گرم خشک کہتے ہیں اسی طرح باقی اعضاء کے متعلق آیورویدک اور طب یونانی میں تفصیل سے درج ہیں ہم نے نظریہ مفرد اعضاء کے تحت انہی آیورویدک اور طب یونانی کے تعین کیے ہوئے مقامات اور مزاج کو مقدم بنیاد قائم کر دیا ہے۔ یعنی مفرد اعضاء کو ہی بنیاد (فرسٹ یونٹ) قرار دے کر ان کے تحت ماہیت امراض وعلامات بیان کر کے سہل طریق پر ذہن نشین کر دیا ہے۔ ماڈرن میڈیکل سائنس (فرنگی طب نے بھی جسم انسان کی اصل چار قسم کے ٹشوز (انسجہ) تسلیم کیے ہیں۔ جن کو نروس ٹشوز (اعصابی انسجہ) مسکولر ٹشوز (عضلاتی انسجہ) اپی تھیلیل ٹشوز (قشری انسجہ) اور کنکٹو ٹشوز (الحاقی انسجہ) کہتے ہیں۔ ہم نے ان چاروں انسجہ کو چاروں اخلاط سے تطبیق دے کر ان کی دو دو کیفیات مقرر کر دی ہیں جن کو اس طرح سمجھ لیں: ① اعصابی انسجہ کا مزاج سردتر اور ان کو غذا بلغم سے ملتی ہے ② عضلاتی انسجہ جن کا مزاج گرم تر اور ان کو غذا خون سے ملتی ہے ③ الحاقی انسجہ جس کا مزاج سرد خشک ہے ان کو غذا سودا سے ملتی ہے۔ اس طرح تمام کیفیات اور اخلاط کے نہ صرف مسائل حل ہو جاتے ہیں بلکہ ماہیت امراض وعلامات اور تشخیص میں بے حد آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

ماڈرن میڈیکل سائنس (فرنگی طب) کا ٹشوز (انسجہ) کا علم تو ہے جس کا پہلا جز سیل (حیوانی ذرہ یا خلیہ) ہے مگر فرنگی طب نے اس کو امراض وعلامات کی بنیاد قرار نہیں دیا۔ یہ حقیقت سائنس تسلیم کرتی ہے کہ سیل جسم انسان میں اولین بنیاد اور جزو ہے اور انہی سے ٹشوز بن کر جسم انسان تعمیر ہوا ہے۔ ہم نے انہی مفرد اعضا یا بنیادی اعضاء کو آیورویدک اور طب یونانی سے تطبیق دے کر انہی کے تحت امراض وعلامات کی ماہیت بیان کر کے اپنی تحقیقات پیش کی ہیں۔ اب اہل علم اور صاحبان فن کا کام ہے کہ وہ غور کریں کہ ہم اپنی تحقیقات میں کہاں تک کامیاب ہیں۔ کیا اس سے دقیق اور بہتر امراض وعلامات کے متعلق تحقیقات ہو سکتی ہیں۔ آخر میں اس امر کی پھر تاکید کی جاتی ہے کہ یہ چھ صرف اعصابی غدی اور عضلاتی تحریکیں ہیں اور ان کی تحلیل وتسکین کو نظریہ مفرد اعضاء کے مطابق مدنظر رکھیں۔ اگرچہ ہم نے ہر تحریک کے امراض کے ساتھ ان کی تحلیل وتسکین کے امراض وعلامات کی طرف تسلی بخش اشارے کر دیئے ہیں۔ تقسیم امراض وعلامات کو دو تین بار غور سے پڑھنے کے بعد ان کا پورا نقشہ نظریہ بالمفرد اعضاء کے ساتھ ذہن نشین ہوگا اور یہی اس میں کامیابی کا راز ہے۔

وما توفیقی الا باللّٰہ العلی العظیم.

تحقیقاتِ امراض اور علامات

علم الامراض دراصل علم طب کی جان ہے۔ جب تک علم الامراض پر پورا عبور حاصل نہ ہو اس وقت تک کوئی انسان پوری طرح معالج کہلانے کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ علم طب کے تحت جس قدر بھی علوم کی تقسیم کی گئی ہے وہ چاہے علم الابدان ہو یا علم افعال الاعضاء یا علم حفظان صحت تمام کے تمام اس کے گرد چکر کاٹتے ہیں۔ جب تک علم الامراض کی پوری طرح واقفیت نہ ہو اس وقت تک حکمت کا پورا علم سمجھ میں نہیں بیٹھ سکتا اور نہ ہی صحت کی پوری پوری حفاظت ہوسکتی ہے اور اس سے بڑھ کر یہ امر ذہن نشین رکھیں کہ اس علم کے بغیر ہم کسی مرض کا پوری طرح علاج نہیں کر سکتے مثلاً ایک مریض کسی معمولی مرض کی شکایت کرتا ہے جیسے بدہضمی۔ ظاہر میں یہ مرض بالکل معمولی ہے۔ لیکن اہل فن جانتے ہیں کہ اس مرض کا تعلق پورے نظام الغذا سے ہوتا ہے جو منہ سے لے کر مقعد تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں منہ، معدہ، امعاء، جگر، طحال اور لبلبہ وغیرہ شریک ہیں اور ان کے علاوہ دیگر نظام ہائے جسم کا بھی اس پر اثر پڑتا ہے۔ جب تک نظام ہضم کی صحیح خرابی کا مقام اور سبب سامنے نہ آئے اس وقت تک اس معمولی بدہضمی کا صحیح معنوں میں علاج نہیں ہوسکتا۔ صرف ہاضم یا ملین یا مقوی معدہ ادویات کا استعمال کر دینا علاج نہیں ہوگا۔ البتہ اس کو عطایانہ علاج کہا جا سکتا ہے جو مریض پر ظلم ہے اور فن طب کی بدنامی ہے۔

علم الامراض کی حقیقت کو ذہن نشین کرنے سے قبل ضروری ہے کہ طالب عالم کو علم تشریح، علم افعال الاعضاء اور افعال نظام ہائے جسم کا پوری طرح علم ہونا چاہیے یعنی صحت کی حالت میں اعضاء کی صورت و مقام اعضاء کے صحیح افعال اور نظام ہائے جسم کے حقیقی اعمال کی مکمل کیفیت کیسی ہوتی ہے۔ اس کے بعد جب اعضاء اور نظام ہائے جسم کے افعال و اعمال میں جہاں بھی خرابی واقع ہوگی تو فوراً مرض کی ماہیت اور حقیقت ذہن نشین ہو جائے گی۔

علم الامراض کی تعریف

یہ ایک ایسا علم ہے جس سے ہر مرض کی ماہیت اور حقیقت اس طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ مرض کی ابتداء اس کی شکل وصورت، جسم کی تبدیلیاں، خون میں تغیرات، خراب مادوں کی پیدائش اور اس کے انجام کا پورا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔ اس علم کو انگریزی میں پیتھالوجی (Pathology) کہتے ہیں۔

ماہیت مرض عمومی

مرض بدن کی اس حالت کا نام ہے جب اعضائے بدن اور مجاری (راستے) اپنے افعال صحیح طور پر انجام نہ دے رہے ہوں۔ یہ صورت جسم کے تمام اعضاء اور مجاری یا کسی ایک عضو اور مجریٰ میں واقع ہو جائے تو مرض کہلائے گا۔ گویا ہر حالت مرض میں دو صورتیں سامنے آئیں گی۔ اوّل عضو کے فعل میں خرابی اور دوسرے خون میں تغیر پیدا ہو جائے گا۔ اوّل صورت کا نام مرض کی مشینی (مکینیکل) خرابی اور دوسری حالت کا نام کیمیائی (کیمیکل) نقص ہوگا۔

مشینی افعال

مشینی افعال کے مطالعہ کے لیے دل' نظام ہائے جسم پھر مرکب اعضاء اور آخر میں مفرد اعضاء پر غور کرنے کے بعد ان کے افعال میں کمی بیشی اور ضعف کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

کیمیائی اثرات

کیمیائی اثرات کے لیے اخلاط و کیفیات کے ساتھ ساتھ خون کی مخصوص حرارت' خون کے اجزائے ہوایہ اور خون کی رطوبت کی کمی بیشی اور تغیرات کا جاننا ضروری ہے تا کہ مشینی افعال کے ساتھ کیمیائی اثرات کے توازن کا اندازہ کیا جاسکے۔

تقسیم امراض

تقسیم امراض کا مسئلہ بھی نہایت اہم ہے۔ تقسیم امراض میں اگر اس امر کو مدنظر رکھا جائے کہ امراض اور علامات کے درمیان فرق کر دیا جائے تا کہ امراض اور علامات خلط ملط نہ ہوں۔ جب بھی کوئی علامت سامنے آئے تو فوراً اس کا تعلق مخصوص مرض سے سمجھ کر اس مرض کے تحت اس کا علاج کر دیا جائے۔ اس سے اصل مرض بھی رفع ہو جائے گا اور درد دور ہو جائے گا۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مرض ظاہر نہیں ہوتا اور علامات شدید ہوتی ہیں ❶ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اصل مرض کا زہر اندر ہے جس سے یہ مخصوص علامت پیدا ہو رہی ہے ❷ ایک مرض میں جس قدر علامات ہوں گی وہ تمام کی تمام ایک مرض کے تحت علاج پذیر ہوں گی جیسے درد' ورم اور بخار ❸ ایک ہی قسم کا مختلف مقاموں کے امراض اور علامات کو ایک ہی مقام پر سمجھنے میں بے حد آسانی ہو گی۔ تقسیم کی مزید تشریح کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ استاذ الاطباء حکیم احمد الدین صاحب موجد طب جدید کا ایک اقتباس پیش کر دیا جائے۔ انہوں نے بھی امراض وعلامات کی الجھن کو اچھی طرح محسوس کر کے اس کو مکمل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر چہ وہ اس کو حل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تاہم ان کے بیان کا انداز تحقیق سے خالی نہیں لکھتے ہیں:

''بیشتر اس کے کہ میں امراض اور ان کے علاج کا سلسلہ شروع کروں میرے واسطے نہایت مشکل اور کٹھن کام درپیش ہے کہ میں سلسلہ امراض کی ہر صورت اور کسی طرز پر قائم کروں جس میں اختصار بھی مدنظر ہو اور سلسلہ امراض بھی نہ ٹوٹنے۔ طب قدیم میں سلسلہ امراض بالعموم اعضاء کے سلسلہ کے ماتحت دیا جاتا ہے۔ مثلاً پہلے سر کے امراض پھر آنکھ' کان' ناک' سینہ' دل' معدہ' جگر اور امعاء وغیرہ کے امراض کو درجہ بدرجہ بیان کرتے ہیں۔ مگر اس میں یہ نقص ہے کہ ایک ہی قسم کے بعض امراض جو مختلف اعضاء میں پیدا ہو سکتے ہیں ان کو بار بار بیان کرنا پڑتا ہے جیسے ورم سر غبادہ پہلے سر کے بیان میں اس کو ماشراء کے نام سے بیان کیا جاتا ہے۔ پھر شرائے لب کے بیان میں پھر جلدی امراض میں سرخباد یا زہر باد کے نام سے اسی طرح ورم رخو کی جگہ کوئی جگہوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ ایک ہی قسم کی پھنسیوں کو جب وہ سر پر ہوں جیسے سعفہ وغیرہ تو یہاں اس کو الگ بیان کرنا پڑتا ہے پھر اور اعضاء بھی پیدا ہوں تو ان اعضاء کے امراض میں ان کو دوبارہ سہ بارہ بلکہ کئی دفعہ بیان کرنا پڑتا ہے۔ پس اس سلسلہ کے طریق امراض میں ایک تو یہ نقص ہے کہ بے چارے طالب علموں کے لیے اسماء الامراض کو یاد کرنا محال ہو جاتا ہے پھر چونکہ طالب علم ابھی نو آموز ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کو الگ الگ مستقل امراض سمجھ لینے میں حق بجانب ہوتے ہیں اور کتاب خواہ مخواہ طویل ہو جاتی ہے۔ فہم وعقل طرح طرح کی پیچیدگیوں میں اور الجھنوں میں گھر جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ایلوپیتھک ڈاکٹر سلسلہ امراض کو بالعموم بعض خاص خاص اسباب پر متنوع اور منقسم کرتے ہیں مثلاً متعدی امراض الگ' غیر متعدی الگ' پھر اعضاء کی مناسبت سے الگ۔ اس میں یہ نقص ہے کہ اکثر امراض چونکہ ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں لیکن ان کا بیان الگ الگ باب

میں ہونے کی وجہ سے طلباء کے لیے دقت پیدا ہونے کا موجب ہوتا ہے مثلاً بعض قسم کے حمیات کا ذکر تو متعدی امراض میں آجاتا ہے اور بعض حمیات کا ذکر دوسرے باب یعنی غیر متعدی امراض میں درج ہو جاتا ہے بلکہ علاوہ ازیں بعض قسم کے حمیات کا ذکر الگ الگ اعضاء کے ابواب میں متفرق مقامات میں ملتا ہے۔ اس طرح سے ان کو محنت زیادہ کرنا پڑتی ہے پھر حمیات ہی نہیں بلکہ اسی طرح اکثر مرض میں تقسیم محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے پھر حمیات ہی نہیں بلکہ اسی طرح اکثر مرض میں تقسیم اور تفریق ہو کر کچھ کا کچھ بن جاتا ہے مثلاً ذیابیطس کا ذکر علامات ہائے امراض میں کرنے کی بجائے امراض خون میں کر دیں گے۔ لیکن کثرت بول کا مرض آلات البول کے امراض میں جا کر کریں گے۔ نزلہ وبائی کا ذکر متعدی امراض میں کریں گے تو نزلہ وزکام کا ناک کے امراض کے بیان میں، مرض بھس یعنی کمی خون کا کچھ بیان تو امراض خون میں اور کچھ امراض متعدی یا جراثیمی کے بیان میں اور کچھ امراض جگر کے بیان میں اور کچھ امراض گردہ کے بیان میں علیٰ ہذا القیاس عجیب قسم کا سلسلہ امراض انہوں نے باندھ رکھا ہے۔

پھر ہومیو پیتھک والوں نے تو اپنا سلسلہ ہی کوئی خاص نہیں رکھا بلکہ وہ تو ادویات کی علامات میں ہی امراض کی علامات کا تناسب قرار دے کر ایک عجیب بے ربط کتاب لکھ دیتے ہیں۔ اگرچہ مجبوراً ان کو امراض کے نام بھی لکھنے ہی پڑتے ہیں مگر نہ تو طبیبوں کی طرح اعضاء کو لیتے ہیں اور نہ ہی ڈاکٹروں کی طرح امراض کے اسباب پر سلسلہ باندھتے ہیں۔ بلکہ محض بے ربط اور متفرق طریق سے امراض کا بیان کرتے ہیں کہ فہرست امراض کے ہوتے ہوئے بھی مطلوبہ مرض کا بیان نہایت تلاش اور دقت سے ملتا ہے (ہومیو علاج میں مرض کا کوئی تصور نہیں بلکہ سلسلہ علامات ہے اور علامتوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ ایڈیٹر) علاج بالماء اور علاج بالشمس کے مصنفین تو سرے سے سلسلہ امراض کے قائل ہی نہیں ہیں۔ تاہم ان کو بھی مجبوراً کوئی نہ کوئی اوٹ پٹانگ سلسلہ بنانا ہی پڑتا ہے اور امراض کے نام بھی اگرچہ مجبوراً ان کو لکھنے پڑتے ہیں مگر بے ڈھنگ۔ پس اب مجھے یہ دقت درپیش ہے کہ اگر ہم بھی کسی ایک طب کی تقلید میں سلسلہ امراض قائم کریں۔ اوّل تو وہ تحصیل حاصل ہے۔ پھر اس میں جو نقص ہیں وہ دور نہیں ہو سکتے۔ اس لیے اس مسئلہ پر میں نے سالہا سال غور اور جانکاہی کے بعد ایک سلسلہ جدید طرز کا قائم کیا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین اسے دیکھ کر بہت محفوظ ہوں گے"۔

جناب استاذ الاطباء حکیم احمد الدین صاحب موجد طب جدید نے مختلف طریق علاج کے تقسیم امراض کی خرابیاں اور نقص بیان کرنے کے بعد انہوں نے اپنا نیا تقسیم امراض بیان کیا جو انہوں نے سالہا سال غور اور جانکاہی کے بعد قائم کیا تھا جو درج ذیل ہے۔ اگرچہ اس میں بھی مندرجہ بالا اقسام کی خامیاں اور نقص ہیں جن کا ذکر ہم آئندہ کریں گے۔ تاہم ان کی جدت بھی قابل مطالعہ ہے۔ لکھتے ہیں:

"میں اس سلسلہ میں امراض کو بیان کرتا ہوں تاکہ ناظرین کو اس سلسلہ جدید کی نوعیت سمجھ میں آجائے۔ یاد رہے کہ جیسے انسان دو چیزوں سے مرکب ہے یعنی جسم اور روح سے اسی طرح امراض بھی کلی پر صرف دو ہی قسم کے ہیں۔

اوّل وہ جن کا اثر پہلے جسم پر نمودار ہو کر بعد میں روح یعنی طاقت پر پڑتا ہے جیسے ضربہ وسقطہ یا اورام ظاہری وباطنی اور جروحات وقروحات وغیرہ پیدا ہو کر افعال وقوائے انسانی میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ دوسرا وہ جو جسم کے بظاہر متغیر اور متبدل ہوئے بغیر ہی انسانی طاقتیں متبدل اور متغیر ہو جاتی ہیں اور اس طرح سے افعال الاعضاء میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ پہلی قسم یعنی اعضاء کا تغیر وتبدل خون اور اسی کے دوران کی کمی بیشی سے پیدا ہوا کرتا ہے۔ جس کا ذریعہ شریانیں اور وریدیں ہیں لیکن دوسری قسم یعنی طاقتوں میں تغیر وتبدل روح کی اور اس کے دوران کی کمی بیشی سے پیدا ہوا کرتا ہے جس کا ذریعہ اعصاب ہیں۔ پس گویا دو قسم کے نظام بدن انسان میں قائم ہیں ایک کا نام دموی ہے دوسرا نظام اعصابی عصبی ہے۔

پس امراض بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک امراض الاعضاء دوسرے امراض القویٰ گویا جس قدر بھی امراض کی تقسیم در تقسیم کرتے چلے جائیں وہ یا تو امراض الاعضاء کے ذیل میں آئیں گے یا امراض القویٰ کے تحت۔ لیکن اگر ہم تقسیم امراض کو صرف دو تک ہی محدود رکھیں تو اس کا چنداں فائدہ

نہیں۔ کیونکہ پھر ایک قسم کی امراض میں بہت بڑی تعداد میں امراض کا ذکر کرنا پڑے گا جو مختلف جہات اور کیفیات ہونے کی وجہ سے دقیق الفہم رہیں گے۔ اور تسہیل فہم کے لیے ان کو بہت سی اقسام پر منقسم کر دیا جائے تو پھر تقریباً ہر ایک مرض کی ایک الگ الگ قسم قرار دینی پڑتی ہے اور اختصار ملحوظ نہیں رہتا۔ اس لیے میں نے بہت ہی غور و فکر کے بعد تمام امراض کو موٹی موٹی آٹھ اقسام پر منقسم کر دیا ہے۔ مگر یہ اقسام میں نے یونانیوں کی طرح اعضاء کے لحاظ سے مقرر نہیں کیں بلکہ نوعیت مرض کے لحاظ سے مقرر کی ہیں اور پھر ہر ایک نوع کو یونانیوں کی طرح تمام اعضاء پر منقسم کر دیا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلی قسم دردوں کی قرار دی گئی۔ کیونکہ درد جس کو عربی میں وجع یا الم کہتے ہیں ایک خاص نوع کی تکلیف ہے۔ پس جب کوئی مریض اپنے معالج سے کہیں درد کی شکایت کرے گا تو معالج فوراً امراض الاوجاع کے باب میں مخصوص نظر سے غور کرے گا اور پھر ان میں سے خاص اسی فصل پر اس کی نظر رکھنی پڑے گی جس عضو میں درد ہونا مریض بیان کرے گا تو اس طرح سے معالج کو تشخیص مرض میں بھی سہولت رہے گی۔ تعین علاج میں آسانی رہے گی اور یہی ہمارا منشاء ہے۔

دوسری قسم امراض الاورام مقرر کی گئی ہے۔ اس باب میں وہ تمام امراض لکھے جائیں گی جن میں کسی نہ کسی عضو میں ورم اور بثورات وغیرہ پیدا ہو کر باعث تکلیف ہوا کرتے ہیں اور ہر قسم کے اورام کی علیحدہ علیحدہ فصل باندھی جائے گی مثلاً اورام ملتہبہ یا اورام رخو یا بثورات یا دمل دیا اورام خارشناک' اورام بلا درد' اورام المثانہ وغیرہ وغیرہ اور وہ تمام فصول سر سے لے کر پاؤں تک کے اورام پر حاوی ہوں گی اور اس میں یہ فائدہ ہوگا کہ طلباء کو ہر ایک فصل کی ورم کی پیدائش' اسباب اور علاج خوب یاد رہے گا اور پھر وہ ورم جس عضو میں بھی پیدا ہو اس کے ذہن میں اس کا مالہ' اور ماعلیہ فوراً آجائے گا اور تشخیص مرض اور تعین علاج اس کے لیے آسان ہو جائے گا۔

تیسری قسم قروحات وجروحات کی مقرر کی گئی اور اس باب میں سر سے پاؤں تک تمام اعضاء بیرونی واندرونی وغیرہ ہر قسم کے زخموں کو بیان کیا گیا۔

چوتھی قسم صدمات خارجیہ کے امراض مقرر کیے ہیں۔ اس میں ہر ایک عضو پر بیرونی تصادم کا ذکر ہوگا مثلاً **ذی العین قذی الالف قذی الاذن** وغیرہ سے کورض **الانف رطن الدی کسر العظم. تعلق العلق فی الحلق.** ہر قسم کا ضربہ وسقط اور ہر قسم کی سمیات حیوانی یا معدنی وغیرہ اور حرق النار اور حرق الشمس وغیرہ وغیرہ تک آجائیں گی۔

پانچویں قسم امراض الحمیات مقرر کی گئی ہے جس میں حمیٰ کی تعریف اور حمیٰ کی تمام اقسام خواہ وہ کسی عضو کے ساتھ تعلق رکھتی ہوں مذکور ہوں گی اور کوئی ایک قسم کا مرض بھی نہ چھوڑا جائے گا جس میں تپ ہو سکتا ہو خواہ عوارضات کے رنگ میں ہو یا علامات کے رنگ میں۔

چھٹی قسم امراض المجاری کی مقرر کی گئی ہے کیونکہ انسان کے دس مجاری ہیں جن میں سے آٹھ تو مرد و عورت میں مشترک ہیں جیسے آنکھ' کان' ناک' حلق (سانس کی نالی) مبرز (پاخانہ کا راستہ) مبول (پیشاب کا راستہ) مسامات جلد یہ مگر دو مجریٰ ایسے ہیں جو صرف عورتوں کے لیے خاص ہیں جیسے پستان اور رحم اور ان میں سے جو چیزیں خارج ہوتی ہیں وہ تقریباً سولہ قسم کی ہیں۔ جیسے رینٹھ' خون' پیپ' میل' بلغم' شیر' عرق یعنی پسینہ' صفرا' بول' پاخانہ' کرم' پتھری' ریگ' جنین مشیمہ' منی اور مذی وغیرہ۔ ان خارج ہونے والی اشیاء میں سے بعض تو غیر متعاد طبعی ہیں۔ جیسے کرم' خصاۃ ورمل وغیرہ وہ تو خود ہی مرض ہیں۔ لیکن جو چیزیں متعاد طبعی کا حکم رکھتی ہیں۔ ان کا اعتدال طبعی سے کم و بیش ہونا مرض میں داخل ہوگا۔ پس اس باب میں نہ صرف اشیاء مخرجہ اور مستخرجہ کا ہی ذکر ہوگا بلکہ احتقان و امساک اور سیلان و جریان ہر دو کا ذکر ہوگا۔ بلکہ علاوہ ان کے خود مجاری کے تسدید و تشنج پذیر ہونے کے متعلق بھی ذکر ہوگا۔ گویا جب ایک مریض معالج سے مجاری کے متعلق کوئی شکایت کرتا ہے۔ خواہ وہ کسی چیز کے غیر متعاد اخراج کی شکایت کرے یا کسی متعاد چیز کے اخراج میں کمی بیشی کی شکایت ہو تو معالج کا ذہن اس باب امراض المجاری کی طرف فوراً منتقل ہوگا۔ اور جس چیز یا جس عضو کا وہ نام لیتا ہے فوراً اسی فصل سے اس مرض کے اقسام' اسباب' علامات اور علاج کو تلاش کر لے گا۔

ساتویں قسم امراض القویٰ مقرر کی گئی ہے۔ اس میں نہ صرف حس وحرکت کی قوتوں کے متعلق ذکر ہوگا۔ بلکہ اس میں وہ امراض مذکور ہوں گی جوانسانی قویٰ میں کسی نہ کسی طاقت کے ساتھ تعلق رکھ سکتے ہیں جیسے قوت عقل' حافظہ' بینائی' شنوائی' تکلم' قوت بلیغ' تنفس' ہضم' باہ اور تولید وغیرہ وغیرہ اسی طرح تمام قوائے بدنی کی کمی بیشی جن جن امراض میں پائی جاتی ہے سب کا بیان اسی باب میں ہوگا۔ اور تمام قسم کی مقوی مضعف ادویہ واغذیہ کا ہرایک عضو کے متعلق بیان کیا جائے گا اور ہرایک قسم کی طاقت کی تیزی یا ضعف کی کیفیات مبرہن کی جائیں گی۔

آٹھویں قسم امراض المکروہات مقرر کی گئی ہے۔ یہ قسم ایسے امراض پر مشتمل ہوگی جن میں نہ تو کسی طاقت میں کمی بیشی ہوتی ہے اور نہ درد نہ ورم اور نہ بخار وغیرہ ہوتا ہے بلکہ اس قسم کے تمام امراض سے طبیعت انسانی محض تنفر اور ناخوش ہوتی ہے گویا بغیر کسی تکلیف کے صرف فطرتاً ان کو ناپسند کرتی ہے اور ان سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہے جیسے منہ ناک وغیرہ سے بدبو کا آنا' جسم کے کسی حصہ کا قدرتی رنگ متغیر ہوجانا' بالوں کا بجائے سیاہ ہونے کے سفید یا سرخ وغیرہ ہوجانا' بالوں کا پیدا نہ ہونا یا اکھڑ جانا' جلد پر مسے چھائیاں وغیرہ کا پیدا ہونا' جسم کے کسی حصہ کا زیادہ خشک یا زیادہ تر رہنا' بدن پر سے چھلکے اترنا یا جوئیں پڑجانا وغیرہ وغیرہ۔ اس باب میں عموماً باتیں بیان ہوں گی جو حسن وزینت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔

غرضیکہ تمام امراض کو ان آٹھ اقسام پر ہم نے منقسم کردیا ہے ہمارا ارادہ تھا کہ تمام مشہور ومعروف امراض کے اسماء ہرایک قسم کے ماتحت لکھ کر دکھایا جاتا کہ کس طرح ہم نے تمام امراض کو آٹھ اقسام میں تقسیم کردیا ہے۔ گویا دریا کو ایک کوزہ میں بند کر دکھایا ہے مگر بوجہ خوف طوالت اس کی ضرورت نہیں سمجھی۔ نیز جبکہ ہرایک قسم پر ایک ایک مستقل کتاب لکھنے کا ہمارا ارادہ ہے تو عنقریب سب لوگ دیکھ لیں گے کہ کس طرح سب کی سب امراض انہیں آٹھ اقسام کے اندر آگئی ہیں **فالحمدللہ علی احسانہ** ''کتاب الاوجاع''۔

مختلف طریق علاج میں جو تقسیم الامراض بیان کی گئی ہے اس کا خلاصہ یوں سمجھ لیجئے:

① طب یونانی میں تقسیم امراض بالاعضاء ہے اور اعضاء کی خرابی کی جو صورتیں سامنے آسکتی ہیں ان کے تحت ان کو بیان کیا گیا ہے۔ جیسے کسی عضو کا درد وسوزش وسکون ضعف وغیرہ اور یہی صورت تمام امراض میں قائم رکھی ہے۔ یہی صورتیں ایک وقت میں اگر امراض ہیں تو دوسرے وقت میں علامات بن جاتی ہیں۔ گویا امراض اور علامات کا بین فرق کوئی نہیں ہے۔ پھر علامت یا مرض کبھی کیفیاتی ہے اور کبھی خلطی ہے جن کی پھر چار چار صورتیں ہیں۔

② ایلوپیتھی (فرنگی طب) میں تقسیم امراض بھی بالاعضاء ہی بیان کیا گیا ہے اس میں اعضاء کی خرابی کی صورتیں بھی بالکل ویسی ہی بیان کی گئی ہیں۔ ان میں بھی امراض اور علامات کو خلط ملط کردیا گیا ہے۔ البتہ اس میں کیفیاتی اور خلطی کی بجائے متعدی اور غیر متعدی میں تقسیم کر کے اوّل ایک کے تحت تمام اعضاء' امراض اور علامات کو گنوایا گیا ہے بعد میں دوسرے کے تحت یہی سلسلہ شروع کردیا گیا ہے۔ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو یہ تقسیم یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ آگے بھی بڑھتی ہے۔ مثلاً: ❶ متعدی مرض کو پھر جسم انسان کے چودہ عناصر کی کمی بیشی کے تحت ❷ غذائی اجزاء پروٹین اجزاء (لحمیہ) فیٹس (اجزاء دہنیہ) کاربوہائیڈریٹس (اجزاء شیریں ونشاستہ) کی کمی کے تحت۔ خیال رہے یہاں بیشی کو کبھی مدنظر نہیں رکھا گیا اگرچہ اس کا ہونا امکانات میں ہے ❸ آب وہوا کی خرابی کے تحت' منشیات اور تہذیب وتمدن کے اثرات کے تحت وغیرہ وغیرہ۔

ہومیوپیتھی اور بایوکیمک میں امراض کا تعین ہی ختم کردیا گیا ہے۔ وہاں جسم کی ہر کیفیت اور صورت کو صرف علامات کہا گیا ہے اور چند علامات کے مجموعے جو کسی ادویہ کے تحت جمع کیے گئے ہیں گویا مرض سمجھے جاسکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیں دنیا بھر میں جس قدر اشیاء ہیں چاہے وہ اغذیہ ہیں چاہے ادویہ وہ سب علامات کے مجموعے ہیں اور امراض کہے جاسکتے ہیں۔

③ علاج بالماء وعلاج باللون اور تجزیہ بالنفس وموسیقی وغیرہ میں صرف نظریہ کے علاوہ اور ان کا ذاتی کچھ نہیں ہے۔ بلکہ سب کچھ طب یونانی سے مستعار لیا ہوا ہے۔

④ طب جدید شاہد روی میں پہلے امراض کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اوّل قسم جسمانی امراض دوسری قسم روحانی امراض پھر اوّل قسم امراض کو دوران خون کی کمی بیشی سے تعلق کر دیا ہے اور دوسری قسم کا تعلق اعصاب سے ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اس تقسیم کے بعد پھر امراض کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ❶ امراض اوجاع (دردوں کے امراض) ❷ امراض الاورام ❸ امراض قروحات وجروحات ❹ صدمات خارجیہ ❺ امراض حمیات (بخار) ❻ امراض المجاری ❼ امراض قویٰ ❽ امراض المکرّوہات۔

تمام طریق ہائے کے تقسیم الامراض کے اجمال کے بعد اب ہم ان پر نقد ونظر اور تبصرہ کے ذریعے اس کے حسن قبح کو اجاگر کرتے ہیں۔ تاکہ اہل فن اور معالجین کے سامنے حقیقی صورت آ جائے۔ پھر صحیح تقسیم الامراض پیش کریں گے جس سے نہ صرف فن کی شکل سامنے آ جائے گی بلکہ ہماری تحقیقات اور نظریہ مفرد اعضاء کی خوبیوں کا اندازہ ہو سکے گا۔

تقسیم الامراض سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اوّل مرض اور علامت کا فرق کر لیا جائے کیونکہ یہی وہ مقام ہے کہ جہاں معالج سے غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی معالج کسی علامت کو مرض قرار دے کر اس کو رفع کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اس کے لیے مجربات تلاش کرتا ہے۔ جب کسی ایک نسخہ سے آرام کی صورت نظر نہیں آتی تو دوسرا اور تیسرا مجرب نسخہ تلاش اور استعمال کرتا ہے۔ تقریباً ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کسی ایک طریق علاج کے حامل کو اپنے طریق علاج کے مجربات میں ناکامی ہوتی ہے تو دیگر علاج کے مجربات کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسی لیے فن طب کے حامل یونانی مجربات کے علاوہ ایلوپیتھی (علاج بالضد) کے مجربات کے بعد ہومیوپیتھی (علاج بالمثل) تک' مجربات بلکہ علاج بالماء علاج بالون اور بالتجزیہ نفس سے گذر کر تعویز گنڈا اور جھاڑ پھونک تک کر گزرتے ہیں۔ اگر ان کے سامنے پوری پوری ماہیت اور حقیقت (پیتھالوجی) ہو تو وہ پھر صحیح معنوں میں وہی دوا اور مجرب نسخہ استعمال کرتا ہے جو اس مقصد کے لیے نہ صرف مفید ہوتا ہے بلکہ اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ ایک مرض کے لیے کبھی بھی متعدد اور مختلف اقسام کے نسخے اور ادویات نہیں ہو سکتے چاہے وہ علاج بالمثل یا علاج بالضد ہو ہمیشہ ایک ہی قسم کی دوا مفید ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ علم الادویہ سے بہت ہی کم لوگ واقف ہوتے ہیں۔ ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے اور جو لوگ واقف بھی ہوتے ہیں ان میں اکثریت ایسے اہل فن کی ہے جو ماہیت مرض (پیتھالوجی) کا صحیح طور پر جاننا تو رہا ایک طرف مرض اور علامت میں فرق نہیں جانتے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے جگادری قسم کے معالج' غدار لیڈر قسم کے اطبا اور تاجر قسم کے دوا فروش صرف دولت' شہرت اور کوٹھی اور کار کے سر پر اپنا پراپیگنڈا کرتے ہیں۔ کوئی اپنے آپ کو شفاء الملک کہلوا کر خوش ہوتا ہے اور کوئی رئیس الاطباء لکھ کر لذت لیتا ہے۔ جہاں تک فن کو سمجھنے' ماہیت مرض کو جاننے اور خواص اشیاء کے علم رکھنے کا تعلق ہے وہ بالکل کورے اور خالی ہیں۔ اسی لیے وہ انگریزی' ہومیوپیتھی اور دیگر طریق علاج کی ادویات انہی اصولوں پر استعمال کرتے ہیں۔ اگر ان میں قابلیت ہوتی تو ان ادویات کو اپنے قوانین اور اصولوں پر ڈھال لیتے مگر ان میں ان باتوں کو سمجھنے کی قابلیت نہیں ہے۔

مثلاً شورہ' بادیاں اور دارچینی کے جو افعال واثرات ہیں وہ کسی دوسری دوا کے نہیں ہیں۔ اگر قریبی ادویات کے افعال واثرات پر نظر کی جائے جیسے جماداتی نمک اور حیوانی نمک وغیرہ تو ان ہاں بھی بین فرق نظر آئے گا۔ یہی صورت امراض میں اعضاء کے اندر پائی جاتی ہے۔ ان میں جو بھی اعضاء میں صورت پائی جاتی ہے وہ یقیناً دیگر صورت سے مختلف ہوگی۔ اس لیے ہر صورت کو علیحدہ علیحدہ ذہن نشین کرنا چاہیے تاکہ علاج کے دوران میں اعضاء کے افعال کو اعتدال پر لایا جا سکے۔

امراض و علامات کا فرق

اس وقت تک دنیا میں جس قدر طریق علاج ہیں ان میں طب یونانی ہو یا آیورویدک یا ایلوپیتھی طب جدید شاہدروی سب میں مرض اور علامت کا صحیح فرق پیش نہیں کیا گیا۔ ان سب میں اگر ایک موقع پر ایک صورت کو اگر مرض کہا گیا ہے تو دوسرے موقع پر اسی کو علامت بنا دیا گیا ہے مثلاً مطلق درد یا درد سر یا کسی اور جسم کے درد کو ایک وقت مرض کا عنوان دیا گیا ہے۔ دوسرے کسی مرض میں ان دردوں میں سے کسی کو علامت قرار دیا گیا ہے۔ طالب علم جب اس صورت کو دیکھتا ہے تو پریشان ہوتا ہے کہ وہ درد کو مرض قرار دے یا علامت ہی سمجھنے پر اکتفا کرے۔ پھر بار بار سر سے پاؤں تک مختلف اعضاء کے تحت مختلف صورتوں اور مختلف کیفیات میں یہی درد کبھی مرض قرار دیا جاتا ہے اور کبھی علامت بنا کر ظاہر کیا جاتا ہے۔ پھر سر سے لے کر پاؤں تک ہر درد کی ماہیت جدا' اصول علاج الگ اور علاج کی صورت علیحدہ غرض درد کا سمجھنا اور اس کا علاج ایک معمہ بن کر رہ جاتا ہے یہی صورت ورم بخار اور ضعف میں پائی جاتی ہے۔ پھر درد ورم اور بخار کی اقسام میں جو کمی بیشی کے لحاظ سے بھی ہیں حاد و مزمن کے تحت بھی کی گئی ہیں شرکی اور غیر شرکی صورتوں میں بھی بیان کی گئی ہیں۔

ان کے علاوہ ایسی صورتیں بھی ہیں جو دراصل انہی درد، ورم اور بخار کی اقسام ہیں لیکن ان کو کہیں مستقل طور پر مرض لکھا گیا ہے اور کہیں علامت بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے ان کے اصول علاج اور علاج کی صورتیں ان سے بالکل جدا اور الگ ہیں حالانکہ ان کے اصول علاج اور ادویات میں کوئی فرق نہیں ہے مثلاً سوزش' خارش' کسی مقام کی بے چینی اور لذت وغیرہ۔

سوزش دراصل ورم کی ابتدائی صورت ہے یعنی جب تک جسم کے اندر یا باہر کہیں سوزش پیدا نہ ہو تو ورم کبھی نہیں ہو سکتا۔ خارش بھی سوزش کی صورت ہے۔ لیکن اس سے خفیف ہوتی ہے اسی طرح لذت اور بے چینی وغیرہ درد کی ابتدائی صورتیں ہیں۔ ان کے حالات اور علاج کو درد کے تحت سے ذہن نشین کرنا چاہیے۔ مگر ایسا نہ کرنے سے امراض اور علامات کا ایسا دور چلا دیا گیا ہے کہ علم تشخیص نہ صرف ایک معمہ بن گیا ہے بلکہ روز بروز یہ معمہ ایک بھول بھلیاں بنتا جا رہا ہے۔ یورپ اور امریکہ کے سائنس دان اور ڈاکٹر ایسی بال کی کھال اتارتے ہیں کہ نہ تو بال ہی نظر آتا ہے اور نہ کھال۔ ان کو اگر کوئی شے نظر آتی ہے۔ تو وہ جراثیم ہیں۔ ان کے نزدیک جراثیم ہی مرض ہیں۔ یہی جراثیم سے مرض اور یہی جراثیم علامت بن کر رہ گئے ہیں اور پھر سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ یہی جراثیم ایک وقت میں ایک مرض قرار دیئے جاتے ہیں اور دوسرے وقت میں ان کو علامات میں شمار کر لیا جاتا ہے۔ گونوکاکس اور نونوکاکس اگر ایک وقت میں مرض شمار ہوتے ہیں تو یہ جراثیم بعض دیگر امراض میں علامات بن جاتے ہیں۔ اسی طرح مرض' سبب اور علامت کے سب امتیاز ختم کر دیئے گئے ہیں۔

جن امراض میں فرنگی طب کو جراثیم نظر نہیں آتے ہیں مثلاً بواسیر' یرقان اور استسقاء یا لقوہ' فالج اور ضعف اعصاب' اسی طرح جریان' احتلام اور سرعت انزال' عورتوں میں طمث کی خرابی' سیلان اور عقر وغیرہ۔ بے شمار امراض اور علامات پائی جاتی ہیں۔ جراثیم کا سایہ بھی نظر نہیں آتا۔ وہاں بھی فرنگی ڈاکٹر سخت پریشان ہوتے ہیں اور آئیں بائیں شائیں باتیں کرتے ہیں۔

طب یونانی میں امراض کی تقسیم میں یہاں تک مبالغہ کیا گیا ہے کہ کیفیات اور نفسیات و مادی اثرات کو بھی امراض کا نام دے دیا گیا ہے۔

مثلاً سردی لگ جانا' خوف کھانا' غم لگ جانا' مرض عشق کو تو بے حد اہمیت ہے۔ مادی امراض کا تو ایک مستقل باب ہے۔ جس میں نشہ آور اشیاء اور زہریلی ادویہ کے نام پر امراض کو موسوم کیا گیا ہے۔ خاص طور پر زہر کھانے کے بعد تو زہریلی ادویہ کے نام پر امراض کو موسوم کیا گیا ہے۔ خاص طور پر زہر کھانے کے بعد تو زہریلی ادویات کو سامنے رکھ کر علاج کیا جاتا ہے۔ امراض کی صورت میں صداع قمری اور ذیابیطس شکری وغیرہ خاصی اہمیت رکھتی ہیں۔ اس پر بس نہیں بلکہ زہریلے جانوروں اور حشرات الارض کے زہریلے اثرات کو انہی کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ سانپ کا ڈسنا' داء الکلب اور آگے بڑھیں تو مریض کے ظاہری حالات پر امراض کے نام رکھ دیئے گئے ہیں مثلاً جوع البقر' صرع وغیرہ۔ یہ ایک طویل بحث ہے جس کی تفصیل پر ضخیم کتاب لکھی جاسکتی ہے۔

جہاں تک ایلوپیتھی کا تعلق ہے اس نے بالکل طب یونانی کی پیروی کی ہے۔ صرف کیفیاتی اور اخلاطی نام چھوڑ کر ان کی جگہ جراثیمی نام اختیار کر لیے ہیں۔ ان کے علاوہ وٹامنی امراض کا اضافہ کر دیا ہے مثلاً بیری بیری اور ریکٹس وغیرہ۔ باوجود یہ کہ ماڈرن میڈیکل سائنس کا دعویٰ ہے۔ اس نے بے حد ترقی کر لی ہے مگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو ہر جگہ ۹۰ فیصدی طب یونانی کی پیروی کر رہی ہے۔ علم الامراض ہو یا علم الادویہ ہر جگہ وہ ایلوپیتھی پر چھائی ہوئی ہے۔ اگر ایلوپیتھی میں جرأت ہوتی تو علم الامراض میں طب یونانی کے چنگل سے نکل جاتی۔

جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے اس سے صاف ثابت ہے کہ ایلوپیتھی یقیناً طب یونانی کی کاربن کاپی ہے اور آج تک اس سلسلے میں ذرا بھر تحقیقات اور جدت سے کام نہیں لیا گیا۔

ایلوپیتھی کو اپنی تحقیقات اور ریسرچ کا دعویٰ ہے اور وہ پیتھالوجی پر ناز کرتی ہے۔ اس کو چاہیے کہ وہ امراض کے نام اعضاء کے افعال پر رکھتی کیونکہ پیتھالوجی کا مقصد بھی یہ ہے کہ وہ اعضاء کے افعال میں جو تبدیلیاں' تغیرات اور کمی بیشی پیدا ہوتی ہے ان کو بیان کرتی ہے۔ مگر وہ ایسا نہ کر سکی۔ پھر بری طرح ناکام ہے اور تقلید ائمیٰ پر مجبور ہو کر طب یونانی کی پیروی کر رہی ہے۔ نیز امراض وعلامات کے وہی نام ہیں جو طب میں ہزاروں سال پہلے کے رکھے ہوئے ہیں۔

ایلوپیتھی میں جہاں تک امراض اور علامات کے فرق کا تعلق ہے وہ اس میں بالکل ناکام ہے جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ جس کے ثبوت میں ہم ہومیوپیتھی کی علامات پیش کر سکتے ہیں کہ اس میں ان تمام امراض کو علامات بیان کیا گیا ہے جو بہت حد تک صحیح ہے۔ **ہومیوپیتھی امراض کا تعین نہیں کرتی کیونکہ ان کے اصول میں صرف ادویات کا جمع اور حاصل کرنا ہی علاج کے لیے نہ صرف کافی ہے بلکہ ان کے اصول کے مطابق صحیح ہے۔** کیونکہ ہر علامت کے ساتھ جو مریض کو دکھ دے رہی ہے چند دیگر علامات بھی ضرور ہوتی ہیں جو اکثر ہمیشہ مختلف ہوتی ہیں۔ اس لیے کسی ایک علامت کو سامنے رکھ کر علاج کرنا یا کسی مرض کا تعین کر دینا صحیح اور یقینی علاج کے لیے کافی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امراض اور علامات کا سلسلہ وسیع ہے جس کو نہ تو طب یونانی اور آیورویدک نے حل کیا اور نہ ہی ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی نے ان کے متعلق فیصلہ کن صورت اختیار کی ہے۔ یہ مسئلہ اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا جب تک مرض اور علامت کا صحیح فرق نہ بیان کر دیا جائے۔

امراض وعلامات کے تعین میں خرابی

صحیح اور یقینی علاج کے لیے امراض اور علامات میں امتیاز کرنا اور ان کا صحیح تعین نہایت ضروری ہے مگر یہ تعین میں خرابی اور ان میں نمایاں امتیاز نہ ہونا علاج میں غیر یقینی ظنی صورت پیدا کر دیتا ہے لیکن صدیوں سے اس کی طرف توجہ نہیں دی گئی بلکہ اس کے بجائے انہی غیر یقینی اور بے معنی

علامات کے لیے بہتر سے بہتر معالجات اور ادویات تلاش کرنے کی کوششیں کی گئیں جن میں اکثر یا تو ناکامیاں ہوئی ہیں یا عارضی علاج کی صورتیں پیدا ہوئی ہیں اور وہ بھی صرف مخدرات اور مسکنات سے کام لیا گیا ہے۔ جہاں تک حقیقی علاج اور مکمل شفاء کا تعلق ہے اس سے دنیائے طب بہت حد تک بے بہرہ ہے اور جہاں کہیں بھی کوئی ایک آدھ علامت (مرض نہیں) کا تسلی بخش علاج مل سکا ہے اس میں باقاعدہ علم العلاج کا دخل نہیں ہے بلکہ قدرت کی طرف سے اچانک بخشش ہوگئی ہے یا فطرت کا کوئی سربستہ اسرار منکشف ہوگیا ہے جس کو آج تک غیر سائنسی اور غیر عقلی کہا گیا ہے جیسے آتشک میں پارہ کے اثرات اور خارش میں گندھک کے خواص کو تحت علاج سمجھ لیا گیا ہے۔

امراض اور علامات میں امتیاز اور تعین نہ کرنے میں خرابی کی وجوہات

جب بھی کسی مریض میں کوئی تکلیف دہ علامت پیدا ہوئی اس کو مرض سمجھ لیا گیا اور اس علامت کو جسم انسانی کے کسی نظام سے متعلق نہ کرنے کے بغیر ہی اس کا علاج شروع کر دیا گیا مثلاً جب پیٹ درد ہوا تو اس کو کسی دوا سے دور کرنے کی کوششیں کی گئی جس طرح بھی ہوا آرام ہوگیا مگر جب اسی مرض میں یا کسی اور مرض میں یہی دوا دی گئی تو آرام کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ پھر ان کے لیے دیگر ادویات تجربات میں لائی گئیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک سے آرام ہوگیا تو پھر اس دوا سے دوسری جگہ آرام کی صورت حاصل نہ ہوئی۔ یہی سلسلہ ابھی تک چلا جا رہا ہے۔ یہی صورت دیگر علامات جیسے ورم بخار اور نزلہ وغیرہ میں پائی جاتی ہے مزمن علامات میں تو علاج کی صورتیں نہ صرف افسوسناک ہیں بلکہ دردناک ہیں۔ گویا آج تک کا فنِ علاج بالکل ناکام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان علاجات میں ناکامی کی صورتوں کو یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ پیٹ میں یا جسم میں کسی اور مقام پر درد یا دیگر علامات یا امراض کی صورتیں نہ صرف مختلف ہوا کرتی ہیں۔ اس لیے ایک ہی دوا سے آرام نہیں ہوسکتا۔ مگر ان مختلف صورتوں کی طرف توجہ نہ دی گئی اور نہ غور کیا گیا ہے۔

کیا یہ حقیقت غور طلب نہیں ہے کہ:

1. درد کی مختلف صورتیں کیوں پیدا ہوتی ہیں؟
2. ایک ہی عضو میں جدا جدا قسم کے درد کیسے نمودار ہو جاتے ہیں؟

آخر فرق کیوں؟

صدیوں سے ہم ایک زبردست مشکل میں گرفتار ہیں مگر ہم نے اس کی طرف نہ توجہ دی ہے اور نہ حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کیا ہے۔ کہ اپنے علم العلاج میں کسی نئی علامت یا نئے امراض کا اضافہ کر دیا ہے مگر علامت کی حقیقت اور ایک عضو میں مختلف اقسام کی ایک نوعیت کی علامات کو تحقیق کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔

مرض اور علامت کی تحقیق

آخر یہ حقیقت تو مسلمہ ہے کہ جسم کے کسی مقام کی کوئی علامت چاہے وہ درد ہو یا ورم' بخار ہو یا نزلہ' مواد کا گرنا یا رک جانا، کسی عضو کی خرابی سے ہوگا یا خون کی خرابی سے ہوگا جس کو ہم کیمیائی یا مشینی کے آسان نام دے سکتے ہیں۔ یہ مشینی خرابی جس سے اعضاء کے افعال میں نقص واقع ہو جاتا ہے اس کی جس قدر بھی صورتیں ہوسکتی ہیں وہ تمام بہرحال ایک ہی قسم کی ہوں گی ان کو ایک ہی جگہ پر ایک دفعہ سمجھ لینا چاہیے نہ کہ ہر بار ہر علامت کو نئے سرے سے سمجھنے کی کوشش کی جائے مثلاً ہم معدہ کو سامنے رکھتے ہیں۔ پھر اس کے مشینی آلات کو دیکھتے ہیں۔ اس میں تین ہی صورتیں پیدا ہوں گی:

① اس کے فعل میں اعتدال سے زیادہ تیزی آ جائے گی۔
② اعتدال سے کمی ہو جائے گی۔
③ اس کے جرم میں خرابی واقع ہو جائے گی۔

چوتھی صورت اور کوئی نہیں ہے۔ اب ہم کیوں نہ اس کی تیزی کی علامات کو آخر تک نوٹ کر لیں۔ اسی طرح اس کے فعل میں کمی کی علامات کو بھی نوٹ کر لیں اور جرم (عضوی کے جسم میں خرابی) کے نقائص کو بھی نوٹ کر لیں۔ بس اس طرح ہم اس کی ہر خرابی کو علامات کی صورت میں درج کر لیں۔ پھر جب بھی ہم کو پیٹ کی کوئی علامت نظر آئے گی۔ ہم اس کے اس فعل یا جرم کی خرابی کے تحت ہمیشہ اس کو درست اعتدال پر لے آئیں گے اور اس طرح ہم یقینی علاج کے قریب پہنچ جائیں گے اور ہم کو مکمل کامیابی ہو گی۔

یہی صورت کیمیائی تغیرات میں بھی قائم کر سکتے ہیں مثلاً کیفیات اور اخلاط کی خرابی اور کمی بیشی یا خون کے عناصر کی کمی بیشی یا جراثیمی اور زہریلے مواد کی خرابی سے اس مقام یا عضو میں جو خرابیاں اور علامات پیدا ہو سکتی ہیں ان سے ہم پورے طور سے آگاہ ہوں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ جسم کے کسی مقام یا عضو کے کیمیائی اور مشینی تغیر کی علامات ہم سے رہ جائیں اور ہم ان کو یقینی طور پر دور یا رفع نہ کر سکیں۔

مرض اور علامت کی حقیقت

مندرجہ بالا حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی ہمیں اول مرض اور علامت کا فرق مدنظر رکھنا پڑے گا۔ جس کی صورت یہ ہو گی کہ اعضاء اور ان کے طبعی افعال کی خرابیوں کو چاہے وہ مشینی ہوں یا کیمیائی (اگرچہ دونوں لازم وملزوم ہیں) امراض کے تحت رکھا جائے گا۔ مثلاً ذات الریہ (نمونیا) ذات الجنب (پلورسی) دل کا پھیل جانا (انلار جمنٹ آف دی ہارٹ) یا دل کا سکڑ جانا (کنجشن آف دی ہارٹ) اور ان کے علاوہ جو دیگر صورتیں ہمراہ ہوں گی جیسے بخار' ضعف' اسہال اور قبض ان کو علامات میں شمار کیا جائے گا اگرچہ ذات الریہ اور ذات الجنب بھی امراض کے صحیح نام نہیں ہیں کیونکہ ان کے ساتھ درد' کھانسی' بخار اور بلغم کی علامات سامنے آ جاتی ہیں۔ لیکن صرف سمجھانے کی خاطر مثالیں پیش کر دی گئیں ہیں کیونکہ ذات الریہ اور ذات الجنب شش کا ورم اور غشائے شش کی سوزش ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے متضاد امراض ہیں' اگرچہ اکثر اطباء' وید اور ڈاکٹر ان کو ایک اقسام کے امراض خیال کر کے ایک ہی طرح کا علاج کرتے ہیں۔

ان حقائق کو سامنے رکھ کر غور کریں کہ کیا دنیا بھر کے کسی طریق علاج نے ماہیت امراض' نام' تقسیم' تشخیص' اسباب اور علامات پر اس اصول سے روشنی ڈالی ہے؟ نہیں! ہرگز نہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ہم آئندہ صفحات میں اسی اصول کے تحت اوّل دیگر طریق علاج کا تجزیہ کریں گے اور پھر اس اصول کو بیان کر کے اس کے تحت امراض اور علامات کی حقیقت اور تجزیہ بیان کر دیں گے۔ جس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ علاج یقینی صورت میں سامنے آ جائے گا اور یہ فن علاج میں ایک زبردست انقلاب ہو گا جس کی مثال نہ کوئی دوسرا طریق علاج اور نہ ماڈرن سائنس پیش کر سکے گی۔

طب یونانی میں امراض کی تقسیم

طب یونانی میں امراض کی تقسیم اوّل دو صورتیں میں کی گئی ہے ❶ امراض مخصوصہ ❷ امراض عامہ۔ امراض مخصوصہ میں سر سے لے کر پاؤں تک ہر ایک عضو کے جدا جدا امراض بیان کیے گئے ہیں۔ جیسے سر کے امراض' آنکھ کے امراض' کان کے امراض' ناک اور منہ کے امراض وغیرہ وغیرہ اور امراض عامہ' بخار' خرابی خون' پھوڑے پھنسیاں اور جوڑ کے درد وغیرہ۔ امراض مخصوصہ میں تو کچھ نہ کچھ اعضاء کا تعلق نظر آتا ہے لیکن امراض

عامہ میں تو کسی عضو کا تصور تک پیدا نہیں ہوتا۔ جہاں تک امراض مخصوصہ میں اعضاء کا تعلق نظر آتا ہے وہ بھی برائے نام ہے کیونکہ امراض سر میں جس قدر بھی امراض بیان کیے جاتے ہیں جیسے دردِ سر' دوران سر' ضعف دماغ' شقیقہ' اعصابہ' ورم دماغ' سوزش دماغ' فالج' لقوہ' خدر' مرگی' اختناق الرحم اور نزلہ وغیرہ تمام سر یا دماغ سے متعلق نظر آتے ہیں۔ بعض ماہرین فن نے ورم اور سوزش دماغ میں دماغ کے ساتھ غشائے دماغ اور حجاب دماغ کا بھی ذکر کیا ہے اور بعض محققین نے شرکی امراض کے تحت دماغی امراض بیان کیے ہیں جیسے خصیہ' دل' جگر اور معدہ کلیہ کی خرابیوں سے دماغی امراض اسی طرح رحم اور خصیہ کی خرابیوں سے دماغی امراض کا ذکر کیا ہے۔ مگر کسی جگہ یہ پتہ نہیں کہ سر اور دماغ کے امراض میں کون سے حصہ دماغ' غشاء اور حجاب میں تکلیف ہے؟ ان کے مخصوص اسباب وعلامات کیا ہیں؟ دیگر اعضائے جسم خصوصاً اعضائے رئیسہ سے ان کا کیا تعلق ہے؟ شرکی امراض میں یا دیگر امراض میں سے مرض کی ابتداء ہوتی ہے یا دماغ ہی کی طرف سے ان اعضاء کی طرف خرابی پہنچ جاتی ہے۔ یہی صورت آنکھ' کان' ناک اور منہ وغیرہ میں بھی قائم ہے۔

اصل حقیقت

حقیقت یہ ہے کہ سر' آنکھ' کان' ناک اور منہ وغیرہ جس قدر بھی اعضاء سر سے پاؤں تک چلے جاتے ہیں ان سب کو ایک قسم کے ٹھوس اعضاء سمجھ لیا گیا ہے اگرچہ تشریح الابدان اور منافع الاعضاء میں رگ وپٹھا اور غشاء وحجاب کو جدا جدا بیان کیا جاتا ہے مگر ماہیت امراض اور علاج الامراض میں پورے کے پورے عضو کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ کیا کسی طریق علاج اور ماڈرن سائنس نے نظام عصابی کی طرح نظام غشاء' نظام حجاب یا عضلات اور نظام غدد کے باہمی تعلق اور ان کے امراض کا ذکر کیا ہے؟ نہیں کیا! بالکل نہیں! یہی وجہ ہے کہ سر سے پاؤں تک کے ماہیت امراض کو یقینی طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ جب ماہیت امراض یقینی نہیں ہیں تو علاج الامراض کیسے یقینی ہوسکتا ہے۔

❶ دردِ سر

ہم یہاں صرف سر کے ایک ہی مرض دردِ سر کو لیتے ہیں جس کی اقسام بیسیوں نہیں' سینکڑوں ہیں۔ اگر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا مرض ہو جس میں دردِ سر نہ ہوتا ہو۔ اسی طرح ہومیوپیتھی علم الادویہ سے پتہ چلتا ہے کہ شاید ہی کوئی ایسی دوا ہو جو سر پر اثر انداز نہ ہوتی ہو گویا ہر مرض اور ہر دوا بلکہ غذا کے استعمال کا اثر سر پر پڑتا ہے۔ اسی لیے اکثر اہل فن نے سر درد کو مرض قرار ہی نہیں دیا بلکہ اس کو صرف علامت تک مخصوص کر دیا ہے جو قطعاً غلط ہے۔ بہر حال سر میں کئی اعضاء ہیں۔ ان میں سے کسی میں تکلیف ہوگی تو سر درد ضرور ہوگا۔ یہ امر جدا ہے کہ اس کے اسباب اور عوارض کیا ہیں؟ مقامی ہے یا شرکی' مشینی ہوگا یا کیمیائی۔ بہر حال درد تو سر میں ضرور ہوگا۔ اس کو نظر انداز کیسے کیا جاسکتا ہے۔ دردِ سر صرف اس صورت میں نظر انداز ہوسکتا ہے جب ہم سر کے اعضاء اور ان کے افعال سے واقف نہ ہوں۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اس کا علاج پھر اسپرین اور سارڈان وغیرہ کے سوا کیا ہوسکتا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک بار میرے بے حد قابل احترام دوست حکیم سید فضل حسین شاہ صاحب نے ایک مضمون لکھا تھا تو انہوں نے طب یونانی میں دردِ سر کی ہزار اقسام بیان کی تھیں اور ان کے مقابلے میں طب جدید کی صرف دو اقسام کے دردِ سر کا ذکر کیا تھا۔ ایک عصبی اور دوسرے دموی ایک طرف اس قدر کثرت اور دوسری طرف یہ قلت اور تیسری طرف دردِ سر سے بالکل انکار۔ غرض یہ وہ گورکھ دھندہ ہے کہ اس میں جب کوئی طبیب پھنس جاتا ہے تو اوّل نکلتا نہیں اور جب نکل جاتا ہے یعنی دردِ سر سے انکار کر دیتا ہے تو پھر صرف فرنگی ادویات یا مُنشی اور مخدر ادویات جن میں حب شفا'

برشعشا اور معجون فلک سیر سے مریض کے ہوش و حواس کو گم کر دیتا ہے مگر درد سر اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ کبھی جلاب پر جلاب دے کر مادہ کو خارج کر دیتا ہے اور کبھی مقویات دے کر خون کو پیدا کرتا ہے اور بڑھاتا ہے تاکہ طاقت سے درد سر رفع ہو جائے مگر سر درد ہے کہ جن کی طرح ایسا چمٹ جاتا ہے کہ بیس بیس سال تک قائم رہتا ہے اور اگر دوروں کی صورت اختیار کر لے تو عمر بھر نہیں جاتا پھر نہ کسی پیر فقیر کو مانتا ہے اور نہ تعویذ گنڈے کا اثر ہوتا ہے بلکہ جتنے بھی جادو ٹونے کرو اسی قدر زیادہ ہو جاتا ہے۔

فرنگی طب (ڈاکٹری) میں تقسیم امراض کے لیے نہ کوئی بنیادی قاعدہ ہے اور نہ کوئی اصولی طریق ہے۔ جب تمام کی تمام فرنگی طب کسی نظام اور کلیہ کے ماتحت نہیں ہے تو پھر تقسیم امراض باقاعدہ اور اصولی کیسے ہو سکتے ہیں۔ ہر آنے والے دور میں مختلف نظریات کے تحت تقسیم امراض کیا گیا ہے اور اس وقت تک اس میں امراض کا سلسلہ جاری رہے گا جب تک تمام طب کو کسی ایک نظام یا قانون کلیہ کے تحت منظم اور باقاعدہ نہیں کیا جائے گا۔

فرنگی طب کی ایک تقسیم الامراض طب یونانی کی پیروی میں ہے کہ امراض کو بلحاظ وسعت تقسیم کیا ہے۔ اوّل امراض عام (جنرل ڈزیز) اس میں سے ایسے امراض بیان کیے گئے ہیں جن کا اثر ایک ہی جیسا تمام جسم پر پڑتا ہے مثلاً درد، اورام، رسولیاں وغیرہ۔ دوسرے امراض مقامی (لوکل ڈزیز) ایسے امراض جن کا تعلق خاص خاص اعضاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ پھر ان کو سر سے لے کر پاؤں تک مقامی طور پر تقسیم کیا ہے جیسے دماغ کے امراض، قلب کے امراض اور جگر کے امراض وغیرہ۔

❷ تقسیم امراض بلحاظ علامات

یہ تقسیم امراض تین حصوں میں کی گئی ہے۔ اوّل امراض حادہ (اکیوٹ ڈزیز) جن میں علامات کے اندر شدت پائی جاتی ہے مگر ان کا وقفہ دیرپا نہیں ہوتا البتہ یہ مہلک ہوتے ہیں۔ دوسرے امراض خفیفہ (سب اکیوٹ) ان کی علامات میں خفت پائی جاتی ہے اور زیادہ مہلک اور زوردار نہیں ہوتے۔ تیسرے امراض مزمنہ (کرانک ڈزیز) ایسے امراض جو ہفتوں، مہینوں بلکہ سالوں تک ستاتے رہتے ہیں۔ پھر ان کو سر سے لے کر پاؤں تک بالاعضاء بیان کیا گیا ہے تاکہ ترتیب قائم رہے۔

❸ تقسیم الامراض بلحاظ انحداث مرض

اس تقسیم الامراض کی بھی تین صورتیں ہیں۔ اوّل امراض الافراد (سپوریڈک ڈزیز) ایسے امراض جو فرداً فرداً متعدد اشخاص میں پائے جائیں۔ دوسرے امراض وبائیہ (اپیڈیمک ڈزیز) (Epidemic Deseaes) امراض کی ایسی صورت میں بیک وقت کثیر تعداد لوگ مبتلا ہو جائیں۔ تیسرے امراض مکانی (اینڈیمک ڈزیز) ایسے امراض ہیں جو خاص خاص مقام پر پائے جائیں مگر ہر علاقہ میں نہ پائے جائیں۔ پھر ان کی تقسیم سرتاپاؤں کی گئی ہے تاکہ ترتیب قائم رہے۔

❹ تقسیم امراض بلحاظ حملہ مرض

اس تقسیم الامراض کی پانچ صورتیں بیان کی گئی ہیں: ① میعادی ② غیر میعادی ③ نوبتی ④ خلقی ⑤ اتفاقی۔ پھر ہر ایک قسم کو سرتاپاؤں برائے ترتیب تقسیم کر دیا گیا ہے۔

❺ تقسیم امراض جراثیمی

اس تقسیم امراض کی دوصورتیں ہیں: ① متعدی امراض ② غیر متعدی امراض۔ یہاں بھی وہی سرتاپا ترتیب الگ الگ بیان کی گئی ہے۔

❻ تقسیم الامراض کیمیائی

اس تقسیم الامراض کی بھی دوصورتیں ہیں: ① تغیر عنصری' ایسے امراض جن کے خون کے کیمیائی عناصر میں کمی اور خرابی پیدا ہو جائے۔ ② غیر عنصری وہ امراض جن میں خون کے کیمیائی عناصر میں تغیر پیدا نہ ہو ان میں بھی سرتاپا کی تقسیم قائم رکھی گئی ہے۔

❼ تقسیم الامراض خوردبینی

اس تقسیم الامراض کی دو ہی صورتیں ہیں: ① ایسے امراض جن کی تبدیلیاں خوردبین سے دیکھی جا سکتی ہیں ② غیر خوردبینی تبدیلیاں' ایسے امراض جن کی تبدیلیاں بغیر خوردبین دیکھی جا سکتی ہیں۔

مندرجہ بالا تقسیم الامراض جو فرنگی طب میں کی جاتی ہے وہ یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ موسمی خرابیاں' حیاتینی نقائص' غذائی خرابیاں اور اس کی کمی بیشی بحیثیت مقدار اور بحیثیت طاقت وغیرہ کے تحت بھی سرتاپا امراض کی الگ الگ تقسیم کی جاتی ہے۔ ان بے شمار امراض کے علاوہ یورپ اور امریکہ میں آئے دن نئے نئے امراض پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ تقریباً عرصہ ساڑھے تین سو سال سے یہ سلسلہ قائم ہے۔

اور خدا جانے فرنگی طب کی تحقیقات برائے امراض تجدیدہ کب تک قائم رہے۔ ظاہر میں تو یہ نظر آتا ہے کہ ان کا تقسیم الامراض کا مسئلہ لامتناہی ہے۔ شاید کبھی ختم نہ ہو سکے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ طب کا ایک طالب علم اس قدر امراض اور ان کے اقسام در اقسام پر کس طرح حاوی ہو سکتا ہے اور اگر یہ فرض بھی کر لیں کہ عمر کے ایک بڑے حصہ میں آ کر وہ اس قسم الامراض اور ان کی بے شمار اقسام کو سمجھنے کی دسترس حاصل کر لے گا۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے ہر مرض کے بے شمار اسباب اور علامات ہیں ان پر کیسے قابو پائے گا۔ اگر بفرض محال وہ یہاں تک بھی کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر اصول علاج اور علم الادویات جو ایک بحر بے کنار ہے ان کی کس طرح تکمیل کریں گے ان علوم کے علاوہ حفظان صحت' تشریح و منافع الاعضاء' جراحی' عورتوں اور بچوں کے امراض ان کے علاوہ ہیں۔ ان امور سے ثابت ہوا کہ فرنگی ڈاکٹر جن کی ایلوپیتھی کسی نظام اور کلیہ کے تحت بیان نہیں کی گئی علم الامراض کیا علم العلاج کے شعبہ پر دسترس حاصل نہیں کر سکتے۔ ہاں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ ایک بار امتحان کی خاطر پڑھ ضرور لیتے ہیں اور امتحان کے بعد ان کا اکثر علم بے معنی اور فضول ہو کر رہ جاتا ہے۔

جاننا چاہیے انسانی دماغ کی تشکیل کچھ اس قسم کی ہوئی ہے کہ اس میں وہ باتیں محفوظ رہتی ہیں جن کا تعلق ایک دوسرے سے وابستہ ہوتا ہے کہ ایک کے بعد دوسری اور تیسری پھر چوتھی بات خود بخود دماغ میں پیدا ہوتی جائے یہ صورت اسی حالت میں ہی قائم رہ سکتی ہے جب علم اور فن کسی ایک نظام یا کسی قانونی کلیہ میں منسلک ہوں جیسے درخت کو بے شمار پتوں' شاخوں اور پھولوں پھلوں کو ہم ایک جڑ سے باہم پیوستہ دیکھتے ہیں۔ اور اگر کوئی چاہے تو جڑ کے تنوں کے ساتھ بڑی شاخوں اور چھوٹی شاخوں کو بڑی سہولت سے اپنے ذہن میں رکھ سکتا ہے۔ اگر وہ اس قاعدہ کے علاوہ ویسے درخت کی بڑی چھوٹی شاخوں اور مقام و حدود اربعہ کو یاد کرنا چاہے تو یہ ایک مشکل کام ہوگا فرنگی طب ایک ایسا ہی درخت ہے جس کی کوئی جڑ نہیں ہے

بلکہ جدا جدا شاخوں و پتوں اور پھلوں و پھولوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس پر کوئی بڑے سے بڑا ڈاکٹر پورے طور پر قادر نہیں ہوسکا اور شائد کبھی قادر نہ ہوسکے۔ اس صورت میں مخلوق خدا اور دنیا کا ان سے فائدہ حاصل کرنا بے حد مشکل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاں پر فرنگی طب میں امراض کو کسی بنیادی اور قانون کلی کے تحت بیان نہیں کیا گیا وہاں پر کسی مرض کو کسی دیگر مرض کے تحت رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ جسم انسان کے اندر جو نظامات کام کر رہے ہیں جیسے نظام غذایہ' نظام ہوایہ' نظام بولیہ' اور نظام دمویہ' نظام عصبی' نظام غدی' اور نظام عضلاتی کے ساتھ ان امراض کا کیا تعلق ہے اور جہاں تک اعضائے رئیسہ کا تعلق ہے ان کو ان امراض سے قطعاً جوڑا ہی نہیں گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب جسم میں کوئی مرض پیدا ہوتا ہے تو اس کی علامات کو جدا جدا دیکھا اور علاج کیا جاتا ہے اور یہ تشخیص میں سب سے بڑی غلطی کا باعث بن جاتا ہے۔

اگر امراض کو انسان کے بنیادی نظام اور قانون کلی کے تحت مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ جسم انسان کے نظامات اور اعضائے رئیسہ سے تعلق قائم کر دیا جائے تو اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ان نظامات اور اعضائے رئیسہ میں سے جس کسی میں خرابی ہوگی اس نظام اور عضو رئیس کے تمام متعلقہ نظام اور اعضاء میں اس مرض کا اثر ہوگا۔ بس وہی اس مرض کی صحیح علامات ہوں گی۔ اس صورت میں امراض اور علامات آپس میں منسلک ہوجائیں گی اور تشخیص میں بے حد آسانیاں ہوجائیں گیں اور وہ تشخیص یقینی ہوجائے گی۔

فرنگی طب نے امراض کو جو متعدد صورتوں کے تحت تقسیم کیا ہے۔ کسی ایک مرض کی ایک ڈاکٹر کچھ تشخیص کرتا ہے اور دوسرا ڈاکٹر ایک مختلف تشخیص کا دعویٰ کرتا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ جس کثرت سے تشخیص کی صورتیں سامنے آئیں گی اسی قدر مختلف علاج تجویز ہوں گے۔ اس صورت میں کسی مریض کا اپنی بیماری سے نجات حاصل کر لینا ایک معجزہ سے کم نہیں ہے۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے۔ اگر اس میں مغالطہ ہو تو ہم ڈاکٹرز کو چیلنج کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا تقسیم امراض کی صورتوں کو سامنے رکھ کر یا جو اصل وہ پسند فرمائیں پہلے بیان کر دیں۔ پھر اس کے تحت امراض کی تشخیص کی تشریح کر دیں۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کبھی بھی کسی ایک مرض کی تشخیص کامیابی سے نہیں کر سکیں گے۔ جن کو اپنے فن پر اعتماد ہو وہ میدان میں ہمارے دعویٰ کو غلط کر سکتے ہیں۔

ہومیو پیتھی

علاج بالمثل میں سرے سے امراض کا ذکر ہی نہیں ہے۔ پھر اس میں ماہیت امراض' نام امراض' تقسیم امراض اور تشخیص امراض کا سلسلہ ہی پیدا نہیں ہوا اور اس کے ساتھ علم اسباب کی ضرورت ہی ختم ہوجاتی ہے۔ البتہ علامات کا ذکر ضرور ہے مگر یہ علامات مرض کی نہیں ہیں بلکہ ان ادویات کی ہیں جو ایک تندرست جسم پر کھلا کر حاصل کر لی ہیں۔ یعنی ہر دوا کے استعمال میں تندرستی سے لے کر موت تک جو علامات پیدا ہوتی ہیں انہی کو علاج میں مدنظر رکھا جاتا ہے۔ گویا ہر دوا کے ساتھ ایک مجموعہ علامات ہے۔ جب تک یہ مجموعہ مکمل نہیں ہوتا اس وقت تک صحیح علاج تقریباً ناممکن ہے۔

برخلاف علاج بالمثل کے علاج بالضد میں ہر مرض کے لیے علامات کا ایک مجموعہ مقرر ہے۔ جن کو سامنے رکھ کر ماہیت امراض' نام امراض' تقسیم امراض اور تشخیص امراض کی جاتی ہے۔ علاج بالمثل اور علاج بالضد میں فرق یہ رہ جاتا ہے اوّل الذکر علامات کو دوا کے نام پر اکٹھا کر کے علاج کرتے ہیں اور ثانی الذکر علامات کو مرض کے نام پر یکجا کر کے تشخیص کرتے ہیں۔ جس کے بعد علاج کی صورت آتی ہے البتہ دوا دینے کے سلسلے میں علاج بالمثل میں وہی دوا قلیل صورت بلکہ تقلیل صورت میں اس مریض کو دیتے ہیں جن میں اس دوا کی مماثلت میں علامات پائی جاتی ہیں اور علاج

بالضد میں تشخیص مرض کے بعد ایسی ادویات استعمال کرتے ہیں جو اس کے بالضد اور اس کو رفع کرنے والی ہوتی ہیں۔ مثلاً ناک اور حلق سے رطوبت کے گرنے کو نزلہ وزکام کہتے ہیں۔ یہ ایک علامت ہے اس کے ساتھ دیگر علامات بھی پائی جاتی ہیں مثلاً کبھی رطوبت پانی کی طرح پتلی ہوتی ہے کبھی گاڑھی اور کبھی اس قدر گاڑھی کہ اخراج نہیں پاسکتی۔ سر میں گرانی، چھینکیں، ناک اور حلق میں جلن، ناک اور حلق میں سوزش، کبھی ناک اور حلق میں سوجن، کبھی درد اور کبھی بخار، کبھی بدن ایک دم سرد، کبھی رطوبات بالکل سفید، کبھی زرد رنگ کی، کبھی ساتھ خون اور نکسیر کا پھوٹنا بھی شامل ہوتا ہے۔ کبھی رطوبات میں سخت بدبو، کبھی کان کی نالی اور ناک تک میں درد معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ کبھی بہرا پن اور آنکھوں میں سرخی اور سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔ علاج بالضد کے سلسلہ میں آیورویدک، طب یونانی اور فرنگی طب ان تمام امراض کو نزلہ وزکام کہیں گے۔ مگر علاج کرتے وقت ان کے اسباب کو مدنظر رکھ کر اس کی اقسام کی تشخیص کرنے کے بعد اس کا علاج کریں گے۔ اقسام کے سلسلہ میں ایک وید صاحب وات، پت اور کف کو مدنظر رکھیں گے اور ایک طبیب خون، بلغم، صفرا اور سودا کی تقسیم کر کے علاج کا سلسلہ جاری کرے گا اور فرنگی طب کا ماہر نزلہ وزکام کے جراثیم کو ہی فنا کرنے کی کوشش کرے گا۔ چاہے وہ جراثیم ٹی بی، ملیریا اور ٹائیفائڈ کے ہوں۔ مگر وہ نزلہ وزکام کو فنا کرنا اپنا فرض کرے گا۔ لیکن وہ یہ خیال نہیں کرے گا کہ نزلہ وزکام ایک علامت ہے (مرض نہیں ہے) علاج بالمثل اور علاج بالضد کے اس فرق سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اوّل الذکر کی علامات ادویات کے گرد چکر کاٹتی ہیں اور آخر الذکر کی علامات امراض کے گرد اکٹھی کی جاتی ہے۔ بہرحال دونوں طریق علاج علامات کے مجموعہ ہی سے تشخیص اور علاج کرتے ہیں۔ جو معالج بھی چاہے اور ماہر علاج بالمثل ہو یا حامل علاج بالضد علامات کے کسی صحیح مجموعہ کو قابو کرے گا۔ اسی کی تشخیص اور علاج یقیناً کامیاب ہو گا ورنہ دونوں ناکام ہوں گے اور ان کا علاج غیر صحیح کہا جاسکتا ہے۔

ظاہر ہے ہومیوپیتھی میں امراض کا تصور نہیں ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کے ہاں بھی وہی امراض کی صورت ہے جو ایلوپیتھی میں ہے۔ صرف ان کو علم امراض سے ناواقفیت کی وجہ سے اس کی حقیقت کے تصور کا دھوکا ہے۔ کیونکہ اوّل ہومیوپیتھ جب علاج شروع کرتا ہے اور مریض کی جو علامات اکٹھی کرتا ہے تو ان میں مریض جس علامت کی شدت یا تکلیف بیان کرتا ہے جو اس کی بنیادی تکلیف ہے اس کو وہ معالج اختیار کر کے اس کو مرکزی نقطہ بناتا ہے۔ پھر مریض کی دیگر علامات کو اس کے گرد اکٹھا کر کے اس کے لیے دوا تجویز کرتا ہے یعنی یہ دیکھتا ہے کہ یہ علامات کس دوا میں پائی جاتی ہیں۔ بالکل وہی صورت علاج بالضد کا ماہر بھی کرتا ہے کہ مریض کی بنیادی علامات کے ساتھ اس کی دیگر علامات کو اکٹھا کرتا ہے اور مرض کی ایک صورت قائم کر کے پھر ان علامات کو رفع کرنے کے لیے دوا تجویز کرتا ہے۔ فرق صرف یہ رہ جاتا ہے علاج بالمثل کا ماہر بالمثل دوا استعمال کرتا ہے اور علاج بالضد کا ماہر علاج بالضد کے اصول پر ان علامات کے اثرات کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جہاں تک امراض کا تعلق ہے دونوں میں ایک سی صورت ہے۔ یعنی ماہر علامت شدت کے وقت کی صورت (بنیادی علامت) کو سامنے رکھ کر باقی علامات کو اس کے گرد اکٹھا کر دیتا ہے۔ علاج بالمثل کا معالج بھی تشخیص ضرور کرتا ہے وہ مرض کا نام نہیں رکھتا۔ سیدھی دوا تجویز کر دیتا ہے اور اسی دوا کو مرض کا نام دے دیتا ہے۔ گویا دونوں ایک ہی کام کرتے ہیں۔ ایک مرض کے نام کو تسلیم نہیں کرتا اگرچہ مریض کی ہر تکلیف کو مرض قرار دیتا ہے اور دوسرا مرض کو تسلیم کرتا ہے اور اس کی اقسام کی تشخیص کر کے اس کا علاج کرتا ہے گویا دونوں ایک عمل کو مختلف زاویوں سے کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا علاج بالمثل میں بھی امراض ہیں البتہ ان کا نام ادویات کے نام پر ہے یعنی آرسنک کی بیماری، بیلاڈونا کی بیماری اور کچلہ کی بیماری۔ گویا دنیا میں جس قدر ادویات ہیں اسی قدر امراض کی اقسام ہیں۔

علاج بالضد میں مرض کی ایک تعریف یہ کی جاتی ہے کہ وہ چند علامات کا مجموعہ ہوتا ہے اور اکثر وہی علامات پیش نظر ہوتی ہیں جو شدید ہوتی ہے اور اس کو مرض کا نام دے کر اسباب کے تحت اس کی تشخیص کر لی جاتی ہے۔ پھر اس کا علاج کر دیا جاتا ہے۔ اسباب کیفیاتی ہوں یا نفسیاتی یا مادی یا

زہریلے انہی کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جس میں اکثر ایک ہی تجویز کامیاب ہو جاتی ہے۔ لیکن ہومیوپیتھی میں مرض کی شدت وخفت' کیفیاتی ونفسیاتی اثرات' بے چینی ودرد' سوزش وورم' حرکت وسکون' صبح وشام' اندھیرا اور روشنی کے اثرات کے تحت اکثر علامات جلد جلد بدل جاتی ہیں۔ اس لیے وہاں پر ہر گھڑی نئی تجویز کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ صحیح دوا کے تعین کے قریب پہنچا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہزاروں ادویات یعنی امراض کا صحیح تعین کرنا ایک بے حد مشکل اور انتہائی محنت طلب تشخیص ہے۔ جس سے دشوار اور غیر یقینی بن جاتا ہے۔

علاج بالمثل میں مرض کے تصور کی ایک صورت مریض کی شدید علامت ہے جس کے گرد باقی علامات اکٹھی کی جاتی ہیں اور دوسری صورت ادویات خود امراض کا تصور پیش کرتی ہیں۔ جن میں ہر دوا اپنے اندر سینکڑوں علامات رکھتی ہے۔ جس میں مرض شدید اور نمایاں اور بعض میں خفیف اور پوشیدہ ہوتا ہے اور ادویات کے خواص بھی انہی علامات کے تحت یاد رہتے ہیں۔ تیسری صورت ایک اور بھی ہے جو زہریلے مادوں کے تحت تقسیم کر دی گئی ہے تاکہ علاج کے دوران میں بے شمار ادویات یا علامات کچھ سہولت کے ساتھ ذہن نشین ہوسکیں اور علاج کسی حد تک یقین کے ساتھ کیا جا سکے۔ وہ صورت یہ ہے کہ ڈاکٹر ہانمن نے جسم انسان میں تین قسم کے مادوں کو تسلیم کیا ہے کہ اوّل ان تین قسم کے زہریلے مادوں میں سے کوئی زہریلا مادہ انسان کے جسم میں پیدا ہوتا ہے اور بڑھتا ہے۔ پھر اس سے دیگر علامات ظاہر ہوتی ہیں البتہ یہ تمام علامات ایک خاص قسم (کیٹگری) کی ہوتی ہیں جن میں انہی زہریلے مادوں کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔ ان تین زہریلے مادوں کے نام یہ ہیں: ① سفلس ② سورا ③ سائیکوسس۔

ہومیوپیتھی کی کتب میں ان کی کوئی تفصیلی تشریح نہیں ہے۔ البتہ ان کی علامات بیان کر دی گئی ہیں۔ بعض ماہرین نے ان کا ترجمہ ① آتشکی مادہ ② بواسیری مادہ ③ سوزاکی مادہ سے کیا ہے۔ لیکن اس ترجمہ سے ان کی حقیقت پر صحیح روشنی نہیں پڑتی۔

یہاں پر ہمارا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ ہومیوپیتھی بھی امراض کے تصور سے خالی نہیں ہے۔ یعنی علامات کے مجموعے (گروپ) ضرور تیار کرنے پڑتے ہیں۔ چاہے شدید اور تکلیف دہ علامات کے تحت تیار کیے جائیں۔ چاہے ادویات کے نام پر اکٹھے کیے جائیں یا زہریلے مادوں پر ان کی تقسیم کی جائے۔ تاکہ علاج معالجہ میں سہولت پیدا ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ امراض کے تحت علاج کرنے میں بے حد سہولت ہے کیونکہ ان کے تحت علامات کے چھوٹے بڑے گروپ تیار ہو جاتے ہیں۔ ادویات کی کمی بیشی اور تبدیلی ایک جدا صورت ہے مگر امراض کی شکل اختیار کرنا اپنی جگہ مسلمہ حقیقت ہے۔ مثلاً ٹی بی' فالج' تشنج' یا آتشک' بواسیر اور سوزاک نمایاں علامات میں سے ہیں۔ جب بھی کوئی ہومیوپیتھ ان علامات کا علاج کرے گا۔ یہ ناممکن ہے کہ ان کو مدنظر نہ رکھے۔ ان سب کے ساتھ دیگر مخصوص علامات پائی جاتی ہیں جن کو سامنے رکھ کر علاج بالمثل اور علاج بالضد دونوں کے ماہرین علاج کرتے ہیں۔ اب آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دونوں طریقہ ہائے علاج کے معالج اکثر علامات کی ہی تشخیص اور علاج مدنظر رکھتے ہیں۔

ہمارے سامنے ماہیت امراض' تشخیص امراض' تقسیم امراض اور نام امراض کا جو سلسلہ ہے ان سب سے بالکل جدا ان سب سے آسان اور یقینی ہے۔ ہم نے سالہا سال غور وفکر اور تحقیقات کے بعد یہ نتائج اخذ کیے ہیں۔ ان میں یہ پتہ چلا ہے کہ ہر بار علامات کو قابو کرنا یا امراض کے تحت علامات کا اکٹھا کرنا یا چند علامات کے مجموعے کو امراض کہہ دینا تشخیص اور علاج میں دشواریاں پیدا کر دیتا ہے کیونکہ اکثر صورتوں میں علامات بدلتی رہتی ہیں اور معالج یقینی طور پر ان کے متعلق کلی حکم نہیں لگا سکتا۔ اسی لیے علاج معالجہ ظنی صورت بن کر رہ گیا ہے۔ جب تک معالج کو پورے طور پر یقین نہ ہو کہ فلاں علامات کس مرض کی ہیں جو کسی اور مرض میں پیدا نہیں ہوسکتیں اس وقت تک اس کا علاج یقینی طور پر کامیاب نہیں ہوگا اور اسی یقین کو حاصل کرنے کے لیے اب تک فن علاج میں تحقیقات اور ریسرچ کا سلسلہ جاری ہے۔

جاننا چاہیے کہ انسانی جسم ایک مشین ہے جس میں چند پرزے لگے ہوئے ہیں جن کو ہم اعضاء کہتے ہیں۔ جب ان اعضاء کے افعال میں

کوئی خرابی واقع ہوتی ہے تو غیر طبی علامات پیدا ہوتی ہے جو جسم انسانی میں تکلیف اور دکھ کا باعث ہوتی ہیں۔ چونکہ ان علامات کا تعلق انسانی اعضاء کے ساتھ ہے۔ اس لیے ہم کو بھی ان علامات کو اعضاء کے ساتھ مخصوص کر دینا چاہیے۔ اس کی صورت یہ ہونی چاہیے کہ اعضاء کی خرابی کی جس قدر صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً عضو کے فعل میں تیزی یا سستی یا ضعف اور ان کے مدارج وغیرہ مثلاً تیزی سے خارش' سوزش اور ورم وغیرہ ان کو امراض کے نام دے دینے چاہئیں اور ہر مرض کے ساتھ جو علامات مخصوص ہوں ان کو انہی امراض کے تحت مخصوص کر دینا چاہیے۔ اس طرح تشخیص میں سہولت اور علاج میں آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہم اس سے بھی ایک قدم آگے جانا چاہتے ہیں کہ ان علامات اور امراض کا تعلق صرف جسم کے عام اعضاء کے ساتھ نہیں جوڑنا چاہیے بلکہ ان اعضاء کا تعلق اعضاء رئیسہ تک قائم کر دینا چاہیے تاکہ تشخیص اور علاج کے دوران میں ہمارے سامنے کم از کم امراض اور علامات یا دوسرے الفاظ میں کم از کم اعضاء باقی رہ جائیں۔ اعضاء رئیسہ چونکہ تین ہیں اس لیے ہمارے سامنے بے حد سہولتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔

علاماتی علاج میں جو خرابیاں ہیں وہ تشخیص اور علاج میں بے حد مشکلات پیدا کرتی ہیں مثلاً مرگی اور اختناق الرحم اور دیگر ایسے امراض جن میں دورے پڑتے ہیں اور مریض گر پڑتا ہے ان کا تعلق کسی عضو کے افعال سے مخصوص ہونا چاہیے۔ صرف گر پڑنا اور دورہ پڑ جانا کوئی تسلی بخش علامت نہیں ہے اور اس حالت کو مرض بھی نہیں کہنا چاہیے بلکہ کسی خاص مرض جو کسی خاص عضو کی بلکہ عضو رئیس کی خرابی سے پیدا ہو سکتا ہے اس کی علامت مخصوص کر دینی چاہیے۔

ہم نے اس امر کی واضح اور تفصیل کے ساتھ تشریح کی ہے کہ تمام طریق ہائے علاج میں امراض کی تقسیم کو بالا عضاء بیان نہیں کیا گیا۔ اس لیے ان کے اکثر امراض کی ماہیت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ علاج بالضد میں زیادہ سے زیادہ مرض کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ چند علامات کے مجموعہ کا نام مرض ہے مگر اس میں ہمیشہ یہ پریشانی رہتی ہے کہ ایک وقت میں ایک مجموعہ علامات کا نام مرض ہے اور دوسرے وقت وہی مرض ایک علامت کی صورت میں بیان کیا جا رہا ہے۔ پھر یہ علامات ہوں یا امراض کیفیات یا اخلاط اور جراثیم کے تحت تقسیم ہو جاتے ہیں اور جہاں تک ان کا اعضاء سے تعلق ہے وہ صرف ایک ترتیب کو مدنظر رکھتے ہوئے سر سے پاؤں تک بیان کر دیئے جاتے ہیں۔ گویا ان مقامات کو گنوا دیا جاتا ہے جہاں پر تکالیف کے احساسات ہوتے ہیں۔ گویا اعضاء کے افعال اور ان کے کیمیائی تغیر کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ علاج بالضد کے برعکس علاج بالمثل میں تمام علامات کو ایک دوا کے گرد اکٹھا کر دیا جاتا ہے گویا ہر دوا ایک مرض ہے۔ دنیا میں جس قدر ادویات ہیں اسی قدر امراض ہیں اور جوں جوں نئی ادویات کے خواص و افعال تحقیق ہوتے جائیں گے اسی قدر نئے امراض اور نئی علامات ظہور میں آتے جائیں گے۔ گویا امراض اور علامات کے لیے کوئی قید نہیں ہے اور وہ قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔

اسی طرح علاج بالضد میں بھی امراض اور علامات کی اس قدر کثرت اور بہتات ہے کہ وہ سب تقریباً شمار سے باہر ہیں۔ پھر ان سب کی کوئی ترتیب اور سلسلہ قائم نہیں کیا گیا اور نہ وہ کسی نظام کے تحت بیان کی گئی ہیں۔ آیورویدک اور طب یونانی میں تو ان کی مزید تحقیق اور پیدائش ختم ہو چکی ہے مگر ایلوپیتھی میں آئے دن نئے نئے امراض تحقیق اور پیدا ہو رہے ہیں۔ خدا جانے یہ سلسلہ کہاں جا کر ختم ہو۔ البتہ ان نئی تحقیقات' اور پیدائش امراض کے سلسلہ سے یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ ایلوپیتھی میں تا حال انسانی امراض یا علامات کو پورے طور پر احاطہ تحریر میں نہیں لایا گیا۔ گویا یہ طریقہ علاج ابھی تشنہ کام ہے۔

تعریف صحت اور امراض

صحت اور مرض کی اس وقت تک جو تعریف کی گئی ہے۔ ان میں سب سے احسن تعریف شیخ الرئیس بوعلی بن سینا کی ہے کہ جب مجری انسانی

اپنی صحیح صورتوں پر کام کر رہے ہوں ان کا نام صحت ہے اور جب یہی مجریٰ انسانی اپنے صحیح افعال انجام نہ دے رہے ہوں ان کا نام مرض ہے۔ اگرچہ اس تعریف کا تعلق بھی اعضاء کے ساتھ مخصوص نہیں کیا گیا تاہم یہ تعریف بہت حد تک صحت اور مرض کی صورت کو بیان کر دیتی ہے۔ اگر یہ تعریف یوں کر دی جاتی کہ جب اعضاء انسانی اپنے صحیح افعال انجام دے رہے ہوں تو اس حالت کا نام صحت ہے اور جب اعضاء کے افعال اپنی صحیح حالت پر نہ ہوں تو اس حالت کا نام مرض ہے تو اس تعریف سے صحت کا ایک صحیح تصور ذہن میں قائم ہو سکتا ہے کیونکہ جسم انسانی اعضاء سے مرکب ہے اور جن کے افعال غذا اور خون انسانی پر قائم ہیں۔

تعریف علامت

علامت کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ وہ مرض کی پہچان بن سکے۔ جہاں تک اس تعریف کا تعلق ہے یہ بالکل صحیح ہے۔ مگر یہ لازم ہے کہ علامت کو بھی مرض قرار نہیں دینا چاہیے۔ اگر شیخ الرئیس کی تعریف مرض کو سامنے رکھا جائے تو علامت کی تعریف اس پر صحیح صادق آتی ہے۔ یعنی جسم انسان کے جو مجریٰ اپنے افعال صحیح انجام نہیں دے رہے ان سے جسم انسانی کی طرف جو صورتیں دلالت کرتی ہیں بس وہی علامت ہیں مثلاً نزلہ میں آنکھ، ناک اور حلق کی سوزش، درد سر اور گلو، سردی یا گرمی اور خشکی یا تری کا احساس، قبض یا اسہال، ہاضمہ کی خرابی یا بھوک اور پیاس کی شدت، بدن کا بہت زیادہ سرد ہو جانا یا بخار کا چڑھ جانا، شدید صورت میں ناک اور حلق کے اندر سوجن یا نکسیر کا آنا، پیشاب کی زیادتی یا پیشاب کی سوزش، پسینہ کا بند ہو جانا یا اس کا زیادہ آنا، حرکت یا سکون سے اس میں زیادتی یا اس میں کمی پیدا ہو جانا وغیرہ وغیرہ یہ سب علامات ہیں۔ ان کو علامات ہی رہنا چاہیے۔ اس کو کبھی بھی مرض کا مقام نہیں دینا چاہیے۔ اگر یہی علامات ان اعضاء کے ساتھ مخصوص کر دی جائیں جن کے افعال کی خرابی سے نزلہ پیدا ہوتا ہے تو تشخیص مرض اور علاج مرض میں بہت زیادہ خرابیاں دور ہو جاتی ہیں اور اس کے برعکس تشخیص آسان اور علاج سہل ہو جاتا ہے۔ جہاں تک امراض کا تعلق ہے کہ وہاں ایک سب سے بڑی خوبی ہے کہ تشخیص مرض کے وقت باوجود کہ کسی عضو میں مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں پھر بھی ہر مرض میں اسی مرض کو کلی طور پر سامنے رکھا جاتا ہے مثلاً پیٹ میں نفخ ہو یا قے، بھوک کی شدت ہو یا بھوک بند، تبخیر ہو یا ہچکی بس یہی کہا جائے گا کہ پیٹ میں خرابی ہے ان علامات میں اعضائے غذائیہ کی بہت کم تشخیص کی جائے گی۔ اگر کسی اہل فن نے پیٹ کی خرابی میں معدہ، امعاء، جگر، طحال اور لبلبہ و دندان کی تخصیص کر بھی لی تو اس کو بہت بڑا کمال خیال کیا جائے گا۔ لیکن اس امر کی طرف کسی کا دھیان نہیں جائے گا کہ معدہ و امعاء وغیرہ خود مرکب اعضاء ہیں اور ان میں بھی اپنی جگہ پر عضلات، اعصاب اور غدد واقع ہیں۔ اس سے بھی آگے بڑھیں تو معدہ یا اعضاء کا درد، سوزش، ورم اور پھوڑا وغیرہ سامنے آتے ہیں۔ مگر یہاں پر بھی صرف معدہ کو مریض کہا جاتا ہے جو ایک مرکب عضو ہے۔ یہاں بھی معدہ کے مفرد اعضاء کی طرف دھیان نہیں دیا جاتا۔ حالانکہ معدہ کے ہر مرض کی علامات بالکل مختلف اور جدا جدا ہیں مگر تشخیص ہے کہ کلی عضو کی رہی ہے اور علاج بھی کلی طور پر معدہ کا تجویز کیا جا رہا ہے۔ نتیجہ اکثر صفر نکلتا ہے اور پھر کوشش یہ کی جاتی ہے کہ کسی نئی مرض کا وجود پیدا کر دیا جائے یا کسی نئی علامت کو مرض قرار دے دیا جائے۔ پھر ایسی صورت کو ایک کارنامہ شمار کیا جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ جب معدہ کے اعصاب میں سوزش ہوتی ہے تو اس کی صورتیں اور علامات معدہ کے عضلات کی سوزشوں سے بالکل جدا ہوتی ہیں۔ اس طرح جب معدہ کے غدود میں سوزش ہو تو اس کی علامات ان دونوں مفرد اعضاء کی سوزشوں سے بالکل الگ الگ ہوتی ہیں۔ پھر سب کو صرف معدہ کی سوزش شمار کرنا تشخیص اور علاج میں کس قدر الجھنیں پیدا کر دیتا ہے۔ یہی صورت معدہ کے درد، ورم اور پھوڑے میں بھی سامنے آ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ اور امریکہ کو بھی علاج میں ناکامیاں ہوتی ہیں اور وہ پریشان اور بے چین ہیں اور اس وقت تک ہمیشہ ناکام رہیں گے

جب تک علاج اور امراض میں کسی عضو کے مفرد اعضاء کو سامنے نہیں رکھیں گے۔

علاج میں مفرد اعضاء کو مدنظر رکھنا یہ ہماری جدید تحقیق ہے جو برسوں کی محنت سے دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ ہماری اس تحقیق کا نام ہے۔ ''نظریہ مفرد اعضاء (سمپل آرگن تھیوری)'' اس نظریہ سے نہ صرف تشخیص میں بے حد آسانیاں پیدا ہوگئی ہیں بلکہ ہر مرض کا علاج یقینی صورت میں سامنے آ گیا ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہر مرکب عضو میں جس قدر امراض پیدا ہوتے ہیں ان کی جدا جدا صورتیں سامنے آ جاتی ہیں۔ ہر صورت ایک دوسرے سے جدا ہے ان کی علامت جدا ہے۔ فوراً یہ پتہ چل جاتا ہے کہ اس عضو کا کون سا حصہ بیمار ہے۔ پھر صرف اسی حصہ کا آسانی سے علاج ہو جاتا ہے۔

اسی نظریہ مفرد اعضاء کے تحت ہم نہ صرف جدید تقسیم امراض اور ماہیت امراض پیش کر رہے ہیں بلکہ جدید تشخیص اور جدید علاج بھی سامنے لا رہے ہیں۔ یہ ایک ایسی تحقیق ہے جس کا علم نہ یورپ و امریکہ کو ہے اور نہ روس و چین اس سے واقف ہیں۔ یہ فن طب میں ایک انقلاب ہے اور دنیا کا کوئی ملک اس نظریہ سے آ گاہ ہو تو ہم اس کو چیلنج کرتے ہیں۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے اس جدید نظریہ علاج بالمفرد اعضاء سے یورپ وامریکہ، روس اور چین کے طریقہ ہائے کو نہ صرف غلط اور ان سائنٹیفک ثابت کر دیں گے بلکہ اس کے علم الادویہ اور جراثیم تھیوری کی خرابیوں کو بھی واضح کر دیں گے اور بہت جلد دنیا طب کے صحیح طریق علاج سے واقف ہو جائے گی۔

جاننا چاہیے کہ یہ فرض کر لینا غلط ہے کہ تحقیق صرف یورپ، امریکہ، روس اور چین کا کام ہے اور ہمارا کام صرف ان کی نقالی ہے۔ بلکہ محنت کرنے سے ہر ایک ملک و قوم ہر علم میں فن میں تحقیق کر سکتے ہیں۔ یہ ہماری تحقیق اور تدقیق طب یونانی میں ہے اور یہ اسی علم و فن قدیم کے کارنامے ہیں۔ اچھا ذہن اور ترقی پسند دماغ صرف یورپ، امریکہ، روس اور چین کے حصہ میں نہیں آیا۔ دیگر ممالک میں بھی یہ باتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔

آئندہ ہم اس نظریہ مفرد اعضاء کے تحت تقسیم امراض ماہیت امراض پیش کریں گے۔ جو ان شاء اللہ تعالیٰ طبی دنیا میں ایک بہت بڑا انقلابی کارنامہ ہوگا اور ان شاء اللہ تعالیٰ رہتی دنیا تک قائم رہے گا اور اس نظریہ مفرد اعضاء سے علم و فن طب سے دنیا کے دیگر علوم و فنون میں بھی روشنی اور رہنمائی ظاہر ہوگی۔ اب اہل فن کا فرض ہے کہ وہ میرے خیالات اور تحقیقات پر ایمانداری سے غور کریں اور اپنے ملک کی روشنی سے طبی دنیا کو منور کر دیں۔

اس حقیقت پر ہم پورے طور پر روشنی ڈال چکے ہیں کہ علاج میں سب سے بڑی خرابی کا باعث امراض وعلامات کے فرق، ماہیت امراض و تقسیم امراض کو صحیح طریق پر نہ سمجھ سکنا ہے جس سے تشخیص میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور ان سے بھی بڑی خرابی علاج میں یہ ہوتی ہے کہ علاج کی ہزاروں سال کی تحقیقات کے بعد بھی تا حال انسانی جسم کی کل امراض اور کل علامات کا تعین نہیں ہو سکا۔ باوجود یہ کہ اس وقت تک ہزاروں امراض اور علامات سامنے آ چکی ہیں مگر ابھی تک ان کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ ماڈرن سائنس (ایلوپیتھی) آئے دن نئے امراض کا انکشاف کر رہی ہے۔ اسی طرح ہومیوپیتھی میں جب کسی نئی دوا کا اضافہ ہوتا ہے نئی علامات سامنے آ جاتی ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی جسم انسان میں فطرتاً اس قدر امراض اور علامات ہیں جن سے تشخیص میں بے شمار مشکلات اور علاج میں بے حد دشواریاں پیدا ہوتی رہتی ہیں یا یونہی بے معنی بال کی کھال نکالی گئی ہے اور یوں بے وجہ یا بے سمجھے امراض میں طوالت دے دی گئی ہے۔

جہاں تک ہماری تحقیقات ہیں ہم بڑے اعتماد سے کہہ سکتے ہیں کہ نہ تو جسم انسانی میں اس قدر امراض ہیں اور نہ کثرت سے علامات پائی جاتی ہیں بلکہ تشریح کے چند خانوں کو باہمی ضرب دے کر اس قدر پھیلا دیا گیا ہے کہ طالب علم تو رہا ایک طرف ماہرین فن بھی ان پر پورے طور پر

قابو نہیں پاسکتے۔ جس کی وجہ سے اکثر تشخیص میں غلطیاں اور علاج میں ناکامیاں سامنے آتی رہتی ہیں جن کے حقائق اس طرح بیان کیے جاسکتے ہیں:

❶ جسم کے مشینی اور کیمیائی تعلق کو پورے طور پر نہ سمجھنا اور مختلف مقامات پر اس تعلق کو ہمیشہ جدا جدا خیال کرنا۔ اس تعلق کے مختلف مقامات پر جو امراض اور علامات پیدا ہوتی ہیں ان کو ہمیشہ جدا جدا امراض اور علامات خیال کر لینا مثلاً جگر کے فعل میں جب تیزی ہوتی ہے تو یہ مسلمہ امر ہے کہ ① اس کی تیزی میں خون اس کی طرف زیادہ آنا لازمی امر ہوگا ② خون کا اس طرف دباؤ بڑھ سکتا ہے۔ خون اس طرف اکٹھا ہوسکتا ہے ③ خون کے دباؤ سے وہاں پر درد ہوسکتا ہے ④ وہاں سوزش ہوسکتی ہے ⑤ مقام گرم ہوسکتا ہے ⑥ وہاں پر ورم ہوسکتا ہے ⑦ وہاں پر حرارت کی زیادتی سے تحلیل واقع ہوسکتی ہے۔ بالکل یہی صورتیں اس وقت بھی ہوسکتی ہیں جب خون کا دباؤ دماغ کی طرف جائے۔ اگر ہم کسی ایک مقام پر عضو اور خون کے تعلق کو پوری طرح ذہن نشین کر لیں تو باقی مقام کے پورے نقشے بھی لازماً سمجھ میں آسکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جب کسی عضو کی طرف خون کی کمی واقع ہو یا وہاں پر خون کے بجائے رطوبات و بلغم (کف) کی زیادتی ہو تو اس کی جو صورت ہوگی وہی صورت دیگر اعضاء کی بھی ہوگی جہاں پر خون کی کمی یا رطوبت کی زیادتی پائی جاتی ہے۔ ان تمام مشترکہ صورتوں کو ایک ہی مقام پر سمجھا جاسکتا ہے۔

❷ علامات کو پوری طرح ذہن نشین نہ کرنا' اس کی کمی بیشی یا کچھ بدلی ہوئی صورت کو ایک مختلف علامت خیال کرنا مثلاً درد ایک عام علامت ہے۔ وہ اگر مختلف اعضاء میں پایا جائے تو ان کو مختلف علامات خیال کر لینا یا کسی عضو میں کمی بیشی یا شدت اور خفت سے پایا جائے یا اس کے کسی ایک حصہ میں محسوس ہو یا ایسا درد ہو جیسے ہتھوڑا مار رہا ہے یا ایسا ہو جیسے وہاں پر بہت بڑا بوجھ ہے یا ایسا معلوم ہو کہ وہ جگہ خالی خالی معلوم ہو وہاں پر گرمی یا سردی کا احساس ہو بہرحال وہ ساری صورتیں درد کی ہوں گی۔ ان سے اسی مقام پر سمجھ لینا چاہیے اور ان کے فرق کو پورے طور پر ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ کسی طرح مختلف مقامات کے دردوں میں ساتھ ہی ساتھ امتیاز کر لینا چاہیے۔ اس طرح ہر قسم کے درد کی تشخیص نہایت سہل اور علاج بے حد آسان ہوجاتا ہے۔

❸ ایک ہی علامت کا مختلف اعضاء سے متعلق ہونے سے اس میں کمی بیشی کا پایا جانا مثلاً نزلہ ایک روزانہ ہونے والی علامت ہے۔ کبھی وہ انتہائی شدت سے بہتا ہے۔ کبھی کمی کے ساتھ گرتا ہے اور کبھی بند معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال وہ بھی نزلہ میں شمار ہوتا ہے۔ کبھی اس کے ساتھ سرد رطوبت گرتی ہے۔ کبھی اس کے ساتھ جلن ہوتی ہے' گرم رطوبت سے کبھی درد سر ہوتا ہے یا سر بھاری ہوتا ہے' کبھی بدن سرد اور کبھی شدید بخار پایا جاتا ہے۔ کبھی معمولی بخار اور جسم ٹوٹتا ہے' کبھی اس میں قبض پائی جاتی ہے اور کبھی ساتھ ہی اسہال آنے شروع ہوجاتے ہیں۔ بہرحال نزلہ ضرور ہوتا ہے۔ اس لیے ان تمام صورتوں کے ساتھ نزلہ کو پورے طور پر ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

نزلہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ابوالامراض ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کو کسی صورت میں بھی مرض نہیں کہا جاسکتا۔ وہ صرف ایک علامت ہے جو صرف یہ ظاہر کرتی ہے کہ رطوبت حلق میں گر رہی ہے:

❶ اگر یہ کہا جائے کہ مرض کی تعریف یہ ہے کہ وہ چند علامات کا مجموعہ ہے اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ نزلہ صرف واحد علامت ہے اور اس کے ساتھ جو دیگر علامات پائی جاتی ہیں وہ اکثر مختلف ہوتی ہیں۔ اس لیے اس کے کسی مجموعہ کا نام مرض رکھا جائے گا۔

❷ پھر صرف نزلہ ہی کو مرض کا نام کیوں دیا جائے اس کے ساتھ درد' سوزش' بخار' اسہال' قبض یا بدہضمی وغیرہ جو پائے جاتے ہیں ان کو

امراض کا نام کیوں نہ دیا جائے۔

3. نزلہ کسی عضو کے فعل کی خرابی سے پیدا ہوتا ہے اس لیے مرض اس عضو کے فعل کو کہنا لازم ہے نہ کہ نزلہ جو اس عضو کے فعل کی خرابی پر دلالت کرتا ہے۔ یہی صورت قبض کی بھی ہے جس کو ام الامراض کہا گیا ہے۔ بس جاننا چاہیے کہ نہ ہی نزلہ ابوالامراض ہے اور نہ قبض ام الامراض ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ علامات ہیں۔

نزلہ کی حقیقت بالمفرد اعضاء

نزلہ کے معنی ہیں گرنا اس میں عام طور پر رطوبت حلق اور ناک سے گرتی ہیں۔ البتہ حلق سے جو رطوبت گرتی ہے اس کو نزلہ اور جب رطوبت ناک سے گرے اس کو زکام کہتے ہیں۔ بعض گرمی سے رطوبت گرنے کو نزلہ اور سردی سے گرنے کو زکام کہتے ہیں لیکن حقیقت میں دونوں صورتوں میں رطوبات کا گرنا نزلہ ہی ہوتا ہے۔ صرف زکام کو نام دے کر ایک تخصیص کر دی گئی ہے۔ رطوبات کے گرنے کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے البتہ دونوں صورتیں بعض حالات سے مختلف اعضاء سے متعلق ہوتی ہیں۔ جن کی تشریح درج ذیل ہے۔

نزلہ ایک علامت ہے جو کسی مرض پر دلالت کرتا ہے۔ اس کو کسی صورت میں بھی مرض کہنا صحیح نہیں اور اس کو ابوالامراض کہنا تو انتہائی غلط فہمی ہے کیونکہ نزلہ مواد یا رطوبت کا گرنا ہے اور اس علامت سے کسی عضو کے فعل کی طرف دلالت ہے۔ اس عضو کے افعال کی خرابی ہی کو مرض کہا جا سکتا ہے البتہ عضو کے افعال کی خرابی کی جس قدر صورتیں ہو سکتی ہیں وہ تمام امراض میں شریک ہوں گی۔

مواد یا رطوبت کا طریق اخراج

رطوبات (لمف) یا مواد (میٹریا سکریشن) کا اخراج ہمیشہ خون میں سے ہوتا ہے۔ اس کو پوری طرح سمجھنے کے لیے پورے طور پر دوران خون کو ذہن نشین کر لینا چاہیے یعنی دل سے صاف شدہ خون بڑی شریان اور ٹی سے چھوٹی شریانوں میں سے عروق شعریہ کے ذریعہ غدد اور غشائے مخاطی سے جسم کی خلاؤں پر ترشح پاتا ہے۔ یہ ترشح کبھی زیادہ ہوتا ہے کبھی کم، کبھی سرد ہوتا ہے کبھی گرم، کبھی رقیق ہوتا ہے کبھی غلیظ اور کبھی سفید ہوتا ہے کبھی زرد وغیرہ وغیرہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ نزلہ یا ترشح (سکریشن) کا اخراج ہمیشہ ایک ہی صورت میں نہیں ہوتا۔ مختلف صورتیں، کیفیتیں اور رنگ پائے جاتے ہیں۔ گویا نزلہ جو ایک علامت ہے وہ بھی اپنے اندر کئی انداز رکھتا ہے۔

نزلہ کے تین انداز

1. نزلہ پانی کی طرح بے تکلف رقیق بہتا ہے۔ عام طور پر اس کا رنگ سفید اور کیفیت سرد ہوتی ہے اس کو عام طور پر زکام کا نام دیتے ہیں۔
2. نزلہ لیس دار جو ذرا کوشش اور تکلیف سے خارج ہوتا ہے۔ عام طور پر اس کا رنگ زرد اور کیفیت گرم ہوتی ہے اس کو نزلہ حار کہتے ہیں۔
3. نزلہ بند ہوتا ہے۔ انتہائی کوشش اور تکلیف سے بھی اخراج کا نام نہیں لیتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بالکل جم گیا ہو اور گاڑھا ہو گیا ہے۔ عام طور پر رنگ میلا یا سرخ سیاہی مائل اور کبھی کبھی زور لگانے سے خون آنے لگ جاتا ہے اس کو بند نزلہ کہا جاتا ہے۔

نزلہ کا غلط تصور

آیورویدک میں نزلہ کو کف دوش کے تحت بیان کر دیا گیا ہے جو وید سمجھ اور فہم رکھتے ہیں وہ اس طرح سمجھتے ہیں کہ دوشوں میں کمی بیشی واقع ہو گئی یا دوش کے مقام بدل گئے ہیں۔ بہر حال اس میں کف دوش کی زیادتی ضرور تصور کریں گے چاہے وات اور پت کی خرابی اور مقامات کی تبدیلی بھی ان کے سامنے ہو۔ ان مقامات کی تبدیلی کو صرف ایک اچھا وید ہی سمجھ سکتا ہے۔ ہم نے طوالت کو مدنظر رکھتے ہوئے تفصیل کو نظر انداز کر دیا ہے۔

افسوس اچھا وید دس ہزار میں بھی مشکل سے نظر آتا ہے لیکن پھر بھی نزلہ کا صحیح اور یقینی تصور ذہن نشین نہیں ہوتا۔

طب یونانی میں نزلہ کو دماغی امراض میں لکھا گیا ہے اور اطبا کے خیال میں دماغ سے نزلہ گرتا ہے۔ اگرچہ بالکل فرنگی طب کی پیروی میں کہا جاتا ہے کہ نزلہ دماغ سے نہیں گرتا ہے کیونکہ دماغ سے ناک میں کوئی رستہ نہیں ہے۔ مگر افسوس ان اطبا پر ہے کہ انہوں نے اپنے صحیح علم کو ناقص خیال کرتے ہوئے فرنگی طب کے غلط علم کو قبول کر لیا۔

جاننا چاہیے کہ نزلہ دماغ ہی سے گرتا ہے۔ اول اس پر دلیل یہ ہے کہ سر نزلہ میں درد کرتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ دوران خون سر کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ مزمن نزلہ میں ضعف دماغ لاحق ہو جاتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ دماغ سے کوئی راستہ ناک اور گلے کی طرف نہیں آتا تو ان بھلے لوگوں کو کون سمجھائے کہ دماغ اور ناک کے درمیان جو جالیدار ہڈی ہے اس میں سے شریانیں اور اعصاب ناک میں آ کر پھیلتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ دماغ سے رطوبت نہیں گرتی مگر رطوبات گرنے کا فعل تو عروق شعریہ کے بعد ہوتا ہے جو ناک اور حلق میں پھیلی ہوئی ہیں۔ جب خون دماغ سے آ رہا ہے اور عروق شعریہ جعلق غشائے مخاطی اور غدد رطوبات یا بلغم کی صورت میں خارج ہو رہا ہے تو پھر بھلا یہ نزلہ دماغی امراض میں شامل ہوا کہ نہ ہوا۔ یہ ایک الگ ہماری تشخیص ہے کہ ہم نزلہ کو مرض نہیں علامت کہتے ہیں۔ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ تسلیم کرنا پڑے گا کہ نزلہ دماغ سے گرتا ہے۔ یہ امر بھی یاد رہے کہ جب نزلہ لاحق ہوتا ہے اس وقت دماغ کو پوری غذا خون کی میسر نہیں آتی۔ یہ بھی صحیح ہے کہ بعض قابل اطبا نزلہ کی ایک صورت شرکی بھی رکھتے ہیں۔ اسی صورت میں دل، جگر، معدہ اور گردہ کو اسباب میں شمار کر لیتے ہیں۔ بہر حال نزلہ کا صحیح تصور پھر بھی ذہن نشین نہیں ہوتا۔ اس لیے نزلہ کو عسر العلاج امراض میں شمار کیا گیا ہے۔ شائد ہی کوئی کامل طب اور ماہر فن ہو جو اس امر کا دعویٰ کرے کہ وہ نزلہ پر پوری طرح قابو رکھتا ہے فرنگی طب اس مرض کا باعث جراثیم قرار دیتی ہیں جن سے ناک اور گلے میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے پھر زکام اور نزلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اول تو فرنگی طب کا نظریہ جراثیم غلط ہے کیونکہ جراثیم سبب واصلہ نہیں ہیں بلکہ سبب بادیہ اور عابقہ ہیں۔ جب تک جراثیم عفونت اور عضو میں سوزش پیدا نہ کریں نزلہ کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ ان کا سبب سابقہ ہے نہ کہ واصلہ اور بادیہ صورت میں جب تک کیفیاتی اور نفسیاتی طور پر قوت مدافعت اور قوت مدبرہ بدن (وائٹل فورس) کمزور نہ ہو جراثیم اپنا اثر پیدا نہیں کر سکتے۔ دونوں صورتوں یعنی کیمیائی (کیمیکل) اثر ہو یا میکانکی (مکینیکل) عضوی خرابی مقدم ہے۔ اس سے مرض پیدا ہونے میں جراثیم کا تصور اور جرم کش ادویات کا استعمال دونوں بے سود ہیں اور دلائل کے طور پر ہم تجربہ پیش کر سکتے ہیں کہ فرنگی طب نزلہ اور زکام کے علاج میں بالکل ہی ناکام ہے۔ نزلہ اور زکام کا بہاؤ روک دینا اور سوزش جلن کو دور کر دینا کوئی علاج ہے۔ یہ بات افیون اور دیگر منشی مخدر ادویات کے ساتھ ایک خوراک سے روکی جا سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ اسپرین اور دیگر پین کلر ادویات کی چند خوراکوں سے روکا جا سکتا ہے لیکن جہاں تک ان کے مستقل علاج کا تعلق ہے، فرنگی طب بالکل ناکام ہے۔

دوسری فرنگی طب کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ نزلہ زکام میں کیفیاتی اور نفسیاتی اثرات کی قائل نہیں ہے۔ لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ کیفیاتی اور نفسیاتی اثرات بھی اپنے شدید اثرات رکھتے ہیں۔ جہاں جراثیم کا تصور بھی ذہن میں نہیں گذر سکتا مثلاً اگر کوئی فرنگی ڈاکٹر ان شدید اثرات کو تسلیم نہیں کرتا تو ہم ان کو ایک تجربہ کی دعوت دیتے ہیں یعنی کسی تندرست انسان کو گرم گرم چائے پلا کر برف کے ٹھنڈے پانی سے فوراً غسل کرا دیں اور نتیجہ دیکھیں اسی طرح شدید غم و غصہ اور خوف کی حالت میں بھی نزلہ زکام لاحق ہو جاتے ہیں۔ تجربہ شرط ہے۔

تیسری سب سے اہم بات یہ ہے کہ فرنگی طب نزلہ زکام کی رطوبت کے بہاؤ (فلو) کو ایک ہی قسم کی رطوبت سمجھتی ہے جو جراثیم کے اثرات سے اخراج پانا شروع ہو جاتی ہے لیکن ہمیں تجربہ بتاتا ہے کہ جب ناک اور گلے کے اعصاب میں سوزش ہوتی ہے اس وقت اس کی کیفیت اور ہوتی ہے جب غشائے مخاطی میں سوزش ہوتی ہے اس وقت صورت اور ہوتی ہے اور جو وہاں کے عضلات میں سوزش ہوتی ہے تو حالت ہی کچھ اور ہوتی

ہے کہ گویا آج تک کی ماڈرن میڈیکل سائنس جسم انسان کے مفرد اعضاء کے اثرات اور علامات سے بالکل ناواقف اور نابلد ہے۔ کوئی ڈاکٹر یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ فرنگی طب اس قسم کی تشخیص اور تحقیقات سے باخبر ہے۔

استاذ الاطباء حکیم احمد الدین صاحب نے زکام نزلہ کو غشائے مخاطی کے فعل کی زیادتی لکھا ہے۔ یہ بالکل فرنگی طب کا شاہدروی ماڈل ہے۔ اس میں جراثیم سے انکار ضرور ہے مگر جراثیم کے سبب سے انکار نہیں ہے۔ گویا ایک خوبصورت دھوکا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں کیفیاتی' نفسیاتی اور رطوبات کی تخصیص بالکل نہیں پائی جاتی۔ بالکل وہی اعتراضات جو فرنگی طب پر کیے گئے ہیں ان پر بھی وارد آتے ہیں۔ اس لیے اس طریق علاج میں بھی نزلہ زکام پر کچھ روشنی نہیں پڑتی۔ اس میں یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ انہوں نے غشائے مخاطی کے سلسلہ میں ترشی کا ذکر کیا ہے لیکن ترشی کا اثر غشائے مخاطی کی بجائے عضلات پر پڑتا ہے۔ اس فرق کو صرف وہی ماہر فن سمجھ سکتے ہیں جو افعال الاعضاء کے عالم ہیں۔ اب ہم نزلہ کی صحیح ماہیت پیش کرتے ہیں۔

نزلہ کی تشخیص

① اگر نزلہ پانی کی طرح بے تکلف رقیق بہ رہا ہے تو یہ اعصابی (دماغی) نزلہ ہے یعنی اعصاب کے فعل میں تیزی ہے اور اس کا رنگ سفید اور کیفیت سرد ہوگی اس میں قارورہ کا رنگ بھی سفید ہوگا ② اگر نزلہ لیس دار جو ذرا کوشش اور تکلیف اور جلن سے خارج ہو رہا ہے تو یہ غدی (کبدی) نزلہ ہے یعنی جگر کے فعل میں تیزی ہوگی اس کا رنگ عام طور پر زردی مائل اور کیفیت گرم وتر ہوگی۔ اس میں قارورہ کا رنگ زرد یا زرد سرخی مائل ہوگا۔ گویا یہ نزلہ حار ہے ③ اگر نزلہ بند ہو اور انتہائی کوشش اور تکلیف سے بھی اخراج کا نام نہ لے۔ ایسا معلوم ہو کہ جیسے بالکل جم گیا ہے اور گاڑھا ہو گیا ہے تو یہ نزلہ عضلاتی (قلبی) ہوگا۔ یعنی اس میں عضلات کے افعال میں تیزی ہوگی اس کا رنگ عام طور پر میلا یا سرخی سیاہی مائل اور کبھی کبھی زور زیادہ لگانے سے خون بھی آجاتا ہے۔ اوّل صورت میں جسم میں رطوبات سردی (بلغم) کی زیادتی ہوگی۔ دوسری صورت میں صفرا (گرمی خشکی) کی زیادتی ہوگی۔ تیسری صورت میں سوداویت (سردی خشکی) اور ریاح کی زیادتی ہوگی۔ اور انہی اخلاط وکیفیات کی تمام علامات پائی جائیں گی۔

گویا نزلہ کی یہی تین صورتیں ہیں۔ ان کو اسی مقام پر ذہن نشین کر لینا چاہیے چوتھی صورت کوئی نہ ہوگی البتہ ان تین صورتوں میں کمی بیشی اور انتہائی شدت ہو سکتی ہے۔ انتہائی شدت کی صورت میں انہی اعضاء کے اندر درد یا سوزش یا ورم پیدا ہو جائے گا۔ انہی شدید علامات کے ساتھ بخار' ہضم کی خرابی' کبھی قے' کبھی اسہال' کبھی پیچش' کبھی قبض ہمراہ ہوں گے لیکن یہ تمام علامات انہی اعضاء کی مناسبت سے ہوں گی۔ اسی طرح کبھی معدہ وامعاء اور سینہ کے انہی اعضاء میں کمی بیشی اور شدت کی وجہ سے بھی ان کی خاص علامات کے ساتھ ساتھ نزلہ کی بھی یہی علامات پائی جائیں گی جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

نزلہ کے معنی میں وسعت

نزلہ کے معنی گرنا ہے اگر اس کے معنی کو ذرا وسعت دے کر اس کے مفہوم کو پھیلا دیا جائے اور جسم کی ان تمام رطوبات اور مواد کو نزلہ کہہ دیا جائے تو ان سب کی بھی اسی نزلہ کی طرح تین ہی صورتیں ہو سکتیں ہیں اور ان کے علاوہ چوتھی صورت نظر نہیں آئے گی۔ مثلاً اگر پیشاب پر غور کریں تو اس کی تین صورتیں یہ ہوں گی ① اگر اعصاب میں تیزی ہوگی تو پیشاب زیادہ زور بغیر تکلیف کے آئے گا ② اگر غدد میں تیزی ہوگی تو پیشاب

جلن کے ساتھ قطرہ قطرہ آئے گا ③ اگر عضلات میں تیزی ہوگی تو پیشاب بند ہوگا یا بہت کم آئے گا۔ یہی صورتیں پاخانہ پر بھی وارد ہوں گی۔ یعنی ① اعصابی صورت میں اسہال ② غدی صورت میں پیچش ③ عضلاتی صورت میں قبض پائی جائے گی۔ اسی طرح لعاب دہن' آنکھ' ناک اور پسینہ وغیرہ وغیرہ ہر قسم کی رطوبات پر غور کرلیں۔ البتہ خون کی صورت رطوبات سے مختلف ہے۔ یعنی اعصاب کی تیزی میں جب رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے۔ تو خون کبھی نہیں آتا ② جب غدد میں تیزی ہوتی ہے تو خون تکلیف سے تھوڑا تھوڑا آتا ہے۔ لیکن جب عضلات کے فعل میں تیزی ہوتی ہے تو شریانیں پھٹ جاتی ہیں اور بے حد کثرت سے خون آتا ہے۔ اس سے ثابت ہوگیا ہے کہ جب خون آتا ہے تو رطوبات کا اخراج بند ہوجاتا ہے اور اگر رطوبات کا اخراج زیادہ کردیا جائے تو خون کی آمد بند ہوجائے گی۔

نظریہ مفرد اعضاء کے جاننے کے بعد اگر ایک طرح تشخیص آسان ہوگئی ہے تو دوسری طرف امراض وعلامات کا تعین ہوگیا ہے۔ اب ایسا نہیں ہوگا کہ آئے دن نئے نئے امراض اور علامات فرنگی طب تحقیق کرتی رہے اور اپنی تحقیقات کا دوسروں پر رعب ڈالتی رہے بلکہ ایسے امراض وعلامات جو بے معنی صورت رکھتے ہیں وہ ختم کردیئے جائیں گے جیسے وٹامنی امراض' غذائی امراض اور موسمی امراض وغیرہ وغیرہ بس ایسے امراض اور علامات کا تعلق کسی نہ کسی اعضاء سے جوڑنا پڑے گا اور انہی کے افعال کی خرابی کو امراض کہنا پڑے گا۔ گویا کیمیائی اور دموی تغیرات کو بھی اعضاء کے تحت لانا پڑے گا۔ دموی اور کیمیائی تغیرات بھی اپنے اندر حقیقت رکھتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جسم انسان میں خون کی پیدائش اور اس کی کمی بیشی انسان کے کسی نہ کسی عضو کے ساتھ متعلق ہے۔ اس لیے جسم انسان میں دموی اور کیمیائی تبدیلیاں بھی اعضاء جسم کے تحت آجاتی ہیں۔ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ جسم میں ایک بڑی مقدار میں زہریلی ادویات اور اغذیہ سے موت واقعہ ہوجاتی ہے۔ لیکن ایسے کیمیائی تغیرات بھی اس وقت تک پیدا نہیں ہوتے جب تک جسم کا کوئی عضو بالکل باطل نہ ہوجائے۔

اس اجمال کی تفصیل تو ہم پھر بیان کریں گے۔ یہاں صرف مختصر سی تشریح ہم بیان کردیتے ہیں جس سے اس کا ایک ہلکا سا خاکہ قارئین کے ذہن نشین ہوجائے اور اہل فن اس نظریہ سے مستفید ہوسکیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اس کی تمام تفصیلات سے اسی طرح بیان کرتے رہیں گے۔

جاننا چاہیے کہ انسان تین چیزوں سے مرکب ہے: ① جسم (باڈی) ② نفس (وائٹل فورس) ③ روح (سول) نفس اور روح کا ذکر تو پھر کریں گے یہاں اوّل جسم کو بیان کرنا ضروری ہے۔

جسم انسان

تین چیزوں سے مرکب ہے: ① بنیادی اعضاء (بیسک آرگن) ② حیاتی اعضاء (لائف آرگن) ③ خون (بلڈ) ان کی مختصر تشریح درج ذیل ہے۔

بنیادی اعضاء

ایسے اعضاء ہیں جن سے انسانی جسم کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے جن میں تین اعضاء ہیں ① ہڈیاں ② رباط ③ اوتار۔

حیاتی اعضاء

ایسے اعضاء ہیں جن سے انسانی زندگی اور بقاء قائم ہے۔ یہ بھی تین ہیں: ① اعصاب (نروز) جن کا مرکز دماغ (برین) ہے ② غدود (گلینڈ) جن کا مرکز جگر (لیور) ہے ③ عضلات (مسلز) جن کا مرکز قلب (ہارٹ) ہے۔ گویا دل ودماغ اور جگر جو اعضائے رئیسہ ہیں وہی انسان کے حیاتی اعضاء ہیں۔

خون

خون سرخ رنگ کا ایک ایسا مرکب ہے۔ جس میں ① لطیف بخارات (گیسز) ② حرارت (ہیٹ) ③ رطوبات (لیکوئیڈ) پائے جاتے ہیں۔ یہ ہوا' حرارت اور پانی سے تیار ہوا ہے۔ دوسرے معنوں میں سودا' صفرا اور بلغم کا حامل ہے جن کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

اسی مختصری تشریح کے بعد جاننا چاہیے کہ قدرت نے ضرورت کے مطابق جسم میں اس کی ترتیب ایسی رکھی ہے کہ اعصاب باہر کی طرف ہیں اور ہر قسم کے احساسات ان کے ذمہ ہیں۔ اعصاب کے اندر کی طرف غدد ہیں اور ہر قسم کی غذا جسم کو یہ مہیا کرتے ہیں۔ غدد کے اندر کی طرف عضلات ہیں اور جسم میں ہر قسم کے احساسات اغذیہ اور حرکات کے طبعی افعال انجام دیتے ہیں۔

غیر طبعی افعال

حیاتی اعضاء کے غیر طبعی افعال صرف تین ہیں ① کسی عضو میں تیزی آ جائے گی۔ یہ صورت ریاح کی زیادتی سے پیدا ہوگی ② ان میں سے کسی عضو میں سستی پیدا ہو جائے یہ رطوبت یا بلغم کی زیادتی سے پیدا ہوگی ③ ان میں سے کسی عضو میں ضعف پیدا ہو جائے۔ یہ حرارت کی زیادتی سے پیدا ہوگا۔ یاد رکھیں چوتھا کوئی غیر طبعی فعل واقع ہی نہیں ہوتا۔ اعضائے مفرد کا باہمی تعلق جاننا نہایت ضروری ہے کیونکہ علاج میں ہم ان ہی کی معاونت سے تشخیص' تجویز اور علامات کو رفع کرنے میں مدد حاصل کرتے ہیں۔ ان کی ترتیب میں اوپر یہ بیان کیا گیا ہے کہ اعصاب جسم کے بیرونی طرف یا اوپر کی طرف ہیں اور ان کے نیچے یا بعد میں غدد کو رکھا گیا ہے اور جہاں پر غدد نہیں پائے جاتے وہاں ان کے قائم مقام غشائے مخاطی بنا دی گئی ہیں اور ان کے نیچے یا بعد میں عضلات رکھے گئے ہیں۔ اور جسم میں ہمیشہ یہی ترتیب قائم رہتی ہے۔

افعال کے لحاظ سے بھی ہر عضو میں صرف تین ہی افعال پائے جاتے ہیں: ① عضو کے افعال میں تیزی پیدا ہو جائے تو ہم اس فعل کو تحریک کہتے ہیں ② عضو کے فعل میں سستی نمودار ہو جائے تو ہم اس کو تسکین کا نام دیتے ہیں ③ عضو کے فعل میں ضعف واقع ہو جائے۔ اس کو تحلیل کی صورت قرار دیتے ہیں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ ہر عضو میں ظاہر دو ہی صورتیں ہوتی ہیں۔ اوّل تیزی اور دوسرے سستی۔ لیکن سستی دو قسم کی ہوتی ہے اوّل سستی سردی یا بلغم کی زیادتی اور دوسری سستی حرارت کی تیزی ہے۔ اس لیے اوّل الذکر کا نام تسکین رکھا جا سکتا ہے۔ ثانی الذکر سستی کو تحلیل ہی کہنا بہتر ہے۔ کیونکہ حرارت اور گرمی کی زیادتی سے ضعف پیدا ہوتا ہے اور یہ بھی ایک قسم کی سستی ہے۔ لیکن چونکہ ضعف حرارت اور گرمی کی زیادتی سے پیدا ہوتا ہے اور اس میں جسم یا عضو گھلتا ہے اور یہ صورت مرض کی حالت میں اخیر تک قائم رہتی ہے بلکہ صحت کی حالت میں بھی ایک ہلکی قسم کی تحلیل جاری ہے۔ اس لیے انسان بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے اور بڑھاپے سے موت کے آغوش میں چلا جاتا ہے۔ اس لیے اس حالت کا نام تحلیل بہت مناسب ہے۔

ساتھ ہی اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ یہ تینوں صورتیں یا علامات تینوں اعضاء اعصاب' غدد اور عضلات میں کسی ایک میں کوئی حالت ضرور پائی جائے گی۔ البتہ ایک دوسرے میں بدلتی رہتی ہے اور اسی غیر طبعی بدلنے ہی سے مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں اور انہی کی طبعی تبدیلی سے صحت حاصل ہو جاتی ہے اور اعضاء کے اندر ان تبدیلیوں کو ذیل کے نقشہ سے آسانی کے ساتھ سمجھایا جا سکتا ہے۔

نام اعضاء اعصاب' غدد اور عضلات۔ نتیجہ اوّل حالت تحریک' تحلیل' تسکین' جسم میں رطوبات کی زیادتی' دوسری حالت تسکین' تحریک' تحلیل' جس میں حرارت کی زیادتی۔ تیسری حالت' تحلیل' تسکین' تحریک۔ جسم میں ریاح کی زیادتی گویا ہر عضو میں یہ تینوں حالتیں یا علامات فرداً فرداً

ضرور پائی جائیں گی۔

یعنی ① اگر اعصاب میں تحریک ہے تو غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین ہوگی۔ نتیجتاً جسم میں رطوبت (بلغم یا کف) کی زیادتی ہو گی ② غدد میں تحریک ہوگی اور عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین نتیجتاً جسم میں حرارت (صفرا یا پت) کی زیادتی ہوگی ③ اگر عضلات میں تحریک ہوگی تو اعصاب میں تحلیل اور غدد میں تسکین ہوگی۔ نتیجہ جسم میں ریاح (سودا) کی زیادتی ہوگی۔ یہ تمام جسم اور اس کے افعال کی اصولی (سسٹومیٹک) تقسیم ہے۔ اس سے تشخیص اور علاج واقعی آسان ہو جاتا ہے۔ گویا اس طریق کو سمجھنے کے بعد علم طب ظنی نہیں رہتا بلکہ یقینی طریق علاج بن جاتا ہے۔

نزلہ کی حقیقت

نزلہ کی ماہیت وتقسیم اور تشخیص وعلامات پر ہم گزشتہ مضمون میں روشنی ڈال چکے ہیں۔ اور بار بار بلکہ تاکیداً لکھ چکے ہیں کہ نزلہ اور زکام کوئی مرض نہیں ہے بلکہ امراض کی علامات ہیں۔ اس کی مختلف صورتوں کو اس کے اسباب واصلہ کے تحت بیان کیا گیا ہے تاکہ سمجھنے میں بے حد سہولتیں اور علاج میں آسانیاں ہوں یعنی نزلہ کی علامت کے لیے تین ہی اسباب واصلہ ہو سکتے ہیں ① نزلہ دماغی ② نزلہ کبدی ③ نزلہ قلبی۔ جن کو ہم سہولت کے لیے ① نزلہ اعصابی ② نزلہ غدی اور ③ نزلہ عضلاتی کے نام دیتے ہیں۔ کیونکہ جسم میں یہی مفرد اعضا پھیلے ہوئے ہیں۔ دل ودماغ اور جگر تو ان کے مرکز ہیں۔ اگر نام مرکز کے تحت رکھے جائیں تو تشخیص میں غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہو سکتا ہے۔ ان کی علامات فارقہ بیان کر دی گئی ہیں جن سے ثابت ہے کہ ان کے علاوہ نہ نزلہ کی کوئی صورت ہے اور نہ کوئی اس کا اور سبب پایا جاتا ہے۔

اسباب واصلہ کی اہمیت

امراض اور علامات کو رفع کرنے کے لیے یعنی علاج کے لیے اسباب کا جاننا بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ بغیر اسباب کے سمجھے علاج کرنا اندھیرے میں تیر چلانا ہے اور اسی کو عطایانہ علاج کہتے ہیں۔ طب یونانی میں اسباب تین ہیں: ① بادیہ ② سابقہ ③ واصلہ۔ اسباب واصلہ کو علاج میں بے حد اہمیت حاصل ہے۔ اسباب واصلہ وہ اسباب ہیں جن کے بعد امراض اور علامات نمودار ہوتی ہیں یعنی اسباب واصلہ اور امراض وعلامات آپس میں ایسے ملے جلے رہتے ہیں کہ ان کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں رہتا مثلاً جسم میں کہیں پر مادہ کا رکنا بغیر کسی عضو کے فعل کی خرابی کے ناممکن ہے۔ بخار بغیر تعفن اور ورم وسوزش دوران خون کی انتہائی کمی بیشی کے یقیناً مشکل ہے۔ اسی طرح بغیر مادہ کے رکنے، خمیر اور تعفن کے بغیر جراثیم کا پیدا ہونا بالکل انہونی بات ہے۔

گویا اسباب واصلہ کا لازم ہونا انتہائی ضروری ہے۔ مگر اسباب واصلہ کی عملی صورت اسباب بادیہ اور سابقہ سے قائم ہے۔ اسباب بادیہ کیفیاتی اور نفسیاتی اثرات ہیں اور اسباب سابقہ مادی اور خلطی صورتیں ہیں اور انہی کیفیات اور اخلاط پر طب یونانی کی بنیادیں قائم ہیں۔ جب بھی ان اثرات اور صورتوں کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ طب یونانی کی عمارت دھڑام سے نیچے گر پڑے گی۔ جو لوگ فرنگی طب کی پیروی میں بغیر کیفیات اور اخلاط کے تعین کے علاج کرتے ہیں وہ نہ صرف طب یونانی سے اپنی جہالت کا ثبوت دیتے ہیں بلکہ فن علاج کی حقیقت سے بھی ناواقف ہیں۔ جہاں تک جراثیم کے نظریہ کا تعلق ہے وہ نہ اسباب بادیہ میں شمار ہو سکتے ہیں جو بغیر اسباب واصلہ کے عمل کے بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں یعنی جب تک اعضاء کے افعال درست ہیں کوئی مادہ یا جراثیم نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ ایسی صورت میں اعضاء جسم کو بیمار اور خراب ہونے سے بچا لیتے ہیں۔ کیفیات کے اثرات کو سمجھنے کے لیے صرف اس قدر کافی ہے کہ انتہائی سردی کے موسم میں کسی نمونیا کے مریض کا علاج کھلے میدان میں بغیر

آگ اور گرم کپڑوں کے نہیں ہوسکتا چاہے جس قدر بھی گرم ادویہ اور انجکشن دیئے جائیں۔ نمونیہ میں اولین شرط یہ ہے کہ مریض کے کمرے اور ماحول کو گرم کیا جائے تاکہ اس کے جسم میں غیر معمولی حرارت قائم ہوجائے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ علاج میں اسباب خصوصاً اسباب واصلہ کو مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے اور یہ اسباب واصلہ صرف اعضاء کے افعال میں خرابی ہوسکتی ہے جیسا کہ شیخ الرئیس نے لکھا ہے کہ جب مجریٰ جسم میں خرابی واقع ہوتی ہے تو اس حالت کو مرض کہتے ہیں۔

نزلہ اور نظریہ مفرد اعضاء

نزلہ کی حقیقت کو نظریہ مفرد اعضاء کے تحت بیان کیا گیا ہے جس سے اس کی ماہیت وتقسیم اور تشخیص وعلامات میں آسانیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ وہاں پر اس کا علاج یقینی اور بے خطا ہوگیا ہے اسی طرح ہم اسی نظریہ مفرد اعضاء کے تحت دیگر علامات خصوصاً سوزش، ورم اور بخار کا ذکر کریں گے۔

نظریہ مفرد اعضاء (سمپل آرگن تھیوری) ایک بالکل نیا نظریہ ہے جو کم وبیش بیس سال کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ اس نظریہ سے نہ یورپ وامریکہ واقف ہیں نہ ہی روس اور نہ دنیا کا کوئی اور ملک اس سے آگاہ ہے۔ گزشتہ ہزاروں سالوں کی طبی تاریخ جو بابل ونینوا اور چین وہندوستان سے شروع ہوتی ہے۔ جن کے اثرات اور تہذیب مصر وشام سے گھومتی پھرتی اور چکر کاٹتی ہوئی یونان کے فلسفیانہ مدرسوں اور رومن امپائر کے بقعہ نور ایوانوں میں صدیوں پھولتی پھلتی اور بڑھتی رہی۔ پھر ایران کی زمین کو عملی وفنی اور ثقافتی حیثیت سے آباد وشاداب کرتی ہوئی عربی اور اسلامی دور میں ارتقائی بلندیوں پر پہنچ کر اپنے کمال کو پہنچی۔ مگر کسی زمانے اور دور میں بھی اس نظریہ مفرد اعضاء کو کہیں اشارے اور کنائے سے بھی بیان نہیں کیا گیا۔ آج یورپ، امریکہ اور روس کی تحقیقات علمی اور سائنسی معلومات اس کمال پر پہنچ گئی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ پھر بھی ان کے علم العلاج میں اس نظریہ کا ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔ گویا یہ نظریہ بالکل طبع زاد اور صحیح معنوں میں جدید ہے۔

ہزاروں برسوں کی طبی تاریخ اور موجودہ زمانے کا سائنسی اور تحقیقاتی دور اس امر کا شاہد ہے کہ ہر زمانے میں ہر ملک اور ہر طریق علاج میں ہر مرض کا علاج مرکب اعضاء کو مدنظر رکھ کر کیا گیا ہے۔ مثلاً جب معدہ اور امعاء یا مثانہ میں کوئی تکلیف ہو تو ان میں سے ہر ایک کو ایک عضو تصور کر کے اس کا علاج کیا جاتا ہے یعنی اگر معدہ وامعاء اور مثانہ یا کسی دوسرے عضو میں درد، سوزش، ورم یا ضعف ہو تو ہمیشہ اس عضو کو سامنے رکھ کر دوا تجویز کر دی جاتی ہے۔ جیسے دردِ معدہ، سوزش امعاء، ورم مثانہ، ضعف قلب ودماغ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن حقیقتاً علاج کا یہ نظریہ غلط ہے کیونکہ بیس سالہ تحقیقات کے بعد پتہ چلا ہے کہ جب بھی کسی عضو جو دراصل مفرد نہیں ہے بلکہ مرکب ہے اور مفرد اعضاء سے مل کر بنا ہوا ہے کیونکہ معدہ وامعاء اور مثانہ یا دل ودماغ یا آنکھ، کان اور ناک یہ سب مفرد اعضاء سے مل کر بنے ہیں۔ ان سب میں اعصاب (نروز) کے علاوہ غدود (گلینڈز) اور عضلات (مسلز) پائے جاتے ہیں۔ اس حقیقت سے کوئی طریقہ علاج یا سائنس انکار کرسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عضو میں مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں۔ اگر مرکب عضو نہ ہوتا اور مفرد ہوتا تو اس عضو میں صرف دو امراض پائے جاتے۔ ایک اس عضو کی تیزی کا مرض اور دوسرے اس عضو کی سستی کا مرض اور زیادہ سے زیادہ تیسرا مرض اس عضو میں یہ ہوتا کہ اس میں ضعف پایا جاتا اور بس۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ایک عضو میں بے شمار امراض پائے ہیں۔ جن کا تعلق اس عضو کے مفرد اعضاء اور ان کے باہمی تعلق سے نئی صورتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے علاج میں بھی انہی مفرد اعضاء کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

علم العلاج کی مشکلات

ہزاروں سال سے علم العلاج میں جو تحقیقات وتدقیقات اور تجدید واضافات ہوتے چلے آرہے ہیں اور آج بھی جب کہ اس دور کو تحقیقات

و تجربات کے اعتبار سے علم وفن اور سائنس کا سب سے بڑا دور کہتے ہیں یہی سلسلہ جاری ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یورپ، امریکہ، روس اور چین کی اس قدر علمی وفنی اور سائنسی تجرباتی بیداری اور دولت کے امراض اور ان کی تشخیص کا مسئلہ یقینی طور پر حل نہیں ہوسکا۔ اس لیے آج بھی دنیا امراض کی مصیبت اور عذاب میں مبتلا ہے۔ اللہ کریم وحکیم کی انتہائی کرم فرمائی اور حکیمانہ راہ نمائی ہے۔ یہ مسئلہ ہماری ذات سے حل ہوا ہے۔ اگر کسی صاحب کو اس دعوے میں مبالغہ معلوم ہو تو ہم چیلنج کرتے ہیں کہ دنیا بھر میں آج سے لے کر ہزاروں سال کے قدیم زمانہ تک اگر کسی نے ماہیت امراض اور تشخیص الامراض کے مسئلہ کو اس آسانی اور سہولت سے حل کیا ہو تو وہ تاریخ اور کتب میں ایسا ثبوت پیش کریں۔ نزلہ کی علامت میں ہم نے جس وضاحت اور تشریح کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ یہ آج تک کی طبی تاریخ میں نظر نہیں آئے گی۔ ہم ان شاء اللہ باقی امراض اور علامات پر اسی تشریح اور تفسیر کے ساتھ روشنی ڈالیں گے۔

علم الامراض کی اہمیت

جاننا چاہیے کہ فن طب میں ترقی اور کامیابی اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب کہ معالج امراض کی ماہیت اور اس کی باریکیوں سے پورے طور پر آگاہ ہوں۔ عسر العلاج اور پیچیدہ امراض پر اسی صورت میں دسترس ہوسکتی ہے جب کہ اس کی حقیقت اور اصلیت کو عام فہم زبان میں سمجھایا جا سکے۔ لیکن عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اوّل ماہیت امراض کو صحیح طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ یونہی بے معنی باتوں کا ذکر کر دیا گیا ہے اور دوسرے اگر کہیں تھوڑا بہت کیا گیا ہے وہاں لکیر کے فقیر کی طرح ایسی جناتی زبان میں لکھ دیا گیا ہے جو طالب علم کی سمجھ سے باہر ہوتی ہے اور وہ اس کو صرف زبانی رٹ لیتا ہے اور حقیقت واصلیت مرض تک نہیں پہنچتا۔ تیسرے جو کچھ بھی ماہیت مرض کے متعلق سمجھا جاتا ہے نہ اس پر غور وفکر کیا جاتا ہے اور نہ ہی ان کو تجربات میں لایا جاتا ہے۔ نتیجہ صرف یہ نکلتا ہے کہ ماہیت مرض کی بجائے نام مرض ذہن میں رہ جاتا ہے۔ مجربات اور ادویات سے علاج کر دیا جاتا ہے۔

ماہیت امراض اور تشخیص امراض کے متعلق جو کچھ لکھ دیتے ہیں۔ ہمارے سامنے پوری فرنگی طب ہے اور ہماری کوشش یہی ہے کہ اس کی خامیوں اور غلطیوں کو سامنے لاتے چلے جائیں۔ جس سے ایک طرف غلط اور ان سائنٹیفک علم سے نفرت ہوتی جائے اور دوسری طرف صحیح علم سامنے آتا جائے۔ ان دونوں صورتوں سے بہت اچھی طرح فن سمجھ میں آسکے گا۔ یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں وہ آیورویدک اور طب یونانی کی روشنی میں لکھ رہے ہیں۔ جس میں ہم نے تقریباً عرصہ پچیس سال میں تحقیق کی ہے۔ بعض لوگ یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ آیورویدک اور طب یونانی دراصل فرنگی طب سے مختلف طریق علاج ہیں۔ پھر اوّل الذکر سے ثانی الذکر کی غلطیاں کیسے نکل سکتی ہیں۔

علمی اور فنی علاج میں یکسانیت

جاننا چاہیے کہ اوّل علم طب ایسے علم کا نام ہے جس سے جسم کی حالت صحت اور حالت مرض کا پتہ چلتا ہے۔ جس کا موضوع جسم انسان ہے۔ دوسرے صحت اس حالت کا نام ہے جب اعضائے جسم انسانی اپنے افعال انجام دے رہے ہوں اور مرض اس حالت کا نام ہے جب اعضائے جسم انسانی اپنے افعال صحیح انجام نہ دے رہے ہوں۔ گویا حالت اعضائے جسم انسانی صحت اور مرض کی حالت میں فطری طور پر ہر طریق علاج میں بالکل ایک ہی صورت پر پائی جائیں گی۔ اس حالت کو چاہے کوئی دوش سے سمجھ لے یا کوئی اخلاط ومزاج کی کمی بیشی سے نمایاں کر دے یا کوئی جراثیم کے اثرات سے واضح کر دے۔ بہرحال اعضاء کے افعال اور حالت سب صورتوں میں بالکل ایک ہی ہوگی۔ ایسی صورت میں ہر طریق کی غلطیاں اور

غیر علمی باتیں فوراً سامنے آجاتی ہیں۔ بہرحال اگر کسی معالج یا ماہر فن کو کوئی اعتراض ہو تو ہم اس کا ہر گھڑی جواب دینے کو تیار ہیں۔

مگر ایسے اعتراض اہل علم اور صاحب فن نہیں کر سکتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ علم الامراض ایسے علم کا نام ہے جس سے انسان کی غیر طبعی حالت میں اعضاء کی ہیئت وترکیب اور ترتیب وافعال میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوگئی ہیں۔ بالکل اس طرح جیسے علم تشریح اور علم منافع الاعضاء ہر عضو کی طبعی ساخت اور اس کے طبعی افعال سے بحث کرتے ہیں۔ کسی طریق علاج کا حامل اور ماہر جب ان علوم پر بحث کرے گا تو نتائج فطرۃً ایک ہی قسم کے ہونے چاہئیں۔ جب طبعی حالت میں بحث اور نتائج یکساں ظاہر ہوتے ہیں تو غیر طبعی حالت میں بحث اور نتائج کیسے بدل سکتے ہیں۔ بلکہ اس علم سے ہم کو یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کیوں اور کس طرح امراض پیدا ہوتے ہیں اور امراض پیدا ہو کر ان کی کیا شکل صورت ہوتی ہے: (۱) ہمارے سامنے وہ اسباب ہوتے ہیں جن سے امراض جسم میں داخل ہوتے ہیں (۲) کس طرح سے مقصد وہ تبدیلیاں ہیں جو امراض کی پیدائش کے دوران جسم انسان میں پیدا ہوتی ہیں (۳) کیا شکل وصورت سے امراض کی حالت میں اعضائے جسم وصورت افعال سامنے آجاتے ہیں تاکہ حالت صحت اور مرض کا بین فرق واضح ہو کر سامنے آجائے۔ یہ تمام ایسی صورتیں ہیں کہ علمی وسائنسی اور تجرباتی طور پر کسی بھی طریق علاج کے حامل اور ماہر میں کچھ فرق نہیں ہو سکتا۔ البتہ سمجھنے اور افہام وتفہیم میں ضرور فرق ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ علم الامراض کو سمجھنے اور سمجھانے کی دیگر طریق ہائے علاج خصوصاً فرنگی طب نے اور دیگر علم طب (میڈیکل سائنس) کے علوم میں جو غلطیاں اور خرابیاں کی ہیں ان کی طرف ہم بڑے شدومد کے ساتھ توجہ دلاتے ہیں۔ تاکہ فرنگی طب کی برتری اور فوقیت کا تصور اور احساس کمتری (انفیریارٹی کمپلیکس) ختم ہو جائے۔ طرہ یہ ہے کہ ہم ہر قسم کے اعتراضات کے ہر گھڑی جوابات دینے کو تیار ہیں۔

ماہیت الامراض

اس علم کی تعریف تقریباً ہر طریق علاج کے علماء نے ایک ہی طریق پر کی ہے یعنی یہ وہ علم ہے جو بدنی اعضاء کی غیر طبعی تشریح اور افعال سے بحث کرتا ہے۔ اس تعریف کے ساتھ ہی بیان کیا جاتا ہے کہ مختلف امراض کیسے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان کی شکل وصورت کیا ہوتی ہے۔ اس علم پر پوری طرح حاوی ہونے کے لیے علم تشریح الابدان، علم افعال الاعضاء اور علم اسباب وعلامات پر کسی قدر عبور ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک بدن انسان کے اعضاء کی صحیح شکل وصورت اور ان کے صحیح افعال کا مشاہدہ اور تجربہ نہ ہو تو مرض کی حالت میں صحت کی حالت سے دونوں کا فرق کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اسی علم اسباب کے تحت کائنات کی ہر شے کے خواص علم کا پتہ چلتا ہے جو انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ اثرات کیفیاتی ہوں یا نفسیاتی یا مادی بہرحال ان میں سے کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوگا۔ جو بدن انسان اور اعضائے انسانی کے افعال میں مؤثر کا باعث ہوگا جہاں تک علم العلامات کا تعلق ہے یہ وہ کش مکش ہے جو مؤثر ومتاثر فعل وانفعال اور کسر وانکسار سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی جب کوئی سبب اعضائے جسم پر اثر انداز ہوتا ہے تو ردقبول اور دفع وجذب میں حالات اور صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کا نام علامات ہے۔ انہی علامات سے صحت کے تغیرات کا علم ہوتا ہے جس کو مرض کہتے ہیں اور اس مرض کی پوری واقفیت وحقیقت حاصل کرنے کا نام ماہیت الامراض ہے۔ جس کو انگریزی میں پیتھالوجی کہتے ہیں۔

علم الامراض وعلامات

علامات نزلہ پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد اب سوزش کی علامت کی حقیقت اور پیدائش کو بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے امراض کی جو

شکلیں اور صورتیں پیدا ہوتی ہیں وہ ذہن نشین ہو جائیں۔ سوزش پر بحث کرنے سے قبل جناب کرنل بھولا ناتھ کے ایک مضمون کا اقتباس جو ماہیت مرض اور اعضائے باہمی تعلق سے متعلق ہے پیش کرتے ہیں۔ یہ بھی صرف اس لیے کہ انہوں نے اس مضمون میں شیخ الرئیس بوعلی سینا کی اس تعریف کو قبول کیا ہے جو انہوں نے مرض کے متعلق کی ہے۔ بعض لوگ یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ کرنل بھولا ناتھ نصف صدی پہلے کے فرنگی ڈاکٹر ہیں۔ ان پر طب یونانی کا گہرا اثر ہوگا۔ یہ بات نہیں ہے بلکہ انہوں نے طب یونانی پر بے حد اعتراض کیے ہیں جن کے جوابات ان شاءاللہ تعالیٰ پھر کبھی ہم دیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دور کا کوئی فرنگی ڈاکٹر اگر کرنل بھولا ناتھ کی اس تعریف کو جو انہوں نے شیخ الرئیس سے نقل کی ہے غلط ثابت کرے تو ہم جواب دینے کو تیار ہیں۔

وہ لکھتے ہیں:

''عام طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مرض کسی خاص معین چیز کا نام نہیں۔ یہ ایک غیر طبعی حالت کا نام ہے جو بدن انسان میں عارض ہو جاتی ہے''۔

بوعلی سینا نے صحت اور مرض کی تعریف قانون میں یوں لکھی ہے:

الصحت حالته لبدن الانسان معها تجری افعاله علی المجری الطبعی والمرض حالته خارج عن المجری الطبعی.

جس کے معنی یہ ہے کہ:

''جب تک بدن کے افعال طبعی حالت پر سرانجام پاتے رہتے ہیں تو اس حالت کا نام صحت ہے اور اگر یہ اعتدال قائم نہیں رہتا تو افعال بدن بھی طبعی حالت سے انحراف کر جائیں گے۔ اس حالت کو مرض کہیں گے''۔

صحت اور مرض کی یہ نہایت ہی عمدہ اور بہترین تعریف ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ کیفیت اور ماہیت مرض کے سمجھنے کے لیے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ صحت کیا چیز ہے اور وہ کس طور پر قائم رہ سکتی ہے۔

بالفاظ دیگر پہلے ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس مشین میں کون کون سے پرزے ہیں' کہاں کہاں پر ہیں' ایک دوسرے سے ان کا کیا ربط اور لگاؤ ہے۔ اس کے ہر ایک پرزے کے جدا جدا افعال ہیں اور وہ ایک دوسرے کو کس طرح مدد دیتے ہیں۔

اس مشین کے پرزوں کو صحت کی حالت میں فرداً فرداً اور بحیثیت مجموعہ کام کرتا ہوا دیکھ کر ہم اپنے دل میں ایک قیاسی معیار بنا کر مقرر کر لیتے ہیں اور مرض کے تجاوز اور انحرافات کا اس معیار کے ساتھ موازنہ اور مقابلہ کرتے ہیں۔ اس کا نام تشخیص مرض ہے۔

اگرچہ افراد انسان ایک ہی نمونہ اور ایک ہی ماڈل پر بنائے گئے ہیں مگر ہر ایک میں شخصی اور فردی اختلافات ضرور ہوتے ہیں۔

بعض میں یہ اختلافات موروثی اور خاندانی ہوتے ہیں۔ دوسروں میں عادات' اطوار' آب وہوا' حرفت وپیشہ پر موقوف ہوتے ہیں۔ یہ شخصی خصوصیتیں انسان کے لیے لوازمہ صحت ہو جاتے ہیں۔ جب اس کو ان خصوصیتوں سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے تو اس کی صحت میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔

لہٰذا ان اختلافات کے لحاظ سے اشخاص کی صحت کا معیار بھی جدا ہوتا ہے۔ مگر وسیع مشاہدہ سے ہم جملہ افراد انسان کی یہ ہیئت مجموعی دیکھ کر ایک اوسط فرض کر لیتے ہیں اور اس اوسط کو اپنا معیار بنا لیتے ہیں اور انحرافات طبائع کا اس اوسط سے موازنہ کرتے ہیں۔

صحت کی قیاسی اوسط کی تحقیق اور تلاش کے لیے سب سے مقدم بدن انسان کی ترکیب اور شناخت کا علم ضروری ہے۔ اس کی تشریح سے کامل طور پر واقفیت ہونی چاہیے اور معلوم ہونا چاہیے کہ بدن کے اعضاء کے مقام کیا ہیں۔ ان کا علیحدہ علیحدہ حجم کیا ہے۔ ان کے حدود کیا ہیں۔ اور

یہ اعضاء کن کن علامات سے پہچانے جاسکتے ہیں۔ زیادہ تر بیماریاں اس قسم کی ہوا کرتی ہیں جو اعضاء کے مقامی مقداری اور حدودی انحرافات سے پیدا ہوتی ہیں۔ اعضاء کی تشریح کا علم ہونے کے بغیر ان امراض کا اندازہ ہونا ممکن نہیں۔

اعضاء جب اپنے طبی مقامات وحدود کے اندر رہتے ہیں تو ان کے افعال بھی عام طور پر اپنی طبعی صورت میں رہتے ہیں۔ اعضاء کے طبعی افعال سے پوری پوری واقفیت ہونا بھی علم مرض کے لیے ضروری ہے کیونکہ طبعی افعال کا ہمیں قیاس کسی صورت میں نہیں ہوسکتا۔ تشریح اعضاء (اناٹومی) اور افعال الاعضاء (فزیالوجی) کا علم تشخیص وعلاج مرض کا مقدم لوازمہ ہے۔ بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ علم مرض (پیتھالوجی) غیر طبعی تشریح اور غیر طبعی افعال الاعضاء کا نام ہے۔ صحت کا معیار نہ صرف ہر انسان میں علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے بلکہ اسی شخص میں مختلف اوقات اور مختلف حالتوں میں یہ معیار بدلتا رہتا ہے۔

مثلاً کسی روز ہمیں بھوک لگتی ہے، کسی دن بھوک نہیں لگتی، کسی روز نیند آتی ہے کسی دن نیند نہیں آتی، کبھی قبض ہو جاتی ہے، کبھی معمول سے زیادہ اجابت ہوتی ہے۔ لیکن اس قسم کے انحرافات کو مرض نہیں کہتے ہیں۔

مگر جو یہی عارضی اور اتفاقی انحرافات دائمی طور پر مستقل ہو جائیں یا معمولی درجہ سے بعید تجاوز کر جائیں تو فوراً مرض کی فہرست میں داخل کر دیئے جاتے ہیں۔ جس وقت مرض حادث ہوتا ہے تو ایک نہیں بلکہ کئی قسم کی علامات نمودار ہو جاتی ہیں۔ اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ایک تو تمام جسم کے اعضاء ایک دوسرے کے ساتھ اعصاب کے ذریعہ وابستہ ہوتے ہیں اور جن اعضاء کا ایک دوسے کے ساتھ افعالی تعلق وانحصار زیادہ ہوتا ہے ان میں وابستگی بھی زیادہ پائی جاتی ہے۔ دوسرا ایک ہی عضو کے کئی فعل ہوا کرتے ہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایک ہی علامت کئی کئی مرضوں میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً کھانسی نہ صرف امراض شش مثل برانکاٹیس، ذات الجنب، سل اور ذات الریہ میں پائی جاتی ہے بلکہ امراض قلب، امراض معدہ، امراض گردہ، اور دوسرے دور دراز کے اعضاء کی بیماریوں میں بھی پیدا ہو جاتی ہے تو اگرچہ کھانسی سینے اور شش میں پیدا ہوتی ہے مگر کھانسی فی نفسہ اس بات کا ثبوت نہیں ہوسکتی کہ مرض شش کے اندر ہے اور کہیں نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ **علاماتی علاج ہمیشہ ناقص اور نا قابل اعتبار ہوا کرتا ہے۔**

اس قسم کی واحد علامات بہت ہی کم ہیں جو فقط ایک ہی مرض میں دیکھنے میں آئیں اور کسی دوسرے مرض میں نہ پائی جائیں۔ اس قسم کی علامات کو مختصہ علامات کہتے ہیں۔

کیسہ اور عضو کا فرق

سوزش کو سمجھنے کے لیے ایک نہایت اہم رمز یہ ہے کہ حیوانی ذرہ (کیسہ) کے افعال اور عضو کے افعال میں مماثلت اور ان کے افعال میں جو اختلاف ہے ان کا جاننا بھی نہایت ضروری ہے۔ اس کے ساتھ اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اعضاء کے افعال اپنے انسجہ (ٹشوز) کے ماتحت ہیں یا ان سے جدا ہیں یا انسجہ کے افعال اپنے عضو کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ ان تمام اہم باتوں کا فرنگی طب (ڈاکٹری) علم ہی نہیں رکھتی۔ ان کی کتب میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور اگر کسی قسم کا ذکر پایا جاتا ہے تو وہ غلط، بے معنی اور ناکارہ ہے۔ جب تک کیسہ کے افعال کو عضو کے افعال کے ساتھ تطابق نہیں دیا جائے گا۔ اس وقت تک سوزش تو رہی ایک طرف دیگر امراض کی بھی ماہیت پورے طور پر سامنے نہیں آسکتی جب کیسہ جسم انسان میں ایک ابتدائی زندگی (فرسٹ یونٹ) ہے اور یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اس میں زندگی ہے۔ اس کے افعال ہیں۔ اس میں نشو ونما ہے۔ اس میں تولید ہے اور اس میں موت بھی واقع ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ غذا لیتا ہے۔ اپنی غذا کے فضلات کو صاف کرتا

ہے اور با قاعدہ سانس لیتا ہے گویا ان کا تغذیہ' تصفیہ اور تسنیم بالکل ایسے ہے جیسے انسانی جسم کا ہے جو مرکب اعضاء ان سے بنے ہوئے ہیں۔ مرکب اعضاء مفرد اعضاء سے ترتیب پائے ہوئے ہیں۔ مفرد اعضاء کی بناوٹ انسجہ (ٹشوز) سے ہے۔ اور انسجہ حیوانی ذرات (کیسہ جات) سے ترکیب پاتے ہیں۔ ایک طرف حیوانی ذرہ میں بھی یہ سب کچھ نظر آتا ہے تو باقی درمیانی کڑیوں کو کیوں نظر انداز کر دیا جائے اور پھر ان کے باہمی تعلق کو کیوں نہ سمجھا جائے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان سب کے افعال کو بالمقابل سمجھا جائے۔ اگر کیسہ اور انسانی زندگی کے افعال میں تطابق پایا جاتا ہے تو کیسہ کو جو انسان کی ابتدائی ترکیب (فرسٹ یونٹ) ہے کو سامنے رکھ کر صحت اور مرض کا تعین کیا جائے اور ان سے جو افعال الاعضاء پر اثر پڑتا ہے ان کو ذہن نشین کیا جائے۔

فرنگی طب کی علمی کم مائیگی

فرنگی طب کو اپنی طبی سائنس (میڈیکل سائنس) پر بہت ناز ہے لیکن جب ایک محقق ان کی علمی اور سائنسی کتب کو دیکھتا ہے تو ان کی فاش غلطیوں کے ساتھ ساتھ ان کی بے علمی اور سائنسی کتب کو دیکھتا ہے تو ان کی فاش غلطیوں کے ساتھ ساتھ ان کی بے علمی اور جہالت کو دیکھ کر افسوس کرتا ہے کہ ایک طرف اپنی سائنس کے اتنے لمبے چوڑے دعوے اور دوسری طرف اندر سے یہ کھوکھلا پن' ایک طرف یہ شوراشوری اور دوسری طرف یہ بے نمکی۔ جب کسی فرنگی ڈاکٹر سے یہ پوچھا جائے یہ کیا بات ہے تو شرم سے گردن جھکا کر آئیں بائیں شائیں کرنے لگتے ہیں۔

ماہیت امراض کے سمجھنے میں بھی ان کے ہاں بے حد غلطیاں' بے علمی اور حقیقت سے ناواقفیت کے بے شمار نمونے نظر آتے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم ان کی ادنیٰ ادنیٰ غلطی بھی معاف نہیں کریں گے۔ بال کی کھال نکالیں گے اور اندی کی چندی کر دیں گے۔ امراض کا تعین اس وقت تک جس طرح کیا گیا ہے وہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی بے علمی (ان سائنٹیفک) اور جہالت پر دلالت کرتا ہے۔ ایک طرف انسانی جسم تشریح اور افعال کو کیسہ تک بیان کر دیا ہے مگر دوسری طرف امراض کا تعین کرتے وقت صرف مرکب اعضاء کو سامنے رکھا گیا ہے۔ مثلاً اگر معدے اور امعاء میں خرابی ہو یا مثانہ اور سینہ میں نقص ہو تو معدہ وامعاء اور مثانہ وسینہ کی مناسبت سے امراض کا تعین کیا گیا ہے اور اسی مناسبت سے نام رکھے گئے ہیں۔ جیسے درد معدہ' ورم امعاء' سوزش مثانہ اور سینہ کی جلن وغیرہ۔ حالانکہ معدہ وامعاء اور مثانہ وسینہ اور دیگر تمام اسی قسم کے اعضاء مفرد اعضاء سے مرکب ہیں اور یہ مفرد اعضاء سب کے سب مختلف اقسام کی بافتوں (ٹشوز) اور کیسوں (سیلز) سے ترتیب پا کر ترکیب پاتے ہیں اور ہر مفرد عضو کے افعال دوسرے عضو سے اسی طرح مختلف ہیں جس طرح ان کے کیسے الگ الگ ہیں۔ ایک وقت میں ان میں سے کسی ایک میں تحریک یا سوزش ہوتی ہے۔ سب میں نہ بیک وقت تحریک ہوتی ہے نہ سوزش۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان سب کے افعال میں افراط وتفریط یا ضعف بیک وقت ایک ہی جیسا نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر معدہ کے عضلات میں سوزش ہوگی تو معدہ کے اعصاب وغدد میں اس وقت سوزش نہیں ہوگی۔ لیکن فرنگی طب معدہ اور دیگر مرکب اعضاء میں سے کسی میں اگر سوزش تسلیم کرے گی تو اس کے تمام مفرد اعضاء میں بیک وقت تسلیم کرے گی۔ جو قطعاً ناممکن ہے۔ جس کے ثبوت میں ہم ان کے غلط تجربات کی تفصیل بیان کریں گے جو انہوں نے مینڈکوں پر کئے ہیں اور غلط نتائج حاصل کیے ہیں۔ ایسی صورت میں ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ان کا تعین امراض صحیح ہے اور سوزش وغیرہ کے متعلق انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے یا ان کے تجربات درست ہیں یا ان کی تحقیقات فطرت کے مطابق اور علمی (سائنٹیفک) ہیں۔

فرنگی طب کے غلط تجربات

فرنگی طب میں سوزش کی ماہیت (پیتھالوجی) بیان کرنے میں بالکل اندھے پن سے کام کیا گیا ہے۔ وہاں نسیجی تبدیلیوں' کیمیائی اثرات اور اعضاء کے افعال کو ان کی اپنی حیثیت سے جدا جدا کر کے بیان نہیں کیا گیا۔ مگر چاہیے تو یہ تھا کہ کیسہ سے شروع کیا جاتا کہ وہ بذات خود ایک حیوانی ذرہ ہے۔ اس میں احساس ہے۔ غذائی نظام ہے اور قوت وضعف کے اثرات کے ساتھ ساتھ زندگی اور موت کی صورتیں بھی نظر آتی ہیں۔ اس کی زندگی اور افعال کو اوّل اس کی ذاتی نسیجی پھر اسی بافت سے بنے ہوئے مفرد عضو کو سامنے رکھا جاتا اور پھر کیسہ سے لے کر مفرد عضو تک کی تبدیلیوں کی مناسبت اور فرق کو بیان کیا جاتا۔ پھر جو امراض یا علامات کی صورتیں پیدا ہوتیں' ان کو بیان کیا جاتا۔ مگر فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس کا پورا علم ان باتوں سے خالی ہے۔ جس کے ثبوت میں ہم ان کی کتب پیش کر سکتے ہیں۔

سوزش سے متعلق فرنگی طب کے غلط تجربات

فرنگی طب میں سوزش کو سمجھنے کے لیے زیادہ سے زیادہ خوردبین کے نیچے کسی سوزش ناک مقام کو رکھا جاتا ہے اور اس میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کو نوٹ کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے زیادہ تر مینڈک سے کام لیا جاتا ہے مثلاً مینڈک کے پنجے کو پھیلا کر اس پر کوئی بیرونی محرک لگا کر اوّل سوزش پیدا کرتے ہیں۔ پھر ان تبدیلیوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ لیکن تبدیلیوں کا پورا علم اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ پہلے بغیر سوزش کے تندرست مقام کا بھی مطالعہ کیا جائے۔ غرض اس کی تبدیلیوں میں خون کی کمی بیشی' رفتار میں تیزی اور سستی' سرخ اور سفید دانوں کا خون کی رو میں بہنا اور الگ ہونا' خون کی نالیوں کا سکڑنا اور پھیلنا' کیسہ اور نسیج کی اندرونی اور بیرونی تبدیلیاں' وہاں پر لف اور رطوبات کا گرنا' اس میں انقباض اور انبساط کا پیدا ہونا' ان کا بڑھنا اور زندگی کے اثرات کا قائم رہنا یا مردہ ہو جانا غرض کہ تجربات میں اس قسم کے نتائج حاصل کیے جاتے ہیں۔ مگر یہ طریق کار غلط ہے کیونکہ اس صورت میں اوّل ٹشو پر تجربات کر رہا ہے وہ بافت عصبی ہے یا عضلاتی یا کوئی اور ہے اور ہر ایک میں باہمی فرق کیا ہے۔ دوسرے خون کی نالیوں کے پرت بھی مختلف پرتوں سے تیار ہیں۔ ان کا انقباض وانبساط کس بافت سے متعلق ہے اور خون کی رفتار پر تیزی وسستی کا اثر کسی بافت کے انقباض انبساط سے پڑتا ہے۔ تیسرے تجربات سے جو نتائج حاصل کیے گئے ہیں وہ محرک تیزابی اثر رکھتا ہے یا کھاری یا نمکینی اثرات کا حامل ہے۔ ہر ایک کے تجربات ایک دوسرے سے جدا ہوں گے۔ یہ اور اسی قسم کے اور کئی حقائق ہیں جن کا نہ فرنگی طب کو علم ہے اور نہ کتب اور تجربات میں ذکر پایا جاتا ہے اور ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے تجربات غلط اصولوں پر مبنی ہیں۔ اور ان کے نتائج بھی صحیح نہیں ہیں۔ طرہ یہ کہ اگر ہم کسی جراثیم کو بھی سوزش کا محرک تسلیم کر لیں تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ نمونیہ' ذات الریۂ (پلورسی) ذات الجنب ٹی۔ بی (سل ودق) کے جراثیم اپنے اندر مختلف نوعیت رکھتے ہیں یا ان کے اثرات مختلف اقسام کی بافتوں پر ہوتے ہیں یا وہ مختلف مقامات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یا ان کے زہر بالکل مختلف اقسام کے ہوتے ہیں۔ پھر ہر قسم کی سوزش کے ایک ہی جیسے نتائج کیسے ہو سکتے ہیں۔

ہماری مشکلات

ہماری مشکلات میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم کو بیک وقت دو کام کرنے پڑتے ہیں یعنی ڈبل رول ادا کرنا پڑتا ہے' ایک طرف اپنی تحقیقات کو پیش کرنا اور دوسری طرف فرنگی طب کی غلطیوں اور خرابیوں کو راستہ میں سے دور کرنا تاکہ جہاں پر اہل علم اور صاحب فن ہماری تحقیقات سے مستفید ہوں وہاں پر وہ فرنگی طب کی غیر علمی معلومات سے بھی آگاہ ہوتے رہیں تاکہ صحیح علم وفن حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ فرنگی طب کی وجہ

سے جوان کو احساس کمتری پیدا ہو گیا ہے وہ بھی دور ہوتا رہے۔

اس دوگنا مشکل کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ہمارے اکثر حکما اور اطبا کا طبقہ عملی تحقیقات سے مناسبت نہیں رکھتا۔ اس کو نہ فن عزیز ہے اور نہ ملک وقوم کی برتری کا جذبہ ہے۔ خودی، خودداری اور خوداعتمادی کے اسرار ورموز سے بہت دور ہے۔ وہ پیٹ کا بندہ ہے، جائز و ناجائز دولت چاہتا ہے۔ چاہے وہ ملکی ادویات کو فروخت کر کے ملے چاہے وہ فرنگی ادویات کے فروخت کرنے سے حاصل ہو۔ اکثر صرف اس لیے مخالفت کرتے ہیں کہ کیوں ان کے غلط طریق کار سے ان کو روکا جاتا ہے جس سے انہوں نے بڑی بڑی دولت کمائی ہے۔ اور لاکھوں ہا روپیہ جمع کر لیا ہے لیکن ہمیں کسی دولت مند اور دشمن فن کی پروا نہیں ہے ہمیں صرف اپنا کام جاری رکھنا ہے نا صرف ایسے غلط قسم کے بے غیرت وزر پرست لوگوں کو چیلنج کرتے رہیں گے بلکہ ان کو ننگا کر کے بھی دنیا میں پیش کرتے رہیں گے تاکہ دوسروں کے لیے عبرت ہو۔

تقسیم امراض بانظریہ مفرد اعضاء

خوبیاں: نظریہ اعضاء کے تحت تقسیم امراض اور علامات میں بہت سی خوبیاں ہیں اور ذیل کی خوبیاں قابل تعریف ہیں:

① یقینی تشخیص ② بے خطا علاج ③ امراض کی ماہیت پر یقین ④ تجویز علاج میں سہولت ⑤ ہر مرض کا صرف ایک بار ہی بیان ہونا ⑥ مختلف امراض میں شک وشبہ نہ پیدا ہونا ⑦ دنیا بھر کے تمام طریقہائے علاج کی صحیح تشخیص اور درست تجویز کا اس کے مطابق ہونا۔ گویا نظریہ مفرد اعضاء صحیح تشخیص اور درست تجویز کے لیے ایک کسوٹی ہے ⑧ اس نظریہ کے تحت تقسیم امراض سمجھنے کے بعد ہر غلط طریق علاج کو معالج چھوڑ دیتا ہے اور مشکل تشخیص اور دشوار تجویز کے علاجوں سے دور ہو جاتا ہے ⑨ امراض کی تعداد مقرر کر دی گئی ہے اس کے بعد نئے امراض کی تحقیقات ختم ہو گئی ہے جیسا کہ فرنگی طب اہل فن وصاحب علم اور عوام کو روزانہ نئے امراض کے نام سے دھوکا دیتی رہتی ہے ⑩ کسی مرض کے مختلف بے معنی اسباب ختم کر کے صحیح اسباب مقرر کر دیئے گئے ہیں ⑪ طویل علامات کو مقررہ علامات میں محدود کر دیا ہے تاکہ تشخیص میں کوئی تکلیف نہ ہو ⑫ سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ دنیا بھر کے طریق علاج میں جو ماہیت امراض بیان کی گئی ہیں۔ چاہے وہ اخلاط و دوشوں کے تحت ہوں چاہے جراثیم اور روح کی بیماری کو مدنظر رکھا گیا ہے یا عناصر انسانی اور جذبات انسانی کو مدنظر رکھا گیا ہے سب کے حسن وقبح کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ اور یہ تمام باتیں بیک وقت معالج کے ذہن کے سامنے آ جاتی ہیں۔

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت تقسیم امراض کا کمال یہ ہے کہ اس سے تقسیم کی ابتدا واحد خلیہ اصل حیوانی ذرہ سے شروع ہوتی ہے جس سے نسیج (ٹشوز) بنا ہے اور پھر یہی مختلف انسجہ (ٹشوز) اعضاء کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ اس تقسیم سامراض کی انتہا یہ ہے کہ اس میں حیوانی ذرہ کا بھی دل و دماغ اور جگر چیرتے ہوئے اس کے ایٹمی اثرات تک پہنچ کر اس کی انرجی و پاور اور فورس کا پتہ چلاتے ہیں۔ گویا نظریہ مفرد اعضاء ایٹمی دور کی مکمل تصویر ہے اور لطف یہ ہے اس سے دقیق تشخیص اور تقسیم ناممکن ہے اور اگر کوئی اور طریق علاج کسی ایسے نظریہ کا دعویٰ کرے تو ہم چیلنج کرتے ہیں۔

مفرد اعضا کی تقسیم

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ہم نے جسم انسان کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے ① بنیادی اعضاء ② حیاتی اعضاء ③ خون۔ پھر ان میں سے ہر حصہ تین حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ بنیادی اعضاء میں ① ہڈیاں ② رباط ③ اوتار جو تینوں نسیج الحاقی کے بنے ہوئے ہیں اور انسان جسم کی بنیاد بناتے ہیں۔ حیاتی اعضاء میں ① اعصاب جن کا مرکز دماغ ہے اور یہ نسیج اعصابی سے تیار ہوتے ہیں اور احساس کا ذریعہ اور مرکز ہیں ② عضلاتی

اعضاء جن کا مرکز دل ہے یہ نسیج عضلاتی سے بنتے ہیں اور جسم انسان میں حرکت کا ذریعہ اور مرکز ہیں ③ غددی اعضاء جن کا مرکز جگر ہے۔ یہ نسیج قشری سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور جسم انسان میں غذا کا ذریعہ اور مرکز ہیں۔

خون

یہ کیمیائی مرکب ہے جس میں ① حرارت' رطوبت اور ریاح پائی جاتی ہے۔ ② اس میں چار اقسام کے انسجہ کے لیے غذائیت پائی جاتی ہے۔ جو غذا ہم کھاتے ہیں اور آب وہوا ہمیشہ انسانی جسم میں حرارت' رطوبت اور ریاح تیار کرتے رہتے ہیں۔ ③ جب ہمارے جسم میں مناسب اجزاء داخل نہیں ہوتے یا کیفیاتی ونفسیاتی طور پر ہمارا خون یا اعضاء متاثر ہوتے ہیں تو ان کے افعال میں خرابیاں واقع ہو جاتی ہیں۔ جن کا نام امراض ہے اور ان کے افعال کی خرابی سے جو اثرات باقی جسم پر پیدا ہوتے ہیں ان کے نام علامات ہیں' گویا جسم انسان کے تمام امراض اور علامات انہی تین حیاتی اعضاء کے تحت بیان کرنا ہے' یہ ہے مفرد اعضاء کی تقسیم اور ان سے پیدائش امراض اور علامات کی صورت۔ جو انسان بھی اس پر حاوی ہو جائے گا۔ وہ اپنے وقت اور زمانے کا بہترین معالج ہوگا۔ بس یہی مفید طبابت ہے۔

مفرد اعضاء کے افعال

ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ ہر حیاتی عضو کے تین افعال ہیں: ① تحریک یعنی عضو کے فعل میں تیزی جو ریاح کی زیادتی سے پیدا ہوتی ہے ② تسکین عضو کے فعل میں سستی جو رطوبت اور بلغم کی زیادتی سے پیدا ہوتی ہے ③ تحلیل یعنی کسی عضو میں ضعف جو حرارت کی زیادتی سے پیدا ہوتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ قدرت نے اعضاء کو اس طرح بنایا ہے کہ اعصاب باہر کی طرف ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ غدد کا تعلق ہے۔ پھر ان کے بعد عضلات متعلق ہیں اور عضلات کا تعلق اعصاب کے ساتھ ہے۔ گویا تینوں حیاتی اعضاء آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح متعلق ہیں جیسے کیفیات باہم متعلق ہیں۔

مفرد اعضاء کا باہمی تعلق

مفرد اعضاء کا باہمی تعلق بھی ہے۔ اسی تعلق سے جسم انسانی میں تحریکات ایک عضو سے دوسرے عضو کی طرف منتقل ہوتی ہیں مثلاً جب غدد میں تحریک ہوتی ہے تو اس امر کو ضرور جاننا پڑے گا کہ اس تحریک کا تعلق عضلات کے ساتھ ہے یا اعصاب کے ساتھ ہے کیونکہ اس تحریک کا تعلق کسی نہ کسی عضو کے ساتھ ہونا ضروری ہے کیونکہ مزاجاً بھی کبھی کوئی کیفیت مفرد نہیں ہوا کرتی۔ جیسے اس کا تعلق بھی کسی نہ کسی دوسری کیفیت سے ضرور ہوتا ہے جیسے گرمی یا سردی' کبھی تنہا نہیں پائی جائے گی وہ ہمیشہ گرمی تری یا خشکی یا سردی تری یا سردی خشکی کی شکل میں پائی جائے گی۔

یہی صورت اعضاء میں بھی قائم ہے یعنی تحریک غددی عضلاتی (گرم خشک) ہوگی یا غددی اعصابی (گرم تر) ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

البتہ اس بات میں اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ تحریک میں جس مفرد اعضاء کا نام پہلے بولا جائے گا وہ مشینی (مکینیکل) کہلائے گی اور جس مفرد عضو کا نام بعد میں لیا جائے گا وہ خلطی یا کیمیائی (کیمیکل) ہوگی۔ یعنی دوسرے مفرد اعضاء کی تحریک کے یہ معنی ہیں کہ خون میں کیفیاتی و خلطی اور کیمیائی طور پر اس کا اثر یقینی طور پر پایا جاتا ہے۔ یہ ضرورت سے زیادہ ہے۔ اور طبیعت مدبرہ بدن نے اسے اعتدال پر لانے کے لیے دوسرے عضو کے فعل کو تیز کر دیا ہے اور جس عضو میں مشینی اثر تیز ہو رہا ہے۔ طبیعت مدبرہ بدن اس کو تیز کر کے خون کے کیفیاتی و خلطی اور کیمیائی اثرات کو اعتدال پر لا رہی ہے مثلاً غددی عضلاتی تحریک ہے تو خون میں کیفیاتی و خلطی اور کیمیائی طور پر گرمی' خشکی وصفراء اور گندھک کی زیادتی ہوگی۔ اسی

طرح جب غدی اعصابی تحریک پائی جائے گی تو خون میں کیفیاتی وخلطی اور کیمیائی طور پر گرمی تری وحرت اور ملاحت کی زیادتی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ یہی سلسلہ تمام مفرد اعضاء میں قائم رہے گا۔ جیسے باہمی تعلق قائم رہتا ہے۔

مفرد اعضاء کے تعلق کی چھ صورتیں

مفرد اعضاء حیاتی تین ہیں لیکن ان کے باہمی تعلق سے درج ذیل چھ صورتیں بن جاتی ہیں:

(۱) اعصابی غدی (۲) اعصابی عضلاتی (۳) عضلاتی اعصابی (۴) عضلاتی غدی (۵) غدی عضلاتی (۶) غدی اعصابی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جو لفظ مقدم ہوگا وہ عضو کی تحریک ہے اور لفظ مؤخر ہوگا وہ کیفیاتی وخلطی اور کیمیائی تحریک کہلائے گی۔ چونکہ صحت کا دار ومدار کیفیات واخلاط اور خون کے کیمیائی اعتدال پر قائم ہے اس لیے یہ اعتدال ہر صورت قائم رکھنا ضروری ہے۔ جو مفرد اعضاء کے افعال کو تیز تر کر دینے سے خون کا اعتدال درست ہو جاتا ہے بس اسی کا نام شفا ہے۔ ہومیوپیتھی میں جو بالمثل ادویات دی جاتی ہیں ان کا مقصد بھی جسم انسان کی علامات ردعمل (ری ایکشن) کی علامات کو بڑھایا جاتا ہے جو طبیعت مدبرہ بدن نے تیز کر دی ہیں۔ اس سے قلیل سے قلیل بلکہ اقل مقدار میں دی گئی دوا نہ صرف مفید ہوتی ہے۔ بلکہ اکسیر اور تریاق کا کام دیتی ہے۔

عارضی علاج اور مستقل علاج کا فرق

جاننا چاہیے کہ عارضی علاج اور مستقل علاج کا فرق بھی ایک بہت بڑے اسرار ورموز میں داخل ہے۔ طب قدیم کے معدودے چند اطباء نے اس طرف اشارے کیے ہیں مگر فرنگی طب نہ صرف اس کی حقیقت سے بے خبر ہے بلکہ ان کا طریق علاج جو اکثر عارضی ہے مریضوں کے لیے مقتل بن گیا ہے۔ مرض کا وقتی طور پر روک دینا علاج نہیں ہے بلکہ مرض کی حقیقت سمجھ کر اس کو دور کرنے کی کوشش کرنا ہی صحیح علاج الامراض ہے۔

طب قدیم میں مرض کی صورت میں خون کے اندر کیفیاتی وخلطی اور کیمیائی طور پر جو زیادتی ہوتی ہے اس کو بالضد کیفیات واخلاط اور کیمیائی اثرات پیدا کر کے اعتدال پر لایا جاتا ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب خون میں یہ تبدیلی پیدا ہو اور اعضاء (ان کے مطابق خون پیدا کرنا شروع کریں۔ یہ تبدیلی فوراً پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے لیے ایک مدت درکار ہے لیکن جو فوری طور پر مرض کو روکنا چاہتے ہیں وہ بالضد کیفیات واخلاط اور کیمیائی اثرات انتہائی شدید اور بے حد تیز بلکہ زہر کی حد تک ادویات استعمال کر کے ان کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بلکہ اکثر شدید تبریدات ومسکنات اور مخدرات استعمال کر کے پٹھے سن کر دیتے ہیں یا دل کی حرکت کو کمزور کر دیتے ہیں۔ جس سے مریض وقتی طور پر آرام محسوس کرتا ہے جس کا نتیجہ دل ودماغ کی مسلسل کمزوری سے موت واقع ہو جاتا ہے۔ اگر وقتی علاج روکا جاتا ہے تو مرض پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ حملہ کرتا ہے اور حالت زیادہ خراب ہو جاتی ہے۔

یہی صورت فرنگی طریق علاج میں پائی جاتی ہے۔ اگر وہ جراثیم کش ادویات استعمال کرتے ہیں۔ تو وہ بھی متعفن مواد کو ختم ہونے اور جلنے سے پہلے غیر متعفن کر کے اس کو اپنے عمل سے روک دیتا ہے۔ لیکن مواد اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ مگر جسم کی حرارت ختم ہو جاتی ہے۔ جس مرض کا فطرت اپنی قدرت سے خود علاج کر رہی تھی۔ وہ اس صورت میں ختم ہو جاتا ہے کہ مریض کے جسم میں مادہ باقی رہ کر مستقل اور مزمن مرض بن جاتا ہے یا کبھی فوری علاج سے جسم کا کوئی عضو بے کار ہو جاتا ہے اور پھر جب بھی طبیعت مدبرہ بدن کو موقعہ ملتا ہے۔ وہ شفا دینے کی خاطر پھر اس مرض کو قائم کر دیتی ہے مگر جسم میں حرارت بہت حد تک کم ہو چکی ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں موت واقع ہو جاتی ہے یا وہ مریض ہمیشہ کے لیے بے کار ہو کر رہ جاتا ہے۔

اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد اب مفرد اعضاء کی تحریکات کی طرف آئیں جو دوا کی صورت میں بولی جاتی ہیں۔ جیسے غدی عضلاتی (گرم خشک) اس میں پہلا لفظ مشینی فعل ہے اور دوسرا لفظ کیمیائی فعل ہے گویا جسم میں صفرا بڑھ رہا ہے اور اس کی زیادتی کے سبب جسم میں گرمی کے ساتھ

خشکی کی زیادتی ہے اور انہی اعضاء پر اثر ہے جن پر صفرا اثر انداز ہوتا ہے اس میں دوسرا لفظ یعنی عضلاتی اثر ''خشکی'' کیمیائی اثر ہے جب ہم اس کیمیائی اثر یعنی خشکی کو تری میں بدل دیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ مزاج میں گرمی تری پیدا ہونا شروع ہو جائے گی اس کی صورت یہ ہوگی ہم غدی عضلاتی تحریک کو غدی اعصابی کر دیں گے جس کے ساتھ حرارت کیمیائی طور پر بڑھنا شروع ہو جائے گی جس سے خشکی ختم ہو جائے گی اور تری بڑھ جائے گی۔ پھر صفرا کی تمام تکالیف جن اعضاء پر ہوں ختم ہو جائیں گی۔ رفتہ رفتہ طبیعت مستقل صحت کی طرف آ جائے گی۔

اس حقیقت کو اس طرح سمجھ لیں جسم میں امراض کی جو صورت ہے وہ خون میں کیفیاتی و اخلاطی اور کیمیائی اثرات کی زیادتی ہے جو خاص مفرد اعضاء کے تحت پیدا ہو رہی ہے اور قائم ہے اور جن مفرد اعضاء نے خون کے ان اثرات کو اعتدال پر رکھنا ہے۔ ان میں سکون پیدا ہو گیا ہے۔ اس میں جراثیم کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اطبا اور حکما بالضد ادویات اور تدابیر سے خون کے ان اثرات کو اعتدال پر لاتے ہیں۔ اطبا اور حکما کا طریق بھی درست ہے۔ لیکن اس میں یقینی ادویات کا تعین نہ کر سکنے سے علاج یقینی نہیں بن سکتا لیکن مسکن اور ست اعضاء کو تیز تر کر دینے سے نہ صرف علاج یقینی بن جاتا ہے بلکہ شرطیہ کیا جا سکتا ہے جیسے بجلی کا بٹن دبانے سے کبھی اپنی مرضی سے بجلی جلا لیتے ہیں کبھی پنکھا چلا لیتے ہیں۔ کبھی پانی کی نالی کھول دیتے ہیں اس طرح جب مسکن اور ست اعضاء میں تحریک پیدا ہوتی ہے تو وہاں پر تمام رطوبات اور بلغم ختم ہو جاتی ہے جس سے وہاں پر اگر جراثیم ہوں تو وہ بھی مر جاتے ہیں پھر جب سکون کے مقام پر تحریک ہو جاتی ہے تو گزشتہ تحریک کے مقام پر تحلیل ہو کر سوزش ختم ہو جاتی ہے اور جہاں پر تحلیل تھی وہاں پر رطوبت پہنچ کر تحلیل کو روک دیتی ہے۔ بس یہی صحیح طریق علاج ہے اور یہی اس کی مستقل صورت ہے۔

فوری علاج

وہ معالج بھی غلطی پر ہیں جو اعضا کے افعال خصوصاً مرکب اعضاء کی تیزی کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور تبریدات و مسکنات اور مخدرات کو استعمال کر کے فوری فائدے کی خاطر مریضوں کو زہر دے کر موت کی طرف دھکیلتے ہیں اور اس طرح بار بار کرنے سے ان اعضاء کو اعتدال پر تو نہیں لا سکتے۔ البتہ ان کو کمزور ضرور کر دیتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ فوری علاج بھی وہی علاج ہے جو صحیح علاج ہو یعنی مسکن اور ست مفرد اعضاء کو تحریک دے کر تیز کر دیں۔ جتنی جلدی آپ کر سکیں گے اتنی جلدی آرام ہوگا۔ اس سے فوراً ہی خون میں کیفیاتی اور اخلاطی اور کیمیائی اثرات اعتدال پر آنا شروع ہو جائیں گے۔ یقین جانئے اس طرح کے صحیح علاج سے بعض وقت پانچ منٹ کے اندر تحریک بدل جاتی ہے جس کے ساتھ ہی آرام آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر دنیا بھر میں کوئی اس سے بہتر علاج پیش کر دے جو صحیح ہونے کے ساتھ فوری بھی ہو تو ہم چیلنج کرتے ہیں اور یہ بھی ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ دنیا کی کوئی طاقت اس مفرد اعضاء کے طریق علاج کو کامیاب ہونے اور پھیلنے سے نہیں روک سکتی بلکہ اس طرح جیسے کوئی طاقت اللہ تعالیٰ کی اس ایٹمی طاقت کو اپنے کام سے روک نہیں سکتی۔ اور اس کا پھیلنا اور عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ایک وقت آئے گا کہ ایٹمی طاقت اور نظریہ مفرد اعضاء بالکل ایک ہو جائیں گے۔ یہی دنیا کی کامیابی کا راز ہے۔

علاج میں کامیابی کا راز

ہر قسم کے علاج چاہے وہ نئے ہوں یا پرانے (حاد یا مزمن) ان میں کیفیاتی و خلطی اور کیمیائی تحریک کو مدنظر رکھیں جس کا اظہار جسم میں علامات اور دوسری مفرد تحریک سے ہوتا ہے۔ بس یہی مرض ہے۔ کیونکہ ان علامات سے ظاہر ہوتا ہے کہ خون میں کسی قسم کی کیفیات و اخلاط اور کیمیائی اثرات کی کمی واقع ہو گئی ہے۔ اس کا اظہار وہی اعضاء کرتے ہیں جو جسم میں تیز ہیں یا ست ہیں۔ جیسا کہ شیخ بوعلی سینا نے کہا ہے کہ مرض اس حالت کا نام ہے جب مجریٰ جسم کے افعال اعتدال پر نہیں ہوتے بس اس کا آسان علاج یہ ہے کہ جن اعضاء اور مجرا کے افعال میں سکون و سستی

ہوان کو تیز کردیں۔ جس کے نتیجہ میں ایک طرف خون میں جن کیفیات واخلاط اور کیمیائی اثرات کی زیادتی ہوگی وہ کم ہونا شروع ہوجائیں گے۔ اور دوسری طرف اس کی تیزی سے جن ضروری اثرات وعناصر کی ضرورت ہوگی وہ پورے ہونا شروع ہوجائیں گے۔ اس میں جراثیم کش ادویات کا کوئی دخل نہیں۔ اگر وہاں پر جراثیم ہوں بھی تو ان اعضاء کی تیزی ان کو ہلاک کر کے جسم سے خارج کردے گی۔ اسی وجہ سے غیر جراثیم کش ادویات سے جراثیمی امراض میں شفاء آجاتی ہے جس کے ثبوت میں ایسی غیر جراثیم کش ادویات جو شیرہ وشربت اور عرقیات کی صورت میں دی جاتی ہیں کامیابی سے جراثیمی امراض کا علاج کر دیتی ہیں۔ جراثیم کے متعلق صرف اتنا یاد رکھیں کہ جن مقامات پر رطوبات رُک جاتی ہیں۔ وہاں پر متعفن ہو کر جراثیم پیدا کر دیتی ہے۔ جب اعضاء کی تیزی وہاں رطوبت کو خشک یا خارج کر دیتی ہے تو ساتھ ہی جراثیم بھی مر کر ہلاک ہوجاتے ہیں۔ اس کی مثال اس طرح سمجھ لیں کہ مکان میں اگر گندگی اور غلاظت پڑی ہو اور اس میں تعفن شدید ہو تو اگر اس پر دافع تعفن دوا ڈال دی جائے تو فوراً تعفن رُک جائے گا۔ لیکن چند دنوں بلکہ چند پہروں میں پھر شروع ہوجائے گا۔ لیکن اگر وہ گندگی اور غلاظت اٹھا کر باہر پھینک دی جائے اور وہ جگہ خشک کر دی جائے تو وہاں پر نہ صرف گندگی اور تعفن ختم ہوجائے گا بلکہ ساتھ ہی جراثیم بھی دور ہوجائیں گے۔ یہ ہے وہ علاج جس کا جواب فرنگی طب کے پاس نہیں ہے اور وہ اب تک اپنے طریق علاج میں ناکام ہے اور غلطی میں مبتلا ہے۔

ظاہری تقسیم جسم انسانی بانظریہ مفرد اعضاء

جسم انسان کو ہم نے اعضائے رئیسہ یا دوسرے الفاظ میں انسجہ (ٹشوز) میں تقسیم کر دیا ہے جن کے مرکز یہی اعضائے رئیسہ دِل، دماغ اور جگر ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں یہ انسجہ تمام جسم میں اس طرح اوپر تلے پھیلے ہوئے ہیں کہ جسم کا کوئی مقام ایسا نہیں ہے کہ جہاں صرف ایک یا دو اقسام کے انسجہ ہوں یا ان کا آپس میں تعلق نہیں ہو۔ اس لئے امراض کی صورت میں تینوں اقسام کے حیاتی انسجہ متاثر ہوتے ہیں۔ البتہ ان کی صورتیں جدا جدا ہوتی ہیں جیسا کہ لکھا جا چکا ہے۔ ہر عضو کی زیادہ سے زیادہ تین صورتیں ہوسکتی ہیں: ① تحریک ② تحلیل ③ تسکین۔ جب کسی میں ایک حالت پائی جاتی ہے تو باقی دو دوسرے اعضاء مفرد (انسجہ۔ٹشوز) میں پائی جاتی ہیں، ایسا صرف اس لئے ہوتا ہے کہ دورانِ خون کی گردش ہی قدرت نے فطری طور پر ایسی بنائی ہے۔ اگر معالج دورانِ خون کی گردش کو پورے طور پر ذہن نشین کر لے تو امراض کی ماہیت کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:۔

دورانِ خون اور نظریہ مفرد اعضاء

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت دوران خون دِل (عضلاتی انسجہ) سے جسم میں دھکیلا جاتا ہے۔ پھر شریانوں کی وساطت سے جگر (غدی انسجہ) سے گزرتا ہوا دماغ (اعصابی انسجہ) پر گرتا ہے۔ تمام جسم کی غذا بننے کے بعد پھر باقی رطوبات (غدد جاذبہ) کے ذریعے جو طحال کے ماتحت غدد کی وساطت سے کام کرتے ہیں جذب ہو کر اور پھر خون میں شامل ہو کر دِل (عضلات) کے فعل کو تیز کرتا ہے اور ہر خون غدد سے چھننے سے رہ جاتا ہے۔ وہ بھی وریدوں کے ذریعے واپس قلب میں چلا جاتا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

طب قدیم کی حقیقت کی تصدیق:

یہاں پر سمجھنے والی بات وہ حقیقت ہے جو طب قدیم نے ہزاروں سال قبل لکھی ہے کہ دورانِ خون جب تک جگر (غدد) سے نہ گزرے وہ جسم میں نہیں پھیلتا یا ترشح نہیں پاتا۔ اسی طرح ترشح پانے کے بعد جب بقایا رطوبات طحال (غدد جاذبہ) میں جذب ہو کر کیمیائی طور پر تبدیلی حاصل نہ کر لیں یعنی ان کا کھاری پن ترشی میں تبدیل نہ ہو۔ وہ دِل (عضلات) پر نہیں گرتیں اور ان کو تیز نہیں کر سکتیں۔ صرف سمجھانے کے لئے دِل وجگر اور

دماغ وطحال کے اعضاء کے نام لکھے گئے ہیں ورنہ جسم میں ہر جگہ عضلات وغدد اور اعصاب وغدد جاذبہ اپنے علاقہ اور حدود میں وہی کام انجام دے رہے ہیں جو اعضائے رئیسہ ادا کر رہے ہیں۔خون اور دوران خون کی ان چار تبدیلیوں کو طب قدیم میں خون وصفرا اور بلغم وسودا کے نام دیئے گئے ہیں۔ جہاں جہاں یہ کیمیاوی تبدیلیاں ہوتی ہیں انہی جگہوں کو ان کا مقام قرار دیا گیا ہے۔خون کا مقام دِل،صفرا کا مقام جگر،بلغم کا مقام دماغ اور سودا کا مقام طحال۔لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ باقی جسم میں یہ تبدیلیاں نہیں ہوتیں بلکہ ہر جگہ جسم میں تمام انسجہ (ٹشوز) دِل، دماغ، جگر وطحال کے کام انجام دے رہے ہیں۔ دلیل وتصدیق اور ثبوت کے طور پر ہم ان اعضاء کا مزاج پیش کر سکتے ہیں جہاں ہر دو رطوبات کیمیاوی تبدیلیاں حاصل کرتی ہیں۔دونوں کی کیفیاتی وخلطی اور کیمیاوی مزاجوں میں ذرا بھر کوئی فرق نہیں ہے۔کیا فرنگی طب اندھی ہے۔اگر اس کے سائنس دان نہیں سمجھ سکتے تو ہم ان کو سمجھانے کا چیلنج کرتے ہیں۔

تحقیقات امراض

امراض کی تحقیقات کو ذہن نشین کرنے کے لئے اس راز کو سمجھ لیں کہ دوران خون دِل (عضلات) سے شروع ہو کر جگر (غدد) و دماغ (اعصاب) اور طحال (غدد جاذبہ) میں سے گزرتے ہوئے دِل (عضلات) کی طرف واپس لوٹتا ہوا جسم کے کسی حصہ کے مجریٰ مفرد اعضا (ٹشوز) میں افراط وتفریط اور تحلیل پیدا کر دیتا ہے۔بس وہیں مرض پیدا ہوتا ہے اور اس کی علامات انہیں مفرد اعضا (انسجہ۔ٹشوز) کی وساطت سے تمام جسم میں ظاہر ہوتی ہیں اور خون میں بھی کیمیاوی طور پر وہی تغیر ہوتے ہیں۔انہی مشینی اور کیمیاوی علامات کو دیکھ کر تشخیص مرض کیا جاتا ہے اور پھر جس مفرد عضو (ٹشوز۔نسیج) میں سکون ہوتا ہے اس کو تیز کر دینے سے فوراً صحت ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

جسم انسان کی بالمفرد اعضاء تقسیم

امراض تشخیص کے لئے نبض وقارورہ اور براز دیکھنے کافی ہیں۔ایک قابل معالج ان کی مدد سے مریض کے جسم میں جو کیفیاتی اور خلطی اور کیمیاوی تبدیلیاں ہوتی ہیں مفرد اعضا (ٹشوز۔انسجہ) کے افعال کی خرابی کو سمجھ سکتا ہے اور ان کے علاوہ دیگر رطوبات جسم جن کا ذکر نزلہ کے بیان میں کیا گیا ہے کے افعال کو سمجھ کر امراض کا تعین کر سکتا ہے مگر ہم نے زیادہ سہولت اور آسانی کے لئے جسم انسان کو چھ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ مریض اپنے جس حصہ پر ہاتھ رکھے معالج فوراً متعلقہ مفرد اعضاء کی خرابیوں کو جان جائے اور اپنا علاج یقین کے ساتھ کرے تاکہ قدرت کی قوتوں کے تحت فطری طور پر شرطیہ آرام ہو جائے۔

یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی فطرت نہیں بدلتی۔انسان کا فرض ہے کہ وہ فطرت اللہ کا صحیح علم رکھے تاکہ نتیجہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق نکلے۔ اللہ تعالیٰ کی اسی فطرت کے مطابق علاج کا نام شرطیہ طریق علاج ہے۔قرآن حکیم نے کئی بار تاکید کی ہے:﴿ لن تجد لسنت اللّٰہ تبدیلا ﴾ ’’اللہ تعالیٰ کے نظام فطرت میں ہرگز ہرگز تبدیلی نہیں آتی‘‘ جیسے آگ اپنی فطرت حرارت سے جدا نہیں اور پانی اپنی برودت سے الگ نہیں۔

جاننا چاہئے کہ ہم نے انسان کو سر سے لے کر پاؤں تک دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔پھر ہر حصے کو تین تین مقاموں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اس طرح کل چھ مقام بن جاتے ہیں۔اس طرح ان میں سے جس مقام پر کوئی تکلیف ہوگی اور ایک ہی قسم کے مفرد اعضاء (انسجہ۔ٹشوز) کے تحت ہوگی اور ان کا علاج بھی ایک ہی قسم کی مشینی اور کیمیاوی تبدیلی سے کیا جا سکتا ہے۔یہ فطرت کا ایک عظیم راز ہے۔

جسم انسان کے دو حصوں کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ سر کے درمیان میں جہاں پر مانگ نکلتی ہے وہاں سے ایک سیدھی فرضی لکیر لے کر بالکل ناک کے اوپر سے سیدھی منہ وٹھوڑی اور سینہ وپیٹ سے گزرتی ہوئی مقعد کی لکیر تک پہنچ جاتی ہے۔اسی طرح پشت کی طرف سے ریڑھ کی ہڈی پر سے گزرتی ہوئی پہلی لکیر سے مل جاتی ہے۔اس طرح انسان کے دو حصے ہو جاتے ہیں۔

یہ تقسیم اس لئے کی گئی ہے کہ سالہا سال کے تجربات نے بتایا ہے کہ قدرت نے جسم انسان کو اس طرح بنایا ہے کہ وہ بیک وقت تمام جسم کو کسی مرض کے نقصان پہنچنے سے روکتی ہے بلکہ کسی ایک حصہ جسم میں تحریک سے تکلیف ہو رہی ہوتی ہے، کسی دوسرے حصے میں تقویت (ابتدائی تحلیل اور کسی تیسرے حصے میں تسکین) رطوبات، غذائیت پہنچا رہی ہوتی ہیں اور یہ کوشش اس لئے جاری رہتی ہے کہ انسان کو تکلیف اور مرض سے اسی طاقت کے مطابق بچایا جائے اور یہ کوشش اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک کوئی جسم بالکل بے کار اور ناکارہ ہو کر دوسروں سے تعلق نہ توڑ دے اور موت واقع ہو جائے مثلاً اگر جگر اور غدد کے فعل میں تیزی اور تحریک ہو تو دورانِ خون دِل وعضلات کی طرف جا کر اس کی پوری حفاظت کرتا ہے اور دماغ واعصاب کی طرف رطوبت اور سکون پیدا کر دیتا ہے تاکہ تمام جسم صرف جگر وغدد کی بے چینی سے محفوظ رہے اور قوتیں اس کا مقابلہ کر سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص ربوبیت اور رحمت ہے۔

مرض کی ابتدا ہمیشہ ایک طرف ہوتی ہے

اسی طرح جب جسم انسان کے دائیں یا بائیں حصے میں کوئی تکلیف یا مرض ہو تو طبیعت مدبرہ بدن دوسرے حصے کو محفوظ رکھتی ہے اور یہ اوپر والے قانون بالمفرد اعضاء کے تحت ہوتا ہے مثلاً دردِ سر کبھی دائیں طرف ہوتا ہے، کبھی بائیں طرف ہوتا ہے، کبھی سر کی پچھلی طرف ہوتا ہے، کبھی پھیل کر سارے سر میں ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی دائیں آنکھ میں کوئی تکلیف ہوتی ہے اور کبھی بائیں آنکھ میں۔ پھر دونوں میں پھیل جاتی ہے لیکن کمی بیشی ضرور قائم رہتی ہے۔ اسی طرح ناک میں کبھی دائیں طرف مرض ہوتا ہے اور کبھی بائیں طرف مرض ہوتا ہے اور بہت کم دونوں میں ایک سی حالت ہوتی ہے۔ یہی صورت کانوں، دانتوں اور منہ کے باقی حصوں کی ہوتی ہے۔ اسی صورت کو اگر پھیلاتے جائیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ گردن کے دونوں طرف، دونوں شانوں، دونوں بازوؤں، سینہ اور معدہ اور امعاء کے ساتھ ساتھ جگر وطحال اور دونوں گردے، یہاں تک کہ مثانہ وخصیے اور دونوں ٹانگیں اپنی اپنی تکالیف میں جدا جدا صورتیں رکھتی ہیں۔ یہ تقریباً ناممکن ہے کہ دونوں طرف بیک وقت تکلیف شروع ہوں البتہ رفتہ رفتہ دوسری طرف کے وہی مفرد اعضاء (انسجہ-ٹشوز) متاثر ہو کر کم وبیش اثر قبول کر لیتے ہیں۔ یہ وہ راز ہے جو اللہ تعالیٰ نے نظریہ مفرد اعضاء کے تحت دُنیائے طب پر ظاہر کیا ہے۔ اس سے قبل دُنیائے طب میں اس کا کسی کو علم نہیں تھا۔ فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس اس علم سے بالکل خالی ہیں۔

مفرد اعضاء کی ظاہری تقسیم کی تشریح

ان دونوں حصوں کو ہم نے تین تین مقامات میں اس طرح تقسیم کیا ہے۔

پہلا مقام (اعصابی عضلاتی): اس مقام میں سر کا دایاں حصہ، دایاں کان، دائیں آنکھ، دائیں ناک، دایاں چہرہ مع دائیں طرف کے دانت ومسوڑھے اور زبان۔ دائیں طرف کی گردن شامل ہے۔ گویا سر کے دائیں طرف سے دائیں شانہ تک جس میں شانہ شریک نہیں ہے۔ جب کبھی بھی ان مقامات پر کہیں تیزی ہو گی اعصابی عضلاتی تحریک ہو گی۔

دوسرا مقام (عضلاتی اعصابی): اس مقام میں دایاں شانہ، دایاں بازو، دایاں سینہ، دایاں پھیپھڑہ اور دایاں معدہ شریک ہے۔ گویا دائیں شانہ سے لے کر جگر تک۔ اس میں جگر شریک نہیں ہے۔ جب کبھی ان مقامات میں سے کسی میں تیزی ہو تو عضلاتی اعصابی تحریک ہو گی۔

تیسرا مقام (عضلاتی غدی): اس مقام میں جگر، دائیں طرف کی آنتیں، دائیں طرف کا مثانہ، دایاں خصیہ، دائیں طرف کا مقعد اور دائیں ساری ٹانگ کولہے سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک سب شامل ہیں۔ جب کبھی ان مقامات پر کسی میں تیزی ہو گی تو عضلاتی غدی تحریک ہو گی۔ دایاں حصہ ختم ہو گیا۔

چوتھامقام (غدی عضلاتی): بایاں نصف حصہ، اس میں سر کا بایاں حصہ، بایاں کان، بائیں آنکھ، بائیں ناک، بایاں چہرہ مع بائیں طرف کے دانت ومسوڑھے اور زبان اور بائیں گردن شامل ہیں۔ گویا بائیں جانب سر سے لے کر بائیں شانہ تک جس میں شانہ شریک نہیں ہے۔ جب کبھی ان مقامات پر تیزی ہو تو غدی عضلاتی تحریک ہوگی۔

پانچواں مقام (غدی اعصابی): اس مقام میں بایاں شانہ، بایاں بازو، بایاں سینہ، بایاں پھیپھڑہ اور بایاں معدہ شریک ہیں۔ گویا بائیں شانہ سے لے کر طحال تک جس میں طحال شریک نہیں ہے۔ جب کبھی ان مقامات میں سے کسی میں تیزی ہوگی تو غدی اعصابی تحریک ہوگی۔

چھٹامقام (اعصابی غدی): اس مقام میں طحال ولبلبہ، بائیں طرف کی آنتیں، بائیں طرف کا مقعد، بائیں طرف کا مثانہ، بایاں خصیہ، بائیں ساری ٹانگ کولہے سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک شریک ہیں۔

تاکید: یہ تقسیم دوران خون کی گردش کے مطابق ہے جو دِل (عضلات) سے شروع ہو کر جگر (غدد) سے گزرتے ہوئے دماغ (اعصاب) اور طحال (غدد جاذبہ) سے گزر کر پھر دِل (عضلات) میں شامل ہوتا ہے۔ اس کا بیان عضلاتی غدی سے شروع ہو کر ترتیب وار چھ مقام بیان کئے گئے ہیں جو عضلاتی اعصابی پر ختم ہوتے ہیں لیکن ہم نے ایک سارے کو مدنظر رکھتے ہوئے دائیں طرف سرے سے شروع کر کے بائیں طرف کی ٹانگ پر ختم کر دیا ہے تا کہ سمجھنے میں آسانی رہے۔

یہ چھ مقام صرف تحریک کے ہیں لیکن اس امر کو نہ بھولیں کہ یہ چھ مقام دراصل تین مفرد اعضاء کے تعلقات اور تشخیص کو سمجھانے کے لئے ہیں کہ جسم اور خون کی تحریک کس طرف چل رہی ہے۔ اس لئے اس امر کو یاد رکھیں کہ جس ایک مفرد عضو میں تحریک ہو باقی دو میں تحلیل وتسکین ترتیب کے ساتھ ہوگی اور ان کا دیگر مفرد اعضاء پر وہی اثر ہوگا۔

تحقیقات الامراض بالمفرد اعضاء

اس بات کو پھر ذہن میں تازہ کرلیں کہ طب یونانی میں امراض کے بیان کو سر سے شروع کر کے پھر ناک اور آنکھوں کے امراض اور پھر کان اور منہ کے امراض کے بعد پاؤں تک ذکر کر دیا گیا ہے۔ البتہ ہر مرض کو کیفیات واخلاط کے مطابق واضح کر دیا ہے۔ آیورویدک میں بھی امراض کو سر سے بیان کر کے پاؤں تک پہنچایا گیا ہے۔ البتہ ہر مرض کی دوشوں اور پرکرتیوں کے مطابق تشریح کر دی گئی ہے۔ اس طرح فرنگی طب میں بھی امراض کو سر سے پاؤں کی طرف بیان کیا گیا ہے۔ البتہ ان کو متعدی اور غیر متعدی میں تقسیم کر کے پھر جراثیمی اور کیمیائی تغیرات کی تفصیل لکھ دی گئی ہے۔ لیکن اسی طرح امراض کے بیان اور تعین میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا ذکر گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

امراض کے بیان میں خاص خرابیاں

ان تمام خرابیوں سے بچنے کے لئے ہم نے امراض کو مفرد اعضاء (انسجہ۔ٹشوز) کے تحت تقسیم کیا ہے۔ اور ان کے بیان میں سر سے لے کر پاؤں تک دیگر طریق علاج کو مدنظر رکھا گیا۔ کیونکہ تقریباً ہر عضو مختلف مفرد اعضاء (انسجہ) سے مرکب ہے۔ جیسے سر میں اعصاب کے ساتھ عضلات اور غدد بھی شریک ہیں اور ہر مفرد عضو (نسیج) کے نقص سے ایک مختلف قسم کا مرض نمودار ہو جاتا ہے۔ جس کو طب یونانی نے کیفیات واخلاط کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ آیورویدک نے دوشوں اور پرکرتوں کے تحت تشریح کی ہے اور فرنگی طب نے جراثیم اور کیمیائی تبدیلیوں کے تحت واضح کیا ہے۔ ان سے بھی زیادہ چند بڑی خرابیاں اور ہیں۔ جو تعین امراض میں باعث خرابی ہیں۔

اوّل: سر کے بیان کے بعد اعصابی امراض الگ بیان کئے ہیں۔ حالانکہ تمام اعصابی امراض سر کے تحت آنے چاہئیں۔ کیونکہ سر کو اعصاب کا مرکز تسلیم کیا گیا ہے۔

دوسرے: اعصاب کے امراض تو بیان کئے گئے ہیں لیکن کسی طب نے عضلاتی اور غدی امراض کا اعصابی امراض کی طرح کہیں ذکر نہیں کیا۔ گویا عضلات جسم میں کوئی نظام نہیں ہے۔ ان کا کسی نظام کے تحت باہمی کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یونہی اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس طرح جسم کے دو حصے امراض کو آج تک بیان ہی نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب نے جس طب کو پیش کیا ہے، وہ ناکارہ اور نکمی ہے۔ جب یہ حقیقت ہے کہ اعصابی انسجہ (نروس ٹشوز) کی طرح عضلاتی انسجہ (مسکولر ٹشوز) اور انسجہ قشری (اپی تھل ٹشوز) بھی جسم میں اپنے اپنے نظام رکھتے ہیں، تو پھر اعصابی امراض کی طرح عضلاتی اور غدی امراض کا ذکر ان کی کتب میں کیوں نہیں ہے۔ گویا فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کو ان کا آج تک علم بھی نہیں ہے۔

تیسرے: فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے دموی امراض کو صرف کیمیکل تغیرات کے تحت بیان کیا ہے۔ ان کا تعلق کسی عضو (آرگن) سے قائم نہیں کیا۔ مثلاً دموی امراض اور جلدی امراض کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔

چوتھے: **جہاں جسم کی کمزوریوں کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں صرف اعصابی کمزوری کو تو بیان کیا گیا ہے، لیکن جسم میں عضلاتی اور غدی کمزوریوں کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا۔ گویا سوائے اعصابی کمزوری کے کسی عضو میں اور کسی قسم کی کمزوری پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اعصابی کمزوری کے علاوہ عضلاتی اور غدی کمزوریوں کے مریض فرنگی طب میں کبھی اچھے نہیں ہوئے اور ان کو ہمیشہ نقصان پہنچتا رہا ہے۔**

پانچویں: بعض قویٰ کو امراض سمجھ لیا گیا ہے جیسے قوت باہ وقوت اشتہاء اور قوت دماغ وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام قوتیں مختلف اعضاء کے تحت پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں کوئی ایک مفرد عضو خراب ہوتا ہے، تمام بیک وقت بے کار نہیں ہوتے۔

چھٹے: بعض امراض کے نام علامات کے تحت رکھ دیئے گئے ہیں، جیسے صرع ونزلہ اور کھانسی ودمہ وغیرہ۔ چونکہ اکثر علامات کا تعلق مختلف اعضاء (انسجہ) کے ساتھ ہوتا ہے، اس لئے ان کا علاج تقریباً بالکل مختلف ہوتا ہے۔

ساتویں: بعض امراض کے نام اسباب کے تحت رکھے گئے ہیں۔ جیسے موسمی امراض، جنسی امراض، کیفیاتی امراض اور نفسیاتی امراض کا تعلق بھی کسی نہ کسی مفرد عضو کے ساتھ ہے۔ یہ سب امراض جسم میں صرف کیمیائی تغیرات سے پیدا نہیں ہوتے۔ یہ صرف اسباب تک محدود نہیں ہیں۔

آٹھویں: بعض امراض کو دیگر اعضاء کی شرکت سے بیان کیا گیا ہے۔ جیسے نزلہ ضعف دماغ، ضیق النفس قلبی، ضعف باہ کلوی وغیرہ لیکن ان میں شرکی اعضاء کی اہمیت وتعلق کی کوئی حقیقت بیان نہیں کی گئی۔ خاص طور پر ان کے فروق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

نویں: زہر خوردنی اور زہریلے جانوروں سے پیدا ہونے والی تکالیف کو انہی کے نام کے تحت امراض قائم کر دیئے گئے ہیں۔ اور ان کا علاج بھی خون کے کیمیائی تغیرات سے کیا جاتا ہے۔ ان کا تعلق کسی مفرد اعضاء (انسجہ) سے نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ایک مرض میں کئی کئی اقسام کی ادویات استعمال کی جاتی ہیں۔

دسویں: یہی صورت وبائی امراض میں بھی بیان کی گئی ہے۔ ہر وبائی مرض میں علاج کے لئے خاص کیمیائی تغیرات یا مجربات کو سامنے رکھا گیا ہے۔ ان کا تعلق کس مفرد عضو کے ساتھ ہے، آج تک فرنگی طب اور ماڈرن سائنس واضح نہیں کر سکی۔ اگر ایسا کر لیتی تو ان کے یقینی تریاق مقرر کر لئے جاتے۔

یہ چند نمونے پیش کئے گئے ہیں جس سے فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی کمزوریاں اور خرابیاں واضح ہیں جن پر وہ صدیوں قابو نہیں پا سکی۔ مگر طب یونانی اور آیورویدک میں ہزاروں سال پہلے کیفیات واخلاط اور پرکرتوں اور دوشوں کے تحت بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ ان کو مفرد اعضاء کے تحت بیان کر کے فن علاج کو مکمل کر دیں گے۔

بالمفرد اعضاء امراض کا تعین

امراض کا تعین صرف مفرد اعضاء (انسجہ، ٹشوز) سے ہو سکتا ہے۔ جو تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں اور تمام جسم کے اعضاء انہی سے مل کر بنے ہوئے ہیں۔ قانون فطرت یہ ہے کہ جسم کے جس مفرد عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو اس کا اثر تمام جسم کے اس مفرد عضو میں پھیل جاتا ہے۔ جس جگہ پر تکلیف ہوتی ہے اس جگہ کو مرکزی مقام قرار دے کر مرض کا نام دے دیتے ہیں۔ اور باقی جسم میں اسی مفرد عضو کے اثرات کو علامات کا نام دے دیتے ہیں۔ یہ تمام اثرات مرض کے مطابق ہوتے ہیں۔ البتہ دیگر دو مفرد اعضاء (انسجہ) پر جو مختلف اثرات ہوتے ہیں وہ بھی علامات میں شریک کر لئے جاتے ہیں۔ مثلاً جگر میں جب سوزش پیدا ہو جاتی ہے تو تمام نظام غدد میں اس کا اثر نمودار ہو جاتا ہے۔ غدد امعاء پر اس کا نمایاں اثر ہوتا ہے۔ اس طرح جسم میں سر سے لے کر پاؤں تک تمام غشائے مخاطی خصوصاً پھیپھڑوں اور معدہ اور دماغی غشائے مخاطی فوراً متاثر ہو جاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے صفراء کی زیادتی سے آنتوں میں جلن، مروڑ، پیٹ میں تناؤ، پھیپھڑوں کی جھلی میں سوزش اور دماغی غشائے مخاطی میں نزلہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا وہ سب سوزش جگر یا صفراء کی علامات ہیں جو سب جگہ کی سوزش کے مطابق ہیں۔ مخالف علامات کی صورت میں تمام عضلات کے افعال میں تحلیل (ضعف) ہوگا اور تمام اعصاب کے افعال میں سکون (سن ہو جانا) پایا جائے گا۔ گویا جگر کی ایک تکلیف سے تمام جسم متاثر ہوتا

ہے۔ یہ سب کچھ مدنظر ہونا چاہئے۔ صرف جگر (غدد) کے فعل کا سامنے رکھنا کافی نہیں ہے۔

تحقیقات العلامات بالمفرد اعضاء

علامات کی حقیقت

علامات ایسے نشانات ہیں جن سے حالت صحت یا حالت مرض کا پتہ چلتا ہے۔ یہ طبی اصطلاح میں علامات تکالیف کی ان کیفیات کو کہتے ہیں جو مرض کے ساتھ جسم کے مختلف مقامات پر ظاہر ہوا کرتی ہیں۔ یہ علامات اکثر امراض کو سمجھنے، ان کے فروق اور تشخیص کے لئے دلائل بنائے جاتے ہیں اور انہی کی راہ نمائی میں امراض کی ماہیت و نام امراض اور تقسیم امراض کئے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ مرض اس حالت کا نام ہے جب اعضاء کے افعال میں اعتدال نہ ہو، یعنی ان میں افراط و تفریط اور ضعف پایا جائے۔ اس لئے اعضاء کے افعال کی خرابیوں کو جاننے کے لئے ان علامات کو دیکھیں گے جو ان پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ ہم امراض اور ان کی علامات کو الگ الگ ذہن نشین کر لیں۔ ایسا نہ ہونا چاہئے کہ اوّل ہم امراض اور علامات کا فرق ہی نہ سمجھ سکیں اور ہر علامت کو مرض اور ہر مرض کو علامت کہہ دیں۔ جیسا کہ فرنگی طب میں درج ہیں۔ مثلاً چھینک بھی مرض، ہچکی بھی مرض اور شدید پیاس کو مرض سمجھا گیا ہے۔ یہ بھی ابھی معمولی علامات ہیں۔ وہ بڑی بڑی علامات کو بھی مرض کہتے اور لکھتے ہیں۔ جیسے نزلہ و زکام، سوزش و ورم اور بخار و ضعف وغیرہ۔ گویا ان کے ہاں امراض و علامات میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اہم علامات

علامات نزلہ زکام جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔ چند اور علامات بھی قابل ذکر ہیں۔ اگر ان علامات کو ذہن نشین کر لیا جائے تو ایک طرف نزلہ کی طرح جن مفرد اعضاء (انسجہ) سے ان کا تعلق ہوگا ان کے ساتھ ہی وہ ایک مرض کی شکل اختیار کر لیں گی اور اسی کی مناسبت سے نام قرار پا لیں گی۔ ورنہ تنہا ان علامات کو امراض کا نام نہیں دیا جا سکتا اور دوسری طرف بہت سی چھوٹی چھوٹی علامات جو ان سے متعلق ہیں یا ان کے کم و بیش درجے ہیں ذہن ان کو اچھی طرح قبول کر لے گا۔ وہ درج ذیل ہیں:۔

(۱) سوزش (۲) ورم (۳) بخار (۴) ضعف (۵) تخدیر وغیرہ۔ یہی وہ علامات ہیں جو بار بار عضو میں پیدا ہو کر نئے امراض کی صورت میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اگر ان کو ایک ہی مقام پر سمجھ لیا جائے تو تین چوتھائی امراض ختم ہو جاتے ہیں۔

سوزش: ایک ایسی جلن ہے جو کیفیاتی و نفسیاتی اور مادی تحریکات سے جسم کے کسی مفرد عضو میں پیدا ہو جاتی ہے۔ سوزش میں حرارت کی پیدائش، سرخی اور درد لازم ہیں۔ اور تحریک سے سوزش تک بھی چند منزلیں پائی جاتی ہیں۔ جیسے حِس، قبض، لذت، بے چینی، خارش اور جوش خون وغیرہ۔ انہی علامات میں سے کسی پر جب طبیعت مدبرہ بدن رُک جاتی ہے تو اس کو اس عضو کی علامت کا مرض کہا جاتا ہے۔

ورم: ورم کی علامت سوزش کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اس میں سوزش کی علامات کے ساتھ سوجن بھی ہوتی ہے اور جب سوجن زیادہ ہو جائے یا شدت اختیار کر لے تو حرارت بخار میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جسم کے پھوڑے اور پھنسیاں اور دانے وغیرہ بھی اورام میں شریک ہیں۔

بخار: بخار ایک ایسی اور غیر معمولی حرارت ہے۔ جس کو حرارت غریبہ (بیرونی) بھی کہتے ہیں جو خون کے ذریعہ قلب سے تمام بدن میں پھیل جاتی ہے جس سے بدن کے اعضاء میں تحلیل اور ان افعال میں نقصان واقع ہوتا ہے۔ غصہ اور تھکان کی معمولی گرمی بخار کی حد سے باہر ہے کیونکہ اس سے کوئی غیر معمولی تبدیلی بدن انسان میں لاحق نہیں ہوتی۔ اس کو عربی میں حمّیٰ (جمع حمیات) فارسی میں تپ کہتے ہیں۔ بخار پر ہماری کتاب ''تحقیقات حمیات'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

ضعف: جسم کی ایک ایسی حالت کا نام ہے جس میں گرمی کی زیادتی سے کسی مفرد عضو میں تحلیل پیدا ہو جائے۔ ضعف کے مقابلہ میں طاقت کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ضعف کو سمجھنے کے لیے ہماری کتاب ''تحقیقات اعادہ شباب'' کا مطالعہ کریں۔

تخدیر: کسی مفرد عضو کا سن ہو جانا۔ اس علامت میں احساسات اعضاء ختم ہو جاتے ہیں۔ تسکین وتبرید اسی میں شامل ہیں۔ تخدیر کی صورت جسم میں بلغم اور رطوبت کی زیادتی سے پیدا ہوتی ہے۔ فرنگی طب صرف اعضاء کی تخدیر کو سمجھتی ہے، لیکن وہ عضلات اور غدد کی تخدیر سے بالکل ناواقف ہے۔

استرخاء: کسی مفرد عضو کا ڈھیلا ہو جانا۔ یہ استرخاء تحلیل سے واقع ہوتا ہے۔ لقوہ اور فالج اس میں شریک ہیں۔ تحلیل تینوں مفرد اعضاء میں ہو سکتی ہے۔ اس لئے استرخاء صرف عصبی مرض نہیں ہے۔ بلکہ یہ عضلات اور غدد میں بھی پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے لقوہ و دیگر کسی عضو کے استرخا کے ساتھ عرضاً اور طولاً (کبھی دائیں کبھی بائیں) استرخاء ہو جاتا ہے۔ جس کو فالج کہتے ہیں۔

تشنج: کسی مفرد عضو کا ایک طرف یا دونوں طرف سکڑ جانا۔ اس کی وجہ حرارت رطوبت کا ختم ہو جانا اور سردی اور خشکی کا بڑھ جانا ہے۔ کبھی ریاح کبھی سوزش اور شدت برودت سے یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ عصبی نسیج کے علاوہ عضلاتی اور غدی انسجہ میں بھی ہوتا ہے۔

اختلاج: کسی مفرد عضو کا پھڑکنا۔ کسی مواد یا ریاح یا سوزش سے اس عضو کے فعل میں تیزی آ جاتی ہے۔ بعض دفعہ معمولی اعضاء پھڑکنے سے بڑی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

خون آنا: جسم کے کسی مخرج آنکھ، ناک، کان، منہ، مقعد اور احلیل سے خون خارج ہو یا کسی پھوڑے پھنسی یا ورم وزخم سے خون دفعتہً یا رفتہ رفتہ آئے، اس کی وجہ عضلاتی انسجہ میں تحریک ہوتی ہے۔ اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اگر معدہ سے اوپر کی طرف سر تک کسی مخرج سے خارج ہو تو یہ عضلاتی اعصابی تحریک (سردی خشکی) ہوتی ہے اور اگر جگر سے لے کر پاؤں تک اگر کسی مخرج یا مجریٰ سے خارج ہو تو یہ عضلاتی غدی تحریک ہوتی ہے۔

رطوبات کا گرنا: رطوبات یا رطوبتی مواد یا بلغم کا اخراج پانا۔ اس کا ذکر نزلہ زکام میں تفصیل سے کر چکے ہیں۔ البتہ یہ ذہن نشین کر لیں کہ جب کسی حصہ جسم سے رطوبات اخراج پا رہی ہوں۔ تو وہاں سے خون کا اخراج نہیں ہوتا۔ اور جب خون کا اخراج ہو رہا ہو تو رطوبات بند ہوتی ہیں۔ گویا دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اس لئے ایک دوسرے کا علاج سمجھنا چاہئے۔

جسم کے کسی مخرج یا مجریٰ سے کسی قسم کی بو کا ہونا مثلاً ناک، منہ، بغل، کنج، ران یا کسی مادہ کے اخراج کے ساتھ اس کی زیادتی کا احساس ہو تو یہ وہاں کی رطوبات کے رکنے اور متعفن ہونے سے ہوا کرتا ہے۔ رطوبات کا رکنا تسکین کی علامت ہے۔

شقاق: کسی حصہ کا پھٹنا۔ یہ انتہائی سردی خشکی کی علامت ہے۔ یہ عضلاتی اعصابی تحریک ہوتی ہے اور ہر قسم کی سردی خشکی اس کے تحت شامل ہے۔

تعظم الاعضاء: کسی عضو جسم کا اپنے حجم میں بڑا ہو جانا۔ مثلاً دل و دماغ کا بڑا ہو جانا یا جگر وطحال کا عظیم ہو جانا، معدہ و جوڑ کا بڑھ جانا اور گلوں کا پڑ جانا۔ وغیرہ۔ یہ رطوبات کی زیادتی سے ہوتا ہے اور تسکین اعضاء کی علامت ہے۔ کبھی ریاح سے بھی پیٹ پھول جاتا ہے۔ یہ عارضی ہوتا ہے۔ ہوا خارج ہو جانے پر پیٹ اپنی جگہ آ جاتا ہے۔ اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ ریاح پیٹ کو سکیڑتی ہے اور پھیلاتی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریاح سے پیٹ یا کسی اور عضو میں درد ہوتا ہے۔ مگر تعظم میں درد نہیں ہوتا۔ یاد رکھیں کہ اس عضو کا علاج تحریک سے کرنا چاہئے۔ تحلیل سے ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔

تصغر الاعضاء: عظم الاعضاء کے برعکس کسی عضو کا چھوٹا ہو جانا۔ یہ وہاں پر ریاح کی پیدائش اور سوزش سے ہوتا ہے۔ یہ کسی عضو کی تحریک

ہے۔اس کا علاج وہاں پر رطوبات پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ وہاں پر تحلیل کرنا چاہئے تاکہ وہاں سے ریاح دور ہو جائے اور سوزش ختم ہو جائے۔کسی مخرج یا مجاری میں سدہ پیدا ہو جانا سردی خشکی کی علامت ہے۔یہ عضو میں عضلاتی اعصابی تحریک ہے جس سے وہاں کا مواد سدہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

استسقاء: جسم کے کسی خلا میں پانی کا پڑ جانا۔اس کا تعلق صرف پیٹ سے نہیں ہے بلکہ دل ودماغ اور سینہ وپیٹ ہر خلا میں پانی بھر جاتا ہے۔بلکہ جگر اور طحال کے پردوں کی خلاؤں میں بھی یہ رطوبت بھر جاتی ہے۔اسی طرح خصیتین میں بھی پانی بھر جاتا ہے۔اسؔ کے متعلق یہ راز سمجھ لینا چاہئے کہ فرنگی طب اس کو رطوبت دمویہ خیال کرتی ہے۔جو بالکل غلط ہے بلکہ یہ اس عضو کی رطوبت ہے جو تحلیل ہو رہا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب کسی انسان میں استسقاء پیدا ہو جاتا ہے تو اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کی زندگی بہت مشکل ہے۔اس کی تین اقسام بیان کی گئی ہیں۔

(۱) **زقی:** اصل استسقاء یہی ہے۔اس قسم میں مریض کا پیٹ مشک کی طرح پھولا ہوا اور کھچا ہوا ہوتا ہے۔دائیں بائیں حرکت کرنے سے پانی چھلکنے کی آواز پیدا ہوتی ہے۔یہ پانی پیٹ کے پردوں صفاق اور خرب کے درمیان ہوتا ہے۔اس پانی کا رنگ زرد ہوتا ہے۔**یہ غدی عضلاتی تحریک ہے۔**

(۲) **خمی:** دراصل یہ استسقاء نہیں ہے بلکہ استسقاء سے بالکل برعکس علامت ہے۔البتہ اس میں بھی پانی ہوتا ہے۔لیکن یہ پانی پردوں کی بجائے نسیج عضلاتی (مسکولر ٹشوز) کے خلیات (سیلز) میں ہوتا ہے۔اس میں جسم کے عضلات خصوصاً پیٹ کے عضلات پھولے اور بڑھے ہوتے ہیں۔یہ قسم زقی کی طرح خطرناک نہیں ہے۔**یہ اعصابی عضلاتی تحریک ہے۔**

(۳) **طبلی:** یہ قسم بھی استسقاء نہیں ہے۔اس میں پانی وغیرہ نہیں ہوتا۔بلکہ نسیج عضلاتی کے خلیات میں ضروری رطوبات کی نسبت ریاح زیادہ ہو جاتی ہے۔یہ ریاح وہاں کی رطوبات میں تبخیر کی صورت قائم ہو جانے سے پیدا ہو جاتی ہے۔بعض اطباء میں اس قسم میں اسی محل پر جہاں زقی میں پانی بھرا ہوتا ہے، کسی قدر رطوبات کے ساتھ بدشواری تحلیل ہونے والی ریاح کا ہونا قرار دیا ہے۔مگر یہ غلط ہے۔اس لئے کہ صفراوی رطوبات میں تبخیر پیدا ہونا مشکل ہے، کیونکہ وہ دافع تعفن ہے۔دوسرے اگر وہاں ریاح پیدا ہو جائے تو وہ استسقاء کے لئے باعث شفا ہو سکتی ہے۔یہ دراصل **عضلاتی غدی تحریک ہے۔**

کیڑے اور جراثیم: جسم میں اندر یا باہر جہاں پر رطوبت یا بلغم متعفن ہو جائے وہاں پر کیڑے یا جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں جو اپنے مقام یا مادہ کی وجہ سے شکلوں میں مختلف ہوتے ہیں۔مثلاً ناک، کان، دانت، مسوڑے، پھیپھڑے، ہوا کی نالی، پیٹ، امعاء اور اندرونی بیرونی زخم اور ورم وغیرہ۔جراثیم ایسے کیڑے ہیں جو آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتے۔البتہ جس مقام پر تعفن ظاہر ہو وہاں پر خوردبینی کیڑوں اور جراثیم کا پیدا ہو جانا ضروری ہے۔لیکن ان کیڑوں اور جراثیم کو علاج میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔جس مقام پر کیڑے اور جراثیم ہوں وہاں کے مفرد اعضاء کو تحریک دینے سے یہ کیڑے اور جراثیم نہ صرف خود بخود مر جاتے ہیں بلکہ خود بخود اخراج بھی پا جاتے ہیں۔ان کو مارنے کے لئے جدا قسم کی ادویات کی ضرورت نہیں ہے۔

ان کیڑوں میں پیٹ اور امعاء کے کیڑوں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔پیٹ میں جو کیڑے پیدا ہوتے ہیں اکثر قے سے خارج ہوتے ہیں۔آنتوں میں تین قسم کے کیڑے ہوتے ہیں۔اوّل کیچوے، جو لمبے لمبے سانپ کی شکل کے ہوتے ہیں۔یہ چھوٹی آنتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔دوسرے کدو دانے، جو کدو دانوں کی شکل کے ہوتے ہیں۔یہ بڑی آنتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔تیسرے چچنے، جو باریک اور چھوٹے ہوتے ہیں۔یہ مقعد کے اندر رہتے ہیں۔اقسام کے لحاظ سے ان کی تحریکات بھی مختلف ہوتی ہیں۔**اگر چھوٹی آنتوں میں کیڑے ہوں تو عضلاتی اعصابی تحریک**

ہوتی ہےاور بڑی آنتوں میں ہوں تو عضلاتی غدی تحریک ہوتی ہے اور مقعد میں ہوں تو غدی عضلاتی تحریک ہوا کرتی ہے۔ باقی جسم میں جہاں بھی کیڑے اور جراثیم ہوں تو اپنے اپنے مقام کی صورت میں ان کی تحریکات کو سمجھا جا سکتا ہے۔

پتھری: مختلف جوفدار اعضاء میں جہاں پر رطوبات کا اخراج ہوتا ہے، وہاں پر راستوں کی تنگی اور مواد کے لیسدار مواد کے بار بار گرنے سے رفتہ رفتہ وہاں پر خشک اور سخت ہو کر پتھر کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اگر مواد لیسدار کم ہو تو ریگ کی صورت میں خارج ہوتا ہے۔ یہ پتھریاں خاص طور پر جگر، گردہ، حالبین ومثانہ میں پائی جاتی ہیں۔ **ان کی تحریک عضلاتی غدی اور غدی عضلاتی ہوتی ہیں۔**

غشی اور بے ہوشی: غشی اور بے ہوشی دو ایسی علامات ہیں جن کا تعلق تو قوئی اور حواس کے ساتھ ہے۔ مگر امراض کی صورت میں تمام جسم کے ساتھ ہے۔ یعنی جسم میں کسی مرض اور علامات میں شدت پیدا ہو جائے تو غشی اور بے ہوشی کی نوبت آ جاتی ہے۔ فرنگی ڈاکٹروں نے غشی اور بے ہوشی کو ایک ہی چیز لکھا ہے۔ صرف کمی بیشی کا فرق لکھا ہے۔ یعنی اگر تکلیف خفیف ہو تو غشی اور اگر تکلیف زیادہ ہو تو پھر بے ہوشی ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ **جاننا چاہیے کہ غشی ضعف عضلات اور قلب کا نام ہے اور بے ہوشی اعصاب ودماغ کی شدت ضعف کا نام ہے جو انتہائی تحلیل سے پیدا ہوتی ہیں۔** چاہے یہ تحلیل رفتہ رفتہ واقع ہو یا وقتی طور پر کسی شدید تکلیف یا حادثہ میں واقع ہو جائے۔ مثلاً استفراغات کی کثرت، بھوک کی شدت، ناقابل برداشت درد، بخار کا بڑھ جانا، زہر یا کسی زہریلے مادہ کے اثرات، کیفیات کی تیزی، نفسیاتی اثرات کی شدت، جیسے غم وغصہ اور خوف وخوشی کے ناقابل برداشت حالات جن کے بعد بعض دفعہ موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ اسی طرح زہریلے جانوروں کا ڈسنا یا وحشی جانوروں کا حملہ کرنا وغیرہ۔

حرکات جسم کی زیادتی سے تکلیف: جسم کے بعض امراض وعلامات میں ذرا بھی ادھر اُدھر حرکت کی جائے تو ان میں تکلیف پیدا ہو جاتی ہے۔ یا شدت ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں عضلات قلب میں سوزش ہوتی ہے۔ حرکت سے جسم میں خشکی پیدا ہوتی ہے۔

آرام کی صورت میں تکلیف: مندرجہ بالا علامات کے خلاف جب آرام کیا جائے تو تکلیف جسم بڑھ جاتی ہے اور طبیعت حرکت کرنے سے آرام پاتی ہے۔ ایسی صورت میں اعصاب ودماغ میں سوزش اور تیزی ہوتی ہے۔ آرام سے جسم میں رطوبات کی زیادتی ہو جاتی ہے۔

خلطی کیفیاتی اثرات: جسم میں کیفیاتی اثرات کی زیادتی بھی امراض وعلامات میں شدت پیدا کر دیتی ہے۔ ان کا مفرد اعضاء (انسجہ-ٹشوز) پر مندرجہ ذیل صورت میں اثر پیدا ہوتا ہے۔

① گرمی خشکی (غدی عضلاتی) یہ صفراء کا مزاج ہے۔
② گرمی تری (غدی اعصابی) یہ خون کا مزاج ہے۔
③ سردی تری (اعصابی عضلاتی) یہ بلغم کا مزاج ہے۔
④ سردی خشکی (عضلاتی اعصابی) یہ سودا کا مزاج ہے۔

نفسیاتی اثرات: جذبات کا بھی نفسیاتی طور پر جسم میں گہرا تعلق ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کم وبیش انسان ہر وقت کسی نہ کسی جذبہ سے سرشار رہتا ہے۔ اس طرح انسان کے کسی نہ کسی عضو پر اثر پڑتا رہتا ہے یا کسی نہ کسی عضو کی تیزی سے کوئی نہ کوئی جذبہ بیدار ہوتا رہتا ہے یا شدت اختیار کرتا رہتا ہے۔ اس طرح معالج انسانی اعضاء کے عمل وافعال اور امراض وعلامات دیکھ کر اس کے جذبات وخیالات سے آگاہ ہوتا رہتا ہے۔ اس علم کا نام نفسیاتی منافع الاعضاء (فزیوسائیکالوجی) ہے۔ لیکن جس طرح فرنگی طب غلط ہے۔ اس طرح وہ اس علم سے بھی پورے طور پر واقف نہیں ہے۔ یہ شرف تحریک تجدید طب کو ہے کہ وہی پہلی بار دنیائے طب میں فن کو علمی طور پر (Scientifically) پیش کر رہا ہے۔ یہ مبالغہ نہیں ہے، فرنگی طب

اور ماڈرن سائنس نظریہ مفرد اعضاء سے واقف نہیں ہے۔اس لئے وہ اس علم کی مبادیات سے بھی آگاہ نہیں ہے۔ جو کچھ علم اس کے پاس ہے وہ عطائیانہ ہے۔اثرات درج ذیل ہیں:

① مسرت-عضلاتی غدی ② لذت-عضلاتی اعصابی ③ غصہ-غدی عضلاتی

④ غم-غدی اعصابی ⑤ ندامت-اعصابی غدی ⑥ خوف-اعصابی عضلاتی

تحریکات کبھی بیک وقت پیدا ہوتی ہیں اور کبھی رفتہ رفتہ عمل میں آتی ہیں۔

جذبات نفسیاتی طور پر ایک قسم کا انسانی مزاج بن جاتے ہیں۔اگر نفسیاتی طور پر انسان کے جذبہ کو بدل دیا جائے تو ی انسان کا علاج ہو جاتا ہے۔یہ تبدیلی بھی نظریہ مفرد اعضاء کے قانون کے تحت ہو جاتی ہے۔قدیم اخلاقی کتب میں اس کو روحانی علاج لکھا ہے۔

علامات خاص

اوپر جو علامات بیان کی گئی ہیں یہ علامات عامہ ہیں۔جن کا تعلق تمام جسم کے ساتھ ہے۔ذیل میں علامات خاصہ بیان کی جاتی ہیں۔جن کا تعلق جسم کے مختلف حصوں کے ساتھ ہے۔

شقیقہ: آدھا سیسی، وہ درد جو آدھے سر میں ہوتا ہے۔فرنگی طب تسلیم کرتی ہے کہ یہ درد سر کے نصف طول (لمبائی) میں دائیں یا بائیں طرف لاحق ہوا کرتا ہے اور اکثر دوری ہوتا ہے۔لیکن یہ غلط ہے۔شقیقہ وہ درد سر ہے جو نصف طول میں صرف بائیں طرف ہوتا ہے۔ **یہ درد سر غدی عضلاتی ہے۔گویا گرمی خشکی سے لاحق ہوتا ہے۔**

عصابہ: درد ابرو، وہ درد سر جو سر اور ابرو میں ہوتا ہے۔عصابہ کے معنی پٹی کے ہیں جیسے کسی نے دونوں ابروؤں کے اوپر پٹی باندھ دی ہو۔جالینوس کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ بیان کرتا ہے کہ ''شقیقہ سر کے طولانی حصہ میں لاحق ہوتا ہے۔مگر عصابہ کا احساس عرض میں ہوا کرتا ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ **عصابہ سر کے دائیں طرف کا درد ہے چونکہ یہ عصبی درد ہے۔اس لئے اس کا احساس باہر کی طرف ہوتا ہے اور شدت کے وقت دوسرے ابرو تک پھیل جاتا ہے۔** بلکہ بعض وقت تمام سر کے گرد پٹی معلوم ہوتی ہے اور بعض وقت تمام سر درد کرتا ہے۔ **یہ درد سر (اعصابی عضلاتی)** ہے۔دائیں طرف سے اس کی ابتداء ہوتی ہے اور یہ سردی تری سے ہوتا ہے۔اس لئے عصابہ اور شقیقہ میں سردی اور گرمی کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔اس لئے شقیقہ طلوع آفتاب کے بعد بند ہو جاتا ہے۔لیکن عصابہ رات کو بھی قائم رہتا ہے۔

سدور دوار: سر چکرانا، چونکہ چکروں کا تعلق سر کے ساتھ ہے، اس لئے اس کو سر کے تحت لکھ دیا گیا ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ چکروں کا تعلق حرکت سے ہے۔گویا عضلات کو قابو نہیں ہے اس لئے اس کو دِل وعضلات میں ہونا چاہئے۔کبھی عضلات میں تحلیل ہوتی ہے اور کبھی عضلات میں تحریک ہو کر اعصاب میں تحلیل ہوتی ہے۔اس صورت کو غشی اور بے ہوشی کی ابتدائی صورت سمجھ لینا چاہئے۔لیکن تکلیف زیادہ تر دماغی عضلات میں ہوتی ہے۔

سرسام: دماغ یا پردہ دماغ کے اورام کا نام ہے۔

سبات و سھر: نیند اور بیداری، ان علامات کو بھی سر کے ساتھ متعلق کرنا صرف اس لئے ہے کہ سوزش وتحریک یا مادہ کا تعلق دماغ اور اس کے پردوں کے ساتھ ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں علامات عضلات کے تحت آنی چاہئیں۔کیونکہ ان میں حرکات میں افراط وتفریط پیدا ہو جاتی ہے۔

نسیان: بھول جانا یا یادداشت کا ختم ہو جانا، اس کا اصل سبب دماغ اور اس کے پردوں پر بلغم اور رطوبات کی زیادتی ہے۔ **اس میں کبھی اعصابی**

غدی تحریک ہوتی ہے اور کبھی اعصابی عضلاتی تحریک ہوتی ہے۔

مالیخولیا اور جنون: چونکہ ان علامات کا تعلق بھی دماغ اور ان کے پردوں کے ساتھ ہے جس کے برعکس ان کی رطوبات خشک ہو جاتی ہیں لیکن حقیقت میں اس کا تعلق عضلات کے ساتھ ہے۔ اس میں انسانی حرکات بے چینی اور اکثر شدت اختیار کر لیتی ہیں۔ اس کی دو صورتیں ہیں **عضلاتی اعصابی (سوداوی) اور عضلاتی غدی (صفراوی)۔ پہلی صورت کو مالیخولیا اور دوسری صورت کو جنون کہتے ہیں۔**

صرع، مرگی: صرع کے معنی گرنا ہے۔ اس کو دماغی اور اعصابی مرض کہا گیا ہے۔ اگرچہ اس مرض میں گرنا اور دورہ کے وقت غیر معمولی اور تشنج کی حرکات کا ہونا عضلاتی علامات ہیں۔ لیکن یہ علامات ردّ عمل کی ہیں۔ اس لئے اس کو خالص دماغی مرض کہنا چاہئے۔ اس کی تین صورتیں بیان کی ہیں۔ اوّل دماغ جس میں زہریلا مادہ دماغ میں ہوتا ہے۔ دوسرے معدی جس میں زہریلا مواد معدہ میں تیار ہوتا ہے۔ تیسرے اطرافی جس میں زہریلا مواد اطراف میں تیار ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ صرف اعصابی مرض ہے۔ اس کی اوّل تحریک اعصابی عضلاتی ہوتی ہے۔ دوسری تحریک اعصابی غدی ہوتی ہے اور جب دونوں تحریکوں میں رطوبات خشک ہو جاتی ہیں لیکن زہریلا مواد باقی رہتا ہے تو پھر یہ تحریک عضلاتی اعصابی ہو جاتی ہے۔ اس کو صرع سوداوی بھی کہتے ہیں۔ نسیان کو اس کی ابتداء خیال کرنا چاہئے۔ بلغم کی زیادتی اور اس میں زہر پیدا ہو جانے سے اعصاب میں تحریکات پورے طور پر قائم نہیں رہ سکتیں۔ مریض گر جاتا ہے۔ پھر ردّ عمل کی حرکات سے ان میں تحریکات جاری ہو جاتی ہیں۔ مرگی کے دورے اس وقت زیادہ پڑتے ہیں جب پانی یا آگ یا کسی اور چمک کا مریض پر اثر پڑتا ہے جس سے رطوبات اور بلغم میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

ام الصبیان: بچوں کی مرگی، اس کی ماہیت بالکل صرع کی سی ہے۔ بچوں میں چونکہ رطوبت زیادہ ہوتی ہے اس لئے ان میں یہ علامت زیادہ پائی جاتی ہے۔ اس لئے ام الصبیان کے نام سے اس علامت کو جدا قائم کیا گیا ہے۔ البتہ اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ بچوں میں ایک علامت **''پسلی چلنا'' بھی ہوتی ہے جو دراصل ذات الجنب ہے اور صفراء سے ہوتی ہے، جس کی تحریک غدی عضلاتی ہے۔ لیکن ام الصبیان سردی سے ہوتا ہے، اس کی تحریک اعصابی عضلاتی یا اعصابی غدی ہوتی ہے۔** یہ بھی یاد رکھیں ام الصبیان میں تشنج ہوتا ہے مگر پسلی نہیں چلتی اور نہ درد ہوتا ہے۔ ذات الجنب کی تشریح اپنے مقام پر دیکھیں۔

سکتہ: جسم انسان میں حس و حرکت دونوں کا بند ہو جانا۔ اس علامت میں دفعتہً حس و حرکت دونوں بند ہو جاتی ہیں۔ دراصل یہ دماغی علامت ہے۔ اس میں حرکت کے اعصاب میں تحریکات رُک جاتی ہیں۔ جس کا سبب دماغی بطون شریفہ میں سدہ تامہ کا واقع ہونا یا بلغم اور خون کا اس میں زیادہ بہہ کر ان کے افعال کو معطل کر دینا ہے۔ بلغم کی صورت میں تحریک اعصابی عضلاتی ہوتی ہے اور خون کی صورت میں عضلاتی اعصابی تحریک ہوتی ہے۔ ان اندرونی صورتوں میں پرانے امراض یا جسم میں کسی قسم کے زہروں کا پیدا ہونا ہے۔ ان کے علاوہ بیرونی طور پر ضربہ و سکتہ اور صدمہ و ایذاء سے بھی یہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا ایک قسم کی موت ہوتی ہے۔ لیکن یہ حقیقی موت نہیں ہوتی اس لئے مریض کی پوری تسلی کر کے اس کو دفن کرنا چاہئے۔ پوری تسلی کے لئے دِل کی حرکت اور آنکھوں کی پتلیوں کا پورا معائنہ کر لینا چاہئے کیونکہ نبض ختم ہو چکی ہوتی ہے۔

کابوس: نیند کی حالت میں تمام جسم خصوصاً سینہ پر بوجھ معلوم ہونا۔ بعض وقت کسی انسان یا غیر انسان کا جسم پر بیٹھے ہوئے معلوم ہونا، نیند میں شور کرنا، مگر آواز کا نہ نکلنا اور نہ حرکت کر سکنا۔ یہ دراصل سکتہ کی ایک ابتدائی حالت ہے۔ جس میں بلغم اور ریاح کی زیادتی سے سینہ اور دماغ پر دباؤ پڑ جاتا ہے اور تحریک رُکتی معلوم ہوتی ہے۔ بعض دفعہ اس طرح موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔

رعشہ: جسم کے کسی حصہ خصوصاً ہاتھ پاؤں کا کانپنا، بعض لوگوں کے ابرو میں بھی یہی حرکت دیکھی گئی ہے۔ دراصل یہ سکتہ کا ابتدائی درجہ ہے۔ اس میں حرکات کی مکمل طور پر حس خراب نہیں ہوتی۔ کچھ حس کی خرابی سے عمل اور ردّ عمل جاری رہتا ہے اس لئے رعشہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

جسم میں سردی زیادہ ہوتی ہے اور اکثر نفع بھی رہتا ہے اس کی تحریک **عضلاتی اعصابی** ہوتی ہے۔

رمد: آنکھ دکھنا، آنکھ کا پردہ ملتحمہ کا ورم ہوتا ہے۔ اس کی ابتداء اگر دائیں طرف سے ہو تو **اعصابی عضلاتی ہے اور اگر بائیں طرف سے ہو تو غدی عضلاتی ہوتا ہے۔**

سلاق: اس مرض میں پپوٹوں کے کنارے سرخ اور موٹے ہو جاتے ہیں اور پلکیں گرنا شروع ہو جاتی ہیں۔ اس مرض کو باہمنی بھی کہتے ہیں۔ یہ پپوٹوں کی سوزش ہے۔ جس طرف ہوگی اس کی تحریک جدا ہوگی۔ لیکن جب دونوں طرف ہو تو ایک ہی تحریک اسی مفرد عضو میں پھیل جاتی ہے۔

شترہ: پپوٹوں کا چھوٹا ہو جانا، اس کا تشنج ہے۔ **عضلاتی اعصابی تحریک ہے۔**

پڑبال: پلکوں میں زائد بال پیدا ہو جانا یا ان کا اندر کی طرف مڑ جانا۔ جسم میں بالوں کے مواد کا زیادہ ہونا اور پلکوں میں اندر کی طرف تحریکات کا پیدا ہو جانا جس سے زائد بالوں کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے۔ **یہ عضلاتی اعصابی (سوداوی) تحریک ہوتی ہے۔**

شب کوری: اس کو رتوندی بھی کہتے ہیں۔ اس علامت میں مریض رات کے وقت نہیں دیکھ سکتا۔ یہ علامت سردی تری سے پیدا ہوتی ہے۔ **اعصابی عضلاتی تحریک ہے جو رطوبت کی زیادتی سے پیدا ہوتی ہے۔** اس کا اثر اعصاب دماغ پر اثر کر کے ان کی تحریکات کو روک دیتا ہے۔ جس میں سے روشنی اندر پورے طور پر داخل نہیں ہو سکتی۔ اندھیرا جسم میں اعصابی تحریک کو بھی بڑھا دیتا ہے۔

روز کوری: اس علامت میں دن کے وقت کم دکھائی دیتا ہے یا آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ یہ علامت بالکل شب کوری کے برعکس ہے۔ اس میں روشنی کی برداشت کم ہو جاتی ہے اور دیکھنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ اس میں ایک صورت یہ ہے کہ پردہ شبکیہ میں کچھ سیاہی کی کمی بھی واقع ہو جاتی ہے جو روشنی کو برداشت کرتی ہے۔

دھند: آنکھ پر غبار کا ایک پردہ سا معلوم ہوتا ہے۔ گویا اس میں آنکھ کی شفافیت پر گندلا پن چھایا رہتا ہے۔ اور ظلمت بصر لاحق ہو جایا کرتی ہے۔ اس علامت میں کبھی کبھی رطوبات کا اخراج بھی ہوتا ہے۔ دراصل یہ رطوبات کی زیادتی ہے جو آنکھوں میں بھری رہتی ہے۔ یہ نزلہ زکام کی ایک علامت ہے۔

سبل: اس علامت میں آنکھوں کی رگیں پھول کر ایک سرخ پردہ سا بن جاتا ہے۔ ساتھ ہی آنکھوں سے پانی بھی بہتا ہے۔ **عضلاتی اعصابی تحریک ہے۔** ''سبل'' کے معنی آنسو بہنے کے ہیں۔

ظفرہ: ناخونہ ایک سخت جھلی سی ہوتی ہے جو اندرون گوشہ چشم سے کبھی بیرونی گوشہ چشم سے اور کبھی دونوں گوشوں سے شروع ہو کر تمام آنکھ پر پھیل جاتی ہے۔ لیکن اکثر صرف سفیدی چشم تک رہتی ہے۔ بہت کم سیاہی چشم کو پوشیدہ کرتی ہے۔ دراصل یہ ایک زیادتی ہے جو طبقہ ملتحمہ کے قریب واقعہ ہو جاتی ہے۔ اس کو ناخونہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ زائد جھلی ناخون کی قبیل سے ہے اور اسی کی طرح سخت ہوتی ہے۔ بعض نے ظفرہ اور سبل کو ایک ہی چیز لکھا ہے اور فرق یہ ہے کہ ظفرہ گوشہ چشم تک محدود ہے لیکن سبل تمام آنکھ پر پھیل جاتا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ کیونکہ سبل کوئی زائد جھلی نہیں ہوتی بلکہ آنکھوں کی رگیں ہی خون کے دباؤ سے پھول کر سرخ ہو جاتی ہیں۔

طرفہ: یہ ایک سرخ یا سیاہ یا نیلے رنگ کا نقطہ ہے جو چوٹ لگنے سے آنکھ کی سفیدی پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ گاہے قے کی شدت، حرکت یا جوش خون سے کسی رگ کا منہ کھل جانے سے واقع ہو جاتا ہے۔

غرب: یہ ناسور ہے جو اندرونی گوشہ چشم میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اس میں اکثر زرد پانی یا پیپ بہتی رہتی ہے۔

بردہ: آنکھ کے پپوٹے میں سخت وسفید ابھار یا دانے کا پیدا ہو جانا جو کبھی اندر ہوتا ہے کبھی باہر ہوتا ہے۔

شعیرہ: گوہانجنی، جو پلک کے کنارے ایک لمبوتری شکل کا ورم ہے۔

نزول الماء: موتیابند، ایک رطوبت غریبہ ہے جو نزلہ کی شکل میں بتدریج یا کبھی یکبارگی ان کی پتلی حقبہ غبیہ میں ٹھہر جاتی ہے۔ جب یہ رطوبت زیادہ غلیظ ہو اور پردہ کے تمام سوراخ پر چھا جائے تو نظر بند ہو جاتی ہے۔ اگر کچھ خالی رہے تو کم وبیش بینائی باقی رہتی ہے۔ لیکن رطوبت اگر رقیق ہو تو بھی اس سے روشنی آفتاب یا چراغ کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ اس کا صحیح علاج دستکاری ہے۔ لیکن جب تک بینائی مکمل بند نہ ہو جائے دستکاری مفید نہیں ہے۔

رعاف (نکسیر): ناک سے خون جاری ہونے کو کہتے ہیں۔

بواسیر الانف (ناک کی بواسیر): ناک کے اندر زائد گوشت پیدا ہو جاتا ہے، چونکہ ناک کی اندرونی رگوں میں تیزی اور دباؤ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی شکل بواسیر کے مسوں کی طرح ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو ناک کی بواسیر کہتے ہیں۔ **عضلاتی اعصابی تحریک ہے۔**

عطاس: زیادہ چھینکیں آنا، **اعصابی عضلاتی تحریک ہے اور کبھی عضلاتی اعصابی بھی ہوتی ہے۔**

بواسیر الشفت (لب کی بواسیر): اس کی صورت بھی بالکل بواسیر کے مسوں کی ہے۔ اکثر زیریں لب اور کبھی دونوں لب موٹے ہو کر پھٹ جاتے ہیں اور ان پر توت کی مانند مسوں کے ابھار نمایاں ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے کبھی خون اور کبھی رطوبت کا اخراج ہوتا ہے (**عضلاتی اعصابی تحریک ہے**)۔ اس علامت میں مسے اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ لب لٹک جاتے ہیں۔

دانتوں کی آب کا زائل ہو جانا: دانتوں کے اوپر ایک چمک دار مادہ ہوتا ہے جو اتر جاتا ہے جس سے دانتوں کی آب ختم ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں ان میں گرم سرد اشیاء کی برداشت کرنے کی طاقت نہیں رہتی۔ ان کو سردی گرمی پہنچنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ بلکہ سخت اشیاء کو چبانا مشکل ہو جاتا ہے۔ **اس کی تحریک عضلاتی غدی یا غدی عضلاتی ہوتی ہے۔** جس سے جسم میں چونے (کیلشیم) کے اجزاء ختم ہو جاتے ہیں۔

دانتوں کا ٹوٹنا اور ریزہ ریزہ ہونا: دانتوں کی آب زائل ہو جانے کے بعد دانتوں میں قوت برداشت ختم ہو جاتی ہے اور روز بروز کمزور ہو کر ٹوٹنا اور ریزہ ریزہ ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

دانتوں کا بڑھنا: خون میں حیوانی مادہ (فاسفورس) کی زیادتی سے دانتوں کے زیادہ بڑھنے اور باہر کی طرف پھیلنے کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میں اعصابی غدی تحریک ہوتی ہے۔

دانتوں کا پسنا: بعض لوگ خاص طور پر بچے اور عورتیں نیند میں دانت پیستی ہیں۔ اس کی جڑوں کے عضلات میں تشنج ہوتا ہے جو ریاح کی زیادتی سے پیدا ہو جاتا ہے۔

خناق (حلق کا ورم): **عضلاتی اعصابی تحریک** شدید ہے۔

آواز کا بیٹھ جانا: **عضلاتی غدی تحریک** ہے۔

دمہ: تنگی تنفس، پھیپھڑوں کی علامت ہے۔ کبھی یہ علامت اعصابی ہوتی ہے اور کبھی عضلاتی اور کبھی غدی ہوتی ہے۔ اس میں سانس تنگی سے آتا ہے۔

کھانسی: پھیپھڑوں کی غیر طبعی حالت ہے جس میں ان کو تکلیف کی وجہ سے دفعتہً ایسی بے چینی پیدا ہوتی ہے جس سے گلے میں آواز پیدا ہوتی ہے۔ جیسے اچانک چھینک پیدا ہوتی ہے، یہ دمہ کی ابتدائی صورت ہے۔

منہ سے خون آنا: یہ خون منہ میں مسوڑوں سے لے کر حلق، پھیپھڑوں اور معدہ میں سے کسی مقام سے آ سکتا ہے۔ عام طور پر پھیپھڑوں

کے مقام پر دلالت کرتا ہے (**عضلاتی اعصابی تحریک ہے**)۔

سل: عام طور پر پھیپھڑوں کے زخم کو کہتے ہیں۔ لیکن ہر اندرونی زخم جس میں پیپ پڑ جائے سل کہا جاتا ہے۔ **عضلاتی اعصابی تحریک یا عضلاتی غدی تحریک ہوتی ہے۔**

پہلو کا درد (ذات الجنب): سینہ کی اندرونی جھلی غشائے مخاطی میں سوزش ہوتی ہے۔ **یہ غدی عضلاتی تحریک ہے۔** یہ درد کبھی پھیپھڑوں میں نہیں ہوتا۔ یہ ہمیشہ بائیں طرف سے شروع ہوتا ہے، اس کے برعکس **پھیپھڑوں کا ورم عضلاتی اعصابی ہے** اور ہمیشہ دائیں طرف سے شروع ہوتا ہے۔

خفقان: دل دھڑکنا۔ **عضلاتی اعصابی تحریک ہے۔**

جوع البقر (بیل کی بھوک): یہ وہ مرض ہے جس میں باوجود یہ کہ اعضاء کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے مگر معدہ بالکل بھوک محسوس نہیں کرتا۔ بھوک بالکل جاتی رہتی ہے اور کھانے کی بالکل خواہش نہیں ہوتی۔ انسان کمزور ہو جاتا ہے۔ **اعصابی عضلاتی تحریک ہوتی ہے۔**

جوع الکلب: اس مرض میں اس قدر سختی سے بھوک لگتی ہے کہ بہتیری غذا کھانے کے بعد بھی پیٹ نہیں بھرتا بلکہ خواہش باقی رہتی ہے۔ گویا مثل کتے کے اس کی بھوک نہیں ختم ہوتی، چاہے کتنا بھی کھائے اس کی حرص ختم نہیں ہوتی (**عضلاتی اعصابی تحریک ہے**)۔

قے: معدہ کی وہ حرکت ہے جس کے ساتھ منہ سے غذا یا کوئی مادہ خارج ہو، جب حرکت تو ہو مگر کچھ خارج نہ ہو اس کو ابکائی کہتے ہیں اور جب حرکت بھی نہ ہو، یوں ہی طبیعت بے چین ہو، تو اس کو متلی کہتے ہیں۔ **یہ اعصابی غدی تحریک ہوتی ہے،** صرف کمی بیشی کا فرق ہے۔

ہچکی (فواق): ایک ایسی علامت ہے جس میں یکبارگی منہ سے ایک آواز پیدا ہوتی ہے جو معدہ سے اٹھتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ معدہ میں اچانک حرکت سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ علامت معدہ کے عضلات اور حجاب معدہ میں تشنج سے پیدا ہوتی ہے۔ اس تشنج کا سبب سوزش عضلات ہوتا ہے جو کبھی ورم اور زخم کی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے۔ معدہ کی یہ حرکت گویا کسی ایذا (تکلیف) کو رفع کرنا مقصود ہوتا ہے۔ شدید امراض میں ہچکی کا پیدا ہو جانا، اکثر خطرناک ہوا کرتا ہے۔

پیاس (العطش): پیاس کے متعلق یہ ذہن نشین کر لیں کہ پیاس کبھی اس چیز سے نہیں بجھتی جو کچھ کہ پیا جاتا ہے، بلکہ اس رطوبت سے بجھتی ہے جو خون سے معدہ میں ترشح پاتی ہے۔ اسی طرح جسم میں کسی مقام کی جلن بھی اسی رطوبت سے دور ہوتی ہے۔ پانی یا شربت دیگر پینے کی اشیاء تو صرف اس رطوبت کے اخراج کا باعث بن جاتی ہیں۔ اگر ضرورت پانی کی پیاس ہوتی تو فوراً وہ بجھ جاتی ہے، اگر کوئی تکلیف ہوتی ہے تو وہ پیاس پانی سے نہیں بجھتی۔ اس کو پیاس کاذب یا مرض کی علامت کہتے ہیں (**یہ غدی اعصابی تحریک ہے**)۔

ہیضہ: معدہ اور امعاء کی ایک ایسی حرکت ہے جس میں پیٹ کے درد یا بغیر درد کے قے کبھی اسہال شروع ہو جاتے ہیں۔ اکثر دونوں شروع ہو جاتے ہیں۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل سادہ جو اعصاب کی تحریک سے عمل میں آتی ہے اور دوسرے متعفنہ جو اعصابی تسکین میں تعفن پیدا ہونے سے ہوتی ہے۔ جس کو عام طور پر وبائی کہتے ہیں۔ لیکن ضروری نہیں کہ یہ صورت صرف وباء میں پیدا ہو۔ ہر زمانے میں بغیر وبائی ایام کے بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کی وبائی صورت اس وقت تسلیم کرتے ہیں جب موسم و ماحول اور آب و ہوا میں ایسے اثرات پیدا ہو چکے ہوں جو اعصابی تحریک میں فوراً تعفن پیدا کر دیں۔ اس کو فوراً روکنے کی کوشش نہ کریں جب تک زہریلے مواد اخراج نہ پالیں یعنی ایک تحریک کو مکمل کر لیں پھر دوسری تحریک کی طرف رجوع کریں۔ **ہیضہ میں اعصابی غدی یا اعصابی عضلاتی** تحریکیں ہوتی ہیں۔

قے الدم (خون کی قے): یہ قے صرف مری اور معدہ تک مخصوص ہے۔

یرقان: استسقاء کی ابتدائی صورت ہے۔ جس میں جگر سے صفراء کا اخراج رُک جاتا ہے۔ اس کو زرد یرقان کہتے ہیں۔ اور جب طحال اپنی رطوبات کو کیمیائی طور پر اخراج کرنا بند کر دیتی ہے تو جسم میں **سیاہ رنگ کا یرقان ہو جاتا ہے جس کو سوداوی یرقان کہتے ہیں۔**

مسہل: امعاء کے افعال کو تیز کر کے شکم کے مواد کو خارج کرنا شکم میں معدہ وامعاء اور جگر وطحال شریک ہیں۔ آنتیں چونکہ مرکب عضو ہیں۔ اور اس میں اعصاب، غدد اور عضلات تمام شریک ہیں۔ اس لئے جو بھی مفرد عضو (نسیج) تیز ہو جاتا ہے پاخانے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے پاخانہ لانے کے لئے یا قبض کرنے کے لئے ان کی تحریکات کو تیز اور سست کرنا چاہئے۔ ہم نے تین مفرد اعضاء کی چھ مرکب صورتوں کے لئے چھ عدد مسہلات لکھے ہیں۔ دیکھیں ''تحقیقات فارماکوپیا''۔

زحیر (پیچش): آنتوں کی شدید سوزش ہے۔ جس میں **غدی عضلاتی تحریک ہوتی ہے۔**

قولنج: ایسی علامت ہے جس میں امعاء قولون کے اندر درد ہوتا ہے۔ فرنگی طب نے اس کو زحیر میں لکھا ہے۔ یہ غلط ہے۔ جاننا چاہئے کہ امعاء قولون مرکب عضو ہے۔ اس میں درد کبھی اعصابی اور کبھی غدی وعضلاتی ہوتی ہے۔ ہر ایک کی علامات ان کے مطابق ہوتی ہے۔

کانچ نکلنا: مقعد کا ڈھیلا ہونا۔ ضعف عضلات مقعد ہے۔

بواسیر مقعد: بواسیر مقعد پر ریاح کا غیر معمولی دباؤ ہوتا ہے۔ دباؤ کی وجہ سے مقعد کی وریدوں کے سرے بڑھ کر مسے بن جاتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ وریدوں کے سروں پر غدد لگے ہوتے ہیں۔ یہ خون کی رطوبات اور ریاح (گیسز) جہاں سے اخراج پاتی ہیں جب عضلات میں تحریک ہوتی ہے تو خون کا دباؤ اس طرف بڑھ جاتا ہے۔ جس سے ریاح کا اخراج رُک جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی رطوبات رُک جاتی ہیں۔ نتیجہ کے طور پر وریدوں کے سروں پر دباؤ بڑھ کر اکثر باریک وریدیں پھٹ جاتی ہیں۔ جس سے وریدی خون اخراج پاتا ہے۔ اس کو بواسیر مقعدی کہتے ہیں۔ یہ **عضلاتی غدی تحریک** ہوتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مسے بن جاتے ہیں، لیکن خون نہیں آتا۔ یہ **عضلاتی اعصابی تحریک** ہوتی ہے۔ جسم میں جہاں بھی کہیں بواسیر کی صورت ہو ہمیشہ یہی شکل ہوتی ہے۔

ذیابیطس: پیشاب میں شکر آنا، فرنگی طب تسلیم کرتی ہے کہ جگر کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ لبلبہ کی رطوبت کی مدد سے شکر کو ہضم کرتا ہے اور جب وہ ہضم نہیں کر سکتا تو طبیعت اس کو خون کے لئے خرچ کر دیتی ہے۔ یہ اس کی ماہیت بالکل غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اعصاب میں تحریک پیدا ہوتی ہے اور اس تحریک کا مرکز خاص طور پر جگر کے ملحقہ اعصاب یا اس کا دماغی مرکز ہوتا ہے۔ جب اعصاب میں تحریک ہو جاتی ہے تو غدد میں تحلیل (ضعف) اور عضلات میں سکون ہو جاتا ہے۔ اس سے ایک طرف رطوبات خصوصاً پیشاب کا اخراج بڑھ جاتا ہے، جب پیشاب کی مقدار بڑھ جاتی ہے تو اس میں شکر کا اخراج بھی زیادہ ہونا چاہئے۔ دوسری طرف غدد خصوصاً جگر اور لبلبہ کے افعال میں تحلیل (ضعف) واقع ہو جاتا ہے جس سے ایک طرف رطوبت لبلبہ کی پیدائش بہت کم ہو جاتی ہے دوسری طرف جگر کی تحلیل (ضعف) سے وہ شکر کو پورے طور پر ہضم نہیں کر سکتا اور پھر یہی غیر منہضم شکر اعصاب میں مزید تحریک بڑھا دیتی ہے۔ اس طرح پیشاب اور شکر کی زیادتی بڑھتی رہتی ہے۔ چونکہ اعصاب میں تحریک قائم ہوتی ہے، اس لئے پیاس بھی قائم رہتی ہے۔ دراصل ذیابیطس کی حقیقت اور ماہیت یہ ہے جس کو فرنگی طب بالکل نہیں جانتی۔ جاننا چاہئے کہ ایک ذیابیطس غیر شکری بھی ہوتی ہے اس کی وجہ گردوں کے اعصابی مرکز میں تحریک ہوا کرتی ہے۔ یہی صورت مثانہ کے اعصابی مرکز کی تحریک سے بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن ذیابیطس غیر شکری بھی باقاعدہ علاج نہ کرنے پر ذیابیطس شکری میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

بول فی الفراش: نیند میں بستر پر پیشاب کا نکل جانا، اس علامت میں مثانہ کے عضلہ میں تحلیل (ضعف) سے ڈھیلا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ علامت اکثر بچوں کو ان کے مزاج میں رطوبت کی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہے (**اعصابی غدی تحریک ہے**)۔ پیشاب کا بلا ارادہ نکل جانا بھی تحریک

ہوتی ہے۔

بول الدم: پیشاب میں خون آنا۔ یہ **غدی عضلاتی سوزش** ہے۔

ضعف باہ: قوت باہ اس قوت کو کہتے ہیں جس کا تعلق مردانہ جنسی قوت کے ساتھ ہے۔ اس میں ضعف واقع ہو جاتا ہے۔ اس کے متعلق فرنگی طب کی یہ تحقیق ہے کہ اس میں مرد کے اعصاب خصوصاً جنسی اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ تحقیق غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ضعف کبھی اعصاب اور کبھی غدد وعضلات کے ضعف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جو تحلیل سے پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ جنسی اعضاء صرف اعصاب سے بنے ہوئے نہیں بلکہ اس میں غدد اور عضلات بھی شریک ہیں۔

کجی: جنسی عضو کا ٹیڑھا ہو جانا۔ اس علامت میں عضو دُبلا اور ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ اس میں **عضلاتی اعصابی تحریک** ہوتی ہے جس سے اعصاب میں ضعف اور غدد میں سکون ہوتا ہے۔

فتق: فوطوں میں آنت کا اتر جانا۔ اس علامت میں پردہ صفاق کا پھٹ جانا۔ خصیوں میں آنت اتر آتی ہے اور بعض وقت اس اتری ہوئی آنت میں ہوا بھر جاتی ہے اور آنت کا وہ حصہ پھول جاتا ہے جس سے یہ آنت اس وقت سخت درد کرتی ہے اور جب تک یہ ہوا نہ نکلے درد قائم رہتا ہے۔ کبھی یہ ابھار مستقل ہو جاتا ہے اور کبھی بہت بڑا گیند کے برابر بن جاتا ہے۔ پردہ صفاق کا پھٹنا۔ **عضلاتی غدی تحریک ہے۔** لیکن جلدی علاج دستکاری (آپریشن) ہے اور ساتھ ہی تحریک درست کرنا بھی ضروری ہے نہیں تو پھر پردہ کے پھٹنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ کبھی یہ پردہ خصیوں سے ناف کے درمیان کسی مقام سے پھٹ جاتا ہے اور آنت پردہ ثرب میں چلی جاتی ہے لیکن علاج ایک ہی قسم کا ہے۔

اختناق الرحم: رحم کا گھٹ جانا۔ یہ ایک ایسی علامت ہے جس میں مریضہ کو ایک دورہ سا پڑتا ہے اور دم گھٹ کر غشی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب مریضہ کو ہوش آتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی گولا سا گلے کی طرف چڑھتا ہے۔ اس کے متعلق فرنگی طب کی تحقیق ہے کہ یہ عصبی مرض ہے یا پیٹ میں ہوا کا گولا بن جاتا ہے یا منی کی زیادتی سے شہوانی جذبات بڑھ جاتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رحم کے عضلات میں تحریک ہو جاتی ہے۔ اس تحریک شدید سے رحم کے عضلات میں تشنج شدید پیدا ہوتا ہے جس کا اثر معدہ، قلب اور پھیپھڑوں کے ساتھ گلے تک پہنچتا ہے۔ جس سے سانس کی آمد میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اور پھر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی گولا سا گلے کی طرف چڑھ کر پھنس رہا ہے۔ مریضہ میں غشی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اختناق کے معنی گھٹنا ہے اور اصطلاح طب میں سانس کا گھٹنا ہے جو عضلات میں گھٹن سے پیدا ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہ رحم کے عضلات میں تحریک شدید ہے اس لئے جنسی جذبات میں بھی تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ یا جنسی جذبات میں تحریک سے اختناق کا مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ چونکہ عضلاتی تحریک میں شدت ہوتی ہے۔ اس لئے پیٹ میں ریاح کی کثرت، قلب میں تیزی اور پھیپھڑوں میں خشکی کی وجہ سے اکثر سانس چڑھتی رہتی ہے۔ **غیر شادی شدہ عورتوں میں تحریک عضلاتی اعصابی اور شادی شدہ عورتوں میں عضلاتی غدی ہوتی ہے۔ جاننا چاہئے کہ عورت کی تخلیقی اہمیت کے تحت عورتوں میں عضلاتی تحریک نہیں ہونی چاہئے۔ اس کی تحریک صرف اعصابی عضلاتی یا غدی عضلاتی تک رہنی چاہئے۔ لیکن جب ان میں حرکات یا جذبات کے اثرات سے عضلاتی تحریک شروع ہو جائے تو اکثر اختناق الرحم کی علامت پیدا ہو جاتی ہے۔**

نتو الرحم: رحم کا باہر نکل پڑنا یا کسی قدر نیچے اتر آنا۔ عضلات رحم میں رطوبات کے بڑھ جانے سے اس کا جسم پھول جاتا ہے یا وہ کچھ نیچے کی طرف اتر جاتا ہے (**یہ اعصابی غدی تحریک ہے**)۔

صلابت رحم: رحم کی سختی۔ رحم کے عضلات میں مزمن سوزش یا ورم مزمن کا پیدا ہو جانا ہوتا ہے۔ اس میں **عضلاتی اعصابی** تحریک ہوتی ہے۔ کبھی

عضلاتی غدی بن جاتی ہے۔ اس علامت میں اختناق الرحم بھی لازم ہوتا ہے۔ اس کا فرق ورم خصیۃ الرحم سے ضرور کرنا چاہئے علامت میں غدی تحریک ہوتی ہے۔

نلزف رحم: رحم سے خون کا بہنا۔ ماہواری یا زچہ کے خون کے علاوہ خون کا آنا یہ رحم کی **غدی عضلاتی تحریک** ہے۔ جس میں خون کے دباؤ سے کوئی شریان پھٹ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اندر زخم ہوجانے سے بھی خون آتا ہے۔ اس تحریک سے خصیۃ الرحم میں سوزش ہوکر بھی خون آنا شروع ہوجاتا ہے۔ کبھی ماہواری کے خون میں شدت ہوجاتی ہے اور وہ جاری رہتا ہے۔

بانجھ پن: عورتوں میں اولاد کا نہ ہونا۔ اگر یہ مرض عورتوں میں ہو تو اس میں صلابت رحم یا سوزش رحم یا ورم رحم ہوتا ہے جو رحم کے مختلف اعضاء میں ہوسکتا ہے۔

اسقاط حمل: حمل کا گرنا۔ بعض عورتوں میں حمل تو قرار پاجاتا ہے لیکن ضعف عضلات کی وجہ سے اکثر حمل گر جاتا ہے۔ **یہ غدی عضلاتی تحریک ہوتی ہے۔**

دقت ولادت: مشکل سے بچہ پیدا ہونا۔ بعض دفعہ اعصاب میں سکون کی وجہ سے بچے کا رحم میں زیادہ پل جانے کی وجہ سے یا عورت کے نازک مزاج ہونے کی وجہ سے یا بچہ کے ٹیڑھا ہونے اور پھنس جانے کی وجہ سے بچہ کی ولادت مشکل ہوجاتی ہے (یہ **غدی اعصابی تحریک** ہوتی ہے) اور کبھی اس تحریک کی وجہ سے آنول کا اخراج رُک جاتا ہے۔

فم رحم کی فراخی: رطوبات کی زیادتی سے فم رحم میں فراخی پیدا ہوجاتی ہے (**یہ اعصابی غدی تحریک ہے**)۔

حدبہ: کوب۔ پیٹھ کے مہروں کا اپنی جگہ سے اکھڑ جانا۔ ان کا میلان اگر آگے کی طرف ہو تو اس کو حدبہ مقدم کہتے ہیں اور پیچھے کی جانب ہو تو اس حدبہ مؤخر کہتے ہیں۔ اس علامت میں ریڑھ کے اوپر کی جھلی میں سوزش ہوجاتی ہے جس سے ہڈی میں چونے کے اجزاء پورے طور پر جذب نہیں ہوتے اور وہاں عضلات میں بھی تحلیل ہوجاتی ہیں (**یہ تحریک غدی عضلاتی ہوتی ہے**) کبھی سوزش ورم کی صورت بھی اختیار کرلیتی ہے۔ تو اس کو ریاح فراسہ کہتے ہیں۔

وجع المفاصل: جوڑوں کا درد۔ اس علامت میں جوڑوں میں سوجن زیادہ ہوتی ہے اور درد کم ہوتا ہے عام طور پر یہ بڑے جوڑوں میں ہوتا ہے۔ اس کی تحریک جوڑوں میں **اعصابی غدی** ہوتی ہے۔

نقرس: جوڑوں کا شدید درد۔ اس علامت میں جوڑوں میں سوجن نہیں ہوتی اور درد شدید ہوتا ہے۔ یہ عام طور پر چھوٹے جوڑوں سے شروع ہوکر بڑے جوڑوں میں پھیل جاتا ہے (**عضلاتی تحریک**)۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ وجع المفاصل بڑے جوڑوں میں ہوتا ہے اور نقرس چھوٹے جوڑوں میں ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑے جوڑوں میں رطوبات کی زیادتی باعث تکلیف بن جاتی ہے۔ پھر دونوں علامات چھوٹے بڑے جوڑوں میں پھیل جاتی ہیں۔ صرف ابتداء میں یہ فرق معلوم ہوتا ہے یہ تشخیص میں مدد کرتا ہے۔

تحجر المفاصل: جوڑوں کا پتھرا جانا۔ بلغم اور رطوبت میں شدت سردی کی وجہ سے جوڑ پتھرا جاتے ہیں اور اکثر اعضاء آپس میں جڑ جاتے ہیں۔ یہ **عضلاتی اعصابی** تحریک شدید ہوتی ہے۔

عرق النساء: لنگڑی کا درد۔ یہ درد کولہے کے جوڑ سے شروع ہوکر ٹانگ کے بیرونی رخ پاؤں کی انگلی تک چلا جاتا ہے۔ فرنگی طب میں اس درد کو وجع المفاصل کا درد کہتے ہیں۔ حقیقت میں یہ گردوں کے نقص کی وجہ سے ہوتا ہے اور ہر دو طرف مختلف صورت ہوتی ہے۔ دائیں طرف اس کی **تحریک عضلاتی غدی ہوتی** ہے اور بائیں طرف **اعصابی غدی** ہوتی ہے۔

دارالفیل: دوالی۔اس علامت میں پنڈلی کی رگیں فراخ ہوجاتی ہیں،ساتھ ہی رفتہ رفتہ پنڈلی ہاتھی کے پاؤں کی طرح موٹی ہوجاتی ہے۔اس کو اس لئے ہاتھی کی بیماری بھی کہتے ہیں۔**اس کی تحریک اعصابی غدی ہوتی ہے۔** یہ اوّل بائیں پنڈلی سے شروع ہوتی ہے اور پھر دائیں میں پھیل جاتی ہے۔

طاعون: ایک قسم کا غدی ورم ہے۔جوزبان کی جڑ،بغل پس گوش اور کنج ران وغیرہ مقامات میں ہوتا ہے۔یہ عام طور پر وبائی صورت میں ہوتا ہے۔جب کہ آب وہوا میں خرابی اور عفونت پیدا ہوجاتی ہے۔اس کا اثر چوہوں پر بہت شدت سے ہوتا ہے۔اس کے ساتھ بخار بھی لاحق ہوتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ غدد جاذبہ کے اندر جو رطوبت ہوتی ہے اس میں تعفن ہوکر ورم ہوجاتا ہے(اس کی تحریک **اعصابی غدی** ہوتی ہے)۔

خنازیر: کنٹھ مالا۔اس علامت میں گردن کے غدد جاذبہ پھول جاتے ہیں۔بعض دفعہ ان میں سوزش پیدا ہوکر پھٹ جاتے ہیں اور زخموں کی صورت بن جاتی ہے۔یہ **اعصابی غدی تحریک** ہے۔

شری: پتی اچھلنا۔جسم پر مختلف شکلوں میں دودڑے نکل آتے ہیں جو عام طور پر سرخی مائل ہوتے ہیں۔ان میں خارش بھی ہوتی ہے۔کبھی یہ پھنسیوں کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔اس کی **تحریک غدی اعصابی** ہوتی ہے۔

خراج: بڑا پھوڑا۔عضلاتی ورم ہے۔اس کی **تحریک عضلاتی غدی** ہے۔رنگ سرخ ہوتا ہے۔

دبیلہ: بڑا پھوڑا۔یہ بھی عضلاتی ورم ہے۔اس کی **تحریک عضلاتی اعصابی** ہے۔رنگ سفید ہوتا ہے۔

دمل: پھوڑا۔یہ غدی ورم ہے۔اس میں **غدی عضلاتی تحریک** ہوتی ہے۔رنگ زرد ہوتا ہے۔

پھنسیاں: اگر باریک ہوں اور رنگ سفید ہوتو اعصابی سوزش ہوتی ہے۔اگر بڑی ہوں اور رنگ زرد ہوتو غدی ہوتی ہیں اور **اعصابی غدی تحریک** ہوتی ہے۔**اگر غدی ہوں تو غدی اعصابی تحریک ہوتی ہے۔**

نملہ: یہ ایک قسم کی پھنسی ہے،جس میں چیونٹی کے کاٹنے کی تکلیف ہوتی ہے۔نملہ چیونٹی کو کہتے ہیں۔بعض دفعہ بے حد تیز اور پرسوزش ہوتی ہے اور اردگرد پھیل جاتی ہے۔کبھی بدن کا بہت سا حصہ گھیر لیتی ہے۔کبھی کبھی اپنی تیزی کی وجہ سے گوشت کو کھاتی ہے(یہ تحریک **غدی اعصابی** ہے)۔

جمرہ: سرخ رنگ کی چوڑی چوڑی جلن دار پھنسیاں ہیں جو سرخ زردی مائل ہوتی ہیں۔ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آگ کے انگارے رکھے ہوئے ہیں۔نارفارسی بھی اسی قسم کی پھنسی ہے،جو جمرہ سے بھی تیز ہوتی ہے(ان کی تحریک **غدی عضلاتی** ہوتی ہے)۔

آتشک: جسم پر سرخ سفیدی مائل چٹاخ قسم کے زخم ہوتے ہیں جن میں آگ کی سی جلن بھی ہوتی ہے اس کو ابلہ فرنگ بھی کہتے ہیں۔بعض اس کو جمرہ نارفارسی بھی اسی قسم کی پھنسی ہے جو جمرہ سے بھی تیز ہوتی ہے(ان کی تحریک **غدی عضلاتی** ہوتی ہے)۔

خسرہ اور چیچک: چیچک کے دانے مسور کے برابر یا ان سے بھی بڑے ہوتے ہیں۔جب وہ پختہ ہوجاتے ہیں تو ان میں پیپ پڑ جاتی ہے۔ مادہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔البتہ تحریک کے اعتبار سے خسرہ **غدی عضلاتی تحریک** ہے اور چیچک **غدی اعصابی تحریک** ہوتی ہے۔دراصل خسرہ وچیچک کے دانے اس وقت نمودار ہوتے ہیں جب عصبی تسکین میں فساد پیدا ہوکر تعفن کی صورت ظاہر ہوتی ہے اور ساتھ ہی بخار قائم ہوجاتا ہے۔ان دونوں علامات کو دراصل بخار میں شریک کرتے ہیں۔

کیل مہاسے (بثورلبنیہ): ابتدائے جوانی میں چہرے پر سرخ یا سفید رنگ کے دانے نکل آتے ہیں جن کو دبانے سے روغن زرد کی سی منجمد رطوبت نکلتی ہے۔یہ **عضلاتی غدی تحریک** ہوتی ہے۔

داد: قوبا۔یہ جلد پر کھردرے پن کے ابھار ہیں جن کے کنارے موٹے ہوتے ہیں۔رنگ اکثر سرخی مائل اور کبھی سیاہی مائل ہوتا ہے۔ان میں

خارش رہتی ہے اور اوپر سے مچھلی کے چھلکے کی طرح ریشے اترتے ہیں۔ یہ **عضلاتی اعصابی شدید تحریک** ہے۔ جب کبھی ان میں شدت اختیار کر جائے تو پھیل کر چنبل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

ناروا: رشتہ۔ جلد پر آبلہ نما دانہ نمودار ہوتے ہیں۔ البتہ پہلے اس مقام پر سخت خارش اور سوزش ہوتی ہے۔ اس دانے میں سوراخ ہو کر اس میں رگ کی شکل میں ایک مادہ کبھی سفید سرخی مائل یا سیاہی مائل نکلتا ہے جو رفتہ رفتہ لمبا ہوتا جاتا ہے۔ یہ علامت اکثر پاؤں میں یا ناف کے نیچے اور کبھی ہاتھوں اور پہلوؤں میں بھی ظاہر ہوا کرتی ہے۔ بعض دفعہ رگ جلد کے نیچے جاندار کیڑے کی طرح حرکت کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ یہ زیادہ تر گرم خشک ممالک میں پائی جاتی ہے، زیادہ تر مدینہ منورہ میں پائی جاتی ہے، اس کو عرق مدنی بھی کہتے ہیں۔

دراصل یہ غدی فضلات ہیں جو کسی غدد میں فساد اور تعفن کے بعد یہ شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اور طبیعت مدبرہ بدن ان کو دفع عضلات کے لئے یہ طریقہ اختیار کر لیتی ہے۔ اس کی رگ کی صورت میں خارج ہونے کی وجہ غدد کا لیسدار مادہ ہوتا ہے۔ بعض حکماء اس کو کیڑا تصور کرتے ہیں۔ در حقیقت یہ لیس دار متعفن مادہ ہے۔ اگر متعفن مادہ میں کیڑے کی طرح حرکات پیدا ہو جائیں تو بعید از قیاس نہیں ہے (یہ **غدی عضلاتی تحریک شدید** ہوتی ہے)۔

جذام: کوڑھ۔ یہ دراصل آتشک کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میں اعضاء کے اندر اور باہر تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ مرض کی تیزی سے اعضاء جھڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔ آنکھیں گول، چہرہ خوفناک، اور بدن کا رنگ سیاہی مائل ہو جاتا ہے۔ بال بھی جھڑ جاتے ہیں۔ اس علامت کے خوفناک اثر سے اس کو داء الاسد (شیر کی بیماری) کہتے ہیں۔ گویا شیر کو ہوتی ہے اور شیر کی طرح خوفناک بھی ہوتی ہے۔

بال چر (داء الثعلب): اس علامت میں جسم خصوصاً سر کے بال گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ داء الثعلب کے معنی لومڑی کی بیماری ہے۔ گویا یہ لومڑی کو ہوتا ہے یا شکل میں ان کے بالوں سے مناسبت ہو جاتی ہے۔ یعنی موٹے ہو کر گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس علامت کا اثر کچھ ایسا ہوتا ہے کہ بالوں کی جڑوں میں کوئی ایسا مادہ پیدا ہو گیا ہے جو اس کو کھائے جاتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بالوں کے ساتھ جسم کی جلد بھی اترنا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کو داء الحیہ (سانپ کا مرض) کہتے ہیں۔ اس میں **عضلاتی اعصابی تحریک** ہوتی ہے۔ بعض دفعہ مادہ زیادہ شدید نہیں ہوتا۔ اس کے بال گرتے نہیں البتہ پھٹ جاتے ہیں یا گھونگھرالے بن جاتے ہیں۔ کبھی رنگت میں سرخی پیدا ہو جاتی ہے، کبھی گنج ہو جاتا ہے۔

بالوں کا سفید ہونا: بالوں کی جڑوں میں رطوبت اور بلغم زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ یا خون میں سرخی بہت کم ہو جاتی ہے۔ عام طور پر نزلہ زکام مزمن میں یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے (**اعصابی عضلاتی تحریک** ہے)۔

جاننا چاہئے کہ بالوں کی پیدائش اور رنگت طبعی سودا سے ہے جو خون کا تلچھٹ ہوتا ہے۔ اگر سودا غیر طبعی ہو جائے تو بالوں کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر سودا طبعی پیدا بھی نہ ہو تو بال سفید ہو جاتے ہیں۔ اگر سودا غیر طبعی میں فساد اور تعفن ہو جائے تو بال چر وغیرہ علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔

برص: جلد کے نیچے رطوبات اور بلغم میں تعفن پیدا ہو جانے سے جسم پر سفید داغ پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب ان میں شدت ہوتی ہے تو سفید داغوں کے کناروں پر سرخی یا سیاہی پیدا ہو جاتی ہے۔ جب مادہ بہت کم ہو ہلکے سفید داغ ہوتے ہیں، ان کو بہق چھیپ کہتے ہیں۔ اگر اس مادہ میں فساد اور تعفن نہ ہو اور وہ کافی عرصہ سے جلد کے نیچے رکا رہے تو چھائیاں اور ساہیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ راز یاد رکھیں کہ دودھ اور مچھلی کے اکٹھا کھانے سے اکثر برص پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مچھلی کا گوشت دودھ میں بہت جلد فساد اور تعفن پیدا کر دیتا ہے اور باسی مچھلی کا گوشت تو یقیناً فساد اور تعفن پیدا کر دیتا ہے۔ یہ **اعصابی عضلاتی تحریک** کی شدت ہوا کرتی ہے۔

موٹاپا: زیادہ موٹاپا بھی ایک علامت میں شریک ہے۔اس سے نہ صرف حرکات وسکنات میں تکلیف ہوتی ہے بلکہ زندگی کے لئے خطرات پیدا ہوجاتے ہیں۔اس علامت سے دِل ودماغ پر معمولی اثر پڑتا ہے۔موٹاپا دوقسم کا ہے ایک میں جسم کے اندر رطوبات اور بلغم پڑجاتی ہے اور دوسرے میں جسم میں چربی زیادہ پیدا ہوجاتی ہے۔اوّل صورت **اعصابی عضلاتی** ہوتی ہے۔اور دوسری **اعصابی غدی** ہوتی ہے۔

دبلا پن: یہ بھی ایک علامت ہے جس میں جسم کے اندر رطوبات وخون اور گوشت وچربی کی غیر معمولی کمی ہوجاتی ہے اور اس سے اکثر اس قدر کمزوری ہوجاتی ہے کہ انسان اپنی ضروریات زندگی کو نہ آسانی سے حاصل کرسکتا ہے اور نہ ہی ان کو انجام دے سکتا ہے اور سب سے زیادہ یہ ہے کہ امراض کا مرکز بنا رہتا ہے۔ساتھ ہی اس کے جذبات قابو میں نہیں رہتے۔یہ عضلاتی تحریک ہے۔

خرابی خون: عام طور پر جب جسم پر پھوڑے پھنسیاں اور خارش سے دانے نکل آتے ہیں تو اس کو خرابی خون کہہ دیتے ہیں۔اکثر موسم بہار میں یا بارش کے موسم میں یہ علامتیں خاص طور پر ظاہر ہوتی ہیں۔ان علامات میں اعصابی غدی یا **اعصابی عضلاتی تحریکیں** ہوتی ہیں۔خون کی خرابی کا لفظ یہاں کثرت علامت کی وجہ سے استعمال کیا گیا ہے۔ورنہ ہر تحریک میں افراط وتفریط اور ضعف سے خرابی خون ہوجاتی ہے۔

تحقیقات الامراض بانظریہ مفرد اعضاء

مرض کی تعریف میں ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ جب تک جسم میں کسی غیر طبعی فعل کو کسی عضو اور مجریٰ خصوصاً مفرد اعضاء سے تعلق قائم نہ کریں ہم اس کو مرض نہیں کہہ سکتے۔اس لئے اطباء وحکماء قدیم نے باوجودیکہ ہر مرض کا تعلق کیفیات ومزاج اور اخلاط وکیمیائی تبدیلیوں سے قائم کیا ہے۔ تاہم انہوں نے عضو ومجریٰ کے افعال واعمال کے افراط وتفریط اور ضعف کو بھی ضرور ساتھ شریک کیا ہے۔صرف کیفیات وامزجہ اور اخلاط وکیمیائی تبدیلیوں پر امراض کی بنیاد نہیں رکھی۔گویا یہ اسباب بادیہ اور سابقہ ہیں یا دیگر اسباب کے حامل ہیں اور اسباب واصلہ اس وقت بنتے ہیں جب کسی عضو یا مجرا کے افعال واعمال میں افراط وتفریط اور ضعف پیدا کردیتے ہیں۔اسی لئے ہم نے مفرد اعضاء کو کیفیات وامزجہ اور اخلاط وکیمیائی تبدیلیوں کے ساتھ تطبیق دے دیا ہے جس سے دونوں لازم وملزوم ہوکر گویا ایک حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔یعنی جب جسم میں کیفیات وامزجہ اور اخلاط وکیمیائی تبدیلیاں معمولی یا غیر معمولی تاثر حاصل کرتی ہیں تو فوراً مفرد اعضاء سے متاثر ہونا شروع ہوجاتا ہے۔پھر ان کے افعال واعمال میں تبدیلیاں پیدا ہونا شروع ہوجاتی ہیں۔اسی حالت کا نام مرض قرار دے دیا گیا ہے۔بعض انہی تبدیلیوں کو اعتدال پر لانے کا نام شفاء اور جن طریق سے لائی جاتی ہیں ان کا نام علاج ہے۔

علامات اور تعلق امراض

جہاں تک علامات کا تعلق ہے ان کے متعلق بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی صورت میں اعضاء کے افعال ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے تعلق کو سمجھنا ہی ان کی صحیح ماہیت کو جاننا ہے۔یہی کوشش ایک معالج فن کو تشخیص اور علاج کے قریب کردیتی ہے۔اصلیت یہ ہے کہ جن اہل فن اور صاحب علم نے علامات اور امراض یا اعضاء کے افعال کے تعلق کو نہیں سمجھا، انہوں نے ان علامات یا ان کے مجموعہ کو امراض قرار دیا ہے۔اس لئے ان کو ہر علامت کے لئے جدا جدا علاج تجویز کرنے پڑے ہیں۔مثلاً دردِ سر کو بعض حکماء نے درد کی مناسبت سے علامت لکھا ہے اور بعض نے سر کے تعلق سے اس کو مرض کہا ہے۔مگر دردِ سر کے اقسام کی کثرت کو سامنے رکھا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ اس کو علامت کہا جائے یا مرض لکھا جائے۔پھر یہ کثیر اقسام جو بادیہ وسابقہ اور کیمیائی شرکی اسباب سے متعلق ہیں۔ان پر غور کیا جائے تو بعض علامات ظاہر ہوتی ہیں اور بعض

علامات معلوم ہوتی ہیں۔ پھر بعض علامات ایسی ہیں کہ جن میں صرع اور نزلہ ہیں۔ دونوں کے معنی گرنا ہے۔ نزلہ کا تعلق کچھ سمجھ آتا ہے کہ ناک کے ساتھ ہے لیکن صرع کے ساتھ کوئی تعلق ذہن میں نہیں بیٹھتا۔ اسی طرح جوع البقر اور جوع الکلب کے ساتھ داء الثعلب اور داء الحیہ ہیں۔ گائے کی بھوک اور کتے کی بھوک کا تو کچھ اعضائے غذائیہ اور کھانے پینے سے تعلق معلوم ہوتا ہے لیکن لومڑی کی بیماری اور سانپ کی بیماری سے خالی ذہن میں کوئی مرض پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح داء الاسد، خنازیر اور غلہ کی صورتیں سامنے آجاتی ہیں۔ ان سے آگے بڑھیں تو مختلف اعضاء کی سوزش وورم اور درد و بخار وغیرہ کے مقام کے لحاظ سے مختلف نام ہیں۔ جیسے سرسام و برسام، ذات الجنب وذات الریہ، دق وسل اور محرقہ وقولنج وغیرہ ہیں۔ اس لئے ان سب علامات کی تشریح کر کے ان کا تعلق اعضاء خصوصاً مفرد اعضاء کے ساتھ واضح کیا گیا ہے تاکہ تشخیص اور علاج میں سہولتیں اور آسانیاں پیدا ہو جائیں۔ طب قدیم میں ان علامات اور امراض کو کیفیات امزجہ اور اخلاط وکیمیائی تبدیلیوں سے واضح کیا گیا ہے۔ ہم نے ان کو بالمفرد اعضاء سے واضح کر دیا ہے تاکہ وہ تمام ایک تعلق اور رشتہ میں منسلک ہو جائیں۔ رفتہ رفتہ علامات اور امراض کا فرق اس طرح ختم ہو جائے کہ گویا وہ دراصل ایک ہیں۔

امزجہ اور فرنگی طب

طب قدیم، امراض اور علامات کو امزجہ کے تحت تسلیم کرتی ہے جن کو ہم نے مفرد اعضاء کے ساتھ تطبیق دے دیا ہے۔ مگر فرنگی طب امزجہ کو تسلیم نہیں کرتی۔ وہ امراض وعلامات کو جراثیم اور عناصر کی کیمیائی تبدیلیوں کے تحت تسلیم کرتی ہے جس سے بہت سے امراض وعلامات خارج ہو جاتے ہیں۔ مثلاً طب قدیم امراض وعلامات کو امزجہ کے دو اقسام کے تحت تسلیم کرتی ہے۔ اوّل سوئے مزاج سادہ اور دوسرے سوئے مزاج مادی۔ فرنگی طب کے جراثیمی اور کیمیائی امراض تو سوئے مزاج مادی کے تحت آجاتے ہیں، لیکن سوئے مزاج سادہ کے تحت سر سے لے کر پاؤں تک تقریباً ہر مرض وعلامت بیان کی گئی ہے۔

جاننا چاہئے کہ سوئے مزاج سادہ کے تحت جو امراض وعلامات بیان کی گئی ہیں۔ ان کی اخلاطی وکیمیائی تبدیلیاں اور ان اعضاء میں کسی مادے کا اثر تک نہیں ہوتا۔ صرف وہاں پر کیفیاتی اثرات میں کمی بیشی پائی جاتی ہے۔ جن کو آسانی سے بالضد کیفیاتی اثرات سے رفع کیا جا سکتا ہے۔ ان کیفیاتی اثرات کو ہم مفرد اعضاء میں بہت آسانی سے محسوس کرتے ہیں۔ لیکن جب مرکب اعضاء میں ان کا اثر داخل ہوتا ہے تو مادی اخلاطی اور کیمیائی صورت اختیار کر چکے ہوتے ہیں۔ کیونکہ مرکب اعضاء سے رطوبات اور مواد اخراج پاتے ہیں۔ یہی وہ مقام اور موڑ ہے جہاں مجھے مفرد اعضاء پر غور کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ جس کے فرنگی طب اور طب تجدید شاہدروی کو غلط قرار دے کر طب قدیم کو پھر اختیار کیا تھا۔ بعض امراض وعلامات میں جراثیم نہیں پائے جاتے۔ مثلاً صفراوی اور سوداوی امراض وعلامات ایسے ہیں جن میں ان دونوں اخلاط کی زیادتی ہوتی ہے۔ کیونکہ ان دونوں اخلاط میں جراثیم زندہ نہیں رہ سکتے۔ جیسے صفراوی امراض میں یرقان سے لے کر سوء القنیہ اور استسقاء تک کہیں جراثیم کا اثر دخل فرنگی طب کی کتب میں نظر نہیں آتا۔ اسی طرح مالیخولیا سے جنون تک کہیں جراثیم کا نام تک نہیں ہے۔ اسی طرح جس مقام میں ضعف ہوتا ہے وہاں پر تحلیل ہوتی ہے جو حرارت یا صفرا کی زیادتی سے ہوتی ہے وہاں پر بھی کوئی جراثیم زندہ نہیں رہ سکتا۔ کیا دُنیا بھر کا کوئی فرنگی ڈاکٹر ان مقامات پر اپنے جراثیم دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح امراض وعلامات کی ایک بہت لمبی فہرست ہے جن میں جراثیم کا نہ نام اور نہ پتہ ہے اور نہ ہی اس کا اثر دخل ہے۔ ان کے علاوہ ہم نے اعصابی امراض کی طرح غدی اور عضلاتی نظام کے تحت ایک باقاعدہ سلسلہ امراض وعلامات پیش کیا ہے جو منظم ومتعلق اور باقاعدہ بھی ہے جن کا فرنگی طب میں کہیں ذکر نہیں ہے۔

تقسیم امراض بالمفرد اعضاء

نظریہ مفرد اعضاءؒ کے تحت تقسیم امراض تین صورتوں میں ہو سکتی ہے۔ اوّل صورت یہ ہے کہ امراض کو علامات پر تقسیم کر کے ان کی تحریک بیان کر دی جائے اور یہ ترتیب سر سے لے کر پاؤں تک لکھ دی جائے۔ جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں تحقیقات علامات بالمفرد اعضاء کے تحت لکھ چکے ہیں۔ یہ ہے تو صحیح لیکن اس میں بھی کچھ طوالت اور تکرار قائم رہتی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک مفرد اعضاء کے تحت اس کے تمام امراض اور ساتھ ہی علامات بیان کر دی جائیں۔ مثلاً اعصاب کے تمام امراض پہلی تحریک کے تحت پھر تسکین کے تحت بعد میں تحلیل کے تحت بیان کر کے ان کی اعصابی غدی یا اعصابی عضلاتی تحریکوں کو واضح کرتے جائیں جیسے ہم تحقیقات الحمیات میں بخاروں کی تقسیم کر چکے ہیں۔ یہ تقسیم بھی درست ہے، اگرچہ اس میں طوالت کم ہے مگر پھر بھی طوالت ہے اور ہر مرض و علامت کی تحریک و تسکین اور تحلیل یاد کرنا پڑتی ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ہر تحریک کے تحت اس کے تمام امراض بیان کر دیئے جائیں اور ساتھ ہی اس کے مطابق تسکین و تحلیل کے اثرات کا ساتھ ساتھ ذکر کر دیا جائے۔ تاکہ امراض و علامات تسبیح کے دانوں کی طرح ایک لڑی میں پروئے ہوئے معلوم ہوں۔ اس صورت میں اختصار بھی ہے اور تشخیص و علاج میں آسانیاں اور سہولتیں بھی زیادہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ ہم جسم کی تقسیم میں گزشتہ صفحات میں پیش کر چکے ہیں۔ چونکہ نبض، قارورہ اور تقسیم جسم و علامات ان تحاریک کے مطابق بیان کئے گئے ہیں، اس لئے اس مختصر تقسیم امراض کی صورت میں انتہائی خوبیاں اور کامیابیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔

تحریک اعصابی عضلاتی (دائیں نصف سر سے شانہ تک)

اس تحریک سے ابتداء کی وجہ: ہم اعصابی عضلاتی تحریک سے شروع کر رہے ہیں، جس کا کیفیاتی مزاج سرد تر اور خلط بلغم کی زیادتی ہوتی ہے۔ دراصل ہم کو عضلاتی غدی تحریک سے شروع کرنا چاہیئے تھا کیونکہ ہماری تحریک کی ابتداء دورانِ خون کے ساتھ دِل سے جگر (عضلات سے غدد) کی طرف پھر جگر سے دماغ (غدد سے اعصاب) اور بعد میں دماغ سے دِل (اعصاب سے عضلات) کی طرف چلتی ہے۔ کیمیائی صورت میں خون کی پیدائش جو معدہ میں ہوتی ہے، دِل کی طرف جاتی ہے، اس وقت اس میں ترشی اور ریاح کی زیادتی ہوتی ہے، اس وقت خون کے دباؤ میں تیزی بھی ہوتی ہے، دِل سے عضلات کے دباؤ کے ساتھ جگر (غدد) کی طرف پختگی کے لئے جاتا ہے، جہاں پر اس میں حرارت اور سرخی پیدا ہوتی ہے۔ مگر ترشی اور ریاح کم ہو جاتے ہیں۔ اس پختہ خون میں اگر ریاح غالب رہیں تو اس کی حرارت صفراء کی صورت میں قائم رہتی ہے اور اگر حرارت غالب ہو جائے تو پھر اس میں رطوبات بڑھ جاتی ہیں اور یہی خالص خون ہے۔ جب خون میں رطوبات بڑھ جائیں تو وہ دماغ (اعصاب) کی طرف رجوع کر دیتا ہے، جس کی تحریک سے خون اپنی رطوبات کو بلغم کی صورت میں جسم پر شبنم کی صورت میں گرانا شروع کر دیتا ہے جو جسم میں خرچ ہونے کے بعد بقایا غدد جاذبہ کی مدد سے جو طحال کے تحت کام کرتے ہیں کیمیائی طور پر پھر دل (عضلات) میں گرتی ہیں۔ انہی غدد جاذبہ کی رطوبات کو جوان سے اخراج پاتی ہیں، سودا کا نام دیتے ہیں۔ جس میں ترشی اور کاربن غالب ہوتی ہے۔ اس طرح یہ چکر قائم رہتا ہے۔ اس دورانِ خون کے بیان میں ہمارا مقصد یہ بھی ہے کہ یہ واضح کر دیا جائے کہ فطرت خود ہی صفراء کی گرمی خشکی کو خون کی گرمی تری سے بدلتی رہتی ہے اور خون کی گرمی تری بلغم کی سردی تری میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بلغم کی سردی تری سوداء کی سردی خشکی کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور آخر میں سودا کی سردی خشکی کا خاتمہ صفراء کی گرمی خشکی سے ہوتا ہے۔ ہر مقام پر ایک ایک کیفیت ختم ہوتی ہے اور دوسری ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے یا

دوسرے الفاظ میں جب خون میں کوئی کیفیت غالب ہو جاتی ہے تو وہ اپنے مفرد اعضاء کو تیز کر دیتی ہے۔اس طرح مزاج اور اخلاط میں کیمیائی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔اس کے معنی یہ ہیں کہ جو تحریک چل رہی ہے اس کی کیفیت اور خلط خون میں غالب ہے اور ساتھ ہی دوسری کیمیائی تحریک تیار ہو رہی ہے۔اس طرح یہ دوران خون کا چکر خودکار (آٹومیٹک) اور باقاعدہ (سسٹمیٹک) اپنا کام کر رہا ہے اور جس مقام پر رکتا ہے گویا وہاں پر کسی مفرد عضو میں تحریک شدید یا سوزش پیدا ہوگی بس اسی کا نام مرض ہے۔یہ جب شدت اختیار کر جائے تو پھر ورم و بخار اور ضعف کی منزلوں تک پہنچ جاتا ہے۔جس مقام یا عضو مفرد میں مرض یا علامت پیدا ہوا اسی کی مناسبت سے قائم رہتی ہے۔

موسموں میں تغیرات کی صورت

یہی صورت کائنات میں بھی نظر آتی ہے۔یہاں بھی ہر موسم اسی طرح بدلتا ہے یعنی اس کی دونوں کیفیات بیک وقت ختم نہیں ہوتیں، باری باری ایک کیفیت ختم ہوتی ہے اور دوسری پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔مثلاً موسم گرما کا مزاج گرم خشک ہے،اس کے بعد خزاں کا موسم آتا ہے جو سرد خشک ہے۔اس میں موسم گرما کی گرمی سردی میں بدل جاتی ہے مگر خشکی قائم رہتی ہے۔پھر موسم سرما آتا ہے،اس کا مزاج سرد تر ہے،اس میں موسم خزاں کی خشکی تری میں تبدیل ہو جاتی ہے مگر سردی قائم رہتی ہے۔اس کے بعد موسم بہار آتا ہے جس کا مزاج گرم تر ہے،اس میں موسم سرما کی تری قائم رہتی ہے مگر سردی گرمی میں بدل جاتی ہے اور یہ چکر اسی طرح قائم رہتا ہے۔

وبائی امراض

جب کبھی ان موسموں میں افراط و تفریط پیدا ہو جاتی ہے یا ان میں کوئی دوسرا موسم پیدا ہو جاتا ہے تو موسمی امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔انہی موسم کی خرابیوں میں بعض وقت فضاء میں فساد اور تعفن پیدا ہو جاتا ہے جس سے وبائیں پھیل جاتی ہیں۔جن کی تفصیل ہماری کتاب نزلہ زکام وبائی میں دیکھیں۔

ہم کہہ یہ رہے تھے کہ ہم نے اعصابی عضلاتی تحریک سے شروع کیا ہے۔لیکن ہم کو عضلاتی غدی تحریک سے شروع کرنا چاہئے تھا جس کی ایک تفصیل بیان کر چکے ہیں۔دوسری وجہ یہ ہے عضلاتی غدی تحریک جگر سے شروع ہو کر پاؤں کی انگلیوں تک جاتی ہے۔اس کو درمیان سے شروع کرنا کچھ اچھا نہیں لگتا اور اصولاً ہر کام ایک سرے سے شروع کرنا چاہئے،اس لئے ہم نے سر ہی سے شروع کیا ہے، چونکہ سر کے نصف بائیں سے اعصابی تحریک شروع ہوتی ہے اس لئے ہم نے بھی اعصابی عضلاتی تحریک سے امراض کی تقسیم شروع کی ہے۔

تشریح اعصابی عضلاتی تحریک

یہ تحریک مرکز سر کے اعصاب سے شروع ہو کر عضلاتی انسجہ تک پہنچتی ہے۔یہ تحریک خالص اعصابی ہے جو سردی تری یا بلغمی اثرات کی کیفیاتی و نفسیاتی اور مادی اشیاء سے پیدا ہوتی ہے اور جسم میں رطوبات اور بلغم ہر طرف ظاہر ہوتی ہے جب وہاں بلغم اور رطوبات کی کیمیائی طور پر زیادتی ہو جاتی ہے،اس تحریک سے چونکہ غدد میں تحلیل ہو کر عضلات میں کثرت رطوبات کی وجہ سے سکون ہو جاتا ہے۔یہ عضلاتی سکون جب کیمیائی طور پر انتہاء کو پہنچ جاتا ہے تو عضلات میں مشینی تحریک شروع ہو جاتی ہے گویا اعصاب کا عضلات سے صرف کیمیائی تعلق ہے۔ورنہ یہ تحریک خالص اعصابی (سردی تری) کی تحریک ہے۔عضلات کا ذکر صرف اس کے کیمیائی تعلق کی وجہ ہے یعنی جب کیمیائی تحریک اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے تو مشینی تحریک میں بدل جاتی ہے۔یہ مشینی تحریک سردی کی شدت سے رطوبات کے جم جانے سے خشکی میں تبدیل ہو کر عضلات کو تحریک دے دیتی ہے۔اس طرح یہ تحریک بدل کر عضلاتی اعصابی (سرد خشک) بن جاتی ہے، جس طرح سردی تری کا تعلق سردی خشکی میں تبدیل ہو جاتا ہے اسی طرح

اعصابی عضلاتی تحریک عضلاتی اعصابی میں بدل جاتی ہے۔ بس یہی باہمی تعلق ہے۔

چونکہ اعصابی عضلاتی تحریک مشینی طور پر خالص اعصابی تحریک ہے، اس لئے اس کے مقام وحدود اور افعال درج ذیل ہیں۔

نظام اعصابی میں دماغ ونخاع اور خود اعصاب شریک ہیں۔ ان تینوں کا باہمی تعلق اس طرح سمجھ لیں کہ دماغ ایک عضو رئیس ہے۔ نخاع اس کا وزیر ہے جس کی معرفت احکام کی تکمیل ہوتی ہے اور اعصاب اس کے خادم ہیں جو اس کے احکام کی تکمیل کرتے ہوئے احساسات کو دماغ تک پہنچاتے ہیں۔ اور پھر عضلاتی حرکات کے ذریعے اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔

دماغ

دماغ کھوپڑی کی آٹھ ہڈیوں کے اندر تین جھلیوں میں چھپا رہتا ہے۔ یہ جھلیاں اس کی غذا، اعمال اور حفاظت کے لئے بنائی گئی ہیں۔ یہ تعداد میں تین ہیں۔

(۱) **بیرونی جھلی:** جو کھوپڑی کی ہڈیوں کی اندرونی سطح پر لگی ہوئی ہے۔ یہ ایک سفید خاکی مائل دبیز مضبوط اور ریشہ دار ہے، اس کو ام صلب (ام غلیظ) کہتے ہیں۔ یہ عضلاتی مادہ سے بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کو حجاب بھی کہتے ہیں۔ پھر یہی صلب جھلی ہر ایک کو تین گہرے شگافوں (فرجات) میں تقسیم کر دیتا ہے۔ جس سے دماغ کی بیرونی سطح پر پانچ لوتھڑے (نصوص) بن جاتے ہیں۔ یہ تقسیم قدرت اس لئے کرتی ہے کہ دماغ خصوصاً اس کے دو طولانی حصے بیک وقت متاثر نہ ہوں اور پھر دائیں نصف سر کا تعلق عضلات سے رکھا گیا ہے۔ یہاں پر یہ حقیقت قابل غور ہے کہ سر کے سوا تمام جسم میں باہر کی طرف اعصاب پھر غدد یا غشاء اور بعد میں عضلات بنائے گئے ہیں۔ لیکن سر میں جسم کے برعکس عضلات باہر کی طرف ہیں۔ تا کہ دماغ کے اندر کی طرف سے احساسات حرکات کے لئے باہر بھیج سکے۔ یہی صحیح نظام ہے۔

(۲) **اندرونی جھلی:** اندرونی جھلی جو دماغ کی بیرونی سطح سے چسپاں رہتی ہے اور دماغ کے ہر نشیب وفراز اور بطون دماغ کے اندر داخل ہوتی ہے۔ یہ دماغ کا سب سے اندر والا غلاف ہے چونکہ اس میں سے رطوبت سے دماغ کو غذا ملتی ہے یہ غشاء نخاعی کا کام کرتی اور دماغ کی پرورش کرتی ہے۔ اس میں خون کی باریک باریک رگوں کا جال ہوتا ہے۔ چونکہ اس کی شکل مشیمہ کی مانند نظر آتی ہے۔ اس لئے اس کو غشاء مشیمی بھی کہتے ہیں۔ یہ غدی جھلی ہوتی ہے۔ نام ام رقیق ہے۔

(۳) **درمیانی جھلی:** یہ جھلی مندرجہ بالا دونوں جھلیوں کے درمیان ہوتی ہے۔ یہ لکڑی کے سفید جالے کی مانند ایک نہایت باریک اور نازک آبدار جھلی ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو غشاء عنکبوتی کہتے ہیں۔ اس کے بعض حصے اوپر کی جھلی ام غلیظ سے اور بعض حصے نیچے کی جھلی (ام رقیق) سے ملے ہوئے ہیں اور بعض حصے جالیتے ہیں۔ اس طرح درمیان میں کچھ خلا بن جاتے ہیں جن میں رطوبت ہوتی ہے۔

نخاع (حرام مغز)

نظام دماغی نخاعی کا وہ حصہ ہے جو ریڑھ کے ستون کی نالی میں رہتا ہے۔ یہ گدی کی ہڈی کے سوراخ کے نچلے کنارے سے شروع ہو کر کمر کے دوسرے مہرے تک پہنچ کر بہت سی شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اور پھر دمچی کی ہڈی تک پہنچ جاتا ہے۔

دماغ کی طرح حرام مغز کے بھی تین غلاف ہوتے ہیں۔ دراصل یہ وہی دماغ کی تین جھلیاں ہوتی ہیں اور ان کے نام بھی وہی ہوتے ہیں۔ اسی حرام مغز کی راہ سے دماغ کے دائیں بائیں ہر نصف سے بارہ بارہ اعصاب نکلتے ہیں۔ اس اعتبار سے دماغی اعصاب بارہ جوڑوں میں منقسم ہوتے ہیں۔

اعصاب

ایک قسم کی سفید باریک یا موٹی تاریں ہیں جو ان عصبی عقد سے نکلتی ہیں جو حرام مغز سے باہر نکل کر اعصاب بناتے ہیں جہاں سے وہ تمام جسم میں پھیل جاتے ہیں۔ یہ اعصاب انسجہ اعصابی سے تیار ہوتے ہیں جو اعصابی خلیات سے بنتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کو ایک مفرد اعضاء کہتے ہیں۔

حدود و مقام اور افعال

اعصاب تو تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں اور جب ان میں تحریک ہوتی ہے تو وہ سب متاثر ہوتے ہیں، لیکن ان کی تحریک کی ہمیشہ ابتداء اعصابی عضلاتی مقام سے ہوتی ہے۔ جس کی حدود سر کے دائیں نصف سے لے کر شانے کی ہڈی کے اوپر تک ہے گویا گردن کے تمام مہروں سے دائیں طرف دائیاں ماتھا، دائیاں کان، دائیاں ناک، دائیں آنکھ، دائیاں جبڑا سے دانت اور زبان کی دائیں طرف اور دائیں سے دائیں گردن شانوں کی ہڈی تک کے امراض شریک ہیں یہ تمام امراض صرف تحریک اعصابی کے ہیں جن میں کیمیائی طور پر عضلاتی تحریک پیدا ہوگی اعصابی عضلاتی تحریک پیدا ہوگی۔ اعصابی عضلاتی تحریک ہمیشہ سردی تری (بلغم) سے ہوگی اور ان میں جو امراض پیدا ہوں گے وہ درج ذیل ہیں۔ ان کی ترتیب ہم نے سر سے ہی شروع کی ہے تاکہ سمجھنے میں سہولت ہو۔

نصف دائیں سر کے امراض

یہ امراض خالص دماغی ہیں جو دماغ ہی میں شروع ہوتے ہیں اور اعصاب تک مخصوص ہیں۔ اکثر مشکل، پیچیدہ اور مزمن ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جسم میں حرارت کافی حد تک کم ہو جاتی ہے۔ ان میں تکلیف گہری ہوتی ہے۔

صداع

دردِ سر کے لئے صداع کا لفظ ہے۔ یہ درد عام ہے جو سر کے کسی حصہ میں ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بات پھر یاد رکھیں کہ دردِ سر ہمیشہ کسی نصف سر کی طرف سے شروع ہوتا ہے۔ البتہ پھیل کر اسی مفرد عضو میں پھیل جاتا ہے۔ یہی صورت سر کے پچھلی طرف بھی قائم ہے۔ جو دردِ سر درمیان سر وغیرہ سے ہو تو وہ اکثر شرکی ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ دردِ سر سوء مزاج سادہ و مادی اور تعفن رطوبات (بلغم) اور ضربہ وسکتہ اور تغیر اتصال سے واقع ہو سکتا ہے اس میں نفسیاتی اور سمیاتی اثرات و اسباب شریک ہو سکتے ہیں۔ البتہ سوء مزاج سادہ اور مادہ میں یہ تخصیص کر لیں کہ وہ سرد تر اور بلغمی ہوں گے۔ اسی طرح نفسیاتی اور سمیاتی اثر میں بھی سردی کے اسباب پائے جائیں گے۔ گویا یہاں ہر قسم کے دردِ سر کی تقسیم ہوگئی ہے۔ دیگر طریقہ ہائے علاج خصوصاً فرنگی طریق علاج میں دردِ سر کی بے شمار اقسام پائی جاتی ہیں۔ دردِ سر کی ذاتی صورتوں کے علاوہ جسم انسان کے جس قدر امراض ہیں ان کی علامات بلکہ مستقل طور پر دردِ سر میں شریک ہوگئی ہیں۔ ہم صرف وہی دردِ سر اور امراض کا ذکر کریں گے جن کا تعلق عضلات اور غدد کے ساتھ ہے اور وہ یقیناً شرکی کہے جا سکتے ہیں۔ اگرچہ ان کی تحریکات دماغ کی جھلیوں، ام غلیظ اور ام رقیق ہی کیوں نہ ہوں۔ البتہ جب اس اعصابی عضلاتی تحریک میں تحلیل ہو تو ضعف دماغ کا دردِ سر اور جب تسکین ہو تو اس کی ابتدائی صورت میں دباؤ سے درد ہو سکتا ہے۔ لیکن بعد میں سرسن ہو جاتا ہے اور درد معلوم نہیں ہوتا بلکہ دیگر امراض شروع ہو جاتے ہیں۔ دردِ سر کے متعلق یہ بات پھر ذہن نشین کر لیں کہ جرم دماغ اور جرم اعصاب (انسجہ اعصابی) میں سرد تر کیفیاتی و نفسیاتی اور مادی و خلطی اثرات سے سوزش پیدا ہو کر رطوبات و بلغم کے دباؤ سے درد پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی درد بڑھ کر سرد ورم اور اس سے بخار پیدا ہو جاتا ہے۔ اُمید ہے کہ اس تفصیل سے امراض خصوصاً دردِ سر پوری طرح سے ذہن نشین ہو گئے ہوں گے اور آئندہ ہر شرکی درد کو بھی پورے طور پر ذہن نشین کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اعصابی عضلاتی تحریک کے امراض درج ذیل ہیں۔

✿ صداع بارد ساذج - ساذج سردی کا دردسر (نیورلیجک ہیڈ ئیک)

اسباب: اس تحریک کے اسباب اوپر بیان کر دیئے گئے ہیں جن سے جسم میں سردی تری پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً سرد پانی سے نہانا، گرمی سے سردی میں جانا، سخت سرد اشیاء کا کھانا یا گرم اشیاء کا کھا کر فوراً سرد اشیاء کا کھانا، ہر قسم کے کیفیاتی و اخلاطی اسباب کے علاوہ نفسیاتی اور کیمیائی اثرات کو بھی مدنظر رکھیں۔

علامات: دائیں نصف سر کی مقامی علامات کو علاوہ تمام سر اور جسم میں ان علامتوں کو دیکھنے کے بعد اس امر کو ذہن میں رکھیں کہ جسم کے غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین ہوگی جس سے جسم خصوصاً سر اور پیشانی کی جلد سرد محسوس ہوگی۔ آگ، دھوپ اور گرم کپڑوں کے قرب سے آرام محسوس ہوتا ہے۔

علاج: عضلاتی اعصابی تحریک کو شروع کر دیں۔ مرض اور علامات کا اندازہ لگاتے ہوئے کمی بیشی کے مطابق محرک و شدید اور ملین و مسہل کا استعمال کرائیں۔ اگر ضرورت محسوس کریں تو بیرونی طور پر بھی یہی دوائیں گرم پانی یا مناسب بدرقہ کے ساتھ استعمال کر سکتے ہیں۔ مثلاً لیپ وطلا اور مالش وورد کی صورت میں ہوسکتا ہے۔

غذا: مریض کی بھوک کا سب سے پہلے خیال رکھیں۔ بغیر بھوک کے کچھ نہ دیں۔ بھوک کا بیدار کرنا اوّلین علاج ہے۔ جب بھوک لگے تو تحریک کے مطابق اغذیہ استعمال کرائیں۔ اگر بھوک نہ ہو تو صرف گرم پانی یا بغیر دودھ کی چائے اور قہوہ وغیرہ دیں۔ غذا بھی ضرور نیم گرم دیں۔

✿ صداع بلغمی - دردسر بلغمی/ مادی (کٹارل ہیڈ ئیک)

اسباب: سابقہ اسباب ذہن میں رکھیں، بار بار بیان کرنا باعث طوالت ہوگا۔

علامات: جسم میں رطوبت کی کثرت، تمام مخارج سے رطوبات معمول سے زائد، بول و براز کی رنگت میں سفیدی یا میلا پن، قوام میں گاڑھا پن ہوگا، ساذج میں گاڑھا پن نہیں ہوتا، نبض ست اور منخفض ہوگی۔ البتہ شدت سے پہلی انگلی کے نیچے اٹھے گی۔ باقی صداع ساذج کی علامات ذہن میں رکھیں۔

علاج وغذا صداع ساذج کے مطابق عمل کریں۔

✿ صداع کرم - صدع دودی (ورمی فل ہیڈ ئیک)

نوٹ: اس تحریک کے مقامات میں کسی جگہ رطوبات کا غلیظ ہو کر متعفن ہو جانے سے وہاں پر کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ درد بڑھتا رہتا ہے۔

علامات: سابقہ دردسر کی علامات کے ساتھ دماغ میں ہلکا مسلسل درد یا شدید خارش اور دغدغہ محسوس ہوتا ہے۔ تمام مخارج کی رطوبات خصوصاً ناک سے بدبو کا آنا بڑی علامت ہے۔

علاج وغذا بالکل سابقہ رکھیں۔ کرموں کو خارج کرنے اور مارنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ جب عضلاتی اعصابی تحریک مکمل ہو جائے گی اور رطوبات اور بلغم خشک ہو جائے گی تو وہاں پر کوئی کیڑا یا جراثیم زندہ نہیں رہ سکے گا۔

صداع ضربی اور سقطی - چوٹ یا گرنے سے دردسر (کمپریسو ہیڈ ئیک)

تاکید: اس کی دوصورتیں ہیں۔ اوّل صورت میں دماغ اور اس کی جھلیوں میں چوٹ لگ جائے ان کا علاج ان کی تحریک کی علامات کے مطابق کریں۔ دوسری صورت میں دھمک پہنچنے سے جوہر دماغ ہی جنبش کھا جاتا ہے، اس سے چکر اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا آ جاتا ہے۔ اس میں بعض وقت بے حد نقصان ہوتا ہے۔ مثلاً نسیان شروع ہو جاتا ہے یا انسان سب کچھ اپنی زندگی کے متعلق بھول جاتا ہے۔ بعض دفعہ شنوائی کھو بیٹھتا ہے۔ کبھی بصارت ختم ہو جاتی ہے۔ کبھی بولنا بند ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کا اثر دور کے اعضاء پر بھی پڑ سکتا ہے۔ مثلاً ہاتھ، بازو، پاؤں اور ٹانگ میں حس ختم ہو جاتی ہے اور بعض وقت فالج ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی سونگنے کی قوت ضائع ہو جاتی ہے۔ اس کو حکماء اور اطباء نے ایک جدا قسم کے دردسر میں لکھا ہے۔ جس کو صداع تزعزئی (دردسر جنبشی) کہتے ہیں۔ علاج وغذا سابقہ رکھیں۔ گھبرائیں نہیں، یقیناً آرام ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ تمام علامات اسی وقت تک رہتی ہیں جب تک اعصابی عضلاتی تحریک کا اثر رہتا ہے۔ جب یہ اثر ختم ہو جاتا ہے تو بالکل آرام ہو جاتا ہے۔ طاقت بھی آ جاتی ہے اور خون بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ تمام نقائص رفع ہو جاتے ہیں۔ البتہ مریض کو کہیں کہ جلدی نہ کرے اور تسلی سے علاج کرائے۔ رفتہ رفتہ مریض تندرست ہو جاتا ہے۔

عصابہ - درد آربیٹک ڈولر

یہ دراصل دائیں نصف سر کا درد ہے۔ جو سردی تری یا بلغم سے ہوتا ہے۔ جس کا اظہار ابرو پر ہوتا ہے۔ کبھی شدت کی وجہ سے دوسرے ابرو تک پہنچ جاتا ہے۔ بعض وقت اسی حدود میں تمام سر کے گرد محسوس ہوتا ہے۔ گویا ماتھے کے گرداگرد ایک پٹی لپٹی ہوئی ہے۔ عصابہ کے معنی پٹی کے ہیں۔ جب یہ مادہ ہوتا ہے تو اس میں شدت زیادہ ہوتی ہے۔

تاکید: بعض اطباء اور حکماء نے اس کے اسباب میں حرارت کی زیادتی یا خلطوں کے بخارات کو چڑھنا لکھا ہے۔ جو بالکل غلط ہے۔ اس درد میں حرارت کا مطلق دخل نہیں ہے۔

یادداشت: یہ امر ذہن نشین کرلیں کہ حرارت سے کبھی کوئی درد نہیں ہوتا بلکہ نہ سوزش ہوتی ہے نہ ورم ہوتا ہے۔ البتہ گرم بخارات (ریاح) سے ہوسکتا ہے۔ لیکن حقیقت میں گرم بخارات میں سردی کا اثر غالب ہے اور جب ان پر حرارت کا اثر غالب ہوتا ہے تو وہ تحلیل ہو جاتے ہیں۔

فرق: شقیقہ بھی نصف سر کا درد ہے دونوں کا فرق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عصابہ کی تکلیف زوال آفتاب کے بعد بہت کم ہو جاتی ہے۔ مگر کلی طور پر زائل نہیں ہوتی اور سر رات کو بوجھل رہتا ہے، لیکن شقیقہ کا درد دوپہر کے بعد صبح تک کچھ اثر مریض محسوس نہیں کرتا۔ اس بیان میں گرمی سردی کا اظہار ہے۔ شقیقہ سورج کی گرمی کے بعد بڑھتا ہے، غروب کے بعد کم ہو جاتا ہے۔ عصابہ دوپہر کے وقت جب سورج پوری شدت سے گرم ہوتا ہے تو یہ درد رُک جاتا ہے اور اس کا مادہ تحلیل ہو جاتا ہے۔ شدت کی سردی میں پھر اکٹھا ہو کر صبح کو طلوع آفتاب سے قبل ہی شدت اختیار کر لیتا ہے۔ گویا گرمی اور سردی کا فرق ہے۔

جالینوس نے ایک اور فرق بھی بیان کیا ہے کہ شقیقہ سر کے طولانی حصہ میں لاحق ہوتا ہے، مگر اعصابہ کا احساس عرض میں ہوتا ہے۔ یہ درد چونکہ ابرو کا ہے۔ اس میں طول وعرض کی تخصیص نہیں ہے۔ البتہ درد کی شدت میں دونوں تمام سر میں پھیل جاتے ہیں۔ بس اسی حقیقت کو ذہن نشین کر لیں کہ عصابہ دائیں طرف شروع ہوتا ہے اور خالص عصبی درد ہے اور شقیقہ بائیں طرف سے شروع ہوتا ہے اور خالص غدی درد ہے۔ نبض اور قارورہ سے ان کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔ علاج وغذا میں مندرجہ بالا دردوں کو مدنظر رکھیں بار بار بیان کرنا باعث طوالت ہے۔

۶ نسیان-فراموشی (ایم نے سیا)

اس مرض میں انسان باتیں کرتا کرتا بھول جاتا ہے یا قوت حافظہ کم ہو جاتی ہے اور کبھی گزشتہ باتوں اور واقعات کو بھی بھول جاتا ہے۔ گویا اس مرض میں ذکر و فکر اور تخیل میں فساد واقع ہو کر انسان باتوں اور واقعات بلکہ اپنی ذات کو بھی بھول جاتا ہے گویا اس میں قوت فکر اور تخیل زائل ہو جاتی ہے۔

اسباب و علامات: اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ضرب وسقطہ اور دھمک سے دماغ میں خلل واقع ہو جائے جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں کر دیا گیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سردی تری یا بلغم کی کثرت پیدا ہو جائے جو اس تحریک میں ہو جاتی ہے۔

علاج وغذا میں اس تحریک کے مطابق عمل کریں۔

۷ سبا-غفلت کی نیند (قوما)

علامات: اس علامت میں مریض اس قدر غفلت کی نیند سو جاتا ہے کہ اس کو بہت مشکل سے بیدار کیا جاتا ہے اور بعض وقت تو بیدار کرنے سے بھی بیدار نہیں ہوتا اور کئی دِن یا کئی کئی ماہ سویا رہتا ہے اور علاج وغذا اس تحریک کو مدنظر رکھ کر کریں۔

بعض وقت تو نوبت برسوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اس تحریک کی علامات نمایاں ہوتی ہیں اور علاج وغذا بھی اس کے مطابق دیں۔ گھبرائیں نہیں رطوبات کا اخراج اور پیدائش کا بند کرنا ذرا دیر سے ہوتا ہے۔

۸ جمود-حواس باختہ ہونا (کیٹا لیپسی)

یہ ایک ایسا مرض ہے کہ جس سے مریض کی حس ختم ہو جاتی ہے جس سے اس کی حرکات رُک جاتی ہیں اس کے حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ گویا وہ ہکا بکا ہو کر جس حالت میں ہوتا ہے، اسی حالت میں رہ جاتا ہے یعنی کھڑا ہے تو کھڑا ہے اور لیٹا ہے تو لیٹا ہے۔ بعض اطباء نے اس کو سوداوی مرض لکھا ہے لیکن یہ سوداوی مرض نہیں ہے، چونکہ سودا میں خشکی ہوتی ہے اور یہ مرض نہیں ہو سکتا۔

علامات: رطوبات بلغم کی وجہ سے جب اعصابی تحریک رُک جاتی ہے تو مریض ایک ہی حالت میں رُک جاتا ہے۔ بیٹھا ہو تو بیٹھا رہتا ہے، آنکھیں اگر کھلی ہیں تو کھلی رہتی ہیں، اگر بند ہوں تو بند رہتی ہیں۔ نہ کلام کر سکتا ہے اور نہ ہی کھا پی سکتا ہے۔ جس حالت میں ہو پڑا رہتا ہے۔ کسی طرف پہلو نہیں بدل سکتا۔ علاج وغذا تحریک کے مطابق کریں۔ دورہ کے وقت اسی تحریک کی ادویات کی نسوار بھی دے سکتے ہیں۔

۹ جمود، سکتہ، مثل مردہ ہونا (APOPLEXY)

اس علامت میں مریض کی جمود کی طرح دفعتہً حس وحرکت بند ہو جاتی ہے اور مریض مردہ کی طرح چت بے ہوش پڑا رہتا ہے۔ گویا جمود کی انتہاء ہے۔ اس میں دماغ کے اندر باہر اس قدر رطوبت اور بلغم بھر کر جم جاتی ہے کہ سدہ تامہ کی شکل واقع ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ کبھی فالج ہو جاتا ہے۔

اسباب: سردی تری اور بلغم کی زیادتی کے علاوہ سر میں چوٹ ودھکا لگ جانا، اسی طرح سر کے بل گر پڑنے اور نفسیاتی اثرات جیسے خوف وغیرہ یا کسی ایسے زہر کا اثر ہوتا ہے جو اس تحریک کو شدید متاثر کر دے۔

علامات: مریض بالکل مردہ کی طرح پڑا رہتا ہے، گویا بے ہوش ہے اور بیدار کرنے سے بالکل ہوش نہیں پکڑتا۔ ہاتھ پاؤں سرد، آنکھیں پتھرائی

ہوئی، دانتی لگی ہوتی ہے۔ اگر کبھی دورہ کم ہوتو سانس دقت سے آتا محسوس ہوتا ہے۔ منہ میں جھاگ ہوتی ہے، دِل میں کسی قدر حرکت کا احساس ہوتا ہے اور بول و براز بے خبر نکل جاتے ہیں۔ لیکن اکثر بے حس وحرکت ہوتا ہے۔ پتلیاں پھیل کر بے حس وحرکت ہو جاتی ہیں۔ اوّل تو مریض ۹۹ فیصدی اسی حالت میں موت کے آغوش میں چلا جاتا ہے، اگر بیدار ہو بھی جائے تو فالج ہو جاتا ہے یا اپنی تمام یادیں بھول جاتا ہے۔

تاکید: ایسے مریض کو فوراً دفن نہ کریں اور کم از کم ۲۴ گھنٹے ضرور رکھیں۔ بعض وقت تو نسیان وسبات اور جمود کی علامت سے سکتہ میں گرفتار ہوتا ہے اور کبھی دفعتہً بے ہوش ہوکر گر پڑتا ہے۔ سکتہ کی علامت فالج میں بھی واقع ہوتی ہے۔ لیکن **اس میں غدی اور عضلاتی** علامات نمایاں ہوتی ہیں۔

علاج: مریض چونکہ ادویات کھا نہیں سکتا اور نہ نگل سکتا ہے اس لئے اس تحریک کے مطابق **عضلاتی اعصابی ادویات کو ناک میں پھونکیں** اور اس کے تیل اس کے ناک وکان میں ڈالیں اور حلق وزبان پر مالش کریں اور صبر سے نتیجہ کا انتظار کریں۔

سکتہ اور موت میں فرق: مریض کے جسم میں کسی جگہ کوئی حرکت محسوس ہو، مثلاً دِل کی خفیف حرکت یا سانس کا ناک کے مقام پر محسوس ہونا یا آنکھ اختلاج یا جھپکنا اور آنکھ کی پتلی یا چراغ کا عکس دکھائی دے۔ اگر ایسی کوئی حرکت محسوس نہ ہوتو پھر اس کو مردہ خیال کر لینا چاہئے۔ لیکن پھر بھی اس کے دفن کرنے میں جلدی نہ کرنی چاہئے۔ پھر زندگی کی اُمید ہو سکتی ہے۔ یاد رکھیں جمود وسبات اور سرسام بارد سکتہ درجہ بدرجہ ایک ہی علامت ہیں۔

۱۰ سرسام بارد، سرسام بلغمی (کرانک سری برائیٹس)

سرسام کے لغوی معنی سر کا مرض ہے۔ سرسام مرض کو کہتے ہیں، لیکن شیخ الرئیس سام کے معنی ورم کہتے ہیں۔ عام طور پر دماغ اور اس کی جھلیوں کے ورم پر بولا جاتا ہے۔ ہر ایک کی علامات جدا جدا ہیں۔ ہر قسم کے ورم کو حقیقی سرسام کہتے ہیں۔ لیکن ایک سرسام غیر حقیقی بھی ہوتا ہے۔ جس کے متعلق اطباء لکھتے ہیں کہ دماغ میں تو نہیں ہوتا مگر اس میں ورم کی سی علامات ہوتی ہیں گویا وہ سرسام شرکی ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جسم میں کسی مفرد عضو میں کوئی شدید سوزش یا ورم ہوتا ہے تو اس کا اثر سر کے اسی مفرد عضو پر ظاہر ہوکر سرسام کی سی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ سرسام بلغمی کو طبی اصطلاح میں لیتھرغس کہتے ہیں۔

علامات: اس قسم کے ورم میں شدت پیدا نہیں ہوتی، لیکن غنودگی زیادہ ہوتی ہے۔ عام طور پر یہ سرسام بہت کم ہوتا ہے، کیونکہ سردی میں بلغم کی زیادتی سے بہت کم سوزش بڑھتی اور ورم بنتا ہے۔ البتہ رطوبات میں اگر تعفن پیدا ہو جائے لیکن وہ عضلاتی مقام پر ہوتا ہے اس کو عضلاتی ورم ہونا چاہئے، بخار خفیف مگر منہ سے لعاب دہن و پیشاب کی کثرت ہوتی ہے۔ کبھی اسہال شروع ہو جاتے ہیں۔ علاج وغذا اسی تحریک کو مدنظر رکھ کر کریں۔

۱۱ سدر ودوار سر چکرانا اور دوران سر (ورٹیگو-گڈی نیس)

سدر کی علامت میں جب آدمی کھڑا ہوتا ہے تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ جاتا ہے۔ اس میں دراصل بینائی منتشر ہو جاتی ہے۔ دوار چکر آنے کو کہتے ہیں اس میں سر گھومتا معلوم ہوتا ہے، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا گردوپیش گردش کر رہا ہے۔

علامات: سر بوجھل، منہ میں رطوبات کی زیادتی، جسم سست، بلغم کی اکثر زیادتی ہوتی ہے۔ علاج وغذا اس تحریک کے مطابق کریں۔

۱۲ صرع، مرگی (اپی لیسی)

صرع کے معنی گر پڑنا ہے اسی علامت میں مریض بے ہوش ہوکر گر پڑتا ہے۔ اعضاء تشنج، منہ سے کف اور تنفس سے خرخراہٹ جاری ہو جاتی

ہے۔اس کے دورے پڑتے ہیں چمک دار شے دیکھ کر فوراً دورہ پڑ جاتا ہے۔جاہل لوگ اس کو جادوگری کا مرض کہتے ہیں۔

دراصل اعصاب میں سوزش کی شدت سے رطوبات کی زیادتی ہو جانے پر اعصاب کی روگزرنی رُک جاتی ہے اور دورہ پڑ جاتا ہے۔پھر جب تشنج ہوتا ہے تو ہوش ٹھکانے آجاتا ہے۔

اطباء نے صرع کی تین اقسام لکھی ہیں: صرع دماغی، صرع معدی اور صرع اطرافی۔حقیقت یہ ہے کہ صرع معدی اور صرع اطرافی دونوں کا تعلق صرف اعصاب کے ساتھ ہے اور مادہ سر میں ہوتا ہے۔**صرع معدی دراصل صرع اعصابی عضلاتی اور صرع اطرافی درحقیقت اعصابی غدی ہوتی ہے۔**ہر تحریک کی علامات نمایاں ہوتی ہیں۔

علامات خصوصی: صرع اکثر بچپن میں شروع ہوتا ہے۔اس لئے بچوں کے صرع کو ام الصبیان کہتے ہیں۔اس میں آتشک کے زہر کو بہت دخل ہے۔مرگی کے مریضوں میں خوف اور ڈر زیادہ پایا جاتا ہے۔مریض کمزور اور دبلے ہو جاتے ہیں۔پھر رفتہ رفتہ بعض اعضاء خصوصاً ہاتھ، بازو اور ٹانگیں مڑ جاتے ہیں۔کبھی کمر بھی جھک جاتی ہے۔دیگر دورے پڑنے اور بے ہوش ہونے والے امراض کے ساتھ اس کا یہ فرق ہے کہ اس میں مکمل بے ہوشی اور تشنج ضرور ہوتا ہے۔

امراضِ چشم

یہ امراض بھی نصف دائیں سر کے ہیں، یہ بھی اعصابی عضلاتی تحریک کے تحت ہیں۔

اعصابی عضلاتی تحریک کے تحت امراض چشم کی تشریح

آنکھ ایک مخروطی گیند ہے جو چشم خانوں کی ہڈیوں کے اندر تین پردوں کے اندر اس طرح لپٹی ہوئی ہے کہ ان کے اندر تین قسم کی رطوبتیں آگے سے پیچھے تک محفوظ ہیں۔ان تینوں حصوں کو تین طبقات کہتے ہیں۔ہر طبقہ میں ایک پردہ اور ایک رطوبت ہے جو دوسرے پردے کے سہارے اندر بند ہے۔بیرونی پردہ صلبیہ ہے یہی پردہ جب آنکھ کے سامنے آجاتا ہے تو سفید اور شفاف ہو جاتا ہے۔پھر قرنیہ کہلاتا ہے۔گویا اسی سے پیدا ہوا ہے۔اس کے اندر جو رطوبت ہوتی ہے اس کو رطوبت بیضہ کہتے ہیں۔اندرونی پردہ شبکیہ کہلاتا ہے۔یہ آنکھ کے دونوں طرف ختم ہو جاتا ہے اور اس میں جو رطوبت ہوتی ہے اس کو جلیدیہ کہتے ہیں۔اندرونی پردہ شبکیہ کہلاتا ہے۔یہ آنکھ کے دونوں طرف ختم ہو جاتا ہے اور اس میں جو رطوبت ہوتی ہے اس کو زجاجیہ کہتے ہیں۔پردہ صلبیہ سفید کا وہی سخت پردہ ہے جو دماغ پر ام غلیظ کے نام سے بیان کیا گیا ہے۔یہ بھی عضلاتی پردہ ہے۔اس میں عروق کم اور مستقل اعصاب بھی نہیں ہوتے۔دوسرا پردہ مشیمیہ جس میں کثرت سے عروق ہوتے ہیں۔یہ وہی پردہ ہے جو دماغ پر ام رقیق کے نام سے بیان کیا گیا ہے۔اس کی اندرونی سطح سیاہ ہوتی ہے۔اس سے جو رطوبت اخراج پاتی ہے۔اس سے آنکھ پرورش پاتی ہے۔یہ پردہ دراصل غدی کا کام سرانجام دیتا ہے۔تیسرا پردہ جو شبکیہ کہلاتا ہے، دراصل یہی عصبی پردہ ہے۔اس کا تعلق عصبہ مجوفہ کے ساتھ ہوتا ہے اور باقی دونوں پردے بھی اس پر چڑھے رہتے ہیں۔گویا عصبہ مجوفہ ان کو چھید کر آنکھ کے اندر رطوبت زجاجیہ تک پہنچ جاتا ہے جو مرکز نور ہے۔

رطوبات بھی تین ہیں جو ان تین پردوں میں بند ہیں۔اوّل ''رطوبت بیضہ'' یہ پانی کی مانند سیال رطوبت ہے۔پردہ قرنیہ اور پردہ عنبیہ کے درمیان واقع ہے۔یہ دونوں پردے دراصل پردہ صلبیہ اور پردہ مشیمہ کے وہ لطیف و شفاف اور نازک حصے ہیں جو آنکھ کے سامنے بنے ہوئے ہیں جہاں سے روشنی گزرتی ہے۔دوسری رطوبت کا نام ''جلیدیہ'' ہے جو رطوبت بیضہ کے بعد ایک نازک جھلی میں ہوتی ہے جس کو عنکبوتی کہتے ہیں۔

بالکل ایسی جھلی جو دماغ میں ہوتی ہے جو ام غلیظ اور ام رقیق کو ملاتی ہے اور اس کے خلاؤں میں بھی رطوبت ہوتی ہے۔ یہ بھی ایک سفید شفاف اور شکل میں مثل اولہ کے ہوتی ہے۔ جلید یہ کے معنی بھی اولہ کے ہیں۔ ضرورت کے مطابق اس کی شکل میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اسی رطوبت کے مکدر ہو جانے سے نزول الماء ہو جاتا ہے۔ تیسری رطوبت کو ''رطوبت زجاجیہ'' کہتے ہیں۔ یہ رطوبت جلید یہ کے بعد ہوتا ہے۔ یہ طبقہ شبکیہ کے اندر پھیلی ہوتی ہے۔ یہ بھی شفاف مگر لیسدار ہوتی ہے۔ بالکل اسی قسم کی ہوتی ہے جیسا کہ ایثر (ایتھر) کا تصور پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی اس میں ارتعاش اور تموج پیدا ہوتا ہے۔ جس کا احساس اعصاب کو ہوتا ہے۔

ان رطوبات کے افعال کو آسانی سے ذہن نشین کرنے کے لئے انسجہ کے خلیات کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ یہ تینوں رطوبات عضلاتی غدی اور اعصابی خلیوں کی رطوبات کے مثل ہوتی ہیں اور ان کے افعال بھی انہی کی طرح ہوتے ہیں یعنی رطوبت بیضہ ایسی رطوبت ہے جو عضلاتی خلیات میں ہوتی ہے۔ رطوبت جلید یہ بالکل ایسی رطوبت ہوتی ہے جو غدی خلیات کے اندر ہوتی ہے۔ اسی طرح رطوبت زجاجیہ ایسی رطوبت ہوتی ہے جو اعصابی خلیات کے اندر ہوتی ہے۔ جب آنکھ کے ان پردوں میں کوئی نقص پیدا ہوتا ہے تو یہ رطوبات بھی متاثر ہوتی ہیں۔ اسی طرح جسم کے کسی حصہ میں کسی نسیج خصوصاً دماغی انسجہ پر اثر پڑتا ہے تو ان رطوبات کو ضرور متاثر کرتا ہے۔ یہ ایسی تشریح اور افعال ہیں جن سے فرنگی طب آگاہ نہیں ہے۔

رمد بلغمی، آنکھ دکھنا (ایکیوٹ کٹارل کنجنکٹی وائٹس)

آنکھ دکھنا دراصل طبقہ ملتحمہ کا مرض ہے جو ایک غشائی جھلی ہے جو آنکھ کے پپوٹوں کے اندر لگی ہوئی ہے۔ پھر یہی باریک جھلی پردہ قرنیہ پر لپٹی ہوتی ہے۔ دراصل یہ جھلی جلد کے قائم مقام ہے پپوٹوں کے اندر اس میں عروق کے ساتھ چھوٹی چھوٹی گلٹیاں بھی ہوتی ہیں۔ جب وہ سوج جاتی ہیں تو ان کو ککروں کا مرض کہتے ہیں۔ دراصل یہ جھلی پرسبہ کے اندر کی طرف شیمیہ اور شبکیہ کے توصل سے بنتی ہے۔ جب اس میں سوزش ہوتی ہے تو اس کو آنکھ کا دکھنا کہتے ہیں۔

بلغمی آنکھ دکھنا میں سوزش صرف ملتحمہ کے اعصاب میں انتہائی سردی تری سے ہوتی ہے اور آنکھ میں خفیف سوزش مگر رطوبت اور میل زیادہ آتی ہے اور جب شدت ہوتی ہے تو سوجن بھی ہو جاتی ہے۔ علاج وغذا کے لئے **تحریک اعصابی عضلاتی** کے مدنظر علاج کریں اور سرمہ لگائیں۔

عشا (رتوندی - نائٹ بلائنڈنس)

اس علامت میں مریض رات خصوصاً اندھیرے میں نہیں دیکھ سکتا۔ کبھی ابر اور شام کے وقت اس کو نظر نہیں آتا۔ اس علامت کو بعض اطباء قوت باصرہ کا ضعف خیال کرتے ہیں، لیکن دراصل اس علامت میں پردہ شبکیہ میں تحریک بڑھ جاتی ہے اور رطوبت زجاجیہ میں رطوبت بڑھ جاتی ہے جس سے اس میں اندھیرا کی وجہ سے تحریک نور رک جاتی ہے۔ علاج وغذا کے لئے اس تحریک کو مدنظر رکھیں۔

امراض گوش اعصابی عضلاتی تحریک (سردی تری) کے تحت

تحریک کی بالمفرد اعضاء تشریح

کان کا سوراخ جو نظر آتا ہے ایک جھلی پر ختم ہوتا ہے۔ اس جھلی کو کان کا ڈھول کہتے ہیں۔ اس جھلی کے اندر ایک خلا ہے جس کو جوبہ کہتے ہیں۔ اسی خلا سے ایک نالی حلق کی طرف جاتی ہے۔ کان کا ڈھول جو آواز سنتا ہے اس میں تھرتھراہٹ پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس کی حرکت سے خلا کے اندر جو تین چھوٹی چھوٹی ہڈیاں ہیں وہ ڈھول کی موجوں سے ہلتی ہیں اور پھر موجوں کو عصب سامع تک پہنچاتی ہیں۔

اس ڈھول کے تین پردے ہوتے ہیں۔ بیرونی اعصابی، درمیانی عضلاتی اور اندرونی غشاء مخاطی (غدی) کا ہوتا ہے۔ عام طور پر اس ڈھول کے خرابی سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی عصب سامع خراب ہوجاتا ہے۔

۱۵ وجع الاذن بارد سردی تری کا درد کان (اوٹلیجیا)

اس درد کان میں کیفیات (ساذج) اور مادی (بلغمی) دو شریک ہیں۔

تاکید: یہ دونوں درد کان کی ابتدائی صورتیں ہیں۔ ان میں رطوبات اور سردی کی زیادتی سے اعصاب پر دباؤ پڑنے سے درد ہوتا ہے۔ لیکن جب اعصاب میں سوزش بڑھ جائے تو خارش و پھنسیاں اور اورام بارد کی صورت بھی پیدا ہوجاتی ہے اور کبھی رطوبات میں تعفن پیدا ہوکر ورم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سر، آنکھ، ناک اور منہ میں بھی اس تحریک سے درد ہو تو کان میں بھی درد ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد کان سے پیپ آنا اور اس میں کیڑے پیدا ہوجانا بھی اسی تحریک میں شامل ہیں۔ ان کو الگ الگ بیان کرنے کی ضرورت نہیں البتہ یہی سمجھ لینا ہی کافی ہے۔ فرق صرف مواد کی کمی بیشی ہے۔ البتہ جب ایک تحریک کیمیائی طور پر اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے تو ساتھ ہی عضوی تحریک بدل جاتی ہے۔ تحریک بدلنے پر علاج وغذا بھی بدل جاتا ہے۔

امراض انف

ناک کی بناوٹ پانچ عدد کریوں سے ہے۔ جس میں تین ہڈیاں شامل ہیں، دو عدد طرفین کی اور ایک عدد درمیانی بانسہ کی ہڈی جس سے دو عدد نتھنے تیار ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ جبڑے کی ہڈی کا نکال ہوتا ہے جس سے دماغ کی طرف سے اعصاب اور عروق داخل ہوتا ہے۔

نتھنوں کے اندر اعصابی ریشوں کا جال بچھا ہوا ہوتا ہے۔ جہاں سے سونگھنے کی قوت دماغ تک جاتی ہے۔ اس عصبی جھلی کے نیچے غشائے مخاطی اور عضلاتی ریشے ہوتے ہیں۔ ان سب کا تعلق آنکھ اور کان کی طرح دماغ اور ان کے پردوں سے ہوتا ہے۔

زکام یا نزلہ بارد، سردی سے ناک کا بہنا (نیزل کٹار)

نزلہ ایک ایسا علامت ہے جس میں ناک اور حلق سے مواد گرتا ہے۔ نزلہ کے معنی گرنا ہے۔

نزلہ اور زکام کا فرق

جمہور اطباء کے نزدیک دماغی فضلات کا ناک کی طرف گرنا زکام کہلاتا ہے اور جب یہی فضلات حلق کی طرف گرتے ہیں تو ان کو نزلہ کہتے ہیں۔

یہ فرق بالکل غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سردی تری یا بلغم سے جب مواد گرتا ہے تو اس کو زکام کہتے ہیں۔ چاہے وہ ناک سے گرے یا حلق سے گرے۔ چونکہ نزلہ بارد میں ناک کا خصوصاً دایاں نتھنا پہلے متاثر ہوتا ہے اس لئے اس کو زکام کہتے ہیں۔ اسی زکام کی شدت سے دوسرے نتھنے اور حلق سے بھی سرد تر یا بلغمی مواد گر سکتا ہے۔ اسی طرح گرمی سے جو مواد گرتا ہے اس کو نزلہ کہتے ہیں، یہی نزلہ حلق کی بجائے ناک سے بھی گرتا ہے۔ البتہ اس کی ابتداء ہمیشہ بائیں نتھنے سے شروع ہوتی ہے۔ گویا **زکام اعصابی تحریک ہوتی ہے اور نزلہ غدی (جگری) تحریک** ہوتی ہے۔ (علم النفس یا سرودھا بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ ایڈیٹر)

ہم نے نزلہ کی تین اقسام بیان کی ہیں۔ (اوّل) اعصابی نزلہ، سردی تری کا نزلہ جس کو زکام کہتے ہیں۔ چاہے وہ ناک سے گرے یا حلق سے گرے۔ (دوسرا) غدی نزلہ گرمی کا نزلہ جس کو نزلہ حار کہتے ہیں۔ چاہے وہ حلق سے شروع ہو یا ناک سے گرے۔ (تیسرا) عضلاتی نزلہ، یہ خشکی کا نزلہ ہے چاہے گرمی خشکی ہو یا سردی خشکی ہو یہ نزلہ بہتا نہیں بلکہ بند رہتا ہے۔ ان کی تفصیل ہماری کتابوں ''تحقیقات نزلہ وزکام'' اور ''تحقیقات نزلہ وزکام وبائی'' میں دیکھیں۔

نزلہ وزکام علامات کو اکثر اطباء نے دماغی امراض میں بیان کیا ہے۔ حقیقت میں نزلہ بارد یا زکام دماغی مرض ہے اور نزلہ حار کبدی مرض ہے۔ لیکن مقام تکلیف کی وجہ سے ان کو ناک اور حلق میں ہی بیان کرنا چاہئے۔ حلق کا تعلق بھی ناک سے بالکل قریب کا ہے۔ ہم یہاں پر نزلہ بارد یا زکام ذکر کر رہے ہیں جو **اعصابی عضلاتی تحریک** میں تیزی سے جاری ہوتا ہے۔

اسباب و علامات: گزشتہ امراض میں جو اس تحریک کے تحت ہیں ان کو مدنظر رکھیں۔

علاج و غذا: اس سلسلہ میں تحریک کے مطابق عمل کریں۔

تاکید: اس تحریک کی شدت سے ناک اور حلق میں سوزش ورم اور زخم و پھنسیاں وغیرہ اور بخار بھی ہو جاتا ہے۔ اس طرح عطاس (زیادہ چھینکیں آنا)، خشم (ناک سے بدبو آنا)، دیدان الانف (ناک کے کیڑے) وغیرہ اسی تحریک میں شامل ہیں۔ ان سب میں کیفیات واخلاط اور مواد وکیمیائی اثرات کی کمی بیشی کا فرق ہے۔ علاج میں گھبرائیں نہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ شرطیہ آرام ہوتا ہے۔

امراضِ فم

منہ کے امراض کا تحریک اعصابی عضلات کے تحت بیان کرنا۔

ان امراض میں منہ اور اس کے تمام متعلقات کو داخل کر لیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانیاں ہوں۔ ان میں ذیل کے حصے شریک ہیں:

(۱) امراض لب (۲) امراض زبان (۳) امراض الاسنان اور لثہ۔

تشریح

منہ کی ابتداء ہونٹوں سے ہوتی ہے۔ پھر منہ کے اندر بتیس دانتوں کے اندر زبان جو حلق کی ہڈی میں لگی ہے اور دانت مسوڑوں میں جڑے ہوئے ہیں۔ زبان اور مسوڑھے عضلاتی ہیں۔ ان میں غشائے مخاطی اور خون کی رگیں ہیں اور ان کے باہر کی طرف اعصابی جھلی پھیلی ہوئی ہے۔ ان

تینوں مفرد اعضاء کا تعلق دماغ، جگر اور دل کے ساتھ اس طرح ہے جس طرح اوپر کے مرکب اعضاء کا ذکر کیا گیا ہے۔

ان میں بھی اسی قسم کے امراض وعلامات پیدا ہوتی ہیں جیسی اوپر کے اعضاء میں بیان کی گئی ہے جیسے نزلہ رطوبات کی زیادتی، سوزش واورام اور زخم و پھنسیاں جن کے ساتھ کبھی بخار اور کبھی ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دانتوں کے درد اور ان کا خراب وخستہ ہو جانا وغیرہ۔ ان تمام امراض اور علامات میں جن میں رطوبات وسردی تری اور بلغم غالب ہو تو سب اسی تحریک کے ماتحت عمل کر رہے ہیں۔

بثور فم۔ منہ کے چھالے (ویس کیولر سٹو مے ٹائیٹس)

یہ مرض بڑوں کو کم اور بچوں کو زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے مزاج میں رطوبت زیادہ ہوتی ہے۔ جب ان میں حرارت کی کمی واقعہ ہوتی ہے تو یہ مرض ہو جاتا ہے۔ دوسرے چونکہ بچے زیادہ دودھ پیتے ہیں، وقت بے وقت پیتے ہیں اور اس سے بدہضمی ہو جاتی ہے۔ دودھ کا مزاج سرد تر ہے اس لئے اس تحریک میں تیزی پیدا ہو کر منہ میں چھالے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو بچے ماں کا دودھ بغیر وقت کے پیتے ہیں یا زیادہ تر بازار کا دودھ پیتے ہیں ان کو یہ مرض زیادہ تر ہوتا ہے۔

علامات: اس مرض میں سفیدی یا خاکستری مائل چھوٹے چھوٹے چھالے لبوں، زبان، مسوڑھوں اور رخساروں کے اندر کی طرف نکل آتے ہیں۔ منہ میں سوزش اور جلن ہوتی ہے۔ کھایا پیا اور بولا نہیں جا سکتا۔ ہر وقت منہ سے رال بہتی ہے اور اکثر منہ سے بدبو آتی ہے، جیسے دودھ متعفن ہو گیا ہو۔ بعض وقت قے اور دست بھی شروع ہو جاتے ہیں۔ کبھی ہلکا ہلکا بخار بھی رہتا ہے۔

علاج وغذا میں اس تحریک کو مدنظر رکھیں۔

تاکید: جب اس مرض میں شدت ہوتی ہے تو منہ میں زخم ہو جاتے ہیں اور منہ پھول جاتا ہے (قلاع) بلکہ منہ کا گلنا (آکلہ) پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آتشکی قلاع میں بھی یہی تحریک ہے۔ اسی تحریک میں علامت کثرت بزاق (بہت تھوکنا)، بخر الفم (منہ سے بو آنا) اور فساد ذوق کی ایک صورت اس میں بھی ہے۔ اسی تحریک میں دانت ہل جاتے ہیں اور جلد گر جاتے ہیں۔

جمہور اطباء نے ایک ایک علامت کو الگ الگ باب میں بار بار گنوایا ہے جو طالب علموں کے ذہن پر صرف بوجھ ہیں۔

جلد: دائیں نصف سر سے لے کر دائیں شانے تک جو جلد پھیلی ہوئی ہے اس پر بھی جو باریک دانے چھالے یا رستے ہوئے زخم کسی مقام پر ہوں وہ سب اسی تحریک **اعصابی عضلاتی** کی وجہ سے ہوتے ہیں اور پھر یہی تمام جسم پر پھیل بھی سکتے ہیں۔ مگر ابتداء اندرونی طور پر اکثر اسی مقام سے ہو گی۔

تاکید: تمام جسم میں اندر اور باہر جہاں بھی کوئی ایسی تحریک ہو تو اس کی ابتداء اکثر اسی مقام کے اندرون یا بیرون پر شروع ہو گی۔ اگر کسی بیرونی وجہ سے کسی اور عضو کے عصبی نسیج میں شروع ہو جائے تو اس کا فوراً اعصابی عضلاتی مقام تحریک کے کسی حصہ پر اثر پڑے گا۔ یہی باہمی ایک دوسرے کے لئے علامات ہیں۔

دوسری تحریک عضلاتی اعصابی

(دائیں شانہ سے معدہ تک)

اس تحریک کا کیفیاتی مزاج سرد خشک ہے اور خلط سودا کی زیادتی ہوتی ہے۔ جسم میں سیاہی اور ریاح غالب ہوتی ہے۔ چونکہ عضلات میں تحریک ہوتی ہے اس لئے وہاں پر رطوبت، بلغم اور ریشہ خشک ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اعصاب کی طرف تحریک کی تیزی اور سوزش کے بعد دورانِ خون تیز ہو کر وہاں پر تحلیل سے اوّل وہاں پر سوزش اور تحریک ختم کرتا ہے، جب طبیعت اعتدال پر آ جائے تو باعث تقویت ہوتا ہے اور شدت اختیار کر لے تو ضعف کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اور غدد میں پہلے حرارت کی تیزی سے تحلیل ہو رہی ہوتی ہے وہاں پر رطوبت اور بلغم کی زیادتی سے سکون شروع ہو جاتا ہے جس سے وہاں کی حرارت رفتہ رفتہ کم ہونا شروع ہو جاتی ہے اور جب یہ تحریک مکمل ہو جائے تو جسم میں ہر طرف خشکی ہی خشکی معلوم ہوتی ہے۔

یہ خالص عضلاتی تحریک ہے۔ اس کا اعصاب سے اس لئے تعلق ہے کہ یہ عضوی (مشینی) طور پر اعصاب سے عضلات کی طرف آتی ہے۔ دوسرے کیمیائی طور پر جب اپنی تحریک مکمل کر لیتی ہیں تو فوراً عضوی طور پر عضلات کو بالترتیب عمل میں لے آتی ہے۔ یعنی کیمیائی طور پر خودکار (آٹومیٹک) عمل ہوتا ہے گویا فطرت نے قدرتی طور پر ایک باقاعدگی بخش دی ہے تاکہ امراض کا خود علاج ہوتا ہے۔

تحریک کا مقام اور اثر دخل

چونکہ یہ تحریک عضوی طور پر عضلاتی ہے اور کیمیائی طور پر اعصابی ہے اس لئے اس میں رطوبات خشک ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور ریاح بڑھ جاتے ہیں اور خلطی طور پر خون میں سوداء کی زیادتی ہو جاتی ہے اس لئے اس تحریک میں قلب و پھیپھڑے اور معدہ و خون کی عروق شریک ہیں ان کا باہمی تعلق تو یہ ہے کہ ان سب کا تعلق عضلات کے باہم مشترک ہونے کی وجہ سے ہے لیکن صورت ایسے بھی سمجھ میں آتی ہے کہ قلب عضوِ رئیس ہے پھیپھڑے اور معدہ اس کے معاون ہیں جن کی معرفت اس کو خون ملتا اور صاف ہوتا ہے اور خون کی عروق جو اس کی خادم ہیں جو اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں یعنی جسم کا خون اس کی طرف پہنچتا ہے اور پھر اس کی طرف سے خون تمام جسم میں پہنچایا جاتا ہے اس لئے قلب اور اس کی عروق کے ساتھ پھیپھڑوں کے ساتھ اس کی نالیاں اور معدہ کے ساتھ اس کی نالی کا ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ حدود قائم ہو جائے۔

قلب (دِل)

جمع قلوب۔ یہ ایک رئیس عضو ہے جو سینے کے اندر دونوں پھیپھڑوں کے درمیان واقع ہے۔ سیب کی شکل اور بناوٹ، عضلاتی انسجہ (ٹشوز) سے ہوتی ہے اس کا رنگ تازگی میں سرخ اور پھر سرخ سیاہی مائل ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر دائیں بائیں دو دو خانے ہوتے ہیں اس کے باہر کے خانے کو اذن (کان) اور نیچے کے خانے کو بطن (پیٹ) کہتے ہیں۔ تمام جسم کا سیاہی مائل خون دائیں اذن میں گرتا ہے اور پھر وہاں سے دائیں بطن

میں پڑتا ہے۔ پھر وہاں سے پھیپھڑوں کی طرف صفائی کے لئے چلا جاتا ہے۔

غلاف قلب

یہ مخروطی شکل کا تھیلی نما غلاف ہوتا ہے جو دِل پر الٹا چڑھا ہوتا ہے۔ اس کے دو طبق ہوتے ہیں۔ اندرونی باریک طبق جو آبدار جھلی کا ہوتا ہے دِل کے اوپر لپٹا ہوا ہوتا ہے یہ نسیج قشری (اپی تھیلیل ٹشو) کا ہوتا ہے جس میں غدی اثر کام کرتا ہے۔ بیرونی طبق جو ریشہ دار ساخت کا ہوتا ہے۔ نسیج اعصابی (نروس ٹشو) کا ہوتا ہے اور اعصابی تحریک اس کے تحت پہنچتی ہیں۔ دِل کو قلب اس لئے کہتے ہیں کہ وہ الٹا لٹکا ہوا ہوتا ہے دوسرے اس پر غلاف الٹا چڑھا ہوتا ہے۔ تیسرے یہاں دورانِ خون الٹا چلتا ہے۔ یعنی شریانوں میں وریدی خون اور وریدوں میں شریانی خون چوتھے یہاں سے دورانِ خون واپس لوٹتا ہے، گویا بالکل انقلاب ہو جاتا ہے۔

پھیپھڑے اور ہوا کی نالی

دِل کے دونوں طرف دو پھیپھڑے سینہ کے جوف میں جدا جدا قائم ہوتے ہیں اور ان پر بھی دِل کی طرح دو جھلیاں ہوتی ہیں۔ ایک پھیپھڑوں کے ساتھ لگی ہوتی ہے، وہ غدی ہے اور دوسری سینہ کے ساتھ استر کرتی ہے وہ اعصابی ہوتی ہے۔ یہ تمام ہوائی نالیوں اور نیچے حجاب حاجز پر لپٹی ہوتی ہیں۔

معدہ اور غذا کی نالی

معدہ جس میں غذا داخل کی جاتی ہے، مشک نما پیٹ کے اوپر کی طرف ہوتا ہے۔ اس کے حجاب حاجز کے نیچے آنتیں جگر طرف جگر اور بائیں طرف طحال اور لبلبہ ہوتے ہیں۔ اس میں بھی یہی دو پردے اوپر تلے استر کرتے ہیں جو بعد کی نالی تک چلے جاتے ہیں اور غدی پردے کی امداد کے لئے اس میں غدد بھی لگے رہتے ہیں۔

حدود مقام اور افعال

اعصاب کی طرح عضلات بھی تمام جسم میں ان کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوئے ہیں دِل اور عضلات کو اعصاب سے حرکت ہوتی ہے، لیکن دِل اور عضلات کی ایک ذاتی حرکت بھی ہے۔ جو ان کے انقباض اور انبساط سے ہوتی ہے۔ تو باقی جسم کے عضلات بھی وہی محسوس کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ ان میں وہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن عضلاتی تحریک کی اکثر ابتدا عضلاتی اعصابی تحریک سے ہوتی ہے جس کی حدود دائیں شانہ کے اوپر سے معدہ تک ہیں۔ اس میں نصف دائیں ہوا کی نالی غذا کی نالی دایاں پھیپھڑہ اور دایاں معدہ شامل ہیں اور پورا دایاں بازو بھی شریک ہے۔ انسان میں عضوی طور پر کیمیائی تحریک ہوتی ہے جس کی کیفیات سرد خشک اور خلطی طور پر سودا کا اثر ہوتا ہے۔ ظاہر میں تو اس تحریک کے امراض کو شانہ سے لے کر معدہ تک ہونا چاہئے، لیکن علامات کی صورت میں اعصابی عضلاتی تحریک کے امراض کی طرح تمام جسم میں خاص طور پر دائیں سر سے لے کر شانہ تک زیادہ متاثر ہوتا ہے یعنی اعصابی عضلاتی تحریک (سرد تر۔ بلغمی) امراض لکھی گئی ہیں۔ ان میں جس قدر کیفیات کے لحاظ سے سرد خشک اور خلطی حیثیت سے سوداوی اور ریاحی امراض ہیں سب اس میں آ جاتی ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

سر کے امراض

(۱) صداع یبسی (۲) صداع سوداوی (۳) صداع ریحی (۴) صداع قوت حس۔ دماغی (۵) صداع خماری (۶) صداع ضربی وسقطی

عضلاتی (۷) صداع بیضی (۸) سرسام عضلاتی (۹) سہرو بے خوابی (۱۰) مالیخولیا (۱۱) کابوس (۱۲) صرع اطرافی (۱۳) جنون (۱۴) لقوہ (۱۵) رعشہ (۱۶) تشنج (۱۷) غدد وکزاز۔

ان میں چند امراض قابل غور ہیں۔ مثلاً بیسی صرف کیفیات کی زیادتی سے ہوتا ہے۔ صداع سوداوی ہمیشہ مادی ہوتا ہے۔ ریحی اس وقت ہوتا ہے جب مادوں میں تبخیر پیدا ہو جائے، صداع حس دماغی اس وقت ہوتا ہے جب مادہ بالکل ختم ہو جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ صرف تحریک کی کمی بیشی کا فرق ہے۔ بعض کی تفصیل درج ذیل ہے۔ مالیخولیا، وہم، وسواس (میلن کولیا)۔

یہ ایک یونانی لفظ کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو اصل میں ''میلن کولیا'' ہے۔ یہ دو کلمات سے مرکب ہے اوّل ''میلن'' جس کے معنی سیاہ کے ہیں دوسرے ''کولیا'' معنی خشکی کے ہیں گویا ایسا سیاہ مادہ جس سے خشکی ہو جائے۔ جمہور اطباء نے اس کو سیاہ صفراء یا صفراء محترق سے تعبیر کیا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ صرف سوداوی مادہ کو کہتے ہیں۔ دوسرے صفراء میں جب حرارت کی زیادتی ہوتی ہے تو خشکی ختم ہو جاتی ہے۔ سودا پیدا نہیں ہوتا۔ تیسرے صفراء کی زیادتی سے جنون پیدا ہوتا ہے جو مالیخولیا سے بالکل مختلف مرض ہے۔ جس کی ابتداء بائیں طرف کے نصف سر سے شروع ہوتی ہے۔ اور وہ غدی تحریک ہے۔

مالیخولیا صرف سوداوی ہوتا ہے۔ جو بلغم کے سودا بن جانے پر اپنا عمل کرتا ہے۔ نہ صفراوی ہوتا ہے اور نہ ہی دموی ہوتا ہے۔ البتہ موروثی ضرور ہوتا ہے کیونکہ وہ عضلاتی پردہ ہے اسی طرح معدہ عضلاتی سوزش سے بھی شروع ہو جاتا ہے۔

علامات: مریض افکار و تخیلات فاسد و پریشان ہو جانے پر کبھی خاموش رہتا ہے اور کبھی مختلف قسم کی حرکات کرتا ہے۔

علاج وغذا اس تحریک کے مطابق عمل میں لائیں۔

لقوہ چہرہ اور منہ کا ٹیڑھا ہونا (فے سیل پیریلے سس)

لقوہ کے لغوی معنی عقاب کے ہیں۔ عقاب جب بیٹھتا ہے تو وہ اپنا چہرہ ایک طرف کر کے بیٹھتا ہے اور ایسی حالت میں اس کی باچھ فراغ ہوتی ہے چونکہ اس مرض میں ایک مریض کا چہرہ ٹیڑھا اور باچھ فراغ ہو جاتی ہے اس لئے اس کو لقوہ کہتے ہیں۔

متقدمین اطباء یونان نے لقوہ و فالج اور استرخا میں کوئی فرق نہیں کیا لیکن متاخرین اطباء لقوہ و فالج اور استرخا میں یہ فرق کرتے ہیں کہ لقوہ چہرے کا استرخا ہے۔ فالج نصف جسم کا استرخا اور استرخا کو پورے جسم پر بولا جاتا ہے۔ فالج کے معنی نصف کے ہیں، اس میں جسم کا دایاں بایاں طولانی مسترخی ہو جاتا ہے۔ اگر جسم کے سوا سارا مسترخی ہو جائے تو اس حالت کو ابوبلقیا کہتے ہیں۔ چونکہ لقوہ و فالج اور استرخا کے اسباب اصول علاج کو اطباء ایک ہی خیال کرتے ہیں اس لئے اس کا کتب طبیہ میں ایک ہی جگہ ذکر کرتے ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ تینوں علامات مختلف تحریکات کے ماتحت ہیں، اس لئے ان کو جدا جدا سمجھنا چاہئے۔ **لقوہ عضلاتی اعصابی تحریک کے تحت لکھ رہے ہیں۔ دائیں طرف کا فالج عضلاتی غدی تحریک کے ماتحت ہے اور بائیں طرف کا فالج غدی عضلاتی ہوتا ہے۔ اسی طرح نچلے نصف حصے کا فالج جو اکثر سر کے سوا تمام جسم کا معلوم ہوتا ہے، اعصابی غدی ہوتا ہے۔** لقوہ چونکہ عضلاتی اعصابی تحریک ہے، اس لئے عضلات میں تحریک اور اعصاب میں تحلیل ہو جاتی ہے، جس سے چہرہ دائیں طرف ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ لقوہ دائیں طرف چہرے کے ٹیڑھا ہو جانے کو کہتے ہیں۔ اکثر چہرہ بائیں طرف ٹیڑھا نہیں ہوتا اور اگر ہو جائے تو بائیں طرف کا فالج بھی ضرور ہوگا۔

علامات: چہرہ دائیں طرف کھچ جاتا ہے، بائیں طرف کی باچھ بند نہیں ہو سکتی گویا بائیں طرف کھچ جاتی ہے۔ مریض نہ تھوک سکتا ہے، نہ سیٹی بجا

سکتا ہے اور نہ پھونک مار سکتا ہے۔ بائیں آنکھ بھی کھلی رہتی ہے، جب پانی پیتا ہے تو باہر بہہ جاتا ہے۔ البتہ منہ سے رال بہتی رہتی ہے۔
علاج وغذا کے لئے تحریک کے مطابق عمل کریں۔ نہ فکر کریں اور نہ جلد بازی سے کام لیں۔ یقیناً آرام ہو جاتا ہے۔

تشنج، اینٹھن (CONVULSIONS)

تمدد وطرفہ اینٹھن (لاک جا)
کزاز اینٹھن سے جھک جاتا ہے (ٹٹےنسن)
تشنج ایک ایسا مرض ہے۔ جس میں عضلات میں سوکیڑے پیدا ہو کر اینٹھن پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ تینوں علامات ایک ہی ہیں لیکن اینٹھن کا فرق ہے۔ تشنج میں کھچاؤ ایک ہی طرف ہوتا ہے، تمدد میں یہ اینٹھن دونوں طرف ہوتی ہے۔ اور کزاز میں یہ اینٹھن اس قدر زیادہ ہو جاتی ہے کہ مریض اگلی یا پچھلی طرف جھک جاتا ہے اور اکڑ جاتا ہے۔ تشنج جسم کے ہر حصہ میں ہو سکتا ہے مگر تحریک عضلاتی ہی ہوتی ہے۔ علاج وغذا تحریک کے مطابق کریں۔

امراض عین کی علامات

امراض سر کی علامات کی طرح امراض چشم کی علامات اس کی عضلاتی اعصابی تحریک (سردی، خشکی، سودا) کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں اور چشم یابس وسوداوی اور ریحی طرفہ (قرنیہ کے نیچے سرخی سیاہی مائل نقطہ کا پڑ جانا)، ظفرہ (قرنیہ کی جھلی میں پوٹوں کا خون سے پُر ہو جانا) بیاض العین (قرنیہ زخم یا سوجن کے بعد سفیدہ پھولا کی شکل میں پیدا ہو جانا)، سبل (آنکھ پر عروق کا پردہ سا چھا جانا)، انتفاخ ملتحمہ (آنکھ کے اندر ورم پیدا ہو کر اس کا باہر نکل آنا)، جالت ملتحمہ (آنکھ میں خشکی پیدا ہو جانا، آنکھ کی خارش، سوزش اور ورم اسی طرح آنکھ کی عینیاں)، زخم اور چوٹ وغیرہ، دھند غبار اور رتوندی (دِن کے وقت نظر نہ آنا)، ماحول (بھینگا پن)، پتلی کا تنگ ہو جانا۔ یہی صورتیں پپوٹوں کے امراض میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح کان کے امراض میں درد وسوزش اور ورم جو سوداوی اور ریحی ہوتے ہیں اور کان سے خون وغیرہ کا آنا، ناک کے امراض میں بند نزلہ، نکسیر کا آنا، سوزش، ورم اور زخم و بواسیر وغیرہ، ناک کی خشکی، اسی طرح امراض منہ میں لبوں سے لے کر زبان واندرون گال اور دانت ومسوڑھے وغیرہ میں خارش، سوزش اور درد وورم، عینیاں کا پھٹ جانا وغیرہ اسی طرح گلے پڑنا اور خناق وغیرہ علامات شامل ہیں۔
ان علامات کو پیش کرنے کے بعد جو عضلاتی اعصابی میں پیدا ہوتی ہیں اور اس تحریک کے امراض پیش کئے جاتے ہیں، جو شانہ سے لے کر معدہ تک پھیلے ہوئے ہیں جو دِل وعضلات پھیپھڑے کے ساتھ ہوا کی نالی اور معدہ کے ساتھ غذا کی نالی یقان اور حجاب حاجز تک کے امراض پھیلے ہوئے ہیں۔

اختلاج قلب، دل کا پھڑکنا (ٹیکی کارڈیا)

دِل ہی ایک ایسا عضو رئیس ہے جو سب سے پہلے تعلق حیات کے ساتھ متحرک ہوتا ہے۔ جس کی آخری حرکت کے ساتھ ہی موت واقع ہو جاتی ہے یعنی اسی پر زیادہ تر جسم کی حیات کا دار ومدار ہے۔ اس لئے معالج کو چاہئے کہ اس کے علاج پر خاص طور پر توجہ دے۔ اس کے افعال کو اعتدال پر رکھنا ہی اس کی صحیح نگاہ داشت ہے۔
حکماء اور اطباء نے دِل کی حرکات کو کیفیات اور اخلاط کے تحت سادج اور مادی طور پر سمجھ کر اعتدال پر رکھنے کی کوشش کی ہے۔ مگر فرنگی طب میں اس کے ساتھ جو ظلم کئے گئے ہیں وہ ناقابل بیان ہیں۔ ان کا نتیجہ سقوط قلب (ہارٹ فیلور) ہی نکلتا رہتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ اب تک

اختلاج اور خفقان کا فرق ہی معلوم نہیں ہوسکا۔ دونوں میں دِل کا دھڑکنا اور پھڑکنا لکھا ہے۔ اطباء نے خفقان کو چاروں کیفیات اور امزجہ میں لکھ دیا ہے۔ دِل کا ڈوبنا، دِل کا ضعف، دِل کا پھیلنا، دِل کا درد و جلن اور زخم و ورم کو الگ لکھا ہے، مگر طالب علم پر سب کی حقیقت نہیں کھلتی وہ تشخیص میں پریشان رہتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ دِل کے صرف تین ہی افعال ہیں۔ ایک اس کے فعل میں تحریک ہے۔ جب اس کے دِل میں خشکی اور سکیڑ واقع ہوکر تیزی ہو جاتی ہے۔ اس حالت میں دِل کے اندر درد اور جلن بھی ہوتی ہے۔ اس کو ہم نے اختلاج قلب لکھا ہے اور یہی عضلاتی اعصابی تحریک ہے۔ اس وقت غدی تسکین اور اعصابی تحلیل ہوتی ہے۔ دِل کا دوسرا فعل اس میں حرارت کی زیادتی سے تحلیل واقع ہوجاتا ہے۔ جس میں دِل اور اس کی کواڑیں بگڑ جاتی ہیں، اس کو ہم خفقان کہتے ہیں۔ یہ حالت غدی عضلاتی تحریک کے ماتحت ہوتی ہے۔ اس میں غدود میں تحریک اور اعصاب میں تسکین ہوتی ہے۔ اس کا تیسرا فعل اس میں رطوبت کی زیادتی ہے۔ اس میں دِل ڈوبتا ہے اور جسامت میں بڑھ جاتا ہے۔ اس کی یہ حالت اعصابی عضلاتی تحریک میں ہوتی ہے جو پہلی تحریک میں علامت کے طور پر ہوا کرتی ہے۔ اس میں اعصاب کے اندر تحریک اور غدود میں تحلیل ہوتی ہے۔ دِل کے افعال کے یہی اثرات اس تحریک سے شروع ہوکر تمام جسم کے عضلات میں پھیل جاتے ہیں۔ اور اگر جسم کے کسی عضو میں ضرب و سقطہ اور زخم سے تحریک ہوجائے تو پہلے قلب پر اثر انداز ہوکر پھر جسم کے تمام عضلات کو متاثر کر دیتا ہے۔ دِل کے افعال کی ان خرابیوں میں جب کیفیات صرف سادہ ہوتی ہیں تو افعال بہت کم متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن مادی صورت میں حالت خطرناک ہوجاتی ہے۔ علاج اور غذا میں تحریک کو مدنظر رکھ کر علاج کریں۔ انشاء اللہ یقیناً تسلی بخش علاج یہی ہوتا ہے۔

پھیپھڑوں ہوا کی نالی اور سینہ کے امراض

جو عضلاتی اعصابی تحریک کے ماتحت بیان کیے گئے ہیں۔

ضیق النفس (دمہ ASTHMA)

اس مرض میں سانس لینے میں تنگی آ جاتی ہے۔ اس مرض میں بھی فرنگی طب نے امراض قلب کی طرح غلطیاں کی ہیں اور آج تک اس مرض کے مریض ان کے علاج سے شفایاب نہیں ہوئے۔ کہیں شعبی دمہ لکھا ہے اور کہیں اس کے برعکس استرخائی دمہ لکھا ہے۔ کہیں سوزش شش اور کہیں ورم ریہ سے سہرا لیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یونہی الٹی سیدھی قلابازیاں کھائی ہیں اور بے تکے اندازے لگائے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قلب کی طرح پھیپھڑوں کے بھی تین افعال ہیں اور ان افعال میں شدت پیدا ہونے سے تین قسم کا دمہ ہوتا ہے۔ اوّل صورت ''دمہ نزلاوی'' کی ہے اور یہ صورت اعصابی تحریک کے ماتحت رطوبت بلغم کی زیادتی سے ہوتی ہے۔ یہ حالت اعصابی عضلاتی تحریک کے ماتحت ہوتی ہے جو پہلی تحریک ہے۔ دوسری صورت ''دمہ قلبی'' ہے جو پھیپھڑوں کے اندر تحریک پیدا ہوکر انقباض ہوجاتا ہے۔ پھیپھڑوں اور دِل کی رفتار تیز ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ قلب کی تحریک میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ عضلاتی اعصابی تحریک ہے۔ جس کو ہم بیان کر رہے ہیں۔ تیسری صورت ''کبدی دمہ'' کی ہے۔ جس میں پھیپھڑوں میں تحلیل ہوکر ضعف شش اور قلب پیدا ہوکر سانس میں تنگی ہوجاتی ہے۔

پھیپھڑوں کے افعال کی یہ تین صورتیں ایک طرف ہوا کی نالی میں گلے تک چلی جاتی ہیں۔ دوسری طرف حجاب حاجز تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی تحریک میں حنجرہ سے لے کر حجاب حاجز تک تحریک کی کمی بیشی اور مزاج کے ساذج اور مادی ہونے کی وجہ سے خارش و سوزش اور ورم و زخم اسی طرح

درد اور جلن کی صورتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ خشک کھانسی، ذات الریہ (نمونیا)، دق وسل، خون آنا اور خون تھوکنا وغیرہ سب اس تحریک کے تحت ظاہر ہوتے ہیں۔ تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''تحقیقات تپ دق اور سل'' دیکھیں۔

ورم ثدی، پستان کا ورم

پستان غدی ہیں اور ان کے گوشت کا رنگ سفید ہوتا ہے اس لئے خون جب اس کی غذا کے لئے آتا ہے تو وہاں پر اس کا ہم رنگ بن جاتا ہے۔ یہی خون بچے کی پرورش کے لئے دودھ بن جاتا ہے۔ پستان کی بناوٹ میں غدی مادے کے چھوٹے بڑے حصے پائے جاتے ہیں جو الحاقی ریشوں، عروق اور نالیوں کے ذریعے آپس میں ملے رہتے ہیں۔ ہر ایک حصہ چند گول گول دانوں کے اکٹھا ہونے سے بنتا ہے۔ پستانوں کی نالیوں اور عروق میں اعصابی وعضلاتی عروق ہوتے ہیں اور باہر کی جھلی جو استر کرتی ہے وہ بھی اعصابی ہوتی ہے اور گوشت میں الحاقی ریشوں کے ساتھ عضلاتی ریشے بھی ہوتے ہیں۔ چونکہ **دائیں پستان پر عضلاتی دباؤ ہوتا ہے** اس لئے اس طرف جب کبھی ورم یا درد ہوتا ہے تو اس تحریک عضلاتی اعصابی کے تحت ہوتا ہے۔ اور اس کا علاج وغذا بھی تحریک کے مناسب ہونا چاہئے۔

تاکید: جاننا چاہئے کہ دونوں پستان الگ الگ اپنا اثر رکھتے ہیں، کبھی ایک طرف دودھ زیادہ ہوتا ہے کبھی دوسری طرف۔ کبھی ایک طرف کا دودھ خراب ہوجاتا ہے اور کبھی دوسری طرف زہریلا ہوجاتا ہے۔ اسی طرح کبھی دائیں طرف ورم ہوتا ہے۔ جب دائیں طرف سوزش وخارش یا ورم و پھنسیاں ہوں تو عضلاتی دباؤ ہوگا اور جب یہی صورتیں بائیں طرف ہوں تو غدی عضلاتی اثر ہوگا۔ **اگر دائیں طرف دودھ زیادہ ہو تو اعصابی عضلاتی تحریک ہوگی اور جب بائیں طرف دودھ زیادہ ہوگا تو اعصابی غدی تحریک ہوگی۔** دودھ کی دائیں طرف عضلاتی اعصابی اور بائیں طرف غدی عضلاتی ہوا کرتی ہے۔ تحریک کو مدنظر رکھ کر علاج کریں۔

وجع المعدہ، درد معدہ (گیسٹریلجیا)

صحیح معنوں میں معدہ ایک شریف عضو ہے۔ بدن کی صحت کا دارومدار اس کے صحیح افعال پر ہے، کیونکہ افعال کی ابتداء اسی سے ہوتی ہے۔ جب اخلاط صالح پیدا نہیں ہوں گے تو اس کے افعال کی خرابی کے ساتھ خون میں بھی خرابی واقع ہوجائے گی۔ جس سے دیگر اعضاء متاثر ہوکر بگڑ جائیں گے۔ ہم معدہ کی شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے اور جائز وناجائز غذا اس میں ٹھونس دیتے ہیں۔ لیکن ہم یہ نہیں سمجھتے کہ جو غلط سلط غذا ہم معدہ میں ٹھونستے رہتے ہیں وہ اس کے مطابق اخلاط تیار کرتا ہے جو دیگر اعضاء حاصل کر کے مریض ہوجاتے ہیں۔ مسلسل غلط سلط اغذیہ لینے کے بعد جب وہ برداشت نہیں کرسکتا تو چیخ اٹھتا ہے اور اس میں تکلیف پیدا ہوجاتی ہے۔ کبھی بوجھ وبے چینی ہوجاتی ہے۔ کبھی ذرد وقے کی صورت پیدا ہوجاتی ہے اور کبھی سوزش وورم ہوجاتا ہے۔ آخر تنگ ہوکر وہ بالکل ضعیف ہوجاتا ہے۔

چونکہ معدہ عضو مرکب ہے اس میں اعصاب وغدد اور عضلات تینوں پائے جاتے ہیں۔ تو جب اس میں درد معدہ یا اس کے مرض کی تشخیص کرنا ہو تو ان مفرد اعضاء کی علامات پر غور کرنا چاہئے۔ مثلاً درد معدہ جب اعصاب کی سوزش سے ہوگا تو منہ میں رطوبت کی زیادتی، جی متلانا، ابکائی اور قے کی صورت ہوگی۔ جب غدد میں خرابی ہوگی تو درد کے ساتھ پیاس گرمی کی شدت اور اگر قے کرائی جائے یا شدت صفراء سے ہوجائے تو زرد رنگ کی ہوگی۔ پیشاب اور پاخانے میں زردی اور جلن ہوگی۔ اسی طرح عضلات میں درد کی تکلیف ہوگی تو اکثر قبض ونفخ اور گھبراہٹ اور بے چینی زیادہ ہوگی اس لئے بغیر تحقیق کے علاج وغذا نہ دیں۔ اعصابی عضلاتی سوزش میں جو پہلی تحریک ہے اس کی علامات میں معدہ کا اعصابی درد، متلی و ابکائی اور قے، بھوک کا بند ہوجانا۔

ضعف جگر

اگر یہ تحریک شدت اختیار کر لے تو اس کا اثر آنتوں تک پہنچ کر قے کے ساتھ اسہال بھی شروع ہو جاتے ہیں۔ جس کو ہیضہ کہتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ ہیضہ وبائی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے۔

اس عضلاتی اعصابی تحریک میں درد معدہ کے ساتھ دیگر اسی قسم کے امراض ہو سکتے ہیں جیسے ریاح، معدہ ہچکی، بھوک کا ہونا، معدہ کی سوزش وورم اور پھنسیاں اور زخم وغیرہ۔

جب غدی عضلاتی تحریک ہو جائے، درد معدہ کے ساتھ پیاس، خونی قے اور ضعف عضلات معدہ وغیرہ امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور ایسی علامت تمام جسم میں پائی جائیں گی۔ لہٰذا تمام جسم کا مطالعہ ضروری ہے۔ علاج وغذا میں تحریک مدنظر رکھیں۔ علامات میں ساذج و مادی اور خلطی و کیمیائی صورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہلکی و تیز ادویات اور اکسیرات و تریاقات کو مدنظر رکھیں۔ یہی حکیم کا کام ہے۔

تیسری تحریک عضلاتی غدی (صفراوی جس میں حرارت کم اور ریاح زیادہ ہوتی ہے)

یہ تحریک جگر سے شروع ہو کر دائیں طرف کے پاؤں کی انگلیوں تک جاتی ہے۔ اس میں دایاں معدہ، دائیں آنتیں، دایاں گردہ، دایاں خصیہ، دائیں سرین اور دائیں ٹانگ پاؤں تک شامل ہے۔ اس عضلاتی غدی تحریک میں عضلات کا تعلق اعصاب سے ختم ہو کر غدد سے قائم ہو جاتا ہے گویا خشکی سردی کے بجائے جسم میں خشکی گرمی کا اثر پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یاد رکھیں کہ سودا (سردی خشکی) کا علاج گرمی تری (خون) نہیں ہے، جیسا کہ جمہور اطباء کا اتفاق ہے۔ بلکہ اس کا علاج گرمی خشکی (صفرا) ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دونوں کیفیات بیک وقت نہیں بدلنی چاہئیں۔ دوسرے یہ غلط ہے کہ صفرا اور خون جل کر سودا بنتے ہیں۔ البتہ بلغم سردی کی زیادتی سے خشک ہو کر سودا میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس لئے سوداوی امراض میں گرم ادویات سے گھبرانا نہیں چاہئے کیونکہ دنیا کے ہر طریق علاج میں دفع ریاح ادویات اکثر گرم خشک یا گرم تر ہوتی ہیں۔ سرد تر یا سرد خشک نہیں ہوتی ہیں۔ اس حقیقت کو دُنیا کا کوئی معالج نہیں جھٹلا سکتا۔ سوداوی امراض میں جب ماءالجبن کیا جاتا ہے تو وہ بھی گرم تر ادویات اور غذا کا استعمال کیا جاتا ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔

اس تحریک میں چونکہ عضلات میں تحریک شدید ہوتی ہے۔ اس لئے غدد میں بھی تسکین کے ساتھ تیزی شروع ہو جاتی ہے اور اعصاب میں حرارت کے اثر کی وجہ سے تحلیل شدید ہو کر ضعف دماغ اور اعصاب بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے اس تحریک میں دائیں طرف خدر اور فالج جیسی خوفناک علامات پیدا ہوتی ہیں۔ اس امر کو پھر یاد رکھیں کہ جب سوداویت خشک ہو کر ریاح کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو اس کا تعلق قدرتی طور پر اعصاب سے ختم ہو کر غدد (جگر) سے مل جاتا ہے اور غدد میں کیمیائی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

تشریح امراض

اگر یہ تحریک اعتدال پر رہے تو قلب میں قوت، معدہ میں بھوک کی زیادتی اور قوت باہ میں تیزی ہوتی ہے۔ جب اس میں غیر معمولی شدت ہو جائے تو دماغ اور اعصاب میں ضعف پیدا ہو کر بینائی وشنوائی اور شامہ وذائقہ میں خرابی جس کے بعد خدر اور فالج کے دائیں طرف آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ عضلات خصوصاً قلب میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے جس سے جسم پر پھوڑے پھنسیاں اور سوزش واورام نمودار ہو جاتے ہیں، جس کے ساتھ آنتوں میں اورام، گردوں میں پتھری اور دائیں طرف کی ٹانگ اور بازو میں درد خصوصاً عرق النساء پیدا ہو جاتا ہے۔ اس تحریک سے بواسیر

بادی ظاہر ہو جاتی ہے گویا سوداوی مادہ (سائیکوسس) اپنے پورے زور پر ہوتا ہے۔اس تحریک میں دائیں خصیہ میں سکیڑ اور مرض فتق بھی پیدا ہو سکتا ہے۔یہاں پر دائیں طرف کے امراض اور علامات ختم ہو جاتے ہیں۔

علاج وغذا کے لئے تحریک مدنظر رکھیں مشکل اور پیچیدہ امراض میں بالکل نہ گھبرائیں۔یہ بھی یاد رکھیں فرنگی طب میں ان امراض کا یقینی اور صحیح علاج نہیں ہے۔وہ بالکل عطایانہ علاج کرتے ہیں۔

چوتھی تحریک غدی عضلاتی (کیفیات میں گرمی خشکی اور خلط میں صفرا ہوتا ہے)

یہ تحریک بائیں نصف سر سے شروع ہو کر بائیں طرف کے شانے تک جاتی ہے۔گویا یہ تحریک خالص غدی ہے۔اس کا تعلق عضلات سے یہ ہے کہ اس کی انتہائی کیمیائی تحریک نے اس کو شروع کیا ہے اور اس کے انتہاء پر پہنچ جانے پر غدی تحریک پیدا ہوگی جس سے عضلات میں رفتہ رفتہ ریاح ختم ہو کر وہاں پر حرارت کی شدت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

غدی عضلاتی تحریک میں غدد میں تحریک، عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین پیدا ہو جاتی ہے،جس سے تمام جسم میں صفراء اور حرارت کی زیادتی ہونا شروع ہو جاتی ہے،اس تحریک میں تمام جسم کے غدد سکڑنا شروع ہو جاتے ہیں اور عضلات پھیلنا اور اعصاب میں تسکین کی علامات ظاہر ہونے لگتی ہیں۔عضلات کے پھیلنے کو خاص طور پر ذہن میں رکھیں کیونکہ جب عضلات میں تسکین ہوتی ہے تو وہ گیند کی طرح پھول جاتے ہیں۔ شک پڑتا ہے کہ پھولنا ورم کی وجہ سے ہے۔ورم میں سوزش ہوتی ہے۔اس میں عضلات سکڑ جاتے ہیں اور بخار لازم ہوتا ہے۔یاد رکھیں کوئی حصہ جسم کا پھول جائے مثلاً گلے پڑنا، زبان کا موٹا ہونا، دِل کا بڑھ جانا یا عظم جگر اور عظم طحال وغیرہ یا خصیوں کو بڑھ جانا وغیرہ۔اسی طرح سر اور پیٹ کا بڑھ جانا یہ سب عضلات میں رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے لیکن کسی عضو کا پھیلنا ایسا ہے جیسے پانی میں کچھ عرصہ تک گوشت کی بوٹی رکھ دی جائے تو یہ پانی کی تری سے پھیل جاتی ہے بالکل اسی طرح **غدی تحریک سے عضلات میں تحلیل ہو کر وہ پھیل جاتے ہیں۔**

جگر (کبد-لیور)

ایک قسم کا غدد یعنی گلٹی ہے جو جسم انسان کے دیگر غدد کی نسبت بڑا ہوتا ہے اس کی رنگت سرخی مائل بھوری ہوتی ہے۔اس کا بہت سا حصہ دائیں جانب نیچے کی پسلیوں کے نیچے معدہ کے اوپر کو ہوتا ہے مگر اس کے بائیں لوتھڑے کا تھوڑا سا حصہ بائیں جانب نیچے کی پسلی کے نیچے بھی رہتا ہے۔جگر کی بالائی سطح محدب اور حجاب حاجز،عضلاتی کے نیچے رہتی ہے۔جس پر آبدار جھلی (باریطون) لگی رہتی ہے یہ سطح دیافرغما اور دیوار شکم سے متصل ہوتی ہے۔جگر کی زیریں سطح مقعر ہوتی ہے اور اس سطح پر بھی سوائے ایک دو درزوں کے باقی سب پر آبدار جھلی لگی رہتی ہے۔زیریں سطح پر ایک لمبی درز جگر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔جس میں سے دایاں حصہ بہ نسبت بائیں کے بہت بڑا ہوتا ہے اور پیٹ کے بالائی اور داہنی طرف کی کل جگہ میں رہتا ہے۔بایاں حصہ چھوٹا اور معدے کے اوپر واقع ہوتا ہے۔جگر کا پچھلا کنارہ گول اور دبیز ہوتا ہے جو دیافرغما سے بذریعہ تاج نما بند (رباط جھلی) کے ساتھ چسپاں ہوتا ہے۔جگر میں پانچ شگاف ہوتے ہیں۔اس میں پانچ لوتھڑوں میں تقسیم ہوتا ہے۔یہ تقسیم عضلاتی پردے کے ذریعے سے ہوتی ہے جو اندر تک چلے جاتے ہیں اور تمام جگر نیچے اوپر سے اعصابی جھلی سے ڈھکا رہتا ہے۔جس میں ضرورت کے وقت رطوبت رستی ہے۔

جگر کے دائیں حصے کی زیریں سطح پر اس کے کنارے کے نزدیک ناشپاتی کی شکل کی دو انچ لمبی اور ایک انچ چوڑی تھیلی لگی رہتی ہے۔اس کو پتہ کہتے ہیں۔جگر جو صفراء جدا کرتا ہے وہ اس تھیلی میں جمع ہوتا رہتا ہے۔یاد رکھیں جگر اس وقت صفراء بناتا ہے جب اس کا فعل ہضم ختم ہو جاتا ہے۔ یہی صفراء جگر سے آنتوں میں گر کر روغن کو ہضم،تلیین اور دفع تعفن کا کام کرتا ہے۔

غدی عضلاتی تحریک کے امراض

اس میں بایاں نصف سر، بائیں آنکھ، بایاں کان، بائیں ناک، بائیاں جبڑا اور گال اور بائیں زبان کے امراض شریک ہیں۔ چونکہ ان مرکب اعضاء کے امراض غدد یا غدی پردوں سے شروع ہوتے ہیں۔ اس لئے ان تمام اعضاء کے غدد میں تحریک ان کے عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں سکون انہی کے ساتھ ہی تمام جسم کے غدد مثلاً جگر و گردوں اور طحال ولبلبہ میں تحریک اور تمام جسم کے عضلات خصوصاً قلب میں تحلیل اور اعصاب خصوصاً دماغ میں تسکین ہوتی ہے۔ اسی نقشہ کے تحت امراض اور علامات کو مدنظر رکھیں۔ ان کے مخصوص امراض درج ذیل ہیں۔

سر کے امراض

صداع حار ساذج مادی (صفراوی)، ضعف دماغ (غدی)، صداع ضربی وسقطی (غدی)، شقیقہ، سرسام صفراوی، ورم وسوزش دماغ نخاعی (غدی)، ماشرہ (ورم چہرہ)، سر چکرانا، جنون، استرخا اور فالج (دائیں طرف)۔ اسی طرح آنکھ و ناک اور کان ومنہ کے وہ امراض جن کی وجہ سے گرمی خشکی اور صفراء ہوسکتا ہے۔ ایسے ہی سر سے شانہ تک کی بیرونی جلد پر سوزش وورم اور زخم و پھنسیاں ہوسکتی ہیں جن کا سبب صفراء ہوا کرتا ہے۔ ان کے ساتھ دیگر اہم علامات میں خفقان قلب، ضعف قلب، ضعف شش ومعدہ اور امعاء ومثانہ شامل ہیں۔ خاص طور پر ذات الجنب (پھیپھڑوں کے غدی پردہ میں سوزش) اور زحیر آنتوں کے غدد میں سوزش وورم داخل ہیں۔ یاد رکھیں ذات الریہ (نمونیہ) ہمیشہ دائیں طرف سے شروع ہوتا ہے اور ذات الجنب (پلورسی) ہمیشہ بائیں طرف سے شروع ہوتی ہے۔ کیونکہ اوّل الذکر عضلاتی ہوتی ہے اور ثانی الذکر غدی ہوتی ہے۔ اسی طرح تپ دق دائیں پھیپھڑے سے شروع ہوتی ہے اور سل ہمیشہ بائیں پھیپھڑے کے غدی پردہ سے ابتداء کرتا ہے۔ آنتوں کی دق وسل اور ہڈی کی دق وسل بھی ہمیشہ ان کے غشائے مخاطی اور غدی پردوں کی خرابی سے ہوا کرتے ہیں۔ اس تحریک میں جب شدت ہوتی ہے تو یرقان واستسقاء اور سوالقینہ ہو جاتے ہیں۔ تفصیل طویل ہے۔

پانچویں تحریک غدی اعصابی

(کیفیاتی گرم تر اور خلطی دموی)

یہ تحریک بائیں شانہ کی ہڈی سے شروع ہوکر بائیں گردہ تک جاتی ہے۔طحال اس میں شریک نہیں ہے۔البتہ لبلبہ اور امعاء (آنتیں) بائیں طرف کی ضرور شامل ہیں۔اس میں جوامراض وعلامات پیدا ہوتی ہیں،اس میں ریاح کا اثر داخل نہیں ہوتا،البتہ خون میں جوش اور حرارت زیادہ ہوتی ہے۔اسی تحریک کو فرنگی طب میں ہائی بلڈ پریشر (خون کے دباؤ میں تیزی) کہتے ہیں۔اس تحریک میں بھی چونکہ غدد میں انتہائی تحریک، عضلات میں انتہائی تحلیل اور اعصاب میں انتہائی سکون ہوتا ہے۔اس لئے اس تحریک میں گزشتہ تمام امراض وعلامات میں انتہائی شدت ہوتی ہے۔اس کا اثر خاص طور پر دل، پھیپھڑوں، معدہ وامعاء کے غدی پردوں اور گردوں ولبلبہ پر بہت شدت سے ہوتا ہے۔اس لئے انتہائی ضعف قلب، غدی دمہ، معدہ میں شدید سوزش وورم، آنتوں میں شدید قسم کی پیچش ہوجاتی ہے اور بائیں گردے کی تکلیف میں بائیں کولہے سے بائیں ٹانگ کے پاؤں کی انگلیوں تک عرق النساء (لنگڑی کا درد) کبھی اس کی شدت بائیں بازو پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔مردوں میں بائیں خصیے کے اثر سے سرعت انزال کی شدت اور عورتوں میں خصیۃ الرحم میں سوزش سے ماہواری میں تنگی اور درد میں شدت ہوتی ہے۔

امعاء (آنتیں)

یہ دو قسم کی ہوتی ہیں۔اوّل چھوٹی آنتیں جو معدہ کے نچلے حصہ سے شروع ہوکر تقریباً بائیس فٹ لمبی ہوتی ہیں اور اس کے تین حصے ہوتے ہیں (۱) بارہ انگشت آنت (۲) خالی آنت (۳) پیچیدہ آنت۔انہی آنتوں میں آنتوں کی اپنی رطوبت کے ساتھ صفراء اور لبلبہ کی رطوبت بھی شامل ہوتی ہے۔دوسری بڑی آنتیں جو پیچیدہ آنت کے آخری سرے سے شروع ہوکر مقعد تک پہنچتی ہے۔یہ تقریباً پانچ فٹ لمبی ہوتی ہے۔اس کے بھی تین حصے کئے گئے ہیں: (۱) کانی آنت (۲) فراخ آنت (۳) سیدھی آنت۔ان میں جوامراض اور علامات پیدا ہوتی ہیں، ان کے نام بھی تقریباً انہی ناموں سے رکھ دیئے گئے۔مثلاً کولہوں میں جو درد ہواس کو قولنج کہتے ہیں۔یہ ایک مرض فرنگی ڈاکٹروں نے تسلیم کرلیا ہے۔مگر اس امر کی کہیں وضاحت نہیں کی گئی کہ یہ اعصابی نقص سے پیدا ہوتا ہے یا غدی اور عضلاتی خرابیوں سے عمل آتا ہے۔اس لئے اس کے علاج میں بھی ناکام ہیں۔آنتوں میں اگرچہ غدی اور اعصابی اثر غالب ہے،لیکن دائیں بائیں کے لحاظ سے عضلات اور غدی اثرات نمایاں نظر آتے ہیں اور سب سے نیچے کی آنتوں میں اعصابی اثرات بہت واضح ہیں۔اس لئے مقعد میں جوامراض ہوتی ہیں۔مثلاً بواسیر اور کانچ نکلنا وہ سب اسی تحریک کے تحت ہوتے ہیں۔اسی طرح آنتوں میں جو کیڑے پیدا ہوتے ہیں وہ بھی مختلف تین اقسام کے ہوتے ہیں۔چھوٹی آنتوں میں پیدا ہوں تو کیچوے، بڑے آنتوں میں پیدا ہوجائیں تو کدو دانے اور مقعد میں پیدا ہوجائیں چنونے کہلاتے ہیں۔ان کا علاج علامات کے مطابق تحریکات کے تحت کرنا چاہئے۔اس تحریک میں گردوں اور مثانے میں پتھری بن جاتی ہے اور اسی تحریک میں ان میں سوزش اور ورم ہوکر پیشاب میں رطوبت بیضہ اور خون آنا شروع ہوجاتا ہے۔اسی تحریک میں آنتوں میں خونی پیچش اور زخم ہوجاتے ہیں۔خونی بواسیر کی شدت بھی اسی تحریک میں ہوتی ہے۔اسی تحریک میں پیشاب بار بار اور جل کر آتا ہے اور اسی تحریک میں سوزاک ہوجاتا ہے۔الغرض غدد میں انتہائی تحریک سے جب سکیڑ ہوتا ہے تو ایسے امراض پیدا ہوتے ہیں۔اسی تحریک میں جو کیمیائی مادہ پیدا ہوتا ہے اس کو سوزاک کی مادہ (سورا) کہتے ہیں۔

چھٹی تحریک اعصابی غدی

(کیفیاتی تر گرم۔خلطی دموی)

یہ تحریک طحال سے شروع ہو کر بائیں ٹانگ کے پاؤں کی انگلیوں تک پہنچتی ہے۔اس میں طحال، لبلبہ، بایاں مثانہ، بایاں کولہا، بایاں خصیہ اور عضو مخصوص کی بائیں طرف اور بائیں ٹانگ سے پیدا ہونے والے امراض اور علامات شریک ہیں۔

اس تحریک میں غدد کی انتہائی کیمیائی تحریک وہاں سے بدل کر اعصاب پر اثر انداز ہو جاتی ہے۔جس سے غدد کی بجائے اعصابی تحریک شروع ہو جاتی ہے۔البتہ حرارت کی وجہ سے اس کا تعلق غدد سے رہتا ہے۔اگرچہ خالص خون کی تحریک ہے کیونکہ اس میں ریاح ختم ہو چکے ہوتے ہیں لیکن اس خون میں رقت (رطوبت کی گرمی سے زیادتی ہو جاتی ہے) اور ایسے امراض وعلامات ظاہر ہوتے ہیں جن کے اندر خون میں رقت بڑھ جاتی ہے۔کیونکہ اس تحریک میں اعصاب میں سوزش، غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین شروع ہو جاتی ہے اور روز بروز اس وقت تک بڑھتی رہتی ہے کہ جب تک رطوبات جسم اس قدر بڑھ جاتی ہیں کہ حرارت ختم کر کے پھر پہلی تحریک اعصابی عضلاتی تحریک شروع ہو جائے۔قدرت کی طرف سے انسانی جسم میں فطرت کا یہ چکر جاری رہتا ہے۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قدرت فطری طور پر خود معالج ہے اور انسان کو قدرت کے اس فطری قانون کا پورا علم ہونا چاہئے جس سے اس کی نگہداشت کر سکے اور بوقت ضرورت جب کوئی خرابی پیدا ہو تو اس کو وہیں درست کر لے بس یہی علاج ہے۔اعصابی غدی تحریک سے بھی یہ نہ سمجھ لیں کہ اس کے امراض صرف اس کی حد تک محدود ہیں۔ بلکہ تمام جسم میں اس کی علامات رونما ہوتی ہیں جیسا کہ گزشتہ پانچ تحریکوں میں بیان کیا گیا۔البتہ ابتداء اسی تحریک سے ہوتی ہے۔اگر حادثات میں یہی اعصابی غدی تحریک کسی اور جگہ سے بھی شروع ہو جائے تو اس کا فوراً پہلا اثر تحریک کے اسی مقام پر ظاہر ہوگا۔بس یہ یوں سمجھ لیں کہ یہ بھی اعصابی تحریک ہے، لیکن اس کا تعلق کیمیائی غدد کے ساتھ قائم ہے۔

ظاہراً تو یہ تحریک امراض کے لحاظ سے طحال سے شروع ہو کر بائیں ٹانگ کے پاؤں کی انگلیوں تک جاتی ہے، لیکن پھر پہلی تحریک کی طرح خالص دماغ نخاعی اور اعصابی تحریک ہے۔اس میں دماغی غدی پردوں کا صرف کیمیائی دخل ہے یعنی اگر پہلی اعصابی تحریک کا عضلاتی انسجہ (ٹشوز) کے ساتھ کیمیائی دخل تھا تو اس تحریک میں کیمیائی طور پر غدی انسجہ کے ساتھ تعلق ہے ورنہ یہ تحریک بھی صرف دماغی ونخاعی اور اعصابی ہے۔البتہ اس کا تعلق دماغ ونخاع اور اعصاب کے بائیں حصوں میں ہوتا ہے۔اس لئے اس میں بائیں طرف کے امراض شامل ہیں۔اس لئے سر سے پاؤں تک کے امراض وعلامات جو تری گرمی سے شروع ہوتے ہیں، ان کی ابتداء اسی تحریک سے شروع ہونی چاہئے۔ بعد میں وہ تمام جسم میں پھیل کر اپنی علامات کو نمایاں کر دیں جن کا اظہار ان کی علامات سے ہوتا ہے جو مقامات جسم میں پیدا ہوتی ہے۔ان کے امراض درج ذیل ہیں۔

سر کے امراض

صداع دموی، صداع جماعی، سرسام دموی، داء الکلب (کتے کاٹے کا جنون)، مرگی، (اطرافی)، ام الصبیان، فالج جسم اسفل، استرخائے اسفل، خنازیر وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح آنکھ وناک اور کان ومنہ کی اعصابی غدی علامات وغیرہ پر غور کریں۔ یہی علامات قلب وسینہ اور معدہ وامعاء میں بھی نظر آتی ہیں۔لیکن نیچے کے حصہ میں اس تحریک کا اثر نہایت نمایاں ہوتا ہے۔جن میں اگر ضعف گردہ ومثانہ اور ضعف طحال وجگر کے علاوہ ضعف باہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔جس طرح دیگر رطوبات میں رقت اور بہاؤ بڑھ جاتا ہے،اسی طرح جریان منی میں بھی رقت اور اخراج زیادہ ہوجاتا ہے۔جریان منی کے ساتھ جو ضعف باہ کی صورت پیدا ہوجاتی ہے،وہ یہی تحریک ہے۔

قوت باہ

ضعف باہ کے متعلق یہ امر ذہن نشین کرلیں اس کا تعلق کسی خاص تحریک سے نہیں ہے،کیونکہ قوت باہ کسی ایک تحریک سے تکمیل کو نہیں پہنچتی۔ بلکہ تمام جسم کے قویٰ میں اعتدال لازم ہے۔اس لئے ضعف باہ جس طرح اعصابی نقائص سے ہوسکتا ہے،اسی طرح غدی عضلاتی خرابیوں اور بے اعتدالیوں سے بھی ہوسکتا ہے۔صرف قوتِ باہ پر ہی کیا منحصر ہے،جسم کے تمام قویٰ کے افعال تمام جسم کے افعال پر منحصر ہیں۔مثلاً دماغ قوت بصر، قوت سمع،قوت شامہ،قوت لامسہ،سانس کی باقاعدگی،قوت ہضم (اس میں قبض واسہال شریک ہیں)،قوت ارادہ بلکہ جسم کی قوت عمومی (جنرل ٹانک) وغیرہ سب ایسی صورتیں ہیں جن میں اعصاب وغدد اور عضلات مشترکہ شریک ہیں۔جیسے ہر تحریک میں تمام دیگر تحریکوں پر اثر پڑتا ہے،اسی طرح ہر قوت میں تمام مفرد اعضاء انسجہ برابر کے شریک ہوتے ہیں لیکن تحریکوں کے جن مقامات کی تقسیم کا ذکر کیا ہے،ان کے امراض اور علامات کی ہمیشہ انہی مقامات سے ابتدا ہوا کرتی ہے۔یہ تقسیم وتفصیل تشخیص مرض اور تجویز علاج کے لئے انتہائی اہمیت رکھتی ہے،گویا ان تحریکات کو سمجھ لینا امراض وعلامات اور ان کے علاجات کی کنجی کو حاصل کر لیتا ہے۔

کجی

مردانہ عضو مخصوص کا ٹیڑھا (کجی) ہوجانا یا دبلا ہوجانا کبھی دونوں طرف سے نہیں ہوتا،کبھی دائیں طرف سے ہوتا ہے اور کبھی بائیں طرف سے اس لئے کجی کو پورے طور پر سمجھیں،پھر اس کی علامات کو دیکھ کر اندرونی ادویات کھلائیں اور بیرونی طور پر تحریک کے مطابق روغن طلا کریں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ہر قسم کی کجی بہت آسانی سے دور ہوجاتی ہے۔

جریان منی

منی کا اخراج بھی ایک قوت کے ماتحت ہوتا ہے جس کی مختلف صورتیں ہیں۔اگر منی پانی کی طرح اکثر یا ہر وقت بہتی رہے تو اس کو جریان منی کہتے ہیں۔یہ علامت اس تحریک اعصابی غدی کے تحت ہوتی ہے۔لیکن اگر منی میں ہر وقت یا اکثر بہنے کی صورت نہ ہو اور ذرا سی لذت کے وقت انزال کی صورت واقع ہوجائے تو اس کو سرعت انزال کہتے ہیں۔یہ غدی اعصابی تحریک ہے اور اگر منی کا اخراج نیند کی حالت میں کثرت سے ہو یا گاہے گاہے ہو تو اس کو احتلام کہتے ہیں۔یہ تحریک عضلاتی غدی ہوتی ہے۔بعض لوگ سرعت انزال اور احتلام کے فرق کو پورے طور پر ذہن نشین نہیں کرتے اور تشخیص میں پریشان رہتے ہیں۔احتلام میں نیند شرط ہے،اگر نیند کے بغیر انزال ہو تو سرعت انزال ہے۔لیکن اس امر کو بھی نظر انداز نہ کریں کہ جن لوگوں کو سرعت انزال کا مرض ہو ان کو نیند میں بھی انزال ہوسکتا ہے۔بس یہی فرق ہے ورنہ دونوں تحریکیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ذرا سی کوشش سے علامات پر غور کرنے سے فوراً صحیح تشخیص سامنے آجاتی ہے۔

ذیابیطس

یہی تحریک اعصابی غدی ہے،کیونکہ اس میں اعصاب میں سوزش ہونے کے بعد غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین ہوجاتی ہے۔اسی وجہ

سے طحال ولبلبہ اور جگر میں ضعف واقع ہو جاتا ہے اور وہ اپنے افعال پورے طور پر انجام نہیں دے سکتے۔یعنی نہ تو وہ اپنے خمیر صحیح طور پر تیار کر کے خون میں شامل کر سکتے ہیں جن سے خون میں طاقت پیدا ہو کر قلب وعضلات کے افعال میں تحریک پیدا ہو۔ دوسرے غدد جاذبہ رطوبات کو جذب کرنے کے قابل نہیں رہتے، جو خون سے جدا ہونے والی رطوبات کو فوراً جذب کر کے شامل خون کر دیں۔ ان کے ساتھ نظام ہائے جسم بہت تیزی سے بگڑ جاتے ہیں اور مریض پریشان ہو جاتا ہے وہ فوری شفا چاہتا ہے۔ خشک اور قابض ادویات اور اغذیہ استعمال کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس علاج کی تحریک کے تحت سوزش اعصاب کو رفع کرنا ہے۔

شرکی امراض

شرکی امراض کبھی نہیں ہوتے ہیں بلکہ امراض کی شرکی علامات ہوا کرتی ہیں۔ یہ کوئی امراض سے جدا نہیں ہوتیں بلکہ انہی مفرد اعضاء (انسجہ-ٹشوز) کے اثرات کو تمام جسم میں ظاہر کرتی ہیں۔ جیسے اعصاب تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جب جسم میں کسی مقام پر ان میں تحریک یا سوزش ہوگی تو ان کا اثر تمام جسم میں کم وبیش ضرور ظاہر ہوگا بلکہ مرکز تک پہنچ جائے گا۔ اسی طرح مرکز سے جسم میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ مثلاً جسم میں کسی اعصاب میں سوزش ہوگی تو اس کا اثر دماغ تک جائے گا اور دماغ میں سوزش ہوگی تو اس کا اثر تمام جسم کے اعصاب خصوصاً دائیں بائیں کے حصوں میں ضرور ظاہر ہوگا۔ یہی اعصاب کی شرکی علامات ہیں۔ البتہ یہ علامات بعض مقام پر شدت سے ظاہر ہوتی ہیں۔ ان کو غلطی سے امراض کہہ دیا جاتا ہے۔

یہی صورتیں عضلاتی اور غدی امراض کی بھی ہیں۔ ان کے ساتھ یہ بھی ذہن نشین کر لیں کہ اعصاب میں چونکہ تحریک کے بعد غدی تحلیل اور عضلات میں تسکین ہوتی ہے، اس طرح یہ بھی شرکی علامات بن جاتی ہیں۔ اسی غدد اور عضلات کی تحریکات میں دیگر کو مفرد اعضاء میں بھی اسی قسم کی شرکی علامات پیدا ہو سکتی ہیں۔ انہی علامات کو غلطی سے امراض سمجھ لیا جاتا ہے جن سے علاج میں اکثر ناکامی ہوتی ہے۔

علاج میں سب سے بڑا راز

یہ تو ہم بار بار واضح کر چکے ہیں کہ امراض ہم انہی صورتوں کو کہتے ہیں جب ان کا تعلق کسی مفرد عضو نسیج سے شروع ہوتا ہے یعنی اس میں تحریک ہوتی ہے چاہے کسی مقام پر شروع ہو اور ہم نے اپنے سالہا سال کی تحقیقات سے چھ مقام واضح کر دیئے ہیں تاکہ طلباء کو ذہن نشین کرنے میں سہولت ہو اور وہ تشخیص میں آسانی حاصل کر لیں۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر راز کی بات یہ ہے کہ جس قسم کی کوئی تکلیف ہوگی چاہے وہ اعصابی ہو یا غدی یا عضلاتی ہو چاہے اس کا مقام کوئی تحریک ہو لیکن جس مقام سے اس کا تعلق پیدا ہو گیا ہے چاہے وہ تحریک کا مقام ہے یا شرکت کی وجہ سے وہاں پر اثر پہنچ گیا ہے۔ بس اسی مقام میں تحریک شدت تکلیف کا باعث بن جاتی ہے۔ جیسے گردہ کے اعصابی پردوں میں سوزش ہوگی تو پیشاب زیادہ آئے گا اور اگر لبلبہ کے اعصابی پردوں میں سوزش ہو جائے تو ذیابیطس شروع ہو جائے گی، اسی طرح تمام جسم کے اعضاء اور مقام پر غور کر لیں جیسا کہ علامات سے ذہن نشین کرا دیا ہے۔ یہ وہ راز ہے جس کو طب یونانی تو مزاج اعضاء کے سلسلہ میں بیان کرتی ہے مگر فرنگی طب اس سے بے خبر ہے۔ اس لئے ان تحریکات اور ان کے امراض وعلامات کو بڑے غور سے ذہن نشین کر لینا انتہائی ضروری ہے۔

شرکی علامات کے خاص مقام

ویسے تو امراض کی علامات اسی مفرد عضو میں تمام جسم کے اندر پائی جاتی ہیں، لیکن خاص خاص مقام ایسے ہیں جہاں پر نمایاں ہوتی ہیں۔

مثلاً اعصابی امراض میں دماغ، ناک اور مثانہ میں رطوبت کی زیادتی کے ساتھ بے چینی اور خارش، جو کبھی بڑھ کر درد کی صورت ہو جاتی ہے۔
غدی امراض میں حلق گلے، آنتوں اور پیشاب میں جلن جو شدید صورتوں میں درد تک پہنچ جاتی ہے۔
عضلاتی امراض میں قلب وشش اور معدہ وجوڑوں میں خشکی وریاح کی زیادتی معلوم ہوتی ہے جو بڑھ جانے پر درد کی صورتیں بن جاتی ہیں۔

تشخیص مرض

مرض کا صحیح تعین کرنے اور یقین حاصل کرنے کے لئے تحریک کے ان مقامات کو دیکھنے کے ساتھ نبض اور قارورہ کو بھی ضرور دیکھ کر تسلی کر لینی چاہئے بلکہ تشخیص کی ابتداء نبض اور قارورہ سے کرنی چاہئے۔ اعصابی نبض منخفض، عضلاتی نبض شرف اور غدی نبض دونوں کے متوسط ہوگی۔ ان کے آپس کے تعلقات کو ملالیں اور قوت وضعف کے لئے باقی نبضوں کو مدنظر رکھیں جن سے مرض کا مقام اور قوت کا پتہ چلتا ہے۔

اعصابی قارورہ سفید یا نیلگوں، عضلاتی قارورہ، سرخ اور غدی قارورہ پیلا ہوتا ہے۔ چونکہ ہمیشہ عضوی اور کیمیائی دونوں تحریکیں چلتی ہیں، اس لئے قارورہ دونوں رنگوں سے مرکب ہوتا ہے۔ یہی تشخیص میں کامیابی ہے۔
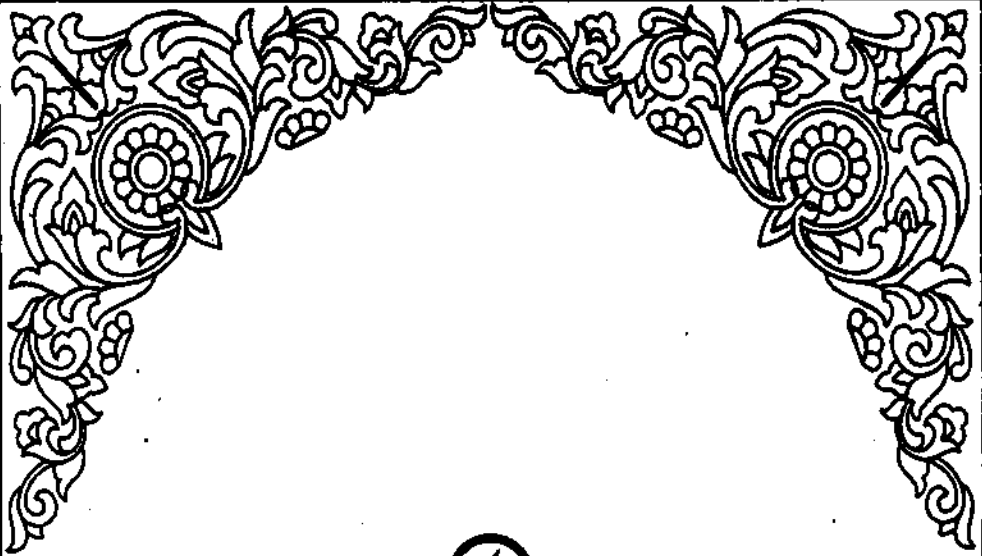
۷
تحقیقات علاج بالغذاء

فہرست عنوانات

معنون

اپنی اس علمی، تحقیقی وفنی تحقیق اور طبی تجدید و سائنسی تدقیق کو جو احیائے طب اور ارتقائے علم وفن کے لئے کی گئی ہے اپنے ایک صاحب علم اور اہل فن عزیز دوست محترم رفیق اور ساتھی جناب حکیم پروفیسر صوفی عبدالعزیز صاحب ایم اے ایم او ایل اقبال گنج، کالج روڈ، گوجرانوالہ سرگرم رکن تحریک تجدید طب (پاکستان) کے نام نامی اور اسم گرامی سے موسوم کرتا ہوں۔ صاحب موصوف علم وفن طب میں تحقیقات و تدقیقات اور ریسرچ کا اس قدر ذوق سلیم اور شوق عظیم رکھتے ہیں کہ باوجود اپنی بڑی عمر اور نفاست طبع کے اکثر گوجرانوالہ سے لاہور آتے ہیں اور نظریہ مفرد اعضاء کے تحت علم العلاج کو سمجھنے اور فنی پیاس بجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور بہت خوش ہوتے ہیں۔ علم وفن طب کی خدمت و اشاعت اور تکمیل کے لئے ابتدائی دور سے میرے ساتھ ہیں۔ انہی کی تحریک پر ماہنامہ "رجسٹریشن فرنٹ" وجود میں آیا تھا۔ وہ میری اور تحریک کی کامیابی کے لئے ہمیشہ دست بدعا رہتے ہیں۔ وہ ایک خاموش مگر زبردست مبلغ ہیں۔ اسلام اور انسانیت کی خدمت ان کی زندگی کے مقاصد ہیں۔

صابر ملتانی

1964ء

مقدمہ طبع ثانی

خداوند حکیم نے یہ زمین وآسمان بنایا ہے اور اس میں اور آسمان میں جس قدر ظاہر و باطن مخلوقات ہیں وہ بھی خدائے اعلیٰ وعظیم نے پیدا کی ہیں۔ اس تمام مخلوق کی غذا اور خوراک بھی اسی رازق مطلق کے ذمہ ہے۔ ان تمام اور دیگر ہر قسم کے معاملات میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ جب تک انسان کو زندہ رہنا ہے چاہے وہ عقل مند ہو یا جاہل اور پاگل ہو اس کو زندگی کے لیے ایک وقت یا دونوں وقت یا ہمہ وقت غذا اور خوراک ضرور ملے گی چاہے اس کو دوسرے ہی کیوں نہ کھلائیں۔ جیسے بچوں کو ان کے شعور تک کھلائی جاتی ہے۔ جب کسی کا رزق ختم ہو جائے گا تو اس کی بے حساب دولت وقارون کا خزانہ یا رشوت وبلیک سے بھری ہوئی بوریاں اور سمگلنگ کا مال بھی اس کو زندہ نہیں رکھ سکے گا۔

یہ امر ذہن سے نکال دینا چاہئے کہ رزق حاصل کرنا اور کھانا کسی انفرادی یا اجتماعی قوت کا کام ہے یا فرد و جماعت اور ملک وقوم کا کام ہے۔ نہیں! ہر گز نہیں! بلکہ ایک منٹ کے لیے بھی ایسا تصور کرنا گناہ ہے۔ یاد رکھیں کہ رازق صرف اللہ تعالیٰ ہے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ اس لیے وہی رب العالمین ہے۔ یہ رزق اسی کا ہی فضل وکرم ہے۔ زمین وآسمان کی نعمتوں کا وہی مالک ہے اور وہی ان نعمتوں کی طرف ہدایت کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ہدایت متقی (پرہیزگار) کے لیے ہے۔ متقی ایسے صحیح فطرت انساں کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روزِ حساب سے ڈرتا ہے اور اپنے عمل میں غلط قدم سے پرہیز کرتا ہے۔ اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ کہیں اسراف نہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے دور نہ ہو جائے اکثر پیٹ خالی رکھتا ہے۔ اس کو اس امر کا یقین ہوتا ہے کہ فضول خرچ شیطان کا بھائی ہوتا ہے۔

جہاں تک رزق اور غذا کی تقسیم کا تعلق ہے وہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات ونباتات اور جمادات کی صورت میں میدانوں، پہاڑوں، دریاؤں اور سمندروں میں پھیلا دیئے ہیں اور ہر انسان اپنی ضرورت کے مطابق نہ صرف حاصل کر سکتا ہے بلکہ باغات وزراعت اور حیوانی نسل کشی سے پیدا کر سکتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ دولت منداور سرمایہ دار نے ان تمام وسائل پر قبضہ کر رکھا ہے جس سے کوئی غریب اور کوئی سرمایہ دار اور زیادہ دولت مند ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مغربی جرمنی اور یورپ وامریکہ کی حکومتیں دن رات یہ پراپیگنڈہ کر رہی ہیں کہ دُنیا کی آبادی بڑھ رہی ہے اور غذا اور خوراک کی پیدائش کم ہو رہی ہے۔ اس لیے اس کا آسان علاج یہ ہے کہ پیدائش اولاد بند کر دی جائے مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ربوبیت اور رزاقیت صرف اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے جو ہر بچہ پیدا ہونے کے ساتھ ہی اس کا رزق اور قسمت اس کے ساتھ ہی پیدا کر دیتا ہے بلکہ حیوانات میں چرند و پرند اور درند کا بچہ بھی جب پیدا ہوتا ہے بلکہ نباتات کا پودا جب نکلتا ہے تو اس کا رزق بھی اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ گویا ہر پیدا ہونے والا اپنا رزق اور قسمت ساتھ لاتا ہے بلکہ پہلے ہی اس کی ماں کے سینے میں دودھ آ جاتا ہے جو دو سال تک رہتا ہے۔ اس کے بعد زندگی بھر وہ اس زمین سے رزق وغذا اور خوراک کھاتا رہتا ہے۔

جو سائنس دان رات دن یہ رٹ لگا رہے ہیں کہ دُنیا میں غذا اور خوراک کم ہو رہی ہے اور آبادی و پیدائش بڑھ رہی ہے کیا انہوں نے زمین میں بحر و بر کی وسعتوں کا اندازہ لگا لیا ہے۔ اس کے علاوہ آسمان سے جو نعمتیں نازل ہوتی ہیں ان کا اندازہ لگا لیا ہے۔ صرف سمندروں اور

دریاؤں میں اس قدر غذا اور خوراک پائی جاتی ہے کہ اس دُنیا کی کئی گنا آبادی بھی اس کو ختم نہیں کرسکتی۔ اس کے علاوہ میدانوں اور پہاڑوں میں اس قدر غذا اور خوراک موجود ہے جس کا ابھی تک احاطہ نہیں کیا گیا مگر اس کا کیا علاج کہ اس پر سرمایہ دار اور دولت مند کا قبضہ ہے اور غریب عوام کو متوازن اور مکمل غذا تو رہی ایک طرف صرف پیٹ بھرنے اور زندہ رہنے کے لیے غیر متوازن اور ضرورت کے مطابق غذا اور خوراک نصیب نہیں ہے۔ غریب عوام کے لیے پروٹین (اجزائے لحمیہ) فیٹس (اجزائے روغنیہ) کاربوہائیڈریٹس (نشاستہ اور شکری اجزاء) وٹامن (حیاتین) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ فرنگی طب کی یہ تقسیم بھی غلط ہے۔ بہرحال غذا اور اس سے علاج پر مکمل تحقیقات پیش کی جارہی ہے۔

غذا کی خوبیوں میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علاج بالغذا پر علمی اور سائنسی حیثیت سے یہ اوّلین کتاب ہے جو نظریہ بالمفرد اعضاء (ٹشوز) کے تحت لکھی گئی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا جواب دُنیائے طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس ہرگز پیش نہ کرسکیں گے اور علاج کی دُنیا میں یہ ایک سنگِ میل ثابت ہوگی۔ اس کتاب کو سمجھ لینے کے بعد علاج یقینی اور آسان ہوجائے گا۔ اس کتاب میں مندرجہ ذیل تین باتوں کو خاص طور پر مدنظر رکھا گیا ہے۔

① جسمِ انسان کی نشوو ارتقاء اور تربیت صرف خون اور اس کے کیمیاوی عناصر پر ہے، جو انسان کی غذا سے تیار ہوتے ہیں، ان میں ادویہ کو دخل نہیں ہے۔ گویا ادویہ خون کے اجزا نہیں ہیں۔ اس لیے مکمل وصحیح اور مستقل علاج صرف غذا ہی سے ہوسکتا ہے۔ ادویہ کا تعلق صرف انسانی اعضاء کے افعال میں افراط یا تحریک وتسکین اور تحلیل تک ہے۔

② امراض کا علاج کرنا چاہیے، علامات کا علاج نہیں کرنا چاہیے۔ علامات ہمیشہ امراض کے تحت ہوتی ہیں۔ امراض رفع ہوجانے کے بعد علامات خود بخود دور ہوجاتی ہے۔ اگر علامات کو دور کرنے کی کوشش کی گئی تو امراض رفع نہیں ہوں گی۔ کوئی دوسری صورت اختیار کرلیں گے۔ امراض کا تعلق صرف مفرد اعضاء (ٹشوز) سے ہوسکتا ہے۔ پس ان کی تشخیص کرکے ان کو اعتدال پر قائم کریں۔

③ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اس کی خوراک حیوانی غذا ہے جس کی ابتدا دودھ سے ہوتی ہے اور کسی نہ کسی شکل میں انسان کی موت تک اس کی خوراک حیوانی غذا رہتی ہے۔ اسی میں اس کے لیے زندگی وصحت اور طاقت ہے۔

تحقیقات علاج بالغذا میں مختصر طور پر وہ سب کچھ سمودیا گیا ہے جس کی ضرورت تھی۔ البتہ ہم یہ ضرور محسوس کرتے ہیں کہ طلبہ اور عوام کے لیے اس میں تفصیل کی ضرورت تھی، یعنی:

① ہر مفرد غذا کے تفصیلی افعال واثرات۔

② اسی طرح ہر مرکب خوراک سے افعال واثرات۔

③ ہر مرض وہر علامت کے تحت مفرد اور مرکب اغذیہ اور اس کا طریق استعمال ہونا چاہیے تھا۔

④ بعض اغذیہ کی کمی کی وجہ سے بعض خصوصی امراض پیدا ہوجاتے ہیں، ان کا ذکر بھی لازمی تھا۔

⑤ بعض اغذیہ بالخاصہ بعض امراض میں یقینی طور پر شفا بخش ہیں، ان کا ذکر بھی ہوجاتا تو بہتر تھا۔

⑥ غذا سے علاج کس طرح کرنا چاہیے۔

⑦ غذا کو کب روکنا اور کب شروع کرنا چاہیے۔

⑧ لطیف اور ثقیل غذا کب اور کیوں دینی چاہیے، وغیرہ وغیرہ۔ ان سب باتوں کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ ان کو مدنظر رکھا جائے۔ بہرحال یہ علاج بالغذا پر ایک بہت بڑا خزانہ جمع کردیا گیا ہے۔

فرنگی طب صرف عارضی علاج ہے

فرنگی طب (ایلوپیتھی) صرف عارضی اور وقتی علاج ہے۔ اس میں صرف علامات کو روکا جاتا ہے یا جراحی میں کاٹ کر جسم سے دور کر دیا جاتا ہے۔ یہ حقیقی معنوں میں علاج نہیں ہے' بلکہ بوچڑی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس نے صرف جراثیم کو اسباب مرض قرار دیا ہے۔ وہ جراثیم کو فنا کرنے اور جراثیم کو خارج کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ غذا کی اہمیت اور افادیت کو مدنظر نہ رکھنے سے ہزاروں مریض زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔

علاج بالمثل صرف علاماتی علاج ہے

علاج بالمثل (ہومیوپیتھی) خود تسلیم کرتی ہے کہ وہ علامات کو رفع کرتی ہے گویا صرف علاماتی علاج ہے۔ یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ اس طریقہ علاج میں مرض کو کوئی حقیقت نہیں ہے اور یہ کتنی خوفناک حقیقت ہے کہ ان کے علاج میں بنیادی حقیقت ہی نہیں پائی جاتی۔ جس کی وجہ سے 99 فیصدی امراض پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ غذا ہی سے خون پیدا ہوتا ہے اور خون ہی جسم کی نشوو ارتقاء اور ترتیب پیدا کرتا ہے اور یہ مکمل اور صحیح خون ہی زندگی وصحت اور طاقت ہے۔

ہومیوپیتھی میں سفلس وسورا اور سائیکوسس کیا ہیں؟ یہ خون کی کیمیاوی تبدیلیاں جو غذا سے پیدا ہوتی ہیں۔ جب تک ان میں پھر تبدیلی پیدا نہ ہو کبھی مریض کو مکمل شفا نہیں ہوسکتی۔ اگر کوئی علامت رفع بھی ہوتی ہے تو وہ عارضی اور وقتی ہوتی ہے۔ اس لیے ہم بار بار لکھتے ہیں کہ **ہومیوپیتھی نہ مکمل طریقہ علاج ہے اور نہ ہی سائنٹیفک علاج ہے۔ یہ صرف خواص الادویہ کا ایک خاص طریقہ ہے جس کو علاج بنالیا گیا ہے۔** جیسے دیگر خواص الاشیاء کو علاج بنالیا گیا ہے جن میں بایوکیمک، ہائیڈروپیتھی، سائیکوپیتھی، آسٹروپیتھی، علاج بالفاقہ، علاج بالغذاء، علاج طب روحانی، علاج بالموسیقی، جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے وغیرہ وغیرہ سے علاج کیا جاتا ہے۔ دراصل یہ تمام طریق علاج آیورویدک اور طب قدیم کے ہی اجزاء ہیں۔ ان کی جدا کوئی ہستی نہیں ہے۔

علاج بالغذا کی اہمیت

علاج بالغذا میں علاج بالفاقہ بھی شامل ہے اور غذا ہماری زندگی کا ایک اہم جزو ہے۔ غذا کا تعلق حالت صحت کو قائم رکھنے کے لئے بھی ہے اور حالت مرض کو دور کرنے سے بھی ہے۔ اس لئے فطرتاً اور قدرتاً ہر علاج غذا چھوڑنے یا غذا کھانے سے شروع کرنا پڑتا ہے۔ اسی لئے آیورویدک اور طب میں تاکید ہے کہ ہر مرض کا علاج اوّل صرف غذا ہی سے کرنا چاہئے یعنی اس میں کوئی خاص غذا چھوڑنا پڑے جس کو فاقہ کہتے ہیں۔ اس سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً:

① غذا چھوڑ دینے سے جسم پر اور خصوصاً مقام مرض پر جو مادے کا بوجھ ہوتا ہے وہ کم ہو جاتا ہے۔ جیسے کسی انسان کے سر پر اس قدر بوجھ ہو کہ وہ چل پھر نہ سکتا ہو جب اُتار دیا جائے تو وہ آسانی سے چل سکتا ہو۔

② جسم میں غذا کا بوجھ کم ہو جاتا ہے اور اعضا تیزی سے اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ جس سے فضلات جسم سے خارج ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور جو خام غذا اور مادے پڑے خمیر اور فضلہ بن کر فساد اور مرض کا باعث بن رہے ہوتے ہیں ان کو خارج کرنا شروع

کر دیتے ہیں۔

③ یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ جب تک جسم میں خمیر بنتا ہے خون نہیں بنتا۔ جسم میں خمیر اور تیزابیت کو فوراً ختم کر دینا چاہئے۔

④ جسم اور خون میں جن اجزاء کی کمی ہے وہ غذا کے ذریعے پوری کریں اور جن اجزاء کی زیادتی ہے وہ اس قسم کی غذا کو روک کر کم کر دیں۔ یہ کام دوا سے ممکن نہیں ہے۔ اس لئے علاج کی ابتداء غذا سے کریں۔ جب مرض صحت کی طرف لوٹے تو اگر ضرورت محسوس کریں تو انہی غذائی اصولوں پر ادویات شروع کر دیں۔ مریض بہت جلد صحت اور طاقت کی طرف آ جائے گا۔

دوا کی خوبیاں اپنی جگہ پر ہیں۔ مثلاً غذا سے اگر ہم جسم کو زیادہ سے زیادہ دس حصہ تک تیز کر سکتے ہیں تو ادویات سے جسم کو پچیس و پچاس اور سو بلکہ ہزار حصہ تک تیز کر سکتے ہیں اور جب طبیعت غذائی علاج سے صحت کی طرف آ رہی ہو تو دوا سے اور بھی تیز ہو جاتی ہے اور اگر یہی دوا بغیر غذائی علاج کے غلط استعمال ہو تو اتنا ہی شدید نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے یہ تاکید ہے کہ اوّل علاج بالغذا کریں اور یہ تاکید اس لئے بھی ہے کہ تجدید طب کی تحریک میں ہم یہ خصوصیت پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے علاج کی ابتداء علاج بالغذا ہوتی ہے۔ اس میں ملک وقوم اور عوام کی خدمت بھی ہے اور کسی قسم کے نقصان کا خطرہ بھی نہیں ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم علاج بالغذا سے فرنگی طب کا بہت اچھی طرح مقابلہ کر سکتے ہیں۔

صابر ملتانی

پیش لفظ

علاج بالغذا کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہر قسم کے جسمانی علاج کے ساتھ غذا کی مناسبت اور پرہیز بالکل لازم اور ضروری ہے۔ اگر علاج کے ساتھ غذا کو اہمیت نہ دی جائے تو بے خطا اور یقینی علاج بھی کامیاب نہیں ہوتا اور اکسیر و تریاق قسم کی ادویات بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ جہاں تک نفسیاتی اور روحانی علاج کا تعلق ہے وہ صرف غذائی علاج سے ممکن ہوسکتا ہے اور دوائی علاج ان دونوں کے لیے ناکام ہے۔ علم علاج کا دوسرا حصہ علم حفظان صحت ہے جو تمام کا تمام علاج بالغذا اور علاج بالتدابیر پر ہے۔ جن کا تعلق ستہ ضروریہ کے ساتھ قائم ہے۔ علم حفظان صحت کی بنیاد صرف اس امر پر قائم ہے۔ صحت کا دارومدار صحیح وسالم اور مقوی و مکمل خون پر ہے جو صرف غذا سے حاصل ہوتا ہے اس لیے صحیح ومناسب اور ضرورت کے مطابق اغذیہ سے انسانی صحت کی حفاظت کی جاسکتی ہے۔ اس لیے علاج بالغذا کا جاننا ہر معالج کے لیے ضروری ہے۔ حقائق سے ثابت ہے کہ علاج میں غذا کو اہمیت حاصل ہے۔

چونکہ میرے طریق علاج میں علاج بالغذا کو بے حد اہمیت حاصل ہے اور اس سے نہ صرف سو فیصدی شفا حاصل ہوتی ہے بلکہ مکمل صحت ہوتی ہے اس لیے میری تحقیقات میں علاج کے ساتھ پچاس فیصدی غذا کا تعلق ہے۔ پچیس فیصدی نفسیاتی ماحول کا اور صرف پچیس فیصد ادویات کا تعلق ہے۔ اس لیے ادویہ کے بغیر بھی ہر قسم کا علاج کامیاب ہوسکتا ہے۔ علاج بالغذا تحریک تجدید طب (پاکستان) کی یہ ایک زبردست خصوصیت ہے جو دُنیا بھر کے کسی طریق علاج میں نہیں پائی جاتی اور نہ ہی کسی زمانے میں طب دُنیا نے اسے جامعیت و انداز اور اس یقینی تحقیقات کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس لیے علاج بالغذا کی خصوصیت سے طبی دُنیا میں ہر شخص خصوصاً ممبران کو مستفید ہونا چاہیے۔

خادم فن

صابر ملتانی

3 ستمبر 1964ء

مُقدّمہ

انسان اور ہر قسم کے حیوانات بلکہ وحشی درندوں کا خون بھی صرف غذا سے پیدا ہوتا ہے۔ کسی ہوا اور زہر سے نہیں بن سکتا۔ حکماء و اطبا متقدمین اور متاخرین سب اس کی تصدیق کرتے ہیں اور دُنیا کی کوئی سائنس اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتی۔ دوسرے یہ حقیقت ہے کہ زندگی کا دارومدار صرف صحیح اور مکمل خون پر قائم ہے۔ اس میں بھی کسی دوا اور زہر کو دخل نہیں ہے۔ تیسرے یہ حقیقت بھی مسلمہ ہے کہ ہر جسم کی نشوو ارتقا اور تقویت صرف خون پر قائم ہے۔ جب ان حقائق سے ثابت ہے کہ زندگی و قوت اور نشوو ارتقا صرف خون پر قائم ہے اور خون غذا سے پیدا ہوتا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ انسانی صحت کا دارومدار غذا کی بجائے دوا پر رکھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آیورویدک اور طب یونانی میں نہ صرف علاج کی ابتدا میں غذا کی بے حد تاکید ہے بلکہ دوائی علاج میں بھی پرہیز اور خاص قسم کی اغذیہ کے لیے مجبور کیا گیا ہے اور کسی قسم کے علاج میں اگر پرہیز اور خاص قسم کی اغذیہ کو نظر انداز کر دیا جائے تو یقیناً علاج ناکام رہتا ہے، یہی فطرت ہے۔

آیورویدک اور طب یونانی میں جسم انسان اور خون کا تجزیہ دوشوں اور اخلاط کے ذریعے کیا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ یہ دوش اور اخلاط غذا سے تیار ہوتے ہیں۔ مختلف قسم کی اغذیہ مختلف اقسام کے دوش اور اخلاط پیدا کرتی ہیں۔ جب غذا میں خاص قسم کے اجزاء کم و بیش ہو جاتے ہیں یا ان کا مقام بدل جاتا ہے تو امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب ان دوشوں اور اخلاط کو درست کر لیا جائے تو امراض رفع ہو جاتے ہیں۔

جہاں تک ادویات اور زہروں کا تعلق ہے ان کا اثر صرف اعضائے جسم پر ہوتا ہے جس پر ان کے افعال کی کمی بیشی اور تحلیل ضرور ہوتی ہے۔ وہ خون میں بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ مگر خون کا جزو نہیں بنتے اور اگر جسم میں طاقت ہو تو وہ جسم سے خارج ہو جاتے ہیں۔ گویا ادویات اور زہروں کا اثر جسم پر صرف اعضاء کے افعال کی وجہ سے ہوتا ہے اور جب دوا یا زہر کا اثر ختم ہو جاتا ہے تو افعال بھی اپنی حالت پر لوٹ آتے ہیں۔ گویا ان کا اثر اعضا اور جسم پر بالکل عارضی ہوتا ہے۔ جسم پر مستقل اثر صرف خون کے کیمیاوی اجزا کا ہوتا ہے جو خون میں پیدا ہوتے ہیں اور خون غذا سے پیدا ہوتا ہے۔ یہی مکمل اور مستقل علاج ہے۔

یاد رکھیں کہ علاج دوا سے ہمیشہ عارضی اور وقتی ہوتا ہے جس کا فائدہ اس کے اثرات کے ختم ہو جانے کے بعد رفع ہو جاتا ہے۔ دوا سے علاج اس وقت مکمل و مستقل طور پر کامیاب ہو سکتا ہے جب اس کے ساتھ خون کے ان کیمیاوی اجزاء کو بھی پورا کیا جائے جو اس میں کم ہو گئے ہیں۔ یہ وہ علاج کا فطری اصول ہے جس پر آیورویدک اور طب یونانی کا لازمی قانون ہے اور فرنگی طب اس قانون سے ناواقف ہے اور نہ اس پر اس کا عمل ہے۔ اس لیے وہ علاماتی و عارضی اور وقتی علاج ہے جس کے نتیجہ میں جسم اور خون میں امراض کا زہر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ملک میں خوفناک امراض جیسے ٹی بی، شوگر آنا، ہائی بلڈ پریشر اور فالج وغیرہ کی کثرت ہو گئی۔

فرنگی طب (ایلوپیتھی) اور ماڈرن میڈیکل سائنس نے بھی خون کا تجزیہ کیا ہے۔ اس نے ثابت کیا ہے کہ خون پندرہ ایلیمنٹ (عناصر) کا مرکب ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان ایلیمنٹ میں سے اگر کسی ایک میں کمی یا خرابی واقع ہو تو خون خراب ہو جاتا ہے جس سے مرض

پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی نظریہ پر ڈاکٹر شسلر نے بایو کیمک (کیمیاوی زندگی) کی بنیاد رکھی تھی۔ مگر ہومیوپیتھی کی پیروی میں یہ ایک مفید نظریہ جس کو علاج بالغذا کا ایک چوتھائی حصہ کہنا چاہیے بالکل ختم ہو گیا اور اس کے حقیقی فوائد سے طبی دُنیا محروم ہو گئی جس کا پھر زندہ کرنا بہت مشکل ہے۔

جب تک جراثیم کا انکشاف نہ ہوا تھا فرنگی طب کے علاج کی بنیاد خون کے عناصر کی کمی بیشی پر تھی اور جب سے جراثیم کو امراض کا سبب قرار دے دیا گیا ہے اس وقت سے یہ نظریہ برابر ختم ہو رہا ہے۔ اب تک جن امراض کے جراثیم معلوم نہیں ہو سکے ان کا علاج پرانی ڈگر پر خون کے کیمیاوی اجزاء کی کمی بیشی اور خرابی پر کیا جا رہا ہے۔ یا اعضائے جسم اور عام جسمانی کمزوری کو مدنظر رکھا جاتا ہے جو بالکل ان کے نظریہ کے خلاف ہے۔ جہاں تک جراثیم کا تعلق ہے نہ وہ خون کا جزو ہیں اور نہ ہی ان کا زہر خون کا جزو ہے۔ ان کا اثر صرف اعضاء پر ہوتا ہے جس طرح دیگر بادی یا مادی ادویات اور زہروں کا اثر خون میں شامل نہیں ہوتا۔ اگر کچھ شامل ہوتا ہے تو طبیعت مدبرہ بدن فطری طور پر ان کو خارج کرنے کی کوشش کرتی ہے اور جب غالب آ جاتی ہے تو ان کو خارج کر دیتی ہے۔ تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر اعضاء میں قوت مدافعت مکمل ہو اور خون میں قوت مدبرہ بدن طاقتور ہو تو جراثیم اور ان کا زہر نہ جسم اور خون پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور نہ ہی امراض پیدا ہو سکتے ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ مکمل اور مقوی خون اور صحیح و تندرست اعضاء کی صورت میں جراثیم اور ان کا زہر ہمیشہ بے اثر ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صحت و تندرستی کے لیے خون کے اجزا کا مکمل اور مقوی ہونا ضروری ہے۔ یہی زندگی و تقویت اور صحت کا راز ہے اور یہ سب غذا سے حاصل ہوتا ہے۔

فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس نے تحقیق کیا ہے کہ انسانی غذا میں پانی کے ساتھ چار اجزاء کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔ پروٹین (اجزائے لحمیہ)، فیٹس (اجزائے روغنیہ)، سالٹس (نمکیات) اور کاربوہائیڈریٹس (نشاستہ و شکر) ہیں۔ ان کے ساتھ چند وٹامن (حیاتین) بھی تسلیم کیے گئے ہیں جن کو اغذیہ کے ضروری اجزا سمجھا گیا ہے اور یہ بھی تحقیق کیا گیا ہے کہ ان اجزائے اغذیہ اور وٹامن کی جسم اور خون میں کمی اور خرابی واقع ہو جائے تو امراض اور تکلیف دہ علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ پھر تجربات نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ جب یہی اجزاء اور وٹامن ایسے مریضوں کو استعمال کرائے گئے جن میں ان کی کمی اور خرابی تھی تو ان کے امراض اور تکلیف دہ علامات رفع ہو گئیں۔ ان تحقیقات اور تجربات سے بھی غذا کی اہمیت واضح ہے مگر فرنگی طب (ایلوپیتھی) جراثیم تھیوری میں ایسی پھنسی کہ اس نے ہر مرض کا علاج جراثیم کشی ہی قرار دے دیا اور غذائی اجزا اور وٹامن کی اہمیت کو صرف حفظانِ صحت اور تقویت جسم تک محدود کر دیا بلکہ اب تو حفظان صحت کے لیے بھی ہر مرض کے ٹیکے تیار کیے جا رہے ہیں۔ پہلے صرف چیچک کا ٹیکہ ہوا کرتا تھا۔ اب تپدق، سل اور ہیضہ و دیگر امراض کے ایسے ٹیکے ایجاد کر لیے گئے ہیں جو ان امراض سے حفاظت کے لیے لگائے جاتے ہیں۔ اس طرح غذا کی اہمیت ختم کر دی گئی ہے۔ جب حفظ و صحت کے لئے استعمال غذا کی اہمیت فرنگی طب اور ماڈرن سائنس میں ختم کی جا رہی ہے تو پھر علاج بالغذا کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتی، لیکن غذا کی اہمیت ہر انسان کے دِل میں قائم ہے کیونکہ تجربات و مشاہدات سے یقین کامل ہو گیا ہے کہ جہاں بھی غذا میں خرابی واقع ہوتی ہے فوراً تکلیف پیدا ہو جاتی ہے۔ البتہ غذا کو گندگی و تعفن اور جراثیم سے پاک رکھنا ضروری ہے۔

اس وقت تک علم الغذا پر پاک و ہند اور یورپ و امریکہ میں ہزاروں کتب لکھی گئی ہیں لیکن غذا کی کمی بیشی اور خرابی کی بنیاد پر کوئی کتاب علاج بالغذا پر آج تک نہیں لکھی گئی اور جو لکھی بھی گئی ہیں تو وہ صرف امراض ہضم کے پیش نظر یا زیادہ سے زیادہ چند تکلیف دہ علامات کے لیے۔ بعض اغذیہ اور ان کے اجزا کا ذکر کیا گیا ہے لیکن مطلق علاج بالغذا کو فنی طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ اعضائے مفرد (انسجہ۔ٹشوز) کی خرابی اور تغیرات کی بنیاد پر آج تک دُنیائے طب میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ یہ ہماری تحقیقات ہے اور ہم ہی اس کو دُنیا طب میں پہلی بار پیش کر

رہے ہیں۔ایسی حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ مفرد اعضاء (ٹشوز) کی نشوو ارتقا اور غذا و پرورش خون سے ہوتی ہے اور خون غذا سے بنتا ہے اور جب غذا میں کمی بیشی اور خرابی واقع ہوتی ہے تو خون میں نقص واقع ہوجاتا ہے۔جس سے ضرورت مند مفرد اعضاء (انسجہ) کو صحیح اور مکمل غذا حاصل نہیں ہوتی۔ان کے افعال میں خرابی واقع ہوجاتی ہے۔بس اسی کا نام مرض ہے اور جب صحیح و مکمل غذا استعمال کرادی جاتی ہے تو مرض رفع ہوجاتا ہے۔اس لیے ہم نے اس کتاب میں علم الغذا کے ساتھ مفرد اعضاء (انسجہ) کی اہمیت کی تشریح ان کے افعال، ان کی تقسیم اور تقسیم جسم انسانی کو مختصر طور پر بیان کیا ہے تاکہ معالج خصوصاً عوام اس نظریہ علاج بالغذا بہ نظریہ مفرد اعضاء کو پورے طور پر سمجھ لیں اور ان کو حفظانِ صحت اور علاج میں نہ صرف آسانیاں ہوں بلکہ مکمل اور مستقل اور صحیح و کامیاب علاج بہت آسانی کے ساتھ کرسکیں اور ساتھ ہی اہل علم اور صاحب فن اس انداز پر مزید تجربات و مشاہدات کرسکیں تاکہ غذا کی اہمیت جو ہماری روزانہ زندگی کا عمل اور جزو ہے اس سے پورے طور پر مستفید ہوسکیں۔
ہمیں ادویات اور زہروں کی اہمیت سے انکار نہیں ہے۔یہ بھی علاج میں مفید ہیں مگر علاج بالغذا کو جو ان سے امتیازی خصوصیت حاصل ہے اس کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

آخر میں ہم پھر یہی تاکید کریں گے کہ

1. غذا روزانہ زندگی کا عمل اور جزو ہے اور اسی سے خون پیدا ہوتا ہے۔
2. ادویات و زہر ہماری غذا کا جزو نہیں ہیں اور نہ ہی ان سے خون بنتا ہے۔
3. مکمل و مستقل اور صحیح و کامیاب علاج صرف مکمل اور صحیح خون اور غذا سے ہوسکتا ہے، دوا اور زہروں سے عارضی اور وقتی اور نقصان رساں علاج ہوتا ہے۔
4. امراض صرف مفرد اعضاء (انسجہ) کی خرابی سے پیدا ہوتے ہیں جو خون اور غذا کے نقص سے خراب ہوتے ہیں۔انہی کے درست کرنے سے امراض رفع ہوجاتے ہیں۔
5. امراض و علامات دونوں میں فرق کرنا چاہیے، علامات کو دبانا نہیں چاہیے، امراض کے علاج سے علامات خود بخود رفع ہوجاتی ہیں۔
6. علاج بالغذا میں بھوک، وقت پر غذا اور صحیح غذا کو بہت اہمیت حاصل ہے۔
7. بھوک سے غذا ہضم ہوتی ہے اور خون پیدا ہوتا ہے۔
8. اگر بغیر بھوک کے غذا کھائی جائے تو ہضم نہیں ہوتی پڑی رہتی ہے اور خمیر بن جاتی ہے۔
9. گھی کو انسانی زندگی میں انتہائی اہمیت حاصل ہے لیکن بغیر بھوک کے ہضم نہیں ہوتا اور جس غذا کے ساتھ کھایا جائے اس کو بھی ہضم نہیں ہونے دیتا۔
10. گھی کے استعمال نہ کرنے سے خوفناک امراض جیسے تپ دق وسل، فالج، ذیابیطس اور جنون پیدا ہوجاتے ہیں۔یہ صحت کا اہم جز ہے۔جو لوگ میری ان تحقیقات کو بغور پڑھیں گے اور ان پر عمل کریں گے وہ نہ صرف خوفناک امراض اور دردناک تکالیف سے بچے رہیں گے بلکہ تھوڑے عرصے میں خود بھی اچھے معالج بن جائیں گے۔

خادم فن

صابر ملتانی

ستمبر 1970ء

علاج بالغذا کی اہمیت اور وسعت

خداوند کریم نے بھوک پیدا کی ہے تا کہ انسان کو اپنی ضرورت غذا کا احساس ہو لیکن بھوک میں جو خوبیاں ہیں انسان نے ان کو نظر انداز کر کے اپنی غذائی ضرورت کا دارومدار اپنی خواہشات پر مقرر کر دیا ہے یعنی جس چیز کو دل چاہا جب بھی چاہا کھالیا۔ اس طرح رفتہ رفتہ بھوک کا تصور ہی ختم کر دیا۔ اس طرح ضرورت غذا اور خواہش غذا کا فرق ہی ختم ہو گیا لیکن قدرت کے فطری قوانین ایسے ہیں جو لوگ ان کی پیروی نہیں کرتے یا ان کو سمجھے بغیر زندگی میں من مانی کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ امراض کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

تاریخی اہمیت

جمہور حکماء اور اطبائے متقدمین و متاخرین بلکہ ہر دین کے علماء کا بھی اس حقیقت پر اتفاق ہے کہ بھوک ایک مرض ہے اور اس کا علاج حسب ضرورت اور مناسب غذا کا کھانا ہے۔ دُنیا میں کوئی بھی ایسا مذہب نہیں ہے جس نے غذا کی اہمیت و ضرورت اور استعمال پر کچھ نہ کچھ نہ کہا ہو اور اسلام میں تو اس قدر کہا گیا ہے کہ اس پر ایک طویل کتاب بن سکتی ہے۔ اسلام نے اس کو اس قدر وسعت اس لیے دی ہے کہ:

① غذا سے انسانی کردار پیدا ہوتا ہے۔

② غذا زندگی کی ضرورت ہے۔

③ رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، جن لوگوں کی ان حقائق پر نظر ہے وہ شخصیت اور قوم کی تعمیر کے لیے بڑا کام کرتے ہیں۔

آیورویدک

ایک انتہائی قدیم طریق علاج ہے۔ اس کی قدامت اس قدر قدیم ہے کہ اس کا تعین مشکل ہے البتہ یہ کہا جاتا ہے کہ چین کی تہذیب و تمدن ہند سے قدیم ہے۔ اس لیے اس کا علم و فن قدیم کہا جا سکتا ہے۔ بہر حال جہاں تک دونوں کے علم و فن طب کا تعلق ہے دونوں کی بنیاد کیفیات و مزاج اور اخلاط پر ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قدیم زمانے میں ہند اور چین ایک ہی ملک تھے اور ان کی تہذیب و تمدن بھی ایک تھا۔ اس لیے ممکن ہے کہ آیورویدک ہی نے چینی طب کی شکل اختیار کر لی ہو۔ بہر حال آیورویدک اپنی بنیاد پت وپر کرتی اور دوشوں کے مطابق ہر غذا و دوا اور آب و ہوا کے استعمال میں ارکان و مزاج اور اخلاط کو مدنظر رکھے بغیر علاج نہیں کر سکتی۔ اس طریق علاج میں سب سے اہم تاکید یہ ہے کہ علاج کے دوران میں پت وپر کرتی اور دوشوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اوّل غذا سے علاج کیا جائے۔ اگر مرض میں شدت ہو تو پھر مجرب مفرد ادویات سے علاج کیا جائے۔ پھر بھی اگر مرض باقی ہو تو مجرب مرکبات سے مرض کو دور کیا جائے اور ادویات کے علاج کے دوران میں بھی غذا کو پت وپر کرتی اور دوشوں کے تحت ہی استعمال کیا جائے اور یہی صحیح آیورویدک علاج ہے۔

طب یونانی میں غذا کی اہمیت

طب یونانی کی قدامت بھی تقریباً آیورویدک کے برابر قدیم ہے کیونکہ ابتداً جب یونان میں اس کی ترتیب و تدوین ہوئی اور اس

نے کتابی صورت اختیار کی تو اس کا نام طب یونانی رکھا گیا لیکن یہ حقیقت ہے کہ طب چینی یونانی طب سے ہزاروں سال قدیم ہے۔ جس طرح مختلف تہذیبوں اور تمدنوں میں عروج وزوال پیدا ہوتا گیا، طب میں بھی نشوو ارتقا پیدا ہوتا گیا۔ چین وہند کے بعد تہذیب وتمدن بابل ونینوا میں نظر آتی ہے جس کو آج کل عراق وعرب اور مڈل ایسٹ کہتے ہیں۔ اس کے بعد تہذیب وتمدن کا کمال مصر میں نظر آتا ہے۔ ابوالہول، اہرام مصر، (پیرامائڈ) آج بھی اس پر گواہ ہیں جہاں پر بے شمار فرعون گزرے ہیں۔ اس کے بعد یہی تہذیب وتمدن اور ثقافت روما سے گزرتی ہوئی ہزاروں سالوں میں یونان پہنچی۔ اگرچہ مصر میں کاغذ کی ابتداء ہوئی تھی اور علم وفن کی تحریرات مقبروں سے ملی ہیں لیکن یونان میں خصوصاً بقراط کے زمانے میں علم وفن کی تحریرات مقبروں سے ملی ہیں لیکن یونان میں خصوصاً بقراط کے زمانے میں علم وفن طب کی کتابی صورت میں ترتیب و تدریس ہوئی جس پر اسلامی دور تہذیب وتمدن میں چار چاند لگ گئے۔ لفظ ''طب'' بذاتِ خود عربی نام ہے لیکن احتراماً یونانی لفظ ساتھ قائم رہا ہے۔ یہ علم وفن میں ایمانداری کی دلیل ہے۔

طب یونانی میں علاج تین صورتوں میں کیا جاتا ہے؛ (۱) علاج بالتدبیر۔ (۲) علاج بالدوا۔ (۳) علاج بالید (سرجری)۔

علاج بالتدبیر

علاج بالتدبیر میں تین باتیں شامل ہیں:

اول اسباب ستہ ضروریہ جو مندرجہ ذیل ہیں: ۱ ہوا اور روشنی ۲ ماکولات ومشروبات ۳ حرکت وسکون بدنی ۴ حرکت وسکون نفسیاتی ۵ نیند وبیداری ۶ استفراغ واحتباس۔

دوم کیفیات ومزاج اور اخلاط میں تغیر وتبدل۔

سوم ماحول اور حالات میں نظم یعنی مریض جس تکلیف دہ ماحول میں گھرا ہوا ہے اور جس مشکل حالت میں ہے، اس میں بہتر تبدیلی پیدا کرنا۔

چونکہ ان تینوں باتوں کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر غذا سے ہے۔ اس لیے یہ سب کچھ علاج بالغذا میں شریک ہیں۔ ان کے علاوہ جہاں تک دوا کا تعلق ہے اس میں طب کا قانون درج ذیل ہے۔

ماکولات ومشروبات کی تقسیم

ماکول ومشروب (کھانا پینا) میں وہ سب چیزیں شامل ہیں جو منہ کے ذریعے جسم میں پہنچائی جاتی ہیں۔ ان کی چھ صورتیں ہیں؛ ۱ غذائے مطلق ۲ دوائے مطلق ۳ سم مطلق ۴ غذائے دوائی ۵ دوائے غذائی ۶ دوائے سمی، جن کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) غذائے مطلق: خالص غذا کو کہتے ہیں۔ جب وہ بدن میں داخل ہوتی ہے تو بدن سے متاثر ہو کر متغیر ہو جاتی ہے لیکن بدن میں کوئی تغیر پیدا نہیں کرتی بلکہ خود جزوبدن بن کر بدن کے مشابہ ہو جاتی ہے یعنی خون میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ مثلاً دودھ، گوشت اور روٹی وغیرہ۔

(۲) دوائے مطلق: خالص دوا۔ جب وہ بدن میں داخل ہوتی ہے تو بدن سے متاثر ہو کر بدن میں تغیر پیدا کر دیتی ہے اور آخر کار جزوبدن ہوئے بغیر بدن سے خارج ہو جاتی ہے۔ جیسے زنجبیل، بادیان اور ملٹھی وغیرہ۔

(۳) سم مطلق: خالص زہر۔ جب وہ جسم میں داخل ہو تو وہ خود تو بدن سے متاثر نہ ہو لیکن بدن کو متغیر کر کے اس میں فساد پیدا کر دے۔ مثلاً سنکھیا، کچلہ، افیون وغیرہ۔

(۴) غذائے دوائی: غذا میں کچھ دوائی اثرات شامل ہوں۔ جب بدن میں داخل ہوتی ہے تو بدن سے متاثر ہو کر متغیر ہو جاتی ہے اور

خود بھی بدن کو متاثر کرتی ہے۔اس کا زیادہ حصہ جز و بدن بنے اور کچھ حصہ جز و بدن بنے بغیر جسم سے خارج ہو جائے۔مثلاً مچھلی و میوہ جات۔

(۵) دوائے غذائی: دوا میں کچھ غذائی اثرات شامل ہوں۔جب بدن میں داخل ہوتی ہے تو بدن سے متاثر ہو کر متغیر ہو اور خود بھی بدن کو متاثر و متغیر کرتی ہے۔اس کا تھوڑا حصہ جز و بدن بنتا ہے اور زیادہ حصہ جز و بدن بنے بغیر جسم سے خارج ہو جاتا ہے۔میوہ جات و گھی اور نمک و مٹھاس وغیرہ۔

(۶) دوائے سمی: دوا جس میں کچھ زہریلے اثرات شامل ہوں۔جب بدن میں داخل ہوتی ہے تو بدن سے بہت کم متاثر ہوتی ہے اور بدن کو بہت زیادہ متاثر و متغیر کرتی ہے اور نقصان پہنچاتی ہے جیسے نیلا تھوتھا اور پارہ وغیرہ۔

ماکول و مشروب کے اثرات کی صورتیں

ماکول و مشروب (کھانے پینے) کے اثرات کی صورتیں یہ ہیں کہ اگر فقط مادہ سے اثر انداز ہو تو اسے غذا کہتے ہیں، اگر صرف کیفیات کا اثر ہو تو دوا ہے۔اگر اس کا اثر مادہ و کیفیت دونوں سے ہو تو اگر مادہ زیادہ ہے تو غذائے دوائی اور اگر کیفیت زیادہ ہے تو اسے دوائے غذائی کہتے ہیں۔اگر صرف اپنی صورت نوعیہ سے اثر کرے تو اسے ذوالخاصہ کہتے ہیں جس کی دو صورتیں ہیں۔اوّل ذوالخاصہ موافقہ، تریاق اور دوسرے ذوالخاصہ مخالفہ جیسے زہر۔اگر مادے اور صورت نوعیہ سے اثر انداز ہو تو غذائے ذوالخاصہ اور اگر کیفیت اور صورت نوعیہ سے اثر کرے تو اس کو دواذوالخاصہ کہتے ہیں۔

اس مختصر تفصیل سے اندازہ ہوگا کہ غذا کے اثرات اور وسعت کس قدر طویل ہے یعنی ادویات میں بھی غذائی اثرات شامل ہیں۔اس لیے علاج بالغذا میں ایسی تمام ادویات شامل ہیں اور ہماری روزانہ زندگی میں ان کا کثرت سے استعمال بھی ہوتا ہے۔جیسے نمک اور مٹھاس وغیرہ اور ایسی خالص ادویات بھی شامل ہیں جو روزانہ زندگی کا جزو ہیں۔زنجبیل و مرچ اور گرم مصالحہ وغیرہ۔

غذا کی اقسام

غذا کی دو اقسام ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں: ❶ غذائے لطیف ❷ غذائے کثیف۔

(۱) غذائے لطیف: ہلکی پھلکی قسم کی ایسی غذا جس سے رقیق خون پیدا ہو۔جیسے آب انار وغیرہ۔

(۲) غذائے کثیف: بھاری یا بھدی قسم کی ایسی غذا جس سے غلیظ (گاڑھا) خون پیدا ہو۔مثلاً گائے کا گوشت وغیرہ۔

پھر ہر ایک کی دو صورتیں ہیں؛ ❶ صالح الکیموس یا فاسد الکیموس ❷ کثیر الغذا یا قلیل الغذا۔

صالح الکیموس: ایسی غذا جس سے جسم کے لیے بہترین خلط پیدا ہو جیسے بھیڑ کا گوشت اور ابلا ہوا انڈہ وغیرہ۔

فاسد الکیموس: وہ غذا جس سے ایسی خلط پیدا ہو جو بدن کے لیے مفید نہ ہو جیسے مولی یا نمکین سوکھی مچھلی وغیرہ۔کیموس کے معنی خلط کے ہیں۔

کثیر الغذا: کثیر الغذا وہ غذا ہے جس کا اکثر حصہ خون بن جائے۔جیسے نیم برشت انڈے کی زردی وغیرہ۔

قلیل الغذا: قلیل الغذا وہ غذا ہے جس کا بہت تھوڑا سا حصہ خون بنے جیسے پالک کا ساگ۔

غذائے لطیف، کثیر الغذا اور صالح الکیموس کی مثال زردی بیضہ نیم برشت، انگور اور ماءاللحم (یخنی) ہے۔غذائے کثیف، قلیل الغذا اور فاسد الکیموس کی مثال خشک گوشت، بینگن، مسور اور باقلا ہیں۔

پانی

پانی چونکہ ایک بسیط رُکن ہے اس لیے بدن کی غذا نہیں بنتا بلکہ غذا کا بدرقہ بنتا ہے یعنی غذا کو پتلا کر کے باریک تنگ راستوں میں پہنچانے کا کام کرتا ہے۔

بہترین پانی

چشموں کا پانی سب سے بہتر ہوتا ہے اور چشموں میں سے بہترین چشمہ وہ ہے جس کی زمین طینی (خاکی) ہو اور اس کی صفت یہ ہو کہ اس کا پانی شیریں ہو، مشرق کی طرف بہتا ہو، اس کا سرچشمہ دور ہو، بلندی سے پستی کی طرف آئے اور اس پر آفتاب کی روشنی پوری طرح پڑتی رہے۔

یہ یاد رہے کہ موجودہ پانی جو ہمارے گردوپیش میں ہے وہ بسیط پانی نہیں ہے جیسا کہ ارکان کے بیان میں لکھا جاچکا ہے بلکہ یہ مرکب پانی ہے اور کئی چیزوں سے مرکب ہے۔ یہ پیٹ میں جا کر پھٹ جاتا ہے اور اس میں سے خالص (رکن) پانی جسم میں اپنے وہ فرائض انجام دیتا ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

دوسرے درجے کا پانی

چشموں کے پانی کے بعد بارش کے پانی کا درجہ ہے، لیکن اس میں بھی بہترین پانی وہ ہے جو پتھریلے گڑھے میں جمع ہو گیا ہو اور اس پر خوب دھوپ پڑتی ہو اور اس کے ساتھ شمال اور مشرق کی ہواؤں کے تھپیڑے لگتے ہوں۔ ان پانیوں کے علاوہ دوسرے سب پانی تیسرے درجہ کے ہیں، جیسے دریاؤں، نہروں اور ندی نالوں کا پانی۔

آج کل شہروں کے اندر پمپنگ اور ڈسٹلنگ کا انتظام ہے یعنی پانی کو مشین کے ذریعے کھینچ کر اس کی تقطیر کی جاتی ہے جو انسانی ضرورت کے لیے ایک اچھی قسم کا پانی بن جاتا ہے لیکن یہ پانی بھی چشموں اور بارش کے پانی کا جو اپنی صفات میں پورے ہوں مقابلہ نہیں کر سکتا۔

فرنگی طب میں علاج بالغذا کو اہمیت

فرنگی طب (ایلوپیتھی) میں بھی علاج الامراض میں دوا کے ساتھ غذا کا تعلق ضرور رہا ہے، لیکن غذا کو علاج میں کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ اگرچہ خواص الاغذیہ اور علاج بالغذا پر بے شمار کتب لکھی گئی ہیں لیکن علاج بالغذا کو فن کی حیثیت سے کبھی نہیں اپنایا گیا۔

گزشتہ تیس سالوں سے خصوصاً دوسری جنگ عظیم میں علاج بالغذا پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن مقام حیرت ہے کہ اس کو نہ تو عوام میں

اور نہ ہی معالجین میں وہ مقبولیت حاصل ہوئی جس کا وہ واقعی مستحق تھا، حالانکہ غذا کے متعلق یورپ و امریکہ نے جو تھیوریاں اور نظریات پیش کیے ہیں اگر ان کو جمع کیا جائے تو کئی مطول کتب بنتی ہیں لیکن اکثر غلط اور بے معنی تھیوریوں اور نظریات نے نہ صرف عوام اور معالجین کا نقصان کیا بلکہ عوام کو ان کی ایسی تحقیقات سے نفرت سی ہوگئی جو نئی تحقیقات کے بعد گزشتہ تھیوریوں اور نظریات کو غلط قرار دے دیتی ہیں۔ یہ تھیوریاں اور نظریات اکثر انہی کمپنیوں کی طرف سے شائع ہوتی رہیں جو غذائی قسم کی تجارت کرتی ہیں لیکن ان کے برعکس جو کمپنیاں دوائیوں کا کاروبار کرتی ہیں انہوں نے اس کو کبھی برداشت نہیں کیا اور عوام کے ذہن میں فوری شفا اور آرام بخش ادویات کی لذت اور شوق پیدا کر دیا لیکن یہ نہیں سوچنے دیا کہ فوری شفا آور اور آرام بخش ادویات صرف مسکنات و مخدرات اور نشہ آور ہی ہوسکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب میں کوکین اور اس کے اقسام مارفیا اور اس کی بنی ہوئی ادویات کے ساتھ ساتھ افیون و بھنگ اور دھتورا کا اس کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے کہ شاید ہی کوئی دوا اس کے بغیر استعمال ہوتی ہو۔

امریکہ کے ایک ڈاکٹر ویلے نے جو ماہر علاج بالغذا سمجھے جاتے تھے ایک بار کہا تھا کہ بہت جلد ایسا دور آنے والا ہے کہ ڈاکٹر مریضوں کو جو نسخے دیں گے وہ ادویات نہیں بلکہ اغذیہ ہوں گے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ جو کچھ ڈاکٹر موصوف نے کہا تھا وہ درست ہے کیونکہ موجودہ سائنسی دور میں جو کچھ غذائیات پر تحقیقات ہوئی ہے اگر اس کو سلیقہ سے ترتیب دے دیا جائے تو علاج بالغذا پر ایک بہت بڑا خزانہ سامنے آجاتا ہے جس کی مختصر حقیقت درج ذیل ہے۔

(۱) غذائی تجزیہ: غذا میں پانچ اجزاء کا ہونا ضروری ہے: ❶ پروٹین (اجزائے لحمیہ) ❷ فیٹس (اجزائے روغنیہ) ❸ کاربوہائیڈریٹس (شکری اور نشاستہ دار غذا) ❹ سالٹس (نمکیات) ❺ واٹر پانی۔ جس غذا میں ان میں سے کسی ایک جزو کی کمی بیشی رہے گی تو یقیناً امراض پیدا ہوں گے اور ایسا ہوتا ہے۔

(۲) وٹامن کی ضرورت: مندرجہ بالا غذائی اجزا کے ساتھ ان میں ایک قسم کا جوہر بھی ہوتا ہے جس کو وٹامن (حیاتین) کہا جاتا ہے، جس غذا میں یہ وٹامن نہ ہوں یا ضائع ہو جائیں یا ضرورت کے مطابق استعمال نہ کیے جائیں تو جسم انسان میں امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ تجربات کیے گئے اور درست ثابت ہوئے۔ ان کو علاج بالغذا کے طور پر استعمال کیا گیا لیکن فرنگی طب کو کامیابی نہ ہوئی کیونکہ ان کو ادویات کی صورت دے دی گئی یا ادویات میں شامل کر دیا گیا اور مقصد علاج بالغذا ختم ہو کر رہ گیا۔

جب فرنگی طب کی یہ تحقیق سامنے آئی کہ انسان کی بناوٹ میں چودہ پندرہ قسم کے نمکیات پائے جاتے ہیں جیسے کیلشیم و فیرم اور سلفر و پوٹاشیم وغیرہ، اور ان کی کمی بیشی اور خرابی سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ اجزاء ادویات میں شمار ہوتے ہیں لیکن دوسری طرف یہی اجزا ہماری اغذیہ کے اجزا بھی ہیں گویا جن امراض میں ان اجزا کی کمی ہو اسی قسم کی غذا استعمال کر دینا ان امراض کے لیے شفا ہے۔ یہ نظریہ بھی صحیح ہے مگر ادویات کے تاجروں نے اس کو بھی فروغ نہیں دیا اور بے موت مر گیا۔ آئندہ زمانے میں شاید ہی فرنگی طب غذائی نظریات اور علاج بالغذا میں کامیاب ہوسکے۔ اسی نظریہ پر ڈاکٹر شسلر نے بائیوکیمک کی بنیاد رکھی تھی جس کا نظریہ یہ تھا کہ غذائی ادویات میں جو بھی نمک خون میں کم یا خراب ہو گیا ہو اسے پورا کر دیا جائے۔ بہت حد تک صحیح تھا۔ مگر ڈاکٹر موصوف نے ہومیوپیتھی کی تقلیل ادویات کی اندھی تقلید کر کے اس قیمتی نظریہ کو برباد کر دیا۔ اس نے یہ نہ سمجھا کہ ہومیوپیتھی کی تقلیل تو بالمثل کی وجہ سے ہے اور بائیوکیمک میں کثرت درکار ہے لیکن یاروں کے ہاتھ ایک مشغلہ آ گیا اور علاج بالغذا پر سب سے کاری ضرب جراثیم تھیوری نے لگائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جراثیم تھیوری علاج بالغذا کو معالجین اور عوام سے ہمیشہ دور رکھے گی کیونکہ دو متضاد نظریات کبھی ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔

جراثیم تھیوری

فرنگی طب کے اسباب و تحقیق اور علامات کا رُخ اس وقت سے بدل گیا ہے جب سے ڈاکٹر کاخ صاحب نے تقریباً ہر مرض کا سبب کوئی نہ کوئی جرثومہ تحقیق کیا ہے اور علامات میں بھی اسی کو پیش کیا ہے۔ نظریہ جراثیم کے پیش کرنے کے بعد فرنگی طب میں سب سے بڑی خرابی یہ پیدا ہوگئی ہے کہ ہر مرض کی تشخیص میں مادی و غذائی اور کیفیاتی و نفسیاتی وغیرہ اسباب کو نظر انداز کر کے صرف جراثیم کی تلاش شروع کر دی ہے۔ اگر جراثیم نظر آ جائیں تو ان کو مارنے کے لیے انجکشن اور نشتر سنبھال لئے جاتے ہیں لیکن اس مرض میں نہ تو مادی و غذائی اور کیفیاتی و نفسیاتی اثرات کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور نہ ہی ان کے مشینی تغیرات اور کیمیاوی تبدیلیوں کو سامنے رکھا جاتا ہے جس کا اکثر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مریض مر جاتا ہے اور اگر بچ جاتا ہے تو دائم المریض بن جاتا ہے۔

ہمیں جراثیم کی ہستی سے انکار نہیں ہے لیکن ان کو امراض و صحت اور زندگی میں جس طرح سمو دیا گیا ہے وہ مفید ہونے کے بجائے نقصان کا باعث بن کر رہ گیا ہے جس کی تفصیل ہماری کتب ''تحقیقات نزلہ وزکام'' و ''تحقیقات نزلہ زکام وبائی'' اور ''ملیریا کوئی بخار نہیں'' میں دیکھیں۔

ہومیو پیتھی میں غذا کا تصور ہی نہیں ہے

چونکہ ہومیو پیتھی ایک خاص قسم کا طریقہ خواص الادویہ ہے اس میں غذا کے متعلق کوئی تصور بھی نہیں پایا جاتا کہ مختلف اقسام کے مریضوں کو کون کون سی اغذیہ کا استعمال کرنا چاہیے۔ ان کے بھی خواص ادویہ و بالمثل اور نہ بالضد کسی قانون پر نہیں پائے جاتے بلکہ لطف کی بات یہ ہے کہ جب کسی ہومیو پیتھ ڈاکٹر سے پوچھا جاتا ہے کہ غذا میں کیا پرہیز رکھنا چاہیے' اوّل تو وہ یہ کہے گا کہ کوئی پرہیز نہیں صرف حقہ اور سگریٹ فوراً نہیں پینا چاہیے اور اگر پرہیز کرے گا تو وہی علاج بالضد یعنی تیل، ترشی اور لال مرچ و ثقیل اغذیہ وغیرہ سے پرہیز رکھا جائے۔ تجارتی قسم کے لوگوں نے اس کو ایک جدا مکمل علاج سمجھ لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کوئی طریق علاج نہیں ہے صرف بالمثل خواص الادویہ حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے جیسے بایوکیمک ایک طریقہ پر بعض غذائی ادویات (Organic Elements) کے خواص بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح کرومو پیتھی، ہائیڈرو پیتھی، الیکٹرو پیتھی، فزیو پیتھی، علاج روحانی، علاج موسیقی، علاج بالفاقہ، علاج بالغذا، تعویز و گنڈا اور جھاڑ پھونک وغیرہ وغیرہ کو تجارتی اور سرمایہ پرست لوگوں نے ایک جدا طب بنا کر رکھ دیا ہے۔ ایسا خیال کرنا نہ صرف زبردست فریب ہے بلکہ بالکل غلط ہے۔

علاج بالغذا میں غلط فہمی

عام طور پر علاج بالغذا میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کا تعلق ان امراض کے ساتھ ہے جو اعضائے غذائیہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ جن میں منہ کے غدود دومری، معدہ و امعاء جگر و طحال اور لبلبہ شریک ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ

1. وہ امراض جو اعضائے ہضم کی خرابی سے ظاہر ہوں۔
2. وہ امراض جو غذا کی کمی بیشی یا اجزائے غذائیہ کی کمی بیشی سے پیدا ہوتے ہیں۔

بعض مخصوص اغذیہ جو بعض امراض میں مفید ہیں لیکن ایسا خیال کرنا غلط ہے بلکہ لاعلمی پر منحصر ہے۔

حقیقت علاج بالغذا

علاج بالغذا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے اعضائے غذائیہ خصوصاً منہ سے لے کر مقعد تک کوئی ایک ہی قسم کا عضو نہیں ہیں اور نہ ہی ایک ہی قسم کی نسیج (ٹشو) سے بنے ہیں بلکہ انہی انسجہ سے بنے ہیں جن سے اعضائے رئیسہ بنے ہیں اور ہر مفرد عضو (نسیج) کا تعلق ان کے ساتھ ہے۔ اس لیے جب بھی اعضائے غذائیہ میں کسی حصہ میں خرابی پیدا ہوتی ہے تو وہ عضو رئیس مبتلائے مرض ہو جاتا ہے۔ اس لیے متعلقہ عضو درست ہونے پر صحت کامل حاصل ہو جاتی ہے چونکہ خون جسم کی غذا بنتا ہے اور غذا سے خون پیدا ہوتا ہے اس لیے غذائی اجزاء ہی صحیح معنوں میں صحت و طاقت قائم رکھتے ہیں۔

زندگی اور ضرورت غذا

زندگی کے لازمی اسباب

ہر زندگی کے لیے وہ انسانی ہو یا حیوانی اس میں اسباب زندگی لازمی ہیں، جن میں ۱ ہوا اور روشنی ۲ کھانا پینا ۳ حرکت وسکون جسمانی ۴ حرکت وسکون نفسانی ۵ نینداور بیداری ۶ استفراغ واحتباس ضروری اُمور ہیں۔ یہ ایسے قوانین اور صورتیں ہیں جن سے زندگی کا تعلق کائنات سے بھی پیدا ہو گیا ہے۔ انہی کو اسباب زندگی کہا جاتا ہے۔ طبی اصطلاح میں ان کو اسباب ستہ ضروریہ کہتے ہیں۔ ان میں جب کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے بدن انسانی میں جو حالت پیدا ہوتی ہے اس کو مرض کا نام دیا جاتا ہے جن کی تفصیل کتب طبیہ میں درج ہے۔

یہ چھ اسباب ضروریہ دراصل عملی حیثیت میں تین صورتیں اختیار کر لیتے ہیں۔ **اوّل** جسم کو غذائیت مہیا کرنا۔ جیسے ہوا اور روشنی اور ماکولات ومشروبات ہیں۔ **دوسرے** جسم میں غذائیت کو ہضم کر کے جزو بدن بناتے ہیں جیسے نینداور بیداری، حرکت وسکون جسمانی اور حرکت وسکون نفسانی ہیں۔ **تیسرے** جسم کے اندر غذائیت ایک مقررہ وقت تک قائم رکھتے ہیں تاکہ جزو بدن بن جائے اور جب ان کی ضرورت نہ ہو تو اس کو خارج کر دے۔ ان کو احتباس اور استفراغ کہتے ہیں۔

غذائیت زندگی

غذائیت میں ہوا اور روشنی کے ساتھ ہر قسم کی وہ اشیاء شامل ہیں جو کھانے پینے میں استعمال ہو سکتی ہیں جن میں تریاقات اور زہر بھی شامل ہیں۔ ان کے متعلق یہ امور ذہن نشین کر لیں کہ وہ سب جسم میں صرف غذائیت مہیا نہیں کرتی ہیں بلکہ جسم بھی بناتی ہیں اور جسم کو متاثر بھی کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ بدل ما یتحلل کی تکمیل بھی ہوتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی مدد کرتی ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ غذائیت کی ضرورت ذیل کی صورتوں میں لازم ہے۔

۱. غذائیت سے اخلاط خصوصاً خون پیدا ہوتا ہے۔
۲. غذائیت سے کیفیات بنتی ہیں۔
۳. غذائیت سے جسم کی تعمیر ہوتی ہے۔
۴. جو کچھ جسم انسانی میں کسی حیثیت سے خرچ ہوتا ہے وہ پھر مکمل ہو جاتا ہے۔
۵. غذائیت سے حرارت غریزی کو مدد ملتی ہے۔
۶. غذائیت سے رطوبت غریزی قائم رہتی ہے۔

غذا کی ضرورت کی ایک دلیل یہ ہے کہ جس طرح تیل چراغ کی بتی میں خرچ ہوتا ہے اور جلتا ہے اسی طرح انسان اور حیوان کے بدن کی حرارت اور رطوبت بھی خرچ ہوتی ہے۔ بالکل چراغ کے تیل اور بتی کی طرح جب وہ دونوں خرچ ہو جائیں تو وہ بجھ کر رہ جاتا ہے۔ اسی طرح حرارت اور رطوبت انسانی کے فنا ہو جانے سے انسانی زندگی کا چراغ بھی گل ہو جاتا ہے۔ پس حرارت اور رطوبت انسانی جو انتہائی ضروری اور لابدی اشیاء ہیں ان کا بدل اور معاوضہ ہونا لازمی امر ہے تاکہ حرارت غریزی اور رطوبت غریزی فوراً جل کر فنا نہ ہو جائیں۔ اس لیے غذائیت ایک انتہائی ضروری طور پر لابدی شے ہے۔ اس لیے اس کی طلب اور تقاضا ایک اضطراری اور غیر شعوری حالت ہے۔

انسان کے جسم کی حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی مثالیں چراغ کی بتی اور تیل کی سی ہیں جو چراغ کے جلنے کو قائم رکھتے ہیں۔ کبھی بتی جل جانے سے چراغ بجھ جاتا ہے اور کبھی تیل خرچ ہو جانے سے چراغ گل ہو جاتا ہے۔ یہی صورت انسانی جسم میں پائی جاتی ہے اور حرارت غریزی اور رطوبت غریزی ختم ہو کر انسانی زندگی کو فنا کرتی رہتی ہیں۔ اس لیے اگر انسان حرارت غریزی کی حفاظت کرتا رہے تو نہ صرف طبعی عمر کو پہنچتا ہے بلکہ امراض سے بھی محفوظ رہتا ہے اور اس کے قویٰ اور طاقتیں قائم رہتی ہیں۔

اس حقیقت سے اکثر انسان ناواقف ہیں کہ حرارت کیسے پیدا ہوتی ہے اور رطوبت کیسے قائم رہتی ہے۔ عام طور پر یہی ذہن نشین کر لیا گیا ہے کہ جو غذا وقت بے وقت کھا لی جائے وہ ضرور خون اور طاقت بن جاتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ گرم یا مرغن اغذیہ کھا لینا کافی ہیں لیکن ایسی باتیں حقیقت سے بہت دور ہیں۔ اگر اتنا سمجھ لینا کافی ہوتا تو ہر امیر آدمی انتہائی صحت مند ہوتا اور ان میں کوئی مریض نظر نہ آتا بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اُمیروں میں مریض زیادہ ہوتے ہیں اور بھوکے فقیروں اور غریبوں میں تو مریض خصوصاً پیچیدہ امراض کے مریض تو مشکل سے نظر آتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صرف غذا کا کھا لینا ہی صحت و طاقت کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے کچھ اصول بھی ہیں تاکہ وہ غذا جسم میں جا کر مناسب طور پر حرارت اور رطوبت کی شکل و صورت اختیار کرے اور خرچ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ بجائے مفید و معاون اثرات کے مضر اور غیر معاون ثابت ہو کر مرض یا فنا کا باعث بن جائے۔ یہ صحیح غذا کے استعمال اور غذائیت سے مفید اثرات حاصل کرنے کا راز ہے۔

طاقت غذا میں ہے

جاننا چاہیے کہ انسانی جسم میں طاقت خصوصاً قوت مردانہ کے کمال کا پیدا کرنا صرف مقوی اور اکسیر ادویات پر ہی منحصر نہیں ہے کیونکہ ادویات تو ہمارے جسم کے اعضاء کے افعال میں صرف تحریک و تقویت و تیزی پیدا کر سکتی ہیں لیکن وہ جسم میں بذاتِ خود خون اور گوشت و چربی نہیں بن سکتیں۔ کیونکہ یہ کام اغذیہ کا ہے۔

پس جب تک صحیح اغذیہ کے استعمال کو اُصولی طور پر مدنظر نہ رکھا جائے تو اکسیر سے اکسیر مقوی ادویہ بھی اکثر بے سود ثابت ہوتی ہیں۔ اگر ان کے مفید اثرات ظاہر بھی ہوں تو بھی غلط اغذیہ سے بہت جلد ان کے اثرات ضائع ہو جاتے ہیں۔

حصولِ قوت میں اغذیہ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگائیں کہ حکماء اور اطباء نے تقویت کے لیے جو ادویات تجویز کی ہیں، ان میں عام طور پر اغذیہ کو زیادہ سے زیادہ شامل کیا ہے۔ مثلاً حلوہ جات و حریرہ جات اور مربہ جات و خمیرہ جات وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ ان سے بھی زیادہ تیز قسم کی اغذیہ کو ادویات میں تبدیل کرنے کی صورت میں ماء اللحم دو آتشہ و سہ آتشہ اور قسم قسم کی شرابیں شامل کر لی ہیں اور کسی جگہ بھی غذائی اثرات کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ یہی فن طب قدیم کا کمال ہے۔

ہم روزانہ زندگی میں جو پلاؤ زردہ اور متنجن و فرنی وغیرہ چاولوں کی شکل میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ اغذیہ کو ادویات سے

ترتیب دے کر ان میں تقویت پیدا کی گئی ہے۔اسی طرح سوجی کی بنی ہوئی سویاں، ڈبل روٹی، حلوہ وحریرہ اور پراٹھے یہ سب کچھ طاقت کو مدنظر رکھ کر اطباء اور حکماء نے ترتیب دیئے ہیں۔ البتہ ان کے صحیح مقام استعمال کو جاننے اور مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ فرنگی طب میں یہ خزانے اور کمال کہاں ہیں۔ وہاں طاقت کی ادویہ میں اغذیہ کا تصور تک نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ہمارے ملک میں طاقت کے لیے فرنگی ادویات کی طرف رجوع ہی نہیں کیا گیا بلکہ ان ادویات کو خشک سمجھ کر نقصان رساں سمجھا جاتا ہے کیونکہ فرنگی طب کی اکثر ادویات تیز ابات اور زہر ہوتی ہیں۔ ان سے انسانی اعضائے رئیسہ کو غذائیت کی بجائے نقصان پہنچتا ہے اور اکثر ضعف ونقاہت اور کمی خون کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور انسان ہمیشہ کے لیے مریض بن کر رہ جاتا ہے۔

غذا سے طاقت کی پیدائش

غذا صرف کھا لینے ہی سے طاقت پیدا نہیں ہوتی بلکہ حقیقی طاقت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب غذا کھا لینے کے بعد صالح اور مقوی خون بن جاتا ہے۔ صالح اور مقوی خون میں حرارت اور رطوبت ہوتی ہے جو حرارت غریزی اور رطوبت کی مدد کرتی ہے۔ حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کا صحیح طور و پیدائش افعال واثرات اور خواص وفوائد کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر ربوبیت اور رحمت کی حقیقت واہمیت، افعال واثرات اور خواص وفوائد کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کو یہ شوق وجذبہ پیدا ہوا ہے کہ وہ زمانے میں ایک ربانی شخصیت بن جائیں۔

بہرحال یہ اگر ہر ایک کے لئے سہل کام نہیں ہے تو کم از کم اس قدر ہی سمجھ لے کہ صحت وطاقت کا دارومدار صالح اور مقوی خون پر ہے اور اس خون سے بدن انسان کو ہر قسم کی غذائیت اور قوت مل سکتی ہے اور ہماری غذا ئیں وہ تمام اجزاء شامل ہوتے ہیں جن سے صحت منداور صالح خون پیدا ہوسکتا ہے جو انسان میں غیر معمولی طاقت پیدا کر دے بلکہ وہ طاقت اس کو شیر کے مقابلے میں کھڑا کرسکتی ہے۔ اس کے ثبوت میں ہم پہلوان کو دیکھ سکتے ہیں جو کبھی کوئی دوا کھا کر پہلوان نہیں بنتے بلکہ غذا کھا کر پہلوان بنتے ہیں۔ البتہ ان کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ وہ کیسی غذا کھائیں اور اس کو کس طرح ہضم کریں۔

غذا اور طاقت

یہ حقیقت ذہن نشین کرلیں کہ دُنیا میں کوئی غذا بلکہ کوئی دوا ایسی نہیں ہے جو انسان کو بلا وجہ اور بلاضرورت طاقت بخشے۔ مثلاً دودھ ایک مسلمہ طور پر مقوی غذا سمجھی جاتی ہے لیکن جس کے جسم میں ریشہ اور بلغم اور رطوبات کی زیادتی ہو اس کے لیے سخت مضر ہے۔ گویا جن لوگوں کے اعصاب میں تحریک اور تیزی وسوزش ہو وہ اگر دودھ کو طاقت کے لئے استعمال کریں گے تو ان کا مرض روز بروز بڑھتا جائے گا اور وہ طاقتور ہونے کی بجائے کمزور ہوتے جائیں گے۔ اسی طرح مقوی اور مشہور غذا گوشت ہے۔ ہر مزاج کے لوگ اس سے طاقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ایک فاضل حکیم جانتا ہے کہ گوشت کا ایک خاص مزاج ہے جس کسی کا وہ مزاج نہ ہو اس کے لئے وہ مفید ہونے کی بجائے مضر ہے۔ مثلاً لوگوں کے جسم میں جوش خون یا خون کا دباؤ (ہائی بلڈ پریشر) بڑھا ہوا ہو۔ ان کو اگر گوشت خصوصاً بھنا ہوا گوشت کھلایا جائے تو ان کو الٹا کر مارے گا۔ گویا جن لوگوں کے گردوں میں سوزش ہو اس میں گوشت کا استعمال بجائے طاقت دینے کے سخت نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ تیسری مقوی اور مشہور غذا گھی ہے جو اس قدر ضروری ہے کہ تقریباً ہر قسم کی غذا تیار کرنے میں استعمال ہوتا ہے لیکن جن لوگوں کو ضعف جگر ہو وہ اگر گھی کا استعمال کریں گے تو ان کے ہاتھ پاؤں بلکہ تمام جسم پھول جائے گا اور سانس کی تنگی پیدا ہو

جائے گی اور ایسا انسان بہت جلد مر جاتا ہے۔

یہی صورتیں ادویات میں بھی پائی جاتی ہیں۔ دُنیا میں کوئی ایسی دوا مفرد یا مرکب نہیں ہے جس کو بلا وجہ اور بلا ضرورت استعمال کریں اور وہ طاقت پیدا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ آج جبکہ فن علاج کو دُنیا میں پیدا ہوئے ہزاروں سال گزر چکے ہیں کوئی حاذق اور فاضل حکیم بلا وجہ اور بغیر ضرورت کسی ایک دوا یا غذا کو عام طور پر مقوی (جنرل ٹانک) قرار نہیں دے سکتا، لیکن فرنگی ڈاکٹر اور ان کے دیکھا دیکھی اطباء بھی عام مقوی (جنرل ٹانک) یا خاص مقوی (سپیشل ٹانک) کے نام سے فروخت کر رہے ہیں۔ یہ ہزاروں یورپ کی پیٹنٹ مقوی ادویات نہ صرف ہمارے ملک کے کروڑوں روپوں کو برباد کر رہی ہیں بلکہ بہت ہی خطرناک امراض پیدا کر رہی ہیں جن کا استعمال فوراً بند کر دینا چاہئے۔ ہمارے ملک میں ٹی بی (تپ دق وسل)، ڈائبیٹیز (ذیابیطس) اور جوش خون (ہائی بلڈ پریشر) وغیرہ امراض اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق لاکھوں افراد ہر سال ان میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور مر جاتے ہیں لیکن کوئی فرنگی ڈاکٹر حکومت کو ان مقوی پیٹنٹ ادویات سے روکنے کا مشورہ نہیں دیتا۔ اس طرح دولت کے ساتھ ساتھ قوم اور ملک کا نقصان ہو رہا ہے۔

غذا کھانے کا صحیح طریقہ

میں نے سالہا سال کے طبی مطالعہ اور تجربات میں کوئی ایسی کتاب نہیں دیکھی جو صحیح اور عوامی طریق پر انسان کو غذا کھانے کے اصول بتائے۔ اس میں طب یونانی کے ساتھ ویدک کتب اور فرنگی طب کے ساتھ ماڈرن میڈیکل سائنس کی وٹامینی تھیوری تک شریک ہیں لیکن قرآن حکیم ہی ایک ایسی کتاب ہے جو صحیح اور عوامی طریق پر غذا کھانے کا انسان کو صحیح طریقہ بتاتی ہے۔ میں یہ بات اپنے مذہب، ایمان اور عقیدہ کی بنا پر نہیں کہتا بلکہ علم وفن اور سائنس کو مدنظر رکھ کر کہتا ہوں جس کو میری اس بات میں مبالغہ معلوم ہو اس کو چیلنج ہے کہ قرآن حکیم کے سیدھے سادے اور یقینی طریق غذا کے استعمال کو دُنیا کی کسی طبی یا سائنسی کتاب سے نکال کر دکھا دے۔ میں اس شخص کی عظمت کو تسلیم کر لوں گا۔ ایک بات میں یہاں اور بیان کر دوں کہ میں نے گزشتہ تیس سالوں میں کسی اسلامی قانون کو اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جب تک اس کی حکمت و سائنس اور نفسیات کے قانون کو پرکھ نہیں لیا۔ البتہ بعض مقامات پر دُنیا کی حکمت و سائنس اور نفسیات کے اُصول غلط ہو جاتے ہیں لیکن قرآن حکیم کے قوانین اور سنت الٰہیہ میں سر مو فرق نہیں آتا۔ حقیقت ہی قانون ہے۔

قرآن حکیم فرماتا ہے: ﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ﴾ ''کھاؤ پیو مگر بغیر ضرورت کے صرف نہ کرو''۔

کتنی سادگی سے تین باتیں کہہ دی ہیں اور اس میں کھانے پینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جس قدر جس کا دِل چاہے کھائے پیئے کوئی کمی بیشی کی مقدار مقرر نہیں کی گئی۔ زیادہ کھانے والے بھی ہوتے ہیں اور کم کھانے والے بھی۔ ہر ایک کو کلی اجازت ہے، مگر تاکید ہے کہ بغیر ضرورت کے کھانا پینا منع ہے۔ اس ضرورت کا اندازہ کون لائے۔ اس کے لئے پیٹ کی طلب ہمارے سامنے ہے۔ یعنی وہ جو کچھ مانگ رہا ہے وہ اس کی ضرورت ہے۔ اس کو بھوک ہے یا جو کچھ کھایا پیا جا رہا ہے وہ صرف ایک خواہش کے تحت کھایا جا رہا ہے۔ اگر بھوک پیاس کے بغیر صرف خواہش اور لذت کے لئے کھایا پیا جا رہا ہے تو پھر یہ اصراف ہے۔ اس کو قرآن منع کرتا ہے۔ بھوک اور پیاس کا اندازہ کون لگائے، اس کا آسانی سے اندازہ روزوں سے لگایا جا سکتا ہے کہ بھوک اور پیاس کیا ہوتی ہے اور اس وقت کتنا کھایا پیا جا سکتا ہے۔ گویا صحیح بھوک اور پیاس کے اندازے کے مطابق بھوک ہے اور کھایا پیا جا سکتا ہے تو کھاؤ ورنہ اس سے کم بھوک اور مقدار میں کھاؤ پیو گے تو یہ خواہش اور لذت ہو گی ضرورت نہیں۔

مقدار غذا کا اندازہ

مقدار غذا جو ایک وقت کھانی چاہئے اور شدید بھوک پر بھوک کا اندازہ چاہے وہ تیسرے روز ہی کیوں نہ لگے پیٹ بھرنے سے کر سکتا ہے۔ مثلاً شدید بھوک میں انسان اپنے علاقہ و مقام اور معمول کے مطابق تین عدد روٹیاں یا چپاتیاں یا تھالیاں بھر کر غذا کھا سکتا ہے تو پھر انسان کو لازم ہے کہ جب تک اس قدر کھانے کی ضرورت نہ ہو غذا کو ہاتھ نہ لگائے۔ جو لوگ کم غذا کھاتے ہیں ان کے پیٹ میں پہلے ہی غذا پڑی ہوئی خمیر بن رہی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ تھوڑی غذا کھاتے ہیں اور وہ بھی پیٹ میں اس غذا سے مل کر خمیر بن جاتی ہے۔ اس طرح خمیر کے ساتھ تبخیر کا سلسلہ جاری رہتا ہے جو بڑھ کر زہر کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس کا نتیجہ مرض اور ضعف کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

بلاضرورت غذا ضعف پیدا کرتی ہے

عام طور پر اس قول و فعل اور بات و عمل پر سو فیصد یقین پایا جاتا ہے کہ ضرورت و بلاضرورت غذا کھالی جائے تو وہ جسم انسان کے اندر جا کر یقیناً طاقت پیدا کرے گی اور خون بنائے گی۔ اسی یقین کے ساتھ کمزوری اور مرض کی حالت میں بھی یہی کوشش کی جاتی ہے اور مریض کو مقوی غذا دی جاتی ہے لیکن یہ نظریہ اور یقین حقیقت میں غلط ہے کیونکہ بلاضرورت غذا ہمیشہ ضعف اور مرض پیدا کرتی ہے۔ جو لوگ صحت اور طاقت کے متلاشی ہیں ان کو بلاضرورت کھانا تو رہا ایک طرف اس کو ہاتھ لگانے اور دیکھنے سے بھی دور رہنا چاہیے کیونکہ ہر غذا کے چھونے اور دیکھنے سے بھی جسم میں لطف و لذت پیدا ہوتی ہے۔ اس کا بھی جسم پر اثر ہوتا ہے جیسے ترشی کو دیکھ کر منہ میں پانی آ جاتا ہے۔

ہضم غذا

جو غذا ہم کھاتے ہیں اس کا ہضم منہ سے شروع ہو جاتا ہے۔ لعاب دہن اور منہ اور دانتوں کی حرکات و دباؤ اس کی شکل و کیفیت کو بدل کر اس کو ہضم کرنے کی ابتدا شروع کر دیتے ہیں۔ جب غذا معدہ میں اُتر جاتی ہے تو اُس میں ضرورت کے مطابق رطوبت معدی اپنا اثر کر کے اس کو ایک خاص قسم کا کیمیاوی محلول بنا دیتی ہے اور اس کا اکثر حصہ ہضم ہو کر خون میں شامل ہو جاتا ہے اور باقی غذا چھوٹی آنتوں میں اُتر جاتی ہے۔ معدہ کے فعل و عمل میں تقریباً تین گھنٹے خرچ ہوتے ہیں۔ چھوٹی آنتوں میں پھر اس کی رطوبات اور لبلبہ کی رطوبات اور جگر کا صفرا باری باری اور وقتاً فوقتاً شریک ہو کر اس میں ہضم ہونے کی قوت پیدا کرتے ہیں۔ اس عمل و فعل میں تقریباً چار گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔ پھر یہ غذا بڑی آنتوں میں اُتر جاتی ہے جہاں اس کے ہضم میں تقریباً چار پانچ گھنٹے صرف ہو جاتے ہیں۔ پھر کہیں جا کر غذا پورے طور پر جگر کے ذریعے پختہ ہو کر خون میں شریک ہوتی ہے اور خون بنتی ہے۔ لیکن حقیقی معنوں میں غذا پورے طور پر ہضم نہیں ہوتی۔

ظاہر میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غذا ہضم ہو گئی ہے کیونکہ وہ خون بن جاتی ہے لیکن طب قدیم میں صحیح معنوں میں غذا اس وقت تک ہضم نہیں ہوتی جب تک وہ خون سے جدا ہو کر جسم پر مترشح ہو اور پھر طبیعت اس کو جذب کر کے جزو بدن بنا دے۔ غذا کو خون بننے تک اگر گیارہ گھنٹے صرف ہوتے ہیں تو جزو بدن ہونے تک تین چار گھنٹے اور خرچ ہو جاتے ہیں۔

غذا کا درمیانی وقفہ

ظاہراً تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک ایک وقت کی کھائی ہوئی غذا خون بن کر جزو بدن نہ ہو اس وقت تک دوسری غذا نہیں کھانی

چاہئے کیونکہ جو غذا ہضم ہو رہی ہے اس کی طرف پورے جسم و روح اور خون و رطوبت کی توجہ ہے۔ جب بھی اس ہضم کے دوران میں غذا کھائی جائے گی تو جو توجہ اوّل غذا کی طرف ہے وہ یقیناً نئی غذا کی طرف لگ جائے گی۔ اس طرح اوّل غذا پوری طرح ہضم ہونے سے رہ جائے گی اور جہاں پر رہ گئی ہے وہاں پڑی رہنے سے متعفن ہو جائے گی اور یہ تعفن باعث امراض ہوگا اور یقیناً طاقت دینے کی بجائے ضعف پیدا کرے گی۔ اگر طبیعت دوسری غذا کی طرف متوجہ نہیں ہوگی تو یقیناً وہ بغیر ہضم ہوئے پڑی رہے گی اور متعفن ہو جائے گی۔ اب اصولاً اور فطرتاً پندرہ سولہ گھنٹے اس پر عمل کرنا انتہائی مشکل ہے۔ اس لئے اطباء اور حکماء نے اس وقت کو زیادہ اہمیت دی ہے جس وقت ہضم میں تیزی اور طبیعت کی توجہ زیادہ ہو یہ صورت اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک غذا چھوٹی آنتوں سے بڑی آنتوں میں اُتر جائے۔ اس عرصہ میں تقریباً پانچ سات گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ دوسرے معنوں میں اس طرح سمجھ لیں کہ جب تک غذا کے ہضم میں خون کی مختلف رطوبات شامل ہوتی رہتی ہیں اس وقت تک دوسری غذا نہیں کھانی چاہئے کیونکہ اس طرح وہ رطوبات جو ہضم غذا میں شامل ہوتی ہیں رُک جاتی ہیں اور اس طرح وہ خراب اور نامکمل رہ جاتی ہے۔ گویا چھ سات گھنٹے وقفہ ہر غذا کے درمیان لازمی اور یقینی امر ہے ورنہ صحت کا قائم رہنا ناممکن ہے۔

روزہ اور وقفہ غذا

اسلام میں روزہ فرض ہے۔ ہر سال پورے ایک ماہ کے روزے ہر بالغ اور صحیح الدماغ انسان پر فرض ہیں۔ ہر روزہ کی ابتدا صبح سورج نکلنے سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے شروع ہوتی ہے اور سورج غروب ہونے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ اس حساب سے روزے کا وقفہ تیرہ چودہ گھنٹے سے پندرہ سولہ گھنٹے بن جاتا ہے۔ اس وقفہ پر اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ہر سال میں ایک ماہ کے روزے رکھنا ہضم غذا کے مکمل نظام کو چلانا اور قائم کرنا ہے۔ اس طرح سارے جسم کی مکمل صفائی ہو جاتی ہے اور خون کیمیاوی طور پر مکمل ہو جاتا ہے اور تمام اعضاء کے افعال اور انسجہ درست ہو جاتے ہیں۔

روزہ اور کنٹرول غذا

روزے میں سب سے زیادہ اہمیت یہ ہے کہ وقت مقررہ کے بعد نہ روزہ رکھا جا سکتا ہے اور نہ وقت مقررہ سے پہلے کھولا جا سکتا ہے۔ گویا روزہ رکھ لینے کے بعد ہر قسم کا کھانا پینا بالکل بند بلکہ کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھنا بھی اچھا خیال نہیں کیا جاتا۔ اس لئے دوسروں کو تاکید ہے کہ روزہ دار کے سامنے کھانا اور پینا نہیں چاہئے۔ گویا ماہ رمضان میں غذا پورے طور پر کنٹرول ہو جاتی ہے البتہ مسافر اور مریض کو غذا کی اجازت ہے اور ان کو تاکید ہے کہ وہ اپنے روزوں کی گنتی سکون اور صحت کے زمانے میں پوری کر سکتے ہیں۔

اگر اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ قرآن حکیم کا نزول ماہ رمضان میں ہوا تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسلام کی ابتداء کنٹرول غذا سے ہوتی ہے اور جو لوگ کنٹرول غذا کرتے ہیں ان کو متقی اور پرہیزگار کہتے ہیں قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''روزے تم پر فرض ہیں جیسے پہلے لوگوں پر فرض تھے تاکہ تم متقی اور پرہیزگار بن جاؤ''۔

جو لوگ جائز اور اپنی حلال کی کمائی اللہ تعالیٰ کی مرضی (کنٹرول) کے بغیر نہیں کھاتے وہ دوسروں کی دولت کی طرف کیسے آنکھ اُٹھا کر دیکھ سکتے ہیں۔ بس یہی تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

اس تقویٰ اور پرہیزگاری اور اطاعت و رضا الٰہی کو مدنظر رکھیں اور اس طرح غور کریں کہ

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ بلاضرورت خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا''۔

اللہ تعالیٰ جو تمام طاقتوں کا خالق ہے جس سے ان کی محبت نہ رہے گی تو پھر اس کو طاقت کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے غذا میں ضرورت کا احساس اور تصور انتہائی ضروری بات ہے اور عین حقیقت و فطرت ہے۔ باقی رہا غذا کا توازن یعنی کس قسم کی غذا کھانی چاہئے۔ اس کے لئے مزاج و ماحول اور قوت کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ یہ سب کچھ بالاعضا ہی تسلی بخش طریق پر عمل میں آ سکتا ہے جس کی تحقیقات علم بالغذا میں بیان کی جاسکتی ہے۔ البتہ اس حقیقت کو ضرور مدنظر رکھیں کہ کس قسم کی غذا ہو اس لئے انتہائی ضروری ہے کہ وہ حلال اور طیب ہو جیسے قرآن حکیم میں لکھا ہوا ہے: ﴿ كُلُوا حَلَالًا طَيِّبًا ﴾ حلال سے مراد ہے جس شے پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو یا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق حاصل کی گئی ہو۔ طیب سے مراد ہے کہ اس شے میں نہ صرف خوشبو ہو بلکہ اس میں تازگی کی بھی خوشبو ہو۔

یہاں پر یہ مقام قابل غور ہے کہ طیب شے کو حلال کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یعنی اگر وہ شے طیب نہیں ہے تو یقیناً نجس ہے جس کا درجہ حرام کے بالکل قریب ہے۔

ہضم غذا

زندگی کے لازمی اسباب جن کو اسباب ستہ ضرور یہ کہا جاتا ان کی عملی حیثیت تین ہیں جیسا کہ لکھا گیا ہے اس کی اوّل صورت جسم کے لئے غذا حاصل کرنا ہے جیسے ہوا، روشنی اور ماکولات و مشروبات وغیرہ۔ ان کا بیان ہو چکا ہے۔ ان کی دوسری عملی صورت جسم میں غذا کو ہضم کر کے جزو بدن بنانے کے لوازم زندگی ہیں۔ یہ اسباب ضروری ہضم غذا میں اس لئے لازمی ہیں کہ اگر حرکت و سکون جسمانی، حرکت و سکون نفسانی اور نیند و بیداری اعتدال پر نہ رہیں تو نہ صرف ہضم غذا میں فرق پڑ جاتا ہے بلکہ صحت میں بھی خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔

حرکت و سکون جسمانی اور ہضم غذا

حرکت ایک ایسی صفت کا نام ہے جس سے کوئی جسم یا شے کسی خاص وضع (قیام یا سکون) سے فعل میں آئے۔ درحقیقت اس دُنیا میں سکون مطلق کا وجود نہیں ہے، البتہ جب اس کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد حرکت و سکون نسبتی ہوتا ہے، یعنی جب کوئی جسم بلحاظ دوسرے جسم کے کسی خاص وضع یا حالت میں فعل میں آجاتا ہے تو اس کو حرکت کہتے ہیں۔ بہرحال یہ نسبتی حرکت و سکون اپنے اندر خواص و اثرات رکھتے ہیں۔ جب کوئی جسم حرکت میں آتا ہے تو اس کے ساتھ ہی جسم کا خون حرکت میں آتا ہے اور جسم کے جس حصے کی طرف سے حرکت کی ابتدا ہوتی ہے اس طرف روانہ ہوتا ہے۔ پھر طبیعت اس کو تمام جسم میں پھیلا دیتی ہے۔ اس طرح خون کی تیزی اور شدت بدن کو گرم کر دیتی ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ حرکت جسم میں گرمی پیدا کرتی ہے اور اس کی زیادتی جسم کو تحلیل کر دیتی ہے۔ اس کے مقابلے میں سکون سردی پیدا کرتا ہے۔ اس سے خون کی حرکت میں سستی اور رطوبات میں زیادتی ہو جاتی ہے گویا نسبتاً ہر حرکت، ہر سکون کے مقابلہ میں گرمی و خشکی اور تیزی کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی خون جسم کے جس حصہ میں پہنچتا ہے، وہاں پر اپنی حرارت سے وہاں کے اعضا میں تیزی اور گرمی پیدا کر کے وہاں کی غذا کو ہضم کرتا ہے اور مواد کو تحلیل کر کے خارج کرتا ہے اور اپنی تیزی سے وہاں کی رطوبات خشک کر دیتا ہے۔

حرکت کا تعلق عضلات سے ہے

اس امر کو بھی ذہن نشین کر لیں کہ جسم انسان میں ہر قسم کے احساسات اعصاب کے ذمہ ہیں جن کا مرکز دماغ ہے اور ہر قسم کی حرکات جو جسم میں پیدا ہوتی ہیں ان کا تعلق عضلات سے ہے جن کا مرکز قلب ہے۔ اسی طرح جسم کو جو غذا ملتی ہے اس کا تعلق غدد سے ہے جن کا مرکز جگر ہے، یہی جسم کے اعضائے رئیسہ ہیں۔ جب جسم میں یا اس کے کسی عضو میں حرکت ہوتی ہے تو اس کے ساتھ ہی قلب کے فعل میں تیزی

آ جاتی ہے۔اس کے فعل میں تیزی کے ساتھ ہی وہ جسم کے خون کو جسم میں تیزی کے ساتھ روانہ کرنا شروع کر دیتا ہے جس کے ساتھ ہی جسم میں حرارت بڑھنا شروع ہو جاتی ہے، جس کے نتیجہ میں ریاح کا اخراج شروع ہو جاتا ہے اور جہاں جہاں پر غیر ضروری رطوبات اور مواد جمع ہوتے ہیں، طبیعت ان کو تحلیل کرنا شروع کر دیتی ہے۔اس کے ساتھ ہی دوران خون کی تیزی کے ساتھ اس کا دباؤ غدد کی طرف بڑھ جاتا ہے اور وہ جسم کو زیادہ سے زیادہ غذا حرارت کی صورت میں دینا شروع کر دیتے ہیں، جو اس میں شریک ہوتی ہے۔ساتھ ہی بھوک بڑھ جاتی ہے اور غذا زیادہ سے زیادہ ہضم ہوتی ہے جس کا لازمی نتیجہ خون کی زیادتی و صفائی اور طاقت میں ظاہر ہوتا ہے۔ان حقائق سے ثابت ہوا کہ حرکت جسم میں حرارت و خون اور قوت و صفائی پیدا کرتی ہے۔اس کے برعکس سکون سے جسم میں سردی اور کمی خون اور کمی قوت اور زیادتی مواد کا پیدا ہونا لازمی امر ہے۔ بس یہی دونوں صورتوں کا بین فرق ہے۔

حرکت اور حرارت غریزی

جاننا چاہئے کہ بدن انسان کا یہ کام ہے کہ جو چیز بدن انسان میں از قسم اغذیہ یا اشربہ وغیرہ خارج سے اور رطوبت و مواد اور اخلاط وغیرہ داخل بدن سے کسی بے محل جگہ یا غیر طبعی حالت سے کسی عضو بدن میں وارد ہوں اس میں حرارت غریزی اپنا فعل کرتی رہتی ہے چونکہ اس دوام فعل اور محنت سے حرارت غریزی میں ضعف پیدا ہو جانا یقینی امر ہے اور ضعف و کسل وغیرہ افعال کے لاحق ہونے سے اس کے فضلات کی تحلیل سے عاجز و مجبور ہوتی ہے۔اس وجہ سے تھوڑا تھوڑا مواد اور فضلہ جمع ہو کر کافی مقدار میں حرارت غریزی کو مغلوب کر دیتا ہے۔اس لئے حرکات کی طلب ضروری ہو جاتی ہے تا کہ اس سے ایک دوسری گرمی پیدا ہو اور اس کی مدد سے طبیعت مواد اور فضلات کو تحلیل کر دے۔اگر چہ مواد اور فضلات قے و اسہال اور پسینہ کے ذریعہ سے بھی خارج ہو سکتے ہیں مگر ان طریقوں سے ان کا اخراج ضعف جسم کا باعث ہوتا ہے۔دوسری طرف متعلقہ اعضا میں قوت اخراج کو فطری طور پر کمزور کر دیتا ہے اور یہ مسلسل عمل ہمیشہ کے لئے انسان کو ہلاکت کے قریب کر دیتا ہے اس لئے اس کا علاج حرکات جسم کو متوازن کرنا لازمی امر ہے۔یہی حرکات کا احتیاج ہے گویا حرکت جسم حرارت غریزی کے لئے بہترین مددگار ہے جو [illegible] و قوت ہے۔

تحریک قدرت کا فطری قانون

خداوند حکیم کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ضرورت بدن انسان کے لئے ایک تحریک پیدا کی گئی ہے، مثلاً غذا کے لئے بھوک، پانی کے لئے پیاس، نیند کے لئے اونگھ، چونکہ انسانی طبیعت کا اعتدال پر قائم رہنا مشکل ہے اس لئے ان تحریک میں اکثر کمی ہوتی رہتی ہے، اس سے ماکولات و مشروبات اور آرام میں بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے۔بس انہی ضروریات کو قائم رکھنے کے لئے یہ تحریکات پیدا کی گئی ہیں۔پس یہ محرکات فطری طور پر قدرت کی طرف سے پیدا نہ کئے جاتے تو لازمی امر تھا کہ انسان اپنی مطلوبہ ضروریات مذکورہ سے غافل ہو جاتا جس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ ہوتا کہ بدن انسان میں خلل واقع ہو جاتا۔اس سے ہلاکت تک کی نوبت پہنچ سکتی تھی۔اس لئے جب انسان کی ان تحریکات میں خلل واقع ہو جائے تو اس کو صحت کی خرابی سمجھنا چاہئے اور ان تحریکات کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرنی چاہئے جس سے نہ صرف صحت قائم رہتی ہے بلکہ طاقت بھی پیدا ہوتی ہے۔

حرکات کی فطری صورت

ضروریات زندگی خصوصاً ماکولات و مشروبات کے لئے انسان میں جو احتیاج پیدا کی گئی ہے اس کے لئے انسان کو لازمی طور پر

بھاگ دوڑ اور جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ بس یہی کوشش، اس میں فطری طور پر اس کی تحریکات کو بیدار رکھتی ہے، لیکن افراد کو اپنی ضروریات زندگی کے لئے یہ جدوجہد اور کوشش نہیں کرنا پڑی۔ بہرحال ان تحریکات کو تیز کرنے کے لئے حرکات کا کرنا لازمی امر ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے حکماء نے ریاضت اور ورزش کی مختلف صورتیں پیدا کی ہیں تاکہ انسان اپنی تحریکات اور صحت کو قائم رکھ سکیں جو زندگی کے لئے لازم ہیں۔

ریاضت کی حقیقت

ریاضت انسان کے لئے ایک اختیاری حرکت کا نام ہے۔ جیسے ورزش و دوڑ، کھیل کود، سیر و گھوڑ سواری، کشتی لڑنا اور کشتی چلانا۔ اسی طرح ہاتھ پاؤں کی مختلف پے در پے حرکات سے ریاضت کی صورتیں پیدا کی جاتی ہیں۔ اگرچہ عوام و خواص بلکہ ورزش ماسٹر بھی اس علم سے واقف نہیں ہیں کہ مختلف اقسام کی ورزش اور ریاضت سے کس قسم کے اعضاء متاثر ہوتے ہیں، کس عضو کی تقویت کے لئے کس قسم کی ورزش اور ریاضت ضروری ہے۔ کیونکہ لوگ افعال الاعضاء اور تشریح انسانی سے واقف نہیں ہوتے۔ بہرحال عمومی طور پر ریاضت اور ورزش بے حد مفید عمل ہے۔ اگر ورزش یا ریاضت کے متعلق یہ پتہ چل جائے کہ کس قسم کے کھیل ہمارے جسم پر خاص طور پر اعصاب و دماغ، عضلات و قلب اور جگر و گردوں پر اثر انداز ہو سکتے ہیں تو ایسی ریاضت اور ورزش بہت مفید ہوتی ہے۔

حرکت و سکون نفسانی

نفس کی ایسی حرکت جو ضرورت کے وقت کبھی جسم کے اندر اور کبھی جسم کے باہر ظاہر ہو جس کے ساتھ حرارت جسم بھی کبھی اندر کی طرف چلی جاتی ہے اور کبھی باہر کی طرف ظاہر ہوتی ہے۔ اس کو حرکت و سکون نفسانی کہتے ہیں۔ نفس سے مراد نفس انسان ہے جس کو نفس ناطقہ کہتے ہیں جس کا تعلق اور ربط انسان کے قلب سے ہے جو اپنے معانی جزئیہ اور مفہومات کو بذریعہ مختلف قوتوں کے ادراک کرتا ہے۔ پھر اس کی تین صورتیں ہیں؛ امارہ (غیر شعور)، لوامہ (نیم شعور) اور مطمعنہ (شعور)۔ ان کی تفصیل طویل ہے صرف اشارات درج کئے جاتے ہیں۔

حرکت و سکون نفسانی کی ضرورت

یہ محال عقلی ہے کہ کوئی نفس انسانی اس عالم میں فکر زندگی اور آخرت یا ضرورت معاش و معاشرت یا محبت اولاد یا وصل حبیب یا لطف و لذت سے رغبت یا موذی کا خوف دُکھ یا دُشمن سے خطرہ و نفرت وغیرہ، کیفیات و عوارض کے حصول و دفع کی غرض سے باعث حرکت بدن ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر عوارض مذکورہ کا عارض ہونا ضروری ہے تو ان کے ردِّعمل سے متاثر ہونا بھی یقینی امر ہے۔ اس سے روح قلب کو تحریک کرے گا اور قلب کی تحریک کے ساتھ خون میں گردش شروع ہو جائے گی جس سے وہ خون شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنا شوق اور دفاع پورا کرے گا۔ پس جو عوارض یا کیفیات اس کے لئے نافع اور بہتر ہوں گے ان کا وہ طالب ہوگا اور ان کا وہ شوق کرے گا اور جو اس کے لئے مضر اور تکلیف کا باعث ہوں۔ اس سے وہ بھاگے گا اور ان کو دفع کرتا رہے گا۔ بس انسان کی ان طلب و فرار اور شوق و دفع حرکات ہی سے ہو سکتی ہے بس انہی کیفیات و عوارض کے ردِّعمل کا نام حرکت و سکون نفسانی ہے۔

نفس بذاتِ خود متحرک نہیں ہے

کہا تو یہ جاتا ہے کہ ''حرکت و سکون نفسانی'' لیکن حقیقت یہ ہے کہ نفس بذاتِ خود متحرک نہیں ہے بلکہ حرکت قویٰ کو ہی لاحق ہوتی ہے

جو بذریعہ ارواح محرکہ ظہور میں آتے ہیں۔اس لئے قویٰ متحرک ہیں اور ارواح محرک ہیں۔ان اعمال سے جن جذبات کا اظہار ہوتا ہے انہی کو ہی حرکت وسکون نفسانی کہتے ہیں مگر یہ امر بھی یہاں ذہن نشین کرلیں کہ روح سے ہماری مراد روح طبی ہے جس کا حامل خون ہے اس کو حرکت بھی بذاتِ خود نہیں ہوتی بلکہ حسب ضرورت اور ارادہ نفس ناطقہ سے ہوتی ہے جس طرح کوئی مشین خود بخود متحرک نہیں ہوتی جب تک کہ اس کو حرکت دینے والا کوئی نہ ہو،اس لئے یہاں حرکت وسکون کا لفظ مجازاً ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

نفس میں حرکت وسکون کی صورتیں

نفس ضرورت کے وقت کبھی جسم کے اندر کبھی جسم کے باہر حرکت کرتا ہے جس کے ساتھ خون اور اس کی حرارت بھی کبھی اندر کی طرف چلی جاتی ہے اور کبھی باہر کی طرف نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔پھر اس کی تین صورتیں ہیں:

① حرکت کا دفعتاً اور یک لخت اندر یا باہر کی طرف جانا۔

② آہستہ آہستہ اندر یا باہر کی طرف جانا۔

③ نفس کا بیک وقت کبھی اندر اور کبھی باہر حرکت کرنا۔

یہ بات یاد رکھیں کہ نفس جس طرف حرکت کرتا ہے وہاں پر دوران خون تیز ہو کر حرارت پیدا کرتا ہے جہاں سے حرکت کر کے جاتا ہے وہاں پر دوران خون کی کمی ہو کر سردی پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ امر پھر ذہن نشین کرلیں کہ حرکت وسکون نفسانی دراصل نفس کی حرکت وسکون نہیں ہے کیونکہ نفس اپنا مفاد نہیں بدلتا۔ایسا صرف مجازاً کہا جاتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ نفس کے تاثرات اور انفعالات (ردّعمل) روح طبعی اور خون میں حرکت پیدا کر دیتے ہیں۔ باالفاظ دیگر یہ تاثرات اور انفعالات صالح اور فطرت کے مطابق ہوں تو حامل قوت وصحت اور باعث نشو وارتقائے جسم ہوتے ہیں۔انہی کو اسلام لفظ دین سے تعبیر کرتا ہے۔

یہ حرکت سکون نفسانی بدن کے لئے ویسی ہی ضروری ہے جیسی حرکت سکون بدن کیونکہ بدنی حرکات کا دارومدار ہوا و ہوس اور خواہشات وجذبات نفسانیہ پر ہے جیسے شوق کے وقت طلب کی حرکت،نفرت کے وقت بیزاری کی صورت،غصے کے وقت چہرے کا سرخ ہو جانا،یہ سب کچھ روح اور خون کے زیر اثر ہوتے ہیں اور اس کے برعکس نفسانی سکون کی ضرورت اس لئے ہے کہ روح اور خون کو نسبتاً آرام حاصل ہو کہ ان میں کمی واقع نہ ہو اور جسم کو تحلیل ہونے سے بچایا جائے۔

جاننا چاہئے کہ نفس جب کسی مناسب یا مخالف شے کا ادارک حاصل کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مناسب کو حاصل کرنا اور مخالف سے بچنا چاہتا ہے۔اس وقت وہ اپنی نفسانی قوتوں کو حرکت میں لاتا ہے اگر اس حرکت وسکون میں تسلسل قائم رہے تو باعث مرض و ضعف اور رفتہ رفتہ باعث موت ہے اور بعض اوقات ان کی یکبارگی شدت دفعتاً زندگی ختم کر دیتی ہے۔جیسے غم مرگ اور شادی مرگ کی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں۔انسان کے انہی تاثرات اور انفعالات اور خواہشات وجذبات کا مطالعہ اور نتائج سے جو صورتیں پیدا ہوتی ہیں اس کو علم نفسیات کہتے ہیں۔

نفسانی جذبات کی حقیقت

نفسانی جذبات کو سمجھانے کے لئے اور انتہائی سہولت کی خاطر جس کا ذکر قدیم وجدید بلکہ ماڈرن نفسیات میں بھی نہیں ہے ہم نے

ان کو نظریہ مفرد اعضاء کے تحت اعضائے رئیسہ کے مطابق تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ہر مفرد عضو (نسیج) کے لئے دو جذبے مخصوص کر دیئے ہیں۔ ان جذبوں میں ایک عضو انبساط سے پیدا ہوتا ہے اور دوسرا انقباض ہے۔ ان کی ترتیب درج ذیل ہیں:

دل:- عضلات میں انبساط سے مسرت پیدا ہوتی ہے اور انقباض سے غم حاصل ہوتا ہے۔

دماغ:- اعصاب میں انبساط سے لذت پیدا ہوتی ہے اور انقباض سے خوف حاصل ہوتا ہے۔

جگر:- غدد میں انبساط سے ندامت محسوس ہوتی ہے اور انقباض سے غصہ حاصل ہوتا ہے۔

لیکن یہ جاننا بھی انتہائی ضروری ہے کہ جب دِل، دماغ اور جگر (عضلات، اعصاب اور غدد) کے کسی ایک نسیج (ٹشو) میں کسی خاص قسم کی تحریک ہوگی تو باقی دو اعضاء میں بھی کوئی نہ کوئی حالت ضرور پائی جائے گی۔ مثلاً اگر اعصاب میں تحریک ہوگی تو یہ ضروری بات ہے کہ غدد میں تحلیل اور دِل میں تسکین ہوگی۔ گویا اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جب کسی جذبہ کے تحت کسی عضو کا مطالعہ مقصود ہو تو باقی اعضاء کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ اس طرح تمام جسم کی حقیقت سامنے آجاتی ہے۔ یہ وہ علم نفسیات ہے جس کے علم سے ماڈرن سائنس اور جدید علم نفسیات بھی بے خبر ہے۔

نفسیاتی اثرات

جسم انسانی پر نفسیاتی اثرات اور انفعالات کی تین مقابل صورتوں کے کل چھ جذبات ہیں:

① مسرت ② غم ③ لذت ④ خوف ⑤ غصہ ⑥ شرمندگی۔

یہ چھ بنیادی جذبات ہیں۔ ان کے تحت ہی باقی دیگر جذبات پائے جاتے ہیں۔ ان کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

① مسرت میں نفس بغرض حصول شے مرغوب قلب شے خارج بدن کی طرف رفتہ رفتہ متحرک ہوتی ہے۔ بشرطیکہ بے انتہا خوشی کی کیفیت نہ ہو ورنہ یکدم متحرک ہوگی۔ خوشی کی حالت میں چہرہ سرخ ہو جائے گا۔

② غم میں نفس موذی پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے رفتہ رفتہ داخل بدن یعنی دِل کی طرف حرکت کرتی ہے اور چہرے کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔

③ لذت کی حالت میں بغرض قیام مرغوب شے اور لطیف نفس رفتہ رفتہ کبھی اندر اور کبھی باہر کی طرف حرکت کرتا ہے۔

④ خوف نفس موذی کے مقابلے میں نا اُمید ہو کر یکبارگی داخل جسم رجوع کرتا ہے۔ کمی خوف میں یہ عمل رفتہ رفتہ ہوتا ہے اور چہرہ سفید ہو جاتا ہے۔

احتباس واستفراغ

اسباب ستہ ضروریہ کی جو تین صورتیں ہیں یعنی (اوّل) جسم کے لئے غذائیت مہیا کرنا جیسے ہوا اور روشنی اور ماکولات ومشروبات۔ (دوسرے) جسم میں غذائیت کو ہضم کر کے جزو بدن بنانا ہے، جیسے نیند و بیداری اور حرکت وسکون جسمانی و حرکت وسکون نفسانی۔ (تیسرے) جسم کے اندر غذائیت ایک مقررہ وقت تک رکے رہنا ہے تاکہ ہضم ہو کر جزو و بدن بن جائے اور جب ان کی ضرورت نہ ہو تو فضلات کی صورت میں خارج کر دینا۔ ان کو احتباس واستفراغ کہتے ہیں۔ پہلی دو صورتیں بیان کر دی گئی ہیں۔ اب تیسری کی تفصیل دی جاتی ہے۔

استفراغ کے معنی ہیں مواد اور فضلات کا اخراج پانا اور طبی اصطلاح میں لفظ استفراغ سے ان چیزوں کا بدن سے خارج کرنا مراد

ہے تاکہ اگر وہ چیزیں باقی رہ جائیں تو بدن میں طرح طرح کے فساد پیدا ہو کر افعال انسانی سلیم طور سے صادر نہ ہوں۔ اس کے برعکس احتباس کے معنی ہیں۔ غذائی اجزاء اور فضلات کا جسم میں رُکنا اور بوقت ضرورت اخراج نہ پانا دراصل یہ ایک دوسرے فعل کی ضد کا اظہار ہے ورنہ دونوں میں سے کسی ایک لفظ کا ہونا ہی کافی ہے کیونکہ حکیم مطلق نے طبیعت بدن Original Text لہٰذا حسب طاقت وہ مناسب راستوں سے فضلات مذکورہ کے دفع پر ہمیشہ سرگرم رہتی ہے لیکن بعض اوقات ایسی رکاوٹیں پیش آ جاتی ہیں کہ اس کے دفع فضلات اور مواد میں کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے گویا استفراغ اور احتباس کا اعتدال صحت ہے اور ان میں کمی بیشی کا ہونا مرض میں داخل ہے۔

فضلات کی حقیقت

فضلات دراصل اضافی لفظ ہے۔ حقیقت میں اس کائنات اور زندگی میں فضلات کوئی شے نہیں ہیں۔ جن مواد کی کسی جسم کے لیے ضرورت نہیں ہوتی تو وہ اس کے لیے فضلات بن جاتے ہیں۔ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جسم کے اندر غیر ضروری غذائی اجزا یا مفید مواد..... جن کو طبیعت قبول نہیں کرتی یا طبیعت کو جن کی ضرورت نہیں ہوتی وہ سب فضلات میں شامل ہیں۔ فضلات سے مراد فاضل شے ہے یعنی جو چیز زائد یا فالتو ہو۔

جو غذا کھائی جاتی ہے تندرستی کی حالت میں جسم کا ایک خاص حصہ جذب کر کے جزو بدن بنا دیتا ہے اور باقی کو فضلات کی شکل میں خارج کر دیتا ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ فضلات میں جسم انسان کے لیے غذائیت باقی نہیں رہتی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس قدر اچھی صحت ہوتی ہے اور اعضا مضبوط ہوتے ہیں اسی قدر زیادہ غذائی اجزاء جذب اور جزو بدن بنتے ہیں اور فضلات کم خارج ہوتے ہیں یا بعض اعضاء میں اس قدر تیزی ہوتی ہے کہ وہ غذا کو پورے طور پر ہضم کیے بغیر خارج کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن مریضوں کے اعضا میں افراط و تفریط اور ضعف ہوتا ہے وہ جتنی بھی زیادہ سے زیادہ غذا کھائیں ان کے اندر طاقت اور خون کی مقدار میں زیادتی نہیں ہوتی۔ سوال غذا کی قلت اور کثرت اور اعلیٰ و ادنیٰ کا نہیں ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی صحت اور مضبوط اعضا کا ہے جس سے خود بخود زیادہ غذا ہضم ہوتی ہے اور جزو بدن بنتی ہے جس کا نتیجہ خون کی کثرت اور طاقت کی زیادتی ہوتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ بدن کے وجود اور اس کی طاقت کا دارومدار غذا پر ہے کیونکہ خون کی تعمیر اور تکمیل صرف غذا پر ہوتی ہے دوا سے نہیں ہوتی کیونکہ دوا جزو بدن نہیں ہوتی اور نہ ہی خون کا جزو ہے۔ صرف اعضائے جسم میں تحریک اور شدت کا باعث ہوتی ہے۔ جس سے اعضائے جسم اپنے مفید اجزاء خون میں شامل کر کے اس کی تعمیر اور تکمیل کرتے ہیں لیکن غذا کوئی بھی ایسی نہیں ہے جو ساری کی ساری جزو بدن بن جائے اور اس کا فضلہ نہ بنے۔ پھر اگر یہ فضلہ باقی رہے اور اس کا اخراج نہ ہو تو بدن میں فاسد مادے اکٹھے ہو جاتے ہیں جن مواد کو فضلات کی صورت میں خارج ہونا چاہئے تاکہ اس کی جگہ نیا مواد بنے یا مواد سے اس راہ گزر مجراری کو غذائیت اور تقویت حاصل ہو۔ اس لیے استفراغ کی انتہائی ضرورت ہے اور احتباس کی ضرورت اس لیے ہے کہ غذا کچھ عرصہ جسم میں رہے تاکہ اس کا جوہر طبیعت حاصل کر لے۔

استفراغ اور احتباس کا اعتدال صحت اور طاقت کے لیے نہایت ضروری اور مفید ہے۔ استفراغ کی زیادتی بدن میں خشکی پیدا کرتی ہے۔ احتباس کی زیادتی جسم میں فضلات کی زیادتی کی وجہ سے اس کو بوجھل بنا دیتی ہے جس سے اکثر سدے اور تعفن پیدا ہوتا ہے۔

استفراغ کی صورتیں

جسم انسان سے استفراغ کی مندرجہ ذیل تین صورتیں ہیں: ① طبعی فضلات ② غیر طبعی فضلات ③ مفید فضلات۔

جن کی تفصیل درج ذیل ہیں:

① طبعی فضلات

طبعی فضلات وہ ہیں جو ہمارے مجاری اور اعضاء سے طبعی طور پر ضرورت کے مطابق خارج ہوتے ہیں جیسے نزلہ، زکام، کان کا میل، آنکھ کے آنسو، لعاب دہن، بلغم، بول، براز، حیض اور منی وغیرہ۔ان کے اخراج ایک طرف مجاری اور اعضاء جہاں سے وہ گزرتے ہیں ان کو نرم رکھتے ہیں۔دوسرے وہاں کی سوزش وغیرہ کو دور کرتے ہیں۔اگر ان کے اخراج میں کمی بیشی واقع ہو جائے تو باعث امراض ہوتے ہیں۔جب ان میں کمی واقع ہوتی ہے تو ذیل کی صورتوں میں کوئی صورت اختیار کر جاتی ہے:

(۱) **مسہلات:** بذریعہ دست آور ادویات ناقص اخلاط مواد اور متعفن فضلات کا انسان کے بدن سے خارج کرنا۔اس کی دو اقسام ہیں؛ اوّل بذریعہ ادویہ مشروبہ یعنی کھانے پینے کی ادویہ۔دوسرے بذریعہ حقنہ اور عمل احتقان (بذریعہ) پچکاری۔

(۲) **مدرات:** پیشاب آور ادویات اور آلات وغیرہ کے ذریعے مواد اور فضلات کا اخراج۔

(۳) **تصریحات:** بذریعہ پسینہ، حمام یا بھپارہ اور دیگر اعمال سے براہ مسامات بدن سے ردی اخلاط و مواد اور فضلات کا خارج کرنا۔

(۴) **مقیات:** قے آور ادویات یا دیگر اعمال کے ذریعے مواد اور فضلات کا خارج ہونا۔

(۵) **حجامت:** شگاف رگ، پچھنے اور فصد وغیرہ کے ذریعے اخلاط وردی مواد اور فضلات بدن کا انسان کے بدن سے خارج کرنا وغیرہ۔

(۶) **انزال:** جماع کے ذریعے غیر مفید اخلاط وردی مواد اور فضلات کا بدن سے خارج کرنا وغیرہ۔

② غیر طبعی فضلات

ایسے ناقص مواد ہیں جو خون سے پیدا ہو جاتے ہیں جن سے خون کا مزاج اور اخلاط یا اس کے عناصر میں کمی بیشی واقع ہو جاتی ہے یا خون رگوں کے اندر یا باہر متعفن ہو جاتا ہے۔جب ایسے غیر طبعی فضلات رُک جاتے ہیں تو ان کے اخراج کی صورت بھی مندرجہ بالا طریق پر کی جاتی ہے، البتہ ضرورت کے مطابق ادویات بھی استعمال کی جاسکتی ہیں۔

③ مفید فضلات

دراصل یہ فضلات نہیں ہوتے چونکہ جسم سے اخراج پاتے ہیں یا ان کو اخراج پانا چاہیے۔اس لیے ان کو فضلات کہہ دیا گیا ہے۔مثلاً جسم میں غیر معمولی کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی تحریکات ہو کر مفید رطوبات وخون اور منی کا اخراج پانا جس میں مذی اور ودی بھی شریک ہیں رطوبات کی صورت میں لعاب دہن، آنسو، مذی اور ودی ہیں۔خون کی صورت میں نفث الدم، قے الدم، نکسیر، خونی زحیر اور بواسیر وغیرہ ہیں۔منی کی صورت میں جریان واحتلام اور سرعت انزال ہیں۔کبھی مفید رطوبات وخون اور منی کے اخراج کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ طبیعت کا رجحان اس طرف زیادہ ہو۔ان چیزوں کی پیدائش بڑھے۔اس مقصد کے لیے کیفیاتی ونفسیاتی اور مادی تحریکات لطف ولذت اور صحیح وبصر نوازی کے ساتھ ساتھ جذبہ شوق ومحبت کے بھڑکانے سے بھی پیدا کی جاتی ہے۔یہاں تک کہ اطباء اور حکماء نے اس کی آخری حد جماع رکھی ہے اور یہی ضرورت عقد اور نکاح ہے۔

استفراغ واحتباس میں یہ اہم مقام ہے۔اس لیے ہم نے ستہ ضروریہ کا باب قائم کیا ہے۔جنسی امراض میں عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا

ہے کہ صرف مجربات و مرکبات کافی ہو سکتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ مجربات کا علاج بہت بڑا مقام رکھتا ہے، لیکن جب تک اسباب ستہ ضروریہ سامنے نہ ہوں خصوصاً استفراغ و احتباس کی اہمیت کو مدنظر نہ رکھا جائے جنسی امراض کا علاج کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ اگر صرف مجربات تک ہی ممکن ہوتا ہے تو ہر قسم کے مجربات کی کتب کی اس قدر کثرت ہے کہ مزید مجربات کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ طبی دُنیا میں جنسی مجربات کی آج پہلے سے بھی زیادہ طلب ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مرض کی تشخیص اور صحیح دوا کی تجویز کی آج بھی ضرورت باقی ہے اور وہ لوگ بہت بڑی غلطی پر ہیں جو بغیر تشخیص اور بغیر صحیح تجویز کے صرف جنسی مجربات طلب کرتے ہیں۔ جنسی امراض کی حقیقت اور ان کے لیے صحیح دوا اور غذا کے اُصول اور مجربات کے لیے ہماری کتاب تحقیقات علاج جنسی امراض دیکھیں۔

غذا اور حفظانِ صحت

حفظانِ صحت کے اہم عناصر حسب ذیل تین ہیں:

① صحت کے قیام کے لیے بدل ما یتحلل کی جو ضرورت ہے وہ ایک مسلمہ امر ہے اور بدل ما یتحلل ہمیشہ اغذیہ واشربہ سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس لیے حفظانِ صحت میں سب سے اوّل چیز اغذیہ واشربہ ہیں کہ ان کو اپنی ضرورت کے مطابق صحیح اُصولوں پر استعمال کیا جائے اور ان سے بدل ما یتحلل حاصل ہو۔

② غذا کے بعد دوسری اہم چیز یہ ہے کہ انسان کے جسم میں غذا کھانے کے بعد فضلات اکٹھے ہوتے ہیں ان کا باقاعدگی کے ساتھ اخراج ہوتا رہے۔ اس کی صورت جسم کو اعتدال کے ساتھ حرکت دینے اور کام میں لگانے سے عمل میں آتی ہے جس میں ورزش بھی شریک ہے کیونکہ سکون محض جسم میں فضلات کو روک دیتا ہے۔

③ انسان اپنی قوتوں کو ضرورت سے زیادہ خرچ ہونے سے بچائے۔ ضرورت سے زیادہ جسمانی اور دماغی محنت اور حرکت سے یہ قوتیں ضائع ہونے لگتی ہیں۔

① اغذیہ و اشربہ

غذا کی مقدار میں اعتدال کو قائم رکھنا اور غذا کے استعمال کے بعد کچھ سکون کرنا ضروری ہے۔

یادداشت: غذا کھانے سے قبل یہ ضروری ہے کہ بھوک شدت سے لگی ہوئی ہو۔ بغیر بھوک کے کبھی غذا کی طرف ہاتھ نہیں بڑھانا چاہیے۔

بھوک میں بھی اس امر کو ملحوظ رکھا جائے کہ وہ دو قسم کی ہوتی ہے: ① اشتہائے صادق۔ ② اشتہائے کاذب۔

اشتہائے صادق کے مفادات یہ ہیں کہ جسم میں فرحت ہوگی اور وہ ہلکا ہوگا اور گرم معلوم ہوگا۔ غذا کھاتے وقت لذت محسوس ہوگی۔ اشتہائے کاذب میں یہ باتیں نہیں ہوں گی بلکہ کمزوری محسوس ہوگی، دِل میں گھٹنے کی سی حالت پائی جائے گی اور کھانے میں بے دلی سی قائم رہے گی۔ کھانے کے بعد جسم بے حدست اور بوجھل رہے گا بلکہ بعض اوقات حرکت کرنے کو دِل نہیں چاہتا۔ ہر غذا پہلی غذا کے ہضم ہونے کے بعد کھانی چاہیئے اگر چہ بھوک بھی کیوں نہ لگی ہو اور اشتہائے صادق کی تمام علامات پائی جائیں کیونکہ ہر غذا جو ہم کھاتے ہیں اس کے ہضم ہونے میں کم سے کم چھ سات گھنٹے خرچ ہوتے ہیں اور اس کے بعد وہ غذا معدے اور چھوٹی آنتوں سے اُتر کر بڑی آنتوں میں چلی جاتی ہے۔ اگر چھ سات گھنٹے سے قبل کھالیا جائے تو طبیعت جو پہلی غذا کی طرف مصروف ہوتی ہے اس کو ہضم کیے بغیر چھوڑ دے گی اور دوسری طرف مصروف ہو جائے گی۔ اس سے پہلی غذا میں تعفن اور فساد پیدا ہو جائے گا۔ اگر دوسری کی طرف توجہ نہ دے تو اس میں بھی تعفن اور فساد کا پیدا ہونا ضروری ہے۔

ایک وقت میں مختلف غذاؤں کا اکٹھا کرنا درست نہیں ہے۔ اغذیہ میں جنس لطیف اور بعض ثقیل ہوتی ہیں اور طبیعت لطیف اغذیہ کو جلدی ہضم کر لیتی ہے اور ثقیل اغذیہ دیر تک اندر پڑی رہتی ہیں۔ نیز بعض اغذیہ ایک دوسرے کی مخالف ہوتی ہیں مثلاً مچھلی اور دودھ، ترشی اور دودھ، ستو اور دودھ، انگور اور سری کا گوشت، انار اور ہریسہ، چاول اور سرکہ، ان کو ایک ساتھ کھانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

اگر غذا مچرب ہو تو اس کے ساتھ نمکین یا چرپری چیزیں کھائی جائیں اور اسی طرح اس کے برعکس بہتر یہ ہے کہ ہمیشہ ایک ہی غذا نہ کھائی جائے بلکہ تبدیلی کے ساتھ کھائی جائے۔ بھوک کا روکنا مناسب نہیں کیونکہ ایسا کرنے سے معدے کی طرف خراب مواد گرتے ہیں۔ غذا دن کے متعدل وقت میں کھائی چاہیے۔ موسم سرما میں دوپہر کے وقت اور موسم گرما میں صبح وشام کھانا مناسب ہے۔ کھانے سے مراد یہاں پیٹ بھر کر کھانا اور پورا کھانا مراد ہے۔

ایک ہی قسم کے کھانے بار بار کھانے سے اور ایک ہی ذائقہ بار بار استعمال کرنے سے جسم میں نقصان پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً ترش غذاؤں کے بکثرت اور متواتر استعمال سے بڑھاپا جلد آ جاتا ہے۔ نزلہ زکام اکثر رہتا ہے اور اعضا میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے، اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نمکین چیزیں بدن کو لاغر اور دل میں ضعف پیدا کرتی ہیں۔ میٹھی چیزیں بھوک کو ضعیف اور بدن کو لاغر کرتی ہیں۔

ترش غذا کی مضرت کو میٹھی غذا سے دفع کرنا چاہیے۔ اکثر پھیکا کھانے سے بھوک جاتی رہتی ہے اور بدن میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کی مضرت کو نمکین اور چرپری چیزوں کے استعمال سے دور کرنا چاہیے۔

② مشروبات

مشروبات میں مندرجہ ذیل تین چیزیں خاص طور پر شریک ہیں: ❶ پانی ❷ دودھ ❸ شراب۔

(ا) پانی: پانی اکثر پیاس کے وقت پیا جاتا ہے اور یہ پیاس کھانے کے دوران میں بھی لگتی ہے اور بعد میں بھی اور بغیر کھانے کے بھی۔ پانی پینے کا وقت پیاس ہے خواہ غذا کے ساتھ ہو یا اس کے بعد۔

یادداشت: جاننا چاہیے کہ پیاس دو قسم کی ہوتی ہے: ❶ پیاس صادق ❷ پیاس کاذب۔

صادق پیاس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ معدے میں پڑی ہوئی غذا کو رقیق بنانے اور اس کو باریک شریانوں سے گزارنے کا ذریعہ بنے۔ غذا کو رقیق بنانے اور اس کو باریک شریانوں سے گزارنے کا ذریعہ بنے۔ غذا کے دوران میں بھی جب پیاس لگتی ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اوّل معدے میں تیزی اور سوزش پیدا کرنے والی اغذیہ کی بے چینی اور دوسری معدے میں انتہائی خشکی جو غذا کھانے کے ساتھ اکثر بڑھ جاتی ہے اور طبیعت اس کو رقیق کرنے کے لیے پانی طلب کرتی ہے۔

پیاس کاذب کی پہچان یہ ہے کہ اگر پیٹ بھر کر تسلی کے ساتھ پانی پی لیا جائے اور پھر بھی پیاس نہ بجھے۔ اس کی وجہ عام طور پر شور بلغم یا لیسدار مواد کی معدے میں زیادتی ہوتی ہے جس کو طبیعت رفع کرنا چاہتی ہے لیکن ٹھنڈا پانی پینے سے بلغم اور بھی جم جاتی ہے اور مادہ شور میں زیادتی واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تخمہ اور ہیضہ میں بھی پیاس کی شدت ہوتی ہے جس کی وجہ غذا کا کچا ہونا اور معدے اور سوزش اور متعفن مواد کی موجودگی ہوتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ پانی کے لیے کچھ دیر توقف کیا جائے اور اگر توقف ناممکن ہو تو گرم پانی تھوڑا تھوڑا دیا جائے یا بغیر دودھ کے چائے دی جائے۔ مرض میں شدت ہو تو مناسب علاج کیا جائے۔ بعض دفعہ دماغی اور اعصابی سوزش میں بھی شدید پیاس لگتی ہے۔ اس کا بھی مناسب علاج کیا جائے۔ **بعض اوقات ترمیوں کے استعمال، سخت ورزش اور محنت، حمام اور جماع کے بعد پیاس لگے تو پانی سے روکنا چاہیے۔ جہاں تک ممکن ہو نہار منہ پانی نہیں پینا چاہیے۔**

(۲) **دودھ**: دودھ غذا میں شامل ہے اور اس کو غذا کے طور پر یا غذا کے ہمراہ استعمال کرنا چاہیے۔ یہ ہرگز نہ کیا جائے کہ اس کو پانی کے طور پر اور بغیر غذا کے استعمال کیا جائے۔ **دودھ استعمال کرنے کا بہترین وقت صبح کا ناشتہ ہے۔ ناشتے کے ہمراہ اس کو استعمال کرنے سے صحت پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ دودھ ہمیشہ نیم گرم ہو اور اس کو ہلکا شیریں بھی کر لینا چاہیے۔** اسی طرح بعض لوگ دودھ میں پانی ملا کر اس کی لسی بھی پیاس کے وقت پیتے ہیں۔ اس کے متعلق یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کے اثرات اپنے اندر دودھ کی غذائیت کے ہیں۔ البتہ اس میں برودت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے اکثر استعمال سے معدہ ٹھنڈا اور سوئے مزاج بارد کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اوّل تو اس کا استعمال ہی نہیں کرنا چاہیے لیکن جب استعمال کی جائے تو غذا اور اس کے درمیان کافی وقفہ ہونا چاہیے۔

دھی کی لسی: دہی کی لسی بھی غذا میں شریک ہے اور اس کو بھی ہمیشہ غذا کے مقام یا اس کے ہمراہ استعمال کرنا چاہیے۔ اس کے بکثرت استعمال سے حرارت غریزی کم ہو جاتی ہے اور نفخ شکم کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا استعمال دوپہر کو غذا کے ہمراہ کرنا چاہیے۔

(۳) **شراب**: شراب کا استعمال بغیر طبیب کی مرضی کے کبھی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس میں نقصان بہت زیادہ اور فوائد بہت ہی کم ہیں۔ اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کے استعمال سے خواہشات نفسانی بھڑک اٹھتی ہیں جو کسی صورت بھی نہیں بجھتی ہیں۔ جس سے طبیعت انتہائی منقبض ہو کر دِل کے لیے بے حد نقصان کا باعث ہوتی ہے۔ جہاں تک اس کے فوائد کا تعلق ہے اس کو اکثر اعتدال سے قلیل مقدار میں ضرورت کے مطابق طبیب حاذق کے مشورے سے استعمال کیا جائے تو تمام جسم کے اعضا میں نشو و ارتقا اور قوت کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی گندے فضلات کو چھانٹ دیتی ہے اور جسم میں صالح ہو کر جذب کرنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے لیکن ان فوائد کے ساتھ ساتھ جب اس کے اثرات بڑھتے جاتے ہیں تو انہی چیزوں کے لیے سخت نقصان کا باعث ہوتی ہے۔ اس کے اثرات بڑھنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اس کو ایک دفعہ شروع کرنے کے بعد خواہ وہ دوا کے طور پر ہی کیوں نہ کیا جائے چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ گویا یہ تھوڑے ہی عرصہ میں ایک ایسی عادت بن جاتی ہے جس کا چھوڑنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس کو چھوڑنا بھی بجائے فوائد کے باعث صد نقصان ہے۔

حرارت غریزی و رطوبت غریزی

علم حفظان صحت کا جہاں تک انسان کے جسم سے تعلق ہے اس کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ انسان کے اعضائے جسم اور ان کے افعال کا پوری طرح علم ہو۔ یہ علم اس وقت سے شروع ہو جاتا ہے جب انسان کا نطفہ قرار پاتا ہے۔ کیونکہ اگر اس دوران میں بھی اس نطفے کی نگرانی نہ کی جائے تو اس کے ضائع ہونے کا احتمال ہے۔ جس چیز کی انسان کے حفظان صحت میں نگرانی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ اس کا مزاج، طبیعت اور طاقت کا اعتدال ہے اور یہی چیز قرار نطفہ سے انسان کی موت تک مدنظر رہتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مزاج، طبیعت اور طاقت کیا شے ہے اور ان کی نگرانی کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ ایک نہایت اہم سوال ہے اور صحت کے قیام کے لیے اس کا ذہن نشین کرنا سب سے پہلی بات ہے۔

جاننا چاہیے کہ نطفہ قرار پاتے وقت کرم منی، حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یہ نطفہ ایک جسم ہے جس کی پرورش رطوبت غریزی اور حرارت غریزی سے عمل میں آتی ہے۔ انہی دونوں چیزوں سے اس کو غذا ملتی ہے اور اس میں نشو و ارتقا اور تصفیہ کا عمل جاری رہتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں اگر اعتدال سے اپنا عمل جاری رکھیں تو نطفہ صحت کے ساتھ نشو و ارتقا کے مراحل طے کر لیتا ہے اور اگر ان کا توازن قائم نہ رہے تو نطفہ کے ضائع ہونے میں کوئی شبہ نہیں جس کی صورت یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بڑھ جائے تو دوسری کو فنا کر دے

گی جس سے نطفے کی غذائیت یا تصفیہ و پرورش میں خلل واقع ہوجائے گا اور نطفہ ضائع ہوجائے گا۔ مثلاً اگر حرارت بڑھ جائے تو رطوبت کو جلا دے گی اور رطوبت کی زیادتی حرارت کو ختم کردے گی۔ اسی توازن سے جسم انسان زندہ رہتا ہے اور اگر اس میں نمایاں فرق واضح ہوجائے تو انسان کی صحت نہ صرف خراب بلکہ بعض اوقات تباہ ہوجاتی ہے۔

بدل ما یتحلل: نطفے کی حرارت و رطوبت اس قدر قلیل ہوتی ہے کہ انہی سے انسان کے جسم کا کم و بیش ساٹھ ستر سال تک زندہ رہنا محال ہے۔ اس لیے قدرت نے ان دونوں کے قیام و تقویت اور امداد کے لیے بیرونی طور پر بھی رطوبت و حرارت کا انتظام کردیا ہے جو اس حرارت غریزی کا معاون ہوتا ہے اور اس تھوڑی بہت حرارت و رطوبت غریزی کو جو نطفہ قرار پانے کے بعد خرچ ہونا شروع ہوجاتی ہے پورا کرتا رہتا ہے اور انسان کی ضرورت کو پورا کرتا رہتا ہے۔ اس رطوبت اور حرارت کو جو انسان کی ضرورت کو پورا کرتی رہتی ہے بدل ما یتحلل کہتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ بدل ما یتحلل حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی کمی کو پورا کرتا ہے یا خود دماغ پر خرچ ہوکر ان کا قائم مقام بن جاتا ہے۔

اعتراض: یہاں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر بدل ما یتحلل خود حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی کمی کو پورا کرتا رہتا ہے یعنی خود حرارت و رطوبت غریزی بن جاتا ہے تو پھر حرارت غریزی اور رطوبت غریزی جن کو حرارت اصلی اور رطوبت اصلیہ بھی کہتے ہیں اور جن سے اعضائے اصلیہ تیار ہوتے ہیں۔ ان کی کوئی ہستی نہ رہی کیونکہ ہم ان کو مصنوعی طور پر تیار کرسکتے ہیں اور اگر وہ حرارت اور رطوبت جو ان کا بدل ما یتحلل بنتی ہے وہی کام انجام دے سکتی ہے جو حرارت غریزی اور رطوبت غریزی انجام دیتی ہے تو پھر بڑھاپا کیوں آتا ہے اور موت کیوں واقع ہوتی ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کا بدل ما یتحلل نہیں بن سکتا۔ جو رطوبت اور حرارت بدل ما یتحلل کے طور پر خرچ ہوتی ہے وہ صرف ایک ضرورت ہے جو پوری کی جاتی ہے اور اس سے رطوبت و حرارت غریزی کی مدد کی جاتی ہے تاکہ وہ جلدی تحلیل ہوکر ختم نہ ہوجائے۔ اس کی مثال ایک چراغ کی ہے جس کی روشنی، بتی اور تیل تینوں بیک وقت کام کرتی ہیں۔ چراغ کی روشنی حرارت غریزی، بتی رطوبت غریزی اور تیل بدل ما یتحلل ہے۔ یہ بدل ما یتحلل جہاں ایک طرف چراغ کی روشنی کو قائم رکھتا ہے، وہاں دوسری طرف اس کی بتی کو بھی جلنے نہیں دیتا۔

صحت کی حفاظت کے لیے یہ ضروری ہے کہ حرارت غریزی چراغ کی روشنی کی طرح اعتدال سے جلتی رہے اور اس کی رطوبت غریزی بھی ایک دم فنا ہوجائے۔ یہ وہ اعتدال ہے جو دونوں میں قائم رکھا جاتا ہے۔ اگر رطوبات بڑھ جائیں تو حرارت کا ختم ہونا اغلب ہے اور رطوبات کی زیادتی سے رطوبت کا جل جانا لازمی ہے۔

خون: جب تک حلقہ نہیں بنتا اس وقت تک وہ اپنی غذا اپنے اندر کی رطوبت سے حاصل کرتا ہے اور جب حلقہ بن جاتا ہے تو اس کا تعلق رحم سے پیدا ہوجاتا ہے اور وہ اپنی غذا ماں کے رس سے حاصل کرتا ہے۔ پیدائش کے بعد اس کو اوّل یہ غذا ماں کے دودھ سے اور پھر دنیاوی اغذیہ اور اشربہ سے حاصل ہوتی رہتی ہے۔ جس سے اس کا بدل ما یتحلل پورا ہوتا رہتا ہے۔

ان امور سے ثابت ہوا کہ طبیب انسانی صحت کی حفاظت تو کرسکتا ہے لیکن اس پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ وہ انسان کا شباب برقرار رکھے یا اس کو ایک طویل عمر تک زندگی دے سکے۔ موت کا روک دینا تو اس کے بس کا بالکل روگ نہیں کیونکہ نطفہ قرار پانے کے بعد

حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کچھ نہ کچھ ضرور خرچ ہوتی رہتی ہے اور عمر کے ساتھ ساتھ ان میں ایک خاص قسم کی کمی ہوتی رہتی ہے۔ جس طرح چراغ کے جلنے میں اس کی بتی تھوڑا تھوڑا جلنے کے ساتھ ساتھ کم ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ وہ ختم ہو جاتی ہے، یہی صورت انسانی زندگی کی ہے کہ وہ آخر میں حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کے ختم ہونے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ ہمیشہ کے لیے شباب اور زندگی ناممکنات میں ہے۔

اطباء کے فرائض صرف حفظانِ صحت کے اُصولوں کا ذہن نشین کرانا ہے تا کہ صحت قائم رہے، البتہ جب مرض پیدا ہو جائے تو اس کو صحت کی طرف لوٹانا اس کا کام ہے۔ صحت کے قیام کے لیے اہم چیز حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کی پوری نگرانی اور ان کے بدل ما تحلل کو صحیح طریقوں پر پورا کرنا ہے اور یہ کوشش بھی جاری رکھنا ہے کہ رطوبت اصلیہ میں کوئی فساد یا تعفن پیدا نہ ہونے دے۔ اگر وہ اپنے مقاصد میں کامیاب رہا تو اپنی طبعی عمر کو پہنچے گا اور اس کی قوت اور صحت صحیح حالت پر قائم رہے گی۔

موت: موت دو قسم کی ہوتی ہے: ❶ طبعی ❷ غیر طبعی۔

طبعی موت وہ ہے جو حرارت اور رطوبت غریزی کے پورے طور پر خرچ ہونے کے بعد واقع ہو۔ جس کے متعلق اطباء کا خیال ہے کہ وہ سوا سو سال سے ڈیڑھ سو سال تک ہونی چاہیے، کیونکہ ان کا اندازہ ہے کہ انسان پچیس تیس سال تک اپنی جوانی کو پہنچتا ہے اور اس کو اس کے بعد پانچ گنا عرصے تک زندہ رہنا چاہیے اور اگر اس دوران میں وہ کسی مرض کا شکار ہو جاتا ہے یا ڈوب جاتا ہے یا پھانسی لگ جاتا ہے یا گر کر مر جاتا ہے تو یہ اس کی غیر طبعی موت ہوگی۔

نظریہ مفرد اعضاء

تعریف نظریہ مفرد اعضاء

نظریہ مفرد اعضاء ایک ایسی تحقیق ہے جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ امراض کی پیدائش مفرد اعضاء (گوشت، پٹھے، غدد) میں ہوتی ہے اور اس کے بعد مرکب اعضاء کے افعال میں افراط وتفریط اور ضعف پیدا ہوتا ہے۔ علاج میں بھی مرکب اعضا کی بجائے مفرد اعضاء کو مدنظر رکھنا چاہیے کیونکہ انسان کے تمام مرکب اعضاء مفرد اعضاء کی بافتوں اور انسجہ (بنیادوں) سے مل کر بنتے ہیں۔

یہ علمی نظریہ ایک ایسا فلسفہ ہے جس سے جسم انسان کو مفرد اعضاء کے تحت تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اعضائے رئیسہ، دِل، دماغ، جگر مفرد اعضاء ہیں جو عضلات، اعصاب اور غدد کے مراکز ہیں۔ جن کی بناوٹ جدا جدا اقسام کے انسجہ (ٹشوز) سے بنی ہوئی اور ہر نسیج بے شمار زندہ حیوانی ذرات (سیلز) سے مرکب ہے۔ حیوانی ذرہ انسانی جسم کی اوّلین بنیاد (فرسٹ یونٹ) ہے۔ ہر حیوانی ذرّہ اپنے اندر حرارت وقوت اور رطوبت (ہیٹ، فورس اور انرجی) رکھتا ہے۔ جس کے اعتدال کا نام صحت ہے۔ جب اس حیوانی ذرّہ (خلیہ) کے افعال میں افراط وتفریط یا ضعف واقع ہوتا ہے تو اس کے اندر کی حرارت وقوت اور رطوبت میں اعتدال قائم نہیں رہتا۔ پس اس کا نام مرض ہے۔ اس حیوانی ذرّہ کا اثر نسیج پر پڑتا ہے۔ اس کے بعد مفرد اعضاء کے تعلق سے اعصاب وغدد اور عضلات وغیرہ کے مطابق گزرتا ہوا اپنے متعلقہ عضو رئیس میں ظاہر ہوتا ہے ان میں افراط وتفریط اور ضعف کی شکل میں امراض وعلامات پیدا ہوتی ہیں۔ علاج کی صورت میں انہی مفرد اعضاء کے افعال درست کر دینے سے ایک حیوانی ذرّہ سے لے کر عضو رئیس تک کے افعال تک درست ہو جاتے ہیں۔ بس یہی نظریہ مفرد اعضا ہے۔

نظریہ مفرد اعضاء کی تحقیق کا مقصد

نظریہ مفرد اعضا کی ضرورت اور تحقیق کا مقصد یہ تھا کہ طب قدیم کی کیفیات، مزاج اور اخلاط کی مفرد اعضا سے تطبیق دے دی جائے تاکہ ایک طرف ان کی اہمیت واضح ہو جائے اور دوسری طرف یہ حقیقت سامنے آ جائے کہ کوئی طریق علاج جس میں کیفیات ومزاج اور اخلاط کو مدنظر نہیں رکھا جاتا وہ نہ صرف غلط ہے بلکہ وہ غیر علمی (ان سائنٹفک) اور عطایانہ علاج ہے۔ اس میں یقینی شفا نہیں ہے اور وہ عطایانہ طریق علاج ہے، جیسے فرنگی طب ہے، جس میں کیفیات ومزاج اور اخلاط کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اس لیے اس کی تشخیص وتجویز میں مطابقت اور اخلاق کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اس لیے اس کی تشخیص وتجویز میں مطابقت اور موافقت پیدا نہیں ہو سکتی۔ انہی مقاصد کے تحت ہم نے نظریہ مفرد اعضاء کی بنیاد احیائے فن اور تجدید طب پر رکھی ہے کیونکہ موجودہ فرنگی دور میں فرنگی طب کی تقلید میں کیفیات ومزاج اور اخلاط کو چھوڑ کر صرف امراض وعلامات کے نام پر ان کے علاج کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ یہ طب قدیم کے قانون علاج کے خلاف ہے بلکہ بالکل غلط اور عطایانہ صورت اختیار کر گیا ہے۔

ہم نے نظریہ مفرد اعضاء کے ساتھ کیفیات و مزاج اور اخلاط کی تطبیق دے کر ثابت کیا ہے کہ اعضاء کے افعال کیفیات و مزاج اور اخلاط کے اثرات کے بغیر عمل میں نہیں آ سکتے۔ اس لیے ان کے اثرات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے تاکہ اعضاء کے افعال کو درست رکھا جا سکے۔ اگر اثرات کو مدنظر رکھا جائے تو پھر لازم ہے کہ مفرد اعضاء کے مطابق ادویہ اور اغذیہ اور تدبیر کو عمل میں لایا جائے۔ گویا مفرد اعضاء کے افعال بالکل کیفیات و مزاج اور اخلاط کے اثرات کے مطابق ہیں۔

اس تحقیق و تطبیق سے افعال مفرد اعضاء اور کیفیات و مزاج اور اخلاط سے ایک طرف ان کی اہمیت سامنے آ گئی ہے اور طب قدیم میں زندگی پیدا ہو گئی ہے اور دوسری طرف اعضاء کے افعال کی علاج میں ضرورت سامنے آ گئی ہے۔ اس طرح تجدید طب کا سلسلہ قائم کر دیا گیا ہے اور ساتھ ہی علم الادویہ میں بھی اسی صورت کو ثابت کیا گیا ہے۔ وہ بھی صرف انہی مفرد اعضاء پر اثر کرتی ہیں جن سے امراض و علامات رفع ہو جاتی ہیں۔ پوری طرح صحت صحیح ہو جاتی ہے کیونکہ ہماری تحقیق ہے کہ کوئی دوا بھی مفرد اعضاء کی بجائے سیدھی امراض و علامات پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

نظریہ مفرد اعضاء کی تشریح

نظریہ مفرد اعضاء بالکل نیا نظریہ ہے۔ تاریخ طب میں اس کا کہیں اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ اسی نظریہ پر پیدائش امراض و صحت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس نظریہ سے قبل بالواسطہ یا بلاواسطہ پیدائش امراض مرکب اعضاء کی خرابی کو تسلیم کیا جا رہا ہے۔ مثلاً معدہ و امعاء ورشش و مثانہ، آنکھ و منہ، کان و ناک بلکہ اعضائے مخصوصہ تک کے امراض کو ان کے افعال کی خرابی سمجھا جاتا ہے یعنی معدہ کی خرابی کو اس کی مکمل خرابی مانا گیا ہے جیسے سوزش معدہ، درد معدہ، ورم معدہ، ضعف معدہ اور بدہضمی وغیرہ پورے معدہ کی خرابی بیان کی جاتی ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ معدہ ایک مرکب عضو ہے اور اس میں عضلات و اعصاب اور غدد وغیرہ ہر قسم کے اعضاء پائے جاتے ہیں اور جب مریض ہوتا ہے تو وہ تمام اعضاء جو مفرد ہیں بیک وقت مرض میں گرفتار نہیں ہوتے بلکہ کوئی مفرد عضو مریض ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معدہ میں مختلف اقسام کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔

جب معدہ کے مفرد اعضاء میں سے کوئی گرفتار مرض ہوتا ہے مثلاً معدے کے اعصاب مرض میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس کی دیگر علامات بھی اعصاب میں ہوں گی اور ان کا اثر دماغ تک جائے گا۔ اسی طرح اگر اس کے عضلات مرض میں مبتلا ہوں گے تو جسم کے باقی عضلات میں بھی یہی علامات پائی جائیں گی اور اس کا اثر قلب تک چلا جاتا ہے۔ یہی صورت اس کے غدد کے مرض کی حالت میں پائی جاتی ہے۔ یعنی دیگر غدد کے ساتھ جگر و گردوں کو بھی متاثر کرتے ہیں یا بالکل معدے کے مفرد اعضا، اعصاب و غدود اور عضلات کے برعکس اگر دل و دماغ اور جگر و گردہ میں امراض پیدا ہو جائیں تو معدہ امعاء اور شش و مثانہ بلکہ آنکھ و منہ اور ناک و کان میں بھی علامات ایسی ہی پائی جائیں گی۔ اسی لیے پیدائش امراض اور شفاء امراض کے لیے مرکب عضو کو مدنظر رکھنے سے یقینی تشخیص اور بے خطا علاج کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔

اسی طرح ایک طرف کسی عضو کی خرابی کا علم ہوتا ہے تو دوسری طرف اس کے صحیح مزاج کا علم ہوتا ہے کیونکہ ہر مفرد عضو کسی نہ کسی کیفیت و مزاج بلکہ اخلاط کے اجزا سے متعلق ہے یعنی دماغ و اعصاب کا مزاج سرد تر ہے۔ ان میں تحریک سے جسم میں سردی تری اور بلغم بڑھ جاتے ہیں۔ اسی طرح جگر اور غدد کا مزاج گرم خشک ہے۔ اس کی تحریک سے جسم میں گرمی خشکی اور صفرا بڑھ جاتا ہے۔ یہی صورت قلبی عضلات کی ہے اور مفرد اعضاء کے برعکس اگر جسم میں کسی کیفیت یا مزاج اور اخلاط کی زیادتی ہو جائے تو ان کے متعلق مفرد اعضاء پر اثر

انداز ہوکر ان میں تیزی کی علامات پیدا ہوجائیں گی۔ اسی طرح دونوں صورتیں نہ صرف سامنے آجاتی ہیں بلکہ علاج میں بھی آسانیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ ایک خاص بات یہ ذہن نشین کرلیں کہ مفرد اعضاء کی جو ترتیب اوپر بیان کی گئی ہے ان میں جو تحریکات پیدا ہوتی رہتی ہیں وہ ایک سے دوسرے مفرد عضو میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں اور کی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح امراض پیدا ہوتے ہیں اور اسی طرح ان تحریکات کو بدل کر ان کو شفا اور صحت کی طرف لایا جاسکتا ہے۔

نظریہ مفرد اعضا کی عملی تشریح

اس اجمال کی تفصیل تو ہم پھر بیان کریں گے، یہاں صرف مختصر سی تشریح بیان کردیتے ہیں کہ جس سے ایک ہلکا سا خاکہ قارئین کے ذہن نشین ہوجائے اور اہل فن اس نظریے سے مستفید ہوسکیں۔

جاننا چاہیے کہ انسان ان چیزوں سے مرکب ہے: ❁ جسم (باڈی) ❁ نفس (وائٹل فورس) ❁ روح (سول)۔

نفس اور روح کا ذکر تو ہم پھر کریں گے، یہاں اوّل جسم کو بیان کرنا ضروری ہے۔

جسم انسان

جسم انسان تین چیزوں سے مرکب ہے: ① بنیادی اعضاء یا بیسک آرگن ② حیاتیاتی اعضا یا لائف آرگن ③ خون (بلڈ)۔

اس کی مختصر سی تفصیل درج ذیل ہیں۔

(ا) بنیادی اعضاء: یہ ایسے اعضاء ہیں جن سے انسانی جسم کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔ جن میں تین اعضاء شریک ہیں: ① ہڈیاں یا بونز ② رباط یا لگے منٹس ③ اوتار یا ٹنڈنز۔

(۲) حیاتی اعضاء: یہ ایسے اعضاء ہیں جن سے انسانی زندگی اور بقا قائم ہے۔ یہ بھی تین ہیں: ① اعصاب (نروز) جن کا مرکز دماغ (برین) ہے۔ ② غدد (گلینڈز) جس کا مرکز جگر (لیور) ہے۔ ③ عضلات (مسلز) جن کا مرکز قلب (ہارٹ) ہے۔ گویا دِل، دماغ اور جگر جو اعضائے رئیسہ ہیں، وہی انسان کے حیاتی اعضاء ہیں۔

(۳) خون: سرخ رنگ کا ایک ایسا مرکب ہے جس میں لطیف بخارات (گیسز)، حرارت (ہیٹ)، رطوبات (لیکوئڈ) پائے جاتے ہیں یا ہوا، حرارت اور پانی سے تیار ہوتا ہے۔ دوسرے معنوں میں سودا، صفرا اور بلغم کا حامل ہے جن کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی۔

اس مختصر سی تشریح کے بعد جاننا چاہیے کہ قدرت نے ضرورت کے مطابق جسم میں اس کی ترتیب ایسی رکھی ہے کہ اعصاب باہر کی طرف ہیں اور ہر قسم کے احساسات ان کے ذمہ ہیں۔ اعصاب کے اندر کی طرف غدد ہیں اور ہر قسم کی غذا جسم کو مہیا کرتے ہیں۔ غدد کے اندر کی طرف عضلات ہیں اور ہر قسم کی حرکات ان کے متعلق ہیں۔ یہی تینوں جسم میں ہر قسم کے احساسات اغذیہ اور حرکات کے طبعی افعال انجام دیتے ہیں۔

غیر طبعی افعال

حیاتی اعضاء کے غیر طبعی افعال صرف تین ہیں:

① ان میں سے کسی عضو میں تیزی آجائے، یہ صورت ریاح کی زیادتی سے پیدا ہوتی ہے۔

② ان میں سے کسی عضو میں سستی پیدا ہوجائے، یہ رطوبات یا بلغم کی زیادتی سے پیدا ہوگی۔

③ ان میں سے کسی عضو میں ضعف پیدا ہوجائے، یہ حرارت کی زیادتی سے پیدا ہوگا۔

یاد رکھیں کہ چوتھا کوئی غیر طبعی فعل نہیں ہوتا۔ اعضائے مفرد کا باہمی تعلق جاننا نہایت ضروری ہے کیونکہ علاج میں ہم ان کی معاونت سے تشخیص، تجویز اور علامات کو رفع کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ ان کی ترتیب میں اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اعصاب جسم کے بیرونی حصے یا اوپر کی طرف ہیں اور ان کے نیچے یا بعد میں غدد کو رکھا گیا ہے۔ جہاں پر غدد نہیں پائے جاتے، وہاں ان کے قائم مقام غشائے مخاطی بنا دیئے گئے ہیں اور ان کے نیچے یا بعد میں عضلات رکھے گئے ہیں اور جسم میں ہمیشہ یہی ترتیب قائم رہتی ہے۔

افعال کے لحاظ سے بھی ہر عضو میں صرف تین ہی افعال پائے جاتے ہیں:

① عضو کے فعل میں تیزی پیدا ہو جائے تو ہم اس کو تحریک کہتے ہیں۔

② عضو کے فعل میں سستی نمودار ہو جائے تو ہم اس کو تسکین کا نام دیتے ہیں۔

③ عضو کے فعل میں ضعف واقع ہو جائے تو اس کو تحلیل کی صورت قرار دیتے ہیں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ ہر عضو میں ظاہرہ دو ہی صورتیں ہیں۔ اوّل تیزی اور دوسرے سستی، لیکن سستی دو قسم کی ہوتی ہے۔ اوّل سستی سردی یا بلغم کی زیادتی سے اور دوسرے سستی حرارت کی زیادتی سے ہوتی ہے۔ اس لیے اوّل الذکر کا نام تسکین رکھا جا سکتا ہے اور ثانی الذکر کی سستی کو تحلیل ہی کہنا بہتر ہے کیونکہ حرارت اور گرمی کی زیادتی سے ضعف پیدا ہوتا ہے اور یہ بھی ایک قسم کی سستی ہے لیکن چونکہ ضعف حرارت اور گرمی کی زیادتی سے پیدا ہوتا ہے اور اس میں جسم یا عضو گھلتا ہے اور یہ صورت مرض کی حالت میں آخر تک قائم رہتی ہے بلکہ صحت کی بحالی میں بھی ایک ہلکے قسم کی تحلیل جاری رہتی ہے۔ اس لیے انسان بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے سے موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ اس لیے اس حالت کا نام تحلیل بہت مناسب ہے۔

ساتھ ہی اس امر کو بھی ذہن نشین کر لیں کہ یہ تینوں صورتیں یا علامات تینوں اعضا اعصاب، غدود، عضلات میں کسی ایک حالت میں ضرور پائی جائیں گی۔ البتہ ایک دوسرے میں بدلتی رہتی ہیں اور اسی غیر طبعی تبدیلی ہی سے مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں اور انہی کی طبعی تبدیلی سے صحت حاصل ہو جاتی ہے۔ اعضا کے اندر تبدیلیوں کو ذیل کے نقشہ سے آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے:

نام اعضاء	اعصاب	غدد	عضلات	نتیجہ
۱۔ تحریک اعصاب	تحریک	تحلیل	تسکین	جسم میں رطوبات کی زیادتی
۲۔ تحریک غدد	تسکین	تحریک	تحلیل	جسم میں حرارت کی زیادتی
۳۔ تحریک عضلات	تحلیل	تسکین	تحریک	جسم میں ریاح کی زیادتی

گویا ہر عضو میں یہ تینوں حالتیں یا علامات فرداً فرداً ضرور پائی جائیں گی۔ یعنی:

① اگر اعصاب میں تحریک ہے تو غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین ہوگی، نتیجتاً جسم میں رطوبات (بلغم یا کف) کی زیادتی ہوگی۔

② اگر غدد میں تحریک ہے تو عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین ہوگی، نتیجتاً جسم میں حرارت (صفرا یا پت) کی زیادتی ہوگی۔

③ اگر عضلات میں تحریک ہے تو اعصاب میں تحلیل اور غدد میں تسکین ہوگی، نتیجتاً جسم میں ریاح (سودا وبت وایو) کی زیادتی ہوگی۔

یہ تمام جسم اور اس کے افعال کی اصولی (سسٹے میٹک) تقسیم ہے۔ اس سے تشخیص اور علاج واقعی آسان ہو جاتا ہے۔ گویا اس طریقے کو سمجھنے کے بعد علم طب نہیں رہتا بلکہ یقینی طریق علاج بن جاتا ہے۔

نزلہ کی مثال بانظریہ مفرد اعضاء

نزلہ ایک علامت ہے جو کسی مرض پر دلالت کرتا ہے۔ اس کو کسی صورت میں بھی مرض کہنا صحیح نہیں ہے اور اس کو ابوالامراض کہنا تو انتہائی غلط فہمی ہے کیونکہ نزلہ مواد یا رطوبت کا گرنا ہے اور یہ علامات کسی کی تحریک کی طرف دلالت ہے۔ اس عضو کے افعال کی خرابی ہی کو مرض کہا جاسکتا ہے۔ البتہ عضو کے افعال کی خرابی کی جس قدر صورتیں ہوسکتی ہیں وہ تمام امراض میں شریک ہوں گی۔

مواد یا رطوبات کا طریق اخراج

رطوبات (لمف) یا مواد (میٹریا سکریشن) کا اخراج ہمیشہ خون میں سے ہوتا ہے۔ اس کو پوری طرح سمجھنے کے لیے پورے طور پر دورانِ خون کو ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

دِل سے صاف شدہ خون بڑی شریان اور ظی سے چھوٹی شریانوں میں سے عروق شعریہ ہی کے ذریعے غدد اور غشاء مخاطی میں جسم کی خلاؤں پر ترشح پاتا ہے۔ یہ ترشح کبھی زیادہ ہوتا ہے، کبھی کم، کبھی گرم ہوتا ہے کبھی سرد، کبھی رقیق ہوتا ہے اور کبھی غلیظ اور کبھی سفید ہوتا ہے اور کبھی زرد، وغیرہ وغیرہ۔

اس سے ثابت ہوا کہ نزلہ یا ترشح (سکریشن) کا اخراج ہمیشہ ایک ہی صورت میں نہیں ہوتا اس میں مختلف صورتیں کیفیتیں اور رنگ پائے جاتے ہیں۔ گویا نزلہ جو ایک علامت ہے وہ بھی اپنے اندر کئی انداز رکھتا ہے۔ اس لیے اس کو ابوالعلامات کہتے ہیں۔

نزلہ کے تین انداز: ① نزلہ پانی کی طرح بے تکلیف رقیق بہتا ہے۔ عام طور پر اس کا رنگ سفید اور کیفیت سرد ہوتی ہے۔ اس کو عام طور پر زکام کا نام دیتے ہیں۔

② نزلہ لیس دار ہو جو ذرا کوشش اور تکلیف سے خارج ہوتا ہے۔ عام طور پر اس کا رنگ زرد اور کیفیت گرم ہوتی ہے۔ اس کو نزلہ حار کہتے ہیں۔

③ نزلہ بند ہو تو انتہائی کوشش اور تکلیف سے بھی اخراج کا نام نہیں لیتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بالکل جم گیا ہو اور گاڑھا ہو گیا ہو۔ عام طور پر رنگ میلا یا سرخی سیاہی مائل اور کبھی کبھی زور لگانے سے خون آنے لگ جاتا ہے۔ اس کو بند نزلہ کہا جاتا ہے۔

نزلہ کی تشخیص: ① اگر نزلہ پانی کی طرح بے تکلف رقیق بہ رہا ہے تو یہ اعصابی (دماغی) نزلہ ہے۔ یعنی اعصاب کی تیزی سے ہے۔ اس کا رنگ سفید اور کیفیت سرد ہوگی۔ اس میں قارورہ کا رنگ بھی سفید ہوگا۔

② اگر نزلہ لیسدار ہو جو ذرا کوشش و تکلیف اور جلن سے خارج ہو رہا ہو تو یہ غدی (کبدی) نزلہ ہے یعنی جگر کے فعل میں تیزی ہے۔ اس کا رنگ عام طور پر زردی مائل اور کیفیت گرم اور تیز ہوگی۔ اس میں قارورہ کا رنگ زرد یا زرد سرخی مائل ہوگا۔ گویا یہ نزلہ حار ہے۔

③ اگر نزلہ بند ہو اور انتہائی کوشش اور تکلیف سے بھی خارج ہونے کا نام نہ لے، ایسا معلوم ہو کہ جیسے بالکل جم گیا ہے اور گاڑھا ہو گیا ہے تو یہ نزلہ عضلاتی (قلبی) ہوگا، یعنی اس میں عضلات کے فعل میں تیزی ہے۔ اس کا رنگ عام طور پر میلا یا سرخی سیاہی مائل اور کبھی کبھی زیادہ زور لگانے سے خون بھی آجاتا ہے۔ اوّل صورت میں جسم میں رطوبات سرد (بلغم) کی زیادتی ہوگی۔ دوسری صورت میں صفراوی (گرمی خشکی) کی زیادتی ہوگی۔ تیسری صورت میں سوداویت (سردی خشکی) اور ریاح کی زیادتی ہوگی اور انہی اخلاط و کیفیات کی تمام علامات پائی جائیں گی۔

گویا نزلہ کی یہی تینوں صورتیں ہیں۔ان کو اسی مقام پر ذہن نشین کر لینا چاہیے۔چوتھی صورت کوئی نہ ہوگی۔البتہ ان تینوں صورتوں میں کمی بیشی اور انتہائی شدت ہو سکتی ہے۔انتہائی شدت کی صورت میں انہی اعضاء کے اندر درد یا سوزش یا ورم پیدا ہو جائے گا۔انہی شدید علامات کے ساتھ بخار،ہضم کی خرابی،کبھی قے،کبھی اسہال،کبھی پیچش،کبھی قبض ہمراہ ہوں گے،لیکن یہ تمام علامات انہی اعضاء کی مناسبت سے ہوں گی۔اسی طرح کبھی معدہ وامعاء اور سینہ کے انہی اعضاء میں کمی بیشی اور شدت کی وجہ سے بھی ان کی خاص علامات کے ساتھ ساتھ نزلہ کی بھی علامات پائی جائیں گی۔جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

نزلہ کے معنی میں وسعت: نزلہ کے معنی گرنا ہے۔اگر اس کے معنی کو ذرا وسعت دے کر اس کے مفہوم کو پھیلا دیا جائے اور جسم انسان کی تمام رطوبات اور مواد کو نزلہ کہہ دیا جائے تو ان سب کی بھی اسی نزلہ کی طرح تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں اور ان کے علاوہ چوتھی صورت نظر نہیں آئے گی۔مثلاً اگر پیشاب پر غور کریں تو اس کی بھی تین صورتیں ہی ہوں گی:

① اعصاب میں تیزی ہوگی تو پیشاب زیادہ اور بغیر تکلیف کے آئے گا۔
② اگر غدد میں تیزی ہوگی تو پیشاب جلن کے ساتھ قطرہ قطرہ آئے گا۔
③ اگر عضلات میں تیزی ہوگی تو پیشاب بند ہوگا یا بہت کم آئے گا۔

یہی صورتیں پاخانہ پر بھی وارد ہوں گی یعنی:

① اعصابی صورت میں اسہال۔
② غددی صورت میں پیچش۔اور
③ عضلاتی صورت میں قبض پائی جائے گی۔

اسی طرح لعاب دہن،آنکھ،کان اور پسینہ وغیرہ ہر قسم کی رطوبات پر غور کر لیں۔البتہ خون کی صورت رطوبات سے مختلف ہے یعنی؛

① اعصاب کی تیزی میں جب رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے تو خون کبھی نہیں آتا۔
② جب غدد میں تیزی ہوتی ہے تو خون تکلیف سے تھوڑا تھوڑا آتا ہے۔
③ لیکن جب عضلات کے فعل میں تیزی ہوتی ہے تو شریانیں پھٹ جاتی ہیں اور بے حد کثرت سے خون آتا ہے۔

اس سے ثابت ہو گیا کہ جب خون آتا ہے تو رطوبات کا اخراج بند ہو جاتا ہے اور اگر رطوبات کا اخراج زیادہ کر دیا جائے تو خون کی آمد بند ہو جائے گی۔

نظریہ مفرد اعضاء کے جاننے کے بعد اگر ایک طرف تشخیص آسان ہو گئی ہے تو دوسری طرف امراض اور علامات کا تعین ہو گیا ہے۔اب ایسا نہیں ہوگا کہ آئے دن نئے نئے امراض اور علامات فرنگی طب تحقیق کرتی رہے اور اپنی تحقیقات کا دوسروں پر رُعب ڈالتی رہے بلکہ ایسے امراض اور علامات جو بے معنی صورت رکھتے ہوں وہ ختم کر دیئے جائیں گے۔جیسے وٹامنی امراض،غذائی امراض اور موسمی امراض، وغیرہ وغیرہ۔بس ایسے امراض اور علامات کا تعلق کسی نہ کسی عضو سے جوڑنا پڑے گا اور انہی کے افعال کی خرابی کو امراض کہنا پڑے گا۔گویا کیمیاوی اور دموی تغیرات کو بھی اعضاء کے تحت لانا پڑے گا۔دموی اور کیمیاوی تغیرات بھی اپنے اندر حقیقت رکھتے ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جسم میں خون کی پیدائش اور اس کی کمی بیشی انسان کے کسی نہ کسی عضو کے ساتھ متعلق ہے۔اس لیے جسم انسان میں دموی اور کیمیاوی تبدیلیاں بھی اعضائے جسم کے تحت آ جاتی ہیں۔

اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ جسم میں ایک بڑی مقدار میں زہریلی ادویات اور اغذیہ سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسے کیمیاوی تغیرات بھی اس وقت تک پیدا نہیں ہوتے جب تک جسم کا کوئی عضو بالکل باطل نہ ہو جائے۔

دیگر اہم علامات: نزلہ کی طرح دیگر علامات بھی چند اہم علامات میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ اگر ان علامات کو ذہن نشین کر لیا جائے تو نزلہ کی طرح جن مفرد اعضاء سے اس کا تعلق ہو گا ان کے ساتھ ہی وہ ایک مرض کی شکل اختیار کر لیں گے ورنہ تنہا ان علامات کو امراض کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ وہ اہم علامات درج ذیل ہیں؛ ① سوزش ② ورم ③ بخار ④ ضعف۔ اس کی مختصر تشریح درج ذیل ہے:

(۱) سوزش: سوزش ایک ایسی جلن ہے جو کیفیاتی و نفسیاتی اور مادی تحریکات سے جسم کے کسی عضو مفرد میں پیدا ہو جائے۔ سوزش میں سرخی اور درد و حرارت لازم ہوتی ہیں۔ تحریک سے سوزش تک بھی چند منزلیں ہیں؛ ① لذت ② بے چینی ③ سوزش۔

کبھی طبیعت انہی علامات میں سے کسی ایک پر رُک جاتی ہے اور کبھی گزر کر سوزش بن جاتی ہے۔ سوزش اور اورام پر کتاب شائع ہو چکی ہے جس کا نام ''تحقیقات و علاج سوزش اور اورام'' ہے۔

(۲) ورم: ورم کی علامت سوزش کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اس میں سوزش کی علامات کے ساتھ سوجن بھی ہوتی ہے اور جب سوجن زیادہ ہو جائے یا شدت اختیار کر لے تو حرارت بخار میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جسم کے پھوڑے اور پھنسیاں اور دانے وغیرہ بھی اورام میں شریک ہیں۔

(۳) بخار: بخار ایک ایسی اور غیر معمولی حرارت ہے جس کو حرارت غریبہ (بیرونی) بھی کہتے ہیں جو جز دخون کے ذریعہ قلب سے تمام بدن میں پھیل جاتی ہے جس سے بدن کے اعضاء میں تحلیل اور ان افعال میں نقصان واقع ہوتا ہے۔ غصہ اور تھکان کی معمولی گرمی بخار کی حد سے باہر ہے کیونکہ اس سے کوئی غیر معمولی تبدیلی بدن انسان میں لاحق نہیں ہوتی۔ اس کو عربی میں حمّیٰ (جمع حمیات) فارسی میں تپ کہتے ہیں۔ بخار پر ہماری کتاب ''تحقیقات حمیات'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

(۴) ضعف: جسم کی ایک ایسی حالت کا نام ہے جس میں گرمی کی زیادتی سے کسی مفرد عضو میں تحلیل پیدا ہو جائے۔ ضعف کے مقابلہ میں طاقت کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ضعف کو سمجھنے کے لیے ہماری کتاب ''تحقیقات اعادہ شباب'' کا مطالعہ کریں۔ ان اہم علامات کو جسم کے ساتھ سر سے لے کر پاؤں تک جس کسی عضو کے ساتھ پائیں گے وہ مرض کہلائے گا۔

مفرد اعضاء کا باہمی تعلق

مفرد اعضاء کا باہمی تعلق بھی ہے۔ اسی تعلق سے تحریکات ایک عضو سے دوسرے عضو کی طرف منتقل ہوتی ہیں مثلاً جب غدد میں تحریک ہے تو اس امر کو ضرور جاننا پڑے گا کہ اس تحریک کا تعلق عضلات کے ساتھ ہے یا اعصاب کے ساتھ ہے، کیونکہ اس تحریک کا تعلق کسی نہ کسی دوسرے عضو کے ساتھ ہونا ضروری ہے، کیونکہ مزاجاً بھی کبھی کوئی کیفیت ایک نہیں ہوتی جیسے گرمی یا سردی کبھی تنہا نہیں پائی جائیں گی۔ وہ ہمیشہ گرمی تری یا گرمی خشکی ہوگی۔ اسی طرح سردی تری یا سردی خشکی ہوگی۔ یہی صورت اعضاء میں بھی قائم ہے یعنی غدی عضلاتی (گرم خشک) یا غدی اعصابی (گرم تر)، وغیرہ وغیرہ۔

البتہ اس میں اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ اوّل تحریک عضوی (مشینی) ہوگی اور دوسری تحریک کیمیاوی (خلطی) طور پر ہوگی۔ جب کسی مفرد عضو میں تحریک ہوگی تو اس کا تعلق جس دوسرے مفرد عضو سے ہوگا، اس کی کیمیاوی صورت خون میں ہوگی۔ مثلاً غدی عضلاتی تحریک ہے تو اخلاط میں خشکی پائی جائے گی۔ جب غدی اعصابی تحریک ہوگی تو خون میں تری پائی جائے گی۔

مفرد اعضاء کے تعلق کی چھ صورتیں ہیں

مفرد اعضاء صرف تین ہیں لیکن اگران کا آپس میں تعلق ظاہر کیا جائے تو کل چھ صورتیں بن جاتی ہیں:

① اعصابی غدی ② اعصابی عضلاتی ③ عضلاتی اعصابی ④ عضلاتی غدی ⑤ غدی عضلاتی اور ⑥ غدی اعصابی۔

یاد رکھیں کہ جو لفظ اوّل ہوگا وہ عضوی تحریک ہے اور جو لفظ بعد میں ہوگا وہ کیمیاوی تحریک کہلاتا ہے، چونکہ کیمیاوی تحریک ہی صحت کی طرف جاتی ہے اس لیے ہر عضوی تحریک کے بعد اس سے جو کیمیاوی اثرات پیدا ہوں انہی کو بڑھانا چاہیے، بس اسی میں شفا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہومیو پیتھک میں بھی ری ایکشن کی علامات کو بڑھایا جاتا ہے اس مقصد کے لیے بلکہ قلیل مقدار میں بھی دوا نہ صرف مفید ہو جاتی ہے بلکہ اکثر اکسیر اور تریاق کا کام دیتی ہے۔

ظاہری تقسیم جسم انسانی بہ نظریہ مفرد اعضاء

جسم انسان کو ہم نے اعضائے رئیسہ یا دوسرے الفاظ میں انسجہ (ٹشوز) میں تقسیم کر دیا ہے جن کے مرکز یہی اعضائے رئیسہ دِل، دماغ اور جگر ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں یہ انسجہ تمام جسم میں اس طرح اوپر تلے پھیلے ہوئے ہیں کہ جسم کا کوئی مقام ایسا نہیں ہے کہ جہاں صرف ایک یا دو اقسام کے انسجہ ہوں یا ان کا آپس میں تعلق نہیں ہو۔ اس لئے امراض کی صورت میں تینوں اقسام کے حیاتی انسجہ متاثر ہوتے ہیں۔ البتہ ان کی صورتیں جدا جدا ہوتی ہیں جیسا کہ لکھا جا چکا ہے۔ ہر عضو کی زیادہ سے زیادہ تین صورتیں ہو سکتی ہیں: ① تحریک ② تحلیل ③ تسکین۔

دورانِ خون اور نظریہ مفرد اعضاء

نظریہ مفرد اعضاء کے تحت دوران خون دِل (عضلاتی انسجہ) سے جسم میں دھکیلا جاتا ہے۔ پھر شریانوں کی وساطت سے جگر (غدی انسجہ) سے گزرتا ہوا دماغ (اعصابی انسجہ) پر گرتا ہے۔ تمام جسم کی غذا بننے کے بعد پھر باقی رطوبات (غدد جاذبہ) کے ذریعے جو طحال کے ماتحت غدد کی وساطت سے کام کرتے ہیں جذب ہو کر اور پھر خون میں شامل ہو کر دِل (عضلات) کے فعل کو تیز کرتا ہے اور جو خون غدد سے چھننے سے رہ جاتا ہے۔ وہ بھی وریدوں کے ذریعے واپس قلب میں چلا جاتا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

طب قدیم کی حقیقت کی تصدیق

یہاں پر سمجھنے والی بات وہ حقیقت ہے جو طب قدیم نے ہزاروں سال قبل لکھی ہے کہ دورانِ خون میں جب تک جگر (غدد) سے نہ گزرے وہ جسم میں نہیں پھیلتا یا ترشح نہیں پاتا۔ اسی طرح ترشح پانے کے بعد جب بقایا رطوبات طحال (غدد جاذبہ) میں جذب ہو کر کیمیاوی طور پر تبدیلی حاصل نہ کر لیں یعنی ان کا کھاری پن ترشی میں تبدیل نہ ہو۔ وہ دِل (عضلات) پر نہیں گرتیں اور ان کو تیز نہیں کر سکتیں۔ صرف سمجھانے کے لئے دِل وجگر اور دماغ وطحال کے اعضاء کے نام لکھے گئے ہیں ورنہ جسم میں ہر جگہ عضلات وغدد اور اعصاب وغدد جاذبہ اپنے علاقہ اور حدود میں وہی کام انجام دے رہے ہیں جو اعضائے رئیسہ ادا کر رہے ہیں۔ خون اور دوران خون کی ان چار تبدیلیوں کو طب قدیم میں خون وصفرا اور بلغم وسودا کے نام دیئے گئے ہیں۔ جہاں جہاں یہ کیمیاوی تبدیلیاں ہوتی ہیں انہی جگہوں کو ان کا مقام قرار دیا گیا ہے۔ خون کا مقام دِل، صفرا کا مقام جگر، بلغم کا مقام دماغ اور سودا کا مقام طحال۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ باقی جسم میں یہ تبدیلیاں نہیں ہوتیں بلکہ ہر جگہ جسم میں تمام انسجہ (ٹشوز) دِل، دماغ، جگر وطحال کے کام انجام دے رہے ہیں۔ دلیل وتصدیق اور ثبوت کے طور پر ہم ان اعضاء کا مزاج پیش کر سکتے ہیں جہاں ہر دور رطوبات کیمیاوی تبدیلیاں حاصل کرتی ہیں۔ دونوں کی کیفیاتی وخلطی اور کیمیاوی مزاجوں میں ذرا بھر کوئی فرق نہیں ہے۔ کیا فرنگی طب اندھی ہے۔ اگر اس کے سائنس دان نہیں سمجھ سکتے تو ہم ان کو سمجھانے کا چیلنج کرتے ہیں۔

تحقیقات امراض

امراض کی تحقیقات کو ذہن نشین کرنے کے لئے اس راز کو سمجھ لیں کہ دورانِ خون دِل (عضلات) سے شروع ہو کر جگر (غدد) و دماغ (اعصاب) اور طحال (غدد جاذبہ) میں سے گزرتے ہوئے دِل (عضلات) کی طرف واپس لوٹتا ہوا جسم کے کسی حصہ کے مجری مفرد اعضا (ٹشوز) میں افراط و تفریط اور تحلیل پیدا کر دیتا ہے۔ بس وہیں مرض پیدا ہوتا ہے اور اس کی علامات انہی مفرد اعضا (انسجہ-ٹشوز) کی وساطت سے تمام جسم میں ظاہر ہوتی ہیں اور خون میں بھی کیمیاوی طور پر وہی تغیر ہوتے ہیں۔ انہی مشینی اور کیمیاوی علامات کو دیکھ کر تشخیص مرض کیا جاتا ہے اور پھر جس مفرد عضو (ٹشو-نسیج) میں سکون ہوتا ہے اس کو تیز کر دینے سے فوراً صحت ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

جسم انسان کی بالمفرد اعضاء تقسیم

امراض تشخیص کے لئے نبض و قارورہ اور براز دیکھنا کافی ہیں۔ ایک قابل معالج ان کی مدد سے مریض کے جسم میں جو کیفیاتی اور خلطی اور کیمیاوی تبدیلیاں ہوتی ہیں مفرد اعضا (ٹشوز-انسجہ) کے افعال کی خرابی کو سمجھ سکتا ہے اور ان کے علاوہ دیگر رطوبات جسم جن کا ذکر نزلہ کے بیان میں کیا گیا ہے کے افعال کو سمجھ کر امراض کا تعین کر سکتا ہے مگر ہم نے زیادہ سہولت اور آسانی کے لئے جسم انسان کو چھ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ مریض اپنے جس حصہ پر ہاتھ رکھے معالج فوراً متعلقہ مفرد اعضاء کی خرابیوں کو جان جائے اور اپنا علاج یقین کے ساتھ کرے تاکہ قدرت کی قوتوں کے تحت فطری طور پر شرطیہ آرام ہو جائے۔

یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی فطرت نہیں بدلتی۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ فطرت اللہ کا صحیح علم رکھے تاکہ نتیجہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق نکلے۔ اللہ تعالیٰ کی اسی فطرت کے مطابق علاج کا نام شرطیہ طریق علاج ہے۔ قرآن حکیم نے کئی بار تاکید کی ہے:

﴿ لن تجد لسنت اللّٰہ تبدیلا ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے نظام فطرت میں ہرگز ہرگز تبدیلی نہیں آتی''۔

جیسے آگ اپنی فطرت حرارت سے جدا نہیں اور پانی اپنی برودت سے الگ نہیں۔

جاننا چاہئے کہ ہم نے انسان کو سر سے لے کر پاؤں تک دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ پھر ہر حصے کو تین تین مقاموں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اس طرح کل چھ مقام بن جاتے ہیں۔ اس طرح ان میں سے جس مقام پر کوئی تکلیف ہوگی اور ایک ہی قسم کے مفرد اعضاء (انسجہ-ٹشوز) کے تحت ہوگی اور ان کا علاج بھی ایک ہی قسم کی مشینی اور کیمیاوی تبدیلی سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ فطرت کا ایک عظیم راز ہے۔

جسم انسان کے دو حصوں کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ سر کے درمیان میں جہاں پر مانگ نکلتی ہے وہاں سے ایک سیدھی فرضی لکیر لے کر بالکل ناک کے اوپر سے سیدھی منہ و ٹھوڑی اور سینہ و پیٹ سے گزرتی ہوئی مقعد کی لکیر تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح پشت کی طرف سے ریڑھ کی ہڈی پر سے گزرتی ہوئی پہلی لکیر سے مل جاتی ہے۔ اس طرح انسان کے دو حصے ہو جاتے ہیں۔

یہ تقسیم اس لئے کی گئی ہے کہ سالہا سال کے تجربات نے بتایا ہے کہ قدرت نے جسم انسان کو اس طرح بنایا ہے کہ وہ بیک وقت تمام جسم کو کسی مرض کے نقصان پہنچنے سے روکتی ہے بلکہ کسی ایک حصہ جسم میں تحریک سے تکلیف ہو رہی ہوتی ہے، کسی دوسرے حصے میں تقویت (ابتدائی تحلیل اور کسی تیسرے حصے میں تسکین) رطوبات، غذائیت پہنچا رہی ہوتی ہیں اور یہ کوشش اس لئے جاری رہتی ہے کہ انسان کو تکلیف اور مرض سے اسی طاقت کے مطابق بچایا جائے اور یہ کوشش اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک کوئی جسم بالکل بے کار اور ناکارہ ہو کر دوسروں سے تعلق نہ توڑ دے اور موت واقع ہو جائے مثلاً اگر جگر اور غدد کے فعل میں تیزی اور تحریک ہو تو دورانِ خون دِل و عضلات کی طرف جا کر اس کی

پوری حفاظت کرتا ہے اور دماغ واعصاب کی طرف رطوبت اور سکون پیدا کر دیتا ہے تا کہ تمام جسم صرف جگر وغدد کی بے چینی سے محفوظ رہے اور قوتیں اس کا مقابلہ کر سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص ربوبیت اور رحمت ہے۔

مرض کی ابتدا ہمیشہ ایک طرف ہوتی ہے

اسی طرح جب جسم انسان کے دائیں یا بائیں حصے میں کوئی تکلیف یا مرض ہو تو طبیعت مدبرہ بدن دوسرے حصے کو محفوظ رکھتی ہے اور یہ اوپر والے قانون بالمفرد اعضاء کے تحت ہوتا ہے مثلاً دردِ سر بھی دائیں طرف ہوتا ہے کبھی بائیں طرف ہوتا ہے، کبھی سر کی پچھلی طرف ہوتا ہے کبھی پھیل کر سارے سر میں ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی دائیں آنکھ میں کوئی تکلیف ہوتی ہے اور کبھی بائیں آنکھ میں۔ پھر دونوں میں پھیل جاتی ہے لیکن کمی بیشی ضرور قائم رہتی ہے۔ اسی طرح ناک میں کبھی دائیں طرف مرض ہوتا ہے اور کبھی بائیں طرف مرض ہوتا ہے اور بہت کم دونوں میں ایک سی حالت ہوتی ہے۔ یہی صورت کانوں، دانتوں اور منہ کے باقی حصوں کی ہوتی ہے۔ اسی صورت کو اگر پھیلاتے جائیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ گردن کے دونوں طرف، دونوں شانوں، دونوں بازوؤں، سینہ اور معدہ اور امعاء کے ساتھ ساتھ جگر وطحال اور دونوں گردے، یہاں تک کہ مثانہ وخصیے اور دونوں ٹانگیں اپنی اپنی تکالیف میں جدا جدا صورتیں رکھتیں ہیں۔ یہ تقریباً ناممکن ہے کہ دونوں طرف بیک وقت تکلیف شروع ہو البتہ رفتہ رفتہ دوسری طرف کے وہی مفرد اعضاء (انسجہ-ٹشوز) متاثر ہو کر کم وبیش اثر قبول کر لیتے ہیں۔ یہ وہ راز ہے جو اللہ تعالیٰ نے نظریہ مفرد اعضاء کے تحت دُنیائے طب پر ظاہر کیا ہے۔ اس سے قبل دُنیائے طب میں اس کا کسی کو علم نہیں تھا۔ فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس اس علم سے بالکل خالی ہیں۔

مفرد اعضاء کی ظاہری تقسیم کی تشریح

ان دونوں حصوں کو ہم نے تین تین مقامات میں اس طرح تقسیم کیا ہے۔

پہلا مقام (اعصابی عضلاتی): اس مقام میں سر کا دایاں حصہ، دایاں کان، دائیں آنکھ، دائیں ناک، دایاں چہرہ مع دائیں طرف کے دانت ومسوڑھے اور زبان۔ دائیں طرف کی گردن شامل ہے۔ گویا سر کے دائیں طرف سے دائیں شانہ تک جس میں شانہ شریک نہیں ہے۔ جب کبھی بھی ان مقامات پر کہیں تیزی ہوگی اعصابی عضلاتی تحریک ہوگی۔

دوسرا مقام (عضلاتی اعصابی): اس مقام میں دایاں شانہ، دایاں بازو، دایاں سینہ، دایاں پھیپھڑہ اور دایاں معدہ شریک ہے۔ گویا دائیں شانہ سے لے کر جگر تک۔ اس میں جگر شریک نہیں ہے۔ جب کبھی ان مقامات میں سے کسی میں تیزی ہو تو عضلاتی اعصابی تحریک ہوگی۔

تیسرا مقام (عضلاتی غدی): اس مقام میں جگر، دائیں طرف کی آنتیں، دائیں طرف کا مثانہ، دایاں خصیہ، دائیں طرف کا مقعد اور دائیں ساری ٹانگ کولہے سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک سب شامل ہیں۔ جب کبھی ان مقامات پر کسی میں تیزی ہوگی تو عضلاتی غدی تحریک ہوگی۔ دایاں حصہ ختم ہو گیا۔

چوتھا مقام (غدی عضلاتی): بایاں نصف حصہ، اس میں سر کا بایاں حصہ، بایاں کان، بائیں آنکھ، بائیں ناک، بایاں چہرہ مع بائیں طرف کے دانت ومسوڑھے اور زبان اور بائیں گردن شامل ہیں۔ گویا بائیں جانب سر سے لے کر بائیں شانہ تک جس میں شانہ شریک نہیں ہے۔ جب کبھی ان مقاماتِ پر تیزی ہو تو غدی عضلاتی تحریک ہوگی۔

پانچواں مقام (غدی اعصابی): اس مقام میں بایاں شانہ، بایاں بازو، بایاں سینہ، بایاں پھیپھڑہ اور بایاں معدہ شریک ہیں۔ گویا بائیں شانہ سے لے کر طحال تک جس میں طحال شریک نہیں ہے۔ جب کبھی ان مقامات میں سے کسی میں تیزی ہوگی تو غدی اعصابی تحریک ہوگی۔

چھٹا مقام (اعصابی غدی): اس مقام میں طحال ولبلبہ، بائیں طرف کی آنتیں، بائیں طرف کا مقعد، بائیں طرف کا مثانہ، بایاں خصیہ، بائیں ساری ٹانگ کولہے سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک شریک ہیں۔

تاکید: یہ تقسیم دوران خون کی گردش کے مطابق ہے جو دِل (عضلات) سے شروع ہو کر جگر (غدد) سے گزرتے ہوئے دماغ (اعصاب) اور طحال (غدد جاذبہ) سے گزر کر پھر دِل (عضلات) میں شامل ہوتا ہے۔ اس کا بیان عضلاتی غدی سے شروع ہو کر ترتیب وار چھ مقام بیان کئے گئے ہیں جو عضلاتی اعصابی پر ختم ہوتے ہیں لیکن ہم نے ایک سرے کو مدنظر رکھتے ہوئے دائیں طرف سرے سے شروع کر کے بائیں طرف کی ٹانگ پر ختم کر دیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی رہے۔

یادداشت: یہ چھ مقام صرف تحریک کے ہیں لیکن اس امر کو نہ بھولیں کہ یہ چھ مقام دراصل تین مفرد اعضاء کے تعلقات اور تشخیص کو سمجھانے کے لئے ہیں کہ جسم اور خون کی تحریک کس طرف چل رہی ہے۔ اس لئے اس امر کو یاد رکھیں کہ جس ایک مفرد عضو میں تحریک ہو باقی دو میں تحلیل و تسکین ترتیب کے ساتھ ہوگی اور ان کا دیگر مفرد اعضاء پر وہی اثر ہوگا۔

امراض و علامات بہ نظریہ مفرد اعضاء

علاج بالغذا سے تمام امراض کا علاج سر سے لے کر پاؤں تک یقینی طور پر کامیابی کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ یہ ہماری تقریباً پچیس سالہ تحقیق ہے جو پہلی دفعہ ہم دُنیائے طب کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ یہ علاج بالغذا نظریہ مفرد اعضاء کے تحت ہی کیا جاسکتا ہے جس کا مختصر بیان ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ اس علاج بالغذا کے دلائل درج ذیل ہیں:

① انسانی جسم سر سے لے کر پاؤں تک صرف چار قسم کے مفرد اعضاء سے بنا ہے۔ یہ مفرد اعضاء چار اقسام کے انسجہ (ٹشوز) سے بنے ہیں جن کی ترتیب و ترکیب اور بافت و ساخت ابتدائی حیوانی ذرّہ (سیل) سے ہوئی ہے اور تمام جسم انہی کے تحت کام کرتا ہے۔ اعضائے رئیسہ ان کے عامل اور مراکز ہیں؛ (۱) اعصاب جن کا مرکز دماغ ہے، (۲) عضلات جن کا مرکز دِل ہے، (۳) غدد جن کا مرکز جگر ہیں۔ ان سب کا باہمی گہرا تعلق ہے۔ انہی مفرد اعضاء کے غذا پر عمل اور تصرف کا نتیجہ خون و اخلاط اور کیفیات و مزاج ہیں۔

② جسم انسانی کی پرورش و صحت اور نشو و نما خون سے ہوتی ہے۔ حکماء اور اطباء نے اس خون کو چار اخلاط اور چار کیفیات سے مرکب کہا ہے۔ اخلاط (۱) خون (۲) بلغم (۳) صفرا اور (۴) سوداء اور کیفیات (۱) گرمی (۲) تری (۳) سردی اور (۴) خشکی ہیں۔ انہی چاروں اخلاط اور کیفیات کے اعتدال پر جسم کی صحت اور طاقت قائم ہے اور یہی چاروں انہی چاروں مفرد اعضاء (ٹشوز) کی الگ الگ غذا بنتے ہیں، جن کو ہمارے اعضاء تیار کرتے ہیں۔ گویا خون کی مثال پانی کی ہے جو ہر قسم کے درخت کو اس کی ضرورت کے مطابق غذا دیتا ہے یا مٹی کی ہے جو ہر قسم کے درخت کو غذا پہنچاتی ہے۔ خون غذا سے تیار ہوتا ہے، ادویات سے نہیں۔

③ ماڈرن میڈیکل سائنس نے خون کا تجزیہ کر کے اس میں چودہ پندرہ عناصر کو ثابت کیا ہے۔ یہی عناصر ہمارے آرگینک (عضوی) عناصر ہیں اور یہ عناصر انہی مفرد اعضاء (ٹشوز)، جو صرف چار اقسام کے ہیں، کی غذا بنتے ہیں۔

④ ہم جو بھی غذا کھاتے ہیں وہ چار اقسام کے ارکان اور چار ہی قسم کی کیفیات سے مرکب ہوتی ہے۔ وہ خون میں بھی چار ہی قسم کے اخلاط تیار کرتی ہے اور پانی ان سے جدا ہے۔ یہی خون چار اقسام کے مفرد اعضاء (ٹشوز) کی غذا بنتا ہے۔ یاد رہے کہ طب کا یہ مسلمہ قانون ہے کہ خون غذا سے تیار ہوتا ہے۔ کوئی بھی دوا خون کا جزو نہیں ہے۔

⑤ ماڈرن سائنس نے تجزیہ اور تحقیقات کے بعد خون کے چودہ پندرہ عناصر بتائے ہیں لیکن غذا کے تجزیہ و تحقیقات کے بعد اس کے چار جز (۱) پروٹین۔ اجزائے لحمیہ (۲) کاربوہائیڈریٹس۔ نشاستہ (۳) فیٹس۔ اجزائے روغنیہ (۴) سالٹس۔ نمکیات اور پانچویں شے پانی قرار دیا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ہزاروں برسوں کی طب ماڈرن سائنس سے کہیں افضل اور اعلیٰ نظر آتی ہے۔

⑥ کسی مرض کا علاج کبھی بھی کامیابی سے نہیں ہوسکتا، بلکہ یقیناً موت واقع ہو جاتی ہے، جب تک کہ خون کے اندر طاقت نہ ہو۔ گویا خون ہی زندگی اور طاقت ہے اور اس سے صحت بھی حاصل ہوتی ہے۔

(۷) خون کے اندر سے اس کے عناصر اور اجزاء اور اخلاط و کیفیات اگر کم ہو جائیں تو پھر اس کی قوت مدافعت اور قوت مدبرہ بدن کمزور ہو جاتی ہے جو صرف غذا ہی سے اعضاء کے ذریعے پیدا ہو سکتی ہے۔ کسی دوا سے نہ خون کے اجزا اور عناصر بن سکتے ہیں اور نہ ہی قوت مدافعت اور قوت مدبرہ بدن ہی پیدا ہو سکتی ہے چاہے وہ دوا تیز سے تیز اور کتنی ہی زہریلی کیوں نہ ہو۔ اس کو منہ کی بجائے انجکشن کے ذریعے بھی کیوں نہ دے دیا جائے۔ کبھی صحت نہ ہوگی بلکہ یقینی موت واقع ہوگی۔ انسانی صحت و زندگی اور طاقت کا راز غذا میں ہے، دوا میں نہیں...... دوا کا کام صرف یہ ہے کہ وہ ہمارے جسم کے مفرد اعضاء کے فعل کو تیز یا سست کر سکتی ہے اور بس۔ اگر کوئی فرنگی ڈاکٹر یا ماڈرن سائنس کا عالم ہمارے ان دلائل کو غلط ثابت کر دے تو ہم اس کو چیلنج کرتے ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ زندگی و صحت اور طاقت کا راز دواؤں میں نہیں بلکہ صرف غذا میں ہے۔

مکمل اور کامیاب علاج کا راز

کسی تکلیف کا یہ علاج نہیں ہے کہ اس تکلیف کو رفع کر دیا جائے، یہ تکلیف کو دبا دیتا ہے۔ اصل علاج یہ ہے کہ اس کے اسباب کو رفع کر دیا جائے۔ جس تکلیف کو دبایا جا رہا ہے وہ تو اس تکلیف کی علامت ہے اس کو ہرگز دبانا نہیں چاہئے بلکہ اسی وجہ سے ہی اس مرض کا علم ہوتا ہے۔ اگر اسے ہی دبا دیا گیا تو مرض اور اس کے اصل سبب کے رفع ہونے کا کیا ثبوت ہے، لیکن اصل سبب رفع ہونے کے بعد اس کی علامت اور تکلیف خود بخود رفع ہو جائے گی۔ اس سے ثابت ہوگا کہ واقعی مرض ختم ہو گیا ہے۔

یاد رکھیں کہ سبب واصلہ ہمیشہ کسی مفرد عضو (ٹشوز) کی خرابی ہوگی اور اسی کے افراط و تفریط اور تحلیل سے مرض نمودار ہوتا ہے۔ اس میں مفرد عضو (نسیج) کے فعل میں خرابی تو اصل مرض ہے اور اس مفرد عضو (نسیج) کے عمل کی نوعیت افراط و تفریط اور تحلیل اس کی علامات ہیں۔ یہی تینوں علامات کمی بیشی اور مختلف حالات کے ساتھ بے شمار علامات بن جاتی ہیں۔ اب ایک حقیقت باقی رہ گئی ہے، وہ ہے اصل سبب جس نے سبب واصلہ پیدا کیا ہے، یعنی کسی مفرد عضو (نسیج) کے فعل میں خرابی پیدا کی ہے۔ وہ دو اسباب (۱) سبب بادیہ (۲) سبب سابقہ میں سے کوئی ایک ہوگا اور یہ سبب اس وقت عمل کرے گا جب خون کے اندر اپنی پوری کیفیت و مادی اثرات پیدا کرے گا۔ یہ جسم کی کیمیاوی حالت ہے اور مفرد عضو (نسیج) کی خرابی اس کی مشینی حالت۔ اگر صرف اس مفرد عضو (ٹشوز) کی مشینی حالت کی خرابی درست کر دی جائے گی تو عارضی اور وقتی علاج ہے اور اگر خون کی کیمیاوی حالت درست کر دی جائے گی تو مرض بالکل ختم ہو جائے گا۔ بس یہی مکمل اور کامیاب علاج کا راز ہے۔

اس مکمل اور کامیاب علاج کے راز پر غور کریں تو یہ بھی علاج بالغذا پر ایک زبردست دلیل ہے، کیونکہ جسم انسان کے خون کی کیمیاوی حالت یعنی اس کی مصفی و مقوی اور مکمل صورت صرف غذا ہی سے ہو سکتی ہے کسی دوا سے نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی اس حقیقت کو غلط ثابت کر دے تو ہم اس کو بھی چیلنج کرتے ہیں۔ جو معالج بھی اس حقیقت پر غور کریں گے یقیناً زندگی میں کامیاب معالج ہوں گے۔ یہ راز طب یونانی اور آیورویدک کا پیش کردہ ہے کیونکہ ان کے علاج اخلاط و کیفیات اور دوشوں اور پرکرتیوں پر قائم ہیں جو کیمیاوی طریق علاج ہیں۔

ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی علاماتی علاج ہیں

اس میں کوئی انکار نہیں ہے کہ فرنگی طب (ایلوپیتھی) میں ماہیت مرض اور حقیقت اسباب پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے مگر علاج کی صورت میں عملی طور پر کوشش صرف یہ کی جاتی ہے کہ مریض کو صرف علامات تکلیف دے رہی ہیں۔ ان کو رفع کر دیا جائے۔ مثلاً کہیں جسم میں سوزش و بخار کوئی بھی علامت ظاہر ہو تو اس کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، چاہے اس کے رفع کرنے سے مریض کو کتنی تکلیف ہو یا مر جائے یا

ہمیشہ کے لئے ناکارہ ہو جائے مگر ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ علامت دور ہو جائے اور اس پر وہ فخر کرتے ہیں اور یہ تمام کچھ وہ مسکنات و مخدرات اور منشیات سے کرتے ہیں اور اب تو ان کی کوشش صرف جراثیم کو ختم کرنے پر لگی ہوئی ہے سوائے جراثیم کے ان کو کسی سبب یا غذائی خرابی وغیرہ کی کوئی پروانہیں ہے۔ بس اسی کا نام علاج رکھ دیا گیا ہے جس میں معالج کو غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے صرف رفع علامات کے لئے چند ادویات کافی ہیں۔

جہاں تک ہومیو پیتھی کا تعلق ہے اس میں نہ امراض کا نام ہے نہ ان کے اسباب کا ذکر ہے اور نہ علم الغذا کی حقیقت پر بحث ہے۔ صرف علامات ہی علامات کا ذکر ہے اور انہی کو رفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس لئے ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ ہومیو پیتھی کوئی طریق علاج نہیں ہے۔ یہ صرف خواص الادویہ کا ایک خاص طریقہ علاج ہے۔ اس لئے اس سے مکمل اور کامیاب علاج نہیں ہوسکتا۔ کیا کوئی ہومیو پیتھ ان حقائق سے انکار کرسکتا ہے۔

علم الامراض اور علامات

علم الامراض دراصل علم وفن طب کی جان ہے۔ جب علم الامراض پر پورا پورا عبور حاصل نہ ہو اس وقت تک کوئی انسان پورے طور پر معالج کہلانے کا حق نہیں ہوسکتا اور نہ ہی صحت کی پوری حفاظت کرسکتا ہے۔ اس لئے یہ امر ذہن نشین کرلیں کہ اس علم کے بغیر ہم کسی مرض کا پوری طرح علاج نہیں کرسکتے۔ مثلاً ایک مریض کسی معمولی مرض کی شکایت کرتا ہے جیسے بدہضمی۔ ظاہر میں یہ معمولی تکلیف ہے لیکن اہل فن جانتے ہیں کہ اس تکلیف کا تعلق پورے نظام اغذیہ سے ہے جو منہ سے لے کر مقعد تک پھیلا ہوا ہے اس میں منہ و دانت، معدہ و امعا، جگر و طحال اور لبلبہ شریک ہیں اور ان کے علاوہ دیگر نظام ہائے جسم کا بھی ان پر اثر ہے جیسے (۱) نظام ہوایہ (۲) نظام دمویہ (۳) نظام بولیہ۔ یہ تمام مرکب نظام ہیں جو جسم کے مفرد اعضاء (ٹشوز) کے نظام کے تحت کام کرتے ہیں۔ (۱) نظام عصبی (۲) نظام عضلاتی (۳) نظام غدی۔ ان مفرد اعضاء کی تدوین بے شمار مختلف حیوانی ذرات، خلیات (سیلز) سے عمل میں آئی ہے۔ جب تک نظام ہضم کی صحیح خرابی کا مقام و سبب اور دیگر اعضاء کا تعلق سامنے نہ آئے اس وقت تک اس معمولی بدہضمی کا صحیح معنوں میں علاج نہیں ہوسکتا صرف ہاضم و مقوی معدہ اور ملین و مسہل ادویات کا استعمال کرا دینا علاج نہیں کہلاسکتا۔ ایسا کرنا عطایانہ علاج ہوگا چاہے پیٹنٹ ادویات اور انجکشنوں سے کیوں نہ علاج کیا جائے۔ یہ مریضوں پر ظلم ہے اور فن علاج کی بدنامی ہے۔ ایسے عطایانہ علاج سے یا تو مریض مرجاتا ہے یا ہمیشہ کے لئے کسی مشکل مصیبت میں گرفتار ہو کر اپنی زندگی کو برباد کرلیتا ہے۔ ایسے عطایانہ علاجوں سے بچنا چاہئے۔

علم الامراض کی حقیقت کو ذہن نشین کرنے سے قبل انسان کو علم تشریح الابدان، علم افعال الاعضاء اور علم افعال نظام ہائے جسم کا پوری طرح علم ہونا چاہئے یعنی صحت کی حالت میں اعضاء کی صورت اور مقام اور ان کے صحیح افعال اور نظام ہائے جسم کے حقیقی اعمال کی مکمل کیفیت کیسی ہوتی ہے۔ اس کے بعد جسم انسان کے جس حصہ میں کسی قسم کی کوئی خرابی واقع ہو جائے گی تو فوراً اس کے بارے میں مرض کی پوری حقیقت ذہن نشین ہو جائے گی۔

علم الامراض کی تعریف: یہ ایک ایسا علم ہے جس سے ہر مرض کی ماہیت اور حقیقت اس طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ مرض کی ابتداء اس کی شکل وصورت، جسم کی تبدیلیاں، خون میں تغیرات، خراب مادوں کی پیدائش اور ان کے نظام کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ اس علم کو انگریزی میں پیتھالوجی کہتے ہیں۔

مرض کی حقیقت

مرض بدن کی اس حالت کا نام ہے جب اعضائے بدن اور مجاری (راستے) اپنے افعال صحیح طور پر انجام نہ دے رہے ہوں۔ یہ صورت جسم کے تمام اعضاء اور مجاری یا کسی ایک عضو اور مجریٰ میں واقع ہو جائے مرض کہلاتا ہے۔ گویا ہر حالت میں مرض کی دو صورتیں سامنے آئیں گی؛ اوّل عضو کے فعل میں خرابی کا ہونا اور دوسرے خون میں تغیر پیدا ہو جانا۔ اوّل صورت کا نام مشینی (مکینکی) خرابی اور دوسری صورت کا نام کیمیاوی (کیمیکل) نقص ہوگا۔

مشینی افعال: مشینی افعال کی تشخیص کے لئے اوّل نظام ہائے جسم پر مرکب اعضاء اور آخر میں مفرد اعضاء پر غور کرنے کے بعد ان کے افعال کی کمی بیشی کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

کیمیاوی اثرات: کیمیاوی اثرات کے لئے کیفیات واخلاط کی خرابی کے ساتھ ساتھ ان کے اجزائے حرارت و ہوا اور رطوبت کی کمی بیشی اور تغیرات کا جاننا ضروری ہے تاکہ مشینی افعال کے ساتھ کیمیاوی اثرات کے توازن کا اندازہ ہو۔

علامات کی حقیقت

علامات کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ وہ مرض کی دلیل بن سکے یعنی علامات مرض کی طرف رہنمائی کر سکیں۔ گویا مرض اور علامات دو مختلف حقیقتیں ہیں۔ علاج میں کامیابی کا راز یہ ہے کہ علاج مرض کا کیا جائے۔ علامت کو کبھی مرض قرار نہ دیا جائے۔

اگر شیخ الرئیس کی تعریف مرض کو سامنے رکھا جائے تو علامت اس پر صحیح صادق آتی ہے یعنی جسم انسان کو جو مجریٰ اپنے افعال صحیح طور پر انجام نہیں دے رہے ہیں، ان سے جسم کی طرف جو صورتیں دلالت کرتی ہیں، بس وہی علامات ہیں۔ مثلاً نزلہ ہے جو بذاتِ خود ایک بڑی علامت ہے۔ آنکھ، ناک، حلق کی سوزش، دردِ سر اور درد گلو، سردی یا گرمی اور تری یا خشکی کا احساس، قبض یا اسہال، ہاضمہ کی خرابی یا بھوک اور پیاس کی شدت۔ بدن کا بہت زیادہ سرد یا گرم ہونا یا بخار ہو جانا شدید صورت میں ناک اور حلق کے اندر سوجن یا نکسیر کا آنا۔ پیشاب کی زیادتی یا کمی کا پیدا ہونا، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب علامتیں ہیں، ان کو علامتیں رہنا چاہئے، کبھی بھی مرض کا مقام نہیں دینا چاہئے۔ اگر یہی علامات تمام کی تمام اس عضو کے ساتھ مخصوص کر دی جائیں جس کے افعال میں خرابی سے یہ پیدا ہوتی ہے تو تشخیص مرض اور علاج میں تمام خرابیاں دور ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس تشخیص آسان اور علاج سہل ہو جاتا ہے۔

امراض اور علامات کا فرق

اس وقت دُنیا میں جس قدر طریق ہائے علاج ہیں جن میں آیورویدک، طب یونانی اور ایلوپیتھی شامل ہے، سب میں مرض اور علامت کا صحیح فرق پیش نہیں کیا گیا۔ ان سب میں اگر ایک موقع پر ایک حالت کو مرض کہہ دیا ہے تو دوسرے موقعہ پر اس کو علامت بنا دیا ہے۔ مثلاً مطلق درد یا دردِ سر یا کسی اور جسم کے درد کو ایک وقت میں مرض کا عنوان دے دیا ہے اور دوسری جگہ کسی مرض میں اسی درد کو کسی کی علامت قرار دے دیا ہے۔ طالب علم جب اس صورت کو دیکھتا ہے تو پریشان ہو جاتا ہے کہ مرض قرار دے یا علامت کی صورت میں جگہ دے۔ یہیں پر بس نہیں مگر پھر سر سے پاؤں تک مختلف اعضاء کے تحت مختلف صورتوں اور مختلف کیفیات میں یہی درد کبھی مرض قرار دیا جاتا ہے اور کبھی علامت بنا کر ظاہر کیا جاتا ہے۔ پھر ہر درد کی ماہیت جدا، اُصول علاج الگ اور علاج کی صورتیں علیحدہ بنا کر دی جاتی ہیں، مثلاً سوزش و ورم اور بخار و ضعف میں پائی جاتی ہیں۔ پھر ان کے اقسام میں جو صرف کمی بیشی یا مقام کے بدلنے سے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح ان کے فرق حاد و مزمن اور شرکی

وغیرہ کے تحت بھی بیان کئے جاتے ہیں۔ پھر ان کے ساتھ ہی علاج وادویات اور اغذیہ بدل کر ایک پریشانی پیدا کردی جاتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ علامت ہر جگہ علامت ہے جو مرض کی رہنمائی کرتی ہے اور مرض مفرد اعضاء کی خرابی کا نام ہے۔

ہماری تحقیقات کا نتیجہ

ہماری تحقیقات سے اوّل یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ امراض وعلامات صرف انسانی جسم کی دو مختلف صورتیں ہیں۔ علاج صرف امراض کا کرنا چاہئے، علامات کا نہیں، کیونکہ امراض کے ختم ہونے کے بعد تمام علامات خود بخود درفع ہوجاتی ہیں۔

دوسرے امراض خون میں خرابی (کیمیاوی تغیرات) سے پیدا ہوتے ہیں اور خون غذا سے پیدا ہوتا ہے۔ خون میں جو خرابی ہوگی وہ غذا کی کمی بیشی کا نتیجہ ہے۔

تیسرے کسی قسم کی دوایا زہر جسم یا خون کا جز نہیں ہے۔ تمام جسم صرف خون سے بنتا ہے۔ خون صرف غذا سے بنتا ہے۔ دوا اور زہر اعضائے جسم میں داخل ہونے کے بعد اپنے اثرات سے صرف اعضاء کے افعال میں کمی بیشی اور تحلیل ایک عرصہ تک قائم رکھنے کے بعد جسم سے خارج ہوجاتے ہیں اور اپنی شدت سے موت کا باعث بن جاتے ہیں۔

چوتھے اغذیہ وادویہ اور زہر تینوں صرف مفرد اعضاء پر اثر انداز ہوتے ہیں لیکن خون کی تکمیل صرف غذا سے ہوتی ہے اور اسی کا دائمی اثر (کیمیاوی) اعضاء کے افعال پر قائم رہتا ہے۔

پانچواں مستقل اور مکمل علاج صرف غذا سے ہوسکتا ہے۔ دوا اور زہر سے صرف عارضی علاج ہوتا ہے۔

چھٹے دوا اور زہر کے علاج سے صرف خون کی کمی اور خرابی وکمزوری پوری نہیں ہوسکتی۔ اس لئے اس سے عارضی علاج ہوتا ہے۔

ساتویں جسم میں جہاں کہیں مرض ہوتا ہے وہاں کے اعضاء اپنی ضرورت غذا کو طلب کرتے ہیں جو غذا سے ہی پوری ہوتی ہے، دوا سے نہیں ہوسکتی۔

خواص الاغذیہ بہ نظریہ مفرد اعضاء

تمام امراض چونکہ مفرد اعضاء کی خرابی (کمی، بیشی اور تحلیل) سے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ ہم گزشتہ تحقیقات میں ثابت کر چکے ہیں اس لئے ہر قسم کی اغذیہ بلکہ ادویہ اور زہروں وغیرہ کے اثرات بھی صرف انہی مفرد اعضاء پر عمل میں آتے ہیں۔ اغذیہ تو ہضم ہو کر خون بن جاتی ہیں لیکن ادویہ اور زہر تو اپنے اثرات کے بعد خارج ہوتے یا اپنی شدت سے موت کا باعث بن جاتے ہیں۔ انسجہ (مفرد اعضاء) چونکہ چار اقسام کے ثابت ہو چکے ہیں۔ اس لئے اغذیہ بلکہ ادویہ اور زہر بھی اپنے اندر صرف چار اقسام کے اثرات رکھتے ہیں جو انہی انسجہ (مفرد اعضاء) پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان چار انسجہ کے علاوہ کوئی نسیج ہی نہیں ہے غذا و دوا اور زہر کس پر اثر کر سکتے ہیں۔ آیورویدک نے تین دوش وات، پت، کف اور چوتھے رکت (خون) کو تسلیم کیا ہے اور طب یونانی نے چار اخلاط خون، بلغم، صفرا اور سودا تسلیم کئے ہیں۔ گویا آیورویدک اور طب یونانی بھی ہر غذا و دواء اور زہر کے ماڈرن سائنس کی طرح چار ہی قسم کے خواص اور اثرات تسلیم کرتی ہیں جن سے ان چار قسم کے انسجہ (مفرد اعضاء) کی غذا بنتی ہے۔

جیسا کہ ہم اپنے رسائل میں انسجہ اور اخلاط کی تخلیق میں ثابت کر چکے ہیں اور ماڈرن سائنس نے خون کے اندر جو پندرہ سولہ اجزاء پیش کئے ہیں۔ وہ بھی انہی چار انسجہ کی غذا بنتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو آیورویدک کے دوش ورکت اور اخلاط بھی انہی خون کے اثرات سے مرکب ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ آیورویدک اور طب یونانی کی تحقیقات ماڈرن میڈیکل سائنس اور فرنگی طب سے کہیں زیادہ صحیح اور کامیاب ہے۔

اشیاء کے اثرات اور جسم انسان

اغذیہ و اشیاء اور دوا و زہر کے اثرات صدیوں سے جسم انسان پر معلوم کئے جا رہے ہیں اور ہزاروں اشیاء کے اثرات اس وقت ہمیں معلوم ہو چکے ہیں جو روزانہ اغذیہ اور ادویات کی صورت میں استعمال ہو رہی ہیں اور بہت حد تک یقین کے ساتھ ہو رہی ہیں اور یہ سب کچھ تجربہ و مشاہدہ اور تحقیقات کے کمالات ہیں لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ جب بھی ان اغذیہ اور اشیاء و ادویہ اور زہروں پر تجربات و مشاہدات کئے جاتے ہیں ان میں نئے نئے اسرار و رموز سامنے آتے رہتے ہیں۔

اشیاء کے اثرات کی حقیقت

آیورویدک اور طب یونانی کے عملی دور سے قبل امراض صرف علامات تک محدود تھے۔ جب کسی کو کوئی تکلیف ہوتی تھی تو مذہبی پیشوا اپنے تجربات و مشاہدات یا معلومات اور خوابوں کے ذریعے جو علم رکھتے تھے، لوگوں کو ان کی تکالیف اور خراب معاملات کو رفع کرنے کے لئے اغذیہ و ادویہ یا کوئی شے یا کوئی عمل بتا دیا کرتے تھے۔ صدیوں تک یہ سلسلہ جاری رہا اور اکثر ادویہ و اغذیہ اور اشیاء کے خواص تحریر میں آ گئے

تا کہ ضرورت کے وقت ان سے کام لیا جائے لیکن ایسے علاج صرف ادویات کے استعمال تک محدود تھے۔ ان میں علاج کے اصول ونظریات اور قانون وفلسفہ کو دخل نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ ان کو جادوٹونہ اور تعویذ گنڈے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ آج کل بھی عطایانہ علاج اسی قسم کے اکثر دیکھے جاتے ہیں۔

جب آیورویدک اور طب یونانی کے دور شروع ہوئے تو اغذیہ وادویہ اور اشیاء کو تکلیف اور خراب علامات کے رفع کرنے کی بجائے بالواسطہ دوشوں اور اخلاط وکیفیات کے تحت استعمال کرنا شروع کر دیا۔ البتہ ان میں ادویات کے بالخاصہ اثرات کو کسی نہ کسی تکلیف اور خراب علامت کے لئے مخصوص کر دیا گیا اور اس طرح یہ سلسلہ بھی صدیوں چلتا رہا۔ اسلامی دور میں تحقیقات خواص اغذیہ وادویہ اور اشیاء وزہروں کو کیفیات واخلاط کے ساتھ ساتھ اعضاء کے افعال واثرات کو بھی مدنظر رکھا گیا۔ البتہ بالخاصہ فوائد کو بھی ضرور مدنظر رکھا گیا کیونکہ ان کی نوعیتی صورت کے تحت یہ فوائد بھی ضروری سمجھے گئے۔ یہ سلسلہ بھی کئی سو سال تک جاری رہا۔ اس کے بعد اسلامی دور کی تحقیقات پر ہی فرنگی طب کی بنیاد رکھی گئی۔ کچھ عرصہ تو یہ سلسلہ جاری رہا لیکن جلد ہی اس کی تحقیقات موڑ بدل گئی اور اغذیہ واشیاء اور ادویہ وزہروں کے افعال واثرات کو اعضاء کے ساتھ مخصوص کرنے کی بجائے جراثیم کی طرف بدل دیا۔ پھر ہر تکلیف اور علامت کے لئے جراثیم تلاش کئے گئے جس تکلیف وعلامت کے جراثیم نہ معلوم ہو سکے ان کو مخصوص یا عمومی قسم کی کمزوری کہہ دیا گیا۔ اگر ان کے اثرات وافعال بالاعضاء لئے گئے تو ان کا تعلق مرکب اعضاء تک رہا یا کسی نہ کسی تکلیف اور علامت کے ساتھ مخصوص کر دیئے گئے۔ اس طرح فرنگی میڈیکل سائنس کا رُخ بالکل بدل گیا اور جو تحقیقات اسلامی دور میں کمال تک پہنچی تھیں وہ فرنگی دور میں ختم ہو گئیں جس کے ساتھ فرنگی طب کی نشوو ارتقا کی گئی اور اب صرف پیٹنٹ ادویات میں ڈوب کر فنا ہو گئی ہے۔ جہاں سے اس کا نکلنا بہت مشکل ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ماڈرن میڈیکل سائنس نے تشریح الابدان (اناٹومی) میں اس قدر تحقیقات کی ہے کہ اس کو انسجہ وخلیات (ٹشوز وسیلز) تک پہنچا دیا مگر اغذیہ واشیاء اور ادویہ اور زہروں کے اثرات وافعال کی بنیاد ان ٹشوز انسجہ (مفرد اعضاء) پر نہ رکھی اور علم وفن طب اپنے کمال کو نہ پہنچ سکا۔

خداوند حکیم اور خالق قدرت وفطرت جس کو چاہیں عزت دیں۔ انہوں نے یہ عزت وکامیابی ہمارے نام کے ساتھ لکھ دی تھی اور امراض وعلامات کی تحقیقات کا کام ہم سے پورا کرانا تھا یعنی امراض کے بنیادی اعضاء ومفرد اعضاء اور انسجہ پر ہم سے تحقیقات مکمل کرانا تھی۔ ہم نے تحقیقات سے ثابت کر دیا ہے کہ امراض مفرد اعضاء (انسجہ) کی خرابی (کمی، بیشی اور تحلیل) کا نام ہے۔ باقی ہر قسم کی تکالیف علامات ہیں۔ علاج میں امراض کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ دیگر الفاظ میں مفرد اعضاء (انسجہ) کے افعال کو درست کرنا چاہئے کیونکہ اغذیہ واشیاء اور ادویہ اور زہروں کا اثر انہی پر ہوتا ہے اور انہی کی درستی سے صالح خون پیدا ہوتا ہے جو حقیقی شفا ہے۔

اشیاء کے تین اقسام

قدرت نے اپنی فطرت کی تکمیل کے لئے دُنیا بھر کی اشیاء کو صرف تین اقسام میں تقسیم کر دیا ہے تا کہ ان کے افعال واثرات کو سمجھنے میں سہولت رہے۔ اوّل جمادات، دوم نباتات، سوم حیوانات جن کو موالید ثلاثہ کا نام دیا گیا ہے۔ جمادات کائنات وزندگی کی ابتدائی صورت ہے جس کے نشوو ارتقائے نباتات کی صورت پیدا کی ہے۔ جمادات اور نباتات میں نمایاں فرق ہے۔ جمادات میں مٹی، پتھر سے لے کر نمک اور گندھک اور ہر قسم کی دھاتیں اور پارہ تک پائے جاتے ہیں، اگر چہ مٹی کا تیل اور پتھر کا ست (سلاجیت) بھی قدرت نے پیدا کئے ہیں لیکن نباتات میں جو فولاد وچونہ اور نمکیات وگندھک، تیل وشکر، پھلوں کے رس اور میوہ جات کے روغن پیدا کر دیئے ہیں وہ جمادات میں قطعاً نہیں پائے جاتے۔ پھر اسی نباتات کو حیوانات کی غذا بنا دیا ہے لیکن حیوانات میں جو خوبیاں قدرت نے پیدا

کی ہیں وہ فطرت کے نشو وارتقاء میں درجہ کمال رکھتی ہیں۔ حیوانات میں گوشت و چربی اور دودھ اور گھی کے خزانے اور ندیاں بہادی ہیں۔ یہ چیزیں نباتات میں ناپید ہیں اور ان کے ساتھ ہی حیوانی چونا، حیوانی فولاد، گندھک، حیوانی نمکیات اور حیوانی رطوبات دودھ اور شہد کے اپنے نشو وارتقاء کا درجہ انتہائی کمال پہلو ہے۔

موالید ثلاثہ کا استعمال

جہاں تک موالید ثلاثہ (جمادات و نباتات اور حیوانات) استعمال کرنے کا تعلق ہے ان میں سے جمادات میں صرف کھانے کا نمک بطور غذا استعمال ہوتا ہے اور باقی تمام جمادات ان میں پتھر و جواہرات ہوں یا لوہا سونا اور سمیات و پارہ تمام ادویات میں استعمال ہوتے ہیں۔ نباتات میں اغذیہ بھی ہیں اور ادویہ بھی شامل ہیں۔ اغذیہ میں اناج و سبزیاں، پھل، میوے، تیل و شکر سب ہمارے روزانہ کھانے پینے میں شامل ہیں۔ ادویہ میں زہریلی اور غیر زہریلی جڑی بوٹیاں، ان کے پھول و پھل اور ان کے پتے اور شاخیں سب شریک ہیں جن کے متعلق پوری تمیز اور پہچان کتب میں لکھ دی گئی ہے۔ اسی طرح حیوانات میں جن حیوانات کے جسم میں زہر اور تعفن نہیں ہے ان کا گوشت چربی اور دودھ و گھی انسانی غذا میں استعمال ہوتا ہے۔ جہاں تک ان اشیاء کے جزو بدن ہونے کا تعلق ہے جمادات تو جزو بدن ہوتے ہیں۔ نباتات بہت کم جزو بدن ہوتے ہیں اور زیادہ مقدار میں جسم سے خارج ہو جاتے ہیں، لیکن حیوانات جو قابل غذا ہیں زیادہ تر جزو بدن ہوتے ہیں اور بہت کم ان کا فضلہ خارج ہوتا ہے۔ جو لوگ گوشت و چربی نہیں استعمال کرتے ان کی غذا میں حیوانی دودھ و گھی اور شہد ہوتا ہے اور جو گوشت و چربی کھاتے ہیں وہ پرندوں کے انڈے اور مچھلی بھی کھاتے ہیں اور یہ اشیاء بھی گوشت میں شریک ہیں۔ دُنیا میں غذا کے طور پر جو شے سب سے زیادہ کھائی جاتی ہے وہ کسی نہ کسی شکل میں گوشت ہوتا ہے۔ دوسرے درجہ پر دودھ ہے، تیسرے درجے میں پھل اور میوہ جات ہیں اور آخری درجہ میں اناج ہیں۔ گوشت اور دودھ کے زیادہ استعمال سے ثابت ہوتا ہے کہ اجزائے لحمیہ جو دونوں میں پائے جاتے ہیں انسانی غذا کا سب سے نہ صرف بڑا جزو ہیں بلکہ ضروری جز اور بے حد مفید بھی ہیں۔ بچہ کی پرورش دو سالوں تک دودھ پر ہوتی ہے اور پھر تمام عمر دودھ یا اس کے مختلف اجزاء مکھن و گھی، دہی و پنیر وغیرہ کسی نہ کسی رنگ میں روزانہ کھاتا پیتا رہتا ہے۔ جب یہ دونوں اشیاء میسر نہ ہوں تو غذا کا توازن بگڑ جاتا ہے اور انسانی صحت بگڑنا اور گرنا شروع ہو جاتی ہے۔ گوشت اور دودھ کے اجزا کی ضرورت پھلوں اور اناجوں سے ہرگز پوری نہیں ہوتی۔ اگرچہ ان میں اجزائے لحمیہ کسی نہ کسی حد تک موجود ہوتے ہیں، لیکن نباتی اجزائے لحمیہ حیوانی اجزائے لحمیہ کا مقابلہ کسی صورت میں نہیں کر سکتے۔ یہی فرق تیل و گھی اور بناسپتی گھی اور اصل گھی کا ہوتا ہے۔

فرنگی طب کی غذا کے متعلق تحقیقات

فرنگی طب نے اغذیہ کا تجزیہ کر کے ثابت کیا ہے کہ انسانی غذا میں کم از کم ان چار اجزاء کا ہونا ضروری ہے: ① پروٹین۔ اجزائے لحمیہ ② فیٹس۔ اجزائے روغنیہ ③ کاربوہائیڈریٹس۔ اجزائے شکریہ و نشاستہ ④ سالٹس۔ نمکیات، اور ان کے ساتھ پانچویں شے پانی شریک ہے اور اس نے ثابت کیا ہے کہ گوشت و انڈہ اور دودھ میں کم و بیش یہ پانچوں اجزا پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ اجزاء اناجوں، سبزیوں، پھلوں اور میوہ جات میں پائے جاتے ہیں لیکن ہر ایک میں تمام اجزاء شریک نہیں ہوتے۔ اس لئے اس کو مکمل غذا نہیں کہا جاتا اور جب تک غذا کے مکمل اجزاء جسم انسان میں داخل نہ ہوں، اس وقت تک نہ ہی مکمل اور صالح خون بنتا ہے اور نہ ہی صحت قائم رہ سکتی ہے۔ اس لئے صحت و طاقت اور زندگی کے لئے غذا کا صحیح توازن بے حد ضروری ہے۔ اس غذا کے تجزیہ کے ساتھ فرنگی طب نے وٹامن (حیاتین) کا بھی ذکر کیا ہے لیکن ہم اس

کو فرنگی طب کی تجارت کا ایک زبردست چکر خیال کرتے ہیں جس کا ذکر ہم نے اپنی کتاب ''تپ دق اور خوراک'' میں کیا ہے۔

اس تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہے کہ گوشت اور دودھ (پروٹین-اجزائے لحمیہ) کو غذا میں اوّلین اہمیت حاصل ہے۔

اشیاء کے صرف تین اثرات

خداوند کریم نے دُنیا میں جس قدر اشیاء پیدا کی ہیں ان کا شمار ناممکن ہے لیکن حکما نے ان کو موالید ثلاثہ جمادات و نباتات اور حیوانات، تین اقسام میں تقسیم کر دیا ہے۔ ان کا نمایاں فرق حکماء اور عقلمندوں کے سامنے ہے جس سے ان کے افعال و اثرات اور خواص و فوائد حاصل کرنے میں نہ صرف سہولتیں ہوتی ہیں بلکہ ان کے استعمال میں آسانیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ ان کے امتیازات پر ہم مختصر روشنی ڈال چکے ہیں۔

موالید ثلاثہ کی تقسیم کی طرح ہم نے بھی دُنیا کی بے شمار اشیاء کے فوائد و خواص کو جاننے کے لئے انہیں مفرد اعضاء (انسجہ) کے تحت صرف تین اثرات میں تقسیم کر دیا ہے تا کہ ان کے افعال و اثرات کو سمجھنے میں مشکلات پیدا نہ ہوں اور انہی تین اثرات و افعال کو ضرورت کے مطابق آئندہ پھیلایا جا سکتا ہے۔ اس طرح علاج میں کسی قسم کی غلطی کا امکان بہت کم ہوتا ہے اور عوام بھی بڑی سہولت سے ہر شے کو یقین سے استعمال کر کے مستفید ہو سکتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ دُنیا بھر میں موالید ثلاثہ کی شکل میں جس قدر اشیاء پائی جاتی ہیں وہ اپنے اندر صرف تین اثرات رکھتی ہیں۔ خالق مطلق نے چوتھا اثر ہی پیدا نہیں کیا۔ البتہ انہی تین اثرات کو خلط ملط کرنے سے سینکڑوں اور ہزاروں رنگ بنائے جا سکتے ہیں۔ وہ تین اثرات کھار، ترشی اور نمک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نمک بھی کھار اور ترشی کا مرکب ہے۔

دُنیا بھر کی کسی شے کو استعمال کریں اس کے اثرات و افعال میں کھاری پن ہوگا یا ترشی کی کیفیت یا نمکین حالت پائی جائے گی۔

جب ہم ان تینوں چیزوں کو بار بار استعمال کرتے ہیں اور تجربہ و مشاہدہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ **کھار کے استعمال سے جسم میں رطوبات اور ٹھنڈک بڑھ جاتی ہے اور ان کا اخراج بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ترشی کے استعمال سے جسم میں خشکی اور جوش بڑھ جاتا ہے اور ریاح کے اثرات نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نمک کے استعمال سے جسم میں حرارت اور تیزی زیادہ ہو جاتی ہے اور جسم میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔**

کھار و ترشی اور نمک کے اثرات بالمفرد اعضاء

① کھاری اشیاء جو جسم میں رطوبات و تری و بلغم پیدا کرتی ہیں۔ ان کا اثر نسیج اعصابی پر ہوتا ہے جس کا مرکز دماغ ہے۔ اس میں قارورہ مقدار میں زیادہ اور اس کا رنگ سفید یا مائل نیلاہٹ ہوتا ہے۔

② ترش اشیاء جو جسم میں خشکی اور جوش اور ریاح پیدا کرتی ہیں۔ ان کا اثر نسیج عضلاتی پر ہوتا ہے جس کا مرکز دِل ہے۔ اس میں قارورہ مقدار میں کم اور اس کا رنگ سرخ یا مائل زردی ہوتا ہے۔

③ نمکین اشیاء جو جسم میں حرارت و تیزی اور صفراء پیدا کرتی ہیں ان کا اثر نسیج قشری پر ہوتا ہے جس کا مرکز جگر ہے۔ اس میں قارورہ مقدار میں مناسب یا جلن کے ساتھ اور اس کا رنگ زرد یا زرد سفیدی مائل ہوتا ہے۔ تین ہی حیاتی اعضاء ہیں، یہی اعضائے رئیسہ ہیں، چوتھا مفرد عضو نسیج الحاقی بنیادی عضو میں شریک ہے۔ اس کو غذا حیاتی اعضاء سے ملتی ہے۔

مفرد اعضاء کے تحت ذائقے

ہر مفرد عضو (نسیج) کے لئے دو دو ذائقے ہیں۔ اعصاب کے تحت ایک شیریں دوسرا کسیلا۔ عضلات کے تحت ایک ترش دوسرا تلخ۔ غدد کے تحت ایک چرپرا اور دوسرا نمکین۔ گویا کل چھ ذائقے اور مزے ہیں۔ ان کو آیورویدک میں رس اور انگریزی میں ٹیسٹ (Taste) کہتے ہیں۔ دُنیا بھر کی کوئی غذا اور دوا اور زہر ایسا نہیں ہے جو ان چھ ذائقوں اور مزوں سے باہر ہو۔ بس یہی تین اثرات وافعال اور چھ ذائقے اور مزے خواص وفوائد غذائی علاج کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

ضرورت غذا

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ انسان کی زندگی وقوت اور صحت کا دارومدار صرف کھانے پینے اور ہوا پر ہے اور ان میں غذا کو بھی زبردست اہمیت حاصل ہے کیونکہ انسان بغیر غذا کے ہوا اور پانی پر کچھ عرصہ تک زندہ رہ سکتا ہے لیکن بغیر غذا اس کی طاقت روز بروز گھٹتی چلی جاتی ہے اور صحت بگڑنی شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ انتہائی کمزور ہو کر مر جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ زندگی کے ساتھ صحت اور طاقت کا راز غذا میں پوشیدہ ہے کیونکہ اس غذا سے جو طاقت پیدا ہوتی ہے وہ اس قوت کا بدل بنتی ہے جو روزانہ انسانی جسم اپنے احساسات و حرکات اور ہضم غذا پر خرچ کرتا ہے۔ گویا غذا کا سب سے بڑا کام بدل ما تحلل کو پورا کرنا ہے۔ **بعض لوگوں میں کثرت محنت کی وجہ سے زیادہ قوت خرچ ہوتی اور ان میں زیادہ تحلیل واقع ہوتی ہے۔ ان میں بھی بعض دماغی محنت کرتے ہیں جس سے ان کے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں جن کا تعلق دماغ سے ہے اور بعض محنت تو کسی قسم کی نہیں کرتے مگر کثرتِ خوراک کے عادی ہوتے ہیں، ان کے غدد اور گردے کمزور ہو جاتے ہیں جن کا تعلق جگر سے ہوتا ہے، کیونکہ کثرت خوراک سے ان کے جگر اور گردوں وغدد کو بہت محنت کرنا پڑتی ہے۔**

اس لئے جس قسم کی جسم انسان کو محنت کرنی پڑتی ہے اسی قسم کی کمزوری واقع ہوتی ہے۔ اگر اس کمزوری کو رفع نہ کیا جائے تو صحت خراب ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ آخر کار انسان مریض ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ہر عمر میں مختلف قسم کی غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اس عمر میں ویسی غذا میسر نہ ہو تو کمزوری واقع ہو کر صحت بگڑنا شروع ہو جاتی ہے۔ مثلاً: بچپن میں جب اس کے لئے نشو وارتقاء کی ضرورت ہوتی ہے، اس میں تری زیادہ ہوتی ہے جو اس کی گرمی پر غالب رہتی ہے۔ یعنی تر گرم (اعصابی غدی) ہوتا ہے۔ جوانوں کا مزاج غدی ہوتا ہے۔ اس میں گرمی اور تری برابر ہوتی ہے یعنی گرم تر (غدی اعصابی) ہوتا ہے۔ بوڑھوں کا مزاج عضلاتی ہوتا ہے۔ ان میں خشکی غالب رہتی ہے یعنی خشک گرم (عضلاتی غدی) ہوتا ہے۔ جب بھی ان کے مزاجوں کے مطابق غذا نہیں ملتی تو ان میں کمزوری پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے جس سے اس کے اندر امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب غذا ان کے مطابق میسر آ جاتی ہے تو مرض رفع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آب وہوا نفسیاتی وکیفیاتی اثرات کے تحت بھی غذا میں کمی بیشی ہو کر ضعف اور مرض پیدا ہو جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب بھی کسی قسم کی محنت کی جاتی ہے تو اس کا اثر خون کے ساتھ جسم انسان کے ان مفرد اعضاء (انسجہ) پر پڑتا ہے جن سے جسم انسانی مرکب ہے۔ اسی محنت سے ایک طرف جسم میں خون اور اس کی طاقت خرچ ہوتی ہے اور دوسری طرف جسم کے خلیات (سیلز) میں ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے جن سے مفرد اعضاء (انسجہ) بنتے ہیں۔ یہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ خون حرارت ورطوبت اور ریاح سے مرکب ہے۔ ان کا پورا پورا امتزاج ہی اس کی صحیح معنوں میں طاقت ہے۔ اسی طرح ہمارے مفرد حیاتی اعضاء (انسجہ) بھی تین قسم کے ہیں، اعصابی وغدی اور عضلاتی۔ ان کے بھی صحیح معنوں میں افعال ہی ان کی قوت ہیں۔ یہ بھی ہم واضح کر چکے ہیں کہ

اعصاب کا تعلق رطوبت اور بلغم سے ہے۔ غدد کا تعلق حرارت اور صفراء سے ہے۔ عضلات کا تعلق ریاح اور خون سے ہے۔ اس لئے خون کی کمی اور کمزوری اور خلیات کی ٹوٹ پھوٹ کے لئے ہمیں متوازن غذا کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی مرض پیدا ہو جائے تو اس کے لئے مناسب غذا کی ضرورت ہے۔ یہ ہم کئی بار واضح کر چکے ہیں کہ خون صرف غذا سے بنتا ہے دوا سے نہیں بنتا۔ اسی طرح مفرد اعضاء (انسجہ) خون سے بنتے ہیں۔ البتہ دوا اور زہران کے افعال میں کمی بیشی اور تحلیل ضرور کر سکتے ہیں۔ اس لئے زندگی وقوت اور صحت کا دارومدار صرف غذا پر ہے۔

جسم انسان کو کیسی غذا کی ضرورت ہے

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ فلسفہ ارتقاء کے تحت انسان کا مقام حیوان سے افضل ہے۔ اس لئے انسان کی غذا حیوانات پر ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ بچہ کی پہلی غذا ماں کا دودھ ہے جو حیوانی غذا ہے۔ جب انسان بڑا ہوتا ہے تو اس کی غذا حیوانی گوشت ہوتا ہے جس میں انڈے اور مچھلی بھی شریک ہے۔ اس حیوانی غذا میں انسانی زندگی وقوت اور صحت قائم رکھنے کے لئے سب اجزاء شامل ہوتے ہیں لیکن جب انسان کو حیوانی غذا میسر نہ رہی یا وہ قلیل ہوگئی تو پیٹ بھرنے کے لئے انسان نے پھلوں اور میوہ جات کا استعمال شروع کر دیا۔ ان میں ایک طرف پیٹ کے لئے تسکین تھی اور دوسری طرف ان میں غذا ہضم کرنے کی بھی قوت تھی کیونکہ پھلوں اور میوہ جات میں غذا کے کم وبیش اجزاء کے ساتھ نمکیات کی کثرت ہوتی ہے جو خون کے لئے ضروری ہیں۔

جب تہذیب دُنیا میں پھیلی اور ہر طرف تمدن کا دور دورہ ہوا تو حیوانی غذاؤں اور پھلوں و میوہ جات پر قوت و دولت اور حسن کا قبضہ ہو گیا تو کمزور اور غریب عوام کے لئے غذا مشکل ہوگئی۔ انہوں نے اصل غذا کی بجائے اناج اور سبزیوں سے زندگی اور قوت وصحت کے لئے پیٹ پری شروع کر دی۔ وہ اس کے سوا کر بھی کیا سکتے تھے لیکن گوشت و چربی اور دودھ و گھی میں جو غذائیت وقوت ہے وہ اناجوں اور سبزیوں سے کیسے حاصل ہو سکتی ہے، لیکن رفتہ رفتہ انہی اناجوں، دالوں، چاولوں اور سبزیوں کو ضرورت کے مطابق گوشت، انڈوں، دودھ، چربی اور گھی سے ملا کر پکانے سے ان میں غذائیت وقوت اور لذت پیدا کر لی گئی اور غریب عوام کے ساتھ ساتھ صاحب قوت و دولت اور مالکان حسن نے بھی ان چیزوں کو کھانا شروع کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصل غذائیت کی اہمیت انسان کے دِل سے نکل گئی اور اصل قوت جس سے وہ درندوں اور شیروں سے لڑا کرتا تھا وہ ختم ہوگئی اور اب وہ اپنی طاقت کو قائم رکھنے کے لئے دواؤں اور زہروں کا استعمال کرتا ہے۔

گوشت کے اثرات

جسم انسان کے تمام عضلات کا مرکز دِل ہے۔ یہ سب گوشت ہیں۔ اس کا مزاج خشک گرم ہے اور جب پک جاتا ہے تو گرمی اور تری میں معتدل ہو جاتا ہے۔ یہی انسان کا بہترین مزاج ہے۔ گوشت کی بناوٹ میں فولاد اور چونا بہت کثرت سے پایا جاتا ہے۔ جگر اور تلی میں فولاد کی کثرت ہے اور معدہ و پھیپھڑوں میں چونے کا خزانہ ہے۔ اسی طرح مختلف قسم کے اعضائے حیوانی مختلف اقسام کی رطوبات وحرارت اور نمکیات اور دیگر اجزائے خون بناتے ہیں ان میں سے اگر کسی کو بھی استعمال کیا جائے گا وہ جسم میں جا کر وہی اثرات واجزا پیدا کر دے گا۔ علاج بالغذا کے لئے یہ بہت بڑا خزانہ ہے۔

مختلف چرند اور پرند اور حیوانات کے گوشت میں ثابت فرق رکھا ہے۔ اگر ہم بکری کے گوشت کو مزاج کے لحاظ سے خیال کریں تو زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں حرارت اور رطوبت تقریباً معتدل ہیں۔ اگر اس کے مقابلے میں بھیڑ اور دُنبہ و گائے اور بھینس کے گوشت کو

استعمال کریں تو ان میں بکری کی نسبت حرارت کم، رطوبت اور ریاح زیادہ ہیں۔ اسی طرح اگر بکری کے مقابلے میں مرغی اور بطخ اور تیتر و بٹیر وغیرہ پرندوں کے گوشت استعمال کئے جائیں تو ان میں حرارت و رطوبت زیادہ اور ریاحی مادے کم ہیں چونکہ انسانی زندگی کو قوت اور صحت کے لئے پرورش و ربوبیت کی زیادہ ضرورت ہے اس لئے بکری کے گوشت سے لے کر پرندوں کے گوشت تک کا استعمال زیادہ مفید ہے۔ جسم میں سوزش، ورم اور درد و بخار کے لئے یہی گوشت مفید ہیں۔ البتہ اگر جسم میں حرارت اور صفرا کی زیادتی سے رطوبات اور ارضی مادوں کی کمی ہو جائے تو پھر گائے بھینس کے گوشت اکسیر کا کام کرتے ہیں۔

انسان چونکہ گوشت پکا کر کھاتا ہے اور اس میں مختلف قسم کے مصالحہ جات ڈالتا ہے، اس میں حرارت کی زیادتی کے ساتھ ساتھ ہضم کی بھی زیادتی ہو جاتی ہے، گوشت اچھی طرح گلا کر کھانا چاہئے تاکہ اس کا ایک ایک ریشہ ہضم ہو کر خون اور جزو بدن بن جائے۔ کچا گوشت وحشت پیدا کرتا ہے اور کچا پکا یعنی کم گلا ہوا گوشت پیٹ میں کیڑے اور متعفن مادے پیدا کرتا ہے۔ بجائے قوت اور صحت کے تکلیف اور امراض پیدا کرتا ہے۔

انڈے اور مچھلی

ہر قسم کے انڈے اور مچھلیاں بھی گوشت میں شریک ہیں جن پرندوں کے انڈے ہوتے ہیں وہی تاثیر رکھتے ہیں۔ مچھلی کے گوشت میں حرارت سے زیادہ رطوبت غالب ہے۔ اس لئے بہت جلد گندی اور متعفن ہو جاتی ہے۔ اس تعفن سے اعصاب میں انتہائی تیزی پیدا ہو جاتی ہے جس سے جسم میں چونے اور فولاد کی نہ صرف کمی واقع ہو جاتی ہے جبکہ جلد کا رنگ خراب ہو کر سفید داغ اور دھبے پڑ جاتے ہیں۔ مچھلی کے ساتھ رطوبت والی اغذیہ مثلاً دودھ اور دہی کھانے سے اس کو جلد متعفن کر دیتا ہے۔ جب تک مچھلی جسم میں جا کر متعفن نہ ہو اس کا نقصان نہیں ہوتا۔ چاہے اس کے ساتھ کچھ کھا لیا جائے۔ مچھلی کھانے والوں کو اس امر کی تاکید ہونی چاہئے کہ مچھلی ہمیشہ تازہ بلکہ زندہ لے کر پکائی جائے۔ پھر اس سے کبھی نقصان نہیں ہوتا۔ بے حد مفید ثابت ہوتی ہے۔ اس میں جوانی کو قائم رکھنے کی بہت بڑی طاقت ہے۔

دودھ اور گھی

دودھ کو آبِ حیات اور گھی کو تریاق کہنا زیادہ مناسب ہے۔ انسان کی زندگی دودھ سے شروع ہوتی ہے اور باقی تمام زندگی اگر میسر آئے تو دودھ، گھی اور مکھن و دہی پر گزار دیتا ہے۔ ان اشیاء کے استعمال سے انتہائی قوت اور صحت قائم رہتی ہے اور انسان طویل عمر پاتا ہے۔ دودھ کا مزاج تر گرم ہے اور جس جانور کا دودھ ہوتا ہے اپنی رطوبت کے ساتھ گرمی کے وہی اثرات اپنے اندر رکھتا ہے۔ سفید اور سیاہ جانور کا دودھ زیادہ رطوبت اور سردی کی طرف مائل ہوتا ہے جیسے گدھی کا دودھ۔ گھی کا مزاج گرم تر ہے۔ جسم انسان کے اندر کسی قسم کی سوزش، ورم اور درد و بخار ہو اس کا شرطیہ تریاق ہے۔ جس ملک میں خالص گھی ملتا ہو وہاں تپ دق و سل نہیں ہو سکتا۔ فالج اور ذیابیطس کے لئے بے حد مفید ہے۔ اس کا جسم پر ایسا ہی اثر ہوتا ہے جیسے پرزوں پر تیل اثر کرتا ہے۔ یہ حیوانی گندھک ہے۔ دوسرے معنوں میں اس کو روغن گندھک کہہ دیں جس کے لئے کیمیا بنانے والے ترستے ہیں کہ ہر دھات کو سونا بنا دیتا ہے۔ اسی طرح یہ گھی بھی جسم میں سونے کے خواص پیدا کر دیتا ہے۔ ہماری رائے میں **انسانی غذا صرف گھی ہے جو کبھی گوشت کبھی دودھ اور کبھی اناج کے ساتھ کھایا جاتا ہے اور زندگی و قوت اور صحت بخشتا ہے۔ بناسپتی اس کے مقابلے میں زہر ہے۔ یہ تیل سے تیار ہوتا ہے۔ تیل جسم میں تیزاب پیدا کرتا ہے، گندھک پیدا نہیں کرتا اور جب تیل میں تیز ادویات اور گیسیں شامل کر کے اس کو گھی بنایا جاتا ہے تو وہ زہر بن جاتا ہے۔ دوسرے معنوں میں بناسپتی اور صابن کا نسخہ ایک ہے۔ صابن گاڑھا ہوتا ہے اور**

بناسپتی گھی رقیق ہوتا ہے۔ اس میں جس قدر چاہیں وٹامن ملالیں۔ اس کے زہر ہونے اور نقصان پہنچانے میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ گویا قوت اور صحت کے لئے نقصان عظیم ہے۔

شہد

حیوانی اغذیہ میں شہد بھی شریک ہے جو شہد کی مکھیاں پھلوں اور پھولوں سے تیار کرتی ہیں۔ اس میں قدرت کی طرف سے انتہائی مٹھاس کے ساتھ انتہائی حرارت کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ اس کے دو تین چمچے کھانے سے فوراً جسم گرم ہو جاتا ہے۔ باوجود انتہائی گرم ہونے کے جسم کے اندر کی ہر قسم کی سوزش اور ورم کے لئے انتہائی مفید ہے۔ گھی سے زیادہ گرم اور زیادہ ملین ہے۔ نئی و پرانی پیچش اور ضعف جسم اور فالج کے لئے انتہائی مفید ہے۔ ان مقاصد کے لئے اس کا شربت یا چائے و قہوہ میں ڈال کر استعمال کرنا بہت مفید ہے۔ **شہد کا مزاج گرم تر ہے لیکن دیگر اغذیہ اور پانی کے ساتھ ہر مرض میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ اپنی حرارت کی وجہ سے جگر اور اعصاب کے لئے بے حد مقوی اور محرک اثر کرتا ہے۔** فرنگی طب میں جو گلوکوز استعمال ہو رہا ہے وہ نباتاتی مٹھاس ہے۔ وہ کسی حیثیت سے بھی شہد کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ **شہد اور گلوکوز میں ایسا ہی فرق ہے جیسے گھی اور بناسپتی کا فرق ہے۔ گلوکوز کا مزاج سرد تر ہے۔** اس میں جتنے بھی وٹامن شامل کر لئے جائیں وہ شہد کی طرح گرم نہیں ہوسکتا۔ شہد ہر مرض میں گلوکوز سے مفید ہے۔

نباتاتی اغذیہ میں مکمل غذائیت نہیں ہے

نباتات میں ہر قسم کے میوہ جات، پھل، اناج، دالیں، سبزیاں اور جڑیں سب شامل ہیں۔ نباتاتی اغذیہ حیواناتی اغذیہ کے مقابلے میں بالکل ایسی ہے جیسے بھوسہ، یعنی پیٹ بھرنا، ورنہ جہاں تک غذائیت کا تعلق ہے ان میں مکمل غذائیت نہیں ہے۔ ان میں افضلیت میوہ جات اور پھلوں کو حاصل ہے کیونکہ ان میں اجزائے لحمیہ، اجزائے روغنیہ، اجزائے شکریہ اور نمکیات کافی مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ جس طرح پھل اور میوہ جات حیوانی اغذیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اسی طرح اناج و دالیں اور سبزیاں و جڑیں پھلوں اور میوہ جات کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

میوہ جات اور پھل

میوہ جات میں بادام، پستہ، ناریل، اخروٹ، مونگ پھلی، چلغوزہ اور کھاجا وہ سب غذائیں دوائیں ہیں۔ اپنے اندر کافی حرارت اور قوت رکھتے ہیں۔ ان کا دوائی اثر بھی غیر معمولی شدت پیدا کر دیتا ہے، لیکن غذائی علاج میں ان سب کو بہت اہم مقام حاصل ہے۔ سردیوں میں ان کا استعمال بے حد مفید ہے۔

پھلوں میں کھجور، انگور، آم، سیب، مالٹا، امرود، ناشپاتی، لیچی، کیلا، جامن، فالسہ، انجیر، انار، میٹھا، آلوچہ، آلو بخارا اور آڑو وغیرہ۔ ان میں بعض گرم ہیں جیسے کھجور، انگور، آم، انجیر۔ بعض اپنے اندر غذائیت رکھتے ہیں جیسے سیب، امرود، کیلا، جامن، خوبانی، خربوزہ، شہتوت، لیچی، آلو بخارا، میٹھا، انار، اناناس، تربوز، رس بھری، آلوچہ، سنگترہ، گنا وغیرہ۔

اناج و دالیں اور سبزیاں و جڑیں

اناجوں میں گیہوں کو اوّلیت کا درجہ حاصل ہے۔ اس کے بعد چاول کا مقام ہے۔ پھر چنے اور دیگر دالیں۔ مکئی، جوار، باجرہ اور جو وغیرہ۔ ان میں درجہ بدرجہ نشاستہ اور غذائیت پائی جاتی ہے۔

سبزیوں میں میتھی، پالک، کریلے، آلو، ٹماٹر، مولی، گاجر، مٹر، گوبھی، کھیرا، ککڑی، شلغم، کدو، کچنار، سیم، چقندر، بینگن، بھنڈی، اروی، ٹینڈے، سرسوں کا ساگ، پیاز، ادرک۔ ان میں گرم و سرد دونوں اثر رکھنے والی سبزیاں ہیں۔ یہ دراصل دوائے غذائی ہیں۔ ان میں غذائیت بہت کم پائی جاتی ہے۔ بہرحال پیٹ بھرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ البتہ ضرورت کے مطابق امراض کا علاج ہیں۔

بھوک

بعض حکماء نے لکھا ہے کہ بھوک بھی ایک مرض ہے۔ اس کا علاج غذا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک مرض کی طرح تکلیف دہ بھوک نہ ہو غذا نہیں لینی چاہئے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جب غذا کھانے سے امراض پیدا ہوں تو غذا کھانا چھوڑ دینا چاہئے، کیونکہ سوائے چوٹ وگر پڑنے اور بیرونی حادثات کے کوئی مرض بغیر ضرورت غذا و اشیاء اور دوا اور زہر کھانے پینے کے پیدا نہیں ہوتا۔ انتہائی بھوکا انسان کمزوری کا احساس تو ضرور کرے گا مگر یہ نہیں کہے گا کہ وہ مریض ہے۔ اس حقیقت سے یہ ظاہر ہے کہ صحت اور مرض کی دراصل بھوک ہے۔ بھوک کی شدت ہی ضرورت غذا کا اظہار ہے اور یہی ثقیل اور زیادہ سے زیادہ غذا کو ہضم کرا دیتی ہے۔ بھوک دراصل ایک زبردست قوت اور اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ بھوک کے یہ معنی نہیں ہیں کہ چند لقمے کھا لئے جائیں بلکہ ایسی بھوک ہو جو انسانی معدے کے خلا (کپیسٹی) کو پورے طور پر بھر دے تاکہ طبیعت میں ہضم کا دباؤ (پریشر) پورے طور پر کام کرے۔ مثلاً ایک انسان کے پیٹ میں اندازاً درمیانہ درجہ کی تین روٹیاں پڑتی ہیں تو یہی اس کی بھوک ہے۔ اگر تین روٹیوں سے پیٹ بھرنے والا ایک یا نصف روٹی کھائے گا تو یہ اس کی بھوک نہ ہوگی۔ یونہی بغیر ضرورت صرف خواہش یا شوق سے کھالیا ہے۔ ایسی غذا میں ہضم کا دباؤ پورا نہیں بنے گا اور غذا پڑی رہے گی اور متعفن ہو جائے گی، جس کا نتیجہ امراض کا پیدا ہونا ہے۔

کم کھانا

غذا کم کھانے کے متعلق ایک بہت بڑی غلط فہمی پیدا ہو چکی ہے لیکن اس کی حقیقت سے کوئی واقف نہیں ہے۔ بعض لوگ اپنی کم خوراکی پر فخر کرتے ہیں کہ وہ صرف چند لقمے کھاتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ ان کے پیٹ میں بہت سی غذا غیر منہضم پڑی رہتی ہے جس میں ہر وقت خمیر اور تعفن پیدا ہوتا رہتا ہے جو اس کو زیادہ کھانے نہیں دیتا۔ جب تک پورے معدے کی بھوک نہ ہو کھانا نہیں چاہئے۔ کم کھانا صرف اس کو کہتے ہیں کہ بھوک تو تین چار روٹیوں کی ہو مگر نصف یا ایک روٹی کھائی جائے۔ یہ صرف صوفیائے کرام کا کام ہے جو در حقیقت بے حد مشکل ہے۔ اسی بھوک کی روشنی میں ہم نے چند اُصول ترتیب دیئے ہیں تاکہ ہر شخص فائدہ اٹھا سکے۔ کیونکہ تجربہ نے بتایا ہے کہ ہر شخص بھوک کی صحت کو سمجھ نہیں سکتا اور کھالیتا ہے۔ پھر تکلیف اٹھاتا ہے۔

1. ہر ایک غذا کے بعد دوسری غذا کم از کم چھ گھنٹے بعد لینی چاہئے کیونکہ پوری غذا بارہ گھنٹوں میں ہضم ہوتی ہے۔ چھ گھنٹوں میں وہ معدہ اور چھوٹی آنتوں میں سے گزر کر بڑی آنتوں میں پہنچ جاتی ہے۔ اس طرح دوہضم سے جو غذا خراب ہو جاتی ہے اس سے بچ جاتا ہے۔
2. چھ گھنٹے کے بعد بھی یہ شرط ہے کہ بھوک شدید ہونی چاہئے ورنہ اور وقفہ بڑھا دینا چاہئے، البتہ اس وقفہ میں پانی پی سکتا ہے۔
3. غذا خوب پختہ گلی ہوئی اور ذائقہ کے مطابق ہونی چاہئے۔ اگر طبیعت نے پسند نہ کی تو ہضم نہیں ہوگی:

غذا بطور دوا

غذا کی حقیقت و اہمیت اور ضرورت کو سمجھنے کے بعد یہاں پر یہ مقام آتا ہے کہ غذا کو بجائے خوراک کے دوا کے طور پر استعمال کیا

جائے یعنی جس غذا کی مرض میں ضرورت ہے اس کو استعمال کیا جائے اور جو غذا نقصان دہ ہے اس کو استعمال نہ کیا جائے۔ اس طرح مفید اغذیہ کے استعمال اور غیر مفید اغذیہ کو نکال دینے سے مرض رفع ہو جاتا ہے۔ اس طرح خون میں ایک ایسی طاقت پیدا ہو جاتی ہے جس سے ہر قسم کے مشکل اور پیچیدہ امراض بھی چند دنوں میں رفع ہونا شروع ہو جاتے ہیں کیونکہ مکمل و مقوی اور مصفی خون ہی جسم و نفس اور روح کے لئے زندگی و قوت اور صحت ہے۔ یہی علاج بالغذا کا راز ہے۔

سائنس کا نظریہ غذا غلط ہے

سائنس کا دعویٰ

ماڈرن سائنس اور فرنگی طب کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے غذا پر بے حد تحقیق کی ہے۔ اس سلسلہ میں بال کی کھال اُتاری ہے۔ جن غذاؤں کی ضرورت ہے ان کے ایک ایک جز کا تجزیہ اور مشاہدہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ صحت کو قائم رکھنے کے لئے جن غذاؤں کی ضرورت ہے ان کے بارے میں یہاں تک تحقیق کی گئی ہے کہ کن کن غذاؤں کی کمی سے کون کون سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک مشاہدات اور تجربات کئے گئے ہیں کہ مختلف حیاتی ذرّات (سیلز) کن کن غذاؤں سے زندہ رہتے اور بڑھتے ہیں اور کن کن غذائی اجزاء سے بیمار ہو جاتے اور فنا ہو جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ یہ بھی تجربات اور مشاہدات کئے گئے ہیں کہ جن غذاؤں اور ان کے اجزاء کی کمی یا خرابی سے جو امراض پیدا ہوتے ہیں اور ان کے استعمال سے وہ امراض رفع ہو جاتے ہیں ان مشاہدات اور تجربات کے بعد انہوں نے غذا کا ایک قانون بنایا ہے جس کا نام ہے متوازن غذا یعنی ایسی غذا کا استعمال جس سے صحت قائم رہے اور اگر بگڑ گئی ہو تو اس متوازن غذا سے اس کو صحت کی طرف واپس لایا جائے۔

متوازن غذا کیا ہے

متوازن غذا سے مراد وہ غذا ہے جو تندرستی کی محافظ ہو۔ یعنی اس کے استدلال سے خون کے اجزاء مکمل ہوں اور اس میں کیمیاوی طور پر حرارت پیدا ہو اور قائم رہے۔ ساتھ ہی اعضاء کے افعال اعتدال کے ساتھ کریں اور ان میں طاقت قائم رہے۔ اس طرح صحیح معنوں میں جسم کا بدل ما یتحلل قائم رکھے۔ ایسی ہی غذا متوازن ہو سکتی ہے۔

عالمی ادارہ صحت نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ مکمل جسمانی و ذہنی اور معاشرتی آسودگی کا دوسرا نام تندرستی ہے اور آسودگی اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب ہماری غذا متوازن ہو اور اس میں وہ تمام اجزا متوازن مقدار میں موجود ہوں جن سے جسم کو مناسب مقدار میں حرارت اور طاقت ملتی ہے۔ گویا اچھی اور متوازن غذا وہ ہے جو جسم کے ہر خلیے (سیل) کو طاقت بخشے۔ اس مقصد کے لئے غذا میں مندرجہ ذیل بنیادی اجزاء یا بنیادی غذائی مادے ہونے چاہئیں؛ (۱) غذا۔ جس کی تین اقسام ہیں۔ (۲) معدنی نمک اجزائے خون (۳) پانی (۴) وٹامن۔ جن کی چھ اقسام ہیں۔

غذا کی اقسام

(۱) پروٹین (اجزائے لحمیہ): ایسی غذائیں جو گوشت پیدا کریں جن میں حیوانی اغذیہ کے ساتھ نباتی غذا بھی شریک ہیں۔ حیوانی اغذیہ میں گوشت، مچھلی، انڈے اور مع دہی و پنیر وغیرہ شریک ہیں اور نباتی اغذیہ میں گیہوں، مٹر، لوبیا، سیم، مونگ اور ماش وغیرہ شریک ہیں۔

چونکہ لحمی اغذیہ میں خالص لحمی اجزاء کے علاوہ دیگر ایسے اجزاء بھی شریک ہوتے ہیں، اس لئے ان کو خصوصی طور پر انیسیومنی اور نائٹرا جنسی اغذیہ بھی کہتے ہیں۔اس کا کیمیاوی تجزیہ درج ذیل ہیں: (۱) نائٹروجن 16 فیصدی (۲) آکسیجن 32 فیصدی (۳) ہائیڈروجن 7 فیصدی (۴) کاربن 4 فیصدی (۵) گندھک ایک فیصدی شامل ہیں۔سوائے نائٹروجن اور گندھک کے باقی اجزاء چونکہ دیگر قسم کی اغذیہ میں شامل ہیں اس لئے اس کا خصوصی نام نائٹروجنی غذا کہتے ہیں۔پروٹین کی بہترین مثال انڈے کی سفیدی ہے۔اس میں صرف پانی اور پروٹین شامل ہیں۔اس لئے اس کو ایلبومنی غذا کہا جاتا ہے۔

چونکہ پروٹین دو قسم کی ہیں اس لئے حیوانی پروٹین کو''مایوسین'' کہتے ہیں اور نباتی پروٹین''لیگومین'' کہلاتے ہیں۔اسی طرح خصوصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے گیہوں میں پائے جانے والے پروٹین کو''گلوٹی نین'' اور ہڈیوں اور جلد سے حاصل کئے ہوئے پروٹین کو جیلاٹین کہتے ہیں لیکن یہ پروٹین کی بہترین قسم نہیں ہے البتہ حیوانی پروٹین نباتاتی پروٹین کے مقابلے میں بہتر ہوتے ہیں کیونکہ ان کے ایمفو ایسڈ ہاضمہ کے دوران جزو بدن ہو کر جسم میں پروٹین کی شکل اختیار کرتے ہیں۔اس کے برعکس نباتاتی پروٹین جسم میں حرارت اور قوت تو پہنچا سکتے ہیں مگر جزو بدن نہیں بن سکتے۔معدہ میں غذا ہضم ہونے کے بعد پہلے پروٹین پپٹومنز میں تبدیل ہوتے ہیں پھر خون میں جذب ہو کر جگر میں پہنچ جاتے ہیں۔جگر ان سے نائٹروجن علیحدہ کرتا ہے اور یوریا میں شامل کر کے واپس خون میں بھیج دیتا ہے۔جس کو گردے پیشاب کی راہ خارج کر دیتے ہیں۔

پروٹین سے عضلات کی بافتیں بنتی ہیں جن سے گوشت اور پوست تکمیل پاتے ہیں اور ان کے عمل سے جسم میں آکسیجن کی رفتار باقاعدہ رہتی ہے اور ہائیڈروجن اور کاربن کی وجہ سے جسم میں ایندھن کا کام بھی دیتے ہیں۔ان اعمال کے علاوہ کسی حد تک چربی اور حیوانی نشاستہ (گلائی کوجن) بھی بناتے ہیں۔صورت یہ ہے کہ جب امائنو ایسڈ اور نائٹروجن نکل جاتے ہیں تو وہ شحمی ترشہ یا شکر میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔شحمی ترشہ کا یہ عمل ہے کہ آکسیجن کے ساتھ مل کر پہلے چربی میں تبدیل ہوتا ہے پھر جسم میں گردوں کے آس پاس آنتوں میں جمع ہو جاتے ہیں جو امینو ایسڈ ان تبدیلیوں سے نہیں گزرتے وہ جسم کی بافتوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں جہاں پہنچ کر دوبارہ پروٹین کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ متوازن غذا میں پروٹین سب سے مقدم ہے کیونکہ اگر پروٹین جسم میں کم ہو جائے تو خون کے سرخ ذرات کی تعداد بہت تھوڑی ہو جاتی ہے۔ گویا پروٹین جسم میں سب سے بڑی طاقت ہے۔روزانہ غذا میں اس کی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔

(۲) کاربوہائیڈریٹس **(اجزاء نشاستہ)**: ایسی اغذیہ جن میں مٹھاس پائی جاتی ہے۔ان اغذیہ میں زیادہ تر پھل، نباتات اور بہت کم حیوانی اغذیہ ہوتی ہیں۔نباتاتی اغذیہ میں گیہوں، آلو، شکر قندی اور مختلف اناج اور جڑیں وغیرہ اور حیواناتی اغذیہ میں شہد اور دودھ شکر وغیرہ شامل ہیں۔اس کا کیمیاوی تجزیہ درج ذیل ہے۔کاربن، ہائیڈروجن، آکسیجن۔چونکہ اغذیہ میں بھی یہی اجزاء پائے جاتے ہیں، اس لئے اس میں تخصیص کے لئے دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن ہوتی ہے۔اس لئے ہی اس کو کاربوہائیڈریٹس کہتے ہیں۔اس قسم کی غذا سے جسم میں حرارت اور رطوبت پیدا ہوتی ہے۔ہر قسم کے شکری اغذیہ ہضم ہونے سے پہلے گلوکوز (انگوری شکر) میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔اسی کا عمل منہ میں لعاب دہن کے ملنے سے شروع ہو جاتا ہے۔معدہ میں ہضم ہونے کے بعد جب آنتوں میں پہنچتی ہے تو اس میں لبلبہ کی رطوبت شامل ہو کر اس کو ہضم کرتی ہے پھر جگر میں پہنچ کر حیوانی شکر کی صورت میں وہاں جمع رہتی ہے۔جہاں ضرورت کے وقت خرچ ہوتی رہتی ہے۔اس کا زیادہ تر اخراج گردوں سے ہوتا ہے۔اگر جسم میں یہ گھٹ جائے تو کمزوری اور خشکی پیدا ہو جاتی ہے۔پیشاب میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اور اگر زیادہ آنے لگ جائے تو ذیابیطس اور اس کے عوارضات پیدا ہو جاتے ہیں۔جوانوں اور بوڑھوں کی نسبت بچوں کو اس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس

لئے وہ زیادہ پسند کرتے ہیں۔

(۴) فیٹس (**اجزاء روغنیہ**): ایسی غذا جن میں روغنی اجزاء پائے جاتے ہیں ان میں حیوانی اور نباتی دونوں قسم کی اغذیہ پائی جاتی ہیں۔حیوانی چکنائی میں گھی، مکھن، چربی اور لحمی اجزاوغیرہ، نباتی چکنائی میں روغن زیتون، روغن بادام، روغن ناریل، روغن کنجد، روغن مونگ پھلی اور روغن بنولہ وغیرہ۔اس کا کیمیاوی تجزیہ مندرجہ ذیل ہے۔کاربن، ہائیڈروجن، آکسیجن، چونکہ نشاستہ دار اور تناسب بمقابلہ آکسیجن کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ ہر قسم کی چربی اور روغن دو اجزاء سے مرکب ہوتا ہے۔ایک مرکب کو گلیسرین کہتے ہیں اور دوسری شے ایک روغنی تیزاب ہوتا ہے۔

روغنی اجزا جسم میں حرارت اور توانائی پیدا کرتے ہیں۔اوپر لکھا جا چکا ہے کہ اجزائے لحمیہ اور اجزائے شکری بھی حرارت اور توانائی پیدا کرتے ہیں لیکن ان میں حرکت اور توانائی کی قابلیت کا اندازہ ان کی کیلوری سے لگایا جا سکتا ہے یعنی اگر ایک چھٹانک روغن سے ۵۱۰ کیلوری بنتے ہیں تو اجزاءلحمیہ اور اجزاءشکری اتنی مقدار میں صرف ۲۲۰ کیلوری (حرارے) پیدا کرتے ہیں۔گویا دونوں کے مقابلے میں دگنی حرارت اور توانائی پیدا کرتا ہے۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ روغنی اغذیہ کافی دیر تک معدہ اور جگر میں ٹھہرتے ہیں جن سے جلد بھوک محسوس نہیں ہوتی۔جسم نرم رہتا ہے۔اس سے خشکی وجلن اور سوزش دور ہو جاتی ہے۔

روغنی اجزاء کا ہضم آنتوں میں اس وقت ہوتا ہے جب اس میں صفراء اور لبلبہ کی رطوبت شامل ہوتی ہے۔منہ اور معدہ میں اس پر نہ لعاب دہن کا اثر ہوتا ہے اور نہ ہی رطوبت معدی اثر انداز ہوتی ہے۔جب روغنی اجزاء میں یہ رطوبات ملتی ہیں تو دودھیا رنگ کا شیرہ بن جاتا ہے پھر ہضم ہو کر جگر میں پہنچ جاتا ہے۔اس طرح خون میں شامل ہو کر حرارت اور توانائی بڑھا دیتا ہے۔

① معدنی نمکیات

معدنی نمکیات تو بہت سے ہیں لیکن ہمارا مقصد ان نمکیات سے ہے جو جسم انسان میں پائے جاتے ہیں۔ان میں (۱) کیلشیم (۲) فیرم (۳) سوڈیم (۴) پوٹاشیم (۵) فاسفورس (۶) سلفر (۷) میگنیشیا (۸) آئیوڈین (۹) کاپر (۱۰) زنک (۱۱) سلیکا (۱۲) کلورین (۱۳) کاربن (۱۴) فلورین شامل ہیں۔یہ نمکیات جسم انسان میں بسیط حالت میں نہیں پائے جاتے یعنی جدا جدا نہیں ہوتے بلکہ مختلف طریق پر باہم مرکب ہوتے ہیں اور نمکیات ہماری اغذیہ میں پائے جاتے ہیں۔جب ہمارے جسم میں کسی نمک کی کمی یا خرابی واقع ہوتی ہے تو کوئی نہ کوئی مرض پیدا ہو جاتا ہے۔اس لئے صحت کو قائم رکھنے یا مرض کو رفع کرنے کے لئے ان اغذیہ کو کھانا چاہئے جن میں یہ اجزائے نمک پائے جاتے ہیں۔جن اغذیہ میں یہ اجزا پائے جاتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) **نمک طعام**: یہ نمک سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔روزانہ کی خوراک میں شریک ہے۔یہ سوڈیم اور کلورین کا مرکب ہے اس لئے اس کو سوڈیم کلورائیڈ کہتے ہیں۔اگر چند روز میسر نہ آئے تو انسان مریض ہو جائے۔اگر بالکل ہی نہ ملے تو یقیناً انسان کا اس کے بغیر زندہ رہنا ناممکن ہو جائے۔اس سے غدد کی بافتیں تکمیل پاتی ہیں اور حرارت پیدا ہو کر ہضم غذا میں مدد ملتی ہے: (۱) کرم کا ساگ (۲) پنیر (۳) پالک (۴) انڈے کی سفیدی (۵) بکری کا دودھ (۶) سلاد (۷) شلغم (۸) پیاز (۹) آلو بخارا (۱۰) مولی (۱۱) ٹماٹر اور مکھن میں شریک ہوتا ہے۔

(۲) **کیلشیم**: (۱) دودھ (۲) پنیر (۳) سبز پتوں والی سبزیوں (۴) چولائی اور (۵) میتھی کے پتوں میں کافی مقدار میں پایا جاتا ہے۔اس طرح (۶) گوبھی (۷) انجیر (۸) پیاز (۹) مونگ پھلی (۱۰) سویابین (۱۱) انڈوں میں بہت زیادہ پایا جاتا ہے (۱۲) گوشت میں انڈوں سے

بھی زیادہ ہے۔

(۳) **میگنیشیم:** دودھ، بادام، انگور، خوبانی، سلاد، کھنب، زیتون، ٹماٹر، آلو، بخارااور سیب۔

(۴) **پوٹاشیم:** دودھ، دہی، گاجر، کھیرے، ککڑی، اناناس، مولی۔

(۵) **کاربن:** انگور، سیب، کھجور، آلو، مٹر، انجیر، گوبھی اور کھنب۔

(۶) **فیرم:** کلیجی، گوشت، انڈے، مچھلی، خوبانی، پنیر، کھجور، اناناس، کرم کلا، زیتون، انگور، گندم، چقندر، پالک وغیرہ۔

(۷) **گندھک:** انڈے، خوبانی، انگور، کھجور، گندم، پالک، میتھی، ناریل، مٹر، ٹماٹراور خشک انجیر۔

(۸) **فاسفورس:** دودھ، پنیر، انڈے، گوشت، مچھلی، مٹر، زیتون، کھنب، مونگ پھلی، سلاد، گوبھی اور آلو۔

(۹) **آئیوڈین:** مچھلی، سلاد، انڈے، گوبھی، چکوترااور ٹماٹر۔

③ پانی

پانی کی اہمیت مسلمہ ہے۔ اس کے بغیر غذا مشکل ہے، یہ غذا میں پایا جاتا ہے، غذا کو محلول کرتا ہے۔ غذا کو جسم میں دور دور تک لے جاتا ہے۔ اسی سے خون محلول بنتا ہے۔ اسی کی مدد سے پیشاب اور پسینہ آتا ہے۔ جب جسم میں اس کی مقدار کم ہو جاتی ہے تو پیاس لگتی ہے۔ اگر پانی میسر نہ آئے تو گلا اور باقی جسم خشکی محسوس کرتا ہے۔ پانی ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مرکب ہے۔ ہمارے جسم کا ستر فیصدی حصہ پانی ہے اور خون میں اسی فیصدی پانی ہوتا ہے۔ خون کی گردش کے ساتھ پانی خلیوں میں پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ ہڈیوں میں بھی پانی پایا جاتا ہے۔ پانی کے بغیر موت ہے۔

④ وٹامن

وٹامن ایسے مادے ہیں جو کیمیاوی طور سے غذا سے جدا کئے گئے ہیں۔ وہ کوئی غذا سے جدا شے نہیں ہیں۔ ان کا غذا میں پایا جانا لازمی ہے۔ اگر غذا میں یہ وٹامن شریک نہ ہوں تو انسان کی صحت میں نقص واقع ہو جاتا ہے۔ اس لئے صحت کے لئے غذا میں ان کا شامل ہونا ضروری ہے۔ اگرچہ وٹامن صحت، دفع مرض اور نشوونما کے لئے از حد ضروری ہیں لیکن غذا کے لئے ان کی کچھ حیثیت نہیں ہے کیونکہ ان سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی یہ جزو بدن بنتے ہیں۔ انسانی متوازن غذا کا ضروری حصہ ہیں گویا غذا کے لئے محرکات ہیں، جیسے نمک آٹے کو ہضم کے قابل بنا دیتا ہے۔ وٹامن کو غذا سے جدا کر کے تجارتی طور پر بازار میں فروخت کیا جا رہا ہے اور ضرورت مندوں کو استعمال کرائے جا رہے ہیں۔

تعداد میں چھ ہیں جو اے، بی، سی، ڈی، ای، کے، وغیرہ ناموں سے موسوم ہیں۔ بعض نے ان کو ایک درجن تک بیان کر دیا ہے اور بعض وٹامن کے کئی کئی اجزاء بنالئے گئے ہیں۔ تمام وٹامن دو صورتوں میں پائے جاتے ہیں۔ اوّل جو پانی میں حل ہو جاتے ہیں جو دو ہیں ''بی'' اور ''سی'' دوسرے جو روغن یا چربی میں حل ہو جاتے ہیں ان میں ''اے''، ''ڈی''، ''ای'' اور ''کے'' ہیں۔ ابتدائی تحقیق میں ان کی کیمیائی حقیقت کا علم نہیں تھا۔ اس لئے ان کے نام حروف ابجد پر عارضی طور پر رکھ دیئے گئے تھے۔ اب ان کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل ہوگئی ہیں۔ اس لئے اب انہیں ان کے کیمیائی ناموں سے بھی پہچانا جاتا ہے۔

(۱) **وٹامن اے:** غذا کا ایسا کیمیائی جز جو چربی یا روغن میں حل ہو جاتا ہے مگر پانی میں حل نہیں ہوسکتا۔ یہ وٹامن، کیروٹین کی شکل میں پایا جاتا

ہے۔ کیروٹین سبزیوں میں کافی مقدار میں پائی جاتی ہے۔ ہماری خوراک میں جتنا وٹامن ''اے'' ہوتا ہے اس کی نصف مقدار کیروٹین کی شکل میں سبزیوں، ترکاریوں ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ کیروٹین کا بہترین ذریعہ گہرے سبز رنگ کے پتوں والی سبزیاں ہیں۔ ان کا زیادہ گہرا سبز اور تیز پیلا رنگ کیروٹین کی مقدار کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن کیروٹین بذات خود وٹامن نہیں ہے۔

وٹامن ''اے'' مکھن، بالائی، انڈے اور بعض حیوانی روغن بالخصوص مچھلی کے تیل میں موجود ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ کلیجی، گردوں، دودھ، کریم، پنیر اور گھی میں بھی ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ بعض نباتات جیسے گاجر، ٹماٹر، ہری پیاز، سرسوں کا ساگ، شلغم کے پتے، پالک، خوبانی اور آڑو میں چونکہ کیروٹین بکثرت ہوتا ہے ان سے بن جاتا ہے۔

اس کے استعمال سے جسم نرم و چمکدار ہو جاتا ہے اور مقابلہ مرض کے لئے جسم میں صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جلد ملائم رہتی ہے۔ آنکھوں میں چمک آ جاتی ہے۔ بینائی تیز ہو جاتی ہے۔ ہڈیوں کے لئے مفید ہے۔ پھیپھڑوں کے امراض کے لئے خاص طور پر مفید ہے اور دافع تعفن ہیں۔ یہ وٹامن انسانی عمر، جسمانی نشوونما اور قوت بالیدگی اور قیام حیات کے لئے ضروری ہے۔

اگر غذا میں اس کی کمی واقع ہو جائے۔ آنکھوں کی سوزش، رات کو نظر کا کام نہ کرنا، معدہ اور پھیپھڑوں کے امراض، مثانہ اور گردوں میں پتھری، جلد کی خشکی، دانتوں کا بھربھرا ہونا، مسوڑھوں میں پائیوریا کی بیماری ہو جاتی ہے۔

(۲) وٹامن بی: غذا کا ایسا کیمیاوی جز جو پانی میں حل ہو جاتا ہے مگر چربی اور روغن میں حل نہیں ہو سکتا۔ زیادہ حرارت سے ضائع ہو جاتا ہے۔ اکثر پکی ہوئی اغذیہ میں ختم ہو جاتا ہے۔ سوڈا اور کھار کے اثر والی اشیاء میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ وٹامن بی کی بارہ مختلف صورتیں ہیں لیکن دراصل یہ ایسے وٹامنوں کا مجموعہ ہے جو ایک ہی قسم کی اغذیہ میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے اثرات تقریباً ملتے جلتے ہیں۔ یہ ایک سے لے کر بارہ تک شمار ہوتے ہیں، لیکن ان سب کے بھی کیمیاوی نام ہیں۔ وٹامن (بی) کی بارہ صورتیں ہیں۔ ان کے کیمیائی نام، ان کی اغذیہ اور ان کے اثرات وغیرہ یہ ہیں؛ وٹامن ''بی ۱'' (کمپلیکس) کا کیمیائی نام تھایامن اور اینورین۔ جسم میں کچھ زیادہ ذخیرہ نہیں ہوتا، اس لئے ضرورت کے مطابق جسم کو مہیا ہونا چاہئے۔ اس کا بہترین ذخیرہ وہ خمیر ہے جسے خمیر اُٹھانے کے لئے کیا جاتا ہے۔

وٹامن ''بی'' عام طور پر سالم اناج، مونگ پھلی اور اس کے تیل میں کافی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ، دودھ، مٹر، سنگترہ، پالک، چوزہ، مچھلی، آلو، پنیر، پھول گوبھی، راب، لوبیا، سیب، سرخ مرچ، سٹرابری، بند گوبھی، گریپ فروٹ (چکوترا)، انناس، شلغم، چقندر، ٹماٹر، شکرقندی، آڑو وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔

اس کے استعمال سے اعصاب کو طاقت آ جاتی ہے، جس سے دماغ و بینائی اور بالوں کو طاقت آ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دِل و جگر اور معدہ پر بھی مقوی اثر پڑتا ہے، بھوک لگاتا ہے اور قبل از وقت بڑھاپے کو روکتا ہے۔

یہ وٹامن بیری بیری کے مرض کو روکنے کے لئے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ اعصابی کمزوری، جلد کی بے حسی، ٹانگوں کی کمزوری، لرزش، دِل کا بیٹھ جانا، ناروا اور ٹانگوں میں پانی بھر جانا، معدہ اور آنتوں کی کمزوری، بھوک کی کمی، ضروری رطوبت کی جسم میں کمی، وزن اور حرارت میں کمی وغیرہ میں مفید ہے۔

وٹامن ''بی ۲'' اس کا کیمیائی نام ایبورین ہے۔ یہ زیادہ تر خشک خمیر اور دِل و جگر کے ساتھ گردوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ گوشت و مچھلی اور مرغی اور ان کے انڈے، سالم گیہوں اور پتوں والی سبزیاں، ہری پیاز اور ساگ وغیرہ ترش میں محفوظ رہتے ہیں۔ روشنی میں ضائع ہو جاتے ہیں۔

اس کے استعمال سے چہرہ، بالوں اور آنکھوں میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ چہرے پر رونق پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ مرض پلاگرا کو دور کرنے کے لئے مشہور ہے۔ جب باچھیں پک جائیں۔ ہونٹوں پر خراشیں آجائیں اور زبان سوج جائے تو یہ وٹامن مفید ہے۔ ان کے علاوہ اس کی کمی سے ناک پر خشکی، آنکھوں میں سرخی اور بال گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔

وٹامن (بی ۳): اس کا کیمیائی نام نکوٹینک ایسڈ ہے۔ اس کا دوسرا نام نیاسن ہے۔ یہ (بی کمپلیکس) میں شامل ہونے والا ایک جز ہے۔ یہ حرارت سے کم ضائع ہوتا ہے۔ تقریباً انہی اغذیہ میں پایا جاتا ہے جن میں (بی) پایا جاتا ہے۔ اس کے استعمال سے جسم میں رطوبت اور حرارت پیدا ہو کر خشکی دور ہو جاتی ہے۔ وزن بڑھ جاتا ہے۔ حافظہ اور ذہن درست ہو جاتے ہیں۔

''بی۲'' کی تمام علامات کے ساتھ معدہ وآنتوں میں درد اور اسہال پیشاب میں جلن اور جنسی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ اس کا نتیجہ مالیخولیا اور بے ہوشی کے دورے پڑنے لگتے ہیں۔ عورتوں کی ماہواری میں نقص آجاتا ہے۔ ایسی علامات میں وٹامن (بی ۳) مفید ہوتا ہے۔

وٹامن (بی ۴): اس وٹامن کی اغذیہ وعلامات اور افعال واثرات تقریباً ''بی۲'' اور ''بی ۳'' کے مطابق ہیں۔

وٹامن (بی ۵): اس کا کیمیاوی نام ''پینٹوتھینک ایسڈ'' ہے۔ ''وٹامن بی'' کے دیگر اجزاء کی طرح یہ جز بھی مقوی اعصاب ہے۔ اس میں سردی کی برداشت بڑھ جاتی ہے اور یہ بھی زیادہ گرمی اور ہوا میں ضائع ہو جاتا ہے۔

یہ ''وٹامن بی ۵'' دل، کلیجی، مغز، گردے، انڈے، بکری کی ران کا گوشت، خمیر، گیہوں، کھنب، مونگ پھلی، سویابین، جو، ہرے پتوں والی سبزیوں اور سالم اناج وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔

جب سردی کے امراض پیدا ہوں، جگر میں بے قاعدگی سے آنتوں اور جلد کی بیماریاں پیدا ہو جائیں۔ سردی کی زیادتی کی وجہ سے کھانسی اور پاؤں کا جلنا ظاہر ہو تو اس وٹامن سے فائدہ ہو جاتا ہے۔

وٹامن (بی ۶): یہ وٹامن بھی اپنے دیگر گروپ کی طرح مقوی اعصاب اور دافع امراض باردہ ہے۔

اس وٹامن کا حصول بھی گوشت، کلیجی، ہری سبزیوں سے ہوتا ہے۔ اناج خاص کر اناج کے چھلکوں میں اس کی کثرت ہوتی ہے۔ جب اعصاب ودماغ میں سوزش سے زبان ودہن اور ہونٹوں میں سوجن ہو، یا جلدی امراض میں اس کی خشکی ورنگت کی خرابی اور داغ ودھبے پیدا ہو جائیں۔ خون خراب ہو کر دانت گر جائیں تو اس کا استعمال مفید ہے۔

وٹامن (بی ۷): اس کا کیمیاوی نام بائیوٹن ہے یہ بھی کمپلیکس کے گروپ کا جزو ہے اور اپنے مکمل گروپ سے افعال واثرات کا تعلق رکھتا ہے یعنی اعصاب ودماغ اور امراض باردہ سے متعلق ہے۔

وٹامن (بی ۷) مرغی کے گوشت، گائے کے گوشت اور دودھ، مچھلی، انڈے، پنیر، خمیر، سٹرابری، کشمش، نارنگی، گریپ فروٹ، گاجر، کیلا، سیب، گیہوں، بند گوبھی، پھول گوبھی، مکئی، گڑ، پیاز، مٹر، مونگ، آلو، پالک، ٹماٹر اور شلغم میں پایا جاتا ہے۔

جب دماغی اور اعصابی سوزش سے خرابی خون ہو، جلد کی رنگت زرد ہو جائے اور خون کے ذرات کم ہو جائیں یا بھوک کی کمی اور متلی کا اثر ہو یا زبان میں لکنت ہو یا مردانہ امراض کے اثرات سے کمزوری معلوم ہو تو یہ وٹامن مفید ہے۔

وٹامن (بی ۸): اس کا کیمیاوی نام فولک ایسڈ ہے۔ روزانہ تقریباً نصف گرام سے دو ملی گرام تک درکار رہتا ہے۔ اتنی مقدار ہاضمہ اور تندرستی رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ اس سے خون کے ذرات اور ہڈیوں کے گودا کی پیدائش قائم رہتی ہے۔

اس وٹامن کا حصول گوشت، کلیجی، گردے، دودھ، خمیر، پھل، سبزیاں، خاص طور پر ہرے پتوں والی سبزیاں وغیرہ، جب اعصاب کی خرابی سے منہ آ جائے، زبان سوج جائے، اسہال، بدن کی لاغری، ہاتھ پاؤں میں سوئیاں سی چبھتی ہوں یہ وٹامن مفید ہے۔

وٹامن (بی ۹) : اس کا کیمیاوی نام اینوسٹال ہے۔ یہ بھی وٹامن بی کمپلیکس کے گروپ میں شامل ہے۔ اس کا حصول بھی گوشت، کلیجی اور خمیر وغیرہ ان ہی اغذیہ سے ہوتا ہے جن سے اس کے دیگر گروپ کا ہوتا ہے۔ یہ ان کی طرح اعصاب و دماغ کی خرابی کے سبب جب ہاضمہ خراب ہو، خصوصاً گنجاپن پیدا ہو جائے تو یہ وٹامن مفید ہے۔

وٹامن (بی ۱۰) : اس کا کیمیاوی نام "کولین" ہے۔ یہ بھی دماغ و اعصاب میں طاقت دے کر جسم میں چربی کی صحیح تقسیم کرتا ہے۔ اس وٹامن کا حصول انڈے، مچھلی، کلیجی، گردے اور اناج و سبزیاں جن میں گیہوں، جو، بند گوبھی، گاجر، مٹر، پیاز، اجوائن اور پالک۔ آج کل اس کا بہترین ذریعہ بکرے کا مغز ہے۔

جب جگر و گردوں کی خرابی سے خون کا دباؤ بڑھ جائے، دل کمزور ہو جائے، معدہ میں سوزش و ورم پیدا ہو جائے یا قوت مدافعت جراثیم کم ہو جائے یعنی سفید ذرات خون جسم میں کم ہو جائیں یا بچوں میں نشوونما ارتقاء میں خرابی واقع ہو جائے یا بیضہ تولید میں خرابی واقع ہو جائے یا زچہ کے دودھ میں کمی واقع ہو جائے تو یہ مفید ہے۔

وٹامن (بی ۱۱) : اس کا کیمیاوی نام "پیراامینو بنزوئک ایسڈ" ہے۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ اس میں دو وٹامن پائے جاتے ہیں۔ اس کو بے حد مقوی دماغ اور اعصاب خیال کیا جاتا ہے۔ جراثیم کو ہلاک کرنے کی غیر معمولی طاقت ہے۔ اس کا حصول بھی دودھ، انڈا، کلیجی، خمیر، اناج اور سبزیاں ہیں۔

جب دماغ و اعصاب کے کمزور ہونے سے سر کے بال سفید ہو جائیں، جسم میں جراثیمی امراض، یہاں تک کہ دق ہو جائے۔ سورج کی تپش سے جلد میں خرابی واقع ہو جائے اور دھوپ کی برداشت نہ رہے تو یہ وٹامن مفید ہے۔

وٹامن (بی ۱۲) : اس وٹامن کی کیمیاوی ساخت میں ایک دھات ہوتی ہے جس کو کوبالٹ کہتے ہیں جو صرف حیوانی اغذیہ میں پائی جاتی ہے۔ اس میں عجیب بات یہ ہے کہ اس کی تخلیق کئی قسم کے جراثیم بھی کرتے ہیں۔ گویا اس کا اہم ذریعہ جراثیمی عمل ہی ہے۔ جگالی کرنے والے جانوروں کے معدے میں جہاں غذا محفوظ رہتی ہے وہیں یہ جراثیم بھی پائے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تجارتی سطح کے لئے وٹامن "بی ۱۲" جراثیم ہی سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ ویسے ان کا حصول گوشت، کلیجی، گردہ، دودھ اور سویابین سے ہوتا ہے۔

جب دماغ و اعصاب میں خرابی ہو کر مولد خون اعضاء میں نقص واقع ہو جائے، ہڈیوں کے گودوں میں خرابی پیدا ہو جائے معدہ، آنتیں اپنے افعال پورے طور پر ادا نہ کریں تو یہ وٹامن مفید ہے۔

(۳) وٹامن "سی" : اس کا کیمیاوی نام "اسکاربک ایسڈ" ہے۔ پانی میں آسانی سے حل ہو جاتا ہے۔ گرمی اور پانی میں رہنے سے ضائع ہو جاتا ہے۔ اسے تانبے اور لوہے کے اثرات سے نقصان پہنچتا ہے۔ اس کے استعمال سے جسم میں قوت و توانائی اور صحت ہوتی ہے۔ دافع خارش کے نام سے مشہور ہے۔

وٹامن "سی" اکثر پھلوں اور سبزیوں میں پائے جاتے ہیں۔ ترش اشیاء میں آڑو، آلوچہ، امرود، آلو بخارا، آم انار، انجیر، چکوترا، ٹماٹر، سرخ مرچ، بند گوبھی، آلو، شلغم، سلاد، پھول گوبھی، پالک، سویابین، اروی، پیٹھا، دال ماش، بھنڈی، مسور، موٹھ، مونگ، باتھو (بتھوا) کا ساگ، لوبیا، ٹینڈے، چنے، چاول، چقندر، حلوہ کدو، دال ارہر، چولائی کا ساگ، سویا، کرم کلہ، خرفہ کا ساگ، کچالو، کچنار، کدو، کریلا، مٹر، مولی،

میتھی، پھلوں اور سبزیوں کے علاوہ کلیجی میں بھی پایا جاتا ہے۔

جب خون میں تیزی پیدا ہو کر جسم پر خارش ہو، مسوڑھوں سے خون بہنے لگے اور دانت اور ہڈیاں خراب ہونے لگیں۔ جسم کمزور قوت مدافعت کم ہو جائے اور وہ وائرس (غیر مرئی جراثیم) کا مقابلہ نہ کر سکے اور اکثر نزلہ، زکام اور انفلوائنزا کے حملے ہوتے رہیں اور عورتوں میں حیض کی بے قاعدگی خاص طور پر جب حیض میں کثرت ہو، اس وقت وٹامن ''سی'' کا استعمال مفید ہے۔

(۴) وٹامن ''ڈی'' : یہ وٹامن حیوانی روغن اور چربی میں حل ہوتا ہے اور پانی میں حل نہیں ہو سکتا۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ جسم میں داخل ہو کر یہ کیلشیم اور فاسفورس کو جذب کر کے ہڈیوں اور دانتوں کی تقویت کا سبب بنتا ہے۔

اس وٹامن کا حصول دودھ، بالائی، مکھن، انڈے کی زردی، روغن مچھلی، چربی، بادام، ناریل، سورج کی روشنی وغیرہ۔ سورج کی روشنی میں وٹامن ''ڈی'' کی بڑی مقدار پائی جاتی ہے۔

جب جسم میں کیلشیم اور فاسفورس کی کمی ہو جاتی ہے تو ہڈیاں کمزور و بھربھری اور دانتوں میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بچوں میں سوکھا پن ہو جائے، جنین کی نشو ونما میں خرابی ہو، بچوں کی ہڈیاں ٹیڑھی ہوگئی ہوں۔ ایسی صورت میں اگر وٹامن ''ڈی'' کا استعمال کیا جائے تو بہت فائدہ ہوتا ہے۔

(۵) وٹامن ''ای'' : اس کا کیمیاوی نام ''ٹوکوفیرول'' ہے۔ یہ وٹامن چربی میں حل ہو جاتا ہے۔ یہ قوت بالیدگی اور جنسی قوت میں تحریک کا باعث ہوتا ہے اور بانجھ پن دور ہوتا ہے اور اولاد پیدا کرنے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس وٹامن کے حصول کا ذریعہ دودھ، مکھن، انڈے، مچھلی، ناریل، خوبانی، چلغوزہ، تل، پستہ، اخروٹ، بادام، گندم، سلاد، آلو، بند گوبھی، لوبیا، ساگ، چقندر، سویا، گاجر وغیرہ ہیں۔

چونکہ یہ وٹامن قلب وعضلات کے امراض میں مفید ہے۔ اس لئے جب دل اور عضلات کمزور ہوں اور جلد سکڑ جائے، بانجھ پن اور مردوں میں قوت تولید کم ہو، جنسی قوت کمزور ہو اور پیشاب میں زیادتی ہو تو اس کا استعمال مفید ہے۔

(۶) وٹامن ''کے'' : یہ وٹامن بھی روغن اور چربی میں حل ہو جاتا ہے اور خون کی قوت انجماد کو قائم رکھتا ہے۔ اس وٹامن کا حصول انڈے، ٹماٹر، گاجر، سویابین، پالک، سبز پتوں والی سبزیاں وغیرہ ہیں۔

جب انگلیوں میں سوجن ہو، جریان خون، مسوڑھوں سے خون آتا ہو، حیض کی بے قاعدگی، پھوڑے وغیرہ ہوں تو یہ وٹامن مفید ہے۔

نوٹ : وٹامن کی تحقیق کے ابتدائی دور میں صرف دو تین وٹامن کا پتہ چلا تھا، اس کے بعد چھوٹے وٹامن تک علم ہو گیا۔ پھر ان کی تعداد چھ تک پہنچ گئی جو اے، بی، سی، ڈی، ای اور کے وغیرہ ابجد کے ناموں سے مشہور ہیں۔ مگر اب بعض کتب میں تین عدد اور وٹامن کا بھی ذکر ہے جو وٹامن ''جی''، وٹامن ''پی'' اور وٹامن ''ایچ'' کے ناموں سے مشہور ہیں، لیکن ان کی خصوصیات وحصول اور افعال واثرات میں چھ وٹامن سے کچھ جدا صورتیں معلوم نہیں ہوتیں اور زیادہ تر غذا میں انہی کے استعمال پر تاکید کی جاتی ہے۔

ابتدائی تحقیقات میں ماہرین کسی مرض میں کسی ایک وٹامن کے استعمال کی تاکید کرتے تھے مگر اب اس امر کی تحقیق ہوگئی ہے کہ کسی ایک وٹامن کے استعمال کی کمی سے کوئی مرض نہیں ہوتا بلکہ پورے گروپ سے ہوتا ہے۔ اس تمام وٹامن کا کھانا ضروری ہے۔

وٹامن کی ضرورت

اغذیہ میں ہر قسم کے وٹامن پائے جاتے ہیں۔ پھر وٹامن کے استعمال کی جسم میں کیا ضرورت ہے۔ یہ بات درست ہے کہ اگر متوازن غذا کھائی جائے تو جسم کو کسی وٹامن کی ضرورت نہیں رہتی لیکن جب غذا متوازن نہیں ہوگی تو جسم میں وٹامن کی کمی پوری کرنے کے لئے وٹامن کا استعمال ان کی ضرورت اور علامات کے مطابق استعمال کرنا ضروری ہے، جیسے غذا میں نمکیات اور پانی کے اجزاء شریک ہوتے ہیں مگر جب ان کی کمی محسوس اور معلوم ہوتی ہے تو ضرورت کے مطابق نمکیات اور پانی کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔

اسی ضرورت کے تحت اغذیہ سے وٹامن تیار کئے جاتے ہیں۔ جن کی گولیاں اور شربت بازار میں عام بکتے ہیں۔ جب غذائی وٹامن کے استعمال سے خاطر خواہ فوائد حاصل نہ ہوں تو ضرورت اور علامات کے مطابق وٹامن کی گولیاں اور شربت استعمال کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ہر شخص ضرورت اور علامات کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے ڈاکٹر کا مشورہ ضروری ہے۔ ان وٹامن کو اضافی وٹامن کہتے ہیں۔

وٹامن کے استعمال میں غلط فہمی

وٹامن کے متعلق اکثر یہ غلط فہمی ہے کہ جوہر اغذیہ اور روح حیات ہیں اور ان کے استعمال سے بے حد خون پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر قسم کی جسمانی کمزوری فوراً رفع ہو جاتی ہے۔ اس کی ایک گولی کھانے سے سیروں دودھ کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک ٹکیہ کھانے سے سیروں گوشت کی طاقت آ جاتی ہے۔ اس کے شربت کا ایک گھونٹ پینے سے پاؤ بھر مکھن کا اثر رکھتا۔ ایک انجکشن پھلوں سے بے نیاز کر دیتا ہے بلکہ ان کے استعمال سے غذا کی ضرورت پیدا نہیں ہوتی، وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے خیالات اکثر لوگوں میں پائے جاتے ہیں اور اپنی کمزوری دور کرنے کے لئے اکثر وٹامن کی ٹکیاں کھاتے، شربت پیتے اور انجکشن لگواتے پھرتے ہیں۔ ان میں کوئی بھی خیال صحیح نہیں ہے۔ اکثر لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں۔

افہام و تفہیم

ہم نے فرنگی طب اور سائنس کے نظریہ غذا و متوازن غذا اور اجزاء غذا اور وٹامن پر پورے طور پر روشنی ڈالی ہے اور کوشش کی ہے کہ متوازن غذا اور اس کا کوئی پہلو تشنہ کام نہ رہ جائے تاکہ ہم پورے طور پر اس پر تنقید و تبصرہ کر سکیں اور ثابت کر سکیں کہ یہ کہاں تک مفید اور کس حد تک غیر سائنسی و نقصان دہ اور غلط ہے۔

فرنگی طب اور میڈیکل سائنس کا عمل و استعمال تقریباً تمام دُنیا پر ہے۔ ہم عرصہ چودہ سال سے ان کے نظریات، اُصول اور علوم و فنون کو غلط ثابت کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے غذائی نظریات و اصول اور تحقیقات و تجربات کو غلط ثابت کریں۔ ذیل میں ہمارے اعتراض و دلائل اور مشاہدات و تجربات پر غور کریں۔ اس سے ہر صاحب علم اور ماہرین کو پتہ چل جائے گا کہ ان کی یا ہماری تحقیقات صحیح ہیں کیونکہ حق و حقیقت اور تحقیقات کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہیں۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: یہ ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے جو غذا کا نظریہ بیان کیا ہے، وہ نہ حفظ صحت کے لئے مفید ہے اور نہ ہی علاج کے لئے کامیاب ہے۔ کیونکہ اغذیہ کے جو اجزاء نمکیات، پانی، وٹامن بیان کئے ہیں، ان کا ذاتی کوئی توازن نہیں ہے یعنی غذا کے تین اجزاء (۱) پروٹین (۲) کاربوہائیڈریٹ (۳) فیٹس ہیں۔ نمکیات کم از کم بارہ، پانی ایک اور وٹامن کم از کم چھ ہیں۔ ان کی باہمی نسبت کیا ہونی چاہئے اور

ان میں اکائی کس کو مقرر کرنا چاہئے اگر ہم غذا کے اجزاء کو کافی مقرر کریں اور ہونا بھی یہ چاہئے تو ان میں نمکیات و پانی اور وٹامن کا کیا تناسب ہونا چاہئے اور یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ یہ سب کچھ غذا میں پہلے سے شریک بھی ہیں۔ اس لئے یہ تناسب مقرر کرنا مشکل ہو جائے گا اور پھر اہم بات یہ ہے کہ ہر غذا کے اجزاء چاہے حیوانی ہوں یا نباتی ان میں نمکیات و پانی اور وٹامن کا تناسب مختلف ہے۔ اس صورت میں باہمی تناسب مقرر کرنا تو اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ جب غذا اور ان کے متعلقات کا توازن ہی مقرر نہیں کر سکتے تو متوازن غذا کا سوال ہی بے معنی ہے۔

دوسرا اعتراض: یہ ہے کہ جب غذا کے تینوں اجزاء کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ پروٹین میں پانچ جز (۱) کاربن (۲) ہائیڈروجن (۳) آکسیجن (۴) نائٹروجن (۵) سلفر ہے۔ کاربوہائیڈریٹ میں تین جز (۱) کاربن (۲) ہائیڈروجن (۳) آکسیجن ہیں۔ فیٹس کے تین جز (۱) کاربن (۲) ہائیڈروجن (۳) آکسیجن ہیں۔ گویا پروٹین میں صرف دو جز (۱) نائٹروجن (۲) سلفر زیادہ ہیں اور باقی سب جز مشترک ہیں۔ پھر ان میں ہر قسم کے نمکیات اور وٹامن شریک ہیں۔

جب ایک قسم کی غذا میں خاص طور پر پروٹین یا اجزاء لحمیہ میں ہر قسم کے اجزاء غذا و نمکیات اور وٹامن شریک ہیں تو پھر کاربوہائیڈریٹ اور فیٹس کی جدا کیا اہمیت ہے یا مختلف اقسام کے پھل و میوہ جات اور سبزیوں اور ان سے وٹامن کی خاص کیا ضرورت ہے۔ سائنس کے پاس اس کا کیا جواب ہے۔ اسلامی زاویہ نگاہ سے حیوانی اغذیہ یا اجزاء لحمیہ (پروٹین) کی یوں تعریف آئی ہے کہ جب موسیٰ کی قوم نے کہا کہ ہم ''من وسلویٰ'' وخورد ومٹھاس یا میوہ جات اور پرند کا گوشت نہیں کھائیں گے اور ان کی جگہ ﴿ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ﴾ ہمارے واسطے اپنے رب سے ان چیزوں کو مانگ جو زمین اُگاتی ہے اس کے ساگ، اس کے گیہوں، اس کی ککڑی، اس کے مسور اور اس کے پیاز۔ جواب میں کہا گیا: ﴿ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ﴾ کیا ادنیٰ چیزوں سے بہترین چیزوں کو بدلنا چاہتے ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تمام ساعتوں سے بہتر ''لحم'' ہے۔ اب سائنس بھی یہ تسلیم کرتی ہے کہ حیوانی پروٹین نباتی پروٹین کے مقابلے میں بہتر ہے کیونکہ ان کے امائنو ایسڈ ہاضمے کے دوران ہی جزو بدن ہو کر جسم میں پروٹین کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ اس کے برعکس نباتاتی پروٹین جسم میں حرارت اور قوت تو پہنچاتے ہیں مگر جزو بدن نہیں بنتے کیونکہ ان میں ضروری اُمائنو ایسڈ (Amino Acid) نہیں ہوتے اور پروٹین بنے بغیر جسم سے خارج ہو جاتے ہیں۔ شیخ الرئیس بوعلی ابن سینا نے غذا کی تعریف یہ کی ہے کہ جو شے جزو بدن بنے وہ غذا ہے اور جو جزو بدن نہ بنے وہ دوا ہے یا زہر ہے۔ جو شے جزو بدن بنتی ہے وہ پروٹین (اجزاء لحمیہ) ہی ہوتے ہیں۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ اوّل حیوانی پروٹین نباتی پروٹین سے بہتر ہیں اور دوسرے حیوانی پروٹین جسم میں جا کر خون اور جسم کا جزو بن جاتے ہیں لیکن نباتی پروٹین جسم میں کیفیت پیدا کر کے خارج ہو جاتے ہیں اس لئے یہ پیٹ بھرنے کے لئے تو کھا سکتے ہیں لیکن تعمیر جسم کے لئے مفید نہیں ہے۔

پروٹین ہمارے جسم میں گوشت پوست بنانے کے علاوہ حیوانی چربی، حیوانی نشاستہ اور حیوانی شکر (گلائی کوجن اور گلوکوز) بھی بناتے ہیں۔ امائنو ایسڈ نائٹروجن نکل جانے کے بعد جسم میں فیٹی ایسڈ لحمی ترشہ یا شکر میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ فیٹی ایسڈ آکسیجن کے ساتھ مل کر پہلے چربی میں تبدیل ہوتے ہیں اور پھر جسم میں گردوں کے آس پاس آنتوں میں جمع ہو جاتے ہیں۔ کچھ امائنو ایسڈ جو ان تبدیلیوں سے نہیں گزرتے وہ جسم کی بافتوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور وہاں پہنچ کر دوبارہ پروٹین کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

پروٹین سے زیادہ تر عضلات اور ان کی بافتیں بنتی ہیں۔ اس لئے جسم میں آکسیجن کی آمد کی رفتار کو باقاعدہ رکھنا ان کا کام ہے اور چونکہ پروٹین میں کاربن اور ہائیڈروجن موجود ہوتے ہیں اس لئے یہ جسم میں ایندھن کا کام بھی دیتے ہیں۔ جب معدہ میں غذا ہضم ہوتی ہے تو پہلے پروٹین پپٹونز میں تبدیل ہو جاتے ہیں پھر خون میں جذب ہو کر جگر میں چلے جاتے ہیں۔ جگر ان سے نائٹروجن علیحدہ کر کے یوریا میں تبدیل کر دیتا ہے جو وہاں سے پھر خون میں شامل ہو جاتا ہے جس کو گردے پیشاب کے ذریعے خارج کر دیتے ہیں۔

ان مسلمہ حقائق سے ثابت ہوا کہ انسانی غذا صرف حیوانی پروٹین ہے اور اگرچہ نباتاتی پروٹین بھی کسی قدر مفید ہے لیکن وہ اس وقت تک مفید نہیں ہو سکتی جب تک وہ حیوانی پروٹین میں تبدیل نہ ہو۔ وہ اکثر نہیں ہوتی صرف کسی قدر حرارت اور عارضی قوت کے بعد ضائع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نباتاتی روغن اور نباتاتی شکر بھی انسانی جسم کے لئے غذالحمیہ نہیں پیدا کرتے بلکہ اکثر نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔ اس لئے **زندگی وصحت اور صحت کے لئے حیوانی روغن (گھی اور چربی) اور حیوانی شکر (شہد) ہی مفید ہیں ان ہی سے جسم کی تعمیر وتکمیل اور مرمت ہوتی ہے۔ یہ نباتاتی روغن یا بناسپتی گھی اور نباتاتی شکر اور گڑ وغیرہ یا ان سے تبدیل کی ہوئی مٹھائیاں اور بسکٹ، کیک، پیسٹریاں ہمارے جسم کا حصہ نہیں بنتیں اور ضائع ہو جاتی ہیں بلکہ نقصان دیتی ہیں۔ ان کی جگہ معمولی سے معمولی گوشت جسم میں خون بن کر زندگی وصحت اور طاقت پیدا کرتا ہے اور جوانی قائم رکھتا ہے۔**

جاننا چاہئے کہ زمین سے تین قسم کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں (۱) میوہ جات اور پھل (۲) اناج (۳) سبزیاں ہیں۔ میوہ جات اور پھل تو بغیر آگ پر پکائے کھائے جاتے ہیں مگر اناج اور سبزیاں بغیر آگ پر پکائے نہیں کھائی جاتیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جس قدر حرارت اور قوت میوہ جات اور پھلوں میں پائی جاتی ہے وہ اناجوں اور سبزیوں میں نہیں پائی جاتی اور پھل ایسے ہی جن کا معیار پروٹین کے قریب قریب ہے، جیسے انگور و کھجور اور آم وغیرہ ہیں۔

قرآن حکیم نے پھلوں کو انسانوں کی غذا لکھا ہے بلکہ جنت میں بھی یہی رزق ملے گا۔ ان میں انگور، کھجور، انار، زیتون، انجیر اور انہی سے ملتے جلتے دیگر پھلوں کا قرآن حکیم نے ذکر کیا ہے: ﴿ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ﴾ ''ان کو میوہ جات اور پھلوں سے رزق دیئے جائیں گے۔ وہ لوگ کہیں گے یہ وہ رزق ہے کہ اس سے قبل بھی ان سے ملتے جلتے دیئے گئے ہیں''۔ جہاں تک کہ وہ گوشت اور ثمرات کے مقابلے میں ادنیٰ ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہے کہ پروٹین و اجزاء لحمیہ، انسان کے لئے مکمل اور متوازن غذا ہے۔ اس لئے اناجوں اور سبزیوں کو غذا میں شامل کرنا ہی بے معنی ہے۔ شاید اسی لئے قرآن حکیم میں جس درخت کے قریب جانے سے منع کیا ہے وہ اناجوں اور سبزیوں ہی کی اقسام سے معلوم ہوتا ہے۔ ﴿ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ ''اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے''۔ اگر ظلمت پر غور کیا جائے تو بہت سے اسرار ورموز سامنے آجاتے ہیں۔

تیسرا اعتراض: یہ ہے کہ متوازن غذا متعین کرنے کے لئے کوئی معیار اور توازن نہیں ہے۔ یعنی اگر متوازن غذا کا معیار اجزاء غذا (پروٹین)، فیٹس (کاربوہائیڈریٹ) کو بنایا جائے تو ان کے ساتھ جو نمکیات اور وٹامن کسی انداز ے سے ہونے چاہئیں۔ یہی صورت وٹامن کے متعلق ہے کہ اگر ان کو معیار بنایا جائے تو اجزاء، غذا اور نمکیات کس انداز ے سے ہونے چاہئیں۔ بہر حال متوازن غذا کے لئے فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کے پاس کوئی معیار اور اندازہ نہیں ہے۔ اس لئے حفظ صحت کے لئے ان کو غذا سے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ کیونکہ بڑے سے بڑا ماہر غذا صحیح متوازن کھا کر اپنی صحت کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ البتہ مرض کی حالت میں بعض علامات کو سامنے رکھ کر اجزاء غذا و نمکیات اور وٹامن دیئے جاتے ہیں، لیکن ان کا بھی کوئی یقینی اور تسلی بخش اثر نہیں ہے۔ ان میں ردّ و بدل کیا جا سکتا ہے مگر مرض اپنی جگہ ہی قائم رہتا ہے۔

متوازن غذا کا معیار قائم کرنے کے لئے غذا کے اجزاء ونمکیات اور وٹامن کے اثرات و مشینی طور پر اعضاء کے افعال کے ساتھ متعین کیا جائے۔ کیمیاوی طور پر خون کے اجزاء کے ساتھ توازن کیا جائے یا جسم کے ٹشوز (بافتوں) کے نشوونما اور اثرات کے تحت اندازے لگانے چاہئیں تاکہ ہر شخص اپنی کمی کو سمجھے اور ضرورت کے مطابق متوازن غذا استعمال کر سکے۔ اس کو یہ سبق یاد کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ روز کتنا گوشت ہو کس قدر چربی، مکھن ہو یا کتنے اندازے کا اناج وشکر ہوں اور ان کے ساتھ کس مقدار میں وٹامن ہو اور نمکیات کا توازن کیا ہو۔ بلکہ ہر انسان کو اس امر کا علم ہونا چاہیئے کہ اس کے اندر غذا ونمکیات اور وٹامن کے کس جزو کی کمی ہے جس کو اس سے اپنی روزانہ کی غذا میں پورا کرنا ہے کیونکہ ہر انسان میں نہ ایک ہی قسم کی کمی ہوتی ہے اور نہ ہی روزانہ ایک ہی قسم کے اجزاء کی ضرورت پیدا ہوتی ہے کیونکہ انسان مختلف جسم وذہن اور ماحول واعمال میں گھرے رہتے ہیں۔ اس لئے ان کے لئے کوئی ایک متوازن غذا کا معیار کرنا نہ صرف غلط ہے بلکہ فطرت کے بنیادی اُصولوں کے خلاف ہے۔

چوتھا اعتراض: یہ ہے کہ ہر قسم کی غذا چاہے وہ حیوانی ہو یا نباتاتی اس میں وٹامن اور نمکیات شامل ہوتے ہیں۔ اس لئے کس قسم کی غذا کھائی جائے جس میں زیادہ سے زیادہ وٹامن اور نمکیات حاصل ہوں اور زندگی وصحت اور طاقت قائم رہے مگر سائنس کی اس متوازن غذا میں کوئی ایسی صورت نہیں پائی جاتی بلکہ اکثر اُلٹ اور نقصان دہ اثر ہوتا ہے۔ مثلاً انڈے اور گاجر میں ہر قسم کے زیادہ سے زیادہ وٹامن ہیں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ انڈا حیوانی غذا ہے اور گاجر نباتی غذا ہے لیکن دونوں میں برابر کے وٹامن اور طاقت پائی جاتی ہے۔ لیکن جب تجربات اور مشاہدات کے معیار پر دیکھا جاتا ہے تو نتیجہ خوفناک حد تک تکلیف دہ ہو جاتا اور نقصان رساں ہوتا ہے۔ مثلاً جب انڈے کو چند روز تک مسلسل استعمال کیا جائے تو چند روز میں بواسیر، پتھری اور دِل میں تیزی پیدا ہو کر خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح جب گاجر چند روز صبح شام کھائی جائے تو نزلہ، ریشہ، پیشاب کی کثرت اور دِل گھٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ بالکل ایک دوسرے کے متضاد علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ دونوں میں ایک ہی قسم اور ایک ہی مقدار کے وٹامن پائے جاتے ہیں مگر افعال واثرات بالکل مختلف ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں میں نمکیات مختلف قسم کے ہیں۔ انڈوں میں کیلشیم ہے اور گاجر میں پوٹاشیم پائی جاتی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صرف وٹامن کی کثرت کوئی مفید شے نہیں اور نہ ہی اس سے صحت قائم رہ سکتی ہے اور نہ ہی امراض کا علاج کیا جاسکتا ہے۔

پانچواں اعتراض: یہ ہے کہ ماڈرن سائنس نے ہر غذا کا تجزیہ کر کے اس کو پروٹین، فیٹس، کاربوہائیڈریٹ، نمکیات، پانی اور وٹامن میں تقسیم کر دیا ہے پھر ان کے افعال واثرات کو بیان کیا ہے مگر اس نے اس امر پر غور نہیں کیا کہ مجموعی طور پر غذا کے جو اثرات وافعال اور خواص ہیں وہ اس کے انفرادی اجزاء میں نہیں پائے جاتے جیسے دودھ کے جو افعال واثرات اور خواص ہیں وہ مکھن وپنیر اور دودھ کی کھانڈ و دودھ کے نمکیات میں نہیں پائے جاتے یا اس طرح سمجھ لیں کہ ہر غذا میں کاربن، ہائیڈروجن، آکسیجن، نائٹروجن اور گندھک ہیں۔ لیکن ہر ایک کے افعال واثرات اور خواص ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اور مجموعی طور پر کسی غذا میں بالکل جدا ہیں۔ پھر غذا کے نظریات کو کیسے سمجھا جاسکتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایک عام انسان کے لئے کسی ایک غذا کے افعال واثرات اور خواص کا سمجھ لینا آسان ہے یا اس کے مختلف اجزاء کو الگ الگ سمجھ کر غلط قسم کے تاثرات اور علامات برداشت کرنا ماڈرن سائنس اغذیہ اور اشیاء کے تجزیہ اور تحلیل میں گرفتار ہو کر حقیقت سے دور ہو گئی ہے اور طب اصل اغذیہ اور اشیاء کے عملی افعال واثرات بیان کر کے ان کی کیفیات اور ان کے بالخاصہ خواص بیان کر دیتی ہے۔ ماڈرن سائنس صدیوں میں بھی طب کے یہ کمالات اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتی۔ یہی طب کے علم وفن کا کمال ہے۔

چھٹا اعتراض: یہ ہے کہ فیٹس (چربی) کو غذا کا اہم جزو تسلیم کیا گیا ہے کہ جسم انسان کے لئے نہایت ضروری شے ہے۔ یہ نہ صرف اپنی انفرادی حیثیت رکھتی ہے بلکہ ہمارے تمام اعضائے جسم اور خون کا حصہ ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہماری غذا اور اس تمام وٹامن کا دو تہائی حصہ صرف چربی میں حل ہوتا ہے۔ اس کی جسم میں انفرادی حیثیت یہ ہے کہ ضرورت کے وقت جسم و اعضاء اور خون کو غذا پہنچائے اور جسم میں جہاں بھی تری (Lubrication) کی ضرورت ہو وہاں پر یہ اپنا کام انجام دے اور جسم میں تقویت کا باعث بنے۔ یہ حقیقت ہے کہ جسم انسان اور حیوان میں چربی کی پیدائش کو اچھی صحت کا تسلیم کیا گیا ہے۔

ان حقائق کے باوجود چربی و گھی اور حیوانی روغن کے استعمال کو غذا میں منع کیا جاتا ہے اور اس کی بجائے بناسپتی گھی (ویجی ٹیبل آئل) کے استعمال کی تاکید کی گئی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نباتات جزو جسم ہرگز نہیں ہوتیں جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں۔ دوسرے نباتاتی غذائیں حیوانی غذاؤں سے بے حد کم درجہ رکھتی ہیں اور جسم میں جزو بنے بغیر نکل جاتی ہیں تو پھر بناسپتی گھی کیسے انسانی جسم کا جزو بن سکتا ہے۔ اس کی انفرادی حیثیت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ان حقائق سے ثابت ہوا کہ بناسپتی گھی جسم میں کسی طرح مفید نہیں ہے بلکہ بے حد مضر اثرات پیدا کرتا ہے۔

ساتواں اعتراض: یہ ہے کہ جس طرح وٹامن کی کمی کو جسم میں نقصان کا باعث تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی طرح ان کی زیادتی کو بھی خطرناک تسلیم کیا گیا ہے، لیکن ان کی کمی بیشی کا اندازہ کہیں بیان نہیں کیا گیا۔ بازاروں میں جو وٹامن فروخت ہوتے ہیں ان میں جو معلومات درج ہیں، ان کی قوت میں زیادتی یا زیادہ سے زیادہ کسی جراثیمی مرض کے لئے مفید لکھا ہے۔ کسی عضو کے افعال کے ساتھ تعلق پیدا نہیں کیا گیا۔

آٹھواں اعتراض: یہ ہے کہ اب یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ جسم میں کسی ایک وٹامن کی کمی سے کوئی مرض پیدا نہیں ہوتا بلکہ کسی گروپ کی کمی یا خرابی سے مرض پیدا ہوتا ہے۔ جیسے بیری بیری اور پائیوریا وغیرہ، لیکن ان گروپوں کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا۔ عوام تو کیا ماہر غذا بھی ان کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ صرف وٹامن بی کمپلیکس کا ذکر ہے۔ صرف بی وٹامن کے مرکبات تک محدود ہے۔ بعض تجارتی اداروں نے مختلف وٹامن کے مرکبات تیار کئے ہیں لیکن ان کا حفظ صحت اور مفید خون و اعضاء سے کوئی تعلق ظاہر نہیں کیا گیا بلکہ چند مخصوص امراض کے علاج تک محدود کر دیا گیا ہے۔ اس لئے وٹامن کے مرکبات کا مسئلہ بھی تشنہ کام ہے۔

نواں اعتراض: یہ ہے کہ جسم انسان مختلف اعضاء اور کیفیات کا مجموعہ ہے۔ ان کے لئے اغذیہ بھی مختلف اقسام کی دینا پڑتی ہیں۔ اگر ان اغذیہ کا انتخاب صحیح نہ ہو تو بجائے مفید اثرات کے نقصان ہو جاتا ہے۔ متوازن غذا میں ایسا کوئی اصول بیان نہیں کیا گیا کہ فلاں عضو کے لئے فلاں فلاں اجزائے اغذیہ، نمکیات اور وٹامن مفید ہیں۔ اس اصول کے بغیر یقین کے ساتھ کوئی غذا اور شے تجویز نہیں ہو سکتی۔ غذا میں بہت بڑی ناکامی ہے۔

دسواں اعتراض: بعض اغذیہ اور اشیاء ایک دوسرے کی مخالف ہوتی ہیں اور ان کے افعال و اثرات کو ضائع کر دیتی ہیں۔ جیسے پروٹینی اغذیہ کاربوہائیڈریٹ کے اثرات کو ضائع کر دیتی ہیں۔ فیٹی اغذیہ پروٹینی اغذیہ کے اثرات کو روک دیتی ہیں اور کاربوہائیڈریٹ اغذیہ فیٹی کے اثرات کو ختم کر دیتی ہیں۔ جیسے کیلشیم کے نمکیات پوٹاشیم کے نمکیات کو ضائع کر دیتے ہیں۔ سلفر کے نمکیات کیلشیم کے نمکیات کے اثرات کو روک دیتے ہیں اور پوٹاشیم کے نمکیات سلفر کے نمکیات کے اثرات کو ختم کر دیتے ہیں۔ یہی صورت وٹامن کے افعال و اثرات میں بھی پائی جاتی ہے مگر متوازن غذا میں اجزا اغذا و نمکیات اور وٹامن کے سلسلوں میں کہیں بھی ذکر نہیں ہے اور نہ ہی ایسے گروپوں کا کہیں اشارہ تک ہے۔ یہ تو مفرد

صورتیں ہیں لیکن جہاں تک غذا کے کلی اجزاء (پروٹین، فیٹس، کاربوہائیڈریٹ) نمکیات اور وٹامن کا تعلق ہے۔ ان کے مختلف اور متضاد افعال واثرات کا کہیں بیان نہیں کیا گیا۔ اس لئے ایسی غذا کو متوازن کہنا غلط ہے۔

یہ چند اعتراضات وحقائق مع دلائل پیش کر دیئے ہیں جن سے کوئی اہل علم اور صاحب فن انکار نہیں کرسکتا۔ جس کو کسی بات کی سمجھ نہ آئی ہو وہ ہم سے دریافت کر سکتے ہیں۔ ان اعتراضات اور حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کے اصول اغذیہ نہ صرف غلط ہیں بلکہ غیر متوازن ہیں۔

فرنگی سائنس کی مہر

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ سچائی کبھی نہیں بدلتی۔ سچائی ہر مقام پر سچائی ہی ہے، سچائی حقیقت کا اظہار ہے۔ سائنس مشاہدات اور تجربات کے بعد ان پر سچائی کی مہر ثبت کرتی ہے۔ لیکن اس کے معنٰی یہ نہیں ہیں کہ فرنگی دور کی سائنس جس سچائی اور حقیقت کو نہ پرکھے اور اس پر اپنی مہر ثبت نہ کرے وہ سائنس نہیں ہے یا جو مشاہدات اور تجربات ابھی تکمیل کی راہ میں ہیں اور کمال واختتام تک نہیں پہنچے، ان کو سائنس کی سچائی کا نام دے دیا جائے۔ سائنس کی گزشتہ صد سالہ تاریخ کو اٹھا کر دیکھا جا سکتا ہے کہ سائنس کے ہزاروں مسائل اب تک تشنہ تکمیل ہیں۔

یاد رکھیں کہ سائنس کی ذاتی حیثیت جدا ہے جو ایک علم ہے اور سائنسی مسائل اپنی ایک الگ حیثیت رکھتے ہیں، جن میں ہر روز تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھنا چاہئے۔ ہر سائنسی مسئلہ جو زیر تکمیل ہے سائنس نہیں ہے۔ اس وقت سائنس کے سامنے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مسائل ہیں جو مشاہدات وتجربات کی راہ میں زیر تکمیل ہیں۔ اہل سائنس اور صاحب فن خود ان کی حقیقت اور سچائی سے واقف نہیں ہیں، بلکہ پریشان ہیں۔

جہاں تک انسانی محسوسات ومشاہدات کا تعلق ہے تین صورتیں اس کے سامنے ہوسکتی ہیں۔ **اوّل**: حالات کائنات جن میں آسمان و نجوم اثیر وبرق اور زندگی وتوانائی۔ **دوم**: امور طبیعہ جن میں (۱) ارکان (۲) مزاج (۳) اخلاط (۴) ارواح (۵) قویٰ (۶) اعضاء اور (۷) افعال۔ **سوم**: ستہ ضروریہ جن میں (۱) ہوا (۲) ماکولات ومشروبات (۳) حرکت وسکون جسمانی (۴) حرکت وسکون نفسانی (۵) نیند و بیداری اور (۶) احتباس واستفراغ۔

ان میں سے کون سے ایسے امور اور مسائل ہیں جن کے متعلق فرنگی سائنس دعویٰ کرسکتی ہے کہ وہ ان کو تکمیل تک پہنچا چکی ہے۔ ان میں ایک بھی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کے لئے وہ کہہ سکے کہ وہ اس کی آخری منزل تک پہنچ گئی ہے۔ پھر وہ اپنی سائنس کی مہر ثبت کرنے کو کیوں اہمیت دیتی ہے۔ اس کے برخلاف قدیم سائنسوں میں آیورویدک اور طب قدیم بھی اپنے سائنس ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اور انہوں نے بھی ان امور اور مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ کیا فرنگی سائنس نے ان کو پرکھا ہے یا ان پر تجربات کئے ہیں۔ نہیں! بالکل نہیں! اگر ان کو قدیم اور فرنگی طب کو جدید کہا جائے تو یہ صرف زماں ومکاں کی بحث ہے اس میں سچائی اور حقیقت کے اظہار میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ امور اور مسائل اپنی جگہ قائم ہیں اور سچائی اپنی جگہ حقیقت ہے۔ جو صاحب علم اور اہل فن زماں ومکاں سے واقف ہیں، ان کی نگاہ میں قدیم وجدید کی کوئی بحث نہیں ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ جدید سائنس جس قدر ترقی کرتی جاتی ہے، وہ انہی مسائل کی طرف لوٹ رہی ہے جن کو ہزاروں سال قبل آیورویدک اور طب قدیم بیان کرتی ہیں۔ مثلاً ارکان وعناصر سے لے کر برق وایٹم تک۔ مادہ وزندگی سے لے کر حیوانی ذرہ اور اعضاء تک

اور قوت سے لے کر روح تک۔ یہ سب حقائق قدیم سائنسوں میں نمایاں طور پر بیان ہو چکے ہیں، لیکن فرنگی سائنس ان کی طرف آتے ہوئے گھبراتی ہے اور ان پر مہر تصدیق ثبت نہیں کرتی تاکہ ان کی سائنس کا مقام ختم نہ ہو جائے اور جو لوگ اصل حقیقت اور سچائی سے واقف ہیں وہ فرنگی سائنس کی بے مائیگی اور کم ظرفی سے پورے طور پر آگاہ ہیں اور ان کو قدیم کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

اس سے بھی عجیب بلکہ زبردست بات یہ ہے کہ مختلف مذاہب نے بھی فطرت اور حقیقت پر بحثیں کی ہیں۔ ان سب کو سچائی کہا ہے۔ ان میں جن مسائل کو بیان کیا ہے ان کی دو صورتیں ہیں۔ **اوّل**: زندگی و کائنات اور ان کے تغیرات وہ سب مشاہدات و محسوسات ہیں اور ان کے افعال مقررہ قوانین کے تحت پائے جاتے ہیں جن کو ہم طبیعیات میں شمار کرتے ہیں۔ **دوسرے**: روح و نور اور ان کے تاثرات ہیں۔ ان کے اعمال بھی مقررہ قوانین پر ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کو ہم مابعد طبیعیات کا نام دیتے ہیں۔ کیا فرنگی سائنس نے ان کی سچائی کو تسلیم کر کے ان پر مہر ثبت کی ہے۔ نہیں! ہرگز نہیں!

دُنیا میں جس قدر مذاہب ہیں جن میں بدھ مت، ویدک، اسرائیلیت، اسلام، عیسائیت اور کارل مارکس کی اشتراکیت شامل ہے اگر ان کو بھی ایک مذہب کا نام دیا جائے، فرنگی سائنس نے کسی کو بھی سائنس تسلیم نہیں کیا اور نہ ہی ان پر سائنس ہونے کی مہر ثبت کی ہے۔ اگر فرنگی مفکروں نے مذہب اور سائنس پر کتب لکھی ہیں تو ان کتب میں مذہب کی اہمیت کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

لیکن اسلام اپنے آپ کو مذہب نہیں کہتا۔ وہ اپنی تعلیم کو دین کا نام دیتا ہے جس کا مقصد انسانی کردار و فعل اور جہد و سعی کے لئے جزاء و سزا مقرر کرنا ہے۔ گویا انسان کی ہر حرکت اپنا ایک نتیجہ رکھتی ہے اور اس کا ذہن پیدائش سے موت تک ہر فعل و کردار پر حاوی ہے۔ وہ صرف زندگی کو بیان نہیں کرتا بلکہ زندگی کی روح سے لے کر کائنات تک کو بیان کرتا ہے۔ گویا طبیعیات سے لے کر مابعد طبیعیات تک بیان کرتا ہے۔

قرآن حکیم جو تعلیم و حکمت کو پیش کرتا ہے، اس نے دو قسم کی آیات بیان کی ہیں۔ **اوّل**: محکمات جو محسوسات و مشاہدات اور روزانہ زندگی کے تجربات ہیں۔ جن میں اخلاق و عادات، تدبیر منزل، مدن و سیاست اور معاشرت و معاشیات تک سب کچھ بیان کر دیا ہے۔ ان میں زمین اور زمین کے اندر کے تمام خزانوں اور ان کی حکمت کا ذکر کیا ہے۔ **دوم**: متشابہات جو ہمارے ادراکات ہیں جن کو ذہن نشین کرنے کے لئے تشبیہات اور دلائل سے بیان کیا ہے، ان میں قوت و روح اور نفس و زندگی کے حقائق کے ساتھ آسمان اور نجوم کا تعلق بیان کیا ہے اور اس کو ذہن نشین کرانے میں ان کے ہر پہلو کو بیان کیا ہے۔ مثلاً آسمان کیا ہے، کس شے کا بنا ہوا ہے، اس میں کیا ہے، اس کے افعال کیا ہیں۔ اس کا زندگی اور کائنات کے ساتھ کیا تعلق ہے، بلکہ یہاں تک تشبیہ دے دی ہے کہ جو کچھ نفس میں ہے وہی آفاق میں ہے اور اتنا کچھ بیان کیا ہے کہ فرنگی سائنس صدیوں تک ان کا کھوج لگاتی رہے تو ان پر عبور حاصل نہ کر سکے مگر فرنگی سائنس کی مہر اس پر بھی ثبت نہیں ہے۔ اس لئے جن مسلمانوں کے ذہن پر فرنگی سائنس کا غلبہ ہے وہ اعلانیہ کہتے ہیں کہ چودہ سو سال پہلے کا اسلام موجودہ سائنس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، یا اسلام کو مذہب خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سائنس جدا شے ہے اور مذہب الگ چیز ہے۔ ان کو آپس میں ملانا اسلام کے خلاف ہے۔ اس طرح قرآن حکیم کی تعلیم و حکمت کو ختم کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صراط مستقیم کی ہدایت بخشے۔

یاد رکھیں! جو علم و سائنس قرآن حکیم و حکمت کے مطابق نہیں ہے وہ غلط اور نامکمل ہے۔

علاج میں غذا کی اہمیت

فرنگی طب (ڈاکٹری) نے اطباء اور عوام کے ذہنوں پر جہاں یہ اثر ڈالا ہے کہ فرنگی ادویات ہر مرض کے لئے سالہا سال کی سائنسی تحقیق اور تدقیقات ریسرچ اور انلسس (Analysis) کے بعد بنائی گئی ہیں اس لئے ہر مرض کی ہر حالت میں مفید ہیں وہاں پر یہ غلط صورت بھی پیدا کر دی ہے کہ مریض کے لئے کسی خاص قسم کی غذائی تخصیص نہیں ہے۔ گویا دوا اپنے اندر پورے کے پورے شفائی اثرات رکھتی ہے، مگر جب ادویات استعمال کی جاتی ہیں تو نتیجہ صفر کے برابر نکلتا ہے۔ البتہ مخدر اور منشی ادویات اور ان کے ٹیکے مریضوں کو بے ہوش ضرور کر دیتے ہیں یا میٹھی نیند سلا دیتے ہیں۔ اکثر ہمیشہ کے لئے ہی سلا دیتے ہیں ورنہ جہاں تک مریض کے علاج کا تعلق ہے فرنگی طب بالکل ناکام ہے۔

لیکن اس تقلید کا کیا کیا جائے جو ہمارے حکماء اور اطباء نے نہیں بلکہ عطار اور عطائی قسم کے معالج کر رہے ہیں۔ جن کا مقصد سستی شہرت، ناجائز دولت کمانا اور ملک وفن کے ساتھ غداری ہے۔ ایسے لوگ طب یونانی کا صحیح اور مکمل علم نہیں رکھتے۔ انہوں نے فرنگی طب کی نہ سند حاصل کی ہے اور نہ باقاعدہ تعلیم کا موقعہ ملا ہے لیکن علاج کے لئے شب و روز فرنگی ادویات استعمال کرتے ہیں۔ انجکشن لگاتے ہیں اور عوام پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ ڈاکٹر اور حکیم دونوں سے اچھے ہیں۔ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ وہ انگریزی ادویات کو دیسی ادویات سے ملا کر ان کا نقصان دور کر دیتے ہیں اور یونانی دوا کی طاقت تیز کر دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سب سے زیادہ یہ لوگ عوام اور مریضوں کے نقصان کے ساتھ ساتھ فن طب اور یونانی ادویات کے لئے بدنامی کا باعث بنے ہیں۔ مجھے ایک دو نہیں سینکڑوں ایسے عطائیوں اور عطاروں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے، جو فن طب تو رہا ایک طرف، کسی معمولی مرض کی ماہیت اور بادیان جیسی روزمرہ استعمال کی دوا کے خواص تک نہیں جانتے اور باتیں کرتے ہیں پنسلین، سلفا ڈرگ اور اینٹی بائیوٹک ادویات کی۔ ان کو نہ نضج کا پتہ ہے نہ اسہال کی ضرورت کا، نہ پسینہ اور ادرار کے اوقات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ان کی بلا جانے مسہل وملین میں کیا فرق ہے۔ ان کے لئے اتنا ہی کافی ہے فلاں دوا پاخانہ لاتی ہے، فلاں شے سے پیشاب آ جاتا ہے اور فلاں شے دینے سے پسینہ آ جاتا ہے یا زیادہ دل کو طاقت دینے کے لئے چند دوائیں ذہن میں حاضر ہیں مگر (ڈیجی ٹیلس)، سپرٹ ایمونیا اروبیٹک اور ایڈرنالین کا فرق نہیں جانتے لیکن وہ کامیاب معالج کہلاتے ہیں اور امراض کے علاج میں بڑھ چڑھ کر شفا کے دعوے کرتے ہیں اور جب وقت آتا ہے تو بغلیں جھانکتے ہیں۔

فرنگی طب کی اندھی تقلید نے ملک میں ایسا گروہ پیدا کر دیا ہے جو نہ حکیم ہے او ر نہ طبیب مگر فن طب کے لئے بے حد بدنامی کا باعث بنا ہوا ہے ایسا گروہ کبھی ہومیو پیتھک ادویات کا سہارا لیتا ہے اور کبھی طب یونانی کی سندات خریدتا ہے اور اپنی دوا فروشی جاری رکھتا ہے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جنہوں نے مسئلہ غذا کی اہمیت کو ختم کر دیا ہے۔ اوّل تو اس قسم کے معالج خواص الاغذیہ ضرورت اغذیہ اور طریق استعمال اغذیہ سے واقف نہیں ہوتے۔ دوسرے فرنگی طب کی تقلید میں ہر غذا کھانے کی اجازت دیتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ غذا ثقیل نہیں ہونی چاہئے۔ شوربا پھلکا اچھی غذا ہے۔ ہاں کھچڑی بھی کھا سکتے ہیں۔ اگر دل کرتا ہے تو دودھ پی لیں، چائے بھی نقصان نہیں دے گی۔ خیر پھل کا تو کوئی نقصان نہیں ہے۔ البتہ مٹھائی بہت کم کھائیں۔ ہاں بادی چیز اور کھٹا و تیل کے نزدیک نہ جائیں۔ اگر برف کا شوق کرتے ہیں تو ذرا استعمال کر لیں، وغیرہ وغیرہ۔

ان معالج حضرات سے کوئی پوچھے کہ ثقیل اور لطیف غذا کا کیا فرق ہے۔ کون کون سی اغذیہ ثقیل ہیں اور کون کون سی زود ہضم

وغیرہ۔ ایک ہی مریض کو گرم اغذیہ بھی اور سرد اغذیہ بھی، روٹی بھی چاول، برف اور پھل بھی اور چائے بھی۔ آخر غذا شے کیا ہے؟ تندرست اور مریض کی غذا میں کچھ نہ کچھ تو فرق ہونا چاہئے۔ اگر مریض کوئی فرق نہیں کرنا چاہتا تو پھر وہ مریض نہیں ہے۔ اگر معالج فرق نہیں جانتا تو معالج نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اچھے اور برے معالج کا اندازہ غذا اور پرہیز بتانے پر چل جاتا ہے۔ جو معالج روزانہ استعمال کی اشیاء مثلاً نمک، مرچ، ہلدی، گرم مصالحہ، گوشت، سبزیاں، دالیں، غلے، دودھ، چائے اور ان سے بنی ہوئی اشیاء، پھل، میوہ جات اور پان، تمباکو وغیرہ وغیرہ کے اثرات سے پوری طرح آگاہ نہیں ہے وہ علاج میں ان کو کیسے استعمال کر سکتا ہے۔ اگر اتفاقاً ایک اچھی دوا بھی تجویز کر دی تو غذا کی خرابی سے بجائے آرام ہونے کے مریض کو نقصان ہو جانے کا اندیشہ غالب ہے۔

غذا کے متعلق جاننا چاہئے کہ مریض کے لئے نہ کوئی لطیف غذا اور زود ہضم غذا ہے اور نہ کوئی ثقیل اور دیر ہضم نہ کوئی غذا مقوی ہے اور نہ غیر مقوی۔ اسی طرح نہ کوئی غذا مولد خون اور نہ ہی پیدائش خون کو روکنے والی ہے بلکہ اصل غذا وہ ہے جس کی مریض کے جسم کو ضرورت ہے۔ وہی غذا اس کے لئے زود ہضم و مقوی اور مولد خون ہو گی۔ ضرورت غذا پر مریض کے اعضاء کے افعال کی خرابی اور خون کے کیمیاوی نقص سے پتہ چلتا ہے۔ اگر مریض کے لئے صحیح غذا تجویز کر دی جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ مریض کو بغیر دوا آرام ہو جائے گا۔ جسم انسان پر پچاس فیصدی غذا کا اثر ہے۔ دوا کا اثر صرف پچیس فیصدی ہے اور پچیس فیصدی مریض کے ماحول کو درست اور مزاج کو مطمئن رکھنا ہے تاکہ قوت مدبرہ بدن بیدار رہے اور مریض کی طبیعت صحت کی طرف دوڑتی رہے۔

مریض کی غذا تجویز کرنے کے لئے ہمیشہ تین باتوں کا خیال رکھنا ہے؛ (۱) خمیر غذا (۲) ضرورت غذا اور (۳) مناسب غذا۔

خمیر غذا کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مریض کے شکم میں جو غذا موجود ہے اس میں خمیر پیدا ہو چکا ہے۔ اکثر یہی خمیر فساد خون تک پہنچ چکا ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات زہر کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً ہم روزانہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ آج کا تازہ دودھ کل باسی ہو جاتا ہے۔ دوسرے روز اس میں کھٹاس پیدا ہو جاتا ہے۔ تیسرے روز اس میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے۔ چوتھے روز اس میں کیڑے ظاہر ہو جاتے ہیں اور پانچویں روز وہ اس قدر خراب ہو جاتے ہیں گویا زہر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بس تقریباً یہی حالت پیٹ کے اندر غذا میں خمیر ہونے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں جب تک پیٹ کا خمیر ختم نہ ہو علاج میں صحت کی کیا اُمید ہو سکتی ہے اور ادویہ و اغذیہ کیسے مفید ہو سکتی ہیں۔ اگر غذا دی گئی تو اس کا نتیجہ ایسا ہو گا جیسے متعفن دودھ میں عمدہ دودھ ملا کر اس کو ضائع کر دیا جائے اور پھر اس سے اچھے اثرات کی اُمید رکھی جائے۔ اسی طرح خمیرہ آٹا کے ساتھ جب بھی دوسرا آٹا ملا کر گوندھا جائے گا یقیناً وہ بھی خمیر ہو جائے گا۔ جب تک خمیر کو ختم نہیں کیا جائے گا۔ بالکل یہی صورت پیٹ میں غذا کھانے کے بعد پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح اس خمیر میں نہ صرف ہر قسم کی غذا خراب ہو جاتی ہے بلکہ ادویات بھی ضائع ہو جاتی ہیں۔ مریض گھبرا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ علاج اور ادویات سے اس کو نقصان اور خطرہ پیدا ہوا ہے اور معالج حیران ہوتا ہے کہ ایسی اکسیر تریاق اور بے خطا و یقینی مجرب نسخہ استعمال کرنے سے ایسے خطرناک حالات کیوں پیدا ہو گئے ہیں۔ یقیناً نسخہ مفید نہیں ہے بلکہ اس میں یہ خرابیاں ہیں لیکن اصل بات سے وہ واقف نہیں ہوتا کہ مریض کے پیٹ میں جو خمیر تھا اس میں تیزی پیدا ہو گئی ہے جس سے یہ خطرات پیدا ہو گئے ہیں۔

اسی خمیر سے پیٹ میں تیزابیت پیدا ہوتی ہے جس کو ایسڈیٹی کہتے ہیں۔ یہی جب خون میں شامل ہوتی ہے تو مختلف مقامات خصوصاً گردوں اور غشائے مخاطی پر اثر انداز ہو کر بہت سے خوفناک امراض پیدا کرتی ہے۔ بہرحال خمیر میں جوں جوں شدت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے، خون میں زہر پیدا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے علاج، غذا اور دوا استعمال کرنے سے قبل خمیر غذا کو ختم کر لینا نہایت ضروری ہے۔

ضرورت غذا

ضرورت غذا میں مریض کو غذا کھانے کی صحیح خواہش ہے جس کی بہترین علامت بھوک ہے۔ گویا بھوک کے بغیر غذا کھانے کی صحیح خواہش نہیں ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کھانے کا وقت ہے اور کھانے کی خواہش پیدا ہوگئی ہے یا کھانے کی شکل دیکھی ہے۔ اس کی رنگ برنگی صورت وخوشبو اور انواع واقسام دیکھ کر دل میں شوق لذت پیدا ہوگیا یا ڈیوٹی پر جاتے ہوئے خیال آیا کہ کھانا کھالیا جائے۔ پھر گرم گرم کھانا نہیں ملے گا یا کسی دوست اور عزیز نے مجبور کر دیا اور بغیر ضرورت کے کھانا کھالیا، وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام حالات میں ضرورت غذا نہیں تھی۔ ضرورت غذا صحیح خواہش غذا ہے جس کو بھوک کہتے ہیں۔ بھوک بالکل وہی صورت ہے جو روزہ کھولنے سے تھوڑی دیر پہلے محسوس ہوتی ہے جس کی علامات یہ ہیں؛ بدن گرم ہو جاتا ہے خاص طور پر چہرہ کان کی لو تک گرم ہو جاتا ہے۔ دل میں مسرت وفرحت اور لذت کا احساس ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جب بھوک میں جسم ٹھنڈا ہو جائے یا دِل ڈوبنا شروع ہو جائے تو یہ بھوک نہیں ہے بلکہ مرض ہے۔ اس کا علاج ہونا چاہئے اس کا فوری علاج شہد پینا یا شہد کا شربت پینا، ہلکی چائے پینا یا کوئی حسب خواہش پھل کھالینا ہے۔ غذا خصوصاً نشاستہ دار غذا کے قریب تک نہیں جانا چاہئے ایسا کرنا گویا خطرناک امراض کو دعوت دینا ہے۔

سال میں ایک مہینہ بھر بھوک کے احساس کی تربیت دی جاتی ہے مگر عید کے دوسرے روز ہم بالکل بھوک کا خیال تک بھول جاتے ہیں۔ روزوں میں مہینہ بھر کے ثواب کا تصور تو رکھتے ہیں، لیکن ایک مہینہ میں جو ہم کو تقریباً سولہ گھنٹے کی بھوک اور پیاس کا حقیقی تجربہ ہوتا ہے اس کو یقیناً بھلا دیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقت بے وقت اور جگہ بے جگہ کھا پی کر امراض مول لے لیتے ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہم خود ہی قوانین فطرت کی مخالفت کرتے ہیں اور بغیر ضرورت کھاتے ہیں اور جب قوانین فطرت کی بغاوت کے بعد بیماری کی شکل میں ہم کو سزا ملتی ہے تو روتے ہیں، واویلا کرتے ہیں اور پریشان ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کی توندیں بڑھ گئی ہیں، کیا یہ یقین کیا جاسکتا ہے ایسے لوگ غذا ضرورت کے مطابق کھاتے ہیں؟ کیا یہ لوگ مریض نہیں ہیں؟ خداوند کریم لالچ کی بھوک سے محفوظ رکھے۔

استعمال غذا

غذا کے استعمال میں کسی خاص علم کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ فرنگی طب نے اپنے تجارتی مقصد کے تحت چکر چلا دیا ہے کہ غذا میں اتنی پروٹین (اجزاء لحمیہ) اس قدر کاربوہائیڈریٹ (اجزاء ونشاستہ) اس مقدار میں فیٹس (روغنی اجزاء) ہوں اور اس میں حیاتین کا ہونا ضروری ہے، جس کے لئے خاص طور پر کچی سبزیاں کھائی جائیں وغیرہ وغیرہ۔ جب ایک آدمی اس میں پھنس جاتا ہے کہ بازار میں وٹامن اور دیگر اغذیہ کی گولیاں بھی فروخت ہو رہی ہیں۔ میں نے اس کے بارے میں ایک الگ مضمون لکھا ہے۔ امریکہ والوں سے آلو کے سلسلہ میں بحث چل نکلی تھی۔ خداوند کریم کی مہربانی سے ان کا منہ بند کر دیا ہے۔ ان کو چیلنج کیا ہے کہ تمام امریکہ میں کوئی بھی غذا کے سلسلہ میں انتہائی قابل ہو مقابلہ پر لایا جائے ہم تسلی وتشفی کے لئے تیار ہیں۔

غذا کے استعمال میں صرف یہ باتیں یاد رکھیں۔ (۱) شدید بھوک ہو، جس کی علامات لکھ دی ہیں اور اس کا ایک جذبہ یہ بھی ظاہر ہو کہ وہ کتنا ہی کھا جائے گا۔ ذرا جس چیز کو دِل چاہے کھائے، یعنی ذائقہ اور کیفیت (گرم وسرد، تر وخشک) اگر غذا حسب ذائقہ اور کیفیت ہو تو

بہتر ہے ورنہ غذا میں مقوی اور قیمتی غذا کا تصور ضروری نہیں ہے۔ (۲) غذا ہمیشہ اس وقت کھائی جائے جب زیادہ کھانے کا تصور ہو مگر خوب کھانے کے بعد کچھ حصہ بھوک باقی ہو تو غذا کو چھوڑ دیں تاکہ غذا پیٹ میں پھول کر تمام معدہ کو قابو میں نہ کر لے اور معدہ اپنی حرکات کو چھوڑ بیٹھے اور غذا معدہ میں کچی رہ جائے یا قے اور اسہال کی صورت پیدا ہو کر ہیضہ نہ ہو جائے۔ گویا غذا زیادہ سے زیادہ کھانے کے بعد کچھ حصہ بھوک کا ابھی باقی ہو تو غذا سے ہاتھ کھینچ لینا چاہئے۔ ہمیشہ یہ خیال رکھیں تھوڑا کھانا گناہ ہے اور پیٹ بھر کے کھانا بھی عذاب ہے۔ غذا کھانے کی صورت، ان کے درمیان ہونی چاہئے۔ البتہ یہ معالج کا کام ہے کہ وہ بتلائے کہ کسی مرض میں کیا غذا ہونی چاہئے چونکہ جگر کے لئے غذا الگ ہونی چاہئے اور دماغ کی ضروریات جدا ہیں۔ اسی طرح دل کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ الگ ہیں۔ غرض ہر معالج کا فرض ہے کہ اعضاء رئیسہ کی مناسبت سے مریض کے لئے غذا تجویز کرے تاکہ غذا بھی دوا کے لئے معاون بن جائے۔

غذائی علاج میں فاقہ کی اہمیت

غذائی علاج کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ انسانی اور حیوانی جسم میں خون صرف غذا ہی سے پیدا ہوتا ہے اور دُنیا کی کوئی دوا اور زہر ہرگز ہرگز خون یا کوئی اور خلط نہیں بن سکتا۔ دُنیا کا ہر طریق علاج بلکہ ماڈرن میڈیکل سائنس بھی اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ خون صرف غذائی اجزاء سے پیدا ہوتا ہے۔ دوا اور زہر صرف جسم کے اعضاء میں تحریک و تسکین اور تحلیل کا باعث ہوتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ غذائی علاج کی بنیاد فاقہ پر رکھی جاتی ہے کیونکہ جب تک بھوک بیدار نہ ہو اس وقت تک غذائی علاج اثر انداز نہیں ہوتا۔ بھوک بیدار کرنے کے لئے ہی غذا کو اس وقت تک روک دیا جاتا ہے یا اس قدر لطیف اغذیہ کا استعمال کرایا جاتا ہے جو انتہائی زود ہضم ہوں یا ایسی غذا کا استعمال کرایا جاتا ہے جس میں اغذیہ کے ساتھ ادویہ بھی شریک ہوں جن کو دوائے غذائی یا غذائے دوائی کہتے ہیں۔ ان میں فرق یہ ہے کہ دوائے غذائی میں دوا زیادہ غذا کم ہوتی ہے اور غذائے دوائی میں غذا زیادہ ہوتی ہے۔ ان صورتوں اور تدابیر سے مقصد شدید قسم کی بھوک کا پیدا کرنا ہے۔ شدید بھوک پیدا ہونا اعادہ شباب کا بھی راز ہے۔

روزہ ایک مذہبی عبادت اور بھرت ہے جو تقریباً ہر مذہب میں کسی نہ کسی رنگ میں پایا جاتا ہے۔ اس کی خوبیوں کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس کی حقیقت سے واقف ہیں۔ اس کو فاقہ کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ ایک مقصد کا حصول ہے۔ یہ روزہ ہی کا کمال ہے کہ اس سے انسان کی خوابیدہ جسمانی اور روحانی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔ اسلامی روزہ بارہ، چودہ اور سولہ اٹھارہ (یورپ) گھنٹے کا ہوتا ہے۔ اس میں خوبی یہ بھی ہے کہ جب تک کھائی ہوئی غذا پوری طرح ہضم ہو کر خون نہ بن جائے اس وقت تک روزہ نہیں کھولا جاتا اور اسی طرح ایک ماہ مسلسل عمل کیا جاتا ہے جس سے نہ صرف جسم کا تمام میل ڈھل جاتا ہے بلکہ طاقتور خون پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے بے شمار امراض دور ہو کر جوانی و قوت اور حسن کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ سچ کہا گیا ہے کہ الصوم قائم شباب۔

فاقہ سے جب بھوک لگتی ہے تو مندرجہ ذیل تین صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

① فاسد رطوبات و گندے مادے اور خمیر و تعفن ختم ہو جاتے ہیں۔
② اعضائے رئیسہ و جسم اور روح و ذہن کی قوتیں بیدار ہوتی ہیں۔
③ صفرا کی پیدائش ہو کر حرارت غریزی کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

اگر انسان روزانہ بارہ، چودہ اور سولہ اور اٹھارہ گھنٹے تک غذا کو نہ روک سکے تو کم از کم شدید بھوک تک انتظار ضروری ہے۔

یادرکھیں کہ تندرست انسان میں صحیح بھوک چھ گھنٹوں سے پہلے نہیں لگ سکتی۔ اگر لگ جائے تو کم از کم چھ گھنٹوں تک نہیں کھانا چاہئے۔ یہی صحت وقوت اور جوانی کا راز ہے اور یہی فاقہ کی برکتیں اور غذائی علاج میں اس کی حقیقت ہے۔

ناخالص اغذیہ اور بے انتہا گرانی

صحت اور غذا کا چولی دامن کا ساتھ ہے لیکن صحت کے لئے نہ صرف خالص غذا کی ضرورت ہے بلکہ عوام کی دسترس سے بعید بھی نہ ہونی چاہئے مگر آج کل غذا کا مسئلہ اس قدر اہم ہوگیا ہے کہ عوام سے لے کر امراء تک اس کے حل کرنے کے لئے بے حد بے چین ہیں اور جہاں تک غرباء کا تعلق ہے اس کا اکثر طبقہ فقراء اور بھکاری کی شکل میں تبدیل ہوتا جارہا ہے یا خرابی اور تنگی غذا کی وجہ سے انتہائی خراب صحت کا شکار ہو رہا ہے۔ اسی صورت میں ایک طرف ملک میں بے اطمینانی، قوم میں کمزوری اور دوسری طرف عوام میں جرم کی زیادتی کے ساتھ ساتھ بغاوت کے عناصر کو تقویت ملتی ہے۔

جہاں تک تجارت کا تعلق ہے کوئی شک نہیں کہ وہ ملک میں حکومت کے اثر سے بالکل آزاد ہونی چاہئے اور قوم کا ہر فرد اپنی طاقت اور ضرورت کے مطابق جائز طور پر اپنا کاروبار کر سکے مگر حکومت کے فرائض میں یہ امر ضرور شامل ہوتا ہے کہ کم از کم ایسی تجارت جس پر عوام کی ضروریات زندگی کا بہت حد تک انحصار ہے اس کی کڑی نگرانی کرے مثلاً اہم غذائی اشیاء معمولی قسم کا کپڑا اور اہم قسم کی ضروریات زندگی وغیرہ۔ اگر حکومت کو یورپ وامریکہ کی طرح ملک وقوم کا معیار زندگی بلند کرنے کا خیال ہے تو اس خیال میں شاید کامیابی کبھی نہ ہو بلکہ بے حد برائیوں کے شکار ہونے کے خدشات زیادہ ہیں، کیونکہ یورپ اور امریکہ بلکہ وہ تمام ممالک جنہوں نے معیار زندگی بلند کرنے کی کوشش کی ہے، وہ تمام کے تمام اخلاقی برائیوں میں گرفتار ہوگئے ہیں۔ ان لوگوں کو پھر ان برائیوں کو دور کرنے کے ذرائع سوچنے پڑتے ہیں۔

بیکار طبقہ

اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ملک میں ہمیشہ ایک طبقہ ایسا بھی ضرور پایا جاتا ہے جو ملازمت اور کاروبار سے نکما اور بیکار رہتا ہے لیکن ان کو بھی اپنی ضروریات زندگی پوری کرنی ہیں۔ جو لوگ ملازم اور باروزگار ہیں ان کی آمدنیاں تو ضرور ایک مقررہ معیار کے مطابق چل رہی ہوتی ہیں لیکن جو لوگ نکمے اور بیکار ہیں وہ مجبور ہیں کہ ذیل کی دو حالتوں میں سے کسی ایک میں پھنس جائیں:

① اگر کمزور دِل ہیں تو بھکاری اور فقیر بن جاتے ہیں جس کے ساتھ ہی وہ اپنے ضمیر اور قومی وقار کو ختم کر دیتے ہیں۔

② اگر وہ مضبوط دِل ہیں تو جرم اور بغاوت پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔

ایسے لوگ اپنی قوم اور حکومت کو اپنا دُشمن خیال کرتے ہیں۔ اسی لئے یورپ اور امریکہ اور دیگر ایسے ممالک میں حکومتوں کی طرف سے ٹریڈ یونینیں بنا کر ایسے انتظام کرنے پڑے ہیں کہ نکمے اور بیکار لوگوں کو بھی اس وقت تک تنخواہیں دی جائیں جب تک ان لوگوں کو نکما اور بیکار رہنا پڑے، مگر پھر بھی ایسے لوگ ملک اور قوم کے معیار زندگی پر پورا نہ اُترنے کی صورت میں عجیب وغریب قسم کی بداخلاقیاں کرتے ہیں۔

یورپ اور امریکہ کے اخلاق کا صحیح نقشہ ان کے اخبار ورسائل اور فلمیں ہیں جن میں ان ممالک کی تہذیب وتمدن اور معیار زندگی

کا پتہ چلتا ہے، لیکن جہاں تک اخلاق کا تعلق ہے وہ صرف عبادت تک محدود ہے یا اس کا معیار مقرر کر دیا گیا ہے لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے اس میں بالکل فقدان ہے اور اس کے مقابلے میں جرم اور بغاوت کے عناصر غالب ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ ممالک اگر متحد ہیں تو وہاں پر جرم نہ ہونے کے برابر ہوتے اور پولیس کا عملہ بہت ہی کم ہوتا مگر اس کے برعکس وہاں پر ایسے جرم اور بغاوتی تحریکیں عمل میں آتی ہیں کہ ان کو معلوم کر کے ہم لوگ ششدر رہ جاتے ہیں۔

باوجود اس امر کے یہ حقیقت ہے کہ یورپ اور امریکہ کی حکومتیں اپنے فرائض کو مشرقی ممالک سے نہ صرف زیادہ سمجھتی ہیں، بلکہ ان پر عمل بھی کرتی ہیں، یعنی ہر حکومت کے فرائض میں یہ داخل ہے کہ وہ عوام کی (۱) غذا (۲) کپڑا (۳) رہائش (۴) ملازمت (۵) تعلیم اور (۶) طبی ضروریات کو پورا کرے۔ مغربی ممالک پوری کوشش سے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر پھر بھی وہ اپنے عوام کو معیار زندگی پر قائم نہیں کر سکے اور مشرقی ممالک میں جہاں ان فرائض کا پورے طور پر تصور بھی نہیں کیا گیا، ان ممالک میں معیار زندگی کا بلند کرنا جوئے شیر لانے کے برابر ہیں۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ مشرقی ممالک میں تعلیم کی اوسط نہ ہونے کے برابر ہے اور جو کچھ ہے بھی اس میں زیادہ تر وہ تعلیم ہے جو ہمارے ملک اور قوم کے کلچر سے بالکل ہی مختلف ہے یہ ایسا تصادم ہے کہ اس کا علاج بھی حکومت کے پاس نہیں ہے۔

معیار زندگی

ان حقائق کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ معیار زندگی بڑھانا اور بات ہے اور نکمے اور بے کار عوام کی ضروریات زندگی کو پورا کرنا اور شے ہے۔ معیار زندگی اشیاء کو گراں اور عوام کی دسترس سے دور کر دینے سے نہیں بڑھا کرتا بلکہ اپنے ملک اور قوم کے کلچر کی تعلیم کو زیادہ سے زیادہ عوام تک پہنچانے سے ہوا کرتا ہے۔ ہمارے ملک اور قوم میں تعلیم اور کلچر کا یہ حال ہے کہ ہم میں دونوں چیزیں یورپ اور امریکہ کی پائی جاتی ہے مگر نتیجہ ہم مشرقی ذہن کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں۔

اس وقت ہمارے سامنے حکومت کا اوّلین فرض ہے کہ ملک بھر میں غذا کا مسئلہ حل ہونا چاہئے یعنی عوام بہت آسانی کے ساتھ صحیح قسم کی غذا کو حاصل کر سکیں اور اس کی دسترس سے دور نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں غذا نہ گراں ہو نہ غیر خالص ہو۔ کم از کم بنیادی غذا کے حصول میں یہ خوبیاں ضرور پائی جائیں جن میں خصوصاً گندم، سبزیاں اور روغنیات وغیرہ بالکل بنیادی اشیاء ہیں۔ ان کو کبھی عوام کی دسترس سے دور نہیں رہنا چاہئے۔ دوسرے نمبر پر گوشت اور شکر ہے اور تیسرے نمبر پر چائے، کافی، دیگر مشروبات اور کیک، پیسٹری، بسکٹ، مٹھائیاں اور دیگر مقوی اشیاء کا درجہ ہے، لیکن ملک میں پہلی صورت یہ ہے کہ غلہ دشوار ہے اور سبزیاں اور روغنیات کے بھاؤ آسمان تک پہنچ گئے ہیں۔ جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے خالص دودھ، گھی شہروں میں نایاب ہے۔ دیہاتوں میں وہی لوگ دودھ پیتے ہیں جن کے ہاں اپنی گائے بھینسیں ہیں۔ گوشت اور شکر عوام خرید ہی نہیں سکتے اور تیسری صورت کا ذکر ہی بے سود ہے وہ فقط امرا کے لئے مخصوص ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ گرانی اور خالص اشیاء کے دستیاب نہ ہونے کا سبب کیا ہے؟ کیا اس میں حکومت قصوروار ہے؟ یا کوئی تیسرا ہاتھ کام کر رہا ہے؟

گرانی کی صورتیں

ملک میں گرانی کی اکثر تین صورتیں ہوا کرتی ہیں۔

(۱) **قدرتی قحط**: بارش کی کمی یا وقت پر نہ ہونے سے غذائی اشیاء کی پیدائش ضرورت سے بہت کم ہو۔

(۲) **حادثاتی قحط**: سیلاب، زلزلہ، ذخیروں میں آگ لگ جانا اور جنگ۔

(۳) **مصنوعی قحط**: گراں فروشی کے لئے ذخیرہ اندوزی جسے آج کل بلیک مارکیٹ کہتے ہیں۔ ملک کے سستے ذخیرہ کو غیر ملک میں گراں فروش کرنا جسے آج کل سمگلنگ کہتے ہیں۔

جہاں تک پہلی دو صورتیں ہیں وہ اکثر دُنیا میں پائی جاتی رہی ہیں۔ تاریخ ان پر روشنی ڈالتی ہے۔ لیکن تیسرے قسم کا قحط صرف امریکہ کی پیداوار ہے۔ اس نے دُنیا کو یہ سبق دیا ہے کہ عوام کا معیار بلند کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے اس کی تعلیم ہے کہ شے ہمیشہ گراں فروخت کی جائے اور جب تک کوئی شے گراں قیمت پر نہ بکے مت بیچو۔ دوسرے الفاظ میں مصنوعی قحط پیدا کیا جائے یعنی ذخیرہ اندوزی کی جائے، وغیرہ وغیرہ۔

حکومت قصوروار نہیں

جہاں تک حکومت کا تعلق ہے، وہ بالکل قصوروار نہیں۔ البتہ مارشل لاء حکومت سے پہلے کی تمام حکومتیں قصوروار تھیں اور وہ اس بلیک مارکیٹ اور سمگلنگ میں شریک رہی ہیں۔ یہ حقائق ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ مارشل لاء حکومت نے بلیک مارکیٹ، ذخیرہ اندوزی اور سمگلنگ کی برائی دور کرنے کے لئے انتہائی جدوجہد کی ہے اور کر رہی ہے۔ اس نے مجرموں کو قرار واقعی سزائیں دی ہیں اور روز بروز ان کا حلقہ تنگ کرتی جا رہی ہیں۔ سزا دینے میں کسی کا لحاظ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے لیڈروں، سرمایہ داروں، وزیروں اور افسروں تک کو نہیں چھوڑا، امید ہے کہ بہت جلد یہ وبا ملک سے ختم ہو جائے گی۔

ایک ضروری اقدام

اس سلسلہ میں ایک اہم اقدام کا ذکر کرنا بے حد ضروری ہے۔ وہ غذا پر کنٹرول ہے کیونکہ تجربہ نے بتایا ہے کہ جس شے سے کنٹرول ہٹا دیا گیا وہ قابو سے باہر ہو گئی اور وہ دنوں میں گراں ہو گی۔ اور وہ قابو بھی کی گئی تو اس کا بھاؤ ہمیشہ زیادہ ہی مقرر کیا گیا اور ملک اور قوم کو روز بروز مصیبت میں جکڑتی چلی گئی۔ جس سے نکلنے کی صورت قطعاً نظر نہیں آتی، البتہ کنٹرول میں اتنی تبدیلی ضرور کی جائے کہ دکانوں پر کنٹرول کرنے کے بجائے منڈی پر کنٹرول کیا جائے۔ جیسا کہ جنوری 1960ء کے پرچہ میں ہم نے برتھ کنٹرول کے متعلق لکھا ہے۔ ''برتھ کنٹرول سے مرد پاگل اور عورتوں کو ٹی بی ہو جاتا ہے۔ اس سے بہتر ہے غلہ منڈیوں میں جائے''۔ چونکہ حکومت کو پورا علم ہوتا ہے کہ ملک کے ہر کھیت کی پیداوار کیا ہے۔ اس لئے اگر حکومت چاہے تو وہ تمام پیداوار منڈی میں منگوا لے اور اسے کنٹرول کے اُصولوں پر ملک میں تقسیم کرے اور یہی عملہ بجائے بازار کے منڈی میں تعین کر دے۔ اس سے فوراً ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹ ختم ہو جائے گی۔ اجناس کی گرانی بالکل ختم ہو جائے گی۔ یاد رہے کہ بڑے بڑے زمیندار اپنی دولت کی وجہ سے اپنی اجناس کو منڈی میں بھیجنے پر مجبور نہیں ہوتے، اس مقام پر حکومت کو انتہائی سختی کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ضروریات زندگی کی اجناس نہ صرف ارزاں ہو جائیں گی بلکہ وہ عوام کو خالص بھی ملنے لگیں گی، لیکن جب تک حکومت منڈیوں پر

کنٹرول نہ کرے بازار کا کنٹرول ختم نہ کرے، ورنہ ملک خصوصاً شہروں میں ایک مصیبت سی پیدا ہو جائے گی جس کی تازہ مثال چائے کی قیمتوں کو کنٹرول سے آزاد کرنا ہے۔ ذخیرہ اندوزی اور گراں فروشی واقعی ایک عذاب ہے۔ اس سے معیار زندگی بلند ہونے کی بجائے ملک میں بغاوت اور جرم کے جراثیم ترقی پکڑتے ہیں۔

غذا میں غلہ کے اجناس کے بعد دوسرے درجہ پر روغنیات ہیں۔ ان کی جسم میں ایسی ہی ضرورت ہے جیسے مشینوں میں پٹرول کے بعد موبل آئل کی ضرورت ہے۔ اگر موبل آئل پرزوں کو تر (لبریکیٹ) رکھتا ہے اور رگڑ کھانے اور جلنے سے بچاتا ہے۔ یہی صورت جسم انسان میں روغنیات کی بھی ہے مگر جسم انسان میں ان کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ جسم میں حرارت بھی پیدا کرتے رہیں تاکہ جسم ایک طرف سردی سے محفوظ رہے اور دوسری طرف جسم میں سوزش اور امراض پیدا نہ ہوں۔

روغن دو قسم کے ہوتے ہیں۔ **اول**: نباتی جنہیں ہم تیل کہتے ہیں جیسے سرسوں، زیتون اور بنولہ وغیرہ اور بعض دوسرے میوہ جات سے بھی نکالے جاتے ہیں جیسے روغن ناریل، روغن کنجد، روغن بادام وغیرہ۔ **دوسرے**: حیوانی جو گھی اور چربی کہلاتے ہیں۔ گھی عام طور پر مکھن اور کریم سے تیار ہوتا ہے اور چربی گوشت سے جدا کی جاتی ہے۔ مفید ہونے کی صورت میں میوہ جات کے روغن سبزیوں کے روغنیات سے زیادہ انسانی جسم کے قریب ہیں اور چربی مکھن اور گھی میوہ جات کے روغنیات سے بھی انسانی جسم کے زیادہ قریب ہیں۔ ان کے زیادہ قریب ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ جلد اور زیادہ سے زیادہ جزو بدن بن جاتے ہیں۔ اس حیثیت سے اعضاء اور خون کے لئے بے حد مقوی اور مفید ہیں۔ **ایک عام انسان بھی خوب جانتا ہے کہ تیل کے کھانے سے جہاں گلے میں خراش نزلہ زکام ہو جاتا ہے وہاں پر گھی کے کھانے سے انسان ان امراض سے محفوظ رہتا ہے۔** سوائے چند مخصوص علاقوں اور اغذیہ کے جہاں پر تیل فطرتاً مفید ہے یعنی ایسے علاقے جہاں پر رطوبت زیادہ ہوتی ہے یا سال بھر تک خوب سردی رہتی ہے وہاں پر گھی اور مکھن کی بجائے تیل زیادہ مفید ہے۔ رطوبتی علاقے اکثر سمندر کے کنارے ہوتے ہیں یا ایسے علاقے جہاں بہت کثرت سے ہوتی ہے۔ ایسے علاقے اکثر پہاڑوں کی وادیاں یا پہاڑ ہوتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ گرم علاقوں میں ہمیشہ مکھن اور گھی مفید ہوتے ہیں اور تیل اکثر تکلیف کا باعث ہوتے ہیں اور مختلف اقسام کے خوفناک امراض پیدا کرتے ہیں۔

بناسپتی گھی

دراصل گھی نہیں ہے اور نہ ہی حیوانی روغن ہے بلکہ نباتی تیلوں کو مصنوعی اور بناوٹی طور پر گھی کی شکل دے دی گئی ہے۔ یہ عام طور پر کسی تیل کے ساتھ سوڈا کاسٹک یا کوئی دیگر قوی الکائن (کھار) ملا کر تیار کیا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے صابن بنایا جاتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ صابن کا قوام سخت ہوتا ہے اور بناسپتی کا قوام نرم مثل گھی کے رکھا جاتا ہے۔ دراصل ہر بناسپتی گھی نرم قسم کا صابن ہے۔

افعال واثرات بناسپتی:

بناسپتی گھی افعال واثرات کے لحاظ سے نہ تو مکھن اور گھی کے اثرات رکھتا ہے کہ اس میں حیوانی اثرات خصوصاً حیوانی گندھک کا کوئی اثر نہیں ہوتا جو صحت کے قیام اور جسمانی سوزش کو دور کرنے کے لئے از حد ضروری ہے بالکل اس قسم کے اثرات جو شہد میں پائے جاتے ہیں جس کے لئے قرآن حکیم نے فرمایا ہے: ﴿ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ ﴾ ''اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے''۔ اور نہ ہی اس میں تیلوں کے تیزابات کا اثر اور نہ گندھک کے افعال باقی رہتے ہیں۔ گویا جو طاقت خالص تیل میں ہوتی ہے، بناسپتی گھی میں بالکل ختم ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ اس

میں الکلی (کھار) کی زیادتی کی وجہ سے انتہائی اعصابی سوزش پیدا ہو جاتی ہے جس سے جسم میں رطوبات کی زیادتی، نزلہ اور بلغم کی پیدائش، پیشاب کی کثرت کے ساتھ ساتھ پیشاب میں شکر کا بڑھ جانا۔ جب پیشاب کی رطوبات اور بلغم میں زیادتی پیدا ہو جائے تو حرارت کم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف اس میں گندھک کی مقدار بالکل نہیں پائی جاتی جو صحت انسانی کے لئے ضروری حرارت پیدا کرتی ہے۔ نتیجہ میں اس کے کھانے والے کی صحت خراب ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

تجربہ اور نقصان

جن لوگوں نے بناسپتی گھی کبھی نہیں کھایا جب وہ کھانا شروع کرتے ہیں چاہے وہ سالن کی شکل ہو چاہے مٹھائی کی صورت تو اوّل اوّل منہ میں پانی آنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر جب جلد گلے میں جلن اور منہ میں گرمی محسوس ہوتی ہے۔ تھوڑے دِنوں کے بعد نزلہ اور گلے میں ریشہ گرنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر سینہ اور معدہ میں ہلکی ہلکی جلن شروع ہو جاتی ہے۔ مریض معالج کے چکر شروع کر دیتا ہے مگر مرض گھٹتا نہیں بلکہ روز روز بڑھتا ہے۔ اس کے بعد پیشاب میں زیادتی، نفخ، شکم، البتہ پاخانے میں قبض بہت کم ہوتا ہے۔ نتیجہ ضعف جگر و گردے اور دِل ڈوبنا شروع ہو جاتا ہے۔ آخر مریض کی موت (ہارٹ فیل) سے ہو جاتی ہے۔ سب سے بڑی خرابی بناسپتی گھی کے استعمال سے یہ شروع ہوتی ہے کہ مردوں میں منی کی پیدائش میں خرابی، جریان اور ضعف باہ شروع ہو جاتا ہے اور اکثر پیدائش اولاد کی طاقت نطفہ میں نہیں رہتی اور عورتوں میں بہت جلد ماہواری میں خرابی اور خون میں کمی کے ساتھ ساتھ سیلان کی شدت پیدا ہوتی ہے۔ اوّل تو ایسے میاں بیوی کی اولاد نہیں ہوتی یا بہت کم ہوتی ہے اور جب ہوتی ہے تو اکثر لڑکیاں ہوتی ہیں۔ اس کے نقصانات اس قدر زیادہ ہیں کہ اس پر دلائل کے ساتھ تفصیلی بحث کی ضرورت ہے۔

اقتصادی اور معاشرتی نقصان

بناسپتی گھی کے طبی نقصان کے ساتھ ساتھ بے حد اقتصادی اور معاشرتی نقصان بھی پائے جاتے ہیں۔ اوّل ملک کی دولت کا ایک حصہ بناسپتی گھی تیار کرنے والے سیٹھوں کی تجوریوں میں چلا جاتا ہے۔ دوسرے ملک بھر کا بنولہ اور دیگر بیج جو گائے بھینسوں کے پیٹوں میں جانا چاہئے تھا مشینوں کی شکم پری ہوتی ہے جس سے اصل مکھن گھی کی بجائے بناسپتی گھی تیار ہوتا رہتا ہے۔ تیسرے جب گائے بھینسوں کی مقوی غذا ختم ہو گی تو ان میں افزائش نسل میں قدرتاً کمی واقع ہو جاتی ہے جن کے خراب نتائج دور تک پہنچ جاتے ہیں۔

انتہائی خرابی

سب سے بڑی خرابی بناسپتی گھی میں یہ پیدا ہو گئی ہے کہ وہ اصل گھی کے قائم مقام یا اصل گھی میں ملاوٹ کے ساتھ فروخت کیا جاتا ہے۔ آج کل اس کثرت سے بک رہا ہے کہ بازار میں بالکل خالص گھی نظر نہیں آتا۔ پرلطف بات یہ ہے کہ خالص بناسپتی گھی بھی مشکل سے دستیاب ہوتا ہے۔ البتہ ناخالص گھی جس قدر ضرورت ہو مل سکتا ہے۔ گرانی کا یہ حال ہے کہ اصلی گھی کے نام پر ساڑھے سات روپے سیر بکتا ہے۔ بناسپتی گھی کو اصل گھی بنانے کا نسخہ جو سب سے اچھا خیال کیا جاتا ہے، بناسپتی گھی دودھ میں جوش دے کر دہی کی صورت میں جما لیتے ہیں پھر اس کو ہم وزن بناسپتی گھی ملا کر خالص گھی بنا لیتے ہیں۔ کوئی پہچان نہیں سکتا۔ اس چربی میں گائے، بھینس، سؤر اور اژدھا تک کی چربی شامل کر لی جاتی ہے۔ غرض بناسپتی گھی کا بیوپار آج کل خوب گرم ہے۔ بارہا حکومت کے سامنے یہ مسئلہ پیدا ہوا ہے کہ بناسپتی گھی کو رنگ دیا جائے لیکن سرمایہ دار سیٹھوں کی کوشش سے یہ تجویز بھی ہمیشہ ناکام رہی ہے۔

خالص دودھ

جہاں تک دودھ کا تعلق ہے اس کا بازار سے دستیاب ہونا تقریباً ناممکن ہے۔اس کے برعکس دودھ بچہ اور مریض لازم وملزوم کہے جاسکتے ہیں،لیکن ظالم قسم کے لوگوں نے ناجائز کمائی کی خاطر زیادہ سے زیادہ جس قدر ہو سکا ناخالص دودھ فروخت کرنے کی کوشش کی ہے۔دودھ میں پانی ڈالنا یا پانی میں دودھ ڈالنا تو معمولی بات ہے۔اصل شے تو یہ ہے کہ دودھ سے کریم (بالائی) نکال لی جاتی ہے اور باقی دودھ جس کو انگریزی میں اسپلیٹا کہتے ہیں خالص دودھ کی جگہ فروخت کیا جاتا ہے لیکن یہ کہنا پڑتا ہے کہ دودھ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ مقدار میں چکنائی ہو جو دودھ کے ساتھ بآسانی ہضم ہو جاتی ہے۔یہاں تک کہ بچہ بھی ہضم کر لیتا ہے اور ساتھ ہی اس دودھ کی چکنائی سے دودھ کے پنیر کے نقصانات دور ہو جاتے ہیں۔کریم نکلے دودھ میں جہاں روغنی اجزاء نہیں ہوتے وہاں پر اس کا پنیر بھی پورے طور پر ہضم نہیں ہوتا اور نفخ، تبخیر اور ریاح بنتا ہے جس کے بعد معدہ میں ترشی اور تیزابیت بڑھنے لگتی ہے اور پھر جسم اکثر امراض کا مسکن بن کر رہ جاتا ہے۔

معاشرہ پر سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ مصنوعی اور ناخالص شے بھی اصل اور خالص شے کے بھاؤ بکتی ہے۔گویا نقصان کے ساتھ ساتھ صحت بھی خراب کر لی جاتی ہے۔اگر مصنوعی اور خالص شے کو اس کے صحیح نام سے پیش کر دیا جائے تو خریدار کی مرضی ہے کہ وہ خریدے یا نہ خریدے اور وہ مالی اور جانی نقصان سے بچ جائے۔خاص طور پر مریض شخص تو یقیناً ایسی تکلیف دہ اشیاء سے دور رہیں گے۔

حکومت کا اقدام اور مارشل لاء

حکومت کو اس خرابی کا بھی نہ صرف پورا علم ہے، بلکہ پورا احساس بھی ہے۔حکومت کی گزشتہ سال کی جو کوشش تھی اس کا اثر ایسے معاشرہ کش لوگوں پر کم پڑا ہے اس لئے اس نے مجبور ہو کر ان ظالم ملاوٹی کاروبار کرنے والوں کو ایک بار پھر شدید طور پر متنبہ کیا ہے۔ اعلان میں کہا گیا ہے کہ آئندہ ملاوٹ کرنے والوں سے کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی۔کیونکہ ایسے لوگ معاشرہ کش اور ظالم ہیں ان پر بھی رحم نہیں ہونا چاہئے۔اس لئے مارشل لاء کے ضابطے کے تحت اس جرم کی سزا چودہ سال قید بامشقت رکھی گئی ہے۔

مارشل لاء حکومت کے اس اعلان سے ہمیں بے حد مسرت ہوئی ہے۔اُمید ہے عوام بھی اس اعلان کا خیر مقدم کریں گے۔کیونکہ ملاوٹ کرنے والوں سے ہر شخص دُکھی ہے۔اس لئے ان کے ساتھ کسی کو ہمدردی نہیں ہے۔یہ لوگ دراصل قتل انسانیت کے مجرم ہیں، یقیناً ان کو زیادہ سے زیادہ سزائیں ملنی چاہئیں۔

سزا

جہاں تک سزا کا تعلق ہے وہ صرف بازار کے اس دکان دار کو نہیں ملنی چاہئے جو ملاوٹی اغذیہ فروخت کرتا ہے بلکہ اس کے ساتھ اس مرکز کو بھی قابو میں کر لینا چاہئے جہاں سے دکاندار وہ شے لا کر فروخت کر رہا ہے اور مرکز کے مالکوں کو اس دکاندار سے دس گنا زیادہ سزا دینے کی ضرورت ہے تاکہ آئندہ ان کو اور اسی طرح کے دیگر مرکزوں کو عبرت ہو۔جب تک ایسے ملاوٹی مرکز اور انسانیت کش ادارے ختم نہیں کر دیئے جائیں گے، یہ گرانی اور ناخالص اشیاء کی فروخت ختم نہیں ہو سکے گی۔اس سلسلہ میں عوام کا بھی فرض ہے کہ جہاں پر ملاوٹی اشیاء کا مرکز یا فروخت دیکھیں فوراً اس کی اطلاع حکومت کو پہنچائیں تاکہ جلد سے جلد یہ لعنت ختم کر دی جائے۔

صابر ملتانی

غذائی علاج کے اُصول

① علاج کے متعلق اہم بات یہ ہے کہ علاج غذا سے کیا جائے یا دوا یا پھر کسی اور تدبیر کو مدنظر رکھا جائے۔ اس وقت تک علاج ممکن ہے جب تک خون کے اجزا چاہے وہ اخلاط کو مدنظر رکھ کر مکمل کئے جائیں یا سائنس کے نظریہ کے مطابق جسم کے عناصر نہ صرف پورے ہوں گے بلکہ درست صورت میں ہوں۔ کیونکہ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ علاج صرف خون سے ہوتا ہے اور خون غذا سے بنتا ہے جبکہ دوا اور دیگر اشیاء تو صرف خون میں کیفیات پیدا کر کے نکل جاتی ہیں۔

② خون پیدا کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ خون میں جو خلط یا عنصر کم ہو اس کو پورا کرنے کے لئے انہی اغذیہ کا استعمال کیا جائے جن میں وہ خلط اور عنصر پایا جائے اور صحت کے لئے بھی یہی طریقہ علاج ہے، بلکہ جوانی اور طاقت کے لیے بھی یہی طریق کامیاب ہے۔

③ خون پیدا کرنے کے لئے اغذیہ استعمال کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ پہلے پیٹ کا خمیر ختم کر لیا جائے۔ کیونکہ خمیر کا خاصہ ہے کہ جب وہ کسی غذا سے ملتا ہے اس کا خمیرہ کر دیتا ہے۔ اس طرح غذا بجائے خون بننے کے ضائع ہو جاتی ہے۔

④ خمیر ختم کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ بھوک پیدا کی جائے بلکہ شدید بھوک پیدا کر دی جائے۔ اور شدید بھوک کی حالت میں تین صورتیں پیدا ہوتی ہیں:

- معدہ غذا کو ہضم کرنے کے لئے نہ صرف خالی ہوتا ہے بلکہ آئندہ ہضم کے لئے تیار ہوتا ہے۔
- شدید بھوک میں غدد جاذبہ جسم کی فضول رطوبات کو جذب اور صاف کر کے پھر خون میں شامل کر دیتی ہیں۔
- شدید بھوک میں جگر، صفراء اور حرارت پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے جس سے خون گرم ہو کر تمام جسم گرم ہو جاتا ہے، کھانے کی لذت کا احساس ہوتا ہے۔ بس یہی خمیر کے ختم ہونے کی علامت ہے۔

⑤ شدید بھوک پیدا کرنے کے لئے مریض کو تاکید کریں کہ غذا وقت پر اور شدید بھوک پر کھائے، یعنی جب غذا کا مقررہ وقت ہو جائے تو اس وقت شدید بھوک کا ہونا ضروری ہے۔ اگر بھوک نہ ہو تو آئندہ وقت پر چھوڑ دیں۔ اگر تھوڑی بھوک ہو تو اس کو پھل، چائے، شہد کا شربت یا سکنجبین دے سکتے ہیں۔ یہ اس کی تسلی کے لئے بہت کافی ہے۔

⑥ تندرست انسان میں کم از کم چھ گھنٹے وقت ہونا چاہئے۔ لیکن مریض کے لئے وقت بڑھایا جا سکتا ہے اور شدید بھوک بہترین وقت ہے، لیکن اگر چھ گھنٹے سے پہلے شدید بھوک لگے تو سمجھ لیں کہ مریض میں کمزوری کا احساس ہو رہا ہے۔ ایسے مریض کی غذا میں مکھن اور گھی کا اضافہ کریں اور غذا کے وقت زیادہ سے زیادہ غذا دیں۔ یاد رکھیں کہ معدہ میں غذا تین گھنٹے میں مکمل طور پر ہضم ہوتی ہے۔ پھر چھوٹی

آنتوں میں ہضم کے لئے چار گھنٹے لیتی ہے۔ اس کے بعد بڑی آنتوں میں غذا ہضم ہونے کے لئے پورے پانچ گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ اس طرح تندرست انسان میں مکمل بارہ گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ مگر مریضوں میں زیادہ وقت خرچ ہو جاتا ہے، بعض وقت مریضوں میں کئی کئی دِنوں تک معدہ اور آنتوں میں متعفن اور خمیر بن کر پڑی رہتی ہے۔ اس لئے تعفن اور خمیر کا ختم کرنا نہایت ضروری ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ روزہ کم از کم بارہ گھنٹے کا ہوتا ہے۔ بعض وقت چودہ اور سولہ گھنٹے کا بھی ہوتا ہے تاکہ جب تک غذا ہضم ہو کر خون نہ بن جائے روزہ نہیں کھولنا چاہئے یہی روزہ کی خوبی کا اسرار اور راز ہے اس لئے جب روزہ نہ ہو تو روزہ کے نصف وقت غذا لینی چاہئے جو کم از کم چھ سات گھنٹے بنتے ہیں جو غذا کے لئے ضروری وقفہ ہے۔

⑦ شدید بھوک پر جسم ہلکا و گرم ہو کر اس میں لذت و مسرت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ نہ دِل گھٹتا ہے اور نہ ہی بے چینی ہوتی ہے۔ جب پیٹ بوجھل ہو، اس میں ریاح اور رطوبت اور بے چینی ہو غذا نہیں کھانی چاہئے۔ ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے کہ پیٹ میں درد ہو رہا ہے اور پیٹ پھولا ہوا ہے مگر وہ غذا کھا رہے ہیں ایسا کرنا دانتوں سے قبر بنانا ہے۔ یاد رکھیں جب تک تکلیف رفع نہ ہو غذا نہ دیں، البتہ اگر کمزوری کا شدید احساس ہو تو قہوہ، پھلوں کا جوس اور رقیق شوربا دے سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ ضرورت کے مطابق سبزیوں کا شوربہ، انڈوں کی سفیدی، میٹھی یا نمکین، سکنجبین، شہد کا شربت، انڈوں کی سفیدی اور شہد، صرف ہلکا نمکین پانی بھی دے سکتے ہیں۔ قہوہ میں لیموں نچوڑ کر دینا بھی بے حد مقوی شے ہے۔

⑧ غذا ہمیشہ تازہ ہونا چاہئے بلکہ اس میں اس کی تازگی کی خوشبو ہونی چاہئے اس کو قرآن حکیم نے طیب غذا کہا ہے۔ جس غذا میں بو یا ہیک ہو ایسی غذائیں ہرگز نہیں کھانا چاہئیں۔ کیونکہ یہ پیٹ میں جا کر فوراً خمیر یا زہر میں تبدیل ہو کر باعث مرض اور نقصان دہ ہوتی ہیں۔

⑨ غذا طیب (خوشبودار) ہونے کے ساتھ حلال بھی ہونی چاہئے۔ یعنی جن اغذیہ کو اسلام نے حلال لکھا ہے جن میں مردہ جانوروں، خون، سؤر کا گوشت، خدا تعالیٰ کے سوا کسی کے نام پر دی گئی غذا یا بغیر تکبیر کے مردہ جانور اور رشوت وغیرہ۔ یہ اغذیہ خون میں فساد و تعفن اور خمیر پیدا کر دیتے ہیں جن کا نتیجہ خوفناک امراض میں ظاہر ہوتا ہے۔

⑩ غذا میں شراب اور دیگر منشیات کا اثر نہیں ہونا چاہئے۔ شراب غذا میں بہت جلد خمیر پیدا کر دیتی ہے جس سے غذا میں تعفن پیدا ہو کر جسم میں فساد اور نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ دیگر منشیات قلب و عضلات کے افعال کو کمزور کر دیتے ہیں جن سے غذا کا ہضم خراب ہو جاتا ہے پھر رفتہ رفتہ جسم میں اس کا زہر پیدا ہوتا ہے۔ جس سے ذہن بگڑ جاتا ہے۔

ترتیب غذا بانظریہ مفرد اعضاء

علاج بالغذا کی حقیقت و ماہیت پر ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ اس میں یقینی کامیابی کے لئے مفرد اعضاء (انسجہ) کی، تشریح و منافع۔ اغذیہ کے افعال و اثرات اور نظریہ مفرد اعضاء کی تفصیل وغیرہ اس انداز میں لکھ دی ہیں کہ ایک پڑھا لکھا سمجھدار شخص اس کو پورے طور پر سمجھ کر فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ اب ذیل میں ہم نے ہر مفرد عضو (نسیج) کے تحت اغذیہ کو اس طرح ترتیب دے دیا ہے کہ ایک نگاہ سے فوراً مخصوص اغذیہ سامنے آ جائیں اور علاج میں زیادہ آسانیاں پیدا ہو جائیں یہ مفرد اغذیہ ہیں اور مرکب اغذیہ ان کے تحت سمجھی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح اغذیہ کیفیاتی درجات اور ان کے محرکات اور ملین مسہل کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے چونکہ تفصیل طوالت کا باعث ہے۔ فی الحال چھوڑ دی

گئی ہے۔

جاننا چاہئے کہ ہر مفرد عضو (نسیج) دو کیفیات رکھتا ہے۔ اس لئے ہر کیفیت کو الگ الگ بیان کر دیا گیا ہے۔ تاکہ یہ مشکل بھی دور ہو جائے چونکہ دورانِ خون کا دور دِل سے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے ہم بھی عضلات سے شروع کرتے ہیں۔ پھر غدی اور آخر میں اعصابی بیان کی ہیں۔ تین مفرد اعضاء (انسجہ) کی چھ صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ ان چھ صورتوں کو جسم کے چھ حصوں کی تقسیم و چھ ذائقوں اور چھ نفسیاتی اثرات سے بھی تطبیق دے سکتے ہیں۔ چونکہ قارورے کے رنگوں کی بھی چھ صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے تشخیص میں بہت آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ غور کرنا شرط ہے۔

غذائے دِل

دِل کی بناوٹ عضلاتی ہے اور اس کا صحیح مزاج اس وقت پیدا ہوتا ہے جب خون کا مزاج گرم تر ہوتا ہے لیکن مرض کی حالت میں کبھی اس کے مزاج تری و سردی اور کبھی خشکی و گرمی پیدا ہو جاتی ہے۔

① عضلاتی اعصابی اغذیہ (سرد خشک)

جب دل کے مزاج کے ساتھ خشکی پیدا ہو جائے تو اس وقت اس کا تعلق اعصاب کے ساتھ ہوتا ہے یہ صورت عضلاتی اعصابی ہوتی ہے۔ کیفیت، خشک سرد اور خلط سودا کی پیدائش بڑھ جاتی ہے اور جب جسم میں اعصابی عضلاتی حالت ہو اور مزاج میں سردی تری ہو تو یہ حالت پیدا کرنا پڑتی ہے جس کے لئے ذیل کی اغذیہ دینا چاہئیں۔

حیوانی اغذیہ: بھینس کا گوشت، مچھلی، سری پائے، دہی، زیادہ ترش لسی۔

میوہ جات: بناریل، مونگ پھلی، کھاجا۔

پھل: سیب، جامن، فالسہ، لیچی، مالٹا، رس بھری، آڑو ترش، انناس، بیر، سنگترہ، آلوچہ۔

اناج اور دالیں: مکی، جوار، باجرہ اور لوبیا۔

سبزیاں: آلو، مٹر، گوبھی، بینگن، املی اور ہر ترشی شامل ہے۔

② عضلاتی غدی (خشک گرم)

جب دِل کے مزاج میں خشکی کے ساتھ گرمی ہو جائے تو اس وقت اس کا تعلق جگر کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ صورت عضلاتی غدی ہوتی ہے۔ کیفیت خشک گرم اور مزاج میں صفراء کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے۔ اس حالت کے لئے ذیل کی اغذیہ دینی چاہئیں۔

حیوانی اغذیہ: ہرن کا گوشت، کبوتر کا گوشت اور گائے کا گوشت۔

میوہ جات: پستہ، اخروٹ۔

پھل: کھجور خشک، کشمش، منقی، انجیر، آڑو شیریں۔

سبزیاں: پالک، کریلے، ٹماٹر، کچنار، سرسوں کا ساگ اور پیاز۔

غذائے جگر

جگر کی بناوٹ غدی ہے۔قشری نسیج کا بنا ہوا ہے اس کا مزاج گرم خشک ہے اور اس کی تحریک سے غذا کی حالت بڑھ جاتی ہے۔اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔

③ غدی عضلاتی (گرم خشک)

جب جگر کے مزاج میں خشکی کے ساتھ گرمی کی تیزی ہو جاتی ہے تو اس وقت صفراء کی زیادتی ہو جاتی ہے چونکہ عضلات (دِل) کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اس لئے صفراء کی پیدائش کے ساتھ اس کا اخراج بند ہوتا ہے۔یہ صورت غدی عضلاتی کہلاتی ہے۔کیفیت گرم خشک، رنگت میں زردی سرخی پیدا ہو جاتی ہے۔جب جسم میں عضلاتی غدی حالت ہو تو یہ حالت پیدا کی جاتی ہے۔ذیل کی اغذیہ دینا چاہئیں۔

حیواناتی اغذیہ: بکری کا گوشت، مرغی کا گوشت اور انڈے، تیتر کا گوشت۔

میوہ جات: چلغوزہ۔

پھل: آم شیریں، کھجور اور شیریں خوبانی، آلو بالو، شہتوت۔

اناج دالیں: چنے۔

سبزیاں: میتھی کا ساگ، ادرک، سرخ مرچ، لہسن اور پیاز بطور سبزی۔

④ غدی اعصابی (گرم تر)

جب جگر کے مزاج میں گرمی کے ساتھ تری ہو جاتی ہے۔تو اس وقت صفراء کے ساتھ اس میں رقت پیدا ہو جاتی ہے چونکہ اس کا تعلق دماغ سے ہوتا ہے۔اس لئے صفراء کی پیدائش کے ساتھ اس کا اخراج بھی شروع ہو جاتا ہے۔اس صورت کا نام غدی اعصابی ہے۔ کیفیت گرم خشک رنگت میں خالص زردی آ جاتی ہے۔جب جسم میں غدی عضلاتی حالت ہو تو یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے۔اس کے لئے ذیل کی اغذیہ دینا چاہئیں۔

حیواناتی اغذیہ: تیتر، بٹیر، مرغابی کا گوشت۔بطخ کا گوشت اور انڈے بکری کا دودھ۔

میوہ جات: بادام۔

پھل: انگور تازہ شیریں خربوزہ، مٹھا۔

اناج اور دالیں: گیہوں، مونگ۔

سبزیاں: ٹینڈے، بھنڈی۔

غذائے دماغ

دماغ کی بناوٹ اعصابی ہے۔ عصبی نسیج کا بنا ہوا ہے۔ اس کا مزاج تر ہے۔ اس میں تحریک ہونے سے جسم میں رطوبت اور بلغم کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔

⑤ اعصابی غدی (تر گرم)

جب دماغ و اعصاب میں تری کے ساتھ گرمی ہوتی ہے تو جسم میں رطوبت و بلغم کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ چونکہ اس کا تعلق جگر کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے اس میں حرارت شریک ہوتی ہے اور بلغم کا اخراج بند ہوتا ہے۔ اس صورت کا نام اعصابی غدی ہے۔ کیفیت تر گرم۔ رنگت سفیدی زردی مائل ہو جاتی ہے جب جسم میں غدی اعصابی حالت ہو تو اس وقت یہ صورت اور مزاج پیدا کیا جاتا ہے۔ اغذیہ درج ذیل ہیں۔

حیواناتی اغذیہ: گائے کا دودھ، کوئی گوشت نہیں، البتہ ضرورت کے وقت مچھلی دی جا سکتی ہے۔ کوئی میوہ نہیں ہے۔ البتہ مغزیات دیئے جا سکتے ہیں۔

پھل: ناشپاتی، کیلا شیریں، آلو بخارا، امرود زرد رنگ۔

اناج اور دالیں: ماش کی دال، سا گودانہ۔

سبزیاں: مولی، گاجر، کدو، توری، اروی، حلوہ کدو۔

⑥ اعصابی عضلاتی (تر سرد)

جب دماغ و اعصاب میں تری کے ساتھ سردی ہوتی ہے تو جسم میں رطوبات و بلغم کی پیدائش کے بڑھ جانے کے بعد اس کا اخراج بھی شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ دماغ (اعصاب) کا تعلق دِل عضلات کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اس صورت کا نام اعصابی عضلاتی ہے۔ کیفیت سرد تر رنگت سفید سرخی مائل ہوتی ہے۔ جب جسم میں اعصابی غدی حالت ہو تو اس وقت اس صورت اور حالت کو پیدا کرنا پڑتا ہے۔ اغذیہ درج ذیل ہیں۔

حیواناتی اغذیہ: گوشت نہیں۔ البتہ مچھلی اور سری پائے اور دماغ بغیر نمک مرچ دے سکتے ہیں۔ بھینس کا دودھ، گدھی کا دودھ۔ انڈے کی سفیدی۔

میوہ جات: میں مغزیات کا شیرہ دیا جا سکتا ہے۔

اناج اور دالیں: چاول۔

سبزیاں: کھیرا، ککڑی، شلغم، چقندر۔

نوٹ: میرے سامنے جو اغذیہ تھیں ان کا انتخاب کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی رہ گئی ہو تو نظریہ مفرد اعضاء اور مزاج کے تحت یا تعلق اور مشابہت سے استعمال کر سکتے ہیں۔

مرکب غذائیں

مرکب غذائیں انہیں مفرد اغذیہ سے تیار ہوتی ہیں۔ لیکن مرکب کرنے میں اس اصول کو مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ وہ حیوانی اغذیہ ہوں یا پھل و میوہ جات ہوں یا اناج اور دالیں اور سبزیاں ہوں وہ کسی ایک ہی صورت سے لی جائیں یا زیادہ سے زیادہ ایک ہی مفرد عضو کی دونوں صورتوں کو اکٹھا کیا جا سکتا ہے۔ ایک عضوی اغذیہ کو دوسرے عضوی اغذیہ کے ساتھ اکٹھا کرنا درست نہیں ہے۔ اس طرح اغذیہ کی کیفیات اور مزہ بدل جاتے ہیں۔ اس طرح ان کے یقینی فوائد اور خواص سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔

صحت اور مرض دونوں حالتوں میں یہی اصول مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ البتہ غذا کو صبح و دوپہر اور رات میں تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ تینوں اوقات میں ایک ہی مفرد یا مرکب غذا دی جا سکتی ہے یا کسی وقت حیوانی غذا، کسی وقت پھل و میوہ جات اور کسی وقت اناج و دالیں اور سبزیاں دے سکتے ہیں اور یہی بہتر طریقہ ہے۔

غذا کیسے پکائی جائے

جو غذا بھی پکائی جائے خوب گلائی جائے یہاں تک کہ وہ ہاتھ لگانے سے ٹوٹ جائے، یعنی آٹے کی مانند ہو جائے۔ وٹامن کے جل جانے کا خیال رکھنا درست نہیں۔ کیونکہ جو غذا گل کر لطیف نہیں بنتی وہ جسم میں جلد ہضم ہو کر جزو بدن نہیں بنتی۔ دوسرے معدہ و اعضاء اغذیہ کو اسے ہضم کرنے کے لئے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے اور روز روز کی محنت ان کو بیمار اور کمزور کر دیتی ہیں۔ یاد رکھیں جو غذا ہضم نہیں ہوتی وہ خون نہیں بنتی اور خمیر بن کر فساد اور تعفن کا باعث بنتی ہے۔ جہاں تک حیاتین کا تعلق ہے وہ پھلوں اور میوہ جات اور دودھ انڈوں سے بہت زیادہ حاصل ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی غذا کے حیاتین (وٹامن) ضرور حاصل ہی کرنا ہوں تو اس غذا کا جوشاندہ اور خیساندہ تیار کر کے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ تجربات شاہد ہیں۔

لطیف اور کثیف اغذیہ

غذا میں لطافت اور کثافت کا انتخاب بھوک کی شدت کے تحت کرنا چاہئے۔ اگر بھوک میں شدت ہو تو تحریک کے مطابق جیسی اغذیہ مریض یا کسی تندرست شخص کو پسند ہوں لے سکتے ہیں۔ لیکن اگر بھوک بند ہو یا مریض میں سوزش و ورم اور درد بخار وغیرہ ہو تو غذا اتنی لطیف ہو کہ مریض یا تندرست کی بھوک بھڑک اُٹھے۔ جیسے قہوہ، شہد کا نیم گرم شربت، لطیف و رقیق شوربہ، پھل یا پھولوں کے رس، چائے دودھ والی یا چائے مکھن والی یا چائے گھی والی، چنے کا شوربہ، سبزیوں کا شوربہ، گوشت کا شوربہ، انڈوں کا شوربہ، نیم گرم پانی ہلکے نمک کا نیم گرم پانی، مچھلی کا شوربہ، سری پائے کا شوربہ، دال کا شوربہ، میوہ جات کے شیرا جات، حریرہ جات، وغیرہ۔

کھانے میں لذت

جس کھانے میں لذت نہ ہو، اس کو کھانا نہیں چاہئے۔ کیونکہ جو کھانا پسند نہیں ہوتا، طبیعت اس کو ہضم نہیں کرتی۔

تھکن اور کھانا

تھکن کی حالت میں کھانا نہیں چاہئے۔ کیونکہ تھکن کی حالت میں دوران خون باقاعدہ نہیں ہوتا۔ اس وقت بہتر یہی ہے کہ آرام کیا جائے۔ جب دِل بشاش ہو اس وقت کھانا کھانا بہتر ہے۔

علاج بالغذا

① جوغذا ہضم نہیں ہوئی وہ جسم پر بوجھ ہے۔مزید غذا کھا کر اس بوجھ میں اضافہ نہیں کرنا چاہئے۔اس وقت تک ہر قسم کی غذا خصوصاً نباتاتی اغذیہ روک دینا چاہئیں جب تک جسم میں ہلکا پن نہ ہو۔یاد رکھیں جو غذا کھائی جاتی ہے، اگر وہ ہضم ہو جائے تو خون بن جاتی ہے۔اگر ہضم نہ ہو تو خمیر بن جاتی ہے۔اس کا تعفن و تیزابیت اور زہر بوجھ کا باعث مرض بن جاتا ہے۔

② علاج کے دوران میں علامات کو رفع کرنے کی کوشش نہ کریں۔کیونکہ اکثر انہی علامات کے تحت قوت مدبرہ بدن جو صحت کی طرف جا رہی ہوتی ہے اس کی مدد کرنا چاہئے۔جلد شفا حاصل ہوتی ہے۔لیکن اگر علامات شدید ہوں تو ان کا دفع کرنا افضل ہے مگر مسکن عضو کو تحریک دینا ضروری ہے۔

③ علاج کے دوران میں سوزش و درد اور ورم و بخار کی صورت میں ان کو رفع کرنے کی صورت میں مریض کمزور ہو جاتا ہے۔اس طرح مریض کا مقابلہ ختم ہو جاتا ہے۔کیونکہ درد اس امر کی علامت ہے کہ جائے درد میں خون کی کمی ہے اور طبیعت اس کو اس طرف کھینچنے کی کوشش کر رہی ہے۔سوزش و ورم میں خون اس طرف زیادہ جا رہا ہے۔بخار حرارت غریبہ کا نام ہے، جو جسم کی حفاظت کے لئے تعفن اور دورانِ خون کی بے قاعدگی سے پیدا ہوگئی ہے یہ سب خود بخود امراض کی فطری طور پر رفع کرنا، قوت کا بحال رکھنا اور مقابلہ کرنے کی صورتیں ہیں۔جب مرض رفع ہو جائے گا تو یہ سب علامات خود بخود رفع ہو جائیں گی ان کو فوراً ختم کر کے موت کو دعوت نہ دیں۔ فرنگی طب میں یہی سب سے بڑی غلطی ہے۔

④ علاج کے دوران بغیر شدید بھوک اور بغیر صحیح وقت کے غذا نہ دینا چاہئے۔لیکن اگر ضعف پیدا ہو گیا ہے تو بغیر بھوک اور بغیر وقت غذا دینا ضروری ہے۔جب ضعف دور ہو جائے۔پھر غذا کو قابو کر لینا چاہئے لیکن ضعف کی حالت میں بھی مرض سے مناسب اور صحیح غذا دینی چاہئے۔

⑤ تشخیص مرض کے لئے علامات کو اکٹھا کر کے سب کا ایک ہی سبب تلاش کریں پھر مرض کی ماہیت اور حقیقت ذہن نشین کر لیں۔

⑥ علاج بالغذا کی صورت میں ستہ ضروریہ کے ساتھ مریض کے مزاج و عادات اور ماحول بھی ضرور مدنظر رکھنا چاہئے۔اگر ایسا نہ کیا جائے تو مریض کی طبیعت مفید سے مفید غذا کو بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی، بلکہ نفرت کرتی ہے۔

⑦ اگر معدہ اور طبیعت غذا کا بوجھ قبول نہ کریں، محلول غذا تھوڑی تھوڑی مقدار میں دیں۔جیسے شہد کا شربت، پھلوں کا رس، انڈوں کی سفیدی، گوشت یا سبزیوں کا ہلکا شوربا یا صرف نمک کا پانی استعمال کرنا مفید ہوتا ہے۔

⑧ غذائی علاج سے فوراً شفا حاصل ہوتی ہے۔اگر تسلی بخش آرام حاصل نہ ہو تو پھر اپنی تشخیص مرض اور تجویز غذا پر غور کریں۔ممکن ہے کہیں غلطی ہو گئی ہو۔یاد رکھیں کہ بغیر تسلی بخش تشخیص، مرض اور تجویز غذا کے ہرگز علاج شروع نہ کریں۔

⑨ علاج کے لئے اغذیہ پاک وصاف اور خالص و تازہ ہونا چاہئے۔غذا کا باسی پن اس کو خراب کر دیتا ہے۔

⑩ جب تک کوئی مریض علاج کے لئے شدت سے خواہشمند نہ ہو اس وقت تک اس کے لئے تشخیص مرض اور تجویز دوا نہ کریں۔بعض معالج خواہ مخواہ امراء اور روٴسا پر اثر ڈالنے یا تعلقات پیدا کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔اس سے علم و فن طب کو نقصان پہنچتا ہے۔ بلکہ غرباء اور عوام کا علاج بھی ان کے شدید اصرار کے بغیر نہ کریں کیونکہ غیر ضرورت کوئی علاج کا پابند نہیں ہوتا۔جو غیر مفید ہے۔

⑪ حکمت و دانائی، اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ کوئی تجارت اور دکانداری نہیں ہے۔ حکیم کو کبھی لالچ کے تحت علاج نہیں کرنا چاہئے۔ اگر معالج ان زیورات سے آراستہ نہ ہو تو وہ کندہ ناتراش ہے۔ بعض مریض مرنا قبول کر لیتے ہیں مگر ایسے معالج کے پاس تک جانا پسند نہیں کرتے۔

⑫ معالج کے اخلاق اور عادات میں عظمت ہونی چاہئے۔ تقویٰ و توکل، صبر و قناعت اور خدمت و عزت کرنا اس کا زیور ہے۔

⑬ معالج کے اخلاق اور عادات کی عظمت کے ساتھ اس کی صحت بھی اچھی ہونی چاہئے۔ اس کی خراب صحت کا مریض پر اچھا اثر نہیں پڑتا۔

⑭ جب غذا سے مریض صحت کی طرف لوٹ آئے تو ضرورت کے مطابق مفید و مقوی ادویات کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جن سے اعضاء کے افعال میں زیادہ سے زیادہ تقویت پیدا کر کے ان کے خون میں طاقت پیدا کی جا سکتی ہے۔

⑮ یاد رکھیں ادویات خون کے اجزا نہیں ہیں۔ ان سے صرف اعضاء کے افعال میں تیزی و تسکین اور تقویت پیدا کی جاتی ہے۔ مکمل علاج صرف غذا سے ہی ہوتا ہے۔

خواص الاشیاء

حقیقت افعال واثرات اشیاء

ادویہ جوجسم پراثر انداز ہوتی ہیں اور یہ ادویہ بیرونی طور پر استعمال کی جائیں یا اندرونی طور پر کھلائی جائیں یا کسی اور طریق پر داخل کی جائیں اس کا مقصد اس حقیقت کو جاننا ہوتا ہے کہ یہ ادویہ جسم میں اپنا کیا فعل وتغیر اور استحلہ ظاہر کرتی ہیں۔ یا ان کے استعمال سے جسم کے اعضاء کے افعال میں کیا کمی یا بیشی یا ضعف یا طاقت ہوتی ہے۔اس علم وحقیقت کا ایک یہ مقصد بھی ہے کہ ان ادویہ کے اثرات وافعال کسی ایک عضو میں کیا ہیں اور تمام جسم میں کیا تغیر اور استحلہ ظاہر ہوتا ہے۔بس یہی ادویات کے افعال واثرات کا حقیقی مقصد ہے۔

غلط فہمی

اکثر عوام میں اثرات وافعال ادویہ کا یہ مقصد لیا جاتا ہے کہ ان کے خواص وفوائد کیا ہیں یعنی وہ کن امراض وعلامات کے لئے مفید ہیں۔اس لئے اکثر کتب خواص الادویہ میں اسی طرح لکھے ہیں کہ وہ کن کن امراض اور علامات میں مفید ہیں۔ بلکہ بعض عظیم حکماء اور اطباء نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ فلاں دوا فلاں مرض کے لئے بالخاصہ مفید ہے۔اسی طرح بعض ادویہ تو بعض امراض اور علامات کے لئے اکسیر اور تریاق لکھ دیا ہے لیکن یاد رکھیں کہ اثرات وافعال ادویہ کا یہ مقصد نہیں ہے اور یہ طریق غلط ہے بلکہ ان کا مقصد اوّل یہ ہے کہ ان کے استعمال سے جسم اور اعضاء میں کیا کیا اثرات وافعال اور تغیرات ظاہر ہوتے ہیں۔جن کے تحت ایک قابل معالج ان امراض اور علامات کو اعتدال پر لانے کے لئے استعمال کرتا ہے۔البتہ مخصوص علامات اعضاء اور حالات جسم کے لئے بعض ادویات کو ان کا علاج کہا جاسکتا ہے لیکن ہر مفرد یا مرکب دوا کو کسی مرض وعلامات کے لئے مفید لکھنا غلط فہمی ہے کیونکہ ہر مرض وعلامت ہمیشہ کسی ایک ہی خلط اور کیفیت کے تحت نہیں ہوتی بلکہ ہر دوا اپنے کیمیاوی اور مشینی اثرات کے زیر اثر مفید ہوتی ہے۔اس لئے خواص اور علم الادویہ میں ان کے اثرات وافعال اور تغیرات کیمیاوی اور مشینی طور پر حاصل کئے جاتے ہیں۔یہی صحیح علم وفن ادویہ ہے۔

طریق اثرات وافعال ادویہ

جاننا چاہئے کہ اثرات وافعال ادویہ حاصل کرنے کے لئے تین صورتیں ہیں۔ **اوّل**: ادویہ کے وہ اثرات وافعال اور تغیرات جو اعضائے جسم خصوصاً مفرد اعضاء پر ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ دوا کے مشینی (Mechanical) اثرات وافعال اور تغیرات ہیں۔ **دوم**: ادویہ کے اثرات وافعال اور تغیرات جو اخلاط وکیفیت میں پیدا ہو جائیں۔ یہ دوا کے کیمیاوی اثرات افعال اور تغیرات جو اخلاط وکیفیات میں پیدا ہو جائیں۔ یہ دوا کے کیمیاوی اثرات افعال اور تغیرات جو کل جسم پر بیک وقت ظاہر ہوتے ہیں۔ **سوم**: یہ دوا کے طبعی (فزیکل) افعال واثرات اور تغیرات ہیں۔ان تینوں صورتوں سے ہم امراض وعلامات کو دور کرنے کے لئے مفید حالات پیدا کر سکتے ہیں۔ یہ ایسا طریق کار ہے جس سے معالج ہر مفرد اور مرکب دوا پر پورے طور پر دسترس حاصل کر سکتا ہے۔ہم بھی خواص الادویہ کو بالکل انہی صورتوں میں پیش کریں گے۔اس طرح

حاصل کردہ ادویہ کے خواص میں تبدیلی پیدا نہیں ہوسکتی۔اس طرح ہر معالج صحیح طریق پر نسخہ نویسی اور ترتیب ادویہ کے بعد مرکبات اور مجربات تیار کرسکتا ہے۔

اثرات و افعال بالا عضاء

جاننا چاہئے کہ جب کوئی غذا یا دوا یا شے استعمال کی جاتی ہے تو اس کا اثر کسی نہ کسی عضو پر ہوتا ہے۔اس کے بعد وہ جذب ہو کر خون میں شامل ہو جاتی ہے۔ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ غذا و دوا اور شے منہ میں اثر کرنے کے بعد معدہ میں اثر انداز ہوتی ہے لیکن یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ معدہ کو ایک مفرد عضو خیال کیا جاتا ہے۔حقیقت میں معدہ مفرد عضو نہیں ہے بلکہ ایک مرکب عضو ہے اور وہ کئی مفرد اعضاء سے مرکب ہے۔یعنی اس میں اعصاب بھی ہیں۔اس میں عضلات بھی پائے جاتے ہیں اور اس میں غشائے مخاطی اور غدد بھی شامل ہیں۔جب بھی کوئی غذا و دوا اور شے کھائی جاتی ہے تو وہ انہی مفرد اعضاء میں سے کسی ایک پر اثر انداز ہوتی ہے۔تمام مفرد اعضاء پر بیک وقت اثر انداز نہیں ہوتی۔اس کی دلیل یہ ہے کہ جس مفرد عضو پر دوا اثر انداز ہوتی ہے اسی مفرد عضو کی علامات ظاہر ہوتی ہیں۔مثلاً جب کوئی غذا و دوا اور شے اعصاب پر اثر انداز ہوتی ہے تو معدہ اور باقی جسم میں اعصاب کی علامات نمودار ہو جاتی ہیں یعنی فوراً ہی منہ و معدہ اور دیگر اعضاء بلکہ تمام جسم میں رطوبات اور بلغم کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے۔اسی طرح جب وہ عضلات پر اثر انداز ہوتی ہیں تو منہ و معدہ اور باقی جسم میں عضلات کی علامات ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں یعنی فوراً ہی منہ و معدہ اور دیگر اعضاء بلکہ تمام جسم میں حرارت اور سوزش کے اثرات شروع ہو جاتے ہیں۔اس طرح افعال و اثرات کی ابتداء ہوتی ہے۔

جب دوا معدہ سے جذب ہو کر خون میں پہنچتی ہے تو وہ خون کے دوران کے ساتھ ساتھ انہی مفرد اعضاء پر عمل کرتی چلی جاتی ہے۔پھر آخر میں اس کا اثر تمام جسم پر ایک خاص حالت اور علامات کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اور آخر میں انہی مفرد اعضاء کے خاص مخرج سے باہر خارج ہو جاتی ہے۔اس طرح ان کے پورے اثرات افعال اور تغیرات نمودار ہو جاتے ہیں۔

مفرد اعضاء

جاننا چاہئے کہ جسم انسانی اعضاء سے مرکب ہے اور تمام اعضاء مفرد اعضاء سے مرکب ہیں۔مفرد اعضاء میں اعصاب، عضلات، غدود و غشا، ہڈی و کری اور وتر و رباط شامل ہیں۔آج ماڈرن میڈیکل سائنس نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ واقعی یہ سب مفرد اعضاء ہیں۔وہ ان مفرد اعضاء کو ٹشوز (انسجہ) کا نام دیتی ہے اور یہ ٹشوز (انسجہ) سیلز (خلیات) سے مرکب ہیں۔ہر سیل (خلیہ) ایک حیوانی ذرہ ہے اور اس میں زندگی کے تمام لوازمات پائے جاتے ہیں۔ان کی مرکب ساخت و بافت سے انسجہ (ٹشوز) تیار ہوتے ہیں۔

ماڈرن میڈیکل سائنس نے ثابت کیا ہے کہ یہ ٹشوز چار اقسام کے ہوتے ہیں جن میں تین حیاتی ہیں اور وہ اعضائے رئیسہ تیار کرتے ہیں:

① نروس ٹشوز (اعصابی انسجہ) جن کا مرکز دماغ ہے۔

② مسکولر ٹشوز (عضلاتی انسجہ) جن کا مرکز دل ہے۔

③ اپی تھیلیل ٹشوز (غشائی اور غدی انسجہ) جن کا مرکز جگر ہے۔

④ کنکٹو ٹشوز (الحاقی انسجہ) ان سے انسان کا بنیادی ڈھانچہ تیار ہوتا ہے جس میں ہڈی و کری اور رباط وتر اور تمام جسم کی بھرتی تیار ہوتی ہے۔

ہم نے یہ حقیقت ثابت کر دی ہے کہ یہ ٹشوز (انسجہ) اخلاط کے ابتدائی اعضاء کی صورت ہیں۔ان میں اور اخلاط میں کوئی فرق نہیں ہے۔ہر غذا و دوا اور شے کا اثر پہلے انہی پر ہوتا ہے۔پھر اخلاط میں شامل ہو جاتا ہے اور پھر تمام جسم پر ظاہر ہوتا ہے۔

مفرد اعضاء دراصل مجسم اخلاط ہیں

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ مفرد اعضاء کی پیدائش اخلاط کے معاً بعد ترکیب پانے سے ہوتی ہے۔ان میں اور اخلاط میں صرف اسی قدر فرق ہے کہ مفرد اعضاء مجسم ہیں اور اخلاط محلول ہیں۔گویا مفرد اعضاء دراصل مجسم اخلاط ہیں۔طب یونانی اخلاط کو چار تسلیم کرتی ہے اور ہر ایک کی دو کیفیات ہیں۔دو کیفیات کے ماتحت ہے۔گویا اخلاط و مفرد اعضاء ایک ہی کیفیات اور ایک ہی مزاج کے تحت غذا سے پیدا ہوتے اور عمل کرتے ہیں۔

مفرد اعضاء چار ہیں

فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس تسلیم کرتی ہے کہ مفرد اعضاء (ٹشوز) چار اقسام کے ہوتے ہیں اور طب یونانی بھی چار اخلاط تسلیم کرتی ہے اور کیفیات و مزاج بھی چار اقسام کے مفرد اعضاء (ٹشوز) کی پیدائش ہوتی ہے۔اگر چاروں اخلاط فرنگی طب کے صرف ایک (خون) ہی ہوتا تو اس سے چار اقسام کے مفرد اعضاء (ٹشوز) نہ بنتے صرف ایک ہی قسم کے مفرد اعضاء (ٹشوز) پیدا ہوتے ہیں۔فرنگی طب ہمیشہ اپنی تحقیقات سے اپنی غلطیوں کا شکار ہو جاتی ہے۔حقیقت کی تلاش کا اس کے پاس کوئی معیار نہیں ہے۔

دوا کا اثر اور مفرد اعضاء

جب بھی کوئی دوا غذا اور شے کھائی جاتی ہے یا کسی طریق پر جسم انسان میں داخل کی جاتی ہے تو وہ کسی نہ کسی مفرد عضو کو ہی متاثر کرتی ہے۔اس کے بعد اخلاط میں شریک ہوتی ہے۔پھر اس کے اثرات و افعال تمام جسم پر نمایاں ہوتے ہیں۔چونکہ مفرد اعضاء (ٹشوز) چار اقسام کے ہیں جو چار مختلف اخلاط سے پیدا ہوتے ہیں۔ان کے چار مختلف مزاج اور چار کیفیات ہیں۔اس لئے جس مزاج و کیفیت کی دوا ہوتی ہے اسی مفرد عضو کو متاثر کر کے وہی کیمیاوی اثرات اخلاط میں پیدا کر دیتی ہے۔پھر وہی افعال تمام جسم پر نمایاں ہوتے ہیں اور یہی سلسلہ ایک خاص وقت تک قائم رہتا ہے۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ہر دوا غذا اور شے کے بعد جسم پر کسی خاص خلط کا غلبہ اور مزاج و کیفیت کا اثر نمایاں رہتا ہے۔اگر غور سے دیکھا جائے تو یہی اثر کیمیاوی طور پر اخلاط میں پایا جائے گا۔اور یہی افعال کسی ایک مفرد عضو میں سر سے پاؤں تک پائے جائیں گے۔ثابت ہوا کہ چونکہ مفرد اعضاء (ٹشوز) چار ہیں۔اس لئے ہر دوا و غذا اور شے کے اثرات بھی چار ہی اقسام کے ہیں۔البتہ جیسی قوت و شدت کی ضرورت ہوگی اسی قوت و شدت کا اظہار ہوگا لیکن یہ یاد رکھیں کہ ایک وقت میں صرف ایک خلط کا غلبہ ہوگا اور ایک ہی مفرد عضو میں تحریک ہوگی۔البتہ جب تحریک کسی دوسرے مفرد عضو میں بدل جائے یا پیدا کر دی جائے تو اخلاط میں بھی کیمیاوی طور پر اسی قسم کی تبدیلی پیدا ہو جائے اور جسم پر بھی وہی افعال ظاہر ہوتے جائیں گے۔اس طرح مفرد اعضاء کی تحریک اور اخلاط میں تبدیلی کے اثرات و افعال نمایاں طور پر نظر آتے ہیں لیکن یہ کبھی نہیں ہوگا بلکہ دونوں مفرد اعضاء یا دو اخلاط کا بیک وقت اثر ہو یا جسم میں بیک وقت دو مزاج ہوں البتہ دو کیفیات ضرور پائی جاتی ہیں اور یہ بھی یاد رکھیں کہ مزاج و اخلاط اور مفرد اعضاء میں تبدیلی ہمیشہ کیفیات کے ذریعے ہی پیدا ہوا کرتی ہے۔کیونکہ انہی کیفیات کا اثر مزاج و اخلاط اور اعضاء پر یکساں کام کرتا ہے۔

مفرد اعضاء کا پھیلاؤ

مفرد اعضاء (ٹشوز) چاروں ہی سر سے پاؤں تک اس طرح پھیلے ہوئے ہیں کہ ان کی بافتیں وساختیں اور ریشے ایک دوسرے میں مل کر مرکب اعضاء بن گئے ہیں۔ جیسے مختلف اقسام اور رنگوں کے دھاگے مل کر ایک خاص قسم کا کپڑا بنا دیتے ہیں۔ انہی مرکب اعضاء سے جسم انسان بنا ہوا ہے۔ جس کے ہر مقام پر کوئی نہ کوئی مفرد عضو ضرور ہے۔ البتہ کسی حصہ میں کسی ایک مفرد عضو (ٹشوز) کا غلبہ پایا جاتا ہے اور کسی دوسرے حصہ میں کسی دوسرے مفرد عضو کا غلبہ ہوتا ہے۔

یہی صورتحال چاروں مفرد اعضاء کی ہے جہاں جہاں پر ان چاروں مفرد اعضاء کے مرکب ہیں۔ وہاں پر خالص انہی انسجہ (ٹشوز) سے اعضاء بن گئے ہیں جیسے دِل و دماغ اور جگر و طحال وغیرہ البتہ ان کے گرداگرد دیگر مفرد اعضاء (ٹشوز) کے ریشوں کی بافتیں اور ساختیں ضروری پائی جاتی ہیں تاکہ ان کا آپس میں تعلق قائم رہے جن سے ایک دوسرے کے اندر تحریکات و دوران خون اور رطوبات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جیسے کسی مشین کے پرزے ایک دوسرے میں فٹ ہو کر ایک دوسرے کو چلاتے رہتے ہیں اور ان میں تیل و پٹرول اور بجلی کا اثر قائم رہتا ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ تمام جسم کے مرکب اعضاء سر سے لے کر پاؤں تک ان ہی چاروں مفرد اعضاء سے بنے ہوئے ہیں۔ البتہ کسی مقام پر ایک مفرد عضو کا غلبہ ہے تو دوسرے مقام پر دوسرے عضو کا غلبہ ہے۔ جس مقام پر جس مفرد عضو کا غلبہ زیادہ ہے وہاں پر اس کا اثر زیادہ نمایاں ہے۔ مثلاً سر اور اس کے گردونواح میں اعصاب و دماغ کا غلبہ ہے۔ اس لئے وہاں انسجہ اعصابی (نروس ٹشوز) کا غلبہ ہے۔ اسی طرح سینہ میں عضلات و دِل کا غلبہ ہے۔ اس لئے وہاں پر انسجہ عضلاتی (مسکولر ٹشوز) کا غلبہ ہے۔ بالکل اسی طرح جوف شکم میں غدد و جگر کا غلبہ ہے اس لئے وہاں پر انسجہ غشائے مخاطی (اپی تھیلیل ٹشوز) کا غلبہ ہے۔ اس لئے اثرات و افعال ادویہ و اغذیہ اور اشیاء میں مرکب اعضاء کے بجائے مفرد اعضاء کو مدنظر رکھنا ضروری ہے البتہ ان کے بعد مرکب اعضاء اور تمام جسم پر ان کے اثرات و افعال دیکھے جا سکتے ہیں۔

دماغ ونخاع اور اعصاب پر ادویہ کے اثرات

جب ہم کسی دوا و غذا اور زہر و شے کے اثرات و افعال دماغ ونخاع اور اعصاب پر معلوم ومحسوس کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت ہمارے سامنے مکمل دماغ ونخاع نہیں ہونا چاہئے بلکہ صرف وہی حصہ ہونا چاہئے جو عصبی ہے یعنی عصبی مادہ سے بنا ہے اور اسی مادہ کی ڈوریاں دماغ سے نکل کر نخاع کے ذریعے تمام جسم میں پھیل گئی ہیں۔ جن کو ہم اعصاب (نروز) کا نام دیتے ہیں اور مفرد اعضاء کی صورت میں ان کو انسجہ اعصابی کہتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ دماغ ونخاع کے افعال وتحریکات میں ان کے دونوں پردے شریک نہیں ہیں۔ پہلا پردہ غدی ومخاطی ہے جس کا تعلق غدد اور جگر کے ساتھ ہے جو انسجہ مخاطی (اپی تھیلیل ٹشوز) کا بنا ہوا ہے۔ دوسرا پردہ عضلاتی ہے جس کا تعلق دِل کے ساتھ ہے جو انسجہ عضلاتی (مسکولر ٹشوز) کا بنا ہوا ہے۔ کوئی عصبی غذا و دوا اور زہر و شے جب بھی اثر انداز ہوگی تو صرف دماغ ونخاع کے عصبی حصے پر ہوگی۔ اس کے اثر دونوں پردوں پر نہیں ہوں گے یاد رکھیں کہ اعصاب اپنے مرکز دماغ سے لے کر نخاع کے ذریعے تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ سب متاثر ہوتے ہیں۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب نے جہاں دماغ ونخاع پر دوا وغذا اور زہر و شے کے اثرات وافعال بیان کئے ہیں۔ اس نے تمام دماغ ونخاع کو شامل کر لیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ دماغ ونخاع کے اوپر دونوں پردوں کے اعصاب سے کوئی مشابہت نہیں ہے۔ البتہ تعلق ضرور ہے کہ وہ اعصابی تحریکات سے متاثر ضرور ہوتے ہیں۔

طب قدیم کا کمال

طب قدیم جب دماغ واعصاب کا ذکر کرتی ہے تو وہ ان کا مزاج سرد تر بیان کرتی ہے اور اس کی غذا بلغم بیان کرتی ہے اور یہ بھی بیان کرتی ہے کہ ان میں جب تحریک ہوتی ہے تو جسم میں سردی وتری اور بلغم بڑھ جاتی ہے۔ اس طرح وہ دماغ ونخاع کے صرف اس حصے کا ذکر کرتی ہے جو اعصابی مادہ سے بنا ہوا ہے جس کو نروس ٹشوز (انسجۂ اعصابی) کہتے ہیں۔ یہی طب قدیم کا کمال ہے۔

دماغ واعصاب کے افعال

اعصاب مرکز دماغ ہے جو تین اعضائے رئیسہ میں سے ایک ہے اور اعصاب تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لئے جب ہم اعصاب کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں دماغ بھی شریک ہوتا ہے۔ پس جاننا چاہیئے کہ اعصاب پر جو اغذیہ وادویہ اور اشیاء اثر انداز ہوتی ہیں اس کی تین صورتیں ہیں:

① اعصاب میں تحریک پیدا کر کے ان کے افعال میں تیزی پیدا کر دیں۔

② اعصاب میں تسکین پیدا کر کے ان کے افعال میں سستی پیدا کر دیں۔

③ اعصاب پر گرمی کی زیادتی سے ان کے افعال میں ضعف پیدا کر دیں۔

تحریک کی نو صورتیں ہیں: (۱) محرک (۲) لذت (۳) بے چینی (۴) حبس (۵) قبض (۶) خارش (۷) جوش خون (۸) درد اور (۹) سوزش۔ ان کی اور تسکین ضعف وغیرہ اصطلاحات کی تشریح ہم پہلے ہی تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ ان کو پھر پڑھیں اور ذہن نشین کر لیں۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے اعصاب کی دو اقسام بیان کی ہیں۔ قسم اوّل اعصاب حس، قسم دوم اعصاب حرکت۔

یاد رکھیں کہ اعصاب صرف حس کے لئے اعضاء ہیں ان میں حرکت نہیں ہوتی البتہ ان کا تعلق عضلات کے ساتھ ضرور ہوتا ہے جو حرکت کے اعضاء ہیں۔ جب اعصاب میں کوئی حس اثر انداز ہوتی ہے تو ضرورت کے مطابق عضلات میں حرکت پیدا کر دیتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ حرکت کے اعضاء صرف عضلات ہیں جن سے جسم کی حرکات صادر ہوتی ہیں۔ ان میں کھانا پینا، دیکھنا سننا، لکھنا پڑھنا اور چلنا پھرنا وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن احساس کرنا، چکھنا اور سونگھنا وغیرہ اعصاب کی تحریکات ہیں۔ اس لئے دماغ ساکن ہے اور اعصاب کا مرکز ہے اور دل حرکت میں ہے اور عضلات کا مرکز ہے۔ یاد رکھیں کہ حرکت صرف عضلات میں ہوتی ہے۔ اس لئے اعصاب کو حرکتی سمجھنا غلطی ہے۔

ایک اور غلطی

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس اعصاب کے امراض میں دو ہی صورتیں تسلیم کرتی ہیں۔ ایک اعصاب میں تیزی اور دوسرے

اعصاب میں سستی۔ اس لئے جب اعصاب میں تیزی ہوتی ہے تو اس کو سست کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کے لئے وہ مسکن اور مخدر ادویات مثلاً کافور، افیون، بھنگ، لفاح، اجوائن خراسانی، بیش، کوکین، مارفیا، کلورل ہائیڈریٹ اور برومائیڈ وغیرہ استعمال کرتے ہیں اور جب اعصاب میں سستی ہوتی ہے تو ان میں تیزی پیدا کر دیتے ہیں اور اس مقصد کے لئے کچلہ، دار چینی، لونگ اور بالچھڑ و ہینگ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔

جہاں تک اعصاب کی سستی میں تیزی پیدا کرنے کا تعلق ہے۔ یہ تو قابل قبول ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اس مقصد کے لئے ان کے ہاں کوئی فطری قانون نہیں ہے لیکن جہاں تک اعصاب کی تیزی میں سستی پیدا کرنے کا تعلق ہے۔ یہ اصول بالکل غلط ہے اور کسی قانون کے تحت نہیں آتا۔ ہم چیلنج کے ساتھ کہتے ہیں کہ فرنگی طب ماڈرن میڈیکل سائنس اس علاج میں بالکل اندھی ہے اور بالکل عطائیانہ علاج کرتی ہے۔ یہ ان کی بے علمی و جہالت اور غلطی کا اظہار ہے۔

جاننا چاہئے کہ اعصاب میں تیزی ہوتی ہے تو ان میں سوزش کی صورت ہوتی ہے چاہے وہ کسی قدر کم ہو یعنی درد کے بجائے صرف لذت کی زیادتی یا بے چینی یا خارش ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا علاج تسکین و تخدیر نہیں ہے بلکہ اس میں تحلیل پیدا کرنی چاہئے جو ظاہر ہے کہ گرم یا گرم تر یا گرم خشک ادویات سے ہو سکتی ہے اور ہر قسم کے مسکنات اور اکثر مخدرات سرد تر اور سرد خشک ہوتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ سرد ادویہ و اغذیہ سے جسم میں بلغم اور رطوبت پیدا ہوتی ہے۔ ان سے عارضی سکون تو ہو سکتا ہے مگر سوزش میں تحلیل پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس میں سوزش اور درد کا علاج عارضی ہوتا ہے اور دائمی نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ اس علاج میں ناکام ہوتے ہیں۔

طب قدیم کا کمال یہ ہے کہ وہ گرم مزاج کا علاج سردی سے اور سرد مزاج کا علاج سوداوی ادویہ سے کرتی ہے۔ یاد رکھیں کہ تسکین اور تحلیل دو مختلف صورتیں ہیں۔ تسکین ہمیشہ سرد و بلغمی رطوبت پیدا کرنے والی ادویات سے مختلف ہوتی ہے اور ہمیشہ گرم امراض میں پیدا ہوتی ہے اور تحلیل ہمیشہ گرم ادویہ سے ہوتی ہے اور **تحلیل ہی سے ہمیشہ تحریک و درد اور سوزش و ورم بلکہ ہر قسم کے بخار کا علاج کرنا چاہئے۔** ہرگز نہ بھولیں کہ سائنس ہی کا مسئلہ ہے کہ سردی ہر جسم میں سکیڑ پیدا کرتی ہے اور گرمی ہر جسم میں پھیلاؤ پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے **معالج کے سامنے تین صورتیں ہونی چاہئیں، تسکین و تحریک اور تحلیل۔ جن کا عمل اس طرح ہوتا ہے کہ جب اعصاب میں تسکین ہو تو ان میں تحریک پیدا کریں اور جب ان میں تحریک ہو تو ان میں تحلیل پیدا کریں اور جب ان میں تحلیل ہو تو ان میں تسکین پیدا کریں اور یہی صحیح طریق علاج ہے** قدرت نے فطری طور پر ایسی ہی اغذیہ و ادویہ اور اشیاء پیدا کی ہیں اس طرح منٹوں میں علاج ہوتا ہے۔

قلب پر ادویہ کے اثرات

جب ہم کسی دوا و اغذیہ اور زہر و شے کے اثرات و افعال دِل پر محسوس و معلوم اور مشاہدہ و تجربہ کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت ہمارے سامنے صرف دِل کا وہ لوتھڑا ہونا چاہئے جو گوشت کا بنا ہوا ہے۔ وہ عضلاتی انسجہ (مسکولر ٹشوز) سے اس کی بافت و ساخت اور بناوٹ ہوتی ہے۔ یہی عضلات (گوشت) جو تمام جسم کی ہڈیوں پر چڑھے ہوئے ہیں اور انہی سے جسم کی خوبصورتی قائم ہوتی ہے یہ عضلات تمام جسم کے اعضاء کی ساخت میں شریک ہیں۔ جن میں پھیپھڑے اور معدہ خاص طور پر شامل ہیں۔ بعض اعضاء پر اس کے پردے چڑھے ہوئے ہیں جن کو حجاب کہتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ دِل کے افعال و تحریکات میں اس کے دونوں پردے شریک نہیں ہیں۔ **پہلا پردہ غدی مخاطی ہے، جس کا تعلق جگر**

(غدد) کے ساتھ ہے جو انسجہ مخاطی (اپی تھیلیل ٹشوز) کا بنا ہوا ہے جس کا ذکر ہم دماغ و اعصاب کے تحت کر چکے ہیں۔کوئی دوا و غذا اور زہر و شے جب دِل پر اثر انداز ہوگی تو اس کا اثر صرف عضلات پر ہوگا۔مخاطی و عصبی دونوں پردوں میں نہیں ہوگی۔البتہ دِل کی حرکات میں کمی بیشی سے دورانِ خون کا اثر ان پر ضرور ہوتا ہے لیکن وہ اثر دِل کی حرکات میں کمی بیشی سے دوران خون کا اثر ان پر ضرور ہوتا ہے لیکن وہ اثر دِل کے افعال و اثرات سے مختلف ہوتا ہے جو اثر دِل پر ہوتا ہے وہ صرف دِل تک محدود نہیں رہتا بلکہ تمام جسم کے عضلات پر کم و بیش ہوتا ہے۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب نے جہاں دِل پر کسی دوا و غذا اور زہر و شے کے اثرات بیان کئے ہیں، اس نے دِل اور اس کے دونوں پردوں کو بھی شامل کیا ہے بلکہ اس کی کواڑیوں کو بھی شامل کیا ہے جن کی بناوٹ خالص عضلاتی نہیں ہے۔ان پردوں اور کواڑیوں کو دِل کے اپنے فعل میں شریک کرنا غلط ہے کیونکہ دونوں پردے جدا قسم کے انسجہ سے بنے ہوئے ہیں۔

طب قدیم کا کمال

طب قدیم جب دِل کا ذکر بیان کرتی ہے تو اس کو مفرد عضلات ہی میں شریک کرتی ہے اور اس کا مزاج گرم تر بیان کرتی ہے اور یہی عضلات کی صحیح غذا بیان کرتی ہے۔جب دِل (عضلات) میں تحریک ہوتی ہے تو اس کے فعل میں تیزی کے ساتھ ساتھ تمام جسم میں دوران خون کی تیزی ہو جاتی ہے۔اس طرح دِل کے صرف اسی حصہ کا ذکر ہوتا ہے جو انسجہ عضلاتی (مسکولر ٹشوز) کا بنا ہوا ہوتا ہے۔

دِل کے افعال و اثرات

دِل مرکز عضلات ہے جو تین اعضائے رئیسہ میں سے ایک ہے۔یہی عضلات تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں۔اس لئے جب عضلات کا ذکر کرتے ہیں تو ان میں دِل ضرور شریک ہوتا ہے اور دِل کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں عضلات ضرور شریک ہوتے ہیں۔جب کوئی دوا و غذا اور زہر و شے دِل اور عضلات پر اثر انداز ہوگی تو اس کی تین ہی صورتیں ہوں گی۔

۱. تحریک جس سے ان میں تیزی ہوگی۔
۲. تسکین جس سے ان میں سکون ہوگا۔
۳. تحلیل جس سے ان میں ضعف پیدا ہوگا۔

جاننا چاہئے کہ جسم میں ہر قسم کی حرکات صرف عضلات سے عمل میں آتی ہیں۔اگرچہ اس کی ذاتی تحریکات کے علاوہ دماغ و اعصاب کی طرف سے ان کو تحریکات ملتی رہتی ہیں۔بہر حال ہر قسم کی حرکت جسم میں عضلات ہی انجام دیتے ہیں۔جیسے کھانا پینا، دیکھنا سننا، لکھنا پڑھنا، چلنا پھرنا، بلکہ غور و فکر اور یاد کرنا وغیرہ۔نیز ہر قسم کا احساس و ادراک کرنا چکھنا اور سونگھنا وغیرہ اعصاب کی تحریکات ہیں اس لئے دماغ ساکن ہے اور اعصاب کے افعال احساس و ادراک کا مرکز ہیں اور دِل متحرک ہے اور عضلات کی حرکات کا مرکز ہے۔یاد رہے کہ جس طرح دِل کی حرکات کا اثر عضلات پر پڑتا ہے اسی طرح عضلات کی حرکات کا اثر دِل پر بھی پڑتا ہے۔

فرنگی طب کی ایک اور غلطی

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس میں سرے سے عضلاتی امراض کا ذکر ہی نہیں ہے۔عضلاتی امراض کو دُنیا میں پہلی بار ہم پیش کر رہے

ہیں اور ایک قانون و قاعدہ اور نظام کے تحت پیش کر رہے ہیں۔ طب قدیم نے ان کو اخلاط کے تحت بیان کیا ہے۔ جہاں تک امراض قلب کا تعلق ہے فرنگی طب نے اس کی دو صورتیں بیان کی ہیں۔ **اوّل قلب کے فعل میں تیزی جس سے قلب میں انقباض بڑھ جاتا ہے۔ دوسرے قلب کے فعل میں سستی پیدا ہو جاتی ہے جس سے قلب پھیل جاتا ہے** جب قلب کے فعل میں تیزی ہوتی ہے تو اس کو سست کرنے کے لئے مسکن اور مخدر ادویات مثلاً ڈیجی ٹیلس لفاح، بیش اور کافور وغیرہ دیتے ہیں۔ جب قلب کے فعل میں سستی ہوتی ہے تو اس میں تیزی پیدا کرنے کے لئے مقوی اور محرک ادویات مثلاً اسپرٹ امونیا ایرومیٹک، کچلہ وسنکھیا، دارچینی اور دیگر مرکبات دیتے ہیں۔

جہاں تک قلب کے فعل میں سستی کا تعلق ہے اس میں تیزی تو مقویات و محرکات کے ساتھ پیدا کی جاسکتی ہے لیکن اس کے لئے بھی اس کے پاس کوئی قانون اور نظام نہیں ہے۔ پھر بھی قابل قبول ہے لیکن جہاں تک قلب کے فعل میں تیزی کو سست کرنے کا تعلق ہے اس میں مسکنات و مخدرات کا استعمال کرنا غلط ہے۔ یہ کسی قانون اور نظم کے تحت نہیں ہے۔ یہ عطائیانہ طریق علاج ہے۔ اس سے ان کی بے علمی و جہالت اور غلطی کا پتہ چلتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب قلب کے فعل میں تیزی ہوتی ہے تو اس میں انقباض ہوتا ہے۔ انقباض سردی سے ہوتا ہے۔ سائنس کا مسئلہ ہے کہ ہر چیز سردی سے سکڑتی ہے اور گرمی سے پھیلتی ہے۔ پھر ہر انقباض میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے چاہے وہ جس قدر کم کیوں نہ ہو یعنی درد کی بجائے اس میں صرف بے چینی ہو۔ اس کا علاج تسکین و تخدیر سے کرنا غلطی ہے کیونکہ وہ اکثر بارد ہوتی ہے جن سے نہ انقباض کم ہوسکتا ہے اور نہ ہی سوزش ختم ہوسکتی ہے۔ اس انقباض اور سوزش کا علاج تحلیل سے ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ محلل ادویات گرم تر یا گرم خشک ہوتی ہیں جس کا نتیجہ ہارٹ فیل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب میں ہارٹ فیل کے بہت کیس ہوتے ہیں بلکہ ہارٹ فیل ہونا بھی فرنگی طب کی پیدائش ہے۔ قلب کی تیزی اور انقباض کا صحیح علاج ہم سوزش اعصاب میں بیان کر چکے ہیں۔ بالکل اسی اصول پر کیا جائے۔

جہاں تک مقویات و مفرحات کا تعلق ہے یہ صورتیں بھی فرنگی طب میں نہیں پائی جاتیں بلکہ ان کے ہاں ان کا تصور بھی نہیں ہے۔ طب قدیم میں ان مقاصد کے لئے ذیل کی ادویہ استعمال کی جاتی ہیں۔ مروارید، مشک، عنبر، زعفران، جدوار اور بیدمشک وغیرہ اور مرکبات میں خمیرہ جات اور یاقوتیاں قابل ذکر ہیں۔

جگر پر ادویات کے اثرات

اعضائے رئیسہ میں جگر بھی برابر کا شریک ہے لیکن اس کے افعال دِل و دماغ سے زیادہ پیچیدہ ہیں۔ دماغ صرف احساسات و ادراکات اور اعصاب کا مرکز ہے۔ دِل صرف حرکات و دوران خون اور عضلات کا مرکز ہے۔ جگر نہ صرف غذا کو ہضم کر کے اخلاط میں تبدیل کر کے خون بناتا ہے بلکہ صفراء کو خون سے جدا کر کے آنتوں میں گراتا ہے اور مٹھاس کو جسم میں ہضم کراتا ہے۔

جگر ایک غدود ہے اور جسم کے تمام چھوٹے بڑے غدد کا مرکز ہے۔ جس طرح دماغ اعصاب کا مرکز ہے اور دِل عضلات کا مرکز ہے۔ یعنی اس کے افعال اسی کے تحت جسم کے تمام نالی دار غدود کام کرتے ہیں۔ اگرچہ غیر نالی دار غدود بھی اس کے ماتحت ہیں لیکن غیر نالی دار غدود کے افعال نالی دار غدود کے بالکل برعکس ہیں یا ان کے افعال کے بعد مشینی طور پر عمل کرتے ہیں یعنی جب نالی دار غدد اپنی رطوبات کا اخراج کرتے ہیں تو غیر نالی دار غدد ان کو جذب کرتے ہیں۔ سب سے بڑا غیر نالی دار غدہ طحال ہے اس لئے طب قدیم میں اس کو اعضائے رئیسہ کے بعد اعضائے شریفہ میں شمار کیا جاتا ہے اور چوتھی خلط سودا کی اصلاح و تعبیر کا تعلق اس کے ساتھ قائم کر دیا ہے۔

جب ہم کسی دوا و غذا اور زہر کے اثرات و افعال جگر اور غدد پر معلوم محسوس کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت ہمارے سامنے مکمل جگر نہیں ہونا چاہئے بلکہ صرف وہی حصہ ہونا چاہئے جو اس کا غدی حصہ کہلاتا ہے یعنی جو قشری مادہ سے بنا ہوا ہے اور اسی مادہ سے بنے ہوئے غدد تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جن کو ہم غشاء کا نام بھی دیتے ہیں اور مفرد اعضاء کی صورت میں ان کو انسجہ قشری (اپی تھیلیل ٹشوز) کہتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ جگر کے افعال اور اعمال میں اس کے دونوں حصے شریک نہیں ہیں جو اس کے مادے سے نہیں بنے ہوئے۔ پہلا پردہ اعصابی یا حصہ اعصابی ہے جس کا تعلق دماغ سے ہے۔ دوسرا پردہ عضلاتی ہے جس کا تعلق دِل کے ساتھ ہے۔ جو انسجہ عضلاتی (مسکولر ٹشوز) کا بنا ہوا ہے۔ البتہ خاص جگر و غدود میں دوسرے دو حصے اپنے احساسات و تحریکات ضرور کرتے رہتے ہیں جب کوئی دوا و غذا یا زہر یا شے خاص جگر و غدی حصہ پر اثر انداز ہوتی ہے تو اس کا اثر اعصابی و عضلاتی حصہ پر نہیں ہوتا لیکن جس طرح عصبی و عضلاتی احساسات و تحریکات کا جگر و غدد پر اثر ہوتا ہے اسی طرح جگری و غدی افعال و اعمال کا اثر بھی اعصاب و عضلات (دِل و دماغ) پر پڑتا ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ جو ادویات سیدھی جگر پر اثر کرتی ہیں وہ اعصاب و عضلات پر سیدھی اثر انداز نہیں ہوتیں۔ اس لئے جگر کے افعال و ذاتی افعال و اعمال میں نقص ہے یا اس کے اعصاب اور عضلات میں خرابی ہے۔ یہی صحیح طریق علاج ہے۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب نے جہاں جگر پر دوا و غذا اور زہر اور شے کے اثرات و افعال بیان کئے ہیں وہاں اس نے ایک طرف تمام جگر کو شریک کیا ہے جس میں اس کے ساتھ اس سے متعلق اعصاب و عضلات شامل ہیں۔ جن کی حقیقت میں جگر کے ذاتی افعال سے کوئی مشابہت نہیں ہے۔ دوسرا اس نے جسم کے تمام غدد کے افعال کو جگر کے افعال سے جدا کر دیا ہے۔ یہ دونوں باتیں بالکل غلط ہیں۔

یاد رکھیں کہ جگر سے متعلق اعصاب اور عضلات دونوں اپنے اپنے مرکز دماغ اور دِل کے تحت کام کرتے ہیں اور تمام جسم کے غدد جگر کے ماتحت اپنے افعال و اعمال انجام دیتے ہیں، جیسے اعصاب دماغ کے تحت اور عضلات دِل کے تحت اپنے افعال و احوال انجام دیتے ہیں۔

طب قدیم کا کمال

طب قدیم جب جگر کا ذکر کرتی ہے تو وہ اس کا مزاج گرم خشک بیان کرتی ہے اور اس کی غذا صفراء بیان کرتی ہے اور یہ بھی بیان کرتی ہے کہ اس میں جب تحریک ہوتی ہے تو جسم میں گرمی خشکی اور صفرا بڑھ جاتے ہیں۔ اس طرح وہ جگر کے صرف اس حصے کا ذکر کرتی ہے جو غدی و غشائی مادہ (اپی تھیلیل ٹشوز) سے بنا ہوا ہے۔ یہی طب قدیم کا کمال ہے۔

جگر کے افعال

جگر کے اعمال کتنے ہی پیچیدہ کیوں نہ ہوں تاہم اس کے افعال کی تین صورتیں ہیں تمام اغذیہ وادویہ اور زہر و اشیاء یہی تینوں صورتیں پیدا کرتی ہیں۔

① جگر میں تحریک پیدا کر کے اس کے فعل میں تیزی پیدا کر دے۔
② جگر میں تسکین پیدا کر کے اس کے فعل میں سستی پیدا کر دے۔

③ جگر میں گرمی کی زیادتی سے اس کے فعل میں ضعف پیدا ہو جائے۔

تحریک کی جتنی صورتیں ہیں، ہم اعصاب پر دوا کے اثرات میں بیان کر چکے ہیں۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس جگر کے امراض میں دو ہی صورتیں تسلیم کرتی ہیں۔ ایک جگر کے فعل میں تیزی جس سے جسم میں صفراء بڑھ جاتا ہے۔ دوسرے جگر کے فعل میں سستی۔ اس سے جسم میں ریاح اور جگر میں بلغم بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے جب جگر میں تیزی ہو جاتی ہے تو اس کو سست کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وہ مسکن اور مخدر ادویات مثلاً لفاح، اجوائن خراسانی، بیش، کوکین، مارفیا، افیون، بھنگ، کافور، برومائیڈ اور کلورل ہائیڈریٹ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ صورتیں پتہ کی تکلیف میں کرتے ہیں۔ جب اعصاب میں سستی ہوتی ہے تو ان میں تیزی پیدا کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے گندھک، نمک، نوشادر، بادیان، اجوائن اور پودینہ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔

جہاں تک جگر کی سستی میں تیزی پیدا کرنے کا تعلق ہے یہ تو قابل قبول ہوسکتا ہے، اگرچہ اس مقصد کے لئے ان کے ہاں کوئی بھی قانون نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک جگر کی تیزی میں سستی پیدا کرنے کا تعلق ہے یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔ ہم چیلنج کے ساتھ کہتے ہیں کہ فرنگی طب اس علاج میں بالکل اندھی ہے اور بالکل عطائیانہ علاج کرتی ہے۔ یہ ان کی علمی و عملی جہالت اور غلطی کا اظہار ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب جگر و غدد میں تیزی ہوتی ہے تو ان میں سوزش کی صورت پیدا ہو جاتی ہے چاہے وہ کسی قدر کم کیوں نہ ہو۔ اس کا علاج تسکین اور تخدیر نہیں ہے بلکہ اس میں تحلیل پیدا کرنی چاہئے جو ظاہر ہے کہ گرم تر ادویات سے ہوسکتی ہے اور ہر قسم کے مسکنات اور اکثر مخدرات سرد تر اور سرد خشک ہوتے ہیں جن سے جسم میں بلغم اور رطوبت پیدا ہوتی ہے اور عارضی سکون پیدا ہوتا ہے۔

مصالحہ جات

نمک کے افعال واثرات

کون شخص ہے جو نمک کو روزانہ کئی کئی مرتبہ اور مزے لے لے کر استعمال نہیں کرتا۔ وہ شعوری طور پر استعمال کرتا ہے اور غیر شعوری طور پر بھی استعمال کرتا ہے۔ مختلف چیزوں اور مختلف حالتوں میں استعمال کرتا ہے۔ صحت اور مرض دونوں حالتوں میں استعمال کرتا ہے اور نمک کے اس کثرت سے استعمال میں ڈاکٹر کے مشورے کا محتاج بھی نہیں۔ مگر حیرت یہ ہے کہ بہت کم ایسے لوگ ہیں جو اس کے فوائد سے واقف ہوں گے اور شاید دس ہزار میں ایک بھی ایسا مشکل سے نکلے جو اس کے صحیح استعمال سے واقف ہو۔

اگر کسی اچھے پڑھے لکھے فاضل اور گریجوایٹ سے نمک کے استعمال کے متعلق سوال کیا جائے تو وہ نمک کے زیادہ سے زیادہ دو چار خواص بیان کر دے گا۔ یورپ کی معلومات دوہرا دے گا۔ مگر اس کے استعمال سے ایسے ہی ناواقف ہے جیسے بے علم انسان علم کے صحیح استعمال سے ناواقف ہو۔ اگر اس کلام میں مبالغہ ہو تو آپ تجربہ کر سکتے ہیں کہ یورپی معلومات جن میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ سائنس کے تحت حاصل کی گئی ہیں لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ وہ صرف ایک رُخ پر چلتی ہے ہمہ اثر نہیں ہیں جن کو (All Round) کہا جاتا ہے۔ یورپی خواص الاشیاء بالاعضاء نہیں ہیں۔ اگر کسی ایک عضو کا ذکر کیا ہے تو باقی اعضاء سے سلسلہ نہیں جوڑا۔ پھر اس میں مزاج اور اخلاط کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا۔

عام طور پر ہانڈی دِن میں دو تین بار پکتی ہے۔ روٹی میں نمک پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ چاول چٹنیاں اور کھانے پینے کی چیزوں میں نمک ڈالا جاتا ہے۔ اس کے متعلق ان کے سمجھنے کا معیار صرف ذائقہ ہے۔ وہ تجربہ کی بنا پر زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دیں گے کہ نمک کی زیادتی مجھے نقصان دیتی ہے۔ مگر اتنا جاننا تو انسانی جبلت ہے اور ان پڑھ بھی یہی چیز کہہ سکتا ہے۔ اس میں فضیلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر ان کو اس کے صحیح استعمال کا علم ہے تو وہ اسی طرح فرمائیں کہ چونکہ اس کا اثر خون اور دوران خون پر اس طرح پڑتا ہے کہ فلاں عضو کمزور ہوتا ہے اور فلاں عضو کو نقصان دیتا ہے۔ اس کے استعمال فلاں فلاں سکریشن کرتے ہیں۔ اس لئے اس کا استعمال وہ نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے ان کو نقصان دیتا ہے۔ یہ میں نے صرف اس لئے لکھا ہے کہ میرا سینکڑوں بار کا تجربہ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ نمک جیسی روزانہ استعمال کی چیز ہے۔ ہر فرد و بشر کو پوری واقفیت ہونی چاہئے کیونکہ روزانہ اکثر امراض اس کے غلط استعمال سے پیدا ہوتے ہیں اور رفع بھی کئے جاسکتے ہیں جس چیز کے استعمال کی زندگی اور کائنات میں زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس کو قدرت زیادہ پیدا کرتی ہے۔ جیسے آگ، ہوا اور پانی کے بعد لکڑی، چونا اور نمک ہیں۔ نمک کی کثرت کا یہ حال ہے کہ جماداتی نمک کے علاوہ جو کانوں میں پیدا ہوتا ہے، سمندر کے پانی میں نمک کثرت سے پایا جاتا ہے۔ پھر سبزیوں میں نمک پھلوں اور پتوں میں نمک، یہاں تک کہ گوشت اور دودھ میں بھی نمک پایا جاتا ہے۔ ماڈرن سائنس میں نمک ہر اس شے کو کہتے ہیں جو الکلی (کھار) اور ایسڈ (تیزاب) کا مرکب ہو جن کی تعداد

بیشمار ہے جو قدرتی طور پر بھی پائے جاتے ہیں۔ کانوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور مصنوعی طور پر بھی بنائے جاتے ہیں۔ چونکہ نمک موالید ثلاثہ میں پائے جاتے ہیں۔ انسانی غذا کا جزو ہیں اور روزانہ غذا میں استعمال ہوتے ہیں جو انسانی خون میں اس کی غذا کے طور پر استعمال ہوتے ہیں مثلاً سوڈیم، پوٹاشیم، کیلشیم، فیرم اور سلفر وغیرہ جو بارہ چودہ کی تعداد میں مرکب صورت میں پائے جاتے ہیں لیکن ہمارا مقصد یہاں پر صرف کھانے کے نمک کے استعمال کے متعلق بیان کرنا ہے۔ جس کی ہمیں ہر گھڑی ضرورت ہے اور جو صحت کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

جاننا چاہئے کہ قدرت نے دُنیا میں دو ہی قسم کی چیزیں بنائی ہیں۔ ایک کھاری اور دوسری تیزابی۔ نمک ان دونوں کے مرکب کا نام ہے۔ اس قسم کے کئی نمک ہیں جو مختلف تیزابوں اور کھاروں سے بنتے ہیں۔ جیسے سوڈیم سلفیٹ، میگنیشیم سلفیٹ اور امونیم کلورائیڈ وغیرہ چونکہ دھاتیں تمام کی تمام کھاری اثر رکھتی ہیں۔ اس لئے سونا، چاندی، تانبا، لوہا اور جست وغیرہ کے بھی نمک بنتے ہیں مگر اکثر قدرتی طور پر بھی پائے جاتے ہیں اور کانوں سے بکثرت نکالے جاتے ہیں جن کے الگ الگ فوائد ہیں، لیکن ہر ایک نمک خواص اور فوائد کے لحاظ سے باہم مناسبت رکھتا ہے جیسے ہر قسم کی کھاری اور تیزابی اشیاء باہم مناسبت رکھتی ہیں۔ فوائد کے لحاظ سے صرف یہ لکھ دینا کہ نمک کے کھانے سے دو چار امراض یا تکالیف رفع ہو جاتی ہیں یا یہ بے حد ہاضم اور ریاح شکن ہے۔ اس کے برعکس ایسے اطبا بھی ہیں جنہوں نے نمک کے خواص پر جو کتب لکھی ہیں ان میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نمک سر سے پیر تک تمام امراض کا واحد علاج ہے۔ یعنی ان کے استعمال سے جسم میں کم و بیش حرارت پیدا ہوتی ہے اور ان کا اثر جسم کے غدد اور غشائے مخاطی پر ہوتا ہے۔ یہی صحیح نہیں ہے بلکہ یہ جاننا چاہئے کہ اس کی ضرورت کیوں ہے؟ خون پر کیمیاوی طور پر اس کا کیا اثر ہے۔ یہ اعضاء پر کیسے اثر انداز ہوتا ہے۔ نمک کے افعال اور فوائد میں چونکہ طوالت مفید ہوگی۔ اس لئے مختصر یوں سمجھ لیں کہ نمک کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جبکہ جسم میں رطوبات کی کمی اور خشکی ہو جائے اور خاص طور پر جب پیاس زیادہ لگے۔ کیونکہ پیاس ہی ایک ایسی علامت ہے جو یہ بتاتی ہے کہ ہمارے اعضاء میں خون کی رطوبت (لمف) کی کمی ہے۔ نمک کا یہ خاصہ ہے کہ وہ خون سے لمف کو جدا کر کے اعضاء میں گراتا ہے اور نمک کے استعمال سے پیاس اس لئے زیادہ لگتی ہے کہ وہ پانی کو جذب کرتا ہے۔ چونکہ اس کا اخراج زیادہ تر پیشاب اور پسینہ کے راستہ سے ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا اثر تمام جسم کے غدد (گلینڈ) خصوصاً گردوں اور جگر پر زیادہ ہے اس لئے اس کے استعمال سے غدد گردوں اور جگر میں تحریک ہو کر پسینہ، پیشاب اور صفراء کی پیدائش اور اخراج ہوتا ہے جس سے اسہال بھی آ جاتے ہیں۔ نمک کے کثرت استعمال سے جسم میں چونے اور فولاد کی کمی ہو جاتی ہے۔ خون رقیق ہو جاتا ہے۔ دوران خون اور دِل سست پڑ جاتا ہے البتہ جب خون کے گاڑھے پن سے دِل بیٹھ رہا ہو اور دوران خون رُک رہا ہو جیسے عام طور پر ہیضہ کے مریض میں پایا جاتا ہے تو اس وقت نمک کا استعمال دوران خون کو جاری اور دِل کو حرکت میں کر دیتا ہے۔ اس کے کثرت استعمال سے چہرہ بے رونق، بال سفید اور بڑھاپا جلد آ جاتا ہے۔ سینے اور پیٹ میں پانی پڑ جاتا ہے البتہ جن لوگوں کے گلے پڑے رہتے ہیں ہمیشہ گرمی کی شکایت کرتے ہیں، نزلہ زکام بند میں مبتلا رہتے ہیں، دمہ اور کھانسی خشک اکثر ان کو تنگ کرتی ہے۔ پیاس زیادہ، پیشاب میں جلن ہو ان کے لئے نمک کا زیادہ استعمال ضروری ہے۔ یورک ایسڈ کے امراض جو عام طور پر زیادہ تنگ کرتے ہیں۔ جیسے سینہ کی جلن، دردسر، نزلہ زکام گلے اور جوڑ میں نقرسی درد، گردوں میں درد، زحیر وغیرہ کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ نمک کے غرارے، گلے، دانت اور مسوڑھوں کی ہر تکلیف میں از حد مفید ہے۔

خوراک اور استعمال

نمک خوردنی شب و روز کھانے پینے کی چیزوں میں بقدر ضرورت ذائقہ کے لئے استعمال ہوتا ہے اس میں مقدار کا کوئی تعین نہیں کیا جاتا اور کیا بھی نہیں جانا چاہئے۔ بقدر ضرورت استعمال کرنا مفید ہے۔ البتہ جب اس کو بطور دوا استعمال کرنا ہو تو چار رتی سے چار ماشہ تک مفرد یا مرکب صورت میں استعمال کریں۔ مفرد صورت کے استعمال کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پانی یا کسی اور محلول شے میں حل کر کے استعمال کریں اور نصف گھنٹے کے بعد بلکہ ہر پندرہ منٹ بعد بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ کھانے کے علاوہ یہ بیرونی طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے چونکہ اس میں ایک قسم کی تریاقی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اس لئے زہریلے اجزاء اور جراثیم کو فنا کر دیتا ہے محلل ہونے کی وجہ سے محلل اورام اور دافع سوزش ہے۔ اس لئے بیرونی طور پر اس کو تنہا یا کسی دوا میں ملا کر استعمال کرنے سے نئے پرانے اورام زخم اور داد وغیرہ اور نقرسی جوڑوں پر تنہا پانی میں یا کسی دوا کے عرق یا دوا کے ہمراہ لیپ کر لیں اکسیر ہے۔ اندرونی اور بیرونی استعمال کے علاوہ آنکھ ناک اور کان میں ادویات کے ہمراہ ڈال سکتے ہیں۔ دانتوں اور مسوڑھوں پر مل سکتے ہیں۔ غرارے کر سکتے ہیں چونکہ اس کے استعمال سے غشائے مخاطی میں تحریک ہوتی ہے اور اس سے رطوبات کا ترشح شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے بند نزلہ، زکام، کان کے زخم اور آنکھوں کی خشکی اور کمزوری میں تریاق کا کام کرتا ہے۔ ناک کے لئے بطور نسوار تنہا یا نوشادر میں ملا کر استعمال کریں۔ آنکھ کے لئے سرمہ کے ساتھ استعمال کریں۔ کان میں استعمال کرنے کے لئے پانی میں گھول کر کسی روغن میں جلا لیں۔ زیتون کا روغن بہتر ہے۔ اگر پسینہ لانا ہو تو سرکہ میں گھول کر پئیں یا سرکہ میں جلا کر سفوف بنا لیں۔ پھلوں کے رس کے ہمراہ اچھا لیں۔ **چونکہ اس کے استعمال سے رطوبت اور حرارت پیدا ہوتی ہے اس لئے استسقاء میں اس کا استعمال مضر ہے۔**

سرخ مرچ کے افعال واثرات

ہر شخص خوب جانتا ہے کہ مرچ کے زیادہ استعمال سے تکلیف ہو جاتی ہے۔ پھر بھی وہ زیادہ نہ سہی کم ضرور استعمال کرتا ہے۔ اگر لال مرچ کے استعمال سے گھبرا جاتا ہے تو سیاہ مرچ کا استعمال شروع کر دیتا ہے مگر جب اس سے بھی تکلیف کم نہیں ہوتی تو گھبرا اٹھتا ہے کیونکہ اس کے استعمال کی زیادتی سے منہ، سینہ، پیٹ اور پیشاب میں جلن، مقعد میں سوزش اور بواسیر، ناک، منہ، سینے، پیٹ، پیشاب اور پاخانے سے خون آنا شروع ہو جاتا ہے۔ یورک ایسڈ کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ دل گھبراتا ہے۔ خشکی اور گرمی بڑھ جاتی ہے لیکن وہ اس کے استعمال پر مجبور ہے۔ اس کو بچپن سے وہ استعمال کرتا آیا ہے اس کے رشتہ دار اور دوست ماں باپ، بھائی، بہن، ہمسائے اور عزیز سب روزانہ بلکہ دن رات استعمال کرتے ہیں۔ ہانڈی میں مرچ، چٹنی اور اچار میں مرچ بلکہ بعض قسم کے چاولوں میں مرچ اور بعض قسم کی روٹی میں بھی مرچ ڈالی جاتی ہے۔ سبزی پکائیں یا دال، گوشت پکائیں یا مچھلی مگر مرچ کے بغیر ان چیزوں کو تیار نہیں کر سکتے۔

جب انسان گھر سے بازار کی طرف آتا ہے تو وہاں بھی ہر شے مرچ میں تیار دیکھتا ہے۔ سیخ کباب ہوں یا شامی کباب، انڈے ہوں یا بیسن کے پکوڑے سب میں مرچ۔ جب حلوائی کی دکان کی طرف رجوع کرتا ہے تو ہر مٹھائی کے علاوہ باقی تمام چیزوں کو نمک مرچ میں تیار دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔

اگر دو چار روز مرچ کو چھوڑ بھی دے اور میٹھا، پھیکا، نمکین اور ترشہ کھانے لگے تو دو تین دن میں نہ صرف اس کی طبیعت ان چیزوں سے بھر جاتی ہے بلکہ بھوک مر جاتی ہے۔ ہاضمہ خراب، پیٹ پھولا پھولا، منہ میں پانی، بدن سرد، دل بیٹھنا شروع ہو جاتا ہے،

کمزوری معلوم ہوتی ہے، کام کرنے کو دِل نہیں کرتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرچ کا استعمال ترک کرنے کے ساتھ کسی نے جسم سے تمام طاقت باہر نکال لی ہے۔ آخر مرچ میں کیا خوبی ہے کہ اس کے کم وبیش استعمال پر ہر عورت مرد، بچہ، جوان اور بوڑھا مجبور ہے اور بعض شہروں میں اس کے نقصان کے باوجود بعض لوگ اس کو کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ آخر دُنیا اس کے استعمال پر کیوں مجبور ہے۔ بعض لوگ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں ملک میں فلاں شخص مرچ بالکل استعمال نہیں کرتا۔

جاننا چاہئے کہ جس ملک میں مرچ استعمال نہیں ہوتی یا کوئی شخص مرچ استعمال نہیں کرتا تو وہ ضرور اس کے بدل میں کوئی دوسری چیز اسی فائدہ کو حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ مثلاً ادرک، رائی، پودینہ، پیاز، دارچینی، لونگ، تیزپات، لہسن وغیرہ استعمال کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مگر مرچ ان سب سے مزیدار اور طاقتور ہے۔ سرخ مرچ کم وبیش آٹھ قسم کی ہوتی ہے۔ اپنے حجم کے لحاظ سے چھوٹے سیب سے لے کر چلغوزہ تک کی ہوتی ہے۔ اکثر چھوٹی مرچ بہت تیز اور بڑی مرچ کم تیز ہوتی ہے۔ شملہ کی مرچ بڑی اور کم تیزی ہوتی ہے۔ اکثر سبزی کی جگہ استعمال ہوتی ہے۔ چھوٹی مرچ اپنی تیزی کے لئے بہت مشہور ہے۔ سیاہ مرچ بھی شکل کے لحاظ سے تین قسم کی ہوتی ہے۔ مثلاً گول مرچ، بھوری مرچ اور دراز مرچ۔ ان کے علاوہ لوگ لونگ، دارچینی اور زیرہ وغیرہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سرخ مرچ کے فوائد ان سب سے بہت حد تک تیز ہیں۔ البتہ ادرک اس کا مقابلہ کرسکتی ہے۔ مگر تیزی میں اس سے پھر بھی بہت کم ہے۔

مرچ کے استعمال کو سمجھنے کے لئے اوّل غذا کے ہضم کو سمجھنا ضروری ہے جو غذا معدے میں جاتی ہے وہ دانتوں میں پیس کر اور لعاب دہن سے تر ہوکر جاتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں ہاضمہ میں معاون ہیں۔ پھر معدہ کے اندر اس میں رطوبت معدی شامل ہوتی ہے۔ اسی طرح معدے سے جب آنتوں میں جاتی ہے تو وہاں پر جگر سے صفرا، لبلبہ سے خاص قسم کی رطوبات اور آنتوں کی اپنی رطوبات اس میں شامل ہوکر اس کو ہضم کرتے ہیں۔ منہ سے لے کر آنتوں تک جس قدر بھی رطوبات غذا کے ہضم میں شریک ہوتی ہیں وہ تمام غدود (گلینڈز) سے نہیں بلکہ وہاں کی غشائے مخاطی (میوکس ممبرین) سے تراوش پاتی ہیں جو اپنے اندر تیزابی کیفیات رکھتی ہیں اور ذائقہ ان کا ترش ہوتا ہے۔ اگر یہ رطوبات نہ گریں تو غذا کبھی بھی ہضم نہ ہو۔

جاننا چاہئے کہ مرچ اور اسی قسم کی دیگر چیزوں کے استعمال سے خون کا دوران اعضائے غذائیہ خاص طور پر منہ، معدہ، آنتیں، جگر، لبلبہ اور طحال کی طرف تیز ہوجاتا ہے اور وہاں سے غشائے مخاطی کے ذریعے مختلف رطوبات ترشح پاکر مختلف صورتوں میں غذا کے ہضم میں مدد معاون ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جسم کے دوران خون کو تیز کرتی ہے۔ اس میں گرمی پیدا کرتی ہے۔ جرم کش ہے۔

خون کے اندر بہت سے زہروں کو فنا کردیتی ہے اور دوران خون کو جسم میں تقسیم کرتی ہے، فضلات کو پسینہ کے راستے خارج کرتی ہے۔ ازحد مقوی قلب، محرک، دافع، ریاح اور بھوک لگاتی ہے۔ ہیضہ جیسے موذی مرض کا اکسیر علاج ہے۔ ہیضہ کی کوئی بھی حالت ہو ضرور فائدہ ہوتا ہے۔ اگر ابتدائی حالت ہو تو زہر کو فنا کرتی ہے۔ دوسرا درجہ ہو تو قے اور اسہال بند کرتی ہے۔ اگر تیسرا درجہ ہو تو بدن کو گرم کر کے طاقت دیتی ہے۔ چونکہ مصفی خون ہے اس لئے خراب سے خراب اور زہریلے خون کو بھی چند دنوں میں صاف کردیتی ہے۔ بشرطیکہ خون کی خرابی کا سبب جسم میں تیزابیت اور حرارت کی کمی ہو اور کھاری پن بڑھ گیا ہو۔ دوسرے معنوں میں جسم میں صفراء کی کمی اور بلغم کی زیادتی ہوگئی ہو۔ یہ ہر قسم کے بلغم کو چھانٹتی ہے اور منہ بلکہ جسم کے حصہ سے رطوبات کا اخراج روک دیتی ہے۔ انتہائی زیادتی کی صورت میں مقامات رطوبت میں سے خون لانا شروع کردیتی ہے۔ اس کے کثرت استعمال سے نکسیر، سوزش چشم، منہ میں زخم، خون تھوکنا، خونی پیشاب، خونی پیچش، بواسیر اور عورتوں کو کثرت حیض کا مرض شروع ہوجاتا ہے۔ خون میں تیزی، جوش خون، ہائی بلڈ پریشر اس کے کثرت استعمال سے پیدا

ہو جاتا ہے۔ اس کا ایک حیرت انگیز فائدہ یہ ہے کہ تر دمہ کے لئے مفید ہے لیکن اس کا اعتدال از حد ضروری ہے۔

اس کے افعال و خواص سمجھنے کے لئے اس کے قبیل کی ادویہ کا ذکر نہایت اہم ہے۔ سرخ مرچ زنجبیل کے قبیلے سے ہے۔ اس قبیل کی دیگر ادویہ پیاز، تخم پیاز، حنظل، دارچینی، پودینہ، عاقر قرحا، لونگ، جائفل، رائی، تیزپات، فلفل سیاہ، پیلا مولی، اجوائن، بادیان، سوئے، زیرہ اور دھنیا وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ تیز جمال گوٹہ ہے۔ ان کا مزاج گرم خشک ہے اور یہ صفرا پیدا کرتی ہیں۔ سوائے مولی اور دھنیا کے باقی جگر کے لئے محرک ہیں۔ ان میں فرق مراتب اس طرح سمجھ لیں کہ **جو ادویہ اپنے اندر قبض اور حبس کی تاثیر زیادہ رکھتی ہیں وہ حرارت کم اور ریاح زیادہ پیدا کرتی ہیں۔ جیسے پیاز اور حنظل وغیرہ۔ جن میں حرارت زیادہ ہو وہ ارواح صالح پیدا کرتی ہیں۔ جیسے جائفل اور لونگ وغیرہ اور ان میں جو ادویہ ادرار کی طاقت رکھتی ہیں وہ حرارت کی پیدائش کے ساتھ حرارت کا اخراج کرتی ہیں، جیسے زیرہ سیاہ اور بادیان وغیرہ اور جن ادویہ میں تیزابیت زیادہ ہے وہ سوزش پیدا کرتی ہیں جیسے سرخ مرچ اور رائی وغیرہ۔** اللہ تعالیٰ کی اس فیاضی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے گویا ان میں قابض بھی ہیں اور مسہل بھی، مقوی بھی ہیں اور محرک بھی، مدر بھی ہیں اور حابس بھی، خراش بھی ہیں اور دافع سوزش بھی، حرارت کو پیدا کرنے والی اور حرارت کا اخراج کرنے والی بھی ہیں، گرم بھی ہیں اور سرد بھی جیسے دھنیا اور مولی وغیرہ۔

اس طرق کا نام ہے خواص الاشیاء کا جاننا۔ جو اطباء خواص الاشیاء کو اس طرح جانتے ہیں ان کے لئے ہر دوا اکسیر اور مجرب بن جاتی ہے۔ ہم نے ہر دوا کو اس انداز ے سے بیان کیا ہے کہ صحیح معنوں میں اس کے خواص ذہن نشین ہو جائیں۔

مرچ کے مرکبات

حسب ضرورت مزاج، درجات اور اعضاء کے مطابق جس قدر چاہیں مرکبات تیار کر سکتے ہیں۔ چونکہ ہر طبیب مرکبات ترتیب دینے کی اہلیت نہیں رکھتا اس لئے چند ضروری مرکبات درج ذیل ہیں:

(۱) اکسیر ہیضہ: سرخ مرچ اور رائی دونوں ہم وزن پیس کر گولیاں تیار کر لیں۔ ہر دس پندرہ منٹ کے بعد ایک گولی گرم پانی سے کھلا دیں۔ تین چار خوراکوں میں آرام آ جائے گا۔

(۲) تریاق دمہ بلغمی: سرخ مرچ، شحم حنظل ہم وزن گولیاں بقدر نخود بنالیں۔ ایک ایک گولی ہر تین چار گھنٹے بعد کھلائیں۔

نوٹ: اوپر کی دونوں ادویات بے حد مقوی عضلات مولد صفرا اور منقی دل بھی ہیں۔ بے حد ہاضم، دافع ریاح شکم و امعاء اور مصفی خون ہیں۔ پہلی دوا ملین اور دوسری مسہل اور مدر حیض بھی ہے۔

(۳) مقوی بدن اور مولد خون: مرچ سرخ ایک حصہ منقی سات حصے گولیاں بقدر جنگلی بیر بنالیں۔ دن میں ایک ایک گولی چار بار چبا کر کھالیا کریں۔ چند دنوں میں حیرت انگیز طاقت محسوس ہوگی۔

(۴) روغن سرخ مرچ: جس طریقے سے چاہیں نکال لیں مندرجہ بالا امراض میں بے حد مفید ہے۔

(۵) اکسیر مصفی: سرخ مرچ اور شنگرف ہم وزن منقی میں گولیاں بنالیں۔ بہترین مصفی خون ہونے کے علاوہ ہر قسم کی آتشک کے لئے اکسیر ہے۔ جذام تک کے لئے مفید ہے۔ پرانے زخموں کو چند دنوں میں اچھا کر دیتی ہے۔

(۶) مقوی باہ: سم الفار ایک حصہ، سرخ مرچ بارہ حصے، رائی بارہ حصے، گولیاں بقدر نخود تیار کریں۔ ایک ایک گولی دن میں تین مرتبہ

استعمال کریں۔ بے حد مقوی باہ، ہاضم، مقوی بدن، دمہ رطب اور اکثر پرانے امراض جیسے وجع المفاصل کے لئے بے حد مفید ہے۔

کیمیاوی اثرات:

کیمیاوی طور پر اس میں سلفر کے اجزاء پائے جاتے ہیں۔ اس لئے اس میں پارہ شنگرف، نیلا تھوتھا، سنکھیا، بارہ سنگھا اور سنکھ آسانی سے کشتہ ہو جاتے ہیں۔

ہلدی کے افعال و اثرات

ایک مشہور کہاوت ہے کہ چوہے کو ملی ہلدی کی گانٹھ وہ بن گیا پنساری۔ اس کہاوت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ پنساری کی دکان میں اہم شے صرف ہلدی ہی ہے، کیوں نہ ہو۔ غذا، دوا اور صنعت وحرفت تینوں قسم کی ضروریات پوری کرتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری کہاوت ہے کہ ہلدی لگے نہ پھٹکڑی اور رنگ آئے چوکھا۔ گویا ہماری روزانہ زندگی میں ہلدی ہی ایک واحد شے ہے جو رنگنے کے کام آتی ہے۔ مثلاً ہانڈی میں مفید ہونے کے ساتھ ساتھ اس کو خوش رنگ بھی بنا دیتی ہے۔ اسی طرح کپڑے وغیرہ رنگنا ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے۔ خاص طور پر گرمیوں میں جب آشوب چشم کی تکلیف ہوتی ہے تو ہلدی میں کپڑا رنگ کر سر پر ڈال لیتے ہیں تا کہ دھوپ کی تپش سے آنکھوں کو سکون پہنچے اور ضرورت کے مطابق اسی کپڑے سے آنکھ بھی پونچھ لی جائے۔ اسی طرح ابٹن کو اس سے رنگتے ہیں۔ خاص طور پر شادی بیاہ کے موقع پر دولہا اور دولہن دونوں کو اس سے تیار شدہ ابٹن مل کر نہلاتے ہیں۔ اس سے ایک تو جلد خوبصورت ہو جاتی ہے۔ دوسرے رنگت میں ہلکا پیلا پن پیدا ہو کر حسن کو دوبالا کر دیتا ہے۔ گویا روزانہ زندگی میں بھی اس کی اہمیت مسلمہ ہے۔ لیکن افسوس اس کی اہمیت سے صرف عوام ہی نہیں بلکہ اکثر اطباء بھی بے خبر ہیں اور اس کو ایک ایسی دوا خیال کرتے ہیں جو صرف غذا میں استعمال کی جاسکتی ہے یا اس سے رنگنے کا کام لیا جاسکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اکثر لوگ ہلدی کے متعلق اتنا ہی جانتے ہیں کہ اس کو ہانڈی یا چاولوں کو رنگ دینے کے لئے ڈالتے ہیں لیکن آج کل اس کا استعمال بھی کم ہو رہا ہے۔ صرف سرخ مرچ سے ہی کام نکال لیا جاتا ہے، البتہ خاندانی روٗسا کے ہاں اس کی جگہ زعفران استعمال ہوتا ہے جو رنگ کے ساتھ خوشبو اور تقویت بھی دیتا ہے۔ اس کے علاوہ دکھتی آنکھ کی حفاظت کے لئے کپڑا رنگنے اور عورتوں کے ابٹن میں استعمال ہوتی تھی مگر جب سے رنگ دار چشموں اور کریموں کا رواج ہو گیا ہے ہلدی کا یہ استعمال بھی ختم ہوتا جاتا ہے لیکن مغرب پرست لڑکیوں کو اس امر کا بالکل علم نہیں کہ ہلدی کے ابٹن کا مقابلہ کوئی کریم یا پاوٗڈر نہیں کر سکتا کیونکہ اچھی سے اچھی کریم اور عمدہ سے عمدہ پاوٗڈر جتنی بھی احتیاط سے لگائیں چند دنوں میں چہرہ بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ مگر اس کے مقابلے میں ہلدی کا ابٹن نہ صرف منہ کو صاف کرتا ہے بلکہ منہ کے داغ چھائیاں، دانے دور کرنے کے ساتھ ساتھ چہرے کو ایک ہلکے زعفرانی رنگ میں رنگ دیتا ہے اور پھر طرہ یہ ہے کہ اس میں بالکل نقصان کا احتمال نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ ہر کریم اور پوڈر اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس میں کیلشیم کا کوئی جز نہ ڈالا جائے جو چہرے کے مسامات بند کر کے مواد کے اخراج کو روک دیتا ہے۔ ہلدی میں سلفر کا جز ہوتا ہے جو سوزش کو رفع کرنے، خون کو صاف کرنے اور جلد کو نرم کرنے کی اپنے اندر زبردست طاقت رکھتی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ سلفر جلدی امراض کے لئے اکسیر تسلیم کی گئی ہے۔

ہانڈی کے استعمال میں اس کو زبردست اہمیت حاصل ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہانڈی میں گھی کے بعد ایک ہی چیز ہے جو ہانڈی کی

اصلاح کرتی ہے وہ ہلدی ہے یعنی اگر ہانڈی میں تمام چیزیں مثلاً گوشت، بریاں، دالیں، لہسن، پیاز، نمک مرچ اور دیگر گرم مصالے اور پھر آگ کی گرمی تمام کی تمام پیٹ میں سوزش اور جلن پیدا کرنے والی ہیں مگر گھی اور ہلدی ایسی چیزیں ہیں جو اس سوزش اور جلن کو رفع کرتی ہیں اور جن لوگوں کے ہاں ہانڈی میں گھی اور مکھن کے بجائے تیل پڑتا ہے اس ہانڈی کی حدت اور گرمی کا اندازہ کچھ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جنہوں نے پہلے کبھی تیل کی ہانڈی نہ کھائی ہو۔ اگر تیل کی ہانڈی میں بھی ہلدی کافی ڈال دی جائے تو اس کا ضرر بھی بہت کم ہو جاتا ہے۔

ہلدی کے استعمال کو سمجھنے کے لئے اپنے جسم کے پھوڑے، یا سوجن کا تصور کریں جو کبھی آپ کو ہوئی ہو۔ اس کی تکلیف از حد بے چین کر دیتی ہے۔ اس بے چینی میں کافور کے تیل سے بھی اس قدر ٹھنڈک حاصل نہیں ہوتی جس قدر گرم پانی کی ٹکور سے ہوتی ہے اور ان کا یقینی علاج برف کے پانی کی ٹکور نہیں بلکہ گرم پانی کی ٹکور ہے۔ یہ صرف اس لئے کہ کوئی بھی سوزش خالص حرارت یا رطوبت یا روغنیت کے بغیر رفع نہیں ہوتی۔ خالص حرارت گندھک میں ہے باقی دو چیزیں گرم پانی اور گھی ہیں۔ جب بھی جسم میں کہیں پھوڑے ورم یا سوزش ہو تو اس قسم کے علاج کے سوا دُنیا بھر میں اور کوئی علاج مفید نہیں ہے۔ ہلدی میں گندھک کی ایک خاص مقدار اور طاقت ہے۔ اس اصول کے مطابق جب بھی جسم کے اندر یا باہر کہیں بھی پھوڑے، پھنسیاں، دانے، ورم، سوزش اور جلن ہو تو ہلدی کا اندرونی اور بیرونی استعمال ہی فوراً تکلیف کو رفع کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جب سے گندھک کے خواص سائنٹفک تسلیم کئے گئے ہیں ہلدی کے اثرات بھی گندھک کے اثر کی وجہ سے مصدقہ ہو گئے ہیں۔ پھر ہلدی میں یہ خوبی ہے کہ اس کو غذا کے ہمراہ استعمال کر سکتے ہیں مگر گندھک کو بغیر دوا کے استعمال نہیں کر سکتے۔ سر سے لے کر پاؤں تک ہر قسم کی سوزش میں اکسیر کا کام کرتی ہے مثلاً سوزشی نزلہ زکام، جلن، پیشاب کا زیادہ آنا، جگر آنتوں اور مقعد کی جلن اور سوزش اس کے استعمال سے فوراً دور ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں کو اس قسم کی کوئی تکلیف ہو وہ ہلدی کا استعمال زیادہ کریں اور اس کو گندھک کا ایک اچھا بدل خیال کریں۔ از حد مصفی خون بھی ہے اس لئے اس کو ہانڈی کے علاوہ روغن میں ملا کر یا جلا کر، پلٹس بنا کر، پانی میں گھول کر، لیپ بنا کر، مرہم بنا کر اور خشک پانی یا دودھ کے ہمراہ استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن صحت کی حالت میں بغیر ضرورت استعمال نہیں کریں کیونکہ اس کے کثرت استعمال سے جسم میں کمزوری، ضعف قلب، صفراء کی زیادتی، بھوک کی کمی اور جسم ڈھیلا اور نرم ہو جاتا ہے۔

ہلدی کے استعمال میں اس امر کو ہمیشہ مدنظر رکھیں کہ یہ اپنے اندر گندھک کے خواص رکھتی ہے مگر اس میں اور گندھک میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ گندھک حابس ہے، ہلدی حابس نہیں ہے۔ گویا نباتاتی گندھک ہے۔ جسم میں حرارت پیدا کرتی ہے اور ہر قسم کی اندرونی اور بیرونی سوزش کے لئے اکسیر ہے۔ اس میں تیزابیت نام کو نہیں ہے بلکہ خود دافع تیزابیت ہے۔ جسم میں سے ترشی کو ختم کرنے کے لئے اوّل نمبر کی دوا ہے۔ جسم کے اندر سے سوزاکی مادہ جس کو سائیکوسس کہنا چاہئے اس سے دور ہو جاتا ہے۔ اس قبیل کی دیگر ادویہ جو اس کے ہمراہ یا اس کی مدد کے لئے استعمال کی جا سکتی ہیں۔ ان میں ملٹھی، روغن زیتون، گھی، شہد، بادیان، نیم، بکائین اور رسونت وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ہلدی کے مرکبات

ویسے تو ہلدی کے بے شمار مرکبات ہیں لیکن مندرجہ ذیل مرکبات اپنی افادیت کے اعتبار سے خاص اہمیت رکھتے ہیں:

(۱) **سفوف ہلدی:** ہلدی ایک چھٹانک، ملٹھی ایک چھٹانک، بادیان ایک چھٹانک، سفوف تیار کر لیں۔ خوراک ایک ماشہ سے تین ماشہ، افعال و اثرات غدی اعصابی ہیں۔ خواص پرانا نزلہ زکام اور کھانسی بخار، پرانی بدہضمی پیٹ و امعاء کے ہضم، محرقہ بخار، ترشی معدہ اور ترشی

ڈکار، پرانی پیچش، سوزاک پرانا اور نیا، پیٹ و امعاء اور مثانہ کے زخم وغیرہ بیرونی طور پر زخم پر چھڑک سکتے ہیں۔ باریک سرمہ بنا کر آنکھوں میں لگا سکتے ہیں بطور نسوار ناک میں لے سکتے ہیں۔

(۲) **حب هلدی:** ہلدی ایک حصہ، صابن دیسی عمدہ ایک حصہ دونوں کو کوٹ کر گولیاں بنالیں۔ خوراک ایک گولی سے تین گولی تک۔ افعال و اثرات غدی ملین ہیں۔ اسی طرح شہد میں بھی گولیاں بنا سکتے ہیں مگر اثر میں کچھ کمی ہوگی۔ خواص مندرجہ بالا امراض کے علاوہ اثرات میں تیزی رکھتا ہے۔

(۳) **دوائے هلدی ملین:** ہلدی اور خمیرہ بنفشہ دونوں ہم وزن ملالیں۔ اسی طرح شہد میں بھی تیار کر سکتے ہیں، لیکن اثر میں زیادہ تیزی نہیں ہوگی۔ خوراک دو ماشہ سے چھ ماشہ تک۔ غدی ملین حار خواص مندرجہ بالا امراض میں زیادہ ملین اور اثرات میں زیادہ تیز ہوگی۔

(۴) **روغن هلدی:** سفوف ہلدی ایک چھٹانک، پانی آدھ سیر، روغن زیتون ایک چھٹانک۔ تینوں کو آگ پر رکھ کر پکائیں۔ جب پانی جل جائے تو روغن چھان لیں۔ خوراک ایک ماشہ سے تین ماشہ تک اندرونی بیرونی طور پر استعمال کریں۔ غدی ملین شدید ہے۔

(۵) **اکسیر هلدی:** ہلدی تین حصے، ریٹھہ ایک حصہ۔ گولیاں بقدر نخود بنائیں۔ خوراک ایک گولی سے تین گولی تک افعال و اثرات محرک اعصابی حار۔ خواص و اثرات مندرجہ بالا امراض میں اکسیر ہے۔

(۶) **تریاق اصفر:** ہلدی سفوف نو حصے اور شیر عشرہ تازہ ایک حصہ۔ دونوں کو اس قدر رگڑیں کہ گولیاں بقدر دانہ مونگ بن جائیں۔ خوراک ایک گولی سے تین گولی تک۔ محرک اعصابی، حار شدید۔

خواص و اثرات: مندرجہ بالا امراض کے علاوہ جسم کے کسی حصہ سے خون آتا ہو فوراً چند خوراکیں بند کر دیتی ہیں۔ پھیپھڑوں اور ہر قسم کے اندرونی زخموں کے لئے مفید ہے۔ تپ دق کے لئے شرطیہ دوا ہے۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ اس سے بہتر نسخہ دق کے لئے پیش کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ یہ ہمارا بیس سال کا تجربہ ہے۔

(۷) **سرمه هلدی:** ہلدی سفوف اور سرمہ سیاہ ہم وزن ملا کر باریک سرمہ بنالیں۔

خواص و اثرات: سوزاکی مریض کی آنکھ اور آنکھ کے سوزشی امراض میں بے مثل سرمہ ہے۔ یہ خوراکی طور پر بھی دیا جا سکتا ہے۔

خوراک: دو چاول سے دو رتی تک۔

افعال و اثرات: محرک اعصابی حار۔

نوٹ: ہلدی ترشی کے خراب زہریلے اثرات کو دور کرنے کے لئے ایک خاص دوا ہے اور اس کے ساتھ ہی جسم میں صحیح قسم کی حرارت پیدا کرتی ہے۔

ادرک

عربی میں زنجبیل (رطب) زنجبیل حابس کو سونٹھ کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کی مشہور جڑیں ہیں۔ یہ پاکستان اور ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی پائی جاتی ہیں۔

رنگت اور ذائقه: اس کی رنگت زرد مٹیالی (خاکستری) ہوتی ہے اور ذائقہ چرپرا ہوتا ہے۔

افعال و اثرات: غدی اعصابی، غدد میں تحریک، عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین، کیمیاوی طور پر خون میں صفرا اور حرارت پیدا

ہوتی ہے۔

خواص: محرک اور مقوی جگر اور گردے، محلل غذا اور سوزش عضلات مسکن اعصاب و دماغ، مولد صفرا، مخرج صفرا، مقوی باہ، مولد حرارت غریزی، مسہالی، مشتہی، محلل اورام کاسر ریاح، مدر حار، قاتل کرم اور دافع تعفن اور مقوی جسم ہے۔

فوائد: اس کا رنگ اجوائن کے رنگ کے ساتھ ملتا جلتا ہے اور خواص بھی تقریباً اس کے ساتھ ملتے ہیں مگر اس میں ایک رطوبت فضلیہ ہوتی ہے جس سے اس میں حبس ٹوٹ جاتا ہے جو اجوائن میں پایا جاتا ہے۔ یہ صفرا کو پیدا کرتی ہے اور خارج بھی کرتی ہے۔ اجوائن کی طرح اس کا فرق دیگر چرپری ادویات کے ساتھ بھی کر لینا چاہئے۔

میری رائے میں اس کا مزاج تمام چرپری دواؤں کے مقابلے میں مختلف ہے یعنی ایک طرف عضلاتی غدی چرپری ادویہ جن میں سرخ مرچ اور جمال گوٹہ تک شریک ہیں۔ دوسری طرف غدی اعصابی ادویہ جن میں سیاہ مرچ اور زیرہ سیاہ تک شریک ہیں جو اوّل الذکر کے مقابلے میں بہت لطیف ہیں۔

قرآن کریم میں اس کے متعلق آیا ہے: ﴿ كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا ﴾ جنت کے ایک چشمے کا ذکر آتا ہے جس کا مزاج اور میلان زنجبیلی ہوگا۔ گویا اس میں ایک قسم کا چرپراپن ہوگا اور دیگر ہر قسم کی چرپری ادویہ بھی اس کے تحت آجاتی ہیں جن میں خاص طور پر سرخ مرچ، پیاز، لہسن، دارچینی، لونگ، ہری مرچ، ٹماٹر، مرچ سیاہ، زیرہ سیاہ، زیرہ سفید اور دھنیا خشک وغیرہ یہ سب ادویہ مزاجوں کی کمی بیشی کے ساتھ چرپرے ذائقے میں شریک ہیں۔

استعمال: جسم انسان میں جہاں تک حرارت کی پیدائش کا تعلق جگر کے ساتھ ہے اور حرارت ہی جسم میں ہضم و تحلیل غذا اور صحت و نشو و ارتقاء کا کام کرتی ہے اس لئے جو ادویہ جسم میں حرارت پیدا کرتی ہیں۔ ان میں ادرک اوّل نمبر پر معتدل پیدائش حرارت دوا ہے۔ اس سے جگر اور غدد کے افعال تیز ہو جاتے ہیں۔ حرارت کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ عضلات کی سوزش ختم ہو کر اس میں گرمی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ دل پوری طاقت سے کام کرتا ہے۔ اعصاب میں تقویت آنا شروع ہو جاتی ہے جس کے ساتھ دماغ میں ذہن اور حافظہ بڑھ جاتا ہے۔

ادرک چونکہ محرک غدد ہے اور وہاں پر انقباض پیدا کرتا ہے جس سے اس میں تیزی آنا شروع ہو جاتی ہے اور طاقت بڑھنا شروع ہو جاتی ہے اسی وجہ سے مقوی و مبہی ہے۔

غلط فہمی: بعض اطباء نے لکھا ہے کہ چونکہ ادرک میں رطوبت فضلیہ ہوتی ہے اس لئے یہ کسی حد تک ریاح بھی پیدا کرتی ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے جو دوا یا غذا حرارت یا صفرا پیدا کرتی ہے وہ ریاح ہرگز پیدا نہیں کر سکتی۔ چاہے اس میں کتنی بھی رطوبت فضلیہ کیوں نہ پائی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ دوا جو کسی عضو کے لئے موزوں ہے جب اس میں تحریک پیدا کرتی ہے تو وہ تحریک انقباض کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ وہ انقباض سے پیدا ہوتا ہے۔ اس دوا کے ذمہ لگایا جاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ ادرک بہت ہی زبردست کاسر ریاح ہے۔ دافع ترشی ہے اور ملین ہے۔ اسی وجہ سے ریاح شکم، درد شکم اور درد سینہ میں بے حد مفید ہے۔ اس مقصد کے لئے بیرونی طور پر تیل میں ملا کر یا بغیر تیل کے خشک ادرک کا مقام درد پر مالش کرنے سے آرام ہو جاتا ہے چونکہ ادرک محرک غدد ہے اس لئے ادرار بول اور اخراج پتھری کے لئے بے حد مفید ہے چونکہ دافع ترشی ہے اس لئے نقرس میں بھی بے حد مفید ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے استعمال سے جسم میں رفتہ رفتہ حرارت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ آنکھوں میں طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور بینائی بڑھ جاتی ہے۔

اجوائن دیسی

عربی میں کمون ملوکی، فارسی میں نانخواہ، سنسکرت میں یوانکا، انگریزی میں بشپلی ویڈ کہتے ہیں۔ اس کا پودا چار فٹ کے قریب اونچا ہوتا ہے۔ پتے چھوٹے، نوکدار، پھول سفید اور چوٹے ہوتے ہیں جن میں چھتوں کی شکل کے خوشے لگتے ہیں۔ جب یہ خوشے پک جاتے ہیں تو انہیں کوٹ کر اجوائن نکال لی جاتی ہے۔ اجوائن کے دانے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔

مقام پیدائش: پاک و ہند، ایران اور مصر میں پیدا ہوتی ہے۔

رنگت اور ذائقہ: رنگ زردی مائل بھورا، ذائقہ چرپرا۔

مزاج: گرم خشک تیسرے درجہ میں۔

افعال و اثرات: غدی عضلاتی یعنی غدد میں تحریک، عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین کیمیاوی طور پر خون میں صفرا اور حرارت پیدا کرتی ہے۔ مقوی روح وحواس اور محرک نفس ہے۔

خواص: مسمن جگر، محلل قلب، مسکن دماغ، مجفف، مفتح سدہ، جالی، مشتہی، کاسر ریاح، مدرحار، قاتل اور مخرج کرم، دافع تشنج اور تعفن، مسکن الم وسوزش اور تریاق سموم، زیادہ مقدار میں ملین۔

فوائد: درد شکم اور ریاح کے لئے بے حد مفید دوا ہے۔ برودت جگر اور کلیہ کے لئے یقینی دوا ہے اور جسم کے ہر قسم کے سدے کھولتا ہے۔ عام طور پر سدوں کے متعلق یہ تصور ہے کہ آنتوں میں سدے ہوتے ہیں لیکن سدوں کی حقیقت سے طبی دُنیا اور فرنگی طب ناواقف ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جب غدد میں تسکین ہوتی ہے تو وہاں پر بلغم اور رطوبت غلیظ ہو کر اخراج بند ہو جاتا ہے جس سے ان اعضا میں مواد رک کر سدے بن جاتے ہیں۔ یہی صورتیں شریانوں کے غدد میں بھی پیدا ہو کر اس میں سدے پیدا ہو جاتے ہیں جس سے امراض قلب پیدا ہو جاتے ہیں اور گردوں کے سدوں کی صورت میں خون کا دباؤ (بلڈ پریشر) بڑھ جاتا ہے۔ اجوائن ان ہر قسم کے سدوں کو کھولتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریاح وپتھری اور صلابت جگر وطحال اور گردوں کو دور کرتی ہے۔ محلل عضلات ہے، پسینہ لاتی ہے، ہر قسم کے بخار دور کر دیتی ہے اور اس سے جلد کے دانے اور خارش دور ہو جاتی ہے۔ جسم کو گرم کرتی ہے۔ جب جلد کے قریب سدے بن کر وہاں پر خون منجمد ہو کر بہق و برص پیدا ہو جاتے ہیں ان کے لئے بے حد مفید ہے۔ معدہ وامعاء کے غدد اور جگر وگردوں سے رطوبات کا اخراج کر کے بھوک بڑھا دیتی ہے اور ان کے لئے مسخن اور مجفف بھی ہے اور محلل اورام بھی ہے۔ کثرت استعمال سے ضعف قلب ہو جاتا ہے۔ محلل عضلات ہے۔ دودھ اور منی کی پیدائش کو کم کر دیتی ہے۔ غدی محرک ہونے کی وجہ سے ادرار بول حارہ اور مدر حیض ہے۔ سردی کے عسر البول میں بے حد مفید ہے چونکہ غدد کے فعل میں تیزی پیدا کر کے صفراء کی پیدائش بڑھاتی ہے اس لئے دافع تعفن اور قاتل کرم ہے۔ تشنجی امراض خصوصاً تشنجی کھانسی کے لئے مفید ہے۔ اس کے اندر ایک قسم کا روغن ہوتا ہے جو انتہائی مسکن اعصاب ہے۔ یہ افیون کے مضر اور زہریلے اثرات کو بہت جلد دور کر دیتی ہے۔ بیرونی طور پر اس کا تیل یا اجوائن کا لیپ، درد، سوزش، زنبور اور عقرب گزیدہ کے لئے سکون پیدا کر دیتا ہے اور زخموں کے تعفن کو روک دیتا ہے۔ اس سے ایک قسم کا ست بنایا جاتا ہے جو اکثر یورپ وامریکہ سے آتا ہے۔ اس کو کسی روغن میں ملا کر تیل بنا لیا جاتا ہے لیکن اس کے لئے روغن غدی عضلاتی ہوتا ہے۔ اسی قسم کے روغنوں کا نام امرت دھارا اور آبِ حیات رکھ دیا گیا ہے۔ یاد رکھیں کہ اجوائن دیسی ایک بھروسہ کی دوا ہے۔

املی

عربی اور فارسی میں تمر ہندی، بنگالی میں املی، سندھی میں گدامڑی اور انگری میں ٹمے رنڈس انڈیکا کہتے ہیں۔املی کا درخت بہت بڑا اور سدا بہار ہوتا ہے۔اس کا چھلکا سیاہ اور کھردرا ہوتا ہے۔ پتیاں سرس کی پتیوں کی طرح ٹہنی پر آمنے سامنے لگتی ہیں اور ایک ڈنڈی پر دس سے پندرہ جوڑے تک پتیوں کے لگتے ہیں۔اس کے پھول گرمیوں میں نکلتے ہیں اس کی پھلیاں تین سے چھ انچ تک لمبی اور ابتدا میں کیکر کی پھلیوں کے مشابہ ہوتی ہیں پکنے کے بعد بادامی رنگ کی ہو جاتی ہے۔پھلی کا چھلکا پتلا اور سخت ہوتا ہے۔ ہر پھلی کے اندر چار سے بارہ تک بیج ہوتے ہیں۔ان بیجوں کے چاروں طرف ترش اور رس دار گودا ہوتا ہے۔یہی گودا زیادہ تر ادویات میں مستعمل ہوتا ہے۔اس کے علاوہ اس کے تخم بھی ادویہ میں استعمال ہوتا ہے۔املی دوا اور غذا میں کثرت سے استعمال کی جاتی ہے۔اکثر شربتوں اور لیمن وغیرہ کی بوتلوں میں اس کا ست استعمال ہوتا ہے جس کو ٹارٹرک ایسڈ کہتے ہیں۔اس کے تخم میں قلیل مقدار میں ایک روغن بھی پایا جاتا ہے۔

مقام پیدائش: سلیمان بن حسان نے کہا ہے کہ املی یمن، ہندوستان اور سوڈان میں بھی پیدا ہوتی ہے۔بصرہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ پاکستان میں بھی کہیں کہیں پیدا ہوتی ہے، لیکن پنجاب کی آب و ہوا اس کے موافق نہیں۔

رنگت اور ذائقہ: رنگت سرخ سیاہی مائل اور خام حالت میں سبز ہوتی ہے۔اس کے تخم بھی سیاہی مائل سرخ ہوتے ہیں۔ذائقہ ترش ہوتا ہے۔

مزاج: سرد درجہ اوّل اور خشک درجہ دوم میں ہوتا ہے۔مقدار خوراک دو تولہ سے پانچ تولہ تک۔

افعال و اثرات: عضلاتی اعصابی یعنی عضلاتی محرک۔اعصابی محلل اور غدی مسکن ہے۔خون میں کیمیاوی طور پر ترشی پیدا ہو جاتی ہے اور اخلاط میں طبعی اور خالص سودا کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔تخم املی کے بھی یہی اثرات ہیں۔

خواص: مولد سودا، دافع قے، مسہل بلغم، مقوی قلب اور معدہ و امعاء، مغلظ بلغم، مقوی خون و دافع بخار بلغمی اور دافع پیاس ہے۔

فوائد: ترشی جسم و خون کا ایک اہم اور مؤثر جزو ہے بلکہ زندگی اور کائنات کا ایک لازمی عنصر ہے۔گویا اس کے بغیر نہ صرف جسم و خون بلکہ زندگی اور کائنات نامکمل ہیں۔جاننا چاہئے کہ اس کائنات اور زندگی میں جس قدر بھی اشیا ہیں چاہے وہ مادہ شکل میں غذا دوا اور زہر ہوں یا محلول اور ہوا کی صورت میں پائی جائیں۔وہ سب تین حالتوں، تین ذائقوں اور تین رنگوں میں پائی جاتی ہیں۔یہ تین حالتیں (۱) کھار (۲) ترشی (۳) نمک ہیں۔نمک بھی دراصل کھار اور ترشی کا مرکب ہے اور ترشی بھی کھار میں خمیر کے بعد پیدا ہوتی ہے۔کھار کا رنگ سفید آسمانی، ترشی کا رنگ سرخ اور نمک کا رنگ زرد تحقیق کیا گیا ہے۔**یعنی جب خون میں کھاری پن زیادہ ہو تو قارورہ سفیدی مائل ہوتا ہے۔ جب ترشی زیادہ ہو تو سرخ ہوتا ہے اور جب خون میں نمک کے اثرات زیادہ ہوں تو قارورہ کا رنگ زرد ہوتا ہے۔**

ترشی دو قسم کی ہوتی ہے اوّل سرد خشک جیسے املی، انار ترش اور سرکہ وغیرہ جن کو ہم عضلاتی اعصابی کہتے ہیں۔دوم مزاج گرم خشک جیسے کوئی اچار انگور اور تیزاب گندھک وغیرہ جن کو عضلاتی غدی کہتے ہیں۔ترشی کے موثر جز کو ماڈرن میڈیکل سائنس میں وٹامن سی کہتے ہیں لیکن ہم نے اس کے جن دو اقسام کی تحقیق کی ہے وہ اس تحقیقات اور ان کے افعال و اثرات کے فرق سے بے خبر ہے۔

جاننا چاہئے کہ ترشی کے افعال و اثرات میں بڑی غلط فہمیاں ہیں۔ہر طبی کتب نے یہ غلطیاں کی ہیں اور یہاں تک کہ جناب حکیم کبیر الدین نے علم الادویہ نفیسی کے ترجمہ میں بھی یہ غلطی کی ہے کہ املی مسہل صفرا ہے۔جو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔کیونکہ جب طب کا یہ

قانون ہے کہ ترشی کا مزاج سرد خشک ہے اور سرد خشک اشیاء سودا پیدا کرتی ہیں اور سودا کبھی بھی صفرا کا مسہل نہیں ہوسکتا۔ بلغم کا مسہل تو ہوسکتا ہے کیونکہ غلیظ ہوکر ہی سودا بنتا ہے۔ اگر ہم ترشی کا مزاج گرم خشک بھی قرار دیں جیسا کہ ہم نے تحقیق کیا ہے تو بھی گرم خشک مزاج مولد صفرا ہوتا ہے مسہل صفرا نہیں بن سکتا۔ اس لئے اس غلط فہمی کو ضرور مدنظر رکھیں جو صدیوں سے طبی کتب میں چلی آتی ہیں اس لئے **املی مولد سودا، مغلظ بلغم اور مسہل بلغم ہے۔**

دوسری غلط فہمی املی کے متعلق یہ ہے کہ اس کو مفرح تسلیم کیا گیا ہے۔ کیفیت مفرح کے متعلق ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ جب تک کوئی دوا یا غذا دل اور عضلات میں تسکین پیدا نہ کرے اس وقت تک وہ مفرح نہیں بن سکتی۔ املی محرک عضلات اور قلب ہے اور ترشی کے مسلسل استعمال سے قلب اور عضلات میں سوزش پیدا ہوکر گھبراہٹ اور بے چینی پیدا ہوجاتی ہے۔ اس لئے املی کو مفرح کہنا غلط ہے۔

تیسری غلط فہمی یہ ہے کہ اس کو صفراوی بخاروں کے لئے مفید لکھا گیا ہے۔ جب یہ سودا کی پیدائش بڑھاتی ہے اور بلغم کا اخراج اور اس کو غلیظ کرتی ہے تو صفراوی بخاروں کے لئے کیسے مفید ہوسکتی ہے۔ البتہ بلغمی بخاروں کے لئے ضرور مفید ثابت ہوتی ہے۔

چوتھی غلط فہمی یہ ہے کہ املی پیاس کو تسکین دیتی ہے۔ یہ اس لئے کہ اس کو قاطع صفرا تسلیم کیا گیا ہے لیکن یہ حقیقت ہم لکھ چکے ہیں کہ املی کا قاطع اور مخرج صفراء سے کوئی تعلق نہیں ہے **جہاں تک پیاس کا تعلق ہے وہ بھی کبھی صفرا سے نہیں ہوتی بلکہ بلغم کی تیزی (اعصابی عضلاتی) سے لگتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں جب جسم میں کھاری پن بڑھ جاتا ہے تو پیاس میں شدت پیدا ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برف کے استعمال سے پیاس بڑھ جاتی ہے۔** اس کا علاج سوزش اعصاب کو ختم کرنا ہے جو ترشی (طبعی سودا) سے ختم ہوجاتی ہے جس کو ہم عضلاتی اعصابی کہتے ہیں جو ترشی اور املی کا مزاج ہے۔ اس سے دوران خون اعصاب و دماغ میں تیز ہوجاتا ہے۔ جہاں پر تحلیل ہوکر سوزش اعصاب ختم ہوجاتی ہے اور پیاس بجھ جاتی ہے۔ یہی پیاس کا راز اور علاج ہے۔ عضلاتی محرک ہونے کی وجہ سے مقوی معدہ اور مخرج بلغم ہے۔

اسی طرح یہ امر بھی ذہن نشین کرلیں کہ قے بھی جسم میں کھاری اثرات بڑھ جانے کی وجہ سے آتی ہے۔ اس کا باعث بھی بلغم کا بڑھ جانا ہے جس کو ہم اعصابی عضلاتی تحریک کہتے ہیں۔ اس کا علاج بھی ترشی کے استعمال سے کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے املی قے میں مفید ہے۔

تخم املی کے افعال واثرات اور مزاج بھی وہی ہیں جو املی کے ہیں۔ یعنی عضلاتی اعصابی لیکن ترشی نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے فوائد میں بہت کمزور ہیں۔ البتہ سوختہ کرنے سے ان میں کچھ قوت پیدا ہوجاتی ہے۔ ان کو زیادہ تر جسم میں قبض اور حبس کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

الائچی

عربی میں قاقلہ، فارسی میں ہیل بوا، بنگالی میں ایلاج اور انگریزی میں کارڈمم کہتے ہیں۔ ایک درخت کے پھل ہیں۔ یہ تقریباً ہر علاقہ میں مشہور دوا ہے جو دوا کے علاوہ کثرت سے غذا اور پان میں استعمال کی جاتی ہے بلکہ گرم مصالحہ کا ایک لازمی جز وقرار دیا گیا ہے۔

اقسام: الائچی دو اقسام کی ہوتی ہے۔ ایک قسم چھوٹی الائچی کہلاتی ہے جس کے اوپر کا پوست سفید سبزی مائل اور اس کے اندر سیاہی مائل چھوٹے چھوٹے تخم بھرے ہوتے ہیں جن کا مزہ کسی قدر تلخ وتیز اور خوشبو مرغوب قسم کی ہوتی ہے۔

دوسری قسم کی بڑی الائچی کہلاتی ہے۔اس کا بیرونی پوست سرخ سیاہی مائل ہوتا ہے۔اس کے اندر تخم بھی سیاہی مائل ہوتے ہیں اور مزہ بھی کسی قدر تلخ وتیز اور خوشبو مرغوب ہوتی ہے۔

مقام پیدائش: مالابار، مدورا، میسور، گورک، ٹراونکور (جنوبی ہند)، لنکا، دارجلنگ اور جنوبی نیپال کے علاقے الائچی کی پیدائش کے لئے خاص طور پر مشہور ہیں۔

رنگت اور ذائقہ: چھوٹی الائچی کے چھلکے کا رنگ سفید سبزی مائل اور تخم قدرے سیاہی مائل ہوتے ہیں۔ذائقہ تلخ وتیز اور ٹھنڈا خوشبودار ہوتا ہے۔بڑی الائچی کے چھلکے کا رنگ سرخ سیاہی مائل ہوتا ہے۔ذائقہ تلخ وتیز اور کم خوشبو رکھتی ہے۔

افعال و اثرات: چھوٹی الائچی اعصابی غدی یعنی اعصابی محرک، غدی محلل اور عضلاتی مسکن ہے۔خون میں کیمیاوی طور پر کھاری پن کے ساتھ اس میں رقت اور لطافت پیدا کرتی ہے۔بڑی الائچی اعصابی عضلاتی یعنی اعصابی محرک، غدی محلل اور عضلاتی مسکن ہے۔خون میں شدید قسم کا کھاری پن پیدا کرتی ہے جس سے اس میں شدید رقت اور لطافت پیدا کرتی ہے۔

مزاج: چھوٹی الائچی تو تیسرے درجے میں تر اور گرم پہلے درجے میں بڑی الائچی تر تیسرے درجے میں تر اور سرد پہلے درجے میں پائی جاتی ہے۔یونانی کتب میں چھوٹی الائچی کو گرم دوسرے درجے میں اور خشک بھی دوسرے درجے میں لکھا ہے اور بڑی الائچی کو گرم پہلے درجے میں اور خشک تیسرے درجے میں لکھا ہے لیکن دونوں مزاج غلط ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جس دوا میں کھاری پن زیادہ ہو اور ترشی بالکل نہ ہو تو وہ ہمیشہ تر ہوتی ہے۔ جب تری زیادہ ہو تو گرمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔دوسری دلیل یہ ہے کہ جس دوا کے کھانے سے جسم میں صفرا پیدا نہ ہو اور سودا میں کمی یا خشکی پیدا نہ ہو تو وہ کبھی بھی گرم وخشک نہیں ہوسکتی۔چھوٹی بڑی الائچی کو جس قدر دل چاہے کھالیں مگر ان سے نہ صفرا پیدا ہوگا اور نہ ہی جسم گرم ہوگا بلکہ جسم ٹھنڈا اور پانی پانی ہوجائے گا بلکہ کافور کے افعال واثرات ظاہر ہوتے جائیں گے۔یہی وجہ ہے کہ اکثر یونانی کتب میں کافور کو گرم اور بعض میں معتدل لکھا ہے اور بہت کم میں سرد لکھا گیا ہے۔مزاج میں گرمی وسردی اور تری وخشکی کے ساتھ کھار وترشی اور نمکین ذائقوں کو بھی ضرور مدنظر رکھنا چاہئے۔اس سے مزاج کے تعین میں یقینی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔

مقدار خوراک: چھوٹی الائچی نصف ماشہ سے ایک ماشہ تک اور بڑی الائچی ایک ماشہ سے تین ماشے تک۔

خواص: مدرر طوبات، مطیب، لطف، دافع ریاح، ہاضم، مفرح، دافع حرارت وبخار اور مقوی۔

غلط فہمی: طب میں اکثر ادویہ کے خواص سمجھنے میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ طب کی اصطلاحات کو صحیح طور پر ذہن نشین نہیں کرایا گیا۔یہی غلط فہمی الائچی کے متعلق بھی ہے۔اس کو ہاضم ومفرح اور مقوی لکھا گیا ہے۔مگر اس کے استعمال میں اکثر غلطیاں کی جاتی ہیں۔اس لئے ہم نے اپنی اکثر کتب میں ان طبی اصطلاحات کی تشریح لکھی ہے۔

ہاضم: عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ کتب علم الادویہ میں جن ادویہ کو ہاضم لکھا گیا ہے وہ ہر حیثیت سے بالخاصہ ہاضم ہیں۔ایسا ہرگز نہیں ہے۔کیونکہ ہر دوا کا اپنا ایک مزاج ہے اور اس کے مخصوص افعال ہیں۔وہ اپنے افعال ومزاج کے مطابق اعضاء اور خون پر اثر انداز ہوتے ہیں مثلاً گرم امراض کے لئے سرد ادویہ اور تر کے لئے خشک ادویات ہی مفید ہوسکتی ہیں۔اسی طرح ہاضمے کی خرابی کا تعلق جن اعضاء سے ہے ان کا درست کرنا صحیح علاج ہے۔یہ نہیں ہے کہ کوئی ہاضم چورن جس میں بہتر ادویہ کو نمک سے لے کر ترشی اور کھار تک جمع کرلیا گیا ہو استعمال کرلینے سے ہاضمہ درست ہو، ہاضمہ کا تعلق منہ سے مقعد کی نالی تک ہے۔اس میں معدہ وامعاء جگر وطحال اور لبلبہ وغیرہ شریک ہیں۔ہاضمہ کی ادویات

تجویز کرنے میں مزاج کے ساتھ ہر عضو کی رعایت ضروری ہے۔ پھر کبھی بھی کوئی نسخہ ناکام نہیں ہوتا۔

اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ فرنگی طب کی بے اصولی اور فرنگی ڈاکٹروں کے عطائیانہ علاج نے ہاضم اور مقوی معدہ ادویات کو بغیر مزاج اور اعضاء کو مدنظر رکھے دُنیا بھر میں غلط ادویہ کا ایک سیلاب پھیلا دیا ہے جو بے حد مضر اور ہر روز نئے امراض اور موت کا باعث بن رہا ہے۔ ان میں ٹی بی اور ہارٹ فیلور کو خاص دخل ہے۔ صرف اتنا لکھ دینا کہ فلاں دوا ہاضم ہے اور معدے کے لئے مفید ہے کافی نہیں ہے۔ جبکہ ہاضم کا تعلق صرف معدہ سے نہی ہے اور معدہ خود مرکب عضو ہے۔ اس میں اعصاب بھی ہیں اور غدد و عضلات بھی ہیں۔ ان سب کے افعال جدا جدا ہیں۔ اس لئے ہضم کی خرابی کی صورتیں بھی مختلف ہیں۔ جب تک ان کو مدنظر نہ رکھا جائے ہاضمہ درست نہیں ہوسکتا۔ فرنگی طب اس علم سے بالکل واقف نہیں ہے۔

مفرح اور مقوی: جب طبی کتب میں مفرح ادویہ اور اغذیہ پر نظر پڑتی ہے جو مفرح قلب کے لئے استعمال کی جاتی ہیں، یہ صحیح ہے کہ مفرح قلب کے لئے ہونی چاہئیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ طبی کتب میں اور اطباء کے معمول میں بھی مفرح قلب ادویہ کو مقوی قلب کی صورت دیئے جاتے ہیں یعنی قلب کے فعل میں تیزی پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ ہر مفرح دوا اور غذا ہمیشہ مقوی دماغ اور اعصابی ہوتی ہے۔ جس سے قلب کی طرف سے دوران خون اور حدت کم ہو جاتی ہے اور وہاں پر تسکین پیدا ہو جاتی ہے یا اعتدال پیدا ہو کر تقویت پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے کسی مفرح قلب شے کو مقوی قلب سمجھ کر استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ تقویت قلب کی خاطر زیادہ سے زیادہ مفرح قلب اشیاء استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اس سے فائدہ کی بجائے نقصان زیادہ ہوتا ہے۔

فوائد: الائچی چونکہ محرک اعصاب اور مولد رطوبت ہے اس لئے اس کا ہاضم ہونا اعصابی تحریک اور کمی رطوبات کے تحت ہے اور جن مریضوں کے جسم میں رطوبات کی زیادتی ہوگی تو الائچی کے استعمال سے ان کے ہاضمہ میں زیادہ خرابی ہو جائے گی۔ اسی طرح جن کے جسم میں رطوبات کی زیادتی ہوگی ان کو الائچی کے استعمال سے نہ کوئی فرحت معلوم ہوگی اور نہ ہی مسرت ہوگی بلکہ دِل زیادہ سے زیادہ گھٹتا رہے گا اور پریشانی بڑھ جائے گی۔ دوسرے معنوں میں جن کے جسم میں تیزابیت کی زیادتی ہو ان کو الائچی مفید ہے۔ لیکن جن کے جسم میں کھار کی زیادتی ہو ان کو الائچی کے استعمال سے تکلیف ہوتی ہے۔ انہی اثرات کے تحت یہ مفرح و ہاضم اور دافع خشونت و بودہن ہے۔ اس کے منہ میں رکھتے ہی لعابی غدد فوراً رطوبت پیدا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ درد شکم اور سوزش معدہ کے لئے بے حد مفید ہے۔ جگر اور گردوں کے ادرار کے لئے اکسیر ہے۔ دافع بخار ہے۔ اس کو مقوی ادویات میں استعمال کرنا مفید نہیں ہے۔

نمکیات خون و جسم

ترشی (ایسڈیٹی)

شاید ہی کوئی ایسا مرض ہو جس میں حکیم اور ڈاکٹر صاحبان ترشی اور کھٹاس کا کھانا بند نہ کر دیتے ہوں، لیکن حیرت کا مقام ہے کہ ترشی سے بڑھ کر دِل کو تحریک دینے والی کوئی شے نہیں ہے۔ ترشی کے اس محرک (سٹیمولنٹ) اثر کے مقابلے میں کسی یاقوتی خمیر اور جواہر مہرہ وغیرہ کو پیش نہیں کیا جا سکتا لیکن معالج صاحبان ہیں کہ ضعف قلب میں بھی ترشی کھانی روک دیتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ پر لطف بات یہ ہے کہ بلغمی کھانسی اور بلغمی دمہ میں خاص طور پر جبکہ بلغم غلیظ اور کثیف ہو گیا ہو ترشی سے بہتر کوئی شے نہیں ہو سکتی مگر یہاں پر بھی معالج صاحبان ترشی کے استعمال سے ڈرتے ہیں۔ حیرت تو اس امر پر ہے کہ خواص المفردات میں تقریباً ہر ترش، دوا اور غذا کے تحت لکھا ہے کہ مخرج بلغم ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ مخرج بلغم کھانسی کے لئے جو مرکبات تیار کئے جاتے ہیں۔ ان کو چٹنیاں کہتے ہیں۔ ان کا ترش ہونا یقینی اثر ہے مگر پھر بھی عام ترش اشیاء سے منع کیا جاتا ہے۔

ایک لطیفہ ہے کہ اگر کسی گاتے ہوئے گویئے کو لیموں، سنگترہ یا انار کی شکل میں ترشی دکھادی جائے تو وہ گاتے ہوئے رُک جائے گا۔ یہ اس لئے کہ منہ میں پانی آ جاتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے دانت کھٹے کرنا محاورہ ہے کیونکہ جن کے دانتوں میں کھٹاس ہوگی وہ منہ میں پانی کی وجہ سے بول نہ سکے گا۔ گویا ترشی ایک ایسی شدید محرک شے ہے جس کے دیکھنے سے بھی جسم سے رطوبات کا اخراج شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے استعمال سے کس قدر تیز اثرات ہوں گے۔

ترشی کے استعمال سے رطوبات کا اخراج کہاں سے ہوتا ہے؟ جاننا چاہئے کہ عضلات (مسلمہ) جسم کی بناوٹ اسپنج نما ہے اور اس میں رطوبت (لکویڈ) اور ہوا ایک تناسب سے بھری رہتی ہے۔ جب جسم میں ترشی کی زیادتی ہوتی ہے تو اس سے ایک طرف جسم میں ریاح (کاربن) کی زیادتی ہوتی چلی جاتی ہے تو دوسری طرف اس سے عضلات میں انقباض پیدا ہوتا جاتا ہے جس سے رطوبات کا اخراج شروع ہو جاتا ہے اور اس کی انتہائی زیادتی با خبر عضلات میں سوزش (اریٹیشن) پیدا کر دیتی ہے۔ گویا ترشی کی زیادتی سے عضلات اور اس کا مرکز دِل اور عضلات کی قسم کے دیگر اعضاء جن میں پھیپھڑے خاص طور پر شریک ہیں ان سب میں سکیڑ پیدا ہو جاتا ہے۔

مزاج و خواص: چونکہ ترشی کا مزاج سرد خشک ہے اس لئے اس سے جسم میں ریاح اور برودت کی زیادتی کے ساتھ ساتھ حرارت اور رطوبات کی کمی واقع ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں سوداویت کی زیادتی اور خون میں غلظت پیدا ہو جاتی ہے۔

کیمیاوی اثرات: ترشی کے استعمال سے غلیظ بلغم لطیف ہو کر اخراج پانا شروع کر دیتی ہے، گویا مقطع اور مضعف بلغم ہے۔ اس کے علاوہ قابض اور مجفف ہے۔ جسم میں بہت جلد نفوذ کر جاتی ہے۔ ہاضم مشتہی مقوی معدہ قاطع صفرا وحدت خون مفرح اور جالی ہے۔ کف کا ناش کر کے وات پیدا کرتی ہے۔ پت کو جگر سے لے کر اعصاب میں داخل کر دیتی ہے۔ پیٹ خاص طور پر آنتوں میں دیوار کو بھر دیتی ہے۔ اسی طرح دل اور

پھیپھڑوں میں وابو مقام کر لیتی ہے۔

استعمال: بلغم کی زیادتی اور بلغمی امراض میں مفید ہے۔ جسم کا ڈھیلا ہو جانا۔ دِل کا پھیل جانا دموی بخار خاص طور پر موسمی بخاروں میں مفید ہے۔ پرانے زخم و پرانی خارش، داد چنبل جسم کے سفید و سیاہ داغ پر لگانے سے بے حد مفید ہے۔ قے دمتلی اور ہیضہ کی ابتدائی حالت کے لئے بھروسہ کی دوا ہے۔

اقسام ترشی

جاننا چاہئے کہ ترشی صرف نباتی صورت میں پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ جماداتی اور حیوانی صورت میں نہیں پائی جاتی۔ البتہ مصنوعی طور پر جماداتی اشیاء سے ملا کر بنائی جاتی ہے۔ اس لئے اس کی دو اقسام ہیں: (۱) اصلی ترشی جس میں املی، آلو بخارا، انگور، انار، سنگترہ، مالٹا، آلوچہ، لیموں، جامن، فالسہ، ٹماٹر اور دیگر ترش سبزیاں اور میوہ جات وغیرہ ترشی کے اثرات کی وجہ سے مشینی طور پر تمام پھلوں اور سبزیوں کے ایک ہی اثرات ہیں لیکن کیمیاوی طور پر تمام پھلوں اور سبزیوں کے ایک ہی اثرات ہیں لیکن کیمیاوی طور پر ان کے اثرات میں بہت کچھ فرق پایا جاتا ہے۔ بعض میں چونے کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ بعض مفرح ہیں، بعض مقوی، بعض حابس ہونے کی وجہ سے قابض اور بعض ليّن ہونے کی وجہ سے ملیّن اثرات بھی رکھتے ہیں۔

دوسری قسم مصنوعی ترشی کی ہے۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ اوّل انہی پھلوں اور سبزیوں کو سڑا کر بنائی جاتی ہے جیسے سرکہ، دوسرے جماداتی اشیاء سے تیار کی جاتی ہے۔ یہ عام طور پر بہت تیز ہوتی ہے۔ ان کو تیزاب (ایسڈ) کہتے ہیں لیکن ان کو ترشی کی مناسبت سے ترشہ کہنا زیادہ بہتر ہے۔

سرکہ یا اس کی دیگر ترشیاں ست املی، ست لیموں وغیرہ عام طور پر نباتات سے بنتی ہیں اور وہ سب نباتاتی اور نامیاتی ہیں۔ اس لئے ان کو عضوی ترشی (آرگینک ایسڈ) کہتے ہیں اور دیگر جماداتی ترشہ کو غیر عضوی ترشہ (اَن آرگینک ایسڈ) کہتے ہیں جن میں تیزاب گندھک، تیزاب نمک، تیزاب شورہ وغیرہ دیگر تیزابات بھی پائے جاتے ہیں جو سائنس کی دُنیا میں مستعمل ہیں۔ جسے ترشہ نوریں (فاسفورک ایسڈ) اور ترشہ لبن (لیکٹک ایسڈ) وغیرہ۔ یہ تمام ترشے اپنی ترشی کی وجہ سے مشینی طور پر باہم مشترک ہیں لیکن کیمیاوی طور پر اپنی دیگر دوا کی وجہ سے اپنے اندر جدا جدا خواص رکھتے ہیں۔

ان کے خواص جاننے سے قبل اس امر کو سمجھنا بھی ضروری ہے کہ ترشہ کیسے تیار ہوتا ہے تا کہ اس کے اثرات اور خواص جاننے میں سہولت پیدا ہو۔ جاننا چاہئے کہ اکثر اقسام کے ترشے تیار کرنے سے قبل تخمیر کا عمل ہونا ضروری ہے۔ عمل تخمیر کیا ہے؟

تخمیر یعنی خمیر اٹھنا (فرمن ٹیشن) ایک کیمیاوی عمل ہے جو اکثر عضوی (آرگینک) اشیاء میں عام طور پر جراثیم کے ذریعے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ کسی چیز میں خمیر اٹھانے کے لئے جو چیز ملائی جاتی ہے اس کو خمیر (ییسٹ) کہتے ہیں۔ خمیر حقیقت میں وہ جراثیم (جرمز) ہوتے ہیں جن میں خمیر اٹھانے کی قوت ہوتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خمیر ملائے بغیر عمل تخمیر ہونے لگتا ہے۔ اس کی یا تو یہ وجہ ہوتی ہے کہ جراثیم ہوا میں سے اس چیز کے اندر گر پڑتے ہیں یا اس چیز میں پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔ انگور کے رس میں ایک خمیر ہوتا ہے۔ اس لئے انگور کی شراب وائن یا سرکہ بنانے کے لئے اس میں مزید خمیر ملانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب کسی چیز میں عمل تخمیر شروع ہوتا ہے تو عموماً وہ چیز گرم ہو جاتی ہے اور اس میں گرم ابخرے اٹھنے لگتے ہیں۔

عمل تخمیر کی مختلف اقسام ہیں۔سب سے زیادہ عام قسم ہے جس سے الکوحل (جوہر شراب) اور کاربن ڈائی آکسائیڈ (دخاں مکر نسیمی) پیدا ہوتے ہیں۔دوسری قسم وہ ہے جس سے بعض خمیر کے عمل سے تیزابات بنتے ہیں۔

خمیر کی اہمیت

خمیر کے عمل کو زندگی اور کائنات میں بے حد اہمیت حاصل ہے۔یہ عمل زندگی اور کائنات کا ایک جزو ہے۔اگر خدانخواستہ عمل تخمیر ختم ہو جائے تو فوراً یہ زندگی اور کائنات بھی ختم ہو جائے۔حقیقت یہ ہے کہ زندگی اور کائنات اس عمل تخمیر یا دوسرے معنوں میں ترشی اور ترشہ پر قائم ہے۔یعنی ترشی سے عمل تخمیر قائم رہتا ہے اور عمل تخمیر سے ترشی یا ترشہ (تیزاب) پیدا ہوتا رہتا ہے۔

زندگی کے بعد دوسرے درجہ پر نشو ونما اور ارتقاء ہے۔یہ حیوانات ونباتات بلکہ جمادات میں بھی بغیر ترشی اور خمیر کے ممکن نہیں ہے۔ جس جسم میں ترشی اور عمل تخمیر کا کیمیاوی عمل ختم ہو جاتا ہے، وہاں نشو ونما اور ارتقا رک جاتا ہے۔کمزور حیوانات وانسان اور درخت و پودے جو رطوبات کی زیادتی سے سڑنے لگتے ہیں ان میں نشو ونما اور ارتقا ختم ہو کر اور تخریب شروع ہو جاتی ہے۔پھر قدرت بقاصلح کے اصول پر کسی اور کی زندگی کے لئے ان حیوانات ونباتات اور جمادات کو غذا بنانا شروع کر دیتی ہے۔

زندگی، نشو ونما اور ارتقاء کے بعد تیسرا مقام طاقت ہے اور یہ طاقت صرف ترشی اور ترشہ سے قائم ہے۔دُنیا میں کوئی ایسی طاقت کی دوا یا غذا نہیں ہے جس میں بالواسطہ یا بلاواسطہ ترشی یا ترشہ نہ پایا جاتا ہو۔جن میں ترشی یا عمل تخمیر نہیں پایا جاتا وہ چیزیں ترشی کو کم کر کے اعتدال پر لانے والی یا بالکل ختم کر دینے والی ہیں۔جیسے نمکیات اور کھاری۔یہ دونوں قسم کی چیزیں طاقت کو اعتدال پر لانے والی یا طاقت کو کمزور کرنے والی ہیں۔گویا زندگی ونشو ونما اور ارتقاء وطاقت کا تعلق قدرت کی طرف سے فطری طور پر خمیر کے ذمے لگا دیا گیا ہے۔

لیکن اس کی زیادتی پھر زندگی میں تکلیف اور نقصان کا باعث ہے مثلاً جسم کے جس حصہ میں ترشی کی زیادتی ہو جائے وہاں پر اوّل تحریک اور تیزی شروع ہو جاتی ہے۔پھر وہاں پر انقباض کی صورت پیدا ہو کر رطوبت خشک ہو جاتی ہے۔پھر وہاں پر سوزش اور جلن کی حالت قائم ہو جاتی ہے لیکن یہ سوزش جلن حرارت کی زیادتی کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ سردی کی وجہ سے ہوتی ہے۔جیسے پانی برف بن کر جب جم جاتا ہے تو جلن اور سوزش پیدا کرتا ہے۔البتہ یہ کیفیت اس لئے عمل میں آتی ہے کہ وہاں پر حرارت کی ضرورت ہے اور طبیعت اس کو طلب کر رہی ہے۔کوئی ترشی گرم نہیں ہے جب تک اس کو گرم اغذیہ یا ادویہ میں نہ ملایا جائے۔جیسے تیزاب گندھک جو ترشی اور گندھک کا مرکب ہے لیکن وہ بھی جسم کو جلا تو سکتا ہے جو سوزش کا عمل ہے لیکن جسم کو گرم نہیں کر سکتا۔گویا کوئی ترشی چاہے اعتدال سے زیادہ بھی ہو جائے جسم کو گرم نہیں کر سکتی۔ البتہ اس کا فعل سوزش اور جلن اس امر کی طرف دلالت ہے کہ وہاں پر حرارت کی ضرورت ہے۔

جاننا چاہئے جسم میں جہاں کہیں بھی سوزش اور جلن پائی جاتی ہے وہ گرمی کی زیادتی کی علامت نہیں ہے۔البتہ ترشی اور ترشہ کی زیادتی کی علامت کہی جاسکتی ہے۔مثلاً خشک نزلہ زکام اور کھانسی کی جلن، پیٹ اور دل کی جلن، جسم پر گرمی کے دانے، پیشاب اور پاخانے میں جلن اور سوزش وغیرہ بلکہ پیاس تک۔یہ سب حرارت کی علامات نہیں ہیں بلکہ حرارت کی طلب کی علامات ہیں۔ان سب کے علاج میں کبھی دافع حرارت اور شربت وغیرہ استعمال نہ کریں بلکہ گرمی پہنچائیں اور گرم تر ادویات یا گرم پانی استعمال کرائیں۔

اسی طرح جس حصہ جسم میں تخمیر کی زیادتی ہو جائے گی وہاں پر فساد اور سوزش اور حرارت کی زیادتی ہو جائے گی لیکن یہ حرارت غریبہ ہوگی، جس سے عام طور پر بخار چڑھ جاتا ہے۔یہ حرارت غریبہ دراصل حرارت غریزیہ کی کمی ہے اور وہاں پر اس کمی کو پورا کرنا چاہئے، نہ کہ دافع بخار یا معرق یا مدر ادویات سے قوت مدبرہ بدن اور اعضاء متعلقہ کو کمزور اور ناکام کر دینا چاہئے۔علاج میں اس قسم کی غلطیاں عام طور پر فرنگی

طب میں ہوتی ہیں۔ یا وہ لوگ کرتے ہیں جو فرنگی ادویات اور مرکبات استعمال کرتے ہیں۔ مریض مرض اور اعضاء کا مزاج اور کیفیات کو نہیں دیکھتے۔ یہ اطباء بلکہ عوام کا فرض ہے کہ انگریزی ادویات سے پرہیز برتیں۔ وہ صرف علامات کی ادویات ہوتی ہیں۔ امراض اور بدن کی ادویات نہیں ہوتیں۔ مندرجہ بالا امور سے ثابت ہوا کہ ترشی اور ترشہ جہاں انسان کے لئے زندگی، نشوونما اور ارتقاء اور قوت کے لئے ضروری ہے، وہاں اس کی زیادتی باعث مرض اور تکلیف بھی ہے۔

ترشی اور ترشہ کے ان خواص وافعال اور اثرات ومنافع کے طب اور آیورویدک میں بے شمار مرکب ہیں۔ جیسے شربت، مربے، اچار، چٹنیاں، شیرہ جات، سرکہ جات، کانجی، سکنجبین اور خشک مفرد صورت میں کشمش، منقی، اعلیٰ آلو بخارا، انار دانہ، امچور، املی، آملہ، خوبانی، زرشک، اشق، سرسوں، رائی، تخم پیاز، گڑ، گلاب، کلونجی وغیرہ۔ سینکڑوں مرکبات اور مفردات ہیں جو استعمال ہوتے ہیں۔ جن کا فرنگی طب میں نہ ذکر ہے اور نہ ایسے بے ضرر علاج کا اس کے پاس جواب ہے۔ ان مرکبات کی تفصیل اس قدر طویل ہے کہ ان پر ایک جدا کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔ ترشہ میں بھی بہت سے اقسام کے تیزابات استعمال ہوتے ہیں جن میں تیزاب گندھک، تیزاب نمک، تیزاب سرکہ اور تیزاب شورہ خاص طور پر روزانہ کے استعمال میں مستعمل ہیں۔ ان کے علاوہ سائنس نے چند خاص قسم کے تیزابات کا بھی اضافہ کیا ہے، جن میں ترشی کم ہے مگر وہ دافع نقص اور دیگر امراض میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے بورک ایسڈ (ترشہ سہاگہ)، کاربالک ایسڈ (ترشہ شفالی)، بنزوک ایسڈ (ترشہ لوبانی)، ٹے نک ایسڈ (ترشہ مازو) وغیرہ۔ ترشہ کے طور پر استعمال نہیں ہوتے لیکن افعال کے لحاظ سے اس امر کا خیال رکھیں کہ جن اعضاء پر ترشی یا ترشہ کا اثر ہے ان کا بھی انہی اعضاء پر اثر ہے۔ اگرچہ کیمیاوی افعال میں ضرور اختلاف پایا جاتا ہے۔

سنکھیا کو بھی سائنس ایسڈ میں شریک کرتی ہے اور اس کا نام اسی لئے آرسینک ایسڈ رکھا گیا ہے۔ دراصل ایسڈ نہیں ہے یہ این ہائیڈرائڈ قسم کے مرکبات میں شریک ہے۔ مگر عضوی اور مشینی افعال کی صورت میں یہ بھی ترشی اور ترشہ میں شریک ہے۔

ترشہ کے کیمیاوی اثرات

تیزاب خود ایک کیمیاوی مرکب یا کیمیاوی اشیاء میں کیمیاوی تبدیلی ہے اور بغیر کاربن کے تیار نہیں ہوتا اور کاربن کیمیاوی ترشی ہے۔ ان تیزابات میں خواص ہیں کہ ان میں ہر قسم کی دھاتیں حل ہوجاتی ہیں۔ دھاتوں کو حل کرنے کے بعد اس محلول کو اگر خشک کرلیا جائے تو اکثر وہ دھاتیں پانی، تیل، گلیسرین، سپرٹ اور الکوحل وغیرہ میں حل کرکے اندرونی وبیرونی طور پر استعمال کی جاسکتی ہیں۔ جو لوگ کیمیاگری کا شوق رکھتے ہیں، ان کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بغیر تیزاب کے کیمیا تیار نہیں ہوسکتی کیونکہ تیزاب ہی خواص ہے اور بغیر اس کے ترشی کے رنگ پیدا نہیں ہوسکتا۔ **ھذا شیٔ ظاھر شفق فی السماء.** ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد کیمیا کے اسرار ورموز پر لکھا جائے گا جو بے حد مفید اور دلچسپ ہوگا۔

کھار (الکلی)

''اونچی دکان اور پھیکے پکوان'' اُردو زبان کی ایک عام ضرب المثل ہے۔ جس میں نفسیاتی طور پر پھیکے پن کی کم مائیگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ پنجابی زبان میں بھی کہتے ہیں ''پھیکے خربوزے متراں دی ارواح'' یہاں بھی پھیکے پن کی کمتری کو بیان کیا جاتا ہے۔ ہمارے ذائقوں میں

پھیکا بھی ایک ذائقہ ہے جس کو ہم کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اس سے ایک مراد تو یہ ہے کہ اس میں شیرینی اور دیگر مصالحہ جات میں کمی کی وجہ سے ذائقہ میں خرابی ہے اور دوسرا مقصد یہ ہے۔ مصالحہ جات کی اس میں ذائقہ اور طاقت کی کمی ہے۔ یہاں تک اس ذائقہ کو فضول خیال کیا گیا ہے۔ تلخ ذائقہ کے مقابلے میں بھی اس کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی کیونکہ تلخ ذائقہ کو بھی مقوی جسم اور مصفی خون خیال کیا جاتا ہے۔ ضعف اور مرض کی حالت میں اکثر تلخ ادویہ اس نظریہ کے مطابق استعمال کی جاتی ہیں۔

اسی طرح ''رنگ پھیکا پڑنا'' بھی ایک محاورہ ہے۔ اس میں رنگ کی اہمیت اور اس کے حسن وخوبی کی نفی کی گئی ہے۔ یہی نفی اگر انسانی چیز کو دیکھ کر کی جائے تو یہ اس کی صحت کی کمزوری یا شرمندگی پر دلالت کرتا ہے۔ دونوں صورتوں میں انسانی کمزوری اور کم مائیگی کو ظاہر کرتا ہے۔ غور کا مقام ہے کہ ہمارے بزرگوں نے صرف ضرب الامثال اور محاورات میں ہی روزانہ زندگی کی حکمت وفلسفہ اور حقائق بیان کر دیئے ہیں۔

پھیکا ذائقہ دراصل کھاری پن ہے جو ترشی کے بالمقابل ہے۔ گزشتہ پرچے میں ترشی کے مضمون میں ہم لکھ چکے ہیں کہ ترشی طاقت ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پھیکا ذائقہ یا کھاری پن جسم میں کمزوری اور خون کے جوش میں کمی پیدا کرتا ہے۔ بالکل رنگوں میں بھی یہ صورت ہوتی ہے کہ ترشی رنگوں کو پیدا کر دیتی ہے اور ان میں مضبوطی کا باعث ہوتی ہے اور اس کے مقابلے میں کھاری پن نہ صرف رنگوں کو خراب کر دیتا ہے بلکہ رنگوں کو صاف کر دیتا ہے۔ جیسے سوڈا، پوٹاس، بلیچنگ پاؤڈر وغیرہ۔ لطف یہ ہے کہ آخر کی دونوں چیزیں رنگ کٹ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ بات تو ہر پڑھا لکھا انسان جانتا ہے کہ ہر قسم کا صابن کھار، سوڈا اور پوٹاس کو تیل میں ملانے سے تیار ہوتا ہے۔ جو انسان اپنے جسم اور کپڑوں کو دھونے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اس سے نہ صرف میل کٹ جاتا ہے بلکہ ہر قسم کی چیچک دور ہو جاتی ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہے کہ ہر قسم کی کھاریں ترشی کی مخالف جسم کو کمزور، خون کو پتلا، روغنیات کو ختم کرنے والی اور رنگوں کو اڑانے والی ہیں۔ اب اس کی روشنی میں اس ضرب المثل پر غور کریں کہ ''اونچی دکان اور پھیکے پکوان'' یعنی ایسے پکوان میں نہ ذائقہ، نہ گھی، نہ مصالحے اور نہ ہی خوش رنگ ہوں۔ یہی صورت پھیکے خربوزوں کی بیان کی گئی ہے کہ ان میں شیرینی ولذت اور خوش رنگی مفقود ہے۔ گویا پھیکی رطوبت ہی رطوبت ہے جو کثرت پیشاب لا کر کمزوری کا باعث بنے گی۔ ممکن ہے ہیضہ کا باعث ہو جائیں، وغیرہ وغیرہ۔

کھار اور ترش کا فرق

کھاری اشیاء کا ذائقہ پھیکا مگر تیز کی صورت میں کسیلا اور کچھ کڑوا ہو جاتا ہے۔ تیزابات کا ذائقہ ہمیشہ ترش رہتا ہے۔ کھاری اشیاء کو چھونے سے صابن سا محسوس ہوتا ہے۔ البتہ ان کی کاسٹک صورت کو چھونا تکلیف کا باعث ہے۔ تیزابات کو نہیں چھو سکتے، وہ شدید کھاری ہیں۔ (۳) کھاری اشیاء آکسیجن اور ہائیڈروجن دونوں گیس ہوتی ہیں۔ تمام تیزابات میں ہائیڈروجن کا ہونا ضروری ہے۔ (۴) کھاری اشیاء میں سرخ لٹمس نیلا ہو جاتا ہے۔ مگر تیزاب نیلے لٹمس کو سرخ کر دیتا ہے۔ (۵) کھاری اشیاء جب ہلدی سے ملتی ہیں تو اس کو بھورا کر دیتی ہیں لیکن ترشی تیزابات کا ہلدی پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

ایک تجربہ

تین امتحانی نلیاں لیں۔ ان میں سے ایک میں سجی، دوسری میں چونا اور تیسری میں کاسٹک پوٹاس ڈالیں۔ اب ان میں دو قطرے

سرخ حل شدہ لٹمس کے ڈالیں۔ فوراً سب میں سرخ لٹمس نیلے ہو جائیں گے۔ اس تجربہ سے ثابت ہو جائے گا کہ جو اشیاء ہلدی کو بھورا اور سرخ لٹمس کو نیلا کر دیں وہ سب کھاری ہیں۔ گویا ان میں ترشی بالکل نہیں ہے۔ البتہ بعض اشیاء ایسی بھی ہیں جن میں نہ نیلا لٹمس سرخ ہوتا ہے اور نہ سرخ لٹمس نیلے رنگ میں بدلتا ہے۔ یہ صورت نمکیات سائنس کے محلول میں ہوتی ہے۔ جیسے کھانے کا نمک اس کو نیوٹرل (متعادل) کہتے ہیں۔ اس کا بیان ہم نمک کے افعال واثرات میں کر چکے ہیں۔

کھاری اشیاء میں سجی، جوکھار، نوشادر، چونا، سہاگہ سفید، قلمی شورہ قابل ذکر ہیں۔ انگریزی ادویات میں سوڈا پوٹاش، میگنیشیا اہمیت رکھتی ہیں۔ ان میں پوٹاش تو بالکل وہی چیز ہے جس سے ہمارے کھاری نمک تیار ہوتے ہیں۔ یعنی کسی چیز کی راکھ لے کر اس کو ایک دن رات کسی لوہے یا تانبے کے برتن میں بھگو رکھے اور دن میں تین چار مرتبہ خوب اچھی طرح ہلاتے رہیں پھر پانی کو نتھار کر آگ پر رکھ کر خشک کر لے۔ بس اس کو اس کی پوٹاش کھار کہتے ہیں۔ یہ ایک انگریزی لغت ہے جو دو کلمات سے مرکب ہے۔ اوّل پاٹ بمعنی ظرف - بادیہ - اور دوسرے ایش بمعنی راکھ۔ بس اس کے معنی ہوئے راکھ بادیہ۔ کیمسٹری میں اس کو دھاتوں میں شمار کرتے ہیں۔ زیادہ مصنوعی طور پر بناتے ہیں۔ اس طرح سوڈیم اور میگنیشیم کو بھی دھاتوں میں شمار کرتے ہیں۔

افعال واثرات کے لحاظ سے یہ سب کھاروں (الکلیز) میں شمار ہوتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ بعض کھاریں جسم اور خون پر تیز اور شدید اثر کرتی ہیں اور بعض کا اثر خفیف ہوتا ہے۔ پوٹاش اور نوشادر کا اثر سوڈیم اور میگنیشیم سے بہت تیز اور شدید ہے اور چونے کے اثرات سب سے کم ہیں۔ اسی طرح سنگ جراح اور دیگر پتھر اور جواہرات وغیرہ مثلاً سنگ مرمر، سنگ یشب، سنگ سرماہی عقیق اور مرجان وغیرہ۔ یہ سب کھاری اثرات رکھتے ہیں۔ اسی طرح ہر قسم کی دھاتیں، سونا چاندی، تانبا لوہا، جست قلعی اور شیشہ، سونا مکھی، روپا مکھی، سرمہ، وغیرہ وغیرہ۔

کیمسٹری میں یہ دھاتیں اکثر تیزابات میں حل کی جاتی ہیں لیکن آیورویدک اور طب میں ان کو کشتہ کیا جاتا ہے اور کوشش کی جاتی ہے جن اشیاء کے ساتھ ملا کر ان کو کشتہ کیا جاتا ہے ان میں بھی ترشی نہ پائی جائے کیونکہ تیزابی کشتے وہ کام نہیں کرتے جو بغیر ترشی کے کشتے اثرات پیدا کرتے ہیں۔ ترش اشیاء اور تیزابات میں کئے ہوئے کشتے اوّل تو جزو بدن کم ہو جاتے ہیں، دوسرا جسم میں جا کر سوزش کا باعث ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا کام کشتہ جات میں یہ ہے کہ جاذب رطوبات اور مقوی اعضاء جسم اور خون ہوتے ہیں۔

نباتی ادویات میں جو تیز کھاری کا کام دیتی ہیں، آک، تھوہر ہر قسم، کنیر ہر قسم، برگد، پیپل، جنگلی انجیر، تلسی، گھیکوار، اٹ سٹ، دودھی بوٹی، تلخ توری وغیرہ ہیں اور انہی میں اکثر کشتہ جات کئے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی بوٹیاں ہیں جن کی تفصیل بہت طویل ہے۔ روزانہ استعمال کی یہ ادویات کھاری اثرات رکھتی ہیں۔ اسپغول، ریحان، بہیدانہ، بید، تال مکھانہ، خرفہ خطمی، خبازی، کشنیز، سپستان، سمندر جھاگ، سنگھاڑہ، سورنجان، صندل، کاہو، کاسنی، کافور، کنول گٹہ، کہربا، گاؤزبان، گل ارمنی، مہندی گیرو، موصلی، نارجیل دریائی، نیم، شاہترہ، چرائتہ، منڈی وغیرہ۔ روزانہ اغذیہ میں غلے ہر قسم خاص طور پر جو، جوار، مکی، چاول، باجرہ، ساگودانہ اور نشاستہ وغیرہ۔ دالوں میں مونگ، ماش، لوبیا وغیرہ۔ پھلوں میں امرود، کیلا، گنا، خربوزہ وغیرہ۔ سبزیوں میں کھیرا، ککڑ، توری، کدو، پیٹھا، شلغم، گاجر، مولی اور چقندر وغیرہ۔

افعال واثرات

تمام کھاری اشیاء کے افعال واثرات مجموعی طور پر تقریباً ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ البتہ کیمیاوی طور پر بعض اجزاء کی کمی بیشی ہوتی ہے جیسے کسی میں فولادی اجزاء زیادہ ہیں تو کسی میں گندھک کے اجزاء پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح کسی میں شدت اور کسی میں خفت پائی جاتی

ہے۔ان سب کے اثرات مجموعی طور پر درج ذیل ہیں۔

جاننا چاہئے کہ ہر قسم کی کھاری اشیاء دافع ترشی ہیں اور چونکہ ایسی عام طور پر سرد تر و سرد خشک اور گرم تر ہوتی ہیں اس لئے جسم سے حرارت کا اخراج بذریعہ رطوبت کرتی ہیں۔جسم میں بلغم کی مقدار یا سردی کو بڑھا دیتی ہیں۔ بہت کم ایسی ادویات ہیں جو گرم خشک ہیں اور ان میں بھی خشکی زیادہ گرمی کم پائی جائے گی۔

کیمیاوی اثرات

بیرونی طور پر جب بھی کھاری اشیاء لگائی جائیں تو وہ فوراً وہاں رطوبت کا ترشہ شروع کر دیتی ہیں۔ اگر یہ اشیاء کلوی بھی ہوں تو بھی رطوبت کا ترشہ بند نہیں ہوگا کیونکہ ان کا اثر اعصاب کے فعل میں تیزی پیدا کرتا ہے جس سے جسم کے غدد رطوبات کا ترشہ شروع کر دیتے ہیں۔

اندرونی طور پر جب ان اشیاء کا استعمال کیا جاتا ہے تو وہاں پر رطوبت کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اس قسم کی اشیاء خصوصاً پھل، سبزیاں جیسے امرود، کھیرا اور ککڑی استعمال کی جاتی ہیں تو اکثر ہیضہ ہو جاتا ہے۔ اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ جسم خصوصاً معدہ اور امعاء میں رطوبات بہت زیادہ پیدا ہو جاتی ہیں اور طبیعت اس غیر طبعی مواد کو قے اور اسہال سے خارج کرنا شروع کر دیتی ہے چونکہ دوران خون اعصاب و دماغ کی طرف ہوتا ہے۔ اس لئے دِل اور عضلات کی طرف سکون پیدا ہو جاتا ہے اور جگر و گردہ اور دیگر عضو جسم میں تحلیل شروع ہو جاتی ہے۔

خون میں ہیموگلوبین (سرخی) اور رطوبات کی مقدار میں کمی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے۔خون گاڑھا ہو جاتا ہے، اگرچہ اس قسم کی اشیاء کا اثر خون میں سے جلد ختم ہو جاتا ہے لیکن اگر شدید اسباب ہوں یا ادویات زہریلی قسم کی ہوں یا وبائی ہیضہ شدت اختیار کر جائے تو اکثر موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ذہن نشین کر لیں کہ وبائی ہیضے میں بھی ہمارے اردگرد کی فضا کھاری ہو جاتی ہے۔ کھانے پینے کا کوئی زیادہ اثر نہیں ہوتا۔ البتہ ان دنوں میں جو لوگ کھاری اشیا کا استعمال کرتے ہیں جیسے چاول اور دالیں وغیرہ تو فوراً ہیضے کا شکار ہو جاتے ہیں۔

دِل

چونکہ جسم میں رطوبت کی زیادتی ہو جاتی ہے، اس لئے عضلات اور خاص طور پر دِل میں سکون واقع ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ گویا کھاری اشیاء عضلاتی ریشوں کو سست کرنا شروع کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ دِل سکڑنے سے رہ جاتا ہے اور تشنج شروع ہو کر آخر موت واقع ہو جاتی ہے۔

جگر اور گردے

کھاری اشیاء کے استعمال سے جگر اور گردوں کی طرف خون کی مقدار بہت زیادہ ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے ان میں تحلیل شروع ہو جاتی ہے۔ صفراء اور قارورہ کے اخراج میں زیادتی ہو جاتی ہے۔ گویا جسم میں حرارت اور رطوبت دونوں کم ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ گویا انہی اشیاء سے اپنی گرمی کو خرچ کر سکتا ہے۔

تنفس

چونکہ رطوبات اور اخراج کی کمی اور قلب و عضلات ریشوں میں سستی واقع ہو جاتی ہے۔اس لئے پھیپھڑوں کے افعال میں بھی سستی

اور رطوبت کی زیادتی سے تنفس میں سستی واقع ہو جاتی ہے۔ پوٹاس کے اثرات سودا سے تیز ہوتے ہیں۔

فوائد

ان ادویات کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب جسم میں تیزابیت یا صفراء کی زیادتی یا ان کی زیادتی سے امراض پیدا ہو جائیں تو ان کا اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ جیسے نزلہ، زکام، کھانسی، بخار جو ترشی یا صفراء کی زیادتی سے ہوں۔ اسی طرح جسم کے حصہ سے خون کا آنا، پیچش، بندش پیشاب، معدہ کی جلن، نقرس، سوزاک، بواسیر، پتھری وغیرہ۔

مرکبات

مفرد اشیاء کے علاوہ ان کے مرکبات بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔ جن مرکبات میں شیر عشر، کنیر، بورکس، نشادر، بجی، سرمہ، فولاد، قلعی اور سیسہ اکسیر کا حکم رکھتے ہیں۔

گندھک کے اثرات اور افعال

گندھک کا سنہری رنگ دیکھ کر اہل فن کا ذہن فوراً سونے کی طرف جاتا ہے اور جب گندھک آگ پر پگھل کر تیز سرخی مائل رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ محوی کا دِل تڑپ تڑپ جاتا ہے اور دِل میں کہتے ہیں، کاش اس کو آگ نہ لگے اور یہ یونہی محلول صورت میں رہے یا تیل کی صورت اختیار کر لے یا کسی ایسے تیل میں حل ہو جائے جو آگ سے نہ جلے تو فوراً یہ گندھک یا اس کا محلول اور نئے دھات کو رنگ کر سونا بنا دے اور علم وفن، زندگی و معاشرہ اور ملک و مذہب کی خدمت کر سکیں لیکن اکثر اپنی یہ تمنا لے کر دُنیا سے رخصت ہو گئے۔

مگر ان ہزاروں سالوں میں لاکھوں انسانوں نے سونا بنانے کے لئے تجربات کئے ہیں اور اپنی زندگیاں اور بے حساب دولت بے دریغ پھونک دی ہے۔ کوئی شک نہیں ان میں سے اکثر کو سونا بنانے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ تاہم وہ اپنے تجربات اور مشاہدات کا ایک ایسا خزانہ چھوڑ گئے ہیں جو کسی طرح بھی سونا اور کیمیا سے کم نہیں ہے۔ انہوں نے جو اکسیرات اور رسائن تیار کی ہیں کوئی شک نہیں کہ وہ نہ صرف جسم انسان کے امراض کو صابن کی طرح دھو دیتی ہیں بلکہ انسانی جسم کو کندن بنا دیتی ہے۔ اکسیرات اور رسائن کے کمالات دیکھ دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے۔

سب سے پہلے یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ دُنیا بھر میں جس قدر اکسیرات اور رسائن تیار ہوتی ہیں، ان میں بالواسطہ یا بلاواسطہ گندھک یا ذات خود یا حرارت کی صورت میں ضرور شامل ہوتی ہے۔ گویا گندھک کے بغیر کوئی شخص کوئی اکسیر اور رسائن تیار نہیں کر سکتا۔

دوسری بات یہ ذہن نشین کر لیں کہ جسم میں انسان کی 99 فیصد امراض گندھک اور اس کی صورت سے دور ہوتے ہیں۔ گویا یہ خداوند کریم کی ایک ایسی نعمت ہے جس کے اس دُنیا میں داخل ہونے سے کہا جاسکتا ہے کہ لکل داء دواء جو اہل فن اس کے کمالات سے پورے طور پر واقف ہیں۔ وہ اس کو ہر رنگ میں استعمال کر سکتے ہیں اور اس سے ہر قسم کی اکسیر اور رسائن تیار کر سکتے ہیں۔

ہم اپنے ذاتی تجربات کی بنا پر یہاں تک کہہ سکتے ہیں جس طرح گندھک انسانی جسم کی 99 فیصد امراض کو نہ صرف دور کر سکتی ہے بلکہ کندن بنا سکتی ہے اسی طرح اس میں یہ خوبی بھی پائی جاتی ہے کہ یہ ناقص دھاتوں کو مکمل اور نئے دھاتوں کو اعلیٰ دھاتوں میں تبدیلی کرنے کی 99 فیصدی طاقت رکھتی ہے۔ اگر اس میں یہ قوت نہ ہوتی تو اس سے کبھی بھی اکسیرات اور رسائن تیار نہ ہو سکتے اور نہ ہی جسم انسانی کے 99 فیصدی امراض رفع ہو سکتے۔ گندھک اگرچہ خود ادنیٰ دھاتوں کو اعلیٰ دھاتوں میں اور خام دھاتوں کو مکمل دھاتوں میں

تبدیل نہیں کر سکتی تاہم دوسری دھاتوں کو اس قابل ضرور بنا دیتی ہے کہ وہ دیگر دھاتوں میں تغیر پیدا کر دے۔ اس کی یہ طاقت بھی کیمیا ہے اور سونا بنانے سے کم نہیں ہے۔ چونکہ یہاں یہ ہمارا مقصد گندھک کے اثرات و افعال پر بحث کرنا ہے اور اس کی طاقت کا اظہار کرنا ہے۔ اس لئے کیمیا کا کچھ حوالہ دیا گیا ہے۔ کیمیا اور اکسیر پر ہم بہت جلد مضامین کا ایک سلسلہ شروع کریں گے اور اس کو اس حد تک علمی اور فنی مقام تک پہنچا دیں گے کہ دُنیا کے سامنے نہ صرف انگریزی ادویات بے حقیقت بن کر رہ جائیں گی بلکہ ہر شخص کیمیا کے مبادیات اور صحیح فن سے واقف ہو جائے گا۔

گندھک کی ماہیت : گندھک کی پیدائش تو اجزائے خاکی سے ہے مگر بہ سبب شدت حرارت معدن کے پختہ ہو کر زرد رنگ کی ہو جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ گندھک کی اصل بھی پتھر ہے۔ مگر معدن میں مختلف مقامات پر جیسے جیسے حرارت کے مختلف اثرات پڑتے ہیں۔ ویسے ہی اس میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس تغیر کے نتیجہ سے آہستہ آہستہ ان پتھروں کی بے شمار صورتیں پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پتھر بھی ایک عرصہ بعید اور مدت مدید کے بعد معدن کی حرارت میں گندھک میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ تمام دھاتیں بھی معدن میں پتھر سے بنی ہوئی ہیں تو کوئی مغالطہ نہ ہوگا کیونکہ حکماء نے تسلیم کیا ہے کہ ہر دھات کی اصل گندھک اور پارہ ہیں اور پھر دھاتوں کی تمام صورتیں معدن میں حرارت اور برودت کے مختلف اثرات اور تغیرات ہیں۔ اس لئے گندھک کے متعلق کہا جاتا ہے کہ عام طور پر ان معدن میں پائی جاتی ہے جہاں پر قریب آتش فشاں پہاڑ ہوں مثلاً سسلی وغیرہ کے علاقے میں قدرتی طور پر بہت گندھک کہتے ہیں لیکن قدرتی گندھک شاذ و نادر ہی خالص ہوتی ہے۔ عموماً اس میں مٹی اور معدن کی دیگر کدورتیں ملی ہوتی ہیں۔ مختلف حالت میں یہ زیادہ تر سیسہ، جست، لوہا اور تانبے کے ہمراہ ملی ہوئی نکلتی ہے۔ پھر صاف کرنے کے بعد اس کو بازار میں لاتے ہیں۔

دیگر اشیاء جن میں گندھک پائی جاتی ہے: ہڑتال، شنگرف، پارہ، شیر زقوم، زہرہ حیوان و مچھلی، انڈوں کی زردی، پیاز، لہسن، ہلدی، رائی، اجوائن، حنظل، آیوڈم، ریوند چینی، ریوند عصارہ، ریوند خطائی، بادیان، شہد، گھیکوار، روغن زیتون، گھی اور سرمہ وغیرہ۔

اقسام : کہتے ہیں کہ گندھک چھ قسم کی ہوتی ہے۔ ہلکی زرد، گہری زرد، سبز، سفید، سیاہ اور سرخ۔ آخر ذکر کو کبریت احمر کہتے ہیں۔ اس کو اکسیر میں شمار کرتے ہیں اور جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ نایاب ہے اور جس کے متعلق یہ شعر کہا گیا ہے ؎

نہ گو گرد سرخی و لعل سفید
کہ جوئندہ از تو شود نا امید

بعض لوگ کہتے ہیں گندھک جزائر مالدیپ میں بہت ملتی ہے۔ اس کی رنگت سرخ بھی ہوتی ہے اور وہ آگ پر قائم بھی رہتی ہے۔ تاہم اکسیر کے عمل سے خالی ہے۔

حقیقت : میرے خیال میں گندھک صرف زرد رنگ کی ہوتی ہے جو بازار میں ملتی ہے۔ البتہ اگر وہ زیادہ صاف نہ ہو اور اس میں چونے کے اجزاء زیادہ ملے ہوں تو اس کو ہلکی زرد رنگ کی گندھک کہہ دیں۔ سرخ اور سفید رنگ کی گندھک صرف مصنوعی ہوتی ہے۔ قدرتی رنگ میں نہیں پائی جاتی۔ البتہ سرخ رنگ کی گندھک شنگرف کو کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح گندھک جو کیمیاوی طور پر بے رنگ کر لی جاتی ہے وہ سفید کہلاتی ہے۔ اسی طرح سیاہ رنگ کی گندھک سرمے کو کہا گیا ہوگا۔ باقی رہا اس کا قائم النار ہونا۔ یہ ناممکن ہے۔ البتہ گندھک کو کسی دھات میں اگر جذب کر دیا جائے جیسا کہ گندھک اور پارہ یا سیسہ اور گندھک کا مرکب بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح لوہا اور تانبے کے مرکب گندھک کے ساتھ تیار کئے جا سکتے ہیں۔ ان میں کسی کو قائم النار کیا جا سکتا ہے اور پھر اس کو اکسیر کے کام لایا جا سکتا ہے۔ کبریت احمر کے

متعلق یہ بھی کہا گیا ہے: ''حسنین کبریت احمر عمر ضائع کردہ است''۔

طبعی خواص: یہ ایک خوبصورت اور زرد رنگ کی معدنی اور اپدہات ہے۔ ذائقہ بے مزہ اور بے بو ہے۔ پانی میں نا قابل حل ہے۔ کہتے ہیں کاربن بائی سلفائڈ اور روغن تارپین میں حل ہو جاتی ہے۔ آخر الذکر میں حل کرنے کی کوشش کی گئی مگر حل نہیں ہوئی۔ بعض دوستوں نے بتایا کہ ٹنکچر بن زوئنک میں حل ہو جاتی ہے۔ مگر تجربہ کا موقعہ نہیں ملا۔ البتہ بعض دھاتوں میں ملائی جاسکتی ہے اور کسی قدر بعض روغنیات میں بھی حل ہو جاتی ہے۔ اگر اس کو کڑاہی میں ڈال کر آگ پر رکھا جائے تو اوّل پگھل کر زرد رنگ کا سیال بن جائے گی۔ تیز آگ پر اس سیال کا رنگ زرد گہرا سرخ ہو جاتا ہے۔ اس میں سے بھورے رنگت کے بخارات نکلنے لگتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شعلہ پیدا ہو گیا ہے۔ اگر اس کا دھواں تنفس کی راہ اندر چلا جائے تو فوراً کھانسی شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے دھوئیں کے سامنے اگر گلاب کا پھول کیا جائے تو اس کا رنگ دور ہو جائے گا اور سفید رنگت میں تبدیل ہو جائے گا۔

کیمیاوی خواص: احتراق پذیر ہے، شعلہ ہے۔ دھاتوں میں مل جاتی ہے۔ ان کو رنگ دیتی ہے اور اپنی زیادتی میں دھاتوں کو فنا بھی کر دیتی ہے۔ پارہ کے ساتھ مل کر سیاہ رنگ کی کجلی یعنی پاؤڈر کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ آگ پر پگھلا کر اگر پانی میں ڈال دیں تو نرم ہو جاتی ہے۔ اس وقت اس کو جو شکل چاہئے دے دیں۔ اگر کجلی بنا کر پکایا جائے تو شنگرف کی طرح سرخ ہو جاتی ہے نمک وغیرہ میں کھرل کر کے بار بار ترش پانی سے دھوئیں تو سفید ہو جاتی ہے۔ نمک جیسی ہلکی دھاتوں میں ملا کر بھی بعض لوگ اس کو قائم النار کر لیتے ہیں اور پھر اکسیر کا کام لیتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ جب یہ سفید ہو جاتی ہے تو پھر دھاتوں کو نہ سیاہ کرتی ہے اور نہ کھاتی ہے۔ کیونکہ اس طرح اس کے اندر جو کچھ تیزابی مادہ ہوتا ہے دور ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا تیل چاندی اور تانبے کو رنگ دیتا ہے اور شنگرف کو قائم النار کر دیتا ہے۔ اس کا تیل نکالنے کے بہت سے نسخے ہیں۔ ان میں عام طور پر نوشادر، سجی، کھار، سہاگہ، کافور، پارہ، نیلا تھوتھا، سنکھیا وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔

طبعی خواص: اس کا مزاج تیسرے درجے میں گرم خشک ہے لیکن یہ یاد رکھیں کہ اس میں جس قدر چونا زیادہ ہوگا اسی قدر خشک زیادہ اور گرم کم ہوگی اور جس قدر یہ صاف ہوگی اسی قدر زیادہ گرم اور سفید ہوگی۔ بہت اچھی ملین، معدی، ایسی خون کی خرابی میں جس میں حرارت کی کمی ہو فوراً خون کو صاف کرتی ہے۔ مولد حرارت، دافع ریاح شکم وسوزش عضلات ہے۔ اس وجہ سے محلل اورام اور مسکن اوجاع ہے۔ اکثر اقسام جراثیم کے لئے قاتل ہے۔ اگر اس کو مکمل طور پر چونا سے صاف کر لیا جائے تو ہر قسم کے خون آنے کو روکتی ہے۔ اسی لئے بواسیر اور شقاق المقعد کے لئے مفید ہے۔ خشک کھانسی دمہ اور پرانے بخاروں میں یقینی دوا ہے۔ درحقیقت یہ دوا دافع سموم اور سدہ کے لئے بڑے دعوے کے ساتھ استعمال کی جاسکتی ہے۔ بیرونی طور پر خارش، زخم، داد اور چنبل کے مفید ترین دواؤں میں شمار ہوتی ہے۔

گندھک کے مختلف نام: کسی دوا کے جس قدر زیادہ نام رکھے جاتے ہیں وہ سب اس کی خوبیوں پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ جو شخص بھی کسی دوا میں سب سے زیادہ خوبی دیکھتا ہے، اس کو اسی نام سے پکارتا ہے۔ چونکہ گندھک کے بھی بہت سے نام ہیں۔ وہ سب اس کی خوبیوں پر دلالت کرتے ہیں۔ اگر ان کی توضیح کی جائے تو بہت زیادہ دلچسپی کا باعث ہوگی مگر مضمون کی طوالت کے خیال سے نظر انداز کرتے ہیں، صرف ناموں پر اکتفا کرتے ہیں جیسے گوگرد، کبریت، حردوس، اصل حار، عقرب، ہرتقون، روش زاد، عروسک، سندروس، حضر، اصغر حضر رومی، مدیخ اصلی، روغن داغ، پاروتی وغیرہ۔

گندھک کے نقصانات: فوائد کے مقابلہ میں اس کے نقصان برائے نام ہیں۔ اس کے نقصان اس وقت ظاہر ہوتے ہیں جب اس کو

اچھی طرح سے صاف نہ کیا جائے یا بغیر ضرورت استعمال کیا جائے یا غلط استعمال کیا جائے۔ اسی طرح مقدار خوراک سے زیادہ استعمال کرانے سے بھی اس سے تکلیف ہو جاتی ہے۔ اس کے نقصانات میں عام طور پر ضعف قلب اور خاص طور پر قلب کے غشاء میں سوزش، زحیر، بعض اوقات خونی پیچش، گردے اور جگر سکڑ جاتے ہیں۔ خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ چمڑے کی غشاء مخاطی سے لے کر آنتوں تک سب سوزش نازک ہو جاتی ہے جس سے نزلہ اور کھانسی کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ خصیئے بھی سکڑنے شروع ہو جاتے ہیں۔ بھوک بند ہو جاتی ہے۔ ہر وقت طبیعت میں وحشت رہنے لگتی ہے جسم میں صفراء زیادہ پیدا ہونے شروع ہو جاتا ہے اور غصہ بڑھ جاتا ہے۔ رنگت زرد ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ آخر میں بخار بھی شروع ہو جاتا ہے جو پسینہ آ کر اُتر جاتا ہے۔ جسم پر دانے نکل آتے ہیں۔ جسم میں چونا کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ خون میں رقت پیدا ہو جاتی ہے۔ طبیعت کمزور کمزور لگتی ہے۔ جسم میں استقلال ختم ہو جاتا ہے۔ آخر میں ضعف عضلات پیدا ہو کر فالج کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

کیمیاوی اعمال: گندھک کیمیاوی اعمال کا ایک اہم جزو ہے۔ گویا اس کے بغیر کوئی کیمیاوی عمل تکمیل پذیر نہیں ہو سکتا۔ کیمیاوی اعمال صنعت و حرفت کے علاوہ گندھک اور اس سے متعلقہ ادویہ اکسیر و رسائن اور کشتہ جات تیار کرنے میں ایک اہم عمل انجام دیتی ہیں مثلاً پارہ کے ساتھ ملانے سے فوراً اس کا جسم راکھ ہو جاتا ہے۔ اس طرح سنکھیا اور دوسری دھاتوں میں مل کر ان کے اثرات و افعال میں تغیر پیدا کر دیتی ہے۔ ہر قسم کے تیزابی اور غیر تیزابی یعنی کھاری شے اور دھات کا کشتہ گندھک اور اس کے متعلقہ ادویات میں ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ تانبے کا کشتہ اس میں ہو جاتا ہے۔ حجریات کے کشتہ جات اس میں بے حد آسانی سے ہو سکتے ہیں۔

دیگر اعمال مثلاً اس کو صاف کرنا، اس کو سفید کرنا، اس کو سرخ کرنا، اس کو قائم کرنا، اس کو تیل کرنا، اس کو عامل بنانا، اس کا تیزاب تیار کرنا، اس کا جوہر اڑانا، اس کا محلول بنانا وغیرہ۔ اکثر معروف کتب میں درج ہیں۔ ان کا ذکر یہاں اس لئے نہیں کیا گیا کہ باعث طوالت ہوگا۔ بہت جلد کیمیا کا سلسلہ شروع کرنے والے ہیں۔ اس کی مبادیات بیان کرنے کے بعد ان تمام کی صحیح صورتیں اور تراکیب ذہن نشین کرائیں گے تاکہ اس علم سے پوری واقفیت ہو جائے اور آئندہ غلط اور صحیح اکسیر اور رسائن کا امتیاز ہو سکے۔ اب ذیل میں چند اہم نسخے لکھ دیتے ہیں تاکہ ممبران ان سے مستفیض ہو سکیں۔

① اکسیر کبریت: گندھک ۷ حصہ پارہ ایک حصہ۔

ترکیب: دونوں کو نصف گھنٹہ کھرل کر کے رکھ دیں اور تین یوم تک پڑا رہنے دیں۔ بس تیار ہے۔ (غدی حار) جسم میں ہر قسم کی سوزش مثلاً نیا پرانا نزلہ کھانسی، قے معدہ، سوزش اسہال، جگر اور گردہ میں سوزش، پرانا سوزاک، آتشک اور ہر قسم کے اندرونی اور بیرونی زخم، خشک استعمال کریں یا کسی تیل اور گھی وغیرہ میں ملا کر استعمال کریں۔ اس دوا کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جس کسی دوا میں ملا دیں گے اس کا اثر بیس گنا زیادہ ہو جائے گا۔ گویا ایک قسم کا امرت دھارا ہے جسم میں بے پناہ حرارت پیدا کرتی ہے اور مصفی خون ہے۔ **مقدارِ خوراک:** ایک رتی سے ۳ ماشے تک ہمراہ پانی یا مناسب بدرقہ۔

② تریاق غدد: گندھک ۳ تولے، گل عشر ۳ تولے، سہاگہ سفید ۳ تولے۔

ترکیب: سفوف بنالیں۔ خوراک ایک رتی سے ۴ رتی تک ہمراہ آب نیم گرم۔

اثرات و افعال: (غدی اعصابی) ہلکا ملین۔ پرانی پیچش، پرانی کھانسی و نزلہ، دمہ کلوی، پرانا بخار مثلاً ملیریا وغیرہ میں بے حد مفید ہے۔ اگر اس کو ذرا سمجھ کر استعمال کیا جائے، دق الامعاء اور محرقہ میں بھی ایک کامیاب دوا ہے۔ گردہ مثانہ، خصیوں وغیرہ کی سوزش اور پیشاب و پاخانے

میں جلن کے لئے دعویٰ کی دوا ہے۔

(۳) **گندھک** - ہلیلہ سیاہ سوختہ ہم وزن (ملیّن حار)۔

ترکیب: ہلیلہ سیاہ کو اوّل گھی لگا کر آگ پر سوختہ کرلیں پھر گندھک کا سفوف ملالیں۔ **مقدارِ خوراک**: ایک ماشہ سے 6 ماشے تک۔

اثرات و افعال: (غدی عضلاتی) ایک بہت اچھا بلغمی ملین ہے۔ ہر قسم کے بلغمی نزلہ وزکام، کھانسی دمہ اور بخاروں میں مفید ہے۔ معدہ اور امعاء کو تقویت دیتا ہے۔ بھوک لگاتا ہے، بے حد مقوی قلب ہے، بچوں کے لئے خاص طور پر مفید ہے۔ ان کی خوراک نصف یا چوتھائی ہونی چاہئے۔ یہ تمام نسخے صندوقچہ کے ہیں، ہر وقت مطب میں تیار رہنا چاہئیں۔

چونا ۔ کیلشیم

کائنات اور زندگی کا سب سے بڑا جز چونا ہے۔ اگر اس جز کو کائنات اور زندگی سے نکال دیا جائے تو یہ دونوں چیزیں ہی بیکار ہو جائیں۔ کائنات اور زندگی، آگ، ہوا، پانی اور مٹی جیسے ارکان سے مل کر بنی ہیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ چونا صاف شدہ مٹی ہے جو صدیوں دریاؤں کی روانی سے ڈھل کر ہزاروں سال سمندر کی گہرائیوں میں صاف ہوتی جمتی اور سخت ہوتی رہی پھر پتھر بن کر پہاڑوں کی صورت میں دُنیا پر نمودار ہوئی۔ اس طرح صدیوں کی اصلاح وارتقاء کے بعد یہ ایک نیا جسم اور نیا قالب اختیار کر کے دُنیا اور دنیا کے لئے ایک نئے انداز میں مفید اور کارآمد ثابت ہوئی۔

اگر ماڈرن سائنس کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ مٹی اپنے اندر 80-90 کے قریب عناصر (ایلیمنٹ) رکھتی ہے، لیکن اگر ان سب کا کیمیاوی تجزیہ کیا جائے تو جہاں تک مادہ کی تین حالتوں (ٹھوس، مائع اور گیس) کا تعلق ہے تو ٹھوس صورت میں وہ سارے عناصر میں نہ صرف شریک ہے بلکہ اس ٹھوس مادے کے اثرات مائع اور گیس میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اس طرح اگر موالید ثلاثہ (جمادات، نباتات اور حیوانات) کا بھی کیمیاوی تجزیہ کیا جائے تو ان سب میں مٹی اور اس کے عناصر کسی نہ کسی رنگ میں پائے جائیں گے۔ اس کی صاف اور منزہ حالت کو ہی پتھر کہا جاتا ہے۔

پرانے علم کیمیا میں ہر چیز یہاں تک کہ دھاتوں کی پیدائش کے اصل کو بھی پتھر سے تسلیم کیا گیا۔ انہوں نے پتھر سے لے کر گندھک وسیماب اور چاندی سونے تک سب کو پتھر کی اصلاحی اور ارتقائی صورت میں تسلیم کیا ہے جو کانوں میں صدیوں تک پڑے رہنے اور سورج کی تپش وحرارت، بارش کے پانی کے مختلف تغیرات وتخمیر اور مختلف گیسوں کی تبدیلی اور سڑاند کے بعد اپنی قسم قسم کی خوبصورت اور حسین شکلوں میں نمودار ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ یہی پتھر کبھی شدت حرارت سے لطافت اختیار کر کے بھک سے اڑ جانے والا مادہ بن جاتا ہے جو نباتی (پتھر کا کوئلہ) کے ساتھ مل کر جلتا ہے اور دھاتوں کے ساتھ مل کر لاوا بنا دیتا ہے اور اکثر آتش فشاں کی شکل میں آتش بار بن جاتا ہے۔ جب پہاڑ آتش فشانی کرتے ہیں اور لاوا اُگلتے ہیں، زمین میں زلزلے آتے ہیں جن سے نقصان بھی ہوتے ہیں اور فائدے بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ کبھی یہی پتھر مختلف کیمیاوی تبدیلیوں کے بعد ایسی لطافت اختیار کر لیتے ہیں کہ اس سے ہیرے، جواہرات اور لعل بدخشانی پیدا ہو جاتے ہیں گویا یہی مٹی، پانی وہوا اور آگ کی طاقتوں سے صاف ومنزہ ہو کر پتھر سے ایک طرف جمادات میں لعل اور سونا بنتا ہے۔ دوسری طرف نباتات میں کھجور اور انگور کے روپ اختیار کرتی ہے تو تیسری طرف حیوانی زندگی کی شکل میں نظر آتی ہے۔ حیوان ناطق میں اس کی موجودگی نہ صرف خون اور ہڈیوں میں نمایاں ہے بلکہ گوشت کی ہر بوٹی اور اس کے ہر ذرے میں نظر آتی ہے۔ ام الکتاب میں

جو یہ کہا گیا ہے کہ انسان سنی ہوئی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ یہی وہ سنی ہوئی مٹی ہے جو صدیوں کی محنت کے بعد صاف و منزہ ہو کر پتھر کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

پتھر جب جل جاتا ہے یا جلایا جاتا ہے تو اس کو چونا کہتے ہیں۔ چونا ایک سفید ٹھوس لو ہے جو کھڑیا یا چونے کے پتھر کو جلانے سے بنتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں سائنس میں کیلشیم کاربونیٹ کہلاتی ہیں۔ انہی پر کچھ منحصر نہیں ہے۔ بلکہ ہر کیلشیم کاربونیٹ سو حصوں سے چونا کے ۵۶ حصے (وزن کے اعتبار سے) پیدا ہوتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کے ۴۴ حصے خارج ہوتے ہیں۔ اگر سو من پتھر کو پتھر کے کوئلے کے ساتھ ملا کر بھٹی میں آگ دی جائے تو ۵۶ من چونا تیار ہوتا ہے۔ اس طرح تیار کئے ہوئے چونا کو ان بجھا چونا کہتے ہیں۔ جب ان بجھے چونے پر پانی ڈالا جائے تو پانی کے ساتھ ترکیب کھا جاتا ہے اور اس کیمیاوی امتزاج کے دوران میں اس قدر حرارت پیدا ہوتی ہے کہ بھاپ خارج ہونے لگتی ہے۔ ان بجھے چونے پر پانی ڈالنے کے عمل کو چونا کا بجھانا کہتے ہیں۔ ان بجھے چونے کے ۵۶ حصے پانی کے ٹھیک ۱۸ حصے سے (وزناً) آمیز ہو کر بجھے ہوئے چونے کا خشک سفوف تیار کرتے ہیں۔ بجھا ہوا چونا پانی میں کسی قدر قابل حل ہے اور اس کے محلول کو چونے کا پانی کہتے ہیں۔ چونے کا محلول کھاری ہوتا ہے اور سرخ لٹمس کو نیلا کر دیتا ہے۔

اقسام چونا

چونا تین قسم کا ہوتا ہے: (۱) جماداتی چونا (۲) نباتاتی چونا (۳) حیوانی چونا۔

ہم اوپر لکھ چکے ہیں، چونا زندگی اور کائنات کا سب سے بڑا جز ہے۔ اس لئے موالید ثلاثہ کے ہر جسم میں پایا جاتا ہے۔ البتہ جب ہم موالید ثلاثہ کو ٹھوس مائع اور گیس میں تقسیم کرتے ہیں تو یہ چونا ٹھوس میں تو سب سے بڑا جز ہوتا ہے لیکن مائع اور گیس میں کہیں پایا جاتا ہے اور کہیں نہیں پایا جاتا۔ پانی یا دیگر چیزوں میں خالص تو برائے نام حل ہوتا ہے البتہ دیگر اشیاء کے ساتھ مل کر کیمیاوی طور پر حل ہو جاتا ہے۔ گیس کی صورت میں عام طور پر کاربن کی شکل میں پایا جاتا ہے۔ یہ امر ذہن نشین رکھیں کہ کاربن کی تخلیق بغیر تخمیر کے عمل میں نہیں آتی۔ گویا ہر قسم کا پتھر، کنکر اور چونا کی پیدائش مٹی یا دیگر شے کی تخمیر کے بعد عمل میں آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پتھر، کنکر، سنگ مرمر اور دیگر قسم کے حجریات اور گھونگے، سیپ اور انڈوں کے خول وغیرہ کو فرنگی سائنس میں کیلشیم کاربونیٹ- ایک کیمیاوی مرکب ہے جو دو کیمیاوی مرکبوں کیلشیم اوکسائیڈ اور کاربن ڈائی اوکسائیڈ کے امتزاج سے بنا ہے یا یوں کہتے کہ کیلشیم کاربونیٹ تین عناصر کیلشیم، کاربن اور آکسیجن پر مشتمل ہوتا ہے، ان کا عنصری تناسب اس طرح ہے کہ کیلشیم ایک حصہ، کاربن ایک حصہ اور آکسیجن تین حصے۔

جب کیلشیم کاربونیٹ (پتھر وغیرہ) کی شکل کو خوب گرم کیا جاتا ہے تو کاربن ڈائی اوکسائیڈ خارج ہو جاتی ہے اور باقی چونا رہ جاتا ہے۔ اسی طرح جب کیلشیم کاربونیٹ پر کوئی تیزاب عمل کرتا ہے تو اس کی تحلیل ہو جاتی ہے اور کاربن ڈائی اوکسائیڈ چھوڑ دیتا ہے۔

اوّل قسم - جماداتی : ہر قسم کا پتھر، کنکر، سنگ مرمر، سنگ جراح، ابرق، سنگ یشب، حجر الیہود، زہر مہرہ، سنگ سرماہی، شادنہ۔ جواہرات میں الماس جس کو ہیرا کہتے ہیں، یاقوت، پکھراج، یاقوت زرد، نیلم یاقوت کبود، زمرد یا پنا، مرجان یا مونگا، عقیق، فیروزہ، لاجورد۔

دوم - نباتاتی : اکثر ادویہ اور اغذیہ میں کیلشیم کے اثرات نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں۔ جیسے آلو، گوبھی، شکر قندی، سیم، اکثر نباتاتی دودھ، پتھر کا کوئلہ۔

سوم - حیوانی : سیپ، موتی، گھونگھا، کوڑی، انڈوں کے چھلکے، بارہ سنگا، ہڑتال، اکثر حیوانی دودھ۔

افعال : ان بجھا اپنی تیزی کی وجہ سے محمر، محرک، مجلا، مقرح، محرق، محلل، منضج اورام، محلق شعر۔

بجھا ہوا چونا اپنی تیزی ختم کر دیتا ہے اور اس میں مندرجہ بالا تمام خواص میں بے حد کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اکثر اہل فن بجھے ہوئے چونے کے خواص کو اَن بجھے چونا کے خواص سے بالکل مختلف لکھتے ہیں۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ یہ صرف اس کی تیزی کی کمی بیشی کا فرق ہے جو صرف بیرونی طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے لیکن جہاں تک اس کے کیمیاوی یا خوردنی افعال کا تعلق ہے اس میں ذرہ برابر فرق نہیں پایا جاتا۔ اس کی صورت بالکل ایسی ہے جیسے زہریلی ادویات، ثقیل اثرات وافعال کی وجہ سے بے ضرر ہو جاتی ہے ورنہ افعال میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جاننا چاہئے کہ زہر جن اعضاء پر کثیر مقدار یا تیز صورت میں اثر کرتا ہے ثقیل صورت میں بھی انہی اعضاء پر اثر انداز ہوتا ہے۔ صرف اعضاء کا احساس اس کی کثرت اور قلت کا اظہار کرتا ہے اور اس طرح کیمیاوی طور پر بھی جسم کے افعال میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا۔ گویا چونے کے بجھ جانے کی صورت میں اس کے اندر ایک قسم کی کیمیاوی طور پر تقلیل واقع ہو جاتی ہے۔

مزاج: اس کا مزاج عام طور پر ان بجھ کی صورت میں گرم خشک چوتھے درجے میں لکھا گیا ہے اور بجھے ہوئے چونے کی صورت میں بھی اس کا مزاج گرم خشک ہی قرار پایا ہے۔ اگرچہ درجات کے تحت درجہ دو درجہ کم ہی تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ بجھے ہوئے چونے کے افعال واثرات میں خفت اور شدت کے سوا کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کا تجربہ پان کھانے والے اکثر کرتے رہتے ہیں۔

نوٹ: چونا کی خشکی تو تسلیم شدہ حقیقت ہے لیکن جہاں تک اس کی گرمی کا تعلق ہے وہ غور طلب معاملہ ہے۔ کیونکہ اگر گرمی کے معنی اس کی تیزی ہے، جو اس کی کھاریت (الکلائن) کی تیزی (کاسٹک) کی وجہ سے ہے تو یہ بات بے شک سمجھ میں آتی ہے اور اگر اس کی گرمی کی وجہ سے صفرا کی پیدائش ہے تو یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ کوئی جس قدر بھی چاہے چونا استعمال کر لے جسم میں صفرا پیدا نہیں ہوتا بلکہ صفراء کا اخراج ہوتا ہے۔ مسلسل استعمال سے چند دنوں میں صفرا ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کو اس معنی میں گرم تصور کرنا چاہئے کہ یہ جسم میں صفرا پیدا کرتا ہے۔

اثرات: (اعصابی عضلاتی) چونے کے استعمال سے جسم میں نہ صرف تیزابیت کم ہو جاتی ہے بلکہ صفراء بھی ختم ہو جاتا ہے۔ خون گاڑھا ہو جاتا ہے مگر اس کا دباؤ کم ہو جاتا ہے۔ درجہ حرارت گر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو حابس خون اور مسکن کہتے ہیں۔ اس میں ایک ایسی خوبی ہے جو بہت کم اشیاء میں پائی جاتی ہے۔ یعنی ایک طرف یہ مشینی طور پر اپنے کھاری پن سے خون کے جوش اور ترشی کو کم کرتا ہے اور دوسری طرف کیمیاوی طور پر خون کو گاڑھا کرتا ہے اور جسم میں حابس اور قابض اثرات پیدا کرتا ہے۔ اس طرح ایک طرف یہ خون کو گاڑھا کر کے اس میں طاقت کا باعث ہوتا ہے تو دوسری طرف جگر کی سوزش سے جسم پر جو علامات خصوصاً پھوڑے پھنسیاں اور گرمی دانے نکلتے ہیں ان کو دور کرتا ہے۔ اس کے اسی اثر کی وجہ سے جسم کے جل جانے کے لئے اس کو تیل میں ملا کر استعمال کرتے ہیں۔ جہاں پر مرہم حیات کا کام کرتا ہے۔ فوراً جسم کو برف کی طرح ٹھنڈا کرنے کے ساتھ ساتھ زخموں کو بھی بھرنا شروع کر دیتا ہے۔

معدہ وامعاء کی ترشی ختم کرنے کے ساتھ ساتھ ان عضلات کو مضبوط کرنا شروع کر دیتا ہے۔ عضلات کے ڈھیلے پن کے لئے اکسیر دوا ہے، گویا معدہ وامعاء میں تقویت آ جاتی ہے۔ بھوک بڑھ جاتی ہے۔ خون بننا شروع ہو جاتا ہے۔ معدہ وامعاء کے لئے اس حد تک مقوی ہے کہ ہیضے تک میں ایک اعتماد کی دوا ہے۔ اس کے استعمال سے معدہ اور امعاء میں ایک ہلکی سی قبض بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر صفراء کی زیادتی سے جسم میں کہیں سے اندرونی یا بیرونی طور پر خون آتا ہو تو اس کا استعمال فوری طور پر خون کو روک دیتا ہے۔ جگر اور گردوں پر اس کا اثر محلل پڑتا ہے۔ ان میں اگر اورام ہوں یا ان میں سوزش ہو یا زخم ہوں تو اس کے استعمال سے فوراً دور ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ جسم کے ہر غدد پر تقریباً ان کا یہی اثر ہوتا ہے۔ اس لئے شقاق حلمہ، شقاق مقعد خیفہ وغیرہ پر جسم کے تمام وہ اعضاء جن میں

چونے کے اجزاء پائے جاتے ہیں ان کے لئے اکثر مفید ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً ہڈیاں، دانت، عضلات اور لچکیلے ریشے وغیرہ اور خاص طور پر جب خون کے گاڑھے پن میں کمی واقع ہو جائے۔ ضعف عضلات میں ایک دعویٰ کی دوا ہے۔ یہ ضعف چاہے شریانوں میں ہو چاہے وریدوں میں، بواسیر خونی، پنڈلیوں کی رگوں کا پھول جانا، غدود کی سختی چاہے وہ پتھر کی سختی اختیار کر گئی ہو۔ اس کے استعمال سے رفع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح رحم کی کمزوری یا خصیۃ الرحم کا سکڑ جانا اور سوزش اور ان کی وجہ سے ماہواری کی خرابی میں بھی ایک مفید دوا ہے۔ یعنی حیض کی زیادتی کو اعتدال پر لے آتا ہے۔

کمزور انسانوں، خصوصاً عورتوں اور بچوں کے لئے مفید دوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گرائپ واٹر کی صورت میں اس کو استعمال کیا جاتا ہے جو صرف ہلکے چونے کا پانی ہوتا ہے۔ اس لئے دودھ پیتے بچوں کے اسہال اور قے میں ایک مفید دوا ہے۔ اس کے علاوہ کمزوری خون اور کھانسی میں بھی جو عضلاتی اور پھیپھڑوں میں کمزور اور بلغم کی زیادتی سے ہو، مفید ہے۔ اسی طرح بچوں کی کمزور ہڈیوں اور مرض کساح میں بھی مفید ہے۔ عورتوں کی ماہواری کو درست کرنے کے ساتھ ساتھ سیلان کو بھی روکتا ہے اور طاقت دیتا ہے۔ پرانے بخاروں، پسینہ کی زیادتی، اندرونی و بیرونی زخم، جلد پر خونی نشان یا جلد کی نزاکت وغیرہ کے لئے بے حد مفید دوا ہے۔

بیرونی جلد کے ساتھ ساتھ اندرونی جلد یعنی غشاء مخاطی پر بھی اس کا غیر معمولی اثر پڑتا ہے اور اس کی سوزش رفع ہونا شروع ہو جاتی ہے اور اس کا تشنج رفع ہو جاتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ چونا مقوی خون و عضلات اور عظم ہے جس کے ساتھ غدد اور غشائے مخاطی کے اورام اور سوزش کے لئے بے حد مفید ہے بلکہ بہت کم ادویات اس کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔

اس کے نباتی اور حیوانی اقسام میں جماداتی چونے کی نسبت حرارت زیادہ ہے مگر طاقت کے مدنظر دھاتوں کے کشتے زیادہ اثر رکھتے ہیں۔ دِل تو یہ چاہتا ہے کہ مندرجہ بالا تمام چونے کے اقسام اور اس کے متعلق ادویہ اور اغذیہ کا تفصیل سے ذکر کیا جائے لیکن طوالت کے خوف سے صرف اصولوں پر اکتفا کر دیا گیا ہے۔ چند مجربات درج ذیل ہیں۔

خمیرہ مفرح ومقوی قلب

کشتہ سیپ ۱۰ ماشے، روغن صندل ۱۰ بوند، خمیر گاؤزبان سادہ ۲۰ تولے۔

ترکیب: اوّل کشتہ میں روغن ڈال کر نصف گھنٹہ کھرل کریں۔ پھر خمیرہ میں خوب اچھی طرح حل کرلیں۔

خوراک: ۳ ماشے سے ۶ ماشے تک۔

افعال و اثرات: (اعصابی عضلاتی) مفرح ومقوی قلب، سوزش معدہ وامعاء مزمن، سینے اور دِل کی جلن، حرکت بول، سوزش مقعد، پرانے اور نئے اسہال، سوزشی نزلہ، کمی اور کمزوری خون، دُبلاپن، جسم کا ڈھیلا ہونا مفید ہے۔

کلس رماسی

کشتہ عقیق ۶ ماشے، کشتہ رصاص ۲ ماشے، دونوں کو باہم ملالیں، بس تیار ہے۔

خوراک: ایک رتی سے ایک ماشہ تک۔

پھل اور میوہ جات

آم

تعارف : عربی میں انج، فارسی میں آنج، انگریزی میں مینگو کہتے ہیں۔ایک مشہور اور عام پھل ہے جو پاک و ہند میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔اس کے درخت کو باغوں کی صورت میں لگایا جاتا ہے۔اس کے باعث بہت طویل وعریض ہوتے ہیں۔

دراصل آم نہ صرف من بھاتا پھل ہے بلکہ ملک کی بہت بڑی دولت ہے۔آم اور ان کے مرکبات دیگر ممالک کو بھی بھیجے جاتے ہیں۔آم کی دو بڑی اقسام ہیں: (۱) دیسی (۲) قلمی۔ پھران کی بے شمار اقسام ہیں۔قلمی بہت پسند کیا جاتا ہے۔قلمی میں ذیل کی قسمیں پائی جاتی ہیں: لنگڑا، دسہری، سفیدہ، انور رٹول اور سہارن پوری وغیرہ۔ یہ سب بے حد شیریں اور لذیذ ہوتے ہیں۔

آم موسم گرما کا امرت پھل ہے۔اس کا شیریں رس واقعی آب حیات ہے۔اپنی طاقت اور غذائی اجزاء کی وجہ سے یقیناً تمام پھلوں کا بادشاہ ہے۔لیکن اپنے علاقے میں اس کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ غریب سے غریب بھی پیٹ بھر کر کھالیتا ہے۔ بلکہ بعض مقامات پر خودرو ہی پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے آم کو رانی آم کہتے ہیں۔اس کا ذائقہ دِل پسند ہوتا ہے۔لطف کی بات ہے کہ ہر ذائقہ کا آم مل جاتا ہے۔ نیز میٹھا، معتدل میٹھا، ہلکا میٹھا، تیز میٹھا، ساتھ ہلکی ترشی کھٹ میٹھا، انتہائی ترش اور ان سب کے بین بین بھی ذائقے مل جاتے ہیں۔عام طور پر پختہ پھل میٹھا اور خام ترش ہوتا ہے۔

درخت آم : آم کا درخت بہت بڑا ہوتا ہے اور سدا بہار درخت ہے۔تمام سال سرسبز رہتا ہے۔اس کے پھل کے علاوہ اس درخت کے تمام اجزاء ادویہ میں مستعمل ہیں۔آم کی چھال، پھل و گٹھلی اور گوند وغیرہ سب اپنی اپنی جگہ مفید ہیں۔

رنگ اور ذائقہ : پختہ زرد سفیدی یا سرخی مائل شیریں یا شیریں ترشی مائل، بعض سبز لیکن اندر سے زرد سفیدی یا سرخی مائل۔خام سبز رنگ اور ترش تیزی لئے ہوئے پھول و گوند اور گٹھلی سفیدی مائل بھوری سیاہی مائل اور پتے ہوتے ہیں۔

مزاج : پختہ آم شریں گرم وتر دوسرے درجے میں خام آم ترش، خشک سرد، پھول، گوند، پتے، چھال تر گرم اور گٹھلی سرد خشک ہوتی ہے۔

مقدار خوراک : بقدر ضرورت پیٹ بھر لیں۔باقی اجزا ایک ماشہ سے ایک تولہ تک۔

افعال و اثرات : پختہ شیریں آم غدی اعصابی مقوی ہے یعنی غدی محرک، عضلاتی اور اعصابی مسکن۔ خام ترش آم عضلاتی، اعصابی، پھول گوند، پتے اور چھال اعصابی غدی اور گٹھلی عضلاتی اعصابی۔ کیمیاوی طور پر خون میں حرارت کی پیدائش اور خون میں رقت پیدا ہو جاتی ہے۔

خواص : مقوی گردے وجگر اور غدد، مولد حرارت درطوبات، مسمن بدن، ہاضم، ملین، مقوی باہ، خام مقوی معدہ وقلب اور مسکن اعصاب۔ تمام طبی کتب میں خام وترش آم کا مزاج سرد خشک لکھا ہے لیکن ہم نے اس کا مزاج گرم خشک (عضلاتی غدی) لکھا ہے۔ہم نے املی کے خواص

میں لکھا تھا کہ ترشی دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) سرد ترشی جیسے املی کی ترشی ہوتی ہے۔ (۲) گرم ترشی جیسے اچار اور کشمش کی ترشی وغیرہ۔ آم کی ترشی بھی گرم ترشی ہوتی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ہر گرم شے کی ترشی اپنے اندر حرارت رکھتی ہے۔ اگر اس میں حرارت نہ ہو تو اس شے میں حرارت پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہی صورت ایسے میٹھے آم کی بھی ہے جس میں ترشی بھی پائی جاتی ہے۔ یقیناً اس کا مزاج گرم خشک (غدی عضلاتی) ہوتا ہے۔ ایسے آم کھانے سے خون کی بجائے جسم میں صفرا پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا پختہ آم کو گرم تر خیال کر لینا صحیح نہیں ہے۔

بعض کتب میں خام و ترش آم کو لُو کے دور کرنے کے لئے نہایت مفید لکھا ہے۔ واقعی مفید ہے۔ جس کے دو طریقے بیان کئے ہیں:

① خام آم چھیل کر قاشیں بنا کر پانی میں بھگو دیں۔ جب پانی میں ترشی پیدا ہو جائے تو اس کو میٹھا کر کے پلائیں۔

② خام آم کو گرم خاکستر میں دبا دیں۔ جب وہ پختہ ہو کر نرم ہو جائے تو اس کو نچوڑ کر میٹھا ملا کر لُو زدہ مریض کو پلائیں بہت جلد آرام آ جاتا ہے۔ جب تیز دھوپ میں گرمی کی شدت سے غش آ جائے جسے انگریزی میں سن سٹروک کہتے ہیں، اس کے لئے بہت مفید ہے۔

غلط فہمی:

خام آم کا رس جس کو گرم خاکستر میں پختہ کر کے نکالا گیا ہو ضربِ شمسی (سن سٹروک) کے لئے یقیناً مفید ہے۔ لیکن اس مقصد کے لئے ضروری نہیں کہ آم کی ترشی ہی ہو۔ کوئی بھی گرم ترشی ہو یقیناً مفید ہے۔ جیسے منقیٰ کو پانی میں پیس کر گرم کریں۔ پھر تازہ کر کے پلا دیں۔ آم کی تخصیص اس لئے ہے کہ لُو سخت گرم موسم میں لگتی ہے اور اس موسم میں آموں کی کثرت ہوتی ہے۔ آسانی سے مل جاتے ہیں اور ان کا رس بھی نکل آتا ہے۔ بہر حال گرم ترشی کے خواص میں سے ایک تحقیقات لکھ دی ہے تاکہ ضرورت کے وقت اس سے کام لیا جا سکے اور اس کے اثرات و افعال کا پورا علم ہو جائے۔ یاد رکھیں کہ سرد ترشی مسکنِ جگر و غدد ہے۔ مگر گرم ترشی کا اثر ان میں حرارت پیدا کر دیتا ہے۔

پختہ شیریں آم میں کافی مقدار میں گندھک اور مٹھاس پیدا ہو جاتی ہے جس کا اخراج گردوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ اگر زیادہ آم کھا لئے جائیں تو بعض اوقات پیشاب میں جلن پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ دودھ کی لسی پی جائے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جب آم کھائے جائیں تو لسی پی جائے۔ جب تک پیشاب میں جلن نہ ہو لسی ہرگز استعمال نہ کریں۔ اس طرح آم سے جو غذائیت اور طاقت پیدا ہونا ہوتی ہے وہ ضائع ہو جاتی ہے۔ آم کھا کر چائے بھی پی جا سکتی ہے جس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

آم کے پھول و پتے اور گوند و چھال وغیرہ گلے سے لے کر آنتوں کے غدد کی سوزش تک میں مفید ہیں۔ جوشاندہ اور سفوف وغیرہ کی صورت میں دے سکتے ہیں۔ زحیر اور ورم امعاء کے لئے تسلی بخش دوا ہے۔ آم چونکہ موسم گرما کا پھل ہے اس کا دوسرے موسم میں ملنا بے حد مشکل ہے۔ اس لئے اطباء نے چند مرکبات تیار کر لئے ہیں جو بوقت ضرورت کام دیتے ہیں۔ امرس و امچور اور اچار و مربہ وغیرہ اور آج کل آم کی میٹھی چٹنی، مینگو سکویش وغیرہ روزانہ کے استعمال کی چیزیں ہیں جو ہر موسم میں مل جاتی ہیں اس کی ہڈی کو آگ میں جلا کر اس کی گری نکال کر سفوف بنا لیں، مقوی معدہ امعاء اور ان کی کمزوری سے جو اسہال آتے ہیں، ان کے لئے بے حد مفید ہے۔

امرود

ایک مشہور پھل ہے۔ پختہ شیریں، ترشی مائل، لذیذ و خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ اس کثرت سے استعمال ہوتا ہے کہ تقریباً ہر موسم میں مل جاتا ہے۔ عوام اس کے قتلوں پر نمک، مرچ اور لیموں نچوڑ کر کھانا بہت پسند کرتے ہیں۔ چاٹ کا ایک جزو خیال کیا جاتا ہے۔

مقام پیدائش: پاکستان اور ہندوستان کا امرود اپنی لذت اور اپنے ذائقہ کی وجہ سے دُنیا بھر میں مشہور ہے۔

اقسام : امرود دو قسم کا ہوتا ہے۔ایک سفید زردی اور دوسرا سفید سرخی مائل اور کچا امرود سبز رنگ کا ہوتا ہے۔

لذت اور ذائقه : پختہ زرد سفیدی مائل اور سفید سرخی مائل، شیریں اور خوش ذائقہ۔خام سبز کسیلا اور پھیلا ہوتا ہے۔

مزاج : امرود زرد سفیدی مائل تر دوسرے درجے میں اور گرم پہلے درجے میں۔سفیدی سرخی مائل تر دوسرے درجے میں سرد پہلے درجے میں۔خام سرد خشک پہلے درجے میں ہوتا ہے۔

مقدار خوراک : نیم پاؤ سے نیم سیر تک کھا سکتے ہیں۔

افعال و اثرات : زرد سفیدی مائل اعصابی غدی یعنی اعصابی محرک غدی محلل اور عضلاتی مسکن ہے۔خون میں کیمیاوی طور پر کھاری پن پیدا کرتا ہے۔سفید سرخی مائل اعصابی عضلاتی یعنی اعصابی محرک وغدی محلل اور عضلاتی مسکن ہے۔کیمیاوی طور پر کھاری پن کے ساتھ کچھ ترشی بھی پیدا کرتا ہے۔غذائے دوائی ہے۔

خواص : مفرح، پختہ ملین، خام قابض ہاضم، مولد رطوبات وبلغم محرک ومقوی دماغ اور اعصاب۔

فوائد : کسی شے کی جتنی اقسام اور حالتیں ہوں، اس کے خواص وفوائد اور افعال میں بھی ضروری فرق ہوتا ہے۔یہی صورتیں امرود میں بھی پائی جاتی ہیں۔زرد سفیدی مائل اعصابی غدی ہوتا ہے۔جس سے رطوبات اور بلغم کی پیدائش کے ساتھ ساتھ حرارت کی پیدائش کچھ نہ کچھ ہوتی رہتی ہے یا دوسرے لفظوں میں حرارت ہی کی وجہ سے اعصاب میں تیزی ہوتی ہے۔سفید سرخی مائل اعصابی عضلاتی ہے، جس سے رطوبات اور بلغم کی پیدائش میں اس قدر شدت ہوتی ہے کہ اس سے غلظت اور ترشی پیدا ہو جاتی ہے۔دوسرے لفظوں میں حرارت کی پیدائش ختم ہو جاتی ہے۔جہاں تک خام اور امرود کا تعلق ہے وہ عضلاتی اعصابی ہے۔اس میں سرد غلظت اور ترشی بہت زیادہ ہوتی ہے۔اس لئے وہ قابض ہوتا ہے۔اس کے مقابلہ میں پختہ امرود ملین ہوتا ہے۔

ملین و ہاضم : کسی شے کا ملین وہاضم ہونا اس شے کی اپنی خصوصیت نہیں ہوتی بلکہ اس کے اپنے اثر وافعال کی کسی مفرد اعضاء پر شدت ہوتی ہے۔کبھی اس شے کے افعال واثرات میں شدت اور مقدار کی زیادتی ہوتی ہے اور کبھی عضو میں کمزوری ہوتی ہے۔اس کا اثر کبھی اعصاب پر ہوتا ہے اور کبھی عضلات وغدد پر ہوتا ہے۔جس مفرد عضو کے افعال واثرات میں شدت وتیزی ہوگی اسی کے عمل سے ہاضم اور ملین کی صورت پیدا ہوگی۔یہ کبھی نہیں ہوگا کہ ہمیشہ ہر قسم کی اشیاء کسی ایک ہی مفرد عضو پر اثر انداز ہو کر ہاضم اور ملین کا باعث ہوں۔یا تینوں مفرد عضو پر ایک جیسا عمل ہو کر ہاضم اور ملین کی صورت پیدا ہو جائے۔اس میں ہر مرض اور علامت کے لئے مختلف اقسام کے ہاضم وملین اور مسہل اشیاء واغذیہ اور ادویہ پائی جاتی ہیں۔

عمل کا فرق : ہر مفرد عضو کے افعال دو قسم کے ہوتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عضو میں دو کیفیات ہوتی ہیں یعنی اس کا مزاج گرم تر ہوگا یا گرم خشک سرد تر ہوگا یا سرد خشک یا اس طرح سمجھ لیں کہ اس کا پہلا عمل مشینی ہوتا ہے اور دوسرا کیمیاوی ہوتا ہے۔اس لئے اشیاء اغذیہ اور ادویہ میں بھی دو ہی کیفیات ہوتی ہیں اور ان کے افعال واثرات میں بھی یہی مشینی اور کیمیاوی اثرات پائے جاتے ہیں۔

اعصاب میں دو مزاج پائے جاتے ہیں۔کبھی ان میں گرمی تری ہوتی ہے اور کبھی سردی تری، کبھی تری گرمی اور کبھی تری سردی کیونکہ اعصاب کی فطرت میں رطوبات اور بلغم پیدا کرنا ہے۔یہ اس لئے کہ اس کی غذا میں بلغم کے اجزاء شریک ہوتے ہیں۔جب اعصاب میں تری گرمی ہوتی ہے تو رطوبات کی پیدائش ہوتی ہے اور اس کا اخراج بند ہوتا ہے یعنی خون سے جدا ہو کر جسم میں اکٹھی ہوتی ہیں اور جب تری سردی ہوتی ہے تو رطوبات کی پیدائش کے ساتھ ساتھ اس کا اخراج بھی جاری رہتا ہے بالکل اس طرح جیسے غدد (جگر) میں گرمی خشکی ہوتی ہے تو صفراء

کی پیدائش کے ساتھ اس کا اخراج بند ہوتا ہے اور اس کی گرمی تری میں صفراء کی پیدائش کے ساتھ ساتھ اخراج بھی ہوتا ہے۔ یہی صورتیں عضلات (دل) کے مزاج میں بھی پائی جاتی ہیں۔

ایسی صورتیں مرض ہیضہ میں صاف نظر آتی ہیں یعنی کبھی قے اور اسہال کے ساتھ رطوبات کا اخراج ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ اس کو بند ہیضہ کہتے ہیں جو بہت خطرناک ہوتا ہے۔ اس میں جسم سن ہو کر موت واقع ہوتی جاتی ہے۔

یاد رکھیں کہ اعصابی اغذیہ کے کثرت استعمال سے اکثر ہیضہ ہو جاتا ہے۔ ان میں امرود بھی شریک ہے اور اعصابی اغذیہ کے ساتھ پانی پی لینے سے بھی ہیضہ کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے امرود کے بعد پانی پینا منع ہے۔

امرود مفرح پھل ہے مگر مفرح کی صورت میں وہی ہے جو ہم الائچی کے خواص میں لکھ چکے ہیں۔ جن لوگوں میں رطوبت و بلغم کی کمی ہو ان کے لئے بے حد مفید اور جن کے جسم میں صفراء کی زیادتی ہو ان کے لئے نعمت ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے مقوی دماغ اور اعصاب ہے۔ جگر اور گردوں کی سوزش کے لئے یقینی دوا ہے۔ امرود شیریں بہت عمدہ ملین ہے مگر نزلہ و زکام، کثرت بول اور دِل کے ڈوبنے میں زیادتی کر دیتا ہے۔ ترشی کے ہمراہ اس کا استعمال نقصان کو کم کر دیتا ہے۔

آڑو

ایک مشہور پھل ہے جس کو عربی میں شفتالو کہتے ہیں۔ اس کی دو اقسام ہوتی ہیں۔ ایک گول لمبوترا انڈے کی مانند اور دوسرا گول ٹکی دار۔

رنگت اور ذائقہ : ترش رنگت میں سبز سرخی مائل، شیریں سبز زردی مائل، مزاج تر اور سرد جبکہ شیریں تر اور گرم۔

افعال و اثرات : محرک اعصاب، محلل غدد و مسکن عضلات کیمیاوی طور پر جسم میں خون پیدا کرتا ہے جس میں رطوبت فضلیہ شامل ہوتا ہے۔ مقوی اور مولد خون، نفاخ، اس کے پتوں کا رس قاتل کرم شکم ہے۔

استعمال : آڑو کو پھل کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ میٹھا آڑو ایک لذیذ پھل ہے۔ اس میں غذائیت بہت ہوتی ہے جس سے جسم میں رطوبات کی کثرت اور خون کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ بھوک بڑھاتا ہے۔ دِل میں فرحت پیدا کرتا ہے لیکن زیادہ استعمال کرنے سے نفاخ ہے اور پیٹ میں بے چینی کرتا ہے اور بعض اوقات اسہال لگ جاتے ہیں اور شدید قسم کی بدہضمی ہو جاتی ہے۔

اخروٹ

تعارف : عربی میں جوز، فارسی میں گردگان اور چہار مغز کہتے ہیں۔ ایک قسم کا خشک پھل (میوہ) اور چھلکا دونوں گول ہوتے ہیں۔ اس کی ایک قسم کاغذی اخروٹ ہوتی ہے جس کا چھلکا ہاتھ کے دبانے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اخروٹ دوائے غذائی ہے۔ مغز میں ایک قسم کا فراری روغن ہوتا ہے جس میں بے حد تیزی ہوتی ہے۔ اس لئے جب زیادہ کھایا جائے تو منہ و زبان اور گلے میں سوزش ہو جاتی ہے۔

رنگ اور ذائقہ : چھلکا خام حالت میں سبز اور پختہ ہونے پر خاکی ہو جاتا ہے۔ مغز سفید خاکی مائل ہوتا ہے۔ مغز چرب، خشک گرم، بہت لذیذ ہوتا ہے۔ مزاج گرم دوسرے درجے میں اور خشک پہلے درجے میں۔ بعض اس کے روغن کی وجہ سے گرم تر بھی لکھتے ہیں یاد رکھیں کہ گرم تر شے سے منہ و زبان اور گلے میں سوزش نہیں ہو سکتی۔ اس لئے یہ گرم خشک ہے۔

افعال و اثرات : غدی عضلاتی یعنی غدد میں تحریک۔ عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین، کیمیاوی طور پر خون میں صفراء اور حرارت پیدا کر کے حرارت غریزی کی مدد کرتا ہے یعنی حار غریزی ہے۔ یعنی ایسی شے جو حرارت غریزی کی مدد کرے۔ اس لئے **محافظ جوانی اور اعادہ شباب میں مفید ہے۔**

خواص : مقوی خواص ظاہری و باطنی اور روح ونفس، مولد حرارت صالح، مشتی و مبہی، ملین ومقوی معدہ وامعاء اور گردہ ومثانہ، محلل اور جالی، ایک بے حد لذیذ میوہ ہے، مولد شیر ومنی اور محرک باہ، مخرج حیض اور مقوی رحم۔

خصوصی تاکید : اخروٹ دوائے غذائی ہے اور اس میں روغنیت شامل ہے۔ اس لئے اس میں حرارت پیدا کرنے کے لئے دو اثرات ہیں۔ اوّل یہ خود غدد میں تحریک دے کر حرارت پیدا کرتا ہے دوسرے اس کے غذائی اجزاء حرارت میں تبدیل ہو جاتے ہیں جو نشوونما کا باعث بنتی ہے۔

فوائد : ضعف گردہ ومثانہ اور جگر کو دور کر کے جسم میں حرارت اور قوت پیدا کرتا ہے۔ اس کا اثر دِل ودماغ پر خاص طور پر محسوس ہوتا ہے۔ بعض حکماء ادویہ واغذیہ کو جسم میں مشابہت کی وجہ سے ان کے بالخاصہ افعال واثرات کو انہی ایک مناسبت سے بیان کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے چونکہ اخروٹ خصوصاً اس کے مغز کی شکل بالکل دماغ کے ساتھ ملتی ہے۔ اس لئے یہ خصوصیت کے ساتھ مقوی دماغ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ غدی تحریک کی وجہ سے اور حار غریزی ہونے کی وجہ سے دماغ کے غدی پردے (غشائے مخاطی) میں تحریک دینے سے دماغ اور اعصاب کے لئے بے حد مقوی بن جاتی ہے۔ اس لئے معدہ وامعاء میں مشتہی ومبہی اور ملین اثر کرتا ہے۔ گردوں کو تقویت دینے کی وجہ سے ضعف باہ کے لئے خاص شے ہے۔ اسی طرح اس کا مولد منی ہونا بھی تقویت باہ کے لئے مفید ہے۔

اپنے انہی اثرات کی وجہ سے **عورتوں کے لئے بھی اخروٹ خاص شے ہے۔ جسم میں خون پیدا کرتا ہے اور خون کو تقویت دیتا ہے۔ پستانوں میں تناؤ پیدا کر کے ان میں خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔ ماہواری کو باقاعدہ کرتا ہے۔ سیلان الرحم کو ختم کر دیتا ہے۔ عورتوں میں ایک نئی زندگی اور جوانی پیدا کرتا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ عورت کے فرج میں تنگی اور رحم میں تقویت پیدا کر دیتا ہے۔**

مرد اور عورت دونوں کے خواص ظاہری اور باطنی میں تیزی اور روح ونفس میں نئی زندگی پیدا کرتا ہے۔ **سردیوں میں اس کا غذا کے بعد استعمال صحت وقیام جوانی کے لئے بے حد مفید ہے۔**

اناج و سبزیاں

ارد

ایک مشہور اناج ہے، جس کی دال بنا کر کھاتے ہیں۔ اس کو ہندی میں ماش کہتے ہیں۔

رنگت اور ذائقہ : رنگت کے لحاظ سے یہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ سبز اور سیاہ لیکن چھلکا اُتر جانے کے بعد ہلکا زرد سفیدی مائل یا بالکل سفید ہوتا ہے۔ ذائقہ شیریں ہے۔ مزاج سبز تر گرم جبکہ سیاہ تر سرد۔

افعال و اثرات : سبز رنگ اعصابی غدی اور سیاہ رنگ اعصابی عضلاتی یعنی اعصابی محرک، غدی محلل اور عضلاتی مسکن، کیمیاوی طور پر خون میں بلغم اور رطوبت پیدا کرتا ہے۔ مولد بلغم اور رطوبات مسمن بدن، دیر ہضم، مدر بول، نفاخ مولد و مغلظ اور مقوی اور ساتھ ہی مولد شیر بھی ہے۔

استعمال : عام طور پر اس کو پکا کر غذا کی صورت میں روٹی اور نان کے ساتھ کھاتے ہیں لیکن تقویت و موٹاپا اور مولد خون رطوبات کی خاطر اس کا حلوہ بنا کر استعمال کرتے ہیں جو مفید ہونے کے ساتھ ساتھ زود ہضم بھی ہو جاتا ہے اور **عورتوں میں دودھ کی کثرت کو بڑھانے کے لئے دودھ میں ماش کی کھیر بنا کر استعمال کراتے ہیں** لیکن یاد رکھیں کہ جن لوگوں میں رطوبات اور بلغم کی زیادتی ہو اس کے استعمال سے ان کو اکثر نفخ ہو کر پیٹ میں درد ہو جاتا ہے۔ حلوہ کی صورت میں بھی اس کی مقدار خوراک چھٹانک بھر سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے۔ اگر زیادہ بھی استعمال کر رہے ہوں تو نفخ کی صورت میں مقدار خوراک کم کر دیں۔

ارہر/ موٹھ

ایک مشہور اناج ہے جس کو عربی میں وجع مشاغر، اور فارسی میں شاخل کہتے ہیں۔ اس کو دال کے طور پر پکا کر کھاتے ہیں۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی یعنی عضلات میں تحریک اعصاب میں تحلیل اور غدد میں تسکین پیدا کرتی ہے۔ کیمیاوی طور پر سوداویت کو بڑھاتی ہے۔ خون کو گاڑھا کرتی ہے مقوی عضلات، قابض اور دافع زہر ہے، مقوی اعصاب و دماغ ہے۔

فوائد : حار اور قابض ہونے کی وجہ سے معدہ اور امعاء کو تقویت دیتی ہے اور قبض پیدا کرتی ہے۔ دستوں کے لئے مفید ہے۔ خون میں سے رطوبات کو خشک کرتی ہے اور بھوک بڑھاتی ہے۔

ارہر زیادہ تر بطور غذا مستعمل ہے۔ اس کی دال پکا کر کھاتے ہیں۔ اس سے غذائیت کم حاصل ہوتی ہے۔ دیر میں ہضم ہوتی ہے۔ نفخ اور تبخیر پیدا کرتی ہے۔ بعض اطباء ارہر کی پتیوں کا پانی نچوڑ کر چیچک کے آبلوں پر لگاتے ہیں اور افیون کے زہر کو دفع کرنے کے لئے پلاتے ہیں۔ بعض لوگ اس کو پانی میں پیس کر دو مرتبہ بالخورہ پر ضماد کرتے ہیں اور دوسرے روز بالخورہ کو کھجا کر سرسوں کا تیل لگا کر دھوپ میں بیٹھتے ہیں۔ اس طرح دو تین مرتبہ کے عمل سے بالخورہ زائل ہو جاتا ہے اور بالکل نئے سرے سے بال نکل آتے ہیں۔

بعض اطباء برگ ارہر کو برگ نیم کے ہمراہ پیس کر اور چھان کر مرض بواسیر کے لئے بے حد مفید بتاتے ہیں۔

اروی

عربی میں اس کو تلقاش اور ہندی میں گھیاں کہتے ہیں۔ایک قسم کی جڑیں ہیں جو ترکاری کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔بعض لوگ اس کو گوشت کے ساتھ کھاتے ہیں۔

رنگت اور ذائقہ : اس کا رنگ بھورا ہوتا ہے۔چھیلنے کے بعد نیچے سے سفید نکلتا ہے۔ذائقہ پھیکا ہوتا ہے۔پکانے کے بعد لیس دار ہو جاتا ہے۔اگر اس کو بھون کر کھایا جائے تو گلے میں سخت چبھن پیدا کر دیتا ہے۔جس کی وجہ سے آواز بھاری ہو جاتی ہے۔اور بعض اوقات بند بھی ہو جاتی ہے۔

افعال و اثرات : اعصابی عضلاتی،یعنی اعصاب میں تحریک پیدا کرتا ہے۔غدود میں تحلیل اور عضلات میں تسکین پیدا کرتا ہے۔کیمیاوی طور پر انتہائی طور پر بلغم اور رطوبت پیدا کرتا ہے۔مولد اور مغلظ رطوبات اور مخرج رطوبات،مخرج بول اور دیگر رطوبات جسم فربہی،جسم دافع صفراء وحرارت دافع سوزش جگر وکلیہ،مفرح قلب اور دافع جلن قلب ہے۔مزاج سرد تر۔

خواص : چونکہ شدید قسم کا اعصابی محرک ہے،جس سے تمام جسم میں سے رطوبات کا اخراج بڑھ جاتا ہے،اس لئے سوزش غدد و جگر کے امراض میں انتہائی مفید ہے۔مثلاً پیشاب کی جلن،پیچش،سوزش مثانہ،گرمی مثانہ،سوزشی نزلہ وزکام،سوزش سینہ اور معدہ وغیرہ،مقوی باہ،مغلظ منی،دافع ضعف گردہ،کھانسی،بواسیر،مقوی معدہ،بدن کو فربہ کرتی ہے،**بلغم اور دودھ پیدا کرتی ہے،** دافع خراش امعاء،خشونت سینہ وزخرہ،معدل معدہ اور مدر بول ہے۔

۸

تحقیقات علم الادویہ

فہرست عنوانات

معنون

اپنی اس علمی تحقیق وفنی انکشاف اورطبی تجدید وسائنسی تدقیق کوجواحیائے طب اور بقائے علم وفن کے لئے کی گئی ہے اپنے صاحب علم اوراہل فن دوست جناب حکیم مولوی غلام علی صاحب مخدوم مقام چک نمبر 13 ولانیاں والا ڈاک خانہ چک نمبر 13 ساڑو والا تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ جوتحریک تجدید طب کے زبردست حامی ہیں، ان کے نام نامی اسم گرامی سے معنون کرتا ہوں۔ آپ تحقیقات اور تدقیقات کا اس قدر ذوق سلیم اورشوق عظیم رکھتے ہیں کہ خود کئی بار لاہورتشریف لائے اورنظریہ مفرد اعضاء کے تحت علم العلاج کو سمجھا اورفنی پیاس بجھا کر بہت خوش ہوئے۔

آپ خاموش مگر غیر معمولی عالم دین اور فاضل فن ہیں۔ اسلام اور انسانیت کی خدمت کرنا ان کی زندگی کے زبردست مقاصد ہیں۔ ان کے ساتھ میری ملاقات جناب قاضی سلطان احمد صاحب قاضی محلہ چنیوٹ میں ہوئی۔ ایک رسمی تعارف تھا۔ پھر کئی سالوں کے بعد میری کتب سے ان کا تعارف ہوا جس کے بعد وہ میرے دلی دوست بن گئے۔ میرے دِل میں ان کے علم وفن کی بے حد عزت ہے، وہ صحیح معنوں میں حق پرست اوردوست نواز ہیں۔ ایسے دوست اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں۔

صابر ملتانی
15 اکتوبر 1967ء

پیش لفظ

علم خواص الاشیاء خداوند علیم وحکیم کا انسانیت پر ایک انعام عظیم ہے۔ پیدائش آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک اس علم سے انسان میں انسانیت اور آدمی میں آدمیت آئی اور یہ دُنیا ارضی جنت میں تبدیل ہوتی جارہی ہے۔ یہ سب کچھ علم خواص الاشیاء کی برکت ہے۔ اس سے ضروریات کا حاصل اور آرام حاصل ہوا اور کائنات کی تسخیر اور اس پر دسترس کی صورتیں پیدا ہوگئیں۔ جو انسان اپنے توہمات سے اس کائنات کی عظیم مخلوقات اور ان کے بت پوجا کرتا تھا آج ان پر حکومت کرتا ہے۔ زمین پر فراٹے بھرتا ہے، پانی پر قبضہ کرتا ہے اور ہوا میں اُڑتا ہے۔ ہزاروں میل سے آواز سن سکتا ہے، بلکہ واقعات دیکھ سکتا ہے۔ اس نے چاند اور زہرہ تک اپنے خلائی جہاز بھیج دیئے ہیں اور خلا میں انسانوں نے کامیاب پرواز کی ہے۔ امید ہے بہت جلد ستاروں تک پہنچ جائے گا۔ علم خواص الاشیاء کے بغیر یہ کامیابیاں ناممکن ہیں۔

علم خواص الاشیاء میں آج کل اس قدر وسعت ہوگئی ہے کہ اس کے بے شمار شعبے بن گئے ہیں۔ ان کا اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ دُنیا میں جس قدر علوم وفنون ہیں ان کے اپنے خواص الاشیاء قائم ہیں۔ اس کا ایک شعبہ علم خواص الادویہ اور اغذیہ ہے جس کا تعلق علم العلاج اور علم صحت کے ساتھ ہے جو علم وفن طب سے متعلق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم خواص الاشیاء کی ابتداء علم خواص الادویہ سے ہوئی ہے۔ یہ سلسلہ ہزاروں سالوں سے چلا آتا ہے۔ لیکن اس کو علمی وفنی صورت یونانی تہذیب وتمدن کے دور عروج میں دی گئی۔ اس کے لئے معیار مقرر کیے گئے، مشاہدات اور تجربات کیے گئے اور ان کو کتابی شکل دی گئی۔ طب یونانی میں خواص الادویہ اور اغذیہ معلوم کرنے کے لئے ان کی کیفیات اور مزاج مقرر کیے گئے اور پھر اسی قسم کا تحقیقاتی اور عملی کام کیا گیا۔ جب اسلامی دور آیا تو اس کے سامنے یونانی اور آیورویدک دونوں کے علمی اور تحقیقاتی کام تھے۔ انہوں نے اس میں بہت زیادہ وسعت دے دی۔ اخلاط کے مزاج کے ساتھ مختلف اعضائے جسم کے مزاج مقرر کر کے اخلاط کو اعضاء کے ساتھ تطبیق دے دی گئی اور سب سے بڑا کام یہ کیا کہ امراض کو اعضاء کے افعال کے تحت قائم کیا اور علامات کو امراض کے تحت کر دیا۔ یہ ایک بہت بڑا کارنامہ تھا جس سے خواص الادویہ اور اغذیہ میں یقینی صورت پیدا ہوگئی۔ اس کے بعد فرنگی طب کا دور شروع ہوا، اس کو سائنسی دور کہتے ہیں۔ اس میں ہر دوا، غذا اور زہر کا تجربہ کیا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ خون اور اس کے اجزاء اور رطوبات کا تجزیہ کیا گیا۔ دوا اور غذا کے اثرات کو خون اور اس کے اجزاء ورطوبات سے تطبیق دی گئی پھر خون کا امراض وعلامات کے ساتھ تعلق جوڑا گیا۔ لیکن اسلامی دور میں جو تحقیقاتی کارنامے کیے گئے تھے ان سے آگے جانے کی بجائے ان کو نظر انداز کر دیا گیا اور جس حقیقت کے قریب اسلامی دور میں خواص الادویہ اور اغذیہ پہنچا تھا فرنگی طب اس کو نہ سمجھ سکی اور راستہ سے بھٹک گئی۔ یعنی اخلاط کو اعضاء سے

تطبیق نہ دے سکی۔ جس کے نتیجہ میں امراض وعلامات کا تعلق اعضاء کے بجائے خون اور اس کے اجزاء ورطوبات سے قائم کر دیا گیا۔ اس طرح خواص الادویہ اور اغذیہ کا یقینی اور بے خطا اثر ختم ہو گیا اور ظنی اور عطایانہ صورتیں پیدا ہو گئیں۔ علم وفن طب پھر غلط علمی اور غیر یقینی ہو گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرنگی طب نے اعضائے جسمانی کا تجزیہ ٹشوز (انسجہ) تک کیا۔ چونکہ وہ امراض کو اعضاء کے ماتحت نہیں کر سکے۔ اس لئے انہوں نے امراض کی بنیاد ٹشوز پر نہ رکھی۔ یہ ٹشوز ہی انسانی جسم کے بنیادی اعضاء یا ابتدائی اکائی ہیں۔ سب سے پہلے ان ہی پر ادویہ واغذیہ اور زہروں کے اثرات ہوتے ہیں۔ پھر ان سے مرکب اعضاء کے افعال میں عمل شروع ہوتا ہے۔ جس سے امراض یا ان کی شفا کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں اور جب سے جراثیم تھوری کا ظہور ہوا ہے خواص الادویہ واغذیہ اور زہروں کے اثرات کی بنیاد ان پر رکھ دی گئی ہے اور اس امر کو نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ جسم میں جراثیم کی پیدائش اور ہلاکت ادویہ اور زہروں کے تحت نہیں ہے بلکہ اعضاء اور ان کی طاقت (امیونٹی) کے ماتحت ہے۔ نتیجتاً ہر روز نئی ادویات اور مجربات کی تلاش ہے مگر شفا الامراض دور ہوتی چلی گئی ہے اور جب تک فرنگی طب اعضاء کے افعال خصوصاً مفرد اعضاء (ٹشوز) کے تحت امراض کو تطبیق نہ دے قوت شفا (کیور کمانڈ) حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے فرنگی طب میڈیکل سائنس ہونے کے باوجود ناکام ہے اور ذہین طبقہ ان سے علاج کرانے کی بجائے طب قدیم سے علاج کراتا ہے۔ اسی کمال نے اس کو آج تک زندہ رکھا ہوا ہے۔

ہومیو پیتھی اگرچہ مختصر طریق علاج ہے لیکن اس کے خواص الادویہ میں بے انتہا وسعت ہے۔ اس میں امراض کے لئے بالضد اثرات وفوائد حاصل نہیں کئے جاتے بلکہ تندرست انسانوں کو ادویہ کھلا کر علامات حاصل کی جاتی ہیں۔ ہر قسم کے مشینی وکیمیائی اور کیفیاتی و نفسیاتی اثرات حاصل کئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ چھوٹی چھوٹی علامات مثلاً دِن رات اور روشنی واندھیرے کی علامات میں کیا فرق ہے۔ حرکت وسکون اور نیند و بیداری کی حالت میں کیا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ چونکہ ان کی علامات بھی مرکب اعضاء کے تحت پائی جاتی ہیں اس لئے ایک ایک علامت کے لئے متعدد ادویات کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ اگر یہ علامات مفرد اعضاء کے تحت ترتیب پا جائیں تو یقینی اور بے خطا علاج دُنیا کے سامنے آ جاتا۔ بہر حال ہومیو پیتھی طریق علاج میں کم از کم پچاس فیصدی یقینی اور بے خطا علاج ہے اور غلط دوا دینے میں اکثر نقصان نہیں ہوتا۔ اس لئے ایلو پیتھی سے بدرجہا بہتر علاج ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں ہم نے علم الادویہ پر تقریباً بیس پچیس سال تک تحقیقات کی اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ

① ادویہ کے خواص اعضاء خصوصاً مفرد اعضاء کے تحت کرنے چاہئیں۔

② مفرد اعضاء کے ردِ عمل سے جو اثرات پیدا ہوتے ہیں ان کو حاصل کیا جائے۔

③ اخلاط اور خون میں جو کیمیائی تبدیلیاں پیدا ہوں ان کو حاصل کیا جائے۔

④ اخلاط اور خون کی کیمیائی تبدیلیوں سے جو اثرات پیدا ہوتے ہیں ان کو بھی حاصل کیا جائے۔

یہ اولین اثرات کی تصدیق کرتے ہیں۔ کیفیاتی اور نفسیاتی افعال واثرات کو الگ الگ بیان کیا جائے۔ ان کے علاوہ مختلف ماحول میں جو افعال واثرات میں فرق پیدا ہو جاتا ہے اس کو مدنظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ اس کتاب میں خواص الاشیاء کی تحقیقات کے عمومی اصول اور کلی قوانین کو پیش کیا گیا ہے تاکہ:

① معالجین میں صحیح، یقینی، بے خطا افعال واثرات اور خواص ادویہ واغذیہ حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔
② نسخہ نویسی میں غلطیاں نہ ہوں۔
③ مجربات اور مرکبات کے غلط اور صحیح ہونے کا علم حاصل ہو جائے۔
④ فرنگی طب کے غلط خواص الادویہ سے اجتناب برتا جائے جس سے قابل ترین معالج پیدا ہو کر علم وفن اور ملک وقوم کی خدمت کر سکتے ہیں۔

خواص الاشیاء میں جگہ جگہ امثال کے لئے ادویہ اور اغذیہ لکھ دی گئی ہیں اور آخر میں تمام مشہور ادویہ اور اغذیہ کی تحریکات کو مفرد اعضاء کے مطابق پیش کر دیا ہے تاکہ جو لوگ نظریہ مفرد اعضاء سے واقف ہیں وہ پورے طور پر مستفید ہو سکیں۔ یہ تحقیقات الادویہ کا حصہ کلیات ہے۔ دُعا فرمائیں اللہ علیم وحکیم اس کے تکمیل کرنے کی طاقت عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میرا یہ کام علم وفن طب میں ایک زبردست انقلاب ہے۔

خادم فن
صابر ملتانی

مُقدّمہ

شرف انسانی

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اس کا شرف اور فضیلت ملائکہ اور جنات سے بھی اعلیٰ ہے۔ یہ شرف اور فضیلت کیا ہے؟ اور اس کا کمال کیا ہے؟ اس کا جواب قرآن حکیم دیتا ہے۔ جب ملائکہ کو حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کی تخلیق کرنا چاہتا ہے اور اس کو زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کرے گا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی:

﴿ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ﴾

''کیا آپ ایسی شخصیت کو تخلیق دینا چاہتے ہیں جو زمین میں فساد کرے گی اور اس میں خون بہائے گی اور ہم آپ کی ہمیشہ تعریف کرتے ہیں اور آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

''جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے''۔

اللہ تعالیٰ نے صرف یہ جواب ہی نہیں دیا بلکہ دلیل کے طور پر عملی تجربہ بھی کرا دیا تا کہ ان کی پوری تسلی ہو جائے:

﴿ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾

''آدم کو کل ناموں کا علم دیا اور ملائکہ کے سامنے پیش کیا گیا اور دریافت فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ''۔

ملائکہ نے جواب دیا:

﴿ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾

''آپ کی ذات پاک ہے ہم کو اتنا ہی علم ہے جو آپ نے دیا ہے آپ ہی علم والے اور حکمت والے ہیں''۔

جب آدم علیہ السلام کو کہا گیا کہ وہ ان کو نام بتائیں۔ جب انہوں نے یہ نام بتا دیئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آسمان اور زمین کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہوں اور وہ بھی جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ اس تجربہ کے بعد آدم علیہ السلام کی فوقیت کو قائم رکھنے کے لئے ایک اور مشاہدہ پیش کیا گیا:

﴿ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

''جب ملائکہ کو حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے (جو جنات میں سے تھا) انکار کر دیا اور تکبر کیا اور وہ نہ ماننے والوں میں سے تھا''۔

اس امتحان و تجربہ اور مشاہدہ میں کامیاب ہونے کے بعد آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے آدم علیہ السلام! آپ اور آپ کی بیوی جنت میں قیام کریں اور وہاں جس قدر اور جہاں سے چاہیں کھائیں مگر ﴿ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ اس درخت کے قریب مت جانا ظلمت میں گرفتار ہو جاؤ گے''۔

ان حقائق سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

① آدم علیہ السلام کو خلافت زمین کے لئے تخلیق کیا گیا۔
② فرشتوں نے اعتراض کیا اور اس کی خرابیاں بیان کیں۔
③ آدم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی تمام اشیاء کے ناموں کا علم دیا گیا۔
④ فرشتوں کے سامنے مقابلہ کامیاب کیا گیا۔
⑤ فرشتوں کو کہا گیا کہ آدم علیہ السلام کے متعلق جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے یعنی وہ فساد کرے گا اور خون بہائے گا اور جو کچھ وہ چھپاتے ہیں یعنی وہ آسمانوں اور زمین کی تمام اشیاء کے ناموں کا علم رکھتا ہے۔
⑥ فرشتوں سے سجدہ کرا کے عملی طور پر اس کا شرف اور فضیلت تسلیم کرائی گئی۔
⑦ ابلیس کو بھی سجدہ کے لئے کہا گیا مگر تکبر کی وجہ سے وہ اپنی بے عزتی برداشت نہ کر سکا اور انکار کر دیا۔
⑧ آدم علیہ السلام کو جنت میں قیام کے لئے کہا گیا اور وہاں کی تمام اشیاء جن کے ناموں کا ان کو علم تھا کھانے کو کہا گیا مگر ایک خاص درخت کے قریب جانے سے منع کیا گیا تاکہ اس سے ان پر ظلمت کا اثر نہ ہو جائے۔

ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی جبلت میں نہ صرف علم الاشیاء ودیعت کر دیا گیا ہے بلکہ زمین سے لے کر آسمانوں تک اس علم میں اس کی دسترس قائم ہے۔ جہاں تک وہ اس علم الاشیاء سے آگاہ ہوتا جائے گا اس کا مقام اور درجہ بلند ہوتا جائے گا۔ قرآن حکیم اور دیگر مذہبی کتب میں انسان کو کائنات اور زندگی کے مختلف شعبوں کا علم دیا گیا ہے اور ان کی حکمت ظاہر کی گئی ہے۔ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ دُنیا میں جب سے کتب لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا ہے ان میں صرف علم الاشیاء پر ہی لکھا گیا ہے۔ یہ علم انسان کی زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق ہو یا اس کی جبلت اور جذبات کے متعلق ہو یا دُنیا اور کائنات کے متعلق ہو اس کا تعلق انسان کی ذات سے وابستہ ہے، بلکہ اس کائنات میں بحر و بر اور ہوا میں جو کچھ ہے سب انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔

اس تسخیر کائنات کا مقصد یہ ہے کہ جو کچھ بھی اس کائنات میں ہے انسان اگر چاہے تو وہ تعلیم و مشاہدہ اور قیاس و تجربہ سے وہ سب کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ کائنات پر غلبہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کائنات کے متعلق پورا علم ہو۔ یہ علم دو صورتوں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اوّل نبیوں کی خبروں اور پیغمبروں کے پیغام پر پورا عبور حاصل کیا جائے۔ دوسرے انسانی علم و حکمت اور مشاہدہ و تجربہ کی تعلیم اور نتائج پر مکمل دسترس حاصل کی جائے۔ اس کے بغیر زندگی اور کائنات کی تسخیر ممکن نہیں ہو سکتی۔

جاننا چاہئے کہ نبی علیہ السلام کی طرف علم و حکمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کیا ہوتا ہے، مگر انسانی علم و حکمت اس کی تعلیمات و مشاہدات اور تجربات ہوتے ہیں۔ البتہ انسانی علم و حکمت میں انبیاء کے علم و حکمت کا بہت کچھ دخل ہوتا ہے۔ جوں جوں انسان علم الاشیاء پر عبور اور دسترس حاصل کرتا جاتا ہے اس کے مقام اور زندگی میں بلندی اور کمال پیدا ہوتا جاتا ہے۔ یہی شرف انسانی ہے۔

علم الاشیاء اور فن علاج

زندگی اور دُنیا کے ہر شعبہ میں جو رونق نظر آتی ہے اس کی زیادہ تر اہمیت علم الاشیاء پر ہے۔ لیکن علم العلاج میں اس کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ علم العلاج کی بنیاد علم الاشیاء پر قائم ہے۔ اگر کوئی انسان علم الاشیاء سے واقف نہ ہو تو وہ علم العلاج میں نہ صرف بے بہرہ ہے بلکہ کسی مرض کے لئے نہ کوئی تدبیر وحکمت عملی کر سکتا ہے اور نہ ہی غذا اور دوا تجویز کر سکتا ہے۔ طرہ امتیاز یہ ہے کہ وہ نہ حکیم کہلا سکتا ہے اور نہ ہی طبیب (ڈاکٹر) ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے اس لئے علم الاشیاء کو حکمت اور طب کے تمام علوم وفنون میں فضیلت حاصل ہے۔ اس لئے اس کا حصول علم وفن طب میں اوّلیت رکھتا ہے۔ طب علمی وطب عملی، امور طبیہ وعلم امراض، اسباب وعلامات علم العلاج وعلم الحفظان صحت، غذا دوا اور زہر بلکہ کوئی شے بھی جو ان سب کا جاننا علم الاشیاء میں شامل ہے۔ چونکہ علم العلاج میں علم الادویہ کو انتہائی اہمیت حاصل ہے اس لئے اس کتاب میں بھی اکثر بحث علم الادویہ سے متعلق ہے لیکن حقیقت میں اس تحقیقات کا دائرہ علم الاشیاء تک پھیلا ہوا ہے۔

تاریخ علم الاشیاء

محققین علم تاریخ نے علم العلاج کی ابتداء کا جہاں تک کھوج نکالا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ مقدس فن کی ابتدا پجاریوں اور پادریوں سے شروع ہوتی ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ یہ بزرگ ہستیاں ہیں، قدرت کی طرف سے اس مشکل فن کو سمجھنے اور استعمال کرنے کے لئے مقرر کی گئی ہیں لیکن فلسفہ تاریخ کے ماہر جانتے ہیں کہ پیدائش انسانی کے ساتھ ساتھ امراض و علاج دُنیا میں نمودار ہوئے۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ انسان نہایت قدیم ترین دور میں کیفیت وتاثرات دنیا سے محفوظ رہا ہو اور یہ تاثرات جب نظام جسم انسانی میں خلل پیدا کر دیں تو انہی کا نام امراض ہے۔ باقی رہا ان کا علاج یہ اس دور میں جس نوعیت کا بھی ہوگا، بہر حال وہ علاج ہی تھا۔

قدیم حجری دور میں جہاں تک انسانی معلومات نے تحقیقات کی ہے کہ وہ غاروں میں رہتے تھے، پتھر کے آلات استعمال کرتے تھے، پتھروں سے شکار کرتے اور انہیں پتھروں کے برتنوں میں ہی کھاتے پیتے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ لوگ غاروں سے نکل کر درختوں پر رہنے لگے اور اپنے جسم کو سردی کی ٹھنڈک اور گرمی کی تیزی سے بچانے کے لئے درختوں کے پتوں سے اپنا جسم ڈھانپنے لگے۔ ان کا جسم جو سردی اور گرمی کا عادی تھا اب برودت اور حرارت سے متاثر ہونے لگا۔ مگر اس خلل جسم کو انہوں نے بدروحوں کا دخل تصور کیا جس کو وہ اپنی عاجزی اور گڑگڑاہٹ سے رفع کرتے تھے۔ لیکن اس عاجزی اور گڑگڑاہٹ کو کسی اعلیٰ طاقت مثلاً سورج وچاند اور ستارے آگ وہوا اور پانی، خوفناک جانور اور زہریلے حشرات الارض کے سامنے سجدوں اور پوجا کی شکل میں پیش کرتے۔ اگرچہ قدیم انسان اس تاثرات اور کیفیات کی حقیقت سے واقف نہ تھا لیکن ان کی طاقت سے اس کا بچنا مشکل تھا۔ اس لئے ان کو مافوق الانسان سمجھ کر ان کی پوجا کرنا اور سجدہ بجالانا وہ اپنا فرض خیال کرتا تھا اور یہی اس کے لئے ایک طریقہ علاج تھا۔ آج بھی جب کہ ہمارے سامنے خداوند لاشریک کا تصور ہے ہم بھی اپنے جذبات کو انہیں پوجا پاٹ اور سجدوں سے اظہار کرتے ہیں۔ گویا یہ جذبات فطری اور انسانی جبلت میں شامل ہیں۔

کیا عقل سلیم ان چیزوں سے انکار کر سکتی ہے کہ وہ لوگ شکار کے گوشت کی گرمی اور تیزی اور پھلوں کی سردی اور تسکین اور دیگر اشیاء کے اثرات وکیفیات سے آگاہ نہ ہوں گے۔ جب کسی کا بچہ سردی میں بخار کی شدت سے بے چین ہوگا تو کیا ان کے والدین نے کسی

جانور کی تازہ تازہ گرم کھال پہنا کر اس کی تکلیف اور بے چینی کا مداوا نہ کیا ہوگا۔ یا گرمیوں میں انسان نے اپنے آگ کی طرح جلتے ہوئے جسم کو سکون خاطر پانی کے تالاب میں دھکیل نہ دیا ہوگا۔ اسی طرح کسی دردناک اور متورم عضو کو آگ یا دھوپ سے جلا کر تسکین نہ دی ہوگی۔ غرض ان لوگوں نے اپنے متاثر جسم یا دوسرے الفاظ میں امراض کو مختلف صورتوں میں رفع کرنے کی جدوجہد اور کوشش نہیں کی ہوگی۔ یہی عمل ان کا علاج تھا۔ یہیں سے ہم نے صرف تاثرات علم الاشیاء بلکہ علم العلاج کی ابتدا کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا ادراکات نہ صرف قرین قیاس ہیں بلکہ عین انسانی فطرت کے مطابق ہیں۔ ان سے انکار کرنا انسان کے اشرف المخلوقات ہونے سے انکار کرنا ہے۔ خالق مطلق نے انسان کو تکمیل کے بعد ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۞ ﴾ کی سند عطا کی۔ پھر کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ مالک کون ومکان کی بہترین تخلیق اپنے گردوپیش کو سمجھنے کی کوشش نہ کرے یا اپنی بلیات کو رفع کرنے کی کوشش نہ کرے جب کہ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہر انسان ہر خوفناک اور دہشت ناک منظر سے بھاگنے کے لئے ہر لحہ غیر شعوری طور پر مجبور ہے اور ہر دُکھ اور مصیبت کے رفع کرنے کے لئے ہر گھڑی بے قرار و بے چین ہے۔ اس کے برعکس لذت اور لطف کی طرف ہمہ تن سعی اور کوشش کرتا رہتا ہے۔ بلکہ مسرت و انبساط کو حاصل کرنے کے لئے ہر قیمت خرچ کرنے کو تیار ہے۔ بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتیوں کو تلاش کرتا ہے۔ نوجوان اپنی زندگی کی تسکین حسن و محبت میں محسوس کرتا ہے۔ ایک شباب رفتہ اور پس خوردہ انسان اپنی عاقبت سلامت روی میں پاتا ہے۔ انسان پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ اس قسم کے شعور حیوانات میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً بلی، کتے کی شکل تو کیا آواز سن کر ہی بھاگ جاتی ہے اور چوہے کے لئے بلی کی ''میاؤں'' پیغام اجل سے کم نہیں ہے۔

یہ تھا حیات انسانی کی جدوجہد کا اوّلین دور۔ اس کے بعد دوسرا دور پجاریوں اور پادریوں کے علاجات کا زمانہ ہے۔ پجاری اور پادری مذہبی پیشوا کہلاتے تھے، لیکن اگر حقیقت کا انکشاف کیا جائے اور واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو پس منظر دیکھنے سے اصلیت واضح ہوجاتی ہے کہ اس ابتدائی زمانے میں پجاریوں اور پادریوں کی ہستی بھی اس لئے وجود میں آئی کہ ان کو عوام کی تکلیف و درد کا درماں خیال کیا گیا۔ جس کے بعد انہوں نے عوام پر مصائب کے رفع کے لئے مافوق الانسان طاقتوں کا تخیل ان کے ذہن میں پیدا کردیا اور اسی طرح ہر دُکھ اور ضرورت کے لئے الگ الگ مافوق الاسباب ہستیوں کو ایک ایک معبود تسلیم کیا گیا۔ جس سے ان کی پوجا شروع ہوگئی۔

یہ تھا انسان کا اوّلین خدائی تخیل۔ اس کے مدت مدید اور عرصہ بعد کے بہترین مدبرین زمانہ اور مصلحین وقت نے بے شمار طاقتوں اور معبودوں کے بوجھ کو کم کرنے کے لئے اللہ وحدہٗ لاشریک کا تخیل پیش کیا۔ پھر بعد کے حقیقت شناسوں اور فطرت انسانی کے علمبرداروں نے درس دیا اور ذہن نشین کرایا کہ کائنات کی یہ تمام طاقتیں جن کو مافوق الانسان اور معبود خیال کیا جاتا ہے، اصل میں انسان ہی کے لئے بنائے گئے ہیں اور اس کے خدمت گزار ہیں۔

ان تمام ادوار میں خصوصاً نہایت قدیم دور میں علم العلاج اس سے زیادہ ترقی نہیں کرسکتا تھا کہ علم خواص الاشیا کی طرف قدم بڑھنا شروع ہوگیا، اگرچہ وہ صرف کیفیات تک محدود رہا۔ یعنی سورج اور آگ میں گرمی ہے، پانی اور زمین میں ٹھنڈک ہے۔ اسی طرح گوشت گرم اور مقوی ہے اور پھل ٹھنڈے اور تسکین دیتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ آج بھی عوام تو رہے ایک طرف اچھے اچھے شہری بھی اشیاء کے خواص بیان کرتے ہوئے گرم و سرد اور خشک و تر سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتے۔ ان کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ ان کا یہ علم بھی سنا سنایا اور اکثر غلط ہوتا ہے۔

زمانہ قدیم میں علاجات کی اہمیت اس سے زیادہ کچھ نہ تھی کہ کسی نے جو کچھ بتا دیا کرلیا گیا یا کسی چیز کا اتفاقاً علم ہوگیا یا زیادہ

سے زیادہ خوابوں سے کچھ آگاہی مل گئی، اس کو علاج کا مداوا بنالیا، وغیرہ وغیرہ۔ انہی معلومات کی پجاری یا تو خود حفاظت کرتے یا ان کو کھدوا کر بتوں کے گلے میں یا مندروں کے اندر کہیں محفوظ رکھتے تھے جو ضرورت کے وقت کام میں لائے جاتے تھے۔ ہزاروں سالوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ نئی نئی معلومات عدم سے وجود میں آتی رہیں۔ لیکن یہ سب کچھ خواص الاشیاء سے آگے نہ بڑھا اور وہ بھی اٹکل پچو اور بے اصولا تھا۔ بہرحال ہم اس کو بھی ایک خاص نوعیت کا علاج ہی کہہ سکتے ہیں یہ بھی ایک دور تھا جس نے آنے والے زمانے کے لئے قابل قدر مواد بہم پہنچایا۔

اس دور کے بعد جو دور شروع ہوا، اس کو ہم علمی وعملی اور سائنٹفک دور کہیں گے۔ کیونکہ اس دور میں علم خواص الاشیاء یعنی علم الادویہ اور علم الاغذیہ کو بہت حد تک باقاعدہ اور اصول کے تحت کیا گیا۔ یعنی ادویات کی کیفیات کا تعین کیا گیا اور ہر مرض کے لئے جدا جدا ادویہ مقرر کی گئیں۔ تاریخ اس حقیقت سے تو خاموش ہے کہ اس حقیقت پسندی کی ابتداء کیونکر ہوئی۔ البتہ اس دور میں ہمیں ایک ایسی ہستی نظر آتی ہے جس نے اس فن کی ترقی اور اصلاح میں بے حد سعی کی اس کو ہم صحیح معنوں میں فن کا مصلح، موجد اور بانی طب کہیں گے۔ یہ شخص قبل مسیح پیدا ہوا اور حکیم ''بقراط (Hippocrates)'' کے نام سے شہرت اصل کی۔ شاید اس لئے تاریخ دان اس کے سر پر سہرا رکھتے ہیں کہ یہی پہلا شخص ہے جس نے فن طب کو علمی وفنی اور باقاعدہ صورت دی اور کتابوں میں بند کیا۔ یہ شخص یونان کا رہنے والا تھا۔ اس دور میں کیفیات ادویات کے ساتھ ساتھ امراض کو اخلاط کی کمی بیشی اور خرابی کے ساتھ تطبیق دے دیا گیا۔ پتہ چلتا ہے کہ بقراط علم الادویہ سے خوب واقف تھا اور وہ ان کے بالمثل خواص سے بھی فوائد حاصل کر لیتا تھا۔

اس کے بعد ایک زبردست دور شروع ہوا جب یونان میں علم وفن کا زبردست چرچا ہوا اور اس کی خاک سے قابل قدر اور مایہ ناز طبیب پیدا ہوئے۔ جنہوں نے شاندار کارنامے انجام دیئے اس فن کی عمارت کو بقراط کی بنیادوں پر لیکن بہت حد تک ترقی کے ساتھ مکمل کرنے کی کوشش کی گئی۔

اس دور میں ''حکیم جالینوس'' امام طب شمار کئے جاتے ہیں۔ اس دور میں علم الادویہ کے مزاج مقرر کئے گئے۔ ان کے درجات مقرر کئے گئے۔ اخلاط کے ساتھ ان کو تطبیق دے دی گئی۔ یہ سب اتنے بڑے کارنامے ہیں جو رہتی دُنیا تک یادگار رہیں گے۔ شاید اسی لئے اسلامی دور میں بھی اس علم وفن کا نام نہیں بدلا۔ اب تک اس کو طب یونانی کہتے ہیں۔ حقیقت میں یہ کوئی چھوٹا سا کام نہیں ہے کہ ادویہ کو اخلاط کے ساتھ تطبیق دے دی جائے۔ آج بھی ان کے اصول بہت حد تک صحیح ہیں اور اکثر ادویہ کے خواص ہم کو وہی معلوم ہوتے ہیں جو ہزاروں سال قبل مقرر کئے گئے تھے۔

اس دور کے بعد اسلامی دور میں طب یونانی کی عمارت کو تکمیل تک پہنچا کر اس پر رنگ وروغن کیا گیا۔ یعنی خواص الاشیاء میں ترمیم وتنسیخ کی گئی۔ بعض ادویات کے مزاجوں اور درجات پر بحثیں کی گئیں۔ علم الادویہ میں جو جدتیں ہوئیں وہ قابل قدر اور شاندار ہیں، یعنی ہر دوا اور غذا کے افعال واثرات اور خواص کی پوری پوری تحقیق، ان کی شناخت بلکہ تصاویر تیار کی گئیں۔ دستیاب ہونے کے مقام، موسم، حفاظت کے اصول، ان کی تیاری کے طریقے، نسخہ نویسی، مرکبات، مجربات، اکسیرات اور زہروں کے تریاقات پر بڑی بڑی طویل کتب لکھی گئیں۔ بلکہ ایک ایک دوا پر جدا جدا کتب لکھی گئیں۔ مفردات کے علاوہ مرکبات اور دواسازی پر بھی جدا جدا کتب لکھی گئیں۔ بے شمار قرابادینیں آج بھی ان کی تحقیقات پر شاہد ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان کے مقرر کئے ہوئے خواص اور اصول آج بھی ہمیں فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ بے شک آج کچھ نظریات بدل چکے ہیں، لیکن جن قوانین اور اصولوں پر انہوں نے ان کو قائم کیا ہے انہوں نے اس کو انتہائی

کمال تک پہنچا دیا تھا۔ اس دور میں شیخ الرئیس بوعلی سینا اور حکیم رازی کو امامت کا درجہ حاصل ہے۔

یونانی اور اسلامی دور میں زہروں سے بہت حد تک اجتناب برتا گیا لیکن ہند میں آیورویدک نے دِل کھول کر اس کی داد دی۔ آیورویدک کا علم الادویہ یونانی علم الادویہ سے زیادہ بہتر اور زیادہ کامیاب ہے۔ اس میں ادویہ کے خواص پر زیادہ چھان بین کی گئی ہے۔ لیکن افسوس اس کا علم الادویہ تتوں، پرکرتیوں اور دوشوں سے آگے نہیں بڑھا۔ یعنی انہوں نے تمام آیورویدک میں ادویات اور اعضاء کے تعلق کو کہیں بیان نہیں کیا۔ یہ تو انہوں نے ضرور بتلا دیا کہ دوش کہاں پیدا ہوتے ہیں، کس کس عضو میں چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی بیان کر دیا کہ وایو کا اثر دخل کہاں کہاں ہے۔ پت کا چنچل پن کیا رنگ لاتا ہے اور کف کے اثرات کیا ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ مگر افسوس ہے کہ ادویات کو امراض سے تطبیق دینے کی کوشش اور ادویات کو بالاعضاء بالکل بیان نہیں کیا گیا ہے۔ اس لئے ان کے خواص الاشیاء میں کسی حد تک کیمیائی اثرات تو نظر آتے ہیں، مشینی اثرات کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ اس لئے بالفعل اثرات نہ ہونے سے علم الادویہ محدود ہو گیا ہے اور بعد کے زمانے میں بھی صاحب علم، اہل فن اور باکمال ہستیوں نے نہ اس ضرورت کو سمجھا اور نہ اس کی اصلاح کی۔ اس وجہ سے اس کا ارتقا علم و فن ختم ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی جدید کتب میں طب یونانی اور فرنگی طب کے خواص الادویہ نظر آتے ہیں۔ یاد رکھیں جب کوئی علم و فن اپنے اصول و قوانین چھوڑ کر دیگر علوم و فن کے اصول و قوانین قبول کر لیتا ہے تو اس کا اپنا فن برباد اور فنا ہو جاتا ہے۔ یہی انتہا ہے جس سے فلاح اور ارتقا ختم ہو جاتا ہے۔

ہمیں اس امر سے انکار نہیں ہے کہ ویدک، یونانی اور اسلامی ادوار میں علم الادویہ پر زبردست کام کیا گیا۔ ہزاروں ادویات شامل کی گئیں۔ بڑے بڑے اصول مقرر کئے گئے۔ اگر ان ادوار میں یہ کوششیں نہ ہوتیں تو آج فن اس بلندی پر نہ ہوتا۔ جو کچھ انہوں نے کیا وہ تمام جان جوکھوں میں ڈال کر کیا۔ شب و روز کی محنت سے نہ صرف فن علم الادویہ بلکہ اس کے کئی شعبوں کو تکمیل تک پہنچایا۔ مگر افسوس کہ بعد میں آنے والی نسلوں نے نہ تو اس سے کماحقہ استفادہ کیا اور نہ آئندہ تحقیق و تدقیق کا سلسلہ قائم رکھا۔ جس سے یہ روز بروز تنزل کی طرف چلا گیا۔

یہ قانون قدرت ہے کہ جب کوئی قوم اصول تمدن و معاشرت اور قانون سیاست و زندگی چھوڑ دیتی ہے اور اپنا وقت بجائے جدوجہد کے آرام کوشی اور عیش پرستی میں صرف کرتی ہے تو وہ قوم روز بروز نکبت کی کھائیوں میں گر پڑتی ہے۔ یہاں تک کہ تحت الثریٰ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس وقت کوئی دوسری قوم اس کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اس کو اپنا غلام بنا لیتی ہے۔ پھر غلام قوم کا اپنا نہ علم رہتا ہے نہ فن بلکہ آہستہ آہستہ اس کی یہ ذہنیت بن جاتی ہے کہ اپنے حقائق چھوڑ کر حاکم قوم کے لٹریچر، آرٹ اور سیاست کو صحیح اور بہترین شے تصور کرنا شروع کر دیتی ہے۔

مشرقی اقوام کی کمزوریوں اور ناچاکیوں سے ناجائز فوائد حاصل کر کے مغربی اقوام نے ان پر قبضہ کر لیا اور مشرق کا کوئی ایسا ملک نہیں تھا جس پر ان کا بالواسطہ یا بلاواسطہ قبضہ نہ ہو گیا ہو۔ ساتھ ہی انہوں نے مشرق کی دولت اور خزانوں کے ساتھ ساتھ مشرقی علوم و فنون کے خزانے خالی کر دیئے اور جو کچھ باقی بچا اس کو جلا کر خاک کر دیا اور ساتھ ہی ان تمام ممالک میں اپنی تجارتی منڈیاں قائم کر دیں۔ ان کی حکومت کی وسعت کا یہ عالم تھا اس میں سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا۔ لیکن ان کے ظلم و استبداد نے ان کی حکومت کی جڑیں کھوکھلی کر دیں اور ساتھ ہی مشرقی اقوام بیدار ہو گئیں اور مسلسل جدوجہد اور کوشش سے تمام مشرق کو مغرب سے خالی کرا لیا مگر ابھی تک مغربی ذہن مشرق میں کارفرما ہے۔ اُمید ہے بہت جلد یہ ذہن بھی ختم ہو جائے گا۔

مغرب نے جس قوت سے اقوام مشرق کو قابو کر رکھا ہے اس کا نام سائنس رکھا ہے۔ سائنس کو ایک خوفناک دیو کی شکل میں پیش کیا

ہے۔ لیکن حقیقت میں سائنس کوئی خوفناک شے نہیں ہے، بلکہ تجرباتی اور مشاہداتی علم کا نام ہے۔ یہ کوئی بری شے نہیں ہے لیکن مغرب کا یہ ظلم ہے کہ صرف اپنی بات کو سائنس کہتا ہے اور دُنیا بھر کی کسی حقیقت اور قانون فطرت کو تسلیم کرنا تو کیا وہ سننا بھی گوارا نہیں کرتا۔ لیکن وہ دِن بھی ان شاء اللہ جلد آئے گا کہ وہ مسلمہ حقائق اور فطری قوانین کے سامنے سر جھکا دے گا۔ طوالت کی وجہ سے واقعات کو نظر انداز کر دیا ہے۔

مغرب نے جو سائنس پیش کی ہے ہم اس کی قدر کرتے ہیں، یہ ایک معیاری علم و فن ہے، اس سے ہم کسی شے اور عمل کے حسن و قبح کو پرکھ اور سمجھ سکتے ہیں اور اسی کی مدد سے ہم فرنگی طب کے صحیح اور غلط ہونے کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ ہم نے اس کی روشنی میں فرنگی طب کا مطالعہ کیا ہے لیکن افسوس اس کی اپنی سائنس ہی اس کو غیر اصولی اور غیر علمی ثابت کرتی ہے اس لئے ہم نے اس پر ایک کتاب ''فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے'' لکھی ہے، چونکہ یہاں بحث تحقیقات ادویہ پر ہے اس لئے فرنگی علم الادویہ کی تحقیقات پیش کی جاتی ہیں۔

فرنگی طب یا سائنس نے آیورویدک اور طب یونانی کی تحقیقات کے خلاف یہ ثابت کیا ہے کہ تت اور ارکان پانچ یا چار نہیں ہیں بلکہ تقریباً ایک سو دس ہیں اور ہر عنصر (Element) مرکب نہیں ہے۔ ادویہ کا چار اخلاط کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ چار اخلاط میں صرف خون ہی ایک ایسا خلط ہے جو بارہ چودہ عناصر سے مرکب ہے۔ کسی دوا کا مزاج تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ ان کی گرمی سردی سے انکار کر دیا اور ادویہ کے خواص بالخاصہ تسلیم کئے گئے۔ البتہ ادویات کے اثرات کو اعضاء پر تسلیم کیا گیا۔ مگر امراض کی تحقیقات میں جب سے جراثیم کی تحقیقات ہوئی ہے اس وقت سے جراثیم کش ادویات کی تلاش اور ریسرچ میں دِن رات ایک کر کے بے شمار جراثیم کش ادویہ تلاش کر لی گئیں۔ ہر دوا کا تجزیہ اور تحلیل کی گئی۔ موثر اجزا کو الگ کر کے ان کی خصوصیات جدا جدا بیان کی گئیں۔ ادویات کے الکلائڈ تیار کئے گئے۔ ایک ایک دوا کو پھاڑ کر دس دس بلکہ بیس بیس الکلائڈ نکالے گئے۔ ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ فوائد بیان کئے گئے۔ پھر ان کو ملا کر عجیب و غریب کیمیائی مرکبات تیار کئے گئے۔ غرض خواص الاشیاء میں انتہا تک کام کیا گیا۔ جہاں تک رفع امراض کا تعلق ہے خاطر خواہ نتائج نہ حاصل ہوئے بلکہ نئے امراض پیدا ہو گئے۔

ایلوپیتھی (علاج بالضد) کے برعکس یورپ ہی کے ایک ڈاکٹر نے جس کا نام کرسچن فریڈرک سیموئیل ہانیمن (1842-1755) تھا ہومیوپیتھی (علاج بالمثل) کا قانون پیش کیا۔ اس نے تحقیق کیا کہ ادویہ جو علاج بالضد کے قانون پر دی جاتی ہیں ان میں خرابیاں ہیں:

① اگر کسی کو صحیح دوا بھی دے دی جائے تو ضروری نہیں کہ مرض رفع کر دے، لیکن اس کے مقابلے میں اس دوا کے نقصانات جو دیگر اعضاء پر ہیں وہ اس کے فائدے سے بہت زیادہ ہیں۔ اگر دوا صحیح نہیں تو پھر مریض پر انتہائی ظلم ہے۔

② دوا کی مقدار جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر زیادہ مریض کی زندگی کو اجیرن بنا کر موت کی طرف دھکیل دے گی۔

③ آج تک جو خواص الادویہ معلوم کئے گئے ہیں وہ مریضوں پر تجربات کئے گئے ہیں اور تندرست لوگوں کو کھلا کر ان کے اثرات کو نوٹ نہیں کیا گیا۔

④ جسم انسان کے چند غیر طبعی افعال کو روکنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن چھوٹی چھوٹی اور نہایت ضروری علامات کو نہ دیکھا اور نہ سمجھا گیا اور نہ ہی ان کو رفع کرنے کی کوشش کی گئی، وغیرہ وغیرہ۔

ڈاکٹر ہانیمن نے اپنے ہزاروں تجربات کے بعد ثابت کیا کہ ادویات کو بالضد کی بجائے بالمثل مگر قلیل مقدار میں استعمال کرنا چاہئے وہ اس طرح کہ تندرست انسان میں کوئی دوا جو علامات رونما کر دے، اگر کسی مریض میں وہ علامات پائی جائیں تو وہی دوا اصول کے ساتھ اس مریض کو دی جائے۔ ایک تو مرض یقینی طور پر رفع ہوگا۔ دوسرے ہمیشہ کے لئے مرض دور ہوگا۔ تیسرے مریض کے اندر کوئی نیا

مرض پیدا نہ ہوگا۔ چوتھے اگر دوا غلطی سے صحیح نہ بھی دی گئی ہو تو نقصان کا اندیشہ نہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ ادویات کی مقدار قلیل اور ذائقہ شیریں ہو، ہر شخص بلکہ بچے اور عورتیں بھی بغیر حیل وحجت کھانے کو تیار ہوں، وغیرہ وغیرہ۔

یہ تھا ایک زبردست انقلاب جو علم الادویہ میں پیدا کیا گیا اور تقریباً ہر دوا کے خواص اسی طرح تندرست انسانوں پر تجربہ کر کے معلوم کئے گئے۔ ہزاروں جانیں تلف ہوئیں لیکن دُنیا میں خاص الادویہ کا ایک نیا نظام قائم کر دیا گیا جس سے روزانہ ہزاروں لوگوں کو شفا ہونے لگی۔ اب تک یہ سلسلہ جاری ہے، کوئی شک نہیں کہ خواص الادویہ کا یہ قانون قابل قدر ہے، لیکن اس میں یہ دقت ہے کہ ہر دوا کی تمام خصوصاً چھوٹی چھوٹی علامات کا ذہن میں حاضر رکھنا ضروری ہے اور سب سے مشکل امر یہ ہے کہ ایک ایک علامت بے شمار ادویہ میں پائی جاتی ہے جس سے دوا تجویز کرنے میں سخت پریشانی ہوتی ہے۔ بہرحال یہ علم الادویہ ایلوپیتھی سے بدرجہا بہتر اور مفید ہے۔

الکوحل اور شوگر*

خواص الادویہ کے متعلق استاد الاطباء حکیم احمد الدین موجد طب جدید شاہدرہ نے ایک خاص نظریہ پیش کیا، اگرچہ وہ جدید تو نہیں ہے لیکن وہ ایک قانون کی حیثیت ضرور رکھتا ہے اور ایک حقیقت کا اظہار ہے، جس کا اختصار یہ ہے کہ دُنیا کے تمام طریق علاج وامراض کی حقیقت بیان کرنے میں مختلف نظریات رکھتے ہیں، مگر آخر کار ان کا تعلق اعضاء کی خرابی کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں۔ اور تسلیم کرتے ہیں کہ جب تک اعضاء کے افعال میں کمی بیشی واقع نہ ہو تو امراض کی صورت پیدا نہیں ہوتی تو پھر خواص الاشیاء کے اثرات کو دوشوں اور اخلاط کی خرابی یا جراثیم کی پیدائش اور روح کے بیمار ہونے میں کیوں تلاش کیا جائے۔ کیا بہتر نہیں ہے کہ خواص الاشیاء کا تعلق سیدھا اعضاء کے ساتھ قائم کر دیا جائے۔ کیونکہ ہر دوا کسی نہ کسی عضو پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کے فعل میں افراط وتفریط یا تقویت اور تسکین پیدا کر دیتی ہے۔ اس طرح دوا کے صحیح اور یقینی خواص حاصل ہو سکتے ہیں۔

جہاں تک خواص الاشیاء کا تعلق بالاعضاء ہے واقعی قابل تعریف ہے، مگر انہوں نے نمونے کے طور پر کوئی عملی کام پیش نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں کم وبیش چالیس ادویہ کے خواص تحریر کئے ہیں جو شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن ان کی صورت آیورویدک اور یونانی طب، ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی کے بالکل مطابق ہے۔ انہوں نے کہیں بھی یہ نہیں لکھا کہ فلاں دوا کے استعمال سے فلاں عضو کے فعل میں کمی بیشی ہوتی ہے اس لئے فلاں مرض کے لئے مفید ہے۔ البتہ انہوں نے زہروں کو بے تکلفی سے استعمال کی دعوت دی ہے جو طب یونانی میں گناہ کے مترادف ہے۔ مثلاً سم الفار، بیش اور اذرقی جیسے خوفناک اور تیز ونقصان رساں زہروں کو بغیر مدبر کئے برتنے کا مشورہ دیا ہے اور تاکید ہے کہ مدبر کرنا نہ صرف توہم میں داخل ہے بلکہ ان کے اثرات کو کم اور ضائع کرنا ہے۔ اگرچہ یہ سب کچھ سائنس کی دُنیا میں پہلے موجود تھا لیکن خواص الاشیاء کے اثرات کو اعضاء کے افعال کے تحت حاصل کرنا فن میں ایک انقلاب کی دعوت تھی۔ یہ انقلاب صرف ایک اشارہ تھا، اس میں نہ تفصیلات تھیں اور نہ ہی کوئی کام کا نمونہ تھا۔ طرہ یہ ہے کہ اس میں جو خوبیاں اور نقصان تھا اس کا کہیں ذکر نہیں تھا۔ بہرحال یہ اشارہ ایک سنگ میل ہے جہاں پر غور وفکر کی کئی راہیں مل سکتی ہیں۔ جہاں تک نظریہ افعال الاعضاء کے تحت خواص الاشیاء لینے کا تعلق ہے اس میں کئی اشکال اور خرابیاں ہیں جن میں سے تین بہت ہی اہم ہیں:

---

* الکوحل اور شوگر آف ملک کے کم از کم مقدار میں استعمال کرنے سے کئی امراض خبیثہ جنم لیتے ہیں اور یہ دونوں ہومیوپیتھی کے جزو اعظم ہیں، اس لئے ہومیوپیتھی ایک اصلاح طلب طریق علاج ہے۔ [ایڈیٹر]

① اعضاء کے افعال کے علاوہ جس میں خون بھی شامل ہے جو ایک مرکب محلول ہے جس پر ہر غذا اور دوا کا اثر ضرور پڑتا ہے جس سے اس میں کیمیائی تبدیلی بھی ضرور پیدا ہو جاتی ہے اس طرح خون کے سارے مرکب اور خاص طور پر دوشوں، اخلاط اور اس میں روح (وائٹل فورس) کارفرما ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی کیفیت و مزاج اور دوش و خلط کی دوا یا غذا استعمال کرتے ہیں تو خون میں ان کا نمایاں اثر پڑتا ہے تو لازم آتا ہے کہ اعضاء کے مشینی افعال کے ساتھ خون کے کیمیائی اثرات کا جاننا بھی نہایت ضروری ہے جن کے بغیر خواص الاشیاء مکمل نہیں ہو سکتے۔

② جہاں تک اعضاء کا تعلق ہے، اعضاء دو قسم کے ہیں۔ ایک مفرد اعضاء جیسے اعصاب و عضلات اور غدود وغیرہ۔ نظریہ افعال الاعضاء کے تحت خواص الاشیاء مرکب اعضاء کے تحت لئے گئے ہیں نظریہ افعال الاعضاء کے تحت خواص الاشیاء میں مفرد اعضاء کا کہیں ذکر تک نہیں ہے اس لئے اس نظریہ سے مکمل خواص الاشیاء حاصل کرنا نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔

③ خواص الاشیاء میں افعال کے صرف دو خیال بیان کئے ہیں۔ اوّل افراط یعنی عضو کے فعل میں تیزی جو تحریک سے پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے تفریط یعنی عضو کے فعل میں کمی جو اس کے سکون سے پیدا ہوتی ہے، لیکن ان کے علاوہ ہر عضو کا ایک فعل اور بھی ہے جس کو ضعف کہتے ہیں، تسکین اور ضعف میں یہ فرق ہے کہ تسکین سردی سے پیدا ہوتی ہے اور ضعف گرمی سے پیدا ہوتا ہے یوں عضو کی جسم میں تحلیل قائم ہو جاتی ہے۔ تحلیل کا ذکر فرنگی طب میں بھی نہیں ہے۔

ان تمام مباحث کا اختصار یہ ہے کہ آیورویدک اور طب یونانی میں خواص کیفیات اور مزاج کے تحت لئے گئے ہیں اور ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی میں خواص الاشیاء مشینی اور کیمیائی دونوں صورتوں سے حاصل کئے جاتے ہیں، فرق یہ ہے کہ ایلوپیتھی میں بالضد لئے گئے ہیں اور ہومیوپیتھی میں بالمثل حاصل کئے گئے ہیں۔ لیکن دونوں میں مفرد اعضاء کی بجائے مرکب اعضاء کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس طرح صحیح اور حقیقی خواص الاشیاء حاصل نہیں ہو سکتے اور علاج بھی یقینی اور بے خطا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس وقت تک خواص الاشیاء غیر یقینی اور نامکمل ہے اور علاج الامراض ظنی بن کر رہ گیا ہے۔

جاننا چاہئے عرصہ تیس سالوں تک خواص الاشیاء پر تحقیقات کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ صحیح اور یقینی و بے خطا خواص الاشیاء اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک ان کے اثرات مفرد اعضاء کے تحت حاصل نہ کئے جائیں اور ان ہی مفرد اعضاء کے عمل و ردعمل کے کیمیائی اثرات کو خون کے اندر مطالعہ نہ کیا جائے۔ ساتھ ہی خون کے کیمیائی اثرات کا اعضا کے ساتھ تعلق نہ جوڑ دیا جائے اس طرح فعلی (مشینی) سے خلطی (کیمیائی) اثرات کا پتہ چلتا ہے۔ پھر خلطی سے فعلی اثرات کا پتہ چلتا ہے اور دونوں قسم کے اثرات سے ایک ہی قسم کے نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ اس تسلسل کو سمجھنے کے بعد صحیح یقینی اور بے خطا خواص الاشیاء حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس طرح حاصل کئے ہوئے افعال و اثرات خواص و فوائد سے علاج میں ظنی صورتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس طرح فن علاج پر زبردست دسترس پیدا ہو جاتی ہے۔ صحیح مرکبات اور یقینی و بے خطا مجربات وجود میں آ سکتے ہیں۔ اس طرح کے خواص الاشیاء کا علم و فن طب میں ایک زبردست انقلاب ہے۔ یہ انقلاب نظریہ مفرد اعضاء کے تحت ہی کیا جا سکتا ہے۔ نظریہ مفرد اعضاء اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم انعام ہے۔ ہم نے اسی کے تحت خواص الادویہ اور اغذیہ بیان کئے ہیں۔

صابر ملتانی

15 اکتوبر 1967ء

تحقیقات علم الادویہ

علم العلاج اور فن معالجات میں علم الادویہ کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس علم کے بغیر علاج ومعالجہ بیکار ہوکر رہ جاتا ہے۔ گویا یہ ایک بہت بڑا رکن ہے۔ اگر اس عمارت کا یہ رُکن نہ رہے تو یہ عمارت قائم نہیں رہ سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ علاج ومعالجہ کی تاریخ اور ابتدا علم الادویہ ہی سے شروع ہوتی ہے۔ جوں جوں تہذیب وتمدن اور ثقافت میں نشو وارتقا ہوتا رہا، علم الادویہ کے ساتھ ساتھ علم العلاج اور اس کی دیگر شاخیں علم وفن کی صورتیں اختیار کرتی گئی ہیں۔ گویا علم الادویہ کی حیثیت علاج ومعالجہ میں اُم العلوم طب کی ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ علم العلاج اور فن معالجہ میں کمال حاصل کرنا چاہیں ان کے لئے لازم ہے کہ علم الادویہ کے کلیات وجزئیات اور اثرات وافعال پر مکمل دسترس حاصل کریں۔

علم الادویہ جس کی تاریخ ہزاروں سالوں میں پھیلی ہوئی ہے، اب اس میں اس قدر وسعت ہوگئی ہے کہ وہ سہولت تفہیم کے لئے کئی حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، جن میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔

(۱) **معرفت الادویہ:** جس میں ادویات کی پہچان، مقام پیدائش ودستیابی اور موسم کا مطالعہ شامل ہے۔

(۲) **حفاظت الادویہ:** ادویہ کے مؤثر اجزا کا حاصل کرنا، خشک کرنا، ان کو محفوظ رکھنا، تازہ ادویہ کے رُب اور روغن تیار کرنا اور ادویہ کی تاثیر کی مدت مقرر کرنا۔

(۳) **کلیات الادویہ:** ادویات کے اثرات وافعال کے اصول اور قوانین کلیہ کا تعین کرنا، ان کی اصطلاحات کا وضع کرنا، کلیات و اصطلاحات کے تحت تقسیم کرنا۔

(۴) **خواص و فوائد:** ادویات کے فعلی وکیمیائی اور بالخاصہ خواص وفوائد، ادویہ کے امزجہ کیفیات اور درجات، امراض جن میں ادویات مفید ہیں۔

(۵) **تعین ادویات:** ایسے اصول جن کے تحت ادویات کا اعضاء وامراض اور علامات کے ساتھ تعین کرنا اور نسخہ نویسی۔

(۶) **ادویہ سازی:** اس میں عرق وشربت، سفوف وحبوب، اطریفل ومعجون، لعوق، یاقوتی، جوارش وخمیرہ، اچار وچٹنی، روغن وعطر، جوہر وست، کشتہ وسوختہ اور تیزابات دیگر کیمیائی اعمال وغیرہ۔

تحقیقات علم الادویہ میں ہم نہ صرف ان تمام شعبہ جات کو مدنظر رکھیں گے بلکہ ان کے ساتھ طب قدیم کے علم الادویہ کو پورے طور پر ذہن نشین کرانے کے ساتھ ساتھ فرنگی طب کی غلطیاں، خرابیاں اور گمراہیاں بھی بیان کرتے جائیں گے۔ چونکہ اس تقسیم اور شعبہ جات میں اہم حصہ کلیات الادویہ کا ہے۔ اس لئے اوّل اس پر اپنی تحقیقات پیش کی جاتی ہے۔

کلیات الادویہ

علمی حقائق میں کلیات کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ ان کے تحت ایسے قوانین و قاعدے اور اصول ترتیب پا جاتے ہیں جن کا استخراج واستنباط اور قیاس سے ہزاروں جزئیات نہ صرف ذہن نشین ہوتے ہیں بلکہ استعمال ادویہ اور نسخہ نویسی میں بے حد آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ کلیات ادویہ میں سب سے اہم صورت ان کی تاثیرات و کیفیات اور امزجہ و درجات الادویہ کا جاننا ہے۔ ان کے تعین کے بعد ہی ادویات کے افعال وخواص پر یقین کیا جا سکتا ہے۔ جو لوگ علم کلیات الادویہ سے واقف نہیں ہوتے وہ کتب میں سے تاثیرات وافعال، خواص وفوائد اور کیفیات اور امزجہ کے متعلق معلومات کر سکتے ہیں اور سمجھ بھی سکتے ہیں لیکن تعین ادویات اور نسخہ نویسی میں ان کو مکمل دسترس حاصل نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس علم سے جو تربیت ''حکم اور حدث'' کی پیدا ہوتی ہے وہ صرف جان لینے سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ وہ علم وفن میں کلیات وجزئیات کے جاننے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ علم وفن طب کو حکمت اور اطباء کو حکماء کے نام صرف اس لئے دیئے جاتے ہیں کہ اس علم وفن میں غور وخوض اور سوچ و فکر بہت زیادہ ہے اور جب تک اطباء میں غور وفکر کا ملکہ پیدا نہ ہو وہ حکیم کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ حکیم کو ہر قدم اور ہر لمحہ غور وفکر کر کے کلیات سے جزئیات اور جزئیات سے کلیات قائم کرنے پڑتے ہیں۔ اسی طرح ہر تصور کی تصدیق کرنی پڑتی ہے۔ جو لوگ یہ خیال کریں کہ جو دوا یا نسخہ یا مقدار وخوراک لکھ دیئے گئے ہیں ان کو بغیر غور وفکر کے استعمال کر لیا جائے، یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مریض کے مزاج وعمر، ماحول ومقام، موسم، آب وہوا اور مرض کی شدت وخفت کے لحاظ سے دوا اور مقدار میں کمی بیشی اور طریق استعمال میں اختلاف کرنا لازمی ہے۔ اسی طرح نسخہ نویسی اور تجویز ادویات کے وقت بھی ہزاروں ادویات میں سے کسی ایک یا چند پر صحیح طور پر حکم لگانا ہی حکمت ہے۔ علم کلیات الادویہ سے ہی یہ حکم وحدث اور کمال پیدا ہوتا ہے۔

ادویات کے اثرات وافعال

خالق زندگی اور کائنات نے اس دُنیا میں اس قدر اشیاء پیدا کی ہیں کہ ان کا شمار بالکل ناممکن ہے۔ ہم نے ان کو موالید ثلاثہ (جمادات، نباتات اور حیوانات) کی قید میں بند کر دیا ہے۔ لیکن پھر ان کی اس قدر اقسام ہیں کہ ان کا قلم بند کرنا انتہائی مشکل ہے۔ لیکن حکیم مطلق نے انسان کو ایسی قوت اور قدرت عطا فرمائی ہے کہ وہ نہ صرف ان تمام کے خواص وفوائد معلوم کر لیتا ہے بلکہ ایسے اصول وقوانین اور کلیات تیار کر لیے ہیں جن کی مدد سے موالید ثلاثہ کی بے شمار تقسیم در تقسیم اقسام کو بھی جان لیتا ہے اور ان کے خواص وفوائد پر پورے طور پر حاوی ہو جاتا ہے۔

انسان کی زبردست قوتیں

انسان کے اندر قدرت نے جو غیر معمولی قوتیں رکھی ہیں، جہاں تک میرا مطالعہ اور معلومات ہیں، میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ ان قوتوں کے متعلق ابھی تک انسان کو پورا علم نہیں ہے کہ یہ قوتیں کیا ہیں اور کیسے پیدا ہوتی ہیں اور ان میں کون کون سے اعضاء کام کرتے ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ انسان کا تصور ان کے متعلق بہت حد تک غلط ہے، جہاں تک ماڈرن سائنس کا تعلق ہے وہ تو ان کی حقیقت سے بالکل بے خبر ہے۔

احساس وادراک اور قیاس

انسان کی زبردست قوتوں میں سے احساس وادراک اور قیاس تین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ احساس اور ادراک کو ایک ہی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، بلکہ بعض لوگ تو قیاس کو بھی انہی کے ساتھ استعمال کر لیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں بہت زیادہ فرق ہے۔ بلکہ اس قدر فرق ہے جیسے زمین وآسمان میں فرق ہے۔ گویا ایک دوسرے سے بالکل جدا معنی دیتے ہیں۔ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ زبان میں معنی کا تعین انسان کا ذاتی کیا ہوا ہے لیکن جو ماہر لسانیات ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ ہر معنی کے بیان اور تعین میں مناسبت اور سلسلہ کا تعلق ضرور ہوتا ہے اور جب کبھی اس سلسلہ کی کڑیاں ملائی جاتی ہیں تو حقیقت معلوم کر کے بے حد حیرت ہوتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ الفاظ کے ہیر پھیر (صَرف) میں بڑی قوت ہے۔ جب کسی لفظ کا مادہ نکال کر اسی کی کئی ممکن صورتیں بنائی جاتی ہیں تو ہر صورت اپنے اندر ایک جدا قوت رکھتی ہے۔ الفاظ میں اس طرح کے ہیر پھیر تو تقریباً ہر بڑی زبان میں پائے جاتے ہیں لیکن عربی زبان میں یہ خزانہ بہت زیادہ ہے۔ دِل تو یہ چاہتا تھا کہ الفاظ کے ہیر پھیر اور طاقت پر کچھ روشنی ڈالی جاتی، لیکن طوالت کے مدنظر اس کو نظرانداز کرتے ہیں اور ذیل میں احساس وادراک اور قیاس کی قوتوں کو بیان کیا جاتا ہے۔

احساس وادراک اور قیاس کا فرق

بادی النظر میں تینوں الفاظ کے معنی علم اور جاننا ہے، لیکن حقیقت میں ان کا تعلق دماغ اور اعصاب کے ساتھ ہے لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ علم وحکمت اور جاننے پہچاننے میں جس قدر تعلق دماغ واعصاب کا ہے اسی قدر تعلق دِل وجگر کا بھی ہے۔ کیونکہ تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ جاننے **کا تعلق اگر دماغ کے ساتھ ہے تو سمجھنے کا تعلق دِل کے ساتھ ہے اور فائدہ اُٹھانے کا تعلق جگر کے ساتھ ہے۔** یہ سارے اسرار ورموز احساس وادراک اور قیاس میں پنہاں ہیں جن کا ہم تفصیل سے ذکر کریں گے تاکہ انسان حقیقت اشیا سے پورے طور پر آگاہ ہو جائے جس سے وہ دُنیائے علم وحکمت اور مذہب کی خدمت کر کے اس میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔

احساس کی حقیقت

احساس سے ایسا علم حاصل ہوتا ہے جو ہمیں حواس خمسہ ظاہری سے پہنچتا ہے، یعنی دیکھنا، سننا، چکھنا، سونگھنا اور چھونا۔ جو حواس خمسہ ظاہری ہیں ان سے جو معلومات اور علم حاصل ہوتا ہے وہ سب ہمارے احساسات ہیں۔ ہمارے تجربات ومشاہدات اور کتب کے پڑھنے سے جو علوم حاصل ہوتے ہیں یہ سب احساس کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان میں ایسے علوم کی شمولیت بھی ہوتی ہے جو ہم اور ادراکات سے حاصل کر چکے ہیں لیکن فی الوقت تجربہ ومشاہدہ اور پڑھنا احساس میں شامل ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور وحی کے ذریعہ نازل ہوا ہے اور حدیث شریف کلام الٰہی کی حکمت کا اظہار اور الہام ہے۔ لیکن ایسی کتب جن میں زندگی کے تجربات اور مشاہدات کا ذکر ہو، آیات اور حدیث بھی لکھی ہوں تو ان کو پڑھنا بھی ہمارے احساس کے تحت ہوگا۔ گویا ہماری تہذیب وتمدن، علم وحکمت اور تجربات ومشاہدات اور اخلاق وسیاست سب کچھ مذہبی رنگ میں رنگے گئے ہیں اور یہی ہماری ثقافت اور کلچر ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ وحی، الہام، وجدان اور لدنی علوم بذاتِ خود کبھی احساس کے ذریعے حاصل نہیں ہو سکتے۔ ان کو صرف ادراک ہی کہا جا سکتا ہے۔

ادراک کی حقیقت

ادراک سے ایسا علم حاصل ہوتا ہے جو حواس خمسہ باطنی سے حاصل ہوتا ہے (جس کی تفصیل آگے آئے گی) اسے نطق اور نفس

ناطقہ بھی کہتے ہیں۔اسی کو مجازاً روحِ انسانی کہا جاتا ہے۔دراصل ترقی یافتہ صورت بھی نفس مطلق ہی انسان میں نفس ناطقہ کہلاتی ہے اور ادراک نفس ناطقہ کی دو قوتوں میں ایک قوت ہے۔دوسری کو قوت تحریک کہتے ہیں۔نفس ناطقہ ایک جوہر بسیط ہے جس کی حکومت انسان کے تمام قویٰ اور اعضائے جسمانیہ پر ہے۔وہ مُدرک عالم ہے اس لئے عرض نہیں ہے کیونکہ کسی عرض کا دوسرے عرض کے ساتھ قیام ایک ایسا امر ہے کہ عقل سلیم اسے تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔وہ مدرک کلیات ہے،اس لئے اس کو جسم یا جسمانی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ کلی اگر کسی جسم میں قائم ہو تو پھر اس کی کلیت قائم نہیں رہتی اور وہ محدود ہو جاتا ہے۔

انسان کو ایک ایسی خاصیت حاصل ہے جو دیگر موجودات کو حاصل نہیں ہے۔اس کو نطق کہتے ہیں اس لئے وہ ناطق (بولنے والا) کہلاتا ہے۔ناطق سے مراد نطق بالفعل نہیں ہے کیونکہ جو آدمی گونگا ہوگا اس میں نطق بالفعل نہ ہوگا۔بلکہ نطق سے مراد ادراک علم ومعقولات اور قوت تمیز ہے جس سے جسم انسان میں بالواسطہ قویٰ اور آلات تصرف اور تدبیر عمل میں آتی رہتی ہے لیکن ہم اس کو اپنے کسی احساس سے محسوس نہیں کر سکتے یہی نفس ناطقہ ہے جس سے انسان کو فضیلت اور شرف حاصل ہے اور اسی لئے اس کو اشرف المخلوقات کہتے ہیں۔یہی فضیلت اور شرف جب اپنے کمال پر ہوتا ہے تو مقام نبوت اور جب ختم نبوت ہوتی ہے تو حسن و جمال اور حکمت وعقل اپنے انتہا پر ہوتی ہے۔یہی ادراک ہے جو ادنیٰ شخصیت سے لے کر ختم نبوت تک اپنے اپنے مقام پر نور و معرفت اور عقل وحکمت کو سمجھتا ہے،علم وعقل دونوں مختلف چیزیں ہیں۔کسی شخص میں عقل زیادہ ہوتی ہے،کسی میں علم زیادہ ہوتا ہے۔ہر شخص میں دونوں کا توازن بالکل مشکل ہے۔صرف نبوت اور خصوصاً ختم نبوت میں علم وعقل کا نہ صرف کمال ہوتا ہے بلکہ انتہائی توازن بھی ہوتا ہے۔بس اس حقیقت کو لازم کرلیں کہ جو علم ادراک سے حاصل ہوتا ہے،وہ کسی احساس سے نہیں ہوسکتا۔اس لئے صرف تجربہ ومشاہدہ اور عقل کی علم وحکمت میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔علم وحکمت کے حصول کا بہت بڑا ذریعہ ادراک اور نبوت ہیں جن سے وجدان،الہام،وحی اور علم لدنی حاصل ہوتا ہے۔

قیاس کی حقیقت

قیاس سے ایسا علم حاصل ہوتا ہے جو احساس وادراک کی روشنی میں اندازہ لگایا جائے یا گمان کیا جائے۔یہ علم ایک قسم کی اٹکل اور اندازہ ہوتا ہے۔اس کی پوری پوری مطابقت (Accuracy) حاصل نہیں ہوتی۔لیکن یہ بھی ایک اندازہ علم ہے جس سے ایک چیز کو دوسری چیز کے مقابل کر کے اندازہ لگا کر ان میں برابری پیدا کی جاتی ہے۔دراصل فکر اسی علم سے پیدا ہوتا ہے اور عقل اسی سے جلا پاتی ہے۔اسی علم کی روشنی میں ہم حکم لگاتے ہیں اور فیصلے کرتے ہیں،یہ ایک ایسا علم ہے جس کے لئے انبیاء نے اپنے لئے دُعائیں کی ہیں،رب ھب لی حکم وعلم۔ دراصل حکمت اور عدالت کی بنیاد اسی علم پر ہے۔چونکہ دونوں کا شرف وفضیلت مسلمہ ہے اس لئے علم قیاس کی اہمیت واضح ہے۔

اسلام میں قیاس کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔مذہبی حیثیت سے کسی مسئلہ کے بارہ میں جب کتاب وسنت اور اجماع امت میں کوئی فیصلہ نہ ملے تو فقہاء اپنی عقل اور رائے کو کام میں لا کر بقید شرائط مخصوص جو حل معلوم کریں اسے قیاس کہتے ہیں۔دُنیاوی حکومتوں کے قوانین بھی اسی قیاس پر بنتے ہیں اور عدالتوں کے فیصلے بھی اسی پر ہوتے ہیں۔علم طب میں امراض کی تشخیص وتجویز اور ادویات کے افعال و اثرات اس کے مطابق متعین اور مقرر کئے جاتے ہیں۔فلسفہ کی یہ جان ہے۔منطق میں ہر تصور کی تصدیق اسی سے عمل میں آتی ہے۔گویا احساس وادراک اگر منبع علم ہیں تو قیاس مخزن حکمت ہے۔

قیاس دراصل حجت (دلیل) کی ایک قسم ہے جو علم منطق میں اقسام در اقسام تقسیم ہو جاتا ہے جن کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے۔ احساس وادراک کی بالفعل تشریح درج ذیل ہے۔

احساس وادراک اور قیاس کی بالفعل تشریح

روح انسانی

روح کوئی ایسی چیز نہیں ہے، جس کو ہم آنکھوں سے دیکھ اور ہاتھوں سے چھوسکیں، یا اس کو کسی دیگر حس سے معلوم کرسکیں بلکہ جس طرح آفتاب ومہتاب کو ان کی روشنی سے پہچانا جاتا ہے یا دھوئیں کو دیکھ کر جان لیا جاتا ہے کہ وہاں آگ روشن ہے یا پرندوں کو اُڑتے دیکھ کر اندازہ لگالیا جاتا ہے کہ اس جگہ پانی ضرور ہوگا۔ اسی طرح روح کا علم بھی اس کے مظاہر اور آثار کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔

جب انسانی روح ادراک اور نطق سے کام لیتی ہے تو اس کو نفس ناطقہ کہتے ہیں اور جب تزکیہ واصلاح نفس جسم کی طرف راغب ہوتی ہے تو اس کو قوت مدبرہ کہتے ہیں اور اپنے کمال وارتقا کی طرف رجوع کرتی ہے تو اس کو جوہر مجرد کہتے ہیں جس کا تعلق روح کل سے ہوتا ہے۔ جس کو فلاسفہ عقل فعال بھی کہتے ہیں۔ جب کمال ارتقا حاصل ہوتا ہے تو یہ مقام خلافت الٰہیہ کا ہے جہاں انسان کا مرتبہ ملائکہ سے بھی افضل ہوتا ہے۔ یہ مقام احسن التقویم ہے اور اس طرف توجہ نہیں ہے تو پھر مقام السفل السافلین ہے۔ یہی روح امر ربی ہے جس کا ذکر ہم نے تحقیقات اعادہ شباب میں کیا ہے، اسی کو مذہبی روح کہتے ہیں (روح کی تشریح اور تفصیل طوالت کی وجہ سے چھوڑ دی گئی ہے)۔

روح طبی

علم وفن طب میں جس روح سے بحث کی جاتی ہے اس کو طبی روح کہتے ہیں طب میں روح ان لطیف بخارات کو کہتے ہیں جو اخلاط کے لطیف حصہ سے پیدا ہوں، جیسے اعضا اخلاط کے کثیف حصہ سے بنتے ہیں۔ طبی روح کا علم بھی اس کے مظاہر اور آثار کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ اظہار انسانی نفس اپنے جذبات کے ذریعہ کرتا ہے۔ جس کے ذرائع قویٰ انسانی ہیں جو تین ہیں، اس لئے روح طبی جب اپنے افعال انجام دیتی ہے تو اس کی تین صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

① روح حیوانی جس کا مقام قلب ہے۔
② روح طبعی جس کا مقام جگر ہے۔
③ روح نفسانی جس کا مقام دماغ ہے۔

انسانی نفس کے جذبات کا اظہار روح طبعی کے حرکت کی دلیل ہے۔

فرنگی طب روح کے علم سے بے خبر ہے

فرنگی طب اور سائنس میں کسی قسم کی روح کا تصور نہیں ہے۔ ان کے ہاں روح کے لئے دو لفظ ہیں- اوّل سول (Soul) یہ جوہر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ دوسرے اسپرٹ (Spirit) جوست کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ان دونوں سے مذہبی روح یا طبی روح کسی کا اظہار نہیں ہوتا۔ نطق وادراک اور جوہر مجرد کے مظاہر اور آثار تو کہیں دور دور بھی معلوم نہیں ہوتے۔ البتہ وائٹل فورس ایک ایسا

تصور ہے جو قوت مدبرہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

جہاں تک روح طبی اور اس کی اقسام کا تعلق ہے، وہ اس کے قائل نہیں ہیں، اور نہ ہی اس امر کے قائل ہیں کہ یہ ارواح جسم انسان میں کچھ افعال انجام دیتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس انکار کے برعکس وہ گیسز (Gases-لطیف بخارات) کے قائل ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ لطیف بخارات خون میں بھی پائے جاتے ہیں جو وہاں پر اہم مقاصد انجام دیتے ہیں۔ ان امور سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تصور طب قدیم سے ان تک پہنچا ہے، ان کا اظہار مختلف قویٰ کی صورتوں میں کیا جاتا ہے۔ جن کے بالمقابل نام یہ ہیں:

① قوت طبعی، جو قوت جسم میں غذا اور نشوونما کا کام انجام دیتی ہے اس کو نیچرل فورس (Natural Force) کہتے ہیں۔ اس کا مقام جگر ہے۔

② قوت نفسانی، جو قوت جسم میں احساسات اور تحریکات کا باعث ہوتی ہے، اس کو مینٹل فورس (Mental Force) کہتے ہیں۔

③ قوت حیوانی، وہ قوت ہے جو جسم میں حرکات وافعال قائم رکھتی ہے، اسے اینیمل فورس (Animal Force) کہتے ہیں۔

البتہ یہ جان لینا ضروری ہے کہ دراصل یہ تینوں قوتیں ایک ہی قوت کے تین مظہر ہیں۔ لیکن مقام اور افعال کی مناسبت سے ان کی تقسیم کر دی گئی ہے، کیونکہ قدرت نے ہر عضو کے افعال میں اس کی ایک جبلت (Institinct) پیدا کر دی ہے جس پر وہ قائم اور رواں ہے۔

نفس انسانی

نفس ایک ایسی قوت ہے جو روح اور جسم کے تعلق کو قائم رکھتی ہے۔ جس کا حاصل خون ہے۔ نفس کی تیزی اور سستی سے جذبات میں جو افراط وتفریط پیدا ہوتی ہے یہ اثرات خون میں نہیں ہیں، یہ اثرات ان اعضاء کے افعال ہیں جن میں قوت نفس خون کی وساطت سے تحریک پیدا کرتی ہے۔ نفس کے احساس سے وہاں کے عضو میں تحریک پیدا ہوتی ہے تو قوت مدبرہ وہاں پر خون کو زیادہ یا کم کر دیتی ہے جس سے وہاں کے اعضاء کے افعال پر اثر پڑتا ہے۔ پھر ان کے افعال کی کمی بیشی کے ساتھ جذبات میں تیزی یا سستی واقع ہو جاتی ہے۔ جاننا چاہئے کہ نفس جب کسی مناسب یا مخالف شے کا ادراک اور احساس کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مناسب کو حاصل کرنا اور مخالف سے بچنا چاہتا ہے تو اس وقت اپنی نفسانی قوتوں کو حرکت میں لاتا ہے اور یہ مسلمہ امر ہے کہ نفسانی قوتیں ارواح کے تابع ہیں جن کا حامل خون ہے۔ گویا ارواح خون کی حرکت کے بغیر اور خون نفسانی قوتوں کے بغیر عمل نہیں کر سکتا۔ اسی عمل کا نام نفسانی حرکت وسکون ہے۔

یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ نفس کا حرکت وسکون تسلیم کیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ نفس میں حرکت وسکون کبھی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ نفس اپنا مقام نہیں بدلتا، ایسا مجازاً کہا جاتا ہے۔ جذبات کا اظہار تو اعضاء کے افعال میں افراط وتفریط سے ہوتا ہے اور ہر عضو کے ساتھ چند جذبات مخصوص ہیں۔ البتہ نفس کے انفعالات اور تاثرات خون اور روح میں ضرور حرکت پیدا کر دیتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ انفعالات اور تاثرات دراصل باعث حرکت ہیں۔ کیونکہ بدنی حرکت وسکون کا دارومدار خواہشات اور جذبات نفسانیہ پر ہے۔ مثلاً شوق کے وقت طلب کی حرکت اور نفرت کے وقت فرار کی صورت، غصے کے وقت مقابلے کی حالت اور اسی طرح خوف کے وقت چہرے کا سفید ہو جانا اور جوش کے وقت چہرے کا سرخ ہو جانا یہ کچھ خون اور روح کے زیر اثر ہے۔ اس کے برعکس نفسیاتی سکون کی ضرورت اس لئے ہے کہ روح اور خون کو نسبتاً آرام حاصل ہو تا کہ وہ زیادہ تحلیل نہ ہو۔

نفس کے مظاہر اور تاثرات کا اندازہ اس ہوا و ہوس اور خواہش وجذبہ سے کیا جا سکتا ہے جو کسی عضو میں تحریک کی شدت سے پیدا

ہوتا ہے۔ان کا روکنا ان اعضاء میں سکون کا نام نہیں ہے بلکہ ان کی تحریکات کو سکون کے عضو میں منتقل کرنا ہے۔ یہ سب کچھ ارواح کے قویٰ میں تحریک دینے سے عمل میں آتا ہے۔

قویٰ کی تعریف

قویٰ نفس ناطقہ کی ان تحریکات کو کہتے ہیں جن سے طبی روح کے افعال صادر ہوں۔ان کی تین اقسام ہیں:

① قوت طبعی

② قوت حیوانی

③ قوت نفسانی

ان سب کی تعریفیں گزر چکی ہیں۔ چونکہ ہم نے احساس وادراک اور قیاس کی تشریح بالفعل بیان کرنی ہے۔اس لئے ہم یہاں صرف قوت نفسانی کی تشریح اور افعال بیان کریں گے۔قوت طبعی اور قوت حیوانی کی تشریح اور افعال اس مقام پر بیان کریں گے جہاں پر اس کی ضرورت لازم ہوگی تاکہ سمجھنے میں سہولت رہے۔

قوتِ نفسانی

قوت نفسانی ایک ایسی قوت ہے جو جسم انسان میں احساس،ادراک اور قیاس سے علم ومعلومات حاصل کرتی ہے اور ضرورت کے وقت حرکت کے لئے تحریک کرتی ہے اور اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ حیوان اور انسان مضر چیزوں سے فرار حاصل کر سکیں اور نفع بخش چیزوں کے قریب آسکیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ان تحریکات کے لئے مفید ومضر باتوں کا احساس وادراک اور قیاس ضروری ہے اس لئے اس کی اقسام بھی دو ہیں۔اول قوت مدرکہ (ادراک کرنے والی قوت)،دوم محرکہ (تحریک دینے والی قوت) قوت مدرکہ کی دو قسمیں ہیں:۔

① مدرکہ ظاہر

② مدرکہ باطنی

اقسام مدرکہ ظاہری

قوت مدرکہ ظاہر پانچ ہیں۔ان کو حواس خمسہ ظاہری (Five Senses) بھی کہتے ہی۔ان کا کام یہ ہے کہ یہ باہر کی معلومات دماغ کی اندرونی قوتوں تک پہنچاتے ہیں۔ یہ حواس ظاہری حسب ذیل ہیں: ① قوت باصرہ (دیکھنے کی طاقت ② قوت سامعہ (سننے کی قوت) ③ قوت شامہ (سونگھنے کی قوت) ④ قوت ذائقہ (چکھنے کی قوت) ⑤ قوت لامسہ (چھونے کی قوت)۔

اقسام مدرکہ باطنی

قوت مدرکہ باطنی بھی پانچ ہیں جن کو حواس خمسہ باطنی بھی کہتے ہیں۔ایسی قوت ہے جو ایسے تاثرات کا ادراک کرتی ہے جن کو حواس خمسہ ظاہر محسوس نہیں کر سکتے۔البتہ وہ حواس خمسہ ظاہری کے احساسات کو محفوظ رکھتی ہے تاکہ بوقت ضرورت ان کو ذہن کے سامنے پیش کر سکے۔یہ خواس خمسہ باطنی حسب ذیل ہیں۔

(۱) **حس مشترک**: وہ قوت باطنی ہے جو حواس خمسہ ظاہری کی احساس کی ہوئی چیزوں کو ضرورت کے وقت دوبارہ بغیر ان کی موجودگی کے محسوس کرتی ہے اور تصور کرتی ہے۔اس کا مقام مقدم دماغ کا پہلا (اگلا) حصہ ہے۔

(۲) **قوت خیال:** وہ قوت ہے جو حس مشترک کے خزانے کا کام کرتی ہے یعنی اس کے تمام احساسات خزانہ خیال میں محفوظ رہتے ہیں۔

(۳) **قوت متصرفہ:** جس کو متخیلہ اور مفکرہ بھی کہتے ہیں۔ایسی قوت ہے کہ اگر وہ حس مشترک کے احساسات کا اظہار کرے تو اس کو متخیلہ کہتے ہیں اور اگر قوت واہمہ کے ادراکات کا اظہار کرے تو اس کو قوت مفکرہ کہتے ہیں۔اس کا مقام دماغ کا درمیانی حصہ ہے۔

(۴) **قوت واھمہ:** وہ قوت ہے جو ان معانی کا ادراک کرتی ہے جن کو حواس خمسہ ظاہری ادراک نہیں کر سکتے۔مثلاً کسی لفظ کے معنی کا جاننا جیسے اللہ تعالیٰ کے معنی خدائے بزرگ و برتر یا کسی شخص کے متعلق یہ گمان کہ فلاں دوست ہے یا دشمن۔ان کا مقام مؤخر دماغ کا مقدم حصہ ہے۔

(۵) **قوت حافظہ:** وہ قوت ہے جو وہم کے ادراکات کرتی ہے،اس کا مقام مؤخر دماغ کا مؤخر حصہ ہے۔

احساسات کی بالفعل تشریح

جو کہ ہمارے احساسات وحواس خمسہ ظاہری محسوس کرتے ہیں وہ خزانہ خیال میں محفوظ رہتے ہیں اور ضرورت کے وقت حس مشترک ذہن کے سامنے پیش کرتی رہتی ہے لیکن خزانہ خیال میں صرف ہمارے مشاہدات ہی نہیں رہتے بلکہ ہمارے تجربات تصدیقات اور قیاسات بھی محفوظ رہتے ہیں۔

تجربات

جاننا چاہئے کہ مشاہدات تو ہماری مفرد معلومات ہیں۔یعنی ہر مشاہدہ کسی نہ کسی حواس ظاہری سے دماغ میں پہنچتا ہے۔بعض بیک وقت ایک شے سے کئی مشاہدات بھی ذہن میں پہنچ جاتے ہیں۔جیسے گلاب کے پھول کی خوشنما رنگت،خوشبو،پتوں کی رگڑ کی خاص آواز،اس کی نرمی اور ذائقہ مگر یہ سب مفرد معلومات ہیں۔لیکن جب ہم مختلف اقسام کے رنگوں اور خوشنمائیوں اور خوبصورتیوں کا امتزاج کرتے ہیں اسی طرح مختلف ذائقوں،خوشبوؤں اور نرمی وسختی کو ترتیب دیتے ہیں یا ان سب کے اثرات انسانی جسم یا حیوانات ونباتات اور جمادات پر دیکھتے ہیں تو وہ مرکب معلومات ہیں جن کو ہم تجربات کہتے ہیں۔گویا تجربات ہماری ایک ہی قسم یا مختلف اقسام کی حسی معلومات ہیں جو ترکیب وترتیب اور عمل میں لانے سے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔اسی طرح تجربات در تجربات معلومات حاصل ہوتی ہیں۔یعنی ہمارے ایک تجربہ سے ایک خاص قسم کے نتائج حاصل ہوئے۔یہی سلسلہ تجربات در تجربات زندگی میں جاری رہتا ہے اور علم وحکمت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔جس قسم کی انسانی معلومات ہوتی ہیں ویسے ہی نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

بعض دفعہ ان تجربات میں ہمارے ملی وقومی اور روایاتی اثرات بھی شریک ہو جاتے ہیں۔ایسے تجربات ہماری تہذیب وتمدن کہلاتے ہیں اور جب ہمارے تجربات میں مذہبی،اخلاقی اور ملی اثرات شامل ہوتے ہی تو ان تجربات کو ہم ثقافت (کلچر- Culture) کہتے ہیں۔

علم طب میں تجربات کا تعلق اشیاء اور بدن انسان سے ہے،اس لئے ہمارے تجربات کا مقصد ادویات کو بدن انسان کے اندر یا باہر استعمال کر کے ان کے نتائج حاصل کرنا ہے۔بعض وقت اشیاء کی تیزی اور زہریلے پن کی وجہ سے ہم ان کے اوّل تجربات حیوانات پر بھی کر لیتے ہیں۔خاص طور پر ایسے حیوانات جن کے مزاج انسانی مزاج سے زیادہ قریب ہیں لیکن مقصد انسانی جسم کے لئے نتائج حاصل

کرنا ہے بعض دفعہ اشیاء کو اشیاء میں شامل کر کے بھی تجربات حاصل کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے، اس شے کی کیفیات ونفسیاتی اثرات اور مزاج اور افعال الاعضاء کے فوائد وخواص حاصل کیے جائیں۔ ان تجربات میں اشیاء کی صورت نوعیہ کو خاص طور پر مدنظر رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے نتیجے میں اس دوا کے بالخاصہ اثرات وافعال کا علم ہوتا ہے۔

شرائط تجربہ

تجربات کے لئے تین اصولوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے:

① تجربہ کرنے والے علم وفن طب کو جاننے کے ساتھ ساتھ جسم انسان کی تشریح اور منافع الاعضاء کو جاننے والا ہو۔ علم کیمیائی اور طبیعات سے واقف ہو تاکہ تجربات کے نتائج کو سمجھ سکے۔

② تجربات جسم انسان پر کئے جائیں یا ایسے جانوروں پر کئے جائیں جن کا مزاج جسم انسان کے قریب تر ہو۔

③ تجربات، مشاہدات اور معلومات میں اعضاء کے افعال کے ساتھ ساتھ خون کے کیمیائی تغیرات کو بھی حاصل کرنا چاہئے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اشیاء پر تجربات کرنا چاہیں اور وہ اگر معالج نہ ہوں یا جسم انسان کی ماہیت اور منافع الاعضاء سے بے خبر ہوں۔ اسی طرح وہ علم کیمیا اور طبیعات سے واقف نہ ہوں تو ایسے لوگوں کے تجربات اپنے اندر کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ تجربات کی صورت میں ایک معالج کے ذہن میں ہی تجزیات کے لئے تصورات پیدا ہو سکتے ہیں جن کی تصدیقات کے لئے وہ علم تشریح الابدان اور علم منافع الاعضاء کو قیاسی طور پر سامنے رکھتا ہے۔ پھر علم کیمیا اور طبیعات کے دلائل کے ساتھ تصدیقات حاصل کرتا ہے۔ کبھی جزئیات نکالتا ہے، کبھی کلیات بناتا ہے، کبھی استنباط کرتا ہے اور کبھی استخراج کرتا ہے۔ لیکن اگر اس کے اندر یہ خوبیاں نہ ہوں گی تو اس کے تجربات کو سمجھنا اور حکم لگانا بے معنی ہوگا۔

چونکہ ادویات واغذیہ اور دیگر اقسام کی ادویات کا تعلق جسم انسان کے ساتھ ہوتا ہے یا اسی کے لئے تجربات مخصوص ہوتے ہیں۔ اس لئے تجربات بدن انسان پر ہی کرنے چاہئیں تاکہ مطابق اثرات وافعال کا علم حاصل ہو۔

اگر ادویات زہریلی یا خطرناک ہوں یا ان کا ذائقہ وبو دیگر محسوسات تکلیف دہ اور قابل نفرت ہوں تو تجربات انسان کی بجائے حیوانات پر کرنے چاہئیں۔ لیکن تجربات کے لئے ایسے حیوانات منتخب کئے جائیں جن کا مزاج انسانی مزاج کے قریب ہو یعنی انسانی مزاج اعتدال کے قریب ہے اور باقی مخلوقات کا مزاج انسان کے مقابلہ میں اعتدال سے بعید ہے۔ انسان سے قریب مزاج بندر، بن مانس اور لنگور کا ہے۔ لیکن اگر ان کے علاوہ کسی دیگر حیوان پر تجربات مطلوب ہوں تو اوّل ان کے مزاج کا تعین کر لینا چاہئے تاکہ کیفیات اور اخلاط کی کمی بیشی کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

انسان یا جن حیوانات پر تجربے کئے جائیں وہ صحت مند ہوں، ان کی عمروں کو مدنظر رکھیں، کیونکہ بچپن میں رطوبت زیادہ ہوتی ہے۔ جوانی میں حرارت بکثرت پائی جاتی ہے اور بڑھاپے میں دونوں چیزوں کا فقدان ہوتا ہے۔ ان کی غذا اور ماحول کا مناسب ہونا بھی انتہائی لازم ہے کیونکہ جہاں بھی کیفیات اور مزاج میں مخالفت پیدا ہوگی، تجربات میں فرق پیدا ہو جائے گا۔

تجربات کے آسان طریقے

انسان پر تجربات کرنا تو حکومت کے لئے بھی مشکل ہے کیونکہ تجربات کے لئے قیمتاً انسان حاصل کرنا انتہائی مشکل ہے۔ پھر ایک

ایک تجربہ کے لئے کئی کئی انسانوں کی ضرورت ہے۔ جب تک انسان میں فن پر قربان ہونے کا جذبہ پیدا نہ ہوا ایسے تجربات انتہائی مشکل ہیں۔ حیوانوں پر تجربات کرنے کے لئے بھی حکومت کی امداد کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ البتہ ایک آسان طریقہ ایسا ہے جس سے سہولت کے بغیر قیمتی تجربات ہوسکتے ہیں۔ لیکن یہ تجربات عام معالج نہیں کرسکتے بلکہ فاضل معالج ہی کرسکتے ہیں۔ کیونکہ وہی اس کے اہل ہیں۔

تجربات کا بالفعل عمل

جس دوا کا تجربہ کرنا مطلوب ہو اس کا مفرد ہونا ضروری ہے بلکہ مفرد دوا جن عناصر یا اجزا سے مرکب ہو ان کا جاننا بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی دوا مرکب ہو تو لازم ہے کہ اس مرکب میں جو مفرد ادویات ہیں ان کے وہ پورے طور پر تجربہ شدہ ہوں یعنی ان کے افعال واثرات اور خواص وفوائد کا پورا پورا علم ہو تا کہ مرکب دوا کے تجربات میں راہنمائی کریں۔ ان کو ذیل کے اصولوں پر تجربات کریں۔

اوّل تجربے کے لئے مطلوبہ مفرد دوا کے افعال واثرات اور خواص وفوائد کو دو تین مستند طبی کتب سے مطالعہ کرکے ان کے مزاج و کیفیات اور اخلاط کو سمجھنے کے بعد ان کو بالا عضاء تعین کرنا چاہیے۔

دوسرے اپنے تعین کرنے کے بعد افعال واثرات اور خواص وفوائد کو آیورویدک، ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی کے ساتھ تطبیق دینے کی کوشش کریں۔ جہاں جہاں اختلاف پائیں ان کو نوٹ کریں اور اختلاف کی وجہ معلوم کریں۔

تیسرے یہ معلوم کریں کہ طب یونانی کے علاوہ دیگر طریق علاج میں یہ دوا کن کن امراض وعلاج میں استعمال کی گئی ہے؟ اور کن کن مقداروں میں دی گئی ہے؟ اور جن امراض وعلامات میں دی گئی ہے ان کا تعلق اس عضو یا ان اعضا کے ساتھ جن کے لئے ہم نے تعین کیا ہے اور مختلف مقداروں میں یا کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مقداروں میں استعمال کرنے سے کیا فرق بیان کئے گئے ہیں؟۔ مثلاً ہم نے ایک دوا کی کیفیات ومزاج اور اخلاط کا تعین کرنے کے بعد اس کے اثرات دماغ واعصاب پر متعین کئے ہیں یعنی اس سے اعصاب کے فعل میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ مختلف مقداروں میں ان کے افعال واثرات میں کمی بیشی پیدا ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی اس امر پر غور کریں کہ دماغ واعصاب کے بعد اس کا اثر دِل پر پڑتا ہے یا جگر پر اور وہ اثر کس قسم کا ہے؟ نظریہ مفرد اعضاء کے تحت اس طرح غور کریں کہ اگر کوئی دوا محرک اعصابی ہے تو وہ اعصابی غدی ہے، یا اعصابی عضلاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جو ادویات اعصابی ہیں وہ یقیناً غدی محلل اور عضلاتی مسکن ہوں گی۔

چوتھے اس تعین کے بعد اس دوا کا سفوف تیار کرلیں۔ اگر تلخ ہو تو گولیاں تیار کرلیں اور قابل حل ہو تو اس کا محلول بھی تیار کرلیں۔ پھر اس کا استعمال اس انداز میں کریں کہ دُنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کے کسی نہ کسی عضو رئیس کی طرف دوران خون تیز نہ ہو اس لیے پہلے دوا کو قلیل مقدار میں اسی تحریک کے لئے دیں جو اس میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً دوا میں اعصابی تحریکات پائی جاتی ہیں تو اسی قسم کے تندرست انسان کو دیں۔ پھر اس حد تک بڑھا کر دیں کہ اس کے لئے تکلیف کا باعث نہ ہو۔ جب یقین ہو جائے کہ واقعی اس سے تندرست انسان کے عصبی افعال میں تیزی پیدا ہوگئی ہے تو پھر کسی ایسے مریض کو قلیل مقدار سے لے کر اس حد تک استعمال کرائیں کہ اس کی تکلیف میں اضافہ نہ ہو، اس کے مرض اور علامات میں بھی حسب منشا اضافہ ہونے پر یقین ہو جائے گا کہ واقعی دوا کے افعال واثرات صحیح ہیں۔ بعض دفعہ قلیل مقدار میں دوا دینے سے طبیعت مدبرہ بدن مرض کو رفع کر دیتی ہے۔ ایسے میں آرام آجانے پر پھر زیادہ سے زیادہ مقدار دوا دے کر اثرات اور افعال کو مرتب کرلیں۔

محرک اعصاب دوا اس قسم کے مریض کے تحریک پر استعمال کرانے کے بعد پھر ایسے ہی تندرست اور مریض انسان پر استعمال

کرائیں جس کے اعصاب میں تسکین سادہ ہو۔ پھر ایسے مریض پر جس کے اعصاب میں تسکین متعفنہ ہو، افعال و اثرات نوٹ کر لیں۔ مقدار خوراک کا فرق بھی دیکھ لیں۔ لیکن اس طرح مریض کا مرض رفع ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں دوا جاری رکھیں اور مقدار زیادہ سے زیادہ بڑھا دیں، لیکن اس حد تک کہ قابل برداشت ہو۔ پھر دوا کے افعال و اثرات کا مطالعہ کریں صحیح افعال و اثرات مرتب ہو جائیں گے۔ مریض کا شفایاب ہونا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

ان تجربات میں بیک وقت ایک دو انسان نہیں ہونے چاہئیں بلکہ کوشش کرنی چاہئے کہ متعدد انسان زیر تجربہ ہوں۔ تا کہ ان افعال و اثرات کے ساتھ ساتھ خواص و فوائد بھی مرتب کر سکیں۔ مثلاً اس اعصابی دوا کا سر سے لے کر پاؤں تک کے اعصاب میں کن کن پر زیادہ اور شدید اثر پڑتا ہے اور کہ کن پر اثر پایا جاتا ہے۔ یہی اس کی بالخاصہ صورت ہوگی اور اسی حصہ جسم کے اعصاب کے لئے وہ دوا مخصوص کر دی جائے گی۔ اگرچہ ضرورت کے وقت ہم اس سے دیگر اعضاء کے اعصاب میں بھی تیزی پیدا کر سکتے ہیں مگر وہ خاص عضو زیادہ متاثر ہوگا۔ ایسے تجربات بے حد احتیاط سے کئے جاتے ہیں۔

اسی طرح دوا کے افعال و اثرات بیرونی طور پر بھی حاصل کرنے چاہئیں۔ مثلاً تندرست مقام پر دوا کا سفوف ملیں یا اس کا خیسانده اور جوشانده ڈالیں۔ تیل میں ملا کر مالش کریں۔ اسی طرح مریض مقام مثلاً درد، ورم اور سوزش و زخم پر اس کے اثرات و افعال حاصل کریں۔ جو دوا آنکھ، کان اور ناک کے لئے بھی اثرات رکھتی ہو تو وہاں پر بھی استعمال کریں اور نتائج کو نوٹ کرتے جائیں۔ اس طرح کے تجربات جن ادویات پر کئے جاتے ہیں تو اس سے یقینی بے خطا خواص و فوائد حاصل ہو جاتے ہیں۔

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ بعض انسان نازک مزاج ہوتے ہیں اور بعض سخت طبع اور بعض جنگلی قسم کے انسان جن کے مزاج کی شدت حیوانات سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح بچوں کے مزاج میں تری گرمی کا (اعصابی غدی) غلبہ ہوتا ہے۔ جوانوں میں گرمی خشکی کا مزاج (غدی عضلاتی) غالب ہوتا ہے۔ اسی طرح بوڑھوں میں سردی خشکی (عضلاتی اعصابی) کا مزاج غالب ہوتا ہے اور عورتیں مردوں سے زیادہ نازک ہوتی ہیں اور ان کا مزاج زیادہ تر غدی رہتا ہے، چاہے غدی اعصابی ہو یا غدی عضلاتی۔ اعصابی بہت کم ہوتا ہے اور عضلاتی بالکل نہیں ہوتا۔ اس لئے ہر ایک پر ادویات کے تجربات کرتے ہوئے دوا کی مقدار اور خوراک کو ضرور مدنظر رکھنا چاہئے اس طرح غلطی نہیں پیدا ہوتی اور نتائج صحیح حاصل ہوتے ہیں۔

تجربات میں کیمیائی اثرات

مندرجہ بالا تجربات مشینی اور فعلی ہیں لیکن ہر دوا و غذا اور شے کا ایک اثر کیمیائی بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ کیمیائی اثرات بھی مشینی و فعلی اور اعضائی ہوتے ہیں، لیکن جب تک کیمیائی اثرات خون میں غالب نہ ہوں تو کسی عضو میں فعلی اثرات کیسے مرتب کر سکتے ہیں۔ بس ہر دوا و غذا اور شے جو اپنے اثرات خون میں شامل کرتی ہے جیسے اجزاء و عناصر اور ارکان خون ہیں۔ پس یہی کیمیائی اثرات ہیں۔ مثلاً کبھی خون میں کسی دوا، غذا اور شے سے صفرا و حدت بڑھ جاتی ہے۔ کبھی خون کی زیادتی و جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ کبھی بلغم و رطوبت اور رقت بڑھ جاتی ہے، کبھی خون میں سوداد غلظیت اور ریاح کی زیادتی ہو جاتی ہے۔ کبھی کھاری پن اور کبھی ترشی زیادہ ہو جاتی ہے۔ فعلی اور کیمیائی اثرات کا فرق یہ ہے کہ فعلی اثر وقتی ہوتا ہے اور کیمیائی اثر دائمی اور مستقل ہوتا ہے مرض اور شفا اس وقت تک مستقل نہیں ہوتے جب تک کیمیائی اثرات غالب نہ ہو جائیں۔ کیمیائی اثرات کے بعد ہی بالخاصہ اثرات پیدا ہوتے ہیں۔

کیفیاتی اور نفسیاتی تجربات

ادویہ واغذیہ اور اشیاء کے تجربات میں جسم کے فعلی و کیمیائی اثرات ہی کافی نہیں ہیں بلکہ کیفیاتی اور نفسیاتی خواص اور فوائد کا جاننا اور سمجھنا بھی ضروری ہے۔ ایک طرف ایسے خواص اور فوائد انسانی مزاج و جذبات اور فطرت کا اظہار کرتے ہیں دوسری طرف تشخیص امراض میں راہنمائی کا کام دیتے ہیں۔ مثلاً بعض ادویات واغذیہ اور اشیاء کے استعمال میں انسان گرمی وسردی اور تری وخشکی کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن ظاہرہ طور پر جسم پر ایسی کوئی کیفیت نہیں پائی جاتی۔ گویا جسم کے اندر مریض ضرور محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس بعض دفعہ انسان ظاہری طور پر ان کیفیات کی تکلیفات کا انکار کرتا ہے لیکن ظاہری جسم میں وہ کیفیات شدت سے پائی جاتی ہیں۔ گویا اندرونی جسم میں مریض کو ایسی کوئی تکلیف نہیں ہے۔ اسی طرح کبھی بھوک پیاس شدید ہو جاتی ہے اور کبھی بند ہو جاتی ہے کبھی بھوک پیاس ہوتی ہے مگر کھایا پیا نہیں جاتا کبھی کھایا پیا جاتا ہے مگر فوراً قے ہو جاتی ہے۔ کبھی کھانے پینے کے نام سے جی متلاتا ہے۔ کبھی بھوک ہوتی ہے پیاس نہیں ہوتی، کبھی پیاس ہوتی ہے بھوک نہیں ہوتی، وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح کبھی مریض تازہ ہوا، ٹھنڈے پانی اور کھلی فضا کی طلب کرتا ہے اور اکثر اپنا منہ خاص طور پر سوتے میں کھلا رکھتا ہے۔ کبھی ٹھنڈی ہوا اور پانی سے گھبراتا ہے اور اپنے کو کمرے میں بند کر لینا پسند کرتا ہے۔ کبھی گھنٹوں خاموش بیٹھا رہتا ہے یا ایک ہی حالت میں پڑا رہتا ہے۔ کسی عضو کو حرکت دینا پسند نہیں کرتا۔ کبھی بے چین نظر آتا ہے کسی پہلو قرار نہیں آتا۔ اٹھتا ہے، بیٹھتا ہے، کبھی گھنٹوں چلتا ہے یا بیٹھے اور لیٹے ہوئے اپنے کسی نہ کسی عضو کو حرکت دیتا ہے۔

ایسی صورتیں مریضوں کے جذبات میں تبدیلی نمایاں نظر آتی ہیں۔ مثلاً بعض میں غم وغصہ کی زیادتی ہوتی ہے اور بعض خوف و ندامت کا زیادہ اظہار کرتا ہے۔ بعض میں لذت ومسرت کی طرف رغبت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح بعض جنسی جذبے کا بے حد اظہار کرتے ہیں اور بعض میں ان تمام جذبات میں بے حد کمی پائی جاتی ہے بلکہ اس حد تک کمی ہوتی ہے کہ ان کو اخلاقی قدروں کے مطابق نامناسب (ابنارمل-Abnormal) انسان کہتے ہیں۔ اسی طرح جذبات سے جو اخلاقی قدریں پیدا ہوتی ہیں ان میں افراط وتفریط کا پایا جانا یا انسانی جبلت (انسٹنکٹ-Instinct) میں کمی بیشی کا پایا جانا اسی طرح جبلت کا صحیح جذبات وفطرت کے مطابق تربیت کا پانا یا نہ پانا وغیرہ وغیرہ بلکہ انسانی اخلاق کے حسن وقبح کو اغذیہ وادویات اور اعضاء کے مطابق سمجھنا ایک اہم موضوع اور اطباء کے لئے نہایت ضروری مضمون ہے۔

فطرت کے مطابق تربیت کا پانا یا نہ پانا وغیرہ وغیرہ بلکہ انسانی اخلاق کے حسن وقبح کو اغذیہ وادویات اور اعضاء کے مطابق سمجھنا ایک اہم موضوع اور اطباء کے لئے نہایت ضروری مضمون ہے۔

بعض سونے کے رسیا ہوتے ہیں اور بعض سونا پسند نہیں کرتے۔ نیند کا زیادہ آنا اور نہ آنا اور چیز ہے۔ اس کا پسند کرنا اور ناپسند کرنا الگ بات ہے۔ اوّل چیز مرض پر دلالت ہے اور دوسری چیز انسانی جذبات کا اظہار کرتی ہے۔ بعض لوگ یا مریض نمکین اور چرپرہ ذائقہ پسند کرتے ہیں، بعض شیریں اور پھیکے ذائقہ کی طلب رکھتے ہیں اور بعض ترشی اور تلخی کے خوگر ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ خشک اشیاء کی خواہش رکھتے ہیں۔ بعض گھی، دودھ اور دیگر روغنی اشیاء کے بغیر ہرشے سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ یا مریض یا جن پر اغذیہ اور ادویہ کے تجربات کئے جاتے ہیں ان کو قبض کشا اور ملین صورت پسند ہوتی ہے اور بعض قابض اور خشک صورت کو اپنے لئے مفید اور باعث طاقت خیال کرتے ہیں۔ اسی طرح بعضوں میں وحشی جذبات کی طلب ہوتی ہے اور بعض تہذیب وتمدن اور شائستگی واعتدال

کی زندگی کو انسانیت خیال کرتے ہیں۔ غرض انسانی زندگی میں ہر قسم کی کیفیات و جذبات اور فطرت پائی جاتی ہے۔ یہی صورتیں امراض کی حالت میں بھی مریضوں میں نظر آتی ہیں اور اغذیہ اور ادویہ کے استعمال میں بھی پائی جاتی ہیں۔

یہ کیفیات و جذبات اور فطرت انسانی کیا ہیں؟ یہ سب کچھ انسانی جبلت کے صحت مند اور غیر صحت مند جذبات اور غیر صحیح فطرت کی تربیت ہے۔ اسی طرح انسان انتہائی بلند اخلاق اور شرافت وفضیلت کا نمونہ بن کر فرشتوں پر بھی افضلیت حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس جھوٹا، فریبی، بددیانت، بے شرم، چور، ڈاکو، ظالم، ستمگر، قاتل، خونخوار، عیاش اور شرابی بن کر شیطان سے بھی کہیں آگے بڑھ جاتا ہے۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے جذبات واخلاق میں یہ حسن وقبح نمایاں طور پر پایا جاتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ سب کچھ انسان کے اندر پایا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ کیسے پیدا ہو جاتا ہے؟ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ انسان کے جسم میں عضوی و کیمیائی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں جو انسان کو ایسا بنا دیتی ہیں۔ دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بعض اقسام کی اغذیہ اور ادویہ خاص طور پر نشی اشیاء جسم میں فعلی اور کیمیائی طور پر بھی ایسی تبدیلیاں پیدا کر دیتی ہیں۔ اگر ہم ادویات واغذیہ کے ان افعال واثرات اور خواص وفوائد کو خاص طور پر مدنظر رکھیں تو ہم انسانی جذبات اور اخلاق کو بھی بدل سکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے امراض کو صحت میں بدلا جا سکتا ہے۔

اس موضوع پر جہاں تک میں نے مطالعہ کیا ہے یورپ وامریکہ میں بھی کوئی خاص لٹریچر نہیں پایا جاتا۔ نہ ان کی میڈیکل سائنس میں اور نہ ہی ان کی نفسیات (سائیکالوجی - Psychology) میں کوئی قابل اعتماد کتاب پائی جاتی ہے۔ جہاں تک عضوی نفسیات (سائیکالوجی-Physio Psychology) کا تعلق ہے، یورپ وامریکہ میں اس موضوع پر ایک بھی قابل ذکر کتاب نہیں ہے۔ اکثر بے ہنگم کتب پائی جاتی ہیں۔ جیسے مجربات کی کتب لکھی جاتی ہیں یعنی مرض کے لئے فلاں مجرب نسخہ لیکن یہ پتہ نہیں ہے کہ وہ مرض کیسے پیدا ہوتا ہے، رجوع جسم میں کس طرف جاتا ہے اور لکھنے والے اکثر بے اصولے اور عطائی ہیں جو نفسیات کے نہ ماہر ہیں اور نہ ان کو بالاعضاء تطبیق دے سکتے ہیں۔ ان کو یہ علم نہیں ہے کہ مائنڈ (Mind) کا تعلق کس عضو کے ساتھ ہے۔ کوئی دل کے ساتھ کہتا ہے کوئی دماغ کے ساتھ لکھتا ہے۔ مائنڈ کو تو وہ کچھ لکھ دیتے ہیں لیکن سب کانشس (Sub Conscious) اور ان کانشس (Unconscious) کا تعلق کن اعضاء کے ساتھ ہے، وہ بالکل نہیں جانتے۔ بلکہ ان میں ابھی یہ خیال بھی پیدا نہیں ہوا ہے، سب سے بڑی کمی جو یورپ وامریکہ اور روس و چین کی میڈیکل سائنس میں پائی جاتی ہے وہ ہے علاج میں نظریہ مفرد اعضاء سمپل آرگن تھیوری (Theory Simple Organ)۔ یہی کمی ان کی نفسیات کے نامکمل ہونے کا باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نفسیات کے مختلف اعمال کو کسی عضو سے منطبق نہیں کر سکتے جو ہماری تحقیقات کے بغیر ممکن نہیں۔

البتہ قرآن حکیم نے جو نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ پر روشنی ڈالی ہے اس میں ہمارے لئے بہت سی رہنمائی ہے۔ بلکہ قرآن جب خود کو انسانوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور مومن ومسلم ہونے کی دعوت دیتا ہے تو بالکل ابتدا میں کہتا ہے کہ:

﴿ الٓمّٓ ○ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ ﴾

''اس کتاب (کی خوبیوں) میں کوئی شک نہیں ہے لیکن اس کی ہدایت صرف متقی افراد کے لئے ہے''۔

یعنی ایک خاص معیار کے انسان ہی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ گویا ایسے انسان جن کی جبلت صالح ہے یا جن کی جبلت کی تربیت جذبات اور فطرت کی صحت مند قدروں پر ہوئی ہے۔ اس کے بعد صالح جبلت کی چند قدریں بیان کی گئی ہیں۔ پھر تمام قرآن حکیم اس جبلت کو صحت

مند جذبات اور صالح فطرت کی قدروں پر تربیت کرنے کے طریقے بیان کرتا ہے اور جب انسانی فطرت کا ذکر کرتا ہے تو کہتا ہے کہ:

﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ﴾

''اللہ تعالیٰ کی فطرت یہ ہے کہ جس پر انسان کو پیدا کیا ہے''۔

یعنی ہر انسان اپنے ساتھ ایک خاص فطرت لے کر آیا ہے۔ میں جب نفسیات پر لکھوں گا تو ان حقائق پر بھی روشنی ڈالوں گا۔

تصدیقات

تجربات میں تصدیقات کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ جب تک ہم کسی تجربہ اور قیاس بلکہ ادراک و احساس کی تصدیق نہ کریں اس وقت تک وہ ایک تصور ہے یا غیر مصدقہ عمل ہے۔ تصدیقات کو ذہن نشین کرنے کے لئے اوّل علم کی حقیقت اور ماہیت سے واقف ہونا ضروری ہے۔ علم کی بحث تو بہت طویل ہے اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگ اس سے ناواقف ہیں۔ اس کو صحیح طور پر نہ سمجھنے ہی سے اکثر آپس میں اختلاف پیدا ہوتے ہیں۔ ہم بہت مختصر اس کو بیان کریں گے تاکہ اس کی روشنی میں صحیح علم و فن اور ان کی حکمت حاصل ہوسکے۔

علم کی حقیقت

علم کے معنی ہیں جاننا، لیکن منطقی اصطلاح میں کسی شے کی شبیہ اور نقش جو قویٰ ذہنیہ یا خود نفس ناطقہ پر حاصل ہوتا ہے اسے معلوم کہتے ہیں اور اس کے حصول سے ذہن میں جو کیفیت احساس اور ادراک پیدا ہوتا ہے اس کو علم کہتے ہیں۔ گویا صرف جاننا اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک ذہن کو اس کا حصول نہ ہوجائے یعنی اس پر ذہن کی ملکیت حاصل نہ ہو۔ شبیہ کو نقش بیرونی بھی کہتے ہیں جن کو حواس خمسہ باطنی ادراک کرتے ہیں جیسے کسی نے نمک کا نام لیا اور ذہن میں اس کی صورت آ گئی۔ یہ نمک کا علم ہے۔

علم کی اقسام

علم کی تین صورتیں ہیں: ① تصور ② تصدیق ③ حکمت۔

پہلی دونوں صورتوں کا تعلق منطق سے ہے اور تیسری صورت کا تعلق فلسفہ سے ہے، منطق اور فلسفہ کے تمام مباحث ان ہی کے گرد گھومتے ہیں۔

تصور کی تعریف

زندگی و کائنات اور مابعد طبیعات کی شبہات و نقوش کی صورتیں اور معلومات انسانی ذہن اور نفس ناطقہ میں پیدا ہونے کے بعد تصور کہلاتی ہیں۔ یعنی ایسا علم جس میں صرف ایک تصویر اور صورت ذہن میں جگہ حاصل کرے، جیسے نمک کا نام لینے سے اس کا تصور ذہن میں اُبھر آئے اور بس۔ اس کا تعلق ان امور سے نہ ہو کہ نمک کیا ہے؟ اس کا تعلق کس کے ساتھ ہے۔ اس کی ماہیت کیا ہے؟ عام طور پر حواس خمسہ ظاہری کی معلومات کو ہی تصور کہتے ہیں۔ لیکن جاننا چاہئے کہ حواس خمسہ باطنی کی معلومات بھی بعض قسم کی تشبیہات اور نقوش پیدا کر دیتی ہیں، جن کو ظاہری دُنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا جیسے جن، دیو، بھوت پریت، چڑیل و پری اور حور و فرشتہ وغیرہ۔

تصدیق کی تعریف

ایسا علم جو ہر تصور کو کسی یقین میں بدل دے۔ یعنی فلاں شے، فلاں شے ہے۔ یا فلاں شے نہیں ہے۔ جیسے نمک کے تصور کے بعد

اس امر کا یقین ہو جائے کہ نمک خوردنی شے ہے۔

حکمت کی تعریف

زندگی و کائنات، نفس و آفاق اور موجودات و مابعد طبیعات کے حالات واقعیہ، اقدار ماہیت اور حقیقت اصلیہ کا بقدر طاقت انسانی جاننا اور علم حاصل کرنا۔ چونکہ یہ معقول علم ہے اس کو فلسفہ بھی کہتے ہیں۔ پھر ان کی دو دو صورتیں ہیں۔ تصور اور تصدیق کی دو دو صورتیں نظری اور بدیہی کہلاتی ہے۔ مگر حکمت کی دو صورتیں نظری اور عملی کہی جاتی ہیں اس کا ذکر ہم اس کے اپنے مقام پر کریں گے۔ ذیل میں تصور و تصدیق بدیہی پر روشنی ڈالتے ہیں۔ تا کہ ان کے ذہن نشین کرنے میں آسانیاں پیدا ہو جائیں۔

تصور بدیہی

بدیہی کے معنی صاف اور واضح کے ہیں۔ یعنی ظاہرہ جس کے ثبوت کی ضرورت نہ ہو اور وہ سمجھ میں آ جائے۔ یعنی کسی شے کا ایسا علم جس کی تعریف بیان کرنے کی ضرورت نہ ہو اور بغیر تعریف کے سمجھ آ جائے۔ جیسے آگ، ہوا، پانی اور تری و خشکی گرمی و سردی وغیرہ کے نام سنتے ہی یہ چیزیں سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسی چیزیں یا تو ہماری زندگی اور ماحول کا جزو ہوتی ہیں یا ہمیں شب و روز زندگی میں ان سے اس قدر تعلق پیدا ہو جاتا ہے کہ ان سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے لیکن یہ مناسبت بھی ایک مدت میں جا کر تربیت پاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ جن جن علوم و فنون میں یہ مناسبت پیدا ہوتی جاتی ہے وہ بدیہی ہوتے جاتے ہیں۔ مثلاً طبیب کے سامنے ارکان و اخلاط اور مزاج و کیفیات کا نام لینا بدیہیات میں شامل ہے جب کہ غیر طبیب کے لئے ان کی اوّل تعریف لازم ہوگی، وغیرہ۔ تصور بدیہی کے مقابلے میں تصور نظری ہے جس کا جاننا صرف اس کے علم کی حد تک ہو اور بغیر تعریف کئے سمجھ نہ آئے، جیسے دیو، جن بھوت پریت، فرشتہ، حور اور پری وغیرہ جن کو ہم صرف ادراک کر سکتے ہیں۔

تصدیق بدیہی

ایسا واضح علم جس کے لئے دلیل بیان کرنے کی ضرورت نہ ہو، جیسے دو، چار کا نصف ہے اور ایک عدد چار کا چوتھائی ہے۔ تصدیق بدیہی بھی مشاہدات و تجربات کے بعد ہی واضح ہوتی ہے۔

البتہ بعض مشاہدات و تجربات اور حقائق زندگی و ماحول میں اس کثرت سے عمل میں آتے ہیں کہ ہمیں ان کی تصدیق کرنے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی، جیسے پانی بہتا ہے، دھواں اُڑتا ہے۔ بارش میں بادلوں کا ہونا از بس ضروری ہے اس کے برعکس تصدیق نظری ہے۔ یعنی ایسی تصدیق جس کے لئے تصدیق لانا لازمی ہے۔ کیا جن و پریاں موجود ہیں؟ کیا زندگی اور کائنات بنانے والا ہے اور اس میں تصرف کرنے والی کوئی ہستی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

تصور و تصدیق اور علم کی بالفعل صورتیں

دو یا زیادہ تصورات کو آپس میں ملا کر کسی نامعلوم تصور کو حاصل کرتے ہیں، جیسے حیوان اور ناطق دو تصور ہیں۔ جب دونوں کو ملایا گیا تو ''حیوان ناطق'' بن گیا۔ جس کے معنی انسان ہیں۔ گویا دو تصوروں سے انسان کا علم ہو گیا جو ان دونوں تصوروں میں نامعلوم تھا۔ جن

دونوں معلوم تصوروں سے ایک نامعلوم تصور کا علم ہو گیا ہو اس کو تعریف یا معروف کہتے ہیں۔ مثلاً اس کو آسانی سے اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص سوال کرتا ہے کہ فرشتہ کیا چیز ہے۔ البتہ وہ جسم وزندگی یا لطیف ونورانی اور فرمانبرداری کے تصورات کا علم رکھتا ہے۔ بس جب ان تمام تصورات کو ملا کر پیش کر دیا جائے گا کہ فرشتہ ایک ایسا لطیف ونورانی جسم جو زندگی رکھتا ہے اور جو کبھی خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتا تو ان نامعلوم تصورات کے ذریعہ ایک معلوم تصور حاصل ہو گیا اور فرشتہ کا مفہوم معلوم ہو گیا۔

اسی طرح دو یا زیادہ تصدیق کو ملا کر کسی نامعلوم تصدیقات کو معلوم کرتے ہیں۔ جیسے انسان جاندار ہے اور ہر جاندار جسم والا ہے۔ دونوں تصدیقات کو ملایا جائے تو معلوم ہوا کہ انسان جسم والا ہے۔ ان دونوں معلوم تصدیقات سے نامعلوم تصدیق حاصل کرنے کو دلیل اور حجت کہتے ہیں۔

اسی طرح دو یا زیادہ علموں کو ملا کر کسی نامعلوم کے معلوم کرنے کو فکر ونظر کہتے ہیں۔ کبھی ان تصورات وتصدیقات اور علوم کو ملانے سے غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ ایسی غلطی کی اصلاح جس علم سے ہوتی ہے اس کو منطق کہتے ہیں۔ پس علم منطق وہ علم ہے جس سے کسی شے کی تعریف اور دلیل بنانے میں خطا ہونے سے حفاظت ہو اور اس علم کا مقصد فکر وغور کا صحیح کرنا ہے۔

احساس وادراک اور قیاس وتجربات کی بالفعل تشریح

تصدیقات کی بالفعل تشریح

گذشتہ صفحات میں یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ تجربات اور قیاسات میں تصدیقات کو بے حد اہمیت حاصل ہے بلکہ ہر احساس اور ادراک کی بھی جب تک تصدیق نہ کریں اس وقت تک وہ ایک تصور ہے یا غیر مصدقہ علم ہے اور علم کے متعلق بھی پورے طور پر واضح کر چکے ہیں کہ وہ احساس ہو گا (حواس خمسہ ظاہری سے حاصل شدہ) یعنی علم کی ہر شبیہ یا نقش جو ہمارا احساس ہو گا یا ادراک ہو گا اور جب تک اس کی معرفت یا تصدیق نہ ہو گی تو وہ ایک تصور کہلائے گا۔

یہ تصورات اگر احساسات ہیں تو حس مشترک کے خزانہ خیال میں محفوظ ہیں اور اگر معلومات ادراکی ہیں تو حافظہ میں محفوظ ہیں اور جب احساس اور ادراک کی تصدیق بھی ہو جائے تو بھی اساسی تصدیقات خیال میں ہی قائم رہیں گی اور ادراکی تصدیقات حافظہ میں محفوظ رہیں گی۔

جاننا چاہئے کہ ہر قسم کے علم کی بالفعل صورت یہ ہوتی ہے کہ جب نفس ناطقہ اور ذہن کسی علم یا غیر مصدقہ تصور کی تصدیق کرنا چاہتا ہے تو وہ احساسی تصورات کو تخیل کی صورت حواس خمسہ ظاہری کے خزانہ خیال سے قوت فیصلہ (عقل) کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ اسی طرح ادراکی صورت کو فکر کی صورت میں حواس خمسہ باطنی کے خانہ حافظہ سے قوت فیصلہ (عقل) کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ پھر فیصلہ اور تصدیق طلب کرتا ہے۔

قدرت نے قوت فیصلہ (عقل) کا مقام خیال اور حافظہ کے درمیان بنایا ہے تا کہ تصدیقات کی صورت میں وہ اپنی ضرورت کے مطابق معلومات دونوں طرف سے حاصل کرے۔ یعنی خیالات کی تصدیقات اکثر خیالات سے ہی ہو جاتی ہیں اور جب وہاں پر کوئی بدیہی

تصور یا بدیہی تصدیق معلوم نہیں ہوتی تو پھر ذہن اور نفس ناطقہ حافظہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس خزانہ سے اپنی تصدیق کرتا ہے۔ یہی عمل فکر پر بھی وارد ہوتا ہے۔ یعنی اگر فکر اپنے دیگر افکار سے تصدیق کر لیتا ہے لیکن جب اس خزانہ سے تصدیق نہیں ہوتی تو پھر خیال کے خزانہ سے تصدیق حاصل کرتا ہے یہ سلسلہ ہر گھڑی جاری ہے اور ہر ثانیہ نفس ناطقہ اور ذہن اپنے تخیلات اور تفکرات میں مطابقت وموافقت کی ایڈجسٹمنٹ (Adjustment) کرتا رہتا ہے۔ بالکل یہی صورت ہمارے تجربات اور قیاسات کی بھی ہے کیونکہ وہ بھی ہمارے علم کی صورتیں ہیں ان کی تصدیقات بھی بالکل اسی صورت پر قائم رہتی ہیں جس کے بعد وہ ایک یقینی علم بن جاتے ہیں۔

تجربات کے متعلق ایک غلط فہمی

تجربات کے متعلق بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ ان کا تعلق سائنس کی دُنیا سے ہے۔ اس لئے ان کو بہت کچھ اہمیت حاصل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تجربات یقیناً مشاہدات پر مشتمل ہیں لیکن اس امر کو بھی ذہن نشین رکھیں کہ تجربات اور مشاہدات بھی اس وقت تک بے معنی ہیں جب تک خزانہ خیال یا حافظہ میں پہلے کی تصدیقات ان کی تصدیق نہ کریں گویا ہمارا ہر تجربہ اور مشاہدہ دلیل وحقیقت کے بغیر بے معنی شے ہے۔ یعنی فلسفہ اور منطق کا محتاج ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیں کہ سائنس کی ہر شاخ فلسفہ اور منطق کے بغیر بے معنی ہے۔ کیونکہ اس کی حدود فلسفہ اور منطق کے ساتھ پیوستہ ہیں۔

عقل

عقل کیا ہے؟ دراصل بذاتِ خود عقل کوئی شے نہیں ہے وہ صرف ایک قوت ہے جو احساسات اور ادراکات سے حاصل شدہ علم پر فیصلہ دیتی ہے۔ جس قدر علم معرفت وتصدیقات اور حقیقت پر مبنی ہوگا۔ اسی قدر عقل کے فیصلوں کی اہمیت ہوگی اور صحیح فیصلے وہی ہو سکتے ہیں جو قانون فطرت وسنت الٰہیہ اور عادات خداوندی کے مطابق ہوں گے۔

غلط قسم کا علم اوّل غلط قسم کے احساسات اور غلط قسم کے ادراکات سے ہوتا ہے یعنی ان کو صحیح احساسات اور صحیح ادراکات سے حاصل نہیں کیا جائے۔ ان میں حواس خمسہ ظاہر اور حواس خمسہ باطن کی خرابی بھی شامل ہے۔ دوسرے حاصل شدہ قوانین فطرت کے مطابق نہ ہو۔ مثلاً ہم دور سے دھواں دیکھیں اور یہ اندازہ نہ لگا سکیں کہ یہ دھواں آگ کا ہے یہ پانی کے بخارات ہیں یا بغیر چھوئے اندازہ نہ کر سکیں کہ کوئی سفید محلول دودھ ہے یا لسی یا کوئی اور شے، وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے غلط قسم کے علم سے عقل یقیناً غلط فیصلے دے گی۔ قوت عقل کتنی بھی اعلیٰ وارفع اور باکمال کیوں نہ ہو لیکن وہ اپنے فیصلوں میں اپنے علم پر مجبور ہے اس لئے صرف عقل پر یقین کر لینا حقیقت نہیں ہے بلکہ عقل کے ساتھ اس کے علم کو بھی سامنے رکھنا بے حد ضروری ہے۔

جاننا چاہئے کہ احساسات کا خزانہ خیال ہے اور تخیل ہی اپنی تصدیق کے لئے عقل کے سامنے پیش ہوتا ہے اور اگر تخیل حقیقت پر مبنی نہ ہو اور اس میں افراط وتفریط پیدا ہو جائے تو اس کی ہر بات مبالغہ یا جہل ہوگی۔ اس کی دلیل میں بے شمار شعرا کا کلام پیش کیا جا سکتا ہے۔ کلام کی خوبی اپنی جگہ پر ہے لیکن مبالغہ اور جہل سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ شعرا کو نبوت سے الگ سمجھا گیا ہے، کیونکہ شعرا کا کلام بھی دِل پر اثر کرتا ہے۔

اسی طرح ادراکات کا خزانہ حافظہ ہے جس کے علم کو قوت مفکرہ عقل کے سامنے تصدیق کے لئے پیش کرتی ہے۔ اگر قوت مفکرہ

میں افراط وتفریط پیدا ہو جائے تو جنون اور تو ہم کہہ دیتے ہیں۔ اس کی دلیل مجنون کی گفتگو سے دی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجنون کو بھی نبوت سے جدا سمجھا گیا ہے کیونکہ بعض باتیں مجنون کی بھی سچی ہوتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ قوت مفکرہ اپنے ادراک سے ایسے علم کو حاصل کرتی ہے جس کو حواس خمسہ ظاہری احساس نہیں کر سکتے۔ اگر قوت مفکرہ اپنے اعتدال پر ہے تو عام انسانوں میں وجدان کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ خاص انسانوں کو الہامی قوت حاصل ہوتی ہے اور کمال انسانی یعنی نبوت میں وحی نازل ہوتی ہے۔ الہام اور وحی کی بحث طویل ہے لیکن اس قدر ذہن نشین کر لیں کہ انسان ایک حیوان ناطق ہے۔ یعنی وہ اپنی حیوانیت کی وجہ سے حیوان کے ساتھ مشترک ہے لیکن نفس ناطقہ کی وجہ سے اس کو حیوان پر امتیاز حاصل ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ وامام وقت اور نبی عام انسانوں سے مشترک ہیں لیکن وہ کشف والہام اور وحی کی وجہ سے عام انسانوں سے ممتاز ہیں۔

اس لئے ہمارے علم کا بہت بڑا خزانہ خاص اور کامل انسانیت یعنی اولیائے اللہ وامام وقت اور نبوت کا مرہون منت ہے۔ ہمارے تجربات اور مشاہدات ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، البتہ ہمارے تجربات ومشاہدات اور قیاسات ان کے علم ومعرفت کے بعد ہی صحیح نتائج پیدا کر سکتے ہیں۔

عقل وقیاس اور تجربات ومشاہدات کی بالفعل تشریح

عقل کے فیصلے غلط بھی ہو سکتے ہیں

ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ عقل بذاتِ خود کوئی شے نہیں ہے وہ صرف ایک قوت فیصلہ ہے اور اس کے فیصلے اس کے تجربات ومشاہدات اور معلومات پر منحصر ہوتے ہیں۔ اگر تجربات ومشاہدات اور معلومات درست ہوں تو فیصلے بھی درست ہوں گے ورنہ نتائج غلط برآمد ہوں گے۔ ہر شخص اپنے عقل مند ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کے عقل مند ہونے سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ مگر کسی علم وعمل میں اس کے فیصلے اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتے جب تک وہ شخص اس علم وفن اور عمل میں صحیح تجربات ومشاہدات اور معلومات نہ رکھتا ہو۔ مثلاً ایک ماہر قانون جو علم وفن طب سے بالکل ناواقف ہو اگر وہ اپنی عقل پر بھروسہ کر کے اس امر کا دعویٰ کرے کہ اس کے فیصلے علم وفن طب میں صحیح ہوں گے، بالکل غلط ہے۔ ایسا شخص یقیناً عقل کی حقیقت سے واقف نہیں ہے، یہی صورت مذہبی عالم، عالم سیاست، ادیب وفن کار اور دیگر ہر قسم کے اہل علم اور صاحب فن کا تصور کریں بلکہ بادشاہ وقت اور وزیر صاحب تدبیر بھی کیوں نہ ہوں اس کے فیصلے پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک وہ لوگ علم وفن طب سے صحیح معنوں میں واقف نہ ہوں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

عقل کے غلط فیصلوں کی اصلاح

چونکہ عقل کے فیصلے ان تجربات ومشاہدات اور معلومات وماحول کے تحت ہوتے ہیں جو ان کے پیش ہوتے ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو فیصلے درست ہوں گے اور اگر وہ غیر صحیح ہوں گے تو فیصلے غیر درست ہوں گے۔ عقل کے ان صحیح وغیر صحیح فیصلوں کے متعلق مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی نے اپنی کتاب ''مبادی الحکمت'' میں لکھا ہے۔ ان سے عقل پر بہت اچھی روشنی پڑتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اب غور کرو کہ یہ خیالات جو انسان کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں از قسم تصور ہوں یا از قسم تصدیق، سب تو بدیہی نہیں ہیں کہ بے غور وفکر انسان سمجھ لیا کرے۔ کیا سینکڑوں ہزاروں باتیں ایسی نہیں ہیں کہ انسان کی عقل ان میں کام نہیں کرتی۔ مثلاً

کلیس، طلسم، شعبدے، کیمیا، بجلی، روشنی، جنات، فرشتے، آسمان اور ہوا، وغیرہ وغیرہ۔ ہزاروں چیزیں ایسی ہیں کہ ہم ان کو تصور کرنے سے عاجز ہیں۔ یہی آسمان جس کو ہم ہر روز دیکھتے رہتے ہیں، نہیں معلوم کیا چیز ہے۔ اور یہی ہوا جس پر ہماری حیات کا انحصار ہے کون جانے کیا شے ہے۔ سوچ بچار بہت کچھ کیا گیا ہے مگر آدمی کو خود اپنی روح کا تصور صاف طور پر نہ ہو سکا۔ یہ تو تصورات کا حال ہے۔ تصدیقات میں عقل انسانی اس سے زیادہ عاجز ہے۔ دیکھیں زمین گول ہے یا آفتاب کے گرد گھومتی ہے۔ دُنیا بے ثبات ہے قیامت کا آنا برحق ہے اس قسم کی ہزاروں باتیں ہیں کہ بڑے سے بڑا عاقل اس پر برسوں غور کرے اور پھر بھی شاید بے دلیل اس کو اطمینان کلی حاصل نہ ہو۔

ایک طرف تو اشکال اس درجے کا ہے۔ دوسری طرف بہت سی باتیں ایسی بدیہی ہیں کہ ہر کوئی جانتا اور سمجھتا ہے، جیسے آدمی، گھوڑا، گائے، بکری، سردی، گرمی کہ ان کا تصور بے تامل ہر ایک کو ہو سکتا ہے۔ یا یہ کہ آفتاب منبع نور ہے اور جتنے عدد جفت ہوتے ہیں ان کے دو برابر حصے ہو سکتے ہیں۔ اس طرح کی تصدیقات کا اذعان محتاج غور و تامل نہیں ہے۔ جس تصور اور تصدیق میں غور اور تامل درکار نہ ہو وہ بدیہی ہے اور جو محتاج فکر ہو وہ نظری ہے۔

جب ثابت ہوا کہ بہت باتوں کے سمجھنے میں انسان کو غور و فکر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو اب دیکھنا چاہئے کہ غور و فکر کے بعد بھی انسان ہر ایک بات کو ٹھیک ٹھیک سمجھ سکتا ہے یا نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مرتبہ غور بھی کرتے ہیں، فکر بھی کرتے ہیں، پھر بھی رائے انسان غلط رہتی ہے اور اسی وجہ سے عقلا کی رائے میں اختلاف واقع ہے۔ کوئی کہتا ہے زمین گردش میں ہے، کوئی قائل ہے کہ زمین ٹھہری ہوئی ہے آفتاب گھومتا ہے۔ کوئی مانتا ہے کہ دُنیا کو ایک دِن بالکل فنا ہو جانا ہے۔ کوئی معتقد ہے کہ نہیں، اسی طرح چلی آئی ہے اور اسی طرح ابدالاباد تک چلی جائے گی۔ جب عقلا کا یہ حال ہے تو رہے بدحال عوام، پس غور فکر پر کیا بھروسہ رہا۔ کوئی تدبیر کرنی چاہئے کہ غلطی فکر کا انسداد ہو سکے۔ اس کے لئے علم منطق ایجاد ہوا ہے اور ان میں ایسے قواعد منضبط کئے گئے ہیں کہ غور و فکر میں اگر ان قواعد کی رعایت و پابندی ہو تو رائے انسانی غلطی سے محفوظ رہے۔ پس عقل کی اصلاح فکر کی تصحیح اس علم کا مقصود اصلی ہے اور بڑا عمدہ مقصود ہے۔ انسان کو مخلوقات عالم پر وجہ شرف اور بزرگی یہی عقل ہے اور جو چیز اس جوہر شریف کی اصلاح کرے گی گویا وہ انسان کو انسانیت سکھاتی ہے''۔

اس اقتباس سے صحیح طور پر اندازہ ہو سکتا ہے کہ عقل پر اس وقت تک اعتماد نہیں کیا جا سکتا، جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ اس کے فیصلے کسی اصول و قاعدے اور قانون کے تحت کئے گئے ہیں۔ اگر یونہی ہر شخص جو چاہے کہہ دے وہ ہرگز قابل اعتماد نہیں ہے۔

عقل محتاج

عقل اپنی جگہ پر کس قدر بلند طاقتور اور باکمال ہو، پھر بھی علم و معرفت اور بدیہات و تصدیقات کی محتاج اور پابند ہے اور انہی قواعد اور قوانین کے تحت وہ اپنے فیصلے دینے کا حق رکھتی ہے ورنہ اس کی کوئی وقعت و حیثیت تسلیم نہیں کی جا سکتی بلکہ ان کے بغیر تو ہمات کا مجموعہ ہے عقل کے فیصلوں کے لئے ذیل کی صورتیں ضرور لازم ہیں:

① صحیح معلومات جو بدیہی تصورات اور معرفت کی صورت رکھتی ہیں۔
② صحیح تجربات و مشاہدات جو بدیہی تصدیقات اور قوانین فطرت کا درجہ رکھتے ہوں۔
③ ماحول جس میں مقام و زبان کی پوری کیفیت پائی جائے۔

علم طب کی ابتدا اور علم خواص الاشیاء

علم طب کی ابتداء تو سحر و جادوگری سے سمجھی جاتی ہے۔ بدیں وجہ طب کے معنی جادوگری اور سحر کے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ علم طب کی ابتداء علم خواص الاشیاء سے ہوئی ہے کیونکہ انسانی زندگی کے ابتدائی دور میں صرف خواص الاشیاء کو ہی سحر و طلسم اور جادوگری تصور کیا گیا اور بعد کے زمانوں میں جب جہالت کے پردے اُٹھتے گئے اور علم کی روشنی پھیلتی گئی تو علم خواص الاشیاء ایک حقیقت بن گیا اور اسی سے علم الادویہ اور علم الاغذیہ کی ابتداء ہوئی۔ پھر خواص الاشیاء معلوم کرنے کے لئے قوانین و قاعدے مرتب کئے گئے۔ جس کے ساتھ ساتھ عقل و قیاس و تجربات مشاہدات کی حقیقتیں بھی سامنے آنے لگیں۔ تاکہ انسانی معلومات و معرفت اور تحقیقات و تدقیقات اصولی اور کلی قوانین اور قاعدے کے تحت قائم کر دیئے جائیں تاکہ خواص الاشیاء کے اصول میں غلط فہمی اور غیر یقینی نتائج سے نقصان نہ اٹھانا پڑے اور انسان یقینی بے خطا علم سے مستفید ہوتا رہے۔ یہ سب گزشتہ ہزاروں سالوں کی علم و فن تجربات، مشاہدات تحقیقات و تدقیقات اور غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ اس لئے ہم نے علم الادویہ شروع کرنے سے پہلے اس امر کو ضروری سمجھا ہے کہ اوّل ان قوانین اور قواعد پر بحث کر لی جائے جن سے یقینی اور بے خطا خواص الاشیاء حاصل ہوتا ہے تاکہ ہر اہل علم اور صاحب فن ان علوم و فنون سے مستفید ہو کر خود بھی خواص الاشیاء پر معلومات اور تحقیقات حاصل کر سکے۔ علم و فن کسی کی میراث نہیں ہے۔ جیسے ہم نے متقدمین اور متاخرین کے علمی و فنی خزانہ سے اپنی تحقیقات و تدقیقات اور غور و فکر کے نتائج پیش کئے ہیں اسی طرح آنے والوں کا بھی حق ہے کہ وہ ہمارے خزانے سے مستفید ہو کر دُنیائے طب میں اپنی جدوجہد اور سعی کو پیش کرتے رہیں۔ جن سے انسانیت ہمیشہ مستفید ہوتی رہے۔ یہی انسانیت کی خدمت ہے۔

مشاہدات میں بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں

جس طرح عقل کے فیصلے غلط ہو سکتے ہیں، بالکل اسی طرح ہمارے مشاہدات میں بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ جب مشاہدات صحیح نہ ہوں تو پھر عقل کے فیصلوں کا غلط ہونا تو بہت ہی یقینی بات ہو سکتی ہے اس لئے مشاہدات پر کلی طور پر یقین کر لینا صحیح نہیں یا کم از کم جب تک ان کی شرائط پوری نہ کر دی جائیں۔

جاننا چاہئے کہ ہمارے مشاہدات حواس خمسہ ظاہر کے محتاج ہیں۔ مثلاً اگر کسی کے منہ کا ذائقہ تلخ ہو، وہ اگر میٹھا بھی چکھے گا تو اس کا ذائقہ تلخی لئے ہوگا۔ اسی طرح صفرا زدہ انسان کو ہر چیز زرد ہی نظر آئے گی۔ کان کی ذرا سی سوزش بھی اچھے بھلے شیریں نغموں کو سننا برداشت نہیں کرے گی۔ نزلہ کا مریض بھی صحیح خوشبو کا احساس نہیں کر سکتا۔ نرمی اور سختی کا احساس ہر ذہن کی تربیت پر منحصر ہے۔

حواس خمسہ کے علاوہ مشاہدات کی تصدیق کے لئے خاص قسم کے علم و تجربات اور اسباب و ماحول کا جاننا اور سمجھنا بھی نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ مختلف قسم کے علم و تجربات اور اسباب و ماحول کے تحت مشاہدات میں زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ جس طرح کسی شے کی بے علمی اور ناتجربہ کاری غلط نتائج پیدا کر دیتی ہے۔ اسی طرح بدلے ہوئے اسباب اور ماحول بھی مشاہدات بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ مثلاً کیفیات و مادہ اور صورت کے بدل جانے سے مشاہدات کے اثرات و افعال اور شکلیں بدل جاتے ہیں۔ اس لئے مشاہدات کو ہمیشہ اپنے علم و تجربات اور اسباب و ماحول کے تحت قلم بند کرنا چاہئے، تاکہ نتائج صحیح پیدا ہوں۔

مشاہدات کے یہی اختلافات ہیں جن کی وجہ سے مختلف اشخاص و ممالک اور علوم و فنون میں جدا جدا نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ مثلاً پھلوں کو دیکھیں ان کے متعلق مختلف ممالک و اقوام اور علوم و فنون میں مختلف مشاہدات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً کھجور و سیب اور نارنجی وغیرہ

مختلف ممالک میں اکثر اپنی شکل وصورت بلکہ اثرات وافعال میں بھی بدلے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہی حال مختلف اقسام کی اغذیہ اور ادویہ میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ مشاہدات کے متعلق مولانا ڈپٹی ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کی معلومات ملاحظہ فرمائیں۔ کتاب ''مبادی الحکمت'' میں لکھتے ہیں:

مشاہدات یعنی وہ معلومات جو انسان اپنے حواس کے ذریعے سے حاصل کرتا ہے، بدیہی (یقینی) ہیں اور کسی دوسرے ثبوت کی محتاج نہیں۔ مثلاً پیتل کا برتن سامنے رکھا ہو اور ہم کہیں کہ یہ پیتل زرد ہے۔ یا لو چل رہی ہے اور ہم کہیں کہ ہوا گرم ہے تو یہ باتیں بدیہی ہیں اور اگر کوئی ان کا ثبوت چاہے تو یہ خود اپنا ثبوت ہیں اور ہمیشہ جملہ استدلال بعد تفتیش وکاوش کے اسی طرح کی باتوں پر آ کر ٹھہر جاتے ہیں۔ کیونکہ جب کسی مقدمہ بدیہی پر پہنچے تو استدلال منقطع ہوا۔ لیکن غور کر کے دیکھا تو بعض مرتبہ بدیہات میں بھی غلطی واقعہ ہو جاتی ہے۔ موجودات کو ہمارے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور اس تعلق سے ایک کیفیت ہمارے ذہن پر طاری ہوتی ہے۔ اسی کیفیت کو تصور اور اسی کو علم کہتے ہیں۔ بعض چیزیں آنکھ کے سامنے آنے سے ہمارے ساتھ تعلق پیدا کرتی ہیں۔ بعض مرتبہ ہم ان کو چھوتے اور ٹٹولتے ہیں بعض دفعہ ان کو منہ میں رکھ کر مزا لیتے ہیں۔ یہ سب اقسام ہیں، اس تعلق کے جو ہم موجودات کے ساتھ پیدا کرتے ہیں۔ از بسکہ ہر ایک چیز سے کچھ نہ کچھ کیفیت ضرور ہم پر طاری ہوتی ہے۔ تو حقیقت میں ہمارا علم اس چیز کے وجود کا تابع ہے یا یہ کہ وجود اشیاء سبب ہے ہمارے علم کا اور چونکہ معلول سے علت کو پہچاننا ہمارا دستور ہے۔ ہم کو ایسا خیال پیدا ہوتا ہے کہ کسی چیز کو جو کیفیت ہمارے ذہن میں ہے وہ واقع بھی ہے۔ ورنہ ہمارے ذہن نے کہاں سے اخذ کی۔ بعض حکماء کا یہ مقولہ تھا کہ اشکال ہندسی یعنی سطح، خطہ، نقطہ، دائرہ جیسے کتاب اقلیدس میں مذکور ہے، فی الواقع موجود ہیں۔ مقلد فیثا غورث نے دیکھا کہ آگ کی ماہیت کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ سوچنے سے اتنا البتہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ کچھ بڑی عظمت کی چیز ہے اور ہمارے ذہنوں میں اس کی وقعت کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ فی الواقع اس کو کائنات عالم میں بڑی عظمت حاصل ہے۔ اس واسطے ان لوگوں نے کرہ آتشی کا وجود تسلیم کر لیا اور یوں سمجھے کہ آسمان بہ اعتبار تفاوت ترکیب آتشی منتظم ہیں۔ اس غلطی نے اس حد پر بس نہیں کی اور آگے پاؤں پھیلایا، یہاں تک کہ گویا ذہنی کیفیتوں کو وجود اشیاء کا سبب ٹھہرالیا اور جس کے تصور سے عاجز ہوئے تو یہ سمجھا کہ واقع میں اس کا وجود نہیں۔ مسمریزم اور فری میسن کے وجود میں بہتیروں کا کلام ہے۔ سبب کیا ان کی سمجھ میں نہیں آتا اور کہتے ہیں اگر کچھ بات ہوتی تو ہم بھی تو سمجھتے۔

لقمان حکیم (دانا مرد) وجود خدا پر یہ دلیل لایا کرتا تھا بھلا سب چیزیں تو مادے سے بنی ہیں، مادہ کیونکر بنا۔ ایسا تو ممکن نہیں کہ خود اس نے اپنے تئیں بنا لیا ہو اس سے ظاہر ہے کہ مادہ کا کوئی خالق ہے اور ضروری ہے کہ وہ بڑا دانشمند بھی ہو۔ ورنہ جو عقل سے خالی ہو وہ آدمی جیسی دانشمند مخلوق کو کیونکر پیدا کر سکتا ہے اور قرین قیاس نہیں کہ دُنیا بہ ایں عمدگی خود بخود ہو گئی ہو۔ اس تمام تر دلیل کا ماحصل یہی ہے کہ جو کچھ ہماری سمجھ میں نہیں آتا وہ واقعہ میں نہیں ہے۔

زمین کے سکون پر متقدمین حکماء کو یہ استدلال تھا کہ زمین وسط میں جو ہے اور سب طرف سے اس کا بعد یکساں ہے۔ ایسی حالت میں کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ زمین کو کسی سمت میں حرکت ہو تو کیوں ہو۔ اس تمام بیان سے حاصل یہ ہے کہ دُنیا میں ہر چیز کے واسطے ایک سبب کا ہونا اور واقعات کی ہم رنگی ضروری ہے۔ ان دونوں باتوں نے انسان کی طبیعت کو ایسا کر رکھا ہے کہ جب کوئی واقعہ اس کے روبرو پیش آئے فوراً اس کو سبب کی جستجو ہو۔ اور چند واقعات مماثل دیکھ کر وہ کلیات کی طرف ترقی کرے۔ مثلاً گردش زمین پر ہم استدلال کریں کہ زمین کا سایہ جس کی وجہ سے چاند گہنایا جاتا ہوا نظر آتا ہے، چاند پر گول پڑتا ہے اور جس چیز کا سایہ گول ہو، وہ خود بھی گول ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ

ہے کہ زمین گول ہے۔ اس میں صغریٰ (نتیجہ) تو ہمارے مشاہدے کا ہے رہا کبریٰ وہ بھی ہے تو نتیجہ مشاہدہ مگر تعمیم لئے ہوئے۔ کیونکہ ہم نے گول سائے کی چیزیں بہت دیکھی ہوں گی، سو دو سو یا ہزار دو ہزار، تاہم حکم کلی صادر کرنا محض مشاہدہ پر نہیں ہے بلکہ ایک دوسری دلیل پر مبنی ہے۔ وہ کیا ہے؟ واقعات کی ہمرنگی اس طور پر کہ لاکھ گولی توپ کے گولے، امرود، انار وغیرہ کے سائے کو ہم نے دیکھا اور گول پایا۔ باقاعدہ دلیل آئی۔ ہم نے گول سایہ دیکھ کر اصل چیز کے گول ہونے پر استدلال کیا۔ ابھی تک ہمارا حکم انہیں افراد میں محصور ہے جو ہم نے دیکھیں۔ اب ہمارے ذہن نے آگے ترقی کی کہ اتنی مثالوں میں جو سائے کی گولائی کو اصل کی گولائی کا تابع پاتے ہیں تو ہمرنگی واقعات مقتضی ہے کہ اور مثالیں جو ہماری نظر سے نہیں گزریں ان میں بھی یہی قاعدہ جاری ہو، جب ہمارے ذہن نے یہ تعمیم پیدا کرلی تو بعد کو اگر کوئی چیز ان کے سامنے آجائے تو وہی حکم عام جاری کردینے میں ہم کو تامل نہیں ہوتا۔

البتہ صرف اتنی بات درکار ہوتی ہے کہ نئی چیز اسی قسم کی ہو جن کو دیکھ کر ہم نے عام رائے پیدا کی تھی۔ مثلاً زید، عمر، بکر، خالد، ولید وغیرہ بہت سے آدمی ہم نے دیکھ کر یہ عام رائے قائم کی کہ کل آدمی مرنے والے ہیں اور فرض کریں کہ کسی نئے جزیرے میں ہمارا گزر ہو اور وہاں ایک آدمی اجنبی محض کو دیکھیں۔ کبھی ہم کو اس کے فانی ہونے کی نسبت شک واقع نہ ہوگا۔ تعمیم پیدا کرتے وقت ہم چیزوں کی ذاتوں سے قطع نظر کر کے ایک ایسی صفت انتخاب کر لیتے ہیں جو دیکھی ہوئی تمام چیزوں میں یکساں پائی جائے جیسے زمین کی مثال میں گولائی کہ چھوٹے چھوٹے کرے سے لے کر بڑے سے بڑے کرے تک جو ہم نے دیکھے ممکن ہے مادہ اور حجم اور رنگ وزن وغیرہ خصائص میں مختلف رہے ہوں۔ مثلاً لاکھ کی سبز گولی، مکھن کی سفید گولی، توپ کا سیاہ گولا۔ گولائی کی صفت سب میں یکساں پائی جاتی ہے۔

ہم اسی صفت کو سبب حکم قرار دے کر جہاں سبب پاتے ہیں، فوراً وہی حکم لگا لیتے ہیں۔ آدمیوں کی مثال میں افراد انسان قد و قامت، صورت وشکل، رنگ وروغن، مذہب وعلم اور وطن کے اعتبار سے مختلف ہوسکتے ہیں۔ مگر انسانیت صفت سب میں برابر پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ہم فنا کا حکم لگاتے ہیں۔ پھر جس میں انسانیت پائی جھٹ سے فنا کا حکم لگا دیا۔

تفتیش اسباب میں انسان اتنا بے چین ہے کہ ہر چیز اور ہر واقع کا کچھ نہ کچھ سبب اپنے ذہن میں قرار دے ہی لیتا ہے اور اس کی بے چینی اس کو تامل صحیح نہیں کرنے دیتی۔ بلکہ جب کسی تاویل سے گو وہ کیسی ہی خفیف وبارد ہو ایک مرتبہ اس نے اپنے دِل کو سمجھا لیا اس پر ہمیشہ کے لئے قانع رہنا چاہتا ہے۔ اور ہرگز پسند نہیں کرتا کہ اس میں شک ڈال کر حیرت میں رہے۔ شفق، قوس قزح، رعد، کہکشاں، شہاب، زلزلہ، کسوف، خسوف، وباد وغیرہ ہر واقعہ کا ایک ایک سبب معقول ہے۔ لیکن اس کو بہت تھوڑے آدمی جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے یہ مت سمجھو کہ وہ ان واقعات کو کسی سبب کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ نہیں ان لوگوں نے بھی اسباب قرار دے رکھے ہیں اور ہم سب سے زیادہ ان کو اپنی سمجھ پر وثوق ہے۔ بھلا کسی جاہل کو سمجھا دو کہ رعد وہ آواز ہے جو گرمی کے ایک بادل سے زور کے ساتھ دوسرے بادل میں جانے سے پیدا ہوتی ہے اور بجلی اس گرمی کی روشنی ہے، وہ یہی کہے جائے گا کہ بھلا تم آسمان پر جا کر دیکھ آئے ہو، جو باتیں بناتے ہو، ہم تو بزرگوں سے یہی سنتے رہے ہیں کہ رعد فرشتہ ہے اور وہ بادلوں میں زجر کرتا ہے اور اس کی آواز زمین پر ہم کو سنائی دیتی ہے اور بجلی تو رعد کا کوڑا ہے جس سے وہ بادلوں کو ہانکتا ہے۔

مولوی مہدی نے ایک مقام پر یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگوں کے معتقدات میں شفق امام حسین رضی اللہ عنہ کا خون ہے۔ انسان کی طبیعت کے اس خاصے نے کہ وہ ہر چیز کا کچھ نہ کچھ سبب ٹھہرا لیتا ہے یہاں تک ترقی کی کہ اسباب ضعیف تو درکنار ایک ادنیٰ خلق سبب ماننے لگے ہیں۔

یہ شمار کہ سیارے سات ہیں اس سے اخذ کیا گیا تھا کہ ہفتے میں سات دِن ہیں اور فلزات بھی سات قسم کے ہوتے ہیں۔ شیعوں کے نزدیک پانچ کا عدد بہت سعد ہے کیونکہ حواس پانچ ہیں۔ آلِ عباس پانچ ہیں۔ آدمی کے ایک ہاتھ کی انگلیاں پانچ ہیں۔ ہر کمالے را زوالے۔ کیونکہ چاند کمال کو پہنچ کر ضرور گھٹنے لگتا ہے، اسی طرح کے خیالات سے دنوں کو سعد و نحس بنا رکھا ہے۔

کمتر کوئی چیز سعادت و نحوست سے بچی ہے۔ فن قیافہ، فن تعبیر خواب، فال و شگون، نہیں معلوم کتنی مزخرفات باتوں کی بنا اسی پر ہے کہ ہر چیز کے واسطے کچھ سبب ہونا چاہئے۔ سبھوں کی فہمید میں تو حضرت انسان یہ کچھ ذی شعور ہیں۔ بایں ہمہ آپ تازگی پسند بھی ہیں۔ ہمیشہ عجیب واقعات سننے اور دریافت کرنے سے اس کو مسرت ہوتی ہے، اور ان روایتوں کو نہایت شوق سے سنتے ہیں جن میں غیر معمولی اور حیرت انگیز مضمون ہوں۔ دیوار قہقہہ، سد سکندر، چاہ بابل، عنقا، زہرہ، سیمرغ کے بارے میں جو باتیں مشہور ہیں ہم سب آباعن جد تسلیم کرتے چلے آئے ہیں اور کسی نے کان تک نہیں ہلایا۔ گو انگریزوں نے لنکا میں عملداری تک کر لی مگر کمتر یہ تسلیم کریں گے کہ وہی لنکا ہے۔ زعفران کا خندہ آور ہونا جو سنتے آئے ہیں، گو اس کی تفصیل بھی سمجھاؤ۔ مگر کم بخت مانتے نہیں بلکہ تازگی پسندی نے یہاں تک پاؤں پھیلائے ہیں کہ ہم عجیب باتوں کو جلد یقین کر لیتے ہیں۔ ابھی چند روز ہوئے مشہور ہوا کہ اودھ میں کسی فقیر کی دُعا سے آن واحد میں قدرتی پل بن گیا ہے اور اس پل کے نیچے جو بیمار نہاتا ہے اچھا ہو جاتا ہے۔ سینکڑوں بیوقوف اسی خبر کے اعتماد پر دوڑے گئے۔ نہ پل ملا نہ فقیر۔ جھک مار کر لوٹ آئے۔

بڑے شہروں میں ہر روز ایک نہ ایک نئی گپ اڑا کرتی ہے۔ یہ کیا ہے ہم لوگوں کے ڈھل مل یقین ہونے کے مشغلہ پسندوں کو قابو ملتا ہے۔ سبب پیدا کرنے سے آدمی کا اصل مطلب یہ ہوتا ہے کہ احکام کلی استنباط کرے۔ اسی واسطے ہر رنگ دیکھنے کے بعد بالطبع اس بات کی طرف مائل ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی کام نکالے۔ یہ شوق اور میلان طبیعت اس کو ان مثالوں کی طرف بخوبی متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ جو قاعدہ ہم رنگی سے الگ اور اسی وجہ سے تعمیم میں خلل انداز ہیں، چونکہ حقیقت میں اس کو ان کی طرف توجہ صحیح نہیں ہوتی اس کا حافظہ بھی ان کو اچھی طرح گرفت نہیں کرتا اور اکثر ایسی مثالیں آدمی جلد بھول جاتا ہے۔ نجومی اکثر تصرف کر کے واقعات آئندہ کی نسبت پیش گوئیاں کیا کرتے ہیں اور از بسکہ ان کے مقولات نرے اٹکل کے تکے ہوا کرتے ہیں۔ دیوانے کی بڑ طرح اتفاق سے دس باتوں میں چار پانچ سچ بھی ہو جاتی ہیں۔

اب ہماری سادہ لوحیوں کا فریب بھی دیکھیے۔ جن باتوں میں نجومی غلط گو ٹھہرا، ان پر تو ہم خیال نہیں کرتے بلکہ اگر ہم کو کوئی غلطی پر متنبہ بھی کرے تو ہم اس کی تاویلیں کرتے ہیں۔ شاید اتفاقاً حساب میں بھول ہو گئی ہو۔ اور ہم یاد کیا رکھتے ہیں، صرف وہ مثالیں جن میں اتفاق سے نجومی کا تصرف ٹھیک نکل آیا ہے۔ اور گو نجومی کے کذب و افترا کی مثالیں زیادہ بھی ہوں مگر پھر بھی ہم اس کو راست گو اور سیف زبان جانتے ہیں۔ اسی طرح طبیب کے ہاتھ سے چاہے جتنے بیمار مرے ہوں کوئی یاد نہیں رکھتا۔ کہتے ہیں کہ مرد کی بائیں اور عورت کی دائیں آنکھ پھڑکے تو رنج پہنچے۔ کسی کام کی ابتداء میں چھینک ہو، تو ناکام ہو۔ دم دار ستارہ نمودار ہو تو وبا یا گرانی غلہ یا خونریزی ہو۔ اسی طرح ہزاروں باتیں ہیں جن کو ہمارے ملک کے بہت سے آدمی مانتے ہیں۔ اتفاقات نادرہ کو معمولات فرض کر لیا ہے اور اس کے خلاف کی مثالوں پر نظر نہیں کرتے۔ اصل وجہ کیا ہے۔ یہی کہ ایک تو سہارا غیب دانی کا ہے جس کا آدمی شروع سے آرزومند ہے۔ اگر اس سے قطع نظر کرلے تو پھر مستقبلات میں رائے زنی کہاں سے ہو۔ اسی قبیل کی غلطی کا ضمیمہ ہے۔ واقعات کو چند افراد میں منحصر سمجھنا اس کے پیرائے میں اکثر مغالطہ واقع ہوا کرتا ہے۔

ابطال تدبیر کے لئے جبریہ فرقے کے لوگ یہ دلیل لایا کرتے ہیں کہ کوئی کام ہو تدبیر لا حاصل ہے۔ کیونکہ وہ حال سے خالی نہیں۔ یا وہ کام شدنی ہے یا ناشدنی۔ اگر شدنی ہے تو کوشش فضول اور اگر ناشدنی ہے تا ہم عبث۔ اس صورت میں کام میں شدنی اور ناشدنی دوشقوں میں منحصر کرنا غلط ہے۔ ایک شق اور بھی ہے شدنی سعی یا ناشدنی بوجہ غفلت۔ اس مسئلے کے متعلق ایک بڑی ہنسی کی مثال ہے۔ وہ یہ کہ پراٹا گورس نامی ایک حکیم بڑا مغالطہ باز ہو گزرا ہے۔ یواتھلس نامی ایک شخص نے اس کا تلمذ اختیار کیا۔ استاد شاگرد میں زر کثیر کا معاہدہ ہوا۔ آدھا یواتھلس نے نقد دے دیا اور نصف باقی ماندہ کی نسبت یہ شرط قرار پائی کہ جب یواتھلس پہلے مباحثے میں غالب آئے تو باقی ماندہ آدھا روپیہ ادا کردے۔ چندے پراٹا گورس اپنے شاگرد یواتھلس کو تعلیم کرتا رہا۔ مگر یواتھلس کے بعد چندے بے توجہی شروع کی۔ جب پراٹا گورس نے دیکھا کہ باقی کا روپیہ اسی سے جایا چاہتا تھا تو پراٹا گورس نے یواتھلس پر عدالت میں نصف باقی ماندہ کے دلا پانے کی نالش کردی۔ مقدمہ روبکار ہوا تو پراٹا گورس یواتھلس کی طرف مخاطب ہو کر بولا کہ اے لڑکے سن روپیہ تو ہر صورت سے میں تجھ سے بھر ہی لوں گا۔ کیونکہ اگر میں جیتا تو حکم حاکم مرگ مفاجات تجھ کو چار و ناچار دینا ہی پڑے گا اور اگر بالفرض تو جیتا تو بھی میرا الو کہیں نہیں گیا۔ مجھے تجھ سے شرط ہو چکی ہے کہ جب تو پہلا مباحثہ جیتے تو نصف باقی ماندہ مجھ کو ادا کرے۔

یواتھلس نے جواب دیا کہ شاگرد بھی آفت ہے۔ استاد جاؤ جفت ہو یا طاق جیت میری ہے۔ کیونکہ اگر حاکم نے میرا دعویٰ ڈگری کیا تو حضرت ڈگری جاری کرا کے کھڑے کھڑے گنوالوں گا۔ اور اگر ہار بھی گیا تو بھی کوڑی دوال نہیں۔ مجھ سے آپ سے شرط ہو چکی ہے کہ میں پہلا معرکہ جیتوں تو دوں، نہ کہ ہاروں تو دوں۔ تعیم کی غلطی احتمالات میں بھی بکثرت واقعہ ہوا کرتی ہے۔ اور مجوزہ مقدمہ بیشتر اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ملک فرانس میں ایک مقدمہ ہوا تھا جس کی روداد یہ تھی کہ ایک بوڑھی عورت کسی گلی میں دکانداری کرتی تھی اور اسی دکان میں رہتی تھی۔ ایک لڑکا شاگرد کے طور پر دکان پر بٹھا لیا تھا۔ گھر اس لڑکے کا دکان کے متصل تھا۔ مگر بڑھیا کی دکان میں آنے کا راستہ نہ تھا۔ گھر کا دروازہ گلی میں تھا۔ یہ لڑکا دکان میں تو بیٹھتا ہی تھا، دکان کی کنجی بھی اس کے پاس رہتی تھی۔ ایک دن دیکھتے کیا ہیں کہ بڑھیا کی دوکان کا قفل ندارد، دروازہ کھلا ہوا ہے اور اندر بڑھیا مری پڑی ہے۔ گلا کٹا ہوا ہے۔ ایک ہاتھ کی مٹھی میں بال اور دوسرے میں ایک گلوبند اور لاش کے پاس ایک خون آلود کٹار بھی زمین پر پڑا ہے۔ گلوبند اور کٹار دونوں چیزیں شناخت کرائی گئیں۔ اسی لڑکے کی تھیں۔ بال بھی اسی کے بالوں کے ہمرنگ، بے چارے لڑکے پر ان قرائن سے خون ثابت ہو گیا۔ پھانسی پائی۔ ایک مدت بعد بڑھیا کا اصل قاتل جب قریب المرگ ہوا تو دستور کے مطابق پادری صاحب نے اس کو استغفار و توبہ کی تعلیم کی، تب اس نے اقرار کیا کہ فلاں بڑھیا جو دکان میں مری ہوئی پڑی ملی تھی اس کو میں نے مارا تھا۔ مجھ سے اور اس کے شاگرد سے بہت ربط ضبط تھا۔ اس کا گلوبند اور کٹار اتفاق سے میرے پاس ہی تھا۔ کنجی کا خاکہ موم میں اتارا۔ اسی طرح کی دوسری کنجی بنوالی۔ بال البتہ اس لڑکے کے تھے۔ میں اس کے سر پر کنگھی کرتا اور جو بال ٹوٹتے ان کو جمع کرتا جاتا۔ یوں میں نے اپنا خون اس بے چارے کے سر تھوپا۔

دیکھئے! جج کی رائے نے احتمالات پر وثوق کر کے ایک ناکردہ گناہ کی جان لے لی۔ احتمالات کی وقعت کا اندازہ صحیح دریافت کر لینا بڑا مشکل کام ہے۔

ایک شخص کو تپ محرقہ تھی۔ سرسام کے آثار نمودار تھے۔ اور یہ بھی خوف تھا کہ یرقان قبل السابع ہونے والی ہے۔ اس تردد میں ایک طبیب حاذق بلائے گئے، انہوں نے مریض کا حال دیکھ کر تیمارداروں کی تشفی کی کہ گھبراؤ مت، تپ محرقہ شدید ہے، مگر ابھی تک یرقان کا ہونا

اور نہ ہونا دونوں پہلو برابر ہیں۔ یہ سن کر ایک تیماردار بیتاب ہو کر بولا کیوں حکیم صاحب! اگر خدانخواستہ یرقان ہو گیا تو کیا ہوگا۔ حکیم صاحب نے کہا یرقان کا مہلک ہونا یقینی نہیں۔ میرا تجربہ تو یہ ہے کہ سو میں سے پچاس اگر مر جاتے ہیں تو پچاس بچ بھی جاتے ہیں۔

حکیم صاحب نسخہ لکھ کر چلے گئے۔ تیمارداروں کو وہی خلجان رہا کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ مگر حاضرین میں ایک شخص ایسا بھی تھا جس نے احتمالات کی بحث کو فن جبر و مقالے میں پڑھا تھا، اس نے کہا: سنو صاحب! کچھ اضطراب مت کرو۔ عقلی قاعدے کی رو سے تلف کا احتمال ایک چوتھائی ہے۔

ہمرنگی واقعات عالم، جس پر ہم گفتگو کر رہے ہیں، اسی کی ایک فرد یہ بھی ہے کہ کل افراد انسان کے حواس ایک طرح کے ہیں اور کسی چیز یا کسی واقعے سے جو اثر ہم پر ہوتا ہے وہی دوسرے آدمیوں پر بھی ضرور ہوتا ہوگا۔ مثلاً پھول کو ہم لال کہتے ہیں۔ دوسرے آدمیوں کو بھی لال دیکھیں گے۔ فلاں قند ہمارے ذائقے میں میٹھا ہے تو دوسرے آدمیوں کو بھی میٹھا لگتا ہے یا اس کے برعکس اگر کوئی آدمی کسی چیز کو چکھ کر کڑوی بیان کرے تو ہم کو اس طرح مان لینا چاہئے کہ گویا خود ہم نے چکھی ہے۔ ہم نے برف کے سمندر نہیں دیکھے۔ ہم سویز کی نہر میں خود نہیں گئے۔ لیکن ہم کو برف کے سمندر اور سویز کی نہر کے ہونے کا ایسا ہی یقین ہے کہ جیسے اپنی آنکھوں سے دیکھنے سے ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دوسروں کی معلومات سے بے زحمت مستفید ہوتے ہیں۔ علم تاریخ کی بنا اسی قاعدے پر ہے۔ مگر جب کہ ہم کو اپنے حاصل کئے ہوئے معلومات میں وقوعِ غلطی کا احتمال ہے تو دوسروں کی معلومات میں یہ احتمال اور بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ علاوہ ان غلطیوں کے جو معلومات کے حاصل کرنے میں ہر انسان سے واقع ہوا کرتی ہیں۔ دوسروں کی معلومات کا ہم تک پہنچنا بھی شائبہ غلطی سے کمتر خالی ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ صاحب معلومات اپنا مافی الضمیر کے ادا کرنے میں قاصر ہوں یا ہم ان کے بیان سے اخذ مطلب کرنے میں خطا کریں اور جب کہ ہم میں اور اصل صاحب معلومات میں اور وسائط ہوں تو احتمال غلطی چند در چند ہے۔ اس مسئلے کے متعلق ایک اور بھی غلطی ہے جو سب سے زیادہ منکرہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ دلیل جو ثبوت دعویٰ میں پیش کی جائے خود اس کا ثبوت مختصر ہو۔ ثبوت دعویٰ پر اسی کو دور کہتے ہیں۔ مثلاً علم تاریخ کی کسی کتاب کی صحت میں گفتگو ہو اور کوئی شخص صحت کتاب پر یہ دلیل لائے کہ اس میں فلاں فلاں واقعات لکھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ واقعات خود محل کلام ہوں اور سوائے کتاب متنازعہ فیہ کے اور کہیں سے اس کا ثبوت بہم نہ پہنچتا ہو تو اس صورت میں واقعات کی دلیل کتاب ہے اور صحت کتاب کی دلیل واقعات یا مثلاً کوئی مقلد اپنے نبی ﷺ کی نبوت کو کتاب سے ثابت کرے۔

افلاطون وجود مجرد کو اسی طرح ثابت کرتا تھا کہ انصاف و عقل دو چیزیں ہیں اور دونوں مجرد یعنی غیر مادی ہیں۔ اس صورت میں افلاطون کو مغالطہ ہوا تھا۔ انصاف اور عقل دو چیزیں ہیں۔ اس میں افلاطون نے چیز سے مراد جوہر لیا۔ جو اپنی ذات سے قائم ہو، نہ عرض جس کا وجود تابع دوسرے کے وجود کا ہو۔ جیسے رنگ کہ کوئی سے جداگانہ نہیں ہے، بلکہ ایک کیفیت ہے جو کپڑے یا لکڑی وغیرہ کو عارض ہوتی ہے۔ پس حقیقت میں وہ دور سے استدلال کرتا ہے۔

قیاس میں بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مشاہدات و تجربات اور عقل کے فیصلے بھی بعض معلومات، حالات اور وقت و ماحول میں غلط ثابت ہو سکتے۔ ان کے صحیح نتائج کے لئے چند شرائط اور قوانین مقرر ہیں۔ بالکل انہی کی طرح قیاس کے فیصلوں میں بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ اور اس کے صحیح نتائج اخذ کرنے کے لئے بھی چند شرائط اور کچھ قوانین مقرر ہیں جن کے بغیر صحیح قیاس نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کے نتائج صحیح ہوں

گے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں ہے، قیاس بھی مشاہدات و تجربات اور عقل کی طرح تحقیقات میں ایک اہم حقیقت بلکہ ایک غیر معمولی طاقت ہے جہاں پر مشاہدات و تجربات کام نہیں کر سکتے وہاں پر قیاس کی طاقت کام کرتی ہے۔ اور حقیقت کو پیش کرتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مشاہدات اور تجربات دونوں قیاس کے تحت کام کرتے ہیں اور اس کے بغیر دونوں بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ دراصل قیاس ہی ایک بڑی طاقت ہے۔

قیاس کی تعریف

ایسا قول ہے جس کی ترکیب ایسے قضیوں سے ہو جب وہ مان لئے جائیں تو ایک اور قضیہ بھی ماننا پڑتا ہے اور یہ قضیہ جس کا ماننا ضروری ہے، نتیجہ قیاس کہلاتا ہے۔ جیسے ہر انسان جاندار ہے اور ہر جاندار جسم ہے۔ یہ دو قضیے ہیں۔ ان کو اگر مان لو تو ان کے ماننے سے تم کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ہر انسان جسم ہے اس میں یہ دو قضیے تو قیاس کہلاتے ہیں۔ تیسرا قضیہ جس کا ماننا لازم ہے، نتیجہ کہلاتا ہے۔ اس طرح سمجھ لیں کہ جب دو قضیے ترتیب دیئے جائیں کہ ان کو مان لینے سے ایک دوسرے قضیے کا مان لینا لازم آ جائے تو ان کی ہیئت مجموعی کو قیاس کہتے ہیں اور اس دوسرے قضیہ کو نتیجہ کہتے ہیں۔

حقیقت قیاس

قیاس اصل میں حجت (دلیل) کی ایک صورت ہے۔ اس کی دو دیگر صورتیں استقرار اور تمثیل ہیں جن کا ذکر مناسب جگہ پر کیا جائے گا۔ قیاس کو سمجھنے کے لئے حجت کو ذہن نشین کر لینے سے بہت آسانی ہو جاتی ہے۔

حجت کی تعریف

دو یا زیادہ تصدیقات (جانی ہوئیں) کو ترتیب دے کر جب کوئی نہ جانی ہوئی بات معلوم کریں تو ان جانی ہوئی تصدیقات کو حجت اور دلیل کہتے ہیں۔ یعنی ان کے مجموعہ کو۔ مثلاً تم کو علم ہے کہ انسان جاندار شے ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ہر جاندار شے جسم والی ہے تو ان دونوں باتوں کو جاننے سے تم یہ جان گئے کہ انسان جسم والا ہے۔

قیاس اور حجت کی تعریف سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دونوں میں کتنا فرق ہے۔ یعنی قیاس میں دو قضیے ماننے کے بعد ایک تیسرا قضیہ بھی ماننا پڑتا ہے۔ اور حجت میں دو تصدیقات ترتیب دے کر ایک نامعلوم بات معلوم کی جاتی ہے۔ قضیہ اور تصدیق میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ قضیہ ایک مرکب الفاظ (کلام) کو کہتے ہیں۔ جس کو کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہہ سکیں۔ جیسے کوئی شخص کھڑا ہے اور یہی صورت تصدیق کی بھی ہے جیسا کہ اس کی تعریف دو اقسام میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ البتہ تصدیق اپنے معنی و ضرورت اور مقام پر قائم ہے۔

قیاس کی اقسام

قیاس کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل قیاس استثنائی (شرط لیکن)، دوسرے اقترانی (شرط لیکن نہ ہو)۔ جاننا چاہئے کہ پھر ہر قیاس کی ایک صورت ہے اور ایک مادہ ہے۔ بہ اعتبار مادہ کے قیاس کی پانچ اقسام ہیں: (۱) قیاس برہانی (۲) متاجدی (۳) قیاس خطابی (۴) قیاس شعری (۵) قیاس سفسطی۔ پھر قیاس برہانی کے تحت اس کی چھ قسمیں ہیں: (۱) اولیات (۲) فطریات (۳) حدثیات

(۴) مشاہدات (۵) تجربات (۶) متواترات۔

ان تمام اقسام وصورتوں اور مادوں کی تشریح بوقت ضرورت اپنے مقام پر کریں گے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حکما نے مشاہدات و تجربات اور عقل وفطرت کو بھی قیاس کے تحت مقید کر دیا ہے۔ گویا یہ تمام بحث جو عقل و قیاس اور تجربات و مشاہدات کے تحت کی گئی ہے درحقیقت یہ سب قیاس کے متعلق ہیں۔ ان سب کی بحث بہت طویل ہے۔ البتہ ضرورت کے مطابق اپنے مقام پر ان کا ذکر کر دیا جائے گا۔ اس وقت یہی مفید اور لازم ہے۔

قیاس کی اہمیت

قیاس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگالیں کہ دُنیا میں ہر قسم کی تحقیقات میں اس کی ضرورت لازم ہے اور خاص طور پر تحقیقات الاشیاء میں اس کا درجہ بہت بلند ہے کیونکہ خواص الاشیاء ہمیشہ ہماری سابقہ معلومات کے تحت کسی موجودہ دوا کے ظاہری حالات اور صورتوں کے مطابق اندازہ لگانے سے ہی ہماری عقل اس امر کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ اس دوا میں بھی اس قسم کے افعال واثرات پائے جانے چاہئیں۔ پھر اس کے بعد اس کے مطابق تجربات کرتے ہیں اور تجربات کے وقت اس کی عملی صورت میں یہی وہ افعال واثرات اور خواص صحیح ثابت ہوں یا ان میں کمی بیشی ثابت اور ظاہر ہو جائے۔ بہر حال قیاس ہی ایک ایسی طاقت ہے جس نے تجربات اور معلومات کی طرف رہبری کی ہے۔

علامہ نفیس کی تشریح

قیاس کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے علامہ نفیس کی یہ تشریح قابل تعریف ہے کہ ''قیاس کے معنی یہ ہیں کہ دوا کی ظاہری حالت سے اس کے مخفی حالات پر استدلال پیش کیا جائے''۔

اس امر کے جواب میں کہ کون سی چیز انسان کو دوا کے تجربات کے لئے مائل کیا کرتی ہے، فرماتے ہیں کہ ''کسی دوا کے متعلق کوئی قیاس رہبری کرتا ہے اور انسان اس قیاس کی رہبری کی تصدیق کے لئے تجربہ کے ذریعے اس کی آزمائش کر لیتا ہے۔ مثلاً کسی دوا کے متعلق کسی وجہ سے یہ قیاس وخیال قائم کیا گیا ہے کہ یہ دوا گرم ہے۔ اس خیال کی تصدیق کے لئے جب تجربہ کیا گیا تو واقعی وہ دوا قیاس کے مطابق گرم ہوئی''۔ اشیاء کے افعال واثرات اور مزاج و دیگر خواص انسانی علم میں کیونکر آئے اس کے متعلق شیخ الرئیس اور دیگر متقدمین کی تصریحات یہ ہیں کہ ''اس قسم کی ساری باتیں محض قیاس اور تجربہ کی رہبری سے انسان کے ذخیرہ معلومات میں جمع ہوتی ہیں''۔

تجربات کے متعلق فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب اپنی موجودہ علمی تحقیقات (ماڈرن میڈیکل سائنس) کے پیش نظر اس پر امر پر فخر کرتی ہے کہ وہ تجرباتی ہے اور اس کے مقابلے میں قدیم علوم غیر تجرباتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ فرنگی طب کی ماڈرن سائنس کو تجربات کے حقیقت اور افعال کا علم نہیں ہے اور افسوس کہ ہمارے اطباء نے بھی سائنس کے جادو میں تجربات کی حقیقت کا صحیح علم نہیں ہے اور انہوں نے بھی سائنس کے جادو میں تجربات کی حقیقت اور افعال کو بھلا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تجربات بلکہ مشاہدات وغیرہ دیگر تجرباتی صورتیں سب قیاس کی اقسام در اقسام میں شریک ہیں اور ان کے نتائج بغیر قیاس کے تعین اور حاصل نہیں ہو سکتے۔ گویا قیاس کے بغیر ہمارا ہر تجربہ نامعقول ہے۔

علامہ نفیس تجربہ کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ ''کسی دوا کو بدن میں پہنچا کر اس کے اثرات کا امتحان کیا جائے''۔ یاد رکھیں کہ تجربات کا یہ امتحان بغیر قیاس کے متعین کئے افعال اور اثرات کے بغیر ناممکن ہے۔ کیونکہ جن مقاصد کے لئے تجربات حاصل کرتے ہیں ان کے لئے مقدار، خوراک و ماحول اور وقت و استحالہ کا تعین ضروری ہوتا ہے۔

قیاس کا عمل بالفعل

علامہ نفیس نے قیاس کے معنی اس طرح بتائے ہیں کہ ''قیاس دوا کے ظاہر حالات سے اس کے مخفی حالات پر استدلال کرتا ہے''۔

اسی طرح شیخ الرئیس نے القانون میں وضاحت کی ہے کہ ''گاہے قیاس کے قوانین و اصول ادویہ کے ان افعال و تاثرات سے اخذ کئے جاتے ہیں جو ہمیں پہلے سے معلوم ہیں۔ جن سے ہمیں بطریق استدلال و قیاس ادویہ کے نامعلوم تاثرات کے لئے نمایاں رہبری حاصل ہو جاتی ہے''۔

ان دونوں بیانوں کا مقصد یہ ہے کہ کسی دوا کی بعض خصوصیات اور صفات ہمیں معلوم ہیں۔ لیکن مکمل افعال و اثرات کا ہمیں علم نہیں ہے۔ بس اسی علم کو حاصل کرنے کے لئے قیاس ہماری مدد کرتا ہے۔ اس طرح ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارے سابقہ تجربات و مشاہدات اور معلومات کی دوا کے ظاہری حالات میں اس کے افعال و اثرات کی طرف عقلی راہ نمائی کرتے ہیں۔ پھر تجربات کی روشنی میں یہ استدلال عقلی خواہ قیاس کے مطابق ثابت ہوں یا ان میں کچھ کمی بیشی ظاہر ہو۔ اس صورت سے یہ نتیجہ نکلا کہ قیاس کی ہی روشنی میں تجربات مکمل ہو سکتے ہیں۔ گویا قیاس کو تجربات پر فوقیت حاصل ہے۔ یعنی اگر ہمارے پاس قیاسی علم نہیں ہے تو ہم تجربات کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور اس حیثیت سے بھی قیاس کو تجربات پر افضلیت حاصل ہے کہ بغیر قیاس کے ہم کسی غذا و دوا اور شے کو تجربہ نہیں کر سکتے۔ ممکن ہے کہ وہ ایک مہلک زہر ہو اور اس کا قرب ہی باعث موت بن سکتا ہے۔

قیاس کی تجربہ پر اہمیت

علامہ نفیس تجربہ کی اہمیت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تجربہ سے دوا کی تاثیر کا یقین حاصل ہو جاتا ہے اور قیاس سے یہ یقین حاصل نہیں ہوتا۔ اور قیاس میں اکثر غلطیاں بھی ہو جایا کرتی ہیں''۔ ماڈرن سائنس بھی تجربات اور قیاس کی یہی تعریف کرتی ہے۔ مگر اس تعریف سے قیاس کی اہمیت و افضلیت اور اوّلیت میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ بغیر قیاس کے تجربات بے معنی ہیں اور تجربات کو زیادہ سے زیادہ قیاس میں عقلی فیصلہ کا مقام دیا جا سکتا ہے یعنی جب قیاس معلومات اور استدلال میں تجربات کی علامات پر عقل فیصلہ کرتی ہے بس وہی تجربہ بن جاتا ہے۔ لیکن اگر تجربات کے سامنے غلط قیاس رکھے جائیں تو تجربات یقیناً غلط ہوں گے۔ اس سے ثابت ہے کہ تجربات تصدیقات بدیہی ہیں۔ مقصد یہ ہوا کہ قیاس کی بنیاد بھی دراصل سابقہ تجربات پر ہوا کرتی ہیں جو آئندہ نئے تجربات کے لئے راہنما بن جاتے ہیں اور یہی عمل نہ صرف تحقیقات بلکہ تہذیب و تمدن اور ثقافت کے لئے جاری رہتا ہے۔

ترتیب قیاسی مقدمات

جب ہم کسی نئی دوا کے افعال و اثرات معلوم کرنا چاہتے ہیں تو تین صورتیں ہمارے ذہن میں پیدا ہوتی ہیں:

① ہمارے سابقہ تجربات و مشاہدات اور معلومات۔

② کسی نئی شے کی خصوصیات اور صفات کو ہمارے گزشتہ تجربات و مشاہدات اور معلومات سے تطابق اور ہم آہنگی کا پیدا ہونا۔

④ حقیقت کو جاننے کے لئے تجربات کا فیصلہ حاصل کرنا۔

گویا تحقیقات کی حقیقت یہ ہے کہ ہم قیاس سے تجربات کی طرف آتے ہیں اور پھر انہی تجربات پر مزید قیاس کر کے تجربات سے حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں۔ دراصل تحقیقات کا یہی مقصد ہوا کرتا ہے۔ ان تحقیقات میں اس امر کو ضرور مدنظر رکھیں کہ انسان کے سابقہ تجربات و مشاہدات اور معلومات جس قدر وسیع ہوں گے اور ساتھ ہی حکم وحدث کی جس قدر طاقت زیادہ ہوگی اسی قدر نتائج اس کے مرتب ہوں گے اور تجربات بھی قابل اعتماد حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے تحقیقات و تجربات قابل اعتماد حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے تحقیقات و تجربات اور تصدیقات کے لئے صرف علماء اور حکماء کو ہی مقام حاصل ہے۔ اسی لئے علامہ نفیس نے لکھا ہے: ''تجربہ کا طریقہ اور عمل طبیب اور غیر طبیب دونوں کے لئے عام ہیں۔ برخلاف ازیں قیاس کا طریقہ صرف فاضل اطباء کے لئے مخصوص ہے''۔

قیاس کے مبادیات

قیاس میں جن پر استدلال سے بحث کی جاتی ہے وہ مبادیات درج ذیل ہیں جو موالید ثلاثہ کی کسی شے میں پائے جا سکتے ہیں۔ یہ زیادہ سے زیادہ پانچ ہیں:

① قوام ② استحالہ ③ رنگ ④ بو ⑤ مزہ۔ ان کے علاوہ وہم، ادراک، وجدان اور دینی معلومات کے ذریعے بھی قیاس و معلومات کا ایک سلسلہ جاری ہے۔

معیار استدلال

قیاس میں جن مبادیات سے استدلال کیا جاتا ہے اس کا معیار طب قدیم میں کیفیات میں مقرر کیا گیا ہے۔ جس سے مزاج و اخلاط اور درجات مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً طب قدیم میں ہر سرد شے جہاں جسم میں سردی تری کی کیفیات پیدا کرتی ہے وہاں پر یہ مولد بلغم بھی ہے۔ پھر جسم پر اس کا خاص قسم کا اثر ہے۔ اسی طرح جب کوئی شے جسم میں سردی خشکی پیدا کرتی ہے تو یہ بھی خاص قسم کا مزاج ہے جس کے ساتھ جسم میں سودا پیدا ہوتا ہے۔ ایسے ہی گرم تر اشیاء سے خون اور گرم خشک اشیاء سے صفرا پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ان کے معتدل اور ایک سے لے کر چار تک درجات ہیں۔ کسی شے میں سردی زیادہ اور تری کم ہوتی ہے۔ کسی میں سردی کم اور خشکی زیادہ ہوتی ہے۔ یہی صورتیں گرم اشیاء میں بھی پائی جاتی ہیں۔ انہی کیفیات، مزاج اور اخلاط سے یہی ادویات ایک طرف محرک اور مسکن اور محلل و قاتل وغیرہ افعال و اثرات جسم میں پیدا کر دیتی ہیں تو دوسری طرف ملین و مسہل اور حابس و قابض وغیرہ کی صورتیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ گویا بنیادی قیاس میں معیار استدلال کیفیات و مزاج اور اخلاط مقرر کیا گیا ہے۔ مثلاً چرپرہ مزاج جسم میں گرمی خشکی اور اخلاط میں صفرا پیدا کرتا ہے۔ پھر طب قدیم میں صفرا کے خواص و اثرات مقرر ہیں جو جسم انسان پر فعلی و کیمیائی طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہی صورت پیلے رنگ میں بھی ہے۔

بالخاصہ اثرات

طب قدیم میں باوجود کیفیات و مزاج اور اخلاط کے افعال و اثرات کے ایک صورت اثرات بالخاصہ کی بھی ہے۔ مثلاً ایک ہی کیفیات و مزاج اور اخلاط کی بعض اشیاء اپنے اندر اپنے مختلف اثرات بالخاصہ رکھتی ہیں۔ یہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ ان کے کیفیات و مزاج اور اخلاط کے توازن میں فرق ہوتا ہے جس کی دلیل ان کے قوام و استحالہ اور رنگ و بو میں نمایاں تبدیلی پائی جاتی ہے۔ لیکن اس

کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ بالخاصہ اثرات وافعال سے کیفیات ومزاج اوراخلاط کے تعین سے جواثرات وافعال جسم میں پیدااورظاہر ہوتے ہیں وہ بدل جاتے ہیں۔ایسا ہرگز نہیں ہے۔اس لئے صرف بالخاصہ اثرات وافعال جاننا کافی نہیں ہے، وہ کوئی معیار نہیں ہے،اس سے جسم کا علاج یقینی طور پر نہیں ہوسکتا۔یقینی علاج کے لئے بالخاصہ اثرات وافعال کے ساتھ شے کی کیفیت ومزاج اوراخلاط کا جاننا بے حد ضروری ہے۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب کی سب سے بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ ان کے ہاں اشیاء کی کیفیات ومزاج اوراخلاط کی کوئی صورت نہیں۔جس کے نتیجہ میں ان کے پاس کسی غذا، دوااور شے کا کوئی معیار نہیں ہے۔ان کے اثرات وافعال صرف بالخاصہ پائے جاتے ہیں۔چونکہ ایک ہی قسم کے بالخاصہ اثرات وافعال مختلف مزاج کی ادویات میں پائے جاتے ہیں جن سے ایک طرف یقینی علاج نہیں کیا جاسکتا، دوسری طرف بالخاصہ صورتوں کے درجات مقرر نہیں کئے جاسکتے۔مثلاً سوڈا بائی کارب، بادیان اورزنجبیل تینوں بالخاصہ دافع ریاح ہیں۔مگر کیفیات ومزاج اور اخلاط میں ان کے اندر غیر معمولی فرق پایا جاتا ہے۔

فرنگی طب اپنے علاج میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک وہ اپنے خواص الاشیاء میں کیفیات ومزاج اوراخلاط کو شامل نہ کرے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی بالخاصہ تجربہ شدہ ادویات ہر پانچ دس سال بعد بدل جاتی ہیں۔کیونکہ مزید تجربوں کے بعد وہ پہلی ادویات چھوڑ دیتے ہیں۔اگران کے علم الادویہ میں ہردوا کی کیفیات ومزاج اوراخلاط شامل ہوں تو پھران کے مزید تجربات کے بعد بھی پہلی ادویات شامل علاج رہیں اوراپنے اپنے مقام پروہ استعمال کی جاتی ہیں۔ان میں بالخاصہ مزاج کے ساتھ یہ خرابی بھی پیدا ہوگئی ہے کہ ادویات افعال واثرات صرف قتل جراثیم تک محدود ہوتی جارہی ہیں،ان کے علاج میں ناکامی کا یہی سب سے بڑا راز ہے۔

قیاس کی مبادیات پر تحقیقات

قیاس کے جن مبادیات پر تحقیقات اور بحث کی جاتی ہے ان کے متعلق ہم لکھ چکے ہیں کہ وہ پانچ ہیں:

① قوام ② استحالہ ③ رنگ ④ بو ⑤ مزہ۔

یہ پانچ مبادیات تو دوا کی ظاہرداری پر دلالت کرتی ہیں۔ان کے علاوہ تین استدلال اور بھی ہیں جو کسی نئی دوا کی تحقیقات میں بے حد ممد ومعاون ہوتے ہیں:

① وہم ووجدان ② ادراک ودینی معلومات ③ مشاہدہ وعمل۔

یہ تین استدلال ہمیں قیاس کے مبادیات کو یقین کے ساتھ تحقیقات کی طرف لاتے ہیں یا ان میں یقین پیدا کردیتے ہیں۔مثلاً رنگت پر ہی اگر غور کریں تو ہر صاحب علم اوراہل فن جانتا ہے کہ **فطری رنگ صرف تین ہیں: نیلا، پیلا اور سرخ۔** مگر دُنیا کی کسی شے میں یہ تینوں رنگ اپنی خالص صورت میں نہیں پائے جاتے ہیں۔ہرایک اپنی کمی بیشی کے لحاظ سے کسی دوسرے رنگ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جیسے کہیں بھی گرمی یا سردی بغیر تری یا خشکی کے نہیں پائی جاتی۔اسی طرح کبھی بھی یہ خالص حالت میں نہیں پائے جائیں گے کہ ہم نیلا پیلا اور سرخ کے لئے کوئی حد مقرر کرلیں۔اس لئے ان تینوں بنیادی رنگوں سے بے شمار رنگ پیدا ہوگئے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی رنگ ہمارے سامنے آئے گا تو ہم کو اس کی طرف یہ قیاس کرنا پڑے گا کہ اس میں نیلا پیلا اور سرخ

رنگ کس مقدار میں پائے جاتے ہیں اور پھران کی ترکیب ثانی سے جو صورتیں اور اثرات پیدا ہو جاتے ہیں، وہ کیا ہیں۔ مثلاً سبز رنگ جو نیلے اور پیلے کا مرکب ہے۔ اسی طرح نارنجی اور ارغوانی رنگوں پر بھی غور کرنا پڑے گا۔ اور پھران کے اثرات و افعال کا تعین عمل میں لایا جائے گا۔ اسی طرح باقی قیاس کے مبادیات پر بھی غور کیا جاسکتا ہے۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

قوام

قوام کے معنی ہیں کسی شے کے لطیف و بسیط اجزاء کا باہمی تعلق اور مضبوطی کا ہونا۔ یعنی اس کے اجزاء کی آپس میں اکٹھے رہنے کی صورت کیا ہے۔ اس کے لئے حکماء نے تین صورتیں بیان کی ہیں:

① تبخیری (گیس) ② سیال، مائع (لیکوئیڈ) ③ جامد، ٹھوس (سالڈ)۔

پھران تینوں کے اپنے بین بین کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً کسی تبخیر شے کا تعلق کس قدر سیال شے کے ساتھ ہے یا کس قدر تعلق جامد شے کے ساتھ ہے۔ اسی طرح سیال اور جامد کے تعلقات سے جو صورتیں پیدا ہوتی ہیں ان کی شکلیں بن جاتی ہیں۔ اگر ہم خالص تبخیر (جیسے پانی کے بخارات کا اٹھنا) اور خالص پانی (جو دیگر تمام اجزاء سے پاک ہو)، اسی طرح خالص جامد جیسے مٹی (جو دیگر تمام عناصر سے پاک ہو) جو عام طور پر عناصر کی ترکیب ثانی ہوتے ہیں، کے مزاج و خواص اور افعال و اثرات کو سمجھیں تو پھران کی ترکیب اولیٰ (ابتدائی ترکیب) اور ترکیب ثانی (ثانوی مرکبات) کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اس طرح ہم قوام کی ہر شکل کے خواص و فوائد اور اثرات و افعال کو اچھی طرح ذہن نشین کر سکتے ہیں۔

لزوجیت و دہنیت اور وزن

قوام میں تبخیر و سیال و جامد اشیاء کی صورتوں میں کمی بیشی سے جہاں پر ان کے وزن میں فرق پایا جاتا ہے، وہاں ان میں لزوجیت (لیسدار) اور دہنیت (روغن) بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ گویا وزن و لزوجیت اور دہنیت قوام کی مختلف شکلیں ہیں۔ جب ہم خالص وزن و لزوجیت اور دہنیت کے بھی مزاج و خواص اور افعال و اثرات مقرر کریں گے تو لامحالہ ہمارے سامنے قیاس کے مبادیات پہلی صورت کی ایک عملی زبان بن جائے گی۔ یعنی جہاں کہیں بھی ہم قوام کی مختلف صورتیں دیکھیں گے، وہاں پر اس کے مادی اثرات و افعال اور مزاج و خواص کی نفی کرنے کے بعد ہمارے سامنے قوام کی ہر صورت کے افعال و اثرات اور مزاج و خواص ہاتھ باندھے نظر آئیں گے اور ہم کو تحقیقات الاشیاء میں بے حد آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔ یہ سب کچھ قیاس کی برکتیں ہیں۔

مدارج قوام کی تحقیقات

قوام کے مختلف مدارج کی صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے حکماء نے ان کے لئے چند اصطلاحات مقرر کی ہیں۔ ہم ان کی تشریح و توضیح بیان کر کے ان کے افعال و اثرات اور مزاج و خواص بالمفرد اعضاء بیان کرتے ہیں تا کہ تحقیقات الاشیاء خصوصاً فوائد الادویہ سمجھنے میں سہولتیں پیدا ہو جائیں۔

قوام میں لطافت و کثافت اور غیر محلل

قوام کے لحاظ سے ہر شے تین حصوں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ (اوّل) لطافت- ایسی شے جو کسی محلول یا جسم انسان میں داخل کر دی

جائے اوراس سے متاثر ہونے کے فوراً بعد اپنا جسم چھوڑے اور باریک باریک اجزاء میں تقسیم ہو کر اس محلول میں حل ہونا شروع ہو جائے۔ اس لطافت کی وجہ اس کی حرارت ہے جو اپنی حدت سے فوراً منتشر کر دیتی ہے لیکن لطافت کا مفہوم اس طرح ذہن نشین نہیں ہوتا کیونکہ لطافت اور تحلیل میں کوئی قریب کی مناسبت نہیں ہے۔

لطافت کا صحیح تصور ہمیشہ کسی شے کی نزاکت اور خالص پن پر کیا جاتا ہے۔ نزاکت سے بھی مراد یہ ہے کہ وہ شے اپنی لطافت کی وجہ سے کثیف اور غیر اجزاء کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لئے کسی شے سے فوراً متاثر ہو کر ذرّہ ذرّہ اور پاش پاش ہو جاتی ہے یا الگ الگ ہو کر کسی شے میں جذب ہو جاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس کائنات اور زندگی کی ہر شے کی لطافت حرارت سے ہوتی ہے۔ جو شے بھی جس قدر حرارت سے دور ہوتی چلی جاتی ہے، اتنا ہی وہ کثیف ہوتی چلی جاتی ہے۔ چار ارکان میں ہم نے جو حرارت کو انتہائی لطیف سمجھ لیا ہے جو صرف رگڑ سے پیدا ہو جاتی ہے، جس کی شدت آگ پیدا کر دیتی ہے، اس کا مزاج ہم نے گرم خشک تسلیم کیا ہے۔ یعنی ایسی حرارت جس میں رطوبت کا شائبہ تک نہیں ہے۔ گویا یہ کیفیات کا اوّلین رکن ہے۔ پھر جس کسی رکن میں حرارت کا جزو جس حد تک داخل ہوگا اس میں لطافت پائی جائے گی اور رکن خالص کہلائے گا۔ کیونکہ حرارت اپنی شدت سے کثافت کو دھو دیتی ہے اور اس کو لطیف و نازک اور خالص بنا دیتی ہے۔

تبخیر کا خالص پن

تبخیر (گیس) ہوا کی صورت میں ایک خالص رکن اس وقت پیدا ہو سکتا ہے جب پانی سے پیدا کی جائے اور اس کا خالص پن بھی اس وقت تک رہ سکتا ہے جب تک اس میں گرمی کا اثر باقی ہے۔ سرد ہونے پر اس میں غیر لطیف اور ناخالص ہوا شامل ہو کر اس کو اپنی طاقت کے مطابق کثیف کر دیتی ہے۔ خالص پانی کے بخارات لطافت کی ایک بہترین مثال ہے۔ انہی بخارات یا ہوا کا اخراج گرم تر ہے۔ ہر قسم کی ہوا کو ہم گرم تر نہیں کہہ سکتے۔ جب ہوا میں گرمی ختم ہو جاتی ہے تو اس میں برودت کے ساتھ ساتھ کثافت بھی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے تو اس وقت ہوا پانی کی صورت میں قطرے بن کر ٹپک پڑتی ہے جس کو ہم شبنم، بارش اور اولوں (ژالہ) کا نام دیتے ہیں۔

سیال کا خالص پن

خالص سیال وہی ہو سکتا ہے جب خالص پانی کی تبخیر سے حاصل کر کے پھر اس کو گرم کیا جائے یا خالص ابلتے ہوئے پانی کے وہ قطرے جو شبنم کی طرح دیگچی کے ڈھکنے پر رک جاتے ہیں۔ جب اس قسم کے حاصل کئے ہوئے پانی کا درجہ حرارت اعتدال پر آتا ہے تو اس کو ہم خالص پانی کہتے ہیں۔ اس کا مزاج سرد تر ہے، جوں جوں اس میں سردی بڑھتی جاتی ہے اس میں دیگر عناصر بذریعہ ہوا شامل ہو کر اس کو ناخالص کر دیتے ہیں۔ گویا حرارت کا اعتدال پانی کے لطیف ہونے کی بہت حد تک ضمانت ہو سکتا ہے۔

جامد کا خالص پن

جب خالص پانی ایک عرصہ تک بوتل میں پڑا رہے تو اس کے نیچے کوئی شے بیٹھی ہوئی نظر آئے گی۔ یہ پانی کی بالکل ایسی ہی ثقالت اور کثافت ہے، جیسے ہوا میں سردی لگنے سے پانی کی شکل نمودار ہو جاتی ہے۔ یہی جامد کا خالص پن اور مٹی کی لطافت ہے۔ اس کا مزاج ہم سرد خشک رکھتے ہیں۔

لطافت کے افعال واثرات

ہر لطیف شے میں اپنی مناسبت سے حرارت ہوگی۔ اس کی حرارت کی وجہ سے اس شے میں ذیل کے خواص پیدا ہو جاتے ہیں:

① ہلکا پن ② خالص پن ③ جلد قابل حل۔

جب کوئی لطیف شے تحقیقات میں ہمارے سامنے آئے گی تو اس کے ساتھ ہی یہ تصورات بھی پیدا ہوں گے اور جب ہم کسی شے میں لطافت پیدا کریں گے تو اس کے ساتھ ہی تصورات ہمارے ذہن میں ہوتے ہیں۔

لطافت کے مدارج

مدارج کے لحاظ سے اگر لطافت کو دیکھا جائے تو ہر تبخیری وسیال اور جامد شے میں ایک بنیادی صورت کے ساتھ جیسا کہ ہم ان تین صورتوں میں بیان کر چکے ہیں ہر صورت میں حرارت کی کمی کے ساتھ ساتھ ان میں لطافت کی کمی پیدا ہو جائے گی۔ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں لطافت ہمیشہ حرارت کی دلیل ہے۔ بس یہی صورتیں ہر تبخیری وسیال اور جامد میں غور سے دیکھیں اور ان کا مزاج مقرر کر دیں۔ اطباء قدیم نے انتہائی لطافت آگ میں پیش کی ہے۔ کیونکہ وہ رگڑ سے پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے درمیان کوئی مادہ نہیں ہوتا۔ بس آگ انتہائی لطیف رکن ہے اور اس کی مناسبت سے حرارت انتہائی لطیف شے ہوئی۔ اسی تعلق سے جن اشیاء میں لطافت زیادہ ہوگی اس کو حار کا درجہ دیا جائے۔ یہی لطافت کی صحیح تشریح ہے۔

مثال

جب لطافت کے مدارج کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم کسی شے کا قوام یا وزن دیکھیں گے تو اس کی تبخیر وسیال اور جامد تینوں صورتیں ہمارے سامنے ہوں گی۔ یعنی تبخیری میں اس کے بخارات کس قسم کے ہیں، سیال میں انتہائی رقیق ہے یا لعابی ونیم سیال ہے۔ اسی طرح جامد میں انتہائی سخت ہے یا اس کے اجزاء آسانی سے جدا جدا ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح وزن کے لحاظ سے بھی جب ہم ایک دوا کا رنگ و بو اور مزاد یکھنے کے بعد جب وزن دیکھیں گے، اگر یہ معلوم ہوا کہ جو قوام ووزن قیاس کے مطابق نہیں ہے تو پھر اس کی لطافت ہی اس قیاس کے لئے ایک راہ نمائی کا باعث بن جاتی ہے۔

کثافت

دوسری کثافت کا تصور لطافت کے بالکل برعکس ہے۔ یعنی ایسی شے جو کسی محلول یا جسم انسانی میں داخل کر دی جائے، تو اس سے متاثر ہونے کے فوراً بعد اپنا جسم نہ چھوڑے اور نہ ہی اپنے اجزاء کو چھوڑ کر محلول یا جسم میں حل ہونا شروع ہو جائے۔ گویا اس کی حرارت میں اس قدر کمی ہے کہ وہ اس کو جلد تحلیل نہیں کر سکی۔ گویا کثیف شے بطی التاثیر ہے اور لطیف شے سریع التاثیر ہے اور مناسبت سے سریع الہضم غذاؤں کو غذائے لطیف اور دیر ہضم غذاؤں کو غذائے کثیف کہتے ہیں۔ اسی طرح جو اشیاء فضاء میں فوراً تحلیل ہو جاتی ہیں وہ لطیف ہیں جیسے عطر اور دیگر بوئیں وغیرہ اور جو اشیاء فضاء میں تحلیل نہیں ہو سکتیں وہ کثیف ہیں، جیسے تیل وغیرہ۔ یا ایک کثافت کے معنی غلیظ شے ہیں جو لطافت رقیق کے مقابلے میں ہوتی ہے یا ایک کثیف (بوجھل) شے کا لطیف (ہلکی) سے اندازہ کر سکتے ہیں گویا ہر فوراً تحلیل ہونے والی اور اثر کرنے والی رقیق شے لطیف ہوگی اور اس کے برعکس جو شے فوراً تحلیل نہ ہو اور نہ ہی فوراً اثر کرے بلکہ ثقیل ہو وہ کثیف شے ہوگی۔ اس طرح کسی شے کے قوام کو سمجھا جا سکتا ہے۔

اسی طرح دوا کی لطافت اور کثافت کو کسی شے پر لگا کر بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ مثلاً وہ اس میں فوراً نفوذ کر جائے یا جسم پر لگا کر یا مالش کر کے بھی اس کے اثرات کو معلوم کیا جا سکتا ہے۔ لطیف شے نہ صرف جسم میں فوراً جذب ہو جاتی ہے بلکہ اس مقام کو گرم کر دیتی ہے اور وہاں پر دورانِ خون تیز ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں کثیف اشیاء میں یہ اثرات نہیں پائے جاتے۔ بلکہ بعض کثیف اشیاء جسم پر نہ اثر کرتی ہیں، نہ کیفیت پیدا کرتی ہیں۔ باقی رہے ان کے خواص، تو ان کے متعلق قیاس سے معلوم کرتے ہیں کہ ان کا اثر اعصاب پر ہے یا عضلات و غدد پر ہوتا ہے۔

معتدل

(تیسرے) ایسی اشیاء قوام کے لحاظ سے تو لطیف یا کثیف ہوتی ہیں لیکن جب وہ کسی محلول یا دیگر شے یا جسم میں داخل ہوتی ہیں تو اپنے خاص اثرات کے تحت اس کو فوراً متاثر کر دیتی ہیں اور پھر اس کا ایک معتدل قوام بنا دیتی ہیں۔ جیسے جب ترش یا کھاری اشیاء ملتی ہیں تو اوّل ان میں ایک جوش پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ دونوں یک جان ہو جاتی ہیں۔ دوسری مثال جب کوئی ایک شے دوسری شے کے ساتھ ملے تو اس کو آگ لگا دے، جیسے سمندر جھاگ پر اگر لیموں نچوڑ دیا جائے تو اس جگہ آگ سی لگ جاتی ہے۔

تیسری مثال: جب دو ایسی اشیاء آپس میں ملیں تو وہ ایک دوسری کو تحلیل کر کے محلول بنا دیں۔ جیسے نیلا تھوتھا کو سوڈیم فاسفیٹ یا اس طرح کے کسی مرکب سے ملا کر رگڑا جائے تو دونوں باہم محلول ہو جائیں۔

چوتھی مثال: جب کسی بدبودار یا متعفن شے پر کوئی شے ڈالی جائے تو اس کی بدبو اور تعفن فوراً دور ہو جائے، وغیرہ وغیرہ۔

قوام کے مدارج

انہی لطیف و کثیف اور معتدل اشیاء میں مختلف مدارج پائے جاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ہمیں مختلف صورت و شکل کی اشیاء نظر آتی ہیں۔ جیسے: ① جامد ② نیم جامد ③ لیسدار ④ بھربھری ⑤ لعابدار ⑥ روغنی ⑦ بہنے والی، وغیرہ۔

(۱) جامد: ایسی شے جس کے اجزا باہم اکٹھے ہوں اور وہ سیال کی طرح بہنے والی نہ ہو۔ اس میں پتھر اور دھات سے لے کر موم اور گوند تک سب شمار ہوتے ہیں۔ ان میں ہر شے لطافت، کثافت اور معتدل اثرات کی وجہ سے ان کے وزن میں ہلکا اور بھاری پن پیدا ہو جاتا ہے جو ان کے مزاج پر دلالت کرتے ہیں۔

(۲) نیم جامد: ایسی اشیاء جن کے اجزا باہم اکٹھے ہوں مگر آسانی سے الگ ہو سکیں۔ جیسے سلاجیت اور رب وغیرہ۔

(۳) لیسدار: ایسی اشیاء جن کے اجزا آپس میں ایسے ملے ہوئے ہوں جن کو اگر جدا کیا جائے تو وہ پھیل جائیں اور باہم آپس میں جڑے رہیں۔ جیسے گندہ بیروزہ اور شہد وغیرہ جن کو لزج کہتے ہیں۔

(۴) بھربھری: ایسی اشیاء جن کے اجزاء آپس میں اس طرح جڑے ہوں کہ اگر ان پر ذرا سا دباؤ ڈالا جائے تو وہ چھوٹے چھوٹے اجزاء میں ریزہ ریزہ ہو جائے۔ جیسے سقمونیا اور مصبر وغیرہ۔ ان کو ہش کہتے ہیں۔

(۵) لعابدار: ایسی اشیاء جن کے اجزاء باہم ایسے ملے ہوئے ہوں کہ جب ان کو پانی میں ڈالا جائے تو وہ آپس میں جدا ہو کر پانی میں مل جائیں اور اس میں لعاب پیدا کر دیں۔ جیسے گوند اور خطمی وغیرہ۔

(۶) روغنی: ایسی اشیاء جن کے اجزاء آپس میں ایسے ملیں کہ ان میں دہنیت پیدا کر دیں۔ ایسی اشیاء چربی سے لے کر بہنے والے تیلوں

تک پائی جاتی ہیں۔

(۷) **بہنے والی**: ایسی اشیاء جن کے اجزاء باہم ملے ہوئے تو ہوں مگر جامد نہ ہوں اور آسانی سے الگ ہو جائیں اور پھر آسانی سے مل بھی سکیں اور وہ ہر شکل قبول کر لیں۔ جیسے پانی اور دیگر بہنے والی اشیاء۔

اشیاء میں وزن کی کمی بیشی

تحقیقات و تجربات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ جن اشیاء میں حرارت کی زیادتی پائی جاتی ہے ان میں گندھک اور فاسفورس کے اجزاء زیادہ پائے جاتے ہیں۔ ایسی اشیاء وزن میں ہلکی ہوتی ہیں۔ ان کے مقابلے میں جن اشیاء میں مٹی اور چونے کے اجزا زیادہ شامل ہوں ان میں حرارت کی کمی ہوتی ہے۔ اس لئے ان میں وزن زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پتھریلی اور معدنی اشیاء زیادہ وزنی ہوتی ہیں۔ جیسے سونا، چاندی، پارہ، تانبا، لوہا، سکہ، جست، قلعی، شنگرف، ہڑتال، سم الفار، پتھر کا کوئلہ، دیگر ہر قسم کے حجریات اور جواہرات جن کے اندر بھی چونا زیادہ ہے وہ تمام وزنی ہیں۔ یہاں تک کہ معدنی سیال اشیاء بھی وزنی ہوتی ہیں۔ البتہ جن میں گندھک زیادہ شامل ہوتی ہے وہ ہلکی ہو جاتی ہیں۔

استحالہ

قوام کے بعد خواص الاشیاء کی تحقیق کے لئے دوسری راہ نما حقیقت استحالہ ہے۔ اس کا استدلال بھی قوام کی طرح بے حد حقیقت افزا ہے اور ہمیں بہت حد تک حقیقت کے قریب کر دیتا ہے۔ افسوس کہ جب فن میں نشوو ارتقا رک جاتی ہے اور انحطاط اور گمراہی پیدا ہو جاتی ہے تو صاحب علم و اہل فن کی اکثریت علم و فن میں تحقیق و ترقی چھوڑ کر مجربات کی تلاش اور مجربات فروشی اپنا کمال زندگی سمجھ لیتے ہیں۔

تعریف استحالہ

کسی شے کا ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونا کیمیا کی اصطلاح میں دو یا دو سے زائد اشیاء کو جب آپس میں ترتیب دیا جائے یا ملایا جائے تو ایک نئی صورت اختیار کر کے اور ایک مختلف شے پیدا ہو جائے جس کا تعلق مناسبت ظاہر میں اپنی پہلی صورت میں قائم نہ رہے، بلکہ حقیقی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ کسی شے کے استحالہ سے مراد بھی یہی ہے کہ گرمی و روشنی، ہوا اور پانی یا دو یا زائد چیزوں کو ملانے اور رگڑنے سے اس شے کی ظاہری و باطنی حالت میں تبدیلیاں واقع ہو جائیں۔

ظاہری و حقیقی تبدیلی

کسی شے کی ظاہری تبدیلی کا مقصد یہ ہے کہ اس کے قوام و مزہ اور رنگ و بو میں تبدیلی پیدا ہو جائے۔ لیکن وہ شے اپنی حقیقت پر قائم رہے۔ اسی طرح کسی شے کی حقیقی تبدیلی کا مقصد یہ ہے کہ اس شے کی ماہیت اور عناصر میں تبدیلی پیدا ہو جائے، اس کو ذہن نشین رکھیں۔ قوام و مزہ اور رنگ و بو میں تبدیلی سے ضروری نہیں کہ اس شے کی ماہیت اور عناصر بھی بدل گئے ہیں۔ البتہ اگر یہ چاروں صفات تبدیل ہونے کے ساتھ کسی دوسری شے میں مماثلت پیدا کر لیں تو اس کی ماہیت اور عناصر میں تبدیلی ممکن ہو سکتی ہے لیکن اگر ان چاروں میں سے ایک صفت بھی کم ہو تو ماہیت و عناصر میں مکمل تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ البتہ وہ شے بن سکتی ہے۔ اس لئے کسی شے کی ماہیت کو ذہن نشین

کرنے کے لئے اس کے عناصر جاننا انتہائی اہم ہے اور ان کی تبدیلی ہی اصل تبدیلی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیتل باوجود ظاہری رنگ وقوام کے سونا نہیں بن سکتا اور پارہ قوام کی کمی کی وجہ سے چاندی نہیں کہلاتی۔ سونے اور پارہ میں قوام و وزن میں انیس بیس کی کمی سے پارہ سونا نہیں بن سکا۔ یہی صورتیں دیگر اشیاء میں پائی جاتی ہیں۔

عناصر و ماہیت

کیمیا کی اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ کسی شے کے عناصر ہی کی ترتیب سے اس کی ماہیت و کیفیت اور جسم بنتا ہے۔ ظاہر طور پر کیفیت وجسم بھی بدلے جاسکتے ہیں لیکن عناصر کی مکمل تبدیلی کے بغیر ماہیت بالکل نہیں بدل سکتی۔ کسی شے کے خواص بالخاصہ کا تعلق اسی ماہیت کے ساتھ ہے۔ ماہیت کے جسم و کیفیت میں قوام ومزہ اور رنگ و بو کی تبدیلیوں سے اس کے بعض اثرات وافعال میں تبدیلی پیدا ہوسکتی ہے مگر ماہیت کے خواص بالخاصہ قائم رہتے ہیں۔

استحالہ پر استدلال

کسی شے کی تبدیلی ظاہری صورت میں جامد ومحلول اور بخارات یا اس شے کے جل اُٹھنے کی صورت میں ہوتی ہے یا اس کے برعکس بخارات ومحلول اور جامد کی شکل میں ہوگی۔ اوّل صورت کی تبدیلی بغیر حرارت کے ممکن نہیں ہے چاہے وہ حرارت آگ ودھوپ کی ہو یا بجلی یا کسی شے کے اثر کا نتیجہ ہو۔ ہر حال میں حرارت لازمی ہے۔ دوسری صورت میں حرارت کی نفی اور کمی ضروری ہے۔ اس حقیقت سے یہ استدلال بے معنی ہے کہ ہر استحالہ کے لئے حرارت ضروری ہے جو ہر شے کے استحالہ میں حسب ضرورت پائی جائے گی۔ اس طرح کے استحالہ کو تحلیل کہتے ہیں۔

قیاس استحالہ

تحلیل کے استدلال کو سمجھ لینے کے بعد استحالہ کے قیاس کو اس طرح ذہن نشین کریں کہ استحالہ میں صرف تحلیل نہیں ہے بلکہ قوام و مزہ اور رنگ و بو بلکہ دوا کی ماہیت میں کلی یا جزوی طور پر تبدیلی ضرور واقع ہوگی۔ یہ تبدیلی بھی حرارت یا عدم حرارت یا اس کی کمی بیشی کے ساتھ ہوگی۔ مگر اس میں یہ امر لازم ہے کہ اس کے عناصر میں ضرور کمی بیشی پائی جائے گی اور اسی کی مناسبت سے ہم ان اشیاء کو جن میں آگ اور حرارت کا عنصر زیادہ ہوگا۔ وہ اس پر استدلال کرے گا اور یہی صورت عناصر کی بھی ہوگی۔ اسی قیاس کے زیر اثر جب تجربہ کیا جائے گا تو ان اشیاء میں حرارت کے اثرات زیادہ نمایاں ہوں گے۔ یا وہ جلد تحلیل وتبدیل ہوجائے گی یا جلد بھڑک اُٹھے گی جیسے کہ گندھک اور تیل وغیرہ اور جلد تحلیل ہوجاتی ہیں جیسے نمکیات اور شکر کے اقسام وغیرہ۔

اس قیاس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ کون سی شے اپنے اندر حرارت کی زیادتی رکھنے سے جلد اور شدت سے بھڑک اٹھتی ہے یا تحلیل ہوسکتی ہے اور کونسی شے کی حرارت سے جلنے یا تحلیل ہونے میں دیر اور سستی سے عمل میں آتی ہے۔ اسی حرارت کی زیادتی کو یا کمی یا عدم حرارت کو جسم انسان کے اندر بھی اسی تناسب سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اس تناسب کو سمجھنے کے بعد مختلف اشیاء کے اثرات کے اندازے مقرر کئے جاسکتے ہیں۔ استحالہ کے ساتھ ہی جب اشیاء کی مقدار اور حجم، لطافت وکثافت اور تخلل وتکاثف کو بھی مدنظر رکھا جائے اور قوام ومزہ اور رنگ و بو بھی نظر انداز نہ کیا جائے تو حرارت عناصر اور ماہیت شے کی صحیح صورت کا بہت اچھی طرح تعین کیا جاسکتا ہے۔

حرارت غریزی اور استحالہ حرارت

اس امر سے انکار نہیں ہے کہ حرارت غریزی عام حرارت سے ایک مختلف قسم کی حرارت ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ حرارت عمومی ہر حیثیت سے حرارت غریزی میں تیزی اور معاون کا باعث بن جاتی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ حرارت عمومی کا یہ تعاون حرارت غریزی میں استحالہ کی صورت میں اضافہ کا باعث ہو سکتا ہے تو یہ عمل تحویل کچھ سمجھ میں آ تا ہے۔ اگر حرارت کو رطوبت کا مظہر تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ لازماً ماننا پڑے گا کہ وہ اپنے عمل اور تعاون میں مشترک ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح حرارت غریزی کی پورے طور پر مدد کی جا سکتی ہے اور انسان ڈکشنری میں داخل ہونے کے لئے اپنے لئے ایک راستہ پا سکتا ہے اور کثافتوں کو دور کر سکتا ہے۔

استحالہ اور کیمیا

استحالہ کا کمال یہ ہے کہ ہر شے کے متعلق یہ پورا علم ہونا چاہئے کہ دو یا دو سے زائد اشیاء کو آپس میں ترتیب دیا جائے یا ملایا جائے ان میں ایسی تبدیلی پیدا ہو کہ وہ ایک نئی صورت اختیار کر لیں اور ایک نئی شے پیدا ہو جائے جس کا تعلق اور مناسبت ظاہر میں پہلی صورت سے قائم نہ رہے بلکہ حقیقت میں تبدیلی واقع ہو جائے۔ یعنی ان کے عناصر اور ماہیت میں بھی تبدیلی واقع ہو جائے۔ جیسے ادنیٰ دھات سے اعلیٰ دھات کا بنانا اور کشتہ جات میں کسی ایک شے کے اثرات کو دوسری میں منتقل کرنا۔ اشیاء کے بخارات اڑا کر ان کی جوہروں میں تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ درحقیقت کسی شے کے استحالہ سے مراد بھی یہی ہے کہ گرمی و روشنی، ہوا و پانی یا دو یا دو سے زائد اشیاء کو ملانے اور رگڑنے سے کسی شے کی ظاہری اور باطنی ماہیت و سالت اور صورت میں تبدیلیاں واقع ہو جائیں۔

رنگت سے قیاس

تحقیقات علم الادویہ میں قیاس کے لئے تیسری صورت رنگ ہے۔ یعنی اگر کوئی نامعلوم الخواص دوا سامنے لائی جائے جس کی مخصوص رنگت کو دیکھ کر قیاس کیا جائے کہ اس کا مخصوص رنگ فلاں معلوم الخواص دوا کی رنگت سے ملتا جلتا ہے شاید اس کے خواص بھی اسی معلوم الخواص دوا کے مطابق ہوں۔

طب قدیم میں قیاس رنگت

طب قدیم میں رنگ سے استدلال پیش کرنا تمام قیاسات میں کمزور تصور کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں قرشی فرماتے ہیں: ''قیاس سے دوا کی قوتیں اور ان کی تاثیرات چند طریق پر معلوم ہوتی ہیں۔ ان تمام باتوں میں سے سب سے زیادہ اور کمزور قیاس وہ ہے جو دوا کی رنگت سے کیا جاتا ہے''۔ اس پر ملا نفیس صاحب فرماتے ہیں: ''کیونکہ ہر ایک میں مختلف اور متضاد افعال و آثار کی دوائیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً چونا، فلفل سفید، خربق سفید (سفید کنکی) یہ سب چیزیں باوجود سفید ہونے کے گرم ہیں۔ اسی طرح کافور، صندل سفید، سفیدہ، یہ سب چیزیں سفید ہونے کے ساتھ سرد ہیں۔ فلفل کی دونوں قسمیں گرم ہیں مگر ایک کا رنگ سیاہ ہے اور دوسری کا سفید۔ اور صندل کی دونوں قسمیں سرد ہیں مگر ایک کا رنگ سیاہ ہے اور دوسرے کا رنگ سفید۔ رنگت کے قیاس کے ضعف کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ آنکھوں میں صرف اجسام کی بیرونی اور غالب رنگتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ اندرونی چھپی ہوئی رنگتوں تک اس کی رسائی ہی نہیں ہوتی۔

فرنگی طب میں قیاس رنگت

فرنگی طب میں اوّل تو قیاس کو دخل ہی نہیں ہے۔ وہاں صرف تجربات پر یقین کیا جاتا ہے اور ان تجربات کے تحت جو انسان پر حالت صحت یا حالت مرض میں کئے جاتے ہیں، تین باتیں مدنظر رکھی جاتی ہیں: ① ادویہ کا اعضاء کے افعال پر اثر ② ادویات سے خون کے کیمیائی عناصر میں کمی بیشی ③ ادویہ سے دافع جراثیم اور دافع زہر اثرات۔ لیکن وہ رنگت کو اپنے تجربات میں داخل نہیں کرتی۔ مگر اس امر کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ طب قدیم صرف قیاس کو یقین درجہ نہیں دیتی۔ البتہ قیاس کو تجربات کی بنیاد اور اساس ضرور بناتی ہے اور یقین اس وقت کرتی ہے جب وہ دوا تجربات پر صحیح اُترتی ہے۔

مزاج اور رنگت

طب قدیم میں رنگت سے مزاج کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ یہی اس کا قیاس ہے۔ پھر اس کے تحت اس دوا کے جسم انسانی میں افعال و اثرات اور خواص و فوائد بالاعضاء اور بالاخلاط معلوم کئے جاتے ہیں۔ جیسے علامہ قرشی لکھتے ہیں: ''لیکن دوا کی رنگت سے اس کے آثار پر استدلال لانے کی صورت یہ ہے کہ سردی سے جسم رطب (تری) سفید ہو جاتا ہے اور خشک جسم سیاہ ہو جاتا ہے''۔

اس پر علامہ نفیس فرماتے ہیں ''جسم رطب کے سفید ہونے کی صورت یہ ہے کہ سردی سے اس کے اجزاء کثیف ہو کر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ جس سے اس کے درمیان کشائش، رخنے اور فضائیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ ہوا سے بھر جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ جب کسی جسم کے اجزاء سکڑیں گے تو یقیناً یہ جز دوسرے جز سے الگ ہو جانے پر مجبور ہوگا اور جس جز سے سکڑ کر الگ ہوگا اس کے درمیان رخنہ ضرور پیدا ہوگا۔ اس طرح ان اجزاء کے درمیان رخنہ ضرور پیدا ہوگا۔ اس طرح ان اجزاء کے درمیان سطحیں بکثرت حاصل ہو جائیں گی اور جو روشنی ان اجزاء میں داخل ہوگی اس کا عکس ایک سے دوسرے پر ضرور پڑے گا جیسا کہ برف اور شبنم میں دیکھا جاتا ہے اور خشک جسم کو سیاہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ سردی سے اس کے اجزا سمٹ کر سکڑتے ہیں اور ان کی فضاؤں میں جو ہوا اور روشنی ہوتی ہے وہ سکڑنے کی وجہ سے خارج ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ درخت کے پتوں اور کاشت وغیرہ میں ہو جاتا ہے۔

گرمی کا فعل اس بارے میں بالکل برعکس ہے۔ یعنی وہ جسم رطب کو سیاہ کر دیتی ہے اور جسم یابس کو سفید۔ اس کی صورت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ حرارت سے جسم رطب کے تر اور شفاف اجزا اڑ جاتے ہیں جن میں روشنی سیدھی یا ترچھی نفوذ کر سکتی ہے اور جس سے جسم میں سفیدی پیدا ہو سکتی ہے۔ جب یہ اجزاء اُڑ جاتے ہیں تو صرف کثیف اجزائے ارضیہ باقی رہ جاتے ہیں جن میں روشنی نفوذ نہیں کر سکتی۔ اس لئے یہ جسم سیاہ ہو جاتا ہے۔ لیکن جب خشک جسم پر حرارت اثر کرتی ہے تو رطوبت کے زائل ہو جانے کی وجہ سے اس کے اجزاء ٹوٹ جاتے ہیں اور ان کے درمیان فضائیں اور کشائشیں پیدا ہو جاتی ہیں جن کے اندر ہوا سما جاتی ہے اور ہوا کی وجہ سے ان میں روشنی نفوذ کرنے لگتی ہے جس کا عکس ایک جز سے دوسرے جز پر پڑتا ہے اور جسم میں سفیدی پیدا ہو جاتی ہے''۔

جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی حقیقت سے انکار نہیں۔ غور کرنے پر اس میں بہت سے اسرار و رموز حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ صرف سفید اور سیاہ رنگ کے متعلق بیان کیا گیا ہے اور صرف سردی، گرمی اور تری و خشکی کے کیفیاتی اثرات لکھے گئے ہیں اور مرکب مزاجوں کو بیان نہیں کیا گیا۔ یہ بھی جاننا چاہئے کہ سفیدی اور سیاہی کے درمیان اور بھی بہت سے رنگ ہیں جو مرکب مزاجوں سے پیدا ہوتے ہیں۔

رنگوں کی زبان

جاننا چاہئے کہ رنگوں کی ایک اپنی زبان ہے جب تک اس پر عبور نہ ہو تو اس وقت تک ان کو دیکھ کر کسی دوا، غذا اور شے پر نہ کوئی حکم لگایا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان کے افعال و اثرات اور خواص و فوائد کے متعلق قیاس کیا جاسکتا ہے۔ رنگوں کی زبان بھی بے حد دلچسپ ہے، ایک طرف تو کسی دوا و غذا کی طرف قیاس کیا جاتا ہے، دوسری طرف مریض کے جسم و شکل اور بول و براز کی رنگت کو دیکھ کر اس کی تشخیص آسانی کے ساتھ کی جاسکتی ہے۔ اس زبان کو جاننا ہر حکیم کے لئے از حد ضروری ہے۔

اصل رنگ تین ہیں

ویسے ہمیں بے شمار رنگ نظر آتے ہیں اور ہر شے مختلف رنگوں سے رنگین نظر آتی ہے۔ انسان حیران ہوتا ہے کہ قدرت نے اس کائنات اور زندگی کو فطرت کے کیسے کیسے رنگوں سے رنگا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کل رنگ صرف تین ہیں اور باقی یہ ہزاروں رنگ جو نظر آتے ہیں انہی تین رنگوں کی جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم ہیں۔ یہ تین رنگ نیلا، پیلا اور سرخ ہیں۔

تین رنگوں کے امتزاج سے سات رنگ

جب ان تین رنگوں کو اس طرح ساتھ ساتھ رکھا جائے کہ اگر ان میں روشنی ڈالی جائے تو ان کی شعائیں ایک دوسرے رنگ پر پڑیں تو ان میں اور رنگ پیدا ہو جائیں گے اور وہ تعداد میں سات معلوم ہوں گے۔ اس کا تجربہ منشور شیشہ سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ جب منشور شیشہ کو دھوپ کے سامنے کیا جائے تو اس کے سرے پر سات رنگ ساتھ ساتھ نظر آئیں گے۔

اسی طرح تجربہ، بارش کے بعد آسمان پر دیکھنے سے کیا جاسکتا ہے جہاں قوس قزح اپنے سات ملے ہوئے رنگوں میں نظر آئے گی۔ اسی طرح ایک قطرہ پانی کو احتیاط سے سورج کی شعاعوں کے سامنے کیا جائے تو وہاں بھی سات رنگ آسانی سے دیکھے جاسکتے ہیں جو بنفشی، سرخ، نارنجی، پیلا، سبز، نیلا اور آسمانی ہیں۔

سفید اور سیاہ رنگ

سفید رنگ کوئی نہیں ہے بلکہ انہی سات رنگوں کے صحیح تناسب سے پیدا ہو جاتا ہے۔ گویا سات رنگوں کا امتزاجی مجموعہ ہے یا یوں سمجھ لیں کہ ساتوں رنگ ایک انداز کے ساتھ اس سفید رنگ سے پیدا ہوئے۔ اگر سفید رنگ کو نور کہا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ سات رنگ اس نورِ واحدانیت کی شعاعوں کا سایہ ہیں۔ لیبارٹری میں بھی یہ تجربات کئے گئے ہیں۔ یعنی اگر متناسب سات رنگوں کے شیشوں کو آگے پیچھے رکھ کر روشنی ڈالی جائے تو دوسری طرف دیوار پر سفید رنگ نظر آتا ہے اور اگر ایک شیشہ بھی نکال دیا جائے تو پھر دیوار پر سفید کی بجائے کوئی اور رنگ ہوگا۔ سیاہ رنگ بھی سات رنگوں کا مجموعہ ہے لیکن اس میں کوئی انداز اور تناسب نہ ہونے کی وجہ سے وہ سیاہ ہو گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ سفید اور سیاہ دونوں رنگ صحیح معنوں میں حق و باطل پر دلالت کرتے ہیں۔

رنگوں کے اثرات

سفیدی جو نور کا رنگ ہے سات رنگوں کا مجموعہ ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے اس کے بعد جو رنگ ہم کو نظر آتا ہے وہ آسمانی رنگ ہے۔ آسمانی وسعتوں کے ساتھ اس کی کثرت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے کبھی

سمندری سفر کیا ہو۔ جہاں اوپر آسمان اور نیچے پانی میں ہر طرف یہی رنگ نظر آتا ہے۔ اسی طرح اگر گرتی ہوئی بارش کی طرف دیکھا جائے تو اس کا رنگ بھی آسمانی ہی نظر آتا ہے۔

آسمانی رنگ کی حقیقت

دراصل آسمان کا رنگ آسمانی نہیں بلکہ اس کی وسعت نے اس کا یہ رنگ پیدا کر دیا ہے۔ دوسرے زمین سے جو ابخرات و دھواں اور دیگر گرد و غبار آسمان کی طرف چڑھتے ہیں وہ سفیدی یا سایہ بن جاتے ہیں اور اس میں یہ آسمانی رنگ پیدا ہو جاتا ہے جیسے سمندر کا رنگ ہے۔ جن لوگوں کو سمندر دیکھنے کا تجربہ ہوا ہے وہ اس کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یعنی جب سمندر کی طرف دیکھا جائے تو اس کا رنگ نیلا آسمانی نظر آتا ہے لیکن جب اس کے پانی کو ہاتھ یا کسی برتن میں بھرا جائے تو بالکل سفید نظر آتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ سمندر کے پانی کا اصل رنگ یہ نہیں ہے بلکہ یہ اس کی وسعت کا رنگ ہے۔ اصل میں سطحی نگاہ کے لئے یہ ایک خوبصورت دھوکا ہے۔ یہی قیاس آسمان کی وسعتوں پر بھی کیا جا سکتا ہے۔ آسمان کو قرآن حکیم نے دخان لکھا ہے۔ دھوئیں کا رنگ بھی آسمانی ہے۔ گویا یہ گرد و غبار اور دھواں و ابخرات ہی ہیں جو آسمان کی طرح نظر آتے ہیں اور بادلوں کے آنے جانے اور کمی بیشی کے باعث بارش کے ہونے اور نہ ہونے سے اس کا پورا اندازہ ہوتا رہتا ہے۔

آسمان کیا ہے؟

آسمان کے اس دخانی تصور کے بعد اگر اس پر غور کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایثر ہے۔ یعنی ایسا غیر جامد سیاہی مائل مادہ جس میں انتہائی نورانی لطافت اور بے تکلف حرکت ہے جو اس دُنیا کے ہر جسم سے بے تکلف گزر جاتا ہے۔ جیسے قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

﴿ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ﴾

''یا بارش جو آسمان سے ہوتی ہے جس میں سیاہی (کڑک اور بجلی) ہے''۔

ایثر (ایتھر) کی لطافت کا اندازہ ایکس ریز کی لطافت سے لگالیں کہ ایثر کی شعاعیں اس کی شعاعوں سے بھی لطیف ہوتی ہی۔ ایثر میں ذاتی حرکت اس کے نورانی (برقی) اثرات کی وجہ سے ہے۔ جیسے سمندر کے پانی میں اس کی ذاتی حرکت اس کے نورانی (برقی) اثرات کی وجہ سے ہے۔ اب سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ پانی جو ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مرکب ہے اس میں زبردست برقی قوت ہے اور ہائیڈروجن بم اسی سے بنا ہے۔ اگر ان حقائق کو مدنظر رکھا جائے اور قرآن حکیم کی اس حقیقت پر غور کیا جائے کہ عرش پانی پر ہے تو بہت سے لطیف حقائق ذہن پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہم نے یہ سب کچھ اس لئے بیان کیا ہے کہ یہ بات سمجھ لی جائے کہ پانی کا ہر قطرہ اپنے اندر کس قدر قوت رکھتا ہے اور آئندہ اس میں کیا غیر معمولی تغیرات ہوتے ہیں۔

آسمانی رنگ کے اثرات

کیفیت و مزاج اور ذائقہ میں معتدل پانی کے متعلق طب قدیم نے اس کو سرد تر اور بے ذائقہ کہا ہے اور تقریباً یہی اثرات ماڈرن سائنس بھی تسلیم کرتی ہے۔ جہاں تک مزاجاً سرد تر ہونے کا تعلق ہے اس کا وہ اظہار الکلی (کھار) سے کرتی ہے یعنی اس میں تیزابیت (Acidity) نہیں ہے۔ یہاں پر یہ حقیقت ذہن نشین کر لیں کہ کھار کی یہ خاصیت ہے کہ اندرونی اور بیرونی طور پر جب اس کا کسی قسم کا جسم پر اثر ہوتا ہے وہاں پر رطوبت و تری پیدا کر دیتی ہے اور رطوبت و تری کا خاصہ ہے کہ وہ سردی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ کھار کی دوسری بڑی

خاصیت یہ ہے کہ وہ ترشی اور تیزابیت کو معتدل اور تحلیل کرتی ہے۔ انگریزی میں اس کو نیوٹرل کہتے ہیں۔ کھار کا تیسرا اثر اعصاب کو تحریک دینا ہے۔ جس کے ساتھ غدد میں تحلیل اور عضلات میں سکون پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی نظریہ کے تحت تپ دق وسل (ٹی بی) کا وہ اکسیر نسخہ تیار کیا گیا ہے جس میں شدید کھار ''آک'' کو شامل کیا گیا ہے۔

پانی اور کھار

دریاؤں اور بڑی نہروں کے کنارے عام طور پر زمین شور ہوتی ہے، یا شور مادہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب پانی زمین کو اندر کی طرف سے یا باہر کی طرف سے اثر کرتا ہے تو اس مٹی میں خمیر پیدا ہو کر یہ شور پیدا ہو جاتا ہے، یہ شور مٹی یا اس سے تیار کیا ہوا شورہ قلمی اپنے اندر کھاری شدہ اثرات رکھتے ہیں۔ ظاہر میں تو ان کا رنگ سفید معلوم ہوتا ہے لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو سفیدی میں ہلکی آسمانی جھلک پائی جاتی ہے۔ یہی آسمانی جھلک پانی کی گہرائی میں نظر آتی ہے اور اس کو سفیدی سے جدا کرتی ہے۔ لیکن شدید قسم کی کھاروں کا رنگ گہرا آسمانی یا سیاہی مائل ہوتا ہے۔ جیسے کھار بجی وغیرہ۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ کھار یا کھارے اور آسمانی رنگ کی ادویات رطوبت اور تری پیدا کرتی ہیں اور رطوبت کی زیادتی سردی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ مثلاً ہر قسم کی راکھ (پوٹاس)، شورہ قلمی اور سہاگہ وغیرہ۔

آسمانی رنگ میں وسعت

آسمانی رنگ کو اگر وسعت دے دی جائے تو یہ نیلے اور سیاہ رنگ تک چلا جاتا ہے۔ لیکن اس نیلے اور سیاہ رنگ میں ہر صورت سفیدی نمایاں ہوگی اور اپنے افعال و اثرات کے لئے وہ انہی خواص اور فوائد پر دلالت کرے گا۔ گویا آسمانی و نیلا اور سیاہی مائل رنگ، سکون کی طرف دلالت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ ان رنگوں کے کپڑے یا چشمے استعمال کرتے ہیں وہ سکون کے طلب گار ہیں۔ یہاں یہ حقیقت ذہن نشین کر لیں جو لوگ ہر وقت اور ہر روز ہر گھڑی اپنے ماحول میں یہ رنگ استعمال کرتے ہیں جیسے کمرے میں یہی رنگ و روغن اسی رنگ کے پردے اور میچنگ کے لئے بستر کی چادریں، تکیہ کے غلاف اور میز پوش اور قالین وغیرہ تو تھوڑے عرصہ میں ان کے جسم اور مزاج میں رطوبت اور برودت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کے ہاضمے خراب، زکام کی عادت اور پیشاب میں زیادتی شروع ہو جاتی ہے۔ اور تھوڑے عرصہ کے بعد ان پر ملیریا جیسا اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں میں اگر یہ علامات پیدا ہو جائیں تو فوراً اس رنگ کو اس کے اگلے رنگ میں تبدیل کر لینا چاہئے۔

رنگوں میں نشو و ارتقاء

رنگ دراصل تین ہیں، جیسا کہ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن میری تحقیق یہ ہے کہ یہ تینوں رنگ الگ الگ ابتدائی رنگ نہیں ہیں، بلکہ تینوں نشو و ارتقاء سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسا کہ آسمانی رنگ پانی میں گہرائی یا ہلکے خمیر سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح جب آسمانی اور نیلے رنگ میں خمیر پیدا ہوتا ہے اور اس میں کچھ تیزی اور ترشی بڑھتی ہے اور رنگ میں نیلا رنگ سرخی مائل ہونا شروع ہو جاتا ہے جیسے جامن رنگ، کاسنی رنگ، ارغوانی رنگ، فاختائی رنگ اور نسواری رنگ وغیرہ۔ اس رنگ کو کھار اور ترشی میں معتدل سمجھا جا سکتا ہے۔ البتہ اس رنگ میں نیلاہٹ اور سرخی جو بھی زائد ہو تو اس کو زیادتی سمجھنی چاہئے تا کہ اشیاء کے مزاج اور درجے قائم کرنے میں سہولت پیدا ہو جائے اس کے تقریباً معتدل رنگ کو ارغوانی کہا جاتا ہے۔ اس کے اثرات و افعال میں رطوبات میں جو ترشی پیدا ہو جاتی ہے، وہ اس میں خشکی پیدا کرنا شروع کر دیتی ہے۔ گویا کھار پن میں معتدل پن پیدا ہونے کے ساتھ اس میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح اس کا اثر اعصابی تحریک سے بدل کر

عضلاتی تحریک کی طرف آجاتا ہے، البتہ رطوبت کی پیدائش ختم نہیں ہوتی جو اس کے نیلے پن کا اثر اور خاصہ ہے۔ اس طرح جسم میں سردی تری کے مزاج کی بجائے سردی خشکی پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی مشینی و فعلی طور پر عضلات میں تحریک اور مادہ میں جلد خشکی پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے اور کیمیائی طور پر جسم میں رطوبت بھی رہتی ہے اور کچھ کچھ اس کی پیدائش بھی رہتی ہے۔

سرخ رنگ کی حقیقت

تین مستقل رنگوں میں دوسرا رنگ سرخ ہے جو نیلے رنگ کی ترقی یافتہ صورت ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نیلا رنگ دراصل سفید رنگ، جو نور کا رنگ ہے (حقیقت میں سفیدی کو رنگ کہنا مناسب نہیں ہے یہ صرف مجازاً کہا جاتا ہے۔ نور ہر رنگ سے آزاد ہے۔) اس کی منفی صورت ہے۔ یعنی جب نیلے رنگ کی کسی شے میں خمیر پیدا ہوتا ہے تو اس میں سرخی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی ابتدائی تبدیلی ارغوانی و کاسنی اور فاختائی رنگ ہیں۔

جس طرح نور ظاہرہ ہر رنگ سے خالی ہے، اسی طرح وہ ہر قسم کے ذائقے اور بو سے خالی ہے۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ نیلے رنگ کا مزاج سردتر ہے اور ذائقے میں کھاری ہے۔ جب اس رنگ کی کسی شئے میں خمیر پیدا ہوتا ہے تو اس میں ترشی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی رنگت نیلے پن سے سرخی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

یہ امر یاد رکھیں کہ ہمیشہ خمیر سے ترشی پیدا ہو جاتی ہے اور خمیر بغیر حرارت کے کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ حرارت کبھی باہر سے اثر کرتی ہے اور کبھی اس شے کے اندر ہی سے فساد یا تعفن پیدا ہو جاتا ہے جو حرارت کا کام کرتا ہے۔

سرخ رنگ کی وسعت

آسمانی اور نیلے رنگ کے بعد زندگی اور کائنات ہر طرح کسی شکل وصورت میں کمی بیشی کے ساتھ اصل حالت میں یا مرکب صورت میں سرخ رنگ نظر آتا ہے۔ قوس قزح کا تو یہ جز ہے لیکن شفق کی سرخی صبح وشام آسمان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ پودوں اور درختوں کی لکڑی میں سرخی کے ساتھ ان کے پھولوں میں سرخی۔ مختلف علاقوں میں جہاں پر ایک خاص انداز کی آب وہوا ہوتی ہے وہاں کی زمین اور مٹی سرخ رنگ قبول کر لیتی ہے۔ بعض علاقوں کے انسان شکلاً سرخ رنگ کے ہیں اور سرخ کہلاتے ہیں جیسے ریڈ انڈین جو امریکہ کے اصلی اور قدیم باشندے ہیں۔ اسی طرح کیڑے مکوڑوں اور سانپ بچھوؤں سے لے کر حیوانات و درندوں اور چرندوں و پرندوں میں سرخ رنگ نمایاں نظر آتا ہے اور ان سب میں مزاجاً مماثلت پائی جاتی ہے۔ یعنی ان کے مزاج میں بڑی تیزی، ترشی، حیوانیت اور وحشت کا غلبہ ہوتا ہے۔ مثلاً چیل سے لے کر شاہباز تک، سرخ چیونٹیوں سے لے کر سرخ سانپ اور بچھو تک۔ اسی طرح لومڑ سے لے کر بھیڑیے اور سرخ ریچھ تک اپنے اندر ایک خاص خصلت رکھتے ہیں۔ یہی صورت ہمیں سبزیوں، اناجوں اور پھلوں پھولوں میں نظر آتی ہے۔ مثلاً سبزیوں میں ٹماٹر، چقندر، اناجوں میں مکی اور سرخ گندم، پھلوں میں کھجور و مالٹا اور سرخ انار، پھولوں میں گلاب، گل انار وغیرہ اپنے اندر حسن وخوبصورتی کے ساتھ تیزی وترشی رکھتے ہیں۔ اسی مناسبت کو سامنے رکھیں اور دیکھیں کہ سرخ رنگ کے آم اور خربوزے کبھی میٹھے نہیں ہوتے، ترش ہوتے ہیں۔ کھجور بھی سرخ رنگ کی خشک اور پھیکی ہوتی ہے۔

جن لوگوں کو ان باتوں میں غور وفکر کا شوق ہے وہ ہر شے کا ذرا ذرا فرق سمجھ لیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر شے خود بولتی ہے کہ اس میں فلاں خواص اور فوائد ہیں۔ البتہ ان کی زبان سمجھنا شرط ہے۔

سرخی کیا ہے؟

اگر کسی سرخ رنگ کی شے کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں ترشی، تیزی، خشکی وقوت کی کیفیات اثرات اور افعال پائے جائیں گے اور جن اشیاء میں سرخی پائی جاتی ہے عناصر کے لحاظ سے ان میں فولاد زیادہ پایا جاتا ہے اور فولاد حقیقت میں مٹی کی ترقی یافتہ صورت ہے جو پتھر یا چونے سے ترقی کر کے مناسب حرارت اور مدت کے بعد لوہے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ انسانی ہڈیوں میں جو گودا ہوتا ہے اس کا فعل بھی یہ ہے کہ وہ انسان کی ضرورت کے لئے فولاد تیار کرتا رہتا ہے جو خون میں شامل ہو کر اس کو سرخی بخشتا ہے۔

عنصری شکل میں یہی سرخی محلول کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو ہمیں خون کی شکل میں نظر آتی ہے جو کم وبیش دُنیا کے ہر جاندار کے نہ صرف بدن میں دوڑتا ہے بلکہ اس کی غذا بنتا ہے یعنی ایک طرف یہ سرخ رنگ فولاد کی عنصری قوت میں جمادات اور نباتات میں پایا جاتا ہے، دوسری طرف حیوانی زندگی میں اسرار حیات بن جاتا ہے۔ سرخ شے کی اہمیت کو اس طرح سمجھ لیں کہ نور نے اگر کائنات کو آسمانی رنگ دیا ہے تو زندگی کو سرخ رنگ سے حیات بخشی ہے۔ گویا قوت کے ساتھ زندگی سرخ رنگ پر قائم کی گئی ہے۔

خون کا جب تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں جب اچھی حالت ہوتی ہے تو کثرت سے سرخ ذرّات کے ساتھ اس میں ریاح (گیسز) اور حرارت (ہیٹ) پائی جاتی ہے۔ ان گیسز میں ایک گیس آکسیجن (نسیم) بھی ہوتی ہے جس کے افعال واثرات میں حرارت کو دخل زیادہ ہے۔ خون میں اس سرخ مادے کی خاصیت یہ ہے کہ پھیپھڑوں کے کے ذریعے اس کو جذب کرتی رہتی ہے جو جسم کی تعمیر میں خرچ ہوتی ہے اور اس کے خرچ ہونے یا جل جانے کے بعد جسم میں کاربن (دخان) کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ گویا آکسیجن وکاربن اور سرخی کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور ہر جگہ یہ تینوں چیزیں دیگر عناصر کے ساتھ اکٹھی نظر آتی ہیں۔ چونکہ ہوا زندگی کا ایک انتہائی اہم جز ہے۔ اس لیے یہ تینوں چیزیں اس میں کثرت سے نظر آتی ہیں۔ بلکہ ماڈرن سائنس کے ماہرین نے صاف ہوا کو سرخ رنگ سے ظاہر کیا ہے۔ گویا پانی کو قدرت نے اگر نیلے رنگ کی علامت بخشی ہے تو ہوا کو سرخ رنگ کی علامت دے دی ہے۔ اگرچہ ہوا کا دائرہ پانی سے زیادہ وسیع ہے اور پانی کی پیدائش کو ہوا کے بعد تسلیم کیا گیا ہے لیکن سرخ رنگ کی پیدائش نیلے رنگ سے عمل میں آتی ہے۔

جس طرح کسی مقام کی حرارت کے ایک خاص تناسب سے وہاں کی مٹی سرخ ہو جاتی ہے، اسی طرح جب مٹی کی اینٹوں کو آگ کے ایک خاص تناسب سے پکایا جائے تو اس کا رنگ بھی سرخ ہو جاتا ہے، اگر اینٹ زیادہ پختہ ہو جائے تو اس میں زردی یا سیاہی اور بعض دفعہ چمک بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی چمک نے انسان کو اینٹ سے شیشہ بنانے کی طرف راہبری کی ہے۔ ان امور اور حقائق سے ثابت ہوا کہ نیلے رنگ کے بعد زیادہ سرخ رنگ پایا جاتا ہے۔

سرخ رنگ کے اثرات

سرخ زمین کے رہنے والے انسانوں کے مزاج میں جس طرح سرخ رنگ کے اثرات غالب ہوتے ہیں اسی طرح جن اعضاء کی غذا خون کی سرخی ہے، ان کے مزاج اور بناوٹ میں سرخی غالب ہے۔ جیسے قلب اور عضلات (گوشت) کا رنگ سرخ ہے۔ جو قومیں گوشت کھاتی ہیں ان پر اس کا زبردست اثر ہوتا ہے۔ اس لئے مسلسل گوشت کھانے کی مناہی آئی ہے۔ البتہ گوشت کو سید الطعام کہا گیا ہے۔ اس لئے اسلام میں حرام گوشت کے کھانے سے انسان کو منع کیا گیا ہے کیونکہ اس میں خمیر اور تعفن پیدا ہو چکا ہوتا ہے اور وہ باعث فساد ہے۔ کثرت سے گوشت کھانے سے جسم میں تیزابیت بڑھ جاتی ہے، گردے سکڑ جاتے ہیں، خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے، فالج ہو جاتا ہے، دیگر

رنگوں کی طرح سرخ رنگ بھی اندرونی اور بیرونی دونوں صورتوں میں زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ سرخ رنگ کے دیکھنے سے مسرت ولذت اور قوت وجذبہ میں شدت پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خوشی کے لئے سرخ رنگ مقرر کیا گیا ہے۔ دلہنوں کے رخساروں اور ہونٹوں کو سرخی سے سجایا جاتا ہے۔ ہاتھوں پر مہندی لگائی جاتی ہے۔ سرخ جوڑا پہنایا جاتا ہے۔ اس سے جہاں ایک طرف مسرت اور جذبہ میں شدت کا اظہار ہے وہاں دوسری طرف دلہا اور دلہن کی لذت وقوت میں بیداری ہے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ جو لوگ سرخ رنگ دِل سے زیادہ پسند کرتے یا استعمال کرتے ہیں ان میں جہاں لذت ومسرت کا جذبہ شدید ہوتا ہے وہاں پر ان میں قوت وخواہشات کی طلب زیادہ ہوتی ہے۔ اگر اس میں ضرورت سے زیادہ زیادتی پیدا ہو جائے تو اس رنگ کی طلب ختم ہو جاتی ہے۔ یہ جذبات تشخیص میں نمایاں مدد کرتے ہیں۔

گوشت کے بعد انسان جس سرخ رنگ کی شے کو زیادہ کھاتا ہے وہ مرچیں ہیں جن میں سرخی کی تمام خصوصیات پورے جوبن کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔ عرب ممالک میں مرچوں کے مقابل کھجوریں یا اس سے بنے ہوئے کھانے کھائے جاتے ہیں جو مرچوں کی نسبت زیادہ مقوی ہوتے ہیں۔ یہی حال ان ادویات کا ہے جن کا رنگ سرخ ہے اور جن کی فہرست بہت طویل ہے۔

زرد رنگ کی حقیقت

نیلے اور سرخ رنگوں کی حقیقت ہم بیان کر چکے ہیں۔ تیسرا رنگ زرد ہے۔ جس طرح سرخ رنگ کو ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ نیلے رنگ کی ترقی یافتہ صورت ہے بالکل اسی طرح زرد رنگ بھی سرخ رنگ کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ گویا زرد رنگ دراصل سرخ رنگ سے بالکل ایسے ہی پیدا ہوتا ہے جیسے سرخ رنگ کائنات میں نیلے رنگ سے پیدا ہوتا ہے۔ جب یہ تینوں دو دو رنگ دو دو کی صورت میں ملتے ہیں تو سات رنگ بن جاتے ہیں۔ جن کے باہم حقیقی اتصال سے پھر سفید رنگ پیدا ہو جاتا ہے جو نور کا رنگ ہے۔

جس طرح نیلے رنگ میں خمیر پیدا ہو کر سرخ رنگ بن جاتا ہے بالکل اسی طرح جب سرخ رنگ میں خمیر پیدا ہوتا ہے تو اس میں سرخی ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے اور زرد رنگ نمودار ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ **نیلے رنگ کا مزاج سرد تر اور ذائقہ کھاری ہے، اور سرخ رنگ کا مزاج سرد خشک اور ذائقہ ترش ہوتا ہے۔ اور زرد رنگ کا مزاج گرم خشک ہے اور ذائقہ خام حالت میں تلخ اور پختگی میں شیریں ہوتا ہے۔**

یاد رکھیں کہ ایک رنگ جب دوسرے میں تبدیل ہوتا ہے تو اس میں پہلے خمیر پیدا ہوتا ہے۔ یہ بغیر حرارت کے کبھی پیدا نہیں ہوتا۔ کبھی بیرونی حرارت اثر کرتی ہے اور کبھی اندرونی مواد میں ہی فساد و تعفن پیدا ہو کر حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور رنگت میں تبدیلی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

زرد رنگ کی وسعت

کائنات میں نیلا رنگ بہت زیادہ پایا جاتا ہے کیونکہ پانی کا رنگ نیلا ہے اور یہی زمین وآسمان میں پھیلا ہوا ہے۔ چونکہ دُنیا میں پانی کی وسعت زیادہ ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اس لئے نیلے رنگ کی کثرت ہے۔ نیلے رنگ کے بعد سرخ رنگ کی کثرت ہے جو اُفق کی سرخی اور قوس قزح کے بعد سورج کی حدت سے موالید ثلاثہ میں نظر آتا ہے۔ خاص طور پر پھلوں، پھولوں اور درخت پودوں میں زیادہ نظر آتا ہے۔ چونکہ سرخ رنگ زندگی کا اہم جزو ہے، اس لئے انسان، حیوان، چرند اور پرند کے خون کا رنگ بھی سرخ بنایا گیا ہے۔ اس

لئے سرخ رنگ طاقت اور خوشی کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے ہوا کا رنگ سرخ تسلیم کیا گیا ہے۔ یہی خون میں سرخی قائم رکھتی ہے زرد رنگ کائنات میں نیلے اور سرخ رنگ سے بہت کم ہے۔ زرد رنگ زیادہ تر اس وقت نظر آتا ہے جب سورج شفق سے باہر اُفق پر جھانکتا ہے یا کسی جگہ پر آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہوں۔ یہی آگ ہم گھروں میں بھی دیکھتے ہیں، ہم اس کی حرارت وحدت اور سوزش سے خوب واقف ہیں۔ اسی رنگ کی مناسبت سے ہم جب کسی زرد شے کو دیکھتے ہیں تو اس میں یہی حرارت وحدت اور سوزش کا تصور فوراً ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً تخم سرخ مرچ، ادرک اور ہلدی وغیرہ۔

اسی طرح بعض اقسام کی مٹی کو زرد دیکھتے ہیں جیسے پیلی مٹی یا گاچنی مٹی کہتے ہیں۔ جس زمین پر مٹی پیدا ہوتی ہے یقیناً وہاں پر سخت گرمی ہوتی ہے۔ اسی لئے ایسے ملک میں بھی جہاں کے باشندے زرد رنگ کے ہوتے ہیں، جیسے چین کے لوگ اور ان سے کم عرب کے لوگ۔ پاکستان میں ملتان، بہاولپور اور ڈیرہ غازی خان، ڈیرہ اسماعیل خان تک اکثریت زرد رنگ کے لوگوں کی ہے۔ درختوں کے خشک ہونے کے بعد ان میں زردی پیدا ہو جاتی ہے۔ لکڑی جس قدر زیادہ خشک ہوتی ہے اسی قدر تیزی سے جلتی ہے۔ یہ حرارت کی علامت ہے۔ گرم درختوں کے پھول زرد رنگ کے ہوتے ہیں، جیسے آم اور کھجور اور جب کسی درخت کے پھل پختہ ہو جاتے ہیں تو وہ زرد رنگ قبول کر لیتے ہیں۔ جیسے کھجور، انگور، آم، امرود، انار، ناگ پوری سنگترہ، سیب اور کیلا وغیرہ۔

ان پھلوں کے خام اور پختہ میں خواص کے مطابق وہی فرق ہے جو ان کے رنگ میں ہے۔ جو تربوز اور خربوزہ باہر سے مناسب زرد ہو وہ شیریں ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح جانوروں میں بھیڑ بکری سے لے کر گائے اور بھینس کے گھی اور چربی کو دیکھ لیں، مزاج کا نمایاں اثر ہوتا ہے۔ پرندوں میں مرغیوں کے رنگ سے لے کر تیتر اور بٹیر تک اور ان کے انڈوں کی زردی خاص طور پر حرارت پر دلالت کرتی ہے۔ درندوں میں چیتا، شیر اور بھورا ریچھ اپنے اندر حرارت اور حدت کی انتہا رکھتے ہیں۔ یہی اثر کم وبیش موالید ثلاثہ خصوصاً انسان میں پایا جاتا ہے۔ جب انسان کے خون کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو اس میں صفرا زردی اور بائل کا ایک خاص تناسب ہوتا ہے۔ اور اسی کو حرارت اور حدت پر خون کا مزاج قائم ہے۔ جب اس میں کمی بیشی پیدا ہوتی ہے تو امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

صفرا کا تعلق جگر کے ساتھ ہے۔ جگر ہی اس کو تیار کرتا ہے اور خون سے جدا کر کے خارج کرتا رہتا ہے۔ صفرا کا مزاج طب یونانی میں گرم خشک تسلیم کیا گیا ہے، آیورویدک اس کو ''پت'' کہتے ہیں جو سخت چنچل کہا جاتا ہے۔ دونوں طریق علاج طب یونانی اور آیورویدک کے ساتھ ماڈرن سائنس بھی تسلیم کرتی ہے کہ صفرا کی زیادتی خون میں رقت پیدا کرتی ہے۔ آنتوں میں گر کر وہاں دافع تعفن اور قبض رفع کرتا ہے اور بعض گرم اعضاء کی غذا ہے۔ گویا یہ سب کچھ زردی کے کارنامے ہیں جس طرح سفید اور نیلا رنگ دماغ اور اعصاب کے ساتھ مخصوص ہے اور ہوا کے ساتھ گہرا تعلق آگ کے ساتھ ہے۔ جس طرح آگ و ہوا اور پانی کے اعتدال کے ساتھ فضا میں لطافت رہتی ہے اسی طرح جسم انسان میں آگ و ہوا اور پانی کے اعتدال پر رہنے سے صحت قائم رہتی ہے۔ دوسرے معنوں میں اعضاء اپنے افعال صحیح طور پر انجام دیتے ہیں۔ اس طرح ثابت ہو گیا کہ صحت کو قائم رکھنے کے لئے انسان کے مزاج یا اس کے اعضاء کے افعال کو اعتدال پر رکھنا نہایت ضروری ہے۔

زردی کیا ہے؟

اگر کسی زرد رنگ کی شے کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں گندھک کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ گندھک ایک ایسی شے ہے جس کی نشوو ارتقاء مٹی اور پتھر سے کانوں کے اندر ہوتی ہے۔ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ گندھک مٹی اور پتھر کی انتہائی ترقی یافتہ صورت ہے۔ اس کے

بعد ان کی ترقی ختم ہو جاتی ہے اور وہ پھر دھاتوں کے بنانے میں مدد کرتی ہے۔ اسی طرح سونا بھی دھاتوں میں انتہائی ترقی یافتہ صورت شمار کیا جاتا ہے۔ اس لئے باقی دھاتیں جو روزمرہ استعمال کی جاتی ہیں سونے سے کم قیمت، کم مفید اور کم مضبوط خیال کی جاتی ہیں۔ فوائد کے لحاظ سے سونا تو انسانی جسم کے لئے انتہائی طاقتور چیز تسلیم کیا گیا ہے اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کو زنگ نہیں لگتا اور اس کی باریک سے باریک تار بن جاتی ہے۔ سونے کے علاوہ گندھک کے اجزاء ہڑتال، شنگرف اور پارے میں پائے جاتے ہیں۔ زرد رنگ کا سنکھیا بھی اگر دستیاب ہو سکے تو اس میں بھی گندھک کے اثرات داخل ہیں۔ ماڈرن کیمسٹری نے بھی زرد رنگ کے چند مفرد اجزاء و عناصر اور الکلائیڈ تحقیقات کئے ہیں۔ جن میں آیوڈم، آرسنک آیوڈائیڈ، آیوڈم اور آیوڈوفارم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آج کل فرنگی طب میں گندھک سے تیار شدہ ادویہ کا رواج بڑھ گیا ہے جس کو سلفاڈرگز کہتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ اندھا دھند استعمال کرتے ہیں ان کی حقیقت اور مرکبات کے اثرات و افعال اور خواص و فوائد سے پورے طور پر واقف نہیں ہیں۔ ان سے روزانہ ہزاروں موتیں واقع ہو رہی ہیں۔ یہ انتہائی مہلک اور خطرناک مرکبات ہیں۔ تحریک تجدید طب کا کوئی ممبر اس کو ہاتھ لگانے کی جرأت نہ کرے، یہ سب زہر ہیں ان میں سوائے نقصان کے کوئی شفا نہیں ہے۔

زرد رنگ کے اثرات

سرخ رنگ اگر جسم میں طاقت اور جذبات پیدا کرتا ہے تو زرد رنگ اس میں تیزی پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن یہ تیزی اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک زرد رنگ کی مقدار سرخ رنگ کی مقدار سے کم ہو۔ اگر زرد رنگ کی مقدار بڑھتی جائے گی تو طاقت اور جذبات میں کمی ہوتی جائے گی اور جسم میں حرارت اور حدت کی زیادتی سے تحلیل کا عمل شروع ہو جائے گا۔ گویا زرد رنگ جسم اور فضا میں اپنی حرارت اور حدت سے تحلیل پیدا کرتا ہے۔ خاص طور پر اس تحلیل کا اثر عضلات و قلب اور ریاحی و خاکی مادوں پر اثر انداز ہوتا ہے اس لئے زرد رنگ کی ادویات و اغذیہ ایسی صورت میں استعمال کی جاتی ہیں جب جسم میں ریاحی و خاکی مادے زیادہ ہوں یا سوزش و ورم کی صورت ہو۔ جو سب تحلیل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ خون میں جب صفرا (بائل) بڑھ جاتا ہے تو ضعف قلب و جسم پیدا ہو جاتا ہے اور موت ہارٹ فیل سے واقع ہوتی ہے۔

زرد رنگ چونکہ قوت و جذبات اور سوزش و تیز حرکات کو کم کرنے والا ہے، اس لئے خدا پرست اور صوفی لوگ اس رنگ کے کپڑے اکثر استعمال کرتے ہیں تا کہ ان کے جذبات اور خواہشات فنا ہو جائیں۔ وارثی صوفی اور بدھ مت کا تو یہ ایک خاص لباس ہے۔ لیکن مسلمانوں بالخصوص ترکوں نے دین و دُنیا کو اعتدال پر رکھنے کے لئے سبز رنگ کو اپنا رنگ تسلیم کیا ہے کیونکہ سبز رنگ مجموعہ ہے زرد اور نیلے رنگ کا۔ یہ درست ہے لیکن ہم کسی رنگ کو مذہب اور عقیدے کی علامت تو بنا سکتے ہیں مگر انفرادی طور پر کسی رنگ کو مستقل طور پر استعمال نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس طرح جسم پر نقصان دہ اثرات پیدا ہوتے ہیں۔

بُو سے قیاس

تحقیقات علم الادویہ میں قیاس کے لئے چوتھی صورت بو (رائحہ) ہے، یعنی اگر کوئی نامعلوم الخواص دوا سامنے لائی جائے جس کی مخصوص بو محسوس کر کے اس کی خاص قسم کی بو کا تعین کیا جا سکے یا اس کی مخصوص بو کسی معلوم الخواص دوا کی بو سے ملتی جلتی ہونے کی وجہ سے باقی

تمام قیاسات کے ساتھ اس دوا کے اثرات مقرر کرنے میں سہولت ہو۔اس سے تجربات دوا میں نقصان نہیں ہوتا۔

شیخ الرئیس بوعلی سینا فرماتے ہیں کہ دوا کی ''بو'' سے بھی ادویات کے آثار پر استدلال پیش کیا جاتا ہے اور یہ استدلال بمقابلہ رنگت کے زیادہ قوی ہے۔

اس کی تشریح علامہ نفیس اس طرح کرتے ہیں کہ ''بواس وقت محسوس ہوتی ہے جب کہ بودار جسم کے لطیف اجزا سے بخارات اُٹھ کر قوت شامہ تک پہنچتے ہیں اور اس کے کثیف اجزا بخارات کی شکل میں تبدیل ہوتے ہیں اور نہ اوپر چڑھتے ہیں''۔

غرض بو میں چونکہ دوا کا جز کچھ نہ کچھ ضرور حس تک پہنچتا ہے۔اس لئے بمقابلہ رنگ کے زیادہ قوی دلیل یہ ہوسکتی ہے، کیونکہ رنگت کے ادراک میں رنگ دار جسم کا کوئی حصہ قوت باصرہ تک نہیں پہنچتا ہے اور چونکہ بودار جسم کے سارے اجزا حس تک نہیں پہنچتے اس لئے بمقابلہ مزے کے ضعف دلیل ہے۔کیونکہ مزہ چکھنے کی صورت میں دوا کے ہر قسم کے اجزاء زبان تک پہنچتے ہیں۔یہ بات یاد رہے کہ ''بو'' میں خوشبو اور بدبو دونوں شریک ہیں۔

بُو کی تعریف

شیخ الرئیس بوعلی سینا بُو کی تعریف اس طرح کرتے ہیں ''تیز بو حرارت کی دلیل ہے اور بھینی بھینی بو جو نفس اور روح کے لئے تسکین بخش ہوتی ہے، برودت کی علامت ہے۔اسی طرح بو کا نہ ہونا بھی سردی ہی کی علامت سمجھی جاتی ہے''۔

اس کی تشریح علامہ نفیس اس طرح کرتے ہیں'' کیونکہ بو کا ادراک احساس بھاپ کی مانند لطیف جوہر کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے جو بدبودار جسم سے اڑ کر قوت شامہ تک پہنچتا ہے، اسی وجہ سے اس بودار جسم کے اندر بالعموم حرارت ضرور ہوتی ہے جو لطیف اجزا کو بھاپ یا دھواں بنا کر اڑاتی رہتی ہے''۔

غرض حرارت بھی بالعموم بو کے پھیلنے کا باعث ہوا کرتی ہے، چنانچہ جب کسی چیز کی بو کمزور ہو جاتی ہے تو اس کے ملنے، بھاپ اور دھواں بنانے یعنی گرمی پہنچانے سے بو تیز ہو جاتی ہے۔جیسے لوبان جب آگ پر ڈالا جائے تو اس کی بو بہت تیزی سے پھیلتی ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر بو سونگھانے والی اور ناک تک پہنچانے والی شے حرارت ہی ہوا کرتی ہے۔

بُو کا اثر

اطبائے قدیم لکھتے ہیں کہ بو کا ادراک اوز احساس اس بھاپ کے مانند لطیف جوہر کی وجہ سے ہوا کرتا ہے جو بودار جسم سے اڑ کر قوت شامہ تک پہنچتا ہے، اسی وجہ سے اس بودار جسم کے اندر بالعموم حرارت ضرور ہوتی ہے۔اسی وجہ سے اطبائے قدیم نے قیاسات رائحہ میں جو لکھا ہے اکثر مقامات پر صادق آتا ہے کہ تیز بو کی دوائیں عموماً بدن انسان کے لئے مسخن (باعث حرارت) ہوا کرتی ہیں۔مثلاً ہینگ، لہسن، زعفران، عنبر، مشک، جند بید ستر، لونگ، دارچینی، زنجبیل، سنبل الطیب، پودینہ، ریحان، اجوائن اور زیرہ، وغیرہ وغیرہ۔

علامہ نفیس لکھتے ہیں کہ بودار اجزاء کے اڑنے کے لئے کم وبیش حرارت کی ضرورت ہوا کرتی ہے خواہ یہ حرارت ہوا کی ہو یا دھوپ کی یا سورج کی۔چنانچہ جب کسی چیز کی بو کمزور ہوتی ہے تو اس کے ملنے، بھاپ اور دھواں بنانے یعنی گرمی پہنچانے سے بو تیز ہو جاتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر بو کے سونگھانے والی اور ناک تک پہنچانے والی شے حرارت ہی ہوا کرتی ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ جب بودار جسم گرم ہوگا تو لازمی طور پر حرارت بودار جسم کے گرم اور لطیف اجزا بنا کر اڑانے کی موجب

ہوگی۔لہٰذا اس کی بو نہایت تیز اور تکلیف دہ ثابت ہوگی۔ایسی بو اس امر کی دلیل ہوگی کہ یہ کسی گرم اور لطیف مادہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس جسم کے سارے اجزاء گرم ہوں۔ بلکہ ممکن ہے کہ اس کا دوسرا جز سرد اور بے بو ہو مگر ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے، کیونکہ اگر اس میں کوئی جز نہایت سرد ہو تو وہ گرم جز کی بو کو اپنی سردی سے جما دے اور اس کی حدت اور تیزی قائم رہنے دے۔

اسی طرح جب بودار جسم سرد ہوگا تو اس سے جو اجزاء اٹھیں گے وہ مرطوب تازگی بخش اور مسکن نفس ہوں گے۔اسی لئے بھینی بھینی بو سرد مادہ پر دلالت کرے گی، لیکن باوجود اس کے یہ بھی ممکن ہے کہ بودار جسم کے سارے اجزاء وہی نہ ہوں۔مگر ایسا کم ہی ہوتا ہے کیونکہ گرمی کے آثار بالعموم سردی کے آثار پر غالب آجاتے ہیں۔اس لئے گرم جز بھی اسی کے تابع ہوگا اور اس کے اثر سے وہ تیز ہو جائے گی۔

اسی طرح مرکب اجسام میں بو کا نہ ہونا برودت اور گرمی کے نہ ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ حرارت کے نہ ہونے کی وجہ سے جسم کے اجزا بخارات بن کر اُٹھ ہی نہیں سکتے یا اگر کچھ اجزا بخارات بن کر صعود بھی کریں گے تو وہ قلت کے باعث اس ہوا میں جو ناک تک پہنچتی ہے اس قسم کی بو کا احساس ہو۔ کیونکہ سردی سے اجسام کے اندر تکاثف پیدا ہوتا ہے۔جس سے اس کے اجزاء منتشر اور پراگندہ ہونے سے رُک جاتے ہیں۔

لیکن یہ بیان محض ان ہی ادویہ میں صحیح اُتر سکتا ہے جو مرکب القویٰ ہوں۔اس کے بعض اجزا لطیف اور بعض کثیف ہوں اور یہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اکثر ادویہ مفرد طبیعہ جو اپنی قدرتی حالت پر ہوں، مثلاً نباتات کے پھل، پھول، پتے، جڑیں وغیرہ اور اکثر حیوانی ادویہ اسی قسم کی مرکب القویٰ ہوا کرتی ہیں۔

لیکن بعض دوائیں اس قسم کی بھی ہوا کرتی ہیں جو نباتات، حیوانات یا جمادات سے حاصل کی جاتی ہیں یا وہ معاون سے حاصل کی جاتی ہیں۔مگر وہ دو قسم کے اجزائے مرکب نہیں ہیں یا محض لطیف اجزاء کا مجموعہ ہیں۔جن کے سارے اجزاء صعود کرنے اور بخارات کی شکل میں تبدیل ہونے کے لائق ہیں۔مثلاً کافور اور شراب کا جوہر خالص بہت سے لطیف روغن یا وہ محض کثیف اجزاء کا مجموعہ ہیں جن سے قطعاً بخارات نہیں اُڑتے یا بہت کم اُڑتے ہیں مثلاً سنکھیا وغیرہ۔

چونکہ سنکھیا بے بو ہونے کے باوجود سخت مسخن اور حار ہے اور کافور تیز بودار ہونے کے باوجود اکثر اطبا بارد تسلیم کرتے ہیں۔اسی طرح مختلف بو کی دوائیں مختلف خواص کی حامل ہیں۔اس لئے بو کا قیاس دیگر قیاسات کی طرح قانون کلی نہیں بن سکتا جیسا کہ قدمانے تصریح کی ہے۔

سید محمد حسین صاحب علوی مخزن الادویہ میں لکھتے ہیں ''چونکہ اکثر کثیف اور سخت چیزیں، غایت، صلابت اور کثافت کی وجہ سے اس قابل نہیں ہوتی ہیں کہ ان سے اجزا صغیرہ اور بخارات لطیفہ جدا ہو کر صعود کریں اور قوت شامہ تک پہنچیں۔مثلاً وہ پتھر جو عمارات میں کام آتے ہیں اور یاقوت، ہیرا اور زمرد وغیرہ۔اس لئے ایسی چیزوں میں ''بو'' سے استدلال کرنے کے اصول مسدود یا مفقود ہیں''۔

بُو کی حقیقت

یہ قیمتی اقتباسات طب یونانی کا کمال ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ''بو'' کو خواص الادویہ میں ایک زبردست اہمیت حاصل ہے۔''بو'' کے لئے لطافت و حرارت اور ہوا کا ہونا ضروری ہے۔جن اشیاء میں لطافت کے ساتھ حرارت زیادہ ہے ان کی بو میں تیزی اور

شدت ہے اور جن اشیاء میں لطافت کے ساتھ سردی ہے ان میں بھینی بھینی اور تسکین بخش بو ہوتی ہے۔ یہ جو ہر لطافت جس قدر زیادہ ہوگا اسی قدر ہوا کی حرارت میں زیادہ تحلیل ہو کر بو پھیلائے گا، لیکن جن اشیاء میں ثقالت اور کثافت زیادہ ہوتی ہے وہ ہوا کی حرارت میں جلد تحلیل نہیں ہوسکتیں اور بو نہیں پھیلا نہیں سکتی۔

ان حقائق سے ہمیں بہت کچھ روشنی ملتی ہے، لیکن اس سے ہم نہ تو پورے طور پر کیفیات و مزاج کے متعلق اندازہ لگا سکتے ہیں اور نہ ہی اثرات وافعال پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس امر کا اندازہ لگانا تو اور بھی مشکل ہے کہ خوشبو اور بدبو میں کیا فرق ہے اور ان کے جدا جدا اثرات وافعال کیا ہیں۔ اس کے علاوہ ہم روزانہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ بعض بوئیں دافع تعفن ہیں اور بعض تعفن پیدا کرتی ہیں۔ ان باتوں کا علم واقعی علم الاشیاء میں زبردست اضافہ ہے۔

بُو اور ہوا

کوئی بو اس وقت تک قوت شامہ تک نہیں پہنچ سکتی جب تک وہ ہوا میں تحلیل نہ ہو۔ اور پھر ہوا ہی اس کو قوت شامہ تک پہنچا دیتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ کوئی شے اس وقت تک تحلیل ہو کر کسی جسم میں شریک نہیں ہوتی جب تک اس میں حرارت اثر نہ کرے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ حرارت اس شے میں ہوتی ہے جس میں بو ہوتی ہے یا ہوا کے اندر پائی جاتی ہے۔

جہاں تک بودار اشیاء کا تعلق ہے، ان میں ہر کیفیت اور مزاج کی اشیاء پائی جاتی ہیں۔ گرم وسرد اور تر وخشک کے علاوہ لطیف اور کثیف ہر قسم کی اشیاء پائی جاتی ہیں۔ البتہ ہوا کا ایک ہی مزاج ہے جو ہمارے قانون طب نے مقرر کر دیا ہے، وہ ہے گرم تر اور اسی کو ہم معتدل مزاج ہونا کہتے ہیں اور اسی مزاج میں قوت تحلیل کرتی ہے۔

ماڈرن سائنس نے ہوا کو مرکب عنصر کہا ہے اور تسلیم کیا ہے کہ مختلف گیسوں سے مرکب ہے جن میں آکسیجن، ہائیڈروجن، کاربن ڈائی آکسائیڈ اور نائٹروجن کی مقدار غالب ہے اور ان کی مقدار میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اس کے مقابلے میں طب قدیم بھی گرم تر مزاج اس ہوا کو تسلیم کرتی ہے جو خالص ہو۔ کیونکہ موجودہ ہوا جو ہمارے گرد پھیلی ہوئی ہے یہ کئی چیزوں سے مرکب ہے۔ خالص ہوا کی مثال اس ہوا سے دی جاسکتی ہے جو آگ یا دھوپ کی زیادتی تسلیم کی گئی ہے۔ بہرحال خالص ہوا میں حرارت کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ حرارت کا غلبہ اس حقیقت کا ثبوت ہے۔ وہ جن اشیاء سے ملتی ہے ان میں تحلیل پیدا کرتی ہے۔ حرارت کی زیادتی تحلیل میں شدت ہے۔ اس کے مقابلے میں حرارت کی کمی باعث سکون اور تفریح ہے۔ گویا ہر شے اور ماحول کی بو کا ہوا میں پیدا ہونا ہے اور اس کے اثرات ہی بو کے خواص اور افعال ہوتے ہیں۔

بُو کے متعلق قانون فطرت

یہ قانون فطرت ہے کہ قدرت کسی مواد کو کسی ایک جگہ قائم نہیں رکھتی۔ کیونکہ ہر قسم کا مادہ گردش میں رہتا ہے کیونکہ مادہ اگر کسی ایک جگہ پڑا رہے تو اکٹھا ہوتا رہے تو مواد بن جاتا ہے یا زہر میں تبدیل ہو جاتا ہے یا اس کی کثرت باعث نقصان زندگی ہوتی ہے۔ اس میں حسن وقبح ہر قسم کے مادے شامل ہوتے ہیں۔ اس لئے قدرت ہر مادے کو نہ صرف گردش میں رکھتی ہے بلکہ دیگر مواد میں جمع تفریق کرتی رہتی ہے تاکہ وہ مادے پاک وصاف ہوتے رہیں۔ اسی قانون کے تحت بو ہوا میں تحلیل ہو کر جمع تفریق اور شریک وجدا ہوتی رہتی ہے۔ یہی قانون بو کو قوت شامہ تک پہنچاتا ہے۔

لطیف وکثیف میں تحلیل

اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ لطیف اشیاء میں تحلیل کثیف اشیاء کی نسبت بہت جلد ہوتی ہے کیونکہ لطیف اشیاء وہ ہیں جو بہت جلد حرارت قبول کر لیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کثیف قسم کی اشیاء میں اگر بو ہو بھی تو جب تک ان میں لطافت پیدا نہ کی جائے ان کی بو نہ کبھی پیدا ہوتی ہے اور نہ پھیلتی ہے۔ مثلاً حنا، دھنیا اور فلفل سیاہ وغیرہ۔ یہاں پر کثافت سے مراد کسی مادے یا شئے کا جامد ہونا ہے، اس کے مقابلے میں لطافت کے اجزا کا بہت جلد منتشر ہو جانا ہے۔

لطافت کیا ہے؟

لطافت کے متعلق قوام کے قیاس میں ہم پوری طرح بیان کر چکے ہیں اور اس حقیقت کو ثابت کر چکے ہیں کہ لطافت ہمیشہ حرارت سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سرد اشیاء میں بھی بو ہوتی ہے، وہاں پر حرارت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لطافت ہمیشہ گرم تر اور تر گرم شے میں پائی جاتی ہے، کیونکہ لطافت کے معنی یہ ہیں کہ اس کی اشیاء کا بہت جلد منتشر ہو جانا اور اس کے مقابلے میں یہی شے کثافت میں نہیں پائی جاتی۔ یعنی ہر کثیف شے گرم خشک ہوگی یا سرد خشک۔ گویا لطافت اور کثافت میں بڑا فرق تری اور خشکی ہے گرمی اور سردی نہیں ہے۔ البتہ یہ کیفیت اس میں شریک ضرور ہوتی ہیں۔

گویا اس حقیقت کو اس طرح ضرور سمجھنا پڑے گا کہ ہر لطیف شے میں رطوبت کے ساتھ حرارت بھی ضروری ہے، چاہے وہ انتہائی قلیل ہو، اور ہر کثیف شے میں یبوست کے ساتھ سردی کا اثر قائم ہے چاہے جس قدر اقل ہے۔ ویسے بھی قانون مزاج میں یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ ہر شے چار عناصر سے اور چار کیفیات سے مرکب ہے۔ اس کے لئے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ ہر لطیف شے میں تری کا عنصر غالب اور خشکی کا عنصر مغلوب ہوتا ہے۔ اس میں گرمی اور سردی ان کی مناسبت سے ہوتی ہے اور لطافت کے چار حصے تری میں ایک حصہ حرارت بھی تسلیم کی جاسکتی ہے۔ بہرحال تری اور حرارت قائم ہیں۔ اسی طرح کثافت کے چار حصے خشکی میں ایک حصہ سردی بھی تسلیم کی جاسکتی ہے۔ گویا سردی قائم ہے۔ بہرحال یہ حقیقت ثابت ہوگی کہ لطافت اور کثافت کا باہمی فرق گرمی سردی پر نہیں ہے بلکہ تری اور خشکی پر ہے۔

یہاں پر ایک حقیقت کو بھی ذہن نشین رکھیں کہ خشکی حرارت سے رفع ہوتی ہے، وہ نہ سردی سے رفع ہوتی ہے اور نہ تری سے دور ہوتی ہے۔ اس طرح لطافت کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ جس مناسبت سے لطافت زیادہ ہے اسی مناسبت سے بو زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔

تیز اور بھینی بو

یہ حقیقت واضح کی جاچکی ہے کہ تیز بو لطافت میں حرارت کی زیادتی سے اور بھینی بو لطافت میں حرارت کی کمی سے پیدا ہوتی ہے۔ تیز بو سے مراد دل کے فعل میں تیزی پیدا کرنا ہے اور بھینی بو ایسی بو کو کہتے ہیں جو دل میں تفریح اور تسکین پیدا کرے۔ بعض لوگ بھینی بھینی بو کو مقوی قلب خیال کرتے ہیں۔ یہ بات ہرگز نہیں ہے۔ تفریح ہمیشہ تسکین کا باعث ہوتی ہے اور تسکین میں دل اور خون کے فعل میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ تسکین دل مولد بلغم اور رطوبت ہے، اسی مناسبت سے دیگر اعضاء پر اثرات وافعال ظاہر ہوتے ہیں۔

خوشبو اور بدبو کا فرق

ظاہر میں خوشبو اور بدبو میں کوئی فرق نظر نہیں آتا، کیونکہ دونوں صورتیں گرم اشیاء میں پائی جاتی ہیں اور سرد قسم کی اشیاء میں بھی

محسوس ہوتی ہیں۔ظاہرہ تو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قدرت کی مشیت ہے کہ جس شے میں چاہے خوشبو پیدا کردے اور جس شے میں چاہے بدبو پیدا ہوجائے مگر حقیقت یہ ہے کہ قدرت کے ہر فعل اور عمل میں ایک طریق کار (پروسس) ضرور ہے،اسی طریق کار کو سمجھنے کا نام ہی تحقیقاتی علم (سائنس) ہے۔یہی طریق کار اور تحقیقاتی علم ہی قدرت کے کرشمے اور فطرت کے اسرار ورموز کی نقاب کشائی کرتا ہے،اس سے اگر غور کیا جائے تو خوشبو اور بدبو کی حقیقت کے راز کا پتہ چلتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ بدبو ہمیشہ تعفن کی پیداوار ہے۔تعفن ہمیشہ خمیر سے پیدا ہوتا ہے،خمیر گرم اور سرد دونوں قسم کی اشیاء میں پیدا ہوسکتا ہے،لیکن یہ بات یادرکھیں کہ خمیر جس شے میں پیدا ہوگا اس میں ترشی کم اور کھار زیادہ ہوتی ہے۔کبھی خالص ترشی اور خالص کھار میں خمیر پیدا نہیں ہوسکتا۔جب ترشی حرارت کی مدد سے کھار میں اثر کرتی ہے تو تعفن پیدا ہوجاتا ہے،اس سے بدبو پیدا ہوجاتی ہے اور جن اشیاء میں خمیر پیدا نہیں ہوتا ان میں خوشبو قائم رہتی ہے،خوشبو ہی طیب اور صالح شے ہے۔اس کے مقابلے میں بدبو نجس اور خباثت ہے۔اس لئے اسلام نے ہر حلال شے میں طیب کی تاکید لگادی ہے۔اگر حلال شے طیب نہیں ہے تو وہ نجس ہے،کیونکہ نجس شے میں خمیر پیدا ہوچکا ہے۔یہ نجس شے جسم کے اندر تعفن وخمیر اور فساد پیدا کردیتی ہے جس سے جسم میں خوفناک امراض پیدا ہوتے ہیں۔اسلام نے ہر اس شے کو حلال کہا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے اور وہ طیب ہو اور یہی شے جسم انسانی کے لئے مفید ہے۔

بُو کے افعال واثرات

جس شے کی بو شدید ہو،وہ دِل کے فعل کو تیز کردیتی ہے اور جس شے کی بو میں حدت ہو،وہ دِل کے فعل میں تحلیل پیدا کرتی ہے اور جس شے کی بو میں ہلکی ہلکی بو ہو وہ دِل میں سکون پیدا کرتی ہے۔انہیں افعال اور اثرات کے تحت باقی اعضائے رئیسہ پر غور وفکر کرلیں،نتائج صحیح آئیں گے،یہ ہماری تحقیقات نظریہ مفرد اعضاء کا کمال ہے۔

مزہ سے قیاس

تحقیقات علم الادویہ میں قیاس کے لئے پانچویں اور آخری صورت مزہ ہے،اس کو آیورویدک میں رَس اور انگریزی میں ٹیسٹ کہتے ہیں۔تاثیر ادویہ میں قیاس کے استدلال میں مزے کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔یعنی اگر نامعلوم خواص کی کوئی دوائی سامنے لگائی جائے جس کے مخصوص مزہ کو محسوس کرکے اس کے خاص قسم کے مزے کا تعین کرکے اس دوایا شے کے اثرات وافعال کے مقرر کرنے میں سہولت حاصل ہوتی ہے تاکہ تجربات میں نقصان کا خطرہ نہ رہے۔اس قیاس کے استدلال میں مزہ کو باقی چار قیاسات استحالہ وقوام اور رنگ وبو میں غلبہ حاصل ہے۔

طب یونانی میں مزہ کی اہمیت

شیخ الرئیس بوعلی سینا لکھتے ہیں کہ آثار ادویہ کے لئے بو سے زیادہ دلیل مزہ ہے۔اس سے قبل بوعلی سینا بو کو باقی قیاسات پر افضل ثابت کرچکے ہیں۔اس پر علامہ نفیس لکھتے ہیں:''کیونکہ مزہ دار جسم کے سارے اجزاء کا اثر قوت ذائقہ تک پہنچتا ہے اس لئے قوت ذائقہ سے تقریباً اس کے سارے اجزا کا احساس ہوتا ہے''۔

بوعلی سینا لکھتے ہیں:چیزوں کے مزے دووجوہ سے مختلف ہوا کرتے ہیں۔

① مادہ کی وجہ سے جس کے اندر بو ہوتی ہے اور جو بو کا حامل ہے۔
② فاعل یعنی مؤثر کی وجہ سے جو بو کو پیدا کرتا ہے اور بو کو پیدا کرنے والا ہی مزاج ہے جو اس مادہ کے اندر ہوتا ہے۔ چنانچہ مادہ گاہے کثیف، گاہے لطیف اور گاہے اوسط درجے کا ہوتا ہے، اسی طرح فاعل اور مؤثر کبھی حرارت ہوتی ہے اور کبھی برودت اور کبھی اعتدال۔

جس جسم کا مادہ کثیف اور فاعل حرارت ہو وہ مزہ میں کڑوا ہوگا ○ جس کا مادہ کثیف اور فاعل برودت ہو وہ کسیلا اور کھٹا ہوگا ○ جس کا مادہ کثیف اور فاعل حرارت و برودت کے درمیان ہو وہ شیریں ہوگا۔ ○ جس جسم کا مادہ لطیف اور فاعل حرارت ہو وہ حریف (چرپرا) ○ جس کا مادہ لطیف اور فاعل برودت ہو وہ ترش ہوگا۔ ○ جس کا مادہ لطیف اور فاعل حرارت و برودت کے درمیان ہو وہ چکنا (چربی دار) ہوگا ○ جس کا مادہ کثافت و لطافت کے درمیان ہو اور فاعل حرارت ہو وہ نمکین ہوگا اور اگر اسی قسم کا مادہ ہو اور فاعل برودت ہو، وہ قابض ہوگا۔ اور اگر اسی قسم کا مادہ ہو اور فاعل حرارت و برودت کے درمیان معتدل کیفیت ہو وہ پھیکا ہوگا۔

علامہ نفیس لکھتے ہیں: تمام مزوں کے درجات کیفیت بالکل مساوی نہیں ہیں بلکہ گرم مزوں میں سب سے زیادہ حرارت حریف (چرپری) کے اندر ہوتی ہے۔ اس کے بعد کڑوے میں اور اس کے بعد نمکین میں۔ چرپری شے کے اندر کڑوی شے ہے، زیادہ حرارت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ بمقابلہ تلخ کے قوت تحلیل و تقطیع اور جلا زیادہ رکھتی ہے اور تحلیل چونکہ حرارت کے افعال میں سے ہے اس لئے تحلیل کی زیادتی حرارت ہی کی زیادتی کی وجہ سے ہوسکتی ہے۔ رہی تقطیع اور جلا، یہ اگرچہ کبھی برودت کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ ہم ترشی میں پاتے ہیں لیکن جب تقطیع وجلا حرارت کی وجہ سے ہوتی ہے تو زیادہ قوی اور شدید ہوتی ہے۔

○ کڑوی چیز کے اندر نمکین سے زیادہ حرارت ہونے کی پہلی دلیل یہ ہے کہ نمکین شے کی حرارت، ماہیت کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب جلے ہوئے اجزائے ارضیہ کسی پھیلی ہوئی چیز میں شامل ہوجاتے ہیں تو ملوحت (نمکینیت) پیدا ہوجاتی ہے، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ جب غلبہ حرارت کے باعث نمکین چیز کی مائیت الگ ہوجاتی ہے تو وہ کڑوی بن جاتی ہے، اور تیسری دلیل یہ ہے کہ نمکین شے کے اندر اگر کسی قدر تلخی ہوتی ہے تو وہ اسی تناسب سے زیادہ گرم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے نمک تلخ معمولی نمک سے زیادہ گرم ہوتا ہے۔

ٹھنڈے مزوں میں سب سے زیادہ سرد کسیلا ہوتا ہے، اس کے بعد قابض، اس کے بعد ترش۔ ○ دلیل یہ ہے کہ بعض میوہ جات ابتداء میں کسیلے ہوتے ہیں، کیونکہ اس وقت ان کی برودت شدید ہوتی ہے، اس کے بعد آفتاب کی تپش سے جب اس میں ہوایت پیدا ہوجاتی ہے اور ان کی برودت کم ہوجاتی ہے تو یہ ترش ہوجاتے ہیں اور درمیان میں وہ قابض رہتے ہیں۔

جو مزے گرمی اور سردی کے درمیان ہیں ان میں شیریں حرارت کی طرف زیادہ میلان رکھتا ہے۔ اس کے بعد چکنا اور سب سے معتدل پھیکا ہے۔ ○ دلیل یہ ہے کہ شیریں سے زبان کی منجمد رطوبتیں بمقابلہ چکنے کے زیادہ بہتی ہیں۔ اسی وجہ سے شیریں زیادہ مرغوب خاطر ہے۔ جس طرح سرد مزاج کے بدن پر اگر گرم پانی ڈالا جاتا ہے تو اسے دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ لطف حاصل ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں دسومت یعنی چکناہٹ سے ہوائیت کی کثرت پیدا ہوتی ہے اور ہوا بمقابلہ آگ کے بہت کم گرم ہے، خشک مزوں میں سب سے زیادہ خشکی تلخی کے اندر ہوتی ہے اس کے بعد چرپری میں اس کے بعد کسیلے ہیں۔

○ دلیل یہ ہے کہ تلخ کے اندر اجزائے ارضیہ زیادہ ہوتے ہیں اور چرپری کے اندر اجزائے ناریہ اور یہ ظاہر ہے کہ خاک بمقابلہ

آگ کے زیادہ خشک ہے۔علاوہ ازیں اگر تلخ میں نسبتاً رطوبت زیادہ ہوتی ہے تو وہ عفونت کے لئے بھی نسبتاً زیادہ آمادہ ہوتا ہے اور اس میں کسی جاندار (کیڑے مکوڑے) کا پیدا ہو جانا بھی ممکن ہے اور یہ اس قابل بھی ہوتا ہے کہ کسی جاندار کی غذا میں صرف ہو۔لیکن ایسا نہیں ہوتا ہے، نہایت کڑوی چیزیں نہ جلد متعفن ہوتی ہیں اور نہ ہی ان میں کیڑے مکوڑے پیدا ہوتے ہیں، بلکہ زیادہ کڑواہٹ جاندار کے لئے مہلک ثابت ہوتی ہے اور نہ زیادہ کڑوی شے کسی حیوان کی غذا میں صرف ہوتی ہے اور کسیلے مزے کے اندر ایک قسم کی منجمد رطوبت ضرور ہوتی ہے جو اجزائے ارضیہ کی خشکی کو توڑے ○ تر مزوں میں سب سے زیادہ رطوبت پھیکے میں ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے جوہر میں پانی کی کثرت ہوتی ہے۔اس کے بعد شیریں اور اس کے بعد چکنا۔

شیریں کے اندر بمقابلہ چکنے کے رطوبت زیادہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ○ چکنے میں اجزائے ہوائیہ اور اجزائے ارضیہ مخلوط ہوتے ہیں اور اجزائے ارضیہ کی وجہ سے رطوبت کم ہو جاتی ہے اور وہ مزے جو رطوبت و یبوست کے درمیان معتدل ہیں، ان میں سب سے کم یبوست ترش کے اندر ہوتی ہے۔ کیونکہ ترش کے جوہر میں پانی کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اور اس سے زیادہ خشکی قابض کے اندر ہوتی ہے، کیونکہ اس میں اجزائے ارضیہ بکثرت ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ خشکی نمکین کے اندر ہوتی ہے اس لئے کہ اس میں اجزائے ارضیہ میں تخفیف (خشکی پیدا کرنے) کی قوت بہت زیادہ ہوتی ہے، اسی وجہ سے اس کی مائیت (پانی) بدل کر ارضیت کی شکل قبول کر لیتی ہے۔

علامہ نفیس نے جس قابلیت اور دلائل کے ساتھ شیخ الرئیس بوعلی سینا کے حقائق کی تشریح کی ہے وہ قابل تعریف ہے۔ یہ حقیقت میں طب یونانی کا کمال ہے، اس علم کا مقابلہ فرنگی طب نہیں کر سکتی۔فرنگی طب میں نہ کیفیات و مزاج کا ذکر ہے اور نہ ہی کیمیائی صورتوں میں لطافت و کثافت کو مدنظر رکھا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ طب یونانی اپنے اندر جو فلسفہ اور استدلال کی قوت رکھتی ہے وہ فرنگی طب کے تجربات و مشاہدات میں نہیں ہے۔

آیورویدک میں مزہ کی حقیقت

آیورویدک میں مزہ کو رس کہتے ہیں۔آیورویدک میں کل چھ رس تسلیم کئے گئے ہیں۔اس کے مقابلہ میں طب یونانی میں نو مزے تسلیم کئے گئے ہیں۔لیکن آیورویدک میں ادویات کے اندر کل 63 قسم کے رس لکھے ہیں اور رس میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ کسی دوا میں صرف ایک رس ہوتا ہے کسی دوا میں دو رس (مزے) کسی میں تین رس ہوتے ہیں۔ چھ رس (مزے) درج ذیل ہیں:

① مُدھر (میٹھا) - جیسے بالائی، دودھ گاؤ اور شہد
② اِمل (ترش) - جیسے لیموں، امچور، اناردانہ، اِملی
③ لُون (نمکین) - جیسے سانبھر نمک، کھاری نمک
④ تکت (کڑوا) - جیسے نیم، پت پاپڑہ
⑤ کٹو (چرپرہ) - جیسے مرچ، سونٹھ
⑥ کشائے (کسیلا) - کنول، بڑ

اس کے بعد اس نے دو دو رس گنوائے ہیں جیسے مدھر امل (میٹھا ترش) وغیرہ۔اس کے بعد تین تین رس (مزے) گنوائے ہیں جیسے مدھر، امل لون، میٹھا، ترش اور نمکین وغیرہ۔ پھر اس کے اثرات و افعال اور اوصاف دوشوں کے مطابق گنوائے ہیں۔اوّل طوالت کی وجہ سے اور دوسرے ان کے قوانین کے مطابق اس قدر اغلاط ہیں کہ سردردی کے باوجود قارئین کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

مزے کے متعلق آیورویدک میں غلط فہمی

آیورویدک نے جو چھ رس (مزے) تسلیم کئے ہیں ان کے متعلق ان کی کیا بنیاد ہے۔انہوں نے چھ مزے کیوں تسلیم کئے ہیں۔نو

یا بارہ کیوں تسلیم نہیں کیے۔ اگر ان کے رسوں کی بنیاد دوش ہو اور ہر دوش کے لئے انہوں نے دو دو رس مانے ہوں تو چھ رس ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان کی کتابوں میں اس امر کا کہیں ذکر نہیں ہے بلکہ ''شرت'' ادھیائے بیالیس میں رس کے عام اوصاف میں لکھا ہے میٹھا، کھٹا اور کھاری رس وات کو دور کرتے ہیں۔ میٹھا، کڑوا، کسیلا، دفع پت ہیں اور چرپرا کسیلا کڑوا اور رس کف کو ناس کرتے ہیں۔ یہاں پر ایک ایک دوش تین رس پر اثر کرتے ہیں اور اس میں بھی غلط فہمیاں ہیں جیسے کھٹا رس وات کو دور کرتا ہے، یہ بالکل غلط ہے بلکہ کھٹا س وات پیدا کرتی ہے، اسی مٹھاس کو لکھا ہے کہ دفع پت ہے حالانکہ وہ پت پیدا کرتا ہے۔ جہاں تک دوشوں کی پرکرتیوں (مزاجوں) کا تعلق ہے ہر دوش کے لئے پرکرتیاں مقرر ہیں۔ مثلاً وات گرم بھی ہوتی ہے اور سرد بھی۔ اسی طرح پت خشک بھی ہوتا ہے اور تر بھی ہوتا ہے اور اسی طرح کف گرم بھی ہوتا ہے اور سرد بھی۔ پھر ایک دوش کا اثر تین رسوں (مزوں) پر کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم تین رسوں کا اکٹھا ہونا مشکل خیال کرتے ہیں مگر ویدوں نے ایسے امراض اور بخاروں کا ذکر کیا ہے جن میں تین دوشوں کو اکٹھا کیا گیا ہے جو بالکل غلط ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

اگر رسوں کی بنیاد آیورویدک کے ارکان پر سمجھی جائے تو وہ پانچ ہیں:

① آکاش ② اگنی ③ وایو ④ جل اور ⑤ پرتھوی (مٹی)۔

اس طرح رس دس بنتے ہیں، مگر انہوں نے چھ تسلیم کئے ہیں ثابت ہوا ہے کہ آیورویدک کے یہ رس (مزے) تجربے اور مشاہدے پر رکھے گئے ہیں جو صحیح ہیں لیکن ان کے دو دو کے مرکب تو ہو سکتے ہیں مگر تین کے مرکب درست نہیں ہیں۔

مزے کے متعلق ہماری تحقیقات

جسم انسان میں اعضائے رئیسہ صرف تین ہیں جن کو دل، دماغ اور جگر کا نام دیتے ہیں۔ چونکہ ہر عضو رئیس میں چار کیفیات میں سے دو کیفیات ضرور ہیں۔ اس لئے ہر ایک کے لئے ایسی صورتوں کے لئے دو مزے ضروری ہیں۔ جیسے:

① اگر کوئی دوا اعصاب پر اثر انداز ہو کر گرمی کا اثر پیدا کر دے تو اس کا اثر جگر پر بھی ہے (اعصابی غدی) تو اس کا مزاج تر گرم ہوگا اور مزہ میٹھا ہوتا ہے۔

② اگر کوئی دوا اعصاب پر اثر انداز ہو کر سردی پیدا کر دے تو اس کا اثر قلب پر بھی ہوگا (اعصابی عضلاتی) تو اس کا مزاج سرد تر ہوگا اور مزہ کسیلا ہوگا۔

③ اگر کوئی دوا قلب پر اثر انداز ہو کر سردی پیدا کر دے تو اس کا اثر اعصاب پر ہوگا (عضلاتی اعصابی) تو اس کا مزاج سرد خشک ہوگا اور مزہ ترش ہوگا۔

④ اگر کوئی دوا قلب پر اثر انداز ہو کر گرمی پیدا کر دے تو اس کا اثر جگر پر بھی ہوگا (عضلاتی غدی) تو اس کا مزاج گرم خشک ہوگا۔ (خشکی گرمی سے زیادہ) تو اس کا مزہ کڑوا ہوگا۔

⑤ اگر کوئی دوا جگر پر اثر انداز ہو کر اپنی خشکی کو قائم رکھے تو اس کا اثر قلب پر بھی ہوگا (غدی عضلاتی) تو اس کا مزاج گرم خشک ہوگا اور مزہ چرپرہ ہوگا۔

⑥ اگر کوئی دوا جگر پر اثر اندازِ ہو کر رطوبت کا اثر پیدا کر دے تو اس کا اثر اعصاب پر بھی ہوگا (غدی اعصابی)، تو اس کا مزاج گرم تر ہوگا اور ذائقہ نمکین ہوگا۔

حقیقت کا اظہار

عموماً ہر دوا میں زیادہ تر نمایاں طور پر ایک مزے کا احساس ہوتا ہے یا زیادہ سے زیادہ دو مزوں کا احساس ہوگا۔ جس میں ایک احساس کم ہوگا۔ یہی اس دوا کا قیاس ہے۔ اس سے اس کا مزاج و اخلاط اور اثرات و افعال پر رجوع کیا جاتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ فرنگی طب میں ادویات کے اثرات و افعال میں مناسبت قطعاً نہیں پائی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر چند سالوں کے بعد ان کی ادویات کے اثرات و افعال حسب منشا کام نہیں کرتے اور ادویات نظر انداز ہو جاتی ہیں۔ مزوں کے مختصر خواص و فوائد:

(۱) **میٹھا**: مفرح۔ تسکین دیتا ہے، رطوبت بڑھاتا ہے، پیشاب زیادہ لاتا ہے، رفتہ رفتہ حرارت جسم کو ختم کر دیتا ہے۔ صفرا کو کم کرنے میں بے حد مفید ہے۔

(۲) **کسیلا**: جسم میں ٹھنڈک پیدا کرتا ہے، رطوبت بڑھاتا ہے، شدید مدر بول ہے۔ ایک دم حرارت جسم کو ختم کر دیتا ہے۔ گرمی اور بخار کو کم کرنے میں بے حد مفید ہے۔

(۳) **ترش**: مفرح و مقوی قلب ہے۔ رطوبات جسم کو خشک کرتا ہے۔ قابض ہے۔ مقوی جسم ہے۔ خون پیدا کرتا ہے۔ گرمی کے ساتھ رطوبات کو بھی خشک کر دیتا ہے۔ فوری ہاضم ہے۔

(۴) **کڑوا**: مقوی قلب اور مصفی خون ہے۔ رطوبت کو خشک کر کے تقویت پیدا کرتا ہے۔ اکثر قابض ہے، پیشاب کو بھی روکتا ہے، خون کو صاف کرنے کے ساتھ ساتھ خون پیدا بھی کرتا ہے۔

(۵) **چرپرہ**: انتہائی گرم۔ ملین و مسہل، مقوی جگر، جسم میں صفرا پیدا کرتا ہے۔ جسم کے ہر قسم کے زہروں کو ختم کرتا ہے۔ انتہائی ہاضم ہے۔

(۶) **نمکین**: گرمی کے ساتھ رطوبات پیدا کرتی ہے۔ لذیذ ہے، ملین اور مسہل اثر رکھتا ہے۔ ریاح کا اخراج کرتا ہے۔ ریاحی دردوں کے لئے اکسیر ہے۔

قیاس سے تجربات کی طرف

قیاس کے جن مبادیات پر بحث کی گئی ہے وہ پانچ ہیں: قوام، استحالہ، رنگ، بو، ذائقہ۔

دراصل قیاس کو عملی مشاہدہ کہنا چاہیے۔ انہی عملی مشاہدات یا قیاس حالات سے انسان یا محقق تجربات اور تحقیقات کی خاردار وادی میں قدم رکھتا ہے، جہاں پر تجربات کی خوفناک مشکلات بھی ہیں اور حسب منشا مقاصد کے نتائج حاصل ہونے کے بعد سکون قلب اور راحت دماغ بھی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قیاس یا عملی مشاہدات کے حالات انسان کو خطرناک تجربات سے بہت حد تک محفوظ رکھتے ہیں۔ اس کو ذہن نشین کر لیں کہ جب تک قیاس تقریباً یقین کے مقام تک نہ پہنچے اس وقت تک تجربات کی خاردار وادی میں قدم رکھنا خطرات کا مول لینا ہے۔

خواص الاشیاء کی تحقیقات کے لئے تجربات کرنے کے لئے قیاس سے پہلے یقین کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ ان کے متعلق ہم لکھ چکے ہیں کہ وہ تین ہیں: ○ دینی معلومات یا ان کے تحت حالات ○ گزشتہ تجربات و مشاہدات ○ وہم و وجدان۔ ان کی روشنی میں بہت حد تک خطرات ختم ہو جاتے ہیں یا کم ہو جاتے ہیں جن کی تفصیل تو بہت طویل ہے، لیکن مختصر یہ ہے۔

① دینی معلومات اور ان کے تحت اور حالات انتہائی یقینی صورتیں ہیں، کیونکہ یہ وحی، الہامات اور کشف ہوتے ہیں ان کی سچائی میں

بال برابر فرق نہیں ہوتا۔ آیوردیدک اور طب کا اکثر حصہ انہی پر مشتمل ہے۔ مثلاً قرآن حکیم اور حدیث شریف میں جن اشیاء کے افعال واثرات اور خواص وفوائد بیان کئے گئے ہیں وہ سب بالکل یقینی ہیں۔ قرآن حکیم نے فرمایا ہے کہ:

﴿ لَا تَبۡدِیۡلَ خُلُقِ اللّٰہِ ﴾ ''اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہے''۔

یعنی دس ہزار سال پہلے جس شے کو جو افعال واثرات اور خواص وفوائد تھے آج بھی وہی ہیں۔ مگر ہم ان سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔

۲۔ گزشتہ تجربات ومشاہدات بھی اپنے اندر یقینی صورتیں رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان سے ان کی بہت حد تک حقیقت کا علم ہو جاتا ہے۔

۳۔ وہم ووجدان عقل کی کرشمہ سازیاں ہیں جو احساسات اور حالات اور تجربات مشاہدات کے تحت کام کرتے ہیں۔ عقل کے فیصلے ہمیشہ تحت الشعور کے ذریعے ہوتے ہیں اور ان سب صورتوں کا وہم ووجدان کو علم ہوتا ہے۔ احساسات وادراکات اور تجربات ومشاہدات اگر صحیح ہیں تو وہم ووجدان کے تحت عقل کے فیصلے درست ہو جاتے ہیں۔

قیاس سے تجربات کی عملی صورت

کسی شے کے تجربات کی عملی صورت اگر یقینیات میں سے کوئی علم سامنے نہیں ہے تو قیاسات کے مبادیات کو سامنے رکھ کر ایک ایک مشاہدہ کو عملی صورت میں لائیں اور ان کے نتائج لکھتے جائیں اور ان پر غور کریں اور ان کو تطبیق دیں اور جہاں اشیاء کی بو لینے اور ذائقہ چکھنے کا تعلق ہے اس میں جلدی نہ کریں۔ کیونکہ یہ دونوں تجربات اگرچہ بہت حد تک یقینی ہوتے ہیں لیکن دونوں خطرناک بھی ہوتے ہیں۔ مجھے کئی بار خود زندگی کے خطرات سے دوچار ہونا پڑا اور تکالیف برداشت کیں۔ اس لئے احتیاط بہت ضروری خیال کرنی چاہئے اور قیاسات پر خوب غور کر لینا چاہئے، کیونکہ قیاسات کی بنیاد بھی اکثر کسی نہ کسی تجربہ پر ہوتی ہے۔ اس لئے علامہ نفیس کا قول ہے کہ تجربات کا طریقہ اور عمل طبیب اور غیر طبیب دونوں کے لئے عام ہے۔ برخلاف ازیں قیاس کا طریقہ صرف فاضل اطباء کے لئے مخصوص ہے۔

جاننا چاہئے کہ تجربات میں ہمارے سامنے دو قسم کی اشیاء آتی ہیں۔ ایک وہ جن کے قیاسات سے ہماری تسلی ہو چکی ہے اور ہم ان کو کسی قانون اور قاعدے کے تحت ترتیب دے لیتے ہیں اور بے خطر ان کے تجربات میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ لیکن بعض ادویات ایسی ہوتی ہیں جن کے قیاسات سے ہماری پوری تسلی نہیں ہوتی۔ ان کو ہم کسی قانون اور قاعدے کے تحت ترتیب دے سکتے ہیں اور نہ ہی ان پر تجربات کر سکتے ہیں۔ انہی دونوں صورتوں کے متعلق علامہ نفیس لکھتے ہیں، تجربہ سے دوا کے دونوں قسم کے اثرات معلوم ہو سکتے ہیں۔

۱۔ خواہ وہ اثر کسی خاص کیفیت کی وجہ سے ہو۔

۲۔ خواہ وہ عجیب وغریب اثر صورت نوعیہ کی وجہ سے ہو۔

اس کے برخلاف قیاس سے وہی پہلی قسم کے اثرات معلوم ہو سکتے ہیں جن کی کیفیت عمل میں بتائی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد علامہ نفیس شرائط تجربہ کی تشریح کرتے ہیں جو شیخ الرئیس بوعلی سینا نے لکھی ہیں۔ وہ سات ہیں۔

تجربات اشیاء کے لئے پہلی شرط

اوّل تجربہ انسان پر کیا جائے۔ اس شرط کی پابندی کی ضرورت دو وجوہ سے علامہ نفیس نے کی ہے:

۱۔ انسانی مزاج دوسرے حیوانات کے مزاج سے یقیناً اختلاف رکھتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ کوئی انسانی مزاج کے لئے گرم ہو اور

دوسروں کے لئے سردیا انسانی مزاج میں کوئی مخصوص اثر پیدا کرتی ہے اور حیوانی مزاج میں اس کے متضاد پیدا کرتی ہو۔

(۲) ممکن ہے کہ کسی حیوان کے بدن میں اسی دوا سے متاثر ہونے یا نہ ہونے کی خاصیت ہو اور یہ خاصیت انسانی مزاج میں نہ ہو مثلاً ایک پرندہ اپنی خاصیت سے شوکران کھاتا ہے اور نہیں مرتا (شوکران ایک مخدر زہر ہے)۔

بیان کیا جاتا ہے کہ بادام کا ایک دانہ یا خرے کا ایک دانہ گھوڑے کے لئے سخت مسخن ہے۔ اس قلیل مقدار سے اتنے بڑے جانور کے بدن میں بکثرت پسینہ آتا ہے۔ اسی طرح انسان کے فضلات (بول و براز وغیرہ) جو انسان کے لئے زہر کا درجہ رکھتے ہیں۔ مگر دوسرے جانوروں کے لئے من بھاتا کھانا ہے۔ اسی طرح بکریاں سمی نباتات (مثلاً آک) کو خوب کھاتی ہیں۔ مور سانپ کو کھاجاتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ممکن ہے ان دونوں باتوں میں انسانی افراد بھی ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہوں؟ پھر انسان پر تجربہ کیسے یقینی ہوسکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی افراد چونکہ ایک نوع ہونے کی وجہ سے باہم اتحاد رکھتے ہیں اس لئے ان کے حالات زیادہ تر ایک دوسرے کے مشابہ ہوا کرتے ہیں۔ اگر یہاں کچھ مخالفت ہوتی بھی ہے تو وہ زیادہ نہیں ہوتی۔ برعکس اس کے انسانی افراد اور دیگر حیوانات کے افراد کے درمیان نہایت درجہ اختلاف ہوا کرتا ہے۔

لیکن بہرحال یہ صحیح اور درست ہے کہ بعض افراد میں بعض سمیات تک مہلک اثر ظاہر نہیں کرتیں اور بعض افراد میں معمولی دوا بھی نہایت مہلک اور قوی اثر ظاہر کرتی ہے۔ غرض انسانی افراد میں بھی بعض مرتبہ اختلاف عظیم ظاہر ہوتا ہے، لیکن چونکہ ایسا اختلاف شاذونادر ہوتا ہے اس لئے اس کو خصوصیت مزاجیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

تجرباتِ اشیاء کے لئے دوسری شرط

شیخ الرئیس لکھتے ہیں کہ دوا طبعی اور اصلی حالت میں ہو۔ تمام بیرونی عوارض اور عارضی کیفیات سے خالی ہونی چاہئے۔ اس پر علامہ ابن نفیس لکھتے ہیں کہ عارضی کیفیات سے مراد وہ کیفیات ہیں جو دوا کی طبیعت سے نہ پیدا ہوئی ہوں بلکہ وہ یا کسی خارجی اثر سے پیدا ہوئی ہیں۔ مثلاً کوئی شے آگ سے گرم یا برف سے سرد ہوگئی ہو یا وہ عارضی کیفیت اندرونی طور پر کسی اور وجہ سے پیدا ہوگئی ہو۔ مثلاً کوئی دوا متعفن ہوگئی ہو یا یہ کہ مفردات رکھے رکھے بگڑ گئے ہوں، چنانچہ وہ افیون گرمی پیدا کرسکتی ہے اور عروق کو پھیلاسکتی ہے جو آگ پر گرم کرلی گئی ہو۔ اسی طرح وہ افیون اپنے ذاتی فعل کے خلاف عروق کو سکیڑسکتی ہے اور ٹھنڈ پہنچاسکتی ہے جو برف سے ٹھنڈی کرلی گئی ہو، اسی طرح عفونت جیسی دیگر کیفیت دوا کی اصلی طبیعت کو بدل کر دوسری طبیعت اور دوسرے خواص پیدا کردیتے ہیں۔

تجرباتِ اشیاء کے لئے تیسری شرط

شیخ الرئیس لکھتے ہیں کہ دوا کو متضاد اور مختلف امراض میں استعمال کیا جائے۔ اس پر علامہ ابن نفیس تحریر کرتے ہیں جس سے کسی مرض میں نفع ظاہر ہو اور کسی میں نقصان۔ اس سے معلوم ہوجائے گا کہ دوا کی کیفیت اس مرض کی کیفیت کے مانند ہے جس میں نقصان ظاہر ہوا ہے اور اس مرض سے مختلف ہے جس میں نفع محسوس ہوا ہے۔ یہ شرط اس وقت کے لئے ہے جب کہ تجربہ مرض میں کیا جائے۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض پیش کرے کہ دوا کا نفع اور نقصان متضاد امراض میں جس طرح بالذات ہونا ممکن ہے اسی طرح بالعرض ہونا بھی ممکن ہے۔ پھر دوا کی کیفیت کا یقین کیونکر ہوسکتا ہے۔ اس سوال کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ یہ اگرچہ ممکن الواقع ہے لیکن یہ ذرا بعید ہے کیونکہ نفع اور نقصان علی العموم دوا کے ذاتی اثر سے ہی ہوا کرتا ہے۔ لیکن جب تجربہ صحت کی حالت میں کیا جائے تو اس وقت دوا کی

کیفیت اس طرح معلوم ہوسکتی ہے کہ ایک مزاج میں وہ مفید ثابت ہو اور اس کے مخالف مزاج میں مضر اگر چہ اسے متضاد امراض میں تجربہ نہ کیا جائے۔

اسی طرح دوا کی تمام خصوصیات کو معلوم کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ دوا کو مختلف مقدار، مختلف عمروں اور مختلف موسموں میں اور مختلف طریقوں سے استعمال کیا جائے اور جو آثار ظاہر ہوں ان کو قلم بند کیا جائے۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ مثلاً ایک دوا تھوڑی مقدار میں کچھ اثر کرے اور بڑی مقدار میں کچھ اور، اسی طرح مختلف ادویہ کے ساتھ ملنے سے دوا کی تاثیر گاہے تیز ہو جاتی ہے اور گاہے سست اور گاہے اصلی اثر باطل ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی باتیں اس وقت معلوم ہوسکتی ہیں جب کہ دوا کو مختلف طور پر استعمال کر کے آزمایا جائے۔

تجربات اشیاء کے لئے چوتھی شرط

جناب شیخ الرئیس لکھتے ہیں دو دوائیں بسیط اور مفرد امراض میں استعمال کی جائیں۔ اس کی وضاحت علامہ ابن نفیس اس طرح کرتے ہیں یہ شرط بھی اسی قوت کے لئے ہے کہ جب تجربہ مرض کی حالت میں کیا جائے۔ یہ شرط اس لئے ضروری ہے کہ جب مرض مرکب ہوتا ہے تو اس میں متضاد کیفیات سے نفع حاصل ہوتا ہے جب اس میں کوئی دوا استعمال کی جائے گی اور اس میں نفع اور نقصان حاصل ہوگا تو اس سے اس دوا کی کسی کیفیت کا علم نہ ہو سکے گا۔

تجربات اشیاء کے لئے پانچویں شرط

شیخ الرئیس لکھتے ہیں جس قوت کا وہ مرض ہو اور جس قدر وہ درجہ اعتدال سے دور ہو، اسی قوت کی دوا بلحاظ درجہ کیفیت اور وزن کے استعمال کرنی چاہئیں۔ علامہ ابن نفیس اس پر تشریح کرتے ہیں، کیونکہ گاہے دوا کی کیفیت مرض کی کیفیت سے اگرچہ مخالف ہوتی ہے مگر وہ محض اس وجہ سے ضرر رساں ہوتی ہے کہ اس کی قوت مرض کی شدت سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ کسی کیفیت کی غیر معمولی زیادتی بھی حیات و صحت کے لئے منافی ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر دوا کی قوت مرض کی قوت سے کم ہوتی ہے تو گاہے اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا اور اس لئے اس کی کیفیت کا علم نہیں ہوسکتا ہے۔

اسی طرح ہدایت کی جاتی ہے کہ مجہول الماہیت ادویہ کے تجربات میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ پہلے بہت ہی تھوڑی مقدار میں دوا استعمال کر کے آثار کا مطالعہ کیا جائے، اس کے بعد بتدریج ترقی کی جائے۔

تجربات اشیاء کے لئے چھٹی شرط

شیخ الرئیس لکھتے ہیں اس کا اثر ابتداً ظاہر ہو۔ علامہ ابن نفیس اس کی شرح یوں کرتے ہیں کیونکہ دواؤں کی اصلی قوتوں کے آثار علی العموم اس وقت ظاہر ہو جاتے ہیں جب کہ وہ حرارت غریزیہ سے متاثر ہوتی ہیں۔ اگر ان سے ابتداء میں کوئی اثر ظاہر نہ ہو یا پہلے ایک اثر ظاہر ہو اور اس کے بعد دوسرا اثر اس کے برعکس نمودار ہو تو اس وقت علی العموم یہی ہوتا ہے کہ بعد کا اثر عارضی ہوتا ہے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ بعد کا اثر اس وقت ظاہر ہو جب دوا بدن سے خارج ہو چکی ہو اس لئے یہ تو نہایت بعید از عقل بات ہے کہ دوا کا اثر اس وقت تو ظاہر نہ ہو جب کہ دوا بدن کے اندر موجود ہو اور اس کے اجزاء اعضاء سے ملاقی ہوں اور جب وہ بدن سے خارج ہو جائے تو اس کا اثر ظاہر ہو اور یہ اثر ذاتی ہو۔

رہا یہ امر کہ ہم نے اس میں ''علی العموم'' کی قید لگائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اجسام کا ذاتی اثر ان کے عارضی اثر کے بعد

ظاہر ہوا کرتا ہے اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کہ کوئی عارضی قوت ان کی اصلی قوت پر غالب آ جاتی ہے۔ مثلاً گرم پانی سے گرمی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد جب عارضی اثر دور ہو جاتا ہے تو اس سے ٹھنڈک پہنچتی ہے۔

علاوہ ازیں ''علی العموم'' کی قید اس لئے بھی ضروری ہے کہ بعض دوائیں دو یا زیادہ جوہروں سے مرکب ہوتی ہیں اور یہ جوہر مختلف اوقات میں کام کرتے ہیں اس لئے یہ دونوں اثرات خواہ متضاد ہوں اور آگے پیچھے ظاہر ہوں اصلی اور ذاتی ہی ہوں گے۔ ریوند چینی میں ایک جوہر مسہل ہے جو پہلے عمل کرتا ہے اور ایک جوہر قابض ہے جو بعض کو آنتوں میں قبض پیدا کرتا ہے۔

نوٹ: دوا کا پہلا اثر مشینی ہوتا ہے اور دوسرا کیمیائی، جیسے ریوند چینی اعصابی غدی ہے۔ اعصاب میں شدید تحریک سے اسہال ہو جاتے ہیں پھر رطوبت کی زیادتی سے عضلات میں سکون پیدا ہو کر قبض ہو جاتی ہے۔

تجربات اشیاء کے لئے ساتویں شرط

شیخ الرئیس لکھتے ہیں کہ دوا کی تاثیر دائمی یا اکثری ہو۔ علامہ ابن نفیس اپنے خیالات یوں لکھتے ہیں جو دوا دائمی اور اکثری نہ ہو وہ علی العموم اتفاقی ہوا کرتی ہے۔ اصلی اور طبعی نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ جو اثرات کسی دوا کی طبیعت سے پیدا ہوتے ہیں وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتے۔

چونکہ ادویہ مجہول التاثیر کے تجربہ اور امتحان میں خطرات بہت زیادہ ہیں جیسا کہ ابوالطب بقراط نے اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات ذرا سی غفلت و کوتاہی سے محض تجربہ و آزمائش میں انسان کی قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ مجہول دوا شدید زہر ہو جس کی ذرا سی مقدار ہلاکت بن جائے۔

تجربات الادویہ کا طریق کار

حکیم بقراط نے لکھا ہے کہ بعض اوقات ذرا سی غفلت اور کوتاہی سے محض تجربہ و آزمائش میں انسان کی قیمتی جان ضائع ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے وہ مجہول دوا شدید زہر ہو اور چونکہ مجہول التاثیر ادویہ کے تجربہ و امتحان میں بہت زیادہ خطرات ہیں جس کی ذرا سی مقدار موجب ہلاکت بن سکتی ہے۔

اس لئے اطبائے قدیم نے تجربات کے لئے چند شرائط مقرر کر دی ہیں:

① جس دوا کے اثرات کی آزمائش کرنے کا ارادہ ہو اس کے کھلانے سے پہلے یہ غور اور احتیاط سے دیکھ لیں کہ اس کی بو، مزہ اور رنگ کیا ہے۔ اگر اس کی بو اور مزا ناگوار و مکروہ ہو تو سمجھنا چاہئے کہ وہ مضرت سے خالی نہیں ہے۔ ایسی دوا کو سخت احتیاط سے استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح کسی چیز کے استعمال کے بعد طبیعت میں کراہت اور نفرت پیدا ہو تو سمجھنا چاہئے کہ وہ خطرناک اور مضر اجزا سے خالی نہیں ہے۔ بے پروائی کے ساتھ استعمال کرنے سے قبل تجربہ کے ابتدائی مراحل طے کرنے کی ضرورت ہے۔

بعض دوائیں ایسی قوی العمل بھی ہیں کہ وہ ذرا سی مقدار میں چکھنے اور سونگھنے سے باعث موت ہوتی ہیں۔ اس لئے حقیقی احتیاط یہ ہے کہ مجہول ادویہ کے چکھنے اور سونگھنے کی بھی جرات نہ کی جائے۔ بلکہ حیوانات پر تجربات کئے جائیں جیسا کہ ذیل میں بتایا

گیا ہے۔

(۲) مجہول ادویہ کے تجربات پہلے حیوانات پر کئے جائیں۔علی الخصوص ایسے حیوانات پر جن کے مزاج انسانی مزاج کے قریب تر ہیں۔ مثلاً بندروغیرہ اور جواثرات ظاہر ہوں ان کا بغور مطالعہ کریں۔اثنائے تجربات میں ان جانوروں کو اپنی نگرانی میں رکھیں اور کھانے پینے کی پوری پوری پابندی کا بندوبست کیا جائے، جب بار بار کی آزمائش کے بعد کوئی اثر متعین ہو جائے تو انسان میں اس مقصد کے لئے بمقدار قلیل استعمال کی جرات کریں پھر بتدریج اس مقدار کو بڑھا کر دیکھا جائے لیکن ہر حالت میں عزم واحتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

(۳) حیوانات پر تجربہ کرنے کے بعد جب انسان پر تجربہ کرنے کا وقت آئے تو ابتدائی تجربہ کے لئے ایسے آدمی کا انتخاب کریں جو قوی، توانا، فربہ اور کچھ عمر رسیدہ ہو۔ بچوں، بوڑھوں اور کمزوروں پر پہلے ہرگز نئی چیز کا تجربہ نہ کیا جائے، ان میں تحمل کی قوت کم ہوتی ہے۔ مبادا وہ دوا سمی ہو جس کے مضرات ایسے لوگوں کے لئے نا قابل برداشت ثابت ہوں۔اس کے بعد دوسرے متعدد لوگوں میں اس کے اثرات دیکھے جائیں۔اس طرح دوا کا مزاج، درجہ، تاثیر خواص اور مقدار خوراک کا تعین ہوا کرتا ہے۔

معلوم اثرات سے راہنمائی

شیخ الرئیس لکھتے ہیں گا ہے قیاس کے قوانین واصول ادویات کے ان افعال تاثرات سے اخذ کئے جاتے ہیں جو ہمیں پہلے سے معلوم ہیں۔جس سے ہمیں بطریق استدلال وقیاس ادویہ کی نامعلوم تاثیرات کے لئے نمایاں رہبری حاصل ہو جاتی ہے۔ جیسے:

(۱) ایک دوا کی مالش جلد پر کی گئی تو اس سے تھوڑی دیر کے بعد جلد کی رگیں کشادہ ہو گئیں۔اس مقام کی حرارت بڑھ گئی اور دوران خون تیز ہو گیا۔لیکن اس دوا کے متعلق ہمیں یہ پتہ نہیں ہے کہ یہ عضو کی لاغری کو دور کرتا ہے، محرک باہ ہے یا محلل اورام ہے۔اب ہمیں قیاس واستدلال سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ چونکہ ہمارے علم میں پہلے سے چند ایسی دوائیں ہیں جو جلد کی رگوں کو کشادہ کرتی ہیں اور جب اعضاء متعلقہ فعل پر ان کی مالش کی جاتی ہے تو وہ تحریک باہ کی موجب بنتی ہیں۔ورم پر لگانے سے ورم کو تحلیل کرتی ہے اور لاغر عضو کی مالش سے اس میں فربہی لاتی ہے اس لئے ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ زیر غور دوا بھی شاید (بلکہ گمان غالب ہے) مسمن عضو، محرک باہ اور محلل اورام ہو۔

(۲) دوسری مثال یہ ہے کہ کسی دوا کے متعلق ہمیں اس قدر معلوم ہے کہ وہ زبان اور منہ کی غشائے مخاطی میں قبض پیدا کرتی ہے۔مگر یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ نکسیر کے خون کو بند کرتی ہے یا نہیں اور سیلان الرحم میں مفید ہے یا نہیں۔ایسی حالت میں دوسری قابض ادویات پر قیاس کر کے یہ حکم لگا سکتے ہیں کہ چونکہ یہ دوا غشا مخاطی پر قبض کا اثر رکھتی ہے اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے اندر قابض جزو ضرر موجود ہے تو قوی قیاس یہ ہے کہ اس کا قابض جزء عروق کو سکیڑ کر نکسیر کے خون کو روک دے اور اندام نہانی کی غشائے مخاطی پر قوت قابض سے اثر کر کے سیلان اور رطوبت میں کمی کر دے۔جیسا کہ دوسری قابض دوائیں عمل کیا کرتی ہیں۔

(۳) تیسری مثال یہ ہے کہ ایک دوا کا اثر ہمیں یہ معلوم ہے کہ سڑے ہوئے گوشت کی بوٹی پر جب اس کو ڈالا جاتا ہے تو اس کا تعفن رُک جاتا ہے، اسی طرح اگالدان میں بلغم گندا ہو جاتا ہے تو اگالدان میں ڈالنے سے سڑاند کم ہو جاتی ہے اور گندی نالیوں میں

جب ڈالا جاتا ہے تو نالی میں تعفن کم ہو جاتا ہے، لیکن اس دوا کا اثر معلوم نہیں ہے کہ بدن کے گندے زخموں پر اس کا کیا اثر ہے سر اور کپڑوں کی جوں، جسم کی جوں، لیکھ اور دوسرے چھوٹے چھوٹے جانداروں پر کیا کیا عمل ہوتا ہے یا اس دوا کے استعمال سے گندے زخموں کی عفونت بھی زائل ہو جاتی ہے یا نہیں اور چھوٹے چھوٹے حیوانی نباتاتی جاندار اس سے تباہ و برباد ہوتے ہیں یا نہیں۔ اس دوا کے مذکورہ بالا فعل سے (نالی وا گالدان اور بوئی وغیرہ کے ازالہ عفونت سے) ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں جو شاید تجربہ سے بھی صحیح اُترے کہ یہ دوا ان چھوٹے جانوروں کو بھی تباہ کرتی ہوگی اور اس کے استعمال سے بدن کے گندے زخم کی عفونت زائل ہو جاتی ہوگی۔

یہ صرف تین ہیں، اس قسم کی بے شمار مثالیں دی جا سکتی ہیں جو معلوم اثرات سے قیاس کر کے تجربات کئے جا سکتے ہیں جس سے ہم یقین کے درجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔

مرکبات میں مغالطہ

یہ یاد رکھیں کہ مفرد ادویات و اغذیہ اور زہروں کے قیاس میں جو قوام، استحالہ، رنگ، بو اور مزا سے افعال و اثرات اور خواص کئے جاتے ہیں اس میں کسی صورت میں بھی مغالطہ ہونا ممکن نہیں ہے مگر مرکب ادویات میں یہ مغالطہ ہونا یقینی امر ہے۔ کیونکہ مرکبات میں ادویات کا قوام، استحالہ، رنگ، بو اور مزہ اس طرح ہرگز ترکیب و ترتیب نہیں پاتا جس طرح مفرد ادویات میں یہ صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح مزاج ثانی کے مرکبات اور ادویہ مرکب القویٰ میں خواہ وہ طبعی ہوں یا صناعی اکثر مغالطہ ہوتا ہے جس کی مثال دودھ و شہد اور شربت وغیرہ میں کسی دیگر غذا یا دوا یا زہر کا شامل کر دینا یا دو یا دو سے زیادہ اغذیہ و ادویہ اور زہروں کو اگر آپس میں ملا دیا جائے تو ان کے اثرات کو قیاس کے مبادیات سے سمجھنا بہت مشکل ہے کیوں کہ ان کا قوام، استحالہ، رنگ، بو اور مزہ کبھی بھی فطرت کے مطابق تیار نہیں ہو سکتا۔ البتہ مفردات کو سمجھ کر مرکبات تیار کرنا ممکن ہے اور یہ ترکیب و ترتیب پر اور مرکبات کو سمجھا جا سکتا ہے اسی طرح کشتہ جات، روغنیات اور ست و جواہرات اور اسی طرح الکلائیڈ (تجزیہ شدہ ادویات) جیسی ادویات یا ان کے مرکبات کے افعال و اثرات اور خواص کو قیاس کے مبادیات سے سمجھنا نہایت مشکل ہے۔ البتہ اگر کسی مرکب دوا کا تجزیہ کر لیا جائے تو اس مرکب دوا کے افعال و اثرات اور خواص کو مدنظر رکھتے ہوئے اسی قسم کے دیگر مرکبات پر قیاس کیا جا سکتا ہے اور ان کے تجربات سے خاطر خواہ فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

ان حقائق سے ان امور کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ قیاس ہمیشہ مفرد اغذیہ و ادویہ اور زہروں پر کیا جا سکتا ہے اور انہیں کے تجربات بھی کئے جا سکتے ہیں۔ مرکب ادویات کے افعال و اثرات اور خواص معلوم کرنے کے لئے پہلے ان کا تجزیہ کر کے مفردات میں تقسیم کر لینا چاہئے اور پھر ان کے افعال و اثرات اور خواص کے تحت مرکبات کے متعلق قیاس و تعین کیا جا سکتا ہے۔

جسم پر تاثیرات ادویہ

جسم انسان یا حیوان پر جو اغذیہ و ادویہ اور زہر استعمال ہوتے ہیں وہ اپنا اثر رکھتے ہیں۔ اغذیہ، ادویہ اور زہروں کے یہ تاثرات و افعال حالت صحت میں بھی معلوم ہوتے ہیں اور حالت مرض میں بھی ان کا پتہ چلتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اشیاء کے اثرات و افعال معلوم کرنے کے لئے ان کا استعمال کسی مرض میں ہزاروں ادویات اور سینکڑوں مجربات درج ہیں۔ لیکن معالج ان کو باری باری کسی مریض پر

تجربہ کرتا ہے مگر ناکام ہو کر حیران ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مرض کی علامت اپنی حالت پر قائم ہے لیکن وہ اس امر پر غور نہیں کرتا کہ ان تمام اغذیہ و ادویہ اور زہروں میں شکلاً اور عملاً جو فرق ہے اس کے باوجود وہ سب دافع ریاح کیوں مفید ہیں۔ عام مشہور ادویہ جو معدہ کے ریاح میں مفید ہیں ان میں سے تین پر غور کریں۔ مثلاً (۱) بادیان (۲) زنجبیل (۳) ہینگ۔ تینوں ریاح معدہ کے لئے نہ صرف مفید ہیں بلکہ اکسیر ہیں لیکن چونکہ معالج اس کے مقام و اسباب مرض سے واقف نہیں ہوتا اس لئے وہ اکثر ناکام رہتا ہے لیکن حقیقت میں ان کے مفید بلکہ اکسیر و تریاق ہونے میں کوئی شک نہیں ہے چونکہ معالج دوا اور اسباب مرض سے واقف نہیں ہے اس لئے ہمیشہ مجربات کی طلب کرتا رہتا ہے بلکہ اس کو جوع المجربات کا مرض ہو جاتا ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہے کہ امراض کی حالت میں اشیاء کے اثرات و افعال لینا مفید تو ہیں لیکن یقینی نہیں ہوتے ان کو اکسیر و تریاق کہنا بالکل غلط ہے۔

تندرست پر تاثیر الادویہ

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے اغذیہ و ادویہ اور زہروں کے اثرات و افعال لینے کے لئے ایک جدید طریقہ اختراع کیا ہے کہ اشیاء کو تندرست جانوروں پر استعمال کر کے ان کے افعال و اثرات حاصل کئے جائیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ادنیٰ حیوانات جن میں مینڈک، خرگوش، چوہے، بلیاں، کتوں اور بندروں پر اپنے تجربات کئے۔ بلکہ گھوڑوں اور گدھوں کو بھی اپنے تجربات میں شامل کر لیا ہے۔ اگرچہ یہ اصول تجربات قانون کے مطابق تو درست ہیں لیکن ان کو بالکل انسانی جسم کے مطابق نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ ان تجربات سے جسم کے مختلف اعضاء کے افعال اور خون کے کیمیائی اثرات کی حقیقت پر صحیح تجربات اور معلومات حاصل کی گئیں اور علمی و فنی دُنیا میں ایک بہت بڑا اضافہ ہوا اور اشیاء کے بعض اثرات یقینی ہیں اور اس سے خواص و فوائد ادویہ میں بہت اضافہ ہوا ہے۔

فرنگی طب میں اثرات الادویہ میں خرابیاں

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے تندرستوں پر اغذیہ اور زہروں کے تجربات کر کے ایک جدید راستہ تو ضرور پیدا کیا اور اس سے بہت حد تک مفید نتائج بھی حاصل ہوئے ہیں، مگر اس طرح حاصل کئے ہوئے اثرات و افعال بھی یقینی اور بے خطا نہیں بن سکے۔ ان میں چار قسم کی خرابیاں پائی جاتی ہیں:

① تندرستوں پر حاصل شدہ اثرات مرکب اعضاء کے ماتحت ہیں۔ مفرد اعضاء (ٹشوز) کے تحت بالکل حاصل نہیں کئے گئے اس لئے اعضاء پر یہ اثرات درست تو ہیں مگر یقینی نہیں ہیں، کیونکہ ہر سبب کے بعد نتیجہ بدل جاتا ہے۔

② اگر کہیں ایک مفرد عضو کا ذکر ہے بھی تو وہ اثرات و افعال صرف اسی ایک تک محدود ہیں، دیگر مفرد اعضاء پر ان کے اثرات نہیں ملتے کہ بیک وقت ایک دوا کے اثرات و افعال کا تمام مفرد اعضاء پر علم ہو سکے اور اس طرح اشیاء کے اثرات و افعال کا مختلف مفرد اعضاء سے تعلق کا علم ہو سکے اور مختلف مفرد اعضاء کا باہمی تعلق کا پورا پورا پتہ چل سکے۔ اس طرح امراض کی حالت میں بھی ان کا تعلق قائم رہتا ہے۔

③ یہ اثرات و افعال مرکب اعضاء کے افعال و تیزی اور سستی اور دفع تعفن و قاتل جراثیم تک محدود ہیں، ان کا جسم انسان کے مشینی اور کیمیائی اعتدال سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے امراض کے علاج میں اس قسم کے اثرات و افعال بہت حد تک ناکام اور غیر یقینی

ہیں، ان کا اثر دفع علامات تک ہوتا ہے جو عارضی ہوتا ہے۔

(۴) ان اثرات وافعال اور خواص اغذیہ وادویہ اور زہروں کا امراض کے ساتھ تطبیق نہیں دیا گیا، اسی لئے نتائج غیر یقینی ہیں۔

ان حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خوفناک قسم کی خرابیاں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس کی مرض وعلامات کے لئے یقینی اور بے خطا مجربات پیش نہیں کر سکی اور ہر پانچ دس سال کے بعد ان کی اکسیر وتریاق قسم کی ادویہ اور مجربات غلط ثابت ہو جاتے ہیں اور نئی ادویات ومجربات نکل آتے ہیں۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جب وہ اپنے تجربات میں یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ فلاں دوا کسی عضو کے افعال کو تیز وسست کر دیتی ہے یا وہاں کا تعفن اور جراثیم فنا کر دیتی ہے تو پھر وہ جب کسی مرض یا علامت میں استعمال کی جاتی ہے تو اس کا اثر یقینی اور بے خطا کیوں نہیں ہوتا۔ یہی اس کی خوفناک خرابیاں ہیں۔

ہومیوپیتھی کے اثر الادویہ

ہومیوپیتھی (علاج بالمثل) میں تندرست انسانوں پر اثرات وافعال حاصل کئے جاتے ہیں۔ ان سے جو علامات پیدا ہوتی ہیں، یہی علامات جب کسی مریض میں پائی جاتی ہیں، اور جب انہی علامات کی دوا کو تقلیل کے ساتھ استعمال کر دینے سے وہ علامات کم وبیش دور ہو جاتی ہیں اور یہی علاج بالمثل ہے۔

بالمثل خواص الادویہ کے متعلق کہا جاتا ہے اس طریق پر حاصل کئے ہوئے اثرات افعال ہی یقینی شفا ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حقیقی شفا کا تصور ایک خوش فہمی سے زیادہ نہیں ہے۔ کیونکہ کہنہ وپیچیدہ امراض تو رہے ایک طرف زندگی کے روزانہ امراض کے لئے بھی ان کے ہاں یقینی شفا نہیں ہے، کیونکہ بالمثل ادویہ میں مندرجہ ذیل خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

(۱) بالمثل خواص الادویہ سے جو علامات حاصل کی جاتی ہیں وہ بے ربط اور بے ترتیب ہوتی ہیں، کیونکہ ربط وترتیب تو کسی مفرد عضو کے ماتحت ہو سکتا ہے یا کسی مرض کے تحت کیا جا سکتا ہے اور وہاں دونوں تصورات نہیں ہیں۔

(۲) بالمثل خواص الادویہ کی علامات چونکہ مرکب اعضاء کے تحت حاصل کی جاتی ہیں اس لئے ان سے یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے کہ اس عضو میں جو تکلیف ہے وہ اس کے اعصاب میں ہے یا عضلات وغدد میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تفریق کو سمجھنے کے لئے ہومیوپیتھی میں سفلس، سورا اور سائیکوسس کا تصور پیدا کیا گیا ہے، مگر اس کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

(۳) ہومیوخواص الادویہ سے علاج صرف رفع علامات تک ہے کیونکہ ان میں نہ مفرد اعضاء (ٹشوز) کے افعال واعمال کا پتہ چلتا ہے اور نہ ہی ان میں امراض کا تعین ہے۔ حقیقت امراض (پیتھالوجی) کا ذکر ہی بے سود ہے۔

(۴) انسانی خون ہمیشہ غذا سے بنتا ہے، دوا سے نہیں بنتا۔ اس لئے خون میں جو غذائی تغیرات ہوتے ہیں ان کیمیائی صورتوں کا کہیں ذکر نہیں ہے، کیونکہ ہومیوپیتھی میں علم الغذا سرے سے نہیں ہے۔

ان حقائق سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہومیوخواص الادویہ میں کیسی کیسی خوفناک خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

ہومیوخواص الادویہ میں غلط فہمی

ہومیوپیتھ معالج اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ حقیقی شفا (کیور کمانڈ) صرف بالمثل خواص الادویہ میں حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ خیال

بالکل غلط ہے اور تجربات سے ظاہر ہے کہ ادویات کے بالضد اثرات و افعال بھی حقیقی شفا بخش ہو سکتے ہیں جس کا سب سے بڑا ثبوت آیورویدک، طب یونانی اور فرنگی طب کے خواص الادویہ ہیں جن کے ساتھ صدیوں سے امراض کا علاج کیا جا رہا ہے اور بہت حد تک کامیاب ہے اور اگر ان کے قوانین خواص الادویہ پر علاج کیا جائے تو یقینی شفا حاصل ہوتی ہے۔

یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھیں کہ شفا ادویہ کے استعمال سے نہیں ہوتی بلکہ ان قوانین پر ہوتی ہے جن کے تحت افعال و اثرات حاصل کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح علاج بالغذا، علاج بالفاقہ، علاج طب روحانی، علاج بالموسیقی، علاج نفسیاتی تجزیہ (سائیکوتھراپی)، کروموپیتھی (رنگوں سے علاج)، اسٹروپیتھی (مالش اور حالہ مرض) بلکہ جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے وغیرہ سب کے اثرات و افعال بالضد حاصل کئے جاتے ہیں اور اکثر شفا بخش ہیں۔

جہاں تک ادویہ کے اثرات و افعال کا تعلق ہے، ہومیوپیتھ خوب جانتے ہیں کہ جن ادویات کو وہ بالمثل قلیل مقدار میں دیتے ہیں وہ وہی ادویات ہیں جن کو مسلسل استعمال کر کے انہوں نے یقینی علامات تندرست انسان پر حاصل کی ہیں ان کو ان علامات پر یقین ہے کہ وہ صحیح ہیں۔ اسی لئے وہ ان کی بالمثل قلیل مقدار دوائیں استعمال کر کے شفا حاصل کرتے ہیں۔ اگر ان کو ان ادویات کے صحیح ہونے کا یقین نہ ہو تو پھر وہ حقیقی شفا کا کیسے یقین کر سکتے ہیں۔ یہی علامات ہیں جن کو پیدا کرنے کے لئے علاج بالضد میں ادویات استعمال کی جاتی ہیں اور جب وہی علامات حسب منشا پیدا ہو جاتی ہیں تو وہ علامات خود بخود رفع ہو جاتی ہیں، جن کے خلاف وہ بالضد پیدا کی گئی ہیں۔ یہی علاج بالضد ہے جو ہزاروں سالوں سے رائج اور کامیاب ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بالمثل علاج کا معالج انہی علامات کے مطابق ادویات قلیل مقدار میں استعمال کر کے وقتی طور پر ان علامات میں اضافہ کر دیتا ہے تاکہ قوت مدبرہ بدن ان کے مقابلے میں تیز ہو کر وقتی اضافہ کے ختم ہو جانے کے بعد ان مستقل علامات پر قابو پا لے اور شفا حاصل ہو جائے اور بالضد علاج کا معالج ان علامات کے خلاف اعضا اور خون میں ایسے افعال و اثرات پیدا کر دیتا ہے کہ وہ پہلی علامات پر غالب آ جاتی ہیں۔

جہاں تک علامات کا تعلق ہے، وہ ایک ہی قسم کی ہوتی ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا۔ جہاں تک شفا کا تعلق ہے، دونوں صورتوں میں یقینی ہے۔ یہ ہومیوپیتھی کی غلط فہمی ہے کہ بالمثل علاج میں یقینی شفا اور بالضد میں شفا نہیں ہے، بلکہ دیگر امراض کو پیدا کر دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ہومیوپیتھک انہی علامات کو عارضی طور پیدا کر دیتے ہیں، اسی طرح علاج بالضد کے معالج انہی علامات کے خلاف عارضی علامات پیدا کر دیتے ہیں۔ بہر حال نئی پیدا کردہ علامات عارضی ہوتی ہیں ان کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی مرض کی علامات ختم ہو جاتی ہیں اور صحت قائم ہو جاتی ہے۔

علاج کی کامیابی صحیح دوا پر ہے

علاج بالضد یا علاج بالمثل میں اس وقت تک کامیابی نصیب نہیں ہوتی جب تک علامات کے مطابق صحیح دوا تجویز نہ کی جائے۔ ہر معالج اپنے قانون کے تحت مرض کی تشخیص کرتا ہے اور دوا تجویز کرتا ہے اور شفا اسی قانون کے تحت ہوتی ہے۔

مثلاً آیورویدک میں پیدائش مرض اور تجویز دوا دوشوں اور پرکرتیوں پر قائم ہے۔ جب جسم انسان میں ان کے اندر کمی بیشی یا خرابی پیدا ہو جاتی ہے یا وہ اپنا مقام بدل لیتے ہیں تو مرض و علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ بس انہی میں تدبیر و غذا اور دوا سے اعتدال پیدا کرنا

یقینی علاج ہے۔

طب یونانی میں پیدائش مرض اور تجویز دوا، کیفیات و مزاج اور اخلاط پر قائم ہے۔ جب جسم میں ان کے اندر کمی بیشی اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے تو امراض و علامات پیدا ہو جاتے ہیں۔ انہی میں تدبیر و غذا اور دوا سے اعتدال یقینی علاج ہے۔

فرنگی طب (ڈاکٹری) میں پیدائش مرض اور تجویز دوا انسان کے کیمیائی اجزائے خون (آرگینک ایلی منٹس) پر رکھی گئی ہے کہ جب ان میں کمی یا خرابی واقع ہو جاتی ہے تو مرض کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ چونکہ اس کا موجد ''شسلر'' ہومیوپیتھی طریق علاج کا حامی تھا۔ اس لئے اس نے تشخیص اور تجویز دوا میں اس نظریہ کو مدنظر رکھنے کی بجائے ہومیو نظریہ تقلیل دوا کو اپنا لیا۔ جو اس نظریہ کے مطابق بالکل غلط تھا۔ یعنی اس کو یہ چاہئے تھا کہ جو اجزائے خون کم یا خراب ہیں انہی ادویات کو زیادہ سے زیادہ استعمال کر کے اس کی کمی اور خرابی کو پورا اور درست کرتا۔ لیکن اس نے برعکس اس کے خون کے کیمیائی بارہ چودہ اجزاء کی ہومیوپیتھی علامات لکھ کر ان کا علاج تقلیل ادویہ سے شروع کر دیا۔ اس طرح یہ ایک محدود ہومیوپیتھک علاج بن کر رہ گیا۔ اس کے علاوہ اس میں مرض کا تصور اور غذا کی اہمیت کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس کو طریق علاج کہنا بنی نوع انسان پر ظلم ہے۔ اس میں علم و فن طب کا کوئی بھی شعبہ مکمل یا غیر مکمل نہیں پایا جاتا۔ ہومیوپیتھی، بایوکیمک اور دیگر اس قسم کے علاج کو عطایانہ حیثیت سے زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ جیسے ہائیڈروپیتھی، الیکٹروپیتھی، اسٹروپیتھی، پتنگ، فزیوپیتھی، علاج طب روحانی، علاج بالامالہ، علاج بالموسیقی اور تعویز و گنڈہ اور جھاڑ پھونک وغیرہ علاج کی شکل میں پائے جاتے ہیں۔ یہ سب علاج بالضد ہیں۔

صحیح خواص الاشیاء

ان حقائق کو سمجھ لینے کے بعد اب صحیح خواص الاشیاء کو ذہن نشین کر لیجئے۔ جو اغذیہ و ادویہ اور زہر جسم انسان میں داخل ہوتے ہیں بلکہ کیفیاتی اور نفسیاتی اثرات جو انسان پر وارد ہوتے ہیں۔ ان کا اوّلین اثر انسان کے اعضائے مفرد (ٹشوز) پر ہوتا ہے اور ان میں تحریک و تسکین اور تحلیل کی صورتیں پیدا کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد خون میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے جو غذائی اجزاء (آرگینک ایلی منٹ) ہوتے ہیں۔ وہ خون کا جز نہیں بنتے۔ جسم انسان ان سے متاثر ہو کر ان کو خارج کرنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ خارج کرنے کے قابل نہیں ہوتا تو اس کا شدید اثر مرض یا موت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ان غیر غذائی اجزاء کی جو علامات ظاہر ہوتی ہیں ان کا تعلق ان مفرد اعضاء (ٹشوز) سے قائم رہتا ہے۔ جب کبھی غذائی اجزاء جسم میں ضرورت سے زیادہ چلے جائیں اور جز و خون نہ ہو سکیں تو وہ بھی غیر طبعی علامات پیدا کر دیتے ہیں اور کبھی غیر ضروری اجزاء میں فساد و تعفن پیدا ہو کر غیر طبعی کرنا چاہئے، جیسا کہ علاج بالضد میں قانون ہے، اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ اشیاء کے صحیح اثرات و افعال صرف تندرست انسان پر تجربہ کر کے معلوم کئے جا سکتے ہیں۔ پھر ان اثرات و افعال کو ان کے بالضد امراض میں استعمال کیا جا سکتا ہے یا ان اثرات و افعال کے مطابق علامات دیکھ کر قلیل مقدار میں ادویات استعمال کی جا سکتی ہیں۔ جیسا کہ علاج بالمثل (ہومیوپیتھی) میں قانون ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ اغذیہ و ادویہ اور زہروں کے اثرات و افعال حالت صحت اور حالت مرض دونوں صورتوں میں لئے جا سکتے ہیں اور دونوں صورتوں میں مفید ہو سکتے ہیں۔

مرض کی حالت میں تاثیر الادویہ

یہ حقیقت ہے کہ مرض کی حالت میں جن اشیاء کے اثرات و افعال حاصل کئے جاتے ہیں وہ مفید تر ضرور ہوتے ہیں لیکن یقینی نہیں

ہوتے کیونکہ تقریباً ہر مرض اور علامت کے اسباب و ماحول مختلف ہوتے ہیں اس لئے کہا نہیں جا سکتا کہ کس سبب کے تحت وہ مرض و علامت تھی اور اس دوا نے فائدہ ظاہر کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے جو افعال و اثرات تقریباً ہر مرض کے لئے بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں بھرے پڑے ہیں بلکہ بعض قابل حکماء اور ماہرین اطباء نے ان امراض و علامات کے اسباب و ماحول بھی لکھ دیئے ہیں۔ تاہم ان سے یقینی فوائد اور صحت حاصل نہیں کی جا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہزاروں سالوں سے لے کر آج تک جب کہ ماڈرن سائنس کا دور ہے اغذیہ وادویہ اور زہروں کے مزید اثرات وافعال کی ضرورت کا احساس پایا جاتا ہے اور ہر طرف یقینی اور بے خطا مجربات کی طلب شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔ لیکن طلب اور ضرورت پوری نہیں ہوتی اور عوام کیا معالج بھی پریشان ہیں۔

مثلاً ایک عام مرض اکثر روزانہ دیکھا جاتا ہے، وہ ہے معدہ کی خرابی اور ان بے شمار علامات کو اگر فی الحال چھوڑ کر صرف اس کی ایک علامت کو سامنے رکھیں، مثلاً پیٹ میں ریاح کا زیادہ ہو جانا تو اس کو دور کرنے کے لئے کتب طبیہ میں علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ غذائی اور غیر غذائی اجزا کبھی خالص ہوتے ہیں اور کبھی باہم ملے ہوتے ہیں لیکن وہ اپنی مقدار کے مطابق اسی نسبت سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان سب کی نتیجہ کے طور پر دو صورتیں بن جاتی ہیں۔ ایک اثر اعضائے مفرد (ٹشوز) پر جس کو مشینی یا اوّلین اثر (فرسٹ ایکشن) کہتے ہیں۔ دوسرا اثر خون میں ہوتا ہے جس کو کیمیائی یا ثانوی اثر (سیکنڈری ایکشن) کہتے ہیں۔ جب کیمیائی اثر خون میں غالب آ جاتا ہے تو پھر یہ خود مشینی اثرات شروع کر دیتا ہے۔ بس اسی طرح علامات پیدا اور ختم ہوتی رہتی ہیں۔ علاج میں انہی کیمیائی اثرات کو چاہے ان کو اخلاط و کیفیات کہہ لیں یا خون کے کیمیائی اجزاء، انہی کو اعتدال پر قائم رکھنا ہے۔ بس اسی کا نام صحت ہے۔

جسم پر اثرات اشیاء

جسم پر اغذیہ وادویہ اور زہروں وغیرہ اشیاء کے اثرات کا جب ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد ہمیشہ یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ وہ اثرات ہیں جو حالت صحت میں ان کے استعمال سے پیدا ہو سکتے ہیں، ان کو اثرات وافعال اشیاء کہا جاتا ہے۔ انگریزی میں اس کو فزیالوجیکل ایکشن (Physiological Action) کہتے ہیں۔

اثرات اشیاء میں ایک بہت بڑی غلط فہمی

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آیورویدک اور طب یونانی میں جو اثرات وافعال اغذیہ وادویہ اور زہروں کے بیان کئے گئے ہیں وہ امراض علامات کے بالمقابل ان کو رفع کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں، لیکن یہ بالکل غلط ہے بلکہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے اور اس لئے اکثر معالجین کو علاج میں ناکامیاں ہوتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آیورویدک اور طب یونانی میں جو اثرات وافعال اغذیہ وادویہ اور زہروں کے بیان کئے گئے ہیں وہ دوشوں و پرکرتی اور اخلاط و کیفیات اور اعضاء کے افعال کو مدنظر رکھ کر لکھے گئے ہیں۔ کیونکہ امراض وعلامات بھی انہی مبادیات اور قوانین کے تحت بیان کئے گئے ہیں۔ اس لئے علاج میں بھی امراض وعلامات کو جب تک انہی مبادیات اور قوانین کے تحت تطبیق نہ دیا جائے گا تو شفاء اور صحت کی صورت نظر نہ آئے گی۔ اس لئے علاج میں کسی غذا و دوا اور زہر کو کسی مرض وعلامات کے ساتھ مخصوص نہیں کرنا چاہئے کہ فلاں مرض یا

فلاں علامت کے لئے فلاں دوا مفید ہے۔ ایسا خیال کرنے والے فن علاج سے دور کا تعلق رکھنے والے بھی نہیں۔

ہر شے کے دو اثرات

جو لوگ اغذیہ وادویہ اور زہروں کو امراض وعلامات کے لئے مخصوص کر دیتے ہیں وہ اپنی غلط فہمی سے ان کی ایک ہی خصوصیت اور فائدہ سمجھتے ہیں۔ لیکن ایسا خیال کرنا نہ صرف غلط ہے بلکہ فن علاج پر ظلم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر شے کے دو قسم کے اثرات وافعال ہیں جن میں سے ایک عضوی فعل ہے اور دوسرا کیمیائی اثر ہوتا ہے۔

عضوی افعال

جب کسی غذا و دوا اور زہر کو استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا پہلا فعل ان کے مطابق کسی عضو پر ہوتا ہے۔ اس کو عضوی یا مشینی فعل کہا جاتا ہے جس کو انگریزی میں پرائمری ایکشن (Primary Action)، فرسٹ ایکشن (First Action) کہتے ہیں۔ جیسے رائی کو اگر استعمال کیا جائے تو اس سے قے آجائے گی یا جی متلائے گا۔ یہ اس کا پہلا فعل ہے جو معدہ کے عضلات پر ہوتا ہے۔ یہ اس کا عضوی یا مشینی یعنی پہلا فعل ہے۔

کیمیائی اثرات

جب کسی شے کا جسم میں استحالہ ہو جاتا ہے تو وہ جسم میں جذب ہو کر خون میں شامل ہو جاتی ہے اور وہاں پر ایک کیمیائی صورت پیدا کر دیتی ہے جس کو ہم اخلاط کہتے ہیں۔ مثلاً رائی جس کا اوپر عضوی فعل قے بیان کیا گیا ہے جب وہ خون میں شامل ہو گی تو کیفیاتی طور پر اس کا مزاج گرم خشک ہوگا اور اس سے خلط صفراوی کی پیدائش ہو گی۔ آیورویدک کے قانون کے مطابق وہ خون میں پت پیدا کر دے گی۔ جس کا مقام دماغ واعصاب، سینہ وجگر اور آنتیں ومثانہ ہوں گے۔ اس کو دوا کا کیمیائی اثر کہتے ہیں۔ انگریزی میں سیکنڈری ایکشن کہتے ہیں۔ یہی آیورویدک اور طب یونانی کے دوش اور اخلاط ہیں۔

فرنگی طب کی غلطی

باوجود اس کے کہ فرنگی طب غذا و دوا اور زہر کے دو اثرات تسلیم کرتی ہے، لیکن وہ علاج میں ان افعال واثرات کو نظر انداز کر کے نہ صرف امراض وعلامات کے ساتھ ان کو تطبیق دینے کی کوشش کرتی ہے بلکہ جراثیم کش اور دافع تعفن صورتوں کو دور کرنے کو زیادہ اہمیت دیتی ہے اور جس غذا و دوا اور زہر میں یہ صورتیں اس کو معلوم نہیں ہوتیں، وہاں ادویات کے مخدر و مسکن اور محرک اثرات کو قائم کر دیتی ہے۔ چونکہ اس کے علم العلاج میں کوئی ایسا تصور نہیں ہے جہاں پر کیمیائی طور پر کوئی مرکب تیار ہو جو امراض وعلامات کو دور کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکے، جیسے دوش اور اخلاط ہیں۔ یہی ان کے علاج میں سب سے بڑی خرابی اور کمی ہے۔ آیورویدک اور طب یونانی میں کس مرض وعلامات یا جراثیم اور تعفن کے لئے کسی خاص دوا کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ضرورت کے مطابق وات، پت، کف اور خون، بلغم، صفرا اور سودا کی کمی بیشی سے یہ اثرات حاصل کر لیتے ہیں اور فرنگی طب سے زیادہ کامیاب ہیں۔ اس لئے ہم فرنگی طب کو نہ صرف غلط بلکہ غیر علمی کہتے ہیں۔ اگر کوئی فرنگی ڈاکٹر فرنگی طب کو سائنٹفک اور اصولی ثابت کر دے تو ہم ان کو ہر وقت اور ہر جگہ پر چیلنج کرتے ہیں اور حکومت کے لئے بھی اس حقیقت غور کرنا ضروری ہے۔

مرض اور صحت کا اصل مخزن خون ہے

شیخ الرئیس بوعلی سینا کا قول ہے کہ ''بدن کے ہر ایک حصہ اور ہر ایک عضو میں طبعاً ایک قوت غریزیہ ہوتی ہے، جس سے اس عضو کے تغذیہ کا کام پورا ہوتا ہے''۔

جاننا چاہئے کہ یہ قوت غریزیہ انسانی نطفہ میں روز اوّل سے شامل ہوتی ہے جس کو خون سے تقویت ملتی رہتی ہے۔ جیسے دیئے کی بتی کو تیل ملتا رہتا ہے اور شعلہ (روح) قائم رہتی ہے۔ جب تیل میں خرابی واقع ہوتی ہے تو شعلہ میں نقص واقع ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب خون میں خرابی واقع ہوتی ہے تو قوت غریزیہ میں بھی نقص واقع ہو جاتا ہے گویا صحت اور مرض کا دارومدار خون پر ہے جس سے جسم غذا حاصل کرتا ہے۔ گویا جسم کا اصل غذائی خون ہے اور خون صرف اغذیہ سے کیمیائی طور پر بنتا ہے اور ادویہ سے ہرگز نہیں بنتا۔ البتہ ادویہ اس کی معاون ہوتی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ غذا، پانی اور ہوا جو جسم کے اندر داخل ہوتے ہیں ان میں جب استحالہ ہوتا ہے تو خون پیدا ہوتا ہے اور خون اخلاط سے مرکب ہے۔

اخلاط کے اندر جو مواد پیدا ہوتے ہیں، غذا، ماحول اور آب و ہوا کے تغیرات سے خون کے اندر اخلاط کے مختلف مدارج قائم ہوتے رہتے ہیں اور ان سے انواع واقسام کے صالح اور فاسد مواد پیدا ہوتے رہتے ہیں جن سے صحت اور مرض کی صورتیں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ چونکہ خون کا دارومدار ماکول ومشروب اور ہوا و ماحول کے افعال واثرات اور استحالہ پر ہے۔ انہی استحالات اور تغیرات کے مراحل کو ہضم کہتے ہیں۔ یہ ہضم جسم میں مختلف مقامات پر ہوتا ہے اور انہی اعضا کے ناموں سے مشہور ہے۔ مثال کے طور پر ① ہضم معدی ② ہضم امعوی ③ ہضم کبدی ④ ہضم عروقی اور ⑤ ہضم عضوی۔ ان سب کی تفصیل تو طویل ہے مگر یہ ذہن نشین کرلیں کہ ہضم عضوی میں وہی اعضاء ہیں جن کو ہم مفرد عضو (نسیج) کہتے ہیں۔ انہی افعال واثرات اور ہضم سے گزر کر خون بنتا ہے اور خون سے جسم کا تغذیہ، تصفیہ اور نشوو ارتقاء ہوتا ہے اور فضلہ ہر مقام سے جدا جدا خارج ہوتا ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہے کہ جسم کے ہر عضو کے ہر حصہ میں قوت غریزیہ کی صورت میں خون کے کیمیائی اجزاء (اخلاط) جزو بدن ہوتے رہتے ہیں، جب اخلاط میں کمی بیشی یا ان کے مقام میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے تو قوت غریزیہ میں خرابی واقع ہو جاتی ہے۔ جس سے معدہ کا اخراج رُک جاتا ہے اور فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ بس اسی کا نام مرض ہے۔ بس اغذیہ وادویہ اور زہروں کے افعال واثرات انہی امراض وعلامات کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کی تفصیل ہی کو علم الادویہ کہا جاتا ہے۔

اشیاء کی اقسام

جو اشیاء اس دُنیا میں خالق نے پیدا کی ہیں وہ تین اقسام کی ہیں: ① جمادات ② نباتات ③ حیوانات۔ اس لئے ان کو حکما موالید ثلاثہ کہتے ہیں۔ اطباء نے ان کی تین صورتیں اس طرح بیان کی ہیں: اوّل غذا، دوم دوا، سوم زہر۔ ان کے افعال واثرات کے متعلق لکھا ہے کہ غذا مطلق خالص غذا کو کہتے ہیں، وہ جب بدن میں وارد ہوتی ہے تو بدن سے متاثر ہو کر متغیر ہو جاتی ہے لیکن بدن میں کوئی تغیر نہیں پیدا کرتی بلکہ خود جزو بدن ہو کر بدن کے مشابہ ہو جاتی ہے۔ مثلاً روٹی، گوشت اور دودھ وغیرہ۔

○ دوائے مطلق خالص دوا کو کہتے ہیں جو بدن سے متاثر ہوکر بدن میں تغیر پیدا کر دے اور آخر کار جزو بدن ہوئے بغیر بدن سے خارج ہو جائے۔ مثلاً ترشی اور کھار وغیرہ۔

○ سم مطلق، خالص زہر جو خود تو بدن سے متغیر و متاثر ہو لیکن بدن میں اپنا اثر و تغیر پیدا کر کے فساد کا باعث ہو۔ مثلاً سنکھیا اور سانپ وغیرہ کے زہر وغیرہ۔

چونکہ غذا و دوا اور زہر آپس میں ملی جلی حالت میں بھی پائے جاتے ہیں اس لئے ان کے اشتراک سے تین صورتیں اور بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ دو صورتیں تو غذا اور دوا کے اشتراک سے پیدا ہوتی ہیں: ① غذائے دوائی ② دوائے غذائی۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں غذا زیادہ ہوتی ہے اور دوسری صورت میں دوا زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح تیسری صورت میں دوا اور زہر کا اشتراک ہے۔ یعنی دوائے سمی۔ جس میں زہر کم اور دوا زیادہ ہوتی ہے اس طرح کل چھ صورتیں بن جاتی ہیں: ① غذائے مطلق ② دوائے مطلق ③ سم مطلق ④ غذائے دوائی ⑤ دوائے غذائی ⑥ دوائے سمی۔

گویا ان چھ صورتوں کے علاوہ اور کوئی ایسی صورت کسی شے کی نہیں ہے جو جسم انسان میں داخل ہو سکے۔ یہ دراصل تین ہی صورتیں ہیں، ان کی چھ صورتیں صرف اس لئے بنائی گئی ہیں تاکہ غذا و دوا اور زہروں کے حدود مقرر کر لئے جائیں۔ ان میں ذہن نشین کرنے والی بات یہ ہے کہ جو غذائیں خون بنتی ہیں اور جز و خون اور بدن بنتی ہیں وہ دوائیں اعضائے جسم کو متاثر کرتی ہیں۔ خون میں شریک ہوتی ہیں، لیکن نہ خون کا جزو بنتی ہیں اور نہ ہی جسم کا جزو بنتی ہیں۔ زہر جسم کو انتہائی متاثر کرتے ہیں اور خون و جسم میں فساد و خمیر اور تعفن پیدا کر دیتے ہیں۔ ان حقائق کا ذہن نشین رکھنا نہایت اہم ہے۔

افعال و اثرات اشیاء اور ہماری تحقیقات

اللہ حکیم نے دُنیا میں جس قدر اشیاء پیدا کی ہیں، خواص کے لحاظ سے ان میں تین صورتیں پائی جاتی ہیں۔ اوّل کھاری صورت جس کو انگریزی میں الکلی (Alkali) کہتے ہیں۔ الکلی بھی دراصل عربی لفظ ہے جو فرنگی طب نے عربی طب سے لیا ہے۔ دوسرے تیزابی صورت جس کو انگریزی میں ایسڈ (Acid) اور عربی میں حموضت کہتے ہیں، تیسرے نمکین صورت، جس کو انگریزی میں سالٹ (Salt) اور عربی میں ملاحت کہتے ہیں۔ دراصل یہ تیسری صورت پہلی دونوں صورتوں کی مرکب ہے، کیونکہ ہر نمک، کھار اور تیزاب کا مرکب ہوتا ہے۔ ہم جب بھی کسی نمک کا تجزیہ کریں ان میں دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں یا ہم اگر کھار اور تیزاب کو جب بھی ملائیں تو نمک بن جاتا ہے۔ گویا کائنات میں خواص کے لحاظ سے زندگی کی ابتدائی یہ تین صورتیں پائی جاتی ہیں۔ اوّل کھار دوسرے تیزابیت تیسرے نمکیت۔ یہ تینوں صورتیں کیفیات کے تحت عدم سے وجود میں آئی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ کھار رطوبت کی پیداوار ہے اور جب اس کو استعمال کیا جاتا ہے تو جسم میں رطوبات اور سردی پیدا کرتی ہے۔ تیزابیت خشکی کی پیداوار ہے اور جب بھی اس کو استعمال کیا جاتا ہے تو جسم میں خشکی اور ریاح پیدا کرتی ہے۔ نمکیت حرارت کی پیداوار ہے اور جب بھی اس کو استعمال کیا جاتا ہے تو جسم میں حرارت اور رطوبت پیدا ہوتی ہے، چونکہ یہ ان کی واحد کیفیت ہے اور واحد کیفیت کبھی پائی نہیں جاتی اس لئے جب ان کے تعلق کو بیان کیا جاتا ہے تو سرد تر، سرد خشک، گرم تر اور گرم خشک صورتیں بن جاتی ہیں۔

کھاری پن، ترشی اور نمکیت میں ارتقائی صورتیں

معمولی قسم کے کھاری پن و تیزابیت اور نمک وغیرہ ہماری غذاؤں میں پائے جاتے ہیں اور ہم روزانہ استعمال کرتے ہیں۔ خاص

طور پر مٹھائیوں، پھلوں اور روٹی، سالن، ترکاری وغیرہ میں اچھی اچھی ذائقہ دار چیزیں لذت ولطف لے لے کر کھاتے ہیں، لیکن اکثر لوگ ان کے افعال واثرات کے عمل وردِ عمل کو نہیں مانتے۔ یہی خواص ان کے ادویات وزہروں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ کھاریت وتیزابیت اور نمکیت کی ذائقہ کے لحاظ سے دو حالتیں پائی جاتی ہیں۔

① کھاریت میں اگر سردی غالب رہے تو اس کا ذائقہ پھیکا رہے گا، اگر اس میں حرارت غالب آجائے تو اس کا ذائقہ میٹھا ہو جائے گا۔

② تیزابیت میں اگر سردی غالب ہو تو اس کا ذائقہ ترش ہوگا اور اگر اس میں حرارت غالب آجائے تو ذائقہ کڑوا ہو جائے گا۔

③ اگر نمکیت میں خشکی غالب رہے تو اس کا ذائقہ چرپرا ہوگا اور اگر اس میں رطوبت کی زیادتی ہو تو اس کا ذائقہ نمکین رہے گا۔

معمولی ذائقوں یا خوش ذائقوں کی صورت میں تو ہم ان کو بے تکلف کھا لیتے ہیں، لیکن جب ان میں شدت پیدا ہو جائے یا ان میں نشوو ارتقاء کی صورتیں پیدا ہو جائیں تو یہ بالفعل اور بالقوئی دونوں صورتوں میں نقصان رساں اور زہر بن جاتے ہیں۔ جیسے کھاروں میں سوڈا کاوی (جلا دینے والا) پوٹاس کاوی وغیرہ۔ ترشی میں تیزاب گندھک اور تیزاب سرکہ۔ اسی طرح نمکیت میں نیلا تھوتھا اور زنگار، اسی طرح موالید ثلاثہ (جمادات، نباتات اور حیوانات) میں یہی تینوں صورتیں پائی جاتی ہیں۔

کھاری پن تیزابیت اور نمکیت کی بالمفرد اعضاء تطبیق ہے

ہم نے اپنی تحقیق سے کھاری پن وترشی اور نمکیت کو بالمفرد اعضاء اس طرح تطبیق دے دی ہے کہ ان کے افعال واثرات معلوم کرنے میں بے حد آسانیاں اور ان کے خواص کا یاد رکھنا بہت سہل ہو گیا ہے۔

① ہر قسم کا کھاری پن دماغ واعصاب پر اثر انداز ہوتا ہے اور تحریک دیتا ہے جس سے رطوبت پیدا ہوتی ہے۔ گویا جب بھی دماغ و اعصاب کو تحریک ہوگی تو وہ کھاری صورت سے ظاہر ہوگی اور نتیجہ میں رطوبت پیدا ہوگی۔

② ہر قسم کی ترشی دِل وعضلات پر اثر انداز ہوتی ہے اور تحریک دیتی ہے جس سے خشکی اور ریاح پیدا ہوتی ہے۔ گویا جب دِل وعضلات پر تحریک ہوگی تو وہ ترشی سے ہوگی اور نتیجہ میں ترشی اور ریاح پیدا ہوگی۔

③ ہر قسم کی نمکیت جگر وغدد پر اثر انداز ہوگی اور تحریک دے گی جس سے حرارت پیدا ہوتی ہے۔ گویا جب بھی جگر وغدد کو تحریک ہوگی اور نتیجہ میں حرارت پیدا ہوگی۔ یہ افعال واثرات یقینی اور بے خطا ہیں، کیونکہ یہ قانون فطرت کے مطابق ہیں۔ ان کی مرکب صورتیں اس طرح ہوں گی۔

1. اعصابی عضلاتی - مزاج سردتر، ذائقہ پھیکا۔
2. اعصابی غدی - مزاج ترگرم، ذائقہ میٹھا۔
3. عضلاتی اعصابی - مزاج سردخشک، ذائقہ ترش۔
4. عضلاتی غدی - مزاج خشک گرم، ذائقہ کڑوا۔
5. غدی عضلاتی - مزج گرم خشک، ذائقہ چرپرا۔
6. غدی اعصابی - مزاج گرم تر، ذائقہ نمکین۔

ان یقینی اور بے خطا افعال واثرات کی حقیقت سے فرنگی طب آگاہ نہیں ہے۔

افعال واثرات ادویہ بالاعضاء

انسان اور ہر جاندار بلکہ حیوانات اور وحشی درندوں کا خون بھی صرف غذا سے پیدا ہوتا ہے اور اسی خون سے ہی ان کے اعضاء بنتے ہیں۔ کسی دوایا زہر سے نہ خون کا کوئی جز بنتا ہے اور نہ ہی جسم کا کوئی عضو بنتا ہے۔ تمام حکماء واطباء متقدمین اور متاخرین اس حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں اور دُنیا کی کوئی سائنس اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتی۔ دوسرے یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر زندگی کا دارومدار صرف صحیح اور مکمل خون پر قائم ہے۔ اس میں بھی کسی دوا اور زہر کو دخل نہیں ہے۔

تیسرے یہ حقیقت بھی مسلمہ ہے کہ ہر جسم کی نشوو ارتقاء اور تقویت صرف خون پر قائم ہے، جب ان حقائق سے ثابت ہے کہ زندگی وقوت اور نشوو ارتقاء صرف خون پر قائم ہے۔ اور خون غذا سے پیدا ہوتا ہے، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ انسانی صحت کا دارومدار غذا کی بجائے دوا پر رکھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آیورویدک اور طب یونانی میں نہ صرف علاج کی ابتداء میں بے حد غذائی علاج کی تاکید ہے بلکہ دوائی علاج میں بھی پرہیز اور خاص قسم کی اغذیہ کے لئے مجبور کیا گیا ہے اور کسی قسم کے علاج میں اگر پرہیز اور خاص قسم کی غذا کو نظر انداز کر دیا جائے تو یقیناً علاج ناکام ہو جاتا ہے۔ یہی قانون فطرت ہے۔

آیورویدک اور طب یونانی میں جسم انسان اور خون کا تجزیہ اخلاط کے ذریعے کیا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ اخلاط غذا سے تیار ہوتے ہیں، مختلف قسم کی اغذیہ مختلف اقسام کے دوش اور اخلاط پیدا کرتی ہیں۔ جب غذا میں کوئی خاص قسم کے اجزاء کم وبیش یا خراب ہو جاتے ہیں یا ان کا مقام بدل جاتا ہے تو امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب ان دوشوں اور اخلاط کو درست کیا جاتا ہے تو امراض رفع ہو جاتے ہیں۔

فرنگی طب (ایلوپیتھی) اور ماڈرن میڈیکل سائنس نے بھی خون کا تجزیہ کیا ہے۔ اس نے ثابت کیا ہے کہ چودہ پندرہ ایلی منٹ (عناصر) کا مرکب ہے اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ان ایلی منٹ میں سے اگر کسی ایک میں کمی یا خرابی واقع ہو جائے تو خون خراب ہو جاتا ہے، جس سے مرض پیدا ہو جاتا ہے۔

اسی نظریہ پر ڈاکٹر شسلر نے بایو کیمک (کیمیائے زندگی) کی بنیاد رکھی تھی، مگر ہومیوپیتھی کی پیروی میں یہ ایک مفید نظریہ جس کو علاج بالغذا کا ایک چوتھائی حصہ کہنا چاہئے تھا، بالکل ختم ہو گیا اور اس کے حقیقی فوائد سے طبی دُنیا محروم ہو گئی۔ جس کا پھر زندہ کرنا بہت مشکل ہے۔

جب تک جراثیم کا انکشاف نہ ہوا تھا، فرنگی طب کے علاج کی بنیاد خون کے عناصر کی کمی بیشی پر تھی اور جب سے جراثیم کو امراض کا سبب قرار دیا گیا ہے اس وقت سے یہ نظریہ برابر ختم ہو رہا ہے اور اب تک جن امراض کے جراثیم معلوم نہیں ہو سکے ان کا علاج پرانے ڈگر خون کے کیمیائی اجزاء کی کمی بیشی اور خرابی پر کیا جا رہا ہے یا اعضائے جسم اور تمام جسمانی کمزوری کو مدنظر رکھا جاتا ہے جو بالکل ان کے نظریہ کے خلاف ہے۔ جہاں تک جراثیم کا تعلق ہے وہ خون کا جز نہیں ہیں۔ ان کا اثر صرف اعضاء پر ہوتا ہے اس لئے اوّل جراثیم اور ان کے زہروں کا اثر خون میں شامل نہیں ہوتا۔ اگر کچھ شامل ہوتا ہے تو طبیعت مدبرہ بدن فطری طور پر ان کو خارج کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے اور جب غالب آجاتی ہے تو ان کو خارج کر دیتی ہے۔ تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر اعضاء میں قوت مدافعت مکمل ہو اور خون میں قوت مدبرہ بدن طاقتور ہو کر جراثیم اور ان کے زہر نہ جسم اور خون پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور نہ ہی امراض پیدا ہو سکتے ہیں۔ ان

حقائق سے ثابت ہوا کہ مکمل اور مقوی خون اور صحیح وتندرست اعضاء کی صورت میں جراثیم اوران کا زہر نہ جسم اور خون میں اثر انداز ہو سکتے ہیں اور نہ ہی امراض پیدا ہو سکتے ہیں۔ان حقائق سے ثابت ہوا کہ مکمل خون اور صحیح وتندرست اعضاء کی صورتیں جراثیم اوران کا زہر ہمیشہ بے اثر ہو جاتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ صحت وتندرستی کے لئے خون کے اجزاء کا مکمل ہونا از حد ضروری ہے۔یہی زندگی وصحت اور تقویت کا راز ہے جو صرف غذا سے حاصل ہوتا ہے۔

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے تحقیق کیا ہے کہ انسانی غذا میں پانی کے ساتھ چار اجزاء کا ہونا نہایت ضروری ہے۔پروٹین (اجزائے لحمیہ)، فیٹس (اجزائے روغنیہ)، کاربوہائیڈریٹس (نشاستہ، شکر)، سالٹس (نمکیات) اوران کے ساتھ چند وٹامن (حیاتین) بھی تسلیم کئے گئے ہیں جن کو اغذیہ کے خاص ضروری اجزاء سمجھا گیا ہے اور یہ بھی تحقیق کیا گیا ہے کہ ان اجزائے اغذیہ اور وٹامن کی اگر جسم اور خون میں کمی اور خرابی واقع ہو جائے تو امراض اور تکلیف دہ علامات پیدا ہو جاتی ہیں، پھر تجربات نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ جب یہی اجزاء اور وٹامن ایسے مریضوں کو استعمال کرائے گئے جن میں ان کی کمی اور خرابی تھی تو ان کے امراض اور تکلیف دہ علامات رفع ہو گئیں۔
ان تحقیقات اور تجربات سے بھی غذا کی اہمیت واضح ہے مگر فرنگی طب (ایلوپیتھی) جراثیم کی تھیوری میں ایسے پھنسی کہ اس نے ہر مرض کا علاج جراثیم کشی ہی قرار دیا اور غذائی اجزاء میں وٹامن حفظان صحت اور تقویت جسم تک میں بے تکلف استعمال کیا جا رہا ہے بلکہ علاج بھی انہی سے کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

حفظان صحت میں جہاں غذا کو انتہائی اہمیت حاصل ہے، وہاں فرنگی طب میں حفظان صحت میں بھی ہر مرض سے بچنے کے لئے ٹیکے تیار کر لئے گئے ہیں۔ پہلے صرف چیچک کا ٹیکہ ہوا کرتا تھا۔اب تپ دق وسل اور ہیضہ ودیگر امراض کے لئے ایسے ٹیکے ایجاد کر لئے گئے ہیں جو ان امراض سے حفاظت کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔اس طرح غذا کی اہمیت ختم کر دی گئی ہے۔جب حفظان صحت کے لئے غذا کی اہمیت فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے ختم کر دی ہے تو پھر علاج بالغذا کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتے، لیکن غذا کی اہمیت ہر انسان کے دل میں قائم ہے، کیونکہ روزانہ تجربات ومشاہدات سے یقین کامل ہو گیا ہے کہ جہاں بھی غذا میں بے اعتدالی اور خرابی واقع ہوئی فوراً تکلیف ہو جاتی ہے اور جب تک غذا کی وہ خرابی دور نہ ہو تو وہ تکلیف رفع نہیں ہوتی۔یہ سب خون کی اہمیت کے راز ہیں۔

جہاں تک ادویہ اور زہروں کے استعمال کا تعلق ہے ان کا اثر صرف اعضائے جسم پر ہوتا ہے، جن سے ان کے افعال میں کمی بیشی اور تحلیل ضرور بڑھ جاتی ہے جس سے اعضاء کی رطوبات زیادتی کے ساتھ خون میں شامل ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور جو ادویات یا زہر خون میں شریک ہوتے ہیں وہ خون کا جزو نہیں بنتے اور اگر جسم میں طاقت ہو تو وہ ان کو فوراً خارج کر دیتا ہے۔گویا ادویات اور زہروں کا اثر جسم میں صرف اعضاء کے افعال کی وجہ سے ہوتا ہے اور جب دوا یا زہر کا اثر ختم ہو جاتا ہے تو افعال بھی اپنی حالت پر لوٹ آتے ہیں۔گویا ان کا اثر اعضاء اور جسم پر بالکل عارضی ہوتا ہے۔جسم پر مستقل اثر صرف خون کے کیمیائی اجزاء کا ہوتا ہے جو خون میں پیدا ہوتے ہیں۔خون غذا سے پیدا ہوتا ہے، یہی مکمل اور مستقل علاج ہے۔

دوا، زہر اور غذا میں فرق بالاعضاء

یہ حقیقت تو ہم پیش کر چکے ہیں کہ خون کی پیدائش اور تکمیل صرف غذا سے ہوتی ہے اور ادویات وزہر خون کا جزو نہیں ہیں۔ یہ بھی ہم ذہن نشین کرا چکے ہیں کہ ادویات اور زہروں کا اثر صرف انسانی اعضاء تک محدود رہتا ہے۔البتہ اعضاء کے افعال میں کمی بیشی

اور تحلیل سے جو رطوبات تیار ہوتی رہتی ہیں، وہ خون میں شامل ہوتی رہتی ہیں۔ بس یہیں سے ادویات اور زہروں کے افعال و اثرات شروع ہوتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جو اغذیہ ہم روزانہ استعمال کرتے ہیں ان سے ہمارا خون تیار ہوتا ہے، اس میں کیفیات و اخلاط اور خون کے کیمیائی اجزاء ایک اعتدال کی حد تک تیار ہوتے رہتے ہیں اور ان کے اعضائے جسم پر اثر بھی ایک اعتدال کی حد تک ہوتا رہتا ہے، بشرطیکہ جسم کے اندر غذا میں کوئی فساد و تعفن یا غیر معمولی خمیر پیدا نہ ہو جائے کیونکہ ان صورتوں میں اغذیہ اپنی نوعی صورتوں سے منحرف ہو کر دواؤں اور زہروں کی شکل اختیار کرتی ہیں اور اس طرح جسم و خون کی کیفیات و اخلاط اور کیمیائی اجزاء کا اعتدال قائم نہیں رہ سکتا لیکن ان کی یہ بے اعتدالی بھی انہی تین حالتوں تک محدود ہوگی جن کا ہم نے ذکر کیا ہے یعنی جسم میں کھاری پن بڑھ جائے گا یا ترشی بڑھ جائے گی یا حرارت کی شدت ہو جائے گی اور انہی سے جسم میں امراض و علامات اور تکالیف کی صورتیں پیدا ہو جائیں گی۔

یہی صورتیں ادویات اور زہروں کے افعال و اثرات میں ہم دیکھتے ہیں۔ یعنی اوّل افعال اعضاء میں شدت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر ان کی رطوبات دوا اور زہروں کی طاقت کے مطابق پیدا ہو کر خون میں شامل ہوتی رہتی ہیں اور جو ادویات اور زہر زیادہ شدید قسم کے ہوتے ہیں وہ اعضائے جسم میں سوزش پیدا کر دیتے ہیں اور جب تک سوزش قائم رہتی ہے وہ اعضا اپنے افعال میں تیزی کی وجہ سے وہ رطوبات تیار کرتے ہیں بس اس طرح ادویات اور زہر اپنے افعال و اثرات قائم رکھتے ہیں۔

چونکہ ہر دوا اور زہر اپنے اندر چار کیفیات اور چار اخلاط رکھتی ہے یا ان کا اثر مفرد اعضاء پر ہوتا ہے اس لئے ان کی رطوبت کی پیدائش بڑھ کر خون میں شریک ہوتی رہتی ہے۔ خون میں یہ رطوبات یا خون کے کیمیائی اجزاء صرف غذا ہی سے تیار ہوتے ہیں۔ جب خون کی رطوبت یا کیمیاوی جز بڑھ جاتا ہے تو وہ مشینی طور پر کسی مفرد عضو کو تحریک دے دیتا ہے جس سے اس مفرد عضو کا کل نظام عمل میں آ جاتا ہے۔ اس کے غیر معمولی فعل سے جسم میں اس مفرد عضو کی علامات شروع ہو جاتی ہیں جن میں سوزش درد اور حرارت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس طرح دوا اور زہر اپنا اثر کرتے ہیں۔ دوا، زہر اور غذا کا فرق قائم رہتا ہے۔

غرض زندگی بھر جسم کے اعضا اور خون کی کیمیائی رطوبات بدن کے اندر تغیر و تبدل و تحلیل و استحالہ اور خون و فساد کا ایک وسیع سلسلہ ہر حصہ میں جاری رہتا ہے، جن سے کئی قسم کے اچھے برے مرکبات تیار ہوتے رہتے ہیں۔ انہی تغیرات و استحالات کے نتیجہ میں تغذیہ بدن، تصفیہ جسم، تولید حرارت و رطوبات اور پیدائش قوت حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہماری ان اغذیہ کا ہی نتیجہ ہیں جو ہم روزانہ کھاتے ہیں جن میں دودھ، گوشت، پھل، میوہ جات، روٹی، چاول، سبزیاں اور دالیں وغیرہ ہیں۔

یاد رکھیں ادویات سے نہ خون بنتا ہے اور نہ ہی جسم تیار ہوتا ہے۔ ادویات صرف اعضاء کے افعال کو تیز کرتی ہیں، اس لئے غذائی علاج اور مجربات میں غذائے دوائی اور دوائے غذائی سے علاج کرنا خالص ادویات اور زہروں سے علاج کرنے سے زیادہ بہتر اور افضل ہے۔

افعال و اثرات اشیاء

اب تک اغذیہ و ادویہ اور زہروں کی عمومی ماہیت و حقیقت اور افعال و اثرات کا ذکر کیا ہے۔ اب ذیل میں انفرادی طور پر ہر غذا و دوا اور زہر کی ماہیت و حقیقت اور افعال و اثرات کا ذکر کریں گے تا کہ ان کے نوعی و جنسی اور خصوصی اثرات کا علم حاصل ہو جائے اور

مجربات و نسخہ نویسی اور ان کے مفرد استعمال سے پورے پورے فوائد حاصل ہو سکیں۔

یاد رکھیں جب ان کو انفرادی طور پر سمجھا نہیں جا سکتا تو ان کے مرکبات سے بھی مستفید نہیں ہوا جا سکتا۔ اغذیہ وادویہ اور زہروں کی ماہیت و حقیقت اور افعال و اثرات جاننے سے قبل نہایت ضروری ہے کہ ان اصطلاحات کو سمجھ لیا جائے جن کی زبان میں یہ سب کچھ بیان کرنا ہے۔ ان کے بغیر ان کا پورے طور پر ذہن نشین کرنا بہت مشکل ہے۔

جہاں تک ان اصطلاحات کا تعلق ہے، اوّل تو ان کو سمجھانے کی کوشش نہیں کی گئی اور جہاں پر سمجھایا گیا ہے وہاں پر ان کے صرف معنی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ان کو طبی اور فنی طور پر ذہن نشین نہیں کرایا گیا خصوصاً اغذیہ وادویہ اور زہروں کا جب جسم پر اثر ہوتا ہے تو وہاں پر تشریحی اور فعلی طور پر کیا تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یعنی اعضاء کے افعال اور دورانِ خون میں کیا تغیر و تبدل پیدا ہوتا ہے۔ جب تک اصطلاحات کو طبی اور فنی طریق پر ذہن نشین نہ کر لیا جائے، اس وقت تک علم و فن طب کو ذہن نشین کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ہر فن کی اصطلاحات گویا اس کی الف ب ہوا کرتی ہیں۔

محرک

ایسی غذا و دوا اور زہر جس کے استعمال سے جسم کے کسی خاص عضو میں حرکت اور تیزی پیدا ہو۔ جس عضو میں حرکت اور تیزی پیدا ہوتی ہے وہاں پر سکیڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہاں کی رطوبات کم ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور وہاں پر رفتہ رفتہ گرمی بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔ یہی تحریک جب شدت اختیار کر لیتی ہے تو اس عضو میں سوزش ہو جاتی ہے لیکن تحریک سے سوزش تک اس کو ذیل کے حالات سے گزرنا پڑتا ہے:

① لذت ② بے چینی ③ حبس ④ قبض ⑤ خارش ⑥ جوش خون اور ⑦ درد۔

تشریح

① **لذت:** چونکہ متحرک عضو کے مقام پر دورانِ خون بڑھتا ہے تو ابتدائی صورت میں لذت پیدا ہوتی ہے، جیسے گدگدی کرنے سے لذت پیدا ہوتی ہے، یہی لذت اور لطف کی حقیقت ہے۔

② **بے چینی:** جب لذت میں شدت پیدا ہو جائے تو وہاں پر لطف کی بجائے بے چینی بڑھ جاتی ہے۔

③ **حبس:** حبس اس حالت کو کہتے ہیں جہاں پر رطوبات کی پیدائش بند ہو جائے اور خشکی بڑھنا شروع ہو جائے۔

④ **قبض:** قبض اس حالت کو کہتے ہیں جہاں پر رطوبات کا اخراج رُک جائے۔

⑤ **خارش:** جب بے چینی کے بعد حبس و قبض پیدا ہو جاتا ہے وہاں پر خارش شروع ہو جاتی ہے۔

⑥ **جوش خون:** خارش میں جب شدت پیدا ہو جاتی ہے تو وہاں پر جوش خون پیدا ہو جاتا ہے۔

⑦ **درد:** جب جوش خون پیدا ہو جاتا ہے تو اس کے دباؤ سے عضو کی وسعت میں درد پیدا ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد سوزش پیدا ہوتی ہے گویا سوزش ان سب کے مجموعہ کا نام ہے۔ سوزش کے معنی جلن کے ہیں۔ چونکہ سوزش کی حالت میں اس مقام عضو پر خون شدت سے آنا شروع ہو جاتا ہے، اس لئے وہاں پر جو خون کی تیزی سے حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور حبس اور قبض بھی شدت اختیار کر لیتے ہیں اس لئے وہاں پر جلن پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا سوزش میں ظاہری طور پر حرارت و سرخی اور درد لازم ہیں۔ جب سوزش میں شدت پیدا ہوتی ہے تو وہاں کثرتِ خون اور رطوبت سے ابھار پیدا ہو جاتا ہے جس کو ورم (التہاب) کہتے ہیں۔

محرک اشیاء کے متعلق یہ بات یاد رکھیں کہ ہر غذا و دوا اور زہر جب استعمال کیا جاتا ہے تو تمام جسم پر یکساں اثر نہیں کرتا بلکہ اس کا اثر کسی خاص مفرد عضو پر ہوگا۔ البتہ اس کے دیگر قسم کے اثرات مثلاً تسکین اور تحلیل کا اثر دیگر اعضاء پر ہوگا۔ بس انہی افعال و اثرات کو سمجھنے کا نام خواص الاشیاء ہے۔

تسکین

اصطلاحات میں چونکہ زیادہ تر لغوی معنوں کو مدنظر رکھا گیا ہے اس لئے تسکین کے لئے بھی اسی امر کو کافی سمجھ کر اس کے معنی بیان کردیئے ہیں، یعنی سکون پیدا کرنے والی اغذیہ و ادویہ اور زہر لکھ دیئے گئے ہیں، جیسے مسکن اعصاب و دماغ، مسکن قلب و مسکن جگر اور اسی طرح مسکن معدہ بلکہ مسکن الم اور مسکن حرارت بھی لکھ دیا ہے۔ گویا اشیاء ان اعضاء کے افعال کو تسکین دینے والی ہیں۔ وہی مسکن ہیں۔ اسی طرح درد اور حرارت کو بھی کم کرنے والی ہیں، اشیاء بھی ان کے تحت بیان کردی گئی ہیں۔

اس مقصد کے لئے عام طور پر جو اشیاء استعمال کی جاتی ہیں ان میں مبردات و مسکنات اور مخدرات ہوتی ہیں جو اکثر سرد تر اور سرد خشک ہوتی ہیں۔ ایسی اشیاء بلغم اور سودا پیدا کرنے والی ادویہ و اغذیہ اور زہر ہوتے ہیں۔

یہاں پر پھر یہ امر ذہن نشین کرلیں کہ جب سردی تری میں تیزی پیدا ہوتی ہے تو وہ تری خشکی میں تبدیل ہو جاتی ہے، کیونکہ سردی ہر شے کو سکیڑتی ہے۔ اس کے مقابلے میں گرمی ہر شے کو پھیلاتی ہے۔

فنی حیثیت سے تسکین کی صورت یہ ہے کہ جسم انسان میں جس مقام پر مسکن اشیاء استعمال کی جائیں گی وہاں پر رطوبت اور بلغم کی زیادتی ہو جائے گی۔ وہاں پر رطوبات کا ترشح (سکریشن) خون میں عروق شعریہ کے راستے ان کے سروں پر جو غدد ہوتے ہیں ان میں سے ہوتا ہے۔ یہ تمام جسم پر خصوصاً مقام لذت و بے چینی اور خارش و سوزش پر شروع ہو جاتا ہے۔ یہی ترشح ایک طرف اس مقام پر سکون بخشتا ہے اور دوسری طرف دوران خون میں تسکین پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جس قدر زیادہ سوزش ہوتی ہے، اسی قدر ترشح زیادہ ہوتا ہے۔

اس ترشح کی بہترین مثال جسم پر کہیں شہد کی مکھی کا ڈنگ مارنا ہے۔ جوں جوں اس مقام پر رطوبات بڑھتی جاتی ہیں ڈنگ کی جلن اور درد کم ہوتا جاتا ہے، جسم میں بعض مقام ایسے بھی ہیں جہاں پر گوشت کی کمی ہوتی ہے جیسے سر اور ہاتھ پاؤں وغیرہ۔ جب ان مقامات پر ڈنگ لگتا ہے تو وہاں پر بہت درد اور جلن ہوتی ہے، کیونکہ ان مقامات پر بہت زیادہ رطوبت اکٹھی نہیں ہوسکتی۔ گویا جسم انسان میں یہی رطوبت جو خون سے اخراج پاتی ہے، تسکین کا باعث ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسم انسان میں ہم جہاں بھی تسکین دینا چاہتے ہیں وہاں پر اس رطوبت کو بڑھا دیتے ہیں۔

راز کی بات

پیاس بھی اسی رطوبت سے بجھتی ہے۔ ہم پیاس بجھانے کے لئے پانی، شربت اور برف وغیرہ استعمال کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ پیاس بجھا رہے ہیں، لیکن یہ غلط ہے، اس سے پیاس نہیں بجھتی بلکہ ان سے پیٹ میں وہ رطوبت پیدا ہوتی ہے جس سے پیاس بجھتی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ مرض عطاش یا ہیضہ میں پیاس نہیں بجھتی بلکہ زیادہ ہوتی ہے۔ اگر پیاس نہ بجھے تو مریض موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ مرض کی شدت بھی سوزش کی شدت کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی خون میں کیمیائی طور پر وہ اجزاء نہیں ہوتے جو ترشح ہو کر سکون کا باعث ہوں۔ پاخانہ، پیشاب اور نزلہ و زکام کی جلن کا بھی یہی راز ہے۔ اسی طرح جسم میں جن مقامات پر تھوک پیدا ہوتا ہے اس میں یہی رطوبت

ہوتی ہے جو وہاں سوزش کے کم کرنے کے لئے پیدا ہوگئی ہے۔ چونکہ اس صورت کا تعلق غدد سے ہے اس لئے ان تمام امراض وجگر اور گردوں میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ جب جسم میں کسی مقام پر تسکین کی صورت بڑھ جائے تو وہاں تہیج اور سوجن کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ بھی اپنی جگہ مرض کی ایک شدید علامت ہے جس کا علاج عضلات کو تحریک دینا ہے۔

یہاں پر یہ امر ذہن نشین کرنا ہے کہ تسکین کے لئے مبردات ومسکنات اور مخدرات اور مولد بلغم اشیاء استعمال کی جاتی ہیں، جو سب کی سب محرک اعصاب ہیں اور اعصاب کو تحریک دینے ہی سے تسکین پیدا ہوتی ہے۔ جب اعصاب کو تحریک نہ ہو، نہ ہی رطوبت وبلغم پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی تسکین ہوتی ہے۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب کے علم الادویہ (میٹیریا میڈیکا) میں محرک اعصاب ودماغ اشیاء میں ایسی ادویہ بھی درج ہیں جو تقویت پیدا کرتی ہیں۔ جیسے کچلہ، قہوہ اور شراب وغیرہ ہیں۔

لیکن جاننا چاہئے کہ یہ اشیاء محرک اعصاب اور دماغ نہیں ہیں بلکہ قلب اور عضلات ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ ان کے استعمال سے دل اور عضلات کی حرکت تیز ہوکر دورانِ خون تیز ہو جاتا ہے اور جسم میں رطوبت وبلغم ختم ہوکر قوت اور طاقت پیدا ہو جاتی ہے یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اعصابی ودماغی گرم اشیاء بھی ہوتی ہیں، جیسے نوشادر، اپی کاک، ہینگ وغیرہ۔ مگر ایسی اشیاء سے بھی جسم میں رطوبات اور بلغم کا اخراج ہوتا ہے اور قلب وعضلات میں تیزی پیدا نہیں ہوتی بلکہ سستی پیدا ہوتی ہے اور ساتھ ہی جوش خون بھی کم ہو جاتا ہے اور ان سے بھی سوزش اور درد میں تسکین ہوتی ہے۔ فرنگی طب کا میٹیریا میڈیکا (علم الادویہ) ان اقسام کی اغلاط سے بھرا پڑا ہے۔

اب ذیل میں چند اور اصطلاحات کو ذہن نشین کرلیں جن کا تعلق تسکین سے ہے۔

رادع

ان اشیاء کو کہا گیا ہے جو مواد کو لوٹانے والی ہیں۔ ان کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ تصور دیا گیا ہے کہ یہ اشیاء قابض ہوتی ہیں جو اپنی قوت قابضہ سے عروق کو سکیڑ کر تنگ کر دیتی ہیں جس سے مواد کا نفوذ دشوار ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہر قسم کی قابض بلکہ حابس اشیاء کو رادع کہا گیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسی اشیاء قابض نہیں بلکہ حابس ہوتی ہیں جو سرد خشک ہوتی ہے۔ ان ادویات کے تین افعال ہوتے ہیں۔ اوّل وہ تسکین کا باعث ہوتی ہیں یعنی رطوبات اور بلغم کا خون سے اخراج قائم رکھتی ہیں، جس سے خون کا جوش اور تیزی کم ہو جاتی ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے ان کی انتہائی برودت سے اس مقام پر تسکین ہوتی ہے اور تیسرے جو رطوبات وہاں پر گرتی ہیں ان کو وہاں پر اپنی حابس قوت سے جذب کر کے پھر خون میں شامل کر دیتی ہے۔ اس رطوبتی مواد کو سرد کر کے واپس کرنے ہی کی وجہ سے ان اشیاء کو رادع کہتے ہیں۔ مفرد اعضاء کے تحت ہم ان کے اثرات کو عضلاتی اعصابی (خشک سرد) کہتے ہیں۔ اس طرح ان کے افعال آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکتے ہیں۔

تحلیل

یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جس کو لغوی ومعنوی اور مجازی طور پر تو ضرور کسی حد تک سمجھا گیا ہے مگر جہاں تک اس کی ایک طبی فنی

اصطلاح ہونے کا تعلق ہے اس کو بالکل نہیں سمجھا گیا اور نہ ہی سمجھایا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ فنی حیثیت سے جس قدر اہمیت اور ضرورت اس اصطلاح کو سمجھنے کی ہونی چاہئے تھی اس قدر اس سے دوری اختیار کی گئی ہے۔

ظاہر میں لغوی معنوں کی حیثیت سے چونکہ بہت آسان معلوم ہوتا ہے اس لئے شاید اس اصطلاح کو فنی حیثیت سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ لیکن علم العلاج میں یہ ایک ایسی اصطلاح ہے کہ 50 فیصدی علاج کا دارومدار صرف اس کو سمجھ لینے پر قائم ہے۔ کسی غذا و دوا کے متعلق صرف یہ کہہ دینا کہ وہ محلل ہے، یہ کافی نہیں ہے، بلکہ یہ جاننا از حد ضروری ہے کہ اس جسم میں اس غذا و دوا و زہر کا اثر کس انداز میں ہوتا ہے جس سے وہاں پر تحلیل واقع ہوتی ہے۔ جہاں تک تحلیل کے استعمال کا تعلق ہے، اس کو صرف اورام کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اوّل تو اس کے عمل و انداز کا علم نہیں ہے۔ دوسرے باقی جسم پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ تیسرے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دیگر کون کون سی اصطلاحات ہیں جو اس کے تحت کام کرتی ہیں جن کا جاننا از حد ضروری ہے تاکہ تحلیل کے اثرات کے ساتھ ان کے افعال کا بھی علم ہو جائے۔

لغات کبیر میں جو طبی اصطلاحات میں بے نظیر سمجھی جاتی ہے اس تحلیل یا تحلل کے متعلق لکھا ہے ''مواد کا پوشیدہ طور پر خارج ہو جانا۔ مثلاً بدن سے بخارات بن کر نکل جانا یا ورم کا آہستہ آہستہ کم ہو جانا''۔

اس تشریح سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک عام آدمی تو کیا ایک صاحب علم اور اہل فن بھی کیا سمجھ سکتا ہے۔ مواد کا پوشیدہ طور پر خارج ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ پھر بدن سے بخارات بن کر نکل جانا کیسے ہوسکتا ہے اور ورم کے آہستہ آہستہ کم ہو جانے کی صورت کیا ہوگی۔ ایسی تشریحات نے فن کو ختم کیا ہے۔ کسی اصطلاح کی تشریحات اپنے اندر بہت اہمیت رکھتی ہے۔ پھر مختلف علوم و فنون میں یہ تشریحات بدل جاتی ہیں اور ان کی مخصوص تشریح کے بغیر وہ علوم و فن ذہن نشین نہیں ہوسکتے۔ صرف اصطلاح کے معنی بیان کر دینا کافی نہیں ہوسکتے۔

تحلیل کے معنوں کے لحاظ سے ''فیروز اللغات فارسی'' بیان کرتی ہے کہ ① اجزا کا کھول دینا ② حل کرنا ③ کہیں اترنا ④ اتارنا ⑤ گلا کر کسی شے کو فنا کرنا ⑥ نیچا کر دینا ⑦ حلال کرنا ⑧ طلاق والی عورت سے اس لئے نکاح کرنا کہ وہ اپنے پہلے خاوند پر حلال ہو جائے ⑨ علم معمہ کی اصطلاح میں کسی لفظ کے دو یا زیادہ حصے کر کے ہر حصے سے ایک معنی لینا اور بعض جگہ کسی کو اپنے معنوں ہی پر قائم رکھنا۔ فیروز اللغات سے اس کی دونوں صورتیں سامنے آجاتی ہیں، لفظ کے معنی بھی اور مختلف علوم و فنون میں مختلف معنی بھی سامنے آجاتے ہیں۔ بہرحال تحلیل کے معنی حل کرنا اور گلا کر کسی شے کو فنا کرنا بہت حد تک تحلیل کو ذہن نشین کر دیتے ہیں۔

ایک مغالطہ

طبی اور فنی حیثیت سے تحلیل کے معنی حل کرنا اور گلا کر کسی شئے کو فنا کر کے بھی اگر ذہن نشین کر لئے جائیں تو پھر یہ مغالطہ پیدا ہوتا ہے، ان افعال والی اشیاء و اغذیہ اور ادویہ ضرور گرم ہونی چاہئیں۔ لیکن ایسی اشیاء و اغذیہ اور ادویہ جو سرد بلکہ انتہائی سرد بھی ہیں جیسے کافور، کاسنی اور مولی وغیرہ کو بھی محلل لکھا ہے جب کہ دوسری طرف انتہائی گرم اشیاء و اغذیہ اور ادویہ بھی مرقوم ہیں جیسے آک، ارنڈ اور مکو وغیرہ۔ گویا مختلف ادویہ کے ساتھ مختلف امزجہ درجات کی ادویہ بھی محلل ہوسکتی ہیں۔ بس یہی وہ حقائق ہیں جن کا سمجھنا اور سمجھانا بے حد ضروری ہے، اس کو سمجھ لینے کے بعد علاج میں بے حد آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

تحلیل کی حقیقت

ظاہری طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شے کسی شے میں حل ہو جائے تو اس کو تحلیل ہونا کہتے ہیں۔ تحلیل ہونے والی شے کسی محلول میں حل ہو جائے یا خشک شے میں حل ہو جائے۔ گویا وہ اپنا جسم چھوڑ کر دوسرے جسم میں شامل ہو جائے یا تبدیل ہو جائے۔ اسی طرح اس کی

ایک صورت یہ ہے کہ کسی شے کو برتن میں رکھ کر آگ پر رکھا جائے اور وہ گل کر محلول بن جائے جیسے گڑ، گندھک اور دھاتیں وغیرہ یا دو اور دو سے زیادہ اشیاء کو ملا کر آگ پر رکھیں اور وہ تحلیل ہو کر ایک جسم بن جائے۔ جیسے نوشادر، نیلا تھوتھا، تانبا اور ٹین وغیرہ۔ یہ سب کیمیائی تحلیل کی صلاحیتیں ہیں۔ اسی طرح اندرونی طور پر جب کوئی غذا یا شے کھائی جاتی ہے تو وہ معدہ کی رطوبت یا حرارت سے تحلیل ہو کر آش جو کی طرح سفید محلول میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح آنتوں میں یہی محلول تحلیل ہو کر ایک اور صورت اختیار کر لیتا ہے۔ پھر یہی محلول جگر میں اس کی حرارت سے تحلیل ہو کر خون بن جاتا ہے۔ پھر یہی خون جہاں جسم میں غذا اور طاقت کا بدل یا تحلیل بنتا ہے وہاں پر یہی جسم کے مواد اور سوزش وغیرہ کو تحلیل بھی کرتا ہے۔ اسی طرح ضرورت کے وقت عروق شعریہ کے سروں پر موجود غدد میں تحلیل کر کے رطوبات کا ترشح کرتا ہے، یہ تحلیل بھی خود خون کی حرارت سے ہوتی ہے، یہ سب بھی کیمیائی تحلیل کی صورتیں ہیں۔ ان مسلمہ حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ تحلیل کے لئے حرارت اور خون کی گرمی ضروری ہے۔

ہمارا روزانہ کا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ جب جسم میں بیرونی گرمی یا اندرونی حرارت بڑھ جاتی ہے تو پسینہ آ جاتا ہے اور اگر اس کی شدت ہو جائے تو دل گھبرانے لگتا ہے اور پسینہ میں شدت ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی تحلیل ہے۔ ○ اگر اس گرمی اور حرارت کا اثر گردوں پر اثر انداز ہو جائے تو پیشاب میں زیادتی ہو جاتی ہے ○ اگر جگر متاثر ہو جائے تو اسہال شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی تحلیل کی صورتیں ہیں۔ ○ اگر دماغ متاثر ہو تو نزلہ زکام اور جسم میں جس قدر بھی رطوبات کا اخراج ہوتا ہے جن میں جریان واحتلام اور سرعت انزال وسیلان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ گویا یہ سب تحلیل کی صورتیں ہیں جو مختلف مقامات پر مختلف اعضاء میں ہوتی ہیں۔

ان حقائق سے ثابت ہو گیا کہ تحلیل کے لئے جسم میں خون کی حرارت اور بیرونی گرمی کی ضرورت پائی جاتی ہے، جس سے انسانی مشین چلتی ہے اور جب یہی حرارت اور گرمی بہت زیادہ کسی مقام پر بڑھ جائے تو نقصان بھی کرتی ہے۔ یعنی وہاں پر تحلیل کرتی ہے۔

روزانہ زندگی میں حرارت وگرمی سے جسم میں جو تحلیل پیدا ہوتی ہے یا خود گرمی کم ہو جاتی ہے تو دونوں کی کمی سے جسم میں طاقت کی کمی محسوس ہوتی ہے اور ان کا بدل غذا اور بیرونی گرمی سے پورا کرتے ہیں۔ اگر اس طرح گرمی اور طاقت پوری نہیں ہوتی تو ادویات کا استعمال بھی کرتے ہیں جن میں گرم مصالحے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ گویا **تحلیل کے لئے حرارت اور گرمی ضروری شے ہے۔ اس کے بغیر تحلیل نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن بھی ہے۔** پھر طبی کتب میں سرد اشیاء کو کیوں محلل لکھا ہوا ہے اس کا جواب دورانِ خون ہے۔ یعنی تحلیل تو اسی مقام پر ہو گی جہاں پر خون کی حرارت یا بیرونی گرمی زیادہ ہو گی۔ جس مقام پر دونوں چیزیں نہیں ہیں، وہاں پر حرارت کے بجائے برودت ہو گی اور تحلیل کی بجائے تسکین ہو گی۔

جاننا چاہئے کہ جو اغذیہ واشیاء اور ادویہ وزہر جسم انسان میں داخل ہوتے ہیں وہ سب اگر گرم بھی ہوں تو بھی ان سب کے افعال واثرات صرف ایک ہی عضو پر نہیں ہوتے بلکہ مختلف اعضاء پر ہوتے ہیں۔ اسی طرح سرد اغذیہ واشیاء اور ادویہ وزہروں کے اثرات بھی جسم کے مختلف اعضاء پر ہوا کرتے ہیں۔ اس صورت میں گرم یا سرد شے کا اثر وفعل جس عضو پر ہو گا وہاں پر تحریک ہو گی اور خون اس تحریک کی طرف جائے گا۔ اس طرح جس مقام پر خون اکٹھا ہو جائے گا وہاں پر تحلیل واقع ہو گی۔ مثلاً اگر تحریک دماغ واعصاب میں ہے تو جگر وگردوں اور غشاء میں خون کی زیادتی ہو گی اور وہاں پر تحلیل ہو گی۔ اسی طرح اگر تحریک جگر وگردوں اور غشاء میں ہو گی تو تحلیل قلب وعضلات میں ہو گی۔ اسی طرح اگر تحریک قلب وعضلات میں ہو گی تو خون کی زیادتی دماغ واعصاب کی طرف ہو گی اور وہیں تحلیل ہو گی۔ یہ وہ راز ہے جو نظریہ مفرد اعضاء نے حل کیا ہے۔

مقوی

یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جس کو علم الادویہ میں بہت کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔ مقوی شے کا مفہوم کیا ہے اور اس کا عمل جسم میں کیسے پیدا ہوتا ہے۔ طبی کتب میں ان کو ذہن نشین کرایا گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ ہر مقوی شے اپنی طاقت کے باعث تقویت دے گی۔ لیکن اس امر کا کہیں ذکر نہیں ہے کہ کسی قسم کی شے باعث تقویت ہوگی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ طبی کتب میں ہر مزاج و کیفیات اور ہر درجے میں مقوی اشیاء کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ بعض اشیاء میں تخصیص بھی کر دی گئی ہے کہ وہ دِل یا دماغ یا جگر یا کسی اور عضو کے لئے مقوی ہیں۔ ان میں بعض ایسی بھی ہیں جو تمام جسم کے لئے مقوی لکھی گئی ہیں اور بعض ایسی بھی ہیں جو اعضائے جسم کے لئے مقوی لکھ دی گئی ہیں۔ گویا تینوں اس شے سے تقویت حاصل کرتے ہیں۔ اس مقام سے بھی بڑھ کر جو اشیاء مقوی ارواح لکھی گئی ہیں۔ ان کو پڑھ کر اور بھی حیرت ہوتی ہے اور ارواح بھی تین اقسام کی ہیں۔ ان کا تعلق بھی کسی نہ کسی عضو رئیس کے ساتھ ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ہی شے تمام ارواح کے لئے مقوی ہو سکتی ہے۔

جسم و اعضائے رئیسہ سے آگے بڑھیں تو ہمیں عجیب عجیب قسم کی مقوی اشیاء نظر آتی ہیں اور حیرت ہوتی ہے کہ حکمائے متقدمین اور متاخرین سے لے کر آج تک جس میں آیورویدک، فرنگی طب اور دیگر چھوٹی بڑی طبیں شریک ہیں ان میں مقوی شش و مقوی معدہ، مقوی امعاء، مقوی مثانہ اور مقوی باہ وغیرہ اشیاء، اغذیہ، ادویہ اور زہر نظر آتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان اعضاء کے لئے کوئی بھی ایسی غذا، دوا، زہر اور شے نہیں ہے جو ان کے لئے مقوی ہو۔ کیونکہ اعضائے مفرد نہیں بلکہ مرکب ہیں اور ان کی ترکیب اور بناوٹ میں اعصاب و عضلات اور غدد شریک ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی مرکب عضو کی کمزوری میں کسی ایک عضو میں ہی کمزوری ہوگی۔ اسی مفرد عضو کی تقویت کے لئے مقوی دوا کی ضرورت ہے۔ اگر بغیر تخصیص کے کوئی مقوی دوا استعمال کر دی گئی تو ظاہر ہے کہ وہ اسی مفرد عضو کے لئے باعث تقویت ہو جو پہلے ہی تیزی اور شدت سے کام کر رہا ہو تو ظاہر ہے کہ اس میں اور بھی تیزی اور شدت پیدا ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس مفرد عضو کی تیزی کی وجہ سے جس مفرد عضو کے فعل میں سستی اور سکون ہوگا وہاں پر اور بھی مزید سستی اور سکون پیدا ہو جائے گا۔ نتیجہ میں اس مرکب عضو میں بجائے تقویت کے مزید کمزوری اور تفریط پیدا ہو جائے گی۔ اس کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ مرکب اعضاء کے کسی ایک مرکب عضو کی کمزوری کا باعث گرم کیفیت یا گرم خلط کی وجہ سے کمزوری ہے مگر وہاں پر تقویت کے لئے سرد کیفیت یا سرد خلط کی دوا مقوی خیال کرتے ہوئے دے دی گئی ہے تو یقینی امر یہ ہوگا کہ وہاں تقویت کے بجائے کمزوری ہوگی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مقوی غذا، دوا، زہر اور شے کے مزاج اور اغلاط کتاب میں بیان ہیں جن کا علاج اور نسخہ نویسی میں خیال رکھنا از حد ضروری ہے۔ صرف مقوی ہونا کافی نہیں ہے۔ لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ مقوی کا ہونا کافی سمجھ لیا جاتا ہے۔ بلکہ بالخاصہ کو بھی بغیر مناسب اور صحیح کیفیت خلط کے استعمال کرنا نقصان ہے۔

اسی طرح یہ بھی ذہن نشین رکھیں کہ کوئی غذا، دوا، زہر اور شے کسی بھی مرکب عضو کے لئے تقویت کا باعث نہیں ہو سکتی۔ یقیناً وہ اس مرکب عضو کے مفرد عضو، عصب و عضلہ اور غدود کے لئے ہی مفید ہوگی۔ یہ اب حکماء، معالج اور صاحب علم و اہل فن کا فرض ہے کہ وہ مقویات کو بالمفرد اعضاء کی تشخیص کے بعد یا بالکیفیات یا بالاخلاط (گرم، سرد، تر اور خشک - خون، صفرا، سودا اور بلغم) کی تخصیص کے ساتھ

استعمال کرائیں، ورنہ کوئی مقوی دوا، غذا، زہر اور شے مقوی نہ ہوگی بلکہ نقصان رساں ہوگی۔

مقوی کے غلط استعمال کی ایک صورت اور سمجھ لیں تاکہ مقویات کے فوائد کی بجائے نقصان نہ برداشت کرنا پڑے۔ مثلاً: دودھ ایک مقوی غذا ہے مگر جن کے جسم میں نزلہ، رطوبت اور سکون قلب ہو یعنی جن کے اعصاب و دماغ میں تیزی اور بلغم میں زیادتی ہو ان کو نقصان دیتا ہے اور کمزوری پیدا کرتا ہے۔ ○ گوشت ایک مقوی غذا ہے مگر جن کے جسم میں ترشی و تیزی ہو اور جگر میں سکون ہو یعنی عضلات قلب میں تیزی اور ریاح کی زیادتی ہو تو ان کو نقصان دے گا اور کمزوری کرے گا۔ ○ گھی ایک مقوی دوائے غذائی ہے لیکن جن کے جسم میں حرارت و بے چینی ہو اور اعصاب میں سکون ہو یعنی جگر و غدد میں تیزی ہو اور صفرا کی زیادتی ہو تو نقصان دے گا اور کمزور کردے گا، وغیرہ وغیرہ۔

یاد رکھیں! جس طرح مرض کی تشخیص کے بغیر علاج ناممکن ہے بالکل اسی طرح صحیح مقویات کی تجویز کے بغیر صحت بہت مشکل ہے۔

مقوی کی حقیقت

جب جسم میں کوئی مقوی غذا و دوا اور زہر و شے استعمال کی جاتی ہے تو وہ جسم کے اس مخصوص مفرد عضو میں ہلکی ہلکی تحریک پیدا کرتی ہے جس سے وہاں پر انقباض پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے اس عضو میں یہ استعداد ہوتی ہے کہ وہ خون میں سے اپنی ضرورت کے اجزا اور غذا جذب کرنا شروع کر دیتا ہے جس سے اس کے جسم میں نمو اور تقویت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ مقویت کی خصوصیات میں خاص خوبی یہ ہے کہ وہ اس قدر ہلکے ہلکے عمل کرے کہ وہ خون میں سے اپنے مفید مطلب اجزاء اور غذا جذب کرنا شروع کر دے اور اس سے عمل اور تحریک میں تیزی پیدا ہو گی تو تقویت کا مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ تحریک بن جائے گا جو مفید ہونے کی بجائے مضر ہوگا۔

مقویات و محرکات کا فرق

مقویات کا عمل اس قدر ہلکا اور لطیف ہوتا ہے کہ عضو رفتہ رفتہ خون کو جذب کرتا ہے اور اس کے برعکس تحریک وہاں پر اس قدر شدت و تیزی اور سوزش پیدا کر دیتی ہے کہ خون وہاں پر خود جانا شروع ہو جاتا ہے جس سے وہاں پر خون کی زیادتی ہو کر تحلیل شروع ہو جاتی ہے۔

مقویات کی زیادتی

جو لوگ طاقت کو جلد حاصل کرنے کے لئے مقویات کو زیادہ سے زیادہ مقدار میں استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں وہ غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں، کیونکہ مقویات ضرورت اور اندازہ سے زیادہ استعمال کی جائیں تو بجائے مقویات کے محرکات بن جاتی ہیں اور تحلیل پیدا کر کے ضعف کا باعث ہوتی ہیں۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب میں مقویات کے استعمال میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ وہ جب مقویات مثلاً کیلشیم (چونا)، فیرم (فولاد)، فاسفیٹس (فاسفورس) استعمال کراتے ہیں تو وہ زیادہ سے زیادہ استعمال کراتے ہیں تو ان کی زیادتی کے نقصان کو مدنظر نہیں رکھتے اور ان کے مقوی و محرک افعال کے فرق کا تو ان کو علم ہی نہیں ہے۔

ایک مثال اس طرح سمجھ لیں کہ کسی مریض کو چونا و فولاد یا کوئی اور مقوی شے استعمال کرائیں لیکن جب تک وہ شے جسم میں جذب نہ ہو تو وہ تقویت کیسے دے گی۔ جذب اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہاں کے اعضاء میں ہلکے اور لطیف عمل سے جذب کرنے کی استعداد پیدا کی جائے ورنہ اس شے کی زیادتی کبھی مفید نتائج پیدا نہیں کر سکتی۔ جو فرنگی ڈاکٹر دن رات مریضوں کو کیلشیم اور فولاد استعمال کراتے ہیں کبھی انہوں نے یہ بھی غور کیا ہے کہ ہماری روزانہ غذا میں کس قدر چونا اور فولاد شامل ہوتا ہے مگر اعضاء کا ضعف ان کو جذب نہیں کر سکتا جیسے ایک بچہ بڑے آدمی کی غذا ہضم نہیں کر سکتا۔ مقویات کی زیادتی کے بجائے مقویات کے جذب کی استعداد پیدا کرنا صحیح علاج ہے۔

تقویت اور تحلیل میں فرق

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ مقویات کی زیادتی جسم میں تحریک بن جاتی ہے جس سے وہاں پر زیادہ سے زیادہ اجتماع ہو جاتا ہے اور وہاں پر خون کی گرمی سے تحلیل شروع ہو جاتی ہے۔

یاد رکھیں کہ مقویات طاقت دیتی ہیں اور محرکات سے تحلیل کا خطرہ ہے جس کے بعد ضعف پیدا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض معالج یہ شکایت کرتے ہیں کہ مریض کو جس قدر طاقت کی غذا دیتا ہوں وہ کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ ذہن نشین کر لیں کہ اگر مقویات کی زیادتی سے طاقت پیدا ہوتی تو امیر، رئیس اور نواب زادے کبھی کمزور نہ ہوتے اور ان کو کبھی ضعف اور ہارٹ فیل نہ ہوتا۔ یاد رکھیں کہ مقویات کی زیادتی تحلیل اور ضعف پیدا کر دیتی ہے اور انہیں سے ہارٹ فیل ہوتا ہے۔

مقویات، ایک دوسرا زاویہ نگاہ

مقویات کے لئے عام طور پر یہی خیال اور تصور کیا جاتا ہے کہ وہ اس مخصوص عضو اور خلط میں تیزی اور زیادتی پیدا کرتی ہے لیکن جب کسی عضو اور خلط میں زیادتی پائی جائے تو یقیناً ایسی مقویات جو ان کے افعال و مواد میں کمی یا اعتدال پیدا کر دیں وہ بھی ان کے لئے مقوی بن سکتی ہیں۔ مثالیں درج ذیل ہیں۔

مقوی اعضائے رئیسہ

ایسی ادویہ اور اغذیہ جو اعضائے رئیسہ (دل، دماغ اور جگر) کے لئے مقوی ہیں۔ جیسے زعفران، مشک، عنبر، مروارید، زمرد، زہر مہرہ، گاؤزبان اور گاجر وغیرہ ان کو اطباء نے مقوی اعضائے رئیسہ لکھا ہے لیکن بعض نے اس خیال کو صحیح نہ سمجھتے ہوئے ساتھ یہ لکھ دیا ہے کہ اگر بنظر تحقیق دیکھا جائے تو ان ادویہ کی زیادہ خصوصیت ایک ایک عضو کے ساتھ ہے جس سے دوسرے عضو بھی متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ بالکل حقیقت کے خلاف ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ **زعفران مقوی جگر، مشک مقوی دماغ اور عنبر مقوی قلب ہے**۔ اسی طرح مروارید، زمرد اور زہر مہرہ وغیرہ تمام مقوی قلب ہیں۔ یہ دماغ اور جگر کے لئے مقوی نہیں ہیں۔ اسی طرح گاجر اور گاؤزبان مقوی دماغ ہیں، یہ مقوی قلب نہیں ہیں۔ جیسا کہ روزانہ اطباء ان کو مقوی قلب استعمال کرتے ہیں۔ البتہ ان کو مفرح قلب کے بطور دے سکتے ہیں جس کی صورت صرف یہ ہو سکتی ہے کہ جگر میں تیزی اور خون میں صفراء کی زیادتی ہو جس سے قلب میں تحلیل اور ضعف پیدا ہو رہا ہو تو اس وقت گاؤزبان اور گاجر، جو مقوی دماغ و اعصاب ہیں دوران خون کو دل سے کھینچ کر نہ صرف دماغ کی طرف کر دیتے ہیں بلکہ صفراء کو بے حد کم کر

دیتے ہیں جس سے مفرح قلب کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ کسی عضو کے فعل میں کمی پیدا کر کے اس میں اعتدال پیدا کرنے سے بھی مقوی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

مقوی اور مفرح کا فرق

جب طبی کتب میں مفرح ادویہ و اغذیہ پر نظر پڑتی ہے تو وہ ادویہ نظر آتی ہیں جو مفرح قلب کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ مفرح قلب کے لئے ادویہ ہونی چاہئیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ طبی کتب میں اور اطباء کے معمول میں بھی مفرح مقوی قلب کی صورت میں دیئے جاتے ہیں۔ یعنی قلب کے فعل میں تیزی پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے کہ ہر مفرح مقوی دماغ اور اعصاب ہوتا ہے جس سے قلب کی طرف دوران خون اور حدت کم ہو جاتی ہے اور وہاں پر سکون پیدا ہو جاتا ہے یا اعتدال پیدا ہو کر تقویت پیدا کر دیتا ہے۔ اس لئے کسی مفرح قلب شے کو مقوی قلب سمجھ کر استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ تقویت کی خاطر زیادہ سے زیادہ مفرح قلب اشیاء استعمال کرتے ہیں، لیکن اس میں فائدہ کی بجائے نقصان ہوتا ہے۔

اس حقیقت سے یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ دِل و دماغ اور جگر تینوں کے لئے مقوی ادویہ اور اغذیہ جدا جدا ہیں۔ کوئی ایک دوا و غذا تینوں اعضائے رئیسہ کے لئے کبھی مقوی نہیں ہو سکتی۔ پھر مختلف ادویہ اور اغذیہ کو بیک وقت مقوی اعضائے رئیسہ سمجھتے ہوئے ایک نسخہ میں بھر دینا نہ صرف علم و فن طب سے ناواقفی بلکہ ظلم ہے۔

مقویات باہ

ایسی ادویہ اور اغذیہ جو قوت باہ کو طاقت دیتی ہیں ان کے متعلق بھی بہت حد تک یہ اندازہ کر لیا گیا ہے کہ یہ تمام کی تمام بالذات مقوی باہ ہیں اور جن کو بالعرض بھی مقوی باہ خیال کیا جاتا ہے ان میں بھی یہ یقین پایا جاتا ہے کہ بہر حال وہ مقوی باہ ضرور ہیں۔ لیکن یہ خیال اور نظریہ بھی غلط ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی دوا و غذا بغیر ضرورت کے مقوی باہ نہیں ہے۔

جاننا چاہئے کہ قوت باہ کوئی ایسا فعل نہیں ہے جو کسی ایک مفرد عضو کے افعال افراط و تفریط اور قوت سے پیدا ہو بلکہ تمام اعضائے رئیسہ کے صحیح افعال کا نتیجہ ہے۔ اگر ذرا اور وسعت دیں تو پتہ چلے گا کہ جسم کے ہر عضو و ہر نظام اور ہر کیمیائی رطوبت جن میں خون اور منی دونوں شامل ہیں کا نتیجہ ہے۔ پھر ایسی صورت میں کوئی ایک دوا یا مختلف ادویات و اغذیہ بغیر ضرورت کے کیسے مفید ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر معالج قوت باہ کی ادویات اور اغذیہ کے زیادہ طلب گار ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس مرض کے علاج میں ناکام ہیں۔ اس میں فن علاج کا قصور نہیں ہے بلکہ فن سے لاعلمی ہے۔ ذیل کے امثال پر غور کریں:

① ستاور، جائپھل اور سنبل (بالچھڑ) تینوں مقوی باہ ادویات میں شریک ہیں۔ تینوں عضلاتی غدی (خشک گرم) یعنی خشک زیادہ گرم کم ہیں۔ یہ تینوں عضوی اور کیمیائی طور پر محرک قلب اور مقوی جگر ہیں۔ ضعف باہ اگر سکون قلب اور ضعف جگر کی وجہ سے ہے تو انتہائی مفید ہے۔

② خولنجاں، سرخ مرچ اور رائی تینوں ادویات مقوی باہ ہیں۔ تینوں غدی عضلاتی (گرم خشک) ہیں یعنی گرم زیادہ اور خشک کم ہیں۔ یہ تینوں عضوی اور کیمیائی طور پر محرک جگر اور مقوی قلب ہیں۔ ضعف باہ اگر سکون قلب اور ضعف جگر کی وجہ سے ہو تو تریاق کا حکم رکھتی ہیں۔

(۳) زنجبیل، فلفل دراز اور فلفل اسود تینوں مقوی باہ ادویہ میں شریک ہیں۔ تینوں غدی اعصابی (گرم خشک) ہیں یعنی گرم زیادہ تر کم ہیں۔ یہ تینوں عضوی اور کیمیائی طور پر محرک جگر اور مقوی اعصاب ہیں۔ ضعف باہ اگر سکون جگر اور ضعف اعصاب کی وجہ سے ہو تو بے حد مفید ہیں۔

(۴) بھنگ، کنیر اور نک چھکنی یہ تینوں بھی مقوی باہ ادویات میں شریک ہیں، تینوں اعصابی غدی (تر گرم) ہیں۔ یعنی ان میں رطوبت پیدا کرنے کی قوت زیادہ اور حرارت برائے نام پیدا ہوتی ہے۔ اصولاً ایسی ادویات ضعف باہ پیدا کرتی ہیں۔ کیونکہ ہر دوا جو اعصاب میں تحریک یا شدت پیدا کرے وہ ضعف باہ پیدا کرتی ہے، مگر طبی کتب میں اس قبیل سے بھی بہت سی ادویہ مقوی باہ درج ہیں۔ ظاہر تو ان کو مقوی باہ کہنا صحیح نہیں۔ البتہ جب اعصاب میں سکون اور جگر میں ضعف ہو تو ضرور مفید ہو سکتی ہیں۔ لیکن جو لوگ اس راز و رموز سے واقف نہیں ہیں وہ ہمیشہ نقصان اٹھائیں گے۔

(۵) کنجد، خارخشک اور گوند۔ یہ تینوں بھی مقوی باہ ادویات میں شریک ہیں، تینوں اعصابی عضلاتی (تر سرد) ہیں۔ یعنی رطوبت کی زیادتی کے ساتھ سردی۔ جس میں حرارت اور خشکی کا نام و نشان نہیں ہے۔ اصولاً ایسی ادویات کا مقوی باہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ ضعف باہ ضرور پیدا کر سکتی ہیں مگر حیرت ہے کہ یہ ادویات سرعت انزال یا زیادہ سے زیادہ جریان میں استعمال ہو سکتی ہیں۔ اگر اسی حیثیت سے مقوی باہ استعمال کی گئی ہیں تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مبتدی ان ادویات کو کس طرح مقوی باہ کے بطور استعمال کر سکتا ہے۔

(۶) فولاد، اسپند اور قہوہ یہ تینوں بھی مقوی ادویات میں شریک ہیں تینوں عضلاتی اعصابی (خشک سرد) ہیں۔ یعنی سردی کی شدت سے رطوبات خشک ہو گئی ہیں۔ گویا ان میں سردی کی شدت ہے۔ البتہ حکماء نے انتہائی خشکی سردی میں حرارت کی ابتداء کی ہے۔ بہر حال خشک سرد مزاج میں اگر گرمی نہ ہو تو بھی خشکی کی شدت ہوتی ہے جو بلغم کی رطوبت خشک کر دیتی ہے جس سے حرارت پیدا ہوتی ہے جیسے گیلی لکڑی میں رطوبت خشک ہو جائے تو آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔ ایسی ادویات قوت باہ کے بجائے جریان کے لئے زیادہ مفید ہیں۔ اگر ضعف باہ کا سبب جریان ہو تو ان کے مفید ہونے میں کوئی شک نہیں ورنہ ایسی ادویات کے استعمال سے قوت باہ میں خاطر خواہ فوائد حاصل نہیں ہوتے۔

یہ ہیں مقوی باہ ادویات کے اسرار و رموز جو ہم نے مختصر طور پر بیان کئے ہیں۔ جن میں صرف تین تین ادویات مثال کے طور پر بیان کر دی ہیں، ورنہ مقوی باہ ادویات کے علاوہ زہر بھی شریک ہیں۔ جیسے سنکھیا، پارہ اور بلادر وغیرہ جو مختلف تحریک میں دینے چاہئیں۔ مگر ہم کو اکثر ایک ہی نسخے میں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح اغذیہ میں بھی آم، اخروٹ، بادام، بیضہ مرغ، چنا، خرما، گاجر، مغز پستہ، مغز چلغوزہ اور دیگر مغزیات وغیرہ یہ سب مقوی باہ اغذیہ میں شریک ہیں لیکن سب کے مختلف مقام ہیں۔ لیکن افسوس ان کے استعمال میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔ یہ مثال کے طور پر پیش کئے گئے ہیں۔ ورنہ طبی کتب مقوی دماغ، مقوی قلب، مقوی جگر، مقوی طحال، مقوی خون، مقوی بصر، مقوی دنداں، مقوی معدہ و امعا اور مقوی مثانہ وغیرہ سے بھری پڑی ہیں۔ یہ ایک ایسا خس و خاشاک ہے جب تک اس کو دور نہ کیا جائے طب یونانی کی صحیح صورت کا نظر آنا مشکل ہے۔

جناب حکیم قاضی نور احمد صاحب جو ہمارے پرانے محب اور تقریباً پینتیس، چالیس سالوں کے ساتھی ہیں، گزشتہ دنوں ملنے کے لئے تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ آپ نے اصطلاحات طبیہ کی تشریحات جس مفید و مؤثر انداز میں کی ہیں گزشتہ ہزاروں سالوں کی

کتب میں کہیں نظر نہیں آئیں۔ ان کو پڑھ کر دل بہت خوش ہو گیا ہے اور بہت ساری غلط فہمیاں دور ہو گئی ہیں۔ اسی طرح دیگر اصطلاحات کی تشریحات کر دی جائیں تو علم وفن طب بہت آسان ہو جائے گا۔ کیونکہ علم وفن طب کو اصطلاحات کے بغیر ذہن نشین کرنا نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن بھی ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے کہا کہ مقوی کی طرح اکسیر اور تریاق کے بارے میں بھی حکما اور اطباء میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ ان کی تشریح بھی انتہائی ضروری ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ان کو کتاب ''تحقیقات فارماکوپیا'' میں بیان کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ اشارات ہیں تشریح کی ضرورت ہے۔ میں نے جواباً کہا کہ مکمل تشریح جو امثال کے ساتھ دی جائے باعث طوالت ہوگی البتہ بعض پہلوؤں پر روشنی ڈال دی جائے گی۔ سو اکسیر اور تریاق کی حقیقت درج ذیل ہے۔

اکسیر اور تریاق

علم وفن طب میں صحیح تشخیص کے بعد صحیح تجویز کسی طرح ''اکسیر اور تریاق'' سے کم نہیں ہیں۔ لیکن پھر بھی اکسیر اور تریاق کا ایک مقام ہے۔ اگر ان کی صحیح تجویز ہو تو نہ صرف مرض دور ہو جاتا ہے بلکہ ان سے اعضاء کی پرانی سوزش اور خون کے کیمیائی زہر فوراً ختم ہو جاتے ہیں۔

فرنگی طب میں اکسیرات وتریاقات کا وہ تصور نہیں ہے جو طب قدیم میں پایا جاتا ہے۔ فرنگی طب میں اکسیرات وتریاقات کا ذکر ضرور ہے وہ ان کو الگزر اور اینٹی ڈوٹ کا نام دیتے ہیں لیکن ان سے ان کی مراد صرف بہترین دوا اور دفع زہر دوا یا زیادہ سے زیادہ دافع جراثیم (اینٹی سپٹک) دوا کے ہیں۔ مگر ان کے حقیقی خواص سے بے علمی ہے۔

اکسیر دوا کے اثرات

اکسیر دوا کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ فوری اور وقتی طور پر کسی مرض کو روک دیا جائے۔ جیسے افیون و بھنگ اور دیگر مخدرات ومنشیات کے استعمال سے فوری اور وقتی طور پر درد جلن اور بے چینی کو ختم کر دیا جاتا ہے یا محرکات کے استعمال سے دورانِ خون کو تیز کر دیا جاتا ہے جس طرح فرنگی طب میں دن رات انجکشنوں میں ایسی ادویات کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ طبی دُنیا پورے طور پر اس امر سے واقف ہو گئی ہے کہ فوری اور وقتی علاج بھی حقیقی علاج ثابت نہیں ہوگا بلکہ ایسے علاج کے بعد جب ردِّ عمل شروع ہوتا ہے تو پہلے کی نسبت نہ صرف مرض زیادہ ہو جاتا ہے بلکہ ضعف جسم بھی واقع ہو جاتا ہے۔

علامہ علاؤ الدین قرشی لکھتے ہیں کبھی دوا بطی النفوذ ہوتی ہے اس لئے اس کے ساتھ ایسی دوا ملانے کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کو سریع النفوذ بنا دے جس کی دو صورتیں ہیں۔

① کسی دوسری دوا کی آمیزش سے اس کی قوت نفوذ عام طور پر بڑھ جائے جس میں کسی عضو کی تخصیص نہ ہو۔ مثلاً کسی غلیظ القوام اور بطی النفوذ چیز کے ساتھ کسی لطیف اور مغلظ چیز کا ملا دینا۔

② کسی دوسری دوا کی وجہ سے کسی خاص عضو کی طرف اس کی قوت نفوذ تیز ہو جائے یا کسی خاص عضو کی طرف اس کا میلان بڑھ جائے۔ مثلاً مدر ادویہ کے ساتھ ذراریح وتیلنی مکھی کا شامل کرنا وغیرہ۔ جاننا چاہئے کہ ادویہ کا جسم میں نفوذ کرانا ایک اہم امر ہے۔ لیکن اکسیر دوا کے لئے صرف اس قدر کافی نہیں ہے۔

اکسیر دوا کا صحیح مفہوم

اکسیر دوا کو کیمیائے حیات کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ آیورویدک میں اس کو رسائن کہتے ہیں جس کے معنی ایسی دوا کے ہیں جس سے جوانی واپس لوٹ آئے یا اس میں ایسی قوت ہو جو کسی دھات کو صاف کر کے فوراً سونے میں تبدیل کر دے۔ ایسی طاقت کی دوا جسم کے تمام سوزشی اور مخر امراض کو جسم سے دور کر دیتی ہے بس ایسی دوا اکسیر ہو سکتی ہے۔ اکسیر دوا میں تین خوبیاں لازمی ہونا چاہئیں:

① برقی اثر ② جاذب اثر ③ دائمی اثر۔

جاننا چاہئے کہ برقی اثر کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے اثر میں نہ صرف برق رفتار ہو بلکہ جسم میں برقی رو پیدا کر دے تا کہ خلیات میں دور تک پہنچ جائے۔ جاذب اثر کا مقصد یہ ہے کہ دوا استعمال کرنے کے فوراً بعد جسم میں خود بخود جذب ہو کر جسم کے خلیات تک پہنچ جائے اور ساتھ ہی فوراً خون اور رطوبات کو اپنی طرف جذب کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ دائمی اثر سے مراد یہ ہے کہ استعمال کے بعد اس کا اثر فوری طور پر ختم نہ ہو جائے بلکہ کافی مدت تک اس کا اثر جسم میں جاری رہے۔ اکسیر دوا کا صحیح استعمال یہ ہے کہ پرانی و پیچیدہ امراض اور مخر و مسترخی اعضاء کے درست کرنے میں استعمال کرنی چاہئیں ان سے نہ صرف خلیات و انسجہ اور اعضاء کے افعال صحیح ہونا شروع ہو جاتے ہیں، بلکہ خون میں کیمیائی طور پر صحت مند اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ اکسیرات کی یہ وہ خوبی ہے جو فرنگی طب میں نہیں پائی جاتی۔ جو غذا و دوا اور زہر کا فرق سمجھتے ہیں، وہ اکسیری دوا کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں۔

دوائے تریاق

شیخ الرئیس لکھتے ہیں کہ یہ واضح رہے کہ تریاق جیسی بعض مفید دواؤں کے کچھ آثار و افعال ان کے مفردات (اجزاء) کے لحاظ سے ہوتے ہیں اور کچھ آثار و اعمال ان کی صورت نوعیہ کی وجہ سے ہوتے ہیں جو (مرکب میں ترتیب و آمیزش کے بعد پیدا ہو جاتے ہیں) اسی صورت نوعیہ کے حصول کے لئے ایک مدت تک تریاق کے اجزا کو خمیر کیا جاتا ہے تا کہ اس جدید مزاج کی وجہ سے تریاق کے اجزا میں سے آثار وقوی کھنچ کر آ جائیں جو بعض اوقات مفردات کے آثار سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کی بات پر کان نہیں دھرنا چاہیے جو اسی طرح کہتے ہیں کہ تریاق یہ کام سنبل کی وجہ سے کرتا ہے اور یہ کام مُر کی وجہ سے انجام دیتا ہے۔ بلکہ صداقت یہ ہے کہ اس کے عمل کی صورت وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ یعنی وہ اپنے جدید مزاج کی وجہ سے عمل کرتا ہے۔ تریاق میں تاثیرات کے لحاظ سے اصل وعمود و ستون تریاق کی صورت نوعیہ ہے جو ترکیب کے بعد اتفاقاً پیدا ہو گئی ہے اور تجربہ سے شاندار اور مفید ثابت ہوتی ہے۔ اس کے آثار کیوں ہیں اور اس کی صورت نوعیہ کو ان کے افعال سے کیا مناسبت ہے۔ واضح طور پر اس کا بتانا اور سمجھنا ہمارے لئے مشکل ہے۔

شیخ الرئیس نے جو یہ لکھا ہے کہ تریاق ''سنبل اور مُر'' یا کسی خاص دوا کا نام نہیں ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ ہر تریاق میں ایک خاص قسم کے جدید مزاج سے عمل کرتا ہے اور یہ صورت نوعیہ اتفاق سے پیدا ہو جاتی ہے اور آخر میں اس کی حقیقت سے لاعلمی کا اظہار کر دیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ ان کی دونوں باتیں ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔

تریاق

تریاق سے حقیقی مراد ایسی دوا و غذا اور زہر ہے جس کے استعمال سے اس کے مخالف مقابل زہر و مزاج اور مخصوص اثرات باطل اور ختم ہو جائیں جیسے ترشی کا اثر کھار سے زائل ہو جاتا ہے اور اسی طرح اس کے برعکس ہوتا ہے یا افیون کا اثر کچلہ سے باطل ہو جاتا ہے اور اسی طرح اس کے برعکس عمل ہوتا ہے اسی طرح دیگر زہروں کے متعلق ہے۔

جب ایک مزاج دوسرے مزاج کو توڑتا ہے۔ تو یہ بھی تریاق کی صورت نوعیہ میں شامل ہے۔ ان کے علاوہ کسی زہر کے لئے تریاق تیار بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہ اس کی خاص صورت نوعیہ ہوتی ہے جیسا کہ شیخ الرئیس نے لکھا ہے۔ مگر ہر دوا کے لئے یہ شرط ضروری نہیں ہے۔

تریاق کا استعمال

تریاق کے استعمال میں ہمیشہ احتیاط کرنی چاہئے۔ ہر خوراک کے بعد جسم کا اچھی طرح معائنہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ یک لخت ایک مزاج ختم ہو جانے سے ضعف واقع ہو جاتا ہے اور کبھی ایک زہر ختم ہو کر دوسرا زہر پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ تریاق سے فوراً موت واقع ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ فرنگی طب میں جو انجکشن خاص طور پر پنسلین کے انجکشن دیئے جاتے ہیں ان سے شب و روز جو اموات ہو رہی ہیں اس کی بھی بالکل یہی وجہ ہے کہ مرض کی قوت ختم ہو جانے کے بعد انسانی قوت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

تیز اور سوزشی ادویہ

زہر اور سمی ادویات کی طرح تیز اور سوزش پیدا کرنے والی ادویات بھی ہوتی ہیں۔ ایسی ادویات زہر و سمیات تو نہیں ہوتیں مگر ایسی ادویات اندرونی اور بیرونی طور پر استعمال کریں تو وہ جسم میں جلن پیدا کر دیتی ہیں یا جسم کو جلا دیتی ہیں یا جسم کو کھا جاتی ہیں۔ مگر ایسی ادویہ کی اصطلاحات کو بالکل سمجھانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ صرف ان اصطلاحات کے معنی لکھ دیئے گئے ہیں۔ حیرت یہ ہے کہ اصطلاح کے تحت مختلف مزاج اور کیمیائی ادویات لکھ دی گئی ہیں۔ طالب علم بے چارہ تو کیا ان میں تمیز کرے گا جدید اطباء بھی ان کو نہیں سمجھ سکتے پھر وہ بھلا ان میں ہم آہنگی کیسے کر سکتے ہیں۔ مثلاً ① اکال ② جالی ③ حالق ④ مبشرات ⑤ حکاک ⑥ قاشر ⑦ کاوی ⑧ لازع ⑨ محمر ⑩ مخشن ⑪ معطش ⑫ مقرح ⑬ منفط، وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام اصطلاحات میں اکثر کے افعال و اثرات ایک ہی قسم کے ہیں۔ البتہ ان میں بعض اصطلاحات اپنی قوت کی شدت اور بعض قوت کی کمی کے لئے بولی جاتی ہیں۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ ان تمام اصطلاحات کے ذیل میں ایسی مختلف ادویات استعمال کی گئی ہیں جو مزاج و اخلاط اور اعضاء پر اثر انداز ہونے کے اعتبار سے باہم کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ اس لئے طالب علم اصولی اور قانونی طور پر ان کے سمجھنے میں اکثر پریشان رہتا ہے۔ اب ذرا ان پر غور کریں، ہم ان کو اس انداز میں بیان کریں گے کہ ان کے افعال و اثرات ان کی قوت کا بھی اندازہ ہو سکے۔ اس طرح ان کا فرق بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

محمر (سرخ کر دینے والی دوا)

ایسی ادویات جب ان کو جسم پر لگایا جائے تو جسم کے اس حصہ میں خون کی آمد کو بڑھا دیں۔ جس سے جلد یا جسم کی رنگت سرخ ہو جاتی ہے۔ ان ادویات کے افعال و اثرات میں یہ یقین کر لیا گیا ہے کہ وہاں کے عروق پھیل جاتے ہیں اور وہاں پر خون زیادہ آنے لگتا ہے۔ اس مقصد کے لئے بہت سی ادویات ہیں لیکن چند بطور نمونہ درج ذیل ہیں: (۱) کافور، مولی اور تھوہر۔ (۲) سرکہ، خردل، پیاز اور لونگ۔ (۳) پودینہ، لہسن، بیروزہ اور جمال گوٹہ۔

ہم نے ان تینوں نمبروں میں تین اقسام کی ادویات سرد مزاج و بلغم پیدا کرنے والی اور کم قوت والی ادویات سے لے کر گرم مزاج وصفراء پیدا کرنے والی ادویات اور انتہائی شدید قوت والی ادویات لکھ دی ہیں تا کہ ان کے افعال و اثرات آسانی سے ذہن نشین ہو سکیں۔ غور کرنے والی بات یہ ہے کہ نمبر (۱) میں سرد اور گرم تر کی ادویات درج ہیں۔ لیکن ان سب کے استعمال سے جسم میں رطوبت کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔ ان کو اعصابی کہتے ہیں۔ غور کریں کہ کافور اور مولی و تھوہر ظاہر میں کس قدر مختلف ادویہ ہیں۔ لیکن تمام محرک اعصاب ہیں، خیر یہ تو سب اعصابی ہیں۔ ان کے اثرات و افعال ایک ہی قسم کے ہو سکتے ہیں، لیکن جب ہم نمبر (۲) کی ادویات کو دیکھتے ہیں جس میں سرکہ و خردل اور پیاز و لونگ شامل ہیں، یہ تمام رطوبات کو خشک کرنے والی ہیں۔ ان میں خشک اور گرم دونوں قسم کی ادویات شامل ہیں۔ ان کے استعمال سے بھی جلد سرخ ہو جاتی ہے لیکن نمبر (۲) کی تمام ادویات اعصابی نہیں ہیں بلکہ عضلاتی ہیں۔ یعنی ان کے اثرات سے دل اور عضلات کے افعال تیز ہو جاتے ہیں۔

یاد رکھیں جو ادویات عضلات کے افعال کو تیز کر دیں وہ اعصاب میں تحلیل پیدا کر دیتی ہیں۔ خیر ان کے اثرات و افعال بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ ان کے اعصاب میں دورانِ خون زیادہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اب نمبر (۳) پر غور کریں، اس میں پودینہ، لہسن، بیروزہ و جمالگوٹہ شامل ہیں۔ اس میں بھی کم طاقت سے انتہائی طاقت والی ادویات ہیں۔ لیکن مزاج میں گرمی اور صفرا پیدا کرنے والی ہیں۔ ان سب کا اثر جگر (غدد) پر ہوتا ہے۔ جب ادویات جگر (غدد) پر اثر انداز ہوتی ہیں تو اعصاب میں سکون ہوتا ہے، یعنی وہاں پر دورانِ خون کم ہو جاتا ہے۔

ان حقائق پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری اصطلاحات کو پورے طور پر سمجھنے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ دوا کے ظاہر اثرات کو سامنے رکھ کر ان کے ظاہر افعال لکھ دیئے گئے ہیں۔ جب طالب علم ان متضاد و مختلف مزاج و اخلاط اور اعضاء و کیمیائی اثرات والی ادویات کو دیکھتا ہے اور ان کو ایک ہی اصطلاح کے تحت سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو یقیناً حیران ہوتا ہے ایسے ہی مقام ہیں جہاں سے حقیقی علم ذہن نشین نہیں ہوتا اور طالب علم شکوک کی دنیا میں گرفتار ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ علم و فن کو حقیقی اور یقینی نہیں بلکہ ظنی خیال کرتا ہے۔

محمر کے صحیح اثرات و افعال

ہر وہ دوا ''محمر'' ہے جب جسم پر لگائی جائے تو وہ دورانِ خون کو اس طرف تیز کر دے۔ اس کی تین صورتیں ہیں:

① اعصاب میں تحریک یا سوزش پیدا ہو جائے۔ جس سے غدد اور شریانیں پھیل جاتی ہیں وہاں دوران خون کی تیزی ہو جاتی ہے، مگر جلد ہی وہاں پر ردِ عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اور وہاں رطوبات و بلغم اور ماہیت کا ترشح شروع ہو جاتا ہے تا کہ وہاں پر اجتماع خون ہو

کر ورم نہ پیدا ہو جائے۔ ایسے محمرات میں وہ تمام ادویات شریک ہیں جو نمبر (۱) کے قبیل کی ہوسکتی ہیں۔

(۲) عضلات میں تحریک یا سوزش پیدا ہو جائے جس سے ان کے انقباض سے قلب میں تحریک ہو کر دوران خون تیز ہو کر عضلات خصوصاً ان عضلات کی طرف تیز ہو جاتا ہے جہاں پر تحریک وسوزش پیدا کی گئی ہے۔ ایسے محمرات میں وہ تمام ادویات شریک ہیں جو نمبر (۲) کے قبیل کی ہوسکتی ہیں۔ یاد رکھیں ایسی ادویات نمبر (۱) اعصابی سے زیادہ تیز اور دیر پا ہوتی ہیں اور ان کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں پر رطوبات اور بلغم اور ماہیت ختم ہو جاتی ہے اور ردِّ عمل بہت دیر سے ہوتا ہے۔

(۳) غدد میں تحریک اور سوزش ہوتی ہے، جس سے شریانوں میں سکیڑ پیدا ہو کر وہاں سے اخراج رطوبات مشکل یا بند ہو جاتا ہے اور وہاں پر خون کا اجتماع ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ایسے ''محمرات'' میں وہ تمام ادویات شریک ہیں جو اس قبیل کی ہوسکتی ہیں۔ بلکہ بعض صورتوں میں ورم بن جانے کا خطرہ ہو جاتا ہے۔ ایسی ادویات انتہائی گرم خشک ہوتی ہیں۔ اور صفراء پیدا کرتی ہیں۔ ان حقائق پر غور کریں اور پھر اس قسم کی دیگر اصطلاحات کو ذہن نشین کریں۔

لازع (سوزش پیدا کرنے والی دوا)

وہ مخصوص ادویہ جو جسم پر سوزش پیدا کرتی ہیں۔ یہ ادویات اپنی خفت وشدت کی وجہ سے کئی قسم کی ہوسکتی ہیں۔ ایسی ادویہ محمر (سرخ کرنے والی)، مبثر (دانے اور پھنسیاں پیدا کرنے والی)، منفط (آبلہ ڈالنے والی)، مخشن (سطح کو کھردری کرنے والی)، قاشر (چھلکے اتارنے والی) اور حکاک (خارش پیدا کرنے والی)۔ یہ سب اصطلاحات ادویہ کی کمی بیشی کی مختلف صورتیں ہیں، اس طرح انتہائی شدید ادویات میں کاوی (جلا دینے والی)، مقرح (زخم پیدا کرنے والی)، اکال (ایسی دوا جو عضو کو کھا جائے)، حالق (بال مونڈنے والی)، جالی (مواد کا اخراج کر کے مسامات بدن کو صاف کرنے والی دوا)۔

ان تمام اصطلاحات کی ادویہ کو اگر ہم باہم ملا کر دیکھیں تو تقریباً ایک ہی قسم کی ادویات نظر آئیں گی۔ البتہ ان کی تینوں صورتیں ہر اصطلاح میں نظر آتی ہیں۔

اگر ہم ہر اصطلاح کی تشریح ''محمر'' اصطلاح کی طرح کرتے تو کم از کم دس گنا زیادہ طوالت کی ضرورت پیدا ہو جاتی۔ بہر حال صاحب علم اور ماہر فن ذرا غور کریں تو تمام اصطلاحات کے حقائق ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔

اصطلاح ''مقوی'' کے متعلق ہم بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ اس کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں دور کر چکے ہیں۔ صاحب علم اور اہل فن حضرات نے اس تشریح اصطلاحات کو بہت پسند کیا ہے۔ چونکہ صحیح تشخیص کے بعد علاج کا دارومدار صحیح تجویز پر منحصر ہے اس لئے تجویز غذا ہو یا دوا یا کوئی تدبیر ہو اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک طبی اصطلاحات کو پورے طور پر ذہن نشین نہ کر لیا جائے۔

''مقویات'' کے تحت ہم مقوی اعضائے رئیسہ اور مقوی باہ کے متعلق تشریح کر چکے ہیں۔ ''مقویات'' کے تحت ایک اصطلاح ''مقوی خون'' بھی ہے، اس کے متعلق جو کچھ طبی کتب میں لکھا ہے یا جو کچھ اطباء کا معمول ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''مقوی'' کی طرح ''مقوی خون'' کے متعلق بھی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ جن کی تشریح درج ذیل ہے۔

مقوی خون (خون کو مقوی بنانے والی دوا)

ایسی شے جو خون کے ان اجزاء کو پورا کرے جن کی خون میں ضرورت ہے، لیکن عام طور پر سمجھا یہ جاتا ہے کہ ایسے اجزاء کا خون میں شامل کرنا جن سے خون میں قوت اور سرخی پیدا ہو جائے جیسے فولاد یا فولادی اجزاء والی ادویہ اور اغذیہ وغیرہ لیکن ایسا خیال کرنا غلط ہے۔

خون کا پیدا کرنا

سب سے پہلے ذہن نشین کرنے والی بات یہ ہے کہ خون ہمیشہ غذا سے بنتا ہے، کبھی کسی دوا سے پیدا نہیں ہوتا سوائے ان اشیاء کے جن میں اغذیہ کے اجزاء ہیں جن کو ہم ادویہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں، جیسے فولاد چونا اور ان کے مرکبات وغیرہ۔
اگر خون ادویہ سے تیار ہو سکتا تو فرنگی طب اور ماڈرن سائنس اس کو ضرور تیار کر لیتی، اور ضرورت مند مریض کے لئے انسانی خون اکٹھا نہ کرتی بلکہ غذا کا مسئلہ ہی حل ہو جاتا ہے اور انسان ایسی گولیاں کھالیتا ہے جن سے خون پیدا ہو یا ضرورت کے مطابق ادویہ سے تیار شدہ خون پی لیا جاتا یا بذریعہ پچکاری جسم میں شامل کر لیا جاتا۔
یاد رکھیں تا حال کوئی طبی سائنس اس امر پر کامیاب نہیں ہو سکی کہ غذا کے اجزا کے بغیر ادویہ سے خون تیار کر سکے اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ خون کو غذائی اجزاء سے بھی جسم کے باہر تیار نہیں کر سکی۔ یہ ابھی تک قدرت کا راز ہے۔

خون کی پیدائش

خون ہمیشہ جسم میں تیار ہوتا ہے۔ جسم انسانی ہو یا حیوانی، نباتات میں بھی ایک قسم کا دوران جاری ہے، لیکن اس کو خون سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ جسم انسان میں قدرت کی طرف سے چند نظام قائم ہیں۔ جیسے نظام غذائیہ، نظام ہوائیہ، نظام دمویہ اور نظام بولیہ وغیرہ ہیں۔ ظاہر میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جسم میں خون کے متعلق نظام دمویہ (دوران خون) ذمہ دار ہے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جسم کے تقریباً تمام نظام خون کی پیدائش میں حصہ دار ہیں، البتہ خون کے تیار ہونے کی ابتداء نظام غذائیہ (انہضام) سے شروع ہوتی ہے۔

نظام غذائیہ منہ سے لے کر مقعد تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں منہ سے معدہ تک نالی، معدہ و امعاء جگر و طحال اور لبلبہ شریک ہیں۔ جو غذا منہ میں کھائی جاتی ہے وہ پس جانے کے بعد نگل کر نالی کے ذریعہ معدہ میں چلی جاتی ہے۔ جہاں پر تحلیل ہو کر ہضم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ غذا کی لطافت و کثافت کے مطابق وہاں ایک گھنٹے سے تین گھنٹے تک تندرست انسان میں خرچ ہوتے ہیں۔ پھر وہ ایک محلول بن جاتی ہے، جس کا رنگ سفید اور قوام آش جو کی مثل ہوتا ہے جس کو کیلوس کہتے ہیں۔ یہاں سے ایک حصہ غدد جاذبہ کے ذریعے قلب میں پہنچ جاتا ہے، باقی آنتوں میں اُتر جاتا ہے۔ آنتیں دو قسم کی ہیں، اوپر چھوٹی اور نیچے بڑی۔ ان چھوٹی آنتوں میں تقریباً چار گھنٹے تک تندرست غذا تحلیل ہوتی رہتی ہے۔ وہاں پر جو محلول تیار ہوتا ہے اس کو ''کیموس'' کہتے ہیں۔ اس کے لطیف اجزاء جگر کی طرف چلے جاتے ہیں جہاں پر وہ جا کر خون کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور باقی کثیف حصہ بڑی آنتوں میں اُتر جاتا ہے، جہاں پر وہ پھر تحلیل ہو کر رفتہ رفتہ عروق ماساریقا کے ذریعے جگر کی طرف کھنچتا رہتا ہے۔ یہ عمل تندرست انسان میں کم وبیش چار پانچ گھنٹے تک جاری رہتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہوا کہ انسان میں

کم وبیش بارہ گھنٹے غذا کے ہضم پر صرف ہوتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جب تک غذا کھا کر خون نہ بن جائے اس وقت تک دوسری غذا نہ کھانی چاہئے۔ کیونکہ اگر اس دوران میں غذا کھائی جائے گی تو یقینی امر ہے کہ طبیعت انسانی اپنے پہلے ہضم کو چھوڑ کر دوسرے ہضم کی طرف متوجہ ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پہلی غذا خام رہ جائے گی۔ جو نہ صرف باعث بدہضمی ہوگی بلکہ زہر بن کر باعث مرض اور نقصان دہ ہوگی۔ اسی لئے روزہ بارہ، چودہ اور سولہ گھنٹے کا ہوتا ہے، تاکہ کھائی ہوئی غذا خون کی شکل اختیار کرے۔ یہی خون پیدا ہونے کا راز ہے۔

پیدائش خون کے معاون

جب ہم کوئی شے کھاتے ہیں تو چبانے کے ساتھ ساتھ اس میں منہ کی رطوبات (لعاب دہن) شامل ہوتا ہے، جو ایک طرف اس کو نرم کرتا ہے اور دوسری طرف اس شے کو ہضم کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس لئے ہر غذا کے ساتھ جس قدر بھی ''لعاب دہن'' شریک ہوگا، وہ غذا جلد ہضم ہوگی۔ اسی طرح جب غذا معدہ میں جاتی ہے تو رطوبت معدی اس میں شریک ہو کر اس کو نرم اور ہضم کر کے محلول بنا دیتی ہے۔ اس ہضم میں غیر روغنی اجزاء ہضم ہو جاتے ہیں اور جو غذا آنتوں میں اُتر جاتی ہے، چونکہ ان میں روغنی اجزاء ہوتے ہیں، اس لئے اس میں جگر سے صفرا اور لبلبہ سے اس کی رطوبت آ کر اس میں شامل ہوتے ہیں جس سے روغنی غذا وہاں نرم اور ہضم ہوتی ہے۔ یہ تمام رطوبات قدرتی ہاضم ہیں۔ ان قدرتی ہاضمین کی تشریح یہ ہے۔

(۱) **لعاب دھن:** اعصابی قوت سے پیدا ہوتا ہے۔ اپنی صورت میں اس کے اندر کھاری اثرات ہوتے ہیں، مزاج بلغمی ہوتا ہے۔

(۲) **رطوبت معدی:** عضلاتی قوت سے پیدا ہوتی ہے۔ اپنی صورت میں اس کے اندر تیزابی اثرات ہوتے ہیں۔ مزاج سوداوی ہوتا ہے۔

(۳) **رطوبت جگر** اور **رطوبت لبلبہ:** غدی قوت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اپنی صورت میں ان کے اندر دافع تیزابی اثرات ہوتے ہیں۔ مزاج صفراوی ہوتا ہے۔ یہ جہاں اپنے مقام پر غذا ہضم کرتے ہیں، وہاں پر غذا کا مزاج ضرورت کے مطابق تبدیل کرتے رہتے ہیں۔

غلط فہمی

جو معالج خصوصاً فرنگی ڈاکٹر یہ خیال کرتے ہیں کہ فولاد یا اس کے مرکبات اسی طرح سنکھیا یا کچلہ اور اس کے مرکبات مقوی خون ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ یہ تینوں اشیاء عضلاتی ہیں۔ معدہ کو تیز اور تقویت دیتی ہیں۔ لیکن نہ اعصاب میں طاقت دے کر بلغم پیدا کرتی ہیں اور نہ غدد میں تقویت دے کر صفرا پیدا کرتی ہیں۔ بلکہ قاطع بلغم اور صفرا ہیں۔ اس لئے کسی ایسی دوا کو مقوی خون ہرگز نہیں سمجھنا چاہئے جو بغیر تشخیص اور ضرورت کے استعمال کر دی جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو بجائے مقوی خون ہونے کے ضعف خون کا باعث ہوگا۔ یعنی اعضائے غذائیہ کا جو حصہ کمزور ہوگا جب تک اس کو تقویت نہیں دی جائے گی اس وقت تک مقوی خون پیدا نہیں ہوگا۔ یہی صورت ہر قسم کی غذا کے لئے بھی لازم ہے۔

مولد خون

بالکل اسی طرح کی غلط فہمی مولد خون ادویہ اور اغذیہ کے متعلق بھی پائی جاتی ہے۔ یاد رکھیں کوئی غذا اور دوا جس کی جسم انسان کو ضرورت نہیں ہے، کبھی مولد خون نہیں ہو سکتی، بلکہ فساد خون کا باعث ہوتی ہے۔ اس لئے بغیر ضرورت مقوی و مولد خون اغذیہ اور ادویہ نہیں کھانی چاہئیں۔ ان کے استعمال سے اکثر نقصان ہو جاتا ہے۔

مدر بول

پیشاب جاری کرنے والی دوا، مدر بول اشیاء اس وقت استعمال کی جاتی ہیں جب پیشاب میں کمی واقع ہو یا پیشاب میں جلن محسوس ہو یا پیشاب بند ہو جائے۔ یہ صورتیں امراض کی حالت میں پیدا ہوتی ہیں۔ پیشاب حقیقت میں بدن کا فضلہ ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح پاخانہ اور پسینہ بدن کے فضلے ہیں، اس کا بین ثبوت یہی ہے کہ جب پیشاب بند ہو جاتا ہے تو نہ صرف فضلات اعضا میں رُک کر جسم میں سرایت کر جاتے ہیں جس سے جسم میں خطرناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں، جن میں ہلاکت تک نوبت بھی پہنچ سکتی ہے۔ بلکہ اعضائے جسم میں بے چینی اور درد بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ جب بندش بول سے زہریلی علامات پیدا ہوتی ہیں تو اس حالت کو تسمم بولی کہتے ہیں۔

شیخ الرئیس لکھتے ہیں، پہلے ہضم کا فضلہ جو معدہ میں ہوتا ہے آنتوں کی راہ (بشکل براز) خارج ہوتا ہے اور دوسرے ہضم کا فضلہ جو جگر میں ہوتا ہے اس کا بیشتر حصہ پیشاب میں چلا جاتا ہے۔

جدید تحقیقات میں پیشاب کے اندر جو مادہ زیادہ تر ہوتا ہے اس کو مادہ بولیہ کہتے ہیں، جس کی بڑی مقدار جگر کے اعمال ہضم و استحالہ کے نتیجہ میں جگر کے اندر ہی بنتا ہے اس لئے اس کو جگر کا فضلہ کہا جائے تو بے جا نہیں ہے۔ بہر حال یہ مادہ جگر وغیرہ میں بن کر عروق میں چلا جاتا ہے۔ جہاں موجودہ شکل میں خون کے ساتھ ملا ہوا پایا جاتا ہے۔ علی الخصوص جب کہ گردے خراب ہوں اور خون سے اس مادہ کو پیشاب کے ساتھ اچھی طرح خارج نہ کر سکتے ہوں، تو اس کی مقدار خون میں اور دیگر رطوبات بدن میں بڑھ جاتی ہے۔ گوشت کھانے سے یہ مادہ زیادہ اور سبزی کھانے سے کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شدت ریاضت کے وقت اور بخاروں میں اس کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ اس مادہ بولیہ کے علاوہ دیگر مواد بھی صحت کی حالت میں بدن سے اخراج پاتے ہیں جیسے بلغم اور ترشی وغیرہ، لیکن مرض کی حالت میں اس پیشاب میں ریگ وشکر اور خون و پیپ ہوتی ہے تو مدر بول دوائیں استعمال کی جاتی ہیں۔

فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب میں یہ یقین کر لیا گیا ہے کہ ہر قسم کی الکلی (کھار) مدر بول ہے اور عام طور پر یہ یقین ہو گیا ہے کہ ہر بارد شے مدر بول ہے لیکن بعض امراض میں ہم دیکھتے ہیں کہ نہ ہی کھاری اشیا سے پیشاب آتا ہے اور نہ ہی سرد اشیا سے پیشاب اخراج پاتا ہے بلکہ بعض وقت ایسی اشیا سے بالکل بند ہو جاتا ہے اور اس غلط فہمی سے موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔

مدر بول ادویہ

کتب طبیہ میں جب مدر بول ادویہ کی فہرست دیکھی جاتی ہے تو اس میں سرد و گرم خشک وتر بلکہ کھاری اور ترشی ہر قسم کی ادویہ پائی جاتی ہیں۔ اس لئے صرف کھاری اور سرد قسم کی ادویہ کو مدر بول سمجھ لینا صحیح فن نہیں ہے، بلکہ مدر بول کے متعلق غلط فہمی اور لاعلمی ہے۔ البتہ اگر طب یونانی کے قوانین مزاج اور اخلاط کے مطابق مریض کے لئے نسخہ تجویز کیا جائے تو صحیح نتائج نکل سکتے ہیں۔

مدر بول کی صحیح صورت

مدر بول ادویات کے صحیح استعمال کو سمجھنے کے لئے ایک اہم بات یہ ہے کہ مدر بول کے نظام کو سمجھنا بے حد ضروری ہے جس کی صورت یہ ہے کہ جسم مس جب خون تیار ہو جاتا ہے تو وہ جسم کی غذا کے ساتھ ساتھ جسم کے مختلف اعضاء میں صاف بھی ہوتی ہے جس کی

صورت یہ ہے کہ خون دِل کی طرف سے باہر جسم میں دھکیلا جاتا ہے، جب گردوں میں پہنچتا ہے تو وہاں پر صاف ہوتا ہے۔ پھر گردوں سے باہر اخراج پاتا ہے، گویا اس کی تین صورتیں ہیں۔ اوّل دِل سے گردوں کی طرف دھکیلا جاتا ہے۔ دوسرے گردوں میں صاف ہوتا ہے۔ تیسرے باہر اخراج پاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ اوّل صورت میں قلب (عضلات) کے فعل میں تیزی ہوتی ہے۔ دوسری صورت میں گردوں (غدد) کے فعل میں تیزی ہوتی ہے۔ تیسری صورت میں دماغ (اعصاب) میں تیزی ہوتی ہے یا یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ جب پیشاب میں کوئی خرابی ہوتی ہے یا پیشاب کے جس قدر امراض ہیں ان میں یہی تین صورتیں ضرور پائی جائیں گی۔ یعنی عضلات وغدد اور اعصاب کے افعال میں سے کسی ایک کا فعل تیز ہوگا۔ لیکن اس کے مقابلے میں دوسرے کا فعل سست اور تیسرے کا فعل کمزور ہوگا۔ بس اسی حقیقت کا جاننا ہی مدر بول کا راز ہے۔

نظام بولیہ کے امراض

نظام بولیہ کے سمجھ لینے کے بعد اس کے امراض بھی ذہن نشین کر لیں تاکہ تشخیص اور علاج میں کسی قسم کی دقت پیدا نہ ہو۔ جاننا چاہئے کہ نظام بولیہ کے بنیادی امراض صرف تین ہیں۔ ① پیشاب کا کثرت سے آنا ② پیشاب کا کمی کے ساتھ یا جلن کے ساتھ آنا۔ ③ پیشاب کا بند ہونا۔

یاد رکھیں پیشاب کے تمام امراض انہی تینوں بنیادی امر طبی کے تحت ہوتے ہیں، جن کی صورت یہ ہوگی: ① پیشاب کا کثرت سے آنا اعصاب کے تحت ② پیشاب کا کمی اور جلن کے ساتھ آنا غدد کے تحت ③ پیشاب کا بند ہو جانا عضلات کے تحت ہوتا ہے۔

اس کو اس طرح بھی سمجھ لیں کہ پیشاب کی پیدائش عضلات کے تحت، پیشاب کی صفائی غدد کے تحت اور اخراج اعصاب کے تحت ہوتا ہے۔ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ پیشاب کی پیدائش رُک جاتی ہے، بعض وقت اس میں کمی وجلن پیدا ہو جاتی ہے اور بعض وقت اخراج اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ پیشاب ہی ختم ہو جاتا ہے اور اس کو بند بول کہہ دیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں پیشاب کی پیدائش ہی کم یا رُک جاتی ہے۔ اس کا علاج پیشاب خارج کرنے والی دوائیں نہیں ہیں بلکہ پیشاب کو پیدا کرنے والی ادویہ ہونا چاہئے۔ یہی مقام ہے جہاں غلطی کرنے سے مدر بول کا صحیح تصور ذہن نشین نہیں ہوتا۔

پیدائش بول

تسکین عضلات وضعف غدد اور تحریک اعصاب کی صورت میں دورانِ خون سست ہو جاتا ہے، گردوں میں خون کا زور کم ہو جاتا ہے۔ اور ان کی شریانوں میں امتلاء اور تناؤ گھٹ جاتا ہے۔ ایسے موقع پر جو مدر بول ادویات دی جاتی ہیں وہ محرک عضلات (قلب) ہوتی ہیں۔ جیسے ① دارچینی ② ابہل ③ حرمل ④ ایلوا ⑤ پیاز ⑥ انجیر ⑦ چائے اور ⑧ زعفران وغیرہ۔

صفائی بول

''تحریک عضلات، تسکین غدد، تحلیل اعصاب'' کی صورت میں مواد بولیہ گردوں میں کم چھنتے ہیں اور ایسی صورت میں گردوں اور مثانہ میں ایک پتھری وغیرہ بننی شروع ہو جاتی ہے۔ ایسے موقع پر جو مدر بول ادویہ دی جاتی ہیں، وہ یہ ہیں: ① افسنتین ② اکلیل الملک ③ ایرسا ④ بادیان ⑤ بیروزہ ⑥ ریوند عصارہ ⑦ پودینہ ⑧ تیلنی مکھی ⑨ زنجبیل اور ⑩ نوشادر، وغیرہ۔

اخراج بول

تحلیل عضلات، تحریک غدد، تسکین اعصاب کی صورت میں دورانِ خون غدد کی طرف زیادہ ہوتا ہے اور اعصاب میں سکون کی وجہ سے پیشاب کا اخراج بہت کم ہو جاتا ہے اور بعض وقت بالکل بند ہو جاتا ہے۔ جلن بھی اس صورت میں ہوتی ہے، ایسے موقعہ پر جوادویہ دی جاتی ہیں وہ یہ ہیں: ① انار ② بادام شیریں ③ تخم خیارین ④ تخم مولی ⑤ تخم خربوزہ ⑥ تخم کدو ⑦ کاسنی ⑧ جوکھار ⑨ حجر الیہود ⑩ ریوند چینی ⑪ قلمی شورہ ⑫ کباب چینی، وغیرہ۔

مسہلات

ایسی ادویات ہیں جو سہولت کے ساتھ اسہال لائیں۔ مسہلات کے ذریعے ناقص اخلاط اور مواد کو جسم سے خارج کرنا۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

① بذریعہ ادویہ مشروبہ یعنی کھانے پینے کی ادویہ اور اغذیہ سے اسہال لانا۔

② بذریعہ حقنہ جس کو احتقان اور عمل ظاہر بھی کہتے ہیں۔

قویٰ مفردہ

حکیم مطلق نے جسم انسان کو اس انداز پر بنایا ہے کہ طبیعت مدبرہ بدن ضرورت کے وقت مناسب راستوں سے فضلات کو ہمیشہ خارج کرتی رہتی ہے، لیکن بعض وقت اس کے سامنے ایسی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ وہ اپنے محبوس فضلات کو کلی یا جزوی طور پر خارج نہیں کر سکتی۔ ان رکاوٹوں میں ہمارے مفرد اعمال کا دخل ہے جو قوت مدبرہ بدن کے تحت خود کار (آٹومیٹک) عمل کرتے ہیں۔ یہ خود کار اعمال جسم انسانی کے مفرد قویٰ کے تحت کام کرتے ہیں۔ وہ مفرد قوتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) **قوت ماسکہ**: ایسی قوت جو جسم میں غذا کو اس وقت تک روکے رکھتی ہے جب تک وہ صحیح طور پر ہضم نہ ہو جائے۔

(۲) **قوت ہاضمہ**: ایسی قوت جو جسم میں غذا کو اس وقت تک تحلیل کرتی رہتی ہے جب تک اس کا خلاصہ جسم میں جذب نہ ہو جائے۔

(۳) **قوت جاذبہ**: ایسی قوت جو تحلیل شدہ غذا کو اس وقت تک جذب کرتی رہتی ہے جب تک اس میں غذا کا خلاصہ اور جوہر موجود ہے تاکہ فضلات میں غذائی اجزا دفع نہ ہو جائیں۔

(۴) **قوت دافع**: ایسی قوت جو فضلات اور غیر نافع اغذیہ کی ضرورت کے وقت خارج کر دیتی ہے۔ یاد رکھیں کہ مفرد قویٰ کیفیات اور اخلاط کے ماتحت کام کرتی ہیں۔

بعض وقت اسباب ستہ کے تحت ایسی صورتیں پیدا ہوتی ہیں کہ جسم کی کیفیات اور اخلاط اعتدال پر نہیں رہ سکتے تو ان کے قویٰ مفردہ کے اعمال میں بھی فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً قوت ماسکہ میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ غذا کو اوّل تو تحلیل ہی ہونے نہیں دیتی اور کچھ تحلیل ہو جائے تو بھی پورے طور پر وہ غذا کو نہیں چھوڑتی۔ اسی طرح قوت ہاضمہ میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ غذا کو پورے طور پر تحلیل و ہضم نہیں کر سکتی یا غذا کی مقدار اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ وہ پورے طور پر اس کو تحلیل و ہضم نہیں کر سکتی۔ ایسے ہی قوت جاذبہ اس قدر تیز ہو جاتی ہے کہ وہ خلاصہ اور جوہر غذا کو جذب کر لینے کے بعد بھی فضلات کو نہیں چھوڑتی یا کبھی قوت دافع اس قدر کمزور ہو جاتی ہے کہ فضلات کو خارج نہیں کر سکتی۔

بہرحال یہی صورتیں ہیں جن کی وجہ سے قبض کی صورتیں واقع ہوتی ہیں اور جس کے لئے مسہلات کی ضرورت پیش آتی ہے۔

طب یونانی کا کمال

طب یونانی کا کمال یہ ہے کہ اس میں ہر مرض کا علاج مریض کے مزاج کے مطابق ہوتا ہے اس لئے مسہلات بھی مزاج کے مطابق استعمال ہوتے ہیں۔ یہ ہرگز نہیں کہ ایک ہی قسم کا مسہل ہر مزاج میں استعمال کیا جائے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسہلات کو صرف اس لئے اہمیت ہے کہ مزاج کے مطابق فضلات کو جلد اور شدت کے ساتھ خارج کیا جائے ورنہ بغیر مسہلات بھی صرف کیفیات اور اخلاط کی تبدیلی کے تحت اعضائے جسم کے افعال کو بدل کر مواد و فضلات کو رفتہ رفتہ بھی خارج کیا جاسکتا ہے۔ بعض اطبا جو اس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک ہی قسم کے مسہل سے ہر مزاج کا علاج کیا جائے ایسے اطباء بے حد غلط فہمی کا شکار ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کو حکیم کہنا ہی غلط ہے۔ ایسے معالج علامتی معالج ہیں۔ علم وفن سے ان کا دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔

فرنگی طب کا غلط طریق کار

طب فرنگی، طب کے صحیح استعمال اور فوائد سے بالکل لاعلم ہے اور اس کا جاہلانہ اور عطائیانہ طور پر استعمال کرتی ہے اور جب سے اس نے ہر دوا کے اندر جراثیم کش اثرات کو تلاش کرنا شروع کیا ہے ادویہ کے حقیقی خواص اور افعال سے دور ہوگئی ہے۔ فرنگی طب میں مسہل ادویہ کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ مریض کو انتہائی قبض میں اسہال ہو جائیں چاہے کسی دوا سے یہ مقصد حاصل ہو جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر مزاج کے لئے علیحدہ علیحدہ مسہل ہیں۔ اگر فرنگی طب یہ اعتراض کرے کہ وہ مزاج تسلیم نہیں کرتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر عضو کے لئے جدا جدا مسہل ہیں، بلکہ ہر مرض کے لئے الگ الگ مسہل ہیں۔ اگر کسی مرض میں غلط استعمال کرلیا جائے تو بجائے شفاء حاصل ہونے کے مرض زیادہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی مریض کو قبض ہے اور ساتھ ہی ضعف قلب ہے لیکن فرنگی طب کے پاس کوئی ایسا مسہل نہیں ہے جو مقوی قلب ہو۔ اسی طرح ان کے پاس دماغ اور جگر کے لئے کوئی مسہل نہیں ہے بلکہ کسی عضو کے لیے مقوی مسہل نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کو کسی مرض کے مخصوص مسہل کا علم ہی نہیں ہے۔

اسی طرح کبھی قبض کے ساتھ پیشاب بھی بند ہوتا ہے، اس مقصد کے خاص مسہل ہیں اور کبھی قبض کے ساتھ پیشاب کی کثرت ہوتی ہے، اس مقصد کے لئے الگ قسم کے مسہل ہیں۔ اسی طرح دیگر مختلف علامات کے لئے جدا جدا مسہل ہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ فرنگی طب میں جو مسہل ترتیب دیئے گئے ہیں ان میں مختلف اور متضاد ادویہ شامل ہیں۔ مثلاً کیلومل میں جلابہ ملا دیتے ہیں۔ سقمونیا میں مصبر ملا ہوتا ہے۔ فرنگی طب کی روزانہ قبض کشا ادویہ میں اکثر میگنیشیا اور کسٹر آئل استعمال ہوتا ہے اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ان دونوں کو بھی غلط مقامات پر استعمال کر جاتے ہیں، جس کا نتیجہ اکثر نقصان رساں ظاہر ہوتا ہے۔ بخار ایک اہم علامت ہے جو کسی نہ کسی عضو کی سوزش و ورم اور وہاں پر مواد کے متعفن ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ اگر قبض ہو تو ایسا مسہل ہونا چاہئے کہ وہ سوزش و ورم کو دور کرنے کے بعد تعفن بھی دور کرے لیکن ہم فرنگی طب میں دیکھتے ہیں کہ بخار کی دوا جدا ہے، ورم کی دوا الگ ہے اور مسہل علیحدہ استعمال ہو رہا ہے۔ یہ ہے فرنگی طب کے خواص ادویہ کا علم اور علاج میں غلط طریق کار اور اس کی خرابیاں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک مرض کو روکنے کے لئے ایک دوا جانتی ہے۔ وہ کسی دوا کے پورے جسم میں افعال و اثرات اور خصوصاً مخصوص اعضاء پر ادویہ کے خواص و فوائد سے پورے طور پر واقف نہیں ہے اور جب سے اس نے جراثیمی امراض کے لئے ادویہ کی تلاش شروع کی ہے وہ اسی میں غرق ہو کر رہ گئی ہے اور اس کا علم وفن طب برباد اور مقید ہو کر رہ گیا ہے۔ جگہ کی قلت کی وجہ سے ہم نے بے حد اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ اگر ہم فرنگی طب اور مسہل کے استعمال پر تفصیل سے لکھیں تو پوری کتاب لکھی جاسکتی ہے۔

اطباء کی مسہلات کے متعلق غلط فہمی

حکیم گیلانی فرماتے ہیں: ''جب محض آنتوں کے اوران کے گردونواح کے مواد خارج کیے جاتے ہیں تو اطباء اس کوتلئین کہتے ہیں۔ جب عروق سے اور دور کے اعضاء سے مواد خارج کئے جاتے ہیں تو اسے اصطلاح اطباء میں اسہال کہتے ہیں اور گاہے بلا تخصیص و تعین دونوں کو اسہال کہتے ہیں''۔

بعض نے مسہلات کو تین صورتوں میں تقسیم کر دیا ہے:

(۱) ضعیف مسہلات جن کو ملینات کہتے ہیں (۲) عام مسہلات (۳) مسہلات قویہ۔

جب ان کی ادویات پر نگاہ جاتی ہے تو افسوس ہوتا ہے کہ ان میں بلا کسی مزاج و کیفیت کے ادویہ درج ہوتی ہیں۔ ایک معالج حیران ہوتا ہے کہ کس دوا کا استعمال کرے اور کس کو استعمال نہ کرے۔ مثلاً ملینات میں دیکھتے ہیں جہاں اسپغول، آلو بخارا، گاؤزبان اور گنے کا رس جیسی سرد تر (اعصابی عضلاتی) ادویات پائی جاتی ہیں وہاں بادام، بنفشہ اور ترنجبین اور شیر خشت گرم تر (غدی اعصابی) شہد، گندھک اور روغن انجیر گرم تر (غدی اعصابی) کچلہ وکٹکی اور کشمش و انجیر خشک گرم (عضلاتی غدی) اور کلونجی و املی ارکرنجوہ وگل سرخ سرد خشک (عضلاتی اعصابی) ادویہ نظر آتی ہیں۔

عام مسہلات میں مختلف اخلاط کی ادویہ کے ساتھ سنا مکی، تربد، روغن بید، انجیر، مصبر، ہلیلہ، گل سرخ اور تمر ہندی عام نظر آتی ہیں۔ ظاہر ہے یہ تمام ادویہ مزاج اور کیفیات کے لحاظ سے مختلف ہیں اسی طرح مسہلات قویہ میں جلاپا، جمالگوٹہ، عصارہ ریوند، سقمونیا، حب نیل، تخم حنظل اور تربد وغیرہ مختلف کیفیات و مزاج میں مختلف اخلاط کے لئے ہیں اور مختلف اعضاء پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ تینوں صورتیں علم وفن طب کے خلاف ہیں۔

غلط فہمی کی وجہ

اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ اطباء کا ایک گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ مسہل دوا میں کسی خاص مادہ کو جذب کرنے کی خاصیت اور کشش نہیں ہوتی بلکہ ہر ایک مسہل دوا پہلے بدن کی رقیق اخلاط کو خارج کیا کرتی ہے اس کے بعد بالترتیب غلیظ کو اور اس کے بعد غلیظ تر کو خارج کرتی ہے۔ اس نظریہ کے تحت حکیم ارزانی فرماتے ہیں کہ ''ایسی کوئی دوا نہیں ہے جو سوائے ایک خلط کے اخلاط ثلاثہ میں سے دوسری بالترتیب خلط کو باہر نہ نکالے اور یہ ادویہ صفرا، بلغم یا سوداوغیرہ کے اخراج کے لئے مخصوص ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ادویہ اس خلط کو زیادہ نکالتی ہیں''۔

اس نظریہ کے خلاف جالینوس کا نظریہ یہ ہے کہ ''ہر ایک مسہل دوا اسی خلط کو جذب کیا کرتی ہے جس سے اس دوا کی مشابہت و مشکلات ہوتی ہے یعنی دوا مسہل اپنے مشابہ اور اپنے ہم جنس خلط کو مشابہ اور ہم جنس ہونے کی وجہ سے جذب کیا کرتی ہے''۔ یہی قانون طب ہے۔

شیخ الرئیس کا نظریہ ہے (اور یہی صحیح بھی ہے، اس میں جالینوس کے نظریہ کی مکمل تشریح ہے): ''دوائے مسہل اپنی مخصوص خاصیت اور مخصوص کشش سے کسی خاص خلط کو آنتوں کی طرف جذب کرتی ہے۔ یعنی یہ دوائی مسہل اپنے مخصوص قوت تاثیر سے معدہ اور آنتوں کو غشائے مخاطی کے مخصوص اجزاء میں تحریک پیدا کر دیتی ہے جس سے غشائے مذکورہ کے یہ اجزا مخصوص اخلاط کو خارج کرنے کا کام شروع کر

دیتے ہیں، خواہ وہ غلیظ قوام کے لحاظ سے رقیق ہو یا غلیظ''۔

اور ایک مقام پر سختی کے ساتھ شیخ الرئیس نے لکھا ہے کہ ''بعض لوگوں کا یہ قول قطعاً بے بنیاد ہے کہ دوائے مسہل پہلے بدن کے رقیق ترین موادوں کے جذب کیا کرتی ہے، اور اس کے بعد بالترتیب غلیظ اور غلیظ تر کو''۔

غلط فہمی کا ازالہ

جو بھی دوائے مسہل جس خلط کو بھی دستوں کی شکل میں خارج کرتی ہے اس کو اپنی مخصوص قوت جاذبہ کی وجہ سے جذب کر کے خارج کیا کرتی ہے یعنی یہ قوتِ جاذب خصوصیت کے ساتھ محض خلط غلیظ کو جذب کر لیتی ہے اور خلط رقیق کو بدن کے اندر چھوڑ دیتی ہے۔ چنانچہ جو دوائیں ''مسہل سودا'' کہلاتی ہیں ان کا عمل اسی قسم کا ہوا کرتا ہے۔ شیخ الرئیس اطبائے قدیم کے مسہلات کے مطابق شیخ کے کلام کا ماحصل یہ ہوا کہ بعض مسہل دواؤں کو بلغم سے اور بعض کو مائیت سے اور بعض کو صفرا وغیرہ سے خصوصیت ہوتی ہے، یعنی وہ دوائیں انہی اخلاط کو جذب کر کے خارج کرتی ہیں۔ مثلاً سقمونیا صفرا کو، افتیمون سودا کو اور تربد بلغم کو، بورق (کھاری) اور ملاح (نمکین) مسہلہ ماہیت کو دستوں کی راہ خارج کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر خلط کے علیحدہ علیحدہ مسہل ہیں: ① مسہل بلغم ② مسہل صفرا ③ مسہل سودا۔

اگر چہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسہل دوا پہلے رقیق ترین موادوں کو جذب کر کے خارج کیا کرتی ہے تو یہ صورت کبھی ممکن نہ ہوتی کہ بدن کے اندر خلط رقیق باقی رہے اور اس سے پہلے غلیظ خلط خارج ہو جائے۔

مسہل کی حقیقت

آنتوں کے افعال کو اس قدر تیز کر دیا جائے کہ اس کے ناقص اخلاط اور مواد جسم سے سہولت کے ساتھ خارج ہو جائیں۔ جاننا چاہئے کہ آنتیں مرکب عضو ہیں۔ ان کی بناوٹ میں اعصاب بھی ہیں جن کا تعلق دماغ کے ساتھ ہے۔ عضلات بھی ہیں جن کا مرکز قلب ہے غدد و غشائے مخاطی بھی ہیں جن کا سلسلہ جگر کے ساتھ ہے۔ جب آنتوں کا فعل تیز ہوتا ہے تو بیک وقت تینوں کے افعال تیز نہیں ہوتے بلکہ کسی ایک مفرد عضو کا فعل تیز ہوتا ہے۔ جس مفرد عضو کا فعل تیز ہوتا ہے اسی کے زیر اثر اسہال آتے ہیں۔ اگر اعصاب کے فعل میں تیزی ہوتی ہے تو رقیق اور بلغمی اسہال ہوتے ہیں۔ اگر عضلات میں تحریک ہوتی ہے تو صفراوی اسہال ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ہر مفرد عضو کو تیز کرنے کے لئے مختلف اقسام کی ادویہ ہوتی ہیں۔ جس قسم کی دوا دیں گے اسی قسم کے اسہال آئیں گے لیکن یہ فن علاج کے خلاف ہے۔

جاننا چاہئے کہ مفرد اعضاء (اعصاب و عضلات اور غدد) کے افعال مفرد قویٰ (ماسکہ، ہاضمہ، جاذبہ اور دافع) کے تحت ہیں۔ جب قوت ماسکہ میں شدت ہوتی ہے جو خون کی سرخی سے پیدا ہوتی ہے تو عضلات کے فعل میں تیزی ہو جاتی ہے۔ جب قوت ہاضمہ کے فعل میں شدت ہوتی ہے جو صفرا سے ہوتی ہے تو غدد اور غشائے مخاطی کے افعال میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ جب قوت جاذبہ کے فعل میں شدت ہوتی ہے جو سودا سے پیدا ہوتی ہے تو غدد و جاذب کے افعال میں تیزی پیدا ہوتی ہے اور جب قوت دافع کے فعل میں شدت ہوتی ہے جو بلغم سے پیدا ہوتی ہے تو اعصاب کے افعال میں تیزی آ جاتی ہے۔ گویا مفرد اعضاء و مفرد قویٰ اور اخلاط لازم و ملزوم ہیں اور خود کام کرتے ہیں۔

اس حقیقت کا ذہن نشین کر لینا بھی از حد ضروری ہے کہ اگر اعصاب کے افعال یا قوت دافع یا بلغم کی زیادتی ہو تو اسہال رقیق و سفید اور پانی کی طرح آئیں گے۔ اگر غدد کے افعال یا قوت ہاضمہ یا صفرا کی زیادتی ہو گی تو اسہال سیاہی سرخی مائل و غلیظ اور سدے خارج

ہوں گے۔ گاہے اسہال کے ساتھ اسی تحریک میں آتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاخانہ آجانے کے بعد بھی قبض ہے۔

یہ ہے مسہل کی حقیقت جس سے فرنگی طب، بالکل بے علم ہیں۔ ہر قسم کے مسہل وملین کے مجربات ہماری کتاب ''تحقیقات فارماکوپیا'' میں دیکھیں۔ وہ مجربات بے خطا اور یقینی ہیں۔

حقیقت افعال واثرات ادویہ

ادویہ جو جسم پر اثر انداز ہوتی ہیں یہ ادویہ بیرونی طور پر استعمال کی جائیں یا اندرون طور پر کھائی جائیں یا کسی اور طریق پر داخل کی جائیں اس کا مقصد اس حقیقت کو جاننا ہوتا ہے کہ یہ ادویہ جسم میں اپنا کیا فعل وتغیر اور استحالہ ظاہر کرتی ہیں یا ان کے استعمال سے جسم کے اعضاء کے افعال میں کیا کمی یا بیشی یا ضعف یا طاقت ظاہر ہوتی ہے۔ اس علم وحقیقت کا ایک یہ مقصد بھی ہے کہ ان ادویہ کے اثرات وافعال کسی ایک عضو میں کیا ہیں اور تمام جسم میں کیا تغیر اور استحالہ ظاہر ہوتا ہے۔ بس ادویات کے افعال واثرات جاننے کا حقیقی مقصد یہ ہے۔

غلط فہمی

اکثر عوام میں اثرات وافعال کا یہ مقصد لیا جاتا ہے کہ ان کے خواص وفوائد کیا ہیں، یعنی وہ کن کن امراض اور علامات کے لئے مفید ہیں۔ اس لئے اکثر کتب خواص الادویہ میں اسی طرح لکھتے ہیں کہ وہ کن کن امراض اور علامات میں مفید ہیں، بلکہ بعض عظیم حکماء اور اطباء نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ فلاں دوا فلاں مرض کے لئے بالخاصہ مفید ہے۔ اسی طرح بعض ادویہ کو بعض امراض اور علامات کے لئے اکسیر اور تریاق لکھ دیا ہے۔

لیکن یاد رکھیں کہ اثرات وافعال ادویہ کا یہ مقصد نہیں ہے اور یہ طریق غلط ہے بلکہ ان کا مقصد اوّل یہ ہے کہ ان کے استعمال سے جسم اور اعضاء میں کیا کیا اثرات وافعال اور تغیرات ظاہر ہوتے ہیں جن کے تحت ایک قابل معالج ان کو امراض اور علامات کو اعتدال پر لانے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ البتہ مخصوص علامات اعضاء اور حالات جسم کے لئے بعض ادویات کو ان کا علاج کہا جاسکتا ہے لیکن ہر مفرد یا مرکب دوا کو کسی مرض وعلامات کے لئے مفید لکھنا غلط فہمی ہے کیونکہ ہر مرض وعلامت ہمیشہ کسی ایک ہی خلط اور کیفیت کے تحت نہیں ہوتی۔ بلکہ ہر دوا اپنے کیمیائی اور مشینی اثرات کے زیر اثر مفید ہوتی ہے، اس لئے خواص وعلم الادویہ میں ان کے اثرات وافعال اور تغیرات کیمیائی اور مشینی طور پر حاصل کئے جاتے ہیں۔ یہی صحیح علم وفن ادویہ ہے۔

طریق اثرات وافعال ادویہ

جاننا چاہئے کہ اثرات وافعال ادویہ حاصل کرنے کے لئے تین صورتیں ہیں۔

① ادویہ کے اثرات وافعال اور تغیرات جو اعضائے جسم خصوصاً مفرد اعضاء پر ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ دوا کے مشینی (مکینیکل) اثرات و افعال اور تغیرات ہیں۔

② ادویہ کے وہ اثرات وافعال اور تغیرات جو اخلاط وکیفیات میں پیدا ہو جائیں۔ یہ دوا کے کیمیائی (کیمیکل) اثرات وافعال اور تغیرات ہیں۔

③ ادویہ کے وہ اثرات وافعال اور تغیرات جو کل جسم پر بیک وقت ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ دوا کے طبی (فزیکل) افعال واثرات اور تغیرات ہیں۔

ان تینوں صورتوں سے ہم امراض و علامات کو دور کرنے کے لئے مفید حالات پیدا کر سکتے ہیں۔ یہ ایسا طریق کار ہے کہ جس سے معالج ہر مفرد اور مرکب دوا پر پورے طور پر دسترس حاصل کر سکتا ہے۔ ہم بھی خواص الادویہ کو بالکل انہی صورتوں میں پیش کریں گے۔ اس طرح کے حاصل کردہ ادویہ کے خواص میں تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس طرح ہر معالج صحیح طریق پر نسخہ نویسی اور ترتیب ادویہ کے بعد مرکبات اور مجربات تیار کر سکتا ہے۔

اثرات و افعال بالاعضاء

جاننا چاہئے کہ جب کوئی غذا یا دوا استعمال کی جاتی ہے تو اس کا اثر کسی نہ کسی عضو پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ جذب ہو کر خون میں شامل ہو جاتی ہے۔ ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ غذا و دوا اور شے منہ میں اثر کرنے کے بعد معدہ میں اثر انداز ہوتی ہے۔ لیکن یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ معدہ کو ایک مفرد عضو خیال کیا جاتا ہے۔ حقیقت میں معدہ مفرد عضو نہیں ہے بلکہ ایک مرکب عضو ہے اور وہ کئی مفرد اعضاء سے مرکب ہے یعنی اس میں اعصاب بھی ہیں۔ اس میں عضلات بھی پائے جاتے ہیں اور اس میں غشائے مخاطی اور غدد بھی شامل ہیں۔ جب بھی کوئی غذا و دوا اور شے کھائی جاتی ہے تو وہ انہی مفرد اعضاء میں سے کسی ایک پر اثر انداز ہوتی ہے۔ تمام مفرد اعضاء پر بیک وقت اثر انداز نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جس مفرد عضو پر دوا اثر انداز ہوتی ہے۔ اسی مفرد عضو کی علامات ظاہر ہوتی ہیں بلکہ سر سے پاؤں تک اسی مفرد عضو کی علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ مثلاً جب کوئی غذا و دوا اور شے اعصاب پر اثر انداز ہوتی ہے تو معدہ اور باقی جسم میں اعصاب کی علامات نمودار ہو جاتی ہیں۔ یعنی فوراً ہی منہ و معدہ اور دیگر اعضاء بلکہ تمام جسم میں رطوبات اور بلغم کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب وہ عضلات پر اثر انداز وتی ہے تو منہ و معدہ اور باقی جسم میں عضلات کی علامات ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں یعنی فوراً ہی منہ و معدہ اور دیگر اعضائے جسم میں خشکی اور ریاح کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جب وہ غشائے مخاطی اور غدد پر اثر انداز ہوتی ہے تو منہ و معدہ اور دیگر اعضاء بلکہ تمام جسم میں حرارت اور سوزش کے اثرات شروع ہو جاتے ہیں۔ اس طرح افعال و اثرات کی ابتدا ہوتی ہے۔

جب دوا معدہ سے جذب ہو کر خون میں پہنچتی ہے تو وہ خون کے دوران کے ساتھ ساتھ انہی مفرد اعضاء پر عمل کرتی ہے۔ پھر آخر میں اس کا اثر تمام جسم پر ایک خاص حالت اور علامات کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اور آخر میں انہی مفرد اعضاء کے خاص مخرج سے باہر خارج ہو جاتی ہے۔ اس طرح ان کے پورے اثرات و افعال اور تغیرات نمودار ہو جاتے ہیں۔

مفرد اعضاء

جاننا چاہئے کہ جسم انسانی اعضاء سے مرکب ہے اور تمام اعضاء مفرد اعضاء سے مرکب ہیں۔ مفرد اعضاء میں اعصاب، عضلات اور غدد و غشا، ہڈی و کری اور وتر و رباط شامل ہیں۔ آج ماڈرن میڈیکل سائنس نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ واقعی یہ سب مفرد اعضاء ہیں۔ وہ ان مفرد اعضاء کو ٹشوز (انسجہ) کا نام دیتی ہے اور یہ ٹشوز سیلز (خلیات) سے مرکب ہیں۔ ہر سیل (خلیہ) ایک حیوانی ذرّہ ہے اور اس میں زندگی کے تمام لوازمات پائے جاتے ہیں۔ ان کی مرکب ساخت و بافت سے یہ ٹشوز تیار ہوتے ہیں۔

ماڈرن میڈیکل سائنس نے ثابت کیا ہے کہ ٹشوز چار اقسام کے ہوتے ہیں جن میں تین حیاتی ہیں اور وہ اعضاء رئیسہ تیار کرتے ہیں:

(۱) نروز ٹشوز (اعصابی انسجہ) جن کا مرکز دماغ ہے۔
(۲) اپی تھیلیل ٹشوز (غشائی اور غدی انسجہ) جن کا مرکز جگر ہے۔

(۳) مسکولر ٹشوز (عضلاتی انسجہ) جن کا مرکز دِل ہے۔
(۴) کنکٹو ٹشوز (الحاقی انسجہ) ان سے انسان کا بنیادی ڈھانچہ تیار ہوتا ہے جس میں ہڈی وکری اور رباط و وتر اور تمام جسم کی بھرتی تیار ہوتی ہے۔

ہم نے بار بار یہ حقیقت ثابت کر دی ہے کہ یہ ٹشوز اخلاط کے ابتدائی اعضاء کی صورت ہے۔ ان میں اور اخلاط میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہر غذا و دوا اور شے کا اثر پہلے انہی پر ہوتا ہے۔ پھر اخلاط میں شامل ہو جاتا ہے اور پھر تمام جسم پر ظاہر ہوتا ہے۔

ادویہ کے افعال واثرات

مفرد اعضاء دراصل مجسم اخلاط ہیں

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ مفرد اعضاء کی پیدائش اخلاط کے معا بعد ترکیب پانے سے ہوتی ہے۔ ان میں اور اخلاط میں صرف اس قدر فرق ہے کہ مفرد اعضاء مجسم ہیں اور اخلاط محلول ہیں۔ گویا مفرد اعضاء دراصل مجسم اخلاط ہیں۔ طب یونانی اخلاط کو چار تسلیم کرتی ہے اور ہر ایک کی دو کیفیات ہیں۔ بالکل اسی طرح تمام مفرد اعضاء بھی انہی چار اخلاط کے ماتحت ہیں اور ہر مفرد عضو دو عدد کیفیات کے ماتحت ہے۔ گویا اخلاط و مفرد اعضاء ایک ہی کیفیات اور ایک ہی مزاج کے تحت غذا سے پیدا ہوتے اور عمل کرتے ہیں۔

مفرد اعضاء چار ہیں

فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس تسلیم کرتی ہے کہ مفرد اعضاء (ٹشوز) چار اقسام کے ہوتے ہیں اور طب یونانی بھی چار اخلاط تسلیم کرتی ہے اور کیفیات و مزاج بھی چار چار تسلیم کرتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ واقعی اخلاط چار ہیں۔ اس لئے ان سے چار اقسام کے مفرد اعضاء کی پیدائش ہوتی ہے۔ اگر چاروں اخلاط فرنگی طب کی طرح ایک خون ہی ہوتے تو اس سے چار اقسام کے اعضاء (ٹشوز) نہ بنتے، صرف ایک ہی قسم کے مفرد اعضاء (ٹشوز) ہوتے۔ فرنگی طب ہمیشہ اپنی تحقیقات سے اپنی غلطیوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ حقیقت کی تلاش کا اس کے پاس کوئی معیار نہیں ہے۔

دوا کا اثر اور مفرد اعضاء

جب بھی کوئی دوا و غذا اور شے کھائی جاتی ہے یا کسی طریق پر جسم انسان میں داخل کی جاتی ہے تو وہ کسی نہ کسی مفرد عضو کو ہی متاثر کرتی ہے۔ اس کے بعد اخلاط میں شریک ہوتی ہے تو پھر اس کے اثرات و افعال تمام جسم پر نمایاں ہوتے ہیں۔ چونکہ مفرد اعضاء چار اقسام کے ہیں جو چار مختلف اخلاط سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے چار مختلف مزاج اور چار ہی کیفیات ہوتے ہیں۔ اس لئے جس مزاج و کیفیت کی دوا ہوتی ہے، اسی مفرد عضو کو متاثر کر کے وہی کیمیائی اثرات اخلاط میں پیدا کر دیتی ہے۔ پھر وہی افعال تمام جسم پر نمایاں ہوتے ہیں اور یہی سلسلہ ایک خاص وقت تک قائم رہتا ہے۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ہر دوا و غذا اور شے کے بعد جسم پر کسی خاص خلط کا غلبہ اور مزاج و کیفیت کا اثر نمایاں ہوتا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہی اثر کیمیائی طور پر اخلاط میں پایا جائے گا اور یہی افعال کسی ایک مفرد عضو میں سے سر سے پاؤں تک پائے جائیں گے۔ ثابت ہوا کہ مفرد اعضاء چار ہیں۔ اس لئے ہر دوا و غذا اور شے کے اثرات بھی چار ہی اقسام کے ہیں۔ البتہ جیسی قوت و شدت

کا اظہار ہوگا۔ لیکن یہ یاد رکھیں کہ ایک وقت میں صرف ایک خلط کا غلبہ ہوگا اور ایک مفرد عضو میں تحریک ہوگی۔ البتہ جب تحریک کسی دوسرے مفرد عضو میں بدل جائے یا پیدا کر دی جائے تو اخلاط میں بھی کیمیائی طور پر اسی قسم کی تبدیلی پیدا ہو جائے گی اور جسم پر بھی وہی افعال ظاہر ہوتے جائیں گے۔ اس طرح مفرد اعضاء کی تحریک اور اخلاط میں تبدیلی کے اثرات و افعال نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوگا کہ دونوں مفرد اعضاء یا دو اخلاط کا بیک وقت اثر ہو یا جسم میں بیک وقت دو مزاج ہوں۔ البتہ دو کیفیات ضرور پائی جاتی ہیں اور یہ بھی یاد رکھیں کہ مزاج و اخلاط اور مفرد اعضاء میں تبدیلی ہمیشہ کیفیات کے ذریعے ہی پیدا ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ انہیں کیفیات کا اثر مزاج و اخلاط اور اعضاء پر یکساں کام کرتا ہے۔

مفرد اعضاء کا پھیلاؤ

مفرد اعضاء چاروں ہی سر سے پاؤں تک اس طرح پھیلے ہوئے ہیں کہ ان کی باقی بافتیں، ساختیں اور ریشے ایک دوسرے سے مل کر مرکب اعضاء بن گئے ہیں، جیسے مختلف اقسام اور رنگوں کے دھاگے مل کر ایک خاص قسم کا کپڑا بنا دیتے ہیں۔ انہی مرکب اعضاء سے جسم انسانی بنا ہوا ہے جس کے ہر عضو کا غلبہ پایا جاتا ہے اور کسی دوسرے حصہ میں کسی دوسرے مفرد عضو کا غلبہ ہوتا ہے۔

یہی صورت چاروں مفرد اعضاء کی ہے۔ جہاں جہاں پر ان چاروں مفرد اعضاء کے مرکز ہیں وہاں پر خالص انہی ٹشوز سے اعضاء بن گئے ہیں جیسے دِل و دماغ اور جگر و طحال وغیرہ۔

البتہ ان کے اندر اور گرداگرد مفرد اعضاء (ٹشوز) کے ریشوں کی بافتیں اور ساختیں ضرور پائی جاتی ہیں۔ تاکہ ان کا آپس میں تعلق قائم رہے جن سے ایک دوسرے کے اندر تحریکات و دوران خون اور رطوبات کا سلسلہ جاری رہتا ہے جیسے کسی مشین کے پرزے ایک دوسرے میں فٹ ہو کر ایک دوسرے کو چلاتے رہتے ہیں اور ان میں تیل، پٹرول اور بجلی کا اثر قائم رہتا ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ تمام جسم کے مرکب اعضاء سر سے لے کر پاؤں تک ان ہی چاروں مفرد اعضاء سے بنے ہوئے ہیں۔ البتہ کسی مقام پر ایک مفرد عضو کا غلبہ ہے تو دوسرے مقام پر کسی اور کا اثر زیادہ نمایاں ہے۔ مثلاً سر اور اس کے گرد و نواح میں اعصاب و دماغ کا غلبہ ہے اس لئے وہاں انسجہ اعصابی (نروز ٹشوز) کا غلبہ ہے۔ اسی طرح سینہ میں عضلات و دِل کا غلبہ ہے اس لئے وہاں پر انسجہ عضلاتی (مسکولر ٹشوز) کا غلبہ ہے۔ بالکل اسی طرح جوف شکم میں غدد جگر کا غلبہ ہے اس لئے وہاں پر انسجہ غشائے مخاطی (اپی تھیلیل ٹشوز) کا غلبہ ہے۔

اس لئے اثرات و افعال ادویہ و اغذیہ اور اشیاء میں مرکب اعضاء کی بجائے مفرد اعضاء کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ البتہ ان کے بعد مرکب اعضاء اور تمام جسم پر ان کے اثرات و افعال دیکھے جا سکتے ہیں۔

دماغ و نخاع اور اعصاب پر ادویہ کے اثرات

جب ہم کسی دوا و غذا اور زہر و شے کے اثرات و افعال دماغ و نخاع اور اعصاب پر معلوم و محسوس کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت ہمارے سامنے مکمل دماغ و نخاع نہیں ہونا چاہئے بلکہ صرف وہی حصہ ہونا چاہئے جو عصبی ہے۔ یعنی عصبی مادہ سے بنا ہے اور اسی مادہ کی ڈوریاں دماغ سے نکل کر نخاع کے ذریعے تمام جسم میں پھیل گئی ہیں جن کو ہم اعصاب (نروز) کا نام دیتے ہیں اور مفرد اعضاء کی صورت میں ان کو انسجہ اعصابی (نروز ٹشوز) کہتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ دماغ و نخاع کے افعال و تحریکات میں ان کے دونوں پردے شریک نہیں ہیں۔ پہلا پردہ غدی و مخاطی ہے جس کا تعلق

غدد اور جگر کے ساتھ ہے جو انسجہ مخاطی (اپی تھیلیل ٹشوز) کا بنا ہوا ہے۔ دوسرا پردہ عضلاتی ہے جس کا تعلق دِل کے ساتھ ہے جو انسجہ عضلاتی (مسکولر ٹشوز) کا بنا ہوا ہے۔ کوئی عصبی دوا و غذا اور زہر و شے جب بھی اثر انداز ہو گی تو صرف دماغ و نخاع کے عصبی حصے پر ہو گی۔ اس کا اثر دونوں پردوں پر نہیں ہو گا۔

یاد رکھیں کہ اعصاب اپنے مرکز دماغ سے لے کر نخاع کے ذریعے تمام جسم میں پاؤں تک پھیلے ہوئے ہیں اور وہ سب کم و بیش متاثر ہوتے ہیں۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب نے جہاں دماغ و نخاع پر دوا و غذا اور زہر و شے کے اثرات و افعال بیان کئے ہیں۔ اس نے تمام دماغ و نخاع کو شامل کیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ دماغ و نخاع کے اوپر دونوں پردوں کے اعصاب سے کوئی مشابہت نہیں ہے۔ البتہ تعلق ضرور ہے کہ وہ اعصابی تحریکات سے متاثر ہوتے ہیں۔

طب قدیم کا کمال

طب قدیم جب دماغ و اعصاب کا ذکر کرتی ہے تو وہ ان کا مزاج سرد تر بیان کرتی ہے اور ان کی غذا بلغم بیان کرتی ہے اور یہ بھی بیان کرتی ہے کہ ان میں جب تحریک ہوتی ہے تو جسم میں سردی و تری اور بلغم بڑھ جاتے ہیں۔ اس طرح وہ دماغ و نخاع کے صرف اس حصے کا ذکر کرتی ہے جو اعصابی مادہ سے بنا ہوا ہے جس کو انسجہ اعصابی (نروز ٹشوز) کہتے ہیں۔ یہی طب قدیم کا کمال ہے۔

دماغ و اعصاب کے افعال

دماغ مرکز اعصاب ہے جو تین اعضائے رئیسہ میں سے ایک ہے اور اعصاب تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لئے جب ہم اعصاب کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں دماغ بھی شریک ہوتا ہے۔ پس جاننا چاہئے کہ اعصاب پر جو اغذیہ وادویہ اور اشیاء اثر انداز ہوتی ہیں اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) اعصاب میں تحریک پیدا کر کے ان کے افعال میں تیزی پیدا کر دیں۔ (۲) اعصاب میں تسکین پیدا کر کے ان کے افعال میں سستی پیدا کر دیں۔ (۳) اعصاب پر گرمی کی زیادتی سے ان کے افعال میں ضعف پیدا کر دیں۔

تحریک کی نو صورتیں ہیں: (۱) محرک (۲) لذت (۳) بے چینی (۴) حبس (۵) قبض (۶) خارش (۷) جوش خون (۸) درد اور (۹) سوزش۔ ان کی اور تسکین و ضعف وغیرہ اصطلاحات کی تشریح ہم پہلے ہی تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ ان کو پھر پڑھیں اور ذہن میں حاضر کر لیں۔

فرنگی طب کی غلطی:

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے اعصاب کی دو اقسام بیان کی ہیں۔ قسم اوّل اعصاب حس، قسم دوم اعصاب حرکت۔ یاد رکھیں کہ اعصاب صرف حس کے لئے اعضاء ہیں ان میں حرکت نہیں ہوتی البتہ ان کا تعلق عضلات کے ساتھ ضرور ہوتا ہے جو حرکت کے اعضاء ہیں۔ جب اعصاب میں کوئی حس اثر انداز ہوتی ہے تو ضرورت کے مطابق عضلات میں حرکت پیدا کر دیتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ حرکت کے اعضاء صرف عضلات ہیں جن سے جسم کی حرکات صادر ہوتی ہیں۔ ان میں کھانا پینا، دیکھنا سننا، لکھنا پڑھنا اور چلنا پھرنا وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن احساس کرنا، چکھنا اور سونگھنا وغیرہ اعصاب کی تحریکات ہیں۔ اس لئے دماغ ساکن ہے اور اعصاب کا مرکز ہے

اور دِل حرکت میں ہے اور عضلات کا مرکز ہے۔ یادرکھیں کہ حرکت صرف عضلات میں ہوتی ہے۔ اس لئے اعصاب کو حرکتی سمجھنا غلطی ہے۔

ایک اور غلطی

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس اعصاب کے امراض میں دو ہی صورتیں تسلیم کرتی ہیں۔ ایک اعصاب میں تیزی اور دوسرے اعصاب میں سستی۔ اس لئے جب اعصاب میں تیزی ہوتی ہے تو اس کو سست کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کے لئے وہ مسکن اور مخدر ادویات مثلاً کافور، افیون، بھنگ، لفاح، اجوائن خراسانی، بیش، کوکین، مارفیا، کلورل ہائیڈریٹ اور برومائیڈ وغیرہ استعمال کرتے ہیں اور جب اعصاب میں سستی ہوتی ہے تو ان میں تیزی پیدا کر دیتے ہیں اور اس مقصد کے لئے کچلہ، دارچینی، لونگ اور بالچھڑ و ہینگ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔

جہاں تک اعصاب کی سستی میں تیزی پیدا کرنے کا تعلق ہے۔ یہ تو قابل قبول ہوسکتا ہے۔ اگرچہ اس مقصد کے لئے ان کے ہاں کوئی فطری قانون نہیں ہے لیکن جہاں تک اعصاب کی تیزی میں سستی پیدا کرنے کا تعلق ہے۔ یہ اصول بالکل غلط ہے اور کسی قانون کے تحت نہیں آتا۔ ہم چیلنج کے ساتھ کہتے ہیں کہ فرنگی طب ماڈرن میڈیکل سائنس اس علاج میں بالکل اندھی ہے اور بالکل عطائیانہ علاج کرتی ہے۔ یہ ان کی بے علمی و جہالت اور غلطی کا اظہار ہے۔

جاننا چاہئے کہ اعصاب میں تیزی ہوتی ہے تو ان میں سوزش کی صورت ہوتی ہے چاہے وہ کسی قدر کم ہو یعنی درد کی بجائے صرف لذت کی زیادتی یا بے چینی یا خارش ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا علاج تسکین وتخذیر نہیں ہے بلکہ اس میں تحلیل پیدا کرنی چاہئے جو ظاہر ہے کہ گرم یا گرم تر یا گرم خشک ادویات سے ہوسکتی ہے اور ہر قسم کے مسکنات اور اکثر مخدرات سرد تر اور سرد خشک ہوتے ہیں۔

یادرکھیں کہ سرد ادویہ واغذیہ سے جسم میں بلغم اور رطوبت پیدا ہوتی ہے۔ ان سے عارضی سکون تو ہوسکتا ہے مگر سوزش میں تحلیل پیدا نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس میں سوزش اور درد کا علاج عارضی ہوتا ہے اور دائمی نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ اس علاج میں ناکام ہوتے ہیں۔

طب قدیم کا کمال یہ ہے کہ وہ گرم مزاج کا علاج سردی سے اور سرد مزاج کا علاج سوداوی ادویہ سے کرتی ہے۔ یادرکھیں کہ تسکین اور تحلیل دو مختلف صورتیں ہیں۔ تسکین ہمیشہ سرد و بلغمی رطوبت پیدا کرنے والی ادویات سے مختلف ہوتی ہے اور ہمیشہ گرم امراض میں پیدا ہوتی ہے اور تحلیل ہمیشہ گرم ادویہ سے ہوتی ہے اور تحلیل ہی سے ہمیشہ تحریک ودرد اور سوزش وورم بلکہ ہر قسم کے بخار کا علاج کرنا چاہئے۔

ہرگز نہ بھولیں کہ سائنس ہی کا مسئلہ ہے کہ سردی ہر جسم میں سکیڑ پیدا کرتی ہے اور گرمی ہر جسم میں پھیلاؤ پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے معالج کے سامنے تین صورتیں ہونی چاہئیں، تسکین وتحریک اور تحلیل۔ جن کا عمل اس طرح ہوتا ہے کہ جب اعصاب میں تسکین ہو تو ان میں تحریک پیدا کریں اور جب ان میں تحریک ہو تو ان میں تحلیل پیدا کریں اور جب ان میں تحلیل ہو تو ان میں تسکین پیدا کریں اور یہی صحیح طریق علاج ہے قدرت نے فطری طور پر ایسی ہی اغذیہ وادویہ اور اشیاء پیدا کی ہیں اس طرح منٹوں میں علاج ہوتا ہے۔ اور انجکشن سے پہلے شفا ہوتی ہے۔

قلب پر ادویہ کے اثرات

جب ہم کسی دوا اغذیہ اور زہر وشے کے اثرات وافعال دِل پر محسوس ومعلوم اور مشاہدہ وتجربہ کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت ہمارے سامنے صرف دِل کا وہ لوتھڑا ہونا چاہئے جو گوشت کا بنا ہوا ہے۔ عضلاتی انسجہ (مسکولر ٹشوز) سے اس کی بافت وساخت اور بناوٹ ہوتی ہے۔ یہی عضلات (گوشت) جو تمام جسم کی ہڈیوں پر چڑھے ہوئے ہیں اور انہی سے جسم کی خوبصورتی قائم ہوتی ہے یہ عضلات تمام جسم کے اعضاء کی ساخت میں شریک ہیں۔ جن میں پھیپھڑے اور معدہ خاص طور پر شامل ہیں۔ بعض اعضاء پر اس کے پردے چڑھے ہوئے ہیں جن کو حجاب کہتے ہیں۔

یادرکھیں کہ دِل کے افعال وتحریکات میں اس کے دونوں پردے شریک نہیں ہیں۔ پہلا پردہ غدی مخاطی ہے، جس کا تعلق جگر (غدد) کے ساتھ ہے جو انسجہ مخاطی (اپی تھیلیل ٹشوز) کا بنا ہوا ہے جس کا ذکر ہم دماغ واعصاب کے تحت کر چکے ہیں۔ کوئی دوا وغذا اور زہر وشے جب دِل پر اثر انداز ہوگی تو اس کا اثر صرف عضلات پر ہوگا۔ مخاطی وعصبی دونوں پردوں میں نہیں ہوگی۔ البتہ دِل کی حرکات میں کمی بیشی سے دورانِ خون کا اثر ان پر ضرور ہوتا ہے لیکن وہ اثر دِل کے افعال واثرات سے مختلف ہوتا ہے جو اثر دِل پر ہوتا ہے وہ صرف دِل تک محدود نہیں رہتا بلکہ تمام جسم کے عضلات پر کم وبیش ہوتا ہے۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب نے جہاں دِل پر کسی دوا وغذا اور زہر وشے کے اثرات بیان کئے ہیں، اس نے دِل اور اس کے دونوں پردوں کو بھی شامل کیا ہے بلکہ اس کی کواڑیوں کو بھی شامل کیا ہے جن کی بناوٹ خالص عضلاتی نہیں ہے۔ ان پردوں اور کواڑیوں کو دِل کے اپنے فعل میں شریک کرنا غلط ہے کیونکہ دونوں پردے جدا قسم کے انسجہ سے بنے ہوئے ہیں۔

طب قدیم کا کمال

طب قدیم جب دِل کا ذکر بیان کرتی ہے تو اس کو مفرد عضلات ہی میں شریک کرتی ہے اور اس کا مزاج گرم تر بیان کرتی ہے اور یہی عضلات کی صحیح غذا بیان کرتی ہے۔ جب دِل (عضلات) میں تحریک ہوتی ہے تو اس کے فعل میں تیزی کے ساتھ ساتھ تمام جسم میں دوران خون کی تیزی ہو جاتی ہے۔ اس طرح دِل کے صرف اسی حصہ کا ذکر ہوتا ہے جو انسجہ عضلاتی (مسکولر ٹشوز) سے بنا ہوتا ہے۔

دِل کے افعال واثرات

دِل مرکز عضلات ہے جو تین اعضائے رئیسہ میں سے ایک ہے۔ یہی عضلات تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لئے جب عضلات کا ذکر کرتے ہیں تو ان میں دِل ضرور شریک ہوتا ہے اور دِل کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں عضلات ضرور شریک ہوتے ہیں۔ جب کوئی دوا وغذا اور زہر وشے دِل اور عضلات پر اثر انداز ہوگی تو اس کی تین ہی صورتیں ہوں گی۔

① تحریک جس سے ان میں تیزی ہوگی۔
② تسکین جس سے ان میں سکون ہوگا۔
③ تحلیل جس سے ان میں ضعف پیدا ہوگا۔

جاننا چاہئے کہ جسم میں ہر قسم کی حرکات صرف عضلات سے عمل میں آتی ہیں۔ اگرچہ اس کی ذاتی تحریکات کے علاوہ دماغ و اعصاب کی طرف سے ان کو تحریکات ملتی رہتی ہیں۔ بہرحال ہر قسم کی حرکت جسم میں عضلات ہی انجام دیتے ہیں۔ جیسے کھانا پینا، دیکھنا سننا، لکھنا پڑھنا، چلنا پھرنا، بلکہ غور و فکر اور یاد کرنا وغیرہ۔ نیز ہر قسم کا احساس وادراک کرنا چکھنا اور سونگھنا وغیرہ اعصاب کی تحریکات ہیں اس لئے دماغ ساکن ہے اور اعصاب کے افعال احساس وادراک کا مرکز ہیں اور دِل متحرک ہے اور عضلات کی حرکات کا مرکز ہے۔

یاد رکھیں کہ جس طرح دِل کی حرکات کا اثر عضلات پر پڑتا ہے اسی طرح عضلات کی حرکات کا اثر دِل پر بھی پڑتا ہے۔

فرنگی طب کی ایک اور غلطی

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس میں سرے سے عضلاتی امراض کا ذکر ہی نہیں ہے۔ عضلاتی امراض کو دُنیا میں پہلی بار ہم پیش کر رہے ہیں اور ایک قانون و قاعدہ اور نظام کے تحت پیش کر رہے ہیں۔ طب قدیم نے ان کو اخلاط کے تحت بیان کیا ہے۔ جہاں تک امراض قلب کا تعلق ہے فرنگی طب نے اس کی دو صورتیں بیان کی ہیں۔ اوّل قلب کے فعل میں تیزی جس سے قلب میں انقباض بڑھ جاتا ہے۔ دوسرے قلب کے فعل میں سستی پیدا ہو جاتی ہے، جس سے قلب پھیل جاتا ہے جب قلب کے فعل میں تیزی ہوتی ہے تو اس کو سست کرنے کے لئے مسکن اور مخدر ادویات مثلاً ڈیجی ٹیلس، لفاح اور کافور وغیرہ دیتے ہیں۔ جب قلب کے فعل میں سستی ہوتی ہے تو اس میں تیزی پیدا کرنے کے لئے مقوی اور محرک ادویات مثلاً سپرٹ امونیا ایرومیٹک، کچلہ وسنکھیا، دارچینی اور دیگر مرکبات وغیرہ دیتے ہیں۔

جہاں تک قلب کے فعل میں سستی کا تعلق ہے اس میں تیزی تو مقویات و محرکات کے ساتھ پیدا کی جا سکتی ہے لیکن اس کے لئے بھی اس کے پاس کوئی قانون اور نظام نہیں ہے۔ پھر بھی قابل قبول ہے لیکن جہاں تک قلب کے فعل میں تیزی کو سست کرنے کا تعلق ہے اس میں مسکنات و مخدرات کا استعمال کرنا غلط ہے۔ یہ کسی قانون اور نظم کے تحت نہیں ہے۔ یہ عطائیانہ طریق علاج ہے۔ اس سے ان کی بے علمی و جہالت اور غلطی کا پتہ چلتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب قلب کے فعل میں تیزی ہوتی ہے تو اس میں انقباض ہوتا ہے۔ انقباض سردی سے ہوتا ہے۔ سائنس کا مسئلہ ہے کہ ہر چیز سردی سے سکڑتی ہے اور گرمی سے پھیلتی ہے۔ پھر ہر انقباض میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے چاہے وہ جس قدر کم کیوں نہ ہو یعنی درد کی بجائے اس میں صرف بے چینی ہو۔ اس کا علاج تسکین و تخدیر سے کرنا غلطی ہے کیونکہ وہ اکثر بارد ہوتی ہے جن سے نہ انقباض کم ہو سکتا ہے اور نہ ہی سوزش ختم ہو سکتی ہے۔ اس انقباض اور سوزش کا علاج تحلیل سے ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ محلل ادویات گرم تر یا گرم خشک ہوتی ہیں جس کا نتیجہ ہارٹ فیل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرنگی طب میں ہارٹ فیل کے بہت کیس ہوتے ہیں بلکہ ہارٹ فیل ہونا بھی فرنگی طب کی پیدائش ہے۔ قلب کی تیزی اور انقباض کا صحیح علاج ہم سوزش اعصاب میں بیان کر چکے ہیں۔ بالکل اسی اصول پر کیا جائے۔

جہاں تک مقویات و مفرحات کا تعلق ہے یہ صورتیں بھی فرنگی طب میں نہیں پائی جاتیں بلکہ ان کے ہاں ان کا تصور بھی نہیں ہے۔ طب قدیم میں ان مقاصد کے لئے ذیل کی ادویہ استعمال کرتے ہیں:

مروارید، مشک، عنبر، زعفران، جدوار، زہر مہرہ، جواہرات، ابریشم، گاؤزبان، کشنیز، قرنفل، الائچی، گل سرخ، بید مشک اور صندل وغیرہ۔ اور مرکبات میں خمیرہ جات اور یاقوتیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جگر پر ادویات کے اثرات

اعضائے رئیسہ میں جگر بھی برابر کا شریک ہے لیکن اس کے افعال دِل و دماغ سے زیادہ پیچیدہ ہیں۔ دماغ صرف احساسات و ادراکات اور اعصاب کا مرکز ہے۔ دِل صرف حرکات و دوران خون اور عضلات کا مرکز ہے۔ جگر نہ صرف غذا کو ہضم کر کے اخلاط میں تبدیل کر کے خون بناتا ہے بلکہ صفراء کو خون سے جدا کر کے آنتوں میں گراتا ہے اور مٹھاس کو جسم میں ہضم کراتا ہے۔

جگر ایک غدود ہے اور جسم کے تمام چھوٹے بڑے غدد کا مرکز ہے۔ جس طرح دماغ اعصاب کا مرکز ہے اور دِل عضلات کا مرکز ہے۔ اسی کے تحت جسم کے تمام نالی دار غدود کام کرتے ہیں۔ اگر چہ غیر نالی دار غدود بھی اس کے ماتحت ہیں لیکن غیر نالی دار غدود کے افعال نالی دار غدود کے بالکل برعکس ہیں یا ان کے افعال کے بعد مشینی طور پر عمل کرتے ہیں یعنی جب نالی دار غدد اپنی رطوبات کا اخراج کرتے ہیں تو غیر نالی دار غدد ان کو جذب کرتے ہیں۔ سب سے بڑا غیر نالی دار غدہ طحال ہے اس لئے طب قدیم میں اس کو اعضائے رئیسہ کے بعد اعضائے شریفہ میں شمار کیا جاتا ہے اور چوتھی خلط سودا کی اصلاح و تعمیر کا تعلق اس کے ساتھ قائم کر دیا ہے۔

جب ہم کسی دوا و غذا اور زہر کے اثرات و افعال جگر اور غدد پر معلوم و محسوس کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت ہمارے سامنے مکمل جگر نہیں ہونا چاہئے بلکہ صرف وہی حصہ ہونا چاہئے جو اس کا غدی حصہ کہلاتا ہے یعنی جو قشری مادہ سے بنا ہوا ہے اور اسی مادہ سے بنے ہوئے غدد تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جن کو ہم غشاء کا نام بھی دیتے ہیں اور مفرد اعضاء کی صورت میں ان کو انسجہ قشری (اپی تھیلیل ٹشوز) کہتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ جگر کے افعال اور اعمال میں اس کے دونوں حصے شریک نہیں ہیں جو اس کے مادے سے نہیں بنے ہوئے۔ پہلا پردہ اعصابی یا حصہ اعصابی ہے جس کا تعلق دماغ سے ہے۔ دوسرا پردہ عضلاتی ہے جس کا تعلق دِل کے ساتھ ہے۔ جو انسجہ عضلاتی (مسکولر ٹشوز) کا بنا ہوا ہے۔ البتہ خاص جگر و غدود میں دوسرے دو حصے اپنے احساسات و تحریکات ضرور کرتے رہتے ہیں جب کوئی دوا و غذا یا زہر یا شے خاص جگر و غدی حصہ پر اثر انداز ہوتی ہے تو اس کا اثر اعصابی و عضلاتی حصہ پر نہیں ہوتا لیکن جس طرح عصبی و عضلاتی احساسات و تحریکات کا جگر و غدد پر اثر ہوتا ہے اسی طرح جگری و غدی افعال و اعمال کا اثر بھی اعصاب و عضلات (دِل و دماغ) پر پڑتا ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ جو ادویات سیدھی جگر پر اثر کرتی ہیں وہ اعصاب و عضلات پر سیدھی اثر انداز نہیں ہوتیں۔ اس لئے جگر کے افعال و ذاتی افعال و اعمال میں نقص ہے یا اس کے اعصاب اور عضلات میں خرابی ہے۔ یہی صحیح طریق علاج ہے۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب نے جہاں جگر پر دوا و غذا اور زہر اور شے کے اثرات و افعال بیان کئے ہیں وہاں اس نے ایک طرف تمام جگر کو شریک کیا ہے جس میں اس کے ساتھ اس سے متعلق اعصاب و عضلات شامل ہیں۔ جن کی حقیقت میں جگر کے ذاتی افعال سے کوئی مشابہت نہیں ہے۔ دوسرا اس نے جسم کے تمام غدد کے افعال کو جگر کے افعال سے جدا کر دیا ہے۔ یہ دونوں باتیں بالکل غلط ہیں۔

یاد رکھیں کہ جگر سے متعلق اعصاب اور عضلات دونوں اپنے اپنے مرکز دماغ اور دِل کے تحت کام کرتے ہیں اور تمام جسم کے غدد جگر کے ماتحت اپنے افعال و اعمال انجام دیتے ہیں، جیسے اعصاب دماغ کے تحت اور عضلات دِل کے تحت اپنے افعال و احوال انجام

دیتے ہیں۔

طب قدیم کا کمال

طب قدیم جب جگر کا ذکر کرتی ہے تو وہ اس کا مزاج گرم خشک بیان کرتی ہے اور اس کی غذا صفراء بیان کرتی ہے اور یہ بھی بیان کرتی ہے کہ اس میں جب تحریک ہوتی ہے تو جسم میں گرمی خشکی اور صفرا بڑھ جاتے ہیں۔ اس طرح وہ جگر کے صرف اس حصے کا ذکر کرتی ہے جو غدی وغشائی مادہ (اپی تھیلیل ٹشوز) سے بنا ہوا ہے۔ یہی طب قدیم کا کمال ہے۔

جگر کے افعال

جگر کے اعمال کتنے ہی پیچیدہ کیوں نہ ہوں تاہم اس کے افعال کی تین صورتیں ہیں تمام اغذیہ وادویہ اور زہر واشیاء یہی تینوں صورتیں پیدا کرتی ہیں:

① جگر میں تحریک پیدا کر کے اس کے فعل میں تیزی پیدا کر دے۔
② جگر میں تسکین پیدا کر کے اس کے فعل میں سستی پیدا کر دے۔
③ جگر میں گرمی کی زیادتی سے اس کے فعل میں ضعف پیدا ہو جائے۔

تحریک کی جتنی صورتیں ہیں ہم اعصاب پر دوا کے اثرات میں بیان کر چکے ہیں۔

فرنگی طب کی غلطی

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس جگر کے امراض میں دو ہی صورتیں تسلیم کرتی ہیں۔ ایک جگر کے فعل میں تیزی جس سے جسم میں صفراء بڑھ جاتا ہے۔ دوسرے جگر کے فعل میں سستی۔ اس سے جسم میں ریاح اور جگر میں بلغم بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے جب جگر میں تیزی ہو جاتی ہے تو اس کو سست کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وہ مسکن اور مخدر ادویات مثلاً لفاح، اجوائن خراسانی، بیش، کوکین، مارفیا، افیون، بھنگ، کافور، برومائیڈ اور کلورل ہائیڈریٹ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ صورتیں پتہ کی تکلیف میں سستی پیدا کرتے ہیں۔ جب اعصاب میں سستی ہوتی ہے تو ان میں تیزی پیدا کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے گندھک، نمک، نوشادر، بادیان، اجوائن اور پودینہ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔

جہاں تک جگر کی سستی میں تیزی پیدا کرنے کا تعلق ہے یہ تو قابل قبول ہو سکتا ہے، اگرچہ اس مقصد کے لئے ان کے ہاں کوئی بھی قانون نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک جگر کی تیزی میں سستی پیدا کرنے کا تعلق ہے یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔ ہم چیلنج کے ساتھ کہتے ہیں کہ فرنگی طب اس علاج میں بالکل اندھی ہے اور بالکل عطائیانہ علاج کرتی ہے۔ یہ ان کی علمی وعملی جہالت اور غلطی کا اظہار ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب جگر وغدد میں تیزی ہوتی ہے تو ان میں سوزش کی صورت پیدا ہو جاتی ہے چاہے وہ کسی قدر کم کیوں نہ ہو۔ اس کا علاج تسکین اور تخدیر نہیں ہے بلکہ اس میں تحلیل پیدا کرنی چاہئے جو ظاہر ہے کہ گرم تر ادویات سے ہو سکتی ہے اور ہر قسم کے مسکنات اور اکثر مخدرات سرد تر اور سرد خشک ہوتے ہیں جن سے جسم میں بلغم اور رطوبت پیدا ہوتی ہے۔ ان میں عارضی سکون تو ہو سکتا ہے مگر سوزش میں تحلیل پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ یرقان اور درد پتہ کے علاج میں ناکام ہے اور درد پتہ کے علاج میں ان کے پاس سوائے آپریشن کے اور کوئی علاج نہیں ہے بلکہ ورم اعور اور دیگر اورام میں بھی صرف آپریشن سے علاج کیا جاتا ہے۔ کمال یہ ہے کہ جب جگر میں ضعف پیدا

ہوتا ہے تو اس کا علاج بھی ان کے ہاں بالکل نہیں ہے۔

طب قدیم کا کمال ہے کہ وہ گرم مزاج کا علاج سرد اور سرد مزاج کا علاج سوداوی ادویہ سے کرتی ہے۔ یاد رکھیں تسکین اور تحلیل دو مختلف صورتیں ہیں۔ تسکین ہمیشہ سرد و بلغمی اور رطوبت پیدا کرنے والی ادویہ سے ہوتی ہے اور تحلیل ہمیشہ گرم ادویہ سے ہوتی ہے اور تحلیل ہی سے ہمیشہ تحریک و درد اور سوزش و ورم بلکہ ہر قسم کے پرانے بخار کا بھی علاج ہو سکتا ہے۔

ہر شے کے دو اثرات

جو اشیاء کھائی جاتی ہیں یا بیرونی طور پر اثر انداز ہوتی ہیں وہ تین قسم کی ہوتی ہیں: ① غذا ② دوا ③ زہر یا زیادہ سے زیادہ ان کے مرکبات کی تین اور اقسام بن جاتی ہیں: ① غذائے دوائی ② دوائے غذائی ③ دوائے زہر۔ بس ان کے سوا اور کوئی شے دُنیا میں نہیں ہے جو مادی طور پر استعمال کی جاتی ہے تو اس کا پہلا اثر بالفعل ہوتا ہے۔ یعنی جسم کے کسی عضو پر مشینی طور پر ہوتا ہے جس سے عضو کے فعل میں افراط و تفریط اور تحلیل کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد دوسرا اثر شروع ہو جاتا ہے جس کو بالقوی اثر کہتے ہیں یعنی جسم کے خون میں کیمیائی طور پر ہوتا ہے اور خون بڑھتا جاتا ہے۔

یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ ہر شے کے دو اثرات ہوتے ہیں، اوّل اثر بالفعل جو عضو پر ہوتا ہے اور دوسرا اثر بالقوی جو خون پر ہوتا ہے۔ اثر اوّل (فرسٹ ایکشن) جب ہوتا ہے تو ان مخصوص مفرد اعضاء (ٹشوز) کے افعال میں عمل شروع ہو جاتا ہے جس کے بعد وہ مفرد اعضاء (ٹشوز) اپنے افعال کو عمل کی صورت دیتے ہیں جس سے ان کے اثرات پیدا ہو کر خون میں شریک ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور یہ اخلاط کی صورت میں اپنے اثرات کے تحت ① خون ② صفرا ③ بلغم ④ سودا کی صورت میں یا ٹشوز کے عناصر کی صورت میں اپنے اثرات کے تحت چودہ عناصر جن میں کیلشیم (چونا)، فیرم (فولاد)، سلفر (گندھک)، سوڈیم (تیز کھار) اور پوٹاشیم (نرم کھار) وغیرہ کی صورت میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد اثر ثانوی (سیکنڈری ایکشن) شروع ہوتا ہے۔ اس عمل سے خون میں کیمیائی طور پر جو اخلاط یا عناصر شامل ہو جاتے ہیں وہی خون کے دوران کے ساتھ جسم میں اپنا اثر شروع کر دیتے ہیں۔ کسی شے کا یہی اثر ثانی یا کیمیائی عمل ہی انسان کا مزاج بن جاتا ہے۔ یہی مزاج یا خون کا کیمیائی مرکب جب حد اعتدال سے بڑھ جاتا ہے تو جسم میں غیر معمولی علامات پیدا کر دیتا ہے۔ یہی علامات جس مفرد عضو کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں بس یہی مرض بن جاتا ہے۔ پھر جب ان علامات اور مرض کو رفع کرنا ہوتا ہے تو پھر اس مزاج یا کیمیائی مرکب کو پیدا کرنا پڑتا ہے جس کی علامات یا اخلاط یا کیمیائی عناصر خون میں کم ہوں یا دوسرے الفاظ میں جس مفرد عضو کے فعل میں کمی ہو اس کو تیز کر دینا چاہئے۔

یہ امر یاد رکھیں کہ کسی عضو کے فعل کو وقتی طور پر تیز یا سست یا تحلیل کر دینے سے مرض ہرگز نہیں جاتا بلکہ وہ عارضی طور پر رُک جاتا ہے۔ یہ غلط طریق علاج ہے اس سے جسم کی قوت مقابلہ کمزور ہو جاتی ہے جیسے محرکات و مخدرات کا استعمال کرنا وغیرہ۔ اصل علاج صرف یہی ہے کہ خون میں وہ خلط یا کیمیائی مرکب پیدا کیا جائے یعنی کسی شے کا اثر ثانی پیدا کر دیا جائے۔

یاد رکھیں یہ اثر ثانی فوراً یا یک بارگی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس فعل کے مسلسل عمل سے رفتہ رفتہ اس کے اخلاط یا کیمیائی مرکب تیار ہو کر جسم میں شامل ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ خون میں اس کا اثر بڑھ جاتا ہے اور جسم پر غالب آ جاتا ہے اور مرض رفع ہو جاتا ہے۔

کیفیات اثرات

دُنیا بھر میں ہر غذا، ہر دوا اور ہر زہر بلکہ ہر شے کے دو کیفیاتی اثرات ہوتے ہیں۔ یعنی وہ گرم تر ہوگی یا گرم خشک ہوگی اور اسی طرح وہ سردتر یا سرد خشک ہوگی۔ ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ کوئی شے صرف گرم یا صرف سرد ہو یا صرف تر یا صرف خشک ہو۔ ہر شے کی دو کیفیات کا تحقیق کرنا طب قدیم کا بہت بڑا کمال ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہر شے کی جانب کیفیات بیان کی جاتی ہیں تو اس طرح اس سے دونوں افعال و اثرات بیان کرنا مقصود ہوتے ہیں، یعنی پہلی کیفیت کا اثر عضو کے افعال پر ہوتا ہے اور بالفعل کہلاتا ہے اور دوسری کیفیت کا اثر خون میں ہوتا ہے اور بالقویٰ کہلاتا ہے۔ مثلاً کوئی شے اگر گرم خشک ہے تو پہلی کیفیت کے اثر سے جگر پر اثر ہوگا اور دوسری کیفیت کے اثر سے خون میں خشکی بڑھتی جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شے گرم تر ہوگی تو جگر کے فعل میں تیزی کے ساتھ خون کی رطوبت بڑھنی شروع ہو جائے گی۔ لیکن اگر کوئی شے خشک گرم ہوگی یا تر گرم ہوگی تو ان کے اثرات ان کے مطابق ہوں گے۔ بالکل یہی صورتیں سرد خشک و سردتر اور خشک سرد و تر سرد کی ہوتی ہیں۔ اسی طرح اگر ماحول یا نفسیاتی اثرات میں یہ کیفیات پائی جائیں گی تو فوراً ان کے اثرات بالفعل اور بالقویٰ (مشینی و کیمیائی) طور پر شروع ہو جائیں گے۔ مثلاً سرد و تر ماحول یا خوف کے تحت اعصاب میں سردی اور خون میں تری بڑھنا شروع ہو جائے گی، وغیرہ وغیرہ۔

یہ اثرات دورانِ خون کی وجہ سے بڑھتے اور گھٹتے رہتے ہیں۔ مثلاً جب جسم میں تری کا اثر بڑھتا ہے تو رطوبات کی زیادتی سے خون کا دباؤ کم ہو جاتا ہے اور اسی طرح جب خشکی کا اثر بڑھتا ہے تو رطوبات کی کمی کی وجہ سے خون کا دباؤ زیادہ ہو جاتا ہے اور جب رطوبات کی کمی سے سوزش پیدا ہو جاتی ہے تو خون کے دباؤ میں اور بھی شدت پیدا ہو جاتی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ وہاں پر حرارت پیدا ہو جائے اور سوزش ختم ہو جائے اور دورانِ خون میں جو رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے وہ جاری ہو جائے اور اس کا دوران اعتدال کے ساتھ ہو۔ بس یہی جسم کا نظام ہے۔

اعضاء پر کیفیات کے اثرات

انہی کیفیات کے اثرات جب اعضاء پر عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں تو وہ اپنے افعال ان کے مطابق شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً جب جگر پر گرم خشک کیفیات کا اثر پڑتا ہے تو اس میں حرارت کے ساتھ یبوست بھی پیدا ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں حرارت تو پیدا ہوتی ہے مگر چونکہ اخراج نہیں پاتی اس لئے خون میں بالقویٰ (کیمیائی طور پر) جمع ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح جب گرم تر کیفیت کا اثر ہوتا ہے تو اس میں حرارت کے ساتھ رطوبت بھی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ کے طور پر جسم میں حرارت تو پیدا ہوتی ہے مگر اس کا اخراج بھی ساتھ ساتھ ہوتا رہتا ہے۔

ہم نے اعضاء کے ان کیفیاتی اثرات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ان کے مشینی اور کیمیائی (بالفعل اور بالقویٰ) اثرات بھی ظاہر ہوتے ہیں اور ان کا تعلق بھی قائم رہے اور یہی ان کی فطری صورتیں بھی ہیں۔ **قلب**: دِل کے فعل میں جب تیزی پیدا ہوتی ہے تو وہ جسم کی رطوبات کو جذب وخشک کرنا شروع کر دیتا ہے جس سے جسم میں روح کو طاقت ملتی ہے۔ **دماغ**: جب دماغ کے فعل میں تیزی پیدا ہوتی ہے تو جسم میں رطوبات کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ جس سے جسم میں سکون بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ **کبد**: جب جگر کے فعل میں تیزی شروع ہوتی ہے تو جسم میں حرارت کی پیدائش بڑھنا شروع ہو جاتی ہے جس سے جسم میں انبساط پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

چونکہ ہر شے دو کیفیات رکھتی ہے، اس لئے ان کے اثرات بیک وقت دو اعضاء پر ہوتے ہیں۔ مثلاً گرم خشک شے کی کیفیات کا اثر ایک طرف جگر پر ہوتا ہے اور دوسری طرف دِل پر پڑتا ہے۔ ان میں جو کیفیت زیادہ ہوتی ہے اس کا اثر بالفعل ہوتا ہے اور جو کم ہوتی ہے اس کا اثر بالقویٰ ہوتا ہے۔ اسی طرح تر شے کی کیفیات کا اثر ایک طرف جگر پر اور دوسری طرف دماغ پر پڑتا ہے۔ اسی طرح سرد خشک شے کی کیفیات کا اثر ایک طرف دِل پر ہوگا اور دوسری طرف دماغ پر ہوگا۔ اس طرح اس کی کل چھ صورتیں بن جاتی ہیں، یعنی ہر عضو رئیس کی دو صورتیں ہیں: ① دِل و دماغ کا تعلق اور دِل وجگر کا تعلق ② دماغ و دل کا تعلق اور دماغ وجگر کا تعلق ③ جگر و دماغ کا تعلق اور جگر و دل کا تعلق۔ اس طرح ہر شے کے بالفعل و بالقویٰ اثرات وافعال یقینی بے خطا اور آسان ہو جاتے ہیں اور علاج میں بھی سہولت رہتی ہے۔

چونکہ دماغ اعصاب کا مرکز ہے، دل عضلات کا مرکز ہے اور جگر غدد کا مرکز ہے، اس لئے ہم نے مرکز کی بجائے اعصاب و عضلات اور غدد کو ان کا قائم مقام بنایا ہے اور ان کی چھ صورتیں بنا دی ہیں۔ تاکہ خواص الاشیاء کے سمجھنے میں سہولت اور علاج میں آسانی ہو۔

دماغ کا تعلق (۱) اعصابی عضلاتی (۲) اعصابی غدی۔ **دِل کا تعلق** (۳) عضلاتی اعصابی (۴) عضلاتی غدی۔

جگر کا تعلق (۵) غدی اعصابی (۶) غدی عضلاتی۔ بس ہر شے کے یہی چھ اثرات ہو سکتے ہیں۔ ان مفرد اعضاء کے باہر اور جسم پر نہ کوئی اثر ہے اور نہ کوئی فعل ہوتا ہے۔ یہ ہیں ہماری جدید تحقیقات جن سے فرنگی طب لاعلم ہے۔ اس لئے اس کا علم اور فن غیر سائنسی اور غلط ہے۔

مادہ کی ماہیت

اس دُنیا میں جو شے بھی نظر آتی ہے یا محسوس ہوتی ہے وہ حقیقت میں ایک مادہ ہے۔ عناصر سے لے کر موالید ثلاثہ تک سب مادہ ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان میں جو فرق معلوم ہوتا ہے وہ اس کی صورت نوعیہ ہے یعنی مادہ ایک جسم ہے جو اپنی مختلف کیفیات و مزاج اور صورت نوعیہ سے ایک جدا شے بن گیا ہے۔ گویا ہر شے تین جوہروں سے مرکب ہے: (۱) جسم (۲) کیفیات (۳) صورت نوعیہ۔

جب تینوں جوہر آپس میں ملتے ہیں تو شے بن جاتی ہے۔ جسم کو جوہر اس لئے کہا گیا ہے کہ مادہ جب تک جسم کی صورت اختیار نہ کرے وہ مادہ اولیٰ یا ہیولہ ہے۔ جسم بذاتِ خود کوئی شے نہیں ہے، جب وہ مادہ کی صورت بنتا ہے تو جسم بن جاتا ہے۔ اس لئے جسم کی حقیقت جوہری ہو سکتی ہے۔ اس حقیقت سے ثابت ہوا کہ مادہ تین جوہروں سے مرکب ہے اور یہی تینوں جوہر ہر شے میں پائے جاتے ہیں۔

مادہ کے افعال واثرات

جب کوئی شے بدن میں استعمال کی جاتی ہے، اگر اس شے کا مادہ جسم سے اثر قبول کرے یعنی اس کا جسم بدن میں صرف ہو جائے اور وہ اعضاء کی شکل میں تبدیل ہو جائے تو اس کو طبی اصطلاح میں غذا کہتے ہیں۔ جو شے بدن میں اپنی کیفیت کی وجہ سے اثر کرتی ہے یعنی بدن میں اس کا اثر اس کی سردی یا گرمی یا کیفیت تری یا خشکی کی وجہ سے ہوتا ہے غذا کی طرح اس کا جسم بدن میں صرف نہیں ہوتا بلکہ بدن میں صرف گرمی یا سردی وغیرہ پیدا کر کے بدن سے پیشاب و پاخانہ اور پسینہ و دخان وغیرہ کی راہ خارج ہو جاتی ہے۔ اس کو طبی اصطلاح میں دوا کہتے ہیں۔ جو شے بدن میں اپنی صورت نوعیہ اثر کرے یعنی اس کا اثر نہ مادی جسم کی وجہ سے ہو اور نہ ہی کیفیت کی وجہ سے ہو، بلکہ اس کا اثر اس کی

ذاتی حقیقت سے ہو۔اس کو طبی اصطلاح میں ذوالخاصہ کہتے ہیں۔اس کی تشریح لغات کبیر میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

''دوا جو ہمارے بدن میں جاتی ہے فقط اس کی کیفیت یعنی گرمی سردی وغیرہ کا اثر ہوتا ہے۔مثلاً سیاہ مرچیں۔جس طرح غذا ہمارے بدن میں جا کر بدن کی پرورش کرتی ہے اور وہ خون اور اخلاط بن کر بدن کے اعضاء بن جاتی ہے اس طرح دوا ہمارے بدن کی پرورش نہیں کرتی اور نہ وہ گوشت و پوست بن سکتی ہے بلکہ اس سے محض گرمی یا سردی وغیرہ پیدا ہو جاتی ہے اور پھر وہ خود اور اس کا جسم و مادہ بدن سے پیشاب پاخانہ وغیرہ کے ساتھ نکل جاتا ہے۔

غرض یہ کہ غذا کا جسم بدن میں رہ جاتا ہے اور اعضاء کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے مگر دوا کا جسم بدن میں نہیں رہتا اور نہ اعضاء کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ دوا کا اثر کیفیت کی وجہ سے ہوتا ہے، مادہ اور جسم کی وجہ سے نہیں ہوتا، اور غذا کا اثر مادہ کی وجہ سے ہوتا ہے کیفیت کی وجہ سے نہیں ہوتا یعنی غذا سے محض بدن کی پرورش ہوتی ہے اور اس سے گرمی سردی نہیں پیدا ہوتی۔ غذا اور دوا کے علاوہ ایک اور قسم کی چیز ہوتی ہے جس کا اثر نہ کیفیت کی وجہ سے ہوتا ہے اور نہ مادہ و جسم کی وجہ سے ہوتا ہے۔مثلاً سانپ اور بچھو کے کاٹنے سے بدن میں جو اثر ہوتا ہے اس سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔یہ اثر نہ کیفیت (گرمی و سردی وغیرہ) کی وجہ سے ہوسکتا ہے اور نہ مادہ اور جسم سے ہوسکتا ہے، کیونکہ یہ دونوں زہریلے جانوروں کا اثر اگر گرمی یا سردی کی وجہ سے مان لیا جائے تو چاہئے کہ آگ اور پانی کی وجہ سے بھی یہی اثر ہو۔کیونکہ آگ سے زیادہ کوئی چیز گرم نہیں اور پانی سے زیادہ کوئی شے سرد نہیں بلکہ ان زہریلے جانوروں کی نسبت آگ اور پانی سے زیادہ اثر ہونا چاہئے۔کیونکہ ان میں گرمی و سردی ان دونوں جانوروں سے زیادہ ہوتی ہے۔اس لئے جانوروں کے اثرات کو نہ دوا کا اثر کہہ سکتے ہیں اور نہ غذا کا۔کیونکہ غذا تو کسی صورت سے زہر ہو ہی نہیں سکتی۔اس وجہ سے ماننا پڑتا ہے کہ کیفیت اور مادہ کے علاوہ کوئی تیسری چیز بھی ہے جو اثر کرتی ہے۔وہ وہی صورت نوعیہ جس سے ہر چیز کی ماہیت بنتی ہے جس کی وجہ سے ہم سانپ کو سانپ اور بچھو کو بچھو کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور اس قسم کی چیز کو جسم کا اثر کیفیت اور مادہ سے نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کی خاص ماہیت اور صورت نوعیہ سے ہوتا ہے، اسی کو ذوالخاصہ کہتے ہیں۔

یہ تعریفیں خالص دوا، خالص غذا اور خالص ذوالخاصہ کی تھیں۔مگر بعض چیزوں میں دوائیت اور غذائیت دونوں ہوتی ہیں، یعنی ان کا اثر کیفیت اور مادہ دونوں سے ہوتا ہے۔مثلاً بدن میں گرمی یا سردی بھی پیدا ہوتی ہے اور بدن کی غذا بن کر پرورش بدنی میں بھی صرف ہوتی ہے۔جیسے مغز بادام، اس سے گرمی بھی پیدا ہوتی ہے اور خون بھی بنتا ہے اور بعض چیزوں میں دوائیت، غذائیت اور خاصیت تینوں ہوتی ہیں یعنی ان تینوں قسم کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں، جیسے شراب کہ اس سے گرمی بھی پیدا ہوتی ہے، خون بھی بنتا ہے اور اس کی خاصیت سے تفریح وخوشی پیدا ہوتی ہے۔اس طرح بعض چیزوں میں دوائیت اور خاصیت، اور بعض چیزوں میں غذائیت اور خاصیت ہوتی ہے۔اس وقت ان کے نام انہیں لفظوں کو ملا کر رکھتے ہیں۔مثلاً غذائے دوائی اسے کہتے ہیں جس میں غذائیت اور دوائیت دونوں ہوں۔دواذوالخاصہ اسے کہتے ہیں جس میں دوائیت اور خاصیت دونوں ہوں۔اور غذا ذوالخاصہ وہ ہے جس میں غذائیت اور خاصیت دونوں ہوں اور غذائے دوائی ذوالخاصہ وہ ہے جس میں غذائیت، دوائیت اور خاصیت تینوں ہوں۔

یاد رکھیں کہ غذائے دوائی اور دوائے غذائی میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔فرق صرف اس قدر ہے کہ اگر غذائیت زیادہ ہوتی ہے تو غذائے دوائی کہتے ہیں اور اگر دوائیت زیادہ ہو تو دوائے غذائی کہتے ہیں۔

اعتراضات

اس تشریح پر چند اعتراضات پیدا ہوتے ہیں۔

① کیا غذا میں صرف جسمی مادہ ہوتا ہے، اس میں کیفیت اور خاصیت نہیں ہوتی؟

② کیا دوا میں صرف کیفیت ہوتی ہے، اس میں جسمی مادہ اور خاصیت نہیں ہوتی؟

③ کیا صورت نوعیہ میں صرف خاصیت ہوتی ہے، اس میں جسمی مادہ اور کیفیت نہیں ہوتی؟

تجربہ اور مشاہدہ سے ظاہر ہے کہ ہر غذا میں کیفیت اور خاصیت دونوں پائے جاتے ہیں۔ بلکہ ہر غذا کا ایک مزاج ہے اور اس کی ایک خاص طبیعت ہوتی ہے۔ اسی طرح دوا میں جسمی مادہ بھی ہے اور خاصیت بھی ہے۔ یہی صورت بالخاصہ کی بھی ہے کہ اس میں جسمی مادہ اور کیفیت دونوں پائے جاتے ہیں۔ پھر ان کا ایک دوسرے میں انکار کیوں کیا گیا ہے۔

اعتراضات کے جوابات

طب قدیم میں یہی تسلیم کیا گیا ہے کہ غذا اپنے جسمی مادہ سے اثر کرتی ہے۔ دوا اپنی کیفیات سے اثر کرتی ہے اور صورت نوعیہ اپنی خاصیت سے اثر کرتی ہے۔ ان پر یہ اعتراض درست ہے کہ غذا، دوا اور صورت نوعیہ خصوصاً زہر تمام کے تمام جسم و کیفیات اور خاصیت رکھتے ہیں۔ مگر ان کا اثر صرف ان کی ایک صورت میں ہوتا ہے اور باقی دو صورتیں اثر نہیں کرتیں یا بے اثر رہتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر جسمی مادہ کے ساتھ جب کیفیات اور خاصیت شریک ہیں تو پھر ان کا اثر ہونا بھی یقینی ہے۔ اگر ذرا سا غور سے کام لیا جائے تو یہ مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ یہ کوئی فرق نہیں ہے صرف ذہن نشین کرانے کے لئے جدا جدا بیان کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سہولت تفہیم کے لئے پہلے یہ تقسیم کر دی گئی ہے کہ غذا اپنے جسمی مادی حصہ سے اثر انداز ہوتی ہے۔ دوا اپنی کیفیات سے اثر کرتی ہے اور صورت نوعیہ کا اثر بالخاصہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ غذا میں جسمی مادہ کے سوا کیفیات اور خاصیت نہیں ہوتے اور دوا میں جسمی مادہ اور خاصیت نہیں پائے جاتے۔ اسی طرح صورت نوعیہ میں جسمی مادہ اور کیفیات نہیں ہوتے ہیں، لیکن ان کے اثرات ان کی ابتدائی تقسیم کے مطابق ہوتے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

جسمی مادہ

جسمی مادہ تو ہر غذا، دوا اور زہر کا لازمی جزو ہے کیونکہ کوئی مادہ جسم کے بغیر تو ظاہر ہی نہیں ہوسکتا۔ لیکن انسان کی غذا سے مراد وہ اجزاء ہیں جو انسانی خون کا جزو ہیں۔ جن اشیاء میں کلی طور پر یا جزوی طور پر یہ اجزاء پائے جاتے ہیں۔ وہی اس کے لئے غذا ہے اور یہی اس کا جسمی مادہ ہے۔ دیگر حیوانات و درندے اور چرند و پرند بہت سی ایسی اشیاء کھا جاتے ہیں جو انسان غذا کے طور پر نہیں کھا سکتا۔

مثلاً بکری آک اور دیگر زہریلی جڑی بوٹیاں کھا جاتی ہے لیکن انسان کے لئے وہ غذائی صورت میں نقصان رساں ہیں۔ گدھا ہر گندگی کھا جاتا ہے مگر گوشت نہیں کھاتا۔ شیر گوشت کھاتا ہے، خون پیتا ہے مگر گھاس وغیرہ نہیں کھاتا۔ یہی صورتیں چرند پرند میں ظاہر ہیں۔ یعنی ہر ایک وہی غذا کھاتا ہے جو اس کے خون بلکہ جسم کا جزو بنتی ہے۔ یہی قانون فطرت ہے اس لئے اسلام میں حرام وحلال اور نجس پر بحث کی گئی ہے۔

کیفیات

جسمی مادہ کی طرح کیفیات بھی ہر غذا، دوا اور زہر کا جزو ہیں کیونکہ کوئی شے بھی فطری طور پر بغیر کیفیات کے نہیں بنائی گئی۔ لیکن جو اشیاء ہمارے خون میں جسمی مادہ کی طرح جذب نہ ہوں اور خارج ہو جائیں۔ البتہ خون میں تحلیل ہو کر اپنے کیفیاتی اثرات چھوڑ جائیں ہم ان کو دوا کا نام دیتے ہیں۔ بعض اشیاء ایسی بھی ہیں جن میں غذا اور دوا دونوں شریک ہوتے ہیں۔ جو اجزاء غالب ہوتے ہیں وہ نام مقدم ہوتا ہے یعنی غذائے دوائی یا دوائے غذائی۔

بالخاصہ

جسمی مادہ اور کیفیات کی طرح صورت نوعیہ بھی ہر غذا و دوا اور زہر کا جزو ہے۔ اگر صورت نوعیہ نہ ہو تو ایک شے کا دوسری شے سے امتیاز مشکل ہو جائے۔ ہر صورت نوعیہ میں جسمی مادہ اور کیفیات اس انداز میں ترتیب پاتا ہے کہ وہ ایک جدا شے بن جاتی ہے۔ کسی شے میں جسمی مادہ زیادہ اور کیفیات کا اثر بہت کم ہوتا ہے، کسی شے میں کیفیات کی شدت اور جسمی مادہ کی کمی ہوتی ہے۔ کسی شے کی کیفیات میں گرمی یا سردی کی شدت اور کسی شے کی کیفیات میں تری یا خشکی کی تیزی پائی جاتی ہے۔

بہر حال موالید ثلاثہ میں ہر شے ایک الگ صورت نوعیہ رکھتی ہے اس لئے اس میں ذاتی خواص و فوائد اور افعال و اثرات پائے جاتے ہیں۔ لیکن کوئی صورت نوعیہ جسمی مادہ اور کیفیات سے خالی نہیں ہونی چاہئے۔ وہ جسم انسان کے لئے زہر ثابت ہو یا تریاق کی خاصیت رکھتی ہو۔

غلط فہمی

شاید بعض طالب علموں کو یہ غلط فہمی ہو کہ صورت نوعیہ کا تعلق صرف زہروں سے ہے یا زیادہ سے زیادہ اکسیرات و تریاقات کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ ہر غذا اور ہر دوا بھی ہر زہر کی طرح اپنی ایک الگ صورت نوعیہ رکھتی ہے۔

مثلاً دودھ، گوشت، پھل پھول، اناج اور سبزیاں وغیرہ ان میں سے ہر ایک میں جسمی مادہ و کیفیات اور صورت نوعیہ شامل ہیں بلکہ مختلف اقسام کے دودھ، گوشت، پھل پھول، اناج اور سبزیاں وغیرہ اپنی مختلف صورت نوعیہ رکھتی ہیں اور اس لئے ان سب کے خواص و فوائد اور افعال و اثرات جدا جدا پائے جاتے ہیں۔ یہی مختلف جسم و حجم، رنگ و بو، سختی و نرمی اور تیزی و جلن مل کر صورت نوعیہ بن جاتی ہے۔

چونکہ غذا کے اثرات و افعال کو ہم اس کے جسمی مادہ سے اور دوا کو اس کی کیفیات سے تمیز کرتے ہیں لیکن زہر چونکہ کسی قسم کی تمیز سے پہلے ہی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے اس لئے اس کا اثر بالخاصہ تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اب تو سال ہا سال کے تجربات کے بعد اکثر زہروں کا علم ہو گیا ہے کہ وہ جسم میں کیا اور کس طرح بلکہ کس نوعیت کا اثر کرتے ہیں۔ اس لئے ان کا علاج معلوم کر لیا گیا ہے۔ جو اشیاء جن زہروں کو بے اثر کر دیتی ہیں ان کو ان زہروں کا تریاق کہتے ہیں اور اکثر تریاق زہروں کی طرح بالخاصہ ہوتے ہیں، ان میں جسمی مادہ اور کیفیات تو ہوتے ہیں اور اثر بھی کرتے ہیں لیکن خاصیت کا اثر اس قدر غالب ہوتا ہے کہ ان کو بالخاصہ ہی کہا جاتا ہے۔

حقیقت اشیاء

گزشتہ صفحات میں حقیقت اشیاء پر جو تحقیقات پیش کی گئی ہیں ان کا تعلق علم الاغذیہ و علم الادویہ اور علم الزہر کے قوانین و قواعد اور اصول و کلیات کے ساتھ تھا تاکہ کسی مفرد و مرکب شے کے افعال و اثرات اور خواص و فوائد معلوم کرنے سے قبل ان کے متعلق اصولی اور کلی

طور پر ان کے قوانین و افعال اور قواعد و ضوابط اور اعمال کا علم ہو جائے۔

اگر چہ اس میں بھی بعض امور رہ گئے ہیں جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ کتاب کی طوالت ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر دوست حقیقت الاشیاء کے لئے بے چین ہیں۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ مفردات و مرکبات اور مجربات کے افعال و اثرات اور خواص و فوائد پر جس یقینی اور بے خطا انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوست چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد حقیقت الاشیاء سے بھی وہ واقف ہو جائیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نظریہ مفرد اعضاء کے تحت کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو دوستوں کی ترتیب نسخہ اور مجربات میں راہ نمائی کر سکے۔ مسلمہ حقیقت بھی یہ ہے کہ بغیر حقیقت الاشیاء کے علم کے کوئی علاج بھی کرنا بالکل ناممکن ہے۔

تحریک تجدید طب جو تقریباً دس سال قبل شروع کی گئی تھی اس میں ہمارے کوشش یہ رہی ہے کہ علم و فن طب کے ہر شعبہ پر لکھا جائے خاص طور پر ① قوانین طب ② علم الامراض ③ علم العلاج ④ تشریح منافع الاعضاء ⑤ علم الادویہ۔

خاص طور پر فرنگی طب کے غیر علمی اور غیر سائنسی اصولوں پر پوری قوت سے لکھا ہے۔ اس سلسلہ میں اس وقت تک چودہ کتب شائع ہو چکی ہیں، زیر نظر علم الادویہ پر ہے۔ یہ بفضل تعالیٰ پندرھویں کتاب ہے اس میں جن جن امور کی ضرورت ہے شامل کر دیئے گئے ہیں۔ ان شاء اللہ یہ کتاب بھی دیگر کتب کی طرح چیلنج اور بے نظیر کتاب ہوگی اور صدیوں تک طبی دُنیا کی راہ نمائی کرتی رہے گی۔

ترتیب حقیقت اشیاء

قوانین و قواعد اور اصول و کلیات کے بعد اب افعال و اثرات اور خواص و فوائد اغذی و ادویہ اور زہروں وغیرہ کی ترتیب درج ذیل ہے۔

تعارف اشیاء

اس عنوان کے تحت اس کا مشہور نام اور دیگر ضروری نام شکل و صورت اور رنگ و ذائقہ ساتھ ہی مقام پیدائش اور وہ ضروری حصے جو علاج میں استعمال کئے جاتے ہیں۔

افعال

غذا، دواء اور زہر کے استعمال کے وہ اعمال جو مفرد اعضاء میں ظاہر ہوتے ہیں یعنی جو شے بھی جسم انسان کے لئے اندرونی یا بیرونی طور پر استعمال کرائی جائے گی، وہ یقیناً پہلے کسی نہ کسی مفرد عضو پر اپنا فعل کرے گی۔ اس کے بعد وہ خون میں جذب ہو کر اپنا اثر کرے گی۔ ہر شے کا یہی عمل عضوی عمل یا مشینی فعل ہے جسے ہم نے اس شے کے افعال کا نام دیا ہے۔ ہومیوپیتھی میں اس کو پرائمری ایکشن (عمل اول) کہا گیا ہے۔ یہ عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک اس شے کا اثر خون میں سرایت نہ کر جائے۔ بعض اشیاء ایسی شدید اور مخرش ہوتی ہیں یا کوئی شے مسلسل استعمال کی جائے تو اس کا اثر مسلسل خون میں شامل ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جسم پر غالب آ جاتا ہے اور اس کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔

اثرات

غذا دوا اور زہر کے استعمال سے جب وہ خون میں جذب ہو جائیں تو پھر جو علامات ظاہر ہوں وہ ان ادویہ کے اثرات ہیں۔ یہ

اس شے کا کیمیائی عمل ہے۔اس کو ہومیو پیتھی میں اس کا سیکنڈری ایکشن (عمل ثانی) کہتے ہیں۔

غلط فہمی

فرنگی طب میں کسی دوا کے دو ایکشن (عمل) نہیں ہیں۔صرف ہومیو پیتھی نے ہر شے کے دو عمل ظاہر کیے ہیں، لیکن انہوں نے بھی اس کی ایسی تشریح نہیں کی جیسی ہم نے کی ہے یعنی کسی شے کے افعال (مشینی اعمال) اور اثرات (کیمیائی اعمال) یکے بعد دیگرے پیدا ہوتے ہیں۔

ردِّ عمل

ہر شے کا ایک عمل اور بھی ہے جس کے متعلق فرنگی طب خاموش ہے اور ہومیو پیتھی غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ یہ ہے کسی شے کے عمل کا ردِّ عمل، یعنی کسی مقام پر اگر سوزش ہو تو طبیعت مدبرہ بدن وہاں پر رطوبات یا خون کا اجتماع کر دیتی ہے۔ یہ عمل صرف مشینی ہوتا ہے اور اس کا اثر صرف مفرد اعضاء تک ہوتا ہے۔ ہومیو پیتھی غلطی سے اس کو سیکنڈری ایکشن کہتی ہے۔ لیکن ردِّ عمل ہرگز سیکنڈری ایکشن نہیں ہے۔ سیکنڈری ایکشن صرف کیمیائی اثرات ہوتے ہیں، اس ردِّ عمل کی دو صورتیں ہیں سوزش کے بعد تسکین یا تحلیل ان کو ہم نے افعال کے مشینی عمل کے بیان میں واضح کر دیا ہے۔

خواص

کسی شے کے وہ افعال و اثرات جو اس شے کے ساتھ مخصوص ہیں یہ اس کی صورت نوعیہ کی وجہ سے اس کے بالخاصہ اثرات ہوتے ہیں اور یہ خواص کسی دیگر شے میں نہیں پائے جاتے۔ یہی اس شے کے حقیقی فوائد ہیں۔

فوائد

جن امراض اور علامات میں کسی شے کے شفائی اثرات ظاہر ہوتے ہیں وہ اس کے فوائد ہیں۔

مزاج

کسی شے کے کیفیاتی اثرات۔ یہ اثرات بھی کیمیائی ہوتے ہیں اور اخلاط کے تغیرات اور کمی بیشی کو ظاہر کرتے ہیں۔

مضرات

ہر شے کا فعل و اثر ہوتا ہے جس سے خواص و فوائد پیدا ہوتے ہیں۔ مضرات کا کوئی تصور پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اگر وہ شے مقدار سے زیادہ استعمال کر دی جائے تو ضرور ہو سکتا ہے۔ مضرات کا اثر مقدار خوراک سے ہو سکتا ہے، لیکن اس شے میں مضرات کا تصور کرنا صحیح نہیں ہے۔

مصلح

جس طرح کسی شے کے مضرات کا تصور غلط ہے، اسی طرح مصلحات کا تصور بھی ختم ہو جاتا ہے، البتہ کسی شے میں اگر شدت ہو اور اس کا تنہا استعمال کرنا تکلیف دہ اور خطرناک ہو تو اسے کسی دیگر شے میں ملا کر استعمال کر لیا جاتا ہے۔ اس کو مصلح کہہ سکتے ہیں لیکن کلی طور پر مصلح کا تصور کہیں نظر نہیں آتا اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

بدل

یہ قانون فطرت ہے کہ دُنیا میں ہم جنس ایک دوسرے کے متبادل نہیں ہو سکتے۔ البتہ ایک نوع، ایک ذائقہ، ایک رنگ اور ایک خواص وفوائد کی اشیاء ہوسکتی ہیں۔ مثلاً زنجبیل کا ذائقہ چرپرا ہوتا ہے، یہی ذائقہ سرخ مرچ، دراز مرچ، سیاہ مرچ، رائی، خولنجاں، پیاز، زیرہ سیاہ وسفید، دارچینی اور لونگ وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ ان کے افعال واثرات اور خواص وفوائد میں جو فرق ہے، اسے ہر اہل فن جانتا ہے مگر ان کو ایک دوسرے کا بدل بھی کہہ سکتے ہیں۔

انہیں عنوانات کے تحت ہم افعال واثرات اور خواص وفوائد اشیاء بیان کریں گے۔ دُعا فرمائیں بلکہ دُعاؤں میں یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ تمام کتاب حقیقت الاشیاء مکمل ہوجائے۔ یہ ایک عظیم انقلاب ہے۔

مفرد ادویہ کے مزاج مفرد اعضاء کے تحت

اعصابی غدی (تر گرم)

الف ☆ آک، انگن، ابریشم، اسفنج، اسگندھ، الائچی خورد، املتاس۔ **ب** ☆ بھنڈی، بادام، بادرنجویہ، باؤ بڑنگ، بہمن سرخ و سفید۔ **پ** ☆ پتھر پھوڑی، پستہ، پیٹھا۔ **ت** ☆ تالمکھانہ، ترنجبین، توت سفید، تودری سرخ و سفید۔ **ث** ☆ ثعلب مصری۔ **ج** ☆ جوانسہ، جاؤشیر۔ **چ** ☆ چربی، چمبا، چولائی، چھوٹی چندن۔ **ح** ☆ حب قلقل، حلوہ کدو۔ **خ** ☆ خربوزہ کے بیج، خطمی۔ **د** ☆ دودھ بکری، دودھ عورت، دودھ گائے، دھنیا۔ **ر** ☆ راب، رب السوس، روغن ارنڈ، روغن بادام، ریٹھا، ریوند چینی، ریوند خطائی۔ **ز** ☆ زیرہ سفید و سیاہ۔ **س** ☆ ستاور، سقمونیا، سمندر سوکھ، سنگ یہود، سنبھالو، سونف، سیٹھل۔ **ش** ☆ شریفہ، شیر خشت، شیشم۔ **ف** ☆ فرنجمشک۔ **ک** ☆ کنوچہ، کہربا، کدو، کدو تلخ، کیلا شیریں، کنول۔ **گ** ☆ گاجر، گل ٹیسو (کیسو)، گل داؤدی، گل سیوتی، گندنا، گل دھاوا، گوکھرو، گنا۔ **ل** ☆ لاجونتی، لوبان۔ **م** ☆ مکھن، ملٹھی، موصلی، مولی، موم، مشکدانہ۔ **ن** ☆ ناخونہ، ناشپاتی، ناگ کیسر۔

غدی اعصابی (گرم تر)

الف ☆ آم پختہ شیریں، ادرک، اڑوسہ، اناس، اسطخودوس، اگر، انیسوں، افتیمون، اشنان۔ **ب** ☆ بانسہ، بارآورد، بادام شیریں، بوزیدان، بکن، بورہ ارمنی، بسکھپرا۔ **پ** ☆ پالک، پپلا مول، پپلا۔ **ت** ☆ تخم کثوث۔ **ج** ☆ جل نیم، جنگلی گاجر، جل پیپل۔ **چ** ☆ چرچٹہ۔ **ح** ☆ حب قرطم، حب القلت۔ **خ** ☆ خربوزہ۔ **ر** ☆ رسونت، رودنتی، روغن ناریل، روغن زیتون۔ **ز** ☆ زنجبیل، زرد چوب۔ **س** ☆ سنا مکی، سورنجان شیریں و تلخ، سریش، سویا اور تخم۔ **ش** ☆ شہد۔ **ف** ☆ فلفل دراز، فندق۔ **ک** ☆ کسونڈی، کوٹھ (قسط)، کلتھی، کھجور، کینولا آئل، کالی مرچ۔ **گ** ☆ گلو، گیندے کے پھول، گیہوں (گندم)، گھی۔ **ل** ☆ لانا بوٹی، لفت۔ **م** ☆ مرچ سیاہ، مگھاں (فلفل دراز)، مکو، مامیراں، مکڑی کا جالا، ملح (نمک)، مارچوبہ۔ **ن** ☆ ناریل، نوشادر، عنکبوت۔ **ہ** ☆ ہارسنگھار، ہڑتال ورقیہ۔

اعصابی عضلاتی (سرد تر)

الف ☆ اجوائن خراسانی، اروی، اسپغول، اسرب۔ **ب** ☆ برہمی بوٹی، بوٹی فرید، بید مشک، بہیدانہ۔ **پ** ☆ پاکر، پوئی، پھٹ۔ **ت** ☆ تخم بالنگو، تربوز، تربوز کے بیج، توری گھیا۔ **ٹ** ☆ ٹینڈے۔ **ج** ☆ جوار، جوکھار، جو۔ **چ** ☆ چاول، چقندر، چنبیلی۔ **خ** ☆ خبازی۔ **د** ☆ دودھ بھینس، دودھ گدھی۔ **ر** ☆ رانگ، روغن چنبیلی۔ **س** ☆ ساگودانہ، سپستان، سردا۔ **ش** ☆ شکر تیغال، شکر سفید۔ **ص** ☆ صندل سفید۔ **ق** ☆ قلمی شورہ۔ **ک** ☆ کانسی، کافور، کاہو، کالادانہ، کائی، کتیرا گوند، کھیرا، کلفہ (قرفہ)۔ **گ** ☆ گاؤزبان، گل سرخ، گنا، گل قند، گل گڑھل، گوشت خرگوش، گوشت بھیڑ۔ **ل** ☆ لونیا ساگ۔ **م** ☆ مونگی، مصری، مکن۔ **ن** ☆ نشاستہ، نیلوفر۔

عضلاتی اعصابی (سرد خشک)

الف ☆ آڑو، آلو، آلو بخارا، آلوچہ، آم خام، آملہ، آہن (لوہا)، ابرک، اتیس، ارہر، اسپند (حرمل)، اقاقیا (عصارہ کیکر)، الماس، املی اور تخم، انار ترش۔ **ب** ☆ باجرہ، بارتنگ (تخم)، ببول (کیکر)، برگد، بسد، بلوط، بہوپھلی، بلیلہ، بیل گری، بیر۔ **پ** ☆ پوست خشخاش، پیپل، پھٹکڑی۔ **ت** ☆ تج، تخم مویز، ترنج تمباکو۔ **ج** ☆ جامن، جست، جلاپا۔ **چ** ☆ چائے، چونا، چنیا گوند، چرس۔ **ح** ☆ حجر الیہود۔ **خ** ☆ خبث الحدید، خس، خشخاش۔ **د** ☆ دم الاخوین، دار ہلد، دھتورہ۔ **ر** ☆ رمان، روغن السی۔ **ز** ☆ زرشک، زمرد، زاج ابیض، زخم حیات، زہر مہرہ۔ **س** ☆ سپاری، سرو، سروالی، سفیدہ، سم الفار (سنکھیا)، سنگھاڑہ، سیب۔ **ش** ☆ شکر قند، شادنج۔ **ط** ☆ طباشیر۔ **ع** ☆ عصارہ بھنگ، عاج، صدف۔ **ف** ☆ فالسہ، فراش، ٹرائی سلفاس۔ **ک** ☆ کتھ، کٹھل، کچنال، کرنجوہ، کچل رائتہ، کروندہ، کائی پھل، کاکڑا سنگی۔ **گ** ☆ گوبھی، گیرو، گل دھاوا، گل مختوم، گل ملتانی۔ **ل** ☆ لوبیا، لودھ پٹھانی، لوہا، لوکاٹ، لیموں۔ **م** ☆ مازوئے سبز، مائیں، مچھلی، مرجان، مردار سنگ، مکئی، مہندی۔ **ہ** ☆ ہیرا کیس۔ **ی** ☆ یاقوت۔

عضلاتی غدی (خشک گرم)

الف ☆ ابہل، اذراقی، انجیر، اندرائن، انڈا اور چھلکا، ایرسا، ایلوا (مصبر)۔ **ب** ☆ بسفائج، برہم ڈنڈی، بادیان خطائی، بیر بہوٹی، بیخ کنیر، بنفشہ، بالچھڑ۔ **پ** ☆ پیاز، پوکھر مول، پت پاپڑا (شاہترہ)۔ **ج** ☆ جاوتری، جائفل، جطیانہ۔ **چ** ☆ چرائتہ، چنا، چاکسو، چکور۔ **ح** ☆ حب بلسان، حب الرشاد، حلتیت (ہینگ)۔ **خ** ☆ خاکسی (خوب کلاں)، خراطین۔ **د** ☆ دار چکنا، دارچینی۔ **ر** ☆ رس کپور۔ **ز** ☆ زراوند طویل، زراوند مدحرج، زوفہ۔ **س** ☆ سندھور، سلاجیت، سنبل الطیب، سمندر پھل۔ **ش** ☆ شاخ گوزن، شراب، شاہترہ، شنگرف۔ **ع** ☆ عنبر، عود صلیب، عشبہ، عناب۔ **غ** ☆ غاریقون۔ **ک** ☆ کبوتر، کریلا، کنیر۔ **م** ☆ مال کنگنی، مغز ہنولہ، مین پھل۔ **ن** ☆ نک چھکنی، نیم۔

غدی عضلاتی (گرم خشک)

الف ☆ اجوائن دیسی، اذخر، اخروٹ، اشق، اسارون، اجمود۔ **ب** ☆ بٹیر، بچھو، برنا، بندال ڈوڈہ، بھنگرہ۔ **پ** ☆ پلاس پاپڑا، پودینہ۔ **ت** ☆ تگر، تیزپات، تیلنی مکھی۔ **ج** ☆ جگنو، جمال گوٹہ، جڑپان۔ **ح** ☆ حسن یوسف، حب البطم۔ **خ** ☆ خوبانی، خولنجاں، خردل (رائی)۔ **د** ☆ دادمردن، دیودار، درمنہ۔ **ر** ☆ رائی، روغن تارپین، روغن جمال گوٹہ۔ **ز** ☆ زرنباد، زعفران۔ **س** ☆ سانپ اور زہر، سرسوں، سداب، سونا، سونا مکھی، سنگدانہ۔ **ص** ☆ صنوبر۔ **ع** ☆ عاقر قرحا، عود بلسان۔ **غ** ☆ غافث۔ **ف** ☆ فلفل احمر۔ **ق** ☆ قرطم۔ **ک** ☆ کالی زیری، کباب چینی، کٹائی خورد، کچور، کنگروندہ، کوڑ۔ **گ** ☆ گندھک، گوشت بٹیر، چڑیا، تیتر۔ **ل** ☆ لٹوکری۔ **م** ☆ مرچ سرخ، مصطگی رومی، میتھی، ماہودانہ، مارجرین۔

۹
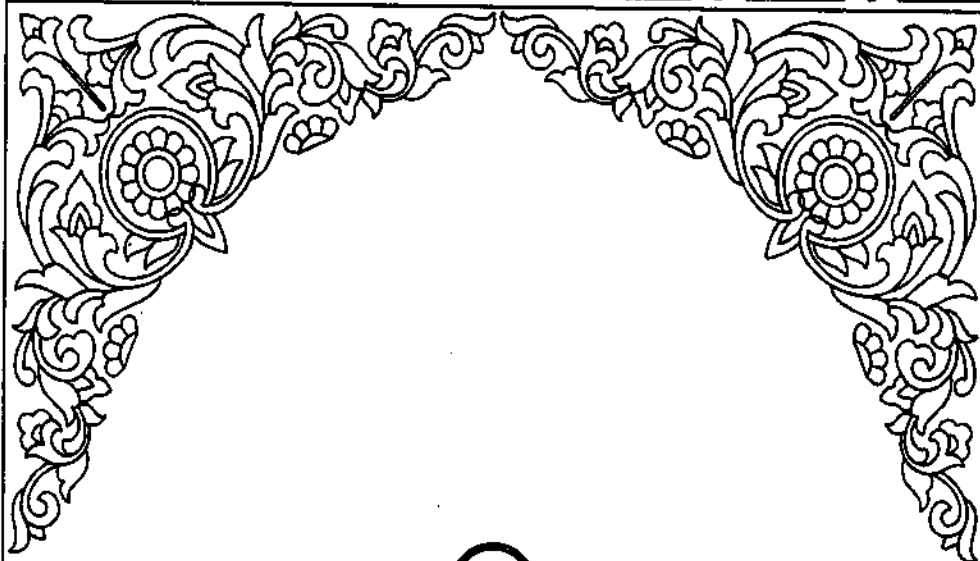
تحقیقات خواص المفردات

فہرست عنوانات

تحقیقات خواص المفردات

آک

نام (اُردو) مدار، آکون، آکھ (عربی) عشر، (فارسی) فوک، زہرناک، (تلیگو) مندرامو، (سنسکرت) مدار، (سندھی) آک، (بنگالی) آکنڈہ، (گجراتی) آکڈو، (انگریزی) SWALLOW WORT، کیلوٹراپس (CALOTROPIS)۔

تعارف : ایک مشہور عام پودا ہے۔ قدعموماً ایک سے دوگز تک ہوتا ہے۔ پتے چوڑے اور موٹے برگد کے پتوں کی مانند ہوتے ہیں۔ ہر پتے کے دو حصے ہوتے ہیں۔ درمیان سیون سے شریانوں کی طرح نصف حصے کے باہر کی طرف سفیدی مائل لکیریں جاتی ہیں۔ یہی لکیریں پتے کے لئے غذا پہنچاتی ہیں۔ ٹہنی یا پتے کو توڑنے سے بالکل سفید رنگ کا دودھ نکلتا ہے۔ دودھ کچھ دیر پڑا رہے تو جم جاتا ہے۔ بعد میں دہی کی طرح اس میں سے پانی علیحدہ ہوجاتا ہے۔ آک کے ہر حصے کی نسبت ٹہنیوں اور کونپلوں میں دودھ زیادہ نکلتا ہے گچھوں کی مانند پھول ٹہنیوں کے سروں پر نکلتے ہیں۔ ہر پھول پتی دار ہوتا ہے۔ پھول کے درمیان مین لونگ کے سر کی مانند ایک ابھار پیدا ہوتا ہے۔ جسے آک کا لونگ یا قرنفل مدار کہتے ہیں۔

آک کی ٹہنیوں پر اس کا ایک پھل لگتا ہے جو بالکل آم کی شکل کا ہوتا ہے خشک ہونے پر جب پھٹتا ہے تو اس کے اندر سے سنبل کی روئی کی مانند روئی نکلتی ہے۔ اسی میں اس کے تخم ہوتے ہیں جو انگن کے بیجوں جیسے ہوتے ہیں ان کی رنگت سیاہ ہوتی ہے بعض آک کے پودوں پر ایک قسم کی رطوبت نکلتی ہے جسے صمغ عشر یا سکر العشر کہتے ہیں۔

مزاج : ترگرم، اعصابی غدی۔

مصلح : ہرقسم کی ترش اشیاء۔

مقام پیدائش : دُنیا کے ہر حصہ میں خودرو پیدا ہوتا ہے لیکن زیادہ تر ہندوستان، پاکستان، جزیرہ لنکا، افغانستان، ایران سے لے کر افریقہ تک کے علاقوں میں پیدا ہوتا ہے۔

مقدار خوراک : دودھ نصف قطرہ سے ایک قطرہ تک۔ جڑ 2 سے 5 رتی تک۔ پھول ایک سے 2 رتی تک۔

افعال و اثرات : دودھ لازع، اکال، پتے کا پانی محمر (جلد کو سرخ کرنے والا) ملین۔ مولد رطوبات اور مخرج صفرا و حرارت معرق۔ محلل اور مسکن درد والم ہے۔

خواص و فوائد : دودھ اکال اور مقرح ہونے کی وجہ سے داد، خارش، گنج اور بواسیری مسوں پر لگانے سے شفا دیتا ہے۔ درد دانت کو تسکین دیتا ہے۔ پیٹ کے کیڑوں کو مارتا ہے۔ خصوصاً کدو کیڑوں کو، پتوں کا پانی ایک حصہ تیل سرسوں یا میٹھا تیل تین حصے میں جلا کر وجع

المفاصل درد کمر اور ہر قسم کے صفراوی دردوں کے لئے نافع ہے۔ حتیٰ کہ درد جگر کے لئے بھی اعلیٰ درجہ کی دوا ہے۔ مقام درد پر روئی تر کر کے رکھنی چاہئے۔ آک کے خصوصی خواص میں تین اثرات کو خصوصی اہمیت حاصل ہے: (۱) محلل (۲) دافع درد (۳) مولد رطوبات۔

محلل اثر کی صورت میں ہر قسم کے اورام، خصوصاً غدی اورام میں اکسیر کا کام کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جسم کی سختی کو دور کرتا ہے اور ہر قسم کی گرہیں کھولتا ہے۔ اگر جگر، گردے اور دیگر غدد سکڑ گئے ہوں تو ان کے لئے بے حد مفید ہے جسم میں کسی قسم کی رکاوٹ ہو تو اس کو تحلیل کر کے دور کر دیتا ہے۔ مثلاً یرقان میں جگر کی رکاوٹ اور پتہ کی پتھری۔ اسی طرح پتھری اور نفخ کلیہ میں گردوں میں رکاوٹ کو فوراً تحلیل طاقت سے دور کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح امعاء میں خشکی اور سوزش کو دور کرنے میں لاثانی ہے اس کے استعمال سے فوراً ہر قسم کی پیچش میں پہلے ہی روز افاقہ ہو جاتا ہے۔ جس قدر بھی جریان خون ہو پہلے ہی روز رُک جاتا ہے۔ غرض یہ کہ اپنے اندر زبردست محلل اثر رکھتا ہے درد کو رفع کرنے میں اس کے اندر اعجاز ہے۔ اس کے عمل کرنے کا طریقہ تخدیر نہیں ہے بلکہ تسکین ہے۔ جاننا چاہئے کہ تخدیر اور تسکین کے ظاہر اثرات تو ہر شخص جانتا ہے۔ لیکن جسم انسان میں تخدیر اور تسکین کیسے پیدا ہوتی ہے اس سے شاید دس ہزار میں سے ایک اہل فن اور حکیم بمشکل واقف ہو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم بہت جلد اس پر روشنی ڈالیں گے۔

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، جب کبھی بھی آک کے تیل کی جسم پر مالش کی جاتی ہے یا آک کے دودھ میں روئی کا پھایہ تر کر کے کرم خوردہ دانت میں رکھا جائے تو فوراً درد میں کمی شروع ہو جاتی ہے۔ جب اس سے درد ایک دفعہ رُک جاتا ہے تو پھر دوبارہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب اندرونی دردوں، معدہ و امعاء کا درد، پتہ، کلیہ کی پتھری کا درد، پیچش کا درد، نقرس، درد شقیقہ وغیرہ میں اس کا استعمال بعض اوقات تریاق ثابت ہوتا ہے۔ بھڑ اور سانپ کے کاٹے ہوئے مقام پر لگانے سے درد کم ہونے کے ساتھ ساتھ زہر کو بھی ختم کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سانپ کے کاٹے ہوئے شخص کو اندرونی اور بیرونی طور پر زہریلے اثرات کو دور کرنے کے لئے استعمال کرایا جاتا ہے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ جونہی کسی کو سانپ کاٹے وہ ڈسے ہوئے مقام پر آک کا دودھ لگائے اور اس کی کونپلوں کو کھانا شروع کر دے، جب جی متلانے لگے یا قے آنے لگے تو کھانا بند کر دے۔ جونہی آک کا اثر ظاہر ہوگا، سانپ کے زہر کا اثر ختم ہو چکا ہوگا۔

آک رطوبت کے لئے ایک مایہ ناز دوا ہے۔ جب بھی اس کو اندرونی یا بیرونی طور پر استعمال کیا جاتا ہے فوراً رطوبات کا ترشح شروع ہو جاتا ہے۔ منہ میں تھوک کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ معدہ میں اعصابی نظام تیز ہو کر رطوبات معدہ بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض وقت طبیعت اس کو قے کے ذریعے خارج کرتی ہے۔ اسی طرح امعاء میں رطوبات کی زیادتی سے اسہال شروع ہو جاتے ہیں چونکہ جسم کے ہر حصہ میں رطوبات بڑھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے تحجر مفاصل جن میں رطوبات خشک ہو چکی ہوتی ہیں اس کے استعمال سے بہت جلد شفا حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہاتھ پاؤں کا پھٹنا، بھگندر اور پرانے زخم تک مندمل ہو جاتے ہیں۔

آک مولد رطوبات ہونے کی وجہ سے خشک دمہ اور خشک کھانسی کے لئے خصوصیت سے مفید ہے۔ خشک دمہ میں رطوبت کی کمی کی وجہ سے پھیپھڑوں میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے استعمال سے فوراً بلغم اور رطوبات کا ترشح شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے فائدہ ہونا یقینی ہے۔

آک میں ایک زبردست اسرار: آک کا سب سے بڑا اسرار یہ ہے کہ یہ دوا دائمی قبض کے لئے نہایت اکسیر اور شرطیہ ہے۔ اس کی اس خوبی اور کمال میں کوئی دوا اس کے مقابلے میں نہیں رکھی جا سکتی۔ کیونکہ ایک طرف تو اس سے قبض رفع ہوتی ہے تو دوسری طرف اس میں یہ وصف ہے کہ اس سے پیچش پیدا نہیں ہوتی۔ اس کی اس صفت کی وجہ سے یہ دوا بواسیر کے لئے تریاق کا حکم رکھتی ہے۔ اکثر قابل اطباء

اور اہل فن اس کو بواسیر کے لئے تریاق کا مقام دیتے ہیں۔ اکثر قابل اطباء اور اہل فن اس کو بواسیر اور تپ دق جیسی ہٹیلی امراض میں استعمال کر کے فائدہ اٹھاتے ہیں اور سینکڑوں روپے ماہوار پیدا کرتے ہیں۔ بعض اہل فن نے اس کے مختلف نام رکھ لئے ہیں جو اس کی کسی نہ کسی صفت کا اظہار کرتے ہیں۔ جس قدر بھی عوام کو اس دوا سے روشناس کرایا جائے اسی قدر ہمارے ملک سے ٹی بی، دمہ، بواسیر اور پانی پیچش جیسے عسر العلاج امراض ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں۔

افعال بالاعضاء : آک کو اندرونی طور پر استعمال کریں یا بیرونی طور پر اس کے استعمال سے دماغ و اعصاب میں تحریک پیدا ہوتی ہے جوں جوں اس کا اثر بڑھتا ہے، تحریک شدید ہوتی جاتی ہے۔ اعصاب پر اس کا محرک اثر اس لئے ہے کہ یہ ایک شدید کھار ہے اور تمام کھاریں یہی اثر رکھتی ہیں۔

جب اس کا محرک اثر ہوتا ہے تو دوران خون اعصاب کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ اثرات کی تیزی کے ساتھ جسم پر سرخی بڑھ جاتی ہے اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ وہ جگہ گرم ہونا شروع ہو جاتی ہے اور پھر خون کے اجتماع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اس مقام پر پھنسیاں اور بالآخر وہاں پر ورم کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس گوشت کی مچھلیوں یعنی عضلات کے خلاؤں اور ساختوں میں رطوبات لمف کا ترشح شروع ہو جاتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ ان میں رطوبات کی اس قدر زیادتی شروع ہو جاتی ہے کہ وہ پھولنا شروع ہو جاتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں وہاں سکون کی حالت اور برودت پیدا ہو جاتی ہے۔ دِل کی رفتار سست اور جسم کی حرارت کم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ البتہ جگر و غدد میں دورانِ خون کی اس قدر تیزی شروع ہو جاتی ہے کہ وہاں پر گرمی کی شدت سے تحلیل شروع ہو جاتی ہے اور وہ پھیل کر بڑھ جاتے ہیں حتیٰ کہ جسم کے تمام نالی دار غدد طاقتور ہو کر مخرج سے رطوبات کا اخراج شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً نزلہ، تھوک، زکام، ریشہ، بلغم، قارورہ اور سیلان وغیرہ۔ البتہ جسم کے کسی حصہ سے خون آتا ہو، تو وہ فوراً رُک جاتا ہے۔

انہی افعال و اثرات کے تحت ہم نے آک سے سل و دق کا تریاق تیار کیا ہے اور دعویٰ کے ساتھ پیش کیا ہے کہ اگر اس نسخہ سے کسی تپ دق کے مریض کو حسب ہدایت استعمال کرنے سے آرام نہ آئے تو ہم سو روپیہ فی مریض پیش کریں گے۔

تریاق تپ دق

ھو الشافی : شیر عشر ایک حصہ، ہلدی خالص پندرہ حصے۔

ترکیب تیاری : ہلدی کو مثل میدہ باریک کر کے آک کا دودھ شامل کر دیں۔ نصف گھنٹہ رگڑائی کریں۔ بس دوا تیار ہے۔

مقدار خوراک : ایک رتی سے آٹھ رتی تک حسب ضرورت دِن میں چار بار، قبض کی صورت میں آہستہ آہستہ دوا کی مقدار آٹھ رتی تک کر سکتے ہیں پیچش ہو تو ایک دو رتی تک کافی ہے۔ دوا ہمیشہ نیم گرم پانی سے استعمال کریں۔

یادداشت : آک کے تمام اجزاء خصوصاً دودھ انتہائی سوزش ناک ہے۔ اسی وجہ سے اطباء اور اہل فن نے اس میں تیزابی کیفیت اور گرمی کو تسلیم کیا ہے۔ مگر اس میں نہ گرمی ہے اور نہ اس کی سوزش ناکی میں تیزابیت پائی جاتی ہے اور نہ ہی اس کے استعمال سے جسم میں صفرا پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ اس کی سوزش ناکی اپنے اندر کھاری اثرات رکھتی ہے، جو قاطع تیزابیت اور دافع صفراء ہے۔ اس کے متعلق تیزابیت کا خیال کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔

جاننا چاہئے کہ تیزابیت کی سوزش ناکی جسم میں انقباض اور ورم پیدا کر کے سخت اور گرہ سی باندھ دیتی ہے۔ مگر کھاری پن کی سوزش

جسم میں انبساط اور تحلیل کر کے جسم کے اندر جہاں بھی کہیں گرہ پڑگئی ہو اس کو دور کر دیتی ہے۔ جسم نرم ہو جاتا ہے۔ ہر قسم کی سختی دور ہو جاتی ہے۔ اس کا یہ اثر زندہ اجسام اور نباتات بلکہ جمادات پر بھی ہوتا ہے۔ اس کی سختی نرمی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آک چاہے کتنی سخت قسم کی زمین میں پیدا ہو، کچھ عرصہ بعد اس کے نیچے والی زمین نرم اور شور یلی سی ہو جاتی ہے۔

بعض اطباء نے اس کی سوزش ناکی کو دیکھتے ہوئے اس کا مزاج گرم خشک تسلیم کیا ہے لیکن یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ اس میں کھاری اور الکلی کے اثرات ہیں جو مخرج صفراء وحرارت کو جسم میں بڑھایا کرتی ہیں نہ کہ خارج کرتی ہیں۔ اس لئے آک مخرج صفراء وحرارت ہونے کی وجہ سے تر گرم اعصابی غدی ہے۔

یادداشت : آک مخرش، محمر اور اماس ہونے کے باوجود زہر نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے استعمال سے موت واقع نہیں ہوتی نہ ہی اسے قتل کرنے کے لئے کھلایا جاتا ہے۔ چونکہ اس کے استعمال سے قے اور دست شروع ہو جاتے ہیں، اس لئے اگر کوئی غلطی سے زیادہ استعمال کر بھی لے تو کوئی ترش پھل کھلا دو فوراً اس کا اثر زائل ہو جائے گا اور سوزش دور ہونا شروع ہو جائے گی۔

انجیر

تعارف : ایک مشہور پھل ہے جس کو عربی میں تین اور انگریزی میں فگ کہتے ہیں۔ شکل وصورت میں گولر سے مشابہت رکھتا ہے علم الادویہ میں کئی اقسام بیان کی گئی ہیں۔ بعض (جمیز) کو بھی انجیر ہی کی قسم کہتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر اس کی دو قسمیں مشہور ہیں۔ ایک انجیر باغی اور دوسری انجیر دشتی۔ باغی انجیر کو غذا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اور جنگلی انجیر جس کو پنگوڑی بھی کہتے ہیں دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہے جس میں اس کا دودھ زیادہ مستعمل ہے۔ لیکن انجیر دشتی بھی غذا کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ انجیر کے درخت کی بلندی چھ فٹ سے 9 فٹ تک ہوتی ہے۔ انجیر دشتی کو ہندی میں کٹومری کہتے ہیں۔

مقام پیدائش : برصغیر پاک و ہند کے علاوہ عرب، ایران اور افریقہ میں اس کی پیدائش ہوتی ہے۔ کابل میں خصوصی طور پر اس کی باقاعدہ کاشت ہوتی ہے۔ یہ کھانے میں شیریں لیکن اس میں قدرے ہیک ہوتی ہے۔ اس کی ایک چھوٹی قسم ہے جو شام میں پائی جاتی ہے، اس کا پھل فندق کے برابر ہوتا ہے، اس کا چھلکا باریک اور ذائقہ شیریں ہوتا ہے۔

رنگ و ذائقہ : سرخ زردی مائل، جنگلی سیاہی مائل، ذائقہ شیریں جس میں ایک خاص قسم کی تیزی اور ہیک پائی جاتی ہے مگر لذیذ ہوتی ہے۔ بطور پھل مستعمل ہے اور غذائے دوائی ہے۔

مزاج : گرم درجہ اوّل ہے اور خشک درجہ دوم میں ہے۔ بعض نے اس کو گرم تر لکھا۔ جس میں حکیم محمد کبیر الدین دہلوی بھی شریک ہیں۔ حیرت ہے کہ جو شئی مولد ریاح، مغلظ بلغم اور معتدل سودا ہو جس کے ساتھ ارضی مادہ کو کثرت ہو وہ تر کیسے ہوسکتی ہے بلکہ اس میں مائیت کی زیادتی تسلیم کی جاتی ہے۔

افعال و اثرات : عضلاتی غدی ملین یعنی محرک عضلات، محلل اعصاب اور مسکن غدد ہے۔ کیمیاوی طور پر مولد ریاح وخون، مغلظ بلغم اور معدل سودا ہے۔ اس میں ارضی مادہ (کلس) کی کثرت ہے۔

خواص : مولد ریاح وخون، محرک عضلات، ملین، منضج ومنفث بلغم اور معدل معدہ، انجیر دشتی اپنے افعال میں شدید ہوتی ہے۔ یہ مسہل قوی، جالی اور اکال ہے۔

فوائد : غذائے دوائی ہونے کی وجہ سے اس میں غذائی اجزاء زیادہ ہیں۔ چونکہ محرک عضلاتی غدی (خشک گرم) ہے اس لئے معدہ وامعاء میں تحریک دے کر ملین اور مسہل کا باعث ہوتی ہے۔ دل و پھیپھڑوں میں تیزی پیدا کر کے دماغ اعصاب پر مقوی اثر کرتی ہے۔ جگر و گردوں اور غدد کی طرف رطوبات کو بھیج کر وہاں پر تسکین و تلیین کا باعث بنتی ہے۔ چونکہ اپنے ارضی مادہ (کلس) کی زیادتی کی وجہ سے مولد ریاح وخون ہے۔ اس لئے بلغم کو خشک کرتی ہے۔ اور سودا میں حرارت پیدا کر کے اس کو خون میں تبدیل کر دیتی ہے۔ گویا سفید ذرّات خون کو سرخ ذرّات خون میں تبدیل کر دیتی ہے۔

کثیر ارضی غذا کی وجہ سے جاذب رطوبات ہے اور محرک عضلات ہونے کی وجہ سے سریع الهضم مولد ریاح ہونے کی وجہ سے خشکی کی طرف مائل ہے تمام پھلوں سے زیادہ غذائیت بخش پھل ہے۔ البتہ کھجور کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ پختہ اور شیریں انجیر بے ضرر ہوتی ہے۔ جس قدر اس میں گودا زیادہ ہوتا ہے اسی قدر موٹا اور سرخ کر دیتا ہے۔ مولد و محرک خون ہونے کی وجہ سے پسینہ لاتا ہے اور رنگت کو نکھارتا ہے۔

بلغم کو تحلیل واخراج کر کے بلغمی کھانسی میں بے حد مفید ہے بلکہ بلغمی دمہ کو دور کرتا ہے۔ جگر، گردوں اور غدد میں اپنی تسکین سے وہاں کی خشکی اور سوزش کو دور کر کے وہاں کے سدے کھولتا ہے۔ وہاں پاور ادرار پیدا کرتا ہے۔ لیکن پیشاب کی کثرت کو روکتا ہے۔ عضلات میں تیزی کی وجہ سے مقوی طحال ہے جو بلغم کو جذب کر کے خون میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اسی وجہ سے دافع بخار اور بلغم ہے اور جن بخاروں میں مواد اندر رہ جاتا ہے جیسے چیچک، خسرہ اور محرقہ، ان کے مواد کو جلد کی طرف خارج کر دیتی ہے اور دل کی قوت کو پوری طرح قائم رکھتی ہے۔

بیرونی طور پر انجیر کا دودھ لگانا داد اور چنبل کے لئے بے حد مفید ہے۔ اس کے پتوں کا رس جسم پر لگانے سے جسم کے داغ دھبے اور چھائیاں دور ہو جاتی ہیں۔ اس کا لیپ پھوڑے پھنسی کو پکا کر پھاڑ دیتا ہے۔ اس کی لکڑی کی راکھ ہر قسم کے زخم کو بھر دیتی ہے۔ خصوصاً دیوانے کتے کے کاٹے زخم کو بھر دیتی ہے۔ دشتی انجیر کا دودھ گنج کے لئے مفید ہے۔

انجیر کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے بلکہ ایک سورت کا نام تین ہے۔ جس کی ابتداء ہی تین سے ہوتی ہے: ﴿ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ○ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ○ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴾ ان چاروں کی قسم کھا کر کہا گیا ہے کہ ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴾ انسان کی پیدائش انتہائی عمدہ بناوٹ سے کی گئی ہے، گویا انسان کی تکمیل میں ان صورتوں و مقامات اور محال کا حصہ ہے جس کی تفصیل و تفسیر بے حد طویل ہے۔ اس لئے نظر انداز کر دی گئی ہے۔ البتہ جو اثرات و مزاج تین (انجیر) کے ہیں اس کے بالکل برعکس زیتون کے ہیں۔ یعنی اگر انجیر کے استعمال سے اندرونی اور بیرونی طور پر کوئی نقصان پیدا ہو جائے تو وہ زیتون کے استعمال سے رفع ہو جاتا ہے۔ تجربہ شاہد ہے۔

ابریشم

تعارف : ابریشم ایک کیڑے کا گھر ہے جو شہتوت کے درخت پر پرورش پاتا ہے۔ وہ اس گھر کو اپنے لعاب سے بناتا ہے۔ اس گھر کو کویہ کہتے ہیں۔ اس کے اوپر باریک تار لپٹا ہوتا ہے۔ یہی ریشم ہے اور اسی سے ریشم کا کپڑا بنتا ہے۔ یہی کویہ دوا کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ جب اس کو قینچی سے کترتے ہیں تو ابریشم مقرض کہلاتا ہے۔

رنگ و ذائقہ : زرد سفیدی مائل اور مزہ پھیکا۔

افعال و اثرات : اعصابی غدی یعنی اعصاب میں تحریک، غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین دیتا ہے۔ اپنے کیمیاوی اثرات سے خون میں رطوبت اور حرارت کو بڑھا دیتا ہے۔

مزاج : گرم تر پہلے درجے میں اکثر کتب میں گرم خشک پہلے درجے میں لکھا ہے۔ جو شے دافع صفراء اور مفرح ہو وہ گرم خشک نہیں ہو سکتی۔

خواص : محرک دماغ و اعصاب، دافع سوزش جگر و کلیہ اور امعاء مفرح قلب، مخرج صفراء اور بول، مقوی ارواح ہے۔

فوائد : ضعف دماغ و اعصاب میں مفید ہے۔ جگر و گردوں کو صاف کرتی ہے سینہ اور امعاء کی سوزش کو دور کر کے پیچش اور کھانسی کو دور کرتا ہے۔ نزلہ کی جلن کو دور کرتا ہے۔ دِل کی گرمی کو دور کرتا ہے۔ دِل میں مسرت و انبساط پیدا کرتا ہے، روح کی بے چینی میں تسکین پیدا کرتا ہے، بلغم کو لطیف کرتا ہے، ریشم کا کپڑا پہننے سے خارش دور ہوتی ہے اور جوئیں پیدا نہیں ہوتیں۔ جلا ہوا ریشم خون بند کرتا ہے، زخم بھرتا ہے، بطور سرمہ آنکھ کی خارش دور کرتا ہے۔

ابرک

تعارف : عربی میں طلق، ہندی میں بھوڈل۔ ایک چمکدار معدنی شے ہے جو ورق کی صورت میں پائی جاتی ہے۔ آسانی سے ٹوٹ کر چمکدار ذروں میں بکھر جاتی ہے۔

رنگ و ذائقہ : دو قسم کا ہوتا ہے۔ سفید اور سیاہی مائل دونوں کا ذائقہ بے مزہ ہوتا ہے۔

مزاج : خشک سرد دوسرے درجے میں اکثر کتب میں سرد خشک لکھا ہے چونکہ خشکی غالب ہے اس لئے خشک سرد ہے۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی یعنی عضلات میں تحریک، اعصاب میں تحلیل اور غدد میں تسکین اپنے کیمیاوی اثرات کی وجہ سے خون کی رطوبات کو خشک کر دیتا ہے اور اس میں برودت کا اثر بڑھ جاتا ہے۔ ابرک سیاہ میں سفید کی نسبت قوت زیادہ ہے۔

خواص : مقوی قلب بارد، دافع سوزش اعصاب و دماغ، مسکن جگر اور مقوی کلیہ، دافع صفراء، دافع حرارت، حابس، قابض اور ممسک ہے۔

فوائد : ضعف قلب اور عضلات کے لئے مفید ہے۔ دماغ اور اعصاب کی سوزش اور جلن کو دور کرتا ہے۔ جگر کی گرمی کو دور کر کے اس کو تسکین دیتا ہے، معدہ کو طاقت دے کر بھوک کو بڑھاتا ہے اور طاقت دیتا ہے۔ امعاء میں تقویت دے کر اسہال کو روکتا ہے۔ مثانہ کی سوزش کو دور کر کے منی کے اخراج کو روک کر امساک پیدا کرتا ہے۔ ذیابیطس میں مفید ہے۔ نزلہ و زکام اور کھانسی و دمہ بلغمی ہوں ان میں مفید ہے۔ سیلان خون جسم میں کسی جگہ سے ہو، روکتا ہے۔ سیلان رطوبات کو روکتا ہے۔ اندرونی و بیرونی زخموں کو بھرتا ہے۔ چونکہ دافع حرارت و حابس ہے۔ اس لئے ہر قسم کے بخاروں یہاں تک کہ سل و دق میں بھی مفید ہے۔ بلغمی سرسام میں مفید ہے۔ اس کے مسلسل استعمال سے جذام، آتشک اور برص میں فائدہ ہوتا ہے۔ مثانہ اور گردوں کو صاف کرتا ہے۔

استعمال : ابرک ہمیشہ کشتہ کی صورت میں استعمال ہوتا ہے۔ البتہ بیرونی طور پر اس کو بغیر کشتہ استعمال کر سکتے ہیں۔ چونکہ اس میں کیمیاوی طور پر سنکھیا اور پارہ دونوں کے اجزاء کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کو اکسیر میں شمار کیا جاتا ہے۔ بلغمی بخاروں میں تریاق تسلیم کیا گیا ہے۔ جریان اور سرعت انزال کے لئے انتہائی مفید مانا گیا ہے۔

کشتہ ابرک : ابرک کو کشتہ کرنے میں اس امر کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے کہ اس میں سے سنکھیا اور پارہ کے اجزاء ضائع نہ ہو جائیں۔ چونکہ

دونوں ارواح میں شامل ہیں اس لئے حرارت دینے پر ضائع ہو جاتے ہیں۔

اس کا بہترین کشتہ آب گھیکوار میں تیار ہوتا ہے۔ایک چھٹانک ابرک کو پانچ چھٹانک آب گھیکوار میں کھرل کر کے قرص بنالیں اور خشک کر کے گلی کوزہ میں بند کر کے آٹھ دس سیر لکڑیوں کی آگ دے دیں۔بہترین کشتہ تیار ہوتا ہے۔

مقدار خوراک : ایک رتی سے چار رتی تک تازہ یا نیم گرم پانی سے استعمال کرائیں۔غذا بھی اسی کے مطابق دیں۔

ابہل

تعارف : ابہل کو عربی میں حب العرعر، فارسی میں تخم ربل اور ہندی میں ہو بیر کہتے ہیں۔یہ سرد کوہی کی قسم کا ایک بڑا درخت ہوتا ہے، جو خاردار ہوتا ہے۔اس درخت کا پھل مثل فالسہ یا جنگلی بیر کے برابر ہوتا ہے۔اس کی دو اقسام ہیں۔ایک قسم مثل سرو بلند اور اس کے پتے بھی مثل سرو کے ہوتے ہیں۔دوسری قسم کا درخت قد میں چھوٹا ہوتا ہے اور اس کے پتے مثل جھاؤ کے ہوتے ہیں۔پھل کے اندر متعدد تخم پوشیدہ ہوتے ہیں۔دوا میں پھل استعمال ہوتا ہے۔

رنگ اور ذائقہ : اس کا رنگ ابتدا میں سرخی مائل سیاہ ہوتا ہے اور پختہ ہو جانے کے بعد اس کا رنگ بالکل سیاہ ہو جاتا ہے۔ذائقہ تلخ ہوتا ہے۔

مزاج : خشک گرم دوسرے درجہ میں کتب طبیہ میں گرم خشک لکھا ہے۔جس شے میں ریاحی اجزاء اور خشکی غالب ہو وہ خشک گرم ہوتی ہے۔

افعال و اثرات : عضلاتی غدی، یعنی محرک عضلات، محلل اعصاب اور مسکن غدد ہے۔کیمیاوی اثرات کی وجہ سے خون کے اندر خشکی کے ساتھ حرارت پیدا کرتا ہے۔

خواص : محرک قلب حار، دافع اورام دماغ و اعصاب، مقوی جگر و کلیہ اور معدہ و امعاء ہے۔قوی محلل، مجفف، جالی، مفتح، قابض، کاسر ریاح، کثرت بول، مدر حیض اور دافع بلغم ہے۔

فوائد : قلب کی برودت کو دور کرتا ہے۔اس کے فعل میں تیزی پیدا کرتا ہے۔محلل ہونے کی وجہ سے دماغ و اعصاب کے اورام کو دور کرتا ہے۔اس لئے فالج اور استرخائے عضلات میں مفید ہے۔تنگی نفس کو دور کرتا ہے۔مفتح ہونے کی وجہ سے دافع ریاح ہے۔ضعف معدہ و امعاء اور جگر و کلیہ میں مفید ہے۔

چونکہ یہ رحم کے عضلات میں تحریک پیدا کرتا ہے اس لئے مدر حیض ہے۔لیکن اس کے مسلسل استعمال سے حمل ضائع ہو جاتا ہے اور پیشاب میں خون آنے لگتا ہے۔

چونکہ اس کا استعمال بلغم اور جسم کی دوسری رطوبات کو روک دیتا ہے، اس لئے یہ جسم کے اندر تیزی پیدا کر کے کرم ہائے شکم کو مارتا ہے اور خارج کر دیتا ہے۔

اس کو بیرونی طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔اس کا ضماد یا اس کا روغن طلاء بھی اپنے اندر محلل اثرات رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ جالی ہونے کے باعث جلد کی سیاہی اور داغ دھبوں کو دور کر دیتا ہے۔اس کا روغن اپنے اثرات کے لحاظ سے بیس گنا طاقتور ہوتا ہے۔

سجی

تعارف: عربی زبان میں قلی، فارسی میں اشخار اور انگریزی میں برلا یا کروڈ کاربونیٹ آف پوٹاس کہتے ہیں۔ ایک تیز قسم کی کھار ہے جو بعض بوٹیوں کو جلا کر بنائی جاتی ہے۔ یہ دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) لوٹا سجی (۲) سجی کھار۔

عام طور پر اوّل قسم ادویہ میں اور دوسری قسم صنعت میں استعمال ہوتی ہے۔

رنگ و ذائقہ: اعصابی غدی شدید۔ یعنی اعصاب میں شدید تحریک، غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین۔ کیمیاوی طور پر خون میں شدید کھاری پن پیدا کر دیتا ہے، جس سے جسم میں رطوبات بڑھ جاتی ہیں۔

مزاج: اطباء نے اس کو چوتھے درجے میں گرم اور چوتھے درجے میں خشک لکھا ہے۔ حیرت کا مقام یہ ہے کہ یہ کھار شدید قسم کی اعصابی محرک ہے، جس سے جسم میں رطوبات اور بلغم کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ اور صفراء بننا بند ہو جاتا ہے۔ حرارت اور صفراء کے مسلسل اخراج سے موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ اگر اس کے جالی اور اکال ہونے کی وجہ سے اس کو گرم خشک کہا گیا ہے تو صحیح نہیں ہے۔ اکال اور جالی تو تیزاب بھی ہیں لیکن وہ سب گرم خشک نہیں ہیں۔ اس کے استعمال سے جگر اور غدد میں تحلیل کے ساتھ ضعف پیدا ہو جاتا ہے اور دل کے فعل میں سستی اور حجم میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

خواص: دماغ و اعصاب کے لئے محرک شدید، بلکہ شدید جالی اور اکال۔ مولد بلغم و رطوبات، دافع سوزش جگر اور غدد۔ قاطع اور مخرج صفراء، قلب اور عضلات میں سکون پیدا کر کے جسم میں ضعف پیدا کرتا ہے زیادہ مقدار میں جسم سن ہو جاتا ہے۔ شدید مدر بول، مولد لعاب دہن، دافع حرارت جسم دافع ورم جگر اور طحال اور تہیج بدن وغیرہ۔

فوائد: چونکہ اعصاب و دماغ کے لئے محرک ہے اس لئے جب ان میں سکون اور بلغم کا غلبہ ہو تو ان میں تیزی پیدا ہو کر بلغم اور رطوبات کا اخراج کرتی ہے۔ جگر و غدد میں تحلیل کرنے سے جگر و طحال اور گردوں و غدد کی سوزش اور اورام میں یقینی دوا ہے قلب و عضلات میں خشکی ہو۔ قلب سکڑ گیا ہو یا جسم دُبلا ہو گیا ہو تو یہ ایک کامیاب دوا ہے۔ جسم میں تیزابیت بڑھ گئی ہو یا خون میں دباؤ بڑھ گیا ہو یا جسم میں تناؤ پیدا ہو گیا ہو تو یہ دوا فوری طور پر اپنا اثر دکھاتی ہے، انہی اثرات کی وجہ سے سوزاک، بندش بول اور جگر و گردوں کی پتھری کے لئے بے حد مفید ہے۔ اسی حیثیت سے ہاضم اور مقوی معدہ ہے۔ بندش نزلہ و زکام، خشک کھانسی و دمہ اور ذات الجنب کے لئے مفید ہے۔ زیادہ مقدار میں مدر کے ساتھ مسہل بھی ہے اور نقرس کے لئے بے حد مفید ہے۔

کھار کو زیادہ مقدار میں کھانے سے منہ اور حلق میں جلن اور گرمی محسوس ہوتی ہے۔ حلق کی جھلی متورم ہو کر سرخ ہو جاتی ہے اس کے ساتھ ہی معدہ اور امعاء میں درد شروع ہو کر قے اور اسہال شروع ہو جاتے ہیں۔ بالکل ہیضہ والی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

بیرونی طور پر مسوں کو گرانے کے لئے طلاء کرتے ہیں برص و بہق اور خارش اور گنج پر لگاتے ہیں، بلکہ بعض گندے اور زہریلے زخموں پر لیپ کر کے ان کو سہلا دیتے ہیں۔ سرمہ میں ملا کر آنکھ کے اکثر سوزشی امراض کے لئے مفید ہے۔

جوکھار

تعارف: ہندی میں جوکھار بنگالی میں یوکھشار اور انگریزی میں کاربونیٹ آف پوٹاش (تجخیر مصفا) کہتے ہیں جو عام طور پر جو کے پودوں

کوجلا کران کی راکھ سے تیار کرتے ہیں۔اس کا طریق یہ ہے کہ جو کے سبز پودوں کو کاٹ کر سکھا لیتے ہیں۔پھر جلا کر راکھ کو کسی برتن میں ڈال کر پانی سے بھر کر اچھی طرح مل لیتے ہیں۔پھر دو دن تک رہنے دیتے ہیں پھر پانی کو نتھار کر لوہے کی کڑھائی میں ڈال کر خشک کر لیتے ہیں۔ بس یہی جوکھار ہے۔

مقدار خوراک: دورتی سے ایک ماشہ تک اس کے افعال و اثرات اور خواص بالکل وہی ہیں جو بجی کھار کے ہیں۔البتہ اس کے اندر تیزی کم ہوتی ہے۔

سہاگہ

تعارف : عربی میں زبدالبورق، فارسی میں تنکار، بنگالی میں سوہاگہ اور انگریزی میں بوریکس کہتے ہیں۔یہ بھی ایک شدید قسم کی کھار ہے۔ جس کا رنگ سفید ہوتا ہے۔اس کی ڈلیاں آسانی سے ٹوٹ جاتی ہیں۔یہ معدنی اور مصنوعی دو قسم کا ہوتا ہے۔معدنی سہاگہ تبت و نیپال سے آتا ہے اور مصنوعی نمک بجی اور بورہ ارمنی سے تیار کیا جاتا ہے۔معدنی سہاگہ جب تبت و نیپال سے آتا ہے تو چھوٹی چھوٹی چوکور قلموں کی صورت میں ہوتا ہے۔ جسے کچا سہاگہ کہتے ہیں۔جب یہ پک جاتا ہے تو بڑے بڑے ڈلے بن جاتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ تبت اور نیپال کی جھیلوں سے یہ حاصل کیا جاتا ہے یہ جھیلیں بہت بڑی بڑی ہیں۔ایسی ایک جھیل کا گھیر بیس (20) میل سے کم نہ ہوگا۔وہاں پر ایسی جھیلوں کا ایک سلسلہ موجود ہے،ان کی تہہ میں نمکین چشمے اُبلتے ہیں۔جن کے پانی میں نمک کے ساتھ سہاگہ بھی ملا ہوتا ہے جو جھیل کے کنارے جم جاتا ہے جہاں سے مقامی تاجر جمع کر کے خام حالت میں منڈیوں میں لاتے ہیں۔ جہاں اس کو صاف کیا جاتا ہے۔

رنگ و ذائقہ : سہاگہ کی شکل بظاہر سفید نمک یا سفید پھٹکڑی سے ملتی ہے اور ذائقہ پھیکا کھاری ہوتا ہے۔یہ آگ پر رکھنے سے پھٹکڑی کی طرح پھول کر کھیل ہو جاتا ہے اور کھلا رکھنے سے ہوا کے اثر سے گھل جاتا ہے۔معدنی سہاگہ کو آگ پر رکھیں تو اس میں سے پانی نہیں نکلتا۔مگر مصنوعی کو آگ پر رکھیں تو پانی بہتا ہے فرنگی طب میں جو ایسڈ بورک استعمال ہوتا ہے وہ سہاگہ ہی سے تیار ہوتا ہے۔آنکھ کی سوزش اور ورم کو دور کرنے کے لئے اس کی ٹکور کرتے ہیں اور اس کو بطور سرمہ بھی استعمال کرتے ہیں۔

مقدار خوراک: دورتی سے ایک ماشہ تک اس کے افعال و اثرات اور خواص و فوائد بھی بالکل دیگر کھاروں کی طرح ہیں البتہ اس میں بجی کھار سے زیادہ حرارت پائی جاتی ہے۔مگر تیزی میں اس سے بہت کم ہوتا ہے۔

کھار اور نمک میں فرق : ہر قسم کی کھار اعصابی غدی ہوتی ہے،مگر ہر قسم کا نمک اپنے افعال و اثرات میں غدی اعصابی ہوتا ہے۔ لیکن مختلف قسموں کی کھاروں اور نمکوں میں اپنے افعال و اثرات بوجہ ان کی کمی بیشی ہوتی ہے۔

ایک سوال کا جواب : تھوڑا عرصہ گزرا ایک نوجوان حکیم اندازاً پچیس تیس سال عمر ہوگی۔غالباً ضلع لائل پور (فیصل آباد) کا رہنے والا تھا۔ ملنے کے لئے آیا۔ان کے ساتھ ایک اور دوست بھی تھا۔انہوں نے مختلف سوالات کئے جن کے جوابات ان کو دے دیئے گئے۔ ان کے سوالات میں ایک سوال یہ تھا کہ نمک کیسے تیار کرتے ہیں۔میں نے اس کو معروف طریقہ بیان کر دیا،اس نے فوراً کہا یہ طریقہ تو کھار بنانے کا ہے، مجھے نمک بنانے کا طریقہ درکار ہے۔مجھے اس کے سوال پر کچھ حیرت ہوئی اور اس کی بات میں سمجھ نہیں سکا۔میں نے اس کو کہا کہ اس سوال کا جواب پھر کسی وقت لے لینا۔اس نوجوان سے پھر ملاقات نہیں ہوئی۔اس کا جواب درج ذیل ہے۔

کھار کا معروف طریقہ ہم نے اس کے بیان میں درج کر دیا ہے جب کسی شے کا نمک بنانا ہو تو پہلے اس کی کھار تیار کر لیں۔ پھر جس قسم کا نمک بنانا ہو اس قسم کے تیزاب یا ترشی میں اس کھار کو حل کر کے اس کو آگ پر خشک کر لیں۔ بس نمک تیار ہو جائے گا۔

یاد رکھیں کہ نمک کسی کھار اور ترشی کے مرکب سے تیار ہوتا ہے، مثلاً جب سوڈا کاسٹک کو ہائیڈروکلورک ایسڈ (ترشہ نمک) میں حل کرتے ہیں تو اس سے کھانے کا نمک بن جاتا ہے۔

افتیمون

تعارف : اکاس بیل اور امر بیل کہتے ہیں ایک طفیلی بوٹی ہے، جس کی نہ جڑ ہوتی ہے اور نہ پتے ہوتے ہیں اس کی شکل زرد رنگ کے دھاگوں کی سی ہوتی ہے۔ جس کی شاخیں بعض درختوں پر پھیلی ہوتی ہیں۔ اس کے بیجوں کو تخم کشوث کہتے ہیں۔ جس درخت پر ڈال دی جائے چند دنوں میں اس پر بے حد پھیل جاتی ہے۔ اور اس کو رفتہ رفتہ فنا کرنا شروع کر دیتی ہے۔ یہ دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک ہندی اور دوسری ولائتی کہلاتی ہے۔ افتیمون ولائتی اپنی شکل میں ہندی سے زیادہ باریک ہوتی ہے مگر اثر میں اس کی نسبت زیادہ قوی ہوتی ہے اس کے تخم بھی دوا کے طور پر مستعمل ہیں شکل و صورت میں تخم ترب کے مشابہ ہوتے ہیں۔

رنگت اور ذائقہ : رنگت زرد شوخ ذائقہ تلخ اس میں خاص قسم کی بو ہوتی ہے۔ تخم رنگت میں زرد سرخی مائل۔

افعال و اثرات : غدی اعصابی (مسہل) یعنی غدد میں تحریک، عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین۔ کیمیاوی طور پر خون میں صفرا کو بڑھا دیتی ہے اور اس کا اخراج بھی شروع کر دیتی ہے۔ جسم میں حرارت کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ مزاج گرم ترگرمی تین حصے اور تری ایک حصہ ہوتی ہے۔ کیمیاوی طور پر ایک شدید کھار ہے اس میں گندھک کے آثار پائے جاتے ہیں۔

خاص بات : افتیمون اور اس کے تخموں کو مسہل سودا کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یاد رکھیں سودا کے لئے وہی شے مفید ہو سکتی ہے جو جسم میں صفراء پیدا کرے۔ ہم اس حقیقت پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ سودا کا ارتقائی مقام صفرا ہے۔ سودا کا علاج صفرا پیدا کرنا ہے یعنی عضلاتی تحریک کا علاج غدی تحریک ہے۔

خواص : محرک جگر (غدد) اور غشائے مخاطی۔ مولد صفراء ملین و مسہل سودا۔ محلل و مخرج سودا جالی و قاتل کرم، مدر حیض و منقی رحم، ملطف اور کاسر ریاح، مسکن اعصاب ہے۔

فوائد : دماغی امراض اکثر سودا کے بگڑ جانے سے ہوتی ہیں۔ یعنی کبھی سودا میں زیادہ گاڑھا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ اور کبھی متعفن ہو کر جل جاتا ہے۔ اس لئے سودا کی اصلاح وہی دوا کر سکتی ہے، جو بالخاصہ صفراء کو پیدا کر کے اس کا اخراج بھی کرے۔ اس مقصد کے لئے جو ادویہ پائی جاتی ہیں ان میں افتیمون ایک خاص دوا تسلیم کی گئی ہے۔ یہ صفراء کی پیدائش کے ساتھ ساتھ مسہل بھی ہے۔ جسم میں صفراء اور حرارت کی پیدائش کو بڑھانے کے لئے جگر و غدد اور غشائے مخاطی کو محرک شدید کی ضرورت رہتی ہے۔ جو یہ دوا بہت خوبی سے انجام دیتی ہے۔ پھر ساتھ ساتھ، اعصاب اور دردوں میں تسکین دیتی ہے۔ عضلات کی تیزی کو فوراً ختم کر دیتی ہے۔ جس سے درد، دائمی نزلہ، درد گلو، درد دانت وغیرہ عضلاتی فالج ولقوہ اور تشنج ونقرس کے لئے بہت مفید ہے۔ عضلاتی دانے پھوڑے اور سوزش و اورام کے لئے ایک یقینی دوا دماغی خصوصاً سوداوی امراض کی ضروری دوا ہے۔ اسی وجہ سے معدہ و جگر اور طحال و یرقان کے لئے اچھی دوا ہے۔ اس کے علاوہ مرگی و مالی خولیا اور خون میں سیاہی پیدا ہو جائے تو یہ ایک مفید دوا ہے۔

بیرونی طور پر پھوڑے پھنسیوں اور دردوں پر باریک کر کے آگ پر پکا کر استعمال کرنا بے حد مفید ہے۔ اسی طرح اس کا بھپارہ بھی مفید ہے۔ تلوں کے تیل میں جلا کر لگانے سے بھی بہت اچھا اثر کرتی ہے۔

مقدار خوراک: 7 ماشہ سے 14 ماشہ تک۔

افسنطین۔

تعارف: فارسی میں شیہ اور انگریزی میں ''آرٹی میسیا میری ٹیما'' کہتے ہیں۔ اس کے اندر ایک خاص جوہر ہوتا ہے جس کو 'سنٹونین' کہتے ہیں۔ اطباء اس کا عصارہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہ ایک بوٹی ہے جس کے تنا سے بہت سی شاخیں نکل کر پھیل جاتی ہیں۔ ان میں شاخوں کی کثرت پتوں سے پر ہوتی ہیں اس کا پھول بتھوے کے پھول کی مانند ہوتا ہے۔ اس کے عین درمیان میں ایک قسم کی زردی ہوتی ہے۔ بالآخر چھوٹے چھوٹے گول دانے ہو جاتے ہیں جن میں باریک بیج بھرے ہوتے ہیں۔

مقام پیدائش: کوہ ہمالیہ پر چار ہزار فٹ کی بلندی سے بارہ ہزار فٹ کی بلندی تک پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کشمیر، شمالی علاقہ جات بلوچستان، چترال اور افغانستان میں یہ پودا کوہ ہمالیہ پر زیادہ کثرت سے پیدا ہوتا ہے، پتوں اور شاخوں پر ملائم سفید رواں ہوتا ہے۔

افعال و اثرات: عضلاتی غدی یعنی عضلات میں تحریک حار غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل، کیمیاوی طور پر خون میں ترشی حار پیدا ہوتی ہے۔ جس سے صفراء کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے۔ اور اس میں تیزی ہو جاتی ہے۔

خواص: مقوی معدہ و امعاء اور قلب و عضلات مولد حرارت و خون محلل اعصاب و دماغ کثرت بول اور مدر حیض دافع بخار۔ خصوصاً عفونتی بخار، قاتل کرم وغیرہ۔

افسنطین اپنے مزاج کے لحاظ سے ایک خاص قسم کی مقوی دوا ہے۔ اس کے اثرات و افعال بہت حد تک کچلہ سے ملتے جلتے ہیں۔ تقویت معدہ و امعاء اور قلت عضلات کے لئے ایک دوا خصوصاً مزمن امراض میں دعوے کی دوا ہے۔ اس کے استعمال سے رفتہ رفتہ تقویت اور حرارت جسم میں بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔ بلغم خشک ہونا شروع ہو جاتی ہے، اور ریاح کا اخراج ہونے لگتا ہے ساتھ ساتھ جگر و طحال اور گردوں و غدد میں تقویت و حرارت بڑھنے لگتی ہے دماغ اور اعصاب سے سوزش اور جلن دور ہو جاتی ہے۔ اس دوا میں یہ خوبیاں شاید اس لئے ہیں کہ اس میں شدید قسم کی تلخی کی کے ساتھ انتہائی قبض پائی جاتی ہے۔ یہی دونوں خوبیاں کچلہ میں پائی جاتی ہیں۔ انہی افعال و اثرات کے تحت دائمی دردِ سر، دل کے دردوں، رعشہ، فالج، لقوہ اور استرخا کے لئے بے حد مفید ہے اس کے مسلسل استعمال سے جب تقویت عضلات پیدا ہو جاتی ہے تو بواسیر کے لئے بھی مفید ثابت ہوتی ہے۔ اس کا بھپارہ عصبی دردوں کے لئے مفید ہے۔

فرنگی طب میں افسنطین کے ٹنکچر ڈائی اوکسائیڈ کیم اور سپرٹ کی شکل میں استعمال ہوتے ہیں۔ تجزیہ کے مطابق اس میں جوہری کافور اور رال کے خاص اجزاء پائے جاتے ہیں۔ افسنطین کے یہ مرکبات مقوی معدہ و مدر حیض اور پرانے بخاروں کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ فرنگی طب میں اس کا ایک جوہر (الکائیڈ) تیار کیا گیا ہے جس کو سنٹونین (SANTONINE) کہتے ہیں۔ اس دوا کو فرنگی ڈاکٹر رات کو کھلا کر صبح کو کسٹر آئل کا جلاب دیتے ہیں۔ جس سے پیٹ کے کیڑے مر جاتے ہیں۔ لیکن یہ اثر وقتی ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد پھر کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور چونکہ سنٹونین میں زہریلے اثرات ہوتے ہیں اس لئے اس سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔ اس کی جگہ افسنتین کے مسلسل استعمال سے کرم شکم نہ صرف مر جاتے ہیں بلکہ ان کی پیدائش ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتی ہے اور ساتھ ساتھ جسم میں طاقت اور خون

پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تقویت جسم اور مولد حرارت و خون کے لئے افسنطین ایک خاص دوا ہے۔ اس کے مرکبات شربت و عرق اور سفوف و حبوب کی شکل میں استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

مقدار خوراک : 2 ماشہ سے پانچ ماشہ تک۔

افیون

تعارف : عربی میں لبن الخشخاش، فارسی میں شیر کوکنار، انگریزی میں اوپیم (OPIUM) کہتے ہیں۔ عام طور پر پوست کے نام سے مشہور بوٹی کا رس ہے۔

پوست (کوکنار) کا پودا پانچ فٹ تک اونچا ہوتا ہے۔ ایک مشہور اور معروف پودا ہے۔ یہ پودا پاکستان کے تقریباً ہر حصے میں پایا جاتا ہے یہ خودرو نہیں بلکہ کاشت کیا جاتا ہے۔ اس پودے کو انگریزی میں وائٹ پپی کہتے ہیں۔ یہ پودا پہلے پہل ایشیائے کوچک میں پیدا ہوتا تھا۔ مگر اب دُنیا کے اکثر حصوں میں ملتا ہے۔ خاص طور پر ہندوستان، ایران، یونان، چین اور مصر و یورپ میں بکثرت ہوتا ہے۔

اس کے ثمر کو کوکنار، پوست اور ڈوڈا کہتے ہیں۔ جو شکل میں بیضوی دو تین انچ قطر میں ہوتا ہے۔ اوپر کنگر دار ٹوپی نیچے گردن ہوتی ہے کوکنار کے اندر نازک و باریک دیواریں ہوتی ہیں۔ ان خانوں میں باریک اور سفید بیج ہوتے ہیں جن کو خشخاش کہتے ہیں۔ کوکنار میں تو شدید نشہ ہوتا ہے مگر دانوں میں برائے نام نشہ ہوتا ہے۔

اس پھل (کوکنار) کو جب وہ خام حالت میں ہوتا ہے، تو اس میں شام کے وقت شگاف لگا دیتے ہیں۔ جن سے دودھ کے رنگ کا رس نکلتا ہے جو دوسری صبح تک جم جاتا ہے۔ اس کو کھرچ کر اکٹھا کر لیتے ہیں پھر اس کو خشک کر لیتے ہیں یہی خام افیون ہے اور قابل استعمال ہے۔

رنگت و ذائقہ : افیون ہلکی سرخی مائل سیاہ ڈوڈا سفید خاکستری مائل۔ پھول لال اور سفید رنگ خوش نما ہوتے ہیں خشخاش کا رنگ سفید بھورا اور سیاہ ہوتا ہے۔ افیون کا ذائقہ تلخ کوکنار کا ذائقہ کسیلا اور خشخاش کا مزہ قدرے شیریں ہوتا ہے۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی شدید زہر یعنی عضلات میں شدید تحریک، غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل، کیمیاوی طور پر خون میں کھاری پن بڑھ جاتا ہے۔ اور جسم میں رطوبات اور بلغم میں زیادتی ہو جاتی ہے۔ بلغم غلیظ ہو جاتی ہے۔

مزاج : چوتھے درجے میں سرد اور چوتھے درجے میں خشک۔

خاص افعال و اثرات : ایک ہی قسم کے افعال و اثرات اور مزاج کی بہت سی ادویہ و اغذیہ اور اشیاء ہوتی ہیں مگر ہر ایک میں اپنی مخصوص شکل و رنگت اور بو و ذائقہ و اغذیہ اور اشیاء ہوتی ہیں مگر ہر ایک میں اپنی مخصوص شکل و رنگت اور بو و ذائقہ کی وجہ سے انہیں افعال و اثرات اور مزاج میں بہت نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ یہ فرق افعال و اثرات اور مزاج میں تو نہیں ہوتا۔ البتہ ان میں کمی بیشی اور تقویت میں پایا جاتا ہے، بعض ادویہ اپنے افعال و اثرات میں اس قدر تیز اور شدید ہوتی ہیں کہ وہ فوراً تمام جسم میں سرایت کر کے خون میں پہنچ جاتی ہیں اور ان کے افعال و اثرات اس قدر جلد متاثر کرتے ہیں کہ انسان پر غیر معمولی تاثر ہوتا ہے اور اکثر نتیجہ موت ہوتا ہے۔ ایسی ادویہ کو زہر کہتے ہیں۔ ایسی زہریلی ادویہ جماداتی و نباتاتی اور حیوانی وغیرہ ہر قسم کی ہو سکتی ہیں۔ اور جو دوا اتنی ہی تیزی اور شدت سے زہر کے افعال و اثرات کو باطل اور رفع کر دے

اس دوا کو تریاق کہتے ہیں۔

یہ حقیقت ذہن نشین کرلیں کہ جو مرکبات زہروں سے تیار کئے جاتے ہیں۔ ان کو اکسیر کہتے ہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ اگر اکسیر ادویات کو بے پروائی سے استعمال کیا جائے، تو پھر اس کے زہریلے اثرات نقصان پیدا کر دیتے ہیں۔ جیسے روزانہ زندگی میں فرنگی زہریلی ادویات نقصان دہ ثابت ہو رہی ہیں۔

خواص : مسکن ومخدر اور شدید منوم، مغلظ رطوبات، قابض، حابس الدم، دافع اسقاط حمل، دافع سوزش، قاطع صفراء، دافع خشونت و مسمن بدن، سوزش جگر و گردہ اور مثانہ مسکن اوجاع اور سوزش امعاء دافع حمیات مزمن۔

افیون ایک عموی مسکن و مخدر اور شدید منوم ہے۔ ہر قسم کے دردوں اور سوزش اورام کی تکلیف میں استعمال کی جاتی ہے بلکہ شدید حالت میں یہاں تک کوشش کی جاتی ہے کہ مریض کو نیند آ جائے۔ اور جب بھی تکلیف کے ساتھ بیدار ہو تو اس کو افیون کھلا کر پھر سلا دیا جاتا ہے۔ یہ گناہ صرف عوام ہی نہیں کرتے بلکہ فرنگی ڈاکٹروں میں مارفیا کا بھی استعمال ہے۔

یاد رکھیں کہ یہ طریقہ علاج نہ صرف غلط ہے بلکہ عطایانہ ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے بلکہ علامات اور تحریک کے مطابق علاج کرنا چاہئے۔ نہیں تو مریض ضائع ہو جائے گا یا خراب ہو کر قابو سے باہر ہو جائے گا۔ جو معالج کے لئے باعث بدنامی ہے۔

یاد رکھیں کہ درد اور سوزش کا علاج تسکین و تخدیر (شدید تسکین) ہوتا ہے یا تحلیل سے ہو سکتا ہے اور یہ بھی ذہن نشین کرلیں کہ تسکین وتخدیر میں جسم خصوصاً مقام تکلیف میں رطوبات کا اضافہ ہو کر وہاں تسکین و تخدیر کی صورت پیدا ہوتی ہے، لیکن تحلیل کی صورت میں وہاں پر بذاتِ خود دورانِ خون تیز ہو جاتا ہے۔ جس سے وہاں پر تحلیل ہوتی ہے۔ نتیجہ تسکین و تخدیر اور نوم رطوبات وبلغم اور سردی و تفریط قلب سے پیدا ہوتے ہیں اور تحلیل و بیداری خشکی و گرمی اور صفراء افراط قلب سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس قانون کے تحت ہی افیون تسکین وتخدیر اور تنویم پیدا کر کے درد و سوزش دور کرتی ہے۔

افیون اور اس کے اجزاء اور مرکبات سے جسم میں رطوبات و بلغم کی پیدائش نہ صرف شدت سے بڑھ جاتی ہے۔ بلکہ فوراً گاڑھی ہو کر جم جاتی ہے۔ اس کے عمل سے اس قدر تبرید پیدا ہو جاتی ہے کہ عضلات، اعصاب کے افعال میں تسکین و تخدیر اور تنویم و قبض شدید کا غلبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

افیون شدید قسم کی حبس الدم اور قاطع صفرا ہے۔ ہم کئی بار اپنی کتب و رسائل میں لکھ چکے ہیں کہ جب جسم میں رطوبات و بلغم کی زیادتی ہوتی ہے۔ تو خون کا اخراج جسم سے بند ہو گا۔ اور جب کسی حصہ جسم یا مخرج سے رطوبات کا اخراج ہو گا تو یقیناً وہاں سے خون کا اخراج ہو گا۔ اخراج اور بندش خون کا یہ قانون یاد رکھ لیں۔ افیون بندش خون کے لئے اکسیر ہے یہ حقیقی طور پر قابض اور حابس نہیں ہے۔ لیکن اس کا یہ عمل کثرت برودت اور یبوست سے ہوتا ہے۔

چونکہ افیون کے اثرات سے رطوبات کی زیادتی و خون کی بندش اور درد و سوزش میں تسکین پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اسقاط حمل میں نہایت مفید ہے۔ اسی طرح خونی پیچش میں بھی تریاق کا حکم رکھتی ہے اسی اصول کے تحت بول الدم اور نکسیر میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے اور اسی طرح ناک و منہ اور پھیپھڑوں میں کسی جگہ سے خون آتا ہو تو فوری طور پر رُک جاتا ہے چونکہ مسکن گردہ جگر اور مثانہ ہے اس لئے ان کے درد و سوزش اور اورام میں یقینی دوا ہے۔

حمیات مزمن (پرانے بخار) جو مزمن سوزش سے پیدا ہوتے ہیں، جس سے جسم میں ہلکا ہلکا بخار یا حرارت رہتی ہے۔ اس مقصد

کے لئے افیون ایک تسلی بخش دوا ہے، لیکن یادرکھیں کہ اس کے استعمال میں احتیاط ضروری ہے۔

کوکنار

تعارف : کوکنار ڈوڈہ میں افعال واثرات افیون کے بالکل مطابق ہیں۔ لیکن اس سے بہت کم ہیں۔ البتہ اگر کوکنار کا ست تیار کرلیا جائے تو وہ بہت حدتک افیون کے قائم مقام بن جاتا ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ حسب ضرورت کوکنار کو چار گنا پانی میں بھگورکھیں صبح آگ پر جوش دیں۔ جب پانی نصف رہ جائے تو اس کو محفوظ کرکے رکھ لیں پھر انہی کوکنار کو چار گنا پانی میں بھگورکھیں اور صبح حسب دستور نصف پانی خشک کرلیں اس طرح تین بار کریں۔ تینوں پانی اکٹھے کرکے آگ پر خشک کرلیں بس یہی ست کوکنار ہے۔

مقدار خوراک : ایک چاول سے چار چاول تک مناسب بدرقہ کے ساتھ استعمال کرسکتے ہیں۔

خشخاش

خشخاش کے اندر بھی افیون کے افعال واثرات پائے جاتے ہیں۔ لیکن بے حد کم ہیں۔ اس کی زیادہ مقدار سے وہی اثرات و افعال رونما ہوجاتے ہیں۔ بہرحال محفوظ اثرات ہیں اس میں شدت پیدا کرنے کے لئے اس کا خمیرہ بنالیتے ہیں۔ جو معروف ہے۔

مقدار خوراک : ایک ماشہ سے چھ ماشہ تک دے سکتے ہیں۔

استعمال : طب میں افیون، کوکنار اور خشخاش کے جس قدر مرکبات ہیں ان کے نقصان کو روکنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو بہت حدتک کامیاب ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کی تحریک کے مطابق ادویہ اور اغذیہ ہونی چاہئیں اور مقدار خوراک کم سے کم ہونی چاہئے۔ بے شک فائدہ کم ہو یا دیر میں ہو، مگر نقصان کسی صورت نہ ہونا چاہئے اور اس کا استعمال مسلسل بھی نہیں ہونا چاہئے تاکہ مریض عادی نہ ہوجائے۔ دو چار دن کے بعد روک دینا ضروری ہے۔

اقاقیا

تعارف : عربی میں اقاقیا، فارسی میں عصارہ ببول انگریزی میں ایکسٹرکٹ آف اکیشیا کہتے ہیں۔ ایک قسم کا عصارہ ہے جو درخت کیکر یا کیکر کی قسم کے درخت کی پھلیوں، پھولوں اور پتوں سے تیار کیا جاتا ہے۔ اور پھر اس کو خشک کرلیا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ مصر میں ایک خاردار درخت ہے جس کا نام شبط یا سبط مشہور ہے جس کے پھل کو قرظ کہتے ہیں۔ اس کا یا اس کے پتوں کا رب تیار کرلیتے ہیں۔ اس کو اقاقیا کہتے ہیں۔ یہ درخت کیکر کی قسم کا ہوتا ہے۔ دونوں کے اثرات تقریباً ایک ہی جیسے ہوتے ہیں، جو خشک شکل میں بازار میں فروخت ہوتا ہے۔

اقاقیا بنانے کا طریقہ : پوست کیکر تازہ پانچ دس سیر لے کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بنالیں یا باریک کونپلیں یا پھول یا پھلیاں لے لیں۔ کوٹ کر پانی میں بھگودیں۔ ایک شب روز کے بعد آگ پر اس قدر پکائیں کہ پانی نصف رہ جائے۔ پھر چھان کر پانی خشک کرلیں۔ جب قوام شہد کی طرح غلیظ ہوجائے تو سانچوں میں بھرلیں، بس تیار ہے۔ لیکن یادرکھیں کہ اقاقیا کو آہنی برتنوں میں تیار نہیں کرنا چاہئے بلکہ مٹی کے برتنوں میں تیار کرنا چاہئے۔ سائنسی تحقیقات میں کیکر کی چھال میں ایسا جوہر ثابت کیا گیا ہے جو مازو کی طرح سخت قابض اور حابس

ہوتا ہے۔اس کو اقاقیا کا بدل مانا جاتا ہے۔

رنگت و ذائقہ : اقاقیا سیاہ و سرخی مائل، پھلیاں زرد و سفیدی مائل، پھول تیز زرد، ذائقہ بدمزہ تلخی مائل، گوند پھیکا سفید سرخی مائل درخت کیکر سیاہ سرخی مائل، ذائقہ پھیکا ہوتا ہے مقام پیدائش مصر و عرب اور برصغیر پاک و ہند۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی یعنی عضلاتی محرک، غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل، کیمیاوی طور پر خون میں کھاری پن کے ساتھ گاڑھا پن اور سوداویت کی پیدائش بڑھ جاتی ہے جاذب اور حابس رطوبات ہے۔

مزاج : سرد خشک دوسرے درجہ میں۔

مقدار خوراک : ایک ماشہ سے ڈیڑھ ماشہ تک۔

خواص : جاذب رطوبات و حابس خون، مجفف، رادع، قابض، دافع سوزش و اورام، قاطع حرارت اور صفرا ہے۔

فوائد : رادع ادویات کے متعلق ہم لکھ چکے ہیں کہ ان میں سردی اور شدید کھار کی وجہ سے رطوبت کا اخراج جاری رہتا ہے اور خشکی کی وجہ سے رطوبات جذب بھی ہوتی رہتی ہیں۔ یہ بھی انہی ادویہ میں سے ایک رادع دوا ہے۔اس کے استعمال سے منہ کے دانے و زخم، آنکھوں کی سوزش سوزشی اور خونی اسہال بلکہ جسم کے ہر عضو کے خون کو اندرونی اور بیرونی طور پر روکتا ہے اور رطوبات کو جذب کرتا ہے۔اسی طرح سوزش مثانہ اور سیلان میں بھی مفید ہے۔آنتوں کی رطوبات کو جذب کر کے خروج مقعد کے لئے بے حد مفید ہے۔اسی اصول پر عضو سوختہ کے لئے تسکین کا باعث ہے۔اس میں جو سیاہی پائی جاتی ہے وہ بالوں کو سیاہ کرنے کے لئے بھی استعمال کی جاتی ہے۔ایسی دواؤں کے اثرات میں یہ خوبی ہے کہ ان سے رفتہ رفتہ پرانی اور نئی سوزش اور اورام ختم ہو جاتے ہیں۔انگلیوں کے سروں پر جو ورم اور سوجن ہو جاتی ہے جس میں شدت سے درد ہوتا ہے، ان پر اس کا لیپ کو مضبوط کرتا ہے۔یاد رکھیں کہ پرانے اسہال کے لئے ایک یقینی دوا ہے۔بے خطا قابض اور حابس ہے اور اس لئے پرانے زخموں کے لئے بے حد مفید ہے۔

اگر

تعارف : عربی میں عود غرقی، فارسی میں عود ہندی، سندھی میں اگر کاٹھی، سنسکرت میں اگرد اور انگریزی میں اکھولیریا گالوچا اور ایگل ڈو بھی کہتے ہیں۔

شناخت : ایک لمبا چوڑا درخت ہوتا ہے جس کی شاخیں لمبی اور پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔اس کی چھوٹی شاخیں بہت ملائم ہوتی ہیں جیسے ریشم اس کی چھال پتلی، مضبوط اور ہموار ہوتی ہے۔ اندر کی چھال جب صاف کی جاتی ہے، تو سفید چمڑہ کی طرح مضبوط ہوتی ہے اسی وجہ سے آسام کے قدیم فرماں روا اس پر کتابیں اور دستاویزات لکھا کرتے تھے۔اس درخت کے پتے ساڑھے تین انچ تک لمبے اور چمکدار ہوتے ہیں اس کے پھل امرود جیسے نرم ہوتے ہیں جو دو انچ تک لمبے اور چمکدار ہوتے ہیں جو باہر کی طرف سے مخملی اور اندر کی طرف سے گھنے بالوں والے ہوتے ہیں یہ ایک پھولدار سدا بہار درخت ہے یہ لمبائی میں ساٹھ سے سو فٹ تک اونچا ہوتا ہے اس درخت کی لکڑی سفید نرم اور ہموار ہوتی ہے جب تازہ کاٹی جاتی ہے تو اس میں سے خوشبو آتی ہے پرانے درختوں کی اندرونی ساخت میں ایک سیاہ رنگ کی بے ڈھنگی سی لکڑی ہوتی ہے جس میں سے بہتر وہ ہے جس میں کئی گڑھے ہوں اور پانی میں ڈوب جائے اس کو عود غرقی کہتے ہیں۔

مقام پیدائش : عود کا درخت ہمالیہ کے مشرقی علاقوں میں خاص طور پر بھوٹان و آسام اور سلہٹ کی پہاڑیوں میں پایا جاتا ہے۔

سلہٹ کا عود بہترین خیال کیا جاتا ہے جو سیاہ رنگ کا ہوتا ہے اور ہلکے رنگ والی لکڑی سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ یہ سخت وزنی اور چکنا ہوتا ہے۔ آگ پر دیر تک قائم رہتا ہے۔ یہ نیلگوں اور سفیدی سے پاک ہوتا ہے۔

رنگت اور ذائقہ : درخت کی لکڑی سیاہ اور بھوری پھل سیاہ اور پھول سفید درخت کے ہر جز میں خوشبو، ذائقہ تلخ تیز۔

افعال و اثرات : غدی اعصابی مقوی، غدی تحریک عضلاتی تحلیل اور اعصاب میں تسکین کیمیاوی طور پر خون میں حرارت اور طبعی صفراء پیدا ہوتا ہے۔ جو ترشی اور تیزابیت کا تریاق ہے۔

مزاج : دوسرے درجے میں گرم اور دوسرے درجہ میں خشک۔

خواص : مقوی غدد جگر، مولد حرارت وصفراء قابض، ملطف، مفتح اور مطیب دہن۔

فوائد : چونکہ محرک غدد جگر اور مولد حرارت اور صفراء ہے اس لئے اعضائے رئیسہ کے لئے مقوی ہے۔ اوّل یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ جب غدد جگر میں اعتدال کے ساتھ تحریک ہوتی ہے تو اعتدال کے ساتھ حرارت پیدا ہوتی ہے۔ جو باعث تقویت ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ جب کسی ایک مفرد عضو میں تقویت پیدا ہوتی ہے۔ تو اسی نسبت سے دیگر مفرد اعضاء میں بھی رفتہ رفتہ تقویت ہی پیدا ہوتی ہے اور خاص طور پر غدی تقویت میں جو حرارت پیدا ہوتی ہے، وہ دیگر مفرد اعضاء کی نسبت نہ صرف زیادہ تقویت کا باعث ہوتی ہے، بلکہ دافع زہر، مقوی خون اور معاون جوانی ہوتی ہے۔ بلکہ اعادہ شباب کا باعث ہے۔

اگر میں چونکہ لطیف اور مطیب اثر ہے اس لئے لطیف ہونے سے جسم میں بہت جلد سرایت کر جاتا ہے۔ اور حرارت و لطافت اور مطیب ہونے کی وجہ سے بے حد مقوی اعضائے رئیسہ ثابت ہوتا ہے۔ تمام مفرد اعضاء میں تقویت کی وجہ سے معدہ و امعاء اور شش و مثانہ کو قوت دیتا ہے۔ اور انہی اثرات کی وجہ سے مفتح ہے اور مجرا کے سدے کھولتا ہے اور جسم کی اندرونی اور بیرونی عفونت کو رفع کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا چبانا منہ کی بو کو دور کر کے خوشبو پیدا کر دیتا ہے۔ اس کو منجن میں بھی شامل کر لیا جاتا ہے جس سے دانتوں اور مسوڑھوں کو تقویت پہنچتی ہے۔ ماخورہ میں بھی مفید ہے۔ اپنی حرارت و تقویت اور لطافت کی وجہ سے پرانے نقرس، عرق النساء اور فالج میں ایک یقینی دوا ہے۔ چونکہ ہر مقوی شے کا رجوع انقباض کی طرف ہوتا ہے اس لئے مزمن ضعف معدہ اور امعاء اور اعصاب میں تقویت دیتا ہے۔

اگر کی لکڑی سے ایک قسم کا روغن بھی نکلتا ہے۔ اس کا استعمال بھی دوا کے طور پر کیا جاتا ہے۔ اس کی لکڑی کی بو سے مکھی مچھر وغیرہ دور بھاگتے ہیں۔ لکڑی کا سفوف بدن پر ملنے سے جوئیں مرجاتی ہیں۔ کمروں میں چھڑکنے سے جوئیں کھٹمل اور پسو وغیرہ دور جاتے ہیں اس درخت میں سے گوند بھی نکلتی ہے جو خوشبودار ہوتی ہے۔ اس کے اندر بھی اسی قسم کے اثرات پائے جاتے ہیں، البتہ اس میں تقویت اور تفریح کی قوت زیادہ ہے۔ اس کو عام طور پر مفرح حارہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

سوزش عضلات اور ترشی کے امراض و علامات وغیرہ اس لئے سوزش معدہ و امعاء اور شش و مثانہ میں بے خطا علاج ہے۔ شدید پیاس، جی متلانا، پیچش، کھانسی اور احتلام میں اعتماد کی دوا ہے۔ انہی اثرات کے تحت رعشہ اور اعصابی بارد امراض میں مفید ہے۔ ان امراض میں اس کا مشہور و معروف مرکب جوارش عود استعمال کیا جاتا ہے جوارش کا تعلق جگر (غدد) کے ساتھ ہوتا ہے۔

ریاح کا اخراج اور روح میں لطافت ہمیشہ صالح صفراء اور حرارت سے پیدا ہوتی ہے۔ جس سے قلب میں فرحت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ایسی ہی ادویات میں سے ایک دوا ہے۔

عورت کے پیٹ میں بچے کی نشوونما اور تربیت کے لئے حرارت کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس لئے عورت کا تعلق زیادہ تر غدی تحریک سے ہوتا ہے جو ادویہ رحم میں تقویت کا باعث ہوتی ہیں ان میں اگر کو خاص مقام حاصل ہے، اس لئے یہ محافظ حمل اور حاملہ کے لئے مفید ترین دوا ہے۔ ایسی چند ادویہ کا ذہن میں رکھنا اچھے معالج کے لئے ضروری ہے۔

الا ئچی

تعارف : عربی میں قاقلہ، فارسی میں ہیل بوا، بنگالی میں ایلاچ اور انگریزی میں کارڈے مم کہتے ہیں۔ ایک درخت کے پھل ہیں۔ تقریباً ہر علاقہ میں مشہور دوا ہے جو دوا کے علاوہ اکثریت سے غذا اور پان میں استعمال کی جاتی ہے۔ بلکہ گرم مصالحہ کا ایک جزو قرار دے دیا گیا ہے۔

اقسام : الا ئچی دو اقسام کی ہوتی ہے۔ ایک قسم چھوٹی الا ئچی کہلاتی ہے جس کے اوپر کا پوست سفیدی مائل اور اس کے اندر سیاہی مائل چھوٹے چھوٹے تخم بھرے ہوتے ہیں۔ جن کا مزہ کسی قدر تلخ نہ تیز اور خوشبو مرغوب قسم کی ہوتی ہے۔

دوسری قسم بڑی الا ئچی کہلاتی ہے اس کا بیرونی پوست سرخ سیاہی مائل ہوتا ہے۔ اس کے اندر کے تخم بھی سیاہی مائل ہوتے ہیں۔ ان کا مزہ بھی کسی قدر تلخ و تیز اور خوشبو مرغوب ہوتی ہے۔

مقام پیدائش : مالابار امدورا، میسور، گورگ، ٹراونکور (جنوبی ہند) اور لنکا، دارجلنگ اور جنوبی نیپال کے علاقے الا ئچی کی پیدائش کے لئے خاص طور پر مشہور ہیں۔

رنگت اور ذائقہ : چھوٹی الا ئچی کے چھلکے کا رنگ سفید سبزی مائل اور تخم قدرے سیاہی مائل ہوتا ہے۔ ذائقہ تلخ و تیز اور ٹھنڈا خوشبودار ہوتا ہے۔ بڑی الا ئچی کے چھلکے کا رنگ سرخ سیاہی مائل ہوتا ہے، ذائقہ تلخ و تیز اور کم خوشبو رکھتی ہے۔

افعال و اثرات : چھوٹی الا ئچی اعصابی غدی یعنی اعصابی محرک غدی۔ محلل اور عضلاتی مسکن ہے۔ خون میں کیمیاوی طور پر کھاری پن کے ساتھ اس میں رقت اور لطافت پیدا کرتی ہے۔ بڑی الا ئچی اعصابی عضلاتی یعنی اعصابی محرک غدی محلل اور عضلاتی مسکن ہے۔ خون میں شدید رقت اور لطافت پیدا کر دیتی ہے۔

مزاج : چھوٹی الا ئچی تر تیسرے درجے میں، اور گرم پہلے درجے میں پائی جاتی ہے۔ یونانی کتب میں چھوٹی الا ئچی کو گرم دوسرے درجے میں اور خشک بھی دوسرے درجے میں لکھا ہے اور بڑی الا ئچی کو گرم پہلے درجے میں اور خشک تیسرے درجے میں لکھا ہے۔ لیکن دونوں مزاج غلط ہیں کیونکہ ان کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب دوا میں کھاری پن زیادہ ہو اور ترشی بالکل نہ ہو تو وہ ہمیشہ تر ہوتی ہے۔ جب تری زیادہ ہو تو گرمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جس دوا کے کھانے سے جسم میں صفرا پیدا نہ ہو اور سودا میں کمی یا خشکی پیدا نہ ہو تو وہ کبھی بھی گرم و خشک نہیں ہو سکتی۔ چھوٹی بڑی الا ئچی کو جس قدر دل چاہے کھالیں مگر ان سے نہ صفرا پیدا ہو گا اور نہ ہی جسم گرم ہو گا بلکہ جسم ٹھنڈا اور پانی پانی ہو جائے گا بلکہ کافور کے افعال و اثرات ظاہر ہوتے جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر یونانی کتب میں کافور کو گرم اور بعض میں معتدل لکھا ہے اور بہت کم میں سرد لکھا گیا ہے۔ مزاج میں گرمی و سردی اور تری و خشکی کے ساتھ کھار و ترشی اور نمکین ذائقوں کو بھی ضرور مد نظر رکھنا چاہئے۔ اس سے مزاج کے تعین میں یقینی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

مقدار خوراک: چھوٹی الا ئچی نصف ماشہ سے ایک ماشہ تک اور بڑی الا ئچی ایک ماشہ سے تین ماشے تک۔

خواص: مدر رطوبات، مطیب، ملطف، دافع ریاح، ہاضم، مفرح، دافع حرارت و بخار اور مقوی۔

غلط فہمی: طب میں اکثر ادویہ کے خواص سمجھنے میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ طب کی اصطلاحات کو صحیح طور پر ذہن نشین نہیں کرایا گیا۔ یہی غلط فہمی الا ئچی کے متعلق بھی ہے۔اس کو ہاضم و مفرح اور مقوی لکھا گیا ہے۔مگر اس کے استعمال میں اکثر غلطیاں کی جاتی ہیں۔اس لئے ہم نے اپنی اکثر کتب میں ان طبی اصطلاحات کی تشریح لکھی ہے۔

ہاضم: عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ کتب علم الادویہ میں جن ادویہ کو ہاضم لکھا گیا ہے وہ ہر حیثیت سے بالخاصہ ہاضم ہیں۔ایسا ہرگز نہیں ہے۔کیونکہ ہر دوا کا اپنا ایک مزاج ہے اور اس کے مخصوص افعال ہیں۔وہ اپنے افعال و مزاج کے مطابق اعضاء اور خون پر اثر انداز ہوتے ہیں مثلاً گرم امراض کے لئے سرد ادویہ اور تر کے لئے خشک ادویات ہی مفید ہوسکتی ہیں۔اسی طرح ہاضمے کی خرابی کا تعلق جن اعضاء سے ہے ان کا درست کرنا صحیح علاج ہے۔یہ نہیں ہے کہ کوئی ہاضم چورن جس میں بہتر ادویہ کو نمک سے لے کر ترشی اور کھار تک جمع کر لیا گیا ہو استعمال کر لینے سے ہاضمہ درست ہو، ہاضمہ کا تعلق منہ سے مقعد کی نالی تک ہے۔اس میں معدہ و امعاء جگر و طحال اور لبلبہ وغیرہ شریک ہیں۔ ہاضمہ کی ادویات تجویز کرنے میں مزاج کے ساتھ ہر عضو کی رعایت ضروری ہے۔پھر کبھی بھی کوئی نسخہ ناکام نہیں ہوتا۔

اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ فرنگی طب کی بے اصولی اور فرنگی ڈاکٹروں کے عطائیانہ علاج نے ہاضم اور مقوی معدہ ادویات کو بغیر مزاج اور اعضاء کو مدنظر رکھے دُنیا بھر میں غلط ادویہ کا ایک سیلاب پھیلا دیا ہے جو بے حد مضر اور ہر روز نئے امراض اور موت کا باعث بن رہا ہے۔ان میں ٹی بی اور ہارٹ فیلور کو خاص دخل ہے۔صرف اتنا لکھ دینا کہ فلاں دوا ہاضم ہے اور معدے کے لئے مفید ہے کافی نہیں ہے۔ جبکہ ہاضم کا تعلق صرف معدہ سے نہیں ہے اور معدہ خود مرکب عضو ہے۔اس میں اعصاب بھی ہیں اور غدد و عضلات بھی ہیں۔ان سب کے افعال جدا جدا ہیں۔اس لئے ہضم کی خرابی کی صورتیں بھی مختلف ہیں۔جب تک ان کو مدنظر نہ رکھا جائے ہاضمہ درست نہیں ہوسکتا۔فرنگی طب اس علم سے بالکل واقف نہیں ہے۔

مفرح اور مقوی: جب طبی کتب میں مفرح ادویہ اور اغذیہ پر نظر پڑتی ہے جو مفرح قلب کے لئے استعمال کی جاتی ہیں، یہ صحیح ہے کہ مفرح قلب کے لئے ادویہ ہونی چاہئیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ طبی کتب میں اور اطباء کے معمول میں بھی مفرح قلب ادویہ کو مقوی قلب کی صورت دیئے جاتے ہیں یعنی قلب کے فعل میں تیزی پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔یہ غلط ہے کیونکہ ہر مفرح دوا اور غذا ہمیشہ مقوی دماغ اور اعصابی ہوتی ہے۔جس سے قلب کی طرف سے دوران خون اور حدت کم ہو جاتی ہے اور وہاں پر تسکین پیدا ہو جاتی ہے یا اعتدال پیدا ہو کر تقویت پیدا کر دیتی ہے۔اس لئے کسی مفرح قلب شے کو مقوی قلب سمجھ کر استعمال نہیں کرنا چاہئے۔یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ تقویت قلب کی خاطر زیادہ سے زیادہ مفرح قلب اشیاء استعمال کرتے ہیں۔لیکن اس سے فائدہ کی بجائے نقصان زیادہ ہوتا ہے۔

فوائد: الا ئچی چونکہ محرک اعصاب اور مولد رطوبت ہے اس لئے اس کا ہاضم ہونا اعصابی تحریک اور کمی رطوبات کے تحت ہے اور جن مریضوں کے جسم میں رطوبات کی زیادتی ہوگی تو الا ئچی کے استعمال سے ان کے ہاضمہ میں زیادہ خرابی ہو جائے گی۔اسی طرح جن کے جسم میں رطوبات کی زیادتی ہوگی ان کو الا ئچی کے استعمال سے نہ کوئی فرحت معلوم ہوگی اور نہ ہی مسرت ہوگی بلکہ دِل زیادہ سے زیادہ گھٹتا رہے گا اور پریشانی بڑھ جائے گی۔دوسرے معنوں میں جن کے جسم میں تیزابیت کی زیادتی ہو ان کو الا ئچی مفید ہے۔لیکن جن کے جسم میں کھار کی زیادتی ہو ان کو الا ئچی کے استعمال سے تکلیف ہوتی ہے۔انہی اثرات کے تحت یہ مفرح و ہاضم اور دافع خشونت و بودہن ہے۔اس کے منہ میں

رکھتے ہی لعابی غدد فوراً رطوبت پیدا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ دردِ شکم اور سوزش معدہ کے لئے بے حد مفید ہے۔ جگر اور گردوں کے لئے اکسیر ہے۔ دافع بخار ہے۔ اس کو مقوی ادویات میں استعمال کرنا مفید نہیں ہے۔

السی

تعارف: عربی میں بزرالکتان، فارسی میں تخم کتان، بنگالی میں تیسی، سنسکرت میں بدگنڈھا اور انگریزی میں لینڈ کہتے ہیں۔ ایک پودے کے تخم ہیں، جو ایک گز تک بلند ہوتا ہے۔ اس کا تنا، شاخیں اور پتے باریک ہوتے ہیں۔ پھل غلاف نخود کے برابر تخموں سے بھرا ہوتا ہے۔ یہ تخم چھوٹے چھوٹے چمکدار، چپٹے بیضوی اور قدرے لمبے نوکدار ہوتے ہیں۔ یہی تخم اور ان سے نکالا ہوا روغن دوا کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

مقام پیدائش: پاک و ہند، مصر، روس، ہالینڈ اور انگلستان۔

رنگت اور ذائقہ: تخم سرخ سیاہی مائل اور پھول لاجوردی، روغن السی زردی مائل اور ذائقہ پھیکا۔

مقدار خوراک: پانچ ماشے سے ایک تولہ تک۔

افعال و اثرات: عضلاتی اعصابی یعنی عضلاتی محرک اعصابی محلل اور غدی مسکن کیمیاوی طور پر خون میں ترشی اور گاڑھا پن پیدا ہوتا ہے۔

مزاج: خشک دوسرے درجے میں اور سرد پہلے درجے میں ہوتی ہے اور روغن خشک تیسرے درجے میں اور گرم پہلے درجے میں ہوتا ہے۔

خواص: نفاخ، منضج بلغم، محلل اورام، مسکن اوجاع، مخرج بلغم، مقوی مولد ریاح اور ملین ہے۔

فوائد: محلل اورام، ملین اعضاء، منضج اخلاط اور مسکن اوجاع ہونے کی وجہ سے تقریباً تمام طبی کتب میں السی کو گرم تر اور بعض نے گرم خشک لکھا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ السی گرم ہے، اور نہ ہی تر ہے۔ تر لکھنے کی وجہ ایک یہ بھی ذہن میں آتی ہے کہ چونکہ السی میں سے ایک قسم کا روغن بھی نکلتا ہے اس کی تری کی وجہ سے اس کو تر لکھ دیا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ بہت سے روغن سرد بھی ہیں اور خشک بھی ہیں جیسے کافور ایک قسم کا روغن ہے۔ وہ سرد بھی ہے اور خشک بھی ہے۔

جاننا چاہئے کہ جو شے محلل و ملین اور منضج اور مسکن ہو اس کا گرم ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ افعال صرف خون اور دیگر اخلاط کے ہیں۔ کسی شے کے نہیں ہیں۔ اشیا و ادویہ اور اغذیہ کا کام یہ ہے کہ وہ خون پر ان کے افعال و اثرات اور خواص ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یعنی جس مقام پر خون اکٹھا ہو جائے وہاں پر محلل، منضج کی صورت پیدا ہو جاتی ہے جس مقام پر صفرا اکٹھا ہو جائے وہاں پر سوزش اور اکال کی سی حالت قائم ہو جاتی ہے۔ جس مقام پر بلغم اکٹھی ہو جائے وہاں ملین و مسکن کے اثرات و افعال میں گرم سرد کی کوئی قید نہیں بلکہ ہر مزاج میں یہ صورت ظاہر ہو سکتی ہے کیونکہ ہر مزاج کی اشیاء ادویہ اور اغذیہ مختلف اعضاء پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اور اخلاط کو مختلف اعضاء کی طرف تقسیم کر دیتی ہیں۔ اس تحقیق سے مفرد اعضاء اور انسجہ اور ٹشوز کا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جو شے دوا اور غذا جس کسی عضو پر اثر انداز ہوتی ہے وہاں پر تحریک پیدا کر دیتی ہے۔ اس تحریک کے بعد کے عضو میں تحلیل ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد کے عضو میں تسکین ہوتی ہے۔ یہی صورت السی کی بھی ہے۔ یہ عضلات میں تحریک یعنی نفخ و ریاح اور خشکی کی حالت پیدا کر دیتی ہے جس سے وہاں پر خشکی اور تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اعصاب میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ یعنی وہاں پر محلل و منضج کی

صورت قائم ہو جاتی ہے۔ یعنی وہاں پر خون اکٹھا ہو کر وہاں کی سوزش اور درد کو ختم کر دیتا ہے۔ اور وہاں کے مواد پختہ ہو کر اعتدال پر آ جاتے ہیں اور جگر و گردوں اور غدد میں بلغم اکٹھا ہو جاتا ہے جس سے وہاں تحلیل اور گرمی کے اثرات اور خواص ظاہر ہوتے ہیں۔ اس تحریک کی دیگر اشیاء وادویہ اور اغذیہ کے بھی یہی افعال واثرات اور خواص ہوتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ السی اور ایسی تحریک کی دیگر ادویہ مثلاً نارجیل وغیرہ کے استعمال سے اعصابی سوزش و درد اور پھوڑے پھنسیاں دور ہوتی ہیں۔ اگر عضلاتی وغدی صورتیں ہیں تو مفید نہیں ہے۔ بعض معالج السی کی پلٹس کو تیز کرنے کے لئے اس پر رائی کا سفوف چھڑک دیتے ہیں، رائی کی تحریک بھی عضلاتی ہے مگر اس میں کچھ حدت ہے اس لئے اس کی تحریک عضلاتی غدی بن جاتی ہے۔

یہ بات پھر ذہن نشین کر لیں کہ عضلاتی تحریک میں رطوبات اور بلغم خشک ہو جاتی ہے، اور مواد پختہ ہو کر باہر اخراج پاتا ہے اسی طرح کبھی سرکہ میں ملا کر جسم پر پھیرا کرتے ہیں۔ سرکہ کی بھی یہی تحریک ہے۔ اس مرکب کے طلا کرنے سے چھائیں دار بثور بغلیہ دور ہو جاتے ہیں۔

اندرونی طور پر بھی یہی اثرات وافعال اور خواص پائے جاتے ہیں۔ اس کے استعمال سے رطوبت اور بلغم خشک اور گاڑھا ہو کر باہر نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ بلغمی کھانسی، بلغمی دمہ اور گلے کی اعصابی سوزش میں بے حد مفید ہے۔ شہد میں اس کا جوشاندہ بھی دیا جا سکتا ہے۔

روغن السی سے بہت زیادہ تیز ہے اور اثرات میں شدید ہے۔ اکثر بیرونی طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اعصابی جلدی امراض میں مفید ہے۔ اسی مقصد کے لئے مرہموں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ روغن السی اور چونے کے ہم وزن پانی میں مرہم تیار کر کے جلے ہوئے مقام پر لگانا بے حد مفید ہے فوراً درد وسوزش ختم ہو جاتی ہے اور زخم خشک ہو جاتے ہیں۔

امرود

تعارف : ایک مشہور پھل ہے۔ پختہ شیریں، ترشی مائل، لذیذ وخوش ذائقہ ہوتا ہے۔ اس کثرت سے پیدا اور استعمال ہوتا ہے کہ تقریباً ہر موسم میں مل جاتا ہے۔ عوام اس کے قتلوں پر نمک، مرچ اور لیموں نچوڑ کر کھانا بہت پسند کرتے ہیں۔ چاٹ کا ایک جزو خیال کیا جاتا ہے۔

مقام پیدائش : پاکستان اور ہندوستان کا امرود اپنی لذت اور اپنے ذائقہ کی وجہ سے دُنیا بھر میں مشہور ہے۔

اقسام : امرود دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک سفید زردی مائل اور دوسرا سفید سرخی مائل جبکہ کچا امرود سبز رنگ کا ہوتا ہے۔

لذت اور ذائقہ : پختہ زرد سفیدی مائل اور سفید سرخی مائل خام سبز پختہ شیریں اور خوش ذائقہ۔ خام کسیلا اور پھیکا ہوتا ہے۔

مزاج : امرود زرد سفیدی مائل تر دوسرے درجے میں اور گرم پہلے درجے میں۔ سفیدی سرخی مائل تر دوسرے درجے میں سرد پہلے درجے میں۔ خام سرد خشک پہلے درجے میں ہوتا ہے۔

مقدار خوراک : نیم پاؤ سے نیم سیر تک کھا سکتے ہیں۔

افعال و اثرات : زرد سفیدی مائل اعصابی غدی یعنی اعصابی محرک غدی محلل اور عضلاتی مسکن ہے۔ خون میں کیمیاوی طور پر کھاری پن پیدا کرتا ہے۔ سفید سرخی مائل اعصابی عضلاتی یعنی اعصابی محرک وعضلاتی محلل اور غدی مسکن ہے۔ کیمیاوی طور پر کھاری پن کے ساتھ کچھ ترشی بھی پیدا کرتا ہے۔ غذائے دوائی ہے۔

خواص : مفرح، پختہ ملین، خام قابض ہاضم، مولد رطوبات وبلغم محرک ومقوی دماغ اور اعصاب۔

فوائد : کسی شے کی جتنی اقسام اور حالتیں ہوں، اس کے خواص و فوائد اور افعال میں بھی ضروری فرق ہوتا ہے۔ یہی صورتیں امرود میں بھی پائی جاتی ہیں۔ زرد سفیدی مائل اعصابی غدی ہوتا ہے۔ جس سے رطوبات اور بلغم کی پیدائش کے ساتھ ساتھ حرارت کی پیدائش کچھ نہ کچھ ہوتی رہتی ہے یا دوسرے لفظوں میں حرارت ہی کی وجہ سے اعصاب میں تیزی ہوتی ہے۔ سفید سرخی مائل اعصابی عضلاتی ہے، جس سے رطوبات اور بلغم کی پیدائش میں اس قدر شدت ہوتی ہے کہ اس سے غلظت اور ترشی پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں حرارت کی پیدائش ختم ہو جاتی ہے۔ جہاں تک خام امرود کا تعلق ہے وہ عضلاتی اعصابی ہے۔ اس میں سردی غلظت اور ترشی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے وہ قابض ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں پختہ امرود ملین ہوتا ہے۔

ملین و ہاضم : کسی شے کا ملین و ہاضم ہونا اس شے کی اپنی خصوصیت نہیں ہوتی بلکہ اس کے اپنے اثر و افعال کی کسی مفرد اعضاء پر شدت ہوتی ہے۔ کبھی اس شے کے افعال و اثرات میں شدت اور مقدار کی زیادتی ہوتی ہے اور کبھی عضو میں کمزوری ہوتی ہے۔ اس کا اثر کبھی اعصاب پر ہوتا ہے اور کبھی عضلات و غدد پر ہوتا ہے۔ جس مفرد عضو کے افعال و اثرات میں شدت و تیزی ہوگی اسی کے عمل سے ہاضم اور ملین کی صورت پیدا ہوگی۔ یہ کبھی نہیں ہوگا کہ ہمیشہ ہر قسم کی اشیاء کسی ایک ہی مفرد عضو پر اثر انداز ہو کر ہاضم اور ملین کا باعث ہوں۔ یا تینوں مفرد عضو پر ایک جیسا عمل ہو کر ہاضم اور ملین کی صورت پیدا ہو جائے۔ اس میں ہر مرض اور علامت کے لئے مختلف اقسام کے ہاضم و ملین اور مسہل اشیاء و اغذیہ اور ادویہ پائی جاتی ہیں۔

عمل کا فرق : ہر مفرد عضو کے افعال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عضو میں دو کیفیات ہوتی ہیں یعنی اس کا مزاج گرم تر ہوگا یا گرم خشک سرد تر ہوگا یا سرد خشک یا اس طرح سمجھ لیں کہ اس کا پہلا عمل مشینی ہوتا ہے اور دوسرا کیمیاوی ہوتا ہے۔ اس لئے اشیاء اغذیہ اور ادویہ میں بھی دو ہی کیفیات ہوتی ہیں اور ان کے افعال و اثرات میں بھی یہی مشینی اور کیمیاوی اثرات پائے جاتے ہیں۔

اعصاب میں دو مزاج پائے جاتے ہیں۔ کبھی ان میں گرمی تری ہوتی ہے اور کبھی سردی تری، کبھی تری گرمی اور کبھی تری سردی کیونکہ اعصاب کی فطرت میں رطوبات اور بلغم پیدا کرنا ہے۔ یہ اس لئے کہ اس کی غذا میں بلغم کے اجزاء شریک ہوتے ہیں۔ جب اعصاب میں تری گرمی ہوتی ہے تو رطوبات کی پیدائش ہوتی ہے اور اس کا اخراج بند ہوتا ہے یعنی خون سے جدا ہو کر جسم میں اکٹھی ہوتی ہیں اور جب تری سردی ہوتی ہے تو رطوبات کی پیدائش کے ساتھ ساتھ اس کا اخراج بھی جاری رہتا ہے بالکل اس طرح جیسے غدد (جگر) میں گرمی خشکی ہوتی ہے تو صفراء کی پیدائش کے ساتھ اس کا اخراج بند ہوتا ہے اور اس کی گرمی تری میں صفراء کی پیدائش کے ساتھ ساتھ اخراج بھی ہوتا ہے۔ یہی صورتیں عضلات (دل) کے مزاج میں بھی پائی جاتی ہیں۔

ایسی صورتیں مرض ہیضہ میں صاف نظر آتی ہیں یعنی کبھی قے اور اسہال کے ساتھ رطوبات کا اخراج ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ اس کو بند ہیضہ کہتے ہیں جو بہت خطرناک ہوتا ہے۔ اس میں جسم سن ہو کر موت واقع ہو جاتی ہے۔

یاد رکھیں کہ اعصابی اغذیہ کے کثرت استعمال سے اکثر ہیضہ ہو جاتا ہے۔ ان میں امرود بھی شریک ہے اسی طرح اعصابی اغذیہ کے ساتھ پانی پی لینے سے بھی ہیضہ کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے امرود کے بعد پانی پینا منع ہے۔

امرود مفرح پھل ہے مگر مفرح کی صورت وہی ہے جو ہم الائچی کے خواص میں لکھ چکے ہیں۔ جن لوگوں میں رطوبت و بلغم کی کمی ہو ان کے لئے بے حد مفید اور جن کے جسم میں صفراء کی زیادتی ہو ان کے لئے نعمت ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے مقوی دماغ اور اعصاب ہے۔ جگر اور گردوں کی سوزش کے لئے یقینی دوا ہے۔ امرود شیریں بہت عمدہ ملین ہے مگر نزلہ وزکام، کثرت بول اور دل کے ڈوبنے میں

زیادتی کر دیتا ہے۔ ترشی کے ہمراہ اس کا استعمال نقصان کو کم کر دیتا ہے۔

املتاس

تعارف : عربی فارسی میں خیار شنبر، فارسی میں جنار خبر، بنگالی میں سونالو اور انگریزی میں کیشیا کہتے ہیں۔ املتاس ایک بلند درخت ہے جس کا تنا زیادہ بڑا نہیں ہوتا چھوٹی شاخیں فٹ ڈیڑھ لمبی جن پر چار آٹھ جوڑوں تک پتے لگے ہوتے ہیں جو شکل میں جامن کے پتوں سے ملتے جلتے ہیں۔ یہ پتے ماہ پھاگن میں گر جاتے ہیں۔ اور چیت و بیساکھ میں نئے نکل آتے ہیں۔ ساتھ ہی پانچ پانچ پنکھڑی والے سنہری زرد پھولوں کا عموماً ہاتھ بھر لمبا خوشہ نکلتا ہے۔ کبھی کبھی یہ پھول خزاں کے موسم میں دوبارہ بھی نکل آتے ہیں۔ یہ پھول سنہری رنگ کے ہوتے ہیں ان پھولوں کی بہار ایسی خوشنما ہوتی ہے کہ درخت دور سے نہایت خوبصورت زرپوش معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو سنسکرت میں ہیم پشت سدورنگ سورنا نگ، سورن بھوشن، راج ورکھس کے خوشنما پھولوں کی بدولت ہی یہ نام رکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

ان پھولوں میں سے پہلے چھوٹی چھوٹی سبز رنگ کی پھلیاں نکلتی ہیں، جو رفتہ رفتہ ڈیڑھ دو فٹ لمبی ہو جاتی ہیں پختہ ہو جانے پر ان پھلیوں کا رنگ بھورا سیاہ ہو جاتا ہے۔ یہ پھلیاں ایک انچ قطر کی نوکدار اور دونوں طرف جوڑ کے مقامات پر سیدھے پہلو میں دو صاف لکیریں ہوتی ہیں اور اندر آڑے پہلو میں بہت سے خانے ہوتے ہیں۔ ہر ایک خانے میں صاف اور چپٹا بیضوی بھورے رنگ کا سرخی مائل بیج سرس کا سا ہوتا ہے۔ ان خانوں کی دیواروں کے اردگرد سرخی مائل سیاہ رنگ کا گودا لپٹا ہوتا ہے لزوجت دار اور بوتلی آور، یہی گودا اس میں سب سے کار آمد چیز ہے اس کے پھلوں سے گلقند بھی بنائی جاتی ہے۔ اس کی چھال سے سرخ رنگ نکلتا ہے۔ جب پھلیاں پک جاتی ہیں تو اس کے اندر کے پردے پیسہ کے برابر ہو جاتے ہیں جس کا وزن اور حجم آج کل کی اٹھنی کے برابر ہوتا ہے جو دراصل مغز املتاس ہوتا ہے۔ مغز فلوس خیار شنبر کہلاتا ہے مغز و گودا پھول کے علاوہ بیرونی چھلکا جو پوست املتاس کہلاتا ہے دوا کے طور پر مستعمل ہے۔ املتاس کا چھلکا خشک ہو کر سخت ہو جاتا ہے۔ درخت کی لکڑی بھی بڑی سخت ہوتی ہے، جو رنگت میں سرخ ہوتی ہے۔ لیکن کاٹنے پر سیاہ ہو جاتی ہے اس کی نرم شاخیں ریشم کی طرح ملائم ہوتی ہیں اور پھول زرد رنگ کے بڑے بڑے اور خوشبودار ہوتے ہیں۔ جو گچھوں کی شکل میں لٹکے ہوتے ہیں۔

مقام پیدائش : پاک و ہند میں اکثر مقامات پر پایا جاتا ہے۔ لاہور انجینئرنگ یونیورسٹی میں بہت زیادہ ہے۔ اکثر سرد مقامات پر پانی کے کنارے پایا جاتا ہے۔ میدانی علاقہ سے لے کر کوہ ہمالیہ میں تین ہزار فٹ کی بلندی تک پیدا ہوتا ہے۔ پنجاب اور یوپی میں بعض لوگ اپنے باغات میں خوبصورتی کے لئے لگاتے ہیں۔ اگر اس کو تجارتی بنیادوں پر لگایا جائے تو بے حد مفید تجارت ہے۔

رنگت اور ذائقہ : درخت کی لکڑی سیاہ سرخی مائل، پھلیاں بھی سیاہ سرخی مائل، اندرونی ٹکیاں اور گودا سیاہ، پھول سنہری۔

ذائقہ : گودا اور ٹکیاں شیریں بدمزہ اور بو ناگوار۔

مقدار خوراک : پھلیاں ایک تولہ سے پانچ تولے تک پھول و چھال اور شاخیں و پوست زیادہ مقدار میں بھی دے سکتے ہیں۔

مزاج : گرم تر، اکثر نے اس کو اوّل درجے میں گرم تر اور بعض نے معتدل لکھا ہے۔ یاد رکھیں کہ اکثر گرم تر مزاج میں اختلاف رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ گرم پہلے درجے میں اور تر بھی پہلے درجے میں، لیکن گرمی کی نسبت تری زیادہ ہے۔

افعال و اثرات : اعصابی غدی ملین، یعنی اعصابی محرک۔ غدی محلل اور عضلاتی مسکن۔ کیمیاوی طور پر خون میں کھاری پن اور رقت پیدا ہوتی ہے۔

خواص : مقئ ومدر اور ملین۔ محلل کبد وگردے اور غدد، مسکن قلب ودافع حرارت اور جوش خون ہے۔اس کے علاوہ مخرج صفراء بھی ہے۔

فوائد : گرم تر ادویہ اور اغذیہ ودیگر اشیاء سے جگر وگردے اور دیگر غدد وغشائے مخاطی کی سوزش وورم اور درد میں مفید ہوتی ہیں، ایسے امراض وعلامات جن کا تعلق ان غدد وغشائے مخاطی سے ہوتا ہے۔ان میں املتاس یقینی دوا ہے خاص طور پر ورم وسوزش اور درد اغشاء میں گلے سے لے کر امعاء اور مثانہ تک خصوصی دوا ہے۔ یرقان اور درد جگر جب کہ صفراء کا اخراج بند ہوتا ہے۔ یہ یقینی دوا ہے۔نقرس ایک مشکل مرض ہے اس کی صورت بھی یرقان اور درد جگر کی صورت ہی ہے۔اس لئے اس میں بھی املتاس بے خطا دوا ہے۔اس سے ایسے اسہال آتے ہیں جس میں بلغم کے ساتھ صفراء بھی خارج ہوتا ہے۔ یہ ایسا لطیف ملین ہے جو حاملہ عورتوں کو بھی دیا جاسکتا ہے۔بعض اطباء نے اس کو مناسب ادویہ کے ساتھ ہر خلط کا مسہل لکھا ہے جو کہ بالکل غلط ہے۔ یہ خالص صفراء کا اخراج ہی کرتا ہے۔

بعض اطباء نے اس کو وجع المفاصل کے لئے مفید لکھا ہے یہ غلط ہے کیونکہ وجع المفاصل اور نقرس دونوں مختلف امراض ہیں۔اسی طرح بعض اطباء نے اس کو احتباس حیض کے لئے مفید لکھا ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔ بلکہ عسر حیض کے لئے مفید ہے۔بعض نے اخراج جنین اخراج مشیمہ اور ولادت کو آسان کرنے کے لئے مفید لکھا ہے۔یاد رکھیں کہ ادرار حیض کی صورت نہیں ہے، بلکہ عسر حیض کی صورت میں اخراج جنین واخراج مشیمہ اور ولادت میں آسانی پیدا کی جاسکتی ہے ان ہی مقاصد کے لئے اس کے پھولوں کی گلقند اور خام پھلیوں کا مربہ بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اس کے پوست کے بھی یہی خواص ہیں۔البتہ اس میں رطوبت کی کچھ کمی پائی جاتی ہے۔اس لئے یہ اپنے اثرات میں کچھ تیز ہے، انہی مقاصد کے لئے بیرونی طور پر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

املتاس کا رب بھی تیار کیا جاتا ہے اور رب املتاس کے نام سے بکتا ہے۔یاد رکھیں، اصل السوس اس کا بہترین بدل ہے۔

املی

تعارف : عربی اور فارسی میں تمر ہندی، بنگالی میں املی، سندھی میں گدامڑی اور انگریزی میں ٹمے رنڈس انڈیکا کہتے ہیں۔املی کا درخت بہت بڑا اور سدا بہار ہوتا ہے۔اس کا چھلکا سیاہ اور کھردرا ہوتا ہے۔ پتیاں سرس کی پتیوں کی طرح ٹہنی پر آمنے سامنے لگتی ہیں اور ایک ڈنڈی پر دس سے پندرہ جوڑے تک پتیوں کے لگتے ہیں۔اس کے پھول گرمیوں میں نکلتے ہیں اس کی پھلیاں تین سے چھ انچ تک لمبی اور ابتدا میں کیکر کی پھلیوں کے مشابہ ہوتی ہیں پکنے کے بعد بادامی رنگ کی ہوجاتی ہے۔پھلی کا چھلکا پتلا اور سخت ہوتا ہے۔ ہر پھلی کے اندر چار سے بارہ تک بیج ہوتے ہیں۔ان بیجوں کے چاروں طرف ترش اور رس دار گودا ہوتا ہے۔ یہی گودا زیادہ تر ادویات میں مستعمل ہوتا ہے۔اس کے علاوہ اس کے تخم بھی ادویہ میں استعمال ہوتے ہیں۔ املی دوا اور غذا میں کثرت سے استعمال کی جاتی ہے۔اکثر شربتوں اور لیمن وغیرہ کی بوتلوں میں اس کا ست استعمال ہوتا ہے جس کو ٹارٹرک ایسڈ کہتے ہیں۔اس کے تخم میں قلیل مقدار میں ایک روغن بھی پایا جاتا ہے۔

مقام پیدائش: سلیمان بن حسان نے کہا ہے کہ املی یمن، ہندوستان اور سوڈان میں بھی پیدا ہوتی ہے۔بصرہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ پاکستان میں بھی کہیں کہیں پیدا ہوتی ہے، لیکن پنجاب کی آب وہوا اس کے موافق نہیں۔

رنگت اور ذائقہ : رنگت سرخ سیاہی مائل اور خام حالت میں سبز ہوتی ہے۔اس کے تخم بھی سیاہ مائل سرخ ہوتے ہیں۔ذائقہ ترش ہوتا ہے۔

مزاج: سرد درجہ اوّل اور خشک درجہ دوم میں ہوتا ہے۔

مقدار خوراک: دو تولہ سے پانچ تولہ تک۔

افعال و اثرات: عضلاتی اعصابی یعنی عضلاتی محرک۔ اعصابی محلل اور غدی مسکن ہے۔ خون میں کیمیاوی طور پر ترشی پیدا ہو جاتی ہے اور اخلاط میں طبعی اور خالص سودا کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ تخم املی کے بھی یہی اثرات ہیں۔

خواص: مولد سودا، دافع قے، مسہل بلغم، مقوی قلب اور معدہ و امعاء، مغلظ بلغم، مقوی خون و دافع بخار بلغمی اور دافع پیاس ہے۔

فوائد: ترشی جسم و خون کا ایک اہم اور مؤثر جزو ہے بلکہ زندگی اور کائنات کا ایک لازمی عنصر ہے۔ گویا اس کے بغیر نہ صرف جسم و خون بلکہ زندگی اور کائنات نامکمل ہیں۔ جاننا چاہئے کہ اس کائنات اور زندگی میں جس قدر بھی اشیا ہیں چاہے وہ مادہ شکل میں غذا دوا اور زہر ہوں یا محلول اور ہوا کی صورت میں پائی جائیں۔ وہ سب تین حالتوں، تین ذائقوں اور تین رنگوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ تین حالتیں (۱) کھار (۲) ترشی (۳) نمک ہیں۔ نمک بھی دراصل کھار اور ترشی کا مرکب ہے اور ترشی بھی کھار میں خمیر کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ کھار کا رنگ سفید آسمانی، ترشی کا رنگ سرخ اور نمک کا رنگ زرد تحقیق کیا گیا ہے۔ **یعنی جب خون میں کھاری پن زیادہ ہو تو قارورہ سفیدی مائل ہوتا ہے۔ جب ترشی زیادہ ہو تو سرخ ہوتا ہے اور جب خون میں نمک کے اثرات زیادہ ہوں تو قارورہ کا رنگ زرد ہوتا ہے۔**

ترشی دو قسم کی ہوتی ہے اوّل سرد خشک جیسے املی، انار ترشی اور سرکہ وغیرہ جن کو ہم عضلاتی اعصابی کہتے ہیں۔ دوم مزاج خشک گرم جیسے اچار انگور اور تیزاب گندھک وغیرہ جن کو عضلاتی غدی کہتے ہیں۔ ترشی کے موثر جز کو ماڈرن میڈیکل سائنس میں وٹامن سی کہتے ہیں لیکن ہم نے اس کی جن دو اقسام کی تحقیق کی ہے وہ اس تحقیقات اور ان کے افعال و اثرات کے فرق سے بے خبر ہے۔

جاننا چاہئے کہ ترشی کے افعال و اثرات میں بڑی غلط فہمیاں ہیں۔ ہر طبی کتب نے یہ غلطیاں کی ہیں اور یہاں تک کہ جناب حکیم کبیر الدین نے علم الادویہ نفیسی کے ترجمہ میں بھی یہ غلطی کی ہے کہ ''املی مسہل صفرا ہے''۔

جو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ جب طب کا یہ قانون ہے کہ ترشی کا مزاج سرد خشک ہے اور سرد خشک اشیاء سودا پیدا کرتی ہیں اور سودا کبھی بھی صفرا کا مسہل نہیں ہو سکتا۔ بلغم کا مسہل تو ہو سکتا ہے کیونکہ غلیظ ہو کر ہی سودا بنتا ہے۔ اگر ہم ترشی کا مزاج گرم خشک بھی قرار دیں جیسا کہ ہم نے تحقیق کیا ہے تو بھی گرم خشک مزاج مولد صفرا ہوتا ہے مسہل صفرا نہیں بن سکتا۔ اس لئے اس غلط فہمی کو ضرور مدنظر رکھیں جو صدیوں سے طبی کتب میں چلی آتی ہیں اس لئے املی مولد سودا، مغلظ بلغم اور مسہل بلغم ہے۔

دوسری غلط فہمی املی کے متعلق یہ ہے کہ اس کو مفرح تسلیم کیا گیا ہے۔ کیفیت مفرح کے متعلق ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ جب تک کوئی دوا یا غذا دِل اور عضلات میں تسکین پیدا نہ کرے اس وقت تک وہ مفرح نہیں بن سکتی۔ املی محرک عضلات اور قلب ہے اور ترشی کے مسلسل استعمال سے قلب اور عضلات میں سوزش پیدا ہو کر گھبراہٹ اور بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے املی کو مفرح کہنا غلط ہے۔

تیسری غلط فہمی یہ ہے کہ اس کو صفراوی بخاروں کے لئے مفید لکھا گیا ہے۔ جب یہ سودا کی پیدائش بڑھاتی ہے اور بلغم کا اخراج اور اس کو غلیظ کرتی ہے تو صفراوی بخاروں کے لئے کیسے مفید ہو سکتی ہے۔ البتہ بلغمی بخاروں کے لئے ضرور مفید ثابت ہوتی ہے۔

چوتھی غلط فہمی یہ ہے کہ املی پیاس کو تسکین دیتی ہے۔ یہ اس لئے کہ اس کو قاطع صفرا تسلیم کیا گیا ہے لیکن یہ حقیقت ہم لکھ چکے ہیں کہ املی کا قاطع اور مخرج صفراء سے کوئی تعلق نہیں ہے **جہاں تک پیاس کا تعلق ہے وہ بھی کبھی صفرا سے نہیں ہوتی بلکہ بلغم کی تیزی (اعصابی عضلاتی) سے لگتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں جب جسم میں کھاری پن بڑھ جاتا ہے تو پیاس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔** یہی وجہ ہے کہ

برف کے استعمال سے پیاس بڑھ جاتی ہے۔اس کا علاج سوزش اعصاب کوختم کرنا ہے جوترشی (طبعی سودا) سے ختم ہو جاتی ہے جس کو ہم عضلاتی اعصابی کہتے ہیں جوترشی اور املی کا مزاج ہے۔اس سے دوران خون اعصاب ودماغ میں تیز ہو جاتا ہے۔ جہاں پر تحلیل ہو کر سوزش اعصاب ختم ہو جاتی ہے اور پیاس بجھ جاتی ہے۔ یہی پیاس کا راز اور علاج ہے۔عضلاتی محرک ہونے کی وجہ سے مقوی معدہ اور مخرج بلغم ہے۔

اسی طرح یہ امر بھی ذہن نشین کر لیں کہ قے بھی جسم میں کھاری اثرات بڑھ جانے کی وجہ سے آتی ہے۔اس کا باعث بھی بلغم کا بڑھ جانا ہے جس کو ہم اعصابی عضلاتی تحریک کہتے ہیں۔اس کا علاج بھی ترشی کے استعمال سے کیا جاسکتا ہے۔اس لئے املی قے میں مفید ہے۔

تخم املی کے افعال واثرات اور مزاج بھی وہی ہیں جو املی کے ہیں۔یعنی عضلاتی اعصابی لیکن ترشی نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے فوائد میں بہت کمزور ہیں۔البتہ سوختہ کرنے سے ان میں کچھ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ان کو زیادہ تر جسم میں قبض اور حبس کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ان میں غذائیت بھی پائی جاتی ہے۔

آم

تعارف : عربی میں انبج، فارسی میں آنبہ، انگریزی میں مینگو کہتے ہیں۔ایک مشہور اور عام پھل ہے جو پاک وہند میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔اس کے درخت کو باغوں کی صورت میں لگایا جاتا ہے۔اس کے باغ بہت طویل وعریض ہوتے ہیں۔

دراصل آم نہ صرف من بھاتا پھل ہے بلکہ ملک کی بہت بڑی دولت ہے۔آم اور ان کے مرکبات دیگر ممالک کو بھی بھیجے جاتے ہیں۔آم کی دو بڑی اقسام ہیں: (۱) دیسی (۲) قلمی۔ پھر ان کی بے شمار اقسام ہیں۔قلمی بہت پسند کیا جاتا ہے۔قلمی میں ذیل کی قسمیں پائی جاتی ہیں: لنگڑا، دسہری، سفیدہ، انور رٹول اور سہارن پوری وغیرہ۔ یہ سب بے حد شیریں اور لذیذ ہوتے ہیں۔

آم موسم گرما کا امرت پھل ہے۔اس کا شیریں رس واقعی آبِ حیات ہے۔اپنی طاقت اور غذائی اجزاء کی وجہ سے یقیناً تمام پھلوں کا بادشاہ ہے۔اپنے علاقے میں اس کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ غریب سے غریب بھی پیٹ بھر کر کھالیتا ہے۔ بلکہ بعض مقامات پر خود رو ہی پیدا ہو جاتا ہے۔ایسے آم کو رانی آم کہتے ہیں۔اس کا ذائقہ دل پسند ہوتا ہے۔لطف کی بات ہے کہ ہر ذائقہ کا آم مل جاتا ہے۔ نیز میٹھا، معتدل میٹھا، ہلکا میٹھا، تیز میٹھا ساتھ ہلکی ترشی یعنی کھٹ میٹھا، انتہائی ترش اور ان سب کے بین بین بھی ذائقے مل جاتے ہیں۔ عام طور پر پختہ پھل میٹھا اور خام ترش ہوتا ہے۔

درخت آم : آم کا درخت بہت بڑا ہوتا ہے اور سدا بہار درخت ہے۔تمام سال سرسبز رہتا ہے۔اس کے پھل کے علاوہ اس درخت کے تمام اجزاء ادویہ میں مستعمل ہیں۔آم کی چھال، پھل وگٹھلی اور گوند وغیرہ سب اپنی اپنی جگہ مفید ہیں۔

رنگ اور ذائقہ : پختہ زرد سفیدی یا سرخی مائل شیریں یا شیریں ترشی مائل، بعض سبز لیکن اندر سے زرد سفیدی یا سرخی مائل۔خام سبز رنگ اور ترش تیزی لئے ہوئے پھول وگوند اور گٹھلی سفیدی مائل بھوری سیاہی مائل اور پتے ہوتے ہیں۔

مزاج : پختہ آم شیریں گرم وتر دوسرے درجے میں خام آم ترش گرم سرد اور گٹھلی سرد خشک ہوتی ہے۔

مقدار خوراک : بقدر ضرورت پیٹ بھر لیں۔باقی اجزا ایک ماشہ سے ایک تولہ تک۔

افعال و اثرات : پختہ شیریں آم غدی اعصابی مقوی ہے یعنی غدی محرک، اعصابی محلل اور عضلاتی مسکن۔ خام ترش آم عضلاتی، اعصابی، پھول گوند، پتے اور چھال اعصابی غدی اور گٹھلی عضلاتی اعصابی۔ کیمیاوی طور پر خون میں حرارت کی پیدائش اور خون میں رقت پیدا ہو جاتی ہے۔

خواص : مقوی گردے و جگر اور غدد، مولد حرارت و رطوبات مسمن بدن، ہاضم، ملین، مقوی باہ، خام مقوی معدہ قلب اور مسکن اعصاب۔ تمام طبی کتب میں خام و ترش آم کا مزاج سرد خشک لکھا ہے لیکن ہم نے اس کا مزاج گرم خشک (غدی عضلاتی) لکھا ہے۔ ہم نے املی کے خواص میں لکھا تھا کہ ترشی دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) سرد ترشی جیسے املی کی ترشی ہوتی ہے۔ (۲) گرم ترش جیسے اچار اور کشمش کی ترشی وغیرہ۔ آم کی ترشی بھی گرم ہوتی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ہر گرم شے کی ترشی اپنے اندر حرارت رکھتی ہے۔ اگر اس میں حرارت نہ ہو تو اس شے میں حرارت پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہی صورت ایسے میٹھے آم کی بھی ہے جس میں ترشی بھی پائی جاتی ہے۔ یقیناً اس کا مزاج گرم خشک (غدی عضلاتی) ہوتا ہے۔ ایسے آم کھانے سے خون کی بجائے جسم میں صفرا پیدا ہوتا ہے۔ ہر پختہ آم کو گرم تر خیال کر لینا صحیح نہیں ہے۔۔

بعض کتب میں خام و ترش آم کو لُو کے دور کرنے کے لئے نہایت مفید لکھا ہے۔ واقعی مفید ہے۔ جس کے دو طریقے بیان کئے ہیں:

① خام آم چھیل کر قاشیں بنا کر پانی میں بھگو دیں۔ جب پانی میں ترشی پیدا ہو جائے تو اس کو میٹھا کر کے پلائیں۔

② خام آم کو گرم خاکستر میں دبا دیں۔ جب وہ پختہ ہو کر نرم ہو جائے تو اس کو نچوڑ کر میٹھا ملا کر لُو زدہ مریض کو پلائیں بہت جلد آرام آ جاتا ہے۔ جب تیز دھوپ میں گرمی کی شدت سے غش آ جائے جسے انگریزی میں سن سٹروک کہتے ہیں، اس کے لئے بہت مفید ہے۔

غلط فہمی : خام آم کا رس جس کو گرم خاکستر میں پختہ کر کے نکالا گیا ہو ضرب شمسی (سن سٹروک) کے لئے یقیناً مفید ہے۔ لیکن اس مقصد کے لئے ضروری نہیں کہ آم کی ترشی ہی ہو۔ کوئی بھی گرم ترشی ہو یقیناً مفید ہے۔ جیسے منقیٰ کو پانی میں پیس کر گرم کریں۔ پھر ٹھنڈا کر کے پلا دیں۔ آم کی تخصیص اس لئے ہے کہ لُو سخت گرم موسم میں لگتی ہے اور اس موسم میں آموں کی کثرت ہوتی ہے۔ آسانی سے مل جاتے ہیں اور ان کا رس بھی نکل آتا ہے۔ بہر حال گرم ترشی کے خواص میں سے ایک تحقیقات لکھ دی ہے تا کہ ضرورت کے وقت اس سے کام لیا جا سکے اور اس کے اثرات و افعال کا پورا علم ہو جائے۔ یاد رکھیں کہ سرد ترشی مسکنِ جگر و غدد ہے۔ مگر گرم ترشی کا اثر ان میں حرارت پیدا کر دیتا ہے۔

پختہ شیریں آم میں کافی مقدار میں گندھک اور مٹھاس پیدا ہو جاتی ہے جس کا اخراج گردوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ اگر زیادہ آم کھا لئے جائیں تو بعض اوقات پیشاب میں جلن پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ دودھ کی لسی پی جائے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جب آم کھائے جائیں تو لسی پی جائے۔ جب تک پیشاب میں جلن نہ ہو لسی ہرگز استعمال نہ کریں۔ اس طرح آم سے جو غذائیت اور طاقت پیدا ہونا ہوتی ہے وہ ضائع ہو جاتی ہے۔ آم کھا کر چائے بھی پی جا سکتی ہے جس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

آم کے پھول و پتے اور گوند و چھال وغیرہ گلے سے لے کر آنتوں کے غدد کی سوزش تک میں مفید ہیں۔ جوشاندہ اور سفوف وغیرہ کی صورت میں دے سکتے ہیں۔ زحیر اور ورم امعاء کے لئے تسلی بخش دوا ہے۔ آم چونکہ موسم گرما کا پھل ہے اس کا دوسرے موسم میں ملنا بے حد مشکل ہے۔ اس لئے اطباء نے چند مرکبات تیار کر لئے ہیں جو بوقت ضرورت کام دیتے ہیں۔ امرس و امچور اور اچار و مربہ وغیرہ اور آج کل آم کی میٹھی چٹنی، مینگو سکوائش وغیرہ روزانہ کے استعمال کی چیزیں ہیں جو ہر موسم میں مل جاتی ہیں۔ آم کو آگ میں جلا کر اس کی گری نکال کر سفوف بنا لیں، مقوی معدہ امعاء اور ان کی کمزوری سے جو سہال آتے ہیں، ان کے لئے بے حد مفید ہے۔

انار

تعارف : عربی میں رمان، فارسی میں انار، سندھی میں داڑھو، بنگالی میں واڑم یا ڈالم اور انگریزی میں پومی گرنیٹ کہتے ہیں۔ایک مشہور پھل ہے۔اس کا پودا پانچ چھ فٹ تک بلند ہوتا ہے اس کی ٹہنیاں اس قدر نازک ہوتی ہیں کہ وہ اس کے پھل کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتیں اور اکثر ٹوٹ جاتی ہیں یا جھک جاتی ہیں۔اکثر باغات میں لگایا جاتا ہے۔ضروری پھلوں میں شمار ہوتا ہے۔

ذائقہ کے لحاظ سے یہ تین قسم کا ہوتا ہے۔شیریں ترش اور کھٹ مٹھا تینوں استعمال ہوتے ہیں اور بطور دوا انار کا چھلکا، انار دانہ، گل انار اور انار کی چھال بھی استعمال ہوتی ہے۔دوا کے طور پر تازہ انار اور اس کے رس کے علاوہ شربت انار اور رب انار بھی استعمال کیا جاتا ہے۔وزن کے لحاظ سے نصف پاؤ سے نصف سیر تک ہوتا ہے۔

مقام پیدائش : انار گرم موسم کا پھل ہے اور گرم علاقے میں پیدا ہوتا ہے۔پاک و ہند میں اکثر مقامات پر پایا جاتا ہے۔دیگر گرم علاقوں میں بھی پایا جاتا ہے۔بلکہ عالمی پھل ہے قرآن حکیم میں انار کا ذکر ہے۔

رنگت اور ذائقہ : انار کا چھلکا بھورا زردی مائل، گل انار سرخ، تازہ دانے سفید گلابی اور سرخ شوخ ہوتے ہیں۔ذائقہ چھلکا، چھال اور گل انار پھیکا تلخی مائل، تازہ دانے شیریں، ترش اور کھٹ میٹھے۔تین ذائقوں میں پایا جاتا ہے اور جن دانوں میں رس بھرا ہوا اور دانے نرم ہوں وہ بہترین انار کہلاتا ہے۔

مزاج : انار شیریں تر دوسرے درجے پر ہے۔اور گرم پہلے درجہ میں انار ترش سرد دوسرے میں تر اور پہلے درجہ میں خشک ہوتا ہے۔

مقدار خوراک : آب انار نصف پاؤ سے نصف کلو تک چھلکا و چھال اور گل انار 6 ماشہ سے ایک تولہ تک۔

افعال و اثرات : انار شیریں اعصابی غدی مقوی یعنی اعصابی محرک، غدی محلل اور عضلاتی مسکن۔اسی طرح انار ترش عضلاتی اعصابی، کھٹ میٹھا اعصابی ہے۔کیمیاوی طور پر خون میں کھاری پن پیدا کرتا ہے اور اخلاط میں طبعی اور خاص بلغم کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔

خواص : انار شیریں مفرح قلب، مقوی اعصاب، دافع سوزش جگر و گردے، مدر بول اور مخرج صفرا، بندش خون بواسیر، بول الدم، قے الدم، نکسیر و زحیر خونی ہے، دافع حمیات غدد خصوصاً تپ دق میں بے حد مفید ہے۔انار ترش مقوی معدہ و امعاء اور قلب دافع سوزش جگر اور گردے، مدر بول، چھال و چھلکا اور گل انار مقوی معدہ و امعا، دافع کرم امعاء اور اسہال مزمن قابض مقوی دوا ہیں۔

فوائد : قرآن حکیم میں انار کو جنت کا پھل کہا گیا ہے اگر چہ ہمارے دنیاوی انار کو جنت کے انار سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔تاہم ایک مشابہت ضرور ہے۔قرآن حکیم نے جن اشیاء کو بیان کیا ہے ان کے خواص و فوائد اور افعال و اثرات کا ضرور پتہ چلتا ہے۔

سورہ رحمٰن میں انار کے متعلق اس طرح ذکر ہے: ﴿ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ ﴾۔

اس آیت کریمہ میں رمان کو پھل لکھا ہے، پہلے نخل کا ذکر ہے، بعد میں رُمّان کا ذکر ہے۔اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلے نخل کا موسم آتا ہے اور پھر رُمّان کا موسم آتا ہے۔اسی طرح اگر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر نخل کے کثرت استعمال سے جو خراب اور تکلیف دہ علامات جسم انسان میں پیدا ہوتی ہیں یعنی سوزش بول، ذحیر خونی، گھبراہٹ قلب وغیرہ اگر ان علامات کے لئے رُمّان کو استعمال کیا جائے تو ان کو یقینی آرام کی صورت پیدا ہو جائے گی۔گویا نخل اور رمان کو پہلے اور بعد میں استعمال کر کے دونوں کے خواص و فوائد کو بیان کر دیا ہے۔پھر دونوں کو نعمت کہا ہے۔ویسے بھی اس دُنیا میں ہر شے نعمت ہے اور ساتھ ہی انس و جن دونوں کو تاکیداً کہا ہے کہ:

﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴾ ''تم اللہ تعالیٰ کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

ان خواص وفوائد سے زیادہ بہتر انار کے افعال واثرات کیا ہو سکتے ہیں۔ یہاں یہ امر بھی ذہن نشین کرلیں کہ انار کے تمام اجزاء اپنے افعال واثرات میں بہت حد تک ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ البتہ بنیادی، تحریکات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

انجبار

تعارف: ایک درخت کی جڑیں ہوتی ہیں۔ جو ملک شام میں ہوتا ہے۔ یہ درخت تقریباً قدآور ہوتا ہے۔ شاخیں باریک ہوتی ہیں۔ جڑیں کھردری اور بے ڈھنگی ہوتی ہیں۔ جب اس کے پھول گر جاتے ہیں تو اس پر چھوٹے چھوٹے غلاف نمودار ہوتے ہیں، جن میں باریک تخم بھرے ہوتے ہیں۔ علاج میں عام طور پر اس کی جڑیں یا اس کا چھلکا استعمال ہوتا ہے۔

رنگت اور ذائقہ: جڑ سرخ سیاہی مائل اور پھول بھی سرخ ہوتے ہیں۔ ذائقہ پھیکا کسیلا ہوتا ہے۔

مزاج: پہلے درجے میں خشک سرد ہوتا ہے، بعض نے دوسرے درجے میں لکھا ہے۔

مقدار خوراک: چھ ماشے۔

افعال و استعمال: عضلاتی اعصابی مقوی یعنی عضلاتی محرک، اعصابی محلل اور غدی مسکن ہے۔ کیمیاوی طور پر بلغم میں گاڑھاپن پیدا کرتا ہے۔ اور اخلاط میں سودا کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔

خواص: قابض، مغلظ رطوبات، مقوی معدہ اور رطوبات، بندش خون، دافع جوش خون، مسکن صفراء اور حرارت۔

فوائد: عام طور پر اطباء اور حکماء نے اس کے فوائد متضاد لکھے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کی نہ تحقیق کی ہے اور نہ ہی سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اکثر سوداوی ادویہ اور اغذیہ کا یہی حال ہے۔

حکیم محمد کبیر الدین صاحب اپنی کتاب علم الادویہ نفیسی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: ''اسہال دموی، بول الدم، بول امعاء اور نفث الدم کثرت حیض اور ہر ایک عضو کے سیلان خون کو روکنے کے لئے بکثرت استعمال ہے پرانے دستوں کے لئے بھی مستعمل ہے خواہ خونی ہوں، خواہ غیر خونی۔ جراحیات سے سیلان خون کو روکنے کے لئے بطور ذرور بھی استعمال کی جاتی ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جو دوا یا غذا جب کسی عضو سے خون کی آمد کو بند کر دے گی جس سے خون کا دباؤ کم ہو جاتا ہے یہ ناممکن ہے کہ ایک ہی دوا بندش خون بھی کرے اور حابس بھی ہو یہ تو ہو سکتا ہے کہ اپنی شدت سردی سے رطوبات کو گاڑھا کرے اور ان کا اخراج بند کر دے۔

اسی طرح اسہال اور زحیر دو مختلف امراض ہیں دونوں کبھی اکٹھی نہیں ہو سکتیں، بلکہ اسہال لانا زحیر کا علاج ہے۔ کیونکہ اسہال ہمیشہ سردی سے اور سوزش اعصاب سے آتے ہیں۔ اور زحیر یعنی پیچش گرمی اور سوزش جگر سے ہوتی ہے۔ اس لئے کوئی ایک دوا دونوں کے لئے مفید نہیں ہو سکتی۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ خون ہمیشہ زحیر میں آتا ہے، اسہال میں نہیں آسکتا، اس لئے زحیر خونی تو ہو سکتی ہے، مگر اسہال دموی کبھی نہیں ہو سکتے۔

انجبار کو افعال میں حابس خون اور قابض لکھا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ حبس ہمیشہ رطوبات میں ہوتا ہے اور خون میں نہیں ہو سکتا ہے۔

یادرکھیں کہ جس عضو سے خون آرہا ہو وہاں اگر حبس رطوبات کر دیا جائے تو خون کے آنے میں شدت ہو جائے گی۔ اسی طرح قبض میں رطوبت اور مواد تو رُک سکتے ہیں مگر خون نہیں رُک سکتا۔ بلکہ قبض کی صورت میں زیادہ آتا ہے۔ بہر حال کسی دوا کے متضاد فوائد تسلیم کرنا علاج میں مشکل پیدا کر دیتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جوادویہ واغذیہ خشک اور سرد ہوتی ہیں وہ جسم میں سودا پیدا کرتی ہیں۔ جو اپنی انتہائی سردی کی وجہ سے بلغم کو غلیظ کر دیتا ہے۔ جس سے ایک طرف تو رطوبات جم جاتی ہیں اور دوسری طرف وہ خون کو وہاں سے واپس کر دیتی ہیں جس کو رادع کہتے ہیں۔ اس طرح دونوں عمل بیک وقت ہو جاتے ہیں۔

یہ بات بھی ذہن سے نکال دیں کہ سودا وہ خلط ہے جو جل چکی ہے۔ ہرگز نہیں، بلکہ سودا میں سردی کی شدت ہے۔ جس کو ابھی تک گرمی کا کوئی اثر نہیں ملا ہے۔

یادرکھیں کہ جلی ہوئی خلط رطوبات کو غلیظ نہیں کر سکتی کیونکہ جوادویہ اور اغذیہ جل چکی ہیں ان کے اجزا منتشر ہو جاتے ہیں۔ متحد نہیں رہ سکتے لہٰذا وہ رطوبات کو کیسے غلیظ کر سکتے ہیں اور خون کی تیزی کو کیسے روک سکتے ہیں۔

انجبار مقوی عضلات ہے اور اندرونی اور بیرونی طور پر اپنی سردی خشکی کی وجہ سے تقویت کا باعث ہوتی ہے۔ رطوبات کو غلیظ کر کے خون میں تیزی کو روکتی ہے۔ اس کا اثر تمام جسم پر پڑتا ہے۔ خون کسی حصہ جسم سے آرہا ہو رُک جاتا ہے۔ یہ خون ناک و منہ، سینہ و پیٹ اور پیشاب و پاخانہ کہیں سے بھی آرہا ہو، رُک جاتا ہے۔ کھلانے کے علاوہ اگر بیرونی طور پر بھی استعمال کیا جائے تو بھی خون بند کر دیتا ہے۔ اگر عضلات کچلے بھی گئے ہوں تو بھی اس کا لیپ مفید ہوتا ہے۔

چونکہ مقوی شے قابض ہوتی ہے۔ اس لئے اندرونی اور بیرونی طور پر عضلات میں تقویت کا باعث ہوتی ہے۔ عضلات معدہ و امعاء کے تو قے اور اسہال بند ہو جاتے ہیں اور دیگر عضلات میں بھی تقویت اور انقباض پیدا ہو جاتا ہے۔ میٹھے تیل میں ملا کر اس کی مالش بھی عضلات میں تقویت دیتی ہے۔ علم وفن طب میں یہ کثیر المنافع دوا خیال کی جاتی ہے۔ اس لئے کثیر الاستعمال ہے۔

اندر جو

تعارف: عربی میں لسان العصافیر، فارسی میں زبان ٹیلی چیری سیڈ کہتے ہیں۔ اندر جو کڑا نامی درخت کے بیج ہیں جو اس کی پھلیوں سے نکلتے ہیں، جو شکل میں لمبوترے ہوتے ہیں۔ پھلیاں گول فٹ ڈیڑھ فٹ لمبی ہوتی ہیں۔ ان کے ایک سرے پر روئیں کا گچھا سا ہوتا ہے۔ پھلی کو ڈالی سے توڑنے پر دودھ نکل آتا ہے۔ اس کا درخت بیس سے تیس فٹ تک اونچا ہوتا ہے۔ اس کا تنا سیدھا اور موٹائی میں تین چار فٹ کے قریب ہوتا ہے۔ اس کی چھال دبیز ہلکی اور کڑوی ہوتی ہے۔ اس کے پرانے پتے ماگھ میں گر پڑتے ہیں۔ چیت بیساکھ میں نئے نکل آتے ہیں اس میں چیت سے جیٹھ تک پھول آتے ہیں، اور برسات میں پھلیاں نکلتی ہیں جو پھاگن میں خشک ہو جاتی ہیں۔ پھول سفید رنگ کے چنبیلی کے ہم شکل ہوتے ہیں۔ مگر ان میں خوشبو نہیں ہوتی اس کی چھال کو کڑا چھال یا کڑا اسک اور انگریزی میں کرچی بارک (Kurchi Bark) کہتے ہیں۔ فرنگی طب نے اس میں سے ایک کھار (الکائڈ) برآمد کی ہے۔ جس کا نام نونی سین ہے۔

اقسام: ذائقہ کے لحاظ سے اندر جو کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تلخ اور دوسری شیریں صرف تلخ کے مقابلہ میں کہا جاتا ہے ورنہ پھیکی ہوتی ہے درخت کالا کڑا کے تخم اندر جو تلخ کہلاتے ہیں۔ اس کی پھلیوں کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور سفید کڑا کے تخم شیریں ہوتے ہیں۔ اس کی پھلیاں سبز

رنگ کی ہوتی ہیں۔

پیدائش : ہندوستان کے خشک جنگلوں اور ہمالیہ کے گرم حصوں میں عام طور پر پائے جاتے ہیں۔ان کے خاص مقامات ریاست جموں و یوپی وسطی ہنداور راجپوتانہ کے گرم وخشک مقامات پر چار ہزار فٹ کی بلندی تک ملتے ہیں۔لاہور شہر کے لارنس گارڈن (جناح باغ) میں بھی اس کے چند درخت ہیں۔**انگریزی دواساز کمپنیوں کا تیار شدہ سیاہ رب لیکوڈا ایکسٹرکٹ آف کرچی بازار میں دستیاب ہے۔**

رنگت و ذائقہ : اندر جو کی ایک قسم تلخ اور دوسری شیریں کہلاتی ہے۔چھال بھوری سیاہی مائل پھول سفید چمبیلی کی مانند، دودھ سفید۔ اس کا شیریں ذائقہ دراصل پھیکا ہوتا ہے۔جو تلخ کے مقابلے میں شیریں کہلاتا ہے۔

مزاج : اندر جو تلخ گرم خشک درجہ اوّل۔

مقدار خوراک: دورتی سے ایک ماشہ تک۔اندر جو شریں تر گرم درجہ دوم۔

مقدار خوراک: ایک ماشہ سے تین ماشہ تک۔

افعال و اثرات : اندر جو شیریں اعصابی غدی، یعنی محرک اعصاب محلل غدد اور مسکن عضلات۔اندر جو تلخ اور اس کی چھال اپنے اثرات میں اندر جو شیریں سے بہت زیادہ شدید ہیں۔کیمیاوی طور پر صفراء کی پیدائش اور اس کے اخراج کو جاری رکھتی ہیں۔جس سے صفراوی زہر خارج ہو کر اس میں اعتدال پیدا ہو جاتا ہے، اور جگر کی سوزش رفع ہو جاتی ہے شدید گرم کھار ہے۔

خواص : مولد مخرج صفراء دافع سوزش غدد، مدر بول، بندش حیض، خون، بول و براز اور پیچش خونی و بواسیر، دافع ریاح، جگر و گردوں اور مثانے کی پتھری کو توڑ کر خارج کرتا ہے۔پیٹ کے کیڑوں کو مارتا ہے۔

فوائد : اندر جو ہندی دوا ہے ویدک کتب میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے۔اگر اس کا نام اندر دیوتا کے نام پر ہے تو وہ بارش کا دیوتا ہے۔ بارش اگرچہ کھار کے قریب ہے مگر اندر جو میں جس حرارت کا اثر ہے، وہ بارش کے پانی میں نہیں ہے البتہ لفظ ''جو'' جو دراصل ریو ہے جس کے معنی مہا (بڑے) کے ہیں۔ممکن ہے پانی کی گرمی کو ظاہر کرتا ہے۔بہر حال اندر جو میں اس دوا کے افعال و اثرات پائے جاتے ہیں۔ لیکن ویدوں نے اس کے افعال و اثرات لکھنے میں غلطیاں کی ہیں۔سب سے بڑی غلطی یہ کی ہے کہ اس کی وات، پت، کف تینوں دوشوں کا ناش کرنے والا لکھا ہے۔قابل غور بات یہ ہے کہ جب ہر غذا اور دوا کسی نہ کسی ایک دوش کو رفع کرتی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ تمام دوش کو ناش کر دے۔پھر پیدا کیا کرتی ہے۔جیسے طب میں کہا جائے کہ فلاں دوا اور غذا تمام اخلاط کو ختم کر دیتی ہے۔دراصل حقیقت یہ ہے کہ جو اغذیہ اور ادویہ صفرا کی پیدائش اور اس کے اخراج میں اعتدال پیدا کرتی ہیں۔آیورویدک میں ان کے متعلق ایسا ہی لکھا گیا ہے۔

یاد رکھیں کہ جن بوٹیوں میں دودھ نکلتا ہے۔اور ان میں کھار پائی جاتی ہے۔ان میں یہی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔جیسے آک اور تھوہر وغیرہ ایسی بوٹیاں ہی کشتہ بنانے اور اکسیر تیار کرنے کے کام آتی ہیں۔ایسی ادویہ پرانی اور پیچیدہ امراض میں اعتماد کے ساتھ استعمال کی جا سکتی ہیں۔

اندر جو میں بھی یہ خوبیاں ہیں، اس کے استعمال سے غدد کی سوزش رفع ہو جاتی ہے۔معدہ و امعاء اور جگر و گردوں کے مزمن امراض خصوصاً پرانی اور خونی پیچش ہمیشہ کے لئے دور ہو جاتے ہیں۔ان کے علاوہ پرانے بخار خصوصاً دق وسل اور سرطان میں بھی اعتماد کی دوا ہے۔

ایسی ادویہ کے دور کے خواص قریب قریب شہد گھی اور زیتون سے ملتے ہیں۔یہ اشیا جگر و گردوں کے زہر کو دور کرتی ہیں۔

انڈا

تعارف: عربی میں بیضہ ماکیاں، فارسی میں تخم مرغ اور انگریزی میں ایگ (Egg) کہتے ہیں۔ انڈا سے مراد مرغی کا انڈا ہے۔ اس کے علاوہ بطخ اور دیگر پرندے بھی انڈے دیتے ہیں۔ ان کے خواص ان جانوروں کے خواص کے مطابق ہوتے ہیں۔ مختلف قسم کی مرغیاں مسلسل انڈے دیتی ہیں۔ ایک بار سات یوم سے لے کر دس یوم تک انڈے دیتی ہیں باقی وقت کڑک میں گزارتی ہیں۔ بعض مرغیاں مسلسل انڈے دیتی ہیں۔ کڑک میں وقت نہیں گزارتیں ایسی مرغیاں ولائتی کہلاتی ہیں۔

یادداشت: انڈا ایک مقوی، صالح اور خالص غذا ہے۔ یہ دوا نہیں ہے۔ اس میں اجزائے لحمیہ پوری مقدار اور پوری حرارت میں پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس کو اجزائے لحمیہ (پروٹین) کا بہترین مرکب سمجھا جاتا ہے۔ بکرے کے گوشت میں حرارت اس سے کم ہوتی ہے۔ گائے کے گوشت میں بکرے کے گوشت سے بھی حرارت کم ہوتی ہے اس کے برعکس اڑنے والے پرندوں کے گوشت اور انڈے میں مرغابی کے گوشت اور انڈے میں بھی زیادہ حرارت ہوتی ہے۔ جیسے تیتر، بٹیر، تلیر اور چڑیا وغیرہ۔ لیکن پانی کے پرندے کے گوشت اور انڈے کی گرمی مرغی کے گوشت اور انڈے کی گرمی سے کم ہوتی ہے جیسے بطخ، مرغابی اور دیگر پرندے وغیرہ۔

رنگت و ذائقہ: انڈے کے اندر دو جز پائے جاتے ہیں ایک کا مصلح گھی خالص ہے۔ بندش بول اور بندش طمث کرتا ہے۔

فوائد: یہ ایک غلط فہمی چلی آتی ہے کہ انڈے کی سفیدی میں تسکین کی قوت ہے اور زردی میں تسکین کی قوت نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے بیرونی استعمال میں انڈے کی سفیدی کی نسبت دافع سوزش قوت زیادہ اور دوسری غلط فہمی یہ چلی آتی ہے کہ سفیدی سردتر اور زردی گرم تر ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سفیدی اور زردی دونوں میں گندھک کے اثرات پائے جاتے ہیں اور وہ خشک ہے اس لئے دونوں میں خشکی پائی جاتی ہے اور اس وجہ سے انڈے میں خشکی زیادہ ہے، کیونکہ انڈا مولد صفراء ہے اور خون میں حدت پیدا کرتا ہے۔

انڈا ایک بہترین قسم کی مقوی غذا ہے۔ خاص طور پر دائمی نزلہ وزکام، دائمی ریشہ اور ذیابیطس کے لئے بے حد مفید ہے۔ اعصابی بخاروں اور اعصابی اسہال میں بھی بے حد مفید ہے۔ اس کے استعمال سے دِل میں بے حد طاقت پیدا ہوتی ہے۔ اور خون میں حرارت بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے کثرت استعمال سے دماغ کی طرف خون کا دباؤ شدید ہو جاتا ہے، اور وہاں سے نزلہ اور ریشہ خشک ہو جاتے ہیں۔ اس کے استعمال سے جسم میں بہت جلد گوشت پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے لیکن اس کے کثرت استعمال سے بواسیر ہو جانے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔ بڑھاپے کے لئے بے حد مفید ہے، جوانوں میں ضرورت کے مطابق استعمال کرائیں ورنہ احتلام میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔

یادداشت: موجودہ سائنس نے انڈے اور خاص طور پر اس کی زردی کو خشک کر کے دوا کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

عام طور پر غذا میں تقویت کے لئے اس کا حلوہ استعمال کیا جاتا ہے لیکن کمزور مریضوں کے لئے نیم برشت انڈے کا استعمال زیادہ مفید ہے۔ سوزش معدہ و امعاء کی صورت میں اس کو شہد میں ملا کر نیم گرم کر کے استعمال کرنا بہت مفید ہے۔

انڈے کا چھلکا: اس میں کیلشیم فاسفیٹ بہت بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ اس کا کشتہ اعلیٰ درجے کا عضلاتی مقوی ہے جو دائمی نزلہ وزکام، ریشہ، دمہ، ضعف قلب، کثرت بول اور ذیابیطس میں بے حد مفید ہے۔ اس کے علاوہ دافع جریان اور مقوی باہ بھی ہے۔

مقدار خوراک: ایک رتی سے چار رتی تک ہے اسے چائے کے ساتھ استعمال کرنا چاہئے، پانی کے ساتھ بھی دے سکتے ہیں نیم برشت

انڈے میں اس کا استعمال بے حد مفید ہے بلکہ معجزہ نما اثرات ظاہر ہوتے ہیں اس طریق پر اس کا استعمال مندرجہ بالا امراض میں نہایت ہی مفید ہے بلکہ ان امراض میں تریاق کا کام کرتا ہے۔

انزروت

تعارف: عربی میں انزروت، فارسی میں انجدک کہتے ہیں۔ اس کا مشہور نام ماس خورہ ہے یہ ایک نباتاتی گوند ہے۔ اس کے درخت کو عربی میں سائلہ کہتے ہیں۔ یہ ایک خاردار درخت ہے۔ یہ زیادہ تر کرمان اور فارس سے آتا ہے۔

رنگت اور ذائقہ: اس کا رنگ سرخ، زردی مائل اور ذائقہ ہلکا تلخ ہوتا ہے۔

مزاج: خشک تیسرے درجے میں گرم دوسرے درجے میں۔

مقدار خوراک: نصف ماشہ سے ایک ماشہ تک۔

افعال و اثرات: عضلاتی غدی ملین یعنی عضلات میں تحریک غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل۔ کیمیاوی طور پر خون میں صفرا اور گرمی خشکی پیدا کرتی ہے۔

خواص: محرک قلب، مولد صفرا ملین و کاسر ریاح، مجفف، قروح، حابس و دافع بلغم و رطوبات اور محلل اورام ہے۔

فوائد: انزروت کو عام طور پر آنکھ، کان، ناک اور جسم کے زخموں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اندرونی طور پر کھانے سے بھی اتنا ہی مفید ہے جتنا کہ بیرونی طور پر استعمال کرنے میں مفید ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک طرف تو بلغم اور رطوبت کی پیدائش کو روکتا ہے اور دوسری طرف بلغم اور رطوبت کو پاخانے کے راستے خارج کرتا ہے۔ اور خون میں کیمیاوی طور پر ایسی لزوجیت پیدا کرتا ہے جس سے اندر کے پرانے زخم بھرنا شروع ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ اس کی یہ خوبی بھی ہے کہ جس جگہ ورم ہو وہاں پر دوران خون کو تیز کر کے حدت پیدا کر دیتا ہے اور ورموں کو تحلیل کر دیتا ہے۔ خصوصاً جوڑوں کے اورام اور عرق النساء کے لیے مفید ہے کیونکہ یہ محرک عضلات کے زخموں کو دور کرنے میں بے حد مفید ہے۔ اس سلسلہ میں دانتوں کا ماس خورہ پیٹ درد اور گلے کا کینسر (سرطان) قابل ذکر ہیں۔ اس کے لیے خاص بات یہ ہے کہ چونکہ یہ ایک قسم کی گوند ہے۔ اس لیے جس دوا میں شامل کی جاتی ہے اس کی گولی بہت سہولت سے بن جاتی ہے۔ یہ مایہ ناز یقینی مؤثر دوا ہے اس لیے اس کا استعمال خصوصاً سرموں میں اور کان اور ناک کے زخموں اور مسوڑھوں کے متعفن زخم کے لیے بے حد مفید ہے۔ اور اندرونی طور پر بھی اس کا استعمال ہر قسم کے عضلاتی زخموں میں جب کہ ان میں پیپ پڑ گئی ہو بے حد مفید ہے۔

انگور

تعارف: عربی میں عنب بنگالی میں داکھ اور انگریزی میں گریپ کہتے ہیں۔ یہ ایک مشہور میوہ ہے جو تمام دنیا میں پایا جاتا ہے۔ اس میں وزن کے لحاظ سے بھی دو اقسام ہیں ایک چھوٹا اور ایک بڑا۔ جب ان کو خشک کر لیا جاتا ہے تو چھوٹے کو کشمش اور بڑے کو مویز (منقی) کہتے ہیں۔ خشک ہونے پر یہ کئی سال تک خراب نہیں ہوتا۔

مقام پیدائش: یہ عام طور پر علاقہ سرحد، بلوچستان کشمیر قندھار اور افغانستان میں پیدا ہوتا ہے چمن کا انگور اپنی خصوصیت کے لحاظ سے خوش رنگ شیریں اور لذیذ ہوتا ہے۔

رنگت اور ذائقہ : رنگت اور ذائقہ کے لحاظ سے تین اقسام زرد سبز اور سیاہ، ذائقہ میں شیریں کم میٹھا اور ترش ہوتے ہیں خام انگور سبز سخت اور انتہائی ترش ہوتا ہے۔ کشمش اور منقیٰ کا رنگ عام طور پر نسواری اور پیلا ہوتا ہے۔ اور ذائقہ انگور کی قسم کے مطابق ہوتا ہے۔

مزاج : تازہ شیر گرم اور تر خام سرد خشک، کشمش اور منقیٰ خشک گرم یعنی گرم ایک حصہ اور خشک دو حصے۔

مقدار خوراک : حسب ضرورت۔

افعال و اثرات : تازہ شیریں غدی، خام عضلاتی، اعصابی خشک، عضلاتی، غدی، کیمیاوی طور پر جسم میں حرارت اور صفراء پیدا کرتا ہے۔ مجموعی طور پر عضلات میں تحریک، غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل پیدا کرتا ہے (عضلاتی اعصابی)۔

خواص : مقوی قلب، ملین مولد حرارت، مولد خون صالح، مشتہی مبہی اور جسم میں فربہ پن پیدا کرتا ہے۔ ایک انتہائی مقوی غذائی دوا ہے۔

فوائد : انگور ایک قابل اعتماد غذائی دوا ہے۔ اس کے استعمال سے دِل میں انتہائی تحریک اعصاب میں تقویت اور غدد میں حرارت پیدا ہوتی ہے۔ مسلسل استعمال سے دائمی قبض کا خاتمہ یقینی ہے۔ کشمش اور منقیٰ کے استعمال سے یہی اثرات زیادہ طاقت سے پیدا ہوتے ہیں کشمش اور منقیٰ کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اگر بخار جسم کے اندر ہو تو ان کے استعمال سے بخار باہر آ جاتا ہے اس سے جو شراب تیار کی جاتی ہے، وہ دُنیا بھر میں بہترین قسم کی شراب شمار ہوتی ہے۔ اور وہ اثرات کے لحاظ سے بھی وہی عمل رکھتی ہے، جو کشمش اور منقیٰ کا ہے۔

نوٹ : اسلام میں شراب حرام ہے اور خصوصیت کے ساتھ انگور کی شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ شراب کے مسلسل استعمال سے خون میں کیمیاوی طور پر ایک ایسا زہر پیدا ہو جاتا ہے، جس سے گوشت میں خمیر پیدا ہو جاتا ہے اور وہ پھول جاتا ہے۔ ایسی صورت میں شراب کے استعمال سے جسم میں گرمی پیدا ہونا ختم ہو جاتی ہے۔ دل کی حرکت بالکل کمزور ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ انسان مر جاتا ہے۔

بہرحال انگور، کشمش اور منقیٰ مقویات میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی طاقت کا اثر ہمیشہ کے لئے قائم رہتا ہے۔ ان کے استعمال سے نہ ہی جسم میں زہر پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی گوشت میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ اور نہ ہی خون میں تعفن پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی خوراک ہے جو ہر موسم میں دِل کی تحریک، دماغ کی تقویت اور جگر کی حرارت کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے۔ اس کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے۔

اس کا سرکہ بھی تیار کیا جاتا ہے، جو تمام سرکوں سے بہتر شمار ہوتا ہے جس کے اثرات خام انگور کے مطابق ہیں۔ یعنی عضلاتی اعصابی اور غذا کے ساتھ سرکہ استعمال کرنا دِل کی تقویت کے لئے مفید ہے۔ یاد رکھیں کہ سرکہ میں غذائیت نہیں ہوتی صرف دوائیت ہی ہوتی ہے۔ اس کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے۔ سکون قلب کے لئے مفید ہے۔

اناناس

تعارف : ایک مشہور پھل ہے۔ جس کو بنگالی میں انارس اور انگریزی میں پائن ایپل کہتے ہیں، اس کا پودا کیوڑے سے مشابہ ہوتا ہے، اسی کی مانند پتے ہوتے ہیں، پتوں کے درمیان میں شاخیں نکلتی ہیں اور ان پر پھل نکلتے ہیں۔ جن کو اناناس کہتے ہیں۔ اس کا چھلکا موٹا ہوتا ہے جس پر ابھار درابھار بنے ہوتے ہیں۔ اس چھلکے کو اُتارنے کے بعد اندر زرد رنگ کا گودا ہوتا ہے جو کھایا جاتا ہے۔

رنگت اور ذائقہ : اناناس باہر سے سرخ سبزی مائل اور اندر سے زرد رنگ کا ہوتا ہے۔ ذائقہ شیریں، ترشی مائل خام ترش ہوتا ہے۔ اس کا مقام پیدائش ہندوستان اور مشرق بعید ہے۔

مزاج : گرم پہلے درجہ میں تر دوسرے درجہ میں اور خام سرد خشک ہوتا ہے۔

خوراک: آدھ پاؤ سے نصف سیر تک لے سکتے ہیں۔

افعال و اثرات: پختہ غدی اعصابی، غدی محرک وعضلاتی محلل اور اعصابی مسکن، خام غدی عضلاتی ہوتا ہے۔ کیمیاوی طور خون میں صفراء پیدا کرتا ہے۔

خواص: محرک جگر وگردہ، مقوی قلب، مؤلد صفرا اور بول، مسکن اعصاب، مدر حیض اور مسقط جنین، ملین، قاطع سودا اور مخرج بلغم وریگ اور پتھری، معرق، مفرح اور ایک لذیذ غذائی دوا ہے۔

فوائد: جناب حکیم کبیر الدین صاحب نے اپنی کتاب الادویہ (مخزن المفردات) میں اناس کا مزاج سرد تر دوسرے درجے میں لکھا ہے، اور افعال میں مسکن صفراء لکھا ہے۔ لیکن ساتھ ہی مدر بول وحیض گردہ ومثانہ سے سنگ اور ریگ کو خارج کرنے میں مستعمل ہے۔ بعض کتب میں اس کو مخرج جنین لکھا ہے۔

حیرت کا مقام ہے کہ جو دوا مدر حیض اور مخرج جنین ہو وہ کیسے سرد تر اور مسکن صفراء ہوسکتی ہے۔ دُنیا بھر میں کوئی بھی ایسی سرد تر دوا نہیں ہے جو مدر حیض اور مسقط حمل ہو یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔

جہاں تک اس کے مفرح اور مقوی قلب ہونے کا تعلق ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اناس بڑی اعلیٰ قسم کی قاطع سودا دوا ہے جس سے قلب میں تقویت پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ جگر وگردوں اور غدد میں تری اور حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ اپنی اس صفت میں واحد پھل ہے۔ موسم گرما میں اس کا شربت بھی تیار کیا جاتا ہے جو اپنے خواص کے لحاظ سے مخصوص مقام رکھتا ہے۔ اس کا مربہ بھی تیار کیا جاتا ہے جو بند ڈبوں میں بازار میں عام ملتا ہے اور ہر موسم میں قابل استعمال ہے۔

انیسوں

تعارف: عربی میں کمون، فارسی میں بادیان رومی، بنگالی میں موری اور انگریزی میں اینی سائی کہتے ہیں۔ اس کے گول لمبوترے اور بیضوی شکل کے تخم ہوتے ہیں جو بادیان سے قدرے چھوٹے ہوتے ہیں، یہ نہایت ہی قدیم یونانی ادویہ میں سے ایک دوا ہے، یہ ایک مشہور ترین قسم کی دوا ہے اور اس کا پودا بادیان کی طرح کا ہوتا ہے۔

رنگت اور ذائقہ: اس کی رنگت زرد سبزی مائل ہوتی ہے، اور ذائقہ خوش گوار، قدرے تلخ اور تیز ہوتا ہے۔

مزاج: گرم دوسرے درجے میں اور تر پہلے درجے میں۔

مقدار خوراک: 3 سے 6 ماشہ تک۔

افعال و اثرات: غدی اعصابی، یعنی غدی محرک، عضلاتی محلل اور اعصابی مسکن کیمیاوی طور پر صفراء اور حرارت پیدا کرتی ہے۔ جس سے خون کے اندر تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔

خواص: محرک جگر وگردہ، مؤلد صفراء اور کاسر ریاح۔ قاطع سودا ومخرج بلغم۔ مدر بول وحیض، معرق، سنگ وریگ گردہ اور مثانہ کو خارج کرتا ہے۔ اس کے علاوہ مسقط حمل ہے۔

فوائد: بہت کم ایسی ادویات ہیں جو خالص صفرا پیدا کریں اور اس طرح صفرا اور حرارت پیدا ہو کر جسم کے خوفناک امراض کو دور کردے ان میں سے ایک انیسوں بھی کامیاب دوا ہے جب جگر وگردے ٹھنڈے ہو جائیں۔ معدہ میں ریاح وترشی کی زیادتی ہو، عضلاتی سوزش سے

درد ہو تو یہ ایک کامیاب دوا ہے سوداوی امراض میں یقینی اور بے خطا دوا ہے پرانی کھانسی و دمہ اور بلغمی انجماد خون کے لئے مفید ترین دوا ہے۔ بندش بول وحیض کے لئے روزانہ استعمال ہونے والی دوا ہے ریاحی دردوں کے لئے فوری اثر کرنے والی دوا ہے۔ پیچش ومروڑ میں بے حد مفید ہے۔ اس میں سے روغن بھی نکالا جاتا ہے۔ جو مندرجہ بالا امراض میں اندرونی اور بیرونی طور پر تریاق کا کام کرتا ہے۔ اس دوا اور اس کے مرکبات کا ہر مطب میں تو کیا بلکہ ہر گھر میں ہونا نہایت ضروری ہے۔

یاد رکھیں کہ چرپری ادویات میں سونٹھ وفلفل سیاہ اور فلفل دراز کے پائے کی دوا ہے۔ اس کے استعمال سے فوراً صفراء اور حرارت کی پیدائش شروع ہو جاتی ہے۔ جس سے جسم خصوصاً عضلات میں سوزش واورام اور بخاروں کے لئے اعتماد کی دوا ہے۔

اجمود

تعارف : عربی بزرالکرفس اور فارسی میں کرفس کہتے ہیں۔ اجوائن کی ایک قسم میں شمار کرتے ہیں کیونکہ اس کا ذائقہ اور بو اس کے مشابہ ہوتی ہے۔ مگر اجمود کا بیج اجوائن دیسی سے کسی قدر موٹا ہوتا ہے، بعض اجمود کو ماہیتاً کرفس سے ایک جداگانہ دوا خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ اجمود کا دانہ اجوائن دیسی کے دانے سے دو چند موٹا ہوتا ہے اور کرفس کا دانہ اجمود سے چار گنا باریک ہوتا ہے۔ اور ان ہر سہ اجناس کی ظاہری رنگت بھی مختلف ہوتی ہے۔ البتہ جنسی لحاظ سے اس کو اجوائن دیسی اور کرفس کی ایک ہی قسم خیال کیا جاتا ہے۔ اس لئے اطباء جملہ افعال واثرات میں اجوائن دیسی کے مشابہ خیال کرتے ہیں اور چہار اجوائن میں اس کو شریک کرتے ہیں۔

اجمود کے پودے بھی اجوائن کی طرح ہوتے ہیں اور پاک وہند میں ہر جگہ کاشت کئے جاتے ہیں۔ کسان انہیں کھیتوں میں بوتے ہیں۔ خصوصاً پنجاب کے پہاڑوں اور مغربی گھاٹ پر بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ اس کی کاشت بھی اجوائن کی طرح ہوتی ہے۔ اجوائن کی طرح اس کی شاخوں پر بھی بڑے بڑے چھتے لگتے ہیں جن میں اس کا بیج ہوتا ہے۔

رنگت اور ذائقہ : اجمود کا رنگ سبزی مائل ہونے کے باعث اجوائن کے دانوں سے بآسانی پہچانے جاتے ہیں۔ ذائقہ چرپرہ، تلخی مائل ہوتا ہے۔ تیزی اور خوشبو میں اجوائن سے کم تند ہوتی ہے۔ مزاج گرم خشک دوسرے درجے میں۔

افعال و اثرات : غدی عضلاتی یعنی غدد میں تحریک، عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین کیمیاوی طور پر خون میں صفرا اور حرارت پیدا ہوتی ہے۔

خواص : مسمن ومجفف جگر، مسکن دماغ واعصاب، جالی، مشتہی، کاسر ریاح، مدر حار، قاتل کرم اور دافع تعفن۔

فوائد : ضعف جگر وگردے اور معدہ وامعا کے لئے بے حد مفید ہے۔ جو ادویہ مسہلہ امعاء میں سوزش پیدا کر دیتی ہیں ان کے لئے اجمود مفید ہے۔ جگر اور گردوں سے پتھری کا اخراج کرتی ہے اور ان میں تحریک پیدا کرتی ہے۔ عضلات میں تحلیل پیدا کر کے پسینہ لاتی ہے، بخاروں میں مفید ہے۔ جسم کو گرم کر کے حرارت غریزی کو بڑھاتی ہے بندش حیض اور سردی سے بند شدہ بول کو جاری کرتی ہے۔ صفراء کی پیدائش سے دافع تعفن اور قاتل کرم ہے۔ بدہضمی ونفخ اور قے واسہال کے لئے بھروسہ کی دوا ہے۔ نقرس اور ہیضے کے لئے یقینی دوا ہے۔ آنکھوں کے سرد امراض میں مفید ہے درد جسم ودرد پہلو جو سردی کی وجہ سے ہوں ان کے لئے اس کا استعمال مفید ہے اسی طرح ہچکی اور پتی اچھلنے میں مفید ہے۔

اخروٹ

تعارف: عربی میں جوز، فارسی میں گردگان کہتے ہیں ایک قسم کا خشک پھل ومیوہ ہے جس کا مغز بہت نرم ہوتا ہے مگر اس کا چھلکا بہت سخت ہوتا ہے۔ مغز اور چھلکا دونوں گول ہوتے ہیں اس کی ایک قسم کاغذی اخروٹ کی ہوتی ہے جس کا چھلکا ہاتھ سے دبانے پر ٹوٹ جاتا ہے اخروٹ دوائے غذائی ہے۔ مغز میں ایک قسم کا فراری روغن ہوتا ہے جس میں بے حد تیزی ہوتی ہے اس لئے جب کچھ زیادہ کھایا جائے تو منہ وزبان اور گلے میں سوزش ہو جاتی ہے۔

رنگت اور ذائقہ: چھلکا خام حالت میں سبز اور پختہ ہونے پر خاکستری ہو جاتا ہے، مغز سفید خاکی مائل ہوتا ہے۔ مغز چرب خشک مگر بہت لذیذ ہوتا ہے۔ مزاج گرم دوسرے درجے میں اور خشک پہلے درجے میں۔ بعض ان کے روغن کی وجہ سے گرم تر بھی لکھتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ گرم تر شے سے منہ وزبان اور گلے میں سوزش نہیں ہوسکتی۔ اس لئے یہ گرم خشک ہے۔

افعال و اثرات: غدی عضلاتی یعنی غدد میں تحریک۔ عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین، کیمیاوی طور پر خون میں صفراء اور حرارت پیدا کر کے حرارت غریزی کی مدد کرتا ہے یعنی حار غریزی ہے یعنی ایسی شے جو حرارت غریزی کی مدد کرے۔ اس لئے محافظ جوانی اور اعادہ شباب میں مفید ہے۔

خواص: مقوی خواص ظاہری و باطنی اور روح ونفس، مولد حرارت صالح، مشتی ومبہی، ملین ومقوی معدہ وامعاء اور گردہ ومثانہ، محلل اور جالی، ایک بے حد لذیذ میوہ ہے، مولد شیر ومنی اور محرک باہ، مخرج حیض اور مقوی رحم ہے۔

خصوصی تاکید: اخروٹ دوائے غذائی ہے اور اس میں روغنیت شامل ہے۔ اس لئے اس میں حرارت پیدا کرنے کے لئے دو اثرات ہیں۔ اوّل یہ خود غدد میں تحریک دے کر حرارت پیدا کرتا ہے دوسرے اس کے غذائی اجزاء حرارت میں تبدیل ہو جاتے ہیں جو نشو ونما کا باعث بنتی ہے۔

فوائد: ضعف گردہ ومثانہ اور جگر کو دور کر کے جسم میں حرارت اور قوت پیدا کرتا ہے۔ اس کا اثر دل ودماغ پر خاص طور پر محسوس ہوتا ہے۔ بعض حکماء ادویہ واغذیہ کو جسم میں مشابہت کی وجہ سے ان کے بالخاصہ افعال واثرات کو انہی ایک مناسبت سے بیان کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے چونکہ اخروٹ خصوصاً اس کے مغز کی شکل بالکل دماغ کے ساتھ ملتی ہے۔ اس لئے یہ خصوصیت کے ساتھ مقوی دماغ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ غدی تحریک کی وجہ سے اور حار غریزی ہونے کی وجہ سے دماغ کے غدی پردے (غشائے مخاطی) میں تحریک دینے سے دماغ اور اعصاب کے لئے بے حد مقوی بن جاتی ہے۔ اس لئے معدہ وامعاء میں مشتی ومبہی اور ملین اثر کرتا ہے۔ گردوں کو تقویت دینے کی وجہ سے ضعف باہ کے لئے خاص شے ہے۔ اس کا مولد منی ہونا بھی تقویت باہ کے لئے مفید ہے۔

اپنے انہی اثرات کی وجہ سے عورتوں کے لئے بھی اخروٹ خاص شے ہے۔ جسم میں خون پیدا کرتا ہے اور خون کو تقویت دیتا ہے۔ پستانوں میں تناؤ پیدا کر کے ان میں خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔ ماہواری کو باقاعدہ کرتا ہے۔ سیلان الرحم کو ختم کر دیتا ہے۔ عورتوں میں ایک نئی زندگی اور جوانی پیدا کرتا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ عورت کی فرج میں تنگی اور تقویت پیدا کر دیتا ہے۔

مرد اور عورت دونوں کے خواص ظاہری اور باطنی میں تیزی اور روح ونفس میں نئی زندگی پیدا کرتا ہے۔ سردیوں میں اس کا غذا کے بعد استعمال صحت وقیام جوانی کے لئے بے حد مفید ہے۔

اجوائن خراسانی

تعارف : عربی میں مین بج اور تخموں کو بزرالنج اور سیکران بھی کہتے ہیں چونکہ خراساں کی پیداوار ہے اور وہاں سے آتی ہے اس لئے خراسانی کہلاتی ہے۔لیکن کشمیر سے گڑھال تک کے پہاڑی علاقہ میں کافی مقدار میں پیدا ہوتی ہے یہ پودا کشمیر کے علاقہ میں اردگرد بنجر زمین پر پانچ ہزار سے نو ہزار کی بلندی پر عام ہوتا ہے۔اس کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی اس کی کاشت کی جاتی ہے۔پودے پر روئیں، پتے بیضوی شکل پانچ انچ کے قریب لمبے ہوتے ہیں۔اس کا پودا اور پتے بھی اجوائن دیسی کے مشابہ ہوتے ہیں۔اور اسی کی مانند اس کی شاخوں پر بھی چھتے سے لگتے ہیں۔جب وہ چھتے پک جاتے ہیں تو مقامی باشندے ان کو کوٹ کر دانے نکال لیتے ہیں۔جو دیسی اجوائن سے کچھ بڑے ہوتے ہیں۔پھولوں کی رنگت کے لحاظ سے اجوائن خراسانی تین قسم کی ہوتی ہے،(۱) سفید (۲) سرخ (۳) سیاہ۔

عام طور پر سفید پھولوں والی زیادہ استعمال ہوتی ہے۔بعض سرخ کو بھی استعمال کرتے ہیں۔لیکن سیاہ کو زیادہ سمی اور قاتل ہونے کی وجہ سے ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔لیکن حقیقت ہے کہ تینوں اقسام کی اجوائن خراسانی سمی اثر ہی رکھتی ہے۔اس کا استعمال انتہائی ضرورت اور شدید امراض ہی میں کرنا چاہئے،اور کچھ آرام کے بعد استعمال ترک کر دینا چاہئے۔

یاد رکھیں کہ ہر قسم کی زہریلی ادویات سے دور رہیں۔جب تک دیگر ادویہ سے علاج ہو سکتا ہے، زہریلی ادویہ کو کبھی استعمال نہ کریں۔یہ بھی یاد رکھیں کہ مخدرات اور منشیات کے فوائد عارضی اور نقصان بہت زیادہ ہوتا ہے۔

اجوائن خراسانی کی ماہیت میں اطباء کو عموماً اختلاف ہے۔اس اختلاف کی بنا اس کے ناموں ہی سے شروع ہوتی ہے۔چنانچہ عربی محاورہ میں اُردو کا گاف جیم سے بدل جاتا ہے اس لئے بزرالنج سے تخم بھنگ مراد ہو سکتی ہے علم ادویہ کے تحقیقاتی مشاہدات سے بلحاظ خواص و اثرات تخم بھنگ اور اجوائین خراسانی آپس میں ملتی جلتی دوائیں ہیں۔لیکن ماہیت میں ایک دوسرے سے جدا۔اس اسی اختلاف پر محققین علم الادویہ نے کئی ایک صورتوں میں اختلاف کیا ہے اور تاریخی واقعات بھی اس اختلاف کے شاہد ہیں۔لہٰذا کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں دوائیں ابتداء سے مشکوک رہی ہیں بہرکیف اس الجھن سے نکلنے کے لئے اور علم الادویہ کی صحیح ترجمانی کی غرض سے اجوائن خراسانی کو خراسانی کہنا درست ہوگا لہٰذا ہم بزرلبنج خراسانی کہتے ہیں۔

رنگ و ذائقہ : سفید وسیاہ اور سرخ، مزہ تیز اور تلخ ہوتا ہے۔

افعال و اثرات : اعصابی عضلاتی شدید یعنی اعصاب میں تحریک، غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین دیتی ہے اور کیمیاوی اثرات کی وجہ سے خون میں حرارت اور رطوبت کی کمی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

مزاج : سردتر، تیسرے درجے میں۔

خواص : اوّل محرک دماغ و اعصاب، دافع سوزش جگر و کلیہ اور غدد امعاء و مثانہ، دافع صفراء اور مسکن قلب ہے اور بعد میں جب رطوبت جسم پر کثرت سے ترشح پا جاتی ہیں تو مسکن و مخدر اور مقوی اثر کرتی ہے۔انتہائی حابس و مجفف اور رادع مواد ہے۔

فوائد : ہر قسم کے اندرونی اور بیرونی دردوں میں تسکین دیتی ہے۔شدید قسم کی سوزش جگر و کلیجہ اور غدد اور اورام میں انتہائی مفید ہے۔اس لئے سوزش نزلہ زکام، درد سر اور کھانسی، درد سینہ شدید کے لئے مفید ہے۔درد امعاء خصوصاً پیچش اور زحیر خونی کے لئے از حد مفید ہے۔اسی طرح نقرس اور عرق النساء کے لئے اندرونی اور بیرونی طور پر بطور مالش مفید ہے۔اس کا روغن مالش کے علاوہ درد کان اور درد دانت میں

ایک کامیاب دوا ہے مخدر اور مسکن اثر کی وجہ سے سرعت انزال کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ ایک اچھی ممسک دوا ہے گردوں اور مثانہ میں جب سنگ اورام کی وجہ سے شدید درد ہو تو یہ ایک بھروسہ کی دوا ہے۔

مقدار خوراک : ایک رتی سے چار رتی تک اور مرکبات میں چار رتی سے ایک ماشہ تک استعمال ہو سکتی ہے۔

اجوائن خراسانی کو کثیر مقدار میں استعمال کرنے یا عرصہ تک متواتر کھاتے رہنے سے اس کے مضر اثرات ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں جن میں سدر و دوار، خناق دردسر، جنون و مالیخولیا، سبات واختلاط عقل اور ثقل سماعت وضعف بصر پیدا ہو جاتا ہے۔ اعضاء مسترخی ہو جاتے ہیں۔ بدن سرد اور رنگت زرد ہو جاتی ہے۔ مریض گفتگو کرنے پر قادر نہیں رہتا۔ اگر بہت جلد علاج کی صورت نہ کی جائے تو تھوڑے عرصہ میں ہلاک ہو جاتا ہے، ایسی صورت پیش آئے تو شہد آبِ گرم میں یا گھی دودھ پلا کر بار بار قے کرائیں۔ جب معدہ صاف ہو جائے تو عضلاتی غدی ملین یا مسہل دیں۔ اگر انتہائی کمزوری ہو جائے تو عضلاتی غدی مقوی استعمال کرائیں۔ ابتدائی حالت میں عضلاتی اعصابی ملین یا مسہل مفید ہو سکتے ہیں۔ اس کی ابتداء خراب علامات میں منہ سے جھاگ کا آنا زبان کا متورم ہو جانا، آنکھوں کی سرخی، سانس کی تنگی اور نشہ کی حالت وغیرہ لاحق ہوا کرتی ہے۔

زہر خوردہ مریض کی دوا کے لئے بکری کا نیم گرم دودھ شہد سے میٹھا کر کے دیں۔ شوربہ گوشت نیم گرم استعمال کرائیں۔ یاد رکھیں کہ مریض کو اس وقت تک نیند نہ کرنے دیں جب تک اس کی صحت کا پورا پورا یقین نہ ہو جائے۔ پھر خیال رکھیں کہ منشیات بغیر انتہائی ضرورت کے دینا منع ہے۔

اندرائن

تعارف : عربی حنظل، فارسی میں خربوزہ تلخ، اُردو میں تمہ، بنگالی میں اندرائن اور انگریزی میں کالوسنتھ کہتے ہیں۔ یہ خودرو جنگلی بیل ہے۔ جس کے پتے خربوزہ کی بیل کی طرح ہوتے ہیں۔ اس کا پھل بھی بالکل خربوزہ کی شکل وصورت کا ہوتا ہے۔ لیکن اس سے بہت چھوٹا اندازاً سیب کے برابر ہوتا ہے اور بھی کئی جنگلی پھل اس شکل وصورت کے ہوتے ہیں مگر اس کی شناخت یہ ہے کہ یہ گیند کی طرح بالکل گول ہوتا ہے البتہ جب خشک ہو جاتا ہے تو پچک جاتا ہے۔ تازہ حالت میں گودا چھلکے سے بڑی مشکل سے جدا ہوتا ہے جو رس سے بھرپور ہوتا ہے۔ اکثر یہی شحم دوا میں مستعمل ہے۔ بعض اطباء اور وید اس کے تخم بھی بعض امراض میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے چھلکے کو استعمال نہیں کرتے لیکن ہماری تحقیقات یہ ہے کہ اس کے تمام اجزاء چھلکا شحم اور تخم وغیرہ ایک ہی قسم کے اثرات رکھتے ہیں اس کے استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ خشک حالت میں تمام پھل کو کوٹ کر سفوف بنا لینا چاہئے اور دوا کے طور پر استعمال کرنا چاہئے تازہ صورت میں اس کا رس وتخم اور چھلکے استعمال کئے جا سکتے ہیں اس کا رب تیار کرنے میں اس کے چھلکے کو بھی رگڑ لینا چاہئے اور دوا کے طور پر استعمال کرنا چاہئے۔ بلکہ رس نچوڑ لینے کے بعد کچھ بچ جائے اس کو بھی خشک کر لینا چاہئے۔ اس میں بھی بہت کچھ اس کا اثر ہوتا ہے۔ اس کا کوئی جزو بھی ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

پیدائش : پاکستان میں اس کی باقاعدہ کاشت نہیں ہوتی اس کی خودرو بیلیں اکثر جنگلوں اور ریگستانوں میں اس کثرت سے پائی جاتی ہیں کہ میلوں اس کے پھل پھیلے ہوتے ہیں۔ پاکستان کے شمال مغربی ووسطی اور جنوبی علاقوں میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ پنجاب و سندھ اور ساحل کارمنڈل میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس کا پھل موسم سرما میں پکتا ہے اور ماہ دسمبر اور جنوری میں تازہ پھل بازار میں آ جاتا ہے جو

بہت کم عرصہ رہتا ہے۔ عام طور پر خشک حالت میں سارا سال بازار میں مل سکتا ہے۔ بیرونی ملک سے تجارت کی صورت میں اس کا گودا (شحم) یارب فروخت ہوتا ہے اور ادویہ میں یہی مستعمل ہے۔

رنگت اور ذائقہ : تازہ پھل زرد رنگ کا ہوتا ہے جس میں سبز رنگ کی چوڑی چوڑی خربوزہ کی طرح دھاریاں ہوتی ہیں۔ خشک ہونے پر اس کا رنگ زرد سرخی مائل ہو جاتا ہے۔ تخم سرخ زردی مائل ہوتے ہیں، پھول زرد ہوتے ہیں، اس کے تمام اجزاء کا ذائقہ سخت تلخ ہوتا ہے اور بہت عرصہ تک اس کی تلخی دور نہیں ہوتی۔ تلخی تکلیف دہ ہے۔

مزاج : عام طور پر اس کا مزاج گرم خشک، تیسرے یا چوتھے درجے میں گرم اور دوسرے درجے میں خشک لکھا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اگر گرم زیادہ اور خشک کم ہو تو گرم خشک نہیں بن سکتا۔ بلکہ گرم تر ہونا چاہئے، لیکن اس میں خشکی اس کی گرمی سے بہت زیادہ ہے اس کا مزاج بھی مسلمہ طور پر خشک گرم ہے اس لئے گرم دوسرے درجے میں اور خشک تیسرے درجے میں ہے۔ اگر ایسا تسلیم نہ کیا جائے تو مولد صفراء نہیں بن سکتا۔

مقدار خوراک : تازہ ایک ماشہ سے تین ماشہ تک اور خشک دو رتی سے ایک ماشہ تک۔

افعال و اثرات : عضلاتی غدی مسہل ہے یعنی عضلاتی محرک۔ اعصابی محلل اور غدی مسکن ہے۔ کیمیاوی طور پر ترشی بڑھا کر اس کو صفراء میں تبدیل کرتا رہتا ہے۔

خواص : محرک و مقوی قلب و عضلات۔ محلل اعصاب، جاذب رطوبات، مخرج بلغم و سودا، مسہل بلغم و سودا، مولد حرارت، دافع نزلہ و زکام اور بخار باردہ، طمث، مخرج جنین اور دافع کثرت بول۔

اس کی طاقت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ کچلہ کے مقابلے کی مقوی و محرک قلب و عضلات دوا ہے ہے لیکن کچلہ ایک زہر قاتل ہے۔ مگر اندرائن میں زہریلی علامات کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ چونکہ یہ جاذب رطوبات اور مخرج و مسہل بلغم اور سودا ہے، اس لئے جسم میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے اور گاہے کثرت استعمال سے پیچش ہو جاتی ہے اور جس کا علاج مکھن کا استعمال ہوتا ہے۔ اگر تقلیل کی صورت میں استعمال کیا جائے تو بے حد مقوی قلب ہے اس کا مقابلہ عنبر اور دیگر اسی قبیل کی ادویہ سے کیا جا سکتا ہے۔ گویا قلب کی تقویت کے لئے بڑے اعتماد کی دوا ہے۔ بلغمی اور سوداوی امراض مثلاً مرگی، رعشہ، فالج، لقوہ، وجع المفاصل اور عرق النساء کے لئے یقینی دوا ہے۔ گویا مطب کے لئے ایک ضروری اور انتہائی سستی دوا ہے۔ فرنگی طب اس کے استعمال سے پورے طور پر واقف نہیں ہے، اس کو اندرونی طور پر بھی بطور فرزجہ استعمال کیا جا سکتا ہے، اس کے استعمال میں اس امر کا خیال رکھیں کہ یہ دواء خالص استعمال نہ کریں بلکہ کسی ہم قبیل دوا کے ساتھ استعمال کرائیں۔ کیونکہ اندر سوزش ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ تجدید طب کے فارماکوپیا اور مجربات میں عضلاتی غدی مسہل میں شریک ہے۔

اتیس

تعارف : ہندی میں اس کا نام اتیس اور سنسکرت میں اس کو اتی رشا کہتے ہیں۔ انگریزی میں ایکونائٹ ہیر فائیلم کہا جاتا ہے۔ ایک بوٹی کی جڑ ہے جو ہمالیہ کی سات ہزار سے پندرہ ہزار فٹ کی بلندی پر بکثرت پائی جاتی ہے اور گلگت اور امرناتھ واقع کشمیر میں عام طور پر پائی جاتی ہے۔ اس کی ڈنڈی سیدھی پتوں والی ایک انچ سے 12 انچ تک لمبی ہوتی ہے۔ اس کے نیچے سے اوپر تک شاخیں پوٹی ہوتی ہیں، پتے دو سے چار انچ چوڑے بیضوی شکل کے اور گول ہوتے ہیں، پھولوں کے گچھوں میں کافی پھول ہوتے ہیں اور پودے بے ترتیبی سے لگے ہوتے ہیں، یہ پھول

تقریباً ایک انچ لمبے ہوتے ہیں، ان کا رنگ روشن نیلا یا سبز نیلگوں ہوتا ہے اور ان میں اودے اور ارغوانی رنگ کی دھاریاں پڑی ہوتی ہیں۔ پھلیاں پانچ انچ لمبی ہوتی ہیں اور نیچے کی طرف کو جھکی ہوتی ہیں۔ اس کی شکل مخروطی بقدر جدوار ہوتی ہے اور بیش سے مشابہت رکھتی ہے۔ اس لئے اس کو انگریزی میں ایکونائٹ کہتے ہیں، لیکن اس میں زہر بالکل نہیں ہوتا گویا بغیر زہر کے میٹھا زہر ہے۔

رنگ و ذائقہ: جڑیں باہر سے خاکی اور اندر سے سفید رنگ کی ہوتی ہیں۔ اس کا ذائقہ نہایت تلخ ہوتا ہے۔

مزاج: خشک دوسرے درجے میں، سرد پہلے درجے میں ہوتا ہے۔

افعال و اثرات: عضلاتی اعصابی یعنی عضلاتی تحریک اعصاب میں تحلیل اور غدد میں تسکین کیمیائی اثرات کی وجہ سے رطوبات کو خشک کرتا ہے۔

خواص: انتہائی قابض و ممسک اور مقوی اور مقوی عضلاتی بارد۔ دافع سوزش اعصاب و دماغ اور مقوی اعصاب، دافع رطوبت، مخرج بلغم، قاتل کرم وغیرہ۔

فوائد: ضعف معدہ اور امعاء اور پرانے اسہالوں میں مفید ہے۔ نوبتی بخاروں میں بے حد مفید ہے اور اکثر کونین سے زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے۔ بلغمی کھانسی میں اکثر فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ آنتوں سے کرم نکالتا ہے اکثر زہروں کا تریاق ہے بے حد خشک ہونے کی وجہ سے مقوی باہ اور ممسک ہے۔ ایک قسم کا تلخ مقوی ہے اور امراض کے بعد کی کمزوری میں مقوی ثابت ہوا ہے۔ چونکہ عضلاتی محرک ہے اس لئے نزف الدم کے لئے بھی مفید ہے۔ خصوصاً بچوں کے لئے زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

مقدار خوراک: ایک ماشہ اور جوشاندہ میں تین ماشہ سے پانچ ماشہ تک دیں۔

اٹنگن

تعارف: دوا میں تخم مستعمل ہیں۔ ایک بوٹی کے تخم ہیں، جو مغز تخم کشنیز سے مشابہ ہیں۔ درخت چھوٹا اور چار پتوں والا ہوتا ہے۔ پتوں میں کلی اور اس میں دو عدد بیج ہوتے ہیں۔

رنگ اور ذائقہ: رنگ خاکی اور ذائقہ میٹھا اور بدمزہ ہوتا ہے۔

مزاج: تر گرم اوّل درجے میں ہوتا ہے۔

افعال و اثرات: اعصابی غدی یعنی اعصابی محرک، غدد محلل اور عضلاتی مسکن۔ کیمیائی اثرات کی وجہ سے رطوبات کو جذب کر کے اخراج کرتے ہیں۔ اُن میں ایک قسم کی اسفنجی کیفیت پائی جاتی ہے، یعنی جب ان پر پانی چھڑکا جاتا ہے تو فوراً ابھار پکڑ جاتے ہیں۔ گویا رطوبات کا جذب کرنا اس کا خاصہ ہے۔

خواص: مقوی اعصاب، دافع سوزش غدد، مقوی باہ، مغلظ منی، جاذب رطوبات۔

فوائد: چونکہ جاذب رطوبات ہے اس لئے سرعت انزال اور سیلان الرحم میں مفید اور مغلظ منی ہے۔ ہلکا محرک اعصاب ہونے کی وجہ سے مقوی باہ اور سوزش غدد میں بے حد مفید ہے اس لئے ممسک ہے۔ چونکہ غدد میں تسکین دیتا ہے اس لئے گردوں کی سوزش اور پیشاب کی جلن میں مفید ہے۔

مقدار خوراک: تین ماشہ سے پانچ ماشہ تک۔

اجوائن دیسی

تعارف: عربی میں کمون ملوکی، فارسی میں نانخواہ، سنسکرت میں یوانکا، انگریزی میں بشپلی ویڈ کہتے ہیں۔ اس کا پودا چار فٹ کے قریب اونچا ہوتا ہے۔ پتے چھوٹے، نوکدار، پھول سفید اور چھوٹے ہوتے ہیں جن میں چھتوں کی شکل کے خوشے لگتے ہیں۔ جب یہ خوشے پک جاتے ہیں تو انہیں کوٹ کر اجوائن نکال لی جاتی ہے۔ اجوائن کے دانے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔

مقام پیدائش: پاک و ہند، ایران اور مصر میں پیدا ہوتی ہے۔

رنگت اور ذائقہ: رنگ زردی مائل بھورا، ذائقہ چرپرا۔

مزاج: گرم خشک تیسرے درجہ میں۔

افعال و اثرات: غدی عضلاتی یعنی غدد میں تحریک، عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین۔ کیمیاوی طور پر خون میں صفرا اور حرارت پیدا ہوتی ہے۔ مقوی روح وحواس اور محرک نفس ہے۔

خواص: مسمن جگر، محلل قلب، مسکن دماغ، مجفف، مفتح سدہ، جالی، مشتہی، کاسر ریاح، مدر حار، قاتل اور مخرج کرم، دافع تشنج اور تعفن مسکن الم وسوزش اور تریاق سموم، زیادہ مقدار میں ملین ہے۔

فوائد: درد شکم اور ریاح کے لئے بے حد مفید دوا ہے۔ برودت جگر اور کلیہ کے لئے یقینی دوا ہے اور جسم کے ہر قسم کے سدے کھولتا ہے۔ عام طور پر سدوں کے متعلق یہ تصور ہے کہ آنتوں میں سدے ہوتے ہیں لیکن سدوں کی حقیقت سے طبی دُنیا اور فرنگی طب ناواقف ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جب غدد میں تسکین ہوتی ہے تو وہاں پر بلغم اور رطوبت غلیظ ہو کر اخراج بند ہو جاتا ہے جس سے ان اعضا میں مواد رک کر سدے بن جاتے ہیں۔ یہی صورتیں شریانوں کے غدد میں بھی پیدا ہو کر اس میں سدے پیدا ہو جاتے ہیں جس سے امراض قلب پیدا ہو جاتے ہیں اور گردوں کے سدوں کی صورت میں خون کا دباؤ (بلڈ پریشر) بڑھ جاتا ہے۔ اجوائن ان ہر قسم کے سدوں کو کھولتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریاح و پتھری اور صلابت جگر وطحال اور گردوں کو دور کرتی ہے۔ محلل عضلات ہے، پسینہ لاتی ہے، ہر قسم کے بخار دور کر دیتی ہے اور اس سے جلد کے دانے اور خارش دور ہو جاتی ہے۔ جسم کو گرم کرتی ہے۔ جب جلد کے قریب سدے بن کر وہاں پر خون منجمد ہو کر بہق و برص پیدا ہو جائیں تو ان کے لئے بے حد مفید ہے۔ معدہ وامعاء کے غدد اور جگر وگردوں سے رطوبات کا اخراج کر کے بھوک بڑھا دیتی ہے اور ان کے لئے مسخن اور مجفف بھی ہے اور محلل اورام بھی ہے۔ کثرت استعمال سے ضعف قلب ہو جاتا ہے۔ محلل عضلات ہے۔ دودھ اور منی کی پیدائش کو کم کر دیتی ہے۔ غدی محرک ہونے کی وجہ سے ادرار بول حارہ اور مدر حیض ہے۔ سردی کے عسر البول میں بے حد مفید ہے چونکہ غدد کے فعل میں تیزی پیدا کر کے صفراء کی پیدائش بڑھاتی ہے اس لئے دافع تعفن اور قاتل کرم ہے۔ تشنجی امراض خصوصاً تشنجی کھانسی کے لئے مفید ہے۔ اس کے اندر ایک قسم کا روغن ہوتا ہے جو انتہائی مسکن اعصاب ہے۔ یہ افیون کے مضر اور زہریلے اثرات کو بہت جلد دور کر دیتی ہے۔ بیرونی طور پر اس کا تیل یا اجوائن کا لیپ، درد، سوزش، زنبور اور عقرب گزیدہ کے لئے سکون پیدا کر دیتا ہے اور زخموں کے تعفن کو روک دیتا ہے۔ اس سے ایک قسم کا ست بنایا جاتا ہے جو اکثر یورپ وامریکہ سے آتا ہے۔ اس کو کسی روغن میں ملا کر تیل بنالیا جاتا ہے لیکن اس کا روغن غدی عضلاتی ہوتا ہے۔ اسی قسم کے روغنوں کا نام امرت دھارا اور آب حیات رکھ دیا گیا ہے۔ یاد رکھیں کہ اجوائن دیسی ایک بھروسہ کی دوا ہے۔

اذخر

تعارف : یہ ایک پتلی شاخوں والا پودا ہے، اس کی جڑ موٹی ہوتی ہے، پتے سرخی مائل، خوشبو تیز، پھول بکثرت آتے ہیں۔ رنگ سفید اس کی جڑ سخت ہوتی ہے۔ یہ درخت آس کے بالکل مشابہ ہوتا ہے اور اس کی خوشبو قدرے گلاب کی خوشبو سے مشابہ ہوتی ہے۔ عمدہ اذخر وہ ہے جو حجاز میں پیدا ہوتا ہے اس کو اذخر مکی کہتے ہیں۔ فائدہ پھول اور جڑ میں زیادہ ہوتا ہے۔ وطن افریقہ و ہند، مکہ کا عمدہ ہوتا ہے۔

رنگت اور ذائقہ : پودے کا رنگ سفید، پتے سرخی زردی مائل، پھول قرمزی ارغوانی رنگ کے ہوتے ہیں۔ ذائقہ تیز مائل بہ تلخی، مزاج گرم خشک دوسرے درجے میں۔

افعال و اثرات : عضلاتی غدی یعنی عضلات میں تحریک غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل کیمیائی طور پر جسم میں صفرا پیدا کرتا ہے، اور حرارت بھی پیدا کرتا ہے۔

خواص : محرک معدہ اور قلب، مسکن غدد مدر بول و حیض، منضج اخلاط غلیظ سرد، محلل اورام کاسر ریاح۔ مقوی معدہ اور قابض۔

فوائد : اذخر تحریک و تقویت عضلات کے لئے ایک کامیاب دوا ہے۔ اس کے استعمال سے عضلات معدہ میں خاص طور پر تقویت پیدا ہوتی ہے۔ انقباض بڑھتا ہے، ریاح کا اخراج ہوتا ہے۔ مواد گردے جگر اور غدد کی طرف گرتا ہے، خون کا دوران عضلات کی طرف بڑھ کر ان میں تیزی پیدا کر دیتا ہے۔ اس سے بھوک بڑھ جاتی ہے۔ سدوں کا اخراج ہوتا ہے، جسم میں طاقت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ یہ پتھری کو توڑتی ہے اور طمث کا اخراج کرتی ہے۔ بیرونی طور پر اس کا تیل استعمال کیا جاتا ہے۔ جو دردوں کو فائدہ بخشتا ہے۔

اروی

تعارف : عربی میں اس کو تلقاش اور ہندی میں گھیاں کہتے ہیں۔ ایک قسم کی جڑیں ہیں جو ترکاری کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔ بعض لوگ اس کو گوشت کے ساتھ پکاتے ہیں۔

رنگت اور ذائقہ : اس کا رنگ بھورا ہوتا ہے۔ چھیلنے کے بعد نیچے سے سفید نکلتا ہے۔ ذائقہ پھیکا ہوتا ہے۔ پکانے کے بعد لیس دار ہو جاتا ہے۔ اگر اس کو بھون کر کھایا جائے تو گلے میں سخت چبھن پیدا کر دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے آواز بھاری ہو جاتی ہے۔ اور بعض اوقات بند بھی ہو جاتی ہے۔

افعال و اثرات : اعصابی عضلاتی، یعنی اعصاب میں تحریک پیدا کرتا ہے۔ غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین پیدا کرتا ہے۔ کیمیاوی طور پر انتہائی طور پر بلغم اور رطوبت پیدا کرتا ہے۔ مولد اور مغلظ رطوبات اور مخرج رطوبات، مخرج بول اور دیگر رطوبات جسم فربہی، جسم دافع صفراء و حرارت دافع سوزش جگر و کلیہ، مفرح قلب اور دافع جلن قلب ہے۔ مزاج سرد تر۔

خواص : چونکہ شدید قسم کا اعصابی محرک ہے، جس سے تمام جسم میں سے رطوبات کا اخراج بڑھ جاتا ہے، اس لئے سوزش غدد و جگر کے امراض میں انتہائی مفید ہے۔ مثلاً پیشاب کی جلن، پچش، سوزش، مثانہ، گرمی مثانہ، سوزشی نزلہ و زکام، سوزش سینہ اور معدہ وغیرہ، مقوی باہ، مغلظ منی، دافع ضعف گردہ، کھانسی، بواسیر، مقوی معدہ، بدن کو فربہ کرتی ہے، بلغم اور دودھ پیدا کرتی ہے۔ دافع خراش امعاء، خشونت سینہ و زخرہ، مضعف معدہ اور مدر بول۔

ارہر

تعارف : ایک مشہور اناج ہے جس کو عربی میں وجع مشاغل اور فارسی میں مشاغل کہتے ہیں۔اس کو دال کے طور پر پکا کر کھاتے ہیں۔
افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی، یعنی عضلات میں تحریک، اعصاب میں تحلیل اور غدد میں تسکین پیدا کرتی ہے۔کیمیاوی طور پر سوداویت کو بڑھاتی ہے،خون کو گاڑھا کرتی ہے،مقوی عضلات، قابض اور دافع زہر ہے۔مقوی اعصاب ودماغ ہے۔
فوائد : حار اور قابض ہونے کی وجہ سے معدہ اور امعاء کو تقویت دیتی ہے اور قبض پیدا کرتی ہے۔دستوں کے لئے مفید ہے۔خون میں رطوبات کو خشک کرتی ہے اور بھوک بڑھاتی ہے۔

ارہر زیادہ تر بطور غذا استعمل ہے،اس کی دال پکا کر کھاتے ہیں۔اس سے غذائیت کم حاصل ہوتی ہے،دیر میں ہضم ہوتی ہے، نفخ اور تبخیر پیدا کرتی ہے۔بعض اطباء ارہر کی پتیوں کا پانی نچوڑ کر چیچک کے آبلوں پر لگاتے ہیں اور افیون کے زہر کو دفع کرنے کے لئے پلاتے ہیں۔بعض لوگ اس کو پانی میں پیس کر دو مرتبہ بالخورہ پر ضماد کرتے ہیں اور دوسرے روز بالخورہ کو کھجا کر سرسوں کا تیل لگا کر دھوپ میں بیٹھتے ہیں۔اس طرح دو تین مرتبہ کے عمل سے بالخورہ زائل ہو جاتا ہے اور بالکل نئے سرے سے بال نکل آتے ہیں۔

بعض اطباء برگ ارہر کو برگ نیم کے ہمراہ پیس کر اور چھان کر مرض بواسیر کے لئے بے حد مفید بتاتے ہیں۔

ارد

تعارف : ایک مشہور اناج ہے جس کی دال بنا کر کھاتے ہیں،اس کو ہندی میں ماش کہتے ہیں۔
رنگت اور ذائقہ : رنگت کے لحاظ سے یہ دو قسم کا ہوتا ہے،سبز اور سیاہ۔لیکن چھلکا اُتر جانے کے بعد ہلکا زرد اور سفیدی مائل یا بالکل سفید ہوتا ہے۔ذائقہ شیریں ہے مزاج سبز تر گرم اور سیاہ تر سرد۔
افعال و اثرات : سبز رنگ اعصابی غدی اور سیاہ رنگ کا اعصابی عضلاتی یعنی اعصابی محرک، غدی محلل اور عضلاتی مسکن کیمیاوی طور پر خون میں بلغم اور رطوبات مسمن بدن، دیر ہضم، مدر بول، نفاخ مولد ومغلظ اور مقوی اور ساتھ ہی مولد شیر بھی۔
استعمال : عام طور پر اس کو پکا کر غذا کی صورت میں روٹی اور نان کے ساتھ کھاتے ہیں۔لیکن تقویت وموٹاپا اور مولد خون رطوبات کی خاطر اس کا حلوہ بنا کر استعمال کرتے ہیں جو مفید ہونے کے ساتھ ساتھ زود ہضم بھی ہو جاتا ہے اور عورتوں میں دودھ کی کثرت کو بڑھانے کے لئے دودھ میں ماش کی کھیر بنا کر استعمال کراتے ہیں۔

لیکن یاد رکھیں کہ جن لوگوں میں رطوبات اور بلغم کی زیادتی ہو اس کے استعمال سے ان کو اکثر نفخ ہو کر پیٹ میں درد ہو جاتا ہے۔ حلوہ کی صورت میں بھی اس کی مقدار خوراک چھٹانک بھر سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے۔اگر زیادہ بھی استعمال کر رہے ہوں تو نفخ کی صورت میں مقدار کم کر دیں۔

آڑو

ایک مشہور پھل ہے جس کو عربی میں شفتالو کہتے ہیں۔اس کی دو اقسام ہوتی ہیں۔ایک گول لمبوترا انڈے کی مانند اور دوسرا گول ٹکی دار۔

رنگت اور ذائقہ : ترش، رنگت میں سبز سرخی مائل، شیریں، سبز زردی مائل، مزاج تر اور سرد اور شیریں تر اور گرم۔

افعال و اثرات : محرک اعصاب، محلل غدد و مسکن عضلات کیمیاوی طور پر جسم میں خون پیدا کرتا ہے جس میں رطوبت فضیلہ شامل ہوتا ہے۔ مقوی اور مولد خون، نفاخ، اس کے پتوں کا رس قاتل کرم شکم ہے۔

استعمال : آڑو کو پھل کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ میٹھا آڑو ایک لذیذ پھل ہے۔ اس میں غذائیت بہت ہوتی ہے جس سے جسم میں رطوبات کی کثرت اور خون کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ بھوک بڑھاتا ہے۔ دِل میں فرحت پیدا کرتا ہے لیکن زیادہ استعمال کرنے سے نفاخ ہے اور پیٹ میں بے چینی کرتا ہے اور بعض اوقات اسہال لگ جاتے ہیں اور شدید قسم کی بدہضمی ہو جاتی ہے۔

ارنڈ

تعارف : فارسی میں بیدانجیر، عربی میں فروع اور ہندی میں ارنڈ کہتے ہیں۔ اس کا درخت ایک بڑے قد کا پودا ہوتا ہے جس میں پنجے کی شکل کے پنجے سے بڑے بڑے پتے ہوتے ہیں، عام طور پر باغات اور گھروں میں لگائے جاتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اس کا پھل ارنڈ دوا کے طور پر مستعمل ہے اور اس کا روغن بھی نکالا جاتا ہے۔ جس کو روغن ارنڈی اور انگریزی میں کسٹر آئل کہتے ہیں۔

رنگت اور ذائقہ : رنگت بھوری زردی مائل، پینے پر سبز، خشک ہونے پر زرد، ذائقہ کسیلا پھیکا اور روغن سنہری زردی مائل۔ البتہ آج کل کیمیاوی طور پر رنگ سفید کر دیا جاتا ہے۔

روغن اور تخم کے اثرات و افعال میں صرف اس قدر فرق ہے کہ روغن میں تحلیل کے اثرات تخم سے زیادہ ہیں اور روغن ملین اور بے ضرر ہے، لیکن تخم مسہل اور غدد میں سوزش پیدا کرتا ہے۔

مزاج : تخم گرم تیسرے درجے میں اور تر پہلے درجے میں۔ روغن گرم دوسرے درجہ میں اور تر تیسرے درجے میں۔

افعال و اثرات : محرک غدد، محلل عضلات، مسکن اعصاب، کیمیائی طور پر صفراء اور حرارت پیدا کرتا ہے اور صفراء کا اخراج بھی کرتا ہے۔

خواص : ملین جگر و غدد، مولد حرارت اور صفراء دافع ریاح اور بلغم محلل اور مسکن اورام اور اوجاع، دافع صلابت، تخم مسہل قوی اور روغن ملین، مخرج کرم شکم، تریاق سانپ اور مدر حار۔ یہی اثرات بہت کم مقدار میں پتوں اور کونپلوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

استعمال : دائمی قبض اور نزلہ میں بے حد مفید ہے اور جب عضلات میں سوزش سے فالج لقوہ اور رعشہ کھانسی اور دمہ ہو جائے تو اس کا استعمال بے حد مفید ہے۔ اس کے علاوہ درد شکم، پیٹ میں پانی اور جوڑوں کے درد وغیرہ کے لئے بے حد مفید ہے، جسم کی سختی اور تناؤ کو کم کرنے کے ساتھ ساتھ پٹھوں کے درد کو بھی دور کر دیتا ہے۔ جسم میں کسی جگہ بھی عضلات میں ورم یا پھوڑے ہوں ان کو تحلیل کرتا ہے اور ان کے درد کو روکتا ہے۔ بیرونی طور پر بھی اس کا یہی اثر ہے اور یہ جلا دیتا ہے۔ چہرے کی رنگت کو نکھارتا ہے اس کے علاوہ حلق اور پیٹ کے عضلات کے اورام پر بہت مفید اثر کرتا ہے۔ اس کی قلیل مقدار کا مسلسل استعمال پیٹ کے پھوڑے اور کینسر کے لئے ایک شافی علاج ہے۔

سانپ کے زہر کو دور کرنے کے لئے اس کی کونپلوں اور پتوں کو پیس کر پلانا اکسیر ہے۔ مطب میں یہ ایک معرکے کی دوا ہے۔ کسی بھی مطب کو اس سے خالی نہیں رہنا چاہئے۔ اس کا روغن بطور مالش بے حد مفید ہے۔ اس کا روغن دیگر تیلوں میں ملا کر سر پر ملنے سے بال

مضبوط اور لمبے ہوتے ہیں اور کثرت استعمال سے بال بہت خوش رنگ ہو جاتے ہیں۔

ادرک

تعارف: عربی میں زنجبیل (رطب) زنجبیل حابس کو سونٹھ کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کی مشہور جڑیں ہیں۔ یہ پاکستان اور ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی پائی جاتی ہیں۔

رنگت اور ذائقہ: اس کی رنگت زرد مٹیالی (خاکستری) ہوتی ہے اور ذائقہ چرپرا ہوتا ہے۔

افعال و اثرات: غدی اعصابی، غدد میں تحریک، عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین، کیمیاوی طور پر خون میں صفرا اور حرارت پیدا ہوتی ہے۔

خواص: محرک اور مقوی جگر اور گردے، محلل غذا اور سوزش عضلات مسکن اعصاب و دماغ، مولد صفرا، مخرج صفرا، مقوی باہ، مولد حرارت غریزی، مشتہی، محلل اورام کاسر ریاح، مدر حار، قاتل کرم اور دافع تعفن اور مقوی جسم ہے۔

فوائد: اس کا رنگ اجوائن کے رنگ کے ساتھ ملتا جلتا ہے اور خواص بھی تقریباً اس کے ساتھ ملتے ہیں مگر اس میں ایک رطوبت فضلیہ ہوتی ہے جس سے اس میں حبس ٹوٹ جاتا ہے جو اجوائن میں پایا جاتا ہے۔ یہ صفرا کو پیدا کرتی ہے اور خارج بھی کرتی ہے۔ اجوائن کی طرح اس کا فرق دیگر چرپری ادویات کے ساتھ بھی کر لینا چاہئے۔

میری رائے میں اس کا مزاج تمام چرپری دواؤں کے مقابلے میں مختلف ہے یعنی ایک طرف عضلاتی غدی عضلاتی چرپری ادویہ جن میں سرخ مرچ اور جمال گوٹہ تک شریک ہیں۔ دوسری طرف غدی اعصابی ادویہ جن میں سیاہ مرچ اور زیرہ سیاہ تک شریک ہیں جو اوّل الذکر کے مقابلے میں بہت لطیف ہیں۔

قرآن کریم میں اس کے متعلق آیا ہے: ﴿ كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا ﴾ جنت کے ایک چشمے کا ذکر آتا ہے جس کا مزاج اور میلان زنجبیلی ہوگا۔ گویا اس میں ایک قسم کا چرپراپن ہوگا اور دیگر ہر قسم کی چرپری ادویہ بھی اس کے تحت آجاتی ہیں جن میں خاص طور پر سرخ مرچ، پیاز، لہسن، دارچینی، لونگ، ہری مرچ، ٹماٹر، مرچ سیاہ، زیرہ سیاہ، زیرہ سفید اور دھنیا خشک وغیرہ یہ سب ادویہ مزاجوں کی کمی بیشی کے ساتھ چرپرے ذائقے میں شریک ہیں۔

استعمال: جسم انسان میں جہاں تک حرارت کی پیدائش کا تعلق جگر کے ساتھ ہے اور حرارت ہی جسم میں ہضم و تحلیل غذا اور صحت و نشو و ارتقاء کا کام کرتی ہے اس لئے جو ادویہ جسم میں حرارت پیدا کرتی ہیں۔ ان میں ادرک اوّل نمبر پر معتدل پیدائش حرارت دوا ہے۔ اس سے جگر اور غدد کے افعال تیز ہو جاتے ہیں۔ حرارت کی پیدائش بڑھ جاتی ہے۔ عضلات کی سوزش ختم ہو کر ان میں گرمی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ دل پوری طاقت سے کام کرتا ہے۔ اعصاب میں تقویت آنا شروع ہو جاتی ہے جس کے ساتھ ذہن اور حافظہ بڑھ جاتا ہے۔

ادرک چونکہ محرک غدد ہے اور وہاں پر انقباض پیدا کرتا ہے جس سے اس میں تیزی آنا شروع ہو جاتی ہے اور طاقت بڑھنا شروع ہو جاتی ہے اسی وجہ سے مقوی وہبی ہے۔

غلط فہمی: بعض اطباء نے لکھا ہے کہ چونکہ ادرک میں رطوبت فضلیہ ہوتی ہے اس لئے یہ کسی حد تک ریاح بھی پیدا کرتی ہے۔

دراصل یہ خیال بالکل غلط ہے جو دوا یا غذا حرارت یا صفرا پیدا کرتی ہے۔ وہ ریاح ہرگز پیدا نہیں کرسکتی۔ چاہے اس میں کتنی بھی رطوبت فضلیہ کیوں نہ پائی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ دوا جو کسی عضو کے لئے موزوں ہے جب اس میں تحریک پیدا کرتی ہے تو وہ تحریک انقباض کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ وہ انقباض پیدا ہونا اس دوا کے ذمہ لگایا جاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ ادرک بہت ہی زبردست کاسر ریاح ہے۔ دافع ترشی ہے اور ملین ہے۔ اسی وجہ سے ریاح شکم، درد شکم اور درد سینہ میں بے حد مفید ہے۔ اس مقصد کے لئے بیرونی طور پر تیل میں ملا کر یا بغیر تیل کے خشک ادرک کو مقام درد پر مالش کرنے سے آرام ہو جاتا ہے چونکہ ادرک محرک غدد ہے اس لئے ادرار بول اور اخراج پتھری کے لئے بے حد مفید ہے دافع ترشی ہے اس لئے نقرس میں بھی بے حد مفید ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے استعمال سے جسم میں رفتہ رفتہ حرارت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ آنکھوں میں طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور بینائی بڑھ جاتی ہے۔

اسارون

تعارف : عرب میں ''تگر'' کہتے ہیں، ایک بوٹی ہے جس کے پتے عشق پیچا کے پتوں سے مشابہ ہوتے ہیں۔ فرق صرف اسی قدر ہے کہ اس کے پتے زیادہ چھوٹے اور نہایت گول ہوتے ہیں، اس کا پھول نیلے رنگ کا پتوں کے بیچ میں اس کی جڑ کے پاس ہوتا ہے۔ اس کے بیج بکثرت ہوتے ہیں۔ اس کی جڑیں باریک گرہ دار اور خوشبودار ہوتی اور بے قاعدہ ہوتی ہیں، یہ افریقہ اور یورپ سے آتی ہیں اور یہی جڑیں دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔

رنگت اور ذائقہ : جڑوں کا رنگ مائل بہ زردی یا کسی کا رنگ بھورا ہوتا ہے۔ پھول نیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ ذائقہ چبانے پر کسی قدر تلخ ہوتا ہے۔

مقدار خوراک : 2 سے 5 ماشہ تک۔

مزاج : گرم تیسرے درجے میں اور خشک دوسرے درجہ میں اور بعض اس کی خشکی بھی تیسرے درجے میں خیال کرتے ہیں۔

افعال و اثرات : غدی اعصابی یعنی غدد میں تحریک عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین کیمیاوی طور پر جسم میں صفراء پیدا ہوتا ہے۔

استعمال : مولد اور مخرج صفراء، محلل عضلات، مفتح سدہ، مقوی دماغ اور اعصاب، مدر بول حارہ اور حیض محرک کلیہ وجگر اور طحال۔

چونکہ مفرد اعضاء کو مدنظر رکھتے ہوئے خواص الاشیاء بیان کئے گئے، اس لئے کتب میں اکثر غلطیاں ہیں۔ مثلاً گرم دوا کو مقوی بھی اور محلل بھی لکھا ہے اور جہاں کہیں مقوی لکھا ہے وہاں پر مقوی اعصاب ہی کو مدنظر رکھا ہے۔ اسی طرح صرع ولقوہ، استرخا، خدر اور نسیان میں بغیر کسی عضو رئیس کو مدنظر رکھتے ہوئے مفید لکھ دیا گیا ہے۔ اس طرح کے خواص کبھی طالب علم کے لئے مفید نہیں ہو سکتے۔

جاننا چاہئے کہ چونکہ یہ دوا محرک جگر اور غدد ہے اس لئے قلب اور عضلاتی سوزش اور دردوں کے لئے مفید ہے۔ بلکہ زخموں کو دور کر دیتی ہے۔ اس لئے معدہ کی سوزش وزخم، ورم اور درد میں بے حد مفید ہے، یعنی اپنی گرمی سے اس کی سختی کو تحلیل کر دیتی ہے۔ اسی طرح جسم میں جہاں جہاں پر عضلات میں دباؤ اور سوزش ہوتی ہے اس کو دور کر دیتی ہے جو فالج عضلات کی تحریک سے ہو اس کے لئے مفید ہے۔ چونکہ محرک جگر اور غدد ہے لہٰذا سکون جگر وکلیہ اور غدد میں تحریک پیدا کر کے ان میں تیزی پیدا کر دیتا ہے جس سے عظم طحال، عرق النساء اور وجع الورک میں مفید ہے۔ اسی صورت میں مدر بول اور حیض بھی ہے۔ اکثر کتب میں اس کو ورم جگر کے لئے مفید لکھا ہے، ورم کے لئے مفید

نہیں ہے، بلکہ اس کو زیادہ کر دیتا ہے۔ ہمیشہ کسی مقام کے ورم اور عظم میں فرق معلوم کرنا چاہئے۔ چونکہ مسکن دماغ اور اعصاب ہے اس لئے وہاں کی سوزش دور کر کے تقویت کا باعث ہوتی ہے۔

جگر و غدد سے اس کا تعلق اعصاب کے ساتھ ہے اس لئے مفتح جگر ہے یعنی صفراء پیدا کر کے اس کا اخراج بھی کرتی ہے اس لئے جسم کی نالیوں کے عضلاتی حصوں کے سکیڑ کو پھیلا دیتی ہے اور اس کے راستے کھل جاتے ہیں اور اس طرح دورانِ خون میں باقاعدگی اور دیگر مواد کے اخراج میں سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے مرگی جیسے امراض میں بھی مفید ثابت ہوتی ہے۔

اڑوسہ

تعارف : عربی میں خستہ السعال اور فارسی میں بانسہ کہتے ہیں۔ اس کی جھاڑی چار پانچ فٹ بلند ہوتی ہے۔ پتے پانچ چھ انچ لمبے اور اڑھائی تین انچ چوڑے ہوتے ہیں۔ اس کی شاخیں بہت سی ہوتی ہیں جو زیادہ تر جڑ سے آگے کو پھیلتی ہیں۔ پتے آم کے پتے جیسے، لیکن نرم و نازک ہوتے ہیں اور ان کا ذائقہ تلخ ہوتا ہے۔ بہت سے پھول ایک ساتھ اکٹھے ہو کر گچھوں کی شکل میں لٹکتے ہیں۔ پھول کے نیچے کے ٹوٹنی دار حصے میں ہلکی نفیس شیرینی بنی ہوتی ہے جو ذائقہ میں شہد کی مانند ہوتی ہے۔ مکھیاں زیادہ تر اسی کو چوستی ہیں۔ جڑ کھٹیلی اور مضبوط ہوتی ہے، پھل جنگلی گولر کی مانند لیکن اس سے چھوٹا ہوتا ہے اس کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ہر ایک حصے میں ارہر کی دال کے برابر لیکن اس سے باریک تخم نکلتے ہیں۔

اڑوسہ پاک و ہند میں تقریباً ہر جگہ ملتا ہے۔ خصوصاً دامن کوہ میں اس کی جھاڑیاں بکثرت ہوتی ہیں۔ بھارتی پنجاب میں ضلع کانگڑہ کے گرم پہاڑی علاقے، بھارتی مقبوضہ ریاست جموں، راولپنڈی اور پنجہ صاحب کے گرد و نواح میں بکثرت ملتا ہے۔ دہلی کے گرد و نواح اور اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئرپورٹ میں اس کی بہت سی جھاڑیاں ہیں۔

اقسام : اڑوسہ اپنے پھولوں کے رنگ کی وجہ سے دو قسم کا ہوتا ہے ایک قسم کے پھول سفید رنگ کے ہوتے ہیں وہ سفید اڑوسہ اور جس قسم کے پھول پیلے رنگ کے ہوتے ہیں وہ پیلا اڑوسہ کہلاتا ہے۔

رنگ اور ذائقہ : پتے سبز رنگ کے، پھول سفید یا زرد رنگ کے اور ذائقہ شیریں لیکن تلخی لئے ہوئے۔

مزاج : گرم تر دوسرے درجے میں۔

افعال و اثرات : غدی اعصابی یعنی غدود میں تحریک اعصاب میں تسکین اور عضلات میں تحلیل۔

مقدار خوراک : ایک ماشہ سے تین ماشہ تک، سفوف کی صورت میں پانچ ماشہ تک جوشاندہ کی صورت میں۔

خواص : مولد اور مخرج صفرا، دافع سودا اور مخرج غلیظ بلغم، قاتل کرم اور حابس دم اور اور مصفی خون، دافع حرارت اور تنگی تنفس میں مفید ہے۔

فوائد : نزلہ و زکام، کھانسی دمہ اور دق و سل کے لئے ایک مایہ ناز اور یقینی دوا ہے۔ یہ امر پھر ذہن نشین کر لیں کہ دق و سل سوزش غدد اور غشائے مخاطی ہے۔ اگر سینہ کی غشائے مخاطی میں سوزش ہو تو دق و سل پھیپھڑوں کا کہلاتا ہے اور اگر آنتوں کی غدد میں سوزش ہو تو آنتوں کا دق و سل کہلاتا ہے۔ اسی طرح باقی تمام جسم کے غدد اور غشائے مخاطی میں جہاں جہاں سوزش اختیار کر جائے تو یہ اس عضو کا دق و سل ہوگا۔ جو دوائیں دق و سل یا ان کی علامات میں مفید ہیں وہ غدود اور غشائے مخاطی کے غدد کی دوا ہے۔ اس کے علاوہ جو امراض جگر، گردے اور آنتوں کی سوزش یا باقی جسم میں غشائے مخاطی کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں، ان کے لئے یہ دعویٰ کی دوا ہے۔ اس لئے ہر قسم کے نزلہ و زکام

اور کھانسی، دق وسل اور دماغی امراض میں بے حد مفید ہے۔

بعض لوگ اس کو کالی کھانسی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ لیکن کالی کھانسی میں یہ اس صورت میں مفید ہوتی ہے کہ اس کو جلا کر اس کی راکھ بنائی جائے اور راکھ انجیر کے شربت کے ساتھ چٹائی جائے۔

پیلا بانسہ جو کانٹے دار جھاڑی کی شکل میں ہوتا ہے۔ زیادہ تر بمبئی، مدراس، آسام اور سلہٹ میں پایا جاتا ہے۔ کوہ ہمالیہ کی ترائی اور کوہ مری میں پیدا ہوتا ہے، اس کے پتے بھی عام بانسہ کی طرح ہوتے ہیں۔ لیکن زیادہ نوک دار ہوتے ہیں۔ زرد پھول کی وجہ سے اس میں حرارت زیادہ ہوتی ہے اور مفید بھی زیادہ ہوتا ہے اور قبض کی صورت میں یہ سفید بانسے سے زیادہ مفید ہے۔ بعض جگہ نیلے اور سرخ رنگ کا بھی اڑوسہ پایا جاتا ہے۔ ان دونوں میں حدت کم ہے لہٰذا اپنے اثرات میں سفید سے بہت کمزور ہے۔ سرخ مفید نہیں ہے۔ البتہ کالی کھانسی میں اس کا فائدہ نظر آتا ہے۔

مرکبات: ضرورت کے مطابق اس کے کئی مرکبات بنائے جا سکتے ہیں مثلاً عرق، شربت، نمک، گلقند اور سفوف کر کے بھی استعمال کرایا جا سکتا ہے پراچین آیورویدک گرنتھوں میں بانسہ کا گھی اور لوک بانسہ بنانے کا ذکر آتا ہے اس کا استعمال مفید ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا نسخہ درج ذیل ہے۔

نسخہ: بانسہ کے پتوں کا رس چار سیر، کھانڈ ایک سیر، فلفل دراز ایک پاؤ، گھی پانچ سیر، ان سب کو دھیمی دھیمی آگ پر پکائیں، حتیٰ کہ شہد کی طرح قوام گاڑھا ہو جائے۔ پھر اس کو اُتار کر ٹھنڈا کر لیں اور اس میں ایک سیر خالص شہد ملا دیں۔

مقدار خوراک: چھ ماشے سے ڈیڑھ تولہ تک، دق وسوزش پہلو غشائے مخاطی کی کھانسی، خون کا آنا، پھیپھڑوں سے خون کا آنا اور دمہ میں بے حد مفید ہے۔ یہ نسخہ بھوپرکاش جونت کا ہے۔

بیرونی طور پر زخموں کی خارش اور آنکھ کی دکھن کے لئے بے حد مفید ہے۔ یہاں تک کہ پیلے رنگ کا بانسہ ناسور کے لئے بھی مفید ہے۔ اس کے جوشاندہ سے زخموں اور آنکھوں کو دھونا بے حد مفید ہے اور سخت قسم کے پھوڑوں اور ناسور کے لئے اس کا پلٹس باندھنا یقینی علاج ہے۔

آس

تعارف: اس کو موڑے بھی کہتے ہیں۔ یہ ایک لمبا سا درخت ہوتا ہے۔ جو عموماً گرم ممالک میں پایا جاتا ہے اور ہر موسم میں سرسبز رہتا ہے۔ اس کے پھل اور پتے بطور دوا مستعمل ہیں اس کے پھل سیاہ مرچ سے کسی قدر بڑے ہوتے ہیں۔ اس میں آٹھ دس چکنے تخم ہوتے ہیں اور یہی تخم حب الآس کے نام سے مشہور ہیں اور پتوں کو ورق آس یا برگ مراہ کہتے ہیں۔

رنگت اور ذائقہ: پھول سفید اور خوشبودار ہوتے ہیں اور پھول پکنے کے بعد کھٹے ہو جاتے ہیں۔

مزاج: خشک سرد۔

افعال و اثرات: عضلاتی اعصابی یعنی عضلات میں تحریک، غدود میں تسکین، اعصاب میں تحلیل، کیمیاوی طور پر جسم میں بلغم غلیظ پیدا کرتا ہے۔

خواص: مقوی قلب وشش اور عضلات۔ مقوی معدہ اور امعاء قابض اور حابس۔ حابس خون و پسینہ مسکن حرارت ومجفف اور مقوی بال۔

فوائد : چونکہ محرک عضلات ہے اس لئے دِل کے دبلے اور اس کے بڑھ جانے میں نہایت مفید ہے اور اس طرح معدے اور آنتوں کی کمزوری میں جبکہ غذا کھانے سے ہضم نہ ہو یا کھانے کے ساتھ ہی اسہال آ جائیں یہ دوا بے حد مفید ہے۔ جب بلغم کے دباؤ سے کوئی شریان پھٹ جائے اور خون آ جائے تو اس کے استعمال سے وہ دباؤ دور ہو جاتا ہے جو اعصاب میں تیزی سے اگر ان میں درد یا سر میں درد ہو تو اس کے اندرونی و بیرونی دونوں استعمال سے فائدہ پہنچ جاتا ہے۔ اگر جسم میں رطوبات کی کثرت سے بغلوں اور اسی قسم کے دیگر مقامات پر رطوبت کی زیادتی ہو تو اس کے اندرونی بیرونی استعمال سے دور ہو جاتی ہے۔ ہر قسم کے اسہال و پسینہ اور ہر قسم کے سیلان کو بند کرتا ہے۔ یعنی اس سے جسم میں جو رطوبت غلیظ پیدا ہو جاتی ہیں یہ ان کو جذب کرتا ہے۔ اس کے پتوں کی راکھ کھانسی خصوصاً بلغمی کھانسی میں بے حد مفید ہے۔ بیرونی طور پر رطوبات کو جذب کرتا ہے۔ اسی وجہ سے بالوں کے لئے مفید ہے۔ ان کو سیاہ رکھنے اور بڑھانے میں بہت مدد کرتا ہے بالوں کو سیاہ کرنے کے لئے اس کو خضابوں میں شامل کرتے ہیں۔ اس کا مشہور مرکب شربت حب الآس ہے۔ تقویت قلب و معدہ اور اسہال کے ساتھ ساتھ خون آنے کو بھی روکتا ہے۔

اسپغول

تعارف : اس کو عربی میں بزرقطون اور فارسی میں اسفیوش کہتے ہیں یہ ایک چھوٹا سا پودا ہوتا ہے جو تقریباً ایک ہاتھ اونچا ہوتا ہے اس کے پتے چڑیا کی زبان کی مانند ہوتے ہیں اور بارتنگ کے پتوں سے مشابہ ہوتے ہیں اس بوٹی کے چھوٹے چھوٹے تخم ہوتے ہیں جن کی شکل کشتی نما ہوتی ہے۔ اس کے چھلکوں کو سبوس اسپغول کہتے ہیں۔

رنگت اور ذائقہ : یہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک سفید سرخی مائل اور دوسرا کچھ سرخی مائل ہوتا ہے۔ ذائقہ پھیکا ہوتا ہے۔

مزاج : سرد تر دوسرے درجہ میں۔

افعال و اثرات : اعصابی عضلاتی یعنی اعصاب میں تحریک غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین کیمیاوی طور پر جسم میں سرد رطوبت پیدا کرتا ہے۔

خواص : محرک اعصاب، مولد بلغم، مسکن معدہ و امعاء، دافع حرارت، دافع صفراء، مدر بول اور ملین۔

فوائد : چونکہ رطوبات بارد کثرت سے پیدا کرتا ہے اور حرارت کو انتہائی طور پر خارج کرتا ہے اس لئے دِل کی گھبراہٹ، سوزش معدہ، سوزش امعاء کے لئے بہت مفید ہے۔ اس کے استعمال سے گردوں اور آنتوں کے زخم بہت جلد اچھے ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر گردوں اور آنتوں سے خون اور پیپ بھی آتی ہو تو بہت تھوڑے عرصہ میں یہ تکلیف رفع ہو جاتی ہے جن لوگوں کو گرمی کی زیادتی سے خشکی کے ساتھ قبض ہو تو ان کے لئے ایک اچھا ملین ہے۔ لیکن جب اس کے استعمال سے بھوک بند ہونا شروع ہو جائے تو اس کا استعمال بند کر دینا چاہئے۔ البتہ غدی بخاروں میں پیاس کی شدت کو کم کرنے کے لئے اس کا لعاب نکال کر پلانا مفید ہے۔ بعض لوگ اس کو بیرونی طور پر اورام کے دردوں کو دور کرنے کے لئے استعمال کراتے ہیں۔

لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ اس کا استعمال غدی اورام اور غشائے مخاطی کی سوزش کے لئے ہی مفید ثابت ہو سکتا ہے اور وہ بھی ابتدائی صورت میں رادع مقصد کے لئے خاص طور پر حمرہ، نملہ اور جمرہ وغیرہ کی تحلیل اور تسکین کے لئے ضماد مفید ہو سکتا ہے۔ چونکہ یہ غشائے مخاطی کی سوزش کو رفع کرتا ہے۔ اس لئے اس کی سوزش سے جو کھانسی ہو اس کے لئے مفید ہے۔ اس کے علاوہ سوزشی نزلہ و زکام اور

حلق کے لئے بھی مفید ہے۔

نوٹ : عام طور پر سبوس اسپغول بازار میں فروخت ہوتا ہے اور وہی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں اکثریت ملاوٹ ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لئے چاول کے چھلکے بھون کر ملا دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے اس کو بازار سے احتیاط سے خریدنا چاہئے۔

سبوس اسپغول کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اسپغول بیس تولے لے لیں اس پر تھوڑا سا پانی چھڑک کر اسے نمناک کر لیں۔ نصف گھنٹہ کے بعد ہاون دستہ سے زدوکوب کریں نیم کوب ہونے پر نکال لیں اور چھنکا لگا کر الگ کر لیں یہ حاصل شدہ سبوس اسپغول ہے۔

تاکید : اسپغول کوفتہ زہر کی تاثیر رکھتا ہے۔ اسی خیال سے اس کو کوٹ کر استعمال کرنا منع قرار دیا گیا ہے۔

خوراک : تین ماشے سے نو ماشے تک۔

اسپند

تعارف : عربی میں حرمل اور فارسی میں اسپند کہتے ہیں چونکہ یہ دوا عرب ہی سے یورپ پہنچی ہے اس لئے اس کو انگریزی میں بے گانم ہرمالہ کہتے ہیں اور اس کے جو تین کیمیائی اجزاء (الکلائڈ) ہیں ان کے نام بھی حرمل کی مناسبت سے رکھے گئے ہیں: (۱) ہرمالین (۲) ہرمین (۳) ہرمالول کہے جاتے ہیں۔ طب میں اس کے تخم بطور دوا مستعمل ہیں۔ یہ بوٹی جھاڑی کی شکل میں نصف گز سے ایک گز ہوتی ہے۔ یہ بوٹی تقریباً تمام پاک و ہند میں خودرو پیدا ہوتی ہے۔ اس کی کاشت نہیں کی جاتی۔ ایک بے حد مفید بوٹی ہے۔ بلکہ اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ البتہ جب سے یہ تحقیق ہوئی ہے اس سے سرخ رنگ تیار ہوتا ہے اس کی طرف کچھ توجہ کی جا رہی ہے۔ یہ بوٹی دو قسم کی ہوتی ہے اس کا پھول چنبیلی کے پھول کی مانند ہوتا ہے۔ جس کا رنگ بھی سفید ہوتا ہے اور خوشبو تیز ہوتی ہے، دوسری قسم کے پتے گول ہوتے ہیں، تخم اسپند دانہ رائی کے برابر ہوتے ہیں۔

رنگت اور ذائقہ : پھول سفید اور خوشبودار ہوتے ہیں۔ تخم سیاہ سرخی مائل اور ذائقہ تلخی مائل ہوتا ہے۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی (شدید) عضلات میں شدید تحریک، غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل پیدا کرتی ہے، کیمیاوی طور پر خون میں کھاری پن اور غلاظت پیدا کرتا ہے اور بلغم و رطوبت کو خشک کرتا ہے مزاج خشک سرد۔

خواص : مقوی قلب و محرک عضلات اور منفث و مخرج بلغم و رطوبات، مولد سودا اور ریاح، قاتل کرم، خون میں جوش۔

فوائد : چونکہ شدید محرک عضلات ہے اس لئے ان میں سکیڑ پیدا کر کے رطوبات کو خارج کرتا ہے جس سے عضلات کے فعل میں تیزی اور قلب میں تقویت پیدا ہو جاتی ہے اسی لئے دل کے پھول جانے میں اکسیر ہے۔ بلغمی دمہ کا یقینی علاج ہے اس لئے بلغمی کھانسی کے لئے بھی فوری اثر انداز ہوتا ہے چونکہ مسکن غدد ہے اس لئے سوزش جگر اور گردوں میں بھروسے کی دوا ہے۔ جگر اور گردوں کے زخموں اور پھوڑوں کے لئے بے حد مفید ہے۔ جب سوزش جگر سے پاخانے آتے ہیں۔ یا گردوں کی سوزش سے بار بار پیشاب آتا ہے۔ تو یہ دوا تریاق کا کام کرتی ہے۔ آنتوں کی رطوبات خشک کر کے کیڑوں کو فنا کرتا ہے۔

چونکہ محلل اعصاب ہے اس لئے سوزش اعصاب اور دماغ سے جو امراض پیدا ہوتے ہیں ان میں بے حد مفید ہے۔ مثلاً آتشک، فالج ولقوہ، نسیان اور دردسر وغیرہ۔ چونکہ اس کے استعمال سے اعصاب و دماغ میں گرمی پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے بعض نے اس کو قوت باہ کے لئے استعمال کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ بلغم اور رطوبت ختم ہو جاتی ہے اور عضلات میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے قوت باہ اور

امساک کے لئے بے حد مفید ہے جسم کی کمزوری میں بھی بے حد مفید ہے چونکہ حرمل انتہائی طور پر رطوبات کو خشک کرتا ہے اور آئندہ رطوبات کی پیدائش کو بھی روکتا ہے، اس لئے جسم میں رطوبات اور بلغم کی زیادتی یا اس میں تعفن سے جو امراض و علامات پیدا ہو جائیں ان میں بے حد مفید ہے۔ جیسے نزلہ زکام، بلغمی کھانسی، بخار اور خصوصاً ملیریا میں یقینی دوا ہے۔ کیمیاوی طور پر ایک شدید قسم کی دافع تعفن دوا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا دھواں بھی دافع تعفن ہے اس کے کھانے سے پیٹ کے کیڑے مر جاتے ہیں اس کے علاوہ جسم میں تعفن سے کہیں بھی کیڑے اور جراثیم پیدا ہو جائیں ان کے لئے از حد مفید ہے۔

یہ حقیقت ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ جسم میں اگر رطوبات کی زیادتی ہو تو خون کے دوران میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کے اخراج میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے، جب جسم میں رطوبات خشک ہو جائیں تو دورانِ خون میں تیزی اور اس کے اپنے مخرج میں اخراج بڑھ جاتا ہے اس لئے اس دوا کے استعمال سے ادرار حیض شروع ہو جاتا ہے اگر اس کا استعمال کچھ عرصہ جاری رہے تو پیشاب میں خون آنے لگتا ہے، خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے، پھیپھڑوں سے خون آنا شروع ہو جاتا ہے، نکسیر پھوٹ جاتی ہے۔ سر میں شدید درد ہو جاتا ہے۔

ایک غلط فھمی : بعض کتب میں حرمل کا نام کالا دانہ لکھا ہوا ہے۔ جاننا چاہئے کہ دونوں الگ الگ دوائیں ہیں۔ تخم حرمل سیاہ رنگ کے سرخی مائل رائی کے برابر دانے ہوتے ہیں، لیکن کالا دانہ کو تخم عشق پیچاں کہتے ہیں یہ سیاہ سفیدی مائل مرچ سے کچھ بڑے ہوتے ہیں، یہ گول نہیں ہوتے بلکہ اس کے کئی پہلو ہوتے ہیں۔ اور کوٹنے میں بے حد سخت ہوتے ہیں اور ایک شدید قسم کا مسہل ہیں۔

دوسری غلط فھمی : اس کی انتہائی خشکی کی وجہ سے اکثر طبی کتب میں اس کو گرم خشک رکھا ہے لیکن جاننا چاہئے کہ شدید خشکی سردی پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ہر شے سردی سے سکڑتی ہے اور گرمی سے پھیلتی ہے۔ اس میں جو تلخی ہے بعض نے اس کو بھی گرمی کی دلیل سمجھا ہے لیکن کسی دوا میں معمولی تلخی بھی گرمی پر دلالت نہیں کرتی۔ یاد رکھیں کہ تلخی ہمیشہ ترشی کی شدت کے بعد پیدا ہوتی ہے حرمل کے خشک سرد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں شدید قسم کی کھار ہوتی ہے۔ جس کا زیادہ اثر سردی کے ساتھ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حرمل میں ایک بہترین قسم کا نباتی فولاد ہے اس لئے حرمل مشینی طور پر مقوی قلب و شش اور معدہ عضلات ہے اور کیمیائی طور پر خون میں غفلت پیدا کر دیتا ہے اس لئے حرمل ذیابیطس کی ایک یقینی اور بے خطا دوا ہے۔ یہ مفرد اور مرکب دونوں صورتوں میں استعمال ہو سکتا ہے۔ ہلیلہ سیاہ اور دیگر عضلاتی اعصابی ادویہ کے ساتھ ضرورت کے مطابق مرکب بنائے جا سکتے ہیں۔

مقدار خوراک : 2 رتی سے ایک ماشہ تک ہمراہ آبِ تازہ یا قہوہ کے ہمراہ استعمال کرائیں۔

اشق

تعارف : کاند، ایک قسم کا گوند ہے جو ایک خاص درخت سے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ درخت پنجاب اور ایران میں پایا جاتا ہے۔ اس کو فارسی میں اوشہ کہتے ہیں۔ اس کو عربی میں اراق اور الذہب بھی کہتے ہیں۔ اس درخت سے ایک قسم کی رطوبت نکل کر جم جاتی ہے، یہی اشق ہے۔ اس کے دانے گول افیون کے مانند ہوتے ہیں یا مختلف قد کی ڈلیاں ہوتی ہیں۔ ان کو پانی میں حل کرنے سے دودھ کی مانند سفید شیرہ بن جاتا ہے۔

رنگت اور ذائقه : رنگت زردی مائل، مزہ تلخ اور بو ہلکی خاص قسم کی ہوتی ہے۔

افعال و اثرات : غدی عضلاتی (ملین) یعنی غدد میں تحریک عضلات میں تحلیل اور اعصاب میں تسکین کیمیاوی طور پر خون میں صفراء

پیدا کرتا ہے جسم میں حرارت کی پیدائش بڑھا دیتا ہے مزاج گرم خشک گرمی زیادہ اور خشکی کم تسلیم کی گئی ہے، بعض لوگ خشکی ایک درجے کی بعض دو درجے کی تسلیم کرتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ جب گرمی زیادہ ہوتی ہے تو خشکی کا کم ہونا لازمی ہے۔ اگر خشکی زیادہ ہو تو گرمی کم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ہر شے سردی سے سکڑتی ہے اور گرمی سے پھیلتی ہے۔ اس لئے ہر خشک شے میں سردی شامل ہوتی ہے۔

خاص بات : ایک خاص بات یہ ہے کہ صفراء کیمیاوی طور پر کھارا ہے لیکن گرم کھار بھی ہے صفراء یا گرم کھار ہی ایک ایسی شے ہے جو تیزابیت یا سودا کو ختم کر دیتا ہے اور سوزش کو رفع کر دیتا ہے۔

خواص : محرک و مقوی جگر و غدد اور غشائے مخاطی، مولد صفراء ملین و مسہل محلل و مفتح، منفث و مخرج بلغم، جالی اور قاتل کرم، مدر حیض اور منقی رحم، جگر و گردے اور مثانہ کی پتھریوں کو ریزہ ریزہ کرتا ہے بواسیر کے مسوں کے لئے محلل و مفتح ہے۔

فوائد : محرک و مقوی جگر و غدد اور غشائے مخاطی ہونے کی وجہ سے ان کی تسکین کے لئے بہترین دوا ہے۔ مولد صفراء ہونے کی وجہ سے ملین و مسہل اور دائمی قبض کے لئے یقینی دوا ہے۔ انہی اثرات کی وجہ سے بلغم کو اکھیڑتا ہے اور خارج کرتا ہے اور اندرونی و بیرونی طور پر اعضاء میں جلا پیدا کرتا ہے۔ صفراء کی زیادتی اور امعاء کے کونے سے پیٹ اور آنتوں کے کیڑوں کو مارتا ہے۔ چونکہ صفراء اور حرارت کی پیدائش بڑھ جاتی ہے اور اس کا اخراج بند ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں حیض کا اخراج بلکہ جسم کے جن حصوں میں بلغم کی زیادتی ہو وہاں خون کا اخراج شروع ہو سکتا ہے۔ شدید محلل اور مفتح ہونے کی وجہ سے جگر اور گردے اور مثانے کی پتھری کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ انہی اثرات سے اندرونی و بیرونی گندے زخموں کو صاف کر کے وہاں پر خون لا کر گوشت پیدا کرتا ہے۔

چونکہ جگر و غدد میں تیزی اور صفراء کی زیادتی سے عضلاتی فالج ولقوہ اور تشنج و نقرس میں بے حد مفید ہے۔ اسی وجہ سے صلابت طحال اور جگر بلکہ جسم کو ہر قسم کے غدد جو پھول گئے ہوں ان کے لئے یہ بے حد مفید ہے۔ انہی اثرات کی وجہ سے عرق النساء میں بھی یقینی دوا ہے اور پرانی کھانسی اور دمہ و تنگی تنفس کے لئے دعوے کی دوا ہے اور مرگی کو بہت جلد رفع کر دیتا ہے۔

بیرونی درد و کلف اور بہق پر مالش کرنے سے مفید ہے اور بواسیر کے مسوں کے مواد کو خارج کر کے ان میں تحلیل پیدا کرتا ہے انہی اثرات کے تحت خنازیر کو اندرونی اور بیرونی طور پر محلل اور زخموں کو بھر دیتا ہے۔

اشنان

تعارف : عربی میں غاسون، ویدک میں کٹول کہتے ہیں۔ عام طور پر لانا بوٹی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم کی باریک باریک شاخوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے پتے ہوتے ہیں۔ دوسری قسم میں صرف باریک باریک شاخیں ہوتی ہیں، پتے نہیں ہوتے شاخیں ہی پتوں کا کام کرتی ہیں۔ یہ بوٹی کی صورت میں بہت ہی کم استعمال ہوتی ہے۔ البتہ اس کو جلا کر اس کی کھار بنائی جاتی ہے۔ جس کو سجی کھار کہتے ہیں، جو عام طور پر اسی نام سے بازار میں بکتی ہے۔ غریب لوگ اور دیہاتی اس سے کپڑے دھوتے تھے۔ صابن بنانے والے اس سے صابن بھی تیار کرتے تھے، اس کو انگریزی میں کروڈ کاربونیٹ آف سوڈا کہتے ہیں۔ اسی سے کاسٹک سوڈا جو عام طور پر صابن، فینائل اور بیرونی طور پر لگانے کی ادویہ میں استعمال ہوتا ہے آج کل جو بناسپتی گھی تیار ہوتا ہے وہ اس کے بغیر تیار نہیں ہوتا۔ اسی لئے **بناسپتی کا استعمال جسم میں کھار پیدا کر دیتا ہے۔** اس کا ایک مرکب سوڈا بائی کارب ہے جس کو میٹھا سوڈا کہتے ہیں، جو روزانہ غذا میں خمیر اٹھانے یا ہاضمہ کے لئے دوا کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ شورمٹی جو پانی کے کنارے پائی جاتی ہے اور شورہ بھی ایک خاص قسم کی کھاریں

ہیں۔لیکن یہ معدنی کھاریں ہیں اور سجی نباتاتی کھار ہے اور زیادہ شدید اثرات رکھتی ہے۔علاوہ ازیں یہ کئی پودوں کی راکھ سے بھی تیار کی جاتی ہے۔جیسے جال کا درخت جس پر پہلو میدہ لگتا ہے۔کریر کا پودا جس پر ڈیلے لگتے ہیں جن کا اچار بنایا جاتا ہے۔دونوں جنگلی پودے ہوتے ہیں۔لانا وجال اور کریر کو اونٹ بہت شوق سے کھاتے ہیں عام طور پر تین قسم کی کھاریں ہوتی ہیں: (۱) جوکھار (۲) سجی کھار (۳) سہاگہ۔ان تینوں کے مجموعہ کو ویدک اصلاح میں ''کھشار تریئی'' اور دو پہلی کو ملایا جائے تو کھشار دو یہی کہتے ہیں۔آیورویدک میں کھار کو کھشار کہتے ہیں۔لفظ کھشار کا مصدر کھشرن ہے جس کے معنی مقطر کرنے کے ہیں۔چونکہ سب کھشار عمل تقطیر سے تیار ہوتے ہیں، اس لئے ان کو کھشار کہتے ہیں۔

جس چیز کو کھار بنانا ہو اسے جلا کر راکھ کو پانی میں خوب مل مل کر گھول لیا جاتا ہے۔پھر کچھ عرصہ کے لئے نتھرنے کے لئے رکھ دیا جاتا ہے۔جب مواد نیچے بیٹھ جاتا ہے تو اوپر سے پانی کو الگ کر دیا جاتا ہے۔پھر موٹے کپڑے میں چھان کر لوہے کی کڑھائی میں آگ پر رکھ دیا جاتا ہے جب پانی خشک ہو جاتا ہے تو کڑاہی میں سفید سفید قلمیں رہ جاتی ہیں۔بس یہی کھار ہے۔

سجی دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) سجی کھار (۲) لوٹا سجی۔ان دونوں کی بناوٹ رپورٹ پنجاب پراڈکشن میں یوں بیان کی گئی ہے کہ پودوں کو جاڑوں میں کاٹ کر سکھا لیا جاتا ہے۔پھر نیم دائرے کی شکل کا ایک گڑھا جس کا محیط چھ فٹ اور گہرائی تین فٹ ہوتی ہے کھود کر اس کی تہہ میں ایک یا زیادہ گڑھے جن کے اوپر کی طرف چھوٹے چھوٹے سوراخ نکالے ہوتے ہیں۔دبا دیئے جاتے ہیں۔اور سوراخوں کو ڈھانپ دیا جاتا ہے۔اس کے بعد وہ خشک پودے تھوڑے سے لے کر اس گڑھے میں ڈال کر جلائے جاتے ہیں۔پھر رفتہ رفتہ مزید پودے ڈالے جاتے ہیں تاکہ آگ مسلسل جلتی رہے حتیٰ کہ گڑھا بھر جائے۔اس اثناء میں ان پودوں سے ایک مائع چیز نکلنے لگتی ہے اور جونہی اس کے نکلنے کا اندازہ ہوتا ہے گڑھوں کے سوراخ ننگے کر دیئے جاتے ہیں اور وہ مائع چیز سوراخوں کے ذریعے گڑھوں کے اندر جانے لگ جاتی ہے جب وہ سب کی سب گڑھوں میں چلی جاتی ہے تو راکھ کو ایک لکڑی سے ہلا دیا جاتا ہے اور اوپر مٹی ڈال دی جاتی ہے، آگ کے ٹھنڈا ہو جانے پر جو چیزیں گڑھوں میں پائی جاتی ہیں یہی لوٹا سجی کہلاتی ہے۔کیونکہ لوٹوں (برتنوں) میں سے پائی گئی ہے۔سجی کی یہی بہترین قسم ہے۔اس کا رنگ سفید یا گلابی سا ہوتا ہے۔ذائقہ نمکین اور شکل اسفنج نما سوراخ دار پتھر کی سی ہوتی ہے۔لوٹا سجی الگ کر لینے کے بعد جو راکھ گڑھے میں رہ جاتی ہے اس کو اکٹھا کر کے مٹکوں میں نصف کے برابر بھر دیں پھر پانی سے بھر کر اس راکھ کو اچھی طرح گھول لیں۔پھر جب راکھ نیچے بیٹھ جائے تو پانی نتھار لیں اس پانی کو لوہے کے کڑاہوں میں ڈال کر خشک کر لیں۔یہی سجی کھار ہے ان اعمال میں لوٹا سجی اور سجی کھار کا فرق سمجھ لیں۔دراصل دونوں ایک ہی چیز ہیں۔لیکن لوٹا سجی اپنے عمل کو اثرات کے تحت سجی کھار سے بہت زیادہ طاقت رکھتی ہے۔کھاریں کئی قسم کی تیار کی جا سکتی ہیں جن میں بعض اپنے اندر کیمیاوی افعال و اثرات رکھتی ہیں جن میں مولی کھار، خربوزے کے پھولوں کی کھار اور آک کی کھار وغیرہ وغیرہ لیکن علم الادویہ میں زیادہ تر جو کھاریں مستعمل ہیں وہ تین ہیں: (۱) جوکھار (۲) سجی (۳) سہاگہ۔کھار کی طبی دُنیا میں بڑی اہمیت حاصل ہے ادویہ علم کی ایک تہائی کی مالک ہے۔

اسگندھ

تعارف: اس کو آکسن اور اسگند بھی کہتے ہیں۔یہ بوٹی ہے آیورویدک کی خاص دوا ہے۔جس کو رسائن (اکسیر) کا درجہ دیا گیا ہے جس کو آشوگندھا کہتے ہیں۔آشوگندھا دو لفظوں کا مرکب ہے۔آشو کے معنی گھوڑا اور گندھا کے معنی تیز چلنے والا یا تیزی پیدا کرنے والا ہے۔

مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ جب اس کا اثر خون میں پیدا ہو جاتا ہے تو جسم میں گھوڑے جیسی طاقت پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے اس کو گجراتی میں اسگندھ کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کو ونٹر چیری کہتے ہیں۔ چیری ایک انگریزی پودا ہوتا ہے جس کا پھل رس بھری کے ہم شکل اور ہم رنگ ہوتا ہے۔ انگریزی محققین الادویہ نے اس سے دو قسم کے جوہر برآمد کئے ہیں۔

مقام پیدائش : یہ بوٹی پاک و ہند کے گرم خشک علاقوں میں پائی جاتی ہے اس کے علاوہ ریاست بیکانیر کے علاقہ ناگور میں اس کی پیداوار بکثرت ہے اس علاقہ کی اسگندھ طبی نقطہ نگاہ سے نہایت بڑھیا اور اعلیٰ درجہ کی تسلیم کی جاتی ہے۔ اس لئے عمدہ قسم کو اسگندھ ناگوری کہتے ہیں۔ دوسری قسم کو رکنی کہتے ہیں۔ اگرچہ وہ کسی علاقہ کی بھی ہو، یہ بلوچستان مالوہ، اوسط وسطی فارت، خصوصاً دہلی اس کے علاوہ سری لنکا اور کئی دیگر علاقوں میں بھی ملتی ہے۔ لیکن علاقہ ناگور کی اسگندھ کے مقابلے میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ اس لئے ناگور کی اسگندھ طبی دُنیا میں خاص شہرت رکھتی ہے اور اسی کا استعمال کیا جاتا ہے۔

شناخت : اسگندھ کا پودا سیدھا اور سطح زمین سے تقریباً دو فٹ سے پانچ فٹ تک اونچا ہوتا ہے۔ اس کی شاخیں گول ہوتی ہیں اور ان پر باریک باریک روئیں دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے پتے تقریباً تین چار انچ تک لمبے اور دو تین انچ چوڑے ہوتے ہیں۔ یہ پتے سرے پر آ کر یک لخت نوک دار ہو جاتے ہیں۔ بظاہر صاف اور چمکدار معلوم ہوتے ہیں، لیکن غور سے دیکھنے سے ان پر بھی باریک چمک دار روئیں نظر آتے ہیں۔ یہ پتے موٹے اور ان کی رگیں شفاف ہوتی ہیں اس کی جڑ لمبی اور مخروطی شکل کی ہوتی ہے اس کی جڑ کی موٹائی کم از کم پنسل کی گولائی کے برابر ہوتی ہے۔ اس کے پھول چھوٹے چھوٹے زردی مائل سبز رنگ کے ہوتے ہیں۔ اس کے بیج مٹر کے دانے کی طرح ایک انچ سے تین انچ قطر میں گول ہوتے ہیں جب دانہ پک جاتا ہے تو زرد سبزی مائل ہو جاتا ہے اس کا دانہ گول اور تقریباً چوتھائی انچ قطر میں ہوتا ہے جو صاف گول اور چپکے ہوتے ہیں، ظاہرہ رس بھری کے پھل کے برابر ہوتے ہیں۔ یہ بوٹی باغوں کھیتوں اور جنگلوں میں خودرو پیدا ہوتی ہے۔ علاج میں زیادہ تر اس کی جڑ استعمال ہوتی ہے۔

رنگت اور ذائقہ : رنگت پھول و پھل زرد سبزی مائل اور جڑ سفید بھوری زردی مائل ہوتی ہے اس کا ذائقہ کسی قدر تلخی مائل ہوتا ہے۔

افعال و اثرات : اعصابی غدی یعنی اعصاب میں تحریک غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین پیدا ہوتی ہے۔ کیمیائی طور پر کھاری پن۔ لیکن بلغم اور رطوبت میں رقت پیدا کرتا ہے۔ مزاج گرم تیسرے درجے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں رطوبت فضیلہ ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اس کی ذاتی تری ہے۔

فرنگی ڈاکٹروں کی غلط فہمی : کھاری (الکلی) اشیاء دو قسم کی ہوتی ہیں۔ اوّل سرد کھاری جیسے اعصابی عضلاتی اور عضلاتی اعصابی دوسرے گرم کھاری جیسے اعصابی غدی اور غدی اعصابی۔ فرنگی ڈاکٹروں میں ایک غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ وہ تیزابیت کا علاج کھاری پن سے کرتے ہیں۔ یہ قانون سائنس کی رو سے بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ارتقائی قانون کے تحت کھاری پن کا علاج ترشی ہے ترشی کا علاج صفراء ہے جو بذاتِ خود کھار ہے مگر اس میں حرارت بھی شریک ہے۔ اس لئے یاد رکھیں کہ اعصابی تحریک کا علاج عضلاتی تحریک اور عضلاتی تحریک کا علاج غدی تحریک ہے۔ یہ اسگندھ بوٹی بھی ایک گرم کھار ہے۔ اسی طرح ہر غدی اعصابی اور اعصابی غدی اشیاء جن میں حرارت ہے سب گرم قسم کی کھاریں ہیں۔

خواص : مولدِ رطوبات وشیر اور منی، مقوی جسم، محلل، سوزش جگر و رحم اور کثرت طمث اور ممسک، مسکن، مدر، دافع سوزش گردہ و مثانہ۔

فوائد : ایک قابل اعتماد مولدِ رطوبات وشیر اور منی ہے۔ جس کی وجہ سے جسم میں تغذیہ یہ غذا جزو بدن ہو کر جسم میں تقویت پیدا ہونا شروع ہو

جاتی ہے اس وجہ سے اس کو ایک اعلیٰ درجہ کی ٹانک اور جسم کی عام کمزوری کے لئے ایک نعمت تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کا استعمال کمزور اور دُبلے پتلے، نحیف و ناتواں اشخاص کے لئے نہایت قوت بخش اور تروتازگی بخشنے والی رسائن ہے اس کے استعمال سے جہاں بچوں میں موٹاپا اور قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہاں عورتوں میں دودھ کی پیدائش بڑھ جاتی ہے اور مردوں میں منی کی پیدائش میں زیادتی اور گاڑھا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر پیشاب میں سوزش اور پاخانہ میں جلن ہو تو وہاں پر فوراً تسکین پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر پیچش کی صورت میں بھی پیدا ہو گئی ہو بہت جلد آرام کی صورت ظاہر ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ گردہ اور مثانہ کی سوزش کو دور کر کے سرعت انزال میں مفید ہے۔ چونکہ مولد منی اور دافع سوزش گردہ و مثانہ ہے۔ اس حیثیت سے کچھ ممسک بھی ہے لیکن بعض مصنفین نے اس کو جریان واحتلام اور قوت باہ کے لئے بھی مفید لکھا ہے۔ یہ بالکل صحیح نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے نہ صرف غیر یقینی دوا ہے بلکہ نقصان رساں ہے۔ یادرکھیں کہ **دوا کے استعمال میں اس کے مقام کو ضرور مدنظر رکھنا چاہئے۔ ورنہ حسب منشا فوائد حاصل نہیں ہوں گے۔**

چونکہ محلل غدد ہے اس لئے جگر اور گردوں کے علاوہ عورتوں کے پستانوں اور خصیۃ الرحم کی سوزش کے لئے بھروسہ کی دوا ہے۔ اس کے استعمال سے پرانی سے پرانی سوزش اور درد غدد رفع ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جوڑوں کے درد کو بھی رفع کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے مدر بول اور حیض بھی ہے۔ اگرچہ مدر بول ہے لیکن مغلظ منی ہونے کی وجہ سے ممسک اور مسکن قلب اور عضلات ہے۔ اس حیثیت سے تپ دق اور سل میں بھی مفید ہے۔

بعض ویدوں نے اس کے استعمال میں نہ صرف بے حد مبالغہ سے کام لیا ہے۔ بلکہ بہت حد تک غلط افعال واثرات تک بیان کر دیتے ہیں اور اس کو ایک قسم کی رسائن میں شریک کر لیا ہے۔ یادرکھیں کہ رسائن (اکسیر) کا مقام بہت بلند ہے۔ ہم اپنی کتب میں اکسیر پر لکھ چکے ہیں اس لئے رسائن کے مقام کو ہمیشہ ذہن میں رکھیں ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں آیورویدک کے مہرشی بھاؤ مشر نے اپنی تصنیف بھاؤ پرکاش میں اس کے طبی خواص بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسگندھ کا ذائقہ تلخ، ممسک، مبہی قاطع بادی وبلغم، نیند آور اور نہایت عمدگی سے انسان کی عام کمزوری کو سطح اعتدال پر لانے کی ضامن ہے۔

یادرکھیں بلغمی دوا نیند آور تو ہو سکتی ہے مگر مبہی اور قاطع بادی نہیں ہو سکتی طرہ یہ ہے کہ قاطع بادی کبھی بھی مبہی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ بادی کا باہ کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ اس لئے کوئی مولد بلغم ونیند آور اور مخدر دوائی قوت باہ پیدا نہیں کر سکتی البتہ حدت کو دور کر کے اس کا اثر محسوس ہو سکتا ہے۔

اسگندھ کے مقوی جسم ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں دوائیت کے علاوہ کچھ غذائیت بھی ہے۔ اس میں نشاستہ کے ساتھ کسی قدر اجزائے لحمیہ بھی پائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس کے مسلسل استعمال سے جسم میں تقویت پیدا ہو جاتی ہے اور تھوڑے عرصہ میں انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ جسم میں تقویت کے ساتھ افزائش بھی ہو گئی ہے جس کے ساتھ جنسی دباؤ کم ہو گیا ہے جو ایسی صورت میں مفید ہے اس کی وجہ سے اس کے مسلسل استعمال سے جسم میں جو ترشی کی زیادتی ہوتی ہے وہ اعتدال پر آ جاتی ہے اس دوا کی اس خوبی کی وجہ سے یہ عورت کے لئے بے حد مفید ہے۔ اس کے استعمال سے خصیۃ الرحم کی سوزش دور ہو کر ماہواری باقاعدہ ہو جاتی ہے بہت جلد حمل قرار پا جاتا ہے اور جن عورتوں میں بچے کمزور پیدا ہوتے ہیں یا ضائع ہو جاتے ہیں ان کو حمل کے دوران استعمال کرنے سے بچے بہت تندرست پیدا ہوتے ہیں بلکہ اگر کمزور اور سوکھے بچوں کو استعمال کرائیں تو موٹے تازے ہو جاتے ہیں۔

ترکیب تیاری: اسگندھ ناگوری باریک پیس کر شہد کے شربت کے ساتھ یا سفوف ہم وزن چینی ملا کر پانی کے ساتھ استعمال کرائیں اور

اگر ضروری خیال کریں تو ہم افعال واثرات ادویہ ستاور، ست گلو، زیرہ سفید اور ملٹھی وغیرہ کا ملانا بے حد مفید ہے۔

اسرب

تعارف : عربی میں رصاص اسود اور ہندی میں سیسہ کہتے ہیں۔ ایک مشہور ملائم دھات ہے۔

رنگت اور ذائقہ : رنگت سفید نیل گوں مائل ہوتی ہے، اور ذائقہ پھیکا ہوتا ہے۔

افعال و اثرات : اعصابی عضلاتی یعنی اعصاب میں تحریک غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین پیدا ہو جاتی ہے، کیمیاوی طور پر کھاری پن، غلظت اور بلغم و رطوبت پیدا کرتا ہے۔ مزاج تو خشک ہے چونکہ اندرونی طور پر ہمیشہ کشتہ کی صورت میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس صورت میں افعال و اثرات کی صورت میں عضلاتی اعصابی بن جاتی ہے اور مزاج میں خشکی تری پیدا ہو جاتی ہے۔

خواص : حابس خون، قابض رطوبات، مجفف مغلظ اور ممسک، دافع سوزش غدد، تقطیر بول، کثرت طمث۔

فوائد : سیسہ اور اس کے مرکبات کا ظاہری طور پر تندرست جلد پر کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کا بھی تندرست جلد پر ایسا ہی اثر پڑتا ہے کہ جیسا زخم اور مجروح سطح پر لگانے سے ہوتا ہے۔ جب یہ لگایا جاتا ہے تو وہاں پر جو رطوبت بہتی ہے وہ گاڑھی ہو کر جم جاتی ہے جس سے وہاں کی چھوٹی چھوٹی عروق سکڑ جاتی ہیں سائنس کا مسئلہ ہے کہ ہر شے سردی سے سکڑتی ہے۔ گویا جہاں پر سیسہ اور اس کے مرکبات لگائے جائیں وہاں پر سردی کی شدت زیادہ ہو جانے سے رطوبات پیدا ہو کر اس میں سکیڑ واقع ہو جاتا ہے۔ ان وجوہات کے باعث یہ مرکبات نہایت قابض ہوتے ہیں اور سوزش و جلن دور ہو جاتی ہے اور درد بھی کم ہو جاتا ہے۔ اس لئے نہایت تسکین کا اثر رکھتے ہیں حقائق کے باعث یہ حابس الدم ہے۔

بندش خون کا راز : یہاں یہ حقیقت پھر ذہن نشین کر لیں جو پہلے بھی کئی بار تحریر کر چکے ہیں کہ جہاں پر خون بہتا ہو وہاں پر رطوبت بالکل نہیں ہوتی اور جہاں رطوبت ہو وہاں پر خون بند ہو جاتا ہے یہی بندش خون کا راز ہے حقیقت یہ ہے کہ رطوبت کا اخراج شدت سے ہوتا ہے۔ مگر سردی کی زیادتی سے وہاں پر سکیڑ پیدا ہو کر رطوبات جم جاتی ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھیں کہ تقریباً تمام عضلاتی اعصابی ادویہ اور اغذیہ کا اثر کم و بیش یہی ہوتا ہے۔ یعنی رطوبات پیدا ہوتی ہیں مگر جم جاتی ہیں اس لئے اندرونی طور پر جب چوٹ لگتی ہے یعنی اس چوٹ سے باہر خون نہیں بہتا اور اندر ہی اکٹھا ہونا شروع ہو جاتا ہے اس مقصد کے لئے دودھ پھٹکڑی ملا کر لاتے ہیں جس سے اندر کا خون بہنا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی اصول پر ہر عضو کے خون کا اخراج بند ہو جاتا ہے۔ خون منہ سے آتا ہو یا مقعد سے اسی طرح پیشاب سے اخراج پاتا ہو یا رحم سے کسی قسم کا خون خارج ہوتا ہو تو وہ بند ہو جاتا ہے۔

کشتہ اسرب کو جریان کے بند کرنے کے ساتھ ساتھ جریان منی احتلام اور سرعت و رقت منی کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے استعمال سے رطوبات کا اخراج بند نہیں ہوتا بلکہ ان میں غلظت پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح رطوبات خشک ہو جاتی ہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ رطوبات کا اخراج بند نہیں ہوتا جب دواؤں کا اثر کم ہو جاتا ہے تو رطوبات کا اخراج پھر سے شروع ہو جاتا ہے اس لئے ان علامات کا یہ یقینی علاج نہیں ہے۔

بیرونی طور پر سوزشناک زخموں پر سیسہ سوختہ کے مرکبات تسکین اور رطوبت کو خشک کرنے کے لئے مرہموں میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے مشہور سیاہ مرہم سیندور سے تیار ہوتا جو زخم بھرنے کے لئے واقعی مفید ہے۔

مرکبات اسرب

(۱) **سفیدہ :** عربی میں اسفیداج، فارسی میں سفید آب، سفید رنگ کا نرم اور وزنی سفوف ہوتا ہے عام طور پر سیسہ کو ملا کر بنایا جاتا ہے۔ سفید قلعی سے بھی تیار کیا جاتا ہے۔جس کو سفیدہ کاشغری یا سفیدہ کہتے ہیں۔

(۲) **سیندور :** عربی میں اسرنج کہتے ہیں۔ سرخ زردی مائل وزنی سفوف ہے۔ یہ بھی قلعی اور سیسہ دونوں سے تیار کیا جاتا ہے یہ وہی چیز ہے جن سے اکثر ہندو اور عورتیں مانگ بھرتی ہیں۔

(۳) **سنگ بصری :** عربی میں حجر الکحل کہتے ہیں فارسی میں سنگ سرمہ تو تیائے کرمانی، تو تیائے سفالک۔ ہندی میں کھریا کہتے ہیں خاکستری رنگ کے ٹکڑے ہیں جو سیسہ کی کان کے خاک اور سنگ ریزوں سے سیسہ اور تانبا جدا کرتے وقت بھٹی کے دودکش میں جم جانے سے بن جاتا ہے۔

(۴) **مردار سنگ :** مردار سنگ زردی مائل وزنی ڈلیاں ہوتی ہیں جو سیسہ سے تیار کی جاتی ہے۔

خواص و فوائد : سیسہ کے تمام مرکبات کے خواص و فوائد تقریباً وہی ہیں جو سیسہ کے کشتہ میں پائے جاتے ہیں۔ البتہ ان میں صرف یہ فرق ہے کہ ان کے افعال و اثرات میں کمی پائی جاتی ہے۔ ان تمام مرکبات کو سوائے کشتہ کے بیرونی طور پر مرہم اور سرمہ کی صورت میں استعمال کرتے ہیں۔فرنگی طب میں ان کے کئی مرکبات مستعمل ہیں جو بیرونی اور اندرونی دونوں صورتوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

فرنگی طب کے مرکبات سیسہ : فرنگی طب میں سیسہ کو لیڈ کہتے ہیں اس کا نام پلم بم بھی کہتے ہیں اس کے مرکبات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) **اوکسائیڈ آف لیڈ :** جس کو طب میں مردار سنگ کہتے ہیں، سیسہ کو ہوا میں جوش دے کر تیار کیا جاتا ہے۔ پانی میں حل نہیں ہوتا نائٹرک ایسڈ اور ایسی ٹک ایسڈ میں حل ہو جاتا ہے۔ اس کو ذیل کے پلاسٹروں میں ملایا جاتا ہے: (۱) لیڈ پیسٹر (۲) میلاسٹرم فرائی (۳) کیل بینائی (۴) ہائیڈرار جرائی (۵) پلمبائی آیوڈائیڈ ریزائی وغیرہ۔

(۲) **ایسی ٹیٹ آف لیڈ :** سیسہ کو تیزاب میں گلا کر خشک کر کے قلمیں بنا لیتے ہیں۔ سفید چمکدار ٹکڑے کھلا رکھنے سے ان کا پانی کسی قدر اڑ جاتا ہے، ذائقہ شیریں 25 فیصد پانی میں دس حصہ حل ہو جاتا ہے۔ خوراک ایک گرین سے چار گرین تک۔ اس مرکب سے گولیاں، سفوف، محلول اور مرہم تیار کرتے ہیں۔

(۳) **کاربونیٹ آف لیڈ :** اس کو طب میں سفیدہ کاشغری کہتے ہیں اس کو تیزاب سرکہ اور تیزاب کاربونک میں ملا کر مرہم میں استعمال کیا جاتا ہے۔

(۴) **نائٹریٹ آف لیڈ :** تیزاب شورہ میں حل کر کے خشک کر لیا جاتا ہے، بیرنگ ہشت پہلو قلمیں، ذائقہ شیریں، پانی میں حل ہو جاتا ہے۔

(۵) **آئیوڈائیڈ آف لیڈ :** تیزاب شورہ اور آیوڈائیڈ آف پوٹاشیم کے ساتھ تیار کیا جاتا ہے جو سرخی مائل زرد رنگ کا سفوف یا چمکتے ہوئے چھلکے ہوتے ہیں۔ ان سے مرہم تیار کی جاتی ہے۔

فرنگی طب کی غلط فھمی : فرنگی طب یہ تسلیم کرتی ہے کہ لیڈ کے اثرات و افعال اپنے اندر کاسٹک (جلانے والے-کاوی) رکھتے ہیں۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے کیونکہ ان کے استعمال سے رطوبات میں خشکی اور عروق میں سکیڑ پیدا ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی تسکین کا اثر قائم رہتا ہے جو کاسٹک کا اثر نہیں ہے بلکہ رطوبات کا تسلسل قائم رہتا ہے۔

اسفنج

تعارف: عربی میں ابر مردہ، سحاب البحر کہتے ہیں ایک خانہ دار اور متخلل نباتات ہے جو سمندر کے اندر اور سمندر کے کنارے پتھروں کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔ اس کے خانے سمندری کیڑے مکوڑوں کے گھر ہوتے ہیں یہ عام طور پر جھاڑیوں کی صورت میں پائی جاتی ہے۔ ان کو ٹکڑوں کی شکل میں کاٹ لیا جاتا ہے۔ یہ ٹکڑے بے حد نرم اور ملائم ہوتے ہیں۔ دبانے سے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ جب ان خشک ٹکڑوں کو پانی میں ڈالا جائے تو پانی جذب کر لیتے ہیں اور جب نچوڑا جائے تو پانی نکل جاتا ہے۔ اس لئے بچے اس سے اپنی سلیٹیں صاف کرتے ہیں نہانے میں بدن صاف کرنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کے ٹکڑے ایک ایک فٹ تک بازار میں بکتے ہیں۔

رنگت اور ذائقہ: رنگت زرد سفیدی مائل، ذائقہ پھیکا کچھ تیزی لئے ہوئے۔

افعال و اثرات: اعصابی غدی (شدید) یعنی اعصاب میں تحریک، غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین کیمیاوی طور پر خون میں کھاری پن اور رطوبت پیدا کرتا ہے جسم میں بلغم اور رطوبات کی پیدائش بڑھا دیتا ہے، مزاج تر گرم یعنی اس میں تری گرمی سے زیادہ ہے۔ کتب طبیہ میں اس کو گرم خشک لکھا ہے جو کہ غلط ہے جو شے جسم میں رطوبت اور بلغم پیدا کرے وہ کبھی بھی خشک نہیں ہوتی۔ جب اس کو استعمال کے لئے جلایا جاتا ہے تو اس کے اثرات میں مزید تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔

فوائد: محرک اعصاب و دماغ، مولد رطوبات و بلغم، محلل جگر و گردے اور غدد، حابس خون اور جالی، مدر بول، مخرج پتھری اور ریگ وغیرہ۔

فوائد: چونکہ محرک اعصاب شدید ہے اس لئے جسم میں رطوبت اور بلغم کی پیدائش بڑھ جاتی ہے جس سے خون کا بہنا یا آنا بند ہو جاتا ہے۔ خون کسی زخم سے بہتا ہو یا جسم کے کسی حصہ سے آتا ہو۔ تازہ چوٹ سے بہتا ہو یا ناک و منہ یا پیشاب یا پاخانے سے بہتا ہو فوراً بند ہو جاتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اندرونی زخم اور بعض قسم کے اورام بھی درست ہو جاتے ہیں۔ خاص طور پر غدی اورام کے لئے تریاق ہے۔

نکسیر کی صورت میں اس کی دو تین بار نسوار دینے سے ناک سے خون آنا بند ہو جاتا ہے پھر دن میں ایک دو بار روزانہ دینے سے ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نئے پرانے خصوصاً خشک زخموں پر دھول دینے سے زخم اچھے ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور آنکھوں میں سوزش ہو تو ہم وزن سرکہ میں ملا کر استعمال کرائیں۔

چونکہ غدد میں تحلیل پیدا ہو جاتی ہے اس لئے جگر و گردوں اور غدد کی سوزش اور اورام میں بے حد مفید ہے یہاں تک کہ تپ دق اور سل کے لئے بھی بھروسے کی دوا ہے۔ مسکن عضلات ہونے کی وجہ سے عضلات میں کھچاؤ، پھیپھڑوں میں خشکی اور پرانی کھانسی میں ایک کامیاب دوا ہے، پیشاب میں رکاوٹ ہو یا پتھری ہو تو اس کے مسلسل استعمال سے وہ رفتہ رفتہ ریزہ ریزہ ہو کر خارج ہو جاتی ہے۔

استعمال: اس کے استعمال کے تین طریقے ہیں۔

① اسفنج کا ایک بڑا سا ٹکڑا لے کر کسی کھلے برتن میں رکھ کر جلا لیں۔ یہاں تک کہ وہ راکھ ہو جائے بس تیار ہے یہی راکھ اندرونی اور بیرونی طور پر استعمال کرائیں۔

مقدار خوراک: ایک رتی سے چار رتی تک۔ اگر شدید ضرورت ہو تو ایک ماشہ بھی ہمراہ آب تازہ یا نیم گرم استعمال کرا سکتے ہیں۔

② اسفنج کے باریک باریک ذرے کر کے کسی مٹی کے برتن میں ڈال کر آگ پر رکھ کر سوختہ کر لیں جب خشک ہو جائے تو باریک پیس لیں بس تیار ہے بیرونی اور اندرونی دونوں طریقوں پر استعمال کریں۔ اس میں پہلی راکھ کی نسبت بہت زیادہ تیزی ہے۔

(۳) اوّل راکھ تیار کرلیں۔ پھر کسی مٹی کے لوٹے یا ہانڈی میں ایک چوتھائی تک بھرلیں۔ پھر صاف پانی سے منہ تک بھردیں اور خوب ہلائیں پھر حفاظت سے رکھ دیں۔ سونے تک دو تین بار ہلا دیں۔ صبح کو آرام سے اس پانی کو نتھارلیں اور نیچے کی تلچھٹ پھینک دیں۔ پھر اس پانی کو آگ پر رکھ کر خشک کردیں۔ یہ ایک کھار تیار ہوجائے گی۔ یہ کھار انتہائی شدت اور حرارت رکھتی ہے۔

مقدار خوراک: ایک چاول سے نصف رتی اور زیادہ سے زیادہ ایک رتی تک استعمال کراسکتے ہیں اس میں تحلیل کی بہت زبردست طاقت ہے۔

ٹنکچر آیوڈ ین کا بہترین بدل: کھار اسفنج نصف چھٹانک، سجی کھار نصف چھٹانک، ہلدی ایک چھٹانک، پانی تین پاؤ۔ تینوں ادویہ کو پانی میں ملالیں اور خوب ہلالیں دو تین روز پڑا رہنے دیں البتہ دِن میں ایک بار ہلا دیں، پھر نتھار کر بوتل میں ڈال دیں، بس تیار ہے ٹنکچر آیوڈین کا جہاں جہاں استعمال ہے وہاں پر لگائیں اس کے علاوہ اندرونی طور پر بھی بے حد مفید ہے۔

مقدار خوراک: پانچ سے پندرہ قطرے۔

راز: کی بات مندرجہ بالا مرکب سرطان (کینسر) کے لئے بہت مفید ہے، یہی دوا طاعون کے لئے بھی مفید ہے۔

مالش دافع ورم: کھار اسفنج تین ماشہ، ست پودینہ ایک ماشہ، روغن بیدانجیر تین چھٹانک، موم ایک چھٹانک، اوّل روغن اور موم کو آگ پر گرم کر کے ملالیں پھر نیچے اُتار کر کھار اسفنج اور ست پودینہ ملالیں۔ غدی اورام اور جوڑوں کے دردوں میں مفید ہے اور وہ جوڑ جو پتھرا گئے ہوں ان پر مسلسل مالش کرنے سے بہت جلد نرم اور درست ہوجاتے ہیں اسی طرح یہ **مالش گلہڑ کے لئے بھی مفید ہے۔**

آیوڈین: آیوڈین فرنگی طب وڈاکٹری کی ایک دوا ہے۔ جو اسفنج اور سمندر کی جڑی بوٹیوں کی راکھ سے تیار کی جاتی ہے جس سے پوٹاشیم آیوڈائڈ اور ٹنکچر آیوڈین وغیرہ مرکب تیار کئے جاتے ہیں۔ یہ خالص صورت میں سے قلموں کی صورت میں ہوتا ہے۔ جن سے خاص قسم کی بو آتی ہے۔ رنگت سیاہ بینگنی مائل ہوتی ہے اور جب اس کو آگ پر رکھا جاتا ہے تو اس میں سے بینگنی رنگ کا دھواں نکلتا ہے۔ یہ پانی کے 700 حصہ میں ایک حصہ حل ہوتا ہے۔ ریکٹی فائڈ سپرٹ کے 12 حصے میں ایک حصہ ایتھر کے چار حصے میں ایک حصہ حل ہوجاتا ہے۔ گلیسرین میں کسی قدر کم حل ہوتا ہے۔ آیوڈائڈ آف پوٹاشیم یا کلورائیڈ آف پوٹاشیم کے عرق میں بہت آسانی سے حل ہوجاتا ہے۔ آیوڈین اور اس کے جس قدر بھی مرکبات فرنگی طب میں مستعمل ہیں: (۱) پوٹاشیم آیوڈائیڈ (۲) ٹنکچر آیوڈین (۳) لینمنٹ آف آیوڈائیڈ (۴) لائیکوار آیوڈائیڈ (۵) انگونم آیوڈائیڈ وغیرہ تمام کے وہی خواص اور افعال واثرات ہیں واسفنج کے متعلق ہم بیان کر چکے ہیں۔

ایلوا

تعارف: عربی میں مصر اور فارسی میں بھی مصبر کہتے ہیں۔ عام طور پر مصبر کے نام سے مشہور ہے بنگال میں بھی مصبر کہتے ہیں انگریزی میں ایلوز کہتے ہیں اور اس کے ست کو الائن کہتے ہیں۔

یہ ایک قسم کا عصارہ ہے جو گھیکوار (کوار گندل) سے حاصل کیا جاتا ہے یہ دو قسم کا مشہور ہے۔ ایک مصبر سقوطری دوسرا مصبر بریدی ہوتا ہے، اوّل اطباء کا پسندیدہ ہے ان اقسام کی وجہ یہ ہے کہ پہلے زمانے میں مصبر باہر سے درآمد کیا جاتا تھا۔ جو مصبر سقوطر سے آتا تھا اس کو مصبر سقوطری کہتے ہیں۔ سقوطر ترکی کا ایک علاقہ ہے جو مصبر عزب الہند سے آتا تھا۔ اس کو مصبر بریدین کہتے تھے۔ اس میں ایک تیز قسم کی ہیک ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو پسند نہیں کیا جاتا۔

مقام پیدائش: پاکستان کے اکثر علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ اکثر لوگ اپنے گھروں میں لگا لیتے ہیں۔ یہ بارہ مہینے لگی رہتی ہے اور

بڑھتی رہتی ہے۔ جزیرہ سقوطری جزیرہ عرب الہند ایسی سینا کاٹھیاوار میسور اور زنجی بار کے علاقوں میں کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔

رنگت اور ذائقہ : گہرے سیاہ رنگ کی شیشہ کی طرح چمکدار ڈلیاں ہوتی ہیں۔ سفوف ہونے پر زرد رنگ کی جھلک دیتا ہے۔ جو مصبر وزنی ہوتا ہے وہ خالص ہوتا ہے۔ جو ہلکا ہو وہ خالص نہیں ہوتا اس میں سے ست نکال لیا گیا ہوتا ہے اور اس کا اثر تقریباً ختم ہو جاتا ہے۔

ذائقہ : بے حد تلخ اور جی متلانے والا ہے۔

مزاج : خشک تیسرے درجے میں اور گرم دوسرے درجے میں ہوتا ہے۔

مقدار خوراک : ایک رتی سے ایک ماشہ تک۔

افعال و اثرات : عضلاتی غدی مسہل یعنی عضلات میں تحریک غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل پیدا کرتا ہے۔ کیمیاوی طور پر خون میں ریاح اور صفراء میں خشکی پیدا ہوتی ہے۔ اور بلغم کو غلیظ کرتا ہے اور اس کو ریاح میں تبدیل کرتا ہے اور سوداوی امراض پیدا کرتا ہے۔

خواص : محرک قلب، مخرش و منقبض عضلات، مجفف و حابس، مخرج بلغم، دافع درد، مسکن سوزش جگر و غدد، مدر حیض منقی رحم، مسہل بلغم، دافع کرم شکم، دافع حمیات بلغمی و سوداوی اور مجفف رحم وغیرہ۔

فوائد : بعض کتب میں مصبر کو مرکب قوئی لکھا ہے۔ یہ بات بالکل غلط ہے، کسی ایک دوا میں کبھی بھی دو تین قوتیں نہیں ہوتیں بلکہ صرف ایک قوت ہوتی ہے۔

یاد رکھیں کہ ہر دوا کسی ایک خلط کو پیدا کرتی ہے کبھی دو خلطوں کو پیدا نہیں کرتی۔ جو دوا بلغم یا سودا پیدا کرتی ہے وہ کبھی بھی صفراء یا خون پیدا نہیں کر سکتی، بلکہ سرد کیفیت پیدا کرنے والی دوا گرم کیفیت پیدا نہیں کر سکتی۔ اسی طرح اس کے برعکس ذہن نشین کریں اور جو دوا دماغ کو تحریک دیتی ہے وہ دماغ و جگر کو تحریک نہیں دیتی۔ یہی صورت جگر کو تحریک دینے والی دوا کی ہے۔ بہر حال یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی دوا مرکب القویٰ نہیں ہوتی۔ یہ سراسر غلط فہمی ہے۔

بعض کتب میں مصبر کو محلل ریاح اور سوداوی امراض میں مفید لکھا گیا ہے۔ دونوں باتیں غلط ہیں۔ **مصبر رطوبات جسم کو ریاح میں تبدیل کرتا ہے اور بلغم کو خشک کر کے سودا میں تبدیل کرتا ہے۔ اس سے جسم میں انقباض پیدا ہوتا ہے۔ یہ بواسیر اور دیگر سوداوی امراض پیدا کرتا ہے کیونکہ مصبر جسم میں ریاح اور خشکی پیدا کرتا ہے۔**

اپنے ان خواص کی شدت کی وجہ سے مصبر مقوی مسہل ہے بلکہ دائمی قبض کے لئے ایک یقینی دوا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ معدہ و امعاء اور دیگر جسم کے عضلات میں انقباض پیدا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کو مقوی معدہ اور قاتل کرم لکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رحم کی رطوبت و بلغم کو خشک کر کے حیض لاتا ہے۔ اندرونی اور بیرونی زخموں کو خشک کرتا ہے چونکہ محلل اعصاب ہے۔ اس لئے دماغ اور اعصاب کی سوزش و اورام کے امراض میں بے حد مفید ہے۔ اس لئے یہ درد سر دوران سر، نزلہ و زکام، درد جسم، درد کان اور وجع المفاصل اور دیگر بلغمی امراض میں بے حد مفید ہے۔

جن مریضوں کو جسم کے کسی حصہ سے خون آتا ہو۔ ان کو مصبر یا اس کا کوئی مرکب نہیں دینا چاہئے اسی طرح جن عورتوں کو حمل ہو ان کو بھی مصبر نہیں دینا چاہئے کیونکہ اس کے دینے سے فوراً حمل گر جاتا ہے۔

اسی طرح جن مریضوں کو بواسیر ہو یا کوئی سوداوی مرض ہو ان کو بھی مصبر بالکل نہیں دینا چاہئے، البتہ جسم کے کسی مقام یا زخم سے رطوبات بہتی ہوں یا بلغم کا اخراج ہوتا ہو تو یہ مصبر ایک یقینی اور بے خطا دوا ہے۔ جن زخموں میں کیڑے پڑ گئے ہوں وہاں پر اس کو خشک لگا دینا ہی زخموں کو پاک و صاف کر دیتا ہے اور ان کو بہت جلد بھر دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مصبر مطب کے لئے ایک یقینی دوا ہے۔

مجربات خصوصی

یہ وہ مجربات ہیں جو استاد صاحب ماہنامہ رجسٹریشن فرنٹ میں شائع کرنا چاہتے تھے مگر شائع نہیں ہو سکے

اطریفل مقوی (عضلاتی اعصابی)

ھو الشافی : بلادر 5 تولہ، ہلیلہ زرد 10 تولہ، ہلیلہ 10 تولہ، آملہ 10 تولہ، ہلیلہ سیاہ بریاں 10 تولہ، اسطخو دوس 10 تولہ، ہڑجلا بہ 10 تولہ، کشتہ فولاد ایک تولہ، چینی 1/2 2 سیر، شہد 1/2 سیر۔

ترکیب تیاری : تمام ادویات کو باریک پیس کر چینی اور شہد کا قوام بنائیں اور ادویات ملالیں۔ بس اطریفل تیار ہے۔ اگر اسے کم از کم ایک ماہ زمین میں دفن کر دیا جائے تو اس کے اثرات کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔

مقدار خوراک : 6 ماشہ سے 9 ماشہ تک دِن میں تین بار ہمراہ پانی یا قہوہ۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی ہیں، عضلات کو کیمیاوی طور پر تحریک دیتا ہے۔ جب قلب وعضلات رطوبت (بلغم) کی کثرت سے پھول جاتے ہیں تو اس کے استعمال سے ان میں نچوڑ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ آئندہ کے لئے بلغم کی پیدائش بند ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ مرکب بلغم وعصبی امراض کے لئے خاص چیز ہے، درد سر خواہ کتنا ہی پرانا ہو اس کے کھانے سے فوراً آرام آ جاتا ہے۔ دماغ کو فضلات سے صاف کرنے میں اس سے بہتر کوئی دوا نہیں ہے۔ بے حد مقوی قلب ہے۔ نزلہ زکام، دمہ بلغمی، جریان منی، سیلان الرحم اور قبض وغیرہ کے لئے بے حد مفید ہے، ہر اعصابی علامت میں تریاقی اثرات رکھتا ہے۔ سیلان الرحم کی وجہ سے حمل نہ ہونے کی صورت میں معین حمل ہے۔

صابرین (غدی عضلاتی مقوی)

ھوالشافی : رائی 10 تولہ، زعفران ایک تولہ، شنگرف رومی ایک تولہ، کشتہ طلاء 3 ماشہ۔

ترکیب تیاری : باریک پیس کر حب نخودی تیار کرلیں۔

مقدار خوراک : ایک تا دو گولی دِن میں چار بار ہمراہ پانی یا چائے۔ دودھ بھی پی سکتے ہیں۔

افعال و اثرات : غدی عضلاتی مقوی ہیں۔ بے حد حرارت غریزی پیدا کرتی ہے۔ کھاتے ہی جسم طاقت محسوس کرنے لگتا ہے بھوک نہ لگنا، سنگرہنی، بدہضمی کے دست اور تبخیر معدہ کے لئے بے حد مفید ہے۔ اگر قبض ہو تو غدی عضلاتی مسہل ساتھ دیا جائے۔

حب بواسیر

ھوالشافی : پارہ ایک تولہ، گندھک آملہ سار 8 تولہ، چھلکا ریٹھہ 4 تولہ، سالٹ (میگنیشیا) 8 تولہ، شیر عشر ایک تولہ۔

ترکیب تیاری : پہلے پارہ اور گندھک کی کجلی تیار کریں۔ پھر باقی ادویات باریک پیس کر کجلی میں ملالیں۔ باریک کر کے نخودی گولیاں بنالیں۔

مقدار خوراک : ایک سے دو گولی تک دن میں چار بار ہمراہ پانی یا دودھ۔

افعال و اثرات : اعصابی غدی ہیں، خونی بواسیر کے لئے اعلیٰ درجہ کی دوا ہے۔ پہلی خوراک سے ہی خون بند ہو جاتا ہے بلکہ جسم کے کسی حصہ سے بھی خون آ رہا ہو اس کے کھاتے ہی بند ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کی مصفی خون ہے، پھوڑے پھنسی اور داد و چنبل کے لئے اس سے بہتر کوئی دوا نہیں ہے۔ اس کو اندرونی اور بیرونی طور پر استعمال کرا سکتے ہیں۔

اپریشن مرہم

ھوالشافی : جمال گوٹہ 5 تولہ، صابن سن لائٹ سالم ٹکی، سندھور 5 تولہ، کاربالک ایسڈ 3 تولہ، تیل میٹھا 10 تولہ۔

ترکیب تیاری : پہلے جمال گوٹہ کو نہایت باریک پیس لیں۔ پھر صابن کو باریک کاٹ لیں اور دوسری ادویات ملا کر مرہم تیار کریں۔

طریقہ استعمال : ایسے ہی مقام ماؤف پر لگادیں۔ کپڑا پر بھی لگایا جاسکتا ہے۔

افعال و اثرات : غدی عضلاتی محرک ہے۔ اسے ایسی جگہ استعمال کیا جاتا ہے جہاں داد چنبل، خارش، پھوڑے (گڑھ قسم کے) ناسور، بھگندر، گھمبیر، ناسور چشم وغیرہ پر استعمال کریں۔ ان شاء اللہ فوری اثر ہے۔ اس کے لگاتے ہی مدت تک نہ پکنے والا پھوڑا چند گھنٹوں میں پک جاتا ہے۔ سرطان (کینسر) قسم کے پھوڑے بھی ٹھیک ہو جاتے ہیں، مردانہ امراض میں بطور طلاء استعمال کر سکتے ہیں۔ اس کے استعمال سے کجی اور ضعف باہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔

صابر جنم گھٹی

ھوالشافی : گل سرخ 5 تولہ، گل بنفشہ 5 تولہ، املتاس 5 تولہ، سنا کی 2 تولہ، چینی ایک سیر، شہد ایک پاؤ۔

ترکیب تیاری : تمام ادویات کو ایک سیر پانی میں بھگو دیں۔ صبح جوش دیں، پن چھان کر چینی یا شہد ملا کر شربت کے قوام پر لے آئیں۔

مقدار خوراک : 2 ماشہ سے 9 ماشہ تک دن میں چار بار۔

افعال و اثرات : اعصابی غدی ہے۔ بچوں کے اکثر امراض میں بے حد مفید ہے۔ قبض، اپھارہ، نزلہ زکام، کھانسی، بدہضمی، دق اطفال اور بھوک نہ لگنا وغیرہ علامات میں بے حد مفید ہے۔

سفید موتیا

ھوالشافی : انزروت 2 تولہ، سرمہ سیاہ 2 تولہ، نیلا تھوتھا ایک تولہ۔

ترکیب تیاری : نہایت باریک پیس کر سرمہ کی طرح بنالیں۔

مقدار خوراک: سلائی سے آنکھوں میں لگائیں۔

افعال و اثرات: عضلاتی غدی ہے۔آنکھوں کی تمام اعصابی علامات کے لئے بے حد مفید ہے۔آنکھوں سے پانی بہنا، سفید موتیا کی وجہ سے نظر کی کمزوری کے لئے اعلیٰ درجہ کی دوا ہے، آہستہ آہستہ موتیا صاف ہوجاتا ہے۔

سرمہ برائے ضعف بصر

ھوالشافی: پارہ ایک تولہ، کشتہ تانبہ ایک تولہ، جست ایک تولہ، آب لیموں 1/2 1 پاؤ۔

ترکیب تیاری: تمام چیزوں کو ملا کر چینی کے پیالہ میں ڈال کر دھوپ میں رکھیں۔ جب پانی خشک ہوجائے تو باریک پیس کر سرمہ بنا لیں۔اس مرکب کا ایک تولہ اور سرمہ سفید ایک تولہ ملا کر سرمہ بنالیں بس تیار ہے۔

افعال و اثرات: عضلاتی غدی ہے۔آنکھوں کی اعصابی علامات میں فوری اثر ہے۔موتیا بند کو بہت جلد صاف کرتی ہے۔نظر کی کمزوری کے لئے بے حد مفید ہے۔اس کے چندروز استعمال سے نظر تیز ہوجاتی ہے۔متواتر استعمال سے اندھے مریض بھی ٹھیک ہوجاتے ہیں۔نزول الماء تو چند دن کے استعمال سے بالکل ٹھیک ہوجاتا ہے۔

نوٹ: اس دوا کو ماہر نظریہ مفرد اعضاء اندرونی طور پر بھی استعمال کر کے معجزانہ اثرات حاصل کر سکتے ہیں۔ جریان اور سیلان وغیرہ چند خوراکوں سے بند ہوجاتا ہے، بے حد مقوی باہ اور ممسک ہے۔

معین حمل

ھوالشافی: برادہ دندان فیل ایک تولہ، ریش برگد ایک تولہ، تخم شولنگی ایک تولہ۔

ترکیب تیاری: باریک پیس کر سفوف بنالیں۔

مقدار خوراک: ایک ماشہ سے ڈیڑھ ماشہ تک دن میں چار بار۔

افعال و اثرات: عضلاتی اعصابی ہے۔جن عورتوں کو رطوبات کی کثرت کی وجہ سے حمل نہیں ہوتا ان کے لئے بے حد مفید ہے۔اگر اس کے ساتھ رحم میں کوئی خشکہ رکھا جائے تو کبھی ناکامی نہیں ہوتی۔کم از کم دو ہفتے استعمال کرائیں۔ ماہواری شروع ہوتے ہی کھلانا شروع کریں اور ماہواری کے ایک ہفتہ بعد بھی کھلاتے رہیں۔ان شاء اللہ نتائج حسب منشا نکلتے ہیں۔اگر اس کے ساتھ عضلاتی اعصابی شافہ بھی استعمال کیا جائے تو فوری اثر ہے۔

دوائے پاگل پن

ھوالشافی: چھوٹی چندن 2 تولہ، صندل سفید ایک تولہ، کشنیز خشک ایک تولہ، مرچ سیاہ ایک تولہ۔

ترکیب تیاری: باریک پیس کر سفوف تیار کریں۔

مقدار خوراک: 4 رتی تا ایک ماشہ دن میں چار بار ہمراہ پانی۔

افعال و اثرات: اعصابی عضلاتی ہے۔خون کے دباؤ سے جو پاگل پن ہوتا ہے، اس کے لئے بے حد مفید ہے۔اگر قبض ہو تو اعصابی

غدی یا اعصابی عضلاتی مسہل ضرور دیں۔ بلڈ پریشر اور چھپاکی کے لئے فوری اثر ہے۔ نیند نہ آنا پریشان کرنے والے خواب آنے کے لئے بے حد مفید ہے۔

عضلاتی غدی دردریح

ھوالشافی : اسگندھ ایک تولہ، سرنجاں شیریں ایک تولہ، ریوند عصارہ ایک تولہ، نوشادر ایک تولہ، سقمونیا ایک تولہ۔

ترکیب تیاری : سب کو باریک پیس کر سفوف تیار کریں۔

مقدار خوراک : 4 رتی تا ایک ماشہ دن میں چار بار ہمراہ پانی۔

افعال و اثرات : اعصابی غدی ہے۔ یعنی اعصاب میں تحریک غدد میں تحلیل اور عضلات میں تسکین پیدا کرتی ہے۔ نقرس اور عرق النساء کے لئے بے حد مفید ہے۔ چند خوراکوں سے ہی تیزابی مادہ خارج ہو کر درد کو آرام آ جاتا ہے بلکہ ترشی سے جو امراض و علامات پیدا ہوتی ہیں وہ بھی رفع ہو جاتی ہیں جن میں نزلہ، خشک کھانسی، خشک دمہ، استسقاء ہر قسم میں تریاقی اثرات رکھتی ہے۔ ایک بے ضرر اعصابی مسہل ہے۔

عضلاتی اعصابی اکسیر

ھو الشافی : کشتہ فولاد بیس تولہ، بھلانوہ دو تولہ، سم الفار چھ ماشے۔

ترکیب تیاری : باریک پیس کر نخودی گولیاں بنائیں۔

مقدار خوراک : ایک تا 2 گولی ہمراہ پانی۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی ہے یعنی عضلات میں تحریک، غدد میں تسکین اور اعصاب میں تحلیل پیدا کرتی ہے۔ ہر قسم کی اعصابی علامات کو ختم کرنے کے لئے فوری اثر ہے۔ ان اعصابی امراض و علامات میں بے حد مفید ہے۔ مثلاً زکام، ریشہ، دمہ بلغمی، سلسل بول، سیلان الرحم، جریان، ضعف باہ، چھینکیں آنا۔ جسم سے معمول سے زیادہ رطوبات کے اخراج کے لئے بے حد مفید ہے۔ کمی خون ہر اعصابی علامت میں فوری اثر ہے۔

برائے درد اُل

ھو الشافی : نیلا تھوتھا ایک تولہ، نوشادر ٹھیکری ایک تولہ، جمال گوٹہ ایک تولہ، گندھک آملہ سار ایک تولہ۔

ترکیب تیاری : سب ادویات کا باریک سفوف تیار کریں۔

طریقہ استعمال : درد والی کنپٹی پر بلیڈ سے پچھنے لگائیں، جن سے دوا جلد از جلد جذب ہو سکے۔

افعال و اثرات : غدی عضلاتی محرک ہے۔ درد اُل چونکہ خطرناک درد ہے جو سر کے کسی جانب ہو سکتا ہے۔ یہ درد اتنا شدید ہوتا ہے کہ مریض مارے درد کے بے چین ہو جاتا ہے۔ درد کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آنکھ کا ڈیلا باہر نکل رہا ہے۔ آنکھ میں شدت درد کی وجہ سے کثرت سے پانی بہتا ہے۔ جس سے اکثر آنکھ کی روشنی ختم ہو جاتی ہے۔ مریض نابینا ہو جاتا ہے، سب سے افسوسناک بات یہ ہے کہ اگر

درد سے ضائع شدہ آنکھ کا اپریشن بھی نہیں ہوسکتا۔ خداوند کریم نے اس دوا کو وہ طاقت بخشی ہے کہ اس کے لگاتے ہی درد فوراً غائب ہو جاتا ہے۔ روتا ہوا مریض ہنسی خوشی گھر چلا جاتا ہے۔ اس طرح آنکھ ضائع ہونے سے بچ جاتی ہے۔ یہ دوا پرانے دردسر، نزول الماء، دردائل، دردعصابہ، دردشقیقہ وغیرہ میں بے حد مفید ہے۔

دردسر

ھو الشافی : ان بجھا چونا ایک ماشہ، شہد ایک ماشہ۔

ترکیب تیاری : چونا باریک پیس کر شہد میں ملا دیں بس تیار ہے۔

طریقہ استعمال : اس کے لئے پچھنے لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف درد والی کنپٹی پر ٹیڈی پیسہ (آج کل کے ایک روپیہ) جتنی جگہ پر لگا دیں۔ لگاتے ہی درد غائب ہو جاتا ہے۔ دردسر، دردال، نزول الماء، عصابہ اور شقیقہ وغیرہ میں فوری اثر ہے۔ افعال و اثرات مندرجہ بالا ہیں۔

نوٹ : وقتی طور پر تیار کی جاتی ہے۔ اگر اس کو تیار کر کے رکھا جائے تو اثر ختم ہو جاتا ہے اور مرکب پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔

سیلان روک

ھو الشافی : کاٹھی سپاری ایک تولہ، اقاقیہ ایک تولہ (اگر تازہ کیکر سے حاصل کریں تو بہتر ہے)، کمرکس ایک تولہ، مازو ایک تولہ، گل نار ایک تولہ، پھٹکڑی بریاں ایک تولہ۔

ترکیب تیاری : سب ادویات کو باریک پیس لیں بس تیار ہے۔

مقدار خوراک : 4 رتی تا ایک ماشہ۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی (خشک سرد) ہے اس لئے اندرونی و بیرونی رطوبات کو خشک کرنے کے لئے اعلیٰ درجہ کی دوا ہے۔ رطوبتی امراض جریان اور سیلان الرحم (لیکوریا) کے لئے خصوصیت سے مفید ہے۔ سیلان الرحم والی عورت اگر اس دواء کو 2 ماشہ کی پوٹلی بنا کر اندام نہانی میں رکھے تو چند دنوں میں سیلان کو روک دیتی ہے۔ اس طرح بوڑھی عورت کی جسمانی حالت مثل باکرہ یعنی کنواری لڑکی کی طرح ہو جاتی ہے۔ یہ دوا ایسی عورتوں کے لئے معین حمل ہے جنہیں سیلان کی کثرت ہو۔

حب دق الاطفال

ھو الشافی : کشتہ صدف مروارید ایک تولہ، زہر مہرہ خطائی ایک تولہ، نارجیل دریائی ایک تولہ، طباشیر اعلیٰ ایک تولہ، دانہ الائچی خورد ایک تولہ، پوست ہلیلہ زرد ایک تولہ، سفوف کلیجی بکرا 6 تولہ۔

ترکیب تیاری : سوائے سفوف کلیجی کے باقی تمام ادویات کو نہایت باریک پیس کر حب نخودی بنا لیں۔

سفوف کلیجی بنانے کا طریقہ : تازہ کلیجی لے کر چاقو سے باریک ٹکڑے کاٹ لیں۔ پھر توے پر رکھ کر نیچے ہلکی آگ جلائیں۔ آگ تیز نہ ہو۔ تھوڑی دیر میں کلیجی کا پانی خشک ہو جائے گا۔ آگ سے اُتار کر ٹھنڈا ہونے پر باریک پیس لیں اور نسخہ میں شامل کر لیں۔

مقدار خوراک: ایک گولی تا 2 گولی دِن میں چار بار ہمراہ عرق چہار۔

افعال و اثرات: عضلاتی اعصابی ہے۔ بچوں کے ہرے پیلے دست، قے، دق الاطفال (سوکڑا)، ام الصبیان جو بچے سوکھ کر کانٹا ہو چکے ہوں اس کے استعمال سے چند دِن میں ہی خوب موٹے تازے ہو جاتے ہیں۔ بچوں کے علاوہ جوان اور بوڑھے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ اعصابی تحریک کی تمام علامات کے لئے اعلیٰ درجہ کی دوا ہے۔ بچوں کو کسی مناسب عرق میں حل کر کے استعمال کرائیں۔

حب خاص مقوی

ھو الشافی: ہلیلہ سیاہ بریاں 9 تولہ، کچلہ سفوف ایک تولہ۔

ترکیب تیاری: دونوں ادویات کو باریک پیس کر نخودی گولیاں بنالیں۔

مقدار خوراک: ایک گولی تا 2 گولی دِن میں چار بار ہمراہ پانی یا قہوہ۔

افعال و اثرات: عضلاتی اعصابی ہے۔ اعصابی تحریک کی تمام رطوبات کو فوراً بند کر دیتی ہے۔ اس لئے سلسل بول، ذیابیطس، جریان منی، سیلان الرحم میں بے حد مفید ہے۔ اعصابی تحریک سے دِل ڈوبنے کے لئے فوری اثر ہے۔ اعلیٰ درجہ کی مقوی قلب ہے۔ چند دِن میں کی خون دور ہو کر چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔

مفرح شاہی

ھو الشافی: مربہ آملہ 10 تولہ، مربہ سیب 5 تولہ، کشنیز خشک 2 تولہ، الائچی خورد 2 تولہ، صندل سفید 2 تولہ، گل سرخ 2 تولہ، زرشک شیریں 5 تولہ، چینی یا شہد سہ چند وزن ادویہ۔

ترکیب تیاری: مربہ کی گٹھلی نکال دیں۔ باقی تمام ادویہ کو باریک پیس کر چینی یا شہد کے شیرہ میں ملادیں۔ بس تیار ہے۔

مقدار خوراک: 6 ماشہ تا 9 ماشہ ہمراہ پانی۔

افعال و اثرات: اعصابی غدی ہے۔ جب غدی تحریک سے ضعف قلب کی شکایت ہو تو اس کے لئے آب حیات ثابت ہوتی ہے۔ کھاتے ہی صفراء کو بلغم میں تبدیل کرتی ہے۔ خشکی سے نیند نہ آنا، ضعف قلب، گھبراہٹ اور بے چینی وغیرہ عوارضات کے لئے بے حد مفید ہے۔ کھاتے ہی اثر شروع ہو جاتا ہے۔ تبخیر معدہ، خفقان قلب اور مالیخولیا کے لئے اعلیٰ درجہ کی دوا ہے۔

غدی طلاء

ھو الشافی: مغز جمال گوٹہ ایک تولہ، ست اجوائن 6 ماشہ، ویزلین 20 تولہ۔

ترکیب تیاری: پہلے مغز جمال گوٹہ کو اتنا رگڑیں کہ تیل کی طرح ہو جائے۔ پھر ست اجوائن ڈال کر رگڑیں جب دونوں حل ہو جائیں تو ویزلین ملا کر خوب کھرل کریں تاکہ تمام دوائیں اچھی طرح حل ہو جائیں بس تیار ہے۔

طریقہ استعمال: مقام ماؤف پر ہلکی ہلکی مالش کریں۔

افعال و اثرات: غدی عضلاتی ہے۔ اس کے استعمال سے کجی، احتلام، جلق، اغلام بازی، شہوت کا بالکل پیدا نہ ہونا یا ہو کر فوراً ختم ہو

جانا، عضوی سکیڑ میں بے حد مفید ہے۔ اس کے علاوہ تمام دردوں، عضلاتی تحریک کی دردوں کے علاوہ داد، چنبل، خارش، پھوڑے، پھنسی، پرانے زخم وغیرہ اس سے فوراً دور ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

معجون مقوی

ھو الشافی : قرنفل 2 تولہ، جائفل 2 تولہ، دارچینی 2 تولہ، جلوتری ایک تولہ، رائی 2 تولہ، زعفران 6 ماشے، خولنجاں 2 تولہ، زنجبیل 5 تولہ، چینی یا شہد سہ چند۔

ترکیب تیاری : سب ادویات کو باریک کر کے چینی یا شہد کے قوام میں ملا دیں، بس تیار ہے۔

مقدار خوراک : 6 ماشہ تا 9 ماشہ دن میں چار بار ہمراہ پانی یا قہوہ دیں۔

مزاج : خشک گرم (عضلاتی غدی) ہے۔

افعال و اثرات : عضلاتی غدی مقوی ہے۔ اعصابی تحریک کی تمام علامات مثلاً سلسل بول، ذیابیطس، نزلہ زکام، بلغمی کھانسی، دمہ، نمونیا، اعصابی درد سر مزمن، درد معدہ و امعاء، سنگرہنی، پرانے دست، تبخیر معدہ، جسم کا اکثر سرد رہنا، ضعف باہ، جریان منی، عورتوں کے سیلان الرحم، عضلات میں بوجہ تسکین سستی، دماغ میں غنودگی کے لئے بے حد مفید ہے۔ قے اور متلی وغیرہ علامات میں فوری اثر ہے۔ صرف ایک خوراک ہی مریض کے لئے باعث تقویت ثابت ہوگی۔

ورم رحم

ھو الشافی : ہلدی ایک تولہ، ملٹھی ایک تولہ، بادیاں ایک تولہ، ریوند خطائی 3 تولہ۔

ترکیب تیاری : تمام ادویات کا نہایت باریک سفوف تیار کریں۔

مقدار خوراک : ایک ماشہ تا 1/2-1 ماشہ دن میں چار بار ہمراہ پانی۔

مزاج : غدی اعصابی (گرم تر) ہے۔

افعال و اثرات : غدی اعصابی ہے۔ پرانی پیچش، ورم رحم خواہ نیا ہو یا پرانا، پیٹ میں ریاح، درد، بے چینی، کھٹی ڈکاریں، بار بار پاخانہ کی حاجت، رحم کا ٹل جانا یا ورم رحم کی وجہ سے حمل کا نہ ہونا کے لئے اعلیٰ درجہ کی دوا ہے۔

شافہ برائے ورم رحم

ھو الشافی : ہلدی ایک تولہ، ریوند خطائی ایک تولہ، گھی دیسی ایک تولہ۔

ترکیب تیاری : ہلدی اور ریوند خطائی کو باریک کر کے گھی میں ملا لیں۔

طریقہ استعمال : نیم گرم روئی کے پھاہے سے اندام نہانی میں رکھیں۔

مزاج : تر گرم (اعصابی غدی)۔

افعال و اثرات : میں اعصابی غدی ہے۔ ورم رحم، درد رحم، خشکی رحم (جس کی وجہ سے حمل نہ ہوتا ہو) کے لئے بے حد مفید ہے۔ خارش

رحم میں فوراً تسکین دیتا ہے۔ اندام نہانی کی سوزش، بواسیر، کثرت طمث میں بھروسہ کی دوا ہے، متواتر استعمال سے غدی تحریک کی وجہ سے رحم کی تکالیف ختم ہوجاتی ہیں۔ اس لئے معین حمل ہے۔

شافہ معین حمل (عضلاتی اعصابی)

هو الشافی : پھٹکڑی بریاں ایک تولہ، عصارہ کیکر 2 تولہ (جو کیکر کے درخت میں سے سیاہ رنگ کا مادہ نکلتا ہے)۔

ترکیب تیاری : دونوں کو باریک پیس کر محفوظ کرلیں۔

طریقۂ استعمال : ماہواری سے فارغ ہوکر ململ کی پوٹلی بنا کر اندام نہانی میں رکھوائیں۔ تین دن استعمال کرنے کے بعد ہم بستری کریں۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی ہے۔ سیلان الرحم، ضعف رحم، رحم کا ٹل جانا وغیرہ اعصابی علامات میں اکسیر ہے۔ فوری اثر ہے۔ پہلے دن ہی اندام نہانی میں ایسا سکیڑ پیدا کرتا ہے کہ بوڑھی عورت کو باکرہ کی طرح کر دیتا ہے۔ اگر اعصابی تحریک کی رطوبات کی وجہ سے حمل نہ ہوتا ہو تو اس کے چند دن کے استعمال سے ان شاء اللہ حمل ہوجاتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کا معین حمل ہے۔

نوٹ : ان عورتوں کے لئے زیادہ مفید ہے جن کی تحریک اعصابی ہے۔

غدی اعصابی ہاضم

هو الشافی : زیرہ سفید ایک تولہ، برگ سداب ایک تولہ، سنڈھ ایک تولہ، مرچ سیاہ 6 ماشہ، نوشادر ٹھیکری ایک تولہ، پودینہ ایک تولہ، سوڈا میٹھا 2 تولہ، نمک 3 تولہ، ست پودینہ 1/2-1 ماشہ۔

ترکیب تیاری : سب ادویات کا باریک سفوف بنالیں۔ بس تیار ہے۔

مقدار خوراک : 4 رتی تا ایک ماشہ دن میں چار بار ہمراہ پانی۔

افعال و اثرات : غدی اعصابی ہے۔ صفراء کو پیدا کر کے اس کا اخراج بھی کرتا ہے۔ تبخیر معدہ، ریاح، ترش ڈکاریں، بدہضمی، دائمی قبض، درد پیٹ، ہوا کا گولا، بھوک نہ لگنا، خارش، بدہضمی کے دست، احتلام مزمن، پرانی پیچش جگر و معدہ کے لئے آب حیات ہے۔ چند دن میں تمام عضلات ٹھیک ہوکر صحت بحال ہوجاتی ہے۔ کھایا پیا فوراً ہضم ہوجاتا ہے، عضلاتی تحریک کی تمام علامات کے لئے بے حد مفید ہے۔

کھانسی شربت

هو الشافی : ملٹھی 10 تولہ، عناب 10 تولہ، کاکڑا سنگی 10 تولہ، خولنجاں 10 تولہ، کلونجی 10 تولہ، خوب کلاں 10 تولہ، پوست خشخاش 15 تولہ، چینی 6 سیر۔

ترکیب تیاری : چینی کے علاوہ تمام ادویہ کو اتنے پانی میں بھگودیں کہ پانی میں ڈوب جائیں۔ 12 گھنٹے کے بعد دو تین جوش دے کر چھان لیں۔ پھر پانی میں چینی ملا کر شربت کا قوام تیار کرلیں، بس کھانسی بند شربت تیار ہے۔

مقدار خوراک : چائے کا ایک چمچہ دن میں تین بار۔

افعال و اثرات : عضلاتی اعصابی ہے۔ زکام، سوزشی کھانسی جس میں سفید لیس دار ریشہ نکلتا ہو اور خسرہ، چیچک، تورکی اور مبارکی وغیرہ کی کھانسی میں بے حد مفید ہے۔ دستوں کو بھی بند کرتا ہے۔ بلغم کو گاڑھا کر کے خارج کرتا ہے، نیندآور ہے۔

نوٹ : ان تمام دواؤں کا عرق کشید کر سکتے ہیں۔ عرق کا وزن 8 بوتل تک ہو۔ عرق ایک بوتل میں ایک سیر چینی ملا کر شربت بنائیں۔

حب ڈبہ اطفال

ھو الشافی : مغز جمال گوٹہ 6 ماشہ، رائی 4 تولہ، نیلا تھوتھا 3 ماشہ۔

ترکیب تیاری : سب ادویات کو باریک کر کے دانہ مونگ کے برابر گولیاں بنائیں۔

مقدار خوراک : ایک گولی تا 2 گولی گرم پانی میں حل کر کے پلائیں۔ پلاتے ہی قے آجائے گی۔ اگر قے نہ آئے تو جلاب آجائے گا۔

افعال و اثرات : غدی عضلاتی ہیں۔ بچوں کے ڈبہ یعنی نمونیہ کے لئے بہترین چیز ہے، پہلی ہی خوراک سے بچہ تندرست ہو جاتا ہے۔ اسے گرم پانی میں پلاتے ہی قے آ کر تمام بلغم خارج ہو جاتی ہے۔ روتا ہوا بچہ کھیلنے لگ جاتا ہے۔ اگر قے نہ آئے تو جلاب آ کر بلغم خارج ہو جاتی ہے۔ اگر قے یا جلاب نہ آئیں تو دوسری خوراک ایک گھنٹہ بعد ہمراہ قہوہ یا نیم گرم پانی دیں۔ اگر پھر بھی قے نہ آئے تو بچے کا بچنا مشکل ہوتا ہے۔ بچوں کے نمونیا میں جتنا فائدہ قے یا جلاب سے ہوتا ہے کسی دوا سے نہیں ہوتا۔

حب مفید النساء

ھو الشافی : ست ایلوا ایک تولہ، مرکی ایک تولہ، رائی ایک تولہ، زعفران 2 ماشے، کشتہ فولاد ایک تولہ، ہینگ ایک تولہ، حنظل ایک تولہ۔

ترکیب تیاری : سب ادویات کو نہایت باریک پیس کر نخودی گولیاں بنائیں۔

مقدار خوراک : ایک گولی دن میں چار بار ہمراہ پانی یا قہوہ۔ اگر پیٹ میں درد یا مروڑ ہو تو گولیاں کم کر دیں۔ قہوہ یا چائے میں گھی یا مکھن ملا کر پلائیں۔ جب درد وغیرہ ٹھیک ہو جائے تو پھر شروع کر دیں۔

مزاج : خشک گرم (عضلاتی غدی)۔

افعال و اثرات : عضلاتی غدی ہے۔ عورتوں کے امراض رحم میں مندرجہ ذیل علامات میں خصوصیت سے مفید ہے۔ کمی حیض، بے قاعدگی، عسر طمث، حیض کا تکلیف سے آنا اور اختناق الرحم میں بے حد مفید ہے۔ اس کے علاوہ قبض ضعف قلب، درد سر اعصابی، اعصابی دردیں، کمی خون، ایام ماہواری سے پہلے کمر میں درد، بانجھ پن، حمل نہ ہونا اور لیکوریا وغیرہ میں بھروسہ کی دوا ہے۔ اس کو مسلسل کم از کم دو ماہ تک استعمال کرایا جائے تو تمام تکالیف رفع ہو کر صحت بحال ہو جاتی ہے۔

نوٹ : اگر اس کے ساتھ شربت مفید النساء دیا جائے تو بہت جلد آرام آجاتا ہے۔

اعصابی طلاء

ھو الشافی : کافور ایک تولہ، کچلہ 5 تولہ، ویزلین 6 تولہ۔

ترکیب تیاری : پہلے کافور کو نہایت باریک پیس لیں، پھر کچلہ اور کافور کو خوب رگڑیں۔ جب اچھی طرح مل جائیں تو ویزلین ملا دیں۔

بس تیار ہے۔

طریقۂ استعمال: معروف طریقہ پر قضیب پر دن میں ایک بار اچھی طرح مالش کریں۔

افعال و اثرات: اعصابی ہے۔اس طلاء کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب ذکاوت حس سرعت انزال، عضلاتی کجی اور دُبلا پن پیدا ہوگیا ہو۔متواتر کئی دِن تک استعمال کریں۔ یہ طلاء ایسے مریض کو دیا جاتا ہے جس کا قارورہ زردی مائل ہو اور جلن کے ساتھ آئے۔

عضلاتی طلاء

ھو الشافی: لونگ ایک تولہ، بیر بہوٹی ایک تولہ، نیلا تھوتھا 9 ماشے، روغن سم الفار 6 ماشے، ویزلین 20 تولہ۔

ترکیب تیاری: پہلے لونگ، نیلا تھوتھا اور بیر بہوٹی کو ملا کر سرمہ کی طرح نہایت باریک رگڑ لیں۔ پھر روغن سم الفار اور ویزلین ملا کر کم از کم چار گھنٹے خوب رگڑائی کرائیں۔بس طلاء تیار ہے۔

طریقۂ استعمال: معروف طریقہ پر عضو مخصوص پر مالش کریں۔

افعال و اثرات: عضلاتی غدی ہے۔عضلات میں تحریک اور تقویت پیدا کرنے کے لئے بے حد مفید ہے۔شہوت کی کمی کو دور کرتا ہے۔لگاتے ہی انتشار پیدا ہوجاتا ہے۔جریان، ضعف باہ اور نامردی میں کامیاب دوا ہے۔

روغن سم الفار بنانے کی ترکیب

حسب ضرورت سنکھیا لیں اتنا ہی میٹھا سوڈا ملا کر اتنے پانی میں ڈال کر پکائیں کہ ڈوب جائے۔ جونہی پانی خشک ہوگا سنکھیا تیل میں تبدیل ہوجائے گا۔

تعارف

چودھویں صدری کے بعد علمی وتحقیقی جمود کو توڑنے والی عظیم شخصیت حضرت دوست محمد صابر ملتانیؒ کی ہے جنہوں نے نہ صرف تجدید فن طب میں ایک نیا نظام ایجاد کیا بلکہ انسان سے متعلقہ اور وابستہ تمام امور جو نظام کائنات سے ذرّہ زمان تک اور زرّہ مکان سے نظام آفاق تک کےحقائق کو انتہائی آسان انداز میں دریافت کرتے ہیں۔ علم حکمت وفنِ طب صدیوں سے اپنی تجدید وارتقاء اور کمال کے لیئے کسی مسیحا وقت کا شدت سے منتظر تھا۔ یورپ اور روس میں طب قدیم پر مظالم علمی وعملی طور جا بجا تھے جس کی وجہ سے طب قدیم اپنی بربادی اور تباہی پر نوحہ کناں تھی۔ چودھویں صدی کے بعد عالم عرب سے لے کر برصغیر تک اور یورپ سے روس اور برطانوی راج تک جو علمی تحقیقات ہمیں ملتی ہیں ان میں یہ واضع ہے کہ ان ضمیر فروش تاجروں اور تنگ نظر سائنسدانوں نے علم طب کے مبادیات اور قوانین وکلیات کو اپنے حرص وہوس کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ حکماء واطباء اسلاف کی صدیوں کی محنت شاقہ سے کی جانے والی تحقیقات اور فطری مسلمہ حقائق کو مٹی میں رولا جا رہا تھا۔ جب اطباء وحکماء فرنگی طب سے مرعوب ہوتے جا رہے تھے اور فن طب کے نظریات اور تحقیقات کی فرنگی طب کے مطابق کرنے کے درپے تھے اور ایسا کرنے کو وہ فرنگی حصار میں بندھے حکماء واطباء تجدید طب واحیائے فن کا نام دے رہے تھے اور ان کی یہ خود غرضی فن طب کو انتہائی نقصان پہنچا رہی تھی یوں کہیے کہ جب فن طب کا بس جنازہ اٹھنے والا تھا تو ان حالات میں فن طب میں تجدید واحیائے فن وقت کی اہم ضرورت بن چکی تھی۔ اس وقت اللہ نے حضرت دوست محمد صابر ملتانیؒ جیسے مرد جلیل کو فن طب اور احیائے علم کا مسیحا بنا کر پیدا کیا۔ جو حکیم انقلابؒ کے لقب سے مشہور ومعروف تھے۔ قادر مطلب نے فن طب پر تجدید اور اس کے احیائے کے لیے حکیم انقلابؒ کو کمال وعروج فن عطا کیا۔ جس پر حکیم انقلابؒ نے علوم وفنون وحکمت کی تجدید اور احیاء کی بنیاد قوانین فطرت کے عین مطابق رکھی اور حکیم انقلابؒ نے اس اصول کو ایک قانون کی صورت میں طبی دنیا میں پیش کیا۔

یہ نظریہ قانون فطرت کا ایک ایسا اصول ہے جو مادہ (Matter) اور جوہر (Essence) سے اخذ کیا گیا ہے۔ یعنی مادہ دراصل جوہر سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس طرح جوہر اور مادہ اپنے افعال واثرات کی حیثیت میں ایک ہی خواص وفوائد رکھتے ہیں۔ جیسے جوہر سے مادہ اور پھر مادہ کی مختلف صورتیں وکیفیات اور ان صورتوں وکیفیات سے ارکان کا وجود پھر ارکان سے اخلاط، پھر اخلاط سے اجسام کثیفہ ولطیفہ کی ترتیب اور پھر مفرد اعضاء کا بننا بنیادی حقیقت ہے۔ یعنی جب جوہر کوئی جسم اختیار کر لیتا ہے تو مادہ بن جاتا ہے اور جب مادہ کی تخصیص ہوتی ہے تو وہ ارکان بن جاتا ہے۔ جب ارکان محلول ہوتے ہیں تو اخلاط پیدا ہوتے ہیں اور جب اخلاط مجسم ہوتے ہیں تو مفرد اعضاء بن جاتے ہیں۔ انہی مفرد اعضاء پر حکیم انقلابؒ نے علم وفن طب کی بنیاد رکھی۔ ان میں خاص ترتیب، توازن، فعل وانفعال اور منظم ہم آہنگی اعتدال کی صورت ہو تو حالات جسم صحت کی حالت میں اور درست کام کرتے ہیں اور جب اعتدال نہ رہے تو مرض کی پیدائش ہوتی ہے۔ یہی قانون مفرد اعضاء (Simple Organopathy) تجدید طب واحیائے فن کا دور رواں ہے اور جدید طبی دنیا کے لئے ایک چیلنج بھی ہے۔

قانون مفرد اعضاء ایک فطری سائنسی ہے جو جدید میڈیکل سائنس سے کئی سو سال آگے ہے اور اس کے جوازات اور دلائل بھی دیتی ہے۔ حضرت دوست محمد صابر ملتانیؒ نے جو تحقیقات چالیس سال کی عرق ریزی سے کی اور انتہائی ایمانداری سے عوام الناس کے سامنے پیش کیں اسکی مثال ہمیں اپنے خطے میں کم ہی ملتی ہے۔ کلیاتِ تحقیقات صابر ملتانیؒ دن رات کی اسی انتھک محنت اور خون جگر سے لکھے گئے نظریات وتحقیقات کا ہی ذخیرہ ہے۔
کلیاتِ تحقیقات صابر ملتانیؒ میں حکیم دوست محمد صابر ملتانیؒ کی تمام طبع شدہ کاوشوں کو یکجا کر کے نہایت خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ادارہ مطبوعات سلیمانی یہ کوشش بلاشبہ قابل صد تحسین ہے۔

حکیم محمد ثناء اللہ حلاج

رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور • فون: 042-37232788
042-37361408 E-mail: idarasulemani@yahoo.com
www.sulemani.com.pk